جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ ۔ یکم جنوری ۱۹۷۵ء | نمبر ۱

میری شناخت کے لئے خدا تعالیٰ سے رہنمائی طلب کرو

یہ بھی بطور تبلیغ لکھتا ہوں کہ حق کے طالب جو مواخذہ الٰہی سے ڈرتے ہیں وہ بلا تحقیق اس زمانہ کے مولویوں کے پیچھے نہ چلیں اور آخری زمانہ کے مولویوں سے جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے۔ ویسا ہی ڈرتے رہیں اور ان کے فتووں کو دیکھ کر حیران نہ ہو جائیں کیونکہ یہ فتوے کوئی نئی بات نہیں اور اگر اس عاجز پر شک ہو اور وہ دعویٰ جو اس عاجز نے کیا ہے اس کی صحت کی نسبت دل میں شبہ ہو تو میں ایک آسان صورت رفع شک کی بتلاتا ہوں جس سے ایک طالب صادق انشاء اللہ مطمئن ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اوّل توبہ نصوح کرکے رات کے وقت دو رکعت نماز پڑھیں جس کی پہلی رکعت میں سورۃ یٰسین اور دوسری رکعت میں اکیس مرتبہ سورۃ اخلاص ہو اور پھر بعد اس کے تین سو مرتبہ درود شریف اور تین سو مرتبہ استغفار پڑھ کر خدا تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ اے قادر کریم تو پوشیدہ حالات کو جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے اور مقبول اور مردود اور مفتری اور صادق تیری نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ پس ہم عاجزی سے تیری جناب میں التجا کرتے ہیں کہ اس شخص کا تیرے نزدیک کہ جو مسیح موعودؑ اور مہدی اور مجدد الوقت ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیا حال ہے۔ کیا صادق ہے یا کاذب اور مقبول ہے یا مردود۔ اپنے فضل سے یہ حال رؤیا یا کشف یا الہام سے ہم پر ظاہر فرما تا کہ اگر مردود ہے تو اس کے قبول کرنے سے ہم گمراہ نہ ہوں۔ اور اگر مقبول ہے اور تیری طرف سے ہے تو اس کے انکار سے اور اس کی اہانت سے ہم ہلاک نہ ہو جائیں، ہمیں ہر ایک قسم کے فتنہ سے بچا کہ ہر ایک قوت تجھ کو ہی ہے۔ آمین یہ استخارہ کم سے کم دو ہفتے کریں لیکن اپنے نفس سے خالی ہو کر۔ کیونکہ جو شخص پہلے ہی بغض سے بھرا ہوا ہے اور بدظنی اس پر غالب آ گئی ہے اگر وہ خواب میں اس شخص کا حال دریافت کرنا چاہے جس کو وہ بہت ہی برا جانتا ہے تو شیطان آتا ہے اور موافق اس ظلمت کے جو اس کے دل میں ہے اور پُر ظلمت خیالات اپنی طرف سے اس کے دل میں ڈال دیتا ہے پس اس کا پچھلا حال پہلے سے بھی بدتر ہوتا ہے سو اگر تو خدا تعالیٰ سے کوئی خبر دریافت کرنا چاہے تو اپنے سینہ کو بکلی بغض اور عناد سے دھو ڈال اور اپنے تئیں بکلی خالی النفس کرکے اور دونوں پہلوؤں بغض اور محبت سے الگ ہو کر اس سے ہدایت کی روشنی مانگ کہ وہ ضرور اپنے وعدہ کے موافق اپنی طرف سے روشنی نازل کرے گا جس پر نفسانی اوہام کا کوئی دخان نہیں ہوگا۔ سو اے حق کے طالبو ان مولویوں کی باتوں سے فتنہ میں مت پڑو۔ اٹھو اور کچھ مجاہدہ کرکے اس قوی اور قدیر اور علیم اور ہادی مطلق سے مدد چاہو اور دیکھو کہ اب میں نے یہ روحانی تبلیغ بھی کر دی ہے۔ آئندہ تمہیں اختیار ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

(نشان آسمانی صفحہ ۴۰-۴۱)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ یکم جنوری ۱۹۷۵ء

ہم زندہ ہیں

الحمد للہ ـ ثمّ الحمد للہ ـ ہمارا سالانہ اجتماع حسب سابق دارالسلام، لاہور میں انعقاد پذیر ہوا ـ اور نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا ـ گو ہمارے سالانہ اجتماعات ہمیشہ ہی ہمارے ایمانی عزائم کے آئینہ دار چلے آئے ہیں۔ لیکن امسال جلسہ سالانہ جن حالات میں ہوا وہ غیر معمولی طور پر صبر، جرأت اور ایمان آزما تھے، لیکن اللہ تعالےٰ کو اپنے دینِ اسلام کی نصرت و بقا منظور ہے۔ اس لئے ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون اور ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم کے وعدوں کے مطابق اس نے اس مختصر مگر باہمت ناصرِ اسلام گروہ کی نصرت کی ـ چنانچہ یہ مٹھی بھر فرزندانِ اسلام، نہ غیر اللہ سے خائف و ترساں ہوئے نہ ان کی ہمتیں پست ہوئیں، نہ ان کے ارادوں عزائم اور قدموں میں لغزش ہوئی ـ نہ انہیں حزن و غم دبا سکا، اور غلبۂ دین اور دنیا بھر کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کی تڑپ کے زیرِ اثر یہ لوگ ـــــ پیر و جوان بچے اور بزرگ، زن و مرد ـــــ اللّٰھم لبیک لا شریک لک لبیک کہتے ہوئے اللہ تعالےٰ سے تجدیدِ عہد کے لئے دارالسلام پہنچ گئے ـ اور اس طرح اپنی زندگی کا ثبوت مہیا کر دیا

بشنوید اے مردگاں ما زندہ ایم ـ اے شبان تیرہ ما تابندہ ایم

ہم زندہ ہیں ـ ہمارا مقصد زندہ ہے ـ ہمارا قرآن زندہ ہے ـ ہمارا رسولؐ زندہ ہے اور ہمارا امام مسیح موعودؑ زندہ ہے ـ ہم مر نہیں سکتے ـ اور شیطان کی نابکار پھونکیں اس ایمانی شمع کو بجھا نہیں سکتیں جن کی روشنی میں ہم کارزارِ حیات میں باطل کے خلاف نبرد آزما ہیں ـ خدا کے نام کو دنیا میں پھیلانا، قرآن کی روشن تعلیمات اور انوار سے شش جہات کو منوّر کرنا، اور اسوۂ حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کو مشعلِ حیات بنا کر قول و فعل سے دُکھی انسانیت تک پھیلانا اور بھولی بھٹکی مخلوق کو آستانہ الٰہی پر جھکانا ہماری زندگی کا مقصدِ وحید ہے۔ اور اس مقصد کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کرنا ہمارا اپنے امام حضرت مسیح الزمان کی وساطت سے اپنے مولا کریم اور حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عہد ہے ـ جس عہد پر قائم رہ کر دنیا سے گذرنا ہماری سب سے بڑی آرزو، مقصد اور تڑپ ہے ـ

آج دنیا جمہوریت، آمریت، ملوکیت، اشتراکیت، اشتمالیت کے قیام و بقا ہی میں فلاح و نجات کی متلاشی ہے اور گذشتہ چودہ سو سال سے مسلمان کہلانے والی اقوام بھی اسی کے پیچھے دیوانہ وار دوڑی چلی آ رہی ہیں ـ حتّٰی کہ آج اُمّتِ مسلمہ اب زیادہ تر قبر پرستوں، تعزیہ پرستوں، گھوڑا پرستوں، لادینوں، اشتراکیوں، اشتمالیوں، فاسقوں فاجروں، ہوس کاروں کا مجموعہ ہے ـ جنہوں نے اسلام کے مصفّٰی اجلٰی، مطہر دین کو اپنے اعمال، افکار اور نظریات سے (الّا ما شاء اللّٰہ) وہ شکل دے رکھی ہے کہ باطل بھی اس قوم کے اطوار کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے ـ ننگ دارد کفر از اسلام شاں

باطل کی ان تاریکیوں میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور واحد تنظیم ہے جو اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اسلام اپنی صداقت اور اعلےٰ تعلیمات کے زور سے دنیا کو متحد کر سکتا ہے ـ اور نسلِ انسانی کو وہ اتحاد، اخلاق، مساوات اور احترام بخش سکتا ہے ـ جس پر عالمی وحدت، مودت، انصاف اور اعلےٰ تہذیب کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے ـ یہی وہ جماعت ہے ـ جسے پچاسی سال قبل اس زمانے کے امامؑ نے غلبۂ اسلام کے لئے قائم کیا اور اسے علم، تقوےٰ، ایثار اور قربانی کی محکم چٹان پر کھڑا کیا ـ کہ آج اتنا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود وہ ہم عصروں میں اعلےٰ اسلامی بزرگی و شرافت، نیکی و شرافت اور تبلیغ اسلام کے جذبے میں ممتاز و نمایاں ہے اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کی دینی فتوحات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے ـ یہی جماعت ہے جو راہِ خدا میں حقیقی جہاد میں مصروف ہے اور دنیا کو بتا رہی ہے کہ اسلام اپنے غلبہ کے لئے کسی شمشیر و جبر کا محتاج نہیں، ایسا جہاد اسلام میں ہمیشہ ممنوع رہا ہے اور آج بھی بند ہے ـ اسلام میں صرف آزادئ عقیدہ اور امن و انصاف کے لئے قتال کی اجازت ہے ـ اور یہ تو ممکن ہے کہ دشمن کے مقابل شمشیر کھینچنے والا ناموری، لالچ، دنیوی غلبہ کے زیرِ اثر عارضی طور پر جان کو خطرہ میں ڈال لے ـ لیکن اہلِ نظر جانتے ہیں کہ حقیقی جہاد وہ مالی اور بدنی جہاد ہے جو ایک مومن زندگی بھر مالی و جسمانی ایثار کی صورت میں کرے ـ اپنی زندگی کو رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھال لے اور اسی طرح دین کو دنیا پر مقدم کر کے خدا سے جا ملے ـ یہ درست ہے کہ اسی جماعت کو اقتدار پرست لوگ قدر و منزلت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے ـ لیکن اللہ تعالےٰ کے ہاں یہی لوگ مقربانِ بارگاہ ہیں یہی مبارک بندے عزت پاتے ہیں ـ اور جہاں ہوس پرستوں کا نام مٹ جائے گا ـ خادمانِ اسلام کا نام بقائے دنیا تک صفحاتِ تاریخ کی زینت رہے گا ـ کیونکہ جو خدا کی محبت اور اطاعت میں فنا ہو جاتے ہیں وہ زندہ جاوید ہو جاتے ہیں ـ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ـ ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ہمارا سالانہ اجتماع ثبوت ہے ہماری زندگی کا ـ اور ثبوت ہے اس یقینِ محکم کا کہ اسلام اپنی حقیقی صورت میں دنیا میں عزت و غلبہ پائے گا ـ ہمارے سالانہ اجتماع میں انگلستان، فجی، ہالینڈ اور سرینام کے مبلغین کی شرکت اور دیگر ممالک سے جماعتوں کے حوصلہ افزا پیغامات اس امر کی علامت ہیں کہ دنیا بھر میں ہمارے برادرانِ سلسلہ ایک نئے عزم، ولولے اور جوش کے ساتھ خدمت و تبلیغ دین کے لئے کمربستہ ہیں ـ اور دنیا بھر میں ہمارے پچاس ہزار سے زیادہ اراکین جماعت ہماری زندگی اور نصرتِ الٰہی کے مظہر ہیں ـ

برادرانِ سلسلہ! ہم احمدی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالی اسم مبارک احمدؐ کے مظہر اور علمبردار ـ اور بقول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس دور میں حقیقتِ محمدی کے لئے مقدر ہے کہ وہ حقیقتِ احمدی کی صورت اختیار کر لے ـ اسلام خدا کی رضا کے سامنے سر جھکا دینے سے عبارت ہے اور اپنے گرد و نواح میں دُور دراز مسلمان ممالک کے اسلام پر نگاہ دوڑائیے تو آپ کو ایک طرف یہ یقین ہو جائے گا کہ آج احمدی ہی صحیح معنوں میں پابند اسلام ہیں اور دوسری طرف یہ ذمہ داری سامنے آ جائے گی کہ نہ صرف غیر اسلامی بلکہ اسلامی دنیا کو از سرِ نو اسلام پر قائم کرنے کا فریضہ بھی ہمیں ادا کرنا ہے ـ اس لئے دنیا پر ثابت کرو کہ ہم احمدی ہیں ـ حضرت خاتم الانبیاء احمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی زندگی کے اسوۂ حسنہ کے مظہر و پیامبر اور اسلام کی وہی تصویر قبول ہوگی جس کے ہم داعی ہیں اور ہماری زندگیوں میں موجود ہے ہم اس اُمّت کے صلحاء، علمائے حق، مجددین اور اولیاء اللہ کے جانشین ہیں ـ ہمیں ان سلاطین، رؤساء، جاگیرداروں اور جلادوں سے کوئی نسبت اور واسطہ نہیں، جنہوں نے حقیقی اسلام کے علمبرداروں کو مصائب کا شکار بنایا، موت کے گھاٹ اُتارا، ذلیل و رسوا کیا، کمزور اقوام کو لوٹا، انہیں غلام بنایا ـ اپنی ریاکاریوں سے اسلام کے نام کو بٹہ لگایا ـ اور اس طرح دینِ حق کے دروازے غیر اقوام پر بند کئے ـ

حیاتِ انسانی کا ایک سال پھر گذر گیا ـ ہماری مساعی کا مزید ایک سال تاریخ کا باب بن گیا ہے ـ کیا مناسب نہ ہوگا کہ ہم خلوت میں گذشتہ سال کے کام کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ ہم نے جو کچھ کیا آیا وہ کافی ہے؟ کیا ہم اس سے زیادہ نہیں کر سکتے تھے؟ اور آیا اس ہر روز بدلتی ہوئی دنیا میں ہمارا عمل وقت کے تقاضوں کا ساتھ دے سکتا ہے اور اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ریڈیو، ٹیلیویژن، لیکچروں، رسالوں، باہمی میل جول کے غیر اسلامی اور مخالفانہ اثرات کے مقابل ہماری تبلیغی مساعی حقیر ہیں ـ تو پھر کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم مقدور بھر اپنی غلبۂ دین کی مساعی کو تیز تر کر دیں، ہم سب ـ مرد، عورت، جوان اور بزرگ ـــــ ارادہ کر لیں کہ ہم سال بھر بلا ناغہ اور تنہا اور مل کر قرآن حکیم کا تفسیری مطالعہ کریں گے ـ سیرت النبی اور کم از کم وقت کی کوئی نہ کوئی کتاب روزانہ پڑھتے رہیں گے، اپنی ذاتی، گھریلو، اور مجلسی زندگیوں

جو ہماری تعریف غور سے پڑھ جائیں گے ـ اور اس آئینہ میں اپنے کردار کا احتساب کر کے عزم محکم کے ساتھ اپنی زندگیاں [illegible]

محترم مرزا محمد لطیف صاحب مولوی فاضل شاہد

انسانیت کا معراج

(تقریر بر جلسہ سالانہ)

۱۔ قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون ۵
مومن یقیناً کامیاب ہیں جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔

۲۔ والذین ھم عن اللغو معرضون۔
اور جو لغو سے منہ پھیرنے والے ہیں۔

۳۔ والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون
اور جو پاکیزگی کے لئے کام کرنے والے ہیں۔

۴۔ والذین ھم لفروجھم حافظون۔
اور جو اپنی فروج کی حفاظت کرنے والے ہیں۔
الا علیٰ ازواجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین۔ فمن ابتغیٰ وراء ذالک فاولئک ھم العادون

۵۔ والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون ۵
اور جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔

۶۔ والذین ھم علیٰ صلوتھم یحافظون ۵ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اولئک ھم الوارثون ۵ (المؤمنون) یہی وارث ہیں۔

زندگی کی شاہراہ حوادث کے آفتاب کی تمازت سے تپ رہی ہے اور انسانیت ایک ایسے شجر سایہ دار کی جستجو میں ہے جو اسے ظاہری اور باطنی طور پر سکون کی دولت سے شاد کام کرے اگرچہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت ظاہری طور پر انسان کو بہت سی سہولتیں میسّر آگئی ہیں مگر جو چیز انسان کے لئے آرام جان اور قرار دل کا باعث ہے دنیا سے مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ میری مراد اُن اخلاق فاضلہ سے ہے جن کو اپنا کر دنیا میں محبت و اُلفت کی فضا پیدا کی جا سکتی ہے۔ میں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ دنیا میں بہت کم لوگ ہیں جو طبعی قوت اور خلق میں فرق کر سکتے ہیں۔ خَلق بفتح خاء سے مراد وہ صورت ظاہری ہے جو حضرت واہب الصور سے انسان کو عطا ہوئی جس سے وہ دوسری چیزوں سے ممیز ہوتا ہے اور خُلق بضم خاء سے مراد وہ خواص اندرونی ہیں جن سے حقیقت انسانیہ حقیقت حیوانیہ سے ممتاز ہوتی ہے۔ انہی خواص اندرونی کا برمحل استعمال اخلاق کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ اس وقت میں آپ کے سامنے اس سلسلہ میں کچھ کہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ ابھی جو آیات میں نے قرآن حکیم میں سے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ ان میں اس مضمون کو ایسے جامع رنگ میں بیان کیا گیا ہے جس سے بہتر بیان کرنا ممکن نہیں۔ میں اپنی استطاعت کے مطابق اس مضمون کا کچھ حصّہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون ۵
تحقیق وہی لوگ بامراد ہوں گے جو اپنی نمازوں میں عاجزی اختیار کرنے والے ہیں۔

افلح: فاز وظفر بما طلب: اپنے ارادہ میں کامیاب ہو گیا۔ اور مقصود کو پا لیا۔

ائمہ عرب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عربی زبان میں فلاح کے لفظ سے بڑھ کر دینی و دنیوی دونوں بھلائیوں کو شامل رکھنے والا لفظ اور کوئی نہیں۔

خلاصہ: ایسی عظیم الشان۔ قابل رشک۔ دونوں کامیابیوں پر مشتمل لوگ کیسے مومن ہوں گے۔

نیز افلح کا لفظ علامت کے طور پر آئندہ تمام امتوں سے وعدہ کے طور پر متعلق ہے۔

الذین ھم فی صلوتھم خاشعون: صلوٰۃ یعنی رجوع الی اللہ تمام اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے۔ یعنی اول مرتبہ مومن کے روحانی وجود کا خشوع رقّت اور سوز و گداز کی حالت ہے جو نماز اور یاد الٰہی میں مومن کو میسّر آتی ہے۔ یعنی گدازش۔ رقّت۔ فروتنی۔ عجز و نیاز اور روح کا انکسار۔ اور ایک تڑپ۔ قلق اور تپش اپنے اندر پیدا کرنا اور خوف کی حالت اپنے اوپر وارد کر کے خدائے عز و جل کی طرف دل کو جھکانا۔

یوں سمجھیں کہ پہلا مرتبہ وہ تخم ہے جو عبودیت کی زمین میں بویا جاتا ہے۔ اور اجمالی طور پر تمام قویٰ۔ صفات اور اعضاء تمام نقش و نگار۔ حسن و جمال خد و خال اور شمائل روحانیہ پر مشتمل ہے جو پانچویں اور چھٹے درجہ میں انسان کامل کے لئے نمودار ہوتے ہیں۔ اور اپنے دلکش پیرایہ میں تجلّی فرماتے ہیں

خشوع کے معنے ہیں ذلّ و تطامن: تابعدار ہو گیا اور عاجزی کا اظہار کیا۔ الخشوع فی الصوت والبصر کالخضوع فی البدن۔ (نہایہ) جس طرح بدن کی عاجزی اور کمزوری ظاہر کرنے کے لئے خضوع کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اسی طرح آواز کے کمزور ہونے اور آنکھ کے عجز کو ظاہر کرنے کے لئے خشوع کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

پس خشوع سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے لئے فروتنی۔ تواضع۔ تضرع کی حالت اختیار کی جائے۔ اور اس کے مقابل اخلاق ردیہ۔ تکبّر۔ عجب۔ ریاء۔ لاپرواہی بے نیازی۔ کو خدا تعالےٰ کے خوف سے چھوڑ دیا جائے۔

یہ ابتدائی حالت یعنے خشوع کی حالت اس وقت تک خطرہ سے خالی نہیں جب تک رحیم خدا سے تعلق نہ پکڑے۔ کئی لوگ ناواقفیت اور عدم معرفت کی وجہ سے اپنے چند روزہ خشوع۔ وجد اور گریہ و زاری سے خوش ہو کر خیال کرتے ہیں کہ ہم ولی ہو گئے۔ قطب ہو گئے۔ ابدال میں داخل ہو گئے خدا رسیدہ ہو گئے.....
حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں۔ ابھی تو زام خدا ہے۔ غنچہ صبا تو چھو بھی نہیں گئی۔

اس خشوع میں اگر مشرکانہ ملونی۔ بدعت۔ لغویات کا اشتراک ہے۔ مثلاً نفسانی خواہشیں۔ ناپاک جذبات۔ سفلی تعلقات نے دل کو پکڑ رکھا ہے۔ یا جیفۂ دنیا کی خواہشوں نے زیر کر دیا ہے۔ تو ایسی حالت میں مجرّد خشوع اور گریۂ زاری بغیر ترک لغویات کچھ فخر کی جگہ نہیں اور نہ یہ قرب الٰہی کی علامت ہے۔

غرض۔ قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون!
میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مومن فوز مرام کی طرف حرکت دیا جاتا ہے۔ فوز مرام کیا ہے۔ کہ انسان کا نفس خشوع کی سیرت اختیار کر کے اللہ تعالےٰ سے تعلق پکڑنے کے لئے مستعد اور تیار ہو جاتا ہے اور عجب و تکبّر کو خیر باد کہہ دیتا ہے

۲۔ والذین ھم عن اللغو معرضون۔
اور وہ لوگ ہر قسم کی لغویات سے اعراض کرنے والے ہیں۔

ایسا کلام جو غور و فکر سے نہیں کیا جاتا۔ قبیح بات۔ بے حقیقت افعال و اقوال۔ لغو باتیں۔ لغو کام۔ لغو جوش۔ لغو حرکتیں۔ لغو صحبتیں۔ لغو مجلس۔ لغو تعلقات سے مومن کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا ایمان اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ ان دور کنارہ کشی ان پر سہل ہو جاتی ہے۔ لغو باتوں سے دل چھڑاتا اور خدا سے دل لگا لیتا ہے۔

غور فرمائیں جن باتوں سے اللہ تعالےٰ نے روکا ہے آج بڑے بڑے ناخدا اس سیلاب میں بہہ رہے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلعم فرماتے ہیں ایاکم و ملغاۃ اوّل اللیل۔ اوّل شب میں لغو باتوں سے بچو۔ آج ماڈرن تہذیب کی نقالی میں ہنسی۔ ٹھٹھے۔ عیب چینی۔ غیبت وغیرہ کی مجالس جمتی ہیں۔ اور انسانی زندگی کو جو ایک عظیم الشان مقصد کے لئے ہے حیوانوں کی زندگیوں سے بڑھ کر بے مقصد بنا دیا ہے۔ افسوس کہاں قرآن مجید کی تعلیم اور کہاں موجودہ زمانہ کا مسلمان۔

والذین ھم عن اللغو معرضون۔ مومن صرف وہی لوگ نہیں جو نماز میں خشوع اختیار کرتے اور سوز و گداز ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ ان سے بڑھ کر

وہ مومن ہیں کہ جو باوجود خشوع اور سوز و گداز کے تمام لغو باتوں — اور [illegible] کاموں اور لغو تعلقوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور اپنی خشوع کی حالت کو بے ہودہ کاموں اور لغو باتوں کے ساتھ ملا کر ضائع اور برباد ہونے نہیں دیتے۔

جب یہ کیفیت اور حالت مومن کے اندر پیدا ہو جاتی ہے کہ ان لغو [illegible] سے وہ کراہت کرنے لگتا ہے اور برے کاموں کو چھوڑ کر ایک ٹھنڈک محسوس کرتا ہے۔ اس وقت اس کے اندر ایک ہیبت اور عظمت الٰہی پیدا ہو جاتی ہے۔

۳- اب تیسرا درجہ یہ ہے: والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون۔
اور وہ لوگ جو تزکیہ نفس کی خاطر کام کرنے والے ہیں۔

للزکوٰۃ میں لام تعلیل کا ہے۔ یعنی جو وہ کرتے ہیں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان کے نفوس کا تزکیہ ہو۔ زکوٰۃ کے معنے ہیں [illegible] الشیٔ۔ اعلیٰ درجہ کی چیز۔ طاعۃ اللہ اللہ کی اطاعت [illegible] کا وہ حصہ جو بطور زکوٰۃ نکالا جاتا ہے۔ تا کہ باقی مال پاک ہو جائے۔

اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ وہ مومن جو پہلی دو حالتوں سے بڑھ کر [illegible] رکھتا ہے وہ صرف بے ہودہ اور لغو باتوں سے ہی کنارہ کش نہیں [illegible] بلکہ بخل کی پلیدی دور کرنے کے لئے زکوٰۃ بھی دیتا ہے۔ اور جب [illegible] کی پلیدی جس سے انسان طبعاً بہت تعلق رکھتا ہے۔ اس کے اندر سے [illegible] جاتی ہے۔ تو وہ کسی حد تک پاک بن کر خدا تعالےٰ سے جو اپنی ذات [illegible] پاک ہے ایک مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے
کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے

[illegible] مومن اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو رازِ حقیقت الٰہیہ کا علم اس کو عطا [illegible] جاتا ہے۔ اور توکل کا بیج اس میں بویا جاتا ہے۔ تب مال کی محبت [illegible] سے جاتی رہتی ہے۔ اور مال دینے والے کی محبت کا تخم دل میں [illegible] ہے اور ایمان قوی کیا جاتا ہے۔ اور مال جو ایک پارہ جگر سمجھا جاتا [illegible] آسانی اور شرح صدر سے مومن خدا تعالےٰ کی راہ میں دیتا ہے۔

۴- والذین ھم لفروجھم حافظون۔
اور جو لوگ اپنی ہر قسم کی کمزوری پر نگاہ رکھتے ہیں۔

[illegible] ترقی کا یہ چوتھا مرتبہ ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔ [illegible] یہ ہے کہ انسان کے قوائے شہوانی جو اسے قدرت سے عطا [illegible] ان پر اس کو پوری حکومت حاصل ہو۔ یہ وہ بات ہے جس کی طرف [illegible] قوموں نے غفلت کی ہے۔ اور یہی آخر کار ان کی تباہی کا موجب [illegible] کہ اگر حد اعتدال کے اندر نہ رکھا جائے تو یہ دوسری [illegible] کو دبا لیتے ہیں۔ اور ان کا ہیجان آہستہ آہستہ انسانوں کو [illegible] بڑے بڑے اخلاقی فاضلہ سے عاری کر دیتا ہے۔ آج بھی جن قوموں [illegible] آپ کو مہذب اور ترقی یافتہ سمجھتی ہیں۔ ان کی غلامی کی طرف [illegible] قوم [illegible] رہا ہے اور تباہی سے ہمکنار ہو رہی ہیں۔

[illegible] اب ایسا تند اور تیز ہوتا ہے کہ اس کا مقابلہ صرف قوتِ [illegible] کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔ اور یہ طوفان اپنی عظمت اور ہیبت میں [illegible] کے طوفان کے مشابہ ہے لاعاصم الیوم من امر اللہ الا [illegible]۔ اور جو شخص اس کے پنجہ میں اسیر ہے وہ ایک اژدہا [illegible] ہے جو نہایت خطرناک زہر رکھتا ہے۔

[illegible] عام مومن کا نہیں ہے جو چوتھے درجہ تک قوتِ ایمانی پہنچ جاتی [illegible] سے نزدیک یہ ہے کہ وہ صرف مال کو خدا کی راہ میں ترک [illegible] جس سے وہ مال سے بھی بڑھ کر پیار کرتا ہے [illegible] کے طور پر ہے وہ چھوڑ دیتا ہے۔

[illegible] - والذین ھم لاماناتھم راعون۔ اور جو لوگ عطا کردہ امانتوں اور عہدوں کی دقت نظر سے نگہبانی کرنے والے ہیں۔

خدا تعالےٰ کا ایک مامور ہمارے زمانہ میں بھی تشریف لایا۔ اور اس نے ہم سے عہد لیا ہے۔ وہ کیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ اور پھر بیعت کر کے ہم نے دس شرائط بیعت کا اقرار کر لیا ہے۔ ان میں سے صرف دو شرطیں پیش خدمت ہیں:-

۱- یہ کہ ہر حال رنج اور راحت۔ اور عسر اور یسر اور نعمت اور بلا میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور ہر حالت راضی بقضا ہوگا اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ قدم آگے بڑھائے گا۔

۲- یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ عزیز سمجھے گا۔

اور ایک عظیم الشان امانت ہمارے سپرد کر گئے ہیں۔ وہ کیا انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوما جھولا۔
وہ ہے القرآن الحکیم۔ آپ سے جب کبھی کوئی مرید بیعت کے بعد دریافت کرتا کہ سب اہل اللہ اپنے مریدوں کو کوئی وظیفہ تزکیہ نفس کے لئے بتاتے ہیں۔ آپ کیا وظیفہ بتاتے ہیں۔ فرمایا جہاد بالقرآن

اے عزیزو سنو کہ بے قرآں — حق کو ملتا نہیں کبھی انسان
جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں — ان پہ اس یار کی نظر ہی نہیں
یک قدم دوری از آں روشن کتاب — نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو۔ اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ (کشتی نوحؑ)

اور امانت کی دوسری شق وہ لا جواب علم کلام ہے جو آپ نے اپنی کتب میں پیش فرمایا اور یہی وہ انفاس قدسیہ ہیں جن کے دم سے کفار موت کا پیالہ پئیں گے۔ ان کی اشاعت ہمارا فریضہ اولین ہونا چاہیئے۔

حتی الوسع خدا اور اس کی مخلوق کی تمام امانتوں اور تمام عہدوں کے ہر ایک پہلو کا لحاظ رکھ کر تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنے کی کوشش کرتے ہیں اور جہاں تک طاقت ہے اس راہ پر چلتے ہیں۔ خدا کے عہدوں سے مراد وہ ایمانی عہد ہے جو بیعت اور ایمان لانے کے وقت مومن سے لئے جاتے ہیں۔ اس آیت میں لفظ راعون خدا تعالےٰ نے استعمال فرمایا ہے یعنی اپنی قوت اور طاقت کے مطابق کسی امر کی باریک راہ پر چلنا اختیار کرنا اور اس امر کے تمام دقائق بجا لاتا ہے اور کسی پہلو کو نہیں چھوڑتا۔

مومن جب اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس بات پر خوش نہیں ہوتا کہ ہم عوام میں امین اور صادق سمجھے جاتے ہیں، بلکہ ڈرتے رہتے ہیں کہ اندرونی طور پر کوئی نقص اور خرابی ان میں پیدا نہ ہو۔ اسی امانت کا نام دوسرے لفظوں میں تقویٰ ہے۔ تقویٰ کی دوربین سے اپنی اندرونی کیفیت کو دیکھتے رہتے ہیں، کہ ایسا نہ ہو کہ ان میں کچھ فتور واقع ہو جائے۔ دقائق تقویٰ کو انتہا تک پہنچانا یہ بھی ایک قسم کی موت قبول کرنا ہے۔

جو عہد خدا سے کئے ہیں۔ کامل صدق سے ان کو نبھاتے ہیں۔ انسان کی تمام روحانی خوبصورتی تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنا ہے۔ تقویٰ کی باریک راہیں۔ روحانی خوبصورتی کے لطیف نقوش اور خوشنما خط و خال ہیں۔ سر سے پیر تک جتنے قویٰ اور اعضاء ہیں اور باطنی طور پر دل اور دوسری قوتیں اور اخلاق ہیں۔ ان کا برمحل استعمال۔ پوشیدہ حملوں سے متنبہ رہنا، اور اس کے مقابل پر حقوق العباد کا لحاظ رکھنا یہ تقویٰ ہے۔ اسی کو قرآن مجید نے لباس التقویٰ قرار دیا ہے۔ روحانی خوبصورتی اور روحانی زینت تقویٰ

سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر انسان کی رُوح پر سے تقویٰ کا لباس اتار دیا جائے تو روحانی بد شکلی اس کی ظاہر ہو جاتی ہے۔

پھر وہ وقت قریب آ جاتا ہے کہ فرشتے اس وجود کی تمام آبادی کو فتح کر لیں۔ اور نفسانی قویٰ کے قریہ کو ویران کر دیں۔ اور پہلی سلطنت پر ایک تباہی ڈال دیں۔ یہ تو درحقیقت عشقِ الٰہی کے مستوں اور دیوانوں کے کام ہیں دنیا کے عقلمندوں کے کام نہیں۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید ـ قرعہ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

نفس کی دقیق در دقیق آلائشیں جو کسی خوردبین سے بھی نظر نہیں آ سکتیں دور ہو کر فقط روح رہ جائے۔ نفسانیت کا گھر ویران ہو اور اس جگہ حضرت عزت کے خیمے لگائے جائیں۔ اور تمام آرزوئیں اور تمام ارادے۔ اور تمام خواہشیں خدا میں ہو جائیں اور نفس امارہ کی تمام عمارتیں منہدم کر کے خاک میں ملا دی جائیں۔ اور ایک ایسا پاک محل تقدس و تطہر کا دل میں تیار کیا جائے جس میں حضرت عزت نازل ہو سکے۔ اور اس کی روح اس میں آباد ہو سکے۔ اس قدر تکمیل کے بعد کہا جائے گا۔ کہ وہ امانتیں جو منعم حقیقی نے انسان کو دی تھیں وہ واپس کی گئیں۔ تب ایسے شخص پر یہ آیت صادق آئے گی۔ والذین هم لاماناتهم وعهدهم راعون۔

۶ - والذین هم علیٰ صلوٰتهم یحافظون - اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

جب مومن اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر کسی کے وعظ و نصیحت یا یاددہانی کے محتاج نہیں رہتے۔ بلکہ کچھ ایسا تعلق خدا سے پیدا ہو گیا ہے۔ اور خدا کی یاد کچھ اس قسم کی محبوب طبع۔ مدار آرام۔ اور مدار زندگی ان کے لئے ہو گئی ہے۔ کہ وہ ہر وقت اس کی نگہبانی میں لگے رہتے ہیں۔ اور ہر دم ان کا یاد الٰہی میں گذرتا ہے۔ اور نہیں جانتے کہ ایک دم بھی خدا سے علیحدہ ہوں۔ ایسے موقعہ پر مومن کی روحانی قوتوں کو ترقی دی جاتی ہے۔

نماز اور یادِ الٰہی کو اپنی ایک ضروری غذا سمجھتے ہیں۔ جس پر ان کی زندگی کا مدار ہے۔ اس کے ضائع ہونے کے اندیشہ سے سخت بےتاب اور پیچ و تاب کھاتے ہیں۔ گویا مرہی جاتے ہیں۔ وہ یقین رکھتے ہیں ان کی زندگی روٹی اور پانی سے نہیں بلکہ نماز اور یاد الٰہی سے ہے۔ جس طرح مچھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی وہ خدا تعالےٰ سے ایک دم علیحدگی میں بسر کرنا اپنی موت سمجھتے ہیں۔

استعارہ کے رنگ میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ اللہ تعالےٰ اس درجہ کے مومن کے اندر داخل ہو جاتا ہے اور اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کرتا ہے۔ اور اس کے دل کو اپنا تخت گاہ بنا لیتا ہے .... اور خدا کی رُوح اس پر اپنی محبت ذاتیہ کے ساتھ تجلی فرما کر اس کو حیات ثانی بخشتی ہے۔ اس وقت روحانی طور پر ایسے مؤمن پر یہ آیت صادق آتی ہے ثم انشاناہ خلقًا اخر۔ فتبارك الله احسن الخالقین۔

جب انسان شریعت کا تمام جُوا اپنی گردن پر لے لیتا ہے۔ مشقت اور مجاہدہ کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اور اتباع شریعت اور بجا ی احکام کتاب اللہ سے اس لائق ہو جاتا ہے۔ اور اپنی محبت ذاتیہ سے خدا تعالےٰ کی محبت ذاتیہ کا مستحق ٹھہرا لیتا ہے۔ جو برف کی طرح سفید اور شہد کی طرح شیریں ہے۔

تب خدا تعالےٰ کے امر اور اذن سے اس عالم کا ذرہ ذرہ اس کی طرف کھچا جاتا ہے۔ اور اس کی دعائیں ان تمام ذرات کو ایسا اپنی طرف کھینچتی ہیں جیسا کہ ایک مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

ہر ایک ذرہ روحانی حسن کا عاشق صادق ہے۔ ایسا ہی ہر ایک سعید روح کیونکہ وہ حسن گاہ تجلی حق ہے۔ وہی حسن تھا جس کے لئے فرمایا گیا۔ اسجدوا لآدم۔ نوحؑ میں وہی حسن تھا جس کی خاطر تمام منکروں کو پانی کے عذاب سے ہلاک کیا گیا۔ موسےٰؑ وہی روحانی حسن لے کر آیا۔ جس نے چند روزہ تکلیفیں اٹھا کر فرعون کا بیڑہ غرق کر دیا۔ پھر سب کے بعد سیدالانبیاء خیرالوریٰ۔ مولنا و سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم الشان روحانی حسن لے کر آئے۔ اس حسن کو ناپاک طبع اور اندھے لوگوں نے نہ دیکھا۔ آخر وہ سب اندھے ہلاک ہو گئے۔ وہی حسن بڑے بڑے کام دکھلاتا ہے

جب کامل مؤمن کے اندر ایسا حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کے محبوب بن جاتے ہیں۔ خارق عادت اقبال علی اللہ کی حالت ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی عاشقانہ حرارت کی گرمی آسمان پر جمع ہوتی ہے۔ بادلوں کی طرح فرشتوں کو بھی اپنا چہرہ دکھا دیتی ہے۔ اور ان کی دردیں جو رعد کی خاصیت اپنے اندر رکھتی ہیں۔ ایک سخت شور ملا اعلےٰ میں ڈال دیتی ہیں۔ تب خدا تعالےٰ کی قدرت سے وہ بادل پیدا ہو جاتے ہیں جن سے رحمت الٰہی کا مینہہ برستا ہے۔ جس کی وہ خواہش کرتے ہیں۔ آسمان کے ستارے۔ سورج اور چاند سے لے کر زمین کے سمندروں۔ ہوا اور آگ تک ان کی آواز کو سنتے ہیں۔ ان کو شناخت کرتے اور ان کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ ان میں ایک عالمگیر کشش پائی جاتی ہے جو اس عالم کے ذرہ ذرہ کو اپنی طرف کھینچ رہی ہوتی ہے۔ صادق المحبت انسان۔ جو سچی محبت خدا تعالےٰ سے رکھتا ہے۔ وہ وہ یوسف ہے جس کے لئے ذرہ ذرہ اس عالم کا زلیخا صفت ہے۔

مؤمنوں کا نور ان کے چہروں پر دوڑتا ہے۔ اور مؤمن اس حسن سے شناخت کیا جاتا ہے۔ کیا خوب ہے

عشقِ الٰہی وسّے منہ پر ولیاں ایہہ نشانی

اور اگر بجائے اس کے کوئی انسان بھی اس کی مخالفت پر کھڑا ہو تو وہ ان کو ایسا ذلیل اور بے دست و پا کر دیتا ہے جیسا کہ ایک مرا ہوا کیڑا۔ ایسے مؤمنوں کے در و دیوار پر نور کی بارش کرتا ہے۔ اور ہر میدان میں ان کو فتح عطا فرماتا ہے۔

ایسا مؤمن جب پُر درد تضرعات کے ساتھ میدان میں آ پڑتا ہے۔ جس کو حضرت عزت میں وجاہت ہے تو وہ مسل مقدمہ جو سزا دینے کے لئے مکمل و مرتب ہو چکی ہوتی ہے۔ چاک کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اب بات اغیار سے یار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اور یہ کیونکر ہو سکے کہ خدا تعالیٰ اپنے سچے دوستوں کو عذاب دے۔

پس وہ لوگ کتنے ہی بدقسمت ہیں جو ایسا زمانہ پاویں۔ سورج ان پر طلوع کرے اور وہ تاریکی میں بیٹھے رہیں۔

اس درجہ کا مؤمن جب ایمانی ترقیات کے تمام مراتب طے کر کے ان ظلی کمالات کی وجہ سے جو حضرت عزت کے کمالات سے اس کو ملتے ہیں۔ آسمان پر خلیفۃ اللہ کا لقب پاتا ہے۔ اور یہی مفہوم ہے۔ اس آیہ کریمہ کا انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ۔ ظلی طور پر تمام اخلاق فاضلہ اور صفات الٰہیہ اپنے اندر لے کر خلافت کا درجہ حاصل کرتا ہے۔ یہ ہے انسانیت کا معراج جو ان اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر پیدا کرنے کی صورت میں مومن کو ملتا ہے۔

پھر یہ وعدہ الٰہی پورا ہوتا ہے :-

الله ولی الذین امنوا یخرجهم من الظلمات الی النور

من عادیٰ لی ولیًا فقد اذنته للحرب۔

فرمایا! استجیبوا لله وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم

پس جب ہم ان اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر پیدا کریں گے تب ہمیں کامل روحانی زندگی نصیب ہوگی۔ نتیجہ کیا نکلے گا وان لك لاجراً غیر ممنون پھر ہمارا یہ روحانی فیض کبھی منقطع نہیں ہوگا۔

اور مؤمن کے صدق کا نشان یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف تمام دنیا ہو، اور ایک طرف مومن کامل تو غلبہ آخر اسی کو ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا اپنی معیت میں صادق ہے۔ اور اپنے وعدوں میں پورا۔ وہ اس کو جو درحقیقت

(باقی در صفحہ ۱۲ کالم ۲)

محترم سید ا۔ ح۔ گیلانی

اس اُمّت میں بعثت مجدّدین کا الٰہی سلسلہ

ضرورت الہام قرآن مجید کو دیگر کتب مقدسہ پر منجملہ دیگر خصوصیات کے ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ خود ہی دعویٰ کرتا ہے اور خود ہی اس پر دلائل دے کر مدعا کو پایہ ثبوت تک پہنچاتا ہے۔ مگر دوسرے مذاہب میں یہ نظر آتا ہے کہ اوّل تو حاملین مذاہب خود ایک ایسا دعوےٰ کرتے ہیں جو ان کی کتب مقدسہ میں موجود نہیں ہوتا۔ اور پھر خود ہی اس کے لئے دلائل تلاش کرتے ہیں اور کہیں ان کی کتب میں دعویٰ نکل بھی آئے تو دلائل نہ ہونے کے باعث ان کو خود اس کی وکالت کرنا پڑتی ہے۔

ہر مذہبی مذہب یہی کہے گا کہ اس کا دین صحیح ہے۔ مگر یہ مشکل ہے کہ وہ اس دعوے کو اپنی الہامی کتاب سے دکھا سکے۔ اور اگر اس دعویٰ کا استنباط کر بھی لے تو ناممکن ہے کہ وہ اس پر علمی وعقلی دلائل بھی دے سکے۔ اس مقام پر ہمیں قرآن مجید ہی وہ کتاب نظر آتی ہے جو ببانگِ بلند یہ اعلان کرتی ہے کہ ان الدین عند اللہ الاسلام (آل عمران ع۲) خدا کے نزدیک اگر کوئی صحیح مذہب ہے تو وہ اسلام ہے۔ اور پھر یہ صرف دعوے ہی نہیں بلکہ قرآن مجید بطور چیلنج اس پر یہ دلیل دیتا ہے کہ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخسرین (آل عمران ع۹) جو اسلام کے سوا کسی مذہب کی تلاش کرتا ہے وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور انجامکار وہ خسارہ اُٹھانے والوں میں ہوگا۔

یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے اور تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں کہ اسلام کے بعد اگر کسی کو روشنی نصیب ہوئی تو اسی "سراج منیر" سے ہوئی جو [illegible] سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا تھا۔

اسلام کے سوا کسی مذہب کو مان کر اس مقصد کے حصول کی کوشش کرو۔ انجام میں یہ معلوم ہو جائے گا کہ سوائے خسارہ کے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوا۔

محبوب حقیقی کی محبت بعض اوقات انسان کو یہ کہنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ "ربّ ارنی انظر الیک" وہ چاہتا ہے کہ اپنی ظاہری آنکھوں سے اپنے محبوب کی زیارت کرکے اپنی تشنگی قلب کو بجھائے۔ مگر وہ ایک وراء الوراء ہستی ہے جس کو انسان کی مادی نگاہ دیکھنے سے قاصر ہے۔ لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر (انعام ع۱۳) مگر دوسرا درجہ یہ ہو سکتا ہے کہ اگر اسے دیکھنا ناممکن ہے تو کم از کم اس کا کلام ہی سن کر اپنی پیاس کو بجھائے یہی وہ روحانیت کا انتہائی مقام ہے جس پر کوئی مذہب پہنچ سکتا ہے۔

لیکن خوب غور کرکے دیکھ لو۔ اسلام اور صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے اپنے متبعین کاملین کو اس نعمت کا وعدہ دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

ان الذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ نحن اولیاءکم فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون نزلا من غفور رحیم (حٰم ع۴)

ترجمہ: "جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر استقامت اختیار کرتے ہیں۔ ان پر فرشتے اُترتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور اس جنّت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا۔ ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لئے اس میں وہ سب کچھ ہے۔ جو تمہیں مرغوب ہو اور جو تم مانگو۔ یہ خدائے غفور و رحیم کی طرف سے مہمانی ہے۔"

بعض مسلمانوں نے غلطی سے اس اُمّت میں مکالمہ الٰہیہ کا انکار بھی کیا ہے مگر انہیں معلوم نہیں کہ یہی تو وہ چیز ہے جس سے ہم دوسرے مذاہب پر اسلام کی حقانیت ثابت کر سکتے ہیں۔ اگر اسلام بھی دیگر ادیان کی طرح صرف زمانہ ماضی کے قصص وحی و الہام یاد دلاتا ہے اور ہر زمانہ میں زندہ ثبوت پیش نہیں کرتا تو اس کی کوئی خصوصیت نہیں رہتی۔

فلسفۂ مغرب کا ایک اعتراض

آج فلسفۂ مغرب نے سب سے بڑا اعتراض جو مذہب پر کیا اور جس سے فی الواقع اسلام کے سوائے سب ادیان کے پاؤں اُکھڑ گئے وہ یہ ہے کہ اگر مذاہب کا دعوےٰ وحی و الہام درست ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ خدا جو ہمیشہ طالبان کو اپنے شیریں کلام سے محظوظ کرتا رہا ہے آج صمٌ بکمٌ بنا بیٹھا ہے۔ اگر خدا تعالےٰ آج کسی سے کلام نہیں کر سکتا تو اس امر کے لئے کوئی دلیل نہیں رہتی کہ اس نے زمانہ گذشتہ میں کسی سے کلام کیا ہوگا۔

صرف یہی نہیں بلکہ میرے نزدیک تو اس صفت کا خدا ماننے کے قابل ہی نہیں۔ کیا خوب فرمایا تھا حضرت ابراہیمؑ نے یابت لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئا (مریم ع۳) کہ اے باپ تو کیوں ایسے خدا کی عبادت کرتا ہے جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اور نہ تیرے کسی کام آتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے عجل سامری کی پرستش کرنے والوں پر یوں اظہار ناراضگی فرمایا کہ الم یروا انہ لا یکلمھم ولا یھدیھم سبیلا (اعراف ع۱۸) کیا وہ جانتے نہ تھے کہ وہ ان سے نہ تو کلام کر سکتا ہے اور نہ انہیں رستہ کی ہدایت دے سکتا ہے۔ گویا خدا کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کلام اور ہدایت سے اپنے بندوں کو نوازے۔ اگر واقعی "ان الدین عند اللہ الاسلام" کے مطابق اسلام ہی صفحہ ہستی پر صحیح مذہب ہے تو ضرور ہے کہ اس کا خدا اپنی صفت

ہفت روزہ "ایشیاء" کو سانپ سونگھ گیا؟

ہفت روزہ ایشیاء نے ۱۵ ستمبر ۱۹۷۴ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"مسئلہ نبوّت، مجددیت یا محدثیت یا اسی قسم کی دوسری اصطلاحات کا نہیں اصل دعوے کا ہے۔ دعوے کے بعد مدعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے قصرِ نبوّت کے سامنے کھڑا ہو جاتا اور نبوّت کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرتا ہے۔"

"تجدیدِ دین کا کام کر جانے کا نام ہے۔ دعوے کا نام نہیں۔ دعوے سے دین کے کام کا آغاز کرنا کم ظرفی ہے اور ہمارے نزدیک وہ کم ظرفی ہی نہیں دوکانداری ہے۔"

اس پر پیغام صلح نے ۱۶ اکتوبر کی اشاعت میں حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کا دعوےٰ:۔

"قد البسنی اللہ سبحانہٗ خلعۃ المجددیۃ حین انتھت دورۃ الحکمۃ۔ یعنی جب حکمت کا دورہ انتہا کو پہنچ گیا تو اللہ تعالےٰ نے مجھے خلعت مجددیت سے سرفراز فرمایا۔ (تفہیماتِ الٰہیہ)

اور حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کا دعوےٰ :۔

"امتم ولے شریک دولتم، ہر چند تابعم اما از اصالت بے بہرہ نیم۔ (مکتوبات جلد ثالث مکتوب ۸۷) میں امتی ہوں تاہم حضور صلعم کا شریک دولت ہوں، ہر چند آپ کا متبع ہوں مگر اصالتاً فیوضات سے بے بہرہ نہیں۔"

"و بداند کہ بر سر ہر مائۃ مجددے گذشتہ است، اما مجدّد مائۃ دیگر است و مجدّد الف دیگر چنانچہ درمیان مائۃ و الف فرق است در مجددین اینہا نیز ہماں قدر فرق است بلکہ زیادہ ازاں و مجدّد آنست کہ ہر چند دراں مدت فیوض اُمتاں برسد بتوسط او برسد اگرچہ اقطاب و اوتاد آں وقت بودند و بدلا و نجبا باشند (مکتوبات جلد ۲ مکتوبات ۴)

پیش کیا اور ان دعاوی کو پیش کئے دو ماہ گذر چکے ہیں۔ آج ہم پھر "ایشیاء" سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ آیا حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجدّدینِ امّت ان کی تحریر کے مطابق "ختم نبوّت کے دشمن، کم ظرف اور دوکاندار تھے" اور اگر مومن قانت تھے تو کیا "ایشیاء" اتنی جرأت کرے گا کہ وہ اپنی تحریر کو واپس لے کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے موقف کی تائید کرے۔

تکلم کا اظہار فرماتا رہے اور لا یکلمھم ولا یھدیھم سبیلا کا مصداق نہ ہو۔
تعجب تو یہ ہے کہ مکالمہ الٰہیہ کے منکر مسلمان خود مانتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عورتوں تک کو بھی دی) جو نبیہ نہ تھیں مگر نبیوں کی طرح قطعی اور یقینی وحی پاتی تھیں۔ پھر سمجھ نہیں آتی کہ یہ اُمت جو خیرالامت کہلاتی ہے اس نبی کے ذریعہ جو رحمۃ للعالمین کہلاتا ہے اس فیض سے محروم ازلی رہے۔ وتلك اذا قسمة ضيزى۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام وہ باغ ہے جس کا مالک اس کی حفاظت سے غافل نہیں۔ وہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (الحجر ع۲) کے مطابق اس کے ثمرات ہر زمانہ میں ظاہر کرتا رہتا ہے۔ یہ ثمرات ان علماء ربانی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جو مکالمہ الٰہیہ پاکر اسلام کی حقانیت پر اپنے وجود سے مہر کرتے ہیں۔

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

وحی الٰہی کی حقیقت

وحی الٰہی دو قسم پر ہے امام راغب اصفہانی رح اپنی مفردات میں فرماتے ہیں: یقال للکلمة الالٰھیة تلقی الی انبیاءہ واولیاءہ وحی کہ جو خدائی کلام انبیاء و اولیاء کی طرف ڈالا جاتا ہے اسے وحی کہتے ہیں۔

وحی نبوت

وحی نبوت جو منقطع ہو چکی ہے۔ فرشتہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از نبوت بھی وحی ہوتی تھی مگر ایک وقت وہ آیا کہ فرشتہ نے آکر آپ کے سامنے پیغام دیا۔ چنانچہ بخاری شریف میں آتا ہے "فجاءہ الملك" آپ اس نئے طریق اور نئی عظمت و شان کی وحی کو دیکھ کر متحیر ہو گئے۔ اگر یہ وحی کسی خاص اور نئی قسم کی نہ ہوتی تو متحیر ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس وحی میں فرشتہ سامنے آکر انبیاء کے قلب پر کلام الٰہی القاء کرتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبك باذن اللہ (البقرۃ ع۱۲) ترجمہ: جو شخص جبریل کا دشمن ہو وہ یاد رکھے کہ اس نے قرآن مجید کو تیرے قلب پر نازل کیا ہے اور پھر فرمایا: انا اوحینا الیك کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ (النساء ع۲۳) کہ تیری طرف اسی طرح وحی ہوئی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد انبیاء کی طرف ہوئی۔ پھر ایک اور مقام پر فرمایا۔ او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء (الشوریٰ ع۵) وحی یوں بھی ہوتی ہے کہ رسول (فرشتہ) کو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے اور وہ اذن سے جو چاہتا ہے وحی کرتا ہے

مجدد الف ثانی رح اور وحی نبوت

حضرت مجدد الف ثانی رح نے بھی جہاں اس قسم کی وحی کا ذکر کیا تو فرمایا:۔ ان کلامہ سبحانہ مع البشر قد یکون شفاھا وذالك الافراد من الانبیاء (مکتوب ۵۱) کہ انسان کے ساتھ کلام الٰہی بعض اوقات آمنے سامنے ہوتا ہے۔ اور ایسے لوگ انبیاء ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلعم کی پہلی وحی کیوں وحی نبوت ہے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وحی نبوت وہ ہے جس میں احکام شرعیہ ہوں [illegible] درست نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی وحی نبوت اقرا باسم ربك الذی خلق۔ خلق الانسان من علق [illegible] الاکرم الذی علم بالقلم۔ علم الانسان ما لم یعلم (العلق) ہے مگر اس میں کوئی حکم شریعت نہیں۔ باوجود اس کے تمام دنیا اسے وحی نبوت ہی سمجھتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس وحی نبوت کہلانا صرف اس وجہ سے ہے کہ فرشتہ کے ساتھ ہوئی۔ اور فرشتہ نے سامنے آکر پیغام دیا۔

آج جن لوگوں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعودؑ کو انبیاء میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے ان پر ایک زبردست اعتراض یہ ہے کہ وہ ثابت کریں کہ آپ پر وحی نبوت نازل ہوئی تھی۔ ایسا تو خود حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے کہ "میری وحی وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت ہے۔ جو زیر سایہ نبوت محمدیہ اور باتباع آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کو ملتی ہے۔" (اشتہار اپریل ۱۸۹۷ء) اور مدعی کی گواہی سب سے بڑھ کر ہوتی ہے اور دوسرے واقعات کے رنگ میں اس امر کا ثبوت نہیں دیا جا سکتا کہ آپ کی وحی اسی کیفیت کی تھی جو انبیاء کے ساتھ ہوتی ہے۔

وحی ولایت

لیکن وحی کی ایک قسم جو وحی ولایت کہلاتی ہے منقطع نہیں ہوتی حضرت مریم اور حضرت اُم موسےٰ علیہما السلام کا مکالمہ اسی قبیل سے ہے وہ جبریل کے ساتھ اور آمنے سامنے نہیں ہوا بلکہ اس کی کیفیت بالکل الگ ہے۔
انبیاء کو نبوت سے قبل وحی ولایت ہی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ نبوت ملنے پر وہ وحی کے نزول کی نرالی طرز کو دیکھ کر گھبرا اُٹھتے ہیں۔

محی الدین ابن عربی اور وحی ولایت

حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں: قالت عائشہ اول ما بدی بہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من الوحی الرویاء فکان لا یری رویا الا خرجت مثل فلق الصبح وھی التی ابقی اللہ تعالیٰ علی المسلمین وھی من اجزاء النبوۃ (فتوحات مکیہ جلد ۲ ص۵۸)۔

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض نے فرمایا جو وحی ابتداءً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی وہ رؤیا تھی۔ آپ کوئی رؤیا نہ دیکھتے مگر وہ فلق صبح کی طرح صادق نکلتی اور یہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے باقی رکھا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نبوت سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے اور حضور کے بعد دین میں کسی تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمت میں ایسے لوگوں کی آمد کی بشارت دی ہے جو نبی نہیں ہوتے مگر انبیاء کی طرح مکالمہ الٰہیہ پاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ لقد کان فیمن کان من قبلکم رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یك فی امتی احد منھم فعمر (بخاری کتاب مناقب) کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گذرے جو مکالمہ الٰہیہ پاتے تھے باوجود اس کے کہ نبی نہ تھے۔ اس وقت میری اُمت میں اگر کوئی ہے تو وہ عمر ہے۔
اس حدیث کی دوسری روایت میں محدثون کا لفظ آیا ہے جو بتاتا ہے کہ ایسے مکلمین کو محدث کہا جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی اور مجددین

حضرت مجدد الف ثانی رح نے بھی مکالمہ الٰہیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:—
واذا کثر ھذا القسم سمی محدثا کما کان امیرالمؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مکتوبات جلد ثانی مکتوب ۵۱) کہ جب یہ مکالمہ الٰہیہ ترقی کر جاتا ہے تو جیسا کہ امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

محدث اور ابن حجر عسقلانی

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی مشہور کتاب فتح الباری میں لکھا ہے:۔
قال الطیبی۔ المراد بالمحدث الملھم البالغ ذالك مبلغ النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی الصدق والمعنی لقد کان فیما قبلکم من الامم انبیاء ملھمون فان یك فی امتی احد۔ ھذا شانہ۔ فھو عمر فکانہ جعلہ منھم (مناقب عمر زیر حدیث بالا)

ترجمہ: طیبی کہتا ہے کہ محدث سے مراد وہ ملہم ہے جو صدق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبلغ تک پہنچا ہوا ہو۔ معنے یہ ہوئے کہ تم سے پہلے قوموں میں "ملہم نبی" گذرے ہیں (یعنی ایسے ملہم جن میں نبیوں کی شان تھی) اگر میری اُمت میں کوئی اس شان کا ہے تو وہ عمر ہے۔ گویا آپ کو محدثین میں سے قرار دیا۔"

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محدث کا بہت بڑا درجہ ہے گو وہ نبی نہیں مگر نبیوں جیسی شان اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ انہی محدثین میں سے وہ بزرگ ہیں جنہیں تجدید دین کے لئے مامور کیا جاتا ہے۔ جو الہام الٰہی پاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شوکت کے اظہار کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اندرونی و بیرونی فتنوں کا

مقابلہ کرتے ہیں۔ ان کا وجود اسلام کے لئے ایک زندہ دلیل ہوتا ہے۔ وہ ہر زمانے میں ظاہر ہو کر ثابت کرتے ہیں کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ جس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالےٰ نے طرح طرح کے سامان کر رکھے ہیں۔

حدیث مجدّد

مجددین کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے خاص طور پر اُمّت مرحومہ کو بشارت دی ہے: عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلے الله عليه وسلم ان الله يبعث لهٰذه الامة علےٰ رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها۔ (ابوداؤد۔ كتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۲۴۱) و(مشکوٰۃ مطبع نظامی دہلی۔ کتاب العلم ص۲۲)

ترجمہ: ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس اُمّت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک شخص کو پیدا کرے گا۔ جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔

اس حدیث کی تشریح میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ درج ذیل ہے:۔

حدیث مجدّد اور جلال الدین سیوطیؒ

قوله ان الله يبعث لهٰذه الامة علےٰ رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها۔ قد افردت فی شرح هذا الحديث تاليفًا مستقلًا سميته "النسمية بمن يبعثه الله على رأس كل مائة" انا الخص فوائده هاهٰنا۔ فاقول:

هٰذا الحديث اتفق الحفاظ علےٰ تصحيحه۔ منهم الحاكم فی المستدرك والبيهقی من المدخل۔ ومن نص علےٰ صحته من المتاخرين الحفاظ ابن حجر وقد لهج المتقدمون بذكر هٰذا الحديث۔ فاخرج الحاكم فی المستدرك عقب روايته هٰذا الحديث عن ابن وهب عن يونس عن الزهری قال فلما كان فی رأس المائة الاولیٰ۔ منّ الله علیٰ هٰذه الامة بعمر بن عبد العزيز۔

قال الحافظ ابن حجر وهذا يشعر بان الحديث كان مشهورًا فی ذالك العصر ففيه تقوية بسنده مع انه قوی لثقة رجاله انتهیٰ۔ قال ابوجعفر النحاس فی كتاب الناسخ والمنسوخ قال سفيان ابن عيينه بلغنی انه يخرج من العلماء من يقوی الله به الدين وان يحيیٰ بن آدم عندی منهم وقال ابوبكر البزاز سمعت عبد الملك بن الحميد الميمونی يقول كنت عند احمد بن حنبل فجری ذكر الشافعی فرايته يرفعه[1] وقال يروی عن النبی صلے الله عليه وسلم انه قال يبعث الله لهٰذه الامة علےٰ راس كل مائة سنة من يقرر لها دينها۔ قال وكان عمر بن عبد العزيز علیٰ راس المائة الاولیٰ۔ وارجوا ان يكون الشافعی علےٰ رأس المائة الاخریٰ۔ واخرج البيهقی من طريق ابی سعيد الفريابی قال قال احمد بن حنبل ان الله يقيض من رأس كل مائة سنة من يعلم الناس السنن۔ وينفی عن رسول الله صلے الله عليه وسلم الكذب فنظرنا۔ فاذا فی راس المائة عمر بن عبد العزيز۔ فی راس المائتين الشافعی۔

واخرج ابواسماعيل الهروی من طريق حميد بن زنجويه قال سمعت احمد بن حنبل يقول يروی فی الحديث عن النبی صلے الله عليه وسلم ان الله يمن علیٰ اهل دينه فی راس كل مائة سنة برجل من اهل بيتی ليبيّن لهم امر دينهم۔ والله اعلم۔ (مرقات الصعود۔ برحاشيہ ابی داؤد جلد ۲ ص۲۲۳ مطبوعہ نولکشور۔ وعون المعبود شرح ابی داؤد جلد ۴ ص۱۸۴)

ترجمہ: قوله ان الله يبعث الخ۔ میں نے اس حدیث کی شرح میں ایک مستقل کتاب النسمية بمن يبعث الله علیٰ راس كل مائة لکھی ہے۔ میں اس کے فوائد کو مختصراً یہاں درج کرتا ہوں۔

اس حدیث کی صحت پر حفاظ نے اتفاق کیا ہے۔ جن میں سے حاکم ہیں جنہوں نے مستدرک میں اور بیہقی جنہوں نے مدخل میں اس کا ذکر کیا۔ متاخرین میں سے حافظ ابن حجر نے اس کی صحت کی تصدیق کی۔ اس حدیث کا ذکر متقدمین نے خوب کیا ہے۔ چنانچہ حاکم مستدرک میں اس حدیث کی روایت کے بعد زہری کا قول درج کرتے ہیں کہ جب پہلی صدی ہوئی تو اللہ تعالےٰ کے فضل سے عمر بن عبدالعزیز اس اُمّت میں مجدّد ہوئے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس زمانہ میں مشہور تھی اور اس میں اس کی سند کی تقویت ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ قوی ہے۔ بباعث راویانِ حدیث کے ثقہ ہونے کے۔

ابو جعفر النحاس اپنی کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں فرماتے ہیں کہ سفیان ابن عیینہ نے کہا مجھے معلوم ہوا کہ علماء میں سے ایسا شخص پیدا ہوگا جس کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ دین کو قوت بخشے گا اور میرے نزدیک یحییٰ ابن آدم ان میں سے ایک ہیں۔ ابوبکر بزاز کہتے ہیں میں نے عبدالملک بن عبدالحمید المیمونی سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں احمد بن حنبل کے پاس بیٹھا تھا کہ حضرت امام شافعی کا ذکر ہونے لگا۔ میں نے دیکھا کہ امام احمد ان کی بہت تعریف کر رہے ہیں۔ پھر فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت ہے کہ اس اُمّت میں ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ ایک شخص کو مبعوث کرے گا جو دین کو مضبوط کرے گا۔ پھر فرمانے لگے کہ عمرؒ بن عبدالعزیز پہلی صدی کے سر پر تھے۔ اور میرا خیال ہے کہ دوسری صدی کے سر پر شافعی تھے۔ اسی طرح بیہقی نے ابو سعید فریابی کی سند سے لکھا ہے کہ احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ اللہ تعالےٰ ہر صدی کے سر پر ایک شخص کو مقرر کرے گا جو لوگوں کو سنّت نبویؐ کی تعلیم دے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر غلط اعتراضات کو ردّ کرے گا۔ پس ہم نے دیکھا کہ پہلی صدی میں عمرؒ بن عبدالعزیز اور اور دوسری صدی میں امام شافعیؒ۔

ایسے ہی ابو اسماعیل الہروی نے حمید بن زنجویہ کے طریق سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا میں نے احمد بن حنبل سے کہتے سُنا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس دین والوں پر ایک شخص کو مبعوث کرکے احسان کرے گا جو میرے اہل بیتؑ میں سے ہوگا اور لوگوں پر دین کو ظاہر کرے گا۔ واللہ اعلم۔

علّامہ سیوطی کا قصیدہ

مذکورہ بالا تشریح کے علاوہ علّامہ موصوف نے ایک قصیدہ مجدّدین کی تعریف میں درج کیا ہے جس کا ذکر حجج الکرامہ میں ان الفاظ میں ہے:۔

اعلم انهم قد بينوا اسماء المجددين الماضين وقد صنف السيوطی فی ذالك ارجوزة سماها تحفة المهتدين باخبار المجددين فنحن نذكرها هٰهنا وهی هٰذه:

ولقد اتیٰ فی خبر مشتهر — رواه كل حافظ معتبر
بانه علیٰ رأس كل مائة — يبعث ربنا لهٰذه الأمة
مَنًّا علينا عالمًا يجدد — دين الهدیٰ لانه مجدّد
وهٰذه تاسعة المئين — قد اتت ولا يخلف بالهادی وعد
وقد رجوت انی المجدد — فيها ففضل الله ليس يجحد
وآخر المئين فيها يأتی — عيسیٰ نبی الله ذو الآيات

ترجمہ: واضح رہے کہ علماء نے مجددین سابق کے اسماء بھی ظاہر کئے ہیں علّامہ سیوطیؒ نے اس پر ایک مستقل قصیدہ لکھا جس کا نام تحفۃ المہتدین باخبار المجددین رکھا ہم اسے ذیل میں درج کرتے ہیں:

ترجمہ: "مشہور حدیث میں آیا ہے جسے ہر معتبر حافظ نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے ہر صدی کے سر پر ایک عالم کو مجدّد بنا کر کھڑا کرے گا جو دین کی تجدید کریگا۔ یہ نویں صدی ہے اور وعدہ جو ہادی کامل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہوا ہے۔ خلاف نہیں ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ اس صدی کا مجدد میں ہوں۔ اللہ تعالےٰ کے فضل سے انکار نہیں ہو سکتا۔

[1] فرایته یرفعه کے معنے ہیں "میں نے دیکھا کہ وہ اس کی تعریف کر رہا ہے"۔ یہاں رفع کے معنے مولویوں کے نزدیک بھی آسمان پر اُٹھانا نہیں۔

"طلوعِ اسلام" کی دیانت
"بلاغ القرآن" کی نظر میں

[طلوعِ اسلام نے دوسروں پر کیچڑ اچھالن اپنے "مفکر قرآن" کا طرۂ امتیاز سمجھ رکھا ہے اور اسی مقصد کے لئے وہ دوسروں پر بے جا حملے کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ "طلوعِ اسلام" نومبر کی اشاعت میں ان کے نفسِ ناطقہ جناب محمد اسلام کراچوی نے حالیہ طلوعِ اسلام کنونشن میں جماعتِ اسلامی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی پر کیچڑ اچھالتے ہوئے "اہل قرآن" سے اپنے آپ کو الگ ثابت کرنے کے لئے ان پر "تین نمازوں اور نو دن کے روزوں" کی پھبتی کسی، جس سے متاثر ہو کر "اہل قرآن" کے ماہنامہ "بلاغ القرآن" ماہ دسمبر نے "طلوعِ اسلام" کی قلعی درج ذیل مقالہ میں کھولی ہے۔ جسے ہم من و عن نقل کر رہے ہیں تاکہ اس منفکر قرآن ادارے کی دیانت و حق پسندی عوام کے سامنے آتی رہے۔ مدیر]

ایڈیٹر بلاغ القرآن } مجھے بلاغ القرآن کا قلمدان سنبھالے ہوئے پورے پندرہ برس گذر چکے ہیں۔ لیکن اس طویل عرصے میں طلوعِ اسلام پر اس لئے کبھی تنقید نہیں کی کہ وہ بلاغ القرآن کا ہم مسلک ہے۔ مگر طلوعِ اسلام آئے دن اسے ہدف تنقید بناتا رہتا ہے۔ بلاغ القرآن کسی کو کافر نہیں ٹھہراتا صرف یہ کہتا ہے کہ فلاں مسلک والوں کو فلاں غلطی لگی ہے۔ لیکن طلوعِ اسلام اپنے شریکِ سفر بلاغ القرآن والوں کو فرقہ کہہ کر دبے لفظوں میں مشرک کی گالی دیتا ہے۔ چنانچہ نومبر ۱۹۷۴ء کے طلوعِ اسلام میں پھر یہی کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن اس مرتبہ ہمیں ہمارے احباب نے جواب دینے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس لئے با دلِ ناخواستہ ذیل کا مقالہ پیشِ خدمت ہے:-

تین نمازیں اور رمضان شریف کے پورے روزے اُنتیس ۲۹ یا تیس ۳۰

معاصر عزیز طلوعِ اسلام کی نومبر ۱۹۷۴ء کی اشاعت کے صفحہ ۴۹ پر محترم محمد اسلام صاحب نمائندہ بزم طلوعِ اسلام کراچی کا ایک مقالہ بعنوان ذیل شائع ہوا ہے:- "تین نمازوں اور نو روزوں کے پس پردہ کیا ہے؟" — اس مقالہ میں بچارے طلوعِ اسلام کو پھر اعلان کرنا پڑا ہے کہ تین نمازوں والا میں نہیں ہوں، بلاغ القرآن ہے۔ مگر غور طلب امر یہ ہے کہ ادھر طلوعِ اسلام بھی آئے دن اعلان کرتا رہتا ہے کہ تین نمازوں کا داعی بلاغ القرآن ہے میں نہیں اور ادھر بلاغ القرآن بھی اس اعلان کو مسلسل دہراتا چلا آ رہا ہے کہ صلوٰۃِ موقّت کے تین وقتوں کا داعی میں ہوں طلوعِ اسلام نہیں۔ اس کے باوجود طلوعِ اسلام کی یہ حیرانی ایک حد تک تو بجا ہے کہ پھر علماءِ کرام اسے کیوں تین نمازوں کا طعنہ دیتے رہتے ہیں۔ اس کے ضمن میں:-

دونوں ہی سچے ہیں } طلوعِ اسلام اس لئے سچا ہے کہ وہ ڈنکے کی چوٹ کہتا ہے کہ جس جس انداز سے مسلمان نماز پڑھتے چلے آ رہے ہیں اس میں ردّ و بدل کرنے کا مجاز صرف مرکزِ ملت ہے۔ اور علماءِ کرام اس لئے سچے ہیں کہ طلوعِ اسلام کا مذکورہ بالا اعلان اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ وہ قرآن کریم کی روشنی میں پانچ نمازوں کے نظریئے کو صحیح نہیں مانتا۔ ورنہ قرآنی آواز کا علمبردار ہونے کی حیثیت سے اس کا فرض ہے کہ کھل کر اعلان کرے کہ:

"قرآن کریم کی رُو سے پانچ نمازیں، اور جس طرح نماز پڑھی جا رہی ہے، صحیح ہے۔ جس طرح مرکزِ ملت روزوں کی تعداد میں کمی بیشی نہیں کر سکتا ہے۔ اسی طرح پانچ نمازوں کی قرآنی تعداد میں بھی مرکزِ ملت کسی ردّ و بدل کا مجاز نہیں"

جیسا کہ طلوعِ اسلام عموماً ہر سال رمضان شریف کی آمد پر یاَیّھا الذین اٰمنو اکتب علیکم الصیام — اور شہرُ رمضان الذی اُنزل فیہ القراٰن کے قرآنی احکام کے ساتھ اعلان کرتا چلا آ رہا ہے کہ: ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے۔ جن کی گنتی رمضان شریف کا پورا مہینہ ہے۔

ایک گذارش } معاصر عزیز طلوعِ اسلام سے گذارش ہے کہ اس معاملے پر غور کرے، کیونکہ علماءِ کرام ایسے بےخبر تو ہیں نہیں کہ قرآن کریم کے اعلانِ فرضیت کو سمجھ نہ سکتے ہوں۔ جہاں وہ کُتِبَ علیکم الصیام ۲/۱۸۳ کے لفظ کُتب سے روزوں کی فرضیت کو سمجھ سکتے ہیں، وہاں ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتٰبًا موقوتًا ۴/۱۰۳ کے الفاظ کتٰبًا موقوتًا سے صلوٰۃِ موقت (نماز) کی فرضیت کو پوری طرح سمجھتے ہیں۔ نیز جس طرح وہ روزوں کی گنتی کی سند شہرُ رمضان اور فلیصمہ کے الفاظ سے حاصل کرتے ہیں کہ روزے نو دن کے نہیں پورے مہینے کے ہیں، اسی طرح قرآن مجید کی جن آیتوں ۱۱/۱۱۴ + ۱۷/۷۸ میں کتٰبًا موقوتًا کے اوقات کی تفصیل دی گئی ہے، وہ اس سے پانچ وقت ثابت کرتے ہیں۔

مخلصانہ مشورہ } اس لئے ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ طلوعِ اسلام قرآنی آواز کا علمبردار ہونے کی حیثیت سے کھلے بندوں اور غیر مبہم الفاظ میں اعلان کرے کہ قرآن کریم کی فلاں فلاں آیات کریمات سے صلوٰۃِ موقت (نماز) کے پانچ وقت ثابت ہیں اور انہی آیات کی سند سے طلوعِ اسلام سے وابستہ حضرات پانچ نمازوں کے قائل ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے بعد علماءِ کرام طلوعِ اسلام کو تین نمازوں کا طعنہ کبھی نہیں دیں گے۔ اور اس کے برعکس، اگر کھل کر پانچ نمازوں کے لئے طلوعِ اسلام قرآنی سند پیش نہ کرے، اور ساتھ ہی یہ کہکر دبے لفظوں میں پانچ وقتوں کی تکذیب بھی کرتا رہے کہ ان میں ردّ و بدل مرکزِ ملت کر سکتا ہے، تو علمائے کرام اسے تین نمازوں کا طعنہ دینے میں حق بجانب رہیں گے۔ اگرچہ اس سے وابستہ حضرات ہزار بیان دیتے رہیں کہ ہم پانچ نمازوں کے قائل ہیں اور اپنے قائد سمیت سب کے سب پانچ نمازیں پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ کیونکہ طلوعِ اسلام کا یہ اعلان کہ صلوٰۃِ موقت میں ردّ و بدل صرف مرکزِ ملت کر سکتا ہے، اس کے مسلک کے اظہار کے لئے اس کی اپنی شہادت کے طور پر کافی ہے کہ وہ نماز کے پانچ وقتوں کو قرآن کریم کا غیر متبدل حکم نہیں مانتا۔ کیونکہ اگر نماز کے پانچ وقت قرآنی فیصلہ ہو تو مرکزِ ملت اس میں ردّ و بدل کرنے کا مجاز ہی نہیں۔ اور اس سے آگے علماءِ کرام خوب جانتے ہیں کہ اگر پانچ نمازوں کے مسئلہ کو مرکزِ ملت کے سپرد کیا گیا تو پھر قرآن کریم اور صحیفہ کائنات کی آیات کریمات کی رُو سے فیصلہ تین نمازوں ہی پر ہوگا۔ علماءِ کرام طلوعِ اسلام کو اس کی غیر واضح پالیسی کی بدولت تین نمازوں کا طعنہ دینے میں حق بجانب ہیں۔

پورے مہینے کے روزے } بلاغ القرآن پوری ذمہ داری کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ وہ خود بھی ۲/۱۸۳ کے مطابق روزوں کی فرضیت کا علمبردار ہے اور طلوعِ اسلام کا مسلک بھی یہی ہے۔ نیز روزوں کی گنتی کے متعلق، شَہْرُ رَمضانَ ..... فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ۲/۱۸۵ کی قرآنی سند کے مطابق خود بھی پورے رمضان کے پورے روزوں پر ایمان رکھتا ہے اور طلوعِ اسلام کا مسلک بھی یہی ہے۔ لیکن ہمیں طلوعِ اسلام پر یہ افسوس ہے کہ کہ اس نے جانتے بوجھتے، اپنے قارئین کو کبھی نہیں بتایا کہ نو روزے بلاغ القرآن کا مسلک نہیں جیسے کہ بلاغ القرآن وضاحت کرتا ہے کہ تین نمازیں طلوعِ اسلام کا مسلک نہیں ہے۔

بلاغ القرآن اور طلوعِ اسلام } افسوس ہے کہ طلوعِ اسلام بلاغ القرآن کو ایک فرقہ قرار دیتا ہے۔ مگر جیسا کہ آگے آ رہا ہے، نماز کے سوا فرق تو دونوں میں سے کوئی نہیں۔ اگر طلوعِ اسلام الگ دعوؤں، الگ کنونشنوں، الگ سٹیجوں اور الگ بزموں کے باوجود فرقہ نہیں تو بلاغ القرآن کی فرض کی ہوئی نماز کی ادائیگی کی بدولت فرقہ کس طرح ہو گیا؟ حقیقت یہ ہے کہ بلاغ القرآن اور طلوعِ اسلام ایک ہی راہ کے دو راہ رَو ہیں۔ دونوں کی ایک ہی منزل ہے:- امنِ عالم کا قیام بذریعہ قیامِ نظامِ ربوبیت۔ یہ دونوں اس ایک ہی شاہراہ پر ہم سفر ہیں۔ لیکن طلوعِ اسلام اپنے رفیق سفر کے ساتھ کھچا کھچا اور روٹھا روٹھا سا رہتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ شاہراہ کے جس کنارے پر بلاغ القرآن جادہ پیما ہوتا ہے، طلوعِ اسلام اس سے دُور دوسرے کنارے پر ہٹا ہٹا چلتا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں

کہ وہ اپنے شریک سفر سے روٹھا ہوا کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ دورانِ سفر جب صلوٰۃ موقت کا وقت آتا ہے تو بلاغ القرآن اس وقت نماز کیوں پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ اور اس طرح بلاغ القرآن نماز پڑھتے ہوئے جتنا پیچھے رہ جاتا ہے، اس کی کمی وہ اس وقت پوری کر لیتا ہے، جب طلوع اسلام ہارمونیم طبلے اور قوالی کے ساتھ جشن نزولِ قرآن منانے بیٹھ جاتا۔ اور بلاغ القرآن کے متعلق تین نمازوں کے پروپیگنڈے میں لگ جاتا ہے تین نمازوں کی تبلیغ میں بلاغ القرآن اپنے معاصر کا ممنون ہے کیونکہ اتنی تبلیغ تو شاید خود بھی نہ کر سکتا جتنی وہ کر رہا ہے۔ شکریہ!

فرض منصبی

بلاغ القرآن اور طلوع اسلام دونوں قرآنی آواز کے علمبردار ہیں۔ اس لئے ان کے فرض منصبی کے مطابق لازم ہے کہ یہ دونوں ملت اسلامیہ میں رائج ہر مسئلہ کے متعلق قرآن کریم کی روشنی میں رب تعالےٰ کے فیصلے عوام تک پہنچائیں۔ بحمد اللہ کہ گھر گھر کی قربانی کا مسئلہ، حج کا مسئلہ، جنوں کا مسئلہ، ملائکہ کا مسئلہ، تعویذ گنڈوں کا مسئلہ اور دم چھو کا مسئلہ زندہ مردہ پیروں اور قبروں سے مرادیں مانگنے کا مسئلہ، مزاروں کو عطر و گلاب کے ساتھ غسل دینے اور ان پر چادریں چڑھانے کا مسئلہ، غار سے تشریف لانے والے مہدی اور آسمان سے نزول فرمانے والے عیسٰی نبی رسول کا مسئلہ، حیات النبیؐ اور آنحضور کے حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہونے کا مسئلہ، ختم قرآن اور ایصال ثواب کا مسئلہ، آنحضورؐ کو خاتم النبیین ماننے کے باوجود، پھر کشف و الہام کے چور دروازوں کے ذریعہ اجراء وحی کا مسئلہ، وغیرہ وغیرہ سینکڑوں مسائل ہیں کہ طلوعِ اسلام اور بلاغ القرآن دونوں نے اپنے فرض منصبی کے مطابق قرآن کریم کے دلائل قاطعہ کے ساتھ ان کی حقیقت نکھار کر رکھدی ہے۔ اور بدستور نکھارتے چلے جا رہے ہیں۔ اس میدان میں دونوں کی استقامت قابل قدر ہے۔

صلوٰۃِ موقت

لیکن طلوع اسلام کے نزدیک ہر پھر کر صلوٰۃ موقت ہی ایک ایسا غیر ضروری مسئلہ رہ گیا ہے، جسے وہ مسلسل نظر انداز کرتا چلا آ رہا ہے۔ اگر حج اور گھر گھر کی قربانی جیسے عالمگیر مسائل کی حقیقت نکھارنے کے سلئے ان مسائل پر قلم اٹھایا جا سکتا ہے۔ اگر آمدِ مہدی کے مسلمانوں کے سو فیصدی متفقہ فیصلہ کی حقیقت بے نقاب کی جا سکتی ہے تو صلوٰۃ موقت جس کی فرضیت، رمضان کے روزوں کی فرضیت کے الفاظ کُتِبَ کے مطابق کِتٰبًا موقوتًا کے الفاظ میں موجود ہے، اس مسئلہ کو بے نقاب کیوں نہیں کیا جاتا۔ کہ یہ فریضہ اٹل ہے یا غیر اٹل۔ اس کے اوقات قرآن کریم کی رُو سے کتنے ہیں (پانچ، چار، تین، دو یا ایک) اور یا کہ قرآن کریم میں اس کے اوقات مذکور نہیں ہیں۔ اجماع اُمت یا مرکز ملت اس کے اوقات وقت کے تقاضوں کے مطابق وقتاً فوقتاً خود متعین کیا کرے گا۔

پھر چاہیئے کہ طلوعِ اسلام غیر مبہم الفاظ میں اس امر کی وضاحت کرے کہ صلوٰۃِ موقت پڑھنے کی چیز ہے یا نہیں؟ اگر یہ پڑھنے کی چیز ہے تو اس میں کیا پڑھا جائے گا؟ کیا مروجہ طریقے کے مطابق اِیَّاکَ نَعبُدُ وَ اِیَّاکَ نَستَعِین کے الفاظ میں اللہ تعالےٰ کو مخاطب کرکے پھر اسے یہ کہنا درست ہے: قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ = کہہ اللہ ایک ہے۔ قُل یٰاَیُّھَا الکافِرُونَ لَا اَعبُدُ مَا تَعبُدُونَ = کہہ کہ اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو نیز کیا اللہ کے حضور میں صلوٰۃ موقت کے لئے دست بستہ کھڑے ہو کر حمد ثنا دُعا تسبیح کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کو حیض و نفاس اور نکاح و طلاق کے مسائل اور فرعون و ہامان کے قصے سنانا، خود صلوٰۃ اور عقل و بصیرت کے مطابق ہے؟

واضح رہے کہ صلوٰۃ موقت میں اس کے مقتضی مقام کے مطابق ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اللہ رب العزت کے حضور دست بستہ حاضر ہونے کے بعد اللہ تعالےٰ کی تحمید و تقدیس اور مومنوں کے لئے دعا استغفار ہی اس کے حضور حاضری کے مطابق ہے۔ اس کے برعکس نماز، حیض و نفاس اور نکاح طلاق کے مسائل کی تلاوت، یا کافروں اور مؤمنوں کے قِصّے پڑھ کر سنانے کا مقام ہرگز نہیں۔

عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ہر تکلم وقت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ چنانچہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ جس شخص کا بیٹا فوت ہو گیا ہو اسے مبارکباد دی جائے۔ اور جس شخص کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہو اسے یہ کہا جائے، کہ اللہ تعالےٰ آپ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ علمائے کرام مجلس نکاح میں نکاح کے مسائل سناتے ہیں اور طلاق کی مجلس میں طلاق کے۔ تقسیم وراثت کی مجلس میں تقسیم وراثت کے مسائل کی تلاوت فرماتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان کے ہاں ہر پھر کر صلوٰۃِ موقت ہی ایک ایسا مقام رہ گیا ہے، جس میں اس مقام کے خلاف حمد و ثنا کے بعد حیض و نفاس اور نکاح و طلاق کے مسائل اور کافروں مؤمنوں کے قصے تلاوت کئے جاتے ہیں۔ اور طلوع اسلام ہے کہ وہ بھی خلافِ عقل و دانش حکم دیتا ہے کہ جس جس طریقے سے صلوٰۃ ادا کی جاتی ہے اسی طریقے سے ادا کی جاتی رہے۔ افسوس ہے کہ قرآن کریم کا داعی ہو کر عقل کے خلاف فیصلہ دینا اس کی شان کے خلاف ہے جبکہ قرآن اور صاحب قرآن دونوں عقل ہی کی دعوت دیتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے:—

فَاعتَبِرُوا یٰاُولِی الاَبصَارِ ٥٩/٢۔

عقل مندو! عبرت حاصل کرو

اور رسول اکرمؐ کا یہ اعلان ہے:

اَدعُوا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیرَۃٍ اَنَا وَ مَن اتَّبَعَنِی ١٢/١٠٨

میں عقل کی اساس پر اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور جو کوئی میرا متبع ہے وہ بھی عقل کی اساس پر اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ (اور بلائے گا)............

جس طرح بلاغ القرآن صلوٰۃ موقت کی فرضیت اور اس کے اوقات کے متعلق غیر مبہم الفاظ میں قرآنی مسلک پیش کرتا ہے۔ طلوع اسلام پر بھی لازم ہے کہ صلوٰۃِ موقت کے مسئلہ کی قرآن کریم کی روشنی میں غیر مبہم الفاظ کے ساتھ وضاحت کرے کہ:—

(۱) کیا قرآن کریم کی رُو سے صلوٰۃ موقت ہر حال میں فرض ہے یا نہیں؟ کیا کسی صورت میں ٹل سکتی ہے؟

(۲) کیا اس کے اوقات اللہ تعالےٰ نے خود متعین کر دیئے ہیں یا خود مسلمانوں یا ان کے مرکز ملت کی طرف سے حسب ضرورت متعین کیا جایا کریں گے؟ اور

(۳) اگر صلوٰۃ موقت کے اوقات قرآن کریم میں متعین کر دیئے گئے ہیں تو اگر وہ پانچ ہیں تو جزئیات صلوٰۃ میں سے اللہ تعالےٰ کی خود متعین کردہ اس جزو، نماز کے وقتوں کی تعداد کتنی ہے؟ اگر پانچ ہے تو جیسے طلوع اسلام تین کی مخالفت کرتا ہے، پانچ کی قرآنی سند کیا ہے؟

پرویز صاحب ”پی“ گئے

پرویز صاحب نے ”طلوع اسلام“ جنوری ۱۹۷۵ء میں ”بلاغ القرآن“ کے مندرجہ بالا تبصرہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر وہ بلاغ القرآن کے اس ”مخلصانہ مشورہ“ کو نظر انداز کر گئے ہیں کہ ”طلوع اسلام قرآنی آواز کا علمبردار ہونے کی حیثیت سے کھلے بندوں اور غیر مبہم الفاظ میں اعلان کرے کہ قرآن کریم کی فلاں فلاں آیات کریمات سے صلوٰۃ موقت (نماز) کے پانچ وقت ثابت ہیں، اور انہی آیات کی سند سے طلوع اسلام سے وابستہ حضرات پانچ نمازوں کے قائل ہیں........ طلوع اسلام کا یہ اعلان کہ صلوٰۃِ موقت میں رد و بدل مرکز ملت کر سکتا ہے۔ اس کے مسلک کے اظہار کے لئے اس کی اپنی شہادت کے طور پر کافی ہے۔ کہ وہ نماز کے پانچ وقتوں کو قرآن کریم کا غیر متبدل حکم نہیں مانتا“

کیا طلوعِ اسلام کے ”مفکر قرآن“ اس ضمن میں بلاغ القرآن کا مشورہ قبول نہیں کریں گے؟

حضرت مجدد صدی چہاردہم سلام اللہ علیہ

اے گرفتار ہوا در ہمہ اوقات حیوۃ - باچنیں نفس سیہ چوں رسدت زو عونے
گر تو آں صدق ـ بورزی کہ بورزید کلیم - عجبے نیست اگر غرق شود فرعونے

انسان خدا کی پرستش کا دعویٰ کرتا ہے مگر کیا پرستش صرف بہت سے سجدوں اور رکوع اور قیام سے ہو سکتی ہے یا بہت مرتبہ تسبیح کے دانے پھیرنے والے پرستار الٰہی کہلا سکتے ہیں بلکہ پرستش اس سے ہو سکتی ہے جس کو خدا کی محبت اس درجہ پر کھینچے کہ اسکا اپنا وجود درمیان سے اٹھ جائے اوّل خدا کی ہستی پر پورا یقین ہو اور پھر خدا کے حسن و احسان پر پوری اطلاع ہو اور پھر اس سے محبت کا تعلق ایسا ہو کہ سوزش محبت ہر وقت سینہ میں موجود ہو اور یہ حالت ہر ایک دم چہرہ پر ظاہر ہو اور خدا کی عظمت دل میں ایسی ہو کہ تمام دنیا اس کی ہستی کے آگے مردہ متصور ہو اور ہر ایک خوف اسی کی ذات سے وابستہ ہو اور اسی کے درد میں لذت ہو اور اسی کی خلوت میں راحت ہو اور اس کے بغیر دل کو کسی کے ساتھ قرار نہ ہو۔ اگر ایسی حالت ہو جائے تو اسکا نام پرستش ہے مگر یہ حالت بجز خدا تعالیٰ کی خاص مدد کے کیونکر پیدا ہو۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے یہ دعا سکھلائی اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن۔ یعنی ہم تیری پرستش تو کرتے ہیں مگر کہاں حق پرستش ادا کر سکتے ہیں۔ جب تک تیری طرف سے خاص مدد نہ ہو۔ خدا کو اپنا حقیقی محبوب قرار دیکر اس کی پرستش کرنا یہی ولایت ہے جس سے آگے کوئی درجہ نہیں۔ مگر یہ درجہ بغیر اس کی مدد کے حاصل نہیں ہو سکتا اس کے حاصل ہونے کی یہ نشانی ہے کہ خدا کی عظمت دل میں بیٹھ جائے خدا کی محبت دل میں بیٹھ جائے اور دل اسی پر توکل کرے اور اسی کو پسند کرے اور ہر ایک چیز پر اسی کو اختیار کرے اور اپنی زندگی کا مقصد اسی کی یاد کو سمجھے۔ اور اگر ابراہیمؑ کی طرح اپنے ہاتھ سے اپنی عزیز اولاد کے ذبح کرنے کا حکم ہو یا اپنے تئیں آگ میں ڈالنے کے لئے اشارہ ہو تو ایسے سخت احکام کو بھی محبت کے جوش سے بجا لائے اور رضا جوئی اپنے آقائے کریم میں اس حد تک کوشش کرے کہ اس کی اطاعت میں کوئی کسر باقی نہ رہے یہ بہت تنگ دروازہ ہے اور یہ شربت بہت ہی تلخ شربت ہے۔ تھوڑے لوگ ہیں جو اس دروازہ میں سے داخل ہوتے اور اس شربت کو پیتے ہیں۔ زنا سے بچنا کوئی بڑی بات نہیں اور کسی کا ناحق قتل نہ کرنا بڑا کام نہیں اور جھوٹی گواہی نہ دینا بڑا ہنر نہیں۔ مگر ہر ایک چیز پر خدا کو اختیار کر لینا اور اسکے لئے سچی محبت اور سچے جوش سے دنیا کی تمام تلخیوں کو اختیار کرنا بلکہ اپنے ہاتھ سے تلخیاں پیدا کر لینا یہ وہ مرتبہ ہے کہ بجز صدیقوں کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ عبادت ہے جس کے ادا کرنے کے لئے انسان مامور ہے اور جو شخص یہ عبادت بجا لاتا ہے تب تو اس کے اس فعل پر خدا کی طرف سے بھی ایک فعل مترتب ہوتا ہے جس کا نام انعام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے یعنی یہ دعا سکھلاتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ یعنی اے ہمارے خدا ہمیں اپنی سیدھی راہ دکھلا اُن لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا اور اپنی خاص عنایات سے مخصوص فرمایا ہے۔ حضرت احدیت میں یہ قاعدہ ہے کہ جب خدمت مقبول ہو جاتی ہے تو اُس پر ضرور کوئی انعام مترتب ہوتا ہے۔ چنانچہ خوارق اور نشان جنکی دوسرے لوگ نظیر پیش نہیں کر سکتے یہ بھی خدا تعالیٰ کے انعام ہیں جو خاص بندوں پر ہوتے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۵۱-۵۲)

"قرآنی تعلیمات کی پیروی سے صحابہ کرامؓ کو بےمثال رُتبہ حاصل ہوا"

ہر مجدّدِ وقت اپنے رسُول کی تعلیمات و اخلاق کا نمُونہ پیش کرتا ہے

خُطبہ جُمعہ - ۳ جنوری ۱۹۷۵ء - فرمُودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ - جامع احمدیہ لاہور

الٓمٓ - ذالك الكتٰب لاريب فيه هدًى للمتقين .... وبالاٰخرة هم يوقنون - (سُورۃ البقرہ آیت ۱ تا ۴)

(مرتبہ: عبدالرؤف کھوکھر)

فرمایا: الٓمٓ - جس کا ترجمہ ابن عباس سے منقول ہے - کہ انا اللہ اعلم میں اللہ بہتر جاننے والا ہوں - چونکہ میں ہر شئے کا خالق ہوں - اس لئے سب کا علم بھی میں رکھتا ہوں - اور قادرِ مطلق ہوں - حاکم کُل ہوں - وللہ ما فی السمٰوات و ما فی الارض ساری کائنات کا میں موجد ہوں - اور جو کچھ زمین و آسمانوں میں ہے - سب پر میرا تصرف ہے اور ان پر میرا ہی حکم چلتا ہے -

یہ قرآن مجید کی سب سے پہلی آیات ہیں - اگرچہ ان سے پہلے سورۃ فاتحہ ہے مگر اس کو قرآن کریم کے خلاصہ اور دُعا کی حیثیت دی جاتی ہے - اس لحاظ سے قرآن کریم کی ابتدا انہی آیات سے ہوتی ہے -

آج ایک زمانہ قرآن کریم کی عظمت کا قائل ہوتا جا رہا ہے - پہلے فرمایا الٓمٓ میں جو یہ کتاب بھیجنے والا ہوں - سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں اور ساتھ ہی ذالک الکتاب لاریب فیہ فرما کر قرآن کی عظمت اور حیثیت کا ذکر فرما دیا کہ یہ کتاب صحیح اور شک و شبہ سے پاک ہے - کیونکہ اس کے بھیجنے والا خود خدا ہے - یہ عظیم کتاب جس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ھدًی للمتقین ہے اسی میں خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت ہے - اس کی تعلیم پر عمل کرنے سے انسان کو کامیابی حاصل ہوتی ہے -

آج دنیا تسلیم کرتی ہے - کہ زندگی کے ہر شعبہ میں قرآنی تعلیمات کی پیروی کے نتیجہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو جو رتبہ حاصل ہوا - وہ بے مثال ہے - متقی کون ہیں الذین یؤمنون بالغیب - جو خدا تعالےٰ کی ہستی پر بن دیکھے ایمان لاتے ہیں - اور اس کا ذریعہ بھی بتا دیا ویقیمون الصلوٰۃ - وہ نماز حضور قلب سے ادا کرتے ہیں -

نماز کے متعلق حضور صلعم کا ارشاد ہے - کہ نماز پڑھتے وقت یہ تصور ہو انك تراہ - کہ تو خدا کو دیکھ رہا ہے - اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ سمجھ انہ یراك - کہ خدا تجھ کو دیکھ رہا ہے - اس سے نماز میں تضرع پیدا ہوگا - اور تقویٰ اختیار کرنے کی توفیق ملے گی - صرف ڈاڑھی بڑھا لینا تقویٰ نہیں - بلکہ تقوےٰ یہ ہے کہ انسان کا ہر فعل خدا کے خوف کے زیرِ اثر ہو - اور انسان خدا کے حضور خود کو جوابدہ سمجھے -

خدا تعالےٰ دلوں پر نگاہ رکھتا ہے - اس کی انسان کے باطن تک نظر ہے یقین کہ خدا مجھے دیکھتا ہے - انسان کو بدی سے روکتا اور برائیوں سے بچاتا ہے ایسا شخص خدا کے حکم کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتا - پس مبارک ہے وہ انسان جو متقی بنتا ہے - زندگی میں اعمال خدا سے ڈر کر بجا لاتا ہے -

یہی مقصد رسول کریم صلعم لے کر دنیا میں آئے - ۲۳ برس کے عرصہ میں قرآن کریم کے تیس پارے نازل ہوئے - ان میں وہ عظیم الشان تعلیم ہے - جس پر چل کر بادشاہ بھی باخدا بن گئے - بڑے بڑے جرنیلوں نے پاکیزہ زندگیاں بسر کیں - ورنہ عام طور پر مفتوح اقوام کی عزت برباد کر دی جاتی ہے - مگر اسلام کے فاتح جرنیل ہر جگہ خدا کی رحمت بن کر انسانوں کے لئے گئے - اس پاک تعلیم کی برکت سے مسلمانوں میں اولیاء و صلحاء پیدا ہوئے - جن میں سے بعض مجدد وقت بھی تھے - تم بھی اپنے اندر صفاتِ الٰہی پیدا کرو اور احکامِ الٰہی کو تعظیم کے ساتھ بجا لاؤ - آگے آتا ہے:

ومما رزقنٰھم ینفقون - مؤمنوں کی یہ صفت بھی ہے کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے مال سے غرباء پر بھی خرچ کرتے ہیں - پھر فرمایا:

والذین یؤمنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك وبالاٰخرۃ ھم یوقنون) - مؤمنین کی ایک صفت یہ بھی ہے - کہ وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو تجھ پر اتارا گیا - اور اس پر بھی جو تجھ سے پہلے اتارا گیا - اور موت کے بعد آنے والی زندگی پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں -

مجدّد وقت اپنے رسولوں کے اخلاق و تعلیمات کا نمونہ ہوتا ہے - ہمارے زمانہ میں بھی ایک عظیم الشان مجدد آیا جس نے ایک قوم پیدا کی - جس نے اسلام کی تعلیم پر عمل کر دکھا دیا - آپ بھی کوشش کریں کہ آپ کی زندگیاں اسلام کا نمونہ ہوں صرف نماز میں اُٹھک بیٹھک سے کچھ نہیں بنتا - نماز کی روح کو سمجھو - اور کامل رنگ میں نماز کو ادا کرو - جس کی ادائیگی سے انسان ایک باخدا انسان بن سکتا ہے -

---

(بقیہ از صفحہ ۸)

ظاہر کرے -

آپ نے فرمایا: -

"تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں - یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کرے گا - تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا ہے - خدا فرماتا ہے یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہوگا - پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعویٰ بیعت میں صادق ہے اور کون کاذب - وہ کسی ابتلاء سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان نہیں کرے گا - بدبختی اس کو جہنم تک پہنچائے گی مگر وہ سب لوگ جو آخر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دنیا ان سے سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی وہ آخر فتح یاب ہوں گے برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے - خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے - ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہ ہو اور وہ ایمان جو نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے" اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم ان

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۸ جنوری ۱۹۷۵ء

کہیں یہ عذابِ الٰہی نہ ہو!

نئے سال کے آغاز میں وزیر اعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے فرمایا:-

"۱۹۷۴ء پاکستان کے لئے اچھا سال ثابت نہیں ہوا"

(نوائے وقت ۲ جنوری ۱۹۷۵ء)

روزنامہ نوائے وقت لاہور نے اسی شمارہ میں گذشتہ سال کا جائزہ لیتے ہوئے "ایک برا سال" کے عنوان سے لکھا ہے:

"وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے سوات میں تباہ کن زلزلہ سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد کراچی پہنچنے پر اخباری نمائندوں سے بات چیت کے دوران کہا کہ ۱۹۷۴ء کا سال پاکستان کے لئے اچھا نہ تھا کیونکہ اس سال ہمیں سانحہ تربیلا، تیل کے بحران، اور خشک سالی کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس میں چند روز باقی تھے کہ ضلع سوات میں تباہ کن زلزلہ آیا۔ وزیر اعظم نے کہا، ہمیں اُمید رکھنی چاہیئے کہ ۱۹۷۵ء کا سال ہمارے لئے اچھا سال ثابت ہوگا۔ اور قوم ترقی و خوشحالی کی منزلیں طے کرے گی، سال گذشتہ کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ سال واقعی ہمارے لئے اچھا ثابت نہیں ہوا"

نوائے وقت اور وزیر اعظم نے ۱۹۷۴ء کی خراب حالت کا جو ذکر کیا ہے۔ اس کا دائرہ اثر اس سے وسیع تر ہے جو ان الفاظ سے عیاں ہے۔ چنانچہ تربیلا ڈیم کی شکست، تیل کے بحران اور خشک سالی کے علاوہ بجلی کی کمیابی، کمر شکن مہنگائی ۱۹۷۳ء کا سیلاب، لاقانونیت، صنعتی اور زرعی پیداوار میں کمی اور سیاسی بحران نے ملکی معیشت، سیاست اور ذہنی سکون کو برباد کر رکھا ہے اور ملک کا مستقبل مخدوش ہو چکا ہے اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس ملک کے استقلال و قیام میں اللہ تعالے کا دست تصرف کار فرما تھا تو آج ہماری اخلاقی اور دینی انحطاط پر عتاب میں بھی خدا کی مشیت کار فرما ہے۔

۱۹۷۴ء کی نحوست کا آخری سانحہ ۲۸ دسمبر کا وہ قیامت خیز زلزلہ ہے جس نے سوات اور ضلع ہزارہ کے سینکڑوں مربع میل پر قیامت برپا کر دی، بستیاں زمین بوس ہوگئیں۔ چٹانیں ٹوٹ کر دریائے سندھ میں گر گئیں۔ ہزاروں انسان لقمہ اجل ہو گئے جس کی وجہ سے ناگزیر تھا کہ ایک مسلمان کی گردن خدا کے سامنے جھک جائے۔ اور خدا سے استغفار کرے، لیکن پاکستان کے وزیر اعظم کو اس میں خدا کا ہاتھ نظر نہیں آیا۔ اور انہوں نے ایک صحافی سے پوچھا کہ تم توہم پرست ہو، پھر سندھ کے وزیر اعلےٰ سے دریافت کیا۔ جنہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور جب گورنر سندھ رعنا لیاقت علی سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں تو توہم پرست نہیں ہوں، اگر بھٹو صاحب خدا کو بیکار اور بے بس سمجھتے ہیں تو پھر کچھ عرصہ پہلے ایک جلسہ میں لوگوں سے کیوں کہا گیا کہ خشک سالی دُور کرنے کے لئے خدا سے بارش کی دعا مانگو کیا یہ محض دنیا کو بنانے کے لئے تھا۔

یہ تو درست ہے کہ زمین میں جغرافیائی تغیرات کے زیر اثر زلزلے آتے رہتے ہیں۔ لیکن ایک ہی سال میں اس قدر حادثات و سانحات کا پیش آنا ان ارباب بصیرت کے لئے درس عبرت ہے جو اس بات کا یقین رکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالے کی ذات موجود ہے اور قوموں کو ان کی بد اعمالیوں کی بناء پر پکڑتی ہے۔ دنیا میں طوفانِ نوحؑ آیا۔ عاد و ثمود اور قوم لوطؑ زلزلوں کا شکار ہوئی۔ سیل عرم نے یمن کے باغات کو ریگ زار بنا دیا۔ حضرت موسٰےؑ کے زمانے میں فرعونیوں پر متواتر کئی عذاب آئے حتیٰ کہ فرعون کو اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا گیا۔

پھر اقوامِ عالم کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے۔ کتنی اقوام تھیں۔ جو ترقی و عروج کی انتہائی بلندیوں پر پہنچیں۔ ان کی دولت عظمت اور دبدبے کی کوئی انتہا نہ تھی لیکن آج انکا کوئی نام لینے والا موجود نہیں۔ ان کی تہذیبیں مٹ چکی ہیں۔ ان کے محلات اور باغات میں خاک اُڑ رہی ہے اور ان کی سیاہ کاریوں اور مظالم کے بوجھ کے نیچے ان کی شوکت پیوند زمین ہو کر عبرت کا منظر پیش کر رہی ہے۔

خدا کی چکی آہستہ آہستہ پیستی ہے مگر بہت باریک پیستی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عقائد کی بناء پر عذاب نہیں بھیجتا، لیکن جب کوئی قوم بے انصافی جور و ستم، خونریزی، انسان دشمنی اور سیہ کاریوں میں غرق ہو جاتی ہے تو پھر دیکھتے ہی دیکھتے خدا کے عذاب میں مبتلا ہو جاتی ہے اور خدا اس قوم کو پہلے چھوٹے چھوٹے عذابوں کا مزہ چکھا کر سنبھلنے کا موقع دیتا ہے اور جب وہ قوم کسی طرح اپنی بدکاریوں سے باز نہیں آتی تو دنیا میں خواہ "ابناء اللہ" اور "فدائیانِ رسولؐ" کے نام کی مدعی ہو، وہ خدا کی گرفت سے بچ نہیں سکتی۔ خود قرآن کریم کی شہادت ہے:-

۱- "اللہ تعالےٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تم پر آسمان سے عذاب لائے یا زیرِ زمین سے عذاب لائے۔ یا تم میں تفرقہ ڈال کر خانہ جنگی کا مزہ چکھائے" (انعام ع ۴)

۲- "کیا جو لوگ بُرے اعمال کرتے ہیں وہ اس بات سے امن میں ہیں کہ اللہ تعالےٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر ایسی صورت میں عذاب لائے جس کا انہیں گمان تک نہ ہو، یا انہیں حالتِ سفر میں پکڑ لے اور وہ کچھ نہ کر سکیں، یا انہیں خوف میں مبتلا کر دے۔ بلاشبہ تمہارا ربّ رؤف و رحیم ہے۔" (النحل ع ۱)

۳- "اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کیا کہ رات کو ہمارا عذاب آ گیا یا دن کو قیلولہ کی حالت میں، اور عذاب کے وقت وہ کہہ اُٹھے کہ ہم ہی ظالم تھے"۔ (اعراف ع ۱)

"کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا، جنہیں ہم نے دنیا میں وہ غلبہ دیا جو تمہیں نہیں دیا۔........ پس ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور ان کی جگہ دوسری قوم کو مسلّط کر دیا" (انعام ع ۱)

اور خود مسلمانوں کی تاریخ ایسی بے شمار قوموں سے عبارت ہے جو برسرِ اقتدار آئیں اور پھر ان کا اقتدار خاک میں مل گیا۔ حتیٰ کہ ایک وقت آیا ہے کہ دنیا کی مشرک، کافر اور کمزور قوموں کو ان پر مسلط کر دیا۔ اور یہ سب کچھ بد اعمالیوں ہی کا ثمر تھا۔ عقائد کی وجہ سے نہ تھا۔

نوائے وقت کے محولہ بالا اداریہ میں ملک میں انتشار و فساد کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ "ملک انحطاط پذیر ہے۔ حکومت اور معاشرے کا بنیادی تقاضہ افراد کی جان، مال اور عزت کی حفاظت ہے۔ لیکن کتنے قتل ہیں جو روز روشن میں ہوئے اور ان کے قاتلوں کا سراغ نہیں لگا۔ اسلامی اقدار مضمحل ہو رہی ہیں۔ نائٹ کلبوں میں فحاشی عام ہے۔ شراب نوشی، جُوا، بدکاری کے وسائل آزاد ہو چکے ہیں، ریڈیو، سینما، ٹیلی ویژن تمام اخلاقی اقدار کو ملیا میٹ کرنے میں مصروف ہیں۔ تعلیمی اداروں میں بے راہ روی کا دور دورہ ہے۔ سیاست کے نام پر وحشیانہ تشدد کی حکومت ہے۔ صوبائی عصبیت زوروں پر ہے۔ ہر طرف رشوت سمگلنگ، لوٹ کھسوٹ، بلیک مارکیٹنگ مسلط ہے۔ دفاتر میں تخریب و فساد ہے۔ خود وزیر اعظم نے بہاول پور کے دورہ میں اقرار کیا کہ ان کی پارٹی میں سمگلر، دسّہ گیر وغیرہ نے دھاندلی مچا رکھی ہے۔ اور اگر یہ سب کچھ حکومت کے بس سے باہر ہے تو پھر حکومت کا اقتدار سے چمٹے رہنا ناقابل فہم ہے۔ گو کوئی بھی حکومت اس ملک کو خرابی سے نہیں بچا سکتی،

ملک کی بربادی اور بدحالی کا ایک منظر دنیا نے ملک میں احمدیوں کے خلاف مظاہروں کی شکل میں بھی دیکھا۔ پانچ ماہ تک ملک میں ایک کمزور، قلیل اور نہتی جماعت پر ہر ظلم روا رکھا گیا۔ حکومت کی مصلحتوں نے غیر جانبداری کو ملحوظ رکھا اسی عرصہ میں اس فرقہ کی مساجد کو جلایا گیا، قرآن حکیم سمیت ان کی دینی کتابوں کو جلایا گیا۔ دکانیں لوٹی گئیں، مکانوں کو نذر آتش کیا گیا۔ بیسیوں خواتین، بچے

بوڑھے اور جوان محض حریت ضمیر کے جرم کی پاداش میں نذر آتش و تیغ کئے گئے اور معصوم بچوں اور اس ملک کے امن پسند شہریوں پر غذا، دودھ اور پانی تک بند کیا گیا۔ حتیٰ کہ ان مردوں کو ان کے آبائی قبرستانوں میں دفن ہونے سے روکا گیا۔ انسانیت سیاست کی نذر ہوگئی اور ان کی حفاظت کی ذمہ دار حکومت نے آج تک ان نقصانات کی تلافی کی طرف توجہ نہیں دی، جو کہ اس کی موجودگی میں اس ملک کے ان مظلوم باشندوں کو اُٹھانے پڑے۔

یہ مملکت اسلامیہ پاکستان اگر اسلام کے نفاذ کی مدعی ہے تو پھر فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق احمدیوں کی جان، مال اور عزت کی حفاظت اس کے ذمے ہیں۔ اور نقصان کی صورت میں بے گھر اور لُٹے پٹے لوگوں کی دستگیری حکومت کا فرض ہے۔ مگر وہ فریضہ آج تک شرمندۂ تکمیل نہیں ہوا۔

پھر قرآن کریم نے جنگ کی پہلی بار اجازت ایک تو اس لئے دی کہ بانھم ظلموا کہ ان پر ظلم کیا گیا اور دوسرے اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ ظلم کو دفع نہ کرے تو لوگوں کی عبادتگاہیں محفوظ نہ رہیں۔ مگر جماعت احمدیہ کی مساجد اور کمزور و مظلوم اراکین پاکستان کی اسلامی حکومت میں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور حکومت نے آج تک ان مساجد، مکانات اور مکینوں کی بحالی و آباد کاری کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔

ان حالات میں اگر اس ملک پر اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکے اور وہ قوم کو اصلاح حال کے لئے جھنجھوڑے تو حکومت کا فرض یہ ہے کہ وہ قوم کو اعتماد میں لے کر اس ملک میں اسلامی اور انسانی اقدار کو بحال کرے، ورنہ یہ محال ہے کہ خدا کی مخلوق جور و ستم کا ہدف ہو، لوگوں کی جان و مال اور عزت محفوظ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ان مظلوموں کی دستگیری نہ کرے۔ پھر کسے معلوم نہیں کہ جن علاقوں میں زلزلہ آیا ہے وہاں احمدیوں پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا۔ یہی علاقے جنونی مولویوں کے پروپاگنڈے کے گڑھ تھے۔ چنانچہ الائی، پالس وغیرہ کے لوگوں نے ایبٹ آباد اور قرب و نواح میں احمدیوں کے مکانوں کو جلایا اور لوٹا اور پتھراؤ کیا۔ حتیٰ کہ وہ ترک وطن پر مجبور ہوگئے۔ گو ہمیں اس زلزلہ سے متاثرین سے دلی ہمدردی ہے۔ مگر ہم قوم اور حکومت سے کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ مظلوموں کی آہوں سے بچو۔ خدا پکڑتا ہے، تو پھر کوئی بچا نہیں سکتا، اس لئے خدا سے ڈرو اور اس ملک میں اسلام کے پاک نام پر دھاندلی ختم کرو اور انسانیت کو قائم کرو۔

زلزلہ سے متاثر انسانوں کی مدد کو پہنچیے

قارئین پیغام صلح اس قیامت خیز زلزلہ کی تباہ کاریوں سے آگاہ ہو چکے ہیں جس نے ۲۸؍دسمبر کو ہزارہ اور سوات کے وسیع علاقے میں ہزاروں انسانوں کو موت کی آغوش میں سُلا دیا۔ اور آج ہزاروں سہاگنوں، یتیموں اور زخمیوں کی سسکیاں ہمیں مدد کے لئے پکار رہی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ جہاں ہم خدا سے ان کے لئے دُعا کریں وہاں ان کے دُکھ درد میں شریک ہوں، اور دامے درمے، سخنے، قدمے جس طرح بھی ممکن ہو ان کے مصائب میں شریک ہوں، یہی انسانیت ہے۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے اور خدا کی رضا کے حصول کا یہی واحد اور مختصر ذریعہ ہے۔

پس ہم میں سے ہر ایک فرد کا اوّلین فرض ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کارِ خیر شرکت کرے اور وزیر اعظم کے امدادی فنڈ میں حصہ لے۔

(ادارہ)

شفیق مرزا

شائقینِ تکفیر کے خلوت خانۂ خیال کی نذر

(حضرت امام ابن قیمؒ اپنے زمانہ کے مکفرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں)

وَمِنَ الْعَجَائِبِ اَنَّكُمْ كَفَّرْتُمْ — اَهْلَ الْحَدِيْثِ وَشِيْعَةَ الْقُرْاٰنِ

اَلْكُفْرُ حَقُّ اللّٰهِ ثُمَّ رَسُوْلِهٖ — بِالنَّصِّ يَثْبُتُ لَا بِقَوْلِ فُلَانِ

مَنْ كَانَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ وَعَبْدُهٗ — قَدْ كَفَّرَاهُ فَذَاكَ ذُوْ كُفْرَانِ

فَهَلُمَّ وَيْحَكُمْ نُحَاكِمُكُمْ اِلٰى — النَّصَّيْنِ مِنْ وَحْيٍ وَمِنْ قُرْاٰنِ

وَهُنَاكَ يُعْلَمُ اَيُّ حِزْبَيْنَا عَلَى الْكُفْرَانِ حَقًّا اَوْ عَلَى الْاِيْمَانِ

فَلْيَهْنِكُمْ تَكْفِيْرُ مَنْ حَكَمَتْ بِاِسْلَامٍ وَاِيْمَانٍ لَهُ النَّصَّانِ

اِنْ كَانَ ذَالِكَ مُكَفَّرًا يَا اُمَّةَ اللُّعْدَوَانِ مَنْ هٰذَا عَلَى الْاِيْمَانِ

كَفَّرْتُمْ وَاللّٰهِ مَنْ شَهِدَ الرَّسُوْلُ بِاَنَّهٗ حَقًّا عَلَى الْاِيْمَانِ

كَمْ ذَا التَّلَاعُبُ مِنْكُمْ بِالدِّيْنِ وَالْاِيْمَانِ مِثْلَ تَلَاعُبِ الصِّبْيَانِ

خُسِفَتْ قُلُوْبُكُمْ كَمَا كُسِفَتْ عُقُوْلُكُمْ فَلَا تَزَكُّوْا عَلَى الْقُرْاٰنِ

يَا قَوْمِ فَانْتَبِهُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَخَلُّوا الْجَهْلَ وَالدَّعْوٰى بِلَا بُرْهَانِ

ترجمہ:

۱۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم نے اہلِ حدیث اور اہلِ قرآن کی تکفیر کر ڈالی
۲۔ تکفیر تو اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے (تمہیں یہ منصب کس نے دیا؟) وہ نص سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ فلاں دہماں کے قول سے۔
۳۔ جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ کافر کہیں وہی کافر ہے۔
۴۔ افسوس تم لوگوں پر آؤ اب ہم کتاب و سُنّت پر اپنا مقدمہ پیش کرتے ہیں
۵۔ وہاں چل کر کھل جائے گا کہ ایمان پر کون ہے اور کفر پر کون
۶۔ ان لوگوں کو کافر کہنا جن کے ایمان و اسلام پر کتاب و سُنّت گواہی دیں تمہیں مُبارک ہو۔
۷۔ سرکشو اگر ایسے لوگ کافر ہیں تو پھر مؤمن کون ہے
۸۔ بخدا تم اس کی تکفیر کر رہے ہو جس کے مؤمن ہونے کے بارے میں رسالت مآب گواہی دیتے ہیں۔
۹۔ کب تک دین کو بازیچۂ اطفال بنائے رکھو گے۔
۱۰۔ تمہارے دل اور عقلیں گہنا گئی ہیں قرآن سے تو تجاوز نہ کرو
۱۱۔ اے لوگو اپنی جان کے بچاؤ کے لئے بیدار ہو جاؤ اور اس جہالت اور دعویٰ بلا دلیل کو چھوڑ دو۔

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر — شریکِ زمرۂ لایحزنون کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں — مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر
(اقبالؒ)

محترم شیخ نثار احمد صاحب　(تقریر بر جلسہ سالانہ)

راہِ حق میں استقامت

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا و ابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ۔ نحن اولیاءکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیہا ما تشتھی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون نزلا من غفور رحیم ○ (سورۃ الشوریٰ)

ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالےٰ کو اپنا ربّ سمجھتے ہیں اور اس ایمان میں استقامت اختیار کرتے ہیں ۔ ان کے لئے خوشخبری ہے ۔ ان پر ملائکہ نے نزول کیا ۔ خوف و حزن سے نجات دی ۔ دنیا اور آخرت میں اللہ ان کا والی ہے ۔ ان کے لئے منہ مانگی نعمتیں ہیں ۔ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے مہمانی ہے ۔

تو استقامت بڑی نتیجہ خیز نعمت ہے ۔ اور استقامت کسی بات پر مضبوطی سے قائم ہو جانا ہے ۔ اور افضل ترین استقامت نیکی اور دین پر قائم ہو جانا ہے جو خدا کے ہو جاتے ہیں وہ بڑی سے بڑی تکلیف بھی برداشت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں ۔ لوگوں کو راہِ حق میں بڑی اذیتیں دی گئیں لیکن قوتِ ایمانی نے ان کو متزلزل نہیں ہونے دیا ۔ وہ چٹان کی طرح مضبوط رہے ۔ انہوں نے نتائج کی پرواہ نہیں کی ۔ اصل ایمان یہی ہے کہ ہمارا بھروسہ اسی ذاتِ خداوندی پر ہو اور اتنا زبردست ہو کہ ہم ہر چیز کو اسی کی طرف سے سمجھیں اور یقین کریں کہ ہر حالت عُسر و یُسر میں کوئی حکمت پوشیدہ ہے اور یہ ہماری بہتری کے لئے ہے ۔ ایسے لوگوں کو خدا اکیلا نہیں چھوڑتا ۔

کہنے کو تو یہ آسان ہے لیکن عملی طور پر یہ انتہائی مشکل ہے اور اس کٹھن امتحان سے سرخرو ہو کر نکلنا اجرِ عظیم کی ضمانت ہے ورنہ ہوتا عام طور پر یہ ہے کہ جو گھڑی ہوتی ہے اپنے آپ کو سنبھالنے کی وہی ہمیں گرانے کا موجب ہوتی ہے یہی فرق ہے آسائش اور آزمائش کی گھڑی میں ۔ یہ مشکل ضرور ہے لیکن ان کے لئے نہیں جو اس ارشاد ربّانی کے مصداق ہیں وما یلقّھا الا ذو حظ عظیم ۔ وما یلقھا الا الصّبرون ۔ صاحب نصیب اور صابروں کے لئے یہ مشکل نہیں ہے ۔

واقعات شاہد ہیں کہ تاریخ اسلام میں حیرت انگیز مثالیں موجود ہیں استقامت کی ۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ قوتِ ایمانی کا پیکر تھے ۔ انہیں تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹا جاتا تھا اور انہیں کہا جاتا کہ بتوں سے عہد وفاداری کی تائید کرو لیکن اس مردِ خدا کی زبان سے ان سختیوں اور اذیتوں کی شدّت کے باوجود الفاظ جو نکلتے تھے وہ تھے احد احد ۔ یہ عالم تھا ان کی توحید پرستی کا اور استقامت کا ۔ مرد تو مرد بعض مسلمان عورتوں پر بھی اس قدر سختیاں ہوئیں کہ ان کے تصوّر سے دل کانپ جاتے ہیں ۔ ایک اہلِ حق خاتون کا یہ واقعہ تاریخ کی زینت ہے کہ انہیں کفار نے دھمکی دی تھی کہ کُفر میں لوٹ آؤ ورنہ تمہاری آنکھیں نکال دی جائیں گی ۔ لیکن کیا ایمان تھا اس خاتون کا ۔ انہوں نے کسی بات کی پرواہ نہ کی ۔ چنانچہ کفار نے ان کی ایک آنکھ نکال دی اور وہ اس انتظار میں تھے کہ وہ اب اسلام سے رُوگردان ہو جائے گی ۔ لیکن وہ اپنے ایمان پر پختہ رہی ۔ دشمنوں نے برچھی ماری جس سے دوسری آنکھ بھی نکال دی ۔ اور بینائی سے بالکل محروم ہو گئیں ۔ وہ کہنے لگیں کیا ہوا جو تم نے میری آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے ۔ میرے دل کی آنکھیں اور روشن ہو گئی ہیں ۔ تکلیف پر تکلیف آتی ہے لیکن وہ اور مضبوط ہوتی جاتی ہیں ۔ یہ تھا اس زمانے میں شجاعت کا عالم ۔

ایک صحابی کے متعلق لکھا ہے کہ جب ان کے ہاتھ کاٹے گئے تو انہوں نے کہا میں وضو کرتا ہوں اور جب سر پر وار ہوا تو کہا میں سجدہ کرتا ہوں اور جامِ شہادت نوش کر لیا ۔

حضرت صاحب فرماتے ہیں اس لذت کے بعد جو خدا تعالےٰ میں ملتی ہے ایک کیڑے کی طرح کچل کر مر جانا منظور ہوتا ہے اور مؤمن کے لئے سخت سے سخت تکالیف بھی آسان ہو جاتی ہیں ۔ سچ پوچھیں تو مؤمن کی نشانی ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ مقتول ہونے کے لئے تیار رہتا ہے ۔

حضرت مجدد زماںؑ نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو کہہ دیا جائے کہ عیسائی ہو جاؤ یا قتل کر دیئے جاؤ گے ۔ اس وقت دیکھنا چاہیئے کہ اس کے نفس سے کیا آواز آتی ہے ۔ آیا وہ مرنے کے لئے سر رکھ دیتا ہے یا نصرانی ہونے کو ترجیح دیتا ہے ۔ اگر مرنے کو ترجیح دیتا ہے تو وہ مؤمن حقیقی ہے ۔ غرض ان مصائب میں جو مؤمنوں پر آتے ہیں اندر ہی اندر ایک لذّت آتی ہے ۔ بھلا سوچو تو سہی اگر یہ مصائب بالذّت نہ ہوتے تو انبیاء علیہم السلام ان مصائب کا ایک دراز سلسلہ کیوں گذارتے ۔

کہتے ہیں الاستقامت فوق الکرامت ۔ سب قوموں کے جدّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ۔ یہ استقامت ہی تو تھی کہ خواب میں حکم ہوا کہ بیٹا ذبح کر ۔ خواب کی تعبیر اور تاویل بھی ہو سکتی تھی ۔ مگر خدا تعالےٰ پر ایمان اور دل میں ایسی قوت تھی کہ حکم پاتے ہی معاً تعمیل کے لئے تیار ہو گئے اگر کسی کا بچہ مرض میں مبتلا ہو جائے یا کوئی تکلیف ہو جائے تو خدا تعالیٰ کی نسبت ہزار شکوک پیدا ہو جاتے ہیں اور شکایت کے لئے زبان کھولتے ہیں لیکن ابراہیمؑ نے بیٹے کی محبت کو کچل ڈالا اور اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے ۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کو خدا تعالےٰ کبھی ضائع نہیں کرتا ۔ ایسے لوگوں کے کلمات طیبات قرار دیئے جاتے ہیں ۔ ان کو ذریعہ دُعا اور ان کے کپڑوں کو متبرک قرار دیا جاتا ہے ۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مؤمنوں کا ابتلاء برنگ انعام ہوتا ہے ۔ اس عظیم بزرگ کے بعد نبی کریمؐ کی ۱۳ سالہ زندگی جو مکہ میں گذری اس میں جس قدر مصائب اور مشکلات آپ پر آئیں، ہم ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے ۔ ان لرزا دینے والی تکالیف سے آپ کی عالی حوصلگی ۔ فراخ دلی ۔ استقلال اور عزم و استقامت کا پتہ چلتا ہے کیا کوہ وقار انسان ہے کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں مگر آپ کو ذرا بھر جنبش نہ دے سکے ۔ وہ اپنے منصب کے ادا کرنے میں ایک لمحہ بھی سُست اور غمگین نہیں ہوئے اور تکلیفیں ان کے ارادے کو تبدیل نہ کر سکیں ۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں، کہا جا سکتا ہے کہ آپ تو خدا کے حبیب، مصطفےٰ، مجتبےٰ تھے پھر یہ مصیبتیں آپ پر کیوں آ گئیں ۔ حضرت صاحب نے اس پر خوب لکھا ہے فرماتے ہیں :—

پانی کے لئے جب تک زمین کو کھودا نہ جائے اس کا جگر پھاڑا نہ جائے وہ کب حاصل ہو سکتا ہے ۔ زمین کو گہرا کھودتے چلے جائیں تب کہیں جا کر خوشگوار پانی ملتا ہے ۔ جو مایہ حیات ہوتا ہے ۔ اسی طرح وہ لذّت ہے جو خدا تعالےٰ کی راہ میں استقلال اور ثباتِ قدم دکھلانے سے ملتی ہے ۔

جو لوگ اس کوچہ سے بے خبر ہیں وہ ان مصائب کی لذّت سے کیا آشنا ہو سکتے ہیں ۔ محبت ایک ایسی شئے ہے وہ سب کچھ کرا دیتی ہے ۔ جھوٹی محبتوں اور فسق و فجور میں جلوہ گر ہونے والے عشق میں بھی انسان تکلیفیں برداشت کر لیتا ہے تو خدا تعالےٰ کے عاشق زار اور آستانہ الوہیت پر قربان ہونے والوں کی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ غرض ہم مجاہدہ کریں اور خدا میں ہو کر رہیں یہ وہ مقام ہے جب مشکلات کی کچھ حقیقت نہیں رہتی اور یہ مقام شہادت ہے

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

صبر اور تقوےٰ پر ہمارا عزم ہو جائے ۔ فان ذالک من عزم الامور ہٹ دھرمی اور ضد کا نام عزم نہیں ۔ خوبی ۔ شرف اور عزّت کی باتوں میں عزم کر

کر لینا چاہیئے۔ بعض اس دنیا کی زندگی کو ہی غرض وغایت سمجھ لیتے ہیں۔ دنیا سے تو گریز نہیں۔ اس میں تو نیک و بد سبھی رہتے ہیں۔ یہ حیواتی زندگی تو لازماً منقطع ہونے والی ہے۔ اس لئے جس نے اس کو غرض و غایت بنایا، اس نے بڑا دھوکا کھایا۔ کیونکہ جب یہ منقطع ہوئی تو گویا ایسا شخص خالی ہاتھ رہ گیا۔ اسلام کے نزدیک جو دنیا کی مذمت ہے وہ انہی معنوں میں ہے۔

تو ہمارے سامنے اسلام کی روشن اور تابندہ تاریخ موجود ہے۔ اور یہ زرّین تعلیم موجود و محفوظ ہے۔ جس کے سامنے آج زمانے کے اہل علم نے گردنیں جھکا دی ہیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان اسی دنیا میں رہتے تھے۔ دنیا اس وقت بھی ایسی ہی کشش اور رنگ دمک اور کشش رکھتی تھی۔ لیکن انہوں نے دین کو مقدم کیا۔ اس تعلیم پر عمل کیا۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ موازنہ کر کے دیکھ لیں۔

اس صدی کے مجدد نے بھی یہی تعلیم دی تھی۔ اسی دین متین کی تجدید کے لئے مبعوث ہوئے۔ اور اپنے عظیم نمونہ، عمل جد و جہد اور ناقابل فراموش خدمات دینیہ سے ایک لائحہ عمل ہمارے سامنے رکھا۔ جسے اس چھوٹی سی جماعت نے اپنا لیا۔ اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ حق ابھی زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ استقامت ہوتی ہی حق پر ہے۔ ناحق پر استقامت کچھ معنے نہیں رکھتی حضرت مجدد زمان نے کیا خوب فرمایا:۔

"میں جو ۲۴ سال سے ایک بات کہہ رہا ہوں کیا میں روزانہ خدا تعالےٰ پر افترا کرتا ہوں۔ اور خدا اپنی سنت قدیم لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین۔ کو نہ برتے۔ بدی کرنے اور جھوٹ بولنے میں کبھی مداومت اور استقامت نہیں ہوتی۔

فرماتے ہیں:۔

آخر کار انسان دروغ کو چھوڑ ہی دیتا ہے تو کیا میری بھی فطرت ایسی ہو رہی ہے کہ میں ۲۴ سال سے اس جھوٹ پر قائم ہوں اور برابر چل رہا ہوں اور خدا تعالےٰ بھی خاموش ہے اور بالمقابل ہمیشہ تائیدات پر تائیدات کر رہا ہے خدا تعالےٰ نے کس قدر پیشگوئیاں میرے ہاتھ پر پوری کیں اور میں نے آئندہ کے حالات جو لکھے ان کو دیکھا جائے کہ وہ تمام کس طرح پورے ہوئے۔ کیا یہ کذاب اور مفتری کی رونق افزائی کے لئے ہے۔

آپ نے فرمایا:۔

"میں وصیت کرتا ہوں عمر کا کوئی بھروسہ نہیں نہ صرف ہے کہ اس کو غنیمت سمجھا جاوے یہ خدا تعالےٰ کے نشان ہیں۔ ان سے منہ موڑنا خدا تعالےٰ کی حکم عدولی ہے"

تو احباب کرام جب تقوےٰ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جو بات اہمیت کے لائق ہے اس کو اہمیت دی جائے۔ نیکی پر قائم ہو جانا اور معصیت سے رکنا عین اسلام ہے اور صبر اور استقامت کا بھی یہی مفہوم ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے یا ایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا۔ ان تینوں باتوں میں اگر ایک طرف نیکی پر قائم ہونے اور باہم اچھا معاملہ کرنے کی ہدایت ہے تو دوسری طرف بدی کے مقابل اور دشمن کے مقابل میں تیار رہنے کی ہدایت ہے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ہمارے اندر حق پر استقامت ہو، اور ہم دشمن کے مقابلہ میں اس سے بڑھ کر مصائب برداشت کرنے کے عادی ہوں۔ اور دشمنوں سے بڑھ کر ہمارے اندر صبر ہو۔ دین پر حملہ ہو تو ہم دلائل اور جواب سے تیار ہوں۔ تو مجدد زمان نے ہمیں ہر طرح کے ہتھیاروں سے تیار رہنے کی تاکید فرمائی سب سے پہلے تقویٰ کا ہتھیار دیا کہ ہم اسلام پر کاربند ہوں۔ پھر دلائل کا وہ ذخیرہ دیا کہ کوئی دین اسلام کے مقابل پر غالب نہیں آ سکتا۔ کیا یہ معمولی خدمت ہے آپ نے فرمایا:

جب کوئی خدا تعالےٰ کی طرف سے مرسل آوے گا تو وہ انسان ہی ہوگا فرشتہ نہیں آتا۔ لوگ اس کے لوازم انسانیت سے گھبرا جاتے ہیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے ایک حجاب ہے اور یہ حجاب بھی ضروری ہے جس میں ہر ایک مامور مستور ہے۔ مبارک وہ جو اس حجاب کے اندر اس شخص کو دیکھ لے۔

اور استقامت کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ:۔

میرے نزدیک شق القمر کا معجزہ ایسا زبردست معجزہ نہیں جیسا رسول پاک کا استقامت ایک معجزہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ضرورت کے وقت انبیاء علیہم السلام معجزہ دکھاتے ہیں اور وہ نور و ہدایت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر استقامت کا معجزہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ضرورت کے وقت انبیاء علیہم السلام معجزہ دکھاتے ہیں۔ اور وہ نور و ہدایت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر استقامت کا معجزہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر جو مصیبتیں آتی ہیں ان کا عشر عشیر بھی ان کے غیر پر وارد ہو تو ان میں زندگی کی طاقت باقی نہ رہے۔ یہ لوگ بغرض اصلاح آتے ہیں۔ کل دنیا ان کی دشمن ہو جاتی ہے۔ لاکھوں آدمی ان کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں لیکن یہ خطرناک دشمن بھی ان کے اطمینان میں خلل انداز نہیں ہو سکتے۔ اگر ایک شخص کو دوسرے سے دشمنی ہوتی ہے تو وہ ایک لمحہ بھی اس کے شر سے امن میں نہیں رہتا چہ جائیکہ ملک کا ملک ان کا دشمن ہو پھر یہ لوگ با امن زندگی بسر کریں۔ ان تمام تلخ کاموں کو ٹھنڈے دل سے برداشت کریں۔ یہ برداشت بھی بڑا معجزہ اور کرامت ہے۔ کل قوم کا ایک طرف ہو جانا۔ دولت۔ سلطنت۔ دنیوی وجاہت۔ ترغیبیں یہ سب اس شرط پر کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے سے رک جائیں لیکن ان سب کے مقابل پر رسالت مآب حضرت نبی کریم صلعم کا فرمانا کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج لا کر رکھ دو تو پھر بھی میں اپنے مسلک سے نہیں ہٹوں گا۔ اگر میں اپنے نفس سے کرتا تو یہ سب کچھ قبول کر لیتا۔ لیکن میں تو خدا کے حکم کے ماتحت اپنے اس مسلک پر قائم ہوں۔ ہم نے بھی خدا کے ایک مامور کے مسلک پر بیعت کی ہے جو خدا کے ارادوں اور نبی کریم صلعم کے فرمان کے مطابق آیا۔ اس مامور نے ہمیں اسلام کی ہی راہ بتائی ہے اور بے نظیر مآثر اور شرائط بیعت دی ہیں جس کا خلاصہ اس میں آ جاتا ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اس سے زیادہ اور کس بات پر استقامت کی دُعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ زندگی کا اس سے زیادہ بلند مقصد اور کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ دعاؤں میں لگا رہنا چاہیئے اور مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ بالآخر صراط مستقیم کا مسافر منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ آپ نے ایک مثال دی ہے کہ ایک ادنےٰ درجہ کا فقیر بھی بخیل سے بخیل انسان کے دروازے پر دھرنا مار کر جب بیٹھ جاتا ہے تو کچھ نہ کچھ لے کر ہی اٹھتا ہے۔ لیکن ہمارا خدا تو رحیم و کریم خدا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی اس کے دروازے پر گرے اور خالی ہاتھ اُٹھے۔ اگر چاہتے ہو کہ ساری مرادیں پوری ہوں تو اس کے فضل سے ہوں گی۔ بعض اوقات انسان کو دھوکا لگتا ہے کہ فلاں مراد پوری نہیں ہوئی۔ حالانکہ بات یہ ہوتی ہے کہ اللہ احتیاج سے ہی انسان کو بری کر دیتا ہے۔ آپ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک بادشاہ کا گذر ایک فقیر پر ہوا جس کے پاس صرف ستر پوشی کو چھوٹا سا پارچہ تھا۔ مگر وہ بڑا خوش تھا۔ بادشاہ نے پوچھا اس قدر خوش کیوں ہو۔ فقیر نے جواب دیا جس کی ساری مرادیں پوری ہو جائیں وہ خوش نہ ہو تو اور کون ہو۔ بادشاہ کو بڑی حیرانی ہوئی اس نے پوچھا کیا تیری ساری مرادیں پوری ہوئی ہیں۔ فقیر نے کہا کوئی مراد اور خواہش ہی نہیں۔ سبحان اللہ کلام الٰہی میں کیا خوب آیا ہے: ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون۔ جو اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو ہی کامیاب ہوں گے۔ شح بخل اور حرص کے اکٹھا ہونے کا نام ہے۔ اور اتلاف حقوق کا بڑا باعث یہی ہے۔ جو ان سے بچ گیا تو وہ کامیابی سے ہمکنار ہو گیا اور اس نے زندگی کے مقصد اعلےٰ کو پا لیا یہی عمل تھا قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا۔ آنحضرت صلعم نے انصار سے دریافت کیا

ہو جاؤ کہ نہ مخلوق کا حق تم پر باقی رہے اور نہ خالق کا۔ یاد رکھو جو شخص مخلوق کا حق دباتا ہے اس کی دعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ ظالم ہے۔ اس سلسلہ میں داخل ہو کر تمہارا وجود دنیا سے بالکل الگ ہو اور تم بالکل ایک نئی زندگی بسر کرنے والے انسان بن جاؤ۔ جو کچھ تم پہلے تھے وہ نہ رہو یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں تبدیلی کرنے سے تم لوگ محتاج ہو جاؤ گے یا تمہارے بہت دشمن ہو جائیں گے ہرگز نہیں بلکہ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ کا دامن پکڑنے والا ہرگز کسی انسان کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ اس پر کبھی برے دن نہیں آ سکتے۔ جس کا اللہ تعالےٰ دوست اور مددگار ہو اگر ساری دنیا بھی اس کی دشمن بن جائے تو اس کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ اگر مشکلات میں بھی پڑ جائے تو اسے ہرگز تکلیف نہیں ہوتی بلکہ ایسی حالت اس کے لئے بہشت کی سی حالت ہوتی ہے اور اللہ تعالےٰ کے فرشتے اسے والدہ کی طرح گود میں لئے رہتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ نیک آدمیوں کا اللہ تعالےٰ خود محافظ و ناصر ہو جاتا ہے وہ خدا جو علےٰ کل شیئٍ قدیر عالم الغیب حیّ و قیّوم خدا ہے۔ اس کا دامن پکڑ لینے والا کیا کوئی شخص تکلیف پا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ خدا اپنے نیک بندوں کو ایسی مشکلات کی حالت سے اس طرح بچا لیتا ہے کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے۔ آگ میں پڑ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زندہ نکل آنا کیا دنیا کے لئے حیرت انگیز امر نہیں تھا۔ کیا حضرت نوحؑ کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ طوفان سے سلامت بچ نکلنا کوئی چھوٹی سی بات تھی۔ غرض اس قسم کی بے شمار نظیریں ہیں اور خود ہمارے زمانے میں اللہ تعالےٰ نے اپنے دستِ قدرت کے عجیب عجیب کرشمے دکھائے ہیں۔ پس یہ وقت ہے تم سچے دل سے توبہ کرو اور اپنے دلوں کو پاک کر لو۔

استقامت کے لئے یہ ہی شرط ہے اور اس کی بنیاد سچائی اور تقویٰ پر ہے۔ اس مصلح اعظم کا یہی مشن تھا۔ آپ نے فرمایا :-

دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے دُور کرتی ہیں۔ اگر تم دنیا کی ایک ذرہ ملونی اپنی اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں۔ تم ہرگز توقع نہ رکھو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کرے گا تم اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح کیڑے ہلاک ہو جاتے ہیں اور تم میں خدا نہیں ہوگا بلکہ تمہیں ہلاک کر کے خدا خوش ہوگا۔

آپ نے ایک رؤیا بیان فرمایا ہے :-

"ایک بڑا وسیع میدان ہے جس میں ایک نالی کھودی ہوئی ہے۔ جس کے کنارے پر قصاب بھیڑیں لٹائے ہوئے ہاتھ میں چھریاں لئے بیٹھے ہیں اور آسمان کی طرف منہ کئے ہوئے حکم کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں ان کے پاس ٹہل رہا ہوں اتنے میں میں نے پڑھا قل ما یعبؤ بکم ربی لولا دعاؤکم۔ یہ سنتے ہی انہوں نے سب بھیڑوں کے گلے پر چھریاں پھیر دیں۔ بھیڑیں تڑپتی ہیں اور قصاب انہیں کہتے ہیں تم ہو کیا۔ گندگی کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔"

حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ وہ نظارہ میری آنکھوں کے سامنے اس وقت تک ہے۔ غرض اللہ تعالےٰ بے نیاز ہے اسے صادق مؤمن کے سوا کسی دوسرے مؤمن کی ذرّہ بھر پرواہ نہیں ہوتی۔ اس لئے پکے مومن بنو اور عذاب سے پہلے دعاؤں میں لگ جاؤ۔

آپ نے فرمایا ہے :

"اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا وہ گھر بابرکت ہوگا جس میں تم رہتے ہوگے ان دیواروں پر خدا کی رحمت ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں اور وہ شہر بابرکت ہوگا جہاں اُدمی رہتا ہوگا پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو خدا کی عظمت دلوں میں بٹھاؤ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو تا خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر

(باقی برصفحہ ۱۲ کالم ۲)

جماعتِ اسلامی کا اخلاقی دیوالیہ پن

[جس طرح آج ہر مودودی فی سبیل اللہ شب و روز مخالفین کو گالیاں دینا خدمتِ اسلام سمجھتا ہے، اسی طرح حضرت مرزا صاحب کو مولویان وقت نے بے نقط سنائیں تو آپ نے بعض اوقات اپنے مکذبوں، مکفروں اور بدزبانوں کا مجبوراً تلخ جواب دیا۔ ذیل میں ہم جماعت اسلامی کے ہفت روزہ ایشیا مطبوعہ ۱۰ر نومبر ۱۹۷۴ء سے ایک نظم درج کرتے ہیں جس میں ان "ختم نبوت" کے فدائی مسلمان نمائندگانِ جمہور کو محض اس بناء پر ہدف مطاعن بنایا گیا ہے کہ انہوں نے ایک آرڈیننس کے ذریعہ ممبروں کو پارٹی بدلنے کی اجازت دی ہے۔ البتہ جو ممبر جماعت اسلامی میں شامل ہو جائے وہ صالح کا خطاب پاتا ہے۔ یہ ہے "اسلامی" تہذیب و شرافت کا نمونہ جو یہ صالحین کا نقارچی پیش کر رہا ہے، پڑھیئے اور بتایئے کہ کوئی گالی رہ گئی ہے۔ مدیر]

مفاد پرستوں سے

چشمِ غرض کی جنبشِ مژگاں تمہیں تو ہو — قلبِ ہوس کا جذبۂ عصیاں تمہیں تو ہو
صبحِ اُمید جس کے دھندلکے میں کھو گئی — وہ شامِ یاس و حسرت و ارماں تمہیں تو ہو
لُوٹا ہے جس نے قوم کا سرمایۂ سکوں — وہ رہزنِ مسرت و ارماں تمہیں تو
چھینا ہے جس نے صبر و قرارِ دلِ عوام — اس دیس میں نحوستِ دوراں تمہیں تو ہو
اے بندۂ خوشامد و خاقانِ اہلی — جمہوریت کے دشمنِ ایماں تمہیں تو ہو
اے دبدبۂ بدحواسیٔ جمہورِ مُلک و قوم — میرے وطن کے غولِ بیاباں تمہیں تو ہو
اے دائمی خزاں کے فرستادگانِ نحس — بربادیٔ بہارِ گلستاں تمہیں تو ہو
اے دشمنانِ نور، اے مردانِ روسیاہ — بازیگرانِ ظلمتِ دوراں تمہیں تو ہو
اے نکتہ دانِ حرفِ خوشامد خُدا گواہ — ہر بزدلی کے شیرِ نیستاں تمہیں تو ہو
جس انجمن میں جعفر و صادق تھے بار بار — اُس انجمن کی شمعِ فروزاں تمہیں تو ہو
وہ دورِ نامراد جو ملعُون بن چُکا — اُس کی شبوں کا خندۂ پنہاں تمہیں تو ہو
تاریکی بہت اس کو کہا جائے گر صدف — تو اس صدف کے گوہرِ تاباں تمہیں تو ہو
تم ہی تو ہو میمن دیارِ شہنشہی — بے رونقیٔ کلبۂ دہقاں تمہیں تو ہو
اس بحرِ بے کنار میں بہتے ہیں سکون — ہر کشتیٔ حیات کو طوفاں تمہیں تو ہو
جو عصمتِ نگاہِ وطن لوٹتے رہے — اربابِ قصرہائے زرافشاں تمہیں تو ہو
جس سے نظامِ خیر کی بنیاد ہل گئی — اس دیس میں وہ فتنۂ دوراں تمہیں تو ہو
اولادِ خشک سالیٔ دَوراں ہمیں تو ہیں — پروردگانِ موسمِ باراں تمہیں تو ہو
اے تاجرانِ خونِ غریباں خُدا گواہ — بے مُردگیٔ چہرۂ دہقاں تمہیں تو ہو
قُدرت نے گو کہ قوتِ گُفتار بھی نہ دی — بزمِ وطن میں پھر بھی غزلخواں تمہیں تو ہو
فطرت نے فکر و فہم سے حصہ نہیں دیا — پھر بھی یہاں ارسطوئے دَوراں تمہیں تو ہو

اس اقتدار و قوت و دولت کے باوجود
داغِ سیاہ چہرۂ انساں تمہیں تو ہو

دار السلام لاہور میں ایک ایمان افروز تقریب

ہمارے سالانہ دینی اجتماع نے بیرونی ممالک میں ہمارے بعض مبلغین کو مرکز میں جمع کر دیا۔ جمعۃ المبارک ۱۳ر جنوری کو لاہور کی مقامی جماعت احمدیہ کے پرجوش و مخلص احباب نے محترم شیخ محمد طفیل صاحب ایم۔اے مبلغ انگلستان اور محترم حافظ شیر محمد صاحب مبلغ فیجی کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا۔ اور احباب و خواتین لاہور نے اس میں کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔

جنوری کی خنکی کو مہر عالم تاب کی کرنوں نے حسین بنا اور تمازت بخش رکھی تھی، کہ صلوٰۃ جمعہ میں محترم ڈاکٹر محمد سعید صاحب کے ایمان افروز خطبہ اور دلآویز قرأت نے دلوں کو مزید گرما دیا۔

ٹھیک تین بجے ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی صدارت میں تقریب کا آغاز ہوا محترم مرزا محمد سلیم اختر نے لحن داؤدی سے تلاوت قرآن حکیم کی۔ محترم محمد ریاست صاحب نے خوش الحانی سے ایک نظم سنائی۔ اس کے بعد مقامی جماعت کے صدر محترم چوہدری مسعود اختر صاحب نے استقبالیہ تقریر میں ہر دو معزز مہمانوں کا مختصر الفاظ میں تعارف کرایا اور سٹیج سیکرٹری جناب نذر رتیب صاحب نے حافظ صاحب کو تقریر کی دعوت دی۔

حافظ شیر محمد صاحب خوشابی نے تشکریہ کے بعد فیجی میں اپنی تبلیغی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے جزائر فیجی کے محل وقوع، جغرافیائی حالات، آب و ہوا، تاریخ اور مقامی حالات پر مختصر الفاظ میں روشنی ڈالی اور وہاں کی آبادی کی تاریخ اور مذہبی اور نسلی تقسیم کی وضاحت کی، آپ نے فرمایا کہ ان جزائر کو ترقی دینے کے لئے انگریزی حکومت ہندوستان سے مزدور بھرتی کر کے لے گئی جن میں غالب اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ اور کوئی دس ہزار کے قریب مسلمان تھے۔

یہ لوگ مالی لحاظ سے خوشحال ہو گئے۔ لیکن عیسائی مشنریوں نے وہاں کی اصل کوبیتی نامی قوم کو عیسائی بنا لیا۔ مسلمانوں کی علمی اور دینی حالت کمزور تھی، اور ڈر تھا کہ وہ ہندوؤں اور عیسائیوں کے زیر اثر اسلام کو چھوڑ بیٹھتے کہ ۱۹۳۰ء میں ہماری جماعت نے محترم مرزا مظفر بیگ ساطع کو تبلیغ اسلام کے لئے فیجی بھیجا۔ مرزا صاحب نے اپنی عالمانہ تقاریر سے مخالفت کو کچل دیا اور مسلمانوں کو ارتداد سے بچا لیا۔ دو سال قبل محترم ماسٹر محمد عبداللہ صاحب فیجی تشریف لے گئے۔ اور ۱۹۵۵ء تک وہاں کام کرتے رہے۔ اس کے بعد خلا واقع ہوا۔ حتیٰ کہ مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی اور مولانا احمد یار صاحب نے جماعت کو از سر نو منظم کیا۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے حافظ صاحب نے فرمایا کہ میں ۱۹۷۳ء میں فیجی میں پہنچا، کام کی راہ میں اندرونی انتشار اور بیرونی مخالفت کی وجہ سے مشکلات تھیں۔ لیکن میں نے صبر و استقامت سے کام لیا، درس و تدریس سے کام کی ابتداء کی۔ نمازوں میں باقاعدگی کا اہتمام کیا، ابتدائی چھ ماہ تک تو میں سُوآ میں کام کرتا رہا اور حضرت مسیح موعودؑ، جماعت احمدیہ لاہور اور ان کی اسلامی خدمات سے لوگوں روشناس کیا۔ اس کے بعد مختلف شہروں اور علاقوں کے دورے شروع کئے، اور مختلف مقامات پر درس قرآن کے باقاعدہ اجتماعات کا آغاز کیا، حکومت نے ہمیں موقعہ دیا کہ ہم ریڈیو پر اسلامی تعلیمات پیش کریں، جس سے میرا اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا نام تمام جزائر میں متعارف ہو گیا۔ چونکہ ہمارا مسلک صلح کل ہے۔ اور ہم تمام مذاہب کے بزرگوں کا ذکر احترام سے کرتے ہیں۔ اس لئے میں جہاں کہیں جاتا ہندو سکھ اور عیسائی سبھی احترام اور محبت سے پیش آتے، اور جماعت نے میری اصلاحی خدمتکاریوں کا اعتراف کیا کہ اس نے مجھے مزید دو سال کے لئے تدریسی مساعی جاری رکھنے کی اجازت دلا دی ہے فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

فیجی کی جماعت میں خدا کے فضل سے بیداری کی نئی لہر دوڑ گئی ہے۔ میرے قیام کے دوران وہاں ایک عظیم "محمد علی" مسجد تعمیر ہو گئی ہے اور مزید مساجد کا پروگرام بنا لیا گیا ہے۔

یہی نہیں سب سے بڑا پریس ہمارے صدر جناب جی۔ این۔ ٹوین صاحب کا ہے۔ ہماری جماعت زیادہ تر تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل ہے۔ جن کے دلوں میں اسلام کا بہت درد ہے۔ چنانچہ یہاں مشترک درس قرآن میں عورتیں اور مرد سب شریک ہوتے ہیں وہاں عورتوں کا الگ درس بھی ہوتا ہے جس میں خواتین کی تعداد ستر اسی تک پہنچ جاتی ہے اور بعض خواتین درس سننے کے لئے دوسرے شہروں میں بھی پہنچ جاتی ہیں۔ پھر چند نوجوان باقاعدہ دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں تاکہ وہ میرے بعد آزادانہ کام کر سکیں۔

ہم نے ایک سہ ماہی رسالہ "پیغام حق" جاری کر دیا ہے۔ جس میں انگریزی اور اردو میں مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے مقامی "کوبیتی" زبان میں ترجمہ قرآن شروع کر دیا ہے۔ جس کی اشاعت کے لئے پچاس ہزار روپیہ جمع کر لیا ہے۔ اور ہمارا ارادہ ایک ایک پارہ کا ترجمہ شائع کرنا ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی زبان میں دیگر کتب کی اشاعت کا کام بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ خدا کا فضل ہے کہ پاکستان میں ۷ ستمبر کے فیصلے کا ہم پر اچھا اثر پڑا ہے اور جماعت میں ایک نیا عزم اور ولولہ پیدا ہوا ہے اور خدا سے اُمید ہے کہ اگر ہمارا کام بدستور جاری رہا۔ تو اس علاقے میں ہماری مساعی سے اسلام کو جلدی غلبہ حاصل ہوگا۔

محترم شیخ محمد طفیل صاحب

حافظ صاحب کی پُر مغز تقریر کے بعد ہمارے محترم بھائی شیخ محمد طفیل صاحب مائیک کے سامنے تشریف لائے۔ شیخ صاحب کا اسلوب تقریر منفرد ہے۔ جس میں زیر و بم تو نہیں ہوتا لیکن آپ کا ایک ایک لفظ دل و دماغ میں اتر جاتا ہے۔ آپ نے اپنی تقریر کا آغاز پاکستان میں ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلہ سے کیا آپ نے فرمایا کہ میں ان دنوں سورینام (ڈچ گیانا) میں ویسٹرن ہیمسفیئر کی چھٹی سالانہ کانفرنس میں شرکت کے لئے گیا ہوا تھا۔ اس اعلان کو ہمارے تمام احباب نے ملے جلے جذبات سے سُنا اور گویا ایک مختصر سا گروہ جو پوری طرح ہم خیال نہ تھا مضطرب ہوا، لیکن اکثریت نے حق و استقامت کا اظہار کیا اور انہوں نے احمدیت کے نام پر اسلام کے علم کو مغربی دنیا میں پھیلانے کا جوش کا مظاہرہ کیا۔ اور اس عزم کا اظہار کیا کہ اب ہمیں احمدیت یعنے حقیقی اسلام کو زور سے پیش کرنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں احباب کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ لنڈن میں ہم نے ایک وسیع بلڈنگ خرید کر وہاں ایک احمدیہ مشن قائم کر دیا ہے۔ چنانچہ گذشتہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ وہاں منائی جس میں کافی تعداد میں لوگ جمع ہوئے۔ اور گو ہم نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام سے دعوت دی تھی۔ تاکہ وہی لوگ شریک ہوں جو ہمارے عقائد و مقاصد سے آگاہ ہیں۔ اور الحمد للہ! کہ ہماری تحریک نے وہاں واضح شکل اختیار کر لی ہے۔ جہاں سے ایک طرف ہم ہالینڈ اور جرمن مشنوں سے تعاون کر سکیں گے اور دوسری طرف شمالی و جنوبی امریکہ اور جزائر غرب الہند کے بھائیوں سے رابطہ قائم رکھیں گے اور اس مقصد کے پیش نظر ہم نے ساتویں ویسٹرن ہیمسفیئر اینڈ کانفرنس انگلستان کے نئے مرکز میں منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پاکستان میں تشدد کا عمدہ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم بیدار ہو کر از سر نو سرگرم عمل ہو چکے ہیں۔ جس کے آثار ہویدا ہیں۔ اور ہمیں اُمید ہے کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تمام احمدی متحد ہو کر نئے عزم کے ساتھ غلبہ اسلام کے لئے کوشاں و ساعی ہو جائیں گے۔

اختتام پر محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے غلبۂ اسلام، اتحاد اور علم اسلام بلند کرنے کے لئے تلقین کی اور سب نے مل کر اس مقصد کے لئے دعائیں کیں۔

اس مبارک تقریب کے اختتام پر حاضرین کی تواضع چائے سے کی گئی۔ خواتین اور احباب کے اس مبارک اجتماع سے تمام حاضرین متاثر ہوئے۔ شرکائے اجتماع کو دیکھ کر یوں محسوس ہوا۔ کہ جماعت کے ہر طبقہ کے احباب میں تحریک اور اس کے بانیؑ کے لئے ایک خاص محبت پائی جاتی ہے اور ان کے دلوں میں یہ عزم کروٹ لے چکا ہے کہ ہم ہر حالت میں باطل کا

محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب ایم۔ایس سی

"اسلام" یا کوئی اور "ازم"

ایک تقابلی جائزہ

اس مضمون کی محرک میرے اپنے کالج کے ایک عزیز نوجوان طالب علم سے سائنٹیفک سوشلزم پہ گفتگو ہوئی ہے۔ باقی نوجوانوں کی طرح وہ بھی دیگر ممالک اور پاکستان میں مروجہ نظریات سے شدید طور پر متاثر ہیں۔ چنانچہ بحث کے دوران میں انہوں نے بڑے فخریہ لہجے میں کہا WE THE LEFTIST (ہم بائیں بازو والے) یقین رکھتے ہیں کہ اسلام ایک چودہ سو سال پرانا نظریہ حیات ہے۔ جو جدید سائنسی اور تکنیکی دور کے مسائل کا حل پیش کرنے کی اہلیت سے قاصر ہے۔ انسانی معاشرہ کے تمام دکھوں کا علاج صرف سائنٹیفک سوشلزم میں ہے جو اس وقت روس اور چین میں رائج ہے۔ وقت بہت تنگ تھا۔ اس لئے دل کھول کر بات چیت نہ ہو سکی۔ اس کے بعد سے میں سوچتا رہا۔ ہمارا نوجوان جب اس انداز میں سوچنے اور گفتگو کرنے لگا ہے تو وہ مجبور ہے۔ وہ اپنے گردوپیش کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کے گھر میں گلی کوچے میں۔ سکول کالج اور یونیورسٹی میں۔ ہوٹل اور کیفے میں۔ ہر بزم و محفل میں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے۔ اخبارات و رسائل میں۔ ہر پلیٹ فارم سے تحریر و تقریر میں جب دن رات سوشلزم کے ساتھ اسلام کا میٹھا لیبل لگا کر ایسے نظریات کا شدومد سے پرچار کیا جا رہا ہو تو وہ کیا کرے۔ وہ اپنے گھر سے افسوسناک حد تک ناواقف ہے۔ وہ درسگاہوں میں سب کچھ پڑھتا ہے لیکن قرآن و حدیث پڑھنے اور ان پر غور کرنے کا اس کے پاس وقت ہی نہیں۔ جن نفسانی لذات کو اس کے سامنے فردوس گوش اور جنت نگاہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے وہ ان کی کشش کے پیچ و خم میں ایسا اُلجھ کر رہ گیا ہے کہ "زین لہ سوء عملہ" کی جیتی جاگتی تصویر اور تفسیر ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس کے پس پردہ ایک گہری سازش کار فرما ہے۔ جب کسی قوم کے نوجوانوں کو اپنی ذمہ داریوں سے غافل کر کے نفس کا غلام بنا دیا جائے تو اس کا مستقبل خدا کے حوالے۔

مجھے اپنی قوم کے نوجوانوں سے پیار ہے۔ محبت ہے۔ اخلاص اور ہمدردی ہے۔ میں نے اپنی زندگی کے سینتیس سال بحیثیت استاد ان میں گذارے ہیں۔ میں ان کی مشکلات، مسائل، جذبہ اور ذہنی اُلجھنوں سے بخوبی واقف ہوں۔ میں انہیں کیوں بھٹکتا ہوا جانوں جب اُن کے سامنے اپنے دین کی حقیقی اور خوبصورت تصویر ہی نہیں پھر انہیں کوئی دوسرا نظریہ قبول کرنے میں قصور وار ٹھہراؤں۔ میں اپنے خدا کے سامنے اس طرح کیوں نہ گڑگڑاؤں کہ اے اللہ میاں جب تیرے ان عمامہ و جبہ و دستار والوں نے جو اپنے علم کی نمائش کے لئے ایک زرد سا دھاری دار رومال اپنے کندھوں پر لٹکائے رہتے ہیں تیرے حسین و جمیل دین کو اپنے تنگ و تاریک سینوں میں مسواک کے طول و عرض اور شلوار کی لمبائی تک محدود کر رکھا ہے اور تیرے ہر اس بندہ کو جس نے تیرے پسندیدہ دین کی گرد آلود تصویر کو صاف کر کے دنیا کے سامنے پیش کرنے کی جدوجہد کی اپنے جور و ستم کا نشانہ بنایا۔ اسے کافر و ملحد و دجال کے خطابات سے نوازا۔ غلیظ گالیوں سے بھرے ہوئے خط لکھے۔ ہتھکڑیاں پہنانے اور تختۂ دار پر کھچوانے کی مذموم کوششیں کیں۔ شیطان کی نصرت میں اُس سے بھی دو قدم آگے رہے۔ تو میرے ان بھولے بھالے سادہ دل نوجوانوں کا کیا گناہ جو حقیقت آشنا ہی نہیں۔ تو ان نفس کے بندے خودساختہ علماء سے اپنی اس دنیا کو نجات دے۔ "ان تذرھم یضلوا عبادك ولا یلدوا الا فاجراً کفاراً"

مجھے اقتصادی اور معاشی امور کے شعبوں میں دسترس کا کوئی دعوےٰ نہیں۔ اقتصادیات اور معاشیات کے نظریاتی پہلوؤں سے دامن بچا کر میں ان کے عملی پہلوؤں کو مدنظر رکھوں گا اور قرآن حکیم اور حدیث کی روشنی میں وہ حقائق اپنے عزیزوں کے سامنے رکھوں گا جن سے میرے اپنے قلب و ذہن کو ایک گونہ اطمینان اور راحت حاصل ہوئی ہے اور اس طرح انہیں اپنے گھر کے اندر جھانک کر دیکھنے کی دعوت دوں گا۔ کہ جتنی روشنی، امن اور سکون اس کی چار دیواری میں میسر ہے وہ مغرب کی شاخِ نازک پر بنے ہوئے آنکھوں کو خیرہ کرنے والی عارضی تہذیب کے آشیانہ میں نہیں۔ جن تنکوں کے سہارے یہ آشیانہ کھڑا ہے ان کے اپنے اندر خرابی اور تباہی کی ایک صورت مضمر ہے۔ نہ جانے کب یہ برقِ ناگہانی کی زد میں آ کر نہ صرف خود جل کر راکھ ہو جائے بلکہ ساری دنیا کو اپنی غارتگری کی لپیٹ میں لے لے۔

دو نظام نوع انسانی کی ارتقائی تاریخ کے مختلف ادوار کا جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ہر دور میں دو نظامہائے حیات ایک دوسرے سے متصادم رہے ہیں ایک **روحانی** اور دوسرا **مادی**۔

روحانی نظام کے مدعی وہ لوگ رہے ہیں جنہیں مذہبی اصطلاح میں انبیاء اور رسل کہتے ہیں۔ ان کا ساتھ دینے والا ہمیشہ اپنے زمانہ کا غریب اور پسماندہ طبقہ رہا ہے۔ اس طبقہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے اسی کا مدمقابل صاحب ثروت۔ مالدار اور مادی نظام زندگی کا علمبردار طبقہ اپنے تمام ذرائع و وسائل بروئے کار لا کر ایڑی چوٹی کا زور لگاتا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ یہ گروہ جو اپنی طاقت اور قوت پر اتراتا اس مظلوم و مجبور جماعت کے ہاتھوں ہمیشہ ہزیمت اُٹھاتا اور مٹ جاتا رہا ہے۔ بائیبل اور قرآن کریم ایسی دردناک مثالوں سے بھرے پڑے ہیں۔ قوم نوحؑ۔ قوم عادؑ و ثمود۔ قوم لوطؑ اور قوم فرعون کا ذکر بار بار مختلف پیرایوں میں قرآن مجید میں عبرت کے لئے آتا ہے۔ یہ قومیں اپنے وقت کی تہذیب و تمدن کے لحاظ سے اس موجودہ تہذیب سے کسی طرح کم نہ تھیں مگر ایک مفلس و نادار جماعت کے مقابلے میں ایسی نیست و نابود ہوئیں کہ ان کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا اور اب ان کا ذکر صرف عبرت کے لئے آتا ہے۔

دُور نہ جائیے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے عرب کے واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ ان سے متعلق موافقوں کی تحریریں بھی موجود ہیں اور مخالفوں کی بھی، ایک یتیم و بے سہارا بچہ جس کا باپ اس کے پیدا ہونے سے پہلے فوت ہو جاتا ہے اور ماں کی محبت اور شفقت سے اس وقت محروم ہو جاتا ہے جب وہ چلنے پھرنے کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ دنیا کے انسانوں میں اس کا کوئی سہارا اور مددگار نہیں۔ کبھی دادا کے در پر پڑا ہے اور کبھی چچا کے ہاں جب چلنے پھرنے کے قابل ہوتا ہے تو لوگوں کی بکریاں چرا کر اور تجارتی سامان ادھر ادھر لے جا کر فروخت کر کے اس میں سے اپنی اُجرت وصول کرتا اور اپنا پیٹ پالتا ہے۔ نہ کوئی گھر ہے نہ گھاٹ لیکن پاک فطرت اور پاک طینت ہے وہ ایک حقیقت اور روشنی کی تلاش میں اپنا وقت غارِ حرا میں گذارتا ہے۔ قریش کے بڑے بڑے رؤسا اس کے اخلاق و کردار کے معترف ہیں۔ جب حقیقت پنہاں ایک روشنی بن کر اس کے سینہ مبارک کو منور کرتی ہے اور اسے اصلاح خلق کی ذمہ داری سونپتی ہے تو وہ کانپ اُٹھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کون اس کا ساتھ دے گا۔ نہ دوست ہے نہ یار نہ مددگار۔ نہ دولت ہے نہ طاقت۔ نہ کوئی گروہ ہے نہ جتھا۔ ایک تنہا کمزور انسان اس بوجھ کو کیونکر اُٹھا سکے گا۔ لیکن ساتھ ہی ذمہ داری کا احساس بھی ہے۔

جب قوم کو اس روشنی کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے۔ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ محبت نفرت میں بدل جاتی ہے۔ جدھر سے گذرتا ہے تمسخر کا نشانہ بنتا ہے پتھر کھا کر زخمی ہوتا ہے۔ لیکن کیا دل ہے۔ پھر بھی کہتا ہے اے خدا! میری یہ بدقسمت قوم اس بات سے بے خبر ہے کہ میں اس کو کن دکھوں اور آلام سے نجات دلانے اور زندگی کے حقیقی مقاصد سے آشنا کرنے آیا ہوں تو ہی ان پر رحم کر کوئی بھی اس کی اس درد بھری پکار پر کان نہیں دھرتا۔ قوم کے سردار اسے دولت۔ بادشاہت اور حسین سے حسین عورت کا لالچ دیتے ہیں مگر کیا جنون ہے اور کیا سودا کہ وہ اس پیشکش کو یہ کہہ کر پائے حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے کہ اگر تم آسمان سے سورج اور چاند بھی لا کر میرے ہاتھوں میں دیدو تب بھی میں اپنے مقصد کو نہیں چھوڑ سکتا۔

چنانچہ وہ اس کی آواز پر گھل جاتے ہیں لیکن ان میں کوئی بھی ابو سفیان، ابو جہل، ابو لہب جیسا انسان نہیں۔ کچھ غلام ہیں۔ چند عورتیں اور بچے ہیں لے دے کے ایک ابوبکرؓ ہیں جو ایک اوسط حیثیت کے مالک ہیں اس جرم کی پاداش میں ان پر کیا قیامت ٹوٹی۔ تاریخ اٹھا کر دیکھ لو۔ سر چھپانے کو جگہ نہیں۔ بھاگ کر حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ابو سفیان وہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑتے کہ یہ ہمارے بھگوڑے ہیں۔ انہیں ہمارے حوالے کرو مگر ناکام واپس لوٹتے ہیں۔

مکہ میں رحمۃ للعٰلمینؐ اور آپ کے ساتھیوں پر عرصۂ حیات اس قدر تنگ کر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنا گھر بار عزیز و اقارب۔ اپنے کھیت اور باغات۔ اپنا کاروبار سب کچھ چھوڑ کر مدینہ میں غریب الوطنی کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ لیکن چشم فلک نے حیرت و استعجاب سے یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ۲۳ سال کے مختصر عرصے میں بلکہ یوں کہیئے کہ ہجرت کے بعد دس سال کی قلیل ترین مدت میں عرب کی تنی ہوئی گردنیں اور سر پُرغرور اس یتیم و بے سہارا بچے کے مبارک قدموں میں جھک گئے۔ مادیت روحانیت کے سامنے سرنگوں ہو گئی۔ عرب کی مردہ سرزمین جی اٹھی اور ایسی جی اٹھی کہ اس کی بہار سے مدتوں ساری دنیا معطر رہی۔ اس کے رعب و دبدبہ سے قیصر و کسریٰ کے عالیشان محلات لرز اٹھے۔ اس کا اعتراف غیروں کی لکھی ہوئی تاریخوں میں دیکھ لیجئے۔

یہ نکتہ قابل غور و فکر ہے کہ کیا یہ محیرالعقول انقلاب مادی وسائل کا مرہونِ منت تھا؟ آیئے اس سوال کا جواب قرآن حکیم کی سورۃ الانعام کی آیت ۵۰ کی روشنی میں تلاش کریں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"کہہ دے میں تم کو یہ کہہ کر اپنی طرف نہیں بلاتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم کو یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں کسی چیز کی پیروی نہیں کرتا۔ سوائے اس کے جو میری طرف وحی کی جاتی ہے کہہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر۔ سو کیا تم غور نہیں کرتے۔"

پھر سورۃ الاعراف کی آیت ۱۸۸ کے الفاظ پر غور فرمائیں:

"کہہ۔ میں اپنی جان کے لئے نفع کا مالک نہیں اور نہ نقصان کا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت بھلائی لے لیتا۔ اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں صرف ڈرانے والا ہوں اور ان لوگوں کو خوشخبری دینے والا جو ایمان لائے۔"

اس اعلان میں وہ کونسی مادی قوت اور طاقت ہے جس کی طرف دعوت دی جاتی ہے اور کونسی وہ جھوٹی امیدیں اور وعدے جو اپنے ساتھیوں کو اقتدار حاصل کرنے کے بعد انہیں مالا مال کر دینے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ ہر مقام پر اپنے عجز و انکسار کا اظہار ہے۔ اس کے مقابلے میں عرب کی سرحدوں سے ملی ہوئی سلطنتوں کے پاس اگر زیادہ نہیں تو ہزار گنا زیادہ مادی قوت اور طاقت تھی پھر کیوں اس چھوٹے سے جزیرہ نما کی طرف انہیں آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔

اس جماعت کی عجز و بے بسی اور دہائی کا نقشہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۹۵ کے آخری الفاظ میں یوں کھینچا ہے:

"سو جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور انہیں ستانے کے لئے ان پر جنگ مسلط کی گئی۔ اور لڑے اور مارے گئے۔ میں ضرور ان کی تکلیفوں کو ان کو دُور کر دوں گا۔ اور میں ضرور ان کو باغوں میں داخل کروں گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے بدلہ ہے۔ اور اللہ ہی کے پاس اچھا بدلہ ہے۔"

یہی مضمون سورۃ الحج ۴۰-۳۹ میں اس طرح ادا ہوا ہے:

"ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے اور وہ اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے۔ صرف اس بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ ہٹاتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور عبادتگاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرا دی جاتیں۔ اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ طاقتور غالب ہے۔ وہ جنہیں ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھی باتوں کا حکم کریں گے اور بُری باتوں سے روکیں گے۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہی ہے۔"

دنیا نے مادی اور روحانی قوت کے ٹکراؤ کا انجام دیکھ لیا۔ اور آج تک انگشت بدنداں ہے۔

ماضی قریب میں خود بھارت اور پاکستان میں ابھرنے والی مذہبی تحریکات کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ کس طرح اس امت خیرالانامؐ میں آپ کے سچے متبعین مثلاً حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ۔ حضرت داتا گنج بخشؒ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ اور حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ نے کن خوفناک آندھیوں اور طوفانوں میں شمعِ دین رسالتمآبؐ کو مادیت کے مقابل میں فروزاں رکھا۔ چودھویں صدی کے اوائل میں قادیاں جیسے غیر معروف گاؤں سے یہی صدا بلند ہوئی۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ نے جب اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفٰےؐ و احمد مجتبٰےؐ کے ارشاد کے مطابق اس صدی کا مجدد اور مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا اور فرمایا

این آتشے کہ دامنِ آخر زماں بسوخت — از بہر چارہ آتش بخدا نہر کوثرم

کہ لادینیت اور کفر و الحاد کی جو آگ اس زمانے کے دامن کو جلائے جا رہی ہے میں خدا کی قسم اس کے لئے ایک نہر کوثر ہوں۔ میرے پاس آؤ امن اور سلامتی کی راہ یہی ہے۔ تو آپ کے مقابل میں ہندو۔ سکھ۔ عیسائی اور مسلمان ایک ہو گئے۔ کونسا زہریلا تیر ان کے ترکش میں ایسا نہ تھا جو ان پر نہ پھینکا ہو۔ لیکن جس صاحب قوت و جبروت ہستی کا دامن انہوں نے تھام رکھا تھا۔ اس کے وعدے اور بھروسہ پر انہوں نے برملا یہ کہہ دیا کہ مردے زندوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہ تھی تحریک احمدیت۔ اس کے متعلق بھی دیکھنا چاہو تو بیگانوں کی شہادت پڑھ لو۔ اس تحریک نے لوگوں کو دہریت اور عیسائیت کے دروازے سے واپس لا کر باخدا مسلمان بنا دیا۔

اس تحریک نے اسلام کی جو تصویر پیش کی ہے وہ آج بھی سرمایہ دار اور اشتراکی ممالک کی نظروں میں کھٹکتی ہے۔ ہاں یہ سنت اللہ کہ جب تک کوئی قوم ان اصولوں کو اپنے سینے سے لگائے رکھتی ہے اس کے عروج اور رفعتوں کی بھی کوئی انتہا نہیں ہوتی جب ان سے انحراف کر لیتی ہے تو وہ پستی کی ایسی اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتی ہے جہاں سے اس کا اس وقت تک نکلنا محال ہوتا ہے جب تک وہ اپنے رستے پر لوٹ آنے کی کوشش نہیں کرتی۔ قرآن کریم نے اس کی بھی یوں نشاندہی فرمائی ہے:—

"ہم نے انسان کو ہر لحاظ سے اعلےٰ پیمانہ پر پیدا کیا ہے لیکن ہم پھر اس کو پستیوں میں لوٹا دیتے ہیں۔ ہاں وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالحہ کے بجا لانے والے ہوتے ہیں ان کے لئے ایسا اجر ہے جس کی کوئی حد نہیں۔"

سورۃ محمدؐ میں فرمایا:—

"اگر تم (ان اصولوں سے) پھر جاؤ گے ہم تمہاری جگہ کوئی اور قوم بدل کر لے آئیں گے جو پھر تمہاری طرح (نافرمان اور خدا سے دُور ہونے والی) نہ ہوگی"۔ یعنی یہ نئی آنے والی قوم اس کی حیثیت کو اس کرۂ ارض پر مسلط کرنے والی ہوگی۔ مسلمان قوم کی بدنصیبی اور محرومی قسمت ہے کہ وہ ان اصولوں کو ہاتھ سے دے چکی ہے اور قعرِ مذلت میں جا پڑی ہے۔

مادی فلسفہ حیات کے شیدائی میرے عزیز نوجوان، ذرا لائیں تا، چارواک (قدیم بھارت) مزدک (ایران) ایپی کیورس۔ روسو۔ والٹیر۔ مارکس۔ اینجلز۔ ٹالسٹائی۔ لینن۔ سٹالن اور ماؤ وغیرہ کے نظریاتِ زندگی کو میرے ہادی برحق کے لائے ہوئے فلسفۂ زندگی کے سامنے اور انصاف سے کہدیں کہ کونسے اصول انسانی فطرت کو اپیل کر کے اس کی فلاح و بہبود کی راہیں تلاش کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ (باقی — باقی)

جلد ۶۲ | چہار شنبہ - یکم محرم الحرام ۱۳۹۵ھ - ۱۵ جنوری ۱۹۷۵ء | نمبر ۳

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

کوئی انسان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔

سو میں نے جو کچھ پایا۔ اسکی پیروی سے پایا اور میں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفت کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے۔ اور میں اس جگہ یہ بھی بتلاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے کہ سچی اور کامل پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب باتوں سے پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ سو یاد رہے کہ وہ قلب سلیم ہے۔ یعنی دل سے دنیا کی محبت نکل جاتی ہے اور دل ایک ابدی اور لازوال لذت کا طالب ہو جاتا ہے۔ پھر بعد اس کے ایک مصفّٰی اور کامل محبت الٰہی بباعث اس قلب سلیم کے حاصل ہوتی ہے اور یہ سب نعمتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے بطور وراثت ملتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ - یعنی اُن کو کہہ دے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے بلکہ یک طرفہ محبت کا دعوےٰ بالکل ایک جھوٹ اور لاف و گزاف ہے۔ جب انسان سچے طور پر خدا تعالےٰ سے محبت کرتا ہے تو خدا بھی اس سے محبت کرتا ہے تب زمین پر اس کے لئے ایک قبولیت پھیلائی جاتی ہے اور ہزاروں انسانوں کے دلوں میں ایک سچی محبت اس کی ڈال دی جاتی ہے اور ایک قوت جذب اس کو عنایت ہوتی ہے اور ایک نور اس کو دیا جاتا ہے جو ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب ایک انسان سچے دل سے خدا سے محبت کرتا ہے اور دنیا پر اس کو اختیار کر لیتا ہے اور غیر اللہ کی عظمت اور وجاہت اس کے دل میں باقی نہیں رہتی بلکہ سب کو ایک مرے ہوئے کیڑے سے بھی بدتر سمجھتا ہے۔ تب خدا جو اس کے دل کو دیکھتا ہے ایک بھاری تجلّی کے ساتھ اس پر نازل ہوتا ہے اور جس طرح ایک صاف آئینہ میں، جو آفتاب کے مقابل رکھا گیا ہے آفتاب کا عکس ایسے پورے طور پر پڑتا ہے کہ مجاز اور استعارہ کے رنگ میں کہہ سکتے ہیں کہ وہی آفتاب جو آسمان پر ہے اس آئینہ میں بھی موجود ہے۔ ایسا ہی خدا ایسے دل پر اترتا ہے اور اس دل کو اپنا عرش بنا لیتا ہے۔ یہی وہ امر ہے جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۲-۶۳)

جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا دوسرا دن

محترم بشیر احمد منٹو۔ ایم۔ اے کی تقریر پروگرام کے مطابق دوسرے دن مؤرخہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۴ء بروز ہفتہ پہلی نشست کی کارروائی کا آغاز تلاوتِ قرآن کریم اور نظم سے ہوا۔ اس کے بعد ٹھیک ۱½ بجے جناب بشیر احمد منٹو صاحب نے اپنی تقریر شروع کی۔ آپ نے قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین کی تلاوت کرکے فرمایا کہ اس آیہ مبارکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلعم کے بلند مقام کا ذکر ہے۔ اور کہا کہ اسوۂ رسولؐ کی پیروی میں ہی انسانیت کی نجات ہے اور پیروی رسولؐ ہی سے ہر ایک انسان اپنی مراد کو پہنچ سکتا ہے۔ قربانی و فدائیت رسولؐ میں صحابہ کرامؓ کا بڑا بلند مقام ہے۔ ایک صحابی سے پوچھا گیا کہ آپ کی سب سے بڑی اور آخری آرزو کیا ہے، صحابیؓ نے جواب دیا، میری ایک ہی آرزو ہے کہ "میری روح محمد (صلعم کے قدموں میں نکلے"۔ استقامت اور محبت کا یہ کتنا اونچا مقام ہے۔ ایک اور صحابیؓ کا واقعہ ہے کہ جب وہ شدید زخمی ہوگئے اور بچنے کی آس نہ رہی تو انہوں نے فرمایا۔ کہ میری قوم کو یہ پیغام ضرور پہنچا دینا کہ وہ بھی میری طرح صبر و استقامت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں کٹ مریں۔ کفار مکہ اور ان کی عورتیں حضور صلعم پر راہ چلتے گندگی پھینک دیا کرتی تھیں۔ مگر حضور صبر فرماتے تھے یاد رکھیئے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ عزت وہ ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کے ہاں ہے۔ یعنی اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو متقی ہے۔ اس سے دنیا ہے۔ دنیاوی عزت کیا شئے ہے۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ حضور صلعم دعوئ نبوت سے پہلے صادق و امین مشہور تھے۔ اسی لئے فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون۔ کا چیلنج دیا گیا۔ کہ جب محمدؐ دعوےٰ سے پہلے صادق تھے تو آپ خدا تعالےٰ پر کیسے افترا کر سکتے تھے۔ ہم لوگ رسولؐ اللہ کی محبت کا دعوےٰ تو بہت کرتے ہیں۔ مگر عمل سے اس کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ راہ حق میں تکالیف اور خطرات سے ڈرتے ہیں۔ کہ ہمارے بچوں کا کیا بنے گا، حالانکہ حق کی راہ میں مصائب سہنے کے لئے ہردم تیار رہنا چاہیئے۔ شاہ عبداللطیف شہیدؒ کا واقعہ ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح ثابت قدمی سے انہوں نے جان دی۔

شاہ شہیدؒ کے سامنے ان کے اہل و عیال اور معصوم بچوں کو لایا گیا کہ آپ ان کا خیال کرتے ہوئے حضرت مرزا صاحب کی صداقت سے انکار کر دیں گے۔ مگر آپ نے شہادت سے چند لمحے پہلے بھی یہی فرمایا کہ ان کا اللہ نگہبان ہے۔ منٹو صاحب نے سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ آپ ایک ایسے شخص کے مرید ہیں جو مصائب میں کبھی نہیں گھبرایا۔ آپ کو بھی اسی راستہ پر چل کر دین کو دنیا پر مقدم رکھنا چاہیئے۔ سچی بات دشمن کے ساتھ بھی کرو۔ تاوہ یہ گواہی دے کہ یہ خدا کو ماننے والا ہے۔

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی تقریر جناب بشیر احمد منٹو کی موثر اور ایمان افروز تقریر کے بعد جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب سٹیج پر تشریف لائے، آپ کی تقریر کا موضوع "مغرب سے طلوع آفتاب" تھا۔ یہ موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی سے ماخوذ ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے وقت نیرِ اسلام کا آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب کی فاضلانہ تقریر من وعن الگ شائع کی جا رہی ہے۔

سالانہ رپورٹ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد مرزا مسعود بیگ صاحب ایم اے جنرل سیکرٹری نے انجمن کی سالانہ رپورٹ کے بعض ضروری حصص پڑھ کر سنائے۔ یہ رپورٹ ۶۴ صفحات پر شائع ہوئی ہے جس میں ۱۹۷۳ء ۱۹۷۴ء کے واقعات اور حالات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے۔ کہ یہ سال ہمارے لئے ایک بہت بڑے ابتلاء اور آزمائش کا سال بن گیا۔ جماعت شدائد و مصائب کی چکی میں پیسی گئی اور بے پناہ مشکلات سے دوچار ہوئی۔ سوشل بائیکاٹ کا غیر اسلامی حربہ بھی احمدیوں پر شدت سے آزمایا گیا۔ جائداد و املاک کے علاوہ مساجد اور قرآن کریم کو بھی جلایا گیا۔ اس برس کی یہ اینٹی احمدیہ تحریک اپنے دائرہ اثر اور اندھے جوش و خروش کے لحاظ سے ایک خوفناک سیلاب اور عظیم طوفان کا رنگ اپنے اندر رکھتی تھی۔ مگر الحمد للہ۔ اس ورطۂ عظیم میں ڈالے جانے کے باوجود افرادِ جماعت کے حوصلے بلند رہے ہیں۔ بعد ازاں آپ نے انجمن کے مختلف شعبہ جات کی کارگذاری اور آئندہ کے پروگرام پر روشنی ڈالی۔ یہ رپورٹ طبع شدہ موجود ہے۔ احباب دفتر سے منگوا کر اسے ضرور مطالعہ فرمائیں۔

سالانہ رپورٹ کے بعد محترم و مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے اپنے مخصوص روحانی اور رقت انگیز انداز میں پیش آمدہ مصائب میں

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج

کے عنوان سے ایک بڑی بلند پایہ، ایمان افروز اور یقین پرور تقریر فرمائی۔ جس میں بتایا کہ الٰہی جماعتوں پر کیوں ابتلاء آتے ہیں۔ آپ کی تقریر کا ملخص پیغام صلح کی اگلی اشاعت میں انشاء اللہ ضرور درج ہوگا۔

مسجد برلین جرمنی میں عید الاضحیٰ

امام مسجد مولانا محمد یحیٰی بٹ صاحب کی رپورٹ

عید الاضحیٰ خدا کے فضل سے ہم نے مسجد برلین میں ۲۴ر دسمبر ۱۹۷۴ء کو منائی جرمنی۔ یوگوسلاویہ۔ ترکی۔ مراکو۔ مصر۔ شام۔ لبنان۔ سوڈان۔ سینیگال۔ پاکستان اور انڈونیشیا سے آئے ہوئے دوستوں نے اس اجتماع میں شمولیت اختیار کی۔ مسجد کو گرم کرنے کا خاطر خواہ انتظام نہ تھا۔ بہرحال مسجد میں نماز ادا کی گئی۔ خطبہ ہوا۔ عید مبارک احباب کو کہی گئی۔ دوست آپس میں عید ملے۔ مسجد میں سردی کے باعث احباب مسجد میں زیادہ دیر ٹھہر نہ سکے۔ احباب کو چائے۔ کیک۔ مسجد سے ملحقہ مکان میں پیش کئے گئے۔ چائے کا گرم پیالہ پی کر احباب کو خوشی ہوئی۔ بعد میں چالیس احباب نے مل کر ایک میز پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ جب اس خوشگوار نظارہ کی طرف احباب کو توجہ دلائی گئی۔ تو تمام احباب نے مل کر سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا۔ میں نے کہا یہ آپ کا معجزہ ہے ہم مسلمانوں کو چاہیئے کہ آپ کے اس معجزہ کی عزت کریں۔ اور اپنے مسلمان بھائیوں کو معمولی اختلافات کی بناء پر کافر قرار نہ دیں۔

بعض دوست جو اس اجتماع میں کسی وجہ سے شرکت نہ کر سکے وہ شام کے دس بجے تک میرے ہاں آتے رہے اور میرے ساتھ چائے کا پیالہ پیتے رہے۔ خدا کے فضل سے یہ اجتماع ہمارے ہاں بصد خوشی منایا گیا اور تمام احباب نے مل کر اس اجتماع کی خوشی کو دوبالا کیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

لندن میں ہماری عید

(بسلسلہ صفحہ ۱۲)

نعت پڑھی۔ جن کا انگریزی ترجمہ بعد میں سنایا گیا۔ کچھ حضرات دیر میں پہنچے تھے ان کی نماز کا انتظام دوبارہ کرنا پڑا تھا اور اس کے ساتھ ہی ہال میں کھانے کا میز آگیا جس پر بیگم جمیلہ خان اور ہم سب نے مل کر سینڈوچ۔ کیک چائے وغیرہ اشیاء چن دیں۔ بچوں اور بڑوں سب نے مل کر اس عید کی تقریب کو مکمل کیا۔ بچوں میں مٹھائی اور کھلونے تقسیم کئے گئے۔

اس دوران کتابوں کی فروخت کا کام بھی جاری تھا۔ احمد نواز صاحب (لیبیا) اس کے منتظم تھے۔ ایک صاحب نے جن کا تعلق ٹرینیڈاڈ سرینام سے ہے عید کے بارے میں اور قربانی کے موضوع پر تقریر سے حضرات و خواتین کو محظوظ ہونے کا موقعہ دیا۔ تحریک احمدیہ کے بارے میں لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ عید کی نماز میں ساؤتھ ہیمپٹن و ووکنگ کے علاوہ لندن کے مختلف حصوں سے پاکستانی۔ ٹرینیڈاڈ۔ سرینام۔ بنگلہ دیش کے مسلمانوں کے علاوہ چند انگریز خواتین بھی شامل ہوئیں۔ چند

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۱۵ جنوری ۱۹۷۵ء

جناب پرویز صاحب کا تحقیقی شاہکار

"پیغام صلح" کے جلسہ نمبر میں ہم نے جناب پرویز صاحب کی کذب و افتراء سے پُر تازہ تصنیف "ختم نبوت اور تحریکِ احمدیت" کے پس منظر پر تبصرہ کیا تھا۔ اور گو بزم طلوعِ اسلام کے "مفکرِ قرآن" نے اسے "بطور ایک علمی، تحقیقاتی جائزہ قرآن مجید کی روشنی میں" پیش کرنے کا دعوےٰ کیا ہے۔ لیکن اس کتاب میں نہ علم ہے، نہ تحقیق اور نہ قرآن مجید کی روشنی۔ اس کے برعکس اس کا ایک ایک ورق جہالت اور علمی فرمائگی کا پرویزی شاہکار نظر آتا ہے۔ چونکہ ہمارے محترم بزرگ مولانا دوست محمدؐ صاحب کا ارادہ ہے کہ اس کا جواب لکھیں، اس لئے ہم جستہ جستہ باتوں پر روشنی ڈالنے تک اکتفا کرتے ہیں۔

جہالت ہی جہالت } پرویز صاحب کے اس شاہکار کا تیسرا باب "تدریجی نبی" ہے۔ اس میں جناب نے یہ ثابت کرنے کا دعویٰ کیا ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سلام اللہ علیہ نے پہلے تو اپنے آپ کو ایک مبلغ اسلام کی حیثیت سے پیش کیا۔ پھر ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعوےٰ کر دیا۔ جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:۔

"اس سے (میاں محمود احمد صاحب کی تحریروں سے۔ ناقل) مرزا صاحب کی زندگی کے تین دور سامنے آ جاتے ہیں۔ پہلا دور، وہ اُمتِ مسلمہ کے مبلغ کی حیثیت سے ۱۸۸۰ء میں شروع کرتے ہیں[1] اور ۱۹۰۱ء میں مستقل نبوت کا جو ان کی وفات (۱۹۰۸) تک قائم رہتا ہے۔" (ص۸۹)

یہ تو ہے پرویز صاحب کی تحقیق انیق جس سے انہوں نے حضرت مرزا صاحب کے تدریجی دعوے کا سراغ لگایا ہے۔ لیکن جب تفصیل میں جاتے ہیں تو درجہ بدرجہ دعاوی کی تقسیم (۱) ابتدائی اعلان (۲) دعوائے ولایت (۳) محدث اور (۴) محدثیت کا اگلا درجہ۔ برزخی نبوت کے ذیلی عنوانات سے کرتے ہیں۔

ابتدائی اعلان } کی تائید میں جناب نے ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۱ء کا حوالہ درج کیا ہے اور بقول ان کے یہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کی طرف پہلا قدم ہے۔ گویا کہ اس اعلان تک کوئی "دعوےٰ" نہیں تھا (ص۹۰) لیکن اس سے قبل ص۸۶ پر لکھ چکے ہیں:۔

"اس کتاب (براہین احمدیہ۔ ناقل) کے پہلے چار حصوں میں مرزا صاحب نے اپنے آپ کو صوفیائے کرام کی طرح محض ولایت، کشف و الہام تک محدود دکھایا تھا۔"

ہم اس بات کو نظر انداز کرتے ہیں کہ پرویز صاحب کے عقیدہ کے مطابق ولایت، کشف اور الہام کے قائل صوفیائے کرامؒ سچے تھے یا منکرین ختم نبوت تھے۔ کیونکہ تین سو صفحات کی کتاب بارہ روپے میں بیچنے کے لئے کسی قدر ضمیر کشی ناگزیر ہے۔ البتہ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگر حضرت مرزا صاحب براہین احمدیہ کے ابتدائی چار حصص کی اشاعت (۱۸۸۴ء) تک ولایت کے مدعی تھے تو پھر "ابتدائی اعلان" کے لئے ۱۸۹۱ء کا سہارا لینا کہیں غلط بیانی یا جہالت تو نہیں۔ ویسے ہم پرویز صاحب کے گوش گذار کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب اسی براہین احمدیہ ہی میں ولی، مجدد، مثیل مسیح وغیرہ کے الہامات اور اصطلاحات درج کر چکے تھے۔ جیسا کہ جری اللہ فی حلل الانبیاء (ص۵۰۴) انت محدث اللہ فیک مادۃ فاروقیہ (ص۵۵۵) یا عیسےٰ انی متوفیک (ص۵۵۶) کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی (ص۵۶۱) ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ (ص۴۹۸) انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی (ص۴۸۹) ان الہامات کی موجودگی میں حضرت صاحب پر تدریجی دعویٰ کا الزام شرمناک ہے۔ لیکن آپ کو یہ الہامات اور اسی جگہ ان کی وضاحت[2]

نظر نہیں آئی۔ کیونکہ آپ "تحقیقی جائزہ" میں غرق ہو چکے تھے اور انکشافِ حقیقت کی روشنی سے متنفر تھے۔ اس لئے آپ کو نہ کوئی کتاب مل سکی، اور نہ آپ کے "ماخذِ حقیقی" جناب الیاس برنی کو مطالعہ کی توفیق ہوئی۔ جس کا ایک ثبوت تو آپ کی محولہ بالا لاعلمی ہے۔ اور دوسرے وہ حوالے ہیں جو ص۹۱-۹۲ پر پیش کئے ہیں۔ آپ کی تحقیق کے مطابق حضرت مرزا صاحب ۱۸۹۱ء میں دعویٰ مسیحیت کر کے ولایت کی منزل سے گذر چکے تھے۔ لیکن آپ نے دعویٰ ولایت کے لئے جو دو حوالے دیئے ہیں ان میں سے پہلا حوالہ ۱۸۹۷ء کا ہے اور دوسرا حوالہ تتمہ حقیقت الوحی ص۶۴ مطبوعہ ۱۹۰۷ء کا ہے۔ یہ کتاب حضرت صاحب کی وفات سے چند ماہ قبل چھپی اور آپ کے ۱۹۰۱ء میں مستقل نبوت کے دعوے کے بعد۔ تو جناب آپ کی تحقیق کی گاڑی پٹڑی سے اُتر گئی ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ جنابِ نے حضرت صاحب کی کتابیں کبھی پڑھی ہی نہیں تو گستاخی تو نہ ہو گی؟ اور اگر آپ کا ۱۹۰۷ء کا حوالہ درست ہے اور بلا شبہ درست ہے تو کیا جناب کے ضمیر نے اس تحریر کے بعد یہ لکھنے میں ملامت محسوس نہ کی کہ مرزا صاحب نے ۱۹۰۱ء میں "مستقل نبوت" اور "برزخی نبوت" کا دعوےٰ کیا تھا۔ سچ فرمایا ہمارے امام ہمامؑ نے کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے الہاماً بتایا ہے اِنّی مھین من اراد اھانتک۔ اپنے پیش کردہ "حقیقۃ الوحی" کے الفاظ پر غور کیجئے:۔

"یہ کہنا کہ نبوت کا دعوےٰ کیا ہے۔ کس قدر جہالت، کس قدر حماقت اور کس قدر حق سے خروج ہے۔ اے نادانو! میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کھڑا ہو کر نبوت کا دعوےٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد نبوت سے کثرتِ مکالمت و مخاطبتِ الٰہیہ ہے۔ سو مکالمہ اور مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔" (ص۹۱-۹۲)

پرویز صاحب یہ تحریر ستر سٹھ سال پہلے آپ ایسے کور باطن دشمنوں کے لئے لکھی گئی تھی۔ اگر یہ الفاظ دعویٰ نبوت کی تردید کرتے ہیں اور نادانوں کی جہالت، حماقت اور حق سے خروج پر شاہد ہیں تو پھر حضرت مرزا صاحب پر یہ بہتان عظیم ہے کہ آپ نے ۱۹۰۱ء میں محدثیت کے دعوے سے ترقی کر کے نبوت کا دعوےٰ کر دیا تھا۔ آپ کو دشمنی اور سستی شہرت کی ہوس نے اندھا کر دیا ہے۔ ورنہ آپ اس ایک روشن شہادت کے بعد حضرت مرزا صاحب کی طرف دعویٰ نبوت کا انتساب ترک کر دیتے۔ اگر آپ اب بھی خلوص نیت سے حضرت مرزا صاحب کی کتب کا مطالعہ کریں گے تو آپ راہ ہدایت پالیں گے۔ حضرت مرزا صاحب سب سے زیادہ ختم نبوت کے داعی اور منکرین ختم نبوت کے دشمن تھے۔ مرزا صاحب کی سچی معتقد جماعت احمدیہ لاہور ہے، جو دنیا میں غلبۂ قرآن، ختم نبوت اور اتحاد المسلمین کے لئے روزِ اول سے جہاد کرتی چلی آ رہی ہے۔

آپ نے براہین احمدیہ حصّہ پنجم سب سے آخر میں شائع کرنے کو غلط رنگ میں پیش کرنے کی کوشش ہے اور اس ضمن میں اربعین کی ایک واضح عبارت کو غلط سمجھا اور غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ آپ کے پیش کردہ اربعین ۲ ص۱۲ کے حوالہ کے درج ذیل الفاظ قابلِ توجہ ہیں:۔

"اور یہ الہامات (یعنی جن میں نبوت وغیرہ کے دعوے کئے گئے ہیں۔ مصنف) اگر میری طرف سے اس موقع پر ظاہر ہوتے جبکہ علماء مخالف ہو گئے تھے۔ تو وہ ہزارہا اعتراضات کرتے۔ لیکن وہ ایسے موقعہ پر شائع کئے گئے، جبکہ یہ علماء ہمارے موافق تھے، یہی سبب ہے کہ باوجود اس قدر جوشوں کے ان الہامات پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ وہ ایک دفعہ انہیں قبول کر چکے تھے۔" (ص۸۹)

پرویز صاحب قارئین کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ چونکہ مرزا صاحب عوام کو دھوکا دینا چاہتے تھے۔ اس لئے نبوت وغیرہ سے متعلق الہامات کو براہین احمدیہ حصّہ پنجم کے لئے رکھ چھوڑا جو آپ کی وفات کے بعد شائع ہوئی اور پرویز صاحب کے لئے مفید مطلب نہ رہی۔ لیکن اربعین کے الفاظ سے تو عیاں ہے۔ اور ہم حصّہ

---

[1] ۱۸۸۴ء اولین کتاب براہین احمدیہ حصہ چہارم میں

چہارم سے الہامات درج کرکے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت صاحب نے اربعین مطبوعہ ۱۹۰۰ء سے قبل ہی اپنے الہامات شائع کر رکھے تھے اور مولانا محمد حسین بٹالوی وغیرہ اکثر علماء نے ان سے اختلاف نہیں کیا تھا بلکہ ایک طویل تبصرہ میں ان کی پر زور تائید کی تھی، اسی کی طرف حوالہ میں اشارہ ہے جس کو پرویز صاحب دانستہ سمجھنے یا اعتراف کرنے سے منکر ہیں۔ اور یہ حوالہ درج کر کے کمال حیا سے لکھتے ہیں:-

"مرزا صاحب کی تدریجی نبوت کا سارا راز اقتباس بالا کے آخری الفاظ میں پوشیدہ ہے۔ یعنی انہوں نے پہلے کشف و الہام) اور ولایت کے ایسے دعاوی کئے جو مسلمانوں کے نزدیک قابل اعتراض نہ تھے۔ پھر اپنے الہامات میں ایسا ابہام رکھا کہ بظاہر انہیں کوئی بات قابل مواخذہ دکھائی نہ دے۔ یوں انہوں نے لوگوں کو اپنے پیچ میں پھنسایا" (ص۹۰)

پرویز صاحب ذرا سنبھل کر لکھئے!! مرزا صاحب نے تو ابتدائی کتاب براہین احمدیہ حصہ چہارم میں وہ تمام الہامات لکھ دیئے تھے، جو مطالعہ نہ کرنے کی وجہ سے آپ کو نظر نہ آئے۔ وہ کئی صفحات پر پھیلے ہوئے جلی حروف میں چھپے ہوئے تھے۔ اور علمائے امت نے انہیں بقائمی ہوش و حواس پڑھ کر درست ٹھہرایا البتہ بعد میں مرزا صاحب کی قبولیت سے جل کر بعض مولویوں نے آپ کی مخالفت کی، اور ان کے پروپیگنڈے کے زیر اثر ان مولویوں کے ہم مسلکوں نے تقلیداً حضرت مرزا صاحب کی مخالفت اپنا دین بنا لیا۔ اور پرویز صاحب کی طرح قسم کھا لی کہ مرزا صاحب کی تحریرات پڑھے بغیر تعصب سے اندھے ہو کر تحریر و تقریر کے ذریعے انکی تکفیر و تکذیب کرتے رہیں گے۔ آپ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اس زمانے کے علماء احمق تھے۔ اور مرزا صاحب کی چال کو صرف اس زمانے میں ایک لال بجھکڑ ہی سمجھ سکا ہے۔

محدثیت ولایت پر ناکام قلم فرسائی کے بعد پرویز صاحب محدثیت کی طرف آتے ہیں (ص۹۲) اور ۱۸۹۳ء کے زمانے کی دو کتابوں کے حوالے درج کرتے ہیں۔ حالانکہ جب انہوں نے ولایت کے لئے ۱۹۰۷ء کا حوالہ دیا تھا تو محدثیت کے لئے اس کے بعد یعنی حضرت مرزا صاحب کی وفات کے بعد کی تصنیفات کا حوالہ دیتے، اور حقیقت ہے کہ یہ دعوے براہین احمدیہ، فتح اسلام، توضیح مرام اور ازالہ اوہام میں پہلے ہی موجود تھا۔ لیکن پرویز صاحب نے متعصب جاہلوں کے لئے سب کچھ لکھا ہے۔ اور خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیھدیھم الی الارض البواری

برزخی نبوت محدثیت کے بعد آپ حضرت صاحب کے دعویٰ "برزخی نبوت" کا ذکر کرتے ہیں، لیکن جناب اگر محدثیت کے لئے شہادۃ القرآن ص۲۸ اور آئینہ کمالات اسلام ص۳۸۳ کے حوالے دیتے ہیں تو اس سے اگلے قدم کے لئے ان دونوں کتابوں سے قبل کی تصنیف "ازالہ اوہام" ص۵۶۹ کا اقتباس درج کرتے ہیں فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ وہ "شاہکار تحقیق" ہے جس کی اساس پر پرویز صاحب اس زمانے کے امام ہمام کی تردید کے لئے میدان میں اترے ہیں۔ یہ باب بھی عجائبات و اباطیل کا مجموعہ ہے۔ اور اس بات کا متقاضی ہے کہ آئندہ کسی فرصت میں اسکے نوادرات سے مزید پردہ کشائی کی جائے۔ (جاری ہے)

ترتیب محترم شیخ محمد طفیل صاحب

افادات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

امت مرحومہ کے ترک شمائل کو جمع کرنا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی اشارہ سے اس فقیر کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی مراد ہے کہ تجھ میں امت مرحومہ کے ان شمائل کو جمع فرمائے جو ترک کر دیئے گئے ہیں" [1]

شیعہ ختم نبوت کے منکر ہیں "میں نے روحانی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہب شیعہ کے بارے میں دریافت کیا تو مجھے آپ کی طرف سے القا ہوا کہ یہ مذہب جھوٹا ہے۔ اور اس مذہب کا جھوٹ لفظ امام سے ظاہر ہوتا ہے۔ جب مجھ کو افاقہ ہوا تو میں نے جانا کہ ان کے نزدیک امام ایسے شخص کو کہتے ہیں جو معصوم ہو اور اس کی اطاعت فرض ہے اور اس پر وحی باطنی ہوتی ہے۔ اور یہ سب تعریف میں نے کی ہے اس بنا پر کہ ان کا مذہب ختم نبوت سے انکار ہے۔" (ص۳۲)

سب طریقے برابر ہیں "سوال کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ان مذہبوں اور ان طریقوں سے آپ کے نزدیک کونسا بہتر اور بہت پسند ہے۔ تو آپ کی طرف سے میرے قلب میں فیض ہوا کہ سب مذاہب اور سب طریقے برابر ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔" (ص۳۳)

بال مبارک "مجھے میرے والد نے خبر دی تحقیق میرے والد نے بیماری کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ تو حضور نے فرمایا اے بیٹے تیرا کیا حال ہے۔ پھر خوشخبری دی حضور نے میرے والد کی تندرستی کی اور دو بال مبارک لحیہ (داڑھی) انور کے عنایت کئے۔ اسی وقت وہ تندرست ہو گئے اور دونوں بال مبارک جب جاگے تو موجود تھے۔ ان میں سے ایک مجھے دیا وہ میرے پاس موجود ہے۔" (ص۳۵)

درود شریف "والد محترم نے مجھے حکم دیا کہ درود شریف اس طریقہ سے پڑھا کروں اللھم صلی علی محمد النبی الامی و آلہ و بارک وسلم۔ میرے والد نے فرمایا کہ یہ درود شریف میں نے خواب میں پڑھا تھا، تو حضور نے اس کو پسند فرمایا" (ص۳۵)

بھوک اور پیاس کی دوری "جناب والد صاحب نے بیان فرمایا کہ ماہ رمضان شریف میں کہیں جانے کو سوار ہوا تو گرمی و تکلیف مجھے بہت ہوئی۔ پس اس حالت میں مجھے نیند آ گئی تو زیارت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا۔ آپ نے مجھے لذیذ کھانا عطا فرمایا جو چاول اور قند اور گھی سے تیار ہوا تھا وہ کھایا اور سیر ہوا تو سرد پانی عنایت کیا۔ اسے پیا۔ پیاس دور ہوئی۔ پھر جاگا اس حال میں کہ نہ بھوک تھی نہ پیاس۔ اور ہاتھوں سے زعفران کی خوشبو آ رہی تھی۔" (ص۳۸)

روح کا روح مکرم کے ضمن میں جانا "جناب والد نے مجھے خبر دی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے میرے نفس میں تصرف فرمایا جو سب مقام عبور کر گیا۔ یہاں تک کہ ایسے مقام پر پہنچا کہ اس سے آگے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری روح کو اپنی روح مکرم کے ضمن میں لے لیا میں نے ایک دریا آگ کا دیکھا۔ پھر ظاہر ہوئے پہلے مقام صبر، توکل وغیرہ کے مگر یہ اصول ہے اور پہلے فروع" (ص۴۱) ۴۴ (باقی کالم اول کے نیچے)

حقہ نوشی کے خلاف "مجھے میرے والد محترم نے خبر دی کہ میرے دوستوں میں سے ایک شخص خود تو حقہ نہ پیتا تھا لیکن اس نے مہمانوں کے لئے حقہ بنا رکھا تھا۔ تو اس نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یا بیداری میں، میں نہیں جانتا کہ آپ تشریف لائے اس کی طرف اور منہ پھیر لیا اور اس مکان سے باہر تشریف لے گئے۔ کہا اس نے آپ دوڑے میں بھی آپ کے پیچھے دوڑا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے کیا گناہ ہو گیا ہے فرمایا تیرے گھر میں حقہ ہے۔ اور ہم کو برا معلوم ہوتا ہے" (ص۴۳)

فنا فی الرسول "مجھے میرے چچا سے خبر ملی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ پھر ہمیشہ اپنے نزدیک فرماتے رہے حتیٰ کہ میں آپ کا نفس ہو گیا (یعنی فنا فی الرسول ہو گیا۔ مترجم)" (ص۴۵)

---

[1] در الثمین فی مبشرات النبی الامین ص۳۔ تصنیف حضرت شاہ ولی اللہ سنیؒ دارالاشاعت علویہ رضویہ ڈجکوٹ روڈ لائل پور۔ پاکستان ایڈیشن۔ ۱۹۷۰ء۔ ترجمہ مولانا غلام رسول صاحب

محترم پروفیسر خلیل الرحمن صاحب - ایم - ایس سی

"اسلام" یا کوئی اور "ازم"

ایک تقابلی جائزہ

(۲)

ہر منصف مزاج انسان جو رنگین عینک پہنے ہوئے نہیں دونوں کے تقابلی مطالعہ کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ روحانی نظامِ زندگی کی بنیاد پیار محبت خلوص - ہمدردی ایثار و قربانی جیسی اعلےٰ صفات انسانی پر ہے اور مادیت کی اساس حسد - کینہ - بغض اور بخل جیسے جذباتِ رذیلہ ہیں - ایک انسان کو انفرادیت سے بلند کرکے اجتماعی شعور بخشتا ہے اور موج کو دریا میں گم ہو جانے کی تلقین کرتا ہے اور دوسرا اسے مَن و تو کے جھگڑوں میں اُلجھانا چاہتا ہے - ایک، ایثار و قربانی کے ذریعے اخوۃ قائم کرتا ہے اور دوسرا انسان اور انسان کے درمیان نفرت و حقارت کی دیواریں کھڑی کرتا ہے ایک "میں" کو ہم اور "میرا" کو "ہمارا" میں بدل دیتا ہے - دوسرا چھینا جھپٹی کی تعلیم دیتا ہے - اور فرد کو فرد سے، اور خاندان کو خاندان سے - ایک جماعت کو دوسری جماعت سے - ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ سے اور ایک ملک کو دوسرے ملک سے دست و گریبان ہونے پر اُکساتا ہے مثالوں کی کمی نہیں - انقلاب فرانس اور انقلاب روس کوئی دُور کی بات نہیں وہاں ایک آواز پر لوگ اپنا گھر بار - سارا اثاثہ اور جان قدموں پر ڈال دیتے ہیں - یہاں چند سرمایہ دار اور زمیندار ہیں - ان کے مقابلے میں لاکھوں کسان اور مزدور اور ان کی پُشت پر حکومت، لیکن کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا -

اپنے ملک میں ہی دیکھ لو بہت چرچا تھا کہ سارے ملک کی دولت پر صرف ۲۲ خاندان قبضہ کئے بیٹھے ہیں جن کی افرادی قوت زیادہ سے زیادہ ۵۰۰ ہو گی - ان پانچ سو کے مقابلے میں کوئی تین چار کروڑ انسان جن کی پشت پر حکومت کی مشینری موجود لیکن نہ اُن سے کوئی کچھ لے سکا اور نہ ہی ان کا بال بیکا کر سکا - اُلٹا ملکی معیشت کو اتنا نقصان پہنچا کہ اس کی تلافی کے لئے کئی برس درکار ہوں گے وہاں قانون کی بالا دستی سے خود قانون ساز بھی بلند نہیں - یہاں کون ہے جو حکمران تو حکمران اس کے ساتھیوں پر انگلی اُٹھا سکے - وہاں بھرے مجمع میں حضرت عمرؓ جیسے خلیفۂ وقت پر اعتراض ہو سکتا ہے اور وہ جواب دِہ ہے - اگر جواب نہ دے تو لوگ خطبہ سننے سے انکار کر دیتے ہیں - یہاں پاسترنک اور سالزنسن کو روسی کیمونزم پر سے پردہ اُٹھانے کے لئے ملک بدر کر دیا جاتا ہے اور کوئی آواز نہیں اُٹھاتا - کئی دوسرے مخالفین کا تو پتہ ہی نہیں چلتا -

وہاں میدانِ جنگ ہے - مدینہ کی عورتیں بھی صرف آنحضرتؐ کی خیریت معلوم کرنے کے لئے چل پڑتی ہیں اور کہتی ہیں ہمارے خاوند - بھائی اور بیٹے اگر شہید ہو گئے تو کیا ہوا - اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو ہمیں کوئی پرواہ نہیں مرد اپنے لیڈر کے ارد گرد گھیرا ڈال کر اپنی پیٹھوں پر تیر صرف اس لئے سہتے ہیں کہ دشمن کا تیر آتا دیکھ کر بشری کمزوری کے تحت ادھر ادھر نہ ہو جائیں اور تیر آنحضرتؐ تک نہ پہنچ جائے - اور یہاں اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے شب و روز علاقائی سازشیں ہیں - وہاں فتح مکہ میں نہ صرف عفو عام بلکہ لا تثریب علیکم الیوم کا اعلان ہے - یہاں مخالف جوانوں بچوں - بوڑھوں اور عورتوں کو انتقام کا نشانہ بنایا جاتا ہے -

وہاں شاہی میں بھی وہ کچا مٹی کا حجرہ ہے - یہاں کریملن - وائٹ ہاؤس بکنگھم پیلس اور ۱۰ ڈاؤننگ سٹریٹ ہے پیپلز ہاؤسز اور اسلام آباد ہے ہوٹل انٹر کانٹیننٹل ہے جس نے ساری قوم کو اربوں روپوں کا مقروض بنا دیا ہے - وہاں بھی تو غیر ملکوں کے امراء و سفرا حاضری دیتے اور اپنے اپنے CREDEN—TIALS پیش کرتے تھے - وہاں وہی چٹائی ہے - یہاں سپرنگ دار پلنگ اور ریشمی بستر ہیں اور ہم چلے ہیں لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنے - وہاں تو دِنوں چولہے کو آگ نہیں دکھائی جاتی - یہاں ہر شب شبِ برات ہے اور ہر روز روزِ عید ہے - وہاں مرنے کے بعد ایک دینار تک گھر میں نہیں - یہاں سوشلزم کے حق میں بولتے اور نعرے لگاتے جن لوگوں کی زبان خشک ہوئی جاتی ہے وہ زندگی میں ہی دونوں ہاتھوں سے اتنا بٹور لیتے ہیں کہ نسلیں عیش کریں - وہاں شراب کی حرمت کا حکم سنایا جاتا ہے تو اسی وقت شراب کے برتن مدینہ کی گلیوں میں چکنا چور ہو جاتے ہیں - شراب گلی کوچوں میں ندیوں کی صورت میں بہہ نکلتی ہے - یہاں شراب پینا تو الگ رہا اس میں نہایا جاتا ہے - وہاں بیت المقدس کے بازاروں سے اسلامی فوج گذرتی ہے - جرنیل کی آواز فضا میں بلند ہوتی ہے "مومنو! اپنی نگاہوں کو نیچا کر لو - اسی وقت سب کی نگاہیں زمین میں گڑ جاتی ہیں - بازاروں کے دو رویہ چھتوں اور بالکنیوں پر نوجوان حسین و جمیل یہودی اور عیسائی عورتیں جن کے حُسن کو دیکھ کر چاند بھی شرما جائے زرق برق لباس اور زیورات میں ملبوس - مسلمان نوجوانوں کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کے لئے سارے ناز و عشوے کام میں لاتی ہیں لیکن کیا مجال جو کسی کی آنکھ کو ذرا بھر اُوپر کو جنبش ہو - ان کے دل ہی نہیں زبانیں بے ساختہ پکار اُٹھتی ہیں یہ انسان نہیں فرشتے اُتر آئے ہیں - اور یہاں ثقافت کے نام پر آئے دن کلچرل شو ہوتے ہیں - رقص و سرود کی محفلیں سجائی جاتی ہیں اور دادِ عیش دی جاتی ہے - وہاں حاتم طائی کی بیٹی مسلمان سپاہیوں کی حفاظت میں لائی جاتی ہے وہ گواہی دیتی ہے کہ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میرے دائیں بائیں اور آگے پیچھے فرشتے چل رہے ہیں - لیکن یہاں کسی کی عزت جان اور مال محفوظ نہیں - وہاں قبائلیت کو مٹا کر قوم بنائی جاتی ہے - یہاں قوم کو ختم کرکے قبائلیت کی روح پھونکی جا رہی ہے -

اگر یہی ہے تمہارا نفس، ہوس اور حرص و ہوا کا درس دینے والا مادی فلسفۂ زندگی، تو مجھے چودہ سو سال پُرانے تاریک زمانہ میں لوٹ جانے دیجئے - میرا پیٹ بھوکا - پاؤں ننگے اور تن پر پھٹے پرانے کپڑے رہنے دیجئے لیکن میرے مَن کو زندہ رہنے دیجئے - کیونکہ میرے نزدیک زندگی یہی ہے - میں اسی جذبہ محبت کے تحت آپ کو بھی اس حقیقت کی تلاش پر غور و فکر کرنے کی دعوت دوں گا تاکہ آپ کی دنیا بھی سنور جائے اور آنے والی ابدی زندگی میں بھی آرام و سکون میسّر ہو -

مادی نظامِ زندگی! دنیا میں اس وقت دو نظامہائے معیشت انسانیت کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہیں - سرمایہ داری اور سوشلزم - سوشلزم کی معتدل قسم کو صرف سوشلزم کہا جاتا ہے اور اس کی جارحانہ صورت کو اشتراکیت - بالشوزم یا سائنٹیفک سوشلزم کہتے ہیں -

اس نقطۂ نظر سے کہ دونوں انسان کی محض مادی ضروریات پر نظر رکھتے ہیں اور اس کی زندگی کے دوسرے حقیقی پہلو یعنی روحانی اقدار کی نفی کرتے ہیں - ان میں کوئی فرق نہیں - اگر فرق ہے تو صرف اس طریقۂ کار کا جو ایک نظام تجویز کرتا ہے مگر دوسرا اس سے اختلاف رکھتا ہے CAPITALISM (سرمایہ داری) معاشرہ کے ہر فرد کو ذرائع پیداوار اور ان سے حاصل شدہ دولت پر نجی ملکیت کا حق دیتا ہے وہ اپنے وسائل اور آمدنی کو اپنی محنت اور کوشش اور جد و جہد سے مروجہ ملکی قانون کی حدود میں رہتے ہوئے جتنی بھی ترقی دے اور ان سے استفادہ کرے اسے ان سے محروم کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں -

اس کے برعکس اشتراکیت میں ذرائع پیداوار اور ان سے حاصل شدہ دولت پر فرد کو کوئی اختیار نہیں وہ قومی ملکیت ہیں - یہ حکومت وقت کا کام ہے کہ افراد سے ان کی اہلیت اور قابلیت کے مطابق کام لے اور ہر ایک کی ضرورت کے مطابق اسی میں سے اسے دے - اس کا بنیادی اصول کچھ یوں ہے "Religion is the opium of the masses." جب عوام میں اپنے حقوق کے لئے بیداری پیدا ہوتی ہے - تو انہیں مذہب اور خدا کا نام لیکر

سلا دیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے بھی اپنے ایک شعر میں اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے:—

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم گر
پھر سُلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

ان دونوں نظاموں کو دنیا پر ٹھونسنے والے یہودی اور عیسائی ہیں۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ دونوں افراط و تفریط کا شکار ہیں اپنے اس نظریہ کی تائید میں قرآن حکیم اور احادیث پر انحصار کروں گا۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۶۱ میں بنی اسرائیل (یہودی) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کرتے ہیں:

"اے موسیٰ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے پس اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کر کہ وہ ہمارے لئے ان چیزوں سے نکالے جو زمین اگاتی ہے اس کی ترکاریوں سے اور اس کی ککڑیوں سے اور اس کے لہسن سے اور اس کے مسور سے اور اس کے پیاز سے۔ اس نے کہا کیا تم وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں لینا چاہتے ہو جو بہتر ہے۔ کسی شہر میں اتر پڑو۔ جو تم مانگتے ہو تمہیں مل جائے گا۔ اور ان پر ذلت اور محتاجی ڈالی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آ گئے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی باتوں کا انکار کرتے تھے۔ اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔"

انہوں نے زمین پر جو ایک بنیادی ذریعہ پیدا وار ہے قبضہ کر کے ایسی اشیاء خوردنی پیدا کرنے کی خواہش کی جو جسم و رُوح کا تعلق قائم رکھنے میں مدد دیتی ہیں۔ یہ اس رزق کے مقابلہ میں بہت ادنیٰ ہیں جو خدا کے ہاں سے (روحانی) آتا ہے وہی رزق جو تیرے رب کی طرف سے آتا ہے بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے کیونکہ زمینی رزق جو جسم کے مختلف اعضا کی نشو و نما میں مدد دیتا ہے اس کی موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ رُوح کی زندگی دائمی ہے اس لئے اس کی آسمانی غذا بھی اس کے ساتھ ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

عیسائیوں کو دیکھئے وہ حضرت عیسٰے علیہ السلام سے کیا مانگتے ہیں۔ اس کے لئے دیکھئے سورۃ المائدہ کی آیات ۱۱۲ تا ۱۱۵:—

"جب حواریوں نے کہا اے عیسٰےؑ ابن مریم کیا تیرا ربّ طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کھانا نازل کرے۔ (حضرت عیسٰےؑ نے) کہا اللہ کا تقویٰ کرو اگر تم مومن ہو۔ انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل اطمینان پائیں اور ہم جان لیں کہ ضرور تو نے ہم سے سچ کہا ہے (کہیں خدا کی طرف سے ہوں) اور اس پر گواہ ہو جائیں۔ عیسٰی ابن مریم نے کہا اے اللہ ہمارے ربّ ہم پر آسمان سے کھانا نازل کر۔ وہ ہمارے لئے عید ہو۔ ہمارے پہلوں کے لئے اور ہمارے پچھلوں کے لئے اور تیری طرف سے نشان ہو اور ہم کو رزق دے اور تو ہی بہتر رزق دینے والا ہے۔ اللہ نے کہا میں اس کو (رزق) تم پر اتارنے والا ہوں پھر جو کوئی تم میں سے اس کے بعد ناشکری کرے گا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا کہ تمام جہانوں میں اور کسی کو ایسا عذاب نہیں دوں گا۔"

اس قوم کے رزق کی فراوانی آپ کے سامنے ہے۔ کس طرح رزق کے بہانے ساری دنیا کو اپنے سیاسی حلقہ اثر میں رکھنا چاہتی ہے۔ یہی دو قومیں یہودی اور عیسائی تمام دنیا کی اکانومی کو کنٹرول کر رہی ہیں۔

حضرت ابراھیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ جب خانہ کعبہ کی بنیادیں اُٹھاتے ہیں تو وہ بھی ایک دُعا کرتے ہیں۔ جس کا ذکر سورۃ البقرہ کی آیات ۱۲۶ تا ۱۲۹ میں اس طرح آتا ہے:

"اے ہمارے ربّ اس (مکہ) کو امن والا شہر بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے جو کوئی ان میں سے اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لائے۔ اے ہمارے رب اور ہم کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسل سے ایک گروہ اپنا فرمانبردار (بنا یُو) اور ہمیں ہمارے حج کے اعمال بتائیو اور ہم پر رحمت سے توجہ فرما۔ تو رحمت سے توجہ فرمانے والا۔ رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے ربّ اور ان میں انہی میں سے ایک رسول اُٹھا جو اُن پر تیری آیات پڑھے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے تو غالب حکمت والا ہے"

اسی پکار کے نتیجہ میں "دعائے خلیل" اور "نوید مسیحا" تشریف لائے اور آپؐ کی تشریف آوری سے دنیا جسمانی اور روحانی رزق دونوں سے متمتع ہوئی۔ یہیں سے دینِ اسلام کی بنیاد پڑتی ہے۔

اس دُعا میں پہلی دو مذکورہ بالا دعاؤں کی طرح صرف مادی وسائل کے لئے تمنا ہی نہیں بلکہ جسم و رُوح دونوں کے لئے رزق کی آرزو ہے۔

یہ بھی مادی نظام کے زرعی ذرائع اور وسائل کو بروئے کار لانے کی ابتداء اس کی صنعتی ترقی کے متعلق بھی قرآن کریم میں جا بجا اشارات موجود ہیں۔ جن کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے انجام کا ذکر **سورۃ کہف** کی آیات ۱۰۴ و ۱۰۵ میں بڑے کھلے الفاظ میں کیا گیا ہے:—

"کہہ کیا ہم تمہیں عملوں میں بہت بڑھ کر گھاٹے میں رہنے والوں کی خبر دیں وہ جن کی کوششیں دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ صنعت کے بہت عمدہ عمدہ کام بنا رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ربّ کی باتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا۔ سو اُن کے عمل اُن کے کام نہ آئے۔ اس لئے ہم قیامت کے دن ان کے لئے وزن قائم کریں گے"

یعنے جو سعی انہوں نے دنیا کے حصول کے لئے کی اس کا اجر تو ان کو یہاں ہی ان کی صنعتوں کی صورت میں مل گیا۔ انہوں نے موت کے بعد کی زندگی کا انکار کیا اور اس کے لئے کوئی اچھے اعمال بجا لانے کی کوشش نہ کی اس لئے اللہ کے ہاں ان کے لئے قیامت کے دن کوئی بدلہ نہ ہوگا۔

اس آیت میں "صنعت کے بہت اچھے کام" کے الفاظ آئے ہیں۔ دنیا میں صنعتی ترقی جتنی اس دَور میں اپنے کمال کو پہنچی ہے۔ گزشتہ زمانے میں اس کی ادنیٰ سی مثال بھی نہیں ملتی۔ انسانی زندگی کا کونسا ایسا پہلو ہے۔ جس میں صنعتی ترقی نہیں ہوئی۔ اس کی غذا۔ لباس۔ سفر۔ علاج۔ تعلیم وغیرہ کونسا ایسا شعبہ ہے جو تشنہ رہ گیا ہو۔ لیکن اس ترقی کے ساتھ ساتھ ہلاکت کے وہ سامان بھی پیدا ہو گئے ہیں جو چشم زدن میں ان صنعتوں کے فلک بوس کارخانوں کو خاک کے ڈھیر میں بدل سکتے ہیں۔ کتنا گھناؤنا انجام ہوگا ان کی اس سعی کا، ان کی چشم کوہ دیکھ ہی نہیں سکتی۔

دوسری جنگِ عظیم کی تباہیوں کے منظر اب بھی دیکھنے میں آتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جنگجو طاقتوں کے ضمیر نے ایک خفیف سی کروٹ لی اور مجلس اقوام متحدہ وجود میں آئی لیکن کوئی انسانی کوشش دنیا کو بچا نہیں سکے گی۔ بڑی طاقتوں کو جو اپنا اپنا نظام دنیا پر ٹھونسنے کی کوشش میں سرگرداں ہیں۔ اس کا شدت سے احساس ہے۔ اسی لئے "دیتانت" جیسے بقائے باہمی کے معاہدے کئے جا رہے ہیں مگر وہ تصادم کو اور قریب تر لا رہے ہیں۔ خدا کی مشیت پوری ہو کر رہے گی۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ (باقی — باقی)

محترم سید ا۔ ح۔ گیلانی

اس اُمّت میں بعثت مجدّدین کا سلسلہ

(۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی اور حدیث مجدّد } علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی مشہور تصنیف فتح الباری میں حدیث مجدد کے متعلق مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:۔

(ا) ونظیر مانبه علیه ما حمل بعض الایمة حدیث ان الله یبعث لھذہ الامة علیٰ رأس مائة سنة من یجدد لھا دینھا انه لا یلزم ان یکون فی راس کل مائة سنةٍ واحد فقط بل یکون الامر فیه کما ذکر فی الطائفة۔ وھو متجه فان اجتماع الصفات المحتاج الیٰ تجدیدھا لا ینحصر فی نوع من انواع الخیر ولا یلزم ان جمیع خصال الخیر کلھا فی شخص واحد الا ان یدعی ذالك فی عمر بن عبد العزیز فانه کان القائم بالامر علےٰ راس المائة الاولیٰ۔ باتصافه بجمیع صفات الخیر و تقدمه فیھا ومن ثم اطلق احمد انھم کانو یحملون الحدیث علیه واما من جاء بعدہ. فالشافعی وان کان متصفا بالصفات الجمیلة الا انه لم یکن القائم بامر الجھاد والحکم بالعدل فعلے ھذا کل من کان متصفاً بشئی من ذالك عند راس المائة ھو المراد۔ (فتح الباری الجزء التاسع والعشرون باب لا تزال طائفة من اُمتی ظاھرین علے الحق ص۲۶۷ مطبوعہ مطبع انصاری دھلی)

ترجمہ: جس امر پر ابھی آگاہ کیا ہے اس کی نظیر وہ حدیث ہے جسے بعض آئمہ نے روایت کیا ہے کہ ان الله یبعث لھذہ الامة علےٰ راس کل مائة سنة من یجدد لھا دینھا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر صدی کے سر پر ایک ہی شخص ہوگا بلکہ اس کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا طائفہ کے متعلق ذکر ہو چکا ہے اور یہی معتبر ہے کیونکہ تجدید دین کے لئے جن صفات کی ضرورت ہے وہ ایک نوع میں منحصر نہیں ہیں۔ اور نہ ہی تمام صفات حسنہ ایک شخص میں جمع ہونا لازم ہیں۔ ہاں اگر عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق یہ کہا جائے تو درست ہے۔ کیونکہ وہ تمام صفات خیر سے متصف تھے ان میں بڑھے ہوئے اور پہلی صدی پر امر کو لے کر کھڑے ہوئے تھے احمد نے اسی لئے کہا ہے کہ یہ حدیث عمر بن عبدالعزیز پر محمول کی جاتی تھی اس کے بعد شافعی آئے گو وہ صفاتِ جمیلہ سے متصف تھے۔ مگر وہ جہاد اور حکم بالعدل کے امر سے نہ کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے مطابق جو شخص صدی کے سر پر ان صفات میں سے بعض سے متصف ہو وہ مجدّد ہوگا۔

(ب) قال الحافظ ابن حجر فی توالی التاسیس قال ابو بکر البزار سمعت عبد الملك بن عبد الحمید المیمونی یقول کنت عند احمد بن حنبل فجری ذکر الشافعی فرایت احمد یرفعه وقال روی عن النبیّ صلے اللّٰه علیه وسلّم یقول ان اللّٰه تعالیٰ یقیض فی راس کل مائة سنةٍ من یعلم النّاس دینھم قال فکان عمر بن عبد العزیز فی راس المائة الاولیٰ وارجوا ان یکون الشافعی علےٰ راس المائة الاخریٰ۔

(عون المعبود شرح ابی داؤد جلد ۴ ص۱۳۸)

ترجمہ: حافظ ابن حجر عسقلانی۔ توالی التاسیس میں فرماتے ہیں۔ ابوبکر بزار نے کہا کہ میں نے عبدالملک المیمونی سے سُنا ہے کہ میں ایک دن احمد بن حنبل کے پاس بیٹھا تھا کہ امام شافعی کا ذکر چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ امام احمد انکی بہت تعریف کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر صدی کے سر پر ایک شخص کو مقرر کرے گا جو لوگوں کو دین سکھائے گا۔ اس کے مطابق پہلی صدی میں عمر بن عبدالعزیزؒ تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ دوسری صدی پر امام شافعی ہیں۔

احمد بن حنبل اور حدیث مجدّد } قال احمد بن حنبل ان اللّٰه یقیض الناس فی کل راس مائة من یعلم الناس السنن وینفی عن النبے صلے اللّٰه علیه وسلم الکذب (عون المعبود شرح ابوداؤد جلد ۴۔ ص۱۷۹)

ترجمہ: احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ ہر صدی کے سر پر ایک شخص کو مقرر کرے گا۔ جو لوگوں کو آنحضرت (صلعم) کی سنّت کی تعلیم دے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے جھوٹے الزامات کا دفعیہ کرے گا۔

(ب) حدثنا حمید بن زنجویه سمعت احمد بن حنبل یقول یروی فی الحدیث عن النبی صلے اللّٰه علیه وسلّم ان اللّٰه یمن علیٰ اھل دینه فی راس کل مائة سنة برجل من اھل بیتی[1] یبین لھم امر دینھم۔ (ایضاً ص۱۷۹)

ترجمہ: حمید بن زنجویہ نے بیان کیا کہ میں نے احمد بن حنبل سے سنا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ اپنے اہل دین پر ہر صدی کے سر پر ایک شخص کے ذریعہ رحمت نازل کرے گا جو میرے اہل بیت[1] میں سے ہوگا۔ اور لوگوں کے سامنے دین کو بیان کرے گا۔

عن الزھری } قال فلما کان فی راس المائة من اللّٰه علیٰ ھٰذہ الامة بعمر بن عبد العزیز۔

(عون المعبود جلد ۴ ص۱۷۹)

ترجمہ: زہری فرماتے ہیں کہ پہلی صدی پر اللہ تعالےٰ نے ہم پر عمر بن عبدالعزیزؒ کے ذریعہ احسان کیا۔

تفسیر رُوح المعانی اور حدیث المجدّد } تفسیر روح المعانی میں جو اہل السنة والجماعت کے مذہب کے مطابق لکھی گئی ہے۔ حدیث مجدّد کی صحت پر آیت یلقی الروح من امرہ علےٰ من یشاء من عبادہ (المؤمن ع۲) سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ اس آیت کے ماتحت لکھا ہے:۔

فان الالقاء لم یزل من لدن آدم علیه السلام الیٰ انتھا زمان نبینا صلے اللّٰه علیه وسلّم وھو فی حکم المتصل الیٰ قیامة الساعة باقامة من یقوم بالدعوة علےٰ ماروی ابو داؤد عن ابی ھریرۃ ان اللّٰه تعالیٰ یبعث لھٰذہ الامّة علےٰ راس کل مائة سنةٍ من یجدد لھا دینھا ای ما اندرس من العمل بالکتاب والسنة۔"

ترجمہ: الہام الہٰی آدم علیہ السلام کے زمانہ سے زمانہ نبوی کی انتہاء تک برقرار رہا ہے۔ یہ الہام الہٰی بوجہ ایسے شخص کے جو دعوت اسلام کے لئے مبعوث ہو قیامت تک جاری رہے گا۔ جیسا کہ ابو داؤد نے ابی ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ اس اُمّت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک شخص کو کھڑا کرے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ یعنی ان روایات کا احیاء کرے گا۔ جو کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ پر عمل کرنے میں مٹ گئی ہیں۔

مجدّد الف ثانی اور حدیث مجدّد } مجدّد صاحب سرہندی علیہ الرحمۃ کا تو نام ہی

---

[1] ہر متقی انبیاء کے اہلِ بیت میں ہی سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً حدیث "سلمان منا اھل البیت"

پر مشرف کیا گیا۔ میں مجدّد کی حیثیت سے یہ کہتا ہوں خدائے پاک عالم الاسرار و الخفیات گواہ ہے کہ جہاد کی طرف دعوت اور کفر و عناد کے ازالہ کا خیال اخلاص سے بھرے ہوئے دل سے جوش مار رہا ہے۔"

پس حدیث مجدّد کو جھٹلانے سے ان بزرگوں کو مفتری و کذاب ماننا پڑتا ہے۔ جنہوں نے ایک موضوع حدیث پر بنیاد رکھ کر مجدد و ملہم من اللہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ مگر حق یہ ہے کہ

(۱) تمام حفاظ حدیث اس کی صحت پر متفق ہیں۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:—

وھذا یشعر بان الحدیث کان مشھورا فی ذالک العصر ففیہ تقویۃ بسندہ مع انہ قوی لثقۃ رجالہ۔

(مرقات الصعود برحاشیہ ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ مطبوعہ نولکشور)

ترجمہ: اور یہ امر ظاہر کرتا ہے کہ یہ حدیث عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں بھی مشہور تھی۔ اس کے راویوں کے ثقہ ہونے کے ساتھ یہ امر بھی اس کی سند کی تقویت کرتا ہے"

(۳) علامہ جلال الدین سیوطی اس حدیث کی صحت کے اس حد تک قائل ہیں کہ اس پر ایک مستقل رسالہ "التسمیہ بمن یبعثہ اللہ علیٰ رأس کل مائتہ" سپرد قلم کرتے ہیں پھر ایک قصیدہ "تحفۃ المھتدین باخبار المجددین" کے نام سے لکھتے ہیں۔

(۴) احمد بن حنبل نے اس حدیث کے مطابق ظہور مجددین ضروری سمجھا (کمامر)

(۵) زہری نے اس کے مطابق عمر بن عبدالعزیز کو مجدد قرار دیا (کمامر)

(۶) مصنف تفسیر روح المعانی نے اس کو درست قرار دے کر قیامت تک مکالمہ الٰہیہ کا اجرا تسلیم کیا۔ (کمامر)

(۷) مجدد الف ثانی نے اس کے مطابق ہر صدی پر مجدّد کی آمد کا اقرار کیا (کمامر)

(۸) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس کو صحیح سمجھ کر خود دعویٰ کیا (〃)

(۹) حضرت سید احمد بریلوی نے اس کو درست سمجھ کر خود دعویٰ کیا (کمامر)

دورِ حاضر میں

(۱۰) نواب صدیق حسن خاں مصنف حجج الکرامہ وغیرہ نے اس کی تائید کی (کمامر)

(۱۱) مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کے مطابق ہر تاریکی کے بعد ظہور مجدد کو ضروری سمجھا (کمامر)

(۱۲) علامہ شبلی مرحوم اس کی تصدیق کر گئے ہیں۔

(۱۳) پیسہ اخبار کے ایڈیٹر کو بھی باوجود دشمنی سلسلہ کے اس کی صحت کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔

ظہور مجدّد کا وقت

ظہور مجدّد کے وقت کے لئے سب سے زیادہ معتبر گواہی وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلی ہوئی ہے اور حدیث مجدّد میں موجود ہے۔ یعنی "علےٰ راس کل مائۃ سنۃ" یعنی ہر صدی کے سر پر مجدد کا ظاہر ہونا ضروری امر ہے۔ ہاں بعض صدیوں میں نظر آتا ہے کہ مجدّدین ایک سے زیادہ تعداد میں گزرے۔ اس صورت میں اگر کوئی مجدّد صدی کے وسط میں بھی ظاہر ہو گیا ہو تو ہمارے مطلب کے مانع نہیں کیونکہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر صدی کے سر پہ کوئی نہ کوئی مجدّد ظاہر ہوتا ہے۔ اگر اس مجدّد کے علاوہ جو صدی کے سر پہ ظاہر ہوا ہو کوئی اور مجدّد بھی "وسط صدی" میں ظاہر ہو جائے تو اس کی نفی حدیث میں نہیں ہے۔

راس المائۃ کے معنے

راس المائۃ کے معنوں پر بڑی بحث کی جاتی ہے کئی ایک علماء وقت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ صدی کے دو سر ہوتے ہیں اوّل اور آخر۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ چنانچہ

عربی لغت کی کتاب "المنجد" میں لکھا ہے۔

(ا) ویقال فعلہ راسًا ای فعل ابتداءً غیر مستطرد الیہ من غیرہ۔

(ب) راس الشھر والعام۔ اوّل یوم منہ

کہ کہا جاتا ہے کہ اس نے یہ کام "راس" میں کیا جس کے معنے یہ ہیں کہ کسی اور شخص کی اس کام تک رسائی سے پیشتر ابتداء میں ہی اس نے یہ کام کیا۔ اسی طرح راس الشہر یا راس العام کے معنے ہیں مہینے یا سال کا پہلا دن۔ پس راس المائۃ کے معنے صدی کے پہلے سال یا ابتدائی وقت کے ہوں گے۔

راس حقیقتاً آخر سال کے معنے نہیں دیتا

بعض اوقات "راس" سال کے آخر کو مجازاً کہا جاتا ہے مگر یہ اس کے حقیقی معنے نہیں۔ چنانچہ عون المعبود شرح ابو داؤد جلد ۴ صفحہ ۱۸۱ پر لکھا ہے: وقال الطیبی الراس مجازاً عن آخر السنۃ و تسمیتہ راسًا باعتبار انہ مبدء سنۃ اُخریٰ۔"

ترجمہ: طیبی نے کہا ہے کہ راس مجازاً سال کے آخر پر استعمال ہو جاتا ہے اور سال کے آخر کو راس کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ دوسرے سال کا مبدء ہوتا ہے۔

مناوی اور راس المائۃ

وقال المناوی فی مقدمۃ فتح القدیر تحت قولہ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ ای اوّلہ وراس الشئی اعلاہ وراس الشھر اوّلہ (عون المعبود شرح ابی داؤد جلد ۴ صفحہ ۱۸۰)

ترجمہ:۔ امام مناوی فتح القدیر کے مقدمہ میں علےٰ رأس کل مائۃ سنۃ کے نیچے فرماتے ہیں۔ "یعنی صدی کے ابتدا میں کسی چیز کا راس اس کا اوپر کا حصہ ہوتا ہے اور مہینہ کا راس اس کی ابتداء ہے" اس سے معلوم ہوا کہ مجازاً کچھ معنے لیتے رہیں۔ مگر اصل معنے رأس المائۃ کے صدی کی ابتداء ہی ہے۔

حدیث میں راس المائۃ مجاز نہیں

حدیث میں راس المائۃ کو مجاز لینا بالکل خلاف اصول ہے۔ مجاز وہاں لیا جاتا ہے جہاں حقیقت متعذر ہو مگر یہاں یہ بات نہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعدہ دینا ہوتا کہ صدی کے آخر پر ایک مجدّد ظاہر ہوگا تو یوں فرما سکتے تھے کہ "ان اللہ تعالیٰ یبعث علےٰ آخر کل مائۃ سنۃ" الخ۔ جو اس سے زیادہ فصیح تھا۔

حضرت مسیح موعودؑ صدی کے آخر و اوّل میں

اگر ہم بطور تنزل معترضین کے اس خیال کو مان بھی لیں تب بھی حضرت مسیح موعودؑ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی صداقت پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ حضرت اقدس "ذوالقرنین" ہیں اور اپنے ظہور کے اعتبار سے تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے شروع میں ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:—

"سو دانیال نبی نے اس کا یہ نشان دیا ہے کہ اس وقت سے جو یہود اپنی رسم قربانی سوختنی کو چھوڑ دیں گے اور بد چلنیوں میں مبتلا ہو جائیں گے ایک ہزار دو سو نوّے سال ہوں گے۔ جب مسیح موعود ظاہر ہوگا سو اس عاجز کے ظہور کا یہی وقت تھا۔ کیونکہ میری کتاب براہین احمدیہ صرف چند سال بعد میرے مامور ہونے کے چھپ کر شائع ہوئی ہے اور یہ عجیب امر ہے کہ اس کو خدا تعالےٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک بارہ سو نوّے ہجری میں خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ مخاطبہ پا چکا تھا۔ پھر سات سال بعد یہ کتاب براہین احمدیہ جس میں میرا دعوےٰ مسطور ہے تالیف ہو کر شائع کی گئی۔"

(حقیقت الوحی صفحہ ۱۹۹ و صفحہ ۲۰۰)

اس سے مخالفین کا یہ آخری عذر بھی ہباءً منثوراً ہو جاتا ہے۔ فھل من مدّکر

(باقی—باقی)

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

مغرب سے طلوعِ آفتاب

تقریر برجلسہ سالانہ

الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ .... فبھت الذی کفر۔ (سورۃ البقرہ۔ایت ۲۵۸)

میں نے جو سورۃ شریفہ تلاوت کی ہے اس میں حضرت ابراہیمؑ کی ایک بادشاہ سے اس امر پر بحث کا ذکر ہے کہ جو کچھ اختیار خدا کی ذات کو حاصل ہے وہ اقتدار کسی بشر کے لئے ہرگز جائز نہیں۔ قوانینِ قدرت کو تبدیل کرنے پر انسان کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے مطالبے کہ اگر تمہیں خدائی کا دعوےٰ ہے تو سُورج کو بجائے مشرق کے مغرب سے چڑھا دو کا کوئی جواب کافر بادشاہ سے بن نہ آیا۔

میرا موضوع "مغرب سے طلوعِ آفتاب" ہے یا یہ بھی شائع ہوا ہے کہ "اشاعت اسلام اور جماعت احمدیہ کا باہم کیا تعلق ہے؟"۔ ان دونوں کا خلاصہ ایک ہی ہے جس پر اس مختصر وقت میں کچھ عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؒ نے اپنے دعوےٰ مسیحیت کرنے کے روزِ اوّل سے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ اس زمانہ میں مغربی اقوام کی دجّالی تہذیب سے جو فتنہ بپا ہے، یہ ایسا عظیم و اکبر فتنہ ہے کہ بجز خدائی منصوبہ کے اسے کسی انسانی طاقت سے فرو کرنا ممکن نہیں، چنانچہ آپؑ اپنی پہلی کتاب فتح اسلام میں فرماتے ہیں:۔

"یہ کرسچن قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں کہ جب تک اس سحر کے مقابل پر خدا تعالےٰ وہ پُرزور ہاتھ نہ دکھلائے جو معجزہ کی قدرت اپنے اندر رکھتا ہو اور اس معجزہ سے اس طلسم سحر کو پاش پاش نہ کر دے تب تک اس جادوئے فرنگ سے سادہ لوح دلوں کو مخلصی بالکل قیاس و گمان سے ہی باہر ہے۔

"سو خدا تعالےٰ نے اس جادو کے باطل کرنے کے لئے اس زمانہ کے سچے مسلمانوں کو یہ معجزہ دیا کہ اپنے اس بندہ کو اپنے الہام و کلام اور اپنی برکات خاصہ سے مشرف کر کے اور اپنی راہ کی باریک علوم سے بہرہ بخش کر مخالفین کے مقابل بھیجا۔"

یہ تحریر حضرت اقدسؑ نے ۱۸۹۰ء میں لکھی۔ آپ نئی تہذیب و تمدن سے دُور ایک گاؤں میں رہائش رکھتے تھے، پھر حضرتؑ مغربی تہذیب سے آشنا تھے نہ مغربی علوم سے کوئی واقفیت رکھتے تھے۔ لیکن آپ کا دعوےٰ ہے کہ آپؑ کی بعثت خدا کی طرف سے اس لئے ہوئی کہ مغربی تہذیب کے طلسم کو پاش پاش کیا جائے۔ اس سحر کا توڑنا انسانی طاقت و بس کی بات قطعاً نہیں، یہ تو صرف خدائی قدرت کا معجزہ ہی کر سکتا ہے۔ اس میں قطعاً شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ مغربی جادوئے مادیت اور طاقت سحر ایسا عالمگیر اور فریب نظر طلسم تھا کہ ہر آنکھ اس کی چمک سے خیرہ اور ہر دل اس کی دلربائی پر فریفتہ ہو چکا تھا۔ اسے کون انسان نیست و نابود کرنے کا خیال بھی دل میں لا سکتا تھا؟ لیکن حضرت اقدسؑ بلا کسی ادنیٰ اسباب و ذرائع میسر ہونے کے اسے پاش پاش کرنے کا ادّعا فرماتے ہیں۔ ہمارے لئے حضرتؑ کا یہ عظیم دعوےٰ دعوتِ فکر رکھتا ہے۔ آپ دعوےٰ کرتے ہیں کہ مغربی طلسم اس قدر عظیم و اکبر ہے کہ بجز خدائی معجزہ کے اسے کوئی انسانی طاقت توڑنے کی مقدرت نہیں رکھتی! ہمارا مشاہدہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ حضرتؑ ہر قسم کے ذرائع اور اسبابِ مقدرت سے کلیتہً تہیدست و محروم ہیں۔ آپ کے پاس تمام عالم کی عیسائی قوتوں اور مغرب کی شان و شوکت، ذرائع و اسباب کی مناسبت سے کچھ بھی موجود نہیں!! پس بلا شبہ اگر ایک تن تنہا، بے زور و زر اُمّی انسان، مغربی تہذیب و تمدن سے بے خبر، مغربی علوم سے بے بہرہ شخص اگر مغربی علوم کو توڑ کر دکھلا دے تو اس کا یہ عظیم کارنامہ انسانی طاقت کے بل بوتے پر ہرگز نہ ہوگا بلکہ یقیناً یہ ایک عظیم خدائی معجزہ ہی تسلیم کرنا پڑے گا۔ حضرت اقدسؑ نے مغربی طلسم کو توڑ کر دکھلانے کے جس معجزہ کا دعوےٰ کیا ہے تو یہ تحریر ایسی نہیں کہ کسی طرح آپ کے قلم سے کسی وقت بلا مقصد نکل گئی ہو بلکہ یہ ایک جامع و مکمل منصوبہ کی ایک احسن تجویز ہے۔

چنانچہ فتح اسلام کے بعد جو دوسری کتاب ازالہ اوہام حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمائی تو اس میں نہایت تفصیل سے اس امر کو بیان فرمایا ہے کہ جناب ختم المرسلین صلعم نے جس دجّال اکبر کے ظہور کی پیشگوئی فرمائی تھی وہ یہی مغربی اقوام کے مفاتنِ عیسائیت اور مادیت ہیں۔ نیز آپ وہی موعود مجدد صد چہاردہم ہیں جن کی بعثت کی خبر آنحضرت صلعم نے دے کر کسرِ صلیب اور قتلِ خنزیر کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والا تبلایا تھا۔ دجّال اور یاجوج و ماجوج کے خروج کی احادیث نبویؐ کی بیان کردہ تمام علامات مغربی اقوام میں پوری ہو رہی ہیں۔ اس لئے بموجب وعدۂ صادق حضرت خاتم المرسلینؐ یہی زمانہ مسیح موعود کے نزول کا مقدر ہو چکا ہے اور آپ اسی وعدہ کے عین مطابق منجانب اللہ مسیح موعود ہیں۔

نہ صرف یہ دعاوی فرمائے بلکہ جادوئے فرنگ سے مخلصی کی یقینی و قطعی راہیں بھی اسی کتاب ازالہ اوہام میں ۱۸۹۱ء میں بیان فرمادیں۔ کہیں یہ فرمایا کہ احادیث میں آخری زمانہ میں جو قربِ قیامت کی ایک علامت طلوع الشمس من مغربھا بتلائی گئی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اب صداقتِ اسلام کا آفتاب مغربی ممالک سے طلوع ہونے والا ہے۔ کسی جگہ اپنے اس ارادہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ تعلیم دینِ اسلام کو مغربی ممالک میں شائع کرنے کی غرض سے آپ کا یہ ارادہ ہے کہ قرآن کریم کا انگریزی زبان میں ترجمہ اور تفسیر کر کے ان ممالک میں پھیلایا جائے۔ اس کے ساتھ ہی یہ پیشگوئی بھی تحریر کرتے ہیں کہ یہ میرا کام ہے جیسے مجھ سے ہوگا یا اس سے جو میری شاخ ہے اور اس لئے مجھ میں داخل ہے ایسا ترجمہ اور تفسیر قرآن دوسرے سے ہرگز نہ ہو سکے گا۔

اب ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ ۱۸۹۱ء میں جب آپ اپنے قرآن کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کے شائع کرنے اور کسی دوسرے سے ایسا کارنامہ انجام نہ پانے کی پیشگوئیاں فرما رہے ہیں آپ کے پاس اس کام کے لئے کونسے ذرائع اور اسباب موجود تھے؟

آپ خود تو انگریزی زبان سے بکلی نابلد تھے۔ آپ کے پاس کوئی انگریزی خواں معاون بھی موجود نہ تھا (کیونکہ اس وقت حضرت مولانا محمد علیؒ ابھی ایف اے کے طالب علم تھے اور آپ کے پاس نہ گئے تھے۔) اس پر مستزاد یہ کہ مسلمان علماء و عوام نہ صرف انگریزی ترجمہ قرآن کو کفر سمجھتے تھے بلکہ انگریزی زبان کا پڑھنا بھی کُفر قرار دیتے تھے۔ ہمارے لئے یہ امر قابلِ غور ہے کہ قادیان کے ایک گمنام و دُور افتادہ گاؤں میں جو ہر قسم کے علوم و تہذیب سے علیحدہ پڑا ہے، ایک انسان کو جملہ علما و عوام کے برخلاف یہ خیال کیونکر آ سکتا ہے کہ مغربی فتنہ کی سرکوبی قرآن کے تراجم و تفاسیر بزبان انگریزی شائع کرنے سے مقدّر ہے؟ کیا ایسا وہم و گمان آنا ایسے خلاف واقعات میں انسانی و بشری طاقتوں کی بات ممکن ہے؟

حضرت مولانا محمد علیؒ نے جب ۱۹۱۷ء میں اپنا ترجمہ و تفسیر انگریزی شائع کیا تو اسے مصر میں علماء کے فتویٰ کے تحت جلا دیا گیا، لیکن خدائی معجزہ نے اپنا اثر کس قدر جلد دکھلایا کہ دس پندرہ برس کے عرصہ میں نصف درجن انگریزی تراجم مسلمانوں کی طرف سے شائع ہو گئے۔ چنانچہ حافظ غلام سرور صاحب نے جو خود بھی قرآن کے انگریزی مترجم ہیں اپنے دیباچہ میں یہ لکھدیا:۔

"مولوی محمد علی صاحبؒ نے اپنا انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن شائع کر کے اپنے آپ کو زندہ جاوید کر لیا ہے۔"

نیز حافظ صاحب نے حضرت مولینا رح کے انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کے بارہ میں یہ فقرہ بھی لکھا ہے :-

"مولانا محمد علی صاحبؒ کے ترجمہ و تفسیر انگریزی کے مقابل کوئی دوسرا انگریزی ترجمہ و تفسیر نہیں" نیز مولانا عبدالماجد صاحب نے بھی لکھا ہے : "مولانا محمد علیؒ کے

غور کیجئے! وہ عظیم پیشگوئی جو ۱۸۹۱ء میں حضرت اقدسؑ نے ان الفاظ میں فرمائی کہ ہمارا ارادہ ہے کہ انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن مغربی ممالک میں شائع کریں اور میں یہ کہنے سے رُک نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے جیسے مجھ سے ہوگا یا اس سے جو میری شاخ ہے اور اس لئے مجھ میں داخل ہے، ایسا کسی دوسرے سے نہ ہو سکے گا۔ یہ پیشگوئی کن نا مساعد اور خلاف واقعات حالات میں کی گئی، پھر یہ پیشگوئی ۱۹۱۷ء میں کیسی سچی و صادق ثابت ہوئی! کیا یہ کسی انسان کے علم و بس کی بات تھی؟

اسی طرح حضرت اقدسؑ اپنی کتاب ازالہ اوہام اور دیگر بعد کی کتب میں یہ پیشگوئی بھی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"میں نے رؤیا دیکھا کہ میں لندن میں ہوں اور اسلام کی صداقت پر ایک مدلل تقریر بزبان انگریزی کر رہا ہوں، پھر اس کے بعد میں نے چند سفید پرندے پکڑے جس کی تعبیر میں نے یہ کی کہ اگرچہ میں خود نہیں مگر میری تحریریں مغربی ممالک میں پھیلیں گی اور بہت سے انگریز صداقت اسلام کا شکار ہوں گے۔"

حضرت اقدس نے خود بھی ملکہ وکٹوریہ کو ایک کتاب "تحفہ قیصریہ" لکھ کر دعوت اسلام دی۔

پھر ۱۹۱۲ء میں جماعت احمدیہ کی طرف سے پہلا نمایاں کامیاب مشن حضرت خواجہ کمال الدینؒ نے انگلستان میں قائم کیا، جس کے ذریعہ ۱۹۱۳ء میں لارڈ ہیڈلے اسلام میں داخل ہوئے اور بعد میں اس مشن کے ذریعہ سینکڑوں کی تعداد میں اقوام انگریزیہ آنحضرت صلعم کے عالی دین کو قبول کرنے والے ہوئے۔

اب جائے غور ہے کہ ۱۸۹۱ء کے قریب کونسے انسانی دماغ میں یہ بات آسکتی تھی کہ دین اسلام اس قدر عالی صداقتوں اور ابدی و ایمانی و اخلاقی قوانین کا مجموعہ ہے کہ اسے اب برسر اقتدار اقوام جو نئی تہذیب و علم کی بے مثل علمبردار ہیں بھی قبول کر سکتی ہیں؟ واقعات تو اس وقت یہ تھے کہ ۱۹۱۲ء میں جب حضرت خواجہ صاحب تبلیغ اسلام کے لئے انگلستان گئے تو وہاں لندن میں تعلیم پانے والے مسلمان طلباء نے خواجہ صاحب کے اس اقدام کو سراسر ناکام اور ایک مجنون کا فعل قرار دیا۔ چنانچہ راقم الحروف کو حضرت خواجہ صاحبؒ کی وفات ۱۹۳۲ء کا وہ واقعہ یاد ہے جب آپ کی تعزیت میں حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج لاہور میں ایک تقریب منعقد کی گئی، جس کے صدر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب مرحوم تھے تو خلیفہ صاحب نے اپنے صدارتی ریمارکس میں اس امر کا اعتراف کیا کہ جب خواجہ صاحب نے تبلیغ اسلام کا مشن انگلستان میں ۱۹۱۲ء میں جاری کیا تو خلیفہ صاحب نے اپنے دوستوں کو کہا کہ وہ خواجہ صاحب کو اس کام سے منع کریں۔ یہاں تو لوگ مذہب کو ہی خیرباد کہہ رہے ہیں اسلام کون قبول کرے گا؟ مگر خلیفہ صاحب نے تعزیتی جلسہ میں اپنی غلطی اور خواجہ صاحبؒ کے موقف کی کامیابی کا برملا اقرار کیا۔ اسی قسم کا وہ ایمان افروز واقعہ ہے جب حضرت مولانا نورالدینؒ نے حضرت اقدس سے وضاحت چاہی کہ حضرت مغرب میں تو سرے سے مذہب کا ہی انکار ہے اور آپ وہاں اسلام پھیلنے کی خوشخبریاں دیتے ہیں تو حضرت اقدسؑ نے جواباً فرمایا کہ سلیٹ صاف ہو رہی ہے نقش اچھا جمے گا، پھر فرمایا، مولوی صاحب! میری روحانی آنکھ نے اسلام کی پہلی تاریخ کے چاند کو دیکھ لیا ہے۔ یہ وضاحت کس قدر مبنی برحقیقت ثابت ہوئی! واقعات شاہد ہیں۔ لیکن جب یہ بات کہی گئی تھی اسوقت کونسے شواہد موجود تھے؟

اب سوال یہ ہے کہ خواجہ صاحبؒ کے دل میں یہ یقین کہاں سے آگیا کہ تبلیغ اسلام میں ان کی مساعی رائیگاں نہ جائیں گی بلکہ کامیاب و کامران ہوں گی؟ یہ ایمان و یقین اور یہ علم و معرفت جس سے فاتح، غالب، حاکم اور مہذب اقوام کے قلوب کو فتح کیا جا سکتا ہے اسی خدا رسیدہ صاحب کرامت و کمال شخص کی صحبت اثر کا نتیجہ تھا جسے خواجہ صاحبؒ نے صادق و منجانب اللہ یقین کر کے مجدد صد چہاردہم اور مسیح زمان تسلیم کیا تھا۔

کیا اس میں کوئی شک و شبہ ہے کہ خواجہ صاحب اگر حضرت اقدسؑ کے فیض اثر سے مستفیض نہ ہوئے ہوتے تو آپ کے ذریعہ مغربی اقوام کے تسلط و برتری کا یہ رعب کیسے ٹوٹتا اور کیسے وہ ان اقوام کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کی جرأت و ہمت کر سکتے تھے۔ غرضیکہ حدیث شریف کی پیشگوئی کہ آخری زمانہ میں مغرب سے صداقت اسلام کا سورج طلوع ہوگا ہمارے سامنے اب واقعات کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اور یہ معجزہ بلاشبہ حضرت اقدسؑ کے ہاتھوں ظہور پا چکا ہے۔ اس میں اب کیا ادنےٰ شک و شبہ کی گنجائش ہے کہ مغرب سے صداقت اسلام کا سورج طلوع ہونا ایک خدائی معجزہ اور کرشمہ ہے جو کسی انسانی بس و طاقت کی بات نہیں۔ اس معجزہ سے ایک طرف حضرت اقدسؑ کے منجانب اللہ صادق شخص ہونے کا نمایاں اور حتمی ثبوت ملتا ہے تو دوسری طرف اسلام کی فتوحات زمانہ کے صحیح طریق کار کا بھی قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے۔

پس میں جو دوسری بات آپ کے گوش گذار کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے دل نہ صرف حضرت اقدسؑ کی صداقت اور آپ کی منجانب اللہ بعثت پر حتمی یقین سے قائم ہیں بلکہ ہمارے قلوب اس یقین و ایمان سے بھی سرشار ہیں کہ اس زمانہ میں فتوحات دین اسلام کا سچا و صحیح طریق کار صرف یہی ہے کہ ہم اپنے ہمقوم مگر بے خبر مسلمانوں کو اس چشمہ فیض سے آگاہ کریں جن کے دامن سے وابستگی کے بغیر اس زمانہ میں حقیقی فتح دین کے راستے کھل نہیں سکتے جب تک مسلمان قوم ان اعتقادی اور اصلاحی امور کو قبول نہ کرے گی جو آج فتوحات اسلامیہ کے لئے بطور لازم پڑے ہیں یعنی جب تک وہ تبلیغ اسلام کے لئے احمدیہ تحریک کی اعتقادی و اصلاحی تحریکات کو قبول نہ کریں گے تب تلک مغرب سے طلوع آفتاب کا چڑھنا اس رفتار سے نہ ہوگا۔ جس سرعت رفتاری سے ہم اس کے چڑھنے کے منتظر ہیں۔ مغرب سے آفتاب صداقت کا خدائی معجزہ تو ظاہر ہو چکا اب بھی اس چڑھتے ہوئے آفتاب کو اگر کوئی دیکھ نہ سکے تو سوائے اس کے کیا کہا جائے کا ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

لیکن میں اپنے دوستوں سے یہ کہنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ہم تبلیغ اسلام کے مقصد میں تب ہی کامیاب ہو سکیں گے جب ہم اپنی قوم کو اپنی صداقت کا یقین دلانے میں کامیاب ہوں گے۔ چنانچہ میں اپنے اس بیان کو حضرت خواجہ صاحب مرحوم کے اس ربانی رؤیا پر ختم کرتا ہوں جو آپ نے اپنی کتاب مجدد کامل میں تحریر فرمایا اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ دو شخص آ رہے ہیں ایک بزرگ اور دوسرے ایک نوجوان۔ میں نے نوجوان کو تو فوراً پہچان لیا کہ وہ میاں محمود احمد صاحب ہیں۔ بزرگ انسان کا لباس چونکہ کھدر کی قسم کا تھا۔ میں شروع میں پہچان نہ سکا۔ لیکن نزدیک آنے پر میں نے دیکھا کہ وہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ ہیں۔ تب مجھے حضرت کے اس خراب لباس کو دیکھ کر صدمہ ہوا اور میں نے آپ سے یہ دریافت کیا کہ حضرت آپ کی ایسی حالت کیوں ہے؟ تو میرے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ نوجوان یعنی میاں محمود احمد کسی کی بات نہیں مانتا۔ اس کے دل میں جو آتا ہے کرتا ہے۔ پھر حضرت اقدسؑ نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ میری زندگی میں میرے پاس آتے تھے۔ میرے حالات کا ترجمہ کرتے تھے۔ اب کیوں نہیں کرتے؟ پھر اس صورت میں میری ایسی حالت نہ ہو تو اور کیا ہو۔ یہ رؤیا کا خلاصہ ہے جو خواجہ صاحب رح نے ۱۹۳۰ء کے قریب دیکھا جب حضرت اقدسؑ اور جماعت احمدیہ کی مخالفت کا نام و نشان نہ تھا۔ ۱۹۳۰ء کے بعد تین مرتبہ حضرت اقدسؑ اور جماعت احمدیہ کی مخالفت میں تحریکیں اُبھریں۔ ۱۹۳۵ء

(باقی بر صفحہ ۲۳ کالم ۲)

محترمہ بیگم کوثر مسعود محترمہ پارہ اقبال

لندن میں ہماری عید اور احمدیہ مسلم مشن کا قیام

قارئین پیغام صلح کو غالباً علم ہوگا کہ چند ماہ قبل ماہ رمضان میں احمدیہ مسلم مشن لندن کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ عیدالفطر کے بعد ایک موقعہ پر عید ملن اور ظہر کی نماز کا انتظام تھا۔ پھر اس وقت سے اب تک ہمارا پروگرام عیدالاضحیٰ کے لئے "مشن گھر" کی تیاری۔ صفائی۔ مرمت۔ رنگ و روغن اور اسی قسم کے بہت سے کاموں پر مشتمل تھا۔ عید سے دو ہفتے قبل نیچے کے دو کمروں کی درمیانی دیوار کو نکال کر اس کو ایک بڑے ہال کی شکل دے دی گئی۔ معمار نے دیوار نکالنے کا کام تو کر دیا لیکن ملبہ اٹھانے۔ اینٹیں جمانے۔ فرش کو دوبارہ تیار کرنے اور سفیدی وغیرہ ہر قسم کے کام باقی رہ گئے۔

یہ کام خدا خدا کر کے عید سے ایک دن قبل مکمل ہوئے۔ ساتھ کے ایک چھوٹے کمرے کو تیار کر کے اس میں جوتے رکھنے اور کوٹ لٹکانے کا انتظام ہوا۔ بڑے کمرے کا دروازہ نکال کر اس کو گھر کے درمیانی راستہ سے ملا دیا گیا۔ غرضیکہ اس طرح ڈیڑھ دو سو حضرات و خواتین کے نماز پڑھنے کا انتظام مکمل ہو گیا۔ مکان کے باہر اور ہال کی اندرونی دیواروں کو قرآنی آیات کے جھنڈوں سے سجایا گیا تھا۔

مولانا شیخ محمد طفیل صاحب نے اپنے ہندوستان اور پاکستان کے دورہ پر جانے سے پہلے جو پروگرام شائع کیا تھا وہ کچھ اس طرح تھا:

نماز عید اور خطبہ ۱۰½ بجے صبح ۲۷؍دسمبر ۱۹۷۴ء۔ امامت۔ ایس۔ ایم خالد اقبال صاحب ایم اے۔ چائے۔ اسلامی نغمات۔ مختصر تقاریر۔

یہ پروگرام مختلف ہدایات کے ساتھ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (مغربی دنیا) شاخ کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔

۲۶؍دسمبر کا دن آیا۔ انگلستان میں کرسمس کے دن کے بعد یہ دن باکسنگ ڈے کے نام سے مشہور ہے۔ اس دن لندن کے اس حصہ میں جو "ٹوٹنگ" کہلاتا ہے ہم عیدالاضحیٰ منا رہے تھے۔ صبح ۹ بجے سے ہی لوگ "مشن گھر" میں آنا شروع ہو گئے کچھ امور کی تیاری اسی دن ہونا باقی تھی۔ بہر حال سب نے مل ملا کر بہت سے چھوٹے چھوٹے کام مکمل کئے۔ گھر کے درمیانی راستے کے ایک کونے میں کتابوں کا میز لگا۔ باقی حصہ میں قالین بچھا دیا گیا تاکہ بوقت ضرورت کام آ سکے۔ نماز کا اصل انتظام بڑے ہال میں سفید چادر بچھا کر کیا گیا تھا۔ سردی شدید نہ تھی۔ اس لئے بجلی کے دو ہیٹروں سے ہی گذارہ ہو گیا۔

کوئی پونے گیارہ بجے خالد اقبال صاحب نے لوگوں کی توجہ نماز کی طرف مبذول کرائی۔ خواتین و حضرات جو گھر کے مختلف حصوں میں تھے سب نماز کے ہال میں داخل ہوئے۔ اس طرح قریب سو افراد کی تین صفیں ترتیب دی گئیں۔ طریق نماز کا اعلان خواتین اور حضرات کے لئے علیحدہ علیحدہ کیا گیا۔ اور نماز عید کی ابتداء ہوئی۔ نماز کے بعد گھر کی فضا اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔ کے نعروں سے گونجنے لگی۔

خالد صاحب نے خطبہ مسنونہ اور اس کے انگریزی ترجمہ کے بعد عیدالاضحیٰ سے متعلق قرآنی آیات سے اپنی تقریر کا آغاز کیا۔ عیدالاضحیٰ اور حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ قربانی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل سے دنیا کی بیشتر اقوام میں جسم کی قربانی کا رواج ختم ہو گیا اور آج آدھی سے زیادہ دنیا اس بزرگ اور عظیم انسان کی مرہون منت ہے جس نے انسانی جسم کی قربانی کے ڈھنگ کو بدل کر رکھ دیا۔

اسلام میں قربانی کی اہمیت کسی جانور کے خون بہا دینے سے نہیں بلکہ اس واقعہ سے اسلام ہم میں خدا ترسی اور خدا شناسی کا اصل مادہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسلام انسان کو نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے جینا سکھاتا ہے۔ اور یہی قربانی کا وہ سبق ہے جو ہر عید ہمیں دیتی ہے۔ اور یہ کہ ہم اپنے میں حقیقی طور پر انسانی ہمدردی کی اصل روح پیدا کریں۔ اپنی حیوانیت کی قربانی دیں۔ اور انسانیت کو پروان چڑھائیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی مثال ہمیں یہ سکھاتی ہے۔ اور اسلام اسی حیوانیت کی قربانی کی ترغیب دلاتا ہے۔

خالد صاحب نے عرفات کے میدان کا ذکر بھی کیا۔ جہاں دنیائے اسلام کے مجاہدین دنیا کے کونے کونے سے ہر قسم کے امتیازوں سے مبرا احرام کے لباس میں ملبوس یہ صدا بلند کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لبیک اللّٰھم لبیک ۔۔۔ الخ۔

اس کے ساتھ ہی سب نے مل کر بلند آواز میں خالد صاحب کے ساتھ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد کو دہرایا اور اس طرح پورے گھر کی فضا اس آواز سے گونج اٹھی۔ درود شریف کے بعد اس تقریب کے پہلے حصے کا اختتام ہوا۔

بیگم حفیظ عزیز (ٹرینیڈاڈ) نے انگریزی میں دعاء مسلم پڑھی اور سب خواتین و حضرات نے جن کو پہلے سے SONGS OF ISLAM کی کاپیاں مہیا کی گئی تھیں۔ اس دعا میں ان کا ساتھ دیا۔

حفیظ عزیز صاحب نے اپنی تقریر میں سب لوگوں کی توجہ مشن کے نامکمل کاموں کی طرف دلائی اور تفصیل سے بتایا کہ کس طرح صرف چند حضرات و خواتین نے عید کے لئے گھر کو تیار کرنے میں حصہ لیا۔

بیگم رخشندہ طلعت حسین اور پھر بیگم نامرہ طفیل نے سب کے ساتھ مل کر ایک

(بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

(مغرب سے طلوع آفتاب ــــ بسلسلہ صفحہ ۱۱)

میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کی مخالفت، ۱۹۵۲ء میں اپنی احمدیہ تحریک اور اب یہ تازہ اور نئی سیاسی مخالفت۔

ان تمام مخالفتوں کی تہ میں جو تعصب اور بے خبری حضرت اقدسؑ کے دعاوی اور مشن اور جماعت احمدیہ لاہور کے معتقدات سے ناواقفی کی بناء پر ہوئی ہیں کے مقابل جو کچھ تردید جماعت کی طرف سے ہوئی ظاہر ہے کہ وہ آپ کی صحیح پوزیشن کو واضح کرنے میں ناکافی و ناتمام ثابت ہوئی ہے۔ بموجب رؤیا حضرت خواجہ صاحب مرحوم جب تک حضرت اقدس کی پوزیشن مسلم پبلک پر خوب واضح اور صاف نہ ہوگی تب تک یہ امر ناممکنات سے ہے کہ شکوک و شبہات کی اندھیری و مکدر فضا میں مخالفین، جماعت احمدیہ لاہور کو مسلمان قرار دیں یا آپ کے ساتھ تعاون اور فتح اسلام کے عالی مقصد میں امداد کریں۔

پس میری عرض داشت یہ ہے کہ سب سے بڑے اور کامیاب مبلغ اسلام کے آخری دقت کے صادق رؤیاء کے مطابق جب تک غیر از جماعت کے قلوب حضرت اقدسؑ سے متعلق غلط اور تاریک پہلو سے صاف نہ کئے جائیں گے تب تک تبلیغ اسلام یا مغرب سے طلوع آفتاب کا مقصد اس سرعت رفتاری سے نہ ابھرے گا۔ جو اس کے چڑھنے کی ہم توقع رکھتے ہیں۔ تبلیغ اسلام کا مقصد تبلیغ احمدیت سے ہی وابستہ اور اسی پر ہی قائم و بناء ہے، جب تک ہم اس صادق انسان کے چہرہ سے تمام بدنما داغ دھو نہیں دیتے جو اس زمانہ میں خدائی تحریک غلبۂ اسلام کا بانی ہے تب تک مغرب سے آفتاب کا چڑھنا سرعت سے نہ ہو سکے گا، کیونکہ جب تک ہمارے ساتھ ہماری قوم ممد و معاون نہ ہوگی تب تک خاطر خواہ کامیابی و غلبہ کی امید رکھنا موہوم ہے۔

عرفات پریس تھارنٹن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور ۷ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر
غلام نبی مسلم ایم اے

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ مؤرخہ ۱۵؍جنوری ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل ۲۳۸ء۔ شمارہ ۳

جلد ۶۲ | یوم چہار شنبہ ۸ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ - ۲۲ جنوری ۱۹۷۵ء | نمبر ۴

(حضرت مجدد صد چہاردہم سلام اللہ علیہ)

خدا راستباز کو ایک بچہ کی طرح کنارِ عافیت میں لے لیتا ہے

خلاصہ اس تمام کلام کا یہ ہے کہ کسی کو بجز درجۂ ثالثہ کے پاک اور مطہر وحی کا انعام نہیں مل سکتا اور اس انعام کو پانے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی ہستی سے مرجاتے اور خدا تعالےٰ سے ایک نئی زندگی پاتے ہیں اور اپنے نفس کے تمام تعلقات توڑ کر خدا تعالےٰ سے کامل تعلق پیدا کرلیتے ہیں۔ تب ان کا وجود مظہر تجلیاتِ الٰہیہ ہو جاتا ہے اور خدا ان سے محبت کرتا ہے اور وہ ہزار اپنے تئیں پوشیدہ کریں مگر خدا تعالےٰ ان کو ظاہر کرنا چاہتا ہے اور وہ نشان ان سے ظاہر ہوتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ ان سے محبت کرتا ہے دُنیا ان کا کسی بات میں مقابلہ نہیں کر سکتی کیونکہ ہر ایک راہ میں خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے اور ہر ایک میدان میں خدا کا ہاتھ ان کی مدد کرتا ہے ہزارہا نشان ان کی تائید اور نصرت میں ظاہر ہوتے ہیں اور ہر ایک جو ان کی دشمنی سے باز نہیں آتا آخر وہ بڑی ذلت کے ساتھ ہلاک کیا جاتا ہے کیونکہ خدا کے نزدیک ان کا دشمن خدا کا دشمن ہے۔ خُدا علیم ہے اور آہستگی سے کام کرتا ہے لیکن ہر ایک جو ان کی دشمنی سے باز نہیں آتا اور عمداً ایذا پر کمربستہ ہے خدا اسکے استیصال کے لیے ایسا حملہ کرتا ہے کہ جیسا کہ ایک مادہ شیر (جبکہ کوئی اسکے بچہ کو مارنے کیلئے قصد کرے) غضب اور جوش کیساتھ اسپر حملہ کرتی ہے اور نہیں چھوڑتی جب تک اسکو ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دے۔ خدا کے پیارے اور دوست اپنی مصیبتوں کے وقت میں ہی شناخت کئے جاتے ہیں۔ جب کوئی ان کو دکھ دینا چاہتا ہے اور اس ایذا پر اصرار کرتا ہے اور باز نہیں آتا تب خدا صاعقہ کی طرح اسپر گرتا ہے اور طوفان کی طرح اپنے غضب کے حلقہ میں اسکو لے لیتا ہے اور بہت جلد ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اسکے ساتھ ہے۔ جس طرح تم دیکھتے ہو کہ آفتاب کی روشنی اور کرمِ شب چراغ کی روشنی میں کوئی اشتباہ نہیں ہو سکتا اسی طرح وہ نور جو انکو دیا جاتا ہے اور وہ نشان جو انکے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں اور وہ رُوحانی نعمتیں جو انکو عطا ہوتی ہیں انکے ساتھ کسی کا اشتباہ واقع نہیں ہو سکتا۔ اور انکی نظیر کسی فرد میں پائی نہیں جاتی۔ خدا ان پر نازل ہوتا ہے اور خدا کا عرش انکا دل ہو جاتا ہے اور وہ ایک اور چیز بن جاتے ہیں جس کی تہ تک دنیا نہیں پہنچ سکتی۔

اور یہ سوال کہ کیوں خدا اُنسے ایسا تعلق پکڑ لیتا ہے؟ اس کا یہ جواب ہے کہ خدا نے انسان کی ایسی فطرت رکھی ہے کہ وہ ایک ایسے ظرف کی طرح ہے جو کسی قسم کی محبت سے خالی نہیں رہ سکتا اور خلا یعنی خالی رہنا اس میں محال ہے پس جب کوئی ایسا دل ہو جاتا ہے کہ نفس کی محبت اور اس کی آرزوؤں اور دنیا کی محبت اور اسکی تمناؤں سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور سفلی محبتوں کی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے تو ایسے دل کو جو غیر کی محبت سے خالی ہو چکا ہے خدا تعالیٰ تجلیاتِ حسن و جمال کے ساتھ اپنی محبت سے پُر کر دیتا ہے تب دُنیا اس سے دشمنی کرتی ہے۔ کیونکہ دنیا شیطان کے سایہ کے نیچے چلتی ہے اسلئے وہ راستباز سے پیار نہیں کر سکتی مگر خدا اسکو ایک بچہ کی طرح اپنے کنارِ عاطفت میں لے لیتا ہے اور اسکے لئے ایسی ایسی طاقت الوہیت کے کام دکھلاتا ہے جس سے ہر ایک دیکھنے والے کی آنکھ کو چہرہ خدا کا نظر آجاتا ہے۔ پس اس کا وجود خدا نما ہوتا ہے جس سے

انسان کی پیدائش اور زمین و آسمان کی بناوٹ خدا تعالیٰ کی ہستی پر گواہ ہے

صبغۃ اللہ یہ ہے کہ محروموں اور ضعیفوں کی پوری خبر گیری کرو

خطبہ جمعہ: مؤرخہ ۱۰ جنوری ۱۹۷۵ء - فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ - جامع احمدیہ بلڈنگس لاہور

یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون - الذی جعل لکم الارض فراشًا والسماء بناءً فاخرج بہ من الثمرات رزقًا لکم فلا تجعلوا للہ انداداً وانتم تعلمون (البقرۃ - ایت ۲۱-۲۲)

(مرتبہ: عبدالرؤف - کھوکھر)

فرمایا اے لوگو اپنے پروردگار کی بندگی کرو - جس نے تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں پیدا کیا - تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو - پرہیزگاری کا ایک رنگ خدا تعالےٰ کی عبادت ہے - جو اس کی فرمانبرداری کا ایک رنگ ہے اور نماز کی حقیقت کا ظہور بھی اسی میں ہے - کہ اپنی پانچوں نمازوں میں جس خدا کی تم تعریف اور ثنا بیان کرتے ہو اس جیسی صفات بھی اپنے اندر پیدا کرو - تخلقوا باخلاق اللہ کا مطلب بھی یہی ہے کہ تم الہٰی رنگ میں رنگین ہو جاؤ - اپنے سے کمزور انسانوں کی پرورش کرو - غریبوں - یتیموں اور مساکین کی نگہداشت کرو اور ان کے لئے بطور باپوں کے بن جاؤ - تا اللہ تم پر راضی ہو -

آگے آتا ہے - الذی جعل لکم الارض فراشًا - جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا والسماء بناءً اور آسمان کو چھت - وانزل من السماء ماءً اور اوپر سے پانی اتارا - فاخرج بہ من الثمرات رزقًا لکم - پھر زمین اور پانی کے تعاون سے تمہارے لئے پھل اور رزق پیدا کیا - فلا تجعلوا للہ انداداً - پس تم کو نہیں چاہیئے کہ کسی اور کو اللہ کا شریک اور ہمسر بناؤ - وانتم تعلمون - جبکہ تم جانتے ہو -

اگر انسان کی پیدائش اللہ کی عظمت پر گواہ ہے تو زمین و آسمان کی بناوٹ اور حقیقت بھی اللہ کی عظمت کا اور بھی بلند احساس پیدا کرتی ہے - اور اللہ نے اسے عقلمندوں یعنی مومنین کی نشانی ٹھہرایا ہے - فرمایا ان فی خلق السموٰت والارض واختلاف اللیل والنھار لایٰت لاولی الالباب آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ادو بدل میں صاحبِ فکر لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں، یہ کون لوگ ہیں - الذین یذکرون اللہ قیامًا وقعودًا وعلٰی جنوبھم جو کھڑے - بیٹھے اور لیٹے اپنے رب کو یاد کرتے ہیں - ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض - اور زمین و آسمان کی پیدائش پر غور کرتے ہیں - اور پھر بول اُٹھتے ہیں ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا - اے ہمارے پروردگار یہ سب کچھ تو نے عبث نہیں بنایا - بلکہ اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان خدا تعالےٰ کے دروازہ پر گر جائیں - اس کی چوکھٹ کو مضبوطی سے پکڑیں اور بے قرار ہو کر پکاریں سبحٰنک تو پاک ہے فقنا عذاب النار پس ہمیں اپنی نافرمانی کے عذاب سے بچائیو -

انسان خدا کا نمائندہ ہے اور اس کے اندر بھی اللہ نے قدرت ودیعت فرمائی ہے - خدا کی طاقتوں کا عکس انسانی ہیولے میں بھی دکھائی دیتا ہے - انسان کے اندر بھی ایک مختصر سی کائنات ہے - جسے صغریٰ کہتے ہیں - باہر کی ساری دنیا کائنات کبریٰ ہے - چھوٹے پیمانے پر تخلیق اور قدرت کا مادہ انسان میں بھی رکھا گیا ہے - اس میں احسان کا بھی مادہ ہے - جس کی برکت سے بڑے بڑے کمالات اس سے صادر ہوتے ہیں - فرمایا تھا - لعلکم تتقون - یہ سب اسباب زندگی جو تمہیں مہیا کئے گئے ہیں محض اس لئے ہیں تاکہ اے انسانو! تم تقویٰ اختیار کرو -

تقویٰ کیا ہے - یہ کہ جس طرح ساری مخلوق خدا تعالےٰ کے احسانات سے مستفید ہو رہی ہے تم بھی اسی صفتِ الہٰی کو اپنا کر کمزوروں پر احسان کرو اور تمہارے احسان سے یعنی خبر گیری اور مدد سے کوئی جاندار بھی محروم نہ رہے حدیث شریف میں ہے الخلق عیال اللہ - ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے - اور تمہارے باہمی ایک دوسرے پر حقوق ہیں لہٰذا ان حقوق کو ادا کرو - امیروں کے مال میں غرباء کا حصّہ ہے - انہیں ان کا حق واپس کر دو - جس طرح خدا تعالیٰ نے بغیر تمہارے کسی حق اور عمل کے تمہارے لئے سامانِ حیات مہیا فرمائے ہیں - اور تم ان سے فائدہ اُٹھاتے ہو - چاہیئے کہ محروموں اور ضعفاء کو بھی تم سے اسی طرح فائدہ پہنچے یہی صبغۃ اللہ ہے - ومن احسن من اللہ صبغۃ - اور الہٰی رنگ سے بہتر رنگ اور کونسا ہے -

میں پھر زور سے کہتا ہوں کہ صفاتِ الہٰی کا رنگ پکڑو - تمہاری کمائی میں غریبوں کا حصّہ ہو - جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قصور معاف کرتا ہے - آپ میں بھی معاف کر دینے کا جذبہ ہونا چاہیئے - یہ بات خدا پرستی کے خلاف ہے کہ تمہارے دلوں میں کدورتیں ہوں - کینہ پروری سے لوگوں کو نقصان پہنچائیں - خدا تعالےٰ کو تو ہمارے حج، روزہ اور زکوٰۃ کی ضرورت نہیں اور کسی قسم کی عبادت کی حاجت نہیں ہے - یہ تو صرف اخلاق فاضلہ کے حصول کا ذریعہ ہیں - اگر نمازوں کے بعد بھی آپ میں اعلےٰ اخلاق پیدا نہیں ہوئے، تو کوئی فائدہ نہ ہوا - یہ پانچ وقت کی نماز تو دل کی پاکیزگی اور انسان کو اپنے پروردگار کے رنگ میں رنگین بنانے کے لئے ہے - ہمیں اپنی فکر کرنی چاہیئے کہ ہمارے اندر اخلاقِ الہٰی پیدا ہوں - خدا کی صفات کا رنگ پایا جائے - حضرت محمد صلعم انسانوں کو باخدا انسان بنانے کے لئے آئے تھے -

ہندو ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو ماننے میں مکتی سمجھتا ہے، اور عیسائی حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کے عقیدہ کو موجب نجات قرار دیتے ہیں - حالانکہ ان عقائد سے انسان کے کیریکٹر میں بہتری پیدا نہیں ہو سکتی

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

باخدا بننے کی کوشش کرو - اور اس بلند مقصد کے مطابق اپنے عمل میں بہتری اور کیریکٹر میں بلندی پیدا کرو - مسلمان کی زندگی کا مقصد خدائی صفات کا اظہار ہے - انسان خلیفۃ اللہ ہے - اپنے نفس کے ساتھ جنگ کر - جس پر نفس غالب آ گیا وہ نامراد رہ گیا - اور جس نے اس کا تزکیہ کر لیا وہ کامیاب و بامراد ہو گیا - تم اپنے پروردگار کی صدق دل سے عبادت کرو - اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر بھی ادا کرو - فانزل من السماء ماءً - کیا وجہ ہے کہ پانی پیتے جاؤ اور اس پانی کو آسمان سے اُتارنے والے کو بھول جاؤ - قسما قسم کے پھل میوے - سبزیاں اور ترکاریاں اور غلہ کھاتے رہو اور اس کا شکر ادا نہ کرو تم ان سب نعماء سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس محسن کو ضرور یاد رکھو جس کے بے پایاں احسانات نے تمہیں یہ سب کچھ عطا فرمایا ہے -

ہندوؤں اور عیسائیوں اور دوسری قوموں کا اس خدائے واحد کو چھوڑ کر جس نے یہ سب کچھ دیا ہے - دیوی دیوتاؤں اور یسوع مسیح کو خدا بنانا انسانیت کی تذلیل ہے ٭

ہفت روزہ پیغام صلح —— لاہور —— ۲۲ جنوری ۱۹۷۵ء

جناب پرویز صاحب کا تحقیقی شاہکار —— نبی اور رسول

جناب پرویز صاحب کے بعض "علمی نوادرات" پر ہم تبصرہ کر چکے ہیں۔ پرویز صاحب کا انداز استدلال "منفرد" سا ہے وہ پہلے مولویوں کے غلط بیانات اور تحریرات کے زیر اثر حضرت مرزا صاحب کی طرف بعض غلط عقائد منسوب کرتے ہیں اور پھر زبان قلم سے صوری بغض وغضب کا اظہار کرتے ہیں۔ انہی میں سے حضرت مرزا صاحب سے دعوئے نبوت کا انتساب ہے۔

الفاظ نبی اور رسول

آپ اپنی تصنیف "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" کے باب دوم "چند بنیادی اصطلاحات" میں نبی اور رسول کے ذیل میں لکھتے ہیں :—

"عربی زبان میں ایک مادہ ہے نَبَأٌ (ن۔ ب۔ أ) اس کے بنیادی معنے ہیں خبر دینا۔ نبی کا لفظ اس مادہ سے بھی آ سکتا ہے۔ اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے خبریں دینے والا۔ یہودیوں کے ہاں نبیؔ ہیکل میں ایک خاص منصب دار کا لقب تھا جو پیشگوئیاں کیا کرتا تھا۔ اس اعتبار سے انگریزی زبان میں نبی کو (PROPHET) کہتے ہیں۔ یعنی پیشگوئیاں (PROPHECIES) کرنے والا۔ قرآن کریم میں یہ مادہ ان معنوں میں بھی آیا ہے"

"لیکن ایک مادہ (ن۔ ب۔ و) بھی ہے۔ جس کے معنے مقام بلند کے ہیں۔ نبی کا لفظ اس مادہ سے بھی آ سکتا ہے۔ اس اعتبار سے نبی اس منتخب فرد کو کہیں گے جو علم انسانی کی سطح سے بلند تر مقام پر فائز ہو۔ میں ان معانی کو ترجیح دیا کرتا ہوں لیکن نبی کا لفظ (ن۔ ب۔ أ) سے ہو یا (ن۔ ب۔ و) سے قرآن کریم کی اصطلاح میں یہ لفظ اس منتخب فرد کے لئے بولا جاتا ہے۔ جسے خدا کی طرف سے وحی ملتی تھی۔" (۶۲-۶۳)

پرویز صاحب کے ان الفاظ سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ لفظ نبی لغوی اور اصطلاحی ہر دو معنوں میں قرآن حکیم میں مستعمل ہے۔ اصطلاحی معنوں میں یہ لفظ ان انبیاء کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جن کا سلسلہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ لغوی مفہوم میں یہ لفظ انبیاء علیہم السلام سے مخصوص نہیں چنانچہ قرآن حکیم میں حضرت مریم، اُم موسےٰ، ذوالقرنین، فرعونِ موسےٰ، اور دیگر کئی غیر نبی انسانوں کی طرف وحی اور آئندہ کی خبر ملنے کا ذکر ہے۔ جیسا کہ عزیز مصر اور قیدیوں کا خواب جو خدا ہی دکھا سکتا تھا۔ پس اگر قرآن حکیم اصطلاحی اور لغوی دونوں مفہوموں میں اس لفظ کو استعمال کرتا ہے۔ تو اگر کوئی شخص آنحضرت صلعم کے بعد اصطلاحی معنوں میں اس لفظ کو اپنے لئے استعمال کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور ایسا مدعی نبوت کاذب و مفتری ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے آپ کو پیشگوئی کرنے والا، کے مفہوم تک نبی کہے تو اس کے حق میں یہ لفظ جائز ہے۔ پرویز صاحب کا ذہن اگرچہ بعض امور کے متعلق صاف نہیں۔ لیکن ہم حضرت مرزا صاحب کی تحریرات سے، اس مفہوم کی روشنی میں، سلسلہ احمدیہ کے معتقدات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ہم پرویز صاحب سے اس امر بھی اتفاق رکھتے ہیں کہ اصطلاحی معنوں میں نبی اور رسول مترادف ہیں اور ایک ہی حقیقت کے دو رُخ۔ یعنی نبی رسول اور رسول نبی ہوتا ہے

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں گذشتہ ساٹھ سال سے، اپنے امام کی تحریرات کی بنا پر اس بات کا اعلان کرتی چلی آ رہی ہے کہ اصطلاح اسلام میں اب کوئی شخص منصب نبوت پر فائز ہو کر نہیں آ سکتا، اور لغوی معنوں کے لحاظ سے نبی کا استعمال غیر نبی کے لئے جائز ہے تاہم چونکہ عامۃ المسلمین اکثر ان اصطلاحات میں امتیاز کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اور ایسے الفاظ کے استعمال۴۵ استعمال میں نہیں لانا چاہیئے اور اس کا مترادف اصطلاحی

۴۵ سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ لفظ حضرت مرزا صاحب یا کسی دوسرے مجدد کے لئے لفظ محدث ہی اس کا مفہوم ادا کرنے کے لئے کافی ہے۔ جیسا کہ حضرت مرزا صاحب کے درج ذیل حوالہ جات سے عیاں ہے۔

۱۔ اصطلاحی معنوں میں لفظ اور رسول کا مفہوم

"اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں۔ یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا سابق نبی کی اُمت نہیں کہلاتے، اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالےٰ سے تعلق رکھتے ہیں"

(مکتوب مسیح موعود مندرجہ اخبار الحکم ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء)

"رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ جبرائیل حاصل کرے؛ اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تابقیامت منقطع ہے۔" (ازالہ اوہام ص ۶۱۴)

"قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا، خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا۔ کیونکہ رسول کو علم دین بتوسط جبرائیل ملتا ہے۔ اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آئے۔ مگر سلسلۂ وحی رسالت نہ ہو۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۷۶۱)

"جو شخص ایک نبی متبوع علیہ السلام کا متبع ہے۔ اور اس کے فرمودہ پر اور کتاب اللہ پر ایمان لاتا ہے اس کی ابتلاء کی طرح آزمائش کرنا ایک قسم کی ناسمجھی ہے۔ کیونکہ انبیاء اس لئے آتے ہیں تا ایک دین سے دوسرے دین میں داخل کریں۔ اور ایک قبلہ سے دوسرا قبلہ مقرر کراویں، اور بعض احکام کو منسوخ کر دیں اور بعض نئے احکام لاویں۔" (آئینہ کمالات اسلام ص ۳۳۹)

"جو شخص نبوت کا دعوےٰ کرے گا اس دعوےٰ میں ضرور ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کی ہستی کا اقرار کرے اور نیز یہ بھی کہ خدا تعالےٰ کی میرے پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اور نیز خلق کو وہ کلام سناوے جو اس پر خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور ایک اُمت بناوے جو اس کو نبی سمجھے اور اس کی کتاب کو کتاب اللہ سمجھے۔" (اخبار الحکم ۱۰ جون ۱۹۰۳ء)

حضرت مرزا صاحب کی مختلف کتب سے اصطلاحی نبوت و رسالت کی تشریح آپ کے سامنے ہے۔ اس نبوت اور رسالت یعنی اصطلاح اسلام میں نبوت و رسالت کا دروازہ تاقیامت بند ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی تحریرات اس وضاحت سے بھری پڑی ہیں۔ اور آپ نے زندگی بھر اس قسم کی نبوت کے دعوے کا انکار کیا، پرویز صاحب دیانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں یا اپنی کم فہمی نادانی یا فتور نیت سے حضرت مرزا صاحب کی ہزارہا تصریحات کو غلط رنگ میں پیش نہ کریں تو حقیقت تک پہنچنا چنداں مشکل نہیں۔

لفظ نبی اور رسول کا لغوی استعمال

پرویز صاحب یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن میں لفظ نبی اور رسول غیر اصطلاحی یعنی لغوی معنوں میں بھی مستعمل ہے اور ان کے لغوی استعمال سے ختم نبوت و رسالت کی مہر پر اثر نہیں پڑتا۔ حضرت مرزا صاحب نے زندگی بھر اپنے لئے جب کبھی لفظ نبی یا رسول استعمال کیا لغوی معنوں ہی میں کیا۔ اور یہ وضاحت آپ کی زندگی بھر کی تحریرات میں پھیلی ہوئی ہے جیسا کہ آپ نے لکھا :—

۱۔ حضرت مرزا صاحب کا الہام "جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ" براہین احمدیہ حصہ چہارم میں معہ وضاحت موجود ہے یہی الہام آپ نے اربعین نمبر ۲ مطبوعہ ۱۹۰۰ء صفحہ ۷ پر درج کر کے اس کے نیچے نوٹ میں لکھا :—

"یہ الفاظ بطور استعارہ ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں بھی مسیح موعود کے لئے نبی کا لفظ آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کو خدا بھیجتا ہے۔ وہ اس کا فرستادہ ہی ہوتا ہے اور فرستادہ کو عربی میں رسول کہتے ہیں اور جو غیب کی خبر خدا سے پا کر دیوے اس کو عربی میں نبی کہتے ہیں۔ اسلامی اصطلاح کے معنے الگ ہیں۔ اس جگہ محض لغوی معنی مراد ہیں۔"

ادبعین کا حوالہ اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جبکہ جناب پرویز کی تحقیق کے مطابق حضرت مرزا صاحب مستقل نبوت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تاہم ان الفاظ کی رو سے حضرت مرزا صاحب اصطلاحی نہیں لغوی نبوت کے مدعی تھے، اور اس طرح دائرہ اعتراض سے باہر تھے۔

۲۔ وفات سے دو دن قبل } حضرت مرزا صاحب نے وفات سے قبل ایک اعلان کیا، جو ۲۴ر مئی کو وفات سے دو دن پہلے اخبارِ عام لاہور میں شائع ہوا جس میں آپ نے وضاحت فرمائی :۔

" میں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنے ہیں کہ خدا سے الہام پاکر بکثرت پیشگوئی کرنے والا اور بغیر کثرت کے یہ معنے متحقق نہیں ہو سکتے جیسا کہ صرف ایک پیسہ سے کوئی مال دار نہیں کہلا سکتا۔"

۳۔ وفات سے قبل ہی نہیں وفات کے بعد آپ کی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم شائع ہوئی۔ جسے پرویز صاحب کے خیال میں حضرت مرزا صاحب نے "دعویٰ نبوت" کے لئے التوا میں ڈال رکھا تھا۔ اس کتاب میں بھی حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں :۔

"عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے معنی صرف پیشگوئی کرنے والے کے ہیں۔ جو خدا سے الہام پاکر پیشگوئی کرے۔ پس جبکہ قرآن شریف کی رُو سے ایسی نبوت کا دروازہ بند نہیں ہے۔ جو بتوسط فیض اور اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی انسان کو خدا تعالےٰ سے شرف مکالمہ و مخاطبہ حاصل ہو۔ اور وہ بذریعہ وحی الہٰی مخفی امور پر اطلاع پاوے تو پھر ایسے نبی اس اُمت میں کیوں نہیں ہوں گے۔" (صفحہ ۱۸۱)

محترم پرویز صاحب کی تحقیق کا دائرہ جناب میاں محمود احمد صاحب سابق خلیفہ قادیان کی تحریروں تک محدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت صاحب کے دعاوی کے سلسلے میں میاں صاحب موصوف کے استدلال کو اپنا لیا ہے، جو فی نفسہٖ کذب و باطل کا پلندہ ہے۔

جناب میاں محمود احمد صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کی طرف اصطلاحی نبوت کا دعوےٰ منسوب کیا اور اس کی اساس حضرت مرزا صاحب کے "اشتہار ایک غلطی کا ازالہ" مطبوعہ ۱۹۰۱ء پر رکھی۔ حتیٰ کہ حضرت صاحب کی ۹۰۱ کو مفید مطلب نہ پاکر منسوخ ٹھہرایا گیا ایسے غیر ذمہ دار شخص کی اتباع میں پرویز صاحب کی تحقیق نے جنم لیا ہے؟ پرویز صاحب چونکہ ایک ولی اللہ کی تکفیر پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں اس لئے اشتہار پڑھے بغیر اپنے ممدوح کی تصدیق کر دی، حالانکہ اس اشتہار میں بھی اسی لغوی نبوت کا ذکر ہے۔ جیسا کہ اس میں مرقوم ہے :۔

۴۔ "یہ بھی یاد رہے، کہ نبی کے معنے لغت کی رُو سے یہ ہیں۔ کہ خدا کی طرف سے غیب کی خبر دینے والا۔ پس جہاں یہ معنے صادق آئیں گے نبی کا لفظ بھی صادق آئے گا۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

۵۔ "اور نبی ایک لفظ ہے جو عربی اور عبرانی میں مشترک ہے۔ یعنی عبرانی میں اس لفظ کو ناہی کہتے ہیں۔ اور یہ لفظ نابا سے مشتق ہے۔ جس کے معنے ہیں خدا سے غیب کی خبر پاکر پیشگوئی کرنا۔ اور (اس نوع کے یعنی لغوی۔ ناقل) نبی کے لئے شارع ہونا شرط نہیں۔ یہ صرف موہبت ہے۔ جس کے ذریعہ سے امورِ غیبیہ کھلتے ہیں۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

۶۔ "آسمان پر ایک پاک وجود ہے جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے۔ یعنے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس میں ہو کر اور اس کے نام محمدؐ اور احمدؐ سے مسمی ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی۔ اور اس طور سے خاتم النبیین کی مہر محفوظ رہی۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

مزید تصریحات } حضرت مرزا صاحب کی حیاتِ طیبہ کے آخری سال (۱۹۰۸ء) میں آپ کی کتاب "چشمۂ معرفت" چھپی جس میں آپ لکھتے ہیں :۔

۷۔ "ہم میں اور ہمارے مخالف مسلمانوں میں صرف لفظی نزاع ہے اور وہ یہ کہ ہم خدا کے ان کلمات کو جو نبوت یعنی پیشگوئیوں پر مشتمل ہوں نبوت کے اسم سے موسوم کرتے ہیں۔ اور ایسا شخص جس کو بکثرت ایسی پیشگوئیاں بذریعہ وحی دی جائیں یعنے اس قدر کہ اس زمانہ میں اس کی کوئی نظیر نہ ہو۔ اس کا نام نبی رکھتے ہیں۔ کیونکہ نبی اس کو کہتے ہیں جو خدا سے الہام پاکر بکثرت آئندہ کی خبریں دے۔ مگر ہمارے مخالف مسلمان مکالمہ الہٰیہ کے قائل ہیں لیکن اپنی نادانی سے ایسے مکالمات کو جو بکثرت پیشگوئیوں پر مشتمل ہوں۔ نبوت کے نام سے موسوم نہیں کرتے۔ حالانکہ نبوت صرف آئندہ کی خبر دینے کو کہتے ہیں۔ جو بذریعہ وحی الہٰی الہام ہوں، اور ہم سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں۔ کہ شریعت قرآن شریف پر ختم ہو گئی ہے۔ صرف مبشرات یعنے پیشگوئیاں باقی ہیں۔" (چشمۂ معرفت صفحہ ۱۸۰-۱۸۱)

مزید وضاحت اور لفظ نبی اور رسُول کے استعمال میں احتیاط کی تلقین } ۸۔ "تمام مسلمانوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام و توضیح مرام وازالہ اوہام میں جس قدر الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنے میں نبی ہوتا ہے۔ یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے۔ یا کہ محدثیت نبوتِ ناقصہ ہے۔ یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ بلکہ صرف سادگی سے لغوی معنوں کی رو سے بیان کئے گئے ہیں ورنہ حاشا وکلا مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعوےٰ نہیں۔ بلکہ جیسا کہ میں کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۳۷ میں لکھ چکا ہوں۔ میرا اس بات پر ایمان ہے۔ کہ ہمارے سید و مولےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں۔ اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں۔ تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرماکر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں۔" (مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل صفحہ ۹۷)

۹۔ "ایسے ہی بہت سے الفاظ ہیں جن میں اس عاجز کی نسبت نبی یا رسول کا لفظ آیا ہے لیکن وہ غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوت اور رسالت ہے۔ جس سے انسان صاحب شریعت کہلاتا ہے۔ بلکہ رسُول کے لفظ سے اس قدر مراد ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے بھیجا گیا، اور نبی کے لفظ سے صرف اس قدر مراد ہے کہ خدا تعالےٰ سے علم پاکر پیشگوئی کرنے والا یا معارف پوشیدہ بتانے والا۔ سو چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں اسلام میں فتنہ پڑتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے (جماعت دیوہ توجہ فرمائے۔ ناقل) اس لئے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں۔ اور دلی ایمان سے سمجھنا چاہیئے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔"

(الحکم مورخہ ۱۷ر اگست ۱۸۹۹ء)

۹۔ "یہ بے ہودہ نکتہ چینی ہے کہ مرسل ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ اے نادانو! بھلا بتلاؤ کہ جو بھیجا گیا ہے اس کو عربی میں مرسل یا رسول کہیں گے یا اور کچھ کہیں گے۔ مگر یاد رکھو کہ خدا کے الہام میں اس جگہ حقیقی معنے مراد نہیں جو صاحب شریعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ جو مامور کیا جاتا ہے وہ مرسل ہی ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ الہام جو خدا نے اپنے اس بندہ پر نازل فرمایا ہے اس میں اس بندہ کی نسبت نبی اور رسول اور مرسل کے لفظ بکثرت ہیں۔ سو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ولکل ان یصطلح سو خدا کی یہ اصطلاح ہے جو اس نے ایسے لفظ استعمال کئے ہم اس

بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوّت کے حقیقی معنوں کی رُو سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ پرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے۔ مگر مجازی معنوں کی رُو سے خدا کو اختیار ہے۔ کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے عرب کے لوگ تو اب تک انسان کے فرستادہ کو بھی رسول کہتے ہیں۔ پھر خدا کو کیوں یہ حرام ہو گیا کہ مرسل کا لفظ مجازی معنوں پر بھی استعمال کرے۔ کیا قرآن میں سے فقالوا انا الیکم مرسلون بھی یاد نہیں رہا۔ انصافاً دیکھو کیا یہی تکفیر کی بناء ہے۔ اگر خدا کے حضور میں پوچھے جاؤ تو بتاؤ کہ میرے کافر ٹھہرانے کے لئے تمہارے ہاتھ میں کونسی دلیل ہے بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالےٰ کی طرف سے بے شک ہیں لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ اور جیسے یہ محمول نہیں۔ ایسے ہی وہ نبی کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ میرے پر یہی کھولا گیا ہے کہ حقیقی نبوّت کے دروازے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بکلی بند ہیں۔ مگر ہمارے ظالم مخالف ختم نبوّت کے دروازوں کو پورے طور پر بند نہیں سمجھتے بلکہ ان کے نزدیک مسیح اسرائیلی نبی کے واپس آنے کے لئے ایک کھڑکی کھلی ہے۔ پس جب قرآن کے بعد بھی ایک حقیقی نبی آگیا اور وحی نبوت کا سلسلہ شروع ہوا تو کہو کہ ختم نبوت کیونکر اور کیا ہوا۔ کیا نبی کی وحی وحیٔ نبوت کہلائے گی یا کچھ اور۔"

(سراج منیر صـ۳-۲)

۱۱۔ "کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعوےٰ کرتا ہے۔ قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ صاحب انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوّت اور رسالت کا دعوےٰ نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کا استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔ مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو (اہلِ علم کو نہیں ـ ناقل) دھوکا لگ جانے کا احتمال ہے۔ لیکن وہ مکالمات اور مخاطبات جو اللہ جلشانہٗ کی طرف سے مجھ کو ملے ہیں جن میں یہ لفظ نبوّت اور رسالت کا بکثرت آیا ہے۔ ان کو میں بوجہ مامور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا۔ لیکن میں بار بار کہتا ہوں کہ ان الہامات میں جو لفظ مرسل یا رسول یا نبی کا میری نسبت آیا ہے (ایسے لفظ نہ اب سے بلکہ سولہ برس سے میرے الہامات میں درج ہیں چنانچہ براہینِ احمدیہ میں ایسے کئی مخاطباتِ الٰہیہ میری نسبت پاؤ گے) وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہے۔ اور اصل حقیقت جس کی میں علیٰ رُؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا۔ ومن قال بعد رسولنا وسیدنا انی رسول علیٰ وجہ الحقیقۃ والافتراء وترک القرآن واحکام الشریعۃ وھو کافر کذاب" (حاشیہ انجام آتھم صـ۲۷)

اکابرین جماعت کی طرف سے تائید

یہ صرف حضرت مرزا صاحب کا ہی موقف نہ تھا۔ بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی جماعت اسی عقیدہ پر قائم تھی۔ چنانچہ جماعت کے بلند ترین عالم حضرت مولانا نورالدینؓ اپنے زمانہ قیادت میں جناب محمد عجب خان کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:—

"میں مرزا صاحب کو مجدد اس صدی کا یقین کرتا ہوں۔ میں ان کو راستباز حضرت محمد رسول اللہ النبی العربی المکی المدنی خاتم النبیین کا غلام اور اس کی شریعت کا بدل خادم مانتا ہوں، اور مرزا صاحب خود اپنے آپ کو جانثار غلام نبی عربی محمد بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کا مانتے تھے۔ نبی

کے معنے پیش از وقت اللہ تعالےٰ سے اطلاع پاکر خبر دینے والا ہم لوگ یقین کرتے ہیں۔ نہ شریعت لانے والا۔ مرزا صاحب اور میں خود جو شخص ایک لفظ بھی قرآن شریف کا اور شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا نہ مانے اسے کافر اور لعنتی یقین کرتا ہوں۔"

(اخبار البدر ۲۷ر اکتوبر ۱۹۱۰ء)

مولانا سید سرور شاہ صاحب

"لفظ نبی کے معنے اپنے مصدروں کے لحاظ سے دو ہیں۔ اوّل۔ اپنے خدا سے اخبار غیب پانے والا۔ دوم۔ عالی رتبہ شخص جس شخص کو اللہ تعالیٰ بکثرت مکالمہ مخاطبہ سے مخاطب کرے اور غیب کی خبروں پر مطلع کرے۔ وہ نبی ہے۔ اس رنگ میں میرے نزدیک تمام مجددین سابق مختلف مدارج کے انبیاء گذرے ہیں" (اخبار بدر ۱۶ فروری ۱۹۱۱ء)

جناب مفتی محمد صادق صاحب

"(مولانا) شبلی (مرحوم) نے دریافت کیا کہ ہم لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارا عقیدہ اس معاملہ میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔ نہ نیا اور نہ پرانا۔ ہاں مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ وہ بھی آنحضرت صلعم کے طفیل آپ سے فیض حاصل کر کے........ چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے۔ اور الہام الٰہی کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالےٰ نے بہت سی آئندہ کی خبریں بطور پیشگوئی کے بتلائی تھیں، جو پوری ہوتی رہیں۔ اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے، اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں"۔ (بدر جلد ۹ نمبر ۵۱-۵۲)

حضرت مرزا صاحب کی تمام زندگی پر پھیلی ہوئی تحریرات سے واضح ہو گیا ہوگا کہ قرآنی اصطلاح میں نبوّت و رسالت تکمیل پذیر ہو کر ختم ہو چکی ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے ایک مؤمن قرب الٰہی حاصل کر لیتا ہے۔ اور خدا سے اسی طرح ہمکلام ہو جاتا ہے جس طرح پہلی امتوں میں کامل افراد ہوتے رہے ہیں۔ پرویز صاحب قرآن کریم کی واضح تصریحات اور اس امت کے ہزارہا اولیاء اللہ کے خلاف اس بات پر مصر ہیں۔ کہ خدا اب اپنے بندوں سے نہ ہمکلام ہوتا ہے، نہ ان کو آئندہ کی خبریں دیتا ہے۔ نہ ان کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ خود پرویز صاحب کے ممدوح حضرت حکیم مشرق کی تحریرات ملت میں الہام کی مؤید ہیں۔ چنانچہ جہاں وہ خدا سے کہتے ہیں کہ "ایں چیست کہ چوں شبنم بر سینۂ من ریزی" تو دوسری جگہ اپنے کلام کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں۔

محمدؐ بھی تیرا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرف شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

امیر ہماری کتاب "وحی اور انسان" میں کماحقہ روشنی ڈالی گئی ہے اور پرویز صاحب کی خاطر دوبارہ بھی وضاحت کی جائے گی۔ ان سطور میں اسی قدر بتلانا مطلوب تھا کہ حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ اصطلاحی، حقیقی، مستقل نبوّت کا ہرگز نہ تھا، جس میں نزول کتاب لازمی شرط ہے۔ بلکہ محدثیت کا تھا، اور محدث وہ اُمّت کا کامل فرد ہوتا ہے جو نبی تو نہیں ہوتا مگر خدا اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالےٰ اسے بشارات دیتا ہے اور وہ بشارات آئندہ کی خبروں اور پیشگوئیوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس لئے ایسے محدث کو لغوی لحاظ سے نبی کا نام دیا جانا تو جائز ہے، مگر وہ منصب نبوت نہیں پالیتا۔ محدث کا محدث ہی رہتا ہے۔ اور اُمّت محمدیہؐ میں بے شمار ایسے محدث ہو گذرے ہیں جنہوں نے نبی کا نام پایا۔ اور حضرت مرزا صاحب ان میں سے ایک تھے، ورنہ حقیقی اصطلاحی نبوّت کا دروازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہو چکا ہے اور جو کوئی شخص قرآنی اصطلاح میں آنحضرت صلعم کے بعد نبوّت کا دعوےٰ کرے، وہ مفتری، کذاب، کافر، لعنتی دجال اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب۔ ایم۔ ایس سی

اِسلام یا کوئی اور "اِزم"

ایک تقابلی جائزہ

(۳)

اشتراکیت نے کیسے راہ پائی } اگرچہ انسانی زندگی کے زمانہ ماقبل تاریخ کے واقعات تاریکی کے پردوں میں پوشیدہ ہیں لیکن آثار قدیمہ کے مطالعہ سے اتنا نتیجہ ضرور اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب انسان نے اس کرہُ ارض پر قدم رکھا اس میں اس کی ضروریات کے سارے سامان اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحمانیت کے تحت مہیا کر دیئے تھے اور اس کی رہنمائی کے لئے اس کی فطرت میں یہ بات رکھ دی تھی کہ وہ ان سے فائدہ اُٹھانے کی سعی اور جد و جہد کرے ۔ سورۃ البقرہ کی آیت کے ان الفاظ "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" میں یہی حقیقت پنہاں ہے ۔ ہر چیز کا ایک نام ہے ۔ اس نام سے نہ صرف وہ پہچانی جاتی اور دوسری چیزوں سے الگ کی جاتی ہے بلکہ اس نام کے ساتھ اس کی ساری خصوصیات بھی انسان کے ذہن میں آ جاتی ہیں ۔ اپنے کسی عزیز ۔ دوست یا واقف کا نام سنتے ہی اس کے حلیہ عادات و اطوار اور شخصیت کی پوری تصویر سامنے آ جاتی ہے ۔ سورج کے نام سے فوراً اس کی حرارت ۔ روشنی اور دیگر فوائد کا تصور ذہن میں آ جاتا ہے ۔

انسان نے اپنی فطرت میں موجود تحقیق و جستجو کے مادہ سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی تو اللہ تعالےٰ کی صفت رحیمیت نے اس کا ہاتھ تھام لیا ۔ اسکی کوششوں کو بار آور کیا ۔ اور نسلِ انسانی ارتقائی منزلیں طے کرتی ہوئی جدید دَور میں داخل ہوئی ۔

ابتدائی دَور میں انسانی زندگی حیوانی سطح (SUB-HUMAN LEVEL) سے اُونچی نہ تھی ۔ انسان میں انفرادیت کا جذبہ کار فرما تھا اور اس میں اپنے ہمجنسوں سے مل کر رہنے کا شعور ابھی پیدا نہ ہوا تھا ۔ اس کی ضروریات زندگی بہت محدود تھیں وہ لباس سے بھی بے نیاز تھا ۔ جنگلی درختوں اور جانوروں کا گوشت کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتا ۔ رات کو کھُلے آسمان کے نیچے ۔ کسی کھو کھلے درخت کے تنے یا کسی غار میں سر چھُپا لیتا ۔ وہ ماں باپ اور بہن بھائی کے رشتے کی قیود سے بھی آزاد تھا ۔ حیوانوں کی طرح حیوانی جذبہ کی تسکین کر لیتا ۔ جوں جوں افراد کی تعداد بڑھتی گئی اس کی ضروریات میں بھی اضافہ ہوتا گیا ۔ جن کے پورا کرنے کے لئے ایک دوسرے پر دار و مدار ضروری ہو گیا ۔ اور یوں ایک ادنےٰ سطح کے گروہی معاشرہ کی بنیاد پڑی ۔ گوشت اور پھلوں کے ساتھ ساتھ زمینی وسائل سے کام لینا بھی ضروری ہو گیا ۔ اور ساتھ ہی یہ احساس پیدا ہو گیا کہ عریانی جذبۂ شہوانی کو بے لگام کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور فساد کا موجب ہے ۔ اس لئے اسے اپنا تن ڈھانکنے کا احساس ہوا اور درختوں کے پتوں سے اس نے اپنے جسم کے مخصوص حصوں کو پوشیدہ رکھنا شروع کیا ۔ اس ضمن میں اگر سورۃ الاعراف کی آیت ۲۲ کے یہ الفاظ " سو جب ان دونوں نے درخت کو چکھا ان کے عیب ان پر کھُل گئے اور وہ باغ کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانکنے لگے" بطور دلیل پیش کروں تو مفسرینِ قرآن مجھے معاف فرمائیں کیونکہ میرا خیال اسی طرف جاتا ہے ۔ اس کے بعد اسی سورۃ کی آیت ۲۴ میں زمین کو ٹھکانا بنانا اور سامان بنانا ۔ اسی میں زندہ رہنا اور اسی میں مرنے اور اسی میں جی اُٹھنے کا ذکر ہے ۔ آیت ۲۶ میں انسانوں کے عیوب کو ڈھانکنے کے لئے لباس کا ذکر ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ذکر ہے کہ تقوےٰ کا لباس سب سے بہتر ہے ۔ ان آیات میں SUB-HUMAN سوسائٹی سے آگے ایک نسبتاً منظم اور ترقی یافتہ معاشرہ کا ذکر ہے جس میں لباس تقوےٰ کا ذکر لا کر انسانی تعلقات کی نوعیت کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا ہے ۔

اس زمانہ میں ہر ملک میں عریانی اپنی تمام تر بدنما صورت میں کتنے عروج پر ہے مغربی ممالک میں ننگوں (NUDES) کا ایک خاص طبقہ ہے ۔ تصاویر ۔ لٹریچر ۔ فلموں اور ٹیلی ویژن میں عریانی ہی عریانی ہے ۔ مغربی ممالک کا کیا ذکر خود پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں خفیہ نائٹ کلب اور ایسے گھر موجود ہیں جہاں ننگی جنسی فلمیں دکھائی جاتی ہیں ۔ اس اسلامی ملک کی نوجوان مسلمان نسل کسطرح بے راہ رَو ہو رہی ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ تعلیمی اداروں میں خاص کر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طالبات کی موجودگی میں اساتذہ اور طلباء کے درمیان جنسی موضوعات پر بحثیں ہوتی ہیں ۔ عام لباس کے ساتھ لباس تقوےٰ کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ ظاہر لباس بھی بے حیائی کے پھیلانے اور جنسی جذبات کو بھڑکانے کی راہ میں ایک روک کا کام دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ لباس تقویٰ بہت لازمی ہے کیونکہ وہی انسان کو حیوانی سطح سے اٹھا کر انسانی سطح پر پہنچاتا ہے

تعداد اور ضروریات زندگی کی بڑھتی ہوئی رفتار نے تحقیق و تجسس کے لئے مہمیز کا کام دیا ۔ ابتداء میں زراعت ہی سب سے بڑی صنعت تھی جس سے معاشی ضروریات پوری کی جاتی تھیں ۔ دوسری چھوٹی موٹی صنعتیں گھریلو نوعیت کی تھیں ۔ زرعی صنعت کو ترقی دینے کے لئے نئے نئے آلات کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ ایسے واقعات کے رونما ہونے سے کسی ایک مقام پر رہنے والے افراد کے آپس میں تعلقات متعین کرنے کا آغاز ہوا ۔ اور یوں تقسیم کار کے اصول کی داغ بیل پڑی ۔ معاشرہ مختلف گروہوں یا طبقات میں منقسم ہو گیا یہ سادہ سی سوسائٹی ایک دوسرے سے تعاون کی بنا پر چل رہی تھی نہ کہ نفرت ۔ بغض ۔ حسد ۔ کینہ اور بخل جیسے جذبات رذیلہ پر قائم ہوئی ۔

زرعی زمین کی ملکیت کے دو پہلو تھے ۔ ایک چھوٹے چھوٹے کاشتکار جو خود زمین کے مختصر سے ٹکڑے کے مالک ہوتے اور ان سے اپنی ضروریات پورا کرتے ۔ دوسرے وسیع و عریض قطعات کے مالک جو اپنی زمین دوسروں سے آپس میں طے شدہ شرائط معاوضہ پر کاشت کرواتے ۔ کچھ گھریلو صنعتوں کے ذریعے زرعی آلات ۔ لباس ۔ جوتے اور برتن وغیرہ بنا کر ان کے بدلے اپنی ضروریاتِ زندگی حاصل کرتے ۔

جب دستِ مشاطہ نے زمانے کی زلف کو سنوارنا شروع کیا تو اس ابتدائی سادہ سے معاشرہ نے پیچیدہ رنگ اختیار کر لیا ۔ بڑھتی ہوئی پیچیدگی نے انسانی تعلقات کی نوعیت کو اور بھی اُلجھا دیا ۔ افراد میں جذبہ تعاون کی بجائے جذبۂ رقابت اور مسابقت نے راہ پائی ۔ جس سے ایک کشاکش اور کھینچا تانی کا دور شروع ہوا ۔ مختلف طبقات میں اضطراب اور بے چینی بڑھنے لگی ۔ کام کی نوعیت اور اس کے مطابق معاوضہ کے تعین کے مطالبات کا آغاز ہوا ۔ اس کے نتیجہ میں زمین کے مالک اور کاشتکار کے صلہ ۔ چھوٹے موٹے صنعتی کاروبار کے مالک اور اس کے مزدور کی اُجرت کے تقرر کی بنا پر کشیدگی کا رنگ ابھر آیا ۔

غالباً سولہویں صدی عیسوی تک تو بہت سے ممالک میں زراعت ہی ایک بنیادی اور بڑی صنعت تھی اور ان میں فیوڈل سسٹم یا جاگیر دارانہ نظام اپنی بدترین صورت میں رائج رہا ۔ اس نظام کی خرابیوں کا نتیجہ انقلاب فرانس اور انقلاب روس کی شکل میں ہمارے سامنے آیا ۔

فرانس اور روس دونوں میں فیوڈل سسٹم رائج تھا ۔ بڑے بڑے جاگیردار جو حکومت وقت کی طرف سے اعلےٰ عہدوں اور مراتب پر بھی فائز تھے لاکھوں ایکڑ زمین کے مالک تھے جسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاشتکار کاشت کرتے تھے ۔ زمیندار اپنے حصے کی زرعی پیداوار تو لے ہی جاتے لیکن ضرورت پڑنے پر وہ اپنے کاشتکاروں کو ان کے حصے سے محروم کرنے میں بھی دریغ نہ کرتے ۔ غریبوں کے خون پسینے سے کمائی ہوئی یہ دولت امیروں کے عیش و عشرت پر صرف ہوتی ۔ یہ کاشتکار جاگیردار کو بھی ٹیکس ادا کرتے اور حکومت کو بھی ہنگامی حالات مثلاً جنگ کی حالت میں بھی ان سے بہت کچھ طاقت اور زور سے چھین لیا جاتا ۔ اگر کوئی صنعتیں تھیں تو یہی حال مزدور کا تھا ۔

فرانس اور روس دونوں کا مذہب عیسائیت تھا ۔ گاؤں گاؤں میں گرجے قائم تھے ۔ اور ان کے ساتھ وسیع قطعات زمین وقف کی صورت میں ملحق تھے ۔ مذہب کے نام پر کلیسا کے لئے بھی ٹیکس عائد تھے ۔ ان کلیساؤں اور عبادتگاہوں کی اندرونی زندگی نہایت حیا سوز تھی ۔ راہب اور راہبات غریب کاشتکاروں اور مزدوروں سے چھینی ہوئی دولت پر عیش و عشرت اور بے حیائی کی زندگی میں مست تھے ۔

جس طبقہ کے ہاتھ میں ملکی معیشت کا کنٹرول ہوتا ہے اُسے حکومت کی پالیسیوں میں بھی عمل دخل ہوتا ہے۔ حکومت انہی کا ساتھ دیتی ہے۔ غریب اور ستم رسیدہ کی پکار اس کے ایوانوں سے ٹکرا کر بے نیلِ مرام اپس لوٹ آتی ہے۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے تو ملک میں مایوسی (FRUSTRATION) کی فضا چھا جاتی ہے۔ جس کی کوکھ سے ایک نہ ایک دن بغاوت جنم لیتی ہے۔ جہاں مذہب اور ملک کے نام پر ایک مخصوص طبقہ غریب کے حقوق کے استحصال پر کمربستہ ہو تو اس کے لئے اس سے بیزار و ناچار نجات حاصل کرنے کے سوا اور کونسا راستہ رہ جاتا ہے اور مذہب بھی یہودیت اور عیسائیت ہو جن میں ان کے پیروؤں کی فلاح کے لئے کوئی رہنما اصول ہی نہیں۔

عام انسان ظلم و ستم کی چکی میں پس رہا تھا۔ جو کچھ ہو رہا تھا وہ مذہب اور خدا کے نام پر ہو رہا تھا۔ جہاں کسی کا نہ پیٹ بھر سکے نہ تن ڈھک سکے اور نہ عزت و آبرو محفوظ ہو وہاں کب تک سفاکیوں کا نشانہ بننا گوارا کیا جا سکتا ہے۔ صبر کا پیمانہ بہت محدود ہے ایک دن چھلک پڑتا ہے۔ ستایا ہوا کروٹ بدلتا ہے تو وہ ایک ایسی خوفناک آندھی اور طوفان بن کر اُبھرتا ہے جس میں آگ کے شعلے اور بجلی کی کڑک بھی ہوتی ہے۔ اس میں وہ خود بھی جل جاتا ہے اور دوسروں کو بھی بھسم کر ڈالتا ہے انسان انسان نہیں رہتا درندہ بن جاتا ہے۔ یہی فرانس میں ہوا اور یہی روس میں۔

انقلاب فرانس انقلاب فرانس انسانی تاریخ کا دردناک باب ہے۔ ایک انگریز ناول نگار چارلس ڈکنس نے اپنے مشہور ناول A TALE OF TWO CITIES میں اس کی دھندلی سی تصویر کھینچی ہے۔ یہ دو مشہور شہروں لندن اور پیرس کی کہانی ہے۔ ایک موقعہ پر وہ اپنے ایک کردار کی زبان سے یہ الفاظ ادا کرواتا ہے IT IS A SIN TO BRING A CHILD IN THIS WORLD (اس دنیا میں بچہ پیدا کرنا گناہ ہے) کتنا دکھ۔ کتنا درد اور کتنا غم ہے ان الفاظ میں۔ پھر ایک اور موقعہ پر وہ کہتا ہے۔ جب کوئی کنبہ کھانے پر بیٹھا ہوتا تو ہر ایک کے کان دروازے کی آہٹ پر ہوتے کہ ابھی کہیں حکومت یا جاگیردار کا کوئی کارندہ آ کر ان کے منہ سے نوالہ نہ چھین لے۔

ان حالات میں روسو اور والٹیئر کی تحریروں اور تقریروں نے انقلاب کی راہ ہموار کی۔ کیڑے نے کروٹ لی۔ پیچ و تاب کھایا۔ سر اُٹھایا۔ اخلاقی ضابطوں کے بندھن ٹوٹ گئے۔ انسانیت پر حیوانیت چھا گئی۔ پیرس اور فرانس کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں حکمران طبقہ۔ جاگیرداروں اور ان کے بیوی بچوں۔ عزیزوں رشتہ داروں۔ واقف کاروں اور ملنے جلنے والوں تک کے لئے ہر انقلابی کی زبان پر یہی الفاظ تھے TO THE GUILLOTINE (ان کی گردن اڑا دو) گلی کوچے خون کی ندیاں بن گئے۔ چُن چُن کر بے گناہ اور گناہگار انسانوں کو آلہ قتل کے سپرد کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں یہ نعرے بلند ہو رہے تھے EQUALITY FRATERNITY AND JUSTICE (مساوات۔ اخوت اور انصاف)۔

ذرا اس نعرہ کے الفاظ پر غور کرتے جائیے۔ کیا آج سے چودہ سو سال پہلے صحرائے عرب سے اُٹھنے والا نعرہ یہی نہ تھا۔ جس کی گونج مشرق اور مغرب میں سُنی گئی اور بارہ سو سال بعد فرانس کے گلی کوچوں میں لُٹی پٹی اور گری ہوئی انسانیت کی زبان سے پھر سُنائی دی کیا پھر بھی اسلام ایک رجعت پسند اور فرسودہ نظام ہے؟

EQUALITY (مساوات) کے متعلق سورۃ الحجرات کی آیت ۱۳ اٹھا کر دیکھ لو جس میں تمام نسلِ انسانی کو خطاب ہے:۔

"اے لوگو ہم نے تمہیں عورت اور مرد سے پیدا کیا (یعنی بحیثیت انسان تم میں کوئی فرق نہیں) اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے معزز اور شریف وہ ہے جو سب سے پرہیزگار ہے۔ اللہ جاننے والا خبردار ہے۔"

اور حجۃ الوداع کے خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا:۔
"کالے کو گورے اور عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی برتری حاصل نہیں"

FRATERNITY (اخوت) کے متعلق اسی سورت کی آیت ۱۰ کا ترجمہ یہ ہے:۔

"مومن بھائی بھائی ہیں۔ سو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ کا تقویٰ کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

JUSTICE (انصاف) کا تو کوئی قوم آج تک نمونہ پیش نہیں کر سکتی۔ سورۃ المائدہ کی آیت ۸ میں فرمایا:۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے۔ انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ۔ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو۔ یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ کرو۔ اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔"

جہاں دشمن سے بھی انصاف کرنے کا حکم ہو اس سے اعلیٰ اور ارفع کونسی تعلیم ہو سکتی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ہے کہ "انصاف کرو خواہ تمہیں اپنے قریبیوں کے بارے میں کیوں نہ انصاف کرنا پڑے۔"

اسی سلسلہ میں سورۃ النحل کی آیت نمبر ۹۰ کے الفاظ بھی قابل غور ہیں:
"اللہ تمہیں عدل۔ احسان اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور زیادتی سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو"

توریت اور انجیل میں جو یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس کتابیں ہیں آپ کو کہیں بھی ایسے الفاظ اس انداز میں استعمال شدہ نہ ملیں گے۔

انقلابِ روس فرانس میں عوام کے غم و غصہ کا رُخ شاہی خاندان۔ حکامِ وقت اور جاگیرداروں کی طرف تھا کیونکہ انہی کو وہ اپنے گوناگوں مصائب کا ذمہ دار ٹھہراتے تھے۔ مذہبی ادارے کسی حد تک اس سے متاثر ہونے سے محفوظ رہے مگر روس میں یہ بھی امن میں نہ رہ سکے۔

روس میں انقلاب کی بنیادی وجوہات وہی تھیں جو فرانس میں تھیں۔ اس کی تیاری زیرِ زمین پہلی جنگ عظیم کے بہت پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔ وہاں بھی ادیبوں اور خفیہ تنظیموں نے اس کے لئے زمین ہموار کی۔ سن ۱۹۱۴-۱۸ء کی عالمی جنگ میں جرمنی۔ آسٹریا اور ترکی ایک طرف اور برطانیہ۔ فرانس۔ روس اوّل امریکہ وغیرہ دوسری طرف تھے۔

جنگ کا پلڑا امریکہ کے شامل ہونے سے پلٹا۔ جرمنی اور اس کے حلیفوں کو شکست ہوئی۔ جنگ میں روس کے نقصان نے انقلاب کے لئے ایک فوری محرک کا کام کیا۔ زمین تیار تھی ہی۔ عوام نے اس تباہی کا ذمہ دار بادشاہ۔ اس کے حکام جاگیرداروں اور مذہبی پیشواؤں کو ٹھہرایا۔ روس کے حکام جاگیردار اور مذہبی پیشوا بھی حکومت کی پناہ میں اسی قسم کی لُوٹ کھسوٹ میں ملوث تھے جیسی فرانس میں تھی۔ زارِ روس اور اس کی ملکہ زارینہ، راسپوٹین جیسے عیاش اور نام نہاد پر اسرار قوتوں کے مدعی کے غلیظ پنجہ میں گرفتار تھے۔ ان کا کوئی فیصلہ اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو سکتا تھا۔ ادھر اس کے چیلے چانٹے جن کا مذہبی اداروں پر قبضہ تھا، اپنی عیاشیوں میں گم تھے۔ یہ پیشگوئی بھی قرآن کریم کی سورۃ التوبہ کی آیت ۳۴ میں بڑی وضاحت سے موجود ہے۔ اس کے الفاظ مسلمانوں کے لئے بڑے قابلِ غور ہیں:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یقیناً بہت سے علماء اور راہب لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں (اور کھاتے رہیں گے) اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں (دین کے صحیح اصول ان کو نہیں بتاتے)۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دے"

اس میں خطاب مومنوں کو ہے اور ذکر یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ کا۔ اس سے یہی بتانا مقصود ہے کہ ایک زمانہ میں تمہارے علماء اور مشائخ ان کے نقشِ قدم پر چلیں گے اور قوم کی تباہی اور بربادی کا موجب ہوں گے۔ اپنے پیروں فقیروں اور نام نہاد علما کو دیکھ لو۔ ان کے کیا طور طریقے ہیں۔ کس طرح مذہب کے نام پر استحصال کر رہے ہیں اور مذہب کی حقیقی تصویر ان کے سامنے آنے ہی نہیں دیتے۔ انہیں بھی اسی انجام کے لئے تیار ہو جانا چاہئے جو روس میں عیسائی پادریوں وغیرہ کا ہوا۔ ایک

(باقی بر صفحہ ۱۱ کالم نمبر ۲ کے نیچے)

محترم سید ا۔ح۔ گیلانی

اس اُمّت میں بعثتِ مجدّدین کا الٰہی سلسلہ

(۳)

مجدّد خدا ہی بناتا ہے

حدیث مجدد کی صحت کا انکار نہ کر سکنے کے بعد معترضین یہ پہلو بھی اختیار کر لیتے ہیں کہ مجدد تو ہر عالمِ دین ہو سکتا ہے۔ یا جسے لوگ بڑا عالم کہنا شروع کر دیں وہی مجدد ہے۔

مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ اس مقام پر معترضین اپنی انتہائی کمزوری کا اعتراف کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ:

(ا) اگر ہمارا کسی عالم کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ وہ بڑا فاضل ہے اسے مجدد بنا سکتا ہے تو ایسا خیال تو ہر وقت لوگ کسی نہ کسی کے متعلق رکھتے ہیں۔ پھر صدی کے سر پر مجددین کے آنے کا وعدہ کیا معنے رکھتا ہے۔

(ب) اگر یہی خیال درست ہے تو شیعہ حضرات اپنے کسی مجتہد کو۔ سُنّی کسی اپنے مولوی کو۔ اور اہلِ حدیث کسی اپنے عالم کو مجدد بنا لیں گے۔ ہم کس طرح فیصلہ کریں کہ ان میں سے کون شخص فی الواقع مجدد ہے۔

(ج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ دنیا کسی مجدد کو مان لیگی بلکہ فرمایا

"اِنّ اللہ یبعث"

اللہ تعالےٰ بنائے گا۔ ہمارا انتخاب غلط ہو سکتا ہے۔ مگر صحیح انتخاب مجدد وہی ہوگا جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہو فیصلہ کی یہی راہ ہو سکتی ہے۔

ایک لطیفہ

ایک مرتبہ ایک مناظرہ کے دوران میں ایک مخالف کی طرف سے یہ کہا گیا کہ اس صدی کے مجدد مولوی اشرف علی صاحب تھانوی۔ احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری ہیں۔ مَیں نے جواباً کہا کہ قاعدہ یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر مامور آئیں وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے ہوں۔ کبھی کسی نبی نے دوسرے نبی کو کافر یا دجّال نہیں کہا۔ بلکہ ایک دوسرے کی تصدیق ہی کرتے رہے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ تین مجدد دنیا میں آئیں جو ایک دوسرے کو کافر اور دجّال کے خطابات دینے والے ہوں۔ مولانا اشرف علی کے نزدیک پیر جماعت علی شاہ اور احمد رضا خاں مشرک ہیں اور ان حضرات کے نزدیک مولوی اشرف علی تھانوی مرتد اور خارج از اسلام ہیں۔

اس پر انہیں ہزارہا کے مجمع میں سخت ندامت اُٹھانی پڑی۔ اور پھر باوجود میرے اصرار کے اس جواب کی طرف توجہ نہ کی۔

پس اگر انتخاب رسل و مجددین کا کام انسانوں کے سپرد ہو تو ہمیشہ مختلف قوموں کے مجدد اور رسول آپس میں لڑتے رہیں اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

وقالوا لولا نزل ھٰذا القراٰن علیٰ رجل من القریتین عظیم۔ اھم یقسمون رحمۃ ربک ۔ (الاٰیۃ۔ الزخرف ع۳)

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں یہ قرآن مکہ اور مدینہ کی بستیوں میں کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔ کیا یہ خدا کی رحمت کو خود تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟

پھر فرمایا: ماکان لھم الخیرۃ (القصص ع۷) کہ چننا ان کا کام نہیں پس اس کام کو اللہ تعالےٰ نے انسانی عقول پر نہیں چھوڑا۔ انبیاء رسل و مجددین کو وہ خود بوقت ضرورت منتخب کرکے دنیا میں کھڑا کرتا ہے۔

حدیث مجدّد سے مراد قوم ہے یا فردِ واحد

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حدیث مجدد سے مراد علماء کا وہ گروہ ہے جو تبلیغ حق کرے۔ اس پر بھی یہی اعتراض ہوتا ہے کہ ایسے علماء تو ہر وقت رہتے ہیں۔ پھر صدی کے سر کو کیوں مخصوص کیا گیا؟

پھر کون سے علماء مجدد کہلائیں گے۔ شیعوں کے، دیوبندیوں کے۔ بریلویوں کے یا اہلِ حدیث کے؟

غرض یہ خیال غایت درجہ کمزور ہے۔ حدیث کے صاف لفظ "یجدد" سے جو مضارع واحد غائب، کا صیغہ ہے ثابت ہوتا ہے کہ صدی کے سر پر ایک فرد ضرور مبعوث ہوگا۔

مگر ہم اپنے معترضین سے کہتے ہیں کہ جب تم خود مانتے ہو کہ ایک صدی میں ایک سے زائد بھی مجددین گذرے ہیں جو ملہم و مامور من اللہ تھے تو اگر اس حدیث سے کوئی جماعت مراد ہوگی تو انہی ملہمین و مامور من اللہ کی ہوگی نہ تمہارے تجویز کردہ علماء کی۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ ہر صدی میں ملہمین کی ایک جماعت ہی کھڑی ہو۔ مثلاً پہلی صدی میں صرف عمر بن عبدالعزیز کو ہی مجدد مانا گیا۔ کسی اور کو اس میں شریک نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ صدی کے سر پر ایک مجدد کا ظہور ضروری ہے ہاں اگر بعد میں حسب ضرورت کوئی اور بزرگ بھی امر مجددیت لے کر کھڑا ہو اور ہر دو مجددین ایک دوسرے کی اعانت سے خدمتِ دین کریں تو یہ بھی ممکن ہے۔ مگر حدیث کے ظاہری الفاظ صدی کے سر پر ایک کا ہونا ضروری قرار دیتے ہیں۔

مجدّد کا کام

حدیث مجدد میں مجدد کے کام کو یجدد لھا دینھا کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے یعنے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ اس پر ذیل کے حوالے قابلِ غور ہیں:۔

(۱) وقال القاری فی المرقاۃ ای یبین السنۃ من البدعۃ ویکثر العلم۔ ویعزّ اھلہ۔ ویقمع البدعۃ ویکسر اھلھا۔

ترجمہ: حضرت ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ سنت کو بدعت سے الگ کرکے دکھائے گا۔ علم کو پھیلائے گا اور اہلِ علم کی عزت کرے گا اور اہلِ بدعت کو مٹائے گا۔

(۲) (یجدد لھا دینھا) ای یبین السنۃ من البدعۃ ویکثر العلم وینصر اھلہ۔ ویکسر اھل البدعۃ ویذلھم۔ قالوا ولا یکون الا عالماً بعلوم الظاھرۃ والباطنۃ۔ قال العلقمی فی شرحہ معنی التجدید احیاء ما اندرس من العمل بالکتاب والسنۃ والامر بمقتضاھا۔

(عون المعبود شرح ابی داؤد جلد ۴ صفحہ ۱۸۱)

ترجمہ: یجدد لھا دینھا سے مراد یہ ہے کہ سنت کو بدعت سے الگ کرکے دکھائے گا۔ علم کو پھیلائے گا۔ اہلِ علم کی مدد کرے گا۔ اور اہلِ بدعت کو مٹائے گا اور ذلیل کرے گا۔ علماء نے کہا ہے ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے جو علوم ظاہری و باطنی کا ماہر ہو۔ علقمی اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ تجدید کے معنے ان چیزوں کا احیاء ہے جو کتاب وسنت پر عمل کرنے میں مٹ گئی ہوں۔"

(۳) (یجدد لھا دینھا) ای ما اندرس من العمل بالکتاب والسنۃ (تفسیر روح المعانی زیر آیت یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہ (المؤمن ع۲)

ترجمہ: یجدد لھا کے معنے ان چیزوں کا احیاء ہے جو کتاب وسنت پر عمل کرنے میں مٹ گئی ہوں۔

(۴) (قال احمد بن حنبل) من یعلم الناس السنن وینفی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکذب۔

(مرقات الصعود برحاشیہ ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ مطبوعہ لکھنؤ)

ترجمہ:۔ احمد بن حنبل فرماتے ہیں مجدد لوگوں کو سنت نبوی کی تعلیم دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غلط الزامات کو صاف کرتا ہے۔

(۵) (قال احمد بن حنبل) یبین لھم امر دینھم (ایضاً)

مجدد امر دین کو لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجدد اسلام کی صحیح تعلیم کو دنیا کے سامنے رکھتا ہے۔ بدعت کو مٹاتا ہے۔ جن احکامِ الٰہی کو دنیا چھوڑ چکی ہوتی ہے انہیں دوبارہ قائم کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو صاف کر کے پیش کرتا ہے۔

مجدّد کے لئے دعویٰ کرنا لازمی ہے

مجھے ہمیشہ اس خیال پر حیرت و استعجاب ہوا ہے کہ مجدّد کے لئے دعویٰ کرنا ضروری نہیں۔

(۱) اگر مجدد کے لئے دعوےٰ کرنا ضروری نہیں تو دنیا کو کیسے معلوم ہوگا کہ اس صدی کا مجدد فلاں شخص ہے۔

(۲) اگر دعوےٰ ضروری نہیں تو ہمیں کس طرح یقین ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی جو ظہور مجدّد کے متعلق ہے درست ثابت ہو رہی ہے۔

(۳) اور اگر وہ خود دعوےٰ نہ کرے گا تو دنیا کو اپنے خیال سے مجدد تجویز کرنا پڑے گا جس سے فساد لازم آتا ہے۔ کیونکہ ہر فرقہ اپنے بزرگ کو مجدد سمجھنے لگ جائیگا۔

(۴) حدیث نبوی کے الفاظ "ان اللّٰہ تعالیٰ یبعث" صاف دلالت کر رہے ہیں کہ مجدّد کے لئے دعوےٰ کرنا ضروری ہے۔ جو شخص خدا تعالےٰ کی طرف مبعوث ہوتا ہے وہ ضرور اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ وہ اس منصب پر قائم کیا گیا ہے۔ مثلاً "فبعث اللّٰہ النبیین" کے مطابق جو نبی مبعوث ہوئے ان کا علم دنیا کو ان کے دعوےٰ سے ہی ہوا۔ ورنہ لوگ کوئی عالم الغیب نہ تھے کہ خود بخود ہی سمجھ جاتے کہ فلاں شخص مبعوث ہوگیا ہے۔

ایک اعتراض } بعض لوگ کہتے ہیں کہ "یبعث" سے یہ دلیل پکڑنا کہ مجدّد دعویٰ بھی کرے گا درست نہیں۔ قرآن مجید میں ہے "فبعث اللّٰہ غرابا" خدا تعالےٰ نے کوّے کو مبعوث (کھڑا) کیا۔ تو اس نے دعوےٰ کیا تھا کہ میں مبعوث ہوں۔

جواب: انسان اور حیوان کے مبعوث ہونے میں فرق ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "ثم بعثنا من بعدھم موسیٰ"۔ ہم نے ان کے بعد موسےٰ کو مبعوث کیا۔ کیا وجہ ہے کہ یہ بعثت ایسی نہیں جیسے کوّے کی تھی؟ صرف اس لئے کہ موسےٰ علیہ السلام انسان ہیں، کوّا حیوان ہے۔ کوّے کی مثال پیش کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ موسےٰ کو خدا تعالےٰ نے الہام و کلام الٰہی سے نوازا، معجزات بخشے۔ لیکن کوّے کے ساتھ یہ نہیں کیا۔ کیونکہ وہ حیوان ہے اس کی بعثت کے معنے ہی کچھ اور ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں آتا ہے:

"واوحیٰ ربک الی النحل"

تیرے ربّ نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔ اب یہ وحی اس طرح کی ہرگز نہیں جس طرح کی "واوحینا الیٰ موسیٰ واخیہ" وغیرہ میں ہے۔ وجہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی انسان کے متعلق بعث کا لفظ استعمال کرے گا۔ تو اس کے معنے مامور کرنا ہی ہوں گے، جس کے لئے دعویٰ لازمی ہے۔

(۵) اگر سچا مجدّد خاموش بیٹھا رہے اور ایک اور شخص افتراء کے طور پر مجددیت کا مدعی بن بیٹھے۔ تو ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ یہ شخص مفتری ہے۔ اگر کہو کہ ایسے موقعہ پر سچے مجدّد کا فرض ہے کہ وہ اپنے دعوےٰ کا اعلان کرے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعوےٰ افتراء پر مبنی تھا تو آج تک کس شخص نے آپ کے مقابل دعوےٰ مجددیت کیا۔

(۶) جب اس نے دنیا میں اشاعت وتبلیغ دین کا کام کرنا ہے تو اس کے خاموشی اختیار کرنے میں کیا حکمت ہے۔ کیوں نہ وہ سلسلہ الہام و کلام الٰہی کی صداقت کے لئے اپنے تجربات پیش کر کے دنیا کو راہ ہدایت کی دعوت دے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب } بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ہر مجدّد کے لئے دعوےٰ کرنا لازمی ہے تو آج تک جتنے مجدّد گذرے ہیں ان کا دعوےٰ ان کی کتابوں سے دکھاؤ۔ یہ سراسر مغالطہ اندازی ہے۔ یہ ہمارا کام نہیں کہ ہم ہر مجدّد کا دعوےٰ تلاش کرتے پھریں۔ مسلمان ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے ہیں۔ لیکن قرآن مجید نے ستائیس یا اٹھائیس نبیوں کا ہی ذکر کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تمام انبیاء کے دعاوی ان کی کتب سے دکھاؤ تو شائد چند ہی ایسے نبی نکلیں جن کے دعوےٰ کا تحریری ثبوت آج ہمارے پاس موجود ہو۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان تمام پیغمبروں پر جن کا تحریری دعویٰ ہمیں نہیں ملتا نبی کہنے سے انکار کر دیں۔ اسی طرح ہم نے تیرہ صدیوں کے مجددین میں سے چار کے دعاوی یہاں نقل کر دیئے ہیں۔ باقی مجددین کے متعلق ان کے متبعین کی شہادت ثابت کر رہی ہے کہ وہ بھی مجددیت کے مدعی تھے۔ نیز یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان مجددین کی تمام کتب بھی ہمارے پاس محفوظ نہیں رہیں۔ باہمی تنازعات میں ہزارہا مفید کتب کو نذر آتش کر دیا جاتا رہا۔ اس لئے اصول کو دیکھنا چاہیئے جو یہی ہے کہ نبی اور مجدّد کے لئے دعوےٰ کرنا لازمی ہے۔ اس کے بعد اگر ہمیں بعض انبیاء یا مجدّدین کے دعاوی نہ مل سکیں تو اس سے اس اصول پر کوئی زد نہیں پڑ سکتی۔

چودھویں صدی کا مجدّد کون ہے

صفحات گذشتہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ حدیث نبویؐ کے مطابق ہر صدی کے سر پر کسی نہ کسی مجدّد کا ظہور ہوتا رہا۔ یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ میں تخلف واقع ہو اور وہ حدیث جو تیرہ سو سال سے اپنی سچائی ثابت کر رہی ہو اس وقت پوری نہ ہو۔ اب تو صدی کا سر چھوڑ اس کا وسط بھی گذر چکا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ابھی تک کسی مجدد کو مبعوث نہ کیا ہو۔ یہ تو ممکن ہے کہ ہم نے مجدّد کو پہچانا نہ ہو یا پہچاننے کی کوشش نہ کی ہو مگر خدا اور اس کے رسول کے وعدوں میں تخلف نہیں ہو سکتا۔

مجدّد صد چہاردہم کا تو اُمت میں بالخصوص انتظار تھا۔ مسلمان اس کے انتظار میں بے تاب تھے اور سمجھتے تھے کہ وہی مہدی وقت ہوگا۔ مولوی صدیق حسن خاں اپنی کتاب حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں:

مہدی موعود صد چہاردہم کا مجدّد ہوگا } "و بر سر مائتہ چہاردہم کہ دہ سال کامل آں را باقی است اگر ظہور مہدی علیہ السلام و نزول عیسےٰ صورت گرفت پس ایشاں مجدّد و مجتہد باشند" (ص ۱۳۹)

ترجمہ: اور چودھویں صدی کے سر پر جس کے پورے دس سال باقی رہ گئے ہیں اگر ظہور مہدی اور نزولِ عیسےٰ ہوا تو وہی مجدد و مجتہد ہوں گے۔

پھر فرمایا:

"بخاطر می رسد کہ شاید بر سر صد چہاردہم ظہور وے اتفاق افتد" (حجج الکرامہ۔ ص ۳۹۵)

ترجمہ: دل میں یہ آتا ہے کہ شاید چودھویں صدی کے سر پر امام مہدی کا ظہور ہو۔

پھر کہا:

"و زمانہ من انشاءاللّٰہ ہمعناں زمانہ اوست اگرچہ تعیین وقت صحیح نہ شد اما لابد اقرب است از زمان وے وکل ما ھوات قریب۔" (حجج الکرامہ ص ۳۶۵)

ترجمہ: اور میرا زمانہ اس کے زمانے سے ملا ہوا ہے اگرچہ صحیح وقت کی تعیین نہیں ہو سکی۔ مگر میرا زمانہ اس سے سب سے زیادہ قریب ہے، اور جو آنے والا ہے وہ قریب ہے۔

کاش یہ لوگ غور کرتے کہ وہ مجدّد اب کہاں ہے۔ اگر آج کوئی مخالف اسلام ہی یہ اعتراض کر دے کہ بتاؤ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجدّد کی پیشگوئی اس صدی میں کیوں نہ پوری ہوئی تو اس کا جواب ان علماء کے پاس قطعاً کوئی نہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد علیہ السلام کی مخالفت کو ہی اپنا دین و ایمان سمجھ لیا ہے۔ اگر یہ حدیث نبوی کا احترام کرتے اس کے دعوے اور دلائل کو غور سے دیکھتے۔ اس کی جماعت کی اسلامی خدمات پر نظر ڈالتے تو انہیں معلوم ہوتا

کہ اس شخص کو مفتری قرار دے کر وہ محسن کشی کے فعل شنیع کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ مگر ان پر افسوس نہیں۔ ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزؤن (یٰس) کوئی ایسا مامور دنیا میں نہیں آیا جس کی مخالفت کے لئے بڑے بڑے زعماء علماء صوفی اور گدی نشین نہ کھڑے ہوئے ہوں کیونکہ ماموران کی خواہشات کے مطابق نہیں آتا بلکہ وہ باتیں پیش کرتا ہے جو ان کو ناپسند ہوتی ہیں۔

افکلما جاءکم بما لا تھویٰ انفسکم استکبرتم (البقرہ ۔ ع ۱۱)

اس لئے وہ تکبر و سرکشی اختیار کرتے ہیں۔

بے بنیاد الزامات لگا کر مجدد کی تکفیر کی جاتی ہے } حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب کبھی کوئی محدث دنیا میں آتا ہے تو :۔

فیتخیل الاجنبی فیہ انہ یدعی النبوۃ وانہ ینسخ بذالک شرع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ویکفرہ وقد رائینا ھذا کثیراً فی زماننا وذقناہ من علماء وقتنا فنحن نعذرھم ۔ لانہ ما قام عندھم دلیل صدق ھذہ الطائفۃ وھم مخاطبون بغلبۃ الظنون۔ (فتوحات مکیہ صہ ۴۹)

ترجمہ: اجنبی یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ شخص (محدث یا مجدد) نبوت کا دعوےٰ کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرتا ہے۔ لہٰذا اس کی تکفیر کرتا ہے ہم نے اپنے زمانہ میں یہ بات اکثر دیکھی ہے اور خود علمائے وقت سے اس کا مزہ چکھا ہے۔ مگر ہم ان کو معذور تصور کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس محدثین و مجددین کے طائفہ کے صدق کی کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی۔ اور وہ بدظنیوں سے مغلوب ہو کر کلام کرتے ہیں۔

پھر فرمایا:۔

وقد وقع لنا وللعارفین امور محن بواسطۃ اظہارنا المعارف والاسرار وشھدوا فینا بالزندقۃ۔ واذونا اشد الاذیٰ۔ (الیواقیت والجواھر جلد ۱ صہ ۳۲)

ترجمہ: اور دیگر عارفین کو اسرار و معارف بیان کرنے کے باعث سخت تکلیف اٹھانا پڑی ہے۔ ہم پر زندقہ کے فتاویٰ صادر کئے گئے اور ہمیں انتہائی تکالیف پہنچائی گئیں۔

صوفیاء فتویٰ کفر کو رحمت سمجھتے ہیں } ان فتاویٰ کفر کی کثرت کو دیکھ کر علماء ربانی گھبرائے نہیں انہوں نے ان کو رحمت سمجھ لیا پتھروں کی بارش کو پھول سمجھ کر برداشت کیا اور کہا:۔

لا یبلغ احد درج الحقیقۃ حتیٰ یشھد فیہ الف صدیق بانہ زندیق ۔ وذالک لانہ اذا نطق بعلوم الاسرار ولا یسمع الصادقین الا ینکروا علیہ غیرۃ علیٰ ظاھر الشریعۃ المطھرۃ ۔ (الیواقیت والجواھر جلد ۱ صہ ۳۲)

ترجمہ: کوئی شخص حقیقت کے درجات تک پہنچ ہی نہیں سکتا جب تک ہزار دنیوی صدیق اس پر زندیق ہونے کا فتوےٰ نہ لگائیں۔ اس لئے کہ جب کوئی بزرگ علوم و اسرار کو بیان کرتا ہے تو یہ گروہ علماء اسے ظاہری شریعت کے خلاف سمجھ کر اس کا انکار کرتا ہے۔

مجدد صد چہاردہم مسیح موعودؑ و مہدی مسعود پر بھی فتویٰ کفر لگنا تھا } سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کا ظہور اس سنت کے خلاف نہیں ہو سکتا تھا انہیں بھی یہ شرف حاصل ہونا تھا۔ ان کے متعلق تو خصوصیت سے مجدد الف ثانی فرما چکے تھے کہ:۔

نزدیک است کہ علمائے ظواہر مجتہدات (مسیح موعود) را علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام از کمال دقت و از غموض ماخذ انکار نمایند ومخالف کتاب ۔ سنت دانند مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوفی است کہ بہ برکت ورع وتقویٰ و بدولت متابعت سنت درجہ علیہ در اجتہاد و استنباط یافتہ است کہ دیگراں در فہم آں عاجز اند و مجتہدات او را بواسطہ دقت معانی مخالف کتاب و سنت دانند (مکتوبات جلد ۲ مکتوب ۵۵ صہ ۱۰۷)

نواب صدیق حسن کہتے ہیں:۔

چوں مہدی علیہ السلام مقاتلہ بر احیاء سنت و اماتت بدعت فرمایند علماء وقت کہ خوگر تقلید فقہاء و اقتداء مشائخ و آباء خود باشند گویند ایں مرد خانہ برانداز دین و ملت ماست و بمخالفت بر خیزند۔ و بحسب عادت خود حکم بتکفیر و تضلیل وے کنند۔" (حجج الکرامہ صہ ۳۶۳)

اسی طرح محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

واذا خرج ھذا الامام المھدی فلیس لہ عدو مبین الا الفقھاء خاصۃ فانہ لا یبقے لھم ریاسۃ ولا تمییز عن العامۃ۔ (فتوحات مکیہ جلد ۳ صہ ۳۳۴)

ترجمہ: جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو سوائے فقہاء کے ان کا کوئی عدو مبین نہ ہوگا۔ کیونکہ مہدی کو قبول کرنے سے ان کو عوام پر کوئی برتری و تمیز نہ رہے گی۔ پس مخالفت ہونا اور فتاوےٰ کفر لگنا ضروری تھا بلکہ اس شدت سے آپ کی مخالفت ہونا آپ کی سچائی کے لئے ایک بڑی دلیل ہے۔ لیکن:۔

"لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید"

حضرت مسیح موعودؑ ہی مجدد صد چہاردہم ہیں } اس صدی کے سر پر سوائے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے اور کسی شخص نے دعوےٰ مجددیت نہیں کیا۔ آج چودھویں صدی ختم ہونے کو ہے مگر حضرت ممدوح اپنے اس دعوےٰ میں واحد ہیں۔ کوئی دوسرا شخص کھڑا نہیں ہوا۔ تا دو مدعیان مجددیت کے درمیان فیصلہ کرنے کی ضرورت پیش آئے کہ دونوں میں سے سچا کون ہے۔ اگر حضرت ممدوح فی الواقع مجدد نہیں تو پھر اس صدی کا مجدد کون ہے؟ وہ کیوں چھپا ہوا ہے اور کیوں میدان میں آ کر دعوےٰ نہیں کرتا۔ حضرت مسیح موعود کی قبولیت دنیا میں پھیل رہی ہے مگر علماء کا مزعومہ مجدد ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اور ظاہر ہو کر یہ نہیں کہتا کہ مجدد وقت تو میں ہوں تم خواہ مخواہ مرزا غلام احمد کو مان کر گمراہ ہو رہے ہو آج تک کسی اور شخص کا دعوےٰ مجددیت نہ کرنا ثابت کر رہا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ ہی اس صدی کے مجدد ہیں۔ (باقی ۔۔ باقی)

تبصرہ:

(۱) الاحمدیت (انگریزی)

ہمارے محترم بھائی شیخ محمد طفیل ایم۔ اے کی تازہ تصنیف ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے جناب سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "قادیانیت" کا تجزیہ کیا ہے اور انہوں نے حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پر جو نکتہ چینی کی ہے اس کا مدلل جواب دیا ہے۔ دفتر انجمن سے مفت مل سکتی ہے۔

(۲) النبوۃ فی الاسلام

ختم نبوت پر حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ کی نادر تصنیف احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے دوبارہ شائع کی ہے۔ اس بلند پایہ تصنیف میں مولانا مرحوم نے قرآن و حدیث، کتب تفسیر، علمائے امت کے ارشادات اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد زمان کی تحریرات سے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہے۔ آخر میں محترم شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کا تتمہ درج ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ تعداد میں اہل علم تک پہنچایا جائے۔

قیمت بلا جلد ساڑھے چھ روپے۔ مجلد دس روپے

ملنے کا پتہ: دارالکتب اسلامیہ۔ احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

جلسہ سالانہ ۱۹۷۴ء کی مختصر روئداد

تیسرا روز ۲۹ر دسمبر

جلسہ سالانہ کی اس آخری نشست کا آغاز زیر صدارت الحاج شیخ محمد طفیل صاحب تلاوت قرآن مجید اور نظم سے ہوا۔ اس نشست کے پہلے مقرر محترم بشارت احمد صاحب بقاء تھے۔ انہوں نے ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمة۔ انک انت الوھاب پڑھنے کے بعد فرمایا :—

مجھ سے پہلے ولولہ انگیز تقریریں ہو چکی ہیں۔ وقت کا تقاضا یہی تھا۔ کہ ان ارشادات کا ذکر ہوتا جو امام زمانہ نے ہمارے زمانہ کے لئے خصوصیت سے فرمائے ہیں۔ حضرت مسیح زمان مرزا غلام احمد صاحبؒ ایک عظیم ہستی ہیں۔ اگر دنیا انہیں نہیں مانتی تو یہ کوئی نئی بات نہیں، خدا تعالے کو محمد صلعم سے بڑھ کر اور کوئی محبوب نہ تھا۔ مگر ان کی بھی شدید مخالفت ہوئی۔ جب ایسے برگزیدہ رسولوں اور ان کی جماعتوں کے ساتھ مخالفین نے بُرا سلوک کیا تو پھر ہمیں موجودہ مصائب سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ دشمنوں نے محمد رسول اللہ صلعم کی تباہی کے منصوبے بنائے۔ اور حضورؐ نے اخلاق و جمال اور حکمت سے مخالفین کا مقابلہ کیا اور ان کے دلوں کو بدل دیا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ ہم احمدیہ تحریک کو الٰہی تحریک سمجھتے ہیں۔ اس کی مخالفت ایک قدرتی امر ہے۔ اور اس کے مخالفین کے شوق فتویٰ بازی نے اسلام کو بڑا ضعف پہنچایا ہے۔ آپ ایک صدی پیچھے کی طرف جائیں۔ صاف نظر آئے گا کہ مسلمانوں کو عیسائیت اور دیگر غیر مسلم مذاہب کے مشنریوں کی یلغار سے بچانے کے لئے احمدیہ تحریک ایسی تحریک کی ضرورت تھی جو نہ صرف اسلام کا دفاع کرے بلکہ حملہ آور مشنریوں کے اپنے مذاہب اور عقائد کا باطل ہونا ثابت کرے۔

آپ نے اسلام کے بتدریج اضمحلال اور مسلمانوں کی عملی زندگیوں سے اس کے خارج ہونے کی تاریخ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ شہنشاہ اکبر کے زمانے ہی سے خود مسلمان اسلام سے برگشتہ ہونے شروع ہو گئے تھے۔ جناب مولانا مودودی صاحب تجدید احیائے دین میں لکھتے ہیں کہ :

"اکبر کے دربار میں یہ رائے عام تھی کہ اسلام بدوؤں کا مذہب تھا۔ مہذب لوگوں کا نہیں تھا۔ مزید براں عقائد اسلام کا دربار میں علانیہ مذاق اڑایا جاتا تھا۔ شعائر اسلام کی ہتک کی جاتی تھی اور سُؤر کو حلال بتایا جاتا تھا۔ اس فتنہ کے خلاف صرف حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ نے آواز بلند کی۔ دنیا پرست علماء کو اس کی توفیق نہ ملی اور وہ سب گوشۂ عافیت میں سوئے رہے"۔ اسی زمانہ کے مسلمانوں کی غفلت اور دردناک حالت کے ثبوت میں آپ نے مسدس حالی کے چند اشعار پیش فرمائے اور کہا ایسے مایوس کن حالات میں خدا تعالےٰ ایک ناخدا کو کھڑا کر دیتا ہے اور وہ اُٹھتا ہے اور ناخدائی کا حق ادا کرتا ہے اور کشتی اسلام کو طوفان سے بچا لے جاتا ہے۔ وہ دشمنانِ اسلام کے ارادوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ بقا صاحب کی تقریر بڑی عمدہ، مدلل اور پُر تاثیر تھی جو موصول ہونے پر مکمل شائع ہوگی انشاء اللہ تعالےٰ۔

محترم نجیب اللہ صاحب از ہالینڈ } اس کے بعد ہالینڈ سے آئے ہوئے محترم نجیب اللہ صاحب نے بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور کہا کہ کٹر عیسائی ملک میں ہم رہتے ہیں۔ مگر میں اور عبدالرحیم جگو صاحب ہم دونوں مل کر کچھ نہ کچھ کام کر رہے ہیں۔ اور پبلک کو نیز اپنی اولادوں کو اسلام کی تعلیم سے روشناس کرانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس اجتماع میں شامل ہو کر اور دوستوں سے مل کر ہمیں بڑی خوشی ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ محترمہ مسز نجیب اللہ صاحبہ نے بھی مختصراً کہا کہ آپ بھائی بہنوں سے مل کر مجھے بڑی مسرت ہوئی ہے اور میں نے بڑا اچھا اثر لیا ہے۔ آپ سب ہمارے لئے دُعا کریں کہ ہم بھی اپنے وطن میں دین اسلام کی خدمت کر سکیں۔ محترم عبدالرحیم جگو صاحب نے اپنی تقریر میں خاص طور پر شبان الاحمدیہ کے ارکان اور دیگر احمدی نوجوانوں کی بڑی تعریف کی۔ اور فرمایا کہ انہیں آئندہ کی قیادت سنبھالنے کے لئے تیار کرنا چاہیئے۔

ان کے بعد عبدالحفیظ صاحب نائب صدر شبان الاحمدیہ اور اس کے پروگرام کا تعارف کراتے ہوئے مختصراً فرمایا کہ ہم اپنے بزرگوں کی روایات کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں اور ان کی راہنمائی سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

ان کے بعد محترم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب نے بڑی پُر مغز فاضلانہ اور مدلل تقریر فرمائی۔ جس میں انہوں نے غلبۂ اسلام کے سلسلہ میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی خدماتِ جلیلہ کا ذکر کیا۔ مکمل تقریر الگ شائع ہوگی۔

محترم حافظ شیر محمد صاحب } جناب فاروقی صاحب کے بعد محترم حافظ شیر محمد صاحب خوشابی نے جماعت فجی کی جانب سے سب دوستوں کو السلام علیکم کہنے کے بعد اپنی تقریر شروع کی اور ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین سے استدلال کرتے ہوئے حضور محمد رسول اللہ صلعم کے ہر لحاظ سے خاتم النبیین ہونے پر محکم دلائل سے مفصل روشنی ڈالی۔ نیز بتایا کہ جس طرح جسمانی علاج کے لئے مستند حکیم و ڈاکٹر کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح روحانی علاج کے لئے بھی آسمانی طبیب یعنی نائب رسول کا ہر صدی میں آنا ضروری ہے۔ جس کے پاس آسمان کی سند ہو، آپ نے کہا کہ جس طرح درآمدہ مشینری کے ساتھ ہدایت نامہ اور انجنیئر بھی ساتھ آتے ہیں اسی طرح روحانی مشینری کو درست رکھنے کے لئے خالق کائنات نے محمد رسول اللہ صلعم پر ہر قسم کی نبوت ختم کر دینے کے بعد مجددین کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ جو روحانی امراض کی تشخیص کرتے اور ان کا علاج کرتے ہیں۔ آپ نے قرآن کریم اور حدیث مجدد سے ثابت کیا کہ خلیفے اور مجدد قیامت تک آتے رہیں گے۔ جو نائب رسول کا کام کریں گے۔ اور محمد رسول اللہ صلعم کی ختم نبوت پر شاہد بھی ہوں گے (حافظ صاحب کی مکمل تقریر موصول ہونے پر شائع کی جائے گی۔)

محترم عبدالرحیم جگو صاحب کی تقریر } آپ نے ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار پڑھ کر فرمایا۔ میں سب سے پہلے آپ بھائیوں کو السلام علیکم کہتا ہوں۔ اور ساتھ

(بسلسلہ صفحہ ۷)

یہ عوام جنہیں وہ کالانعام تصور کر کے آج بے وقعت بنا رہے ہیں اُٹھیں گے اور اس استحصال کا خوفناک بدلہ ان سے لیں گے۔

جب مذہب کے نمائندوں کی یہ حالت ہو تو ایسے مذہب کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات بھڑکانا اور بھڑکنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ یہ ذکر میں کر آیا ہوں کہ توریت اور انجیل میں انسانی مسائل کا کوئی حل نہیں اس لئے اگر روسی عوام نے مذہب کے خلاف احتجاج کیا اور کہا کہ جو مذہب انسانوں پر ظلم و ستم روا رکھتا ہے اس سے کیوں نہ نجات حاصل کی جائے تو میں ان کو اس میں حق بجانب ٹھہراؤں گا اس مذہب سے جو خدا کے ایک برگزیدہ نبی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے ہاتھوں مصلوب کرا کے انہیں لعنتی ٹھہرا کر کفارہ جیسے مذموم عقیدہ پر اپنی بنیاد استوار کرتا ہو اور اس کے ذریعے گناہ کی زندگی کے راستے کھولتا ہو اس سے رہائی پانا عین ثواب ہے مگر غضب یہ ہوا کہ مذہب کے ساتھ انہوں نے اپنے خالق مالک رحمٰن و رحیم خدا کے وجود کو بھی جھٹک دیا کیونکہ ایسے خدا کا تصور انکے ہاں مفقود تھا اور جس خدا کا نمائندہ ان کے مذہبی پیشوا اپنے آپکو پیش کرتے تھے وہ انکے لئے کوئی قابلِ قبول ہستی نہ تھی۔

خدا کی یہ ستم رسیدہ اور زخم خوردہ مخلوق بڑی کڑی آزمائش میں تھی۔ ملال کی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے وجود کی جو شہادت قرآن کریم نے پیش کی تھی، مسلمان خود اس سے آگاہ نہیں تھے وہ دوسروں کے سامنے کیا پیش کرتے۔ چنانچہ روس کا انقلاب بھی خون کے دریا میں سے ہو کر گذرا۔ معاشرہ دو طبقات لینڈ دا اور پرولتاریہ میں بٹ گیا۔ پرولتاریوں نے لینڈ دا کو نیست و نابود کر دیا۔ یہ خونین انقلاب بھی تاریخ کا ایک دردناک باب ہے۔ اس طرح روس میں "سرخ سویرا" کا طلوع ہوا۔ وہاں ایک نئے معاشرہ کی بنیاد پڑی جو خالصتاً مادی تھا۔ اس کی لپیٹ سے روسی ترکستان کی ریاستیں بھی نہ بچ سکیں۔ (باقی — باقی)

یہ معذرت بھی کرتا ہوں کہ چونکہ میری مادری زبان ڈچ ہے اس لئے اُردو میں صحیح تقریر نہیں کر سکوں گا - مختصراً اپنے حالات و واقعات بیان کرتا ہوں گذشتہ برس کے جلسہ میں جنوبی امریکہ سے ایک وفد یہاں آیا تھا - اس میں چند بھائی بہنیں شامل تھیں - وہ یہاں سے وہاں ہجرت کر کے جانے والے ہندوستانیوں کی اولاد تھے - وہی محبت اور کشش انہیں یہاں کھینچ لائی - وہ جب مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے ہو کر واپس گئے تو وہاں بڑے اچھے خیالات و تاثرات ظاہر کئے اس وفد کے ایک ایک ممبر نے احمدیہ انجمن کے مجاہدین سے ملاقات کے شوق میں اپنی جیب سے ۵-۵ ہزار روپیہ خرچ کیا اور وہ اپنے مرکز میں آپ سے مل کر خوش ہوئے - کیونکہ اس مرکز اشاعت اسلام ہی سے مبلغین نے ہم لوگوں کی وہاں پر رہنمائی کی اور عیسائیت کی یلغار سے ہمیں بچایا - اور ہمیں صحیح اسلام سے روشناس کرایا - اس کے بعد حضرت امیر مولینا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ جناب شیخ فاروق صاحب - جناب شیخ محمد طفیل صاحب - جناب بشیر احمد منٹو صاحب اور مولینا عبدالحق صاحب ودیارتھی صاحب بھی وہاں گئے اور لوگوں کو اسلام پر اکٹھا کیا - وہ لوگ اب بھی احمدی ہیں - اگرچہ ان کے آبا و اجداد ہندوستان سے ہجرت کر کے روزی کمانے مجبوراً وہاں گئے تھے - انہوں نے وہاں اسلام کو اپنے دلوں میں مضبوطی سے قائم رکھا - وہاں عیسائیوں کی تبلیغ زیادہ تھی اور وہ حضرت عیسٰی کی آسمان پر زندگی اور زمین پر دوبارہ واپسی کی دلیل حدیث سے دے کر مسلمانوں کو گمراہ کرتے تھے کتنے ہی مسلمانوں کو اسلام سے ہٹا کر عیسائیوں نے پادری بنایا - اور یہ پادری گاؤں گاؤں پھر کر مسلمانوں کو عیسائی بناتے تھے -

آپ نے اپنی تقریر میں وہاں کی انجمن احمدیہ اشاعت اسلام کے مبلغین کی پادریوں سے مباحث اور اشاعت اسلام کے سلسلہ میں ان کے کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی - اور بتایا کہ آج وہاں بہت بڑی جماعت ہے اور جماعت کے ہر فرد کے دل میں اپنا مرکز دیکھنے اور بزرگانِ جماعت سے ملنے کی زبردست تڑپ ہے - آپ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ :

بھارت کے ہندو پرچارک اور یورپ کے پادری خوش ہیں کہ احمدیوں کو ان کے اپنے ملک اور اپنے مرکز اشاعت اسلام میں مار پڑی ہے - میں کہتا ہوں - کہ اگر آپ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو مبلغ پیدا کریں - علم دین کو عام کر دیں - اشاعت اسلام کا کام ہر ملک کے لئے ہے - یہاں نہیں وہاں سہی - بزرگ باہر نکلیں اور غیر ممالک کے دورے کریں اور ان ملکوں کے احمدیوں کو سنبھالیں - محنت سے کام کریں - خدا کامیابی دے گا - میری عمر ۷۰ برس ہو گئی ہے ، مگر جذبہ زندہ ہے - خدا کے کام کے لئے میں دیوانہ ہوں - اگر آئندہ برس زندہ رہا تو آپ دوستوں کی ملاقات کے لئے پھر آؤں گا - اس دفعہ میرے ساتھ ایک اور مخلص احمدی میاں بیوی مسٹر نجیب اللہ اور مسز نجیب اللہ تشریف لائے ہیں - آخر میں آپ نے کہا کہ برٹن ہمفیٹر (یو - کے) میں مرکز تو اللہ کے فضل سے بن گیا ہے - آپ دیگر ممالک میں بھی مشن قائم کرنے کی کوشش کریں -

محترمہ صفورہ بی بی صاحبہ کا خط { محترم جگو صاحب کی تقریر کے بعد گیانا سے آمدہ محترمہ صفورہ بی بی صاحبہ کا خط پڑھ کر سنایا گیا - جس میں موصوفہ نے اپنے قیام لاہور کے تاثرات لکھے تھے - خط میں کہا گیا ہے - کہ میں نے اپنے بزرگوں کی زندگیوں کو قریب سے دیکھا ہے اور بڑی متاثر ہوئی ہوں - کہ یہ ایک چھوٹی سی جماعت اپنے محدود ذرائع اور وسائل کے باوجود اشاعت اسلام کا کتنا بڑا کام کر رہی ہے - پھر خط میں محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے بلند روحانی مرتبہ اور ان کی قربانیوں کے متعلق خاص طور پر صفورہ بی بی صاحبہ نے لکھا ہے - اور بتایا ہے کہ میں جون ۱۹۷۴ء میں ربوٹ آباد میں تھی - جب کہ وہاں ہر طرف آگ پھیل رہی تھی - آخر میں احمدی جماعت کی کامیابی کی دُعا کی ہے -

اس کے بعد مشہور مبلغ اسلام میرزا مظفر بیگ ساطع صاحب نے اپنی علالت طبع کے باوجود ایک پُر جوش تقریر فرمائی اور اپنے سابقہ تبلیغی تجربات بیان کئے - بعد میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے اختتامی دُعا فرمائی اور جلسہ اختتام پذیر ہو گیا -

---

مجیدالرشید ایم - اے ساہیوال

ایک نئے سلسلۂ مضامین کا آغاز

جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز

مطالعہ و تجزیہ

جناب غلام احمد صاحب پرویز کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں - آپ ایک لمبے عرصہ سے لگاتار اُمت مسلمہ کے افراد میں کچھ اپنے مخصوص خیالات پھیلانے میں مصروف ہیں - آپ کا انداز استدلال مسلمانوں کے لئے جذباتی اور غیر مسلموں کے لئے یکسر غیر منطقی ہوا کرتا ہے - مذاہب کا تقابلی مطالعہ ایک لمبے عرصہ تک کرنے کی وجہ سے ہمیں جناب پرویز صاحب کے افکار عالیہ سے متعارف ہونے کا شرف حاصل ہوا - خدا شاہد ہے کہ ہم نے اپنی جانب سے تمام ہمدردی کامل اخلاص کے ساتھ بغیر کسی تعصب یا حمیت کے انہیں سمجھنے کی کوشش کی ہے - ہم نے ایک دو دن یا ایک مہینے نہیں بلکہ اپنی عزیز ترین متاعِ حیات کے کئی ایک سال دن رات ان کو پڑھنے سمجھنے میں صرف کئے ہیں ، اب ہمارے کچھ مخلص احباب کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے حاصل مطالعہ کو ان کے سامنے بھی پیش کریں اور اس طرح انہیں ان واردات باطنی میں گویا شریک بنائیں - چونکہ ہمارا انداز مطالعہ خالصتاً معروضی نوعیت کا تھا لہٰذا ہماری تنقید کا انداز بھی یہی رہے گا - ہم انشاءاللہ تعالےٰ اگلی اقساط میں پرویز صاحب کی اپنی تصنیف کردہ تالیفات میں سے چند بنیادی کتب جیسے مفہوم القرآن - لغات القرآن اسلام کیا ہے ، مقام حدیث ، معراج انسانیت ، سلیم و طاہرہ کے نام خطوط ، سلسلہ معارف القرآن کی دیگر کتابوں ، از ابلیس و آدم تا معراج انسانیت و بہان فردا پر تنقیدی تبصرہ ، کا آغاز کریں گے ، ہم ہر طرح کے غلط مبحث سے بچنے کے لئے پہلے جناب پرویز صاحب کے مسلمات و معروضات کو ان کے اپنے سیاق و سباق کے ساتھ پورا انصاف کرتے ہوئے پیش کریں گے - پھر ان معروضات سے حاصل ہونے والے منطقی نتائج کو زیر بحث لائیں گے اس کے بعد ان مفروضات کا اُمتِ مسلمہ کے ماضی حال اور مستقبل پر اطلاق کریں گے اور یہ بتائیں گے کہ پرویز صاحب کے دیئے ہوئے ان افکار سے کس طرح کا مثالی انسان ، مثالی معاشرہ یا مثالی ریاست جنم لیتے ہیں -

---

آہ میاں غلام شبیر تمیم { ابھی میاں غلام عباس مرحوم کا زخم تازہ ہی تھا - کہ ہمارے بزرگ برادر طریقت میاں غلام شبیر ریٹائرڈ ایڈیشنل کمشنر بحالیات خلف الرشید حضرت میاں غلام رسول تمیم ایک طویل اور صبر آزما علالت کے بعد ۲/۳ جنوری کی درمیانی شب کو مالک حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون مرکز میں وقت پر اطلاع نہ ہو سکی جس کا سب کو افسوس ہے - تاہم لائل پور سے محترم میاں اللہ بخش صاحب اور محترم میاں ظہور احمد صاحب نے جنازہ میں شرکت فرمائی - زندگی اور موت کا لامتناہی سلسلہ اللہ تعالےٰ کی حکمتوں کا حامل ہے اور رضائے الٰہی کے سامنے سر جھکائے بغیر چارہ نہیں - اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ کے برادر عزیز میاں غلام حیدر تمیم ، مرحوم کی اہلیہ محترمہ ، صاحبزادیوں اور فرزند عزیز میاں احمد محمود سلمہ اللہ کو یہ عظیم صدمہ برداشت کرنے کی توفیق بخشے اور صبر جمیل عطا فرمائے - احباب سے درخواست ہے کہ وہ اپنے بھائی کے لئے جنازہ غائبانہ میں دعائے مغفرت فرمائیں - (مدیر)

عرفات پریس تھارنٹن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا -
ایڈیٹر : غلام نبی مسلم ایم اے

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور - ۲۲ جنوری ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل ۸۳۸ شمارہ ۴

(حضرت مجدد صد چہاردہم سلام اللہ علیہ)

سچی توحید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

"ہم بیان کر چکے ہیں کہ نجات حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین پیدا کرے اور نہ صرف یقین بلکہ اطاعت کے لئے بھی کمربستہ ہو جائے اور اس کی رضامندی کی راہوں کو شناخت کرے۔ اور جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے یہ دونوں باتیں محض خدا تعالیٰ کے رسولوں کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوتی آئی ہیں پھر کس قدر یہ لغو خیال ہے کہ ایک شخص توحید تو رکھتا ہو مگر خدا تعالیٰ کے رسول پر ایمان نہیں لاتا وہ بھی نجات پائے گا۔ اے عقل کے اندھے اور نادان[1]! توحید بجز ذریعہ رسول کے کب حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کی تو ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص روز روشن سے تو نفرت کرے اور اس سے بھاگے پھر کہے کہ میرے لئے آفتاب ہی کافی ہے دن کی کیا حاجت ہے وہ نادان نہیں جانتا کہ کیا آفتاب کبھی دن سے علیحدہ بھی ہوتا ہے۔ ہائے افسوس یہ نادان نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ کی ذات تو مخفی در مخفی اور غیب در غیب اور وراء الورا ہے اور کوئی عقل اسکو دریافت نہیں کر سکتی جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار۔ یعنی بصارتیں اور بصیرتیں اس کو پا نہیں سکتیں اور وہ ان کے انتہاء کو جانتا ہے اور اُن پر غالب ہے۔ پس اس کی توحید محض عقل کے ذریعہ سے غیر ممکن ہے کیونکہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ انسان آفاقی باطل معبودوں سے کنارہ کرتا ہے یعنی بتوں یا انسانوں یا سورج یا چاند وغیرہ کی پرستش سے دستکش ہوتا ہے ایسا ہی انفسی باطل معبودوں سے پرہیز کرے یعنی اپنی روحانی جسمانی طاقتوں پر بھروسہ کرنے سے اور ان کے ذریعہ سے عُجب کی بلا میں گرفتار ہونے سے اپنے تئیں بچاوے۔ پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ بجز ترک خودی اور رسول کا دامن پکڑنے کے توحید کامل حاصل نہیں ہو سکتی اور جو شخص اپنی کسی قوت کو شریک باری ٹھہراتا ہے وہ کیونکر موحد کہلا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے جابجا توحید کامل کو پیروی رسول سے وابستہ کیا ہے کیونکہ کامل توحید ایک نئی زندگی ہے اور بجز اس کے نجات حاصل نہیں ہو سکتی جب تک خدا کے رسول کا پیرو ہو کر اپنی سفلی زندگی پر موت وارد نہ کرے۔ علاوہ اس کے قرآن شریف میں بموجب قول ان نادانوں کے تناقض لازم آتا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو جابجا وہ یہ فرماتا ہے کہ بجز ذریعہ رسول توحید حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ نجات حاصل ہو سکتی ہے پھر دوسری طرف گویا یہ کہتا ہے کہ حاصل ہو سکتی ہے حالانکہ توحید اور نجات کا آفتاب اور اسکو ظاہر کرنے والا صرف رسول ہی ہوتا ہے اسی کی روشنی سے توحید ظاہر ہوتی ہے۔ پس ایسا تناقض خدا کی کلام کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ بڑی غلطی اس نادان کی یہ ہے کہ اس نے توحید کی حقیقت کو بالکل نہیں سمجھا توحید ایک نور ہے جو آفاقی و انفسی معبودوں کی نفی کے بعد دل میں پیدا ہوتا ہے اور وجود کے ذرہ ذرہ میں سرایت کر جاتا ہے پس وہ بجز خدا اور اسکے رسول کے ذریعہ کے محض اپنی طاقت سے کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ انسان کا فقط یہ کام ہے کہ اپنی خودی پر موت وارد کرے اور اس شیطانی نخوت کو چھوڑ دے کہ میں علوم میں پرورش یافتہ ہوں اور ایک جاہل کی طرح اپنے تئیں تصور کرے اور دعا میں لگا رہے تب توحید کا نور خدا کی طرف سے اس پر نازل ہوگا اور ایک نئی زندگی اس کو بخشے گا۔"

(حقیقۃ الوحی۔ صفحہ ۱۴۳-۱۴۴)

[1] مراد ڈاکٹر عبدالحکیم خاں جس کا عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلعم پر ایمان کے بغیر بھی نجات ہو سکتی ہے (مدیر)

محترم رحمت اللہ صاحب

شیوۂ اہلِ ایمان

(بسلسلہ اشاعت ۸ جنوری ۱۹۷۵ء)

آخرت کو کہا ہے جو تم چاہو گے ہوگا جو تم کو وعدہ دیا جاتا ہے وہ دیا جاوے گا۔ اب دوسری جگہ اس نعمت کے وعدہ کو یوں بیان کیا ہے:۔

رفیع الدرجات ذوالعرش یلقی الروح من امرہ علی من یشآء من عبادہ لینذر یوم التلاق۔

ترجمہ: درجوں کو بلند کرتا ہے وہ جو عرش کا مالک ہے اپنی روح ڈال کر اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے۔

اب دیکھو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے بھی یہ ہی کہا ہے کہ درجے بلند کرنے کا طریق تو یہ ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی بندہ پر اپنی روح ڈالتا رہے گا یعنے مکالمہ مخاطبہ کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے دوسرے لفظوں میں اولیاء اللہ اُمتِ محمدیہ میں ہوتے رہیں گے۔

اب تیسری جگہ اسی نعمت کو جس نے مسلمانوں کو ہدایت یافتہ ثابت کرنا ہے یوں بیان کیا ہے:۔

عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہٖ احدًا الا من ارتضیٰ من الرسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہٖ رصدًا۔

ترجمہ: وہ غیب کے جاننے والا ہے۔ پس اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرے گا مگر جس کو رسول میں سے پسند کرے۔

پھر یہاں پر بھی بس نہیں کی بلکہ اور تفصیل کر دی کہ ہم اس کے آگے اور پیچھے حفاظتی بھی مقرر رکھیں گے تاکہ وہ جان لیں یعنی یقین کر لیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اب میرے پیارے بہادر نوجوانو حق کے طالبو کس قدر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اُمتِ محمدیہ میں جو غیب جاننے والا اولیاء اللہ جو اُمتِ محمدیہ کو امتیازی خصوصیت دینے والا ہوگا اس کی حفاظت بھی میرے ذمہ ہے۔ اب پھر چوتھی جگہ یوں بیان کیا ہے:۔

فعسی اللہ ان یاتی بالفتح او امر من عندہٖ فیصبحوا علیٰ ما اسروا فی انفسھم ندمین۔

ترجمہ: اے مسلمانو عنقریب اللہ تم کو فتح دے گا یا میری طرف سے کوئی تم میں امر آئے جس کی وجہ سے وہ مخالف شرمندہ ہو جاویں گے۔

حضرات حق کی تلاش کرنے والوں کو غور کرنا چاہیئے، یہ امر جس کی یہاں پیشگوئی کی گئی ہے یہ کوئی فضیلت ہے جو مسلمانوں کو دی جائے گی۔ جس کی وجہ سے وہ مخالف شرمندہ ہو جائیں گے۔ یہاں پر حکومت دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ امر بھی ثابت کرتا ہے کہ یہ مجدد اور امام زمانہ ہے جس کے ساتھ اللہ ہمکلام ہوتا رہے گا۔ یہ ہی دعوےٰ حضرت مرزا غلام احمد صاحب امام الزمانؑ نے کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ڈاکٹر ڈوئی عبداللہ آتھم اور لیکھرام مقابلے پر آئے۔ پھر ان کے شکست کھانے سے ان کے پیرو شرمندہ ہو گئے۔ دیکھو حق کے طالبو! مرزا غلام احمد صاحبؒ نے اسلام کو روحانی بحث سے غالب کر دیا ہے۔ اب ہم قرآن مجید کی رو سے ہی فتوےٰ پوچھتے ہیں، جو امر اسلام کے مخالفوں کو شرمندہ کر دے گا۔ اس کے نہ ماننے والوں کو کیا کہا جائے گا۔ حضرات سنو:۔

یضل بہٖ کثیرًا ویھدی بہٖ کثیرًا وما یضل بہٖ الا الفسقین ۝ الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہٖ ویقطعون ما امر اللہ بہٖ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولٰئک ھم الخاسرون ۝

ترجمہ: بہت اس کے ساتھ گمراہ ہوتے ہیں اور بہت ہی اس کے ساتھ ہدایت پا جاتے ہیں اور نہیں گمراہ ہوتے ساتھ اس کے سوائے گنہگاروں کے جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں بعد مضبوط کرنے کے اور قطع تعلق رکھتے ہیں جو اللہ کا امر ہے اس سے اور بجائے ملانے کے اور فساد کرتے ہیں بیچ زمین کے، یہ لوگ ہیں گھاٹا پانے والے۔

میرے پیارے نوجوان بہادرو حق کی تلاش کرنے والو دیکھو غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمجھانے کے لئے کتنے پیرایوں میں ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ کے امر کا جس نے اسلام کو امتیاز بخشا ہے کبھی اس امر کو اپنی نعمت کہا ہے کبھی فرشتے اترتے رہیں گے اس پر کہا ہے۔ کبھی کہا ہے میں اس کو غیب بتاؤں گا کبھی کہا ہے اگر حکومت تم کو نہ دی گئی تو اللہ تم میں ایسا امر بھیجے گا جس سے تمہارے مخالف شرمندہ ہو جاویں گے۔

پھر یہ بھی قرآن مجید نے فتوےٰ دیا ہے کہ جو لوگ اس امتیازی امر سے قطع تعلق رکھیں گے یعنی اس کے ساتھ اختلاف کریں گے وہ ہی گمراہ ہوں گے وہ ہی فاسق ہوں گے وہی اللہ کا عہد توڑنے والے ہوں گے اور وہ فساد کریں گے زمین میں۔ اب دیکھو کون زمین میں فساد کرتا ہے۔

احمدی مسلمان قرآن مجید کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ ہرگز فساد نہیں کرتے احمدی مسلمان اپنے امام الزمانؑ کی ہدایت کی وجہ سے فساد نہیں کرتے۔ بلکہ جب ان آیات کو غیر مذہب کے سامنے تبلیغ کے وقت پیش کرتے ہیں تو وہ ہمارے سامنے کوئی دین کی بات پیش نہیں کر سکتے۔

مرزا غلام احمد صاحبؒ نے قرآن مجید کے بتائے ہوئے اصولوں پر تبلیغ کر کے ثابت کیا ہے کہ اسلام دنیا میں اخلاق اور اپنے سچے دلائل سے دنیا میں پھیلا ہے غیر احمدی مسلمانوں کے اس موجودہ عمل نے تو یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام زبردستی پھیلا ہے۔ یہ عمل جو غیر احمدی مسلمان موجودہ وقت میں کر رہے ہیں یہ قرآن مجید کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن مجید میں کہاں لکھا ہے کہ تم غیر مسلموں کے گھر جلا دو۔ قرآن مجید میں تو یہ کہا گیا ہے کہ دین میں کوئی جبر جائز نہیں ہے قرآن مجید تو یہ اصول تبلیغ کے لئے بتاتا ہے:۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے رستے کی طرف بلاؤ تو حکمت اور دانائی سے بلاؤ اور وعظ اچھا کرو اور اچھے اچھے دلائل پیش کرو۔ اب دیکھو جو غیر احمدی مسلمان ہیں ان کا موجودہ عمل جو احمدی مسلمانوں سے کیا ہے قرآن مجید کی کس آیت کے مطابق ہے یاد رہے ان کا کوئی عمل بھی قرآن مجید کے مطابق نہیں ہے۔ وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین ء اسلمتم فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلغ۔

ترجمہ: کہہ دو تم ان لوگوں کو جو اہلِ کتاب ہیں اور امیوں کو کہ تم فرمانبردار بن جاؤ اگر وہ فرمانبردار ہو گئے تو وہ ہدایت یافتہ ہو گئے اگر وہ پھر گئے تو تمہارا کام پیغام کا پہنچا دینا ہی ہے۔

میرے نوجوان بہادرو جب اللہ تعالیٰ تو یہ کہے کہ تمہارا کام میرا پیغام پہنچا دینا ہی ہے۔ مگر غیر احمدی مسلمان لوگوں کے گھروں کو آگ لگائیں اور لوگوں کے گھروں کو لوٹیں اور لوگوں کو جانوں سے ماریں تو یاد رہے یہ عمل احمدی مسلمانوں کو کبھی پریشان نہیں کر سکتا۔ مجھے امید ہے احمدی مسلمان اپنے امام الزمانؑ کے نقشِ قدم پر ثابت قدم رہیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس آزمائش کو صبر سے برداشت کریں گے۔

یاد رہے یہ مشکلات اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے جب مسلمانوں کو کوئی مشکلات آئیں تو تم نے صبر اور نماز کو قائم کر کے اللہ کی مدد حاصل کرنی ہوگی۔

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۲۹ جنوری ۱۹۷۵ء

تعزیراتِ پاکستان میں وضاحتی ترمیم

۱۹ جنوری کے انگریزی روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور کی اطلاع ہے کہ پاکستان نیشنل اسمبلی میں جناب ملک محمد اختر صاحب نے تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵-الف میں ایک وضاحتی اضافہ کی تجویز پیش کی ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے :۔

" جو مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے خلاف جس کی وضاحت آئین کی دفعہ (آرٹیکل) ۲۶۰ کی شق (کلاز) ۳ میں کی گئی ہے - اعتقاد رکھے، عمل کرے یا تبلیغ کرے گا وہ قانون کی رُو سے مستوجب سزا ہوگا۔"

قومی اسمبلی کا یہ اقدام ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی متعلقہ ترمیم کا قدرتی نتیجہ ہے ۔ختم نبوت دینِ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اسلام کا مقصد ایک مربوط اور غیر منقسم معاشرہ قائم کرنا ہے - ایک عالمگیر خُدا، ایک کامل عالمگیر کتاب، اور ایک کامل عالمگیر اسوۂ حسنہ، تمام اس امر کے آئینہ دار ہیں کہ انسانوں کو ایک بار پھر ایک دین اور نظامِ حیات میں جکڑ دیا جائے -اور اس طرح عالمی اخوت، مساوات اور انصاف پر تمام انسانوں کو متحد کر دیا جائے، ختم نبوت کو اس نظام میں مرکزی مقام حاصل ہے - قرآن و حدیث اس حقیقت کے مؤید ہیں - اس اُمت کا اس پر اجماع چلا آیا ہے - اور گو مختلف زمانوں میں بعض طالع آزماؤں نے اس چٹان سے سر ٹکرایا لیکن مصلحت خداوندی نے انہیں ہمیشہ ناکام و نامراد کیا۔

تعزیرات و تشدد لیکن ہمیشہ کی طرح آج بھی یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ دنیا میں اعمال و افعال پر تو تعزیر چل سکتی ہے مگر افکار و عقائد کی دنیا میں تعزیر و تشدد کبھی کارگر و موثر نہیں ہوا۔ عقائد کی جنگ ہمیشہ ہر قوم اور ہر دور میں رہی ہے اور کوئی ایک گروہ، یا حکومت قوت کے بل بوتے پر کمزور سے کمزور گروہ سے عقائد کی جنگ نہیں جیت سکی، اور اس حقیقت کو جتنی جلدی قبول کر لیا جائے گا - حصول مقصد میں اتنا قدر زیادہ سہولت ہوگی۔

یہ واضح حقیقت ہے کہ خوف منافقت تو پیدا کر سکتا ہے مگر دلوں میں تبدیلی نہیں لا سکتا، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

دل دریا سمندروں ڈُونگھے کون دِلاں دیاں جانے ہُو

سلطان العارفینؒ کا مفہوم تو معرفت الٰہی سے تعلق رکھتا ہے لیکن بادی النظر میں ہم جانتے ہیں کہ عقیدے کا تعلق دل سے ہے، اور جب تک انسان دِل کا بھید زبان سے ظاہر نہ کرے وہ قانون کی گرفت سے آزاد رہ سکتا ہے - اس ضمن میں آپ خود مسلمان فرقوں کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے - دَور اوّل ہی میں خوارج، اثنا عشریوں اور اسماعیلیوں نے سوادِ اعظم سے اختلاف کیا، اموی اور عباسی حکمرانوں نے انہیں مٹانے کے لئے قتاوی کفر سے شمشیر خون آشام تک تمام حربوں کو آزمایا - لیکن کون جیتا ؟ تشدد کے باوجود تیلیوں ہی نہیں بیسیوں دیگر فرقے قائم ہیں - جب ان پر مساجد کے دروازے بند ہوئے تو انہوں نے اجتماع کے لئے امام باڑوں اور جماعت خانوں، خانقاہوں، تکیوں، زاویوں کو تقدس بخشا، تقیہ اور کتمان عقیدہ کو رکنِ ایمان بنایا) در پردہ اپنا مشن جاری رکھا، حکومت کے حربوں کو ناکام کر دیا - اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے دین کو بگاڑ دیا - اور اس تشدد کا جو پھل امت مسلمہ نے کاٹا اور اس "تیر بہدف" "سہل ترین" نسخہ سے انسانیت کو جو نقصان پہنچا وہ ایک المناک داستان کا خوفناک باب ہے - حالانکہ اگر اسلامی حکومتیں صرف مسلمان کہلانے والوں کے غیر اسلامی اعمال کو تعزیرات میں جکڑتیں، اعمال بد اور سیئات پر گرفت کرتیں، شریعت کو سختی سے نافذ کرتیں اور عقائد میں لچک رہنے دیتیں تو نہ اُمت مسلمہ میں کبھی اخلاقی انحطاط آتا - نہ کبھی فرقہ بندی ہوتی نہ سازشیں ہوتیں اور عقاید کا اختلاف تبادلہ علم و براہین کی آزادی کی موجودگی میں ہمیشہ اعتدال پر رہتا۔

تشدد و تعزیر مسلمانوں ہی میں نہیں - دوسرے مذاہب و اقوام میں بھی ناکام رہے ہیں - سیاسی میدان میں آپ سوشلزم اور کمیونزم کو لیجئے - دنیا بھر کی سرمایہ پرست حکومتیں انہیں مٹانے کے درپے چلی آئی ہیں - لیکن بُری طرح ناکام رہی ہیں، اور یکے بعد دیگرے اکثر ممالک نے اشتراکیت کو اپنا لیا ہے - خود پاکستان نے روز اول سے اشتراکیوں پر پابندیاں عائد کر رکھی ہیں - لیکن آج ۲۷ سال کی تدفن کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس مُلک کے نظم ونسق پر مسلط ہو چکے ہیں، ان کی دہریت، مذہب سے بیزاری اسلام دشمنی اور روایات سے نفرت ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکی، اور وہ اپنے مقصد کی تعلیم کے لئے کمال دانائی اور حکمت عملی سے ملک کی مذہبی، سماجی، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں شرکت کرکے اپنے ڈھب پر لاتے رہے ہیں - حتّٰی کہ اس ملک کا نوجوان طبقہ اپنی قومی اور سماجی قدروں سے متنفر و بیگانہ ہوکر اشتراکی سوفسطائیت کے چنگل میں گرفتار ہو چکا ہے -

پھر اس ملک اور دنیا کی غیر اسلامی تحریکوں کو دیکھئے، دنیا بھر میں صدیوں پر پھیلی ہوئی خونریزی، ہندو مت، بدھ مت، جین مت، عیسائیت، یہودیت اور دیگر مذہبی احزاب کو مٹا نہیں سکی، خود عیسائیوں اور دیگر مذاہب کی داخلی حرب عقاید ایک دوسرے کو مٹانے میں قاصر رہی بلکہ ہوتا یہی ہے کہ جب ایک فرقہ یا گروہ عددی لحاظ سے بڑھ جاتا ہے تو پھر اس کے "کفریہ" عقاید مخالفین کی نظروں میں احترام حاصل کر لیتے ہیں -

آج سب کو معلوم ہے کہ کچھ مسلمان صحابہ کرام کو منافق و مرتد جانتے ہیں اور تبراء کرتے ہیں - لیکن دوسرے مسلمان ان کی تعداد کے پیشِ نظر انہیں برداشت کرتے ہیں باوجودیکہ انہوں نے دوسرے مسلمانوں سے اپنی دینیات اور تاریخ کو الگ کر لیا ہے - گویا کہ دونوں کا دین اور روایات الگ الگ ہیں - اور خود حکومت وقت ان کے جداگانہ عقاید و اعمال کی محافظ ہے - بعض لوگ علانیہ قبر پرستی، تعزیہ پرستی اور پیر پرستی کا شکار ہیں - ایک گروہ احادیث و سنت نبوی کا منکر ہے - اور ایک گروہ دہریت اور اسلام دشمنی کے باوجود قانون کی نظروں میں اُمت کے جسم کا اٹوٹ انگ ہے۔

ہمیں اس ملک اور قوم سے محبت ہے ہم نے حادثہ کا پتور سے لے کر قیام پاکستان تک اور بعد میں بھی بحیثیت جماعت ہرگونہ قربانی دی ہے - اور ہمیں ہر وہ شخص عزیز ہے جو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان رکھتا ہے - اس لئے ہم دل سے آرزومند ہیں - کہ مسلمان ختم نبوت، وحدت اُمت اور اتحاد عالم انسانیت کے خدائی مقصد کے لئے یک جان ہو جائیں اور غلبہ دین کے لئے مل کر کام کریں۔

جماعت ربوہ ہم جماعت ربوہ سے مایوس نہیں انہوں نے اپنے لئے عجیب پوزیشن اختیار کر رکھی ہے - وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں - قرآن کریم کو مانتے ہیں، اس کے تمام حکموں پر ایمان رکھتے ہیں - اسلام کے بعد کوئی دین نہیں آئے گا - لیکن جب یہی اعلان کوئی دوسرا مسلمان کرتا ہے - جو ان کی جماعت میں شامل نہیں تو اس کا نام کافر رکھتے ہیں، اگر اسی خدا، رسول، کتاب پر ایمان لاکر حضرت مرزا صاحب اور جماعت ربوہ کے لوگ مسلمان کہلا سکتے ہیں - اور حضرت مرزا صاحب قرآن حکیم پر عمل کر کے خدا رسیدہ ہو سکتے ہیں، تو کوئی دوسرا مسلمان اس پر ایمان لاکر اور عمل کرکے کیوں کافر ہو سکتا ہے ؟ مجھے یقین ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب کے ارشاد کے مطابق جماعت ربوہ کا ہر شخص تین دفعہ نہیں ایک ہی دفعہ حضرت مرزا صاحب کی کتب کو پڑھ جائے تو ختم نبوت کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا۔

برادرانِ ربوہ نے "ختم" اور "آخری" کے جو معنے "اُوپر کی جانب" ختم اور آخری کر رکھے ہیں وہ شرمناک حد تک مضحکہ خیز ہیں اور قرآن، حدیث، لغت، محاورہ زبان اور خود حضرت مرزا صاحب کی ایک دو نہیں صدہا تحریروں کا منہ چڑانے کے مترادف، اور اس طرح کھینچ تان کر اُمت میں قیامت تک صرف "ایک انوکھا نبی" لانے کے لئے اجرائے نبوت کا جو فتنہ کھڑا کر رکھا ہے - اس سے نئے قانون کی روشنی میں جماعت ربوہ ایک چکر میں پڑ جائے گی، یا تو انہیں حقیقی نبوت سے انکار کرکے "خانہ ساز نبوت" کی تبلیغ کے لئے غیر مسلم اقلیت ہونے کا اعلان کرنا ہوگا اور اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں تو پھر انہیں اعلان کرنا ہوگا کہ ہم مسلمان ہیں - اور اسی مفہوم میں ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں - جو آئین کا تقاضا ہے - اس طرح اجرائے نبوت کے غیر

اسلامی عقیدہ سے دستبردار ہوتا ہوگا اور حضرت صاحب نے جہاں جہاں اپنی تحریروں میں لغوی، جزوی، ناقص، مجازی وغیرہ نبی کا لفظ استعمال کیا ہے اسے حضرت صاحب کے فرمودہ کے مطابق کٹا ہوا سمجھ کر اس کا حقیقی مترادف اصطلاحی لفظ "محدّث" اپنانا ہوگا۔

سوادِ اعظم } اس کے ساتھ ساتھ ہم تمام مسلمان فرقوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ بھی ختم نبوّت کو کماحقہٗ تسلیم کریں اور اس عقیدہ کو ترک کر دیں کہ ایک پرانا نبی آسمان پر بیٹھا ہوا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد آئے گا۔ اور جس اُمت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات اور قوتِ قدسی درست نہیں کر سکے گی اسے وہ نبی آکر راہِ ہدایت پر لے آئے گا۔ اس عقیدہ میں ہمارے پیارے نبی صلعم کی ہتک ہے اور یہ بات ختمِ نبوّت کے منافی ہے۔ اب اس اُمّت کی اصلاح تاقیامت آنحضرت صلعم کے خادم امتی اولیاء اللہ ہی پہلے کی طرح کرتے رہیں گے۔ نہ ہی اس امت میں معصوم امام آئیں گے، جن کا رتبہ انبیاء سے بڑھ کر ہوگا۔ یہ بھی ختم نبوّت کے خلاف ہے۔ نہ ہی کوئی ایسا ولی اللہ آئے گا جس کا ماننا جزوِ ایمان ہوگا۔ ایمانیات کا دائرہ قرآن تک محدود ہے۔ اس کے علاوہ اب ضروری ہے کہ علماء فرقہ بندیوں کو ترک کر دیں، ختم نبوّت پر ایمان رکھنے والوں کو مسلمان قرار دیں۔ اُمت کے تمام بزرگوں کا احترام کریں اور بالخصوص ان اہل اللہ کو نیکی سے یاد کریں جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں دین کی خدمت کی۔

حکومت سے التماس } حکومت نے آئین میں ۷ ستمبر کو جو ترمیم کی یا آئندہ اس کے ذیل میں جو قدم اُٹھانا چاہتی ہے ہم اصولاً اس کے مؤید ہیں، لیکن حکمرانوں کے لئے تحمل، دور اندیشی اور وسیع القلبی درکار ہوتی ہے۔ ہماری جماعت حقیقی معنوں میں ختم نبوّت پر ایمان رکھتی ہے۔ ہم کم از کم ساٹھ سال سے ختم نبوّت کے حق میں جماعت ربوہ سے لڑ رہے ہیں اور ہماری کتابیں اور اخبارات اس پر گواہ ہیں۔ ہم حلفیہ اعلان کرتے ہیں کہ اگر ہمیں اس امر کا ذرّہ بھر بھی یقین ہو کہ حضرت مرزا صاحب نے قرآن کی اصطلاح میں اپنے لئے لفظ نبی استعمال کیا تھا، یا آپ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد ختم نبوّت کے منکر تھے تو ہم ایک لمحہ بھی ان سے وابستہ نہ رہیں۔ ہمارے متعلق زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ہم غلطی خوردہ ہیں تو ہم علمائے حق اور انصاف پسند اربابِ حکومت سے پوچھتے ہیں کہ اگر ہم غلطی کھا کر بھی ختم نبوّت پر ہی ایمان رکھتے ہیں تو اس میں اسلام اور اُمّت کا کیا بگڑا اور ہمارے خلاف فدغن کیسی؟ پھر حکومت کو یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ تعزیر سے اصلاحِ عقائد کبھی نہیں ہوئی۔ ماضی میں حکومتیں اس ضمن میں ناکام ہو چکی ہیں۔ اس لئے جہاں تک عقائد کا تعلق ہے حکومت کو چاہیئے کہ وہ اہلِ علم کی اعانت سے ختم نبوّت پر تحقیق کرائے، اور قرآن حدیث اور گذشتہ مفسرین و محدثین کی تحریروں کی مدد سے علمِ کلام کی تدوین کرائے۔ تاکہ اُمت میں یک جہتی فکر و عمل پیدا ہو۔ دوسری طرف حکومت فکر و عمل میں ہم آہنگی کے لئے دینی تعلیم و تدریس کا نظام اپنے ہاتھ میں لے، دینی تعلیم کو وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرے اور اسے اس نصاب سے آزاد کرے جو صدیوں پہلے کے فرسودہ نظریات، افکار اور تحقیقات پر مبنی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے۔ کہ جو باتیں تفرقہ کو ہوا دیتی ہیں ان کے خلاف تعزیری اقدامات کئے جائیں مساجد کی علیحدگی نمازوں کی علیحدگی، اہلِ اسلام کے درمیان باہمی شادیوں پر پابندیاں، جنازوں سے علیحدگی، الگ قبرستان، باہمی تکفیر، سب حربِ عقائد کی پیداوار ہیں اور عملاً ہر فرقہ نے یہ ثابت کر رکھا ہے کہ ہر فرقہ کا نبی قرآن اور خدا الگ الگ ہے۔ یہی وہ باتیں ہیں جو دقیانوسی ذہنوں کی پیداوار ہیں، جنہوں نے اُمتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ جن کے سامنے حکومتیں بے بس ہیں اور جن کی بدولت دشمن کو مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کا موقعہ ملتا ہے۔ اگر حکومت دینی امور میں مخلص ہے، تو اسے چاہیئے کہ تمام مسلمانوں کو اسلامی اوامر و نواہی پر چلنے کے لئے قوانین بنائے، اور ان تمام فتنوں کو ختم کرے، جنہوں نے اسلامی اتحاد کو کھوکھلا کر رکھا ہے، اسلامی اتحاد کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور ایک ملّت کی تعمیر و تشکیل میں مانع ہیں۔ حکومت، مُلک، عالمِ اسلام اور انسانیت کی اسی میں فلاح و بہبود ہے۔ وما ارید الا الاصلاح ما استطعت۔

بقیہ تقریر ڈاکٹر سعید احمد صاحب

کے لئے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ایک بے خبر کے لئے باخبر کا دل جوش میں آ ہی جاتا ہے۔ اور ایک اندھے پر آنکھ والے کو رحم آ ہی جاتا ہے)

حضرت مسیح موعودؑ کو رونے کی تاثیرات پر کس قدر یقین تھا یہ ان کے ان اشعار سے ظاہر ہے:۔

بگوشِ ہوش شنو از من ستمگر من ۔ کہ من گواہ بدیں کردگار خود بکنم
ز فکرِ تفرقہ باز آ بآشتی پرداز ۔ وگرنہ گریہ بر غمگسارِ خود بکنم

(اے میرے ستمگر ہوش کے کان سے سُن رکھ کہ میں اس بات پر اپنے کردگار کو گواہ ٹھہراتا ہوں۔ تو تفرقہ کے خیال سے باز آجا اور صلح کی راہ اختیار کر۔ ورنہ میں اپنے غمگسار کے آگے روؤں گا۔ تمام کینہ توزی حرارت کو برباد کر ڈالوں گا۔ جب اپنی آنکھ سے آنسوؤں کا آبشار بہاؤں گا)

میں نے ایسی بہت سی ہستیوں کی صحبت میں اپنی عمر گذاری ہے جن کے رونے سے ان کی داڑھیاں اور سجدہ گاہیں تر ہو جاتی تھیں۔ اور جن کی سیاہ راتوں کی تنہائی کی دعائیں آسمانی تقدیروں کو بدل دیتی تھیں۔ میرا اپنا وجود بھی اور اس عمر میں اس مقام پر کھڑے ہو کر تقریر کرنا اور کئی موتوں سے گذر کر بار بار زندگی پانا کچھ ایسے ہی برگزیدگان کی درد بھری فریادوں کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک لمبی داستان ہے جس کے بیان کرنے کا یہ موقعہ نہیں۔ آپ میں سے کچھ لوگ اس سے واقف ہیں۔ آپ اپنے سینوں کے اندر ذرا جھانک کر دیکھیں تو آپ میں سے اکثر جان لیں گے کہ انکی زندگیاں اور کامیابیاں اور بعض کی وسعتیں اور دولتیں کچھ ایسے ہی بندگانِ خدا کی دعاؤں اور گریہ و زاری کا پھل ہیں۔

میری بڑی خوش قسمتی تھی کہ میں نے کچھ ایسے اہل اللہ کی صحبت میں زندگی کے کچھ ایام بسر کئے ہیں جن کی دعاؤں کے جواب آتے تھے اور جن کے وجود اللہ کی ہستی پر ایسی دلیل تھے کہ اس کے بعد کسی اور دلیل کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ پیغام صلح کے ایک شمارہ میں غلام نبی مسلم صاحب نے ایک شعر لکھا تھا جسے پڑھ کر میرے دل میں کچھ ایسی ہی بزرگ ہستیوں کی یاد تازہ ہوئی!

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر ۔ کرتے ہیں خطاب آخر اُٹھتے ہیں حجاب آخر

لیکن ساتھ ہی میرے دل نے ایک خلا محسوس کیا اور غم سے بھر گیا کہ ہم میں سے ایسے لوگ اُٹھ گئے اور ان کی جگہ لینے والے پیدا نہ ہوئے۔ ان شب بیداروں کے بعد اکثریت ان لوگوں کی ہوئی جنہوں نے نمازوں کو ہی ضائع کر دیا۔ اب کہاں کی وہ شب بیداریاں اور گریہ و زاریاں۔

اس دَور میں تو رونے کو اعصابی کمزوری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور موجودہ تہذیب اور عیش کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اعصابی کمزوری کی وجہ سے آنسوؤں پر قابو نہ ہونا یا بزدلی کے نتیجے میں رونا اور ہے اور میرے موضوعِ تقریر والا رونا چیزے دیگر ہے۔ یہ وہ رونا ہے جس کی قرآن ترغیب دیتا ہے۔ اور جو انبیاء اور صلحاء کا شیوہ ہے جن کی قوتِ ایمانی۔ جرأت و استقامت نے پہاڑوں اور چٹانوں کو بھی اپنی راہ سے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ ان میں سے کوئی بھی اعصابی کمزوری کا مریض نہ تھا۔ ہماری آج کی مشکلات اور مصائب کا حقیقی اور واحد علاج بھی یہی ہے۔ اگر ہو سکے تو اس آزمودہ نسخہ کو ایک بار پھر استعمال کر کے اسکے نتائج دیکھ لیں۔

قبل اس کے کہ میں اپنی تقریر ختم کروں وہ خوش خبری بھی سنا دیتا ہوں جس کا تعلّق ہماری مشکلات اور مصائب سے ہے اور جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے جو شروع میں میں نے تلاوت کی تھی۔

"اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا"
اچھی طرح جان لو کہ اللہ زمین کو اس کے مرنے پیچھے دوبارہ زندہ کرے گا۔"

اللہ تعالےٰ ہمیں اپنے رازوں کے سمجھنے کے لئے فہم عطا فرمائے اور ہمیں اپنی رضا کی راہوں پر چلاتا رہے۔ آمین

ما مسلمانیم از فضلِ خدا ۔ مصطفےٰ مارا امام و پیشوا ۔ مسیح موعود

محمد سعید احمد ایم اے ساہیوال

مفکر قرآن جناب پرویز صاحب کے افکار کا تجزیہ

خود نمائی اور خود ستائی کا آمیزہ

تمہید ان مقالات کا اصل موضوع تو جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز کے افکار و نظریات کا قرآن حکیم کی روشنی میں جائزہ لینا ہے۔ لیکن اس سے قبل کہ ہم نفس موضوع کو شروع کریں چند ایک باتوں کو تمہید کے طور پر تحریر کرنا ضروری نظر آتا ہے۔

کسی بھی تحریک کے بانی کا آپ مطالعہ کریں یہ بات آپ کو ہر جگہ نمایاں نظر آئیگی کہ بانی کے افکار و اعمال کا تحریک پر بڑا ہی گہرا اثر ہوا کرتا ہے۔ تحریک در اصل بانی کی شخصیت کا مثنیٰ یا پرتو ہوا کرتی ہے۔ جس طرح کے سیرت و کردار کا مالک بانی ہوتا ہے ویسا ہی سیرت و کردار تحریک میں غالب و نمایاں بلکہ بڑی حد تک فیصلہ کن کردار انجام دیتا ہے۔ برصغیر کے مسلم ماضی کا اگر ہم ذرا گہرائی میں اتر کر تجزیہ کریں اور اس میں ذرا ڈوب کر اس کی تہہ در تہہ امواج کا دروں نگہی سے مشاہدہ کریں تو یہ حقیقت آپ کو بڑی ہی نمایاں نظر آئے گی کہ ماضی کی لسانی خطابت اب قلم و قرطاس کی راہ سہولت اور مقبولیت کی وجہ سے قلمی خطابت کا روپ دھار کر ہمارے سامنے آگئی۔ ہر وہ انسان جس کو ذرا قلم چلانا آگیا۔ اس نے اپنی لفاظی اور خیالی معانی مطلوبیت کی بنیاد پر لوگوں کو اپنی طرف دعوت دینا شروع کر دیا۔ اگر آپ برصغیر میں ہمارے ملی انحطاط کے بعد کے حالات کا مطالعہ کریں اور قدامت و جدت پسندی کی قوتوں کا تجزیہ کریں تو آپ کو دونوں محاذوں پر ایسے افراد کی حکمرانی نظر آئے گی جو کہ سیرت و کردار کی پختگی اور علم و عمل کی استواری کے اعتبار سے اوسط درجے کے لوگ ہوتے تھے لیکن ان کو یا تو بولنا آتا اور اس طرح اپنے بلا رسے پن کی وجہ سے لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے میں کامیاب ہو گئے یا پھر ایک لمبے عرصے کی قلمی ریاضت سے وہ قلم کے دھنی بن گئے اور اپنے قلم کے زور کی بنیاد پر بزعم خویش تجدید و اجتہاد کے خیالی منصوبے باندھ کر لوگوں کو اپنی طرف بلانے لگے۔ عوام کئی اسباب داخلی و خارجی محرکات کا تجزیہ نہ کر سکنے کی وجہ سے ان نام نہاد مصلحین کے دام میں آتے رہے لیکن ہم نے دیکھا کہ ان مصلحین نے ایک ایک کر کے ملت اسلامیہ کی فکری و عملی قوتوں کو پہلے یا تو خبط تنویم کا شکار بنایا یا پھر اسی کو مزید انتشار فکر و عمل میں مبتلا کر دیا۔ ہمارے خیال میں جناب چوہدری صاحب کا مقام و منصب ایسے ہی نام نہاد مصلحین امت کا سا ہے جو صرف چند ایک اپنے ممتاز ترین قلمکاروں کی قلمکاری سے پہلے متاثر ہوئے۔ پھر ان کے انداز نگارش کی نقالی کرنے لگے آہستہ آہستہ انہیں جناب شیخ محمد اقبال شاعر و ترجمان فلسفہ خودی کے بعض اشعار اور بعض مقولات نے ایک خاص خواب و خیال کا گرویدہ بنا دیا۔ اس گرویدگی نے انہیں ایسی پگڈنڈیوں پر چلا دیا کہ جن پر انسان جتنا آگے بڑھتا جائے اتنا ہی اسلام اور انسانیت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک چوہدری صاحب کی تمام بھاری بھرکم مؤلفات و مصنفات میں جو کچھ صحیح و صالح ہے وہ تمام کا تمام متقدمین کے ہاں موجود ہے۔ البتہ متقدمین سے صحیح لے لینے کے بعد جو اپنا اضافہ کرنے کی کوشش کی ہے وہ اگر تمام تر نہیں تو کثیر تر ضرور غلط ہے۔ چوہدری صاحب کی کتب کا سلسلہ بڑا وسیع ہے ان میں سے تازہ ترین ان کا شاہکار "شاہکار رسالت" جناب سیدنا عمر الفاروقؓ کی سیرت و کردار سے متعلق ہے اور اس سے بھی تازہ تر شاہکار کتاب ختم نبوت ہے۔ اس وقت ہم اپنے مضمون کا آغاز شاہکار رسالت سے کرنا چاہتے ہیں۔

جذبۂ خود ستائی چھوٹے آدمیوں کو بڑا بننے کا مرض بڑا ہی شدید ہوا کرتا ہے اور وہ اپنے اس جذبہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہر جگہ اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

بڑے بننے کے لئے انسان کو اتنا کام بھی بڑے بڑے کرنے پڑتے ہیں لیکن بڑے کام کرنے کے لئے جس جگر کاوی اور جگر سوزی اور اعلیٰ نصب العین کے لئے قربانی و ایثار کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ چھوٹے آدمیوں میں پائی نہیں جاتی کچھ اسی طرح کی کیفیت ہمیں چوہدری صاحب کے اندر بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی کسی نادر تحقیق و تدقیق کی وجہ سے نہ صرف تعریف کریں بلکہ عمر بھر ان کا شکر و احسان بجا لاتے رہیں۔ اس کے لئے بقول ان کے ایک نادر و عجیب کام ہوا ہے وہ ہے جناب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر کی تحقیق۔ بقول ان کے یہ ایسا کام انہوں نے کیا ہے کہ جس سے پوری ملت کی گردنیں جھک جانی چاہئیں۔ ان کے الفاظ ہیں:۔

"اس پر ان حضرات کو سجدۂ شکر ادا کرنا چاہیئے تھا کہ غلط روایات نے دامن رسالت پر جو داغ لگایا تھا اور جس کی وجہ سے دشمنان اسلام کو دریدہ دہنی کا موقعہ مل جاتا تھا اس تحقیق سے وہ داغ دھل جاتا"

(شاہکار رسالت صفحہ ۴۴۵)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ چوہدری صاحب نے یہ تحقیق کب اور کس سنہ میں کی تھی وہ کب اور کہاں چھپی تھی۔ کیا کم از کم اردو لٹریچر میں چوہدری صاحب سے قبل کسی خادم اسلام نے یہ تحقیق بعینہٖ انہی نتائج و ثمرات کے ساتھ شائع نہیں کی تھی اگر کی تھی اور ہم ثابت کریں گے کہ کی تھی تو کیا یہ وہی ذہنیت نہیں ہے جس کی اوپر نشاندہی کی گئی ہے۔ بہر حال جب تک چوہدری صاحب کی جانب سے مثبت و منفی جواب موصول نہ ہو جائے اس وقت تک آگے اس موضوع پر ہم نہیں لکھیں گے ہاں اگر ان کی جانب سے مسلسل سکوت کی پالیسی اختیار کی گئی تو مجبوراً ہم اس جبر سکوت کو توڑیں گے۔ نیز جیسا کہ چوہدری صاحب نے آگے چل کر لکھا ہے۔ آپ کی اس تحقیق کے ردّ عمل کے طور پر علماء نے ان کو منکر حدیث قرار دے دیا۔ کیا چوہدری صاحب یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ کن علماء نے صرف اس تحقیق انیقہ کی وجہ سے جو ان کی اپنی ذاتی نہیں ہے ان پر انکار حدیث کا فتویٰ لگایا تھا۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قومیں جب ایک لمبے عرصہ تک غیروں کی غلام رہتی ہیں اور اس طرح وہ اپنی ذات کو بھول کر غیروں کی تعمیر کے لئے اپنی تخریب مسلسل میں ہمہ تن مصروف ہوتی ہیں۔ اس وقت ان کے سینے تنگ زبانیں گنگ اور باہمی قدر شناسی و مروت و احسان کے اوصاف عالیہ سے محروم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ایک اور مرض جو ان میں پیدا ہو جاتا ہے وہ ہے کہ کام و محنت دوسروں کی لیکن نام ہوگا ہمارا، کام اور محنت دوسرے کریں لیکن نمود و نمائش ہماری ہو۔ قرآن کہتا ہے کہ یہود میں یہ ذہنیت بڑے عروج پر تھی۔ فرمایا لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُم بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۳/۱۸۸ یعنی جو افکار و اعمال ان سے سرزد ہوتے ہیں ان کی حقیقی قدر و قیمت لگانے کی بجائے وہ ان پر ناحق فرحت و مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ افکار و اعمال محمودہ انجام دیئے بغیر چاہتے ہیں کہ لوگ ان کو اپنا محمود بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ ذہنیت قوموں کی مزید تباہی کا سبب بنتی ہے اور ان کو شدید سے شدید اور دردناک سے دردناک عذاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اسی ذہنیت سے آج ہمیں واسطہ پڑ رہا ہے۔ صدیوں کے تنزل و تسفل کے بعد سینوں کی کشادگی نگاہ کی بلندی۔ سیرت و کردار کی پاکیزگی علم و عمل کی پختگی تو ختم ہو چکی ہے، البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنی بڑائی و کبریائی کی منڈیں بجائی جا رہی ہیں۔ اپنے تقدس و عزت مآبی کے محلوں کی تعمیر کی دھن دلوں اور دماغوں پر مسلط ہے خواہ اس کے لئے پوری کی پوری بچاری ملت مرحومہ کے جسموں کا آخری قطرۂ خون ہی کیوں نہ گرانا پڑے۔ جناب چوہدری صاحب جو منصوبہ بندی کے ماتحت آنسو بہانے کے پرانے عادی ہو چکے ہیں وہ بھی اپنی قلمکاری کی بنیاد پر ملت کی گردنیں جھکوانے کے طور پر اپنے حقیقی [illegible]

نومسلمیت

عام طور پر چوہدری صاحب کی عادت یہ رہی ہے کہ جب کبھی جماعت اسلامی کے اجتماع اساسی کا ذکر کرتے تھے تو انہیں اس میں یہ چیز سب سے زیادہ قابلِ اعتراض نظر آیا کرتی تھی کہ اراکین جماعت نے اس اوّلین و اساسی اجتماع میں اپنے نئے سرے سے ایمان و اسلام لانے کا ذکر کیوں کیا۔ اس طرح وہ نومسلم کیوں بنے اور اس سے منطقی نتیجے کے طور پر انہوں نے اپنے آپ کو نسلی مسلمانوں سے ممتاز کیوں کر لیا۔ اگر مجلّہ طلوعِ اسلام کے گذشتہ جماعت اسلامی کے خلاف لکھے جانے والے صفحات کو یکجائی نظر سے دیکھا جائے تو بہت کچھ ان میں سے اسی خیال کے گرد چکّر لگاتا نظر آئے گا۔ لیکن ہمارا تجربہ یہ کچھ ہے کہ مولانا مودودی اور جناب چوہدری صاحب موصوف ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔ ذہنیت بھی ایک ہے اور سوچ و عمل کا انداز و منہاج بھی۔ فرق و امتیاز کا سبب باہمی مخاصمت و معاصرت ہے۔

کفر ٹوٹا خُدا خُدا کرکے

خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ جناب چوہدری صاحب نے اس میدان میں بھی مولانا مودودی کی اسبقیت کو تسلیم کر لیا ہے اور اس طرح گوئے سبقت پھر مودودی صاحب کے ہاتھ میں دے دی ہے اپنی کتاب شاہکار رسالت کے صفحہ ۳۶ ـ ۳۷ پر تحریر فرماتے ہیں :-

"میرا یہ ایمان ذاتی تحقیق علم و بصیرت اور دلائل و براہین پر مبنی ہے اور اس حیثیت سے میں اپنے آپ کو نومسلم کہا کرتا ہوں"

گویا کہ مندرجہ بالا اعتراف کے بموجب چوہدری صاحب نومسلم ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی کے بانی اراکین کا آخر اس سے زیادہ کونسا جرم تھا جسے چوہدری صاحب نے آج تک معاف نہیں کیا۔ کیا اب چوہدری صاحب ذرا جراٴت کردار سے کام لیتے ہوئے اپنے سابق مقام کی وضاحت فرمائیں گے اور اگر وضاحت نہیں فرمائیں گے تو آخر اس میں اور مولانا مودودی کے طرزِ عمل میں کونسا بنیادی و اساسی فرق ہوگا کہ وہ سابق موقف سے عملاً رجوع بھی کر لیتے ہیں لیکن اسے تسلیم بھی نہیں کرتے اور اسی سے ناقد کو یہ کہنے کا موقعہ ملتا ہے کہ ان کے ہاں تضادات فکر و عمل پائے جاتے ہیں۔

اب آیئے ذرا اپنے گھر کی طرف

اب ہم اپنی عنانِ توجہ چوہدری صاحب کے ان ارشاداتِ عالیہ کی طرف پھیرنا چاہتے ہیں جو آپ نے وقتاً فوقتاً طلوعِ اسلام کے کنونشن میں فرمائے تھے اور جو اب ادارہ کی جانب سے شائع کردہ کتاب "منزل بمنزل" کی صورت میں ملتے ہیں۔ اس سے قبل کہ ہم اصل کتاب تک قارئین کو لے چلیں ایک چھوٹا سا نکتہ بیان کرنا غالباً فائدہ سے خالی نہ ہوگا جب کبھی کوئی اوسط درجہ کی سوچ و سمجھ والا انسان پرویز صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگتا ہے تو وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ کہ وہ آج تک جو کچھ سنتا چلا آیا ہے یہ دنیا اس سے بالکل الگ تھلگ ہے اور وہ قاری اس دنیا میں آگے قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے اور اسے پرویز صاحب کے ارشادات میں وزن نظر آنے لگتا ہے اگر اس کا دل مطمئن اور دماغ پُرسکون ہو جاتا ہے تو وہ لازماً یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس نے بالکل ایک نئے دین کو نئے سرے سے قبول کیا ہے وہ واقعتاً ایک نومسلم ہے۔ اس کے دل و دماغ پر یہ خیال اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ وہ اہل روایت کو نسلی و روایتی مسلمان اور اپنے آپ کو حقیقی مسلمان خیال کرنے لگتا ہے۔ یہ کچھ ہمارا ہی قیاسی و خیالی گھروندا نہیں ہے۔ یہ خیال آپ کو "منزل بمنزل" کتاب میں درج شدہ خطابات کنونشن میں سادہ زندگی کے نام سے موسوم خطاب کے آخر میں پرویز صاحب کی وضاحتی تقریر کے عنوان سے ملے گا۔ اس کتاب کے صفحہ ۳۴ پر درج ہے کہ ۱۷ر نومبر کے دن کے اجلاس میں پرویز صاحب نے وضاحتی تقریر کی جس کا لُبِّ لُباب وہاں اس ضمنی سرخی سے تحریر کیا گیا ہے

"ہم بھی دوسرے مسلمانوں جیسے ہی ہیں" (صفحہ ۳۴)

اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب بعض دوستوں نے کچھ ایسے الفاظ کہے تھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ وہ پچھلے سال سے مسلمان ہوئے ہیں تو پرویز صاحب نے ان الفاظ کو قطعاً غیر موزوں بلکہ گمراہ کُن قرار دیا تھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو بات عام انسان اپنے احساس و وجدان کی بنیاد پر کہے وہ تو قطعاً غیر موزوں اور انتہائی گمراہ کُن ہو جائے لیکن وہی بات پرویز کہے تو بالکل جائز قرار پائے۔ یہی دراصل ظاہر و باطن کا بنیادی تضاد ہے اور یہ اس بات کا غماز ہے کہ ہماری مذہبی قیادت کو عام انسان کے دین و ایمان پر اس کے اخلاقی فیصلوں اور عقلی بصیرت پر اعتماد نہیں رہا۔ یہ باہمی اعتماد کے فقدان ہی کا نتیجہ ہے ورنہ اس وقت ایک مسلمان کو پرویز صاحب اس بُری طرح نہ دھتکارتے لیکن اب ذرا شاہکار رسالت کا گذشتہ اقتباس دوبارہ ملاحظہ فرمائیں اس میں پرویز صاحب کے الفاظ یہ ہیں "اور اس حیثیت سے میں اپنے آپ کو نومسلم کہا کرتا ہوں"۔ دیکھئے شاہکار رسالت ص۳۷۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "نومسلم کہا کرتا ہوں" کا جملہ کیا مفہوم رکھتا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ نومسلم پرویز صاحب ۱۹۷۶ء میں ہوئے تھے بلکہ کہا کرتا ہوں استمرار اور مستقبل ظاہر کرتا ہے جس کا مطلب صرف یہی ہے کہ پرویز صاحب اپنے آپ کو ایک لمبے عرصے سے نومسلم کہہ رہے ہیں۔ اگر ہم ذرا آگے چلیں تو شاید یہ گتھی حل ہو جائے کہ کب سے پرویز صاحب میں یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ شاہکار رسالت صفحہ ۴۵ میں ایک باب ہے "سخنِ نگفتہ را چہ قلندرانہ گفتم"* اس میں اپنے اس دوسرے دور کا آغاز اس کتاب کے سن تصنیف سے قریباً چالیس سال قبل مانا ہے، یہ غالباً ۱۹۷۳ء میں منصۂ شہود میں آئی ہے۔ اس طرح گویا کہ ان کے نومسلم ہونے اور نئے سرے سے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا سن قریباً ۱۹۳۳ء ہے اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ پرویز صاحب سابق میں ایک غیر مسلم خاندان میں پیدا ہوئے غیر مسلم آباء سے تعلیم و تربیت پائی اور یہ بات علمائے نفسیات خوب جانتے ہیں کہ انسانی شخصیت کی تشکیل و تعمیر میں ماحول اور آبائی حالات اور وراثتی اثرات بڑا گہرا اثر ڈالتے ہیں اور یہ بات خود پرویز صاحب بھی اپنے دادا صاحب یا کسی اور کے حوالہ سے بارہا اپنے حلقہ ہائے درس میں بیان کر چکے ہیں کہ نومسلموں کی چھ نسلیں صدیوں کے بعد بھی دل و دماغ سے نہیں نکلا کرتیں۔ خیر یہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔ ہمیں ان کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق حاصل نہیں ہم اس وقت ایک ایسے سوال کو زیرِ بحث لانا چاہتے ہیں جو عوامی نوعیت کا ہے، سوال یہ ہے کہ جب ۱۹۵۶ء میں پہلا کنونشن ہوا اور اس میں کچھ حضرات کی جانب سے اپنے نومسلم ہونے کا اظہار ہوا

---

* پرویز صاحب سے متعلق ایک انتہائی اہم مگر بڑا ہی پیچیدہ موضوع یہ بھی ہے کہ آپکو تصوف سے انتہائی کد اور نفرت ہے۔ قلندر خالصتاً تصوف کی اصطلاح ہے پرویز صاحب اپنے ان اقوال و ارشادات کو قلندرانہ خیال کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں گویا انکا اپنا دعویٰ ہے کہ وہ قلندر ہیں۔ کہاں قلندر اور کہاں مفکرِ قرآن۔ اس سلسلہ کا ایک دلچسپ موضوع یہ ہے کہ پرویز صاحب جناب شاعرِ مشرق کی شخصیت کو ایک وحدت نہیں مانتے بلکہ اسے حصّوں بخروں میں تقسیم کر دیتے ہیں اپنے لئے پسندیدہ اجزاء و حصص اور اقوال و قصص لے لیتے ہیں جو اپنے مزاج و افتاد کے خلاف پاتے ہیں انہیں ردّ کر دیتے ہیں مثلاً شاعرِ مشرق کا یہ جملہ انہیں بڑا محبوب ہے کہ تصوف سرزمینِ اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے لیکن اس شاعرِ مشرق نے مولانا روم کو اپنا پیر و مرشد مانا ہے۔ انکی مثنوی کو اپنے لئے خضرِ راہ قرار دیا ہے۔ نوجوانوں کو اسے پڑھنے کی دعوت دی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مولانا روم صوفی نہ تھے۔ کیا ان سے تصوف کا ایک خاص سلسلہ شروع نہیں ہوا۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اقبال کیوں ردّ کرنے کے قابل ہے جس نے مولانا روم کو اپنا مُرشد مانا ہے اور وہ اقبال کیوں قابلِ تقلید ہے جو تصوف کو سرزمین اسلام میں اجنبی پودا قرار دیتا ہے۔ ایک ہی شخصیت کی اس طرح تقسیم و تفریق۔ آخر کس حیاتیاتی و نفسیاتی نقطہ نگاہ سے صحیح قرار دی جا سکتی ہے۔ فافہم و تدبر۔

تو پرویز صاحب برہم کیوں ہوئے ۔ ان بے چاروں نے کونسا جرم کیا تھا ۔ اگر یہ احساس یا وجدانی تاثر کوئی جرم ہی تھا تو یہ اس جرم کے مرتکب تو بقول خود پرویز صاحب ۱۹۳۲ء سے چلے آ رہے تھے اصل بات وہی ہے جس کا ہم نے اظہار تمہید میں کیا ہے کہ تحریک بانی کی شخصیت و کردار کا پرتو ہوا کرتی ہے بانی کی ذات میں جو احساسات تہہ در تہہ پوشیدہ کیوں نہ ہوں وہ تحریک پر اثرانداز ہوئے بغیر نہیں رہتے باوجود اس کے پرویز صاحب نے اپنا غیر مسلم ہونا چھپایا ۔ ان بیچاروں پر عتاب نازل کیا لیکن انجام کار فطرت کا اٹل قانون جیتا اور پرویز صاحب اس کے سامنے سپر انداز ہونے پر مجبور ہوگئے ۔ ہماری صرف اتنی ہی گذارش ہے کہ کیا مفکر قرآن اپنے احباب سے معافی مانگیں گے یا کم از کم اپنی غلطی کا اعتراف کریں گے یا یہ وضاحت فرمانے کی کوشش کریں گے کہ ان دونوں بیانات میں کوئی تضاد ہے یا نہیں ۔ اگر ہے تو کونسی بات درست ہے اور کونسی پالیسی اور طرز عمل غلط جب تک ان کی جانب سے وضاحت نہیں ہو جاتی ہم خاموش رہیں گے اور ان کے جواب کے موصول ہونے پر ہم اپنا موقف ذرا کھل کر بیان کریں گے ۔ ابھی تو یہ سوالات ہم سخن گذار کے طور پر کر رہے ہیں ہمارا اصل موضوع تو اس وقت شروع ہوگا جب ہم مفہوم القرآن اور لغات القرآن پر تنقید کا آغاز کریں گے ۔

اب اپنے ایک پہلو سے اس مسئلہ پر غور کریں پرویز صاحب اس کتاب منزل بمنزل میں اسی صفحہ ۲۴ پر اپنی وضاحت کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "مسلمان ہونا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے"۔ پھر شاعر مشرق کا ایک شعر نقل کیا ہے ۔ اس وضاحت کو جاری رکھتے ہوئے صفحہ ۳۵ پر ارشاد فرماتے ہیں ہمیں ایسا دعویٰ محض طور پر نہیں کرنا چاہیئے جس کی تائید ہماری سیرت و کردار کی رُو سے ثابت نہ ہو ۔ دیکھئے صفحہ ۳۵ کتاب منزل بمنزل

آگے بڑھنے سے قبل ایک وضاحت } کسی مفکر کی دو حیثیتیں ہوا کرتی ہیں ۔ نجی اور عبوری ۔ نجی سے مراد ہے اس کی خاندانی و شخصی حیثیت ہے وہ کسی کا بیٹا ہے تو کسی کا باپ، کسی کا داماد ہے تو کسی کا خسر، کسی کا بھتیجا ہے تو کسی کا چچا ۔ اسے کوئی خاص لباس ۔ طعام وغیرہ مرغوب ہے اس حیثیت پر تنقید کرنے کا کم از کم ہم عوام کو حق حاصل نہیں ہے اور نہ ہی ہونا چاہیئے لیکن مفکر کی جہاں تک فکری حیثیت کا تعلق ہے اور اس کے فکر کے تلازم سے جو [illegible] پیدا ہوتے ہوں اور اس کے دعاوی کے نتیجہ میں جو اشکالات سامنے آتے ہوں انہیں ذاتی توعیت کی تنقید سے بالاتر ہونے کے حق کی رُو سے مسترد نہیں کر سکتے کیونکہ اگر ایسا کیا جانے لگے تو انسانی فکر ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے گی اور پھر ہر مفکر اپنے سے سابق مفکر پر اپنے حق تنقید کو استعمال کر کے خود اپنے عمل سے اپنے بعد والوں کو حق تنقید استعمال کرنے کی دعوت دیتا ہے ۔ لہذا ہماری بھی اس تنقید کو ان کی ذات والا صفات پر تنقید نہ سمجھ لیا جائے وہ پرویز [illegible] کی توعیت کا حامل اور مالک ہے وہ ابن آدم ہونے کے اعتبار سے ہمارے لئے بھی اسی طرح مکرم و محترم ہے جس طرح کہ دوسرے ابن آدم ہمارے لئے مکرم محترم ہیں ۔ ہمیں جو اختلاف ہے وہ مفکر پرویز سے ہے اور مفکر ہونے کی حیثیت سے ہے اور اسی حیثیت سے ان پر تنقید کر رہے ہیں ۔ لہذا ہماری اس تنقید سے سیخ پا ہونے کی بجائے امید ہے کہ وہ دلائل و براہین سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کریں گے ۔

وضاحت کے بعد اصل مُدعی } پرویز صاحب اپنے دعویٰ و اقرار کے بموجب ۱۹۳۲ء کے قریب نئے سرے سے مسلمان ہوگئے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کی سیرت اور ان کا کردار اس بات کی شہادت مہیا کرتا ہے ہمیں اس سلسلہ میں صرف ایک امر پر اپنی توجہ مرکوز رکھنی پڑے گی ۔

طاغوت اور پرویز } جس شخص نے بھی قرآن حکیم کا مطالعہ کیا ہے اس پر یہ امر خوب روشن ہے کہ قرآن حکیم نے اکثر مقامات پر طاغوت کا ذکر کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۶ میں کفر بالطاغوت کو ایمان کا پہلا گویا منفی عمل یا جزو قرار دیا ہے ۔ اور پرویز صاحب نے بھی اپنی کتاب اقبال اور قرآن کے صفحہ ۱۶ پر اسے تسلیم کیا ہے (دیکھئے کتاب قرآن اور اقبال شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی) پھر اگلی آیت ۲۵۷ میں کفار کے اولیا سرپرست ۔ پیر و مرشد طاغوت بتائے ہیں ۔ آگے چل کر سورۃ نساء کی آیت ۵۱ میں اہل کتاب کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ الجبت اور الطاغوت پر ایمان رکھتے ہیں پھر آیت ۶۰ میں انکے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ طاغوت سے تحاکم کے خواستگار ہیں حالانکہ انہیں ان کا کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا ۔ آیت ۷۶ میں بتایا گیا ہے اہل کفر طاغوت کی راہ میں قتال کرتے ہیں آگے سورۃ مائدہ کی آیت ۶۰ میں ان اہل کتاب کو عَبَدَ الطاغوت قرار دیا گیا ہے اور منجملہ دیگر اسباب لعنت کے اسے بھی ایک سبب لعنت قرار دیا ہے گویا کہ عبادتِ طاغوت ایک لعنت ہے اور ایسا شخص عنداللہ من وجہ ملعون ہوا کرتا ہے ۔ آگے سورۃ نحل کی آیت ۳۶ میں تمام رسولوں کی جانب سے ایک ایک اجتماعی و اصولی بات ارشاد فرمائی گئی ہے اور وہ یہ کہ ہر ایک رسول کی دعوت یہ تھی کہ الطاغوت سے اجتناب کیا جائے اور پھر آخر میں سورۃ زمر کی آیت ۱۷ میں دوران قرآن کے اہل ایمان عباداللہ کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ انہوں نے الطاغوت سے اجتناب اختیار کر لیا ہے لہذا وہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے بشارت پانے کے مستحق قرار دیئے جاتے ہیں ۔ نیز فرعون ۲۰/۲۴، ۲۰/۴۳، ۷۹/۱۷، ۸۹/۱۱ میں طغیان و طغیٰ کا مجرم قرار دیا گیا ہے ۔ گویا کہ قرآن حکیم کی رُو سے فرعونیت الطاغوت ہے اور پرویز صاحب کی اپنی اصطلاح کے مطابق فرعونیت دراصل ملوکیت کی نمائندہ ہے اور جب پرویز صاحب نے نئے سرے سے اسلام قبول کیا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دور کی سیاہ ترین ملوکیت جیسے اب برطانوی سامراج کہا جاتا تھا اس کے متعلق پرویز صاحب نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا ۔ کیا اس سے اجتناب کیا ۔ اس سے علیحدگی اختیار کی ۔ یا اس سامراج کے آخری لمحات تک اس سے وابستہ رہے ۔ اسے اپنے دل و دماغ کی قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازتے رہے کیا ان کی اپنی عزیز ترین متاع حیات کا ایک بہت بڑا حصہ اس طاغوت کی عبودیت میں نہیں گذرا ۔ یاد رہے کہ جناب پرویز صاحب کے نزدیک عبودیت و عبادت کا مطلب کسی کے قوانین و احکام کی عملی اطاعت و محکومیت ہے ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ برطانوی امپیریلزم کی خدمتگذاری میں آپ نے زندگی کے جو عزیز ترین لمحات گذارے ہیں کیا یہ خود قرآن حکیم کے اپنے فتویٰ کے مطابق ۴/۷۶ قتال فی سبیل الطاغوت کے مترادف نہیں اور کیا ۵/۶۰ کے فتوؤں کی رو سے وہ عبادت طاغوت کی وجہ سے ایک طرح لعنت کی زد میں نہیں آتے ۔ اور کیا ۱۶/۳۶ کی محکم آیت کی رُو سے جس میں اجتناب عن الطاغوت پر رسول کی اساسی دعوت اور اس کو قبول کرنے والے ہدایت یافتہ قرار پاتے ہیں اور قبول نہ کرنے والے محروم ہدایت اس کی رُو سے آپ خود محروم ہدایت رہے، تو جب آپ اپنے عمل کے اعتبار سے ہدایت سے محروم رہے تو دوسروں کی ہدایت اور رہنمائی کا کیا حق رکھتے ہیں ۔

کہا جا سکتا ہے کہ دن کو وہ طاغوت کی عبادت کرتے تھے اور رات کو اللہ اور قرآن کا حق ادا کرنے کے لئے مقالہ نویسی کا شوق پورا کر کے اپنے مفکر قرآن ہونے کا لوہا منواتے تھے ۔ لیکن سوال یہ ہے کیا یہ تفریق و ثنویت کا مسلک اللہ کی رضا کے مطابق ہے ۔ کیا یہ کُفر بالبعض اور ایمان بالبعض کے مترادف نہیں اور کیا ۲/۸۵ والی پر بیان شدہ وعید پر آپ کی نگاہ نہیں ہے ۔ قلبی ورزش کی حد تک طاغوت بھی ایک حد تک اجازت دیتا ہے ۔ لیکن جب کوئی مفکر واقعتاً اجتناب علیحدگی اور عدم تعاون اختیار کر کے مؤمنانہ شعار و شیوہ اختیار کر کے بقول شاعر مشرق رسم شبیری کو ادا کرنے پر تُل جاتا ہے تو قصر ملوکیت اس سے نہ صرف کپکپاتا ہے بلکہ زمین بوس ہو جاتا ہے ۔ اس گذارش سے مدعا یہ ہے کہ جب مفکر قرآن کی اپنی عملی زندگی طاغوت اور ظالم ترین طاغوت کی عبودیت میں گذری ہے ۔ اور جب تہ حکومت وقت کا انہوں نے عملاً ساتھ دیا ہے تو آخر وہ کس منہ سے قرآنی آواز اولو

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

مذاہب کے نمائندوں نے پیش کئے بالا رہا۔ کیا حکیم اشرف صاحب کے نزدیک وہ مضمون براہین احمدیہ سے کم حیثیت رکھتا ہے؟ اور ہم حکیم صاحب سے یہ بھی دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ براہین احمدیہ کے جو پانچ حصے حضرت مرزا صاحب نے لکھے کیا وہ ان کی اہمیت کے قائل ہیں کہ باقی پینتالیس حصوں کے متعلق حضرت صاحب کا وعدہ پورا نہ ہونے کی انہیں شکایت ہے؟ اگر وہ پانچ حصے بھی ان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے تو باقی کے متعلق وعدہ کا پورا ہونا نہ ہونا ان کے لئے برابر ہے، کیا وہ اس پر روشنی ڈالنے کی تکلیف گوارا کریں گے؟

حکیم صاحب کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے عیسوی معتقدات پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو معاذ اللہ کھاؤ پیوُ شرابی کہا اور یہ لکھا ہے کہ وہ فاحشہ عورتوں سے تعلق رکھتے تھے۔ حالانکہ حضرت صاحب نے اس بارہ میں صراحت کے ساتھ یہ واضح کیا ہے کہ ان کا یہ بیان حضرت عیسٰے علیہ السلام کے متعلق نہیں بلکہ عیسائیوں کے فرضی یسوع کے بارہ میں ہے، جس کا قرآن میں ذکر نہیں ملاحظہ ہو آپ کا حسب ذیل بیان جو آپ نے اپنی کتاب "نورالقرآن" کے نمبر ۲ کے ٹائیٹل پیج صفحہ ۲ پر لکھا ہے :-

"ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام پر نہایت نیک عقیدہ ہے اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی اور اس کے پیارے تھے اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ وہ جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر دیتا ہے اپنی نجات کے لئے ہمارے سید مولیٰ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے ایمان لائے تھے۔ اور حضرت موسٰے علیہ السلام کی شریعت کے صدہا خادموں میں سے ایک مخلص خادم وہ بھی تھے، پس ہم ان کی حیثیت کے مطابق ان کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن عیسائیوں نے جو ایک ایسا یسوع پیش کیا ہے جو خدائی کا دعوےٰ کرتا تھا اور بجز اپنے نفس کے تمام اوّلین و آخرین کو لعنتی سمجھتا تھا یعنی ان بدکاریوں کا مرتکب خیال کرتا تھا جن کی سزا لعنت ہے۔ ایسے شخص کو ہم بھی رحمت الٰہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں، قرآن نے ہمیں اس گستاخ اور بد زبان یسوع کی خبر نہیں دی اس شخص کے چال چلن پر ہمیں نہایت حیرت ہے جس نے خدا پر مرنا جائز رکھا اور آپ خدائی کا دعوےٰ کیا اور ایسے پاکوں کو جو ہزارہا درجہ اس سے بہتر تھے گالیاں دیں۔ سو ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی یسوع مراد لیا ہے اور خدا تعالےٰ کا ایک عاجز بندہ عیسٰے ابن مریم جو نبی تھا جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں اور یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبوں کی گالیاں سن کر اختیار کیا ہے بعض نادان مولوی جن کو اندھے اور نابینا کہنا چاہیئے عیسائیوں کو معذور رکھتے ہیں کہ وہ بیچارے کچھ بھی منہ سے نہیں بولتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ بے ادبی نہیں کرتے لیکن یاد رہے کہ پادری صاحبان تحقیر توہین اور گالیاں دینے میں اول نمبر پر ہیں، ہمارے پاس ایسے پادریوں کی کتابوں کا ایک ذخیرہ موجود ہے جنہوں نے اپنی عبارات کو صدہا گالیوں سے بھر دیا ہے، جس مولوی کی خواہش ہو آ کر دیکھ لیوے اور یاد رہے کہ آئندہ جو پادری صاحب گالی دینے کے طریق کو چھوڑ کر ادب سے کلام کریں گے ہم بھی ان کے ساتھ ادب سے پیش آویں گے اب تو وہ اپنے یسوع پر آپ حملہ کر رہے ہیں کہ کسی سب و شتم سے باز ہی نہیں آتے ہم سنتے سنتے تھک گئے اگر کوئی کسی کے باپ کو گالی دے تو کیا مظلوم کا حق نہیں ہے کہ اسکے باپ کو گالی دے اور ہم نے تو جو کچھ کہا واقعی کہا وانماالاعمال بالنیات"۔

اس صاف اور واضح بیان کے ہوتے ہوئے حکیم اشرف صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی ایک اور کتاب "دافع البلا" سے بعض اس قسم کے فقرات نقل کرکے جن میں اناجیل کے بیان کردہ حلیہ کے پیش نظر حضرت عیسٰے علیہ السلام کا حضرت یحیٰی سے مقابلہ کیا گیا یہ نتیجہ نکالا ہے کہ :-

"مرزا غلام احمد اس مقام پر جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ کسی فرضی یسوع کے متعلق نہیں بلکہ وہ ان حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور جن کے بارے میں مسلمان عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے تھے"

حالانکہ دافع البلا سے حکیم اشرف صاحب کی نقل کردہ عبارت میں حضرت مسیح موعودؑ نے بار بار حضرت عیسٰے کے نام کے ساتھ علیہ السلام لکھا ہے، انہیں آیت کریمہ وجیھًا فی الدنیا والاٰخرۃ ومن المقربین کا مصداق قرار دیا ہے اور صرف اتنا ہی کہا ہے کہ

"یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ سب مقربوں سے بڑھ کر تھے بلکہ اس بات کا امکان نکلتا ہے کہ بعض مقرب ان کے زمانہ کے ان سے بہتر تھے ...
...... جیساکہ حضرت موسٰے کے مقابل پر آخر ایک انسان نکل آیا جس کی نسبت خدا نے علمناہ من لدنا علما فرمایا ہے"

ان واضح بیانات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ عیسائیوں کے فرضی یسوع کے متعلق نہیں بلکہ ان حضرت مسیح ابن مریم کے متعلق ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے اور یہی مرزا صاحب کا اعتقاد تھا کس قدر دھینگا مشتی اور ناحق بیانی ہے جو حضرت مرزا صاحب نے تو نورالقرآن کی منقولہ بالا عبارت میں صفائی کے ساتھ لکھ دیا کہ :-

"ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی یسوع مراد لیا ہے اور خدا تعالےٰ کا ایک عاجز بندہ عیسٰے ابن مریم جو نبی تھا جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں"

اور آخر میں انماالاعمال بالنیات کی حدیث نقل کرکے حکیم اشرف جیسے مولویوں کو توجہ دلائی کہ میری نیت وہی ہے، جس کا ذکر میرے بیان میں ہے، لیکن افسوس ہے کہ حکیم اشرف صاحب ہمیں تو عنداللہ مسئولیت کے تصور کو مستحضر کرکے سوچنے کی نصیحت کرتے ہیں، اور اپنے آپ کو مسئولیت کے تصور سے بالا سمجھتے ہوئے سراسر غلط اور ناروا الزامات لگانے سے دریغ نہیں کرتے، بھلا اتنا ہی غور کیجئے کہ حضرت مرزا صاحب جب اپنے آپ کو مثیل مسیح قرار دیتے ہیں تو وہ اس مسیح کو کس طرح شرابی اور فاحشہ عورتوں سے تعلق رکھنے والا سمجھ سکتے ہیں جس کے وہ خود مثیل بنتے ہیں۔

آخر میں حکیم اشرف صاحب کی اطلاع کے لئے ہم یہ بھی عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اس قسم کا طریق تخاطب جو حضرت مرزا صاحب نے عیسائیوں کے جواب میں ان کے فرضی یسوع کا ذکر کرتے ہوئے اختیار کیا حضرت مرزا صاحب ہی کا ایجاد کردہ نہیں، ان سے پیشتر فاضل اجل عارف باللہ مولانا محمد رحمت اللہ کیرانوی مرحوم بھی اسی طریق سے عیسائیوں کو جواب دے چکے ہیں، اور انہوں نے یسوع کے شراب پینے اور بدکار عورتوں کیطرف سے اسکے پاؤں چومنے اور عطر ملنے کا بوضاحت ذکر کرکے انہیں ملزم ٹھہرایا ہے اور صاف لکھا ہے کہ :

"چوں پادری صاحبان الفاظ بے ادبانہ بجناب خیرالبشر صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم کلام اللہ الاکبر و حدیث آں سرور بر زبان و تحریر آوردہ اند عاقبت خود تیرہ کردند و ادلہ سفسطیہ نگارندیں بناچاری در جواب ایں فرقہ ادلہ ہائے الزامی بہماں نقل کردہ شدند و روایات کتب مقدسۂ شاں ہم بطور مشتے نمونہ خروارے علیحدہ آوردہ شدند"

(ازالۃ الاوہام مصنفہ مولانا رحمت اللہ مرحوم صفحہ ۳۶۸)

بعینہٖ اسی قسم کا جواب علامہ سید آل حسن نے ان عیسائیوں کو دیا ہے جنہوں نے حضرت رسول کریم محمد مصطفٰے کو نو بیویوں سے نکاح کی بنا پر محل استہزاء ٹھہرایا، یہ تو ان نیک دل لوگوں کی غیرت و حمیت کا تقاضا تھا، جنہیں حضرت نبی کریم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و آبرو کا پاس تھا، حکیم اشرف صاحب اور ان کے ہم مشرب مولویوں کو کیا کہا جائے جنہیں عیسائیوں کے یسوع حضرت عیسٰے علیہ السلام کا حضرت نبی کریم صلعم سے بڑھ کر پاس و لحاظ ہے اور ...

(باقی صفحہ ۱۲ کالم ۱)

جو خدا کا جو حلیہ اناجیل کی بناء پر حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے وہ کسی فرضی

محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج

(تقریر بر جلسہ سالانہ)

آیت نمبر ۱۶-۱۷ سورۃ الحدید کی تلاوت کے بعد جس کا ترجمہ یہ ہے :-

"کیا مومنوں کے لئے ایسا وقت ابھی نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے گداز ہوں اور اس حق کے لئے جو اترا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوں جن کو پہلے کتاب دی گئی پھر اُن پر مدت دراز گذر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔"

"(لوگو) آگاہ رہو کہ بے شک اللہ اس زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے زندہ کرے گا۔ ہم نے تمہارے لئے نشانات کھول کر بیان کر دیئے ہیں تا کہ تم سمجھو۔"

فرمایا: ہمارا یہ سالانہ اجتماع بعض خصوصیات رکھتا ہے۔ ہم ایسے حالات سے گذرے ہیں جنہیں ایک زلزلہ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ بلکہ گذشتہ چند سالوں سے لرزہ خیز جھنجھوڑنے والے واقعات اور حادثات دنیا پر اور ہمارے وطن اور خصوصیت سے ہم پر گذرتے آئے ہیں۔ قرآن کریم کی دو آیات میں نے تلاوت کی ہیں۔ ہم اس بات کے دعویدار بھی ہیں کہ ہم نے قرآن کریم اور اس کی تعلیمات کو زمین کے کناروں تک پہنچانا ہے۔ اور ہمیں خصوصیت سے ان باتوں کا نوٹس لینا چاہیئے۔

یہاں تک میرا مشاہدہ ہے جس قدر حق تھا ہم نے نوٹس نہیں لیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ تازہ ترین حوادث کے بعد اور پیش آمدہ حالات میں ہم ایک بالکل تبدیل شدہ قوم ہوتے اور ہمارا ہر فرد ایک نئی زندگی اپنے اندر محسوس کرتا۔

آیت قرآنی ہمیں جھنجھوڑ کر ہم سے پوچھتی ہے کہ کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دلوں میں عاجزی پیدا ہو جاتی اور پھر تنبیہہ فرمائی کہ وہ پہلی قوموں کی طرح نہ ہوں کہ مرورِ زمانہ سے ان کے دل سخت ہو گئے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ سورۃ البقرہ کی آیت ۷۴ میں اس قساوت قلبی کا نقشہ یوں کھینچا ہے :-

"پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ پس وہ پتھر کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور پتھروں میں ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں بہہ نکلتی ہیں اور ان میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی پھوٹتا ہے اور ان میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو۔"

اس وقت عموماً تمام دنیا میں مسلمانوں کی جو پتلی حالت ہے اس کا رونا عموماً ہوتا رہتا ہے۔ ہمیں خواہ وہ غیر مسلم ہی کہتے اور سمجھتے رہیں ہم تو ہر کلمہ گو کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں اور ان کے لئے ہمارے قلوب غم اور اندیشہ سے فارغ نہیں ہو سکتے۔ آج اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں دوبارہ تشریف لے آئیں تو اس حالت کو دیکھ کر ان کے دل پہ کیا گذرے گی۔ قرآن کریم میں جو یہ فرمایا ہے" اور رسول نے کہا میرے پروردگار میری قوم نے تو اس قرآن کو متروک بنا دیا ہے" (الفرقان ۳۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کلمات آپ کے زمانے کے متعلق نہیں بلکہ بعد میں آنے والے کسی دور کے متعلق ہی ہو سکتے ہیں۔ ایسا ہی بخاری شریف کی حدیث جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ بائیں جانب سے گذر جائیں گے تو میں کہوں گا اے میرے رب یہ میرے ساتھی ہیں تو کہا جائیگا۔ تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد انہوں نے کیا کچھ کیا۔ تو پھر میں اسی طرح کہوں گا جیسا ایک صالح بندے (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ میں جب تک ان میں رہا میں ان کا نگران حال تھا۔ پھر جب تُو نے مجھے وفات دی تو ان کا نگران تو تھا۔ تو کہا جائے گا کہ یہ لوگ برابر اپنی ایڑیوں پر پھرتے رہے جب سے تو ان سے جدا ہوا

میں اب اپنے مخاطبین سے جن میں سب سے پہلا مخاطب میں خود ہوں ایک سوال کرتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب مجدد زمانہ نے اپنی بعثت کی جو بڑی غرض بیان فرمائی ہے وہ متقین کی ایک اعلےٰ درجہ کی جماعت پیدا کرنا تھی۔ اور جو تعلیم اس بارہ میں انہوں نے دی ہے اس کا ایک نمونہ "کشتی نوح" میں تعلیم کے زیر عنوان ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے :-

"اللہ تعالےٰ پر ایمان لاؤ اور اپنے نفس پر اور اپنے آراموں پر اور اس دنیا کے کل تعلقات پر اس کو (اللہ) مقدم رکھو اور عملی طور پر بہادری کے ساتھ اس کی راہ میں صدق و وفا دکھلاؤ۔ دنیا اپنے اسباب اور اپنے عزیزوں پر اس کو مقدم نہیں رکھتی مگر تم اس کو مقدم رکھو تا تم آسمان پر اسکی جماعت لکھے جاؤ۔ رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے اور تم اس حالت میں اس عادت سے حصہ لے سکتے ہو کہ تم میں اور اس میں کچھ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اس کی مرضی اور تمہاری خواہشیں اس کی خواہشیں ہو جائیں۔ اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت مراد یابی اور نامرادی میں اس کے آستانہ پر پڑا رہے تا جو چاہے سلوک کرے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہوگا جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے کیا کوئی تم میں ہے جو اس پر عمل کرے اور اس کی رضا کا طالب ہو جائے اور اس کی قضا و قدر پر ناراض نہ ہو۔ سو تم مصیبت کو دیکھ کر اور بھی قدم آگے رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے۔"

"تم سیدھے ہو جاؤ اور صاف ہو جاؤ اور پاک ہو جاؤ اور کھرے ہو جاؤ اور اگر ایک ذرہ تیرگی تم میں باقی ہے تو وہ تمہاری ساری روشنی کو دور کر دے گی۔ اور اگر تمہارے کسی پہلو میں تکبر ہے یا ریا ہے یا خود پسندی ہے یا کسل ہے تو تم ایسی چیز نہیں ہو جو قبول کے لائق ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تم صرف چند باتوں کو لے کر اپنے تئیں دھوکا دو کہ ہم نے جو کچھ کرنا تھا کر لیا ہے کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے۔ جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو۔"

میرا سوال یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ دنیا میں دوبارہ آ جائیں اور وہ ہماری موجودہ حالتوں کو دیکھیں تو ان کے دل پر کیا گذرے گی۔ حضرت صاحب کے یہ الفاظ آپ میں سے اکثر پہلے بھی کئی بار پڑھ یا سُن چکے ہیں ان کا عملی اثر کیا ہوا ہے یہ ہمارے لئے سوچنے کی بات ہے۔ اگر اس پر پہلے نہیں سوچ سکے تو تازہ واقعات کے بعد تو ضرور ان الفاظ پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم پر جو گذرا یا گذر رہا ہے یا آئندہ امکانی خطرات ہیں اس کی خبر حضرت صاحب آج سے ۸۰ سال پہلے اپنے ایک کشف کے ذریعہ اپنے رسالہ انوارالاسلام مطبوعہ ستمبر ۱۸۹۴ء کے صفحہ ۵۰ پر "ہمارا انجام کیا ہوگا" کے زیر عنوان دے چکے ہیں۔ جہاں آپ نے فرمایا کہ :-

"ایک فرشتہ میرے سامنے آیا اور وہ کہتا ہے کہ لوگ پھرتے جاتے ہیں۔ تب میں نے اس کو کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو تو اس نے عربی زبان میں جواب دیا اور کہا کہ جئت من حضرۃ الوتر۔ یعنی میں اس کی طرف سے آیا ہوں جو اکیلا ہے۔ تب میں اس کو ایک طرف خلوت میں لے گیا اور میں نے کہا کہ لوگ پھرتے جاتے ہیں مگر کیا تم بھی پھر گئے تو اس نے کہا کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں"

اس کے بعد کی عبارت میں تسلی بخش اور اچھے انجام کی خبر دی ہے۔ یہ بشارت انہی خوش قسمت نفوس کے حق میں ہو سکتی ہے جنہوں نے اپنے عہد وفا کو نبھانے کا عزم کر رکھا ہے اور باوجود مشکلات کے ان کے قدم نہیں ڈگمگائے۔

سو جب ہم نے ایک طرف یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ ہم کونوا مع الصادقین کے ارشادِ خداوندی کے ماتحت ایک صادق مامور الٰہی کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور دوسری طرف ہماری ایمانی - دینی اور اخلاقی حالتیں وہ نہیں جو حضرت صاحب جماعت میں دیکھنا چاہتے تھے تو پھر ہم کس طرح سے نصرت الٰہی کے مستحق ہو سکتے ہیں - اللہ تعالیٰ نے مصائب اور مشکلات کا جو وہ اپنے بندوں پر وارد فرماتا ہے مقصد خود بیان فرمایا ہے لعلّھم اخذنا ھم بالبأساء والضراء لعلّھم یتضرّعون - مصیبتیں اور دکھ اس لئے آتے ہیں کہ دل نرم ہو جائیں اور خدا کے حضور تضرع کریں -

حضرت صاحب نے بھی مصائب کا واحد علاج ایک شعر میں یوں ارشاد فرمایا ہے :

اندریں وقتِ مصیبت چارۂ ما بیکساں
جز دعاءِ بامداد و گریۂ اسحار نیست

(اس مصیبت کے وقت ہم بیکسوں کا علاج سوائے دعاء صبحگاہی اور گریۂ زاری کے اور کچھ بھی نہیں)

حقیقت میں خدا کے حضور رونا اور دعائیں ہی مصائب کو ٹال سکتی ہیں اور دنیا کی تقدیروں کو بدل سکتی ہیں قرآن کریم نے اس رونے کی صفت کو انبیاء علیہم السلام اور برگزیدگانِ بارگاہ کا نشان فرمایا ہے -

سورۃ بنی اسرائیل - آیت ۱۰۷ تا ۱۰۹ میں ارشاد فرمایا ہے :-

" کہو تم اس کو مانو یا نہ مانو - جو لوگ اس سے پہلے علم دیئے گئے ہیں جب یہ (قرآن) ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے پروردگار کی ذات پاک ہے - ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہوتا ہی تھا اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں - روتے ہیں اور (اسماعِ قرآن) ان کی عاجزی کو بڑھاتا ہے "

سورۃ مریم میں بعض انبیاء اور مقربین بارگاہ کے ذکر کے بعد آیت ۵۸ میں یوں ارشاد فرمایا ہے :

" یہ وہ بندے ہیں جن پر اللہ نے اپنا فضل کیا - یہ آدم کی نسل ہیں اور ان لوگوں کی نسل ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے سیدھے رستہ پر چلایا - اور ان کو برگزیدہ کیا - جب ان کو رحمٰن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے تھے اور روتے تھے "

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے سالہا سال راتوں کو غاروں کی تنہائیوں میں دنیا کی حالت اور معاشرہ کی تاریکیوں اور برّ و بحر کے فساد پر روتے رہے اور حضور صلعم کا یہی رونا وہ انقلاب عظیم دنیا میں لایا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی - حضرت مجدد زمان نے اس حقیقت الامر کا اظہار اپنی کتاب برکات الدعا میں ان الفاظ میں فرمایا ہے -

" دراصل استجابت دعا ہی ہے کہ جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیاء کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھاتے رہے اس کا اصل منبع یہی دعا ہے - اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرتِ قادر کا تماشا دکھا رہے ہیں - اور وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں سے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا - کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا ؟ وہ ایک فنافی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں - اللّٰھم صلّ وسلّم وبارک علیہ وآلہٖ بعدد

ھمّہٖ وغمّہٖ وحزنہٖ لھٰذہ الامّۃ وانزل علیہ انوار رحمتک الی الابد "

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ الٰہی میں گریہ و زاری کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک قول ہے کہ حضور رات کی نماز میں جب روتے تو فرط رقت سے آپ کے سینے سے اس طرح کی آوازیں آتیں - جیسے ایک ہنڈیا اُبل رہی ہو - بدر کے میدان میں جنگ سے پہلے آپ کی دعا کا ذکر اکثر آپ نے سنا ہوگا - آپ اس قدر روئے کہ حضرت ابوبکر رض نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کی حضور بس کریں کیا اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے - آپ کو مخاطب کر کے قرآن کریم نے بھی لعلّک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین فرمایا ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی دعائیں احادیث میں مذکور ہیں - بعض دعاؤں کو پڑھ کر دل دہل جاتا ہے - مثلاً آپ کی یہ دعا :-

" اللّٰھم انک تعلم وتریٰ مکانی وتسمع کلامی وتعلم سرّی وعلانیتی ولا یخفیٰ علیک شیئٌ من امری انا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الوجل المشفق المقرّ المعترف بذنبی اسئلک مسئلۃ المسکین وابتھل الیک ابتھال المذنب الذلیل وادعوک دعاء الخائف الضریر ودعاء من خضعت لک رقبتہٗ وفاضت لک عبرتہٗ وذلّ لک جسدہٗ ورغم لک انفہٗ اللّٰھم لا تجعلنی بدعائک شقیّا وکن بی رؤفًا رّحیمًا یا خیر المسئولین ویا خیر المعطین یا ارحم الراحمین والحمد للہ ربّ العالمین - اٰمین "

ترجمہ :- " اے اللہ تو جانتا اور دیکھتا ہے کہ میں کہاں پہ ہوں اور تو میرے کلام کو سنتا ہے اور تو میری مخفی باتوں اور ظاہر کو جانتا ہے - اور تجھ پر تو میرے معاملات میں سے کچھ بھی مخفی نہیں - میں تکلیفوں میں مبتلا - تیرا محتاج - تجھ سے فریاد کرنے والا - تیری پناہ ڈھونڈنے والا اور ڈرنے والا - اپنے گناہوں کا اقرار اور اعتراف کرنے والا ہوں - میں تجھ سے ایک بے بس انسان کی طرح سوال کرتا ہوں اور ایک ذلیل گناہگار کی طرح تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں اور تجھے ایک خوفزدہ انسان کی طرح پکارتا ہوں جسے کچھ نظر نہ آتا ہو ، اور اس کی طرح تجھے پکارتا ہوں جس کی گردن تیرے آگے جھک گئی ہے اور جس کی آنکھیں تیرے آگے اشکبار ہیں اور جس کا جسم تیرے لئے گھل گیا ہے اور جس کی ناک تیرے قدموں میں خاک آلودہ ہے - اے اللہ تجھے پکار کر میں بے نصیب محروم نہ رہوں اور تو مجھ پر مہربانی کرنے والا - رحم کرنے والا بن جا - اے ان سب میں اچھے جن سے سوال کیا جاتا ہے اور اے سب میں اچھے انصاف کرنے والے اور اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے - تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے "

حضرت ابوبکر رض نہایت رقیق القلب تھے - حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض الموت میں انہیں پیغام بھیجا کہ وہ نماز پڑھائیں تو حضرت عائشہ رض نے عرض کی کہ وہ نماز نہ پڑھا سکیں گے اور اس کی وجہ بتائی کہ وہ حد سے زیادہ رونے والے ہیں حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ رض کے معترض ہونے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا -

ہمارے زمانے میں حضرت مجدد زمان اللہ کے حضور اس قدر روئے کہ اس کی مثال بھی مشکل سے ملے گی - آپ کی تحریرات میں اپنی گریہ وزاری اور خدا کے حضور رونے کی تاثیرات کا ذکر اکثر آیا ہے - اس سلسلہ میں رونے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

چو بیفتی با دو صد درد و نفیر - کس ہمی نیزد کہ گردد دستگیر
باخبر را دل تپد بر بے خبر - رحم بر کورے کند اہل بصر

(جب تو دردمندانہ چیخ و پکار کے ساتھ گر پڑا ہو تو کوئی نہ کوئی تیرا ہاتھ تھامنے کے

جلد ۶۲ | چہار شنبہ - ۲۲ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ - ۵ فروری ۱۹۷۵ء | نمبر ۶

(حضرت مجدد صدی چہاردہم سلام اللہ علیہ)

یقین کے بغیر سچی پاکیزگی پیدا نہیں ہو سکتی

اے خدا کے طالبو! آنکھیں کھولو اور سنو کہ یقین جیسی کوئی چیز نہیں۔ یقین ہی ہے جو گناہ سے چھڑاتا ہے۔ یقین ہی ہے جو نیکی کرنے کی قوت دیتا ہے یقین ہی ہے جو خدا کا عاشق صادق بناتا ہے کیا تم گناہ کو بغیر یقین کے چھوڑ سکتے ہو کیا تم جذبات نفس سے بغیر یقینی تجلی کے رک سکتے ہو۔ کیا تم بغیر یقین کے کوئی تسلی پا سکتے ہو۔ کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی تبدیلی پیدا کر سکتے ہو۔ کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی خوشحالی حاصل کر سکتے ہو۔ کیا آسمان کے نیچے کوئی ایسا کفارہ اور ایسا فدیہ ہے جو تم سے گناہ ترک کرا سکے، کیا مریم کا بیٹا عیسیٰ ایسا ہے کہ اس کا مصنوعی خون گناہ سے چھڑائے گا۔ اے عیسائیو! ایسا جھوٹ مت بولو۔ جس سے زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ یسوع خود اپنی نجات کے لئے یقین کا محتاج تھا اور اس نے یقین کیا اور نجات پائی۔ افسوس ہے ان عیسائیوں پر جو یہ کہہ کر مخلوق کو دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم نے مسیح کے خون سے گناہ سے نجات پائی ہے حالانکہ وہ سر سے پیر تک گناہ میں غرق ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کا کون خدا ہے۔ بلکہ زندگی تو غفلت میں بسر ہے۔ شراب کا نشہ ان کے دماغ میں ہے مگر وہ پاک نشہ جو آسمان سے اترتا ہے اس سے وہ بے خبر ہیں۔ اور جو زندگی خدا کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور جو پاک زندگی کے نتائج ہیں ان سے وہ بے نصیب ہیں۔ پس تم یاد رکھو کہ بغیر یقین کے تم تاریک زندگی سے باہر نہیں آ سکتے اور نہ روح القدس تمہیں مل سکتا ہے۔ مبارک وہ جو یقین رکھتے ہیں کیونکہ وہی خدا کو دیکھیں گے۔ مبارک وہ جو شبہات اور شکوک سے نجات پا گئے ہیں کیونکہ وہی گناہ سے نجات پائیں گے۔ مبارک تم جبکہ تمہیں یقین کی دولت دی جائے کہ اس کے بعد تمہارے گناہ کا خاتمہ ہوگا۔ گناہ اور یقین دونوں جمع نہیں ہو سکتے کیا تم ایسے سوراخ میں ہاتھ ڈال سکتے ہو جس میں تم ایک سخت زہریلے سانپ کو دیکھ رہے ہو۔ کیا تم ایسی جگہ کھڑے رہ سکتے ہو جس جگہ کسی کوہ آتش فشاں سے پتھر برستے ہیں یا بجلی پڑتی ہے یا ایک خونخوار شیر کے حملہ کرنے کی جگہ ہے یا ایک ایسی جگہ ہے جہاں ایک مہلک طاعون نسل انسانی کو معدوم کر رہی ہے۔ پھر اگر تمہیں خدا پر ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ سانپ پر یا بجلی پر یا شیر پر یا طاعون پر تو ممکن نہیں کہ اس کے مقابل پر نافرمانی کر کے سزا کی راہ اختیار کر سکو یا صدق و وفا کا اس سے تعلق توڑ سکو۔

اے وے لوگو جو نیکی اور راستبازی کے لئے بلائے گئے ہو تم یقیناً سمجھو کہ خدا کی کشش اس وقت تم میں پیدا ہوگی اور اسی وقت تم گناہ کے مکروہ داغ سے پاک کئے جاؤ گے جبکہ تمہارے دل یقین سے بھر جائیں گے شاید تم کہو گے کہ ہمیں یقین حاصل ہے سو یاد رہے کہ یہ تمہیں دھوکا لگا ہوا ہے یقین تمہیں ہرگز حاصل نہیں۔ کیونکہ اس کے لوازم حاصل نہیں۔ وجہ یہ کہ تم گناہ سے باز نہیں آتے تم ایسا قدم نہیں اٹھاتے جو اٹھانا چاہئے تم ایسے طور سے نہیں ڈرتے جو ڈرنا چاہئے خود سوچ لو کہ جس کو یقین ہے کہ فلاں سوراخ میں سانپ ہے وہ اس سوراخ میں کب ہاتھ ڈالتا ہے اور جس کو یقین ہے کہ اس کے کھانے میں زہر ہے وہ اس کھانے کو کب کھاتا ہے اور جو یقینی طور پر دیکھ رہا ہے کہ اس فلاں بن میں ایک ہزار خونخوار شیر ہے اس کا قدم کیونکر بے احتیاطی اور غفلت سے اس بن کی طرف اٹھ سکتا ہے سو تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں اور تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں کیونکر گناہ پر دلیری کر سکتی ہیں اگر تمہیں خدا اور جزا سزا پر یقین ہے۔ گناہ یقین پر غالب نہیں ہو سکتا اور جبکہ تم ایک بھسم کرنے اور کھا جانے والی آگ کو دیکھ رہے ہو تو کیونکر اس آگ میں اپنے تئیں ڈال سکتے ہو۔ اور یقین کی دیواریں آسمان تک ہیں۔ شیطان ان پر چڑھ نہیں سکتا۔ ہر ایک جو پاک ہوا وہ یقین سے پاک ہوا۔ یقین دکھ اٹھانے کی قوت دیتا ہے یہاں تک کہ ایک بادشاہ کو تخت سے اتارتا ہے اور فقیر کا جامہ پہناتا ہے یقین ہر ایک دکھ کو سہل کر دیتا ہے یقین خدا کو دکھاتا ہے۔ ہر ایک کفارہ جھوٹا ہے۔ اور ہر ایک فدیہ باطل ہے اور ہر ایک پاکیزگی یقین کی راہ سے آتی ہے وہ چیز جو گناہ سے چھڑاتی اور خدا تک پہنچاتی اور فرشتوں سے بھی صدق اور ثبات میں آگے بڑھا دیتی ہے وہ یقین ہے ہر ایک مذہب جو یقین کا سامان پیش نہیں کرتا وہ جھوٹا ہے ہر ایک مذہب جو یقینی وسائل سے خدا کو دکھلا نہیں سکتا وہ جھوٹا ہے۔ ہر ایک مذہب جس میں بجز پرانے قصوں کے اور کچھ نہیں وہ جھوٹا ہے۔ خدا جیسے پہلے تھا وہ اب بھی ہے اور اس کی قدرتیں جیسی پہلی تھیں وہ اب بھی ہیں اور اس کا نشان دکھلانے پر جیسا کہ پہلے اقتدار تھا وہ اب بھی ہے پھر تم کیوں صرف قصوں پر راضی ہوتے ہو۔ اور وہ مذہب ہلاک شدہ ہے جس کے معجزات صرف قصے ہیں، جس کی پیشگوئیاں صرف قصے ہیں اور وہ جماعت ہلاک شدہ ہے جن پر خدا نازل نہیں ہوا اور جو یقین کے ذریعہ سے خدا کے ہاتھ سے پاک نہیں ہوئی۔ (کشتی نوح)

یہ آیات وحدتِ نسلِ انسانی کا قیمتی نسخہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ خشکی و تری کی تمام مخلوقات کی ربوبیت فرماتا ہے۔

خطبہ جمعہ۔ مؤرخہ ۲۴ر جنوری ۱۹۷۵ء۔ فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ۔ جامع احمدیہ لاہور

للّٰہ ما فی السمٰوات وما فی الارض وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ۔ فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر۔ (البقرہ۔ آیت ۲۸۴ – ۲۸۵)

(مرتبہ: عبدالرؤف کھوکھر)

فرمایا: اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی اس کا خالق و موجد بھی ہے۔ اس لئے وہ اپنی مخلوق کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ الا یعلم من خلق۔ بھلا خالق اپنی مخلوق کا علم نہ رکھے۔ وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ۔ تم اپنے دل کی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس کا ضرور محاسبہ کرے گا۔ اس کی انسان کے پاتال تک نظر ہے۔ تم اس سے چھپ نہیں سکتے۔ وہ سمیع و بصیر ہے۔ وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ اگرچہ وہ رحیم و کریم ستار العیوب ہے مگر وہ گرفت بھی کرتا ہے۔ وہ ہر شئے پر قادر ہے۔ واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ جو لوگ معافی کے قابل ہیں انہیں معاف فرما دے گا۔ اور جو سزا کے لائق ہیں انہیں سزا دے گا۔

اس سے آگے بین الاقوامی اتحاد کا ایک بہترین نسخہ بیان فرمایا ہے۔ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون، کل اٰمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احدٍ من رسلہ۔

یعنی اللہ کا رسول اور کل مؤمن تمام سابقہ رسولوں اور ان کی کتب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ مختلف قوموں کی طرف مبعوث ہونے والے رسولوں اور ان کی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دے کر انسانی اتحاد کی ایک ایسی محکم بنیاد رکھ دی۔ جس پر عمل کرنے سے آج بھی دنیا سے مختلف قوموں کے باہمی تصادم کو روکا جا سکتا ہے۔ اور جنگ و قتال سے ملوث اس دنیا کو بہشت بنایا جا سکتا ہے۔ مختلف ممالک اور اقوام کے مفکرین نے انسانی اتحاد کی وقتاً فوقتاً راہیں تلاش کرنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہے۔ اگر وہ خالق کائنات کے آج سے چودہ صد برس پہلے قرآن کریم میں بتائے ہوئے نسخہ پر عمل کرتے تو ان غیر مسلم مفکرین کو کبھی ناکامی نہ ہوتی۔ اور وہ دنیا میں پائیدار امن قائم کرنے کی اپنی نیک خواہش میں بھی کامیاب ہو جاتے۔

دوسری قوموں کے پیغمبروں، رشیوں اور منیوں پر ایمان لانے کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کے اتحاد کی اساس بتا دی ہے اس حکم پر عمل کئے بغیر نہ دنیا میں پائیدار امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ مختلف رنگ و نسل کے افراد میں اتحاد قائم رہ سکتا ہے۔ فرمایا وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر، اور ولکل قوم ھاد۔ ہم نے ہر قوم اور ہر اُمت میں ڈرانے والے اور رہنما بھیجے تاکہ وہ انسانوں کو ان کے مقصد پیدائش سے آگاہ کریں اور انہیں اپنے اس پروردگار پر ایمان لانے کی دعوت دیں جسے انسانی فطرت بھی محسوس کرتی ہے۔ جو چیونٹی سے ہاتھی تک کو پیدا کرتا اور ان کی ربوبیت فرماتا ہے۔

خشکی اور تری کی ساری مخلوق کی ضروریات سے وہ باخبر ہے۔ وھو اللطیف الخبیر۔ انسان خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اس کی فطرت میں اپنے محسن کے آگے جھکنا ہے۔ اسے کائنات کے علم میں سے بھی حصہ دیا گیا ہے۔ انسان کو اپنے اس منصب کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اس کے سارے ارادے خدا اور اس کی مخلوق کے لئے ہوں۔

محمد رسول اللہ کا ارشاد گرامی ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ۔ انسان کو الٰہی اخلاق میں رنگین ہونا چاہیئے۔ خدا کی صفات کا جلوہ تم میں نظر آئے۔ اور تمہیں اس طریق سے زندگی گذارنی چاہیئے، کہ تمہارے خالق کی بدنامی نہ ہو۔ مخلوقِ خدا کی بہتری کے لئے کام کرو۔ اور الٰہی اخلاق کو اپناؤ۔ تمہارے وجود سے خدا تعالیٰ کی صفات نظر آئیں۔ گھر میں ہو تو تمہارے بیوی بچے گواہی دیں کہ یہ خدا کا بندہ ہے محلے والے کہیں کہ یہ اسلام کا عملی نمونہ ہے۔ حضرت موسیٰ، عیسیٰ، یوشع سب نبیوں نے انسانوں کو خدائے واحد کی عبادت اور مخلوق خدا کی خدمت سکھائی ہے۔

پس مسلمان وہی ہے جو خدا اور اس کے تمام پیغمبروں اور ان کی کتب پر ایمان لائے جو مختلف وقتوں اور مختلف قوموں میں بھیجے گئے۔

وحی الٰہی کو آسمانی بارش سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، جو رسول اپنے ہمراہ لاتا ہے۔ اس سے روح کی پرورش ہوتی ہے۔ یہی اسلام ہے۔ جسمانی ربوبیت کے سامان پیدا فرمانے کے بعد یہ ناممکن تھا کہ خدا تعالیٰ روحانی پرورش کے سامان و اسباب مہیا نہ کرتا۔ سو پیغمبروں اور ان پر وحی الٰہی کے ذریعہ انسانوں کی ربوبیت کا بھی بندوبست فرما دیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند کر دینے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ خدا کے بعد انسانوں میں وحدت پیدا کی جائے اور یہ ایک خدا اور ایک رسول، کی صورت ہی سے ممکن ہے۔ دنیا اس پر عمل کرے اور تجربہ کر کے دیکھ لے۔ کہ انسانوں میں اس کارگر نسخہ سے کسی طرح یکجہتی اور وحدت پیدا ہوتی ہے۔

آج دنیا متصادم نظریات رکھنے کے باعث جہنم کے دروازہ پر کھڑی ہے۔ آج تمام بڑی طاقتیں سائنسی آلات جنگ کی تباہ کاریوں اور عالمگیر ہلاکت خیزیوں سے خود لرزاں و ترساں ہیں۔ اور ایک دوسرے سے بقاء باہمی کے معاہدے کر رہی ہیں۔ مگر یہ سب عارضی تسلیاں ہیں۔ جب تک اسلام کے ان بتائے ہوئے اصولوں پر بین الاقوامی اتحاد کی بنیاد نہ رکھی جائے گی دنیا میں پائیدار امن کبھی قائم نہ ہو سکے گا۔

محمد رسول اللہ صلعم کی جماعت کے متعلق فرمایا۔ کہ وہ احکام الٰہی سنکر قالوا سمعنا واطعنا کہہ اُٹھتے ہیں۔ کہ ہم نے سُنا اور تابعداری اختیار کی اور بے قراری سے غفرانک پکارتے ہیں۔ کہ اے ہمارے رب۔ ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرمائیو۔ ہمیں اپنی نیکیوں پر کوئی گھمنڈ نہیں ہے۔ ہم تیری ہی مغفرت چاہتے ہیں۔ یہی تقوےٰ اور عرفان کا وہ بلند مقام ہے۔ جسے حاصل کرنے کی ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

درخواستِ دُعا

بھارت کے ساتھ سلسلہ رسل و رسائل شروع ہونے کے ساتھ ہی ہندوستان کی جماعتوں کی تبلیغی سرگرمیوں سے مرکز میں اطلاعات آنا شروع ہو گئی ہیں۔ سرینگر کشمیر سے شیخ عبدالصمد صاحب صدر جماعت، محترم عبدالعزیز شورہ، ڈاکٹر خورشید عالم صاحب ترین، ماسٹر عبدالکریم صاحب، محمد یوسف صاحب تاثیر کے خلوص بھرے خطوط اور اسی طرح بمبئی سے محترم عبدالرزاق صاحب کی محبت سے لبریز خط و کتابت ہمارے لئے اطمینان کا موجب ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کا حامی و ناصر ہو اور اپنے افضال ان کے شامل حال کرے۔

محترم عبدالرزاق صاحب نے اپنے تازہ خط میں تحریر فرمایا ہے کہ ان کی بیگم صاحبہ محترمہ کے گلے کا اپریشن کروایا گیا ہے۔ یہ ان کا دوسرا اپریشن ہے جو کامیاب رہا۔ الحمد للہ۔ عبدالرزاق صاحب نے استدعا کی ہے کہ حضرت امیر ایدہ اللہ اور احباب کرام اس محترم خاتون کے لئے دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ انہیں مکمل صحت عطا فرمائے۔ آمین۔

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۵ فروری ۱۹۷۵ء

تاریخِ عالم کا انقلاب آفریں دن

تاریخ انسانی میں بعض مقامات اور ایام کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ایسے مقامات اور ایام صدیاں گذر جانیکے باوجود آج بھی اپنی برکات، تقدیس اور اثرات کے پیشِ نظر خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان ایام میں اسلامی سن ہجری کا پہلا دن "یکم محرم الحرام"، اپنی انقلاب آفرینی اور ایمان افروزی کی وجہ سے میدانِ حیات میں خورشید جہانتاب کی طرح حرارت بخش اور ہدایت افزا ہے۔

آسمانی نظامِ رشد و ہدایت نے ایسے رجال کو جنم دیا ہے، جنہوں نے باطل کی قوتوں سے ٹکر لی، جان و مال کے ایثار کی بے نظیر مثالیں قائم کیں۔ رضائے مولا کے لئے اپنی متاعِ عزیز کو لٹایا، امارت پر غربت کو ترجیح دی۔ اپنی نگاہوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو ذبح ہوتے دیکھا۔ اور جب ایمان کی نشوونما کے لئے سرزمین وطن کو تنگ پایا تو پھر جان و مال، گھر بار، خویش و اقارب، دوست و احباب حتیٰ کہ وطن عزیز پر حسرت کی نگاہ ڈال کر۔ دولتِ ایمان و صداقت کی حفاظت کے لئے ترک وطن کر گئے۔

انبیاء علیہم السلام کو اس میدان میں منفرد مقام حاصل ہے۔ لیکن انفرادی ایثار و قربانی کے سلسلہ میں حضرت ابراہیمؑ انتہائی بلندیوں پر نظر آتے ہیں۔ اور جہاں آپ نے رضائے الٰہی کے لئے سلاطین زمانہ سے ٹکر لی وہاں ضرورت پڑی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انی ذاھبٌ الیٰ ربّی کا نعرہ لگا کر وطن کو چھوڑ گئے۔ اور آپ کے بعد آپ کے نام لیواؤں نے سنت ابراہیمی ——— ہجرت ——— کا بلند پایہ نمونہ قائم کیا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت لوطؑ، حضرت موسٰےؑ و ہارونؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسٰےؑ وغیرہم سب نے راہِ حق میں ہجرت کی۔

دعائے خلیل حضرت ابراہیمؑ کی دلی تڑپ تھی، کہ دنیا میں توحید پھیلے بندہ اپنے مولائے حقیقی کی شناخت کرے اور بالخصوص آپکی اولاد آپکی سنت کو تازہ کرتی رہے۔ چنانچہ آپ نے تعمیر بیت اللہ کے بعد حضرت اسماعیلؑ کی معیت میں دعا کی:۔

"اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد سے ایک اُمتِ مسلمہ بنا"۔ (۱۲۸:۲)

"اے ہمارے ربّ! ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات پڑھے، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ فرمائے"۔ ( )

حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کی دعا قبول ہوئی — اور جس شان سے قبول ہوئی۔ اس کی نظیر تاریخ عالم میں کہاں ملتی ہے؟ حضرت ابراہیمؑ کی سنت پر عامل افراد تو مل جائیں گے، لیکن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ آپ خود حضرت ابوالانبیاء کی سنت کو زندہ کرکے دنیا کے لئے ایک ابدی و کامل نمونہ حسنہ چھوڑ گئے۔ بلکہ ہزاروں انسانوں پر مشتمل ایک اُمت پیدا کی جو اسوۂ ابراہیمی پر قائم ہوئی۔ جس کی تصدیق خود اللہ تعالےٰ نے فرمائی۔ اور جس کی اتباع کو اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح فلاح دارین کا عظیم وسیلہ ٹھہرایا۔ ان ہی کے متعلق فرمایا:۔

"یقیناً ابراہیمؑ سے بہت نزدیک وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو اس نبی پر ایمان لائے۔ اور اللہ مومنوں کا دوست (ولی) ہے"۔ (۶۸:۳)

یہی وہ اُمتِ مسلمہ تھی، جس نے خود خدا نے شہادت دی کہ ہم نے تم کو اقوام میں کامیاب، درمیانہ اور بہترین اُمت بنایا ہے تاکہ تم اپنے اجتماعی نمونے سے اقوام میں خدا کی ہستی اور رسولؐ کی صداقت پر گواہ ٹھہرو"۔ (البقرہ)

یوم ابتلاء و انقلاب اگر حق کی خاطر خویش و اقرباء، شہر و وطن، کاروبار، مال و دولت سے جدا ہونا اور جانوں کو قربان کرنے کی راہ پر عمل پیرا ہونا حق پرستوں کا شعار ہے۔ تو اللہ تعالےٰ کے فرمان کے مطابق ان لوگوں کو

"جو ایمان لائے اور خدا کی راہ میں ہجرت نہیں کی۔ تم پر ان کی دوستی کا کوئی حق نہیں حتّٰی کہ وہ ہجرت کریں"۔ (۷۲:۸)

ان کو سنتِ ابراہیمی پر عمل کرنے والے گروہ سے الگ کر دیا گیا۔ یہی یوم تبلی السرائر تھا۔ اسی دن قرآن کریم کی تعلیمات کا خلاصہ، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مزکی و مطہر، دعائے خلیلؑ و اسمٰعیلؑ کا ثمر، امت مسلمہ منصۂ عالم پر شہود پذیر ہوئی۔ اور یہی وہ پاک و عظیم حزب اللہ تھا۔ جس کے سر پر رضی اللّٰہ عنہم و رضوا عنہ کا ابدی تاج رکھا گیا۔ یہی وہ ارفع و اعلیٰ جماعت و اُمت ہے جس کی تعریف میں اللہ تعالےٰ رطب اللسان ہے۔ اور پہلی اُمتوں کے لئے اسوۂ کامل ہے۔

ان کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کا ایک دوسرا گروہ بھی ممدوح ربّ العٰلمین ہے۔ اور وہ مدینہ کا گروہ انصار ہے جس نے اپنی جان، مال، مکان، زمین، اور وطن ان مہاجرین کے ساتھ تقسیم کر لیا، اور اپنے گھروں میں مہاجر بن گئے اور مہاجرین سے کسی طرح پیچھے نہ رہے۔ ان دو گروہوں کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے:۔

"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی، اور خدا کی راہ میں جہاد کیا، اور وہ لوگ جنہوں نے پناہ دی اور مدد دی، یہی پکے مومن ہیں"۔ (۷۵:۸)

"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال اور جانوں کے ساتھ خدا کی راہ میں جہاد کیا، ان کے درجے خدا کے ہاں سب سے بلند ہیں"۔ (۲۰:۹)

"اور مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے سبقت لے جانے والوں اور جن لوگوں نے ان کی عمدہ طریق سے پیروی کی ان سے خدا راضی ہو گیا اور انہوں نے خدا کی رضا حاصل کر لی"۔ (۱۰۰:۹)

یہی وہ خیر اُمّت اور نافع الناس ملّت تھی۔ جس سے خدا تعالےٰ کا وعدہ خلافت روزِ روشن کی طرح پورا ہوا، وعدۂ الٰہی یہ تھا:۔

"اللہ تعالےٰ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسے انہیں خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے تھے اور وہ ان کے لئے ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا۔ مضبوطی سے قائم کر دے گا۔ اور وہ ان کے لئے ان کے خوف کے بعد بدل کر امن کر دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، اور جو کوئی ان کے بعد کفر کرے تو وہی نافرمان ہیں"۔ (۵۵:۲۴)

اللہ تعالےٰ کا وعدہ ان کے ساتھ پورا ہوا۔ انہیں روحانی اور مادی ہر دو قسم کی خلافت عطا کی گئی۔ یہی وہ گروہ تھا جس نے نہ صرف اپنی زندگیوں بلکہ مملکت میں اسلام کو نافذ کیا، اور اس طرح ثابت کیا کہ وہ تکمیل دین کا حصہ تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اسلام شدید خطرے میں پڑ گیا، تو اللہ تعالےٰ نے ان انصار و مہاجرین کے ذریعے از سرِنو ملک سے ارتداد، بغاوت اور فساد کو ختم کیا۔ اور اس طرح "ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے" مضبوطی سے قائم کر دیا۔ اور اس کے بعد حجاز کی سرزمین پر سے کبھی خطرہ لاحق نہیں ہوا، اور ساتھ ہی "ان کے خوف کو امن سے بدل دیا"۔ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلبۂ اسلام کی پیشگوئیاں پوری ہوئیں اور دوسرے اسلامی نظام رائج ہوا اور اس طرح آنحضرت صلعم کے زمانہ میں جاری ہونے والا عمل تکمیل پذیر ہوا، اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں اشاعتِ قرآن محکم اساس پر ہوئی اور آپ نے قرآن کریم کے مکمل نسخے ملک بھر میں پھیلا کر آئندہ فتنوں کا خاتمہ کر کے آنحضرت صلعم کے متن کو آگے بڑھایا۔

فتنے اور احتیاط مذکورہ شواہد کی روشنی میں تاریخ اسلام کا یوم ہجرت اور

اس دن اور مہینے کو کمال چالاکی سے اسلام کے خلاف، ان مہاجرین و انصار کے خلاف استعمال کیا۔ اور عراق و ایران کی فتوحات کا انتقام لیا جو آنحضرت صلعم کی پیشگوئیوں اور قرآن کریم کے وعدوں کے مطابق کی گئی تھیں، اور پروپاگنڈے کا کمال یہ ہے کہ آج ان تمام عظمتوں کو سب و شتم، لعنت ملامت کی نذر کر دیا گیا ہے۔ ان ستودہ صفات فرزندان اسلام کو اس سال کے شروع میں مرتد اور منافق ٹھہرایا جاتا ہے۔ ان کے درخشاں کارناموں کو بھیانک انداز سے پیش کیا جاتا ہے۔ اور ان کی آڑ میں اسلام کو بگاڑ کر تمام ملت کو گمراہی کی طرف لے جانے کی ناپاک کوشش کی جاتی ہے۔

اس ضمن میں ہمارے زمانے میں ایک نئی خلافت نے ان روایات کو ختم کرنے کے لئے سن ہجری کو ختم کر کے ایک نیا سن جاری کر دیا۔ جس کی وجہ سے اس سن کی عظمت پر ضرب پڑتی ہے۔ حالانکہ جن لوگوں نے سن ہجری جاری کیا تھا وہ اسلام میں ہجرت، اور اس کے بلند ترین مقام کو خوب سمجھتے تھے اور انہیں علم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کو بلند ترین مقام بخشا تھا۔ لیکن اب مسلمانوں کو "ہجرت"، "اخاہ" "تبوک" وغیرہ مہینوں کی راہ پر ڈال کر نئے فتنے کو اُبھارا جا رہا ہے۔

نئے سال کے آغاز میں ان سطور کی غرض یکم محرم الحرام اور سن ہجری کے ذکر میں ہجرت کی عظمت اور مہاجرین و انصار کی یاد تازہ کرنا ہے۔ جن کے ایمان ایثار اور ہجری کارناموں کے گرد ہماری تاریخ ہی نہیں دین گھومتا ہے۔ دنیا میں توحید اور رسالت تو پہلے بھی جلوہ فگن تھی۔ لیکن ایسی امت کوئی پیدا نہ ہوئی تھی جس کے لئے انبیائے سابق نے دعائیں کی ہوں۔ جن کی پیروی کو آنے والوں کے لئے نجات کا وسیلہ ٹھہرایا گیا ہو، جنہوں نے رضائے الٰہی کو ہر شئے پر ترجیح دی اور کسی قربانی سے دریغ نہ کیا اور جن کی عظمت کو مٹانے کے لئے اس قدر منظم سازش کی گئی کہ عالم اسلام میں ہر سال سن ہجری کے پہلے ہی دن، اسلام کی خاطر ان اولین خون بہانے والوں کا ذکر بدی سے کیا جاتا ہے۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو۔

جماعت کے ایک برگزیدہ بزرگ کی رحلت

مخدوم محمد اشرف صاحب مرحوم و مغفور ہماری جماعت کے ایک بڑے پرانے اور مخلص بزرگ تھے جو ۹۲ سال کی عمر میں ۳۰ جنوری کی رات ۹ بجے وفات پا گئے اور ۱۲ فروری کو قبل از نماز جمعہ "دارالسلام" کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔ نماز جنازہ دفتر پر پڑھی گئی۔ اور احباب جماعت کے علاوہ کثیر تعداد میں غیر از جماعت احباب نے شرکت فرمائی۔

مخدوم صاحب مرحوم حضرت مولانا نورالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رشتہ داروں میں سے تھے اور پنڈ دادنخان ضلع جہلم کے رہنے والے تھے۔ آپ گورنمنٹ آف انڈیا کے ... شملہ میں ایک معزز عہدہ پر فائز تھے اور سالہا سال تک جماعت شملہ کے ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اور پنشن کے بعد ... میں رہائش پذیر ہوئے۔ ان دنوں رحمان پورہ میں اپنے فرزند مخدوم محمد اسلم صاحب کے یہاں رہتے تھے۔ مرحوم مخدوم صاحب نہایت متین، خاموش طبع اور بلند اخلاق انسان تھے۔ جماعت سے حد درجہ اخلاص رکھتے تھے اور پیرانہ سالی اور جسمانی کمزوری کے باوجود حتی الوسع نماز جمعہ کے لئے احمدیہ بلڈنگس تشریف لایا کرتے اور سب تحریکات میں حصہ لیتے تھے۔ ہمیں اس عظیم صدمہ میں ان کے صاحبزادگان مخدوم محمد اسلم صاحب (انجنیئر و آرکیٹیکٹ) مخدوم محمد ... صاحب ممبر اپلیٹ ٹریبونل محکمہ انکم ٹیکس اور دیگر افراد خاندان سے دلی ہمدردی ہے۔ مرحوم کے ... صاحبزادے ... انگلستان میں مقیم ہیں اور کچھ عرصہ قبل مرحوم کی ملاقات کے لئے چند دن کے لئے پاکستان آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا کرے اور مرحوم کے نقش قدم پر چلائے۔

(مرزا مسعود بیگ۔ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)

تبصرہ

جلد سوم۔ پارہ گیارہ تا پندرہ۔ ہدیہ مجلد پارچہ بیس روپیہ، ہدیہ مجلد کارڈ بورڈ۔ پندرہ روپیہ۔

ناشر:- ادارہ ترجمۃ القرآن۔ رحمانیہ منزل۔ بلاک جی۔ ڈیرہ غازی خان۔

پانچ پاروں پر مشتمل یہ جلد فاضل مرتب و ناشر جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے ذوق سلیم، عشق قرآن اور تبلیغی روح کا دیدہ زیب و دلکش مرقع ہے۔ ہمارے دور میں اشاعت قرآن حکیم سے جس شغف و انہماک کا اظہار ہو رہا ہے وہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا عکاس ہے۔ اور ادارہ ترجمۃ القرآن نے تیسری جلد کو انتہائی جاذب نظر شائع کر کے اس بات کا ثبوت بہم پہنچایا ہے کہ اُمت مسلمہ کے دل میں تعلیم قرآن کی تڑپ روز افزوں ہے۔ جس کی وجہ سے اس ادارہ کو یکے بعد دیگرے تین جلدیں شائع کرنے کا حوصلہ ہوا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ادارہ کی سعی مشکور فرمائے گا۔

اس عکسی ترجمۃ القرآن کی اشاعت سے فاضل مرتب نے قرآن حکیم کا پڑھنا اور سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ ترجمہ کا معیار اور بیان دل آویز ہے، اور معمولی اُردو جاننے والا بھی اس کے مطالعہ سے کسی قدر استقلال و استقامت سے قرآن مجید کے مطالب و معانی پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔

گرانی کے اس دور میں کاغذ، کتابت اور طباعت کا اتنا اعلیٰ معیار قابل تعریف و ستائش ہے، جس کے پیش نظر قیمت نہایت موزوں و مناسب ہے۔

ادارہ کے علاوہ ملنے کا پتہ:-

دارالکتب اسلامیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷

یا کوارٹر نمبر ۱۶۱ بلاک نمبر ۷ نیو ٹاؤن شپ سکیم کوٹ لکھپت لاہور

خلاصہ مکتوب ۔ لائلپور

محترم میاں مسعود احمد صاحب کی حج سے واپسی

احباب سلسلہ کو یہ جان کر قلبی مسرت ہوگی کہ ہمارے محترم بھائی فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد بخیر و عافیت لائل پور لوٹ آئے ہیں ان کی اس سعادت پر ۱۷ جنوری ۱۹۷۵ء بروز جمعہ احباب کا اجتماع ہوا، جس میں میاں صاحب موصوف نے مسرت کے آنسوؤں کے ساتھ سفر حج کے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ احرام باندھنے کے بعد ایک عجیب روحانی کیفیت طاری ہوئی۔ گویا کہ دنیا ہی بدل گئی ہے۔ اب نمازوں اور ذکر خدا میں پُرکیف لذت پائی۔ کعبۃ اللہ کا یہ اجتماع میلوں ٹھیلوں سے مختلف تھا۔ مرد ہو یا عورتیں تمام ذکر الٰہی میں مشغول تھے اور آنکھوں نے آنسوؤں کی جھڑیاں لگا رکھی تھیں۔ گویا اپنے معبود حقیقی کے سامنے حاضر ہیں اور پروانہ وار طواف کر رہے ہیں اور سب کی زبانوں سے اللّٰھم لبیک، لاشریک لک لبیک۔ اے مولا یہ گنہگار حاضر ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ پھر اس ایمان کے ساتھ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو بوسہ دیا تھا۔ ہر ایک کی دلی تڑپ تھی کہ آگے بڑھ کر اسے بوسہ دے۔

عرفات کے میدان میں معرفت کی ایک اور ہی کیفیت طاری تھی۔ گویا ہر مومن انسان نورِ معرفت سے منور ہو رہا ہے۔ مدینہ منورہ میں گنبد خضرا کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بے قرار کر دیتی ہے۔ اور صلوٰۃ و سلام کے ساتھ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے ہیں۔ مکہ اور مدینہ کی یہ کیفیات بیان نہیں کی جا سکتیں۔

اس سے قبل محترم مرزا مظفر بیگ ساطع مبلغ اسلام نے تعارفی طور پر ایک پُر اثر تقریر فرمائی اور محترم میاں صاحب کو اس فریضہ کی ادائیگی پر مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک مسلمان کی سب سے بڑی آرزو اور تڑپ خانہ کعبہ پہنچ کر خدا کے حضور حاضری دینا ہے۔ اور خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو خدا کے حضور حاضر ہو کر اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

محترم پروفیسر خلیل الرحمان صاحب ایم-ایس سی

"اسلام یا کوئی اور ازم"

ایک تقابلی جائزہ

(۴)

کارل مارکس اور اینجلز کا فلسفۂ حیات

رُوسی عوام اور ان کے رہنما جب مذہب اور خدا سے بیگانہ ہو گئے تو اس خلا کو پُر کرنے کے لئے انہیں ایسے مادی نظریہ کی جستجو ہوئی جس پر وہ اپنے نئے معاشرہ کی عمارت کھڑی کر سکیں۔ یہ نظریہ انہیں کارل مارکس اور اینجلز کے پیش کردہ فلسفہ میں مل گیا جس کی تفصیل مارکس کی کتاب "DAS KAPITAL" میں درج ہے۔ بائبل اور انجیل کی جگہ اس کتاب نے لے لی۔ یہاں یہ ذکر کر دینا غیر ضروری نہ ہوگا کہ مارکس جرمن نژاد یہودی تھا۔

میری یہ ذاتی رائے ہے کہ کوئی یہودی فلسفی (مسلمانوں کی بات الگ ہے) ایسا نظریہ پیش نہیں کر سکتا ہے جو اس کی قوم کے بنیادی مفادات سے متصادم ہو۔ کسی نظام کو اپنانے کے بعد اسے چلانے کے طریق کار میں تو اختلاف ممکن ہے لیکن قومی وقار کو ٹھیس پہنچانا ممکن نہیں۔

یہودی ایک ذہین و فطین قوم ہے۔ اس قوم کا فرد ہونے کے لحاظ سے مارکس نے اپنے دور کے زرعی اور صنعتی نظام میں متوقع تبدیلیوں اور ان پر مرتب ہونے والے نتائج کو بھانپ لیا تھا۔ وہ صنعتی ترقی اور بین الاقوامی تجارت میں فروغ کا زمانہ تھا۔ مختلف ممالک بین الاقوامی منڈی میں ایک دوسرے پر ترجیح اور سبقت حاصل کرنے کی دوڑ میں سرپٹ بھاگ رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی قوم سرمایہ دار ہے۔ صنعتکار اور زمیندار اور کاشتکار کے تعلقات میں کشیدگی اور بے چینی شروع ہو چکی ہے مزدور اور کاشتکار اپنی محنت کے پورے پورے معاوضہ اور دولت کی منصفانہ تقسیم کے لئے تقاضہ کر رہے ہیں جس سے اس کی قوم کی سرمایہ دارانہ حیثیت ضرور متاثر ہوگی۔ اس کے مد نظر اس نے ایسا فلسفہ پیش کیا جس کے تین امکانات ہو سکتے تھے۔ ایک یہ کہ اس نظریہ کو مکمل طور پر رد کر دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ زمیندار اور کاشتکار صنعتکار اور مزدور میں مفاہمت کی صورت نکل آئے۔ اور تیسرا یہ کہ اگر سارے نہیں تو چند ممالک اسے قبول کر لیں۔ پہلی دونوں صورتوں میں اس قوم کا معیشت پر تسلط بدستور قائم رہتا تھا لیکن تیسری صورت میں اس نے حالات کے ساتھ موافقت پیدا کر لینے کی نشاندہی کر دی تھی۔

اس کے فلسفہ کے سیدھی سادی زبان میں تین اہم نکات تھے:۔

(۱) تمام ذرائع پیداوار نجی ملکیت کی بجائے قومی ملکیت میں ہوں۔

(۲) ان سے حاصل شدہ دولت بھی قومی ملکیت میں ہو۔

(۳) معاشرہ کا ہر تندرست فرد مرد اور عورت کام کرے۔ اس سے کام اس کی اہلیت اور قابلیت کے مطابق لیا جائے۔ اور ضروریاتِ زندگی اسے اس کی ضرورت کے مطابق دی جائیں۔ رہائش۔ علاج۔ تعلیم اور روزگار وغیرہ کی ذمہ داری حکومت پر ہو۔

سب سے پہلے روس نے یہ فلسفہ جنگِ عظیم اوّل کے بعد اپنایا۔ وجہ یہ ہوئی کہ مذکورہ جنگ میں امریکہ فرانس اور برطانیہ کے یہودیوں نے اپنی تجوریوں کے منہ ان طاقتوں کی مدد کے لئے کھول دیئے۔ اس دولت نے جسے انگریزی میں SINEWS OF WAR کہتے ہیں جنگ کا پلہ ان کے حق میں بھاری کر دیا اور اس فتح کو اس اقتصادی نظام کی فتح قرار دیا گیا جو ان ممالک میں رائج تھا۔ یعنی سرمایہ داری۔ اس لئے مارکس کے نظریہ کو یہاں مقبولیت حاصل نہ ہو سکی اور یہودی سرمایہ دار محفوظ رہا۔

جرمنی نے اپنی شکست کا ذمہ دار یہودیوں کو ٹھہرایا جنہوں نے اس کے مخالف ممالک کی مالی مدد کی تھی، یہی وجہ ہے کہ ۱۹۱۹ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک ان پر نازیوں نے وہ مظالم توڑے کہ ان کی داستان پڑھ یا سُن کر رُوح کانپ اُٹھتی ہے یہودیوں نے بھاگ کر جہاں سر چھپانے کو جگہ ملی وہیں پناہ لے لی۔ روس اور امریکہ نے بڑے بڑے یہودی سائنسدانوں کو اپنے ہاں بسا لیا۔ ایک اچھی خاصی تعداد موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔ یہاں یہ ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ موجودہ ریاست اسرائیل کی بنیاد اسی جنگ کے دوران میں اس وعدے کے مطابق رکھ دی گئی کہ اگر یہودی اپنی دولت سے مدد کریں گے تو انہیں فلسطین میں دوبارہ ایک آزاد ریاست کی صورت میں بسا دیا جائیگا جنگ کے بعد امریکہ اور اس کے حلیفوں نے یہ وعدہ عربوں کو بے گھر کر کے پُورا کیا اور آج تک اس کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

روس میں یہ نظام اشتراکیت یا بالشوزم کی صورت میں قائم ہو گیا اور یہودیوں نے وہاں حالات کے ساتھ اس نکتہ نظر سے سمجھوتہ کر لیا کہ کسی نظام کو ناکام بنانے کی بہترین صورت یہی ہے کہ اسے مجبوراً قبول کر لینے کے بعد ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے وہ غیر مؤثر ہو کر رہ جائے۔ اس لئے یہودی سرمایہ دار نے اشتراکیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ ویسے بھی زراعت اور صنعت وغیرہ کے شعبہ جات میں انہیں دسترس حاصل تھی اس لئے انہیں یقین تھا کہ ان کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ کمیونزم اختیار کر کے کمیونسٹ پارٹی کی اعلےٰ تنظیم میں شامل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ پچھلے دنوں "نوائے وقت" نے اپنی ایک اشاعت میں لکھا تھا کہ برزنیف اور گرومیکو دونوں یہودی ہیں اور اس وقت رُوس کی پالیسی مرتب کرنے میں کرتا دھرتا ہیں یہی وجہ ہے کہ روس نے مصر، اسرائیل جنگ ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء میں مصر کی مؤثر مدد نہ کی بلکہ ۱۹۶۷ء میں مصر کو اسرائیل کے ہاتھوں جو افسوسناک ہزیمت اُٹھانا پڑی اس کی ذمہ داری بھی روس پر عائد ہوتی ہے کیونکہ اس نے مصر کو یقین دہانی کرائی تھی کہ اسرائیل حملہ نہیں کرے گا۔ اور ادھر امریکہ سے باقاعدہ اس سلسلہ میں اس کا رابطہ رہا اور مصر کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ۱۹۷۳ء میں امریکہ کی نسبت روس نے جنگ بندی میں زیادہ دلچسپی لی اور مصر کو اس وقت جنگ بندی پر مجبور کیا جب جنگ میں اُسے کچھ برتری حاصل ہونے کی خبریں آ رہی تھیں۔

حقیقت میں یہ سزا ہے قرآن کریم کو پسِ پشت ڈالنے کی جس میں بڑی وضاحت سے یہ درج ہے:۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ (کی سزا) کے لئے اپنے خلاف کھلی دلیل بناؤ"

(النساء - ۱۴۴)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست مت بناؤ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے انہیں دوست بنائے تو وہ انہی میں سے ہے اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا"

(المائدہ - ۵۱)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ان میں سے جن کو تم میں سے پہلے کتاب دی گئی ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں اور (نہ) کافروں کو۔ اور اللہ کا تقویٰ کرو اگر تم مومن ہو"

(المائدہ - ۵۷)

کیا اس حقیقت سے کوئی انکار کر سکتا ہے کہ کافروں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو دوست بنا کر مسلمان ممالک نے اللہ تعالےٰ کی ناراضگی مول لی اور اس کی کتنی عبرتناک سزا بھگتی۔ اللہ کے احکام کو نظر انداز کر کے اپنے لئے نئی راہیں تلاش کرنے میں ذلت ہی ذلت اور رسوائی ہی رسوائی ہے۔ مسلمان آج تک نہیں سمجھ سکا کہ سوائے مسلمان کے اس کا کوئی دوست نہیں۔ امریکنوں نے دوستی کے پردے میں رُوس سے مل کر پاکستان کو دولخت کرنے میں ہندوستان کی مدد کی۔ مشرق وسطیٰ میں روس نے دوستی کے پردے میں امریکہ سے مل کر یہودیوں کے ہاتھوں مصر کو نقصان پہنچایا۔ اور اس کی پیٹھ میں چھُرا گھونپا۔ فتدبروا۔ وتفکروا فاعتبروا یا اولی الابصار۔

روس مارکس کے بنیادی فلسفہ سے اب واپس پلٹ رہا ہے اسی لئے چین

ات REVISIONIST کا طعنہ دیتا ہے۔ وہاں اب محدود بھی ملکیت کی بھی اجازت ہو رہی ہے۔ یہودی اپنے منصوبے میں ۵۰ سال کی خفیہ کوششوں کے بعد آہستہ آہستہ کامیاب ہو رہا ہے اور وقت قریب ہے کہ آج کے اشتراکی ممالک کل کی سرمایہ دار اور سامراجی طاقتیں بن جائیں۔ روس نے اپنا اثر و رسوخ دوسرے ممالک میں کہیں طاقت کے بل بوتے پر کہیں امداد کے رنگ میں کہیں سازشوں کے ذریعے بڑھانا شروع کر دیا ہے۔ جنوب مشرقی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے چھوٹے چھوٹے ترقی پذیر ممالک اس کا نشانہ ہیں۔ وہ مادی فلسفہ کا پیرو ہے۔ اس کے ہاں انسانی اخلاقی اقدار کی کوئی وقعت نہیں وہ اپنا مفاد حاصل کرنے میں ضمیر کی خلشوں سے بالکل آزاد ہے۔ وہ اپنی مادی طاقت پر نازاں ہے۔ اگر وہ خائف ہے تو امریکہ کی سائنسی اور تکنیکی برتری اور اس کی ایٹمی قوت سے نیز عسکری طاقت سے۔ اسی وجہ سے وہ مجبور ہو گیا ہے کہ امریکہ سے مفاہمت یا دیتاہت کے ذریعے) دونوں باقی دنیا پر اپنا سیاسی اور اقتصادی اثر و رسوخ برقرار رکھنے کے لئے مناسب ذرائع اختیار کریں۔ یہ کچھ بھی کریں ان دونوں طاقتوں کا تصادم ناگزیر ہے۔ جب بھی ایسا ہوا دنیا پر ایک قیامت عظمیٰ ٹوٹے گی۔

کیا سرمایہ داری اور اشتراکیت انسانی فطرت کے مطابق ہیں

دنیا میں کوئی نظام بھی ہو وہ تب ہی کامیاب ہو سکتا ہے کہ وہ انسانی فطرت کو اپیل کرتا ہو اور ہر آنے والے دور میں انسانی مسائل کا تسلی بخش حل تجویز کرتا ہو۔ اس پس منظر میں اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا سرمایہ داری اور اشتراکیت خواہ وہ کسی شکل میں بھی ہو انسانی فطرت کے مطابق ہیں اور وہ ایسا حل پیش کرتے ہیں اور کرتے رہے ہیں جس سے بجائے فتنہ و فساد کے امن اور آشتی کی راہیں ہموار ہوتی رہی ہیں۔

کوئی قوم ایسی نہیں جس کی زبان میں "میں" اور "ہم"۔ "میرا" اور "ہمارا" کے الفاظ نہ ہوں۔ زبان انسان کے خیالات اور جذبات کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے اور خیالات و جذبات انسان کی فطرت کا ایک حصہ۔ زبان کا ہر لفظ اپنے اندر خاص معنی رکھتا ہے۔ جب کوئی لفظ یا الفاظ متکلم کی زبان سے ادا ہوتے ہیں تو مخاطب فوراً ان کا مطلب سمجھ لیتا ہے۔

انسانی جذبات کی دو شکلیں ہیں۔ ایک ادنیٰ (CRUDE FORM) اور دوسری اعلیٰ اور ارفع (FINISHED OREFINED FORM) جس طرح کسی خام دھات کی ادنیٰ صورت ORE OR CRUDE FORM کو آگ کی بھٹی میں سے گذار کر ایک اعلیٰ صاف اور پختہ شکل میں تبدیل کیا جاتا ہے اسی طرح انسانی جذبات کی تعدیل یا تزکیہ ہوتا ہے۔

جب جذبات کی ادنیٰ صورت کو الفاظ میں ادا کیا جائے تو معنے کچھ اور ہوتے ہیں۔ لیکن جب ارفع جذبات کا اظہار انہی الفاظ میں کیا جائے تو ان معانی کی حقیقت بھی بدل جاتی ہے۔ مثلاً سورۃ ص ۷۶ میں بیان ہوا ہے کہ جب فرشتوں کو انسان کے سامنے سجدہ کا حکم ہوا تو ابلیس نے انکار کر دیا۔ جب اس سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے جواب دیا "میں اس سے بہتر ہوں۔ کیونکہ تو نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔" اس "میں" سے تکبر۔ غرور انانیت اور خود پسندی جیسے ادنیٰ جذبات کی بو آتی ہے۔ جن سے دنیا میں بغاوت۔ فساد اور جنگ و جدل کی بنیاد پڑتی ہے۔

اس کے مقابلے میں سورۃ کہف ۱۱۰ میں یہی لفظ یوں ادا ہوا ہے۔ "کہہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں لیکن میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔" یہ لفظ اس عظیم ہستی کی زبانِ مبارک سے نکلا ہے جس کے متعلق قرآن کریم کی اپنی یہ شہادت موجود ہے کہ "تو یقیناً عظیم اخلاق کا مالک ہے" اور آج مخالف بھی یہی شہادت دیتے ہیں۔ لیکن اس "میں" میں عجز۔ انکسار۔ تواضع اور علم کی انتہا ہے جس سے دنیا میں خلوص۔ محبت۔ پیار۔ ہمدردی اور اصلاح خلق کے لئے درد کا ایک بحرِ بیکراں نظر آتا ہے۔

ایک کی زبان سے نکلا ہوا "میں" اسے شیطان بنا دیتا ہے لیکن ایک اور کی زبان سے نکلا ہوا یہ لفظ اسے رحمۃ للعٰلمین بنا دیتا ہے۔

اس قسم کے جذبات کا اظہار جانور اپنی چال ڈھال اور ہیئت سے کرتے ہیں مور کو اپنے خوبصورت پر پھیلائے اکڑ اکڑ کر چلتے دیکھ کر ہی کسی نے کہا:۔ "AS PROUD AS A PEACOCK" اور گائے کی حالت "AS MEEK AS A COW" کا محاورہ نکلا۔ اسی طرح "میرا"۔ "میری"۔ اور "ہمارا"۔ "ہماری" کے الفاظ کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ جب ہٹلر کی زبان سے اپنی تقریر میں "میری قوم" کے الفاظ نکلے جاتے تو ان کا مفہوم نسلی برتری ہوتا۔

لیکن جب طائف کے سفر میں وہاں کے بسنے والوں کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد جب آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ: "اے اللہ میری قوم نہیں جانتی (کہ میں اس کے لئے کیسا سلامتی۔ امن اور سکھ کا پیغام لایا ہوں۔)" تو ان میں پیار اور ہمدردی کی جھلک نظر آتی ہے۔ اپنے۔ اپنے بدترین دشمنوں کو بھی "میری قوم" فرمایا ہے۔

"میرا"۔ "ہمارا"۔ "میری" اور "ہماری" کے الفاظ ان چیزوں کی نشاندہی کرتے ہیں جن پر کسی کو اختیار ہوتا ہے یا اس کی ملکیت ہوتی ہے۔ ان کے پیچھے کارفرما "جذبہ کو یا جبلت یا ملکیت کہتے ہیں (INSTINCT OF POSSESSION)

یہ جذبہ نہ صرف انسانوں بلکہ حیوانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ کوئی جانور دوسرے جانور کو نہ اپنے گھر میں گھسنے دیتا اور نہ اُسے اپنی خوراک اُٹھانے دیتا ہے چیونٹیاں ایک ایسی ہی مخلوق ہیں۔ ان کی آبادی میں بڑے بڑے چیونٹے بھی ہوتے ہیں جو ان کی دفاعی فوج کا کام دیتے ہیں۔ وہ جبلّی طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ "ہماری آبادی" ہے۔ یہاں کسی اور کو داخل ہونے کا حق نہیں۔

چھوٹے بچوں کو دیکھیں۔ کوئی بچہ اپنا کھلونا۔ پنسل۔ کتاب وغیرہ اپنے بھائی یا بہن کو بھی نہیں لینے دے گا۔ کوئی لے لے تو روتا ہے۔ چیختا ہے چلاتا اور لڑتا جھگڑتا ہے۔ اس لئے کہ سمجھتا ہے کہ یہ "میری چیز" ہے دوسرا کوئی کیوں اس پر اپنا حق جتائے۔ ہاں اگر اسے یہ کہہ کر آپ ترغیب دیں کہ دیکھو یہ تمہارا بھائی یا بہن ہے۔ آپ بڑے اچھے ہیں اسے دے دیں تو ممکن ہے وہ راضی ہو جائے۔

اگر بچوں کے ان ادنیٰ جذبات کو اس طرح اعلیٰ جذبات میں تبدیل کیا جائے کہ "میں" اور "میرا" سے بلند ہو کر "ہم" اور "ہمارا" کے رنگ میں سوچنا شروع کر دیں تو یہی ان کی ایسی تربیت ہوگی جو انہیں اعلیٰ اخلاقی اقدار کا مالک بنا کر ایثار اور قربانی کا جذبہ ان میں پیدا کر دے گی۔ اس کے برعکس اگر آپ انہیں اس طرح پروان چڑھائیں کہ ان کے جذبہ ملکیت کا احترام نہ کرتے ہوئے ان سے ان کی چیزیں چھین چھین کر دوسروں کو خوش کرنے کے لئے دیں تو یقیناً ان میں خود غرضی اور بغاوت کے جذبات اُبھریں گے جو معاشرہ کے خلاف فساد کا موجب ہوں گے۔

اس فطری جذبہ کے ماتحت ہر فرد کو کسی چیز کو اپنا کہنے اور اسے ترقی دینے اور اسے فائدہ اُٹھانے کا حق اور اختیار حاصل ہے۔ کوئی بھی اسے اس سے محروم کرنے کا مجاز نہیں۔

اس پس منظر میں سرمایہ داری اور اشتراکیت۔ دونوں بظاہر ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کے نتائج ایک جیسے ہیں۔ دونوں معاشرہ میں نفسا نفسی۔ خود غرضی اور بغاوت کو جنم دیتے ہیں۔ سرمایہ داری میں ایک طبقہ امیر سے امیر تر اور دوسرا غریب سے غریب تر ہوتا جاتا ہے۔ کم از کم مشرقی ترقی پذیر ممالک میں تو ایسا ہی ہے۔ سرمایہ دار کا ذرائع پر کنٹرول ہوتا ہے اور مزدور یا کسان جو اپنی قوت اور محنت سے اس کے لئے دولت کماتا ہے اسے اس کا حقہ معاوضہ نہیں ملتا۔

(باقی ۔۔۔ باقی)

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں ۔ دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں ۔ خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب ۔ کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب
(حضرت مسیح موعودؑ)

اس اُمّت میں بعثت مجدّدین کا سلسلہ

(۳)

کیا حضرت مسیح موعود سے مجدّدیت کا کام پُورا ہُوا؟

صفحات سابق میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مجدّد کا متن ذیل کے مقاصد اپنے اندر رکھتا ہے:-

(ا) اعلائے کلمۃ اللہ و اشاعت سنّت رسول اللہ (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام)
(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر سے جھوٹے الزامات کا دفعیہ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان امور کو بدرجہ احسن سرانجام دیا۔ آپ نے ایک نئے علم کلام کی بنیاد رکھی۔ دہریت و مادیت کے طوفان کو جو افق مغرب سے ظاہر ہو کر عالم پر چھا رہا تھا۔ اپنی فقید النظیر قوتِ استدلال سے مقابلہ کر کے زیر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بحر روحانیت کے آب حیات کو دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آپ فرماتے ہیں ؎

این چشمہ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است

آپ نے اپنے وجود سے الہام الٰہی کے وجود کو ثابت کیا۔

مخالفین اسلام کے اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر اسلام کی شوکت کو اظہر من الشمس کیا۔ آپ کی زندگی اسی مقصد کے لئے وقف تھی۔ اگر ابتدائی کتاب آپ کے قلم سے نکلتی ہے تو اس کا نام

البراھین الاحمدیہ علیٰ حقیۃ
کتاب اللہ القرآن و النبوۃ المحمدیہ ہے

یعنی براہین احمدیہ جو قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت کے ثبوت میں لکھی گئی۔

اور آخری کتاب اگر لکھتے ہیں تو وہ پیغام صلح ہے جس میں امن کے اس عظیم الشان شہزادے نے لکھا کہ ہم جنگل کے وحشی درندوں اور زہریلے جانوروں سے صلح کر سکتے ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بدزبانی کرنے والوں سے قطعاً اتحاد نہیں کر سکتے۔ آپ کی حالت آپ کے اس شعر کے مصداق تھی کہ ؎

ز عشاقِ فرقان و پیغمبریم — بدین آمدیم و بدین بگذریم

آپ نے ایک عظیم الشان جماعت کی بنیاد رکھی جو **جماعت احمدیہ** کے ایمان افروز نام سے مخالفین اسلام کی ہمتوں کو پست کر کے دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسلام کا نام بلند کر چکی ہے۔ یورپ کے وہ مفکر جو کسی زمانہ میں اسلام کو ایک دہشتناک مذہب سمجھ رہے تھے اس جماعت کی مساعی جمیلہ کی بدولت یہ پیشگوئی کرنے لگ گئے ہیں کہ دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہی ہو سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت کی اس تصویر کو جسے اس جماعت نے پیش کیا دیکھ کر یورپ پکار اُٹھا کہ یہ ایک نیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور نیا اسلام ہے۔

انگلستان کے مایہ ناز مفکر برنرڈشا نے ۱۴ جنوری ۱۹۳۳ء کو بمبئی کے ساحل پر اترتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ مجھے یقین ہے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسی صفات والی شخصیت کے انسان کو دنیا کا آمر و مختار مطلق DICTATOR بنا دیا جائے تو وہ دنیا کے تمام اہم مسائل کا ایسا حل کر دے گا جو ہر لحاظ سے ایسا امن و سکون پیدا کر دے جس کی دنیا کو سخت ضرورت ہے۔

(ترجمہ از "لائٹ" - ۲۴ جنوری ۱۹۳۳ء)

یورپ کی اس پرانی ذہنیت کو بدلنے والی قوم سوائے جماعت احمدیہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ جس نے قرآن مجید کے تراجم مختلف زبانوں میں کئے۔ سیرت نبوی پر کتب لکھیں اور ہزارہا کی تعداد میں مفت شائع کیں۔ ہزار رسائل صداقت اسلام پر لکھے اگر یہ قوم اس انقلاب کی بانی نہیں تو ہمیں بتایا جائے کہ وہ کونسا شخص ہے جس کے ہاتھوں یہ کام ظہور میں آیا۔

چند شہادات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کامیابی ایسی نہ تھی کہ صرف موافقین ہی اس کی تعریف کرتے بلکہ مخالفین بھی اس کی توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں اور بمصداق "الفضل ما شہدت بہ الاعداء" درحقیقت فضیلت وہی ہوتی ہے جس کا اقرار ایک معاند کو بھی کرنا پڑ جائے ذیل میں ہم چند ایک شہادات درج کرتے ہیں:

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت

مولوی محمد حسین بٹالوی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت میں سب سے زیادہ حصہ لیتے رہے۔ لیکن کتاب "براہین احمدیہ" پر ریویو کرتے وقت ان کو ذیل کا اعتراف کرنا پڑا:-

"مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہموطن ہی نہیں بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی اور شرح ملا پڑھا کرتے تھے) ہمارے ہم مکتب بھی ہیں (اشاعت السنہ جلد ۷ ملے)

"اب ہم اس (براہین احمدیہ) پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے **جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی**۔ اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرًا۔ اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و لسانی و قلمی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔" (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ ملے)

میرزا حیرت دہلوی کی شہادت

میرزا حیرت دہلوی حضرت اقدس کی وفات پر لکھتے ہیں:-

"مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں **اس نے مناظرے کا بالکل رنگ ہی بدل دیا اور جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی**۔ نہ بحیثیت مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ بڑے سے پادری کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہند میں **اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں ایک پُر جذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تو نپے تلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے**"

(کرزن گزٹ دہلی مورخہ یکم جون ۱۹۰۸ء)

اخبار وکیل امرتسر کی شہادت

مولوی عبداللہ العمادی ایڈیٹر اخبار وکیل امرتسر نے حضرت اقدس کی وفات پر "موت عالم" کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا جس کا اقتباس درج ذیل ہے:-

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے، جس کی دو مٹھیاں

بجلی کی دو بیٹریاں (مشعلیں) تھیں نہ وہ شخص جو مذھبی دنیا کے لئے تیس برس [illegible]
اور جب آتے ہیں دنیا میں انقلاب دکھا جاتے ہیں۔ مرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہوگیا۔ اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہوگیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پائمال بنائے رکھا آیندہ جاری رہے۔ اگر شورنختی مزاحم صلح و احسان نہ ہو تو یک جہتی کے ساتھ مشترک فرض کے ساتھ اور جامعہ اسلامیہ کے مبارک اصولوں کے ساتھ مرزا صاحب اس پہلی صف عشاق میں نمودار ہوئے تھے جس نے اسلام کے لئے یہ ایثار گوارا کیا کہ ساعت عہد سے لے کر بہار و خزاں کے سارے نظارے ایک مقصد پر۔ بلاں ایک شاہد رعنا کے پیمان وفا پر قربان کر دیئے۔ سید احمد خان غلام احمد رحمت اللہ آل حسن وزیر خاں ابوالمنصور یہ سابقون الاولون کے زمرہ کے لوگ تھے۔ جنہوں نے باب مدافعت کا افتتاح کیا۔

مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبول عام کی سند حاصل کرچکا ہے اور اس خصوصیت میں کسی تعارف کے وہ محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کرچکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ وقت ہرگز لوح قلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہو سکتا جبکہ اسلام مخالفین اسلام کی یورشوں میں گھر چکا تھا اور مسلمان جو اس کی حفاظت میں مامور تھے اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑا دیئے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا۔ اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا۔

غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا...
.... اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت سر انجام دی ہے......
مرزا صاحب آریہ سماج کے چہرہ سے انیسویں صدی کے ہندو ریفارمر (سوامی دیانند) کا چڑھایا ہوا ملمع اتارنے میں مصروف رہے۔ ان کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعوے پر نہایت صاف روشنی [illegible]
کرتے رہتے ہیں۔ اس کی نظیر غالباً دنیا میں کسی جگہ سے نہیں مل سکتی۔ مرزا صاحب کا دعوے تھا کہ میں ان سب کے لئے حکم و عدل ہوں۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں مخصوص قابلیت تھی اور نتیجہ تھی ان کی فطری استعداد کا، ذوق مطالعہ اور کثرت مشق کا۔ آئندہ امید نہیں ہے کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذاہب کے مطالعہ میں صرف کر دے۔" (اخبار وکیل بحوالہ عسل مصفےٰ جلد دوم۔ ص۶۴۷)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کی شہادت

گو بعض حالات نے علامہ موصوف کو اب جماعت احمدیہ کی مخالفت پر مجبور کر دیا ہے۔ مگر آپ ۱۹۱۱ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں ایک لیکچر کے دوران میں فرما چکے ہیں کہ :۔

"میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر ذات نے ڈالا ہے۔ ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے۔ اور ہماری تعلیم کا مقصد ہونا چاہیئے کہ اس نمونہ کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اسے پیش نظر رکھیں۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں۔"

(ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر مطبوعہ مرغوب ایجنسی ۱۹۱۵ء)

مولوی ظفر علی خاں کی شہادت

آپ فرماتے ہیں :۔ "میری حیرت زدہ نگاہیں بحسرت دیکھ رہی ہیں کہ بڑے بڑے گریجوایٹ اور وکیل اور پروفیسر اور ڈاکٹر جو کانٹ ڈیکارٹ اور ہیگل کے فلسفہ تک کو خاطر میں نہ لاتے تھے غلام احمد قادیانی کی خرافات واہیہ پر اندھا دھند آنکھیں بند کرکے ایمان لے آئے ہیں۔" (زمیندار ۹ر اکتوبر ۱۹۳۲ء)

یہ تو الگ سوال ہے کہ وہ لوگ جو اتنے عظیم الشان فلسفیوں کے فلسفہ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ مرزا غلام احمد قادیانی (علیہ السلام) پر آنکھیں بند کرکے کیوں ایمان لانے لگے تھے۔ مگر مولوی صاحب کے اس اعتراف سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے پیش کردہ دلائل نے بڑے بڑے مفکرین و فلاسفہ کو اسلام کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ فالحمد للہ علےٰ ذالک۔

پھر فرماتے ہیں :۔

" یہ (یعنی احمدیت) ایک تناور درخت ہو چلا ہے جس کی شاخیں ایک طرف چین اور دوسری طرف یورپ میں پھیلتی ہوئی نظر آتی ہیں"

(زمیندار۔ ۹ر اکتوبر ۱۹۳۲ء)

کاش مولوی ظفر علی خاں اس راز کو سمجھتے کہ اس کمزور و ناتواں پودے کا جو سرزمین قادیان سے نکلا اس طرح دنیا میں پھیل جانا از روئے قرآن حضرت اقدس کی صداقت کو ثابت کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء (الآیہ) کہ سچا مشن اس شجرہ طیبہ کی طرح ہے جس کا تنہ زمین میں مضبوط ہوتا ہے اور اس کی شاخیں فضائے آسمانی میں پھیل جاتی ہیں۔ تمام دنیا کی مخالفت کے مقابل اس طرح کسی مدعی ماموریت کا کامیاب ہو جانا اسے منجانب اللہ ثابت کرتا ہے۔

مولوی ظفر علی خاں کے والد مرحوم کی شہادت

مولوی ظفر علی خاں آج حضرت مسیح موعودؑ کے بے دلائل الہام و براہین ساطعہ کو "خرافاتِ واہیہ" قرار دے لیں آپ کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر خوش ہو لیں لیکن آج سے ۹۷ برس پیشتر ان کے والد بزرگوار مولوی سراج الدین صاحب مرحوم زمیندار میں حضرت اقدس کی وفات کے موقعہ پر ذیل کے الفاظ لکھ چکے ہیں :-

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۲-۲۳ سال کی تھی اور ہم چشمدید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ ہم بارہا کہہ چکے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ آپ کے دعاوی خواہ دماغی استغراق کا نتیجہ ہوں مگر آپ بناوٹ اور افتراء سے بری تھے"

"...... ان کو دیعنی ان دعاوی کو۔ ناقل) ہم ایسا خیال کرتے ہیں جیسا کہ منصور کا دعوئے انا الحق کا تھا...... گو ہمیں ذاتی طور پر مرزا صاحب دعاوی یا الہامات کے قائل اور معتقد ہونے کی عزت حاصل نہ ہوئی مگر ہم ان کو ایک پکا مسلمان سمجھتے تھے" (بحوالہ عسل مصفّٰی جلد دوم ص۲۲۴)

معلوم نہیں کہ مولوی ظفر علی خاں صاحب اپنے والد مرحوم کے اس ارشاد کی کس قدر عزت کرتے ہیں اگر مولوی صاحب واقعی مرزا صاحب کو مسلمان سمجھنے والے کو بھی کافر سمجھتے ہیں جیسا کہ وہ بار اخبار میں لکھ چکے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ سب سے پہلے اپنے محترم والد کے کفر و اسلام کا فیصلہ کریں جنہوں نے مرزا صاحب کو نہ صرف مسلمان بلکہ "پکا مسلمان" قرار دیا ہے۔

رسالہ تہذیب نسواں لاہور کی شہادت

"مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں مذہباً مسیح موعود تو نہیں مانتے تھے لیکن ان کی ہدایت و رہنمائی مردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی"

(بحوالہ عسل مصفّٰی ص۶۳۷)

خواجہ حسن نظامی مرحوم کی شہادت

"احمدیہ جماعت لاہور کی خدمات اسلام کا مجھے عرصہ دراز سے اعتراف ہے اگرچہ میں اس جماعت کے ان عقائد کو تسلیم نہیں کرتا جو میرے عقائد قدیم کے خلاف ہوں تاہم اشاعت اسلام، حفاظت اسلام اور تبلیغ اسلام وغیرہ خدمات جو احمدیہ جماعت لاہور انجام دیتی ہے اور دیتی رہی ہے وہ بے حد تعریف کے قابل ہیں۔" (پیغام مندرجہ اخبار پیغام صلح ۱۵ر دسمبر ۱۹۳۴ء)

سید عبد القادر صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کی شہادت

"ابتداء سے صلیب اور ہلال کے درمیان آویزش چلی آتی ہے۔ عیسائی دنیا نہ صرف اپنی تلوار کو مسلمانوں کے برخلاف آزادانہ طور پر استعمال کرتی چلی آئی ہے بلکہ اس نے اپنی زبان اور قلم سے بھی اسلام اور اس کے شیدائیوں کو بدنام کرنے کی ہر ممکن سعی کی ہے۔ جن لوگوں کو قرون وسطیٰ کی عیسائی دنیا کے لٹریچر پر ذرا سا بھی عبور حاصل ہے وہ جانتے ہیں کہ دنیا کا کوئی کذب اور کوئی بہتان نہیں جو عیسائی مصنفین نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی ذات اقدس سے منسوب نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ جماعت احمدیہ لاہور نے عیسائی مبلغین کے کذب و بہتان کے تار و پود کو بکھیرنے میں جو سعی بلیغ کی ہے وہ لائق صد تحسین ہے۔ اس جماعت کے لٹریچر کی وجہ سے نہ صرف اسلام کے چہرے سے کذب و افترا کے بادل چھٹ گئے ہیں بلکہ اس کی تجلی مغرب کے ظلمت کدوں کو بھی منور کرنے لگی ہے اور اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اس نیک کام کو مستقل طور پر جاری رکھا جائے تاکہ کسی وقت اہلِ مغرب بھی تاتاریوں کی طرح اسلام کے لئے سینہ سپر ہو جائیں۔" (پیغام مندرجہ پیغام صلح ۱۵ر دسمبر ۱۹۳۴ء)

مولانا عبد الماجد مدیر اخبار "صدق" لکھنو

"جو عام خدمات اسلامی آپ کی جماعت جس ہمت و سرگرمی انہماک کے ساتھ انجام دے رہی ہے ان کی داد نہ دینا ظلم ہے اور داد کیا معنی مجھے تو بار بار رشک آ چکا ہے یورپ و امریکہ میں تبلیغ اسلام کی کوشش آپ کے امیر جماعت کا انگریزی ترجمہ قرآن۔ اردو تفسیر قرآن۔ سیرت خیر البشر۔ تاریخ خلافت راشدہ۔ مقام حدیث وغیرہ متعدد انگریزی و اردو تصانیف نیز خواجہ صاحب (مرحوم) کا اسلامک ریویو ان سب کے ذریعہ سے انگریزی خوانوں تک روشنی پہنچ رہی ہے۔ اس کے فیض سے کوئی واقف کار کیسے انکار کر سکتا ہے اللہ آپ کو اور ہم سب کو اپنے دین کا سیدھا رستہ دکھائے اور اس کی خدمت کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔"

(پیغام مندرجہ اخبار پیغام صلح ۲۶ر مئی ۱۹۳۶ء)

(باقی — باقی)

مکتوب لائلپور

خطبہ عید الاضحٰے و ماہوار میٹنگ جماعت لائلپور

عید الاضحیٰ کے مبارک موقعہ پر جناب مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع نے خطبہ عید دیا۔ اپنے خطبہ میں دیگر مذاہب پر تبصرہ کرتے ہوئے دلچسپ بحث فرمائی اور چند ایسے نکات بیان کئے جس سے حاضرین وجد میں آ گئے۔

فاضل خطیب نے فرمایا کہ عام خطباء تو آج یہ بیان کریں گے کہ دنبوں اور بکروں کی گردن پر چھری پھیرنے سے یہ مراد ہے کہ ہم اپنی نفسانی خواہشات کی گردن پر چھری پھیر دیں مگر مجھے اس میں بادب اختلاف ہے۔ نفسانی خواہشات پر تو ہم نے رمضان شریف کے مبارک مہینے میں چھری پھیر دی ہوئی ہے اور عید الفطر ہم نے اسی قربانی کی خوشی پر منائی تھی کہ ہم نے اپنے مالک کے حکم کے مطابق اپنی تمام خواہشات پر چھری پھیر دی ہے۔ عید الاضحیٰ ہمیں یہ سبق دینے آئی ہے کہ اسلام کو ضرورت پڑنے پر ہم اپنی گردنیں اسی طرح پیش کر دیں جس طرح دنبوں اور بکروں کی گردنیں ہیں۔ دنبوں بکروں کو کچھ رقم سے خرید کر اور چند روز کھانا پینا دے کر ہم مالک کی حیثیت سے ان کی گردنوں پر چھری چلا دیتے ہیں یہ ایک عظیم مشق ہے جس نے ہمیں پیدا کیا آج تک پروان پڑھایا رات دن رزق بھیجا اور بھیج رہا ہے وہ مالک کہیں بہت بڑھ کر اس کا حقدار ہے کہ ضرورت پڑنے پر ہم اپنی گردنیں اس کے آگے رکھ دیں۔ آخر پر فاضل خطیب نے مسلمانان عالم اور بالخصوص جماعت کے حق میں دردناک الفاظ میں دعا کی۔ احباب نے آپس میں معانقہ اور مصافحہ کیا اور خوشی خوشی یہ تقریب سعید ختم ہو گئی۔

ماہوار میٹنگ ۱۰ر جنوری بعد نماز جمعہ جماعت کی ماہوار میٹنگ ہوئی۔ جناب مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع نے فرمایا کہ اس میٹنگ کی صدارت کے لئے میں اپنے عزیز میاں حمید احمد صاحب ذوالفقار کا نام پیش کرتا ہوں۔ اس پر جھٹ ذوالفقار صاحب نے فرمایا آپ جماعت کے سرپرست اعلیٰ ہیں آپ کی موجودگی میں میری صدارت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سرپرست اعلیٰ نے جواب دیا کہ ہماری دلی تمنا ہے کہ نوجوان آگے بڑھیں اور ہمارے فرائض کو ہماری زندگی ہی میں سنبھال لیں۔ اس پر تمام حاضرین نے اتفاق کیا اور میٹنگ کی کارروائی ذوالفقار صاحب کی صدارت میں شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن کریم جناب حافظ عبد الرؤف صاحب نے کی اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام بھی سنایا۔ اس کے بعد صاحب صدر نے جناب مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع سے تقریر کی درخواست کی۔ مرزا صاحب موصوف نے سورۃ العصر کی تلاوت کے بعد ایک ولولہ انگیز تقریر کی آپ نے فرمایا کہ زمانے کے خسارے سے خدا کی عبادت اور مخلوق خدا کی خدمت کرنے والے ہی بچ سکتے ہیں۔ حضور سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی پاک زندگیوں کے چند نظائر ایسے طرز پر پیش کئے گئے کہ ساری مجلس جھوم اٹھی اس تقریر میں بعض باتیں ایسی بھی تھیں جو پہلی بار سنی گئیں۔ آخر پر مرزا صاحب موصوف نے اسلام اور جماعت کی ترقی کے لئے دعا کی۔ (مرزا غازی محمود بیگ۔ بی۔ اے۔ بی کام سیکرٹری احمدیہ جماعت لائل پور۔)

الطاف جاوید

اسلام کے معاشی نظام کا عالمی اور حجازی پس منظر

اور

عصر حاضر کے جدید معاشی نظریات

عالمی پس منظر ظہورِ اسلام کے وقت عرب کے ارد گرد ایشیا، یورپ اور افریقہ کے بر اعظموں میں جتنی متمدن اقوام بس رہی تھیں ان میں سے زیادہ تر دجلہ و فرات، نیل، سندھ، ینگ سی کیانگ، بحیرہ ایجیئن، ڈینیوب اور جیحوں وغیرہ کے ساحلوں پر آباد تھیں، اور ان میں بابلی، آشوری، سمیری، کلدانی، مصری، ہندوستانی چینی، یونانی، ایرانی، رومی اور وسط ایشیا کے کوہ پامیر کے دامن اور دریائے ڈینیوب کے کنارے بسنے والی تاجکی اور قازاقی اقوام اس عہد کے تہذیب و تمدن کی مالک تھیں اگر ان تمام اقوام کے معاشی حالات اور معاشی تعلقات پر نظر ڈالی جائے تو ایک مشترک بات، جو ان میں پائی جاتی ہے یہ ہے کہ ان کے معاشی نظام کی اساس غلام اور آقا کے طبقات پر قائم ہے اور ان میں یک گونہ طبقاتی کشمکش کا وجود بعید از قیاس نہیں ہو سکتا۔

غلامی کے معاشرہ کا آغاز غلامی کا معاشرہ اس وقت وجود میں آیا جب انسان نے زراعت کا طریقہ دریافت کر لیا، دور زراعت سے پہلے انسان وحشی حالت میں رہتا تھا اور ان وحشی قبیلوں میں، جو شکار کی تلاش میں ادھر ادھر پھرا کرتے تھے، اگر باہمی تصادم ہو جاتا تو مفتوح قبیلہ کے قیدی افراد کو فاتح قبیلہ یا تو قتل کر دیتا اور یا پھر انہیں کھا جاتا۔ مگر زراعت کی دریافت نے وحشی قبیلوں کو آباد ہونے اور خوراک کو ذخیرہ کرنے کی طرف مائل کیا اور بتدریج یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی کہ مفتوح قبیلہ کے افراد کو قتل کرنے یا خوراک بنانے کی بجائے اگر ان سے کھیتی باڑی اور مویشی چرانے کا کام لیا جائے تو فاتح قبیلہ کے افراد خود محنت سے بچ سکتے ہیں۔

استحصال محنت کی اس روایت کے ساتھ ہی بڑی سرعت کے ساتھ اس عہد کی متمدن اقوام میں غلام اور آقا کے طبقات نے اپنی جڑیں پھیلانا شروع کر دیں۔ اُن کے ہاں غلاموں کو بیچا جا سکتا تھا۔ قتل کیا جا سکتا تھا۔ جنگ کے وقت مسلح کر کے دشمن کے مقابلہ میں لایا جا سکتا تھا۔ ان غلاموں کی مشقت نے بنجر زمینوں کو سرسبز کھیتوں میں بدل دیا اور ان کی محنت نے تہذیب و تمدن کے قافلہ کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

عہد غلامی میں نبوت کا ظہور غلامی کے اس عہد میں جو انسانی تاریخ کا سب سے طویل عہد ہے، مقدس حاملین وحی و الہام مظلوم طبقوں کو اپنا مخاطب بناتے نظر آتے ہیں، اور ان طبقوں کی نجات کی جد و جہد کے دوران آقاؤں کے ظلم و ستم کا شکار بھی ہوتے ہیں۔ ان رجالِ عظیم میں سے کوئی نہ کوئی اس عہد کے تمام متمدن شہروں اور بستیوں میں ظالم طبقوں کو ان کے ظلم کی پاداش سے ڈراتا ہوا نظر آتا ہے۔ انہی کی الہامی تعلیمات انسان کی تمام تہذیبی و فکری قدروں اور قانونی ضابطوں کا اصل سرچشمہ ہیں۔ فلسفۂ تاریخ کا یہ مقولہ کہ مذہب انسانی تہذیب کے لئے گہوارہ کی حیثیت رکھتا ہے، اپنے اندر بڑی گہری تاریخی اور نفسیاتی صداقتیں رکھتا ہے۔ اس سلسلۃ المذہب کی آخری کڑی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، جن کی بعثت چھٹی صدی عیسوی میں ہوئی۔

ابتدائے اسلام کی معاشی حالت اسلام کی ابتداء کے وقت ایشیا۔ شمالی افریقہ اور یورپ کے تمام شہروں میں غلامی کا معاشرہ موجود تھا۔ غلامی کے رواج نے اناج کی پیدائش، مویشیوں کی نسل کشی اور گلہ بانی کو ضرورت کی سطح سے اٹھا کر جنس (تجارتی اشیاء commodities)

میں تبدیل کر دیا تھا۔ اشیاء کے باہمی تبادلہ نے سادہ حیثیت سے ارتقا کر کے تجارت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ پتھر کے اوزاروں کی جگہ لوہے کے ہتھیاروں اور آلات نے لے لی تھی۔ دھونکنی کی ایجاد نے لوہار کو لوہے کی کلہاڑی، لوہے کا بھالا اور لوہے کا ہل بنانے کے قابل بنا دیا جن کی مدد سے انسان جنگل کے بڑے بڑے قطعوں کو صاف کر کے زیر کاشت لے آیا۔ اب اناج کے علاوہ سرسوں، السی، تل اور انگور وغیرہ کی کاشت بھی ہونے لگی۔ مویشیوں کی تعداد بڑھنے لگی اور ان کے چرانے کے لئے چراگاہوں نے وسعت اختیار کر لی۔ کپڑا بُننے برتن بنانے لوہے کے آلات ڈھالنے اور چرم سازی کی صنعتوں نے کافی فروغ حاصل کر لیا۔ زر نے ذریعہ تبادلہ کی حیثیت اختیار کر لی، چنانچہ ہر ملک کے اپنے سکوں میں اشیاء کا تبادلہ ہونے لگا۔ دستکاری اور تجارت بہت ترقی کر گئی اور ان کی ترقی کی وجہ سے شہروں کی آبادی میں اضافہ ہوا۔

اس عہد کی معیشت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے جس طبقہ کو مستوفین قرار دیا ہے وہ طبقہ انہی آقاؤں تاجروں اور زرعی زمین کے مالکوں پر مشتمل تھا۔ مترفین کا یہ طبقہ منڈیوں میں جہاں اناج، مویشی اور دوسری چیزیں بیچتا۔ وہاں غلاموں کو بھی نیلام کیا کرتا تھا۔ بچے ماں باپ سے علاحدہ کر کے بیچ دیئے جاتے۔ بیوی اور شوہر کو الگ الگ اجنبی لوگ خرید کر لے جاتے۔ نتیجۃً اس طبقے میں خاندان کی معاشی اکائی مفقود ہو گئی۔ خاندانی نظام صرف آقاؤں، تاجروں اور زرعی زمین کے مالکوں کے طبقات میں قائم رہا۔ تاجر، زرعی زمینوں کے مالک اور آقا آبادی کا پانچ فیصد تھے، جبکہ غلاموں کی تعداد پچانوے فیصد تھی۔

جزیرہ نمائے عرب کے جغرافیائی خدوخال جزیرہ نمائے عرب کو اگر قلب ارضی کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ کیونکہ یہاں پر ایشیا، افریقہ اور یورپ دنیا کے تین بر اعظموں کی سرحدیں ملتی ہیں۔ عرب کے اس محل وقوع کی وجہ سے چین، ہندوستان اور ایران وغیرہ مشرقی ممالک سے جو سامان تجارت یورپی اور افریقی ملکوں کو جاتا تھا وہ عراق و شام کے علاقوں سے ہی ہو کر گزرتا تھا۔ اور دوسرا تجارتی راستہ مکہ طائف مدینہ اور فلسطین سے ہوتا ہوا مصر اور ترکی کو جاتا تھا۔

جزیرہ نمائے عرب حجاز، وادی سینا، فلسطین۔ شام۔ عراق۔ بحرین۔ عمان اور یمن کے صوبوں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے صوبۂ حجاز کو اسلام کا گہوارہ بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ خطہ حجاز میں طائف مکہ اور مدینہ تین ممتاز شہر آباد تھے اور تینوں مقامات کے ساتھ اسلام اور اس کی تاریخ کا راست تعلق ہے۔ ان تینوں مقامات کا مختصر معاشی تعارف کرایا جاتا ہے۔ تاکہ اسلامی معاشی نظام کے خدوخال واضح طور پر سامنے آ سکیں۔

حجاز کی جغرافیائی اور معاشی اہمیت حجاز کا صوبہ بحیرۂ احمر کے کنارے دور تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ بحیرۂ احمر کے ساتھ ہی بحیرہ روم میں ایتھنز اور اسپارٹا، روم اور کارتھیج کے تجارتی جہازوں کی آمد و رفت تھی۔ ڈیڑھ ہزار برس قبل مسیح میں فنیقی قوم عرب کے اندرونی علاقہ سے نکل کر ساحلی حصہ میں آباد ہو گئی تھی اور جبل الطارق سے بھی پرے تک اس کی تجارتی چوکیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ انہی چوکیوں میں مارسیلز (مرسی ایلیا) کی تجارتی چوکی بھی شامل تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک ہزار برس قبل کارتھیج کے جہاز افریقہ کے مغربی ساحلوں اور شمال میں انگلستان کے ساحلوں تک جاتے تھے۔ فنیقی قوم کے ملاح افریقہ کے پورے بر اعظم کا بحری چکر لگاتے تھے اور یہ ہندوستان اور لنکا کے ساحلوں پر لنگر انداز ہوا کرتے تھے۔

انسانی تہذیب کے ارتقاء میں خطۂ حجاز کا ایک اہم مقام ہے۔ کیونکہ نہ صرف اس کے ساحلوں پر اس عہد کی ترقی یافتہ دنیا کے تجارتی جہاز مصنوعات کے ساتھ افکار و علوم کا تبادلہ بھی کرتے تھے بلکہ اس کے اندرونی علاقے مشرق و مغرب سے آنے جانے والے تجارتی قافلوں کی گذرگاہ بھی تھے اور ان قافلوں کی وجہ سے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بر اعظموں کی مختلف تہذیبوں اور ان کے مذاہب اور

علوم و افکار عربوں تک پہنچ رہے تھے۔

مکہ مکہ معظمہ حجاز کا سب سے اہم مقام ہے، یہیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور اسی وادی میں محمد رسول اللہ والذین معہ کی جانگداز جد و جہد سے بقول امام شاہ ولی اللہ وہ خلافت باطنہ تیار ہوئی جس نے مدینہ کے مرکز میں "خلافت ظاہرہ" کی شکل اختیار کر لی اور بعد میں اس خلافت نے اتنی وسعت اختیار کی کہ اس کے سامنے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں بھی ہیچ نظر آنے لگیں۔

مکہ مکرمہ اہم تجارتی مرکز ہونے کے ساتھ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ کی وجہ سے عربوں کا روحانی اور مذہبی مرکز بھی تھا۔ مکہ کے اہم تجارتی مقام یا پڑاؤ ہونے کی وجہ سے گرمیوں اور سردیوں کے موسموں میں مصر، قسطنطنیہ چین اور ایران و ہند کی طرف سے یورپ اور روم جانے والے اور وہاں سے آنے والے تجارتی قافلوں کو یہاں سے پانی اور خوراک کے علاوہ مزدور (حمال) بھی مل جاتے تھے، اور یہ قافلے چند دن آرام کر کے آگے بڑھ جاتے تھے۔ شہر سے باہر خانہ بدوش قبائل اور غلاموں کی جھونپڑیاں تھیں۔ خانہ کعبہ کے بتوں پر قیمتی موتی، جواہرات، زیور، مشک اور عود وغیرہ چڑھایا جاتا تھا، جس سے اس کے پجاری بہت مالدار تھے۔ قریش کعبہ کے متولی تھے۔ عکاظ اور دوسرے مذہبی و تجارتی میلوں میں حجابہ سقایہ اور افادہ کے فرائض کی ادائیگی بھی انہیں کے سپرد تھی اور لواء یعنی مذہبی پرچم بھی قریش کے پاس ہی رہتا تھا۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بہت پہلے، کعبہ کی تولیت کو قصی بن کلاب نے روم کے قیصر کی مدد سے بنو خزاعہ سے لڑ کر چھینا تھا۔ قصی نے صرف قریش کی سرداری ہی حاصل نہ کی بلکہ قریش کو مکہ کی بہترین اونچی جگہوں پر بسایا، ان کی تنظیم کی، دارالندوہ تعمیر کیا، جہاں قریش معاملات کو سلجھانے کے لئے میٹنگ کیا کرتے تھے۔ قصی نے پجاریوں کی مضبوط جماعت کو ختم کر دیا اور سیادت کے فرائض خود سنبھال لئے۔

وادیٔ غیر ذی زرع ہونے کی وجہ سے مکہ کے قرب و جوار میں زراعت نہیں ہو سکتی تھی اور نہ ہی وہاں جنگلات یا معدنیات تھے کہ صنعت و حرفت کے لئے خام مواد میسر آتا۔ چونکہ اونٹ اور بکری کی کھالیں عام تھیں اس لئے دباغت کی صنعت موجود تھی۔ زمزم کے پانی کو دوسرے مقامات پر لے جانے کے لئے برتن (پیالے وغیرہ) بنانے کی صنعت بھی تھی۔ زراعت و صنعت نہ ہونے کی وجہ سے لوگ عام طور پر تجارت کرتے تھے۔ ہندوستان کی تلواریں اور عدن و یمن کے کپڑے مکہ میں فروخت ہوتے تھے۔

تجارت کی ابتداء کرنے والے ہاشم تھے۔ قرآن مجید میں رحلت الشتاء اور رحلتِ صیف کا ذکر موجود ہے۔ مکہ سے چلنے والے تجارتی قافلے ہزاروں اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ ان قافلوں میں تاجر اور رہبر کے علاوہ محافظ دستہ بھی شامل ہوتا تھا۔ یہ تجارتی قافلے چاندی سونے کی اینٹیں بنو سلیم کی کانوں سے حاصل کرتے۔ کچا اور مٹی ملا سونا افریقہ سے لیتے۔ خوشبو کی چیزیں اور قیمتی مسالے ہندوستان سے لاتے۔ یہ کاروان یمن کے ساحل سے ہندوستان کی مصنوعات اور جڑی بوٹیاں، چین کا ریشم، عدن کے یمنی پارچات، افریقہ سے ہاتھی دانت کی چیزوں کے ساتھ غلام اور کرایہ کے سپاہی بھی حاصل کرتے۔ بحیرہ روم کی صنعتی پیداوار، سوتی کپڑے، ریشم، مخمل اور ارغوانی رنگ کے ملبوسات، بصرہ و شام سے ہتھیار، غلہ اور تیل وغیرہ حاصل کرتے تھے۔

قریش نے روم کے قیصر، ایران کے کسریٰ اور یمن کے قبائل سے تجارتی معاہدے کر رکھے تھے۔ ان معاہدوں کی ابتداء بھی ہاشم بن عبد مناف نے کی تھی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں عبدالشمس، مطلب اور نوفل نے ان معاہدوں کی تجدید کی۔ یہ تجارتی سفر شام کی طرف گرمیوں میں حبشہ کی طرف سردیوں میں کئے جاتے تھے۔ انہی تجارتی معاہدوں کی بدولت قریش نے حبشہ، عراق، شام اور یمن کے شہروں میں اپنی نو آبادیاں قائم کر لی تھیں۔

اس تجارتی کاروبار کی وجہ سے مکہ میں کپڑا، غلہ، تیل، عطر، شراب کھالوں کے دوکاندار، مویشی اور ان کا گوشت بیچنے والے قصاب، درزی ترکھان، لوہار، تیر بنانے والے، اونٹوں اور گھوڑوں کا علاج کرنے والے طبیب اور کسی قافلہ کی آمد پر موسیقی سے ان کی تھکن دور کرنے والے موسیقار بھی موجود ہوتے تھے، بہت سے قریش ان پیشوں کو اختیار کئے ہوئے تھے۔

تجارت کے علاوہ مکہ میں سودی کاروبار بھی ہوا کرتا تھا۔ اور یہ سودی کاروبار کرنے والے باقاعدہ اصل سرمایہ دار (CAPITALISTS) سو وہاں موجود تھے، کیونکہ تجارتی قافلوں کی وجہ سے اطراف عالم سے دولت مکہ میں سمٹ کر چلی آ رہی تھی، سود کے علاوہ احتکار اور سٹہ بازی بھی عام تھی لوگ مال کو روک رکھتے تھے یہاں تک کہ بازار میں اس کی کمی ہو جاتی پھر وہ لمبے مہنگے داموں فروخت کرتے۔ غلاموں کی تجارت بھی تھی۔ اونٹ اور بکریاں اجرت پر چرانے کی رسم بھی موجود تھی۔

تجارتی سرگرمیوں کا اہم سبب وہاں کے میلے تھے۔ چنانچہ دومۃ الجندل میں جو عراق، شام اور حجاز کے درمیان واقع تھا، ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو میلہ لگتا تھا ہجر میں جمادی الاول میں مشقر کا بازار لگتا۔ عمان کے شہر صحار میں رجب کے آخر میں ایک میلہ لگتا۔ اسی ماہ میں صحار کے علاوہ عرب کی ایک بندرگاہ دبا میں بھی بازار لگتا۔ اس بندرگاہ پر سندھ، چین، ہندوستان اور مشرق و مغرب کے دوسرے ملکوں سے تاجر آتے اور مختلف سامان لاتے اس کے بعد مہرہ کے مقام شحر میں میلہ لگتا۔ یمن میں صنعا کے مقام پر وسط رمضان میں ایک میلہ لگتا تھا۔ اس کے بعد رابیہ جو حضر موت میں ہے اور عرفات و مکہ کے قریب عکاظ میں ذیقعدہ کے آخر میں ایک بڑا میلہ لگتا جنوبی فلسطین کے علاوہ بدر، حباشہ، مجنہ وغیرہ میں سینکڑوں بازار لگتے۔ حج کے دنوں میں منیٰ اور اس کے بعد یمامہ میں میلے لگتے تھے۔ ان میلوں اور بازاروں میں روم، ایران، یمن، ہندوستان، حبشہ اور چین کے علاوہ مشرق و مغرب کے دوسرے بہت سے مقامات سے تاجر آتے اور اشیاء کا تبادلہ کرتے۔ ان میلوں کی وجہ سے عرب کے ممتاز مقامات میں مشرق و مغرب کے ممالک کی تہذیبوں، مذاہب، افکار اور مصنوعات کا باہم تبادلہ ہوا کرتا تھا۔ اور اس کی وجہ سے وہاں ایک خاص قسم کی وسعت، ذہنیت ایک بین الاقوامی اندازِ نظر اور بہتر زندگی کو حاصل کرنے کی تمنا پیدا ہو چکی تھی۔ علم و حکمت کی معاشرتی افادیت کی اہمیت کو بالغ نظر لوگوں نے سمجھ لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ترقی و خوشحالی کے لئے قومی یک جہتی کا جذبہ بھی بتدریج سر اٹھا رہا تھا۔

مکہ کے مالی نظام میں قصی بن کلاب سردار قریش کی شخصیت کلیدی تھی۔ لوگ انہی کے پاس امانتیں رکھتے تھے۔ لاوارثوں کے مال کے امین بھی یہی ہوتے۔ ایام حج میں لوگوں سے چندہ وصول کر کے، جسے افادہ کہا جاتا تھا، غیر مستطیع حاجیوں کی رہائش، خوراک اور زادِ راہ کا انتظام کرتے تھے۔ مکہ کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ محصول درآمد تھا، جو تاجر ادا کرتے تھے۔ یہ ٹیکس عام طور پر سامان کی مالیت کا عشر (دسواں حصہ) ہوتا تھا۔

(باقی ــــ باقی)

ضروری تصحیح

۲۹ر جنوری ۱۹۷۵ء کے پیغام صلح میں صـ۸ کالم اوّل میں حضرت مسیح موعودؑ کے ایک اعلان کی تاریخ غلطی سے ۲ر اکتوبر ۱۹۷۵ء لکھی گئی ہے۔ صحیح تاریخ ۲ر اکتوبر ۱۸۹۱ء ہے۔ قارئین درست فرمائیں۔

محترم شیخ اللہ بخش صاحب بدوملہی

تأثرات

اگرچہ امسال جلسہ سالانہ غیر معمولی حالات میں منعقد ہوا اور خدشہ تھا کہ ایک عظیم اور ہمہ گیر ابتلاء سے گذرنے کے باعث افراد جماعت میں کچھ سستی اور مایوسی آگئی ہوگی۔ مگر الحمد للہ کہ احباب جماعت پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اپنے اس روحانی اجتماع میں جوق در جوق شامل ہوئے۔ اور اس طرح انہوں نے ثابت کر دیا کہ الٰہی جماعتیں مصائب کی آگ سے کندن بن کر نکلتی ہیں اور پہلے سے زیادہ فعال اور مستعد ہو جاتی ہیں اس دفعہ جلسہ سالانہ کا جملہ [illegible] بھی ایک ایسے مستعد ہمدرد طبع اور تجربہ کار اور کہنہ مشق انسان کے ہاتھ میں تھا۔ جس نے جلسہ میں شامل احباب جماعت کی آسائش کو اپنے آرام پر مقدم رکھا۔ اور کسی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔

شبان الاحمدیہ کے نوجوانوں نے بھی خوب خوب کام کیا اور مہمانوں کی خدمت کو اپنی سعادت اور اپنا دینی فریضہ سمجھا۔ اس دفعہ میرے ہمراہ ایک غیر از جماعت دوست بھی جلسہ میں شامل ہوئے۔ انہیں گوشت سے پرہیز تھا۔ چنانچہ ان کے لئے [illegible] محمد اشرف صاحب [illegible] ایام جلسہ میں سبزی کا سالن پک کر آتا رہا۔

امسال ایک نہایت ہی مکرم اور محترم ہستی کے پُرخلوص اور دینی و جماعتی جذبہ سے بھرپور اور پُرتاثیر ارشادات نے مجلس مشاورت اور مجلس معتمدین ایسے ہنگامہ خیز اجلاس کو گل و گلزار بنا دیا اور ان کی روح پرور اور دلآویز باتوں نے ایمان کو بڑھایا۔

چوہدری مسعود اختر صاحب، ایڈووکیٹ صدر مقامی جماعت کی ٹھوس اور پُرجوش تجاویز اور [illegible] نذر رب صاحب (اور شاہد جنجوعہ، زاہد جنجوعہ اور مسٹر خالد محمود صاحبان کی جلسہ سالانہ میں خدمات قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔

ان نوجوانوں نے کھانے کے میدان میں اقوال حضرت مسیح موعودؑ کو قطعات کی شکل میں لکھ کر مختلف مقامات پر آویزاں کر رکھا تھا جو ایمان بڑھانے اور استقامت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب ایم-ایس-سی کے ذریعہ دوستوں کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح کرم و محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب کو بیلے افواج ہمراہی میں مخالفین کے [illegible] اور محاصرہ سے معجزانہ طریق سے نکلنے کا بندوبست فرمایا۔ ورنہ وہ تو لڑی اور اپنے [illegible] کی قربانی دے چکے تھے۔

ایک اور مجاہد [illegible] الحاج عبدالرحیم بنو صاحب، کا ذکر بھی ضروری ہے جنکی محنت جانکاہی اور پُرخلوص مساعی سے ٹرینیڈاڈ، سرینام، گیانا اور ہالینڈ میں جماعتیں قائم ہوئیں محترم شیخ محمد [illegible] صاحب [illegible] اسلام بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے انگلستان ہالینڈ۔ سرینام اور ٹرینیڈاڈ کے دوستوں کے تعاون سے ایک مکان جماعت اور اشاعت اسلام کا مرکز بنانے کے لئے خرید لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت میں برکت دے تاکہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے کشف کے مطابق [illegible] پر سفید [illegible] پرندے پکڑ سکیں۔ یعنی انگریزوں کو داخل اسلام کر سکیں۔

شاہ عبداللطیف شہید کے عزیزوں کو دیکھا۔ شہزادہ عبدالحمید اور شہزادہ محمد [illegible] صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ بائیکاٹ اور موت کے [illegible] میں زندگی کے کچھ دن گزارے۔ ان سے [illegible] واقعات سُن کر ایمان تازہ ہوا۔

مولانا شیر محمد صاحب خوشابی مبلغ فجی سے ملاقات کا ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا۔ مولانا ایک باعمل عالم ہونیکے ساتھ ساتھ [illegible] بھی ہیں۔ اور اپنی [illegible] تنخواہ ذوق و شوق سے تبلیغ میں خرچ کر دیتے ہیں۔ موصوف کو اپنے عیال سے بھی زیادہ احباب جماعت پیارے ہیں۔

ایک اور مخیر دوست کا پتہ چلا جنہوں نے تفسیر بیان القرآن اور براہین احمدیہ [illegible] [illegible] ایک خطیر رقم عطیہ کے طور پر دی ہے۔ علاوہ ازیں بیرونی ممالک

ایک دوردراز ملک کا خرچ برداشت کرنے کی پیشکش بھی فرمائی ہے۔ جس جماعت میں اشاعت اسلام کے لئے ایسے ایسے مخیر اور صاحب دل لوگ موجود ہوں، کیا وہ جماعت مٹ سکتی ہے۔

جماعت بدوملہی کی طرف سے میں مرکزی انجمن خواتین احمدیہ کی فعال اور پُرجوش اراکین محترمہ بیگم مرغوب عالم شہید، محترمہ نسرین گل صاحبہ سیکرٹری اور محترمہ جسارت خانم صاحبہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیونکہ ان سب نے جماعت کے خلاف فسادات اور ابتلاء کے دنوں میں حضرت مسیح موعودؑ سے اپنی عقیدت اور جماعت سے محبت کا برملا اظہار کیا۔ اور یوں بعض ڈگمگاتے لوگوں کو بھی ثابت قدم بنا دیا۔ ان بہنوں اور بیٹیوں نے جس طرح حضرت مجدد دوراں کے حق میں غیرت دکھلائی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا مقرب بنائے اور ان سے مزید خدمت اسلام و احمدیت کا کام لے۔ اور ان کو اپنی رضا کی جنت میں داخل فرمائے۔ اے اللہ! تو ایسا ہی کر۔

شیخ اللہ بخش سیکرٹری جماعت بدوملہی و ممبر مجلس معتمدین

شبان الاحمدیہ لاہور کا انتخابی اجلاس

برائے سال ۱۹۷۵ء

مؤرخہ ۱۹ / ۱ / ۷۵ بروز اتوار ۱۱ بجے مسجد احمدیہ دارالسلام میں مجلس شبان الاحمدیہ مرکزیہ کا ایک اجلاس زیر صدارت مکرم شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب منعقد ہوا۔ شاہد جاوید جنجوعہ نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سر انجام دیئے۔ کارروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ ازاں بعد ۱۹۷۵ء کے عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا۔ بالاتفاق مندرجہ ذیل اصحاب عہدیدار منتخب ہوئے۔

نگرانِ اعلیٰ ——— : چوہدری نذر رب صاحب ایم-اے

صدر ——— : شیخ حفیظ الرحمان صاحب بی-اے-بی ایڈ

سینئر نائب صدر ——— : خالد عمر صاحب

نائب صدر ——— : چوہدری اختر اقبال بھٹہ صاحب

جنرل سیکرٹری ——— : شاہد جاوید جنجوعہ

جائنٹ سیکرٹری ——— : عبدالسلام صاحب۔ بی-اے-بی ایڈ

سیکرٹری نشر و اشاعت : زاہد جاوید جنجوعہ

سیکرٹری تعلقات عامہ : خالد محمود صاحب

خزانچی (سرپرست) : صوفی نذر محمد صاحب

عہدیداران کے انتخاب کے بعد یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ مؤرخہ ۲۶ / ۱ / ۷۵ بروز اتوار جملہ عہدیداران کا ایک اجلاس منعقد کیا جائے۔ جس میں شبان الاحمدیہ کا آئندہ لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔ یہ بھی قرار پایا کہ مؤرخہ ۳۱ / ۱ / ۷۵ بروز جمعۃ المبارک حلف وفاداری کی ایک تقریب منعقد کی جائے۔ جس میں جملہ عہدیداران اپنے مشن اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات سے حقیقی وابستگی کا حلف اُٹھائیں۔ بعد دعا اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

شاہد جاوید
سیکرٹری مرکزی شبان الاحمدیہ لاہور

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ ۵ فروری ۱۹۷۵ء رجسٹرڈ ایل ۸۳۸ شمارہ نمبر ۶	عرفات پریس کھانڈن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ ایڈیٹر غلام نبی مسلم۔ ایم۔ اے

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۲۹ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ - ۱۲ فروری ۱۹۷۵ء | نمبر ۷

(حضرت مجدد صد چہاردہم سلام اللہ علیہ)

لعنتی ہے وہ زندگی جو محض دنیا کے لئے ہے

اے میری جماعت خدا تعالےٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو۔ وہ قادر کریم آپ لوگوں کو سفر آخرت کے لئے ایسا تیار کرے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تیار کئے گئے۔ خوب یاد رکھو کہ دنیا کچھ چیز نہیں ہے لعنتی ہے وہ زندگی جو محض دنیا کے لئے ہے۔ اور بدقسمت ہے وہ جس کا تمام ہم وغم دنیا کے لئے ہے۔ ایسا انسان اگر میری جماعت میں ہے تو وہ عبث طور پر میری جماعت میں اپنے تئیں داخل کرتا ہے کیونکہ وہ ایک خشک ٹہنی کی طرح ہے جو پھل نہیں لائے گی۔

اے سعادتمند لوگو! تم زور کے ساتھ اس تعلیم میں داخل ہو جو تمہاری نجات کے لئے مجھے دی گئی ہے۔ تم خدا کو واحد لاشریک سمجھو ——— اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو نہ آسمان میں سے نہ زمین میں سے۔ خدا اسباب کے استعمال سے تمہیں منع نہیں کرتا۔ لیکن جو شخص خدا کو چھوڑ کر بھروسہ کرتا ہے وہ مشرک ہے۔ قدیم سے خدا کہتا چلا آیا ہے کہ پاک دل بننے کے سوا نجات نہیں سو تم پاک دل بن جاؤ اور نفسانی کینوں اور غصّوں سے الگ ہو جاؤ۔ انسان کے نفس امارہ میں کئی قسم کی پلیدیاں ہوتی ہیں۔ مگر سب سے زیادہ تکبر کی پلیدی ہے۔ اگر تکبر نہ ہوتا تو کوئی شخص کافر نہ رہتا۔ سو تم دل کے مسکین بن جاؤ عام طور پر بنی نوع کی ہمدردی کرو۔ جب کہ تم انہیں بہشت دلانے کے لئے وعظ کرتے ہو۔ سو یہ وعظ تمہارا کب صحیح ہو سکتا ہے۔ اگر تم اس چند روزہ دنیا میں انکی بدخواہی کرو۔ خدا تعالیٰ کے فرائض کو دلی خوف سے بجا لاؤ کہ تم ان سے پوچھے جاؤ گے۔ نمازوں میں بہت دعا کرو کہ تا تمہیں خدا اپنی طرف کھینچے اور تمہارے دلوں کو صاف کرے۔ کیونکہ انسان کمزور ہے۔ ہر ایک بدی جو دور ہوتی ہے وہ خدا تعالیٰ کی قوت سے دور ہوتی ہے۔ اور جب تک انسان خدا سے قوت نہ پاوے کسی بدی کے دور کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اسلام صرف یہ نہیں ہے کہ رسم کے طور پر اپنے تئیں کلمہ گو کہلاؤ بلکہ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ تمہاری روحیں خدا تعالیٰ کے آستانہ پر گر جائیں اور خدا اور اس کے احکام ہر ایک پہلو کے رو سے تمہاری دنیا پر تمہیں مقدم ہو جائیں۔

اے میری عزیز جماعت! یقیناً سمجھو کہ زمانہ اپنے آخر کو پہنچ گیا ہے اور ایک صریح انقلاب نمودار ہو گیا ہے۔ سو اپنی جانوں کو دھوکا مت دو۔ اور بہت جلد راستبازی میں کامل ہو جاؤ۔ قرآن کریم کو اپنا پیشوا پکڑو اور ہر ایک بات میں اس سے روشنی حاصل کرو۔ اور حدیثوں کو بھی ردی کی طرح مت پھینکو کہ وہ بڑی کام کی ہیں اور بڑی محنت سے ان کا ذخیرہ تیار ہوا ہے۔ لیکن جب قرآن کے قصوں سے حدیث کا کوئی قصہ مخالف ہو تو ایسی حدیث کو چھوڑ دو تا گمراہی میں نہ پڑو۔ قرآن شریف کو بڑی حفاظت سے خدا تعالےٰ نے ——— تمہارے تک پہنچایا ہے۔ سو تم اس پاک کلام کی قدر کرو۔ اس پر کسی چیز کو مقدم نہ سمجھو کہ تمام راست روی اور راستبازی اسی پر موقوف ہے۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ صفحہ ۶۱-۶۲)

اعترافِ شکست؟

ہم خدا کے فضل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر حقیقی ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کو اپنا معبودِ حقیقی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر الانبیاء، اور قرآن پاک کو خاتم الکتب مانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اب نسلِ انسانی کے لئے اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبی، اور قرآن پاک کے سوا کوئی کتاب ہدایت نہیں، اور جو شخص یہ ایمان نہیں رکھتا اور جس کی زندگی تعلیمات قرآن سے ہم آہنگ نہیں وہ اسلام کا دشمن اور دائرہِ اسلام سے خارج ہے۔

اس زمانے کے امام اور مجدّد حضرت مسیح موعودؑ مرزا غلام احمد قادیانی سلام اللہ علیہ نے ہمیں غلبۂ اسلام کے جہاد کی دعوت دی، ہمیں تعلیمات قرآن پر قائم کیا، ہم سے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی بیعت لی اور آج ہماری گردنیں اس فخر سے بلند ہیں کہ اس زمانے میں ہم ہی نے دُنیا میں قرآنی تعلیمات کو عام کیا، قرآن کریم کے تراجم مختلف زبانوں میں پھیلائے۔ اسلام پر بیش بہا لٹریچر شائع کیا۔ جماعت احمدیہ کے افراد نے عالمِ اسلام میں تبلیغ اسلام، اتباعِ سنّت، پاکیزگیٔ سیرت اور خوشِ خلقی کے اعلیٰ نمونے قائم کئے اور اس دَور میں احمدیت ہی اس بات پر ناز کر سکتی ہے کہ اس کے عَلَم کے نیچے جمع ہونے والے فدائیانِ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اہلِ اسلام کا ممتاز گروہ ہیں۔ ہم اسی پر ثابت قدم ہیں اور رہیں گے انشاء اللہ تعالےٰ۔

ز عشّاقِ فرقان و پیغمبریم
بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

اس گروہ کو مٹانے کے لئے ہمارے زمانے کے صاحبانِ جبّہ و عمامہ جو پینترے بدل رہے ہیں، اور جو باطل پرستانہ حربے استعمال کر رہے ہیں۔ ان کا نتیجہ ناکامی اور نامرادی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہمیں افسوس اس بات کا ہے کہ روحانی کے ان مخالفوں نے ایسے گھٹیا ہتھیار استعمال کرنا شروع کر رکھے ہیں، جو مُلک و مِلّت کے لئے انتہائی ہلاکت خیز ہیں۔ اور ان اختلافی حربوں کی زد میں ان کے اسلاف آتے ہیں۔ لیکن حق کی مخالفت میں ان جدید مخالفین کو کچھ نہیں سوجھتا۔

ہمارے خلاف، ہمارے معتقدات کے خلاف سیاسی سطح پر جو روش اختیار کی گئی ہے، وہ خود اعترافِ شکست ہے۔ ایمانوں کے فیصلے تعزیرات کی رُو سے نہ کبھی پہلے ہوئے ہیں اور نہ اب ہوں گے، اور اگر کوئی حکومت، غالب اکثریت اور جابر طبقہ اس طریق سے کامیابی کی اُمیّد لگائے بیٹھا ہے۔ تو وہ غلطی خوردہ ہے بالخصوص جبکہ اس جماعت کے پچاس ہزار سے زیادہ اراکین دنیا کے کونے کونے میں علَمِ اسلام بلند کئے ہوئے ہیں۔

ایک جدید حربہ } ہمارے مخالفین جب علم کے میدان میں کامیاب نہیں ہو سکے تو انہوں نے کتمانِ حق کی راہ اختیار کر لی ہے۔ [illegible] باطل نے ان آثار کو مٹانے اور دنیا کی نظروں سے اوجھل کرنے کی سعی [illegible] کی جن سے حق کی تائید ہوتی ہو۔ حضرت مرزا صاحب اور احمدیت کے مخالفین نے بھی بدقسمتی سے یہی راہ اختیار کر رکھی ہے۔ کہیں تو حضرت مرزا صاحب کی تحریروں کو قطع و برید کر کے غلط بیانی کی جاتی ہے۔ کہیں دوسروں کے عقاید اور تحریروں کو زمانے کے امام اور آپ کی جماعت سے منسوب کیا جاتا ہے اور جب اس کا احساس دلایا جاتا ہے تو مخالفین کی طرف سے ندامت کا اظہار نہیں ہوتا۔ اب ایک اور بھی طریق اختیار کیا گیا ہے کہ جن غیر از جماعت لوگوں کی تحریروں سے حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت کی تحسین کا پہلو نکلتا تھا۔ انہیں کتابوں سے خارج کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے ۱۹۱۱ء میں علیگڑھ یونیورسٹی میں انگریزی میں ایک تقریر فرمائی جس کا اُردو ترجمہ "ملّتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر" کے عنوان سے چھپا۔ اس تحریر میں جماعت احمدیہ کی زندگی کو "اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ" قرار دیا گیا تھا۔ لیکن جب یہی کتابچہ دوبارہ چھپا تو ان تعریفی کلمات کو خارج کر دیا گیا۔

اسی طرح حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی (رضی اللہ عنہما) کی باہمی خط و کتابت "اشاراتِ فریدی" میں شائع ہوئی تھی۔ لیکن اب دوسرے ایڈیشن میں یہ خط و کتابت اور حضرت صاحبؑ سے متعلق اشارات خارج کر دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ ان میں حضرت مرزا صاحب کی مدح و ستائش پائی جاتی تھی۔

یہ ہے وہ عزت جو خواجہ صاحب مرحوم کے جانشینوں اور مریدوں کو آپ کی ذات سے ہے۔ گویا کہ ان کی نظر میں خواجہ صاحب اسلام سے بے بہرہ، گمراہ اور باطل پرست تھے اور روحانیت سے کوئی نسبت نہ تھی اور انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی یونہی تعریف کی تھی۔ شرم۔ شرم۔ شرم۔

حق پوشی کا ایک دوسرا اسلوب اس زمانے کے بعض نئے قلمکاروں نے یہ اختیار کیا ہے کہ گذشتہ تیرہ سو سال کے علماء، مفسروں اور اہل اللہ کی تمام ایسی تحریروں کا انکار کر دو جس سے حضرت مرزا صاحب کے موقف کی تائید ہوتی ہو، چنانچہ سب سے پہلے ڈاکٹر علامہ اقبال نے کسی نئے آنے والے کے عقیدہ کو مجوسی عقیدہ قرار دیا اور اس طرح احادیث و ارشادات اہل اللہ کی تحریروں کو باطل کا پلندہ ٹھہرایا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جو علمائے اسلام ان روایات و احادیث کی تائید میں حضرت مرزا صاحب کی مخالفت کرتے تھے ان کی غیرت مر گئی اور احمدیت کی مخالفت میں منقار زیرِ پر ہو گئے۔ الباطل ملّة واحدة۔ اسی طرح ایک مکتبہ فکر جو کل تک امّت کے مجددین کا تذکرہ کرتے کرتے نہیں تھکتا تھا، کہ شاید ہمیں بھی اس زمرہ میں جگہ مل جائے اب ختمِ نبوت کے بعد ہر قسم کے "مدعی" کو دوکاندار اور منکرِ ختم نبوت ٹھہرانے لگا ہے۔ اور ان اکابر کی پگڑی پر بھی ہاتھ ڈال رہا ہے۔ جنہوں نے ماضی میں مجدّدیت کا علم لہرایا، خلعت مکالمہ الٰہیہ پانے کے مدعی ہوئے۔ اور آج بھی اس مُلک کے کروڑوں اہلِ اسلام کے دلوں میں جاگزین ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس مقصد کے پیشِ نظر ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح احمدیت کو مٹا سکیں۔

لیکن ان مخالفین کو یہ معلوم نہیں کہ احمدیت اس بات کی محتاج نہیں کہ کوئی شخص اس کی تائید و تعریف میں چند الفاظ کہدے، نہ ہی اسے اسلاف کی تحریروں کے انکار سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ احمدیت تو خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے جس کی پشت پر چودہ سو سال کے اہل اللہ کی تحریرات و روایات کا ذخیرہ ہے جس کی جڑیں منشائے ایزدی کی سرزمین میں ہیں، اور جس کی شاخیں حق و صداقت کی فضاؤں میں سایہ فگن ہیں، جس پودے کو خدا نے اپنے دین کی سرسبزی اور ثمر وری کے لئے لگایا ہو، جس کے پانی کے قلب کی گہرائیوں میں وہ نورؔ اور تڑپ ہو جو کامل اتباعِ خدا و رسولؐ سے اہل اللہ کے قلوب میں پیدا ہوتا ہے، اور جس جماعت کے نام لیواؤں نے اسی نورؔ اور تڑپ سے حصّہ لیا ہو، اسے مٹانے کی کوشش حق کی مخالفت ہے اور باطل کبھی حق کے خلاف کامیاب نہیں ہو سکتا اس لئے ہم اس زمانے کے حق پوش اور صداقت دشمن قلمکاروں سے یہی گذارش کریں گے کہ وہ خالی الذہن ہو کر غور کریں اور اگر ان کے دل گواہی دیں کہ صرف احمدی ہی وہ مسلمان ہیں جو قرآن کے شیدائی ہیں انہی کے قلوب میں غلبۂ اسلام کی حقیقی تڑپ ہے اور اس دَور میں انہی کی سیرتیں قرآن و سنّت کے قریب ہیں اور وہ اکابر کے ایمان و جذبے کے آئینہ دار ہیں تو پھر مخالفت ترک کر کے دستِ تعاون بڑھائیے۔ تاکہ دینِ اسلام کا غلبہ قریب تر ہو جائے ؛

شکرِ خدائے رحماں جس نے دیا ہے قرآں ؛ غنچے تھے سارے پہلے اب گُل کھلا یہی ہے
اس نے خدا ملایا وہ یار اس سے پایا ؛ راتیں تھیں جتنی گذریں اب دن چڑھا یہی ہے
کہتے ہیں حُسنِ یوسف دلکش بہت تھا لیکن ؛ خوبی و دلبری میں سب سے سوا یہی ہے
(حضرت مسیح موعودؑ)

محترم مجید ارشد ایم اے ساہیوال

"مفکّرِ قرآن" جناب پرویز صاحب کے افکار کا تجزیہ
خودنمائی اور خودستائی کا آمیزہ
(۲)

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون ـــــــ (۱۵/۹)

حفاظتِ خداوندی جناب "مفکر قرآن"[۱] کے لئے اس آیت جلیلہ پر تدبّر کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ وہ بھی بار بار اسے مختلف مقامات پر استعمال کرتے رہتے ہیں ۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حفاظتِ خداوندی سے آخر مراد کیا ہے ۔ کلام اللہ کی حفاظت سے مراد صرف الفاظ ہی کی حفاظت ہے یا اس میں الفاظ و معانی ہر دو کی حفاظت مطلوب ہے ۔ عام طور پر "مفکرِ قرآن" کی تحریروں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اُمت چودھویں صدی سے قبل روایات کے جھمیلوں میں پڑی رہی اور اس مبارک صدی میں ایک مردِ علیم و خبیر (شاعر مشرق) نے اسے اس روایات کی گہری نیند سے بیدار کیا اور اس طرح اس اُمت کو رجعت الی القرآن کی توفیق نصیب ہوئی ۔ گویا کہ تیرہ سو سال تک ملت قرآن کریم کو مہجور اور متروک بنائے رہی اور اکثریت اب بھی اسے متروک بنائے ہوئے ہے البتہ ایک مردِ خود آگاہ و خدا مست نے اسے جانب قرآن محو سفر ہونے کی دعوت دے دی ہے ۔ اس سے ملتِ اسلامیہ کے متعلق قاری کے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ملت من حیث المجموع خذلان و خسران کا شکار ہو گئی پوری کی پوری اُمت قرآن کے مقاصد و فرائض کی انجام دہی سے غفلت و تساہل کی مرتکب ہو گئی تو اس طرح اس مرکب اکبر الکبائر ملت سے متعلق قاری کے دل میں ترحم و دلسوزی کے جذبات پیدا ہوں تو کیوں ؟ نام نہاد مصلحین اُمت کا ایک مشترک المیہ یہ ہے کہ یہ ملت اسلامیہ کو زیادہ سے زیادہ چالیس سال تک دعوتِ الٰہیہ کی حامل اور عامل مانتے ہیں اس کے بعد ملتِ اسلامیہ کو مجموعی طور پر جہالت و جاہلیت کا شکار ہو جانے کا شکوہ کرتے ہیں ۔ کچھ مصلحین کا کہنا ہے کہ مختلف اوقات میں من جانب اللہ مجدد و مامور انسان اس ملت کے بگاڑ کی اصلاح کے لئے تشریف لائے مگر افسوس کہ ان میں سے کوئی بھی کامل طور پر اپنے فرائض تجدید سے عہدہ برآ نہ ہو سکا ۔ پھر بعض ماموریں کی تشخیص و تجویز پر بھی اعتراض کرنے سے باز نہیں رہے ۔ عجیب بات ہے کہ ایک شخص کسی کو مجدد بھی مانے اور پھر اسی مامور من اللہ مجدد کو ہدفِ تنقید بھی بنائے ۔ لیکن ہمارے "مفکر قرآن" ذرا مختلف طبیعت کے انسان واقع ہوئے ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد اسلام کا غلبہ اور اس کے نور کا اتمام کائناتی قوتوں کے سپرد کر دیا گیا ہے ۔ اب زمانے کے تقاضے یا وقت کے تھپیڑے ان سب کو اسلام کے قریب لانے میں ہمہ تن مصروف تگ و تاز ہو گئے ہیں بہر حال بات خواہ پہلے گروہ کی مانی جائے یا دوسرے کی ملتِ اسلامیہ کے ہاتھ سے اسلام اور قرآن کی رسّی (العروۃ الوثقیٰ) بہر حال چھوٹ چکی ہے اور ملت مجموعی طور پر اپنے فرائض کی انجام دہی سے خائب و خاسر رہی ہے ۔ لیکن محولہ بالا آیت ۱۵/۹ کی رُو سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حفاظتِ خداوندی سے آخر مراد کیا ہے اور اس حفاظت کا ذریعہ اور وسیلہ کیا ہے ۔ الفاظ کی حفاظت بدون حفاظتِ معنی کیا ممکن ہے اور کیا قدوسیوں کا قدوس خدا ناپاکوں اور فاسقوں کے ذریعہ اپنا پاک کام انجام دیا کرتا ہے ؟ یہ اس سلسلہ کے وہ بنیادی سوالات ہیں کہ جب تک ان کا کوئی تسلی بخش جواب نہ آ جائے بات نہیں بنے گی ۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ ملت من حیث المجموع کبھی بھی فرائض سماوی سے عہدہ برآ ہونے میں ناکام نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے ۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ملت کا ایک گروہ یا قوم جب فریضۂ خداوندی کو پورا کرنے کا اہل نہ رہا تو اسے منصب اقتدار سے الگ کر دیا گیا اور دوسرے گروہ کو موقعہ دے دیا گیا ۔

جب عربوں کے اندر بارِ خلافت اُٹھانے کا دم خم تھا تو انہیں یہ کام سونپا گیا ۔ جب وہ نا اہل بن گئے تو غیر عربوں کو بھی عربی اقتدار میں شریک کر لیا گیا ۔ جب عرب اور یہ غیر عرب ایرانی و خراسانی کما حقہٗ کام کرنے کے اہل نہ رہے تو ترکوں اور مغلوں وغیرہ کو آگے بڑھایا گیا ۔ اسی طرح ملتِ اسلامیہ کی پوری تاریخ ایک سلسلۃ الذہب ہے ، اور دشمنوں نے جو کچھ مفسدانہ پراپگنڈہ کیا ہوا ہے اور جس کا ایک حد تک یہ نام نہاد مصلحین بھی شکار ہو گئے ہیں وہ سارا بے بنیاد ہے ۔ ہمارا دعویٰ بہر حال یہ ہے کہ الفاظ کی حفاظت بغیر حفاظت معانی کے ہو ہی نہیں سکتی ، کیا "مفکرِ قرآن" بتائیں گے کہ ان کا موقف کیا ہے ؟ کیا وہ الفاظ و معانی کی ثنویت کے قائل ہیں یا انہیں ایک وحدت مانتے ہیں اگر وہ ثنویت مانتے ہیں تو اس کے لئے ان کے پاس اپنے موقف کے حق ہونے کے کیا دلائل و شواہد ہیں اور اگر ان کے خیال کے مطابق بھی الفاظ و معانی ایک وحدت ہیں تو کیا یہ حفاظتِ خداوندی کیا ان دونوں کے لئے ہے یا نہیں ؟ اگر دونوں کے لئے ہے تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملت اپنے ماضی میں کس طرح روایات میں کھوئی رہی اور قرآنی دعوت سے غفلت و تساہل کا کس طرح شکار رہی اور اگر یہ بدقسمت ملت واقعی مجموعی طور پر فسق و شرک کی مرتکب ہو گئی تھی تو اس کے حفاظ و علماء نے آخر قرآن کی بھی کیوں حفاظت کی ؟ کیا ان ناپاکوں کے قلوب و اذہان کے ذریعہ پاکوں کے پاک خدا نے اپنے کلام کی حفاظت کی ؟ کیا خدا تعالےٰ نے ایک جائز مقصد کو ناجائز ذرائع سے حاصل کیا اور کیا اس طرح اس مقولہ کی صداقت پر خدا تعالےٰ نے خود ہی مہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ ENDS JUSTIFY THE MEANS مقاصد ذرائع و وسائل کی تصدیق کرتے ہیں ۔ امید ہے کہ "مفکرِ قرآن" اپنا موقف ذرا کھل کر بیان فرما دیں گے ۔

عجمی سازش "مفکرِ قرآن" کی تحریروں میں جگہ جگہ عجمی سازش کا تذکرہ آتا ہے ۔ ملت کے انقلاب حال کا جہاں کہیں رونا روتے ہیں وہاں عجمی سازش پر ان کی تان ٹوٹتی ہے ۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب پرویز کہاں کے عربی نژاد ہیں خدا کے فضل سے آپ نے اپنے اختیار و ارادہ سے جو تخلص اپنے لئے مخصوص کیا ہے اور جو اب ان کا شعار بن چکا ہے ، کیا وہ خالص عجمی نہیں ہے کیا اخلص الخلصاء عرب یہ نہیں کہہ سکتے کہ کما ان الملک خسرو پرویز مزّق کتاب رسول رب العلمین ھکذا اراد پرویز الھندی الپاکستانی ان یمزّق کتاب رب العالمین ما ھٰذہ البرویزیۃ الحدیثۃ الا رموز البرویزیۃ القدیمۃ الکبریٰ وکما ان خدام الاسلام مزّقوا تلک البرویزیۃ وجعلوھا احادیث و فتحوا ثغورھا ھکذا خدام کتاب اللہ القرآن و وارثوہ یمزّقون کل ممزّق ھٰذہ البرویزیۃ الپاکستانیہ عن قریب وسیجعلونھا احادیث والناس لا یسمعون لھا رکزًا ولا ھمسا ۔

جناب پرویز صاحب آپ خود حسب و نسب کے اعتبار سے خالص عجمی ہیں اور آپ کی سیرت و تخلص میں بھی عجمیت ہی عجمیت ہے تو اب عجمی سازش کا رونا کیا خود کوئی عجمی سازش تو نہیں ہے ۔ آپ نے بار بار مقام حدیث میں احادیث کے جامعین کے عجمی ہونے کو ایک قابلِ اعتراض امر گردانا ہے تو جناب آپ کا عجمی ہونا آخر کیوں قابلِ اعتراض نہیں ہوگا ۔

---

[۱] مفکّر عربی زبان کی رُو سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا فعل ماضی فَکَّرَ ہے ۔ اور مصدر تَفْکِیر ۔ فَکَّرَ فعل ماضی پورے قرآن میں ایک ہی مقام پر استعمال ہوا ہے (۷۴/۱۸) ... وہ بھی ایک کافر کے لئے ۔ اس کے برعکس باب تفعّل سے تَفَکُّر ہے جو مضارع کے مختلف استعمالات کو ملا کر سترہ دفعہ استعمال ہوا ہے جس کی تفصیل یہ ہے :۔ تتفکروا ۳۴/۳۴ تتفکرون ۲/۲۱۹، ۲/۲۶۶، ۶/۵۰ یتفکروا ۷/۱۸۴، ۳۰/۸ ۔ یتفکرون ۳/۱۹۱، ۷/۱۷۶، ۱۰/۲۴، ۱۳/۳، ۱۶/۱۱، ۱۶/۴۴، ۱۶/۶۹، ۳۰/۲۱، ۳۹/۴۲، ۴۵/۱۳، ۵۹/۲۱ ۔
آخر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ میاں نے فَکَّرَ جس کا اسم فاعل مُفَکِّر ہے کو کافر کی طرف کیوں نسبت دی ہے اور اہلِ ایمان کے لئے اچھے معنی میں تفکر کا کیوں مطالبہ کیا ہے ۔ کیا "مفکّرِ قرآن" یہ بتانے کی زحمت گوارا کریں گے کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے اور ان میں مدح یا ذم کا کوئی پہلو پایا جاتا ہے یا نہیں ؟ یا اللہ میاں نے ہمیں مفکر بننے کی بجائے متفکر بننے کی کیوں دعوت دی ہے اور ہمارے جناب مفکر، متفکر قرآن بننے سے کیوں محترز ہیں ؟

"مفکرِ قرآن" جذباتی نعروں سے کام نکالنے کے پرانے عادی ہیں جہاں خالص ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ و بچار کی ضرورت ہوتی ہے وہاں انتہائی جذباتی بن جاتے ہیں اور جہاں واقعی جذبات سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے وہاں جذبات کو سخ بستگی کی نذر کر دیتے ہیں۔ مثلاً چونکہ ان کے مخاطب سامعین بھی عجمی ہوسکتے ہیں اور خود بھی ماشاءاللہ عجمی ہیں اس طرح باوجود اس کے کہ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ و بچار کر کے آگے بڑھیں اور بات کو آگے بڑھائیں محض اقبال مرحوم کے چند اشعار کے زور پر اپنا تمام دعوے منوانے کے لئے انتہائی جذباتی ماحول پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔

اسی تضاد فکر و عمل کا یہ بھی نتیجہ ہے کہ وہ اپنے لئے ایک چیز کو بطور اصول محکم نہ صرف صحیح مانتے ہیں بلکہ اسے اپنے لئے بطور ڈھال استعمال بھی کرتے ہیں لیکن اسی اصول محکم اور مضبوط ڈھال سے بیچارے بلاغ القرآن والوں کو محروم کر دینا چاہتے ہیں اور ان کے بعض افکار کے ماضی میں سراغ پذیر نہ ہو سکنے کو ان کے باطل ہونے کے لئے بطور دلیل استعمال کرتے ہیں۔ دیکھئے ماہ نامہ طلوع اسلام ماہ جنوری ۱۹۷۵ء ص۴۹ "ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ یہ تین وقتوں کی نماز کے قائل ہیں۔ ہماری تحقیق کی رُو سے پہلے مسلمانوں کے کسی فرقہ نے ایسا نہیں کیا۔"

نیز پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ: "ہم اس مقام پر بلاغ القرآن والوں کے مسلک پر اکتفا کرتے ہیں . . . . کے معاملات میں بھی ایسی نرالی باتیں کرتے ہیں جن کا اس سے پہلے کہیں پتہ نشان نہیں ملتا۔" ان دونوں خط کشیدہ عبارتوں کو جو بھی شخص ذرا ٹھہر کر پڑھے گا اسے یقین آ جائے گا کہ "مفکرِ قرآن" کے ایک ہی ماہ کی تحریروں میں کتنا بڑا اور کس قدر کھلا تضاد پایا جاتا ہے۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ ماضی میں کسی گروہ نے تین نمازوں کی رائے ظاہر کی ہے یا نہیں۔ بتانا صرف یہ ہے کہ "مفکرِ قرآن" اپنے ہی خود ساختہ اصولوں کو صرف اپنے لئے مخصوص رکھنا چاہتے ہیں غیروں کے لئے اسے استعمال کرنے یا ان سے کوئی حقیر سا فائدہ اٹھانے کی ادنے ترین اجازت دینے کے بھی روادار نہیں، آپ خود دیکھئے کہ جب "مفکرِ قرآن" ایک بات کو اپنے لئے صحیح خیال کرتے ہیں تو وہی بات بلاغ القرآن والوں کے لئے کیوں غلط قرار دیتے ہیں۔ شاید ان کی اسی عادت ہی کا کرشمہ ہے کہ خود بھی اشتراکیت کے معاشی پہلو یا اسکے پروگرام کو قرآن ہی کا پروگرام قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر بیچارہ حنیف رامے اسمبلی میں کسی آیت سے کوئی استدلال یا استمداد کر لے تو "مفکرِ قرآن" دہائی دینے لگتے ہیں اور عنوان باندھنے لگتے ہیں" قرآن سوشلسٹوں کے نرغے میں"۔

اسی تضاد فکر و عمل کے منہاج کا ایک اور کرشمہ اور شاہکار ہمیں جنوری کے باب المراسلات میں ملے گا۔ جماعت احمدیہ لاہور والے اگر آیت ۲/۱۴۴ میں واقع ایک آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے مسلمان کہتے ہیں مسلمانوں کا ہی قبلہ رکھتے ہیں انہی کی نماز پڑھتے ہیں ان ہی کا ذبیحہ کھاتے ہیں۔ ان کے عقائد میں اہلِ سنت سے قطعاً کوئی بات زائد نہیں، اب رہی بات مرزا صاحب کو مجدد ماننے کی تو اگر اہلِ سنت کا ایک گروہ جناب مجدد الف ثانی کو مجدد مانتا ہے اور یہی حال شاہ ولی اللہ کو مجدد ماننے والوں کا ہے تو آخر ہم کافر کیسے ہو گئے۔ زیادہ سے زیادہ آپ ہمیں خاطی کہہ سکتے ہیں لیکن کافر کہنے کا آپ کو قطعاً کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اس پر جناب "مفکرِ قرآن" نے ان کے اس انداز کا مضحکہ اڑایا ہے اور پھر ایک بیہودہ قصہ کو بطور استدلال استعمال کیا ہے۔ اے جناب "مفکرِ قرآن"! اگر اس آیت جلیلہ سے اس طرح استدلال کرنا واقعی ایک تکنیک ہے اور یہ واقعی کوئی فریب کا پردہ ہے جسے آپ چاک کرنا چاہتے ہیں تو بصد شوق ایسا کیجئے لیکن اے کاشکہ آپ "مفکرِ قرآن" ہونے کے ساتھ ساتھ عاملِ قرآن بھی ہوتے، اے کاشکہ اپنے عمل سے ۵/۸ آیت جلیلہ کی گواہی دی ہوتی۔ خیر قرآن تو آپ کے لئے ایک حربہ ہے جس سے جب چاہیں کام لے لیا جائے اور جب نہ چاہا کام نہ لیا۔ ہم اس سلسلہ میں دو امور کی طرف آپ کی توجہ منعطف کرانا چاہتے ہیں اور آپ کے اپنے گھر سے شہادت بہم پہنچانا چاہتے ہیں۔

شاہد اول: ہمیں یاد پڑتا ہے کہ غالباً جولائی ۱۹۵۲ء کے طلوع اسلام میں قتل مرتد کے موضوع پر جناب علامہ اسلم صاحب[۲] (جو کہ آپ کے استاد اور مرشد ہیں) کا ایک مقالہ شائع ہوا تھا، جہاں تک ہمارا حافظہ کام کرتا ہے اس پرچہ کے ص۴۸ پر بالکل یہی آیت جلیلہ اسی مدلول و مفہوم اور اسی غرض و غایت سے شائع ہوئی تھی۔ کیا آپ اپنے ہاں کی فائل نکلوا کر اس عبارت کو دیکھنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے، بصورت دیگر ہمیں ہی کہیں سے وہ پرچہ حاصل کر کے وہ عبارت آپ کے سامنے رکھنی پڑے گی۔

شاہد ثانی۔ استاد کے بعد شاگرد: شاید آپ کہہ دیں کہ وہ تو جناب اسلم صاحب کی تحریر ہے میں اس کا مکلف اور جوابدہ تو نہیں ہوں۔ بات ایک حد تک وزندار ہے۔ آئیے ہم آپ کو آپ کی ہی عبارت بتاتے ہیں۔ ذرا اس خط کو نکال کر پڑھئے جو آپ نے اپنے اوپر فتوٰی کفر لگنے کے بعد جناب مفتی پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب کے نام لکھا تھا اور جسے آپ نے اپنے مجلہ میں شائع بھی کیا تھا۔ کیا آپ نے اس خط میں یہی آیت جلیلہ اس مدلول و مفہوم کے ساتھ تحریر کی تھی یا نہیں۔ ہمارا دعوے ہے کہ آپ نے کی تھی۔ دیکھئے متعلقہ پرچہ طلوع اسلام۔ تو اب لا تتخذوا ایات اللہ ھزوا پر عمل کرتے ہوئے استہزا کی روش ترک کر دیں۔ مطففین کی اس روش کا نتیجہ سوائے ہلاکت کے اور کیا ہوا ہے۔ صرف یوم یقوم الناس لرب العلمین کا انتظار ہے۔ ان گذارشات کا بہرحال مدعا یہ تھا کہ ہمارے "مفکرِ قرآن" کے باٹ جدا جدا ہیں اپنے لئے الگ دوسروں کے لئے الگ۔ دینے کے لئے الگ لینے کے لئے الگ اور ان کے فکر و عمل میں بے پناہ تضاد و تباین پایا جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ ہمیں اس طرز عمل سے بچائے رکھے۔

فطرتِ انسانی: "مفکرِ قرآن" کے اسی تضاد فکر و عمل کا یہ بھی ایک ضمیمہ سمجھئے کہ آپ اب انسان کی کسی بھی نوع کی فطرت سے مطلقاً انکار کرتے ہیں۔ لغات القرآن اور مفہوم القرآن اور اب اپنے تازہ شاہکار "ختم نبوت اور تحریک احمدیت"[۳] وغیرہ سب میں اس امر کا تکرار پایا جاتا ہے۔ اپنے تازہ شاہکار ختم نبوت کے صفحہ ۳۴ پر جلی عنوان سے تحریر فرماتے ہیں "انسان کی کوئی فطرت نہیں" (ص۳۴) آگے ص۳۵ پر مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ جو ہمارے ہاں عام طور پر مشہور ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور خدا نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ یہ سب لاعلمی پر مبنی ہے۔ فطرت مجبور کی ہوتی ہے، جسے اختیار و ارادہ دیا گیا ہو۔ اس کی کوئی فطرت نہیں ہوتی ص۳۵" اس عبارت میں دو دعوے کئے گئے ہیں۔ ۱۔ خدا کا انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کرنے کا دعوے لاعلمی پر مبنی ہے۔ ۲۔ انسان کی کوئی فطرت نہیں۔

آئیے ذرا اس پہلے امر کا جائزہ لیں۔ "مفکرِ قرآن" اپنے مفہوم القرآن جلد سوئم ص۹۳۷ زیر آیت ۳۰/۳۰ فاقم وجهك للدين حنيفا فطرة الله التى

---

[۲] دیکھئے ہفت روزہ طلوع اسلام جلد ۸ شمارہ ص۲۹ جو علامہ اسلم جیراجپوری کی وفات پر اسلم نمبر کے طور پر شائع ہوا ہے یہ ہمارے پاس محفوظ ہے۔ ہم انشاء اللہ تعالےٰ اگلی کسی قسط میں صرف اسی کے حوالہ سے بات کریں گے۔

[۳] احمدیہ تحریک نام کی ایک کتاب پہلے جناب ملک محمد جعفر صاحب نے بھی لکھی تھی جو سندھ ساگر اکیڈمی نے شائع کی ہے۔ مصنف کے کئی مضامین طلوع اسلام میں بھی چھپے تھے۔ پرویز صاحب کی کتاب اور اس کتاب کا باہمی موازنہ بھی ایک اچھا موضوع ہے۔ اگر فرصت ملی تو اس پر بھی تبصرہ کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

انی مھین من اراد اھانتك
انی معین من اراد اعانتك
(الہام مسیح موعودؑ)

فطرالناس علیہا[1] لاتبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم (۳۰/۳۰) کا یہ مفہوم لکھتے ہیں :-

"لہذا صحیح روش زندگی یہ ہے کہ تو ان تمام غلط راہوں سے منہ موڑ کر اپنی تمام توجہات اس نظام زندگی پر مرکوز کر دے جو خدا کے تخلیقی قانون کا تقاضا ہے اور جس قانون کے مطابق اس نے خود انسان کو پیدا کیا ہے خدا کا یہ قانون تخلیق غیر متبدل ہے اسی لئے یہ نظام زندگی جو انسانی معاشرہ کے لئے بذریعہ وحی دیا گیا ہے اسی طرح غیر متبدل ہے"

جیسا کہ ہم نے حاشیہ میں بیان کیا ہے یہ ترجمہ بہا کے ساتھ ہو سکتا ہے نہ کہ علیہا کے ساتھ۔ پھر الدین القیم کا مفہوم خدا کا قانون تخلیق ہو ہی نہیں سکتا۔ ہماری "مفکر قرآن" سے گذارش ہے کہ وہ پورے قرآن سے الدین کا معنی "قانون تخلیق" ثابت کر دکھلائیں۔ چونکہ قانون تخلیق پر الدین کا اطلاق ہوا ہی نہیں پس اگلا مفہوم خود بخود باد ہوا ہو جاتا ہے۔

نیز "مفکر قرآن" نے سورۃ الشمس کی آیات ۹۱/۸-۷ میں واقع لفظ الہام کا جو معنی بتایا ہے وہ یہ ہے :

"پھر اس کے اندر جس انداز سے اس امر کی صلاحیت رکھدی گئی ہے۔ الیٰ آخرہٗ (مفہوم القرآن جلد سوئم ص ۱۴۵۳)"

یہاں الہام کا معنی "صلاحیت رکھ دینا" کیا ہے اور مفہوم القرآن کے متعلق پرویز صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ ان کی مؤلفہ لغات القرآن (جو مستند لغات العرب سے تیار کی گئی ہے) کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔ آیئے ذرا اس مقام کی نزاکت کے پیش نظر "مفکر قرآن" کی مؤلفہ لغات القرآن کی بھی سیر کرتے چلیں۔ یہ ہے لغات القرآن جلد چہارم ص ۱۵۰۶ زیر مادہ ل۔ ھ۔ م تحریر ہے لَہِمَهٗ۔ یَلْہَمُہٗ لہم کسی چیز کو یکبارگی نگل لینا۔ رجل لہیم بہت کھانے والا آدمی[2] الہمہ الشیئ اس نے اس کو کوئی چیز نگلوا دی اس سے الہام ہے" اب دیکھئے قارئین! مستند لغات عرب سے جو مفہوم اخذ کیا گیا ہے وہ ہے یکبارگی کسی چیز کا نگل لینا اور مفہوم القرآن کے مندرجہ بالا حوالہ میں الہام کا معنی کیا گیا ہے "صلاحیت رکھ دینا" اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ یکبارگی نگلنے اور کسی امر کی صلاحیت رکھ دینے میں کوئی بھی مناسبت پائی جاتی ہے پھر اگلے ہی صفحہ پر لغات القرآن جلد چہارم میں حقیقی مفہوم بتایا گیا ہے۔ ہمارا سوال صرف اتنا سا ہے کہ جناب "مفکر قرآن" یہ بتائیں کہ انہوں نے یہ حقیقی مفہوم قرآن کی کس آیت اور لغات عرب میں سے کس مستند لغت سے اخذ کیا ہے تاکہ حقیقت حال کا کچھ تو پتہ چل سکے ورنہ کوئی بھی اردو کی معمولی شدبد رکھنے والا انسان یہ باور نہیں کر سکے گا کہ نگل لینے اور صلاحیت رکھنے میں کوئی بھی مناسبت پائی جاتی ہے۔

ہاں اسی سلسلہ کی ایک اور نہایت اہم آیت کریمہ سورہ قیامہ ۷۵/۲ میں نفس لوامہ کا لفظ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر انسان خیر و شر کے رجحان و میلان سے بالکل تہیدست ہے تو چور بھی چوری کرنے کے باوجود کیوں اپنے فعل پر شرم محسوس کرتا ہے اور اس کے اندر کیوں guilty consciousness کا احساس پایا جاتا ہے۔ نیز قرآن کے اپنے دعویٰ کے مطابق وقوع و تحقق قیامت پر نفس لوامہ لوگوں اور کس طرح بطور گواہ پیش کیا گیا ہے اور ہاں آگے جو کر ۷۵/۱۴ میں الانسان جو مذکر ہے اس کی خبر بصیرۃ مؤنث استعمال کی گئی ہے۔ اے جناب "مفکر قرآن"! ساری عمر آپ قرآن کی غواصی کر چکے اور اب آپ کے تدی کا دوسرا کنارہ بھی نظر آنے لگا ہے کیا یہ بتائیں گے مذکر مبتدا کی خبر مؤنث کیوں استعمال کی گئی ہے۔

دوسرا دعویٰ۔ انسان کی کوئی فطرت نہیں ؟

دوسرا دعویٰ ہے کہ انسان کی فطرت نہیں ہے دیکھئے ختم نبوت ۵۰۰ لیکن جب ہم پرویز صاحب کے اپنے ماضی کے مضامین کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں بڑی ہی حیرت ہوتی ہے جب ہمیں ان "نیا ان خیال" کے خلاف پرویز صاحب ہی کا اپنا ایک اور اصول اس کے خلاف مل جاتا ہے آپ کہیں گے کہ واہ صاحب! یہ نہیں ہو سکتا ہے "مفکر قرآن" کی تحریروں میں بھلا تضاد کہاں؟ تضاد تو ان کے دشمنوں کے [illegible] خیر چھوڑیئے اس بحث کو، آیئے ذرا آپ کو تقسیم ہند سے قبل کے شائع شدہ ماہنامہ "البیان" کی جلد ۳ شمارہ ۱ بابت ماہ جون و فروری ۱۹۴۶ء کی طرف لے چلیں یہ ماہنامہ کا ختم نبوت نمبر ہے اور اسے جناب محمد اقبال سلمانی صاحب نے مرتب کیا ہے اور امت مسلمہ امرتسر نے شائع کیا ہے۔ اس میں جناب "مفکر قرآن" کا ایک مضمون [illegible] ایک مقالہ بڑی تفصیل سے شائع ہوا ہے اس ماہنامہ کے ص ۱۲۵ پر پرویز صاحب کے یہ الفاظ ملتے ہیں "اس مقام پر دین کے متعلق ایک نکتے کا سمجھ لینا ضروری ہے یہ چیز انسان کی فطرت کے اندر ودیعت کر کے رکھ دی گئی ہے اور وہ کسی بلند و بالا ہستی کا وجدانی طور پر احساس ہے اس وجدانی احساس کے اعتبار سے انسان شروع سے آخر تک یکساں چلا آتا ہے۔ ص ۱۲۵-۶"

لیجئے حضرات! یہاں خط کشیدہ الفاظ کو آپ خود پڑھ لیں اور پھر از خود فیصلہ کر لیں کہ "مفکر قرآن" خود درجہ بدرجہ تدریجی طور پر مختلف دعوے کرتے کرتے آپ کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں ہمارا مقصود چونکہ طعن و تعریض کرنا نہیں ہے اس لئے ہم صرف اتنا ہی گذارش کریں گے کہ شیشے کے محلوں میں رہنے والوں کو دوسروں کے گھروں کی طرف پتھر نہیں پھینکنے چاہئیں کیونکہ اس طرح اگر جوابی اقدام ہو گیا تو ان کے ساز و سامان کا مع ان کی ذات و صفات کے کہیں نشان بھی ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔

(باقی ۔ باقی)

---

[1] محترم قارئین یہاں متن میں الفاظ فطرت اللہ التی فطرالناس علیہا ہیں۔ محترم "مفکر قرآن" نے جو مفہوم دیا ہے وہ بہا کے مطابق ہے، یہ مفکر قرآن کی، قرآن اور عربی دانی کا حال ہے۔ انشاء اللہ ہم اگلی اقساط میں مفہوم القرآن اور لغات القرآن پر تفصیلی تبصرہ کر کے ان کے یہ دونوں دعوے (قرآن دانی اور عربی دانی) کو کھوکھلا ثابت کر کے رکھ دیں گے۔ اب ہمیں یہ خطرہ محسوس ہونے لگا ہے کہ پھر "مفکر قرآن" یہ نہ کہنا شروع کر دیں کہ لغات القرآن میری تالیف نہیں بلکہ یہ میرے اس وقت کے ملازم جناب طاہر سورتی صاحب کی تالیفات میں سے ہے میں نے تو اس کو صرف اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ اگر اس میں صرف و نحو اور لغات و محاورات کی اغلاط پائی جاتی ہیں تو اسے خواہ مخواہ میرے کھاتے میں کیوں ڈالا جا رہا ہے۔ بہرحال یہ تو ہمارا بھی خدشہ ہے۔ دیکھئے فلک نیلی فام کیا کیا رنگ بدلتا ہے۔

[2] ہم جیسے غریب انسانوں میں عربی کی مستند قیمتی لغات خریدنے کی سکت نہیں ہے ہمارے پاس صرف المنجد عربی ہے۔ اس میں الہم کی نسبت اللہ کی طرف کر کے (جیسا کہ قرآن حکیم کے اس مقام ۹۱/۸ میں ہے) یہ معنی کئے گئے ہیں الہم اللہ فلاناً خیراً۔ اوحیٰ الیہ یعنی کسی کی طرف خیر کا اشارہ کیا۔ او لقنہ ایاہ یا اسے اس کی تلقین کی ووفقہ لہ یا اسے خیر کی توفیق دی۔ المنجد ص ۷۴۰

افسوس ہے کہ عیسائی مؤلف نے دیانت داری سے کام لیا ہے۔ اور ہم اگلی قسط میں بتائیں گے کہ اسی مفہوم و معنی کے لئے قرآن میں بے شمار تائیدی آیات ملتی ہیں لیکن افسوس ہے کہ اپنے خود ساختہ معنی کو ذہن میں رکھ کر لغات اور قرآن کا مطالعہ کرنے والا "مفکر قرآن" [illegible] قرآن ہر دو ہدایت، حقیقت کا [illegible] سچ ہے کہ ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔ ۲۴/۴۰

الطاف جاوید

اسلام کے معاشی نظام کا عالمی اور حجازی پس منظر

اور

عصر حاضر کے جدید معاشی نظریات

(۲)

طائف مکہ اگر تجارت اور گلہ بانی کا مرکز تھا تو طائف زراعت کا مرکز تھا۔ مکہ میں بھی آجر اور اجیر کے درمیان کشمکش موجود تھی۔ غلام اور آقا کے مفاد میں تضاد موجود تھا۔ مگر یہ طبقاتی کشمکش طائف میں زیادہ نمایاں تھی۔ طائف مکہ سے پچھتر میل دور جنوب مشرق میں واقع ہے اور سطح سمندر سے پانچ ہزار ۹ سو فٹ بلند ہے۔ یعنی طائف سطح مرتفع ہے۔ یہاں کی زمین بہت زرخیز تھی۔ قبیلہ بنو عامر کے لوگ تو محض گرمیوں کا موسم گذارنے کے لئے نجد سے یہاں آجاتے تھے اور سردیوں میں واپس چلے جاتے تھے۔ مگر قبیلہ بنو ثقیف طائف کے گرد و نواح میں مستقل طور پر رہائش پذیر تھا۔ آہستہ آہستہ قبیلہ بنو ثقیف نے بنو عامر کی زمینوں کو ٹھیکے پر لے لیا۔ اس طرح بنو عامر زمیندار بن گئے اور بنو ثقیف کاشتکار ہو گئے۔ یہ پیداوار کا نصف بنو عامر کو ادا کرتے تھے۔ اس دوران میں بنو عامر بنو ثقیف پر عربوں کے حملوں کا دفاع بھی کرتے تھے۔ کچھ مدت کے بعد بنو ثقیف نے طائف کے گرد ایک شہر پناہ تعمیر کر لی اور پیداوار کا نصف ادا کرنا بند کر دیا۔ لہٰذا دونوں میں جنگ ہوئی مگر بنو عامر کو شکست کھانی پڑی۔

طائف کے علاوہ ارد گرد کی تمام وادیاں بھی سرسبز و شاداب تھیں اور پیداوار میں پھل، گیہوں اور لکڑی کی بہتات تھی۔ زراعت اور تجارت کے علاوہ صنعت و حرفت میں دباغت اور شراب سازی کی صنعت عام تھی۔ سُودی قرض کا کاروبار بھی ہوتا تھا۔ طائف کے سود خوار بہت متشدد تھے۔ یہاں کی صنعتوں، باغوں اور کھیتوں میں عام طور پر غلام کام کرتے تھے۔

مدینہ حجاز کا تیسرا بڑا اور اہم شہر مدینہ تھا۔ اسے یثرب بھی کہتے تھے۔ مدینہ میں یہودی قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع وغیرہ بس رہے تھے۔ بعد میں اوس و خزرج کے قبائل یمن سے ہجرت کر کے مدینہ میں آبسے تھے۔ انصار انہی دو قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ مدینہ بھی سرسبز علاقہ تھا اور کاشت ہوتی تھی، اسی لئے مدینہ کو کسانوں کا شہر بھی کہتے تھے۔ یہاں کی زرعی اراضی بارش اور کنوؤں کے علاوہ نہروں سے بھی سیراب کی جاتی تھی۔

مدینہ میں لگان کے کئی طریقے رائج تھے۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ زمیندار سے حاصل کردہ زمین کے ایک حصّہ پر کاشتکار اپنی کھیتی اُگاتا اور باقی زمین کی پیداوار زمیندار لے لیتا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ نہر کے کناروں اور نالیوں کے سروں پر خشک زمین تو کاشتکار کے حصّہ میں آتی اور پانی والے حصے پر وہ زمیندار کے لئے کاشت کرتا۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ پیداوار کا کچھ حصّہ متعین کر لیا جاتا اور کاشتکار زمیندار کو وہ حصہ ادا کر کے باقی پیداوار خود لے لیتا۔ چوتھا طریقہ یہ تھا کہ کاشتکار پیداوار تو خود لے لیتا، مگر لگان کے طور پر دوسری قسم کی پیداوار جیسے کھجور وغیرہ اپنے گھر سے زمیندار کو ادا کر دیتا۔ مدینہ میں اس وقت نقد یا سونا چاندی کی شکل میں لگان ادا کرنے کا رواج نہیں تھا۔

مدینہ کے قرب و جوار میں جو نخلستان تھے، ان میں کیلے، انجیر، انار، انگور بھی اور شفتالو پیدا ہوتے تھے۔ نخلستانوں کے علاوہ بھی کھیتی باڑی کی جاتی تھی جو اور گیہوں بڑی مقدار میں پیدا ہوتا تھا۔ یہاں ہر قسم قسم کی شراب انگور، کھجور، گیہوں، جو اور شہد سے تیار کی جاتی تھی۔ کھجور کی شراب جسے فضیح کہتے تھے بہت بڑے پیمانہ پر اور کثیر مقدار میں بنتی تھی۔

مدینہ میں پارچہ بافی اور تلوار سازی کی صنعتیں بھی موجود تھیں۔ لکڑی کا کام بھی کیا جاتا تھا۔ مدینہ کا ایک مشہور بازار قینقاع تھا جس میں کثرت سے خرید و فروخت ہوتی تھی۔ یہودی تاجر اور ساہوکار نہ صرف مدینہ پر چھائے ہوئے تھے، بلکہ بعض کا کاروبار پورے حجاز میں پھیلا ہوا تھا۔ ابو رافع حجاز کا بہت بڑا تاجر تھا۔

مدینہ کی پیداوار اس کی آبادی کے لحاظ سے ناکافی تھی اس لئے غلّہ باہر سے منگوایا جاتا تھا۔ تجارتی قافلے عموماً شام سے ہی آیا کرتے تھے۔ اشیاء کا تبادلہ عام طور پر مویشی، غلّہ اور دیگر زراعتی پیداوار سے کیا جاتا تھا۔ بیع محاقلہ، یعنی کھیتی پکنے سے پہلے خرید کر منہ مانگے داموں بیچنے کا رواج عام تھا۔ بیع مزابنہ یعنی ٹوٹی ہوئی کھجوروں کا درخت پر لگی ہوئی کھجوروں سے تبادلہ بھی کرتے تھے، غلام، اونٹ، دودھ دینے والے جانور، گھوڑے، بکریاں، کجاوے اور ڈھالیں قرضوں کی اشیاء تھیں۔ مکہ اور طائف میں سُودی کاروبار کے جو طریقے رائج تھے، تقریباً یہاں بھی موجود تھے۔ جو چیزیں رہن رکھی جاتیں ان میں بیویاں اور بیٹے بھی شامل تھے۔ مدینہ میں یوں تو انگور کے باغات اور کھیتوں کی کثرت تھی مگر یہاں کا کاشتکار عام طور پر مفلوک الحال تھا۔

عالمی اور حجازی حالات پر مجموعی نظر عالمی سطح پر دنیا کی متمدن اقوام اور ممالک میں غلام اور آقا، غریب اور امیر، آجر اور اجیر، کسان اور زمیندار کے امتیازات قائم ہو چکے تھے۔ جس طرح مویشیوں اور مصنوعات کی نمائش بھی لگتی تھی، اسی طرح غلاموں کی نمائش بھی لگتی تھی۔ اور ان کا نیلام ہوتا تھا۔ بادشاہوں کے جبر و استبداد نے عوام کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ آئے دن کی جنگوں نے جان و مال کی تباہی کو مستقل مسئلہ بنا رکھا تھا۔

نظری طور پر افلاطون، ارسطو اور رومی دانشوروں کے معاشی نظریات دنیا کے سامنے آ چکے تھے اور ان نظریات نے غلام اور آقا کے درمیان حائل خلیج کو پاٹنے کی بجائے اس طبقاتی تقسیم کی بنیادیں اور مستحکم کر دی تھیں۔

افلاطون نے اپنی مثالی ریاست میں انسانوں کو تین مستقل طبقوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلا طبقہ محافظین کا تھا۔ محافظین میں سے کسی کی کوئی ذاتی ملکیت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ انہیں شادی کے حق سے بھی محروم کر دیا گیا تھا۔ اور جس گھر میں روپیہ موجود ہو وہاں انہیں سونے کی ممانعت تھی۔ افلاطون کا خیال تھا کہ یہ ریاست کے معاشی اور سیاسی معاملات کا بہتر انتظام کر سکیں گے اور ان کی مفلسی دوسروں کی بدگمانی دور کرنے کا باعث ہوگی، دوسرا طبقہ سپاہیوں کا تھا۔ ان کا کام ملک کا دفاع کرنا تھا۔ مگر اس طبقہ کو بھی ذاتی ملکیت رکھنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ تیسرا طبقہ کاشتکاروں کا مقرر کیا گیا۔ جس کی اکثریت غلاموں پر مشتمل تھی۔ محافظ اور سپاہی طبقوں کی تمام ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری اس تیسرے طبقہ پر تھی۔ ارسطو نے افلاطون کی طبقاتی تقسیم پر اگرچہ تنقید کی، مگر وہ بھی آقا اور غلام کے تضاد کو دُور نہ کر سکا۔ ارسطو نے معاشیات کو علم کا درجہ دیا اور اسے تین عنوانوں پر منقسم کیا۔ (۱) معاشیات کی تعریف اور اس کے دائرہ عمل کا تعین۔ (۲) مبادلے کے عمل کا تجزیہ (۳) نظریۂ زر کی حمایت میں دلائل۔ یہ یونانی فلسفی اپنی اعلےٰ البصیرت، حکمت پسندی اور دانش پروری کی وجہ سے غلام کی مظلومیت کا احساس تو رکھتے تھے مگر اس کا علاج نہ سوچ سکے۔ ان سے پہلے سولن نے کاشتکاروں کو قرض کے بوجھ سے آزاد کرنے، زمین کے مالک اور کاشتکار کے درمیان خلیج کو کم کرنے کے لئے بہترین قوانین بنائے تھے، لیکن اسپارٹا کے مرد آزما اور مرد آفریں تمدن نے ایتھنز کی دانش کو شدید متاثر کیا، جس کی وجہ سے شہری جمہوری ریاست عملاً زمینوں کے مالکوں اور "اشرافیہ" کے قبضہ میں چلی گئی۔

رومی دانشوروں نے معاشیات میں کسی قابل قدر اور مفید قانون یا تصوّر کا اضافہ نہیں کیا کیونکہ وہاں غلاموں کی کثرت تھی اور مال و دولت وافر مقدار میں موجود تھی جس کی وجہ سے معاشی مسائل کی اہمیت ان کی نظروں سے اوجھل رہی عیسائیت نے، جو رومی تہذیب کی وارث قرار پائی، حیات گریز رہبانیت کے تصورات کو ترویج دی، اور حضرت مسیحؑ کی انقلابی تعلیم سے کنارہ کش ہو کر کلیسیا نے روش

شہنشاہیت کی خصوصیات کو اپنا لیا۔

پورے عرب اور حجاز کی معاشی حالت پر مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی سوسائٹی میں ایک طبقہ دولتمند اور دوسرا نادار و مفلس تھا۔ اس مفلس طبقہ کی اکثریت غلاموں یا پس ماندہ دیہاتی آبادی پر مشتمل تھی، عرب خصوصاً حجاز کی معاشیات اس معاشرتی تقسیم کا شکار تھی۔ لوگ دولت مند بننے یا مزید نفع کمانے کے لئے، سود خواری، سٹے بازی، احتکار واکتناز، یتیم اور لاوارث کے مال پر تصرف کرنے اور غلاموں سے سخت محنت لینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ دولت کمانے کے ان غیر صحت مند اور غیر معاشرتی طریقوں کے علاوہ غریب اور مفلس طبقہ فاقہ کشی کے خوف سے دختر کشی اور عزل جیسی قبیح اور غیر فطری باتوں پر عمل کرنے کے لئے مجبور تھا۔ حجاز اور مکہ کے تاجر اپنے تجارتی سفر کی وجہ سے قیصر و کسریٰ کے شاہانہ آداب زندگی سے واقف ہو چکے تھے اور موروثی بادشاہت کی "نفع مندیاں" کو بھی جان گئے تھے۔ کیونکہ اس سے حکمران خاندان کے لئے بے پناہ عیش و عشرت اور جاہ و حشمت کے دروازے کھل جاتے تھے۔ صاحب فکر اشخاص میں سے کئی ایک تناسخ کے قائل ہو چکے تھے، اور تقدیر کے جامد تصور کو اپنا چکے تھے۔ بت پرستی عام تھی رہی، جس کی وجہ سے قبائل میں مسلسل جنگیں ہوتی رہتی تھیں، کیونکہ ہر قبیلہ کا بت دوسرے سے الگ تھا اور وہ بت اس قبیلے کا معبود ہونے کے علاوہ اس کی عزت و عظمت کا نشان بھی تصور کیا جاتا تھا۔ اور اس کی توہین سارے قبیلہ کی توہین سمجھی جاتی تھی، اس طرح حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل علیہ السلام کے تصور توحید اور اس کے مضمرات کی جگہ شرک اور اس کی نفاق انگیزیاں قدم جما چکی تھیں۔ ملت ابراہیمؑ یہودی، عیسائی اور مشرکین حزب میں تقسیم ہونے کی وجہ سے پارہ پارہ ہو چکی تھی۔

ان غیر معمولی حالات میں نیک اور سمجھدار لوگوں پر عام مایوسی چھا چکی تھی اور وہ حالات کے مقابلہ کی سکت نہ پاتے ہوئے حیات گریز رویہ اختیار کر رہے تھے مذہب رہبانیت کا شکار ہو چکا تھا۔

عہد جدید کی ناکامی

یہ تو تیرہ سو برس پہلے کی داستان ہے۔ مگر ہمارے عہد میں، جب کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا ارتقاء آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ انسانیت ابھی تک بنیادی حقوق سے محروم ہے۔ اگرچہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ اسلام کے بعد کی بات ہے، مگر حیات انسانی کے تمام شعبوں کے متعلق اسلام کے معاشی نظام کو سمجھنے اور دوسرے معاشی نظاموں سے تقابل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ نہ صرف قبل از اسلام کے معاشی پس منظر کا مطالعہ کیا جائے بلکہ اسلام کے بعد سے آج تک جتنے معاشی نظام تاریخ کے منصہ پر شہود پذیر ہوئے ہیں ان کا بھی جائزہ لیا جائے۔

جاگیرداری

ظہور اسلام کے بعد جس معاشی نظام نے غلامی کے معاشرہ کے بطن سے جنم لیا وہ جاگیردارانہ نظام معیشت تھا۔ اسلام کے بعد ترقی کی رفتار بہت تیز ہو گئی تھی۔ غیر آباد اور بنجر زمینوں کے وسیع قطعات زیر کاشت آنے لگے تھے۔ اس طرح غلام نے (SLAVE) زرعی غلام (SERF) کی شکل اختیار کر لی۔ غلامی سے زرعی غلامی کو ممتاز کرنے والا بنیادی اصول یہ ہے کہ غلامی کے معاشرہ میں غلام آزاد نہیں ہو سکتا۔ مگر جاگیردار معاشرہ میں زرعی غلام جسے کمیرہ بھی کہا جاتا ہے اپنے جاگیردار کے ساتھ مکاتبت کر کے آزاد ہو سکتا تھا۔ صنعتی عہد کا مزدور طبقہ جسے پرولتاریہ کہا جاتا ہے اپنے ابتدائی عہد میں انہیں آزاد شدہ زرعی غلاموں پر مشتمل تھا، جو آزاد ہونے کے بعد دیہات سے شہر کا رخ کیا کرتے تھے۔

غلام ہو یا زرعی غلام، یا پھر موجودہ صنعتی عہد کا اُجرتی غلام، یہ تینوں بنیادی طور پر غلامی کی ہی مختلف شکلیں ہیں۔ ان تینوں معاشروں میں اشیاء کی پیداوار چاہے وہ زمین سے تعلق رکھتی ہو، دستکاری یا مشین سے، انہی تینوں قسم کے غلاموں کی محنت کا نتیجہ ہے۔

صنعتی نظام کا ارتقاء

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد زرعی غلام اپنے آقا سے مکاتبت کر کے آزاد ہو رہے تھے۔ یہ لوگ شہر میں آکر کسی کارخانہ میں روزانہ اُجرت پر کام کرنے لگتے۔ ہفتہ کے آخر میں انہیں مزدوری کی اُجرت مل جاتی اور پھر وہ جس طرح چاہتے خرچ کرتے اور اس طرح سمجھتے کہ وہ بالکل آزاد ہیں۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس نام نہاد آزادی کا بھرم کھل گیا۔ فرد جسمانی اور زرعی غلامی سے آزاد ہو کر، جہاں اس کی زندگی زیادہ محفوظ تھی، اُجرتی غلامی کے جال میں پھنس گیا۔ اس اُجرتی غلامی نے اس کے کچے جھونپڑے کو جہاں وہ اپنا سر چھپاتا اور کھیت کی معمولی پیداوار کو جس سے وہ اپنا پیٹ بھر لیتا تھا، کارخانہ سے نکلنے کے بعد کارخانہ دار اس کی رہائش، خوراک اور علاج معالجہ کا قطعاً ذمہ دار نہیں تھا۔ وہ بھوکا رہے، بارش سردی اور دھوپ سے محفوظ رہ سکے، اسے ہسپتال سے دوا ملے یا وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے۔ ان تمام باتوں سے کارخانہ دار کو کوئی تعلق نہیں تھا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد بے روزگار مزدوروں کے بڑے بڑے گروہ اپنی محنت بیچنے کے لئے مارے مارے پھرنے لگے، اور سرمایہ دار اپنے ظالمانہ اور غیر انسانی قوانین کے ذریعہ ان کی محنت کو، جو اب خود بھی جنس (COMMODITY) بن چکی تھی، نہایت سستے داموں خرید کر اپنی تجوریاں بھرتے رہے۔ محنت کش باوجود "آزاد" ہونے کے "محنت اور سرمایہ" کے بے رحم قوانین کا محکوم ہو کر رہ گیا۔

یورپ کا یہ استحصالی نظام معیشت جن مراحل ارتقاء سے گزرا ان میں سے سب سے پہلے مرکنٹائلزم (MERCANTILISM) سامنے آتا ہے، جسے تاجرانہ سرمایہ داری کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ تاجریت دراصل کسی مخصوص سٹے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ صلیبی جنگوں کے دوران بڑے بڑے تاجروں کے طبقہ سے یہ تصور اُبھرا۔ اس معاشی مسلک کا عقیدہ ہے کہ ملک کی دولت دراصل اس کے سونے چاندی کے ذخیروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ طبقہ مصنوعات اور دیگر اجناس کی برآمد پر زور دیتا ہے اور ان کے عوض قیمتی دھاتوں کی درآمد کو ملک اور قوم کی دولت میں اضافہ کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

اس کے بعد فرانسیسی ماہر اقتصادیات ڈاکٹر ڈی کوزنے (DR. D-QUESNAY) کا نظریہ فزیوکریسی (PHYSIOCRACY) آتا ہے۔ اس نظریہ نے زمین اور اس کی پیداوار کو حقیقی دولت قرار دیا، اور کاشتکار کو معاشرہ میں بنیادی حیثیت دی۔ اس کے نزدیک زر محض دھوکا ہے۔ اس نے قومیت کے تصور کی جگہ بین الاقوامیت کی حمایت کی، اور آزاد تجارت اور شخصی آزادی کے جواز میں آزاد مسابقت کا اصول وضع کیا۔ اس تصور کو ہیوم، لاک، سپینوزا اور ترگاٹ جیسے فلسفیوں کی حمایت حاصل تھی۔ ترگاٹ کے نزدیک زمین کی پیداوار سے ہی سوسائٹی کے تمام ادارے چلتے ہیں اور ساری ایجادات اسی کی وجہ سے معرض وجود میں آتی ہیں۔ اگر کاشتکار اور اس کی فاضل پیداوار نہ ہو تو کچھ بھی نہ ہو۔

فزیوکریسی کے بعد آدم سمتھ کی کتاب "دولت اقوام" شائع ہوئی اور اس کی وجہ سے خاص سرمایہ داری نظام کی بنیادیں قائم ہوئیں۔ آدم سمتھ آکسفورڈ کا تعلیم یافتہ تھا۔ یہ پیدائش دولت کا سرچشمہ زمین کی بجائے صنعت کاری کے نظام کو قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک مادہ میں قدر استعمال انسانی محنت نہیں بلکہ سرمایہ پیدا کرتا ہے۔ آدم سمتھ کے نظام معیشت کی غایت منافع اور مزید منافع کمانا ہے۔ یہ سود کی شرح کا تعین کرنا حکومت کا منصب سمجھتا ہے۔ مالتھس اور بینتھم کے نظریات سمتھ کے نظریات کی ہی تشریح مزید ہے۔ مالتھس کا آبادی کا تصور مزدور کی محنت کے بے روک استحصال کے تحفظ کی ایک کوشش ہے۔

ریکارڈو نے مزدور اور سرمایہ دار کی باہمی کشمکش کے وجود کو تسلیم کیا ہے اور بتایا ہے کہ جس قدر مزدور کی اُجرت کی شرح بڑھے گی، سرمایہ دار کا منافع اسی حساب سے کم ہوتا جائے گا۔

سسمانڈی نے ریکارڈو کے سرمایہ و محنت کے درمیان تنازع کے نظریہ کو تسلیم کیا اور اس کا علاج یہ بتایا کہ قوم کی اجتماعی بہبود کے لئے حکومت کو سرمایہ دار کے منافع پر تحدید عائد کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔ دراصل یہ نظریہ سوشلزم کی طرف ایک قدم تھا۔

اس معاشی مفکر کے بعد سینٹ سائمن، رابرٹ اوون اور پرودھون کے اخلاقی اور غیر سائنسی اشتراکی نظریات، محنت کے کھلے استحصال، منڈیوں کی تقسیم سے عالمی جنگ کے خطرات، جارحانہ قومیت اور سامراجیت کی ریشہ دوانیوں کا ازالہ تصور کئے جاتے رہے۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، کے مصداق یورپ کی زندگی میں پنہاں تضادات زیادہ

زیادہ واضح شکل میں سامنے آتے چلے گئے۔ سب سے آخر میں کارل مارکس اور اینجلس کے سائنٹیفک سوشلزم کا تصوّر سامنے آیا، جس کی اساس "جدلیاتی مادیت" کے فلسفہ حیات پر رکھی گئی تھی۔ اس فلسفۂ حیات اور معاشی نظریہ کو محنت کش عوام نے اپنی نجات کے لئے نوید جانفزا سمجھا اور روس کے مزدوروں اور کسانوں نے لینن کی قیادت میں اشتراکی انقلاب برپا کیا۔ دوسری جنگِ عظیم نے اس انقلاب کے اثرات کو دوسرے ممالک تک پہنچا دیا۔ چین اور مشرقی یورپ کے ممالک میں اشتراکی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ اشتراکی تحریک کے پھیلنے کے ساتھ اس کے خام پہلو بھی دنیا کے سامنے آتے چلے گئے۔

اشتراکیت کی ناکامی اشتراکی فلسفۂ حیات میں بتایا گیا ہے کہ انسان کے تمام بہیمانہ رجحانات اس کی خود غرضی و ہوسِ زر اندوزی، جنگ پسندی اور سفلی جذبات، غیر صحت مند اور غیر معاشرتی اعمال و نظریات کا باعث ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت ہے۔ مگر جب روس اور چین کے معاشروں میں نجی ملکیت کو ختم کر دیا گیا تو ان کے زعم میں جنگ و جدل کے محرکِ اصلی کے ختم ہو جانے سے دونوں میں محبت اور امن کے تعلقات اور روابط استوار ہو جانے چاہئیں تھے۔ مگر اپنے ہی فلسفہ کے خلاف یہ دونوں ملک آپس میں دست و گریبان ہو رہے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ محض نجی ملکیت کا خاتمہ اور قومی ملکیت کا قیام ہی اس بات کی ضمانت نہیں کہ انسان کی بہیمیت اور خود غرضی کے تمام رجحانات ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گے۔ بلکہ ان دونوں کا مسلح تصادم اس حقیقت کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے کہ جب تک اعلےٰ اخلاقی اقدار کو فرد کی نفسیات کا جزو نہ بنایا جائے گا اور تمام انفرادی اور اجتماعی قوتوں کو ان کے حصول کے لئے وقف نہیں کر دیا جائے گا، صحیح معنوں میں امن و سلامتی کا دَور واپس نہیں آئے گا۔

اشتراکی معاشروں میں اوّل تو فرد کی ذہنی اور فکری آزادی پر شدید پابندیاں عائد کی جاتی ہیں، یہاں تک کہ وہ مادیت کے علاوہ کسی دوسرے مسلک کے متعلق نہ تو سوچ سکتا ہے اور نہ ہی اس کا اظہار کر سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ ارتقاء ذہنی کا رُک جانا ہے۔ دوسرے ان معاشروں کا آپس میں ایک دوسرے پر تہذیبی اور قومی برتری کا احساس ہے، جو اس وقت ان کے درمیان باہمی تنازعہ بلکہ مسلح تصادم کا باعث بن رہا ہے۔ کہنے کی حد تک تو اشتراکی فلسفۂ حیات "مکمل شخصیت" کے حصول کو فرد کا نصب العین قرار دیتا ہے۔ مگر عملاً وہ اسی غلط نفسیات کا شکار ہے، جو سرمایہ دار اور سامراجی معاشروں کا منطقی نتیجہ ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اشتراکیت کا سیاسی نظام فرد کو شخصی آزادی سے محروم کر دیتا ہے۔

اس عہد کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ تمام تر ذہنی ترقی کے باوجود انسان اپنی غایت سے آگاہ نہیں۔ اقبال نے مغرب کے متعلق کہا تھا۔

در نگاہش آدمی آب و گل است
کاروانِ زندگی بے منزل است

انسان کو جب اپنی منزل سے آگاہی حاصل نہ ہو تو اسے کوئی معاشی یا سیاسی نظام چاہے وہ انسان دوستی کا کتنا ہی دعوےٰ کرے، راہ راست پر قائم و استوار نہیں کر سکتا۔ یہ صرف قرآن ہے جو اس سلسلہ میں پوری روشنی مہیا کرتا ہے اور انسان کو انگلی پکڑ کر اس کے نصب العین تک صحت و سلامتی کے ساتھ پہنچانے کی ضمانت دیتا ہے۔

مکتوبِ کشمیر

سپاسنامہ بگرامی خدمت جناب الحاج شیخ محمد طفیل صاحب مبلّغ انگلستان

بمقام یاری پورہ کشمیر۔ بتاریخ ۲۷ جنوری ۱۹۷۵ء سوموار

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج جملہ جماعتہائے جموں و کشمیر و دیگر احباب ہند کے لئے انتہائی خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ آزادئ ہند کے بعد پہلی بار جناب الحاج مولانا شیخ محمد طفیل صاحب اس وقت ہم میں موجود ہیں۔ جناب الحاج مولانا صاحب موصوف! آپ کی تشریف آوری اور ملاقات کا شرف حاصل ہونے سے "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند" کے ساتھ ملحق جملہ جماعتوں اور احباب کے دلوں میں انتہائی خوشی و مسرت پیدا ہوئی ہے ایسی مسرت جو میرے لئے صفحۂ تحریر میں لانا ناممکن ہے۔

مجاہد اسلام! ہم جملہ جماعتیں اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہیں کہ آپ اپنے وطن عزیز سے کافی دُور تثلیث و دہریت کے مرکز یورپ میں حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامِ حق پہنچاتے ہیں۔ اللہ کریم آپ کے ارادوں میں برکت عطا کرے۔ آمین۔

پیارے محبوب مبلغ اسلام! آزادی اور تقسیم ملک کے بعد ہندوستان کے اس وسیع و عریض ملک میں مرکز سے کٹ جانے کی وجہ سے جماعتیں اور افراد منتشر ہو گئے۔ دن بدن ہندوستان میں انجمن کی تعداد اور وقار کو نقصان ہی پہنچتا گیا اس کے ازالہ کے لئے ۱۷/۱۸ اکتوبر ۱۹۷۱ء بمقام سرینگر کشمیر "احمدیہ کانفرنس" میں مطابق حکم خداوندی و امرھم شوریٰ بینھم و مطابق ارشاد حضرت مجدد الوقت علیہ الرحمۃ قرار الوصیت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کی بنیاد ڈال کر اس کا ہیڈ کوارٹر مسیح اوّل علیہ السلام کے آخری مسکن سرینگر کو مقرر کیا گیا۔ کیونکہ ہندوستان بھر میں جموں و کشمیر ہی ایسے صوبے ہیں جہاں ارکان جماعت کی کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔ سری نگر۔ یاری پورہ۔ صوفی پورہ زینہ پورہ۔ بھدرواہ اور جموں میں منظم فعال جماعتیں اور ان پانچوں جماعتوں کی اپنی اپنی مساجد اور دیگر جائداد وغیرہ ہیں۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند نے گزشتہ سال ماہ اگست ۱۹۷۴ء میں اسی مقام یاری پورہ کشمیر میں دو روزہ عظیم الشان سالانہ اجلاس منعقد کئے ان میں جموں و کشمیر کی جملہ جماعتوں نے کثیر تعداد میں حصہ لیا۔ ہندوستان کے مختلف مقامات سے مندوبین حضرات نے شرکت کی۔ متعدد احباب نے تحریری پیغامات ارسال کئے۔ اسی سالانہ اجلاس میں انجمن ہند کا باضابطہ چناؤ عمل میں لایا گیا۔

خداوند کریم کے فضل و احسان اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کے عہدہ داران و ممبران کی تگ و دو سے ایک ماہنامہ "اشاعت الحق" انجمن ہند کے آرگن کی حیثیت سے اُردو زبان میں انجمن کے ہیڈ کوارٹر سرینگر سے جاری کر دیا گیا ہے۔ اس کی رسم افتتاح بھی سالانہ اجلاس کے عظیم الشان بابرکت ایام میں انجام دی گئی۔

غرض انجمن ہند کا ترجمان "اشاعت الحق" ماہنامہ جملہ جماعتوں اور افراد کے تعاون و ہمدردی سے کامیابی سے چل رہا ہے۔ انجمن ہند نے پندرہ روزہ اخبار کے لئے بھی حکومت سے استدعا کی ہے اس کی کارروائی بھی آخری مرحلہ پر ہے۔ انجمن ہند کی کارگذاری تبلیغ و اشاعت کے کام کا جائزہ سالانہ رپورٹ اگست ۱۹۷۴ء میں تفصیل سے مل سکتا ہے۔

جناب والا سے استدعا ہے۔ کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کے قیام وغیرہ کے متعلق حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالےٰ و دیگر ممبران انجمن کو تفصیل سے آگاہ فرما کر انجمن ہند کی حوصلہ افزائی فرمائی جاوے۔

مکتوبِ کشمیر ——— بقیہ کالم اوّل

آخر پر اللہ کریم رب العزت سے دست بدعا ہوں کہ وہ آپ کو اور ممبران احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کو قرآن و سنت کی پیروی میں اشاعت اسلام کا اہم فریضہ انجام دینے کی توفیق عطا کرے اور جناب والا کا اس سفر میں حامی و ناصر ہو۔ آمین نیک دعاؤں کے ساتھ

آپ کا: محمد یوسف تاثیر۔ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند سرینگر کشمیر و سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام قصبہ یاری پورہ کشمیر۔

پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب ایم ایس سی

"اسلام" یا کوئی اور "ازم"

ایک تقابلی جائزہ

بسلسلہ اشاعت ۵ر فروری ۱۹۷۵ء

—(۵)—

اشتراکی نظام امیر سے دولت چھین کر غریب کو دینے کا دعوےٰ کرتا ہے جس سے طبقاتی نفرت پیدا ہوتی ہے اور بغاوت پر منتج ہوتی ہے۔ طاقت کے بل بوتے پر یہ جذبات وقتی طور پر دبا دیئے جاتے ہیں لیکن جونہی ان کو ابھرنے کا موقعہ ملے وہ فتنہ و فساد کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی لئے ایسے نظام میں ڈکٹیٹر شپ جو طاقت کا سرچشمہ ہوتی ہے کسی نہ کسی حیثیت سے قائم رہتی ہے خواہ وہ شخصی ہو یا جماعتی۔ وہ ان جذبات کو ابھرنے سے روکنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرتی ہے۔

روس میں یہ نظام تقریباً ۱۹۲۰ء سے قائم ہے۔ ۱۹۵۰ء تک ۳۰ سال کے دوران میں وہاں جو کچھ ہوتا رہا وہ ایک آہنی پردے کے پیچھے ہوتا رہا ہے۔ باہر کی دنیا اس سے بالکل بے خبر رہی۔ زرعی صنعتی اور سائنسی انقلاب جو وہاں کی زندگی میں آیا اور اس سے پرولتاری کا معیار زندگی بلند ہوا تو اس پر ایسا پردہ ڈالنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی، چاہیئے تو یہ تھا کہ لڑیچر۔ تقریروں۔ ریڈیو۔ ٹیلی ویژن اور ثقافتی وفود کے تبادلہ کے ذریعہ اس کی خوبیوں اور کامیابیوں کا اتنا پراپیگنڈا اور اشاعت کی جاتی اور ہر باہر سے آنے والے کے لئے اپنے دروازے کھول دیئے جاتے تاکہ کم از کم سرمایہ داری کے حامی ممالک میں اس کی قبولیت اور اثر و نفوذ کے امکانات روشن ہو جاتے۔ یہ اصول اگر فطرتِ انسانی کو اپیل کرنے والے ہوتے تو ایسا ضرور ہوتا اور روس کو اپنے نظریات طاقت، سازش اور تخریبی کارروائیوں کے ذریعہ دوسرے ممالک میں پھیلانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ کیونکہ جو نظام انسانی فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو اسے اشاعت و تبلیغ کے لئے طاقت پر بھروسہ نہیں کرنا پڑتا بلکہ اس کے اپنے اندر وہ جاذبیت اور خوبیاں ہوتی ہیں جو خود بخود دلوں کو مسخر کرتی جاتی ہیں۔ جو ایسی پختہ اور ٹھوس بنیادوں پر استوار نہیں ہوتا اس کی عمارت زود یا بدیر ایک ہلکے سے جھٹکے سے زمین پر آ رہتی ہے، اور انشاء اللہ آ رہے گی۔

روٹی کپڑا اور مکان ہی انسان کی ضروریات میں شامل نہیں۔ بلکہ ایک اور چیز رُوح بھی ہے جسے غذا، لباس اور مکان کی ضرورت ہے۔ اس کی غذا آسمانی تعلیم۔ لباس تقوےٰ اور مکان انسانی قلب ہے۔ جو نظام ان تقاضوں کو نظر انداز کرتا ہے وہ غیر فطری ہے۔ اینٹ اور پتھر کا مکان یہیں رہ جاتا ہے۔ غذا سے بنا ہوا جسم خاک میں مل کر خاک ہو جاتا ہے اور لباس کے لئے اگر نصیب میں ہو تو دس پندرہ گز کا ایک ٹکڑا میسر آ جاتا ہے مگر وہ بھی گل سڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ لیکن روح اور جن اشیاء سے وہ زندہ ہے ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

سورۃ طٰہٰ ۱۳۱ میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:—

"اپنی نگاہیں اس کے پیچھے لمبی نہ کر جو ہم نے ان میں سے قسم قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی آرائش کے لئے سامان دیا ہے تاکہ ہم ان کو اس کے ذریعے سے آزمائیں اور تیرے رب کا رزق (روحانی) بہتر اور زیادہ دیرپا ہے۔"

مادی آسائشوں سے مالا مال کر دینے کا دل خوش کن نعرہ لوگوں کو سنا کر اپنے گرد جمع کرنے والوں کے نام و نشان مٹ گئے۔ وہ ہوس اقتدار کی آگ میں جل کر راکھ ہو گئے مرنے کے بعد بھی ان کو ان کے مدفن میں کسی نے آرام سے نہ رہنے دیا۔ لیکن خدا کے در پہ جھکانے والے انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام نامی آج تک اسی طرح زندہ و تابندہ ہے جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے تھا۔ کروڑوں نہیں تو لاکھوں انسان بلا مبالغہ دن رات اپنی نمازوں میں اور دعاؤں میں آپؐ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ آپ کی پیغمبر عظمت کا اعتراف دشمنوں کی تحریروں میں محفوظ ہے۔

کیا آپ نے کسی کو دنیا کا لالچ دے کر اپنے پاس بلایا؟ ہرگز نہیں۔ صرف یہی دعوت دی۔ خدا کو ایک جانو۔ اس کے درِ رحمت پہ ایک عاجز اور ٹوٹا ہوا دل لے کر گر جاؤ وہ تمہیں زمین سے آسمانی کر دے گا کہ تمہاری رفعتوں کو گرد بھی نہیں چھو سکے گی۔ اس کا وعدہ سچا ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ شتربانوں کی گری ہوئی قوم قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کی وارث ہو گئی۔ جس کی انہوں نے کبھی خواب میں بھی تمنا نہیں کی تھی۔ ایک وقت تھا کہ کفن کے لئے کپڑا میسر نہیں تھا اور ایک وقت وہ بھی آیا کہ زکوٰۃ لینے والا ڈھونڈنے سے کوئی نہیں ملتا تھا اور یہ سب کچھ ہجری صدی کے پہلے بیس پچیس سال کے عرصے میں دیکھنے میں آیا۔

آج روس میں سرخ انقلاب آئے ہوئے تقریباً چون سال گذر چکے ہیں۔ وہ ہے بھی مادی نظام کا مدعی۔ کوئی اس کا مدح خواں یہ تو بتائے کہ وہ اس حد تک اپنے عوام کا معیار زندگی بلند کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔

جو اسلامی ملک اور قوم خدا کو چھوڑ کر ترقی کرنا چاہے گی وہ ہرگز اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ترکی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ عالمی جنگ اوّل کے بعد وہاں کے رہنماؤں نے مذہب کو اپنی پسماندگی اور زوال کا سبب جانا اور اپنی نجات مغربی تہذیب کو اپنانے میں تلاش کی۔ وہاں ایسے آئین کی بنیاد پڑی جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ترکی میں اس انقلاب کو آئے ہوئے کم از کم پچاس سال ہو گئے ہیں۔ کیا اس نے دنیا کی قوموں میں وہ مقام حاصل کر لیا جو وہ حاصل کرنا چاہتا تھا اسے اپنی ترقی میں پاکستان سے تو بہت آگے ہونا چاہیئے تھا کیونکہ اسے آزاد ہوئے تو صرف ابھی ۲۷ سال ہی ہوئے ہیں۔

اب بھی اگر اسلامی ممالک اپنے مسائل کا حل دوسرے ازموں میں تلاش کریں گے تو منہ کی کھائیں گے۔ ان کی نجات اور فلاح اسلام اور صرف اسلام میں ہے۔ سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آیات ۲۵ تا ۲۸ پر غور کرو:—

"وہ لوگ جو اپنی پیٹھوں پر پھر گئے اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت واضح ہو گئی شیطان نے (اسے) ان کے لئے اچھا کر دکھایا اور انہیں لمبے وعدے دیئے۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ انہیں کہتے ہیں جو اللہ کے اتارے ہوئے حکم کو ناپسند کرتے ہیں کہ ہم بعض باتوں میں تمہاری فرمانبرداری کریں گے۔ اور اللہ تعالےٰ ان کے بھید کو جانتا ہے۔ تو کیا حالت ہوگی جب فرشتے انہیں وفات دیں گے۔ ان کے مونہوں اور ان کی پیٹھوں کو مارتے ہوں گے۔ یہ اس لئے کہ وہ اس بات کی پیروی کرتے ہیں جو اللہ کو غضب دلاتی ہے اور اس کی رضا کو ناپسند کرتے ہیں۔ سو اس نے ان کے عمل بیکار کر دیئے۔"

قرآنی نظامِ معیشت

سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظامِ معیشت کے پس منظر اور اس کے مختصر جائزے کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا کوئی اور ایسا معاشی نظام اس وقت دنیا میں موجود ہے جو انسان کے جدید دور کے مسائل کا صحیح حل پیش کرتا ہو اور ان دونوں نظاموں کی خرابیوں سے پاک اور ان کے مفید پہلوؤں کو ایک بہتر صورت میں اپنے اندر سموئے ہوئے ہو۔

ایک منصف مزاج انسان کو اس کا جواب قرآن کریم کی روشنی میں مل جاتا ہے ...... کیونکہ یہ کتاب الہٰی جو اصول انسان کی رہنمائی کے لئے پیش کرتی ہے وہ عین فطرت انسانی کے مطابق ہیں۔ انہی اصولوں کو مجموعی طور پہ دینِ اسلام کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت خود قرآن کریم سورۃ ۵ کی آیت ۳ میں یوں فرماتا ہے۔

"کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا ہے۔"

ظاہر ہے مکمل چیز وہی کہلاتی ہے جس میں کسی قسم کی کمی بیشی کا امکان باقی نہ ہو۔ اسلام کے مکمل دین ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ رہتی دنیا تک اس کے پیش کردہ اصولوں اور تعلیم میں کوئی ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ آج کے سائنسی دور کے انسان کے لئے یہ باور کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے نازل شدہ کتاب کے اصول۔ قوانین و ضوابط نہ صرف آج بلکہ آئندہ بھی اسی طرح کارآمد رہیں گے جس طرح پہلے تھے۔ جبکہ دنیا ہر شعبۂ زندگی میں بڑی سرعت سے ارتقائی منازل طے

اور ہر روز اسے نت نئے مسائل پیش آتے ہیں جن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اسے تحقیق و جستجو سے کام لینا پڑتا ہے۔ قرآن کریم کا یہ دعوےٰ کہاں تک صداقت پر مبنی ہے اسے اسی کی روشنی میں اگر پرکھ لیا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔ ہم قرآن حکیم میں بیان کردہ معاشی نظام کے بنیادی اصولوں کو ہی سامنے رکھیں گے جن کا مقابلہ ہم نے دوسرے ازموں سے کرنا ہے۔

رزق کا مفہوم } قرآن کریم نے انسان کی تمام ضروریاتِ زندگی کو جن پر اس کی جسمانی اور روحانی نشو و نما کا دار و مدار ہے مجموعی طور پر رزق کا نام دیا ہے۔ اس کے ہاں جسمانی رزق کی اہمیت صرف اتنی ہے کہ اس سے جسم و رُوح کا رشتہ قائم رہے۔ اس کے حصول کو بھی وہ خدا اور بندے کے درمیان ایک خاص تعلق قائم رکھنے کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اس رزق کو خواہ وہ کتنا ہی فراخ یا تنگ کیوں نہ ہو وہ "متاعِ قلیل" ہی کہتا ہے۔ اس کے مقابلے میں روحانی رزق کو جس پر رُوح کی پرورش کا دار و مدار ہے اور جو اللہ تعالےٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے نسلِ انسانی کی خفیہ قوتوں کو جگانے اور اُجاگر کرنے اور اسے اخلاق کی بلندیوں پر پہنچانے کے لئے اتارا ہے، ہمیشہ باقی رہنے والا قرار دیا ہے۔ (الشوریٰ - ۳۶) - اس مضمون کا تعلق جسمانی رزق کے حصول اور تقسیم کے طریق کار سے ہے۔

رزق کیسا ہو } قرآن کریم کا ارشاد ہے :—
"اے لوگو اس سے جو زمین میں ہے حلال اور پاکیزہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھُلا دشمن ہے۔" (البقرہ ۱۶۸)
حلال کے عام طور پر یہ معنے لئے گئے ہیں کہ جس کی اجازت شریعت نے دی ہو، لیکن اس کا وسیع مفہوم یہ ہے کہ جو رزق انسان محنت مزدوری سے جائز ذرائع استعمال میں لاکر دیانت داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے حاصل کرے وہ حلال ہے اور پاکیزہ وہ رزق ہے جس کے کھانے کے لئے طبیعت میں رغبت اور کشش پیدا ہو اور صحت جسمانی کے لئے کسی صورت میں مضرنہ ہو۔ یہ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ غذا کا اثر اخلاق پر پڑتا ہے۔ حرام خوری انسان کو اعلےٰ اخلاقی اقدار سے محروم کر دیتی ہے۔ حرام کھانے والے پر ہر کس و ناکس اُنگلی اُٹھاتا ہے اور روحانی لحاظ سے بھی اس کے پلے کچھ نہیں رہتا۔ رزق حلال کے متعلق قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں کم و بیش ۹ آیات ایسی ملتی ہیں جن میں واضح طور پر یہ حکم درج ہے اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

رزق حلال کے ذرائع } قرآن مجید میں حصول رزق کے ذرائع کا ذکر بصورت زمین بشمول پہاڑ - سمندر تجارت اور صنعت مختلف سورتوں میں بوضاحت موجود ہے :—

۱۔ زمین } زمین کی پیداوار کے متعلق ۳۶ سورتوں کی ۶۸ آیات میں مختلف مقامات پر مختلف پیرایوں میں بیان ہوا ہے۔ ان کے مجموعی مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے وجود پر شہادت کے طور پر مناظر قدرت کو پیش کرکے انسانی عقل کو دعوت غور و فکر دیتا ہے۔ ان مناظر کو وہ سیاق و سباق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پیش کرکے فرماتا ہے کہ غور کرو اللہ کس طرح ہواؤں کو چلاتا ہے۔ یہ ہوائیں پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو اِدھر اُدھر اڑائے پھرتی ہیں۔ جب یہ بادل بلندیوں پر پہنچ کر پہاڑوں سے ٹکراتے ہیں تو پانی ان میں سے بارش کی صورت میں گرتا ہے جسے زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اور وہ اس کے ذریعے پھوٹ پڑتی ہے اور اس میں سے غلہ۔ مختلف قسم کی سبزیاں۔ مویشیوں کے لئے چارہ۔ رنگا رنگ پھل مثلاً انگور۔ انار۔ کھجور۔ زیتون اور دوسرے کئی قسم کے پھلوں کے باغات پیدا ہوتے ہیں جو تمہارے لئے اور تمہارے جانوروں کے لئے رزق کا سامان ہے۔ اور تم اس سے لباس بناتے ہو جو تمہیں سردی اور گرمی سے بچاتا ہے۔ زمین اپنی روئیدگی نکالنے سے پہلے مردہ دکھائی دیتی ہے۔ جب اس پر بارش برستی ہے۔ تو یہ اس کی زندگی کا سامان بن جاتی ہے۔ ایک خشک مردہ زمین لہلہاتی ہوئی کھیتی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کا سبزہ پھوٹ پھوٹ کر باہر نکلنا چاہتا ہے۔ اسی طرح وہ روحانی بارش جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے انبیاء پر وحی کی صورت میں نازل ہوتی ہے وہ مردہ دلوں کی خفتہ قوتوں کو بیدار کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ یوں وہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ جو خوش قسمت انسان اس راز کو پا جاتے ہیں وہ ان نعمتوں کو حاصل کر لیتے ہیں جو انسانی زندگی کا مطلوب اور مقصود ہیں۔

اسی سلسلہ میں جگہ جگہ انسان کے فائدہ کے لئے مختلف جانوروں کے پیدا کرنے کا ذکر بھی ہے۔ ان کی زندگی کا دار و مدار بھی زمین سے پیدا ہونے والی اشیاء پر ہے۔ جانوروں کے فوائد میں ان پر سواری کرنا۔ سامان لاد کر لے جانا۔ ان کی کھالوں سے گھر بنانا۔ ان کا دودھ پینا اور گوشت کھانا۔ ان کی اون۔ پشم اور بالوں سے انواع و اقسام کا سامان تیار کرنا۔ ان کے ذریعہ کھیتی باڑی کرنا اور شہد وغیرہ حاصل کرنا گنے ہیں۔ اس لئے یہ بھی ذرائع پیداوار میں شمار ہوتے ہیں۔

۲۔ سمندر } سورۃ النحل کی آیت ۱۴ میں سمندر کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے :—
"اور وہی ہے جس نے سمندر کو کام میں لگا رکھا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے موتیوں کے زیور نکالو جنہیں تم پہنتے ہو۔ اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے۔ اسے پھاڑتی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل طلب کرو اور تاکہ تم شکر کرو"
اسی طرح سورۃ فاطر کی آیت ۱۲ میں ہے :—
"اور یہ دو دریا برابر نہیں یہ میٹھا۔ خوش ذائقہ۔ اس کا پینا خوشگوار ہے اور یہ کھاری ہے کڑوا۔ ہر ایک سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو"
سورۃ الرحمٰن میں بھی دو سمندروں کا ذکر ہے جن کے درمیان روک ہے ایک میں سے مونگے نکلتے ہیں اور دوسرے میں سے موتی۔ یہ دونوں سمندر بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم ہیں جنہیں نہر سویز کے ذریعے آپس میں ملایا گیا ہے۔ اور اس کی نشاندہی یوں بھی کی ہے کہ اس میں پہاڑوں جیسی کشتیاں چلتی ہیں، یہ سمندری شاہراہ مشرقی اور مغربی قوموں کی جولانگاہ ہے۔

سمندروں میں سے رزق براہِ راست گوشت کی صورت میں حاصل کیا جاتا ہے۔ اور بالواسطہ مونگوں اور موتیوں کی تجارت سے مچھلی کی اہمیت اس کی PROTEIN VALUE اور گوشت کے ایک بے بہا ذخیرہ کی حیثیت سے اس قدر بڑھ گئی ہے کہ ہر ملک میں دریائی رتالابی اور سمندری ماہی پروری کا ایک محکمہ اپنے تمام جدید آلاتِ ماہی گیری سمیت موجود ہے۔ اور ہر ملک نے اپنے قریب کے سمندری پانی کی حفاظت کا بندوبست کر رکھا ہے۔ کسی دوسرے ملک کے ماہی گیری کے جہازوں کو اس پانی میں سے مچھلیاں پکڑنے یا مونگے اور موتی نکالنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

مونگے (CORALS) مختلف قسم کے خوبصورت۔ سُرخ سفید۔ نیلے۔ گلابی اور ملے جُلے رنگوں کے ہوتے ہیں۔ کیمیائی ترکیب کے لحاظ سے یہ خالص (CALCIUM CARBONATE) چونا ہے جیسے کھریا مٹی ہوتی ہے۔ ان سے زیور بھی بنائے جاتے ہیں اور ادویات کے لئے خالص چونا بھی حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ در اصل ایک سمندری جانور کے حفاظتی خول ہوتے ہیں جن میں وہ رہتا ہے۔

موتی صدف سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ اسے PEARL OYSTER کہتے ہیں۔ سمندروں کے کنارے ان کی باقاعدہ پرورش گاہیں ہیں۔ (FISHERIES) ہیں۔ موتی ایک نہایت اعلےٰ اور مصفا قسم کا چونا ہوتا ہے یہ زیادہ تر زیورات کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن ان سے ادویات کے لئے چونا بھی حاصل کیا جاتا ہے۔ چونا CALCIUM ہڈیوں اور خون کا ایک اہم جزو ہے۔ اس کی کمی جسمانی صحت کے لئے مضر ہے۔ معمولی زخم سے بھی خون بہنا بند نہیں ہوتا اور موت کا احتمال ہوتا ہے۔ اس بیماری کو جریانِ خون HAEMOPHIPIA کہتے ہیں۔

سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ اگر دنیا کی آبادی اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو زمینی وسائل خوراک اس کے متحمل نہیں ہو سکیں گے۔ اس لئے خوراک کی ضروریات پورا کرنے کے لئے

مکتوب ہند:

جماعتہائے ہند کے صدر و سیکرٹری صاحبان و دیگر احباب کے نام ضروری گزارش

واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا (القرآن) ید اللہ علی الجماعۃ (الحدیث) جماعت پر خدا کا دست قدرت

میرے بعد سب مل کر کام کرو اور ایک دوسرے کی اصلاح چاہو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے (الوصیۃ)

فرمودہ رب العالمین و احکام حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم و ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم مسیح موعود علیہ السلام کی روشنی میں جیسا کہ جماعتہائے ہند و دیگر ہندوستانی احباب کو معلوم ہے کہ ہم نے انتھک محنت و مشقت سے جموں و کشمیر کی جماعتوں اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر رہنے والے احباب سے (جن کے ایڈریس ہمیں معلوم ہو سکے) باہمی مشورہ کر کے اس امر کو شدت سے محسوس کیا۔ کہ جماعتہائے ہند اور احباب کو ایک مرکز پر جمع کر کے از سر نو اجتماعی طور سے اعلائے کلمۃ اللہ کا خدائی فریضہ بہ احسن وجوہ انجام دیا جا سکے۔ خداوند کریم کے فضل و کرم سے ہم ناچیز بندوں کو اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی (الحمد للہ) خصوصیت سے جماعت سرینگر۔ بھدر واہ۔ جموں۔ صوفی پورہ اور یاری پورہ کی جماعتوں نے مرکزی وحدت کو محسوس کرتے ہوئے قرآنی ارشاد تعاونوا علی البر و التقویٰ کا عملی نمونہ پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان کے اس وسیع و عریض ملک کے احباب جماعت نے بھی مرکزی انجمن کے قیام کے بارے میں اپنے قیمتی مشوروں کے علاوہ مختلف طریقوں سے اپنا تعاون پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب جماعتوں کو جزائے خیر عطا کرے۔ آمین!

ان احباب میں سے حضرت شاہ خلیل الرحمٰن صاحب رنجور نور اللہ مرقدہ جو ابھی حال ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ کریم ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے صاحب موصوف نے مجدد زمان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ جماعت کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے پے در پے ناچیز کو خطوط لکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔ اور جماعتوں اور احباب نے مالی ولسانی اور قلمی امداد پیش کی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہمیں اس مرکزی انجمن کے قیام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے نیک مقصد کے لئے ہمت اور جرأت پیدا ہوئی۔ یقیناً احباب کے مسلسل پیغامات اور حوصلہ کن جوابات سے ہم ناچیزوں کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ ابتدائی طور پر جناب عبدالرزاق صاحب بمبئی نے مرکزی انجمن کے قیام اور ایک تنظیم کے ماتحت کام کرنے کے لئے جموں و کشمیر کا جو دورہ کیا اس کے بعد مولانا مسیح اللہ صاحب فاضل بمبئی نے بھی جموں و کشمیر کا دورہ کیا۔ اس کی وجہ سے بھی احباب اور جماعت میں زندگی کی نئی لہر پیدا ہوئی۔

آخر کار ہم لوگوں نے بمقام سری نگر مسجد احمدیہ قلمدان پورہ میں دو روزہ احمدیہ کانفرنس بتاریخ ۱۸/۱۹ اکتوبر ۱۹۷۱ء میں منعقد کی اور باضابطہ اتفاق رائے سے مرکزی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کا قیام عمل میں لا کر اس کا ہیڈ کوارٹر سرینگر مقرر کرنے کا تاریخی فیصلہ ہوا۔ اس کا اعلان "پیغام صلح" نامی ٹریکٹ میں باضابطہ کیا گیا۔ یہ فیصلہ اور ٹریکٹ مذکور جناب حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت بابرکت میں بھی بذریعہ ڈاک گذارش کیا گیا۔ امسال سالانہ رپورٹ میں بھی اس احمدیہ کانفرنس منعقدہ سری نگر کا مفصل ذکر آیا ہے۔ جیسا کہ آپ اس امر سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ امسال خدا کے فضل و کرم سے اور آپ کی دعاؤں اور تعاون سے "مرکزی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کا ایک عظیم الشان سالانہ جلسہ بتاریخ ۳/۴ اگست ۱۹۷۴ء بمقام یاری پورہ کشمیر" منعقد کیا گیا۔ جس میں جموں و کشمیر کی جماعتوں نے کثیر تعداد میں حصہ لیا۔ علاوہ ازیں اس عظیم ملک ہندوستان کے مختلف مقامات سے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے احباب نے شرکت کی۔ کئی ایک احباب کے پیغامات موصول ہوئے۔ جو مندوبین کے اجلاسوں میں پڑھے گئے۔ اس تاریخی عظیم الشان اجتماع میں دیگر تنظیمی۔ تبلیغی۔ تعمیری پروگرام کے علاوہ مرکزی انجمن ہند کے مجلس معتمدین کے ناموں کے اعلان کے علاوہ مجلس انتظامیہ۔ شوریٰ کا باضابطہ انتخاب ہوا باضابطہ اتفاق رائے سے صدر ہند اور دیگر عہدہ داران کا انتخاب ہوا۔ اس کے لئے جملہ جماعتہائے ہند اور دیگر احباب یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔ سالانہ اجلاس میں طبع شدہ خطبہ استقبالیہ و سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنایا گیا اور احباب میں اس کی طبع شدہ کاپیاں تقسیم کی گئیں۔ ہمارے احباب اور جماعتیں ملک کے مختلف مقامات پر ہیں۔ باہمی ربط و تعارف کا معقول انتظام یا ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے کافی مشکلات کا سامنا ہو رہا تھا۔ بے خبری اور عدم ربط و تعارف کے باعث جمود کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے انجمن کافی عرصہ سے ماہوار رسالہ یا اخبار کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کر رہی تھی۔ خداوند کریم کے فضل و احسان اور مرکزی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کے عہدہ داران و ممبران کی تگ و دو سے ایک ماہنامہ "اشاعت الحق"۔ مرکزی انجمن کے آرگن کی حیثیت سے اردو زبان میں انجمن ہند کے ہیڈ کوارٹر سے اگست ۱۹۷۴ء سے جاری کر دیا گیا ہے۔ غرض سالانہ اجلاس کے عظیم الشان بابرکت ایام میں ہی انجمن کے ترجمان ماہنامہ اشاعت الحق کی افتتاحی رسم انجام دی گئی۔

"ماہنامہ اشاعت الحق" مرکزی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کے ترجمان کو قائم و دائم رکھنے کی ذمہ داری آپ لوگوں پر عاید ہو جاتی ہے۔ ماہ اگست سے یہ آرگن اعلائے کلمۃ اللہ کا اہم فریضہ انجام دے رہا ہے۔ ماہنامہ ایک طرف کسی حد تک مرکزی مبلغ کا کام دے گا۔ دوسری طرف باہمی ربط و تعارف کا اہم فریضہ انجام دے گا۔ لہٰذا میں آپ سے گذارش کرتا ہوں۔ کہ ہر احمدی اس رسالہ کا خریدار ہو۔ اور اپنے حلقہ اثر میں اس کے مزید خریدار پیدا کریں۔ اس ماہنامہ کا سالانہ چندہ موجودہ کاغذ کی انتہائی گرانی کے باوجود صرف مبلغ دس روپے مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں آپ کو ایک اور خوشخبری سناتا ہوں۔ مرکزی انجمن ہند نے گورنمنٹ سے ایک پندرہ روزہ اخبار کے لئے بھی استدعا کی ہے۔ اس کی کارروائی بھی آخری مرحلہ پر ہے۔ انشاء اللہ مستقبل قریب میں ڈیکلریشن ملنے کے بعد آپ کو پندرہ روزہ پرچہ کی خریداری بھی قبول کرنی ہوگی۔

اسی طرح آپ کو انشاء اللہ العزیز ہر پندرہ روز اور ہر ماہ کے بعد اصلاحی مضامین کے علاوہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تعلیمی ہدایات۔ اعلانات تبلیغی سرگرمیوں کی رپورٹ۔ دیگر ممالک کی جماعتہائے احمدیہ اور مختلف مشنوں کی تبلیغی مساعی کی مختصر روئداد کا روحانی اور علمی خزانہ پیش خدمت ہوتا رہیگا آپ لوگ ان قومی رسائل و اخبارات کی مدد کرنے کے بعد اپنا سر فخر سے بلند رکھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا کرے اور زندہ قوموں کی صف میں جگہ دے آمین!

میں جملہ جماعتہائے ہند کے صدر و سیکرٹری صاحبان اور دیگر احباب جو ملک کے مختلف مقامات پر سکونت رکھتے ہیں یا ملازمت یا تجارت کے سلسلہ میں کام کرتے ہیں۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے حسب ذیل گذارشات کرتا ہوں۔

مہربانی اس طرف توجہ کر کے عنداللہ ماجور ہوں:—

۱۔ آپ ہر ماہ کے ختم ہونے پر باقاعدگی کے ساتھ اپنی ماہوار تبلیغی رپورٹ مجھے ارسال کریں۔ اس کا پوری طرح التزام رکھیں اور جو تبلیغی خط و کتابت اور تبلیغی رپورٹ ہو اس کی نقل بھی اپنے پاس رکھیں۔ اس کا خلاصہ انجمن کے آرگن میں شائع ہوگا۔

تبلیغی رپورٹ حتی الامکان صاف اور خوشخط ہو۔ جن مقامات پہ جماعتیں ہیں وہاں سیکرٹری صاحب یا جائنٹ سیکرٹری صاحب صدر صاحب اور احباب جماعت کے مشورہ سے رپورٹ بھیجا کریں۔ جہاں باقاعدہ جماعتیں نہیں ہیں وہاں احباب انفرادی طور پر اپنی رپورٹ بھیجا کریں۔

تبلیغی رپورٹوں میں خاص طور پر ان باتوں کا تذکرہ لازمی ہے:—

ا۔ عرصہ زیر رپورٹ میں تبلیغی لٹریچر کی مفت تقسیم یا عاریتاً تقسیم یا فروخت کتب کی تعداد وغیرہ کا تذکرہ۔

ب۔ عرصہ زیر رپورٹ میں منعقد ہونے والے تنظیمی۔ تبلیغی۔ تربیتی اور دیگر اجتماعات کی مختصر روئداد۔

ج۔ عرصہ زیر رپورٹ کی تبلیغی ملاقاتوں اور دوروں کی مختصر کیفیت نیز مقامی جماعت کے دیگر قابلِ ذکر حالات۔

د۔ جماعت میں شریک ہونے والے نئے دوستوں کے نام و دیگر کیفیت۔

ھ۔ جماعت کے آرگن یا ترجمان رسالہ یا اخبار کے لئے عرصہ زیر رپورٹ میں کتنے خریدار مہیا کئے گئے۔

ز۔ چندہ ماہوار دیگر صدقات۔ زکوٰۃ اور چندہ اخبار احباب جماعت و معاونین سے کس قدر جمع کیا گیا۔ اور کس قدر رقم عرصہ زیر رپورٹ میں مرکزی انجمن کے بیت المال میں بھیجدی گئی۔

تبلیغ ہمارا دینی فریضہ ہے } سلسلہ احمدیہ کے قیام کا مقصد وحید ہی تبلیغ و خدمت اسلام اور اشاعت قرآن ہے۔ لہٰذا کسی فرد جماعت کو کسی حالت میں اس فریضہ سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ ہر مقام اور ہر حالت میں اپنی بساط و ذرائع کے مطابق اس فرض کا ادا کرنا ہم سب پر لازم ہے۔ ہر احمدی ایک مبلغ ہے۔ اللہ کریم کا قرآن میں واضح ارشاد ہے اسی حکم خداوندی کے تحت حضرت مجددِ زمان رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت کی بنیاد رکھی ہے۔ اور آپ کی انجمن کے نام "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام" سے بھی اس کا واضح ثبوت مل سکتا ہے۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر (القرآن)

درخواستہائے دُعا کے بارے میں خصوصی گذارش } دعاؤں کی اہمیت کا احساس جماعت بالخصوص نوجوان طبقہ میں کچھ کم ہوتا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ ہماری جماعت کی ایک نمایاں خصوصیت اور امتیازی نشان ہے۔ جملہ وابستگان سلسلہ احمدیہ بالخصوص ہندوستانی احباب و خواتین سے تاکیدی طور پر عاجزانہ گذارش ہے کہ وہ اسلام و سلسلہ کی ترقی اور تبلیغی مساعی میں کامیابی کے لئے بزرگانِ سلسلہ و احباب جماعت اور خود اپنے لئے دعاؤں پر زور دیں۔ دُعا ہم عاجزوں کا ایک زبردست حربہ ہے۔ میں اس وقت ذیل میں چند احباب و خواتین کے لئے خصوصیت سے جناب صدر ہند اور دیگر بزرگان و احباب سے دُعا کی درخواست کرتا ہوں۔

۱۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ایک ہمدرد بہن فریدہ بنارس اور اس کے دیگر اہلِ خاندان چند ایک مشکلات میں مبتلا ہیں۔ اللہ کریم ان کی مشکلات و مصائب دُور کر کے دین و دنیا میں ترقی اور خوشحالی عطا کرے۔ آمین!

۲۔ جماعت کے ایک بزرگ دوست ڈاکٹر غلام نبی صاحب جبہ لاولد ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو خادمِ دین اور صالح وارث عطا کرے۔ آمین!

۳۔ ایم اے صمد صاحب ریٹائرڈ سب جج گیا بہار کو صحت و سلامتی اور انہیں دین و دنیا میں ترقی عطا کرے۔ آمین!

۴۔ جناب جنید اطہر صاحب اکولہ مہاراشٹر کی تمنا ہے کہ وہاں پر وہ صالح جماعت قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ نیز ان کے ارادوں میں اللہ کریم برکت عطا فرمائے۔ آمین!

اس کے ساتھ جملہ جماعتوں کے صدر و سیکرٹری صاحبان اور انجمن ہند کے ممبران اور دیگر مقامات پر رہنے والے احمدی احباب سے گذارش ہے کہ اپنی جماعت کی طرف سے جو موعودہ رقم ماہوار مرکزی انجمن کے بیت المال میں بھیجنے کے لئے آپ نے تحریری اور تقریری وعدہ فرمایا ہے۔ حکم خداوندی یاایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود (اے ایماندارو اپنے وعدوں کو پورا کرو) پر عمل کر کے ہر ماہ باقاعدگی اور التزام سے رقم موعودہ بھیجا کریں۔ نیز جن احباب نے انفرادی طور پر اپنا موعودہ ماہوار چندہ بھیجنے کا عہد کیا ہے وہ بھی حسب وعدہ التزام کے ساتھ بھیجا کریں۔

جن جماعتوں کے ذمہ رقم موعودہ کئی ماہ سے بقایا ہے وہ اس طرف توجہ مبذول فرمائیں اور اپنے آپ اور اپنی قوم کو عہد شکنی سے بچائیں تاکہ اللہ تعالےٰ کی رحمت کا نزول آپ پر برابر جاری رہے۔ اس کے ساتھ ان احباب و خواتین سے گذارش ہے جو کہ ہندوستان کے مختلف مقامات پر انفرادی یا جماعتی طور پر رہتے ہیں۔ جنہوں نے ابھی ماہوار چندہ ارسال کرنے کا عہد نہیں کیا۔ یا عہد کر کے ابھی تک ارسال نہیں کیا ہے۔ ان سے بھی گذارش ہے کہ وہ اس طرف فوری توجہ مبذول فرما کر التزام کے ساتھ چندہ مقرر کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے احکام کے تحت مرکزی بیت المال میں بھیجکر خدا و رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور مجدد الوقتؑ کی خوشنودی حاصل کریں[1]۔ حضرت مسیح موعودؑ کا واضح ارشاد ہے کہ:—

"کہ جو شخص تین ماہ چندہ ادا نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ید اللہ علی الجماعۃ۔ جماعت پر خدا کا دست قدرت ہوتا ہے۔ اور آنحضور صلعم کا فرمودہ کہ جماعت سے باہر یا دُور رہنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے برابر ہے۔ لہٰذا تعاونوا علی البر والتقویٰ (القرآن) کو مشعلِ راہ بنا کر میری ان گذارشات پر ٹھنڈے دل سے غور فرما کر اپنے کو زندہ جاوید جماعت ثابت کرنے کے لئے کمر ہمت باندھ کر مرکزی انجمن احمدیہ اشاعت اسلام ہند کی ہدایات پر عمل کر کے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کو کامیاب کریں۔ اللہ کریم آپ کو دین و دنیا کی نعمتوں سے نوازے اور خدمت دین کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وما علینا الا البلاغ۔ والسلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین۔

آپکا خادمِ دین۔ محمد یوسف تابشؔ۔ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند
سب آفس ڈاک خانہ باری پورہ کشمیر

[1] جملہ رقوم چندہ ماہوار۔ دیگر صدقات زکوٰۃ۔ عید فنڈ وغیرہ تو اپنی مرکزی انجمن ہند یا براہِ راست خاکسار کے نام بھیجدیں۔

خاندان حضرت حکیم الامت کو صدمہ عظیم } کراچی کی ایک اطلاع سے یہ معلوم کر کے احباب کو دلی قلق ہوگا کہ جناب میجر حفیظ احمد خلف مولانا عبدالسلام عمر اچانک دل پر بیماری کا حملہ ہونے سے وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

بلانے والا ہے سب سے پیارا۔ اسی پر اے دل تو جاں فدا کر

مرحوم نے ۴ بچے اور ایک بیوہ چھوڑی ہے۔ بڑے لڑکے کی عمر ۸ سال ہے۔ مرحوم حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ کے پوتے تھے اور اپنی دیانت حسن کارکردگی اور خوش خلقی کی وجہ سے ہردلعزیز تھے۔ ہمیں اس صدمہ میں مرحوم کی اہلیہ محترمہ، معصوم بچوں نیز محترم میاں عبدالمنان عمر، محترم میاں عبدالوہاب عمر، محترم عبدالواسع عمر اور دیگر اعزّہ سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت میں جگہ دے اور اس کی اہلیہ اور بچوں کو سایۂ شفقت ...

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — ۱۲ر فروری ۱۹۸۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۲۰۸ شمارہ ۷

عرفات پریس نعمانی روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ ایڈیٹر: غلام نبی مسلم۔ ایم اے

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اُنس کا مادہ رکھا ہے

اپنے ربّ کی بندگی اور بنی نوع اِنسان کی خِدمت کرو۔

خطبہ جمعہ۔ مؤرخہ ۷ فروری ۱۹۷۵ء۔ فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ۔ جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

یا ایھا النّاس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون ـ فلا تجعلوا للہ انداداً و انتم تعلمون ——— (البقرہ آیت ـ ۲۱ ـ ۲۲) ———

(مرتبہ: عبدالرؤف کھوکھر)

فرمایا۔ اے لوگو خدا کی عبادت کرو۔ جس نے تمہیں اور تمہارے باپ داد کو پیدا کیا۔ اس کا تم پر بہت احسان ہے۔ اس نے تمہیں زندگی عطا کی۔ زندگی بڑی پیاری چیز ہے۔ ذرا سا کانٹا چبھ جائے تو تکلیف ہوتی ہے۔ بیماری آ جائے تو انسان کبھی طبیب اور کبھی تعویذ گنڈے کی جانب دوڑتا پھرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زندگی ہمیں کتنی عزیز ہے۔ یا ایھا الناس۔ یہاں انسانوں کو مخاطب کیا ہے۔ صرف مسلمانوں کو نہیں۔ ہندو۔ سکھ۔ عیسائی۔ یہودی۔ مجوسی۔ سب خدا تعالیٰ کے مخاطب ہیں۔

فرمایا۔ اعبدوا ربکم۔ اپنے اس ربّ کی عبادت کرو۔ جس نے تمام انسانوں کے لئے سامانِ ربوبیت پیدا فرمائے ہیں۔ تو آسمان اور زمین اور سورج اور قمر سے فائدہ اُٹھانے والے اے انسانو! تمہاری روحانی ربوبیت کے لئے بھی ہم نے سامان پیدا کئے ہیں اور تمہاری رہنمائی کے لئے تم میں اپنے رسول اور کتب وقتاً فوقتاً بھیجی ہیں۔ اس تعلیم سے فائدہ حاصل کرو۔ انسان انس سے ہے دنیا کے بجائے خدا تعالیٰ کو اپنی محبت کا مرکز بناؤ۔ اسی کی عبادت کرو۔ اللہ تعالیٰ حکم نہیں دیتا بلکہ تمہاری عقل کو اپیل کرتا ہے۔ جبری حکم نافذ نہیں فرماتا خدا اپنی مخلوق پر بڑا مہربان ہے۔ اس نے انسانوں اور تمام جانداروں کی پرورش کے لئے آسمان اور زمین میں باہمی تعاون پیدا کیا ہے۔ والسماء ذات الرجع۔ آسمان بار بار پانی برساتا ہے۔ والارض ذات الصدع اور زمین بارش کے نتیجہ میں پھٹتی ہے۔ اور پھل پھول میوے اور قسم قسم کے غلہ جات اور چارے اُگاتی ہے۔ جو تمہاری زندگی کے سامان ہیں۔ خدا نے زمین و آسمان کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے۔ اگر مینہ نہ برسے اور خشک سالی ہو جائے۔ تو لوگ اکٹھے ہو کر دُعا کے لئے باہر نکلتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے حضور اپنے قصوروں کے معترف ہو کر اس کا فضل یعنی بارش مانگتے ہیں۔ اس کا نام نماز استسقا ہے۔ یعنے بارش مانگنے کی دُعا۔ خشک سالی دُور ہونے کی وہ دُعا مانگتے ہیں اور گریہ و زاری کرتے ہیں۔ تمہارا پیدا کرنا اور تمہارے باپ دادا کو پیدا کرنا خدا کا احسان ہے۔ پھر تمہاری فطرت میں اُنس کا مادہ رکھ دیا تاکہ تم آپس میں محبت کرو۔ اور اپنے محسن کو پہچانو۔ اور یہ بات خالق و مخلوق دونوں کے لئے ہے۔ پہلے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور پھر دونوں کو تمہاری خدمت میں لگا دیا۔ پس تم بھی خدائے واحد کی پرستش کرو۔ اسی کی فرمانبرداری کرو۔ جو انسان خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور سچے دل سے اس کے احکام بجا لاتا ہے۔ ربّ السمٰوٰت والارض۔ زمین و آسمان کے ربّ کی رضا کو اپنی خواہش پر مقدم رکھتا ہے اور محتاط زندگی گذارتا ہے۔ نیز اس سے ڈرتا رہتا ہے۔ ایسے انسان کو اسی دنیا میں اطمینان کی جنّت عطا ہوتی ہے۔ اور اسے اسی زندگی میں رضائے الٰہی کی فردوس مل جاتی ہے۔ پس تم بھی اپنی خواہشوں پر خدا تعالیٰ کی رضا اور احکام کو مقدّم کرو اور اس کے عطا کردہ عقل و فہم سے کام لو۔ زندگی کی قدر کرو اور اس فانی دنیا سے خدا کو راضی کر کے رخصت ہو۔ ایسا نہ ہو کہ دیکھتے دیکھتے موت آ جائے اور تم خدا کی فرمانبرداری کی حالت میں نہ ہو۔ آسمان۔ قمر۔ سُورج اور ستارے بے جان اور جذباتِ رحم و احسان سے خالی ہیں۔ مگر خدا نے تمہاری خاطر ان میں ایک ربط اور ہم آہنگی پیدا کر رکھی ہے۔ سُورج ہم سے ۹ کروڑ میل دُور ہے۔ اور زمین سے کئی گنا بڑا ہے۔ مگر فاصلہ کی دُوری کے باعث چھوٹا نظر آتا ہے۔ اتنی دُوری کے باوجود گرمیوں میں آپ دھوپ میں نہیں بیٹھ سکتے۔ زمین پر زندگی سُورج کی محتاج ہے۔ لاتسجدوا للشمس ولا للقمر۔ سُورج اور چاند کے فائدوں کو دیکھ کر ہی بعض نادانوں نے ان کی پرستش شروع کر دی۔ تو فرمایا سورج و قمر کے آگے نہ جھکو۔ بلکہ واسجدوا للہ الذی خلقھن اس کی عبادت کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ تمہاری عبادت کا حق دار صرف تمہارا پروردگار ہے جو تمہارے لئے سامان حیات پیدا فرماتا ہے جب تم اپنے مویشیوں کے لئے چارہ بھی خود پیدا نہیں کر سکتے تو پھر اپنے پروردگار سے رُوگردانی کیوں کرتے ہو۔ عیسائیوں نے کہا۔ نحن ابناء اللہ واحباؤہٗ۔ ہم ہی اللہ کے بیٹے اور اس کی محبت کے مستحق ہیں۔ ہمارے بعد کوئی قوم محترم نہیں۔ بلکہ ربّ العالمین جس نے جسمانی پرورش کے علاوہ روحانی ربوبیت کا سامان بصورت وحی آسمانی بارش فرمایا تھا۔ اس نے ہر قوم میں اپنے ہادی اور رسول بھیجے۔ ولکلّ قوم ھاد۔ اور وان من امّۃ الا خلا فیھا نذیر۔ یہی روحانی ربوبیت کا سامان تھا۔ کہ خدا تعالیٰ کے ارشاد اور وعدہ کے مطابق ہر قوم اور ملک میں پیغمبر آئے۔ جنہوں نے احکامِ الٰہی سُنا کر انسانوں کو ان پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ مگر بعض قوموں خصوصاً یہودیوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ ہمارے سوا ساری قومیں راندۂ درگاہ الٰہی ہیں۔ الحمد للہ ربّ العالمین۔ میں اس خیال کی تردید فرمائی ہے۔ کہ وہ اللہ جس نے انسانوں کی جسمانی زندگی کے قیام کے لئے وسیع پیمانہ پر ایک نظامِ ربوبیت قائم کیا ہے وہ ان کی روحانی ترقی و بقا کے لئے سامان مہیا کیوں نہ کرتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ سب کے لئے ہے۔ اسی طرح اس کی مخلوق سورج۔ قمر اور ستارے۔ آسمان اور اس کی بارش سب کو یکساں فائدہ پہنچاتی ہے۔ کوئی ہندو ہو یا سکھ۔ جینی ہو یا یہودی۔ عیسائی ہو یا مسلمان۔ اللہ کے جسمانی نظام ربوبیت سے سب یکساں فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ مگر اس کے روحانی نظام پرورش سے صرف وہی انسان فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اس کے رسولوں کو مانتے اور ان کی کتب پر ایمان لاتے ہیں۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ سُورج کی روشنی سے صرف وہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو اپنے دروازے کھول دے۔ اور جو اپنے دروازے بند کر کے بیٹھ رہے گا۔ وہ چشمۂ آفتاب سے محروم رہے گا۔ پس دل و دماغ اور رُوح کی پرورش و ربوبیت کی خاطر قرآنی تعلیمات پر عمل اور سنّتِ رسُول کی تمہیں اتباع کرنی ہو گی۔ کیونکہ اس آفتاب روحانیت و ہدایت سے روشنی حاصل کئے بغیر تم فلاح نہیں پا سکتے۔ پس تم کوشش کرو کہ تمہاری زندگی کا کوئی لمحہ یادِ الٰہی کے بغیر نہ گذرے۔ اور اس طرح تم ان انعامات کے وارث بنائے جاؤ جو متقیوں کے لئے عند اللہ مقرر ہیں۔ اسلام کی تعلیم قوموں کا تفرقہ مٹانے کے لئے آئی ہے۔ اور قرآن کریم نے سب قوموں کے پیغمبروں اور ان کی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دے کر انسانیت کو باہمی اتحاد کا ایک ایسا کیمیائی نسخہ مرحمت فرمایا ہے جس کی دوسری قوموں میں نظیر نہیں ملتی۔ تحمّل بردباری حلم اور انکسار اور وسعت قلبی مسلمان کی شان اور قرآنی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ۔ الٰہی رنگ میں رنگین ہو جاؤ۔ جو اپنے دشمنوں کو بھی روزی عطا فرماتا ہے۔ اگر تم صبغۃ اللہ کا رنگ پکڑ لو گے۔ تو پھر ہم میں سُنّی شیعہ۔ وہابی اور شافعی کا جھگڑا باقی نہیں رہے گا۔ حنفی شافعی کو بُرا نہ کہے اور شافعی حنفی کو اپنا بھائی سمجھنے لگے۔ مسلمانوں کا دل وسیع ہونا چاہیئے۔ آپس میں لڑنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اگر ایک شخص السلام علیکم کہہ کر اپنا مسلمان ہونا ثابت کرتا ہے تو کسی دوسرے کو اسے کافر کہنے کا کیا حق ہے۔

فرمایا لاتقولوا لمن القی الیکم السلام لست مؤمنا۔ جو تمہیں السلام علیکم کہے اسے یہ مت کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے۔ اس واضح ارشادِ الٰہی کی

(باقی پر صفحہ ۹ کالم ۲)

کیا یہ خون رائیگاں جائے گا؟

چند دن قبل پشاور یونیورسٹی میں بم پھٹنے سے حکومت سرحد کے سینئر وزیر جناب حیات محمد شیرپاؤ اور ایم اے کلاس کے ایک طالب علم عبدالحمید وفات پا گئے۔ ایک نوجوان طالبہ اور ایک طالب علم ایک ایک آنکھ سے محروم ہو گئے ہیں اور کئی ایک افراد خطرناک طور پر زخمی ہوئے ہیں۔ اس افسوسناک المیہ پر ہر آنکھ اشکبار ہے۔ خدامعلوم قاتل نے اس بہیمانہ فعل سے دین، قوم، علاقے، جماعت یا ذاتی کیا خدمت سرانجام دی ہے۔ لیکن ایسے افعال نے اس ملک میں سیاست، معاشرے، انسانیت اور امن و امان کو جس راہ میں ڈال دیا ہے وہ ملک و ملت کے لئے خوش آیند نہیں ہو سکتا۔

اس ملک میں غالب اکثریت اہلِ اسلام کی ہے۔ جنہیں اسلام نے اخوت و محبت کی زنجیروں میں جکڑا تھا۔ حضرت نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمان کا خون دوسرے مسلمان پر حرام کر رکھا ہے۔ آپ ہی کا ارشاد ہے کہ مَن حَمَلَ السّلاح علینا فلیس منّا۔ جو شخص دوسرے مسلمان بھائی کے خلاف ہتھیار اُٹھاتا ہے وہ ملتِ اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ خود قرآن کریم نے مؤمن کے قاتل کے متعلق فرمایا ہے من قتل مؤمنًا متعمدًا فجزاءہ جھنم۔ جو مؤمن کسی دوسرے مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کی جزا دوزخ ہے۔ لیکن یہ قوم، اسلام کی پیروکار اُمت مسلمہ بالخصوص پاکستان میں بسنے والی مسلمان ملت اسلام سے منہ موڑ چکی ہے۔ اور اپنے نبیٔ متبوع صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس پیغام کو پسِ پشت پھینک چکی ہے کہ "میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو"

کیا یہ حقیقت نہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر اس لئے حاصل کیا گیا تھا کہ اس میں اسلامی طرزِ حیات کو رائج کیا جائے گا، اسلامی عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے، امن و امان کو اوّلین مقام حاصل ہوگا، اور یہاں قرونِ اولیٰ کے سنہری کارناموں کو زندہ کیا جائے گا۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، یہ توقعات سراب ثابت ہوئیں، ہم نے اپنی اُمنگوں اور خواہشاتِ زندگی کو ارشاداتِ ربانی کی چوکھٹ پر ذبح کرنے کی بجائے دین، قوم اور اجتماعی مفاد کو اپنی نفس پرستی کی بھینٹ چڑھا دیا۔ ہر شخص ہوس اقتدار اور جاہ و مال کی دیوی کا پجاری بن گیا، سیاسی رہنما، مذہبی عالم، دفتر کا افسر، علاقے کا رئیس، محلے کا غنڈہ ہی نہیں معاشرے کا ہر فرد اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتا ہے۔ اور قدم قدم پر اخلاقی، مجلسی اور مُلکی قوانین کی تذلیل و تحقیر اپنا حق جانتا ہے۔

گو صدیوں سے مسلمان کا ماضی برادرانِ ملت کے خون سے آلودہ ہے۔ لیکن پاکستان میں اس کے اثرات قدرے زیادہ ہی نمایاں ہیں، قیام پاکستان کے معاً بعد یہاں حبِ اقتدار شروع ہو گئی، جس نے جلد ہی غیر جمہوری بلکہ غیر انسانی صورت اختیار کر لی۔ اور اس ملک کے بعض اقتدار پرستوں نے پاکستان کے اوّلین وزیر اعظم جناب لیاقت علی خان کو گولی کا نشانہ بنا دیا، اور قانون کا ہاتھ آج تک قاتل تک نہیں پہنچ سکا، اس کے بعد ملک کے دونوں حصوں میں "گولی، لاٹھی" کی سرکار کا سکہ جاری ہو گیا، حقیقت یہ ہے کہ جب ملک میں جہالت، غربت اور ذہنی نشو و نما کا فقدان ہو تو جمہوریت اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہو ہی نہیں سکتے۔ اور اگر سربراہانِ مملکت ہوس شعار اور اقتدار پرست ہوں تو ملک طوائف الملوکی، فساد اور خود غرضی کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس ملک میں ۱۹۵۳ء کے بظاہر مذہبی مگر در اصل اقتداری مناقشات کا آغاز ہوا، ملک محلاتی سازشوں کی نذر ہو گیا۔ حتیٰ کہ ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء نے نئے حکمرانوں کو جنم دیا، اور اس نئے دور کا خاتمہ پاکستان کی تقسیم و بربادی کی صورت میں ہوا۔

جمہوری اداروں کی بربادی اور اقتدار پسندوں کے عروج پر اس ملک کے باشندوں کو حیوان سمجھ لیا گیا جنہیں لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے۔ ان حکمرانوں نے "لاٹھی، گولی" کی روش اختیار کر لی۔ مقابلے میں تشدّد کا آغاز ہوا، جس نے لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت کی راہ اختیار کر لی، قانون کا احترام جاتا رہا، حکومتوں نے لوگوں کو اعتماد میں لینے کی بجائے اپنا اقتدار بچانے کے لئے سرکاری اداروں کو استعمال کیا۔ جس سے سرکاری ادارے خود سر ہوتے گئے، لوٹ کھسوٹ عام ہو گئی، اور حکومت نے جہاں رشوت دے کر عوام کو قابو میں رکھنے کی سعی کی وہاں اہلکاروں سے چشم پوشی کی، نتیجہ یہ نکلا کہ مجرم قانون کی گرفت سے بہت حد تک آزاد ہو گئے۔ رشوت کئی مجرموں کے لئے قاضی الحاجات بن گئی اور قانون کی بے بسی نے آخر خود صاحبان اقتدار کو بے بس بنا دیا۔

عالمی بیداری کے اس دور میں پاکستان کی سیاسی، مجلسی اور مذہبی روش وقت کے تقاضوں کے ہم آہنگ نہیں، اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے انفرادی یا جماعتی بقا و دوام کے لئے تشدد سے کامیاب ہو سکتا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔ تشدّد ہمیشہ ہی کمزوری کی علامت رہا ہے جس سے متشدّد کی بے بسی اور ناکامی کا اظہار تو ہوتا ہے۔ مگر استحکام اور ہر دلعزیزی کا ہرگز نہیں۔ جس ملک میں قانون کی حکمرانی نہ ہو، جہاں قانون کا ہاتھ حقیقی مجرموں تک نہ پہنچے یا مجرموں سے چشم پوشی کرے، وہاں زوال اٹل ہے۔ ترقی رُک جاتی ہے۔ کاروبار برباد ہو جاتا ہے۔ شریف مگر ذہین لوگ ترک وطن کر جاتے ہیں۔ اقوام عالم میں مُلک کی ساکھ ختم ہو جاتی ہے اور آخرکار یا تو عوام حکمران طبقے سے تشدّد کے ذریعے نجات حاصل کرتے ہیں، یا مُلک غلامی کا شکار ہو جاتا ہے۔

ہمارے ملک میں تازہ بے گناہ خون رائیگاں نہیں جانا چاہیئے۔ اور اس ضمن میں لوگوں میں اعتماد بحال کرنے کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ ملک میں سیاسی قتلوں کا سلسلہ ختم ہو۔ جو قتل اس سے پہلے ہو چکے ہیں ان کے متعلق عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں، آیندہ کوئی فرد یا پارٹی قانون کی گرفت سے باہر نہ ہو۔ کس کا خون مباح ہے اور کس کا حرام، اس کا فیصلہ عدالت کا کام ہے۔ قانون انسانی مفاد و حقوق کی بقاء کا ضامن ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ قانون برسرِ اقتدار طبقے کے جماعتی مفاد کے تابع ہو۔ کیونکہ افراد آتے جاتے ہیں۔ اقتدار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ برسرِ اقتدار پارٹی کی بقاء و عروج کی ایک ہی ضمانت ہے کہ وہ اپنی خدمت اور فلاحی کاموں سے عوام کے دلوں میں گھر کر لے، اور اگر وہ دیکھے کہ قوم کو اس پر اعتماد نہیں رہا تو وہ اعتماد کی بحالی تک انشراح صدر سے جمہوری تقاضوں کے مطابق اقتدار سے الگ ہو جائے۔ اسی طرح مخالف پارٹیوں اور عوام کا بھی فرض ہے کہ جہاں وہ حکومت سے عدل و انصاف کے متمنی ہوں وہاں خود قانون کے تقاضے پورے کریں۔ نہ قانون شکنی کریں اور نہ ہی کسی کو قانون شکنی کرنے دیں۔ ملک میں فتنہ و فساد کو ہوا دینے کی بجائے ایسے وسائل اختیار کریں جو فلاح عامہ میں ممد و معاون ہوں، اور لوگوں کو قومی مفاد ملحوظ رکھ کر حکومت میں تبدیلی پر آمادہ و کاربند کریں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ملک کی سیاسی سماجی اور اگر ممکن ہو سکے تو دینی پارٹیاں مل کر ایسے قواعد و ضوابط تیار کریں۔ جو ملک کی بہبود اور عدل و انصاف کے ضامن ہوں اور جن کی پابندی کا سب حلف اُٹھائیں۔ یہی وہ طریق ہے جو ملک میں ترقی و خوشحالی لا سکتا ہے اور اگر ملک نے عدل و انصاف کی راہ اختیار کر لی تو دنیا یہی سمجھے گی کہ بم کے حادثے میں فوت ہونے والوں کا بے گناہ خون رائیگاں نہیں گیا۔

دارالسلام لاہور میں ایمان افروز رابطہ اجلاس ۲۱ر فروری بعد از نماز جمعہ جامع مسجد دارالسلام لاہور نزد نیوکیمپس میں رابطہ اجلاس ہوگا۔ اس تقریب سعید میں مہمان خصوصی محترم حافظ شیر محمد صاحب خوشابی مبلغ فجی بھی روانگی سے قبل الوداعی تقریر فرمائیں گے۔ احباب زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت فرمائیں۔ الداعی: نذیر رتب(؟)۔ سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لاہور۔

پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب۔ایم ایس سی

اِسلام یا کوئی اور اِزم

ایک تقابلی جائزہ

(۶)

صنعتیں صنعتوں کا ذکر قرآن کریم کی ۸ سُورتوں کی تقریباً ۱۰ آیات میں آیا ہے۔سُورۃ ہُود میں ہے:۔

" جو کچھ انہوں نے اس زندگی میں کیا (صنعوا) ان کے کسی کام نہ آئے گا اور جو کچھ وہ کرتے تھے باطل ہے۔"

اسی طرح سورۃ الکہف میں ہے کہ:۔

" وہ سمجھتے ہیں کہ وہ صنعت کے بہت اچھے کام بنا رہے ہیں"

سورۃ الانبیاء میں ہے:" اور اسے ہم نے تمہارے لئے زرہ بنانا سکھایا تاکہ تمہاری لڑائی میں تمہاری حفاظت کرے"۔ سورۃ الشعریٰ میں ہے" اور کاریگری کے کام بناتے ہو کہ شاید تم ہمیشہ رہو"۔ سورۃ سبا میں یوں ارشاد ہوا ہے" پہاڑو اس کے ساتھ ہی تسبیح کرو........... اور ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا کہ فراخ زرہیں بنا اور بنانے میں اندازہ نگاہ رکھ"۔ حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں ہے" ہم نے اس کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا —— وہ اس کے لئے مسجدیں، اور مجسمے اور لگن جیسے تالاب اور ایک جگہ دھری رہنے والی دیگیں بناتے تھے۔"

سورۃ فاطرہ میں پہاڑوں کے ذکر میں ہے:۔

"اور پہاڑوں میں سُرخ و سفید خطے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں اور بعض نہایت سیاہ ہیں۔"

یہ صاف ظاہر ہے کہ پہاڑوں میں مختلف قسم کی کچی دھاتیں پائی جاتی ہیں۔ان خام یا کچی دھاتوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اسی فرق کی وجہ سے پہاڑوں کے بھی متفرق خطے ہوتے ہیں۔کہیں لوہا ہے اور کہیں تانبا ہے۔کہیں پارہ ہے اور کہیں سونا ہے اور چاندی ہے کہیں سنگِ مرمر ہے۔کہیں ہیرے جواہرات اور نیلم۔کہیں کوئلہ اور تیل ہے۔کتنے مختصر الفاظ میں پورے علم طبقات الارض کو سمو دیا ہے یہ ریگستان کے رہنے والے ایک اُمّی انسان کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جو آج کی دنیا کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ایسے علم کا سرچشمہ سوائے عالم الغیب اللہ تعالےٰ کی ذات کے کون ہو سکتا ہے۔لیکن دنیا کی آبادی کا ایک کثیر حصہ جو اپنے آپ کو جدید علوم و فنون کا ماہر تصور کرتا ہے اس کے وجود سے منکر ہے فتدبروا۔

سورۃ صٓ میں ہے:اور شیطانوں کو۔ہر ایک معمار اور غوطہ زن کو ان کے کام میں لگایا"۔ معمار صنعتیں قائم کرنے والے اور تعمیر کرنے والے تھے اور غوطہ زن سمندر سے صدف نکال کر ان سے موتی وغیرہ نکالنے کا کام کرتے تھے اور آج بھی کرتے ہیں۔لوہے کے متعلق تو پوری سورۃ الحدید ہے:" اور ہم نے لوہا اتارا اس میں شدت کی سختی ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں——" کون نہیں جانتا کہ دَورِ جدید کی ٹیکنالوجی کا تمام تر دارو مدار لوہے اور تانبے پر ہے اور دونوں دھاتوں کو مختلف نسبتوں میں ملا کر اور ملی جُلی دھاتیں تیار کی جاتی ہیں جو مختلف النوع مشینری میں استعمال کی جاتی ہیں۔

اب جن قوموں نے اس سے فائدہ اُٹھایا وہ ہر شعبہ زندگی میں سبقت لے گئیں اور جو غفلت کے لحاف اوڑھے سوئی رہیں وہ پیچھے رہ کر دوسری قوموں کی غلام اور محتاج ہو گئیں۔اللہ تعالےٰ کے قوانین اسی طرح جاری و ساری اور اٹل ہیں۔

ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔جوں جوں ضروریات زندگی میں اضافہ ہوتا گیا اور آبادی بڑھتی گئی ایجادات بھی ترقی کرتی رہیں۔ٹیکنالوجی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اس نئے دَور میں داخل ہوئی۔کسی بھی صنعت کو دیکھ لیجئے۔وہ زمین۔سمندر اور پہاڑوں کی پیداوار پر ہی منحصر ہے۔آٹے سُوجی۔میدا۔دَوا کے کارخانے۔گرم سرد کپڑوں کے کارخانے پھل محفوظ کرنے اور ان سے مشروبات تیار کرنے کے کارخانے۔مچھلیوں کو محفوظ کرنے کے کارخانے۔چمڑے اور جُوتوں کے کارخانے۔غرض ضروریات زندگی میں سے کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس کا کارخانہ موجود نہ ہو۔

۴۔تجارت حصولِ رزق کا ایک اور نہایت اہم ذریعہ تجارت ہے۔ہر ملک کی پیداوار اس کی آب و ہوا کی نسبت سے مختلف ہوتی ہے۔کہیں ایک چیز کم ہوتی ہے تو دوسری طرف با افراط۔اس لئے مختلف ممالک کے درمیان یا ایک ہی ملک کے مختلف حصوں کے درمیان فاضل اشیاءِ صرف کا لین دین ہوتا ہے۔اس لین دین یا تجارت سے تاجر اپنے وطن کے لئے دوسرے ملک سے اشیاء صرف حاصل کرتا ہے اور اپنے کاروبار کو فروغ دیتا اور نفع حاصل کرتا ہے۔

تجارت کا ذکر بھی قرآن شریف کی ۱۲ر سورتوں میں کم و بیش ۲۳ آیات میں آیا ہے۔کہیں جانوروں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ بوجھ اُٹھا کر لے جانے کا ذکر کیا ؟؟ کہ ہوائیں کشتیوں کو چلاتی ہیں۔کشتیاں سمندروں کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں ہم ان کی اولاد کو کشتیوں میں اٹھاتے ہیں۔سمندروں میں پہاڑوں جیسی کشتیاں چلتی ہیں۔ظاہر ہے اس میں بین الاقوامی بحری تجارت کی طرف لطیف اشارہ ہے۔اور انسانوں کے ایسے ذرائع مواصلات کے ذریعہ آپس میں تعلقات کا ذکر ہے۔کسی جگہ فرمایا ہے کہ اپنے ماپ تول کو انصاف کے ساتھ قائم رکھو اور لوگوں کو چیزیں کم تول کر اور ماپ کر نہ دو۔حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب الٰہی ہی اس وجہ سے نازل ہوا کہ وہ کاروبار میں بد دیانتی برتتی تھی۔خرید کے وقت پُورا تول اور ماپ کر لیتے اور بیچتے وقت کم تول اور ماپ کر دیتے۔معلوم ہوا کہ انہوں نے خریدنے کے لئے اور، اور بیچنے کے لئے اور وزن اور ماپ کے پیمانے رکھے ہوئے تھے۔بڑے دُکھ اور رنج کی بات ہے کہ بعض پاکستانی تاجر بھی ایسی بد دیانتی کے مرتکب ہوئے ہیں اور انہوں نے مذہب اور ملک کے وقار کو ہوس زر کی بھینٹ چڑھایا ہے۔یہ وبا چھوٹے دکانداروں میں بھی عام ہے۔ملاوٹ بھی کم تول کر دینے کی ہی ایک قسم ہے کیونکہ خرید شدہ چیز میں اصل چیز کی مقدار اس کی قیمت کی نسبت کم ہوتی ہے۔

ذرائع پیداوار کی ملکیت قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے متعلق جتنے بھی احکامات صادر ہوئے ہیں وہ تمام اس امر کی طرف واضح اشارہ کرتے ہیں کہ اسلام میں نجی ملکیت کی اجازت ہے۔کیونکہ اگر حکم اور اجازت میں نمایاں فرق ہے۔حکم کی تعمیل لازمی ہے اور اجازت میں اختیار ہے۔ذرائع پیداوار پر نجی کنٹرول کے بارے میں بھی کوئی ایسا کلمہ میری نظر سے نہیں گزرا جو حکم کے ذیل میں آتا ہو۔البتہ اجازت کا مفہوم سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۰ اور سورۃ النساء کی آیت ۸ میں موجود ہے۔البقرۃ کی مذکورہ آیت کا ترجمہ یوں ہے:۔

" تم پر جب تم میں سے کسی پر موت آ موجود ہو عمدگی کے ساتھ وصیت کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے اگر وہ بہت سا مال ماں باپ کے لئے اور قریبیوں کے لئے چھوڑے یہ متقیوں پر لازم ہے۔"

اس میں" اگر (ان)" کا لفظ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ مال چھوڑے۔جو کچھ اس کے پاس کسی شکل میں بھی موجود ہے وہ اس میں احکام الٰہی کے مطابق خرچ کرتا ہے۔تو اس کا بہت کم امکان ہے کہ اس کے پاس بحیثیت ایک مؤمن اور متقی کوئی مال باقی رہ جائیگا یا وہ کوئی ملکیت باقی رہنے دے گا۔

سورۃ النساء کی آیت ۸ میں وراثت کی تقسیم کا ایک طویل ذکر ہے جو والدین یا قریبی چھوڑ جائیں۔مردوں اور عورتوں کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔وہ تھوڑا ہو یا بہت اگر اس اصول کے مطابق جائداد کے حصے بخرے کئے جائیں تو تیسری پُشت کے وارثوں کے پاس شاید کچھ بھی باقی نہ رہے۔

کسی چیز کو اپنی ملکیت سمجھنا اور رکھنا فطرت انسانی ہے۔یہ جذبہ حیوانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ہر مالک مکان اپنے گھر کو آرام دہ۔خوبصورت اور پر سکون بنانے کی کوشش کرتا ہے۔اس میں توڑ پھوڑ کی مرمت کرتا ہے۔ہر کسان اپنی کھیتی میں جیسے چاہے اور جو چاہے بوتا ہے۔اس کی حفاظت کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اپنے کھیتوں سے زیادہ سے زیادہ آمدنی اور فائدہ حاصل کرے۔ہر صنعتکار ہمیشہ یہی کوشش

کرے گا کہ وہ اپنے کارخانے کی پیداوار بڑھائے، زیادہ نفع کمائے اور کارخانے لگائے اور اپنی مصنوعات کی تجارت کو فروغ دے اس سے نہ صرف اس کا اور اس کے بال بچوں کا پیٹ پلتا ہے۔ بلکہ ہزاروں مزدوروں کو روزگار مہیا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی عوام کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔

اگر کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی چیز کو اپنی ملکیت کہہ سکے تو اس کے دل میں یہ تحریک کیسے پیدا ہوگی کہ وہ محنت اور مشقت کرکے اور اپنا سرمایہ لگا کر پیداوار میں اضافہ کرے جس سے وہ خود بھی مستفید ہو اور اس کی قوم اور ملک بھی خوشحال ہو۔ اس کے دل میں صبح شام یہی خیال ہو کہ میں جتنی بھی محنت کروں مجھے تو صرف صبح اور شام کی روٹی ہی ملنی ہے اور سال بھر میں ایک دو جوڑے کپڑے ملنے ہیں۔ تو وہ کیونکر اپنی ذات اور فطرتی تقاضوں سے بلند ہو کر اپنی توانائی اور قوت کو بروئے کار لانے پر آمادہ ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ وہ اعلےٰ انسانی جذبات اور اقدار سے محروم ہو کر ایک مشین بن کر رہ جائے گا۔ نجی ملکیت کو ایک غیر قدرتی امر تصور کر لیا جائے تو پھر کسی قوم کو یہ کہنے کا حق کیسے پہنچتا ہے کہ معینہ جغرافیائی حدود کے اندر یہ ملک "میرا ملک" اور یہاں رہنے کا حق صرف مجھے ہی حاصل ہے۔ اپنی سرحدوں کی حفاظت کے بہانے یہ ہولناک جنگیں کیوں لڑی جاتی ہیں۔ روس جو کمیونزم کا علمبردار اور نجی ملکیت کا مخالف ہے۔ کیونکہ روس کو صرف اپنا ملک ہی تصور کرتا ہے۔ اشتراکی نظریہ کے مطابق تو دوسری اقوام کو بھی یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ اس کے ملک سے جس طرح چاہیں فائدہ اٹھائیں۔ اس کے برخلاف وہ دوسرے ممالک کو اپنے زیر تسلط لا کر اپنی "نجی ملکیت" کو زیادہ وسیع کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پولینڈ۔ ہنگری۔ رومانیہ۔ یوگوسلاویہ۔ مشرقی جرمنی وغیرہ اس کی روشن مثالیں ہیں اور جہاں وہ بامر مجبوری ایسا نہیں کر سکتا وہاں اپنے ایجنٹوں کی سازشوں اور تخریب کاریوں کے ذریعے اپنا سیاسی اثر و رسوخ بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے کیا ایشیائی تحفظ کی سکیم در اصل نجی ملکیت کو وسیع تر کرنے کی ایک سازش نہیں ہے۔ اور اس طرح وہ ملک جو استحصال ختم کرنے کا دعویدار ہے خود دوسروں کا استحصال کرنے کے درپے نہیں ہے۔ بہت افسوس ہے کہ فریب خوردہ لوگ دجال اور یاجوج ماجوج کے بچھائے ہوئے خوبصورت جال کے نیچے دانہ تو دیکھتے ہیں لیکن ان کی نگاہیں اس جال کو نہیں دیکھ سکتیں جس میں پھنسنے کے لئے وہ تیار بیٹھے ہیں۔

نجی ملکیت کسی ملک اور قوم کی خوشحالی اور فارغ البالی کا سبب تو بن سکتی ہے لیکن اگر اسے اسلامی اصولوں کی حدود میں رکھا جائے تو استحصال کا موجب نہیں ہو سکتی۔ کسی بھی شعبہ زندگی میں ترقی کے لئے جذبۂ مسابقت بہت ضروری ہے۔ نجی ملکیت کو فروغ دینے کے لئے بھی یہی جذبہ کام آتا ہے اور اس کے نتیجہ میں نہ صرف خود بلکہ مجموعی طور پر معاشرہ بھی ترقی کرتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اسے ان تمام شرائط اور قیود کے ماتحت رکھا جائے جو قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں اور جن پر رسول کریم صلعم نے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کرکے دکھایا ہے۔ جو صورت یہاں اس کی اس وقت ہے وہ خواہ مخواہ اشتراکیت کو دعوت دے رہی ہے۔ امریکہ ایک سرمایہ دار ملک ہے۔ لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو وہاں کے لوگ روس یا کسی دوسرے کمیونسٹ ملک کے باشندوں کی نسبت زیادہ آسودہ حال اور مطمئن ہیں۔

دولت کی تقسیم } اسلام نے دولت کی نجی ملکیت کی اجازت کے ساتھ ساتھ دولت کے چند ہاتھوں میں جمع ہونے اور استحصال کے خاتمہ کے لئے چند ایسے ٹھوس بنیادی اصول وضع کئے ہیں جو دولت کی تقسیم ایسے طریق پر کرنے کے لئے رہنمائی کرتے ہیں کہ طبقاتی ناہمواری بھی ختم ہو جائے اور معاشرہ کے افراد میں ایک دوسرے کے لئے جذبات اخوت۔ پیار۔ محبت۔ خلوص ایثار و قربانی۔ جو اخلاق کی اعلیٰ اقدار ہیں بھی پرورش پائیں۔ صالح مسابقت کے ساتھ ساتھ معاونت بھی جاری رہے اور اس طرح ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ وجود میں آئے جو دوسروں کیلئے مشعل راہ ہو۔ سورہ البقرہ کی آیت ۱۸۸ میں حکم ہے کہ:۔

"اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور نہ ان کے ذریعہ حاکموں تک پہنچو تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔ حالانکہ تم جانتے ہو"

سورۃ النساء میں ہے:۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے مالوں کو آپس میں ناحق کے ساتھ مت کھاؤ"

اتنا کہہ کر مضمون کو تشنہ نہیں چھوڑا اور نہ اس معاملہ کو لوگوں کے غور و فکر کے لئے اٹھا رکھا ہے کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ کونسا طریق درست ہے اور کونسا باطل بلکہ ان تمام باطل طریقوں کو مختلف مقامات پر اپنے سیاق و سباق میں بیان کر دیا ہے جو مختصراً یہ ہیں:۔

۱۔ سود } جس دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اس میں سود عام تھا اس کا کاروبار زیادہ تر یہودیوں کے ہاتھوں میں تھا۔ مشرکین اور عیسائی بھی کچھ نہ کچھ اس میں شریک تھے۔ سود ایک ایسی لعنت ہے جس نے افراد اور قوموں کی زندگی کو بری طرح اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ یہ فرد اور قوم کے استحصال کا ایک بدترین ذریعہ ہے۔ اس سے ساہوکار تو امیر سے امیر تر ہوتا جاتا ہے اور مقروض تباہ و برباد اور مفلوک الحال۔ ملکی اور قومی سطح پر ترقی پذیر ممالک کی مثال سامنے رکھیں ہر پسماندہ ملک کو جن میں زیادہ تر نو آزاد ملک شامل ہیں اپنی معیشت مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے اور خود کفیل ہونے کے لئے ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے امداد کی ضرورت ہے۔ روس اور امریکہ دو ہی ملک ایسے ہیں جو امداد دینے کے قابل ہیں اور دیتے ہیں۔ ان دونوں ممالک کی اکانومی پر بلا واسطہ یا بالواسطہ کنٹرول یہودیوں کا ہے۔ بنک۔ انشورنس۔ صنعت۔ تجارت۔ پریس۔ زراعت۔ سائنس۔ تحقیقاتی ادارے۔ ذرائع مواصلات وغیرہ سب ان کے قبضے میں ہیں۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی بنک قرضہ دینے والے۔ بین الاقوامی ادارے بھی ان کے عمل دخل سے باہر نہیں۔ اس لئے جب کوئی ترقی پذیر ملک قرضہ طلب کرتا ہے تو ہر رقم یہودیوں کے ہاتھوں سے آتی ہے۔ اس پر سود تو خواہ مخواہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ سود کی ادائیگی کا بوجھ براہ راست عوام پر پڑتا ہے۔ کیونکہ کوئی زمیندار یا صنعتکار ایسا احمق نہیں کہ وہ یہ رقم اپنی جیب سے ادا کرے اس نے اپنی مصنوعات یا زرعی پیداوار کی قیمتوں کی صورت میں یہ رقم صارفین سے حاصل کرنی ہوتی ہے۔ لازماً مصنوعات اور زرعی پیداوار کی قیمتوں میں اضافہ ہوگا۔ عوام کی قوت خرید بری طرح متاثر ہوگی۔ جس ملک نے سود کے ساتھ قرضہ ادا کرنا ہو اس کے عوام کا معیار زندگی بلند تو کیا پست سے پست تر ہوتا چلا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مقروض ملک کی مصنوعات اور زرعی پیداوار ملکی ضروریات سے فاضل ہوں تاکہ انہیں برآمد کرکے زر مبادلہ کی صورت میں ادائیگیوں کا توازن برقرار رکھا جا سکے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نرخ اور خوبی کے لحاظ سے بین الاقوامی منڈی میں دوسرے ممالک کی ایسی قسم کی اشیاء سے نسبتاً سستی اور اگر بہتر نہیں تو ان کی ہم پلہ ضرور ہوں۔ یوں اعلےٰ معیار کی اشیاء تو برآمد ہو جائیں گی اور درون ملک استعمال ہونے والی اشیاء کم حیثیت ہونے کے ساتھ ساتھ مہنگی بھی ہوں گی۔ اس سے بھی ملک کے رہنے والوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ قرضہ دینے والے ملک کو بین الاقوامی تجارت کی صورت میں بھی اور قرضہ کے عوض سود وصول کرنے کی صورت میں بھی فائدہ ہی فائدہ ہوگا سیاسی طور پر مقروض ملک کی خارجہ پالیسی بھی متاثر ہوگی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سود کے کاروبار کے اثرات کہاں تک مرتب ہوتے ہیں اور یہ کس طرح ایک ترقی یافتہ ملک کی گرفت ترقی پذیر ممالک پر مضبوط رکھنے میں ممد و معاون ہے۔

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہونے کی حیثیت سے اربوں روپوں کا مقروض ہے اور جن کا سود بھی اربوں نہیں تو کروڑوں تک ضرور پہنچتا ہے۔ اس قرضہ میں سے نصف سے زیادہ روپیہ ایسے منصوبوں کی تکمیل پر خرچ ہوا ہے جن سے کسی آمدنی کی توقع نہیں لیکن ملک میں افراط زر کا موجب ہوا ہے۔ پاکستان جیسے غریب ملک کو "اسلام آباد" کے شاہی محلات کی ضرورت نہ تھی۔ اگر دارالخلافہ کراچی سے بوجوہ منتقل کرنا ناگزیر ہی تھا تو اسی مقام پر سادہ عمارات سے کام چلایا جا سکتا تھا اور باقی روپیہ ملکی معیشت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے والے منصوبوں کی تکمیل پر خرچ کیا جا سکتا تھا۔ غلط منصوبہ بندی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پاکستان کا ہر فرد۔ مرد۔ عورت۔ بچہ قرضے کے ناقابل برداشت بوجھ کے تلے دبا ہوا ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ ان حالات میں ایک مزعومہ فلاحی ریاست کی حیثیت حاصل کرسکے

وقت تک اسے معاشی استحکام حاصل ہونا ممکن نہیں۔ محض دل خوش کن نعرے کوئی معجزہ نہیں دکھا سکیں گے۔

دنیا کے بڑے بڑے ماہرین اقتصادیات کی یہ متفقہ رائے ہے کہ سود ایک بھاری لعنت ہے۔ جب تک اس سے کسی طرح چھٹکارا حاصل نہیں ہوگا۔ دنیا کی اقتصادی حالت کا سدھرنا محض ایک خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اور نہ ہی دنیا میں امن قائم ہوگا۔ مگر سود یہودی نظام اقتصادیات کا بنیادی پتھر ہے اور اس کے ذریعے وہ بالواسطہ اپنا تسلط دنیا پر قائم رکھنا چاہتا ہے۔ سود ختم ہو جائے تو امن و سکون کی راہیں تلاش کرنے میں دقتیں آہستہ آہستہ خود بخود ختم ہو جائیں گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ماہر اقتصادیات نہ تھے۔ ان کے پاس اس علم اور فلسفہ کی کوئی ڈگری نہ تھی ریگستان کے رہنے والے اُمّی انسان تھے اپنی خواہش سے نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے وحی شدہ پیغام لوگوں کو پہنچاتے تھے۔ صرف خدا کے علم میں یہ بات تھی کہ یہودی اور اس کی دیکھا دیکھی عیسائی اور مشرک سودی کاروبار کے ذریعے غریب عوام کا استحصال کر رہے ہیں اور اس کے نتائج بڑے دُور رس اور باریک ہیں۔ اس لئے اس نے آپ کے ذریعے یہ پیغام سنایا کہ:-

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوں گے مگر اس طرح جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باولا بنا دیا ہو۔"

(البقرہ ۲۷۵)

سود کھانے والے کے اندر مال کی محبت کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ وہ اس کے حصول کے لئے دیدانہ وار ہر جائز و ناجائز ذریعہ اختیار کرتا ہے وہ خدا سے دُور اور شیطان سے نزدیک ہو جاتا ہے۔ اس میں اعلےٰ صفات انسانی مٹ کر صفات رذیلہ جگہ پا لیتی ہیں یہودیوں کی اسی سود خوری اور بخل کی عادت کی وجہ سے انگریزی زبان میں ایک مشہور محاورہ رائج ہوا ہے۔ جب کسی میں یہ عادت دیکھی جائے تو نفرت اور حقارت سے کہا جاتا ہے۔ "HE IS A JEW"۔ مشہور انگریز ناول نگار چارلس ڈکنس نے اپنے ناول DAVID COPPERFIELD میں یہودی فطرت کی جو کردار نگاری کی ہے وہ خالی از حقیقت اور دلچسپی نہیں۔

آنحضرت صلعم کے خلاف یہودیوں کی سازشوں اور کمینہ حرکات کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ آپ نے ان کی معیشت کے ایک بنیادی پتھر پر جس پر اُن کی دولت کی عمارت اور اثر و رسوخ قائم تھا کاری ضرب لگائی تھی۔ میرا یہ کہنا کہ کارل مارکس جرمن نژاد یہودی تھا۔ بے مقصد نہیں۔ میرا ذہن یہ بات قبول کر ہی نہیں سکتا کہ کوئی یہودی فلسفی ایسا نظریہ پیش کر سکتا ہے۔ جو اس کی قوم کے مفادات سے متصادم ہو۔ کسی ایک نظام کو اپنا کر اس کے عمل میں اپنے کے طریقہ کار میں تو اختلافات ہو سکتا ہے۔ لیکن قومی وقار اور مفاد کو ٹھیس پہنچانا ممکن نہیں۔ ہاں مسلمان کی بات الگ ہے وہ ذاتی مفاد کی خاطر ہر چیز کو داؤ پر لگانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ تاریخ اس کی گواہ ہے۔ غالب نے اپنے ایک شعر میں کیا خوب کہا ہے:-

قرض کی پیتے تھے مے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

سورۃ البقرہ کی آیت ۲۷۵ میں ایک ربٰو کا ذکر ہے اور دوسرا بیع کا ذکر ہے ربٰو حرام ہے۔ یہ قرض کی ایسی صورت ہے جس میں جتنا زیادہ قرض دیا جائے اس سے زیادہ رقم واپس لی جائے۔ جو رقم قرض دی جاتی ہے وہ اصل ہوتی ہے اور جو زیادہ لی جاتی ہے وہ سود کہلاتی ہے۔ قرض لینے والا خواہ اصل رقم کو اپنی فوری نجی ضروریات پورا کرنے کے لئے خرچ کرے یا اس سے کوئی کاروبار کرے۔ پہلی صورت میں تو نفع یا نقصان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری صورت میں نقصان اور نفع دونوں کا امکان ہے۔ لیکن قرضخواہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں کہ مقروض کو نقصان ہوتا ہے یا فائدہ۔ اسے ہر حال میں اصل مع سود ادا کرنا ہوگا۔ قرضہ کی واپسی کے لئے معیاد اور شرح سود دونوں مقرر ہوتے ہیں مقروض ✕

محترم مرزا سلیم اختر صاحب

اَلسّلامُ علیکُم کی تلقِین

ایک حدیث نبوی { قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسلم الراکب علی الماشی والماشی علی القاعد والقلیل علی الکثیر۔ (مسلم)

ترجمہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ لوگوں کو سلام کہیں۔

تشریح: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت سے یہ امر ثابت ہے کہ آپ جب بھی کسی سے ملاقات فرماتے تو اَلسَّلامُ علیکم کہا کرتے، لفظ سلام کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ یہ لفظ اللہ تعالےٰ کی صفت اَلسَّلام سے ماخوذ ہے اور اس کے معنے یہ ہیں کہ آپ اللہ تعالےٰ کی حفاظت میں رہیں دوسرے معنے یہ ہیں کہ ہر لحظہ سلامتی آپ کے شامل حال رہے۔

اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علم النفس کا ایک نکتہ بھی بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ سوار اور پیدل چلنے والے کی جب ملاقات ہو تو سلام کہنے میں سوار سبقت کرے اس طرح اس کا پیادہ یا بھائی احساس کمتری کا شکار نہ ہوگا اور اسے یہ احساس نہ ہوگا کہ وہ کوئی حقیر یا فروتر آدمی ہے۔ اللہ اللہ کیا عزت نفس کا خیال رکھا گیا ہے۔ بعض لوگ اس بات کے شدید خواہشمند ہوتے ہیں کہ انہیں تو ضرور دوسرے لوگ سلام کہیں مگر خود وہ کسی کو سلام کہنا پسند نہیں کرتے گویا اس میں بھی وہ اپنی بڑائی جتانا چاہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام ہمیشہ السلام علیکم کہنے میں سبقت فرمایا کرتے تھے اور بعض صحابہ تو بازاروں میں محض اس لئے چلے جاتے تھے کہ اپنے بھائیوں کو سلام کہیں۔ ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اَلسَّلامُ علیکم کہنے کو رواج دو مگر آج کل ہاتھ سے اشارہ کرکے سلام کیا جاتا ہے اور منہ سے سلامتی کے الفاظ کہنے سے احتراز کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بڑا سبق آموز ہے کہ جب آپ تحصیل علم کی خاطر لکھنو کی طرف گئے تو ایک مجلس میں آپ نے زور دار آواز میں السلام علیکم کہا تو لکھنوی معاشرت کے شیدائیوں نے دریافت کیا کہ یہ کس جگہ کی تہذیب ہے آپ نے فرمایا کہ یہ تہذیب عرب کے ایک چرواہے سے ہم نے سیکھی ہے۔ اس جواب سے ان پر سکتہ طاری ہوگیا۔ پس ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی تعمیل میں اَلسَّلامُ علیکم کے کلمات کی ترویج کرنی چاہیئے۔

✕ اگر مہلت مانگے گا تو سود بھی بڑھتا جائے گا۔

سود کی بھی قرآن کریم نے دو قسمیں بیان کر دی ہیں۔ ایک سُود سادہ اور دوسرا سُود در سُود۔ دوسری قسم کے سود کا ذکر سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۳۰ میں یوں آیا ہے: اے لوگو جو ایمان لائے ہو بڑھا بڑھا کر سُود نہ کھاؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ قرآن کریم کا فلسفہ بھی عجیب ہے۔ رقم تو اصل سے زیادہ ملتی ہے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ اضافہ نہ لیا جائے کیونکہ کامیابی اسی میں ہے۔ یہ دولت کی محبت کو دل سے نکالنے اور قلب کو حرص و ہوا کی آلودگی سے پاک کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ جب انسان دولت کے پیچھے پڑ جاتا ہے تو وہ خدا سے دُور ہٹتا چلا جاتا ہے۔ آج کا پاکستانی معاشرہ اس کا بُری طرح شکار ہے۔ اور یہی اس ملک میں تمام فتنہ و فساد کی جڑھ ہے۔

تم دیکھ کر بھی بد کو۔ بچو بدگماں سے ✽ ڈرتے رہو عقاب خدائے جہان سے
شاید تمہاری آنکھ ہی کر جائے کچھ خطا ✽ شاید وہ بد نہ ہو جو تمہیں ہے وہ بدنما
(دُرثمین)

محترم حمید اختر ایم اے ساہیوال

مفکرِ قرآن جناب پرویز صاحب کے افکار کا تجزیہ

خود نمائی و خود ستائی کا آمیزہ

(۳)

(مدیر کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)

پرویز کی کرامت "مفکرِ قرآن" کے اس خطاب کنونشن کو پڑھنے سے جو "مری دُعا ہے تیری آرزو بدل جائے" کے عنوان سے "طلوعِ اسلام" نومبر ۱۹۷۴ء میں چھپا ہے ایک عجیب نفسیاتی تاثر میرے اندر پیدا ہوا غالباً یہ بھی مذہبی ذہن کی کوئی مشترکہ ذہنیت ہے کہ کہیں بارش نہ ہو تو اس پر بھی وہ انسان سے خدا کو بھول جانے کا شکوہ کرتا ہے۔ اور اگر کہیں بارش زیادہ ہونے لگے تو تب بھی وہ خدا تعالےٰ کو بھلا دینے کی شکایت کرتا ہے۔

غرضیکہ خوشحالی و خشک سالی ہر دو حالات میں وہ اپنے لئے کوئی من بھاتی تعبیر تلاش کر ہی لیتا ہے۔ اسی خطاب کے صفحہ ۲۱ پر قادیانیوں کے متعلق اسمبلی کے فیصلے کو "اپنی کرامت" بتاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:-

"اگر میری ساری زندگی بھی اس میں صرف ہو جاتی اور آخری سانس میں بھی یہ نشید جانفزا میرے کان میں پڑ جاتی تو میں شاداں و فرحاں یہ کہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوتا کہ شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم"۔ یہ اس فریب کارانہ ملائی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ پرویز صاحب خارجی واقعات کی تشریح و تعبیر اپنے من بھلتے انداز میں کر کے سادہ لوح جذبات پسند رومانیت زدہ "مسلمان" ذہن کو خوش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

پاکستان کی اسمبلی کا قادیانیوں کو کافر قرار دینا ۱۹۷۴ء کے اہم ترین واقعات میں سے تو ضرور ہے۔ مگر یہ معاملہ یا فیصلہ ایک اعلیٰ سیاسی و آئینی ادارہ کی جانب سے صادر ہوا ہے۔ جو خالصتاً ایک سیاسی فیصلہ ہے اس سیاسی فیصلے کو اپنی مرتی اور گرتی ہوئی ساکھ کو بحال کرنے یا برقرار رکھنے کے لئے استعمال کرنا ہمارے نزدیک انتہائی عیاری اور عوام دشمنی ہے۔

معروضی تجزیہ واقعات و حالات کا تجزیہ معروضی انداز میں کیا جانا چاہیئے اپنی رنگین و طرحدار خواہشات کی عینکیں لگا کر مشاہدہ کرنے والے ہمیشہ ناکام و نامراد ہوئے ہیں۔ ہمارے خیال میں ربوائی گروپ نے اپنی حکمت عملی سے حکومت وقت کے ساتھ ٹکراؤ و تصادم کی پالیسی اختیار کرنے کا فیصلہ واقعہ ربوہ سے بہت قبل کر لیا تھا۔ اس سلسلہ میں کئی ایک ایسی شہادات اخبارات میں بھی ظاہر ہو چکی ہیں۔ ہم جیسے عام انسانوں کی آنکھوں نے بھی ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ قادیانیوں نے ایک لمبے عرصہ سے اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے الگ کر لیا تھا۔ وہ ان کے پیچھے نماز پڑھتا۔ ان کے ساتھ رشتہ نکاح کرتا۔ ان کی نماز جنازہ پڑھتا۔ غرضیکہ کسی بھی مشترک امر پر عام مسلمانوں سے تعاون کرنے پر تیار تک نہ تھے۔

انہوں نے مرزا صاحب کو عملاً ایک مستقل نبی اور اپنے آپ کو ایک مستقل امت مان کر اپنی حکمت عملی کا پاکستان سے بہت پہلے باآغاز کر دیا۔ ان کی آمرانہ قیادت نے برطانوی حکومت۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی ایک تثلیث کے بارگراں کو وقتاً فوقتاً اپنی نازک کمر پر اٹھانے کی کوشش کی۔ اور آخر میں کچھ مخصوص مفادات اور حالات کے پیش نظر اسی آمرانہ قیادت نے پی پی پی کے ساتھ انتخابات کے دوران ہر طرح کے تعاون کا فیصلہ کیا اور جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے اس نے باقاعدہ کام کیا۔ اس کے مذہبی ہمہ وقتی مبلغین نے اپنے اپنے جماعتی حلقوں اور دیگر زیر اثر علاقوں میں پی پی پی کے لئے کام کیا۔ اس قادیانی حکمت عملی کے پس منظر میں کچھ مخصوص ذہنی تحفظات اور منصوبات کار فرما کر رہے تھے۔ انہیں خدشہ یہ تھا کہ کہیں جماعت اسلامی اور یا اس جیسی کوئی اور مذہب پسند ملائی سیاسی جماعت پاکستان کی ہیئت مقتدرہ پر قبضہ نہ کر لے۔ اس خطرہ کے پیش نظر انہوں نے پی پی پی سے ساتھ ہر طرح کے تعاون یا اشتراک کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پی پی پی کو توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کی اس کامیابی کو بھی ربوہ کی ملایانہ آمرانہ قیادت نے اپنے مخصوص عقائد و نظریات اور مستقبل کی خوش آئند توقعات کے زاویہ نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا اور ان کے مبہم جو ذاکر سے آہستہ آہستہ حکومت کی مسند اور اقتدار کی کرسی پر پہنچنے کے سہانے خواب دیکھنے شروع کر دیئے۔ اگر قارئین نے اس تقریر کو پڑھا ہے جو جناب ناصر احمد خلیفہ ربوہ نے کشمیر اسمبلی کے فیصلہ کے متعلق ایک جمعہ میں خطاب کرتے ہوئے کی تھی تو وہ ہماری اس رائے کی تائید کریں گے۔ اس تقریر میں جو تعلّی و انانیت اور جس خود فریبی کی نمود و نمائش کی گئی تھی۔ اس سے صاف نظر آ رہا تھا کہ یہ قیادت کسی وقت بھی تصادم و ٹکراؤ کو لبیک کہنے کے لئے تیار بیٹھی ہے۔

لیکن انہیں اس امر کا احساس نہیں ہوا کہ اس وقت پاکستان کی سیاسی نظام اقتدار ایک ایسے انسان کے قبضہ میں ہے جو سیاست و حکمت عملی کے تہہ در تہہ اسرار و رموز کا کامل ماہر ہے۔ پھر وہ عوامی مزاج کا لیڈر ہے۔ وہ تحفظ و استحکام پاکستان کا ہر قیمت پر متمنی ہے۔ لہٰذا جب بھی اس کی کسی قوت کو چیلنج کیا گیا وہ اپنی حکمت عملی اپنے عوام پسند مزاج، تحفظ و استحکام پاکستان کے مخصوص مفادات کے پیش نظر اپنے عزیز سے عزیز تر رفیقوں اور غدار ساتھیوں کو چھوڑنے اور انہیں اپنی موت مرنے کے لئے تنہا چھوڑ دے گا۔ ہمارے نزدیک ہمارے وزیر اعظم بھٹو میں خوبیاں اتنی زیادہ ہیں کہ انفرادی اور سطحی خامیاں ان کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ ہمارے نزدیک بھٹو محافظ پاکستان کا علامتی نشان بن چکا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم تحفظ و استحکام پاکستان کی اس موت و حیات کی کشمکش میں ضرور سرخرو ہوں گے۔

خالص سیاسی فیصلہ ہمارے نزدیک قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی جس وجوہ سیاسی ہیں۔ اور چونکہ انہوں نے عملاً اپنے آپ کو عام ملت سے الگ ایک امت بنا لیا ہے ایک نئی نبوت کے وہ مدعی بن چکے ہیں لہٰذا اسمبلی نے خود انہیں کے آلہ و ہتھیار سے انہیں مغلوب کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اسے پرویز صاحب اپنے کھاتے میں ڈالنا چاہتے ہیں تو یہ ان کی بھول ہے۔ خود پرویز صاحب نے بھی جناب وزیر اعظم کی اس تقریر پر جو انہوں نے اسمبلی میں فیصلہ کئے جانے کے دوران کی تھی اظہار حیرت و تعجب کیا ہے۔ پرویز صاحب نے بحوالہ ہفت روزہ ایشیا وزیر اعظم کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

"یہ فیصلہ مذہبی بھی ہے اور سیکولر بھی۔ سیکولر اس معنے میں کہ ہم عصر جدید میں رہ رہے ہیں اور ہمارا دستور سیکولر ہے۔ کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ ملک کے تمام شہری یکساں سلوک کے حقدار ہیں"۔ (صفحہ ۱۲ ماہنامہ طلوعِ اسلام نومبر ۱۹۷۴ء)

(۱) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ فقیر کو ایک مقام پر اسلام کے مختلف پہلوؤں پر تقریر کرنے کے لئے دعوت دی گئی۔ گرمیوں کے دن تھے اور ہوا بند تھی۔ گھٹن بہت زیادہ محسوس کی جا رہی تھی لیکن جونہی فقیر نے تقریر شروع کی ہوا چلنا شروع ہو گئی۔ ہمارے میزبان مولوی صاحبان نے کہنا شروع کر دیا کہ مولانا (فقیر) کی اس تقریر شروع کر دینے کی وجہ سے ہوا چلنا شروع ہوئی ہے۔ فقیر کو مداخلت کرنا پڑی اور کہنا پڑا کہ اے اللہ کے بندو ہوا کا چلنا اور بند ہونا خدائے رحمٰن کے قوانین تسخیر قدرت سے تعلق رکھتا ہے۔ خلق و امر اسی کے قبضہ تصرف میں ہے ہماری خواہشات کے مطابق محو و اثبات نہیں ہوتا بلکہ یہ اسی کے اذن و مشیت مطلقہ کے مطابق ہوتا ہے۔

حق کو اس لئے سننا اور قبول کرنا کہ اس کے آنے سے ہوا چلنے لگی ہے اپنے اندر نفاق کی خوابیدہ آگ کا اثر ہے۔

حق کو حق سمجھ کر قبول کرنا چاہیئے خواہ حالات بد سے بدتر ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

ان الفاظ پر جو شخص بھی ذرا گہرائی میں اتر کر مستقبل قریب و بعید پر ایک گہری نگاہ ڈال کر بات کرے گا وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ جن دینی مذہبی جماعتوں یا مفکروں نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دیئے جانے کا کریڈٹ اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے انہوں نے نہ صرف انتہائی سادہ لوحی سے کام لیا ہے بلکہ عوام اور پاکستان ہر دو کے ساتھ بھی کوئی اچھا برتاؤ نہیں کیا۔

جماعت احمدیہ لاہور کا قصور

بظاہر اس فیصلہ میں ایک شدت و غلطی نظر آتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کم از کم جماعت احمدیہ لاہور کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا اور انہیں بلا وجہ کافر قرار دے دیا گیا ہے لیکن اگر خود جماعت لاہور کی خارجہ و داخلہ حکمت عملی کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں بھی کافی تضادات ہیں۔

مثلاً اگر وہ یہ مانتے ہیں کہ ان کے محمودی ٹولے سے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ یہ ٹولہ مرزا صاحب کو حقیقی نبوت کا مدعی نبی مانتا ہے اور اس طرح اپنے آپ کو ایک الگ امت منوانا چاہتا ہے اور اپنے طرز عمل سے بھی واقعی ربوائی گروہ اسی طرح کے شواہد مہیا کر چکا ہے۔ تو آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جماعت لاہور جماعتی سطح پر نام لے کر ربوائی گروہ کو کافر نہیں کہتی ان سے بیزاری و علیحدگی اختیار نہیں کرتی — ہمیں ان کے خلوص نیت سے انکار نہیں — لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان کی اس "نیمے دروں اور نیمے بروں" قسم کی پالیسی نے ہی انہیں موجودہ بدحالی اور شومئی قسمت سے دوچار کیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ حکومتوں کے فیصلوں سے کفر و ایمان کے فیصلے نہیں ہوتے مگر یہ بھی غلط نہیں ہے کہ حکومتوں کے فیصلے بھی آدمیوں کے کفر و ایمان پر بڑے ہی گہرے مثبت و منفی اثرات ڈالتے ہیں اور جب تک کسی تنظیم و تحریک کے پاس جاندار، فعال اور حالات و واقعات سے پوری طرح باخبر قیادت موجود نہ ہو اس وقت تک وہ تحریک و تنظیم بیسویں صدی کے اس خالص مادی و اقتصادی دور میں زندہ نہیں رہ سکتی۔

پرویزی آمریت کا تاریک مستقبل

پرویز صاحب پاکستان میں جس نوعیت کی مذہبی آمریت لانا چاہتے ہیں، ہمیں یقین کامل ہے کہ وہ پاکستان میں نہ کبھی آئے گی اور نہ ہی اس کے ان مخصوص زمان و مکان میں پنپنے کے لئے کبھی حالات سازگار ہوں گے وہ قرآن کریم کے کاندھے پر اپنی گھسی پٹی فاسکاری کی بوسیدہ و از خود رفتہ بندوق کو رکھ کر جو مضبوط مستحکم یک جماعتی معاشی و اقتصادی آمریت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں شاید معلوم نہیں ہے یا وہ عمداً عوام کو دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ انسانیت اپنی ارتقاء کی اس موجودہ منزل میں یہ گھاٹی عبور کر چکی ہے قافلۂ انسانیت ارتقاء کی اگلی منزل پر پہنچ چکا ہے وہ اگلی منزل ہے۔ جمعیت اقوام کی بجائے جمعیت آدم اور خلافت مسلمین کی بجائے خلافت آدم۔ پرویز صاحب اور ان کے ہمنوا ابھی تک خود اپنے پیر و مرشد شاعر مشرق اور حکیم الامت شیخ محمد اقبال کے فلسفہ کے متضمنات سے بڑے خائف و ترساں ہیں۔ اگر جمعیت آدم مطلوب ہے اور خلافت آدم انسانیت کا مطمحِ نظر ہے تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح کی حکومت کے خواب پرویز صاحب دیکھ سکتے ہیں ان خوابوں اور حکیم مشرق کی ان نیک تمناؤں میں آخر کس طرح تطابق و توافق پیدا کیا جا سکتا ہے جس طرح ایک مفکر اسلام نے اقامت دین کی دعوت کو اقامت شریعت اسلامیہ کی دعوت بنا کر ملت کو بے پناہ نقصان سے دوچار کیا ہے اور اب ایک قدم مزید کہ کر اقامتِ فقۂ حنفیہ تک جا پہنچا ہے اسی طرح ایک دوسرا اس کا بھائی جمعیت آدم و خلافت آدم کے نصب العین کو صرف اہل قرآن مسلمانوں کی حکومت کا نصب العین بنا کر ملتِ اسلامیہ کی قوتِ تونمند قیادت کو جان و مال اور آبرو کے بے پناہ نقصان میں مبتلا کرنا چاہتا ہے (خدا کرے ایسا نہ ہو)۔

دعوئے اولیت اور کتمانِ حق

"مفکرِ قرآن" اپنے ماہنامہ طلوع اسلام کی اشاعت جنوری ۱۹۷۵ء صفحہ ۱۱ پر مسجد اقصٰی کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں کہ:—

"انہوں نے سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ سے مراد واقعہ ہجرت لیا ہے اور ان کے نزدیک مسجد اقصٰے سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔"

پھر "مفکرِ قرآن" آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ:—

"متقدمین میں (غالباً) کسی نے ایسا نہیں کہا"

پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ:—

"متقدمین میں سے کسی کا کسی معنی یا مفہوم کو بیان نہ کرنا کوئی دلیل نہیں ہے۔"

مندرجہ بالا بیانات اور ملخص سے چند ایک باتیں بالبداہت ثابت ہوتی ہیں۔ اوّل متقدمین میں سے غالباً کسی نے بھی سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ سے واقعہ ہجرت اور مسجد اقصٰے سے مدینہ طیبہ مراد نہیں لیا ہے۔ دوم۔ متقدمین کا کسی معنی یا تاویل کو بیان نہ کرنا کسی معنی یا تاویل کے غلط ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ جہاں تک پہلے دعوے کا تعلق ہے کہ متقدمین میں سے کسی نے بھی غالباً اس آیت کریمہ سے واقعہ ہجرت مراد نہیں لیا ہے۔ یا تو یہ "مفکرِ قرآن" کے قلتِ مطالعہ پر دلالت کرتا ہے یا "مفکرِ قرآن" عمداً اس متقدم کا ذکر کرنے سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ کہیں ایسا کرنے سے ان کے مفکرِ قرآنیت کے غبارے سے ہوا نہ نکل جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم "مفکرِ قرآن" کی اس ہاں میں ہاں ملا نہیں سکتے۔ اور ہم دھڑلے سے اعلان کرتے ہیں کہ متقدمین سے کم از کم ایک متقدم نے پہلے بھی اس آیہ کریمہ سے واقعہ ہجرت مراد لیا ہے اور اس نے مسجد اقصٰے سے مراد مدینہ طیبہ یا اس کی مسجد قرار دی ہے۔ اب یا تو آپ اس متقدم کے سوا کسی اس سے پہلے متقدم کا حوالہ دیں جس نے اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں اس سے مراد واقعہ ہجرت لیا ہو بصورت دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے بھی وہیں سے خوشہ چینی کی ہے مگر اس بندہ خدا کی خدمت کا اعتراف کرنا اپنی عزت نفس استکبار و ادعائیت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اس لئے عمداً اس کا تو نام نہیں لیتے اور اس کے کتنے ہی عرصہ کے بعد میں لکھنے والے ایک مولوی صاحب (حافظ عنایت اللہ اثری) کا حوالہ دے رہے ہیں حالانکہ حافظ صاحب نے اپنی یہ کتاب ۱۹۵۵ء میں لکھی تھی اور ہم جس فاضل متقدم کا ذکر کرنا چاہتے ہیں اس کی یہ قابلِ قدر تفسیر ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی تھی اور اس سے پرویز صاحب نے اس قدر استفادہ کیا ہے کہ جب ہم اس کا اور پرویز صاحب کے مفہوم القرآن کا باہمی موازنہ کریں گے تو اس کا صحیح اندازہ ہو سکے گا کہ "مفکرِ قرآن" دوسروں کے فکری حاصلات اور نتائج کو اپنے نام سے شائع کرنے اور اس طرح عوام الناس سے اپنی جدت و ندرت پر داد پانے کے کس قدر مشتاق ہیں۔ یہ اُردو تفسیر جناب مولانا محمد علی صاحب کی ہے جس کا نام بیان القرآن ہے اور جسے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا ہے۔

آیئے ہم اس کا آغاز سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ ہی سے کریں۔ جس کے متعلق ہمارے "مفکرِ قرآن" نے یہ دعوے کیا ہے کہ غالباً متقدمین میں سے کسی نے بھی اس تاویل یا معنی کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ اس آیت جلیلہ کے ضمن میں فاضل مفسر (مولانا محمد علی) تحریر کرتے ہیں کہ:

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس اسریٰ میں اشارہ نبی کریم صلعم کی ہجرت کی طرف ہو۔ خواہ اقصیٰ سے مراد مدینہ کو لے لیا جائے اور اس مسجد کو جو اس میں بننے والی تھی جہاں سے برکاتِ اسلام دنیا میں پھیلنے والی تھیں اور خواہ مسجد اقصٰے سے مراد بیت المقدس ہو مگر الیٰ غایت کے لئے نہ ہو۔

(جلد دوم صفحہ ۷۷۹)

تفسیر بیان القرآن جلد دوم حاشیہ ۱۸۰۱ صفحہ ۷۷۷۔ تو اس مقام کے پڑھنے سے یہ امر پوری طرح واضح ہو گیا کہ جناب فاضل مفسر قرآن کے نزدیک واقعہ اسریٰ کا دوسرا معنی یا مفہوم واقعہ ہجرت بھی ہو سکتا ہے اور مسجد اقصٰے سے مراد مدینہ منورہ یا مدینہ منورہ میں تعمیر ہونے والی مسجد بھی ہو سکتی ہے۔

اب اس عبارت کو پڑھ لینے کے بعد کوئی بھی "مفکرِ قرآن" کس طرح کہہ سکتا ہے کہ "غالباً" متقدمین سے کسی نے بھی اسریٰ سے مراد واقعہ ہجرت نہیں لیا ہے اور نہ ہی کسی نے اس سے پہلے مسجد اقصٰے کا مصداق مدینہ منورہ کو ٹھہرایا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ جناب پرویز صاحب نے اُردو کی یہ تفسیر بیان القرآن نہ پڑھی ہو بہرحال اگر نہ بھی پڑھی ہو تب بھی اس مفہوم کی اولیت کا سہرا مولانا محمد علی کے

کے سر بندھتا ہے کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ہمارے فاضل "مفکر قرآن" اپنے مجلہ طلوع اسلام میں اس امر کی وضاحت فرمائیں گے کہ ہمارے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ حافظ عنایت اللہ اثری سے بھی قبل مولانا محمد علی صاحب نے بالکل یہی مفہوم اپنی تفسیر بیان القرآن میں بیان کیا ہے جو ابھی تک ہماری نظر سے نہیں گذرا تھا۔

۳۳/۳-۷۲ کی تفسیر بیان القرآن اور پرویز صاحب کے مفہوم القرآن کا موازنہ۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہمارے ایک دوست پرویز صاحب کا درس قرآن سن کر آئے۔ انہوں نے آتے ہی اپنے احساسات و تاثرات بیان کرنے شروع کر دیئے اور کہا کہ پرویز صاحب بڑے ہی عظیم محقق اور مفسرؒ اور مفکرؔ انسان ہیں ہم نے پوچھا کہ آخر کچھ بتاؤ تو سہی کہ آج تم کیوں اس قدر پرویز صاحب کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہو انہوں نے کہا کہ آج کا درس قرآن سورۃ احزاب کی آیات ۳۳/۳-۷۲ پر مشتمل تھا۔ یہ مقام واقعی میرے لئے بڑا ہی مشکل تھا اور میرا ذہن اس کے روایاتی مفہوم سے قطعاً مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ لیکن آج پرویز صاحب نے اس آیت کا جو مفہوم بیان کیا ہے اس سے میرا دل و دماغ پوری طرح سے مطمئن ہو گیا ہے۔ ہم نے ان سے عرض کیا کہ آخر کچھ بتاؤ تو سہی کہ پرویز صاحب نے اس آیت جلیلہ کا کیا مفہوم بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بس اس آیت کی گرہ پرویز صاحب کی محنت اور لغاتِ عرب پر ان کی گہری نگاہ ہی کی بدولت کھل سکی ہے میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ آج مجھے پرویز صاحب کی ہم عصریت کا شرف حاصل ہوا ہے۔

ہم نے پھر ان سے عرض کیا کہ بندہ نواز آخر آپ بتائیں تو سہی کہ پرویز صاحب نے کونسا عقدہ اور کس کلید سے کھولا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دیکھو اس مقام پر انسان کے حملِ امانت کا ذکر ہے۔ علماء حضرات حملِ امانت کا معنی کرتے ہیں امانت کو اٹھا لینا۔ ذمہ داری کو قبول کر لینا تو اب اگر انسان نے زمین آسمان اور پہاڑوں کے انکار کے باوجود اس بار امانت کو اٹھا لیا ہے تو اس کی اس جرأت و جسارت کی داد دینی چاہیئے نہ کہ اسے ظلوم و جہول کے خطابات سے نوازا جائے۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ کی بات بڑی معقول ہے۔ اور معقول بات جہاں بھی ہو اسے قبول کر لینا چاہیئے۔ لیکن کیا آپ کا خیال ہے کہ آج سے پہلے کسی نے مستند لغات عرب کے حوالہ سے یہ بات اور مفہوم بیان نہیں کیا ہے۔ ہمارے دوست نے جواب دیا کہ بالکل نہیں اگر کسی فاضل متقدم مفسر نے اسے بیان کیا ہوتا تو پرویز صاحب جہاں لغات عرب کا حوالہ دیتے رہے تھے وہاں اس کا حوالہ بھی ضرور دیتے چونکہ ان کی نگاہ تفسیری لٹریچر پر بڑی محیط اور گہری ہے اس لئے ہو نہیں سکتا کہ آپ سے قبل کسی مفسر قرآن نے اس مفہوم کو بیان کیا ہو۔ اگر کیا ہوتا تو پرویز صاحب جیسے مفکرؔ کی نگاہ اور ان کی دیانت و امانت کی صفت سے وہ چیز چھپ نہ سکتی تھی۔ آپ لازماً اس کا ذکر آج کے درس میں کر دیتے۔

ہم نے عرض کیا کہ یہ بات آج سے بہت پہلے ایک مفسر قرآن نے اردو زبان میں مستند ذریعہ سے بیان کی ہے اور اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کو وہ تفسیر دکھا بھی سکتے ہیں اور پڑھا بھی سکتے ہیں۔ وہ حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ آپ یہ کیا بات کہہ رہے ہیں۔ ہم نے کہا اس بحثا بحثی کو چھوڑ کر پہلے اس مقام کی تفسیر پڑھ لو۔ ہم نے تفسیر بیان القرآن[1] جلد سوئم میں سے یہ مقام نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا جو اس طرح تھا:

"یحملنہا۔ حملہا الانسان۔ زجاج کا قول ہے کہ کہ یہاں یحملنہا کے معنی ہیں اس میں خیانت کریں اور امانت یہاں وہ فرائض ہیں جو اللہ تعالےٰ نے انسان کے لئے مقرر کئے ہیں .... اور ابو اسحاق اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بنی آدم کو وہ امانت دی ہے۔ جو ان پر اپنی اطاعت سے فرض کیا ہے۔ اور زمینوں اور آسمانوں اور پہاڑوں کو بھی امانت دی جیسا کہ فرمایا أُتِيَنَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (حٰم السجدہ ۴۱:۱۱) سو اللہ تعالےٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ آسمان اور زمین نے امانت کو نہیں اٹھایا یعنے اسے ادا کیا اور ہر شخص جو امانت میں خیانت کرتا ہے۔ وہ امانت کو اٹھاتا ہے جس طرح گناہ کرے تو کہتے ہیں حمل الاثم اور آسمانوں اور زمین نے انکار کیا کہ امانت کا بوجھ اٹھائیں اور اس امانت کو ادا کیا، اور اس کا ادا کرنا اللہ کی اطاعت ہے۔ اس میں جو انہیں حکم دیا اور اس پر عمل کرنا اور معصیت کا ترک کرنا۔"

(نوٹ ۲۷۷۶ صفحہ ۱۱۱۳ — ۱۱۱۴)

اب آیئے دیکھیں "مفکر قرآن" جناب پرویز صاحب مفہوم القرآن میں اس آیت کا کیا مفہوم بتلاتے ہیں۔ پرویز صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"ان کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے ذمّے جو فرائض عائد کئے گئے ہیں یہ سب ان کی بجا آوری میں ہمہ تن مصروف ہیں اور کوئی اس میں خیانت نہیں کرتا۔ لیکن انسان کی یہ حالت ہے کہ جو فرائض اس کے ذمہ عائد کئے جاتے ہیں یہ ان کی بجا آوری میں خیانت کرتا ہے"

(مفہوم القرآن جلد سوم صفحہ ۹۸۵ آیت ۷۲/۳۳)

جناب "مفکرؔ قرآن" فرمائیں کہ ان حوالہ جات کی روشنی میں اولیت اور افضلیت کسے حاصل ہے اور وہ اگر مولنا محمد علی کی فضیلت کے قائل ہو چکے ہیں تو کیا اس کا اعتراف کر کے اظہار حقیقت کی جرأت کریں گے؟ دیدہ باید۔ (جاری ہے)

بقیہ خطبہ جمعہ ——— سلسلہ صفحہ ۲)

خلاف ورزی کر کے مسلمانوں نے بڑا نقصان اٹھایا۔ ہماری جماعت کو عملاً ثابت کرنا چاہیئے کہ ہم رب العالمین اور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح معنوں میں مانتے ہیں اور حضرت مرزا صاحب کو مان کر ہم میں اور عامۃ المسلمین میں کوئی تفریق پیدا نہیں ہوئی۔ حضور کا صرف مجدد ہونے کا دعویٰ ہے۔ اس لئے ان کا منکر ہرگز کافر نہیں ہو سکتا۔ ہاں نہ ماننا کفرانِ نعمت کہلا سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص خدا تعالےٰ کی بھیجی ہوئی نعمت سے فائدہ نہیں اٹھاتا تو وہ خود فیضانِ الٰہی سے محروم رہ جاتا ہے۔ ہمارے اخلاق میں وسعت ہونی چاہیئے ہمارے لئے کسی کو برا کہنا جائز نہیں۔

چاہیئے کہ عمل سے ہم بتائیں کہ ایک مجدد کو مان لینے سے ہمارے دلوں میں تنگی نہیں بلکہ وسعت اور فراخی اور بنی نوع انسان سے ہمدردی کا جذبہ ابھرا ہے۔ حضرت میرزا صاحب تو دلوں میں صرف روشنی پیدا کرنے اور حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زندہ کرنے کے لئے اس صدی میں تشریف لائے تھے۔

حضرت میرزا صاحب ایک کامل مجدد ہیں۔ انہیں مان کر ہمارے اندر تبدیلی آنی چاہیئے قرآن کریم کی باقاعدہ تلاوت نمازوں میں باقاعدگی، تہجد کا اہتمام اور لوگوں سے حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ اور دنیا کی ساری قوموں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً ہمیں متحد اور ایک کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اے اللہ تعالےٰ تو ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم تیرے دین کی خدمت کر سکیں۔ تو ہم کو ہمت دے کہ ہم اپنی زندگیوں سے اسلام کا عملی نمونہ پیش کریں تا کہ ہم تیرے دین کو بدنام کرنے والے نہ ہوں۔ بلکہ دنیا ہمیں دیکھ کر یہ پکار اٹھے یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلی پیروکار ہیں۔ اے اللہ! تو ایسا ہی کر۔ آمین

"لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں" (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

---

[1] اب یہ تفسیر تین کی بجائے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے اس لئے ہم اب اس کی جلد دوم کا حوالہ دے رہے ہیں۔ جہاں بھی اس کے بعد اس تفسیر کا حوالہ آئے تو اس سے مراد یہی دوسرا ایڈیشن لیا جائے۔

م پیر حسین شاہ صاحب سعید ڈھیری

ایک دردمندانہ مکتوب

ذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

دران اسلام ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔

اب میں اپنے سمجھ کے مطابق کچھ باتیں آپ کو سنانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہیں
احمدیوں پر احمدی تحریک شروع ہوتے ہی مولویوں اور مفتیوں نے کفر اور بیدینی کا فتویٰ
ا تھا ۔ مگر اس کے باوجود بھی سنجیدہ اور سمجھدار لوگ تحقیق کرتے ہیں اور جو جو مطمئن ہوتا
کہ اصل میں یہی احمدی حقیقی مسلمان اور دوسرے لوگوں تک اسلام پہنچاتے رہے ہیں اور اکثر
مسلموں کو اسلام کے اندر داخل کر رہے ہیں ۔ احمدی جماعت میں داخل ہوتے گئے ۔
کی تعداد آج تک قریباً ایک کروڑ تک بتائی جاتی ہے جن میں مسلمانوں کے ہر طبقے
ل اور فرقے سے یکے بعد دیگرے لوگ شامل ہوتے ہیں اور مسلمانوں میں سے کوئی ایسا
قہ یا گروہ نہیں جن میں سے کوئی نہ کوئی احمدی جماعت میں شامل نہ ہوا ہو ۔ حتیٰ
مولویوں اور سجادہ نشینوں سے بھی کافی لوگ اس احمدی جماعت میں شمولیت کا اعلان
حقیقت میں احمدیت کوئی نیا دین اسلام کے سوا نہیں نہ نیا کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد
رسول اللہ کے سوا ہے اور نہ نئی کتاب قرآن پاک کے سوا ہے جو آنحضرت صلعم پر
ل ہوئی ہے مانتی ہے بلکہ اسی دین اسلام ۔ محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت اور قرآن
ب کو خود بھی مانتے ہیں اور انہی کی تبلیغ اپنے مسلمان اور دوسرے مذاہب کے ماننے
وں کو کرتے رہتے ہیں ۔ اور ان کے سوا دوسرے دین کسی دوسرے نبی کی کسی دوسری کتاب
پیروی کو کفر اور گمراہی سمجھتی ہے ۔ اور یہی کلمہ ان کے منہ پر رہتا ہے کہ رضیت
باللہ ربا و بالاسلام دیناً و بمحمد نبیاً صلعم ۔ مگر بے جا مخالفت کا
یا ناس ہو کہ مخالف کے منہ میں جو کچھ آیا کہا اور کیا ۔ اور ہم کسی کلمہ گو کے کافر کہہ دینے
لوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ ہمارے نزدیک کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد
رسول اللہ کے پڑھنے والوں کو کافر کہنا گویا کہ اس نبی پاک کے کلمے کو عملاً منسوخ
قرار دینا ہے چونکہ مولوی صاحبان اور مفتیانِ دین ہمارے نزدیک جو ہر اپنے مخالف پر فوراً
ر کا فتوے لگاتے ہیں سوچ سمجھ سے کام نہیں لیتے کہ آیا یہ شخص جس پر ہم فتوے
ر دگا رہے ہیں ۔ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہے ماننے والا
ہے یا نہیں ۔ اور اگر اس کلمے پر ہر وقت ہر ایک کے سامنے پڑھنے اور ماننے سے
کار نہیں کرتا ۔ تو خواہ مخواہ اس کو کافر کہنا یا کافر سمجھنا اپنے نبی مقبول صلعم کے کلمہ طیبہ
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بے قدری کرنا ہے جس سے لازماً و عملاً اس کو
منسوخ سمجھنے کے سوا کوئی اور مطلب نہیں نکلتا ۔ رسول مقبول کی صحیح حدیث جو ہر مسلمان نے
سنی ہوگی یا معلوم ہوگی کہ من صلّٰی صلوٰتنا و استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا
فذالک المسلم لہ ذمۃ اللہ و ذمۃ رسولہ ۔ یعنی جو ہماری نماز پڑھتا ہے ۔
اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور ہمارا حلال کردہ کھاتا ہے وہ جو کوئی ہو مسلمان ہے
اس کے اسلام کی ذمہ داری خود اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ہے کسی مولوی مفتی ۔ پیر
فقیر یا سجادہ نشین اس کے اسلام میں کچھ رخنہ نہیں ڈال سکتا ۔ پاکستان کے آئین میں جب
احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو ہر کس و ناکس اس سے یہی نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو گیا
۔ پاکستان کے آئین میں کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو عملاً منسوخ کر دیا گیا
چونکہ ہر احمدی اس کلمہ کے سوا دیگر کلموں کو کفر قرار دیتے ہیں ۔ اور رات دن یہی کلمہ طیبہ
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھنے کا اقرار
کرتے ہیں ۔
اب پھر ہم مختصر طور پر اپنے ایمان کا ذکر کرتے ہیں :۔
۱۔ ہم جملہ احمدیان اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں ، نہ اس کی ذات میں کوئی شریک
ہے نہ صفات میں ۔

۲۔ ہم جملہ احمدیان اسلام کو اپنا آخری دین سمجھتے ہیں اور اس کے سوا کسی دوسرے دین کی پیروی کو کفر سمجھتے ہیں ۔

۳۔ ہم جملہ احمدیان سب انبیاء پر جو ایک لاکھ چوبیس ہزار حدیث سے ثابت ہیں مانتے ہیں اور سب انبیاء سے افضل و برتر جو خاتم النبیین بھی ہے اور قیامت تک سب انسانوں کے لئے رحمۃ للعالمین بھی ہے جس کا نام نامی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم مکی مدنی و عربی ہے اپنا رسول برحق تسلیم کرتے ہیں ۔

۴۔ ہم سب احمدیان سب فرشتوں پر ایمان رکھتے ہیں ۔

۵۔ ہم سب احمدیان توراۃ ۔ زبور ۔ انجیل اور سب سے مکمل اور آخری کتاب قرآن شریف پر ایمان رکھتے ہیں جو الحمد کے الف سے لیکر والناس کے س تک سب خداوند تعالےٰ کے اپنے الفاظ میں حضرت رسول مقبول محمد مصطفٰے پر نازل ہوئی ہے غیر متبدل آخری کتاب مانتے ہیں اور باقی سب خدا کی کتابیں جو انبیاء پر نازل ہوئی تھیں قرآن شریف کے موجود ہونے میں ناقابل عمل و منسوخ شدہ سمجھتے ہیں ۔

۶۔ ہم سب احمدیان پانچ وقت نماز روزانہ فرض اور نماز تہجد کے ادا کرنے میں مداومت کرتے ہیں ۔ اور ماہ رمضان شریف کے تیس ۳۰ ہوں یا انتیس ۲۹ روزے فرض سمجھ کر ہمیشہ رکھتے ہیں ۔

۷۔ ہم سب احمدیان زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں صدقات دیتے ہیں حسب توفیق خیرات بھی کرتے ہیں ۔

۸۔ ہم سب احمدیان یوم آخرت یعنی حساب کتاب کو برحق مانتے ہیں ۔

۹۔ حج کو بھی غنی پر فرض سمجھتے ہیں اور ادا کرتے رہتے ہیں جس پر ہمارا ایمان ہے ۔

۱۰۔ نیک انسانوں کے لئے جنت اور بدوں کے لئے دوزخ کو برحق مانتے ہیں ۔

۱۱۔ ہم سب احمدیان حضرت محمد رسول اللہ صلعم رسول عربی کے اسم احمد جو سورۃ الصف میں موجود ہے کے مطابق اپنے آپ کو احمدی مسلمان کہتے ہیں اور مرزا صاحب کا نام غلام احمد تھا اور ہم ان کو اپنے رسول مقبول کا غلام ہی سمجھتے ہیں اور مرزا صاحب نے خود لکھا ہے کہ :۔

” احمد رسول عربی کا نام ہے اور میں اپنی جماعت کا نام اپنے نبی کے نام پر احمدی مسلمان رکھتا ہوں اور اپنے آپ کو احمدی مسلمان کہتا ہوں ۔ مگر دوسرے مسلمانوں نے اپنے اپنے فرقوں یا جماعتوں کا نام اپنے امام یا مولویوں کے نام پر رکھے ہوئے ہیں ۔ مثال کے طور پر حنفی جماعت جو سنی بھی کہلاتے ہیں شافعی جماعت ۔ حنبلی جماعت ۔ مالکی جماعت ۔ چشتی ۔ مودودی (اسلامی جماعت) ۔ وہابی یعنی مولانا عبدالوہاب نجدی کے ماننے والے اہلحدیث ۔ بریلوی ۔ دیوبندی ۔ پیر مانکی کے مرید ۔ آڈے وال جو مانکی والوں کا مخالف ترین فرق کہلاتا ہے ۔ اہل قرآن چکڑالوی جماعت ۔ پیرلوش جماعت جو پیر تاریکی کے نام سے مشہور ہے ۔ پنج پیریان فرقہ پرویزی منکر حدیث جماعت ۔ سر آغا خانی جماعت ۔ شیعوں کی حسینی جماعت ۔ کربلائی جماعت ۔

علیٰ ہذا القیاس ہم عزت ۔ ذلت ۔ بیماری ۔ شفایابی ۔ موت ۔ حیات ۔ رزق ۔ روٹی ۔ پانی یعنی اکل و شرب کے تمام اقسام ۔ لباس ۔ مکان نیز ہر ہدایت سب خدا کے حکم سے ہونا مانتے ہیں ۔ اور اس کے اختیار میں ہے اور ہم کسی حکم کی نافرمانی کو جو قرآن اور حدیث سے ثابت ہو گناہ سمجھتے ہیں ہم رسول اکرم صلعم پر درود بھیجنا سب سے مقدم سمجھتے ہیں اور درود بھیجنے میں کوشاں رہتے ہیں ۔ اور ہر کس و ناکس کو خذ ما صفا دع ما کدر ۔ یعنے اچھے کاموں اور اقوال کو اپنانے اور بُرے کاموں اور اقوال کو کسی کے بھی نہ بچنے کی نصیحت کرتے ہیں اور قرآن پاک کو پڑھنے اور سمجھنے کا وظیفہ دیتے ہیں ۔ کیونکہ ہمارے نزدیک سب خیر و برکت کا سرچشمہ صرف اور صرف قرآن پاک اور سیرت نبویؐ ہی ہے ۔ اور اس کے سوا سب خرافات اور فضولیات ہے ۔

ہمارا تعلق حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ قادیانی کے ساتھ صرف اور صرف اسی وجہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ہم خادم دین اسلام ہیں اور یہی ہمارے ظہور کی علت غائی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمیں بجز خادم اسلام ہونے کے اور کوئی دعویٰ

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۱)

خواجہ کمال حسین

کیوں نہ آویں زلزلے تقویٰ کی راہ گم ہو گئی

قرآن کریم اور حدیث شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے ماں باپ سے بڑھ کر محبت اور پیار کرتا ہے اور بلا وجہ کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ پھر یہ ارضی اور سماوی آفات کیوں آتی ہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو آج ہر شخص کی زبان پر ہے۔ بعض لوگ جنہوں نے اپنی صداقت کا معیار ہی ان مصیبتوں اور زلزلوں کو رکھ چھوڑا ہے۔ ان کا وطیرہ ہے کہ جہاں کوئی آفت نازل ہوئی بجلی گری۔ زلزلہ آیا۔ وبا پھوٹی یا اور کوئی مصیبت نازل ہوئی فوراً اسے اپنے موقف کی صداقت کے لئے دلیل ٹھہرانے کے لئے دُور کی کوڑی لانی شروع کر دی اور حقائق اور دلائل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنے مریدوں کی گرتی ہوئی عقیدت کو سہارا دینے کے لئے انہوں نے صداقت کا معیار پیشگوئیوں کا غلط سلط چسپاں کرتے رہنے کو ٹھہرا رکھا ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس طرح تو اگر آفات کا شکار ہونا چاہیئے تو سب سے اوّل ان ممالک کو نیست و نابود ہو جانا چاہیئے جو وجود باری تعالیٰ کے سرے سے منکر ہیں ان کے بعد ان کی باری آنی چاہیئے جو سلسلہ انبیاء اور اصلاح خلق کے لئے رسولوں کے بھیجے جانے کے قائل نہیں ہیں اور ان سے ہٹ کر ان ممالک کو صفحۂ ہستی سے مٹ جانا چاہیئے جنہوں نے خاتم النبیین اور افضل الرسل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف انکار کیا ہے بلکہ آپ کی توہین کے لئے شب و روز علمی قلمی اور لسانی ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ منکرین خدا و رسول بجائے تہس نہس ہونے کے پھل پھول رہے ہیں بلکہ توحید و رسالت پر مر مٹنے والوں سے بڑھ کر ارضی و سماوی نعمتوں سے حظ وافر اُٹھا رہے ہیں۔

کہتے ہیں کسی اسلامی ملک کے سفیر نے چین کی نئی دنیا کے سربراہ کو قرآن پاک کا تحفہ پیش کیا تو اس سے پوچھا گیا کہ اس کتاب کو مجھے پیش کئے جانے سے کیا مقصود ہے تو ان کو بتایا گیا کہ یہ کتاب تمام مشکلات اور مصائب کا حل پیش کرتی ہے جس سے آج کی دنیا دو چار ہے تو اس مسلم سفیر کو یہ جواب ملا کہ اس کتاب کی تو پھر مشرق وسطیٰ کے ممالک کو بہت اشد ضرورت ہے۔

بہر حال مقصود کہنے کا یہ ہے کہ کسی صداقت کے صرف قبول کر لینے سے نہ تمام دنیا کی نعمتیں مل سکتی ہیں اور نہ ہی اس کے انکار سے انسان مصائب کا شکار ہوتا ہے بلکہ معلوم یوں ہوتا ہے مصائب نازل کرنے میں خالق ارض و سماوات کی کوئی اور مصلحت کار فرما رہی ہے۔ اس سوال کا جواب کہ دُنیا والوں پر آسمان والا بعض اوقات ناراض ہو کر اپنا قہر کیوں نازل کرتا ہے حضرت امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت واضح الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:۔

”خدا تعالیٰ کی وحی میں زلزلہ کا بار بار لفظ ہے، اور فرمایا کہ ایسا زلزلہ ہوگا جو نمونہ قیامت ہوگا بلکہ قیامت کا زلزلہ اس واسطے کہنا چاہیئے جس کی طرف سورۃ اذا زلزلت الارض زلزالہا اشارہ کرتی ہے لیکن میں ابھی تک اس زلزلہ کے لفظ کو قطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو بلکہ کوئی اور شدید آفت ہو جو قیامت کا نظارہ دکھلاوے جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے ہاں اگر ایسا فوق العادت نشان ظاہر نہ ہو اور لوگ کھلے طور پر اپنی اصلاح بھی نہ کریں تو اس صورت میں میں کاذب ٹھہروں گا۔ مگر میں بار بار لکھ چکا ہوں کہ یہ شدید آفت جس کو خدا تعالیٰ نے زلزلہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے صرف اختلافات مذہب پر کوئی اثر نہیں رکھتی اور نہ ہندو یا عیسائی ہونے کی وجہ سے کسی پر عذاب آ سکتا ہے اور نہ اس وجہ سے آ سکتا ہے کہ کوئی میری بیعت میں داخل نہیں۔ یہ سب لوگ اس تشویش سے محفوظ ہیں ہاں جو شخص خواہ کسی مذہب کا پابند ہو جرائم پیشہ ہونا اپنی عادت رکھے اور فسق و فجور میں غرق ہو اور زانی، خونی، چور، ظالم اور ناحق کے طور پر بد اندیش بد زبان اور بدچلن ہو اس کو اس سے ڈرنا چاہیئے اور اگر توبہ کر لے تو اس کو بھی کچھ غم نہیں اور مخلوق کے نیک کردار اور نیک چلن ہونے سے یہ عذاب ٹل سکتا ہے۔“

مندرجہ بالا عبارت میں جو اصل الاصول بیان کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا عذاب تقوےٰ کی راہوں کو ترک کر دینے سے آتا ہے نہ کہ کسی خاص عقیدہ، مذہب یا خیال کو ترک کر دینے سے، اسی اصول کو زیادہ وضاحت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اور مقام پر یوں بیان فرمایا ہے۔ آپ زلزلہ کے متعلق وحی الٰہی کا ذکر فرماتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ توبہ اور اصلاح احوال سے عذاب ٹل سکتا ہے:۔ فرمایا:۔

”میں بار بار اپنے اشتہارات میں لکھ چکا ہوں کہ اصلاح نفس اور توبہ سے اس جگہ میری مراد یہ نہیں ہے کہ کوئی ہندو یا عیسائی مسلمان ہو جائے یا میری بیعت اختیار کرے بلکہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کسی کا مذہب غلطی پر ہے تو اس غلطی کی سزا کے لئے یہ دنیا عدالت گاہ نہیں ہے اس کے لئے عالم آخرت مقرر ہے اور جس قدر قوموں کو پہلے اس سے سزا ہوئی ہے مثلاً آسمان سے پتھر برسے یا طوفان سے غرق کئے گئے یا زلزلہ نے ان کو فنا کیا، اس کا یہ باعث نہیں تھا کہ وہ بت پرست تھے یا کسی اور مخلوق کے پرستار تھے اگر وہ سادگی اور شرافت سے اپنی غلطیوں پر قائم رہتے تو کوئی عذاب ان پر نازل نہ ہوتا لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ خدا تعالیٰ کی آنکھ کے سامنے سخت گناہ کئے اور نہایت درجہ شوخیاں دکھلائیں اور ان کی بدکاریوں سے زمین ناپاک ہو گئی اس لئے اس دنیا میں ان پر عذاب نازل ہوا۔ خدا کریم و رحیم اور غضب میں دھیما ہے اگر اس زمانہ کے لوگ اس سے ڈریں اور بدکاریوں اور ظلمتوں اور طرح طرح کے بُرے کاموں پر ایسی جرأت نہ کریں کہ گویا خدا نہیں ہے تو پھر ان پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ۔ یعنے خدا تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکرگذار بن جاؤ اور خدا پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی عظمت اور سزا کے دن سے ڈرو اور ایسا ہی اس کے مقابل پر فرمایا ہے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ یعنی ان کو کہدے کہ اگر تم نیک چلن انسان نہ بن جاؤ اور اس کی یاد میں مشغول نہ رہو تو میرا خدا تمہاری زندگی کی کیا پروا رکھتا ہے۔ اور سچ ہے کہ جب انسان غافلانہ زندگی بسر کرے اور اس کے دل پر خدا کی عظمت کا کوئی رعب نہ ہو اور بے قیدی اور دلیری کے ساتھ اس کے تمام اعمال ہوں تو ایسے انسان سے ایک بکری بہتر ہے جس کا دودھ پیا جاتا ہے اور گوشت کھایا جاتا ہے اور کھال بھی بہت سے کاموں میں آجاتی ہے اور میں جانتا ہوں کہ جس قدر میں نے لکھا ہے وہ ان لوگوں کے لئے بس ہے جن کے دل ٹیڑھے نہیں ہیں اور جو جانتے ہیں کہ خدا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔“

اس عبارت میں وضاحت کے ساتھ یہی امر دھرایا گیا ہے کہ نیکی اور تقوے کی راہ کو ترک کرنے سے اور بدی اور بے راہ روی کی زندگی کو اختیار کر لینے سے ایک انسان قہر الٰہی کا مورد از خود بنتا ہے۔ تقوےٰ جو ہر ایک نیکی کی جڑھ ہے جب انسان اسے ترک کر دیتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کا غضب نمودار نہ ہو۔ اسے مختصر طور پر آپ نے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے:۔

کیوں نہ آویں زلزلے تقوےٰ کی راہ گم ہو گئی
اِک مسلماں بھی مسلماں صرف کہلانے کو ہے

اب اگر بنظر ظاہر دیکھا جائے تو ہم از روئے حدیث رسول صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں ہم میں مسلمانوں والی کونسی بات ہے جس میں غیر ہم سے سبقت نہیں لے گئے اور یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ وہ سرمایہ جو ہمیں بطور خیر الامم ہونے کے عطا کیا گیا تھا اس کے محاسن سے غیر قومیں فائدہ حاصل کر رہی ہیں اور ہم تہی دامن ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آفات ارضی و سماوی کے متعلق مندرجہ بالا اصل الاصول پیش نظر رکھا جاوے تو اصلاح احوال کی گنجائش موجود ہے مگر بر خود غلط لوگ اگر اس کے سہارے اپنے آپ کو سچا اور دوسروں کو جھوٹا کہنے کا وطیرہ اختیار کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ بھی اپنی بد اعمالیوں کی سزا پائیں اور اسی قسم کے عذاب کا شکار ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ کی نظر ہر ایک پر ہے جو اس کے قوانین کو استہزا کا مقام دیتا ہے یا اس کا شریک بننے کی امید میں ہے وہ اس کی نظر سے اوجھل کیسے رہ سکتا ہے۔ تمام مخلوق خدا تعالیٰ کا ایک کنبہ ہے اس کو ہر ایک سے اولاد کی طرح پیار ہے وہ رحیم و کریم ہے وہ مجسم محبت ہے جو جس

سے لو لگاتا ہے وہ اس کو کبھی نظر انداز نہیں کرتا - فاذکرونی اذکرکم میں یہی سبق دیا گیا ہے -

خدا تعالیٰ کے مامور ازلی و ابدی صداقتوں کو منوانے کے لئے بھیجے جاتے ہیں - ان کے آنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ تمام کے تمام لوگ ان کی فوج میں شامل ہو جاویں انہیں ایک روحانی انقلاب برپا کرنا ہوتا ہے اور ان کے وقت میں یا ان کے چلے جانے کے بعد لوگ طوعاً یا کرہاً ان کی بتلائی ہوئی راہوں پر ضرور گامزن ہو جاتے ہیں اور موجودہ بیماریوں کا جو علاج وہ تجویز کرتے ہیں انہیں مخلوق میں مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے اور یہی ان کی کامیابی اور کامرانی ہوتی ہے -

زمانہ حال میں جو آفات نازل ہو رہی ہیں اس کا ایک ہی علاج ہے جو مامور من اللہ نے تجویز کیا ہے کہ تقویٰ کی راہ اختیار کی جاوے - کوئی کسی بھی مذہب عقیدہ، خیال اور قوم سے تعلق رکھتا ہو وہ اگر نیکی اور تقویٰ کی راہ پر گامزن ہو جاوے تو خدا تعالیٰ کو عذاب بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے - ورنہ بد اعمالیوں کا نتیجہ قہر خداوندی ازل سے رہا ہے اور اس سے کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا - خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں بستا ہو -

حضرت امام الزمان فرماتے ہیں :-

"اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں"-

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو نیکی کی راہ پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے - آمین -

---

قرارداد تعزیت انتظامیہ دار الشفاء

"مرحوم مغفور میاں غلام شبیر صاحب تبسم کی وفات حسرت آیات ملک و قوم کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے - ادارہ اس پر جتنا بھی رنج و غم کا اظہار کرے کم ہے -

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم میاں صاحب کو اعلیٰ علیین میں جگہ ارزانی فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے - نیز فیصلہ ہوا کہ اس ریزولیوشن کی نقول محترم میاں غلام حیدر صاحب تبسم اور محترمہ بیگم صاحبہ میاں صاحب مرحوم اور اخبار پیغام صلح کو بھیجی جائیں اور ان کے صاحبزادے محمد احمد صاحب کو بھی ایک نقل بھیجی جائے -"

محمد اعظم - سیکرٹری ادارہ دار الشفاء

قرارداد تعزیت

شبان الاحمدیہ مرکزیہ کا ہنگامی اجلاس منعقدہ ۲۹/۱/۷۵ مکرم میجر حفیظ عمر صاحب خلف میاں عبدالسلام عمر صاحب کی بے وقت موت پر اظہار افسوس کرتا ہے مرحوم نہایت خوش خلق اور اعلیٰ کیرکٹر کے مالک تھے - ہم مرحوم کی اہلیہ محترمہ - بچگان نیز مولانا عبدالمنان عمر صاحب - میاں عبدالواسع صاحب اور دیگر عزیز و اقارب سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمادے اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ اس قرارداد کی نقول میاں عبدالمنان عمر صاحب اور میاں عبدالواسع صاحب کو ارسال کی جائیں -

شاہد جاوید - سیکرٹری شبان الاحمدیہ لاہور

درد مندانہ مکتوب ـــــ بسلسلہ صفحہ

میں اور انہوں نے اپنے ایمان کو اپنے اشعار میں بھی بیان کیا ہے سنو :-

ما مسلمانیم از فضل خدا ٭ مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
اندریں دیں آمدہ از مادریم ٭ ہم بریں از دار دنیا بگذریم
آں کتاب حق کہ قرآں نام اوست ٭ بادۂ عرفانِ ما از جام اوست
یک قدم دوری ازاں روشن کتاب ٭ نزدِ ما کفر است و خسران و تباب
ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں ٭ دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں

اخبار احمدیہ

برادر محترم ماسٹر محمد عبد اللہ صاحب کی مراجعت وطن

برادران سلسلہ کو یہ معلوم کرکے حقیقی مسرت ہوگی کہ مبلغ اسلام محترم بھائی محمد عبداللہ صاحب ۴۵ سال کی تبلیغی سرگرمیوں کے بعد مارچ کی ابتداء میں پاکستان تشریف لا رہے ہیں -

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظمت اور جذبہ دینی کا یہ ادنیٰ ثبوت ہے کہ آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اہل ایمان نے گھر بار کے آرام اور دنیاوی مفادات کو قربان کرکے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور اسلام کا پیغام لے کر دنیا کے دور دراز علاقوں میں پہنچ گئے - ہمارے محترم بھائی ماسٹر محمد عبداللہ صاحب ان ہی نادر الوجود احباب میں سے ہیں - آپ ۱۹۲۱ء میں وطن سے بارہ ہزار میل دور جزائر فیجی میں تشریف لے گئے اور وہاں کے اسلام سے نا آشنا مسلمانوں کی دینی اور علمی خدمت میں منہمک ہو گئے - یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب اور محترم مرزا مظفر بیگ ساطع صاحب نے دشمنان اسلام کے دانت کھٹے کئے -

ماسٹر صاحب موصوف فیجی میں ۱۹۵۹ء تک درس و تدریس میں آپ یو - ایس - اے تشریف لے گئے - اور وہاں پوری تندہی سے اسلام کا پیغام پہنچانے لگے اور تا دم تحریر دین کو دنیا پر مقدم کئے ہوئے ہیں - مسرت کا مقام ہے کہ آپ کی طرح آپ کے فرزندان ارجمند بھی دینی جذبات سے معمور ہیں - اور آپ کے مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہیں آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے انتہائی خوشی کا باعث ہے - جماعت کے احباب آپ کے لئے چشم براہ ہیں - ہم اپنے بھائی کو خوش آمدید کہتے ہیں اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ملت کے نوجوان ان کی روشن کی ہوئی شمع کو ہمیشہ فروزاں رکھیں گے - اھلاً و سھلاً مرحبا -

(ادارہ پیغام صلح لاہور)

٭ تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب ٭ کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب

پھر ہم اپنے عقائد و ایمان کو دہراتے ہیں :-

امنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت - وامنت باللہ کما ھو باسمائہ وصفاتہ وقبلت جمیعا احکامہ اقرار باللسان وتصدیق بالقلب -

یہی ہماری جماعت کا پختہ ایمان ہے - اب سب باتوں کے ماننے کے باوجود بھی اگر کوئی برخلاف کوئی بات ہماری طرف منسوب کرے اور اپنے عقل اور سمجھ سے کام نہ لے پھر قیامت کے دن جو ہمارے سب دوسرے فریقوں کے نزدیک بھی برحق ہے اور خدا کے حضور پیش ہونا ہے ہم کھلم کھلا بتا دیتے ہیں کہ ہمارا ہاتھ اور اس بدگمانی کرنے والے کا گریبان ہوگا اور خداوند تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہے خود فیصلہ کریگا کیا خدا سے ڈرنے والا کوئی بھی نہیں -

ہم اپنا فرض دوستو اب کر چکے ادا
اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے گا خدا

وباللہ التوفیق

عرفات پریس ٹمپل روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور ۷ سے شائع کیا -

ایڈیٹر

غلام نبی مسلم - ایم - اے

ہفت روزہ پیغام صلح - ۱۹ فروری ۱۹۷۵ء

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸ شمارہ ۸

جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۱۴ صفر المظفر ۱۳۹۵ھ - ۲۶ فروری ۱۹۷۵ء | نمبر ۹

(حضرت مجدد صد چہاردھم سلام اللہ علیہ)

ھٰذا رجلٌ یحبّ رسول اللہ کا الہام اور درود شریف کی برکات

یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبی کے احقر خادمین میں سے ہے جو کہ سیّد الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے۔ اگر وہ (موسٰی) حامد ہیں تو وہ احمدؐ ہے۔ اور اگر وہ محمود ہیں تو وہ محمدؐ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے یعنے حضرت مسیح پیشگوئی متذکرہ بالا کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہے اور یہ عاجز روحانی اور معقولی طور پر اس کا محل اور مورد ہے یعنے روحانی طور پر دین اسلام کا غلبہ جو حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ پر موقوف ہے۔ اس عاجز کے ذریعے مقدر ہے گو اس کی زندگی میں یا بعد وفات ہو۔ اور اگرچہ دین اسلام اپنے دلائل حقہ کے رو سے قدیم سے غالب چلا آیا ہے اور ابتداء سے اس کے مخالف رسوا اور ذلیل ہوتے چلے آئے ہیں لیکن اس غلبہ کا مختلف فرقوں اور قوموں پر ظاہر ہونا ایک ایسے زمانہ کے آنے پر موقوف تھا کہ جو بباعث کھل جانے راہوں کے تمام دنیا کو ممالک متحدہ کی طرح بناتا ہو اور ایک ہی قوم کے حکم میں داخل ہو۔ اور تمام اسباب اشاعت تعلیم اور تمام وسائل اشاعتِ دین کے بتمامتر سہولت و آسانی پیش کرتا ہو۔ اور اندرونی اور بیرونی طور پر تعلیم حقانی کے لئے نہایت مناسب اور موزوں ہو .... اس زمانہ میں ہر ایک ذریعہ اشاعتِ دین کا اپنی وسعتِ تامہ کو پہنچ گیا ہے۔ اور گو دنیا پر بہت سی ظلمت اور تاریکی چھا رہی ہے مگر پھر بھی ضلالت کا دور دورہ اختتام پر پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے اور گمراہی کا کمال رو بزوال نظر آتا ہے کچھ خدا کی طرف سے ہی طبائع سلیمہ صراط مستقیم کی تلاش میں لگ گئے ہیں اور نیک اور پاکیزہ فطرتیں طریقہ حقہ کے مناسب حال ہوتی جاتی ہیں اور توحید کے قدرتی جوش نے مستعد دلوں کو وحدانیت کے چشمہ صافی کی طرف مائل کر دیا ہے اور مخلوق پرستی کی عمارت کا بودہ ہونا دانشمند لوگوں پر کھلتا جاتا ہے اور مصنوعی خدا پھر دوبارہ عقلمندوں کی نظر میں انسانیت کا جامہ پہنتے جاتے ہیں اور با ایں ہمہ آسمانی مدد دینِ حق کی تائید کے لئے ایسے جوش میں ہے کہ وہ نشان اور خوارق جن کی سماعت سے عاجز اور ناقص بندے خدا بنائے گئے تھے اب وہ حضرت سیدالرسل کے ادنےٰ خادموں اور چاکروں سے مشہود اور محسوس ہو رہے ہیں اور جو پہلے زمانہ کے بعض نبی اپنے حواریوں کو چھپ چھپ کر کچھ نشان دکھلاتے تھے اب وہ نشان حضرت سیّدالرسل کے احقر توابع سے دشمنوں کے رو برو ظاہر ہوتے ہیں اور انہیں دشمنوں کی شہادتوں سے حقیقتِ اسلام کا آفتاب تمام عالم کے لئے طلوع کرتا جاتا ہے......... سو بلاشبہ معقولی اور روحانی طور پر دینِ اسلام کے دلائل حقیت کا تمام دنیا میں پھیلنا ایسے ہی زمانہ پر موقوف تھا اور یہی باسامان زمانہ اس مہمانِ عزیز کی خدمت کرنے کے لئے من کل الوجوہ اسباب مہیا رکھتا ہے۔ پس خداوند تعالےٰ نے اس احقر عباد کو اس زمانہ میں پیدا کرکے اور صدہا نشان آسمانی اور خوارق غیبی اور معارف و حقائق مرحمت فرما کر اور صدہا دلائل عقلیہ قطعیہ پر علم بخش کر یہ ارادہ فرمایا ہے کہ تا تعلیمات حقہ قرآنی کو ہر قوم اور ہر ملک میں شائع اور رائج فرما دے۔ ....

سو چونکہ خداوند کریم نے اسباب خاصہ سے اس عاجز کو مخصوص کیا ہے اور ایسے زمانہ میں اس خاکسار کو پیدا کیا ہے کہ جو اتمام خدمت تبلیغ کے لئے نہایت ہی معین و مددگار ہے۔ اس لئے اس نے اپنے تفضلات و عنایات سے یہ خوشخبری بھی دی ہے کہ روزِ ازل سے یہی قرار یافتہ ہے کہ آیت کریمہ متذکرہ بالا اور نیز آیت واللہ متم نورہٖ کا روحانی طور پر مصداق یہ عاجز ہے اور خدائے تعالےٰ ان دلائل و براہین کو ان سب باتوں کو کہ جو اس عاجز نے مخالفوں کے لئے لکھے ہیں خود مخالفوں تک پہنچا دے گا۔ اور ان کا عاجز اور لاجواب اور مغلوب ہونا دنیا میں ظاہر کرکے مفہوم آیت متذکرہ بالا پورا کر دے گا۔ فالحمد للہ علےٰ ذالک۔ پھر بعد اس کے جو الہام ہے وہ یہ ہے۔ صلِّ علیٰ محمدٍ و آل محمد سید ولد آدم و خاتم النبیین۔ اور درود بھیج محمدؐ اور آل محمدؐ پر جو سردار ہے آدم کے بیٹوں کا اور خاتم الانبیاء ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب مراتب اور تفضلات اور عنایات اسی کے طفیل سے ہیں اور اسی سے محبت کرنے کا یہ صلہ ہے۔ سبحان اللہ اس سرور کائنات کے حضرت احدیت میں کیا ہی اعلےٰ مراتب ہیں اور کس قسم کا قرب ہے کہ اس کا محبّ خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اس کا خادم ایک دنیا کا مخدوم بنایا جاتا ہے۔

ہیچ محبوبی نماند ہمچو یار دلبرم ÷ مہر و مہ را نیست قدرے در دیار دلبرم
آں کجا روئے کہ دارد ہمچو رویش آب و تاب ÷ واں کجا باغے کہ مے دارد بہار دلبرم

(باقی بر صفحہ کالم اول)

محترم سید ا۔ح گیلانی صاحب

اس اُمّت میں بعثتِ مجدّدین کا الٰہی سلسلہ

(۵)

حضرت مسیح موعودؑ کے کام پر غیر مسلمین کی شہادت

مسٹر ایچ اے آر گب کی شہادت اس طریق کی سب سے زیادہ مضبوط اور مستقل نشو و نما ایک ربع صدی سے جماعت احمدیہ کے مبلغین کے ذریعہ ہوئی ہے جنہوں نے مغربی نظامِ تبلیغ کی نقل کی ہے۔ اور اس کے زور مقابلہ کیا ہے۔ اس مذہبی تحریک نے اپنی مقناطیسی طاقت سے دُنیا کی توجہ کو اپنی طرف پھیر لیا ہے اور ہر جگہ اپنے معتقد پیدا کر لئے ہیں (وہدر اسلام صـ۲۱۴)

(ب) جماعت احمدیہ کے اصول بڑے اخلاقی ہیں۔ اور یہ زیادہ معقول طبقہ کی طرف اپنی توجہ رکھتی ہے۔ اس کے معتقدین مسیحی اصول سے تحریری اور تقریری مقابلہ میں ذرا بھی مرعوب نہیں ہوتے۔" (وہدر اسلام صـ۲۸۸)

انفلوئنس آف اسلام کے مصنّف کی شہادت جماعت احمدیہ دو فرقوں میں منقسم ہو چکی ہے۔..... دونوں میں سے لاہوری جماعت مغربی ممالک میں اسلام کی کامیابی حاصل کرنے میں زیادہ چست ہے ..... قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۱۶ء ایک نئی روشنی کے شخص کے قلم کا نتیجہ ہے جو اچھا خاصہ متعصب ہے...... ترجمہ کا اوّلین مقصد یہ ہے کہ متن میں جہاں جہاں اعتراض پڑتا ہے اسے دُور کیا جائے۔ دوسرے اس کا مصنف اسلام کی فوقیت رکھنے والی خوبیاں بیان کرنے میں انتہائی کوشش کرتا ہے۔ تیسرے وہ مسیح کے مذہب کی کمتری ثابت کرتا ہے۔"

(ترجمہ انفلوئنس آف اسلام صـ۱۰۹)

(ب) جماعت احمدیہ نے تہیہ کر لیا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت کو دنیا میں صاف کر کے پیش کرے۔" (ترجمہ انفلوئنس آف اسلام صـ۱۸۰)

اس موقعہ پر حضرت امام احمد بن حنبل کا قول کیسا صادق آتا ہے کہ مجدّد کا کام یہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹے الزامات کو صاف کرے (کتاب ہذا صـ۳۵)

اسلام ایٹ دی کراس روڈز کے مصنّف کی شہادت "جماعت احمدیہ کی تاریخ بالکل مختلف نظر آتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ شاید یہ تحریک عیسائی مبلغین کی کوششوں کے ردِّ عمل کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے...... اس حیثیت سے کہ اس جماعت نے انگلستان میں لوگوں کو مسلمان کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک حد تک دلچسپ ہے۔ عام معاملات میں احمدیہ جماعت پُرانے خیال کے مسلمانوں اور جدید نیچریوں کے درمیانی رستہ کو اختیار کرتی ہے۔"

(ترجمہ اسلام ایٹ دی کراس روڈز صـ۹۹۔۱۰۰)

پیپل آف دی ماسک کے مصنّف کی شہادت (ا) "غالباً عیسائیوں کا سب سے زیادہ کامیاب تبلیغی کام ایران میں ہو رہا ہے۔ ایک مضمون نگار لکھتا ہے کہ اسلام ایران میں آسانی سے منتشر ہو رہا ہے مگر وہ ساتھ ہی یہ خوف بھی ظاہر کرتا ہے کہ احمدیت کے پروپاگنڈہ کی یہاں ابتدا ہو چکی ہے۔" (پیپل آف دی ماسک صـ۱۴۲)

(ب) "امتیاز کے لئے بہتر یہ ہے کہ مرزا صاحب کے معتقدین کو دو فرقوں میں تقسیم کیا جائے (۱) قادیانی (۲) احمدی جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہندوستان و دیگر ممالک میں تبلیغ کا کام اعلےٰ پیمانہ پر کر رہی ہے۔" (پیپل آف دی ماسک صـ۱۴۲)

ڈاکٹر ٹائٹس کی شہادت "جماعت احمدیہ اس وقت سب سے زیادہ تبلیغ اسلام کرنے والی قوم ہے۔"

(انڈین اسلام صفحہ ۲۱۷)

پادری کریمر ایڈیٹر مسلم ورلڈ کی شہادت جماعت احمدیہ عام فرقہ بندی کے خلاف مسلمانوں میں ایک عجیب استثنا ہے اپنا سارا زور مذہبی اشاعت پر صرف کرتی ہے اور سیاسیات سے الگ رہتی ہے.............. اس اعتبار سے موجودہ مسلمانوں میں ایک قابل ذکر گروہ ہے جس کے مقاصد محض تبلیغی ہیں ان میں اخلاص جوش اور قربانی کی قابلِ تعریف صفت ہے۔ باوجودیکہ یہ لوگ دق کرنے والے اور سخت جارحانہ ہتھیار استعمال کرتے ہیں...... ان کا بانی مرزا غلام احمد ضرور ایک زبردست شخصیت ہوگا۔" (مسلم ورلڈ جلد ۲۱ صـ۱۷)

(ب) یورپ میں عیسائیت کی نازک حالت احمدیوں کو بہت سا ایسا سامان مہیا کر دیتی ہے جس سے وہ اس مذہب کی نکتہ چینی کر سکیں اور اپنے مذہب کی برتری ظاہر کریں...... یہ عیسائیت کے خلاف اسی قسم کی جارحانہ کارروائی کرتے ہیں جیسی عیسائیت کی طرف سے ہوتی رہی ہے۔" (مسلم ورلڈ جلد ۲۱ صـ۱۷)

مولانا ابو الکلام آزاد کا ایک عجیب حوالہ

حضرت مسیح موعودؑ صفِ مجدّدین میں

پیشتر ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ مولانا ابو الکلام آزاد بعثت مجددین کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس سلسلہ حقہ کے اثبات کے لئے "تذکرہ" تصنیف فرماتے ہیں۔ اس وقت اسی تذکرہ کا ایک حوالہ پیش کرنا مقصود ہے جس میں مولانا نے موصوف حضرت اقدس مسیح موعود کو بھی اسی سلسلہ ولایت و ماموریت میں منسلک کرتے ہیں۔ مولانا نے سید محمد جونپوری علیہ الرحمۃ کی بڑی تعریف کی ہے اور انہیں مامورِ وقت تسلیم کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"میرا خیال ہے کہ سید محمد اپنے دعوئی میں سچے تھے کہ مہدی ہیں اور ملک کی جو حالت اس وقت ہو رہی تھی وہ یقیناً ایک مہدی کے ظہور کی مقتضی و منتظر تھی نہ ایک مضل و دجال کی[1] البتہ یہ غلطی ہوئی کہ لفظ مہدی کو انہوں نے مہدی آخرالزمان سمجھ لیا...... اور یہ رائے بھی اس صورت میں ہے جب ان کی نسبت مہدی آخرالزمان ہونے کا مدعی ہونا قطعی طور پر ثابت ہو جائے۔"

(حاشیہ تذکرہ صـ۴۰ و صـ۴۱)

اب سید صاحب کے متعلق متبعین کے غلو کا ذکر کرتے ہیں:۔

"سید صاحب موصوف کا معاملہ عجیب ہے اور طرح طرح کے دعاوی و شطحیات ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ متقدمین کی باتیں تو قابلِ توجہ نہیں کہ لوگ جس کو پیشوا مانتے ہیں اس کو خدا بنائے بغیر نہیں چھوڑتے اور اگر بہت احتیاط کی تو نبوت تک پہنچا کر چھوڑا۔ لیکن بعض قریب العہد اور قابلِ اعتماد راویوں نے بھی اس قسم کی باتیں لکھ دی ہیں کہ اول نظر میں طبیعت کو خلجان ہوتا ہے۔"

شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

"در اعتقاد سید محمد جونپوری ہر کمالیکہ محمد رسول اللہ داشت و رسید۔ سید محمد را نیز بود۔ فرق ہمین است کہ آنجا باصالت بود و اینجا بہ تبعیت و بہ تبعیت رسول بجائے رسیدہ کہ ہمچو او شد" شاہ صاحب کی یہ عبارت دیکھ کر مجھ کو خیال ہوا کہ ہمارے زمانے میں مرزا صاحب قادیانی کے معتقدین میں سے ایک بڑا گروہ بھی مرزا صاحب کی نسبت یہی اعتقاد رکھتا ہے اور اسی اصالت و تبعیت کے فرق پر اپنے تمام غلو و اغراق کی بنیاد رکھی ہے۔ وما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ (تذکرہ صفحہ ۳۰ و ۳۱)

حوالہ کے آخری الفاظ "وما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ" کا مطلب یہ ہے کہ آج کی رات

---

[1] کاش مولانا ابو الکلام کے معتقدین غور کریں کہ عصر حاضر کی حالت ایک مہدی کی منتظر ہے یا ایک مضل و دجال کی۔ فتنہ و فساد کی عالمگیر آگ جو بمصداق "ظہر الفساد فی البر و البحر" دنیا میں تباہی پیدا کر رہی ہے یقیناً کسی آسمانی پانی کی متقاضی ہے۔ و نعم ما قال السید المسیح الموعود۔

این آتشے کہ دامن آخر زماں بسوخت ÷ از بہر چارہ آتش بجز ابر کو ترم

(باقی بر ص۷ کالم نمبر ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۲۶ فروری ۱۹۸۵ء

اسلامی تاریخ ——— نئے سرے سے تدوین کی ضرورت

تاریخ انسانی اعمال کے تسلسل کا نام ہے۔ اس کا مطالعہ عبرت و موعظت کا سرچشمہ ہے۔ تاکہ آنے والے لوگ رفتگان و گذشتگان کے واقعات عروج و زوال کی روشنی میں اصلاح حالات کریں۔ اہل حق کے نقش قدم پر چلیں ان کے اسوۂ حسنہ سے قلوب مضبوط ہوں، صبر و استقامت نصیب ہو، اور بد اعمال افراد و اقوام کے انجام بد سے عبرت پکڑیں۔

لیکن اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ جو معلومات ہمارے سامنے تاریخ کی شکل میں موجود ہیں، وہ صداقت اور مستند حقائق پر مبنی ہوں۔ تاکہ انسان غلط معلومات کے زیر اثر غلط راہ پر نہ چل نکلے، جس سے تاریخ کا منشا و مقصد باطل ہو جائے۔

روشنی کے موجودہ دور میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ ابتدائی دور میں انسان نے تاریخ نویسی کی طرف چنداں توجہ نہ دی، اور جب اس طرف دھیان توجہ پھیری تو پھر تاریخ کو مسخ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور جب اس نے صدیوں پہلے واقعات کو زیب قرطاس کیا تو پھر اس سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ نیک نیتی کے باوجود حقائق تک رسائی حاصل کر سکے، اور ہماری اسلامی تاریخ اس کلیہ سے باہر نہیں بالخصوص جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ عربوں میں تاریخ نویسی تو درکنار کسی قسم کی نوشت و خواند کا شوق و دستور نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خود دورِ اول کے مسلمانوں کی زندگی کے مستند حالات پردۂ اخفاء میں ہیں اور ہماری تاریخ، حدیث، فقہ، علم ادب، غرضیکہ ہر شعبۂ تحریر کی باقاعدہ ابتداء ایک سو سے تین سو برس بعد کے زمانے میں ہوئی۔ اور اس کے بانی عجمی تھے، عرب نہ تھے۔

عجمی مؤرخین سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی تاریخ کو بہ نظرِ انصاف دیکھیں گے۔ کسریٰ اور قیصر کی عظیم و قدیم سلطنتوں کو تاخت و تاراج کرنے والے عرب ان کی نگاہوں میں کب عظیم ہو سکتے تھے۔ ان کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جانشینوں کی کب محبت و عقیدت ہو سکتی تھی پس انہوں نے اس دور کی تاریخ کو بگاڑا اور ایسا بگاڑا کہ اگر ان کی جمع اور تحریر کردہ تاریخی روایتوں کو پڑھا جائے تو عربوں سے نفرت کئے بغیر نہیں رہ سکتے، پھر خلافتِ راشدہ کے بعد بنی اُمیہؓ کے خلاف عجمی سازش عروج پذیر تھی۔ اس لئے عراق و ایران کے درباری سازشوں کے ماہرین نے حکمرانوں کے خلاف افواہوں اور غلط بیانیوں کے جال پھیلا دیئے۔ اور جب بنی ہاشم کی شاخ بنی عباس برسرِ اقتدار آئی تو ان کے دور میں تاریخ نویسی کی ابتداء ہوئی۔ ایسے حالات میں جو تاریخ مرتب ہوئی ہوگی اس کی صحت و بے تعصبی کا اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بنی عباس کی سلطنت کی موجودگی میں عربی ڈھانچہ کسی حد تک برقرار تھا۔ اس لئے انتشار کو مزید ہوا دینے کے لئے خاندانِ ابو طالب کو اچھالا گیا اور اس سلسلے میں نہ صرف تاریخ بلکہ دینی روایات کو بھی مسخ کرکے پیش کیا گیا۔

ہماری تاریخ کا المیہ یہ ہے کہ تاریخ اور دین کے آمیزہ سے ایسی روایات پھیل گئیں، جنہوں نے آہستہ آہستہ دینِ اسلام کی جگہ لے لی، اور اگر آج کوئی ناقد مختلف فرقوں کی روایات سے دین کی تلاش کرے گا تو اسے ناکامی و مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا اور جب تاریخ کے واقعات دین و عقیدہ میں ڈھل جاتے ہیں۔ اور تاریخی شخصیتوں کے گرد عقیدت کے ہالے تعمیر کر دیئے جاتے ہیں تو پھر تاریخ کی تنقیح و تطہیر تو الگ، اس سے معمولی اختلاف بھی خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ جب تاریخ افسانوی انداز اختیار کر جائے اور تنقید و جرح سے بالاتر ہو جائے تو تاریخ ختم ہو جاتی ہے۔ تاریخ کے کسی کردار پر نقطہ چینی مشکل ہو جاتی ہے وہ "حضرت"، "علیہ السلامؑ"، "رحمۃ اللہ علیہ" وغیرہ الفاظ کے اوٹ میں ایک قابلِ پرستش و تقلید ہستی بن جاتا ہے۔ عقیدت مندی پھر اس "بُت" کی آرائش جمال کے لئے نئے نئے توصیفی کلمات و واقعات ہی کو کمال سیرت سمجھتی ہے۔ ایسی باطل پر مبنی مشکوک تاریخ سے کوئی خاک رہنمائی حاصل کرے گا۔ اس پر مبنی فلسفۂ حیات مجموعہ اباطیل کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔

اس کی ایک مثال سُن لیجئے۔ اسلامی تاریخ کا سب سے زیادہ شاندار دور وہ تھا جو تاریخ میں اُموی دور کے نام سے مشہور ہے۔ اس دور میں اسلامی فتوحات اور ان کی برکات مشرق میں منّم اور مغرب میں سپین تک پہنچیں اور اس زمانے میں اسلامی تعلیم، تہذیب، ثقافت اور اثرات عام ہوئے، جس کے زیرِ اثر مغرب میں مراکش تک تمام ممالک کی زبان عربی ہو گئی۔ لباس و روایات نے عربی اور اسلامی رُخ اختیار کر لی، مشرق میں افغانستان، سندھ، پنجاب، ایران اور وسط ایشیا میں اسلام کا نور پھیل گیا۔ لیکن آج یہ دور تاریخ نویسوں کی بدولت ایک گالی بن چکا ہے۔ اس دور کے متعلق ہمارے زمانے کے اسماعیلی شیعہ فرقہ کے عظیم دینی رہنما سر شاہ محمد سلطان آغا خاں مرحوم نے "عظیم خلفائے امیہ" مؤلفہ محمد۔ اے۔ حارث کے دیباچہ میں لکھا:-

"دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی سلطنت کی حیثیت سے قائم وجود میں آیا ہے۔ اس لئے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دورِ صد سالہ (خلافت بنو اُمیہ) کی سچی تاریخ لکھی جائے۔ اور پاکستانی پبلک کے سامنے رکھی جائے جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر و تبصرہ کی شدید حاجت ہے مصر و شمالی افریقہ میں تو اس قسم کی تالیف کی اس سے بہت کم ضرورت ہے جتنی پاکستان میں ہے۔ کیونکہ وہاں کے مسلمانوں نے اس تشکیلی دور کی عظمت و شان کو فراموش نہیں کیا ہے۔ لیکن جغرافیائی حالات نے اس خطۂ ہندوستان کو ایرانی اثرات سے بہت کچھ وابستہ کر رکھا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا ایک عالمگیر طاقت کی حیثیت سے باقی رہ جانا کلیتہً خاندانِ بنو اُمیہ کے قریشی حکمرانوں کا ہی رہینِ منت ہے۔ جنہوں نے مغرب کی طرف سپین اور فرانس کے راستے سے رومۃ الکبریٰ اور قسطنطنیہ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا شاندار خواب دیکھا تھا۔ اور وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے اگر تباہ کن عباسی فتح نے اسلام کی اس یکتا اور صحیح متحدہ مملکت کو پائمال نہ کر ڈالا ہوتا۔ اس تاریخی حقیقت کو مسلسل اور متواتر ذہن نشین رکھنا چاہیئے"

تدوینِ نو ہز ہائی نس آغا خاں مرحوم کے افکار اس قابل ہیں کہ نئے سرے سے تدوین تاریخ میں انہیں مشعلِ راہ بنایا جائے۔ ہماری اچھی بُری تاریخ روایات و داستانوں سے عبارت ہے اور ہم میں سے جب کبھی کوئی تاریخ لکھنے بیٹھتا ہے تو ایک تو وہ عقیدت یا نفرت کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔ پھر ہماری طرف سے کوئی ایسی کوشش نہیں کی گئی کہ ہم ان روایات سے حقائق کو الگ کرکے اس "دفترِ بے معنیٰ" سے نجات حاصل کریں اور ماضی کی بھول بھلیوں سے نکل کر مستقبل کی عظمت کے لئے کوشاں ہوں۔ لہٰذا ان سطور میں ہم ان ماخذوں کی نشاندہی کرتے ہیں جن کی مدد سے ہم حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔

قرآن حکیم اسلامی تاریخ میں قرآن حکیم واحد کتاب ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے زمانے کے مسلمانوں کے کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ واحد کتاب ہے جس کی صحت میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں اس لئے حیات نبویؐ کے واقعات کے لئے یہ بہترین ماخذ ہے، البتہ ضروری ہے کہ اس سے کما حقہٗ استفادہ کرنے کے لئے لغت، تصریف آیات اور درایت سے کام لیا جائے اور "شانِ نزول" کی روایات کے اختیار کرنے میں احتیاط برتی جائے کیونکہ اکثر ایسی روایات ایجاد بندہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔

احادیث ہمارے تاریخی ماخذ میں دوسرا مقام احادیث نبویؐ کو حاصل ہے۔ یہ احادیث اقوال نبویؐ ہونے کی وجہ سے خاص احترام رکھتی ہیں، اہلِ ایمان نے اکثر انہیں یاد رکھا، بعض نے لکھ لیا۔ انہی کے مطابق فیصلے

طے پاتے تھے اور روز مرہ زندگی کے اعمال انجام پاتے تھے۔ پھر محدثین نے تدوین حدیث کے لئے محکم اُصول بنائے اور ہر ممکن احتیاط ہوتی۔ لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ بہت سی احادیث وضع بھی کی گئیں۔ اس لئے ان کے اختیار کرنے سے پہلے انہیں قرآن کریم کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ پھر درایت و تنقید کو ملحوظ رکھا جائے اور تاریخ کی حد تک کسی ایسی حدیث کو قبول نہ کیا جائے جو قرآن و درایت کے مخالف نظر آئے۔

اسلامی تاریخ

بنی اُمیہ کے زوال کے بعد سے مشرقی اسلامی ممالک بشمول پاکستان بنی عباس کے دَور کی مذہبی، تاریخی اور ادبی روایات کے زیر اثر چلے آ رہے ہیں اور وہ ہمارے لئے حرف آخر بن چکی ہیں۔ اس کے برعکس مصر سے مغرب میں اسلامی ممالک ان اثرات سے پاک ہیں۔ اور وہاں اموی اثرات زیادہ درست صورت میں ملتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے مؤرخین ان قدیم و جدید تصانیف سے مستفید ہوں جو سپین۔ مراکش۔ الجیریا۔ تیونس وغیرہ میں موجود ہیں یا یورپ کی لائبریریوں کی زینت ہیں۔ اسی طرح خوارج کے ہاں جو تاریخی مواد ملتا ہے وہ عباسی اور سبائی مؤرخین کی روایات سے یقیناً مختلف ہوگا۔ اس لئے اس سے استفادہ بھی ضروری ہے۔ پھر اس زمانے میں مشرقی اور مغربی رومی غیر اسلامی حکومتیں قائم تھیں اور ان کو جنگ و امن دونوں حالتوں میں مسلمانوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ اس لئے ان کی کُتب کے مطالعہ سے تاریخ کی چھان پھٹک میں مدد ملے گی، البتہ اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ رومی سلطنت، کی اموی اور عباسی خلفاء سے چلتی رہتی تھی۔ اس لئے احتیاط ضروری ہے۔ یہی احتیاط ان کتابوں کے سلسلہ میں بھی لابُد ہے جو حروب صلیبیہ کے زمانوں میں اہل یورپ نے لکھیں۔

پاکستان کے مؤرخ کا کام بلاشبہ مشکل ہے۔ اسے قدم قدم پر روایت پرستوں سے واسطہ پڑے گا جن کو اسلام خطرہ میں نظر آئے گا۔ لیکن وہ مؤرخ ہے اور تاریخ کے میدان میں قوم کا رہنما و قائد، اس لئے اسے جہاں غیر معمولی جرأت درکار ہے وہاں ضروری ہے کہ روایات اور عقیدت کی بندھنوں سے آزاد اور بالاتر ہو، اندھی عقیدت جہالت کی نمائندہ ہے۔ اور ایک مؤرخ کا کام جہالت اور تقلید کی اندھی دیوی کی پوجا نہیں۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ ماضی کے مسلمان بھی گوشت پوست کے انسان تھے۔ اسلئے وہ خامیوں سے بالاتر نہ تھے۔ ان کی باہمی اُلفت و نفرت بھی عداوت اور بشریت سے خالی نہ تھی، اگر انہیں "فوق البشر" سمجھ کر تاریخ کے میدان میں قدم رکھا جائے تو نتیجہ گمراہی اور تاریکی ہوگا، اور یہ ملک قوم اور انسانیت کی کوئی خدمت نہ ہوگی۔ مؤرخوں کے علاوہ یہ کام ایک ترقی پسند حکومت کا ہے کہ وہ سب سے پہلے ان روایات، جہالتوں، حماقتوں اور ابلیسی عقیدتوں سے قوم کو نجات دلائے جو صدیوں سے اس کی عظمت کو گھن کی طرح کھائے ہوئے ہیں۔ جن کی موجودگی میں ترقی ناممکن ہے۔ اگر حکومت اساتذہ تاریخ اور مؤرخوں کی سرپرستی کرے اور ان کی تحقیقات کو برسر عام لانے میں ممد ہو۔ تو یقینی بات ہے کہ ہمارا اتحاد اور عظمت پھر لوٹ آئے۔ اور یہ قافلہ از سرِ نو بلندیوں کی منزل کی طرف جادہ پیما ہو جائے۔

بقیہ ملفوظات

بسلسلہ صفحہ اوّل

اس مقام میں مجھ کو یاد آیا کہ ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہو گیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ آبِ زلال کی شکل پر نُور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں۔ اور ایک نے ان میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تو نے محمدؐ کی طرف بھیجی تھیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ایسا ہی عجیب ایک اور قصہ یاد آیا ہے کہ ایک مرتبہ الہام ہوا جس کے معنے یہ تھے کہ ملاءِ اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں یعنے ارادۂ الٰہی احیاءِ دین کے لئے جوش میں ہے لیکن ہنوز ملاءِ اعلیٰ پر شخص محیی کے تعین ظاہر نہیں ہوئی اس لئے وہ اختلاف میں ہے۔ اسی اثناء میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک محیی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اس نے کہا هٰذا رجلٌ یحبّ رسولَ اللّٰه۔ یعنے یہ وہ آدمی ہے جو رسُول اللہ سے محبت رکھتا ہے اور اس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرطِ اعظم اس عہدہ کی محبت رسُول ہے۔ سو وہ اس شخص میں متحقق ہے۔ اور ایسا ہی الہام متذکرہ بالا میں جو آلِ رسُول پر درود بھیجنے کا حکم ہے سو اس میں بھی یہی سِر ہے کہ افاضہ انوارِ الٰہی میں*

*محبت اہل بیت کو بھی نہایت عظیم دخل ہے اور جو شخص حضرت احدیت کے مقربین میں داخل ہوتا ہے وہ انہیں طیبین و طاہرین کی وراثت پاتا ہے اور تمام علوم و معارف

بعثت مجددین کا الٰہی سلسلہ

(بسلسلہ صفحہ ۲)

کل کی رات سے کس قدر مشابہ ہے"

سید محمد جونپوری بقول مولانا ابوالکلام آزاد "مہدی" ہیں طائفہ من یجدد لہا دینہا میں شامل ہیں اور ایسے بزرگوں کے معتقدین ان کے بارہ میں غلو کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے متعلق بھی اگر ایسا ہی غلو ہوا۔ اور اصالت و تبعیت کے فرق پر بنا رکھ کر آپ کو "قادیانی گروہ" نے نبی مانا تو اس سے یہی معلوم ہوگا کہ حضرت مرزا صاحب (علیہ السلام) بھی ایک مہدی ہیں اور طائفہ من یجدد لہا دینہا میں شامل ہیں۔ پھر آخری الفاظ تو مفہوم کو بہت صاف کر رہے ہیں "وما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ" کل کی رات سے مشابہ آج کی رات اس لئے کہ وہ بھی ایک رات ہے۔ ایک رات ہی دوسری رات سے مشابہ ہو سکتی ہے۔ پس اگر سید محمد جونپوری مہدی ہیں تو مرزا صاحب علیہ السلام مہدی ہو کر ہی ان سے مشابہ ہو سکتے ہیں ورنہ اگر حضرت اقدس مسیح موعود مہدی نہیں تو وہ سید محمد جونپوری علیہ الرحمۃ سے مشابہ نہیں ہو سکتے۔ وانّ هٰذہٖ تذکرۃٌ فمن شاء اتّخذ الٰی ربّہٖ سبیلاً۔

آخری گذارش

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

قارئین کرام! آپ حدیث مجدد پر ایک مفصل بحث کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ یہ وہ اصل ہے جس پر کسی مدعی مجددیت کے دعوٰی کی بنیاد ہو سکتی ہے اور جس کو دیکھنا ایک معقول انسان کا فرض ہوتا ہے ورنہ اعتراضات سے دنیا کا کوئی مقدس انسان نہیں بچا بلکہ جس قدر اعتراضات تمام مقدسین کے سردار سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پر ہوئے ہیں اس کی نظیر کسی دوسرے انسان میں نظر نہیں آتی۔ اس سے بڑھ کر میں یہ کہوں گا کہ اعتراضات سے خدا تعالےٰ کی ذات بھی نہیں بچی۔ اور ایسے انسان ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں جو ہستی باری پر اعتراض کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا یہ ناممکن تھا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پر اعتراضات نہ ہوتے مگر ایک انصاف پسند انسان اصول کو دیکھتا ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ حدیث مجدد درست ہے یا نہیں۔ مجددین قرون ماضیہ کے دعاوی درست ہیں یا نہیں اگر یہ درست ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ موجودہ صدی جس کی حالت یہ ہے کہ

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید ؎ دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

کسی مجدد کو پیدا نہ کرے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:۔

"اگر تعجب کی جگہ تھی تو یہ تھی کہ اس پاک رسول کی یہ صاف اور کھلی کھلی پیشگوئی خطا جاتی جس میں فرمایا گیا تھا کہ ہر ایک صدی کے سر پر خدا تعالےٰ ایک ایسے بندہ کو پیدا کرتا رہیگا جو کہ اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ سو یہ تعجب کا مقام نہیں بلکہ ہزار ہزار شکر کا مقام اور ایمان اور یقین کے بڑھانے کا وقت ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا کیا اور اپنے رسول کی پیشگوئی بیاٰ پوری کر کے دکھلایا بلکہ آئندہ کے لئے بھی ہزاروں پیشگوئیوں اور خوارق کا دروازہ کھول دیا۔ اور اگر تم ایماندار ہو تو شکر کرو اور شکر کے سجدات بجا لاؤ کہ وہ زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے آبا گذر گئے اور بے شمار روحیں اس کے شوق میں سفر کر گئیں وہ وقت تم نے پا لیا۔ اب اس کی قدر کرنا یا نہ کرنا اور اس سے فائدہ اُٹھانا یا نہ اُٹھانا تمہارے ہاتھ میں ہے میں اس کو بار بار بیان کروں گا اور اس کے اظہار سے رُک نہیں سکتا کہ:۔

میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاح کے لئے بھیجا گیا تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے

...... اگر یہ عاجز حق پر نہیں تو پھر وہ کون آیا جس نے اس چودھویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعوٰی کیا جیسا کہ اس عاجز نے کیا۔ کون الہامی دعاوی کیساتھ تمام مخالفوں کے مقابل پر کھڑا ہوا جیسا کہ عاجز کھڑا ہوا۔ تفکّروا۔ وتندّموا۔ واتقوا اللّٰه۔ ولا تغلوا"

ما مسلمانیم از فضلِ خدا ؎ مصطفٰے ما را امام و پیشوا

(حضرت مسیح موعودؑ)

مکرم مجید ارشد ایم اے ساہیوال۔

"مفکر قرآن" جناب پرویز صاحب کے افکار کا تجزیہ

خود نمائی و خود ستائی کا آمیزہ

(۳)

"مفکر قرآن" اپنی خصوصیت ہی یہ بتاتے ہیں کہ ان کے فکر کی بنیاد خالص قرآن حکیم ہے۔کسی بھی مسلمان کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام کی اصل اساس اور مرجع و مدار اللہ تعالےٰ کی کتاب ہی ہے۔اگر "مفکر قرآن" کے افکار عالیہ کی بنیاد کتاب اللہ ہو تو اس سے بڑھ کر اور کونسی خوشی کی بات ہو سکتی ہے لیکن جس شخص نے بھی "مفکر قرآن" کی تحریروں کو بالاستیعاب (THOROUGHLY) اور بالتدریج (GRADUALLY) پڑھا ہے وہ "مفکر قرآن" کے اس دعوے کی تصدیق و تثبیت نہیں کر سکتا۔جس شخص نے بھی پرویز صاحب کی وہ اہم ترین اور عصر آفرین کتاب (ISLAM: A CHALLENGE TO RELIGION) کا مطالعہ کیا ہے اسے صاف نظر آتا ہے کہ پرویز صاحب مجتہدانہ بصیرت - مفکرانہ مآل اندیشی ، مدبرانہ حکمت عملی اور مصلحانہ دلنوازی دلسوزی ہر ایک سے بڑی حد تک تہی دامن واقع ہوئے ہیں جس شخص نے بھی کتاب "اسلام- چیلنج ٹو ریلیجن" کے آخر میں کتابیات (ببلوگرافی) کی اکثر یا بعض کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ اس پر پرویز صاحب کا بھرم مطرح کھل گیا ہوگا کہ وہ کم از کم علمائے مغرب کے سامنے تو پرویز کا نام نہیں لے سکتا۔ اصل ہماری مصیبت ہی یہ ہے کہ ہمارے زوال علم و عرفان اور فقدان اقتدار و اعتماد سے مغرب کے فکر و فلسفہ اور منہاج اوضاع کی بالا دستی ہمارے قلوب و اذہان میں ایک حد تک سامری کے گوسالہ کی طرح سرایت کر گئی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اگر صحیح سے صحیح بات علمائے سلف کے حوالہ سے کی جائے تو وہ بات دل پر اثر انداز نہیں ہوتی لیکن اس سے بھی کمتر درجہ کی بات اگر آئین سٹائن - ایڈلیر - ٹرنگ - فرائڈ - میکڈوگل ، ٹائن بی - ملر ، رسل وغیرہ کے حوالہ سے کی جاتی ہے تو فوراً ہماری زبانوں پر داد و تحسین کے کلمات اور دل میں تشکر و امتنان کے جذبات و عواطف امڈ آتے ہیں - ہماری اس ذہنیت سے کچھ قلمکاروں نے بے پناہ فائدہ اٹھایا ہے - انہوں نے مغربی افکار و تخیلات اور سائنسی شاعرانہ مزعومات کو اس طرح بار بار ہمارے سامنے اخبارات و جرائد میں پیش کرنا شروع کر دیا کہ آہستہ آہستہ ہمیں ان کا مصلح و مفکر ہونا تسلیم کرنا پڑا - ہمارے تجزیہ و تحلیل کی حد تک جناب پرویز اسی گروہ کے سرخیل اور اسی ذہنیت کے پروردہ اور اسی روح تغریب ——— (WESTERNISATION) کے آخری نمائندہ ہیں - ہم چاہتے ہیں کہ ان کتب کی فہرست یہاں درج کر دیں جن سے پرویز صاحب نے مغربی اقدار و افکار کو مستعار لیا ہے اور پھر انہیں قرآنی آیات میں اصطباغ دے کر امت مسلمہ کی نجات کے لئے بپتسمہ کے طور پر انہیں پیش کیا ہے - ہم اس فہرست میں صرف ان کتب کا حوالہ دے رہے ہیں جنہیں خود پرویز صاحب نے اپنی اس مذکورۃ الصدر کتاب کے آخر میں کتابیات (BIBLIOGRAPHY) کے زیر عنوان تحریر کر دیا ہے - اب کم از کم وہ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم ان کے افکار کو جس سرچشمہ کا فیض ثابت کرنا چاہتے ہیں - انہیں اس کی جانب کسی بھی خضر راہ نے آج تک رہنمائی نہیں کی ہے ہاں ان کتب کے علاوہ چند اور اساسی کتب بھی ہیں جنہیں پرویز صاحب نے عمداً یا سہواً اپنی فہرست کتابیات میں درج کرنا مناسب نہیں سمجھا اور کچھ کتابوں کے نام صرف فہرست کو بھاری بھرکم بنانے کے لئے درج کر دیئے ہیں جن کا کوئی حوالہ تک (کم از کم اس کتاب میں درج شدہ اقتباسات کی حد تک) ہماری نگاہ سے نہیں گذرا - انشاء اللہ العزیز ہم کسی دوسری فرصت میں بہ عنوان "افکار پرویز اور مغربی منابع" پر اپنے خیالات کا اظہار کریں گے۔

رائیگاں سعی اسی طرح قرآن حکیم کو مغرب کے سامنے پیش کرنے سے نہ تو مغرب قبولیت قرآن، قدر و منزلت میں کوئی اضافہ ہوگا بلکہ ہماری رائے کی حد تک اس سے قرآن کی سبکی ہوگی۔ مثلاً دیکھئے آج مغربی ذہن اپنی سائنسی ایجادات و اختراعات کے بل بوتے پر ارض و سماء، شمس و قمر فوق و تحت، ہر ایک کو مسخر کرنے پر تلا ہوا ہے۔اب ہمارے یہ مفکرین بھی دھڑا دھڑ ایسی آیات کو تائیدی طور پر پیش کرنے لگے ہیں۔ مذہبی ذہن کا المیہ یہ ہے کہ انسانی عقل اپنے تجرباتی اور استقرائی منہاج سے آگے بڑھ رہی ہے۔مگر نام نہاد مفکرین قرآن کا علم و فہم اس کے پیچھے پیچھے ایک ادنیٰ خادم و مؤید کے طور پر گام فرسائی کر رہا ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر قرآن سائنسی انکشافات و حقائق کی بھی کتاب ہے تو مفکرین قرآن کے درسوں اور ان کی مجلسوں میں نئے نئے افکار کی صدا پہلے بلند ہونی چاہیئے اور پھر یہ صدا فاتحانہ انداز میں سائنس و لیبارٹری کی دنیا کی طرف آگے بڑھنی چاہیئے۔ لیکن ہوتا بالکل اس کے برعکس ہے اب اس طرح اگر پرویز صاحب کی کتاب پڑھ کر سی ای جوڈ رسل آئن سٹائن مسلمان ہوں تو آخر کس طرح۔

اس ضمن میں ایک لطیفہ بھی سُن لیجئے کہ مجھے اس طرح کے ایک نام نہاد مفکر قرآن کے حلقہ درس میں شمولیت کی دعوت دینے دو نوجوان تشریف لائے میں نے یہ بھانپتے ہوئے کہ یہ کس غرض کے لئے تشریف لائے ہیں ان سے عرض کیا کہ عزیز نوجوانو! آج تم اپنے "مفکر قرآن" سے یہ پوچھ کر آنا کہ چین والوں کے نام ان کے قرآن کا کیا پیغام ہے؟ چین ماشاءاللہ ربوبیت عالمینی نہ سہی ربوبیت قومی کی منزل سے تو گذر چکا ہے۔ جنس (SEX) غربت (POVERTY) اور اس طرح اس نے اپنے آپ کو بھوک اور خوف کے عذاب سے بھی ... حد تک محفوظ کر لیا ہے۔ حالانکہ آپ حضرات اپنی تمام تر قرآن دانی کے باوجود ابھی تک ربوبیت کے کسی بھی درجہ میں داخل نہیں ہو سکے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ شام کو آکر آپ مجھے ان کا جواب ضرور دیں گے۔ لیکن افسوس کہ آج سالوں بعد بھی ان نوجوانوں کا کوئی جواب نہیں آیا اور ہمارا تجربہ ہے کہ ان جیسے "مفکرین قرآن" کے حلقہ ہائے درس قرآن در اصل اشتراکیت کی تبلیغ و ترویج کے لئے تمہیدی کلاسز اور نرسری سکولز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جونہی نوجوان ذرا اس فکر میں بالغ ہو جاتے ہیں اور لمبے عرصہ تک وعظ سنتے رہنے سے وہ بوریت محسوس کرنے لگتے ہیں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے وہاں جانا چھوڑ کر آگے کی راہ لیتے ہیں اور نئے چہرے ان سے ان کلاسز میں آ شامل ہوتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے آغاز بحث میں کہا ہے کہ جناب پرویز صاحب نعرہ بازی کے فن میں کسی بھی نعرہ باز مقرر یا سیاستدان سے کم نہیں - بلکہ چار قدم آگے ہی ہیں اور کتب فروشی کے پیشہ میں تو ان کے مقابلہ میں کوئی بھی شاید ٹھہر نہ سکے۔ ایک ہی مضمون سالانہ کنونشن کے حاضرین کی ضیافت طبع اور تطہیر ذہن کا سبب بنتا ہے وہی مجلہ طلوع اسلام کی زینت بن جاتا ہے اور بعد میں وہی مضمون خوبصورت کتابچہ یا کسی بڑی کتاب کا ایک گلدستہ بن کر ادارہ طلوع اسلام کے بک سٹال اور مکتبہ دین و دانش کی الماریوں کی آرائش میں اضافہ کرنے لگتا ہے گویا کہ ایک ہی مضمون ایک نہ ایک نئی شان سے اپنے مفکر و خالق کے لئے شہرت و دولت ہر دو کا سبب بنتا ہے۔ ہر پرچہ میں آپ لکھا پائیں گے کہ قرآن آسان کر دیا گیا ہے۔ قرآن فیضِ پرویز سے ہر مسلمان کے لئے آسان بنا دیا گیا ہے۔ لیکن پتہ ہے کہ اس آسان مفہوم قرآن کو پڑھنے کے لئے آپ کو کیا کرنا چاہیئے کم از کم آپ کے پاس سو روپیہ ہو اور اس کے مفہوم کی سند یا لغات القرآن کو پڑھنے کے لئے بھی سو روپیہ ہو اور پھر بھی تو ابھی آپ نے مفہوم اور لغات ہی حاصل کئے ہیں ابھی حکمت و معرفت قرآن کا سلسلہ تو شروع ہی نہیں ہوا اس لئے آپ کو "مفکر قرآن" کا تیار کردہ سلسلہ معارف قرآن ڈیڑھ دو سو روپوں کے قریب رقم سے خریدنا پڑے گا۔ اور پھر یاد رکھئے کہ آپ نے انفرادی طور پر ان تمام کتب کی ایک ایک کاپی حاصل کرنی ہے لہذا آپ کو تو کوئی کمیشن نہیں ملے گا۔ ہاں اگر شیخ محمد اشرف صاحب کاروباری نقطہ نگاہ سے آپ کے

سامنے ہی یہی کتابیں خریدنے کے لئے آ جائیں تو انہیں کم از کم پچیس فیصد اور ایک حد تک بعض شرائط کے ساتھ پینتیس فیصد کمیشن سے وہی کتابیں بیچ دی جائیں گی، بتائیے ذرا کیسا رہا قرآنی علوم و افکار کی نشر و اشاعت کا یہ منفعت بخش سودا۔ غریب مسلمان ان کی شکل بھی نہیں دیکھ سکتا۔ متوسط الحال مسلمان، تاجر مسلمان سے گراں قیمت پر انہیں خریدنے پر مجبور ہے۔ یہ ہے مغرب کا انداز کتب فروشی، بتائیے اب بھی کسی کا فر کو شک رہ جائے گا کہ پرویز صاحب واقعی ماڈرن "مفکر قرآن" نہیں۔ لیکن اس کے باوجود ایک دبی دبی خواہش ہے جو اس طرح اپنے قریب ترین رفقائے سفر کے سامنے ایک استقبالیہ کی صورت میں نمود پذیر ہوتی ہے کہ کوئی بھی اس پر پرویز صاحب کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایک مچلتی ہوئی خواہش

دیکھئے ذرا ماہنامہ طلوع اسلام نومبر ۱۹۷۴ء صفحہ ۳۱:

"یہاں پر مذہب کے نام پر لوگوں نے جاگیریں کھڑی کر لیں، میدانِ سیاست میں گئے تو محلات استوار کر لئے جاہ و منصب کی آماجگاہوں میں پہنچے تو اقتدار و اختیار کے جھولے جھلائے آپ چاہتے تو آپ کو بھی یہ کچھ میسر آ سکتا تھا، لیکن آپ نے ان کی طرف نگہ غلط انداز سے بھی نہ دیکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ جس قسم کے فقیر بے نوا پہلے تھے اسی قسم کے بوریہ نشین آج ہیں" صفحہ ۳۱

بے شک قارئین طلوع اسلام اور حاضرین کنونشن کی حد تک تو یہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ لیکن پرویز صاحب کی حد تک یہ بات نری شاعری ہے اور جذبات سے تلعب۔ آپ کو اس قلمکاری سے کیا کچھ نہیں ملا، رہنے کے لئے بنگلہ، دولت و ثروت کے انبار۔ حشمت و اقتدار کا جھولا۔ کتنے ہی آپ جیسے انسان انڈین گورنمنٹ سروس میں داخل ہوئے اور آپ کی طرح ریٹائر ہو گئے اور کوئی جانتا تک نہیں۔ لیکن آپ کو تو مذہبی قلمکاری سے وہ سب کچھ مل گیا جس کی حسرت آپ کر سکتے تھے لیکن ٹھیک ہے کہ انسانی ہوس و حسرت کی کوئی حد تو بہر حال مقرر ہی نہیں کی جا سکتی اور آخر عمر ماشاء اللہ آپ "باباجی" بن گئے ہیں اور سرسید ثانی بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ قد آدم تصاویر کی نقاب کشائی کروا رہے ہیں اس پر بھی زمانہ کی قدر ناشناسی اور شکوہ سنجی کم از کم ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ سچ ہے مذہبی اجارہ دار کی کم از کم دنیا تو بن جاتی ہے لیکن مذہبی مقلد بے چارہ نہ دین کا رہتا ہے نہ دنیا کا۔

اجارہ داری خواہ سیاست کی ہو یا مذہب کی۔ ذرائع پیداوار کی ہو یا وسائل رزق کی تقسیم کی۔ وہ بہر حال فائدہ بخش ہی ہوتی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ کوئی مدِ مقابل پیدا نہ ہو جائے کیونکہ منصفانہ مسابقت (FARE COMPITITION) سے اگرچہ گاہک کو تو فائدہ رہتا ہے مگر اجارہ دار تو بہر حال نقصان ہی اٹھانے کے خطرہ سے دو چار رہتا ہے۔ بہر حال ہم یہاں سے چلے تھے کہ "مفکر قرآن" نعرہ بازی کرنا اور اس طرح اپنے حق میں فضا کو سازگار بنانا خوب خوب جانتے ہیں۔ آپ ۵/۴۴ ۵/۴۷ ۵/۴۵ کی آیات کو عموماً وہاں بڑے زور شور سے پیش کیا کرتے ہیں۔ جہاں اپنے فریقِ مخالف کو کافر، ظالم، فاسق ثابت کرنا ہو اور اس طرح عوام الناس میں اپنے مخالف کو دین و انسانیت کا ازلی و ابدی دشمن ظاہر کرنا ہو۔ آیئے ذرا ہم بھی ان آیات کے حوالہ سے "مفکر قرآن" سے ایک سوال کر لیں اور اپنے ذہن میں اٹھنے والے ایک شبہ کو ان کی بارگاہ قرآنی میں پیش کر کے فتوے حاصل کرنے کی کوشش کر دیکھیں شاید کہ ان کی بارگاہ فیض سے فیض یاب ہو ہی جائیں۔

سوال یہ ہے کہ آپ نے اپنے ماہنامہ طلوع اسلام بابت ماہ نومبر کے صفحہ ۲۷ پر درج عنوان "مسلمان کی تعریف" کے ضمن میں یہ جو تعریف تحریر فرمائی ہے:—

"میں اقرار کرتا ہوں کہ قرآن مجید جو اپنے زمانہ نزول سے ـــ مسلمانوں میں محفوظ چلا آ رہا ہے خدا کی طرف سے اس کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ[1] پر نازل شدہ آخری وحی ہے یہ تمام نوع انسان کے لئے قیامت تک واحد، مکمل، غیر متبدل، غیر محرف ضابطۂ حیات[2]، حق و باطل کا معیار اور زندگی کے تمام معاملات کے لئے قول فیصل اور حکم ہے اور ہماری انفرادی و اجتماعی آزادی اور پابندی کے لئے ابدی حدود و تعین کرتا ہے اور اس کا ایک ایک لفظ صداقت پر مبنی ہے" صفحہ ۲۸

اس عبارت پر جو کہ آپ نے ایک مسلمان کی جامع و مانع تعریف تیار کرنے کے لئے تیار کی ہے سوال یہ ہے کہ یہ قرآن حکیم کی کس آیت کے ماتحت ہے یعنی یہ کوئی قطعی نص قرآن ہے یا مختلف مقامات پر وارد آیات قرآنیہ سے استنباط و استخراج کر کے ایک تعریف بنا لی گئی ہے اگر آپ کوئی اس طرح کی جامع و مانع تعریف دکھا سکیں تو آپ کا بڑا احسان ہوگا۔ ہمیں تو پورے قرآن میں کسی ایک بھی مقام پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اسلامی کلمہ طیبہ ایک جگہ نہیں مل سکا۔ بہر حال "مفکر قرآن" سے امید رکھنی چاہیئے کہ وہ اس معاملہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں گے جہاں تک قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت ہونے اور ان کے متعلق اسمبلی کے فیصلہ کرنے کا تعلق ہے ہم خود اسمبلی کے فیصلے کے حق میں پچھلی قسط میں لکھ چکے ہیں یہ تو خالص قرآنی انداز سے "مفکر قرآن" سے ایک طالبعلمانہ سوال ہے۔ جس کا سیاست و آئین کی دنیا سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر آپ کہیں کہ یہ مختلف آیات سے آپ نے مستنبط کیا ہے تو پھر اپنے معاصر بلاغ القرآن کو آپ کیوں یہ حق نہیں دیتے کہ وہ بھی مختلف مقامات پر وارد آیات قرآنیہ سے اوقاتِ صلوٰۃ کا تعین کر سکے اور اس تعین و تعریف کو سب مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دے۔ ختم نبوت پر ہمارا ایمان ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ ختم نبوت پر ایمان لائے بغیر نجات نہ ہو سکنے کی قرآن کریم نے جس مقام پر تشریح کی ہے اس کی وضاحت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

ہمارے ایک دوست نے ہم سے اس امر کی شکایت کی ہے کہ آپ کے ایک ذیلی حاشیہ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ پرویز صاحب کو جناب علامہ جیراجپوری مرحوم کا شاگرد نہیں مانتے حالانکہ وہ ان کے شاگرد ہیں اور فہم و تفہیم قرآن کا یہ مقام و منصب حاصل کرنے میں علامہ مرحوم کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ جہاں تک اس شکایت پر ہمارے ردِ عمل کا تعلق ہے تو ہم نے ان کے شاگرد اور ان کے استاد ہونے سے کبھی انکار نہیں کیا ہاں ہمیں اس طرح کا کچھ مبہم سا احساس ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ذرا اپنے وقت کے قد آور اشخاص و اذہان کو سپر یا ڈھال کے طور پر اختیار کر لیتے ہیں۔ جب تک اس آلہ کی ضرورت رہتی ہے وہ اس کو اپنے پاس رکھتے ہیں لیکن جب ان کی اپنی شخصیت کا خمیر پک جاتا ہے تو وہ اس حفاظتی چھتری کو اپنے سے الگ کر دیتے ہیں۔ مثلاً دیکھئے تقسیم سے قبل پرویز صاحب اوائل میں کوئی معروف شخصیت نہ تھے۔ اب وہاں جب انہوں نے معارف القرآن کے سلسلہ کی ایک کڑی (من و یزدان) شائع کی تو اس میں علامہ مرحوم کا نہایت ہی عالمانہ و بصیرت افروز مقدمہ شامل کر لیا۔ اس سے آپ کو دوہرا فائدہ حاصل ہوا۔ لیکن جب یہ ایڈیشن پاکستان میں شائع کیا تو اس عالمانہ مقدمہ کو غائب کر دیا گیا۔ علامہ مرحوم کے حدیث

---

[1] صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ جو فعل ماضی کے طور پر ہے دو احتمالات رکھتا ہے یعنی کہ متکلم نے اس فعل ماضی کو بطور خبر استعمال کیا ہو یا بطور دعا۔ اول معنی میں استعمال کرنا کم از کم ایک "مفکر قرآن" کو زیب نہیں دیتا کیونکہ قرآن حکیم میں اللہ اور اس کے ملائکہ کا (النبی) پر (الصلوٰۃ) کرنا فعل مضارع کے طور پر واقع ہوا ہے جو حال و استمرار کا تقاضا کرتا ہے لہذا صلی اللہ علیہ وسلم کو فعل ماضی کے طور پر استعمال کرنا تو یہ بتاتا ہے کہ مفکر قرآن کے نزدیک (النبی) اب اللہ اور ملائکہ کی (الصلوٰۃ) سے محروم ہو گیا ہے یا یہ بتاتا ہے کہ "مفکر قرآن" نے اس کو عادۃً اور اہلِ روایات کی تقلید کرتے ہوئے اور ان کی رضا چاہنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ اب "مفکر قرآن" ایسے بلند مقام سے یہ بات بھی لگا نہیں کھاتی۔ اب رہی یہ بات کہ آپ نے اسے بطور دعا استعمال کیا ہو تو کیا یہ وہی بات بصورت سوال نہیں جو وہ اکثر اپنے پرچے میں اہلِ سوالات سے پوچھ چکے ہیں کہ اللہ میاں نے مسلمانوں کو کہا کہ تم صلوٰۃ و سلام کرو لیکن وہ الٹا اللہ میاں کا حکم اللہ میاں ہی کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔

[2] ضابطۂ حیات دیکھئے ضمیمہ کے خاتمے پر۔

(تدوین، حفاظت و وضع روایت) کے موضوعات پر گرانقدر مقالات شائع ہوئے اور ان کے نام سے ہوئے اب ان سب کو اپنی کتاب مقام حدیث میں شائع کر لیا ہے۔ اور یہی مضامین پوری کتاب کی جان ہیں۔ لیکن کتاب کے اوپر نام پرویز صاحب کا چل رہا ہے۔ علامہ مرحوم کا انتہائی مختصر مگر قیمتی مقالہ "اسلامی نظام" چھپا تھا جسے بعد میں پرویز صاحب نے اپنی مختلف کتابوں میں شامل کر لیا۔ اب غالباً وہ الگ دوبارہ شائع نہیں کیا گیا۔ یہی حال "نوادرات" نامی کتاب کا ہے جو علامہ مرحوم ہی کے مختلف مقالات کا مجموعہ ہے وہ بھی دوبارہ کبھی اشاعت پذیر نہیں ہو سکی۔ غرضیکہ اس دور کے شاگرد استاد کو صرف بچپنے ہی میں ساتھ رکھتے ہیں جب ماشاء اللہ خود چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو اب ان بیساکھیوں کو اپنے ساتھ رکھ کر خواہ اپنی "جوانی اور تنو مندی پر بٹہ کیوں لگائیں" ہم اپنے تجزیہ کی حد تک یہ محسوس کرتے ہیں کہ پرویز صاحب نے کئی ایک شخصیتوں اور اداروں کو اپنی تحویل میں لا کر اُمت کا "بابا جی" بننے کا پلان بنایا ہے خدا کرے کہ ان کی زندگی میں ہی اس کی تکمیل ہو جائے۔

ضمیمہ ضابطۂ حیات

یہ لفظ بھی ان چند الفاظ میں سے ہے جو مذہبی ذہن استعمال تو دن رات کرتا ہے مگر اس کے متضمنات و نتائج پر ایک لمحہ کے لئے بھی غور و خوض نہیں کرتا یہ ذہن چونکہ فطرت اور معاشرہ میں تخلیقی حرکت کا قطعاً منکر ہے لہذا پہلے سے ایک طے شدہ مکمل ضابطۂ حیات اپنے پاس رکھنے کا مدعی ہے اگر معاشرہ اور فطرت ہر دم نئے نئے امکانات اور پہلے سے وسیع تر، عمیق تر اور پُر مایہ امکانات سے دوچار ہو رہا ہے تو اس کے لئے مکمل، آخری، قطعی، غیر متبدل ضابطۂ حیات ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر ہوگا تو پھر انسانی سعی و عمل اور اس کے قدرتی عمل میں شرکت و رفاقت کا یہاں امکان نہ رہے گا۔ ضابطۂ حیات صرف اپنے نفاذ کا مطالبہ کرتا ہے اس کا نفاذ ایک مکینکی و مشینی عمل ہوتا ہے اور بس۔ لیکن یہ نام نہاد مصلحین ایک طرف اجتہاد اجتہاد کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے اور دوسری طرف مکمل و قطعی ضابطۂ حیات کا ورد کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ ان حضرات کا تصورِ خدا تصورِ کائنات اور تصورِ انسان سب مکینکی اور نیوٹنی ریاضیاتی ذہن کی پیداوار۔ اور جس طرح آج نیوٹنی ذہن بہت پیچھے کی چیز بن گیا ہے اور انسانی ذہن ہر شعبۂ حیات حتیٰ کہ اعلیٰ ریاضیات سائنس میں بھی بہت آگے نکل گیا ہے اسی طرح ہم توقع کرتے ہیں کہ ملت اسلامیہ کا نوجوان تومند ذہن جو اپنے ماضی پر ایک درد مندانہ مگر مجتہدانہ و خلاقانہ زاویہ نگاہ رکھتا ہوگا وہی ملت کے ان مسائل سے عہدہ برآ ہو سکے گا جن سے ان نام نہاد اندھے مفکروں اور مقلدوں نے اسے دوچار کر دیا ہے۔ قرآن مکمل ضابطہ حیات نہیں بلکہ مکمل کتاب ہدایت ہے۔ ضابطہ یا کوڈ (CODE) بھی اگرچہ تبدیلیوں کو قبول کرتا ہے مگر یہ تبدیلیاں صرف جزوی سی ہوتی ہیں۔ جن کی نوعیت ایک سی ہوتی ہے لیکن چونکہ کائنات معاشرہ اور خود انسانی ذہن ترقی پسند ہیں اور ان کا یہ عمل سادگی سے پیچیدگی اور ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف حرکت کناں ہے لہذا مابعدالطبیعاتی اور میکانکی نقطۂ نظر جو تخلیقیت (CREATIVENESS) سے خالی ہو وہ ضابطۂ حیات اور کتابِ ہدایت کے فرق کو سمجھنے ہی کی صلاحیت سے عاری ہے۔ قرآن پہلے سے تیار شدہ (READY MADE) ضابطہ نہیں ہے کہ جس کا صرف نفاذ مطلوب ہو بلکہ یہ کتاب ہدایت ہے۔ حیات تو اپنے آغازِ عمل سے انسانی ذہن تک موجود ہے۔ کیا قرآن کو ضابطہ حیات کہنے والا ذہن یہ بتا سکتا ہے کہ حیاتیات، حیوانات، اور انسانی حیات کے ان جملہ پہلوؤں کے لئے قرآن میں کہاں کہاں اور کس نوعیت و کیفیت کے ضابطے پائے جاتے ہیں۔ قرآن کتاب ہدایت ہے۔ کتاب ہدایت کا معنی یہ ہے کہ زمان و مکان کے ان غیر مختتم سلسلوں میں لامتناہی ترقی پسند سلسلے موجود ہیں۔

قرآن ارتقاء کے ہر مرحلہ پر رہنمائی مہیا کر سکتا ہے۔ لیکن ضابطہ انسانی ذہن اپنے مخصوص زمان و مکان کی مناسبت سے خود متعین کرے گا۔ ہدایت تفصیلات طے نہیں کیا کرتی بلکہ یہ رُخ اور سمت (DIRECTION) بتاتی ہے اور اسی رُخ یا سمت میں سفر کرنے والوں کو روشنی مہیا کرتی ہے اسی روشنی کے سہارے اپنے عمل اور اجتہاد و بصیرت کی مدد سے قافلۂ انسانیت ان گنت ارتقائی مراحل سے گزرتے ہوئے لقائے ربّ کی منزل پر جا پہنچے گا۔ مسافر کو نورِ ہدایت (SEARCH LIGHT) اسی کتاب سے ملے گا۔ لیکن راستے کی ساری صعوبات و تفصیلات کو خود اسی کو طے کرنا ہوگا۔ قرآن حکیم میں آمدہ قوانین و احکام دراصل نظائر و اشباہ ہیں۔ یہ رہنما اصول ہیں ضابطہ نہیں ہیں یہ حیات کے ہر پہلو کے لئے سمت و رخ متعین کرتے ہیں تفصیلات نہیں بتاتے۔ قرآن حکیم کے ہر حکم اور ہر اصول کا ایک منشاء ہوتا ہے جسے مکمل کرنے کے لئے وہ اصول اپنے اپنے عہد کے مخصوص معاشرتی حالات سے اپنا مواد حاصل کرتا ہے۔ نزول قرآن کے عہد کے معاشرتی حالات اور تھے اور موجودہ عہد کے اور۔ ان تمام مختلف معاشرتی حالات میں منشاء و مقصود تو قائم و دائم ہے اور یکساں نوعیت کا ہے۔ مگر معاشروں کے باہمی اختلاف اور تنوع کی وجہ سے ان کا حاصل کردہ مواد مختلف ہے۔ اس کی ظاہری شکل و صورت بھی مختلف ہوگی لہذا اگر قرآن آخری دین ہے تو شریعت و منہاج کی طرف اس کا رویہ ضابطہ حیات کا سا نہیں بلکہ کتاب ہدایت ہی کا ہو سکتا ہے یہ میکانکی و مابعدالطبیعاتی نہیں ہو سکتا۔ صرف تخلیقی و ترقی پسند ہی ہو سکتا ہے۔

جن حضرات نے قرآن کو مکمل و قطعی ضابطہ حیات کہہ کہہ کر مسلمانوں کو اپنے سے کم تر ثابت کرنے کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ موجودہ معاشرتی حالات پر کسی بھی ماضی بعید کے ضابطہ حیات کے میکانکی و مابعدالطبیعاتی اطلاق کا انجام صرف اور صرف ناکامی و نامرادی ہوگا۔ قرآنی احکام کو ضابطۂ حیات یا نظامِ حیات کہنا ہمارے نزدیک قرآن حکیم کے مقام و مرتبہ کو کماحقہٗ نہ سمجھنے اور سوءِ فہم و تفاہیم قرآن ہی کا نتیجہ ہے۔ ہمارے ایمان کے مطابق قرآنی احکام و بصائر معاشرتی ارتقاء کے ساتھ چلتے ہوئے ان ان گنت ضابطوں اور ان گنت نظامہائے حیات کو تخلیق کرنے کی بے پناہ صلاحیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ کوئی ضابطۂ حیات نہیں۔ ہدایت کا تعلق انسان کے قلب و رُوح سے ہے اور ضابطہ و نظام کا تعلق انسانی جوارح سے، یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے ترقی پسند عمل نے کتنے ہی نظاموں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا مگر مذہب اپنی مسخ ترین صورت میں بھی قائم و دائم ہے۔ اس کی وجہ بھی ہمارے نزدیک یہی ہے کہ مذہب انسان کی رُوح اور اس کے داخلی وجدان کو اپیل کرتا ہے اور اس کی یہ اپیل اثر کئے بغیر نہیں رہتی چونکہ دینی ذہن قرآنی ضابطہ حیات کی تنفیذ کی نعرہ بازی (جو بصورت جذباتی نعرہ بازی) سے عوام میں خوابیدہ مذہبیت سے کھیلنا چاہتا ہے اس لئے یہ اس طرح کی نعرہ بازی کر کے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے لیکن ہمارا ایمان ہے کہ ملت کا نوخیز و نوجوان مسلم ذہن جو بڑا ہی جاندار، متحرک اور فعال ہوگا اور اپنے ان اوصاف اور نیز اپنے خلوص و اخلاص کے خصائص کی وجہ سے اس جذباتیت کی اصلیت کو بے نقاب کر دے گا اور مقدس غلافوں کو پھاڑ کر اصل و حقیقتِ امر کو اپنا رہنما بنائے گا۔ پرویزیت دراصل شکست خوردہ ملائیت ہی کی ماڈرن نمائندہ ہے اس کا اندر چنگیز سے بھی زیادہ تاریک تر ہے خدا نہ کرے کہ انسانیت کو کبھی اس سے واسطہ پڑے۔

خیر و عافیت کی اطلاع درکار ہے

(۱) محترم فتح محمد خان صاحب (سابق فوجی جہلم۔)

یاد دہانی و تعارف: آپ میرے والد مستری محمد سلیمان خان صاحب غوری مرحوم (سابق فوجی) کے گہرے اور عزیز ترین دوست ہیں۔ جاپان میں آپ ان کے ہمراہ جنگی قید میں رہے۔ والد مرحوم قیام پاکستان سے قبل سامانہ (ریاست پٹیالہ) میں ساکن تھے۔ بعدۂ ملتان میں ہجرت کر آئے اور قیام پذیر ہوئے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس مختصر تعارف سے مدد لے کر سلسلۂ خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ بحال کریں۔

(۲) محترم عزیز حسین صاحب قریشی (نقشہ نویس) پی۔ڈبلیو۔ڈی۔ آپ سے آخری خط و کتابت آپ کے جھنگ دفتر کے پتہ پر ہوتی رہی لیکن اب کافی دیر سے رابطہ ٹوٹ گیا ہے۔ آپ کو

محترمہ نسرین گل صاحبہ
سیکرٹری مقامی تنظیم خواتین لاہور

تنظیم خواتین احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی سالانہ رپورٹ

۱۱ ستمبر ۱۹۷۳ء کو الیکشن کے ذریعہ تنظیم خواتین احمدیہ کی مقامی جماعت کی صدر کا عہدہ بیگم ذکیہ شیخ نے سنبھالا۔ اور سیکرٹری کے عہدہ کیلئے نسرین گل محمد کا نام منتخب ہوا۔ نائب صدر کے لئے بیگم مرزا مسعود بیگ اور بیگم میاں بشیر احمد کا انتخاب ہوا۔ اور بیگم ذکیہ اقبال صاحبہ بطور جائنٹ سیکرٹری مقرر کی گئیں۔

بارہ اکتوبر کو پہلی میٹنگ منعقد کی گئی۔ انہیں دنوں انجمن کے صدر دفتر سے اطلاع آئی کہ ٹرینیڈاڈ سے وہاں کی جماعت احمدیہ کے کچھ ممبر سالانہ جلسہ میں شمولیت کی خاطر تشریف لا رہے ہیں۔ یہ امر باعث صد افتخار تھا کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی یہ پیشگوئیاں پوری ہوتی نظر آ رہی تھیں (۱) میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" اور "یاتیک من کل فج عمیق" یعنے تیرے پاس ہر دور کی راہ سے نصرت یا تحفے آئیں گے۔ سب ممبر بہنوں نے انجمن کی اس تجویز کو بخوشی قبول کیا کہ اپنے معزز مہمانوں کو ہوٹل کی بجائے اپنے گھروں میں ٹھہرایا جائے۔

نومبر میں مشرقی پاکستان سے بہاری اور پاکستانی مہاجرین کی منتقلی کا کام عمل میں آیا۔ بہت سے لاوارث بچے اور عورتیں لاہور میں ریلیف کیمپوں میں رکھے گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے لواحقین مشرقی پاکستان میں شہید ہو چکے تھے چونکہ عیدالفطر قریب تھی اس لئے ممبر بہنوں نے تجویز کیا کہ عید کے موقعہ پر ان بچوں کو تحفے دیئے جائیں۔ اور کچھ وقت ان کے ساتھ گذار کر ان کو بھی عید کی خوشیوں میں شریک کیا جائے۔ چنانچہ ۲۹ رمضان المبارک کو محترمہ جبار نذر صاحبہ کی سرکردگی میں۔ بیگم طاہرہ فضل احمد۔ بیگم مرزا مسعود بیگ۔ بیگم ناصرہ اعجاز الٰہی۔ اور والدہ مسعود اختر صاحبہ کیمپ میں تشریف لے گئیں۔ اور بچوں میں کھلونے۔ نئے کپڑے۔ مٹھائیں۔ بسکٹ۔ ٹافیاں وغیرہ تقسیم کیں جنہیں پا کر بچے بہت خوش ہوئے۔ یہ تمام اشیا مقامی جماعت کی ممبر خواتین نے اپنی طرف سے دیں تھیں۔ ہماری جن بہنوں نے غمزدہ اور بے خانماں بہنوں اور بچوں کو عید کی خوشی میں شریک کیا۔ اللہ تعالےٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

ماہ دسمبر میں حضرت مسیح موعود کا یہ الہام پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ یاتون "من کل فج عمیق" لوگ ہر گہری راہ سے چلے آئیں گے" چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے مہمان سالانہ جلسہ پر جنوبی امریکہ کے دور دراز علاقہ سے تشریف لائے معزز مہمانوں کی میزبانی کا شرف جن بہنوں کو حاصل ہوا ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ بیگم طاہرہ فضل احمد صاحبہ گلبرگ ۲۔ بیگم ناصرہ اعجاز الٰہی صاحبہ گلبرگ
۳۔ بیگم کرنل سعید احمد 〃 〃 〃 ۴۔ بیگم ڈاکٹر وحید احمد 〃 〃 〃
۵۔ بیگم خالد ملک 〃 〃 〃 ۶۔ بیگم قدسیہ مسعود اختر صاحبہ ماڈل ٹاؤن
۷۔ نسرین گل محمد احمد پارک ۸۔ بیگم میاں فضل کریم صاحبہ احمد پارک

مقامی تنظیم خواتین احمدیہ کی جانب سے مہمان خواتین کے لئے عصرانہ کا اہتمام بھی کیا گیا جو کہ کرنل سعید احمد صاحب مرحوم کی کوٹھی پر دیا گیا۔ اس موقعہ پر ایک ہلکا پھلکا مگر دلچسپ پروگرام بھی پیش کیا گیا۔ جس میں بچیوں نے بہت سلیقہ سے پاکستانی لباسوں کی نمائش کی، شادی بیاہ کی رسموں کی جھلکی دکھائی گئی۔ اور ڈھولک پر شادی بیاہ کے گیت سنائے۔ جس کو ہماری مہمان خواتین نے بہت پسند کیا۔ اور انہوں نے بھی وہاں شادی بیاہ کے موقعہ پر گائے جانے والے گیت ڈھولک پر گائے۔ جس سے یہ تقریب اور بھی پُر رونق ہو گئی۔ اختتام پر مہمان خواتین کی خدمت میں شیشہ کا کام کی ہوئی ٹی کوزیاں اور کرتے بطور تحفہ پیش کئے گئے۔

ماہ مارچ ۷۴ء میں ہونے والی میٹنگ میں تجویز ہوا کہ نوجوان بچیاں ہر میٹنگ میں حصہ لیں اور تقریری صلاحیت پیدا کرنے کے لئے انہیں موقعہ دیا جائے پھر ہر میٹنگ میں ایک بچی ضرور تقریر کرے۔ یہ بھی محسوس کیا گیا کہ سالانہ جلسہ منعقدہ دسمبر ۷۳ء پر دستکاری کی نمائش بہت کم تھی اور سٹالوں کا انتظام بھی خاطر خواہ نہ تھا۔ اس لئے طے پایا کہ دستکاری کے لئے علیحدہ سیکرٹری کا انتخاب کیا جائے تا کہ آمدہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ان کمزوریوں کو دور کیا جا سکے۔

چنانچہ ماہ مئی میں منعقد ہونے والی میٹنگ میں دستکاری کے لئے باقاعدہ سیکرٹری کا انتخاب ہوا۔ اور یہ ذمہ داری بیگم صفیہ جاوید صاحبہ کو دی گئی۔ اور یہ بھی تجویز ہوا کہ دستکاری کی بازیابی کی مہم کو از سر نو چلانے کے لئے ہر احمدی خاتون اپنا نام اور اپنی بچیوں کا نام رجسٹرڈ کروائیں۔

صدر صاحبہ نے کہا کہ حضرت امیر مرحوم کے زمانہ میں سالانہ جلسہ کے موقعہ پر غیر از جماعت معزز خواتین مثلاً بیگم سر میاں محمد شفیع مرحوم۔ لیڈی عبدالقادر بیگم شاہ نواز اور دیگر فہمیدہ طبقہ کی خواتین کو نہ صرف مدعو کیا جاتا تھا بلکہ زنانہ جلسہ کی صدارت بھی وہی کرتی تھیں جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس وقت کا تعلیمیافتہ طبقہ نہ صرف احمدیت کے صحیح عقائد سے واقف تھا۔ بلکہ وہ لوگ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے کاموں کے معترف بھی تھے۔ اس طریقہ کو دوبارہ رائج کیا جانا چاہیئے۔ اور آیندہ سالانہ جلسہ پر غیر احمدی خواتین کو باقاعدہ مدعو کیا جائے۔

مئی کے آخر میں احمدیت کے خلاف تحریک شروع ہوئی۔ چنانچہ اس موقعہ پر بیگم چوہدری ظہور احمد صاحب کی کوٹھی پر ہنگامی میٹنگ ہوئی۔ اور ایک کھلی چٹھی چھپوائی گئی جس میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اور حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ کے عقائد کے متعلق برصغیر کے بڑے بڑے سیاسی رہنماؤں کے نیک خیالات کا اظہار تھا۔ وہ چٹھی ایم۔ این۔ اے حضرات اور دیگر صاحب اقتدار ہستیوں کو بذریعہ ڈاک بھجوائی گئی۔ یہ بھی طے پایا کہ دیگر صاحب اقتدار اور صاحب علم لوگوں سے مل کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے عقائد کی وضاحت کی جائے۔ اسی دوران انجمن کے دفتر سے مندرجہ ذیل کتب بھی منگوا کر تقسیم کی گئیں:۔

1— Ahmadya Movement.
2— teaching of Islam.
3— Living Thoughts of The Prophet Mohamad.
4— تطہیر الاولیاء

مورخہ ۹ راکتوبر بروز بدھ صبح دس بجے احمدیہ مسجد مسلم ٹاؤن میں محترم ایم اے فاروقی صاحب نے ہماری درخواست پر احمدیت اور حضرت مرزا صاحب کی ذات پر اعتراضات کے جوابات اور نزول عیسٰی پر نہایت ہی پُر مغز لیکچر دیا۔ جس میں خواتین کی خاصی تعداد نے شرکت کی۔ سوال و جواب کا سلسلہ بھی ہوا۔ جس میں خواتین کے سوالوں کے نہایت تسلی بخش جواب دیئے گئے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق اگلی میٹنگ جماعتی ابتلا کے سلسلہ میں منعقد ہوئی اور احمدی جماعت پر جو ابتلاء نازل ہوا۔ اس کا جائزہ لیا گیا۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ لاہور اور بیرون لاہور دو دو تین تین خواتین مختلف شہروں میں جائیں اور جماعت کے لوگوں سے رابطہ قائم کریں۔ آخر میں ہم اپنی سب بہنوں کے تعاون کا شکریہ ادا کرتی ہیں اور درخواست ہے کہ سال رواں میں آپ اپنی عملی سرگرمیوں کو بڑھائیں تا کہ جماعت کے کاموں کو تقویت حاصل ہو۔ اور آپ بھی عنداللہ ماجور ہوں۔ آمین۔

مولود مسعود مخدوم مظفر حسن صاحب ایم اے جماعت کے مخلصین میں سے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اولاد نرینہ سے سرفراز فرمایا ہے۔ دعا ہے خداوند کریم نومولود کو لمبی عمر عطا کرے اور دین و دنیا میں کامیاب و بامراد فرمائے۔ ہم مخدوم صاحب کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ (مدیر)

محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب ایم ایس سی۔
تقریر بر جلسہ سالانہ (۸۴ء)

احمدیہ جماعت کی نئی نسل
(اور)
جماعتی مقاصد سے ان کی وفاداری

میری مخاطب میری اس چھوٹی سی جماعت کی نوجوان نسل ہے جو کسی بھی صنف یا شعبۂ زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ نوجوان نوجوانوں کی زبان بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور میں خوش قسمتی کہئے یا بدقسمتی عمر کی اس منزل سے بہت آگے نکل چکا ہوں اس لئے آپ کے ساتھ بات چیت میں مجھے اپنے ماضی کی طرف لوٹنا ہوگا۔ بیتے ہوئے لمحات کو واپس بلانا ہوگا۔ عمرِ رفتہ کے شکستہ ساز پر آپ کو ایک نیا نغمہ سُنانا ہوگا جو آپ کے دلوں کے حساس تاروں سے ٹکرا کر آپ کے خفتہ جذبات میں ہل چل مچا کر آپ کو ایک نئے عزم۔ نئے ولولے اور نئے جذبہ سے آشنا کر دے۔

یہ داستان بڑی طویل ہے اور وقت مختصر۔ حیران ہوں کہاں سے شروع کروں اور کہاں ختم کروں۔ میری بہنوں اور بھائیو! ہمیں اپنی منزل کے نشان تاریخ کے دھندلکوں میں تلاش کرتے ہوں گے۔ اس لئے میں اپنی گفتگو کا آغاز اس نوجوان کی کہانی سے کروں گا جس کا تعارف قرآن کریم نے قالوا سمعنا فتیً یذکرھم یقال لہ ابراھیم۔ وابراھیم الذی وفّٰی اور اذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن کے الفاظ میں کرایا ہے۔

وہ ابراہیم علیہ السلام جس نے خدا سے عشق و محبت کی داستان میں اپنی وفا کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ اس کی وفاداری کا تذکرہ بڑا دراز ہے۔ ایک تن تنہا انسان اپنے ملک سے شرک مٹانے کے لئے اپنی قوم کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہ عوام کو عوام کی زبان میں سمجھانے کے لئے ان کے سارے بُتوں کو سوائے ایک کے پاش پاش کر دیتا ہے۔

ان بُتوں سے پیار کرنے والے عقل و خرد سے محروم لوگ غصے میں بھرے ہوئے ادھر ادھر بھاگتے اور پوچھتے پھرتے ہیں کہ ایسا کس نے کیا۔ بتایا جاتا ہے کوئی ابراہیم نامی نوجوان ہے جس کا ذکر سنا ہے۔ اسے ان کے سامنے لایا جاتا ہے۔ پوچھتے ہیں کیا تم نے ایسا کیا ہے۔ جواب ملتا ہے انہی سے پوچھ لو۔ ان کا بڑا بھی یہ موجود ہے۔ وہ پریشانی میں بغلیں جھانکتے ہیں۔ ان سے کیا پوچھیں یہ تو بول ہی نہیں سکتے۔ اے عقل کے اندھو! بھلا تم ایسوں کی پرستش ہی کیوں کرتے ہو جو نہ بولتے ہیں۔ نہ سُن سکتے ہیں۔ نہ جواب دیتے ہیں۔ نہ اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں۔ نہ تمہیں کوئی نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ انہیں چھوڑ کر تم اس خدا کی عبادت کیوں نہیں کرتے جو رب العٰلمین ہے۔ جو پیدا کرتا اور ہدایت دیتا ہے۔ جو تمہیں کھلاتا پلاتا اور بیماری سے شفا دیتا ہے۔ جو زندگی۔ اس کے بعد موت اور پھر زندگی دیتا ہے۔ انسانوں کی خطاؤں اور گناہوں کو اپنی رحمت کے دامن میں چھپا لیتا ہے۔ اس زندہ خدا کا دامن تھامو جو ہر قدم پر تمہارا ساتھ دینے والا ہے۔

اس کے جواب میں اس کے لئے آگ بھڑکائی جاتی ہے۔ عقل و خرد کی الجھنوں سے آزاد وہ اس آگ میں کود پڑتا ہے اور پھر قلنا یا نار کونی برداً وسلٰماً علیٰ ابراھیم۔ وارادوا بہ کیداً فجعلنٰھم الاخسرین۔ مگر "ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں"۔ یونہی پیار و محبت کی منزلیں طے ہوتی ہیں۔ حکم ہوتا ہے جاؤ اپنی بیوی اور بچے کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ آؤ۔ وہ وادی جو ایک تپتا ہوا صحرا ہے جہاں نہ کھانے کو ہے نہ پینے کو اور نہ ہی سر چھپانے کے لئے کوئی پناہ گاہ۔ لیکن وہ بلا چوں و چرا چل پڑتا ہے۔ مقام مقررہ پر انہیں چھوڑ کر جب واپس مڑتا ہے تو بی بی پوچھتی ہیں آپ ہمیں کہاں اور کس کے سہارے چھوڑے جا رہے ہیں۔ جواب ملتا ہے "اللہ کے"۔ وہ فرماتی ہیں پھر جایئے وہ ہمیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ لیکن ابراہیمؑ کی وفا کی تکمیل ابھی نہیں ہوئی۔ اس صحرا نشین بیٹے کو جب وہ ذرا دوڑنے پھرنے کے قابل ہو جاتا ہے خواب میں ذبح کرنے کا حکم ملتا ہے۔ یہ خواب کا ماجرا بیٹے کے سامنے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ باپ بھی کیا باپ ہے اور یہ بیٹا بھی کیا بیٹا ہے۔ کہتا ہے میرے باپ وہ کر گذر جس کا حکم ہوا ہے۔ میں صبر و سکون سے اپنی گردن خدا کی رضا کے لئے آپ کے سامنے رکھ دوں گا۔ بیٹا گردن نہاد ہوتا ہے اور ابراہیمؑ اس کے گلے پر چھری رکھ دیتا ہے اور آواز آتی ہے:

"اے ابراہیمؑ تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ وفدینٰہ بذبحٍ عظیم"۔

آیئے اس عظیم انسان کی نسل میں سے ایک اور نوجوان کا ذکر بھی سنتے جایئے:۔

آپ سب اسے یوسف علیہ السلام کے نام سے جانتے ہیں۔ سوتیلے بھائی اس حسد اور بغض کی وجہ سے کہ باپ کو اس سے بہت پیار ہے اسے ایک ویران اور غیر آباد کنوئیں میں پھینک دیتے ہیں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ اس کی عظمت کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے۔ خدا اسے کنوئیں سے نکالنے کا سامان کرتا ہے۔ مصر کے بازار میں وہ چند درہموں کے عوض بطور غلام بک جاتا ہے جس گھر کو اللہ تعالےٰ نے اس کی رہائش کے لئے پسند فرمایا ہے وہیں سے اس کے امتحان کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ گھر کی مالکہ اسے گناہ کی ترغیب دیتی ہے وہ نوجوان ہے۔ خوبصورت ہے۔ گناہ پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ حالات بھی ایسے ہیں کہ انسانوں میں سے اُسے کوئی دیکھنے والا بھی نہیں۔ اس کا اور کوئی ٹھکانا بھی نہیں۔ لیکن کیا باحیا۔ باوفا اور باصفا انسان ہے۔ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ اس کا پیچھا پھر بھی نہیں چھوڑا جاتا اسے پھنسانے کے لئے سازش ہوتی ہے۔ اس میں شریک خواتین اُسے دیکھ کر بے ساختہ پکار اُٹھتی ہیں کہ یہ انسان نہیں فرشتہ ہے۔ لیکن عزت والے اپنی عزت پر پردہ ڈالنے کے لئے غریبوں کی معصومیت اور بے گناہی سے ہمیشہ سے کھیلتے آئے ہیں۔ اسے دھمکی دی جاتی ہے کہ اسے جس راستے کی طرف دعوت دی جاتی ہے اس پر نہ آیا تو اسے قیدخانہ میں ڈال دیا جائیگا وہ گناہ کی راہ اختیار کرنے پر قید و بند کی صعوبتوں کو ترجیح دیتا ہے۔ اپنی بیگناہی کی سزا بھگتنے کے لئے برسوں قیدخانہ میں رہتا ہے۔

وہاں بھی لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے۔ کہتا ہے دیکھو میں نے سارے خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کا دامن پکڑا ہے جس کا دامن میرے باپ دادا ابراہیمؑ علیہ السلام۔ اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے پکڑا۔ اس کی وجہ سے اس نے اپنے فضل سے مجھے وہ علم عطا کیا ہے جس کے تم بھی محتاج ہو۔ تم اپنے خواب کی تعبیریں مجھ سے دریافت کرتے ہو یہ اس کے فضل میں سے ہے۔

وہ اپنے ساتھیوں اور بادشاہ کے خوابوں کی تعبیریں ان کو بتاتا ہے۔ اپنے خواب کی تعبیر سُن کر بادشاہ اسے اپنے پاس بلاتا ہے لیکن وہ الزام سے بریت کے بغیر باہر نہیں آنا چاہتا۔" اس کے عزم و حوصلہ اور کردار و اخلاق کی عظمت و رفعت دیکھئے خود ساری خواتین اس کی بے گناہی پر شہادت دینے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور کہتی ہیں ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ وہ کہتا ہے میں نے یہ اس لئے کیا ہے تاکہ مجھے قید کرنے والوں اور باقی لوگوں پر واضح ہو جائے کہ میں نے نہ اپنے مالک حقیقی کی نافرمانی کی اور نہ اس شخص سے بے وفائی کی جس نے مجھے اپنے گھر میں رکھا۔ اس کی اس وفا نے اسے مصر کے خزانوں کا مالک بنا دیا۔ اس کے ماں باپ اور بادیہ نشین بھائی اس کے پاس آ گئے اس نے اپنے بھائیوں سے کوئی شکوہ نہ کیا بلکہ ان کے فعل کو شیطانی وسوسہ اندازیوں کی طرف ہی لوٹایا۔ آل یعقوب یا بنی اسرائیل اتنے بڑھے کہ مصر ہی ان کا

وطن ہو گیا۔ جب تک وہ ابراہیم کے دین پہ قائم رہے انہیں دنیا پر فضیلت حاصل ہوئی۔ جب اس راستہ سے بھٹک گئے تو ایک ظالم قوم ان پر مسلط کر دی گئی جس نے انہیں غلام بنا لیا اور اس خوف سے کہ یہ کبھی غالب نہ آ جائیں اس کی نسل کشی شروع کر دی۔ اللہ تعالےٰ کو اس مظلوم قوم کے دکھ درد اور مصائب پر رحم آ گیا اور ان کو نجات دلانے کے لئے حضرت موسیٰ کو معجزانہ طور پر بچا کر ان کے دشمن کے گھر میں ان کی تربیت کا سامان کر دیا۔ ان کی طاقت اور جوانی کا ذکر وہاں آتا ہے۔ جہاں اُنہوں نے مخالف قوم کے ایک فرد کو مُکّہ مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ کے قتل کے منصوبے کئے جاتے ہیں اور آپ اپنی جان بچانے کے لئے مدین کی راہ لیتے ہیں۔ وہاں حضرت شعیبؑ کے ہاں آپ کی روحانی تربیت ہوتی ہے۔ انہی کی ایک بیٹی سے آپ کا رشتہ ہو جاتا ہے۔ واپسی پر آپ کو بنی اسرائیل کی اصلاح اور انہیں فرعون کے استبداد سے نجات دلانے کے لئے مبعوث کیا جاتا ہے۔ غیر تو غیر اپنی قوم بھی ایذا دیتی ہے۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ میں آتا ہے: واذ قال موسٰی لقومہٖ یا قوم"۔ اور جب موسےٰ نے کہا اے میری قوم تم مجھے کیوں دکھ دیتے ہو اور تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اور فرعون اور ھامان اپنی طاقت اور قوت کے نشے میں مست کہتے ہیں۔ کہ یہ دونوں (موسےٰ اور ہارون) زمین میں بڑائی اور اس ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تمہاری مثالی تہذیب کو ملیا میٹ کرنے کے ارادے رکھتے ہیں۔ یہ ایک قلیل اور حقیر سی جماعت ہمارے غیظ و غضب کو بھڑکاتی ہے۔ ہم ان کے بارے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ ہم انہیں کچل کے رکھ دیں گے۔ لیکن انجام کیا ہوتا ہے کہ اسی حقیر سی جماعت کو موسےٰ اور ہارون کی رہنمائی میں سمندر بھی راستہ دے دیتا ہے۔ فرعون۔ ہامان اور ان کے وہ بڑے جرار لشکر اسی سمندر کی تہ میں ہمیشہ کی نیند سو جاتے ہیں لیکن آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بطور عبرت فرعون کی لاش کنارے پہ پھینک دی جاتی ہے اور آج تک محفوظ ہے۔

انبیاء بنی اسرائیل کے سلسلہ کی آخری کڑی حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہیں۔ آج تک وہ ایک متنازعہ فیہ شخصیت ہیں۔ وہ خدا کی بادشاہت دنیا میں قائم کرنے آتے ہیں۔ یہودی علماء آپ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے بڑے بڑے الزامات عائد کرتے ہیں۔ آپ کے خلاف رومی گورنمنٹ کو بدظن کیا جاتا ہے کہ یہ شخص حکومت کے خلاف سازش کرتا اور لوگوں کو اُکساتا ہے۔ اس مظلوم و معصوم انسان کو صلیب پر چڑھایا جاتا ہے۔ یہودی علماء کا یہ مقصد ہے کہ اگر یہ صلیب پر مر جائے تو پھر توریت کے الفاظ کے مطابق یہ نعوذ باللہ لعنتی ٹھہرے گا اور جھوٹا قرار پائے گا لیکن اللہ تعالےٰ اپنے فرستادوں کو ہمیشہ ایسے وقت ظالموں کے پنجے سے نجات دیتا ہے۔ جب وہ اپنے ناپاک ارادوں کو بزعم خویش پایۂ تکمیل تک پہنچا چکے ہوتے ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ اب ان کے بچنے کی کوئی اُمید باقی نہیں۔ وہ اپنی قدرت نمائی کرتا ہے اور بد اندیشوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔

ایسا ہی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ ایک آندھی اور طوفان نے دشمنوں کے ہوش و حواس اُڑا دیئے اور آپ کے حواری آپ کو صلیب سے ایسی نازک حالت میں اتار کر لے گئے کہ ابھی ان میں زندگی کے آثار باقی تھے۔ لیکن دکھائی ایسا دیتا تھا کہ وہ مر چکے ہیں۔ آپ کے حواری ظلم و ستم کا شکار ہوتے اور ایک ایسا زمانہ اُن پر آیا جسے زمانہ کہف کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں یہ دَور تین سو سال تک رہا۔ اس کے بعد عیسائیت نے وہ تقویت اور غلبہ حاصل کیا کہ اس کا نظارہ آج بھی آپ کے سامنے ہے۔ جہاں تک دنیوی زندگی کے متاع و اسباب اور سائنٹیفک ٹیکنالوجی میں ترقی کا تعلق ہے دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ خدا کے وعدے پورے ہو کر رہتے ہیں۔ اور یہ وعدہ کہ "یا عیسٰی انی متوفیک و .... الیٰ یوم القیامہ"۔ پورا ہوا مگر آپ کے بعد جب خدا کی بستی پر گناہوں کی تاریکی اور ظلمت چھا جاتی ہے تو آخر افضل الرسل اور خاتم الانبیاء تشریف لاتے ہیں۔ آپ کی ابتداء بھی آپ کے سامنے ہے اور انتہاء بھی۔ یہ وہ انسان ہیں جن کے عشق اور محبت میں ڈوب کر سینکڑوں انسان خدا کی معرفت کے چشمہ سے سیراب ہوئے۔ آپ کی ابتداء کیا ہے۔ ابھی دنیا میں تشریف نہیں لاتے شفقت پدری سے محروم ہو جاتے ہیں۔ چند سال کی عمر میں ماں کا پیار بھی چھن جاتا ہے۔ پھر کبھی دادا کے ہاں اور کبھی چچا کے ہاں۔ ایسی زندگی کی مشکلات وہی جان سکتا ہے جو خود یتیم رہا ہو۔ ماں باپ کے سائے میں پروان چڑھنے والوں کو اس کا احساس بھی نہیں ہو سکتا پاک دل۔ پاک طینت اور پاک فطرت انسان ہے۔ گرد و پیش کے فسق و فجور سے شدید نفرت ہے۔ وہ کسی روشنی کا متلاشی ہے جو ان اندھیروں کو اُجالوں میں بدل دے اس جستجو میں عالم شباب، غارِ حرا کی تاریکیوں میں سجدوں میں بیت جاتا ہے۔ یہ تلاش رائیگاں نہیں جاتی قلب منور، نور ہی نور ہو جاتا ہے۔ اقراء اور قم فانذر کی آواز آتی ہے اور انتہاء سدرۃ المنتہٰی ہے۔ اس راہ سے ہٹانے کے لئے بادشاہت، دولت اور حسن کا لالچ دیا جاتا ہے۔ لیکن مقصد خدا کی بستی کو گناہوں سے پاک کر کے اسکی حکومت کو قائم کرنا اور مخلوق کو اس کے در پہ جھکانا ہے۔ ایک انسان گنتی کے چند ساتھی اور ساری دنیا مخالف۔ وہ اس پہ پتھر برساتی ہے۔ قتل کے منصوبے کرتی، دیوانہ، ساحر اور مجنون کہتی ہے۔ لیکن وہ صبر و استقامت اور عزم کا پیکر اپنے محبوب کا دامن تھامے اپنے مقصد کی لگن میں آگے ہی آگے بڑھتا جاتا ہے۔ دنیا کے بتکدے سونے پڑ جاتے ہیں۔ تاریخ اس کی عظمت کا اعتراف کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ ابو جہل اور ابو لہب اپنی ہی بھڑکائی ہوئی آگ میں جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ سارا عرب قدموں میں ہے، سر پُر غرور نگوں ہیں۔ دشمن سے اپنی تکالیف۔ دکھوں اور ایذاؤں کا انتقام لینے کا وقت ہے۔ لیکن "لا تثریب علیکم الیوم" کہہ کر سب کو عرق ندامت میں شرابور کر دیتا ہے۔ کس دل و گردے اور قلب و جگر کا انسان ہے۔ اس نے اپنے سے بھی پیار کیا اور بیگانے سے بھی۔ دوست کو بھی چاہا اور دشمن کو بھی۔ غریب کو بھی سینے سے لگایا اور امیر کو بھی۔ یتیموں کو بھی سہارا دیا کمزوروں ضعیفوں اور محتاجوں کو بھی۔ ساری دنیا کا درد اس نے اپنا لیا۔ اس کے قلب مطہر کی وسعتوں میں ساری کائنات سمائی ہوئی ہے وہ واقعی رحمۃ للعٰلمین ہے۔ ہمیں کون آپ سے نسبت کے شرف سے محروم کر سکتا ہے۔

گو داں نہیں پہ واں سے نکالے ہوئے تو ہیں ؎ کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی

میرے عزیزو! دیکھو نمرود نے آگ جلائی لیکن ابراھیمؑ کی وفا کیا رنگ لائی۔ آپ کی نسل کتنی برکتوں کی وارث ہوئی۔ اس میں سینکڑوں انبیاء پیدا ہوئے۔ جن میں بادشاہ بھی تھے۔ جس گھر کی آپ نے بنیاد رکھی ہر سال لاکھوں انسان اس کا طواف کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اسمٰعیل کی قربانی کی یاد آج تک تازہ ہے اور آیندہ بھی رہے گی۔ مکّہ کی بستی کے لئے آپ نے رزق کی دُعا کی۔ وہاں رزق کی فراوانی دیکھ لو۔ دنیا کی ہر چیز وہاں میسّر ہے اور تیل کی دولت کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں۔ آپ نے وہاں ایک ایسے رسول کے مبعوث ہونے کے لئے دُعا کی جو خدا کی آیات پڑھنے والا۔ انہیں گناہوں سے پاک کرنے والا۔ انہیں کتاب و حکمت سکھانے والا ہو۔ وہاں رحمۃ للعٰلمین پیدا ہوئے۔

حضرت یوسفؑ کو بھائیوں نے کنوئیں میں پھینک دیا اس امید پر کہ وہ ختم ہو جائے گا۔ اسے خدا نے مصر کے خزانوں کا مالک بنا دیا۔ فرعون و ہامان نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کو مٹانے کے لئے اپنی طاقت اور قوت کے بل بوتے پہ ہر تدبیر کی لیکن وہ خود اور ان کے لشکر غرق ہو گئے اور حضرت موسےٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ پار اتر گئے رومی گورنمنٹ اور یہودی علماء نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا۔ خدا نے یہودیوں اور رومیوں کو جو سزا دی وہ بھی تاریخ میں محفوظ ہے۔ اور عیسائیت کو جو مقام ملا وہ بھی آپ کے سامنے ہے۔

ابوجہل۔ ابولہب اور ان کے ساتھیوں نے وہ کونسا ظلم تھا جو آنحضرت صلعم اور آپ کے ساتھیوں پر رَوا نہ رکھا۔ لیکن ان کا نام و نشان مٹ گیا اور ان کے مقابلے میں آنحضرتؐ کے ساتھیوں کے واقعات آپ کے سامنے ہیں۔

سنت اللہ یہی ہے۔ نمرود آگ جلاتے رہتے ہیں۔ بھائی کنوؤں میں دھکیلنے

کی کوشش کرتے رہتے ہیں ۔ فرعون و ہامان حق و صداقت کو مٹانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں ۔ مخالف علماء اور حکومتیں صلیبوں پر چڑھانے اور قتل کے منصوبے کرتے ہی رہتے ہیں ۔ لیکن خدا ہمیشہ حق کو قائم کر کے ہی چھوڑتا ہے ۔

آپ یہ نہ سوچیں کہ میں آپ کو پُرانے قصے سنا کر بہلا رہا ہوں ۔ آیئے آپ کو ایسے قریبی زمانے کی بھی ایک جھلک دکھا دوں اس برصغیر پاک و ہند کی کہانی ۔

گورداسپور ضلع کی تحصیل بٹالہ کے ایک غیر معروف گاؤں قادیان میں ۱۸۳۶ء میں ایک بچہ ایک رئیس گھرانے میں پیدا ہوتا ہے پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا طوطی بولتا ہے ۔ اس نے اٹک ۔ بنوں ۔ ہزارہ اور ڈیرہ جات تک اپنی حکومت وسیع کر لی اور ۱۸۳۷ء میں پشاور پر بھی قبضہ کر لیا ۔ انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کے حقوق کے تحفظ کے بہانے آہستہ آہستہ اپنے پنجے برصغیر کے جسم میں گاڑ رہے تھے ۔ حیدر علی سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان نے اس ملک کو انگریز کے تسلط سے بچانے کے لئے جو تلواریں بے نیام کی تھیں وہ میر جعفر اور صادق کی سازش سے ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئیں ۔ حضرت سید احمد شہید مجدد صدی سیزدہم سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے بالاکوٹ تک پہنچ گئے لیکن مسلمان سرداروں کی سازش سے بالاکوٹ کے مقام پر شہید ہو گئے ۔ سلطنت مغلیہ قلعہ دہلی میں محصور ہو کر رہ گئی ۔ ملک چھوٹی چھوٹی جاگیروں اور ریاستوں میں بٹ گیا ۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی دم توڑ جاتی ہے اور مسلمان سیاسی، سماجی ۔ اخلاقی مذہبی اور معاشی طور پر تباہ و برباد ہو جاتا ہے ۔ انگریز ہندو کی حوصلہ افزائی کرتا اور مسلمان کو ہر لحاظ سے پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیلنے کے لئے ہر حربہ کام میں لاتا ہے ۔ یہ پس منظر ہے ان حالات کا جن میں یہ بچہ ایام طفولیت سے ایام شباب میں قدم رکھتا ہے ۔ سکھ یکے بعد دیگرے اس کے آباؤ اجداد کے چوراسی گاؤں چھین لیتا ہے ۔ ایک قادیان باقی رہ جاتا ہے ۔ اس کے شب و روز خدا کی یاد ۔ قرآن مجید کی تلاوت اور دوسرے مذاہب کی کتب کے مطالعہ میں گذرتے ہیں ۔ ۲۲ ۔ ۲۳ سال کی عمر میں اس کی نیکی ۔ تقویٰ اور دیانت کا اعتراف اسے قریب سے جاننے والے کرتے ہیں ۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا وہ صدق و صفا میں ترقی کرتا جاتا ہے ۔ اور ۱۸۸۰ء کے آخر میں میں ایک معرکۃ الآرا کتاب براہین احمدیہ کے مصنف کی حیثیت سے مذہبی دنیا کے اُفق پر ایک روشن ستارہ بن کر ابھرتا ہے ۔ اور اس ملک کے لوگ اسے مرزا غلام احمد قادیانی کے نام سے جانتے ہیں ۔ اسے اپنی اس خدمت کی وجہ سے اپنی صدی کا بے مثال اور بے نظیر انسان لکھتے ہیں ۔ اس نے مایوس انسانوں کو دہریت ۔ عیسائیت اور آریہ سماجیت کے دروازوں سے واپس بلا کر خدا کے دروازے پر ڈال دیا ۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قرآن کریم سے ثابت کر کے نبی کریم صلعم کو غیر مشروط طور پر خاتم النبیین تسلیم کرایا ۔ اس نے دجال اور یاجوج ماجوج کی شناخت کرائی ۔ اسلام کے خلاف ہر دشمن کا وار اپنے سینے پر سہا ۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے اسباب میں سے ایک یہ بھی تھا کہ غیر ملکی عیسائی مشنری کھلم کھلا گھر گھر عیسائیت کا پیغام پہنچانے میں مصروف تھے ۔ اور یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو جب اس ملک کی حکومت تاج برطانیہ کو منتقل ہو گئی اور مذہبی آزادی کا اعلان ہوا تو ان مشنریوں کی سرگرمیاں اور بھی تیز تر ہو گئیں ۔ اس چیلنج کا مقابلہ جیسے اس نے کیا قریبی دور کی تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی ۔ لیکن عجیب بات ہے علماء ۔ عیسائی ۔ ہندو اور سکھ اس کی مخالفت میں ایک ہو گئے ۔ اسے پا بجولاں دیکھنے کی آرزوؤں نے تنگ سینوں میں کروٹیں لیں ۔ پھانسی پر چڑھانے کے لئے قتل کے الزام لگائے ۔ دھوکہ کے مقدمات میں ملوث کرنے کے لئے کوششیں ہوئیں ۔ لیکن وہ مردوں میں زندوں کی طرح چلتا رہا ۔ اسے اس کے رب نے خلعتِ مجددیت اور محدثیت سے نوازا ۔ مسیح موعود کر کے پکارا ۔ ایک طوفان اٹھا ۔ غلغلہ اور شور برپا ہوا ۔ برصغیر کی مذہبی فضا میں آنکھوں کو خیرہ کرنے والی ایک بجلی سی کوند گئی ۔ ایسا ہی ہوتا ہے ۔ جب کوئی حقیقت آشنا برسوں سے ذہنوں پر مسلط غلط عقائد کے تار و پود بکھیرتا ہے تو دنیا حیران و ششدر رہ جاتی ہے ۔ ظاہر بین اس کی تہ کو نہیں پا سکتے ۔ وہ دلائل کی بجائے الزام تراشیوں اور تشدد پر اُتر آتے ہیں ۔ لیکن حق کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ۔ سعید روحیں کھنچی آتی ہیں ۔ کہاں قادیان اور کہاں افغانستان ۔ صوبہ سرحد اور ہمالیہ کے پہاڑوں میں گھری ہوئی دور دراز چھوٹی چھوٹی بستیاں ۔ آج سے ۹۰ سال پہلے کے ذرائع مواصلات کا اندازہ کر لیجئے ۔ میں اپنے وطن کے متعلق بتاتا ہوں کہ حسن ابدال دیب گراں سے پہاڑی راستہ کے ذریعہ تقریباً ۵۸ میل ہے ۔ عاشقانِ مسیح محمدی یہ راستہ پیدل چل کر طے کرتے اور حسن ابدال سے ریل میں سوار ہوتے ۔ پھر بٹالہ سے قادیان تک پیدل جاتے ۔ وہ کیا شوق اور جذبہ تھا ۔ وہ کیا کشش تھی جو اس شمع کے پروانوں کو یہ کٹھن منزل طے کرنے میں ایک لذت اور سرور سے آشنا کرتی ۔ کیا وہاں کوئی دولت لٹتی تھی ۔ یا بادشاہت کے وعدے اور لالچ تھے ۔ یا اقتدار پر قبضہ کرنے کی سازشیں پروان چڑھتی تھیں ۔ وہاں صرف ایک اور ایک دولت لٹتی تھی ، ایمان و عرفان کی دولت ۔ خدا اور اس کے رسول مقبول صلعم کے عشق و پیار کی دولت ۔ دلوں کے احیاء کے سامان کی دولت ۔ خدا کے در رحمت پہ اپنے گناہوں کی معافی کے لئے آنسوؤں کی دولت ۔ دلوں کے احیاء کے سامان کی دولت ۔ جو قدموں میں پہنچا زندہ ہو گیا ۔ اس کے متوالوں میں تقریباً سبھی نوجوان تھے ۔ ان میں نورالدین بھی تھے اور محمد احسن امروہی بھی ۔ عبدالکریم بھی تھے اور محمد علی بھی ۔ کمال الدین بھی تھے اور صدرالدین بھی تھے ۔ عزیز بخش بھی تھے اور بشارت احمد بھی ۔ محمد حسین بھی تھے اور یعقوب بیگ بھی ۔ اسمٰعیل بھی تھے ، میاں محمد اور مولا بخش بھی ۔ غلام رسول بھی تھے اور غلام محمد بھی عبداللطیف بھی تھے اور عبدالہادی بھی اور غلام حسن بھی تھے اور محمد عجیب بھی ۔ قمرالدین بھی تھے اور خدا بخش بھی ۔ غرض کہاں تک گنوں اور کہاں تک سناؤں

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو مَیں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو مَیں

اپنا سب کچھ چھوڑ کر قادیان میں جا فروکش ہوئے ۔

اور اب

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
کچھ شمعیں رہ گئی تھیں سو وہ بھی خموش ہیں

اور " ان کی خاموشی میں نہاں خوں بستہ لاکھوں آرزوئیں ہیں " ان آرزوؤں کی تکمیل کے لئے ان کی نگاہ آپ کی طرف اُٹھتی ہے ۔ کیونکہ ہر قوم کے مستقبل کی ابتداء اس کی نوجوان نسل ہی سے ہوتی ہے

ان کی آرزوئیں اور مقاصد کیا ہیں ۔ ہمارا مسلک سیاسی مسلک نہیں

ہماری جماعت کسی سیاسی اقتدار اور حکومت کی خواہشمند نہیں ۔ ہمیں دنیا کی دولت سے کوئی غرض نہیں ۔ ہمیں تو دین کو دنیا پر مقدم کرنا سکھایا گیا ہے ۔ دنیا کو ہم سے اپنوں اور بیگانوں نے نفرت دلائی ۔ ورنہ اگر ہمارے ہم وطن ہمارے قریب آ کر ہمارے شب و روز کا مشاہدہ کرتے ۔ اس غم کو جاننے کی کوشش کرتے جو ہم نے اپنے سینوں میں چھپا رکھا ہے ۔ ان زخموں کو کریدتے جو اس غم کے طفیل ہمیں رستے ہیں تو وہ اتنی بے اعتمادی سے کام نہ لیتے ۔

ہمارا مقصد وہی ہے جس کی نشاندہی قرآن کریم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے ۔ " ولتکن منکم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وینھون عن المنکر " بھٹکی ہوئی دنیا کو خدا کے در پر جھکانے کے لئے قرآن کریم کے کوثر سے اس کی پیاس بجھانا اور اپنے نبی برحق کے قدموں میں اسے لا ڈالنا ہے ۔ اس کے سارے دکھوں اور مصائب کو اپنا کر پیار و محبت کے مرہم سے اس کا درمان کرنا ہے ۔ یہ ہمیں کس نے سکھایا ۔ اسی غُلام احمد نے جسے آج کافر و مرتد اور دجال کے ناموں سے پکار کر لوگ اپنے دلوں کو تسلی دیتے ہیں اور اس کا دامن تھامنے والوں کے لئے نت نئی عنایات کی تجویزیں اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں ۔ اسی غلام احمدؑ نے جس نے اپنے گرد جمع ہونے والوں کو زندہ خدا زندہ نبی اور زندہ قرآن کے معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے اپنی طرف بلایا اور ایک زندہ اسلام کی تصویر پیش کی ۔

میرے عزیزو ! اگر یہ کفر ہے تو مجھے اس پر فخر ہے بلکہ اکفر ہونے پر ناز ہے ۔ مجھے گونگا اور بہرا خدا ہرگز نہیں چاہیئے جس خدا کو مجھے بیدار کرنے کے بعد میری زندگی کے شب و روز میں کوئی دخل اور دسترس نہیں اس کی حیثیت سامری کے بچھڑے اور ابراہیم کے ہاتھوں چکنا چور ہونے والے بتوں سے بڑھ کر نہیں ۔ آج کل کے نئے منکرین ایسے نظریات پیش کر کے کہ خدا ہوتا نہیں ہمیں دہریت کی طرف دھکیلنے کی کوششوں میں مصروف ہیں ۔ ان کے نزدیک عقل ہی عقل ہے اس سے ماورا کچھ نہیں ۔ ہمیں اس چیلنج کا جواب بھی دینا ہے ۔

لیکن کیا ہم نے آپ کو اس کا جواب دینے کے لئے تیار کیا ہے۔ سب سے پہلے میں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر آپ کے سامنے بڑی شرمساری سے اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد اہل محفل سے یہ پوچھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ آپ میں سے بھی ہر ایک اپنے دل میں جھانک کر دیکھے کہ اس نے جماعت کے مستقبل کو نوجوان نسل کے ہاتھوں میں دینے کے لئے اپنی اولاد کی تربیت اس نہج پر کی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں کی ہے۔ اس میں کسی کو بھی بحیثیت ... کی حاجت نہیں تو پھر میں اپنی نوجوان نسل پر کیوں الزام دوں جن سے مجھے پیار ہے۔ ... اور ہمدردی ہے۔ ہم ان سے جماعتی مقاصد کے ساتھ وفاداری کی توقع تو رکھتے ہیں لیکن خود ذوق و رسم ذوق بلندپروازی سے محروم ہیں۔ میری عمر کے تقریباً ۳۰ سال نوجوانوں میں بیتے ہیں۔ میں ان کے احساسات اور جذبات سے واقف ہوں۔ ان کے خون میں حرارت۔ بازوؤں میں قوت اور عمل کے لئے جوش ہوتا ہے۔ اگر بزرگوں کا ہوش اور جوانوں کا جوش یکجا ہو جائیں تو راستے کی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

ہم بڑے نازک دور سے گذر رہے ہیں۔ ہمیں اس دور کی اُلجھنوں اور تقاضوں پر نگاہ رکھتے ہوئے اور ان سے دامن بچا کر سب سے پہلے اپنے آپ کو پہچاننا ہوگا اور اپنے دل کو ٹٹول کر یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ کیا "دین کو دنیا پر مقدم رکھنا ہمارا مقصد ہے" جب دل یہ شہادت دیدے کہ "ہاں" تو پھر اس کے حصول کے لئے ہمیں یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ ہمیں انگاروں پر لوٹنا ہوگا یا کانٹوں پر ایک نئے عزم کے ساتھ نئے جذبہ کے ساتھ اپنے من، دھن، اور تن کے ساتھ اس میں لگانے کے لئے نئے طور پر منظم ہونا ہوگا۔ اس میں نوجوانوں پر زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوں گی۔ جنہیں پورا کرنے کے لئے انہیں اپنے جذبات۔ احساسات اور امیدوں کی قربانیاں دینی ہونگی انہوں نے پہلے اپنے مستقبل کے بارے میں جو کچھ سوچ رکھا ہے اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہوگی۔ رزق دنیا پر رزق رب کو ترجیح دینا ہوگا۔ اگر آپ رزق دنیا اور متاع حیات کی حقیقت جاننا چاہتے ہیں تو چاہیئے گوجرانوالہ۔ لائل پور۔ سرگودھا۔ ٹوبہ ایبٹ آباد۔ مان سہرہ اور بالاکوٹ کے رہنے والوں سے پوچھئے ان کی ساری زندگی کا اثاثہ ان کی آنکھوں کے سامنے جلتا رہا اور وہ اطمینان و سکون کی تصویر بنے نفرتوں کے شعلے آسمان تک بلند ہوتے دیکھتے رہے۔ کسی آنکھ سے کوئی آنسو نہ ٹپکا اور کسی زبان سے حرف شکوہ ادا نہ ہوا۔ اور جو کہا تو صرف اتنا کہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ عمر بھر کی کمائی دو گھنٹوں میں جل کر راکھ ہو گئی۔ یہ اطمینان و سکون کی دولت انہیں کہاں سے ملی، اسی قادیان کے درویش کے قدموں میں بیٹھنے والوں کی بدولت۔ "لاخوف علیھم ولاھم یحزنون" کی یہی تفسیر ہے۔

میرے سامنے ایسے ملازم نوجوانوں کی مثالیں ہیں جنھوں نے محض دنیوی اغراض کے لئے اپنے مقاصد کو نہ صرف چھپایا بلکہ ان سے بیزاری کا اعلان کیا مگر ان کی وہ اغراض پوری نہ ہو سکیں اور ایسی بھی روشن مثالیں ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر احمدی کہلانے میں فخر محسوس کیا اور خدا نے انہیں ہر قدم پر نوازا۔ پہلی صورت میں ناکامی ہماری ہے۔ ہم نے انہیں اس قیمتی ہیرے کی شناخت میں مدد نہیں دی۔ اس لئے کہ ہمیں خود اس پر یقین اور ایمان نہ تھا۔ ہم سے بھی کسی نے سوال کیا تو جھجکتے جھجکتے یہی جواب دیا کہ "جی ہم تو مرزا صاحب کو بس ایک بزرگ اور ولی مانتے ہیں" اور یہ نہ سوچا کہ ان کے ذہنوں میں ولی اور بزرگ کا کیا تصور ہے۔ وہ تو بازار میں گھومنے والے ہر پاگل اور لباس سے بے نیاز انسان کو ولی اور بزرگ کا درجہ دیدیتے ہیں۔

اس طرح ہم نے بھی حضرت مسیح موعودؑ کے مقام کو دوسروں کی نگاہوں میں بہت گرا کر پیش کیا اور ہمارے دوسرے بھائیوں نے انہیں نبوت کے مقام پر کھڑا کر کے ان کے صحیح مقام سے رُو گردانی کی۔ جب کوئی جماعت اپنے صحیح موقف سے ہٹ جاتی ہے۔ اس پر مصائب آتے ہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ حضرت صاحب کے الہامات تلاش کر کے ان سے اپنے دل کی تشفی کا سامان ضرور بہم پہنچائیں لیکن ان کو سچ کر دکھانے کے لئے ہمیں بھی بدلنا ہوگا اور ہم میں یہ تبدیلی صرف اس وقت ہوگی جب ہم خدا کو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ قرآن کو اور حضرت مسیح موعودؑ کو اپنے دل کی گہرائیوں سے اپنا کر تقویٰ کی راہ پر گامزن ہوں گے جو اس کے وجود میں لانے کی حقیقی غرض تھی۔

ہمارا یہ جمہوری نظام بھی منظور۔ یہ قیمتی لٹریچر بھی تسلیم۔ یہ عقائد بھی درست اور یہ تقریریں بھی خوب مگر جب تک وہ حقیقی رُوح نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ یہی وہ مضبوط بنیاد ہے جس پر ایک صالح معاشرہ کی عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے۔

اپنے مستقبل کو مادی لحاظ سے سنوارنے کے لئے بھی جو کچھ آپ کر سکتے ہیں ضرور کریں۔ جتنی بلندی تک جا سکتے ہیں ضرور جائیں مگر اپنے حقیقی مقصد کے ماتحت رکھ کر۔ یہ سوچ کر کہ ہم ایک ایسی جماعت اور معاشرہ کے افراد ہیں جس کا مقصد خدا اور اس کے رسول سے پیار اور اس کے مسیح موعود سے محبت ہے کہ اسی نے ان کی شناخت کی راہ سکھائی۔ ہمارا اخلاق و کردار اسلامی عظمت کی منہ بولتی تصویر ہو۔ لوگ ہمیں کافر سمجھتے ہوئے بھی یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں کہ ان میں کوئی غیر اسلامی بات نظر نہیں آتی۔ خدا کرے ہم ایسے احمدی ہو جائیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کا عکس نظر آئے۔ آمین۔

جلسہ سالانہ کے موقع پر شبان الاحمدیہ کا اجلاس

مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۴ء کو ۷ بجے شام شبان الاحمدیہ کا اجلاس زیر صدارت محترم حنیف اختر صاحب ملّی منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات اور منظوم کلام پیش کیا گیا۔ بعد ازاں سیکرٹری نے دورِ ابتلاء میں شبان الاحمدیہ کی خدمات پر روشنی ڈالی۔ اور سال بھر کی کارروائی پڑھ کر سنائی۔ جلسہ سے جناب عبدالصمد صاحب آف گیانا نے بھی خطاب کیا اور نوجوانوں کو بتایا کہ قیادت کی محض خواہش کوئی حقیقت نہیں رکھتی بلکہ آپ کو اپنے اندر اسلاف کے اوصاف بھی پیدا کرنے چاہئیں۔ اور اس کے لئے نوجوانوں کو حضور صلعم کی سیرت اور حضرت مجددِ دوران کی کتب خصوصاً کشتیٔ نوح کا بار بار مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ حضرت صاحب اپنی جماعت کے نوجوانوں کو کتنے اونچے مقام پر دیکھنے کے آرزو مند تھے جناب عبدالصمد صاحب کے بعد مرزا سلیم اختر صاحب نے مولانا عبدالمجید سالک مرحوم کی ایک نظم نوجوانوں کے نام ایک پیغام کے عنوان سے:

اگر ماضی منوّر تھا کبھی تو ہم نہ تھے حاضر
جو مستقبل کبھی ہوگا درخشاں ہم نہیں ہونگے

پڑھی جس میں یاسیت کے باوجود نوجوانوں نے اسے بہت پسند کیا۔

سلیم صاحب کے بعد محترم جناب محمد اعظم صاحب علوی نے ایک نہایت ہی عمدہ نظم پڑھی۔ جس کی سامعین نے دل کھول کر داد دی۔

ان کے بعد زاہد جنجوعہ نے صداقتِ مسیح موعودؑ پر تقریر کی۔ شبان الاحمدیہ کے جذبہ سے متاثر ہو کر خواجہ نصیر اللہ صاحب نے جماعت راولپنڈی کی جانب سے مبلغ تین صد روپیہ، محترم صدر مقامی جماعت چوہدری مسعود اختر صاحب نے دو صد روپیہ اور بابو رحمت اللہ صاحب نے یک صد روپیہ "شبان الاحمدیہ" کے فنڈ میں مدد دینے کا اعلان فرمایا جو سب وصول ہو چکا ہے (جزاکم اللہ)۔

آخر میں دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

شاہد جنجوعہ۔ سیکرٹری شبان الاحمدیہ۔ لاہور

عرفات پریس تھارنٹن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور ۷ سے شائع کیا۔
ایڈیٹر
غلام نبی مسلم ایم اے

ہفت روزہ پیغام صلح ۲۶ فروری ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل ۸۲۸ شمارہ ۹

جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۲۱ر صفر المظفر ۱۳۹۵ھ ۵ر مارچ ۱۹۷۵ء | نمبر ۱۰

(حضرت مجدد صد چہاردہم سلام اللہ علیہ)

غیر نبی مکالمات و مخاطبات الٰہیہ سے مشرف ہو کر محدث کا نام پاتا ہے

پس نبوت کے عہد میں مصلحتِ ربانی کا یہی تقاضا تھا کہ جو غیر نبی ہے اس کے الہامات نبی کی وحی کی طرح قلمبند نہ ہوں تا غیر نبی کا نبی کے کلام سے تداخل واقع نہ ہو جائے۔ لیکن اس زمانہ کے بعد جس قدر اولیاء اور صاحب کمالاتِ باطنیہ گذرے ہیں ان سب کے الہامات مشہور و متعارف ہیں کہ جو ہر ایک عصر میں قلمبند ہوتے چلے آئے ہیں اس کی تصدیق کے لئے شیخ عبدالقادر جیلانی اور مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور دوسرے اولیاء اللہ کی کتابیں دیکھنی چاہئیں کہ کس کثرت سے ان کے الہامات پائے جاتے ہیں بلکہ امام ربانی نے اپنے مکتوبات کی جلد ثانی میں جو مکتوب پنجاہ و یکم ہے اس میں صاف لکھتے ہیں کہ غیر نبی بھی مکالمات و مخاطبات حضرت احدیت سے مشرف ہو جاتا ہے۔ اور ایسا شخص محدث کے نام سے موسوم ہوتا ہے اور انبیاء کے مرتبہ سے اس کا مرتبہ قریب واقع ہوتا ہے ایسا ہی شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب نے فتوح الغیب کے کئی مقامات میں اس کی تصریح کی ہے اور ائمہ اولیاء اللہ کے ملفوظات اور مکتوبات کا تجسس کیا جائے تو اس قسم کے بیانات ان کے کلمات میں بہت سے پائے جائیں گے اور اُمتِ محمدیہ میں محدثیت کا منصب اس قدر بکثرت ثابت ہوتا ہے جس سے انکار کرنا بڑے غافل اور بے خبر کا کام ہے۔ اس اُمت میں آج تک ہزارہا اولیاء اللہ صاحب کمال گذرے ہیں جن کی خوارق اور کرامات بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ثابت اور متحقق ہو چکی ہیں اور جو شخص تفتیش کرے اس کو معلوم ہوگا کہ حضرت احدیت نے جیسا کہ اس اُمت کا خیر الامم نام رکھا ہے ایسا ہی اس اُمت کے اکابر کو سب سے زیادہ کمالات بھی بخشے جو کسی طرح چھپ نہیں سکتے اور ان سے انکار کرنا ایک سخت حق پوشی ہے اور نیز ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ الزام کہ صحابہ کرامؓ سے ایسے الہامات ثابت نہیں ہوئے بالکل بے جا اور غلط ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ کی رو سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے الہامات اور خوارق بکثرت ثابت ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ساریہ کے لشکر کی حالت سے باعلامِ الٰہی مطلع ہو جانا جس کو بیہقی نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے اگر الہام نہیں تھا تو اور کیا تھا اور پھر ان کی یہ آواز کہ یا ساریۃ الجبل الجبل مدینہ میں بیٹھے ہوئے منہ سے نکلنا

اور وہی آواز قدرت غیبی سے ساریہ اور اس کے لشکر کو دُور دراز مسافت سے سنائی دینا اگر خارق عادت نہیں تھی تو اور کیا چیز تھی۔ اسی طرح جناب علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے بعض الہامات وکشوف مشہور و معروف ہیں ماسوا اس کے میں پوچھتا ہوں کہ کیا خدائے تعالےٰ کا قرآن شریف میں اس بارہ میں شہادت دینا تسلی بخش امر نہیں ہے۔ کیا اس نے صحابہ کرام کے حق میں نہیں فرمایا کنتم خیر امۃ اُخرجت للناس۔ پھر جس حالت میں خدائے تعالےٰ اپنے نبی کریمؐ کے اصحاب کو امم سابقہ سے جمیع کمالات میں بہتر و بزرگتر ٹھہراتا ہے اور دوسری طرف بطور نمونہ مشتے از خروارے پہلی اُمتوں کے کاملین کا حال بیان کر کے کہتا ہے کہ مریم صدیقہ والدہ عیسٰےؑ اور ایسا ہی والدہ حضرت موسٰےؑ اور نیز حضرت مسیحؑ کے حواری اور نیز خضر جن میں سے کوئی بھی نبی نہیں تھا یہ سب مُلہم من اللہ تھے اور بذریعہ وحی اعلام اسرار غیبیہ سے مطلع کئے جاتے تھے تو اب سوچنا چاہیئے کہ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُمتِ محمدیہؐ کے کامل متبعین ان لوگوں کی نسبت بوجہ اولیٰ ملہم و محدث ہونے چاہئیں کیونکہ وہ حسب تصریح قرآن شریف خیر الامم ہیں۔ آپ لوگ کیوں قرآن شریف میں غور نہیں کرتے اور کیوں سوچنے کے وقت غلطی کھا جاتے ہیں کیا آپ صاحبوں کو خبر نہیں کہ صحیحین سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اُمت کے لئے بشارت دے چکے ہیں کہ اس اُمت میں بھی پہلی اُمتوں کی طرح محدث پیدا ہونگے اور محدث بفتح دال وہ لوگ ہیں جن سے مکالمات و مخاطبات الٰہیہ ہوتے ہیں

(براہین احمدیہ حصّہ چہارم۔ حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۳۴۶ – ۳۴۸)

مجاہد فی سبیل اللہ حافظ شیر محمد خوشابی کی رخصت حافظ صاحب موصوف تین مہینے گذار کر ۲۱ر فروری کو عازم نجی ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اپنے مقصد میں جو کامیابی دی وہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کی عکاس ہے۔ احباب نے انہیں گرمجوشی سے رخصت کیا۔ برادرانِ سلسلہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو کامیاب و بامراد کرے۔ (اداره)

محترم پروفیسر نورالدین زاہد سرینگر

در مدح حضرت امیر مولانا محمد علی رضی اللہ عنہ

تضمین بر نظم مولانا مرتضیٰ خان حسن مرحوم

نوٹ: محترم پروفیسر نورالدین زاہد صاحب سائنس سے متعلق ہونے کے باوجود عربی، فارسی، اردو، ہندی اور کشمیری کے فاضل ہیں، اور ان زبانوں میں یکساں روانی کے ساتھ لکھ سکتے ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور شب و روز قلم و زبان سے خدمت دین میں سرگرم جہاد ہیں۔ آپ کی علمی مساعی پر ہم الگ روشنی ڈالیں گے۔ ذیل میں ہم قارئین کی خدمت میں آپکی بلند پایہ نظم ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمارے برادر عزیز کو خدمت دین کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے آمین۔

اے امیرِ وارثِ ارثِ محمدؐ مصطفےٰ ؛ اے امینِ حکمت و علمِ علی مرتضیٰ
یافتی از گنجِ احمد دولتِ صدق و صفا ؛ دولتِ دنیا چہ ارزد پیشت اے مردِ خدا
چوں متاعِ جان و دل را نذرِ جاناں کردۂ

طالباں را بند جاری فیضِ تو در شش جہات ؛ عاشقاں را کردہ ایمن زہرِ خوفِ ممات
فانیاں را شد عطا از جامِ تو راحِ ثبات ؛ رشحۂ کلکِ تو بخشد چشمۂ آبِ حیات
فیض را نازم کہ ارزاں آبِ حیواں کردۂ

تا بکے دارم بدل من ایں غمِ آہن گداز ؛ کے شوم از بوسۂ نعلیں پاکت سرفراز
کے بود طالع ہمی خود بر سرِ من پاسِ ناز ؛ قربِ تو جویند شاہانِ جہاں با صد نیاز
زانکہ حاصل قربتے با شاہِ شاہاں کردۂ

بود دینِ احمدی اندر جہاں دینِ غریب ؛ از جفائے اہلِ باطل بود لرزاں در عیب
آمدی واز قلم کردی بتِ باطل کبیب ؛ ہاں بعہدت شد علی وجہ الاتم کسرِ صلیب
داغِ ناکامی نصیبِ قسیساں کردۂ

مرہمِ ریشِ جگر از نطقِ تو اے نیک خو ؛ چاک ہائے دامنِ ملت ز کلکِ تو رفو
عقدہ ہائے کار وا از ناخنِ تدبیرِ تو ؛ کامیاب و کامراں گشتی علیٰ رغمِ عدو
دشمنانت را اسیرِ یاس و حرماں کردۂ

ظلمتِ شب رفت و آمد خاورِ نصف النہار ؛ باز آمد گلشنِ اسلام را فصلِ بہار
ملک و ملت را فزود از نامِ تو عزّ و وقار ؛ احمدیت را وجودت مایۂ صد افتخار
قومِ احمدؐ را بعالم فخرِ دوراں کردہ

از درت اہلِ نظر لعل و گہر آغاستند ؛ چشمِ جاں را سرمۂ از خاکِ کویت ساختند
اہلِ دل ہم پیش شمعت جان و دل درباختند ؛ تیرہ بختاں بےگراں قدرِ ترا نشناختند
جان و دل را در غمِ شاں گرچہ بریاں کردہ

نخلِ ایمانم ز جودت ہر زماں گیرد نمے ؛ ایمن از خوفِ خزاں است روضۂ دل ہر دمے
ذرۂ خاک سیہ در راہ تو حبابِ جمے ؛ بر در و بامت بہ بینم نورِ حق تابد ہمے
زانکہ تاباں عالمے از نورِ قرآں کردۂ

از حقائق وز معارف کیسہ پاک اندوختی ؛ خامِ خوباں را عجب علم و حکم آموختی
دودۂ ابلیس را از نارِ حسرت سوختی ؛ در شبِ تاریک و تیرہ مشعلے افروختی
مجلسِ اسلامیاں را پر چراغاں کردۂ

در دمِ تو یافتہ اعجازِ عیسیٰ عالمے ؛ دیدہ است نظارۂ احیاء موتیٰ عالمے
اے ز گردِ پائے تو گردیدہ بینا عالمے ؛ از رموزِ معنوی کردی شناسا عالمے
آشکارا در جہاں اسرارِ پنہاں کردۂ

کے کند آنکس کہ باشد کج نظر اندازۂ ؛ گرد پایت خوبرویانِ جہاں را غازۂ
سیدا اندر جہاں داری بلند آوازۂ ؛ گلشنِ اسلام را دادی بہارِ تازۂ
خانۂ الحاد و کفر و شرک ویراں کردۂ

بردر والائے تو خواہ زشت آید خواہ شنگ ؛ طعمہ گیر از خرمنِ آلائے تو شد بے درنگ
زیرِ پائے لطفِ تو ایران و پاکستان و بنگ ؛ ہاں رہینِ منتِ تو ہند و چین، از زنگ و فرنگ
از حقائق وز معارف گل بداماں کردۂ

زاہدِ کشمیر را اسرارِ دیں آموختی ؛ خاکِ تیرہ را قبا از تارِ عرفاں دوختی
وز درون خار و خس اوہامِ باطل سوختی ؛ شعلۂ از آتشِ خود در دلم افروختی
ذرۂ ناچیز را مہرِ درخشاں کردۂ

حسنؔ کی اتباع میں چند اشعار:

اے ضیا بارِ ہدیٰ اے مشرقِ انوارِ حق
ذرہ ہائے تیرہ را از فیض رخشاں کردۂ

چشمۂ رشد و ہدایت از لبِ لعلت رواں
جاری از دستِ کرم انہارِ عرفاں کردۂ

روضۂ دینِ مبیں شد ایمن از خوفِ خزاں
چوں ز رشحاتِ قلم خود کارِ نیساں کردۂ

عام کردی دولتِ عرفانِ ختم الانبیاؐ
مورِ بے سرمایہ را تاجِ سلیماں کردۂ

باز کردی چوں درِ گنجینۂ فیضِ امامؑ
بے نیاز از قصۂ دہ مردہ گویاں کردۂ

فقہ و تاریخ و تفسیر و حِکم آموختی
خامِ خوبانِ جہاں را رشکِ لقماں کردۂ

ظلمتِ اوہامِ باطل دور شد از شرق و غرب
مشعلِ نورِ محمدؐ چوں فروزاں کردۂ

ساربانِ عرب را اے ساقیٔ بزمِ ہدیٰ
مست و مخمور از مئے عرفانِ قرآں کردۂ

مردۂ صد سالہ را زندہ نمودی بے گماں
آب از عینِ حیاتِ علم ارزاں کردۂ

اے طبیبِ دردِ دل اے حاذقِ امراضِ جاں
بارک اللہ داروئے ہر دردِ پنہاں کردۂ

آمدی وز پنجۂ الحاد و شک کردی رہا
بخت را نازم کہ با من لطف و احساں کردۂ

از قلم کردی قلم سر دشمنانِ دین را
قتلِ صد دجال از یک تیغِ براں کردۂ

وا نمودی صد گرہ از ناخنِ تدبیرِ خویش
مشکلات و معضلاتِ کار آساں کردۂ

آستاں بوسانِ احمدؐ را تو اے فخرِ جہاں
نازشِ دوراں و فخرِ تاجداراں کردۂ

خار و خاکستر نصیبِ دشمنانِ تیرہ دل
طالبانِ صادقاں را گل بداماں کردۂ

اے سرد جان و دلِ زاہد فدائے خاکِ تو ؛ ذرۂ خاکِ سیہ را نورِ افشاں کردۂ

ہفت روزہ پیغام صلح — لاہور — ۵ مارچ ۱۹۷۵ء

وہ اشرار کہاں ہیں؟

حق و صداقت کے دشمن دوزخ میں اللہ تعالےٰ سے ایک دوسرے کے لئے عذاب کی آرزو کریں گے اور جب جہنمیوں پر نگاہ ڈال کر دیکھیں گے کہ یہاں تو صرف ہمارے ہم مشرب اور یارانِ مجلس ہی ہیں تو وہ حیران ہو کر ایک دوسرے سے کہیں گے کہ مالنا لانری رجالا کنا نعدھم من الاشرار اتخذناھم سخریا ام زاغت عنھم الابصار (۳۸: ۶۲-۶۳) ہمیں کیا ہو گیا کہ ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہیں ہم شریروں میں سے گنتے تھے۔ کیا ہم ان کی ہنسی اڑاتے تھے یا ہماری آنکھیں ہی ان سے پھر گئی تھیں"۔

انسانی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ جب کبھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی بندۂ حق انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے مبعوث ہوا تو جن لوگوں کے مفاد پر ان کی تعلیمات کی زد پڑتی تھی انہوں نے اہلِ حق کی مخالفت پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا، اور عوام کو اپنا ہم نوا بنانے کے لئے ہر وہ باطل حربہ استعمال کیا جس سے وہ لوگ ان کے مقاصد کے ہم نوا رہیں۔ اور مصلحین کے ساتھ مل کر مفاد پرستوں کی گرفت سے آزاد نہ ہو جائیں۔ لیکن ان ارادوں کو ناکام بنانے کے لئے ہر دور میں عوامی سطح پر استہزاء، نعرہ بازی اور فقرہ آرائی سے کام لیا۔ اور ان تعلیمات کی تردید یا مقابلے سے گریز کیا جو اہلِ حق لاتے تھے تاکہ علمی دلائل کے مقابل شکست کھا کر اپنے مناصب، اپنی قوت اور مفادات کو خطرے میں نہ ڈال لیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء اور اہلِ حق نے خدا کی توحید، شرک کی مذمت، انسانیت کے شرف اور حق و انصاف کے قیام پر زور دیا لیکن باطل پرستوں نے اپنی دوکان اجڑتی دیکھ کر انہیں ہدفِ استہزا بنا کر لوگوں کی نظروں سے گرانے کی سر توڑ کوشش کی۔ کیا خدا نے اسے ہی نبی بنانا تھا؟ یہ تو دیوانہ ہے، ساحر ہے، عقل سے بے بہرہ ہے، شر پسند ہے، ملک میں فساد کر کے حکومت اور دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بڑا نیکو کار بنا پھرتا ہے۔ ہمارے بزرگوں کو مشرک اور گمراہ کہتا ہے۔ کیسا خدا کا فرستادہ ہے۔ ہماری طرح کھاتا پیتا ہے۔ بازاروں میں مارا مارا پھرتا ہے۔ اس کی بات مت سنو اور سادہ لوح لوگوں کو نہ سننے دو۔ اس کے پیچھے لگ کر بزرگوں کے مذہب کو چھوڑنا حماقت ہے۔ ہمارا دین سب سے اچھا ہے۔ پھر خدا کو نبی بنانا ہوتا تو کسی رئیس کو بناتا ایک رذیل کو یہ مرتبہ کیسے مل سکتا ہے وغیرہ وغیرہ"

یہ وہ طریق ہے جو ہمیشہ ہی حق کے مخالف اختیار کرتے رہے۔ اور سادہ لوح عوام الناس، اپنے مفادات کے خلاف باطل پرستوں کے بہکانے میں آکر اہلِ حق کے خلاف نبرد آزما رہے۔ لیکن دوزخ میں پہنچکر ان "اشرار" یا دوسرے لفظوں میں "دین کے دشمنوں" کو وہاں نہ پا کر نادم ہوئے۔

امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ) میں بھی جب کبھی قرآنی تعلیمات سے بے رغبتی، اخلاقی بگاڑ اور دشمنانِ دین اسلام کے عقلی و علمی حملوں کے وقت کوئی مجدد، محدث، اہل اللہ یا عالم حق کھڑا ہوا اور زمانے کے مولویوں، پیروں، مشائخ، سجادوں اور مذہبی اجارہ داروں کی موجودگی میں اس نے اپنے علم سے خدا کی وحدانیت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن حکیم کی حقانیت کے متعلق دلائل کے انبار لگا دیئے، اور اپنے خُلق سے ایک گروہ کو اپنے گرد جمع کر کے فدا بنا دیا تو جبہ و عمامہ کے تیور بدل گئے۔ ہوس اقتدار کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ انہیں اپنی دوکان کی رونق کم ہوتی نظر آئی تو لوگوں کی توجہ کو ہٹانے کے لئے دشمنانِ حق کے ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ "یہ مصلح بنا پھرتا ہے، بزرگوں کا منکر ہے، ختم کا مخالف ہے، قبروں پر جانے سے روکتا ہے۔ عربی کی گرامر سے بے خبر ہے، کسی مرشد کامل کی بیعت نہیں کی۔ ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، بھلا خدا ایسے فریبیوں کی سنتا ہے، مفتی شہر نے اسے کافر کہہ دیا ہے۔ یہ کوئی نیا قرآن جانتا ہے۔ پہلے بزرگ کوئی احمق تھے۔ ایسے بے دینوں کے پاس جانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے وغیرہ" حضرت صدیق اکبرؓ سے لیکر چودھویں صدی تک کونسا مصلح اور اہل اللہ گذرا ہے۔ جسے دوکاندار مُلّاؤں نے اپنے ابلیسی پروپاگنڈے کے جال سے بچ نکلنے دیا ہے۔

اور ہمارے زمانے میں تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے آغاز میں حکمرانوں کی مصلحتوں کی وجہ سے تکفیر و تکذیب کی لعنت جس قدر عام ہوئی اس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں دوسری جگہ نہیں ملے گی۔ ہر مسجد، ہر خانقاہ، ہر دینی درسگاہ میں تکفیر کی مشینیں ڈھل رہی تھیں اور دوسری طرف عیسائی، برہمو سماجی، آریہ سماجی اور نیچری اسلام پر حملہ آور تھے اور وقت کے مولوی بقول مولانا حالی:—

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

کا وظیفہ رٹ رہے تھے۔ اور جہاں دشمن کے حملوں سے مسلمانوں کے قلوب میں اسلام کے متعلق شکوک بڑھ رہے تھے اور ان میں سے لاکھوں مسلمان عیسائیت اور کفر کی آغوش میں جا چکے تھے۔ گنتی کے چند اہل دل مثلاً مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا آل حسن وغیرہم کے سوا کسی کو اسلام کا ہوش نہ تھا۔

ایسے حالات میں قادیان کے دُور اُفتادہ گاؤں سے ایک مردِ حق میرزا غلام احمدؒ کی دینی غیرت جوش میں آئی۔ آپ نہ کسی مشہور دینی درسگاہ کے فارغ التحصیل تھے نہ سجادہ نشین، نہ کسی خانقاہ کے مجاور اور نہ ہی کسی صاحب جبہ و عمامہ کے منظور نظر، مگر جب دیکھا کہ ملک بھر میں اسلام کے خلاف طوفان برپا ہے اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی مسکت و شافی جواب نہیں دیا جا رہا تو آپ نے قلم تھاما۔ اور آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند کے خلاف پے در پے مضامین رسالوں میں شائع کر کے اس کا منہ بند کر دیا، لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ قرآن و وحی کی صداقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی عظمت و فوقیت ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ آریوں، برہمو سماجیوں، ناستکوں، نیچریوں اور منکرینِ الہام کا منہ بند کر دیا جائے اور اس مقصد کے پیشِ نظر آپ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف براہینِ احمدیہ لکھی۔ پھر اس کے بعد سرمہ چشم آریہ، شحنہ حق، وغیرہ کے ذریعہ آریہ سماج پر اور جنگ مقدس، انجام آتھم، پادری فتح مسیح اور سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب، چشمہ مسیحی وغیرہ لکھ کر عیسائیت پر ضرب کاری لگائی۔ بیسیوں کتابوں اور رسالوں کے ذریعے اسلام کی صداقت کو عیاں کیا، اور اپنے مشن کی تکمیل کے لئے جہاں حق پرست علماء کو اپنے گرد جمع کر لیا وہاں ایک جماعت تیار کی جس نے دامے درمے قلمے سخنے ملک بھر میں اسلام دشمن قوتوں کو میدان سے بھاگنے پر مجبور کیا نیز اسلام کی عظمت پر بلند پایہ لٹریچر پیدا کر کے مسلمان قوم کو حیاتِ تازہ بخشی اور نہ صرف قرآن کی تعلیمات کو عام کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت گھر گھر تک پہنچائی بلکہ اقصائے عالم میں براہین و استدلال کے ذریعہ غلبۂ اسلام قائم کرنے کے لئے عالمگیر تحریک چلائی اور تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ غلبۂ اسلام اور باطل کی جمعیت کو روندنے کے لحاظ سے یہ دور حضرت مرزا غلام احمدؒ اور آپ کے رفقاء اور جاں نثار ناصروں مولانا نورالدین، سیّد محمد احسن امروہی، مولانا عبدالکریم، مولانا محمد علی، خواجہ کمال الدین وغیرہم کا دَور ہے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس زمانے کا مسلمان اس عظیم خادمِ اسلام کی راہ میں آنکھیں بچھاتا، اس کے برعکس اس شخص کی مخالفت کو خدمتِ دین قرار دے لیا۔ اور وسائل وہی استہزاء، فقرہ بازی، تمسخر وغیرہ کے اختیار کئے۔ یہ علماء حضرت مرزا صاحب کے مقابل اسلام کی حمایت میں کوئی قابلِ ذکر لٹریچر تو پیدا نہ کر سکے صرف ایسے حربے اختیار کئے جن سے سفہاء کی سفاہت کی تسکین ہو اور لوگ آپ سے متنفر ہو کر قریب نہ آئیں۔ "مرزا کے پاس نجوم کے آلات ہیں جن سے

[illegible]

یہ ہے وہ دینداری، یہ ہے وہ منطق، یہ ہے شرافت جس کو لے کر حضرت مرزا صاحب کے مخالف میدان میں اُترے ۔ اسی سُنت ابلیس پر عمل کرتے ہوئے خدمت قرآن کے میدان میں ناکام رہ کر ایک گروہ نے جماعت احمدیہ لاہور کے اکابر کو "دوزخ کی چلتی پھرتی آگ"، "ڈوڑی پر پڑے ہوئے گوبھی کے چھلکے" وغیرہ ناموں سے یاد کیا۔ لیکن یہ سنّت ابلیس ہے۔ اہل حق علم و اخلاق سے مقابلہ پر آتے ہیں۔ گالیاں دینا، استہزاء سے کام لینا، پتھر مارنا، سامنے ننگے ہو کر ناچنا گالیوں سے لبریز خطوط لکھنا، مکانوں کو آگ لگانا، قتل کرنا بھی مخالفت کا ایک طریق ہے مگر باطل پرستوں کا شکست خوردہ ذہنیت رکھنے والوں کا، کفار کا، اسلام کا ہرگز نہیں ۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا نہیں ۔ ابو جہل، ابو لہب اور ان کے مشرک پیرو کاروں کا۔

لیکن دنیا میں حق و باطل کی یہ آویزش کبھی ختم نہیں ہوگی، اس میں اہل حق کے لئے ایک نصیحت ہے جسے نظر انداز کرنے سے ان کی ترقی کی رفتار اور پیشقدمی رُک جاتی ہے۔ شیطان ہمیشہ ہی سے اہل حق کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتا چلا آیا ہے اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ اہل حق شیطانی نعروں کا جواب دینے لگ جاتے ہیں۔ اور پھر اس میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں۔ اور اس طرح خدمتِ دین اور اشاعتِ حق کا جو مقصد ان کے سامنے ہوتا ہے وہ نگاہوں سے دُور ہونے لگتا ہے، وہ اخلاق اور علم کی اس سطح تک گر جاتے ہیں ۔ جہاں ان کے مخالف ہوتے ہیں۔ اور یہی شیطان کا منشاء ہوتا ہے۔ اس لئے یاد رہے کہ ہر حق پرست جماعت کا اوّل و آخر فرض یہ ہے کہ وہ شیطان کے جال کو توڑ دے ۔ استہزاء کے ہر ہتھکنڈے کو نظر انداز کر دے اور اذا مرّوا باللغو مرّوا کراما پر عمل پیرا ہو کر امام زمانؑ کے غلبۂ اسلام کے خدائی مشن کو اپنی مساعی کا مرکز بنا لے ۔ حضرت مرزا صاحب کا وجود صداقت اسلام پر زندہ شہادت تھا۔ آپ ہمارے درمیان نہیں ۔ اب جماعت ہی آپکی جانشین ہے اور اس ذمّہ داری کی ادائگی اسی صورت ممکن ہے کہ جماعت کا ہر فرد اسلامی اخلاق کا کامل نمونہ بن جائے اور اس کے وجود سے اسلام کے زندہ ہونے کا ثبوت ملے ۔ پھر حضرت مرزا صاحب نے اسلام کی صداقت اور برتری کے سلسلہ میں اپنی بلند پایہ تصانیف میں دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اس لئے ہم میں سے ہر ایک فرد کا فرض ہے کہ وہ دنیا میں باعزّت روزی کمانے کے بعد اپنی تمام صلاحیتیں اپنے امام کے خدائی مقاصد کی تکمیل میں صرف کرے۔ گذشتہ ہنگاموں نے واضح کر دیا ہے کہ سنجیدہ اکثریت آپ کے ساتھ ہے بالخصوص ملک کا تعلیمیافتہ طبقہ آپ کی خدماتِ دین کا معترف اور ہم نوا ہے ۔ اس کے علاوہ مجلسی زندگی میں اپنی روش پر نظر ثانی بھی ضروری ہے۔ ایک شر پسند طبقے کی وجہ سے تمام قوم سے بدظنی نامناسب ہے ۔ قریب آنے سے غلط فہمیاں دُور ہو سکتی ہیں۔ حضرت صاحب ملّتِ اسلامیہ کے اتحاد اور اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ افتراق کے لئے نہیں ۔ ہماری جماعت کی اساس اس یقین پر ہے کہ دنیا کی نجات کلمہ طیبّہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لانے میں ہے ۔ جو شخص اس کلمہ پر ایمان رکھتا ہے وہ دائرہ اسلام میں داخل اور ہمارا بھائی ہے ۔ اسی کلمہ طیبّہ پر ایمان کا یہ نتیجہ بھی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے آخری نبی ہیں، اور اب قیامت تک اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبی اور قرآن کے سوا کوئی آسمانی کتاب نہیں، ہمارے زمانے میں اسلام کا غلبہ دلائل و براہین سے مقدر ہے اور ہماری جماعت کے قیام کی غرض اس غلبہ کو قریب تر لانا ہے ؎

از عمل ثابت کن آں نورے کہ در ایمان تست
دل چو دادی یوسفے را راہ کنعاں را گزیں

آئیے ہم اس عشق و محبت کا عملی نمونہ پیش کرکے دنیا کو اسلام کی دہلیز پر جھکا دیں۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی ۔ نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا ۔ (مُسلم)

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو قسم کے لوگ اہلِ دوزخ میں سے ہوں گے جنہیں میں نے نہیں دیکھا، ایک تو وہ لوگ جن کے پاس گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے اور وہ ان سے لوگوں کو زد و کوب کریں گے، دوسری عورتیں ہیں جو لباس تو پہنے ہوگی مگر برہنہ ہوں گی ۔ دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود دوسروں کی طرف مائل ہونے والی، ان کے سر اس طرح ہوں جس طرح بختی اُونٹوں کے کوہان ہوتے ہیں وہ ہرگز جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو پائیں گی ۔

تشریح: اس حدیث سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر علوم غیبیہ سے سرفراز فرمایا تھا اور قیامت تک ہونے والی باتوں کو بالکل یوں دکھا دیا تھا جیسے پردہ سکرین پر کوئی فلم دکھائی جاتی ہے مذکورہ حدیث میں عورتوں کے متعلق جو کچھ حضور علیہ السّلام نے فرمایا ہے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی شخص چودھویں صدی میں سب کچھ دیکھ کر اس کا نقشہ کھینچ رہا ہے آیئے اب اس حدیث کی تشریح بھی سُن لیجئے :۔

کاسیات کے ایک معنے تو یہ ہیں کہ وہ عورتیں جن کو اللہ تعالےٰ نے نعمائے دنیوی سے وافر حِصّہ عطا فرمایا ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کی شکرگذاری سے عاری ہیں یعنی بجائے شکر کرنے کے ان کے اندر تمرّد اور سرکشی کا مادہ بڑھ گیا ہے ۔

دوسرے معنے یہ ہیں کہ وہ اس قسم کا لباس زیبِ تن کرتی ہیں کہ جسم کا بعض حِصہ تو مستور ہوتا ہے اور بعض حِصہ حُسن و جمال کے اظہار کے لئے کھُلا رکھتی ہیں۔

تیسرے معنے یہ ہیں کہ وہ اس قسم کا لباس پہنتی ہیں جو ان کے بدن کے رنگ تک کی چُغلی کھاتا ہے مائلات کے معنے یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کی اطاعت سے گریز کرنے والی یا انحراف کرنے والی ہیں۔

چوتھے معنے یہ ہیں کہ بڑے ناز و ادا اور تبختر سے چلنے والی ہیں یہ چال شریف عورتوں کی نہیں ہوتی جو کہ نہایت احتیاط اور حیا کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے چلتی ہیں۔

مُمیلات کے معنے اس انداز سے چلنا ہے کہ جس سے کندھوں میں ایک خاص قسم کا جھکاؤ پیدا ہو جاتا ہے عورت کے لئے یہ چال بھی زیبا نہیں کیونکہ اس طرح سے اس کی شرافت و نجابت پر حرف آتا ہے ۔

ایک علامت دوزخی عورتوں کی یہ بیان فرمائی کہ ان کے سر یوں ہوں گے جیسے کہ اونٹوں کے کوہان ہوتے ہیں اس دور میں یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ۔ عورتیں بازار سے مصنوعی بال خرید کر سروں پر لگا لیتی ہیں اور ان کے سر واقعی اونٹ کے کوہان کی طرح نظر آتے ہیں۔ ایسی عورتیں دوزخ کا ایندھن ہوں گی، کیونکہ انہوں نے تصنع، تکلّف اور بناوٹ سے کام لیا اور پھر ایسے انداز اختیار کئے جو دوسروں کے لئے امتحان کا موجب بن گئے ۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ مسلمان مستورات کو شرم و حیا کے زیور سے آراستہ رکھے اور اس قسم کی باتوں سے محفوظ رکھے جن کا انجام خدا کی ناراضگی ہوتا ہے ۔

محترم مرزا ناصر احمد صاحب خلیفہ ربوہ } چوہدری محمد ظفراللہ خاں کا مضمون "میرا دین" دوبارہ الفضل میں شائع فرما کر جماعت کی نئے حالات میں رہنمائی کریں ۔۔۔۔۔۔ (ادارہ)

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں سابق صدر عالمی عدالت انصاف

میرا دین

نوٹ: معاصر ہفت روزہ لاہور (مؤرخہ ۱۷ر فروری ۱۹۸۵ء) نے جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں سابق صدر عالمی عدالت انصاف کا ایک مضمون بہ عنوان "میرا دین" شائع کیا ہے۔ مکرم چوہدری صاحب کا یہ مضمون احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اور اس کے امیر حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ کے اعتقادات کی صداقت پر برہانِ نیّرہ ہے جس میں فاضل مضمون نگار نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے معتقدات اور مقاصد حیات کی عکاسی کرتے ہوئے انہیں "مجدد، محدث اور مسیح" تسلیم کیا گیا ہے۔ اور ان کے ظہور کو "ختم نبوت کی مہر توڑنے والا" ٹھہرایا ہے۔ البتہ چوہدری صاحب کا یہ فقرہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اس مسیح موعود کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ہر بار نبی اللہ کا لقب بھی شامل ہے۔ اصلاح طلب ہے۔ "نبی اللہ" کا لفظ صرف صحیح مسلم میں ——— آیا ہے۔ دوسری حدیث میں مسلم نے بھی اسے ترک کر دیا ہے اور حضرت مرزا صاحب نے اس حدیث کو خلافِ قرآن قرار دیا ہے۔ صرف تاویل کر کے "نبی اللہ" کو محدث کے معنوں میں قبول کیا ہے (دیکھئے ازالہ اوہام) تاہم چوہدری صاحب نے "نبی اللہ" کو ایک "لقب" بتایا ہے، اور کسی عقلمند نے لقب، خطاب، اعزاز، مجاز، استعارہ، ظل، عکس، کو آج تک حقیقت قرار نہیں دیا لہٰذا لقبی نبی کی اساس پر اہلِ اسلام کو کافر ٹھہرانا خوفناک جسارت ہے۔ چوہدری صاحب کا مضمون ہم من و عن ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ کاش اس حقیقت کا اظہار کم از کم ۷ر ستمبر سے پہلے ہوتا۔ کاش اس عقیدہ کی موجودگی میں چوہدری صاحب نے قائداعظم کا جنازہ پڑھ لیا ہوتا۔ اور یہ مضمون اُس سے قبل ہی شائع کیا ہوتا۔ افسوس۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

ہم علمائے حقہ سے غور کے طالب ہیں۔

(مدیر)

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشہد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ

میں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اور اس کی تمام صفات پر صدق دل سے محکم اور پختہ یقین رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب، نقص، کمی، خامی، سستی اور غفلت سے منزہ اور پاک ہے اور تمام صفاتِ حسنہ سے بدرجہ اتم متصف ہے۔ جس سے بڑھ کر قیاس کرنا نہ صرف تصور میں نہیں آ سکتا۔ بلکہ ان پر پورے طور پر احاطہ کرنا ہی انسانی ذہن اور وہم و گمان سے بالاتر ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے تمام رسولوں پر پختہ یقین رکھتا ہوں۔ اور میرا ایمان ہے کہ تمام خیر و شر کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے یہاں تک کہ کوئی پتا بھی بجز اس کے اذن کے ہل نہیں سکتا۔

میں ایمان رکھتا ہوں کہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کا تمام انتظام اور انصرام فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو قانون کا پابند کر کے انسان کی خدمت پر لگایا ہوا ہے۔ جس سے یہ مراد ہے، کہ قانونِ قدرت کا مطالعہ کر کے انسان کائنات کے ہر حصہ سے بیش از بیش فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم تمام کائنات کی کُل تفاصیل پر حاوی ہے کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں۔ **وقت اور زمانہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔** اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر کوئی شے نہیں باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ماتحت انسان کو خیر اور شر میں انتخاب کا اختیار دیا ہے اور انسان **اس اختیار کو استعمال میں لا** کر اللہ تعالیٰ کے قرب کے اعلیٰ مدارج (اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ توفیق سے) حاصل کر سکتا ہے۔

آفرینش کا مقصد

اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے اور اسے اپنی زندگی کے مقصد کے حصول کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ قوتیں اور استعدادیں عطا فرمائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان اور کائنات کو ایک مقصد کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ انسان کی آفرینش کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے تئیں اپنے ظرف کے مطابق اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بنائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے مناسب اور موزوں استعدادیں اور قوتیں عطا فرمائی ہیں، اور کائنات کو قانون کا پابند کر کے اس کی خدمت پر لگایا ہے اور انبیاء اور مرسلین کے ذریعے زندگی کے ہر پہلو کے مناسب ہدایت کا چشمہ جاری فرمایا ہے۔

حضورؐ کی بعثت سے پہلے

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے پہلے جس قدر انبیاء مبعوث ہوئے ان کے ذریعے بھیجی ہوئی شریعتوں اور ہدایتوں کا حلقہ مختص القوم اور مختص الزمان تھا۔ بے شک ان میں وہ تعلیمیں بھی تھیں جو ابدی صداقتوں پر مشتمل تھیں مثلاً **ہستی باری تعالیٰ۔ توحید الٰہی حقیقت نبوت و رسالت۔ غلبۂ حق اور** ہر انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کے **قرب کے حصول کا امکان وغیرہ**۔ لیکن ایسی تعلیمات اور احکام بھی تھے جو اس قوم اور اس زمانے ہی کے لئے مخصوص تھے۔ جن کی طرف پہلے انبیاء مخصوص کئے جاتے رہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ وقت قریب آیا کہ بنی نوع انسان ایک قوم بننے والے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال رحمت سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اور آپؐ کے ذریعے وہ تعلیم نازل فرمائی اور بنی نوع انسان کو وہ ہدایت میسر آئی جو تمام انسانوں کے لئے اور **تمام زمانوں کے لئے کامل اور اتم تھی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام انسانوں کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔**

تمام صداقتوں پر حاوی

قرآن کریم تمام ان صداقتوں پر حاوی ہے جو پہلے صحائف میں بیان کی گئی تھیں۔ البتہ قرآن کریم میں وہ تعلیمات چھوڑ دی گئی ہیں جو محض وقتی یا قومی تھیں، اور جن کی اب ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ **جو ابدی صداقتیں** مرورِ زمانہ سے نظروں سے اوجھل ہو گئی تھیں یا فراموش کر دی گئی تھیں، ان کو قرآن کریم میں پھر تازہ کر دیا گیا ہے اور آئندہ جن **حکمتوں اور جن معارف کی انسان کو ضرورت تھی** ۔ وہ قرآن کریم میں مہیا کر دیئے گئے ہیں۔ اس طور پر قرآن کریم تمام صداقتوں کا جامع ٹھہرتا ہے۔

قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم میں کسی قسم کی خامی یا کمی نہیں اور قرآن کریم کی کوئی ہدایت کوئی حکم (امر ہو یا نہی) زائد یا بے ضرورت نہیں۔

محکم اور پختہ یقین

قرآن کریم کی آیت کریمہ ——— **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** (سورۃ مائدہ آیت ۳)

پر میرا **محکم اور پختہ یقین** ہے۔ قرآن کریم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نمونے میں ہر نوع کی تمام وہ ہدایت موجود ہے جس کی بنی نوع انسان کے کسی فرد کو کسی وقت بھی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے ساتھ ایسا ہوا اور قرآن کریم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں کے مطابق **اُمّتِ مسلمہ** نے قرآن کریم کی ہدایت کی رُوح سے غفلت برتنا شروع کی۔ حتیٰ کہ وہ کیفیت ہو گئی جس کو قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

یا ربّ انّ قومی اتخذوا ھٰذا القراٰن مھجوراً ۝

(سورۃ فرقان آیت ۳۱)

تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق احیائے اسلام کے لئے مسیح موعود مہدی معہود علیہ السلام کی بعثت اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے ماتحت ہوئی۔ **آپ کی بعثت کی غرض اسلام کا زندہ کرنا اور اسے سب ادیان**

پر غالب کرنا تھی۔

رسولِ اکرمؐ خاتم النبیّین ہیں

میں پختہ ایمان رکھتا ہوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم آفرینش ہی سے خاتم النبیّین ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ:۔

ماکان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولٰکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیّین ؕ وکان اللّٰہ بکل شیءٍ علیماً ؕ

(سورۃ احزاب آیت ۴۱)

میں مذکور ہے۔ اس حقیقت کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں مختلف پہلوؤں سے واضح فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا ؎

ہست او خیرالرسل خیرالانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

پھر فرمایا ؎

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

یعنی ایک تو انسانیت اور نبوت کے تمام کمالات اعلیٰ سے اعلیٰ اور اتم سے اتم درجے پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں مجتمع تھے اور دوسرے یہ کہ حضور کی بعثت سے ہر نبوت اور ہر نبی ختم ہو گیا ہے۔

کسی قدر مختصر تشریح

اس حقیقت کی کسی قدر مختصر تشریح یہ بھی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بعثت سے قبل تمام الٰہی شریعتیں اور ہدایتیں اور تمام نبوتیں اپنے اپنے حلقہ میں زندہ اور جاری تھیں اور ہر قوم اپنے نبی کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے کی مکلّف تھی۔ مثلاً یہودی اور عیسائی حضرت موسےٰؑ کی تعلیم پر اور اُن انبیاء کی تعلیم پر جو پے درپے حضرت موسےٰؑ کے بعد مبعوث ہوتے رہے۔ عمل کرنے کے مکلّف تھے۔ اسی طرح زرتشت نبی کی قوم جس کی طرف وہ مبعوث کئے گئے تھے ژند اوستا کی تعلیم پر عمل کرنے کی مکلّف تھی۔ حضرت موسےٰؑ کی بعثت سے زرتشت کی شریعت اور ان کے احکام منسوخ نہیں ہوئے۔ نہ زرتشتؑ کی نبوت کا اجرا ختم ہوا اور یہی صورت باقی سب صاحبِ شریعت انبیاء کے متعلق تھی۔ جو مختلف زمانوں میں اور مختلف اقوام میں مبعوث ہوتے رہے اور ان کی اُمتیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک اپنی اپنی شریعت اور اپنے اپنے انبیاء کے احکام اور ہدایات پر عمل کرنے پر مکلّف تھیں۔ اور ان سب انبیاء کی نبوتیں بھی جاری تھیں۔

ایک رُوحانی نظام

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بعثت کے ساتھ حضرت موسےٰؑ کی زرتشت کی۔ کنفیوشس کی۔ بدھ کی۔ کرشنؑ کی غرض تمام صاحبانِ شریعت اور تابع شریعت انبیاء کی نبوتیں ختم ہو گئیں[1]۔ اور تمام بنی نوع انسان پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور حضور کی لائی ہوئی شریعت پر اور حضور کی ہدایات پر عمل کرنا لازم ہو گیا۔ وہ سب شریعتیں اور نبوتیں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بعثت تک زندہ اور جاری تھیں۔ لیکن حضورؐ کی بعثت پر منسوخ اور ختم ہو گئیں۔ اور آئندہ کے لئے صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شریعت اور ہدایات جاری رہیں۔ اس شریعت میں اور ان ہدایات میں نہ ایک شعشہ کی زیادتی کی گنجائش ہے نہ کمی کی۔ مرورِ زمانہ سے خواہ حیاتِ انسانی کا خاکہ کس قدر تبدیل ہوتا چلا جائے قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نمونہ سے ہر قسم کی ہدایت (جس کی کسی وقت بھی ضرورت پیش آئے) میسّر آتی رہے گی۔۔۔۔۔ لیکن یہ ضروری تھا کہ جب انسانوں کے ذہن قرآن کریم میں سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نمونے سے ضروری اور مطلوبہ ہدایت حاصل کرنے سے قاصر رہیں تو ایک روحانی نظام کے ذریعہ وہ ہدایت حاصل ہوتی چلی جائے۔ یہ نظام مجددین۔ محدثین اور مصلحین کا نظام ہے۔

ایک مصلح کا ظہور

قرآن کریم کی رُو سے واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم وھوالعزیز الحکیم (سورہ جمعہ آیت ۴) کی آیۂ کریمہ کے مطابق ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا تھا جس میں اللہ تعالےٰ کی غالب حکمت کے مطابق اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق اُمتِ مسلمہ میں ایک مصلح کا ظہور مقدر تھا جو بوجہ فنافی الرسول ہونے کے ظلّی طور پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پیشگوئیوں میں اس وجود کا نام مسیح اور مہدی بھی فرمایا گیا ہے۔ اس وجود کو ظلّی طور پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نبوت کے عکس میں بھی ملبوس ہونا تھا۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے جہاں اس مسیح کا ذکر فرمایا ہے اس کے ساتھ ہر بار "نبی اللہ" کا لقب بھی شامل ہے۔

ایسے نبی کا اُمتِ مسلمہ میں ظہور ختم نبوت کی مہر کو توڑنے والا نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے فیضانِ نبوت کے جاری رہنے کا مظہر ہے۔

حضور کے دین کی شوکت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام تعلیم آپ کی تمام ہدایات۔ آپ کی تمام جدوجہد۔ آپ کی ساری سعی رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اطاعت اور حضور کے دین کے باغ کی سرسبزی و شادابی اور اس کی شوکت ہی کے لئے وقف تھی۔ آپ کی ساری تعلیم میں کہیں دُور کا (خفیف سے خفیف) اشارہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اطاعت سے انحراف کا یا اس پر کسی قسم کی زیادتی کا شبہ ہو سکے، جیسے آپ نے فرمایا ؎

ما مسلمانیم از فضلِ خدا — مصطفےٰ ما را امام و مقتدا
یک قدم دُوری ازاں روشن کتاب — نزدِ ما کفراست و خسران و تباب

آپ نے بار بار اس امر پر زور دیا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ کو عطا کیا گیا۔ وہ محض اور صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی کامل فرمانبرداری اور حضور کے ساتھ کامل عشق ہی کے طفیل ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا:۔

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است ÷ خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است
دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش ÷ در ہر مکاں ندائے جمالِ محمدؐ است
ایں آتشم ز آتشِ مہرِ محمدی ست ÷ وایں آبِ من ز آبِ زلالِ محمدؐ است
ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم ÷ یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است

مسیح موعودؑ کی متابعت کا نتیجہ

حقیقت یہ ہے اور میں اللہ تعالےٰ کو حاضر و ناظر جان کر اور اس کو گواہ رکھ کر پورے یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھ ایسے نابکار۔ گنہگار۔ غافل انسان کو جو محبت اور جو عشق (اور میں جانتا ہوں کہ یہ بھی "چھوٹا منہ اور بڑی بات" کی مثال ہے)۔۔۔۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ساتھ ہے وہ محض اور خالصتہً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی متابعت کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے اپنی کمال ذرہ نوازی سے مجھے بخشا ہے میں کسی طور ایک لحظہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ جس ذات کے ذریعے میرے جیسے لاکھوں انسانوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے درجاتِ عالیہ میں کسی کمی یا تنقیص کا مجرم تھا۔

عاشقانہ فریفتگی کا والہانہ اظہار

آپ کے کلام (نثر اور نظم دونوں) میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے درجاتِ عالیہ کی ایسی ایسی تفاصیل اور تشریحات ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اس درجہ کی عاشقانہ فریفتگی کا والہانہ اظہار ہے جو کسی عاشقِ رسول

[1] قرآن کی رُو سے ہر نبی مطاع ہوتا ہے کسی دوسرے نبی کا مطیع نہیں۔ (مدیر)

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے کلام میں اس درجہ کے قریب بھی نہیں پہنچ سکا۔ میں یہاں صرف ایک مثال کے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں ؎

شانِ احمد را کہ داند جُز خداوندِ کریم ✿ آنچناں از خود جدا شد کز میاں اُفتاد میم
گرچہ منسوبم کُند کس سُوئے الحاد و ضلال ✿ چُوں دلِ احمدؐ نمے بینم دگر عرشِ عظیم

در رہِ عشقِ محمدؐ ایں سر و جانم رَود
ایں تمنا ایں دُعا ایں در دلم عزمِ صمیم

پاکستان پارلیمنٹ کا فیصلہ

یہ مختصر بیان میرے دین اور عقائد کا ہے۔ پاکستان کی پارلیمنٹ نے قرار دیا ہے کہ یہ دین اور عقائد رکھتے ہوئے میں پارلیمنٹ کے اراکین کی کثرت کے نزدیک آئین اور قانون کی اغراض کے لئے "مسلمان" نہیں ہوں میں اس کا جواب یہی دے سکتا ہوں ؎

بعد از خُدا بعشقِ محمّدؐ مخمّرم
گر کُفر ایں بود بخدا سخت کافرم

پاکستان کی پارلیمنٹ کی اس قرار داد سے پہلے اور بعد اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور محبت کا دعوےٰ کرنے والوں میں سے بعض نے جماعت احمدیہ کے اراکین کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا جس کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے دشمنوں سے بھی روا نہیں رکھا۔ اس کی تفصیل میں جانا ضروری نہیں کیونکہ اس کی تفصیل نہ صرف تمام پاکستان میں بلکہ دنیا کے اکثر ممالک میں مشتہر ہو چکی ہے۔ اور ابھی ان کارروائیوں اور ایسی تحریکوں کا اختتام ہوتا نظر نہیں آتا۔ طرح طرح کے مطالبات حکومت سے کئے جا رہے ہیں جنہیں دہرانا میرا مقصود نہیں۔ لیکن ان کے متعلق میں اتنا ضرور واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ

آئینِ پاکستان کے فقرہ نمبر ۲۰ کی رُو سے مجھے اپنے دین کے اعلان اس دین پر عامل ہونے۔ عامل رہنے اور اس کی اشاعت تبلیغ کا حق حاصل ہے اور جیسے میں بیان کر چکا ہوں۔ میرے دین کا خلاصہ یہ ہے

لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسُول اللہ

میرے دین کا نام پارلیمنٹ خواہ کچھ تجویز کرلے۔ میرا حق ہے کہ میں اپنے دین کا (جس طور پر میں اس پر ایمان رکھتا ہوں) آزادانہ اعلان کروں اور اس پر عمل کروں اور اس کی اشاعت کروں۔ مثلاً:۔

- میں قرآن کریم کے اللہ تعالےٰ کا کلام ہونے پر محکم یقین رکھتا ہوں۔ قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ اس کے علوم کی اشاعت کرنا۔ اس کے احکام و نواہی اور اس کی ہدایت پر عمل کرنے کی تلقین کرنا اور خود ان پر عامل ہونا اور عامل رہنا (جس قدر کہ اللہ تعالےٰ توفیق عطا فرمائے)

میرے دین کا حصّہ ہے مجھے اس سے روکا نہیں جا سکتا۔

- میرے دین میں جو عبادات مقرر ہیں۔ اُن کو اخلاص نیت سے اور سنوار کر ادا کرنا میرے دین کا جزو ہے۔ نمازوں کے لئے جہاں تک ہو سکے مسجدوں میں حاضر رہنا۔ باجماعت نماز ادا کرنا۔ نماز کے تمام ارکان کو پورا کرنا۔ مثلاً اذان، اقامت، قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ یہ سب میرے دین کا جزو ہیں۔ اسی طرح مساجد تعمیر کرنا اور مساجد کی تعمیر میں حصہ لینا بھی میرے دین کا جزو ہے۔

اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کے متعلق مزاحم ہوتا ہے تو وہ آئینِ پاکستان کی خلاف ورزی کرتا ہے

یہی صورت باقی سب ارکان اسلام اور احکام (اوامر و نواہی) کی ہے۔ ان تمام کی پابندی اور ان پر عمل میرا جزوِ ایمان ہے اور ان کی **کماحقہٗ ادائیگی کا مجھے آئین کی رُو سے پُورا حق حاصل ہے۔**

مجھے یقین ہے

اگر باوجود آئین کی واضح دفعات کے شرارت پسند عناصر کی طرف سے ایسی کارروائیوں کا اعادہ ہو جن سے پاکستان بلکہ تمام دنیا کے شریف اور دین تک ان باتوں کا علم پہنچا ہے۔ اپنے دلوں میں بیزاری محسوس کرتے ہیں تو بھی مجھے یقین ہے کہ جیسے جماعتِ احمدیہ نے پچھلے سال کے آخری سات ماہ میں اپنے صبر اور استقامت کا ثبوت دیا ہے۔ آئندہ پیش آمدہ حالات میں بھی وہ اپنا ویسا ہی کردار قائم رکھیں گے۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ کبھی اپنے دل میں کسی انسان کے متعلق دشمنی، حقارت یا نفرت کے جذبات محسوس نہیں کئے۔ اسے بھی میں اللہ تعالےٰ کا فضل اور رحم شمار کرتا ہوں۔ یہی حالت اس وقت میرے دل کی ہے۔ میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے اُمید رکھتا ہوں۔ کہ جب تک وہ اپنے فضل سے اس حالت کو بھی قائم رکھے۔ اگر ایسے حالات پھر پیدا ہو جائیں۔ جن میں ہماری جانیں، عزتیں، آبروئیں، ہمارے اموال اور ہماری املاک خطرے میں پڑ جائیں۔ تو میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ ایسے امتحان میں جماعت اللہ تعالےٰ کے فضل سے اپنی ثابت قدمی کا ثبوت دیتی چلی جائے گی۔ اور در پیش حالات سے کسی قسم کی گھبراہٹ میں مبتلا نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہمیں جو تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کا اندازہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان دو شعروں سے بخوبی ہو سکتا ہے ؎

نے تو ہم از مردن پنہیں خوف از دل افگندیم
کہ ما مردیم زاں روزیکہ دل از غیر برکندیم
دل و جاں در رہِ آں دلستاں خود فدا کردیم
اگر جانہا زما خواہد بجد دل آرزو مندیم

ہر وقت تیار

جان اور مال، عزت اور آبرو۔ اولاد اور عزیز دوست اور متعلقین یہ سب اللہ تعالےٰ کی عطا ہیں اور اس کی امانت ہیں۔ مومن ان سب کا امین ہے اللہ تعالےٰ جب بھی ان امانتوں میں سے کوئی یا ساری طلب کرے تو مومن کی یہ شان نہیں کہ ان کو امانت کے ادا کرنے میں کسی قسم کا تامّل ہو۔ اس نے تو ہمیں ان ادائیگی پر ہر وقت تیار رہنے کا بہت پہلے سے حکم دے رکھا ہے ؎

ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصّٰبرین۔ الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اولٰئک علیہم صلوٰت من ربہم ورحمۃ واولٰئک ہم المہتدون۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۵۶ تا ۱۵۸)

"روم جل رہا ہے اور نیرو بانسری بجا رہا ہے"

چوتھا سالانہ گھوڑ دوڑ ٹورنامنٹ

ربوہ رائیڈنگ کلب کے زیر اہتمام چوتھا سالانہ گھوڑ دوڑ ٹورنامنٹ مورخہ ۲۱، ۲۲، ۲۳ تبلیغ ۱۳۵۴ ہش (۲۱، ۲۲، ۲۳ فروری ۱۹۷۵ء) بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار تعلیم الاسلام کالج کے جانب جنوب منعقد ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ العزیز۔

احباب کرام سے درخواست ہے کہ ٹورنامنٹ میں تشریف لا کر کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی فرمائیں۔ ٹورنامنٹ کا افتتاح تین بجے بعد نماز جمعہ ہوگا۔ (الفضل ۲۱ فروری ۱۹۷۵ء)

محترم مولانا دوست محمد صاحب

چند ہم عصر

راقم الحروف آج کل اپنے بعض عزیزوں سے ملنے کے لئے کراچی آیا ہوا ہے یہاں آ کر اُردو اکیڈمی سندھ کراچی کی شائع کردہ ایک کتاب میرے مطالعہ میں آئی جس کا نام ہے: "مولوی عبدالحق۔ چند ہم عصر"۔ اس کتاب میں برصغیر ہند کے ان نامی گرامی مشاہیر کے حالاتِ زندگی قلمبند کئے گئے ہیں جو انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے تھے، انہی لوگوں میں شمس العلماء مولوی سید اکبر علی بلگرامی کا اسم گرامی بھی شامل ہے، جن کے حالات میں شیعہ سُنی تنازعات کے بارہ میں چند ایسی بصیرت افروز باتیں درج ہیں جو فریقین کے باہمی فساد کو ختم کرنے کا موجب ہو سکتی ہیں۔ ذیل میں ان باتوں کو مفادِ عامہ کی غرض سے نقل کیا جاتا ہے، جو اُمید ہے قارئین پیغام صلح اور شیعہ حضرات کے لئے موجب دلچسپی ہوگا لکھا ہے:۔

"مرحوم اگرچہ شیعہ خاندان سے اور شیعہ والدین کی اولاد تھے اور اسی وجہ شیعہ بھی سمجھے جاتے تھے۔ لیکن تعصب سے بالکل بری تھے اور شیعہ سُنی کی تفریق کو بہت بُرا خیال کرتے تھے۔ حالانکہ مرحوم کا کتب خانہ نہایت وسیع تھا، یہ عجیب بات ہے کہ اس میں شیعہ مذہب کی کوئی کتاب نہ تھی، چنانچہ جب مرحوم کتب خانہ دیکھنے کے لئے رام پور گئے تو نواب صاحب رام پور سے بھی کتب خانے کے متعلق ذکر آیا، نواب صاحب نے کسی قدر فخر سے فرمایا کہ "ہم نے وہ کام کیا جو اجداد نے نہیں کیا تھا۔ یعنی اس کتاب خانے میں سُنی مذہب کی کتابیں تو جمع تھیں ہی، لیکن ہم نے مذہب شیعہ کی کتابیں بھی جمع کی ہیں خصوصاً مُلا محمد باقر مجلسی کی بحار الانوار کی پچیس جلدیں جو حال ہی میں طہران میں طبع ہوئی ہیں۔ ہم نے منگائی ہیں"۔ مرحوم نے فرمایا کہ:۔

"شیعوں کی مذہبی کتب محض بیکار ہیں اور ہرگز قابلِ استدلال نہیں۔ جب بخاری اور مسلم جیسی کتابیں جن کی تالیف میں بے انتہا چھان بین کی گئی ہے اسقام و اغلاط سے بری نہیں ہیں تو مُلا باقر کی کتابیں کس شمار میں ہیں"

نواب صاحب نے فرمایا کہ:۔

"اور کچھ نہیں تو اتنا ضرور ہے کہ اہلِ بیت نبویؐ کے فضائل جو سُنیوں نے خصوصاً بخاری اور مسلم کے جامعین نے قلم انداز کر دیئے وہ اس میں درج ہیں"

مرحوم نے کہا:۔

"یہ بھی ایک مہمل بات ہے نبی روحانی و اخلاقی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا تھا نہ کہ اپنے اہلِ بیت کے محامد بیان کرنے کے لئے۔ ایک معمولی تمیز دار شریف آدمی بھی اپنے اہلِ بیت کے محامد اس طرح بیان کرنے کو خلاف آداب سمجھتا ہے نبی کا درجہ تو اس سے بہت ارفع تھا۔ ان سے ایسی باتوں کا سرزد ہونا خلافِ قیاس ہے۔"

"ایک روز مرحوم نے فرمایا کہ کیمبرج یونیورسٹی میں ایک ایرانی سے ملاقات ہوئی جو پڑھا لکھا اور عالم شخص تھا میں نے پوچھا "تم حضرت عمرؓ سے کیوں عداوت رکھتے ہو؟" ایرانی عالم نے جواب دیا کہ "ہم حضرت علیؓ کی پیروی کرتے ہیں" اس پر میں نے کہا کہ "حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ میں کوئی عداوت نہ تھی اگر ایسی عداوت ہوتی جیسا کہ آپ لوگوں کا خیال ہے تو وہ اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے کبھی نہ کرتے۔" ایرانی نے تعجب سے پوچھا "اس واقعہ کی تصدیق کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے" مرحوم نے اپنے کتب خانہ سے فوراً تاریخ یعقوبی مصنفہ ابن واضح کاتب عباسی جو کہ شیعہ مذہب کا عالم تھا لا کر دکھائی، یہ کتاب یورپ میں طبع ہوئی ہے اور جس کے دیباچے میں مصنف کے شیعہ ہونے کی تصدیق کی گئی ہے، ایرانی اس کتاب اور واقعہ کو دیکھ کر تائب ہو گیا اور عہد کیا کہ آئندہ کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک بڑے شیعہ مولوی تشریف لائے مرحوم نے عبداللہ خاں سے کہا کہ ذرا یعقوبی کی تاریخ جلد دوم تو اندر سے لے آؤ۔ جب وہ کتاب لے کر آئے تو انہوں نے پوچھا کہ آپ اس میں کیا ملا فرمانا چاہتے ہیں تو مرحوم نے اُن کے ہاتھ سے کتاب لے کر ایک مقام پڑھ کر سنانی شروع کی، یہ وہی مقام تھا جس کا اُوپر ذکر ہوا۔ اس کے بعد شیعہ عالم سے مخاطب ہو کر کہا کہ:۔

"آج کئی روز سے ہم میں اور ہماری بیوی میں بحث ہو رہی ہے وہ میری اس بات کو قبول نہیں کرتیں کہ حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے ہوا اور ان سے ایک بیٹا مسمی زید پیدا ہوا تھا"

اس پر حاضرین جلسہ میں سے ایک صاحب نے کہا کہ علمائے شیعہ اس واقعہ کے منکر نہیں ہیں۔ بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جبر و اکراہ کا نکاح تھا مرحوم نے نہایت تعجب سے کہا کہ:۔

"یہ خیال نہایت جاہلانہ اور ذلیل ہے دنیا میں کوئی ایسی طاقت تھی کہ وہ فاطمہ کی لڑکی کو علی سے چھین سکے یا اس سے زبردستی نکاح کر لے؟" آخر مولوی صاحب خفیف ہو کر رہ گئے اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ خلفائے اربعہ کے مناقشات اور خانگی جھگڑوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے مرحوم نے فرمایا کہ:۔

خلفائے اربعہ میں کوئی ذاتی عداوت یا دشمنی تو تھی نہیں، اگر تھی تو اتنی جتنی ہم میں اور مولوی عزیز مرزا میں مثلاً اگر کوئی جگہ خالی ہو اور اس کے لئے مولوی مرزا بھی کوشش کریں۔ اور ہم بھی تو اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہم میں دشمنی یا عناد ہے اگر اس مقام یا موجودہ ملازمت سے قطع تعلق کرنے کے بعد دوسری جگہ چلے جائیں تو ہم لوگوں میں کوئی دشمنی نہ ہوگی اور اپنے حق کے لئے کوشش کرنا دشمنی کی بات نہیں ہے۔"

شیعہ سُنی کے جھگڑے کے متعلق ان کی یہ رائے تھی کہ یہ پولیٹیکل جھگڑا ہے ان کے پاس ایک جرمن عالم کی کتاب بھی تھی جس میں اس نے اس پر خوب بحث کی ہے۔ مرحوم کا ارادہ تھا کہ اس کتاب کا ترجمہ اُردو میں کر دیں لیکن افسوس کہ یہ خیال عمل میں نہ آیا۔

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے ایک معزز ممبر نے انہیں لکھا کہ:

"میرا ارادہ ہے کہ آپ کا نام اب کی سالانہ جلسے کی صدارت کے لئے تجویز کروں اور مجھے قوی اُمید ہے کہ سب ممبر اسے خوشی خوشی قبول کر لیں گے آپ کے انتخاب کے لئے تین وجوہ ہیں۔ اوّل۔ آپ شیعہ ہیں، دوسرے عالم ہیں، تیسرے صاحب مال و جاہ ہیں"

مرحوم نے جواب میں لکھا کہ:

"جو وجوہ آپ نے میرے انتخاب کے لئے لکھے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ اس لئے کہ آپ کا فرمانا ہے کہ میں عالم ہوں، یہ غلط ہے کہ میری حیثیت ایک طالب علم سے زیادہ نہیں ہے، دوسرے یہ کہ مالدار ہوں، یہ بھی صحیح نہیں۔ البتہ اتنا ہے کہ فراغت سے کھا پی لیتا ہوں، تیسرے یہ کہ میں شیعہ ہوں، یہ سچ ہے لیکن میں رسمؐ کا شیعہ ہوں اس سے آگے بڑھنے کی میں نے ذرہ بھی کوشش نہیں کی ہے، علاوہ اس کے میں اس قسم کی کانفرنسوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا جبکہ آل انڈیا محمڈن کانفرنس موجود ہے اور اسی لئے میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا پریسیڈنٹ ہونا بھی پسند نہیں کرتا۔"

ایک روز شمس العلماء مولوی شبلی نے پوچھا کہ شیعوں کو حضرت شیخ عبدالقادر

جیلانیؒ سے کیوں عداوت ہے حالانکہ انہوں نے شیعوں کے رد وغیرہ میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ مرحوم نے فرمایا کہ :-

رد لکھنے یا نہ لکھنے سے دشمنی نہیں ہوتی بلکہ دشمنی کے اور بہت سے اسباب ہیں اگر آپ ہمارے بجائے ہوتے تو آپ کو بھی ان سے دشمنی ہوتی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ہماری سلطنت چھین لی۔ مولانا نے پوچھا وہ کیوں کر؟ فرمایا کہ آدھی اسلامی دنیا اُٹھتے بیٹھتے ان کا نام لیتی ہے۔ اگر یہ شخص نہ ہوتا تو ہمارے آئمہ کی پرستش ہوتی اگر اس طرح آپ کی سلطنت آپ کے ہاتھ سے نکل جاتی تو ہم آپ سے پوچھتے کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔

مولویوں کی جاہلانہ اور متعصبانہ باتوں سے ناراضی کا اظہار

یہ تو تھے شیعہ سُنّی تنازعات کے متعلق مرحوم کے خیالات، اس کے علاوہ عام طور پر مولویوں کی متعصبانہ اور جاہلانہ باتوں کے بارہ میں مرحوم کے رویہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"اگرچہ مرحوم تعصب سے بری اور مشرب وسیع رکھتے تھے۔ لیکن غیرت و حمیت قومی ان میں ضرور تھی اور اسلام و بانیٔ اسلامؐ پر دل سے یقین رکھتے تھے مگر مولویوں کی جاہلانہ اور متعصبانہ باتوں سے سخت ناراض ہوتے تھے۔ قیام انگلستان میں وہ اکثر ہندوستانی اور دیگر بلاد اسلامی کے طلباء اور مقیم اصحاب کی دعوتیں کرتے رہتے تھے۔ ایک بار انہوں نے کنگ ایڈورڈ ہفتم کے باڈی گارڈ کو دعوت دینے کا خیال کیا اور بذریعہ ٹیلیفون ان سے دریافت کیا ان کے افسر نے نہایت خوشی کے ساتھ دعوت قبول کی اور کہا کہ یہ تو ہمارے لئے بڑی عزت اور فخر کی بات ہے کہ ایک عالم سید نے ہماری دعوت کی ہے۔ دعوت کے دو گھنٹے پہلے اس افسر نے ٹیلی فون کے ذریعے سے پوچھا اگر آپ اجازت دیں تو مولوی صاحب کو جو ہمارے ساتھ ہیں لیتے آئیں کیونکہ ہم لوگ جاہل ہیں آپ سے کیا باتیں کریں گے۔ مرحوم نے فرمایا آپ ایک نہیں بلکہ جتنے آدمی چاہیں اپنے ساتھ لا سکتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں سے تعارف پیدا کرنے کے لئے ترکی اور ایرانی کونسلوں کو بھی دعوت دی، اور اس بے تکلفی کی وجہ سے کسی انگریز کو دعوت میں نہ بلایا۔ شام کے وقت جب سب لوگ کھانے کی میز پر آئے تو باڈی گارڈ والوں کے مولوی صاحب نے (جو غالباً پنجابی تھے) کہا کہ کھانے سے پہلے یہ بتایئے کہ آپ کے پاس گوشت، کہاں سے آیا ہے۔ مرحوم نے پُوچھا کہ اس سے آپ کا کیا مقصد ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ لندن میں کہیں حلال گوشت نہیں ملتا سب حرام ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک اپنے ہاتھ سے ذبح نہ کروں گا کبھی گوشت نہ کھاؤں گا۔ مرحوم نے کسی قدر تلخ لہجے میں جواب دیا کہ افسوس آپ جاہل ہیں اور دینِ اسلام سے بالکل بے خبر اور ناواقف ہیں۔ ایک مسلمان کے دسترخوان پر آپ کو اس قسم کے فاسدانہ خیالات و شبہات کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیا آپ کو لاتجسسوا کا قول یاد نہیں؟ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ حضرت عمرؓ جب غیر قوموں کے ساتھ معاہدہ کرتے تھے تو منجملہ اور شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہوتی تھی کہ جو مسلمان وہاں وارد ہو اس کی تین دن تک دعوت کریں کیا ان مسلمان مسافروں کے لئے مسلمان ذبح کرتے تھے یا مسلمان باورچی ہوتے تھے؟ کیا آپ کو یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ جب تک کسی شئے کے حرام ہونے کا علم نہ ہو اسے حلال سمجھنا چاہیئے۔ چونکہ یہ گفتگو مرحوم نے کسی قدر تلخ اور درشت لہجے میں کی تھی اور سوائے ہندوستانیوں کے دوسرے اسے سمجھ نہ سکتے تھے اس لئے باقی لوگ حیرت سے مرحوم کا منہ تکتے رہے۔ آخر ترکی قونسل نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ مرحوم نے سارا قصّہ دوہرایا اور کہا کہ یہ ہندوستان کے مسلمانوں کا نمونہ ہے اس سے آپ انکی اخلاقی حالت کا اندازہ کر لیجئے یہاں یورپینوں نے اوّل ہی سے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ کوئی پوچھتا ہے تمہارے مذہب میں پردہ کیوں ہے؟ کوئی کہتا ہے تمہارے پیغمبر نے تعدد زوجات کی اجازت کیوں دی ہے؟ کوئی سوال کرتا ہے تمہارے نبی نے عورتوں کو مارنے کا کیوں حکم دیا؟ ان اعتراضات اور سوالات کا جواب دیتے دیتے ہم تنگ آ گئے ہیں اور پھر جب یہ مولوی صاحب اور ان کے ہم خیال یہاں کی سوسائٹی میں رہ کر اس قسم کی رکیک باتیں کرتے ہیں تو مسلمانوں کے متعلق غیر قوموں کے خیالات کیا ہوں گے۔ ایسے شخص کے زہریلے خیالات کا اثر تمام قوم اور ملک پر پڑتا ہے، ترکی قونصل نے کہا اگر واقعی ہندوستان کے مسلمانوں کی یہ حالت ہے تو نہایت قابلِ افسوس ہے۔ جب اہلِ فوج کو یہ معلوم ہوا کہ ان کے مولوی صاحب نے سیّد صاحب کی دلآزاری کی ہے اور انہیں رنج پہنچایا ہے تو ان سب نے بالاتفاق مولوی صاحب سے کہا کہ وہ سیّد صاحب کے قدموں پر گریں اور معافی مانگیں ورنہ ہم اپنی جماعت سے خارج کر دیں گے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اُٹھ کر معافی مانگی اور مرحوم نے خندہ پیشانی سے معاف کر دیا اور جب رخصت ہونے لگے تو مولوی صاحب کو گلے لگایا اور اُلٹی معافی مانگی اور سو روپے کا چیک ان کی نذر کیا اور یہ نصیحت کی ایسے ذاتی اور شخصی خیالات سے ملک اور قوم بدنام ہوتی ہے۔ آئندہ کبھی کسی سوسائٹی میں ایسی گفتگو نہ فرمایئے گا ورنہ تمام ہندوستان کے مسلمان غیر قوموں کی نظر میں ذلیل ہو جائیں گے۔

مرحوم کی مزاج میں مزاح بھی تھا چنانچہ اس زمانے میں جبکہ وہ تمدن ہند کا ترجمہ کر رہے تھے تو انہوں نے اپنے ایک دوست کو وہ باب سنانا شروع کیا جس میں دراوڑ قوم کا (جو ہندوستان کی ایک قدیم قوم ہے) ذکر تھا۔ جب مرحوم پڑھنا ختم کر چکے تو اس دوست نے سوال کیا کیا یہ قوم اب بھی باقی ہے؟ اتفاق سے اس وقت ایک مولوی صاحب مرحوم سے ملنے کے لئے آئے تھے پاس ہی بیٹھے تھے مرحوم نے اشارے سے بتایا کہ یہ حضرت اسی قوم کی یادگار ہیں۔

مولوی محمد سورتی نے جو عربی زبان کے مستند عالم اور قدیم کتب کے شوقین ہیں مرحوم سے ایک کتاب بغرض نقل مستعار طلب کی۔ کتاب تھی نادر، مرحوم کو دینے میں تامل تھا مگر مروت کے مارے صاف صاف انکار بھی نہ کر سکتے تھے۔ کتاب نکال کر لائے اور مولوی صاحب کے ہاتھ میں دے دی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ مولوی صاحب یہ خیال رہے کہ کتاب تو بے شک بہت عمدہ ہے مگر اس کی جلد سؤر کے چمڑے کی ہے مولوی صاحب نے یہ سنتے ہی فوراً لاحول ولاقوۃ کہہ کر کتاب وہیں میز پر پٹک دی۔

ایک بار خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ پر فاتحہ پڑھنے گئے۔ مجاوروں نے موٹی اسامی سمجھ کر آگھیرا مرحوم نے جب یہ دیکھا تو کہا مجھے کیوں گھیرے ہوئے ہو میں تو وہابی ہوں یہ کہنا تھا کہ سب چھوڑ کر الگ ہو گئے"۔

مکتوبِ انڈونیشیا

تمام جماعت تہجد کی نمازمیں سلسلہ کی کامیابی کیلئے دُعا کرتی رہی

ہمارے محترم دوست آر سوجیپتو سیکرٹری جنرل احمدیہ انجمن اشاعت اسلام جکارتا نے اپنے تازہ خط مورخہ ۷ر فروری میں شیخ محمد طفیل صاحب کو ووکنگ میں اطلاع دی ہے کہ پاکستان میں احمدیوں پر جو گذر رہی ہے اس کا انہیں بہت افسوس ہے۔ ان کی جکارتا کی جماعت کے ممبروں نے ۲۴ر دسمبر ۱۹۷۴ء عیدالاضحیٰ کے بعد چالیس دن کے لئے تہجد کی نمازوں میں سلسلہ احمدیہ اور اسلام کی کامیابی کے لئے مسلسل دعائیں کی ہیں۔ اس روحانی مجاہدہ میں سب احمدی شریک ہوتے رہے ہیں جماعت کے صدر بریگیڈیر جنرل الحاج محمد بجرون نے قرآن مجید اور ریلیجن آف اسلام کا انڈونیشی زبان میں ترجمہ کیا ہے ان کے نئے ایڈیشن کی اشاعت کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ احباب سلسلہ سے درخواست ہے کہ وہ اپنی دُعاؤں میں انڈونیشیا کے احمدی دوستوں کو بھی یاد رکھیں۔

ولادت باسعادت ملتان سے مولوی محمد علی صاحب نے اطلاع دی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میاں نشاط احمد صاحب کو لڑکا عطا کیا ہے۔ اس خوشی میں انہوں نے ایک صد روپیہ اشاعت اسلام کے لئے عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ انکو جزائے خیر دے اور نومولود کو عمرِ نوح عطا فرمائے اور خادمِ دین بنائے۔ اور بچے کو والدین کے لئے باعث نشاط و فرحت بنائے۔ (مدیر)

محترم پروفیسر خلیل الرحمن صاحب ایم۔ایس سی

"اسلام" یا کوئی اور "ازم"

ایک تقابلی جائزہ

(۷)

(بسلسلہ اشاعت مؤرخہ ۱۹ فروری ۱۹۷۵ء)

سُود سادہ } سُود سادہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ۱۰۰/- قرض لیتا ہے، اور قرضخواہ کے ساتھ شرط یہ ہے کہ یہ رقم دو سال کے بعد واپس کی جائے گی اور ہر سال ۱۰۰/- کے لئے پانچ روپے بطور سود ادا کیا جائے گا۔ اگر وہ حسب وعدہ ۲ سال کے بعد رقم واپس کرتا ہے تو اسے ۱۰۰/- روپے اصل اور ۱۰/- روپے ۲ سال کے لئے سُود ادا کرنا ہوگا۔ اور اس طرح اسے کل ۱۱۰/- روپے ادا کرنا ہوں گے۔ مدّت کے لحاظ سے ہر سال کے لئے ۵/- بڑھتے جائیں گے۔ حساب دانوں نے اس کا فارمولا یہ بتایا ہے سود = $\frac{\text{اصل} \times \text{سُود فیصد} \times \text{مُدّت}}{100}$ اور اگر اس میں اصل رقم جمع کر دی جائے تو اسے کُل زر کہتے ہیں۔

سُود در سُود } سُود در سُود یہ ہے کہ پہلے سال کا سُود اصل رقم میں جمع کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر دوسرے سال کا سود اس کل رقم پہ نکال کر اس میں جمع کر دیا جاتا ہے اور پھر تیسرے سال کا سُود اس پر نکال کر دوسرے سال کے سرے کی کل رقم میں جمع کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ یُونہی چلتا رہتا ہے۔ اس طرح بعض اوقات یہ سود اصل رقم کا نصف - دو تہائی - اور پھر دُگنا بھی ہو جاتا ہے۔

مثلاً رقم قرضہ ۱۰۰/- روپے ہے اس کی مُدّت ادائیگی ۳ سال ہے اور شرح سُود فی صد فی سال 5٪ ہے۔ تو اس پر سُود در سود یوں نکالا جائے گا۔

پہلے سال کے آخر میں کل رقم = $100 + 5 = 105$

دوسرے سال کا سود - - - = $\frac{1 \times 5 \times 105}{100} = 5.25$

دوسرے سال کے آخر میں کل رقم = $105 + 5.25 = 110.25$

تیسرے سال کا سُود - - - = $\frac{1 \times 5 \times 110.25}{100} = 5.51$

تیسرے سال کے آخر میں کل رقم جو ادا کی جائے گی = $110.25 + 5.51 = 115.76$

یہ رقم سود سادہ کی نسبت بقدر 76. زیادہ ہوگی۔ لیکن جب قرض کی اصل رقم اربوں میں ہو۔ شرح سود بھی زیادہ ہو اور مُدّت ادائیگی بھی زیادہ ہو تو سود کی رقم لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اب قابل غور امر یہ ہے کہ مقروض، قرض اپنی ضروریات کے لئے لیتا ہے۔ ایسے کاروبار میں لگا کر نفع کمائے تو وہ رقم بمع سُود ادا کرنے کے بعد کچھ اپنے پاس بچا سکتا ہے۔ لیکن اگر نفع نہ ہو اور نقصان ہو جائے تو اس کی کیا حالت ہوگی اور وہ سود کی شرح سے نفع کی شرح زیادہ رکھتا ہے تو اس کا بوجھ صارفین پر جا پڑتا ہے جن کا اس طرح استحصال ہوتا ہے۔ نہ ہی فرد کی معیشت نہ ہی ملک کی معیشت مستحکم ہوسکتی ہے معیار زندگی بلند کرنے کے بلند بانگ دعوے کھوکھلے ہی رہ جاتے ہیں۔ سُود اس لحاظ سے استحصال کی ایک بد ترین صورت ہے جسے قرآن کریم نے شروع ہی سے ختم کرنے کا حکم دیا ہے۔ سُود کی رقم حاصل کرنے میں سُود خوار کو کوئی محنت نہیں کرنا پڑتی۔ اسے اصل رقم بمع سود مل جاتی ہے اور وہ بے فکر ہو کر لمبی تان کر سو جاتا ہے۔ سُود نے سرمایہ داری کو ترقی دی ہے۔ بالشوزم اور سوشلزم کی تحریکیں سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اُٹھی ہیں لیکن وہ بھی اس لعنت سے پاک نہیں۔

آجکل سُود کی مختلف شکلیں سامنے آتی ہیں۔ مثلاً بنکوں کا سُود نیشنل سیونگز سرٹیفکیٹس پر سُود نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ پر سُود اور پراویڈنٹ فنڈ پر سُود۔ یہ ہر رنگ میں سُود ہے۔ کیونکہ روپیہ لگانے والے کو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اور اس میں اسے کوئی محنت نہیں کرنا پڑتی۔ رزق حلال وہی ہے جو محنت کرکے حاصل کیا جائے۔ سود لینے میں انسانی عظمت اور محنت کی تحقیر ہے۔

مخالفین کا یہ اعتراض تھا کہ ربٰو کو حرام اور بیع کو حلال کیوں قرار دیا گیا ہے۔ بیع سے حاصل کئے ہوئے فائدے کی حلّت ظاہر ہے۔ ایک کاروباری انسان کو سرمایہ لگانے کے علاوہ خرید و فروخت میں محنت کرنی پڑتی ہے اور ساتھ ہی اسے کبھی فائدہ ہوتا ہے اور کبھی نقصان۔ اس کے پاس بغیر مشقت کے سرمایہ جمع ہونے کا احتمال نہیں ہوتا اور یہ نوعیت سود کی نوعیت سے قطعاً مختلف ہے۔

اگر ایک سے زیادہ آدمی ایک کاروبار میں شریک ہوں۔ تو وہاں بھی یہی صورت ہوگی۔ وہ سارے نفع اور نقصان میں شریک ہوں گے لیکن اگر وہ صرف نفع میں ہی شامل ہوں اور نقصان میں نہ ہوں تو وہ بھی ربٰو کی ایک شکل ہوگی جو جائز نہیں۔ اس کی وضاحت سورۃ البقرہ کی آیات ۲۷۸ — ۲۸۰ میں اس طرح کی گئی ہے:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور جو کچھ سود سے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کے لئے خبردار ہو جاؤ۔ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے اصل مال ہیں۔ نہ تم نقصان پہنچاؤ اور نہ تمہیں نقصان پہنچایا جائے اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک مہلت دینی چاہیئے۔ اگر تم خیرات کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم جانو۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مقروض کو نقصان ہو جائے تو وہ جب اس کی مالی حالت سدھر جائے اصل رقم واپس کر دے اور قرضخواہ سود کا تقاضا نہ کرے۔ اگر قرضخواہ اسے اصل بھی معاف کر دے تو یہ انجامکار اس کے لئے بہتر ہے۔ یہ قربانی اور ایثار کا وہ جذبہ ہے جو قرآن اپنے ماننے والوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

شراکت میں جو آدمی سرمایہ لگائیں اور کام نہ کریں ان کی حیثیت قرضخواہ کی ہو جاتی ہے اور جو ان کے سرمائے کو کاروبار میں استعمال کرتا ہے اس کی حیثیت ایک مقروض کی۔ اگر شرط یہ ہو کہ سرمایہ لگانے والے نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوں گے تو وہ بیع ہے اور اگر وہ صرف نفع میں ہی شریک ہوں تو یہ ربٰو کی صورت ہوگی۔

۲- رشوت } البقرہ ۱۸۸- دوسرا ناجائز طریقہ جس سے عوام کا استحصال کیا جاتا ہے رشوت ہے۔ آیت مذکورہ کے متعلق میں پہلے ذکر کر آیا ہوں۔ اس میں مال کو آپس میں ناجائز طور پر کھانے اور اس کے ذریعے اس مقصد کے لئے کہ ایک فریق دوسرے فریق کا مال ناجائز طور پر حاصل کرکے حاکموں تک پہنچنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے حاکموں تک رسائی حاصل کرنے کا مطلب رشوت دینا ہے تاکہ دوسرے کا حق غصب کیا جاسکے۔ پاکستان میں تو رشوت ایک وبا کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ کوئی کام خواہ جائز بھی ہو بغیر رشوت کے ہونا ناممکن ہے۔ یہ ایسا نسخہ کیمیا ہے جس کے ذریعے جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم کے اس واضح حکم اور رسول کریم صلعم کے اس ارشاد کی کہ رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں بڑی دیدہ دلیری اور جرأت سے دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں۔ اور پھر بھی دعوےٰ یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور ختم نبوت کے محافظ۔

رشوت کو تحفے کا خوبصورت اور قابلِ قبول نام بھی دیا جاتا ہے۔ مگر نام بدلنے سے اس کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چھوٹے آدمی کی نسبت سے یہ رشوت ہے اور بڑے آدمی کی نسبت سے یہ تحفہ۔ ورنہ تحفہ صرف وہ چیز ہے جو خلوص اور محبت سے بے لوثی اور بے غرضی کے تحت کسی کو

پیش کیا جائے - رشوت دینے والا فریق مخالف کا استحصال کرتا ہے اور لینے والا دونوں فریقوں کا کیونکہ وہ دونوں سے سمیٹتا ہے۔

آج کل ہمارے ملک میں ادنےٰ ادنےٰ عہدوں پر کام کرنے والے بنگلوں، کاروں اور بینک بیلنس کے مالک ہیں - اور حکومت یہ کہہ کر اپنی معذوری کا اظہار کر دیتی ہے کہ ترقی پذیر ممالک میں ایسا ہوتا ہی ہے لیکن یہ لعنت تو ترقی یافتہ ممالک میں بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے اور وہاں بھی کم نہیں - جہاں کمیونزم اور سوشلزم کا چرچا ہے اور بلند بانگ دعوے ہیں - سوال صرف یہ ہے کہ جو ملک اپنے آپ کو اس حد تک اسلامی کہلاتا ہے کہ ایک خدا - ایک رسول - ایک قرآن - ایک قبلہ - یوم آخرت - ملائکہ اور تمام پہلے رسولوں اور ان کی کتابوں پر ایمان لانے والوں کو بھی غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں کوئی جھجک اور ضمیر کی خلش محسوس نہیں کرتا اس میں خدا اور اس کے رسول کے احکام کو پائے حقارت سے ٹھکرایا جاتا ہے - رشوت سے حاصل کیا ہوا رزق حرام ہے - ما یاکلون فی بطونھم الا النار -

۳ - جُوا } البقرہ - آیت ۲۱۹ میں شراب اور جوئے کا ذکر اکٹھا آیا ہے :-

"تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں - کہہ ان دونوں میں بڑی برائی اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور ان کی برائی ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے"

اس پُر حکمت کتاب نے ان کے فوائد اور نقصانات دونوں کا ذکر کر دیا ہے - لیکن ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ نقصانات فوائد سے بڑھ کر ہیں - انسان جو عقل و شعور رکھتا ہے اسے وہی راستہ اختیار کرنا چاہیئے جس میں فائدہ ہو - لیکن وہ وہی راستہ اختیار کرتا ہے جسے اس کا نفس اس کے سامنے خوبصورت کر کے دکھاتا ہے۔

جُوا بھی مال کے حصول کا ایک نا پسندیدہ ذریعہ ہے - مال و دولت حاصل کرنے کے ایسے تمام ذرائع جن میں محنت کی بجائے اتفاق کا زیادہ دخل ہے جوئے کے ذیل میں آتے ہیں - اسی لئے ان کو GAMES OF CHANCE کہتے ہیں - میرے خیال میں DICE کا استعمال - برج - لاٹری - معمہ بازی - پرائز بانڈ - گھوڑ دوڑ - بیمہ - سٹہ بازی وغیرہ سب جوئے کی ہی مختلف اشکال ہیں ان میں محنت کی نسبت اتفاق کا زیادہ دخل ہے - اس دور میں یہ کوئی انوکھی باتیں نہیں جن سے عوام واقف نہ ہوں یا عوام کا ایک بڑا حصہ ان سے استفادہ نہ کرتا ہو - DICE والا جوا تو آج کل گلی کوچوں میں کھیلا جاتا ہے اور کھلانے والے بڑے بااثر افراد ہوتے ہیں - جن تک قانون کا ہاتھ پہنچنے سے ہچکچاتا ہے - ہارنے والے جیت کی اُمید میں روپیہ لگاتے جاتے ہیں اور جیتنے والے سمیٹتے جاتے ہیں - جیتنے والوں کی حرص بڑھتی جاتی ہے اور ہارنے والے روپیہ واپس حاصل کرنے کی آرزو میں لٹتے رہتے ہیں - کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بار بار ہارنے والا ایک بار ہی ہارا ہوا روپیہ حاصل کر لیتا ہے - اور کبھی سب کچھ لُٹا کے کپڑے جھاڑ کر واپس چلا جاتا ہے لیکن دشمنی - حسد - کینہ اور بغض دل ہی دل میں اسے بدلہ لینے پر اُکساتے رہتے ہیں - جیتنے والے کے خلاف حقارت اور نفرت کے جذبات بھڑکتے ہیں اور نوبت لڑائی جھگڑے اور دنگا فساد تک پہنچتی ہے اور بسا اوقات ایک آدھ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور دوسرا جیل کی ہوا کھاتا ہے۔

ایک آدمی چند روپے لگا کر ہزاروں کی رقم لے جاتا ہے - اس میں اسے سوائے DICE پھینکنے کے اور کوئی محنت نہیں کرنا پڑتی - اس لئے ایسی کمائی بھی رزقِ حلال کی ذیل نہیں آ سکتی۔

برج معمولی حیثیت کے لوگوں کا کھیل نہیں - یہ بہت اعلیٰ سطح پر بھی کھیلی جاتی ہے - ساری ساری رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے - بڑے بڑے صنعتکار اور امراء اپنا کام نکلوانے کے لئے وزراء کو اس رنگ میں لاکھوں کی رشوت پیش کرتے ہیں - رقم لگا کر جان بوجھ کر ہار جاتے ہیں اور ہر رقم کے ٹکٹ کے مطابق انعام رکھا جاتا ہے اس طرح سینکڑوں روپے جمع ہو جاتے ہیں - جس کا ٹکٹ نمبر نکل آیا وہ انعام لے جاتا ہے - انعام کی قیمت کی نسبت رقم زیادہ جمع ہوتی ہے - بقایا رقم لاٹری والے کی جیب میں چلی جاتی ہے۔

سٹہ بازی - معمہ بازی - پرائز بانڈ اور گھوڑ دوڑ کی بھی یہی صورت ہے - پرائز بانڈ میں تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک دس روپیہ والا بانڈ ہے اور انعام 25000/- آ گیا - اس سے بڑھ کر ناجائز نفع خوری کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے - بغیر محنت کے دوسروں کی جیبوں سے آئی ہوئی رقم چند لمحوں میں ہاتھ آ جاتی ہے - یونہی دولت چند ہاتھوں میں جمع ہوتی ہے۔

شاید بیمہ کے متعلق کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ کیسے جوا ہو سکتا ہے - فرض کیجئے کوئی شخص اپنے آپ کو ۲۰ سال کے لئے 25000/- میں بیمہ کراتا ہے - بیمہ کمپنی اس کی عمر - میعاد بیمہ اور رقم وصول کرتی رہتی ہے جسے PREMIUM کہتے ہیں - یہ رقم اس طرح طے ہوتی ہے کہ اگر بیمہ شدہ شخص ۲۰ سال تک زندہ رہے تو اس سے کل وصول شدہ رقم ۲۰ سال کے بعد 25000/- بن جائے یا سود ملا کر کچھ زیادہ ہو، اس صورت میں اسے صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ یکمشت رقم مل جاتی ہے جسے وہ کسی کاروبار میں یا کوئی اور ضرورت پورا کرنے میں صرف کر سکتا ہے - یہ بھی ممکن ہے کہ وہ چند پریمیم ادا کرنے کے بعد مر جائے اور اس کے پسماندگان کو پوری کی پوری رقم یعنے 25000/- مل جائیں - یوں جو زائد رقم اس کے خاندان کو ملی وہ دوسروں کی جیب سے آئی ہوئی ہوتی ہے اور جو کم خرچ کے عوض مل جاتی ہے - یہ کسے معلوم ہے کہ کوئی اتنی مدت تک جیئے گا یا اس سے پہلے مر جائے گا - اس لئے اس میں بھی اتفاق کو ہی دخل ہے۔

اس میں فساد کی بھی کئی صورتیں ہیں - کئی مثالیں ایسی سننے میں آئی ہیں - کہ خاوند نے اپنی بیوی کا بیمہ کرایا اور کچھ پریمیم ادا کرنیکے بعد بیوی کو ختم کرا دیا اور زرِ بیمہ ہتھیا لی دکانوں اور مکانوں کا بیمہ کرا کر کچھ عرصہ بعد آگ کی نذر کر دیا - اور لاگت سے کئی گنا رقم وصول کر لی - یہ جُوا نہیں تو اور کیا ہے - اور دولت حاصل کرنے کا کتنا باطل اور ناجائز طریقہ ہے - تجارتی جہازوں کا بیمہ کرایا جاتا ہے - جہاز صحیح سلامت پہنچ گیا تو بیمہ کمپنی نے روپیہ وصول کر لیا اور اگر خدا نخواستہ طوفان کی نذر ہو گیا تو مال کی قیمت سے زیادہ رقم وصول کر لی - یہ استحصال نہیں تو اور کیا ہے - جس نظام میں خدا نہ ہو وہاں انسان ہر قید سے آزاد ہے بلکہ جو قوم خدا کے وجود پر یقین رکھتی ہو وہاں ایسے طریقوں سے روپیہ کمانے اور تجوریاں بھرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن یقین کے ساتھ عمل کی بھی ضرورت ہے - محض ایمان بغیر عمل صالح کے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ (جاری ہے)

یومِ نورالدین

حضرت مولینا نورالدین علیہ الرحمۃ کا یوم وصال ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء ہے اور گذشتہ کئی سال سے لاہور میں اور بعض دیگر مقامات پر بھی مارچ کے مہینہ میں "یومِ نورالدینؓ" منایا جاتا ہے اور حضرت ممدوح کے ایمان افروز سوانح پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

آج پہلے سے زیادہ اس امر کی ضرورت ہے کہ حضرت مولینا نورالدینؓ کے ایمان باللہ، توکل علی اللہ، حصول علم کے لئے محنت و کاوش، فیاضی، استغنا اور علوم قرآنی سے شغف و عشق کے واقعات سے احباب جماعت بالخصوص نوجوان طبقہ کو روشناس کرایا جائے اور انکے ایمان تازہ کئے جائیں - اس لئے تمام جماعتوں سے درخواست ہے کہ وہ جمعہ کے دن ۱۴ مارچ کو "یوم نورالدینؓ" منائیں اور مولانا ممدوح کی یاد میں جلسہ کریں اور اس کی روئیداد پیغام صلح میں اشاعت کے لئے ارسال فرما دیں۔ والسلام

مسعود بیگ - جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام - لاہور

لاہور میں یہ اجتماع جامع احمدیہ بلڈنگس لاہور میں ہوگا۔

وفات حسرت آیات } ۳۱ جنوری کو سیالکوٹ چھاؤنی میں ہمارے نہایت معزز رکن اور مخلص بھائی شیخ انعام اللہ صاحب کی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ مرحومہ نہایت متقی، پرہیزگار اور غریب پرور خاتون تھیں - خدا انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے - احباب مرحومہ کے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔

مکتوب حیدرآباد (مردان)

محترم مجید ارشد ساہیوال سے التجا

پیغام صلح کے ۱۹ فروری کے شمارے میں آپ نے "مفکرِ قرآن" پرویز صاحب کے افکار کے تجزیہ کی تیسری قسط میں ضمناً "جماعت احمدیہ لاہور کا قصور" بتاتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ :-

"جماعت لاہور جماعتی سطح پر نام لے کر ربوائی گروہ کو کافر نہیں کہتی ...... نیچے دروں .... انہیں موجودہ بدحالی اور شومیٔ قسمت سے دو چار کیا ہے وغیرہ"

جہاں تک پرویز صاحب کے افکار کے تجزیئے کا تعلق ہے میں آپ کے معلومات کی داد دیتا ہوں اور انجمن سے التجا کرتا ہوں کہ آپ کے تجزیئے کے اختتام پر اسے پمفلٹ کی شکل میں شائع کریں۔

جماعت احمدیہ لاہور ربوائی گروہ کو کافر نہ کہنے میں حق بجانب ہے کیونکہ قرآن شریف ہمیں رسول کریم صلعم کے اخلاقِ حسنہ کی تقلید کا حکم دیتا ہے۔ کیا یہ غلط ہے کہ عبداللہ بن ابیؓ نے عین لڑائی کے وقت اپنے تین سو منافقین کو لشکر سے نکالا اور غداری کی۔ فوجی قانون کے مطابق تو وہ سب واجب القتل تھے۔ مگر چونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور نماز پڑھتے تھے، رسول کریمؐ نے انہیں نہ قتل کیا اور نہ کفر کا فتوےٰ دیا۔

نیز تاریخ اسلام میں رسول کریمؐ کی زندگی میں عین لڑائی کے موقعہ پر دشمن اسلام زیر ہو کر قتل کے خوف سے کلمہ پڑھتا ہے۔ صحابی اسے قتل کرتا ہے، رسول کریمؐ صحابی کے اس فعل سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔

برادر مکرم! چونکہ تکفیر سے اسلام کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا اس لئے رسولِ کریم صلعم نے اس سے اجتناب کیا اور رئیس المنافقین کے مرنے پر اپنے کپڑے میں دفن کیا اور نماز جنازہ بھی ادا کی۔ بعد میں کلمہ گو کی تکفیر نے جو کچھ کیا وہ آپ بخوبی جانتے ہیں۔

بے شک محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان نے علیحدہ اُمت قائم کی اور ختم نبوت کو توڑ کر اور اپنے والد بزرگوار کو مخالفین کی تائید کرتے ہوئے، مدعی نبوت ثابت کرنے کی کوشش کی اور تمام مسلمانوں کو مرزا صاحب کو نبی نہ ماننے کی وجہ سے کافر کہا۔ مگر چونکہ ظاہراً وہ تمام ارکانِ اسلام بجا لاتے رہے ہیں اور منہ سے بھی کلمہ پڑھتے ہیں لہذا نہ صرف احمدیہ جماعت لاہور ان کی تکفیر سے اجتناب کرتی رہی بلکہ ایسے غیر احمدی اصحاب جو تکفیر کی لعنت کو پسند نہ کرتے تھے ربوائی جماعت کو کافر نہ کہا بلکہ یہ کہا کہ یہ لوگ ختم نبوت کی غلط تاویل کرتے ہیں اور مؤل کو کافر نہیں کہا۔ ایک فرشتہ خو عالم نے تو یہاں تک کہا کہ "تم ہمیں کافر کہو مگر ہم تمہیں کافر نہ کہیں گے" ایسے اصحاب کا ریکارڈ انجمن کے پاس ہے۔

نیز حدیث ہے کہ "جو مسلمان کو کافر کہتا ہے کفر اُلٹ کر اس پر پڑتا ہے" یہ نہیں فرمایا کہ اسے اسلام سے خارج کرو۔ عقائد کا حساب کتاب عقبےٰ میں ہوگا البتہ بُرے اعمال کے نتائج اس دنیا میں بھی ملتے ہیں اور آخرت میں بھی ملیں گے

علاوہ ازیں کیا ربوائی جماعت کی اصلاح کی کوشش عام علمائے اسلام نے قرآنی ہدایت کے مطابق کی؟ (اللہ کے راستے کی طرف لوگوں کو نرمی اور اچھی نصیحت سے بلاؤ۔) اس کے برعکس اشاعت اسلام کو بھلا دیا گیا۔ نہ صرف ربوائی جماعت تبلیغ اسلام سے غلط عقائد سے توبہ کرتی بلکہ آج بھارت میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہوتی اور تمام ہندوستان پاکستان بنتا۔

کیا پاکستانی عملی لحاظ سے من حیث القوم پکے مسلمان ہیں؟ کیا انہوں نے اشاعت اسلام کا انتظام کیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ خدا نے رحمانیت کے تحت ہمیں پاکستان بخشا ہے۔ ہم آزادی کے نہ اہل تھے نہ ہیں۔ خدا ہمیں ہدایت کرے آمین! نیز آپ نے لکھا ہے کہ "موجودہ بدحالی اور شومیٔ قسمت سے دو چار کیا ہے"۔ میں ایسا نہیں سمجھتا یہ روحانی سلسلہ ہے اور روحانی لحاظ سے ترقی ہوئی۔

(عبدالجلیل ضلع مردان)

تعزیتی قرارداد

(۱) مورخہ ۲۱/۲/۷۵ کو مسجد مبارک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور شاخ راولپنڈی میں بعد از نماز جمعہ محترم میاں شریف احمد صاحب کی زیر صدارت ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی گئی:-

یہ اجلاس محترم میجر عبدالحفیظ عمر صاحب خلف الرشید میاں عبدالسلام عمر صاحب کی بے وقت موت پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے اور ان کے عزیز و اقارب کو یہ نقصان عظیم برداشت کرنے اور صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

یہ اجلاس مرحوم کی اہلیہ محترمہ صاحبہ اور ان کے بھائیوں اور محترم میاں عبدالمنان عمر صاحب سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ اور ان کے لئے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

میجر صاحب مرحوم۔ نہایت خوش خُلق اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے اور اپنے فرض منصبی میں کبھی غافل نہیں رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ مقبول تھے۔ ان کی وفات ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

قرار پایا کہ اس قرارداد کی نقول محترم میاں عبدالمنان عمرُ صاحب اور ایڈیٹر پیغام صلح کو بھیجی جائیں۔ — خواجہ نصیر اللہ آنریری سیکرٹری۔ راولپنڈی

---

(۲)۔ مورخہ ۲۱/۲/۷۵ کو مسجد مبارک احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور شاخ راولپنڈی میں بعد از نماز جمعہ محترم میاں شریف احمد صاحب کی صدارت میں ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی گئی:-

یہ اجلاس محترم میاں غلام شبیر صاحب تمیم کی وفات حسرت آیات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ ہمارے مرحوم بھائی کو اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے اور ان کے اعزہ و اقارب کو یہ نقصان عظیم برداشت کرنے اور صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون

یہ اجلاس ان کی بیگم صاحبہ، صاحبزادوں اور ان کے بھائیوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور ان کے لئے دست بدعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔ اور ان کو مرحوم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نیز فیصلہ ہوا کہ اس قرارداد کی نقول محترم میاں غلام حیدر تمیم صاحب اور محترمہ بیگم صاحبہ میاں صاحب مرحوم اور ایڈیٹر پیغام صلح کو بھیجی جائیں۔

خواجہ محمد نصیر اللہ آنریری سیکرٹری جماعت راولپنڈی

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ دیں۔ (مینیجر)

عرفات پریس ٹمپل روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور جناب مولوی دوست محمدؐ صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا۔
ایڈیٹر
غلام نبی مسلم۔ ایم اے

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ ۵ مارچ ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ شمارہ نمبر ۱۰

(حضرت مجدد صد چہاردہم سلام اللہ علیہ)

اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو حکومت برطانیہ آپ سے کیا سلوک کرتی؟

پادری صاحب! آپ کا یہ سوال کہ اگر آج ایسا شخص جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے گورنمنٹ انگریزی کے زمانہ میں ہوتا تو گورنمنٹ اس سے کیا کرتی؟ آپ کو واضح ہو کہ اگر وہ سید الکونین اس گورنمنٹ کے زمانہ میں ہوتے تو یہ سعادت مند گورنمنٹ ان کی کفش برداری اپنا فخر سمجھتی جیسا کہ قیصر روم صرف تصویر دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ آپ کی یہ ناواقفی اور ناسعادتی ہے کہ اس گورنمنٹ پر ایسی بدظنی رکھتے ہیں کہ گویا وہ خدا کے مقدسوں کی دشمن ہے۔ یہ گورنمنٹ اس زمانہ میں ادنیٰ ادنیٰ مسلمانوں کی عزت کرتی ہے۔ دیکھو نصراللہ خاں جو اس جناب کے غلاموں جیسا درجہ بھی نہیں رکھتا۔ ہماری قیصرۂ ہند دام اقبالہا نے کیسی اس کی عزت کی ہے۔ پھر وہ عالی جناب مقدس ذات، جو اس دنیا میں بھی وہ مرتبہ رکھتا تھا کہ بادشاہ اس کے قدموں پر گرتے تھے اگر وہ اس وقت میں ہوتا تو بے شک یہ گورنمنٹ اس کی جناب سے خادمانہ اور متواضعانہ طور پر پیش آتی۔ الٰہی گورنمنٹ کے آگے انسانی گورنمنٹوں کو بجز عجز و نیاز کے کچھ بن نہیں پڑتا۔ کیا آپ کو خبر نہیں کہ قیصر روم جو آنجناب کے وقت میں عیسائی بادشاہ اور اس گورنمنٹ سے اقبال میں کچھ کم نہ تھا وہ کہتا ہے کہ اگر مجھے یہ سعادت حاصل ہوتی کہ میں اس عظیم الشان نبی کی صحبت میں رہ سکتا تو میں آپ کے پاؤں دھویا کرتا۔ سو جو قیصر روم نے کہا یقیناً یہ سعادت مند گورنمنٹ بھی وہی بات کہتی بلکہ اس سے بڑھ کر کہتی۔ اگر حضرت مسیح کی نسبت اس وقت کے کسی چھوٹے سے جاگیر دار نے بھی یہ کلمہ کہا ہو جو قیصر روم نے آنحضرت صلعم کی نسبت کہا جو آج تک نہایت صحیح تاریخ اور احادیث صحیحہ میں لکھا ہوا موجود ہے تو ہم آپ کو ابھی ہزار روپیہ نقد بطور انعام کے دیں گے۔ اگر آپ ثابت کر سکیں اور اگر آپ یہ ثبوت نہ دے سکیں تو اس ذلیل زندگی سے آپ کے لئے مرنا بہتر ہے۔ کیونکہ ہم نے ثابت کر دیا کہ قیصر روم اس گورنمنٹ عالیہ کا ہم مرتبہ تھا۔ بلکہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اس کی طاقت کے برابر اور کوئی طاقت دنیا میں موجود نہ تھی۔ ہماری گورنمنٹ تو ابھی اس درجہ تک نہیں پہنچی۔ پھر جبکہ قیصر باوجود اس شہنشاہی کے آہ کھینچکر یہ بات کہتا ہے کہ اگر میں اس عالی جناب کی خدمت میں پہنچ سکتا تو آنجناب مقدس کے پاؤں دھویا کرتا۔ تو کیا یہ گورنمنٹ اس سے کم حصہ لیتی؟ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ضرور یہ گورنمنٹ بھی ایسے شہنشاہ کے پاؤں میں گرنا اپنا فخر سمجھتی۔ کیونکہ یہ گورنمنٹ اس آسمانی بادشاہ سے منکر نہیں جس کی طاقتوں کے آگے انسان ایک مرے ہوئے کیڑے کی برابر نہیں اور ہم نے ایک معتبر ذریعے سے سُنا ہے کہ ہماری قیصرہ ہند ادام اللہ اقبالہا درحقیقت اسلام سے محبت رکھتی ہے اور اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعظیم ہے۔ چنانچہ ایک عالم مسلمان سے وہ اُردو بھی پڑھتی ہے۔ ان کی ایسی تعریفوں کو سُن کر میں نے اسلام کی طرف ایک خاص دعوت سے حضرت ملکہ معظمہ کو مخاطب کیا تھا۔ پس یہ نہایت غلطی ہے کہ آپ لوگ اس مراتب شناس گورنمنٹ کو بھی ایک سفلہ اور کینہ پادری کی طرح خیال کرتے ہیں۔ جن کو خدا ملک اور دولت دیتا ہے ان کو زیرکی اور عقل بھی دیتا ہے۔ ہاں اگر یہ سوال پیش ہو کہ اگر کوئی ایسا شخص اس گورنمنٹ کے ملک میں یہ غوغا مچاتا کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں تو گورنمنٹ اس کا تدارک کیا کرتی؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ مہربان گورنمنٹ اس کو کسی ڈاکٹر کے سپرد کر دیتی تا اس کے دماغ کی اصلاح ہو یا اس بڑے گھر میں محفوظ رکھتی جس میں بمقام لاہور اس قسم کے بہت لوگ جمع ہیں۔

...... جناب مقدس نبوی صلعم کے جب بادشاہوں کے نام فرمان جاری ہوئے تو قیصر روم نے آہ کھینچ کر کہا کہ میں عیسائیوں کے پنجے میں مبتلا ہوں۔ کاش! اگر مجھے اس جگہ سے نکلنے کی گنجائش ہوتی تو میں اپنا فخر سمجھتا کہ خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ اور غلاموں کی طرح جناب مقدس کے پاؤں دھویا کروں۔ (نور القرآن حصہ دوم - سلسلہ تصنیفات احمدیہ جلد ہفتم - ص ۴۲۹۵-۴۲۹۶)

ابن الحسین گورگانی

جستہ جستہ

احمدی گھوڑے اور اللہ کے گھوڑے

اگر آپ کو کبھی لاہور میں گھوڑے شاہ کے مزار پر جانے کا اتفاق ہوا ہو تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہاں سینکڑوں کی تعداد میں مٹی کے گھوڑے بنے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور اگر ربوہ جانے کا موقع ملے تو آپ دیکھیں گے کہ ربوہ صحیح معنوں میں "گھوڑا گلی" بنا ہوا ہے۔ اور وہاں کے ریس کلب کے زیرِ اہتمام ٹورنامنٹ بھی ہوتے ہیں حال ہی میں ہونے والے ایک ٹورنامنٹ میں ۱۴۴ گھوڑوں نے شرکت کی یہ ٹورنامنٹ "الفضل" کے الفاظ میں "رائیڈنگ کلب" "فرس للرحمان" "خیل للرحمان" ربوہ کے زیرِ اہتمام ہوا ہے۔اس کے علاوہ وہاں مستورات کو "رائل پارک" میں سواری سکھانے کے لئے ایک کلب قائم کی گئی ہے جس کا نام "خولہ کلب" ۔ اس کا تذکرہ "الفضل" نے چھوڑ دیا ہے کیونکہ عوام کا اس کوچہ میں گذر نہیں اور "خواص" کی نظریں ہی یہاں پہنچتی ہیں۔ کہاں "اشاعتِ قرآن عظیم" کے دعوے اور کہاں یہ بے نمکی۔

عالمِ استغراق کی انوکھی تعریف

"مہر منیر" پیر مہر علی شاہ صاحب کی سوانح کا نام ہے جو تھوڑا عرصہ ہوا شائع ہوئی ہے اس میں لکھا ہے :۔

"پہلے نماز کے لئے مسجد جانا متعذر ہوا پھر بستر پر نماز پڑھنے لگے، پھر اشاروں سے ادا ہونے لگی اور آخر اشاروں سے بھی معذوری ہوگئی اور لگاتار استغراق کی کیفیت رہنے لگی" ص ۳۲۸

پھر لکھا ہے :۔

"مستقل طور پر دَورہ ہچکی (فواق القلب) لاحق ہوگیا اس کے بعد ایک ایسا مرض عارض ہوا جس کی تشخیص سے حکمت یونانی اور ڈاکٹری فن کے ماہرین عاجز رہ گئے۔ اس نامعلوم الکیفیت مرض کی وجہ سے جسمِ مبارک کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا۔ یوں تو تقریباً دس برس تک یہ مختلف تکالیف رہیں لیکن چار پانچ سال تک تو حضرت مسلسل صاحب فراش رہے" ص ۳۳۱

کسی شخص کی بیماری کو ہدف طعن بنانا ہرگز مناسب نہیں ہوتا لیکن جو لوگ دیدہ دانستہ سے ماموروں کی مخالفت کرتے ہیں ان کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا اور فالج ایسی دکھ کی مار کو خواہ گولڑی زبان میں "استغراق" قرار دیا جائے یا ربوائی زبان میں "ابتلاء" عرف عام میں یہ فالج ہی کہلاتا ہے اور یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ہی قانون چلتا ہے اور خواہ پیر صاحب ایسا مخالف ہو یا "خلیفہ ثانی" ایسا بظاہر مرید ہر دو سے ایک جیسا ہی سلوک ہوتا ہے۔ الیس منکم رجل رشید

عالمِ استغراق کا ایک واقعہ

"ایک دفعہ جناب کی بڑی ہمشیرہ صاحبہ بغرض زیارت حاضر ہوئیں فرمایا کون ہو؟ عرض کیا غلام محی الدین کی ہمشیرہ فرمایا غلام محی الدین کون ہے! عرض کیا آپ کا فرزند فرمایا آپ کون ہیں؟ غرضیکہ مائی صاحبہ کی ہر عرض پر اسی قسم کا جواب فرمایا" ص ۲۴۴

میت کا اظہار ناراضگی

"حضرت کے جسد اطہر کو شرعی غسل دے کر آخری زیارت جسمانی کے لئے اہل بیت [illegible] شریف کے پاس پہلے حرم سرائے میں پہنچایا گیا بعض مستورات سے جو اس وقت حاضر تھیں سنا گیا ہے کہ باہر سے آنے والی کچھ مستورات نے حسب عادت واویلا وغیرہ شروع کر دیا جس سے چہرہ مبارک پر ناراضگی کا تاثر پیشانی کے انقباض کی صورت میں ظاہر ہوا جب واویلا بند کر دیا گیا تو یہ انقباض مسرت میں تبدیل ہوگیا" ص ۳۴۸

مجدد زماں سے پیشتر مسلمانوں کی ذہنی کیفیت

"۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اپنی سیاسی بالادستی کھو دینے کی وجہ سے مسلمان سخت، ذہنی پریشانی اور مایوسی کا شکار ہو چکے تھے اور اپنے اس اضمحلال سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ہر طرف منتظر آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کب کوئی مردِ خدا آن کر انہیں اس ابتلاء سے نجات دلاتا ہے" ص ۱۷

ضرورت تو تھی کسی مرد خدا کی مگر بھیجدیا اللہ نے ایک اور دجال حضرت مجدد زمان اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

ابقی لکم دجالون این المجددون المصلحون

کیا تمہارے لئے دجال ہی باقی رہ گئے ہیں مجدد و مصلح کہاں گئے

علمی تعلیاں

مؤلف سوانح مذکور نے اپنے اور پیر صاحب کے عربی علم کے بارہ میں بڑی تعلیوں سے کام لیا ہے جس کا جائزہ کسی آئندہ صحبت میں لیا جائے گا فی الحال ایک حدیث پر ان کے اعراب ملاحظہ فرماویں۔

نُزولُہ ومکانُہٗ بالشامِ بل بدِمشقِ عندَ المُنارۃِ الشَّرقیّہ۔

یہ کتابت کی غلطیاں نہیں ہیں ان کا شمار ۱۰۰ سے اُوپر ہے اور ہم نے ان سے صرفِ نظر کیا ہے۔ کجا آں شورا شوری کجا ایں بے نمکی

"شانِ مجددیت

"حضرت قبلہ عالم کی تاریخ ہائے ولادت و وصال علم الاعداد کی رُو سے مندرجہ ذیل الفاظ و جملوں سے اخذ ہوتی ہے جو قطعات کی صورت میں درج ذیل ہیں" ص ۱۱

مجدد قرن الرابع عشر

۱۲۷۵ھ

اَب زمانہ بہت بدل گیا ہے اس لئے آئندہ مجدد دعوے وغیرہ نہیں کریں گے بلکہ مُرید ان کی قبر پر مجددیت کی لوح لگایا کریں گے۔

ربوائی تقیہ

چوہدری ظفراللہ خاں کا ایک مضمون بعنوان "میرا دین" ربوائی ہفتگی "لاہور" میں شائع ہوا ہے جو تقیہ اور سیاست کاری کا بہترین نمونہ ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق اُمتِ مسلمہ میں ایک مصلح کا ظہور مقدر تھا جو بوجہ فنافی الرسول ہونے کے ظلی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشگوئیوں میں اس وجود کا نام مسیح اور مہدی بھی فرمایا گیا ہے"۔

اس کے بعد چوہدری صاحب نے اپنی روایتی چانکیائی اور میکاولی سیاست کے طور پر یا تطہیر ذہنی سے مجبور ہو کر لکھا ہے :

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اس مسیح کا ذکر فرمایا ہے اس کے ساتھ ہر بار نبی اللہ کا لقب بھی شامل ہے"۔

"صحیح مسلم میں آنے والے مسیح کے تذکرہ میں نبی اللہ کے الفاظ موجود ہیں مگر "ہر بار" (باقی بر صفحہ کالم ۱)

ہے؟ یہ ایسا سوال ہے کہ اس کا جواب تو جماعت ربوہ کو ہی دینا مناسب ہے بلکہ اس قدر کہنا خلافِ حق نہ ہوگا کہ ان کے بعض اقوال اور اعمال سے اس شبہ کو تقویت ملتی ہے اگر ضرورت ہوئی تو اس پر آئندہ کچھ عرض کیا جائے گا۔ اس مضمون میں تو ہمیں جماعت احمدیہ لاہور کی پوزیشن کے بارہ میں کچھ عرض کرنا ہے۔

اخبار "ایشیا" کا موقف

یہ امر تو دنیا جانتی ہے کہ جہاں تک جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد کا تعلق ہے۔ اس میں نہ تو کوئی الجھن ہے اور نہ ہی کوئی پیچیدگی و شُبہ ہے یعنی یہ کہ عرصہ زائد ساٹھ سال سے یہ جماعت اپنے علم کلام اور اخبارات میں مسلسل یہ اعلان کرتی چلی آرہی ہے کہ ہم بعد رسول اللہ صلعم نہ کسی نئے یا پرانے نبی کے آنے کے قائل ہیں اور نہ ہی حقیقی نبوت کو جاری سمجھتے ہیں۔ صرف اس قسم کے اعلانات ہی اس جماعت کی طرف سے نہیں ہوتے رہے بلکہ ایسا بےمثل و بےبہا علم کلام اس جماعت کے قائد اوّل حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "النبوۃ فی الاسلام" اور رسالہ "ردّ تکفیر اہل قبلہ" کی صورت میں تصنیف فرمایا ہے کہ یہ اس مضمون پر آخری حرف کا درجہ رکھتی ہیں۔ کاش! ان کتب کو اگر وسیع پیمانہ پر پھیلایا جاتا تو عامۃ المسلمین میں بشرطیکہ وہ تعصب و خود غرضی سے الگ ہو کر انکو مطالعہ کرتے تو جماعت لاہور کے بارہ میں ان کے قلوب نہایت صاف ہو جاتے۔ پھر صرف اسی قدر نہیں کہ حضرت ممدوحؒ نے ایسا بے نظیر علم کلام ختم نبوت اور دخول المسلمین کے موضوع پر پیدا کیا بلکہ سنہ ۱۹۱۴ء میں جماعت احمدیہ میں اسی امر پر دو فریق بن گئے حضرت مولانا ممدوح اور آپ کے دیگر رفقاء نے قادیان کے مرکز سے علیحدہ ہونا گوارا کر لیا لیکن یہ گوارا نہ کیا کہ اجرائے نبوت اور تکفیر المسلمین پر اتفاق کریں۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؏ سر داد نہ داد دست ......

اپنے مرشد و امام وقت کے مرکز کو خیر باد کہنا گوارا کر لیا لیکن اساسی عقائد اسلام کے برخلاف عقائد رکھنے والے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کرکے خالی ہاتھ اور تن تنہا لاہور چلے آئے اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور یا جماعت احمدیہ لاہور کی بنا ڈالی۔ انجمن اس فریق کا نام اس لئے آپ نے رکھا کہ آپ کے امامؑ نے اپنی وفات کی خبر خدا سے پاکر رسالہ الوصیت، ضمیمہ الوصیت تحریر فرمایا اور سنہ ۱۹۰۶ء میں اپنے ہاتھوں سے ایک انجمن بنام صدر انجمن احمدیہ قادیان مشتمل بر چودہ نامزدہ ممبران کی تشکیل فرماکر جملہ معاملات جماعت احمدیہ کو انکے فیصلوں پر چھوڑ دیا تھا جس پر سنہ ۱۹۰۶ء سے سنہ ۱۹۱۴ء یعنی حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کی وفات تک عمل ہوتا رہا لیکن آپ کی وفات کے بعد فریق قادیان نے بانیٔ سلسلہؑ کے اس نظام کو بدل کر اپنے قائد کو مطلق العنان امر کی حیثیت دینا پسند کیا لیکن حضرت مولانا ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے جس جماعت کا قائد ہونا منظور کیا اس کا نظام بمطابق بانیٔ سلسلہؑ جمہوری یا انجمن کا ہی قائم رکھا۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اصل بات یہ بیان ہو رہی تھی کہ ۷ ستمبر سنہ ۱۹۷۴ء کے پاکستان اسمبلی کے فیصلہ کے بعد جب یہ سوال اُٹھایا گیا کہ جماعت احمدیہ لاہور تو گذشتہ ساٹھ سال سے نہ صرف ختمِ نبوت کی قائل بلکہ اس پر بےبہا علم کلام شائع کر چکی ہے اسے کافر قرار دینے کا جواز کیا ہے؟ تو اس پر جماعت اسلامی کے ترجمان "ایشیا" نے یہ تحریر کیا کہ سوال ختم نبوت کا ہی نہیں بلکہ اصل سوال دعویٰ ملہمیت اور مجددیت کا ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور حضرت مرزا غلام احمدؒ کو چونکہ ملہم من اللہ اور مجدد من اللہ مانتی ہے اس لئے یہ بھی کافر دیا جانے کی مستحق ہے۔ اس پر ہمارے اخبار میں مولنا دوست محمدؒ صاحب نے جواباً یہ لکھا کہ اگر اخبار "ایشیا" کا یہ موقف صحیح ہے کہ ہر مدعی ملہمیت اور مجددیت کافر ہے تو پھر وضاحت کی جائے کہ تیرہ صدیوں میں جن اصحاب کا ایسا دعوےٰ ثابت ہو "ایشیا" کے نزدیک کیا وہ سب کافر ہیں؟ نیز انہوں نے متعدد اولیاء کرام اُمت کے ایسے دعاوی ان کے اپنے کلام سے پیش کئے۔ جب کچھ عرصہ اس پر گذر گیا اور "ایشیا" نے اس سوال کا کچھ جواب نہ دیا تو ایڈیٹر صاحب نے ایک نوٹ اس سرخی کے ماتحت دیا:

"ایشیا کو کیوں سانپ سونگھ گیا"

یعنی اب جبکہ یہ دعوےٰ کیا جا چکا ہے کہ ہر ملہم و مجدد اور ان کے پیرو کافر ہیں تو یہ اصحاب یعنی حضرت مجدد سرہندی الف ثانی رح، حضرت شاہ ولی اللہ رح حضرت احمد شہید بریلوی رح، حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رح اور اسی قسم کے دیگر مسلمہ بزرگانِ دین جن کا دعوےٰ ملہمیت و مجددیت ثابت و مسلمہ ہے کی بابت واضح کیا جائے کہ "ایشیا" کے اصول کے مطابق کیا یہ سب بزرگ کافر اور انکے متبعین خارج از اسلام ہیں؟ کیوں "ایشیا" اس کا جواب نہیں دیتا؟

اب عرصہ دو تین ماہ کا ہو چکا ہے جب "ایشیا" نے یہ موقف اختیار کیا تھا اور جب اس پر اس اخبار نے یہ سوال اس سے تین مرتبہ دریافت کیا مگر اب تک خاموشی کیوں طاری ہے؟ سانپ سونگھ جانا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب ہے کہ کوئی شخص جواب کیوں نہیں دیتا لیکن ہم اس تلخ نوائی کو بھی درست سمجھتے ہیں

؏ چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاق

اے مدعیان اصلاح امت اور علماء کرام و رہنمائے دین! آخر غور فرمائیے کہ جس اصلاح و امامت کا دعوےٰ آپ صاحبان کو ہے، آخر اس کا تقاضا کیا ہے؟

جماعت اسلامی اور "ایشیا" جواب دینے کے پابند ہیں

آخر جب آپ نے ایک گروہِ اسلام کو کافر قرار دینے کا جواز یہ دیا ہے کہ وہ کسی شخص کو ملہمیت و مجددیت کا مدعی سمجھتے ہیں تو پھر جب دیگر ایسے اصحاب کی مستند تحریرات آپ کو پیش کی جا کر سوال کیا جاتا ہے کہ آپ کے اصول کے مطابق یہ بھی سب کافر ہیں، تو آپ کیوں اس کا جواب نہیں دیتے؟ اگر اب تک آپ اسی اصول کو صحیح سمجھتے ہیں تو آپ پر لازم ہے کہ جملہ مدعیانِ الہام و مجددین اور ان کے متبعین کو کافر قرار دینے کا اعلان کریں۔ مثلاً آپ اعلان حق کریں کہ مجدد سرہندی الف ثانی رح اور ان کے پیرو کافر ہیں کیونکہ آپ کا تو دعوےٰ آپ کے لقب مجدد الف ثانی سے ہی عیاں ہے۔ اور اگر بالفرض آپ کو اپنی غلطی سمجھ آگئی ہے تو پھر کیا آپ کا یہ فرض نہیں کہ یہ اعلانِ حق کریں کہ ہمارے نزدیک مدعیان الہام و مجددین کافر نہیں، نہ ہی ایسے اصحاب کے پیرو کافر ہیں؛ اس لئے جماعت احمدیہ لاہور مسلمان ہے۔ کیا صداقت و صاف گوئی اسلام بلکہ ہر دین کا بنیادی عقیدہ نہیں؟ ہر مسلمان کو سچ بولنے کی تاکید آپ ہر روز کرتے ہیں لیکن اپنے معاملہ میں اس بنیادی امر کو کیوں بھول جاتے ہیں؟ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ فرقانی ارشاد ہے آپ اس پر عمل کیجئے۔

ایک ذاتی واقعہ کا بیان

اس جگہ ایک متعلقہ ذاتی واقعہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ سنہ ۱۹۴۰ء کے قریب حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "مجدد اعظم" مولنا آفتاب الدین مرحوم، ڈاکٹر عبداللہ مرحوم اور راقم الحروف کو اس لئے دی کہ ہم اسے آپ کی طرف سے مولنا مودودی صاحب کی خدمت میں پیش کریں۔ ہم تینوں اصحاب عصر کے قریب پونچھ روڈ جہاں اس وقت مولانا صاحب قیام پذیر تھے گئے اور کتاب پیش کی۔ کچھ گفتگو بھی کرنا تھی۔ راقم الحروف نے سوال کیا کہ کیا مجددین کا آنا متفقہ امر نہیں؟ جواب ملا کہ مجدد نہ تو خدا مبعوث کیا کرتا ہے اور نہ ہی اس کا دعوےٰ کرنا ضروری ہے۔ جو شخص بھی خدمتِ دین کا عظیم کام کرے لوگ اسے مجدد مان لیتے ہیں۔ یہ بھی مولنا نے وضاحتاً فرمایا کہ دیکھو اس وقت ہٹلر بھی اپنی قوم کا مجدد ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ مسلمانوں میں مجدد امور دینیہ میں اصلاح کرتا ہے۔ پھر یہ سوال کیا کہ تیرہ صدیوں میں یہ جو مجددین و ملہمین دعویٰ کرتے چلے آئے ہیں ان کی بابت آپ کا کیا خیال ہے؟ اس پر فرمایا کہ ننانوے فیصد جھوٹ و غلط باتیں ہیں۔ یہ مولنا صاحب کے الفاظ تھے۔ راقم الحروف نے اس پر سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔ البتہ ایک دوسرا سوال میں نے یہ کیا کہ آپ کے تازہ رسالہ ترجمان القرآن میں آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ ہر نبی کا اصل مقصد حکومت

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

انگریز کے دجّالی عقائد کو مٹانے کے لئے سرگرمِ عمل ہے۔ پھر انگریز نوازی کا کوئی ثبوت بھی تو ہو۔ جہاد بالسیف کا فتویٰ تو ۱۸۵۷ء کے بعد آپ سے پہلے یا آپ کے زمانے میں کسی دینی فرقہ نے نہیں دیا۔ انگریز [illegible] وفاداری کا اظہار بھی سر سیّد سے لے کر مولوی محمد حسین بٹالوی تک سبھی نے کیا۔ حضرت مرزا صاحب نے کیا جرم کیا؟ آپ نے حکومت سے کوئی جاگیر لی؟ اُلٹا انگریز کی عدالتوں پر آپ کے خلاف سالہا سال تک جھوٹے مقدمات ہوتے رہے۔ البتہ آپ مولویوں کے [illegible] اور شکایتوں کے خلاف اپنے کام کو جاری رکھنے کے لئے حکومت کو یقین دلاتے رہے کہ دین میں جبر میرے دعوے سے خارج ہے اور میرا طریق کار محض دلائل، براہین اور نشانات آسمانی سے دنیا پر قرآن کی صداقت پیش کرنا ہے۔

پھر محض مہدی، مثیل مسیح، وغیرہ کے دعاوی آپ کی عظمت کی اساس نہ تھے نہ آپ انہیں منوانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، یہ سنتِ الٰہی رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت میں ہر صدی کے سر پر اسلام کے غلبے اور قرآنی معارف پھیلانے کے لئے ہر دَور میں مجددین بھیجتا رہا ہے۔ آپ اسلام کے مبلغ تھے آپ نے قرآن کے معارف دنیا کے سامنے پیش کئے۔ اور غلبۂ دین کے لئے ایک جماعت تیار کی جو دنیا کو اسلام کی چوکھٹ پر جھکا دے۔ البتہ آپ پہلے مجدد ہیں جنہوں نے اشاعت قرآن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ اور مسلمانوں کو غلبہ دین کے لئے محض قرآنی معارف پھیلانے پر کھڑا کیا۔ چنانچہ آپ نے اسلام کی صداقت پر جتنی کتابیں لکھیں ان میں تاریخ میں پہلی بار محض قرآن پر انحصار کیا ہے جیسا کہ براہین احمدیہ۔ اسلامی اصول کی فلاسفی آئینہ کمالات اسلام، شہادت القرآن وغیرہم میں محض قرآنی آیات کو پیش کیا ہے۔ پھر اشاعت قرآن کے سلسلے میں دوسرا کون عالم ہے جس نے قرآن کے درس اور اشاعت اور عالمی زبانوں میں تراجم پر زور دیا۔ اسی طرح اسلامی تعلیمات کی حکمت پر زور دیا اور اسلام پر غیر مسلموں کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا۔ آپ ہی کی نگرانی میں اردو اور انگریزی میں دینی رسالے جاری ہوئے اور قدیم و جدید علوم کے ماہرین نے اپنی زندگیاں آپ کی رضا و مقصد پر قربان کردیں۔ اور آج عالمِ اسلام طوعاً و کرہاً احمدی علم کلام کو قبول کرچکا ہے۔

ہمیں افسوس سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ آپ کے بعد ایک گروہ نے آپ کے اصل مشن اور مقام کو نظر انداز کرکے آپکو نبوت کے منصب پر پہنچایا۔ آپ کے نہ ماننے والوں کو کافر ٹھہرایا، خاندانِ نبوت، قصرِ خلافت، اہل بیت، خلافتِ راشدہ۔ اصحاب النبی، ام المؤمنین کی اصطلاح کو اپنا، "خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین انجمن" کو "خدا کے نبی" کا جانشین بنا دیا اور آئندہ کے لئے آپ کے سلسلہ سے منسلک احباب کے لئے فتنے کا خوفناک دروازہ کھول دیا۔ کہ اگر وہ احمدی کہلائے، تو وہ تمام خرابیاں بھی اس کی ذات منسوب ہو جاتی ہیں۔ جن کا حضرت مرزا [illegible] سے دُور کا بھی واسطہ نہیں اور اگر وہ حضرت صاحب کو چھوڑ دے تو ان [illegible] سے محروم ہوتا ہے جو زمانے کے امام و مجدّد سے وابستہ ہونے سے [illegible] ہیں۔ حالانکہ حضرت صاحب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دین کے محض خادم تھے۔ آپ نے اپنے نہ ماننے والوں کو خارج از اسلام نہیں ٹھہرایا۔ ساری عمر دوسروں کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ اپنے الہامات کو کبھی حجت شرعی نہیں ٹھہرایا اپنی دینی معلومات کو کبھی جماعت پر مسلّط نہیں کیا۔ جماعت آپ کی زندگی میں بھی دینی مسائل میں آپ سے اختلاف کرتی تھی اور بعد میں بھی آج تک کئی ایک مسائل اور تفسیرات قرآن میں آپ سے اختلاف کرتی چلی آئی ہے جس پر دونوں جماعتوں کی تفاسیر شاہد ہیں۔

ان شواہد کی موجودگی میں ہم عالم اسلام سے پھر توقع کرتے ہیں کہ وہ حقائق کو سامنے رکھیں حضرت مرزا صاحب کے صحیح مقام اور مشن کو پہچانیں۔ اور آپ نے دنیا میں غلبۂ اسلام کی جو تحریک جاری کر رکھی ہے، اس کی مخالفت کی بجا اسے آگے بڑھانے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں لیکون الدین کلہ للہ۔

محترم محمد سلیم اختر شاہد

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق

عن ابی ھریرۃ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال حقّ المُسلم علی المُسلم ستٌ قیل ما ھنّ یارسول اللہ قال اذا لقیتہ فسَلِّم علَیہِ واذا دعاك فاجبہ واذا استنصحك فانصح لہ واذا عطس فحمد اللہ فشمّتہ واذا مَرِض فعدہ واذا مات فاتّبعہٗ ——— (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے چھ حق ہیں۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ کونسے حقوق ہیں تو آپ نے فرمایا جب تو اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اسے السّلام علیکم کہہ جب وہ تجھے بلائے تو اسے جواب دے جب وہ تجھ سے [illegible] طلب کرے تو اسے مشورہ دے۔ جب اسے چھینک آئے اور وہ تحمید کرے [illegible] کر یعنی یرحمك اللّٰہ کہہ اور جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی [illegible] اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شامل ہو۔

تشریح اس حدیث میں جن چھ باتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ مسلم معاشرہ میں حقوق کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بڑی تاکید فرمائی ہے افسوس تو یہ ہے کہ جس قوم کو یہ سنہری تعلیم دی گئی اس نے ان باتوں میں عملاً کوتاہی سے کام لیا ہے اگر انہی چھ باتوں پر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے تو مسلم معاشرہ جنّت کا نمونہ بن جائے مثلاً ملاقات پر دوسرے کی سلامتی کے لئے دُعا کرنا، کیا اس سے دوسرے کے دل میں محبت کے جذبات پیدا نہیں ہو جاتے یقیناً پیدا ہوتے ہیں۔

جب کوئی مدد کا طالب ہو تو اس کی نصرت کے لئے دامے درمے قدمے، سخنے تیار ہو جانا انسان کو مخلوق کا محبوب بنا دیتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی مشورہ طلب کرے تو جہاں تک انسان کی معلومات کا تعلق ہے وہ اسے بہترین مشورہ دے اور اس کی خیر خواہی اور بھلائی کو مدِ نظر رکھے، جب اسے چھینک آئے تو رحم کی دُعا کرے۔ بظاہر یہ بات معمولی نظر آتی ہے کہ چھینک پر رحم کی دُعا کرنا کیا مطلب رکھتا ہے اور پھر اسے بطور ایک حق کے بیان کیا گیا ہے جس کی ادائیگی دوسرے مسلمان پر ضروری ہے۔ سو واضح ہو کہ موجودہ تحقیق نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ بعض اوقات چھینک سے بعض رگوں کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان رگوں کو اصلی حالت پر لانے کے لئے کسی حرکت کی ضرورت ہے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ایسے خطرے سے بچاؤ کے لئے انسان حمد الٰہی کرے اور دوسرا اس پر رحم کی دُعا کرے کہ اللہ تعالےٰ اس کو تکلیف سے محفوظ رکھے۔ آج جو باتیں بڑے بڑے فلاسفروں نے لمبی تحقیقاتوں کے بعد معلوم کی ہیں میرے آقا نے آج سے چودہ سو سال بیان فرما دی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے ؎

اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر
زیں چہ باشد حجتے روشن ترے

پھر بیماری کے عالم میں انسان کی تیمار داری کرنا اس کا دوسرے کی طبیعت پر بڑا خوشگوار اثر پڑتا ہے دل بہل جاتا ہے علاج کی کوئی اچھی سی تجویز سوجھ جاتی ہے مایوسی اور اکتاہٹ دُور ہو جاتی ہے اور جب انسان مر جاتا ہے تو دوسرے بھائی پر یہ حق واجب ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین، تدفین اور جنازہ میں شرکت کرے۔ سچ بات یہ ہے کہ جس جامعیت کے ساتھ انسانی حقوق کو ان چند جملوں میں ادا کیا گیا ہے بڑی بڑی کتابیں ان [illegible] کی ادائیگی سے قاصر نظر آتی ہیں۔

اللھم صلّ وسلّم علیہ

[illegible] پیغام صلح خود مطالعہ فرمانے کے بعد دیگر احباب تک پہنچائیں (ا.د)

غلام نبی مسلم ـ ایم اے

جناب پرویز صاحب کا تحقیقی شاہکار ــــ خاتم النبیّین کے نئے معنوں کا انکشاف

"مفکرِ قرآن" جناب پرویز صاحب کی جدید تصنیف "ختم نبوّت اور تحریک احمدیت" کا ذکر ہم گذشتہ تین شماروں میں کر چکے ہیں ـ جناب کی تحقیقی فرمائی نے ہمیں بہت مایوس کیا ہے ـ لیکن جن احباب کو آپ کی لفاظی نے متاثر کر رکھا ہے ـ ہم چاہتے ہیں کہ وہ پرویز صاحب کی علمی و تحقیقی مقام سے آگاہ ہو جائیں اور ان کی دیگر تحریرات کو از سرِ نو تنقیدی نظر سے دیکھیں آپ زیرِ نظر شاہکار میں ایک جدید انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ہم دیکھ چکے ہیں ـ کہ مرزا صاحب نے واضح الفاظ میں بار بار کہا کہ حضور نبی اکرمؐ خاتم النبیّین ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ سلسلۂ نبوّت آپ پر ختم ہو گیا ـ اور آپ خدا کے آخری نبی ہیں ـ لیکن اس کے بعد آپ آگے بڑھے اور کہا کہ خاتم النبیّین کے معنے "آخری نبی" نہیں ـ خاتم کے معنے مُہر ہیں اس لئے خاتم النبیّین کے معنے ہیں ـ وہ جس کی مہر سے نبی بن سکیں ـ مرزا محمود احمد صاحب کے الفاظ ہیں" ــــ (ص ۹۹)

ان سطور کے بعد پرویز صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے مزعومہ مفہوم کی وضاحت کے لئے پہلے جناب میاں محمود احمد صاحب کی تحریر پیش ہے ـ اور اس کے بعد مولانا نورالدینؒ سے منسوب ایک تحریر نقل کی ہے ـ جو مولانا کی وفات کے آٹھ سال بعد قادیانی اخبار الفضل مطبوعہ ۲۲ مئی ۱۹۲۲ء سے اخذ کی گئی ہے ـ

حق پسند قارئین غور فرمائیں ـ کہ حضرت مرزا صاحبؒ کے دعاوی پر تنقید و تبصرے کا یہ انداز کہاں تک منصفانہ ہے ـ لیکن پرویز صاحب کو علم کی بجائے سستی شہرت اور ثمن قلیل درکار ہے ورنہ وہ اپنی تحریر کو حضرت مرزا صاحب کی کُتب تک محدود رکھتے نیز مولانا نورالدین صاحب کی تحریر کو اپنی تائید میں پیش کرنے کے لئے مولانا کی کسی اپنی تصنیف کا سہارا لیتے ، اور ان کی وفات کے آٹھ سال بعد الفضل ایسے "منکر ختم نبوّت" اخبار پر اعتماد نہ کرتے ـ

تاہم پرویز صاحب نے اس کے بعد حضرت مرزا صاحب کی وفات سے ایک سال پہلے کی تصنیف حقیقۃ الوحی ص ۲۸ سے درج ذیل عبارت بھی پیش کی ہے :

"جس کامل انسان پر قرآن شریف نازل ہوا .... اور وہ خاتم الانبیاء ہے ، مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ ان سے روحانی فیض نہیں ملے گا بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے ، بجز اس کی مُہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں مل سکتا .... اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں ـ ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوّت بھی مل سکتی ہے جس کے لئے امتی ہونا لازمی ہے"

"اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء فرمایا گیا ہے ، اس کے معنے یہ نہیں کہ آپ کے بعد دروازہ مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کا بند ہے" الخ (ص ۱۰ بحوالہ براہین احمدیہ حصہ پنجم)

قابلِ توجہ } مذکورہ بالا اوّلیں حوالہ میں آپ نے اعتراف کیا ہے کہ "مرزا صاحب نے بار بار کہا کہ حضور نبی اکرمؐ خاتم النبیّین ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ سلسلہ نبوّت آپؐ پر ختم ہو گیا ـ اور آپ خدا کے آخری نبی ہیں" پرویز صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے بار بار ختم نبوّت کا اعلان کیا ، تو پھر آپ کا یہ بھی فرض تھا کہ آپ قریب قریب اتنی ہی بار اس کی تردید اور جدید مفہوم کی تائید میں حضرت صاحب کی بکثرت عبارات پیش کرتے ، یا جب آپؑ نے جدید مفہوم پیش کیا تھا تو کم از کم اس کے بعد ختم نبوّت کو پرانے مفہوم میں پیش نہ کرتے ، بالخصوص جب پرویز صاحب اپنی اسی کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ مرزا صاحب نے ۱۹۰۱ء میں نبوّت کا دعویٰ کیا تھا ، تو پھر ۱۹۰۱ء کے بعد لازم تھا کہ حضرت مرزا صاحب خاتم النبیّین کا پرانا مفہوم بالکل ترک کر دیتے اور نبیوں کی مہر والا مفہوم مستقل طور پر اختیار کر لیتے ـ لیکن آپؑ نے ایسا نہ کیا اور پرویز صاحب کے پاس بھی ہمارے موقف کی تردید میں کوئی دلیل نہیں ـ اور پھر جناب نے ایک غلط مفروضے سے جو استدلال کیا ہے وہ کم فہمی پر دلالت کرتا ہے ـ

پرویز صاحب نے حضرت صاحب کی "نبیوں کی مُہر" والی عبارت پیش کی ہے وہ ۱۹۰۷ء یعنی حضرت صاحب کی وفات سے ایک سال پہلے کی ہے اور مزعومہ دعوئے نبوّت کی تاریخ سے چھ سال بعد کی ، اور حقیقت یہ ہے کہ آپ اس سے پہلے اور بعد خاتم النبیّین کے معنی "آخری نبی" کرتے رہے اور ہمیشہ سلسلہ نبوّت کے انقطاع پر زور دیا ـ جیسا کہ ہم گذشتہ تبصرہ میں بالوضاحت لکھ چکے ہیں ـ یہاں ہم اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی تحریروں میں مہر کا لفظ ہمیشہ انقطاع نبوّت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ـ چونکہ پرویز صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی کتابوں کا بہ نظر تحقیق مطالعہ نہیں کیا اس لئے وہ غلط راہ پر پڑ گئے نیز حضرت صاحب کے علم کلام سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے وہ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں ـ

حضرت مرزا صاحب کی تحریروں میں لفظ مُہر کا استعمال

} ذیل میں ہم حضرت مرزا صاحب کی تحریروں سے پرویز صاحب کے حوالہ سے قبل اور بعد کی تحریروں سے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے نزدیک مہر نبوّت ، ختم نبوّت کے ہم معنی ہے اور نبوّت پر مہر لگنا اور صاحب مہر ہونا دو جداگانہ حقیقتوں کے عکاس ہیں ـ

مزعومہ دعوئے نبوّت سے پہلے

۱ ـ "اگر یہ کہو کہ مسیحؑ کو وحی کے ذریعہ سے صرف یہی کہا جائے گا کہ تو قرآن پر عمل کر اور پھر وحی مدت العمر تک منقطع ہو جائے گی اور کبھی جبرائیل ان پر نازل نہیں ہوں گے بلکہ وہ بکلی مسلوب النبوّت ہو کر اُمتیوں کی طرح بن جائیں گے تو یہ طفلانہ خیال ہنسی کے لائق ہے ـ ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبرائیل لادیں اور پھر چپ ہو جاویں یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے ـ کیونکہ جب ختمیت کی مُہر ہی ٹوٹ گئی ـ اور وحی رسالت پھر نازل ہونا شروع ہو گئی ـ تو پھر تھوڑا اور بہت نازل ہونا برابر ہے"ـ (ازالہ اوہام ص ۵۷۷ ۱۸۹۱ء)

۲ ـ "حسب تصریح قرآن کریم رسول اسی کو کہتے ہیں جس نے احکام و عقائد دین جبرائیل کے ذریعہ حاصل کئے ہوں ـ لیکن وحی نبوّت پر تو تیرہ سو برس سے مُہر لگ گئی ہے ـ کیا یہ مُہر اس وقت ٹوٹ جائے گی ؟" (ایضاً ص ۵۳۴)

یہ حوالے مزعومہ دعوئے نبوّت سے دس سال پہلے کے ہیں ـ اب ہم حضرت صاحب کے اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" کو لیتے ہیں ـ جس کے متعلق یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اس میں آپ نے نبوّت کا دعوےٰ کیا تھا ـ کم از کم اس میں تو مہر کا مفہوم بدلنا چاہیئے تھا ـ مگر آپ نے ایسا نہ کیا بلکہ لکھا :ـ

۱ ـ "بروزی رنگ (فنافی الرسول ہونے سے حاصل) کی نبوّت سے ختم نبوّت میں فرق نہیں آتا ـ اور نہ مُہر ٹوٹتی ہے"

۲ ـ "اسی طرح بروزی طور پر نبی یا رسول کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاتم النبیّین کی مُہر ٹوٹ گئی"

۳ ـ چونکہ میں ظلّی طور پر محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) پس اس طور پر خاتم النبیّین کی مُہر نہیں ٹوٹتی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت محمدؐ تک محدود رہی"

۴ ـ خلاصہ کلام یہ کہ بروزی طور کی نبوّت اور رسالت سے ختمیت کی مہر نہیں ٹوٹتی اور حضرت عیسٰیؑ کے نزول کا خیال جو مستلزم تکذیب آیت ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیّین ہے وہ ختمیت کی مُہر کو توڑتا ہے ـ"

تذکرۃ الشہادتین سنہ ۱۹۰۴ء } "پھر یہ کہنا کہ ان یہودیوں کی اصلاح کے لئے اسرائیلی عیسٰےؑ آسمان سے نازل ہوگا۔ بالکل غیر معقول بات ہے۔ کیونکہ اوّل تو باہر سے ایک نبی کے آنے سے مہر نبوت ٹوٹتی ہے اور قرآن شریف صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ٹھہراتا ہے (صلا)

حقیقۃ الوحی سے تائید } پرویز صاحب نے حقیقۃ الوحی کا حوالہ پیش کیا ہے۔ آیئے یہ حقیقۃ الوحی اس سلسلہ میں کیا کہتی ہے۔ آپ کی پیش کردہ عبارت سے قبل ص۲۷ پر ہی لکھا ہے۔

۱۔ "قدرت حق کی تجلّی بھی اس (حضرت عیسٰےؑ ـــ ناقل) کے مذہب میں اسی حد تک محدود رہی جس قدر ان کی ہمت تھی۔ اور آیندہ (بنی اسرائیل میں ـــ ناقل) الہام و وحی پر مہر لگ گئی"۔

۲۔ کیا کوئی عقل تجویز کر سکتی ہے کہ اسلام کے لئے یہ مصیبت کا دن بھی باقی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی بھی آئے گا کہ جو مستقل نبوّت کی وجہ سے آپ کی ختم نبوّت کی مہر توڑ دے گا اور آپ کی فضیلت خاتم الانبیاء ہونے کی چھین لے گا" (ص۲۹)

۳۔ مگر افسوس کہ عیسائی مذہب میں معرفت الٰہی کا دروازہ بند ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کی ہم کلامی پر مہر لگ گئی ہے" (ص۶۰)

پرویز صاحب کا اخذ کردہ مفہوم } ایک انصاف پسند حق شناس کے لئے "مہر نبوّت" کے سلسلہ میں کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں رہی۔ تاہم مزید وضاحت کے لئے حقیقۃ الوحی کی مکمل عبارت نقل کی جاتی ہے۔ جو جناب پرویز نے قدرے قطع و برید کے ساتھ پیش کی ہے:—

"جس کامل انسان پر قرآن شریف نازل ہوا اس کی نظر محدود نہ تھی اور اس کی عام غمخواری اور ہمدردی میں کچھ قصور نہ تھا۔ بلکہ کیا باعتبار زمان اور کیا باعتبار مکان اس کے نفس کے اندر کامل ہمدردی موجود تھی۔ اس لئے قدرت کی تجلیّات کا پورا اور کامل حصّہ اس کو ملا اور وہ خاتم الانبیاء بنے۔ مگر ان معنوں سے نہیں کہ آیندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا۔ بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے بجُز اس کی مُہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس کی اُمّت کے لئے قیامت تک مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا۔ اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں۔ ایک وہی ہے جس کی مُہر سے ایسی نبوّت بھی مل سکتی ہے۔ جس کے لئے اُمّتی ہونا لازمی ہے۔ اور اس کی ہمت اور ہمدردی نے اُمّت کو ناقص حالت پر چھوڑنا نہیں چاہا۔ اور ان پر وحی کا دروازہ جو حصول معرفت کی اصل جڑھ ہے بند رہنا گوارا نہیں کیا ہے۔ ہاں اپنی ختم رسالت کا نشان رکھنے کے لئے یہ چاہا کہ فیض وحی آپ کی پیروی کے وسیلہ سے ملے۔ اور جو شخص اُمّتی نہ ہو۔ اس پر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہو۔ سو خدا نے ان معنوں سے آپ کے خاتم الانبیاء ٹھہرایا۔ لہذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی کہ جو شخص سچی پیروی سے اپنا اُمّتی ہونا ثابت نہ کرے اور آپ کی متابعت سے اپنا تمام وجود محو نہ کرے ایسا انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پا سکتا ہے اور نہ کامل ملہم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مستقل نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے۔ مگر ظلّی نبوت جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا، وہ قیامت تک باقی رہے گی۔ تا انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو۔ اور تا یہ نشان دنیا سے مٹ نہ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہمت نے قیامت تک یہی چاہا ہے۔ کہ مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کے دروازے کھلے رہیں۔ اور معرفت الٰہیہ جو مدار نجات ہے مفقود نہ ہو جائے" (ص۲۷-۲۸)

یہ سطور کسی تشریح کی محتاج نہیں، ان کا مفہوم یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام کمالاتِ انسانی کے جامع ہیں اور آپ کی شریعت اور اُسوۂ حسنہ کی کامل اتباع سے تکمیل انسانیت ہوتی ہے، اور تکمیل انسانیت معرفت الٰہی کی متقاضی ہے اور یہ معرفت مکالمہ مخاطبہ کے بغیر کامل نہیں ہوتی، اور یہ ہم کلامی یا ظلّی نبوّت جس کے معنے ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا "قیامت تک باقی رہے گی تا انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو"۔

جیسا کہ پرویز صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے خاتم النبیین کے معنے بار بار آخری نبی کئے اور ہم واضح کر آئے ہیں کہ حضرت صاحب نے مُہر کے معنے بند اور ختم کرنے ہی کے لئے ہیں۔ تو پھر غلط فہمی کیسی؟ دوسرے مقامات کے علاوہ یہاں بھی حضرت صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو "مُہر" نہیں لکھا کہ آپ "نبیوں کی مُہر" تھے بلکہ آپ کو "صاحب خاتم" لکھا وہ صاحب خاتم ہے بجُز اس کی مُہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا...... اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں" اور صاحب خاتم ہونا اس کے سوا کچھ نہیں کہ اب محض آپ کی اُمّت ہی خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل کر سکتی ہے اور وہ بھی محض آپ کی کامل اتباع سے ورنہ "مستقل نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر ختم ہوگئی اور اب اصطلاحی معنوں میں کوئی نبی نہیں آ سکتا، یہ ایک لطیف نکتہ اور ذوقی بات تھی جو لفظ خاتم سے پیدا کی گئی ہے اور یہ کہ آپ کو مُہر دی گئی یا آپ صاحب خاتم ہیں صرف اس قدر واضح کرنا ہے کہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اب کوئی شخص آپ کی پیروی کے بغیر اعلےٰ مقامات حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ نہیں کہ آپ خود مُہر ہیں جسے لگا کر خدا اب نبی بنایا کرے گا۔

"صاحب خاتم ہونا خاتم النبیین کا نہ اصطلاحی مفہوم ہے اور نہ ہی لفظی ترجمہ اس کا استعمال آنحضرت صلعم کی فضیلت، آپ کے آخری نبی ہونے اور آپ کی کامل اتباع ہی سے تکمیل انسانیت کی طرف اشارہ کرتا ہے یا آپ خاتم النبیین ان معنوں میں ہیں کہ آپ کے بعد نبوّت کا دروازہ تا قیامت بند ہے مگر آپ صاحب خاتم ہیں کہ آپ کی اتباع کی مہر سے اس اُمّت میں ہر زمانے میں کامل مؤمن اللہ تعالےٰ سے ہمکلام ہو کر خدا کے وجود اور وحی الٰہی کی صداقت کی شہادت دیتے رہیں گے اور اگر یہ دروازہ اس اُمّت پر بند ہو جائے تو اسلام ایک مُردہ دین ہو جائے گا۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں:

(۱)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد براہِ راست فیوض نبوّت منقطع ہو گئے۔ اور اب کمال نبوّت (خدا مکالمہ مخاطبہ نہ کہ منصب نبوّت ـــ ناقل) صرف اس شخص کو ملے گا جو اپنے اعمال پر اتباع نبی کی مُہر رکھتا ہو" (ریویو بر مباحثہ ص۱۶)

یہاں اعمال پر اتباع نبی کی مُہر، کے الفاظ قابل توجہ ہیں کہ جب خدا کی نظر میں کسی مؤمن کی آنحضرت صلعم کی کامل پیروی مسلّم ہوگئی تو خدا اسے زُمرہ ملہمین میں شامل ہونے کی سند عطا کر دیتا ہے۔"

(۲)۔ "آپ کو افاضہ کمال کے لئے مُہر دی گئی"۔ (حقیقۃ الوحی ص۹۷)

(۳)۔ تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی (نبوّت محمدیہ ـــ ناقل) کے اندر ہیں۔ نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں۔ اس لئے اس نبوّت پر سب نبوّتوں کا خاتمہ ہے۔ اور ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لئے ایک انجام بھی ہے۔ لیکن یہ نبوّتِ محمدیہ اپنی ذاتی فیض رسانی سے قاصر نہیں۔ بلکہ سب نبوّتوں سے زیادہ اس میں فیض ہے۔ اس نبوّت کی پیروی خدا تک نہایت سہل طریق سے پہنچا دیتی ہے اور اس کی پیروی سے خدا تعالےٰ کی محبت اور اس کے مکالمہ و مخاطبہ کا اس سے بڑھ کر انعام مل سکتا ہے جو اس سے پہلے ملتا تھا" (الوصیت ص۱۰ سنہ ۱۹۰۵ء)

کیا جناب پرویز صاحب بتائیں گے کہ اس نبوّت پر سب نبوّتوں کا خاتمہ ہے کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لئے ایک انجام بھی ہے۔ (الوصیت) کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ وفات سے ڈھائی سال قبل ان الفاظ کا کہنے والا اجرائے نبوّت کا

عقیدہ رکھتا تھا یا ختم نبوت پر حقیقی ایمان رکھتا تھا؟

اسی طرح حضرت مرزا صاحب نے وفات سے چار سال قبل ۱۹۰۴ء میں سیالکوٹ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہوئے فرمایا تھا:-

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم روحانیت قائم کرنے کے لحاظ سے آدم ثانی تھے بلکہ حقیقی آدم وہی تھے۔ جن کے ذریعے اور طفیل سے تمام انسانی افضال کمال کو پہنچے اور تمام نیک قوتیں اپنے کام میں لگ گئیں اور کوئی شاخ فطرت انسانی کی بے بار و بر نہ رہی، اور ختم نبوت آپؐ پر نہ صرف زمانہ کے تاخر کی وجہ سے ہوا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہو گئے۔" (ص۱)

اس اقتباس کے خط کشیدہ الفاظ کی موجودگی میں آپ کا حضرت مرزا صاحب کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنا کہاں تک درست ہے؟ پرویز صاحب خدا سے ڈریئے آپ نے جو راہ اختیار کی ہے وہ ایک انصاف دوست مؤمن کی نہیں مومن کا کام تو یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی تحریرات سے ایمان کا پہلو ثابت ہوتا ہو، تو اس کی تکفیر سے گریز کیا جائے۔ اور یہاں تو آپ کی لاعلمی حجاب اکبر بنی ہوئی ہے۔ اگر آپ کی تسکین ابھی تک نہیں ہوئی تو پھر از سرِ نو مرزا صاحب کی تحریرات کو پڑھ جایئے، تاکہ غلط مفروضوں پر ٹیڑھی عمارت کھڑی کرکے آپ کی ہم چشموں میں رسوائی نہ ہوتی رہے۔

آپ نے قرآن حکیم کو نظر انداز کرکے اس بات کو ایمان بنایا ہوا ہے۔ کہ خدا انبیاء کے سوا کسی سے ہم کلام نہیں ہوتا اور پہلے زمانے میں اگر حضرت مریم یا ام موسیٰ سے ہوا بھی تو کسی نبی کی وساطت سے۔ ام موسیٰ کے زمانے میں کون نبی تھا، جس کے کہنے پر ایک ماں نے اپنے بچے کو موجوں کی نذر کر دیا۔۔ حضرت مریم کو جب درد زہ نے تنگ کیا تو کس پیغمبر کی وساطت سے انہیں کھجوروں اور پانی کے چشمہ کا علم ہوا؟ فرعون کو ڈوبتے وقت کس نبی کی وساطت سے بتایا گیا کہ ہم تیرے بدن کو محفوظ کرلیں گے؟ ذوالقرنین کو کس نبی کے ذریعہ ایک قوم سے سختی یا نرمی کی اجازت دی گئی؟ عزیز مصر کو کس نبی نے خواب میں سات خشک اور سرسبز سالوں کا علم دیا؟ زندان مصر میں دو قیدیوں کو خواب کے ذریعے کس نے خبر دی تھی اور اس امت میں گذشتہ چودہ سو سال میں لاکھوں اہل اللہ کو آئندہ کی خبریں کون دیتا چلا آیا ہے اور اگر کسی پر اعتبار نہیں تو پھر آخر میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کی سند پر غور کر لیجئے۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کی آنکھیں کھول دے۔ علامہ مرحوم فرماتے ہیں:-

"ہم چائے پی چکے تو ڈاکٹر لوکس (پرنسپل ایف۔سی۔کالج۔ناقل) اٹھے اور مجھے اپنے ساتھ ایک گوشے میں لے گئے۔ فرمایا۔ اقبال! مجھے بتاؤ کہ تمہارے پیغمبر پر قرآن کا مفہوم نازل ہوا تھا۔ اور چونکہ انہیں صرف عربی زبان آتی تھی انہوں نے قرآن کریم عربی میں منتقل کر دیا۔ یا یہ عبارت ہی اسی طرح اُترتی تھی۔ میں نے کہا۔ یہ عبارت ہی اتری تھی۔ ڈاکٹر لوکس نے حیران ہو کر کہا، اقبال! تم جیسا پڑھا لکھا آدمی بھی اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ یہ عبارت ہی اس طرح اتری ہے؟ میں کہا ڈاکٹر لوکس! یقین کیا میرا تجربہ ہے مجھ پر شعر پورا اترتا ہے۔ تو پیغمبر پر عبارت کیوں نہ اُترتی ہوگی۔" الخ

(روزگار فقیر ص۳۹۔ بحوالہ ادبی دنیا اقبال نمبر شمارہ ۱۲/۱۱ ص۲۵)

جستہ جستہ (بسلسلہ ص۲)

آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہنا چوہدری صاحب کی اپنی پیچ ہے یا کسی مولوی پر اعتماد کا غلط نتیجہ۔ اس حدیث میں "کسرِ صلیب" "قتلِ خنزیر"۔ "زرد چادروں" کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ عام مسلمان کسرِ صلیب اور قتل خنزیر کو تو استعارہ سمجھتے ہیں لیکن "زرد چادروں" اور "نبی اللہ" کے الفاظ کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں۔ اور دیوائی حضرات کسرِ صلیب، قتلِ خنزیر و اور زرد چادروں کو استعارہ قرار دیتے ہیں اور نبی اللہ کے الفاظ کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں جبکہ ہم حضرت امام الزمان کی اتباع میں ان چاروں علامات کو استعارہ سمجھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:-

اس کے مقابل پر وہی مسلم کی ظنی حدیث پیش کی جاتی ہے جس پر صدہا شبہات پیرِ زنبور کی طرح چمٹے ہوئے ہیں اور ظاہری الفاظ کی رو سے صریح قرآن شریف کے ✻

سوانح عمری کے فوائد

بیوگرافی ان بزرگوں کی ایک لازوال یادگار ہے جنہوں نے اپنی نمایاں کوششوں سے دنیا میں کمالات اور نیکیاں پھیلائیں تھیں۔ اور جو انسان کی آئندہ نسلوں کے لئے اپنی مساعی جمیلہ کے عمدہ کارنامے چھوڑ گئے ہیں۔ خصوصاً جو قومیں علمی ترقیات کے بعد پستی اور تنزل کے درجے کو پہنچ جاتی ہیں۔ ان کے لئے بیوگرافی ایک تازیانہ ہے۔ جو ان کو خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ جب وہ اپنے اکابر و اسلاف کی زندگی کے حالات اور ان کے کمالات دریافت کرتے ہیں تو ان کی غیرت کی رگ حرکت میں آتی ہے اور اپنی کھوئی ہوئی عزت اور برتری دوبارہ حاصل کرنے کا خیال ان کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔

دنیا میں اکثر لوگ ایسے گذرے ہیں، جنہوں نے بڑے بڑے آدمیوں کی زندگی کے حالات کتابوں میں پڑھ پڑھ کر اپنے تئیں انسانیت کے اعلیٰ درجے پر پہنچایا تھا۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ اکابر قوم کے تذکرے آئندہ قوم کے واسطے ایسے ہی لازمی ہیں۔ جیسے جسم کو روح آنکھ کو نور۔ اس لئے میں احمدی بھائیوں سے بالعموم اور نوجوان طبقہ سے بالخصوص گذارش کروں گا کہ وہ بزرگوں کی سوانح عمری سے فائدہ اُٹھائیں اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

میں چند ایک سوانح عمریوں کا تذکرہ کرنا ضروری خیال کرتا ہوں تاکہ ان کی سوانح عمریاں مرکز سے منگوا کر پڑھی جائیں۔

۱۔ مرقات الیقین۔ سوانح حیات مولانا نورالدین صاحب مؤلفہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی۔

۲۔ مجاہد کبیر۔ سوانح حیات حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ مؤلفہ ممتاز احمد فاروقی۔

۳۔ آئینہ صدق و صفا۔ سوانح حیات ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب و حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب۔ مؤلفہ مرزا مسعود بیگ صاحب۔

۴۔ مردِ مومن۔ سوانح حیات الحاج شیخ میاں مولا بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۵۔ حیات شیخ۔ سوانح حیات الحاج شیخ میاں مولا بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

خاکسار۔ فضل داد پنشنر مکان $\frac{2}{553}$ مسلم آباد۔ گجرات

جلسہ یوم نور الدین

جیسا کہ قبل ازیں مرکز کی طرف سے اعلان شائع ہو چکا ہے کہ مؤرخہ ۱۴ مارچ بروز جمعۃ المبارک ہر جماعت "یوم نورالدین" منائے۔ چنانچہ مرکز میں یہ جلسہ جناب سیکرٹری صاحب کی اجازت سے مجلس شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے زیر اہتمام حضرت امیرِ قوم کی صدارت میں احمدیہ بلڈنگس لاہور میں منعقد کیا جا رہا ہے جس میں حضرت مولانا الشیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری اور محترم صاحبزادہ عبدالمنان عمر صاحب خطاب فرمائیں گے۔ احباب جماعت سے درخواست ہے کہ وہ بکثرت اس ایمان افروز اجتماع میں شرکت فرمادیں۔ والسلام

شاہد جاوید۔ سیکرٹری مرکزی شبان الاحمدیہ لاہور

✻ متناقض اور رد پڑی ہوئی ہے .... اب بتلاؤ کہ ہم دونوں متناقض پیشگوئیوں میں سے کن کو قبول کریں کیا مسلم کی روایت کے لئے قرآن کو چھوڑ دیں اور ایک ذخیرہ دلائل کو اپنے ہاتھ سے پھینک دیں کیا کریں یہ بھی ہمارا مسلم پر احسان ہے کہ ہم نے تاویل سے کام لے کہ حدیث کو مان لیا ورنہ دفع تناقض کے لئے ہمارا حق تو یہ تھا کہ اس حدیث کو موضوع ٹھہراتے لیکن خوب غور سے سوچ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دراصل حدیث موضوع نہیں ہاں استعارات سے پُر ہے۔" (تحفہ گولڑویہ ص۱۲)

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

جماعت احمدیہ لاہور کو کافر قرار دینے کا کیا جواز ہے؟

کیا اُمّت کے سابق مجدّدین اور مُلہمین کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں؟

وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ۔

ترجمہ: جب یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی بشر پر کوئی کلام نازل نہیں کرتا تو یہ انکا قول خدا تعالیٰ کی کسقدر احسان فراموشی ہے

ایمان نہ لانے کے باعث کوئی شخص دائرہ اخوت اسلامیہ سے باہر ہو جاتا ہو تو کیا ان تینوں شرائط میں سے کسی ایک کے مان لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دین کے کمال کا جو مقصد قرآن کریم حضرت خاتم الانبیاءؐ کے ذریعہ قائم کیا گیا تھا وہ غرض جاتی رہی۔

(۱)

منکرین تکلّم سلسلۂ الہٰیہ کا یہ کہنا کہ خدا تعالےٰ کسی انسان سے کلام نہیں کیا کرتا، قرآن پاک کے نزدیک خدا تعالےٰ کے ایک عظیم احسان کا نا قدر شناسی ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ ربّ العالمین نے انسان کی جسمانی و ذہنی تربیت کے سامانوں کے علاوہ اس کی رُوحانی اور اخلاقی ہدایت کے لئے جو جو اپنا کلام پاک نازل فرمایا وہ جسمانی رزق کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر عظیم نعمت ہے ورزق ربّک خیر و ابقیٰ تیرے ربّ کا رزق یعنی ہدایت حقّہ اس رزق سے کہیں بڑھ کر ہے جو ہم نے منکرین حق کو دیا ہے۔

یہ امر تو مسلّمہ حقیقت ہے کہ دینِ قیّم اپنی کامل ترین صورت میں ہمیشہ کے لئے قرآن پاک کی شکل میں خدا تعالےٰ نے محفوظ فرما دیا ہوا ہے۔ نیز یہ کلام پاک جس مُبارک ہستی پر نازل ہوا وہ یقیناً نہ صرف سب انبیاء علیہم السلام سے بڑی ہے بلکہ آخری نبی بھی ہے، جو پاک ہستی صلعم کامل ہدایت لانے والی ہو اور انسانی اخلاق عالیہ کے جملہ پہلوؤں کو اپنی زندگی میں کامل جلوہ پیرائی سے دکھلانے والی ہو اگر وہ آخری نبی نہیں ہو سکتی تو اور کونسی ہستی آخری نبی کا درجہ رکھنے کی مستحق ہو سکتی ہے؟ **کامل اور محفوظ شریعت کا منزل من اللہ ہونا اور اخلاقِ حسنہ کا کامل نمونہ بننا** اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ صلعم کے بعد کوئی شخص نبوت کے مقام پر کھڑا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ شریعت و ہدایت کی نعمتِ عظمیٰ اور اسوہ حسنہ کا عالی نمونہ پہلے سے ہی موجود ہیں، اس صورت میں کسی نئے یا پرانے نبی کے آنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ہی کوئی ضرورت۔ جیسے حضرت اقدس مسیح موعودؑ بھی اسی دلیل سے ختم نبوّت کا ثبوت پیش فرماتے ہیں **لان القرآن اکمل وختم الشریعۃ۔**

پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ نہ صرف اکمل و اعلیٰ ترین ہدایت، دونوں طرح یعنی تعلیم میں قرآن کی شکل میں اور نمونہ میں حضرت خاتم الانبیاء صلعم کی صورت میں ہمیشہ محفوظ و موجود ہیں بلکہ اس پر مستزاد یہ امر کہ دین کے منجانب اللہ نزول کا جو انتہائی مقصد ہے یعنی یہ کہ ایک عالمگیر اخلاقی اخوّت قائم ہو، تا ایسی روحانی قوم کے ذریعہ جملہ نسلی، لونی، لسانی اور جغرافیائی حدود و تفریقات ختم ہو کر وحدت نسلِ انسانی کی غرض تکمیل پائے **اس کا بھی واحد تقاضہ یہی ہے کہ ایک آخری نبی مبعوث** ہو تا اس کی ذات ستودہ صفات پر ایمان سے وحدت قائم ہو سکے، اب تین مستحکم و مضبوط دلائل ختم نبوت پر آنحضرت صلعم کے بعد کسی نبی کے آنے کے قطعی و حتمی طور پر مانع ہیں۔ اوّل یہ کہ قرآن کریم ہمیشہ کے لئے کامل و محفوظ ہدایت کر دی گئی ہے۔ دوئم یہ کہ جناب ختم المرسلین صلعم کی مبارک ذات بموجب فرمودہ حضرت عائشہ رضؓ کان خلقہ القرآن اور فرمودۂ قرآن لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ جملہ انسانی اخلاق حسنہ کا اعلےٰ و اکمل ترین نمونہ سُنّتِ رسول صلعم کی صورت میں موجود و محفوظ ہے سوئم۔ یہ کہ عالمگیر روحانی اخوّتِ انسانیہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایک منجانب اللہ مبعوث ہستی کا وجود تسلیم کیا جائے جس پر ایمان لانے کے باعث وحدت انسانیہ قائم ہو سکے۔ اب غور کرو کہ اگر بعد رسول اللہ حضرت خاتم الانبیاءؐ کوئی ہستی ایسی مبعوث ہو جس پر کوئی ہدایت نازل ہونے کا جواز ہو یا وہ کسی خلق میں آنحضرت صلعم کے اُسوہ حسنہ مبارکہ سے بڑھ کر قدم رکھتی ہو یا یہ کہ اس پر

حضرت خاتم الانبیاء صلعم جملہ نبیوں کے مصدق و مصدوق ہیں۔

جملہ مسلمانوں میں علاوہ متذکرہ بالا تینوں امور کے یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ صرف ایک ہی ذات با برکاتؐ دنیا میں مبعوث ہوئی ہے جو جملہ با برکت انبیاء علیہم السلام کی صادق بھی ہے اور مصدوق بھی ہے یہ ذات با برکات آنحضرت صلعم ہی ہیں جنہوں نے اعلان کیا و مصدق لما بین یدیہ، تمام سچی تعلیموں کی میں تصدیق کرتا ہوں اور فرمایا ان من امۃ الا خلا فیہا نذیر ہر قوم میں خدا کی طرف سے نذیر آئے۔ پھر فرمایا قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا ــــــ وما اوتی النبیون من ربہم لا نفرق بین احد منہم۔

اے مسلمانو! تم اعلان کر دو کہ ہم نہ صرف خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف اتارا گیا اس پر ایمان لاتے ہیں بلکہ ہم تو جملہ انبیاء عالم کے منجانب اللہ مبعوث ہونے کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ تمام خدا کی طرف سے ہدایت لاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی قرآن پاک کا یہ بھی فرمودہ ہے کہ جہاں آنحضرتؐ جملہ انبیاء سابقین کی تصدیق کرتے ہیں وہاں خدا نے جملہ انبیاء سے بھی آنجناب صلعم کی تصدیق کرائی کہ وہ اپنی اپنی اُمتوں کو مطلع کر دیں کہ ایک عالمگیر نبی آنے والا ہے تم اس پر ایمان لے آنا اس پر یہ آیت واضح روشنی ڈال رہی ہے و اذ اخذ اللہ میثاق النبیین ــــــ لتؤمنن بہ ولتنصرنہ اس آیت شریفہ کی جو تفسیر کتاب **میثاق النبیین** مصنفہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی نے بمعہ حوالہ جات جملہ کُتب مقدسہ میں کی گئی ہے وہ ایک نادر و بے مثال ریسرچ ہے جو جماعت احمدیہ لاہور کے اس فاضل اجل نے اس زمانہ میں کی ہے۔

مُدعا اس امر کے ذکر کا یہ ہے کہ مسلمانوں میں متفقہ طور پر ان چار امور پر قطعاً کوئی اختلاف نہیں

(۱) صرف قرآن ہی آخری و کامل کتاب و ہدایت ہے۔

(۲) صرف آنحضرت صلعم کے اخلاقِ حسنہ ہی کامل و آخری نمونہ ہیں۔

(۳) صرف آنجناب صلعم ہی جملہ انبیاء کے صادق و مصدوق نبی ہیں۔

(۴) صرف آنجناب صلعم کی ذات مبارکہ ہی ایسی ہے جس نے جملہ تفریقوں کو مٹا کر ایک عالمگیر اخوت کی کامیاب بنیاد ڈالی ہے جس کے معترف غیر مسلم بھی ہیں اور انسانیت کو وحدت کے سلسلہ میں منسلک کر کے توحید الٰہی کی غرض کو پُورا کر دکھلایا ہے۔

اب ان اساسی و اتفاقی امور کے بعد کس منطق کی رُو سے یہ کہنا جائز ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد بھی کوئی نبی آ سکتا یا آنے کی گنجائش ہے؟ اگر کوئی جماعت ایسا عقیدہ فی الواقع رکھتی ہے تو لازماً وہ اسلام کے بنیادی عقائد پر ضرب کاری لگاتی ہے۔

کیا جماعت ربوہ نبوّت کو جاری سمجھتی ہے؟

اس موقعہ پر یہ خدشہ دل میں پیدا ہوتا ہے کہ جماعت ربوہ بھی کیا ختم نبوّت کو تسلیم کرتی اور آنحضرت صلعم کو آخری نبی مانتی ہے

ہے؟ یہ ایسا سوال ہے کہ اس کا جواب تو جماعت ربوہ کو ہی دینا مناسب ہے مگر اس قدر کہنا خلافِ حق نہ ہوگا کہ ان کے بعض اقوال اور اعمال سے اس شبہ کو تقویت ملتی ہے اگر ضرورت ہوئی تو اس پر آئندہ کچھ عرض کیا جائے گا۔ اس مضمون میں تو ہمیں جماعت احمدیہ لاہور کی پوزیشن کے بارہ میں کچھ عرض کرنا ہے۔

اخبار "ایشیا" کا موقف

یہ امر تو دنیا جانتی ہے کہ جہاں تک جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد کا تعلق ہے۔ اس میں نہ تو کوئی اُلجھن ہے اور نہ ہی کوئی پیچیدگی و شبہ ہے یعنی یہ کہ عرصہ زائد ساٹھ سال سے یہ جماعت اپنے علم کلام اور اخبارات میں مسلسل یہ اعلان کرتی چلی آ رہی ہے۔ کہ ہم بعد رسول اللہ صلعم نہ کسی نئے یا پرانے نبی کے آنے کے قائل ہیں اور نہ ہی کسی قسم کی نبوت کو جاری سمجھتے ہیں۔ صرف اس قسم کے اعلانات ہی اس جماعت کی طرف سے نہیں ہوتے رہے بلکہ ایسا بے مثل و بے بہا علم کلام اس جماعت کے قائد اول حضرت مولنا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "النبوۃ فی الاسلام" اور رسالہ "ردّ تکفیر اہل قبلہ" کی صورت میں تصنیف فرمایا ہے کہ یہ اس مضمون پر آخری حرف کا درجہ رکھتی ہیں۔ کاش! ان کتب کو اگر وسیع پیمانہ پر پھیلایا جاتا تو عامۃ المسلمین میں بشرطیکہ وہ تعصب و خود غرضی سے الگ ہو کر انکو مطالعہ کرتے تو جماعت لاہور کے بارہ میں ان کے قلوب نہایت صاف ہو جاتے۔ کچھ صرف اسی قدر نہیں، کہ حضرت ممدوحؒ نے ایسا بے نظیر علم کلام ختمِ نبوت اور ردّ تکفیر المسلمین کے موضوع پر پیدا کیا بلکہ ۱۹۱۴ء میں جماعت احمدیہ میں اسی امر پر دو فریق بن گئے حضرت مولنا ممدوح اور آپ کے دیگر رفقاء نے قادیان کے مرکز سے علیحدہ ہونا گوارا کر لیا لیکن یہ گوارا نہ کیا کہ اجراء نبوت اور تکفیر المسلمین پر اتفاق کریں۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎ سر داد نہ داد دست ......

اپنے مرشد و امام وقت کے مرکز کو خیر باد کہنا گوارا کر لیا لیکن اساسی عقائد اسلام کے برخلاف عقائد رکھنے والے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر کے خالی ہاتھ اور تن تنہا لاہور چلے آئے اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور یا جماعت احمدیہ لاہور کی بنا ڈالی۔ انجمن اس فریق کا نام اس لئے آپ نے رکھا کہ آپ کے امامؑ نے اپنی وفات کی خبر خدا سے پاکر رسالہ الوصیت، ضمیمہ الوصیت تحریر فرمایا اور ۱۹۰۶ء میں اپنے ہاتھوں سے ایک انجمن بنام صدر انجمن احمدیہ قادیان مشتمل بر چودہ نامزدہ ممبران کی تشکیل فرماکر جملہ معاملات جماعت احمدیہ کو انکے فیصلوں پر چھوڑ دیا تھا جس پر ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۴ء یعنی حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کی وفات تک عمل ہوتا رہا لیکن آپ کی وفات کے بعد فریق قادیان نے بانی سلسلہؑ کے اس نظام کو بدل کر اپنے قائد کو مطلق العنان امیر کی حیثیت دینا پسند کیا لیکن حضرت مولنا ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے تن تنہا کا قائد ہونا منظور کیا اس کا نظام بمطابق بانی سلسلہؑ جمہوری یا انجمن کا ہی قائم رکھا۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اصل بات یہ بیان ہو رہی تھی کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے پاکستان اسمبلی کے فیصلہ کے بعد جب یہ سوال اُٹھایا گیا کہ جماعت احمدیہ لاہور تو گذشتہ ساٹھ سال سے نہ صرف ختمِ نبوت کی قائل بلکہ اس پر بے بہا علم کلام شائع کر چکی ہے اسے کافر قرار دینے کا جواز کیا ہے؟ تو اس پر جماعت اسلامی کے ترجمان "ایشیا" نے یہ تحریر کیا کہ سوال ختمِ نبوت کا ہی نہیں بلکہ اصل سوال دعویٰ ملہمیت اور مجددیت کا ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور حضرت مرزا غلام احمدؑ کو چونکہ ملہم من اللہ اور مجدد من اللہ مانتی ہے اس لئے یہ بھی کافر دیا جانے کی مستحق ہے۔ اس پر ہمارے اخبار میں مولنا دوست محمدؐ صاحب نے جواباً یہ لکھا کہ اگر اخبار "ایشیا" کا یہ موقف صحیح ہے کہ ہر مدعی ملہمیت اور مجددیت کافر ہے تو پھر وضاحت کی جائے کہ تیرہ صدیوں میں جن اصحاب کا ایسا دعوےٰ ثابت ہو "ایشیا" کے نزدیک کیا وہ سب کافر ہیں؟ نیز انہوں نے متعدد اولیاء کرام اُمت کے ایسے دعاوی ان کے اپنے کلام سے پیش کئے۔ جب کچھ عرصہ اس پر گذر گیا اور "ایشیا" نے اس سوال کا کچھ بھی جواب نہ دیا تو ایڈیٹر صاحب نے ایک نوٹ اس سرخی کے ماتحت دیا:—

"ایشیا کو کیوں سانپ سونگھ گیا"

یعنی اب جبکہ یہ دعوےٰ کیا جا چکا ہے کہ ہر ملہم و مجدد اور ان کے پیرو کافر ہیں تو یہ اصحاب یعنی حضرت مجدد سرہندی الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت احمد شہید بریلویؒ، حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ اور اسی قسم کے دیگر مسلمہ بزرگانِ دین جن کا دعوےٰ ملہمیت و مجددیت ثابت و مسلمہ ہے کی بابت واضح کیا جائے کہ "ایشیا" کے اصول کے مطابق کیا یہ سب بزرگ کافر اور انکے متبعین خارج از اسلام ہیں؟ کیوں "ایشیا" اس کا جواب نہیں دیتا؟

اب عرصہ دو تین ماہ کا ہو چکا ہے جب "ایشیا" نے یہ موقف اختیار کیا تھا اور جب اس پر اس اخبار نے یہ سوال اس سے تین مرتبہ دریافت کیا مگر اب تک خاموشی کیوں طاری ہے؟ سانپ سونگھ جانا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب ہے کہ کوئی شخص جواب کیوں نہیں دیتا لیکن ہم اس تلخ نوائی کو بھی درست سمجھتے ہیں

؎ چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاق

اے مدعیانِ اصلاحِ امت اور علماء کرام و رہنمائے دین! آخر غور فرمائیے کہ جس اصلاح و امامت کا دعوےٰ آپ صاحبان کو ہے، آخر اس کا تقاضا کیا ہے؟

جماعت اسلامی اور "ایشیا" جواب دینے کے پابند ہیں

آخر جب آپ نے ایک گروہِ اسلام کو کافر قرار دینے کا جواز یہ دیا ہے کہ وہ کسی شخص کو ملہمیت و مجددیت کا مدعی سمجھتے ہیں تو پھر جب دیگر ایسے اصحاب کی مستند تحریرات آپ کو پیش کی جا کر سوال کیا جاتا ہے کہ آپ کے اصول کے مطابق یہ بھی سب کافر ہیں، تو آپ کیوں اس کا جواب نہیں دیتے؟ اگر اب تک آپ اسی اصول کو صحیح سمجھتے ہیں تو آپ پر لازم ہے کہ جملہ مدعیانِ الہام و مجددین اور ان کے متبعین کو کافر قرار دینے کا اعلان کریں۔ مثلاً آپ اعلان حق کریں کہ مجدد سرہندی الف ثانیؒ اور ان کے پیرو کافر ہیں کیونکہ آپ کا تو دعوےٰ آپ کے لقب مجدد الف ثانی سے ہی عیاں ہے۔ اور اگر بالفرض آپ کو اپنی غلطی سمجھ آگئی ہے تو پھر کیا آپ کا یہ فرض نہیں کہ یہ اعلانِ حق کریں کہ ہمارے نزدیک مدعیان الہام و مجددین کافر نہیں، نہ ہی ایسے اصحاب کے پیرو کافر ہیں، اس لئے جماعت احمدیہ لاہور مسلمان ہے۔ کیا صداقت و صاف گوئی اسلام بلکہ ہر دین کا بنیادی عقیدہ نہیں؟ ہر مسلمان کو سچ بولنے کی تاکید آپ ہر روز کرتے ہیں لیکن اپنے معاملہ میں اس بنیادی امر کو کیوں بھول جاتے ہیں؟ لِمَ تقولون ما لا تفعلون فرقانی ارشاد ہے آپ اس پر عمل کیجئے۔

ایک ذاتی واقعہ کا بیان

اس جگہ ایک متعلقہ ذاتی واقعہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ۱۹۴۰ء کے قریب حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "مجدد اعظم" مولنا آفتاب الدین مرحوم، ڈاکٹر عبداللہ مرحوم اور راقم الحروف کو اس لئے دی کہ ہم اسے آپ کی طرف سے مولنا مودودی صاحب کی خدمت میں پیش کریں۔ ہم تینوں اصحاب عصر کے قریب پونچھ روڈ جہاں اس وقت مولانا صاحب قیام پذیر تھے گئے اور کتاب پیش۔ کچھ گفتگو بھی کرنا تھی۔ راقم الحروف نے سوال کیا کہ کیا مجددین کا آنا متفقہ امر نہیں؟ جواب ملا کہ مجدد نہ تو خدا مبعوث کیا کرتا ہے اور نہ ہی اس کا دعوےٰ کرنا ضروری ہے۔ جو شخص بھی خدمتِ دین کا عظیم کام کرے لوگ اسے مجدد مان لیتے ہیں۔ یہ بھی مولنا نے وضاحتاً فرمایا کہ دیکھو اس وقت ہٹلر بھی اپنی قوم کا مجدد ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ مسلمانوں میں مجدد امور دینیہ میں اصلاح کرتا ہے۔ پھر یہ سوال کیا کہ تیرہ صدیوں میں یہ جو مجددین و ملہمین دعویٰ کرتے چلے آئے ہیں ان کی بابت آپ کا کیا خیال ہے؟ اس پر فرمایا کہ ننانوے فیصد جھوٹ و غلط باتیں ہیں۔ یہ مولنا صاحب کے الفاظ تھے۔ راقم الحروف نے اس پر سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔ البتہ ایک دوسرا سوال میں نے یہ کیا کہ آپ کے تازہ رسالہ ترجمان القرآن میں آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ ہر نبی کا اصل مقصد حکومت

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

انگریز کے دجّالی عقائد کو منانے کے لئے سرگرم عمل ہے۔ پھر انگریز نوازی کا کوئی ثبوت بھی تو ہو۔ جہاد بالسیف کا فتوےٰ تو ۱۸۵۷ء کے بعد آپ سے پہلے یا آپ کے زمانے میں کسی دینی فرقہ نے نہیں دیا۔ انگریز [illegible] داری کا اظہار بھی سر سید سے لے کر مولوی محمد حسین بٹالوی تک سب نے کیا۔ حضرت مرزا صاحب نے کیا جرم کیا؟ آپ نے حکومت سے کوئی جاگیر لی؟ اُلٹا انگریز کی عدالتوں پر آپ کے خلاف سالہا سال تک جھوٹے مقدمات ہوتے رہے۔ البتہ آپ مولویوں کے [illegible] شکایتوں کے خلاف اپنے کام کو جاری رکھنے کے لئے حکومت کو یقین دلاتے رہے کہ دین میں جبر میرے دعوے سے خارج ہے اور میرا طریق کار محض دلائل، براہین اور نشانات آسمانی سے دنیا پر قرآن کی صداقت پیش کرتا ہے۔

پھر محض مہدی، مثیل مسیح، وغیرہ کے دعاوی آپ کی عظمت کی اساس نہ تھے نہ آپ انہیں منوانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، یہ سنت الٰہی رہی ہے کہ اللہ تعالےٰ اس اُمت میں ہر صدی کے سر پر اسلام کے غلبے اور قرآنی معارف پھیلانے کے لئے ہر دَور میں مجددین بھیجتا رہا ہے۔ آپ اسلام کے مبلغ تھے آپ نے قرآن کے معارف دنیا کے سامنے پیش کئے۔ اور غلبۂ دین کے لئے ایک جماعت تیار کی جو دنیا کو اسلام کی چوکھٹ پر جھکا دے۔ البتہ آپ پہلے مجدد ہیں جنہوں نے اشاعت قرآن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ اور مسلمانوں کو غلبہ دین کے لئے محض قرآنی معارف پھیلانے پر کھڑا کیا۔ چنانچہ آپ نے اسلام کی صداقت پر جتنی کتابیں لکھیں ان میں تاریخ میں پہلی بار محض قرآن پر انحصار کیا ہے جیسا کہ براہین احمدیہ۔ اسلامی اصول کی فلاسفی آئینہ کمالات اسلام، شہادت القرآن وغیرہم میں محض قرآنی آیات کو پیش کیا ہے۔ پھر اشاعت قرآن کے سلسلے میں دوسرا کون عالم ہے جس نے قرآن کے درس اور اشاعت اور عالمی زبانوں میں تراجم پر زور دیا۔ اسی طرح اسلامی تعلیمات کی حکمت پر زور دیا اور اسلام پر غیر مسلموں کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا۔ آپ ہی کی نگرانی میں اردو اور انگریزی میں دینی رسالے جاری ہوئے اور قدیم و جدید علوم کے ماہرین نے اپنی زندگیاں آپ کی رضا و مقصد پر قربان کر دیں۔ اور آج عالم اسلام طوعاً و کرہاً احمدی علم کلام کو قبول کر چکا ہے۔

ہمیں افسوس سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ آپ کے بعد ایک گروہ نے آپ کے اصل مشن اور مقام کو نظر انداز کر کے آپ کو نبوت کے منصب پر پہنچایا۔ آپ کے نہ ماننے والوں کو کافر ٹھہرایا، خاندانِ نبوت، قصرِ خلافت، اہل بیت، خلافتِ راشدہ۔ اصحاب النبی، ام المؤمنین کی اصطلاح کو اپنایا، "خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین انجمن" کو "خدا کے نبیؐ" کا جانشین بنا دیا اور آئندہ کے لئے آپ کے سلسلہ سے منسلک احباب کے لئے فتنے کا خوفناک دروازہ کھول دیا۔ کہ اگر وہ احمدی کہلائے، تو وہ تمام خرابیاں بھی اس کی ذات منسوب ہو جاتی ہیں۔ جن کا حضرت مرزا صاحب سے دُور کا بھی واسطہ نہیں اور اگر وہ حضرت صاحب کو چھوڑ دے تو ان [illegible] سے محروم ہوتا ہے جو زمانے کے امام و مجدد سے وابستہ ہونے سے [illegible] ہیں۔ حالانکہ حضرت صاحب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دین کے محض خادم تھے۔ آپ نے اپنے نہ ماننے والوں کو خارج از اسلام نہیں ٹھہرایا۔ ساری عمر دوسروں کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ اپنے الہامات کو کبھی حجّت شرعی نہیں ٹھہرایا اپنی دینی معلومات کو کبھی جماعت پر مسلّط نہیں کیا۔ جماعت آپ کی زندگی میں بھی دینی مسائل میں آپ سے اختلاف کرتی تھی اور بعد میں بھی آج تک کئی ایک مسائل اور تفسیرات قرآن میں آپ سے اختلاف کرتی چلی آئی ہے جس پر دونوں جماعتوں کی تفاسیر شاہد ہیں۔

ان شواہد کی موجودگی میں ہم عالم اسلام سے پھر توقع کرتے ہیں کہ وہ حقائق کو سامنے رکھیں حضرت مرزا صاحب کے صحیح مقام اور مشن کو پہچانیں۔ اور آپ نے دنیا میں غلبۂ اسلام کی جو تحریک جاری کر رکھی ہے، اس کی مخالفت کی بجا‌ئے اسے آگے بڑھانے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں لیکون الدین کلہ للہ۔

محترم محمد سلیم اختر شاہد

ایک مُسلمان کے دوسرے مُسلمان پر چھ حقوق

عن ابی ھریرۃ انّ رسول اللہِ صلی اللہ علیہ وسلّم قال حقّ المُسلم علی المُسلمِ ستٌ قیل ما ھنّ یارسول اللہ قال اذا لقیتہ، فَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَاذا دعاك فاجبہ واذا استنصحك فانصح لہ واذا عطس فحمد اللہ فشمّتہُ واذا مَرِض فعدہُ واذا مات فاتّبعہُ ——— (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے چھ حق ہیں۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ کونسے حقوق ہیں تو آپ نے فرمایا جب تو اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اسے السّلام علیکم کہہ جب وہ تجھے بلائے تو اسے جواب دے جب وہ تجھ سے [illegible] طلب کرے تو اسے مشورہ دے۔ جب اسے چھینک آئے اور وہ تحمید کرے تو [illegible] کر یعنی یرحمك اللہ کہہ اور جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کر اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شامل ہو۔

تشریح اس حدیث میں جن چھ باتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ مسلم معاشرہ میں حقوق کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بڑی تاکید فرمائی ہے افسوس تو یہ ہے کہ جس قوم کو یہ سنہری تعلیم دی گئی اس نے ان باتوں میں عملاً کوتاہی سے کام لیا ہے اگر انہی چھ باتوں پر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے تو مسلم معاشرہ جنّت کا نمونہ بن جائے مثلاً ملاقات پر دوسرے کی سلامتی کے لئے دُعا کرنا، کیا اس سے دوسرے کے دل میں محبت کے جذبات پیدا نہیں ہو جاتے یقیناً پیدا ہوتے ہیں۔

جب کوئی مدد کا طالب ہو تو اس کی نصرت کے لئے دامے درمے قدمے، سخنے تیار ہو جانا انسان کو مخلوق کا محبوب بنا دیتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی مشورہ طلب کرے تو جہاں تک انسان کی معلومات کا تعلق ہے وہ اسے بہترین مشورہ دے اور اس کی خیر خواہی اور بھلائی کو مدِ نظر رکھے، جب اسے چھینک آئے تو رحم کی دُعا کرے۔ بظاہر یہ بات معمولی نظر آتی ہے کہ چھینک پر رحم کی دُعا کرنا کیا مطلب رکھتا ہے اور پھر اسے بطور ایک حق کے بیان کیا گیا ہے جس کی ادائیگی دوسرے مسلمان پر ضروری ہے۔ سو واضح ہو کہ موجودہ تحقیق نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ بعض اوقات چھینک سے بعض رگوں کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان رگوں کو اصلی حالت پر لانے کے لئے کسی حرکت کی ضرورت ہے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ایسے خطرے سے بچاؤ کے لئے انسان حمد الٰہی کرے اور دوسرا اس پر رحم کی دُعا کرے کہ اللہ تعالےٰ اس کو تکلیف سے محفوظ رکھے۔ آج جو باتیں بڑے بڑے فلاسفروں نے لمبی تحقیقاتوں کے بعد معلوم کی ہیں میرے آقا نے آج سے چودہ سو سال بیان فرما دی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے ؎

اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر
زیں چہ باشد حجتے روشن ترے

پھر بیماری کے عالم میں انسان کی تیمار داری کرنا اس کا دوسرے کی طبیعت پر بڑا خوشگوار اثر پڑتا ہے دل بہل جاتا ہے علاج کی کوئی اچھی سی تجویز سوجھ جاتی ہے مایوسی اور اکتاہٹ دُور ہو جاتی ہے اور جب انسان مر جاتا ہے تو دوسرے بھائی پر یہ حق واجب ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین، تدفین اور جنازہ میں شرکت کرے۔ سچ بات یہ ہے کہ جس جامعیت کے ساتھ انسانی حقوق کو ان چند جملوں میں ادا کیا گیا ہے بڑی بڑی کتابیں [illegible] ادائیگی سے قاصر نظر آتی ہیں۔

اللھم صلّ وسلّم علیہ

ھو [illegible] پیغام صلح خود مطالعہ فرمانے کے بعد دیگر احباب تک پہنچائیں۔

جناب پروفیسر نورالدین زاہد صاحب کے سپرد ہیں۔

ہمارے مکرم بھائی محمد جنید اطہر صاحب اکولہ مہاراشٹر انجمن احمدیہ ہند کے ممبر نے حضرت امیر رح کے مقبول عام پمفلٹ "اسلام دی ریلیجن آف ہیومینٹی" کا ہندی ترجمہ کیا ہے۔ انشاءاللہ عنقریب انجمن ہند شائع کرے گی۔ "زندہ نبی کی زندہ تعلیم" کا ہندی ترجمہ بھی زیرِ غور ہے۔

محترم عزیز کاشمیری "روشنی" میں جواہر ریزے کے تحت ملفوظات امام برابر شائع کرتے رہتے ہیں۔ عزیز صاحب نے انگریزی میں "مسیح کشمیر میں" شائع کی ہے جو بہت مقبول ہو رہی ہے۔

محترم مولانا محمد طفیل صاحب کا دورۂ ریاست ہمارے لئے باعث مسرت ثابت ہوا کشمیر کے متعلق شاعر نے کہا ہے ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمین است و ہمین است

لیکن جب یہی شاعر سیر کشمیر کے بعد واپس جا رہے تھے تو سرینگر سے تیس میل ہی نکلے تھے۔ کہ بارش شروع ہوئی۔ شاعر صاحب سات آٹھ دن پڑے رہے اور اپنے شعر کے خلاف کہہ گئے۔ کشمیر مزبلۂ ہفت آسمان است۔

موسم کے لحاظ سے آج وادی مزبلۂ ہفت آسمان ہے اس لئے ہم کوئی عالی شان کھلے میدان میں جلسہ نہ کر سکے۔ لہٰذا مولانا محمد طفیل صاحب بھدرواہ اور صوفی پورہ تشریف نہ لے جا سکے۔ البتہ شیخ محمد طفیل صاحب ۲۷ جنوری ۱۹۷۵ء بروز سوموار یاری پورہ تشریف لے گئے۔ جونہی مولانا صاحب یاری پورہ اسلام چوک کے اڈہ پر اترے۔ احباب جماعت نے ان کا استقبال اہلاً۔ سہلاً۔ مرحبا۔ نعرہ اللہ اکبر۔ اسلام اور احمدیت زندہ باد اور الحاج مولانا محمد طفیل صاحب زندہ باد کے نعروں سے کیا۔

نماز ظہر و عصر با جماعت جمع ادا کرنے کے بعد جامع احمدیہ یاری پورہ میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ اپنے احباب جماعت کے علاوہ قادیانی اور غیر احمدی احباب بھی شامل جلسہ ہوئے۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد خاکسار محمد یوسف تاثیر جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند" نے ایک سپاسنامہ مولانا محمد طفیل صاحب کی خدمت میں پڑھ کر تحریراً پیش کیا گیا۔ اس کے بعد مولانا محمد طفیل صاحب نے اپنے زرین خیالات سے احباب کو مستفید فرمایا۔

۳۱ جنوری ۱۹۷۵ء جمعہ کو آپ نے سرینگر مسجد احمدیہ قلمدان پورہ میں عالمانہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہاں بھی آپ نے جماعت کو اہم نصائح سے مستفیض فرمایا۔

ہندوستان میں جماعت کی کامیابی اور فعالیت کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز ہم اکابرین سلسلہ کے سامنے رکھتے ہیں۔

(۱) ہندوستان کے اس وسیع و عریض ملک میں مرکزی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند" کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹر سرینگر مقرر کیا گیا ہے۔ انجمن کو مولانا سمیع اللہ صاحب کے علاوہ بھی ایک اور مبلغ کی ضرورت محسوس ہوتی جاتی ہے۔ جو عربی زبان میں کافی مہارت رکھتا ہو۔ انگریزی جاننے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔

(۲) ہر جماعت کی اپنی لائبریری کے علاوہ مرکزی انجمن ہند کی لائبریری موجود ہو۔ جہاں قرآن و حدیث۔ تاریخ۔ لغت دیگر ادیان کے متعلق کتب کے علاوہ مسیح موعودؑ اور اکابرین سلسلہ کی تصنیفات ہوں۔

(۳)۔ پاکستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں جہاں جہاں جماعت قائم ہے۔ ان کے مکمل پوسٹل ایڈریس ہمارے پاس موجود ہونے چاہئیں۔ اور ان سے رابطہ قائم رہنا چاہیئے۔

(۴) مرکز لاہور کی نشریات کے علاوہ دنیا میں جہاں سے بھی جماعت کی طرف سے کوئی اخبار کوئی پمفلٹ شائع ہوتا ہے۔ وہ ہماری مرکزی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کی لائبریری میں آنا چاہیئے۔ اور ہم بھی اپنی نشریات ان کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں۔

(۵) پیغام صلح کے (گذشتہ چند سالوں کے) مکمل فائل بھی ہمیں مہیا کئے جائیں۔

(۶) مرکزی انجمن لاہور انفرادی طور پر اگر کوئی امداد کتابوں یا دوسرے طریقہ سے کسی

*

(جماعت احمدیہ لاہور کو کافر قرار دینے کا کیا جواز ہے۔ بسلسلہ صفحہ ۹)

وقت پر طاقت سے تسلط حاصل کرنا تھا۔ اس میں میری مشکل یہ ہے کہ انجیل میں حضرت مسیح کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ یہودیوں نے جب آپ کو قیصر کا سکہ دکھلا کر سوال کیا تو حضرت مسیح نے جواباً فرمایا کہ قیصر کا حق قیصر کو اور خدا کا حق خدا کو دو تو کیا اس جواب سے یہ ثابت نہیں کہ حضرت مسیح کو سلطنت روم سے کچھ تعلق نہ تھا آپ تو خدا کی بادشاہت کی دعوت دینے آئے تھے۔ اس پر مولانا صاحب نے فرمایا کہ حضرت مسیح کا ایسا جواب اس وقت کے حالات کے تقاضا سے تھا ورنہ مقصد تو حضرت مسیح کا بھی حکومت پر قبضہ کرنا ہی تھا۔

راقم الحروف نے اس پر یہ عرض کیا کہ کیا یہ نبی کے شایانِ شان ہے کہ وہ اخفا یا تقیہ سے کام لے؟ جبکہ قرآن کریم میں انبیاء کرام کی نسبت یہ ذکر آیا ہے الذین یبلغون رسالۃ اللہ ولایخافون لومۃ لائم۔ تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدائی پیغام کو پہنچاتے ہیں کسی ڈر یا خوف یا وقتی مصلحت سے کام نہیں لیتے۔ اس پر مولانا صاحب گھبرا گئے اور فرمایا کہ اب تو نماز مغرب کا وقت ہے پھر سہی۔ اس واقعہ سے احباب جو نتیجہ چاہیں اخذ کریں۔ بہرحال ماحصل کلام یہ ہے کہ اخبار "ایشیا" خاص طور پر اور جماعت اسلامی کو عام طور پر ایک ہی موقف اختیار کرکے اس کا اعلان کرنا فرض ہے یعنی یا تو وہ جملہ مجددین پر کفر کا فتویٰ دیں یا جماعت احمدیہ لاہور کو جو اپنے سچے دل سے ختم نبوت کی قائل ہے مسلمان تسلیم کرنے کا اعلان کریں۔ یہ تو کسی طرح بھی درست نہیں کہ ایک اصول بیان کرکے پھر اس سے جو نتائج مرتب ہوں ان کی وضاحت سے گریز کیا جائے۔ (ختم شد)

[illegible] جماعت کی کرتی ہے۔ اب ہر قسم کی امداد "مرکزی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند" کو مہیا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ انجمن اپنے کام اور پروگرام کو حسب خواہش مرکزی انجمن لاہور جاری رکھ سکے۔

تنظیمی۔ جماعتی و ترسیل لٹریچر وغیرہ کے لئے پوسٹل ایڈریس کو یاد رکھیں۔ والسلام

محمد یوسف تاثیر۔ جنرل سیکرٹری

"احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند" سرینگر کشمیر۔ ڈاکخانہ یاری پورہ

انت ناگ کشمیر

P.O YARI PURA - KASHMIR

تیری درگہ میں نہیں رہتا کوئی بھی بے نصیب — شرط رہ پر صبر ہے اور ترکِ نام اضطرار
اے مرے پیارے جہاں میں تو ہی ہے اک بے نظیر — جو ترے مجنوں حقیقت میں وہی ہیں ہوشیار
اس جہاں کو چھوڑنا ہے تیرے دیوانوں کا کام — نقد پا لیتے ہیں وہ اور دوسرے امیدوار

(از حضرت مسیح موعودؑ)

عرفات پریس تھارنٹن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور جناب مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور ۷ سے شائع کیا

ایڈیٹر
غلام نبی مسلم۔ ایم۔ اے

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ ۱۲ مارچ ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل ۸۳۸ شمارہ ۱۱

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۵ ربیع الاوّل ۱۳۹۵ھ - ۱۹ مارچ ۱۹۷۵ء | نمبر ۱۲

نور الدین - (حضرت مجدد صد چہاردہم سلام اللہ علیہ)

خدام دین کا سردار ہے اور میں اس پر رشک کرنیوالوں میں سے ہوں -

وہ نخبۃ المتکلمین ہے اور زبدۃ المؤلفین، لوگ اس کے زلال سے پیتے ہیں اور اس کی گفتگو کی شیشیاں شراب طہور کی طرح خریدتے ہیں اور ابرار اور اخیار اور مومنین کا فخر ہے۔ اس کے دل میں لطائف اور دقائق اور معارف اور حقائق کے انوار ساطع ہیں۔ جب وہ اپنے پاک و صاف کلمات اور اچھوتے فی البدیہہ عجیب و غریب ملفوظات کے ساتھ کلام کرتا ہے تو گویا دلوں اور روحوں کو لطیف راگوں اور داؤدی مزامیر کے ساتھ فریفتہ کرتا ہے اور کھلے کھلے معجزوں کے ساتھ لوگوں کو گھٹنوں کے بل بٹھا لیتا ہے جب کلام کرتا ہے تو ایسی حکمتیں منہ سے نکالتا ہے کہ گویا وہ پانی ہے جو پے در پے ٹپک رہا ہے اور سامعین کے مونہوں کی طرف جا رہا ہے اور میں نے اپنے فکر کے گھوڑے کو اس کے کمال کی طرف چلایا تو میں نے اس کو اس کے علوم اور اعمال اور نیکی اور صدقات میں یکتائے زمانہ پایا - وہ نہایت ذکی الذہن۔ حدید الفواد- فصیح اللسان - نخبۃ الابرار اور زبدۃ الاخیار ہے - اس کو سخاوت اور مال عطا کیا گیا ہے - امیدیں اس کے ساتھ وابستہ کی گئی ہیں پس **وہ خدام دین کا سردار ہے اور میں اس پر رشک کرنے والوں میں سے ہوں**- امیدوں والے اس کے صحن میں اترتے ہیں اور اس کی ہتھیلی سے ابر سخاوت طلب کرتے ہیں - جو اس کے گھر کا قصد کرتا ہے اور اس کی ملاقات کرتا ہے تو وہ اس سے منہ نہیں پھیرتا - اور فقراء میں سے جو اس کے پاس آتا ہے وہ اس کی خوشبو سے معطر ہو جاتا ہے اور وہ میری ملاقات کے لئے نہایت میلان دل کے ساتھ ایسا مضطرب رہتا ہے جیسے دولت مند سونے کے ساتھ محبت و یقین کے پاؤں سے چل کر دُور دراز ملکوں سے میرے پاس آتا ہے وہ ایک دلربا جوان ہے جو مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں اس سے محبت کرتا ہوں - اپنی تمام طاقت سے میری طرف سعی کرتا ہے - اگرچہ اس کو اتنی ہی فرصت مل جائے جو اونٹنی کے دو دفعہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتی ہے - اور خدائے تعالیٰ نے اس پر قسم قسم کے انعام کئے ہیں اور اس کی بقاء کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی مدد کی ہے اس کو میرے دل سے عجیب تعلقات ہیں میری محبت میں قسم قسم کی ملامتیں اور بد زبانیاں اور وطن مالوف اور دوستوں کی مفارقت اختیار کرتا ہے میرے کلام کے سننے کے لئے اس پر وطن کی جدائی آسان ہے اور میرے مقام کی محبت کے لئے وہ اپنے اصلی وطن کی یاد کو چھوڑ دیتا ہے اور میرے ہر ایک امر میں میری اس طرح پیروی کرتا ہے جیسے نبض کی حرکت تنفس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے اور میں اس کو اپنی رضا میں فانیوں کی طرح دیکھتا ہوں -

(آئینہ کمالات اسلام)

ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم

سلطنت برطانیہ دُنیا کی عظیم ترین اسلامی سلطنت ہے۔

[نوٹ۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم نے ہندوستان ریویو جلد ۲۰ بابت جولائی دسمبر ۱۹۰۹ء میں ایک مضمون زیر عنوان ISLAM AS A MORAL AND POLITICAL IDEAL شائع کیا تھا۔ جو جناب ڈاکٹر عبدالواحد صاحب نے اپنی انگریزی تالیف THOUGHTS AND REFLECTIONS OF IQBAL میں ص ۲۹ تا ۵۵ پر شائع کیا ہے ہم یہاں اس مضمون کے دو اقتباسات کا ترجمہ ہدیہ قارئین کر رہے ہیں جن میں علامہ مرحوم نے انگریزی حکومت کو اپنے وقت کی عظیم ترین اسلامی سلطنت قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو مخصوص تاریخی پس منظر میں اس حکومت کے زیر سایہ پُر امن زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے اگر حضرت مرزا صاحب امن کی تلقین کرنے سے انگریز کے ایجنٹ ہوئے تو علامہ اقبال انگریزی سلطنت کو عظیم ترین اسلامی سلطنت ٹھہرا کر کیا ہوئے؟ کیا اندھی مخالفت کے نقار خانے میں کوئی رجل رشید ہے؟ ——— مدیر]

"اس حقیقت کا اعتراف کرنا ضروری ہے۔ کہ شخصی آزادی کے نصب العین کے باوجود، مسلمان ایشیاء کی سیاسی اصلاح کے میدان میں کچھ نہ کر سکے، ان کی جمہوریت صرف تیس سال تک قائم رہی جو کہ سیاسی فتوحات کے ساتھ ہی ختم ہو گئی، گو انتخاب کا اصول ایشیاء میں کوئی نیا نہ تھا (کیونکہ قدیم پارتھین حکومت اسی اصول پر قائم تھی) مگر کسی نہ کسی وجہ سے اسلام کے ابتدائی دور میں یہ اصول ایشیائی اقوام کے مزاج سے موافقت نہ رکھتا تھا۔ بہرحال یہ ایک مغربی قوم کے لئے مقدر تھا کہ وہ سیاسی میدان میں ایشیائی اقوام میں زندگی کی نئی روح پھونکے، عصر حاضر میں جمہوریت کی ترویج برطانیہ کلاں کا عظیم مشن رہا ہے۔ اور برطانوی سیاسی مدبر پوری جرأت سے جمہوریت کو ان ممالک میں لے گئے ہیں جو صدیوں سے بدترین [illegible] مطلق العنانیت کی گرفت میں کراہ رہے تھے۔ برطانوی سلطنت ایک وسیع سیاسی ادارہ ہے جس کی قوت کا سرچشمہ اس کا تدریجاً جمہوریت کی شاہراہ پر بڑھنا ہے۔ انسانیت کے سیاسی ارتقاء میں تہذیبی عنصر کی حیثیت سے برطانوی سلطنت کا دوام ہمارے اہم ترین مفادات کا تقاضا ہے، یہ وسیع سلطنت ہماری کامل ہمدردی اور احترام کی مستحق ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے وجود میں ہمارے اپنے سیاسی نصب العین کا ایک پہلو بتدریج عمل و ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ انگلستان در اصل ہمارا ہی ایک عظیم فریضہ انجام دے رہا ہے جسے ہم غیر موافق حالات میں خود ادا نہ کر سکے، اس کے زیر حفاظت مسلمانوں کی تعداد نے نہیں بلکہ برطانوی سلطنت کی روح نے اسے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت بنا دیا ہے" (ص ۵۲)

انگریزی حکومت کی اطاعت اور امن کی تلقین

"اسلام کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دین اسلام کی ترویج و ترقی مسلمانوں کی سیاسی قوت و اقتدار سے وابستہ نہیں، اسلام کی بعض عظیم ترین فتوحات ہمارے سیاسی زوال کے زمانے میں ہوئیں۔ جب ۱۲۵۸ء میں منگول وحشیوں نے بغداد کی تہذیب کو خون میں غرق کر دیا۔ جب سپین میں اسلامی قوت ختم ہو گئی اور ۱۲۳۶ء میں فرڈیننڈ نے مسلمانوں کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اُتارا یا جبراً قرطبہ سے جلا وطن کر دیا تو عین ان دنوں اسلام کے قدم سماٹرا میں جم چکے تھے اور مجمع الجزائر ملایا کی پُر امن فتح کا دور شروع ہونے کو تھا،"

پروفیسر آرنلڈ کہتے ہیں:—

"سیاسی انحطاط کی گھڑیوں میں اسلام نے بعض روشن ترین فتوحات حاصل کی ہیں۔ دو اہم تاریخی مواقع پر وحشی کفار نے مسلمانوں کی گردنوں پر قدم رکھ دیئے یعنی سلجوقی ترکوں نے گیارہویں صدی اور منگولوں نے تیرھویں صدی میں، اور دونوں صورتوں میں فاتحین نے مفتوحوں کا دین قبول کر لیا۔"

اسی فاضل نے دوسرے مقام پر لکھا ہے:—

"بلا شبہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے اپنی عظیم اور پائدار تبلیغی کامیابیاں ایسے وقت اور مقامات پر حاصل کیں جب کہ اس کی سیاسی قوت زوال گزیدہ ہو چکی تھی جیسا کہ جنوبی ہند اور مشرقی بنگال میں ہوا"۔

سچ تو یہ ہے کہ اسلام اساسی طور پر دینِ امن ہے، قرآن نے شدت سے ہر قسم کے سیاسی اور مجلسی فسادات کی مذمت کی ہے، اس ضمن میں قرآن کی چند آیات پیش کرتا ہوں:

"خدا کے عطا کردہ رزق سے کھاؤ اور پیو، اور زمین پر فسادیوں کی طرح زندگی بسر نہ کرو۔"

"زمین پر اصلاحِ حالات کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ اگر تم مومن ہو تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے"

"لوگوں کے ساتھ اسی طرح بھلائی کرو جس طرح اللہ نے تم سے بھلائی کی ہے، اور زمین پر فساد نہ پھیلاتے پھرو، کیونکہ اللہ امن دشمنوں کو پسند نہیں کرتا۔"

"یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ جو زمین پر سرکشی اور فساد نہیں کرتے اور انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔"

"جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی اور ان میں فساد کو ہوا دی تو ان پر عذاب خداوندی کا کوڑا پڑا۔"

ان آیات سے عیاں ہے کہ قرآن نے کس قدر سختی سے ہر قسم کے سیاسی اور مجلسی فسادات اور بدامنی کی مذمت کی ہے، لیکن قرآن محض فساد کی برائی اور مذمت سے مطمئن نہیں ہوتا، وہ اس بدی کی جڑوں تک پہنچتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ماضی اور حال میں خفیہ اجتماعات ہمیشہ سیاسی اور مجلسی بے چینی و بدامنی کا موجب رہے ہیں۔ چنانچہ ایسے اجتماعات کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے:—

"اے ایمان والو! اگر تم خفیہ اجلاس کرو، تو پھر گناہ اور سرکشی کے مشورے نہ کرو۔"

اسلام کا نصب العین ہر قیمت پر مجلسی امن کا حصول و قیام ہے، اور معاشرے میں تشدد کے ذریعے تبدیلی کے تمام وسائل کی واضح الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔ سپین کے مسلم فقیہہ طرطوشی نے ان الفاظ میں اسلام کی صحیح ترجمانی کی ہے کہ: "ظلم کے چالیس سال ایک گھنٹہ کی فساد انگیزی سے بہتر ہیں" بخاری کی ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:—

"اگر ایک حبشی غلام بھی تم پر حاکم بنا دیا جائے تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو"

مسلم نے عرفجہ سے یہ حدیث روایت کی ہے:— "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔ اگر تم نے ایک حاکم کی اطاعت کا عہد کر لیا اور پھر کوئی دوسرا شخص مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے اُٹھ کھڑا ہو تو اسے قتل کر دو"

ہم میں سے جو لوگ مسلمانوں کے سوادِ اعظم سے ہٹ کر سیاسیات میں مخالفت پر کاربند ہیں۔ انہیں ان احادیث پر توجہ کرنی چاہیئے اور اگر ان کے دلوں میں ارشادات نبوی کا کوئی احترام ہے تو انہیں اپنی سیاسی روش کو بدلنا چاہیئے کیونکہ گو اس سے انہیں کچھ ذاتی فائدہ ہو تاہم یہ ملت کے لئے انتہائی مضرت رساں ہے، ان آیات اور احادیث کے درج کرنے سے میرا مُدعا اسلامی خطوط پر سیاسی فکر کی تخلیق و ترویج ہے اس ملک میں ہم ایک عیسائی حکومت کے ماتحت زندہ رہ رہے ہیں۔ ہمیں اپنی نگاہوں کے سامنے ان مسلمانوں کو رکھنا چاہیئے جنہوں نے اپنے ہموطنوں کے مظالم سے تنگ آ کر گھر بار چھوڑ دیا اور حبش کی عیسائی حکومت کے ماتحت سکونت اختیار کر لی۔ اس ملک میں ہمارا رہنما اصول ان مسلمانوں کی حبش میں روش ہونی چاہیئے، کیونکہ ہمارے ہاں ملکی پس منظر سے خطرناک حد تک لاعلمی نے مغربی تصورات کی زائد از ضرورت خوراک کے زیر اثر لوگوں کو حکومت پر نکتہ چینی پر ابھار رکھا ہے۔ اور قرآن نے عیسائیوں کے متعلق ہماری روش کو اس آیت سے واضح کر دیا ہے:

"اور تم مومنوں سے دوستی میں زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ ۱۹ مارچ ۱۹۷۵ء

حضرت حکیم الامّت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ

سرسید احمد علیہ الرحمۃ سے ایک بار کہا گیا کہ جاہل پڑھ کر عالم بنتا ہے۔ عالم ترقی کر کے حکیم و فلسفی کا مقام حاصل کرتا ہے، حکیم ایک عرصہ کے بعد صوفی کا درجہ پالیتا ہے، تو صوفی عروج حاصل کر کے کیا بنتا ہے؟ اس پر آپ نے بلا توقف فرمایا "وہ نورالدین بنتا ہے"۔ (حیاتِ نور)

جب جہالت کی دوا ہوتی ہے پاک ــ علم سے ہوتی ہے روشن جانِ پاک
مدتوں کے بعد پھر صوفی نظر ــ پرورش کرتی ہے حکمت کا گہر
پھر بہ حکمت کا فدائی فلسفی ــ رحمت یزداں سے بنتا ہے ولی
سالکِ کامل ولایت کا نگین ــ آخرش پاتا ہے نام نوردیں

حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حضرت حکیم الامت کا ذکر خیر آیا تو آپ نے فرمایا: "این مولوی (نورالدین ـــ ناقل) ہم ولایت است کہ در ہندوستان او را علامہ می گویند" یہ مولوی بھی ایک ولی ہے کہ جو ہندوستان میں علامہ کہہ کر پکارے جاتے ہیں" (اشاراتِ فریدی)

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے ایک بار فرمایا کہ:
"میں نے آج تک علوم قرآن کا اتنا عالم نہیں دیکھا جتنے حکیم نورالدین تھے"
نیز فرمایا:ـ
"مولوی نورالدین قرآن کے بہت بڑے عالم تھے۔ انہیں قرآن سے انتہائی شغف تھا، انہیں یہ لگن تھی کہ جس طرح بھی ہو قرآن کی اشاعت ہو، اس کی خوبیوں سے لوگوں کو آشنا کیا جائے۔ ان کو قرآن کی دعوت دی جائے۔ اور انہیں قرآن کے اصولوں پر اپنی زندگیاں ڈھالنے پر آمادہ کیا جائے۔ مولوی صاحب کے اندر یہ تڑپ تھی، انہیں اس بات کی لو لگی ہوئی تھی۔"

(افادات و ملفوظات۔ حضرت مولینا عبید اللہ)

پھر انہی کے متعلق زمانے کے مجدد اور مولانا نورالدینؒ کے مرشد حضرت مرزا صاحب نے فرمایا:ـ

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پر از نور یقیں بودے

زہے قسمت اگر ہر اہلِ ایماں نورِ دیں ہوتا
یونہی ہوتا اگر وہ صاحب نورِ یقیں ہوتا

حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ، جن کی قرآن دانی، خدا شناسی، توحید، تعلق باللہ، غیرت دینی، انسان دوستی، وسیع الظرفی، بالغ النظری نے اپنے اور بعد کے زمانے کے اہلِ دانش سے خراجِ تحسین و عقیدت حاصل کیا اور جن کی موجودگی میں حکیم مشرق علامہ سر محمد اقبال مرحوم نے اپنے صاحبزادے آفتاب اقبال کو یہ کہکر قادیان تعلیم کے لئے بھیجا کہ "آکسفورڈ وہاں ہے جہاں نورالدین ہے" مولانا نورالدین یا کسی اور بزرگ دین کی سیرت پر نگاہ ڈالنے کے لئے ضروری ہے کہ حقیقت پسندی سے کام لیا جائے۔ اور ان سے عقیدت رکھتے ہوئے حدِّ صداقت و اعتدال کو اختیار کیا جائے۔

حضرت حکیم الامت کی حیات پر نگاہ ڈالنے سے ایک حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ آپ کی نظر و کردار پر سورۃ کہف کی اس آخری آیت کا گہرا اثر تھا۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً۔ "کہدے میں تو صرف تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمہارا صرف ایک ہی معبود ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو چاہئے کہ وہ اچھے عمل کرے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔"

اس آیت میں واضح ہے کہ رسول، وحی اور انسانیت کا مقصد وحید توحید پر محکم ایمان خدا کی عبودیت اور اس کے قرب کے لئے اعمال صالح کی بجا آوری ہے۔ رسول خود دوسرے انسانوں کی طرح احکام الٰہی کا پابند ہے اور اس کی ذاتِ اقدس صرف احکامِ الٰہی کی پابندی کا نمونہ ہے۔ وہ عبادت، اطاعت، محبت خداوندی میں نوع انسانی اور بالخصوص نام لیواؤں کے لئے اسوہ کامل ہوتا ہے اور کسی طرح وہ خود مقصود بالذات، معبود اور قبلہ حاجات نہیں ہوتا اور یہ حقیقت مولانا مرحوم کی زندگی سے عیاں ہے۔

مشرقی ممالک میں انبیاء، اولیاء، آئمہ سے عقیدت اور مخالفت نے ہمیشہ ہی افراط و تفریط کا روپ دھارا ہے۔ چنانچہ جہاں مخالفت کی حالت میں ان بندگانِ خدا کی ہر بات کو بدی کا سرچشمہ سمجھا تو دوسری طرف عقیدت کے زیر اثر انہیں انسانیت کے دائرہ سے نکال کر خدائی کے مقام پر پہنچایا، انہیں فوق البشر بنا کر معبود بنایا انہیں قبلۂ حاجات ٹھہرایا۔ ان کے مزارات اور گنبد بنائے گئے۔ قبروں پر چادریں چڑھائی گئیں۔ ان منوں مٹی کے نیچے مدفون بزرگوں کے غضب سے بچنے اور حصول خوشنودی کے لئے نذرانے اور چڑھاوے پیش کئے گئے۔ ان کے مزاروں کو عرق گلاب سے غسل دیئے گئے۔ انہیں بیم و رجا کا مرکز بنایا گیا، اور اسی طرح انہیں فوق البشر ہستی بنا کر اسوہ حسنہ نہ رہنے دیا گیا، اور ان کے مجاور، پیر، مشائخ کے ساتھ ساتھ مریدانِ باصفا ان کی اتباع سے آزاد ہو گئے اور خدائے واحد کی پرستش کی جگہ غلو سے بڑھ کر یہی ضلالت و کجروی بنیادِ دین بن گئی لیکن حضرت حکیم الامت فطرتاً سلیمہ لے کر آئے تھے اور اس کی آزمائش حضرت مسیح موعودؑ، مجددِ زمان حضرت مرزا غلام احمد سے وابستگی کے بعد کما حقہ ہوئی آپ کی عقیدت کا رنگ تو یہ تھا، کہ امر بالمعروف کی اتباع پر بیعت کی، تو سب سے پہلے بیعت کا شرف حاصل کیا اور اس کے بعد اپنا مال، اپنی جان، گھر بار، آرزوئیں، تمنائیں سب کچھ غلبۂ حق کے لئے مرشد کے حوالے کر دیں، اور دنیا کو لات مار کر حضرت مرزا صاحب کے ارشاد پر قادیان میں ہجرت کر آئے اور پھر زندگی بھر بھیرہ کی شکل نہ دیکھی، شب و روز تبلیغ اسلام اور درس قرآن وظیفہ حیات بنا لیا، اور حضرت مرزا صاحب کے الفاظ میں:

"وہ میرے ہر یک امر میں میری اس طرح پیروی کرتا ہے جیسے نبض کی حرکت تنفس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے۔ اور اگر میں اسے حکم دوں تو وہ کنوئیں میں چھلانگ لگا دے"۔

لیکن یہ "اتباع امر بالمعروف" تک تھی، اور رضائے الٰہی کی خاطر، ورنہ اس عاشقِ قرآن کے "خطبات نور" پڑھ جایئے ان میں ایک یا دو بار کسی بات کے ضمن میں حضرت مرزا صاحب کا ذکر ملے گا، ورنہ ان میں معارف قرآن کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا، یہی امر ان کی تصنیفات اور تقاریر کی جان ہے، ایک دفعہ بعض پیر پرستوں نے شکایت کی کہ مولانا نورالدین کے خطبات میں حضرت مسیح موعود کا ذکر نہیں ہوتا اور صرف توحید، قرآن اور سنت پر زور ہوتا ہے، مولانا تو حق و صداقت کی شمشیر برہنہ تھے، جمعہ کے خطبہ میں حضرت مرزا صاحب کی موجودگی میں، اس بات کا خود ذکر کیا اور قرآن حکیم کی آیہ شریفہ اذا ذکر اللہ وحدہ اشمأزت قلوب الذین لا یؤمنون بالاخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون (الزمر) جب خدائے واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جب ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو اس کے سوائے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں" اپنے مرشد کی موجودگی میں اس صداقت کا اظہار حکیم الامت ایسا موحد، حقیقت شناس عالم قرآن ہی کر سکتا تھا۔ اور اس پر حضرت مرزا صاحب کو جو مسرت ہوئی ہوگی اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں کیونکہ ان دونوں کے محبوب حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے تھے کہ میری رحلت کے بعد میری قبر کو بت نہ بنا لینا اور جب تک اللہ کی کتاب اور میری سنت پر چلتے

ہو گئے گمراہ نہیں ہو سکے۔ پھر آپ کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی تدفین کے بعد ایک بار بھی قبر پر فاتحہ پڑھنے نہ گئے۔ اس کے علاوہ حضرت صاحب سے کئی مقامات پر تفسیر قرآن میں اختلاف کیا اور اس طرح جماعت کو تقلیدی گمراہی سے بچائے رکھا۔ یہی آپ کی امام زمان سے نسبت فارقی تھی جسے ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے آپ کے بعد ایک جم غفیر جامد تقلید اور شخصیت پرستی کی تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

دوسرے بزرگانِ دین کی طرح حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین کی یاد میں جلسوں کا انعقاد ایک ہی مقصد کے پیشِ نظر ہونا چاہیئے کہ ہم ممدوح کی روحانی پاکیزہ کردار کے مطابق اپنے کردار کو ڈھالیں، آپ کے دل میں قرآن کا جو عشق تھا، علم و معرفت کی جو پیاس تھی، دین کے غلبے کے لئے جو تڑپ تھی، دنیوی انہماک کے باوجود تبتل الی اللہ کی جو روح تھی، قرآن و سنت کی اشاعت کے لئے جو جرأت و لگن تھی۔ مخلوق خدا کی خدمت و بہبود کی جو محبت تھی، اس کو اپنی زندگیوں میں داخل کریں، تحریکوں کی زندگی اسی حد تک عقیدت کی متقاضی ہے۔ کورانہ تقلید عقل و تدبر سے عاری اطاعت کا دوسرا نام موت ہے۔ دانشمند وہ ہے جو مولانا نورالدین کی طرح اس موت کے جال کو توڑ کر شعوری عمل کی روشنی میں آ جاتا ہے۔ اور یہی افروختہ مشعل ہے مستقبل کی راہ روشن کرتا ہے۔

”عبدِ اللہ“ —— ابو ارشد

شبنمِ تازہ سے تطہیرِ چمن ہوتی ہے
بوئے خوش باعثِ تشہیرِ چمن ہوتی ہے
فکرِ صالح ہو تو بنتے ہیں عجب نقشِ بہار
ہر گلِ تازہ میں تصویرِ چمن ہوتی ہے
”عبدِ اللہ“ کی تگ و تاز مگر کیا کہیے
اس کی تدبیر بھی تقدیرِ چمن ہوتی ہے
جس کی ہر سانس میں ہوتا ہے اخوت کا پیام
اس کی ہر بات میں تفسیرِ چمن ہوتی ہے

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام راولپنڈی کا سالانہ جلسہ

راولپنڈی سے برادر محترم خواجہ نصیر اللہ صاحب آنریری سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام اطلاع دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت کا سالانہ جلسہ ۲۳ر مارچ ۱۹۷۵ء بروز اتوار ۹½ بجے صبح مسجد مبارک ملت کالونی راولپنڈی میں منعقد ہوگا، عید میلاد النبیؐ اور یوم نورالدین کے پیشِ نظر بالخصوص سیرت النبیؐ اور حیات مولانا نورالدین پر تقاریر ہوں گی۔ احباب سے درخواست ہے کہ وہ بکثرت اس مبارک اجتماع میں شرکت فرما کر حسنات دارین سے دامن بھریں اور دنیا میں غلبۂ دینِ اسلام کے جہادِ اکبر میں تعاون فرمائیں۔

اخلاقیات

ایڑیاں اٹھا اٹھا کر گھروں میں جھانکنا

آنحضرت صلعم کے ارشادات پُرحکمت اور ہدایت کا سرچشمہ ہیں حضور کی بعثت کی غرض انسانوں میں اخوت اور محبت کے جذبات کی تخلیق ہے۔ مندرجہ ذیل حدیثوں اور اقوال ائمہ میں ایسے ہی مقدس جذبات کی تخلیق اور انکی حفاظت کی تعلیم دی گئی ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اطلع فی بیت قوم بغیر اذنھم فقد حل لھم ان یفقاؤا عینہ۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے جھانکے۔ تو گھر والوں کے لئے مباح ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں۔

فائدہ۔ بعض اشخاص کی عادت ہوتی ہے۔ کہ جب کسی کو ملنا ہوتا ہے۔ تو دروازہ کھٹکھٹانے کے ساتھ ساتھ ایڑیاں اٹھا اٹھا کر اندر جھانکتے رہتے ہیں اور انتظار کے بجائے بار بار سر اٹھا اٹھا کر اندر کو دیکھتے ہیں۔ حضور صلعم نے اس بد حرکت سے اتنی سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ کہ مندرجہ بالا حدیث کی رُو سے ایسے شخص کی (جو سادگی سے نہیں بلکہ عادت سے) آنکھ کا پھوڑ دینا مباح ہو جاتا ہے

من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یؤذ جارہٗ (بخاری)

ترجمہ: جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اُسے نہیں چاہیئے۔ کہ اپنے ہمسایہ کو دکھ دے۔
؎ آدمیت احترام آدمی ؛ باخبر شو از مقام آدمی

قرآن کریم میں ہمسایہ کے حقوق کا بہت ذکر ہے، اور اس کے ساتھ حسن سلوک کو جزو ایمان ٹھہرایا ہے۔ آنحضور صلعم کی مذکورہ بالا حدیث میں ہمسایہ کی اہمیت کا ذکر ہے ہمسایہ اپنے قریب ترین اعزہ کی مانند ہے۔ جس کا احترام ہر قیمت پر فرض عین ہے ایک مؤمن کے شایاں نہیں کہ اس کی کسی حرکت سے اس کے ہمسایہ کی دل آزاری ہو ہمسایہ اپنے سگے بھائی بہنوں کی طرح ہوتا ہے۔ اسکی عزت اپنی عزت ہوتی ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین رح کا ارشادِ گرامی

میں سب کو یہ بات سناتا ہوں۔ یاد رکھو کہ ابتداء کی عادتیں لڑکپن اور جوانی کی عادتیں ایسی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہیں۔ کہ آخر ان کا نکلنا دشوار ہو جاتا ہے بعض وقت دیکھا ہے کہ بڑے بڑے عباد اور زہاد کے ساتھ وہ بچپن کی عادات چلی آتی ہیں۔

دیکھو جھوٹ بولنا، چوری کرنا اور بد نظری کرنا غرض کل بد عادتیں ہیں ان سے بچنے کے لئے کوشش کرنی چاہیئے، اور ابتداء ہی سے ان بدیوں کے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش اور سر توڑ سعی کرتے رہنا چاہیئے، اور ان باتوں کے دفعیہ کا عمدہ علاج دعا۔ استغفار۔ لاحول اور الحمد شریف کا پڑھنا اور صحبت صالحین ہے۔

ہمسایہ کی عزت

”مجھے خدا کی قسم ہے، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ ہمسایہ کا حق اس شخص سے ہی ادا ہو سکتا ہے۔ جس کے شامل حال خدا کی رحمت ہو اور حقوق ہمسایہ میں یہ امر بھی داخل ہے کہ اپنے مکان سے اس کے گھر میں نہ جھانکے اور اس کے دل کو دکھانے والی کوئی بات نہ کرے۔ اس کی عورتوں سے اپنی نظروں کو بچائے۔

(حضرت امام غزالی رح)

حکیم الامت حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ

کتاب اللہ کی تفسیر و ترجمہ کے سلسلے میں نادر تصریحات

(ایک مضمون کے سلسلہ میں مکتوب گرامی)

قرآن مجید کے ترجمہ کی جو ضرورت آجکل ہے۔ وہ مخفی نہیں۔ اور اس پر اب کچھ مجھے لکھنا فضول ہے۔ کیونکہ بات صاف ہے۔ میں اس عریضہ میں مختصراً عرض کروں گا۔ کیونکہ مجھے آپ کے حالات اور عادات اور آپ کے اندرونی جوش کی اطلاع نہیں۔ میں نے آپ کا ارادہ پیسہ اخبار میں دیکھا اور بہ تعمیل ارشاد خاتم الانبیاء کارڈ لکھ دیئے۔ جو بحمداللہ محض اللہ تعالےٰ کے فضل سے آپ کو پہنچ گئے۔ وہ حکم تھا الدین النصیحۃ ۔ دین اسلام خیر خواہی کا نام ہے۔ والراحمون یرحمہم الرحمٰن تبارک و تعالیٰ۔ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا) اور میرا خیال تھا اور ہے کہ انما الاعمال بالنیات (عمل کا دارومدار نیتوں پر ہے) وانما الامر ما نوی (حکم کے لئے صرف نیت ہی کسوٹی ہے) میں کوئی ترتیب اس مضمون کے لئے نہیں رکھ سکتا، کیونکہ یہ خط ہے رسالہ نہیں جو کچھ لکھتے لکھتے مجھے خیال آتا جائے گا۔ لکھوں گا۔

اوّل۔ تراجم موجودہ نے قرآن کریم کے پاک اور نہایت ہی بے عیب الفاظ کو اپنے اپنے ناپاک اور گندہ محاورات میں ظاہر کیا ہے۔ مثلاً بطور نمونہ از ہزار یکے ستو ؟۔

(۱) خدعہ کا لفظ ہے۔ سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع میں موجود ہے۔ یخادعون اللہ وما یخدعون۔ اور سورۃ نساء رکوع ۲۰ میں وھو خادعھم۔ اس کا ترجمہ مترجموں نے دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو۔ اور دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو۔ اور اللہ تعالےٰ دھوکہ دیتا ہے ان کو۔ یا بجائے دھوکہ، فریب دیتا ہے۔ دغا دیتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالےٰ ان ناپاک معنوں کی تصدیق قرآن مجید میں نہیں فرماتا۔ اس ترجمہ کے معائب یقیناً یا غالباً آپ پر ظاہر ہوں گے۔ اسی لئے مجھے شاید ضرورت نہیں۔ اب میں اس کے ایسے معنے عرض کرتا ہوں۔ کہ جن کی تصدیق قرآن کریم میں موجود ہے اور لغت عرب اس کی تصدیق کرتی ہے۔

یخادعون اللہ ۔ یترکون اللہ ۔ قاموس میں ہے خادعہ۔ یترکہ۔ ترجمہ اس کا چھوڑتے ہیں۔ ترک کرتے ہیں اللہ کو۔ وھو خادعھم اور وہ چھوڑنے والا ترک کرنے والا ہے ان کو۔ قرآن کریم میں دوسرے موقعوں پر منافقوں کے حق میں فرمایا وترکھم فی ظلمات (اور چھوڑ دیا ان کو تاریکیوں میں) ویذرھم فی طغیانھم (اور چھوڑتا ہے ان کو سرکشی میں) وغیرہ۔

یخدعون کے معنے یمسکون۔ یبخلون۔ کیا معنے، خادع مزید کے معنے ہیں امسک ۔ بخل ۔ اور یہ معنے صراح اور صحاح اور قاموس میں موجود ہیں۔ قرآن کریم ان معنوں کی تصدیق کرتا ہے۔ کہ منافق کہتے ہیں۔ لاتنفقوا علےٰ من عند رسول اللہ حتیٰ ینفضوا۔ الآیہ س۲۸ (رسول اللہ کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو حتیٰ کہ وہ بھاگ جائیں) اور فرماتا ہے وبخلوا (انہوں نے بخل کیا) اور فرمایا ویبخلون (اور وہ بخل کرتے ہیں۔

(۲) نسوا اللہ فانسھم (الآیہ س۲۸) (اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ بھلا دیا انہوں نے اللہ کو۔ پس بھلا دیا اللہ نے ان کو، حالانکہ ماثور تفسیر صحابہ کرام کی ترکوا اللہ فترکھم (انہوں نے اللہ کو ترک کر دیا پس اللہ نے ان کو ترک کر دیا) موجود تھی۔

(۳) کید۔ کے معنے، جیسے سیرت ابن ہشام مغازی محمد بن آ... میں موجود ہے، جنگ کرنے کے ہیں۔ بار بار مغازی میں آتا ہے خرج رسول اللہ ولم یلق کیداً ای حرباً (نبی کریم صلعم نکلے مگر جنگ پیش آئی) پس انھم یکیدون کیداً واکید کیداً (س۳۰) کے معنے ہیں وہ خطرناک جنگ کرنے کو ہیں۔ اور میں بھی ان سے خطرناک جنگ کروں گا۔

(۴) مکر کے معنے تدابیر دقیقہ اور ارادات مستحکمہ کے ہیں۔ پس مکروا ومکراللہ واللہ خیر الماکرین کے معنے ہوئے کہ مسیح موعود علیہ السلام کے مخالفوں نے تدابیر دقیقہ اور ارادات محکمہ کئے کہ مسیح علیہ السلام کو قتل کریں اور اللہ تعالےٰ نے بھی تدابیر دقیقہ اور محکمہ سے کام لیا۔ اور اللہ تعالےٰ کی تدابیر بڑی بھلائی پر مبنی ہیں۔ خیر کا صیغہ اسم تفضیل یا فعل التفضیل کا ہے جس کے معنے بڑے کے لئے گئے ہیں۔ ان معنیٰ کا بیان قرآن کے اسی مقام پر صاف ہوا ہے۔ جہاں ارشاد ہوا۔ اذ یمکربک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکراللہ واللہ خیر الماکرین (س۹) اور تفصیل فرما دی کہ مکر دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک سیئی (برا) اور دوسرا خیر (اچھا) جیسے فرمایا ولا یحیق المکر السیئی الا باھلہ (س۲۲ پ۴)

(۵) روح کا لفظ ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے۔ اور اس لفظ کے معنیٰ صریح موجود ہیں جیسے فرمایا اللہ کریم نے وکذالک اوحینا الیک روحاً من امرنا۔ س۲۵ (اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنا کلام بھیجا) اور جبریل کو یا مسیح کو اس لئے رُوح فرمایا کہ ایک کلام الٰہی کے لانے والا۔ اور دوسرا کلام الٰہی کے پہنچانے والا ہے۔

اور اگر پندرھویں سیپارہ میں یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی پر گہری نگاہ کرو اور غور سے کام لو تو صاف نظر آوے گا کہ روح وہاں کلام ہی کے معنے ہیں۔ کیونکہ یسئلونک عن الروح کے ماقبل دعوےٰ ہوا ہے۔ وننزل من القرآن ماھو شفاء س۱۵۔ پھر بیان ہوا ہے۔ کہ یہود دریافت کرتے ہیں کہ یہ رُوح ــــ قرآن کہاں سے آیا ہے تو جواب دیا من امر ربی ہے

اب ہر دو دعوے بلکہ دعوےٰ اخیر کی کہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے۔ موضوع مفتری اور مصنوع نہیں۔ دلیل یہ دی کہ قدرتی اور مصنوعی اشیاء میں یہی تو فرق ہوتا ہے کہ مصنوع قدرتی نہیں ہوتی اور نہ قدرتی مصنوعی ہوتی ہے۔ غور کرو اس دلیل پر جو بعد یسئلونک کے واقع ہوئی ہے۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً۔ پس ترجمہ الفاظ میں مترجم کو عرف موجودہ کا لحاظ ضرور ہے۔ تو کہ عرفی معائب سے بچے۔

دوسرا امر جس پر توجہ ضرور ہے۔ وہ قصص ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ ان قصص کی تفصیل ضروری تو نہیں۔ مگر بعض مقامات بدوں کسی تفصیل کے اس زمانہ میں سمجھنی مشکل ہیں۔

مثلاً ذوالقرنین کا قصہ بعض ہمارے بھولے بھالے مفسروں نے یونانی سکندر کو جو ایک بُت پرست شراب خور بڑا موں کا بیٹا ہے۔ ذوالقرنین بنا دیا اور اگر سکندر نامہ کو دیکھیں تو شرم آ جاتی ہے کہ کیا قرآن کریم اس نابکار کا اس طرح تذکرہ کرتا ہے۔

اور پھر پتہ نہیں لگتا۔ کہ یہود نے یہ سوال عن ذوالقرنین۔ کس بناء پر کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاک تعلیم سے اس کا کیا دخل تھا۔ اور خارج از بحث تذکرہ کرنے سے جناب ہادی کامل فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا پڑی تھی۔ کہ اس کا ذکر فرماتے۔ یا اللہ کریم اپنی جلیل القدر۔ کافی۔ پاک نور۔ ہُدیٰ۔ رحمت۔ کتاب میں اس کا ذکر فرماتے حالانکہ بات صاف تھی۔

دانیال کی کتاب میں حضرت دانیال نے جناب فخر خاتم الانبیاء کی بابت

پیشگوئی کرنے اور حضور علیہ السلام کا زمانہ بتانے کے لئے ذوالقرنین کا قصہ بتایا ہے۔ دیکھو دانیال ۸ باب اور یہ ذوالقرنین ۸ باب دانیال کا سکندر رومی ہے جس کو دانیال نبی نے ذوالقرنین بیان فرمایا ہے پہلے ہے۔ دیکھو دانیال ۸/۹۔

میں یہ بیان اس وقت نہیں کرتا۔ کہ دانیال کی کتاب سے کس طرح اس پاک زمانہ خیر القرون کا پتہ لگتا ہے بلکہ ذوالقرنین کے قصہ پر میرا روئے سخن ہے۔ پھر عیسائیوں نے اس امر کے مخفی کرنے کے لئے ذوالقرنین کے معنے میں بڑی بڑی شرارت کی ہے۔ جیسے ان تفاسیر سے ظاہر ہے۔ آپ انگریزی میں دیکھ سکتے ہیں۔ حالانکہ کیقباد یا مثلاً داؤد علیہ السلام کے متعلق اسرائیلی لوگوں نے اوریا کا ناپاک گندہ بہتان جو بیان کیا ہمارے بعض بھولے مفسروں نے یہ تفسیر یسیر لے لیا۔ اور جناب علی رض کا وہ پاک اثر جس میں انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی اوریا والا قصہ جناب داؤد علیہ السلام کے متعلق بیان کرے گا تو میں اسے رجم کروں گا۔ جیسے تفسیر کبیر کے رحمۃ اللہ علیہ مفسر نے بیان فرمایا ہے اس کو ان تمام مفسروں نے چھوڑ دیا اور لوط علیہ السلام کے متعلق آج کل ایک مفسر عالم نے صاف لکھ دیا ہے کہ معاذ اللہ انہوں نے اپنی لڑکیوں سے شراب پی کر زنا کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ونعوذ باللہ من ھذہ الخرافات والمصائب حالانکہ ہمیں اپنی مہیمن کتاب سے جس میں صاف اللہ کریم فرماتے ہیں پتہ لگتا ہے کہ شیطان لعین کا اللہ تعالے کے مخلص بندوں پر جن میں انبیاء علیہم السلام سرتاج اور مخلصوں میں راس رئیس ہیں ہرگز کوئی دخل و تصرف نہیں ایسی ہی اللہ تعالے نے طالوت کی مدح سرائی فرمائی ہے اور ہمیں آگاہ فرمایا ہے کہ زادہ بسطۃ فی العلم والجسم اور یہ بھی فرمایا۔ کہ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (س۲۲) پس کیا خشیت والے ایسے ہوتے ہیں جیسے معالم التنزیل میں طالوت کے ناپاک ارادوں کا ذکر ہے کہ اس نے جناب داؤد علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا۔ افسوس۔

پھر جب تواریخ قدیمہ سے بالکل ظاہر ہے کہ جالوت دو تھے ایک طالوت کے مقابل اور دوسرا داؤد کے مقابل۔ اسی واسطے قرآن کریم کے آخر دوسرے سپارہ فھزموھم باذن اللہ پر وقف دے کر وقتل داؤد جالوت کا تذکرہ الگ کر دیا ہے۔ اور ساؤل کا کوئی قصہ قرآن شریف نے نہ فرمایا۔

ایسا ہی صدہا قصص بنی اسرائیل کے لئے محشیوں اور مفسروں نے بدون حجت نیرہ کتاب و سنت تفاسیر اور تراجم میں بھر دیئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ تو بیرونی قصص کا نمونہ تھا۔ اب اندرونی قصص پر گذارش کرتا ہوں۔ ہمارے ہادی کامل کے قصص احادیث صحیحہ میں موجود ہیں۔ مگر ہمارے مترجموں پر اللہ تعالے رحم فرماوے کہ انہوں نے ان صحیح قصص کو چھوڑ کر کہاں کہاں موضوعات سے کام لیا ہے نمونہ کے طور پر زینب صدیقہ ام المؤمنین کا قصہ ہے جس کے متعلق افسوس ہزار افسوس نابکار لوگوں نے لکھ دیا کہ حضور علیہ السلام زینب کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئے۔ حالانکہ عشق کا لفظ ہی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں موجود نہیں چہ جائیکہ عشق رسول اللہ زینب پر ہو۔ اور بالکل ظاہر ہے کہ ام المؤمنین زینب آپ کی پھوپھی زاد تھیں۔ اور آپ کے آزاد کردہ غلام زید رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئی تھیں۔ اور یہ نکاح ہمارے ہادیٔ کامل کے فرمان سے ہوا۔ اور اس زمانہ میں حجاب کی رسم نہ تھی۔ یہ عشق کیا۔ کیا آپ نے زینب کو دیکھا ہوا نہ تھا۔ یا ماریہ قبطیہ کا ناپاک قصہ کہ حضور نے اپنی بی بی کی لونڈی سے بدون اجازت جماع کیا۔ جس پر یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک نازل ہوئی۔ حالانکہ اصل قصہ صحیح طور بخاری میں موجود ہے حضرت شاہ ولی اللہ مجدد اور حکیم الامت نے بھی زینب کے قصہ میں لغزش کھائی ہے اور حجۃ البالغہ میں ایک لفظ لکھدیا ہے جس سے ایک مومن رنج اٹھاتا ہے۔ غفرہ اللہ بفضلہ ومنہ وکرمہ آمین۔ فانہ کان نعمۃ لاھل الھند وانا احبہ

للہ وفی اللہ وباللہ

تیسرا امر جس پر مترجم کو توجہ کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ متشابہ اور محکم کا لحاظ ہے۔ شیعہ سنیوں کے دلائل میں جو آیات مذکور ہوتی ہیں، ان کو متشابہ کہتے ہیں۔ اور سنی شیعہ کے دلائل پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم اور کافی نے جن آیات کو محکم کہا ہے۔ ان کو مخالفوں نے متشابہ کہا۔ غرض یہ بحث اس زمانہ میں قابل غور ہے۔

رحمت کرے اللہ امام المحدثین امام بخاری پر جس نے ان تمام قصوں کو پاک کر دیا ہے کہ متشابہ کے معنے کئے ہیں یصدق بعضھا بعض سبحان اللہ کیسی پاک اور صاف بات ہے جس نے صدہا جھگڑے ختم کر دیئے اور تمام نزاعوں کو جڑ سے کاٹ دیا ہے۔

چوتھا امر جس پر توجہ چاہیئے وہ مقطعات قرآنی پر غور کرنا ہے۔ نواب صدیق حسن جیسے لوگوں نے ان کے معانی کرنے سے ڈرایا ہے اور آپ نے امام شوکانی سے اس امر میں حصہ لیا ہے۔ قابل مضحکہ ہے۔ کیونکہ مقطعات پر صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین اور آئمۂ تصوف نے غور فرمایا اور یوں نہیں کہہ دیا کہ ان کے معنے کوئی نہیں جانتا۔ ہاں بات بہت باریک ہے اور کسی قدر فارسی ترجمہ میں جو سعدی کی طرف منسوب ہے کہیں کہیں اس امر کو خوب نبھایا ہے۔ میں بھی ان پر آج کل کچھ لکھ رہا ہوں اور میرے مقتدے ان معنے میں صحابہ وتابعین ہیں۔ سو الحمد للہ رب العالمین۔ اور معنی کا ثبوت انشاء اللہ قرآن کریم اور اقوال سلف سے دیا ہے۔

پانچواں مسئلہ جس پر بڑی غور ضروری ہے نسخ کا مسئلہ ہے۔ میں اپنا ایک قصہ سنا کر اس بحث کو ختم کر دیتا ہوں۔ آپ اس قصہ پر غور فرمائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

میں ایام طالب علمی میں مدینہ پہنچا۔ اور مجھے اتباع نبوی اور اطاعت قرآن کریم کا جوش تھا۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ آیات منسوخہ کو یاد کر لوں اس لئے میں مدینہ کے کتب خانہ میں گیا۔ وہاں مجھے ایک کتاب ملی۔ جس میں پانچ چھ سو آیات منسوخ کا ذکر تھا۔ وہاں سے وہ کتاب لایا اور ارادہ کیا کہ یہ کتاب یاد کر لوں۔ مگر بعض آیات کو جو اس نے منسوخ کہیں میں اس رسالہ والے کی رائے سے اتفاق نہ کر سکا۔ پھر مجھے حیرت ہوئی تو میں نے اتقان پر نظر کی (یہ کتاب میرے نزدیک اسلامیوں کا فخر ہے۔ اور اس رنگ کی کتاب سنی شیعہ خوارج میں میں نے نہ سنی دیکھی اور نہ مجھے امید ہے کہ ہو) تو اس میں بیس کے قریب آیات میری نگاہ میں پڑیں۔ پھر کیا تھا گویا مجھے بادشاہی مل گئی۔ مگر ان آیات پر بھی جب میں نے غور کیا۔ تو مجھے حیرت ہوئی۔ اور اللہ کریم نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھ پر رحم فرمایا کہ مجھے ایک عجیب وغریب کتاب فوز الکبیر فی اصول التفسیر مل گئی۔ سبحان اللہ۔ کیا نورانی کتاب ہے۔ اس میں پانچ ہی آیات کو منسوخ قرار دیا۔ اللہ اللہ وہ دن دنیا میں مجھ پر عجیب تھا۔ مارے خوشی کے میں جامے میں نہیں سما سکتا تھا۔ اور اصل خوشی کا باعث یہ تھا کہ میرے دل نے مجھے پکار کر کہہ دیا کہ نورالدین! قرآن میں آیات منسوخ کوئی نہیں۔ اور ہرگز قرآن میں آیات منسوخہ موجود نہیں۔ کیونکہ اگر آیات منسوخہ قرآن میں موجود ہوتیں تو کم سے کم کچھ ایما جناب باری سے یا جناب صادق ومصدوق حبیبی اور خلیلی سیدنا ومولینا ورسولنا ونبینا اصفی الاصفیاء صلی اللہ علیہ وسلم وازواجہ وذریاتہ واہل بیتہ یا حضرات خلفاء راشدین ابوبکر رض وعمر رض جو راس رئیس علماء وقت ہیں۔ ان سے کچھ ثابت ہوتا۔ یہ امر نسخ کا دعوے علماء نے اپنے خیال سے کیا ہے۔ جب دو آیات کی تطبیق نہیں آئی تو دعوے کر دیا۔ ایک آیت منسوخ ہی پس میں ایسی آیت منسوخہ کا جو موجود فی القرآن ہوں قائل نہ رہا۔ شاید میرے الفاظ عمدہ طور پر میرے مقصد کو ادا نہ کر سکے۔ منشاء یہ ہے کہ میں اس بات کا قائل ہی نہ رہا۔ کہ قرآن مجید میں کوئی منسوخ آیت موجود ہے والحمد للہ رب العالمین۔ اور میں نے ان پانچ مقامات کو تفسیر میں دیکھنا شروع کیا۔

تو بحمداللہ پانچوں ایسے مقام تھے کہ تفسیر کبیر جیسی عام تفسیر سے وہ معنے صاف حل ہو گئے - صرف دو مقام پر میری تسلی نہ ہوئی - جو پھر اور تفاسیر سے وہ بھی حل ہو گئے - میں مدینہ سے لاہور پہنچا - وہاں ایک شخص فرقہ اہل حدیث کا ملا - اس نے کہا ہم قرآن پر کیسے عمل کریں - جبکہ ہمیں معلوم نہیں کہ ناسخ کیا ہے اور منسوخ کہاں ہے - میں نے اس شخص کو کہا کہ قرآن مجید میں منسوخ آیت کوئی نہیں وہ تو آگ ہو گیا اور مجھے پکڑ کر ایک شخص محمد حسین بٹالوی کے پاس پہنچایا مجھ سے انہوں نے طیش میں آ کر کہا کیا آپ نسخ کے قائل نہیں - میں نے کہا کہ نسخ کا دعوٰے غلط ہے - اگر آپ کو کوئی آیت منسوخ معلوم ہوتی ہے تو مجھے معاف فرمایئے - اور بحث جانے دیجئے میری اس عرض پر وہ کہنے لگے کہ تم شوکانی کو نہیں جانتے میں نے جواب دیا کہ میں شوکانی کو نہیں جانتا - کہ وہ کون ہے - اور مجھے اس کی اتباع سے کام نہیں - آپ کوئی آیت پڑھیں - آخر وہ کہنے لگے کہ تم سید احمد خاں کو جانتے ہو - میں اس وقت سید احمد کو نہیں جانتا تھا - پس میں نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون ہے - غرض یہ قصہ قابل غور ہے اور آپ میرے اس قصہ کو قصہ تصوّر نہ فرماویں - یہ ایک نفس الامری حالت کا بیان ہے - جس نے مجھے قرآن کریم کی شاہ راہ پر چلنے کے لئے بڑی راہ کھول دی ہے - اگر جناب کو کسی آیت میں تامل ہے تو مجھے ارقام فرماویں - میں ٹھنڈے دل کا آدمی ہوں اور آپ کی طبع میں مجھے ایسی حدیث معلوم ہوتی ہے جو محتاط مومن کی شان سے ذرا فاصلہ رکھتی ہے جیسے آپ کے کارڈ سے ثابت کروں گا -

چھٹا امر جس پر مترجم کو غور ضروری ہے وہ مسئلہ ہے ترتیب آیات قرآنی کا میرے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن شریف الحمد سے لے کر سورۃ والناس تک ایک ایسی ترتیب رکھتا ہے - کہ اگر ایک آیت کہیں سے نکال ڈالیں تو قرآن قرآن نہیں رہتا -

ایک شخص صدیق حسن خاں نام نواب بھوپال میں گذرا ہے - انہوں نے اپنی تفسیر جامع البیان کے ابتداء میں حاشیہ پر لکھا ہے - بڑی طول اور فضول تقریر سے ثابت کیا ہے کہ کوئی آیت مکہ میں اتری اور کوئی مدینہ میں - کوئی سفر میں اور کوئی حضر میں - کوئی صلح میں کوئی جنگ میں - پھر کیسا احمق ہے وہ جو قرآنی آیات کو مرتب مانتا ہے - یہ ہے خلاصہ ان کے کلمات کا - میں کہتا ہوں کہ اگر یہ ترتیب قرآنی مدِ نظر حضرت حق سبحانہٗ وتعالےٰ کی نہ ہوتی تو ضرور تھا کہ قائم رہتی وہ ترتیب جس پر نزول ہوا تھا - جب ترتیب نزولی کو بدل دیا گیا ہے - اور جب یہ معاملہ حضرت خاتم الانبیاء کے حضور خود حضور کے حکم سے بلکہ خطاب باری کے فرمان سے ہوا ہے تو کیوں نہیں نواب خیال فرماتے کہ ترتیب نزولی کو بدل کر دوسری ترتیب پر قرآن کریم پڑی اور اول دلیل ہے کہ قرآن میں موجودہ حالت پر کوئی ترتیب خاص مدِ نظر ہے میں نے اس معاملہ پر بہت غور کیا ہے -

یہ یورپ والوں کا اعتراض کہ قرآن کریم بلند پروازی سے ایک مضمون کو چھیڑتا ہے پھر ختم نہیں کرتا اور دوسری بات کو شروع کر دیتا ہے - قابل غور مضمون ہے - اس خط میں نہیں دوسرے خط میں اس کا نمونہ ضرور دوں گا غرض مترجم کو ضرور ہے کہ نوٹوں سے ترتیب قرآنی کو مدِ نظر رکھ کر بتاتا جاوے - تفسیر کبیر - تفسیر عزیزی - تفسیر حسینی مسمی بہ حیات سرمدی اس امر کو نصب العین رکھتے ہیں - گو پورے کامیاب نہیں ہوتے -

ساتواں امر جس کو ضرور ہے کہ مترجم مدِ نظر رکھے حال کا فلسفہ ہے جس کی بنا گو اکثر مشاہدہ پر ہے مگر ہمارے ہندوستانی طالب علم اس میں تھوڑی قیاس، قیاسی اور خیالی اور امر محقق شدہ میں تمیز نہیں کر سکتے -

ایک طرف تو سید احمد خاں کی جماعت نے یورپ کے فلسفہ اور سائنس سے دب کر صلح کر لی ہے ڈریپر اور اس کے بھائیوں کا اس پر ایسا ڈر پڑا ہے کہ قرآن کریم کو ان کے خیالات کے پیچھے پیچھے لگا دیا ہے - تمام مذاہب کی جان اور تمام مخلوق کے لئے اعلےٰ جز امید قبولیت دعا سے ہی منکر ہو گئے تا آیاتِ نبوت اور مسئلہ الہام و وحی و ملائکہ و آخرت اور جنت و نار کے وجود سے گویا انکار کر لیا مادہ پرست لوگوں کے مقالات کو دیکھ وحدت وجودیوں کی طرح اسی مخلوق کو بعد حذف تشخصات خدا مان لیا ہے جیسا ان کے خطبات سے ظاہر ہے - بقیہ مشکلات سے یوں پیچھا چھوڑایا کہ جہاں فلسفہ کو مؤید نہ دیکھا وہاں کہہ دیا کہ یہ کلام اللہ تعالےٰ نے حسب خیال یہود اور نصاریٰ یا حسب خیال مشرکانِ عرب کے فرمائی گئی ہے -

رہا بقیہ قرآن - اس میں یہاں تک کامیاب ہوئے کہ لکھدیا کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - زندوستا سے گویا لئے گئے - سبحان اللہ یہ ہے دین کی نصرت اور حمایت -

اب ان کے مقابلہ میں مولوی صاحبان کا حال بھی قابل غور ہے - زمین کی کرویت سے منکر ہیں - اس امر کے بھی منکر ہیں کہ کوئی آدمی سکندریہ سے سوار ہو کر امریکہ پہنچکر جاپان کی طرف سے آ نکلے اور کلکتہ سے بمبئی اور وہاں سے سکندریہ پہنچے - کیونکہ راستہ میں کوہ کاف جو زمرد کا پہاڑ ہے جس کی رگوں سے زلزلہ آتا ہے اور جس کے ارد گرد سانپ لپٹا ہے اور جس کے اوپر آسمان رکھا ہے - اس سے کیسے گذرا - یہ مثالیں غالباً ایسی مخفی نہیں ہوں گی - میرے دوست نے مجھ سے ذکر کیا، کہ میں بچہ تھا اور میں نے بمقام لدھیانہ وعظ سُنا کہ نیل دریا کی بڑی فضیلت ہے کیونکہ یہ چاند سے نکلتا ہے - کسی نے وعظ میں عرض کیا، کہ حضرت اگر نیل کا چاند سے نکلنا خلافِ مشاہدہ نہیں تو گنگا کا مہادیو کی جٹا سے نکلنا کیوں منع ہے - اب واعظ صاحب کے پاس کیا تھا فتویٰ دے دیا کہ یہ شخص کافر ہے اس کو باہر نکال دو - وہ تو نکالا گیا - اور یہ شخص جو اب ہمارے دوست ہیں - وہاں مرتد ہو گئے کہ اسلام حقیقتاً جبر سے پھیلایا گیا ہے - اور اس میں ایسے ہی مسائل ہیں - پھر کیا تھا آزادی کا زمانہ پکے کافر بن گئے اور مشن کی ملازمت کر لی آخر سالہا سال کے بعد جب بوڑھے ہو گئے ایک انگریز نے ان کو کہا مسٹر فلانے دیکھو - یورپ والے کیسے محقق ہیں، نیل کا منبع انہوں نے دریافت کر لیا ہے - جبال القمر - اب یہ صاحب اس انگریز سے جبال القمر کا نام سن کر بے تاب ہو گئے اور رو پڑے - لوگ حیران ہیں کہ یہ کیا تماشا ہے - اس نے کہا آج اس جبل القمر نے مجھے مسلمان بنا دیا ہے جیسے میں نے انگریز سے سُنا جس طرح اس لفظ نے مجھے کافر بنایا جبکہ میں نے اس لفظ کو ایک واعظ سے سُنا - مولیٰنا یہ ہے مشکل ترجمہ کرنے میں ایک طرف نیچری ہیں اور ایک طرف ہمارے ملاتے کرویت ارضی کے منکر حرکتِ ارضی کے منکر - علم کیمیا کے منکر - جیالوجی کے منکر - ان کے درمیان ایک راہ ہے -

آٹھواں امر جس پر مترجم کو غور کرنا ضروری ہے - اصول ترجمہ کا قائم کرنا ہے ہمارے مفسّر خواہ روایت والے ہوں - جیسے ابن جریر ابن کثیر - امام سیوطی صاحب دُرِ منثور - خواہ درایت والے جیسے امام رازی، امام غزالی، قاضی، بیضاوی خواہ صوفی ہو جیسے شیخ محی الدین ابن عربی اور مصنف بحرالحقائق اور بخاری عبدالوہاب صوفی - خواہ لغوی ہوں جیسے مجدالدین فیروز آبادی، خواہ علم اشتقاق والے جیسے امام راغب ان سب لوگوں کی تفاسیر کو دیکھو - مقدمہ میں اصول کو ہرگز قائم نہیں کرتے اور یہ بڑا گڑبڑ کر دیا ہے -

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فوزالکبیر میں اور سید احمد خاں نے تحریر فی اصول التفسیر میں بہت کوشش کی ہے - مگر وہ ایسی کوشش ہے کہ یورپ کے واسطے کافی نہیں، اور اس میں بہت کچھ اصلاح کی ضرورت ہے

نواں امر مفسرین کے طبقات کو تو لوگ قائم کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اوّل درجہ تفسیر القرآن بالقرآن کا ہے، اور دوم درجہ تفسیر میں حضرت حق سبحانہٗ کے اس نائب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جس کے حق میں فرمایا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ - تیسرا مرتبہ خلفائے راشدین وغیرہ وغیرہ مگر عمل درآمد اس کو نہیں دکھلاتے - مثلاً ھدًی للمتقین کی تفسیر میں بیسیوں معنی متقی کے بیان کریں گے

اور قرآن کریم نے مثلاً لیس البر ان تولّوا وجوھکم میں جو معنے متقی کے بیان کئے ہیں اس کا ذکر تک نہ کریں گے۔ یقیمون الصلٰوۃ میں اقامت پر بحث ہوگی اور کوئی نہیں لکھے گا کہ وہ نماز جس کا ٹھیک رکھنا ضروری ہے۔ اس کی تفسیر رسول کریمؐ نے یہ فرما دی ہے۔

آپ میرے اس عریضہ کو پہلے پورا دیکھ لیں۔ اگر ناپسند آوے تو کالائے بد بہ ریش خاوند۔ واپس بھیجدیں اس کی نقل میں نے نہیں لی۔ اور نہ مجھے فرصت ہے کہ اس کی نقل کروں۔ بلکہ دوبارہ دیکھنا بھی مشکل ہے۔ اگر پسند ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے میں اور بھی لکھنا چاہتا ہوں مگر دوسرے وقت پر چھوڑتا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی۔ آمین

آپ ایک کوچہ سے بے خبر ہیں، اس پر عرض ہے :-

حضرت پیر و مرشد مجدد الوقت مہدیٔ دوران مسیح الزمان کا تذکرہ کرتے وقت آپ نے نعوذ باللہ کا لفظ شریعتِ اسلام سے ناواقفی کے تحت استعمال فرمایا۔

احادیث صحیحہ میں جناب خلیفہ ابوبکر رضؓ کو ابراہیمؑ اور مسیح اور جناب خلیفہ ثانی کو نوحؑ اور ابوذر رضؓ کو مسیح عیسٰی ابنِ مریمؑ اور جناب سرورِ عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابنِ ابی کبشہ اور قرآن میں بعض مؤمنوں کو امرات فرعون اور بعض اہلِ ایمان کو مریم بنت عمران اور بعض مؤمنات کو امرات نوحؑ اور امرات لوط فرمایا گیا ہے اور حضرت یعقوب پوحی کو الہام الٰہی میں زید بن حارثہ جو محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ان کا نام دیا گیا ہے۔ پھر سے

کاش کانکہ عیب من جوئند ۔ رُوئے آں دلستاں بدیدندے
ترسم آں قوم کہ بر دردکشاں میخندند ۔ در سرِ کار خرابات کنند ایماں را

آپ کا سلام علیکم بحضور مرزا صاحب اس لئے نہیں پہنچایا گیا کہ آپ کے نعوذ باللہ کے بے موقع استعمال نے اجازت نہ دی۔ آپ کو ابتدائے خط میں ایک صادق مُلہم کے متعلق ایک محب اسلام کا دل دکھانا مناسب نہ تھا۔

اللّٰھم تب علیہ حسنی یتوب ۔ یار باقی صحبت باقی

---

۲۴. ترکیب سے اس نے لفرائی کو اس قدر تنگ کیا کہ اس کو اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہوگیا اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک پادریوں کو شکست دی .... اور اس کی کل جماعتوں کو عاجز کر دیا۔“

(صفحہ ۳ دیباچہ ترجمۃ القرآن مولٰنا اشرف علی تھانویؒ شائع کردہ مالک کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔

(۲) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے ترجمۃ القرآن سورت آل عمران اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیك کا ترجمہ جبکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے عیسےٰ بے شک میں تم کو وفات دینے والا ہوں۔ ہوتے ہیں۔

(ترجمہ مولٰنا اشرف علی تھانوی - ایڈیشن ۱۹۳۴ء)

حضرت مولٰنا اشرف علی تھانویؒ کے عقیدتمندوں کو واضح ہو کہ انہوں نے توفّی کے معنی وفات لئے ہیں۔ اور یہی معنے حضرت امام الزمان علیہ السلام نے لئے جس سے حضرت اقدس کی علمی فتح ہوتی ہے۔

ہاں بعض لوگ غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں کہ مولوی صاحب موصوف نے تو حاشیہ پر اس کے برعکس لکھا ہے۔

لیکن ہماری بحث حاشیہ پر نہیں حاشیہ پر انسان کی اپنی رائے ہوتی ہے ہماری بحث قرآن کے مقدس الفاظ پر ہے، جسے وہ تسلیم کر گئے ہیں ؛

مسجد دارالسّلام لاہور میں پنکھوں کی ضرورت

مسجد دارالسّلام میں موسم گرما کی آمد آمد کی وجہ سے فوری طور پر ۱۲ پنکھے نصب کرانے کی ضرورت ہے“ دارالسلام کمیٹی” کی عزیز احباب سے استدعا ہے کہ وہ اس کارخیر میں حصّہ لے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ ۵۶" پنکھے کی قیمت بازار میں اس وقت 450/ روپے ہے۔

فضل حق ۔ ناظم دارالسلام

شفیق مرزا

ربوائی تحریف ——— ایک خطرناک کاروبار

ربوائی گروہ نے ”مصلح موعودیت“ کا سوانگ رچا کر مسیح موعود کی اصلاح کرتے ہوئے کبھی تو یہ کہا کہ :-

”نہیں جانتے تھے کہ میں دعوے کی کیفیت تو وہ بیان کرتا ہوں جو نبیوں کے سوائے اور کسی میں پائی نہیں جاتی اور نبی ہونے سے انکار کرتا ہوں“ اور کبھی کہا کہ ”دعویٰ کے نام میں آپ احتیاط کرتے رہے یعنی آیا اس کا نام نبوّت رکھا جائے یا محدثیت“ اور گاہے ماہے یہ بھی بیان داغتا رہا کہ ”حضرت مسیح موعود اجتہادی غلطی میں مبتلا تھے پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ نہ نبی تھے نہ محدث اور“ سنہ ۱۹۰۱ء ایک درمیانی عرصہ ہے جو دونوں خیالات کے درمیان برزخ کے طور پر حد فاصل ہے“ اور اب ان کی کتب اس دعوے کے ساتھ اشاعت کرتے ہوئے کہ ان کی کتابت ایڈیشن اوّل کے مطابق کروائی جا رہی ہے، مخصوص مصلحانہ حاشیہ آرائی کے علاوہ رُوحانی خزائن کی جلد چہارم میں الحق مباحثہ دہلی کے بعد مولانا محمد احسن صاحب امروہی کی منشی بدیع شاہ صاحب اور منشی محمد اسحاق صاحب سے مراسلت کے قریباً بیس صفحات مکمل طور پر حذف کر دیئے ہوئے ہیں جو ایڈیشن اوّل میں مراسلت نمبر ۲ کے عنوان سے صفحہ ۱۷۳ سے لے کر صفحہ ۱۹۲ تک درج ہے اور اس تحریف کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جناب مولانا محمد احسن صاحب امروہوی نے بار بار حضرت امام کی مجددیت پر زور دیا ہے ایک حوالہ ملاحظہ فرمادیں :-

”پورا پورا غیر مقلّد تو وہی شخص ہوگا جو صاحب نفس قدسیہ اور مؤید من اللہ ہو اور مرتبہ مجددیت پر اللہ تعالےٰ نے اسکو مبعوث فرمایا ہو میرے علم ناقص کے رُو سے یہ منصب اس زمانہ میں سوائے حضرت مرزا صاحب کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے“۔ ”الحق“ صفحہ ۱۹۰

محترم میر احمد کسمری ملتان

مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کا اعترافِ حقیقت

برادرانِ اسلام مجھے ایک نسخہ حیات (قرآن حکیم) مولوی محمد علی صاحب مبلغ اسلام سے ملا جس کا ترجمہ لکھنے کا شرف حضرت مولٰنا اشرف علی تھانویؒ کو ہوا۔ اس کتاب اقدس کے دیباچہ کو حضرت مولٰنا نور محمد صاحب قادری نقش بندی چشتی نے لکھا ہے جسے پڑھ کر سرور حاصل ہوا۔ اس نے ثابت کر دیا کہ مذہب عیسائیت کا فاتح جرنیل حضرت سیدنا مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام ہیں۔ ان کا دیباچہ پڑھ کر واضح ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی انگریزوں کے حامی نہ تھے بلکہ ان کے مذہب عیسائیت کو جڑ سے اُکھاڑنے والے تھے جیسا کہ ان کے دیباچہ کے چند اقتباس حسب ذیل ہیں :-

(۱) ”اسی زمانہ میں پادری لفرائی پادریوں کی ایک بہت بڑی جماعت لے کر اور حلف اُٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا لوں گا۔ ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا..... مگر حضرت عیسےٰ کے آسمان پر بجسم خاکی زندہ موجود اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون کا حُجلہ عوام کے لئے اس کے خیال میں کارگر ہُوا تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور لفرائی اور اس کی جماعت سے کہا عیسےٰ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسٰی کے آنے کی خبر ہے وہ مَیں ہوں۔ پس اگر تم سعادت مند ہو تو مجھ کو قبول کر لو اس ۲۴

محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب

حضرت مولانا نور الدینؒ ـــــ چند یادیں

مجھے یاد ہے کہ سب سے پہلی بار میری نظر اس پُر جلال چہرہ پر دسمبر ۱۹۰۷ء کی ایک شام کو پڑی۔ جب میں ایک قافلے کے ساتھ اپنے والد ماجد کی معیت میں قادیان کی بڑی مسجد میں داخل ہوا۔ اس وقت صحن مسجد کے مشرقی حصہ میں ایک پرانے درخت کے ساتھ کھڑے وہ درس قرآن مجید دے رہے تھے درس ختم ہی ہونے والا تھا۔ میرے والد ماجد نے مجھے بتایا کہ "یہ حضرت مولانا نورالدین صاحب ہیں۔ یہ نام میں پہلے بارہا سن چکا تھا۔ میرے تصور میں پہلے سے جو صورت تھی وہ ویسی ہی تھی۔ اس وقت سادگی کے اس پیکر نے میرے دل پر ایک خاص اثر ڈالا۔ جو انمٹ تھا۔

تین ماہ تک ہمارا قادیان میں قیام رہا۔ اس دوران میں کئی بار حکیم الامت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ کو میں نے نمازوں میں اور درس قرآن مجید دیتے ہوئے دیکھا چند بار شفاخانہ میں مریضوں کے ہجوم میں فرش پر ایک چھوٹے سے ڈیسک کے پیچھے بیٹھے ہوئے بھی دیکھا اور چار بار گھر کے اندر بھی دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ان کے فرزند اکبر عبدالحی۔ جو میرے ہم عمر تھے۔ اور ان کے ساتھ دوستی ہوگئی تھی۔ اس وقت ہماری عمر آٹھ سال کی تھی۔ ہمارے قافلے کا ایک فرد مسمی احمد جی نمونیہ سے قادیان میں وفات پاگیا تو اس کا جنازہ بھی آپ نے ہی سکول کے صحن میں جو اس وقت ہائی سکول تھا۔ اور بعد میں دینیات کا سکول ہوگیا۔ پڑھایا۔ یہ مجھے خصوصیت سے یاد ہے چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس زمانہ میں زندہ تھے۔ سب کی تمام تر توجہات کا مرکز انہی کی ذات گرامی تھی۔ حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمۃ کے متعلق اس سے زیادہ اس زمانہ کی کوئی بات یاد نہیں۔

قادیان کے اس قیام کے دوران وہاں کی زندگی میں میرے لئے کشش کے بہت سے اسباب پیدا ہو گئے تھے۔ میرے اصرار پر بڑے والد ماجد نے مجھے دوبارہ قادیان جانے کی اجازت دے دی۔ ہمارے گاؤں کے کچھ لوگ جا رہے تھے ان کے ساتھ مجھے بھیجدیا۔ یہ ۱۹۱۲ء کا واقعہ ہے۔ جبکہ غالباً اپریل کا تھا۔ حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمۃ کو گھوڑے سے گرنے کا جو حادثہ پیش آیا تھا۔ وہ ایک طویل اور صبر آزما علالت کے بعد اس سے صحت یاب ہو چکے تھے والد صاحب کی تاکید کے ماتحت میں نمازوں میں ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ اور حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمۃ کو روزمرہ دیکھنے کا موقعہ ملتا رہتا تھا۔ لیکن گفتگو کی کبھی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ایک روز ظہر اور عصر کے درمیان مسجد مبارک میں وہ بخاری شریف کا درس دے رہے تھے۔ میں سامنے بیٹھا تھا۔ ان کی نظر اچانک مجھ پر پڑی۔ تو پوچھا یہ لڑکا کون ہے؟ ہمارے گاؤں کے اسیر اللہ نامی ایک شخص نے جو پاس ہی بیٹھا تھا۔ کہا۔ یہ مولوی یحییٰ صاحب کا بیٹا ہے۔ یہ سننا تھا کہ انہوں نے ہاتھ لمبا کر کے مجھے اپنی طرف کھینچا اور میرا سر اپنی گود میں رکھ کر میرے منہ کو چوما۔ میرا سر ان کی گود میں اور میرا دھڑ بخاری شریف کی ضخیم جلد پر جو آپ کے سامنے گاؤ تکیہ پر کھلی رکھی تھی، پڑا ہوا تھا۔ مجھے اسی حالت میں لٹائے رکھا۔ اور حاضرین سے مخاطب ہو کر ایک لمبی تقریر فرمائی۔ جس میں میرے والد ماجد کی محبت اور خلوص خصوصاً اس خدمت اور تیمارداری کا ذکر فرمایا۔ جو حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمۃ کی بیماری کی حالت کے دوران چھ ماہ تک ان کی خدمت میں رہ کر سرانجام دی تھی۔ اس تقریر کا ایک ایک جملہ میرے دل پر آج تک نقش ہے۔ شفقت کے اس غیر معمولی مظاہرہ نے مجھ پر کچھ ایسا اثر کیا کہ میرا دل بھر آیا۔ اور میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس گفتگو کے بعد مجھ سے فرمایا کہ :۔

"آپ اتنے دنوں سے آئے ہوئے ہیں۔ ہمارے گھر کیوں نہیں آئے؟
آپ تو ہمارے اپنے بچے ہیں۔"

میں اس حکم کی تعمیل میں چند بار گیا بھی۔ لیکن طبیعت میں کچھ حجاب زیادہ ہی تھا میں پیچھے ہی رہا۔ اور آپ کی ایک مصروف ترین زندگی میں مخل ہونے کی جرأت نہ کر سکا۔ نمازوں میں البتہ ضرور شامل ہو جاتا۔ اور صف اول میں میں عموماً ان کے پیچھے کھڑا ہو جاتا۔ ایک دفعہ نماز مغرب میں ایک لطیفہ یہ ہوا کہ آپ کے صاحبزادوں میں سے ایک بچہ جس کی عمر اس وقت دو تین سال کی ہوگی پاس ہی بیٹھا تھا۔ جب آپ سجدہ میں جاتے۔ تو بچہ ان کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھتا۔ اور جیسا گھوڑے کو ہانکتے وقت منہ سے آواز نکالی جاتی ہے۔ ایسی آوازیں نکالتا اور توتلی زبان میں کہتا "دھوڑا دھاس کھائے گا"۔ بار بار وہ یہی کرتا رہا۔ جب آپ سجدہ سے اٹھتے تو اسے بڑی آہستگی سے اتار لیتے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے۔ تو انہوں نے بچے کی اس حرکت کا نوٹس تک نہ لیا۔ مجھے کچھ نہ کچھ انتظار تھا۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔

آپ کے اخلاق کا مجھ پر گہرا اثر ہوا۔ یہاں پر مجھے سید اسد اللہ شاہ صاحب کی بیان کردہ ایک بات یاد آگئی ہے۔ کہ حضرت حکیم الامۃ کا کوئی خورد سال بچہ بار بار آپ کو تنگ کر رہا تھا۔ ایک دوست کو ناگوار گذرا۔ تو اس نے کہا "حضور آپ اس بچے کو ڈانٹتے کیوں نہیں؟" تو آپ نے فرمایا کہ "اس پر نہ تو اللہ میاں اور نہ ہی کسی گورنمنٹ کے قانون کی کوئی گرفت ہے میں اسے کیسے سزا دوں"۔ بچوں پر آپ کی شفقت کا ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمۃ کی خصوصی شفقت نے اس مرتبہ قادیان کے ساتھ میری دلبستگی کو اور زیادہ اجاگر کر دیا۔ میں ایک درخواست لکھ کر ان کی خدمت میں لے گیا کہ میرے والد ماجد کو لکھیں کہ وہ مجھے قادیان ہی میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے دیں۔ انہوں نے فوراً اسی چٹھی پر یہ الفاظ لکھوا دیئے۔

مولوی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا بچہ قادیان میں پڑھنے کا شائق ہے۔ میں سفارش کرتا ہوں اسے اجازت دے دیں۔" نورالدین

لیکن کچھ واقعات ایسے پیدا ہو گئے کہ مجھے گھر واپس ہی جانا پڑا۔ تاہم آپ کی محبت اور قادیان کے اس وقت کے ماحول کی کشش میرے دل سے مٹ نہ سکی اگلے سال ۱۹۱۳ء کے ماہ اگست میں ۱۲ رمضان المبارک کو جبکہ میرے والد ماجد خود پہلے سے قادیان میں موجود تھے۔ میں بلا اجازت ہی قادیان پہنچ گیا۔ اور وہیں جب گرمی کی چھٹیاں ختم ہوگئیں تو آٹھویں جماعت میں داخل ہوگیا۔ اب روزمرہ اس عظیم المرتبت شخصیت کی زیارت کرنے اور ان کے درس اور خطبات سننے کے مواقع کثرت سے ملنے لگے۔

حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ اس زمانہ میں بہت ضعیف ہو چکے تھے لیکن ان کے عشق قرآن کے جوش میں کمی نہ آئی تھی۔ نماز عصر کے بعد سکول کے بچوں کو درس سننے کے لئے لائنیں باندھ کر مسجد میں لے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ مجھے جب بھی موقعہ ہاتھ آتا تو میں حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ جب آپ بیمار رہنے لگے اور زیادہ کمزور ہو گئے تو مسجد میں نہ جاسکنے تو اپنے گھر پر ہی درس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ میں چند مرتبہ ان درسوں میں بھی شامل ہوا۔ بعض دفعہ چارپائی پر لیٹ کر بھی آپ نے درس دیا۔ لوگ کہتے تھے۔ کہ آپ فرماتے ہیں کہ "قرآن میری غذا ہے اور اس میں میری زندگی ہے"۔ آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی اور یہ حالت ہوگئی۔ کہ آپ باہر بالکل نہ آ سکتے تھے۔ جو باتیں آپ کی مجلس میں ہوتیں ان کا چرچا گلی کوچوں میں ہوتا۔ میں چند بار ان کے کمرہ میں بھی گیا ایک مرتبہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے یہ الہام ہوا ہے۔ ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی المعاد۔ ایک بزرگ قاضی امیر حسین صاحب آپ کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے کہا کہ لرادک الی معاد کا یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ تندرست ہو کر ایک بار پھر بھیرہ اپنے وطن مالوف جائیں گے آپ اس پر خاموش ہو گئے اور مزید کچھ نہ فرمایا۔

اسی زمانہ میں یہ بات بھی ہم نے سنی کہ مولانا محمد علی صاحب جو نوٹ اپنی تفسیر کے روزمرہ سنایا کرتے تھے۔ وہ ختم ہو گئے ہیں۔ اور حضرت علیہ الرحمۃ نے مبارکباد دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ "تفسیر قبول ہوگئی ہے"۔ ایک

دیا یہ بات سننے میں آئی - کہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ایک انگریز ڈاکٹر کو لائے ہیں - جس نے آپ کا معائنہ کیا ہے - اس نے نبض دیکھ کر کہا ہے WONDERFUL PULSE یعنی نبض حیرت انگیز طور پر اچھی ہے - ایسی باتیں سن کر لوگوں کی ڈھارس بندھتی تھی اور ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے اس عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے - جو لوگوں کو اس بزرگ وجود کے ساتھ تھی - پھر ایک دن یہ بات مشہور ہوئی کہ آپ نے وصیت لکھوائی ہے - اس کے الفاظ زبان زدِ خاص و عام ہو گئے اور اس قدر دوہرائے جانے لگے کہ لوگوں کو حفظ ہو گئے - اپنی اولاد کے متعلق اس میں یہ لکھوا دیا کہ انہیں بطور خیرات کوئی وظیفہ نہ دیا جائے جو رقم ان پر خرچ کی جائے وہ قرضہ تصور ہو - ان میں سے جو لائق ہو وہ ادا کرے - اگر کوئی بھی ادا نہ کر سکے تو آپ کے کتب خانہ کی قیمت سے ادا کی جائے - دوسری بات یہ لکھوائی - "کہ میرا جانشین متقی پرہیزگار ہو اور حضرت صاحب کے پرانے اور نئے مریدوں سے حسنِ سلوک کرنے والا ہو" اس وصیت کا بڑا چرچا ہوا - اور اس کے مضمرات پر لوگ باتیں کرنے لگے - بعد کے واقعات نے اس حقیقت کو اور ظاہر کر دیا -
پھر ایک دن خبر ملی کہ ڈاکٹروں کے مشوروں پر آپ کو نواب محمد علی خان صاحب کی کوٹھی پر منتقل کر دیا گیا ہے کہ وہاں کی آب و ہوا اچھی ہے کیونکہ شہر سے باہر ہے -

جس دن کا کھٹکا سب کو لگا ہوا تھا بالآخر وہ دن آن پہنچا - ہم سب حسب معمول نماز جمعہ کے لئے شہر کی بڑی مسجد میں گئے ہوئے تھے - نماز سے فراغت کے بعد حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی وفات کی خبر ملی - وہ دن اور اس سے اگلا دن بھی انتہائی افسردگی کا تھا - طرح طرح کی باتیں سننے میں آتی تھیں - لوگ ٹولیوں میں مسجد نور میں اور ہائی سکول کے گرد و نواح میں چلتے پھرتے کھڑے یا بیٹھے نظر آتے تھے - جس کمرہ میں حضرت کی میت رکھی تھی - وہاں بھی لوگ آتے جاتے تھے - میں بھی جا کر بیٹھا رہا - اس وقت ایک جوان العمر اونچے قد مضبوط جسم اور سیاہ داڑھی والے حافظ صاحب نے جن کا نام حافظ جمال احمد خاں تھا سورت الدہر چارپائی کے پاس کھڑے ہو کر پڑھی - اور جب ختم کر چکے تو میت کی طرف اشارہ کر کے کہا "جو صفات ابرار کی یہاں بیان ہوئی ہیں وہ سب ان میں موجود ہیں" شام کے وقت حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی میت کو سپرد خاک کر دیا گیا - اور علم و حکمت اور عظمتوں کا یہ پیکر غروب آفتاب کے وقت ہمیشہ کے لئے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔
اور سر زمین قادیان کی بہت سی برکتیں اور رونقیں بھی اپنے ساتھ لے گیا - کم از کم میرا یہی تاثر تھا - قادیان کی بستی اب مجھے بے رونق لگنے لگی - میں نے مزید چھ سات مہینے وہاں پر گذارے - لیکن میرا دل نہ لگتا تھا - اور میں نے اپنے والد کو خط لکھا کہ اب یہاں سے جانا چاہتا ہوں - وہ ناراض ہوئے - میرے استادوں خصوصاً ماسٹر محمد دین صاحب - قاضی عبداللہ صاحب اور صوفی غلام محمد صاحب نے بھی مجھے روکنے کی کوشش کی - لیکن میری طبیعت اب وہاں نہ لگتی تھی - اور میں محسوس کرنے لگا تھا کہ میں بیمار ہو جاؤں گا - چنانچہ دسمبر ۱۹۱۴ء کو میں نے قادیان کو الوداع کہا اور پھر کبھی اس کو دیکھنے کا موقعہ نہ ملا -

حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی وفات کے موقعہ پر جو کچھ واقعات میرے مشاہدہ میں آئے ان میں سے بعض واقعات خصوصاً حضرت مولانا محمد علی صاحب رض کے ساتھ بعض لوگوں کا سلوک جب انہوں نے مسجد نور میں تقریر فرمائی اور جب نئے خلیفہ صاحب کی بیعت ہو رہی تھی اور وفات کے بعد بعض واقعات ایسے دل خراش تھے کہ میں انہیں فراموش نہیں کر سکتا - ان باتوں کا ذکر میرے مضمون سے باہر ہے -

میں نے جب کتاب مجاہد کبیر پڑھی تو میرے دل سے محمد احمد صاحب کے لئے دعا نکلی کہ انہوں نے بڑی کاوش اور محنت سے اپنی کتاب میں نہایت مستند طور پر اور صدق و دیانت سے ان تمام واقعات کو محفوظ کر دیا ہے - یہ کتاب احمدیت کی ایک صحیح اور سچی تاریخ کے طور پر دنیا میں باقی رہ جائے گی - اور اس کے مصنف کے لئے بڑے اجر کا موجب ہو گی ۔

.... تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

پیغام صلح میں کچھ دنوں سے جناب پرویز صاحب کے افکار کا تجزیہ کیا جا رہا ہے اسی ضمن میں فاضل مقالہ نگار جناب مجید ارشد صاحب نے جماعت لاہور کی بعض خامیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو جذباتی اشتعال کی بجائے سنجیدہ غور و فکر کی محتاج ہیں۔

تنقید ایک آئینہ ہے جس میں چہرے کا حسن بھی نظر آتا ہے اور داغ بھی قرآن کریم میں استغفار کا لفظ خود تنقید کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے اس پس منظر میں اگر جماعت لاہور کی ربوہ کے بارہ میں پالیسی کا جائزہ لیا جائے تو یہ فی الواقعہ متضاد اور متصادم نظر آتی ہے۔

ایک طرف تو جماعت حدیث نبویؐ کا حوالہ دے کر مسلمانوں کو ڈراتی ہے کہ ایک مومن کی تکفیر کرنے سے کفر الٹ کر اسی مکفر پر آ پڑتا ہے اور دوسری طرف تمام امت مسلمہ کی تکفیر کرنے والے ربوائی گروہ کو مسلمان ٹھہراتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ کفر صرف مسلمانوں پر ہی لوٹ کر پڑتا ہے اور ربوائی مکفرین پر اس کا اثر نہیں ہوتا؟

جہاں تک اکابرین جماعت کے خیالات کا تعلق ہے میرے خیال میں جماعت ان سے بھی رجوع کر چکی ہے۔

جناب مولانا محمد علی صاحب نے ربوائی گروہ کو سرزنش کرتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ یا تو انہیں عقیدہ اجرائے نبوت ترک کرنا پڑے گا یا نیا کلمہ بنانا پڑے گا۔

اوّلاً خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنی مشہور کتاب "اسلام میں کوئی فرقہ نہیں" میں جلی حروف میں لکھا ہے کہ ہم انہیں (ربوائی گروہ کو ـــ ناقل) بہائیوں کی طرح خارج از اسلام قرار دے کر کہتے ہیں کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں - اگر جماعت لاہور اسی مضبوط پالیسی پر قائم رہتی اور PARENT COMMUNITY COMPLEX میں مبتلا ہو کر ربوائی گروہ کی دیگر احمقانہ حرکتوں میں بالواسطہ ان کی حمایت نہ کرتی اور گومگو کی پالیسی اختیار نہ کرتی تو کبھی اس صورت حال سے دو چار نہ ہوتی۔

آج کل جماعت لاہور وکیل صفائی کا کردار یوں بھی ادا کرتی ہے کہ انہیں مؤول قرار دے کر کفر سے بچانے کی کوشش کرتی ہے حالانکہ تاویل کے معنے الرجوع الی الاصل کے ہیں کہ جو بات کسی قرآنی اصل سے تطبیق نہ رکھتی ہو اس کی اس طرح توضیح کرنا کہ نص قرآن سے نہ ٹکرائے کہاں یہ کہ نص قرآن کو ہی توڑ کر اجرائے نبوت کا ناٹک رچائے اور پھر بھی مؤول کہلائے۔ خود حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:

کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد
کسی کو نبی یقین کرتا ہے اس کو کافر اور
دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں

اب اگر جماعت لاہور حضرت مرزا صاحب کی پیروکار ہے تو اسے واضح پالیسی اختیار کرنا ہو گی - میں ان سطور کے ذریعے جناب مجید ارشد صاحب کے تجزیہ سے اتفاق کرتا ہوں -

نیاز کیتھس - آفتاب - ماڈل ٹاؤن لاہور

علامات المقربین

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار ۔ جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب ۔ کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اسے دے چکے مال و جاں بار بار ۔ ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے ۔ وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

(حضرت مسیح موعودؑ)

محترم ڈاکٹر مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع آنریری مسلم مشنری ڈیلو

مجدّدِ اعظم

این سعادت بزورِ بازو نیست — تانہ بخشد خدائے بخشندہ

میں ۲۶ فروری ۱۹۷۵ء، چوک گھنٹہ گھر لائل پور میں کھڑا تھا کہ میری نظر ایک بڑے سائز کے پوسٹر پر رکی۔ لکھا تھا:۔

مجدّدِ اعظم

محبت اور عقیدت سے آگے بڑھا اور پوسٹر کا مضمون پڑھنے لگا۔ چند آدمی اور بھی میرے دائیں بائیں جمع ہو گئے اور پوسٹر کے مضمون کا مطالعہ کرنے لگے۔ مضمون ختم ہوا تو ایک صاحب کہنے لگے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا عرس ہے۔ مگر وہ مجدّدِ اعظم کیسے ہیں؟ مجدّدِ اعظم تو غوث الاعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی ہیں۔ دوسرے صاحب [illegible] مجدّد الف ثانی مجدّدِ اعظم تھے۔ ان کا کام بے نظیر ہے۔ اسپر میں نے کہا:۔

[illegible] آپ حضرات کی گفتگو سن کر خوشی ہوئی کہ آپ سلسلہ مجدّدین سے واقف اور قائل ہیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر سلسلہ انبیاء ختم ہوا۔ حضور صلعم خدا کے آخری نبی ہیں۔ اب اسلام کے بعد کوئی دین نہیں۔ قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں اور حضرت محمد مصطفےٰؐ کے بعد نہ کوئی پرانا نبی آئے گا نہ کوئی نیا نبی آئے گا۔ انبیاء کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اصلاحِ خلق کا کام انبیاء کے بعد اولیاء کے سپرد کیا گیا ہے اور اولیاء کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

حضور سرورِ کائناتؐ نے فرمایا کہ ہر صدی کے سر پر مجدّد آیا کریں گے جو دین کو صاف ستھرا کر دیا کریں گے۔ صدی کے اندر دین کے چہرے پر جو گرد و غبار پڑ جائے گا اس کو دور کر کے دین کے روشن اور خوبصورت چہرہ کو دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔

اصلاحِ خلق کا کام صبر آزما ہے۔ پتھروں کی مالا اور کانٹوں کی سیج ہے ؎

جب سے بلبل تونے دو تنکے لئے — ٹوٹتی ہیں بجلیاں ان کے لئے

انبیاء ہوں کہ اولیاء اپنوں بیگانوں کا تختۂ مشق بنتے ہیں مگر خدا کے حضور ان کے درجات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ایک ولی اللہ ایک چوبارے کے نیچے سے گذر رہے تھے کہ چوبارے سے شدید غل غپاڑے کی آوازیں آرہی تھیں لوگ جمع ہو گئے مگر چوبارے پر جانے کا کسی کو حوصلہ نہ ہوا آخر یہ ولی اللہ سیڑھیوں کے ذریعہ اوپر چڑھ گئے۔ چند بدمست شراب کے نشہ میں دھت ہو کر ہنگامہ کر رہے تھے۔ ان ولی اللہ نے انہیں خاموش کرانے کی کوشش کی تو انہوں نے اٹھا کر سیڑھیوں پر لڑھکا دیا۔ قلا بازیاں کھاتے زمین پر آ گرے۔ زخموں سے چور اٹھ کھڑے ہوئے اور بے ساختہ فرمایا:۔

"کاش دو چار سیڑھیاں اور ہوتیں"

لوگوں نے سنبھالا اور مرہم پٹی کی اور پھر ان کے الفاظ کا مطلب پوچھا تو فرمایا:۔

"ہر سیڑھی پر قدرت کا ایک راز مجھ پر کھلتا تھا۔ اس لئے میں نے حسرت سے کہا کاش دو چار سیڑھیاں اور ہوتیں کچھ اور اسرارِ یار مجھ پر کھلتے۔"

اسی چیز کو ایک عرب شاعر نے مدتوں پہلے اس طرح بیان کیا ہے ؎

سافر تنل رتب المفاخر والعلیٰ — کالدر سار فسار فی التیجانی

سفر کر (خواہ چند سیڑھیوں کا ہو) تو مایۂ ناز رتبے اور بلندی کو پائیگا۔ جس طرح موتی تاجوں تک پہنچ جاتا ہے۔

وکذا ھلال الافق ان ترک السری۔ ما فارقہ معرّۃ النقصان

اور جیسے ہلال افق اگر رات کا چلنا ترک کر دے تو عیب کے نقصان سے نہ بچ سکے یعنی ہلال سے بدر کبھی نہ بنے۔

حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ایک ایک قوم کی طرف نبی آتے تھے مگر حضور سرورِ کائنات صلعم دنیا کی تمام اقوام کی طرف تشریف لائے۔ انبیائے سابقین گویا الگ الگ ریاستوں کے راجے مہاراجے اور نواب تھے مگر حضرت محمد صلعم شہنشاہ کی حیثیت سے تشریف لائے۔

حضور صلعم نے فرمایا تھا کہ ہر صدی کے سر پر یعنے پہلی صدی ختم ہونے والی ہوگی اور دوسری صدی شروع ہونے والی ہوگی تو مجدّد مبعوث ہوگا۔ تیرہ صدیوں میں تو مجدّد آتے رہے مگر اس چودھویں صدی کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی مجدّد نظر نہیں آتا۔ صدی کو ختم ہونے میں صرف پانچ سال باقی رہ گئے ہیں۔ اب پندرھویں صدی کا مجدّد تو آسکتا ہے لیکن چودھویں صدی کا مجدّد نہیں آسکتا۔ اور اس طرح چودھویں صدی مجدّد سے خالی ختم ہو رہی ہے۔ حضور صلعم کا وعدہ تھا علیٰ رأس کلّ مائۃ سنۃ۔ کل صدیوں میں مجدّد آئیں گے۔ کوئی صدی مجدّد سے خالی نہ جائے گی۔ مرزا غلام احمد علیہ السلام نے دعویٰ کیا کہ چودھویں صدی کا مجدّد میں ہوں۔ ہمارے علماء نے کافر۔ دجّال۔ مرتد۔ ملحد قرار دے کر ان کا انکار کیا۔ مگر اس کے مقابلے پر اپنا مجدّد نہ لا سکے۔ اب امتِ محمدیہ کے سامنے ایک اور صرف ایک راستہ رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یا تو وہ علماء کو سچا قرار دے کر مرزا غلام احمدؑ کی تکذیب کریں اور یا حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو سچا قرار دے کر مرزا غلام احمدؑ کی تصدیق کریں۔

رہ گیا یہ معاملہ کہ مجدّدین میں "مجدّدِ اعظم" کون ہے؟ کام اور حلقہ ہائے کار کے لحاظ سے تیرہ صدیوں کے مجدّدین ایک محدود حلقوں میں کام کرتے نظر آتے ہیں۔ کوئی مصر کی درسگاہ کا زیور ہے اور اس کا علمی فیض وہیں کے عوام کو فیضیاب فرما رہا ہے تو کوئی شہر بغداد کی زینت بنا بیٹھا ہے۔ اس کے علمی کمالات اور روحانی کرامات صرف اور صرف اسی علاقہ کو چکا چوند کر رہی ہیں۔ اگر ایک دہلی میں غلط رسومات اور غیر اسلامی رسومات اور غیر اسلامی بدعات کی بیخ کنی میں مصروف ہے تو دوسرا اکبر کے دینِ الٰہی اور جہانگیر کے سجدۂ تعظیمی کے بخئے ادھیڑ رہا ہے۔ کسی نے فلسفۂ یونان کی اغلاط پیش کیں تو آخری صاحب نے انگریز کافروں کو نظر انداز فرما کر اپنے دائرہ جہاد کو سکھوں اور صرف سکھوں تک ہی محدود رکھا اور جلد ہی خدا کو پیارے ہو گئے۔ پشاور۔ ملتان، اور لاہور کے شاہی قلعوں پر راجہ رنجیت سنگھ کا پرچم بدستور لہراتا رہا۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ان تمام واقعات کے برعکس چودھویں صدی کا مجدّد چودھویں کے چاند کی طرح ابھرا اور اس نے سارے جہان پر اپنی چاندنی بکھیر دی۔ اس نے آریوں اور دہریوں، عیسائیوں اور بہائیوں سے بیک وقت چومکھی لڑائی لڑنا شروع کر دی۔ اس نے بہت جلد بد زبانوں کی زبانوں کو گدی سے کھینچ کر باہر گندی نالیوں میں پھینک دیا۔ اس کی بد دعا نے اگر بھارت میں پنڈت لیکھرام کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا تو امریکہ میں ڈاکٹر ڈوئی کو ذلت کی موت کے بدبودار اور تاریک گڑھے میں پھینک دیا اور یوں پرانی اور نئی دنیا پر "حجۃ اللہ البالغۃ" قائم ہوئی۔

آج دیگر مجدّدین کی جماعتیں خوابِ غفلت کا شکار ہیں۔ سال بھر میں چند پوسٹر لگا کر تین دن قوالیوں سے محفل کو گرماتے ہیں۔ ان کے پاس وہ صداقتیں اور شہادتیں ہیں ہی نہیں کہ خدا کی ہستی کا ثبوت دیں۔ قرآن کو خدا کا کلام ثابت کریں۔ حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی صداقت کو پیش کر سکیں اور اسلام پر آریوں۔ دہریوں۔ عیسائیوں، اور بہائیوں کے خطرناک اعتراضات کا جواب دے سکیں۔ لے دے کر بابا بلھے شاہ کی کافیوں طبلہ کی تھاپ اور ساز کی دھنیں ہی ان کا سارا سرمایہ ہے مگر ادھر چودھویں صدی کے ماہتاب مرزا غلام احمد صاحب کے سپاہی اپنے پاؤں سے تبلیغی چکر باندھ کر زمین کے سارے گولے پر گھوم رہے ہیں۔ یورپ میں امریکہ میں۔ افریقہ میں۔ آسٹریلیا میں، انڈونیشیا میں اور ایشیا میں مسجدیں بنا کر اللہ اکبر اللہ اکبر کے نعرے لگا رہے ہیں اور زمین کی ہر بلندی پر قرآن کا پرچم لہرا رہے ہیں اور اگر امریکہ اور روس آبادی والے ستاروں پر جا اترنے میں کامیاب ہو گئے تو احمدی مبلغین وہاں بھی پہنچ کر اسلام کا ڈنکا بجائیں گے۔ ابتو محمد رسول اللہ کی رحمت زمین کے صرف ایک گولے پر کام کر رہی ہے پھر ستاروں کے اور گولوں پر بھی حضورؐ کی رحمت برسے گی اور حضور صلعم صحیح معنوں میں رحمۃ للعالمین نظر آئیں گے۔ اور پھر مرزا غلام احمدؑ کے سپاہی مندروں، گوردواروں اور گرجوں میں دندناتے پھرتے ہیں۔ آریوں کے ویدوں اور عیسائیوں کی بائبل اور سکھوں کے گرنتھ میں حضرت محمدؐ کے لئے گائی ہوئی حمد و ثنا کو منظرِ عام پر لا کر ساری دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ ہے مجدّدِ اعظم جس کی عظمت پر زمین و آسمان گواہ ہیں ؎ ص۴

ص۴ غلام احمدؑ تھا نام اس مرد غازی کا مجاہد کا — مسلمانوں کی فوجوں کے سپہ سالار و قائد کا۔ یہ سب باتیں میں نے بالکل دھیمی آوازیں کہیں اور میں نے دیکھا کچھ چہرے شاش تھے

صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ کا تنظیمی دورہ

احمدی نوجوانوں کو باقاعدہ طور پر منظم کرنے کیلئے

شبان الاحمدیہ لاہور کا ایک سہ رکنی وفد صدر شبان الاحمدیہ جناب شیخ حفیظ الرحمان صاحب کی قیادت میں ۶ر فروری ۱۹۷۵ء کو راولپنڈی پہنچا - ۷ر فروری بعد از نماز جمعہ ایک جلسۂ عام محترم بزرگ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب منتو کی صدارت میں منعقد کیا گیا -

اس تقریب میں جناب زاہد جنجوعہ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ قوموں کا مستقبل نوجوانوں سے وابستہ ہوا کرتا ہے - اس لئے نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے اصولوں اور نظریات سے محبت کریں - اور اپنی قدیمی روایات کو اپنا شعار بنائیں - اور وہ روشنی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات میں پائی جاتی ہے - اس سے ہم اکناف عالم کو روشن کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں -

اس کے بعد صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ جناب شیخ حفیظ الرحمان صاحب نے فرمایا کہ آیندہ شبان الاحمدیہ کے عہدیدار جس قدر جلد ممکن ہو اپنے حلقہ کے نوجوانوں کو منظم کریں - ماہوار تربیتی اجلاس منعقد کیا کریں - اس کے علاوہ سیرت النبیؐ سیرت مسیح موعودؑ - یوم نورالدینؓ کے جلسے منعقد کیا کریں - ان بزرگوں کی سیرت کو مشعلِ راہ بنا کر کام کا آغاز کریں - نیز بزرگوں کے علم سے استفادہ کرنے کے لئے انکے ساتھ تقریب ملاقات کیا کریں -

اپنی تقریر کے دوران صدر شبان الاحمدیہ نے جماعت راولپنڈی کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا -

بعد ازاں محترم جناب میاں فاروق احمد صاحب شیخ نے ارشادات عالیہ سے حاضرین کو نوازتے ہوئے فرمایا کہ یہ امر نہایت قابلِ ستائش ہے کہ شبان الاحمدیہ نے وقت کے تقاضوں کا احساس کیا ہے - اور اس ابتلاء کے زمانے میں تعمیری پروگرام پر عمل پیرا ہونے کا عزم کیا ہے - میاں صاحب نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ جن پروگراموں کی نشاندہی صدر صاحب شبان الاحمدیہ نے کی ہے - وہ بہت اچھے ہیں اور ان پر نوجوانوں کو عمل کرنا چاہیئے - لیکن یہ بات سامنے رکھنی چاہیئے کہ نوجوان اپنے اسلاف کی سیرت کو مدِ نظر رکھیں اور تاریخ اسلام میں شعب ابی طالب ایسے واقعات سے روشنی حاصل کر کے اپنے عملی پروگراموں کو اُجاگر کریں - میاں صاحب نے شبان الاحمدیہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا - کہ ہم شبان الاحمدیہ کے تعمیری پروگراموں کو کامیاب بنانے کے لئے ہر ممکن تعاون کرتے رہیں گے - آپ کے بعد صدر جلسہ محترم مولانا بشیر احمد منتو صاحب نے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ نوجوانوں کو قربانی کے جذبہ کے ساتھ کام کرنا چاہیئے اور اس سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات کا عزم و استقلال کے ساتھ سامنا کرنا چاہیئے ورنہ محض کھوکھلی باتوں سے مقاصد میں کامیابی نہیں ہوا کرتی -

منتو صاحب نے حضرت عمرؓ کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ قبل از اسلام بے حد سخت طبیعت رکھتے تھے اور ہر نومسلم پر تشدد کرتے تھے - اپنی کنیزوں اور غلاموں کو مسلمان ہونے پر زدوکوب کیا کرتے تھے - اپنی بہن اور بہنوئی پر بھی تشدد کرنے سے باز نہ آئے - حتیٰ کہ حضرت نبی اکرم صلعم کو قتل کرنے نکل پڑے لیکن جب حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو راہ تشدد چھوڑ دی حتیٰ کہ اغیار کے تشدد کا نشانہ بنتے رہے - ان کے اس فعل نے انہیں عظیم ہستی بنا دیا - اور اشاعت اسلام کے سلسلہ میں عظیم الشان کامیاں حاصل کیں -

حضرت مولنا نے نوجوانانِ جماعت کو نصیحت فرمائی کہ وہ حضرت عمرؓ کی سیرت کے اس پہلو کو مشعلِ راہ بنائیں اور اپنے کام کے دوران پیش آنے والی مشکلات کا اس عزم سے مقابلہ کریں - اپنی تقریر کے آخر میں آپ نے شبان الاحمدیہ کے پروگراموں پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ نوجوان ایک عظیم مقصد لے کر اُٹھے ہیں - میں بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہوں کہ خداوند تعالےٰ شبان الاحمدیہ کو اپنے نیک مقاصد میں کامیاب فرمائے (آمین) آپ کے بعد جناب خواجہ نصیر اللہ صاحب نے جلسہ شبان الاحمدیہ کے سالانہ پروگرام سے متاثر ہو کر جماعت راولپنڈی کی طرف سے تین صد روپیہ کے انعام کا جو اعلان کیا تھا وہ رقم صدر شبان الاحمدیہ کو عطا فرمائی جزاہ اللہ احسن الجزاء - یہ مبارک تقریب صاحب صدر کی اجازت اختتام پذیر ہوئی -

مبلغِ اسلام حافظ شیر محمد صاحب کا ورود فیجی

فیجی سے آمدہ اطلاع کے مطابق محترم حافظ شیر محمد صاحب بہ خیرو عافیت فیجی پہنچ چکے ہیں حافظ صاحب موصوف جمعرات کو صبح سات بجے کراچی سے ہوائی جہاز پر سوار ہو کر آٹھ بجے شب سنگاپور پہنچے - چوبیس گھنٹے قیام کے بعد آٹھ بجے شب عازم سڈنی (آسٹریلیا) ہو گئے اور اگلی صبح ۹ بجے سڈنی پہنچ گئے - وہاں آپکو دن بھر ٹھہرنے کا موقع ملا، اور پھر ۷ بجے شام ہوا کے پروں سوار ہو کر ۱۱ بجے شب ناندی (فیجی) کے ہوائی اڈے پر جا اُترے - ناندی کے اڈے پر احباب آپ کا دن بھر انتظار کرتے رہے اور آپ کے پہنچنے پر انتہائی مسرت و شادمانی کا اظہار کیا، حافظ صاحب نے پاکستان کے احباب کا شکریہ ادا کیا ہے - جنہوں نے قیام پاکستان کے دوران ان سے محبت کا اظہار کیا اور انہیں خلوص و پیار سے رخصت کیا - امید ہے برادرانِ سلسلہ اسلام کے اس مخلص اور جانثار خادم کی کامیابی کے لئے درد بھرے دل سے دعا کریں گے

اے آمدنت باعث خوشنودی ما

احبابِ سلسلہ کو اس خبر سے یقیناً مسرت ہوگی کہ جماعت کے سرگرم اور مخلص بزرگ محترم مولانا محمد عبداللہ صاحب ۴۴ سال کی طویل اور کامیاب خدمتِ اسلام کے بعد اپنی صاحبزادی عزیزہ فریدہ کے ہمراہ ۱۰ر مارچ کی سہانی صبح کو ۹ بجے بذریعہ ہوائی جہاز سان فرانسسکو، امریکہ سے لاہور تشریف لے آئے ہیں - فضائی مستقر پر احباب نے آپ کا پُر جوش استقبال کیا - استقبال کرنے والوں میں مولنا شیخ عبدالرحمان مصری صاحب - محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب، محترم مرزا مسعود بیگ صاحب، محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب - محترم چوہدری فضل حق صاحب، محترم جلال الدین اکبر صاحب - محترم ڈاکٹر مبارک احمد صاحب، محترم چوہدری مسعود اختر صاحب، محترم محمد اعظم علوی صاحب، محترم قاضی غلام رسول صاحب، محترم ناصر احمد صاحب - اور بہت سے دیگر احباب بھی موجود تھے - خواتین سلسلہ بھی استقبال کے لئے موجود تھیں جن میں بزم تنظیم خواتین احمدیہ لاہور کی سیکرٹری محترمہ بیگم نسرین گل صاحبہ اور محترمہ بیگم ناصر احمد صاحبہ قابل ذکر ہیں، انہوں نے عزیزہ فریدہ کو بالخصوص خوش آمدید کہا، گلے میں ہار ڈالے اور اسے گلے لگایا - مولانا محمد عبداللہ صاحب کی صحت باوجود پیرانہ سالی کے نہایت اچھی ہے انہوں نے اپنے بعض پُرانے رفقاء کو پہچان لیا - جس سے خوشی میں مزید اضافہ ہوا - اس کے بعد محترم مہمانوں کو احمدیہ بلڈنگس لاہور میں لایا گیا اور اس طرح احباب کو ملاقات میں مزید سہولت ہو گئی - آپ کا ارادہ پاکستان میں چند ماہ ٹھہرنے کا ہے - اس اثنا میں جہاں آپ اپنے اعزہ کو ملیں گے وہاں جماعتوں کا دورہ کر کے برادرانِ سلسلہ کو اپنی تبلیغی مساعی سے بھی آگاہ کریں گے - اللہ تعالےٰ ہمارے محترم بھائی کو اپنے مقاصد میں کامیاب کرے اور ان کے ورود کو حسنات کا موجب بنائے - (مدیر)

عرفات پریس تھارنٹن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور ۷ سے شائع کیا -

ایڈیٹر
غلام نبی مسلم - ایم اے

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور - ۱۹ر مارچ ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ شمارہ نمبر ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

فون نمبر: ۵۳۷۳۷

پیغامِ صلح

لاہور پاکستان

• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا
الہام حضرت مسیح موعودؑ

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم استم و ز خداوند منذرم
ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

• رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸
• تار کا پتہ
• تبلیغ لاہور

سالانہ چندہ
• پاک و ہند سے: آٹھ روپے
• بیرونی ممالک سے: ایک پونڈ

دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ - ۲۶ مارچ ۱۹۷۵ء | نمبر ۱۳

فدایت جانم اے جانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مسیح موعود و مجدد زمان مرزا غلام احمد سلام اللہ علیہ کی طرف سے نذرانۂ محبت

عجب نوریست در جانِ محمدؐ ❊ عجب لعلیست در کانِ محمدؐ
ز ظلمت ہا دلے آنگہ شود صاف ❊ کہ گردد از محبانِ محمدؐ
عجب دارم دلِ آن ناکساں را ❊ کہ رو تابند از خوانِ محمدؐ
ندانم ہیچ نفسے در دو عالم ❊ کہ دارد شوکت و شانِ محمدؐ
خدا زاں سینہ بیزارست صد بار ❊ کہ ہست از کینہ دارانِ محمدؐ
خدا خود سوزد آں کرمِ دنی را ❊ کہ باشد از عدوانِ محمدؐ
اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس ❊ بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ
اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت ❊ بشو از دل ثنا خوانِ محمدؐ
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش ❊ محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ
سرے دارم فدائے خاکِ احمدؐ ❊ دلم ہر وقت قربانِ محمدؐ
بگیسوئے رسول اللہ کہ ہستم ❊ نثارِ روئے تابانِ محمدؐ
دریں رہ گر کشندم ور بسوزند ❊ نتابم رو ز ایوانِ محمدؐ

بکارِ دیں نترسم از جہانے ❊ کہ دارم رنگِ ایمانِ محمدؐ
بسے سہل است از دنیا بریدن ❊ بیادِ حسن و احسانِ محمدؐ
فدا شد در رہش ہر ذرۂ من ❊ کہ دیدم حسنِ پنہانِ محمدؐ
دگر استاد را نامے ندانم ❊ کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ
بدیگر دلبرے کارے ندارم ❊ کہ ہستم کشتۂ آنِ محمدؐ
مرا آں گوشۂ چشمے بباید ❊ نخواہم جز گلستانِ محمدؐ
دلِ زارم بہ پہلویم مجوئید ❊ کہ بستیمش بدامانِ محمدؐ
من آں خوش مرغ از مرغانِ قدسم ❊ کہ دارد جا بہ بستانِ محمدؐ
تو جانِ ما منور کردی از عشق ❊ فدایت جانم اے جانِ محمدؐ
دریغا گر دہم صد جاں دریں راہ ❊ نباشد نیز شایانِ محمدؐ
چہ ہیبت ہا بدادند ایں جواں را ❊ کہ ناید کس بمیدانِ محمدؐ
الا اے دشمنِ ناداں و بے راہ ❊ بترس از تیغِ برّانِ محمدؐ

رہِ مولےٰ کہ گم کردند مردم
بجو در آل و اعوانِ محمدؐ

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش سے قبل ہی اس کی ربوبیت کا سامان کر دیا۔

بعثت مجددین کا وعدہ بھی خدا کی اسی ربوبیت کا حصہ ہے

خطبہ جمعہ: مؤرخہ ۱۴ مارچ ۱۹۷۵ء ۔ فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ ۔ جامع احمدیہ بلڈنگس لاہور

یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون ...... فلا تجعلوا للہ انداداً وانتم تعلمون ...... وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین ——— (البقرہ آیت ۔ ۲۱ تا ۲۳) ———

(مرتبہ عبدالرؤف کھوکھر)

فرمایا ۔ یہ آیات جو میں نے پڑھی ہیں ۔ خداتعالیٰ نے ساری انسانیت کو ان میں مخاطب فرمایا ہے ۔ مشرق سے لے کر مغرب تک اور پورب سے پچھم تک کی آبادیوں میں بسنے والے سارے انسانوں کو وہ فرماتا ہے: اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو ۔ جس نے تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں پیدا کیا، تاکہ تم پرہیزگار ہو ۔ لعلکم تتقون سے معلوم ہوا، کہ عبادت انسانوں میں تقویٰ پیدا کرنے کے لئے ہے ۔ یہ انسان کے اپنے نفس کے تزکیہ کے واسطے ضروری ہے ۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو مخلوق کی عبادت سے مستغنی ہے ۔ انسانوں سے یہ مطالبہ ان کے اپنے فائدہ کی خاطر کیا گیا ہے ۔ تاکہ ان میں اپنے مالک و خالق کو پہچاننے کی رُوح پیدا ہو ۔ اور ان کو اپنے ربّ کے حسن و احسان پر اطلاع ہو اور انسان کے ذہن میں یہ نقش ہو جائے کہ عبادت اور اطاعت کا حق دار صرف وہ منعم حقیقی ہے ۔ جو سارے جہانوں کی ربوبیت فرماتا ہے جس عظیم الشان ذات نے جملہ مخلوق کی پیدائش سے قبل ہی اس کی پرورش اور تکمیل جسم کے سامان بھی پیدا کر دیئے کیونکہ خالق اپنی مخلوق کی ضروریات سے باخبر ہے ۔ الا یعلم من خلق ۔ بھلا خالق اپنی مخلوق سے بے خبر ہو؟ موجد اپنی ایجاد کی کنہہ کو نہ جانے، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے ۔ جس خدا نے ہر شئے کو پیدا کیا ہے وہ ان کی حقیقت اور ضروریات کو بھی خوب جانتا ہے ۔ وہ پیدا کنندہ ہے ۔ وہ تمہاری چھوٹی سے چھوٹی ضرورت اور حاجت کو بھی خوب جانتا ہے ۔ اسی لئے بعض اولیاء اللہ کا قول ہے کہ جُوتی کے تسمے کی بھی ضرورت ہو تو اپنے مولا سے مانگو۔

انسان تو ساری کائنات اور موجوداتِ عالم کا صرف ایک حصہ ہے، یہ ناممکن تھا ۔ کہ جسمانی ضروریات پوری کر دینے کے بعد وہ انسانوں کی رُوح کے تقاضوں پر توجہ نہ فرماتا ۔ چنانچہ روحانی ربوبیت اور بہتری کے لئے اللہ پاک نے اپنے پیغمبر اور کتب بھیجیں تاکہ وہ انسانوں کو ان کے مقصد حیات سے آگاہ کریں ۔ نیکی پرہیزگاری اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی سکھائیں ۔ اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں میں اپنے پیغمبر بھیجے ۔ مگر ہر قوم نے ٹھوکر کھائی ۔ اور صرف اپنے آپ ہی کو خدا کا محبوب مطلوب سمجھا ۔ ہندوؤں نے کہا کہ دریائے برہم پُتر سے ہمالیہ تک کا علاقہ پوتر ہے اور صرف اس میں آباد قوم پرمیشر کی محبوب ہے ۔ مگر خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ دنیا کو یہ بتایا کہ سب پیغمبر منجانب اللہ ہیں اور سب سے آخر میں آپ مکمل دین لے کر آئے ہیں ۔ آپؐ ہر قسم کی نبوّت ختم ہو چکی ہے ۔ مشرق ہو یا مغرب دب ہو یا پچھم ہر زمان و مکان کے لئے اب صرف یہی ایک پیغمبر ہے ۔

الخلق عیال اللہ ۔ سب مخلوق اللہ کا کنبہ ہے ۔ کائنات کے دو چراغ سُورج اور قمر ہیں ۔ جو سب انسانیت کے لئے یکساں فائدہ مند ہیں ۔ ہندوؤں نے ایک طبقہ کو اچھوت سمجھا اور خود کو نجات کا مستحق ٹھہرایا ۔ ہندو مسلمان کے ہاتھ کا نہیں کھاتا ۔ خواہ مسلمان صاف ستھرا ہو ۔ عیسائیوں نے نحن ابناء اللہ واحباءہ کا نعرہ لگایا ۔ کہ ہم ہی اللہ کے پیارے اور چہیتے ہیں ۔ مگر رحمۃ للعٰلمین نے آکر ساری انسانیت کو ایک کرنے کا یہ نسخہ مہیا فرما دیا کہ سب پیغمبروں پر اور ان کی کتابوں پر ایمان لاؤ ۔ محمد رسول اللہ صلعم کے ہاتھ پر عربوں نے بھی اسلام قبول کیا اور غیر عرب قوموں، عیسائیوں نے بھی انہیں محبوب خدا تسلیم کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی پہلی ہی آیت میں اعلان فرمایا ہے کہ میں ربّ العٰلمین ہوں اور سب کی ایک جیسی ربوبیت کرنے والا ہوں ۔ اس طرح سب انسانوں کو اپنی ربوبیت میں جمع کر دیا یہ کتنا مکمل جملہ ہے اور اقوام عالم کے اتحاد کا یہ کیسا پُر اثر عجیب اور قابلِ عمل نسخہ ہے ۔ ساری دنیا ۔ عرب و عجم کے فضلاء چیلنج کے باوجود آج تک اس ایک مختصر آیت الحمد للہ ربّ العالمین کی مثل لانے سے عاجز رہے ہیں ۔

” خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے “

تتلی کے پَروں میں بھی خدا کی قدرت نمائی کا نظارہ ہے ۔ زمین و آسمان کی ہر شئے میں خدا کا ظہور ہے ۔ یہ محمد صلعم اور قرآن کریم کی رہنمائی اور خدا شناسی کا معجزہ ہی تو ہے ۔ کہ عرب جیسی اُجڈ قوم تقریباً ربع صدی کے قلیل عرصہ میں اقوام عالم کی رہنما بن گئی ۔ اگرچہ نبوّت ختم ہو چکی مگر خدا تعالیٰ کی اس امت میں مجددین کے ذریعہ اصلاح و رہنمائی کا سلسلہ قیامت تک کے لئے جاری ہے ۔ محمد رسول اللہ صلعم کا اس امت کے ساتھ وعدہ ہے ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر صدی کے سر پر اس اُمّت میں اصلاح احوال کے لئے ایک مجدّد مبعوث فرماتا رہے گا ۔ اور اب تک یہ وعدہ پُورا ہو رہا ہے ۔ پچھلی تیرہ صدیوں کے مجددین کی کُتُب تواریخ میں فہرست موجود ہے ۔ جن کے مجدّد ہونے پر صلحاء امت کا اتفاق ہے ۔ چودھویں صدی کے مجدّد حضرت مرزا غلام احمدؒ ہیں جنہیں ہم نے دیکھا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ اور ان سے بہتوں نے فیض حاصل کیا ۔ حضور نے دَورِ حاضر کے فلسفہ و طبیعی کے اسلام پر حملوں کا نہ صرف دفاع کیا ۔ بلکہ ان کے اعتراضات اور علوم مخالفہ کو جہالتیں ثابت کیا ۔

اس عظیم مجدّد نے نہ صرف ان تمام فتنوں کا استیصال کیا ۔ بلکہ اپنی قابلیت اور روحانی قوّت سے دشمنانِ اسلام کو ساکت کر دیا ۔ بڑے بڑے علماء کو چیلنج کیا ۔ کہ قرآن کریم کی تفسیر میں میرا مقابلہ کریں ۔ مگر تفسیر قرآن کے معجزہ میں بھی آپ کا کوئی حریف نہ ہو سکا ۔ لاہور میں بڑے بڑے عالم تھے ۔ جو حضرت مسیح موعودؑ کی حقانیت اسلام اور تعلق باللہ پر تقاریر سن کر حیران رہ جاتے تھے ۔ آپ نے چیلنج کے ساتھ سورۃ فاتحہ کی عربی میں دو صد صفحات پر مشتمل تفسیر لکھی ہے مگر عرب و عجم کے فضلاء اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں ۔ آپ نے بھی اپنے رسول مقبول حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم کو دہرایا اور مسلمانوں کے تعلیمیافتہ طبقہ کے ڈولتے ہوئے ایمانوں کو دوبارہ اسلام پر مستحکم کر دیا ۔

چو دور خسروی آغاز کردند
مسلماں را مسلماں باز کردند

ارشادِ الٰہی ہے کہ جس طرح زمین ۔ سُورج اور قمر سب کے لئے یکساں ہیں اسی طرح آفتابِ ہدایت حضرت محمد رسول اللہ صلعم بھی سب کے لئے ہیں ۔ حضور کا قلب بڑا وسیع تھا ۔ آپ نے مسجد نبوی میں عیسائیوں کو اپنے طریق پر عبادت کرنے کی اجازت عطا فرمائی ۔ آپ نے بُت پرستوں اور غیر مسلموں کے ساتھ بھی فراخدلانہ برتاؤ کیا ۔ یہ تھے رحمۃ للعالمین ۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے ۔ کہ ایک خدا ایک رسول ۔ ایک کتاب ہونے کے باوجود بھی علماءِ اسلام مسلمانوں کو متحد نہیں ہونے دیتے ۔ یہ مولوی لوگ تفریق پیدا کرتے رہیں اور اپنے فرقہ کے سوا دوسروں کو بُرا جانتے اور کہتے ہیں ۔ مگر ہمیں اچھا نمونہ دکھانا چاہیئے اور اپنے نمونہ سے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ ہم سچے مسلمان

[illegible] لاہور ۲۶ مارچ ۱۹۷۵ء

لولاک لما خلقت الافلاک

[illegible] مطلع شمسے کہ بود از ابتدا در استتار
[illegible] حجۃ اللہ بر زمیں ۔ ذاتِ خالق را نشانے بس بزرگ استوار
[illegible] ہر دم در تر ۔ کے تواں فکرے تا آں بحرِ ناپیدا کنار

(حضرت مسیح موعودؑ)

[illegible] کی کیا قدرت کہ آفتاب عالمتاب کے انوار کا احاطہ کر سکے۔ قطرۂ [illegible] کی کیا مجال کہ وہ بحرِ بیکراں کی پہنائیوں کو ناپ سکے۔ فکرِ انسانی کی رسائی [illegible] کب ہو سکتی ہے، جہاں جبریل کے بھی پر جلتے ہیں۔

[illegible] معرفت علم رخت — صادقاں را منتہائے صدق بر عتبت قرار

[illegible] حسن و خوبی کے اس گُلِ سر سبد کا انتظار اسی ساعت شروع ہو گیا جب [illegible] (انی) جاعلٌ فی الارض خلیفہ کا اعلان ہوا، ہر نبی نے آپ کی [illegible] کا پرچا کیا اور اپنی اپنی اُمت کو اس خلاصۂ عظمتِ انسانیت پر ایمان [illegible] کا حکم دیا۔ ابراہیم خلیل اللہ نے آپ کی بعثت کے لئے دُعائیں کیں، موسیٰ کلیم اللہ [illegible] اسرائیل کی عظمت و شوکت کو وادیٔ بطحا کے بدرِ کامل سے وابستہ کیا [illegible] روح اللہ نے قوم کو آپ کی بشارت سنائی، انسانیت کی آرزوئیں اور [illegible] آفتاب رشد و ہدایت کے لئے چشم براہ تھیں پھر اُفقِ عالم پر آپ کی ضوفشانی نے [illegible] کو منور کیا تو علماء نے آپ کی مدح و ثنا، حکمت و اخلاقِ حسنہ کی [illegible] کو وظیفۂ حیات بنایا تو شعراء نے آپ کی منقبت اور مدح سرائی میں [illegible] دیئے لیکن فکر و نظر کی تگ و دو، بعد از خدا بزرگ توئی کے الفاظ پر [illegible] فضائے عالم رفعنا لک ذکرک اور درود و صلات کے سرمدی [illegible] سے معمور ہو گئی اور ندائے غیبی نے لولاک لما خلقت الافلاک [illegible] نظیر و مثال الفاظ سے اہلِ قلب و نظر کی حیرت کا طلسم توڑا۔

انسان کی رفعتوں کا اندازہ سخر لکم ما فی السماوات والارض سے لگایا جا سکتا ہے، یہی انسان ہے جس کے سر پر لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کا جھلملاتا تاج رکھا گیا ہے اسی کو خلیفۃ اللہ فی الارض کا ارفع و اعلیٰ مقام بخشا گیا، مگر کس انسان کو؟

ابوالقاسمؐ آں آفتاب جہاں — کہ روشن شد از وے زمین و زماں
بشر کے بُدے از ملک نیک تر — نبودے اگر چوں محمد بشر (مسیح موعودؑ)

اور یہ تخیل کی پرواز نہیں، اظہارِ حقیقت ہے، جب انسان کی تخلیق ہوئی تو ارادہ خداوندی میں ایک مثالی انسان تھا، جو احسن تقویم کا مقصودِ حقیقی تھا۔ جس کے سامنے فرشتے سجدہ ریز ہوئے، جو زینتِ ہستی تھا۔ دنیا میں بڑے بڑے انسان انبیاء اولیاء، علمائے حق، صاحبانِ فکر و نظر پیدا ہوئے۔ لیکن وہ جزوی صفات کے مظہر و حامل تھے۔ لیکن تکمیل انسانیت کسی ایسی مقدس شخصیت کی متقاضی تھی، جس کی تمام بشری صلاحیتیں انتہائی کمالات کا مرقع ہوں جو جادۂ حیات میں تمام انسانوں کے لئے مینارِ نور و ہدایت ہو، اور جو زندگی کے تمام مراحل میں اسوۂ کامل کا نمونہ پیش کرے۔ جو سخر لکم ما فی السموات والارض کا حقیقی مصداق ہو، یہ بلند و برتر، ارفع و اعلیٰ ذات فخر موجودات، سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہے، جسے لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنۃ کے الفاظ میں مستجمع جمیع صفات کاملہ ٹھہرایا گیا۔ اور ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کی مہر عطا کر کے آپ کے ہر کامل متبع پر رفعتوں کے دروازے کھول دیئے گئے اور آپ کے پیرو کار کو خدا کا محبوب ٹھہرایا گیا۔

حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اسی خصوصیت کی بناء پر آپ کو یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً کے الفاظ میں تمام نسلِ انسانی کے لئے رسُول بنایا گیا۔ آپ پر آیہ الیوم اکملت لکم دینکم کے نزول سے دینِ اسلام کو مکمل کیا گیا، اور اتممت علیکم نعمتی کہکر آپ کو ہر گونہ نعمتوں کا وارث اور تقسیم کنندہ ٹھہرایا گیا۔ جو آپ کے اُسوہ کامل پر برہانِ نیرّہ ہے کہ آپ نے اقوامِ عالم کے پیغمبروں اور کتب کی تصدیق اور احترام کا اعلان فرما کر وحدت کا پیغام عام کیا۔ آپ اسود و احمر کی طرف مبعوث ہوئے، آپ کی رحمت کا دامن عرب و عجم، سیاہ و سفید، مفلس و تونگر سب تک وسیع تھا، آپؐ نے زندگی کے ہر شعبے میں ہر ملک اور دَور کے انسان کے لئے کامل نمونہ چھوڑا، آپ نے خداپرستی اور انسان دوستی کی ایسی تعلیم دی کہ انسانی حیات کے ہر قدم پر تعلق باللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ کے دھارے پہلو بہ پہلو بہتے نظر آتے ہیں۔ یہ دھارے امن و پاکیزگی کے حامل ہیں۔ دن میں پانچ وقت آستانۂ الٰہی پر جبیں ریزی، سال میں ایک ماہ کے روزے ذکوٰۃ کی ادائیگی، زندگی میں ایک بار حج اور دل میں ہر لحظہ کلمۂ طیبہ کا ذکر اگر تعلق باللہ کے مظہر ہیں، تو انہی وظائف میں اہلِ ایمان کا مسجد میں روزانہ پانچ بار اجتماع، رمضان شریف میں حقوق العباد کی متواتر نگرانی، برادرانِ نوع کے لئے زکوٰۃ کی شکل میں صرفِ مال، حج کی صورت میں اقصائے عالم سے انسانوں کا مل کر خدا کی یاد کرنا انسانی اخوت، مساوات، محبت اور ایثار کا لازوال ثبوت ہیں، اور ان کی تہ میں کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی مضبوط رسّی میں جکڑے ہوئے کروڑوں قلوب ایک روشن و درخشاں مستقبل پر شاہد ہیں۔ زندگی کے یہ دھارے مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان کا عکس جمیل ہیں۔

دنیا نے اس انسان کامل کو قبول نہیں کیا، لیکن انسانی فطرت تمام بندھن توڑ کر طوعاً و کرہاً ان تعلیمات کو قبول کر رہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے دنیا کے سامنے پیش کیں، ہر ملک میں رُوحِ انسانی نے شرک سے بغاوت کی ہے اور اب دنیا توحید کی طرف آ رہی ہے، نسلی، علاقائی، غربت و امارت کے امتیازات اور تعصّبات ختم ہو رہے ہیں، اور اسی صدی میں ایسی ہوائیں چل رہی ہیں، جن کے زیرِ اثر انسانیت باہمی اتحاد، تعاون اور تعامل کے چمنستان اُگانے میں مصروف ہے، اور ہر گونہ تعصبات کے کانٹوں کی جگہ اتحادِ انسانیت کے پھول کھل رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اب بھارت جیسے ملک میں بھی ذات پات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے معاشرے میں برہمن اور شودر کے امتیازات مٹ رہے ہیں، عورت کو وراثت اور طلاق کے حقوق دیئے جا رہے ہیں، اور بتوں کے سنگھاسن ڈول رہے ہیں، عقل و فکر نے توہمات پر مبنی عقاید کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اور اب وہ دَور آ رہا ہے کہ صرف دنیا اسلام ہی کو قبول کرے گی جو انسانی فکر و نظر کی کسوٹی پر پُورا اُترنے والا واحد دین ہے۔

دنیا میں اسلامی تعلیمات کو قبول کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے اعتنائی ایک افسوسناک سانحہ ہے۔ اور اس سانحہ کا موجب اس زمانے کا مسلمان ہے۔ جس کی جہالت اور بدعملی نے اقوامِ عالم کو مسلمان اور ان کی وجہ سے اسلام اور بانیٔ اسلامؐ سے متنفر اور دُور کر رکھا ہے۔ مسلمان اسلام کی رُوح سے جاہل اور بے بہرہ ہے علماء کی غالب اکثریت نہ صرف اسلامی اخلاق سے عاری ہے، بلکہ اس نے قرآنی تعلیمات سے ہٹ کر نئے نئے عقاید وضع کر رکھے ہیں۔ جن کی بدولت عامۃ المسلمین عملاً مشرکین کی صفوں میں پہنچ چکے ہیں۔ اور ان کی زندگیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوہ حسنہ سے ہٹ کر ہر گونہ خرابی کی آئینہ دار ہیں اور یہ باتیں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی قبولیت کی راہ میں سب سے بڑی روکاوٹ ہیں۔ اور نہ صرف مسلمانوں بلکہ عالم انسانیت کی بدبختی کا سبب ہیں۔

اس امت میں اولیاء اللہ، مجددین اور علمائے حق کی آواز کے دو ہی بڑے سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف دشمنوں کے اعتراضات کو دُور کریں اور دوسرے سیرت نبوی کی پیروی اور تلقین سے مسلمانوں کی اصلاح

کریں۔ چنانچہ تاریخ اس بات پر گواہ ہے۔ کہ اسلام میں اہل اللہ نے اپنی سیرت کے بلند نمونے چھوڑے اور جو لوگ ان کے دامن سے وابستہ ہوئے وہ حقیقی معنوں میں خدا پرست بن گئے۔ ہمارے زمانے میں مجدد صد چہاردہم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی اتباع نبی کا اعلےٰ نمونہ تھی۔ آپ نے جہاں اسلام اور آنحضرت صلعم کے دشمنوں کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا، اور دنیا میں اسلامی انوار سے تاریکی کی قوتوں کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا، وہاں مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح کے لئے پُر زور کوشش کی، اور لاکھوں انسانوں کو مسیحانفسی سے پدی چھوڑا کہ با خدا بنا دیا اور انہیں منظم کر کے جماعت احمدیہ کو بقول علامہ اقبال مرحوم "اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ" بنا دیا۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں کی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبولیت کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہوگئی ہے۔ جس کی اصلاح کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس لئے جماعت احمدیہ کی ذمہ داری اور بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اپنے امام کے مسلک پر رہ کر جہاں وہ اپنا محاسبہ کرے۔ وہاں وہ مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح کی بھرپور کوشش کرے، تاکہ مسلمانوں کی عملی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا باعث ہو اور دنیا ایک بار پھر قرون اولےٰ کے اسلامی اخلاق کے پھولوں سے مہک اٹھے ٭

درخواست دعا برائے اولاد نرینہ

مختار احمد صاحب خلف چوہدری عبدالعزیز صاحب بہاولپور ہماری جماعت کے سرگرم نوجوان ہیں جو اپنی آمد سے قریباً ایک سو روپیہ ماہوار چندہ اور مفت تقسیم لٹریچر پر خرچ کرتے ہیں۔

ان کی تین بچیاں ہیں۔ احباب سے درخواست ہے کہ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالےٰ اس سعید نوجوان کو اولاد نرینہ عطا فرمائے۔ آمین۔

ضروری اعلان

دارالسلام میں ۲ کنال، ایک کنال، اور دس مرلہ کے چند ایک پلاٹ باقی ہیں۔ جو احباب لینا چاہیں ۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء تک درخواستیں بنام ناظم دارالسلام ارسال فرمادیں۔

فضل حق ناظم دارالسلام

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام بدوملہی کا سالانہ جلسہ

جماعت بدوملہی کا سالانہ جلسہ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء بروز جمعہ منعقد ہو رہا ہے۔ اس میں ماسٹر محمد عبداللہ صاحب مبلغ فجی و امریکہ اور پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب شرکت فرما رہے ہیں۔

فَلْيَفْرَحُوا کی پرویزی تفسیر

ماڈرن اِسلام علماء کی طرف سے ماڈرن اسلام کا طعن بھی اللہ والوں سے ہے کہ جب دین کی جزئیات مرکز ملت کے ذمہ ہیں، تو دونوں کی حکومت میں اگر اکثریت ماڈرن مسلمانوں کی ہوگئی تو جب وہ اسمبلی کی کرسیوں پر بیٹھ کر صلوٰۃ موقت کی جزئیات مرتب کرنے بیٹھیں گے تو سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوگا کہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں کیا ضروری ہے کہ فرسودہ جزئیات (ارکان نماز) قیام و رکوع سجدہ قائم رکھے جائیں۔ جبکہ قیام کا معنےٰ ہے اللہ کے "قانون" پر جم کر کھڑے ہو جانا۔ رکوع کا معنیٰ ہے اللہ کے قانون کے سامنے جھک جانا۔ سجدہ کا معنٰی ہے پوری طرح فرمانبردار ہو جانا۔ نیز جبکہ ان چیزوں کا تعلق اذہان و اعمال کے ساتھ ہے، تو وقت کے تقاضوں کے مطابق جزئیات صلوٰۃ یہ ہونی چاہئیں کہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے گردن جھکا لی جائے اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ لی جائیں۔ صلوٰۃ ادا ہوگئی۔ ماڈرن مسلمانوں میں گانے بجانے اور قوالوں کی تالیوں طبلہ سرنگی کو اسلام قرار دینا انتہائی خطرناک اقدام ہے۔ اللہ تعالےٰ نے کفارِ مکہ کا کردار بیان کیا ہے: وما كان صلاتهم عند البيت الا مكاءً و تصدية ۸/۳۵ ـ نہیں ہے ان کی صلوٰۃ (نماز) بیت الحرام میں مگر سیٹیاں اور تالیاں بجانا۔ طلوع اسلام کے اپنے الفاظ میں گانا سننے وقت عقل کے SWITCH OFF ہو جاتے ہیں۔ یعنی بصیرت بے بصیرتی کے اندھیروں میں ڈوب جاتی ہے۔

طلوعِ اسلام کے ایک جشنِ نزول قرآن پر پبلشر بلاغ القرآن میاں عبدالحمید صاحب بھی مدعو تھے۔ وہ ایڈیٹر بلاغ القرآن اور چوہدری اللہ دتہ صاحب کو بھی ساتھ لے گئے۔ شام سے پہلے پہنچ گئے۔ جشنِ نزول قرآن کے اہتمام میں بہت سے افراد مصروف تھے۔ شامیانے لگ گئے۔ متعدد قمقمے اور ٹیوبیں روشن ہوگئیں۔ شام کی نماز کا وقت ہوگیا اور گزر گیا۔ اس قرآنی تقریب میں نماز کی ادائیگی کا کوئی اہتمام موجود نہ تھا وقت گذرنے لگا۔ مگر وہاں کسی کو معلوم بھی نہ تھا کہ یہ مسلمانوں کی تقریب ہے۔ اور مسلمانوں پر ان کے خالق و مالک نے صلوٰۃ موقت فرض کر رکھی ہے۔ وہاں نہ وضو کا اہتمام تھا نہ جائے نماز نہ قبلے کا تعین۔ مجبوراً مذکورہ تین افراد نے ٹونٹی پر وضو کیا قبلہ کا قیاسی تعین کر کے صلوٰۃ ادا کر لی۔

اس کے بعد کھانا کھایا گیا، اور جب جشنِ نزولِ قرآن کی تقریب شروع ہوئی تو عاشق حسین قوال نے اپنی پوری پارٹی کیساتھ نشستیں سنبھالیں۔ اور طبلے پر تھاپ لگا دی۔ قوالی کے شروع ہونے سے پہلے بانئ طلوعِ اسلام نے آیت مجیدہ قل بفضل الله و برحمته فبذالك فليفرحوا ۱۰/۵۸، گانے بجانے کے ثبوت میں پیش کی اور قوالی کی محفل گرم ہو گئی۔ ایک قوال نے قوالی کے دوران جب یہ دوہڑا کہا، کہ میں اس اتفاق کو کیا کہوں کہ، جو وقت نماز کا ہے وہی میری شراب کا ہے۔ اس پر محترم پرویز صاحب سے اُن کے پہلو میں بیٹھے ہوئے میاں عبدالحمید صاحب نے پُوچھا، یہ کیا کہہ رہا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا، نہ یہ نماز، نماز ہے نہ یہ شراب، شراب ہے۔

اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ ہے کیا؟ ظاہر ہے کہ یہ ہے لغویات کا پلندہ جس میں نماز کا مذاق اُڑایا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسی مجلسوں سے پرہیز کی جائے۔ عبادالرحمٰن کی صفت بیان ہوئی ہے: واذا مرّوا باللغو مرّوا كراماً ۲۵/۷۲ رحمان کے بندے وہ ہیں کہ جہاں لوگ لغویات میں مصروف ہوں، جب وہاں سے گذرتے ہیں تو ان لغویات میں ملوث نہیں ہوتے اور پُروقار طریقے سے گذر جاتے ہیں۔ محفل گرم تھی کہ میاں عبدالحمید صاحب اپنے ساتھیوں سمیت پُر وقار انداز سے اُٹھ کر چلے آئے۔

جشنِ نزول قرآن میں نماز کے وقت پر نماز سے بے اعتنائی اور طبلہ سرنگی، قوال اور تالیاں وہ چیزیں ہیں، جو کبھی بھی مسلمانوں کے اس طبقے کو اپیل نہیں کر سکتیں جو اپنے آپ کو دیندار کہتا ہے۔ اس لئے واجب الاحترام طلوع اسلام والوں کے لئے

(باقی کالم اول کے نیچے)

ص۴

انتہائی لازم ہے کہ اپنی بزموں، مجلسوں اور کنونشنوں میں نماز کا اہتمام کیا کریں، اور گانے بجانے کو اسلام قرار نہ دیں، تاکہ یہ چیزیں قرآنی آواز کی راہ میں سدِّ سکندری بن کر کھڑی نہ رہیں۔ پھر اگر فليفرحوا کا سراسر غلط مفہوم قوالی اور گانا بجانا لیا جائے تو بہترین گانے والی عورتوں کو اس سے کس طرح مستثنےٰ کیا جا سکے گا۔ پس جس طرح جشنِ نزولِ قرآن کے مطابق قوال مردوں کی مخلوط آوازوں سے حظ اُٹھانا قرآن ٹھہرتا ہے۔ اسی طرح قوال مردوں اور قوالہ عورتوں کی مخلوط گلو کاری کا اسلام قرار پانا لازم ہے۔ طلوع اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ، جو بطور مشہود اُبھر کر سامنے آچکا ہے، یہ ہے کہ نماز کی اہمیت ختم اور گانا بجانا اسلام۔ یہ کارنامہ قرآن اور اسلام کی خدمت تو نہیں ہو سکتا، البتہ ان حضرات کی خدمت ضرور کہلا سکتا ہے جو بستر سے نو بجے اُٹھتے اور گانے بجانے، سیٹیوں، تالیوں کو اسلام منوانا چاہتے ہیں ٭

(بلاغ القرآن ـ فروری ۱۹۷۵ء)

حضرت خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ

انسانیت کا محسنِ اعظمؐ

آج کے دن میں نے تمہارے مذہب کو تمہارے لئے کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر کامل طور سے نازل کر دی (قرآن مجید ۵ : ۳)

حضرت موسٰے کی تربیت ایک دولت مند اور شائستہ خاندان میں ہوئی حضرت یسوع اس قوم میں پیدا ہوئے۔ جو بہترین تہذیب کی مالک تھی۔ لیکن آنحضرت صلعم ان لوگوں کو خدا کے احکام سنانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے جو ابتدائی تہذیب سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھے تھے اور جہالت کے سمندر میں سرتا پا غرق تھے۔ آپ اس قوم کی اصلاح اور تزکیہ نفوس کے لئے مبعوث ہوئے جو وحشت، جہالت، تعدی، شرارت میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ آپ کو ان لوگوں کو کتاب و حکمت سکھانے کے لئے متعین کیا گیا۔ جو کامل تاریکی میں ملفوف اور یکسر ذہنی اور اخلاقی پستی میں گرے ہوئے تھے[1]

نبی کی زندگی تن آسانی کی نہیں ہوتی وہ اپنے ہی لوگوں میں مبعوث ہوتا ہے۔ اور انہی کو پیغام سناتا ہے۔ جو اسے بچپن سے جانتے ہیں۔ اور اس کی زندگی کے جزئیات تک سے واقف ہوتے ہیں۔ اور اس کے حسن و قبح کو بخوبی پہچانتے ہیں۔ رقابت اور حسد کی قوتیں بھی اس کے خلاف زور آزما ہوتی ہیں۔ حضرت یسوع اپنے اقرباء تک کو اپنا پیرو نہ بنا سکے اور ان کا یہ مقولہ "کسی نبی کی عزت انہوں میں یا اپنے وطن میں نہیں ہوتی" آپ بیتی ہے (۱۳ : ۵۷) لیکن آنحضرت صلعم جو اُونٹ چرانے والے اُمّی محض تھے، یتیم اور بیکس تھے۔ بلکہ ابو طالب کے لے پالک، یکہ و تنہا، ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور ایسی عدیم النظیر کامیابی حاصل کی۔ جس کا جواب تاریخ انبیاء میں اس سرے سے اس سرے تک نہیں ملتا۔ بلند آہنگ دعادی کرنا یا دُور رس تجاویز سوچ لینا آسان ہیں۔ مگر انہیں پورا کر کے دکھانا کارے دارد۔ آپ سے پہلے یسوع موسٰے اور بہت سے انبیاء اپنی کوششوں کو بار آور ہوتے نہ دیکھ سکے۔ اور ان میں سے ایک نبی تو اس قدر نا اُمید ہو گیا تھا۔ کہ اس کے دل میں یہ خدشہ گذر گیا کہ کہیں خدا نے مجھے اپنے دل سے بھلا تو نہیں دیا۔ اور اگر ان میں سے کسی نے کچھ لوگوں کو اپنا پیرو بنا بھی لیا تو بھی وہ ان میں رُوح اعتماد و ایقان پیدا نہ کر سکا۔ بنی اسرائیل نے بارہا حضرت موسٰے کی نافرمانی کی۔ پطرس اور دوسرے شاگردوں نے عین وقت پر اپنے آقا کا انکار کر دیا۔ لیکن آنحضرت نے ان مغرور اہل مکہ کے سامنے جنہوں نے آپؐ کو ستایا، ایذا پہنچائی آپ پر آوازے کسے، پتھر پھینکے۔ اپنا دعوٰی پیش کیا۔ ایک قلیل عرصہ میں انہی لوگوں کو قعر مذلت سے نکال کر، تہذیب و طہارت کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیا۔ آپ کا زمانہ نبوت و رسالت تئیس سالوں پر منتہی ہوتا ہے۔ لیکن پانچ ہی سال کی قلیل مُدت میں جو انقلاب ان لوگوں کی ذہنیت میں آپ نے پیدا کر دیا تھا۔ اس کا اندازہ اس تقریر سے ہو سکتا ہے۔ جو حضرت جعفر طیار نے جو ان نو مہاجرین میں سے تھے جنہوں نے اہلِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر بادشاہ حبش کے دربار میں پناہ لی تھی، بادشاہ مذکور کے سامنے کی تھی۔ "اے بادشاہ" (انہوں نے بیان کیا) ہم اک جاہل اور گمراہ قوم تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ کمزوروں کا مال چھینتے تھے، مُردار کھاتے تھے، اپنے ہمسائیوں کو ستاتے تھے، بد افعالیاں کرتے تھے۔ تب خدا نے ہم میں ایک نبی کو مبعوث کیا جس کی شرافت، صداقت، دیانت اور پاکبازی ہم پر روشن تھی۔ اس نے ہمیں خدائے واحد کی عبادت کی طرف بُلایا۔ اور اُن بتوں اور پتھروں کی پُوجا کرنے سے روکا جن کو ہمارے آباء پوجا کرتے تھے۔ اس نے صرف ایک خدا کی اطاعت کا حکم دیا۔ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ نماز۔ زکوٰۃ اور روزہ ہم پر فرض قرار دیا۔ سچ بولنے، امانت کو دیانت کے ساتھ واپس کرنے رشتہ داروں اور ہمسایوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے، برائیوں سے بچنے، عیاشی اور خونریزی سے احتراز کرنے کا حکم دیا۔ اس نے ہمیں نصیحت کی۔ کہ جھوٹ ہرگز نہ بولو، جھوٹی گواہی نہ دو۔ یتامی کا مال نہ کھاؤ۔ اور نہ عورتوں پر بہتان لگاؤ۔ نہ ان پر سوءظن رکھو۔ ہم نے اس کی تعلیم اور نصائح کو حرزِ جان بنایا۔ ہم اس کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ اور احکامِ الٰہی کی پابندی کی۔ اور اس کی توحید پر ایمان لائے۔ ہم منہیات سے محترز رہتے ہیں۔ اور اوامر پر کاربند ہیں۔ ہمارے احباب و اقرباء اس تبدیلی کی وجہ سے جو ہم میں رونما ہو گئی ہے۔ ہم سے ناراض ہیں۔ انہوں نے حتی الوسع ستایا۔ اور ان بُتوں کی پرستش اور بد اعمالیوں کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی، جنہیں ہم ترک کر چکے ہیں۔ جب ان میں ہمارا رہنا ناممکن ہو گیا۔ اور ان کی ایذا رسانی ناقابلِ برداشت ہو گئی تو ہم نے ترک وطن کر دیا اور آپ کو ایک رحم دل بادشاہ یقین کر کے آپؐ کے ملک میں پناہ لینے کے لئے آئے ہیں"

ممکن ہے بعض لوگ یہ خیال کریں کہ آنحضرت صلعم کی جو توصیف جعفر طیار نے کی۔ وہ فرطِ عقیدت کا نتیجہ ہے۔ یا اس بادشاہ کو خوش کرنے اور اپنے اوپر مہربان کرنے کے لئے تاکہ وہ رحم کھا کر انہیں پناہ دے۔ اس لئے ہم اسلام کے ایک علانیہ دشمن کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ سر ولیم میور لکھتا ہے:۔

محمد (صلعم) کی تعلیم بہت مختصر اور سادہ تھی۔ ان کی تعلیم نے حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی۔ اوائل مسیحیت سے لے کر تا ایں دم لوگوں میں روحانی بیداری کسی وقت میں کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی نہ لوگوں کے اندر ایسا ایمانی جوش پیدا ہوا کہ وہ اپنے ضمیر کی خاطر ہر قسم کی جانی و مالی قربانی گوارا کر سکتے۔

مدت دراز سے جزیرۃ العرب روحانی غفلت میں گرفتار تھا۔ یہودیت اور مسیحیت کا آنی اور فانی اثر عربوں کی طبائع پر ویسا ہی ہوا جیسے کہ سمندر کی سطح پر ہوا سے چند لہریں پیدا ہو جائیں لیکن تہ آب وہی جمود اور سکون ہو۔ تمام لوگ توہمات، خونریزی اور بدکاریوں میں مبتلا تھے۔ یہ اک عام رسم تھی کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا متوفی کی ساری بیویوں کا بھی مالک ہو جاتا تھا غرور اور مفلسی کی وجہ سے ان میں دختر کشی کی رسم عام ہو گئی تھی۔ ان کا مذہب بُت پرستی کی بد ترین شکل تھا۔ اور ان کا ایمان صرف یہ تھا کہ ابناءالغیب پر خوف کی وجہ سے عقیدہ رکھیں اور ان کی ناراضگی سے بچیں اور انہیں خوش رکھنے کی کوشش کریں نہ یہ کہ کسی قادر مطلق ہستی کو اپنا معبود بنائیں۔ آخرت اور مکافاتِ عمل کی بناء پر کوئی اعمال اُن سے سرزد ہوتے ہی نہ تھے۔ سنہؐ کی ابتداء سے تیرہ سال پہلے تک تمام ملک اسی خوابِ غفلت میں گرفتار تھا۔ لیکن آئندہ تیرہ سالوں میں نہایت زبردست انقلاب رونما ہو گیا۔ دو۔ تین سو آدمیوں کی مٹھی بھر جماعت نے بُت پرستی کو ترک کر کے خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور اس فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جس کو وہ لوگ وحی یقین کرتے تھے۔ خدا کی عبادت ذوق و شوق سے ادا کرنے لگے اور اس کے رحم کے امیدوار ہو گئے۔ نیک اعمال بجا لانے لگے زکوٰۃ دینے لگے۔ پاکیزہ خصائل اور نیک دل بن گئے۔ اب وہ اپنی حیات کا ایک ایک لحظہ اس خدا کی یاد میں بسر کرنے لگے جسے وہ اپنے جزئیات امور کا نگران یقین کرتے تھے۔ علاوہ بریں اس طرزِ زندگی کو وہ لوگ عطیہ رحمتِ ربانی یقین کرتے تھے۔ محمد کو وہ لوگ حیات ابدی اور نشاط سرمدی کا عطا کنندہ یقین کرتے تھے جس کے احکام کی تعمیل وہ لوگ بے چُون و چرا کرتے تھے۔ اس قلیل عرصہ

---

[1] ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔

وہی ہے جس نے اُٹھایا۔ اَن پڑھوں میں اک رسول انہی میں کا۔ پڑھتا ان پاس اس کی آیات اور انہیں پاک کرتا اور ان کو سکھاتا کتاب اور حکمت اور اس سے پہلے تھے وہ لوگ بیچ صریح بھلاوے کے (قرآن مجید ۶۲ : ۲)

ہیں مکّہ دو جماعتوں میں منقسم ہو گیا۔ جو اپنے سابقہ تعلقات کو یک دم فراموش کر کے ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو گئیں۔ مسلمان جملہ تکالیف کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور ایسا کرنے کو مفید جانتے تھے اور واقعی ان کی علو ہمت کی تحسین کرنی چاہیئے۔ پورے سو آدمیوں نے محض دینِ حنیف کی خاطر، اپنے گھر بار دولت و اثاثہ کو چھوڑ کر ملک حبش میں پناہ لی۔ تاکہ مخالفت کا طوفان ذرا کم ہو جائے اور اس کے بعد کئی سو آدمی مع محمدؐ اپنے مولد و منشاء مکّہ کو چھوڑ کر جس میں کعبہ واقع ہے، مدینہ جا رہے۔ اسی حیرت انگیز انقلاب کی بدولت تھوڑے ہی عرصہ میں ایک جماعت ایسی تیار ہو گئی تھی۔ جس نے ان سب کو اپنا حقیقی بھائی تصوّر کیا۔ پناہ دی۔ اور اپنی جان بیچ کر دشمنوں سے ان کی حفاظت کی۔ اہل مدینہ کے کانوں میں یہودیت کی آواز عرصہ سے آ رہی تھی۔ لیکن یہ تاثیر، پیغمبر عرب ہی کے الفاظ میں تھی۔ جس نے مدینہ والوں یکلخت بیدار کر دیا اور زندگی کی روح چھوٹے سے لے کر بڑے تک میں پھونک دی۔

مخالفین کو بھی مسلم ہے کہ آنحضرت صلعم تمام مذہبی رہنماؤں میں سب سے زیادہ کامیاب انسان گذرے ہیں۔ آپؐ نے اپنی زندگی ہی میں عربوں کے اندر جیسا سیاسی تمدنی، ذہنی اور مذہبی انقلاب پیدا کر دیا اس کی نظیر کسی ملک میں نہیں ملتی اور کسی زمانہ میں، پے درپے مصلحین کی متحدہ کوششوں سے بھی نہیں پائی جاتی۔ آپؐ کی آواز میں بجلی کی قوت موجود تھی۔ مدت مدید کی برائیاں جو طبیعت ثانی بن چکی تھیں اس طرح کافور ہو گئیں، جس طرح سیلاب کے سامنے خس و خاشاک۔ آپؐ نے لوگوں کو موت کی نیند سے بیدار کر کے ان کو ترقی کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیا۔ جو لوگ آپؐ کی تعلیم سے پکے موحدین بن گئے۔ حتّٰی کہ حضرت عمرؓ نے جو کسی زمانہ میں ہر پتھر کو معبود سمجھتے تھے اور ہر بانی کو اپنا معبود بنا کر پوجتے تھے، عقیدہ توحید باری تعالےٰ میں وہ بلند مقام حاصل کر لیا۔ کہ طواف کعبہ کے وقت یہ الفاظ ان کی زبان پر جاری ہو گئے۔ "اے حجرِ اسود! میں جانتا ہوں۔ کہ تو محض اک پتھر ہے اور اگر رسول اللہ نے تجھے بوسہ نہ دیا ہوتا۔ تو میں تجھے ریزہ ریزہ کر دیتا۔" نہ صرف بیس سال میں تمام ملک عرب جو بارہ لاکھ مربع میل میں پھیلا ہوا ہے بت پرستی کی لعنت سے آزاد ہو گیا بلکہ توحید باری کی اشاعت کے لئے عربوں کے سینوں میں وہ آگ مشتعل ہو گئی۔ کہ ارضِ معلومہ کے ایک سرے سے دوسرے تک توحید کا ڈنکا بج گیا۔ جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور معمولی معمولی باتوں پر خونریزی کے عادی تھے ایسی مضبوط سلک اخوت میں منسلک ہو گئے۔ کہ اس کا ہر فرد کوئی کام اپنے لئے نہ کرتا تھا بلکہ غیروں کے فائدے کے لئے۔ دنیا کی جاہل ترین قوم کل عالم کے لئے اشاعت علوم کی علمبردار بن گئی۔ بقول کارلائل اہلِ عرب ایک جاہل اور مفلس قوم تھے۔ جو صحرا نوردی کیا کرتے تھے۔ اُن میں ایک نبی مبعوث ہوتا ہے۔ کس قدر حیرانی ہے کہ وہی قوم جسے کوئی جانتا بھی نہ تھا، کل دنیا میں مشہور ہو گئی۔ اور جو لوگ سب سے چھوٹے تھے وہ یک دم سب سے بڑے بن گئے۔ ایک صدی کے بعد اگر مغرب میں غرناطہ تک عربوں کا سکّہ رواں ہو گیا تو مشرق میں دہلی تک انہی کے نام کا سکّہ چلنے لگا۔ اور جرأت و اولوالعزمی سے متصف ہو کر ملک عرب کے لوگ صدیوں تک دنیا کے ایک بڑے حصّہ پر چمکتے رہے"۔ جو لوگ عورت کی عزّت مطلق نہ کرتے تھے۔ وہی لوگ حقوقِ نسواں کے زبردست وکیل بن گئے اور تمام دنیا میں احترام نساء کی وہ روح پھونک دی جو ان سے پہلے قطعاً ناپید تھی۔

فی الجملہ، اذل مخلوقات اور گناہ میں ڈوبی ہوئی قوم سید الاتقیاء ہو گئی۔ بد معاشانِ زمانہ نوامیس الٰہی کے پاسبان بن گئے۔ اور جماعتی قوانین کا احترام کرنے لگے۔ جن لوگوں کے افعال کا محرک محض یہ دنیائے دنی تھی۔ اب انکے سامنے حیات بعد الممات کا نقشہ ہر دم رہنے لگا۔ اور وہ کسی اعلےٰ اشرف اور روحانی زندگی کے منتظر ہو گئے، جس کے حصول کے لئے ان سے افعال حسنہ سرزد ہونے لگے۔ مقام غور ہے کہ کس قدر زبردست انقلاب پیش

سالوں میں پیدا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا فرشتہ رحمت ان لوگوں کے دلوں میں پاکیزگی کی روح پھونک گیا۔ جو چند سال پہلے سراپا وحشت اور جہالت تھے۔ وہ ملک جو چند سال پہلے اخلاق کے لحاظ سے ایک صحرا تھا۔ جہاں تمام قوانین دینی اور اخلاقی نہایت بیدردی کے ساتھ پامال ہو رہے تھے۔ اب ایک گلزار بن گیا"۔ (ماخوذ از سپرٹ آف اسلام)

ایک ایسے نظام حکومت کا تصوّر جہاں نہ فوج ہو نہ پولیس جن کی بناء پر امن قائم رہتا ہے ناظرین کے لئے آسان نہیں ہے۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں۔ کہ نبی کریم صلعم نے اپنی زندگی ہی میں مدینہ کے اندر یہ حالت پیدا کر دی تھی کہ جرائم کا وجود وہاں سے ناپید ہو گیا۔ اور اگر کوئی شخص گناہ کا مرتکب ہوتا تھا۔ تو قطع نظر اس امر سے کہ کسی نے اسے دیکھا ہو یا نہ، فوراً وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا اقرار کر لیتا تھا۔ جو لوگ آپ کے گرد و پیش رہتے تھے۔ اُن کے لئے خدا کا حاضر و ناظر ہونا ایک امر یقینی ہو گیا تھا اس لئے کسی خفیہ پولیس کی حاجت نہ تھی۔ مجرم خود اپنے آپ کو گرفتار کر لیتا تھا۔ جھوٹ قطعاً ناپید ہو گیا تھا۔ کسی معاملہ میں بھی زیادہ تحقیقات یا وکلاء کی امداد کی ضرورت لاحق نہ ہوتی تھی۔ کسی مفلس کو بھی اپنے معاملات کے تصفیہ کے لئے کسی خارجی مدد کی ضرورت نہ تھی۔ نہ شہادت استغاثہ ہوتی تھی۔ اور نہ گواہوں کی طویل فہرست پیش کی جاتی تھی۔ ہر جگہ عالم الغیب اور علیٰ کل شیئ شہید۔ خدا کا جلوہ نظر آتا تھا۔

آنحضرت صلعم کے احکام کی بدولت، اسی دنیا میں اس آسمانی بادشاہت کا نقشہ نظر آنے لگا تھا۔ جس کی آرزو حضرت یسوعؑ کو مدت العمر رہی مگر پوری نہ ہو سکی۔

یہ کامیابی جو تاریخ عالم میں عدیم المثال ہے نبی کریم صلعم کی اعلیٰ ترین روحانی قوت پر اک روشن دلیل ہے۔ کسی جماعت میں کوئی اصلاح نافذ نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس کے افراد کے قلوب میں مصلح کا زبردست احترام موجود نہ ہو۔ اطاعت و انقیاد، اعلےٰ روحانی قوت کی بدولت دوسروں میں پیدا ہو سکتا ہے۔ وہ نہ زورِ بازو سے ممکن ہے نہ صرف دولت سے نہ اظہار معجزات سے۔ آنحضرت صلعم کے الفاظ کسی دنیاوی بادشاہ کے الفاظ قطعاً نہ تھے۔ بلکہ آپ طبعاً ان تمام باتوں سے نفور تھے، جن سے دوسروں پر اثر ڈال سکیں۔ آپ عموماً یہی فرمایا کرتے تھے میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں۔ نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہوں۔ تاہم لوگ جس قدر آپؐ کی اطاعت کرتے تھے۔ اس کا اندازہ دشوار ہے۔ آپ کے الفاظ کسی محبوب کے الفاظ ہوتے تھے۔ جن پر عمل کرنا عاشق کے لئے معراج ہوتا ہے۔ پس اگر آپؐ کے متبعین کا تعلق آپؐ سے ایسا ہی تھا جیسا کہ عاشق کا معشوق سے ہوتا ہے۔ تو پھر اس بات پر مطلق تعجب نہ کرنا چاہیئے۔ کہ آپ تمام مذہبی ہادیوں میں کامیاب ترین انسان گزرے ہیں۔ لیکن کامیابی حاصل کرنے سے پہلے لازمی ہے۔ کہ انسان روحانیت کے بلند ترین مقام کو حاصل کرے۔ ممکن ہے یسوعؑ نے پانی کو شراب میں تبدیل کر دیا ہو لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو حسب دلخواہ تبدیل نہ کر سکا۔ وہ تو اسی آرزو میں رہا کہ ان میں رائی کے دانہ کے برابر ہی ایمان پیدا ہو جائے۔ اور جب امتحان کا وقت آیا تو یہی ثابت ہوا کہ ان میں اس قدر ایمان بھی نہ تھا۔ جس پر اسے سب سے زیادہ اعتماد تھا۔ اسی نے اسے دشمنوں کے حوالہ کر دیا۔ اگر دوسرے شاگرد اسے تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تو جس کے پاس بہشت کی کنجیاں تھیں۔ اس نے علانیہ اس پر لعنت کی۔ خواہ آپ ان لوگوں کو ایمان کے کمزور کہیں یا روحانیت میں "قاصر" امر واقعی میں کچھ تغیر نہیں ہو سکتا۔ استاد کے پاس کیمیا ہی نہ تھی جس سے تانبا سونا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے قلوب میں بھی موسےٰ کے لئے کوئی عزت یا محبت نہ تھی۔ ارض موعود کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے ان کی کوئی بات نہ سنی۔ لیکن آنحضرت صلعم کے شاگرد تو ہمیشہ کے لئے یہی کہتے تھے۔ ہم موسےٰ کے ہمراہیوں کی طرح یہ نہ کہیں گے

کہ "اے موسیٰ تم اور تمہارا خدا دونوں دشمنوں کا مقابلہ کرتے جائیں۔ ہم تو یہیں کھڑے ہیں" بلکہ کہیں ہم تو اے محمد آپ کے دائیں طرف لڑیں گے بائیں طرف لڑیں گے، آگے لڑیں گے اور پیچھے لڑیں گے" اور واضح ہو کہ یہ باتیں محض زبانی نہ تھیں۔ آپ کے متبعین نے جنگ احد میں ان الفاظ پر من وعن عمل کر کے دکھا دیا۔ شدید ترین مصائب میں بھی وہ لوگ صادق القول ثابت ہوئے۔

جنگ احد میں دشمنوں نے نبی کریمؐ پر اس سختی سے حملہ کیا۔ کہ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ نیز آپ کے جسم مبارک پر بہتی زخم آئے۔ اور چہرہ مبارک خون میں نہا گیا۔ بلکہ زرہ کی کڑیاں رخسار میں دھنس گئیں۔ اس موقعہ پر بھی آپ کے پیروؤں کی جاں نثاری آپؐ کے لئے ڈھال بنی۔ آپؐ گڑھے میں گرے پڑے تھے۔ اور اگر دشمن پکڑ پاتے تو جان سے مار ڈالنا کوئی بات ہی نہ تھی۔ لیکن حضورؐ کے ہمراہیوں نے آپ کے چاروں طرف گویا جسم انسانوں کی دیواریں قائم کر دیں۔ اور نہایت شان کے ساتھ اپنے سینے دشمنوں کے سامنے سپر کر دیئے۔ جب کوئی شخص تلوار یا تیر کا زخم کھا کر گر پڑتا تھا۔ تو دوسرا آدمی اس کی جگہ آ جاتا تھا۔ عورتیں بھی اظہار وفاداری میں مردوں سے پیچھے نہیں رہیں۔ ام نصیبہ، ام سلمہ عائشہ اور دیگر جری عورتیں تلواریں سونت سونت کر حضورؐ پر جان قربان کرنے کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ اور نہایت پامردی کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ نبی کریمؐ کے ساتھی جب میدان جنگ کو جاتے تھے۔ تو عموماً یہ رجز پڑھا کرتے تھے "ہم وہی لوگ ہیں جنہوں نے محمد (صلعم) سے وفادار رہنے کا عہد کیا ہے۔ کہ ہم تمام عمر اپنے دین کی حفاظت کے لئے لڑتے رہیں گے، کبھی پیچھے نہ ہٹیں گے" جب وقت امتحان آیا تو ان لوگوں نے من وعن اپنے الفاظ کو سچا ثابت کر دکھایا اس بات سے **استاد اور شاگرد** دونوں کی عزت اور مرتبت بدیہی عالم پر ثابت ہوتی ہے۔

جو رُوح آپ نے ان صحرائی لوگوں میں پھونک دی تھی، اس کا اظہار نہ صرف میدان جنگ میں ہوا۔ بلکہ انسان کے سب سے بڑے دشمن سے مقابلہ کرنے میں بھی۔ وہ دشمن جیسا کہ سب جانتے ہیں۔ نفس امارہ ہے۔ تاریخ میں اس کامیابی کی نظیر بھی نہیں ملتی جو اس معاملہ میں آپ کو حاصل ہوئی۔ کسی مصلح کی ان لوگوں نے جن کی اصلاح مدنظر تھی۔ اس قدر اطاعت نہیں کی۔ جس قدر عربوں نے آپ کی کی۔ مثلاً "شراب خوری" ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ شاید اس زمانہ میں کوئی قوم ان سے زیادہ شراب کی دلدادہ نہ تھی۔ وہ لوگ کھانا تو تین وقت کھاتے تھے مگر بیکس (شراب کا دیوتا) کی عبادت دن میں پانچ دفعہ کرتے تھے۔ جب آنحضرت صلعم نے شراب کی ممانعت فرمائی۔ تو ادھر آپ کے منہ سے امتناعی الفاظ نکلے ادھر مدینہ کی گلیوں میں "شراب ناب" اس طرح پڑی بہنے لگی جس طرح برسات میں بارش کا پانی۔ آپؐ کے حکم میں بجلی کی سی سرعت اثر تھی تو جادو کی سی تاثیر ایک لفظ نے کایا پلٹ دی۔ شرابنوشی کے پانچ وقت، اوقات صلوٰۃ پنجگانہ میں تبدیل ہو گئے۔

ظاہر ہے کہ ایسی حیرت انگیز تبدیلی، لوگوں کے اخلاق میں، وہی شخص کر سکتا ہے۔ جو روحانیت کے تمام مدارج عالیہ طے کر چکا ہو۔ اور آپ نے اپنی ساری جوانی، غار حرا میں مجاہدہ و مراقبہ میں بسر کر دی تھی۔ پھر بھلا آپ کو یہ قوت کیوں نہ حاصل ہوتی۔ اگرچہ اس زمانہ میں آپ کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ لیکن آپ مہینوں اسی غار میں بسر کرتے اور مجاہدہ و مراقبہ میں مصروف رہا کرتے تھے وہیں آپ کو پہلی "وحی" سے مشرف کیا گیا تھا۔

اگرچہ فرائض نبوت آئندہ چل کر بہت وسیع ہو گئے تھے، لیکن پھر بھی مراقبہ و توجہ الی اللہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ دن بھر کام کرتے رات بھر نماز پڑھتے۔ مکہ کی مصروف زندگی میں بھی آپ اس قدر نمازیں پڑھتے تھے کہ پائے مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ جب تک آخری سانس تھی۔ آپؐ کے ذوق عبادت کی یہی نوعیت قائم رہی۔

ہجرت کے دسویں سال عرب کے لوگ فوج در فوج اسلام قبول کرنے کے لئے آنے لگے۔ اور عرب کے تمام قبائل نے اپنے سفیر رشتہ مودت استوار کرنے کے لئے بھیجے، تب خدا کی آخری وحی ان الفاظ میں نازل ہوئی۔ جب آئی اللہ کی مدد اور کامیابی، اور تم نے دیکھا۔ لوگوں کو داخل ہوتے ہوئے دین اسلام میں فوج فوج تب خدا کی تعریف کرو۔ اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ کیونکہ وہ بہت بڑا تواب الرحیم ہے" (قرآن مجید ۱۱۰)

آیات مندرجہ بالا، جن میں نصرت اور کامیابی کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپؐ کے مقصد کی تکمیل کا اثبات بھی کرتی ہیں۔ یہ آخری وحی تھی۔ جو مکہ میں نازل ہوئی جبکہ آپ ایک لاکھ مسلمانوں کے ساتھ فریضہ حج ادا کر رہے تھے۔ اس نظارہ سے وہ تمام پیشگوئیاں سچی ثابت ہو گئیں۔ جو آپ نے بواسطہ قرآن مجید اس زمانہ میں بیان فرمائی تھیں جب آپؐ بیکس و تنہا تھے۔ اس وقت آپ کو وعدہ دیا گیا تھا۔ کہ آخرالامر **اسلام** ہی کامیاب ہوگا۔ حضرت **ابن عباس** نے ان آیات میں حضورؐ کی وفات کی اطلاع بھی پڑھ لی اور ان کا قیاس صحیح نکلا۔ آپؐ اس سورت کے بعد صرف اسّی دن زندہ رہے۔ ۸ مارچ ۶۳۲ء کو آخری حج ادا کرنے کے بعد آپ منا (جائے قربانی) میں مقیم ہوئے۔ وہاں عجیب دلفروز نظارہ آپؐ کے سامنے تھا! ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان جن میں مرد عورتیں بچے سب شامل تھے۔ آپ کے اردگرد جمع تھے۔ اتنا بڑا مجمع اور سب کے سب موحدین کسی مشرک یا بت پرست کا نام بھی نہ تھا۔ اور پھر یہ جماعت موحدین اسی مقام پر مجتمع تھی۔ جہاں اب سے بیس سال پہلے کفار نے آپ کو رد کیا تھا۔ اور تعمیل احکام سے انکار کیا تھا۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر تمام و کمال نازل کر دی۔" جو خطبہ اس موقعہ پر آپ نے دیا۔ وہ بھی لائق غور ہے۔ آپؐ ایک اونٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے گرد مختلف قبائل کے نمائندے جمع تھے۔ آپؐ آہستہ آہستہ بولتے تھے۔ دوسرے لوگ آپ کی باتیں بلند آواز سے دہرا دیتے تھے۔ جستہ جستہ فقرات یہ ہیں:

یا **معشر المسلمین**! میری باتیں غور سے سنو۔ کیونکہ میں یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا۔ کہ آئندہ سال بھی اس موقعہ پر تمہارے درمیان موجود ہوں گا۔ جانتے ہو آج کیا دن ہے؟ آج "یوم النحر" یعنی قربانی کا دن ہے جانتے ہو کونسا مہینہ ہے یہ میں تاکید کرتا ہوں۔ کہ تم **ایک دوسرے کے نفوس، اموال املاک اور عزت کو ویسا ہی مقدس سمجھو جیسا کہ یہ مہینہ اور یہ دن اور یہ شہر مقدس ہے** جو لوگ حاضرین ہیں اُن پر فرض ہے۔ کہ غائبین کو میرا پیغام پہنچا دیں۔ عنقریب تم سب اس خدا کے سامنے جانے والے ہو۔ جو تمہارے اعمال کا حساب لے گا۔

آج **سود یک قلم معاف کیا جاتا ہے۔ عباس ابن عبدالمطلب** کا بھی۔ اور آج ایام جاہلیت کے تمام جدال و قتال کا قصاص بھی معاف کیا جاتا ہے۔ اور خصوصاً ربیع ابن حارث کا۔ اے لوگو! **شیطان اب تم پر تسلط حاصل کرنے سے قطعاً نا اُمید ہو چکا ہے**۔ اور اسے مطلق امید نہیں کہ اس ملک میں آئندہ کوئی متنفس اس کی پرستش کرے گا۔ لیکن اگر تم ادنےٰ سی بات میں بھی اس کی اطاعت کرو گے تو اس کے لئے بڑی خوشی کا باعث ہوگا۔ پس اپنے ایمان کے بارے میں بہت محتاط رہو۔ اے لوگو اپنی **بیویوں پر تمہارے حقوق** ہیں۔ بلکہ وہ خدا کی امانت ہیں جو تمہیں سونپی گئی ہیں۔ پس لازم ہے کہ ان کے ساتھ نہایت مہربانی کا سلوک کرو۔ اور **غلاموں کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے** ہو۔ اور وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ اے لوگو! غور سے سنو اور یاد رکھو ہر **مسلمان کا بھائی** ہے۔ تم سب برابر ہو۔ یکساں حقوق رکھتے ہو۔ اور تم میں سے ہر ایک پر یکساں ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ تم سب ایک جماعت کے افراد ہو۔ پس مناسب نہیں کہ ایک بھائی دوسرے کی کوئی چیز بغیر اس کی مرضی کے لے۔ اور مناسب نہیں کہ ایک بھائی دوسرے پر ظلم روا رکھے۔ **حفظ مراتب اور حفظ حقوق** کا بیحد خیال رکھو اس کے بعد آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر باآواز بلند فرمایا: اے خدا میں نے بیشک تیرا پیغام من وعن تیرے بندوں تک پہنچا دیا۔ اس پر تمام وادی گونج اٹھی "بیشک بیشک تو نے پہنچا دیا۔ اور پہنچانے کا حق ادا کر دیا" تب آپ نے فرمایا۔ اے ربّ! میں تیری منت کرتا ہوں۔ کہ تو اس معاملہ پر گواہ رہ"

شفیق مرزا

وقت کے فرمان کے آگے جھکا دو گردنیں

جماعت ربوہ کے فہمیدہ اصحاب سے

بانیٔ تحریک احمدیت نے آج سے قریباً ستر برس پیشتر ایک مخصوص فضا میں بعض صوفیانہ اصطلاحات استعمال فرمائیں جن میں ایک لفظ نبی کا لغوی معانی میں استعمال بھی تھا۔ لیکن چونکہ لفظ نبی کی ایک SANCTITY ہے اور اسے خواہ کسی بھی مفہوم میں استعمال کیا جائے اس سے فتنہ پیدا ہوتا اور نتیجہ سخت بد نکلتا ہے اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں تو بوجہ مامور ہونے کے ان الفاظ کو مخفی نہیں رکھ سکتا مگر جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ایسے الفاظ کو اپنی روز مرہ کی گفتگو میں استعمال نہ کریں اور لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے یہاں تک لکھ دیا کہ لفظ نبی کو کاٹا ہوا سمجھا جائے اور اس کی بجائے محدث کا لفظ سمجھ لیا جائے لیکن بعض مفاد پرستوں نے بانیٔ تحریک کی وفات کے جلد ہی بعد اس ہدایت کی نافرمانی کا منظم پروگرام بنایا اور نبی کے لفظ اور دیگر مقدس اصطلاحات کو اس بیدردی سے استعمال کرنا شروع کر دیا کہ اُمتِ مسلمہ تو درکنار خود جماعت کا سنجیدہ طبقہ اس سے کپکپا اُٹھا تو انہیں مصلحت چند روزہ کا نام دیکر چُپ کرانا چاہا اور جنہوں نے اس عیاری کی تہہ میں جھانک کر اصل حقیقت کو بھانپ لیا۔ انہیں غنڈہ گردی اور سنگ باری سے مرعوب کرنے کی کوشش کی گئی اور جماعت اسی ڈگر پر چلتی رہی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُمتِ مسلمہ کا ذہین اور ژرف نگاہ طبقہ وحدت اسلامی کو سبوتاژ ہوتے دیکھ کر مزید صبر نہ کر سکا اور علیحدہ طور پر کام کرنا شروع کر دیا اور ایک دوسرا طبقہ نہ صرف جماعت سے علیحدہ ہوا بلکہ اس کی مخالفت پر تُل گیا اور اس کے بعد آج تک جماعت میں اس بے راہ روی کی وجہ سے کوئی قابل ذکر شخصیت شامل نہیں ہوئی اور تحریک ایک فرقہ بن کر رہ گئی اور اس میں وہ تمام برائیاں در آئیں جو پیر پرستی و گدی پرستی کا خاصہ ہیں اور اسلام کے نام پر دیئے جانے والے کروڑوں روپے ایک خاندان کے اللّوں تللّوں پر خرچ ہونے لگے اور اس طرح ابتدائی کام بھی

ع خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا، کا مصداق ہو گیا۔

مرزا ناصر احمد کا انتخاب "خلافت حقہ اسلامیہ" کے پاپائی طریق پر ہوا تو جماعت ایک نئی پٹری پر چل نکلی اور ایک طرف تو کروڑوں روپیہ جماعتی بہبود پر خرچ ہونے کی بجائے گھوڑوں، غلیلوں اور سائیکلوں پر خرچ ہونے لگا اور دوسری طرف سیاسی بالادستی کی خوابوں نے جماعت کو اس طرح آگھیرا کہ اب اگر وہ اس سے نکلنا چاہے بھی تو اس کے لئے مشکل ہے۔ ؎

سمجھ کر ریچھ کو کمبل اسے جا پکڑا پانی میں
پکڑ کر اب یہ کہتا ہے نہ میں چھوڑوں نہ تو چھوڑے

جماعت کے جرائم پہلے ہی اتنے زیادہ ہو چکے تھے کہ اس سے صرف نظر ناممکن تھا۔ اسمہٗ احمد کی پیشگوئی کا مصداق بانیٔ تحریک کو قرار دینا اور رسالہ "درود شریف" میں مکینیکل درود میں تبدیلی کر کے چار مرتبہ محمد کے ساتھ احمد کی زیادتی بڑی سنگین غلطی تھی۔ مگر اس پر مستزاد یہ ہوا کہ "دینی معلومات" میں یہ لکھا گیا کہ قرآن کریم میں جن انبیاء کا ذکر ہے ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد "احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام" بھی ہیں۔ اور انگریزی لٹریچر میں احمد دی پرافٹ کے الفاظ عام کر دیئے گئے۔ اسی پر بس نہ ہوا بلکہ جماعت کے موجودہ سربراہ نے لنڈن میں ایک کانفرنس کرتے ہوئے خود اپنے متعلق پرافٹ کا لفظ استعمال کر ڈالا جو ازاں بعد لنڈن ٹائمز میں چھپ بھی گیا اور "الفضل" نے ثنا خوان خصوصی کا کردار ادا کرتے ہوئے پہلے صفحہ پر اس کا اُردو ترجمہ تو دیا مگر روایتی عیاری سے لفظ پرافٹ کا ترجمہ چھوڑ دیا۔ ۲۶رمئی ۱۹۷۴ء کو قوت آزمائی کے لئے ربوہ ریلوے اسٹیشن پر نشتر میڈیکل کالج کے طلباء کو باقاعدہ پروگرام کے تحت پیٹا گیا تو ملک میں طوفان آگیا جو ۷ر ستمبر کے فیصلہ پر منتج ہوا۔ گو اس کا فوری محرک تو متذکرہ بالا واقعہ تھا۔ مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا اس کی جڑیں بہت دُور تک گئی ہوئی تھیں اور یہ اسی کا نتیجہ تھا، خدا تعالےٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و عزت بڑی عزیز ہے جو بھی ان کی طرف ترچھی نظر سے دیکھتا ہے عافیت سے نہیں رہ سکتا۔ جس کا جی چاہے آزما کے دیکھ لے۔ آج جماعت کے افراد اپنی مظلومیت کا رونا روتے ہیں مگر جب ان کے بزرجمہر قابلِ گرفت حرکات کرتے ہیں تو وہ انہیں روکتی ہے نہ ٹوکتی ہے بلکہ تماشا دیکھتی رہتی ہے اور یوں ان کے ظلم میں ان کی ہمنوا ہوتی ہے اور لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار کی وعید کے تحت پکڑی جاتی ہے۔

لفظ نبی کی اہانت کا سلسلہ اب بھی جاری ہے مگر جماعت کے کانوں پر جُوں تک نہیں رینگتی اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ چند رومانوی پیشگوئیوں کے سہارے اپنے آپ کو کسی نئے طوفان کے لئے تیار کر رہی ہے۔

السٹریٹڈ ویکلی انڈیا کے ۷ر جولائی ۱۹۷۴ء کے شمارے میں ایک صاحب شہاب احمد نے AHMADIAS BEING PERSECUTED IN PAKISTAN) کے عنوان سے ایک مضمون لکھا اور اس میں جماعت کے موجودہ سربراہ مرزا ناصر احمد کو THE HOLY PROPHET OF ISLAM نام سے یاد کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ان الفاظ کو کسی ایرے غیرے کے لئے استعمال کرنا کس قدر ناعاقبت اندیشانہ فعل ہے۔ مگر جماعت کی طرف سے اس کی کوئی تردید نہیں ہوئی گو کہ اس کا ذکر صمدانی کورٹ میں بھی آچکا ہے۔

شہاب صاحب تو تھے کوئی غیر معروف آدمی۔ مگر اب ملاحظہ فرمایئے احمدیہ مشن فجی کے انچارج مولوی غلام احمد فرخ کا بیان۔ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۷۴ء کے فجی ٹائمز میں۔ اس میں انگریزی کے یہ الفاظ بھی ہیں:-

MAULANA SAID THE MAIN DIFFERENCE BETWEEN THE AHMADIYYA FAITH AND THE ORTHODOX SUNI MUSLIMS WAS THAT AHMADIYYAS BELIEVED THAT MIRZA NASIR AHMAD EMBODIED THE SPIRIT AND POWER OF A PROPHET. THE SUNIS CLAIMED THAT MOHAMMAD WAS THE LAST PROPHET AND THERE WERE TO BE NONE OTHERS AFTER HIM.

پورا ترجمہ درج ذیل ہے:-

"سمندر پار تحریک جدید مشن فجی کے انچارج مولانا غلام احمد فرخ نے "فجی ٹائمز" کو بتایا کہ مشن نے جشن صد سالہ کی تقریبات کے سلسلہ میں اسلام اور مشن کی تعلیمات پھیلانے کے لئے 25000 ڈالر کی حد مقرر کی تھی۔ مگر پاکستان میں مشن کے سربراہ مسیح عصرِ حاضر مرزا ناصر احمد کے پاس اب تک موصول ہونے والے وعدہ جات بڑھ کر دس ملین ڈالر تک جا پہنچے ہیں جو مقررہ حد سے بہت زیادہ ہیں۔ مولانا فرخ نے بتایا کہ فنڈز کا بیشتر حصہ قرآن کریم کے یک صد زبانوں کے تراجم پر خرچ ہوگا۔ یہ مقدس کتاب اب تک صرف ایک درجن زبانوں میں ملتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ فجی مشن کی بنیاد ۱۹۶۰ء میں رکھی گئی تھی جبکہ اس سے وابستگان کی تعداد پچاس کے قریب تھی جو اب آہستہ آہستہ بڑھ کر 4000 سے زائد ہو گئی ہے۔

مولانا فرخ نے بتایا کہ احمدیہ مذہب اور قدامت پسند سُنی مسلمانوں میں اصل فرق یہ ہے کہ احمدی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مرزا ناصر احمد کے وجود میں ایک نبی کی رُوح اور قوت مجسم اختیار کر گئی ہے جبکہ سنیوں کا دعوےٰ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں۔"

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

انسانیت کا گوہرِ مقصود صلی اللہ علیہ وسلم

زندگی کا نمونہ — تاریخ کا آخری فیصلہ

تمام انسانوں کے [illegible] شخص مومن اور [illegible] ہو سکتا ہے جس [illegible] یہ کہ انسانی زندگی کی ساری ضرورتیں اس کی ایک زندگی [illegible] موجود ہو، فقیر ہو، بادشاہ ہو، خاوند ہو، سپہ سالار [illegible] ہو تاکہ دنیا کا ہر انسان اس کے نقش قدم پر چل سکے اور [illegible] ضروری ہے کہ اس کی زندگی تمام پہلوؤں میں کامیاب ہو [illegible] ناقص و نامکمل نہ رہے۔ ایک شخص کا ایک [illegible] اور مزدور، سپہ سالار، معلم کی حیثیتوں کا جامع ہونا ایک [illegible] ہے لیکن اس سے کہیں بہت اہم بات یہ ہے کہ اس کی زندگی کے ان تمام پہلوؤں میں سے ہر ایک [illegible] کامل اور بے مثال ہو۔

آیئے دنیا کے مشہور بانیان مذاہب کے متعلق تاریخ سے دریافت کریں کہ وہ کونسی شخصیت ہے جس کی تمام و کمال زندگی زندہ ہو، جس کا اثر زندہ ہو، جس کی ہر ایک ادا، ہر لفظ، ہر معاملہ کے ساتھ ساتھ اس کے اہل و عیال اور دوست دشمن بھی سب کے سب زندہ ہوں۔

اس دنیا میں کوئی قوم بھی ایسی نہیں گذری جس میں کوئی نبی نہ بھیجا گیا ہو۔ ایک اسلامی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف قوموں اور ملکوں میں خدا کی طرف سے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی بھیجے گئے۔ لیکن عملی زندگی کی حالت یہ ہے کہ اس وقت دنیا کے سامنے ایک بھی ایسی کتاب موجود نہیں جو کسی بانیٔ مذہب کی زندگی میں لکھی گئی ہو اور جس کے متعلق یہ دعوے کیا جا سکے کہ فلاں فلاں محفوظ ہاتھوں سے گذرتی ہوئی اپنی اصل شکل و صورت میں دنیا کے سامنے موجود ہے۔

پیغمبر اسلام } اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر نظر ڈالئے۔ آپ ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کی صبح سعادت میں پیدا ہوئے اور ۲۲۳۳۰ دن اور چھ گھنٹے اس دنیا میں قیام فرما رہے۔ مسلمانوں کا دعوے ہے کہ آج تک اس کرۂ زمین پر کوئی انسان پیدا نہیں ہوا اور نہ آیندہ ہوگا جس کے صحیح اور تفصیلی حالات۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نوع انسان کے سامنے موجود ہوں۔ مسلمانوں کا یہ دعوے دو بڑے اسباب پر مبنی ہے :-

(۱) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کی قدر و قیمت معلوم تھی۔ آپ نے یہ امر اپنے پیرؤوں کے ذہن نشین کر دیا تھا کہ آپ تمام نوع انسان کے لئے اللہ کے نبی ہیں، قیامت تک کے لئے ہیں اور آپؐ کا ہر فعل آیندہ نسلوں کے لئے نمونۂ زندگی ہے۔ اسی بنا پر آپ نے اپنے عہد کے ہر موجود مسلمان کو حکم فرمایا تھا۔

بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ آیَۃً

میرے حالات دوسروں تک پہنچاؤ۔ خواہ ایک جملہ تمہیں معلوم ہو۔

اس حکم کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر وہ مسلمان جس نے ایک مرتبہ بھی آپ کو دیکھ پایا، آپؐ کی حیات پاک کا مبلغ بن گیا۔

آخری حج میں ایک لاکھ مسلمان، پیغمبر اسلام کے ساتھ تھے۔ ان میں سے پورے تیرہ ہزار بزرگوار، وہ ہیں جنہوں نے پیغمبر اسلام کے متعلق ایک سے زیادہ جملے دوسروں کے پاس بیان کئے ہیں۔ ان تیرہ ہزار بزرگوں کے حالات زندگی نام بنام تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اس لئے محفوظ ہیں کہ انہوں نے پیغمبر اسلام کے متعلق ایک یا زیادہ جملے دنیا کے سامنے بیان کئے ہیں ان تیرہ ہزار انسانوں کے چشم دید بیانات کے علاوہ ان مسلمانوں کی تعداد جنہوں نے ایک یا دو واسطوں سے آپ کی حیات پاک کے بیان کرنے میں حصہ لیا ہے۔ ۵ لاکھ ہے ان ۵ لاکھ کے حالات زندگی نہایت ہی صحت اور دیانت کے ساتھ اسماء الرجال کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ اور دنیا ہر ایک جملہ کے متعلق جو ہم پیغمبر اسلام کے متعلق بیان کر رہے ہیں، تصدیق کر سکتی ہے۔ اور اس جملے کا راوی کون ہے اور کیسا ہے؟ چنانچہ ڈاکٹر اسپرنگر لکھتے ہیں :-

"کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گذری اور نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج ۵ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی پر بے حد اعتماد تھا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں (صحابہ) کو حکم فرمایا تھا۔ "فلیبلغ الشاھد الغائب"۔ یعنی جو لوگ موجود ہیں۔ وہ آنے والوں کو میرے حالات کی اطلاع دیں۔ بیبیوں کو حکم تھا، جو کچھ تنہائی میں مجھ سے دیکھو، وہ دوسروں کے پاس بیان کر دو۔ آپ کے ایک صحابی عبداللہ بن عمروؓ کی یہ حالت تھی کہ وہ زبان مبارک سے جو کچھ سنتے تھے، لکھ لیتے تھے۔ ایک دفعہ قریش نے ان کو منع کیا۔ لیکن جب حضورؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا۔ عبداللہ! تم لکھ لیا کرو۔ اس منہ سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے

شمائل ترمذی ایک قدیم ترین کتاب ہے۔ اس میں آنحضرت صلعم کی صرف روز مرہ عادتیں بیان کی گئی ہیں۔ مصنف نے کتاب میں کل ۲۵ باب قائم کئے ہیں۔ ہر باب میں صحابہ کرام کے مشاہدات جمع کئے ہیں، چند مستقل ابواب کی فہرست ملاحظہ ہو:-

"آنحضرتؐ کے بال۔ کنگھی۔ پکے ہوئے بال۔ خضاب، سرمہ، موزہ۔ جوتی انگوٹھی، عمامہ، پاجامہ، رفتار، نشست، تکیہ و بستر، تکیہ لگانا، پیالہ۔ کیا کیا پہنتے تھے کیسے پہنتے تھے۔ خوشبو، حجامت، ادات، باتیں، تبسم۔"

اب اس نکتہ سے اندازہ فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کس حد تک بیان کی گئی ہے؟ صحابہ کرام کی یہ حالت تھی وہ پیغمبر اسلام کے متعلق جو کچھ بھی دیکھتے تھے دوسروں کے پاس بیان کر دیتے تھے۔ انہیں یہ بالکل پرواہ نہ تھی کہ وہ بات قابل بیان بھی ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک بزرگوار فرماتے ہیں "پیغمبر اسلام کا حلیف نامی ایک گھوڑا تھا وہ ہمارے باغ میں چرا کرتا تھا" دوسرے فرماتے ہیں "حضور کے جوتے میں دو تسمے تھے۔" تیسرے فرماتے ہیں "میں نے دیکھا، حضور بائیں پہلو پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔" بس۔

یہ روایات ظاہری طور پر خواہ کس قدر بھی غیر ضروری معلوم ہوں، لیکن یہ انہی کا نتیجہ تھا کہ تاریخ کے اوراق پر سیرت نبویؐ کی تصویر اس قدر صاف اور بے پردہ اتری ہے کہ اس کے ایک بال پر بھی تاریکی کی جھلک باقی نہیں۔

اسوۂ حسنہ کی جھلکیاں } سیرتِ نبویؐ کا اولین پیغام یہ ہے کہ ہر انسان ہر وقت خدا کو اپنے سامنے رکھے، سمجھے اور خدا کے لئے زندگی بسر کرے۔ آنحضرت کی ذات پاک، ایسی ہی مبارک زندگی کا نمونۂ کامل تھی۔ آپ کے دل و دماغ ہر وقت جلال خداوندی سے لبریز تھے۔ آپ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر وقت یادِ خدا میں مصروف رہتے۔ جب بھی کوئی کام شروع فرماتے اللہ کا نام (بسم اللہ) ضرور لیتے رات اور دن میں آٹھ مرتبہ وضو کر کے پاک اور صاف جسم و لباس کے ساتھ نماز ادا فرماتے جب رات ہوتی تو پھر خدا کی حمد و ثنا میں کھڑے ہو جاتے، ساری دنیا تھک کر سو جاتی مگر آپؐ کا دل اور زبان ذکر خدا سے سیر نہ ہوتا، بارگاہ الٰہی میں اتنی دیر کھڑے رہتے کہ پاؤں پر ورم آجاتا۔ اس طویل شب بیداری کے بعد جب بستر پر آتے تو پھر قرآن پاک کی سورتیں شروع کر دیتے اور اس قدر رقت اور دلسوزی سے اللہ کی کتاب پڑھتے کہ سننے والوں کے دل پگھل جاتے۔ کبھی راتوں رات قبرستان نکل جاتے اور خوف خدا سے آنسو بہاتے۔ خوشی ہوتی تو اللہ کو پکارتے، مصیبت آتی تو خدا کو یاد فرماتے زور کی ہوا چلتی تو سہم کر قبلہ رُخ کھڑے ہو جاتے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیتے جب قرآن کریم میں عذاب الٰہی کی آیات نازل ہوئیں تو اللہ تعالےٰ سے اس قدر ڈرنے لگے کہ بڑھاپا اتر آیا اور بال سفید ہو گئے۔ صحابہ کرام یہ دلگداز حالتیں دیکھتے تو سوال کرتے، یا رسول اللہ آپؐ تو اللہ کے رسول ہیں پھر اتنا غم کیوں فرماتے ہیں؟ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں، کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ

نہ بنوں؟

خدمتِ خلق اگر آنحضرت کی زندگی میں سے "یادِ خدا" کو منہا کر دیا جائے تو باقی جو کچھ بچتا ہے، وہ خدمتِ خلق ہے۔ آپ کے مذہب میں خدا سے تعلق پیدا کرنے کا دنیوی حاصل صرف یہ ہے کہ انسان خدا کی مخلوق کا خادم بن جائے۔ آپ کا ارشاد ہے سید القوم خادمھم۔ قوم کا سردار وہ ہے جو قوم کا خادم ہو۔ ایک دوسرے موقع پر فرمایا: الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن عیالہ۔ تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب انسان وہ ہیں جو اس کی مخلوق کے ساتھ بہتر سلوک کریں۔ حضور کا ذاتی نمونہ ملاحظہ ہو:

آنحضرت غریبوں اور مسکینوں سے بہت محبت فرماتے۔ دوست اور دشمن سب کے ساتھ خوش ہو کر ملتے۔ اپنے خادم کے کام کاج میں امداد دیتے، بازار سے اپنی اور ہمسایہ عورتوں کی، جن کے آدمی موجود نہ ہوتے، چیزیں خریدتے اور خود ہی اُٹھا لاتے۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو پہلے سلام کرتے۔ ہر ایک کو نیک مشورہ دیتے اور خیر و ثواب کی ترغیب فرماتے کوئی نیک کام دیکھتے تو اسی وقت اس کی امداد پر تیار ہو جاتے۔ مسافر، مظلوم بیوہ، یتیم کو ہر وقت پوچھتے اور انہیں سہارا دیتے۔ اپنوں اور بیگانوں کی بیمار پُرسی کے لئے تشریف لے جاتے۔ بیمار کو تسلی دیتے اور اگر وہ کسی غیر مضر چیز کو چاہتا تو مہیا فرما دیتے۔ بچوں کے پاس سے گذرتے تو انہیں پہلے السلام علیکم کہتے اور پھر پیار فرماتے۔ بوڑھوں کی عزت کرتے۔ حضرت صدیق اکبرؓ اپنے بوڑھے اور نابینا باپ کو بیعت کے لئے لائے، فرمایا، تم نے انہیں کیوں تکلیف دی؟ میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔ سائل کو کبھی رد نہ فرماتے، اگر کچھ پاس موجود نہ ہوتا تو قرض اٹھا کر بھی اس کا سوال پورا کر دیتے۔ جب کوئی دوست گذر جاتا تو اس کا مال وارثوں کو دلاتے لیکن اگر وہ مقروض ہوتا تو قرضہ خود ادا فرماتے۔ کسی شخص نے آپ کو کیسی ہی تکلیف دی ہوتی، جب پاس آجاتا تو شرم سے آنکھیں جھکا لیتے اور معاف فرما دیتے۔

خدمتِ خلق کی بہت ترغیب دیتے۔ فرماتے، اپنے غلاموں کو برابری کے حقوق دو۔ انہیں آزادی دلاؤ۔ اپنی لونڈیوں سے نیک سلوک کرو۔ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ یتیم بچوں کے مال کی حفاظت کرو۔ مقروضوں کی امداد کرو، تاکہ ان کے بوجھ ہلکے ہو جائیں۔ ہمیشہ صدقہ جاریہ کی ترغیب دیتے، فرماتے پھلدار درخت لگاؤ، مسجدیں بناؤ، کنوئیں کھدواؤ اور انہیں خلق خدا کی آسائش کے لئے وقف کر دو، بے زبان حیوانات سے ہمدردی کا حکم فرماتے۔ ایک دفعہ تیز ہوا چلی اور ایک شخص کسی وجہ سے اسے گالیاں دینے لگا، فرمایا، گالی نہ دو۔ یہ اپنا فرض ادا کر رہی ہے۔

حضرت انسؓ آپ کی خدمت میں دس سال حاضر رہے۔ فرماتے ہیں کہ اس عرصے میں جتنے کام میں نے رسول اللہ کے کئے، آپ نے اس سے زیادہ میرے کام انجام دیئے۔

مدینہ میں ایک پاگل سی لونڈی تھی، اس نے حضور کو اپنے کام کے لئے راستہ ہی میں پکڑ لیا، فرمایا، تو مدینہ کی جس گلی میں چاہے بیٹھ جا، میں وہیں آکر تیرا کام کر دوں گا، وہ ایک جگہ بیٹھ گئی، حضور وہیں تشریف لے گئے اور اس کا کام کر دیا۔

محتاجوں سے اتنی ہمدردی تھی کہ ان کے دل کی بات سمجھ لیتے تھے، ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ بھوک سے بے تاب ہو کر راستے میں بیٹھ گئے۔ حضرت صدیقؓ پاس سے گذرے تو حضرت ابوہریرہ نے انہیں اپنے حال پر متوجہ کرنے کے لئے ایک آیت کے معنی پوچھے، حضرت صدیق نے معنے بتائے اور گذر گئے۔ پھر حضرت عمرؓ وہاں سے گذرے، ان کے ساتھ بھی یہی واقعہ ہوا اور وہ بھی اسی طرح گذر گئے۔ تھوڑا عرصہ بعد آنحضرت وہاں سے گذرے، حضرت ابوہریرہ نے آیت کے معنی پوچھے تو آپ ہنس پڑے اور فرمایا، میرے ساتھ چلے آؤ، گھر لے جا کر ایک دودھ کا پیالہ تھا۔ وہ دیا اور فرمایا یہ لے جاؤ اور صفہ کے دوسرے غرباء کے ساتھ تقسیم کر کے پی لو۔

ایک دن حضور نماز پر کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک بدو آیا اور کہنے لگا میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے، میں بھول جاؤں گا، پہلے اس کو کر دو۔ آپ اس کے ساتھ فی الفور مسجد سے باہر تشریف لے گئے اور اس کا کام کر کے پھر نماز ادا فرمائی۔

اپنے ہاتھ سے کام کرنا آپ سرِ تمام کا کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے۔ بکریوں کو [illegible] چارہ ڈالتے، بکریاں دوہتے، کپڑے دھوتے اور ان میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے، جوتے گانٹھ لیتے، گھر میں جھاڑو دے لیتے خادم کے ساتھ مل کر کام کرتے۔ جب مسجد نبویؐ کی تعمیر شروع ہوئی تو آپ بھی مزدوروں کی صف میں شامل تھے۔ مٹی کھودتے تھے۔ اس قدر بھاری پتھر اٹھاتے کہ جسم مبارک جھک جاتا تھا۔ عقیدت مند عرض کرتے کہ ہمارے ماں باپ فدا ہوں، آپ چھوڑ دیں، ہم خود اُٹھا لیں گے فرماتے بہت اچھا۔ لیکن پھر دوسرا پتھر اُسی وزن کا پتھر اٹھاتے اور مزدوروں میں شامل ہو جاتے۔ [illegible] کام کرتے ہوئے رجز پڑھتے، تو آپ بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے۔

[illegible] احزاب میں خندق کی کھدائی شروع ہوئی تو آپ بھی سب کے ساتھ مٹی ڈھوتے۔ یہاں تک کہ جسم مبارک مٹی سے اٹ گیا۔

گفتگو کا نمونہ آپ اکثر خاموش رہتے تھے اور کبھی بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ جب بات کی ضرورت ہوتی تو مختصر مگر پُر معنی بات کرتے۔ تقریر اس قدر مختصر ہوتی کہ صحابہ کرامؓ ایک ایک جملہ انگلیوں پر گن لیتے۔ وعظ و نصیحت کبھی کبھی فرماتے۔ کیسا ہی حقیر آدمی آپ کو بلاتا، جواب میں ہمیشہ "لبیک" (حاضر ہوں) فرماتے۔ چھوٹی چھوٹی بات پر اپنے احباب کا شکریہ ادا کرتے، کوئی بے جا یا تکلیف دہ بات زبان پر نہ لاتے۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! میرے لئے زیادہ خطرناک شے کونسی ہے؟ آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا "یہ"۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ابنِ آدم جب صبح اٹھتا ہے تو تمام اعضاء زبان سے درخواست کرتے ہیں کہ خدا سے ڈرنا ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں اگر تو سیدھی ہوگی۔ تو ہم سلامت رہیں گے اور اگر تو بھٹک جائے گی تو ہم سب برباد ہو جائیں گے۔

مجلسی عادات سیدِ عالم کی مجلسی عادات بے حد پاکیزہ اور مقبول تھیں آپ غرباء میں رہ کر خوش ہوتے۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو پہلے سلام کرتے۔ اگر کوئی ساتھ چلتا تو ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیتے۔ بچوں کے پاس سے گذرتے تو انہیں بھی پہلے سلام کرتے۔ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے، کوئی چیز خواہ کس قدر بھی کم ہوتی اس کے کھانے میں دوستوں کو ضرور شامل فرما لیتے گھوڑے پر سوار ہوتے تو دوسروں کو پیچھے بٹھا لیتے۔ خواہ کیسا ہی حقیر شخص دعوت دیتا قبول فرما لیتے۔ جو چیز سامنے لائی جاتی اسے محبت سے کھاتے۔ آج کے کھانے میں سے شام کے لئے نہ اٹھا رکھتے تھے۔ آپ کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچی۔ کوئی اگر از معاملہ پیش آجاتا تو ہمیشہ در گذر سے کام لیتے اور معاف فرماتے عیسائی اور یہودی بھی اگر کچھ تحفہ بھیجتے تو قبول فرماتے اور خود بھی انہیں تحفہ بھیجتے اگر کوئی شخص پاس آبیٹھتا تو نماز مختصر کر دیتے۔ مہمانوں کی خدمت کرتے اور انہیں اپنی چادر بچھا دیتے۔ کسی کی برائی اور عیب میں شامل نہ ہوتے۔ دوستوں سے فرماتے میرے پاس کسی کی شکایت نہ کرو میں چاہتا ہوں کہ جب دنیا سے جاؤں تو میرا دل سب کی طرف سے ستھرا ہو۔ دوستوں کے حق صحبت کو بہت ملحوظ رکھتے تھے۔ آپ ایک دن کسی شخص کے ساتھ جنگل میں نکلے اور زبان کھود کر آپ نے دو مسواکیں نکالیں ایک سیدھی تھی اور دوسری ٹیڑھی تھی۔ ہادیٔ برحقؐ نے ٹیڑھی مسواک خود لے لی۔ اور سیدھی اس کو دی، اس نے عرض کیا۔ اچھی مسواک اپنے پاس رہنے دیں۔ فرمایا نہیں اگر کوئی شخص ایک گھڑی بھی کسی کے ساتھ رہے تو قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ حق صحبت بجا لایا یا نہیں؟"

ایک غریب آدمی مسجد نبویؐ میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو کئی دفعہ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، یہ شخص آدھی رات کے قریب فوت ہوا اور اسی وقت دفن کر دیا گیا۔ صبح کے وقت آپ کو اطلاع ہوئی تو بہت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ پھر اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ ادا فرمائی۔

ذاتی حالات غریبوں کے لئے نمونہ پیغمبر اسلام نے فقیروں اور غریبوں کے لئے سادگی اور قناعت

کی جو پاک مثال قائم کی اس کے بعض خط و خال ملاحظہ ہوں:-

ا۔ آپ اکثر جَو کی روٹی کھاتے۔ گھر میں چھلنی نہ تھی اس واسطے پھونکوں سے بھوسی اُڑائی جاتی۔ بعض اوقات مہینہ مہینہ بھر گھر میں آگ نہ جلتی اور آپ گھر والوں کے ساتھ کھجور اور پانی پر گذارہ کرتے۔ جب بھوک زیادہ تکلیف دیتی تو عادت مبارک یہ تھی کہ پیٹ پر کپڑا کس کر باندھ لیتے۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے جس کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا بھوک کی شکایت کی۔ اس پر حضورؐ نے اپنا کُرتہ اٹھا دیا۔ آپؐ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ ایک محتاج نے آپ سے سوال کیا کہ میں سخت بھوکا ہوں۔ آپ نے اپنے تمام گھر والوں سے پچھوایا مگر کسی گھر میں پانی کے سوا کوئی چیز بھی موجود نہ تھی۔

۲۔ آپ ہمیشہ مضبوط اور سادہ لباس پہنتے تھے۔ فرمایا کرتے انسان کا بہترین لباس اس کی پرہیزگاری ہے۔ رات کو چمڑے کے بستر پر جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی آرام فرماتے۔ کبھی ٹاٹ کو دوہرا کرکے بچھا لیتے۔ ایک رات حضرت عائشہؓ (آپ کی بیوی) نے اس ٹاٹ کی چار تہیں کر دیں۔ صبح اُٹھ کر فرمایا یہ گدگدا فرش مجھے شب بیداری سے محروم رکھتا ہے۔ آئندہ اسے بدستور دوہرا کرکے بچھایا جائے۔

۳۔ آپ جس حجرے میں رہتے تھے اس کی دیواریں کچی تھیں۔ کھجور کے پھوس اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ آپ کے حجرے میں تشریف لے گئے اور دیکھا کہ آپ کھردری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جسم پاک پر رسیوں کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ایک گوشے میں چند سیر جَو ہیں اور ایک کھونٹی پر ایک جانور کی کھال لٹک رہی ہے۔ بس سرورِ کائنات کی سارے گھر کی ساری کائنات یہ تھی۔ حضرت عمرؓ یہ حال دیکھ کر رونے لگے۔ فرمایا عمرؓ! کیا تم خوش نہیں کہ قیصر و کسریٰ اس چند روزہ زندگی کے عیش منائیں اور ہم دائمی راحت و آرام سے سرفراز کئے جائیں؟

۴۔ آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ چکی پیستی تھیں۔ کاندھے پر پانی کی مشک اُٹھاتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ نے ان کے گلے میں سونے کی زنجیر دیکھی۔ فرمایا یہ مناسب نہیں۔ کہ محمدؐ کی بیٹی کے گلے میں آگ کا طوق ہو۔ سعادت مند بیٹی نے اسی وقت زنجیر فروخت کر دی اور اس کی قیمت سے ایک غلام آزاد کرایا گیا۔

سنہ ۲ھ میں آپ نے اپنی بیٹی فاطمہ کا حضرت علیؓ سے نکاح کیا۔ اس وقت حضرت علیؓ کے پاس صرف تین چیزیں تھیں۔ ایک بھیڑ کی کھال ایک پرانی یمنی چادر اور ایک زرہ۔ فرمایا یہ کافی ہیں۔ ۴۸۰ درہم میں یہ زرہ فروخت کرکے سامانِ عروسی اور خوشبو خریدی گئی۔ جب سیدِ عالم نے بیٹی کو رخصت فرمایا تو آٹھ چیزیں جہیز میں دیں، ایک بان کی چارپائی، ایک چمڑے کا گدا ایک صراحی اور مٹی کے دو گھڑے ایک پانی والی مشک اور دو چکیاں۔ نکاح کے فوراً ہی بعد الگ مکان کی ضرورت ہوئی۔ حارثہ بن نعمان کے متعدد مکان تھے۔ جن میں سے وہ کئی مکان حضور کی نذر کر چکے تھے۔ اب بیٹی نے فرمائش کی کہ اب انہی سے سفارش فرمایئے۔ ارشاد فرمایا بیٹی! اب مجھے شرم آتی ہے۔ حارثہ کو معلوم ہوا تو وہ دوڑتے ہوئے آگئے اور زبردستی حضرت فاطمہ کو اپنے مکان میں لا کر بٹھا دیا۔

بخشش اور فیاضی

اُمت پر زکوٰۃ، مال کا چالیسواں حصہ فرض تھی۔ لیکن پیغمبرِ اسلام نے اپنا سب کچھ خُدا کی راہ میں نثار کر دیا تھا۔ یہ عام حکم تھا کہ جو مسلمان مر جائے۔ اس کا قرض میں ادا کر دوں گا۔ اگر اس نے ترکہ چھوڑا ہو تو وہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔

ایک دفعہ بحرین سے خراج کا مال آیا اور صحن مسجد میں زر و سیم کا انبار لگ گیا حضورؐ نمازِ صبح کے لئے تشریف لائے۔ صحابہ رضؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے اس ڈھیر کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ نماز سے فارغ ہو کر اس انبار کے پاس آ بیٹھے اور تقسیم فرمانے لگے۔ تھوڑی دیر میں دامن جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ایک دفعہ فدک سے غلّہ کے چار اونٹ آئے۔ چونکہ لینے والا کوئی باقی نہ رہا تھا اس واسطے وہ غلّہ شام تک تقسیم نہ ہو سکا۔ جب حضور کو اطلاع ملی، تو فرمایا جب تک یہ دنیا کا مال باقی ہے۔ میں گھر میں نہیں جا سکتا۔ چنانچہ رات مسجد میں بسر فرمائی۔ صبح کے وقت بلال رضؓ نے اطلاع دی "حضور! آپ کا گھر صاف ہو گیا۔" آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور گھر تشریف لے گئے۔

ایک دفعہ نمازِ عصر کے فوراً ہی بعد حجرے میں تشریف لے گئے۔ صحابہ رضؓ کو بہت تعجب ہوا واپس آ کر فرمایا، گھر میں سونے کا ٹکڑا پڑا رہ گیا۔ رات سے پہلے اس کا فیصلہ کرنا ضروری تھا۔

آپ مرضِ موت کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے کہ خیال آگیا، گھر میں کچھ اشرفیاں پڑی ہیں۔ حضرت عائشہ سے فرمایا "انہیں خیرات کر دو۔ یہ مناسب نہیں کہ محمد اپنے خالق کی بارگاہ میں جائے اور اسکے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں۔"

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضیاں نہایت ہی حیرت انگیز ہیں۔ اپنا حال کیسی بھی تکلیف میں ہوتا، آپ سائل کو کبھی ردّ نہ فرماتے تھے۔ گھر میں ایک آٹے کی ٹوکری تھی۔ سائل آگیا۔ آپ نے ساری ٹوکری اس کے حوالے کر دی اور گھر والوں نے رات فاقہ سے بسر کی۔ ایک سائل آیا۔ فرمایا، اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تم میرے نام پر قرض لے لو میں ادا کر دوں گا۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے چادر پیش کی، آپ کو ضرورت تھی۔ اس لئے آپ نے اسے قبول فرما لیا۔ پاس سے ایک شخص نے چادر کی تعریف کی۔ حضور نے اسی وقت چادر اتار دی اور اس کے حوالہ کر دی۔ آپ ایک دن اپنی بکریوں کے ریوڑ میں جو دُور تک پھیلا ہُوا تھا کھڑے تھے ایک غریب آدمی نے سوال کیا، حضورؐ نے تمام ریوڑ اس کے حوالے کر دیا اور آپؐ الگ ہو گئے۔

صدق و ثبات

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ آپ پہلے ہی دن ایک سچائی پر کھڑے ہوئے اور آخر تک کھڑے رہے۔ جب زندگی کی رفتار بدلتی، ساری دنیا اپنی جگہ سے ہل جاتی۔ مگر آپؐ کے مزاج پر بال برابر بھی اثر نہ ہوتا۔

کفّار نے آپ کے قتل کی سازش کی اور تمام قبیلوں کے منتخب بہادروں نے ننگی تلواروں کے ساتھ آپؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ آپ چُپ چاپ سپاہیوں کے پاس سے گذر گئے اور صدیق اکبر کو ساتھ لے کر غار ثور میں جا بیٹھے۔ کفار بھی وہیں غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے۔ اب صرف ایک نگاہ پڑنے کی ضرورت تھی۔ حضرت صدیق اکبر یہ حال دیکھ کر بے قرار ہو گئے مگر پیغمبر اسلام پر ذرا اثر نہ تھا، فرمایا

لاتحزن ان اللہ معنا۔ صدیق! تم کیوں ڈرتے ہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔

آپ لشکر اسلام سے دُور، تنہا ایک درخت کے نیچے پڑے تھے کہ ناگہاں وہاں ایک دشمن آ پہنچا اور تلوار تان کر سرہانے کھڑا ہو گیا۔ ٹھیک اسی وقت آپ نے آنکھ کھولی اور سر پر تلوار کو دیکھا۔ دشمن نے آواز دی۔ "اب تمہیں کون بچا سکتا ہے۔" اس سے زیادہ نازک وقت اور کیا ہو سکتا تھا۔ مگر رسول اللہ کی جمعیت خاطر میں ذرا فرق نہیں آیا۔ آپ نے ایک لفظ میں دشمن کو جواب دیا "اللہ"۔ اسی وقت اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ جب وہی تلوار آپ نے اٹھائی تو دشمن نے معافی کے لئے دہائی مچا دی، پیغمبر اسلام کا دل اب بھی اپنی جگہ پر تھا، فرمایا) معاف کیا۔

جنگ حنین میں دس ہزار فوج آپ کے ساتھ تھی۔ دشمن نے ایک تنگ درے میں بیٹھ کر ایسی بے پناہ تیر اندازی کی کہ تمام اسلامی فوج بے حواس ہو کر بھاگ اُٹھی اور ایک شخص بھی آپ کے ساتھ باقی نہ رہا۔ آپ اس نازک ترین وقت میں گھوڑے سے اُتر آئے زمین پر کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

حضرت عباسؓ نے آپ کو اس حال میں کھڑے دیکھا تو مسلمانوں کو آوازیں دیں اب بعض مسلمان واپس پلٹے اور آن کی آن میں میدان صاف ہو گیا۔

سردارانِ قریش نے عرب کی بہترین عورتیں، زر و مال، تخت و تاج آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ کہ آپ بتوں کا ردّ نہ کریں، مگر آپ نے صاف انکار کر دیا۔ چند دن کے بعد آپؐ کے چچا ابو طالب کے ذریعہ سے آپ کو موت کا چیلنج دیا گیا مگر آپ اب بھی متاثر نہ ہوئے اور فرمایا خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سُورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں۔ تب بھی میں اپنے فرض سے پیچھے نہ ہٹوں گا، خدا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود قربان ہو جاؤں گا۔

ایک رات یہود اور منافقین کے خوف سے آپ کے دروازے پر پہرے

جلد ٦٢ | چہارشنبہ ١٩ ربیع الاول ١٣٩٥ھ - ٢ اپریل ١٩٧٥ء | نمبر ١٤

(حضرت مجدد صد چہاردہم سلام اللہ علیہ)

مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں۔

پس اے نادانو خوب سمجھو اے غافلو خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمالی کے کسی طرح رہائی نہیں اور جو شخص ہر طرح سے گندہ رہ کر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالےٰ کو نہیں بلکہ وہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے اور مجھے ان لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اُٹھا لیتے اور رسول کریمؐ کے پاک جُوئے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں نہیں دیتے اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے اور ٹھٹھے کی مجالس کو نہیں چھوڑتے اور ناپاکی کے خیالاتوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے اور عاجزوں کو دھکے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبر سے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔ مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں اور شرم سے بات کرتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کی عزت کرتے اور اپنے ربّ کریم کو یاد رکھتے ہیں۔ اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے نجات تیار کی گئی ہے۔ جو شخص شرارت اور تکبر اور خود پسندی اور غرور اور دنیا پرستی اور لالچ اور بدکاری کی دوزخ سے اسی جہان میں باہر نہیں وہ اُس جہان میں کبھی باہر نہیں ہوگا میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ کے دلوں پر کارگر ہوں خدایا مجھے ایسے لفظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو ان دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کی زہر کو دور کر دیں میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ کبھی وہ بھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا کہ وہ ہر ایک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دُور جا پڑیں گے اور اپنے ربّ سے ڈرتے رہیں گے مگر ابھی تک بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ ہاں نماز پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا شئے ہے۔ جب تک دِل فروتنی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے۔ جیسا کہ قربانیوں کا خون اور گوشت خدا تک نہیں پہنچتا۔ صرف تقویٰ پہنچتی ہے ایسا ہی جسمانی رکوع و سجود بھی ہیچ ہے جب تک دل کا رکوع و سجود و قیام نہ ہو۔ دِل کا قیام یہ ہے کہ اس کے حکموں پر قائم ہو اور رکوع یہ کہ اس کی طرف جھکے اور سجود یہ کہ اس کے لئے اپنے وجود سے دست بردار ہو۔ سو افسوس ہزار افسوس کہ ان باتوں کا کچھ بھی اثر میں ان میں نہیں دیکھتا مگر دُعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دمِ زندگی ہے کئے جاؤں گا اور دُعا یہی ہے کہ خدا تعالےٰ میری اس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور اپنی رحمت کا ہاتھ لمبا کر کے ان کے دل اپنی طرف پھیر دے اور تمام شرارتیں اور کینے ان کے دِلوں سے اُٹھا دے اور باہمی سچی محبت عطا کر دے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ دُعا کسی وقت قبول ہوگی اور خدا میری دُعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا۔ ہاں میں یہ بھی دُعا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالےٰ کے علم اور ارادہ میں بدبخت ازلی ہے جس کے لئے یہ مقدر ہی نہیں کہ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی اس کو حاصل ہو تو اس کو اے قادر خدا میری طرف سے بھی منحرف کر دے جیسا کہ وہ تیری طرف سے منحرف ہے اور اس کی جگہ کوئی اور لا جس کا دِل نرم اور جس کی جان میں تیری طلب ہو۔

(شہادت القرآن صفحہ ٨٥ - ٨٦)

محترم پروفیسر خلیل الرحمن صاحب ایم - ایس سی

اِسلام یا کوئی اور اِزم

ایک تقابلی جائزہ

(بسلسلہ اشاعت مورخہ ۵ر مارچ ۱۹۷۵ء)

(۸)

۴ - ماپ تول میں کمی بیشی } تجارت میں دو قسم کے پیمانے استعمال ہوتے ہیں۔ ماپ کے اور اور تول کے ۔ قرآن کریم نے بہت سے مقامات پر مثلاً اعراف ۸۵ - ہود ۸۴ - بنی اسرائیل ۲۵-۲۴ الشعراء ۸۱ - ۸۲ اور المطففین ۲ - ۳ میں ماپ تول کے پیمانے درست اور پورے رکھنے کا ذکر موجود ہے ۔ سورۃ الاعراف ۸۵ - ہود ۸۴ میں حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :

"اے میری قوم ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور فساد پھیلاتے ہوئے حد سے نہ بڑھو"

آپ کی قوم میں یہ جرم زیادہ نمایاں تھا۔ لوگ باز نہ آئے اور ایک تباہ کن زلزلہ نے انہیں ہلاک کر دیا۔

قرآن کریم کے اندر گذشتہ قوموں کے متعلق بیان کردہ واقعات کوئی قصے [illegible] ہیں ۔ مسلمان باوجود ان تمام نافرمانیوں اور گناہوں کے اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے کیوں اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتے ہیں جب کہ محسن انسانیت رحمۃ للعٰلمین اور ختم الرسل یہ فرماتے ہیں کہ میں خود اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو یوم عظیم مجھ پر بھی اس کا غضب نازل ہوگا۔

آپؐ نے دوسروں کو جو تعلیم دی اس پر خود عمل کر کے دکھایا۔ آپ کے پاس خیبر سے اعلیٰ قسم کی کھجوریں لائی گئیں ۔ آپؐ نے لانے والے سے پوچھا کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہیں ۔ جواب ملا کہ نہیں ۔ ہم ادنیٰ قسم کی زیادہ کھجوریں دے کر اعلیٰ قسم کی اس مقدار سے کم کھجوریں لے لیتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ جو ادنیٰ قسم کی کھجوریں حاصل ہوں انہیں فروخت کر کے اعلیٰ قسم کی کھجوریں اس رقم سے خرید لو ۔ نہ دینے والے کو نقصان ہو اور نہ لینے والا زیادہ لے ۔ یہی انصاف پہ قائم رہنا ہے ۔

پھر حضورؐ فرماتے ہیں پھلوں کے باغات کا لین دین اس وقت تک نہ کرو جب تک ان کی آفات کا وقت گذر نہ جائے ۔ اور وہ پک نہ جائیں ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے جو مال عیب دار ہو اس کا عیب خریدار پر ظاہر کر دو ۔ خرید و فروخت میں قسم کھانا گناہ ہے ۔ اس طرح ناقص مال کو اچھا کر کے دکھا کر مہنگے داموں بیچنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔

اس آئینے میں اس خاتم النبیین کی اُمت کہلانے والے لوگ اپنی تصویر دیکھ لیں اور خود فیصلہ کر لیں کہ وہ کتنی خوبصورت یا بدصورت ہے ۔

اشیاء میں ملاوٹ ، چور بازاری ، ذخیرہ اندوزی اور سمگلنگ سب اسی کے تحت آتے ہیں ۔ کوئی چیز بازار سے کر گھر میں ماپو یا تولو ، وہ یقیناً کم نکلے گی ۔ اگر چیز ملاوٹ شدہ ہو تو اس میں اصل چیز اور بھی کم ہوگی ۔ ایک سیر دودھ میں کم از کم ایک پاؤ پانی ہوتا ہے ۔ خالص دودھ تین پاؤ رہ جاتا ہے ۔ اور اگر اس ایک سیر کو تولو تو ۲½ یا تین چھٹانک دودھ کم ہوگا ۔ اور اس طرح خالص دودھ صرف ۲½ پاؤ رہ جائے گا ۔ اور پیسے آپ کو ایک سیر خالص دودھ کے حساب سے دینے ہوں گے ۔ اسی طرح باقی اشیائے صرف پر بھی قیاس کر لیں ۔ اب تو مٹی کے تیل میں بھی پانی کی ملاوٹ شروع ہو گئی ہے ۔ ایک ٹین میں آدھا پانی ہوتا ہے اور آدھا تیل اور قیمت تیل کے پورے ٹین کی ادا کرنی ہوتی ہے ۔

چینی میں ملاوٹ کر کے اور بھگو کر فروخت کی جاتی ہے ۔ اشیاء اس خیال سے کہ مہنگی ہوں گی ذخیرہ کر لی جاتی ہیں اور مہنگی ہو جانے پر فروخت کی جاتی ہیں۔ مثلاً اگر ایک چیز کا نرخ -/25 روپے من ہو تو اسے خرید کر رکھ لیا جائے گا اور جب اس کا موسم گذر جائے گا تو وہ مہنگی ہو جائے گی اور اس کی قیمت ان حالات میں -/40 روپے من ہو جائے تو -/25 میں آپ کو صرف 25 سیر ملے گی جو عام حالات میں آپ کو پورا من ملنی چاہیئے اور یوں آپ کو ۱۵ سیر کم ملیگی۔

سمگلنگ کے ذریعے ایک ملک کا مال عموماً پڑوسی ملک میں اس لئے فروخت کیا جاتا ہے کہ وہاں اپنے ملک کی نسبت قیمت زیادہ ملتی ہے ۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سمگل شدہ مال کی اپنے ملک میں قلت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں ۔ سمگلر دوہرا نفع کماتا ہے ۔ باہر سے بھی اپنے ملک میں بھی ۔ جہاں تک اشیائے خورد و نوش کا تعلق ہے اس کا بُرا اثر اس ملک کی معیشت پر زیادہ پڑتا ہے ۔ جس سے اشیاء باہر جاتی ہیں اور جس ملک میں جاتی ہیں وہاں با افراط ملتی ہیں ۔ چند دن ہوئے ایک اعلیٰ عہدے پر فائز دوست نے جو افغانستان کی سیر سے واپس آئے تھے بتایا کہ پاکستان میں مصنوعی گھی چراغ لے کر ڈھونڈیں تو نہیں ملتا لیکن افغانستان کے دو گاؤں میں شمع اور کھجور مارکہ گھی کے ہر سائز کے ڈبوں کے انبار لگے ہوئے ہیں ۔ یہی حال آٹا گندم اور چینی کا ہے ۔ باہر سے آئی ہوئی دولت صرف چند ہاتھوں میں رہتی ہے اور سرمایہ داری کو تقویت پہنچاتی ہے ۔ اکثر یہ دولت باہر کے بنکوں میں جمع رہتی ہے ۔ اپنے ملک میں بھی نہیں آتی ۔

دوسری مصنوعات جو سامانِ تعیش میں شمار ہوتی ہیں ، جب باہر کے ملک سے سمگل ہو کر آتی ہیں ان کا گھریلو صنعتوں پر بُرا اثر پڑتا ہے ۔ اگر گھریلو صنعت کی پیداوار کی قیمت ، باہر سے آئی ہوئی اشیاء کی قیمت کی نسبت زیادہ ہو تو باہر کی اشیاء خریدی جائیں گی ، اور اس طرح اندرونِ ملک پیداوار کے ذمہ دار صنعتکاروں کی حوصلہ شکنی ہوگی اور پیداوار میں کمی واقع ہوگی ۔ اور یا قیمتوں کو برابر سطح پر لانے کے لئے اس میں اضافہ کیا جائے گا ۔ اور یوں اشیائے ضرورت کی نسبت اشیائے تعیش کی فراوانی ہوگی جو قوم کو تن آسان اور عیش پسند بنا دے گی ۔ اور اگر قیمت کم ہوگی تو اسے ادنیٰ سمجھ کر خریدا نہیں جائے گا ۔ اس طرح مُلک کا روپیہ باہر چلا جاتا ہے اور غیر ملک کو اپنی صنعت کو ترقی دینے کا موقعہ مل جاتا ہے کیونکہ سمگلنگ کے ذریعے اسے ایک منڈی مل جاتی ہے ۔ اسی طرح خام مال کی سمگلنگ اپنے مُلک کے کارخانوں کو نقصان پہنچاتی ہے ۔

یہ تجارت میں بد دیانتی اور ملک سے غداری ہے ۔ جب ملکی اور قومی مفاد کا احساس مر جائے اور دولت کو ہی اپنا مطلوب ، مقصود اور قاضی الحاجات تصور کر لیا جائے تو اس کا نتیجہ سوائے تباہی اور بربادی کے کچھ نہیں ہوتا ۔

۵ - دوسرے ناجائز ذرائع آمدنی } دوسرے ناجائز یا استحصال کے ذرائع ، چوری ، ڈاکہ ، راہزنی ، جیب تراشی ، بچوں اور بچیوں کا اغوا ، فحاشی کے اڈے ، گداگری ، جعل سازی ، اور دھوکہ دہی ہیں ۔ یہ ذرائع آمدنی جرائم میں شمار ہوتے ہیں ، لیکن ہر وہ ذریعہ معاش جو باطل ہے اور جس میں انسانی قوت اور توانائی کے استعمال کو دخل نہیں وہ جرم ہے ۔ ایسے جرائم سے علماء اور مشائخ بھی مبرا نہیں ۔ تعویذ ، گنڈے پھونکیں مارنا ۔ عرس ۔ مُردے کے لئے ختم قرآن کے بعد کوئی رقم وصول کرنا ۔ صدقہ ، خیرات ، زکوٰۃ ، فطرانہ اپنی ذات کے لئے وصول کرنا قطعاً خلافِ قرآن و سُنت ہے ۔ اور اسے جرم کے احاطہ سے باہر نہیں سمجھا جا سکتا ۔ یہ کوئی معقول دلیل نہیں کہ ایسا معاشی ناہمواری کی وجہ سے ہو رہا ہے ۔ ۱۹۷۱ء میں جب -/۵۰۰ اور -/۱۰۰۰ روپے کے نوٹ منسوخ ہونے کا اعلان ہوا تو اخبارات میں ایسی خبریں بھی پڑھنے میں آئیں کہ گداگروں نے بھی ہزاروں کی رقوم ان نوٹوں کی صورت میں بنکوں میں جمع کرائیں ، بڑے بڑے شہروں کی اضافی بستیوں میں کھڑی عالیشان عمارتوں کی تعمیر کی جب تحقیق کی جائے تو یہ معلوم کر کے سکتہ میں نہیں آ

(باقی بر صفحہ ۵ کالم اوّل)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۲ر اپریل ۱۹۷۵ء

تربیتی کورس

[illegible] سلسلہ [illegible] نوجوانوں کی دینی اور روحانی تربیت کے لئے دارالسلام لاہور میں ۱۸ر اپریل سے ۲ر مئی تک ایک تربیتی کورس ہوگا، تربیتی کورس کی اہمیت اب کسی شعبۂ زندگی کے لئے نئی بات نہیں۔ عالمی اور ملکی سطح پر ہمارے زمانے میں وقتاً فوقتاً تربیتی کورس ہوتے رہتے ہیں۔ دینی میدان میں اس کی اہمیت کو کبھی نظرانداز نہیں کیا گیا، پانچ وقت نماز، رمضان شریف کے روزے اور زندگی میں ایک بار حج سب تربیتی کورس کا بیش بہا نمونہ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں مسلمانوں کو اپنی صحبت میں متواتر تربیت دی، حتیٰ کہ اہلِ ایمان کا ایک گروہ دنیا سے قطع تعلق کر کے مسجد نبویؐ میں گوشہ گیر ہو چکا تھا جسے دنیا اصحاب صفہ کے نام سے جانتی ہے اور انہی اہل اللہ کا ذکر اللہ تعالےٰ نے رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ کے الفاظ میں کیا یہی لوگ ہیں کہ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

ہمارے زمانے میں حضرت مسیح موعودؑ نے غلبۂ اسلام کے لئے مسلمانوں کی ایک جماعت اپنے گرد اکٹھی کی، ان ہی لوگوں سے جہاں آپ نے کتاب و سنت کی کامل پابندی پر بیعت لی تو ساتھ ہی یہ بھی اقرار لیا کہ آپ کے پیغام پر لبیک کہنے والا ہر شخص ”دین کو دنیا پر مقدم کرے گا“ اور آج آپ کے سلسلہ سے وابستہ ہر فرد جانتا ہے کہ جن لوگوں نے آپ کے دستِ مبارک پر ”دین کو دنیا پر مقدم کرنے“ کی بیعت کی، انہوں نے اپنی قربانی، ایثار، خلوص اور تبلیغی مساعی سے صحابہ کی یاد تازہ کر دی۔ آپ نے بیعت کنندگان کو بار بار قادیان آنے اور زیادہ سے زیادہ عرصہ تک صحبت میں رہنے کی تلقین کی، جس کے زیر اثر کئی ایک اہلِ ایمان تو مستقل طور پر وہاں منتقل ہو گئے۔ کئی ایک نے دنیا کی چکا چوند کو اپنے آقا کے ارشاد پر قربان کر دیا۔ اور جو وہاں نہ جا سکے وہ بھی وقتاً فوقتاً قادیان کا رُخ کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر بیعت کنندہ نہ صرف دینداری اور اسلامی شرافت کا نمونہ بن گیا بلکہ دینی معلومات کا حصول اور تبلیغِ دین اس کا اوڑھنا بچھونا بن گیا اور آپ کے تربیت یافتہ بزرگوں کے زیر اثر ہی یہ سلسلہ دنیا بھر میں پھیلا۔ آج اسلام اور اسلام کا یہ خادم سلسلہ جس دَور سے گذر رہا ہے وہ انتہائی نازک ہے۔ لیکن جب کوئی جماعت اپنا محاسبہ کرتی ہے اور حالات کے پیش نظر اپنی کوتاہیوں کا جائزہ لے کر انہیں دُور کرنے کا عزم کر لیتی ہے تو نصرت الٰہی اس کا ساتھ دیتی ہے ہم نے جس ثابت قدمی سے موجودہ ابتلاء کے وقت استقامت، ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا ہے وہ کافی نہیں۔ اس کے ساتھ اپنے مقصد حیات کے ساتھ آگے قدم بڑھانا بھی ضروری اور کلیدی کامیابی ہے اور ہماری تحریک کا مزاج اور غلبہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم میں سے ہر فرد قرآن و سنت کا عالم بھی ہو اور عمل بھی ہماری زندگیوں میں سیرت اسلاف کی جھلک بھی ہو اور قربانی کی وہی تڑپ ہو جس کا اسلام ہم سے تقاضا کرتا ہے، جو اصحاب رسولؐ میں تھا اور جو ہم نے اپنے امام سلسلہ اور اکابر سے ورثہ میں پایا ہے۔

ان حالات میں ہماری برادرانِ سلسلہ اور بالخصوص نوجوانوں سے التماس ہے کہ وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اس تربیتی کورس میں شرکت کریں اور دنیا پر ثابت کر دیں کہ وہ دنیا میں غلبۂ اسلام کے لئے کسی جسمانی اور مادی قربانی سے گریز نہیں کریں گے۔

شاہ فیصل کا وحشیانہ قتل

۲۵ر مارچ کو ریڈیو پر سعودی عرب کے حکمران شاہ فیصل بن عبدالعزیز کے قتل کی المناک خبر سن کر اردن کے شاہ حسین لگ بھگ ہوتے ہوتے بچے۔ عراق کی خونین داستان سے کون ناواقف ہے۔ شاہِ ایران کی زندگی مستقل خطرے میں چلی آ رہی ہے۔ شام میں کئی سربراہ موت کے گھاٹ اُترے، اور مختلف عرب اور اسلامی ملکوں میں بغاوتوں اور سازشوں کی داستان بھی کم طویل نہیں۔

شاہ فیصل مرحوم اپنی بردباری، تحمل، تدبر، عرب پروری اور اسلام دوستی کی وجہ سے اسلامی دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مشرق اوسط کے تنازعہ میں انکی روش صلح پسندانہ تھی، اور اسی وجہ سے عالمی اداروں نے ان کی صلح پسندی کو خراجِ تحسین پیش کیا، آل سعود کی پشت پر اسلام دوستی کی روشن روایات موجود ہیں عرب کے اس قبیلہ نے اٹھارہویں صدی میں حضرت محمد بن عبدالوہابؒ کی قیادت میں جہاں احیائے اسلام اور اصلاح ملت کی تحریک چلائی اور عرب کی بدعتی و مشرکانہ رسوم کے خلاف جہاد کیا، وہاں غیرمسلم استحصالی قوتوں سے بھی ٹکر لی پھر کچھ عرصہ سیاسی انحطاط کے بعد اس صدی کے ربع اوّل میں شاہ عبدالعزیز بن سعود نے حجاز و نجد پر قبضہ کر لیا ملک میں امن کی فضا قائم کر دی اور شریعت کے قوانین کو سختی سے نافذ کیا۔

ان کی وفات پر ان کے بڑے صاحبزادے شاہ سعود جانشین ہوئے لیکن کچھ عرصہ بعد انہیں الگ کر کے ان کے برادرِ اصغر شاہ فیصل کو بادشاہ چُن لیا گیا۔ جنہوں نے مرتے وقت تک کمال تدبر اور پابندی شریعت سے حکومت کی، انہوں نے جہاں ملک کو غیرملکی بالخصوص مغربی اثرات سے پاک کیا وہاں ملک کو ترقی کی شاہراہ پر بھی قائم کیا، ملک میں جابجا صنعتی ادارے بھی قائم کئے۔ تعلیم کو پھیلایا فوج کو از سر نو منظم کیا، کمزور عرب اور اسلامی ممالک کی امداد کی، محافظ حرمین کی حیثیت سے عالم اسلام سے گہرے روابط قائم کئے۔ آپ کے پاکستان کے ساتھ تعلقات بالخصوص انتہائی برادرانہ تھے، مشرقی پاکستان میں بغاوت کے دوران آپ نے پاکستان کا کھل کر ساتھ دیا۔ اور آپ نے مرتے وقت تک بنگلہ دیش کے وجود کو تسلیم نہ کیا، پھر پاکستان کی کھُل کر مالی امداد کی اور چند ماہ قبل ہی سوات میں زلزلہ کے موقعہ پر ۱۵ کروڑ روپے بطور امداد دیئے، اس کے علاوہ سعودی عرب میں ان دنوں ہزاروں پاکستانی ڈاکٹر، انجینئر اور کاریگر تعمیر عرب میں ہاتھ بٹا رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ پاکستان نے آپ کے قتل کو ذاتی نقصان سمجھ کر محسوس کیا ہے۔

(باقی پر صـــ کالم ـــ)

دارالسلام لاہور میں تربیتی کورس

ماہ فروری کے خبر نامہ میں احباب کو اطلاع دی گئی تھی کہ برادران سلسلہ اور بالخصوص نوجوانوں کی دینی، اخلاقی اور روحانی تربیت کے سلسلہ میں مرکز کی طرف سے ایک ”تربیتی کورس“ ۱۸ر اپریل سے ۲ر مئی تک دارالسلام لاہور میں ہوگا، جس میں قرآن حکیم، حدیث النبی اور سیرت حضرت مسیح موعودؑ کے تبلیغی مقاصد پر لیکچر ہوں گے، نیز باجماعت نمازوں میں شمولیت اور غلبۂ اسلام کے لئے مل کر دعاؤں کے علاوہ باہم بھائی چارہ میں اضافہ کا موقع بھی ملے گا۔ ہمیں توقع ہے کہ زیادہ سے زیادہ برادران سلسلہ اس روحانی مجاہدہ میں شریک ہوں گے۔ بالخصوص جو نوجوان امتحانات سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ان کی شرکت نہایت ضروری ہے۔ شرکت کرنے والے احباب ۳۱ر مارچ تک جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو اطلاع دیں۔ (مدیر)

شاہ فیصل مرحوم کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے تعلیمات اسلام کو عام کرنے اور دنیا کے مسلمانوں کو دین کے قریب لانے کے لئے بہت زیادہ کوشش کی، آپ نے اگر حرم کعبہ اور مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر و وسعت میں سعی فرمائی تو مکہ مکرمہ میں موتمر عالم اسلامی اور عالمی اسلامی کانفرنس کو مرکزیت بخشی اور دنیا میں تبلیغ و اشاعت قرآن کے لئے ادارہ قائم کیا۔ اور آج آپ کی مساعی سے جہاں عالم اسلام میں اتحاد کو تقویت پہنچ رہی ہے وہاں مسلمانوں میں دینی بیداری کی لہر بھی دوڑ رہی ہے۔ اور آج آپ کے جانشینوں نے اس جذبے کو برقرار رکھا تو انشاء اللہ العزیز اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا دور قریب تر آ جائے گا۔

موت و حیات کا سلسلہ لامتناہی ہے۔ اور اس کا قیام انسان کی آزمائش کے لئے ہے۔ ایک حکمران کی ذمہ داریاں ایک عام انسان سے عظیم تر ہوتی ہیں۔ اس لئے جہاں اس کے نیک کام دوسروں سے بڑھ کر ہوتے ہیں وہاں اس کی کوتاہیاں بھی عظیم ہوتی ہیں مرحوم کی زندگی پر مجموعی نظر ڈالی جائے تو ان کے حسنات غالب ہی نظر آتے ہیں۔ اب ان کا واسطہ ذات الٰہی کے ساتھ ہے۔ ہم خدا سے قرآنی الفاظ میں دست بدعا ہیں ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔ اس کے ساتھ ہی ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم اسلام میں اتحاد پیدا کرے اور اسلام کے غلبے کو قریب تر لائے۔

جامع احمدیہ لاہور میں شاہ فیصل مرحوم کیلئے دعائے مغفرت

شاہ فیصل مرحوم کے وحشیانہ قتل کو عالم اسلام نے شدت سے محسوس کیا ہے اس سے متاثر ہو کر حضرت امیر مولانا صدرالدین ایدہ اللہ کی تحریک پر بعد از نماز جمعہ جامع احمدیہ مرکزیہ لاہور میں تمام حاضرین نے مرحوم کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ سلطان مرحوم کی کوتاہیوں سے صرف نظر کر کے انہیں اپنے دامن رحمت میں جگہ دے اور آپ کے جانشین سلطان خالد بن عبدالعزیز کو اسلام اور ملت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق دے۔ آمین۔

ایک بزرگ خاتون کی وفات

لائلپور سے محترم ڈاکٹر مرزا مظفر بیگ ساطع آنریری مسلم مشنری اطلاع دیتے ہیں "میرے برادر بزرگ مرزا اعظم بیگ مرحوم کی اہلیہ امۃ اللہ بیگم پر فالج گرا، اور وہ سی۔ ایم۔ ایچ راولپنڈی میں وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحومہ اپنے داماد، اور میرے فرزند ڈاکٹر مرزا احمد اورنگ زیب بیگ مینجر کامرس بنک کے ہاں ٹھہری ہوئی تھیں۔ مرحومہ کی بڑی صاحبزادی کرنل نصرت جہان کو اپنی والدہ کی خدمت کا قدرت نے موقع عطا کیا، مرحومہ کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں تجہیز و تکفین میں شریک ہوئیں ہر دلعزیزی کی وجہ سے دو دفعہ جنازہ پڑھا گیا۔ ایک دفعہ اہل محلہ نے اور دوسری بار جنازہ گاہ میں احباب کی موجودگی میں، مرحومہ نے بیسیوں لڑکیوں کو قرآن حکیم پڑھایا تھا۔ اور اپنی نیکی اور دینداری کی وجہ سے عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ مفصل حالات زندگی الگ نذر قارئین ہوں گے۔

پیغام صلح } ہمیں اس صدمہ میں محترم مرزا مظفر بیگ ساطع اور مرحومہ کی صاحبزادیوں اور صاحبزادوں سے دلی ہمدردی ہے۔ خدا انہیں صبر عطا فرمائے اور مرحومہ کو دامن رحمت میں جگہ دے۔ احباب سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

محترم مرزا محمد سلیم اختر شاہد

بے جا تعریف کرنے والوں کے منہ پر مٹی

عَنْ اَبِیْ مَعْمَرٍ قَالَ قَامَ رَجُلٌ یُثْنِیْ عَلٰی اَمِیْرٍ مِنَ الْاُمَرَاءِ فَجَعَلَ الْمِقْدَادُ یَحْثِیْ عَلَیْهِ التُّرَابَ وَقَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَحْثِیَ فِیْ وُجُوْهِ الْمَدَّاحِیْنَ التُّرَابَ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابی معمر سے روایت ہے کہ ایک شخص ایک امیر کی تعریف کرنے کھڑا ہوا تو حضرت مقداد اس پر مٹی پھینکنے لگے اور کہنے لگے کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم بے جا تعریف کرنے والوں کے منہ پر مٹی ڈالیں۔

تشریح: بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے ممدوح حضرات کی تعریف میں بڑے مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ جہاں تک کسی کے اچھے فعل پر پسندیدگی کے اظہار کا تعلق ہے یہ کوئی بری بات نہیں اور نہ ہی یہ منع ہے مگر کسی انسان کی بے جا تعریف کرنا اور جو خوبیاں اس میں موجود نہیں ان کا اثبات کرنا اور اس کو غلط فہمی میں ڈال دینا حقیقت میں یہ بات انسان کو تباہ و برباد کر دینے والی ہے حضرت مقداد نے تو اس حدیث کو ظاہری طور پر پورا کر دیا مگر اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ بے جا مدح کرنے والوں کو کچھ نہ دو ایسے لوگ کسی خاص مطلب کے پیش نظر تعریف کر رہے ہوتے ہیں لہٰذا ان کا وہ مطلب یا خواہش پوری نہ کرو۔

دوسرے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب تم کسی کی مدح کرو تو اس بات کو خوب یاد رکھو کہ تمہاری تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔ پس مدح و ستائش سے اتراؤ نہیں بلکہ خاکساری اختیار کرو کیونکہ مٹی کا خاصہ تواضع اور انکسار ہے۔ تعریف سننے والے حضرات میں ایک مرض یہ بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ہر جگہ ایسی فضا چاہتے ہیں جہاں ان کے مداحین موجود ہوں اگر کوئی ایسا شخص موجود ہو جو ان کی مدح نہ کرنا چاہتا ہو، یا وہ ان خوبیوں کو اس میں موجود نہ پاتا ہو جو ان کے متعلق بیان کی جاتی ہیں تو انہیں ایسے آدمی سے ایک قسم کی عداوت ہو جاتی ہے اور ہر لحظہ اس کے متعلق سوچتے رہتے ہیں کہ کسی طرح ان کو نیچے گرا کر اپنے کمالات کی تعریف کروائی جائے۔ مگر یہ باتیں خدا تعالیٰ کو پسند نہیں جو کسی کی ذلت کا سوچتا ہے خدا تعالیٰ خود اس کی اہانت اور تذلیل کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔

انسان میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ پس تعریف اس خدا کی کرنی چاہیئے جس نے یہ خوبی ودیعت کی ہے۔ فخر کرنا اور دوسرے کی تحقیر کو روا رکھنا اور خدا تعالیٰ کی بجائے اپنی حمد و ثنا کا خوگر ہونا بالآخر انسان کو ایسی اتھاہ گہرائیوں میں گرا دیتا ہے جہاں سے اس کا سنبھلنا ممکن نہیں رہتا۔

مسجد دارالسلام لاہور میں پنکھوں کی ضرورت

مسجد دارالسلام میں موسم گرما کی آمد آمد کی وجہ سے فوری طور پر ۱۲ پنکھے نصب کرانے کی ضرورت ہے۔

"دارالسلام کمیٹی" کی مخیر احباب سے استدعا ہے کہ وہ اس کار خیر میں حصہ لے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ ۵۶ گ پنکھے کی قیمت بازار میں اس وقت -/450 روپے ہے۔

فضل حق۔ ناظم دارالسلام

جانا چاہیئے کہ ان کے مالک سمگلر، چور بازار، ذخیرہ اندوز، رشوت خور، ملاوٹ کرنے والے۔ چور، ڈاکو، رہزن۔ جیب تراش، جوئے باز۔ اغوا کنندگان۔ فحاشی کے اڈے چلانے والے مرد اور عورتیں۔ فاحشہ عورتیں اور گداگر ہیں۔ مختصراً یہ کہ یہ سب باطل ذرائع آمدنی ہیں جن کے ذریعے انسان انسان کا استحصال کرتا ہے۔ قرآن کریم نے ایسے ذرائع اختیار کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

لیکن دردناک بات یہ ہے کہ اکثر اسلامی ممالک ہی ان کا شکار ہیں اور اسی وجہ سے غیر اسلامی ممالک کے مقابلے میں پسماندہ اور خوار۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ باوجود تمام قدرتی وسائل پیداوار اور دولت سے متمتع ہونے کے ہندوؤں اور یہودیوں سے پٹ رہے ہیں۔ خواہ جنگ کا میدان ہو، سیاست کا میدان ہو یا اقتصادی میدان۔ عجب تر یہ کہ ہندو اور یہودی مسلمان کو مسلمان کے خلاف کھڑا کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ اغیار یہ طعنہ بھی دیتے اور تمسخر اور استہزا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے ادبار، نکبت اور پسماندگی کی سب سے بڑی وجہ آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے کے نظریہ اسلام پہ تکیہ لگائے بیٹھنا ہے۔ جب تک اسے ترک نہیں کریں گے وہ ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑے نہیں ہو سکتے۔ سچ یہ ہے کہ ان کی یہ ناگفتہ بہ حالت قرآن کریم کو پس پشت ڈالنے کا نتیجہ ہے۔ جو اسلام آج دنیا میں نظر آ رہا ہے بلکہ یوں کہئے کہ جو مسلمان آج دنیا میں نظر آ رہے ہیں۔ ان کے پاس قرآن کریم کا اسلام نہیں۔ وہ ان کا اپنا بنایا ہوا دین ہے جسے اسلام کا نام دے کر بدنام کیا جا رہا ہے۔

دولت کے حصول میں مرد و عورت کی شرکت

کمیونزم کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ہر مرد اور عورت کام کرے۔ اس سے کام اس کی اہلیت اور قابلیت کے مطابق لیا جائے اور ضروریاتِ زندگی اسے اس کی ضرورت کے مطابق دی جائیں۔ یہ کوئی نیا اصول نہیں۔ غور کرنے والوں کو یہ آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے کے نظام حیات میں مل جائے گا۔ "مردوں کا حصّہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں" (النساء۔ ۳۲) اس کے ساتھ یہ بھی ملے گا کہ "اللہ کسی پر کچھ لازم نہیں کرتا مگر جس قدر اس کی طاقت ہو۔ اسی کے لئے ہے جو وہ اچھی کمائی کرے اور اسی پر ہے جو وہ بُری کمائی کرے" (البقرہ ۲۸۶) اسی طرح ایک دوسرے مقام پر ہے "انسان کے لئے نہیں مگر وہی جس کے لئے وہ کوشش کرے"۔ ان سب آیات کو یک جا کر کے دیکھا جائے تو یہی مطلب نکلے گا کہ معاشرہ کی روحانی اور مادی ترقی میں مرد اور عورت دونوں یکساں طور پر حصہ دار ہیں اور دونوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ اس کے لئے کوشش کریں۔ ہر ایک سے اس کی طاقت اور استطاعت کے مطابق ہی کام لیا جا سکتا ہے اور ہر ایک کو اس کی سعی کے مطابق معاوضہ ملے گا۔ کمیونزم کی طرح نہیں کہ کام تو اس کی قابلیت اور اہلیت کے مطابق لیا جائے مگر دیا جائے اسے اس کی ضرورت کے مطابق۔ اس سے انفرادی جماعتی اور قومی طور پر ترقی کے لئے کوئی جذبہ باقی نہیں رہتا۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ جتنی کوئی کوشش کرے گا اسے اسی کے مطابق ملے گا۔ زیادہ محنت اور مشقت کرے گا تو زیادہ اجر پائے گا اور کم کرے گا تو کم ملے گا۔ اگر جائز وسائل سے کام لے گا تو اس کا فائدہ بھی اسی کو ہوگا اور اگر باطل ذرائع اختیار کرے گا تو اس کا نقصان بھی وہی اُٹھائے گا۔ اسلامی معاشرہ کسی فرد کو مرد ہو یا عورت سوسائٹی پر بوجھ بن کر رہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس ضمن میں مَیں صرف دو تین مثالیں صحیح بخاری سے پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

(۱) رسول کریم صلعم نے فرمایا اگر تم میں سے ایک شخص اپنی رسی لے کر اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا لائے اور اسے بیچے اور اللہ اس سے اس کی آبرو بچائے تو اس کے لئے یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ وہ اسے دیں یا نہ دیں"۔

(۲) حضرت حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا تو مجھے دیا۔ پھر میں نے آپ سے مانگا تو مجھے دیا۔ پھر آپ سے مانگا تو مجھے دیا۔ پھر فرمایا اے حکیم یہ مال ہرا بھرا میٹھا ہے تو جو اسے اپنے نفس کو سخی رکھ کر لے گا اس کے لئے اس میں برکت ہوگی اور جو اسے نفس کی طمع سے لیگا اس کے لئے اس میں برکت نہیں ہوگی اور اس کی طرح ہوگا جو کھاتا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ اُوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے کے ہاتھ (لینے والا) سے بہتر ہے۔ حکیم نے کہا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ کے بعد میں کسی سے کچھ نہ لوں گا۔ یہاں تک کہ دنیا سے چل بسوں اور ایسا ہوا بھی، انہوں نے نہ کبھی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اور نہ حضرت عمرؓ سے اپنا حصہ لیا اور نہ کسی اور انسان سے مانگا، یہاں تک وفات پا گئے۔

(۳) حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے روایت ہے کہ جب ہم مدینہ میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور سعد بن الربیعؓ کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا ۔ سعد بن الربیعؓ نے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ امیر ہوں تمہیں اپنے مال کا نصف حصہ دیتا ہوں۔ اور دیکھو میری دو بیویوں میں سے جو تمہیں پسند ہو میں تمہارے لئے اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ جب عدت گذر جائے اس سے نکاح کر لینا۔۔۔ تو عبدالرحمٰن رضؓ نے کہا مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیا کوئی بازار ہے جس میں تجارت ہو؟ کہا قینقاع کا بازار ہے۔ عبدالرحمٰن صبح کو اس طرف چلے گئے اور پنیر اور گھی لے آئے۔ پھر روز صبح کو جانے لگے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ انہوں نے انصار کی ایک عورت سے ایک گٹھلی برابر سونا کے مہر کے عوض نکاح کر لیا اور نبی کریم صلعم کے حکم کے مطابق ولیمہ بھی کیا۔

یہ تھا وہ نبیؐ اور یہ تھی اس کی قوم جو اس نے پیدا کی۔ خدا کی قسم اگر آج ذرّہ بھر بھی اپنے نبی کی تعلیم کے لئے عزت اور غیرت ہو تو انسان تڑپ تڑپ کر بھوکا مر جائے مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے خواہ انفرادی سطح پہ ہو یا قومی سطح پر۔ وہ جفاکش محنت کوش اور غیور انسانوں کا معاشرہ تھا۔ جو غیروں کے لئے قابلِ رشک اور قابلِ تقلید تھا۔ اور دُنیا میں ایک ایسا بے نظیر نمونہ قائم کر گیا جسے اپنانے سے غیر قومیں عروج اور ترقی کی منزلیں طے کرتی گئیں۔ انہوں نے اپنے تن کو بھی اُجلا رکھا اور من کو بھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ جنہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دیا۔ خلیفہ بن جانے کے بعد بھی اپنی روزی کاروبار اور محنت مزدوری کے ذریعے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ رضؓ نے فرمایا اگر آپ اپنے نجی کام کاج میں مصروف ہوں تو کاروبار خلافت متاثر ہوگا اس لئے آپ بیت المال سے وظیفہ لیں اور حکومت کا کام پوری توجہ سے کریں۔ بیت المال سے بھی آپ نے اتنا ہی وظیفہ لیا جو محض کفایت کر سکے۔ بادشاہ بن کر بھی درویش کے درویش ہی رہے۔

حضرت عمرؓ پیوند لگے لباس کے ساتھ خلافت کرتے رہے۔ مگر دُنیا آپ کے رعب و دبدبہ سے لرزہ بر اندام رہتی تھی۔ حضرت عثمانؓ غنی ہو کر فقیر رہے اور حضرت علی رضؓ نانِ جویں کھا کر خلافت کرتے رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بچوں نے پرانے کپڑوں میں عید منائی۔ کیونکہ ابھی مہینہ ختم ہونے میں چند دن باقی تھے اور وظیفہ نہیں مل سکتا تھا۔

یہ حقیقت بھی ہے اور افسانہ بھی۔ حقیقت اس لئے کہ تاریخ اس کی گواہ ہے۔ اور افسانہ اس لئے کہ ہم یہ ماننے کو تیار نہیں کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے، بادشاہ ہوں اور ان کی یہ زندگی۔ لیکن جب تک دنیا باقی ہے ان کا نام زندہ اور تابندہ رہے گا۔ قیصر و کسریٰ مٹ گئے۔ ان کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں۔ (جاری ہے)

ما مسلمانیم از فضل خُدا — مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام — ہر نبوّت را بر وشد اختتام
آں کتابِ حق کہ قرآں نام اوست — بادۂ عرفانِ ما از جامِ اوست
یک قدم دوری ازاں روشن کتاب — نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

(حضرت مسیح موعود سلام اللہ علیہ)

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

جماعت احمدیہ لاہور کو کافر قرار دینے کا کیا جواز ہے؟

(بسلسلہ اشاعت ۱۲ر مارچ سنہ ۱۹۷۵ء)

(۲)

قوم کے لوگو! ادھر آؤ کہ نکلا آفتاب
وادیٔ ظلمت میں کیا بیٹھے ہو تم لیل و نہار
(حضرت مسیح موعودؑ)

مجدد خدا مبعوث کرتا ہے یا لوگ بناتے ہیں؟

گزشتہ مرتبہ مولانا مودودی صاحب سے ذاتی ملاقات کے ذکر پر بیان ختم کرتے ہوئے لکھا تھا کہ آپ کا موقف بعثت مجددین کے بارہ میں یہ ہے کہ مجدد خدا مبعوث نہیں کرتا بلکہ لوگ کسی صاحب کے کام کو دیکھ کر اسے مجدد بنا دیا کرتے ہیں۔ اب قارئین کرام انصاف فرمادیں کہ حدیث شریف کے الفاظ ان اللہ یبعث کیا اس بات کی اجازت دیتے ہیں؟ حدیث تو ان اللہ فرمائے مگر مودودی صاحب اس کے معنی لوگ کریں!

پھر یہ حدیث قرآن کریم کے ان وعدوں کے مطابق ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ یقیناً ہم ہی اس قرآن کے نازل کرنے والے ہیں اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ نیز یہ کہ وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحٰت لیستخلفنھم .... الخ
خدا نے ایمان و عمل صالح کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں (رسول خدا صلعم) کی سچی نیابت عطا کیا کرے گا۔

قرآن کریم کی معنوی و عملی حفاظت اور آنحضور صلعم کی حقیقی نیابت دونو کام خدا نے اپنے ذمہ لئے ہیں انہی کے عین مطابق حدیث میں یہ تصریح ہے کہ مجدد اللہ مبعوث کیا کرے گا، مگر ان سب کے برخلاف مودودی صاحب ایسے لوگوں کا کام بتلاتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپ کی اپنی خواہش ہے کہ لوگ آپ کو مجدد قرار دینے لگ پڑیں۔ اگرچہ خدا نے آپ کو اس مقام پر کھڑا نہ بھی کیا ہو۔

قرآن و حدیث کے علاوہ کیا واقعات حقہ اس بات کی گواہی نہیں دے رہے کہ اُمت میں تیرہ سو سال میں ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق مصلحین خدا کی طرف سے آنے کا دعوےٰ کرتے رہے، نیز وحی ولایت اور الہام کے دعاوی انہوں نے کئے ہیں؟

حضرت احمد سرہندیؒ کا نہ صرف اپنا دعویٰ موجود ہے بلکہ آپ کا تو "مجدد الف ثانی" مشہور لقب ہو چکا ہے۔ پھر کیا اس قسم کے اصحاب مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ بریلوی، حضرت سید عبدالقادر گیلانیؒ خدا کی طرف سے مجدد وقت ہونے کے مُدعی نہ تھے؟ اگر مجدد بنانا خدا کا کام نہیں بلکہ اب یہ بندوں کا ہو گیا ہے اور الہام و وحی والایت کا دروازہ بعد رسول اللہ صلعم اب بند ہو چکا ہے تو پھر کیا یہ تمام بزرگان اُمت مفتری تھے؟ آخر کوئی اُصول وضع کرکے اس پر جو نتائج مترتب ہوتے ہیں ان کو تسلیم کرنے کا کیوں کوئی واضح و غیر مبہم اعلان نہیں کیا جاتا؟ کیا یہ فرار صاف اس امر کا ثبوت نہیں کہ اپنے وضع کردہ اُصول کی صداقت پر قطعاً یقین نہیں۔

ربانی مجددین و مامورین خداوندی کو یک فیصد ملہمین میں شامل کر لینے میں کونسی دقت ہے؟

راقم السطور کے سوال کو ملہمین و مامورین کے بارہ میں مولانا صاحب کا خیال کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ننانوے فیصد غلط و جھوٹ ہیں۔ بہت اچھا، ہم یونہی تسلیم کر لیتے ہیں۔ مگر مجددین اور مامورین کو انہی ایک فی صد ملہمین میں شامل کرنے میں کیا دقت درپیش ہے؟ جب یک فی صد ملہمین صادق ہیں تو پھر الہام و وحی ولایت کا دروازہ تو کھلا رہا پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم یہ موقف اختیار کریں کہ مجدد خدا مبعوث نہیں کیا کرتا بلکہ لوگ بناتے ہیں؟

اگر مولانا صاحب کے نزدیک یک فی صد کی گنجائش فی الواقع موجود ہے تو پھر اس کی موجودگی میں ہم یہ نظریہ کیوں گھڑیں کہ مجددین خدا نہیں بلکہ لوگ بنایا کرتے ہیں؟ ایسا نظریہ تو تب ضروری ہوگا جب ہم یہ مانیں کہ ملہمیت کی بات سو فیصد غلط و جھوٹ ہے۔ اگر مولانا صاحب یا ان کے بعض ہم خیال اصحاب کہیں کہ درست ہے ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ بعد رسول اللہ صلعم اور بعد ختم نبوت، نبوت کے اجرا کا تو سوال ہی نہیں، الہام اور وحی ولایت کا دروازہ بھی بکلی بند ہو چکا ہے جیسے کہ بعض نئے مصلحین اُمت اور شعراء کا قول ہے تو پھر وہی سوال درپیش ہے جس کا جواب آج تک "ایشیا" اور جماعت اسلامی کے ذمہ چلا آتا ہے کہ پھر آپ لوگ صاف گوئی سے اعلان فرمادیں کہ اُمت میں جتنے مدعی الہام و وحی ولایت ہوئے ہیں وہ سب اور ان کے پیرو خارج از اسلام ہیں اس لئے کہ ایسا عقیدہ بقول اعلان "ایشیا" کفر و خروج از اسلام ہے اور اسی دلیل پر جماعت احمدیہ لاہور کے کفر کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ابھی تھوڑا وقت ہوا، مجدد الف ثانی سرہندیؒ کا عرس ہوا ہے۔ تو جس بزرگ کا لقب ہی مجدد ہے اسے اور اس کے پیروؤں کو آپ مسلمان قرار دینے میں کیونکر حق بجانب ہیں؟ اور اگر آپ ایسا کرتے ہیں راہ راست پر ہیں تو پھر کسی دوسرے مدعی مجددیت اور اسے مجدد تسلیم کرنے والے گروہ کو آپ کیونکر کافر قرار دینے میں صحیح ہو سکتے ہیں۔ ع ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

پہلی اُمتوں میں غیر انبیاء کو قطعی وحی ہونا کیا قرآنی عقیدہ نہیں!

تعجب ہے کہ اُمت مسلمہ میں وحی ولایت اور ملہمیت کے اجراء کے یہ علماء تو قائل نہیں مگر بنی اسرائیل میں نہ صرف مردوں کے لئے وحی کا اترنا جائز سمجھتے ہیں بلکہ عورتوں کے لئے اسے بھی حلال قرار دیتے ہیں۔ حضرت موسےٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ دونوں کی والدہ صاحبان ہرگز نبیہ نہ تھیں۔ لیکن قرآن کریم کی رُو سے ان دونوں خواتین مطہرہ کو یقینی وحی الٰہی سے سرفراز کیا گیا۔

اگر حضرت موسےٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ کی ماؤوں کو اپنی قطعی وحی کا حتمی یقین نہ ہوتا تو کیوں کر ایک ماں اپنے شیر خوار بچہ کو اپنے ہاتھ سے دریا میں ڈالتی اور کیونکر دوسری کنواری اور راہبہ خاتون، فرشتہ کی بتلائی ہوئی بات کہ اسے بیٹا دیا جائے گا کو صادق سمجھتی؟ پھر کیا اسی قرآن کریم میں حضرت یوسفؑ کے ذکر میں ایک کافر بادشاہ، اور دو مجرموں کو سچے رؤیا دیئے جانے کا ذکر موجود نہیں جن کی صحیح صحیح تاویلیں حضرت یوسفؑ نے کیں اور واقعات حقہ نے ان رؤیا کو صادق ثابت کر دکھلایا۔ آخر اے علماء دین و مدعیان مصلحین اُمت! آپ کس دین کی اشاعت کرتے اور کونسی اصلاح بجا لانے کے مدعی ہیں۔ قرآن کریم کی یا اپنے مفروضوں کی؟

اجراء وحی ولایت کا انکار قرآن کریم، احادیث صحیحہ اور واقعات اُمت کے انکار کے مترادف امر ہے۔

پھر حدیث صحیح میں کیا خود رسول خدا صلعم نے یہ بشارتیں نہیں دیں لقد کان فیمن قبلکم رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن فی اُمتی احد منھم فعمر۔ پہلی اُمتوں میں غیر نبیوں سے بھی خدا ہمکلام ہوتا تھا۔ اس اُمت میں اگر کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ کیا واقعات سے یہ ثابت نہیں کہ حضرت عمرؓ کو رؤیاء صادقہ اور صادق کشوف ہوا کرتے تھے۔ جیسے کہ اس مشہور واقعہ یا ساریۃ الی الجبل سے بخوبی ثابت ہے۔ پھر کیا آنحضور صلعم نے حضرت علیؓ کے متعلق یہ نہیں

فرمایا کہ :۔

انت منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔

تمہاری نسبت مجھ سے ایسی ہے جیسے حضرت ہارونؑ کی حضرت موسیٰؑ سے اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ باوجود ختم نبوت کے امت میں مثیل انبیاء آیا کریں گے۔ اس سے حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے معنی بھی معلوم ہو گئے۔ یعنی یہاں علماء ظاہر کو آنجنابؐ مثیل انبیاء قرار نہیں دے رہے بلکہ یہ علماء باطن تھا اور مقام ولایت پر پہنچے ہوئے علماء ہیں قرآن و حدیث کی تصریحات اور واقعات امت سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے علماء پر کھلی حجت اس طرح قائم کی ہے کہ جب تم سابقہ امتوں میں عورتوں کا صاحب وحی و الہام ہونا تسلیم کرتے ہو تو پھر امت مرحومہ کو اس سے محروم قرار دے کر کونسی افضلیت کے مدعی ہو؟

خدا تعالیٰ کی صفت تکلم پر اب مُہر کیوں لگ گئی؟

جو مسلمان بعد رسول اللہ صلعم وحی ولایت کو بھی بند تسلیم کرتے ہیں وہ غور کریں کہ اس طرح کیا صفت تکلم الٰہیہ میں تبدیلی لازم نہیں آتی؟ کیا خدا کی کوئی صفت معطل ہو سکنا ممکن ہے؟ مسلمانوں کا خدا کیا اب ان کی دعائیں سُن کر جواب نہیں دیتا؟ لا یکلمھم و لا یھدیھم سبیلا تو معبودانِ باطلہ کی علامت قرآن نے بیان فرمائی ہے۔ ادعونی استجب لکم، مجھ سے طلب کرو تو میں تمہیں جواب دوں گا۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء کیا قرآن مجید کے قول صادق نہیں؟

دہریت الحاد اور نیچریت کی بنیادیں

اے دانشمندو! خدا را غور کرو۔ اس سائنس و علم اور مادیت و دہریت کے زمانہ کا تو چیلنج ہی یہی ہے کہ ہم ماوراء الطبیعات امور کو اس لئے تسلیم نہیں کرتے کہ وہ ہمارے ادراک و احساسات سے ماوراء ہیں۔ لیکن اگر یہ حقائق ہیں تو آج کوئی صاحب وحی و الہام اور مستجاب الدعوات پیدا کیوں نہیں ہوتا؟ تم صرف گذشتہ زمانوں کے حوالے دیتے ہو مگر ہم تو اپنے زمانہ کے کسی ایسے صاحب تجربہ و مشاہدہ انسان کو دیکھنا اور مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ اب بتلاؤ کہ زمانہ کے اس چیلنج کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ تمہاری فتوحات اسلام میں آج کی سراسر ناکامی کا باعث کیا یہی امر نہیں کہ تم سے دین کے بنیادی مطالبہ کا جواب بن نہیں آتا؟ اور کیا جماعت لاہور کے کثیر پر غلبہ کا یہی باعث نہیں کہ اس نے ختم نبوت اور وحدت المسلمین کے عقائد کے ساتھ وحی و تکلم الٰہی کے سلسلہ کو نہ صرف جاری تسلیم کیا ہے بلکہ اس زمانہ میں ایک عظیم روحانی شخصیت کو ان حقائق روحانیہ کا سچا شاہد تسلیم کیا ہے؟ کیا حضرت اقدس مرزا غلام احمدؒ نے یہی ندا بلند نہیں کی

دال را رنگ انبیاء دادہ شوند ولیسوا نبیّون فی الحقیقۃ لان القرآن اکمل وطر الشریعۃ۔

یہ اولیاء اللہ انبیاء کا سا رنگ تو بے شک دیئے جاتے ہیں مگر حقیقتاً نبی بن نہیں جایا کرتے اس لئے کہ قرآن نے شریعت کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا کہ یہ اولیاء اللہ دین بالقوۃ نبی ہوتے ہیں مگر بالفعل نہیں ہوا کرتے کیونکہ آنحضرت صلعم آخری و الکامل نبی آ چکے ہیں۔

چودھویں صدی کا مجدد کون ہے؟

اگر مولانا مودودی صاحب کا نظریہ کہ مجدد لوگ بنایا کرتے ہیں بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی سوال ہے کہ چودھویں صدی جبکہ خاتمہ پر ہے تو لوگوں نے تاج خلعت مجددیت کس کے سر پر رکھا اور کسے مجدد تسلیم کر کے پیش کیا ہے؟ کیا مولانا مودودی کے پیرو انہیں مجدد صد چہاردہم مانتے ہیں؟ یا کیا سر سید احمد خاں یا ڈاکٹر اقبال کو مجدد مانتے ہیں؟ یا کسی اور صاحب عزیمت کو اس شرف عظیم کا مستحق قرار دیتے ہیں؟ آخر حدیث مجدد برحق صحیح ہے اگر معنی یہ ہیں کہ مجدد لوگ بنایا کریں گے تب بھی یہ سوال ہے کہ لوگوں نے کسے مجدد صد چہاردہم کا مستحق سمجھا ہے؟ کوئی نام تو پیش کریں تاہم بھی اسے دیکھ کر اس کی مجددیت کے قائل ہو جائیں ورنہ حضرت اقدس مرزا صاحبؑ کے دامن بابرکات کو ترک کرتے ہیں تو عملاً حدیث کو جھوٹا ماننا پڑے گا۔

صدی تو اختتام پر آ چکی ہے اور زمانہ کا مجدد ابھی تک کسی کو بنانے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ کیا یہ امر خدائی شہادت نہیں کہ کوئی جھوٹا مدعی مجددیت بھی کھڑا کرنے کی ہمت نہیں؟ اے علماءِ دین! کیا یہ امر درست نہیں کہ تیرھویں صدی کے آخر میں آپ لوگ منبروں پر چڑھ چڑھ کر یہ ندا بلند کیا کرتے تھے۔ کہ نزول مسیح کا وقت قریب آ گیا ہے، قرب قیامت کی علامات پوری ہو رہی ہیں تو وہ تمہارا آسمان کا انتظار کیا ہوا؟ کیوں اب تک کوئی آسمان سے نازل نہ ہوا؟ تم مان چکے کہ دجال بھی ظاہر ہو چکا تمہیں تسلیم ہے کہ

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون

پھر جس آسمانی شخصیت کے نزول کا انتظار تمہیں تھا وہ اب تک کیوں نہیں آیا؟ تمہاری زبانیں اب کیوں گنگ اور تمہارے لبوں پر اب کیوں مہر سکوت لگ گیا؟ برعکس نزولِ مسیح کے تمہارے علماء جیسے علامہ رشید رضا اور علامہ محمدؒ عبدہٗ علامہ شلتوت الازہر سے اب وفات مسیح کا عقیدہ قرآن سے تسلیم کر چکے ہیں اس صورت میں تمہارے لئے فرار کا کونسا راستہ ہے؟ یا تو مانو کہ جملہ احادیث نزول مسیح اور خروجِ دجال جھوٹی ہیں، یہ سب مجموعہ اباطیل اور مجوسی خیالات کا پلندہ ہیں جیسے ڈاکٹر اقبال نے رائے ظاہر کی اور یا پھر یہ راستہ ہے کہ ان تمام کو رسول خدا صلعم کے صادق اقوال تسلیم کر کے ان کی تاویل کرو۔ تمہیں کونسا راستہ منظور ہے؟ رسولِ خدا صلعم کی احادیث کی تکذیب کا یا تصدیق کا؟

اشراط الساعۃ تمام ہو چکیں مگر مسیح ابھی تک نہ آیا

نہ صرف چودھویں صدی کا کوئی مجدد تم بتلا سکتے ہو اور اس طرح عملاً حدیث مجدد کو غلط قرار دیتے ہو، بلکہ نزول مسیح اور خروج دجال کی احادیث کا بھی انکار کر رہے ہو۔ قرب قیامت کی علامات تمام کی تمام کیا ظاہر نہیں ہو چکیں، بے امنی و فساد اور بے دینی اور فسق و فجور کے تمام مواخید کیا اب سر عام تمام ممالک اور اقوام پر مسلط نہیں؟ پھر اگر اب تک نزولِ مسیح اور ظہور مہدی نہیں ہوا تو اور کب ہوگا؟ دیکھو! ایک صادق (ع) کی تکذیب کر کے تمہیں کیا کیا ترک کرنا پڑا ہے۔ کب تک رہو گے ضد و تعصب میں ڈوبتے۔ حق کی طرف رجوع بھی لاؤ گے یا نہیں آخر خدا کے پاس بھی جاؤ گے یا نہیں ۔ اس وقت اسکو منہ بھی دکھاؤ گے یا نہیں

اشراط الساعۃ میں سے ایک عظیم شرط سورج کا مغرب سے چڑھنا ہے۔ آفتاب صداقت اسلام مغربی ممالک میں طلوع ہو چکا ہے لیکن تم کو یہ سورج بھی نظر نہ آیا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

خوب یاد رکھو! انجام کار تمہیں صحیح عقاید اسلام اختیار کرنے کے بجز اور کوئی چارہ کار نہیں رہے گا جو یہ ہیں۔ اسلام آخری و مکمل اور محفوظ دین ہے۔ آنحضرتؐ کامل اور آخری نبی ہیں، آپ پر ایمان لانے والے سب دائرہ اسلام میں داخل ہیں کسی کو یہ حق نہیں کہ کسی کلمہ گو کو کافر قرار دے۔ مجدد دین خدا مبعوث کرتا ہے۔ چنانچہ چودھویں صدی کا عظیم مجدد حضرت مرزا غلام احمدؒ کی صورت میں ظاہر ہو چکا ہے جس نے نہ صرف جملہ ادیان باطلہ پر بذریعہ علم و دلائل حجت تمام کر دی بلکہ دوسرے مذاہب بالخصوص عیسائیت پر فاتحانہ یلغار شروع کر دی ہوئی ہے۔ نیز آسمانی نشانات کے ذریعہ اس نے دہریت اور مادیت کے پرستاروں کو بھی راہ فرار دکھلائی ہے۔ دنیا کی نجات اب بجز دین اسلام کسی اور طریق سے ممکن نہیں رہی جس کی خوشخبری کے لئے مسیح محمدی نازل ہوا ہے۔ اب دیکھ لو کہ اگر یہ امور حق الیقین ہیں تو پھر بجز جماعت احمدیہ لاہور کے اور کونسی جماعت ان عقاید پر قائم ہے۔ آخر کار تمہیں اسی جماعت کے عقاید و مسلک اختیار کرنا لازم پڑے ہیں۔ واللہ ...

محترم الطاف جاوید

[illegible]

> ہمارا کلی اتفاق ضروری نہیں، جو احباب مطالعہ کے بعد اس پر اظہار رائے کریں گے۔ اسے بھی شکریہ کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔
>
> —— (مدیر) ——

احمدیت کا تاریخی پس منظر } انیسویں صدی، جس میں بانیٔ احمدیت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنا مشن شروع کیا، کئی لحاظ سے انسانی تاریخ میں ایک اہم صدی کی حیثیت رکھتی ہے۔

انیسویں صدی کی خصوصیت } اس صدی کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یورپ میں جس صنعتی انقلاب (INDUSTRIAL REVOLATION) نے سولہویں صدی سے اپنی ابتداء کی تھی، اس نے اس صدی میں سارے یورپی ممالک میں اپنے قدم مضبوطی سے جما لئے اور اس انقلاب سے جنم لینے والے سرمایہ داری نظام حیات نے اپنے ماقبل جاگیرداری نظام اور اس کے تمام فکری، تعلیمی، معاشرتی اور معاشی اداروں کو مکمل شکست دے کر تاریخ کی قیادت اور انسانی معاشرے کی تنظیم نو کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے لی۔ پہلے کرامویل اور بعد میں نپولین کی پیشوائی میں صنعتی انقلاب اور سرمایہ داری نظام کے اثرات کے بیج نہ صرف یورپ بلکہ ایشیا کے متعدد ممالک کی سرزمینوں میں بو دیئے گئے۔ اس عہد کی تمام اصلاحی اور فکری تحریکیں چاہے وہ زندگی کے کسی شعبے سے تعلق رکھتی ہوں، بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنی تخلیق یا اپنے وجود کے لئے اس عظیم تبدیلی کی مرہونِ منت ہیں۔

جاگیرداری عہد کی خصوصیات } جاگیرداری عہد میں انسان بڑی سے بڑی جاگیرداریوں کے رشتے میں منسلک تھا ان جاگیرداریوں نے ایک ملک کے مختلف خطوں میں اپنی آزاد ریاستیں قائم کر رکھی تھیں، ایک ریاست کے فرمانروا دوسری ریاست کے حکمرانوں سے برسرپیکار رہتے تھے۔ صنعتی انقلاب نے ان تمام چھوٹی چھوٹی جاگیروں اور ریاستوں کو ختم کر کے ایک ملک کے حدود کے اندر رہنے والے تمام لوگوں میں جو ایک ہی زبان بولتے اور ایک ہی طرح کی ثقافت و تہذیب کے حامل تھے اپنی متقل قومیت (NATIONALISM) کے احساس کو مضبوط کیا۔

جاگیردارانہ نظامِ حیات کی تشکیل کے بنیادی عناصر کسان، مذہبی پیشوا اور جنگ آزما اور مہم پسند سورماؤں پر مشتمل تھے۔ کسان جاگیرداروں کو لگان ادا کرتا تھا، مذہبی پیشوا کسانوں اور دیگر افراد کو قحط، بیماری اور جنگ کے مواقع پر مذہبی رسوم کی ادائیگی میں مدد دیتا تھا، اور جنگی سورما جاگیردار کی ریاست کی حدود کو وسیع کرنے کے لئے دوسری ریاستوں سے جنگ کرتا تھا۔ صنعتی انقلاب نے اس تثلیث کو توڑ کر رکھ دیا۔ کسان کو زمین پر حق ملکیت (Right of Tenaney) عطا کیا، اسے زرعی سائنس کی مدد سے زیادہ بہتر طریقوں سے زیادہ مقدار میں فصل پیدا کرنے میں مدد دی، فطرت کی قوتوں کو تسخیر کر کے مذہبی پیشواؤں کے اثر کو کم کیا۔

صنعتی انقلاب کی عمرانی اور فکری خصوصیات } صنعتی انقلاب کے جلو میں ایک عظیم الشان علمی تحریک نے جنم لیا، جس کی بنیادوں کو راجر بیکن نے تحقیق کے استقرائی منہاج (INDUCTIVE METHOD) پر استوار کیا، استقرائی منہاج نے کائنات معاشرہ اور انسانی ذہن کے مظاہرات کی توجیہہ کرتے ہوئے مذہبی استناد (Religious Authority) کی جگہ تجربہ و مشاہدہ پر زور دیا۔ مذہبی تعلیمی اداروں کی جگہ، جن میں قدیم دقیانوسی مضامین پڑھائے جاتے تھے، جدید تعلیمی اداروں نے لے لی جہاں مادیت پسند نقطۂ نظر (Materialist Point of View) کو فروغ دیا۔ اس مادیت پسند نقطۂ نظر نے موضوعی تصوریت کے برعکس جو انسان کو اپنے معاشرتی ماحول سے علیحدہ کر کے اس میں رہبانیت پسند نقطۂ نظر نے موضوعی تصوریت کے برعکس جو انسان کو اپنے معاشرتی ماحول سے علیحدہ کر کے اس میں رہبانیت پسندی اور اندرون بینی —— (Introspection) کے رجحانات پیدا کرتی تھی، کائنات اور اس کی قوتوں کی پرستش کی بجائے انہیں مسخر کر کے زندگی میں فرصت، فارغ البالی اور اطمینان پیدا کرنا سکھایا۔

انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ غلامی اور جاگیرداری سماجوں کے برعکس فرد کی جان و مال کی حفاظت کا یقین دلا کر اس میں شخصیت پیدا کرنے کے امکانات روشن کیے، کیونکہ مذکورہ معاشروں میں فرد کی جان و مال کی کوئی ضمانت نہیں تھی، وہ جانوروں کی طرح خریدا اور بیچا جاتا تھا اور حیوانوں کی طرح اس سے کام لیا جاتا تھا۔ یہ بات آقا یا جاگیردار کی مرضی پر منحصر تھی کہ وہ "غلام فرد" کو قتل کر دے یا بیچ دے۔ یا ہولناک سزاؤں کا مستوجب قرار دے دے۔

اس مادیت پسند طریقِ فکر نے ادب اور فن کو نئی راہوں سے روشناس کیا۔ انہیں دیو مالائی اور مجرد تخیلاتی موضوعات کی بجائے انسانی زندگی کے حقیقی مسائل سے وابستہ کیا۔ ان میں سے داخلیت پسندی، رہبانیت اور جنسی لذت پسندی (Hedonism) کے رجحانات کو ختم کر کے واقعیت پسندی، زندگی کے مادی پہلو کی حقیقت کو تسلیم کرنے اور صحت مند شخصی اور قومی کردار استوار کرنے کے میلانات کی ترویج کی۔

اس استقرائی اور سائنسی طریقِ فکر نے انسان کو ان دیکھی آسمانی قوتوں پر اعتماد کرنے کی بجائے اپنی قوتِ بازو اور اپنی محنت پر بھروسہ کرنا سکھایا۔ اسے بتایا کہ اس کی زندگی آسمانی قوتوں کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنی تقدیر کا خود مالک ہے، اور اپنی زندگی کو اپنی مرضی و منشاء کے مطابق از سرِ نو نئی بنیادوں پر تعمیر کر سکتا ہے۔

تار برقی، ریل، بجلی اور بھاپ کی ایجاد سے زمان و مکان (Time and Space.) کو مسخر کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی اور اس طرح ایک عالمگیر بھائی چارہ (Universal Brotherhood.) کے قیام کے امکانات سامنے آئے۔

اس مشینی نظامِ صنعت نے گاؤں کی بجائے بڑے بڑے صنعتی شہر آباد کئے جن میں لاکھوں انسانوں کو مل کر رہنے اور ایک دوسرے کے مسائل سے واقف ہونے کا موقع ملا۔ ان شہروں میں گاؤں کے انفرادیت پسند اور کم تہذیب یافتہ انسان نے اجتماعیت پسندی اور اعلیٰ تہذیب کا سبق سیکھا۔ شاہی آمریت کی جگہ جمہوری اداروں نے لے لی جن کے ذریعہ محلاتی سازشوں (Palace intrigues) اور قتل و غارت کی جگہ عوام کی رائے (Vote) سے ریاست کی تشکیل دی جانے لگی۔ الغرض زندگی اور اس کے اداروں اور گوشوں میں اس صنعتی نظام نے ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا اور صنعتی سرمایہ داری معاشرہ اپنے ماقبل جاگیرداری معاشرہ سے اپنے مافیہ (Content) اور ہیئت (Form) دونوں میں قطعاً مختلف اور ممتاز انفرادیت کا حامل بن گیا۔

جاگیرداری عہد کے تمام احکامات و لوازمات اس صنعتی عہد میں بدل چکے تھے اور ایسے نئے عمرانی اور فکری اداروں نے جنم لیا تھا، جنہیں چشم تاریخ نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اب نئے معاشرتی، نفسیاتی اور کائناتی معاملات اور

تقاضے سامنے آ گئے جو اپنا حل چاہتے تھے۔ اور مذہب اپنے بلند بانگ دعاوی کے ساتھ ان تقاضوں کا صحیح علمی حل پیش کرنے سے قاصر نظر آ رہا تھا۔

صنعتی انقلاب کے دو رُخ

حضرت مرزا صاحب کے عہد میں صنعتی نظام نے دو رخ اختیار کئے! ایک رُخ تو یہ تھا کہ صنعتی نظام سرمایہ داری کی بجائے مالیاتی سرمایہ (Finance Capitalism) کی شکل اختیار کر لی، جسے سامراجیت (Imperialism) کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یعنی اس عہد میں سرمایہ یورپ کی منڈیوں سے نکل کر ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ممالک میں درآمد ہونے لگا تھا۔ اور سیاسی حلقے میں آبادیاتی نظام (Colonial System) کی تشکیل عمل میں آنے لگی تھی۔ ایشیا اور افریقہ کی اقوام کی غالب اکثریت پر اس ترقی یافتہ صنعتی نظام کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ان ممالک کے خام مال سے یورپ کے کارخانوں میں مصنوعات تیار ہو کر واپس انہی ممالک میں بکنے کے لئے پہنچنے لگیں۔ چونکہ مشین سے تیار ہونے والی اشیا ہاتھ سے تیار ہونے والی اشیاء سے بہت سستی پڑتی تھیں۔ اس لئے ان ممالک کے دستکار اور ان کی غیر ترقی یافتہ صنعتیں تباہ ہونے لگیں۔ بیکار مزدوروں کی تعداد بڑھنے لگی۔ محنت کے استحصال (Exploitation) نے انتہائی بے رحمانہ شکل اختیار کر لی، اور یورپ کے سود خور سرمایہ کاروں کے بینکوں کی دولت تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی۔ تا آنکہ ایشیا اور افریقہ کی منڈیوں کی تقسیم کے سوال پر بیسویں صدی کی دوسری دھائی ([illegible]) میں اقوام مغرب کے درمیان ایک ہولناک جنگ چھڑ گئی۔ جس نے دنیا کو [illegible] جہنم میں دھکیل دیا۔

[illegible] دوسرا رخ سرمایہ داری نظام کا یہ تھا کہ صنعتی اور سامراجی نظام [illegible] جب کسی [illegible] پسماندہ ملک میں قدم رکھتا تو اپنے عام غیر انسانی [illegible] کے باوجود اس ملک کی عمرانی اور فکری زندگی میں ایک خوشگوار اور ترقی پسندانہ [illegible] ہو جاتی تھی۔ مشین اور سائنس کی وہ تمام برکتیں جن سے [illegible] مالا مال ہو چکا تھا اس ملک کے حصے میں بھی آنی شروع ہو جاتی ہیں۔ [illegible] بے رنگ، خاک آلود اور بے علم زندگی کی جگہ خوبصورت شہر، اشیاء سے بھرے ہوئے بازار، آرام دہ، روشن اور ہوادار مکانات، تیز رفتار ذرائع مواصلات، [illegible] کی موروثیت سے پاکیزہ اور کشادہ عمارتوں اور علم و تحقیق سے بھرپور کالج اور یونیورسٹیاں لے لیتی ہیں۔ افراد کے سامنے ہل اور زراعت کے غیر ترقی یافتہ طریقوں کی جگہ، تہذیبی اور معاشی ترقی کے بے شمار مواقع اور امکانات بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ عورت گھر کی چار دیواری سے نکل کر علمی اور تہذیبی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیتی ہے۔ بچوں کی بہتر نگہداشت۔ طبی سہولتوں کے میسر آنے اور صاف ستھری زندگی بسر کرنے سے صحت اور عرصہ حیات میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ ہر طرف معاشی خوشحالی، مذہبی رواداری اور علمی متانت کا نور پھیل جاتا ہے۔

اشتراکی انقلاب کے عظیم رہنما کامریڈ لینن نے صنعتی سرمایہ داری نظام کے آغاز کو سرسبز و شاداب منزل سے تعبیر کیا ہے۔ مگر جب یہ نظام سامراجی شکل اختیار کر لیتا ہے اور نو آبادیات کا استحصال کرنا شروع کر دیتا ہے تو اسے سرمایہ داری کی شام قرار دیا ہے۔"

حضرت مرزا صاحب کے عہد میں، یورپ میں تو اس صنعتی سرمایہ داری نظام کا روشن آفتاب زوال پذیر ہو کر سامراجیت کی شام کے دھندلکے میں چھپ رہا تھا۔ مگر ہندوستان اور ایشیا و افریقہ کے دیگر پسماندہ ممالک میں ابھی اس کی حرارت بخش روشنی پھوٹنی شروع ہوئی تھی۔ تمام مسلم ممالک میں مغربی سامراج کے قدم پہنچ چکے تھے اور ان کی جاگیردارانہ زندگی بتدریج مشین اور سائنس کے منطقی نتائج سے متاثر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ہر مسلم ملک جدید و قدیم اقدار کے درمیان ہونے والی کشمکش میں مبتلا ہو چکا تھا اور ان ممالک میں جدید تعلیمی قوتوں کے زیر اثر ایسا طبقہ پیدا ہو رہا تھا، جو حیاتِ انسانی کے تمام معاشی، سیاسی، معاشرتی اور فکری مسائل بالکل نئے زاویہ نگاہ سے دیکھنے لگا تھا۔

مسلم ممالک میں قدیم و جدید تصوّرات کا تصادم

جس طرح عیسائی ممالک میں ڈوکتر اور کیتھولک چرچ کے درمیان تصادم پیدا ہوا اسی طرح مسلم ممالک میں بھی قدیم جاگیردارانہ عہد کے نظریات و تصوّرات پر مبنی اسلام اور اس کی نئی تعبیر کا نئی ابھرتی ہوئی عقلیت، کے درمیان، جس کی اساس سائنسی منہاج پر تھی، تصادم کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔

فطرت اور سماج کے مظاہر کی سائنٹیفک توجیہہ سے پیدا ہونے والے نئے نظریات اور کائنات و حیات کے متعلق نئے سائنسی علم کی بناء پر جو حیرت انگیز انکشافات ہو رہے تھے اور اسلام کی جاگیردارانہ عہد کی قیاسی عقلیت پر مبنی تعبیر کے لئے ایک زبردست چیلنج بن چکے تھے۔ تمام مسلم ممالک میں سے مصر، ترکی اور ہندوستان اس تصادم کے سب سے اہم میدان تھے اور بیسویں صدی کی دوسری دہائی (۱۹۱۷ء) میں وسط ایشیا کے مسلم علاقے اشتراکی انقلاب کی اساس بننے والے نظریہ حیات کے قبضہ میں چلے گئے۔

تیسرا رُخ اشتراکی انقلاب

مگر معاملہ یہیں تک ہی ختم نہیں ہوا۔ اس عہد کا ایک تیسرا رخ بھی تھا، یعنے صنعتی سرمایہ داری اور سامراجی نظام معیشت کے بطن سے ابھرنے والی متضاد قوتوں کے باہمی تنازع نے ایک نئے ائتلاف (Synthesis) کو جنم دیا یعنی حضرت مرزا صاحب کی وفات ۱۹۰۸ء کے پورے نو برس بعد وسط ایشیا کے اُفق پر "اشتراکی انقلاب" کا ایک نیا آفتاب طلوع ہوا۔ اس انقلاب کے ذریعے تاریخ انسانی میں شاید پہلی بار محنت کش عوام نے استحصال پسند طبقہ پر ایک شورائی آمریت قائم کر لی، جس طرح صنعتی انقلاب اپنے ماقبل جاگیردارانہ نظام حیات سے اپنے مافیہ (Content) اور ہیئت (Form) میں بالکل مختلف تھا۔ اسی طرح "اشتراکی انقلاب" (۱۹۱۷ء) بھی صنعتی سرمایہ داری نظام کا بالکل ضد تھا۔

تاریخ انسانی میں انبیاء اور حکماء الٰہی کی چند حکومتوں کو چھوڑ کر پہلی بار سوویٹ یونین میں ایسی حکومت قائم ہوئی جس میں مظلوم طبقوں نے حکومتی اقتدار پر قبضہ کر کے استحصال پسند طاقتوں کے وجود اور ان کے افکار و نظریات کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی ضمانت جہیا کر دی۔ اس انقلاب کی اساس اگرچہ بظاہر انکار مذہب پر مبنی تھی مگر اس کا ضمیر آسمانی ہدایتوں کی تمام شرافتوں کا حامل تھا۔ اس انقلاب نے ان تمام اخلاقی نصب العینوں کو عملی طور پر حاصل کر لیا، جن کے حامل ہونے کا دعوے مذاہب عالم کرتے رہے تھے۔ انسانی تہذیب و ثقافت کے سات ہزار سالہ ارتقاء سے حاصل شدہ تمام مثبت اور تخلیقی اقدار کو اس انقلاب نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔

اس انقلاب میں استحصال پسند طبقوں کو دہریت مادیت اور انکار مذہب کے جو عناصر نظر آتے ہیں وہ یورپ کے استحصال پسند نظامِ فکر کا ورثہ ہیں ورنہ مارکس کے نظامِ فلسفہ میں مادیت (Materialism.) کا مفہوم وہ نہیں ہے جو اٹھارہویں صدی اور اس سے پہلے کے بعض نظاماتِ فلسفہ میں پایا جاتا تھا۔ مادیت کا یہ تصوّر مابعد الطبیعاتی تھا۔ جس سے فطرت اور حیات کا جامد اور غیر متغیر تصوّر استنباط ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مارکس کی مادیت کی اساس جدلیات (Dialectics) پر ہے اور حرکت مادہ کی خلقی قدر (Intrinsic Value) تسلیم کی جاتی ہے۔

اشتراکی فلسفۂ حیات میں حقیقت مطلقہ (.ABSOLUTE REALITY) کا تصوّر صنعتی سرمایہ داری عہد کی طرح مابعد الطبیعاتی اور میکانکی (MECHENISTIC) نہیں بلکہ جدلیاتی اور معاشرتی بن گیا۔ اب سائنسی منہاج کے اطلاق کا دائرہ فطرت اور اس کے مظاہرات تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ عمرانی مظاہرات تک پھیل گیا، اب غربت و افلاس اخلاقی فساد و انضباط،

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

محترم چوہدری شکر اللہ خاں منصور ایڈووکیٹ

ختمِ نبوّت اور غلام احمد پرویز

احمدیوں کے متعلق نئی آئینی ترمیم کی بظاہر نظر بنیاد ختمِ نبوّت کا اسلامی عقیدہ ہے مگر حقیقت کے اعتبار سے یہ ترمیم سراسر سیاسی وجوہات پر مبنی ہے۔ اصولِ دین کو مطابق ارشادِ خداوندی وراءظهورهم بالکل پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔ کیونکہ

(اوّل) اس ترمیم میں "مسلم" کی جو تعریف تصوّر کی گئی ہے وہ نہ قرآن کریم کی کسی آیت میں اور نہ رسولِ خدا کی کسی حدیث میں مذکور ہے۔

(دوم) اس میں ختم نبوت کا جو مفہوم فرض کیا گیا ہے قرآن و حدیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ اس کی ساری کی ساری بنیاد مفاد پرستوں کے عناد و بغض پر مبنی خیالات ہیں۔

(سوم) احمدیوں کی "قادیانی جماعت" کے ساتھ "جماعتِ لاہور" کو بھی اسی مد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ جماعت ختمِ نبوّت کے عقیدہ پر تمام اسلامی فرقوں سے پختہ تر اور محکم تر ایمان رکھتی ہے۔

جیسا کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام بانیٔ جماعت کے اقوال ذیل میں ہے:-

۱۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیّین ہونے کا قائل اور یقینِ کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس اُمت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا۔"

۲۔ اس حقیقت جس کی میں علیٰ رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا۔" (انجام آتھم حاشیہ ص ۲۷)

صرف اپنے اقوال ہی سے نہیں بلکہ اپنے اُوپر نازل ہونے والی خدا کی وحی لکھتے ہیں:-

۳۔ و اوحی الیّ ان الدین هو الاسلام وان الرسول هو المصطفٰی سید الانام رسولٌ اُمّیٌ امینٌ فکما ان ربنا یستحق العبادة وحده کذالک رسولنا المطاع واحدٌ لا نبی بعده ولا شریک معهٗ وانه خاتم النّبیّین۔"

(منن الرحمٰن ص ۲)

بہرحال ترمیم مذکور کر دی گئی اور اس پر سب سے زیادہ خوشی "طلوعِ اسلام" والے جناب غلام احمد پرویز صاحب کو ہوئی۔ لکھتے ہیں:-

"آج کا دن میری زندگی کا مبارک ترین دن شاداب ترین حسین ترین دن ہے۔ کہ آج میرا عمر بھر کا مشن تکمیل کی منزل تک پہنچ گیا ہے۔ میرے لئے یہ دن بارگاہ ایزدی میں ہزار ہا سجدۂ تشکرانہ ادا کرنے کا دن ہے۔"

(طلوعِ اسلام۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء)

ان کی اس بے انتہاء خوشی کی وجہ کیا ہے؟ کہتے ہیں:-

"میرے ان جذبات انبساط و تشکر کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مجھے احمدی حضرات سے چڑ تھی یا میرے ذاتی وقار کا سوال تھا جس کی کامیابی پر مجھے اس قدر خوشی ہوئی ہے۔" (ختمِ نبوّت اور تحریکِ احمدیت ص ۳۰)

پھر وجہ دراصل کیا ہے؟ لکھتے ہیں:-

"دین کی اساسات کا استحکام میرے ایمان کا جزو اور تحفظِ ناموسِ رسالت میرے عشق کا تقاضا ہے یہی وجہ ہے کہ بچپن سے لے کر اس وقت تک میری زندگی کا لمحہ لمحہ اس کے لئے وقف رہا ہے اس مقصد کی تکمیل پر میرے جذبات انبساط و تشکر کی بنیادی وجہ یہ ہے۔"

(ختمِ نبوّت اور تحریکِ احمدیت ص ۳۰)

یعنے ان کا مقصد "استحکام اساساتِ دین" جو ان کے ایمان کا جزو ہے اور تحفظ ناموس رسالت" جو ان کے عشق کا تقاضا ہے۔ چونکہ اس ترمیم سے پورا ہو گیا ہے۔ لہٰذا ان کو یہ بے انتہاء خوشی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان کے مقصد یعنے "اساساتِ دین کے استحکام اور "ناموسِ رسالت" کے تحفظ سے مراد کیا ہے؟ کہتے ہیں:-

"اسلام خدا کا آخری اور مکمل دین اسی صورت میں قرار پا سکتا ہے کہ نبوّت محمدیہ کو تمام نوعِ انسان کے لئے قیامت تک قائم و دائم تسلیم کیا جائے"

(حوالہ مذکورہ)

لیکن اس میں پرویز صاحب کی یوں خودستائی۔ فخر و ناز اور حدود فراموشی، خوشی کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ سب کے سب مسلمان از ابتداء تا ایندم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر ایمان رکھتے چلے آتے ہیں اور

(ا) اسلام کو خدا کا آخری اور مکمّل دین یقین کرتے اور

(ب) نبوّت محمدیہ کو تمام نوعِ انسان کے لئے قیامت تک قائم و دائم تسلیم کرتے ہیں۔

مگر باوجود اس حقیقتِ واقعہ کے پرویز صاحب کہتے ہیں کہ انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے بچپن سے لے کر اس وقت تک اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ وقف کر رکھا تھا۔ جس سے عیاں ہوتا ہے کہ ان کے قلب و ذہن میں بات کچھ اور ہے جو تمام دیگر مسلمانوں سے مختلف ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں:-

"حضور کے بعد خدا کی طرف سے وحی پانے کا دعوےٰ خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے اسلام کی اس بنیاد اور نبوّت محمدیہ کی اس انفرادیت اور اختصاص کو ختم کر دیتا ہے" (حوالہ مذکورہ بالا)

بقول پرویز صاحب "وحی پانے کا دعوےٰ" آنحضرت کی ختم نبوت کو توڑ دیتا ہے بالفاظ دیگر وہ "ختم نبوّت" کے معنے "ختمِ وحی" کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ میں ختم وحی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ مگر پرویز صاحب اس مقصد کے حصول کی خاطر ایک "پیچ" لگاتے ہیں۔ کہتے ہیں:-

۱۔ "وحی حضرات انبیاء کرام کی طرف آتی تھی دوسرے انسانوں کی طرف نہیں آتی تھی۔" (ختمِ نبوت اور تحریک احمدیت ص ۵۵)

۲۔ وحی حضرات انبیاء کرام تک محدود تھی اور حضور نبی اکرم کی ذات پر ختم ہو گئی" (کتاب مذکور ص ۵۹)

پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبیوں کا آنا ختم ہو گیا تو وحی بھی ختم ہو گئی کیونکہ بقول پرویز صاحب یہ صرف نبیوں کی طرف آتی تھی۔ یہ ہے پرویز صاحب کا پیچ جو صریح جھوٹ ہے۔ ارشاداتِ خداوندی فی القرآن کے منافی ہے۔ از رُوئے قرآن کریم وحی خدا کی نہ صرف نبیوں کی طرف آتی ہے بلکہ بلا امتیاز نبی اور غیر نبی بلکہ انسان اور غیر انسان خدا کی کل کائنات کی طرف آتی ہے کیونکہ وہ سب کا ربّ ہے چنانچہ زمین کی طرف۔ آسمان کی طرف۔ شہد کی مکھی کی طرف وحی آنے کا ذکر ہے۔ پھر قرآن کریم میں جس طرح اور جن الفاظ میں نبیوں کی طرف وحی آنے کا ذکر ہے اسی طرح اور اُنہی الفاظ میں غیر نبیوں کی طرف وحی آنے کا ذکر ہے۔ نبیوں کی طرف وحی کا ذکر الفاظ ذیل میں ہے:

انّا اوحینا الیك کما اوحینا الی نوحٍ والنبیّین من بعدہٖ

ہم نے تیری طرف وحی کی اسی طرح جس طرح نوح اور اس کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی کی۔

انہی الفاظ میں غیر نبیوں کی طرف وحی کا ذکر فرمایا ہے:-

۱۔ و اذ اوحیتُ الی الحواریّن۔ اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی۔

۲۔ و اوحینا الیٰ ام موسیٰ ان ارضعیه فاذا خفتِ علیه فالقیه فی الیمّ۔ اور ہم نے موسےٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اس کو دودھ پلاتی رہو پس جب اس کے بارے میں تمہیں خوف لاحق ہو تو اسے دریا میں ڈال دو۔

پرویز صاحب کہتے ہیں کہ خدا نے تو بے شک حواریوں اور امّ موسےٰ کی طرف جو

نبیوں سے اسی طرح اور انہی الفاظ میں وحی بھیجنے کا ذکر کیا ہے جس طرح اور جن الفاظ میں نبیوں کی طرف مگر

"میں نہیں مانتا کیونکہ اس سے ان کا پیچ
باطل ہو جاتا ہے"

لہٰذا الٹا کر مانوں گا ـ یعنے خدا نے یہ وحی حواریوں اور موسٰے کی ماں کی طرف نہیں کی تھی جیساکہ آیات موصوفہ میں ہے بلکہ کسی دوسرے کی طرف کی تھی (جس کے پاس شاید پرویز صاحب خود بیٹھے تھے) بالفاظ دیگر یہ کہ خدا نے غلط بیانی سے کام لیا ـ استغفراللہ ـ سچ ہے بقول خود پرویز کہ

" انسان جب بے باک ہو جائے تو اس کی حدود فراموشی کی کوئی انتہاء نہیں رہتی" (کتاب مذکورہ)

بہرحال اپنی مطلب برآری کے لئے یہ جھوٹا پیچ لگا کر پرویز صاحب پھر "وحی" کے معنے بیان کرتے ہیں ـ لفظ "وحی" کے کچھ لغوی معنے لکھ کر کہتے ہیں :ـ

۱ـ "لیکن اس لفظ کے اصطلاحی معنی ہیں وہ علم جسے خدا ایک برگزیدہ (منتخب) فرد کو براہ راست اپنی طرف سے دیتا تھا اسے پھر سمجھ لیجئے کہ قرآنی اصطلاح کی رُو سے وحی کے معنی ہیں خدا کی طرف سے براہِ راست ملنے والا علم" (ختم نبوت اور تحریک احمدیت صـ۵۵)

۲ـ "وحی کے معنے ہیں خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل ہونا" (کتاب مذکور صـ۴)

۳ـ "یہ ہیں وہ خصوصیات جن کے لئے لفظ وحی بطور قرآنی اصطلاح استعمال ہوتا ہے ـ اگر ہم سمٹا کر کہنا چاہیں تو یوں کہا جا سکے گا کہ (۱) یہ وہ علم تھا جو منتخب افراد کو خدا کی طرف سے براہِ راست ملتا تھا اور (۲) یہ صرف حضرات انبیاء کرام تک محدود تھا" (کتاب مذکور صفحہ ۵۷ ـ ۵۸)

۴ـ "یہ ہے وہ علم جو آخری مرتبہ حضور نبی اکرمؐ کو دیا گیا اور جواب قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے ـ آپ کے بعد یہ علم کسی کو نہیں مل سکتا ـ خدا نے اس طریق علم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ـ اسے ختم کہا جاتا ہے یعنی سلسلہ وحی کا اختتام" (کتاب مذکور صـ۵۸)

اقوال منقولہ میں پرویز صاحب اپنے "پیچ" کے اثبات کی خاطر دانستہ یا نادانستہ وحی کے تین مختلف معنی لکھ گئے ہیں یعنی

۱ـ براہِ راست علم ملنے والا
۲ـ علم ملنے کا براہ راست طریق
۳ـ علم کا براہِ راست حصول

اَب وحی کو کوئی کیا سمجھے ؟ علم یا طریق یا حصول ـ ظاہر ہے کہ وحی تو ایک ہی شئے ہوگی تینوں باتیں نہیں ہوسکتیں جب تک کہ عیسائیوں کی "تثلیث مقدسہ" کی مانند "ایک میں تین اور تین میں ایک" کا عقیدہ نہ بنایا جائے ـ پس باوجود دوُر دُور کی کوڑیاں لانے اور خدا تک کو جھٹلانے (نعوذ باللہ) کے پرویز صاحب کے کلام و استدلال کا یہ تضاد و تناقض وحی کے متعلقہ کان کے پیچ کو باطل کردیتا ہے ـ

ختم نبوت کے پرویزی معنے ـ مفہوم اور مُراد

وحی کی مندرجہ بالا تشریح کرنے اور ختم نبوت کے معنے ختم وحی بیان کرنے کے بعد پرویز صاحب آگے بڑھتے ہیں ـ اور ختم نبوت کے معنی مفہوم اور مراد کی طرف آتے ہیں ـ جو ان کا اصل مقصد ہے ـ لکھتے ہیں :ـ

(۱) ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اَب کوئی شخص ایسا نہیں کہہ سکتا کہ اسے خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل ہوتا ہے ـ جو ایسا کہے گا وہ ختم نبوت کا منکر اور مدعی نبوت ہوگا اور اس کا یہ دعوےٰ از روئے قرآن جھوٹا ہوگا ـ" (ختم نبوت اور تحریکِ احمدیت صـ۵۷)

(۲) "اَب کسی کو حق حاصل نہیں کہ یہ دعویٰ کرے کہ مجھے خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہوتا ہے خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لے ـ جو ایسا کہتا ہے وہ مدعی نبوت ہے اور اپنے دعویٰ میں جھوٹا ـ" (کتاب مذکور صـ۵۸)

(۳) "اَب خدا سے کسی کو براہِ راست علم حاصل نہیں ہو سکتا وحی کو خُدا نے اپنا کلام بھی کہا ہے اس لئے ختمِ نبوت کے بعد خُدا سے ہمکلامی کا دعویٰ بھی دعویٰ نبوت ہے" (صـ۵۹)

(۴) "ختم نبوت کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے غیب کی خبریں یعنے پیشگوئیاں ملتی ہیں تو وہ وحی کا مدعی ہے لہٰذا ختمِ نبوت کا منکر اور اپنے دعوے میں جھوٹا" (کتاب مذکور صـ۶۳)

(۵) "اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خدا نے میری طرف فلاں حکم بھیجا ہے تو وہ صاحب کتاب ہونے کا مدعی ہے اور قرآن کی رُو سے اپنے اس دعوے میں جھوٹا" (کتاب مذکور صـ۶۲)

توبہ توبہ ـ کس قدر غیض و غضب کا اظہار ہے ـ اور وہ بھی ایک غلط ـ جھوٹے اور خود ساختہ مفروضہ کی بناء پر ـ خدا جانے پرویز صاحب کب سے مغلوب الغضب ہو رہے تھے ـ وہ کہتے ہیں بچپن سے لے کر اس وقت تک ٹھیک ہے اتنی لمبی مدت کا غیض اور غضب آخر بہنا ہی تھا ـ سو بہہ نکلا کہتے ہیں :

(ا) کشف و الہام کا عقیدہ یا دعوےٰ ختم نبوت کا انکار اور نبوت کا دعوےٰ ہے ـ

(ب) مکالمہ مخاطبہ خداوندی کا عقیدہ یا دعویٰ ختم نبوت کا انکار اور دعوےٰ نبوت ہے ـ

(ج) اخبار غیب یعنے پیشگوئیوں کا عقیدہ یا دعوےٰ ختم نبوت کا انکار اور نبوت کا دعوےٰ ہے ـ

کیونکہ یہ سب کچھ خدا سے براہِ راست علم ہونے کی وجہ سے وحی ہے جو بعد ختم نبوت ختم ہے لہٰذا ایسا عقیدہ رکھنے والے یا ایسا دعوےٰ کرنے والے از روئے قرآن سب جھوٹے ہیں ـ

ا ـ اُمّتِ محمّدیہ کے اولیاء اور صوفیاء

پرویز صاحب اپنے اس طویل مدت پر مبنی غیض و غضب میں کسی بڑے سے بڑے تک سے صرفِ نظر نہیں کرتے ـ اُمّت کے اولیاء اور صوفیاء کے متعلق لکھتے ہیں :ـ

" میں نے اُوپر کہا ہے کہ جہاں تک کشف و الہام کا تعلق ہے یہ صرف نام کا فرق ہے ـ حقیقت کے اعتبار سے ان میں اور وحی میں کوئی فرق نہیں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اس طائفہ کے سرخیل قرار دیئے جاتے ہیں سنئے کہ وہ اس باب میں کیا کہتے ہیں وہ اپنی مشہور کتاب فصوص الحکم میں لکھتے ہیں :ـ

"جس مقام سے نبی لیتے تھے اسی مقام سے انسان کامل ـ صاحب الزمان غوث قطب لیتے ہیں ـ اگرچہ اولیاء انبیاء کے تابع ہوتے ہیں لیکن صاحب وحی دونوں ہوتے ہیں .... ارباب شریعت تو وہ ہیں جو قرآن و حدیث سے حکم دیتے ہیں ـ قرآن و حدیث سے صریح حکم نہیں ملتا تو (اجتہاد) کرتے ہیں مگر اس اجتہاد کی اصل وہی منقول قرآن و حدیث ہوتے ہیں اس کے برعکس ہم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس چیز کو اپنے کشف و الہام کے ذریعے خود اللہ تعالےٰ سے لیتے ہیں ...... اس طور پر مادۂ کشف و الہام اور مادۂ وحی رسول ایک ہے ..... صاحب کشف اللہ تعالیٰ سے لینے کے طریقے سے واقف ہونے کی وجہ سے خاتم النبیین کے موافق ہے ..... ان کا اللہ تعالیٰ سے لینا عین رسول اللہؐ کا لینا ہے"

آپ غور کیجئے کہ لفظی فرق کو چھوڑ کر حقیقت کے اعتبار سے نبی کی وحی اور ان حضرات کے کشف و الہام میں کچھ بھی فرق ہے اور کیا کشف الہام کے امکان کو تسلیم کر لینے کے بعد عقیدۂ ختم نبوت باقی رہ جاتا ہے" (کتاب مذکور صـ۷۶ ـ ۷۷)

یعنے اُمتِ محمدیہ کے اولیاء اور صوفیاء حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ تک کشف و الہام یعنے وحی کے قائل اور مدعی ہونے کی وجہ سے ختم نبوت کے منکر اور نبوت کے مدعی تھے لہٰذا از روئے قرآن جھوٹے تھے ـ (جاری ہے)

ابن الحسین گورگانی

جستہ جستہ

خدا خدا کرکے ....

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی قومی اسمبلی کے فیصلہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

" لاہوری پارٹی کے غیر منطقی وجود نے ان کے معاملہ کو (واقعتہً قابلِ اشتباہ نہ ہونے کے باوجود) بعض شکی لوگوں کے لئے ہم مان سکتے ہیں کہ کسی درجہ میں اب مشتبہ کر دیا ہے لیکن موجودہ قادیانی پارٹی کا معاملہ تو بالکل صاف ہے "

(المنبر ۱۲ر مارچ ۱۹۷۵ء)

حقائق بہت تلخ ہوتے ہیں اور وہ اپنا وجود منوا ہی لیتے ہیں جماعت لاہور جو ہر مفہوم میں ختم نبوت کی قائل ہے کے ساتھ ہونے والی نا انصافی کو مولانا صاحب نے کوڈے کیسلے انداز میں ہی سہی ماننے کا کم ازکم امکان تو ظاہر کیا ہے ورنہ حالی تو یہاں تک کہہ گئے ہیں ؂

مخالف کی اُلٹی ہر اک بات سمجھو - کہے دن کو دن گر تو تم رات سمجھو

مرزا محمود احمد / مرزا غلام احمدؒ

" قادیانی اُمت کے دوسرے امام اور مرزا غلام احمد قادیانی کے فرزند مرزا بشیرالدین محمود نے اب سے ساٹھ سال پہلے ۱۹۱۵ء میں "حقیقۃ النبوۃ" کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی جس کا موضوع ہی لاہوری پارٹی کے مقابلہ میں مرزا صاحب کو نبی (یعنی شرعی معنے کے لحاظ سے حقیقی نبی) ثابت کرنا ہے ۔" (المنبر ۱۲ر مارچ ۱۹۷۵ء)

ربوائی بزرجمہر غور فرمائیں کہ بانیٔ سلسلہ کو "حقیقۃ النبوۃ" ایسی کتاب لکھنے کا کیوں خیال نہ آیا اور کیوں انہوں نے اس کے بالکل برخلاف "ضرورت الامام" اور "کرامات الصادقین" تصنیف فرمائیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ محمودیت، احمدیت کے لئے ایک چیلنج ہے نقاد حضرات ان دونوں میں فرق کئے بغیر کبھی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے ۔

مَیں نہ مانوں --

" واقعہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مرزا غلام احمد کی عبارتوں میں بھی کسی تاویل و توجیہہ کی گنجائش نہیں ہے اور محمد علی لاہوری ایم اے وغیرہ نے ان عبارات میں اب تک جو تاویلیں کی ہیں ہمارے نزدیک تو وہ صرف اس بات کے دلائل ہیں کہ ایک اچھا خاصا پڑھا لکھا آدمی بھی جب کسی غلط اور صریحاً غلط بات کو ماننے کی ہی ٹھان لے اور اللہ کی توفیق نصیب نہ ہو تو پھر علم اور عقل کی کوئی روشنی اسے اس غلطی سے نہیں بچا سکتی ۔"

(المنبر ۱۲ر مارچ ۱۹۷۵ء)

کیا یہ مثل آپ پر بھی تو صادق نہیں آتی اور آپ کو مولانا محمد علیؒ کا ید بیضا، ید مبروص نظر آ رہا ہے ۔

ایک اور نیا کلمہ

آپ نے جوش ملیح آبادی کا شعر ؂

میری بیعت کے واسطے ہاتھ بڑھا - پڑھ کلمہ لا اِلٰہ الا انسان

پڑھا ہوگا اور صوفیاء کے بعض تذکروں میں لا الٰہ الا اللہ شبلی رسول اللہ ایسے کلمے بھی دیکھے ہوں گے اب ذرا اس امر کو ملاحظہ فرماویں کہ سندھ کے بعض علاقوں میں ہندوؤں کی تقلید میں مسلمان عورتیں اپنے خاوند کا نام نہیں لیتیں ایک ایسی ہی خاتون نے جن کے شوہر کا نام محمد خاں تھا یوں کلمہ پڑھا اور لوگوں نے صحیح کلمہ پڑھنے سے اسے شرعاً معذور جانا ۔

لا الٰہ الا اللہ ابا بی بی فاطمہ کا رسول اللہ

(المنبر ۱۲ر مارچ ۱۹۷۵ء)

خوفِ خدائے پاک دلوں سے اُتر گیا

خیال تھا کہ شاید ربوائی جدت طرازوں نے "سیرت المہدی" ایسی فضول کتاب سے کوئی سبق حاصل کر لیا ہوگا مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہوا اور لایعنی روایات کی اختراع جاری ہے ملاحظہ فرمائیں :-

" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد مرزا غلام مرتضیٰ صاحب سے جب کسی نے پوچھا کہ آپ کا لڑکا کہاں ہے تو انہوں نے کہا کسی صف میں لپٹا ہوگا یا لوٹے کی ٹونٹی میں " (انصاراللہ۔ جنوری ۱۹۷۵ء صـ۸)

؂ ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

کیا لوٹے کی ٹونٹی میں ہونا بھی روحانیت کا کوئی مقام ہے ؟

ایک خوفناک جسارت

گذشتہ سال ربوہ کے مولوی محمد شریف صاحب حج پر تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ میں اسیر زنداں رہے ۔ جنوری ۱۹۷۵ء کے "انصاراللہ" میں ان کی داستانِ قید و بند کی دوسری قسط درج ہے جس کو بارہ مصالحے لگا کر چٹ پٹا بنانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن اس سلسلہ میں ان کی وصیت کا تذکرہ یوں کیا ہے :-

" میں نے ان سے کہا کہ میری ایک درخواست ہے وہ یہ کہ اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میری میت میرے وطن بھجوائی جائے کہنے لگے لا فی ھٰذا الجھنم یعنی جہنم میں دفن کی جائے گی " (صـ۲۵)

عربی کے اس سقیم فقرہ کا ترجمہ ہے " نہیں اس جہنم میں " لیکن " داستان سرا " نے "ھٰذا" کا ترجمہ ہی حذف کر دیا ہے کیا کوئی مسلمان مکہ معظمہ کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے (العیاذ باللہ) ربوائی حضرات شعوری نہیں تو لاشعوری طور پر ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں جن سے مقدس ہستیوں یا مقدس مقامات کی توہین ہوتی ہے انہیں اس سے احتراز کرنا چاہیئے ۔

احمدیت اور بانیٔ تحریک ...... (بسلسلہ صـ۹)

سرمایہ و محنت کے باہمی تصادم میں سرمایہ کے تغلب اور استحصال کے اسباب اور انسان کا اجتماعی طور پر نیک راہوں پر قدم مارنے کی بجائے بدی کے تخریبی راستوں پر چلنے کے علل کو سائنسی طور پر معلوم کر لیا گیا اور جس طرح وباؤں کے پھوٹنے پر مغرب کے ترقی یافتہ نظامِ طب نے قابو پا لیا ہے اسی طرح اشتراکی فلسفہ حیات نے سائنسی منہاج کی حدود سے عمرانی عوارض کے اسباب و علل معلوم کرکے ان پر قابو پا لیا ہے ۔ آج کرۂ ارض پر کوئی بھی معاشرہ جو سائنسی منہاج کے اطلاق (APPLICATION) سے معلوم کردہ ان معاشی، معاشرتی، ثقافتی اور تہذیبی عوارض اور تخریبی طرزِ تفکر کے اسباب و علل کو نگاہ میں رکھے گا وہ جہالت اور مفلسی جنگ و استحصال، قومی و انفرادی کدورتوں سے پاک صاف رہ سکتا ہے ۔

(باقی صـ۹ پر)

عرفات پریس تھارنٹن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا

ایڈیٹر
غلام نبی مسلم - ایم اے

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور - ۲ر اپریل ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل ۸۳۸ شمارہ ۱۴

جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۲۶ ربیع الاوّل ۱۳۹۵ھ - ۹ اپریل ۱۹۷۵ء | نمبر ۱۵

(حضرت مجدد صد چہاردہم سلام اللہ علیہ)

الہامی کتاب وہ ہے جو اصولِ صداقت اور ان پر دلائل خود پیش کرے

الہامی کتاب کا اپنے اصول کی سچائی پر آپ دلائل بیان کرنا اس وجہ سے بھی ضروری ہے۔ کہ الہامی کتاب کا صرف یہ منصب نہیں ہے کہ اس سے کوئی شخص صرف طوطے کی طرح چند غیر معقول اور مجہول الکیفیت باتیں سیکھ کر اپنے دل میں سمجھ بیٹھے کہ بس میں نجات پا گیا۔ بلکہ عمدہ کام الہامی کتاب کا تو یہی ہے۔ کہ دلائل عقلیہ بتلا کر اس لازوال مرتبہ یقین تک پہنچا دے جو کسی انداز کے وسوسہ ڈالنے سے قابل نہ ہو سکے تا اس کے کامل یقین کی برکت سے سارے اعمال اور اقوال اور عقائد ایماندار کے درست ہو جائیں اور ناراستی کو حقیقت میں راستی سمجھ کر اور کجی کو حقیقت میں کجی سمجھ کر حقیقی تقوےٰ کی صفت سے متصف ہو جائے۔ کیونکہ جب تک انسان جہالت کے دوزخ میں پڑا ہوا ہے اور بجز ایمان تقلیدی کے کہ جس پر بباعث غفلت اور لاپروائی اور غلبۂ حبِ دنیا کے پورا پورا اسے یقین بھی نہیں رہا۔ اور کسی طرح کی عقلی بصیرت اس کو حاصل نہیں تو وہ بڑی خطرہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور اس کے حسب حال یہ آیت قرآن شریف کی ہے۔ من کان فی ھٰذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا (سورہ بنی اسرائیل سیپارہ – ۱۵) یعنے جو شخص اس جہان میں اندھا ہے وہ اس دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اندھوں سے بدتر۔ پس جو کتاب اپنی حقیقت اور اپنے اصول کی حقیقت کو ثابت کر کے نہیں دکھلاتی وہ انسان پر حقیقی سعادت کا دروازہ نہیں کھولتی اور نہ اس کو عقل اور علم میں ترقی بخشتی ہے۔ بلکہ ترقیات سے روکتی ہے۔ اور مردے کی طرح صرف تقلید کے گڑھے میں ڈالنا چاہتی ہے۔ کہ جس میں وہ نہ دیکھے نہ سنے نہ سمجھے اور جو شخص ایسی کتابوں کا پیرو ہوتا ہے وہ عقل اور قیاس اور نظر اور فکر سے کچھ سروکار نہیں رکھتا بلکہ محض قصوں اور کہانیوں پر بھروسہ کر بیٹھتا ہے اور حقائق امور کی تہ کو نہیں پہنچتا اور تدبر اور تفکر کی قوت کو بالکل بیکار چھوڑ کر اور اُن تمام استعدادوں کو جو اس کے نفس میں مخزون اور مودع ہیں دانستہ تلف کر کے رفتہ رفتہ حیوانات لایعقل سے بھی پرلے پار ہو جاتا ہے اور بالآخر طریقہ عقل قیاس اور فکر اور ادراک سے کہ جس سے انسان کی تمام انسانیت وابستہ ہے بالکل بیگانہ اور ناآشنا ہو کر ایک ایسا مسلوب الحواس بن جاتا ہے۔ کہ پھر اس لائق نہیں رہتا کہ اس کو انسان کہا جائے۔ اور اس میں یہ قابلیت نہیں رہتی جو عقلی طور پر حق اور باطل میں تمیز کر سکے۔ اور اس پر وہ تمثیل خوب صادق آتی ہے جو فرقانِ مجید میں مذکور ہے۔ لھم قلوبٌ لا یفقھون بھا ولھم اعینٌ لا یبصرون بھا ولھم اٰذانٌ لا یسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل (سورہ اعراف سیپارہ - ۹) یعنے وہ لوگ جو صرف باپ دادے کی تقلید پر چلنے والے ہیں وہ دل تو رکھتے ہیں پر دلوں سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ اور ان کی آنکھیں بھی ہیں پر آنکھوں کو دیکھنے سے معطل چھوڑا ہوا ہے اور کان بھی رکھتے ہیں پر وہ بھی بیکار پڑے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے غرض کلامِ الٰہی کا یہ نہایت عمدہ کام ہے کہ جو جو طاقتیں اور قوتیں انسان کی فطرت میں ڈالی گئیں ہیں۔ ان کو بطور اصلح اور انسب کے استعمال میں لانے کی تاکید کرے تا کوئی قوت اور طاقت جو عین حکمت اور مصلحت سے انسان کو عطا کی گئی کبھی ضائع نہ ہو جائے یا بطور افراط یا تفریط کے استعمال میں نہ لائی جائے۔ اور منجملہ ان سب طاقتوں کے ایک عقل بھی طاقت ہے کہ جس کی تکمیل میں شرف انسان کا ہے۔ اور جس کے ٹھیک ٹھیک استعمال میں لانے سے انسان حقیقی طور پر انسان بنتا ہے اور اپنے کمال مطلوب کو پہنچتا ہے۔ اور وہی ایک آلہ انسان کے ہاتھ میں ہے جو بے انتہا ترقیات کے حاصل کرنے کے لئے عام طور پر اس کو دیا گیا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر الہامی کتاب اس آلہ کی ممد اور معاون اور محافظ نہ ہو بلکہ یہ تعلیم دے کہ اُس آلہ کو بالکل معطل چھوڑ دینا چاہیئے تو ایسی کتاب بجائے اس کے جو انسان کی فطرتی طاقتوں کو وضع استقامت پر چلائے خود ان طاقتوں کو وضع استقامت پر چلنے سے روکے گی اور بجائے اس کے جو کچھ ہادی اور مددگاری کرے خود رہزن اور مضل بن جائے گی۔ اور جو کچھ اس کے ذریعہ سے سیکھا اور سمجھا جائیگا وہ ایسی شئے نہ ہوگی کہ جس کو علم اور حکمت کہا جائے۔ بلکہ صرف خام طمع اور غیر معقول اور بے جا ہوسوں اور قصوں اور کہانیوں کا ذخیرہ ہوگا۔ اور مقلد اس کا سودائیوں اور وہمیوں کی طرح بغیر بونے کے کاٹنے کی اُمید رکھے گا۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی کتاب کہ جس کے اصولوں کی سرپرستی عقل کی بیخکنی پر موقوف ہے۔ انسان کو کسی نوع کی بھلائی نہیں پہنچا سکتی۔

(براہین احمدیہ حصہ اوّل و دوم۔ حاشیہ صفحہ ۵۱ تا ۵۲)

محترم الطاف جاوید

احمدیت اور بانیٔ تحریک کا تاریخی جائزہ

(مدیر کا مندرجات سے اتفاق ضروری نہیں)

(۲)

مغربی تہذیب میں دہریت کے وجوہ

مغربی تہذیب کو دہریت اور انکار مذہب کی طرف لے جانے والی سب سے بڑی علت، حیاتِ انسانی کی طرف عیسائیت کا منفی رویہ تھا۔ اس رویئے نے جس کی اساس تثلیث اور کفّارہ جیسے غیر عقلی عقاید پر ہے، زندگی کی تمام مثبت اقدار کا انکار کر دیا۔ اس نے محسوس پر غیر محسوس کو، مرئی پر غیر مرئی کو ترجیح دی، اس کے نزدیک مادہ، ناپاک، شر انگیز اور ظلمت آمیز ہے، انسانی فطرت گناہ سے داغدار ہو چکی ہے اور گناہ کی سیاہی کبھی بھی دھل نہیں سکتی۔ اس ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسرا گال پیش کرنے والے مذہب کی تاریخ جنسی آوارگی اور عقل دشمنی سے گھناؤنی بن چکی تھی اور اس معصوم مذہب نے ڈاکٹر ڈریپر کے بقول پندرھویں اور سولہویں صدی میں جدید عقلیت کے ساڑھے چار لاکھ پیرؤوں کو یا تو زندہ جلا دیا یا مختلف اذیتیں دے کر مار دیا۔ لہٰذا اس کے خلاف ردِ عمل بھی تو اتنا ہی شدید تھا جتنی یہ رجعت پسند اور ظلمت انگیز تھی۔

جماعتِ احمدیہ کی دوہری ذمہ داری

اس تاریخی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب اور ان کی قائم کردہ جماعت پر تاریخ نے دوہری ذمہ داری ڈال دی تھی۔ پہلی ذمہ داری تو یہ تھی کہ مغرب کے صنعتی سرمایہ داری نظام حیات اور اس کے سائنسی منہاج نے فطرت اور حیات کے جن نئے قوانین اور رازوں کو منکشف کیا اور ان نئے انکشافات سے جاگیر داری عہد کی ما بعد الطبیعاتی اور قیاسی عقل پر مبنی مذہب کی تعبیر کو جو شدید صدمہ پہنچا اور مذہب کے خلاف اس سائنسی عقلیت نے جن شکوک کو پیدا کیا، ان کا ازالہ کیا جائے اور مذہب کے نظامِ فکر و عمل کی ایک نئی تشکیل کی جائے جو جدید سائنسی شعور کے تقاضوں سے مطابقت (Accordance) رکھتی ہو۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ صنعتی سرمایہ داری عہد میں سائنسی منہاج کا دائرۂ اطلاق زیادہ تر فطرت کے طبیعی اور کیمیاوی اعمال تک محدود تھا۔ عمرانی علوم مثلاً معاشیات، سیاسیات، انسانی معاشرہ کی ساخت اور ترکیب ( ) میں کام کرنے والی قوتوں کی ماہیت، معاشرتی عمل اور شعور، قوموں کے عروج و زوال، تعزیر اور ارادہ، جبر اور اختیار، معروضیت (Objectivism) اور موضوعیت (Subjectivism) وغیرہ کے باہمی تعلق و ربط کی نوعیت جیسے مسائل ابھی سائنسی منہاج کے دائرہِ تحقیق میں آئے ہی تھے، اور ان مسائلِ حیات کے ساتھ سائنس کا تعلق اس وقت تک سطحی اور ابتدائی درجہ تک محدود تھا۔ اس لئے مذہب پر اعتراضات اور حملوں کی نوعیت علوم فطرت کے متعلق نئے اکتشافات پر مبنی تھی۔ چارلس ڈارون کے نظریۂ ارتقاء، قوانین فطرت کے ناقابلِ تبدل ہونے، فطرت کے ہر مظاہر کا قانونِ علیت ...... (Law of Causality) کا پابند ہونا، ذرائع مواصلات کی ترقی سے وقت اور فاصلہ پر انسانی گرفت کی روز افزوں رسائی، فطرت کا اپنے اعمال کو بجا لانے میں کسی خارجی قوت کی مداخلت کی بجائے اپنی داخلی میکانکی قوتوں پر انحصار کے تصور نے مذہب کی جاگیر داری عہد کی غیر سائنسی، مابعد الطبیعاتی اور قیاسی تعبیر کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا۔

حضرت مرزا صاحب کی تاریخی خصوصیت

حضرت مرزا صاحب کی تاریخی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اس عہد کی سائنسی اور استقرائی عقلیت کو جو جاگیر داری کی استخراجی اور قیاسی عقلیت سے متضاد تھی پوری طرح جذب کر لیا۔ اس نئی عقلیت کی اساس پر انقلاب فرانس ابھرا تھا، اور انگریز برصغیر پاک و ہند میں اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔ یہ عقلیت اللہ کی نئی شان کی نمائندہ تھی، حضرت مرزا صاحب کے نابغۂ روزگار ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کی ان نئی فکری خصوصیات کو اپنایا اور ان کی اساس پر مذہب کی ایک نئی تشکیل کی۔

چونکہ حضرت مرزا صاحب کو فوری طور پر جس سیاسی قوت کا سامنا کرنا پڑا وہ برطانیہ تھی، جو اگرچہ اپنے سامراجی عزائم کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ مگر اس کے اس منفی اور انسان دشمن پہلو کے ساتھ ساتھ ایک تعمیری مثبت اور تاریخی ارتقاء کا حامل پہلو بھی تھا، اور اس پہلو کا انکار کرنا دراصل اپنے آپ کو جاگیر داری عہد کی فرسودہ اور بچھڑی ہوئی عقلیت کے ساتھ وابستہ رکھنے کے مترادف تھا، جبکہ تاریخی قوتیں اس عقلیت کی جگہ ایک توانا اور روشن عقلیت معرضِ وجود میں لا چکی تھیں، آپ کے سارے الہامات وکشوف اور تحریروں کی اساس حق تعالےٰ کی نئی شان کی نمائندگی کرنے والی یہی سائنسی اور استقرائی عقلیت تھی۔

آپ نے اس عقلیت کی مدد سے اسلام میں پچھلی چھ صدیوں سے رواج پانے والے غیر تخلیقی اور غیر اجتہادی رویّہ کی جگہ جس کی وجہ سے ملّتِ اسلامیہ کی حیات کے سارے فکری اور عمرانی سوتے خشک ہو چکے تھے، ایک تخلیقی اور اجتہادی تحریک سے اس کے تنِ مردہ میں نئی جان پیدا کر دی۔ آپ نے نئے آدم، نئی زمین اور نئے آسمان کے تخلیق ہونے کی بشارت دی۔ آپ کی تحریروں میں لفظ نیا، NEW کی تکرار ہے جو اس بات کی آئینہ دار ہے کہ آپ حق تعالیٰ کی نئی شان کے نمائندہ کی حیثیت سے تمام علوم اسلامیہ میں ایک تخلیقی اور اجتہادی نقطہ نظر کو ترویج دینا چاہتے تھے۔

حضرت مرزا صاحبؒ اور سرسید علیہ الرحمۃ

اگرچہ آپ کے عہد میں سرسید علیہ الرحمۃ نے بھی اس نئی عقلیت کو اپنا کر ایک زبردست تنقیدی اور تخلیقی ذہنی تحریک برپا کر دی تھی۔ مگر ایک عمیق مطالعہ کی بناء پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائنسی منہاج نے قانونِ علیت کے جس جبری پہلو (Determinative phase) کو ابھارا تھا، سرسید علیہ الرحمۃ کے فکر پر اس جبریت (Determinism) کا ایک گہرا نقش موجود تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک زندہ خدا، زندہ مذہب اور زندہ نبی کا تصور جو انسان میں حق تعالےٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے والی الہامی اور تخلیقی صلاحیتوں کا ضامن ہوتا ہے، دب کر رہ گیا، اور اس کی جگہ مذہب کے میکانکی تصور نے آگے چل کر برصغیر کی مسلم دانش کو اس بات کی عادت ڈال دی کہ جب کبھی یورپ سے کوئی نیا علمی انکشاف وجود میں آتا تو یہ دانش قرآن و حدیث میں پہلے سے اس کے موجود ہونے کے دلائل مہیا کرنا شروع کر دیتی۔ حضرت مرزا صاحب نے اسلام کے نظریاتی (theoretical) پہلو کو اپنے بعض ایسے مہتم بالشان اجتہادات سے مالا مال کیا ہے کہ جس کی نظیر پچھلی کئی صدیوں میں نہیں ملتی۔

حضرت مرزا صاحب کے تجدیدی اور اجتہادی کارناموں پر ایک نظر

قرآن حکیم نے فرمایا ہے، کہ حق تعالےٰ نے ہر قریہ اور ہر بستی میں اپنا نذیر بھیجا ہے۔ مگر مسلمانوں نے آرین اور زرد اقوام میں نبوت کے وجود کو مثبت طور پر کبھی تسلیم نہیں کیا، صرف انہی انبیاء کو تاریخی حقیقت کے طور پر مانتے رہے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہوا ہے اور جو سب کے سب سامی الاصل تھے۔ مگر اسلامی تاریخ میں پہلی بار حضرت مرزا صاحب نے ببانگ دہل اور تحدّی کے طور پر حضرت کرشن کے نبیٔ صادق ہونے کا اعلان فرمایا اور گیتا کو الہامی کتاب

(باقی بر صفحہ کالم ۱)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۹ر اپریل ۱۹۷۵ء

افسوسناک — شرمناک — خطرناک

پیغامِ صلح کے ایک قاری لکھتے ہیں :—

" چند روز ہوئے بندہ نے ایسٹر کا پروگرام ٹیلی وژن پر دیکھا یہ پروگرام تقریباً ½ گھنٹہ کا تھا۔ اس میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ عیسٰے علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اور وہ زندہ آسمان پر خدا کے پاس بیٹھے ہیں۔ باقی تمام نبی فوت ہو چکے ہیں۔ اور زمین میں دفن ہیں اور وہ آپ کی مدد نہیں کر سکتے۔ آپ کو چاہیئے کہ خدا کے بیٹے سے مدد مانگیں۔"

ایک اسلامی مملکت میں اسلام کے خلاف اسلامی حکومت کی سرپرستی میں کفر و شرک کا سرکاری ذریعہ ابلاغ ٹیلیویژن کی وساطت سے پروپاگنڈہ، افسوسناک ہی نہیں شرمناک بلکہ خطرناک ہے۔ لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ حکومت جہاں حقیقی اسلام کے تقاضوں سے غافل ہے اور محض جہلاء کی دلجوئی کے لئے اسلام کے نام پر ایسے اعمال کی سرپرستی کرتی ہے۔ جس سے عامۃ المسلمین جہالت اور غیر اسلامی اعمال میں پختہ تر ہو جائیں، وہاں وہ نہایت دیدہ دلیری سے اسلام دشمن عناصر کو آزادی دے رہی ہے کہ وہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعہ اسلام کے خلاف تعلیمات سے سادہ لوح مسلمانوں کے ذہنوں کو مسموم کر کے انہیں اسلام سے دُور لے جائیں۔ ایک شخص کو یہ تو حق حاصل ہے کہ وہ جو عقیدہ چاہے رکھے اور اپنے وسائل سے اپنے احباب تک پہنچائے۔ لیکن اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مملکت کے آئین اور اساس کے خلاف سرکاری پلیٹ فارم سے ان عقاید کی تغلیط و ابطال کرے جن پر سلطنت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

اسلام نے عیسائیت کے عقاید کی شدید مذمت کی ہے، قرآن کی رُو سے عیسائی مشرک اور کافر ہیں لقد کفرالذین قالوا ان اللّٰہ ھوالمسیح یا ان اللّٰہ ثالث ثلثہ، جو مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اور انہیں خدائی کا مقام بخشتے ہیں۔ وہ کافر ہیں، اور یہ کافرانہ عقیدہ ہے کہ خدا کا کوئی بیٹا بھی ہے۔ جو لوگوں کے گناہوں کی خاطر پھانسی پر لٹک گیا۔ اور اب انسان کا تزکیہ نفس اور نجات کے لئے نیک اعمال کی ضرورت نہیں محض مسیح کی صلیبی موت پر ایمان لے آؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ابھی اہلِ اسلام حکومت کی اس آزادی کا ماتم کر رہے تھے کہ جس کے ماتحت ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعے اسلاف کبار کے خلاف پروپاگنڈہ کیا گیا تھا، اور غیر مسلموں کو حق دیا گیا تھا کہ وہ ختم نبوت کے خلاف پروپیگنڈہ کر سکتے ہیں۔ اب ایک اقلیت کو آزادی دی گئی ہے کہ وہ سرکاری پلیٹ فارم سے آزادانہ تبلیغ کرے کہ خدا کسی آسمان پر بیٹھا ہے اور اس کا بیٹا، اس کے پاس رونق افروز ہے۔ ان کے باہم مشورے سے تمام انبیاء مر کر خاک میں مل چکے ہیں وہ کسی کے کام نہیں آ سکتے اور اب بیٹا ہی مدد کر سکتا ہے اس لئے اسی سے مدد مانگئے، ان الفاظ کی آڑ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جو گستاخی کی گئی ہے۔ اس کو وہی شخص نظر انداز کر سکتا ہے جو اس ملک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک، قرآن حکیم اور اسلام کے خاتمے کا متمنی ہے اور ریڈیو اور ٹیلیویژن نے اس ملک میں دانستہ یا نادانستہ طور پر اسلام کے متعلق جو روش اختیار کر رکھی ہے وہ انتہائی افسوسناک اور دل آزار ہے۔

کیا یہ ڈرامہ ٹیلی وژن پر نہیں کھیلا گیا۔ اور اگر کھیلا گیا ہے۔ تو کیا ٹیلیویژن پر پادریوں کو اس حرکت کی کامل آزادی دے دی گئی تھی، پھر وہ علماء کہاں چلے گئے ہیں۔ جو اسلام کے نام پر اہلِ اسلام کے خلاف تو زہر اُگلتے ہیں۔ لیکن پاکستان میں حکومت کی سرپرستی میں کفر و شرک کی علانیہ اشاعت پر ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ کیا اس بے حسی کے ہوتے ہوئے وہ ملک کو کفر کی آغوش میں جانے سے روک سکیں گے۔

ہم ہنگاموں کے قائل نہیں۔ اور نہ ہی دین میں جبر کے حامی ہیں۔ لیکن ہم ایک اسلامی ریاست میں حکومتی وسائل کا کُفر کی تائید میں استعمال ہونا آئین و ملت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ پھر ہمارے مخاطب وہ علماء ہیں جو سالہا سال تک قوم کے بچوں کی عیسائیت کی آغوش میں تعلیم و تربیت کو برداشت کرتے رہے۔ جس کا بدنتیجہ اب سامنے آ رہا ہے اور آج وہ کفر کی سرکاری سرپرستی پر منقار زیر پر ہیں۔ بدقسمتی سے انہوں نے حضرت عیسٰےؑ کے متعلق جو عقیدے تراش رکھے ہیں وہ عیسائیت نواز ہیں۔ حضرت عیسٰےؑ کا بے باپ پیدا ہونا، آسمان پر دو ہزار سال سے زندہ ہونا، ان کی بجائے کسی دوسرے کا مصلوب ہونا، ان کا مُردے زندہ کرنا، پرندے تخلیق کرنا، اندھوں، مبروصوں اور کوڑھیوں کا تندرست کرنا انہیں خدائی صفات بخشتا ہے۔ یہ توجیح کسی حد تک تسلی بخش ہے۔ کہ جب حضرت مسیح نا کام ہو گئے تو ان کی پریشانی کو دیکھ کر خدا نے انہیں کسی جگہ محفوظ کر دیا ہوگا۔ اور ان کی درخواست پر کہا ہوگا کہ اچھا تمہیں خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی بنا کر بھیجوں گا، تاکہ تم ان کے اُمتیوں کی اعانت سے یہودیوں سے بدلہ لے سکو۔ لیکن حضرت مسیحؑ کی طرف ان خدائی صفات کا انتساب ہی اسلام کے خلاف ہے۔ اور جب تک آپ مسلمانوں کو اُن تعلیمات سے آگاہ نہیں کریں گے جن کی بدولت حضرت مرزا صاحب نے عیسائیت کے دانت کھٹے کر دیئے۔ تب تک عیسائیت کے فتنے کی روک تھام ممکن نہیں۔

لیکن ہمیں اس بات کا انتہائی افسوس ہے کہ خود حضرت مسیح موعود کی جماعت ماضی کی کامیابیوں سے مطمئن ہو کر عیسائیت کے مقابلہ سے غافل ہو چکی ہے اور چند سال سے بالخصوص پاکستان میں عیسائیت کے بڑھتے ہوئے فتنے کو دیکھنے کے باوجود خوابیدہ ہے۔ حالانکہ آج یہ فتنہ زیادہ خطرناک بن چکا ہے۔ ہزاروں مسلمان نوجوان قوم کے غلط عقاید اور بُرے اعمال سے متنفر ہو کر عیسائی یا دہریے ہو چکے ہیں، مولوی ان کی تشفی نہیں کر سکتے اور ہم مصلحت وقت کے زیر اثر ملک سے باہر تو تبلیغ اسلام ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن اس ملک میں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کو کفر کے رحم و کرم پر چھوڑ کر مطمئن بیٹھے ہیں، یاد رکھئے کہ بحیثیت مجدد حضرت صاحب کا مشن مکمل ہو چکا ہے اور آپ کا علم کلام اقصائے عالم میں پھیل کر اپنا کام کر چکا ہے لیکن بحیثیت مسیح موعود یہ کام جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک عیسائیت کلیتہً ہتھیار نہیں ڈال دیتی، اور جب تک یہ کام جاری ہے اس وقت تک ہم سب کا یہ فرض ہے کہ ہم عیسائیت کے خلاف نبرد آزما رہیں۔ اور اپنی نسلوں کو اس جہاد کی ترغیب دیتے رہیں، وما توفیقنا الّا باللہ العظیم۔

یوسوس فی صدور النّاس کا مصداق

" مفکرِ قرآن" جناب پرویز صاحب کو "ترجمان القرآن" سے شکایت ہے کہ وہ پرویز صاحب کے خلاف وسوسہ اندازی کرتا ہے اور ان کے اعتراضات کو نظر انداز کر جاتا ہے۔ لیکن جناب کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ انہوں نے حضرت مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ لاہور کے خلاف الزام تراشی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ جس پر "پیغام صلح" گذشتہ دسمبر سے ان کے فریب کا پردہ چاک کر رہا ہے۔ پھر محترم مجید ارشد صاحب نے انہی اوراق میں ان کے علم، تحقیق اور تعلیوں پر روشنی ڈال کر پرویز صاحب کو جواب کے لئے للکارا ہے، مگر پرویز صاحب دو ماہ سے منقار زیر پر ہیں۔ کیا ہم یہ سمجھیں کہ انہیں اپنی علمی بے مائگی کا احساس ہو گیا ہے۔ کیا وہ اپنی صفائی میں کچھ نہیں بولیں گے اور لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے "لاہوری احمدیوں" سے دو سوالات کی آڑ لیں گے، پرویز صاحب! ہم آپ کی جہالت سے بدستور پردہ اُٹھانے کے لئے سب سوالات کا جواب دیتے رہیں گے۔ لیکن جب تک آپ یہ اعتراف نہیں کریں گے کہ آپ عربی زبان، قرآن فہمی اور دیانت سے عاری ہیں۔ ہم آپ کے علم کی قلعی کھولتے رہیں گے اور قریبی اشاعت میں جناب مجید ارشد کی ضرب کلیمی آپ کی ساحریت کے طلسم پر پڑے گی۔ جس کی شدت آپ مرتے دم تک محسوس کریں گے۔

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں — جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

(مدیر)

محترم بشارت احمد بقا۔ بی اے
تقریر بر جلسہ سالانہ

تحریکِ احمدیت کا پس منظر اور عظیم الشان کام

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ

صاحب صدر، خواتین و حضرات

مجھ سے پہلے گذشتہ دو دنوں میں آپ نے بڑی ایمان افروز اور ولولہ انگیز تقاریر سماعت فرمائیں۔ جو ہمارے بدلے ہوئے حالات کے عین مناسب حال تھیں میری تقریر بھی انہی تقاریر کی ایک کڑی ہے۔ میں بھی اپنے امام علیہ السلام کے حضور عقیدت کے پھول نذر کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ آپ وہ برگزیدہ ہستی ہیں۔ جنہیں ہمارے سید و مولا حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سلام پہنچانے کی اُمّت کو تاکید فرمائی تھی۔

حضرات! دنیا میں جس قدر انبیاء و صلحاء تشریف لائے۔ ان کی اور ان کے متبعین کی بھرپور مخالفت کی گئی۔ ہر آسمانی تحریک کو بڑے کٹھن دور سے گذرنا پڑا اور اہلِ حق کو شمعِ حق کو فروزاں اور تاباں رکھنے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑیں۔ گویا انبیاء و صلحاء آسمانی تحریکوں اور حق پرستوں کی مخالفت و مخاصمت سنّت قدیمہ ہے۔ اسی کی طرف قرآنِ حمید نے یوں اشارہ فرمایا۔ یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ۔

لیکن اہلِ حق کا شیوہ مخالفین کے بالمقابل ہمیشہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ رہا ہے۔ اور انہوں نے بموجب ارشاد ربانی اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ پر ہمیشہ عمل کیا ہے۔ ہم سب نے دیکھا ہے۔ کہ شمع حق کو مخالفت کی تند و تیز ہوائیں کبھی بجھا نہیں سکیں۔ حق کا شجرہ طیبہ آہستہ آہستہ پھیلتا جاتا ہے۔ اور جو ہاتھ اس کی شاخہائے ثمردار کو کاٹنے کے لئے بڑھتے ہیں۔ وہ کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اور ہر مخالفت اپنی افرادی برتری اور مادی ساز و سامان کے باوجود سچائی اور بے نیلِ مرام ہو جاتی ہے۔

تحریک احمدیت بھی ایک الٰہی تحریک ہے اس کی مخالفت بھی سنّت قدیمہ کے مطابق لازم تھی جو اس شدّت سے ہوتی کہ آج ایک صدی ختم ہونے کو آ رہی ہے مگر اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اس تحریک کے بانی کا من جانب اللہ ہونا اس طویل اور لامتناہی سلسلۂ مخالفت سے ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر بانی سلسلہ احمدیہ مامور من اللہ نہ ہوتا۔ اور اگر اس نے اس تحریک کو بحکم خداوندی قائم نہ کیا ہوتا۔ تو یقیناً ایسی تند و تیز مخالفت کے آگے کبھی نہ ٹھہر سکتا۔ اور چند دنوں کے اندر ہی جی ہار کر بیٹھ جاتا۔

حضرات! حالیہ ملک گیر مخالفت جس میں تشدّد اور دہشت گردی کا عنصر نمایاں تھا۔ اور پھر عوام کے مطالبہ سے مرعوب ہو کر عوامی حکومت نے مُلکی آئین میں ترمیم کر کے احمدیوں کو جو غیرمسلم قرار دیا ہے۔ اس نے ہمیں مجبور کیا ہے۔ کہ ہم از سرِ نو نہایت سنجیدگی اور متانت سے اس بات کا جائزہ لیں۔ کہ آیا چودھویں صدی ہجری میں تحریکِ احمدیت کی فی الواقعہ کوئی ضرورت بھی تھی یا نہیں۔ اور اگر ضرورت تھی تو پھر اسلام میں اس تحریک کی افادیت و اہمیت کیا ہے۔ اگر ہم اس ضرورت اور پھر اس تحریک کی افادیت کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ تو میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ ہم دنیا کی بڑی سے بڑی مخالفت جس میں مالی و جانی نقصان بھی شامل ہو۔ بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کر سکتے ہیں۔

یہ تحریک اسلامی دنیا کے جس پس منظر میں اُٹھی اس کا جائزہ لینا ازبس ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس کا تفصیلی جائزہ تو پیش نہیں کر سکتا۔ تاہم اس کے خدوخال سمجھتے ہوئے اجمالی جائزہ پیش خدمت ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی رحلت کے بعد خلافت راشدہ کے پہلے بیس سال مسلمانوں پر بڑے خیر و خوبی سے گذرے۔ اس کے بعد اسلام دشمن عناصر کی گہری سازش سے کچھ فتنے اسلام کی صفوں میں داخل ہو گئے۔ ان فتنوں اور مفاسد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ ان فتنوں کو سمجھتے ہوئے میں آپ کو گذشتہ دو تین صدیوں کی سیر کراتا ہوں۔

جلال الدین اکبر مغل شہنشاہ کے دَورِ حکومت میں سلطنت مغلیہ کا برِصغیر ہند میں طوطی بول رہا تھا۔ اس ملک پر مسلمانوں کا پورا غلبہ تھا۔ اور ان کی طاقت پورے عروج پر تھی۔ مگر جو نقشہ اس دَور میں اسلام کا تھا۔ اور جو اخلاقی اور روحانی حالت اس وقت مسلمانوں اور سرکاری درباری علماء و فقہاء کی تھی وہ ذرا ملاحظہ ہو۔ جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اپنی کتاب تجدید احیائے دین میں فرماتے ہیں:۔

"اکبر کے دربار میں یہ رائے عام تھی کہ ملّتِ اسلام جاہل بدوؤں میں پیدا ہوئی تھی کسی مہذب و شائستہ قوم کے لئے وہ موزوں نہیں۔ نبوت وحی حشر و نشر دوزخ و جنت ہر چیز کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا مشتبہ، وحی کا نزول عقلاً مستبعد، مرنے کے بعد ثواب و عذاب غیر یقینی البتہ تناسخ ہر آئینہ ممکن و اقرب الی الصواب، معراج کو علانیہ محال قرار دیا جاتا۔ ذاتِ نبوی پر اعتراضات کئے جاتے۔ خصوصاً آپ کی ازواج مطہرات کے تعدّد پر اور آپ کے غزوات و سرایا پر۔ یہاں تک کہ لفظ احمدؐ اور محمدؐ سے بھی بیزاری ہو گئی۔ اور جن کے ناموں میں یہ لفظ شامل تھے ان کے نام بدلے جانے لگے۔ دنیا پرست علماء نے اپنی کتابوں کے خطبوں میں نعت لکھنا چھوڑ دی۔ بعض ظالم اس حد تک بڑھے کہ دجّال کی نشانیاں ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں کرنے لگے۔ العیاذاً باللہ العیاذاً باللہ!!

دیوان خانہ شاہی میں کسی کی مجال نہ تھی کہ نماز ادا کر سکے۔ ابوالفضل نے نماز، روزہ، حج اور دوسرے شعائر دینی پر سخت اعتراضات کئے اور ان کا مذاق اڑایا۔ شعراء نے ان شعائر کی ہجو لکھی اور جو عوام کی زبانوں تک پہنچی۔"

اکبر نے دینِ الٰہی کی بنا ڈالی۔ تو اس میں ہندوؤں کی تمام رسومات اور عقائد کو شامل کیا گیا۔ اسلام سے اس قدر چڑ تھی کہ اس کی ہر ایک تعلیم پر خطِ تنسیخ کھینچا گیا۔ گائے کا گوشت ممنوع قرار دیا گیا۔ سُود، جوئے اور شراب کو حلال قرار دیا۔ حدِّ زنا موقوف کر دی گئی۔ اور چند ضوابط کے ساتھ اس کو جائز قرار دیا۔ اور سُؤر کو مقدّس قرار دیا۔ اور صبح اُٹھتے ہی اس کا درشن کرنا مبارک و مسعود قرار دیا۔

کفر و الحاد کی اس منظّم، سازش اور فکر و عمل کی اس باغیانہ یورش سے اسلامی تعلیمات پر ایک زلزلہ آیا۔ جس سے اس کی عظیم عمارت زمین بوس ہو گئی۔ تاریخ ہمیں یہ بتانے سے قاصر ہے کہ اس زمانہ کے مسلمانوں نے اپنے علماء و فضلا کی معیت اور راہنمائی میں ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم اور شرع متین کے لئے غیرت کھا کر خود اکبر اور اس کے حاشیہ بردار عالموں، قاضیوں اور فقیہوں کی اسلام کے خلاف اس کھلی بغاوت پر صدائے احتجاج بلند کی ہو۔ اور ناموس رسُول کی خاطر اکبر کی تلوار کے نیچے اپنی گردنیں رکھ دی ہوں۔ اور زمین کو اپنے خون سے لالہ زار بنا دیا ہو۔ تاریخ کے مطالعہ سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ مدافعت اسلام میں نہ کوئی تلوار اُٹھی۔ اور نہ ہی کوئی پروانہ شمع رسالت پر جل مرا۔ ساری کی ساری قوم اسلام دشمن قوتوں کے آگے سرنگوں اور عیش و عشرت میں بدمست دکھائی دیتی ہے بلکہ علماء ظاہر جو ہمیشہ خود کو دین کے ٹھیکیدار سمجھتے چلے آئے ہیں جس طرح عہد حاضر کے علماء چھٹے ہوتے ہیں۔ اور دین کے نام پر دنیا سمیٹ رہے ہیں۔

دینِ اسلام کی اس زبوں حالی پر کس کا دل تڑپا اور کس کی آنکھوں سے خون کے آنسو بہہ نکلے۔ کس نے سید و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیرت کھائی۔ کون شخص پورے جوشِ ایمانی اور یقین و معرفت کے طاقتور ہتھیاروں سے لیس ہو کر کفر و الحاد کے اس بے پناہ سیلاب کے آگے سدِ سکندری بنا رہا۔ کس نے اس زمانہ کے امراء و رؤسا اور عوام کو ان کی کھلی گمراہی پر ٹوکا۔ اور قید و بند کی تمام صعوبتیں برداشت کرنی منظور کریں۔ مگر اسلام اور ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر حرف نہ آنے دیا۔ اور اپنے کلام معجز نظام سے گستاخ زبانوں اور بے ادب ہاتھوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ حضرات اسلام کا یہ بطلِ جلیل گیارہویں صدی ہجری کے نامور عالمِ ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ تھے۔ جو آج اسلامی تاریخ میں مجدد الف ثانی کے نام سے اکناف عالم میں مشہور و معروف ہیں۔ یہ اس بزرگ ہستی کا عظیم کارنامہ ہے۔ کہ اس نے اسلام کے چشمۂ صافی کو ان نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک و صاف کیا۔ جو ملحدانہ فکر و عمل کی پیداوار تھیں۔ حکومت نے جس قدر خلاف شرع قوانین وضع کئے تھے۔ اور اسلامی احکام میں اکبر کے زمانہ میں جتنی ترمیم و تنسیخ کی گئی تھی۔ ان سب کو منسوخ کرانے میں بفضلہ تعالےٰ کامیاب و کامران ہوئے۔

بارہویں صدی ہجری میں خدا تعالےٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کو بطور مجدد مبعوث فرمایا۔ مغلیہ حکومت کے بارے میں ان کے خیالات ملاحظہ ہوں:۔

” ان لوگوں کی حکومت مجوسیوں کی حکومت کی مانند رہی ہے۔ بس فرق صرف یہ ہے۔ کہ یہ نماز پڑھتے اور کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرتے رہے ہیں۔ ہم اسی تغیر کے دامن میں پیدا ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں آگے چل کر خدا تعالےٰ کیا دکھانا چاہتا ہے۔“ (ازالۃ الخفاء)

ان کے زمانہ میں دلیل بازی، وجدان پرستی اور طاعت غیر اسلامی معنی و مفہوم کے ساتھ پیدا ہو چکی تھیں۔ جس کے باعث ملت اسلامیہ میں انتشار اور افتراق وسیع تر ہو چکا تھا۔ آپ نے اس زمانہ کے پیرزادوں۔ علماء، واعظوں اور خانقاہ نشینوں کی اخلاقی اور روحانی حالتِ زار کو دیکھ کر یوں ارشاد فرمایا:۔

”میں ان پیرزادوں سے جو کسی استحقاق کے بغیر باپ دادا کی گدیوں پر بیٹھے ہیں کہتا ہوں۔ کہ یہ کیا دھڑے بندیاں تم نے بنا رکھی ہیں۔ کیوں تم سے ہر ایک اپنے طریق پر چل رہا ہے۔ اور کیوں اس طریقہ کو سب نے چھوڑ رکھا ہے۔ جسے اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا تھا۔ تم میں سے ہر ایک امام بن بیٹھا ہے۔ اپنی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے۔ اور اپنے کو مہدی و ہادی سمجھتا ہے۔ حالانکہ ضال و مضل ہے.... .... یہ سب رہزن ہیں۔ دجال ہیں۔ کذاب ہیں۔ خود بھی دھوکے میں ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکا دے رہے ہیں۔“

پھر فرماتے ہیں:۔

” میں اُن طالبانِ علم سے کہتا ہوں۔ جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں۔ کہ بیوقوفو! تم یونانیوں کے علوم اور صرف و نحو و معانی میں پھنس گئے۔ اور سمجھے کہ علم اس کا نام ہے۔ حالانکہ علم تو کتاب اللہ کی آیت محکمہ ہے۔ یا وہ سنت ہے جو رسول سے ثابت ہو........ تم میں اکثر لوگوں کا حال یہ ہے۔ کہ جب کسی کو نبی کی حدیث پہنچتی ہے۔ تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا۔ اور کہتا ہے۔ کہ میرا عمل تو فلاں کے مذہب پر ہے۔ نہ کہ حدیث پر۔“

”میں ان متقشف واعظوں، عابدوں اور خانقاہ نشینوں سے کہتا ہوں کہ اے زہد کے مدعیو! تم ہر وادی میں بھٹک نکلے اور ہر رطب و یابس کو لے بیٹھے۔ تم نے لوگوں کو موضوعات اور اباطیل کی طرف بلایا۔ تم نے خلق خدا پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا۔ حالانکہ تم فراخی کے لئے مامور تھے۔ نہ کہ تنگی کے لئے۔ تم نے مغلوب الحال عشاق کی باتوں کو اپنا مدار علیہ بنا لیا ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں پھیلانے کی نہیں۔ لپیٹ کر رکھ دینے کی ہیں۔“

امراء کو یوں مخاطب فرماتے ہیں:

” تمہیں خدا کا خوف نہیں آتا۔ تم فانی لذتوں کی طلب میں مستغرق ہو گئے۔ اور رعیت کو چھوڑ دیا۔ کہ ایک دوسرے کو کھا جائے۔ علانیہ شرابیں پی جا رہی ہیں اور تم نہیں روکتے، زنا کاری، شراب خواری اور قمار بازی کے اڈے برسرِ عام بن گئے ہیں۔ اور تم ان کا انسداد نہیں کرتے۔ اس عظیم الشان ملک میں مدت دراز سے کوئی حدِ شرعی نہیں لگائی گئی جس کو تم ضعیف پاتے ہو۔ اسے کھا جاتے ہو۔ اور جسے قوی پاتے ہو۔ اسے چھوڑ دیتے ہو۔ کھانوں کی لذت، عورتوں کے ناز و انداز، کپڑوں اور مکانوں کی لطافت! بس یہ چیزیں ہیں جن میں تم ڈوب گئے ہو۔ کبھی خدا کا تمہیں خیال نہیں آتا۔“

”میں ان اہلِ حرفہ اور عوام سے کہتا ہوں۔ کہ تم میں امانت و دیانت رخصت ہو گئی ہے۔ اپنے رب کی عبادت سے تم غافل ہو گئے ہو۔ اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگے ہو۔ تم غیر اللہ کے لئے قربانیاں کرتے ہو۔ اور مدار صاحب اور سالار صاحب کی قبروں کا حج کرتے ہو۔ یہ تمہارے بدترین افعال ہیں۔ تم میں سے جو کوئی خوشحال ہو جاتا ہے۔ وہ.......... شراب نوشی اور کرایہ کی عورتوں میں اپنا معاش اور معاد دونوں کو ضائع کرتا ہے۔“

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

” پھر میں مسلمانوں کی تمام جماعتوں کو عام خطاب کر کے کہتا ہوں کہ بنی آدم! تم نے اپنے اخلاق کھو دیئے۔ تم پر تنگ دلی چھا گئی۔ اور شیطان تمہارا محافظ بن گیا ہے....... حرام میں تمہیں مزا آتا ہے اور حلال تمہارے لئے بدمزہ بن گیا ہے۔“

تفہیمات میں فرماتے ہیں:۔

” جو لوگ حاجتیں طلب کرنے کے لئے اجمیر یا سالار مسعود کی قبر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں۔ وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں۔ کہ قتل اور زنا کا گناہ اس سے کم تر ہے۔ آخر اس میں اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش میں فرق کیا ہے؟ جو لوگ لات اور عزیٰ سے حاجتیں طلب کرتے تھے ان کا فعل اُن لوگوں کے فعل سے آخر کس طرح مختلف تھا؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم ان کے برعکس ان لوگوں کو صاف الفاظ میں کافر کہنے سے احتراز کرتے ہیں۔ کیونکہ خاص ان کے معاملہ میں شارع کی نص موجود نہیں ہے۔ مگر اصولاً ہر وہ شخص جو کسی مردے کو زندہ ٹھہرا کر اس سے حاجتیں طلب کرتا ہے۔ اس کا دل گناہ میں مبتلا ہے۔“

یہاں حضرت ممدوح کی تفہیمات جلد دوم سے چند فقرے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:۔

” نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ کہ تم مسلمان بھی آخرکار اپنے سے پہلے کی اُمتوں کے طریقے اختیار کر لو گے۔ اور جہاں جہاں انہوں نے قدم رکھا ہے وہاں تم بھی قدم رکھو گے۔ حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کے بِل میں گھسے ہیں۔ تو تم بھی ان کے پیچھے جاؤ گے۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ پہلی اُمتوں سے آپؐ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا اور کون؟“

” سچ فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ضعیف الایمان مسلمان دیکھے ہیں۔ جنہوں نے صلحاء کو اربابًا من دون اللہ بنا لیا ہے۔ اور یہود و نصاریٰ نے اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔“

میں نے یہ تمام حوالے مولانا مودودی صاحب کی کتاب تجدید و احیائے دین سے دانستہ دیئے ہیں۔ تاکہ کوئی شخص مجھ پر کسی خیانت اور افتراء کی تہمت نہ لگا سکے۔ میرا خیال ہے کہ جن فتنوں اور مفاسد کا میں اوپر ذکر کر آیا ہوں ان سے آپ کو وہ پس منظر سمجھنا آسان ہو گیا ہو گا۔ جس کے دامن میں اس زمانہ کے امام نے اپنے شعور کی آنکھ کھولی۔ میں اس سے زیادہ تفصیل میں نہیں جا سکتا۔ بس آپ یوں سمجھ لیں کہ ہر زمانہ اور دور نے نئے فتنوں کو جنم دیا اور ایک ایک کر کے یہ فتنے بڑھتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ تیرھویں صدی کے آخر پر یہ فتنے، فتور اور مفاسد اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئے۔ کیونکہ تیرھویں صدی میں برصغیر ہند میں مسلمان اپنی بداعمالیوں اور تعلیمات اسلامی ما

قرار دیا۔ یہ ایک ایسا نعرۂ ھُو تھا جس نے ایک پرانی جامد اور غیر قرآنی روایت کو توڑ دیا۔ اب آپ کے اس عظیم المرتبت اجتہاد کے نقش قدم پر آدین اور دیگر اقوام کے دیگر حکمائے الٰہی کو نبی تسلیم کر لینے میں کوئی باک نہ رہا۔

آپ کے اس جرأت مندانہ قدم نے برصغیر کی ہندو قوم، جو خود بھی ایک عظیم الشان علمی ورثہ کی امانتدار، اور ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کے راستہ میں سب سے بڑی فکری رکاوٹ ختم کر دی۔ یہ قدم اپنی ماہیت میں صرف ہندو اور مسلم قوم کے اتحاد کی ضمانت ہی اپنے اندر نہیں رکھتا بلکہ وحدتِ انسانیت کے لئے ایک مینارۂ نور کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔

(۲) آپ نے صرف حضرت سری کرشن کے نبی اور گیتا کے الہامی کتاب ہونے کا ہی اعلان نہیں فرمایا بلکہ "ساتن دھرم" رسالہ لکھ کر ہندو کی **مظاہر پرستی کو مشرکانہ اساس سے اُٹھا کر توحیدی فکر کے قریب تر کر** دیا۔ اس طرح اس خلیج کو پاٹنے کی ایک مبارک کوشش کی جو اسلام کے نظریۂ توحید اور ہندو مظاہر پرستی کے درمیان حائل تھی۔ اس طرح ہندو مسلم اتحاد کی بنیادوں کو استوار کرنے کی ایک تاریخی ضرورت کو پورا کرنے کی سعی فرمائی جس کے نہ ہونے یا اسے تفریق میں بدل کر انگریز اپنے سامراجی مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

(۳) آپ نے ایک رسالہ توضیح مرام میں حق تعالےٰ کے تصور کو انہی الفاظ اور تشبیہات میں بیان فرمایا، جن میں لارڈ ارجن نے حضرت کرشن سے بصیرت (Vision) عطا ہونے کے بعد حق تعالےٰ اور کائنات کو دیکھا تھا۔ یہ بھی ہندو مسلم اتحاد کے لئے ایک وقیع کوشش تھی۔

(۴) آپ نے رسالہ پیغام صلح لکھ کر مذاہب عالم کے درمیان پائی جانے والی غیر مختتم **جنگ و جدل** کو ختم کرنے کے لئے بنیادی اصول تحریر فرمائے۔ آپ نے ہندوؤں اور دوسرے مذاہب پر ناروا حملے اور اعتراضات کرنے کی بجائے پیغمبر اسلامؐ پر ایسا اجمالی ایمان لے آؤ جیسا کہ ہم تمہاری مقدس شخصیتوں پر رکھتے ہیں تاکہ صلح و اتحاد کی سازگار فضا قائم ہو سکے جس میں ہم حقائق کی بناء پر اپنے اپنے مذہب کو جانچ سکیں اور کھلے ذہن کے ساتھ ایک دوسرے کے مذہب کا مطالعہ کر سکیں۔

۵۔ آپ نے فرمایا کہ مذاہب عالم میں پائے جانے والے "زوائد اختلافیہ" کو اگر ان مذاہب کی تعلیمات سے علیحدہ کر لیا جائے تو جو کچھ باقی بچے گا وہ دینِ حق (اسلام) ہوگا۔ اس کا مفہوم یہ تھا کہ تمام مذاہب عالم میں حق یا "مذہبی سچائی" موجود ہے اور یہ تمام ایک ہی الٰہی تحریک کی مختلف کڑیاں ہیں۔ مگر زوائد "اختلافیہ" نے جو مقامی اور قومی خصوصیات کی وجہ سے مختلف ارکان، رسوم اور ہیئت کی شکل میں اپنا اظہار کرتی ہیں، ان مذاہب کو علاحدہ علاحدہ گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ان گروہ بندیوں سے مذاہب کی مذہبی پیشوائیت اور استحصالی قوتیں فائدہ اُٹھا کر ان اختلافات کو اُچھال کر اور تفریقِ انسانیت کے بیج بو کر اپنا مقاد حاصل کرتی ہیں۔ یہ بھی اتحاد انسانیت اور **وحدت الادیان** کے بلند نصب العینوں کو حاصل کرنے کی طرف ایک مثبت اور راہنما اقدام تھا۔

۶۔ جس عہد میں آپ نے اپنے مشن اور دعاوی کو عوام کے سامنے پیش کرنا شروع کیا۔ وہ عہد ملتِ اسلامیہ کے لئے سیاسی، معاشی اور فکری لحاظ سے بڑا اندوہناک تھا۔ تمام ممالک اسلامیہ مغربی اقوام کے سامراجی غلامی میں آچکے تھے۔ معاشی لحاظ سے پسماندہ جاگیر داری عہد کی معلیشت سے ابھی تک گلو خلاصی حاصل نہیں کر سکے تھے اور یورپ کا سائنسی تفکّر ان کے جاگیرداری عہد میں تخلیق شدہ ادب اور علوم پر حاوی تھا۔ اس عہد کا مسلمان فوجی اور سیاسی لحاظ سے مغربی اقوام کا مقابلہ کرنے کی اہلیت اور صلاحیت کھو چکا تھا۔ ایسے موقع پر ملتِ اسلامیہ کی مذہبی اور ثقافتی شخصیت کی سالمیت کو قائم رکھنے کے لئے دو ہی طرح کے قدم اُٹھائے جا سکتے تھے۔ ایک تو قدیم اسلامی ادب کی، جو فقہ، تفسیر، کلام حدیث اور دوسرے علوم پر مشتمل تھا، حفاظت وصیانت کا انتظام کرنا تھا مشائخ دیوبند نے اس اہم تاریخی کام کو بڑے احسن طریق سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

دوسرا کام یہ تھا کہ برصغیر کے وہ مذاہب جو اسلام پر اعتراضات کرتے اور حملہ آور ہو رہے تھے ان کا جواب دیا جائے اور تمام اقوام عالم میں اسلام کی اشاعت کا انتظام کیا جائے۔ "جماعت احمدیہ" نے ان دونوں کاموں کو اتنی خوبی سے سرانجام دیا کہ تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

عیسائیت کو تو سلطنت برطانیہ کی پشت پناہی حاصل ہونے کا فخر تھا۔ بلکہ مغربی اقوام نے عیسائیت کو افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کی پسماندہ اقوام پر فوجی سیاسی اور معاشی، غلبہ حاصل کرنے کے لئے بطور ہتھیار کے استعمال کیا ہے۔ عظیم لینن نے اپنی کتاب "امپیریلزم" میں بتایا ہے کہ سب سے پہلے سیاح ان ممالک کی دولت کا اندازہ لگاتے ہیں۔ پھر پادری انجیل لے کر انہیں نجات دلانے کے لئے تبلیغی مشن پر پہنچتے ہیں۔ اور وہاں ہسپتال اور سکول کھولتے ہیں، اس کے بعد (Bankers & Land Lords) بینکرز اور لینڈ لارڈز وہاں کے خام مال حاصل کرنے کے لئے سرمایہ لے کر پہنچنا شروع ہوتے ہیں اور اس کے بعد فوج آتی ہے اور اس ملک پر قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ افریقہ اور ایشیا کے ہر ملک میں اسی داستان کو دوہرایا گیا۔

برصغیر کے مسلمان اپنی معاشی پسماندگی اور سیاسی شکست کی وجہ سے شدید احساس کمتری میں مبتلا ہو چکے تھے۔ عیسائیت ان کی صفوں میں مزید انتشار پیدا کر رہی تھی، علماء اس حملہ کے کامیاب دفاع کے لئے ایسے دلائل کے ہتھیاروں سے مسلح نہ تھے، جو اس کو دندان شکن جواب دے سکتے۔ سر سید کی تحریک کا رویہ حملہ آور ہونے کی **بجائے مدافعتی تھا۔ یہ صرف حضرت مرزا صاحب کی ذاتِ گرامی تھی** **کہ انہوں نے عیسائیت کے حملوں کا محض دفاع ہی نہیں کیا بلکہ اس کے** **گھر یورپ میں اپنے مبلغ[۱] بھیجکر اس پر حملہ آور ہوئے۔ آپ نے اپنے ایک** **کشف کے ذریعہ پیشگوئی کی کہ آج مغرب سے علم کا جو بحرِ ذخار مشرق کی طرف** بہہ رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ اپنا رُخ بدل کر مشرق سے مغرب کی طرف بہنا شروع کر دے گا۔

عیسائیت کے خلاف اسلام کا دفاع کرتے ہوئے آپ نے اسلامی علم الکلام میں "حیات مسیح" کے غلط نظریہ کی اصلاح کی اور پرزور دلائل سے حضرت مسیح کی وفات کو ثابت کیا۔ حیاتِ مسیح کے عقیدہ نے اسلام کی دفاعی اور استدلالی قوت کو کمزور کر دیا تھا۔ جب کسی شخص کی پیدائش بھی غیر معمولی (Unique) اور میت کے وقت اسے عام قانونِ فطرت کے خلاف آسمان پر اُٹھا لیا جائے تو اس کے مافوق البشر ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟

حضرت مرزا صاحب نے عیسائیت کے ساتھ ساتھ آریہ سماج کی جارحانہ ہندو قومیت (Aggressive Hindu Nationalism) کے تصور کی، جسے وہ مذہبی لبادہ میں ملبوس کر کے پیش کر رہا تھا شدید مخالفت کی۔ ہندو علوم مغرب کے حاصل کرنے میں مسلمانوں سے نصف صدی آگے تھا، اور برصغیر کے تمام تعلیمی اور تجارتی اداروں اور سول سروس پر اپنا تسلط جما چکا تھا۔ مسلمانوں کی اس ذہنی اور معاشی پسماندگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے آریہ سماج نے جارحانہ ہندو قومیت کے تصور کو پورے زور سے پیش کرنا شروع کیا۔ تاکہ ہندو اپنی برتری کے ادعا کو مسلمانوں پر پوری طرح واضح کر سکے۔

ہندو کی سماجی برتری اور عیسائیت کے برطانیہ کے سیاسی استیلاء و تغلب کے نقیب ہونے کی حیثیت سے مسلم ذہن احساس کمتری کے عین گرداب میں پھنس چکا تھا۔ حضرت مرزا صاحب کے ان دونوں قوتوں پر کامیاب استدلالی حملوں نے ملت میں خود اعتمادی کے جذبہ کو فروغ دے کر اسے اس بھنور سے نکلنے میں مدد دی۔ (جاری ہے)

درخواست دُعا لندن سے شیخ محمد طفیل صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ محترم شیخ عزیز احمد صاحب ٹرینیڈاڈ میں شدید علیل ہیں۔ احباب سے درخواست ہے کہ وہ سلسلہ کے اس مخیّر بزرگ کی صحت کے لئے دردِ دل سے دُعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی کو شفا بخشے اور اسلام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (مدیر)

۱؎ خواجہ کمال الدین مبلغ اسلام ۱۹۱۲ء

مُسلمانوں کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہو کر کیونکر رہنا چاہیئے[1]

(از شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی)

مُسلمانوں نے چار دانگ عالم میں بارہ تیرہ سو برس تک حکومت کی، حکومت کا آغاز عین بانیٔ اسلام کے زمانہ میں ہُوا۔ اور آج تک جا بجا اسلامی حکومتیں قائم ہیں۔ سینکڑوں غیر قومیں اس کی محکوم ہوئیں۔ ان اسباب سے یہ بدیہی ہے کہ اِسلام نے غیر مذہب والوں پہ حکومت کرنے کے دستور اور آئین مفصل منضبط کئے ہوں گے۔

لیکن اسلام کو محکوم ہو کر بہت رہنا پڑا۔ اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس حالت کے متعلق حدیث سے فقہ سے تاریخ سے ہم کو کوئی ہدایت نہیں مل سکتی اور فقہ کا یہ حصّہ بالکل اچھوتا رہ گیا۔

چونکہ یہ نہایت سخت خطرناک غلطی ہے، اس لئے ہم تفصیل سے بتانا چاہتے ہیں کہ اِسلام میں اس کے متعلق کافی قواعد اور احکام موجود ہیں۔ اور حدیث، فقہ، تاریخ، سب اس قسم کے مسائل اور واقعات سے لبریز ہیں۔

اس مسئلہ کے متعلق اصل میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی غیر مذہب حکومت مسلمانوں کے مُلک اور زمین پر قابض ہو جائے تو

(۱) یہ قبضہ حقیقی ہوتا ہے یا غاصبانہ

(۲) مسلمانوں کو حکومت کی اطاعت فرض ہوتی ہے یا نہیں۔

فقہ میں اس کا ایک مستقل باب ہے جس کی سُرخی یہ ہے باب استیلاء الکفّار اس کے ذیل میں یہ حکم ہیں:—

وان غلبوا علیٰ اموالنا و احرزوھا بدارھم ملکوھا

ویجب علینا اتباعھم (دُرّمختار)

اگر غیر مذاہب والے ہمارے مال پر غالب آجائیں اور اسکو اپنے گھر میں جمع کریں تو وہ اس کے مالک ہوں گے۔

اور ہم پر ان کی اطاعت فرض ہوگی۔

چونکہ اسلامی احکام کی اصلی بنیاد قرآن اور حدیث ہے اس لئے فقہی دلیلوں سے پہلے، ہم قرآن وحدیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

قرآن مجید } قرآن مجید میں ان صحابہؓ کو جو دولت مند تھے اور اپنی دولت چھوڑ کر ہجرت کر کے چلے آئے تھے اور ان کے مال و دولت پر اہلِ مکّہ نے قبضہ کر لیا تھا۔ خدا نے فقیر فرمایا ہے للفقراء المھاجرین الخ۔ اس سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جب اہلِ مکّہ نے ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کے حقیقی مالک ہو گئے۔ اس بناء پر صحابہؓ کو خدا نے فقیر فرمایا۔ شاید کسی کو خیال ہو کہ چونکہ صحابہؓ کا قبضہ جاتا رہا تھا اس لئے خدا نے ان کو مفلس کہا لیکن ایسے شخص کے لئے جو گھر سے نکل آئے اس کے مال و اسباب پر اور لوگ قابض ہو جائیں اصطلاح شرع میں ایک دوسرا لفظ موجود ہے ابن السبیل

شامی شرح دُرّ مختار میں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ قبضہ کی حالت میں قابض لوگ حقیقی مالک ہو جاتے ہیں یہ استدلال کیا ہے:—

لقولہٖ تعالیٰ للفقراء المھاجرین، سماھم فقراء فدل علی ان الکفار ملکوا اموالھم التی ھاجروا عنھا ومن لا یصل الی مالہ لیس فقیرا بل ھو ابن السبیل۔

کیونکہ خدا نے فرمایا ہے للفقراء المھاجرین اس آیت میں خدا نے مہاجرین کو فقیر کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کُفّار صحابہؓ کے مال کے حقیقی مالک ہو گئے تھے۔ کیونکہ جو شخص اپنے مال کا مالک ہوتا ہے، اور صرف اس کا قبضہ اُٹھ جاتا ہے تو اس کو فقیر نہیں بلکہ ابن السبیل کہتے ہیں۔

حدیث } فقہاء کے نازک اور دقیق استدلال کی ہم داد دیتے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک اس قدر موشگافی اور دقیقہ سنجی کی ضرورت نہیں۔ جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں اس قسم کا واقعہ پیش آچکا تھا اور اس طرزِ عمل سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو غیر مذہب کی حکومت میں کیونکر رہنا چاہیئے؟ مکّہ میں جب مخالفوں نے مسلمانوں

---

[1] **النّدوہ** (ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ماہوار علمی رسالہ) اگست ۱۹۰۸ء جلد ۵ نمبر ۷ صفحہ ۲۷، صفحہ ۳۳۔ مندرجہ بالا مضمون بغیر کسی ترمیم اضافہ کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا سنگِ بنیاد آنریبل سر جان پی سکاٹ ہیوٹ لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ آگرہ و اودھ نے رکھا تھا اس "حیرت انگیز عظیم الشّان جلسہ" کی کارروائی بیان کرتے ہوئے النّدوہ نے اپنے شذرات میں لکھا:—

"یہ پہلا ہی موقعہ تھا کہ مقدس علماء عیسائیؑ فرمانروا کے سامنے دلی شکرگذاری کے ساتھ ادب سے خم تھے۔ یہ پہلا ہی موقعہ تھا کہ شیعہ وسُنی ایک مذہبی تعلیم گاہ کی رسم افتتاح ادا کرنے میں برابر کے شریک تھے۔ یہ پہلا ہی موقعہ تھا کہ ایک مذہبی درسگاہ کا سنگِ بنیاد ایک غیر مذہب کے ہاتھ سے رکھا جا رہا تھا۔ (مسجد نبویؐ کا منبر بھی ایک نصرانی نے بنایا تھا) غرض یہ پہلا ہی موقعہ تھا کہ ایک مذہبی سقف کے نیچے نصرانی۔ مسلمان۔ شیعہ۔ سُنی۔ حنفی۔ وہابی۔ رِند۔ زاہد۔ صوفی۔ واعظ۔ خرقہ پوش۔ کجکلاہ سب جمع تھے، مصرع

آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں

ہز آنریبل لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ نے منظور فرمایا تھا کہ وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا سنگِ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھیں گے۔ یہ تقریب ۲۸ر نومبر ۱۹۰۸ء کو عمل میں آئی۔"

(النّدوہ۔ دسمبر ۱۹۰۸ء جلد ۵ نمبر ۱۱ صفحہ ۱—۲)

آج کل ندوۃ العُلماء لکھنؤ کی طرف سے احمدیت کے خلاف جو لٹریچر شائع کیا جا رہا ہے اس میں ایک اعتراض یہ بھی دہرایا جاتا ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے انگریزوں کی حکومت کی تعریف کی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بہت سی دینی اور علمی درسگاہوں کا سنگِ بنیاد انگریزوں نے رکھا، یا ان کے نام سے منسوب ہیں۔ لیکن حضرت مِرزا صاحب اور جماعت احمدیہ کا دامن اس سے پاک رہا ہے۔

مندرجہ بالا مضمون میں علامہ شبلی نعمانی بانی دارالعلوم ندوۃ العُلماء قرآن۔ حدیث۔ فقہ اور تاریخ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ:—

"ہم پر ان کی (یعنی غیر مسلم حکومت کی۔ ناقل) اطاعت فرض ہوگی۔"

تفصیل کے لئے پورا مضمون ملاحظہ فرمائیے۔

شیخ محمد طفیل ایم۔اے

ووکنگ۔ سرے۔ لندن

کو حد سے زیادہ ستانا شروع کیا تو آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ لوگ ہجرت کر کے حبش (زاہی سینیا) کو چلے جائیں چنانچہ بہت سے صحابہ جن میں حضرت عبدالرحمن بن عوف بھی تھے حبش میں چلے گئے۔ حبش کا بادشاہ عیسائی تھا جس کو اہلِ عرب نجاشی کہتے تھے، صحابہ جب حبش میں آئے تو اتفاق سے چند روز بعد کسی بادشاہ نے اس ملک پر چڑھائی کی اور نجاشی نے اس کے مقابلہ کے لئے فوجیں بھیجیں، صحابہ نے خود بلا کسی کی تحریک کے اپنی طرف سے ایک قاصد بھیجا کہ فوج کے ساتھ جائے اور دم دم کی خبریں بھیجتا رہے، تاکہ اگر ضرورت ہو تو خود ہم لوگ نجاشی کی مدد کو آئیں۔ صحابہؓ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پنج وقتہ نمازوں میں نجاشی کی فتح کی دعائیں مانگتے تھے۔ چنانچہ یہ واقعہ محدّث طبری نے اپنی تاریخ میں پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ کوئی رعایا حکومت کے ساتھ، اس سے زیادہ اور کیا وفاداری اور اطاعت شعاری کر سکتی ہے؟ کیا آج گورنمنٹ کو اس سے زیادہ کچھ درکار ہے۔

فقہ } اسلام کی تاریخ میں اکثر غیر قومیں اسلامی ملکوں پر قابض ہو گئیں۔ اس وقت ہزاروں فقہاء اور علماء موجود تھے، کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس کے متعلق فقہی احکام نہ مرتب کرتے۔ تاتاریوں نے جب ایران اور عراق پر قبضہ کر لیا تو اس وقت جس قدر فقہ کی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ سب میں اس کے متعلق تفصیلی احکام موجود ہیں، اصل بحث یہ پیدا ہوئی کہ یہ ممالک، دارالسلام ہوں گے یا دارالحرب، تمام فقہاء نے بہ اتفاق لکھا کہ جب تک اسلامی احکام یعنی نماز روزہ وغیرہ جاری ہیں اس وقت تک دارالسلام باقی رہے گا اور مسلمانوں کی وہی حالت ہوگی جو اسلامی ملک میں ہوتی ہے۔ فتاوےٰ بزازیہ میں یہ ہے:—

واما البلاد التی علیھا ولاة کفار فیجوز فیھا ایضًا اقامة الجمع والاعیاد والقاضی قاض بتراضی المسلمین وقد تقرر ان ببقاء شیٔ من العلة یبقی الحکم وقد حکمنا بلاخلاف بان ھٰذہ البلاد قبل استیلاء التتار وبعد استیلائھم اعلان الاذان والجمع والجماعات والحکم بمقتضی الشرع والفتوی، والتدریس شائع بلانکیر من ملوکھم فالحکم بانھا من دارالحرب لا بجه له۔

باقی وہ مقامات جن کے حاکم کافر ہیں تو وہاں بھی جمعہ اور عیدین کا ادا کرنا جائز ہوگا اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوگا کیونکہ یہ طے ہو چکا ہے کہ جب تک علت باقی رہتی ہے حکم باقی رہتا ہے اور یہ متفقاً ہم لوگ طے کر چکے کہ یہ مقامات تاتاریوں کے آنے سے پہلے دارالسلام تھے اور ان کے قابض ہونے کے بعد، اذان، جمعہ اور جماعت اعلان ہوتی ہے اور فیصلے شریعت کے موافق کئے جاتے ہیں اور درس و تدریس بغیر روک ٹوک کے جاری ہے، تو ایسی حالت میں ان مقامات کو دارالحرب کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

غور کرو فقہاء نے تاتاریوں کے زمانہ میں یہ فتوےٰ دیا، جو بُت پرست تھے اور جن کو مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہ تھی، آج جب کہ عیسائی حکومت ہے جو اہل کتاب ہیں، مسلمانوں کے فرائض مذہبی میں کوئی تعرض نہیں کیا جاتا۔ مسلمان، خود عیسائی مذہب کا زور شور سے سرِ بازار ردّ کرتے ہیں تو ایسی حالت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ حکومت کی ایسی پوزیشن ہوگی جو اکبر و جہانگیر کے زمانہ میں تھی اور فقہاء کا یہ حکم واجب العمل ہوگا کہ

ویجب علینا اتباعھم (درّمختار)

اور ہم پر ان کی اعانت واجب ہوگی۔

تاریخ } یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ یہ محض تھیوری یعنی زبانی باتیں تھیں کثرت سے تاریخی واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ مسلمانوں کا ہمیشہ طرزِ عمل یہی رہا ہے۔ وہ جو کچھ کہتے تھے کرتے بھی تھے۔ ساتویں صدی میں جزیرہ سسلی پر عیسائی حکومت قابض ہو گئی تھی اور راجر تخت نشین حکومت تھا، اس وقت تک وہاں کثرت سے مسلمان موجود تھے ان کا طرزِ عمل یہ تھا کہ بادشاہ کے نہایت مطیع اور وفادار تھے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کو جس قدر ان پر اعتماد تھا خود اپنی عیسائی رعایا پر نہ تھا علامہ ابن جبیر نے اس زمانہ میں سسلی کا سفر کیا وہ ان واقعات کو لکھ کر لکھتا ہے کہ یہاں پر تمام بڑے بڑے عہدوں پر مسلمان مامور ہیں، یہاں تک کہ شاہی باورچی خانہ کا اہتمام بھی مزید اعتماد کی وجہ سے مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔

تاتاری جس زمانہ میں ایران اور عراق پر قابض تھے، اکثر بڑے بڑے عہدوں پر مسلمان ہی مامور تھے۔ ہلاکو خاں کی سفاکی اور اسلام دشمنی مسلّمِ عام ہے بغداد جو مسلمانوں کے جاہ و جلال کا کعبہ تھا اسی کے ہاتھوں برباد ہوا تھا۔ تاہم اس حکومت کے دست و بازو خواجہ رشیدالدین وزیرِ اعظم تھے اور درحقیقت کار و بارِ حکومت انہی کے ہاتھ سے انجام پاتے تھے۔

ہلاکو خاں کے بعد جب اس کا بیٹا قاآن خان بادشاہ ہوا تو اس کے دَور میں بھی ان دونوں بھائیوں کا وہی احترام رہا۔ علامہ شاکر کتبی نے فوات الوفیات میں جہاں علاءالدین جوینی کا تذکرہ لکھا، لکھتے ہیں:

صاحب الدیوان الخراسانی اخو الصاحب الکبیر شمس الدین کان لھما الحل والعقد فی دولة ابغا ولھما من الجاہ والحشمة ما یجاوز الوصف۔

وزارت خراسان کے مالک اور وزیرِ اعظم شمس الدین کے بھائی تھے اور ابغا کی سلطنت میں یہی دونوں بھائی سیاہ و سپید کے مالک تھے اور اس قدر دولت و حشمت ان لوگوں نے حاصل کی جو بیان سے باہر ہے۔

روضۃ الصفا میں جہاں خواجہ شمس الدین (وزیر ہلاکو خاں) کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھا ہے:

چوں اباقا خاں بر سریر سلطنت قرار گرفت، خواجہ مشارالیہ (خواجہ شمس الدین) زیادہ از معہود و منظور سیور نمائشی یافت۔ و شغل خطیر وزارت بر قرار سابق باو مفوض گشت، و خدمتش بہ عزمے صاحب رائے ثابت و اقبال مساعد در اتمام مہام مملکت و تدفیہ احوال سپاہی و رعیت و اصلاح خلل و تدارک ذلل بہ نوعی شروع نمود کہ مزیدے براں متصور نہ بود۔ ملوک و سلاطین و اکابر خراسان و عراق و بغداد و روم و ارمن را ملجا و ماوی شد۔

ترجمہ از ناقل:—

جب اباقا خاں تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔ خواجہ صاحب موصوف (خواجہ شمس الدین) کو پہلے سے زیادہ عزت اور انعام و اکرام حاصل ہوا اور وزارت کا پرانا اہم عہدہ انہیں بدستور سپرد کیا گیا اور اس نے مملکت کے اہم کام اور رعیت و فوج کے احوال کی بہبود اور خرابیوں کی اصلاح اور بدی کے تدارک میں اپنا فریضہ مضبوط ارادے، پختہ رائے اور اقبال مندی سے انجام دیا کہ اس سے خوبتر کا تصور ممکن نہیں اور وہ خراسان، عراق، بغداد، روم اور ارمن کے ملوک و سلاطین و اکابر کے لئے پناہ گاہ بن گیا۔

یہ اعتماد، یہ رتبہ ان لوگوں نے اسی وجہ سے حاصل کیا تھا کہ جس وفاداری، دیانت اور لیاقت سے یہ لوگ بادشاہی خدمت بجا لاتے تھے خود ہلاکو خاں کے ہم قوم عزیز بجا نہیں لا سکتے تھے۔

محقق طوسی جن کی شہرت محتاج بیان نہیں وہ بھی ہلاکو خاں کے معتمد خاص تھے اور اوقافِ اسلامی کل انہیں کے زیر اہتمام تھے فوات الوفیات میں لکھا ہے:—

کان ذا حرمة وافرة ونزلة عالیة عند ھلاکو وکان یطیعه فیما یشیر به علیه والاموال فی تصریفه۔

ہلاکو کے دربار میں ان کی بڑی عزت اور نہایت قدر تھی ہلاکو ان کے مشوروں پر عمل کرتا تھا اور مال ان کے تصرف میں تھا۔

گو ہم پسند نہیں کرتے لیکن محقق طوسی نے ہلاکو خاں کی وفاداری میں اسلام تک کو برباد کر دیا یعنی بغداد کا حملہ اور اس کی بربادی صرف محقق طوسی کے اشارہ سے تھی

کے اشارہ سے تھی، ورنہ ہلاکو خاں اس پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ حالانکہ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین ص ۳۱۱ واقعہ کو محقق طوسی کے مفاخر

محترم چوہدری شکراللہ خاں منصور ایڈووکیٹ

۲- تمام عُلمائے اُمّت

اولیاء اور صوفیاء پر ہاتھ صاف کرنے کے بعد پرویز صاحب علمائے اُمّت کی خبر لیتے ہیں ۔ کہتے ہیں :

۱۔ "ہمارے ہاں یہ علم عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ خدا سے ہمکلام ہوتے ہیں اور انہیں کشف و الہام کے ذریعے خدا سے براہ راست علم لدنی حاصل ہوتا ہے ۔ مرزا صاحب اپنے دعوئے ولایت کی تائید میں مسلمانوں کے اس عقیدہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور اس طرح فریق مخالف کو خاموش کر دیتے ہیں .... ان سے بحث کرنے والے علماء کشف و الہام اور مخاطبہ مکالمہ خداوندی کے خود قائل تھے وہ ان کے دعویٰ کی تردید کس طرح کر سکتے تھے ۔" (کتاب مذکور ص۱۹۲)

۲- پرویز صاحب ایک مدت سے کہتے چلے آ رہے ہیں اور اس حقیقت کو انہوں نے اپنی حالیہ تصنیف "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" میں زیادہ جامع الفاظ میں پیش کیا ہے کہ ختم نبوت کی مہر کو اس غیر قرآنی عقیدے نے توڑا کہ رسول اللہ کے بعد اولیاء کرام اور صوفیائے عظام کشف و الہام کے ذریعے خدا سے براہ راست علم حاصل کرتے ہیں یہی عقیدہ وحی کے اجراء کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے ۔ اسی کو مرزا غلام احمد نے اپنے بنیادی دعوے کے لئے بطور دلیل ۔ سند اور حجت پیش کیا ہمارے ہاں یہ عقیدہ علمائے شریعت اور اربابِ طریقت دونوں کے ہاں بطور مسلّمہ مانا جاتا ہے" (طلوع اسلام ۔ فروری ۱۹۷۵ء ص۱۶)

یعنے اولیاء اور صوفیاء کے علاوہ امتِ محمدیہ کے تمام علماء شریعت کے ہوں یا طریقت کے ختم نبوت کو توڑتے ہیں ۔ اپنے اولیاء و صوفیاء کو نبوت کے مدعی قرار دیتے ہیں اور ختم نبوت کے منکر ہیں ۔

۳- گذشتہ اور موجودہ تمام مُسلمان

"اولیاء ۔ صوفیا اور علماء کا قصہ تمام کرنے کے علاوہ پرویز صاحب باقی تمام اگلوں اور پچھلوں سب کے ساتھ بھی نپٹتے ہیں لکھتے ہیں :۔

۱- ہمارے ہاں عقیدہ ہے کہ حضرات اولیاء کرام کو کشف و الہام ہوتا ہے اور مقصد اس سے ہوتا ہے ایسا علم جو خدا سے براہِ راست حاصل ہو .... یہ عقیدہ غیر قرآنی ہے .... خدا نے براہ راست علم حاصل ہونے کے لئے قرآن کریم میں وحی کی اصلاح آتی ہے اور وحی حضرات انبیاء کرام تک محدود تھی اور حضور نبی اکرم کی ذات پر ختم ہو گئی ۔"
(کتاب مذکور ص۵۹)

۲- "مسلمانوں نے ختم نبوت پر تو اتنا زور دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی وضع کر لیا کہ خدا کے برگزیدہ انسانوں کو اب بھی خدا کی طرف سے براہ راست علم ملتا ہے ۔ انہیں اولیاء اللہ یا صوفیا کرام کہا جاتا ہے اور ان کے اس علم کو کشف اور الہام ۔ آپ نے غور کیا کہ اس عقیدہ سے ختم نبوت کی مہر کس طرح ٹوٹ گئی اور جس دروازے کو خدا نے بند کیا تھا وہ کس طرح چوپٹ کھل گیا .... یہ حضرات پیشگوئیاں بھی کرتے ہیں اور اپنے احکام بھی صادر فرماتے ہیں ۔" (کتاب مذکور ص۷۵)

گویا تمام کے تمام مسلمان اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کو نبوت کے مدعی قرار دیتے اور مانتے ہوئے ختم نبوت کی مہر کو توڑتے ہیں بلکہ اس کے دروازہ کو چوپٹ کھول [illegible] لائین حاضر کر دیا ہے ۔ اور خود بمع اپنے چند حلقہ بگوشوں کے بیچ میں ڈنڈا دئے ہے ۔ اللہ اکبر اللہ اکبر ۔ ایک گنجائش باقی تھی مگر بچپن سے پڑھتے ہوئے غصّے اور غیض و غضب کا یہ عالم ہے کہ اس کا ناطقہ بھی بند کر کے امن میں آتے ہیں ۔

۴- مجدّد ۔ مہدی یا مسیح

احادیثِ رسول اللہ کے مطابق مسلمان اولیاء ۔ صوفیاء ۔ علماء اور عوام ابتداء سے یہ مانتے چلے آ رہے ہیں کہ حمایت و اشاعتِ دین کے لئے ہر صدی میں منجانب اللہ مجددین کی بعثت ہوگی ۔ امام مہدی ظاہر ہوں گے اور مسیح کا نزول ہوگا پرویز صاحب لکھتے ہیں :۔

" ختم نبوت کا عقیدہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں تھا ۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک کے ہاں، ایک آنے والے کا عقیدہ پیدا ہو گیا ...... قرآن آیا اور اس نے ان تمام اہلِ مذاہب سے پکار کر کہہ دیا کہ تم جس آنے والے کے انتظار میں ہو وہ رسول کافۃً للناس میں آ گیا ہے ......
وہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد دنیا سے تشریف لے گئے تو خدا نے اعلان کر دیا کہ اب ہماری طرف سے کوئی نہیں آئے گا ۔ اس لئے تمہیں کسی آنے والے کا انتظار نہیں کرنا ہوگا .... اب تم جوان ہو گئے ہو اگر کسی مقام پر تمہارا پاؤں پھسل گیا تو تمہیں ہمت کر کے خود ہی اٹھنا ہوگا ۔ اب تمہاری انگلی پکڑ کر اٹھانے والا کوئی نہیں آئے گا یہ ہے ختم نبوت کی اہمیت کا دوسرا گوشہ ۔

خدا نے تو یہ اعلان کیا لیکن ہم نے دوسرے اہلِ مذاہب کی طرح اپنے ہاں بھی آنے والے کا عقیدہ وضع کر لیا اور صدی کے آخر میں ایک مجدّد آخری زمانہ میں امام مہدی اور ان کے ساتھ آسمان سے نازل ہونے والے حضرت عیسٰی ۔ ہم نے ان مجددین اور امام مہدی کو نبی تو نہ کہا .... لیکن درحقیقت ہم نے انہیں بھی اسی بنیادی خصوصیت کا حامل قرار دے دیا جو خاصہ نبوت تھی یعنے خدا سے براہ راست علم حاصل ہوتا .... قرآن کریم میں نہ کسی مجدّد کا ذکر ہے نہ مہدی کا اور نہ ہی حضرت عیسٰیؑ کے دوبارہ بذات خود تشریف لانے کا یا ان کے مثیل کے آنے کا ۔ مسیح موعود کی اصطلاح بھی غیر قرآنی ہے اس میں کسی مسیح کے آنے کا وعدہ نہیں کیا گیا ۔ یہ تمام نظریات ہمارے ہاں روایات کے ذریعے جزوِ اسلام بن گئے .... یہ تصورات بنیادی طور پر ختم نبوت کے نقیض تھے ۔"

(کتاب مذکور ۔ صفحہ ۸۱ ۔ ۸۲ ۔ ۸۳)

خوب! جوان ہونے کی کوئی حد ہے ۔ اور جوان ہو کر نہ پھسلنے کی کوئی تک ہے کہ اُمتِ محمدیہ ساری کی ساری اُٹھتے ہی ایسی پھسلی کہ چودہ صدیاں اُٹھ نہ سکی دینِ اسلام کے منکروں اور مخالفوں نے اپنی سازشوں سے امتِ محمد رسول اللہ کے کھڑا ہوتے ہی اس کے قدموں کو ایسا ڈگمگایا کہ پھر صدیاں گذر گئیں مگر وہ سیدھے نہ ہو سکے امتِ محمدیہ کا ذہن عہدِ شباب میں آ کر سنِ رشد و شعور کو ایسا پہنچا کہ پہنچتے ہی چکنا چُور ہو گیا ۔ اور نبیٔ آخر زمان کے ذریعہ دی جانے والی آخری آسمانی راہ نمائی قرآن کریم سے ہٹ کر جھوٹی روایات کا شکار ہو گئی ۔ شکار بھی ایسا شکارِ بسمل ہوا ہے کہ صدیوں پر صدیاں بیتیں مگر اس کو ہوش میں نہ آنا تھا نہیں آسکا ۔ اعوذ باللہ من ھذ الھفوات والخرافات ۔ یقیناً پرویز صاحب کے ذہن میں عیاری اور

مکاری ہے یا عدم توازن کی خرابی ہے۔ ورنہ اُمتِ محمدیہ کی ایسی توہین اور تذلیل نہ آج تک کسی نے کی اور نہ کوئی کر سکتا ہے۔

حاصل کلام

جناب پرویز صاحب کا کہنا ایک طرف یہ ہے کہ

(۱) خدا کی طرف سے کشف۔ الہام۔ مکالمہ۔ اخبار غیب یعنے پیشگوئیوں کے امکان و القا کا عقیدہ ختم نبوّت کا صریح انکار ہے۔

(۲) خدا کی طرف سے کشف و الہام۔ مکالمہ یا پیشگوئیاں پانے کا دعوےٰ نبوّت کا دعوےٰ ہے۔

(۳) مجدّد۔ مہدی یا مسیح کے آنے کا عقیدہ ختم نبوّت کا کھلا انکار ہے

(۴) مجدّد۔ مہدی۔ یا مسیح ہونے کا دعوےٰ نبوّت کا دعوےٰ ہے۔

اور دوسری طرف یہ کہ

۱۔ اُمتِ محمدیہؐ کے تمام اولیاء۔ صوفیاء۔ علماء اور عوام کشف۔ الہام مکالمہ۔ پیشگوئیوں کے امکان و القاء کا عقیدہ رکھتے آئے ہیں اور رکھتے ہیں۔

۲۔ اُمتِ محمدیہؐ کے اولیاء اور صوفیاء خدا کی طرف سے کشف۔ الہام مکالمہ مخاطبہ اور پیشگوئیاں پانے کا دعوےٰ کرتے رہے ہیں۔

۳۔ اُمتِ محمدیہ کے تمام اولیاء۔ صوفیاء۔ علماء اور عوام مجددین۔ امام مہدی اور مسیح کے آنے کا عقیدہ رکھتے رہے ہیں اور رکھتے ہیں۔

۴۔ اُمتِ محمدیہ کے اکثر بزرگوں نے خدا کی طرف سے خلعتِ مجددیت سے سرفراز کئے جانے کے دعوے کئے۔

جس کا نتیجہ صاف اور صریح یہ ہے کہ اُمت کے تمام اولیاء۔ صوفیاء۔ علماء اور عوام مسلمان حسب تصریحات پرویز صاحب:

(۱)۔ از روئے قرآن جھوٹے۔ نبوّت کے مدعی اور ختم نبوّت کے منکر ہیں اور

(۲)۔ آئینی ترمیم کی رُو سے غیر مسلم خارج از دائرہ اسلام ہیں۔

آئینی ترمیم

جیسا کہ آئینی ترمیم میں کہا گیا ہے:۔

"ہر وہ شخص

۱۔ جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم آخرالانبیاء کے خاتم النبیّین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط ایمان نہیں رکھتا۔

۲۔ یا جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی بھی مفہوم یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

۳۔ یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے

وہ آئین یا قانون کے لئے مسلمان نہیں ہے"

اس سے بالبداہت ثابت ہے کہ پرویز صاحب کی تصریحات اور توضیحات کے مطابق:۔

(۱) اُمت کے تمام اولیاء۔ صوفیاء۔ علماء اور عوام مسلمان آنحضرت صلعم آخرالانبیاء کے خاتم النبیّین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط ایمان نہیں رکھتے کیونکہ خدا کی طرف سے "براہِ راست علم ملنے" یعنے وحی کے امکان و القاء کے بدیہی طور پر قائل ہیں۔

(۲) تمام علماء اور عوام مسلمان اپنے اولیاء و صوفیاء کو نبی مانتے ہیں کیونکہ وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہیں خدا کی طرف سے "براہ راست علم" یعنے وحی ملتی تھی۔

(۳) تمام علماء اور عوام مسلمان ان نبوّت کے مدعیوں یعنے اپنے اولیاء و صوفیاء کو "دینی مصلح" تسلیم کرتے ہیں۔

(۴) تمام اولیاء اور صوفیا مدعیانِ نبوّت ہیں کیونکہ خدا سے بذریعہ کشف الہام مکالمہ۔ پیشگوئیاں پانے کے براہ راست علم" یعنے وحی

پانے کے دعویدار ہیں۔

عجیب وغریب

آئین کی یہ ترمیم عجیب و غریب ہے۔ اس میں مُسلم کی نہیں "غیر مسلم" کی تعریف ہے جو منفی رنگ میں ہے اس کو اگر مثبت رنگ میں بیان کیا جائے تو وہ "مسلم" کی تعریف بنیگی جو اس طرح ہوگی۔

"ہر وہ شخص

۱۔ جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم آخرالانبیاء کے خاتم النبیّین پر قطعی اور غیر مشروط ایمان رکھتا ہے۔

۲۔ یا جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

۳۔ یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم نہیں کرتا۔

وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لئے مسلمان ہے"

خواہ وہ

خدا سے منکر ہو۔ قرآن کریم کو قابلِ عمل نہ سمجھتا ہو۔ یوم حشر۔ بعث بعد الموت سے انکاری ہو۔ اجزائے ایمان سے منکر ہو۔ ارکانِ اسلام پر عامل نہ ہو۔ چور۔ ڈاکو۔ خائن۔ شرابی ہو اور ہر گناہ صغیرہ وکبیرہ کا کرنے والا ہو۔

مسلم کی کیا خوب تعریف ہے۔ مگر جناب غلام احمد پرویز صاحب کی دلپسند۔ ہم ان کو کسی بحث میں اُلجھانا نہیں چاہتے اور نہ ان کے نظریات کی صحت وعدم صحت پر بحث کرتے ہیں۔ البتہ ان کے نظریہ ختم نبوّت اور آئینی ترمیم کے سلسلہ میں ان سے بعض سوالات دریافت کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے جواب باصواب سے ضرور مستفید فرمائیں گے تاکہ

"ان (احمدی) حضرات میں شاید کوئی سعید روحیں ہوں جو نیک نیّتی سے حق کے متلاشی ہوں تو وہ آپ کی معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں"۔ (کتاب مذکورہ صـ۲۹)

سوال نمبر (۱)

جناب پرویز صاحب! امتِ محمدیہ کے گزشتہ اور موجودہ تمام اولیاء۔ صوفیاء۔ علماء اور عام مسلمان آپ کے نظریہ ختم نبوّت کے مطابق سب کے سب "ختم نبوت کے منکر" ہیں۔ بعض ان میں خود "مدعیانِ نبوّت" ہیں اور دوسرے ان کو "دینی مصلح" ماننے والے ہیں لہذا آئینی ترمیم کی رُو سے وہ سب بقول آپ کے "غیر مسلم خارج از اسلام" ہیں۔ لیکن آپ ان کو غیر مسلم نہیں قرار دیتے بلکہ ان کے اندر شامل ہو کر۔ ان کے ساتھ مل کر۔ ان کے ہم نوا بن کر صرف "احمدیوں" کو (نہ صرف قادیانی جماعت کو بلکہ جماعت لاہور کو بھی) غیر مسلم ٹھہراتے ہیں اور ہم پوچھتے ہیں

کیا آپ کا یہ کردار سراسر مکاری۔ عیاری
اور فریب کاری پر مبنی نہیں ہے؟

سوال نمبر (۲)

جناب پرویز صاحب! آپ کہتے ہیں کہ آئین کی اس ترمیم سے آپ کا

"عمر بھر کا مشن تکمیل کی منزل تک پہنچ گیا ہے"
(طلوعِ اسلام)

اور لکھتے ہیں کہ:۔

"للہ الحمد کہ جس حقیقت نے ۱۹۳۵ء میں میرے ایک مقالہ کی بناء پر عدالت (بہاول نگر) کے فیصلہ کی شکل اختیار کی تھی قریب چالیس سال کے بعد وہ آئین پاکستان کا حصہ بن گئی۔ یہ میری زندگی کا مشن تھا" (ختم نبوّت اور تحریکِ احمدیت صـ۳۰۱)

وہ "حقیقت" کیا ہے؟ جو آپ کی "عمر بھر کا" اور زندگی کا مشن تھی۔ کیا صرف احمدیوں کو آئین میں غیر مسلم اقلیت قرار دلوانا؟ اس سے آپ کو انکار ہے۔ آپ کی یہ حقیقت آپ کا نظریہ ختم نبوت ہے جو آپ کے اس مقالہ اور آپ کی اس کتاب "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" میں بیان ہے۔ اسی کا اثبات آپ کی زندگی کا مقصد اور عمر بھر کا مشن تھا۔ لیکن آئینی ترمیم مذکور میں آپ کے اس نظریہ کا جیسا کہ ظاہر ہے ہرگز کوئی اندراج اور اثبات نہیں ہے۔ اندریں صورت آپ کا یہ کہنا کہ ترمیم آئین مذکور سے آپ کی زندگی اور عمر بھر کا مشن پورا ہو گیا ہے کیا صریح جھوٹ نہیں ہے؟

سوال نمبر (۳)

مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو آئینی ترمیم مذکورہ پاس ہوئی۔ اس دن کے متعلق آپ لکھتے ہیں:۔

"آج کا دن میری زندگی کا مبارک ترین۔ شاداب ترین حسین ترین دن ہے .... میرے لئے یہ دن بارگاہِ ایزدی میں ہزارہا سجدۂ شکرانہ ادا کرنے کا دن ہے"۔ (طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۷۴ء)

"یہ میری زندگی کا مشن تھا جس کی تکمیل پر میں بدرگاہ ربّ العزت جتنے سجدہ ہائے شکر ادا کروں کم ہیں"۔ (ختم نبوت اور تحریک احمدیت صفحہ ۳۰۱)

"میرے ان جذباتِ انبساط و تشکر کی وجہ یہ نہیں کہ مجھے احمدی حضرات سے کوئی چڑ تھی یا ذاتی وقار کا سوال تھا جس کی کامیابی پر مجھے اس قدر خوشی ہوئی"۔ (حوالہ مذکور)

کیا طرفہ تماشا ہے۔ احمدیوں سے تو آپ کو کوئی چڑ نہیں تھی ان کو غیر مسلم قرار دلوانا تو آپ کی زندگی کا مشن اور مقصد تھا نہیں۔ یہ مشن اور مقصد آپ کا اپنے نظریہ ختم نبوت کی کامیابی تھی۔ یہ کامیابی ترمیم مذکور میں ہوئی نہیں۔ کیونکہ اس میں

۱۔ نہ تو کشف و الہام اور مکالمہ وغیرہ کا ابطال کیا گیا ہے

۲۔ نہ مجددین۔ امام مہدی یا مسیح کے آنے کے عقیدہ کو باطل قرار دیا گیا ہے اور

۳۔ نہ ختم نبوت کے معنے ختم وحی کر کے ختم نبوت کے وقت سے خدا کو بے کار بے اختیار اور بے زبان ٹھہرایا گیا ہے۔

لہذا جب آپ کا یہ نظریہ ترمیم آئین مذکور میں ذرّہ برابر بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوا تو بدیں صورت یوم ترمیم کے متعلق اپنے لئے مبارکی۔ شادابی اور حمد کے گیت گانا۔ خوشی میں آپے سے باہر ہو ہو جانا۔ جذباتِ انبساط کا اظہار اور سجدہ ہائے تشکر ہزاروں ہزار کا بلا وجہ ادا کرنا ہم پوچھتے ہیں کیا بالکل بے معنی سراسر لغو اور فضول بات نہیں ہے؟

سوال نمبر (۴)

جناب پرویز صاحب آپ لکھتے ہیں:۔

۱۔ "آپ نے متن کتاب میں دیکھا ہو گا کہ میں نے مختلف مقامات پر یہی مشورہ دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ یہ مسئلہ علماء کے فتووں سے حل نہیں ہو گا حکومت کے قانون کی رو سے حل ہو گا حکومت کے قانون نے اسے حل کر دیا۔ (کتاب مذکور صفحہ ۳۰۰)

۲۔ میں ان حضرات سے کہتا تھا کہ مسئلہ احمدیت کا حل آپ کے مناظروں یا فتووں سے نہیں ہو سکے گا اس کا حل حکومت کے قانون کی رُو سے ہو سکے گا آپ اس کے لئے حکومت سے کہیں یہ اس کے لئے آمادہ نہیں ہوتے تھے"۔ (کتاب مذکور صفحہ ۳۰۲)

ہاں صاحب آپ مسلمانوں اور ان کے علماء کو ایسا کہتے ہوں گے اور یہ مشورہ بھی ضرور دیتے ہوں گے مگر سوال یہ ہے کہ آپ ان سے ایسا کہتے کیوں تھے؟ اور ان کو مشورہ دیتے کیوں تھے؟ جبکہ وہ سب کے سب خود بقول آپ کے احمدیوں کی طرح ختم نبوت کے منکر اور جھوٹے تھے۔ لہذا آپ کا ان کو ایسا کہنا اور یہ مشورہ دینا کیا کھلی منافقت اور چالبازی پر مبنی نہیں ہے؟

کیونکہ اگر آپ

دیانت دار ہوتے عیار نہیں ایماندار ہوتے فریب کار نہیں راست باز ہوتے مکار نہیں

تو صرف احمدیوں کو "غیر مسلم خارج از دائرہ اسلام" قرار دینے کا مطالبہ کرنے کی بجائے یہ مطالبہ کرتے کہ

"کل مسلمان جو گذشتہ چودہ صدیوں میں ہو چکے اور اب بھی ہیں سب کے سب غیر مسلم خارج از اُمتِ محمدیہ قرار دیئے جائیں ایسے طور پر کہ

۱۔ نہ کوئی اولیاء کرام میں سے اندر رہے

۲۔ اور نہ کوئی صوفیاء عظام میں سے

۳۔ نہ کوئی علماء میں سے اندر رہ جائے اور

۴۔ نہ کوئی عوام میں سے"

کیونکہ یہ سب کے سب کشف و الہام و مکالمہ وغیرہ وغیرہ کے امکان کا عقیدہ رکھنے یا دعوےٰ کرنے اور مجدد مہدی یا مسیح کے آنے کے قائل ہونے کی وجہ سے نبوت کے مدعی اور ختم نبوت کے منکر ہیں۔

سوال نمبر (۵)

جناب پرویز صاحب آپ لکھتے ہیں کہ آپ علماء کو کہتے کہتے تھک گئے مگر وہ مانتے نہ تھے

"لیکن زمانے کے تقاضوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ اس مسئلہ کے فیصلہ کے لئے انہیں حکومت سے کہنا پڑا اور نوّے برس سے جو عقدہ لاینحل چلا آ رہا تھا حکومت کے ایک قانون نے اس کا حتمی فیصلہ کر دیا"

(کتاب مذکور صفحہ ۳۰۲)

اس سے پہلے لکھتے ہیں:۔

"حکومت کے قانون نے اسے حل کر دیا" (کتاب مذکور)

نوّے برس کی بھی ایک ہی کہی۔ آپ کے نظریہ کے مطابق تو یہ مسئلہ چودہ سو سال سے چل رہا ہے۔ احمدیوں کے متعلق تو قانون ضرور بن گیا مگر ہم پرویز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ اپنے قلب و ضمیر سے ذرا پوچھ کر بتلائیں کہ آپ کے لئے یہ حل کیا خاک ہوا؟

کیا کشف و الہام اور مکالمہ وغیرہ کے امکان کا عقیدہ دنیائے اسلام یا کم از کم پاکستان سے نیست و نابود ہو گیا؟ کیا کسی مجدد۔ امام مہدی یا مسیح کے آنے کا عقیدہ اہلِ اسلام کے دلوں سے مٹ گیا؟ کیا ایسے عقیدے رکھنے والے مسلمان اب پاکستان میں کہیں باقی نہیں رہے؟ مگر ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ احمدیوں کو چھوڑو۔ ان کی تعداد بہت قلیل ہے۔ مگر یہ جو کروڑہا کروڑ مسلمان اپنے ان عقاید کے ساتھ آپ کے نظریۂ ختم نبوت کی چھاتی پر بدستور مونگ دل رہے ہیں اور دلتے رہیں گے۔ اور یہ جو ہزاروں ہزار علماء اپنے ان عقاید کے ساتھ آپ کے نظریہ کے سینہ پر ہلاکت خیز افریت کی مانند مسلسل لوٹ رہے ہیں اور لوٹتے رہیں گے ان کے ہوتے ہوئے جہاں تک آپ کا تعلق ہے یہ قانونی حتمی فیصلہ کیونکر ہوا۔ ان حالات میں ہم پوچھتے ہیں، کیا آپ کی یہ بے چارگی اور بے بسی قابل رحم نہیں ہے؟

سوال نمبر (۶)

جناب پرویز صاحب! آپ اپنی کتاب میں حضرت مرزا صاحب کی ایک تحریر سے غلط مفہوم اخذ کر کے اُن کے کلام میں تضاد و تناقض کی مثال دیکر بے جا طعنہ زنی کرتے ہیں مگر خود اپنے حال زار پر نظر نہیں کرتے۔ غور کیجئے۔ تمام مسلمانوں

کو آپ

۱- جھوٹے کہتے ہیں -
۲- ختم نبوت کے منکر سمجھتے ہیں -
۳- اور اسی بناء پر ان کو غیر مسلم خارج از اسلام یقین کرتے ہیں -

لیکن احمدیوں کی مخالفت کے لئے

۱- انہیں میں شامل ہوتے
۲- ان کے ہمنوا بنتے - اور
۳- ان کو مشورے دے دے کر تھکن سے چُور ہوتے ہیں -

یعنے منافقانہ رنگ میں فعلی طور پر یہ تاثر دیتے ہیں کہ آپ اُن کو

۱- سچے کہتے -
۲- ختم نبوت کے قائل سمجھتے
۳- اور غیر مسلم خارج از اسلام یقین نہیں کرتے ہیں

یعنے دل میں آپ کے کچھ اور ہے اور زبان پر کچھ اور - قول کچھ اور ہے اور فعل کچھ اور - قول اور فعل میں یہ تضاد اور تناقض ہم پوچھتے ہیں کیا آپ کے لئے باعث شرم و ندامت نہیں ہے ؟

سوال نمبر (۷)

جناب پرویز صاحب ! آپ لکھتے ہیں ہر شخص جو ختم نبوت کا منکر ہے غیر مسلم ہے اور امتِ محمدیہ سے خارج ہے اور آپ کے نظریہ ختم نبوت کی رو سے سب مسلمان ختم نبوت کو توڑتے ہیں - بلکہ نبوت کے دروازے کو چوپٹ کھولتے ہیں - لہذا آپ کے نزدیک وہ سب کے سب غیر مسلم خارج از امتِ محمدیہ قرار دیئے جانے کے مستحق ہیں - ماسوا آپ کے اور آپ کے چند حلقہ بگوشوں کے - اندریں صورت ہم پوچھتے ہیں کہ وہ اُمت محمدیہ جس سے آپ احمدیوں کو خارج کرتے اور کراتے ہیں کہاں ہے اور کونسی ہے ؟

اگر گذشتہ اور موجودہ تمام مسلمانوں کے ساتھ ہم بھی اُمت سے خارج ہو جائیں تو چشمِ ما روشن دلِ ما شاد ؎

گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

(جاری ہے)

ایک نوجوان کی حسرتناک وفات

"گذشتہ دوں ½ ماہ میں ہمارے خاندان پر ایسی افتاد پڑی ہے کہ ایک کے بعد دوسرے تیسرے صدمہ سے دو چار ہونا پڑا ہے - اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہے اللہ تعالیٰ ہمیں صبر اور شکر کی ہمت دے - مؤرخہ ۲۴/۳/۷۵ کو عزیز عثمان عباس جو میاں غلام عباس مرحوم و مغفور کے چھوٹے بچے تھے - اپنی ہمشیرہ کو دمشق کی ائیر پورٹ سے لینے کے لئے بیروت سے اپنی کار پر روانہ ہوئے اور راستہ میں ان کی کار کا ایک تیز رفتار ٹرک سے تصادم ہو گیا اور عزیز وہیں فوت ہو گئے - بیروت میں ان کی بیوی ہی تھی - کراچی میں اطلاع پہنچنے پر وہاں سے کچھ عزیز بیروت چلے گئے - اور عزیز کی میت کو بروز جمعرات کراچی لے آئے اور کراچی میں ہی عزیز کو سپرد خاک کر دیا گیا اور یہاں کے اہلِ خاندان بھی کراچی پہنچکر جنازہ میں شریک ہوئے - جماعت کراچی کے احباب بھی جنازہ میں شریک ہوئے - ان کے شریک غم ہونے اور ہمدردی کے ہم مشکور ہیں - عزیز کی حال ہی میں یو - این - او میں اچھے عہدے پر تعیناتی ہوئی تھی - اور ان کے بڑے اچھے پراسپکٹس تھے - لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا - عزیز نو عمر تھے - اور پچھلے سال ہی ان کی شادی ہوئی تھی - تمام خاندان اس جواں سال مرگ پر شدید غم میں مبتلا ہے - دُعا کریں اللہ تعالےٰ ہم سب کو خاص کر مرحوم کے بہنوں بھائیوں اور اہلیہ کو اس عظیم صدمہ کی برداشت کی توفیق دے جو مجھے اس پیرانہ سالی میں اُٹھانے پڑے ہیں - اللہ تعالےٰ کی رضا ہے - میں راضی برضا ہوں میرے لئے دعا فرمائیں - احبابِ جماعت سے جنازۂ غائبانہ کی تحریک فرمائیں - میں کل ہی کراچی سے واپس آیا ہوں - "
(غلام حیدر تہیم جھنگ)

پیغامِ صلح :- اس عظیم صدمہ میں ہمیں محترم میاں غلام حیدر تہیم صاحب، مرحوم عثمان عباس کے بھائی اور بہنوں، مرحوم کی اہلیہ محترمہ اور دیگر اعزّہ سے دلی ہمدردی ہے - خدا مرحوم

جماعت احمدیہ پشاور کے سالانہ انتخابات اور آیندہ جلسہ سالانہ

مؤرخہ ۲۸/۳/۷۵ کو جماعت پشاور کا ایک ہنگامی اجلاس زیر صدارت ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب منعقد ہوا - اس اجلاس میں اہم فیصلے کئے گئے -

(۱) نوجوانوں کی تنظیم (۲) جلسہ سالانہ جماعت پشاور کے انعقاد کا فیصلہ (۳) مقامی انتظامیہ کا انتخاب -

۱- راقم الحروف نے نوجوانوں سے درخواست کی وہ اپنی تنظیم قائم کر کے پندرہ روزہ اجلاس منعقد کیا کریں اور صدر جماعت ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب سے عرض کی کہ وہ بطور ممبر اس تنظیم کو چلائیں - باقی اکابرین سے بھی درخواست کی کہ وہ اس میں دلچسپی لیں اور نوجوانوں کو جماعتی کاموں کے لئے مستعد کریں - جناب ڈاکٹر صاحب اور دوسرے دوستوں نے وعدہ کیا کہ وہ اس تنظیم کو چلانے میں ممد و معاون ہوں گے - چنانچہ نوجوانوں کا صدر مسٹر بشیر احمد صاحب اور سیکرٹری صاحبزادہ سید لطیف صاحب مقرر ہوئے - اس ادارہ کو فعال بنانے کے لئے مؤرخہ ۴/۴/۷۵ کو مزید کارروائی کی جائے گی -

۲- جلسہ سالانہ کے لئے فیصلہ ہوا کہ مؤرخہ ۲۷/۴/۷۵ کو مسجد احمدیہ پشاور میں منعقد کیا جائے اور سیکرٹری جماعت فوری طور پر اس کی تیاری شروع کر دے -

۳- راقم الحروف نے صدر جماعت سے درخواست کی کہ مقامی انتظامیہ کے ممبروں کا انتخاب کیا جائے تاکہ بعض اہم اور ہنگامی فیصلوں کے لئے بجائے تمام احباب جماعت کے اگزیکٹو کمیٹی کے ممبروں کو بلا کر فیصلہ کرایا جائے اور ان کا فیصلہ تمام جماعت کو منظور ہو گا جیسا کہ مقامی جماعت کے بائی لاز مؤرخہ ۲۱/۱۱/۷۴ میں درج ہے - اس کے بعد مقامی انتظامیہ کا انتخاب ہوا جس میں مندرجہ ذیل ممبر منتخب ہوئے -

۱- ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب صدر
۲- محمد رحمان صاحب سیکرٹری
۳- عبدالباری خان صاحب ایڈووکیٹ ممبر
۴- شیخ شریف احمد صاحب ممبر
۵- شیخ عبدالغنی صاحب ممبر
۶- عبدالودود خان صاحب ممبر
۷- عبدالصمد خان صاحب ممبر
۸- غلام محبوب خان صاحب ممبر
۹- غلام علی خانصاحب ممبر
۱۰- میاں عبدالرشید صاحب ممبر

اس کی میٹنگ کے لئے کورم کم از کم چار ممبر علاوہ سیکرٹری اور صدر کے ہوگا -

اپیل برائے شمولیت جلسہ

مؤرخہ ۲۷ راپریل ۱۹۷۵ء کو جماعت پشاور کا سالانہ جلسہ صبح ساڑھے آٹھ بجے احمدیہ مسجد پشاور میں منعقد ہوگا جس میں جماعت کے ممتاز علماء اور بزرگ تقاریر فرمائیں گے تمام احباب جماعت سے خصوصًا اور جماعتہائے صوبہ سرحد - راولپنڈی - واہ سے درخواست ہے کہ وہ اس میں شمولیت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں - والسلام

محمد الرحمٰن - سیکرٹری جماعت پشاور

عرفات پریس تھارنٹن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا -
ایڈیٹر
غلام نبی مسلم - ایم اے

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ۹ راپریل ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ شمارہ نمبر ۱۵

جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۳ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ - ۱۶ اپریل ۱۹۷۵ء | نمبر ۱۶

(حضرت مجدد صد چہاردہم سلام اللہ علیہ)

اسلام کا خدا آج بھی زندہ ہے

اسلام کا خدا وہی سچا خدا ہے جو آئینہ قانون قدرت اور صحیفہ فطرت سے نظر آ رہا ہے۔ اسلام نے کوئی نیا خدا پیش نہیں کیا بلکہ وہی خدا پیش کیا ہے جو انسان کا نور قلب اور انسان کا کانشنس اور زمین و آسمان پیش کر رہا ہے۔ اور دوسری علامت سچے مذہب کی یہ ہے کہ مردہ مذہب نہ ہو بلکہ جن برکتوں اور عظمتوں کی ابتداء میں اس میں تخم ریزی کی گئی تھی وہ تمام برکتیں اور عظمتیں نوع انسان کی بھلائی کے لئے اس میں اخیر دنیا تک موجود رہیں تا موجودہ نشان گذشتہ نشانوں کے لئے مصدق ہو کر اس سچائی کے نور کو قصہ کے رنگ میں نہ ہونے دیں۔ سو میں ایک مدت دراز سے لکھ رہا ہوں کہ جس نبوت کا ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا تھا اور جو دلائل آسمانی نشانوں کے آنجناب نے پیش کئے تھے وہ اب تک موجود ہیں اور پیروی کرنے والوں کو ملتے ہیں، تا وہ معرفت کے مقام تک پہنچ جائیں اور زندہ خدا کو براہِ راست دیکھ لیں۔ مگر جن نشانوں کو یسوع کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ان کا دنیا میں نام و نشان نہیں صرف قصے ہیں لہٰذا یہ مردہ پرستی کا مذہب اپنے مردہ معبود کی طرح مردہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک سچائی کا بیان صرف قصوں تک کفایت نہیں کر سکتا۔ کونسی قوم دنیا میں ہے جن کے پاس کراماتوں اور معجزوں کے قصے نہیں۔

پس یہ اسلام ہی کا خاصہ ہے

کہ وہ صرف قصوں کی ناقص اور ناتمام تسلی کو پیش نہیں کرتا بلکہ وہ ڈھونڈنے والوں کو زندہ نشانوں سے اطمینان بخشتا ہے اور اس شخص کو جو حق کا طالب ہو اس کو چاہیئے کہ صرف بے ہودہ مردہ پرستی پر کفایت نہ کرے بلکہ نہایت ضروری ہے کہ محض ذلیل قصوں پر سرنگوں نہ ہو ہم دنیا کے بازار میں اچھی چیزوں کے خریدنے کے لئے آتے ہیں ہمیں نہیں چاہیئے کہ کوئی مغشوش چیز خرید کر نقد ایمان ضائع کریں۔ زندہ مذہب وہ ہے جس کے ذریعہ سے زندہ خدا ملے۔ زندہ خدا وہ ہے جو ہمیں بلا واسطہ ملہم کر سکے اور کم سے کم یہ کہ ہم بلا واسطہ ملہم کو دیکھ سکیں۔ سو میں تمام دنیا کو خوشخبری دیتا ہوں کہ

یہ زندہ خدا اسلام کا خُدا ہے

وہ مُردے ہیں۔

خدا جن سے اب کوئی ہم کلام نہیں ہو سکتا اس کا نشان نہیں دیکھ سکتا سو جس کا خدا مردہ ہے وہ اس کو ہر میدان میں شرمندہ کرتا ہے اور میدان میں اسے ذلیل کرتا ہے اور نہیں اس کی مدد نہیں کر سکتا ہے۔ اس اشتہار کے دینے کی اصل غرض یہی ہے کہ جس مذہب میں سچائی ہے وہ کبھی اپنا رنگ نہیں بدل سکتی۔ جیسے اوّل ہے ویسے ہی آخر ہے

سچا مذہب کبھی خشک قصہ نہیں بن سکتا سو اسلام سچا ہے میں ہر ایک کو کیا عیسائی کیا آریہ اور کیا یہودی اور کیا برہمو اس سچائی کے دکھلانے کے لئے بلاتا ہوں کیا کوئی ہے جو زندہ خدا کا طالب ہے

ہم مُردوں کی پرستش نہیں کرتے ہمارا خدا زندہ خدا ہے وہ ہماری مدد کرتا ہے وہ اپنے الہام اور کلام اور آسمانی نشانوں سے ہمیں مدد دیتا ہے اگر دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک کوئی طالب حق ہے تو ہمارے زندہ خدا اور اپنے مردہ خدا کا مقابلہ کر کے دیکھ لے۔

(انجام آتھم) صفحہ ۵۰۱۱-۵۰۱۲

محترم بشارت احمد بقا۔ بی۔ اے ———— (تقریر جلسہ سالانہ)

تحریکِ احمدیت کا پسِ منظر اور عظیم الشان کام

———— (بسلسلہ اشاعت ۹ اپریل ۷۵ء) ————

میں نے اب تک اندرونی مفاسد کا تذکرہ کیا ہے۔ جو ملتِ اسلامیہ کے جسد کو گھن کی طرح کھا رہے تھے۔ مگر اب میں اسلام کے اس دشمن کا ذکر کروں گا، جو ہزاروں کوس طے کر کے ہندوستان میں داخل ہوا تھا۔ یہ دشمن دجال تھا۔ جو اپنا پوری فتنہ سامانی کے ساتھ دنیائے اسلام پر حملہ آور ہوا تھا۔ انگریز نے ہندوستان میں سیاسی تسلط جمانے پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس نے مسلمانوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ زنی کے لئے بھی منصوبہ تیار کیا تھا۔ اس کی حکومت کے جلو میں پادریوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ آنے شروع ہو گئے۔ یہ لوگ اپنے سفید چہروں پر سنہری داڑھیاں جمائے، اپنی پیٹھ پر اسلام کے خلاف اعتراضات کے انبار اٹھائے اپنی ایک بغل میں جنت اور دوسری میں دوزخ دبائے اور منہ میں "خدا محبت ہے" کا وظیفہ کرتے ہوئے ساحلِ ہند پر اترے۔ اور اس عظیم ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو اسلام سے بدظن کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔

کہیں اسلامی تعلیمات پر اعتراضات کئے۔ کہیں ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات کو ہدفِ تنقید بنایا۔ کہیں مسلمانوں کے بعض اعتقادات کا حوالہ دے کر عیسائیت کی اسلام پر برتری پیش کی۔ اور کہیں زر اور زن کا مذموم چکمہ دیا۔ ان کی تبلیغی سرگرمیوں کے نتائج جلد ہی برآمد ہونے لگے۔ اور عیسائیت بڑی برق رفتاری سے پھیلنے لگی۔ تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں کو مغرب کے علوم جدیدہ نے اسلام سے برگشتہ کر دیا۔ علماء زمانہ پادریوں کے اعتراضات سے زچ ہو کر حجروں میں گوشہ نشین ہو گئے۔ سیاسی اور مذہبی میدان میں ذلت آمیز شکست کھانے کے بعد درد دل رکھنے والے یوں فریاد کناں ہوئے:

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

اس زمانہ میں بدقسمتی سے اگر کوئی مسلمان ان کے علماء سے کسی اعتراض کا جواب معلوم کرنے کے لئے رجوع کرتا تو کافر اور مرتد کے خطاب پا کر واپس آتا۔ کسی کو ان کے سامنے لب کشائی کی مجال نہ تھی۔ پڑھے لکھے مسلمان ان دین کے ٹھیکیداروں سے مایوس اور بدظن ہو گئے۔ ان علمائے دین کی معراج فکر یہ تھی کہ کس طرح ان سے اختلاف رکھنے والے مسلمانوں کو اپنے فتوے سے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے۔ کلمہ گوؤں کی تکفیر ہی وہ بہت بڑی خدمتِ دین سمجھتے تھے۔ انہیں یہ توفیق کبھی نہ ملی۔ کہ کافروں کو مشرف باسلام کریں۔ اور ملتِ اسلامیہ کی حدود کو اپنی تبلیغی مساعی سے وسیع تر کریں۔

ان علماء ظاہر پر مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب کے مضمون وراثتِ زمین (مطبوعہ طلوعِ اسلام نومبر ۱۹۴۰ء) کا یہ حصہ تمام و کمال منطبق ہوتا ہے۔

"دینِ حق اور شرع مبین کے عملی پروگرام کو نااہل ہاتھوں نے دنیا تک نہ پھیلایا حقائق و معارفِ الٰہی کو بے نور سینوں نے اپنے سینوں میں مستور کر دیا ...... اب وقت تھا کہ دنیا میں پیغامِ الٰہی کے اسرار کی نقاب کشائی کر کے دنیا کے حکماء فلاسفر و سیاسین کو جو قلب و نظر کی رنجوری سے العطش العطش پکار رہے ہیں۔ اسلام کے چشمۂ فیض سے سیراب کیا جاتا۔ لیکن حیف کہ دینِ متین کے حامل خود مردہ دل ہو چکے ہیں۔ ان کے قلوب میں ایمان کے سوتے بند ہو چکے ہیں۔ چند خود غرضیوں کی وجہ سے قانونِ خداوندی میں تنسیخ و ترمیم شروع ہوئی۔ ہمارا حال وہی ہوا، جو عہدِ کلیسا میں نصاریٰ کا ہوا۔ انہوں نے تو علانیہ مذہب کو خیرباد کہہ دیا اور ہم قولی مسلمان ہو کر رہ گئے۔ ہمارے اس خاص طبقہ نے وہ اودھم مچا رکھی ہے۔ کہ یہود کے قسیسین اور احبار اور صدوقی اور فریسی بھی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ جس سے ناراض ہوتے جھٹ ایک فتویٰ صادر فرما دیا۔ اور اپنے حواریوں سمیت اس مطعون و مردود کے خلاف بحث جدال کا بازار گرم کر دیا۔ سوچیئے کہ یہ خود ایک دوسرے کو کافر کہنے والے آمین بالجہر اور یا رسول اللہ کہنے پر کفر و ایمان کا جھگڑا چکانے والے کسی تیسرے کے متعلق کیا رائے دے سکتے ہیں:

دین کافر فکر و تدبیر و جہاد — دینِ ملّا فی سبیل اللہ فساد"

میں نیازی صاحب کے اس ارشاد کے حوالہ سے ان سے بالخصوص اور باقی علماء اسلام سے بالعموم یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جناب آپ ہمارے بارے میں فتویٰ کفر صادر کرنے کے کیونکر مجاز ہو گئے؟ کیا اس لئے کہ آپ کا دین فی سبیل اللہ فساد ہے۔ حقائق و معارف الٰہیہ سے بے نور سینوں کا کیا رشتہ اور پیغامِ الٰہی کے اسرار کی نقاب کشائی سے آپ کو کیا غرض۔ حضور والا علماء ظاہر ہمیشہ سے ہی مردہ دل ہوتے ہیں۔ ان کے قلوب میں ایمان کے چشمے کبھی پھوٹتے ہی نہیں۔ ان کا کردار ہمیشہ منفی اور تخریبی رہا ہے۔ عمارت کو گرانا جانتے ہیں۔ بنانا نہیں جانتے ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ بکھیرنے میں تو خوب ماہر ہیں۔ لیکن شیرازہ بندی کے فن سے نابلد محض ہیں۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ کہ عیسائی پادریوں اور آریہ سماجی پنڈتوں کی یلغار نے تمام علماء اسلام کو بے بس کر دیا تھا۔ عیسائیت کا گھر گھر چرچا ہو رہا تھا۔ اور مسلمان ان کے بالمقابل بالکل مایوس اور بددل ہو چکے تھے۔ اندرونی مفاسد نے ان کی ملی زندگی کا شیرازہ بکھیر دیا ہوا تھا۔ اور بیرونی دشمنوں کے حملوں سے ان پر مردنی چھا گئی۔ حالی مرحوم نے اپنی قوم کی اس زبوں حالی کی یوں منظر کشی کی ہے:

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے — بھنور میں جہاز آ کے جس کا پھنسا ہے
کنارہ ہے دور اور طوفاں بپا ہے — گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہلِ کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی

غرض اسلام ان تابڑ توڑ حملوں سے ضعیف سے ضعیف تر ہوتا گیا۔ اور سارے عالمِ اسلام میں کوئی بھی ایسا حامی و ناصر نہ اٹھا۔ جو مدافعت کا سامان پیدا کرتا۔ اور اپنے جوابی حملوں سے مخالفت کے اس سیلابِ عظیم کا رُخ موڑ دیتا۔ بڑے بڑے عالی نسب مسلمان عیسائیت کی آغوش میں چلے گئے۔ سید زادے اور شاہی مسجدوں کے خطیب اس دجالی فتنہ کا شکار ہو گئے۔ اور وہ اسلام کے بدترین دشمن بن کر میدانِ مباحثہ و مجادلہ میں اتر آئے اور انہوں نے ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس قدر بدکلامی ہرزہ سرائی اور زہر چکانی کی کہ اس دلدوز منظر کو کوئی غیور اور خوددار مسلمان دیکھنے کی تاب نہیں رکھ سکتا تھا۔ پادریوں اور ان کی دیکھا دیکھی آریہ سماجیوں نے اپنی افتراء پردازیوں اور کذب بیانیوں کے سیاہ پردوں میں محاسنِ اسلام اور سرورِ دو عالم کی سیرت پاک کو چھپا دیا۔

اب ہمارا سارے عالمِ اسلام کو چیلنج ہے۔ کہ وہ ہمت کر کے یہ ہمیں بتائے کہ اس دجالی فتنہ کا سدباب کرنے کے لئے کون اٹھا۔ اور کون اس مقصد عظیم میں کامیاب و کامران ہوا۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ کسی ایک شخص کی بھی نشاندہی نہیں کر سکتا۔

اس سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا۔ کہ کشتیٔ اسلام بھنور میں پھنسی ہوئی تھی اور اس کا ناخدا کوئی بھی نہیں تھا۔ وقت تقاضا کرتا تھا۔ کہ کوئی مردِ حق منصۂ شہود پر ظاہر ہو۔ جو بے پناہ روحانی قوتوں کا مالک اور تاجدار علم و معرفت ہو۔ جس کی زبان سے خدا بولتا ہو۔ اور تجلیاتِ الٰہیہ کا طور ہو۔ خود خدا نما ہو۔ اور دوسروں کو خدا کی معرفت اور آگہی عطا کرنے والا ہو۔ جس کا ہر حرف دشمن کے لئے شمشیر برہنہ ہو، اور جس کے قبضہ میں حقانیت اسلام ثابت کرنے کے لئے دلائل و براہینِ ساطعہ کا بیش بہا خزانہ ہو، اور فتنۂ دجال کا کامیابی کے ساتھ استیصال کر سکتا ہو۔ اور جس میں علوم جدیدہ اور فلاسفہ پر اسلامی فلسفۂ حیات کی برتری اور فضیلت ثابت کرنے کی صلاحیت اور قابلیت ہو۔

(باقی ——— باقی)

ہفت روزہ پیغام صلح (لاہور) ۱۰ اپریل ۱۹۷۵ء

جناب پرویز صاحب کا تحقیقی شاہکار ـــــ انگریز نوازی اور تنسیخ جہاد کا فرسودہ اتہام

گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

لاشك ان وجوه الجهاد معدومة فى هذا الزمن وهذه البلاد (بلاشبہ جہاد کی شرائط اس زمانے میں اس ملک میں نہیں پائی جاتیں) (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ)

پروفیسر محمد سرور جامعی اپنی کتاب "افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھیؒ" میں روایت کرتے ہیں کہ ایک بار مولانا سے سوال کیا گیا ہے کہ کیا مرزا صاحب (حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانیٔ سلسلہ احمدیہ ـــ ناقل) انگریز کے تریدے ہوئے تھے۔ تو مولانا نے اس الزام کی سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا:۔

"خریدے ہوئے لوگ تحریکوں کے بانی نہیں ہوتے۔ جو شخص دوسروں کے ہاتھ بک سکتا ہے۔ وہ کسی تحریک میں جان پیدا نہیں کر سکتا، ایک تحریک میں جان وہی ڈالتا ہے، جس کے خود اندر سے اس تحریک کے لئے جذبہ اٹھتا ہے۔" (ص ۲۰۸)

ایک محقق مؤرخ کسی تاریخی شخصیت پر قلم اٹھاتے وقت تاریخی حقائق و شواہد سے کام لیتا ہے۔ اس کا مقصد دنیا کے سامنے حقائق پیش کرنا ہوتا ہے۔ اپنے زمانہ میں کسی فرد یا گروہ کی خوشنودی یا ناراضگی اسے متاثر نہیں کرتی اور اس کا فرض ہے کہ جب وہ کسی شخص کے افکار، کردار اور سیرت پر قلم اٹھائے تو اس شخص کے زمانے اور ماحول میں پہنچ جائے لیکن ہمارے زمانے میں ادعائے فکر و تجسس کے علی الرغم جناب پرویز نے حضرت مرزا صاحب پر قلم اٹھاتے وقت جہلاء میں شہرت کے پیش نظر تحقیق کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ اور حضرت صاحب کے ماحول، مقصد اور عمل کو نظر انداز کر کے قلت فہم یا سوئے نیت سے آپ کی عبارات کی قطع و برید کر کے غلط نتائج اخذ کئے ہیں اور آپ پر انگریز کا ایجنٹ ہونے کا بیہودہ الزام تراشا ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے جب مخالفینِ اسلام کے خلاف قلم اٹھایا تو ہندوستان میں مسلمانوں کا اقتدار ختم ہو چکا تھا اور ۱۸۵۷ء میں ان کی سنبھلنے کی آخری ادھوری سعی کو ناکام ہوئے بھی ۲۵ سال گذر چکے تھے۔ اور سر سید احمد خاں اور اُن کے انصار مسلمانوں کو موت کے منہ سے بچانے کے لئے انگریز حکمران کی خوشنودی حاصل کرنے میں کوشاں تھے انگریز سے جنگ کا خیال ایک وہم سے زیادہ نہ تھا، دوسری طرف مرہٹوں اور سکھوں کے مظالم سے نجات حاصل کر کے مسلمان کو آرام کا سانس نصیب ہوا۔ ان حالات میں تمام مسلمان جماعتوں نے انگریز کی طرف دستِ تعاون بڑھایا اور انگریز دوستی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مصروف ہو گئے۔

ایسے حالات میں حضرت مرزا صاحب نے عملی زندگی میں قدم رکھا، آپ طبعاً خلوت پسند اور علم دوست تھے۔ اس لئے آپ سے توقع عبث تھی کہ ایک سپاہی کی طرح تلوار لے کر مقابلہ شروع کر دیں گے، پھر نہ تو آپ کے زمانے میں کوئی شخص مسلمانوں کو تلوار سے مرتد کر رہا تھا۔ اور نہ کسی نے مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کی تھی۔ البتہ آپ کے زمانہ میں عیسائیوں، آریہ سماجیوں اور برہمو سماجیوں نے تحریر و تقریر سے اسلام، قرآن، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر حملے شروع کر رکھے تھے۔ اور مسلمان (علماء) پر یہی فرض تھا کہ وہ دلائل و براہین سے اسلام کی صداقت ثابت کریں اور دشمنوں کے اتہامات کی تردید فرمائیں چنانچہ حضرت صاحب سے قبل ہی خود سر سید احمد خان رحؒ مولوی چراغ علیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولوی رحمت اللہ کیرانویؒ، ڈاکٹر وزیر آغا، مولانا آل حسن اور دیگر اہل دل علماء مخالف عناصر کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے اور کسی نے بھی ایک لمحہ کے لئے محسوس نہ کیا کہ شمشیر بکف ہو کر انگریز کے خلاف "جہاد" شروع کر دیں۔ حضرت مرزا صاحب کی دینی غیرت نے آپ کو میدان میں لا ڈالا۔ آپ نے اپنی مدلل اور مسکت تحریرات سے دشمنوں کے منہ بند کر دیے۔ اور آپ کا اسلوب تبلیغ اس قدر کامیاب رہا کہ دشمن میدان سے کھسکنے لگے، مسلمان علماء آہستہ آہستہ اس میدان سے پیچھے ہٹ گئے، اور حضرت مرزا صاحب اور کامیاب مدافعت اسلام ہم معنی و مترادف الفاظ بن گئے۔

انگریزی حکومت جمہوری روایات کی حامل تھی، اس نے آزادی رائے دے رکھی تھی، ہر شخص کو حق حاصل تھا کہ وہ اپنے عقیدہ کا علانیہ اظہار کرے، عقیدہ کے مطابق آزادانہ عبادت کرے، دوسروں کے عقائد کی تغلیط کرے۔ اظہار و اختلاف عقیدہ کی یہ آزادی اس دور میں دنیا کے کسی بھی اسلامی یا دوسرے غیر اسلامی ملک میں نہ تھی۔ اسلام ایسے سچے دین کے لئے ایک غیر اسلامی حکومت میں اظہار عقیدہ کی یہ آزادی لائق صد تشکر و امتنان تھی۔

دعویٰ مہدی و مسیح موعود

ایسے ماحول میں حضرت مرزا صاحب نے مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کیا، جو بظاہر مصلحت کے خلاف تھا اور غیر مسلموں کے لئے بھی ناگوار تھا۔ مسلمانانِ ہند اپنی سیاسی و عسکری ذلت کے زیر اثر مہدی اور مسیح کے شدت سے منتظر تھے۔ کہ وہ آ کر بزور شمشیر کفار کو ختم کر دیں گے اور اسلام کو پھیلائیں گے۔ ملک کے غیر مسلم ایک ہزار سالہ غلامی کے بعد اس دعوے سے پھر خطرہ محسوس کرتے تھے، اور انگریز حکمران تو براہِ راست اس کی زد میں تھا۔ ایک تو خود ہندوستان میں ۲۵ سال قبل مسلمانوں نے انگریز حکومت کے اقتدار کو چیلنج کیا تھا اور دوسرے حضرت مرزا صاحب کے دعوئے مہدویت سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے سوڈان میں سید محمد سوڈانیؒ نے مہدی کا دعوئے کر کے سوڈان سے انگریزوں کو شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ساتھ ہی آپ کا مثیل مسیح ہونے کا دعوئے اور دنیا بھر کے عیسائی سلاطین، امراء اور پادریوں کو اسلام کی دعوت دینا کم اشتعال کا موجب نہ تھا۔ اور یہ دعوئے نہ تو کوئی عقلمند مصلح اپنی مرضی سے کر سکتا تھا، اور نہ ہی کوئی مدبر حکومت کسی شخص کو اپنا کارندہ بنا کر آگ میں ہاتھ ڈال سکتی تھی۔ پس اس کی ایک ہی صورت تھی کہ حضرت مرزا صاحب نے حکم الٰہی سے مصیبت کو خوش آمدید کہا، ان کی ذاتی رضا اور تمنا کو اس میں دخل نہ تھا۔

ایک جنگجو مہدی کا تخیل اشاعت اسلام کی راہ میں روک تھا۔ عیسائیوں نے دنیا بھر میں مشہور کر رکھا تھا کہ بانیٔ اسلام نے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن لے کر دنیا میں جبراً اسلام پھیلایا تھا، ورنہ اسلام کی تعلیمات میں کوئی خوبی نہیں۔ مولوی نے عامۃ المسلمین کو اسی مہدی کی آمد کا نظریہ دے رکھا تھا۔ یہ تصور قرآن اور اسلامی تاریخ کی روشنی میں باطل تھا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے براہین احمدیہ لکھ کر ایک تو دلائل سے غیر مذاہب پر دینِ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت ثابت کی اور اسلام کے بزور شمشیر پھیلنے کے پروپیگنڈے کی تردید کی، نیز تلوار کے بغیر ہی مخالفین اسلام کو شکست دے کر اسلام کی برتری ثابت کی اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ نہ تو میری مہدویت کا شمشیر کشی سے کوئی واسطہ ہے اور نہ ہی اپنے غلبے کیلئے اسلام کو کسی ایسے مہدی کی حاجت ہے جو تلوار لے کر غیر مسلموں کو قتل کرتا پھرے گا۔ اسی تبلیغی روح کے پیش نظر آپ نے مولوی کے جہاد (قتال) کے غیر قرآنی تصور سے اختلاف کیا اور اپنی راہ تبلیغ ہموار رکھنے کے لئے حکومت کو بار بار یقین دلایا کہ میں مہدی تو ہوں مگر شمشیر و سنان کے بغیر آیا ہوں۔ اسی ضمن میں آپ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھا:۔

"اے مسلمانو! اپنے دین کی ہمدردی اختیار کرو مگر سچی ہمدردی۔ کیا اس معقولیت کے زمانے میں دین کے لئے یہ بہتر ہے کہ ہم تلوار کے ذریعے لوگوں کو مسلمان کرنا چاہیں۔ کیا جبر کرنا اور زور اور تعدی سے اپنے دین میں داخل کرنا اس بات

کی دلیل ہو سکتی ہے کہ وہ دین خدا کی طرف سے ہے - خدا سے ڈرو اور یہ بے ہودہ الزام اسلام پر مت لگاؤ کہ اس نے جہاد کا مسئلہ سکھایا ہے، اور زبردستی اپنے مذہب میں داخل کرنا اس کی تعلیم ہے - معاذاللہ ہرگز قرآن شریف کی یہ تعلیم نہیں ہے - اور نہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی خونی مسیح آئے گا جو جبراً مسلمان کرے گا اور انسانوں کا قتل کرنا اس کا کام ہوگا۔" (تریاق القلوب صہ ۱۵)

"عیسائی مذہب کو گرانے کے لئے جو صورتیں ذہن میں آسکتی ہیں وہ صرف تین ہیں (۱) اوّل یہ کہ تلوار سے اور لڑائیوں سے اور جبر سے عیسائیوں کو مسلمان کیا جائے - جیسا کہ عام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے - کہ ان کا فرضی مسیح موعود اور مہدی معہود یہی کام دنیا میں آکر کرے گا اور اس میں صرف اسی قدر لیاقت ہوگی کہ خونریزی اور جبر سے لوگوں کو مسلمان کرنا چاہیئے، لیکن جس قدر اس کارروائی میں فساد ہے - حاجت بیان نہیں ایک شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ دلیل کافی ہو سکتی ہے، کہ جو لوگوں کو جبر سے اپنے دین میں داخل کرنا چاہیئے لہٰذا یہ طریق اشاعت دین کا ہرگز درست نہیں اور اس طریق کے امیدوار اور اس کے انتظار کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو درندوں کی صفات اپنے اندر رکھتے ہیں اور آیت لا اکراہ فی الدین سے بے خبر ہیں۔"
(ایضاً صفحہ ۲۰ - ۲۱)

حضرت مرزا صاحب کے اشعار

، چھوڑدو اے دوستو جہاد کا خیال - دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
باگماں کہ مہدیٔ خونی بھی آئے گا - اور کافروں کے قتل سے دیں کو بڑھائے گا
اے غافلو یہ باتیں سراسر دروغ ہیں - بہتان ہیں، بے ثبوت ہیں اور بے فروغ ہیں

لویوں کے تصورِ جہاد کی تردید میں ہیں - جس کی رُو سے کافروں کو بہ جبر مسلمان بنانا مقصود تھا - اس کا ثبوت قرآن میں نہیں - اور یہ تصور اسلام کی بدنامی کا موجب تھا ر اس کی اشاعت کی راہ میں زبردست رکاوٹ تھا اس کا خاتمہ ہی حضرت صاحب کے مشن کی کامیابی کی ضمانت تھا۔

خطرہ اور اس کا تدارک

دنیا یہ معلوم کرکے حیران ہوئی کہ مولویوں نے ایک طرف تو اس زمانے کے تمام مسلمان اکابر اور فرقوں کی انگریز دوستی کو نظر انداز کرکے حضرت مرزا صاحب کو جہاد کا منکر ٹھہرایا اور دوسری طرف حکومت کو خفیہ تحریرات کے ذریعے حضرت مرزا صاحب کے خلاف اکسایا - کہ یہ شخص مہدی ہونے کا مدعی ہے جب اس کے پاس جتھا مضبوط ہو جائے گا تو ملک میں بغاوت و فساد پھیلا دے گا - اور اس پر اوّل المکفرین مولوی محمد حسین بٹالوی کی روش شاہد ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی

آپ حضرت مرزا صاحب کے سب سے بڑے مکفر اور معاند تھے، اور ہر طریق سے آپ کی تحریک کو ختم کرنا چاہتے تھے، ایک طرف تو آپ کو مدعی نبوت اور منکر جہاد کہکر آپ کے خلاف فتویٰ کفر لگایا اور بدنام کیا اور دوسری طرف اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ کا انگریزی میں ایک خاص نمبر ۱۴ر اکتوبر ۱۸۹۸ء کو شائع کرکے حکومت کے سامنے پیش کیا، تاکہ حکومت حضرت مرزا صاحب کو باغی قرار دے کر گرفتار کر لے - رسالہ کا خلاصہ یہ تھا:-

"مرزا غلام احمد قادیانی جو مہدی ہونے کا مدعی ہے - مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور [illegible] یہ اظہار وفاداری وغیرہ کرتا ہے - آخری وقت ٹالنے کے لئے یہ سب حیلہ ہے۔ دراصل یہ اپنی طاقت جمع کر رہا ہے - جس وقت اسے کافی طاقت حاصل ہوگئی تو یہ شخص فوراً گورنمنٹ سے بغاوت کر دے گا اور اسلام بزورِ شمشیر پھیلائے گا پس گورنمنٹ برطانیہ کو چاہیئے کہ فوراً اس شخص کو گرفتار کر لے۔"

یہ ہے مرزا غلام احمد قادیانی، "جہاد" کا دشمن، "انگریز کا خود کاشتہ پودا" - جس کی انگریز دازی آج بھی حق کے بعض دشمنوں کو بے چین رکھے ہوئے ہے ؎

گل است سعدی و در چشمِ دشمناں خار است

مولوی محمد حسین بٹالوی پہلے مخبر نہ تھے، یہ رسالہ پاکر انگریزی حکومت حرکت میں آئی اور اکتوبر ۱۸۹۸ء کے اختتام پر ضلع گورداسپور کا انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس بہت سی پولیس لے کر حضرت مرزا صاحب کی خانہ تلاشی اور حالات کی تفتیش کے لئے قادیان پہنچ گیا، لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی کا پروپاگنڈا کذب کا پلندہ تھا - اس لئے پولیس کو بے نیل مرام لوٹنا پڑا - یہ حالات تھے جن کے زیر اثر حضرت مرزا صاحب کو بار بار اپنے موقف کی وضاحت کرنا پڑی اور اگر آپ کی تحریرات کو دیانت داری سے دیکھا جائے تو بدگمانی کی گنجائش نہیں ملے گی، اس معاند گروہ کے ذکر میں آپ نے لکھا :-

"واضح رہے، کہ اس مخالف گروہ سے ہمیں عام طور پر تکلیف پہنچی ہے، اور کوئی تحقیر اور توہین اور سب و شتم نہیں - جو ان سے ظہور میں نہیں آیا - جب تکفیر اور گالیوں سے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے - تو پھر بد دعاؤں کی طرف رُخ کیا، اور دن رات بد دعائیں کرنے لگے، مگر ایسے بخیلوں سیہ دلوں کی ظالمانہ دعائیں کیونکر اس جناب میں مقبول ہوں جو دلوں کے مخفی حالات جانتا ہے آخر جب بد دعاؤں سے کام نہ نکل سکا تو خدا تعالےٰ سے نومید ہوکر گورنمنٹ انگریزی کی طرف، جھکے اور جھوٹی مخبریاں کیں اور مفتریانہ رسالے لکھے کہ اس شخص کے وجود سے فساد کا اندیشہ اور جہاد کا خوف ہے (اتمام الحجۃ صہ ۲۹)

پادریوں کی طرف سے مخبری

مسلمان مولویوں کے علاوہ عیسائی پادریوں نے بھی تحریر و تقریر کے میدان میں اسلام کے اس فتح نصیب جرنیل کے مقابلے میں شکست کھا کر حکومت کو آپ کے خلاف اکسانے کی راہ اختیار کی، اور آپ کو خونی مہدی ٹھہرا کر حکومت کو مشورہ دیا کہ آپ کو فساد اور جہاد سے پہلے ہی گرفتار کرلے چنانچہ مشہور دشمن اسلام مرتد پادری عمادالدین نے ایک کتاب "توزین الاقوال" لکھ کر حکومت کو آپ کے خلاف اقدام کی ترغیب دلائی - اور اگر ہم اس زمانے میں پادری کلارک کے مقدمے کو ملحوظ رکھیں جو اس نے حضرت مرزا صاحب کے خلاف اقدام قتل کا کیا تھا - اور مولوی محمد حسین بٹالوی اس میں پادری کلارک کی طرف سے بطور گواہ پیش ہوا تھا - تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پادری اور مولوی باہمی مشورے سے حضرت مرزا صاحب کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے - چنانچہ پادری عمادالدین کی کتاب پڑھ کر آپ نے خطرے کو بھانپا اور حکومت کو لکھا :-

"اے قیصرہ! تیرا اقبال زیادہ ہو، اور خدا تیری دنیا میں برکت دے اور تیرا انجام بخیر کرے - تجھے معلوم ہو کہ ایک شخص نے ایسے لوگوں میں سے جو اسلام سے نکل کر عیسائی ہو گئے ہیں - یعنے ایک عیسائی جو اپنے تئیں پادری عمادالدین کے نام سے موسوم کرتا ہے - ایک کتاب ان دنوں میں عوام کو دھوکا دینے کے لئے تالیف کی ہے اور اس کا نام "توزین الاقوال" رکھا ہے - اور اس میں ایک خالص افتراء کے طور پر میرے بعض حالات لکھے ہیں اور بیان کیا ہے کہ یہ شخص ایک مفسد آدمی اور گورنمنٹ کا دشمن ہے - اور مجھے اس کے طریق چال چلن میں بغاوت کی نشانیاں دکھائی دیتی ہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ایسے ایسے کام کرے گا اور وہ مخالفوں میں سے ہے - پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس شخص نے حکام کو میری ایذا کے لئے برانگیختہ کیا ہے ...... اور اب ہم گورنمنٹ عالیہ کو ان باتوں کی اصل حقیقت سے مطلع کرتے ہیں جو ہم پر افتراء کیں اور گمان کیا کہ گویا ہم دولت برطانیہ کے بدخواہ ہیں - سو گورنمنٹ کو معلوم ہو کہ یہ تمام باتیں ازقبیل آلائش دروغ اور شرارت باقی ہیں - اور ایک ذرہ بھی سچائی کی بو نہیں" (نورالحق حصہ اوّل صہ ۲۵ - ۲۶)

"اور یہ آدمی (پادری عمادالدین - ناقل) جس نے مجھ پر حملہ کیا، سو اس نے صرف اس اضطرار کی وجہ سے حملہ کیا ہے جو اس کو پیش آئے - اور وہ یہ ہے کہ وہ ان سوالات کے جواب دینے سے عاجز ہوگیا جو ہم نے ایک مباحثہ میں جو ان میں اور ہم میں تھا، اس پر اور اس کے رفیقوں پر کئے تھے، اور کھل گیا کہ وہ لوگ باطل اور کھلی کھلی گمراہی میں ہیں - پس یہ شخص نہایت ہی شرمندہ ہُوا - اور ایسا بے قرار ہوا جیسا کہ کوئی ذبح کیا جاتا ہے - اور اس پر کام مشکل ہوگیا - پس اس کو کوئی ایسا راستہ نہ مل سکا جس سے وہ اپنی قوم

کو داغی کر سکتا۔ مگر ایک بہتان کا طریق کھلا تھا۔ اس کو اس نے اختیار کر لیا تا اپنی مفتریات سے اپنی پردہ پوشی کرے۔ سو اس کے دل میں یہ خیال رچ گیا کہ سلطنت انگریزی کے حکام اور اہل حکومت سے بذریعہ اپنی جھوٹی مخبری کے اس کام میں مدد لیوے اور اپنی سخن چلنی کے زہر سے شرارت کی باتوں کو پر لگا دے تا کہ حکام مجھ کو پھانسی دے دیں یا قتل کر دیں اور اس طرح سے یہ کرسان لوگ غالب آجائیں گے۔" (ایضاً ص۳۵)

"پھر اس کے بعد اس نے گورنمنٹ برطانیہ کو میرے ایذا کے لئے ترغیب دی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ اس شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ یہی گورنمنٹ دجّال معہود ہے اور یہ شخص باغی ہے۔" (ایضاً ص۴۳)

مولوی محمد حسین بٹالوی اور پادری عماد الدین نسیاً منسیاً ہو گئے انہوں نے آج پرویز صاحب کا روپ دھار لیا ہے جو آج زندگی کی آخری منزل میں زخارف دنیا اور عارضی شہرت کے لئے کذب و افتراء کی راہ پر چل نکلے ہیں۔ اور حضرت مرزا صاحب کی تحریرات کا کما حقہٗ مطالعہ کئے بغیر آپ کے خلاف خامہ فرسائی کر رہے ہیں۔ پرویز صاحب نے حضرت صاحب کی تحریرات کو ماحول کے سیاق و سباق سے الگ کر کے بری نیت سے پیش کیا ہے، جن کی مذکورہ بالا تحریرات کی موجودگی میں کوئی اہمیت نہیں رہتی ہے۔ ذیل میں ہم پرویز صاحب کے پیش کردہ دو اصولوں کو ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ تاکہ پرویز صاحب کی دیانت اور استدلال معلوم ہو سکے:

"میں گورنمنٹ عالیہ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ فرقہ جدید جو برٹش انڈیا کے اکثر مقامات پر پھیل گیا ہے، جس کا میں پیشوا اور امام ہوں، گورنمنٹ کے لئے ہرگز خطرناک نہیں۔ اور اس کے اصول ایسے پاک اور صاف اور امن بخش اور صلح کاری کے ہیں کہ تمام اسلام کے موجودہ فرقوں میں اس کی نظیر نہیں ملے گی، میرے اصولوں اور اعتقادوں اور ہدایتوں میں کوئی امر جنگجوئی اور فساد کا نہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔"

(ختم نبوت اور تحریک احمدیت ص۹۹۹)

یہ الفاظ لیفٹننٹ گورنر پنجاب کے نام حضرت مرزا صاحب کی ایک چٹھی مطبوعہ "تریاق القلوب" سے ماخوذ ہیں۔ اس میں بھی مولوی اور پادریوں کے مفسدانہ پروپیگنڈہ کی تردید ہے، خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے۔ اپنے مشن اور جماعت کو حکومت کے عتاب سے محفوظ رکھنا مقصود ہے، انگریز سے وفاداری تو اس زمانے میں تمام مسلمان کر رہے تھے مگر صرف آپ کے اور آپ کی جماعت کے خلاف بغاوت اور فساد کا پروپیگنڈہ تھا۔ ان حالات میں اپنے موقف سے حکومت کو آگاہ نہ کرنا دشمن کے ہاتھ میں کھیل کر اپنی موت کے وارنٹ پر دستخط کرنے کے مترادف تھا۔ جہاد کا فتویٰ تو اس دور میں کسی مولوی نے نہیں دیا تھا، لیکن "امام مہدی اور مسیح" کے جہاد (کافروں کو بہ نوکِ شمشیر مسلمان بنانا) کا تعلق حضرت مرزا صاحب سے ہی تھا جو جہاد میں تو مصروف تھے لیکن قتال کے نہ حامی تھے اور نہ اپنے مشن کی کامیابی کے لئے اس کے محتاج تھے۔ رہا آپ کی جماعت کے بڑھنے کے ساتھ "مسئلہ جہاد" کا کمزور ہونا تو اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے ایسے جہاد کا مسئلہ تو سرسید احمد خاں کے متبعین کے بڑھنے سے بھی کمزور ہو رہا تھا اور دیگر مسلمان جماعتیں بھی انگریزی حکومت کے خلاف "جہاد" کو ترک کر چکی تھیں حضرت مرزا صاحب اس کے اظہار پر محض اس لئے مجبور تھے کہ مخالفین آپ کی طرف نیتِ قتال منسوب کر کے آپ کو قتل کروانا چاہتے تھے۔ اور حضرت مرزا صاحب صرف یہ یقین دلانا ضروری سمجھتے تھے کہ میری جماعت کے بڑھنے سے بغاوت اور قتال کا خطرہ نہیں بلکہ اس کا امکان کم ہوتا جائے گا۔

دوسرا حوالہ دوسرے حوالے میں پرویز صاحب نے دجل و بد دیانتی کا افسوسناک مظاہرہ کیا ہے۔ اگر یہ حوالہ درج کرنے میں جناب سیاق و سباق کو نظر انداز نہ کرتے تو شاید آپ کو حوالہ درج کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ تریاق القلوب ص۱۵ کی جو عبارت پرویز صاحب نے پیش کی ہے وہ آپ کی زیرِ نظر کتاب کے ص۱۹۸ پر درج ہے، ذیل میں وہ عبارت ہم سیاق و سباق کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ اس میں سے پرویز صاحب کے اخذ کردہ حصے کو خطوط وحدانی کے درمیان دیا گیا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ پہلے وہ خطوط وحدانی کا درمیانی حصہ پڑھ لیں) اور پھر اسے سیاق و سباق کے ساتھ ملا کر پڑھیں۔

"اے مسلمانوں کی ذریّت میں سے آپ لوگوں کا کیا گناہ کیا ہے۔ کہ آپ لوگ انواع و اقسام کے منصوبوں سے میری ایذا کے درپے ہو گئے۔ تم میں سے جو مولوی ہیں وہ ہر وقت یہی وعظ کرتے ہیں، کہ یہ شخص کافر بے دین دجال ہے۔ اور انگریزوں کی سلطنت کی حد سے زیادہ تعریف کرتا ہے اور رومی سلطنت کا مخالف ہے۔ اور تم میں سے جو ملازمت پیشہ ہیں۔ وہ اس کوشش میں ہیں کہ مجھے اس محسن سلطنت کا باغی ٹھہرا دیں۔ کہ سکتا ہوں کہ ہمیشہ خلاف واقعہ خبریں میری نسبت پہنچانے کے لئے ہر طرف سے کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ میں باغیانہ طریق کا آدمی نہیں ہوں

(میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنتِ انگریزی کی تائید اور حمایت میں گذرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں۔ کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں۔ تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے۔ کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں۔ اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں) ۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ میں اس سلطنت کا بد خواہ ہوتا یا کوئی ناجائز باغیانہ منصوبے اپنی جماعت میں پھیلاتا۔ جبکہ میں بیس برس تک یہی تعلیم اطاعت گورنمنٹ انگریزی کی دیتا رہا اور اپنے مریدوں میں یہی ہدایتیں جاری کرتا رہا۔ تو کیونکر ممکن تھا کہ ان تمام ہدایتوں کے برخلاف کسی بغاوت کے منصوبے کی میں تعلیم کر دوں۔" (ص۱۵)

کیا ان الفاظ کا لکھنے والا انگریز کی خوشامد کر رہا ہے یا اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچانے کے درپے ہے۔ خط کشیدہ الفاظ کو پڑھ جائیے۔ پادریوں کی ہم نوائی میں مولوی اور ان کے پیروکار سرکاری ملازمین تک اسلام کے اس جرنیل کے خلاف جہاں عوام کو اشتعال دلاتے ہیں۔ وہاں حکومت کو بھی آپ کے خلاف بھڑکاتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی حکومت کا باغی ہے اور بغاوت کے منصوبے بنا کر انگریزی حکومت ختم کرنا چاہتا ہے کیا ہی دوغلی روش اور دجل ہے کیا پرویز صاحب کا ضمیر حضرت مرزا صاحب کے مخالفین کی پالیسی سے ندامت محسوس نہیں کرتا؟ اگر حضرت مرزا صاحب نے اشاعتِ اسلام کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے انگریز کے عتاب سے بچنے اور مسلمانانِ عالم کو خونی مہدی اور مسیح کی روایتوں سے بچانے کے لئے پچاس الماریاں بھر دی ہیں۔ اور دنیا پر واضح کیا ہے کہ اسلام نہ پہلے اپنی اشاعت کے لئے تلوار کا محتاج ہوا ہے۔ نہ آئندہ ہوگا۔ اور میں نے دنیا پر آشکارا کر دیا ہے اور کرتا رہوں گا کہ میری تحریک تلوار سے بے نیاز ہو کر دنیا بھر میں اسلام کو غالب کرے گی تو پرویز صاحب بتائیں کہ انہوں نے خود خونی مہدی اور مسیح کی آمد کو مجوسی عقیدہ ثابت کرنے اور اسطرح مسلمانوں کو جہاد سے متنفر کرنے میں آج تک کتنی الماریاں بھری ہیں اور اس طرح مہدی اور مسیح کے ماتحت جہاد کی روح کو ختم کر کے مسلمانوں کی دشمن اقوام کی کتنی خدمت کی ہے۔ اگر جناب نے اس عقیدہ کے ابطال میں سینکڑوں الماریاں بھر دی ہیں۔ تو یہی کام کر کے حضرت مرزا صاحب کس طرح مجرم ٹھہرے، آپ کی شرافت تو اس میں ہے کہ آپ ایسے مہدی اور مسیح کی آمد کا پروپیگنڈہ کریں اور مسلمانوں کو ان کی آمد سے پہلے ہی جہاد کے لئے تیار کریں، اور اس طرح حضرت مرزا صاحب کی عملاً تردید کر دیں۔

پرویز صاحب نے مسلمانوں کو یہ لکھ کر اشتعال دلانے کی گھٹیا کوشش کی ہے کہ مرزا صاحب اس بات کے قائل تھے کہ انہیں انگریز کی حکومت میں جو آزادی حاصل تھی وہ ترکی، عرب یا کسی اسلامی حکومت میں حاصل نہ ہوتی، پرویز صاحب! آپ اسلام کے خلاف جو کیچڑ اچھال رہے ہیں۔ اس کا موقع آپ کو انگریزی کی حکومت میں ملا۔ اگر آپ اپنے خیالات کا اظہار کابل، ایران، ترکی یا حجاز میں کرتے تو آپ کو قدر عافیت معلوم ہو جاتی، اور اب بھی اگر پاکستان میں "اسلامی" حکومت ہوتی اور بھٹو صاحب کی بجائے مولانا مودودی، مولانا مفتی محمود یا غلام غوث ہزاروی کی حکومت ہوتی تو آپ کو حضرت مرزا صاحب کے

(باقی ص۱۲ کالم اول پر)

محترم الطاف جاوید

احمدیت اور بانیٔ تحریک کا تاریخی جائزہ

بسلسلہ اشاعت ۹ر اپریل ۱۹۷۵ء

ان حالات میں جب کہ مسلمان کسی لحاظ سے بھی برطانوی سلطنت اور ہندو قومیت کا مقابلہ کرنے کی اپنے اندر صلاحیت نہیں پاتے تھے۔ صرف اشاعت اسلام ہی ایک ایسا حربہ تھا جسے مسلمان پورے اعتماد کے ساتھ ان قوتوں کے اثر و نفوذ کے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔

اشاعت اسلام کے جذبہ و عمل نے احساس کمتری کے زہر کو مسلم نفسیات میں اس حد تک سرایت نہ ہونے دیا کہ وہ اپنے وجود کی انفرادیت اور اہمیت کے احساس کو ہی کھو بیٹھتا۔ بلکہ اسے اس قابل بنا دیا کہ ربع صدی کا عرصہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ قلب مسلم میں اشاعت اسلام سے پیدا شدہ جذبۂ خود شناسی اور خود اعتمادی نے برصغیر میں برطانیہ اور ہندو دونوں سے اپنے جائز مقام (پاکستان) کو حاصل کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ اور اس مطالبہ کو حاصل کرنے کے لئے سیاسی جد و جہد بھی شروع کر دی۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے نزدیک اشاعت اسلام کا مفہوم صرف یہی نہیں تھا کہ غیر مذاہب کے افراد کو مسلم مذہبی گروہ میں شامل کیا جائے بلکہ ایک ایسی صلح پسند اور محبت آمیز فضا قائم کرنا تھا جس میں "مذہبی سچائی" کی تحقیق کے لئے مذاہب عالم کا عمیق مطالعہ کیا جا سکے اور مختلف مذاہب کے پیرو کھلے ذہن اور حق کو قبول کرنے والی اخلاقی جرأت کے ساتھ باہم تبادلۂ خیالات کر سکیں۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے پہلے اکبر اعظم، بھگتی تحریک کے رہنما آگسٹس کومٹ کونتے۔ لیو ٹالسٹائی اور راجہ رام موہن رائے جیسے نیک دل اصحاب فکر و نظر اتحاد مذاہب کے لئے جد و جہد کر چکے تھے۔ مگر ان تمام کوششوں میں بنیادی خامی یہ تھی کہ تمام حضرات مذاہب عالم کو ان کی مشرکانہ اور گروہ بند خصوصیات کے ساتھ ایک مرکز پر جمع کرنا چاہتے تھے۔ یہ مذاہب کے درمیان تاریخی تسلسل اور منطقی ربط معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے، یہ مذاہب کی روح (Essence) پر تو زور دیتے تھے۔ مگر ان کی ہیئت، رسوم اور ارکان کی اہمیت پر توجہ نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ صدیوں سے ہر مذہب کی اساس پر ایک مخصوص ثقافت اور قومی خصوصیات و روایات کا ڈھانچہ (Super Structure) تیار ہو چکا ہے اور اس ڈھانچہ کو توڑنے کے لئے اس مذہب کی قومی تنظیم میں ایک زبردست انتشار پیدا ہو جائے گا اس انتشار کو روکنے والی ہر کوشش اس مذہب کی ہیئت و رسوم پر ہی زور دے گی کیونکہ مذہب کی ہیئت اس کے ارکان و رسوم ہی ایسی محسوس چیزیں ہیں جن سے کسی مذہب کے عوام براہ راست شناسا ہوتے ہیں، اور یہی ان کے وجود کی سالمیت کا نشان بھی سمجھے جاتے ہیں۔ ہیئت و رسوم ہی کسی مذہب کے پیروؤں کے درمیان انہیں مجتمع رکھنے کے لئے محسوس واسطہ کا کام دیتے ہیں۔

یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ ہر مذہب کی روح اپنا اظہار رسوم و ہیئت میں کرتی ہے، مذہب کی روح تک پہنچنے اور اس سے فیض یاب ہونے کے لئے اس ہیئت اور رسوم و ارکان کو خلوص دل کے ساتھ ادا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مذہب کے ظواہر میں اس قدر قوت ہے کہ یہ اپنی روح سے علاحدہ ہو کر بھی کافی عرصہ تک زندہ رہتے ہیں۔

وحدۃ الادیان کے تصور کو عملی جامہ پہنانے والے ان بزرگان محترم سے ہر بار یہی غلطی سرزد ہوتی رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذاہب عالم میں حقیقی اتحاد آج تک قائم نہ ہو سکا۔

حضرت مرزا صاحب نے اس غلطی کو نہیں دہرایا۔ آپ نے مذاہب کے ارکان ہیئت اور رسوم کو زوائد اختلافیہ سے تعبیر کیا اور بتایا کہ ان زوائد اختلافیہ میں ہی مذہب کی روح پوشیدہ ہے، اگر انہیں درمیان سے ہٹا دیا جائے تو جو خلاصہ یا مافیہ (Contents) باقی رہے گا، وہی اصل مذہب یا حقیقی اسلام ہو گا۔

اس مذکورہ حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود آپ نے ارکان و رسوم کو ختم کرنے کی تلقین نہیں کی، صرف ایک دوسرے کے بانی مذہب پر ایمان لانے اور عزت و احترام کرنے پر زور دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک مذاہب کی ہیئت، رسوم اور ارکان کی اصلاح تو ممکن ہے مگر انہیں ختم نہیں کیا جا سکتا۔

آپ کے نزدیک، تمام مذاہب میں ایک تاریخی تسلسل اور ان کے درمیان ایک منطقی ربط پایا جاتا ہے۔ اسلام چونکہ آخری مذہب ہے۔ یہ اپنے اندر ماقبل مذاہب کا خلاصہ بھی رکھتا ہے اور ان کا نگہبان بھی ہے۔ اسلام تمام مذاہب میں "مذہبی سچائی" کو تسلیم کرتا ہے جسے وہ "الدین" سے تعبیر کرتا ہے اس کی کوشش یہ ہے کہ ہر مذہب اپنے اندر پائی جانے والی "مذہبی سچائی" پر قائم ہو جائے، یہی مذہبی حق بھی ہے اور اسلام بھی اور دینِ قیم بھی اور اسی حقیقت کو حاصل کرنے کے لئے حضرت مرزا صاحب کی دعوت کا سب سے عظیم مقصد تھا۔

جماعت احمدیہ کا قیام

اسلام کی اشاعت اور عیسائیت اور جارحانہ ہندو قومیت کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے حضرت مرزا صاحب نے ایک تنظیم بھی قائم کی جس کا نام "سلسلہ عالیہ احمدیہ" رکھا۔ اس سلسلہ کی تاریخی حیثیت، ملتِ اسلامیہ کے لئے ہراول دستہ (Van Guard) کی تھی، کیونکہ نظریاتی طور پر یہ ایسے علم کلام سے مسلح تھا، جس کی استدلالی اساس تاریخ کے نئے تقاضوں کے ساتھ مکمل تطابق پر رکھی گئی تھی۔ حضرت مرزا صاحب نے ایک مباحثہ میں واضح طور پر اصول استخراج پر استقراء کے منہاج کو ترجیح دیتے ہوئے اسے تحقیق کا اصح تر، احسن تر، اور کامل تر منہاج قرار دیا۔ اس کا معنے یہ تھا کہ آپ نے فطرت اور حیات کے مظاہرات کی تحقیق و تدقیق کے لئے سائنسی منہاج کو مثبت طور پر قبول کر لیا تھا، اور آپ کے نزدیک اس منہاج کے ذریعہ کائنات و حیات کے متعلق جس نوع کے علم کی تدوین عمل میں آئے گی، وہ جاگیرداری عہد کے استخراجی اور قیاسی اساس پر مرتب شدہ علم سے اپنی ماہیت میں احسن تر، کامل تر اور اصح تر ہو گا۔ اور اس طرزِ استدلال نے اسلام اور دیگر مذاہب عالم کی جاگیرداری عہد میں قیاس و استخراج کی بناء پر ترتیب دی گئی تعبیر کے مقابلہ میں سائنسی حقائق پر مبنی تعبیر کی صحت مندی کو قبول کر لیا ہے۔ اس جماعت کے افراد ایک طرف تو جدید سائنسی علوم کو مثبت طور پر حاصل کر رہے تھے مگر دوسری طرف اسلام کے بنیادی ارکان اور تعلیمات پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ جماعت کی اس بنیادی خصوصیت کے مدنظر علامہ اقبالؒ نے اسے "سیرت اسلامی کا ٹھیٹھ نمونہ" قرار دیا تھا۔ اور اسی بناء پر جماعت کا تاریخی منصب ملتِ اسلامیہ کی نظری و عملی قوتوں کی وقت کے جدید تقاضوں کے مطابق تربیت کرنا، چودہ سو برس کے اسلامی ادب و علم کے خزانے کی سائنسی عقلیت کی روشنی میں

جماعت احمدیہ کا تاریخی منصب

نئے سرے تنقیح و تدوین کرنا اور مذاہب عالم کے لئے قرآن حکیم کے "مھیمن" ہونے کی حیثیت کو واقعیت کا جامہ پہنانے کے لئے ان مذاہب کی الہامی کتب کا اردو میں ترجمہ، شروح اور ان کے تاریخی، ثقافتی اور تمدنی پس منظر کو مرتب کرنا قرار پایا تھا۔

حضرت مرزا صاحب کے تجدیدی کارناموں میں ایک مہتم بالشان مسئلہ یہ بھی تھا کہ انہوں نے فرمایا کہ فطرت نے انسان میں جتنی صلاحیتیں ودیعت کی ہیں وہ اپنی ماہیت میں نہ تو محض خیر ہیں اور نہ ہی شر، بلکہ ان کا خارجی استعمال ان کو خیر یا شر کا درجہ دیتا ہے۔ انسانی صلاحیتوں کا جب جائزہ لیا جاتا ہے، اور ان کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو ان میں ایک صلاحیت جو دوسری تمام صلاحیتوں سے ممتاز اور ارفع ہے، ذوق جمال یا احساس حسن ہے، یہ انسان کا نفسیاتی اور تہذیبی ارتقاء اور تکمیل کے لئے لابدی ہے۔ یہ صلاحیت انسانی ذہن کو مادی ماحول کی حسیت (Sensationalism) کی تنگنائیوں سے نکال کر اس کا تعلق حقیقت مطلقہ

کی ماورائیت (Transcendentalism) اور آفاقیت (Universalism) سے قائم کر دیتی ہے۔ اسے علمی زبان میں جمالیات (Aestheticism) کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ صلاحیت اپنا اظہار فنون لطیفہ (Fine Arts) کی مختلف ہیئتوں (Forms) میں کرتی ہے۔

پچھلی کئی صدیوں سے اسلامی ذہن کے سامنے یہ مسئلہ مابہ النزاع رہا ہے کہ فنون لطیفہ شرعی طور پر جائز ہیں یا ناجائز۔ حضرت مرزا صاحب کے اس نظریہ نے کہ انسانی صلاحیتوں کا غلط یا صحیح مقاصد کے لئے استعمال ہی انہیں حسن و قبح کا درجہ دیتا ہے۔ اس لاینحل مسئلہ کو بطریق احسن حل کر دیا۔ چونکہ ان کے عہد میں ادب اور فن میں بے حد ترقی ہو چکی تھی اور مختلف ثقافتیں اپنے اپنے فلسفۂ حیات کے مطابق ان کی تعبیریں پیش کر رہی تھیں۔ مصوری، موسیقی، ڈرامہ، ناول اور فلم بینی کا ذوق عام ہو رہا ہے ان کے تعمیری اور تخریبی دونوں اثرات کا جائزہ لیا جا رہا تھا، اور اس طرح تنقیدات کا ایک قابل قدر ذخیرہ وجود میں آ رہا تھا۔ ایسے ماحول میں مسلم ذہن ایک الجھن محسوس کر رہا ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب کے اس نظریہ نے اسے اس الجھن سے نکلنے کا راستہ دکھا دیا۔ کہ اگر جمالیاتی صلاحیت کو زندگی کی تعمیر و تحسین کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ شرعی نقطۂ نظر سے واجب اور سراپا خیر ہے۔

وہابی تحریک، فقہ کی تقلید جامد اور اس کے مختلف مدرسوں میں باہم مناقشت اور تنازعہ کے خلاف ایک بغاوت تھی۔ اس تحریک نے حدیث کے مطالعہ اور ان سے فقہی قوانین کے استنباط پر زور دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے فقہ حنفی کو مبالغہ کی حد تک اہمیت دی، جس کے نتیجہ میں شیعہ اور دیگر فقہی مذاہب کے ماننے والوں میں بے چینی اور ناراضگی پھیل گئی امام ولی اللہ محدث دھلوی نے اس مبالغہ کی اصلاح کی، انہوں نے فقہ اربعہ میں مشترک عناصر تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اور ان مذاہب اربعہ کا مصدر و چشمہ موطا امام مالک کو قرار دیا۔ سر سید نے علم الرجال اور احادیث کو جانچنے کے اصولوں پر سخت تاکید کی اور احادیث کو بطور سند استعمال کرنے سے حتی الوسع گریز کیا۔

حضرت مرزا صاحب نے علم الحدیث کے حصول پر زور دیا، فقہ اور حدیث کے سرچشمہ اور معیار قرآن حکیم کو قرار دیا۔ سر سید اور فرقہ اہل قرآن کے متشدد رویہ کی وجہ سے علم الحدیث کی طرف سے عام بے اعتنائی اور اس کے ساقط الاعتبار ہونے کی طرف بڑھتے ہوئے رجحان کو روکا۔ مگر دوسری طرف اہل حدیث کے فقہ کی طرف معاندانہ رویہ کی مخالفت کی۔ آپ نے فقہ حنفی کو دوسرے مذاہب فقہ پر اس لئے ترجیح دی کہ حنفا استخراج و استنباط مسائل میں قرآن حکیم کو مقدم رکھتے تھے۔

آپ نے حدیث کی صحت کو جانچنے کے لئے رواۃ مسلسل کے علاوہ اصول استقراء کو بھی معیار قرار دیا ہے۔ اس اصول کو معیار قرار دینے سے ایک بہت ہی پیچیدہ مسئلہ حل ہو گیا۔ جس کے نہ ہونے سے علم الحدیث کے خلاف جدید تعلیمیافتہ روشن خیال طبقہ میں عام رجحان بڑھتا جا رہا تھا۔ اور یہ رد عمل تھا احادیث کے مجموعوں میں ایسی احادیث کی موجودگی کا جو عام قوانین فطرت، مسلمہ معاشرتی اصولوں اور تاریخی واقعات کے خلاف ہیں یا ان سے کسی خاص فرقہ کے عقائد کی تائید ہوتی ہے۔ مگر طبقہ علماء ان احادیث کے صحت مند ہونے پر مصر اور غلط استدلال سے کام لے رہا تھا۔ امام ولی اللہ دھلوی نے حدیث اور فقہ کے باہمی تعارض کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ سر سید نے احادیث کے بہت بڑے ذخیرہ کو رد کر دیا، جو ان کے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔ جس میں بعض اہم پیشگوئیوں میں پائی جاتی تھیں، اہل قرآن نے حدیث کی صحت سندی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت مرزا صاحب ہی تھے جنہوں نے احادیث کی تاریخی اہمیت کو مانتے ہوئے ایک ایسے معیار ــــ استقراء ــــ کو قائم کیا۔ جس کی مدد سے اس بیش قیمت ذخیرہ سے نظری اور عملی مسائل کے حل اور ان کی تفسیر و تشریح کے لئے احادیث کی قابل قدر تعداد مل سکتی تھی،

آپ نے انسانیت کی اصلاح و ارتقاء کے لئے جو بشارتیں دیں ان میں سے ایک اہم بشارت یہ تھی کہ کہ "ارادہ الٰہیہ ہے کہ دنیا کو ایک خاندان بنا دیا جائے"۔ قرآن حکیم نے انسانی معاشرہ کے ارتقاء کے تین منازل کی نشان دہی کی ہے، عدل، احسان اور ذوالقربیٰ۔ اس وقت تک انسانیت عدل کے مرحلہ کو عدل کے مرحلہ کو بھی مکمل طور پر طے نہیں کر سکی۔ چہ جائیکہ وہ ذوی القربیٰ کے عظیم الشان مرحلہ تک رسائی حاصل کرنے کی دعوے دار ہو سکے، جو اتحاد و وحدت انسانیت کی سب سے اونچی منزل اور مرحلہ ہے۔

مگر حضرت مرزا صاحب نے انسانیت کو اسے وقت میں یہ بشارت اور نوید جانفزا سنائی جب کہ وہ شدید قسم کی طبقاتی کشمکش میں مبتلا تھی اور ابھی تک ہے۔ خاندان کے لفظ کا فرانسیسی مترادف کمیون (Commune) ہے اور اسی لفظ سے کمیونزم کی اصطلاح وضع ہوئی ہے، جو ایک مخصوص فلسفہ حیات اور تصور کائنات کی حامل ہے جس کا مقصد دنیا کو ایک خاندان بنانا ہے۔ اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تمام نسلی، معاشی، تہذیبی اور رنگ و نسل، قومیت اور مذہبی گروہ بندیوں کی رکاوٹوں کو راستہ سے ہٹانا اور صاف کرنا ہے۔ معاشرہ کی ارتقائی حرکت بتدریج اس منزل کی طرف بڑھ رہی ہے۔ مگر مفاد پرست طبقوں کا شعور اس راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن رہا ہے، چاہے وہ کسی بھی مدرسہ فکر یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔

آپ اپنی عمر کے تیرھویں سال میں تھے جب عالمی کمیونسٹ تحریک کے عظیم بانی کارل مارکس اور ان کے ساتھی فریڈرک اینگلز نے ۱۸۴۸ء میں کمیونسٹ مینی فیسٹو شائع کیا، جس نے تمام سامراجی حکومتوں اور ہر ملک کے مترف طبقوں میں ایک ایک زلزلہ پیدا کر دیا، اور آپ کی وفات کے پورے ۹ برس بعد ۷ نومبر ۱۹۱۷ء کو روس میں اشتراکی انقلاب کامیاب ہو گیا۔ اور اس دن سے آج تک (۱۹۰۸ء) کرۂ ارض کی تمام اور خطوں میں سیلاب در سیلاب اشتراکی انقلاب کی امواج چلی آ رہی ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ "ہندوستان میں تمام مذاہب عالم پائے جاتے ہیں اور میں ان کے لئے حکم بن کر آیا ہوں"۔ قرآن حکیم بھی مذاہب عالم کی طرف اپنے رویہ کو "مھیمن" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ان الفاظ کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے آپ نے ایک ماہنامہ "ریویو آف ریلیجنز" کی اشاعت کا انتظام کیا۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب تمام مذاہب میں "مذہبی سچائی" کو تسلیم کرتے تھے جسے مرور وقت اور مفاد پرست طبقوں کی غلط روش کے باعث یہ مذاہب کھو چکے ہیں۔ قرآن حکیم اور خود حضرت مرزا صاحب کی دعوت کا مقصد اس سچائی کو واپس لانا اور ان مذاہب کو اس "سچائی" پر دوبارہ استوار کرنا تھا اور اسی سچائی کو اسلام، صراط مستقیم اور دین قیم جیسے مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس لئے "ریویو آف ریلیجنز" کے ذریعہ مذاہب پر تعمیری اور تخلیقی تنقید کا آغاز کیا گیا۔ اس تنقید کا لہجہ نہایت سنجیدہ اور علمی و استدلالی تھا، اس تنقید اور اس ماہنامہ کی اشاعت کا تاریخی حسن یہ تھا کہ مذاہب عالم میں سے اس کھوٹ کو الگ کر دیا جائے، جس کی ملاوٹ سے وہ حقیقت مطلقہ کی وحدت اور احدیت کے تصور سے محروم ہو گئے اور توحید کے تصور کو کھو دینے کے سبب، وحدت انسانیت، وحدت ادیان، اور وحدت حیات کے بلند نصب العینوں سے تہی دامن ہو چکے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب کے نزدیک اسلام سے مراد ایک ایسا معیار تھا۔ اور ایک ایسی سچائی تھی، جس میں اقوام کے جغرافیائی، تہذیبی، لسانی اور نظریاتی اختلافات کے حل جانے سے وہ مختلف مذاہب کی شکل میں پائی جاتی ہے، ان اختلافات کا ایک حصہ تو فطری تھا۔ جس سے مفر اور گریز ممکن نہیں، مگر ایک حصہ ان مذاہب کے مترف طبقوں اور مذہبی پیشوائیت نے اپنی ذاتی مفاد کو حاصل کرنے کے لئے گھڑا تھا اور جو توہمات، تعصب و تنگ نظری اور موقع پرستی پر مشتمل تھا، قادیان (بھارت) سے جاری ہونے والے اس عظیم ماہنامہ کا نشانہ اختلافات مذاہب کی پہلی قسم تھی، اسی کے متعلق حضرت مرزا صاحب نے فرمایا تھا کہ اگر "زوائد اختلافیہ کو مذاہب سے الگ کر دیا جائے تو جو کچھ باقی بچے گا وہ حقیقی اسلام ہوگا"۔ اسی تعمیری اور تخلیقی تنقید کا ہی اثر تھا کہ بعض اہل قلم کی ان تحریروں سے نمایاں ہوتا رہا جنہوں نے دین حق کی نہایت اعلیٰ خدمت انجام دی۔ (جاری ہے)

ہفت روزہ پیغام صلح خود مطالعہ کرنے کے بعد دیگر احباب تک پہنچائیں۔ (منیجر)

محترم چوہدری شکر اللہ خاں صاحب ایڈووکیٹ

ختمِ نبوّت اور غلام احمد پرویز

(بسلسلہ اشاعت گذشتہ)

مارکسیت کا ایجنٹ

اللہ تعالےٰ سے دین اسلام، اور کارل مارکس کے نظریہ "کیمونزم" یعنے اشتراکیت کا علم رکھنے والا جب پرویز صاحب کی تحریرات کا مطالعہ کریگا تو دو باتیں ان میں بار بار ابھر کر اس کے سامنے آتی رہیں گی۔

(۱) پرویز صاحب الفاظ بڑے خوبصورت اور جذباتی لکھتے ہیں مثلاً جذبات، ابتسال و تشکر - بدرگاہِ ربّ العزّت - نذرانۂ عقیدت - بحضور رسالتمآب سجدہ ہائے تشکر - قرآنی اور غیر قرآنی وغیرہ وغیرہ - لیکن

(۲) ان الفاظ کے پردہ میں جو اصل بات وہ ہمیں بتلاتے اور منواتے ہیں وہ ہوتی ہے کارل مارکس کی "مارکسیت" (اشتراکیت) ہر لحاظ سے اپنی کامل صورت میں۔

مارکسیت کا سب سے بڑا اور اہم اصول خدا کے وجود سے انکار ہے - کیونکہ جب خدا سے انکار ہو گیا تو خدا کی ذات سے متعلق تمام امور سے انکار ہو گیا - کارل مارکس نے خدا کا "سیدھا انکار" کیا ہے لیکن پرویز صاحب بات کو ذرا دلچسپ بنا کر "پیچدار انکار" کرتے ہیں - حاصل مطلب ہر دو کا بالکل ایک ہے۔

خدا کے متعلق پرویزی تصوّر

لکھتے ہیں :-

" اللہ تعالےٰ نے کائنات کو پیدا کیا تو اشیائے کائنات کی ربوبیت کا ذمہ بھی خود ہی لیا - ربوبیت کے معنی ہیں کسی شئے کی اس کے نقطۂ آغاز سے پرورش کرتے ہوئے اسے اس کے مقام تکمیل تک پہنچا دینا - ظاہر ہے کہ ارتقاء کا یہ راستہ طے کرنے کے لئے راہ نمائی کی ضرورت ہوگی -"

(ختم نبوت اور تحریک احمدیت صـ۳۲ـ)

حسب القول پرویز صاحب خدا کے دو کام ہیں :-

(۱) کائنات کی پیدائش

(۲) اشیائے کائنات کی راہ نمائی

پہلا کام پیدائش کا ظاہر ہے کہ پیدائش کے ساتھ ہی ختم ہو گیا - کیونکہ اس وقت سے پھر سلسلہ پیدائش خود بخود چلتا چلا آ رہا ہے خدا کو اس بارے میں کچھ کرنے کی ضرورت اور نہ وہ کچھ کرتا ہی ہے - دوسرے کام کے لئے پرویز صاحب کائنات کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں :-

(۱) غیر انسانی اشیاء

(۲) اور انسان

غیر انسانی اشیاء کی راہ نمائی کے متعلق وہ بتلاتے ہیں :-

" خالق کائنات نے یہ راہ نمائی اشیائے کائنات کے اندر رکھ دی - یہ راہ نمائی کائنات میں ہر شئے کے اندر از خود موجود ہوتی ہے اسے ان اشیاء کی فطرت (Nature) یا جبلت (Instinct) کہا جاتا ہے -"

(کتاب مذکور صـ۳۴ـ)

پھر لکھتے ہیں :-

" یہ راہ نمائی پیدائش کے ساتھ ان کے اندر موجود ہوتی ہے اور جب یہ راہ نمائی ان کے اندر موجود ہوتی ہے تو وہ اس کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہیں انہیں اس کی خلاف ورزی کا اختیار ہی نہیں ہوتا (صـ۳۶ـ)

یعنے کائنات کی غیر انسانی اشیاء پیدائش کے ساتھ ہی اپنے اندر موجود راہ نمائی کے مطابق اپنی زندگی مقامِ تکمیل تک طے کرتی چلی جاتی ہیں - خدا کو ان کے لئے مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ وہ کچھ کرتا ہی ہے - گویا کائنات کے اس حصے کا خدا کا کام بھی بقول پرویز صاحب ابتدائے آفرینش ہی سے ختم ہے - اس سے ظاہر ہے کہ خدا کا صرف ایک ہی کام باقی رہ جاتا ہے - پرویز صاحب لکھتے ہیں :-

" انسان کی کوئی فطرت نہیں ہوتی یہ جو ہمارے ہاں عام طور پر مشہور ہے کہ کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور خدا نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے یہ سب لاعلمی پر مبنی ہے - فطرت مجبوری ہوتی ہے جسے اختیار و ارادہ دیا گیا ہو اس کی کوئی فطرت نہیں ہوتی -" (کتاب مذکور صـ۳۵ـ)

چونکہ انسان کی کوئی فطرت نہیں اس لئے راہ نمائی اس کے اندر موجود نہیں ہوتی اور لکھتے ہیں پرویز صاحب کہ

" جب یہ راہ نمائی انسان کے اندر موجود نہیں .... اسے یہ راہ نمائی کس طرح حاصل ہوگی ؟ (صـ۳۷ـ)

" یہ بھی واضح رہے کہ انسانی علم و عقل بھی اس قسم کی راہ نمائی مہیا نہیں کر سکتے یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ راہ نمائی ملے کہاں سے ؟ یہ اسی خدا کی طرف سے ہی مل سکتی تھی جس نے یہ راہ نمائی دینے کا وعدہ کیا تھا -" (صـ۳۸ـ)

لیکن خدا نے انسان کو یہ راہ نمائی دی - لکھتے ہیں :-

" اس راہ نمائی کے لئے اس نے یہ طریق اختیار کیا کہ اس مقصد کے لئے ایک انسان کو منتخب کر لیا جاتا اسے یہ راہ نمائی دے دی جاتی اور اسے یہ کہہ دیا جاتا کہ اسے دوسرے انسانوں تک پہنچاؤ اور اس پر عمل کر کے بھی دکھاؤ - راہ نمائی دیئے جانے کے اس منفرد طریق کو وحی کہا جاتا ہے اور جس برگزیدہ انسان کی وساطت سے اسے دوسرے انسانوں تک پہنچایا جاتا ہے اسے نبی یا رسول اور اس ضابطۂ وحی کو خدا کی کتاب" (صـ۳۹ـ)

یہ نہیں بتایا پرویز صاحب نے کہ خدا نے انسان کی فطرت کیوں نہ بنائی یا اس سے بن نہ سکی وحی کی اس راہ نمائی نے کیا کام کیا اور کس طرح کیا ؟ لکھتے ہیں :-

" آسمانی راہ نمائی کا یہ سلسلہ اسی طرح بڑھتا رہا علم و عقل کی وسعتوں کے ساتھ وحی کی تفصیلات بڑھتی رہیں ذرائع رسل و رسائل کی ترقی کے ساتھ اس کے دائرۂ عمل و نفوذ پھیلتے چلے گئے تا آنکہ تاریخ اس دَور میں آ پہنچی جسے علامہ اقبال کے الفاظ میں دَورِ قدیم اور عہدِ جدید میں حدِّ فاصل سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنے اس دَور میں جب انسانیت اپنے زمانۂ طفولیت سے آگے بڑھ کر عہدِ شباب میں پہنچ رہی تھی" (صـ۴۲ـ)

انسان کو راہ نمائی دے کر اسے تکمیل تک پہنچانا خدا کا کام تھا - سو انسانیت جوان ہو کر عہد شباب میں آ پہنچی جہاں سے عہد انحطاط کا آغاز ہو جاتا تھا - اس لئے پرویز صاحب لکھتے ہیں :-

" جب ذہنِ انسانی اس طرح سنِّ رشد و شعور کو پہنچ گیا تو جس راہ نمائی کو وحی کے ذریعہ دیا جانا مقصود تھا اسے آخری مرتبہ نبی آخر الزمان حضور رسالتمآب کی وساطت سے انسان تک پہنچا دیا گیا - اس ضابطۂ وحی کا نام قرآن ہے -" (صـ۴۵ـ)

کائنات کی غیر انسانی اشیاء کی راہ نمائی "فطرت کی ودیعت" سے کی گئی - انسان کی راہ نمائی کے لئے وحی کا ذریعہ اختیار کیا گیا - یہ ذریعہ بھی آخری نبی کی وساطت سے آخری مرتبہ، آخری راہ نمائی، دیکر ختم کر دیا گیا - اور خدا اپنے ہر کام سے فارغ ہو گیا - بالفاظ دیگر پرویز صاحب ثابت کرتے ہیں کہ :-

کائنات میں خدا کا اب کوئی کام نہیں اور نہ ہی اس سلسلہ میں اب وہ کوئی کام کرتا ہے - دو ہی اس کے کام تھے پیدا کرنا اور راہ نمائی دینا سو دونوں سر انجام پا چکے کائنات میں اس کے کسی دخل کی بھی اب ضرورت نہیں اس لئے وہ اب کہیں دخل انداز بھی نہیں ہوتا - لہذا چودہ سو سال سے اب وہ بالکل بے کار اور بے اختیار پڑا ہے - وحی، جس کے ذریعہ انسان کو راہ نمائی دینا اختیار کیا تھا - اس کے

متعلق لکھتے ہیں :—

(۱) قرآنی اصطلاح کی رُو سے وحی کے معنے ہیں خدا کی طرف سے براہِ راست ملنے والا علم .... یہ وحی حضرات انبیاء کرام کی طرف آتی تھی دوسرے انسانوں کی طرف نہیں آتی تھی" (کتاب مذکور ص۵۵)

(۲) وحی کے معنے ہیں خدا سے براہِ راست علم حاصل ہونا" (ص۴۷)

(۳) خدا سے براہِ راست علم حاصل ہونے کے لئے قرآن کریم میں وحی کی اصطلاح آتی ہے .... وحی حضرات انبیاء کرام تک محدود تھی اور حضور نبی اکرم کی ذات پر ختم ہوگئی" (ملخص ۵۹-۶۰)

(۴) یہ ہے وہ علم جو آخری مرتبہ حضور نبی اکرم کو دیا گیا اور جو اب قرآن کے اندر محفوظ ہے۔ آپ کے بعد یہ علم کسی کو نہیں مل سکتا۔ خدا نے اس طریق علم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اسے ختمِ نبوت کہا جاتا ہے۔ یعنے سلسلۂ وحی کا اختتام" (ص۵۸)

یعنے انسان اور خدا کے درمیان رابطہ صرف وحی کا تھا۔ جس کے ذریعہ وہ انسانوں کو راہنمائی دیتا اور انہیں اپنے وجود کا پتہ دیتا تھا مگر یہ رابطہ بھی ختم نبوت پر ختم ہوگیا وہ نہ کسی کی سنتا ہے نہ کسی سے بولتا ہے بلکہ ختم نبوت کے وقت سے یعنے چودہ سو سال سے

بالکل چُپ ہے

یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس وقت زندہ موجود ہے بھی یا نہ ... ہو سکتا ہے کہ ختم نبوت کے ساتھ وہ بھی ختم ہوگیا ہو۔ یہ ہے خدا کے متعلق ...

گویا پرویز صاحب کے نزدیک خدا کی پوزیشن یہ ہے کہ چودہ صدیوں سے

(ا) بالکل بے کار بے اختیار ہے ایسا کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

(ب) بالکل چپ بے زبان ہے ایسا کہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس وقت کہیں ہے یا ہے ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کہیں ختم ہی ہوگیا ہو۔

سوال نمبر (۸)

پس ہم پوچھتے ہیں پرویز صاحب سے کہ ان کا یہ تصورِ خدا کیا کارل مارکس کی بھرپور تائید اور خدا کا پیحدار انکار نہیں؟ ان کے اس نظریہ سے بالبداہت ثابت ہوتا ہے کہ جناب غلام احمد پرویز صاحب مارکسیت (کمیونزم) کے وہ پختہ کار ایجنٹ ہیں جو کارل مارکس کے شاگردوں نے اسلام کے گڑھ پاکستان میں اس غرض سے برپا کئے ہیں کہ اہلِ اسلام کو

۱۔ "الدین" اور "مذہب" میں اختلاف

۲۔ "قرآنی" اور غیر قرآنی اصطلاحات

۳۔ "ربّ العزّت" اور حضور رسالتمآب کے الفاظ

کے چکر میں ڈال کر

۱۔ انسان اور خدا کے باہمی رابطہ سے انکار کرا کے

۲۔ احادیث رسول اللہ کو مخدوش ساقط الاعتبار بنا کے

۳۔ تاریخ اسلام کے تمام سابقہ ریکارڈ کو باطل ٹھہرا کے

دینِ اللہ "اسلام" کو اس کی بنیادوں سے اکھاڑنا شروع کریں اور مسلمانوں کے "ایمان باللہ" کا خاتمہ کر دینے کے لئے ان سے یہ منوادیں کہ وہ جس ہستی کو خدا کہتے ہیں اور مانتے ہیں وہ ایک

بے کار ۔ بے اختیار ۔ بے زبان

مردہ وجود یا واہمہ ہے جس کا اس کائنات میں کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ مبلغین مارکسیت خوب جانتے ہیں کہ جب تک یہ نہ ہوگا۔ مسلمانوں میں مارکسیت کے لئے میدان صاف نہ ہوگا اور مسلمان اپنے اسلامی تصورِ خدا کے ہوتے ہوئے مارکسیت کی طرف ہرگز متوجہ نہ ہونگے پرویز صاحب بے شک بقول خود خدا سے اب آزاد ہو چکے ہوں گے اور صاحب ارادہ و اختیار بھی۔ مگر یاد رکھیں جیسا کہ وہ اپنی زندگی کے بچپن سے لے کر اب تک تمام لمحے وقف رکھنے کیا وجود اپنے اس مشن میں خائب و خاسر رہے ہیں اسی طرح آئندہ بھی

اہلِ اسلام ان کے اس پیچ میں نہ آسکیں گے۔ وہ ان کی مادیت پرستانہ عقلیت کی سب باتیں سن کر قبولیت سے قبل لاکھوں بار سوچیں گے کہ بھلا

ایسا خدا بھی کوئی خدا ہوتا ہے ؟

کیونکہ جو وجود

۱۔ کسی کو کوئی نفع نہ دے سکے

۲۔ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے

۳۔ کسی کی کوئی اعانت نہ کر

۴۔ کسی کی کوئی مخالفت نہ کر سکے

۵۔ کسی کی کوئی بات نہ سن سکے

۶۔ کسی سے کوئی کلام نہ کر سکے

وہ نمرودی بتانِ آذر میں سے کوئی بُت ہو سکتا ہے جن کو حضرت ابراھیم خلیل اللہ نے توڑا یا مشرکینِ مکہ کے بتوں لات و منات و ہُبل میں سے کوئی بُتِ سنگ ہو سکتا ہے جن کو نبیٔ آخر زمانؐ نے چکنا چُور کیا۔ مگر یہ وجود قرآن نازل کرنے والا خدا نہیں ہو سکتا جسے مسلمان مانتے ہیں۔

سوال نمبر (۹)

پرویز صاحب بتلائیں کہ ایسے وجود کو کوئی خدا کیوں مانے ؟ جو انسانوں سے بھی گیا گذرا ہے ؟ قرآن کا خدا وہ خدا ہے جس کا تھوڑا سا ذکر مامور ربانی حضرت مرزا غلام احمدؒ کی زبانی سُن کر قلوب مطمئن اور ایمان تازہ ہو جاتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں :—

"میں پھر ہر ایک طالب حق کو یاد دلاتا ہوں کہ وہ دینِ حق کے نشان اور اسلام کی سچائی کے آسمانی گواہ جس سے ہمارے نابینا علماء بے خبر ہیں وہ مجھ کو عطا کئے گئے ہیں۔ مجھے بھیجا گیا ہے تا میں ثابت کروں کہ ایک اسلام ہی ہے جو زندہ مذہب ہے۔ اور وہ کرامات مجھے عطا کئے گئے ہیں جن کے مقابلہ سے تمام غیر مذاہب والے اور ہمارے اندرونی اندھے مخالف بھی عاجز ہیں۔ میں ہر ایک مخالف کو دکھلا سکتا ہوں کہ قرآن شریف اپنی تعلیموں اور اپنے علوم حکمیہ اور اپنے معارفِ دقیقہ اور بلاغت کاملہ کی رُو سے معجزہ ہے موسیٰ کے معجزہ سے بڑھ کر اور عیسےٰ کے معجزات سے صدہا درجہ زیادہ۔

مَیں بار بار کہتا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں کہ قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت رکھنا اور سچی تابعداری اختیار کرنا انسان کو صاحب کرامات بنا دیتا ہے اور اسی کامل انسان پر علومِ غیبیہ کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دنیا میں کسی مذہب والا روحانی برکات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میں اس میں صاحب تجربہ ہوں میں دیکھ رہا ہوں کہ بجز

اسلام تمام مذاہب مُردے ان کے خُدا مردے

اور خود وہ تمام پیرو مردے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے ساتھ زندہ تعلق ہو جانا بجز

اسلام قبول کرنے کے

ہرگز ممکن نہیں ۔ ہرگز ممکن نہیں !

اے نادانو! تمہیں مُردہ پرستی میں کیا مزہ ہے اور مردار کھانے میں کیا لذت؟ آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ زندہ خدا کہاں ہے اور کس قوم کے ساتھ ہے وہ اسلام کے ساتھ ہے۔ اسلام اس وقت موسیٰ کا طور ہے۔ جہاں خدا بول رہا ہے وہ خدا جو نبیوں کے ساتھ کلام کرتا تھا پھر چُپ ہوگیا آج وہ ایک مسلمان کے دل میں کلام کر رہا ہے کیا تم میں سے کسی کو شوق نہیں کہ اس بات کو پرکھے اگر حق کو پاوے تو قبول کر لیوے۔ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے ؟

کیا ایک مُردہ کفن میں لپیٹا ہوا ؟

پھر کیا ہے ؟ ایک مشت خاک ؟ کیا یہ مُردہ خدا ہو سکتا ہے ؟ کیا یہ تمہیں کچھ جواب دے سکتا ہے ؟ ذرہ آؤ! ہاں لعنت ہے تم پر اگر نہ آؤ اور سڑے گلے مردہ کا میرے زندہ خدا کے ساتھ مقابلہ نہ کرو۔" (انجام آتھم ضمیمہ صفحہ ۲۲۱-۲۲۲)

یہ ہے مسلمانوں کا قرآن نازل کرنیوالا خدا۔ اس کے بالمقابل غلام احمد پرویز کی خشک مادیت کیا حقیقت رکھتی ہے اور ان کا بے جان پتھر کے بتوں ایسا خدا کا تصور کیا چیز ہے۔ (جاری ہے)

محترم [illegible] صاحب ایم ایس سی

اسلام یا کوئی اور ازم

(۱۰)

تقسیم دولت } کسی معاشرہ میں سب سے مشکل مسئلہ جو پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے اور دنیا کے لئے باعث فتنہ و فساد ہے دولت کی تقسیم اور معاشی ناہمواری کو ختم کرنا ہے نہ سرمایہ دارانہ نظام میں دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ اور کمیونزم نجی ملکیت سے محروم کرکے جذبۂ ملکیت کو ختم کر دیتا ہے [illegible] کے نتیجہ میں ترقی کے محرکات دم توڑ دیتے ہیں۔ انسان محض ایک مشین بن کر رہ جاتا ہے۔ تمام اعلےٰ اور ارفع جذبات اور احساسات جو انسانوں کے باہمی تعلقات میں سیمنٹ کا کام دیتے ہیں اور اس وجہ سے باعث شرفِ انسانیت ہیں آہستہ آہستہ مر جاتے ہیں۔ ہر انسان صرف روٹی، کپڑا، اور مکان کی قیود میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ ممکن ہے ایسا معاشرہ مادی لحاظ سے ترقی یافتہ اور خوشحال ہو لیکن اس کی زندگی کا وہ پہلو جسے روحانی پہلو کہا جاتا ہے تشنہ رہ جاتا ہے۔

اس کے مقابلے میں اسلام نے دولت کی تقسیم کا ایک ایسا متوازن۔ مبنی بر انصاف اور افراط و تفریط سے پاک نظام پیش کیا ہے جس میں نجی ملکیت کی اجازت ہے (حکم نہیں) ترقی کے لئے incentive موجود ہے۔ اور انسانی فطرت میں موجود تمام اعلیٰ اخلاقی اور روحانی اقدار کی نشو و نما میں مدد دیتا ہے۔

ہر فرد معاشرہ کو نہ صرف مادی بلکہ روحانی ترقی کے لئے مساوی مواقع فراہم کرتا ہے جائز ذرائع سے مال کمانے کی تاکید اور ناجائز وسائل کے استعمال سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے بلکہ انہیں جرم میں شمار کرکے ان کے لئے سزائیں تجویز کرتا ہے۔ سب سے بڑی سزا تعالیٰ کا عتاب اور ناراضگی بتاتا ہے۔ مال کی محبت دل سے نکال کر اس کی جگہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی محبت کو جاگزیں کرنے کی تلقین کرتا ہے اور (۳) کے نتائج حسنہ کی خوش خبری سناتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کی صورت میں اسے ملتے ہیں

یہ ایک حقیقت مسلّمہ ہے کہ اگر جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق خرچ کی جائے تو سوسائٹی میں استحصال اور ناہمواری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے معاشرہ، قوم اور ملک کی زندگی طمانیت اور سکون کی زندگی بن جاتی ہے اس پر ایک بار تجربہ ہو چکا ہے اور اگر دوسرے ازموں کو چھوڑ کر اسی پر ایک بار پھر تجربہ کر لیا جائے تو دنیا میں امن و سکون پیدا ہو جائے۔ ساری رقابتیں ختم ہو جائیں اور نسل انسانی آنے والی تباہی اور بربادی سے بچ جائے جو کمیونزم اور سرمایہ داری کے تصادم سے کسی وقت بھی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔

اِنْفَاقِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ } قرآن کریم میں مال و دولت خرچ کرنے کے جتنے بھی طریقے مذکور ہیں ان سب کو اِنْفَاقِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے خود وہ راہیں بھی بتا دی ہیں جن میں خرچ کرنے کا حکم ہے اور ساتھ ہی خرچ کرنے کے فوائد بھی بتا دیئے ہیں۔ اس تقسیم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک انفاق فی سبیل اللہ اور دوسرا تقسیم وراثت۔

جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں قرآن کریم میں تقریباً ۱۰۷ آیات ایسی ہیں جن میں اِنْفَاقِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ کا ذکر ہے اور ۱۰۱ آیات ایسی ہیں جن میں صریحًا یا اشارةً دولت کمانے کا ذکر ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دونوں مدوں میں کس طرح ایک توازن برقرار رکھا گیا ہے۔ لیکن کمانے کی نسبت خرچ پہ زیادہ زور دیا گیا ہے۔

سورۃ البقرہ کی تیسری ہی آیت میں یہ ذکر موجود ہے کہ جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ جگہ جگہ جہاں نماز قائم کرنے کا حکم ہے وہاں ساتھ ہی زکوٰۃ دینے کا بھی ذکر ہے وہاں مال کا ذکر پہلے ہے اور جان کا بعد میں۔ کیونکہ انسان کو مال سے بہت پیار ہوتا ہے اور اس کی خاطر وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے۔ انسان کی مال کی اسی کمزوری کے پیش نظر رغبت اور محبت کا ذکر قرآن شریف میں بہت جگہ آیا ہے۔ سورۃ الفجر کی آیت ۲۰ میں ہے "اور مال سے بے حد پیار کرتے ہو"۔ اسی طرح سورۃ العدیت میں ارشاد ہوا ہے "اور وہ یقیناً مال کی محبت میں بڑا سخت ہے"۔ جس چیز سے اپنی جان سے بھی بڑھ کر پیار ہو اسے خرچ کرنے کے لئے ترغیب دے کر اس حد تک جذبۂ ایثار و قربانی پیدا کر دینا کہ وہ سب کچھ ہی اللہ کی رضا اور رسول کی خوشنودی کے لئے لٹا دے صرف اسلام ہی کا خاصہ ہے۔ تاریخی واقعات اس پر شاہد ہیں۔

"اللہ نے مومنوں سے ان کے اموال اور جانیں خرید لی ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے" جس میں بہتی ہوئی نہریں اور قسم قسم کے پھل اور میوے اور حور و غلمان ہی سمجھ لے لیکن ایک مومن کے لئے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ان کی جنت اس کے خالق و مولے اور اس کے رسول کی رضا ہے۔ یہ نکتہ صرف اہل معرفت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ہم جیسے دنیا دار جن کا اس کوچے سے کبھی بھول کر بھی گذر نہیں ہوا اس سرور اور لذت کو کیا جانیں۔ کیا آنحضرت کے ساتھیوں نے یونہی اپنے مال دے دیئے اور گردنیں کٹوا دیں؟ ہرگز نہیں۔ ان کی چشم بصیرت نے وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا جو دنیا کی نظروں سے اوجھل تھا۔ اس لذت سے آشنا ہونے کے بعد انہیں جو حکم بھی ملا بلا چوں و چرا سر تسلیم خم کر دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افراد کے کام اور اس سے حاصل شدہ آمدنی کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ کاشتکار زمین سے غلہ پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے مویشی اس کی دولت کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ تاجر کے پاس تجارت کا سامان، سونا۔ چاندی۔ نقد روپیہ وغیرہ ہوتا ہے۔ اور اسی طرح صنعتکار کے پاس اس کی مصنوعات اور ان سے حاصل شدہ روپیہ اور سونا چاندی وغیرہ

ان میں سے کیا خرچ کرے اور کیسے خرچ کرے۔ اس سوال کا جواب بھی ہمیں قرآن کریم سے ہی مل جاتا ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۹ میں ہے اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ کہہ جو کچھ حاجت سے بڑھ رہے" اب ایک کنبے یا خاندان کی ضروریات یا حاجات کا تعین اس کے سربراہ کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں آنحضرت کی اپنی حیات طیبہ اور آپ کے بعد خلفاءِ راشدین کی زندگی ہمارے سامنے ہے اور قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ تمہارے لئے رسول یقیناً بہترین نمونہ اور مثال ہے اور رسول کریم فرماتے ہیں میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے" یہ لوگ با اختیار اور صاحب اقتدار تھے۔ اس کا مفصل ذکر بیان ممکن نہیں۔ تاریخ اسلام سے معمولی واقفیت رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ رسول کریمؐ کی زندگی کیسی تھی اور آپ کے ساتھیوں کی کیسی۔

آپؐ نے اپنی ضروریات کو کہاں تک محدود کر رکھا تھا اس کا ذکر کچھ اس طرح ہے کہ جو جھونپڑا شروع میں تھا وہی آخر تک رہا۔ چٹائی توشک کا کام دیتی اور معلوم نہیں رضائی کبھی نصیب بھی ہوئی یا نہ۔ لباس نہایت سادہ اور صاف ستھرا کھانے کو ستو مل گئے تو کھا لئے۔ جو کی روٹی میسر آئی تو بسم اللہ۔ ایک دو کھجوریں مل گئیں تو وہی کافی ہیں اور اگر کچھ نہ ملا تو الحمد للہ

فراخی کے زمانہ میں شہنشاہ عرب سے اُمہات المومنینؓ کچھ مراعات کا مطالبہ کرتی ہیں آپؐ کو ناگوار گذرتا ہے اور پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آتا ہے کہ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر انہیں دنیا کا مال و دولت اور آسائشیں مرغوب ہیں تو ہم دے دیں گے مگر ان کو اپنے گھر سے رخصت کر دو اور اگر اللہ اور اس کا رسول چاہیئے تو وہ کافی ہیں۔ جب ان کے سامنے یہ بات پیش کی جاتی ہے تو سب یہی فرماتی ہیں کہ ہمیں اللہ اور اس کا رسول چاہیئے۔ کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے۔ آج خلفاء راشدین کا زمانہ واپس لانے کے دعویدار اور مساواتِ محمدی کے مدعی ذرا اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ انہیں ایسا کہنے کی جرأت ہے۔ یہاں تو جو سربراہ حکومت بن جاتا ہے اس کا ذاتی خرچ روزانہ ہزاروں تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ دوسروں کے سامنے کیا نمونہ پیش کر سکتا ہے۔

لوگ کہہ سکتے ہیں کہ وہ پرانا زمانہ تھا۔ جدید دور میں یہ ممکن نہیں۔ حکام سے [illegible] تہذیب اور ترقی یافتہ ممالک کے سربراہ۔ سفراء۔ وزراء وغیرہ ملنے آتے ہیں۔ ان کے

معیار کے مطابق رہنا ہی ایک مہذب ملک کی نشانی ہے لیکن کیا عرب کے قرب و جوار کے عظیم ممالک کے سفراء، وزراء اور بڑے بڑے لوگ آپ کے پاس حاضر نہیں ہوتے تھے یا آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے دربار میں نہیں آتے تھے۔ ان میں یہ احساس کمتری کیوں نہ پیدا ہوا کہ یہ مہذب لوگ واپس جاکر ہمارے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ بات یہ تھی کہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی عظمت سے بڑھ کر کسی کی عظمت نہ تھی اور یہاں خدا کے سوا دوسرے معبود دلوں میں گھر کئے ہوئے ہیں۔

غریب اور اوسط طبقہ کو تو جانے دیجئے۔ گنتی بتائے گی کیا اور نچوڑے گی کیا، آج کل کے معیار زندگی کے مطابق ایک امیر گھرانے کے خرچ کا ہی اندازہ کریں۔ اگر اس کنبہ کے ۱۰ افراد ہوں تو -/5000 ماہوار کے حساب سے سالانہ -/60000 خرچ آئے گا اگر بینک بیلنس کروڑوں اور اربوں تک پہنچتا ہو تو یہ خرچ نکال کر باقی "العفو" میں آئیگا۔ اگر ایسے آدمی کے دل میں بحیثیت مسلمان ذرا بھی خدا کا خوف ہو اور اس کے احکام کا احترام ہو تو ابھی یہ زائد رقم اسے قومی خزانہ میں جمع کر دینی چاہیئے اور اگر ایسا ہو جائے تو دولت امیروں کے ہاتھوں سے نکل کر خود بخود غریبوں کے پاس چلی جائے گی۔ کیونکہ جب اس روپیہ سے ملک میں فلاح و بہبود کے منصوبے تکمیل پائیں گے تو معاشرہ کے ہر فرد کو اس کا فائدہ پہنچے گا۔

"العفو" میں وہ تمام دولت آجاتی ہے جو اپنے ضروری اخراجات کے بعد بچ رہتی ہے اور جمع ہوتی رہتی ہے خواہ وہ غلہ کی صورت میں ہو، مال مویشی کی صورت میں، نقدی یا سونا چاندی کی صورت میں۔ جہاں تک زرعی آمدنی کا تعلق ہے۔ ضروریات کے بعد فروخت کرنے سے وہ نقد روپیہ یا سونا چاندی کی شکل میں جمع ہو جاتی ہے۔

اس دولت کو خرچ کرنے کے لئے اسلام نے دو طریقے تجویز کئے ہیں ایک زکوٰۃ جسے آپ Compulsory Tax یا STATE DUTY کہہ سکتے ہیں اور دوسرا غیر لازمی ٹیکس جسے انسان اپنی خوشی سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے دیتا ہے اسے قرآن کریم نے احسان اور صدقہ کا نام دیا ہے۔

زکوٰۃ — راغب کہتے ہیں کہ زکوٰۃ وہ دولت ہے جو امیروں سے لے کر غریبوں کو دی جائے۔ اسے زکوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ دولت کا خرچ کرنا تزکیہ نفس کا ایک اعلےٰ ذریعہ ہے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ وہ دولت ہے جو امیروں سے لے کر غریبوں کو لوٹائی جاتی ہے۔ احادیث میں زکوٰۃ کے لئے لفظ صدقہ بھی استعمال ہوا ہے۔

زکوٰۃ سونا یا چاندی کے مقررہ وزن پر جو زیورات کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں۔ نقدی۔ تجارتی سامان۔ مال مویشی اور زمین کی پیداوار پر لازمی ہے۔ زمین کی پیداوار کو خواہ غلہ کی شکل میں ہو یا پھلوں کی شکل میں زمین کا مالیہ کہا جاتا ہے۔ اس کا $\frac{1}{10}$ حصہ بارش۔ چشموں یا گڑھوں کے پانی سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار سے اور $\frac{1}{20}$ حصہ کنوئیں کے پانی سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار سے ادا کرنا لازمی ہے خواہ وہ باغات کی یا زرعی پیداوار ہو۔

زکوٰۃ اس مال و دولت پر لازمی ہے جو کسی کے قبضہ میں ایک سال تک رہا ہو مختلف اشیاء کی مقدار جن پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے مختلف ہے۔ مثلاً سونا $7\frac{1}{2}$ تولے۔ چاندی $52\frac{1}{2}$۔ خواہ یہ ڈلی کی صورت میں ہوں۔ سکہ کی صورت میں یا زیورات کی صورت میں۔ تجارتی سامان کی قیمت سکہ رائج الوقت میں معلوم کرنا ہوگی۔ مویشیوں کے لئے زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے:۔ اونٹ ۵۔ بیل یا گائے یا ملے جلے ۳۰۔ بکریاں ۴۰ بھینسوں اور گدھوں گھوڑوں کا نصاب ان کی قیمتوں کے مطابق مقرر کیا جا سکتا ہے غلہ کے لئے نصاب ایک معیار کے مطابق تقریباً ۱ ٹن اور دوسرے کے مطابق ۱۹ من ہے۔

شرح زکوٰۃ — چونکہ تمام اشیاء کی قیمت سکہ رائج الوقت میں معلوم کی جا سکتی ہے اگرچہ احادیث میں مال مویشی کے لئے شرح کی تفصیل دی ہوئی ہے لیکن آسان طریقہ یہی ہے کہ ان سب کی قیمت کے حساب سے معلوم کر لی جائے اور پھر اس پر زکوٰۃ کا حساب لگایا جائے۔

اگر زکوٰۃ احکام قرآنی کے مطابق ہر سال ادا کی جائے تو ایک شخص کے پاس جتنی بھی جمع شدہ دولت ہوگی وہ ۴۰ سال کے اندر اندر Circulation میں آ جائے گی۔ اگر اس کے پاس کچھ باقی بچی بھی تو اتنی نہیں ہوگی کہ وہ لاکھوں میں کھیلے اور دوسروں کو پیٹ بھر کر روٹی بھی میسر نہ ہو۔ اگر ایک شخص کے پاس نقدی۔ تجارتی سامان۔ زیورات۔ غلہ اور مال مویشی کی صورت میں ایک کروڑ کی مالیت ہو۔ ایک سال تک اس میں کمی بیشی نہ ہو تو اسے ایک سال کے بعد اڑھائی لاکھ روپے زکوٰۃ دینا ہوگی اور دوسرے سال کے آخر میں 243750 - اس طرح کم ہوتے ہوتے اس کی ساری جمع شدہ دولت ۴۰ سال کے بعد ختم ہو جائے گی۔ اگر وہ اس میں اضافہ کرتا رہے گا تو ساتھ ساتھ زکوٰۃ بھی بڑھتی جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قومی دولت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ جو ملک و قوم کی فلاح و بہبود پر خرچ ہوگی۔ اس طرح اگر افراد کی دولت میں کچھ ناہمواری رہی بھی تو وہ اتنی معمولی ہوگی کہ ناقابلِ توجہ ہوگی۔

صدقہ اور احسان — کمیونزم کے مداحوں کی زبان سے اکثر یہ سُنا گیا ہے کہ اسلام میں خیرات کی انسانیت کی تذلیل اور تحقیر کا باعث ہے اس میں دینے والا اپنے آپ کو لینے والے سے برتر سمجھتا ہے اور اس طرح لینے والے کی تذلیل ہوتی ہے۔ ایسا قرآن کریم اور احادیث کی زبان سے عدم واقفیت کی وجہ سے ہے۔ صدقہ اور احسان کے لئے انگریزی زبان میں لفظ Charity استعمال ہوتا ہے جس سے خیرات کا مفہوم لے لیا جاتا ہے صدقہ، صدق سے ہے جس کا مطلب ہے "سچ" اور اس سے مفہوم ہے فلاح کا کام۔ ایسا نام جس کے لئے دوسرے سے کسی معاوضہ یا بدلہ کی توقع نہ ہو اور وہ محض انسانیت کی بھلائی اور خدا کی خوشنودی کے لئے کیا جائے۔ اور احسان کے معنی آنحضرت صلعم کی زبان سے یوں ارشاد ہوئے ہیں کہ جب تو نماز پڑھ رہا ہو تو ایسا محسوس کرے جیسے تو خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اس سے کم تر درجہ یہ ہے کہ خدا تجھے دیکھ رہا ہے۔ اُردو میں جن معنوں میں لفظ احسان استعمال ہوتا ہے عربی میں ان معنوں سے وسیع تر معنوں میں آتا ہے۔ رسول کریم فرماتے ہیں کہ "میری نماز۔ میری عبادات۔ میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے"۔ اس لئے جب جستجو محض اللہ کی رضا اور خوشنودی کی ہو تو انسان کا ہر کام اسی کی خاطر ہو جاتا ہے اور اپنا نفس درمیان سے نکل جاتا ہے۔ اور جب اپنا نفس درمیان سے نکل جائے تو یہ خیال از خود باطل ہو جاتا ہے کہ صدقہ و خیرات وغیرہ انسانیت کی تذلیل کا باعث ہیں۔ اور یہ انسانوں کو نکما۔ نکھٹو اور طفیلی بنانے کے ذرائع ہیں۔

صدقہ اور احسان کا مطلب کسی کو چند پیسے دے دینے یا کھانا کھلانا ہی نہیں۔ بہت سی احادیث اس پر روشنی ڈالتی ہیں۔ مثلاً کسی مضر چیز کا راستہ سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے جسم کے ہر عضو پر صدقہ ہے یعنی اسے لوگوں کی بھلائی کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔ لوگوں کے درمیان انصاف کرنا بھی صدقہ ہے۔ کسی کو سواری پر سوار ہونے میں مدد دینا بھی صدقہ ہے۔ کسی کو بوجھ لادنے میں مدد دینا بھی صدقہ ہے۔ کسی کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا بھی صدقہ ہے۔ نصیحت کرنا۔ برائی سے منع کرنا بھی صدقہ ہے۔ اور دوسروں کو سلام کرنا بھی صدقہ ہے۔ دیکھیں موسےٰ علیہ السلام مدین کے گھاٹ پر حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلانے کے بعد درخت کے سائے میں بیٹھ کر بھلائی کے اس کام کے میسّر آنے پر شکر سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ لے میرے ربّ میں یقیناً اس کی بھلائی کے کام کے لئے جو تو میری طرف اتارے میں محتاج ہوں۔

جہاں تک کھلانے پلانے کا تعلق ہے اس کا ذکر بھی قرآن شریف میں موجود ہے۔ اور احادیث میں بھی۔ احادیث میں یوں ہے کہ جو تم اپنے آپ کو اپنی بیوی، اپنے بچوں اور اپنے ملازموں کو کھلاتے ہو وہ صدقہ ہے۔ جانوروں پر رحم کرنا بھی صدقہ ہے۔ جو شخص زمین میں ہل چلاتا ہے۔ اس سے فصل تیار ہوتی ہے اور اس میں سے پرندے اور جانور کھاتے ہیں وہ بھی صدقہ ہے۔ (جاری ہے)

(دنیا میں وہی لوگ پھلتے پھولتے ہیں جو انسانوں کے لئے بھلائی کے کام کرتے ہیں (قرآن)

قول کی صداقت معلوم ہو جاتی - آپ ذرا آج کل ہی، سعودی عرب، ترکی یا کسی اسلامی ملک میں جاکر اپنے عقاید کی تبلیغ کیجئے - اگر آپ صحیح سلامت واپس لوٹ آئے تو ہم آپ کے استدلال کو غور کے قابل سمجھیں گے -

قارئین پر واضح ہو چکا ہوگا کہ جناب پرویز نے حضرت صاحب کی تحریر اور مفہوم کو بگاڑ کر پیش کیا - اسلام رواداری اور آزادی عقیدہ کا حامی ہے - اس میں جہاد کا لفظ وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے - یعنی اللہ تعالےٰ کے دین کو پھیلانے کے لئے جد و جہد کرنا اور اس میں جسمانی اور مالی قربانی کا حکم ہے - قتال کا حکم صرف آزادی عقیدہ اور مدافعت کے لئے ہے - لوگوں کو جبراً مسلمان بنانا کوئی جہاد نہیں - اور اسی "جہاد" کو حضرت مرزا صاحب نے اپنے مشن سے خارج قرار دیا - دلائل و براہین سے غلبۂ اسلام کے لئے مسلمانوں کو اپنی طرف بلایا - اور یہی مسیحؑ اور مہدیؑ کا مشن قرار دیا - اور مولوی کے تصور مہدی، مسیح اور جہاد کو غیر اسلامی قرار دے کر اس سے روکا - آپ کے زمانے میں تمام مسلمان اکابر اور گروہوں نے انگریزی حکومت سے وفاداری پر زور دیا - اس لئے وفاداری میں آپ منفرد نہ تھے - آپ محض مسیح اور مہدی کے دعوے کی وجہ سے صفائی پیش کرتے رہے کہ مولویوں کے عقیدہ کے برعکس میرے مشن میں قتال شامل نہیں - یہی میرے مریدوں کا مسلک ہے - اور میری طرف قتال اور بغاوت منسوب کرنے والے دروغ گو ہیں - یہی مفہوم آپ کی جماعت نے سمجھا - ورنہ ملک و قوم کی آزادی کی خاطر جنگ سے آپ کے کسی نام لیوا نے پہلو تہی نہیں کی - ہزاروں احمدی نوجوان نیوی، ایر فورس اور بری فوج میں جاں بکف ہیں - ان میں سے ہزاروں دشمن کے مقابل دادِ شجاعت دے چکے ہیں - ہزاروں نے جامِ شہادت نوش کیا - ان حالات میں حضرت مرزا صاحب کو ناسخ جہاد قرار دینا کہاں کی دیانت اور صداقت ہے ؟

صدر صاحب شبان الاحمدیہ کا دورہ بدوملھی

شبان الاحمدیہ مرکزیہ کا ایک وفد جو صدر اور سیکرٹری نشر و اشاعت پر مشتمل تھا - تنظیم شبان الاحمدیہ کے سلسلہ میں مورخہ ۲۲/۲/۷۵ بروز اتوار بدوملھی پہنچا -

بعد از نماز عصر مسجد احمدیہ بدوملھی میں چوہدری عبدالغنی صاحب باجوہ کی صدارت میں ایک اجلاس منعقد ہوا - تلاوت کلام پاک کے بعد ملفوظات حضرت مسیح موعود پڑھ کر سنائے گئے -

صدر صاحب شبان الاحمدیہ جناب چوہدری ممتاز احمد صاحب نے ایک تعارفی تقریر کی جس میں مرکزی شبان الاحمدیہ کی مساعی کو سراہا - انہوں نے اپنی تقریر میں مرکزی نمائندگان کو یقین دلایا کہ ہم مرکز کے ساتھ جماعتی ترقی اور تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ہر طرح تعاون کریں گے -

اجلاس سے خاکسار نے خطاب کرتے ہوئے احباب جماعت کو عموماً اور نوجوانوں کو خصوصاً جماعتی ترقی اور اشاعت اسلام کے کام میں دلچسپی لینے پر زور دیا اس کے بعد جلسہ سے صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ جناب شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب نے خطاب فرمایا اور احباب کو شبان الاحمدیہ کے آئندہ پروگرام سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ ہم ان مقاصد میں آپ کے تعاون سے ہی کامیاب ہو سکتے ہیں - چنانچہ آپ زیادہ سے زیادہ اس تنظیم میں شمولیت اختیار کریں اور اسے مضبوط بنائیں

سیکرٹری صاحب شبان الاحمدیہ بدوملھی جناب چوہدری اللہ بخش صاحب نے اپنی تقریر میں اس امر کا اظہار کیا کہ شبان کے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہر فرد کا تعاون حاصل کیا جائے گا - انہوں نے یہ یقین دلایا کہ وہ نوجوانوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کے لئے محبت اور آپ کی تعلیمات پھیلانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے

آخر میں صاحب صدر نے مرکزی نمائندگان کو ایسے اعلیٰ پروگرام اور نیک عزائم رکھنے پر مبارکباد دی اور شبان الاحمدیہ کی کامیابی کے لئے خداوند عز و جل سے دعا فرمائی - اس پر اجلاس اختتام پذیر ہوا -

زاہد جنجوعہ
اسسٹنٹ سیکرٹری نشر و اشاعت شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور

جلسہ "یوم نور الدین" کی کاروائی

۱۴ ؍مارچ بعد نماز جمعہ حضرت مولانا نور الدینؓ کی سیرت پر شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے زیر اہتمام ایک جلسہ زیر صدارت حضرت امیر قوم احمدیہ بلڈنگس لاہور میں منعقد کیا گیا - تلاوت قرآن پاک کے بعد جناب مرزا سلیم اختر صاحب نے آئینہ کمالات اسلام سے ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام پڑھ کر سنائے - اس تقریب کے مہمان خصوصی حضرت مولانا الشیخ عبدالرحمٰن مصری تھے - جنہوں نے ایک گھنٹہ تک فاضلانہ خیالات کا اظہار فرمایا - آپ نے حضرت حکیم الامت کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور حضرت مولانا محترمؓ کے علم قرآن - تقوی اللہ - توکل علی اللہ کے واقعات بیان فرمائے - جو سامعین کے لئے تقویت کا باعث ہوئے -

آپ کے عالمانہ خطاب کے بعد دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا -

زاہد جنجوعہ اسسٹنٹ سیکرٹری نشر و اشاعت شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور

درخواستِ دعا سلسلہ کے محترم بزرگ اور سرگرم رکن مولانا عبدالمجید صاحب سابق امام مسجد ووکنگ و ایڈیٹر اسلامک ریویو ایک عرصہ سے لندن میں فالج سے بیمار ہیں، مولانا کی بے نظیر خدمات سے جماعت کا بچہ بچہ واقف ہے - اس لئے ہم تمام احباب سلسلہ سے ملتجی ہیں کہ وہ اس نادر وجود کی صحت یابی کے لئے درد دل سے دعا کریں -

(۲) احباب کو یہ جان کر دلی رنج ہوگا کہ ہمارے محترم بھائی جناب مرزا مسعود بیگ ایم اے - جنرل سیکرٹری انجمن کے بڑے صاحبزادے سلمان مسعود صاحب ایک عرصہ سے بیمار چلے آ رہے ہیں - جس کی وجہ سے عزیز کے والدین اور دیگر اعزہ پریشان ہیں - احباب سے درخواست ہے کہ وہ اس عزیز نوجوان کی صحت کے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ عزیز کو شفائے کامل عطا کرے اور والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے رکھے -

---

آمدہ رپورٹ راولپنڈی سے ہمارے محترم بھائی خواجہ نصیر اللہ صاحب نے جلسہ سالانہ کی رپورٹ ارسال فرمائی ہے - جو آئندہ شمارہ میں نذر قارئین ہوگی -

---

جماعت کے تہجد خوانوں سے اپیل

دارالسلام لاہور میں تربیتی کورس ۱۸ ؍اپریل سے شروع ہو رہا ہے - جماعت کے تمام تہجد خوان بھائیوں سے بالخصوص التماس ہے - کہ وہ اس مبارک اجتماع میں شرکت کریں تاکہ اس دورِ ابتلاء میں ہم مل جل کر خدا کے حضور دعائیں کریں کہ اللہ تعالےٰ اسلام کی اس خادم جماعت کو تمام مصائب سے بچا کر دنیا میں غلبۂ اسلام کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے - آمین

شیخ اللہ بخش - بدوملھی

حج بیت اللہ سے واپسی یہ خبر احباب جماعت کے لئے خوشی کا باعث ہوگی کہ سیالکوٹ چھاؤنی کے محترم شیخ برکت اللہ صاحب حال ہی میں حج بیت اللہ کر کے واپس بخیریت تشریف لے آئے ہیں - انہوں نے شکرانہ کے طور پر -/50 روپے کا عطیہ...

عرفات پریس تھارنٹن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا - ایڈیٹر غلام نبی مسلم - ایم - اے	ہفت روزہ پیغام صلح لاہور - ۱۶ ؍اپریل ۱۹۷۵ء رجسٹرڈ ایل ۸۳۸ نمبر شمارہ ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا • (الہام حضرت مسیح موعود)
احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان
ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور پاکستان
فون نمبر ۵۳۷۳۷
ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب
کیا یہی تعلیم فرقان ہے بھلا
کچھ تو آخر چاہیئے خوفِ خدا
مومنوں پر کفر کا کرنا گماں
ہے یہ کیا ایمانداروں کا نشاں
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا (الہام حضرت مسیح موعود)
• رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
• تار کا پتہ
• "تبلیغ" لاہور
سالانہ چندہ
پاکستان و ہند سے — آٹھ روپے
بیرونی ممالک سے — ایک پونڈ
جلد ۶۲ | چہار شنبہ — ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ — ۲۳ اپریل ۱۹۷۵ء | نمبر ۱۷

(حضرت مجدد صد چہار دہم سلام اللہ علیہ)

انبیاءؑ کے نفوس تامہ کاملہ وسیلہ ہدایت جمیع مخلوقات ہیں

اب جبکہ ثابت ہوگیا کہ افراد بشریہ عقل میں قوائے اخلاقیہ میں نور قلب میں متفاوت المراتب ہیں تو اسی سے وحی ربانی کا بعض افراد بشریہ سے خاص ہونا یعنی ان سے جو من کل الوجوہ کامل ہیں بپایۂ ثبوت پہنچ گیا کیونکہ یہ بات تو خود ہر ایک عاقل پر روشن ہے کہ ہر ایک نفس اپنی استعداد و قابلیت کے موافق انوار الٰہیہ کو قبول کرتا ہے اس سے زیادہ نہیں اس کے سمجھنے کے لئے آفتاب نہایت روشن مثال ہے کیونکہ ہر چند آفتاب اپنی کرنیں چاروں طرف چھوڑ رہا ہے لیکن اس کی روشنی قبول کرنے میں ہر یک مکان برابر نہیں جس مکان کے دروازے بند ہیں اس میں کچھ روشنی نہیں پڑ سکتی اور جس میں بمقابل ایک چھوٹا سا روزنہ ہے اس میں روشنی تو پڑتی ہے مگر تھوڑی جو بکلی ظلمت کو اٹھا نہیں سکتی لیکن وہ مکان جس کے دروازے بمقابل آفتاب سب کے سب کھلے ہیں اور دیواریں بھی کسی کثیف شئے سے نہیں بلکہ نہایت مصفّٰے اور روشن شیشہ سے ہیں اس میں صرف یہی خوبی نہیں ہوگی کہ کامل طور پر روشنی قبول کرے گا بلکہ اپنی روشنی چاروں طرف پھیلا دے گا اور دوسروں تک بھی پہنچا دے گا۔ یہی مثال مؤخرالذکر نفوس صافیہ انبیاء کے مطابق حال ہے۔ یعنے جن نفوس مقدسہ کو خدا اپنی رسالت کے لئے چن لیتا ہے وہ بھی رفع حجب اور مکمل صفوت میں اس شیش محل کی طرح ہوتے ہیں۔ جن میں نہ کوئی کثافت ہے اور نہ کوئی حجاب باقی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جن افراد بشریہ میں وہ کمال تام موجود نہیں ایسے لوگ کسی حالت میں مرتبہ رسالت الٰہی نہیں پا سکتے۔ بلکہ یہ مرتبہ قسّام ازل سے انہی کو ملا ہوا ہے۔ جن کے نفوس مقدسہ حجب ظلماتی سے بکلی پاک ہیں جن کو اغشیۂ جسمانی سے بغایت درجہ آزادگی ہے۔ جن کا تقدس و تنزّہ اس درجہ پر ہے جس کے آگے خیال کرنے کی گنجائش ہی نہیں وہی نفوس تامہ کاملہ وسیلۂ ہدایت جمیع مخلوقات ہیں اور جیسے حیات کا فیضان تمام اعضاء کو قلب کے ذریعہ سے[۴۲] مقرر کیا ہے۔ کیونکہ وہ کامل مناسبت جو مفیض اور مستفیض میں چاہیئے وہ صرف انہی کو عنایت کی گئی ہے۔ اور یہ ہرگز ممکن نہیں کہ خداوند عالی جو نہایت تجرد و تنزہ میں ہے ایسے لوگوں پر افاضۂ انوار وحی مقدس کا کرے جن کی فطرت کے دائرہ کا اکثر حصہ ظلماتی اور دود آمیز ہے۔ اور نیز نہایت تنگ اور منقبض اور جن کی طبائع خسیسہ کدورات سفلیہ میں منغمس اور آلودہ ہیں۔ اگر ہم اپنے تئیں آپ ہی دھوکہ نہ دیں تو بے شک ہمیں اقرار کرنا پڑے گا کہ مبدء قدیم سے اتصال تام پانے کے لئے اور اس قدوس اعظم کا ہمکلام بننے کے لئے ایک ایسی خاص قابلیت اور نورانیت شرط ہے کہ جو اس مرتبہ عظیم کی قدر اور شان کے لائق ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں کہ ہر یک شخص جو عین نقصان اور فرومائگی اور آلودگی کی حالت میں ہے۔ اور صدہا حجب ظلمانیہ میں محجوب ہے وہ باوصف اپنی پست فطرتی اور دوں ہمتی کے اس مرتبہ کو پا سکتا ہے۔ اس بات سے کوئی دھوکہ نہ کھاوے کہ منجملہ اہل کتاب عیسائیوں کا یہ خیال ہے کہ انبیاءؑ کے لئے جو وحی اللہ کے منزل علیہ ہیں۔ تقدس اور تنزّہ اور عصمت اور کمال محبت الٰہیہ حاصل نہیں کیونکہ عیسائی لوگ اصول حقہ کو کھو بیٹھے ہیں۔ اور ساری صداقتیں صرف اس خیال پر قربان کر دی ہیں کہ کسی طرح حضرت مسیح خدا بن جائیں اور کفارہ کا مسئلہ جم جاوے چونکہ نبیوں کا معصوم اور مقدس ہونا ان کی اس عمارت کو گراتا ہے جو وہ بنا رہے ہیں اس لئے ایک جھوٹ کی خاطر سے دوسرا جھوٹ بھی انہیں گھڑنا پڑا اور ایک آنکھ کے مفقود ہونے سے دوسری بھی پھوڑنی پڑی۔ پس ناچار انہوں نے باطل سے پیار کر کے حق کو چھوڑ دیا نبیوں کی اہانت روا رکھی پاکوں کو ناپاک بنایا اور

ان دلوں کو جو مہبط وحی تھے

کثیف اور مکدر قرار دیا تاکہ ان کے مصنوعی خدا کی کچھ عظمت گھٹ نہ جائے یا منصوبۂ کفارہ میں کچھ فرق نہ آ جائے۔ اسی خود غرضی کے جوش میں انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس سے فقط نبیوں کی توہین نہیں ہوتی۔ بلکہ خدا کی قدوسی پر بھی حرف آتا ہے۔ کیونکہ جس نے نعوذ باللہ ناپاکوں سے ربط ارتباط اور میل ملاپ رکھا وہ آپ بھی کاہے کا پاک ہوا۔"

(براہین احمدیہ۔ حاشیہ نمبر ۱۱ صفحہ ۱۷۴-۱۷۵)

---

[۴۲] ہوتا ہے، ایسا ہی حکیم مطلق نے ہدایت کا فیضان انہیں کے ذریعہ سے

محترم مولانا محمد یحییٰ بٹ مبلغ اسلام

برلن مسلم مشن کی تبلیغی مساعی

سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت مسجد برلن میں ۲۹ر مارچ کو بصد احترام منایا گیا۔ احباب و دوستوں کو اس تقریب سعید میں شمولیت کے لئے دعوت نامے بھیجے گئے۔ بارہ مختلف ممالک سے آئے ہوئے احباب نے اس تقریب میں شمولیت کی۔ (انڈونیشیا پاکستان، افغانستان۔ ترکی۔ اردن۔ فلسطین۔ شام۔ مصر سوڈان۔ سینی گال۔ یوگوسلاویہ اور جرمنی سے آئے ہوئے میڈیکل ڈاکٹرز، یونیورسٹی طلباء، سوداگر اور میٹرز اس اجتماع میں حاضر تھے۔ حسب پروگرام اس تقریب سعید کا افتتاح قرآن کریم کی قرأت سے کیا گیا۔ قرأت مصر سے آئے ہوئے ایک نوجوان نے کی۔ یہ نوجوان یہاں ڈاکٹریٹ کر رہا ہے۔ بعد میں اس کا ترجمہ جرمن زبان میں حاضرین کو حضرت امیر مولانا صدر الدین صاحب کے جرمن ترجمۃ القرآن سے پڑھ کر سنایا گیا۔ ازاں بعد سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تین بار درود پڑھا گیا تمام مسلمان بھائیوں نے مل کر ان الفاظ کو عربی زبان میں دہرایا۔ اس کے بعد میں نے آپؐ کی شان میں تقریر کی جو تقریباً چالیس منٹ تک جاری رہی۔ میں نے اپنی تقریر میں آپؐ کی حیات طیبہ سے بعض ایمان افروز واقعات کو بیان کیا۔

خدا کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے میں آپؐ کی تگ و دو کو بیان کیا۔ قرآن کریم میں مومنین کو دیئے گئے وعدوں اور مخالفین کے ناکام رہ جانے کے بارہ میں پیشگوئیوں کو بیان کیا اور بتایا کہ کس طرح یہ پیشگوئیاں آپؐ کی زندگی میں پوری ہوئی گئیں۔ اور قرآن کریم کا پیغام تمام عرب میں پھیل گیا۔ اور اب حسب پیشگوئی یہ پیغام دنیا کے کناروں تک آہستہ پہنچتا جا رہا ہے۔ میں نے مزید کہا کہ ہم مسلمانوں کے لئے نہایت خوشی کا مقام ہے کہ آپ کے ذریعہ جو دین ہمیں ملا وہ کامل ہے۔ جو نبی آپ کے وجود بابرکات میں ہمیں ملا وہ بھی کامل اور خاتم النبیین ہے۔ خاتم النبیین کے مفہوم کو بیان کرتے ہوئے آپؐ کی تشریحات کو بیان کیا۔ یہ بیانات احادیث سے اولاً کو عربی زبان میں اور بعد میں ترجمہ کر کے سنائے گئے۔ تقریر کے اختتام پر حاضرین کی تواضع چائے اور کیک سے کی گئی۔ چند ایک کیک نومسلمہ جرمن خاتون مبارکہ نے گھر پر تیار کئے اور بعض کیک مصری نوجوان نے جس کی بیوی جرمن نومسلمہ ہے۔ بازار سے خرید کر حاضرین کو پیش کئے۔ سب احباب اور دوستوں نے اس تقریب سے بڑا حظ اٹھایا اور بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اس تقریب میں مصر سے آئے ہوئے میٹر کے ایک گروپ نے بھی شمولیت اختیار کی۔ اور انہوں نے بے حد خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ جرمن میں ایسی تقریب کا سرانجام پانا نہایت ہی باعث مسرت ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جب وہ واپس مصر جائیں گے تو وہ اس تقریب کو ہمیشہ یاد رکھیں گے اور اس کا ذکر ازہر یونیورسٹی میں اور اپنے اپنے حلقہ میں کریں گے۔

جمعہ اور ہفتہ کے اجتماعات جمعہ کے دن اجتماعات ہوتے رہے۔ خدا کے فضل سے مسلمان بھائی جمعہ کی نماز میں حسب توفیق شمولیت کرتے رہے۔ ایسے اجتماعات میں عیسائی دوست بھی آتے رہے انہوں نے ہمارے طریق نماز کو دیکھا اور ہمارے خطبات کو سنا۔ خطبات میں قرآن کریم کے نظریات کو واضح کیا گیا اور اسلام کے پیغام کو مختصراً بیان کیا گیا۔ انڈونیشیا سے آئے ہوئے بعض افسران کے گروپ اپنے قیام کے دوران اجتماعات میں آتے رہے۔ مصر سے آئے ہوئے میٹر کا گروپ بھی اپنے قیام کے دوران گو ان کا قیام مختصر تھا جمعہ کے دن آتے رہے۔ ان کی خاطر خطبہ انگریزی زبان میں دیا جاتا رہا۔ بعد میں جرمن زبان میں بھی خطبہ کے مفہوم کو واضح کیا گیا۔

ہفتہ کے دن ہونے والے اجتماعات بھی خدا کے فضل سے حسب سابق جاری رہے۔ ہر ہفتہ شام سات بجے ہمارا اجتماع ہوتا رہا۔ قرآن کریم کے مختلف مقامات سے آیات کو پڑھ کر ان کو حاضرین پر واضح کیا گیا۔ بعد میں سوال و جواب سے مزید وضاحت کی گئی۔ ایسے اجتماعات میں مسلمان بھائیوں اور عیسائی دوستوں نے خوشنما شمولیت کی اور سوال و جواب سے اس اجتماعات کی افادیت کو بڑھایا۔

پانچ مختلف گروپ مختلف دنوں مسجد میں آئے۔ ان میں سے دو گروپ مقامی سکولوں کے طلباء پر مشتمل تھے۔ ان میں سے ایک گروپ کیتھولک عیسائیوں کا تھا۔ تیسرا گروپ ۲۰ افراد پر مشتمل پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا تھا۔ باقی دو گروپ آسٹریا اور مغربی جرمنی سے آئے ہوئے مرد و زن پر مشتمل تھے۔ بعض گروپوں کے ساتھ عیسائی پادری بھی تھے۔ ان کے سامنے اسلام کے نظریات کو واضح کیا گیا۔ بعد میں ان کے سوالات کے جوابات دیئے گئے۔ کیتھولک طلباء پر مشتمل گروپ جو اپنے پادری کے ساتھ آیا تھا ۲½ گھنٹے میرے پاس ٹھہرا۔

جینوا میں ایک کانفرنس ہوئی۔ اس میں مغربی یورپ اور مشرقی یورپ سے آئے ہوئے مسلمان، عیسائی، یہودی سکالرز اور مذہب کے جاننے والے علماء نے شرکت کی۔ یہ کانفرنس تین دن تک جاری رہی۔ صبح نو بجے سے لے کر شام دس بجے تک۔ دوپہر اور شام کے کھانے وغیرہ کے لئے وقفہ ہوتا رہا۔ حاضرین نے مختلف موضوعات پر خیالات کا اظہار کیا بالخصوص یورپ میں رہنے والے مسلمانوں کے مسائل پر بحث کی گئی اور ان کے حل کے لئے سوچا گیا۔ عیسائی، مسلمان، یہودیوں کے درمیان مفاہمت پیدا کرنے پر غور کیا گیا۔ اپنے قیام کے دوران بعض انٹرنیشنل اداروں کو VISIT کیا گیا۔ اور انہیں دینی کانفرنس کے پروگرام سے آگاہ کیا گیا۔ ہمارے اجتماع کو بنگلہ دیش کے سابق اور پہلے پریزیڈنٹ جسٹس چوہدری نے بھی خطاب کیا اور اپنے ملک کے حالات کو واضح کیا۔ اور میں نے مہمان سے ان کا تعارف کرایا۔ جب وہ میرے پاس آئے اور انہیں میرا تعارف کرایا گیا تو وہ بغلگیر ہو گئے اور کہنے لگے ہم سب کچھ بھول گئے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں اور بھائی بھائی ہیں۔

تین افراد کا قبولِ اسلام گذشتہ دنوں تین جرمن نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا ان میں سے دو افراد میاں بیوی ہیں اور تیسرے فرد ایک نوجوان ہیں۔ یہ جرمن خاتون ہمارے ہفتہ وار اجتماعات میں ایک سال سے حصہ لے رہی تھیں۔ ایک دن وہ آئیں اور کہا کہ وہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنا چاہتی ہیں۔ میں نے کہا آپ ہفتہ کے دن آئیں اور اپنے شوہر کو بھی ساتھ لائیں اور حاضرین کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کریں۔ جب ان کے شوہر آئے تو میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا آپ جانتے ہیں کہ آپ کی اہلیہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کریں گی۔ وہ کہنے لگے ہاں میں جانتا ہوں۔ نہ صرف میری بلکہ میں تو بھی آج اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے آیا ہوں۔ میری اہلیہ یہاں آتی رہیں۔ اور آپ سے اسلام کے بارہ میں سنتی رہیں گھر پر وہ مجھے سب بیان کرتی رہیں آخر ہم دونوں اسلام کی صداقت کے قائل ہو گئے ہیں اور آج حاضرین کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔

حاضرین نے اس گفتگو کو سنا سب خوش ہوئے۔ ان کے اعلان کرنے سے پیشتر میں نے مختصراً اسلام کے بنیادی اصولوں کو ایک بار پھر دہرایا اور انہیں کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر اسلام میں داخل کر لیا۔ الحمد للہ۔

مرد کا نام عبداللہ اور خاتون کا نام امینہ رکھا گیا۔

اسی طرح تیسرا فرد جرمن نوجوان گذشتہ کئی سالوں سے ہمارے اجتماعات میں آ رہا تھا وہ بعض حالات سے مجبور تھا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہ کر سکا اب اس کے حالات بہتر ہو گئے ہیں۔ اور وہ اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ آیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ ماں بھی اس کے اعلان کرنے پر خوش تھی۔ اس کا نام عبدالحمید رکھا گیا۔

شادی کی ایک تقریب مسجد میں منعقد ہوئی۔ نوجوان عرب ہے یونیورسٹی میں پڑھتا ہے۔ خاتون جرمن عیسائی ہے۔ ایک

(باقی بر صفحہ ۹ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح — لاہور — ۲۳ اپریل ۱۹۷۵ء

"دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں" — کا مفہوم

دوسری عالمی جنگ میں ہٹلر کا براڈکاسٹنگ وزیر گوبلز تھا جس کا اُصول تھا "کہ زیادہ سے زیادہ متواتر جھوٹ بولتے جاؤ اور مخالف کی بات پر کان نہ دھرو دنیا اس جھوٹ کو سچ سمجھنے لگ جائے گی"۔ "دینِ پرویزی" کے بانی جناب غلام احمد پرویز نے کچھ عرصہ سے اپنے مخالفین اور بالخصوص جماعت احمدیہ لاہور کے خلاف یہی وطیرہ اختیار کر رکھا ہے، چنانچہ گذشتہ سال سے وہ بانی سلسلہ احمدیہ کی تعلیمات کے خلاف متواتر دروغ سے کام لے رہے ہیں۔ اور ہم نے ان کی تردید میں جو حقائق پیش کئے ہیں انہیں نظر انداز کرکے مسلسل کذب و افتراء کی گردان کئے جا رہے ہیں۔ انہیں احساس ہے کہ ان کے حلقۂ قارئین تک "پیغام صلح" یا جماعت احمدیہ لاہور کا لٹریچر پہنچ نہیں سکے گا۔ اس لئے وہ غلط سلط ہر بات دوہراتے چلے جا رہے ہیں۔ ان سے زیادہ اس حقیقت سے کون آشنا ہے، کہ ہم نے ان کے تمام اعتراضات کا مفصل اور مدلل جواب دیا ہے اور دے رہے ہیں، اور حقیقت تک پہنچنے کا صحیح طریق یہ ہے کہ وہ ہمارے جوابات کو اپنے ماہنامہ میں شائع کریں تاکہ قارئین دونوں تحریروں کا موازنہ کرکے حقیقت کو پا سکیں، یا وہ اپنے قارئین کو اپنے رسالہ کے ذریعہ اطلاع دیں کہ ان کے فلاں فلاں اعتراض کا پیغام صلح کے فلاں فلاں شمارہ میں جواب چھپ چکا ہے۔ اور اگر یہ امر کسی مصلحت کے خلاف ہو تو ہمیں اپنے قارئین کے پتہ جات سے آگاہ کریں۔ تاکہ ہم ان کے نام متعلقہ لٹریچر بھیج سکیں۔

دو سوالات } پرویز صاحب نے طلوع اسلام کی ماہ اپریل کے شمارہ میں جماعت احمدیہ لاہور کے متعلق دو سوالات کو اچھالا ہے۔ آپ نے "اربعین حصہ چہارم ص۲" کی جس عبارت کا ذکر کیا ہے وہ ہمیں نہیں مل سکی اس لئے متوقع ہیں کہ جناب حوالہ دوبارہ دیکھ لیں گے، ہم نے اس کی بجائے جناب کی کتاب "ختم نبوت اور تحریکِ احمدیت" سے متعلقہ حوالے کو سامنے رکھ کر حضرت مرزا صاحب کی انگریز نوازی اور تنسیخ جہاد (قتال) پر گذشتہ شمارے میں روشنی ڈالی ہے۔ اور آج تکفیر المسلمین کے سلسلہ میں حقیقۃ الوحی ص۱۷۹ کے اقتباس کی وضاحت کرتے ہیں۔ چنانچہ جناب کی پیش کردہ عبارت ہدیہ قارئین ہے۔ آپ نے جماعت احمدیہ لاہور کے متعلق لکھا ہے:—

> "پہلا سوال۔ ان سے کہئے کہ آپ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کا دعوےٰ صرف مسیح موعود ہونے کا تھا۔ اور یہ دعوےٰ ایسا نہیں جس کے نہ ماننے سے کفر لازم آجاتا ہے۔ لیکن مرزا صاحب نے اس باب میں یہ کہا ہے:—
>
> "کفر دو قسم پر ہے۔ ایک کفر یہ ہے کہ ایک شخص اسلام ہی سے انکار کرتا ہے۔ اور آنحضرتؐ کو رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا۔ اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے۔ جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے۔ اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے۔ کافر ہے، اور اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں"۔
>
> (طلوع اسلام" اپریل ۱۹۷۵ء ص۲۱)

"تکفیر المسلمین اور حضرت مرزا صاحب" کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ عنقریب نذرِ قارئین ہوگا۔ ان سطور میں جناب پرویز صاحب کے حقیقۃ الوحی کے اقتباس کی وضاحت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ حقیقۃ الوحی میں حضرت مرزا صاحب کے مخاطب صرف وہ مولوی تھے جو حضرت صاحب کو "کاذب اور مفتری" کہہ کر آپ کی تکفیر کرتے تھے۔ دنیا بھر کے کلمہ گو ہرگز مخاطب نہ تھے ان مکذبین مکفرین میں ڈاکٹر عبدالحکیم خاں پٹیالوی۔ چراغ دین جمونی اور ان کے ہم نوا مولوی خاص کر قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے ڈاکٹر عبدالحکیم کا عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر نجات ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ کسی شخص نے ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے اشارے پر حضرت صاحب کو ۹ سوالات بھیجے جن میں آخری سوال یا بقول حضرت مرزا صاحب وسوسہ یہ تھا:

> "جن لوگوں نے نیک نیتی کے ساتھ آنحضرت صلعم کے خلاف کیا یا کرتے ہیں یعنے آنجناب کی رسالت سے منکر ہیں۔ اور توحید الٰہی کے قائل ہیں۔ نیک عمل بجالاتے ہیں۔ اور بدعملوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان کی نسبت کیا عقیدہ رکھا جائے"؟

پرویز صاحب کا پیش کردہ اقتباس اسی سوال کے جواب میں سے اخذ کیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود کا اس میں ذکر ضمناً اور جواب کی وضاحت کے لئے ہے۔ اب عبارت پر غور کیجئے (اب میرے سامنے حقیقۃ الوحی کی اصل عبارت ہے پرویز صاحب کے الفاظ نہیں جن میں غالباً ان کے تساہل کی وجہ سے تھوڑا سا اختلاف ہے۔)

اس اقتباس کا پہلا فقرہ کہ کفر دو قسم کا ہے" اس حقیقت کا علمبردار ہے کہ کسی نہ کسی پہلو سے حضرت صاحب کے نزدیک "کفر دو ہی قسم کا ہوتا ہے۔ یقیناً دو سے مراد ایک ہرگز نہیں" جب حضرت مرزا صاحب کفر کی دو قسمیں بتاتے ہیں تو پھر اس نوع کی دو قسموں کو اسی نوع کی ایک ہی قسم کیسے کہہ سکتے ہیں بالخصوص جبکہ وہ دونوں قسموں کی مثال بھی دیتے ہیں۔ اس لئے جب آپ فرماتے ہیں کہ "یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں" تو منصف مزاج محقق کا فرض ہے کہ دونوں فقروں کے مضمرات پر حتی الوسع غور کرکے امتیاز کا سراغ لگائے اور اس ضمن میں (۱) "رسول کو نہیں مانتا" اور (۲) "رسول کے فرمان کا منکر ہے" کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے انسانی تحریر میں بعض اوقات لفظوں کا بظاہر موزوں انتخاب نہیں ہوتا، تاہم اس جگہ تو حضرت صاحب نے دونوں قسموں کا الگ الگ ذکر کرکے بات کو واضح کر دیا ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں:—

> "اوّل ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا (دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا"۔ یہ الفاظ کسی وضاحت کے محتاج نہیں۔

تاہم ان کی ایک مثال سے مزید وضاحت کی جا سکتی ہے۔ ایک شخص پاکستان، اس کے آئین اور قوانین کے وجود ہی کو تسلیم نہیں کرتا اور دوسرا شخص ان سب کو تسلیم کرتا ہے لیکن ملک کے کسی ایک قانون کی دانستہ یا نادانستہ خلاف ورزی کرتا ہے ان میں سے پہلا منکر شخص ملک کا باغی اور دشمن ہے اور دوسرا محض ایک مجرم دونوں کا عمل ملک کے خلاف ہے، دونوں قابل مواخذہ ہیں۔ لیکن نظریاتی لحاظ سے پہلا تو باغی ہے، لیکن دوسرا باغی نہیں ہے۔ پس نظریاتی لحاظ سے تو ان کی وفاداریوں کا مرکز ایک دوسرے سے مختلف ہے لیکن عملی لحاظ سے دونوں ایک ہی دائرہ میں ہیں۔ گو دونوں کی سزا میں فرق ہوگا۔ حضرت صاحب کی بیان کردہ قسم اوّل میں وہ شخص شامل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن حکیم اور اسلام کا سرے سے منکر اور مخالف ہے۔ ایسا شخص کفر کی پہلی قسم کا مرتکب ہے اور اسلام اور اُمتِ محمدیہ سے خارج اور جہنمی ہے۔ دوسری قسم میں وہ شخص شامل ہے جو رسول قرآن، شریعت (اسلام) پر تو ایمان رکھتا ہے مگر اسلام، قرآن، اور آنحضرت صلعم کے کسی فرمان کی خلاف ورزی کرتا ہے، یا لاعلمی کی وجہ سے اس کا منکر ہے شریعت اور اسوۂ رسول سے عملاً، ارادۃً یا بلا ارادہ رو گردانی کرتا ہے۔ مثلاً جھوٹ

بوتا ہے ۔ گالی دیتا ہے، چوری اور زنا کا ارتکاب کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی پیشگوئی کو نہیں مانتا اور اس طرح نافرمانی کر کے (بغاوت کر کے) انکار (کفر) کا مرتکب ہوتا ہے ایسا شخص دائرہ اسلام کے اندر رہ کر قابل مواخذہ ہوگا ۔ حضرت مرزا صاحب نے کفر کی دونوں قسموں کو اس لحاظ سے "ایک ہی قسم" میں داخل بتایا ہے ۔ کہ دونوں کفروں (انکاروں) میں کسی نہ کسی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے، اپنے دائرہ کے اندر دونوں صورتوں میں آنحضرت ؐ کا انکار ہے ۔ پہلی میں آپ ؐ کی رسالت اور دوسری میں آپ ؐ کے ایک فرمان کا، اور دونوں کفر، بیش و کم قابل تعزیر اور قابل گرفت ہیں ۔ البتہ یہاں آپ نے مسیح موعود کے منکر کو پہلی قسم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکروں میں شامل نہیں کیا جو ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے جو مخالفوا اور منافقوا نہ طور سے حضرت مرزا صاحب سے دعوئے نبوت منسوب کرتے ہیں ۔ اس قسم کے کفر کو بخاری نے کفر دون کفر لکھا ہے) یعنی کفر کے سوا کفر) اور یہ آنحضرت ؐ اور قرآن کو ماننے کے بعد عملی کجروی سے عبارت ہے، اور کون ہے جو اس قسم کے کفر کا مرتکب نہیں ہوتا، اور اسلام کی کامل پیروی کا مدعی ہو سکتا ہے الا ماشاء اللہ ۔ پھر یہ بھی واضح ہو کہ پیشگوئی کا انکار احکام شریعت کی خلاف ورزی کے مقابل کم اثر انداز ہوتا ہے، احکام شریعت تو ہر وقت نافذ العمل ہوتے ہیں ۔ اور پیشگوئی کبھی صدیوں تک پوری نہیں ہوتی، اور اس عرصے میں ایمان میں فرق نہیں پڑتا ۔ پھر ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان کو اس پیشگوئی کی صحت پر ہی یقین نہ ہو، وہ کیسے دانستہ نافرمان ٹھہرا، یہ بھی ممکن ہے کہ پیشگوئی پوری ہونے کی صورت میں لوگوں کو مسیح موعود میں مطلوبہ علامتیں نظر نہ آئیں اور ان کا انکار بھی نادانستہ ہو، گو وہ مسیح موعود کے کارناموں اور بزرگی کے معترف ہوں ۔ اس صورت میں وہ کفر کی دوسری قسم میں نہیں آتا ۔ پس حضرت مرزا صاحب کے الفاظ میں صرف وہی لوگ قابل مواخذہ ہونگے جن پر اتمام حجت ہو چکا ہے ۔ باقی نہیں جیسا کہ آپ لکھتے ہیں :-

" ڈاکٹر عبدالحکیم خاں اپنے رسالہ "المسیح الدجال" وغیرہ میں میرے پر الزام لگاتا ہے کہ گویا میں نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص میرے پر ایمان نہیں لائے گا، گو وہ میرے نام سے بھی بے خبر ہوگا اور گو وہ ایسے ملک میں ہوگا جہاں تک میری دعوت نہیں پہنچی، تب بھی وہ ضرور کافر ہو جائیگا ۔ اور دوزخ میں پڑے گا ۔ یہ ڈاکٹر مذکور کا سراسر افترا ہے میں نے کسی کتاب یا اشتہار میں ایسا نہیں لکھا ۔ اس پر فرض ہے کہ وہ ایسی کوئی میری کتاب پیش کرے جس میں یہ لکھا ہے .... ہاں میں یہ کہتا ہوں کہ چونکہ میں مسیح موعود ہوں اور خدا نے عام طور پر میرے لئے آسمانی نشان ظاہر کئے ہیں ۔ پس جس شخص پر میرے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں خدا کے نزدیک اتمام حجت ہو چکا ہے، اور میرے دعوے پر وہ اطلاع پا چکا ہے، وہ قابل مواخذہ ہوگا ۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۷۸)

اور اس میں کیا شک ہے کہ علمی سطح پر اتمام حجت دانائے حال علماء پر ہی ہو سکتی تھی اس لئے وہ قابل مواخذہ تھے اس دور کے بعد عامۃ المسلمین اس سے مستثنیٰ تھے اور آج بھی ہیں پس اس عبارت میں کفر اول "اسلام اور آنحضرت ؐ کا انکار" ہے اور کفر دوم "خدا اور رسول کے ایک فرمان کا انکار" ہے اور دونوں کا فرق بالبداہت عیاں ہے اور اس کی مثال حضرت صاحب نے اسی کتاب کے ص۱۶۵ پر یوں دی ہے :-

" حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ ما زنا زانٍ وھو مؤمن وما سرق سارق وھو مؤمن یعنی کوئی زانی زنا کی حالت میں اور کوئی چور چوری کی حالت مؤمن (کامل الایمان ــــ ناقل) نہیں ہوتا ۔ پھر منافق نفاق کی حالت میں کیونکر مؤمن ہو سکتا ہے"

پس قسم دوم میں مسیح موعود کی پیشگوئی کا انکار کرنے والا مسلمان اسی طرح دائرہ اسلام میں ہے جس طرح کوئی گنہگار اور کسی دینی حکم کا نافرمان مسلمان ہو سکتا ہے تو ص۱۶۵ کی عبارت میں بھی زانی اور چور مسلمان کی مثال اپنے دعوے کے انکار کی وضاحت کے لئے پیش کی ہے کہ میرا منکر "نافرمان رسول" ہونے کی وجہ سے کفر دوم میں شامل ہے جو دائرہ اسلام کے اندر ہی ہے ۔ اس پر ایک اور پہلو سے بھی غور کیجئے ۔ "کفر دو قسم پر ہے" کا مفہوم یہ بھی ہے ۔ کہ مؤمن بھی دو قسم کا ہے ۔ ایک وہ مؤمن جو خدا رسول، قرآن، (اسلام) پر ایمان رکھتا ہے ۔ وہ دائرہ اسلام کے اندر ہے ۔ دوسرا وہ مؤمن جو شریعت کا کامل پابند ہے اور مسیح موعود کے آنے پر اسے بھی مان لیتا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو اپنے سامنے پورا ہوتے دیکھ کر اس کی تصدیق کرتا ہے، مسیح موعود کے ساتھ مل کر غلبۂ دین کے جہاد میں شرکت کرتا ہے ۔ اور مسیح موعود سے وابستہ برکات و فیوضات سے مستفیض ہوتا ہے البتہ مذکورہ دونوں "کفروں" کا دائرہ اثر الگ الگ ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کافر کو دائرۂ اسلام سے خارج ٹھہراتا ہے ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فرمان یا پیشگوئی کے خلاف عمل امت سے خارج نہیں کرتا ۔ خواہ ایسا نافرمان حکم یا پیشگوئی کی غلط تعبیر کرے یا اسے قلت فہم و علم کی وجہ سے تسلیم کرنے سے انکار کرے، یہاں وہ لوگ بالخصوص غور کریں جو اپنے ایمان کے لئے تو اپنے کفر کی سو وجوہ میں سے ایمان کی ایک وجہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں ۔ لیکن ۹۰ کروڑ مسلمانوں کو ہزاروں ایمانی وجوہ کے ہوتے ہوئے محض ایک پیشگوئی کے کفر کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر حضرت مسیح موعود ؑ کا منہ چڑاتے ہیں ۔

پرویز صاحب ! آپ کو حضرت مرزا صاحب کی مخالفت نے بصیرت سے محروم کر دیا ہے ۔ ورنہ آپ بلا سوچے سمجھے جہلاء کی پیروی نہ کرتے ۔ اسی حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۱۹ ــ ۱۲۱ پر تکفیر المسلمین کے سلسلہ میں حضرت مرزا صاحب حسب ذیل عبارت بھی درج ہے :-

" اب خلاصہ کلام یہ کہ جو لوگ ایسا عقیدہ رکھتے ہیں کہ بغیر اس کے کہ کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایمان لائے صرف توحید کے اقرار سے اس کی نجات ہو جائے گی ایسے لوگ پوشیدہ مرتد ہیں ۔ اور درحقیقت وہ اسلام کے دشمن ہیں اور اپنے لئے ارتداد کی ایک راہ نکالتے ہیں ان کی حمایت کرنا کسی دیندار کا کام نہیں ہے ۔ ۔ افسوس کہ ہمارے مخالف باوجود مولوی اور اہل علم کہلانے کے ان لوگوں کی ایسی حرکات سے خوش ہوتے ہیں ۔ در اصل یہ بیچارے ہمیشہ اسی تلاش میں رہتے ہیں کہ کوئی سبب ایسا پیدا ہو جائے ۔ کہ جس سے میری ذلت اور اہانت ہو، مگر بد قسمتی سے آخر نامراد ہی رہتے ہیں ۔ پہلے ان لوگوں نے میرے پر کفر کا فتوے تیار کیا، اور قریباً دو سو مولوی نے اس پر مہریں لگائیں اور ہمیں کافر ٹھہرایا گیا اور ان فتوؤں میں یہاں تک تشدد کیا گیا کہ بعض علماء نے یہ بھی لکھا کہ یہ لوگ کفر میں یہود اور نصاریٰ سے بھی بدتر ہیں اور عام طور پر یہ بھی فتوے دیئے کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنا چاہیئے ۔ اور ان لوگوں کے ساتھ سلام اور مصافحہ نہیں کرنا چاہیئے اور ان کے پیچھے نماز درست نہیں ۔ کافر جو ہوئے ۔ بلکہ چاہیئے کہ یہ لوگ مساجد میں داخل نہ ہونے پاویں کیونکہ کافر ہیں مسجدیں ان سے پلید ہو جاتی ہیں ۔ اور اگر داخل ہو جائیں تو مسجد کو دھو ڈالنا چاہیئے، اور ان کا مال چرانا درست ہے اور یہ لوگ واجب القتل ہیں، کیونکہ مہدی خونی کے آنے سے انکاری اور جہاد سے منکر ہیں .... پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمان اور کلمہ گو کو کافر ٹھہرایا ۔ حالانکہ ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی ۔ خود ہی ان کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور تمام پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں ۔ اور نادان لوگ ان فتوؤں سے ایسے متنفر ہوئے کہ ہم سے سیدھے منہ سے کوئی نرم بات کرنا بھی ان کے نزدیک گناہ ہو گیا کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے ان لوگوں کو کافر ٹھہرایا تھا ۔ اگر کوئی ایسا کاغذ یا اشتہار یا رسالہ ہماری طرف سے ان لوگوں کے فتوۓ کفر سے پہلے شائع ہوا ہے جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہو تو وہ پیش کریں، ورنہ خود سوچ لیں کہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھہرادیں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگادیں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے ۔ اس قدر خیانت

اور جھوٹ اور خلاف واقعہ تہمت کس قدر دل آزار ہے۔ ہر عقلمند سوچ سکتا ہے، کہ پھر جبکہ ہمیں اپنے فتوؤں کے ذریعہ سے کافر ٹھہرا چکے اور آپ ہی اس بات کے قائل بھی ہو گئے۔ کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے کفر الٹ کر اسی پر پڑتا ہے تو اس صورت میں کیا ہمارا حق نہ تھا کہ بموجب انہیں کے اقرار کے ہم ان کو کافر کہتے۔"

کیا مخالف مسلمانوں کے متعلق حضرت مرزا صاحب کی یہ تصریحات آپ کے مسلک کی وضاحت نہیں کرتیں یہ تحریر وفات سے چند ماہ قبل ۱۹۰۷ء کی ہے جب کہ بقول پرویز صاحب حضرت مرزا صاحب کو دعوئے نبوت کئے سات سال ہو چکے تھے، اور اس وقت بھی آپ اپنے نہ ماننے والے مسلمانوں کو مسلمان ہی کہتے تھے، اور تکفیر المسلمین کے الزام کو خیانت، جھوٹ اور خلاف واقعہ دل آزار تہمت کہتے تھے۔ ان الفاظ کی رُو سے آپ کا دعویٰ نبوت بھی جاتا رہا اور آپ پر تکفیر المسلمین اتہام بھی غت ربود ہو گیا۔ اگر اس کے باوجود پرویز صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے منکروں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے تو پھر اس کا کیا علاج؟ خدا پر اس کا فیصلہ چھوڑتے ہیں۔ البتہ حضرت صاحب نے اپنے دعوے کے منکرین کے متعلق تریاق القلوب میں ایک اصولی تحریر چھوڑی ہے، جس کا ذکر حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۶۳ پر بھی کیا ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے حضرت صاحب پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ حتیٰ کہ دس سال کے بعد انہوں نے مسٹر ڈوئی مجسٹریٹ ضلع گورداسپور کی عدالت میں تحریری بیان دیا کہ میں آئندہ مرزا صاحب کو کافر، دجال وغیرہ ناموں سے یاد نہیں کروں گا، اس پر حضرت مرزا صاحب نے بھی لکھ دیا کہ میں بھی مولوی صاحب کی اس تحریر کے بعد مولوی محمد حسین صاحب کو کافر وغیرہ نہیں کہوں گا۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے لکھا:-

"یہ سچ ہے کہ اس نوٹس پر میں نے بھی دستخط کئے ہیں۔ مگر اس دستخط سے خدا اور منصفوں کے نزدیک میرے پر کچھ الزام نہیں آتا، اور نہ ایسے دستخط میری ذلت کا موجب ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ ابتداء سے میرا یہ مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا۔ ضال و جادۂ صواب سے منحرف ضرور سمجھتا ہوں اور میں اس کا نام بے ایمان نہیں رکھتا ہاں میں ایسے سب لوگوں کو ضال اور جادۂ صدق و ثواب سے دُور سمجھتا ہوں جو ان سچائیوں سے انکار کرتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ نے میرے پر کھولی ہیں۔ میں بلاشبہ ایسے ہر ایک آدمی کو ضلالت کی آلودگی سے مبتلا سمجھتا ہوں جو حق اور راستی سے منحرف ہے لیکن میں کسی کلمہ گو کا نام کافر نہیں رکھتا۔ جب تک کہ وہ میری تکفیر اور تکذیب کرکے اپنے تئیں خود کافر نہ بنا لیوے ...... سو اگر ڈوئی صاحب کے روبرو میں نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میں ان کو کافر نہیں کہوں گا، تو واقعی میرا یہی مذہب ہے، کہ میں کسی مسلمان کو کافر نہیں جانتا ہاں یہ عقیدہ رکھتا ہوں، کہ جو شخص مسلمان ہو کر ایک سچے ولی اللہ کے دشمن بن جاتے ہیں۔ ان سے عملوں کی توفیق چھین لی جاتی ہے، اور دن بدن ان کے دل کا نور کم ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک دن چراغِ سحری کی طرح گُل ہو جاتا ہے۔" (تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰ - ۱۳۱)

اُصولی نکتہ } اس عبارت کے ذیل میں آپ حاشیہ میں لکھتے ہیں:-

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے، جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں۔ گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں۔ اور خلعت مکالمۂ الٰہیہ سے سرفراز ہوں۔ ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔"

انصاف پسند غور فرمائیں } مولوی محمد حسین مکفر اور معاند تھے۔ انہوں نے فتویٰ کفر واپس لیا، دعوے کو تسلیم نہیں کیا، لیکن حضرت صاحب نے ان کے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضرت صاحب کا ایمان تھا کہ آپ محض ملہم اور محدث ہیں اور "صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا"۔ اور یہ اعلان بھی کر دیا کہ "ابتداء سے میرا یہ مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی کافر یا دجال نہیں ہو سکتا" اور "میں اس کا نام بے ایمان نہیں رکھتا"۔ پس ان تحریرات کی رُو سے نہ آپ نبی تھے نہ آپ کے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی مسلمان کافر ہو سکتا ہے۔ نہ آپ نے زندگی بھر کسی کلمہ گو کی تکفیر کی، صرف اپنے مکفرین اور مکذبین سے اظہار بیزاری کیا۔ مگر انہیں بھی کفر کی دوسری قسم میں شامل قرار دیا۔ پھر ان پر ہمیشہ یہ دروازہ کھلا رکھا کہ وہ تکفیر و تکذیب سے رجوع کرکے مجلسی و دینی روابط کو از سر نو قائم کر لیں۔ جیسا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے کیا۔ خدا کرے کہ پرویز صاحب بھی اس عام فہم بات کو سمجھ سکیں۔ اور طلوع اسلام میں اس کا اعلان فرمائیں۔ اس سلسلہ میں مزید وضاحت درکار ہو تو ہم سراپا انتظار ہیں۔ لیکن اس قدر معذرت کے ساتھ کہ پرویز صاحب جو کچھ تحریر فرمائیں اس کے مالہٗ اور ماعلیہ پر حقائق کی روشنی میں غور فرما لیا کریں۔

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ

جملہ احباب سلسلہ کو یہ خبر سُن کر انتہائی قلق ہوگا کہ محترمہ بیگم صاحبہ خان محمد یعقوب خاں صاحب مرحوم ایک طویل اور صبر آزما علالت کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملی ہیں فانا للہ و انا الیہ راجعون۔ اس ضمن میں ہمیں مرحومہ کے صاحبزادگان جناب محمد یوسف خاں، جناب عبدالسلام خاں، جناب کرنل محمد اسلم خاں، برادران جناب ممتاز احمد فاروقی، جناب نصیر احمد فاروقی و ہمشیرگان محترمہ بیگم حضرت امیر مرحوم صاحبہ۔ محترمہ بیگم چوہدری ظہور احمد صاحبہ۔ محترمہ بیگم چوہدری عبدالرحمٰن صاحبہ اور دیگر اعزہ سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور مرحومہ کے اعزہ کو صبر جمیل عطا کرے۔ احباب سے درخواست ہے کہ مرحومہ کے لئے جنازہ غائبانہ میں دعائے مغفرت فرمائیں۔ محمد یوسف خاں اور دیگر برادران کا پتہ یہ ہے:-

۹ ج / ۱۔ احمد بلاک۔ ڈاک خانہ فیروزپور روڈ۔ لاہور

دارالسلام لاہور میں تربیتی کلاس کا افتتاح

آج جامعہ احمدیہ دارالسلام میں بعد نماز جمعہ جناب این۔ اے فاروقی صاحب کے درس قرآن سے تربیتی کلاس کا افتتاح ہوا۔ درس سے پیشتر انچارج تربیتی کلاس محترم پروفیسر خلیل الرحمان صاحب نے مکرم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب سے گذارش کی۔ کہ وہ نائیک پلر تشریف لاکر "تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں" کے مصداق تربیتی کلاس کے اغراض و مقاصد بیان فرمائیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے تلاوت قرآن کے بعد اصحاب صفہ کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا۔ کہ مسجد نبوی میں دینی غرض سے مقیم ایک خاص گروہ کے علاوہ بھی باہر سے لوگ حضور صلعم کے پاس دینی و اخلاقی اور روحانی تربیت کیلئے آتے رہتے تھے ہمارے زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے بھی بار بار جماعت کے لوگوں کو اس غرض کے لئے قادیان میں بار بار آنے اور کچھ عرصہ قیام کرنے کی دعوت دی آج سے کچھ عرصہ پہلے ہم نے بھی اسی سنت نبوی اور ارشاد امام کی تعمیل میں ایبٹ آباد میں سمر سکول کا اجرا کیا تھا جو تقدیر الٰہی سے وہاں تو بند ہو گیا۔ اور اب اسی مفید سلسلہ کو دوبارہ یہاں شروع کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سب بزرگوں۔ دوستوں۔ بھائیوں اور عزیزوں سے درخواست ہے۔ کہ وہ زیادہ سے زیادہ اس خالص روحانی اجتماع سے مستفید ہوں۔

آپ کے بعد محترم فاروقی صاحب نے سورۃ فاتحہ کی آیات کی لطیف تفسیر بیان کرکے کلاس کا باقاعدہ افتتاح کیا۔ آپ کے بیان کردہ معارف سن کر سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ آپ کا درس عنقریب پیغام صلح میں ہدیہ قارئین ہوگا۔ یقین ہے کہ لاہور کے سب دوست جو دارالسلام میں پہنچ سکتے ہیں۔ اس کلاس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

محترم الطاف جاوید

احمدیت اور بانیٔ تحریک کا تاریخی جائزہ

حضرت مرزا صاحب کی تعلیمات کا ایک نہایت ہی مفید پہلو یہ بھی تھا کہ انہوں نے مذہب کے مابعد الطبیعاتی حقائق کو ان کی تجریدی شکل ABStract Form میں پیش کرنے کی بجائے انہیں معاشرتی پس منظر میں بیان فرمایا ہے۔

وجود باری تعالےٰ بعث بعد الموت، وحی الٰہی اور عبادات و اذکار کا عمرانی زندگی کے ساتھ شدید اور گہرا تعلق ہے اگر انہیں معاشرتی ماحول سے الگ کر دیا جائے تو یہ حیاتِ انسانی کے لئے محض ایک "ذہنی مسئلہ" بن کر رہ جائیگا. زندگی اپنے آپ کو سنوارنے۔ ترقی اور مکمل کرنے میں ان سے کوئی مدد اور روشنی حاصل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ حیات انسانی مترادف ہے حیات معاشرہ سے۔ فرد اپنی آنکھ کسی نہ کسی معاشرتی ماحول میں کھولتا ہے۔ اور یہ معاشرتی ماحول پہلے سے تعمیر شدہ اسے ملتا ہے۔ یہ اس کی ذہنی، عقلی اور اخلاقی قوتوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کے فکر و عمل کے لئے مخصوص پیمانے وضع کرتا ہے۔ ہر عقیدہ، نظریہ اور نصب العین اپنے مافیہ کا اظہار اسی عمرانی فضا میں کرنے پر مجبور ہوتا ہے، جو نظریہ، عقیدہ یا فکر حیاتِ معاشرہ کو متاثر نہیں کر سکتا اور اس میں تغیر و تبدل نہیں لاتا وہ فرد کی نفسیات میں بھی کوئی صحت مند تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا۔ فرد کی نفسیات کا ہیولیٰ اس کا معاشرتی ماحول اور اس کے ساتھ اس کے ربط کی نوعیت تعمیر کرتی ہے۔

ا۔ آپ نے فرمایا کہ کسی فرد کو وجود باری تعالےٰ سے جتنی محبت ہوگی اس کی مخلوق کے ساتھ شفقت و محبت بھی اتنی ہی ہوگی۔ خلقِ خدا کے ساتھ ظالمانہ اور استحصالی رویہ رکھنے والا شخص محبت الٰہی کا دعویدار نہیں ہو سکتا مخلوق خداوندی کے ساتھ اس کی محبت ہی وہ معیار اور پیمانہ ہے۔ جس پر اس کے محبتِ الٰہی کے دعوے کو جانچا اور ماپا جا سکتا ہے یہ بات تو عیاں ہے کہ مخلوقِ خدا سے محبت ایک معاشرتی عمل بھی ہے اور معاشرتی حقیقت بھی، کیونکہ اس محبت کا اظہار افراد کی معاشرتی زندگی کو نکھارنے اور سنوارنے کی صورت میں ہی سامنے آتا ہے۔

ب۔ آپ نے فرمایا کہ حیاتِ اُخروی دراصل حیاتِ دنیاوی کا عکس و ظل ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حیاتِ اُخروی کی نجات اور عذاب کا دار و مدار ہمارے معاشرتی اعمال پر ہے، ایک فرد اپنی معاشرتی زندگی میں جتنا سچا، کھرا تعمیر پسند اور ہمدرد و بے لوث ہوگا، اس کی حیات اُخروی بھی اتنی ہی پاکیزہ اور فلاح یافتہ ہوگی۔ مجرّد اذکار و عبادات جو معاشرتی اعمال کی صحتمندی اور تعمیر پسندی سے علاحدہ ہوں کوئی قیمت نہیں رکھتے۔

ج۔ آپ نے فرمایا کہ تعلیمات قرآنی کا مقصدِ نزول فرد کے جسمانی (معاشرتی) اخلاقی اور روحانی حالات و اعمال کی تعمیر و تحسین ہے، فطرتِ انسانی کے یہ تین پہلو باہم مل کر نفسیات فرد میں ایک نامیاتی کل (ORGANIC WHOLE) کو تشکیل دیتے ہیں۔ جس کے اجزاء کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک دوسرے پر منحصر Inter-Dependent) ایک دوسرے سے متعلق Inter-Connection) اور ایک دوسرے پر (Interaction) اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے ایک کے متعلق غلط یا صحیح روش دوسرے دونوں پہلوؤں کو متاثر کرتی ہے۔ ان تینوں پہلوؤں کی جڑیں فرد کی معاشرتی زندگی کی زمین میں پیوست ہوتی ہیں۔ ایک نیم مہذب یا وحشی انسان کو با اخلاق اور مہذب اور با اخلاق کو روحانی بلندیوں تک پہنچانے کا یہ سارا عمل (Process) حیات معاشرہ سے متعلق ہوتا ہے۔ اس لئے فرد اپنے نفسیاتی ارتقاء کے عمل کو قائم و جاری رکھنے کے لئے معاشرتی اعمال کو ہی کام میں لاتا ہے۔ معاشرہ سے الگ ہوکر نفسیاتی ارتقاء کا تصور کیا ہی نہیں جا سکتا۔

د۔ عقیدۂ توحید کا مفہوم اگر معاشی ناہمواریوں، سیاسی غلبہ اور استیلاء، تہذیبی چھوت چھات، رنگ و نسل کی بناء پر باہمی منافرت اور مذہبی گروہ بندیوں کی غیر فطری دیواروں کو گرا کر وحدتِ انسانیت، وحدت افکار و ادیان کے بلند تصورات کو عملی جامہ پہنانا اور دنیا کو ایک خاندان کی شکل میں تحویل کرنا نہیں تو پھر اس کی مابعد الطبیعاتی تجریدیت ایک زندہ معاشرتی حقیقت کیسے بن سکتی ہے اور فرد کی ایسی نفسیات کیسے تعمیر ہو سکتی ہے جو تمام منفی اور تخریبی اقدار سے پاک ہو۔ لہٰذا آپ نے تمام اسلامی اور مذہبی عقائد کو مابعد الطبیعاتی تجریدیت کی قیل و قال محض کے دائرہ سے نکال کر انہیں زندہ اور نمو پذیر معاشرتی حقیقت کی اساس پر قائم کیا۔

آپ کی مجتہدانہ اور تخلیقی تفکر کی کاوشوں کا ایک ثمر یہ بھی تھا کہ علم الکلام کو اس کی جاگیردارانہ عہد کے استخراجی منہاج سے ہٹا کر نئے سرے سے استقرائی اور سائنسی اساس پر استوار کیا۔

علم الکلام دو اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے، اسلامی عقاید کا اثبات اور مذاہب کے باطل نظریات اور فلسفۂ الحاد کا رد کرنا۔ پچھلی صدیوں میں کلامی مباحث نے کئی باہم متحارب و متنازع نقطہ ہائے نظر کے مدرسے پیدا کر رکھے تھے اور ان کے درمیان پائے جانے والے تمام اختلافات کے باوجود ان سب کی عقل قیاسی اور منطق استخراجی پر قائم تھی۔ اس لئے ان تمام کلامی مدرسوں میں معروضی حقیقت Objective Reality کے احساس اور عقل کے استعمال کے لحاظ سے محض درجے کا فرق تھا۔ نوعیت اور ماہیت کا نہیں۔ اعتزالی اور ماتریدی مدرسوں کا نقطہ نظر دوسرے کلامی مدرسوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ معروضی اور تعقل پسند تھا۔

اعتزالی نقطہ نظر دراصل اموی عہد کی جبریت پسند اور تقدیر پرست فلسفۂ حیات کے خلاف ایک شدید ردِ عمل تھا۔ اموی خلفاء نے اپنے ظلم و جور کو چھپانے کے لئے تقدیر پرستی اور جبریت Fatalism and Determinism کے تصورات کو ترویج دی تھی۔ عباسیہ نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے اعتزالی دانش کی سرپرستی کی، جس کی اساس فلسفۂ قدر پر تھی اعتزالی دانشوروں نے عوام کو سمجھایا کہ خدا نے انسان کو صاحب اختیار اور صاحب ارادہ ہستی کے طور پر تخلیق فرمایا ہے۔ جبر، نباتات و حیوان کی تقدیر ہے۔ انسان اپنے عقل و شعور کی روشنی میں جس طریق حیات اور جس طرح کے تہذیبی اور سیاسی اداروں کو اپنے حق میں مفید اور صحت مند سمجھتا ہے، اختیار کر سکتا ہے۔ جبر محض کا فلسفہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اگر اس فلسفہ کو مان لیا جائے تو شرعی تکالیف اور جزاء و سزا اُخروی کا جواز ختم ہو جاتا ہے۔ اس نقطہ نظر اور فلسفۂ حیات نے آہستہ آہستہ اموی ظلم و جور کے ستائے ہوئے عوام میں خود شناسی اور خود اعتمادی کے جذبہ کو اُبھارا، اور عباسیہ نے اس ذہنی بیداری کے سہارے اموی اقتدار کا تختہ اُلٹ دیا۔

عباسیہ نے اقتدار سنبھالنے کے بعد اعتزالیت کو سرکاری سرپرستی میں لے لیا اور اپنی سلطنت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لئے اعتزالی تعقل پسندی سے کام لیتے رہے۔ مگر خود غرض اور مفاد پرست عناصر اسی حد تک عوام اور عقلیت کے ساتھ چلتے ہیں، جہاں تک ان کے اقتدار کو کوئی خطرہ محسوس نہ ہو، اعتزالی عقلیت نے جہاں عرب عوام میں ذہنی بیداری پیدا کی وہاں ایرانی عنصر کو بھی خود شناسی حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ ایرانی عناصر نے برامکہ کی قیادت میں سلطنت کے تمام عہدوں پر قبضہ جما لیا اور تمام مدرسوں میں علوم کے ماہرین کی اکثریت عجمی اسکالرز پر مشتمل ہوگئی۔ مامون کے بعد آنے والے خلفاء عباسیہ نے عرب عوام اور ایرانی عناصر کی بڑھتی ہوئی بیداری کے خطرہ کو بھانپ لیا تھا، اور اپنے اقتدار کو بچانے

نے لئے ایک ایسے مدرسہ فکر کی پشت پناہی کی جو اعتزالی عقلیت کی جگہ دوبارہ اموی عہد کی اندھی تقدیر پرستی اور فلسفۂ جبر کا حامل تھا بلکہ اس نئے فلسفۂ حیات میں تقدیر پرستی اور جبریت کے علاوہ ایک فکری عنصر بھی داخل ہوا وہ تھا قوانین فطرت کے نتائج پر بے یقینی، آگ اپنا اثر کر بھی سکتی ہے اور نہیں بھی، اشعری نقطۂ نظر نے عباسی سلطنت کو عرب عوام اور ایرانی دانشوروں کی دسترس سے بچا لیا اور اعتزالی فلسفۂ قدر اور حیات و کائنات کے متعلق معروضی نقطہ نظر کو خون میں ڈبو دیا۔ تا آنکہ جب تاتاری قوتوں نے اس تقدیر پرست، عوام دشمن اور قوانین فطرت کے نتائج کے متعلق بے یقینی رکھنے والے فلسفہ حیات کی حامی اور عقل پسند دانشوروں کو خون میں شرابور کرنے والی سلطنت کو آ گھیرا تو کوئی عوامی قوت اسے بچانے کے لئے اس کی پشت پر نہ آئی۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد اس اعتزالی عقلیت نے ایک نئے انداز میں پھر ابھرنا شروع کیا، اب کے اس عقلیت کی اساس قیاس کی بجائے تجربہ پر تھی اور تحقیق کے استخراجی منہاج کے بجائے استقرائی منہاج کو اپنا چکی تھی۔ اس نئی عقلی تحریک کی روشنی میں جاگیرداری عہد کی ظلمت انگیزی اور پسماندگی سے عوام نے نجات پانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے اور دیکھتے ہی دیکھتے کرامویل نے چارلس اوّل کا سر کاٹ کر شاہی دروازہ میں لٹکا دیا، فرانس کے بورژوا طبقوں نے پرولتاریہ کی مدد سے وہاں کے اشرافیہ کے خلاف بغاوت کرائی، لوئی یازدہم کو تخت سے اتار دیا گیا اور شاہی حکومت کو ایک جمہوری ادارہ میں بدل دیا گیا۔ مگر شومئ قسمت سے یہاں بھی عباسیہ کی روایت کو دہرایا گیا۔ انقلاب فرانس کے بعد استقرائی اور سائنسی عقلیت کے سہارے اُبھرتے ہوئے محنت کش عوام کی بیداری سے خائف ہو کر بورژوا صاحب اقتدار طبقہ نے پرولتاریہ کی سب سے اہم اور مضبوط تنظیم "پیرس کمیون" کو خون میں ڈبو دیا اور پھر تاتاری بربریت کی طرح نپولین نے اس خونخوار جمہوریت کو ختم کر کے بادشاہت قائم کر دی۔

حضرت مرزا صاحب کے عہد میں یہ نئی اعتزالی عقلیت انگریز کے ساتھ برصغیر میں پہنچ چکی تھی اور انگریز اپنے سامراجی مقاصد کے لئے اسے تعلیمی نظام کے ذریعہ عوام کے ذہنوں میں اتارنا چاہتے تھے تاکہ یہاں کے پچھڑے ہوئے جاگیرداری عناصر کے خلاف جو آئے دن اس کے اقتدار کو چیلنج کرتے رہتے تھے ایک مضبوط فکری محاذ قائم کیا جا سکے۔

عقلیت کو استعمال کرنے والی قوتیں اس کی ترویج و اشاعت میں اگرچہ نیک نیت نہ ہوں۔ مگر عقلیت بذات خود اپنی ایک منطق رکھتی ہے۔ جس کے نتائج کا ظہور میں آنا لابدی اور اٹل ہوتا ہے۔ سائنسی عقلیت کے نور نے یہاں بھی اپنا کام کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستانی قوم میں اُبھرتی ہوئی خودشعوری اور خوداعتمادی نے ایک زبردست قومی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ حضرت مرزا صاحب بھی ان معماروں کی صف میں شامل ہیں، جنہوں نے مختلف شکلوں میں برصغیر میں سائنسی اور استقرائی عقلیت کے اجالے کو پھیلانے میں بھرپور حصہ لیا۔

حضرت مرزا صاحب کا محاذ چونکہ مذہب تھا اس لئے انہوں نے علم الکلام کی اصلاح کے ذریعہ اس نور کو پھیلانے کی کوشش فرمائی۔ اس نئی عقلیت کے ماتحت جس نئے ذہن نے تشکیل پائی اسی کے تقاضوں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا کہ :-

"بلاشبہ تصوف نے انا کے نئے نئے باب کھولے ہیں اور اس کو اپنے تجربہ کا خاص طور پر موضوع بنایا ہے۔ اس کا ادب روشنی پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن اس کی مخصوص اصطلاحات جو کہ فرسودہ مابعد الطبیعات نے تشکیل دی ہیں، ایک نئے دماغ پر موت کا اثر ڈالتی ہیں۔ ایک نامعلوم شئے کی تلاش جیسا کہ نوافلاطونی تصوف میں ظاہر کیا گیا ہے، چاہے وہ عیسائی ہو یا اسلامی ایک نئے دماغ کو مطمئن نہیں کر سکتی۔ نئے دماغ کی عادت یہ ہے کہ وہ محسوس چیزوں کو سوچتا ہے اور خدا کا ایک زندہ اور محسوس تجربہ کرنا چاہتا ہے۔"

(لیکچر: خدا کا تصور اور عبادت کا معنیٰ)

حضرت مرزا صاحب نے علم الکلام کو یونانی فلسفہ کی فرسودہ اصطلاحات سے پاک و صاف کیا اور پھر اس کے تمام مسائل کی اساس زندہ اور محسوس تجربہ پر رکھی، اس میں سے مابعد الطبیعاتی ظلمت (Obscurism) کو نکال باہر کیا اور خالص عقلیت کے ذریعہ مسائل پر غور کرنے کی تلقین کی اور تحدی کے ساتھ دعویٰ کیا کہ "خدا کا زندہ اور محسوس تجربہ کیا جا سکتا ہے"

آپ نے لوگاس (Logos) کے یونانی تصور کو جس نے اُپنشد فلسفہ سے انجیل مقدس میں آ کر "ابتداء میں کلام تھا اور کلام ہی خدا تھا" کی شکل اختیار کر لی تھی، اس سائنسی عہد میں نئی آن بان کے ساتھ پھر سے زندہ کیا، اور اسے ذاتِ خداوندی کا زندہ و محسوس تجربہ کرنے کی اساس بنایا، اور اس عظیم الشان تجربہ کے لئے انسانی نفسیات کو تیار کرنے کے لئے، جاگیرداری عہد کے طویل اور تکلیف دہ متصوفانہ اشغال کی جگہ دُعا کو ذریعہ قرار دیا۔ دُعا کرنے والا ذاتِ خداوندی کو حیّ و قیوم اور قادر و توانا تصور کرتے ہوئے اس کے ساتھ راست تعلق اور ربط پیدا کرتا ہے۔ دُعا اعتقاد اور جذبہ دونوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لئے ذہنی اور نفسیاتی دونوں قوتوں کو بیک وقت تحریک میں لاتی ہے۔ یہ عبادت کی کسی مخصوص ہیئت کی پابند بھی ہے اور اس سے آزاد بھی، یہ اپنی ماہیت میں تامل (Contemplation) اور گیان دھیان (MEDITATION) کی خصوصیات کی حامل بھی ہوتی ہے اور معروضی حقیقت (Objective Reality) سے دُعا گو کا رشتہ بھی منقطع نہیں ہونے دیتی۔ یہ تمام مذاہب کا مغز اور تمام عبادات کی رسوم و ہیئات کی اساس بھی ہوتی ہے۔ یہ ذاتِ خداوندی کو بحیثیت آئیڈیل اور ماورائی شکل (Transcendental Form) میں پیش کرتی ہے، جس سے دُعا گو کے قلب میں تعمیری اور اعلےٰ جذبات کا ایک سمندر موجزن ہو جاتا ہے، اور جذبہ کی کسی بلند موج کی مدد سے وہ اپنے وجود کے سفلی اور ادنےٰ درجوں سے گذر کر اعلےٰ اور مافوق البشری درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور حقیقت اولیٰ سے رابطہ قائم کر لیتا ہے۔ کیونکہ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ "خدا وجود کی روحانی اساس ہے"

لہٰذا حضرت مرزا صاحب کے نزدیک علم الکلام محض ذہنی ورزش اور دلائل بازی کا ہی نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ اپنی ایک سائنسی اور تجربی بنیاد بھی رکھتا ہے۔ یونان کے غیر تجربی اور قیاسی فلسفہ کی اصطلاحات اور منطق استخراجی کے منہاج پر اپنی اساس رکھتے ہوئے اسلامی علم الکلام حیات کے روحانی اور معروضی دونوں قسم کے تجربات سے محروم ہو چکا تھا، حضرت مرزا صاحب نے تجربہ کے سائنسی اور وجدانی منہاج کی حدود سے وجود اور علم کے اسرار سے اسے مالا مال کر دیا آپ کے تخلیق کردہ لٹریچر کے بین الدفتین یہ گرانبہا علم الکلام محفوظ ہے اور تخلیقی تنقید (Creative Criticism) کی اہلیت رکھنے والے کسی نقاد کا آج تک منتظر ہے، جو اسے مدوّن شکل میں صفحہ قرطاس پر لا کر عالمی دانش کے متلاشی ذہن کے سامنے رکھ دے۔

یہ اس چشمۂ رواں میں سے چند قطرے ہیں، جنہیں حضرت ساری عمر خلق خدا میں تقسیم فرماتے رہے، اگرچہ اس چشمۂ رواں کو انہوں نے بحرِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک قطرہ قرار دیا ہے۔ اللّٰھم صلِّ علیٰ محمد و علیٰ آلِ محمد و بارِک وسلّم انک حمیدٌ مجید۔

(جاری ہے)

جلسہ پشاور کا التواء

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام پشاور کا سالانہ جلسہ ۲۷، ۲۸ کو ہونا قرار پایا تھا۔ جو بعض ناگزیر وجوہ کی بناء پر ملتوی کر دیا گیا ہے۔ نئی تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ احباب نوٹ فرمالیں۔

محمد الرحمٰن۔ سیکرٹری جماعت پشاور

اپیل

مسجد دارالسلام لاہور کے لئے دری صفوں کی ضرورت ہے۔ مخیر احباب سے اس فنڈ میں عطیات کی درخواست ہے۔

فضل حق۔ ناظم دارالسلام۔ لاہور۔

محترم چوہدری شکراللہ خان منصور ایڈووکیٹ (آخری قسط)

ختمِ نبوّت اور غلام احمد پرویز

سوال نمبر(۱۰)

ہم پوچھتے ہیں :-

کیا ان الفاظ کا لکھنے والا اسلام کا دشمن ہوگا یا اسکا فدائی اور پرستار؟

پرویز صاحب کہتے ہیں مرزا غلام احمد انگریز حکمرانوں کا خود کاشتہ پودا تھے

کس قدر حیرت خیز نامعقول الزام ہے۔ مقامِ غور ہے

بھلا اپنے دین و مذہب کی مٹی پلید کرانے کے لئے بھی کوئی پودا کاشت کرتا ہے؟ اور

بھلا اپنے خدا کی خدائی کا ستیاناس کرانے کے لئے بھی کبھی کسی نے کوئی پودا کاشت کیا ہے؟

کس قدر جھوٹا۔ بیہودہ الزام ہے سے

کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو - کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

عذرِ گناہ بدتر از گناہ } ہمارے مندرجہ بالا سوالات میں سے ایک سوال کا ذکر جیسا کہ پرویز صاحب نے لکھا ہے احمدی حضرات کی طرف سے اکثر ہوتا رہا ہے۔ اس کا جواب انھوں نے اپنے رسالہ "طلوعِ اسلام" کے پرچہ مارچ ۱۹۷۵ء میں لکھا ہے۔ ان کا یہ جواب عذرِ گناہ بدتر از گناہ سے بھی بدتر ہے سوال بالفاظ پرویز صاحب مندرجہ ذیل ہے :-

"میں ایک عرصہ سے کہتا چلا آ رہا ہوں کہ کشف و الہام کے عقیدہ سے ختمِ نبوّت کی مہر ٹوٹ جاتی ہے .... احمدی حضرات نے اس کے خلاف مضامین بھی لکھے اور مجھے خطوط بھی لکھے ان کے دلائل کا ملخص یہ ہے کہ

بڑے بڑے صوفیاء کرام اور اولیاء عظام نے کشف و الہام کے دعوے کئے ہیں۔ اگر اس قسم کے دعوے کی بناء پر مرزا صاحب کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جا رہا ہے تو یہ فرمایئے کہ ان بزرگوں کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟

۱- یہ دعوے خلافِ قرآن غلط اور جھوٹے تھے

۲- ان کے یہ دعوے قرآنی تعلیم سے ناواقفیت پر مبنی تھے

۳- ان میں سے جن کی خود نوشت تحریر نہ مل سکے ان کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی طرف ایسے دعوے کی نسبت غلط ہے۔ اگر وہ قرآنی تعلیم کا علم رکھتے تھے تو انہوں نے ایسا دعوے نہیں کیا ہوگا

۴- جن کی اپنی تحریریں مل جائیں ان کے متعلق ہم کہیں گے کہ انہوں نے اپنے "خیالات" کو خدا سے براہِ راست علم یعنی وحی خداوندی قرار دیا

۵- ان میں بعض مکار فریب کار تھے ایسے دعوے کرکے لوگوں کو اپنے پھندے میں پھنساتے تھے

۶- ان میں بعض مراقبوں ریاضتوں سے پیدا کردہ اپنے ذہنی تصورات (HELUCINATIONS) کو خدا کی وحی بتلاتے تھے۔

۷- ان تمام اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کے یہ دعوے صحیح نہ تھے بلکہ سراسر جھوٹے تھے کیونکہ دین میں سند اور حجت خدا کی کتاب ہے

بالفاظ دیگر اولیاء صوفیاء موصوف پر پرویز صاحب کا کھلا فتوے یہ ہے کہ وہ

۱- منکرین ختمِ نبوّت تھے ۲- دعویدار نبوّت تھے ۳- صاحب کتاب ہونے کے مدعی تھے ۴- مکار اور شعبدہ باز تھے ۵- قرآن سے بے علم تھے ۶- مفتری علی اللہ تھے ۷- مخالفِ قرآن گمراہ تھے ۸- غلط فہم اور جھوٹے تھے۔

بایں ہمہ پرویز صاحب کہتے ہیں بجواب سوال مذکورہ کہ ان کے متعلق وہ کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتے کیونکہ ان کا معاملہ خدا سے ہے کوئی پوچھے کہ ان فتووں کے علاوہ اور کیا فیصلہ صادر کروگے؟ کیا ان کی قبریں کھودوگے؟ فیصلہ صادر کرنے سے ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک وہ زبان و قلم سے صاف الفاظ "غیر مسلم خارج از اسلام" نہ کہیں اور لکھیں فیصلہ "صادر" نہیں ہوتا ہے

بریں عقل و دانش بباید گریست

پرویز صاحب ذرا اپنی کتاب "ختمِ نبوّت اور تحریکِ احمدیت" کو سامنے رکھیں اور بتلائیں کہ جب بقول ان کے

کشف و الہام خدا سے براہ راست علم کا نام ہے **اور**

براہ راست علم وحی خداوندی ہے **اور**

وحی خداوندی کا نام آسمانی کتاب ہے **اور**

ختمِ نبوّت کے معنے ختمِ وحی ہے

تو پھر کشف و الہام کا دعوےٰ ختمِ نبوت کا انکار۔ نبوت کا دعوےٰ بلکہ صاحبِ کتاب ہونے کا دعوےٰ ہوا یا نہ ہوا؟ اور پھر جب حسبِ مسلمات پرویز صاحب

ختمِ نبوّت کا منکر **اور** نبوّت کا مدعی **اور**

صاحبِ کتاب ہونے کا دعویدار

غیر مسلم خارج از اسلام ہوتا ہے تو پھر یہ اولیاء کرام اور صوفیائے عظام جو مدعیانِ کشف و الہام تھے ان کے اصول اور فتوےٰ کے مطابق غیر مسلم خارج از اسلام نہ ہوئے تو اور کیا ہوئے؟ اس سلسلہ میں پرویز صاحب کے اصول و کردار اور قول اور فعل کے تضاد کی صورت یہ ہے کہ

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

مگر یہ صریح عیاری اور چالبازی ہے - یہ پرویزی فیصلہ مسلمانوں کے ایک حصے کے متعلق ہے یعنے ان کے اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کے متعلق مسلمانوں کا دوسرا حصّہ بھی ہے جو ان اولیاء صوفیاء کو سچا مانتے ہیں ان کے متعلق پرویز صاحب لکھتے ہیں :-

"جو لوگ ان بزرگوں کے کشف و الہام کو مانتے ہیں ان کے سامنے قرآن کریم کی صحیح تعلیم نہیں۔ مسلمانوں میں بے شمار ایسے عقائد اور رسوم رواج پذیر ہو چکی ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں انہی میں یہ عقیدہ بھی شامل ہے - یہ ان کی جہالت ہے۔ وہ کفر و شرک نہیں جس کی بناء پر ایک شخص اُمّتِ محمدیہ کے زمرہ سے کٹ کر الگ ہو جاتا ہے۔ جب قرآن کی تعلیم عام ہو جائے گی تو اس قسم کے عقاید ختم ہو جائیں گے" (طلوعِ اسلام مذکور)

یہ جواب ہے یا بے باکی اور گستاخی کا طوفانِ بے تمیزی۔ سچ ہے کہ پرویز صاحب نے خود لکھا ہے :

"انسان جب بے باک ہو جائے تو اس کی حدود فراموشی کی کوئی انتہاء نہیں رہتی"

کہتے ہیں :-

۱- مسلمانوں کے تمام اولیاء کرام اور صوفیاء عظام غلط فہم اور جھوٹے تھے

۲- مسلمانوں کے تمام علماء اور عوام تعلیمِ قرآنیہ سے نابلد جہالت کے پتلے ہیں اور تھے۔

اسی لئے ان کو اُمّتِ محمدیہ کے زمرہ سے کاٹا نہیں جا سکتا- لیکن یہ ضرور ہے کہ

(أ) خدا کا فرمان "خیر امّۃ" کا جھوٹا ٹھہرا

اور

(ب) محمد رسول اللہ کا مشن قرآنی تعلیم پھیلانے کا ناکام ہوا۔ استغفراللہ معاذاللہ- کیسی بے پناہ ہلاکت خیزی ہے- خدا کا فرمان جھوٹا- محمد رسول اللہ

کا مشن ناکام - اولیاء کرام صوفیاء عظام غلط فہم مفتری - علماء یکسر بے علم اور عوام مسلمان جہالت کے مثالی نمونے - اعوذ باللہ من ھذہ الھفوات والخرافات - اس تمام ہلاکت خیزی کی بنیاد پرویز صاحب کا یہ خود ساختہ بھونڈا مفروضہ ہے کہ

" وحی صرف نبی پر آتی ہے غیر نبی پر نہیں آتی

اور

ختم نبوت کے معنے ختم وحی ہے "

یہ خانہ ساز مفروضہ کھڑا کر کے سب طرف متذکرہ بالا طوفانِ ہلاکت برپا کرتے ہیں - وہ خود اگر ایسا کہیں تو اس پر کسی کو کیا اعتراض ہے مگر وہ غضب یہ ڈھاتے ہیں کہ اس باطل مفروضے کو قرآنی تعلیم قرار دے کر افتراء علی اللہ سے کام لیتے ہوئے لوگوں کو اس مغالطہ اور فریب میں مبتلا کرتے ہیں کہ یہ قرآن کی بات ہے. حالانکہ اس مفروضہ کی کوئی شق قرآن کریم کی کسی آیت میں مذکور نہیں ہے یعنے قرآن کریم میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ

۱- وحی صرف نبی پر آتی ہے

۲- یا غیر نبی پر وحی نہیں آتی

۳- یا ختم نبوت کے معنے ختم وحی ہے

ختم نبوت سے یہ معنے تو مراد ہیں کہ وحی نبوت ختم ہے لیکن یہ کہ مطلق وحی ختم ہو گئی ہے کہیں نہیں لکھا ہے نہ کسی طرح یہ استدلال اور استنباط ہو سکتا ہے . پرویز صاحب کا یہ مفروضہ از روئے قرآن بالکل جھوٹا ہے خدا ساری کائنات کا خالق اور اس کا رب ہے - وہ جس طرح ساری کائنات کی سنتا اور اس کو دیکھتا ہے اسی طرح وہ ساری کائنات سے کلام بھی کرتا ہے - پرویز صاحب اس پر حاکم نہیں ہیں کہ اسے صفتِ ازلی ابدی سے روک دیں قرآن کریم میں تمام کائنات انسانی اور غیر انسانی - نبیوں اور غیر نبیوں کی طرف وحی آنے کا ذکر موجود ہے جیساکہ ہمارے مضمون ماسبق میں ثابت کیا گیا ہے - صاف و صریح قرآنی آیات کو ایچا پیچی سے جھٹلانا کلامِ خدا سے انکار کے مترادف ہے - اس خود ساختہ مفروضہ کی ہلاکت خیزیاں وہ جرأتیں - جسارتیں ہیں جو پرویز صاحب کا طغرائے امتیاز ہیں -

پرویزی مفروضہ کے لازمی نتائج جس طرح احمدیوں پر چسپاں ہوتے ہیں اسی طرح امتِ محمدیہ کے تمام اولیاء - صوفیاء - علماء اور عوام پر بھی چسپاں ہوتے ہیں مگر پرویز صاحب ان کو جھوٹے - فریب کار - مفتری اور جہلاء تو کہیں گے مگر غیر مسلم خارج از اسلام کے الفاظ صرف احمدیوں پر چسپاں کریں گے ان پر نہیں گو پرویز صاحب کے تمام استدلال و مفروضات کے مطابق خود بقول ان کے یہ حضرات ان الفاظ کے اولین مستحق ثابت ہوتے ہیں - لیکن پرویز صاحب اگر یہ الفاظ زبان و قلم سے ان کے حق میں لکھ دیں تو خود جائیں کہاں ؟ کس اُمتِ محمدیہ کی بات کریں ؟ اور منافقانہ چالبازی سے اپنی ملحدانہ اشتراکی تعلیم قرآن کے نام پر کن لوگوں میں عام کریں ؟ ترمیم آئین کے حکومتی فیصلے سے پرویز صاحب کا دلیر ہو جانا معقول ہے - یہ فیصلہ کوئی نیا یا انوکھا نہیں - تاریخ اسلام اس قسم کے حکومتی فیصلوں بلکہ اس سے کہیں زیادہ ظالمانہ جابرانہ فیصلوں کے واقعات سے بھرپور ہے ان فیصلوں کا مدار دین پر نہیں بلکہ سیاسی اغراض پر ہوتا ہے - واقعۂ ہائلہ کربلا - آئمہ اربعہ امام ابو حنیفہ شافعیؒ حنبلؒ اور مالکؒ پر کفر سازیاں - زبردستیاں - حضرت مجدد الف ثانی اور دیگر اولیاء اللہ پر ظلم و جور ایسی بے شمار مثالیں ہیں - مگر بالآخر حق کی ہمیشہ فتح ہوئی ہے - یہ پرویزی نظریہ شاہکار بطالت ہے کہ حق چودہ صدیوں سے دبا چلا آ رہا ہے اور جھوٹ کامیاب و کامران - جیسا کہ پرویز صاحب نے اپنے جواب میں لکھا ہے کہ قرآنی تعلیم نظروں سے اوجھل رہی ہے اور ابھی تک اوجھل ہے اور باطل غالب و کامیاب اور کہتے ہیں کہ جب قرآنی تعلیم عام ہو جائے گی، تو عقائد باطلہ ختم ہو جائیں گے - لیکن سوال یہ ہے کہ یہ تعلیم عام کب ہوگی - کہاں ہوگی اور کون کرنے گا ؟ چودہ صدیوں میں تو عام ہو نہیں سکی اب اس کے عام ہو جانے کی کیا گارنٹی ہے ؟ کیسی نا معقول باتیں اور فضول مفروضات ہیں مگر نہیں ؟ پرویز صاحب کا مطلب ملحدانہ اشتراکی تعلیم کا عام کرنا ہے - جو ان کی زندگی کا مقصد اور عمر بھر کا مشن ہے - بلاشک وہ بانیٔ کمیونزم کارل مارکس کے پختہ کار شاگرد رشید ہیں - یہی سبب ہے کہ وہ بلا خوف لومۃ و لائم اور بے دھڑک

تمام اولیاء و صوفیاء اسلام کو غلط فہم جھوٹے

اور

تمام مسلمانوں اور علمائے اسلام کو بے علم جاہل

اور

خدا تعالےٰ کو بےکار اور بے اختیار

احادیثِ رسول اللہ کو مخدوش ساقط الاعتبار

قرار دے کر اکیلے میدان میں کھڑے اکڑے ہوئے ہیں - وہ ایسا کیوں نہ کریں خدا سے "آزاد" ہیں - صاحب اختیار و ارادہ ہیں - وہ بہت کچھ کرتے ہیں بول بول کر لوگوں کے جی بھرماتے ہیں - لکھ لکھ کر ورقوں کے ورق سیاہ کرتے ہیں - شریعت کی حدود و پابندیاں قابلِ ترمیم و تبدیل قرار دے کر اپنے حلقہ بگوشوں کے دل خوش کرتے ہیں - خدا کچھ بھی نہیں کر سکتا - نہ سُن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ بول سکتا ہے - پرویز صاحب اپنی ان سب صفات میں خدا سے کہیں بڑھ کر ہیں - خدا کے متعلق تو اب کہہ بھی نہیں سکتے کہ وہ اب ہے یا ہے ہی نہیں لیکن پرویز صاحب پورے جاہ و جلال کے ساتھ سب کے سامنے ہیں - اس وقت خدا کا پرویز کے ساتھ کوئی مقابلہ ہی نہیں - پھر وہ ایسا کیوں نہ کریں ؟ بے شک کریں مگر ہم چند باتیں ان سے پوچھنے کی جرأت کرتے ہیں -

اوّل - اولیاء و صوفیاءِ اسلام صاحبان علم تھے قرآن کریم پڑھتے تھے - اس پر عمل کرتے تھے اسی عمل کے فیض اور برکت سے انکو منجانب اللہ کشف و الہام کی نعمت سے نوازا گیا - ہزاروں لاکھوں مسلمانوں نے اپنے ذاتی مشاہدات اور تجربات سے ان کی صداقت کو پرکھا اور جانا - اس حقیقتِ واقعہ کے پیشِ نظر ان ہزارہا اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کو سچا اور آپ اکیلے کو جھوٹا کیوں قرار نہ دیا جائے ؟

درآنحالیکہ آپ کو یہ واقعہ بھی خوب معلوم ہے کہ خدائے جلّ و علا کے سامنے تمام فرشتوں کے بالمقابل "ابلیس" اکیلا اکڑ گیا تھا -

دوم : قرآنی تعلیم کو جاننے کے آپ اکیلے "ٹھیکیدار" نہیں ہیں اور نہ اس "ٹھیکیداری" کی کوئی مہر آپ کے ماتھے پر لگی ہے - اولیاء - صوفیاء - علماءِ اسلام کو اس بارے میں دامتیاز اور آپ اکیلے کو غلط گو کیوں نہ کہا جائے ؟ جبکہ چودہ صدیوں میں قرآنی تعلیم کے بے شمار عالم - مفسر اور محدث پیدا ہوئے ہیں جن کی وجہ اور کوششوں سے قرآنی تعلیم دنیا میں پھیلی اور دینِ اسلام کا عالم میں چرچا ہوا اور انہی کی سعی و عمل اور فیوض و برکات سے کروڑوں بے دین لوگ حضرت نبیٔ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بوس ہوئے -

سوم : کروڑ در کروڑ مسلمانوں اور لاکھوں علمائے اسلام کو بے علم جاہل ٹھہرانے کی بجائے آپ اکیلے کو دماغی عدم توازن کا مریض کیوں نہ سمجھا جائے ؟

چہارم : آپ نے لکھا ہے کہ "ہم کہہ سکتے ہیں" یا "ہم کہیں گے" کہ اولیاء صوفیاء نے ایسا دعوےٰ نہ کیا ہوگا یا ان سے غلطی ہو گئی ہوگی - اس "ہم" سے آپ کی مراد کون لوگ ہیں ان کی نشاندہی فرمائیں -

برلن مسلم مشن کی رپورٹ ——— بقیہ صفحہ ۲

بقیہ صفحہ ۲

محدود حلقہ میں تقریب سرانجام پائی -

سیالا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت پر جو تقریر میں نے کی اسے سائیکلو سٹائل کر کے احباب میں تقسیم کیا گیا - اور بعض عیسائی اور جرمن نومسلم جرنلسٹ کو یہ کاپی بھجوائی گئی -

برلین مسجد کی تصاویر اور امام الجامع کے خطبات اور یہاں منعقد ہونے والے

جلسہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم دار السلام لاہور

مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۷۵ء بروز اتوار بمقام جامع دار السلام۔ نزد نیو کیمپس لاہور عید میلاد النبی کے سلسلہ میں ایک مبارک اجتماع ہوا۔ پروگرام کے مطابق جلسہ کی کارروائی کا آغاز مکرم مولانا محمد عبداللہ صاحب کی صدارت میں ٹھیک ۹ بجے ہوا تلاوت قرآن کریم کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظم

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے

چوہدری محمد حیات صاحب نے نہایت خوش الحانی سے پڑھی۔ مکرم چوہدری نذر رب صاحب ایم۔ اے۔ سٹیج سیکرٹری نے جلسہ کی غرض و غایت بیان کی۔ جلسہ کے پہلے مقرر مکرم حفیظ الرحمان صاحب نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اور بتایا۔ کہ حضور کی زندگی میں انسانیت کی رہنمائی کے لئے قیامت تک کے لئے نمونہ و تعلیم موجود ہے۔

آپ کے بعد عزیز اقبال احمد (خلف الرشید جناب ماسٹر اصغر علی صاحب) متعلم جماعت ہشتم صدر اطفال الاحمدیہ نے سیرت پاک پر بڑی برجستہ، پیاری اور شگفتہ اور پُر جوش تقریر کی۔ ننھے مقرر نے اپنی تقریر کے اختتام پر دعا بھی کی۔ کہ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس تقریر کو سامعین نے بہت سراہا۔

عزیز اقبال احمد کے بعد جناب میرزا مسعود بیگ صاحب نے ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما کی تلاوت سے اپنی تقریر کا آغاز فرمایا۔ اور کہا کہ آج ہم اس عظیم الشان ہستی کی ولادت کا دن منا رہے ہیں۔ جو خلاصہ کائنات ہے۔ جس پر اللہ نے نہ صرف خود درود بھیجا ہے۔ بلکہ مومنوں کو بھی درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مغرب میں صرف احمدیوں ہی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی صحیح تصویر پیش کی ہے۔ آپ نے اپنی تقریر میں ایک انگریز مصنف کا حوالہ دیا۔ جس نے اپنی کتاب میں حضور کی عظمت کا اقرار کیا ہے۔ پھر آپ نے مسٹر برنارڈ شا کا بھی حوالہ دیا۔ جس نے یہ پیشگوئی کی تھی۔ کہ آیندہ ایک سو برس کے اندر یورپ کا مذہب اسلام ہوگا۔ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کا ذکر فرماتے ہوئے بتایا۔ کہ تقریباً ۲۰۰۰ صد کے قریب صحابہ قرآن و حدیث میں آپ کے شاگرد تھے۔ اپنی تقریر میں آپ نے آنحضرت صلعم کی شادیوں پر روشنی ڈالی اور دشمنوں کی نکتہ چینی کا مدلل جواب دیا۔

اس کے بعد مرزا محمد سلیم اختر صاحب نے خوش الحانی سے حضرت مرزا صاحب کی فارسی نظم "چوں زمن آید ثنائے سرور عالی تبار" پڑھی اور حضور محمد صلعم کی عظمت و رفعت سے متعلق حضرت مرزا صاحب کی ایک کتاب کا اقتباس بھی پڑھ کر سنایا۔ پھر مکرم و محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب سٹیج پر تشریف لائے سورۃ النجم کی پہلی چند آیات تلاوت فرمائیں اور بتایا۔ کہ ان آیات میں حضور صلعم کا مقام بیان فرمایا گیا ہے۔ حضور کا نام محمد ہے اور مشیت الٰہی کے تحت یہ نام منتخب ہوا ہے۔ دنیا میں آج تک ایسا اسم بامسمیٰ انسان ہمارے سامنے نہیں آیا۔ جو حضور کی مانند پوری انسانیت کے لئے نمونہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضور کی جتنی تعریف آج تک کی گئی ہے، اس کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کی تعریف میں اتنے اوراق لکھے گئے ہیں۔ کہ زمین کی وسعت ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں کا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں جس میں حضور پر درود نہ بھیجا جاتا ہو۔ جب تک دنیا قائم ہے یہ تعریف ہوتی رہے گی اور بڑھتی ہی جائے گی۔ محمدؐ نام کے اندر یہی راز رکھا گیا ہے۔ اس زمانہ کے امام نے نظم و نثر میں حضور کے محامد کو بڑی خوبی سے بیان فرمایا ہے۔ نظم کا جو نمونہ میں نے اپنی تقریر کے لئے منتخب کیا تھا۔ وہ مرزا سلیم اختر صاحب نے بڑی خوش الحانی سے سنا دیا۔ عاشق رسول ہونے کا دعوےٰ تو بہت کرتے ہیں مگر حضرت میرزا صاحب ایسا عاشق قرآن و رسول دیکھنے میں نہیں آتا۔

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم ٭ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

ایں چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم ٭ یک قطرۂ ز بحر کمال محمدؐ است

اور حضور کے ان شعروں میں کتنی فدائیت ہے۔ فدائیت و جاں نثاری کے جوہر کا نمونہ ملاحظہ ہو:

دریں رہ گر کشندم ور بسوزند ٭ نتابم رو ز ایوان محمدؐ

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش ٭ محمدؐ ہست برہان محمدؐ

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے ٭ جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

مکرم ڈاکٹر صاحب کے بعد مکرم مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی نے حضور صلعم کے مقام کی عظمت اور ویدوں میں حضور کی آمد کی پیشگوئی کا ذکر فرمایا۔ اور اس سلسلہ میں مشہور آریہ مناظروں سے اپنے مقابلوں کا دلچسپ انداز میں تذکرہ بھی کیا۔ اور بتایا کہ یہ حضور صلعم ہی کا معجزہ ہے کہ جن دو آدمیوں سے میں نے سب سے زیادہ مناظرے لئے وہ دونوں آخری عمر میں مسلمان ہو کر مرے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

ودیارتھی صاحب کے بعد جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب ایم۔ ایس۔ سی نے "ختم نبوت کا قائل کون" کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ اور کہا کہ آج ہم سب یوم میلاد النبی منانے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اور اس دن کا ختم نبوت کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ آپ نے حضرت مرزا صاحب کا یہ شعر

جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است ٭ خاکم نثار کوچۂ آل محمدؐ است

پڑھنے کے بعد سامعین سے پوچھا کیا محمد رسول اللہ صلعم کے ساتھ یہ جذبات محبت و عشق رکھنے والا شخص منکر ختم نبوت ہو سکتا ہے؟ افسوس ہے۔ کہ اس مسئلہ پر ملک میں دو دفعہ خون خرابہ کی ناحق کوشش کی گئی۔۔ بیسیوں [illegible] خون سے لتھڑے رنگے گئے اور ان کی املاک کو تباہ کیا گیا۔

ان کے بعد مرزا سلیم اختر صاحب نے

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب ٭ ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

کے شعر سے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور فرمایا:

دنیا عجیب ہے۔ اور عشق و مستی کی کیفیت اس سے بھی عجیب تر ہے۔ مذکورہ بالا شعر میں عشق و مستی کی یہی حالت سمو دی گئی ہے۔ حضور صلعم اسوۂ حسنہ ہیں۔ کسی نبی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی تعلیم کا عکس اس کے پیروؤں کی زندگی میں نظر آجائے۔ اس لحاظ سے حضور دنیا کے سب سے کامیاب ترین پیغمبر ہیں۔ آپ کے مریدوں نے اپنے بھائیوں اور باپوں تک کو چھوڑ دیا۔ مگر حضور کے ساتھ لگے رہے جنگ میں ایک صحابی کے جسم کے ستر ٹکڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ صرف ان کی بہن نے لاش کے کسی حصہ سے اپنے بھائی کو شناخت کیا

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے ٭ لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

آپ کی تقریر کے بعد صدر مقامی جماعت چوہدری مسعود اختر صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور حضور صلعم کے خیر البشر ہونے کے دلائل دیئے چوہدری صاحب کی تقریر اپنے موضوع اور اہمیت کے لحاظ سے مختصر کرنے کے بجائے آیندہ کسی اشاعت میں مکمل شائع کی جا رہی ہے۔

صدر جلسہ محترم و مکرم جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب آنریری مبلغ امریکہ نے اپنی تقریر میں فرمایا: کہ پاکستان آنے سے قبل جلسہ سالانہ پر آنے کا ارادہ تھا۔ تاکہ بیرونجات کے سب دوستوں سے بھی ملاقات ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ آج اس چھوٹے سے جلسہ میں بھی جلسہ سالانہ کی کیفیت نظر آگئی ہے۔ یہ صرف ایک نشست کا جلسہ ہے۔ ورنہ میں تقریریں ٹیپ کر کے امریکہ میں دوستوں کو جا کر سناتا امریکہ میں تبلیغ اسلام کا بڑا وسیع میدان ہے۔ وہ لوگ آپ کی باتیں اور خیالات سننے کے لئے تیار ہیں۔ ان لوگوں میں بڑی رواداری ہے۔ جو اس طرف کے لوگوں میں نہیں۔

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

محترم خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب
آنریری سیکرٹری جماعت راولپنڈی۔

جماعت احمدیہ راولپنڈی کا جلسہ یوم نورالدین اعظمؓ

جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام راولپنڈی نے ۲۳ مارچ ۱۹۷۵ء کو یوم نورالدین اعظمؓ منانے کا پروگرام بنایا تو نہ جانے کیوں موسم گرما کی حدت سردی کی شدت میں تبدیل ہوگئی، مری کی پہاڑیاں سنگ مرمر کی شکل اختیار کر گئیں۔ اور یخ بستہ ہوائیں بڑی تیزی سے چلنے لگیں۔ جلسہ سے چند گھنٹے پہلے جب بارش نے آ لیا تو منتظمین جلسہ کی پریشانی دیدنی تھی۔ غرضیکہ بارش تیز سے تیز تر ہوتی گئی اور شدید سردی کے باوجود احباب جماعت حضرت مولینا نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر سننے کے لئے دھیرے دھیرے جمع ہونے لگے۔ اور جلسہ کے وقت تک احباب کا عظیم الشان اجتماع ہوگیا۔ مستورات اور بچے بھی جلسہ کی رونق کو دوبالا کرنے کے لئے سردی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے آ جمع ہوئے۔ اور لاہور۔ سیالکوٹ۔ واہ۔ فاروقیہ اور پشاور کے دوستوں نے اتنی دور سے آکر جلسہ کی رونق کو چار چاند لگا دیئے۔ باوجود سخت برسات کے جلسہ نہایت ہی کامیاب رہا۔ اور حاضری ۱۵۰ تھی۔

جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا جو مکرم مولینا عبدالرحمان صاحب مبلغ پشاور نے فرمائی۔ بعد ازاں محترم مرزا محمد سلیم اختر صاحب نے ایک نظم نہایت خوش الحانی سے سنائی جسے حاضرین جلسہ نے بہت پسند کیا۔ اس کے بعد محترم مکرم جناب میاں فاروق احمد شیخ نے ملفوظات کی قرأت سے پہلے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے مامورین جب کسی کے متعلق رائے زنی کرتے ہیں تو اس میں مبالغہ آرائی نہیں ہوتی بلکہ حقیقت بیان ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت مولینا نورالدینؓ کے دو واقعات سنائے کہ جب آپ مرشد کا تار ملتے ہی اسی حالت میں اٹھ کر چل پڑے اور کرایہ وغیرہ بھی نہ لیا۔ دوسرا واقعہ پیغام صلح سے پڑھ کر سنایا جبکہ آپ پر اعتراض کیا گیا کہ آپ اپنی تقاریر میں مرزا صاحب کا نام نہیں لیتے تو آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی موجودگی میں اس کا جواب دیا۔ پھر حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف اور مولانا عبیداللہ سندھی صاحب کے دو اقتباس پڑھ کر سنائے اور علامہ اقبال کا واقعہ پڑھ کر سنایا جس میں انہوں نے اپنے بیٹے آفتاب اقبال کو کہا کہ آکسفورڈ وہاں سے جہاں نورالدین ہے۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات پڑھ کر سنائے۔

ازاں بعد میاں بشارت احمد بقاء صاحب نے حضرت مولانا نورالدینؓ کی سیرت پر تقریر کی اور آپ کے علم و توکل علی اللہ کے بعض واقعات سنائے۔ مولانا حسن علی صاحب کا واقعہ سنایا کہ جب انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ آپ ایسے عالم کو مرزا صاحب کی بیعت کی کیا ضرورت تھی تو آپ نے فرمایا مجھ میں ایک کمزوری جو مجھ سے دور نہیں ہوتی تھی۔ جب حضرت مرزا صاحبؒ کی بیعت کی پھر کبھی اس کا خیال بھی نہیں آیا اور آپ کی سادہ زندگی کے متعلق بتایا کہ ساری عمر ایک چٹائی پر بیٹھے اور بیٹھے اور دولت سے کچھ بھی جمع نہ کیا اور احباب جماعت کو تلقین کی کہ وہ مولینا نورالدین اعظم کی زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔

بقاء صاحب کے بعد محترمہ نبیلہ اکرام الحق صاحبہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض الہامات پر جو اعتراضات مخالفین کی طرف سے کئے جاتے ہیں۔ ان کے جوابات دیئے۔ اسی تعلق میں آپ نے ڈاکٹر ڈوئی کی ذلت و ناکامی کا واقعہ بھی سنایا آخر میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند اشعار پڑھے۔ عزیزہ نبیلہ کے بعد عزیزہ سمیعہ صاحبہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک نظم خوش الحانی سے سنائی۔ اس کے بعد حضرت مولینا میاں عبدالمنان عمر صاحب ایم۔ اے نے قرآن مجید کے فلسفہ و تاریخ پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن مجید و مامورین کی زندگی کو دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اور دنیا کے ہر شعبۂ زندگی میں انبیاء کے آنے سے انقلاب پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ تلمیذ الرحمان ہوتے ہیں۔ اور وحی الٰہی سے فیضیاب ہونے کے باعث ان کے آنے سے ہر قسم کے دنیاوی علوم میں بھی ارتقا ہوتا ہے۔ اس تعلق میں آپ نے جنت و دوزخ کے فلسفہ کو بھی بیان فرمایا موجودہ دور کی سب سے بڑی بیماری یہ ہے کہ وہ ترقی کی تو قائل ہے مگر علوم کے سرچشمہ وحی و الہام سے منکر ہے۔ اگر دنیا نے ارتقاء کی منزل کو طے کرنا ہے تو لازمی طور پر اسے اس خارجی سہارے کا قائل ہونا پڑے گا ورنہ دنیا جامد محض ہو کر رہ جائے گی۔ آپ نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ احمدیت نام ہے۔ ادراک کے اس سرچشمہ کے قائل ہونے کا۔ سمندر اپنی جگہ چھوڑ سکتے ہیں۔ پہاڑ اپنی جگہ ٹل سکتے ہیں مگر دنیا ضرور ترقی کرے گی اور یہ ترقی ہمارے ذہن سے نہیں ہوگی بلکہ اس خالق و مالک کے کلام کے نزول سے ہوگی۔ جس نے اس دور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے کلام کا مہبط بنایا ہے۔ اخیر میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص آنحضرت صلعم کے دامن سے وابستہ ہوئے گا وہ ضرور اس چشمہ سے فیض یاب ہوگا۔

آپ کے بعد عزیزہ تبسم ظہور الحسن صاحبہ نے مساوات اسلام پر تقریر کی عزیزہ تبسم کے بعد محترمہ بیگم اکرام الحق صاحبہ ایم اے نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ نوجوان نسل کی بیگانگی کا سب سے بڑا سبب مامور زمانہ کی کتابوں کا مطالعہ نہ کرنا ہے نیز فرمایا کہ جو ظلم و ستم ہم پر ڈھائے گئے ان کا بدلہ خود اللہ تعالیٰ لے گا مگر ہم نے بھی مامور زمانہ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اپنی احمدیت کو چھپایا۔ گو ہم نے مرزا صاحب کو قبول کر کے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر آپ نے اس دور میں جو علمی اور اعتقادی غلطیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ ان کے جوابات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے دیئے۔

آپ کے بعد محترم مرزا سلیم اختر صاحب مبلغ اسلام نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عالمانہ تقریر فرمائی۔ آپ کے بعد مکرم شیخ نثار احمد صاحب نے سیرت حضرت مولنا نورالدینؓ پر تقریر فرمائی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض اقتباس پڑھ کر سنائے۔ جو آپ نے مولانا کی شان میں تحریر فرمائے ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا نورالدینؓ کے واقعات سناتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک گناہ کر کے سب گناہوں سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ فرمایا کرتے تھے وہ گناہ ہے مرزا صاحب کا ماننا۔

آپ کے بعد مکرم شیخ حفیظ الرحمان صاحب صدر شبان الاحمدیہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مہاراجہ کو کسی ذریعہ سے علم ہوا کہ قادیان میں ایک درویش علاج کرتے ہیں اس نے اپنے ایک آدمی کو قادیان بھجوایا وہ حضرت مسیح موعود سے ملا آپ نے فرمایا ہم علاج کریں گے اور اس کے معاوضہ میں کچھ بھی نہیں لیں گے۔ ہماری صرف اتنی خواہش ہے کہ جب مریض صحت یاب ہو جائے تو وہ مسلمان ہو جائے۔ حضرت مولانا نورالدینؓ کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے ساری عمر میں ایسا آدمی نہیں دیکھا جو اپنی خدمات کا یہ صلہ مانگتا ہو کہ شفایاب ہونے والا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بن جائے۔ علاوہ اور باتوں کے یہ بات بھی آپ کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دامن سے وابستگی کا ذریعہ بنی۔ تقریر کے آخر میں آپ نے فرمایا کہ شبان الاحمدیہ نے ایک سلسلہ اذکار، مجدد اعظم کے نام سے شروع کیا ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے اقتباسات جمع کئے گئے ہیں۔ آپ لوگ ان کی اشاعت میں ہمارے ساتھ تعاون فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں۔ آپ کے بعد عزیزہ نصرت رشید صاحبہ نے تقریر کی۔ عزیزہ نصرت کے بعد دو بچوں نے خوش الحانی سے ایک نظم پیش کی۔

محترم مولانا محمد عبداللہ صاحب کی تقریر

آخر میں مولینا محمد عبداللہ صاحب آف امریکہ نے صدارتی تقریر فرمائی۔ راولپنڈی سے اپنے قدیم تعلق کا تذکرہ کرتے ہوئے بعض پرانے بزرگوں کا بھی ذکر خیر فرمایا۔ پھر آپ نے مولینا بشیر احمد منور صاحب کے متعلق فیجی کے لوگوں کے تاثرات بیان کئے اور فرمایا کہ میں بعض ان افراد کو بھی دیکھنے کا متمنی تھا۔ جنہوں نے فیجی کے بعض طالب علموں کی مدد کی اور آج وہ لاکھوں میں کھیلتے ہیں انہوں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ انہیں — واشنگٹن میں وہاں

کی ایک یونیورسٹی کی ایک کانفرنس میں تقریر کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ میں اور مسٹر ساہو خاں دونوں اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔ وہاں کے پروفیسروں اور بعض دوسرے لوگوں نے ہمیں بتلایا کہ اس سے قبل جو ہماری کانفرنس ہوئی تھی اس میں بشیر احمد منٹو صاحب بھی شریک ہوئے تھے۔ ان کی تقریر جو مسلسل دو گھنٹے تک جاری رہی اتنی دلپذیر تھی جو ہم لوگ اسے اب تک نہیں بھولے۔ دوسرے لوگ تو ہمیشہ کاغذ پر لکھی ہوئی تقریریں پڑھتے تھے مگر ان کی تقریر زبانی تھی۔

ساتھ ہی محترم میاں فاروق احمد شیخ صاحب کا بھی ذکر کیا جن کے ساتھ انہوں نے جنوبی امریکہ میں تین ہفتے گذارے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس جلسہ میں خواتین نے نہایت اچھی تقاریر کی ہیں۔ آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میری زندگی پر دو آدمیوں نے بڑا گہرا اثر ڈالا ہے۔ ایک مولانا نورالدینؒ صاحب اور دوسرے مولانا محمد علی صاحبؒ۔ اپنی قبولیت دعا اور توکل علی اللہ کے بعض واقعات بیان کئے پھر اپنی قبولیت احمدیت کا واقعہ بیان کیا کہ ایک مبلغ اسلام سے مجھے "قادیان کے آریہ اور ہم" ملی۔ اس میں سے حضرت مسیح موعودؑ کی نظم ؎

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہدیٰ یہی ہے

اے سونے والو جاگو شمس الضحیٰ یہی ہے

پڑھی تو اس قدر اثر ہوا کہ میں احمدی ہو گیا۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ میرا ایک ساتھی بڑا شدید مخالف تھا۔ میں نے اسے براہین احمدیہ حصہ پنجم کا وہ حصہ پڑھ کر سنایا جس میں آپ نے سورہ مومنون کی ابتدائی آیات کی تفسیر کی ہے تو وہ پڑھ کر از خود رفتہ ہو گیا اور ساری مخالفت کافور ہو گئی۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ مغرب میں جماعت سازی بہت ضروری ہے اس طرح مشن از خود کام کرنا شروع کریں گے اور انہیں کسی کی مدد کی ضرورت بھی نہ ہو گی۔ احباب جماعت کو اپنے اندر اتحاد اور یکجہتی پیدا کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی اور مغربی ممالک کی فراخ دلی کی ایک مثال بیان کی کہ کس طرح وہ باوجود مذہب تبدیل کرنے کے بھی رواداری اور محبت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور اپنے رسالہ لائٹ سے ایک نومسلم ڈاکٹر کی تحریر کا ایک اقتباس سنایا اور حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔ دعا کے بعد جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

اس جلسہ کی کامیابی کا سہرا محترم میاں بشیر احمد منٹو صاحب مبلغ اسلام کی انتھک کوششوں کے سر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جماعت راولپنڈی پر یہ خاص فضل و کرم ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ایک فرشتہ سیرت انسان میاں فاروق احمد صاحب کی صورت میں عطا فرمایا یہ [illegible] فیاضی اور دینداری کا نتیجہ ہے کہ ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ ایسی [illegible] تعمیر کر سکے ہیں ورنہ ان کے آنے سے قبل ہم جگہ بہ جگہ نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ اگر وہ راولپنڈی میں موجود ہوں تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ جمعہ کی نماز میں شرکت نہ کریں۔ یہی حال بیگم میاں فاروق احمد صاحبہ کا ہے۔ ہر ایک دینی کارروائی میں پورا پورا حصہ لیتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے صاحبزادے میاں سہیل صاحب کو بھی ان کی پیروی کرنے کی پوری پوری توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سٹیج سیکرٹری کے فرائض خاکسار نے ادا کئے۔ جلسہ کے بعد مقامی جماعت کی طرف سے احباب کو پُرتکلف کھانا پیش کیا گیا اور ان تمام خواتین و حضرات کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے سخت برسات کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے دُور دراز سے آکر جلسہ کو کامیاب بنایا۔

درخواست دُعا

راولپنڈی سے محترم فخرالدین احمد صاحب لکھتے ہیں:— ملک ظفر اللہ خاں صاحب کے برادر محترم ملک غلام قادر خاں سخت علیل ہیں۔ تمام احباب سلسلہ بالخصوص حضرت امیر قوم، محترم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب۔ مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی۔ مولانا عبدالمنان صاحب۔ مولانا عبدالرحمٰن مصری صاحب۔ محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب سے درخواست ہے کہ وہ ملک صاحب موصوف کے لئے دردِ دل سے دعائے صحت فرمائیں۔

جلسہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ دارالسلام لاہور

(بسلسلہ صفحہ نمبر ۱۰)

ہے۔ یہاں تو فرقہ وارانہ تعصب اور تنگ دلی کا دَور دَورہ ہے۔ امریکہ کے ہر بڑے شہر میں اسلامک سنٹر ہیں۔ جہاں مسلمان اکٹھے ہو کر اپنے مسائل پر غور کرتے ہیں۔ انجمن کی شائع کردہ کتب کی بھی وہاں کافی مانگ ہے۔ وہاں کی ایک پبلشنگ کمپنی نے حضرت امیر مرحوم کے انگریزی ترجمۃ القرآن کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری سنبھالی ہوئی ہے۔ ان پرانے دوستوں کو نہ پاکر مجھے دلی دُکھ اور افسوس ہوا۔ جو وطن سے میری طویل غیر حاضری میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ حضرت امیر مولانا محمد علیؒ۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہؒ۔ مکرم میاں محمد مرحوم وغیرہ عظیم ہستیاں ہم سے جُدا ہو گئیں۔ البتہ یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے۔ کہ آپ لوگ ابتلاؤں میں گرفتار ہو کر بھی اشاعت اسلام کا کام کئے جا رہے ہیں۔ آپ نے یہاں (دارالسلام میں) اتنی عظیم مسجد بنائی اور دیگر عمارتیں بنائی ہیں جو موجب کشش ہیں۔ اور بالخصوص مکرم ڈاکٹر سعید احمد صاحب ایسے فانی فی اللہ کا اس جگہ قیام موجب برکت اولیٰ خیر و فلاح کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی زندگی میں برکت ڈالے اور سلسلہ کی خدمت کے لئے مہلت عطا فرمائے۔ اس کے بعد اجتماعی دُعا ہوئی اور جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ۔ عبدالرؤف کھوکھر)

عرفات پریس تھارنٹن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع ہوا۔

ایڈیٹر

غلام نبی مسلم۔ ایم اے

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ ۲۳ را پریل ۱۹۷۵ء

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸ شمارہ نمبر ۱۷

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ - ۳۰ اپریل ۱۹۷۵ء | نمبر ۱۸

(حضرت مجدد صد چہاردھم سلام اللہ علیہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارِ باطنی ان کی اُمت کے کامل متبعین کو پہنچ جاتے ہیں

اس جگہ یہ وسوسہ دل میں نہیں لانا چاہیئے۔ کہ کیونکر ایک ادنےٰ اُمتی آں رسول مقبولؐ کے اسماء یا صفات یا محامد میں شریک ہو سکے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرتؐ کے کمالاتِ قدسیہ سے شریک مساوی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جگہ نہیں چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرت کے کمالات سے کچھ نسبت ہو مگر اے طالب حق ارشدک اللہ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ تا ہمیشہ اُس رسول مقبولؐ کی برکتیں ظاہر ہوں۔ اور تا ہمیشہ اُس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملزم اور لاجواب کرتی رہیں۔ اس طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے انتظام کر رکھا ہے۔ کہ بعض افراد اُمت محمدیہ کہ جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کرتے ہیں۔ اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گذرے ہوتے ہیں۔

خدا ان کو فانی اور ایک مصفّٰی شیشہ کی طرح پا کر اپنے رسول مقبول کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے۔ اور جو کچھ منجانب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں حقیقت میں مرجع تام اُن تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل ان تمام برکات کا رسول کریمؐ ہی ہوتا ہے۔ اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں۔ اور وہی ان کا مصداقِ اتم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ متبع سنن آں سرورِ کائناتؐ کا اپنے غایت اتباع کے جہت سے اُس شخص نورانی کے لئے کہ جو وجود باجود حضرت نبویؐ ہے مثل ظلّ کے ٹھہر جاتا ہے۔ اس لئے جو کچھ اُس شخص مقدس میں انوارِ الٰہیہ پیدا اور ہویدا ہیں۔ اس کے اس ظلّ میں بھی نمایاں اور ظاہر ہوتے ہیں۔ اور سایہ میں اس تمام وضع اور انداز کا ظاہر ہونا کہ جو اس کے اصل میں ہے ایک ایسا امر ہے۔ کہ جو کسی پر پوشیدہ نہیں۔ ہاں سایہ اپنی ذات میں قائم نہیں۔ اور حقیقی طور پر کوئی فضیلت اس میں موجود نہیں بلکہ جو کچھ اس میں موجود ہے وہ اس کے شخص اصلی کی ایک تصویر ہے جو اس میں نمودار اور نمایاں ہے۔ پس لازم ہے۔ کہ آپ یا کوئی دوسرے صاحب اس بات کو حالت نقصان خیال کریں کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارِ باطنی ان کی اُمت کے کامل متبعین کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور سمجھنا چاہیئے کہ اس انعکاس انوار سے کہ جو بطریق افاضۂ دائمی نفوس صافیہ اُمت محمدیہ پر ہوتا ہے دو بزرگ امر پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدرجۂ غایت کمالیت ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ جس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو سکتا ہے اور ہمیشہ روشن ہوتا ہے وہ ایسے چراغ سے بہتر ہے جس سے دوسرا چراغ روشن نہ ہو سکے دوسرے اس اُمت کی کمالیت اور دوسری اُمتوں پر

(باقی صلا کے نیچے)

از پروفیسر خلیل الرحمٰن ایم۔ایس سی

"اسلام" یا کوئی اور "ازم"

(آخری قسط)

ان تمام مثالوں سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ صدقہ اور خیرات انسانیت کی تحقیر اور تذلیل کا موجب ہیں۔ ان صدقات ... جو جذبہ کار فرما ہونا چاہیئے۔ ان کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح ہوا ہے اور وہ غریب۔ یتیم اور اسیر کو اس کی (اللہ کی) محبت کی خاطر کھلاتے ہیں" (۸:۷۶) دوسری جگہ ہے "اور وہ اپنا مال اس کی محبت کی خاطر اپنے قریبیوں۔ یتیموں۔ مسکینوں۔ مسافروں۔ سوال کرنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں" (۲-۱۷۷) اس مد میں اپنی بہترین اور پیاری کمائی خرچ کرنے کا حکم ہے جیسے فرمایا "اے مومنو! تم ان اچھی چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو۔ اور اس میں سے جو ہم تمہارے لئے زمین سے پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے بُری چیزیں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو" (۲-۲۶۷) اس کے ساتھ ایک زبردست تنبیہہ بھی ہے: "اے مومنو! تم اپنے صدقات کو طعنہ اور دکھ کے ذریعے باطل نہ کرو" (۲۶۴-۲۶۲) اور اس کے ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی ہے (۲-۲۶۱): "ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانہ کی مثال ہے جس سے سات خوشے نکلتے ہیں اور ہر خوشے سے سو دانے ہوں۔ اور جس کے لئے اللہ چاہتا ہے اس سے بھی بڑھاتا ہے"۔ یہ تو روزانہ مشاہدہ کی بات ہے اس میں تو جھوٹ کا ایک شائبہ تک نہیں۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مال و دولت سے لدے ہوئے اونٹوں کی ایک لمبی قطار مدینہ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا تھا دیکھو تم نے خدا کی راہ میں کتنا دیا اور اس نے اس کے بدلے کتنا دیا۔ آنحضرت صلعم کے ساتھیوں پہ تنگدستی کا ایک ایسا زمانہ بھی گزرا کہ مرنے والے کے لئے کفن نہ ملتا تھا اور پھر ایک وہ وقت بھی آیا کہ ایسا کوئی شخص نہیں ملتا تھا جو زکوٰۃ لینے یا صدقہ لینے کا مستحق ہو۔ وہ غم روز فردا سے بالکل آزاد تھے۔ خدا کی راہ میں مال بھی دیا اور جان بھی دی۔ اور دینے میں یہ لذت کہ چلو کھجوریں آگے چل کر کھائیں گے یہاں کیا کھانی ہیں۔

قادیانیوں اور احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر بغلیں بجانے والے۔ نام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی نظام لانے کے دعویدار اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر کیا اپنی۔ اپنے بیوی۔ بچوں اور اپنے عزیزوں کے اثاثوں۔ منقولہ و غیر منقولہ جائدادوں۔ بنک بیلنسوں۔ ورلڈ اسلامک مشنز کے نام پہ اور جماعت کے چندوں کے طور پہ اور دوسرے ذرائع سے بٹوری ہوئی رقوم کا اعلان کر سکتے ہیں اور اس کا حساب دے سکتے ہیں کہ انہوں نے کتنی کتنی زکوٰۃ دی کتنے کتنے زکوٰۃ و صدقات و خیرات ادا کئے۔ اور دوسرے ذرائع سے حاصل کی ہوئی رقوم کہاں کہاں خرچ کیں۔ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قرآن کریم پہلے ہی فرما چکا ہے کہ اے مومنو! بہت علماء اور مشائخ لوگوں کے اموال باطل طریقوں سے کھاتے رہیں گے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں تو ایسے کوئی لوگ نہ تھے۔ اور یہاں مخاطب بھی مومن ہیں اس لئے علماء اور مشائخ بھی انہی میں سے ہوں گے اور صیغہ مستقبل کا اور اس پہ ... تاکیدی ہے (لیأکلون)

اب کاغان یا بلوچستان کے پہاڑوں میں رہنے والے کسی سادہ لوح بلوچ یا ... کو کیا خبر کہ قرآن اور حدیث کیا کہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے سامنے تقریریں کر کے جھوٹ بول کر اور غلط باتیں کسی کی طرف منسوب کر کے ان کو بھڑکا کر پُرامن اور بے گناہ لوگوں کے خلاف فساد پر اُکسانا۔ ان کے گھروں کو آگ لگوانا۔ انہیں قتل کروانا۔ ان کا بائیکاٹ کرانا اور اس سے سیاسی مقاصد حاصل کرنا تو بہت آسان ہے لیکن وہ عمل پیش کرنا جو خدا کے ہاں پسندیدہ ہے بڑا مشکل ہے۔ اور یہی مذہب قرآن اور حدیث کا استحصال ہے کہ وہ بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں" اور

یہی چیز سوشلزم کے لئے راہ ہموار کر رہی ہے۔ یہ ضرور کہیں گے کہ "عوام ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں"۔ یہ فقرہ منہ سے ادا کرنا مشکل ہے کہ "ہم ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔"

گذشتہ ہنگاموں میں کسی منچلے نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا کہ حضرت آپ ہمیں جلسوں میں شامل ہو کر ثواب، دارین حاصل کرنے کی نصیحت فرماتے ہیں اور جنت کی بشارت دیتے ہیں لیکن آج تک آپ نے خود یہ ثواب اور جنت حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ کسی عالم دین کے بدن پر کوئی خراش کا نشان دیکھا ہے۔ نہ کسی کو آنسو گیس سے ہلاک اور بے ہوش ہوتے دیکھا ہے اور گولی کا تو خیر ذکر ہی کیا۔ وہ فرمانے لگے میاں ہمارا کام تو ہدایت دینا ہے اور اس پر عمل کرنا آپ لوگوں کا کام۔

یہ عجیب بات ہے کہ جس انسانِ کامل کی ختم نبوت کے تحفظ کے بہانے یہ فسادات برپا کرائے جاتے ہیں اس کا اپنا نمونہ یہ ہے کہ وہ لوگ کہ بہرہ دینے میں سب سے آگے۔ جنگ میں سب سے آگے۔ مال دینے میں سب سے آگے۔ اور عبادت الٰہی میں سب سے آگے۔ لوگوں کے ساتھ بھلائی میں سب سے آگے۔ مزدوروں کے ساتھ مزدوری میں سب سے آگے۔ خندق کھودنے میں ساتھیوں نے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے اگر ایک پتھر باندھا ہوا ہے تو آپؐ نے دو باندھے ہوئے ہیں۔ اور یہاں کیا ہے کہ ناشتے کے روز راولپنڈی کے فلیش مین ہوٹل میں تحفظ ختم نبوت کے غم میں مرغ مسلم۔ پلاؤ۔ زردہ اور قورمہ سے پیٹ کی آگ بجھائی جا رہی ہے۔ اب عوام بے چارے کیا جانیں کہ ان کے دینی رہنماؤں کو کونسا غم کھائے جا رہا ہے اور ان کے قول اور فعل میں کتنا بعد ہے۔ پاکستان میں سوشلزم کے لئے راہ ان لوگوں نے ہموار کی ہے۔ ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ ایک پرانے کانگرسی عالم دین تھے ذرا ان کے روزانہ خرچ کا حساب لگوا کر دیکھ لو۔ معلوم ہو جائے گا کہ سنت رسولؐ کی انہوں نے کتنی پیروی کی لیکن یہ غلام دین بگڑ گیا جانے کہ اس بھولے بھالے مسلمان نے تو ہاتھ میں پکڑے ہوئے قرآن کو ووٹ دیا تھا۔ اور کھجور کے درخت کے ساتھ بیان کردہ وابستہ تقدس کو ووٹ دیا تھا۔ وہ بے گناہ اور بے قصور ہے۔ لیکن اس سادہ لوحی کی سزا اسے بھی بھگتنی ہوگی۔

مقام مصطفےٰؐ اور نظام مصطفےٰؐ کے تحفظ کی ذمہ داری خود اللہ تعالےٰ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ ہم نے ہی یہ ذکر اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس کی حفاظت کے لئے وہ گذشتہ ۱۴ سو سال میں ایسے روحانی انسان مبعوث فرماتا رہا ہے جنہیں اس نے اس مقام کی شناخت کرائی اور دنیا کے سامنے اس کو پیش کرنے کی ہدایت کی۔ نفس کے بندے۔ اور دولت و اقتدار کے حصول میں اندھے اس مقام کو کیا جانیں گے اور اس کی کیا حفاظت کریں گے۔ ہاں اس کی آڑ میں وہ شکار کھیلنے کی کوشش ضرور کریں گے اور کرتے رہیں گے۔

یہ نظام لانے سے ان کی مراد صرف اقتدار پہ قبضہ کرنا ہے۔ حالانکہ کوئی نبی دنیوی حکومت قائم کرنے کے لئے کبھی نہیں آیا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے صرف تین انبیاء کا نام اس سلسلہ میں لیا جا سکتا ہے جنہیں نبوت کے ساتھ حکومت ملی تھی۔ ایک حضرت داؤد علیہ السلام، ایک سلیمان علیہ السلام اور ایک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر آنحضرت کا مقصد صرف بادشاہت قائم کرنا۔ آرام اور چین کی زندگی بسر کرنا ہوتا تو آپ کو یہ سب چیزیں اس شرط پر پیش کی گئیں تھیں کہ آپ خدا کی وحدانیت کی تبلیغ چھوڑ دیں۔ لیکن آپؐ نہ مانے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی نبی دنیا میں اپنی ذات کو تسلیم کرانے کے لئے نہیں آتا وہ خدا کو منوانے اس کی بادشاہت کو قائم کرانے کے لئے۔ دنیا کو مفاسد۔ فسق و فجور سے پاک کرنے انسانوں کا تعلق اپنے خالق سے جوڑنے۔ اچھے اعمال کے اچھے نتائج کی خوشخبری دینے اور بُرے اعمال کے انجام بد سے خبردار کرنے کے لئے آتا ہے۔ اور اپنی زندگی کو خدا کی ہستی پر بطور شہادت پیش کرتا ہے۔ جو لوگ اس کا ساتھ دیتے ہیں وہ صالحون کہلاتے ہیں۔ اور خدا کے اس قانون کے مطابق کہ ہماری زمین کے وارث صالح بندے ہوتے ہیں۔ بادشاہت اور اقتدار خود بخود ان کے قدموں میں آ گرتے ہیں۔

اگر نبی کریمؐ اپنی ذات کو تسلیم کرانے کے لئے تشریف لاتے تو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر اپنے ہاتھ سے "رسول اللہ" کا لفظ نہ کاٹتے۔ (باقی پر صلا کالم اوّل)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۳۰ر اپریل ۱۹۷۵ء

"جہنّم کا شو رُوم"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے قبل زمانے کا نقشہ قرآن شریف نے ظھرالفساد فی البرّ والبحر بما کسبت ایدی الناس ——— کے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ کہ خشکی اور تری پر انسان کے بد اعمال چھا گئے ہیں۔ اور فساد و شر نے نسل انسانی کو اپنی گرفت اور لپیٹ میں لے لیا ہے، حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی تمام زنجیریں توڑ ڈالیں، نسل، رنگ، اقتدار کے امتیازات ختم کر دیئے، عالم اسلام عدل و انصاف سے گونج اُٹھا۔ ایک بڑھیا کا ہاتھ بلا خوف و خطر امیرالمؤمنین عمر رضؓ کے گریبان تک اُٹھنے لگا، اور حضر موت سے ایک عورت تنہا سینکڑوں میل سونا اُچھالتی ہوئی مکہ مکرمہ پہنچی اور اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ تھا۔

۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو ایسے ہی نظام کی آرزوئیں لئے، لاکھوں جانوں، عزتوں، گھر بار، دولت، آسائش اور خویش و اقارب کی قربانیاں دے کر ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں نے پاکستان قائم کیا تا کہ وہ اپنی بقیہ زندگیاں خلافت راشدہ کی سی سکون بخش فضا میں گذار دیں۔ مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مسلمان ——— ہر عام سیدھا سادہ انسان ——— سلطانی و درویشی کا فریب کھاتا ہے، اور قوم کے واحد مخلص قائد کی بے وقت وفات نے ان دس کروڑ مخلص انسانوں کو زمانے کے بھیڑیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔

اس کے بعد جو لوگ برسر اقتدار آئے ان کا تدبر، عوام دوستی، اسلام نوازی، جس طرح رسوائے عالم ہوئی، وہ تاریخ اقوام کا عبرتناک باب ہے، اور اس ملک میں عامۃ المسلمین کی اسلام سے محبت اور فریفتگی کے احساسات کو جس طرح نفسانی اغراض کا آلۂ کار بنایا گیا وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ قوم فریبی کی ایک نمایاں صورت "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے اسلامی آئین کی قرار داد مقاصد کے اسلامی اصول اور پھر ان کے خلاف عملی سیاست کی وہ ستائیس سالہ شیطنت اور دھاندلی ہے۔ جس نے ملک کے اسلامی تو درکنار انسانی بنیادی حقوق و اقدار کو بھی پامال کر دیا اور دُنیا کی مسلم اور غیر مسلم اقوام میں "اسلامی نظام" کی شوکت و عظمت کو ذلیل و رسوا کیا۔

دروغ برگردن راوی۔ ایک دفعہ کچھ اہلِ جنت نے دیکھا کہ دوزخ کا دروازہ کُھلا ہے۔ اور استقبالی کمرے میں صوفے بچھے ہوئے ہیں۔ زمانے بھر کی مشہور گانے والیاں اپنے نغمات فضا میں بکھیر رہی ہیں اور رقص کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ اعلیٰ موسیقار اپنے فن کی داد دے رہے ہیں۔ دَورِ جام پر شعر نوازی ہو رہی ہے۔ اہلِ جنت اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور رضوان سے اجازت لے کر وہاں پہنچے، اس خیال سے کہ استقبالی کمرے کے آگے دلکشی میں مزید اضافہ ہوگا، دروازہ کھول کر جہنم میں داخل ہوگئے۔ لیکن وہاں کا منظر دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ میلوں تک خاک اُڑ رہی تھی، کہیں لوگوں کو اُلٹا لٹکا رکھا تھا، کہیں دُرّے پڑ رہے تھے۔ ایک طرف بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے لوگ کراہ رہے تھے، تو دوسری طرف بعض انسانوں کو بڑے بڑے سانپ اور بچھو ڈس رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر ان کے ہوش جاتے رہے اور کمال پریشانی سے داروغہ جہنّم سے دریافت کیا کہ اگر یہ جہنّم ہے تو استقبالی کمرہ کیا تھا، اس نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ وہ "جہنّم کا شو روم" تھا

ہم آئینِ پاکستان کے شو روم میں پڑھتے ہیں۔ کہ اس اسلامی مملکت میں اسلامی جمہوریت، حریت، مساوات، معاشرتی انصاف اور آزادی رائے کا نفاذ ہوگا اور مسلمانوں کی زندگیاں قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھالی جائیں گی۔ سب انسانوں کے بنیادی حقوق محفوظ ہوں گے۔"

ملک کے قائدین کی استقامت اور تدبر قابل داد ہے کہ ۲۷ سال میں چار بار آئین بگڑ کر بنا مگر یہ شو روم بدستور قائم رہا البتہ اس کے ماتحت جو حکومتیں برسر اقتدار آئیں انہوں نے اس ملک میں جمہوریت، [illegible] مساوات، معاشرتی انصاف کا منہ چڑایا، اور ملک ہمیشہ دو گروہوں [illegible] ایک گروہ ان لوگوں کا جو قانون سے بالاتر رہ کر ملک کو مل کر لوٹتے رہے، اور مخالفین کو قوم وملک دشمن کہتے رہے۔ اور پارٹیاں بدلنے کے ساتھ ساتھ ان کا دشمنی کا معیار بھی بدلتا رہا۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا جو اسلام کے نام پر دھوکا کھاتے رہے۔ اور استحصالی گروہ کی ہوس رانیوں کا شکار بنتے رہے۔ یہی وہ گروہ ہے۔ جو کماتا ہے۔ اور دوسروں کے لئے عیش کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ یہی "روٹی۔ کپڑا اور مکان" کے نعروں پر فدا ہو کر نعرے بازوں کے لئے روٹی کپڑا اور مکان مہیا کرتا ہے۔ جو سرمایہ دار کی بوسکی کی قمیص کے لالچ میں اندھا ہو کر اپنے پھٹے ہوئے کُرتے کے ساتھ دھوتی سے بھی محروم ہو چکا ہے۔ آج اس ملک میں ہر سیاسی اور مذہبی گروہ کی منزل حصول اقتدار ہے، جس کے لئے انتہائی گندے وسائل اختیار کئے جاتے ہیں۔ عوام سے جھوٹے وعدے کئے جاتے ہیں۔ اور آج حالت یہ ہے کہ جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے غریب اور متوسط طبقہ اپنے زر اور زیورات بیچنے پر مجبور ہوگیا ہے۔ مصنوعات کی پیداوار اور اشیاء کی قیمتوں پر کنٹرول ہے مگر اسی ملک میں اسی نظام کی سرپرستی میں وہ چیزیں بلیک مارکیٹ میں کھلے بندوں دوگنی قیمت پر بکتی ہیں۔ رشوت اور سمگلنگ کے کاروبار میں آزادی حاصل ہے۔ اس ملک میں اب مذہب کو سرپرستی حاصل ہے۔ اور اسلام کے نام پر قبروں، مزاروں، گنبدوں کی زیبائش اور دلکشی پر زور دیا جا رہا ہے۔ حکمران قبروں کو عرق گلاب سے دھوتے ہیں۔ تاکہ لوگ نذرانوں کی شکل میں اپنے بچوں کے منہ سے لقمہ چھین کر حکومت کے حوالے کر دیں اور حکومت سے قرآن وسنت کے احکام پر عمل کرنے کا مطالبہ نہ کر سکیں اس طرح مذہب افیون قرار پائے اور پھر اسے قوم کے ذہن سے خارج کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ اس اسلامی شو روم کے عقب میں شراب کی دوکانیں کھلی ہیں قمار بازی کا چرچا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور سینماؤں کے ذریعے فحاشی، عریانی اور اخلاقی بے راہ روی کی ترویج کی جا رہی ہے۔ سود خوری عام کی جا رہی ہے۔ شخصی اور کاروباری آزادی کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے، قوم کے قابل فرزند، ملک کی دولت پر پل کر اور فنی قابلیت حاصل کرنے کے بعد دوسرے ملکوں کی ترقی میں کوشاں ہیں۔

غنی روز سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

تعلیمی اداروں میں آئندہ نسل کو ذہنی و اخلاقی طور پر مفلوج کر دیا گیا ہے اور ملک کی اخلاقی قدروں کو یوں برباد کیا جا رہا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد سوشلزم کے آمرانہ جابلانہ سانچے میں حسب منشاء ڈھال لیا جائے اور ملک پر بدترین قسم کی آمریت مسلط کر دی جائے۔

ہمیں سیاست سے چنداں دلچسپی نہیں۔ لیکن چونکہ ہم اس ملک میں رہتے ہیں اور ہم نے قیام پاکستان میں کسی سے کم جدوجہد نہیں کی اور اس کی آزادی ہمیں سب سے بڑھ کر عزیز ہے، اس لئے ملکی مقاصد اور عمل میں اس خوفناک تضاد کے اثرات سے غافل نہیں رہ سکتے۔ اس ملک کی نجات اسلامی اقدار حیات کی تنفیذ سے وابستہ ہے، اور گذشتہ ۲۷ سالہ تجربہ بتا رہا ہے کہ برسر اقتدار طبقہ کو اسلامی اخلاق و نظام سے دلچسپی نہیں رہی، یا یہ اقدام اس کے اختیار سے باہر ہے، اس لئے جو لوگ قوم کی اخلاقی قدروں کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں انہیں چاہیئے کہ حالات کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیں۔

دنیا میں بہترین معلمینِ اخلاق انبیاءؑ ہی رہے ہیں اور ان ہی نے ترویج اخلاق میں [illegible] دل و دماغ کو دعوتِ فکر دی، اس راہ میں صبر واستقامت پر اعتماد کیا، اور جب تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے منہ نہ پھیرا، ہمارے زمانے میں مہاتما گاندھی نے ستیہ گرہ کا حربہ کامیابی سے آزمایا۔ تشدد برداشت کرنا مشکل کام تو ضرور ہے، لیکن جبر کا مقابلہ یہی کامیابی ہے، اور جب یہ راہ ملک کے اخلاق کو بچانے کے لئے اختیار کی جائے، تو اس میں خدا کی خوشنودی حاصل ہوگی، اسلام کے فداکاروں کی تائید بھی ساتھ ہوگی اور خود حکومت کے ہاتھ ان لوگوں کے خلاف مضبوط ہوں گے۔ جو اس ملک میں بدی کے حامی ہیں۔ اس سلسلہ میں شراب نوشی قمار بازی، فحاشی، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، بلیک مارکیٹ، سمگلنگ، اغوا، خواتین کی بے حرمتی اعلیٰ سطح پر بدکاری، عدم رواداری، تشدد بے انصافی وغیرہ ایسی مجلسی خرابیوں کے خلاف قدم اُٹھایا جا سکتا ہے۔ کیا اس ملک میں ایسے لوگوں کا فقدان ہے جو ان کی مجلسی اور

مکرم الطاف جاوید (قسط نمبر ۵)

احمدیت اور بانیٔ تحریک کا تاریخی جائزہ

حضرت مرزا صاحب کی وفات

تلک الایام نداولہا بین الناس کے عالمگیر قانون کے مطابق یہاں بھی دن بدل گئے۔ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو دین اسلام کی وہ عظیم الشان مدافعت اور اس مدافعت کے سلسلہ میں جو گرانقدر علم الکلام تخلیق ہو رہا تھا، اور یہ دونوں عمل جس اتھاہ وجدان کے حامل نابغۂ روزگار کی ذات گرامی سے وابستہ تھے، اس کا جسم مبارک سپرد خاک کر دیا گیا۔ "خدا رحمت کند ایں عاشق حق پاک طینت را"

حکیم نورالدین صاحب کی قیادت

آپ کے بعد جماعت کی قیادت حضرت مولانا نورالدینؒ کے ہاتھوں میں آ گئی، آپ خود ایک بے نظیر صاحب علم شخصیت کے مالک تھے، آپ کے عہد میں جماعت اسی راستہ پر چلتی رہی جس پر اس کا عظیم بانی اسے لگا گیا تھا، مذاہب عالم کے متعلق گہری تحقیق اور اشاعت اسلام کے لئے تدبر ترتیب۔ مخالفین کے مقابلہ میں اسلام کی مدافعت کا تاریخی عمل اور اس طرح کے دوسرے تعمیری اعمال بدستور انجام پاتے رہے۔ تا آنکہ ۱۹۱۴ء میں بانیٔ احمدیت کی ایک پیشگوئی "کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں" کے مطابق، جو اس عہد میں کام کرنے والی عمرانی قوتوں کے گہرے مطالعہ پر مبنی تھی، جنگ عظیم کی آگ بھڑک اٹھی، اس کا باعث ایشیاء و افریقہ کی نو آبادیات کے خام مال سے تیار کردہ مصنوعات سے لدے ہوئے جہازوں کے لئے، منڈیوں کی تقسیم تھا، یہ جنگ یورپ کے صنعتی سرمایہ داری اور سامراجی نظام معیشت کا منطقی نتیجہ تھی۔

حضرت مرزا صاحب اور حکیم نورالدین صاحب کے عہد میں، برصغیر پاک و ہند کے اندر انگریز کے لائے ہوئے نظام معیشت اور افکار و نظریات کے عمل کا ایک پہلو تعمیری تھا، کیونکہ ان افکار، طرز معیشت اور معاشرت کی وجہ سے فرسودہ جاگیرداری رشتوں میں جکڑے ہوئے ہندوستان کی زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی رونما ہو رہی تھی۔ ہر طرف نئے افکار نئی زندگی کو تخلیق کر رہے تھے۔ معیشت کے مختلف ذرائع لوگوں پر کھل رہے تھے اپنا تعلیمی نظام انگریز کے سامراجی مفاد کے ساتھ وابستہ ہونے کے باوجود، ذہنوں میں فطرت اور معاشرہ انسانی کے متعلق نئی نئی معلومات و انکشافات کا نور بکھیر رہا تھا نئی ادویہ اور نئے نظام طب کی وجہ سے وباؤں اور دوسری خطرناک اور جان لیوا مرض امراض پر قابو پانا آسان ہو گیا تھا۔ کاغذ کی صنعت اور پریس کے قیام نے علوم کی اشاعت کے سستے اور وسیع مواقع مہیا کر دیئے تھے۔ ہمارے نوجوان ذہن کیمبرج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیوں میں جب اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے جاتے تو انہیں ایک ایسی دنیا سے دوچار ہونا پڑتا، جس کی نظیر اس سے پہلے ان کے چشم تصور نے کبھی نہ دیکھی تھی، صاف شفاف پختہ اور روشن راستے، تحقیقاتی سامان سے بھرپور لیبارٹریاں۔ لاکھوں کتابوں پر مشتمل لائبریریاں۔ مرد کے دوش بدوش تعلیم اور معاشرہ کے پیداواری عمل میں عورت کا بھرپور حصہ۔ مختلف اور تیز رفتار مواصلاتی ذرائع کی فراوانی وغیرہ جاگیرداری کے پسماندہ ماحول میں پروان چڑھنے والے ذہن میں چکاچوند پیدا کرنے کے لئے کافی تھے۔

آزاد مسابقت اور اجارہ داری کے معاشرتی اثرات

مگر اسی عہد میں جبکہ ایشیاء و افریقہ کے پسماندہ اور تاریک خطوں میں سرمایہ داری نظام اپنی برکتیں بکھیر رہا تھا۔ یورپ کے اندر آزاد مسابقت (Laissez Faire) کی جگہ اجارہ دار معیشت (Monopolist Economics) لے چکی تھی اور جس کی کوکھ سے ایک نئے سیاسی تصور، سامراجیت نے جنم لیا، جس کا مفہوم یہ تھا، کہ ایشیاء و افریقہ جیسے پسماندہ ممالک سے سستے داموں مال حاصل کر کے یورپ کی فیکٹریوں اور کارخانوں میں اس سے مصنوعات تیار کر کے انہی ممالک کے ہاتھوں مہنگے داموں بیچنے کی کوشش کرنا، انیسویں صدی کے وسط سے بیسویں صدی کی پہلی دو دہائیوں تک یورپ کی مختلف قوموں میں منڈیاں حاصل کرنے کے لئے باہمی مسابقت اور مسلح مقابلے شدید تر ہو گئے۔ مغربی ممالک کی معیشت شدید معاشی بحران میں مبتلا ہو گئی۔ اس بحران کے اثرات نو آبادیات کی معاشی اور سیاسی زندگی پر بھی پڑنے لگے، معیشت میں آزاد مسابقت کے اصول نے جہاں زندگی میں ترقی پذیر قدروں کو ابھارا تھا اور جاگیرداری عہد کی پسماندہ زندگی کے ہر شعبہ میں ایک بنیادی تبدیلی اور ترقی پسند رجحانات پیدا کئے تھے۔ اجارہ دار معیشت نے اس کے برعکس پھر رجعت پسند اور عوام دشمن نظریات و افکار کو اپنانے کی کوشش کی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اصول مسابقت میں تو ہر سرمایہ دار کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کی مصنوعات دوسرے سرمایہ دار سے عمدہ، پائدار اور خوبصورت ہوں کہ انہیں بیچنے میں آسانی ہو، مگر اجارہ داری نظام میں معیشت اس خطرہ سے محفوظ ہو جاتی ہے ایک صنعت کے یا چند صنعتوں کے سرمایہ دار مل کر ایک قیمت مقرر کر لیتے ہیں، جس کے خلاف اگر کوئی سرمایہ دار قدم بھی اٹھائے تو وہ مقابل میں ناکام رہتا ہے۔ اجارہ داری معیشت میں استحصال بڑھ جاتا ہے۔ گرانی عام ہو جاتی ہے۔ زندگی میں آزاد مسابقت کے اصول کی پیدا کردہ خوشحالی اور شادابی، اجارہ داری کی مہنگائی اور تباہ حالی کی نذر ہو جاتی ہے۔

انسانی ذہن اور اس کے افکار اور نظریات پر اجارہ دار معیشت کے اثرات رجعت پسندی اور علم دشمنی کے رجحانات کو ابھارتے ہیں، دانشور اور سائنسدان اسی موضوع پر لکھنے اور تحقیق کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، جو اجارہ داروں کو اپنے نفع اور استحصال میں مدد دے، اخبارات اور سائنسدان خرید لئے جاتے ہیں دانشور زندگی کو ارتقاء پذیر کرنے، سنوارنے اور حسین بنانے والا ادب تخلیق کرنے کی بجائے، فحاشی اور جنسی لذت پیدا کرنے والے لٹریچر اور ارزاں فلمی ادب پر اپنی ذہنی قوتیں ضائع کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان ذرائع سے انہیں "معقول آمدنی" حاصل ہوتی ہے۔

مرزا محمود احمد صاحب کی قیادت

برصغیر کی زندگی پر مولانا نورالدین صاحب کی وفات کے بعد اجارہ دار معیشت کے پرفساد اور تباہ کن اثرات شدید تر ہوتے چلے گئے۔ ۱۹۱۴ء میں "خلافت ثانیہ" کی گدی پر مرزا محمود احمد صاحب نے قدم رکھا اور پہلی فرصت میں جماعت احمدیہ کے صاحب علم اور حضرت مرزا صاحب کے سرسبز اور زرخیز عہد کے تربیت یافتہ افراد کے ساتھ ان کی ٹھن گئی۔ اس باہمی مناقشت نے یہاں تک طول کھینچا کہ تمام اکابرین جماعت کو جو تخلیقی اور اجتہادی ذہنوں کے مالک تھے، قادیان چھوڑ کر لاہور میں پناہ لینی پڑی۔

مرزا محمود احمد صاحب اگرچہ کم تعلیمیافتہ تھے۔ مگر اپنے ذاتی مفاد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ایک تیز اور بالغ ذہن پایا تھا۔ ان نفسیاتی خصوصیات کی وجہ سے اجارہ دار معیشت کے تمام آمریت پسند اور فاشی رجحانات کو پوری طرح جذب کر لیا اور بتدریج ان اثرات کے ماتحت جماعت احمدیہ کی پوری ہیئت کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔

حضرت مرزا صاحب اور مولانا نورالدینؒ کے عہد میں جماعت کی فکری اور معاشرتی حالت

حضرت مرزا صاحب اور مولانا نورالدین صاحب کے وقت میں جماعت احمدیہ کی اساس جمہوریت پسند روایت اور برطانوی لبرل ازم (Liberalism) کی کشادہ ذہنی پر مبنی تھی، جماعت، ملت اسلامیہ کے لئے ایک ہراول دستے (Vanguard) کی حیثیت رکھتی تھی، اس کا ایک فعال (Militant) حصہ تھی اس کا مقصد ملت کی ذہنی اور عملی زندگی کو وقت کی تازہ اور نئی قدروں میں ڈھالنا تھا۔ اور اسے ایسے علم الکلام اور قوت استدلال سے مسلح کرنا تھا جس کی مدد سے وہ اپنے مخالفین کی کامیاب مدافعت کر سکے۔

جماعت، ریویو آف ریلیجنز کی پیدا کردہ ایسی علمی روایت کی حامل تھی جس کا مقصد تمام مذاہب کا گہرا مطالعہ کرنا اور اس مطالعہ کی بنا پر اسلام اور ان کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کو حل کرنے کی کوشش کرنا تھا۔

اس عہد کی جماعت جن افراد پر مشتمل تھی ان کی اکثریت [illegible] علم دوست اذہان سے آئی تھی، جن کا طبقاتی کیریکٹر دولت جمع کرنا نہیں تھا بلکہ [illegible] کی تعلیمات و عقاید کی اشاعت کرنا اور انہیں دنیا کی مختلف زبانوں میں [illegible] تھا۔ حضرت مرزا صاحب کی شخصیت صرف مجدد اور مسیح موعود کی [illegible] متعارف تھی۔ انہیں نبی ثابت کرنے کے لئے تحریری یا تقریری مباحثے [illegible] کئے جاتے تھے۔

صدر انجمن احمدیہ ٹرسٹ (Trust) کے سوا جماعت کی دوسری کوئی جائداد موجود نہیں تھی اور نہ ہی اس طرف رجحان تھا۔ اس عہد میں جماعت کا [illegible] زیادہ تر علمی مشاغل کی طرف میلان تھا۔

مرزا محمود احمد صاحب کی لائی گئی تبدیلیاں

[illegible] مرزا [illegible] احمد صاحب نے [illegible] اپنی شخصیت کو ایک افسانوی اور Myth کی حیثیت دینے اور اسے اپنی گرفت میں رکھنے کے لئے اسے ملت اسلامیہ سے علیحدہ کر لیا، اسے ایک ایسے فرقہ میں تبدیل کر دیا جس کا تعلق کسی لحاظ سے بھی ملت کے ساتھ قائم نہ رہا۔ جماعت اور ملت کے درمیان عقائد کے اختلافات کی خلیج حائل کر دی، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے سب سے پہلے حضرت مرزا صاحب کو "نبی اور رسول" بنانے کی کوشش کی اور نبی اور رسول کے ضمن میں اپنے اور اہل خاندان کے اور دوسرے اصحاب کے لئے ان تمام اصطلاحات جیسے صحابہ، حدیث، اہل بیعت وغیرہ کو ترویج دیا جو نبی اکرمؐ کے ساتھ مخصوص تھیں۔

(ب) اس کے بعد ناقص اور کامل مسلمان کی اصطلاح وضع کی گئی اور افراد جماعت کو عام مسلمانوں کی نماز جنازہ میں شرکت سے روک دیا۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی، احمدی لڑکی کی شادی غیر احمدی لڑکے کے ساتھ کرنے پر پابندی عائد کر دی۔

(ب ا) اپنی ذات پر سچے اعتراضات کرنے والے کو بھی — جہنمی قرار دیا۔

(ج) سورہ صف میں لفظ احمد سے مراد نبی اکرمؐ کی بجائے مرزا صاحب کو لیا گیا، سورۃ بقرہ کے پہلے رکوع میں

(د) بالآخرۃ ھم یوقنون کا مفہوم یوم الحساب کی بجائے، مرزا صاحب پر آنے والی وحی کو قرار دے دیا گیا۔

(ر) مرزا محمود احمد صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی ایک پیشگوئی کے مطابق اپنے آپ کو مصلح موعود کے لقب سے ملقب کر لیا اور مسیح موعود کے مقابلہ میں مصلح موعود کا سٹنٹ کھڑا کر دیا اور اس کی تشہیر کی پوری کوشش کی گئی۔

(س) حضرت مرزا صاحب کے قائم کردہ ٹرسٹ صدر انجمن احمدیہ کے مقابلہ میں تحریک جدید کا ادارہ قائم کیا، جو پوری طرح ان کی اپنی گرفت میں تھا۔

(ص) تحقیق و مطالعہ کے کسی علمی ادارہ کی بجائے، جو اشاعت اسلام اور اتحادِ مذاہب کے لئے کام دے سکتا تھا، سندھ میں وسیع پیمانے پر زمینداری قائم کیا گیا۔ جس میں کسانوں کی محنت کے استحصال کے طریقے، غیر احمدی زمینداروں سے بھی زیادہ بے رحم تھے۔

(ط) واقفین کی ایک فدائی فوج قائم کی گئی جو ان کے ذاتی مفاد کے لئے بھی استعمال کی جاتی تھی اور مذہب کے نام پر نہایت کم مشاہرہ پر ان کی صلاحیتوں کا استحصال کیا جاتا ہے

(ع) فاشی نظام کی تقلید میں، جماعت کی عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کی الگ الگ تنظیمیں قائم کی گئیں۔ جن کی سربراہی عام طور پر "خاندانِ نبوت" کی

کے افراد کے سپرد کی جاتی۔

(ف) متوسط طبقہ کے علم دوست افراد کی جگہ، جماعت کے صاحب جائداد طبقہ کو آگے لایا گیا۔ اور ہر طرح سے ان کے مفاد کی حفاظت کی گئی۔ اس طبقہ کا کیریکٹر حصول علم کی بجائے [illegible] ہے۔

(ك) جماعت کے طلباء میں فلسفہ [illegible] Subject کے طور پر لینے سے روکنے کی [illegible] فلسفہ اور فلسفیانہ مسائل کے متعلق عام رغبت کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ کیونکہ فلسفہ پڑھنے سے آزاد خیالی پیدا ہوتی ہے اور تنقیدی صلاحیت تیز ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت میں فلسفہ جاننے والے افراد مفقود ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جماعت سے علمی روایت ختم ہو چکی ہے اور اس کے افراد تجارت اور دوسرے کاروبار کے ذریعہ دولت پیدا کرنے اور جمع کرنے کے جنون میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ کوئی شخص سنجیدہ علمی موضوع پر گفتگو کرنے والا موجود نہیں ہے۔

(ق) جماعت میں اشتراکی اثرات کو سختی سے کچل دیا گیا اور متاثر افراد کو فوراً جماعت سے باہر نکال دیا گیا اور سوشلزم کے خلاف کام کرنے کے لئے باقاعدہ ایک محاذ کھول دیا گیا جس کا کام اس کے خلاف جھوٹا اور زہریلا پروپیگنڈا کرنا

(ل) حضرت مرزا صاحب کے تحقیقی اور علمی کام کو آگے بڑھانے کی بجائے ان کی تصنیفات کی اشاعت و طباعت معرضِ التواء میں ڈال دی گئی، اور حضرت [illegible] کے حیات جدید افکار پر مشتمل کتب کی جگہ مرزا محمود احمد صاحب نے جمہوریت اشتراکیت اور دوسرے [illegible] افکار کے خلاف تحریر کردہ اپنی کتب کو ترویج دینے پر زور دیا۔

(م) جماعت احمدیہ ربوہ اپنے ذہنی افتاد اور جماعتی کیریکٹر میں جماعت اسلامی اور خاکسار تحریک سے بظاہر مخالف ہوتے ہوئے بھی اپنے مافیہ Content میں شدید مماثلت رکھتی ہے۔ کیونکہ جماعت احمدیہ ربوہ کی طرح یہ دونوں جماعتیں بھی اسی عہد کے فاشی رجحانات کی پیداوار ہیں۔ امیر کی غیر مشروط اطاعت اور ایمان کی قوت سے اقتدار پر قبضہ کرنے کے فاشی اصولوں سے توجہ حاصل کرتی ہیں۔

(ن) جماعتِ احمدیہ ربوہ کے مبلغین بیرونی ممالک میں دورانِ تبلیغ وہی زبان استعمال کرتے ہیں جو حضرت جعفر بن طیارؓ نے نجاشی کے دربار میں استعمال فرمائی تھی کہ "ہم گناہ کرتے تھے .... پھر ہمارے ہاں ایک نبی پیدا ہوا"

(و) مرزا محمود احمد صاحب نے ذاتی اقتدار کے شکنجہ میں جماعت کو مقید رکھنے کے لئے خلافتِ راشدہ کی میکانکی تقلید میں اپنے آپ کو "خلیفہ" قرار دے دیا اور اپنے رہنے کی جگہ کو قصرِ خلافت سے موسوم کیا۔

اسلام اپنی ابتدائی تاریخ اور علوم سے استفادہ [illegible] کرنے کے لئے ملت کو تخلیقی اور اجتہادی راستہ کو اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ تقلید اور ماضی پرستی کا وطیرہ اسلامی اقتدار کے عہد زوال کی نشانی ہے۔ چونکہ مرزا محمود احمد صاحب کا ذاتی مفاد تقلید اور میکانکی نقل سے پورا ہوتا تھا، لہذا انہوں نے نہ صرف اپنے خلیفہ ہونے کا ہی اعلان کیا بلکہ ایک بار برسر اقتدار آنے کے بعد تاحین حیات تخت خلافت پر متمکن رہنے کا اصول بھی وضع فرما لیا۔

سیاست کے متعلق نئے سائنسی علم نے انسان کو بتایا ہے کہ کسی قائد کا ایک لمبی مدت تک برسرِ اقتدار رہنا بہت سے معاشرتی اور سیاسی فسادات کے پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے، اس لئے عوام کے محبوب ترین قائد کا بھی یہ فرض ہے زیادہ سے زیادہ پانچ سال کے بعد دوبارہ منتخب ہو کر قیادت کے فرائض سرانجام دے

خلیفہ ربوہ نے حضرت عثمانؓ کے اس اعلان کو تو اپنا لیا کہ "جو قمیص مجھے اللہ نے پہنائی ہے اسے میں خود نہیں اتاروں گا" مگر حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کے ان خطبات کو نظر انداز کر دیا جن میں منتخب ہونے کے بعد عوام

سے کہا گیا تھا کہ جب تک وہ شریعت کے راستہ پر چلتے رہیں انہیں قبول کریں ورنہ اقتدار ان سے واپس لے کر کسی دوسرے مستحق کو دے دیں۔

جماعت ربوہ کی اس میکانکی تقلید کے بھیانک نتائج سے اس وقت دوچار ہونا پڑے گا۔ جب اس کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار آئے گا۔ پھر اقتدار کے متلاشی اس بات کا انتظار نہیں کریں گے کہ خلیفہ صاحب کب طبعی موت مریں گے اور وہ گدی سنبھالیں، (سے راستہ سے ہٹانے کے لئے وہ ہر قسم کے حربہ کو استعمال کریں گے) اور جماعت کو قتل و غارت کے سنگین تجربہ سے گذرنے کے بعد عقل آئے گی اور علم سیاست کی اس سائنسی حقیقت کو اپنانے کی کوشش کرے گی۔ یہ بات تو واضح ہے کہ سائنسی حقائق علم الٰہی کا حصہ ہوتے ہیں۔

۵۔ جناب مرزا محمود احمد صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے دعوئے مجددیت و مسیحیت کے ماقبہ کو بدلنے اور اس میں نبوت کا جواز پیدا کرنے کے لئے انکی لوح مزار کی عبارت میں سے "مجدّد صد چہاردہم" کے الفاظ نکال دیئے اور یہ کارنامہ حضرت مرزا صاحب کی وفات کے بیس سال بعد انہیں نبی بنانے کیلئے سرانجام دیا گیا۔

۶۔ ختم نبوت کے عقیدہ کو حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی قرار دے کر زبردست نقصان پہنچایا گیا اور اس کے اثرات اسلام اور احمدیت دونوں پر پڑتے ہیں، حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے فرمایا ہے کہ ختم نبوت کے مفہوم کو آج کی زبان میں انٹر نیشنل پروگرام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، ایک بین الاقوامی فکر اور لائحہ عمل کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ کسی دوسرے فکر کو برداشت نہیں کرتا۔ کیونکہ ایک بین الاقوامی فکر کے مقابلہ پر دوسرا تصور حیات بھی جگہ پالے تو اوّل الذکر کی بین الاقوامی خصوصیت ختم ہو جاتی ہے۔ ایک بین الاقوامی فکر کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ لاشریک رہے اور اگر کوئی دوسرا فکر اس کے مقابل آنے کی کوشش کرے تو اسے اپنی بین القومی نوعیت کو ثابت کرنا پڑے گا۔

اسلام میں ختم نبوت کا تصور اسی لئے اہمیت رکھتا ہے کہ یہ مذہب اپنی نوعیت میں بین الاقوامی ہے، اور اپنی اس حیثیت میں لاشریک ہے۔

۷۔ مرزا محمود احمد صاحب کی ایک اور فاشیت نواز خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے عورت کو معاشرہ کے پیداواری عمل میں حصہ لینے سے باز رہنے کی تلقین کی۔ مولانا مودودی کی طرح انہوں نے بھی پردہ پر زور دیا اور اسے گھر کی چاردیواری میں بند رہنے اور بچے پالنے کی ہدایت کی۔ عورت اور مرد کے باہمی میل جول سے "بداخلاقی" کے پیدا ہونے کا خوف دلایا۔ اس طرح جرمنی کے فاشی فلسفی نطشے کے اس اصول کو اپنانے کی ایک مثبت کوشش فرمائی کہ "جب تو عورت کے پاس جائے تو اپنا ہنٹر ساتھ لے جانا نہ بھول جائے!" (بقول زردشت)

اگرچہ جماعت احمدیہ ربوہ نے ملت کے تمام عبادات و عقائد میں عام طور پر کوئی کمی یا زیادتی نہیں کی، مگر اس کے باوجود، تکفیر مسلمین، نماز پنجگانہ اور جنازہ میں علیحدگی، قرآن حکیم میں حضرت مرزا صاحب کے نام اور وحی کے تذکرہ کی موجودگی کو تسلیم کرنے، بیرونی ممالک میں حضرت جعفر طیارؓ کی زبان استعمال کرنے کی وجہ سے وہ ملت کے سواد اعظم سے کٹ کر ایک جامد اور علاحدہ گروہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور اس کے اس رویہ نے ملت کی یک جہتی کو شدید صدمہ پہنچایا ہے۔ ملت سے علیحدہ ہو کر اس کی حیثیت ایک بحر عظیم کی بلند بالا موج کی نہیں رہی بلکہ ایک جوہڑ کی سی ہو گئی ہے۔ وہ ملت کی نمایندگی کے اس تاریخی منصب سے محروم ہو چکی ہے۔ جس پر حضرت مرزا صاحب کی دعوت نے اسے قائم کیا تھا۔ اور اس تاریخی منصب کو کھونے کے بعد اس نے مرزا محمود احمد صاحب کی قیادت میں اپنے عہد کی تمام فاشی رجحانات اور تصورات کو پوری طرح اپنا لیا ہے اور ایک بے جان فرقہ کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ (جاری ہے)

ضروری تصحیح گذشتہ شمارہ میں تربیتی کلاس کی افتتاحی تقریر تبرکاً حضرت امیر ایدہ اللہ نے فرمائی تھی۔ احباب کرام نوٹ فرمالیں۔

درخواست شمولیت جلسہ

مجھے افسوس ہے کہ جماعت پشاور کا سالانہ جلسہ مؤرخہ ۲۷/۴/۷۵ کو بعض ناگزیر حالات کے ماتحت نہ ہو سکا۔

اب جلسہ مورخہ ۴/۵/۷۵ بروز اتوار صبح ساڑھے آٹھ بجے احمدیہ مسجد پشاور میں منعقد ہوگا۔ احباب سلسلہ سے درخواست ہے کہ اس میں شمولیت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ خصوصاً احباب جماعتہائے سرحد۔ احباب جماعت راولپنڈی۔ واہ اور فاروقیہ سے استدعا ہے وہ زیادہ سے زیادہ اس میں شمولیت کر کے جلسہ کی رونق کو بڑھائیں۔

محمد الرحمٰن۔ سیکرٹری جماعت پشاور

قرارداد تعزیت اخبار پیغام صلح مؤرخہ ۹/۴/۷۵ میں یہ دردناک۔ سخت دکھ اور صدمہ دینے والی خبر پڑھی گئی کہ جناب عثمان عباسی صاحب بیروت میں جبکہ وہ دمشق ایرپورٹ پر اپنی ہمشیرہ صاحبہ کو لینے کے لئے جا رہے تھے راستہ میں ان کی کار کا ایک تیز رفتار ٹرک سے تصادم ہوگیا۔ اور وہ وہیں موقعہ پر فوت ہو گئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون

مرحوم نوجوان جناب میاں غلام عباس صاحب مرحوم کا صاحبزادہ اور جناب میاں غلام حیدر صاحب تہیم کا بھتیجا تھا اور یو این او (U.N.O) میں ایک اہم عہدہ پر فائز تھا۔

ہم ممبران جماعت احمدیہ پشاور ان کی اس ناگہانی وفات کو نہ صرف ان کے خاندان بلکہ تمام قوم اور جماعت کے لئے سخت ابتلاء اور صدمہ کا موجب سمجھتے ہیں ہم ان کی اس بے وقت موت پر نہایت گہرے رنج اور صدمہ کا اظہار کرتے ہیں اور اس غم عظیم میں مرحوم کے سوگوار خاندان کے ممبروں کے ساتھ گہرے رنج و غم اور ہمدردی کے اظہار کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو ان کے غم میں برابر کا شریک سمجھتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور تمام لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ مرحوم کا جنازہ غائبانہ بعد از نماز جمعہ پڑھا گیا۔

۲۔ قرار پایا کہ اس ریزولیوشن کی ایک کاپی۔ جناب میاں غلام حیدر صاحب تہیم ایک ڈینا گرڈ ڈی۔ آئی۔ جی اور پیغام صلح کو بھیجی جائے۔

محمد الرحمٰن۔ سیکرٹری۔ جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام پشاور

اس کی فضیلت اس افاضۂ دائمی سے ثابت ہوتی ہے۔ اور حقیقت دین اسلام کا ثبوت ہمیشہ تر و تازہ ہوتا رہتا ہے صرف یہی بات نہیں ہوتی کہ گذشتہ زمانہ پر حوالہ دیا جائے۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس سے قرآن شریف کی حقانیت کے انوار آفتاب کی طرح ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور دین اسلام کے مخالفوں پر حجت اسلام پوری ہوتی ہے۔ اور معاندین اسلام کی ذلت اور رسوائی اور روسیاہی کامل طور پر کھل جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اسلام میں وہ برکتیں اور وہ نور دیکھتے ہیں جن کی نظیر کو وہ اپنی قوم کے پادریوں اور پنڈتوں وغیرہ میں ثابت نہیں کر سکتے۔ فتدبّر ایّھا الصادق فی الطلب ایدک اللہ فی طلبک

(براہین احمدیہ۔ حاشیہ در حاشیہ ۱ صفحہ نمبر ۲۲۴)

محترم بشارت احمد بقاپوری صاحب

تحریکِ احمدیت کا پس منظر
(اور)
عظیم الشان کام

(بسلسلہ اشاعت ۱۶/اپریل ۱۹۷۸ء)

وہ خدا جس نے اپنے کلام اور اپنی تجلیوں سے اپنا وجود ہمیشہ ثابت کیا جس نے طور پر حضرت موسےٰ سے کلام کیا اور جس کی تجلی سے منکرین بے ہوش ہو گئے تھے۔ وہ خدا جس نے تمام اولین و آخرین میں سے ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ کو سب سے بڑھ کر اپنی تجلیات سے نوازا۔ اس خدا کا مغربی تہذیب کے مادہ پرست فلاسفروں نے شدت سے انکار کیا۔ اشد ضرورت اس بات کی تھی کہ دہریہ منش فلسفیوں اور شک و شبہ میں مبتلا متذبذب اور متردد تعلیم یافتہ لوگوں کو محض عقلی دلائل ہی سے خدا کی ہستی کا ثبوت نہ دیا جائے۔ بلکہ ایسے محیرالعقول اور مافوق العادت شواہد بھی پیش کئے جائیں۔ جن سے خدا تعالیٰ کا وجود پوری آب و تاب کے ساتھ متحقق ہو جائے۔

اس دَور کے ان تقاضوں اور اس زمانہ کی ان ضروریات کو جس شخص نے تمام و کمال پورا کیا۔ ان کا نامِ نامی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے مقدر کر رکھا تھا۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ مسیح محمدی نے آ کر کرنی تھی اور جملہ ادیانِ عالم پر دین اسلام کو اس مقدس امام نے غالب کرنا تھا۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب ممدوح نے جو مجدّدِ زمان مہدیٔ دوراں اور مسیح موعود تھے نہایت کامیابی کے ساتھ فتنہ دجّال کا استیصال کیا۔ صلیبی مذہب کا کھوکھلا پن بدلائلِ ساطع ثابت کر کے رکھ دیا۔ اور جیسا کہ حدیثوں میں بیان ہو چکا تھا۔ کہ آنے والا مسیح کسرِ صلیب کرے گا اور خنزیروں کو قتل کرے گا۔ آپ نے کسرِ صلیب کر کے اور خنزیر صفت اعدائے اسلام کو حق کی تیغِ براں سے موت کے گھاٹ اتار کے اپنا مسیح ہونا اکنافِ عالم میں ثابت کر دیا۔ اور چند برسوں کے اندر ہی کشتیٔ اسلام کو بھنور سے نکال کر ساحلِ عافیت پر لے آیا اور پادریوں کے اس خواب کو کہ آئندہ بیس پچیس برس میں مسلمانانِ ہند کو خداوند یسوع مسیح کی بادشاہت میں داخل کر کے مسجدوں کو کلیساؤں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اور گولڈن جوبلی کی شاندار تقریب دہلی کی شاہی مسجد میں منائی جائے گی۔ ہمیشہ کے لئے پریشان کر کے رکھ دیا اور اپنے پُر شوکت جارحانہ طریقِ تبلیغ اور ہیبتناک طرزِ استدلال سے ان کے تمام ناپاک منصوبے جو اسلام کے خلاف باندھے گئے تھے خاک میں ملا دیئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پادری اپنے بستر گول کرنے لگے۔ اور اپنی ناکامی و نامرادی سے چھلنی سینوں اور ذلت اور شکست کی سیاہی چہروں پر مل کر واپس اپنے مواطن کے اندھیروں میں ناپید ہو گئے۔

صرف یہی وہ جری مرد اور اسلام کا ظفر مند جرنیل تھا۔ جس نے جاں نثاروں کی چھوٹی سی جماعت کو اپنے ساتھ لے کر اعلائے اسلام کے ساتھ جو کھیا جنگ کی۔ اور بفضلِ ایزدی ہر میدان میں اپنے دشمن کو پچھاڑا۔ جس گستاخ اور بے ادب نے ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زبان درازی کی۔ خدا کے قہری نشانوں کے ساتھ اس کی زبان کاٹ کے رکھ دی اور مشرق و مغرب میں عملاً ثابت کر دیا کہ آپ کے ساتھ فی الواقعہ خدا تعالےٰ ہے۔ اور جس مذہب کے خادم ہونے کا وہ دعوےٰ کر رہے ہیں۔ وہ فی الحقیقت ایک زندہ مذہب ہے اور اس مذہب کے بالمقابل باقی مذاہب مردہ نظر آتے ہیں۔ اور مسیح محمدی کے بالمقابل تمام پادری، پنڈت فلاسفر اور اہلِ دانش عاجز اور بے حقیقت ہیں۔

مامور من اللہ ہونے کے باعث آپ نے مندرجہ ذیل اعلان بڑی تحدی سے کیا۔

"خدا نے مجھے چار نشان دیئے ہیں:

(۱) میں قرآن شریف کے معجزہ کے ظل پر عربی بلاغت و فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

(۲) میں قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

(۳) میں کثرتِ قبولیتِ دعا کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میری دعائیں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں اور ان کا میرے پاس ثبوت ہے۔

(۴) میں غیبی اخبار کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ یہ خدا تعالیٰ کی گواہیاں میرے پاس ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں میرے حق میں چمکتے ہوئے نشانوں کی طرح پوری ہوئیں۔

آسماں بارد نشان الوقت می گوید زمیں
این دو شاہد از پئے تصدیقِ من ایستادہ اند

مدت ہوئی کسوف خسوف رمضان ہو گیا۔ حج بھی بند ہوا۔ بموجب حدیث کے طاعون بھی ملک میں پھیلی۔ اور بہت سے نشان مجھ سے ظاہر ہوئے جن کے صدہا ہندو اور مسلمان گواہ ہیں .... ان تمام وجوہ کی بناء پر میں امام الزمان ہوں۔ اور خدا میری تائید میں ہے اور وہ میرے لئے تیز تلوار کی طرح کھڑا ہے۔ اور مجھے خبر دی گئی ہے۔ کہ جو شرارت سے میرے مقابل کھڑا ہوگا۔ وہ ذلیل اور شرمندہ کیا جائیگا دیکھو! میں نے وہ حکم پہنچا دیا جو میرے ذمہ تھا" (ضرورت الامام)

یہ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ اعدائے اسلام نے تو اپنی شکست کا عملاً اقرار کر لیا۔ کیونکہ پادری حضرات کو بذریعہ خفیہ سرکلر ہدایت کر دی گئی کہ احمدیوں کے ساتھ بحث و مناظرہ سے کلی اجتناب کیا جائے۔ اور اپنا تبلیغی دائرہ صرف بھولے بھالے دین سے ناواقف مسلمانوں تک محدود کر دیا جائے۔ کیونکہ مسلمانوں کے بعض مروجہ عقائد سے انہیں دینِ مسیحی کی تبلیغ میں کافی مدد ملتی تھی۔ اسی طرح آریہ سماج کی تمام شوخی، بے باکی اور بدکلامی لیکھرام کی موت سے جو عین وعدہ الٰہی کے بموجب واقع ہوئی تھی۔ ختم ہو گئی۔ اور اس کے ہوش بھی ٹھکانے آ گئے۔ جلسہ مذاہب عالم میں حضرت مرزا صاحبؒ نے اپنے بے نظیر اور ایمان افروز مضمون کے ذریعہ ہر مذہب و ملت کے نمائندوں اور منتظمین جلسہ کی زبان سے اعتراف کرا لیا۔ کہ حضرت ممدوح جس مذہب اسلام کے وکیل ہیں۔ وہ ابدی صداقتوں کا مرقع ہے۔ مگر ہمارے علماءِ ظاہر نے جن کو علماءِ ربانی نے علماء سُوء کے نام سے ہمیشہ یاد کیا ہے اس حامی اسلام شیرِ خدا کی بھرپور مخالفت کی اور کاذب اور مفتری قرار دینے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا وہ مخالفت اور عداوت میں اندھے ہو گئے اور صفِ اعدا میں جا کر شامل ہو گئے۔ اور جھوٹی گواہیوں اور طرح طرح کی دروغ بافیوں سے انہوں نے اپنی عاقبت خراب کر لی۔ مگر مامورِ زمانہ کا بال تک بیکا نہ کر سکے۔ مسلمانوں کو انہوں نے غلط بیانیوں سے کام لے کر مامورِ زمانہ اور اس کی جماعت کے خلاف بھڑکایا اور بھڑکایا۔ اور مخالفت کی ہر جگہ آگ بھڑکا دی۔ اور خدائی تحریک کے خلاف نفرت و حقارت کی چارسو فضا پیدا کر دی۔ مخالفت کا یہ سلسلہ برابر نوے سال تک چلتا رہا اور حال میں اس نے نہایت ہی خوفناک صورت اختیار کر لی۔ ہمارے سر پر یہ الزام تھوپ کر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبییّن نہیں مانتے اور حدیث لانبی بعدی پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں قیامت بپا کر دی۔ جس کی ہولناکی کے اثرات عرصہ دراز تک دل و دماغ پر نقش رہیں گے۔ مساجد کے ممبروں پر کھڑے ہو کر اپنے خطبوں اور تقاریر کو انسانیت سوز ننگی گالیوں اور بازاری زبانوں سے مزین کیا گیا۔ اور اس جوش میں کسی کو خانہ خدا کے تقدس کا بھی کوئی خیال نہ رہا۔ خواص و عوام سب ایک ہی رنگ میں رنگین ہو گئے اور سب نے اپنی غیرت و حمیت دینی کا مظاہرہ کچھ اس انداز سے ملک بھر میں کیا کہ زمانہ جاہلیت کے تمام

نقوش ابھر کر سامنے آ گئے۔ اور انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔

ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کنز العمال میں اس طرح آئی ہے

تکون فی امتی فزعۃ فیصیر الناس الی علماءھم فاذاھم قردۃ و خنازیر۔

یعنی میری امت میں ایک گھبراہٹ ہوگی اور لوگ اپنے علماء کی طرف جائیں گے۔ تو کیا دیکھیں گے کہ وہ بندر اور سؤر ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

امت کے علماء کی جب یہ شکل وصورت ہو جائے تو پھر اس سے خیر کی توقع رکھنا کیونکر ممکن ہے۔

میں عہدِ حاضر کے جملہ علماء، تمام مسلمانوں اور حکومت پاکستان سے جن کی ملی بھگت سے ہمیں غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔ یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اپنے اپنے اسلاف کے زرین کارناموں کے حوالہ سے خدا کے حضور میں شکوہ کرنے والو۔ اگر آپ کے نزدیک یہ خدمت جس کا ذکر اقبال مرحوم کے شکوہ میں آیا ہے۔ قابلِ فخر ہے:۔

تھے ہمیں ایک تیرے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے تھے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

تو انصافاً کہو آج اس زمانہ میں یہی خدمت جو یورپ اور امریکہ اور افریقہ کے ممالک میں تبلیغ اسلام کی صورت میں جماعت احمدیہ نے کی اور بدستور کر رہی ہے۔ وہ کیوں قابلِ قدر اور لائق تحسین نہیں رہتی۔

آپ کا عہد ماضی خواہ کتنا ہی تابناک کیوں نہ ہو۔ وہ کسی قیمت پر واپس نہیں آ سکتا۔ آپ دن رات ان کارناموں کو اپنی تقریروں میں دھراتے رہیں۔ اب ان کی حیثیت زیب داستان سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ آیا اس دور میں بھی آپ کو یہ توفیق ملی ہے۔ کہ آپ بھی اپنے بزرگ اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یورپ کے کلیساؤں میں اور افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں اذانیں دیتے۔ سارے عالم اسلام میں کونسی حکومت ہے۔ جس نے تبلیغ واشاعت اسلام کا غیر قوموں اور بلاد غرب میں اہتمام کیا ہے۔ جب اس سوال کا جواب لازماً نفی میں ہے۔ تو پھر آپ کی آنکھوں سے تعصب کا پردہ کیوں نہیں اٹھتا۔ اور انصاف کا دامن کیوں چھوڑ رکھا ہے۔ اور اس جماعت کی مخالفت پر آپ ادھار کیوں کھائے بیٹھے ہیں۔ جو دن رات جہاد بالقرآن میں ہمہ تن مصروف ہے۔ اور اسلام کو اکناف عالم میں پہنچانے اور ... پھیلانے کے لئے بے مثال قربانیاں دے رہی ہے۔ ہمارا خدا خوب جانتا ہے۔ اور وہ ہمارا شاہد ہے کہ اس کے فضل سے ہمارا ایمان ہے ؎

ما مسلمانیم از فضلِ خدا — مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام — ہر نبوت را بر و شد اختتام

اور

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں — دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں

خدا تعالیٰ کی ہزار بار لعنت ہو اس شخص پر جو منافقت اور مداہنت سے کام لیتا ہو۔ اور سچے دل سے آقائے دو جہاں، نبیوں کے سردار پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی معنوں میں خاتم النبیین نہ مانتا ہو۔

مگر یہاں اصل تنازعہ یہ نہیں ہے۔ یہاں مرزا غلام احمد صاحب کی ذات سے دشمنی کا سوال ہے۔ وہ لاکھ بار دعوئے نبوت سے انکار کرتا رہے پھر اور مدعی نبوت پر لعنتیں بھیجتا رہے۔ مخالف علماء نے مرغے کی ایک ٹانگ ہی بنائی ہے۔ انہیں اس بات کی بھی پرواہ نہیں کہ ان کے فتوئے کفر کی زد خود ان کے اپنے بزرگانِ عظام پر بھی پڑتی ہے۔

آج ہمارے مقابل پر ہر کوئی شمع رسالت کا پروانہ بنا پھرتا ہے۔ کیونکہ ہم ایک کمزور، ناتواں اور بے سروسامان جماعت ہیں۔ ہم ان کے تشدد کا جواب تشدد سے نہیں دے سکتے۔ انہیں اپنی عددی کثرت کا گھمنڈ ہے۔ سامانِ حرب و ضرب ان کے قبضہ میں ہے۔ انہیں ظلم و تشدد، لوٹ مار اور دہشت گردی سے کوئی روکنے والا نہیں۔ اس لئے وہ آج خود کو بڑے غیرتمند ظاہر کر رہے ہیں۔ لیکن میں پوچھتا ہوں۔ کہ عہد اکبری و جہانگیری میں شمع رسالت کے پروانے کہاں تھے۔

سکھوں نے جب پنجاب اور سرحد میں نماز اور اذان پر پابندیاں لگا دیں اور مسلمان بیٹیوں کو بجبر اپنے گھروں میں ڈال لیا تھا۔ جیسے ۱۹۴۷ء میں ستر ہزار مسلمان خواتین ہندؤں اور سکھوں نے مسلمانوں سے ہتھیا لیں۔ تو اس وقت شمع رسالت کے پروانے کس دیس کی ہوا کھا رہے تھے۔ اس زمانہ میں جب پادریوں اور آریہ سماجی دریدہ دہنوں نے اسلام اور آفتاب رسالت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی اور زہر چکانی کی تھی۔ تو شمع رسالت پر کس پروانہ نے اپنی جان دی تھی۔ کسی نے بھی نہیں! کسی نے بھی غیرت نہ کھائی۔ اور کوئی بھی ناموس رسول پر قربان نہ ہوا۔ یہ اس لئے کہ اس وقت حکمرانوں کی تلواریں نیام سے باہر نکلی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ اور موت کا دلوں پر خوف طاری رہتا تھا۔

اگر آج ناموس رسول پر مر مٹنے کا جذبہ اس امت میں ہوتا۔ تو یقیناً سارے کا سارا عالم اسلام یک جان اور متحد ہوتا اور دشمنوں کے بالمقابل سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط اور ناقابلِ تسخیر ہوتا۔ نہ اسے یہودیوں کی چھوٹی سی جمعیت کے آگے جھکنا پڑتا۔ اور نہ ہی ہندوستان سے ذلت آمیز شکست اٹھانا پڑتی اور انفاق فی سبیل اللہ کی یہ کیفیت ہوتی۔ کہ دولت کے انبار لگ جاتے۔ اور اشاعت و ترویج اسلام پر لٹریچر کا سیلاب آ جاتا۔ اور دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا پیغام عافیت پہنچ جاتا۔ اور خدائے واحد کی تمجید و تقدیس کی صدائیں تثلیث پرستوں کے گھروں سے بلند ہوتیں۔

سکھوں کے مظالم اور ان کی مداخلت فی الدین کا میں نے پہلے ذکر کیا تھا۔ اور میں نے کہا۔ کہ کسی کو کبھی اس ظالم قوم کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ہاں البتہ ایک مردِ خدا ضرور اٹھا۔ جس کا نام نامی حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ اور جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور کئے گئے تھے۔ ان سے یہ دلدوز منظر نہ دیکھا گیا۔ انہوں نے جاں نثاروں کی ایک جماعت تیار کی۔ جو سر پر کفن باندھ کر اس ظالم قوم کے خلاف جہاد پر نکلی۔ تاریخ میں اسے اسماعیلی تحریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علماء ظاہر نے اس مجدد الوقت کی جس شدت سے مخالفت کی، ہوگی اس کا اندازہ بریلوی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کی موجودہ روش سے بھی بآسانی لگایا جا سکتا ہے ایک کتابچہ ہے "۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے ہیرو اور اسماعیلی تحریکِ جہاد کا پس منظر" جو مولانا نور احمد انور فریدی خادم ادارہ تصنیف و تالیف ملتان کی تصنیف ہے۔

انہوں نے دیو بندی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے سید احمد بریلوی صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کے متعلق اس وقت تک عوام کے سامنے یہ حالات پیش کئے ہیں:

"سید احمد صاحب بریلوی اور ان کے دستِ راست مولوی اسمٰعیل صاحب نے خالصاً لوجہ اللہ جہاد فی سبیل اللہ کیا۔ اور یہی لوگ اسلام کے علمبردار تحریکات اسلامیہ کے بانی ہیں اور انہی کے نقشِ قدم پر چلنے والے جنگ آزادی کے رہنما ہو سکتے ہیں..........

" لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسمٰعیلی گروہ اور اس کے امیرالمومنین سید احمد صاحب جنہیں مجاہد فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔ کے تمام کارنامے انگریزوں کی حکومت کو سرزمین ہند میں مضبوط کرنے اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ان کی قید غلامی میں جکڑنے کے لئے تھے"

یہی مولانا صاحب آگے لکھتے ہیں:۔

" جب سلطنتِ مغلیہ پر زوال کا دور آیا اور انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں برسرِ اقتدار آنے لگی تو انگریزوں نے اپنی قوت کو مستحکم کرنے کے لئے ملکی فضاء کا جائزہ لیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جب تک پنجاب میں سکھوں کی طاقت اور سرحد میں مسلمانوں کی قوت کمزور نہ ہوگی اس وقت تک ہمارے قدم

پوری طرح جم نہ سکیں گے اس مقصد کی تکمیل کے لئے انگریز نے سید احمد صاحب ساکن رائے بریلی اور مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کو تاکا۔ اور انہیں پٹی پڑھائی کہ تم مسلمانوں کو یہ تبلیغ کرو۔ کہ انگریزوں سے جہاد ناجائز ہے۔ اور عام مسلمانوں کو سکھوں کے مظالم کی داستانیں سنا کر انہیں سکھوں سے جہاد کی تلقین کرو۔"

پھر لکھا ہے:۔

"اور انگریزوں کے حسب منشاء مولوی اسمٰعیل صاحب نے بڑے زور شور سے یہ تبلیغ شروع کر دی کہ انگریزوں سے جہاد کرنا شرعاً جائز نہیں۔ سکھوں کے مظالم بھی سنائے جانے لگے اور انگریزوں کی امداد سے ملک کے طول و عرض میں نام نہاد مجاہدین کی بھرتی شروع ہو گئی .... اور عام تحریک کے ذریعے اس دور کے مفلوک الحال اور مظلوم مسلمانوں سے جہاد کے نام پر چندوں کی وصولی کا منظم پروگرام شروع کر دیا گیا۔ مسلمان اس تحریکِ جہاد کے نام پر کثیر رقمیں بطور چندہ پیش کرنے لگے۔ حتیٰ کہ باقاعدہ بیت المال قائم کیا گیا سید احمد صاحب ساکن رائے بریلی اور مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اپنے رفقاء کے ساتھ جہاد کے نام پر انگریزوں کی بنیادیں مضبوط کرنے اور مسلمانوں کی قید غلامی کو سخت ترین بنانے کے لئے میدان عمل کی طرف روانہ ہو گئے۔"

ان مولانا کی نظر میں انگریز کی حمایت اور امداد کے بغیر:۔

"یہ بات کسی طرح ممکن نہ تھی۔ کہ ایسی بے بسی اور بے کسی کے دور میں مسلمانوں کی کوئی جماعت سکھوں کی طاقتور حکومت پر حملہ آور ہونے کے لئے گھر سے نکل کھڑی ہو"

پھر مولوی صاحب حیاتِ طیبہ مصنفہ مرزا حیرت دہلوی سے یہ اقتباس نقل کرتے ہیں:۔

"کلکتے میں جب مولانا (اسمٰعیل دہلوی) نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا۔ اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی۔ تو ایک شخص نے دریافت کیا۔ کہ آپ انگریز کے خلاف جہاد کا فتوے کیوں نہیں دیتے۔ آپ نے جواب دیا کہ ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں۔ ایک تو ہم ان کی رعیت ہیں۔ دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے بلکہ اگر کوئی ان پر حملہ آور ہو۔ تو مسلمانوں پر فرض ہے۔ کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ (برطانیہ) پر آنچ نہ آنے دیں۔"

آگے پھر ارشاد فرماتے ہیں:۔

"دیکھا آپ نے کس طرح گورنمنٹ برطانیہ پر مسلمانوں کو قربان کیا جا رہا ہے۔ کیا مرزا غلام احمد قادیانی کی انگریز دوستی سے اس دوستی کا وزن کچھ کم ہے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیئے۔"

ملاحظہ فرمایا آپ نے ماموریں الٰہی کی مخالفت کا یہ رنگ۔ تحریک اسمٰعیلی کے مخالف علماء کی نظر میں سکھوں کی حکومت بڑی عادل اور رحم دل تھی۔ اور مسلمان اس کے زیر سایہ امن و عافیت میں تھے اور ان کی جان، مال اور آبرو ہر طرح محفوظ تھی۔ وہ پوری آزادی کے ساتھ ارکان دین ادا کرتے تھے۔ یہ تو انگریزوں کے ایجنٹ سید احمد بریلوی اور ان کے ہمنواؤں کا جھوٹا پروپیگنڈا تھا۔ جو محض انگریزوں کی حکومت کو ہند میں مضبوط کرنے کے لئے شروع کیا گیا تھا۔ ورنہ اصل جہاد تو ان فرنگیوں سے کرنا فرض تھا۔ چلیئے فیصلہ ہو گیا کہ تیرھویں اور چودھویں صدی کے دونوں مجدد انگریز نواز اور انگریزوں کے ایجنٹ تھے۔ مگر میں پوچھتا ہوں۔ کہ اگر اسمٰعیلی تحریک اور احمدیہ تحریک دونوں کا مسلک غلط تھا۔ اور آپ کی نظر میں ان دونوں صدیوں میں جہاد بالسیف کی شرائط بدستور موجود تھیں۔ تو پھر آپ نے سرزمین ہند کو اپنے خون سے لالہ زار کیوں نہ بنا دیا۔ آپ نے اس دار الحرب میں اپنی شمشیر زنی کے جوہر کیوں نہ دکھائے۔ اگر یہ مٹھی بھر لوگ گمراہ تھے۔ تو آپ نے ہی اپنی راست روی کا عملی ثبوت پیش کیا ہوتا۔ یہ کیسے غضب کی بات ہے۔ کہ انگریز کے گھر میں خفیہ اطلاعات یہ لوگ دیں کہ مرزا غلام احمد امام مہدی ہونے کا مدعی ہے اور ہمارے اعتقاد کے مطابق ہمارا امام مہدی بزور شمشیر اپنی حکومت قائم کرے گا۔ اس لئے یہ شخص حکومت برطانیہ کے لئے سخت خطرناک ہے۔ ہم تو حضور سرکار برطانیہ کے خیر خواہ اور خیر طلب اور پورے اطاعت گذار ہیں۔ اس لئے ہمیں ہماری اطاعت گذاری کے صلہ میں زمین کے مربعے عطا فرمائے جائیں اور فی الواقعہ انگریز کی عنایت خسروانہ سے وہ نوازے بھی جائیں مگر عوام میں مشہور یہ کرتے ہیں کہ یہ شخص بڑا انگریز نواز اور ان کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے۔ اور انگریزوں کے قدم جمانے کے لئے کھڑا ہوا ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

حضور والا ان بزرگوں کے تجدیدی کارناموں کی نفی کرنی اتنی آسان نہیں جتنی آپ لوگوں نے سمجھ رکھی ہے۔

اے مسلمانو! اگر آج آپ کے دلوں میں ایمان کی چنگاری ہوتی اور ناموس رسول کے پاک جذبہ سے آپ کے سینے فی الواقعہ منور ہوتے۔ تو پھر کسی اخلاقی، روحانی اور تمدنی و معاشرتی خرابی اور کمزوری کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ نہ ہمارے ملک میں جرائم کی بھرمار ہوتی، نہ چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور سمگلنگ کا بازار گرم ہوتا۔ اور نہ ہی ملک کی دولت چور دروازوں سے ملک سے باہر جاتی۔ یہ تمام خرابیاں اس بات کی واضح طور پر نشاندہی کر رہی ہیں کہ اسلامی تعلیمات اور اخلاق محمدی کی روح سے مسلمانوں کا نظام فکر و عمل یکسر خالی، محروم اور بے نصیب ہو چکا ہے۔

ہمیں غیر مسلم قرار دئے کر اس فیصلہ کے خلاف ہم خدا تعالےٰ کی عدالت میں دہائی دیتے ہیں کہ اے خالق عرض و سما، اے مالک یوم الدین تو خوب جانتا ہے کہ ہم تیرے عاجز بندے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا دل کی گہرائیوں سے اقرار کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ انصاف فرما! حکومت نے چند روز کے لئے علماء کے ٹولے کو تو خوش کر لیا ہے۔ اور اسلامی انصاف کے تقاضوں کو عوام کی مرضی کے تابع کر دیا ہے۔ مگر اس فیصلہ کے مضرات کا اندازہ نہیں لگایا گیا۔

حکومت کی طرف سے آئین پاکستان میں ترمیم کا اعلان ہوا۔ تو اس کے سنتے ہی اسلام کے اصل حریف دینِ مسیحی کے پرستاروں کے گھروں میں گھی کے چراغ جل اٹھے ان کے ہاں عید سی خوشی لوٹ آئی۔ ان کا فرد فرد مارے خوشی کے ناچ اٹھا۔ یہ لوگ احمدیوں کو اپنا ایسا حریف جانتے ہیں۔ جن کے آگے ان کی کوئی پیش نہیں جاتی۔ آج تک ان کی تبلیغی سرگرمیاں بالکل ماند پڑی ہوئی تھیں اور وہ برملا اپنے دین کی اشاعت سے گریز کرتے تھے کیونکہ احمدیوں کی ایک ہی ضرب کلیم سے ان کی پر فریب عمارت دین دھڑام سے نیچے گر پڑتی تھی۔ آج ان کے راستہ سے یہ بہت بڑی رکاوٹ جو فرانس کی مجینو ( ) لائن سے بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم ہے ہٹا دی گئی ہے۔

چنانچہ مسیحی لیگ کے صدر مسٹر ڈیوڈ صوبہ خاں نے بڑے پرفریب انداز میں اعلان کیا کہ ہم مسیحی حکومت پاکستان کو اس کے اس جرأت مندانہ فیصلہ پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ حکومتِ برطانیہ نے ایک کاذب نبی کو اپنے زیر سایہ پرورش کیا۔ جس نے ہمارے خداوند یسوع مسیح اور اس کے دین کی سخت توہین کی اور اسے ایسا کرنے کی کھلی چھٹی دی۔ چنانچہ یہ اسی جرم اور گناہ کی سزا ہے کہ وہ سلطنتِ برطانیہ جس پر آفتاب کبھی غروب نہیں ہوتا تھا۔ اس پر آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

اس کے جواب میں میں اپنے ان علماء اور عوام کو کیا کہوں جو حضرت مرزا غلام احمد سلام اللہ علیہ اور ان کی جماعت کے خلاف تو شور قیامت بپا کرتے ہیں لیکن جس دین اور جس رسول کے نام پر یہ شور و غوغا مچایا گیا ہے۔ اگر اس کے خلاف تثلیث پرست اپنی کتابوں رسالوں اور لیکچروں میں الزامات و اتہامات کے انبار لگا دیں اور شرافت و اخلاق کے تمام اصول بالائے طاق رکھ کر امام المعصومین سید المرسلین فخر الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کو ہدف طعن و تشنیع بنائیں۔ تو ان کی غیرت و حمیت دینی میں ذرہ سی بھی جنبش نہیں ہوتی۔

اندریں حالات، میں یہ عرض کروں گا۔ کہ آپ اس زمانہ کے امام برحق کی جماعت ہیں۔ خدا تعالےٰ نے آپ کو یہ سعادت عطا فرمائی ہے کہ آپ شمع رسالت کو فروزاں اور تاباں رکھیں۔ دنیا لاکھ آپ کو برا کہے، آپ کا اجر آپ کے خدا کے ہاں ہے۔ جو دنیا سے اپنا اجر مانگتے ہیں ان کے لئے خدا کے ہاں کوئی اجر نہیں ہوتا

جس راہ پر ہمارے امام نے ہمیں ڈالا ہے۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم صدق دل سے اس راہ پر چلتے جائیں اور دنیادار علماء و عوام کی طعن و تشنیع سے بے نیاز ہو کر اعلائے کلمۃ الحق کے مقدس فریضہ میں ہمہ تن منہمک رہیں۔ فتنہ دجال کا استیصال کرنے پر صرف ہم قادر ہیں۔ دنیا میں یکسر الصلیب و یقتل الخنزیر صرف مسیح موعودؑ کی جماعت ہی کر سکتی ہے۔ اس قسم کے سیاسی فیصلے مذہب کے نام پر پہلے بھی ہوتے رہے ہیں۔ اور خدا کے مقدسین کو عوام اور حکومت سے ناقابلِ بیان ایذائیں پہنچتی رہیں۔ مسلمان قوم کی یہ پرانی عادت ہے کہ جیتے جی اپنے بزرگوں کو کاذب اور مفتری ٹھہرا کر قابل گردن زدنی قرار دیتے ہیں اور انہیں دار پر کھینچتے ہیں۔ مگر ان کے وصال کے بعد ان کی قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھاتے اور عقیدت کے چراغ جلاتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی اس عادت کو اس زمانہ بھی پورا کیا ہے۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ بدی دنیا میں تیزی سے پھیلتی ہے۔ مگر حق کے پھیلنے میں خاصی مدت درکار ہوتی ہے۔ ہم کشت حق کے لئے بطور کھاد ہیں۔ انشاء اللہ ایک دن ضرور آئے گا کہ حسب وعدہ الٰہی حق کی کھیتی لہلہائے گی اور اسلام جملہ ادیانِ عالم پر غالب آئے گا۔ ہمارے امام نے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی داغ بیل ڈال دی ہے۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

احباب ذیل نے پنکھے مسجد دار السلام کیلئے بطور عطیہ دیئے

جزاھم اللہ احسن الجزاء

۱۔

نمبر	نام		رقم
(۱)	بیگم و محترم نصیر احمد فاروقی صاحب	ایک پنکھا	Rs450/-
(۲)	مقامی جماعت لاہور	دو پنکھے	Rs900/-
(۳)	شیخ محمود احمد صاحب	ایک پنکھا	Rs450/-
(۴)	اہل و عیال چوہدری فضل حق	ایک پنکھا	Rs450/-
(۵)	محترمہ نسرین گل صاحبہ - احمد سجاد صاحب - احمد نواز صاحب	ایک پنکھا	Rs450/-
(۶)	بیگم شیخ مبارک احمد صاحب ملتان	ایک پنکھا	Rs450/-
(۷)	بیگم عظمت رفیق احمد صاحب	دو پنکھے	Rs900/-
(۸)	بیگم و میاں اعجاز الٰہی صاحب	ایک پنکھا	Rs450/-
(۹)	بیگم و میاں اعزاز الٰہی	ایک پنکھا	Rs450/-
(۱۰)	محترم منصور احمد صاحب	ایک پنکھا	—
(۱۱)	سید سلطان علی شاہ صاحب	ایک پنکھا	Rs450/-
(۱۲)	محترم ممتاز احمد فاروقی صاحب	ایک پنکھا	Rs450/-
(۱۳)	مخدوم محمد اسلم صاحب برائے ایصال ثواب مخدوم محمد اشرف صاحب مرحوم و مغفور	ایک پنکھا	Rs450/-
(۱۴)	میاں فضل احمد صاحب	ایک پنکھا	Rs450/-
		16 پنکھے	Rs6750/-

۲۔ محترم حسن خاں صاحب کراچی نے مسجد دار السلام کے لئے ایک وال کلاک بطور عطیہ دیا ہے۔

۳۔ ڈاکٹر محمد مجتبےٰ صاحب کراچی نے پیشکش کی ہے کہ وہ مسجد دار السلام کے لئے منبر کی قیمت ادا کریں گے۔ جزاھم اللہ

(فضل حق ناظم دار السلام)

نماز جنازہ } نہایت افسوس کیساتھ اطلاع دیجاتی ہے کہ میرے خسر محترم میاں خدا بخش بھٹی مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۷۵ء بمقام لائلپور وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انکی عمر ۹۰ سال تھی۔ مرحوم نہایت صالح متقی پابند صوم و صلوٰۃ۔ تہجد گذار، سادہ لوح انسان تھے۔ آپکو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنیکا شرف حاصل تھا۔ بعد نماز جمعہ مسجد مسلم ٹاؤن میں انکی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ احباب سے جنازہ غائبانہ ادا کرنے کی درخواست ہے۔ ہمیں اس صدمہ میں میاں عبدالرحمان صاحب اور دیگر اعزہ سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل عطا کرے اور مرحوم کو جنت نصیب کرے۔

میاں عبدالرحمن انجینئر مسلم ٹاؤن۔ لاہور

محترمہ نسرین گل محمد صاحبہ

تنظیم خواتین احمدیہ کی ماہانہ میٹنگ کی کارروائی

تنظیم خواتین احمدیہ کی ماہانہ میٹنگ مورخہ ۱۲ مارچ بروز بدھ شام ۴½ بجے مسجد دار السلام میں منعقد ہوئی۔

کارروائی کا آغاز طاہرہ جنجوعہ صاحبہ نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ سابقہ کارروائی کی توثیق کے بعد زاہدہ جنجوعہ نے کلام مسیح موعود ترنم سے سنایا۔ ننھے مقرر اقبال احمد نے حضرت مسیح موعود کے حالاتِ زندگی پر جامع تقریر کی۔ چار سالہ بے بی نجمہ نے بہت شوق سے حضرت مرزا صاحب کی نظم توتلی زبان سے "خدا کے نیک بندوں کو خدا سے نصرت آتی ہے" سنائی۔ عاصمہ جہانگیر صاحبہ جو کہ ایک غیر احمدی گھرانے سے جناب میاں فضل احمد صاحب کی بہو بن کر آئی ہیں۔ اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے بتایا۔ کہ انہوں نے احمدی خواتین کو عملی رنگ میں اسلام پر کاربند دیکھا اور پایا ہے۔ جس کا غیر احمدیوں میں کوئی نمونہ نہیں ملتا۔ دیگر انہوں نے کلمہ گو کو کافر کا خطاب دینے کو بھی زیادتی قرار دیا۔

محترمہ بصارت خانم ایم اے صاحبہ کی تحریک پر بنات احمدیہ کی کلاسز کے لئے بیگم عبدالمنان عمر کے ساتھ زبیدہ احمد صاحبہ اور صفیہ جاوید نے اپنی خدمات کی پیشکش کی۔ مگر زبیدہ احمد صاحبہ نے کہا۔ کہ اپریل میں ایبٹ آباد کی سمر کلاسز کی طرح لاہور میں سمر کلاسز کا اجراء ہو رہا ہے۔ بچیاں اس سے بھی استفادہ کر سکتی ہیں۔ دیگر دار السلام کی مسجد میں منگل، بدھ، ہفتہ، اتوار کو مغرب کی نماز کے بعد عشاء کی نماز تک مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب درس قرآن دیتے ہیں۔ درس کے بعد حدیث اور ملفوظات مسیح موعود بھی باقاعدہ سنائے جاتے ہیں۔ دار السلام میں مقیم بچوں اور بچیوں کے لئے اس سے بہتر اور کیا کلاس ہو سکتی ہے۔ محترمہ سلیمہ فاروقی صاحبہ نے کہا کہ "سمر سکول کلاس" میں خواتین کی باقاعدہ کلاس کا انتظام ہونا چاہیئے۔

امسال جلسہ سالانہ پر بہت سی خواتین نے اور بعد میں لاہور سے باہر کی احمدی خواتین نے بھی مطالبہ کیا ہے کہ انجمن کے شعبہ شادی بیاہ میں خواتین کو نمائندگی دی جائے کیونکہ خواتین ہی بہتر طریق پر فریقین کے خانگی حالات سے واقف ہو سکتی ہیں۔

چنانچہ بیگم رضیہ بشیر احمد صاحبہ اور محترمہ بیگم مرغوب عالم صاحبہ کے نام اس کمیٹی میں خواتین کی نمائندگی کے لئے تجویز ہوئے۔

صفیہ جاوید صاحبہ کی تحریک پر سیکرٹری برائے دستکاری کے نئے انتخاب کا معاملہ پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ آئندہ میٹنگ میں انتخاب کرایا جائے۔ رضیہ مدد علی صاحبہ نے تجویز پیش کی کہ تنظیم خواتین کو کراکری خرید کر رکھ لینا چاہیئے۔ جس پر طاہرہ فضل احمد صاحبہ نے بتایا۔ کہ ٹرینیڈاڈ کے مہمانوں کی آمد پر بہت سی کراکری خریدی گئی تھی۔ وہ حاصل کرنی چاہیئے۔

(۲) ۲۶ مارچ کو عید میلاد النبی کے موقعہ پر خواتین کے جلسہ کا اہتمام بھی کیا۔ جس میں غیر احمدی خواتین بھی شریک ہوئیں۔ اس جلسہ میں رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت مرزا صاحب کے اور اپنے نظریات کا اظہار کیا گیا۔ محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ۔ محترمہ بیگم عبدالمنان عمر صاحبہ۔ محترمہ زبیدہ احمد صاحبہ اور بچیوں میں سے زاہدہ جنجوعہ نے تقریریں کیں۔ ہر تقریر کے بعد حضرت مرزا صاحب کے کلام سے نعتیں پڑھی گئیں۔

اختتام پر مہمانوں کی تواضع ناصرہ ملک صاحبہ نے چائے سے کی اور شکریہ کے ساتھ محفل برخواست ہوئی۔

نوٹ: ۲۰ مارچ کو صدر تنظیم خواتین احمدیہ محترمہ ذکیہ شیخ صاحبہ ۲ ماہ کے لئے لندن روانہ ہو گئیں۔ ان کی واپسی تک محترمہ رضیہ بشیر احمد صاحبہ (نائب صدر) قائم مقام صدر کے فرائض انجام دیں گی۔

آئندہ میٹنگ ماہ اپریل میں ہوگی۔ انشاء اللہ

جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ - ۷ مئی ۱۹۷۵ء | نمبر ۱۹

(حضرت مجدد صد چہاردہم سلام اللہ علیہ)

انسان ایمانی قوّت سے تکالیف پر غالب آسکتا ہے

ہر ایک قدم جو صدق اور تلاش کے لئے اُٹھایا جاوے اس کے لئے بہت بڑا ثواب اور اجر ملتا ہے۔ مگر عالم ثواب مخفی عالم ہے جس کو دنیادار کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی بات یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ باوجود آشکارا ہونے کے مخفی اور نہاں در نہاں ہے اور اس لئے الغیب بھی اس کا نام ہے۔ اسی طرح پر ایمان بالغیب بھی ایک چیز ہے۔ جو گو مخفی ہوتا ہے۔ مگر عامل کی عملی حالت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس زمانہ میں ایمان بالغیب بہت کمزور حالت میں ہے۔ اگر خدا پر ایمان ہو تو پھر کیا وجہ ہے لوگوں میں وہ صدق و حق کی تلاش اور پیاس نہیں پائی جاتی: جو ایمان کا خاصہ ہے۔

خدا کی راہ میں سختی کا برداشت کرنا مصائب اور مشکلات جھیلنے کے لئے ہمہ تن تیار ہو جانا ایمانی تحریک سے ہوتا ہے ایمان ایک قوّت ہے جو سچی شجاعت اور ہمت انسان کو عطا کرتا ہے۔ اس کا نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں نظر آتا ہے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئے تو وہ کونسی بات تھی جو ان کو امید دلاتی تھی کہ اس طرح پر ایک بیکس ناتوان انسان کے ساتھ ہو جانے سے ہم کو کو ثواب ملے گا۔ ظاہر آنکھ تو اس کے سوا کچھ نہ دکھاتی تھی کہ اس ایک کے ساتھ ہونے سے ساری قوموں کو اپنا دشمن بنا لیا۔ جس کا نتیجہ صریح یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصائب اور مشکلات کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ اور وہ چکنا چور کر ڈالے گا۔ اسی طرح پر ہم ضائع ہو جائیں گے مگر کوئی اور آنکھ بھی تھی جس نے ان مصائب اور مشکلات کو ہیچ سمجھا تھا۔ اور اس راہ میں مر جانا ان کی نگاہ میں ایک راحت اور سرور کا موجب تھا انہوں نے وہ کچھ دیکھا تھا جو ان ظاہر بین آنکھوں کے نظارہ سے نہاں در نہاں اور بہت دُور تھا۔ وہ ایمانی آنکھ تھی اور ایمانی قوّت جو ان ساری تکلیفوں اور دُکھوں کو بالکل ہیچ دکھاتی تھی۔ آخر وہ ایمان ہی غالب آیا اور ایمان نے وہ کرشمہ دکھایا۔ کہ جس پر ہنستے تھے۔ اور جس کو ناتوان اور بیکس کہتے تھے۔ اس نے اس ایمان کے ذریعہ ان کو کہاں پہنچا دیا۔ وہ ثواب اور اجر جو پہلے مخفی تھا پھر ایسا آشکارا ہوا کہ اس کو دنیا نے دیکھا اور محسوس کیا۔ کہ ہاں یہ اسی کا ثمرہ ہے۔ ایمان کی بدولت وہ جماعت صحابہ کی نہ تھکی نہ ماندہ ہوئی۔ بلکہ قوت ایمانی کی تحریک سے بڑے بڑے عظیم الشان کام کر دکھائے۔ اور پھر بھی کہا تو یہی کہا کہ جو حق کرنے کا تھا نہیں کیا ایمان نے ان کو وہ قوّت عطا کی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر کا دینا اور جانوں کا قربان کر دینا ایک ادنیٰ سی بات تھی اور یہ اہل اسلام میں جبکہ ابھی کوئی یقینی نتائج نظر نہ آتے تھے۔ دیکھو کس قدر مسلمانوں نے دشمنوں کے ہاتھوں سے کیسی کیسی تکلیفیں اور مصیبتیں محض لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کے بدلے برداشت کیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ سر دینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اور یا ایک یہ زمانہ ہے کہ ایمانی قوّت باوجود اس کے کہ مخالف اس قسم کی اذیتیں نہیں دیتے۔ ایک عادل گورنمنٹ کے سایہ میں رہتے ہیں۔ سلطنت کسی قسم کا تعرض نہیں کرتی۔ عدم دین حاصل کرنے کے پورے سامان میسّر ہیں۔ ارکان مذہبی ادا کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہے ایک سجدہ کا کرنا بار گراں معلوم ہوتا ہے غور تو کرو کہاں سر اور کہاں صرف ایک سجدہ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آج ایمان کیسا انحطاط کی حالت میں ہے........

میں پھر صحابہؓ کی حالت کو نظیر کے طور پر پیش کر کے کہتا ہوں۔ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اپنی عملی حالت میں دکھایا کہ وہ خدا جو غیب الغیب ہستی ہے۔ اور جو باطل پرست مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ اور نہاں ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھ سے ہاں آنکھ سے دیکھ لیا ... ورنہ بتاؤ تو سہی کہ وہ کیا بات تھی جس نے ان کو ذرہ بھی پرواہ ہونے نہیں دی کہ قوم چھوڑی ملک چھوڑا جائدادیں چھوڑیں، احباب و رشتہ داروں سے قطع تعلق کیا وہ صرف خدا ہی پر بھروسہ تھا۔ اور ایک خدا پر بھروسہ کر کے انہوں نے وہ کر کے دکھایا کہ اگر تاریخ کی ورق گردانی کریں تو انسان حیرت اور تعجب سے بھر جاتا ہے ایمان تھا اور صرف ایمان اور کچھ نہ تھا۔ ورنہ بالمقابل دنیا داروں کے منصوبے اور تدبیریں اور پوری کوششیں اور سرگرمیاں تھیں پر وہ کامیاب نہ ہو سکے اور ان کی تعداد جماعت دولت۔ سب کچھ زیادہ تھا۔ مگر ایمان نہ تھا۔ اور صرف ایمان ہی کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے اور کامیابی کی صورت نہ دیکھ سکے۔ مگر صحابہؓ نے ایمانی قوت سے سب کو جیت لیا۔ انہوں نے جب، ایک شخص کی آواز سُنی جس نے باوصفیکہ اُمّی ہونے کی حالت میں پرورش پائی تھی۔ مگر اپنے صدق اور امانت اور راستبازی میں شہرت یافتہ تھا۔ جب اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں، یہ سنتے ہی ساتھ ہو گئے اور پھر دیوانوں کی طرح اس کے پیچھے چلے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ وہ صرف ایک ہی بات تھی جس نے ان کی یہ حالت بنادی۔ اور وہ ایمان تھا۔ یاد رکھو خدا پر ایمان بڑی چیز ہے ٭ (الحکم جلد ۵ نمبر ۴۸ - تقریر ۲۷ دسمبر ۱۹۰۰ء)

شبان الاحمدیہ کراچی کی

ماہ مارچ و اپریل ۱۹۷۵ء کی رپورٹ

کراچی دن بدن اپنی مصروفیات و وسعت اور زندگی کی ہماہمی میں وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہے اور اب اس کا شمار اپنی آبادی کے اعتبار سے دنیا کے عظیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ اور محکمۂ اعداد و شمار کا اندازہ اب نصف کروڑ سے اوپر جا رہا ہے۔ اور دنیا کے کئی ممالک اس شہر کی بغل میں سما جاتے ہیں۔ میرا یہ بات کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کے نوجوانوں کی مصروفیات کی ایک جھلک نظر کے سامنے رہے جو اس شہر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بہرحال ان حالات میں ہم نے خدا تعالےٰ کا نام لے کر جو بے انتہا کرم کرنے والا ہے۔ کام شروع کر دیا ہے:۔

۱۔ کراچی کے مخصوص ماحول کو مدِنظر رکھتے ہوئے مہینہ میں ایک مرتبہ رابطہ شبان الاحمدیہ کا کام شروع کیا گیا ہے۔ جس سے میل جول۔ اخوت بھائی چارہ ایک دوسرے کو سمجھنے میں یہ پروگرام بڑا ممد ثابت ہوتا رہا ہے۔

۲۔ مہینہ میں ایک اجلاس میں مختلف نوجوانوں کو خاص مضامین جو کہ ان ایام میں خاص طور پر ہمارے ساتھ تعلقات رکھتے ہیں۔ ان پر تقاریر کروائی جا رہی ہیں۔

۳۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد فی الحال بغیر کسی استثناء کے مجلس منتظمہ کے فیصلہ کے مطابق بیس منٹ کا اجلاس منعقد ہوتا ہے۔ جس میں ہماری درخواست پر مکرم مرزا محمد لطیف صاحب شاہد مبلغ اسلام، حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت سوانح و کارنامے۔ علم الکلام اور صداقت پر تقریر کرتے ہیں۔ ان اجلاسوں کی ابتداء ۱۳ر فروری ۱۸۳۵ء یوم پیدائش حضرت مسیح موعود سے شروع کی گئی ہے۔ اب یہ سلسلہ سنہ بیعت ۱۸۸۹ء تک پہنچ چکا ہے۔ اس سے بزرگ اور دوسرے احباب بھی استفادہ کرتے ہیں۔ یہ بڑا عمدہ اور فائدہ مند سلسلہ ہے۔

۴۔ ایک "مذاکرہ علمیہ" کا پروگرام بھی تجویز کیا جا رہا ہے۔ جس کو ہر ماہ منعقد کیا جایا کرے گا۔ دعوت نامہ کے ذریعہ سے ذی علم احباب کو مدعو کیا جاوے گا۔ اور کوشش کی جاوے گی کہ باہر سے ان احباب کو مقامی طور پر تقریر کے لئے مدعو کیا جاوے جو موجودہ دور میں تجویز کردہ مضمون پر اپنے خیالات سے سامعین کو مستفید فرمائیں۔ اور لوکل اخبارات میں بھی اشتہار دیا جایا کرے گا۔

۵۔ مقامی جماعت میں سے مکرم جناب محمد حسن خان صاحب سیکرٹری جماعت کراچی اور مکرم مرزا محمد لطیف صاحب مبلغ اسلام ہمارے سرپرست ہیں۔ اور ناشکر گذاری ہوگی اگر میں شبان الاحمدیہ کی طرف سے ان ہر دو بزرگوں کا قلبی طور پر شکریہ ادا نہ کروں۔ ان ہر دو کی معاونت ہر دم ہمارے شامل حال ہے۔

۶۔ حضرت مسیح موعودؑ کا یوم وصال ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء ہے۔ اس روح کو تازہ رکھنے کے لئے انشاء اللہ کراچی میں یہ دن ماہ مئی میں منایا جائے گا اور اس کا پروگرام شبان الاحمدیہ کی مجلسِ منتظمہ تجویز کر رہی ہے۔

آخر میں احباب کرام و بزرگانِ دین سے التماس ہے کہ اپنی دعاؤں اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں۔ خدا تعالےٰ اپنے فضل سے اس مادیت کے سیلاب سے ہم سب کو بچائے۔ اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

سعید احمد

سیکرٹری نشر و اشاعت شبان الاحمدیہ کراچی۔ نمبر ۲۹

بسلسلہ صفحہ ۳

(۱)۔ ہماری جماعت کو مزید ابتلاؤں سے بچائے۔
(۲)۔ محترم فاروقی صاحب کو معارفِ قرآن کی اشاعت پر مائل فرمائے۔
(۳)۔ اخویم مکرم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کو اپنے والد مرحوم اور اپنے سوانح حیات سپرد قلم کرنے کی توفیق بخشے تا کہ ہماری آنیوالی نسلوں کو معلوم ہو سکے کہ خدا تعالےٰ اپنے بندوں کو مصائب سے کس طرح نکال لیتا ہے اور جلتی آگ سے کیونکر زندہ بچا لیتا ہے۔
(۴)۔ اللہ تعالےٰ ہماری تمام جماعت کے سرکاری ملازمین کی اپنے فضل و کرم سے حفاظت فرمائے۔

مکرم غلام نبی مسلم صاحب کی معلومات افزاء اور علم تاریخ سے بھرپور تقریر نے بھی مجھے بڑا متاثر کیا ہے۔ آپ کی تقریر دو دن ہوتی رہی۔

آخر میں مکرم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب ایم۔ایس۔سی نگران تربیتی کورس اور ان کے شریک کار جناب ماسٹر اصغر علی صاحب کا بھی اپنے تمام ساتھیوں کی طرف سے شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے مہمان نوازی کا ریکارڈ قائم کر دیا۔ اور خود بے آرام رہ کر ہماری ادنےٰ سے ادنےٰ آسائش کا خیال رکھا۔ اللہ تعالےٰ انہیں اس کی جزائے خیر دے۔

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ ۷ مئی ۱۹۷۵ء

درندوں کے دیس میں؟

۲۸ اپریل پیر کے دن طالبات کی بس پر ایک درندہ صفت نوجوان نے چاقو سے حملہ کر کے قوم کی سات بے گناہ بیٹیوں کو زخمی کیا جن میں سے ایک ملک میں درندگی کا ماتم کرتی ہوئی انتقال کر گئی۔ ہمارے وطن عزیز میں یہ کوئی نیا واقعہ نہیں۔ گجرات میں حسین بی بی کے بے گناہ خون سے آج تک کس قدر خواتین ہیں جو موت کے گھاٹ اتاری گئیں اس سرزمین "اسلامی آئین" میں عورتوں پر آئے دن حملوں اور بے عزتی کے واقعات اس قدر کثرت سے ہو رہے ہیں کہ گویا اس ملک میں نہ کوئی قانون ہے، نہ حکومت، نہ شرافت نہ حساس معاشرہ، بلکہ ہر طرف درندگی مسلط ہے۔ ابھی چند دن پہلے کمالیہ میں دو طالبات کو جبراً اٹھا لیا گیا۔ اور جب نظم و نسق کی بے بسی یا بے حسی کے پیش نظر عوام نے اپنی ذہنی اور جذباتی سطح پر ردِ عمل کا اظہار کیا تو اس پر ارباب اقتدار کا احساس فرض بیدار ہوا اور آج پریس کے نمائندوں سمیت کافی تعداد میں لوگ نقص امن کے الزام میں جیل کی ہوا کھا رہے ہیں۔

ملک میں عورتوں کے قتل اور اغوا ہوتے رہتے ہیں اور ان کے تحفظ کے "جرم" میں کئی بھائی، باپ، اعزہ اور حساس شہری کسی بد قماش کے خنجر کی نذر ہوتے رہتے ہیں۔

آخر حکومت کہاں ہے؟ نظم و نسق کے ارباب کیا کرتے ہیں؟ اور حکومت اور نظم و نسق کے ڈھانچے کی موجودگی میں یہ جرائم کیوں روز افزوں ہیں؟ ہماری رائے میں ملک میں امن و عدل کا قیام اور مجلسی فسادات کی روک تھام حکومت کا فرضِ اولین ہے۔ اور اگر حکومت سرگرمی سے ایسے بد افعال اور ان کے اسباب کی بیخکنی کا عزم کر لے تو چند دنوں میں حالات میں خوشگوار تبدیلی آ سکتی ہے۔ شیر شاہ سوری کے ایک فرمان کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک بھر میں چوری بدکاری اور لاقانونیت کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن ہمارے ہاں حکومتیں اقتدار اور اپنی اغراض کی تکمیل کے لئے بنتی ہیں اور اپنی بقاء کے لئے سرکش عناصر کا سہارا لیتی ہیں جو لوگوں کی جان و مال اور عزت کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ حکومت ان کی پشت پناہی کرتی ہے۔ ان حالات میں ان درندوں سے شریف خواتین کو کون بچا سکتا ہے؟

پھر اس ملک میں اخلاقی اقدار کا دیوالہ نکالا جا رہا ہے۔ پولیس بالائی دباؤ کے سامنے بہت حد تک بے بس ہے، معلمین اخلاق اپنے وعظوں میں عورتوں اور بالخصوص زیر تعلیم دختران ملت کے خلاف جذباتِ نفرت بھڑکاتے رہتے ہیں، ریڈیو، ٹیلی ویژن فحش افسانے اور جنسی رسالے خام طبع نوجوانوں کے جنسی جذبات پر شب و روز تیل ڈالتے رہتے ہیں۔ عوام بدمعاشوں کے خوف سے گواہی سے کتراتے ہیں۔ وکلاء ہر قیمت پر قاتلوں کو چھڑانے کی سعی کرتے ہیں۔ رشوت جرائم کی پردہ پوش بنتی ہے ایسے حالات میں اصلاح کی صورت ممکن ہی نہیں۔ اس کے باوجود ہم انسانیت کے نام پر حکومت سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے تمام وسائل سے کام لے اور صرف "سال خواتین" ہی نہ منائے بلکہ قوم کی بچیوں کی جان مال اور آبرو کی حفاظت کیلئے اقدام کرے۔

انتقال پر ملال دفتر کے مخلص کارکن جناب انیس الرحمٰن صاحب کا فرزند اور محترم چوہدری خلیل الرحمٰن صاحب سامانوی کا پوتا عزیز الرحمٰن ایک طویل علالت کے بعد دس سال کی عمر میں یکم مئی کو انتقال کر گیا۔ ہمیں اس المیہ میں جناب انیس الرحمٰن، آپکی اہلیہ محترمہ، چوہدری خلیل الرحمٰن صاحب، مرحوم کے چچا جناب فیض الرحمان صاحب، جناب سیف الرحمان صاحب جناب ضیاء الرحمٰن صاحب، جناب شمس الرحمان صاحب اور دیگر اعزہ سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو انکی نجات کا وسیلہ بنائے۔ احباب سے غائبانہ نماز جنازہ کی التماس ہے۔ (ادارہ)

محترم شیخ اللہ بخش صاحب
ممبر مجلس معتمدین و سیکرٹری جماعت بدوملہی

تربیتی کورس دارالسلام ـــــ ایک تأثر

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور فضلوں کے دن ـــ علم و عرفان کی بارش

کاش یہ تربیتی کورس پندرہ دن کی بجائے چالیس دن کا ہوتا

الٰہی جماعتیں اپنے ان پاک باز، باعمل انسانوں کے بل پر زندہ رہتی ہیں۔ جن کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہوتا ہے۔ جو انس و مروّت کے پیکر، روحانیت کا مجسمہ، اور تخلقوا باخلاق اللہ کا عملی نمونہ ہوتے ہیں۔ اور جن میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا سا ایثار ہوتا ہے۔ جو سب کچھ خدا تعالیٰ کی راہ میں لٹا دینے کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی تو کچھ بھی نہیں کیا۔ ایسے ہی عاشقانِ خدا و رسول کے بارہ میں حضرت امام زمانؑ نے فرمایا ہے

جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار ـــ ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

ان چند روزہ قیام دارالسلام کے سلسلہ میں سب سے زیادہ جس شخصیت نے مجھے متاثر کیا وہ محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ہیں۔ نماز فجر میں جن کی قرأت سے یہ احساس ہوتا تھا کہ قرآن کریم دلوں پر نازل ہو رہا ہے۔ ان کی درد بھری دعائیں دلوں کو موم کر دیتی تھیں اور نمازیوں کی روح آستانہ الٰہی پر پگھل کر بہنے لگتی تھی۔

میں نے قبل ازیں محترم ڈاکٹر صاحب کو اتنے قریب سے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایک نورانی چہرہ۔ خوف خدا سے بھیگی ہوئی پلکیں اور منہ پر ہر وقت ایک مخصوص قسم کی روحانی اور پُرکشش مسکراہٹ۔ سراپا نورٌ علیٰ نور۔ یہ ہیں ڈاکٹر سعید احمد خان، جن کے پاس بیٹھ کر دلوں میں خشیت اللہ پیدا ہوتی اور دلوں میں دنیا کی محبت سرد پڑ جاتی ہے اور بے اختیار دل خدا کی طرف کھنچتا ہے۔ آپ کا درس حدیث بھی ہمارے لئے ازدیاد ایمان کا موجب ہوا۔

دارالسلام کا ماحول محترم ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری کے ساتھ پُرکشش اور ایمان پرور ہو گیا ہے۔ اس دوران ذکر الٰہی سے آٹھوں پہر مسجد دارالسلام آباد رہی۔ نمازوں میں مستورات بھی بکثرت شریک ہوتی رہی ہیں۔ علاوہ مستورات اور مردوں کے ۱۵/۱۶ بچوں کی بھی شمولیت دیکھ کر راجہ محمد افضل صاحب مبلغ اسلام کے لئے دل سے بے اختیار دعا نکلتی ہے۔ جن کی کوشش سے اس مسجد میں بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کی کلاس لگتی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی اس عظیم الشان روحانی اور مقناطیسی شخصیت کی موجودگی کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے۔

محترم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب کا درس قرآن بھی بڑا پر معارف تھا۔ اور مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کے صداقت مسیح موعود پر لیکچر بھی ایمان افروز تھے۔ اور مرزا مسعود بیگ صاحب نے بھی متعدد بزرگان سلسلہ کی زندگی کے واقعات بڑی عمدگی اور تفصیل کے ساتھ سنائے جن سے قلوب کو تقویت ملی اور ایمانوں میں زیادتی ہوئی۔

میں متواتر کئی برس سے محترم فاروقی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا آ رہا ہوں کہ ان معارف قرآنی کو کتابی شکل میں لائیں تاکہ تمام انسان ان سے مستفید ہو سکیں۔

محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے بھی ملتجی ہوں کہ وہ اپنے جلیل القدر والد صاحب مرحوم کی سوانح حیات بھی رقم فرمائیں، اور اپنے حالاتِ زندگی پر مشتمل ایک کتاب بھی لکھیں تاکہ ہماری آئندہ نسلیں آپ کی استقامت اور مصائب میں عزیمت کی مثال سے روشنی حاصل کریں۔ مگر ڈاکٹر صاحب موصوف آمادہ نظر نہیں آتے۔ اگر دوست انہیں مجبور کریں تو شاید مان جائیں۔ میں نے اس تربیت کے دوران اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ!

باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲ ملاحظہ فرمائیے

اُمت میں کشف و الہام کا مقام

خواجہ محمد عبداللہ صاحب اور جناب غلام احمد پرویز صاحب کی خط و کتابت

چودھری غلام احمد پرویز صاحب کی تازہ تصنیف "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" مطالعہ میں آئی۔ سلف صالحین تو غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام بنا کر خوش ہوتے تھے۔ اس کے برعکس جناب پرویز صاحب مسلمانوں کو غیر مسلم بنا کر پھولے نہیں سماتے۔ اور صنعت کافر سازی میں سب سے سبقت لے گئے ہیں۔ انہوں نے کشف و الہام اور وحی سے متعلق ایسے نظریات و مسلمات پیش کئے ہیں جن سے تمام اولیاء اللہ غوث و قطب مجدد و محدث۔ اور ان کے عقیدتمند۔ جو کشف و الہام کے مدعی یا قائل ہیں۔ ختم نبوت کے منکر اور خارج از دائرہ اسلام ٹھہرتے ہیں۔ موصوف نے احمدیوں کے ساتھ ان کو بھی دھر رگڑا ہے۔ پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ کشف و الہام کا عقیدہ دوسروں کے ہاں سے مستعار لیا ہوا ہے۔ حالانکہ صاحب کشف و الہام کے لئے یہ عقیدہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے اور ایک قدرتی نظارہ PHENOMENA ہے جو کہ اس کے دل و دماغ پر نازل ہوتا ہے۔ اور اُمت مسلمہ میں بہت سے بزرگ اس کی شہادت دیتے ہیں۔ اپنے ہم نام حضرت مرزا صاحب سے تو انہیں خاص عناد معلوم ہوتا ہے۔ ان کی سیدھی سادھی تحریروں کو بھی وہ اس طرح موڑ توڑ کر پیش کرتے ہیں کہ مفہوم کچھ کا کچھ ہو جائے اور ان کا غیر مسلم ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچے لیکن وہ (پرویز صاحب) دیگر بزرگانِ دین کو بھی مسلمان ماننے کے لئے تیار نہیں ان کو بھی نعوذ باللہ جاہل اور جھوٹا ٹھہرانے سے دریغ نہیں کرتے۔ جناب پرویز صاحب کی مذکورہ بالا کتاب پڑھ کر مجھے بہت دکھ ہوا لہذا میں نے ان سے خط و کتابت شروع کی۔ میرا خیال تھا کہ موصوف سے مسئلہ کفر و اسلام کشف و الہام وحی اور ختم نبوت وغیرہ کے بارے میں کھل کر تبادلہ خیالات کیا جائے تاکہ حقیقت آشکارہ ہو۔ جناب پرویز صاحب نے پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل سلیم اور طاہرہ کے نام فرضی خط و کتابت (آپ ہی سوال اُٹھانا اور خود ہی اس کا جواب دینا) شائع کی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بندہ کو انہوں نے فخرِ باریابی نہیں بخشا اور خط و کتابت سے انکار کر دیا۔ جو کہ محض تحقیق حق کے لئے تھی۔ پھر میں نے ان دو چار چٹھیوں کو طلوع اسلام میں شائع کر دینے کی درخواست کی وہ بھی انہوں نے نہ مانی۔ لہذا یہ خط و کتابت پیغام صلح میں اور پمفلٹ کی صورت میں بغرض اشاعت پیش کرتا ہوں تاکہ حق و صداقت کا بول بالا ہو۔

خواجہ محمدؐ عبداللہ راولپنڈی

خواجہ محمدؐ عبداللہ صاحب کا مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

مکان نمبر H/355 - گارڈن کالج روڈ۔ راولپنڈی - ۱۸ نومبر ۱۹۷۴ء

محترم چودھری غلام احمد پرویز صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گذارش ہے کہ آپ اپنی کتاب "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" کے صفحہ ۷۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

" مسلمانوں نے ختم نبوت کے عقیدہ پر تو اتنا زور دیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی وضع کر لیا کہ خدا کے برگزیدہ انسانوں کو اب بھی خدا کی طرف سے براہِ راست علم ملتا ہے انہیں اولیاء اللہ یا صوفیائے کرام کہا جاتا ہے اور ان کے اس علم کو کشف اور الہام۔ آپ نے غور کیا کہ اس عقیدہ سے ختم نبوت کی مہر کس طرح ٹوٹ گئی اور جس دروازے کو خدا نے بند کیا تھا وہ کس طرح چوپٹ کھل گیا۔"

صفحہ ۶۴ پر آپ رقمطراز ہیں کہ :-

" ختم نبوت کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے۔ کہ مجھے خدا کی طرف سے غیب کی خبریں یعنی پیشگوئیاں ملتی ہیں تو وہ وحی کا مدعی ہے لہذا ختم نبوت کا منکر اور اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔"

پھر اسی کتاب کے صفحہ [illegible] پر آپ لکھتے ہیں :-

" جہاں تک کشف و الہام کا تعلق ہے۔ یہ صرف نام کا فرق ہے حقیقت کے اعتبار سے ان میں اور وحی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔"

التماس ہے۔ کہ اُمتِ محمدیہ میں بہت سے ایسے حضرات ہوئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشف و الہام ہوتا تھا یا وہ اس کے قائل تھے۔ بلکہ وہ تابع شریعت محمدیؐ مجازی طور پر نبوت یعنی لقب نبوت پانے کے بھی قائل تھے۔ مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ حضرت الشیخ ابی جعفر بن علی القمیؒ۔ حضرت امام عبدالوہابؒ۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ۔ حضرت داتا گنج بخش ہجویری۔ حضرت بابا فرید شکر گنجؒ۔ حضرت نظام الدین اولیاء۔ حضرت معین الدین چشتی اجمیری وغیرہم بے شمار مسلمان ان بزرگوں کے عقیدت مند ہوئے ہیں۔ اور اس وقت بھی ہیں۔ سوال عرض ہے۔ کہ کیا آپ کی مندرجہ بالا تحریروں کی رُو سے آپ کی رائے میں یہ سب بزرگ جھوٹے اور کاذب ہیں۔ اور کیا یہ سب بزرگ اور معتقد ختم نبوت کے منکر اور دائرہ اسلام سے خارج یعنی غیر مسلم ہیں ؟ از راہِ کرم جواب سے مشکور فرما دیں۔

والسلام خیر اندیش۔ خواجہ محمد عبداللہ

جناب پرویز صاحب کا جواب

باسمہ تعالیٰ

25/بی گلبرگ۔ لاہور۔ ۲ دسمبر ۱۹۷۴ء

محترمی السلام علیکم

آپ کا گرامی نامہ مجھے مل گیا تھا۔ مصروفیت کی وجہ سے جلدی جواب نہ دے سکا۔ معذرت چاہتا ہوں

۲:- جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے۔ اگر آپ ایک بنیادی نکتہ کو اصولی طور پر سمجھ لیں تو آپ کو اس کا جواب مل جائے گا۔ وہ یہ کہ میرے نزدیک دین میں حق اور باطل، غلط اور صحیح۔ جائز اور ناجائز۔ جھوٹ اور سچ کا معیار خدا کی کتاب ہے نہ کہ شخصیتیں (ختمِ نبوت صفحہ ۲۳۰) اگر کوئی بات قرآن کریم کے خلاف ہے تو میں اسے غلط اور باطل سمجھتا ہوں خواہ اسے کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی طرف ہی منسوب کیوں نہ کر دیا جائے۔ قرآن کریم نے اپنے مخالفین کے اس مسلک کی بڑی شدت سے تردید کی ہے (اور متعدد مقامات پر ایسا کہا ہے) کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ "ما انزل اللّٰہ کا اتباع کرو۔ تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اپنے اسلاف کے مسلک ہی کا اتباع کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اسلاف سے ان کا مطلب ان کے ایسے بزرگ تھے جن کا احترام اور عقیدت ان کے دل میں تھی (ختمِ نبوت صفحہ ۲۵۸) اب ظاہر ہے۔ کہ مخالفین کے جس مسلک کو قرآن کریم نے غلط اور ناقابلِ تردید قرار دیا ہے وہی مسلک ہمارے لئے کس طرح مبنی بر حق قرار پا سکے گا۔ اسلاف پرستی کے مسلک میں ہوتا یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو بجائے اس کے کہ (قرآن کریم کی روشنی میں) اس کی تردید اور تصحیح کر دی جائے اسے آگے بڑھتے دیا جاتا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ کہ بعد میں آنے والوں کے لئے وہی غلطی سند بن جاتی ہے۔ اور یہ سلسلہ اسی طرح آگے بڑھتا رہتا ہے۔ جن اقوام کے ہاں حق و باطل کے پرکھنے کا کوئی ابدی معیار نہ ہو انہیں تو اس بات میں معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن جس قوم کے پاس قرآن جیسا زندہ اور ابدیت در کنار معیار موجود ہو وہ بھی یہی روش اختیار کرے تو اسے کس طرح حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے۔

۳:- اس اصول کی روشنی میں آپ دیکھئے کہ میں نے جو کچھ اپنی کتاب میں لکھا ہے وہ از روئے قرآن صحیح ہے یا نہیں۔ اگر وہ صحیح ہے تو وہ صحیح رہے گا۔ خواہ اس کے خلاف کتنی ہی بڑی شخصیتوں کے اقوال یا مسالک کو پیش کیوں نہ کر دیا جائے ہم قرآن کریم پر ایمان لانے کے مکلف ہیں نہ کہ اسلاف کے مسلک پر۔

۴: اب رہا خود ان شخصیتوں کا معاملہ تو ان کے احترام کے پیشِ نظر میں یہ کہا

کرما ہوں کہ ان کی طرف یہ بات غلط منسوب ہے۔ انہوں نے ایسا نہیں کہا ہوگا (ان حضرات میں سے جنہوں نے مجاہدانہ کارنامے سرانجام دیئے ہیں میرے دل میں ان کا کس قدر احترام ہے۔ اس کا اندازہ میری کتاب مذکور صفحہ ۲۵۲ سے لگ سکتا ہے)

اگر میرے اس جواب کو ناقابلِ تسلیم سمجھا جائے اور یہ کہا جائے کہ جو کچھ ان کی طرف منسوب ہے وہ انہی کا ارشاد فرمودہ ہے۔ تو میں کہہ دیا کرتا ہوں کہ انہیں غلط فہمی ہوگئی ہوگی وہ بالآخر انسان تھے اور انسانوں کو مغالطہ لگ سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ خدا کے ہاں ہو جائے گا کہ دلوں کی باتیں وہی جانتا ہے۔

لیکن اگر کوئی اسے بھی ناقابل پذیرائی سمجھے اور مصر ہو (یا یہ ثابت ہو جائے) کہ انہوں نے ایسا دیدہ دانستہ کیا تھا تو پھر یہ کہنے کے سوا چارہ نہیں ہوتا کہ قرآن کریم کا فیصلہ ناطق ہے۔

اب رہا یہ کہ موجودہ مسلمانوں میں بھی اسی قسم کے اعتقادات پائے جاتے ہیں تو مسلمانوں میں (یہی نہیں اس قسم کے اور) خلاف قرآن اعتقادات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یہ جہالت کا نتیجہ ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ انہیں قرآن کریم کی صحیح تعلیم سے روشناس کرایا جائے۔ اگر کوئی شخص دین کی اساسات پر ایمان رکھتا ہے۔ لیکن اس کے بعض عقائد بربنائے جہالت خلاف قرآن ہیں تو اسے (ان عقائد کی بناء پر) دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جانا چاہیئے۔ اس کی جہالت دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہاں اگر قرآن کے حقائق واضح طور پر سامنے آ جانے کے بعد بھی وہ مصر ہو کہ میں قرآن کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ میں اپنی سابقہ روش پر ہی قائم رہنا چاہتا ہوں تو اس کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا سوال فیصلہ طلب ہو جائے گا۔ یہ ہے مختصر الفاظ میں میرا مسلک۔ امید ہے اس سے بات واضح ہوگئی ہوگی۔ والسلام

خیر طلب۔ پرویز ۷۴-۱۲-۲

خواجہ محمد عبداللہ صاحب کا دوسرا مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکان 50 H/3 گارڈن کالج روڈ۔ راولپنڈی۔ ۸؍ دسمبر ۱۹۷۵ء

مکرم و معظم پرویز صاحب سلمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ۔ آپ کی چٹھی مؤرخہ ۲؍ دسمبر ۱۹۷۴ء باعث مسرت ہوئی۔ شکریہ۔

پیرا ۲ میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "میرے نزدیک حق و باطل کا معیار خدا کی کتاب ہے نہ شخصیتیں" پھر اس کی تشریح کرتے ہیں۔ میں نے تو جناب والا! آپ سے حق و باطل کا معیار پوچھا ہی نہیں۔

پیرا ۳ میں آپ رقمطراز ہیں "ہم قرآن کریم پر ایمان لانے کے مکلف ہیں نہ کہ اسلاف کے مسلک پر" محترم بھائی! میں نے یہ بات بھی آپ سے دریافت نہیں کی۔

پیرا ۴ میں آپ نے شخصیتوں کے احترام ان کو مغالطہ لگنے اور قرآن کا فیصلہ ناطق ہونے کا ذکر کیا ہے ــــ گذارش ہے کہ میں نے کسی شخص کے احترام۔ اس کو غلط فہمی ہونے اور قرآن کے فیصلہ کے متعلق بھی کوئی سوال نہیں کیا۔

پیرا ۵ میں آپ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں خلافِ قرآن اعتقادات پائے جاتے ہیں اور اس کا علاج بتاتے ہیں۔ التماس ہے کہ میں نے اس بارے میں بھی آپ سے کچھ دریافت نہیں کیا۔ آگے آپ اپنی چٹھی کے آخری فقرہ میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مصر ہو کہ میں قرآن کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں تو اس کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا سوال فیصلہ طلب ہوگا۔

مؤدبانہ عرض ہے کہ اس فقرے میں بھی میرے سوال کا جواب نہیں۔ میرا سوال یہ ہے:۔

آپ نے اپنی کتاب "ختم نبوت اور احمدیت" میں لکھا ہے کہ

(ا) کشف و الہام اور وحی میں کوئی فرق نہیں

(ب) حضرت محمد رسول اللہ پر نبوت ختم ہوگئی۔

(ج) ختم نبوت کے بعد کشف و الہام کے مدعی اور ان کے ماننے والے ختم نبوت کے منکر۔ اپنے دعویٰ میں جھوٹے۔ دائرہ اسلام سے خارج غیر مسلم ہیں۔

گذارش ہے کہ اُمتِ محمدیہ میں بہت سے ایسے حضرات ہوئے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشف و الہام ہوتا تھا یا وہ اس کے قائل تھے۔ بلکہ وہ تابع شریعت محمدی مجازی طور پر نبوت یعنی لقب نبوت پانے کے بھی قائل تھے۔ مثلاً حضرت شیخ عبدالقادرؒ۔ شیخ ابن عربیؒ۔ امام عبدالوہابؒ۔ شیخ احمدؒ۔ شاہ ولی اللہ۔ شیخ محی الدینؒ۔ بابا فریدؒ۔ نظام الدینؒ۔ اور معین الدین وغیرہم رحمت اللہ علیہم۔ بے شمار مسلمان ان بزرگوں کے عقیدت مند ہوئے ہیں اور اس وقت بھی ہیں۔

سوال یہ ہے:۔

کیا آپ کی محولہ تحریروں کی رُو سے آپ کی رائے میں یہ سب بزرگ جھوٹے ہیں اور کیا یہ سب بزرگ اور عقیدت مند ختم نبوت کے منکر۔ دائرہ اسلام سے خارج یعنی غیر مسلم ہیں یا مسلمان ہیں؟ قولوا قولاً سدیدا۔ ازراہ کرم میرے سوال کا جواب دیں۔ شکرگذار ہوں گا۔ والسلام۔

نیازمند۔ خواجہ محمد عبداللہ

جناب پرویز صاحب کا جواب

باسمہ تعالیٰ

25/بی گلبرگ لاہور۔ ۱۷؍ دسمبر ۱۹۷۴ء

آپ کا گرامی نامہ ملا۔ میں آپ کے سوالات کا اصولی طور پر جواب پہلے دے چکا ہوں۔ اب آپ نے متعین طور پر شخصیتوں کی بحث چھیڑ کر مجھے قرآن کریم کا وہ واقعہ یاد دلا دیا جس میں کہا گیا ہے۔ کہ جب حضرت موسٰے فرعون کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ وہ بنی اسرائیل کو مصر جانے دے تو اس نے بات کا رُخ پلٹا اور حضرت موسٰے سے کہا کہ یہ بتاؤ فما بال القرون الاولیٰ۔ ہمارے اسلاف کے متعلق بتاؤ کہ وہ کس حالت میں ہیں۔ حضرت موسٰے بھانپ گئے کہ وہ کس مقصد کے لئے یہ سوال کر رہا ہے۔ انہوں نے جواب دیا "قال علمها عند ربی فی کتاب۔ لا یضل ربی ولا ینسیٰ۔ ان کا معاملہ میرے خدا کے ہاں ہے وہ حساب کتاب میں نہ غلطی کرتا ہے نہ کچھ بھولتا ہے۔ خود ہمیں بھی قرآن کریم نے اسی کی تلقین کی ہے۔ جب کہا ہے تلك امة قد خلت لها ما كسبت۔ ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانو يعملون۔ یہ لوگ اپنے اپنے وقت میں دنیا سے چلے گئے جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے لئے تھا جو تم کروگے وہ تمہارے لئے ہوگا۔ ہم تم سے پوچھیں گے بھی نہیں کہ انہوں نے کیا کیا تھا۔

۲:۔ اسلاف کے متعلق یہی میرا جواب ہے۔ اور اسی پر میں اس بحث کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ والسلام

خیر طلب پرویز۔ ۷۴-۲-۱۷

خواجہ محمد عبداللہ صاحب کا مزید استفسار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

50 ج/H گارڈن کالج روڈ۔ راولپنڈی۔ ۱۳؍ جنوری ۱۹۷۵ء۔

آپ کی چٹھی مورخہ ۱۷؍ دسمبر ۱۹۷۴ء میرے ایک دوست کے ہاتھ میں چلی گئی۔ افسوس ہے انہوں نے مجھے واپس بھیجنے میں دیر کر دی۔ لہٰذا عریضہ ہذا لکھنے میں دیر ہوگئی ہے۔

اس چٹھی میں آپ تحریر فرماتے ہیں "میں آپ کے سوالات کا اصولی طور پر جواب پہلے دے چکا ہوں۔ اب آپ نے متعین طور پر شخصیتوں کی بحث چھیڑ کر ......"

گذارش ہے کہ میں نے اپنی پہلی چٹھی ۱۸ 11/74 میں بھی شخصیتوں سے متعلق ہی سوال کیا تھا۔ یہ بات آپ کی چٹھی مورخہ ۲ 12/74 سے ثابت ہے۔ چونکہ آپ کی اس چٹھی میں میرے سوال کا جواب نہ تھا۔ لہٰذا میں نے اپنی دوسری چٹھی میں بھی اسی سوال کو دوہرایا ہے۔ شخصیتوں سے متعلق کوئی بحث نہیں چھیڑی۔ آپ اپنی

اور میری چھٹیاں دیکھ سکتے ہیں۔ آپ کا یہ الزام کہ میں نے شخصیتوں سے متعلق اب نئی بحث چھیڑی ہے درست نہیں۔ آپ اس الزام کو واپس لیں۔ شکریہ۔ اس چھٹی میں آگے آپ تحریر فرماتے ہیں "خود ہمیں بھی قرآن کریم نے اسی کی تلقین کی ہے۔ جب کہا ہے۔ تلك أمة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ...... اسلاف کے متعلق یہی میرا جواب ہے" قرآن کریم کا ارشاد بالکل درست ہے۔ لیکن محترم پرویز صاحب! کیا آپ اس قرآنی حکم کی خلاف ورزی نہیں کر چکے اور اپنے اس اصول کو توڑ کر کافر اور غیر مسلم نہیں کہا۔ جو بقول آپ کے آپکے اپ لوشکمان ہیں تھے۔ بقول آپ کے جنہوں نے مسجدیں بنائیں۔ مسجدوں میں مسلمانوں کی طرح نمازیں پڑھیں۔ انہی کے تیوہار منائے انہی کے شعار اختیار کئے۔ ان کے ساتھ رشتے ناطے کرتے رہے اور انہی کے پرسنل لاز کے تابع رہے؟ غرضیکہ آپ اپنے نظریہ کو اپنے اصول کو اور قرآن کریم کے حکم کو خیرباد کہہ چکے ہیں۔ اور اب جبکہ میں نے آپ سے سوال کیا ہے کہ امت محمدیہ میں بہت سے ایسے اسلاف ہو گذرے ہیں۔ جن کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے کشف و الہام ہوتا تھا۔ یا وہ اس کے قائل تھے۔ بلکہ وہ تابع شریعت محمدی مجازی طور پر نبوت یعنی انعام نبوت پانے کے بھی قائل تھے۔ مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر۔ شیخ ابی جعفر۔ امام عبدالوہاب۔ شیخ احمد سرہندی۔ شاہ ولی اللہ۔ شیخ محی الدین ابن عربی۔ داتا گنج بخش۔ بابا فرید۔ نظام الدین اولیاء۔ اور معین الدین چشتی وغیرہم رحمت اللہ علیہم بے شمار مسلمان ان بزرگوں کے عقیدت مند ہو گذرے ہیں اور بے شمار اس وقت بھی موجود ہیں اور میں نے آپ سے پوچھا ہے۔ کہ کیا آپ کی تحریروں کی رو سے آپ کی رائے میں یہ سب بزرگ جھوٹے ہیں اور کیا یہ سب بزرگ اور ان کے عقیدت مند ختم نبوت کے منکر دائرہ اسلام سے خارج یعنی غیر مسلم ہیں یا مسلمان ہیں؟ تو آپ اس سیدھے سوال کا جواب نہیں دیتے اور قرآن کریم کی آیت تلك امة قد خلت لها ما كسبت پیش کر کے فرماتے ہیں کہ "اسلاف کے متعلق یہی میرا جواب ہے"۔ محترم پرویز صاحب! کیا جب آپ کتاب "ختم نبوت" لکھ رہے تھے اس وقت آپ کو یہ معلوم نہیں تھا۔ کہ آپ اسلاف کو کافر کاذب اور غیر مسلم کہہ رہے ہیں کیا اس وقت آپ کو قرآن کریم کی آیت یاد نہ تھی؟ اس وقت اپنے اصول کی پابندی کی ہوتی اور خدا کے حکم کی تعمیل کی ہوتی۔ اب جبکہ آپ میرے سوال کا جواب نہیں دیتے تو کیا اس سے صاف ثابت نہیں ہوتا کہ در اصل تو آپ اپنے مسلمات کی رُو سے ان شخصیتوں اور ان کے کروڑوں عقیدت مندوں کو (جن کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے) ختم نبوت کے منکر کاذب دائرہِ اسلام سے خارج اور غیر مسلم ہی سمجھتے ہیں لیکن آپ ڈرتے ہیں اس کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ گویا آپ کا ظاہر کچھ اور ہے اور باطن کچھ اور؟ اور قرآن مجید کی آیت لکھ کر فرماتے ہیں "اسلاف کے متعلق یہی میرا جواب ہے اور اسی پر میں اس بحث کو ختم کرنا چاہتا ہوں"۔ محترم پرویز صاحب! میں نے ایک سوال کیا جس کا آپ جواب نہیں دیتے۔ بحث کا آغاز ہی نہیں ہوا ختم آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ جناب من! آپ نے اپنی کتاب ختم نبوت میں اپنے مسلمات کی رو سے تمام صوفیاء کرام۔ اولیاء عظام اور ان کے کروڑوں عقیدت مندوں کو کافر کاذب ختم نبوت کے منکر اور غیر مسلم ٹھہرایا ہے۔ شد و مد سے کفر و اسلام کی بحث چھیڑی ہے۔ آپ کو میرے سوال کا صاف جواب دینا ہوگا تاکہ حق و باطل میں تمیز ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ کافر کون ہے اور مسلم کون۔ والسلام

خیر اندیش۔ خواجہ محمد عبداللہ۔ ۷۵-۱-۳

جناب پرویز صاحب کے سکوت پر یاددہانی

مکان 350/H گارڈن کالج روڈ راولپنڈی۔ یکم فروری ۱۹۷۵ء۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ گذارش ہے کہ مؤرخہ ۱۳ر جنوری ۱۹۷۵ء کو آپ کی خدمت میں ایک چھٹی ارسال کی گئی تھی۔ جس کا آج تک کوئی جواب نہیں ملا۔ ممکن ہے میری وہ چھٹی آپ کو نہ ملی ہو۔ لہذا اس کی نقل رجسٹرڈ ارسال کر کے ملتمس ہوں کہ جواب سے سرفراز فرمائیں۔ میرا مقصد صرف تحقیق حق ہے۔ مجھے آپ کی کتاب "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" پڑھ کر بہت افسوس ہوا ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں درج آپ کے مسلمات کی رو سے قریباً سب اولیائے کرام اور صوفیائے عظام اور ان کے کروڑوں عقیدت مند مسلمان ختم نبوت کے منکر کافر اور خارج از اسلام ٹھہرتے ہیں اور مسلمان کون ہے۔ اور بقول آپ کے پاکستان ابھی تک سیکولر سٹیٹ ہے اور اس کا معاشی نظام جو دین اور تمدن و معاشرت کی جان ہوتا ہے کلیتہً غیر اسلامی اور سودی اصولوں پر مبنی ہے۔ اندریں حالات آپ جناب محمد رسول اللہ صلعم کا کلمہ پڑھنے والے احمدی مسلمانوں کے غیر مسلم قرار دیئے جانے پر خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور اس کو ایک نوید جانفزا اور خدا کی طرف سے نعمتِ عظمےٰ سمجھتے ہیں اور اپنے رفقاء اور حکومت کو ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں حالانکہ اگر لاکھوں مسلمان غیر مسلم ہو جائیں تو یہ کونسا خوشی کا مقام ہے۔ اس سے اسلام کی کونسی شان بلند ہوتی ہے اور اس میں آنحضرت نبی کریم صلعم کی کونسی بڑائی ہے؟ مزید براں اس افسوسناک کارنامے میں آپ کی کوئی بھی بہادری نہیں یہ جماعت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک تھی جس کی تہ میں سیاسی اور اقتصادی اغراض کارفرما معلوم ہوتے ہیں۔

پھر ایک عجیب بات یہ ہے کہ ادھر آپ قرآنی نظام ربوبیت کے علمبردار بنتے ہیں جو کہ بقول آپ کے ہر فرد کو بلاتمیز مذہب و ملت زندگی کی تمام ضروریات اور سہولتیں مہیا کرنے کا ذمہ لیتا ہے (جس میں کفر و اسلام کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے) اور ادھر آپ اسلام کے دعویداروں اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں کو کافر قرار دیئے جانے پر اس قدر خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ فرماتے ہیں "شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم" بتائیے اس اقدام سے نظام ربوبیت کا کونسا ستون کھڑا ہو گیا ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ امت مسلمہ میں کفر بازی کے میدان میں سب کفر بازوں سے سبقت لے گئے ہیں۔ اور جس قدر آپ نے اس معاملے میں خوشی کا اظہار کیا ہے شاید ہی کسی نے کیا ہو۔

راقم اور دیگر کئی مسلمان آپ کی صنعت غیر مسلم سازی سے سخت پریشان اور مضطرب ہوئے ہیں۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ مسئلہ کفر و اسلام کا حتمی فیصلہ ہو جائے اور آیندہ کے لئے کافر اور غیر مسلم سازی کا قانوناً سدِّ باب ہو جائے۔ کیونکہ ہمارے خیال میں کسی کلمہ گو کو کافر یا غیر مسلم کہنا اس کے متاع اسلام اور ایمان پر ڈاکہ ڈالنے اور اس کو سخت ترین دُکھ پہنچانے کے مترادف ہے۔ لہذا عرض ہے کہ آپ میرے پہلے سوال کا جواب دیجئے تاکہ بحث کا آغاز ہو اور واضح ہو جائے کہ مسلمان کون ہے اور غیر مسلم کون۔

آپ کا خیر اندیش۔ خواجہ محمد عبداللہ۔ ۷۵-۲-۱

پرویز صاحب کی تصریحات

باسمہ تعالےٰ

25/بی گلبرگ لاہور۔ ۴ر فروری ۱۹۷۵ء

محترمی۔ سلام مسنون۔

آپ کا گرامی نامہ ملا۔ اس دوران میں اس موضوع پر مجھے اور بھی خطوط وصول ہوئے اور پھر ربوہ کے گذشتہ سالانہ جلسہ میں اس مسئلہ کو خاص طور پر موضوع خطاب بنایا گیا اس کا ذکر طلوع اسلام کی حالیہ اشاعت (بابت فروری ۱۹۷۵ء) میں کیا گیا ہے۔ بنا بریں مَیں نے مناسب سمجھا۔ کہ اس موضوع پر تفصیل سے طلوع اسلام میں شائع کیا جائے۔ اُمید ہے یہ مقالہ ماہ مارچ کے پرچہ میں شائع ہو جائیگا۔

۲:۔ ضمناً آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے "آپ میرے پہلے سوال کا جواب دیجئے تاکہ بحث کا آغاز ہو"۔ سو میں ابھی سے یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نہ کسی سے بحث کیا کرتا ہوں نہ ہی مجھے اس کی فرصت ہے۔ زندگی کے جو چند لمحات باقی ہیں میں انہیں قرآن کریم کی کسی مثبت خدمت کے لئے وقف رکھنا چاہتا ہوں میں اس خط و کتابت کو بھی یہیں ختم کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ بھی بحث ہی کی شکل اختیار کر رہی ہے۔ میں نے اپنے سابقہ خط میں بھی اس کی وضاحت کر دی تھی۔

والسلام۔ نیازمند پرویز۔ ۷۵—۲—۴

خواجہ صاحب کا آخری مکتوب

مکان نمبر ۵۲ ۷/H گارڈن کالج روڈ راولپنڈی۔ ۱۲ر فروری ۱۹۷۵ء

مکرم و معظم پرویز صاحب سلمک اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کی چٹھی مورخہ $\frac{2}{75}$۴ پڑھ کر بے حد افسوس ہوا کہ آپ نے سائل کے سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیا ہے۔ جو کہ محض تحقیق حق کے لئے لکھا گیا تھا۔ پھر آپ لکھتے ہیں کہ "زندگی کے جو چند لمحات باقی ہیں انہیں قرآن کریم کی کسی مثبت خدمت کے لئے وقف رکھنا چاہتا ہوں" گزارش ہے کہ بقول آپ کے "مسلمانوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جس پر دوسرے فرقوں کے علماء نے کفر کا فتوےٰ نہ لگایا ہو" بقول آپ کے "ضرورت اس امر کی ہے کہ بتایا جائے کہ مسلمان کسے تسلیم کیا جائے گا۔ مسلمان ہونے کے لئے کیا شرائط ہیں" بقول آپ کے "یہ سوال نہایت اہم ہے ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کی کشتی اسی چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹی تھی" بقول آپ کے "یہاں مختلف فرقوں کا اسلام مختلف ہے اور ان کے اسلام کے تقاضے مختلف" بقول آپ کے "متعین کیا جائے کہ فلاں نظریات اسلام کی اصل و اساس ہیں" بقول آپ کے "غیر مسلم نہ امور مملکت میں شریک ہو سکتے ہیں نہ رموز حکومت میں شریک۔"

جناب من! مسئلہ کفر و اسلام کی اہمیت آپ کے مندرجہ بالا اقوال سے ظاہر ہے جس کا فیصلہ کرنا ضروری ہے پھر اس سے بڑھ کر اسلام اور قرآن کریم کی اور کونسی مثبت خدمت ہو سکتی ہے۔ کہ اس امر کا فیصلہ کیا جائے۔ اگر یہ فیصلہ بھی نہ ہو کہ مسلمان کون ہے تو پھر بات کیا بنی؟

مکرمی! قرآن اور اسلام آپ پر نہیں اُترا۔ یہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم پر نازل ہوا ہے یہ ان سب لوگوں کا دین ہے جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔ آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ اس کی تشریح جو آپ کریں وہ صحیح ہے اور باقی سب غلط؟ پھر آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ آپ جس کی تصدیق کریں کہ فلاں مسلمان ہے وہ مسلمان قرار پائے اور جس کو آپ غیر مسلم اور کافر قرار دیں وہ کافر اور غیر مسلم ٹھہرے؟ حکومت کی اس میں کوئی تخصیص نہیں کیونکہ وہ خود تو عوام کا ہی منتخب کردہ ادارہ ہے۔ جناب پرویز صاحب! ہندو اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتا۔ وہ خود کو ہندو کہتا ہے۔ عیسائی اپنے آپ کو عیسائی کہتا ہے۔ مسلمان نہیں کہتا۔ سکھ اپنے آپ کو سکھ کہتا ہے۔ مختلف مذہب رکھنے والے لوگ اپنے آپ کو اسی مذہب سے متعلق سمجھتے ہیں جس سے وہ تعلق رکھتے ہیں۔ جو مسلمان ہوتا ہے وہ ہی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ اور یہ حق اس کو اسی طرح حاصل ہے۔ جس طرح آپ کو حاصل ہے۔ اس کو آپ کی تصدیق کی ضرورت نہیں۔

مکرم و محترم! آپ نے احمدی مسلمانوں کو اور دیگر اکابر و مشاہیر بزرگانِ دین اور ان کے عقیدت مندوں کو جو آپ کی ختم نبوت کی تشریح پر پورے نہیں اُترے ختم نبوت کے منکر کافر اور غیر مسلم ٹھہرا کر ظلم کیا ہے اور اس پر آپ جو خوشی کے شادیانے بجاتے ہیں یہ عظیم ستم ہے آپ کو یہ زیبا نہیں تھا۔

جناب مرزا غلام احمد صاحبؒ اور ان کی جماعت کا مقصد دیگر مذاہب خصوصاً آریہ اور عیسائیوں کے اسلام پر حملوں کا منہ توڑ جواب دینا اور ان پر حقانیت اسلام کو ثابت کرنا تھا۔ یہ کام انہوں نے خوب کر دکھایا۔ مسلمان علماء نے (جن کے سربراہ مولوی محمد حسین بٹالوی تھے۔ چند عقائد کے اختلاف کی بناء پر ان پر کفر کا فتوےٰ لگایا۔ ان کو گالیاں دی گئیں۔ بُرا بھلا کہا گیا۔ ان کو مار پیٹ کر اپنی مسجدوں سے نکالا گیا۔ اپنی مسجدوں کے دروازے ان پر بند کئے گئے ان کا بائیکاٹ کیا گیا۔ پھر تنگ آکر انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تو مسلمان ہیں تم جو ہم کو کافر کہتے ہو تم خود کافر ہو۔ حضرت مرزا صاحب اپنے آپ کو ہمیشہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا امتی کہتے رہے۔ ان کی دس شرائط بیعتؔ ملاحظہ ہوں۔ ہم کو تو ان کی کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سچے عاشق شیدائی اور دینِ اسلام کے عظیم مبلغ تھے۔ آپ کا یہ الزام کہ انگریزوں نے مسلمانوں کے جہاد کے ڈر سے تحریک احمدیت کھڑی کی تھی ہرگز درست نہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو بتائیے انگریزوں کے مقابلے میں آپ نے کونسا دین اسلام کے لئے جہاد کیا ہے اور کہاں انگریزوں کو شکست دی ہے؟

جناب پرویز صاحب! اگر آپ سائل سے کچھ سوال و جواب کرتے تو غالباً آپ پر حقیقت کھُل جاتی مگر آپ اس پر آمادہ نہیں اور فرماتے ہیں: "مَیں نے مناسب سمجھا ہے کہ اس موضوع پر تفصیل سے طلوع اسلام میں شائع کیا جائے" اس بارے میں گذارش ہے کہ آپ یہ خط و کتابت بھی ساتھ ہی شائع کر دیں اور اس پر جو جی چاہے لکھیں۔ آخر میں آپ کی خدمت میں عرض کر دوں گا کہ کسی اسلام کے دعویدار کلمہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے کو کسی اختلاف کی بناء پر غیر مسلم نہ ٹھہرائیں۔ کیونکہ یہ بڑا ظلم اور سخت دل آزاری ہے۔ جس کا آپ کو کوئی حق نہیں۔ قرآن کریم کی آیات کے آپ کے کوئی ایسے معنے یا تشریح جیسا کہ آپ نے ختم نبوت کے بارے میں کی ہے صحیح نہیں ہو سکتی۔ جس سے بے شمار بزرگانِ دین اور ان کے عقیدت مند ختم نبوت کے منکر کافر اور غیر مسلم ٹھہریں آپ کا یہ مشغلہ بالکل بے سود ہے۔ اس سے کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ والسلام

آپ کا مخلص۔ خواجہ محمد عبداللہ

لہ دس شرائط بیعت :۔

اوّل بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوم۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آئے۔

سوم۔ یہ کہ بلاناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا۔ اور دلی محبت سے اللہ تعالےٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روز اپنا ورد بنائے گا۔

چہارم۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

پنجم۔ یہ کہ ہر حال رنج و راحت اور عسر یُسر اور نعمت اور بلا میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ وفاداری رہے گا اور بہرحالت راضی بقضا ہوگا۔ اور ہر ایک ذلت اور دُکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

ششم۔ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے پر قبول کرے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

ہفتم۔ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم۔ یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردیٔ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز

نہم: یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک

محترم شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان

مولانا ظفر علی خاں تصویر کا دوسرا رُخ

مولانا ظفر علی خاں صاحب (پیدائش ۱۸۷۳ء وفات ۱۹۵۶ء) کو معجز رقم، شعلہ بیان۔ انشاء و ادب کی رفعتوں کا نشان اور قوافی کا بادشاہ کہا جاتا ہے اور اُردو کے تین کامل الفن اساتذہ میں سے سمجھا جاتا ہے۔ جب آپ علی گڈھ کالج میں تھے سر سید احمد خاں اور مولانا شبلی ان کی ذکاوتِ طبعی کی وجہ سے انہیں عزیز رکھتے تھے کچھ عرصہ حیدر آباد میں مترجم کی حیثیت سے کام کیا۔ قیام حیدر آباد میں نظام سے لیکر شہر کے جہاں تک ہر طبقے کے لوگ ان کی عقیدت و ارادت کے مرکز رہے۔ ان کا جو مجموعہ کلام اس وقت مرتب ہوا اسے ایک نظر دیکھ لینا کافی ہے۔

سیاست میں انہیں انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن سمجھا جاتا ہے۔ کاسہ لیسانِ حکومتِ برطانیہ کے لئے ٹوڈی کا لفظ انہی کی ایجاد ہے۔ لیکن سیاست میں ان کی غیر مستقل مزاجی کی نشانیاں ان کی زندگی کے ہر موڑ پر نظر آتی ہیں۔ ۱۹۱۱ء میں آپ نے تحریر فرمایا:۔

”زمیندار اور اس کے ناظرین گورنمنٹ برطانیہ کو سایۂ خدا سمجھتے ہیں اور اس کی عنایاتِ شاہانہ اور انصاف خسروانہ کو اپنی دلی ارادت اور قلبی عقیدت کا کفیل سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہ عالم پناہ کی پیشانی کے ایک قطرے کی بجائے اپنے جسم کا خون بہانے کے لئے تیار ہیں۔ اور یہی حالت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی ہے[1]۔“

حکومتِ برطانیہ کو ظلِّ الٰہی (سایۂ خدا) سمجھنا، شاہ برطانیہ کے ایک قطرۂ پیشانی کے لئے اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہنا اور حکومت سے اپنی دلی ارادت اور قلبی عقیدت کا اظہار مولانا نے صرف نثر ہی میں نہیں بلکہ اپنی نظموں میں بھی کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی ایک نظم ”ترانۂ ارادت“ بہت مشہور ہوئی تھی جو ذیل میں درج ہے:۔

ترانۂ ارادت

سُنا ہے نام جمشید و سکندر کا فسانوں میں
مگر رکھا ہی کیا ہے ان پرانی داستانوں میں
چمکتا چاند ہے جس طرح جھرمٹ کے ستاروں میں
نظر یونہی ہمیں تم آتے ہو صاحبقرانوں میں
کہاں روما کی صولت اور کہاں برطانوی دولت
اسے دیکھا ہے آنکھوں سے جو وہ گونجے ہے کانوں میں
ہے شیریں نام ایسا بادشاہ جارج خامس کا
عذوبت ہے زبانوں میں حلاوت ہے بیانوں میں
ودیعت ہے شہنشہ کی عقیدت آفریں الفت
سروں میں اور سینوں میں دلوں میں اور جانوں میں
نہ بھولیں گے کبھی وہ روز ہم ہندوستاں والے
کہ تم تھے میہمانوں میں تو ہم تھے میزبانوں میں
دلوں میں جو کچھ آئے ترجماں اس کی زبانیں ہوں
کہاں حاصل تھیں یہ آزادیاں اگلے زمانوں میں
یہ سچ ہے ہم مسلمانوں کو یہ نعمت میسر تھی
شمار اس کا ہے لیکن قرنِ اوّل کے نشانوں میں
رہے آزاد وہ صیاد یارب جس نے دے دی ہے
چہکنے کی اجازت بُلبلوں کو گلستانوں میں

---

[1] اخبار زمیندار۔ ۹ر نومبر ۱۹۱۱ء

نظر آئی تیری ظلِّ الٰہی کی شان دونوں کو
برہمن کو صنم خانہ میں مسلم کو اذانوں میں
سلامت قیصرہ کو اور قیصر کو خدا رکھے
یہی اک نغمہ جاں پرور ہے سب قومی ترانوں میں
رہیں ثابت قدم ہم اپنے قیصر کی اطاعت پر
کہ جس سے سُرخ رُو ہم ہو سکیں دونوں جہانوں میں
ہمارے واسطے کم کیا یہی انعامِ عزت ہے
کہ داخل ہو گئے قیصر کے ہم بھی مدح خوانوں میں[1]

اُردو کے کامل الفن اُستاد اور قوافی کے بادشاہ نے اس نظم میں انشاء ادب کے کیسے کیسے موتی رولے ہیں۔ ان کے اشعار کے مطابق بادشاہ جارج پنجم کے شیریں نام سے بیان میں حلاوت پیدا ہو جاتی ہے دل و جان میں ان کی عقیدت آفرین اُلفت سمائی ہوتی ہے۔ قلبی جذبات و خیالات کو زبان تک لاتے ہیں جو آزادیاں حکومت برطانیہ کے تحت مولانا کو حاصل ہیں اس کی نظیر اگلے زمانوں میں کہاں ملتی ہے۔ اگر کبھی مسلمانوں کے عہد میں یہ نعمت میسر تھی تو اس کا شمار ابتدائی زمانے کی نشانیوں میں سے تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ شاہ جارج پنجم کی تاجپوشی کی رسم جو دہلی میں منعقد ہوئی تھی اسے کہاں کہاں پھیلایا جا سکتا ہے۔ جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو ان کی ظلِّ الٰہی کی شان نظر آتی تھی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ شاہ برطانیہ اور ملکہ برطانیہ کی سلامتی کا نغمہ ہی سب قومی ترانوں سے زیادہ جاں پرور ہے اور شاہ برطانیہ کی اطاعت پر ثابت قدمی سے ہی دونوں جہانوں میں سرخرو ہوا جا سکتا ہے۔

الغرض یہ تھے مولانا ظفر علی خاں کے ارشادات جنہیں سیاست میں انگریز کا سب سے بڑا دشمن سمجھا جاتا ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ اس ترانۂ ارادت سے قبل انہوں نے شہنشاہ ہندوستان کے دارالاقامت لندن کے چار تحفوں کا سخت فحش الفاظ میں ذکر کیا تھا جس کو کوئی مہذب شخص سن بھی نہیں سکتا[2]۔

اوپر زمیندار ۱۹۱۱ء کا حوالہ درج کیا جا چکا ہے۔ ترانۂ ارادت ۱۹۱۲ء میں لکھا گیا۔ اس نثر و نظم کے خیالات میں سرِ مو کا فرق نہیں۔ اس عرصہ کے دوران میں انہوں نے کبھی کبھی سیاست میں حکومتِ برطانیہ کے خلاف تقاریر کیں اور مضامین لکھے۔ حکومت نے اور سیاسی لیڈروں کی طرح جن میں مولانا ابو الکلام آزاد۔ مولانا محمد علی جوہر بھی شامل تھے مولانا ظفر علی خاں کو بھی نظر بند کر دیا۔ پہلی جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ مولانا کو کچھ عرصہ اپنے قصبہ کرم آباد میں نظر بند رہنا پڑا۔ اس عرصے میں انہیں پاگل کُتے نے کاٹ کھایا اور آپ گورنمنٹ سے اجازت لے کر برائے علاج کسولی گئے۔ علاج سے فارغ ہو کر آپ نے شملہ جانے کی اجازت لی۔ (یہ مقام حکومت کا موسم گرما کا دارالخلافہ تھا۔) وہاں گورنمنٹ سے معافی مانگ کر انہوں نے مشروط آزادی حاصل کر لی۔ اور اپنے طرزِ عمل کی تبدیلی سے اپنے ہمعصروں کو حیران کر دیا۔ اس سلسلے میں وہ مضمون قابل توجہ ہے جسے اصل عنوان اور ضمنی عنوان کے تحت درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

”وہ نظر بند جنہوں نے گورنمنٹ سے معافیاں مانگیں“

چند روز ہوئے ہمارے لوکل ہمعصر العصر نے مولانا حسرت موہانی کی ایک تحریر کا ذکر کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ بعض آزادی پسندوں کی آزادی پسندی کا ستون امتحان کے وقت اپنے مرکز ثقل سے ہٹ گیا ہے۔ اس پر مولانا

---

[1] رسالہ تعلیم و تربیت لاہور۔ ۱۹۱۷ء بحوالہ ظفر علی خاں کی حقیقت از شیخ ضیاء الحق سابق ایڈیٹر پیشوا۔ مقام اشاعت ہاپوڑ ضلع میرٹھ۔ ہند۔ سن اشاعت ۱۹۱۲ء۔ یہ نظم انہی ایام میں اخبار الصباح لاہور میں بھی شائع ہوئی تھی۔

[2] ظفر علی خاں کی حقیقت ص۸

ابوالکلام آزاد سابق ایڈیٹر الہلال نے جو آجکل رانچی (بہار) میں نظر بند ہیں معصر مذکور کو ایک چٹھی لکھی جو معلوم ہوتا ہے کہ محکمہ نگرانی کی نظر سے گذر چکی ہے۔ کیونکہ اس پر محکمہ نگرانی کے دستخط موجود ہیں۔ اس چٹھی میں آپ ایڈیٹر العصر کو مخاطب کر کے پوچھتے ہیں کہ حضرت بتایئے کہ وہ منتیں کرنے والے نظر بند حضرات کون ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی چٹھی

مولانا موصوف کی چٹھی کا ضروری حصہ یہ ہے:

آپ نے العصر میں نظر بندوں کے متعلق ایک نوٹ درج کیا ہے جس میں آپ لکھتے ہیں کہ بعض اشخاص نے نظر بند ہونے کے بعد گورنمنٹ کی خدمت میں عرضداشتیں بھیجی ہیں اور ان میں طلب عفو و اعتراف خطاء اظہار عجز و توبہ کے ایسے طریقے اختیار کئے ہیں کہ اگر وہ پبلک کے سامنے آجائیں تو لوگوں کو سخت حیرانی و تعجب ہو۔

کردہ ام توبہ و از کردہ پشیماں شدہ ام
کافرم باز مہ گوئی کہ مسلماں شدہ ام

آپ کا اشارہ جس طرف ہے شاید لوگوں کا ذہن اس طرف منتقل ہوا ہو۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں اشاروں سے کام لینا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ کا مقصد اعلان حقیقت ہے تو چاہیئے کہ جو معلومات اس بارے میں آپ کو حاصل ہوئی ہیں اور جن اشخاص کی نسبت وہ ہوں ان کو صاف صاف بلا تامل شائع کر دیں تاکہ اس مصیبت کے زمانہ و حقیقہ امتحان و دَورِ امتیاز عشق و ہوس میں دنیا حقیقت سے بے خبر نہ رہے۔ یہ وہ موسم ہے کہ جس کے انتظار میں امتحان طالبانِ عشق ہمیشہ مضطرب رہا کرتے ہیں

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر

شرعاً بھی آپ کا فرض ہے کہ یا تو آپ شہادت نہ دیں یا دیں تو وہ مجہول مبہم نہ ہو بلکہ صاف ہو۔

معاملہ صاف ہے

ہمعصر "العصر" نے مولانا ابوالکلام آزاد کی اس چٹھی کے جواب میں ان نظر بند اصحاب کے نام بتانے سے انکار کیا اور لکھا ہے کہ ان ناموں کی تلاش و تجسس بیکار ہے۔ لیکن ہماری رائے میں یہ معاملہ بالکل صاف ہے اور نہ مولانا ابوالکلام آزاد کو اس اصرار سے دریافت کی ضرورت ہے اور نہ ہمعصر العصر کی سیر چشمی سے اس پر پردہ پڑ سکتا ہے۔ اگر ان رعایتوں کو جو حال میں نظر بندوں کو حاصل ہوئی ہیں ان کا در پردہ منتوں اور اظہار توبہ و استغفار کا نتیجہ سمجھ لیا جائے تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ پنجاب میں حال میں کس نظر بند کو گورنمنٹ کی طرف سے خاص رعائتیں عطا ہوئی ہیں اور سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہوگی۔ (پبلک لاہور)" [1]

قصہ مختصر مولانا ظفر علی خاں کے اعتراف خطا اور اظہار عجز و توبہ نے انہیں کسی حد تک چلنے پھرنے میں آزاد کر دیا۔ ساتھ ساتھ انہیں اپنے ہفتہ وار اخبار ستارہ صبح کو روزنامہ بنانے کی اجازت بھی مل گئی۔ اس اخبار کے سلسلے میں جو پہلا اعلان مولانا ظفر علی خاں نے شملہ سے کیا اس میں لکھا تھا:

(۳) "اس کا اولین مقصد یہ ہوگا کہ رعایا کے دلوں میں راعی کی طرف سے محبت و عقیدت کے جذبات برانگیختہ کر کے دونوں کے تعلقات کو خوشگوار اور استوار بنائے اور اس عقیدہ کی تلقین کرے کہ ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کی بقا اہل ملک کے بہترین مفاد کی ضامن ہے۔

(۴) سیاست کے دل خوش کن مگر دُور از کار مباحث سے اس روزنامہ کو تعلق نہ ہوگا۔"

اس اعلان پر اسی زمانہ میں پیغام صلح نے ایک نوٹ لکھا تھا کہ کوئی وقت تھا کہ سیاست ہی مولوی صاحب کا اوڑھنا بچھونا تھی۔

" اسی کی خاطر انہیں اپنی آزادی بھی کھو دینا پڑی اور وہ گورنمنٹ کے بھی مورد عتاب ٹھہرے لیکن آہ وہی قصر سیاست کہ جس کی رفیع الشان چوٹیاں اپنے دلفریب انداز میں ایک وقت کہتے کو آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ آج خود مولوی صاحب کے ہاتھوں سے بے طرح مسمار ہوتا ہے اور "دُور از کار" کے فتوے کے نیچے آکر اپنے اصلی اور حقیقی معنوں میں بے حقیقت اور لغو چیز ٹھہرتا ہے۔"

جیسے جیسے زمانہ گذرتا جاتا ہے شخصیات کے متعلق ایک مبالغہ آمیز تصور ذہنوں میں جگہ لے لیتا ہے۔ اور بعض اوقات حقیقت نظروں سے بالکل اوجھل ہو جاتی ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو مولانا ظفر علی خاں کی زندگی کے ان پہلوؤں سے شناسا ہیں۔ جن کی نشاندہی سطور بالا میں کی گئی ہے۔

محترم مرزا محمد سلیم اختر صاحب

بلا تحقیق بات نہ پھیلاؤ

عن ابی هريرة رضى الله عنه انّ النّبىّ صلى الله عليه وسلّم قال كفىٰ بالمرءِ كذبًا ان يحدّث بكلّ ما سمع (مُسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی علامت کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات لوگوں میں بیان کرتا پھرے۔

تشریح: اکثر لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی جگہ سے کوئی بات سنتے ہیں تو بغیر تحقیق کئے اسے لوگوں میں بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں اور جب ان پر گرفت کی جاتی ہے کہ آپ کو اس بات کا کیسے علم ہوا تو پھر بغلیں جھانکنے لگتے ہیں یہ طریق فتنہ و فساد کا دروازہ کھولنے والا ہے لہذا مومن کا فرض ہے کہ وہ بغیر تحقیق بات نہ کرے اور اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھے بسا اوقات ایک بات کی وجہ سے ہی انسان دوزخ کا ایندھن بن جاتا ہے۔ پس یہ خوف کا مقام ہے قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

البلاء موکل بالمنطق

یعنی مصیبت بات کرنے پر منحصر ہے۔ پس گفتگو میں احتیاط کا پہلو ہر دم مدِنظر رہنا چاہیئے۔

درخواستِ دُعا

محترم عبدالعزیز صاحب ریٹائرڈ ریلوے گارڈ لکھتے ہیں:
(۱) میرا عزیز بیٹا محمود احمد عرصہ دو تین سال سے بیمار چلا آ رہا ہے۔ حضرت امیر قوم، حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان اور جملہ احباب سے درخواست ہے کہ وہ عزیز کی ذہنی پریشانیوں، دماغی الجھنوں اور جسمانی عوارض سے نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور درد دل سے دُعا کریں۔

(۲) میرے عزیز دوست شیخ محمد بشیر ریٹائرڈ ریلوے آفیسر عرصہ دس سال سے مختلف عوارض میں مبتلا ہیں۔ احباب دُعا کریں کہ اللہ ان کی جملہ پریشانیوں، ذہنی کوفتوں اور مالی تکلیفوں کو دُور فرمائے اور ان کے لمبے عرصہ کے جملہ عوارض کو دُور فرمائے۔

پیغام صلح: — اللہ تعالیٰ ہمارے ان بھائیوں کو شفائے کامل عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] ظفر علی خاں کی حقیقت صفحہ ۶۶-۶۷

محترم الطاف جاوید (آخری قسط)

احمدیت اور بانی تحریک کا تاریخی جائزہ

(مدیر کا مقالہ نگار سے اتفاق رائے ضروری نہیں)

جماعت میں گروہ بندی کا آغاز } مولانا نورالدین صاحب کے بعد جماعت احمدیہ دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی، جماعت کے تمام اعلیٰ تعلیمیافتہ افراد قادیان چھوڑ کر لاہور چلے آئے - جماعت احمدیہ کا یہ اختلاف باہمی، در اصل انگریز کے انیسویں صدی کے لبرل ازم، کی روشن خیالی، فکری آزادی رواداری اور جمہوریت پسند روایت کا، بیسویں صدی کی پہلی دہائیوں کی فاشی آمریت پسندی تنگ نظری، اندھی عقیدت، آزادئ فکر پر قیود عائد کرنے اور غیر عقلی داقلیت پسندی کے ساتھ تصادم کا منطقی نتیجہ تھا۔

جماعت لاہور کی تاریخی غلطی } اس حقیقت کے باوجود کہ یہ دو متضاد اور متخالف رویّے اور نظریات اکٹھے نہیں رہ سکتے، جماعتی خودی کی صلابت و صیانت کے نقطہ نظر سے قادیان سے ہجرت کرنے والے ان اکابرِ جماعت کا فرض تھا کہ وہ وہاں رہتے ہوئے ان قوتوں کا مقابلہ کرتے، جو جماعت کو بانئ احمدیت کے بتائے ہوئے روشن، صلح جو اور علم پسند راستہ سے ہٹا کر اپنے مزعومہ گھنونے منصوبوں کے مطابق چلانا چاہتی تھیں - اگر مزاحمت میں شدید مصائب، جانی خطرات اور ذلت و رسوائی کا سامنا بھی کرنا پڑتا تو یہ جماعتی سالمیت اور حق پسند قوتوں کے استحکام و استواری کے لئے بے حد فائدہ مند ہوتا۔

لاہور میں آنے کے بعد مولانا محمد علی صاحب کی قیادت میں ان علم دوست حضرات نے اپنی علم پسندی اور اشاعت اسلام کی روایات کو قائم رکھنے اور آگے بڑھانے کی کوشش کی، اسلام کی مدافعت اور مذاہب عالم کے مقابلہ میں اس کی توحید پسندی، اسکی آفاقیت اور دین و دنیا کو ایک وحدت میں سمونے کی قابلیت، اس کی علم دوستی اور رواداری کی وضاحت میں ایک عظیم الشان اور مدلّل لٹریچر تخلیق کیا۔ اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ یورپ کے شہروں میں اشاعت اسلام کے مراکز قائم کئے اور یورپین اقوام کو اسلام کی خوبیوں اور اس کے بلند مقاصد سے روشناس کرایا۔

ان تمام مفید باتوں کے ساتھ ساتھ، جماعت لاہور بھی بتدریج اپنے عہد کے عمرانی اور فکری تضادات Contradictions کے اثرات کے ماتحت آتی چلی گئی - جماعت قادیان تم رہ کی طرح اس کے تو پی پر بھی صاحب جائداد طبقہ کا قبضہ ہوتا چلا گیا۔ جماعتی زندگی پر اس طبقہ کے اثرات نمایاں ہوتے چلے گئے - قادیان سے آنے والے صاحب علم و ذوق اصحاب کی جگہ پُر کرنے کے لئے جماعت لاہور بھی تہی دامن ہوتی چلی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے منبر و محراب سے بھی ترقی پسندانہ رجحانات کے خلاف مقدّس وعظ سننے میں آنے لگے - امیر و غریب کا فرق نمایاں ہوتا چلا گیا۔ اور اس فرق کو فطری تصور کیا جانے لگا، اسلام اور قرآن پاک کی ایسی تعبیر مدوّن ہونے لگی جس میں صاحب جائداد طبقہ کے مفاد کی حفاظت کے لئے دلائل موجود ہوں اور مولانا محمد علی صاحب کے بعد تو یہ جماعت بے حد مضمحل ہوتی گئی۔[1]

جماعت کے اداروں کا متمولین کی تحویل میں چلے جانے سے دونوں جماعتوں میں چند بنیادی اختلافات کے باوجود قول و فعل میں ایک طرح کی یکسانیت اور اشتراک نمایاں ہوتا چلا جا رہا ہے، دونوں کے سامنے وفات و حیات مسیح جیسے چند عقائد کے علاوہ کوئی گہرا (Profound) اور جامع (Comprehensive) فلسفۂ حیات نہیں ہے، اور شاید دونوں جماعتوں کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ ان جماعتوں کا کام تو بے حد آسان اور سادہ ہے، یورپ کے کسی شہر میں مشن قائم کرکے چند عقائد کی تبلیغ کرتے رہنا، بس اللہ اللہ خیر صلا - اب جماعت لاہور کی جانب سے ایک بے جان اور عہد حاضر کے جدید تقاضوں سے بالکل نابلد لٹریچر کی اشاعت عمل میں آ رہی ہے - اور ایک عرصہ سے کوئی حیات بخش تحریر سامنے نہیں آئی -

احمدی ذہن سمجھتا ہے کہ وہ اسی فرسودہ راستہ پر چلتے ہوئے اسلام کو تمام ادیانِ عالم پر غالب کر دے گا، جس پر آج کل عمل پیرا ہے - حالانکہ تاریخ اپنا راستہ کبھی کا تبدیل کر چکی ہے - اس نئے راستہ کو سمجھے اور اپنائے بغیر کامیابی و کامرانی ایک دیوانہ کے خواب کی حیثیت رکھتی ہے -

اشتراکی انقلاب کے آغاز کی وجہ پر حضرت مرزا صاحب کی دو حیثیتوں کی وضاحت } جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ بانئ احمدیت کی وفات کے ٹھیک ۹ برس بعد اس کرۂ ارض پر اشتراکی انقلاب کا سرخ سویرا پھوٹ پڑا - اس تاریخی واقعہ کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب دو حیثیتوں کے مالک قرار پاتے ہیں- ان کی پہلی حیثیت تو اس فلسفۂ حیات کو اپنانے اور اپنے فکر کی اساس بنانے والے کی ہے، جسے انقلاب فرانس نے دنیا سے متعارف کرایا تھا اور جس کی بنیاد عہد وسطیٰ کی استخراجی اور قیاسی عقلیت کی بجائے استقرائی اور تجربی عقلیت پر تھی۔

اس سائنسی عقلیت نے مذہب کے اس جامہ کو نوچ کر پھینک دیا تھا جسے عہد وسطیٰ کی مدرسیت (Scholasticism) نے عقل قیاسی کی اساس پر تیار کیا تھا۔ مذاہب عالم کی مذہبی پیشوائیت کا ذاتی مفاد چونکہ مذہب کی قیاسی اور غیر تجربی اساس پر وابستہ تھا- اس لئے سائنس اور عقل تجربی کے خلاف ہر طرف ایک شور سا پیدا ہوگیا- اور سائنس کے معلوم کردہ حقائق کو زندقہ و الحاد قرار دیا جانے لگا۔

مگر سائنس کے خلاف اس شور و شغب کے ساتھ ساتھ ہر مذہب میں ایسے دانشور بھی پیدا ہونے لگے جنہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ان کا مذہب سائنسی حقائق کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ہر سائنسی انکشاف کو اپنے ہاں پہلے سے موجود تصور کرنے لگے -

سائنسی تحقیق کا سب سے پہلا موضوع طبیعیات Physics تھا، اس کے بعد فطرت کے کیمیادی اعمال کا مطالعہ ہونے لگا- اور آخر میں (Social Sciences) عمرانی علوم کی تدوین عمل میں آنے لگی - مگر ابھی تک عمرانی علوم کا موضوع معاشرہ کی طبقاتی ترکیب و بناوٹ اور معاشرہ کی نمو پذیری (Development) اور ارتقاء کے قانون کا مطالعہ بنا تھا - اس لئے مذہب پر تنقید کرنے والے دانشوروں اور مذہب کی مدافعت کرنے والے اذہان کا تعلق محض طبیعیاتی اور کیمیادی اعمال اور اقوام و ملل کے عروج و زوال کے تصوریت پسند Idealistic قوانین تک محدود تھا- دولت، اور تقسیم دولت کی طبقاتی اساس موضوع مطالعہ نہیں تھی، یہ کام انیسویں صدی کے وسط میں جرمنی کے عظیم فلسفی کارل مارکس نے کیا۔

فلسفۂ جدلیات کا مختصر تعارف } کارل مارکس سے تقریباً نصف صدی پیشتر ہیگل نے فلسفۂ جدلیات Dialectics کو مرتب کر دیا تھا- اس فلسفہ نے کائناتی مظاہر کو ارتقاء اور نشو و نما دینے والے عالمگیر قوانین کا انکشاف کیا اور یہ بھی بتایا کہ کائنات کا ہر مظہر دوسرے مظہر سے علاحدہ اور الگ تھلگ نہیں ہے- بلکہ ان تمام مظاہر کے درمیان، بظاہر کیسا ہی اختلاف پایا جاتا ہو، مگر ان سب کے درمیان ایک رابطہ عمومی (General Connection) پایا جاتا ہے - جس کی وجہ سے یہ مظاہر ایک دوسرے کے ساتھ مربوط، ایک دوسرے پر منحصر اور ایک دوسرے کے ساتھ تفاعل رکھتے ہیں، جیسے جماد و نبات اور نبات و حیوان بظاہر ایک دوسرے سے متضاد اور مختلف ہیں مگر ان کی اصل ایک ہے -

اس فلسفۂ کائنات نے بتایا کہ تغیر، حرکت اور ارتقاء کائناتی عمل کے بنیادی اور اساسی قوانین ہیں، کائنات ساکن و جامد نہیں ہے -

اسی فلسفۂ کائنات نے بتایا کہ کمیت (Quantity) کیفیت (Quality) میں تبدیل ہو رہی ہے - ہر کمیتی عمل، کیفیتی نتیجہ پر منتج ہوتا ہے -

[1] اس پیرا کے افکار کی تلخی پر بعد میں تبصرہ ہوگا (مدیر)

اس فلسفہ نے بتایا کہ ارتقا کا عمل (Process) اپنی پہلی منزل (Stage) یا ہیئت (Phase) کی نفی کر کے ایک جدید ہیئت یا مرحلہ تخلیق کرتا ہے۔ ارتقاء کا سلسلہ تخلیق، (Thesis) تردید (Antithesis) اور تخلیق جدید (Synthesis) کے عمل سے گزرتا ہے۔ اس لئے حرکت صرف میکانکی یا دوری (Cyclic) نہیں بلکہ ترقی پذیر (Spiral) ہے۔ کائنات کا ہر ارتقائی قدم اعلیٰ سے اعلیٰ تخلیق کی طرف اُٹھ رہا ہے اور وہ پہلے تخلیق شدہ مراحل کو دوبارہ دہراتی نہیں ہے۔

کارل مارکس نے جدلیات کے ان بنیادی قوانین کا معاشرہ کی ترکیب و ساخت (Composition) پر اطلاق کیا، اور اس اطلاق سے معلوم ہوا کہ معاشرہ محض ایک اکائی (Unit) نہیں ہے۔ بلکہ یہ مختلف اور متضاد نوعیت رکھنے والے طبقات (classes) پر مشتمل ہے۔ ان طبقات کو ان کے مفاد اور ماہیت کے مطابق تقسیم کیا جائے تو یہ دو نمایاں طبقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ جن میں سے ایک تو استحصال پسند (Exploitor) اور دوسرا استحصال پذیر Exploited ہوتا ہے۔

کارل مارکس نے بتایا کہ جنگ، بیکاری، بھوک اور خوف و یاس جیسے معاشرتی امراض اور چوری، بد دیانتی، رشوت و جنسی آوارگی جیسے اخلاقی امراض اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ معاشرہ استحصال پسند اور استحصال پذیر دو متحارب طبقوں میں بٹا ہوا ہے۔ اور یہ تقسیم اس لئے عمل میں آئی ہے کہ ذرائع پیداوار محنت کشوں کے ہاتھ سے نکل کر چند افراد کے قبضہ میں جا چکے ہیں۔ ذرائع پیداوار کا مالک ہی صاحب جائداد ہوتا ہے اور اسی کے قبضہ میں ریاست (State) کے سارے ادارے ہوتے ہیں۔ یہ ریاستی ادارے ذرائع پیداوار پر قابض افراد کے ملکیتی افــراد کی حفاظت کرتے ہیں۔

کارل مارکس نے بتایا کہ مادہ میں قدر استعمال (Use Value) محنت پیدا کرتی ہے، سرمایہ اسے پیدا نہیں کرتا۔ سرمایہ کا وجود دراصل بلا معاوضہ یا بے اُجرت (unpaid) محنت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے سرمایہ بذات خود کوئی چیز نہیں۔ اصل اور حقیقی چیز محنت ہے، جو سرمایہ کی خالق ہے۔

فلسفہ جدلیات کے معاشرتی اطلاق نے محنت کشوں کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار دے دیا جس سے انہوں نے ذرائع پیداوار کے مالکوں سے اپنے حق یعنی بے اُجرت محنت (unpaid labour) کو واپس لینے کے لئے ایک کامیاب جنگ لڑنا شروع کر دی۔

سائنس کا نیا منصب } اٹھارویں اور انیسویں صدی کے اوائل میں تو سائنس نے پیشہ ور مذہبی جماعتوں کے مفاد پر ایک زبردست ضرب لگائی تھی۔ اب انیسویں صدی کے وسط میں اس نئی معاشرتی سائنس نے معاشرہ کے دولت مند اور صاحب جائداد طبقات کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ سرمایہ و محنت کی اس جنگ میں انسان کی پوری تاریخ میں، انبیاء کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد صاحب جائداد تو تیں، ان کے پیغام اور جماعت کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیتی تھیں

مذہب پر نیا الزام } لہذا مذہب پر پہلے تو یہ الزام تھا کہ یہ کائنات اور حیات کے متعلق ایسے عقائد اور نظریات کا حامل ہے جو غیر سائنسی نظریات اور توہمات پر مبنی ہیں۔ اب اس پر یہ جرم عائد ہوا کہ تاریخ انسانی میں مذہب نے ہمیشہ صاحب جائداد اور مفاد پرست طبقوں کا ساتھ دیا ہے، اور عوام کو آخرت میں وعدہ بہشت دے کر سرمایہ داروں کے استحصال کے لئے انہیں ذہنی طور پر تیار کر دیا۔ لہذا سرمایہ داری نظام کے ساتھ ہی مذہب کو بھی اگر ختم نہ کیا گیا تو یہ پھر مفاد پرست طبقوں کی پیدائش کا باعث بنے گا۔

نئی معاشرتی سائنس۔ سوشلزم۔ } اس نئی معاشرتی سائنس نے جسے عام طور پر سوشلزم اور کمیونزم کہا جاتا ہے۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں زار روس کا تختہ اُلٹ کر تاریخ انسانی میں پہلی بار محنت کش عوام کی ایک شورائی آمریت قائم کر دی۔ زار کے ساتھ ہی اس

کے شاہی مفاد کی حمایت کرنے والے کلیسا اور اس کے عمائدین کے اقتدار کو بھی ختم کر دیا گیا۔ تاریخ انسانی میں اب ایک نئے پُر بہار دَور کا آغاز ہوا۔ سائنس جس نے اپنے ابتدائی عہد میں انسان کو کائنات اور حیات کے متعلق جاہلانہ تصورات اور توہماتی عقائد سے نجات دی تھی۔ اپنے نئے منصب کی وجہ سے بھوک، جنگ بدکاری، جنسی آوارگی، چوری اور دیگر رذائل سے انسان کو نجات دلانے کا باعث بن گئی۔

مذہب کی سائنس کے مقابلہ میں ناکامی } ۱۹۱۷ء کے سات نومبر کی تابناک صبح کو، جب محنت کشوں نے فوج کے ساتھ مل کر زار کے محل پر گولہ باری کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا، انسان کو جنگ، بھوک اور خوف و یاس کے اندھیروں سے بھی نجات دلادی۔ اب آدمی کو نجات دلانے والا مذہب نہیں تھا، بلکہ سائنس تھی، سائنس نے مذہب پر فتح پالی اور انسان کی فلاح و تہذیب کا منصب جلیل اس سے چھین لیا۔

لہذا مذہب آج حیات کے دوراہے پر کھڑا ہے نہ انسان کی فلاح و تہذیب کے متعلق سارے دعاوی اس سے چھین لئے گئے ہیں، وہ سائنس کے مقابلہ میں شکست کھا چکا ہے۔ سائنس دن بدن اسرار کائنات اور حیات کے رازہائے سربستہ کو ایک ایک کر کے کھولتی چلی جا رہی ہے۔ سائنس جب کسی نئی کائناتی یا معاشرتی حقیقت کا انکشاف کرتی ہے تو مذہب بے چارا کھسیانی ہنسی کے ساتھ پکار اُٹھتا ہے کہ یہ حقیقت تو میرے پاس پہلے سے موجود ہے۔

مذاہب عالم نہ صرف ایک دوسرے کے خلاف محاذ قائم کئے ہوئے ہیں بلکہ ہر مذہب اپنے داخلی وجود میں بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے۔ ہر مذہب اپنے ہی پیروؤں کو نجات یافتہ تصور کرتا ہے۔ اور دوسرے مذاہب والوں کو مذہبی سچائی سے خالی تصور کرتے ہوئے اپنے گروہ میں شامل کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ نجات پا جائیں۔

اس عہد کی انسانیت کے درد اور دُکھ کا علاج کسی مذہب کے پاس نہیں ہے ہر مذہب کے پیروؤں کی اکثریت، جہالت، بھوک و افلاس، مذہبی تعصب اور نفرت میں مبتلا ہے، ہر مذہب کا صاحب جائداد طبقہ اپنے ہی مذہب کے محنت کش بھائیوں کی محنت کا استحصال کرتا ہے۔

تمام مذاہب کے پیرو رشوت خوری، نفع اندوزی، جنسی آوارگی اور دوسرے قبیح اعمال اور بد اخلاقیوں میں ملوث ہو چکے ہیں، مگر اس کے باوجود ہر مذہب کا دعویٰ ہے کہ نجات صرف اسی کی تعلیمات اور عقائد کو تسلیم کرنے سے وابستہ ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی دوسری حیثیت } مذہب کی اس زبوں حالی اور پراگندگی کی وجہ سے بانیٔ احمدیت کی دوسری حیثیت کی ذمہ داریاں۔ پہلی حیثیت سے بدرجہا زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ عہد کسی ایک مذہب کی عظمت و کبریائی کے دعوؤں کا نہیں بلکہ "مذہبی سچائی" کی از سر نو تلاش کا عہد ہے۔ جسے ہر مذہب کھو چکا ہے، جماعت احمدیہ کی دونوں شاخیں بھی اسلام کو ایک گروہ بندی کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں، جیسا کہ دوسرے مذاہب میں بھی اپنے اپنے گروہ کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں۔

جماعت احمدیہ کے دونوں، لاہوری اور ربوائی (قادیانی) حصے بانی احمدیت کی پہلی حیثیت کے نمایندہ ہیں۔ چونکہ سترھویں اور اٹھارویں صدی کے صنعتی انقلاب کی عقلی اساس میکانکی عقلیت (Mechanistic Rationalism) پر تھی۔ اس لئے مذہب کی تعبیر بھی اسی نقطہ نظر سے کی جاتی تھی، مگر انیسویں صدی کے وسط میں میکانکی عقلیت کی جگہ جدلیات نے لے لی جو اپنے ماخذ اور ہیئت دونوں میں میکانکی عقلیت سے زیادہ جامع۔ زیادہ عمیق اور پُر مایہ (Rich) تھی، اسی لئے کائنات و حیات کی اس میکانکی تعبیر کو تاریخی عمل نے فرسودہ اور ناکارہ قرار دے دیا۔ تو مذہب کی اس تعبیر کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ جو اس میکانکی فلسفہ کی بنیاد پر وجود پذیر ہوئی تھی، جس طرح میکانکی عقلیت نے حقیقت کی ما بعد الطبیعیاتی تعبیر کو پچھڑی ہوئی اور رجعت پسند قرار دیا تھا۔ انیسویں صدی کے وسط میں حقیقت

کی مابعد الطبیعاتی اور میکانکی دونوں تعبیروں کو تاریخ کے ارتقائی تقاضوں نے ناقابلِ اعتبار قرار دے دیا گیا۔ چونکہ احمدیہ جماعت بھی اسلام کی مابعد الطبیعاتی اور میکانکی تعبیر کی حامل اور مبلغ تھی اس لئے منطقی طور پر ان دونوں تعبیروں کے ختم ہونے کے ساتھ ہی اس کی اپنی تاریخی ضرورت کا بھی خاتمہ ہو چکا ہے، تاوقتیکہ جماعت احمدیہ اس تعبیر کو نہ اپنالے جس کی اساس جدلیات پر رکھی گئی ہو، اور جو بانیٔ احمدیت کی دوسری حیثیت سے تعلق رکھتی ہے۔

آج جماعت احمدیہ اپنی لاہوری اور ربوی (قادیانی) شاخوں سمیت) ملّتِ اسلامیہ کے سوادِ اعظم کے سیلاب سے کٹ کر ایک جوہڑ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ یہ ملّت کا ترقی پسند، صحت مند اور فعال حصہ بننے کی بجائے ایک جامد رجعت پسند اور بیمار عضو بن چکی ہے اور ربوائی گروہ تو ملّت کی پاسبانی کرنے کی بجائے اپنے بعض غلط اور گمراہ کن عقائد اور اعمال کی وجہ سے خود ہی اس ملّت کے وجود کے لئے ایک خطرہ بن چکا ہے۔ جماعت کے اجتماعی زاویہ نگاہ اور طرزِ فکر پر جاگیرداری عہد کی غیر استقرائی عقلیت کا مکمل قبضہ ہو چکا ہے۔ اسی عقلیت کی وجہ سے وہ چند فرسودہ اور بار بار دہرائے جاتے والے عقائد کے علاوہ کسی ایسے زندہ اور صحت مند فلسفۂ حیات کی حامل نہیں رہی، جو عصرِ حاضر کے فکری اور عمرانی مسائل کو تخلیقی اور اجتہادی اساس پر حل کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اسی غیر سائنسی عقلیت کی وجہ سے جماعت کے نوجوان ذہنوں پر شکوک و بے یقینی کے سائے چھائے چلے جا رہے ہیں۔ احمدیہ اذہان بانیٔ جماعت [illegible] گہری علمی روایت سے عاری ہو چکے ہیں تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ میں مذاہب [illegible] عالم کی قدیم زبانوں جیسے سنسکرت، پالی، عبرانی اور ژند وغیرہ کے جاننے والوں کی معمولی سی تعداد بھی موجود نہیں ہے۔ ان زبانوں کی اہمیت اس لئے ہے کہ ان میں مذاہب کی الہامی اور بنیادی کتب اور لٹریچر پایا جاتا ہے۔ ہماری آنکھیں بازاروں، ریلوں اور دوسری جگہوں میں احمدی نوجوانوں کو جاسوسی ناول اور فحش لٹریچر مطالعہ کرتے ہوئے دیکھتی ہیں اور خیال آتا ہے کہ یہ اس جماعت کے افراد ہیں جو اسلام کو سارے ادیان پر غالب کرنے کے لئے اٹھی تھی۔ جس کے بانی نے بتایا تھا کہ "وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر اُفتاد"۔ ساری جماعت جائز و ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کی مشین بن چکی ہے۔ کسی بھی احمدی نوجوان کا ذہنی تجزیہ کیا جائے تو دو طرح کے خیالات سامنے آتے ہیں۔ دولت کمانے کے منصوبے اور چند جامد اور رٹے ہوئے عقائد، ان کے علاوہ دنیا جہان کے متعلق کوئی خیال موجود نہیں ہوتا۔ حالانکہ بانیٔ احمدیت نے فرمایا تھا کہ "جو میری کتابوں کو تین بار نہیں پڑھتا مجھے اس کے ایمان میں شک ہے"۔ مگر احمدی نوجوانوں کو ابن صفی اور خانصاحب اسلم کے ناول پڑھنے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔

احمدی ذہن اس بلیغ حقیقت کو سمجھنے کی اہلیت کھو چکا ہے کہ اس عہد کی جدلی عقلیت (Dialectical Rationalism) کے تقاضے بنیادی طور پر اس عقلیت سے مختلف ہیں، جسے انگریز میاں اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ عصرِ جدید میں جس کا آغاز یورپ کی نشاۃ ثانیہ سے ہوا تھا، نومبر ۱۹۱۷ء سے نئے فکر کی صبح طلوع ہوئی ہے جس کا نور کرۂ ارض کے انسانوں کی ذہنی قوتوں پر بتدریج پھیلتا چلا جا رہا ہے مگر احمدی ذہن ہے کہ وہ اسی لکیر کو پیٹتا چلا جا رہا ہے۔ جو اٹھارویں صدی کے وسط میں پلاسی کی لڑائی یعنی نواب سراج الدولہ کی شکست کے بعد سے کھینچی گئی تھی۔

احمدی ذہن ریویو آف ریلیجنز کی روح کو فراموش کر کے چند بار بار دہرائے ہوئے مابعد الطبیعاتی عقائد دوسرے مذاہب کے پیروؤں تک منتقل کرنے کو اپنا فرضِ منصبی سمجھ رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس نے ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ لیکن وہ بانیٔ احمدیت کے فلسفۂ حیات اور تصورِ کائنات کو، جو ان کی کتب میں ابھی لم یطمثھن انس (رحمان) کے مصداق ابھی تک بِن چھوا موجود ہے، مرتب کر کے عصر حاضر کی دانش کے سامنے رکھنے کی ضرورت کو سمجھنے سے محروم ہو چکا ہے۔

آج مذہب اور انسانیت موت و حیات کے دوراہے پر کھڑے ہیں، جنہیں زندگی بخش راستہ پر چلنے کے لئے کسی روشن ذہن اور صاحب وجدان قلب کی ضرورت ہے، جو حیات کے جدید تقاضوں کی تشفی کے لئے اپنے پاس مثبت اور انسان دوست لائحہ عمل اور فکری [illegible] رکھتا ہو، مگر احمدی ذہن ابھی زمانے کے تقاضوں سے بے نیاز حیات و وفات مسیح کی گتھی سلجھانے میں مصروف ہے۔ — نقل من منکر (ختم شد)

الحاج مولانا عبدالرحیم جگو

مکتوبِ ہالینڈ

دورۂ پاکستان کے تاثرات

مکرمی ایڈیٹر صاحب السلام علیکم۔ میں احباب جماعت سے معذرت خواہ ہوں کہ ان کی عنایات اور پرخلوص مہمان نوازی کا اتنی تاخیر سے شکریہ ادا کر رہا ہوں مجھے اس سے پیشتر بھی متعدد بار وفود حج سرینام سے لانے کی سعادت نصیب ہوتی رہی ہے اور پھر میں انہیں پاکستان [illegible] بھی لاتا رہا ہوں تا کہ انہیں ان بزرگوں کی زیارت کرا دوں جو دن رات پوری تندہی اور اخلاص سے خدمتِ اسلام میں مصروف ہیں اس مرتبہ جب میں ہالینڈ سے الحاج بیگم نجیب اللہ صاحب کو ساتھ لے کر روانہ ہوا تو مختلف قسم کے خیالات اور خدشات ذہن میں پیدا ہوئے۔ اخبارات میں شائع شدہ تفصیلات کافی پریشان کن تھیں لیکن دل میں یہ یقین تھا کہ خدا اس جماعت کو جو خالصتاً اشاعت اسلام کے لئے کوشاں ہے اپنی خاص حفاظت میں رکھے گا۔ اور آزمائش کی اس گھڑی میں استقامت عطا فرمائے گا۔ خدا کا شکر ہے۔ جلسہ سالانہ میں شمولیت نہ صرف میرے ہمسفر جناب الحاج نجیب اللہ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کے لئے ایک نیا جوش اور ولولے کا موجب ہوئی بلکہ میں نے خود اپنے اندر ایک نئے عزم اور قوت کو محسوس کیا۔

جلسہ سالانہ سے فارغ ہو کر ہم نے مختلف جماعتوں کے اصرار پر ۳۱ دسمبر ۱۹۷۴ء سے ۹ جنوری ۱۹۷۵ء تک سیالکوٹ وزیر آباد۔ راولپنڈی۔ اور پشاور کی جماعتوں کا دورہ کیا۔ ہر جگہ احباب جماعت سے خطاب کرنے کا موقع ملا میں نے انہیں یقین دلایا کہ خدا کے دین کی اشاعت کے لئے ہماری کوششوں کو زیادہ سے زیادہ کامیابیاں حاصل ہوں گی۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ سرینام سے کافی احباب ہالینڈ آ چکے ہیں اور انہیں ہالینڈ میں منظم کرنے کے لئے مختلف اقدامات کئے جا رہے ہیں امید ہے وہاں عنقریب ایک فعال جماعت تیار ہو جائے گی۔ ہر جگہ احباب جماعت نے نہایت اخلاص اور گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا اور مہمان نوازی میں اسلامی روایات کو ایک دفعہ پھر زندہ کر دیا۔ الحاج نجیب اللہ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ ان گذرے ہوئے دنوں کو نہایت عقیدت اور روحانی لذت سے یاد کرتے ہیں اور جماعت کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعاگو ہیں سیالکوٹ میں پارک کیفے میں استقبالیہ، ایٹ مور ریسٹورانٹ میں عشائیہ ہیڈ مرالہ کی سیر، وزیر آباد میں شیخ نیاز احمد مرحوم کے خاندان سے ملاقات، راولپنڈی جماعت کا عصرانہ اور جناب میاں شیخ فاروق احمد صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کی بے لوث اور انتہائی محبت آمیز مہمان نوازی، پشاور میں عبدالغنی صاحب اور غلام محبوب خان صاحب کی پُرخلوص میزبانی جماعت پشاور کا عصرانہ اور سفید ڈھیری میں روایتی عشائیہ ہمارے لئے کبھی یادگار سے کم نہیں ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ وقت کی کمی کے باعث ہم متعدد جماعتوں خاص طور پر انجمن خواتین احمدیہ لاہور کی دعوت کو قبول نہ کر سکے۔ پاکستان سے روانہ ہو کر ہم ایک ہفتہ کے دورہ پر سری لنکا گئے۔ میری دلی آرزو تھی کہ اس ملک کی مختلف اسلامی انجمنوں کے ممبران سے ملوں اور ان کے مسائل سے آگاہی حاصل کروں میں نے محسوس کیا ہے کہ یہاں کے مسلمانوں میں اسلامی رواداری دوسرے ملکوں سے کہیں زیادہ ہے یہاں مختلف تنظیموں نے ہمارا پرتپاک استقبال کیا میں کوشش کروں گا کہ میرا یہ رابطہ ان اسلامی تنظیموں سے مزید بڑھے تاکہ اس علاقہ میں جہاں کے ذہن غیر متعصب ہیں اسلام کی تعلیم زیادہ سے زیادہ پھیل سکے۔ آخر میں حضرت امیر قوم اور دیگر احباب سے درخواست ہے کہ وہ میرے لئے دعا فرمائیں۔

عرفات پریس [illegible] رتن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔
ایڈیٹر
غلام نبی مسلم۔ ایم اے

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ ۷ رمئی ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل ۸۳۸ شمارہ ۱۹

جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۲ جمادی الاوّل ۱۳۹۵ھ ۱۴ مئی ۱۹۷۵ء | نمبر ۲۰

(حضرت مجدد صد چہاردہم سلام اللہ علیہ)

کوئی ایسا شخص دکھاؤ جو الہام پر ایمان لاکر خدا سے انکاری رہا

تم انصاف سے کہو کیا تمہیں آج تک اس بات کی خبر نہیں کہ ہمیشہ سے عقلمند لوگوں کا یہی شعار ہے کہ وہ اپنی قیاسی وجوہ کو کبھی تجربہ سے تقویت دے لیتے ہیں اور کبھی تواریخ سے اور کبھی نقشہ جات موقعہ نما سے اور کبھی خطوط اور مراسلات سے اور کبھی اپنی ہی قوت باصرہ اور سامعہ اور شامہ اور لامسہ وغیرہ کی گواہی سے۔ پس اب تم آپ ہی سوچو اور اپنے دلوں میں آپ ہی خیال کرو اور اپنی نگاہوں میں آپ ہی جانچو۔ کہ جس حالت میں دنیوی امور کے لئے جو کہ مشہود اور محسوس ہیں دوسرے رفیقوں کی حاجت پڑے تو پھر ان امور کے لئے کہ جو اس عالم سے وراء الوراء اور غیب الغیب اور اخفی من الاخفی ہیں کس قدر زیادہ حاجت ہے۔ اور جس حالت میں مجرد عقل دنیا کے سہل اور آسان امور کے لئے بھی کافی نہیں تو پھر امور معاد کے دریافت کرنے میں کہ جو ادق اور الطف ہیں کیونکر کافی ہو سکتی ہے اور جبکہ تم معاشرت کے ناپائدار اور ناچیز کاموں میں جن کا نفع نقصان ایک گذر جانے والی چیز ہے مجرد قیاس اور عقل کو قابلِ اطمینان نہیں سمجھتے تو پھر آپ لوگ امور معاد میں جن کے آثار دائمی اور جن کے خطرات لاعلاج ہیں فقط اسی عقل ناقص پر کیونکر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے ہیں۔ کیا یہ اس بات کا عمدہ ثبوت نہیں کہ آپ لوگوں نے آخرت کے فکر کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے اور جیفۂ دنیا بڑا لذیذ اور مزیدار معلوم ہو رہا ہے ورنہ کیونکر باور کیا جائے کہ خدا نے اتنی بھی تمہیں سمجھ نہیں دی کہ جس حالت میں اس کریم مطلق نے دنیا کے ناپائدار امور میں عقل انسانی کو تن تنہا نہیں چھوڑا بلکہ کئی رفیقوں سے تقویت بخشی ہے تو دار آخرت کے نازک اور دقیق مہمات میں جو باقی اور دائم ہیں اس کی رحمتِ عظیمہ کا ازلی اور ابدی خاصہ کیوں مفقود ہو گیا کہ اس جگہ عقل غریب اور سرگردان کو رفیق کامل کے اشتمال سے تقویت نہ بخشی اور ایسا مصاحب اس کو عنایت نہ کیا کہ جو اس ملک کے کلی اور جزئی امور سے ذاتی واقفیت رکھتا اور رویت کے گواہ کی طرح خبر دے سکتا تا قیاس اور تجربہ دونوں مل کر انواع اقسام کی برکتوں کا چشمہ ٹھہرتے اور طالبِ حق کو اس مرتبہ کمال معرفت تک پہنچا سکتے جس کے حصول کا جوش اس کی فطرت میں ڈالا گیا ہے نہ معلوم آپ لوگوں کو کس نے بہکا دیا کہ یہ سمجھ لئے ہیں کہ گویا عقل اور الہام میں کسی قدر باہم تناقض ہے۔ جس کے باعث وہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے خدا تمہاری آنکھیں کھولے اور تمہارے دلوں کے پردے اٹھا دے کیا تم اس آسان بات کو نہیں سمجھ سکتے کہ جس حالت میں الہام کی طفیل سے عقل اپنے کمال کو پہنچتی ہے اپنی غلطیوں پر متنبہ ہوتی ہے اپنے راہِ مقصود کی سمت خاص کو دریافت کر لیتی ہے۔ آوارہ گردی اور سرگردانی سے چھوٹ جاتی ہے اور ناحق کی محنتوں اور بے ہودہ مشقتوں اور بے فائدہ جان کنی سے رہائی پاتی ہے اور اپنے مشتبہ اور مظنون علم کو یقینی اور قطعی کر لیتی ہے اور مجرد اٹکلوں سے آگے بڑھ کر واقعی وجود پر مطلع ہو جاتی ہے تسلی پکڑتی ہے آرام اور اطمینان پاتی ہے تو پھر اس صورت میں الہام اس کا محسن و مددگار اور مربی ہوا یا اس کا دشمن اور مخالف اور ضرر رساں ہوا۔ یہ کس قسم کا تعصب اور کس نوع کی نابینائی ہے کہ جو ایک بزرگ مربی کو جو صریح رہبری اور رہنمائی کا کام دے رہا ہے۔ رہزن اور مزاحم تصوّر کیا جاتا ہے۔ اور جو گڑھے سے باہر نکالتا ہے اس کو گڑھے کے اندر دھکیلنے والا سمجھ رہے ہیں۔ سارا جہان جانتا ہے اور تمام آنکھوں والے دیکھ رہے ہیں اور غور کرنے والی طبیعتیں مشاہدہ کر رہی ہیں کہ دنیا میں عقل کی خوبی اور عظمت کو ماننے والے لاکھوں ایسے ہو گذرے ہیں۔ اور اب بھی ہیں کہ جو باوجود اس کے کہ عقل کے پیغمبر پر ایمان لائے اور عاقل کہلائے اور عقل کو عمدہ چیز اور اپنا رہبر سمجھتے تھے۔ مگر باایں ہمہ خدا کے وجود سے منکر ہی رہے اور منکر ہی مرے۔ لیکن ایسا آدمی کوئی ایک تو دکھلاؤ کہ جو الہام پر ایمان لاکر پھر بھی خدا کے وجود سے انکاری رہا پس جس حالت میں خدا پر محکم ایمان لانے کے لئے الہام ہی شرط ہے تو ظاہر ہے کہ جس جگہ شرط مفقود ہو گی اس جگہ مشروط بھی ساتھ ہی مفقود ہو گا۔ سو اب بدیہی طور پر ثابت ہے کہ جو لوگ الہام سے منکر ہو بیٹھے ہیں۔ انہوں نے دیدہ و دانستہ بے ایمانی کی راہوں سے پیار کیا ہے اور دہریہ مذہب کے پھیلنے اور شائع ہو جانے کو دروازہ کھولا ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ نمبر ۱۱ صفحہ ۲۹۵ — ۲۹۷)

عارف ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سلام اللہ علیہ

شکر کیا ہے؟

شکر کی اصل کے متعلق تو اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد ہے ۔ لئن شکرتم لازیدنکم اگر تم شکر کروگے تو میں انعامات میں اضافہ کرتا رہوں گا اور حدیث میں عطاءؒ سے مروی ہے ۔ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعجب انگیز بات دیکھی ہو وہ بیان کیجئے پس وہ آبدیدہ ہوگئیں اور فرمایا کہ آپ کی کوئی بھی بات عجیب سے خالی نہ تھی ۔ آپ ایک رات میرے پاس تشریف لائے ۔ میرے بستر میں لیٹ گئے ۔ تھوڑا عرصہ آرام کیا پھر فرمایا اے ابوبکر کی بیٹی مجھے اجازت دے کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کرلوں ۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! مجھے آپ کا قرب محبوب ہے ، لیکن میں آپ کی مرضی کو اپنی مرضی پر ترجیح دیتی ہوں ، آپ اللہ تعالےٰ کی عبادت کیجئے ۔ پھر آپ پانی کے ایک مشکیزہ کے پاس کھڑے ہوکر وضو کرنے لگے ۔ آپ نے خوب اچھی طرح وضو کیا ۔ پھر آپ کھڑے ہوکر نوافل ادا کرنے لگے تو رو پڑے اور آنسو سینہ پر جاری ہوگئے پھر آپ نے رکوع کیا اور اس میں بھی روتے رہے ۔ پھر سجدہ کیا اس میں بھی [illegible] سر اُٹھاتے وقت بھی روتے تھے ۔ پس آپ اسی طرح روتے رہے [illegible] کہ بلال رضؓ نے فجر کی جماعت کے لئے اطلاع دی کہ وقت ہوگیا ہے ۔

پھر عائشہ رضؓ فرمانے لگیں میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو کس بات کا غم اس قدر رلا رہا ہے ۔ آپ کی اللہ تعالےٰ نے اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دی ہیں تو آپ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالےٰ کا شکریہ ادا نہ کروں کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں ، اور کیوں نہ ایسا کروں جبکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ان فی خلق السموٰت والارض لآیٰت ۔ کہ زمین و آسمان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عبرت کے نشانات ہیں ۔ اور محققوں کے نزدیک شکر دراصل منعم کی نعمتوں کا عاجزی کے ساتھ اقرار کا نام ہے اور اسی لحاظ سے اللہ تعالےٰ نے اپنے آپ کو الشکور سے موصوف کیا ہے ۔ کہ وہ شکر ادا کرنے پر بندوں کو جزا دیتا ہے ۔ تو شکر کی جزا کا نام شکر رکھا گیا جیسے ارشاد باری ہے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا برائی کی سزا اس جیسی برائی ہے اور کہا گیا ہے کہ شکر حقیقۃً محسن کی تعریف کو کہتے ہیں ۔ جو اس کے احسان کے سلسلے میں کی جائے ۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر بندہ کے لئے یہ ہوتا ہے ۔ اللہ تعالےٰ بندہ کی اپنے احسان کے ذکر پر تعریف کرتا ہے ۔ پھر بندہ کا احسان اللہ تعالےٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ہے ۔ اور خدا تعالیٰ کا احسان بندہ پر انعام کرنا ہے ، اور درحقیقت بندہ شکر کی زبان سے خدائی انعامات کا ذکر اور دل سے ان کا اقرار کرنا ہے ۔

پھر شکر کی چند قسمیں ہیں ، ایک زبانی شکر ، وہ نعمتوں کا نیاز مندی سے اقرار کرنے کا نام ہے ، اور دوسرا بدن اور اعضاء کا شکر کہ وہ وفاداری اور خدمت مولا سے موصوف ہونے کا نام ہے ۔ اور تیسرا دلی شکر کہ حرمت کی دائمی حفاظت کرتے ہوئے حضوری و شہود کے فرش پر کھڑا ہونے کا نام ہے ۔ اور کہا گیا ہے ، کہ آنکھوں کا شکر اپنے دوست کے عیب چھپانے کا نام ہے ۔ اور کانوں کا شکر یہ ہے کہ دوست کے جن عیبوں کو سُنے چھپا دے ، خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا تعالےٰ اور اس کی نعمتوں کی نافرمانی نہ کرے ، اور کہا گیا ہے کہ شکر لوگوں کی شکر گذاری کا نام ہے ۔ جن میں لوگوں کے اقوال حسنہ بھی شامل ہیں ۔ اور عابدوں کا شکر ان کے افعال اور عبادت سے عبارت ہے ، اور عارفوں کا شکر ان کا اللہ تعالےٰ کی عبادت میں اپنے جمیع حالات اور اعتقادات میں استقامت اختیار کرنا ہے کہ سب بھلائی جو ان میں پائی جاتی ہے اور جو اطاعت اور بندگی اور ذکر الٰہی کہ ان سے ظاہر ہوتا ہے سب اللہ تعالےٰ کی توفیق انعام اور مدد اور قوت سے ہے ۔ اور ہر حال میں رضاءِ مولےٰ میں فنا ہو جانے اور عاجزی قصور اور جہالت کے انکسار سے اقراری ہوتے ہیں ۔ اور ابوبکر وراق رحؒ نے کہا ہے کہ نعمت کا شکریہ ہے ، کہ محسن کے احسان کو دیکھ کر اس کی حرمت کی نگہداشت کی جائے ۔ اور کہا گیا ہے کہ شکر یہ ہے کہ اپنے وجود کو نعمتوں کا طفیلی سمجھے ، اور ابو عثمان رحؒ نے کہا ہے ۔ کہ شکر یہ ہے کہ شکر ادا کرنے سے عجز کی معرفت حاصل ہو جائے ۔ اور یہ خیال کرے کہ میں شکر ادا کرنے سے عاجز ہوں ۔ اور کہا گیا ہے کہ شکر پر شکر ادا نہ کرنا شکر سے بھی بڑھ کر ہے اور اپنے شکر کو توفیق الٰہی سے خیال کرے ۔ اور توفیق بھی خدا کا انعام ہے جس پر شکر واجب ہے ۔ اور یہ شکر پر شکر لا متناہی ہے ۔ اور جنید رحؒ نے کہا ہے ، کہ شکر یہ ہے کہ اپنے نفس کو نعمتوں کے لائق نہ سمجھے ، اور کہا گیا ہے کہ شاکر وہ ہے کہ موجودہ چیز پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو غیر موجود چیز پر شکر ادا کرے اور کہا گیا ہے ، کہ شاکر وہ ہے کہ انعام پر شکر کرے : اور شکور وہ ہے جو اس کی بندش پر شکر کرے ۔ اور کہا جاتا ہے کہ شاکر وہ ہے جو عطیہ پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو تکلیف پر شکر کرے ۔ کہا جاتا ہے کہ شاکر وہ ہے کہ خرچ کرتے وقت اور [illegible] کے وقت شکر کرے) اور شکور وہ ہے کہ نعمت کی تاخیر کے وقت شکر کرے ۔ (ابو) شبلی رحؒ نے کہا ہے کہ شکر منعم کے دیکھنے کا نام ہے نہ کہ نعمت کے ، اور کہا گیا ہے کہ شکر حاصل شدہ نعمت کو مضبوط پکڑ کر غیر موجود نعمت کے [illegible] کرنے کا نام ہے اور ابو عثمان رحؒ نے کہا ہے کہ عام لوگوں کا شکر کھانے پینے کی چیزوں پر ہوتا ہے ۔ اور خواص کا ان نعمتوں اور [illegible] ان کے قلب پر معانی اور حقائق خفیہ کے نزول ۔ [illegible] کا ارشاد ہے وقلیل من عبادی الشکور کہ میرے شکور بندے بہت کم ہیں) ۔ اور داؤد علیہ السلام نے فرمایا "خدایا! میں تیرا شکریہ کس طرح ادا کروں کیونکہ میرا شکر بھی تیری نعمتوں میں سے ایک ہے ، جس پر خدا تعالےٰ نے وحی کی "اب تو تیرا شکر ادا ہوگیا" اور کہا گیا ہے کہ جب نعمتوں کی مکافات سے عاجزی دیکھنے کی طاقت [illegible] زبان سے بہت شکر گذاری کا نام ہی شکر ہے ، اور کہا گیا ہے کہ [illegible] اور [illegible] مغفرت کی بشارت دی گئی اور زندگی کی خواہش کی ، تو پوچھا گیا ، [illegible] ؟ کہا اس لئے [illegible] اور شکر ادا کروں ، کیونکہ اس سے پہلے تو استغفار اور عبادت کرتا تھا ۔ اور کہا گیا ہے کہ ایک نبی کسی پتھر کے پاس سے گذرے ۔ کیا دیکھا کہ پتھر تو چھوٹا ہے مگر اس سے بہت سا پانی پھوٹ رہا ہے حیران ہوئے ، خدا نے پتھر کو زبان دی ۔ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے ۔ تو اس نے بتایا کہ جب سے یہ آیت سنی ہے ۔ کہ وقودھا الناس والحجارۃ الخ کہ دوزخ کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے ۔ [illegible] سے میں اس خوف کے مارے رو رہا ہوں ہے تب انہوں نے حضرت باری سے پتھر کی نجات کے لئے دعا کی جس پر وحی ہوئی کہ ہم نے اسے دوزخ سے نجات دی ، وہ پیغمبر دعا سے فارغ ہوکر پتھر کی طرف لوٹے دیکھا کہ پہلے سے بھی زیادہ پانی آنکھوں سے بہہ رہا ہے ۔ اس پر پوچھا کہ اب کیوں روتا ہے ؟ تو تو دوزخ کی [illegible] سے نجات پاگیا ہے ، اس نے جواب دیا کہ اب بطور شکر خوشی سے روتا ہوں ، اور ارشاد باری تعالےٰ ہے ۔ ان اللہ مع الصابرین ۔ اللہ تعالےٰ اس کی راہ میں دکھ اُٹھانے والوں کے ہمراہ ہے اور کہا گیا ہے کہ حمد سانسوں پر اور شکر حواس پر ہوتا ہے ، اور حدیث میں مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالےٰ کے حمادین (بہت زیادہ حمد کرنے والے) جنت میں بلائے جائیں گے ، اور کہا گیا ہے کہ حمد اس چیز پر ہوتی ہے جو دور کی جاتی ہے اور شکر اس پر جو دی جاتی ہے ۔

(غنیۃ الطالبین)

جلسہ پشاور کی نئی تاریخ

جماعت احمدیہ پشاور کا سالانہ تبلیغی جلسہ اب ۴ر مئی کی بجائے ۱۸ مئی کو منعقد ہوگا احباب نوٹ فرمالیں اور شرکت کرکے اشاعت اسلام کی برکات حاصل کریں ۔

محمد الرحمٰن سیکرٹری جماعت احمدیہ پشاور

ہفت روزہ پیغام صلح ــــــــ لاہور ــــــــ ۱۴ مئی ۱۹۷۵ء

کلمہ گو ــــــــ کافر؟

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

دنیا میں جس قدر انبیاءؑ مبعوث ہوئے انہوں نے لوگوں کو خدائے واحد پر ایمان اور اپنی رسالت کے اقرار کی دعوت دی اسی لئے اُمتِ مُسلمہ کے ایمان کی اساس کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت پر ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو خوش نصیب لوگ کلمہ طیبہ کا اقرار کرتے تھے امتِ مسلمہ میں داخل ہو جاتے تھے۔ اُمت کا چودہ سو سال سے اسی صداقت پر ایمان چلا آیا ہے اور آج بھی جب ہم کسی شخص کو دائرہِ اسلام میں داخل کرتے ہیں تو اس سے اللہ تعالےٰ کی توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کراتے ہیں۔ اس کے برعکس جب کوئی شخص خدا کی وحدانیت یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت یعنی کلمہ طیبہ کا انکار کرے تو وہ خود بخود دائرہِ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

لیکن کسی وقت کسی بدبخت نے اس اساس کو توڑ ڈالا۔ کلمہ طیبہ پر ایمان رکھنے والوں کی تکفیر شروع کر دی اور اس سے اسلام میں فتنہ کا دروازہ اس قدر چوپٹ کھلا کہ افضل الاُمت، اوّل المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر آج ہر سادہ ترین مسلم تک شمشیرِ تکفیر کا کشتہ ہے مکفرین کے سحر کی بدولت ایک بھی کلمہ گو مسلم نہیں۔ اور کسی بھی مکفر کو اس فعل کے گھناؤنے پن اور فتنے کا احساس تک نہیں۔

ایک اصول } ہمارا ایمان ہے کہ جو شخص کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا زبان سے اقرار و اعلان کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول پاکؐ کی نظروں میں مسلم اور دائرۂ اسلام میں داخل ہے اور جو شخص تکفیرِ مسلم کا مقر ہے وہ اسلام کا منہ چڑاتا ہے اور اپنی ہوا و ہوس کو اللہ اور رسول کی تعلیمات پر ترجیح دیتا ہے۔ لیکن اسلام اور ختمِ رسالت کے تقاضے کے خلاف شیطان کا تکفیر المسلمین کا حربہ اب تک کامیاب چلا آ رہا ہے۔ اس لئے اس کے ابطال کے لئے ضروری ہے کہ ہم قرآن و سنت کی روشنی میں معیارِ اسلام کا جائزہ لیں۔

دین اسلام کی اساس رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب اور آپ کی [illegible] پر ہے۔ ان دونوں میں مرکزیت رسالت (آئیڈیالوجی) کو حاصل ہے، اور رسول پاکؐ اس تصورِ ہدایت کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے وسیلہ ہیں۔ سلسلہ انبیاءؑ پر نگاہ ڈالنے سے ظاہر ہے کہ انبیاءؑ بدلتے رہے ہیں لیکن رسالت میں تبدیلی نہیں آئی اور انسانوں کو خدائے واحد کی عبادت اور حیات بعد الممات یعنے یوم الحساب کی اساسی تعلیم دی جاتی رہی، گویا کہ بنیادی شئے رسالت (نظریہ و تصورِ ہدایت) ہے رسولؐ کی ذات نہیں گو رسولؐ کے بغیر رسالت کا تصور ممکن نہیں مگر وہ رسالت میں کسی تغیر و تبدل کا مجاز نہیں اور نہ اس کے خلاف کر سکتا ہے۔ قرآن حکیم نے ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم (محمدؐ تو صرف ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول ہو گذرے ہیں۔ تو کیا وہ فوت ہو گئے یا قتل کر دیئے گئے تو تم اسلام ہی سے منہ موڑ لو گے) کے الفاظ میں بھی مرکزی مقام رسول کو نہیں پیامِ رسالت ہی کو دیا ہے۔

اسی طرح تجدید دین کے سلسلہ میں ایک تو مجدد کی شخصیت ہے اور دوسرا اس کا تجدیدی کام اور وہ علم و معرفت قرآن اور حکمت و فراست جو اسے تجدید کے لئے دی جاتی ہے) تجدید دین میں مرکزی مقام تجدیدی کام، مقصود اور مشن کو ہی حاصل ہوتا ہے مجددین کی ذات کو نہیں۔ اس فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے کم علم، کوتاہ نظر پیرو کاروں نے ہمیشہ اکثر مجددین کی شخصیت کو ان کے مقصد پر ترجیح دی، ان کی شخصیت بحث و تمحیص اور کفر و ایمان کا محور بن گئی اور جو تجدیدی مقصد انکے پیشِ نظر ہوتا تھا وہ پسِ پشت پڑ جاتا۔ اس سلسلہ میں تقدم و تاخر کو ملحوظ نہ رکھنے سے ان بزرگوں کی ذات کفر و ایمان کا معیار بن گئی اور اُمت میں فتنہ و فساد کو تقویت پہنچی۔

کفر و ایمان کی کسوٹی } ہمارے معتقدات و ایمان کی اساس قرآن حکیم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان اتبع الا ما یوحیٰ الیؔ کے مطابق قرآن پر کاربند تھے، ہم انہی احادیث کو حجت مانتے ہیں جو قرآن حکیم کے مطابق ہوں، قرآن کے بعد ہم صحیح بخاری کو اس شرط کے ساتھ مانتے ہیں کہ اس کی احادیث قرآن سے موافقت رکھتی ہوں، اس کے بعد صحیح مسلم کا مقام ہے اور صحیحین کے بعد احادیث کی دیگر چار کتب سے سند پکڑتے ہیں بشرطیکہ وہ صحیحین کے مطابق ہوں، ہمارے نزدیک احادیث اور دیگر کتب دینیہ کے پرکھنے کا معیار محض کتاب اللہ القرآن اور محض قرآن ہے اگر کوئی حدیث یا بڑے سے بڑے بزرگ کا قول بظاہر قرآن حکیم کے خلاف معلوم ہوتا ہو تو ہم اسے قرآن پاک سے تطبیق دینے کی کوشش کریں گے اور اگر تضاد دُور نہ ہو سکے تو ہم ایسی حدیث یا بزرگ کے قول کو قرآن کے مقابل ترک کر دیں گے اور کسی ایسے قول کا کسی مجدد، ولی اللہ، امام یا عالم سے منسوب ہونا ہمیں قرآنی معیار اور جادہ حق و صواب سے منحرف نہیں کر سکے گا۔

قرآن اور مسلمان } جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ قرآن کی رو سے مسلمان وہی ہے جو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مومن اور اقراری ہے۔ اور اس کلمہ طیبہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالےٰ کی وحدانیت پر ایمان لاتا ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول مانتا ہے، اور آپ کی رسالت (قرآن حکیم) کو خدا کی کتاب مانتا ہے اور جب تک یہ کلمہ طیبہ پڑھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی اور قرآن کو مکمل اور آخری ضابطہ ہدایت تسلیم کرتا ہے۔ مسلمان کی یہی تعریف ہے جسے آج بھی تمام عالمِ اسلام تسلیم کرتا ہے۔ اور اسلام کی رُو سے ان اساسی معتقدات کے سوا کوئی کتاب، کوئی روایت، کوئی شخصیت مومن بہ نہیں۔ ختمِ نبوت و رسالت اور اکمال کتاب اللہ کے بعد کوئی شخص ایمانیات میں داخل نہیں۔ نہ ہی وہ قرآن کے علاوہ ایمانیات کا کوئی نیا معیار قائم کرنے کا مجاز ہے۔ نہ وہ دین میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کمی، جب نبی کو کمی بیشی کرنے کا مقام حاصل نہیں تو کوئی دوسرا کس شمار میں ہے۔

حضرت مرزا صاحبؑ کی تحریرات } ہمارا یقین ہے کہ حضرت مرزا صاحبؒ دین کے خادم تھے۔ آپ نے دین میں نقطہ یا شوشہ کی کمی بیشی نہ کی اور نہ ہی آپ کو ایسا کرنے کا حق تھا۔ یہی مقام اس امت کے دیگر مجددین اور صلحاء کا تھا۔ آپ سے پہلے بھی کسی مجدد نے کسی مسلمان کو اس بناء پر کافر قرار نہیں دیا کہ وہ میرے دعوے اور مقام کا منکر ہے۔ اور نہ ہی انہیں اس بات کا قرآن نے اختیار دیا تھا۔ حضرت مرزا صاحبؒ نے بھی یہی موقف اختیار کیا، آپ نے کلمہ گو کی تکفیر کی ہمیشہ مذمت کی اور اس امت میں تکفیر کے سلسلہ میں یہ عظیم اصول پیش کیا:-

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے، کہ اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں، لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں، گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلےٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہو جاتا۔" (تریاق القلوب حاشیہ صفحہ ۱۳۰)

یہ نکتہ عین قرآن حکیم کے مطابق ہے (۱) اس امت میں اب وہی شخص کافر قرار دیا جا سکتا ہے جو صاحب شریعت اسلامیہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرے (۲) آپ پر شریعت ختم ہو چکی ہے، اس لئے اس امت کا بڑے سے بڑا مسلمان محدث ہو یا ملہم اس مقام پر نہیں کہ اس کے منصب کو تسلیم نہ کرنے سے کوئی دوسرا مسلمان کافر ہو جائے (۳) حضرت مرزا صاحب چونکہ صاحب الشریعت نہ تھے اس لئے آپ کے دعاوی کا انکار کرنے والا کلمہ گو

بدستور مسلمان ہی رہتا ہے۔ آپ سے پہلے بھی تمام بزرگانِ امت اسی مقام پر تھے، اور امت میں کوئی ایک بھی مجدد، ملہم اور محدث نہیں گذرا جس نے اپنے مقام کے منکرین کو کافر قرار دیا ہو یا بعض ملاؤں کی باتوں میں الجھ کر اُمتِ مسلمہ سے کٹ کر اپنے دعوے کے انکار کو اساس قرار دے کر دینی اور مجلسی معاملات سے انقطاع کر لیا ہو۔

اس کے بعد اگر کوئی شخص پہلے بزرگوں یا خود حضرت مرزا صاحب کی بعض تحریرات سے کوئی دوسرا مفہوم لیتا ہے، تو وہ قرآن سے دشمنی کرتا ہے۔ اور اس امت میں فساد اور بگاڑ پیدا کرتا ہے۔ اگر ایسے بزرگ کی بعض تحریروں سے قرآن کے ارشاد اور خود اس بزرگ کے مسلمات کی تردید ہوتی ہو، تو لازم ہے کہ ان کی قرآن کی روشنی میں تاویل کی جائے۔ اور اس بزرگ کے متشابہات کو محکمات کے تحت کیا جائے۔ اور اگر پھر بھی اس کی کوئی تحریر محکمات قرآنی سے ٹکرائے تو اسے رد کر دیا جائے، کیونکہ اس بزرگ کی تحریر قرآن کے مقابلہ میں حجتِ شرعی نہیں اور اس قابل ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے۔

حضرت مرزا صاحب لا تکفروا اھل قبلتکم پر سختی سے پابند تھے۔ علماء نے آپ پر ۱۸۹۱ء میں فتوی کفر لگایا۔ لیکن آپ اپنے مسلمان ہونے پر قرآن پاک اور کلمہ طیبہ کو گواہ ٹھہراتے رہے۔ آپ خود اور آپ کی جماعت فتوی کفر لگنے کے باوجود دوسرے مسلمانوں کی نمازوں اور دکھ درد میں شریک ہوتے رہے اور جب احمدیوں کو بعض مقامات پر زدوکوب کیا گیا۔ تو آپ نے مصلحتاً فتنہ سے بچنے کے لئے اپنے مریدوں کو ایسے مقامات سے روکا، لیکن یہ دین نہیں تھا۔ وقتی مصلحت اور مجبوری تھی۔ اسی لئے جہاں کہیں حالات موافق ہوئے تو آپ نمازوں اور جنازوں میں شرکت اور شادیوں کی اجازت دی۔ حتیٰ کہ جب وفات سے ۹ دن قبل میاں سر فضل حسین نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے مکفر مولویوں کو بھی مقابلے میں کافر نہ کہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں حدیث نبویؐ کے خلاف تو نہیں کر سکتا لیکن اگر یہ مکفر کفر کا فتوی واپس لے لیں اور مجھے اور میری جماعت کو مسلمان سمجھ لیں تو میں اپنی جماعت کو ان کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت دے دوں گا۔

لیکن اگر محکمات کے برعکس کوئی اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ حضرت صاحب محض اپنے نہ ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے تھے، تو اسے معلوم ہو کہ ہمارے لئے فیصلہ کن کتاب قرآن مجید ہے، اور ہم اصولی طور پر بڑے سے بڑے ولی اللہ کو بھی یہ مقام نہیں دیتے کہ ان کے مقام کے نہ ماننے والے کلمہ گو کو کافر کہیں کیونکہ یہ مقام صرف حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے ؟

محترم شیخ فضل الرحمٰن صاحب کارکن

جماعتِ احمدیہ لاہور کا مستقبل

موجودہ حالات نے جہاں اس جماعت سے وابستگان کے لئے مصائب مشکلات کو جنم دیا ہے وہاں حیاتِ نو کے مواقع بھی فراہم کئے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کے لئے کار کرنے کا اتنا وسیع میدان بہم پہنچایا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، علاوہ ازیں ایک بیش قیمت علمی خزانہ اس جماعت کے لئے ورثہ میں چھوڑا ہے جس کے فیوض کبھی ختم ہونے میں نہیں آئیں گے۔ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کے بہاؤ کو کبھی روکا نہیں جا سکتا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ہم اس سمندر کے تیراک ہیں یا نہیں ہمیں اپنی جانچ کر لینی چاہیئے اگر ہم اس سمندر کے تیراک نہیں تو ہمیں ایمانداری کے ساتھ اس سلسلہ عالیہ سے اپنے کو الگ کر لینا چاہیئے تاکہ اپنے قول و فعل سے اس مقدس سلسلہ کی بدنامی کا باعث نہ بنیں۔

ہمیں ہمارے مسلمان بھائیوں نے اپنی برادری سے خارج کر دیا ہے ان کا یہ فیصلہ اچھا ہے یا بُرا ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی اس بارے میں آئندہ بلا ضرورت کوئی تبصرہ وغیرہ کرنا چاہیئے کیونکہ اب اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

حضرت صاحب کے دعاوی میں سے ایک دعوےٰ مسیح موعود ہونے کا ہے زمانہ کے لحاظ سے اس دعوے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مگر ہم نے اس دعوے کے اغراض و مقاصد کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ اب خدا نے ہمیں ایک موقعہ فراہم کیا ہے کہ اس دعویٰ کے اغراض و مقاصد کو اپنے پیش نظر رکھتے ہوئے ایک ایسا لائحہ عمل تیار کریں جو ہماری گذشتہ فروگذاشتوں کا ازالہ کر سکے۔

ہم نے اپنے مدِمقابل ہمیشہ اہلِ ربوہ کو رکھا ہے یا پھر بے دلی کے ساتھ مسلمانوں کی طرف متوجہ رہے ہیں۔ اور یہی وجہ ہماری جماعت کی کمزوری اور بے حسی کا باعث ہوئی ہے۔ یہ کام ہمارا نہ تھا جسے ہم نے اپنائے رکھا۔

حضرت صاحب نے مسلمانوں میں سے جوہر قابل کو چن لیا تھا اور ایک فعال جماعت اپنے گرد جمع کر لی تھی۔ اپنے وقت میں اس جماعت نے زبردست مخالفت کے باوجود اپنوں اور پرائیوں سے تعریف کرائی اور ٹھیٹھ اسلامی نمونہ پیش کرنے کے سرٹیفکیٹ حاصل کئے کیا وجہ ہے کہ آج ہم غیر مسلم بنائے جا رہے ہیں ظاہر ہے ہمارے اعمال وہ نہیں رہے جو ہونے چاہیئے تھے۔

ہمیں اپنے اصل میدان میں اُتر آنا چاہیئے وہ میدان ہے عیسائیت کا میدان اس میدان میں مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات کی ترویج کی جائے تو نتائج اچھے نکلیں گے۔ کیونکہ عیسائی قوم حضرت مسیحؑ کی آمد ثانی کی بڑی بیقراری کے ساتھ منتظر ہے۔ قریب ہے کہ عیسائی دنیا مایوس ہو کر دہریت کے اندھیرے غار میں گر جائے۔ یہ اس جماعت کا کام ہے کہ عیسائیوں کو مسیح کی آمد ثانی کی حقیقت بتلائے اور بڑے زور شور کے ساتھ حضرت صاحب کا وہ لٹریچر جو عیسائیت سے متعلق ہے شائع کر کے پڑھے لکھے عیسائیوں تک پہنچائے علاوہ ازیں عیسائیوں کے اونچے طبقہ کے ساتھ رابطہ قائم کر کے ان کو جماعت احمدیہ میں شامل کر کے حضرت صاحب کے کسرِ صلیب کے مشن کو مکمل کیا جائے۔

اس سارے کام کے علاوہ جماعت کی تطہیر بھی کی جائے کیونکہ احمدیت کوئی مذہب نہیں ہے مذہب صرف اسلام ہے اور اسلام سے وابستہ لوگ مسلم کہلاتے ہیں اس ناطے سے ہم سب مسلمان ہیں اور ہمارا دین اسلام ہے احمدیت ایک مشن ہے جو فروغ اسلام اور باطل کے رد کے لئے قائم کیا گیا تھا یہ ایک ربانی سلسلہ ہے جس کی ممبری صاحب ایسے لوگ کر سکتے ہیں جو دس شرائط بیعت پر سختی

(باقی کالم اوّل کے نیچے) ۲۴

سے پابندی کرتے ہوں یہ سلسلہ مودودی نہیں ہے جیسا کہ بنا دیا گیا ہے اس کے ہر ممبر کو بیعت کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ جب تک کوئی شخص انشراح صدر سے بیعت نہیں کرتا اور پبلک میں اس برادری میں شمولیت کا اعلان نہیں کرتا وہ احمدی نہیں ہو سکتا معاون ضرور ہو سکتا ہے۔

جماعت کے استحکام کی خاطر تمام ممبران سے دوبارہ بیعت لی جائے اور ان کے نام اور پتے اخبارات میں شائع کرائے جائیں اخبارات سے مراد پبلک اخبار ہیں تاکہ عوام الناس کو علم ہو سکے اور ممبران کی ایک لسٹ حکومت کے پاس بطور ریکارڈ دی جائے تاکہ حکومت ہر کس و ناکس کو احمدی قرار نہ دیتی پھرے۔ نیز اس طرح جماعت کے اندر انتشار پیدا کرنے والے لوگ بھی ایک ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان لوگوں میں اتنی ہمت نہیں کہ پبلک میں اپنے کو بطور احمدی پیش کر سکیں ؟

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

بانی سلسلۂ احمدیہ کے چند الہامات و کشوف

اور جماعت احمدیہ لاہور کی عظیم اسلامی خدمات و واقعاتِ حقّہ کی روشنی میں

(۱)

(حضرت بانی سلسلہؑ نے بمصداق الہام الٰہی واصنع الفلک باعیننا و وحینا نہ صرف جماعت احمدیہ کو قائم کیا بلکہ آپ کے الہامات اور کشوف میں اس امر کا صاف صاف ذکر موجود ہے کہ آپ کے بعد اس جماعت میں پھوٹ پڑنے والی ہے اور قادیان کے مرکز سے علیحدہ آپ کی ایک شاخ لاہور میں بمطابق الوصیت قائم ہوگی جو اگرچہ ابتداء میں قلیل اور کمزور ہوگی لیکن آخر کار اسی کو غلبہ حاصل ہوگا۔ نیز اس کی قلت کثرت میں اور کمزوری قوت میں محض قدرت ربّی اور معجزہ خداوندی کے ماتحت بدل دی جائے گی۔ یہ الہامات اور کشوف کتاب "تذکرہ" کا ایڈیشن اوّل ۱۹۳۵ء شائع شدہ از قادیان کے حوالوں سے دیئے جاتے ہیں۔)

۱۔ "خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کا ہوگا۔ پس یہ پھوٹ کا ثمرہ ہے"
"طوفان آیا وہی طوفان۔ شر آئی" (صفحہ ۶۶۲)

اس جگہ لفظ مسلمان اصطلاحی معنوں میں استعمال نہیں ہوا بلکہ حضرت اقدسؑ کے ماننے والوں کے معنی میں ہوا ہے۔ جس طرح دوسری جگہ آپ کے الہام میں لفظ کفروا منکرین سلسلہ کے لئے آیا ہے۔ چنانچہ تذکرہ صفحہ ۶۰ پر اس طرح تحریر ہے:۔

"یہ آیت وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ اس قدر متواتر ہوئی کہ جس کا شمار خدا ہی کو معلوم ہے اور اس قدر زور سے ہوئی کہ میخ فولادی کی طرح دل کے اندر داخل ہوگئی اس سے یقیناً معلوم ہوا کہ خداوند کریم ان سب دوستوں کو جو اس عاجز کے طریق پر قدم ماریں بہت سی برکتیں دے گا اور ان کو دوسرے طریق کے لوگوں پر غلبہ بخشے گا۔ اور یہ غلبہ قیامت تک رہے گا اور اس عاجز کے بعد کوئی مقبول ایسا آنے والا نہیں کہ جو اس طریق کے مخالف قدم مارے اور جو قدم مارے گا اس کو خدا تباہ کر دے گا اور اس کے سلسلہ کو پائیداری نہیں ہوگی۔ یہ خدا کی طرف سے وعدہ ہے جو ہرگز تخلف نہیں کرے گا۔

اور کفر کے لفظ سے اس جگہ شرعی کفر مراد نہیں۔ صرف انکار مراد ہے۔ غرض یہ وہ سچا طریقہ ہے جس میں ٹھیک ٹھیک حضرت نبی کریمؐ کے قدم پر قدم ہے اللھم صلی علیہ وآلہ وسلم۔"

ان الہامات سے یہ امر واضح ہے کہ جب جماعت احمدیہ میں پھوٹ یا تفرقہ ہوگا تو دونوں فریقوں میں سے خدا تعالےٰ کی معیت اور نصرت ایک فریق کو حاصل ہوگی دوسرے کو نہ ہوگی۔ پھر الہام وجاعل الذین اتبعوک ..... الخ سے عیاں ہے کہ جماعت احمدیہ کو ہمیشہ قیامت تک غلبہ نصیب ہوگا اور یہ غلبہ کبھی اسی فریق کے لئے مقدر ہو چکا ہے جس کا ذکر پہلے الہام میں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ دونوں فریقوں میں سے وہ کونسا فریق ہے جس کے آخری غلبہ کی خبر ان الہامات میں دی گئی ہے؟ اس کی نسبت ہمیں مندرجہ ذیل الہامات اور کشوف کی جانب رجوع کرنا ہے۔

قلیل فریق کے غلبہ کی بشارات

"میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس اور اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا۔ اور وہ مسلمانوں کے اس دوسرے گروہ پر تا بروز قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے۔ خدا انہیں نہیں بھولے گا اور وہ علیٰ حسب الاخلاص اپنا اپنا اجر پائیں گے۔" (صفحہ ۱۴۴)

اس الہام میں صاف و صریح طور پر دو فریقوں کا ذکر ہے ایک خالص اور دلی محبوں کا گروہ جو ابتداء میں قلیل ہوگا چنانچہ ان کے بارہ میں یہ بشارت خداوندی دی گئی ہے کہ ان کو کثرت بخشی جائے گی ان کے نفوس و اموال میں برکت دی جائے گی۔

اب واقعات یہ ہیں کہ ۱۹۱۴ء میں جب جماعت احمدیہ میں پھوٹ پڑی تو جماعت لاہور سے وابستگان کی تعداد کا اندازہ قریباً پانچ ہزار نفوس تھا۔ ان کے مقابل دوسرا فریق لاکھوں کی تعداد کا تھا۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ کو ایک دوسرے کشف میں دونوں فریقوں کی یہ تعداد اور ان کے قائدین کے بارہ میں یوں نظارہ دکھلایا گیا:۔

"کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت پر دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں۔ ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے۔ تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا مخاطب کرکے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے مگر وہ چپ رہا اور کچھ بھی جواب نہ دیا تب میں نے دوسرے کی طرف رُخ کیا جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا اور اس سے میں نے مخاطب ہو کر کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے وہ میری اس بات کو سن کر بولا ایک لاکھ نہیں ملے گی مگر پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا اگرچہ پانچ ہزار تھوڑے آدمی ہیں پر اگر خدا تعالےٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی: کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔" (تذکرہ صفحہ ۱۸۱ بحوالہ ازالہ اوہام صفحہ ۹۷-۹۸ حاشیہ)

اب اس کشف میں صریحاً یہ امر حضرت اقدسؑ کو دکھلایا گیا ہے کہ آپ کے بعد لاکھوں تعداد والی جماعت کا قائد آپ کی آواز پر لبیک نہ کہے گا کیونکہ وہ زمین پر بیٹھا ہے یعنی اس کے مدنظر دین کی بجائے دنیا اور سیاست ہے مگر کم تعداد یعنی پانچ ہزار والا قائد جو آسمان کی طرف یعنی دینی مقاصد کے حصول کی غرض سے جدوجہد کر رہا ہے حضرت اقدسؑ کی آواز پر لبیک کہے گا۔ پھر اس کے ساتھ قلت تعداد لشکر کا جو فکر حضرت اقدسؑ کو لاحق ہے اس کے بارہ میں بھی خدا نے ان قرآنی الفاظ میں تسلی و بشارت دی کہ قلیل گروہ بالآخر کثیر پر غلبہ حاصل کر لے گا۔

چنانچہ اسی حقیقت کو پہلے الہام میں یوں ظاہر کیا گیا ہے:۔

"میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا"

دو امور کا حتمی فیصلہ ان الہامات اور کشوف میں کر دیا گیا ہے اوّلاً یہ کہ جماعت احمدیہ میں پھوٹ پڑنے والی ہے۔ جس سے ایک گروہ کثیر یعنے لاکھوں تعداد کا ہوگا۔ اور دوسرا قلیل یعنے کم و بیش پانچ ہزار تعداد کا۔ دوئم یہ کہ بالآخر مقدر یہی ہے کہ ہزاروں تعداد والا فریق ہی غالب

آئے گا - ان کے نفوس و اموال میں برکت اور ان کی تعداد میں کثرت بخشی جائے گی -

"میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا" میں کونسا فریق مراد ہے ؟ اس پر مزید روشنی مفصلہ ذیل الہامات سے پڑتی ہے :-

(الف) لاہور میں ہمارے پاک محبّ ہیں - وسوسہ پڑ گیا ہے پر مٹی ذائیت ہے وسوسہ نہیں رہے گا مگر مٹی رہے گی" (صفحہ ۴۰۷)

جبکہ ایک الہام میں یہ فرمایا کہ تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا تو دوسرے میں دلی محبّوں کے گروہ کی تعیین کو واضح کر دیا کہ وہ لاہور کا فریق ہے - پھر صرف اسی قدر نہیں بلکہ مزید وضاحت دوسرے الہام میں اس طرح فرمائی :-

"لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں، ان کو اطلاع دی جائے نطیف مٹی کے ہیں - مٹی رہے گی مگر وسوسہ نہیں رہے گا" (صفحہ ۳۷۶)

جماعت لاہور سے متعلق دو الہام ہیں، ایک میں اس فریق کو "پاک ممبر" اور دوسرے میں "پاک محب" سے خطاب کیا ہے - پاک ممبر کے الفاظ لا کر بتلا دیا کہ یہ کوئی انگریزی خواں طبقہ ہے جو آپ کی الوصیت میں قائم کردہ انجمن کے جمہوری نظام پر چل رہا ہے -

الہامات "داغ ہجرت" اور "ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں"

ان الہامات (صفحہ ۵۲۶) میں بھی یہ ذکر ہے کہ آپ کے مقاصد آپ کے مولد و مسکن کی بجائے دوسری جگہ ہجرت کر جائیں گے - چنانچہ حضرت اقدس کے واقعہ وفات سے جو لاہور میں ہوئی، سے ثابت ہے کہ آپ کے **اصل مقاصد اشاعت اسلام اور تبلیغ فرقان** دوسری جگہ منتقل ہونے والے تھے - اب یہ واقعات ہیں کہ ان مقاصد کو جو فروغ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور میں ۱۹۱۴ء میں تفریق کے بعد ہوا وہ کسی اور جگہ نہیں ہوا - مغرب میں تبلیغ اسلام کا مقصد ہو تھا اس کی کامیاب داغ بیل حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم کے ہاتھوں ہوئی جن کا مسکن احمدیہ بلڈنگس لاہور تھا اور اگر انگریزی ترجمۃ القرآن کا مقصد پروان چڑھا تو وہ بھی حضرت مولانا محمد علی رح کے ۱۹۱۴ء میں احمدیہ بلڈنگس لاہور میں آنے پر ہی فروغ پایا -

غرضیکہ یہ وہ واقعات اور خدماتِ اسلام ہیں جنہیں تاریخِ عالم کبھی فراموش نہیں کر سکتی - فالحمد للہ علیٰ ذالک - (جاری ہے)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے کمالات - (بقیہ صفحہ ۸)

عصمت - اس کا معنی (مراد) یہ ہے کہ ان کے جو اقوال و افعال، عبادات، معاملات و مقامات اور اخلاق و احوال ہیں - حق تعالیٰ انکو مداخلت نفس و شیطان اور خطا و نسیان سے اپنی قدرت کاملہ سے محفوظ رکھتا ہے اور محافظ ملائکہ کو ان پر متعین کر دیتا ہے تاکہ بشریت کا غبار انکے پاک دامن کو آلودہ نہ کر دے اور نفس بہیمیہ اپنے بعض امور انپر مسلط نہ کر دے اور اگر قانون رضائے الٰہی کے خلاف ان سے شاذ و نادر کوئی امر واقع ہو بھی جائے تو فی الفور حافظ حقیقی اس سے انہیں آگاہ کر دیتا ہے اور جس طرح بھی ہو سکے غیبی عصمت انکو راہِ راست کی طرف کھینچ لاتی ہے -

ولایت نبوّت میں اولیاء کا حصّہ - مذکورہ بالا درجات ولایت جو عبودیت اور عصمت کے رنگ سے رنگین ہیں اس کو ولایت نبوّت کہتے ہیں پس ولایت نبوّت منصب نبوت سے علیحدہ ہے - اس لئے منصب نبوّت نبوّت ہی کے ساتھ مخصوص ہے - اگرچہ ولایت نبوّت اصالتاً انبیاء علیہم السلام ہی میں پائی جاتی ہے - لیکن بعض اکابر اولیاء کو بھی بسبب اتباع انبیاء اس سے حصّہ مل جاتا ہے -

(منصب امامت - فصل اوّل صفحہ ۱۷-۲۸)

چغل خور جنّت میں داخل نہیں ہوگا

عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنّۃ نمّامٌ -

ترجمہ: حضرت حذیفہ رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چغل خور جنّت میں داخل نہیں ہوگا -

تشریح: بعض لوگ مختلف مجالس میں جاتے ہیں اور ایک مجلس کی باتیں دوسری مجلس میں جا کر سناتے ہیں یہ ذوالوجہین بدترین مخلوق ہوتے ہیں کیونکہ اس قسم کی باتوں سے فساد عظیم کا خطرہ ہوتا ہے بعض تو اپنی معلومات کا سکہ بٹھانے کے لئے ایسا کرتے ہیں گویا ساری دنیا کے حالات سے وہی باخبر ہیں اور بعض دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لئے چغلی کھاتے ہیں اور یوں وہ آگ لگا کر امن عامہ کو برباد کرتے ہیں ایک دوسری حدیث میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ المجالس بالامانۃ - یعنے اگر کوئی آدمی ایک مجلس سے ایک بات سنتا ہے تو بطور امانتدار کے وہ بات اسے کسی دوسری جگہ نہیں کرنی چاہیئے اگر ہر آدمی ہر بات کی چغلی کھانا شروع کر دے تو یہ دنیا ایک کارزار میں تبدیل ہو جائے -

عن انسٍ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمّا عرج بی مررتُ بقومٍ لھم اظفارٌ من نحاسٍ یخمشون وجوھھم و صدورھم فقلت من ھٰؤلاءِ یا جبریل؟ قال ھٰؤلاءِ الذین یاکلون لحوم الناس و یقعون فی اعراضھم -

ترجمہ: حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے معراج ہوا تو میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے میں نے جبریل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں تو اس نے کہا کہ یہ لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی عزّت و آبرو سے کھیلتے تھے -

تشریح: قرآن مجید اور حدیث شریف میں غیبت کو ایک نہایت قبیح فعل قرار دیا گیا ہے اور غیبت کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے وہ مردہ کا گوشت کھاتا ہے - کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی بیان کرنا اور اس کی عزّت آبرو پر حملہ آور ہونا مومن کا شیوہ نہیں بلکہ مومن کا کام برائی سے بچنا اور اپنے بھائی کی عزّت و آبرو کا تحفظ ہے - جب ایک آدمی دوسرے کی کھلم کھلا برائی بیان کرنا شروع کر دے پھر دوسرا بھی مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسا ہی کرے اس طرح اشاعتِ فحشاء سے معاشرہ کی ذہنیت مسموم ہو جاتی ہے اور برائی کی شناعت کا اثر قلب و ذہن سے اُٹھ جاتا ہے اس لئے ایسے افعال سے اجتناب بہت ضروری ہے -

---

محترم ملک ظفر اللہ خاں صاحب کو صدمہ

احباب جماعت کو یہ سن کر بڑا دکھ ہوگا کہ محترم ملک غلام قادر صاحب آف راولپنڈی وفات پا گئے ہیں - انّا للہ و انّا الیہ راجعون

ہمیں محترم ملک ظفر اللہ خاں صاحب اور مرحوم کے دیگر اعزہ سے دلی ہمدردی ہے - دعا ہے کہ اللہ پاک مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق بخشے - آمین

احبابِ جماعت سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے - (مرکز میں جنازہ پڑھا گیا)

حضرت سید اسمٰعیل شہید علیہ الرحمۃ

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات اور ان میں اولیاء کی شرکت

تمہید } اس فصل میں حضرات انبیائے کرام علٰے نبیّنا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے ان کمالات کا ذکر ہے جو امامت کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔ امام رسول کا نائب اور امامت ظلِّ رسالت ہے۔ نائب کے احکام کو منیب سے پہچانا اور ظلّ کی حقیقت کو اصل سے معلوم کیا جاتا ہے۔ لہذا اس مقام پر انبیاء علیہم السلام کے ان کمالات کا ذکر کیا جاتا ہے جو امامت کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے درجات و کمالات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار و احاطہ مجھ جیسے اُمتی سے مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ لیکن میں اُن کمالات کا (یعنی کمالاتِ نبوّت) بیان کروں گا جو حقیقت امامت سے تعلق رکھتے ہیں۔

دین کی پیشوائی یا یُوں سمجھئے کہ قوم کی رہبری کا مرجع اور منبع پانچ اصولوں پر ہے۔

(۱) وجاہت (۲) ولایت (۳) بعثت (۴) ہدایت (۵) سیاست

ان پانچ کمالات کے معانی کی تحقیق بالترتیب حسب ذیل ہے:-

(۱) وجاہت (رتبہ عزّت)

انبیاء علیہم السلام کو خدائے رحمان کے حضور میں تمام مخلوق کی نسبت ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ وہ عنایات خداوند ذوالجلال کے منظور نظر ہیں، الطاف ربانی سے ہر وقت مسرور و خوشحال اور انعامات الٰہی سے ہمہ دم ممتاز ہیں۔ محبوبیت کے چمن کے پھول اور مقبولیت کی انجمن کے صدر نشین ہیں۔ اُنس کے افلاک کے ستارے اور قدوس کی املاک کے افسر ہیں۔ درجات عظیمہ کا عطیہ انہی کی ذات با برکات کو زیبا اور مہمات کا سر انجام انہی کی ذات کے لئے موزوں ہے وہ کرّوبیاں کی محفل کے سردار اور قدوسیوں کے لشکر کے تاجدار ہیں۔ ان کی ہمت اور اولوالعزمی بند دروازوں کی کنجی اور ان کی دُعا مستجاب ہے۔ ان کا محبّ خدا کا محبوب اور ان کا دشمن خدا کا معتوب ہے۔ ان کی محبت بلندی درجات کا باعث اور ان کا توسل وسیلۂ نجات ہے۔ ان کی پیروی باعث حصولِ عطیات اور ان کا اتباع دافع بلیات ہے۔ وہ غیبی فیوض کا منبع اور اسرار قدسی کے خزانے ہیں۔ ان کا وسیلہ پکڑنے والے کی ادنیٰ کوشش بھی مشکور اور ان کے فرمابرداروں کا کبیرہ گناہ بہت جلد قابلِ عفو ہے۔ وہ ریاضیات شاقہ جو سنّت کے خلاف ظاہر ہوتی ہیں۔ انجام کار ھباءً منثوراً ہوں گی۔ اور بہت سے آسان عمل ہیں۔ جو ان کے توسل سے اعلےٰ درجہ تک پہنچائیں گے اور دُنیا و آخرت کی نجات کا باعث ہوں گے۔ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے انہی کا توسل شاہراہ ہے اور سالکان طریقت کے لئے ان کے اتباع سے منازل طے کرنا نہایت آسان، اور ان کے توسّل کے سوا ہرزہ گردی اور بے سرو سامانی ہے۔

وجاہت کا ماحصل } اس سے ظاہر ہوگیا کہ وجاہت تین قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل، محبوبیت رب العالمین۔ دوم ملائکہ مقربین میں عزت۔ سوم نیک بندوں کے لئے وسیلۂ فیض جسے "سیادت" کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پس وجاہت کا منصب، محبوبیت، عزت اور سیادت تینوں سے مرکب ہے اور یہی منصب انبیائے کرام کو خداوند تعالےٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:-

اذ قالت الملائکۃ یٰمریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسٰی ابن مریم وجیھًا فی الدنیا والاٰخرۃ ومن المقربین (اٰل عمران)

جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ خوشخبری دیتا ہے تجھ کو ساتھ کلمہ کے کہ اس کا نام مسیح ابن مریم ہے۔ دنیا و آخرت میں وجیہہ اور مقربوں میں سے ہے۔

اور فرمایا:-

یٰایھا الذین اٰمنوا لاتکونوا کالذین اٰذوا موسٰی فبرّاہ اللہ مما قالوا وکان عند اللہ وجیھا۔ (احزاب)

اے ایمان والو! ان لوگوں کے مانند نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسےٰ کو ایذا دی۔ پس بری کر دیا اس کو اللہ نے اس سے جو وہ کہتے تھے۔ وہ تو اللہ کے نزدیک وجیہہ (معزز) تھا۔

وجاہت میں دوسرے مؤمنین کا حصّہ } اسی طرح دوسرے مقرب بندوں کو بھی ان کی قدر کے موافق یہ جلیل القدر منصب اللہ تعالےٰ عطا فرماتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:-

لا یزال یتقرب عبدی بالنوافل حتّٰی احببتہٗ فاذا احببتہ لکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا ولئن سألنی لاعطینّہ ولئن استعاذنی لاعیذنّہٗ۔

تو میرا بندہ نوافل کے ذریعہ قرب حاصل کرنے میں کمی نہیں کرتا یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں۔ جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اُس کے کان بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ چھوتا ہے اور اس کی ٹانگیں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور جب وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے پورا کرتا ہوں اور جب وہ میری پناہ میں آتا ہے تو پناہ دیتا ہوں۔

نیز فرمایا:-

من عادٰی لی ولیًّا فقد بارزنی بالحرب۔ (جس نے میرے دوست سے عداوت کی اُس نے میرے ساتھ اعلانِ جنگ کر دیا۔

اولٰئک عزمت کرامتھم بیدای (یہی وہ لوگ ہیں جن کی بزرگی میں نے اپنے ہاتھ سے قائم کی ہے)

وجاہت کی قسمیں } بے شک مذکورہ وجاہت (مرتبہ، عزّت) انبیاء اور دیگر خاصانِ خدا کے لئے ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

قسم اوّل۔ وجاہت اجتبائی۔ (یعنی وہبی)

قسم دوم۔ وجاہت کسبی۔ (یعنی خود کوشش کر کے حاصل کرنا)

۱۔ وجاہت کسبی کی مثال } یوں سمجھئے کہ امراء اور رؤسا کو بادشاہوں کے دربار میں ایک خاص وجاہت (عزت) حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس کا حصول دو طرح سے ہوتا ہے: اوّل یہ کہ بعض نے بادشاہ کی پسند کے ذاتی کمال حاصل کئے۔ اس کے حسب خواہش خدمت انجام دی، اور بہت سے رنج آمیز اور تکلیف دہ اوامر کی بجا آوری میں اپنی جان کو ہلکان کیا اور جان و مال اور عزت و آبرو کو اس کی اطاعت میں صرف کر دیا۔ پس اسکی لیاقت اور اطاعت کے سبب آقا کی نظر عنایت اس پر ہوگئی۔ اور اس کو وجاہت و برتری کا مقام حاصل ہو گیا۔

(۲) وجاہت اجتبائی } کی مثال یوں سمجھئے۔ جیسے ایک بادشاہ ارادہ کرتا ہے کہ کسی کو تادیب و تعلیم دے کر امارت و وزارت کے منصب پر فائز کرے۔ بنابریں اس نے اپنی رعایا میں سے ایک لڑکے کو ممتاز فرما کر نائب خاص کے نام سے سرفراز کیا۔ اور اس کی تادیب و تربیت میں دل اور کفیل ہو کر اس کی پرورش کی۔ اور اس کے نہالِ تربیت کو اپنی عنایت کے زلال سے پانی

دیا - یہاں تک کہ اس کو اپنی حمایت کے سائے میں نشو و نما کے کمال تک پہنچا دیا - اور جس منصب پر اسے فائز المرام کرنا تھا، سرفراز فرما دیا -

اگرچہ مذکورہ منصب سطحی نظر سے اس کے کمالاتِ ظاہری کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن دراصل یہ منصب اسی وقت اسے مسلم ہو چکا تھا جبکہ اس کو سن طفولیت میں ہی منصب مذکور پر مامور کرنے کے لئے پرورش کیا جا رہا تھا - پس یہ منصب وجاہت اوّل کا ماحصل ہوا اور حصول کمالات و ادائے خدمات اس کے فروعات سے ہیں - پس وجاہت اوّل (وجاہت اجتبائی) تحصیل کمالات و ادائے خدمات پر مترتب ہے - برخلاف دوسری کے کہ کمالات کا حصول اور خدمات کا ظہور حصولِ وجاہت پر مبنی ہے -

عام مومنین کی وجاہت اسی طرح خاص بندگانِ خدا کو بادشاہِ مطلق و مالک و مختار کے حضور میں منصب وجاہت دو ہی طریق سے حاصل ہوتا ہے: اوّل: اجتبائی یعنی خداوند تعالیٰ خود ودیعت فرمائے دوم: عبادت کا نتیجہ، یعنی کسبی - چنانچہ حدیث لا یزال عبدی یتقرب بالنوافل (الحدیث) وجاہت کسبی کی طرف اشارہ کرتی ہے اور آیات و اصطنعتك لنفسی (طٰہٰ) واجتبینٰھم و ھدینٰھم الی صراط المستقیم (انعام) والقیت علیك محبۃ منی ولتصنع علیٰ عینی (طٰہٰ) اور حدیث اولئك عزمت کرامتھم بیدی میں وجاہت اجتبائی (وہبی) کا اشارہ ہے اور یہ ان خاص بندگانِ خدا سے مخصوص ہے جو انبیاء اور مرسلین کے نام نامی سے مخاطب کئے جاتے ہیں -

(۲) حقیقت ولایت

روحانی معاملات اور انسانی کمالات میں امتیاز انبیاء علیہم السلام کے روحانی کمالات میں عام لوگوں کی نسبت یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ دربار کبریائی کے مخاطب اور کتاب اللہ و اشاراتِ غیبی کے حامل اور صحیح بشارتوں سے سرفراز ہیں - تکریم کے چمن اور تعلیم کے گلستان سے تربیت یافتہ ہیں - مجالس تعلیم کے سردار اور مدارس تفہیم کے دانش مند ہیں - احکام (الٰہی) کے مخزنِ اسرار اور الہام کے موَرد ہیں - عالم ملکوت کے نور سے منور اور معجزات کے ظہور سے عالم تکوین میں موَید کے کمالات سے موصوف اور لذات مناجات کے ادراک کے عاشق اور حب اللہ کے مقام میں ثابت قدم اور بغض فی اللہ کے معرکے میں علمبردار ہیں عاجزی کا اقرار کرنے والے ہیں اور خشوع میں ثابت قدم اور خوف و رجا میں پارے کی طرح بے قرار ہیں - اللہ تعالیٰ کے دیدار کے شوق میں فنا ہیں - جیسا کہ شبنم سورج کی تپش سے فنا ہو جاتی ہے - رب العزت کی تعظیم میں نہایت مؤدب اور راضی برضائے مولیٰ ہیں - اللہ کو ایک ماننے میں پختہ ہیں توکل اور تنہائی میں نہایت پاک ہیں - نفسانی آلودگی سے مبرا ہیں - اور وساوسِ شیطانی کے دور کرنے میں جری اور بہادر ہیں - طہارت اور پاک دامنی ان کی جبلت اور اللہ عز و جل کی عبادت ان کا شغل ہے - خدا کی محبت کی آگ کو دل میں روشن کئے ہوئے اور ماسوی اللہ کو بالکل ہیچ جانتے ہیں - زہد و قناعت میں بے مثل اور صبر و استقامت میں ضرب المثل ہیں - دشواریوں کے حل کرنے میں ممتاز اور مہمات کے سرانجام دینے میں عالی ہمت ہیں - عقل و علم کے خزانے اور عفو و حلم کی کانیں ہیں - (دوستی (محبت)، وفا کے جامے اور پاک دامنی و حیا کے چشمے ہیں - تمام خلقت پر رحیم اور رابطۂ تعلقاتِ خلائق میں کریم ہیں ہر بیگانے کے دوست اور ہر گھر کے لئے مثل ہما ہیں - (خدا کی راہ سے) بھاگنے والے کے پیچھے دوڑتے ہیں - (کہ اس کو راہ پر لائیں) اور ہر ایذا دینے والے کے لئے اسے نیک بنانے کی فکر میں ہیں - بہارِ سخاوت کے ابر اور گلستانِ جوانمردی کی بہار ہیں - بیشۂ شجاعت کے شیر اور میدانِ کارزار کے دلیر ہیں - راست گو، سیر چشم اور دشمن کو دوست بنانے والے ہیں - مکارم اخلاق میں یگانۂ آفاق اور طالبانِ حق کے عاشق و مشتاق ہیں - اور یہی اوصاف لفظ ولایت کا ماحصل ہیں -

ولایت کے شعبے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ولایت کے مرتبے کے تین شعبے ہیں - اوّل: معاملات صادقہ مثل الہام تعلیم، تفہیم غیبی اور حکمت، دوم: مقامات کاملہ مثلاً محبت، خوف، توکل، رضا تسلیم، صبر، استقامت، زہد، قناعت، تفرید، تجرید - سوم: اخلاق فاضلہ مثلاً بلند ہمتی - وفور شفقت، حلم، حیا، محبت، وفا، صدق، صفا، سخاوت اور شجاعت وغیرہ -

پس ولایت کے منصب کو انہی تین شعبوں سے مرکب کیا جا سکتا ہے - اگرچہ یہ منصب بتمامہٖ خاصانِ بارگاہ کو حاصل ہوتا ہے - چنانچہ یہ آیت اس پر دال ہے -

الآ انّ اولیاء اللہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون - الذین اٰمنوا وکانوا یتقون (یونس)

بے شک اولیاء اللہ کو کوئی خوف و غم نہیں ہے - اور یہ لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کی -

انبیاء کی ولایت کا کمال لیکن ان بزرگوں کی ولایت دوسرا رنگ رکھتی ہے - جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت اپنے خاص خزانے سے دو بڑے کمالات انہیں عطا فرماتا ہے اور ان ہر دو کمالات کو مذکورہ بالا کمالات پر حاوی کر دیتا ہے - پس ان کا ہر کمال اولیاء اللہ کے کمالات سے ممتاز اور ایک دوسرے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے (وہ دو کمال یہ ہیں) اول بندگی - دوم پاک دامنی -

ا - بندگی (عبودیت) سے مراد یہ ہے کہ یہ حضرت باوجود ان کمالات کے حصول کے اپنے ذاتی نقص کو ملحوظ رکھتے اور ان کمالات کو مانند لباس مستعار کے جانتے اور دن رات کی گردش کی طرح پہچانتے ہیں ہمیشہ فضل الٰہی کو مد نظر رکھتے ہیں - اور ہر حال میں اس کا شکر بجا لاتے ہیں - اپنے تئیں بندگی کی حد سے کبھی باہر نہیں نکلتے اور ہمیشہ ادب کے راستے پر چلتے اور ذرا سی بھی گستاخی اور توجہ چشمی کو روا نہیں رکھتے - اور ناز و ادا کی کسی قسم کو خیال تک میں نہیں لاتے - نشہ آور اشیاء اور بے ہودہ باتوں سے بیزار اور بیہودگی و مستی سے محترز رہتے ہیں - ہمیشہ بندگی کے راستے پر چلتے ہوئے کثرت سجود میں مشغول رہتے ہیں - اپنے آپ کو بندۂ عاجز تصور کرتے ہوئے خداوند تعالیٰ کے تمام احکام کو بے چون و چرا مانتے ہیں اور اللہ کے کاموں میں موشگافیاں نہیں کرتے - مٹی کی طرح خاموش ہیں اور آگ کی طرح بھڑک نہیں اٹھتے - تجرید و تفرید کے مقام میں بندگانِ خدا سے متنفر نہیں ہوتے - حق دار کے حقوق تلف نہیں کرتے بے عقل لوگوں کی مانند ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے رہنے اور ادب کے طریقے کو جس کے معنی رعایت اسباب کے ہیں، ہرگز نہیں چھوڑتے باوجود مناجات کی لذت کے گمراہ انسانوں سے منہ نہیں پھیرتے، بلکہ اوقات مناجات میں خلل گوارا کر کے ان کی ہدایت کے لئے ہمت صرف کرتے ہیں - دین متین کی تبلیغ حسنِ اخلاق سے کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے میں سستی نہیں کرتے - سخاوت کو پسند کرتے ہوئے اسراف سے دور بھاگتے ہیں - شجاعت قوت اور غلبے کے وقت جوش و غضب کے متبع نہیں ہوتے - گویا ان کے افعال اقوال بہ سبب اخلاق نمائی کے سرزد نہیں ہوتے - بلکہ تمام افعال خداوند تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں ؛ مثلاً اگر کسی کو کوئی چیز بخشتے ہیں تو ہرگز اپنی سخاوت کو مشہور کرنے کا خیال نہیں کرتے بلکہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کی خوشی حاصل ہو اور اگر کسی جگہ جنگ و جدل کرتے ہیں تو اپنی شجاعت کے خیال سے نہیں کرتے بلکہ اس میں رضائے الٰہی دیکھتے ہیں - تو کمر بستہ ہو کر دادِ شجاعت دیتے ہیں ورنہ کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں - اسی طرح تمام معاملات پر غور کر لیجئے پس گویا کمالات مذکورہ تسبیح کے دانوں کی طرح متعدد اور بکثرت ہیں لیکن اصل میں اسی رشتہ عبودیت نے سب کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے -

(باقی رسالہ تمام ملا)

پرویزی کذب و افتراء کی حقیقت

مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں

جماعت احمدیہ لاہور کی بے نظیر قومی خدمات

نوٹ: دین پرویزی کے داعی جناب غلام احمد پرویز نے زندگی کے آخری ایام میں کذب و افتراء کی مہم تیز تر کر دی ہے۔ اور جماعت احمدیہ لاہور پر مسلمان دشمنی کا ناپاک الزام تراشا ہے۔ ہمارا چیلنج ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور واحد جماعت ہے جس نے بہ حیثیت جماعت خدمتِ اسلام کے علاوہ مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود کے لئے سب سے زیادہ اور بڑھ چڑھ کر جد و جہد کی ہے۔ اس جماعت نے حیاتِ ملی کے ہر مرحلے پر اپنی بساط سے بڑھ کر قربانی دی اور اس کے دامن کے کسی بھی گوشے پر بھی ملت دشمنی تو درکنار تساہل کا بھی داغ نہیں۔ ذیل میں ہم جماعت احمدیہ لاہور کی ان مساعی کا خاکہ پیش کرتے ہیں جن کی موجودگی میں اس جماعت کے خلاف کیچڑ اچھالنا کسی رجل رشید کا کام نہیں۔ اگرچہ اس جماعت نے ہر قومی تحریک میں ہراول دستے کا کام کیا۔ لیکن ہم اپنی قربانیوں کے بعد خواب غفلت کا شکار ہو گئی۔ ورنہ اس کے کارنامے ہزاروں صفحات کے متقاضی ہیں۔ کاش ہم اپنے اسلاف کے سنہری کارناموں کے ساتھ انصاف کرتے اور آج زمانہ کی سفلہ پروری کے شاکی نہ ہوتے۔ (مدیر)

پس منظر مغلیہ سلطنت کی تباہی کے بعد مسلمانانِ ہند ہر چہار طرف سے مشکلات میں گھر گئے۔ ان کی سیاسی سوجھ بوجھ تو پہلے ہی جواب دے چکی تھی۔ انگریز اور ہندو نے مل کر اس قوم کی روایتی فکری صلاحیتوں کو پامال کرنے اور اسلامی اقتدار کو نیست و نابود کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جس کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں اسے نظر انداز کر کے عضوِ معطل بنا چھوڑا۔ مسلمان جو سیاسی شکست کھا چکا تھا۔ اسلامی اقدار کی بے حرمتی سے اور بھی دل شکستہ ہو گیا۔ اب اسے اسلام کا نام لیوا ہوتے یا مسلمان کہلانے میں بھی عار محسوس ہوتی تھی۔ اس بے بسی اور کس مپرسی کو کئی اہلِ نظر اور صاحبِ دل مسلمان دیکھتے اور محسوس کرتے تھے مگر خود کو بے بس پاتے تھے، تا آنکہ

ملتِ بیضا کے چھالے رو پڑے جب پھوٹ کر ؎ ابرِ رحمت جھوم کے آیا اور برسا ٹوٹ کر

یعنی نبی اکرم حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے ارشاد کے موجب چودھویں صدی کے مجدد تشریف لے آئے یہ اسی مجدد کا زمانہ تھا اور وہی اس کا بہترین معالج ہو سکتا تھا۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی (بانیٔ تحریک احمدیت) نے مسلمانوں کے اس پُر آشوب زمانہ میں "فتح اسلام" کی آواز بلند کر کے کلیساؤں اور مندروں کی دیواریں ہلا دیں۔ نیز اسلامیانِ ہند کو اخوت و اتحاد، مروّت و اخلاق کا سبق دے کر عملی نمونہ کے لئے ایک بنیانٌ مرصوص جماعت کھڑی کر دی۔ جس نے ادیانِ باطلہ کو ہر میدان میں شکست دے کر اسلام کی عالمگیری اور بالادستی کا لوہا منوایا۔ اور مسلمانِ عالم کو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر جمع ہو جانے کی تلقین فرمائی۔ در اصل اتحاد بین المسلمین کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی محور نہیں ہو سکتا تھا۔

آپ کے بعد حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین علیہ الرحمت نے بھی مسلمانوں کی خیر خواہی کو پیش نظر رکھا۔ اور آپ کی ذات مسلمانانِ ہند کا مرجع بن گئی۔ آپ کی وفات پر جب ایک انتہا پسند گروہ نے میاں محمود احمد صاحب کی قیادت میں ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ بکھیرنے کی مہم چلائی تو حضرت مرزا صاحب اور حضرت حکیم الامت کے مزاج شناس شاگردِ رشید مولانا محمد علی رحمہ اللہ نے تکفیر المسلمین کے خطرناک عقیدے کے خلاف آواز اٹھائی اور تا حیات اتحاد المسلمین، ختم نبوت اور استحکام امت کے لئے جہاد میں مصروف رہے۔

آپ کی زندگی میں مسلمانانِ ہند کو جن مصائب سے گزرنا پڑا ان میں سے چند ایک واقعات خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اور آپ نے اور آپ کی قیادت میں جماعت احمدیہ لاہور نے جو نمایاں حصہ لیا وہ ہندوستان کی مسلمان جماعتوں اور دینی گروہوں میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔

لیکن المیہ یہ ہے کہ مسلمان ان بے نظیر کارناموں سے بے خبر ہیں جو اس تحریک کا طرۂ امتیاز ہیں۔ پھر جو لوگ ان کارناموں سے باخبر ہیں وہ متعصبانہ زہریلے ماحول کے خوف سے حق گوئی کی جرأت نہیں کرتے اور یہ حق پوشی قوموں کی پستی اور موت کی علامت ہے۔ اور سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ دورِ حاضر کی تاریخ کا طالبعلم احمدیت سے متعلق رسالہ جات اور کتب میں پوشیدہ حقائق کی تلاش نہیں کرتا۔

حقیقت یہ ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور واحد اسلامی جماعت ہے جس نے بحیثیت جماعت مسلمانوں کی ہر مشکل میں بھرپور حصہ لیا۔ اور گو مسلمانوں کے دوسرے گروہوں نے تنگ نظری اور جہالت سے ملی مفاد پر گروہی مفاد کو نظر انداز کر کے اپنی تمام قوتیں اس میں جھونک دیں، جس کا اپنوں اور بیگانوں نے اعتراف کیا۔

ذیل میں مسلمانوں کی خیر خواہی اور اتحاد بین المسلمین کے سلسلہ میں جماعت کے قائد اوّل امامِ وقت کے دستِ راست حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی چند ملی خدمات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ حادثۂ کانپور جون ۱۹۱۳ء میں ایک سڑک زیرِ تعمیر تھی۔ راستے میں ایک مسجد پڑتی تھی۔ حکومت نے مسجد کی حرمت اور مسلمانوں کے جذبات پر سڑک کو ترجیح دی اور سڑک کو سیدھا کرنے کے لئے مسجد کا ایک حصہ مسمار کر دیا۔ مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ اس سے پہلے ہندوؤں کے احتجاج پر حکومت نے ایک مندر کو گرانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ لیکن مسلمانوں پر گولی چلا دی گئی۔ بیسیوں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ اور سینکڑوں کو قید کر کے جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ ہندوستان میں کہرام مچ گیا۔ حضرت مولانا اس وقت "ریویو آف ریلیجنز" کے ایڈیٹر تھے۔ آپ نے مسلمانوں کا خونِ ناحق بہائے جانے پر ایک زور دار مقالہ "مساجد کا انہدام" لکھا جس میں آپ نے حکومت کے رویے پر کڑی تنقید کی، اس میں آپ نے درد بھرے انداز سے یہ بھی لکھا:-

"کانپور کی مسجد کے ایک حصہ کے انہدام سے جو جو مصائب مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ہیں وہ بجائے خود ایک علیحدہ مضمون میں تفصیل کے محتاج ہیں۔ مگر ایک امر جسے غالباً ہر مسلمان نے نوٹ کیا ہو گا، ایسا حیرت انگیز ظاہر ہوا ہے کہ جس کا آج تک مسلمانوں کو وہم بھی نہ تھا اور وہ یہ امر ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کے ذمہ دار عہدے دار باوجود اس مذہبی آزادی کے جو گورنمنٹ کی طرف سے رعایا کے ہر فرقہ کو حاصل ہے مساجد کے گرانے میں ادنیٰ تامل سے بھی کام نہیں لیتے۔ معمولی عمارتوں کے بنانے کے لئے معمولی راستوں کے نکالنے کے لئے اور نہایت معمولی ضروریات کے لئے مساجد کا انہدام نہایت معمولی طریق پر تجویز کیا جاتا ہے۔ گویا کہ وہ بلحاظ عبادت گاہ ہونے کے کسی خاص رعایت کا استحقاق نہیں رکھتی جو دوسری عبادت گاہوں کو حاصل ہے۔ آخر گورنمنٹ کو بھی تو اپنا فرض شناخت کرنا چاہیئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ گورنمنٹ کے حکام اندھا دھند جو چاہیں کئے جائیں اور مسلمان خاموش بیٹھے رہیں۔"

(پیغام صلح - ۲۱ اگست ۱۹۱۳ء)

دوسرا مضمون اس پر اودھ کے گورنر سر جیمس میسٹن نے مسجد کے گرانے کے حق میں کہا کہ اوّل تو ہم نے پہلے بھی مساجد گرائی ہیں۔ اور مسلمانوں نے اعتراض نہیں کیا۔ دوسرے اگر حکومت رعایا کی بات مان لے تو اس کا رعب داب ختم ہو جاتا ہے۔ یہ جواب اتنا نامعقول تھا کہ مولانا کو جواباً قلم اٹھانا پڑا اور آپ نے انگریز حاکم کی فرعونیت کو نظر انداز کر کے منہ توڑ جواب لکھا۔ اس میں آپ نے گورنمنٹ کے رعب کی مذمت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:-

"فرض کرو کہ پولیس مین کا انگوٹھا زخمی ہو گیا۔ تو کیا ایسے ایک ایک زخم کے عوض پانچ پانچ چھ چھ مسلمان سپرد خاک نہیں ہوئے اور بہت سے ہسپتال میں پڑے نہیں چلا رہے۔ گورنمنٹ کے رعب میں کیا فرق آتا تھا۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ گورنمنٹ کے عمال اپنی اس طاقت پر کہ وہ منٹوں میں کارتوسوں سے رعایا کو اڑا سکتے ہیں۔ فخر کر رہے ہیں۔ کیا کارتوسوں کے چھکڑے پُر امن جلوس میں لے جانے اور لیڈروں کو اڑا دینے کی دھمکی دینے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کا رعب اب کم ہو گیا ہے۔ بلکہ اس واقعہ نے تو گورنمنٹ کے کارتوسوں کو میدان میں نکال کر ان بے چارے لوگوں کو جنہیں بندوقوں اور کارتوسوں کی شکل تک دیکھنی نصیب نہیں ہوئی اور بھی مرعوب کر دیا ہے۔ اگر کارتوسوں کے چلانے سے ہی سلطنت کی شوکت و سطوت قائم ہوتی ہے تو اب خوب رُعب بیٹھ چکا ہے۔ یہ بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ کیوں سارا زور غریب مسلمانوں پر ہی دکھایا جاتا ہے۔ افسوس کہ جن واقعات کو مسلمان دیگر ممالک میں دیکھ کر حیران تھے کہ ہر ظلم و ستم کا تختۂ مشق غریب قوم ہی کیوں بنتی ہے۔ آج ان کا نقشہ سر جیمس میسٹن ایک پُر امن گورنمنٹ کے زیر سایہ بھی قائم کرنا چاہتے ہیں ہز آنر نے تو آگرہ میں فرمایا تھا کہ مسٹر ٹائلر نے بھی چھ کارتوس چلائے اور تیر و شمشیر سے حملہ کرنے کے بعد کوئی کینہ دل میں نہ رکھا۔ مگر ہز آنر کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اپنا دل ابھی اس غبار سے صاف نہیں۔"

(پیغام صلح - ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء)

خلافتِ عثمانیہ

ترکی کی خلافت عثمانیہ حرمین کی محافظ تھی۔ عالم اسلام کو اس سے انتہائی عقیدت تھی۔ پہلی عالمی جنگ میں انگریز اور دیگر اتحادی ترکوں کے خلاف تھے۔ مسلمانوں کے دلوں میں خلافتِ اسلامیہ کے لئے خاص تڑپ تھی۔ ایک سچے مسلمان کی طرح حضرت مولانا کا دل بھی نئی صورت حالات پر مضطرب ہوا، اور آپ نے ایک پُر مغز معلومات افزا مضمون "خلافتِ اسلامیہ" کے عنوان سے لکھ کر بہ کثرت شائع کیا۔ اس مضمون کے آخر میں آپ نے خلافت اسلامیہ کی نوعیت پر انگریزوں کے مواعید کی روشنی میں تحریر فرمایا:۔

" جیسا کہ ذمہ دار انگلش سلطنت کی طرف سے ایک سے زیادہ دفعہ یقین دلایا جا چکا ہے۔ مسئلہ خلافت کا تعلق صرف اہلِ اسلام سے ہے اور وہ (یعنی مسلمان) ترکی کے سوائے کسی کو خلافت کا جائز مالک تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں تو پھر سلطنتِ عثمانیہ کا آزادانہ اور طاقت ور قیام اور عرب کے لئے اسی سلطنت کا جزو ہونا بھی ایک مذہبی مسئلہ ہے۔ اور ترکی کا کسی سلطنت کے زیر اقتدار رکھا جانا یا اس کا عرب یعنی خلافت کے جزو ضروری سے محروم کر دینا یا اس کا خارجی پابندیوں میں جکڑ کر اس کی قوت مدافعت کو زائل کر دینا ہر سچے مسلمان کے لئے اس دردناک احساس کا موجب ہوگا کہ عیسائی سلطنتوں نے خود مذہب اسلام پر حملہ کیا ہے۔"

ان سطور سے مولانا کی دُور نگاہی، خلافت کی اہمیت اور اس وقت کے عالم اسلام کا اضطراب جھلکتا ہے۔ مولانا کے بین السطور خطرات سچے ثابت ہوئے اتحادیوں نے مسلمانانِ عالم سے اپنے مواعید کو فراموش کر کے ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ بقول آپ کے مکّہ کے شریف حسین کو عرب کی حکومت سونپ دی اُردن کا علاقہ اس کے فرزند عبداللہ اور عراق دوسرے فرزند فیصل کو سونپ دیا فلسطین اردن اور عراق کو انگریز کے انتداب میں دے دیا۔ شام اور لبنان فرانس کی تولیت میں دے دیئے۔ اناطولیہ اور تھریس یونان کے سپرد کر دیئے اور سلطان کو برائے نام خلیفہ بنا کر قسطنطنیہ میں انگریز کی نگرانی میں دے دیا۔ اور اس کا اقتدار اس سے زیادہ نہ تھا۔ جتنا کہ آخری ایام میں بہادر شاہ ظفر کا تھا۔

"مسلمانوں کی موجودہ مشکلات اور ان کا حل"

خلافتِ اسلامیہ کا یہ حشر دیکھ کر مولانا بے قرار ہو گئے اور آپ نے ۱۰ رجنوری ۱۹۲۱ء کے پیغام صلح میں محولہ بالا عنوان سے ایک درد انگیز مقالہ لکھا۔ خون کے یہ آنسو آپ کے قلم سے ٹپکے اور ان انقلابی تجاویز کے سانچے میں ڈھل گئے جو آپ نے اسلامی خلافت کی بحالی کے لئے پیش کیں۔ ترکی سلطنت کے حصے بخرے کرنے پر غیرت مند ترکوں میں پھر جذبۂ جہاد ابھرا اور انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں انگریزوں فرانسیسیوں اور یونانیوں کو مار مار کر ملک سے باہر کیا اور ترکوں کی آزاد حکومت قائم کر لی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:۔

" غیور مسلمانوں کے ایک گروہ نے آزاد سلطنت قائم کر لی، کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ خلیفہ کے نام سے عیسائی دراصل اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں، اور یوں جسے آج مسلمانوں کا خلیفہ کہا جاتا ہے اس کی آزادانہ حکومت اپنے محل تک بھی نہیں۔ ان مصائب اسلام پر اور یورپ کے اسلام کے ساتھ اس سلوک پر چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے ایک بھی نہیں جس کی آنکھیں خون کے آنسو نہ بہاتی ہوں۔"

حصولِ خلافت کے ذرائع

خلافتِ اسلامیہ کے المیہ کے بعد مولانا کی شدید خواہش تھی کہ خلافت اسلامیہ کا احیاء ہو اور مسلمان پھر ایک سیاسی اور دینی مرکز پر متحد ہو کر غلبۂ اسلام لا سکیں اس غرض کے پیش نظر آپ نے ایک مبسوط مضمون بعنوان "مسلمانوں کی مشکلات اور ان کا حل" پیغام صلح میں شائع کیا۔ اس جہاد میں کامیابی کے لئے آپ نے داخلی اصلاح اور دشمن سے مقابلہ کی تجویز پیش کی، داخلی اصلاح کے لئے آپ نے یہ مشورہ دیا کہ مسلمان حصول مقصد کے لئے جہاد کریں۔ اس کے لئے متحد ہوں، نسلی دینی اور علاقائی اختلافات کو ترک کریں۔ مسلمان کے جان مال اور آبرو کا احترام کریں، شریعت اسلام کی پابندی کریں اور مالی مسائل کے لئے بیت المال قائم کریں۔ اور ان امور کی جزئیات تجویز فرمائیں۔ انگریز اور دیگر خارجی دشمنوں کے مقابلے کے لئے آپ نے ترک موالات یا عدم تعاون کی تحریک کا مشورہ دیا۔ اس سلسلہ میں بتایا کہ مسلمان خطابات واپس کر دیں اور اپنی صنعتوں پر زور دیں۔ پھر آپ نے تدریجاً سرکاری تعلیمی اداروں کے بائیکاٹ کی تجویز بتائی تاکہ تعلیم کا حرج بھی نہ ہو اور مسلمان بچے انگریزی سکولوں کے بد اثرات سے بھی محفوظ ہو جائیں۔ نیز آپ نے مشاورت اور کثرت رائے کی پابندی کی تلقین کی۔

ایک قیمتی مشورہ

حضرت مولانا نے اس مضمون میں ایک نہایت ہی قیمتی مشورہ دیا ہے جو قوموں کی زندگی اور بقاء کا ضامن ہے، اور جس کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے پاکستان کے توحید پرست بھارت کے مشرکین کی سازشوں کا شکار بن گئے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

" یہ جس قدر باتیں اوپر لکھی گئی ہیں ان سب کا اثر زیادہ سے زیادہ اس قدر ہے کہ مسلمانوں کی کھوئی ہوئی شوکت واپس مل جائے، خلافت کا استحکام ہو جائے۔ جہاں جہاں مسلمان موجود ہیں وہ اپنے حقوق کو پالیں، لیکن اگر ہم اپنی نظر کو اس حد تک محدود کر لیں تو گویا قرآن حکیم کے ارشاد کی اور خدائی وعدوں کی ہم نے کوئی قدر نہ کی، کیونکہ ہمارے لئے تو یہ وعدہ ہے کہ یہ دین کل ادیان پر غالب آئے گا۔ آیا اس کے لئے بھی کوئی کوشش مسلمانوں کو کرنی چاہیئے یا نہیں۔ یوں کہنا چاہیے کہ یہ سب طریق اپنی قوم کو دوسروں کے حملوں سے بچانے کے لئے ہیں۔ آیا کوئی طریق ان پر حملہ کرنے کا بھی ہے یا نہیں۔ جو قوم صرف اس بات پر اتر آتی ہے کہ اپنی ہی حفاظت کرتی ہے، اور دشمن پر حملہ کرنے کی کوئی فکر نہیں کرتی، اس کی ہمت اور طاقت روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔"

(جاری ہے)

ما مسلمانیم از فضلِ خدا — مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام — ہر نبوّت را بروشد اختتام
(حضرت مسیح موعودؑ)

ڈاکٹر مرزا مظفر بیگ ساطع آنریری مسلم مشنری لائلپور

کراچی میں شامِ غریباں کی ایک جھلک

۲۴ جنوری دن کو ریڈیو پر اعلان ہوا کہ رات سوا آٹھ بجے کراچی میں "شامِ غریباں" کی تقریب ٹیلی ویژن پر دکھائی جائے گی۔ وقت مقررہ سے پہلے ہی گھر کے تمام افراد ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھ گئے۔ کارروائی شروع ہوئی شیعہ جماعت کے ایک بزرگ علامہ ترابی مسند نشین ہوئے ایک گھنٹہ تقریر ہوئی۔ بیان میں احتیاط تھی، نجوکی تلخی نہ تھی ان کا زور بیان اسی ایک نقطہ کے ارد گرد گھومتا رہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ و دیگر تمام صحابہ پر فضیلت حاصل تھی اور اس طرح اہل تشیع کو دیگر تمام اسلامی فرقوں پر فضیلت حاصل ہے۔ علامہ صاحب کے پاس ایک اور صرف ایک حدیث تھی کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انا مدینۃ العلم وعلیٌّ بابھا۔ میں علم کا شہر ہوں اور علی رضہ اس کا دروازہ ہے۔

علامہ صاحب نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ مگر یہ حدیث صحیح ہے۔ علامہ صاحب نے امت مسلمہ کے بہت سے بزرگوں کی تصانیف گنوائیں جن میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ علم ہے۔ حضور صلعم علم کے شہر ہیں تو علیؓ اس شہر کے دروازہ ہیں یعنے حضور صلعم کی فضیلت کے بعد اگر کسی کو فضیلت حاصل ہے تو وہ حضرت علی رضہ ہیں۔

محولہ بالا حدیث شیعوں کے ہاتھ میں ہتھیار ہے جس کو وہ ہر جگہ پر استعمال کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ آج ہم ان کے ہاتھ سے یہ ہتھیار چھینتے اور اس حدیث کے صحیح معنے بیان کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

عہد مغلیہ میں شہروں کے ارد گرد دیوار ہوتی تھی اور اس دیوار میں حسب ضرورت دروازے بنے ہوتے تھے۔ رات کو یہ دروازے بند کر دیئے جاتے تھے شہر میں داخل ہونے یا شہر سے نکلنے کا راستہ یہی دروازے تھے۔ شہر دہلی اور شہر لاہور میں پرانے زمانے کے دروازے اب بھی موجود ہیں۔

نو آباد شہر لائل پور کے مرکز میں گھنٹہ گھر بنایا گیا ہے۔ شہر میں آٹھ بازار ہیں جن کے نام یہ ہیں (۱) ریل بازار (۲) کچہری بازار (۳) چنیوٹ بازار (۴) امین پور بازار (۵) جھنگ بازار (۶) ... بازار (۷) ... بازار (۸) کارخانہ بازار۔ لائل پور میں باہر سے آنے والے جس بازار میں داخل ہوں وہ سیدھے گھنٹہ گھر پہنچ جائیں گے۔ ریل بازار کا ایک دروازہ ہے جو بہت اونچا ہے۔ لوگ اسی دروازے کے ذریعہ ریل بازار میں داخل ہوتے ہیں۔ لوگوں کو اپنی ضروریات کی چیزیں۔ پھل فروٹ۔ غلہ کپڑے۔ سونے چاندی کے زیورات۔ انگریزی دیسی دوائیاں۔ مذہبی و درسی کتابیں وغیرہ وغیرہ سب کچھ دروازے سے آگے بیٹھے ہوئے دکانداروں سے ملیں گی۔ دروازہ انہیں کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ ٹھیک اسی طرح اگر حضرت علی رضہ دروازہ ہیں تو امت کو ان سے کچھ بھی نہیں مل سکتا۔ اس دروازہ سے آگے بیٹھے ہوئے بزرگوں حضرت ابوبکر رضہ حضرت عمر رضہ عثمان رضہ سے سارا سامان ملے گا۔

ہم علامہ ترابی صاحب اور اپنے شیعہ بھائیوں کو با ادب مشورہ دیتے ہیں کہ وہ حضرت علی کو دروازہ نہ بنائیں اس میں ان کی فضیلت نہیں بلکہ ہتک ہے حضور صلعم کی اس صحیح حدیث انا مدینۃ العلم وعلی بابھا کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور اس شہر کا دروازہ بہت اونچا ہے۔

قدیم زمانے میں آبادی کی قلت تھی۔ شہر آباد ہوتے ارد گرد فصیل بنائی جاتی تھی۔ مگر لندن۔ پیرس۔ برلن۔ ماسکو۔ پیکنگ۔ ٹوکیو۔ واشنگٹن۔ نیویارک کے ارد گرد کوئی فصیل نہیں۔ ہر شہر کی آبادی دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اسی طرح حضور صلعم علم کے شہر ہیں۔ اور اب تو یہ شہر اتنا پھیلا ہے کہ اس نے زمین کے سارے شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اب کہاں کہاں دروازہ لگایا جائے گا حضور صلعم کے سب سے بڑے علمی معجزہ قرآن کی شان یہ بیان فرمائی گئی ہے بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ۔ منکرین اس قرآن کی تکذیب کرتے ہیں جس کے علم کا احاطہ وہ کر ہی نہیں سکتے۔ ع وہ ہے محیطِ بیکراں تو ہے ذرا سی آب جو۔ والا معاملہ ہے۔

صدیاں گذر گئیں شیعہ حضرات، اصحاب ثلاثہ حضرت ابوبکر رضہ حضرت عمر رضہ فاروق رضہ حضرت عثمان غنی رضہ کے استخفاف میں سب وشتم سے کام لینا ہی اپنا مذہب سمجھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابوبکر رضہ حضرت عمر رضہ حضرت عثمان رضہ اور حضرت علی رضہ کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ وہ ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے حضرت عمر رضہ نے حضرت علی رضہ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کر دیں کہ میں بھی اہل بیت میں شمار کیا جاؤں۔ حضرت علی رضہ نے بخوشی یہ درخواست منظور فرما کر اپنی بڑی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضہ سے کر دیا۔

حضرت علی رضہ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے آنے کا شرف سات خواتین کو نصیب ہوا۔ ایک خاتون کے ہاں چار بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک بیٹے کا نام عباس رکھا گیا۔ یہ وہی عباس تھا جو میدانِ کربلا میں عباس علمدار کی حیثیت سے لڑا۔ دوسرے بیٹے کا نام حضرت علی رضہ نے عثمان رکھا۔ نیز ایک کا ابوبکر اور ایک کا عمر رکھا۔ خدا لگتی کہو کہ اگر تمہاری طرح حضرت علی رضہ بھی اصحاب ثلاثہ سے نفرت کرتے تھے تو پھر اپنی بیٹی کا نکاح حضرت عمر رضہ سے کیوں کیا؟ اور اپنے ایک بیٹے کا نام حضرت عثمان ابوبکر اور عمر کے نام پر کیوں رکھا؟

مولانا ظفر علی خان نے کیا اچھا فرمایا ہے:۔

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکر و عمرؓ عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

شاہانِ اودھ نے شہر لکھنو میں ایک عظیم امام باڑہ تعمیر کرایا تھا جس کے فرش پر عوام اور جھروکوں میں پردہ دار خواتین اور شاہی خاندان کی مستورات مرثیہ خوانی پر حضرت امام حسین علیہ السلام کے حضور گریہ وزاری کا نذرانہ پیش کرتی تھیں۔ تزئین کے لحاظ سے بھی یہ امام باڑہ قابل دید شئے ہے۔

لارڈ کرزن وائسرائے ہند جب لکھنو کے دورے پر گئے تو امام باڑہ بھی دیکھا۔ اچھی خاصی زبانِ اردو بول لیتے تھے۔ امام باڑہ کے معمر متولی سے جب تعارف کرایا گیا تو لارڈ کرزن نے پوچھا: آپ کی عمر کیا ہے؟ بوڑھے متولی نے بہت غصہ منایا اور منہ پھیر لیا۔ اس پر ایک شخص نے آگے بڑھ کر انگریزی میں لارڈ کرزن کو بتلایا کہ ہم شیعہ لوگ عمر سے نفرت کرتے ہیں۔ اس بزرگ نے لفظ عمر سن کر برا منایا ہے۔ آپ ان سے پوچھئے آپ کا سن کیا ہے؟ لارڈ کرزن نے حقیقت حال سے آگاہ ہو کر پھر پوچھا، آپ کا سن کیا ہے؟ بوڑھے متولی نے خوش ہو کر جواب دیا: الحمد للہ نوے کے پیٹے میں ہوں اور ان گنہگار آنکھوں نے کئی انقلابات دیکھے ہیں۔

لارڈ کرزن نے کہا کہ: جس عمر سے تم شیعہ لوگ اس حد تک نفرت کرتے ہو کہ لفظ عمر کسی اور معنے میں بھی سننا گوارا نہیں کرتے وہ عمر اتنا بلند پایہ فاتح تھا کہ یورپ کے مفکرین کا فیصلہ ہے کہ مسلمانوں کو اگر ایک اور عمر مل جاتا تو وہ ساری دنیا پر چھا جاتے۔ شیعوں کے پاس صرف ایک سلطنت ایران ہے۔ یہ ایران بھی حضرت عمر نے فتح کیا تھا۔

جن لوگوں کو لفظ عمر سے اتنا بیر ہے وہ لوگ اس کا علاج کیا کریں گے کہ لفظ عمر قرآن کریم میں بھی آیا ہے جیسے:۔

لَعَمْرُكَ انهم لفی سکرتهم یعمهون (اے محمد مصطفےٰ) آپ کی عمر کی قسم قوم لوط اپنی بدمستیوں میں اندھی تھی۔ پھر قرآن کریم میں لکھا ہے:۔
فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون (اے محمد مصطفےٰ)

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲ کے نیچے)

محترم شیخ نثار احمد صاحب

تبصرہ:۔

"مسنون دُعائیں"

مندرجہ بالا عنوان سے جو کتاب جناب میاں نصیر احمد صاحب فاروقی نے مرتب کی ہے ۔ یہ بہت بڑی خدمت ہے ۔ ومن احسن قول ممن دعا الی اللہ و عمل صالحاً ۔ صاحب موصوف ماشاءاللہ واعظ باعمل ہیں اور دین اور دُنیا دونوں سے آپ کو وافر حصہ ملا ہے ۔ راقم الحروف تو اپنے آپ کو ان تعریفی کلمات کے کہنے کے قابل بھی نہیں پاتا لیکن اس کتاب کے مطالعہ کے بعد دل میں ایک تحریک پیدا ہوئی جو یہ چند سطور سپُردِ قلم کی ہیں ۔

آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت سرد ہوتی ہے ۔ زندگی میں پیش آنے والے ہر موقعہ کے لئے دعاؤں کا یہ بیش بہا خزانہ یکجا جمع کر دیا گیا ہے جس سے ہم استفادہ کریں ۔ اس مجموعہ میں سب سے پہلی دعا ہے وہ نیند سے بیدار ہونے پر ہے اور ہر روز یہ ایک یاد دلاتی ہے کہ ہم اس مہلت سے فائدہ اُٹھائیں کہ ایک دن اس دنیا میں ابدی نیند کا شکار ہونے والے ہیں ۔ اس حسنِ انتخاب پر تحسین صد تحسین ۔ ایک ایک دُعا ہمارے اندر عرفان اور معرفت پیدا کرنے والی ہے اور ہماری توجہ کو مالک حقیقی کی طرف مبذول کرتی ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ ہمارے اندر قلب سلیم پیدا ہو جائے جو مصفّٰے اور کامل محبت الٰہی کا مسکن ہو اور ہم خدا تعالےٰ کے احکام کو دلی شوق سے بجا لائیں ۔ دین ہماری دنیا پر مقدم ہو راستبازی اور یقین کی لذت سے فیض یاب ہوں ۔ حضرت امام زمان نے اس پر بہت زور دیا ہے ۔ آپ نے فرمایا

" اسے میری جماعت خدا تعالےٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو وہ قادر کریم آپ کو سفر آخرت کے لئے ایسا تیار کرے جیسا کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ تیار کئے گئے خوب یاد رکھو دنیا کچھ چیز نہیں ہے ۔ لعنتی ہے وہ زندگی جو محض دنیا کے لئے ہو اور بدقسمت ہے وہ جس کا تمام ہم و غم دنیا کے لئے ہے ۔ ایسا انسان اگر میری جماعت میں ہے تو وہ عبث طور پر میری جماعت میں داخل ہے ۔ کیونکہ وہ ایک خشک ٹہنی کی طرح ہے جو پھل نہیں لائے گی ۔

اے سعادت مند لوگو تم زور کے ساتھ اس تعلیم میں داخل ہو جو تمہاری نجات کے لئے مجھے دی گئی ہے ۔ خدا اسباب کے استعمال سے منع نہیں کرتا لیکن جو شخص خدا کو چھوڑ کر بھروسہ کرتا ہے وہ مشرک ہے ۔ پاک دل بننے کے سوا نجات نہیں ۔ راستبازی میں کامل ہو جاؤ ۔ خدا راستباز کو ایک بچے کی طرح کنارِ عافیت میں لے لیتا ہے "

اپنے اندر یقین پیدا کریں کیونکہ یقین کے بغیر سچی پاکیزگی پیدا نہیں ہو سکتی ۔ یقین ہی گناہ سے چھڑاتا ہے ۔ یقین سے ہی نیکی کی توفیق ملتی ہے اور صرف یقین سے ہی تسلی پیدا ہو سکتی ہے ۔ حضرت صاحب نے کیا عمدہ مثالوں سے سمجھایا ہے کہ " کیا ہم اس سوراخ میں ہاتھ ڈال سکتے ہیں جس کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک زہریلا سانپ ہے ۔ کیا ہم اس جگہ کھڑے رہ سکتے ہیں جس جگہ کوہ آتش فشاں سے پتھر برس رہے ہوں ۔ کیا ہم اس کھانے کو کھا سکتے ہیں جس کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ اس میں زہر ہے کیا ہمارا قدم اس جنگل کی طرف اُٹھ سکتا ہے جس میں خونخوار درندے ہیں ۔ یہ سب کچھ یقین کی بدولت ہی ہے کہ ہم ایسی باتوں کی طرف رُخ نہیں کرتے گناہ اور نقصان پہنچانے والی چیزوں کو سب جانتے ہیں ۔ گناہ اور یقین دونوں جمع نہیں ہو سکتے ۔ "

الغرض یہ دعاؤں کا مجموعہ خدا کے آگے جھکنے اور ہمارے اندر یقین پیدا کرنے کا موجب ہو ۔ وما توفیقی الا باللہ ۔

احباب کو یہ کتاب دارالکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے تین روپے میں مل سکتی ہے ۔

محترم شیخ محمد طفیل صاحب ایم اے ۔ لندن

سردار دیوان سنگھ مفتون

دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر ریاست ہندوستان کے ایک عظیم صحافی تھے ۔ ۲۶ جنوری ۱۹۷۵ء کو وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ۔ دوستوں کے ہمدرد مرنجاں مرنج قسم کے انسان تھے ، صحافت میں بے باک ایک خاص طرز نگارش کے بانی تھے ۔ جماعت احمدیہ سے بہت حسنِ ظن رکھتے تھے بلکہ عمر کے آخری ایام احمدیوں کے درمیان بسر کرنے کے آرزومند تھے ۔

جب میں گذشتہ ماہ جنوری ۱۱ تاریخ کو ایک دو روز کے لئے قادیان گیا تو وہاں جناب ملک صلاح الدین صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ باتوں باتوں میں سردار صاحب کا ذکر آ گیا ۔ کہنے لگے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ وہ اپنی عمر کے آخری ایام قادیان آ کر گذارنا چاہتے ہیں ۔ اس سلسلے میں ملک صاحب انتظام کر ہی رہے تھے کہ ان کا ایک دوسرا خط آ گیا کہ وہ دل کی بیماری کے سلسلے میں ہسپتال میں داخل ہو گئے ہیں اور معلوم نہیں کہ کتنی دیر تک وہ ہسپتال ہی میں رہیں گے ۔ اس لئے ان کا قادیان آنا اب غیر یقینی ہے ۔

ملک صاحب نے پھر سردار صاحب کے متعلق واقعہ سنایا کہ ایک بار انہوں نے ایک احمدی کو اپنے دفتر میں ملازم رکھا ۔ چند دنوں کے بعد اسے ایک رقم دے کر بنک بھیجا ۔ لیکن وہ شخص واپس نہیں آیا ۔ مفتون صاحب کہنے لگے کہ مجھے اس واقعہ سے بہت پریشانی ہوئی ۔ دوسرے تیسرے روز اس احمدی کا ایک خط انہیں ملا جس میں لکھا کہ جب وہ رقم بنک میں جمع کرا کے باہر نکلا تو اسے ایک عزیز نے بتلایا کہ اس کی والدہ سخت بیمار ہے اور آخری دموں پر ہے وہ فوراً بس لے کر اپنے گاؤں آ گیا اور اس پریشانی میں وہ کسی کو بھی اطلاع نہیں دے سکا کہ کہاں جا رہا ہے ۔ اور اب دو چار دنوں تک واپس آ جائے گا ۔

مفتون صاحب نے فرمایا مجھے اپنی رقم کے گم ہونے کا افسوس نہیں تھا ۔ افسوس یہ تھا کہ ایسا کام ایک احمدی نے کیا جس کی انہیں بالکل توقع نہیں تھی ۔ اس خط کو پا کر انہیں اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر تھی ۔

اخبار ریاست میں ایک بار سلسلہ مضامین شروع ہوا جس میں مختلف جماعتوں کے افراد کے متعلق سردار صاحب کے تاثرات بیان کئے گئے تھے ۔ ایک قسط میں احمدیوں کا بھی ذکر آیا ۔ اور امور تو میرے ذہن سے اُتر گئے ہیں ایک بات یاد رہ گئی ہے لکھا تھا احمدی حضرات دُعا کے بہت قائل ہیں ۔ اگر بھوک بھی لگے اور کھانا ملنے کے کوئی آثار نہ ہوں تو دعا سے کام لیتے ہیں

بات قدرے مزاحیہ انداز میں کہی گئی تھی لیکن حقیقت سے کتنی قریب تھی اس مادی دور میں تحریک احمدیت نے فلسفہ دُعا پر جس قدر زور دیا اس نے خدا تعالےٰ کے تعلق کو ایک قصہ پارینہ نہیں بلکہ زندہ جاوید صداقت ثابت کر دیا ۔

بسلسلہ صفحہ ۱۱ :۔

آپ اپنی قوم سے فرمائیے کہ میں نے تمہارے اندر ایک عمر گذاری ہے ایسے پاکباز انسان پر ایمان لانے میں تمہاری عقل کیوں ٹھوکر کھا رہی ہے ۔ غرض شیعہ حضرات کی بدقسمتی ہے کہ خدا نے لفظ عمر کو اپنی پاک کتاب قرآن میں جگہ دی ہے

عرفات پریس تھارنٹن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پرنٹر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا ۔
ایڈیٹر
غلام نبی مسلم ایم اے
ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ۔ ۱۴ مئی ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ شمارہ نمبر ۲۰

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۹ر جمادی الاوّل ۱۳۹۵ھ - ۲۱ر مئی ۱۹۷۵ء | نمبر ۲۱

(حضرت مجدد صد چہاردہم سلام اللہ علیہ)

انبیاء اور مامور اولیاء حسب نسب اور سیرت میں ممتاز عصر ہوتے ہیں

اب خدا تعالیٰ کی قدرت پر خیال کر کے ممکن تو ہے کہ وہ (بھنگی) اپنے کاموں سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائے اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایسا فضل اس پر ہو کہ وہ رسول اور نبی بھی بن جائے اور اسی گاؤں کے شریف لوگوں کی طرف دعوت کا پیغام لے کر آوے اور کہے کہ جو شخص تم میں سے میری اطاعت نہیں کرے گا خدا اسے جہنم میں ڈالے گا۔ لیکن باوجود اس امکان کے جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کبھی خدا نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ایسا نہ کرنا اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے اور وہ جانتا ہے کہ لوگوں کے لئے یہ ایک فوق الطاقت ٹھوکر کی جگہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو پشت در پشت رذیل چلا آتا ہے اور لوگوں کی نظر میں نہ صرف وہ پنچ ہے بلکہ اس کا باپ اور دادا اور پردادا اور جہاں تک معلوم ہے قوم کے پنچ ہیں، اور ہمیشہ سے شریر اور بدکار ہوتے چلے آتے ہیں۔ اور مویشیوں کی طرح ادنیٰ خدمتیں کرتے رہے ہیں۔ اب اگر لوگوں سے اس کی اطاعت کرائی جائے تو بلاشبہ لوگ اس کی اطاعت سے کراہت کریں گے کیونکہ ایسی جگہ میں کراہت کرنا انسان کے لئے ایک طبعی امر ہے اس لئے خدا تعالیٰ کا قدیم قانون اور سنت یہی ہے کہ وہ صرف ان لوگوں کو منصب دعوت یعنی نبوت وغیرہ پر مامور کرتا ہے جو اعلیٰ خاندان میں سے ہوں اور ذاتی طور پر اپنے چال چلن اچھے رکھتے ہوں کیونکہ جیسا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے حکیم بھی ہے اور اس کی حکمت اور مصلحت چاہتی ہے کہ اپنے نبیوں اور ماموروں کو ایسی اعلیٰ قوم اور خاندان اور ذاتی نیک چال چلن کے ساتھ بھیجے تاکہ کوئی دل ان کی اطاعت سے کراہت نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام نبی علیہم السلام اعلیٰ قوم اور خاندان میں سے آتے رہے ہیں۔ اسی حکمت اور مصلحت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی نسبت ان دونوں خوبیوں کا تذکرہ فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے لقد جاءکم رسول من انفسکم یعنی تمہارے پاس وہ رسول آیا ہے جو خاندان اور قبیلہ اور قوم کے لحاظ سے تمام دنیا سے بڑھ کر ہے اور سب سے زیادہ پاک اور بزرگ خاندان رکھتا ہے اور ایک اور جگہ قرآن شریف میں فرماتا ہے وتوکل علی اللہ العزیز الرحیم۔ الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین۔ یعنی خدا پر توکل کر جو غالب اور رحم کرنے والا ہے۔ وہی خدا جو تجھے دیکھتا ہے جب تو دعا اور دعوت کے لئے کھڑا ہوتا ہے وہی خدا جو تجھے اس وقت دیکھتا تھا کہ جب تو تخم کے طور پر راستبازوں کی پشتوں میں چلا آتا تھا یہاں تک کہ اپنی بزرگ والدہ آمنہ کے پیٹ میں پڑا اور ان کے سوا اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں ہمارے بزرگ اور مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علو خاندان اور شرافت قوم اور بزرگ قبیلہ کا ذکر ہے اور دوسری خوبی جو شرط کے طور پر ماموریت کے لئے ضروری ہے وہ نیک چال چلن ہے۔ کیونکہ بد چال چلن سے بھی دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ خوبی بھی بدیہی طور پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے وقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون۔ یعنی ان کفار کو کہدے کہ اس سے پہلے میں نے ایک عمر تم میں بسر کی ہے۔ پس کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں کس درجہ کا امین اور راستباز ہوں۔ اب دیکھو کہ یہ دونوں صفتیں جو مرتبہ نبوت اور ماموریت کے لئے ضروری ہیں یعنے بزرگ خاندان میں سے ہونا اور اپنی ذات میں امین اور راستباز اور خدا ترس اور نیک چلن ہونا قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کمال درجہ پر ثابت کی ہیں اور آپ کے اعلیٰ چال چلن اور اعلیٰ خاندان پر خود گواہی دی ہے اور اس جگہ میں اس شکر کے ادا کرنے سے نہیں رہ سکتا۔ کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں اپنی وحی کے ذریعہ سے کفار کو ملزم کیا اور فرمایا کہ یہ میرا نبی اس اعلیٰ درجہ کا نیک چال چلن رکھتا ہے کہ تمہیں طاقت نہیں کہ اس کی گذشتہ چالیس برس کی زندگی میں کوئی عیب اور نقص نکال سکو باوجود اس کے کہ وہ چالیس برس تک دن رات تمہارے درمیان رہا ہے اور نہ تمہیں یہ طاقت ہے کہ اس کے اعلیٰ خاندان میں جو شرافت اور طہارت اور ریاست اور امارت کا خاندان ہے ایک ذرہ عیب گیری کر سکو پھر تم سوچو کہ جو شخص ایسے اعلیٰ اور اطہر اور انفس خاندان میں سے ہے اور اس کی چالیس برس کی زندگی جو تمہارے روبرو ہی گذری گواہی دے رہی ہے جو افترا اور دروغ بافی اس کا کام نہیں ہے تو پھر ان

مقامِ حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آ گیا ہو کر مسیح ٭ خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار

آسماں پر دعوتِ حق کے لئے اِک جوش ہے ٭ ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار

گلشنِ احمد بنا ہے مسکنِ بادِ صبا ٭ جس کی تحریکوں سے سنتا ہے بشر گفتارِ یار

غیر کیا جانے کہ دلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے ٭ وہ ہمارا ہو گیا اُسکے ہوئے ہم جاں نثار

سر سے میرے پاؤں تک وہ یار ہے مجھ میں نہاں ٭ اے مرے بدخواہ کرنا ہوش کر کے مجھ پہ وار

اس قدر عرفاں بڑھا میرا کہ کافر ہو گیا ٭ آنکھ میں اس کی کہ ہے وہ دُور تر از صحنِ یار

قوم کے لوگو اِدھر آؤ کہ نکلا آفتاب ٭ وادیٔ ظلمت میں کیا بیٹھے ہو تم لیل و نہار

ابنِ مریم ہوں مگر اُترا نہیں ہوں چرخ سے ٭ نیز مہدی ہوں مگر بے تیغ اور بے کارزار

مجھ کو کیا مُلکوں سے، میرا مُلک ہے سب سے جُدا ٭ مجھ کو کیا تاجوں سے، میرا تاج ہے رضوانِ یار

کام کیا عزّت سے ہمکو شہرتوں سے کیا غرض ٭ گر وہ ذلّت سے ہو راضی اس پہ سو عزّت نثار

جاودانی زندگی ہے موت کے اندر نہاں ٭ گلشنِ دلبر کی راہ ہے وادیٔ غربت کے خار

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے ٭ ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

پُشتیٔ دیوارِ دیں اور مامنِ اسلام ہوں ٭ نارسا ہے دستِ دشمن تا بہ فرقِ ایں جدار

اس تعصب پر نظر کرنا کہ میں اسلام پر ٭ ہوں فدا پھر بھی مجھے کہتے ہیں کافر بار بار

میں وہ پانی ہوں کہ اُترا آسماں سے وقت پر ٭ میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے ٭ اَب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے اُمیدوار

میں نہیں کہتا کہ میری جان ہے سب سے پاک تر ٭ میں نہیں کہتا کہ یہ میرے عمل کے ہیں ثمار

مجھ کو بس ہے وہ خدا، عہدوں کی کچھ پرواہ نہیں ٭ ہو سکے تو خود بنو مہدی بحکمِ کردگار

افترا لعنت ہے اور ہر مفتری ملعون ہے ٭ پھر لعیں وہ بھی ہے جو صادق سے رکھتا ہے نقار

تشنہ بیٹھے ہو کنارِ جوئے شیریں حیف ہے
سرزمینِ ہند میں چلتی ہے نہرِ خوشگوار

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۲۱ مئی ۱۹۷۵ء

سائنس کی ناکامی کا کھلا اعتراف

عقلیت اور مادی تسخیر میں حیرت انگیز ترقی کے باوجود کیا فرد کو وہ قلبی اطمینان و سکون نصیب ہوا ہے جس کا حصول زندگی کی اعلیٰ ترین اغراض میں سے ہے؟ اپنی لا انتہا ترقی پذیری کے باوصف انسانی اقدار پر بنا کسی نظام عمل کو قائم کرنے میں سائنس کہاں تک کامیاب ہوئی ہے؟ انجمن اقوام عالم (یو۔این۔او) میں جو فیصلے آئے روز کئے جاتے ہیں وہ انصاف اور حق پرستی سے کہاں تک مطابقت رکھتے ہیں؟ قومیت اور وطنیت کی سطح سے بلند ہو کر کسی عالمگیر انسانی برادری کے قیام میں سائنس نے انسان کی کہاں تک رہنمائی کی ہے؟

یہ ایسے اہم و عظیم سوال ہیں جو ہر اہل نظر و فکر کو ان کے صحیح جواب تلاش کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ آیئے! ہم بھی ان کے بارہ میں واقعاتی کوائف کی روشنی میں کوئی نتیجہ اخذ کریں۔ آج کی دنیا میں امریکہ سب سے زیادہ دولت مند ملک ہے تسخیر کائنات میں بھی اس کا نمبر سرِ فہرست ہے۔ کیا وہاں کے مکین قلبی سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال ہو چکے ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو اس ملک میں ہپی ازم کی تحریک کیوں فروغ پاتی جس کی بناء بھی اس امر پر ہے کہ اپنے حالات سے بے اطمینانی کا کھلم کھلا مظاہرہ اور براہ راست بغاوت کی جائے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امریکہ اور دوسرے متمدن و متمول مواطن میں مختل ہسپتالوں میں مریضوں کی تعداد کی کثرت موجود ہے، ظاہر ہے کہ جس قدر لوگ اپنے ماحول اور خوشحالی سے مطمئن ہوں گے اسی قدر نسبت سے انہیں دماغی صحت اور قوت ہوگی۔ اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ سائنس میں ترقی یافتہ ممالک اور تسخیر کائنات میں اول نمبر پر اصحاب سکون و اطمینان قلبی سے محروم ہیں۔

ایٹم بم جو سائنس کی سب سے عظیم تخلیق ہے کا خطرہ بھی کچھ کم بے اطمینانی اور بے چینی پیدا کرنے کا موجب نہیں۔ آخر یہ باہمی ملکی اور وطنی رقابتیں ہی ہیں جو خوشحالی اور ترقی کی بجائے تباہی اور بربادی نیز مفلسی اور ناداری کی طرف لئے چلی جا رہی ہیں۔ سائنسی ترقی نے اس بارہ میں کونسا علاج تجویز کیا ہے۔ بلکہ ہم کہنے پر مجبور ہیں کہ عالمگیر مہلک ہتھیاروں کی تیاری اور پھیلاؤ کا براہِ راست سبب سائنس کی ترقی ہی ہوئی ہے۔

پھر یہ بھی اہلِ دانش کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے کہ ترقی اور خوشحالی ایک اضافی اور نسبتی امر ہے افراد اور قومیں اس بارہ میں ایک دوسرے کو اپنی نسبت سے جانچتی ہیں۔ فساد اور خرابی کی اصل بنیاد حسد اور رقابت کے خبیث جذبات ہیں۔ ان پر قابو پانا نہ سائنس کے احاطۂ اختیار میں ہے اور نہ ہی اس کے دائرہ عمل کی بات ہے۔

خود سائنس دان اس امر کے معترف ہیں کہ سائنس نے جس قدر عظیم طاقت پر انسان کو مقدرت دیدی ہے، اسے کنٹرول میں رکھنے یا اس کے صحیح استعمال کے لئے انسان کی رہنمائی کے لئے اسے دین کی ضرورت ہے۔ ہم یہاں چند چوٹی کے سائنسدانوں اور مغربی مفکرین کی آراء مختصراً دیتے ہیں جس سے ان کا اپنا اعتراف ظاہر ہے کہ سائنس انسان کی راہبری سے عاجز و قاصر ہے اور اسے مذہب ہی سائنسی مہلک قوتوں سے نجات دلانے کے قابل ہے۔

(۱) سر جیمز جینز

"ہم نے یہ بحث کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ سائنس بعض مشکل مسائل پر کہاں تک کچھ کہنے کے قابل ہے جو غالباً انسانی فہم و سمجھ سے ہمیشہ بالاتر ہیں۔"

سر جیمز کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ انسانی احساسات اور جذبات سائنس کے دائرہ عمل و اختیار سے بکلی باہر ہیں چہ جائیکہ وہ ان پر قبضہ و کنٹرول دے سکے۔ خدا تعالیٰ کی ہستی اور مدبر بالارادہ ہونے پر بھی چوٹی کے اس سائنسدان کی رائے ملاحظہ ہو:

"تخلیق بجائے میکانکی کے شعوری ارادہ کے تحت ہوئی ہے۔ مادہ کے فانی و حادث ہونے کو سائنس نے مان لیا ہے ...... تمام وہ اجسام جن سے مل کر یہ کائنات بنی ہے بجز شعوری ہستی کے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ لیکن کوئی خیال یا نظریہ کسی شعوری ہستی کے بغیر جس میں وہ موجود ہو قائم نہیں رہ سکتا .... آج سائنس کی دنیا میں قریباً اس بات پر اتفاق ہے کہ حقیقت میکانکی نہیں۔ اب یہ کائنات بجائے ایک مشین کے ایک ارادہ و تدبیر کے ماتحت دکھلائی دے رہی ہے۔ شعور اس مادی دنیا میں محض اتفاقی نہیں۔ ہم اب شبہ کرنے لگ پڑے ہیں کہ ہمیں اس مادہ کا خالق اور حکمران ماننا پڑے گا۔ شعور سے مراد ہمارے اپنے الگ الگ شعور نہیں، بلکہ ایک ایسا شعور مراد ہے جس میں کائنات عالم کے جملہ ایٹم موجود ہیں۔"

اب سائنس کے ان انکشافات کا مقابلہ قرآنی نظریہ کائنات تخلیق و حیات سے کیجئے جہاں پر فرمایا گیا ہے "اللہ الصمد" خدا صمد ہے یعنی اس کی ذات کسی کی محتاج نہیں مگر سب تخلیق اسی کی محتاج ہے یدبر الامر من السماء الی الارض۔ وہی ذات صاحب ارادہ ہے جس کا شعور آسمانوں سے زمین تک محیط ہے۔ وھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شئی علیم۔ ابتداء میں وہی ذات تھی اور آخر پر بھی وہی ذات رہے گی ظاہر و باطن میں اسی ذات کا جلوہ کارفرما ہے۔

(۲) پروفیسر اے آر گب لندن یونیورسٹی:

دینِ اسلام کی افادیت کے بارہ میں یوں رقمطراز ہیں:۔

"اسلام مغربی تہذیب کو کامل کرنے والا اور اس کے قوانین کو درست کرنے والا ہے ...... مغربی دنیا کے انتہائی تضادوں کے درمیان اسلام ایک توازن قائم کرتا ہے۔ یہ دین ایک طرف تو یورپ کے قومی نقطہ نگاہ اور دوسری طرف روس کی آمریت کے بر خلاف ہے۔ جس طرح یورپ اور موجودہ روس دونوں اقتصادی جنون میں مبتلا ہیں۔ اسلام نے اس طرح مادیت کو سجدہ نہیں کیا۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے بین بین اسلام نے ایک درمیانی راہ اختیار کی ہے .... مگر انسانیت کی خدمت کے لئے اسلام کے لئے ایک موقعہ بھی میسر ہے اس میں نسلی مفاہمت اور اتحاد کی ایسی شاندار روایات موجود ہیں جو کسی دوسرے معاشرہ کا ریکارڈ نہیں اس نے کامیابی کے ساتھ اس قدر کثیر اور اتنی اقسام کی نسل انسانی میں ... اتفاق اور اتحاد پیدا کیا ہے کہ جس نے مقام و موقعہ اور سعی و جہد میں مساوات قائم کر دکھلائی نسل و روایات اور رنگ کے ناممکن المفاہمتی عناصر کو اسلام کے ذریعہ متفق و یکرنگ کیا جا سکتا ہے —— پس اگر مشرقی اور مغربی اقوام کی باہمی مخالفت کو تعاون میں بدلنا منظور ہو تو اس کے لئے اسلام کی مداخلت ناگزیر ہے۔"

(ا۔ ب)

ادارت میں تبدیلی ہمیں افسوس ہے کہ جناب غلام نبی مسلم صاحب مدیر "پیغام صلح" بعض مخصوص وجوہات کی بناء پر اخبار کی ادارت سے مستعفی ہو گئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ وہ مدیر نہ ہوتے ہوئے بھی اس اخبار کی علمی خدمات میں حصہ لیتے رہیں گے۔ (ادارہ)

درخواست دعا میرے ایک نہایت ہی عزیز دوست جناب شیخ ضیاء الرحمن آف خان پور کا صاحبزادہ عزیز برکات الرحمن امسال جماعت ششم ہفتم اور ہشتم کی بیک وقت تیاری کر رہا ہے۔ جملہ احباب جماعت سے بالعموم اور حضرت امیر قوم اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب سے بالخصوص درخواست دعا ہے کہ اس سعید اور ہونہار پیارے بچے کے لئے اس کے امتحانات اور دنیوی اور اُخروی سعادتوں کے حصول کے لئے دعا فرمائیں جزاکم اللہ ماجور ہوں والسلام

عبدالعزیز ریٹائرڈ ریلوے گارڈ۔ بہاولپور

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

بانئ سلسلہ احمدیہ کے چند الہامات اور کشوف

جماعت احمدیہ لاہور کے قیام اور دائمی غلبہ پر الہامی شہادت

(۲)

{اس مضمون کی پہلی قسط میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے بعض ایسے الہامات اور کشوف درج کئے جا چکے ہیں جو واقعات میں پورے ہو چکے ہیں اور جو اس امر کو ظاہر کرتے ہیں کہ جب جماعت احمدیہ میں تفریق پیدا ہوگی تو لاہور میں حضرت اقدسؑ کی اصلی تشاخ قائم ہوگی جو باوجود قلیل ہونے کے آپ کے صحیح معتقدات پر قائم اور اسلامی نشأۃ ثانیہ کے مقصد کی علمبردار، نیز آمرانہ پیر پرستی کے نظام کی بجائے حضرت اقدس کے الوصیت میں قائم کردہ جمہوری نظام پر عمل پیرا ہوگی۔ ان الہامات وکشوف کے واقعات میں سچا ثابت ہو جانے پر جہاں حضرت اقدس کی صداقت اور منجانب اللہ مامور و مجدد ہونے کا حتمی ثبوت ملتا ہے وہاں ان سے جماعت لاہور کے منجانب اللہ قیام اور مستقبل میں اسکے غلبہ کی خوشخبری بھی واضح ہوتی ہے}

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے بعض ایسے الہامات وکشوف پہلے دیئے جا چکے ہیں جو واقعات میں من وعن پورے ہو چکے ہیں جو اس بارہ میں ہوئے کہ آپ کے بعد جب جماعت احمدیہ میں پھوٹ پڑے گی تو خدا کی معیت اس فریق کے ساتھ ہوگی جو ابتداء میں قلیل وکمزور ہوگا لیکن انجام کار غلبہ اسی کو نصیب ہوگا جیسے یہ الہام کہ "میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے اموال و نفوس میں برکت دوں گا اور انہیں کثرت نصیب ہوگی" یا جیسے اس کشف سے ثابت ہے جس میں دو قائد بیٹھے دکھلائے گئے تھے اور حضرت اقدسؑ نے یکے بعد دیگرے اُن سے ایک لاکھ سپاہی کا مطالبہ کیا تو کثیر گروہ کا قائد جو زمین پر بیٹھا ہوا تھا خاموش رہا مگر قلیل گروہ کے قائد نے لبیک کہکر پانچ ہزار سپاہی کی پیشکش خدمت عالی میں کی جس پر حضرت نے کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله کی آیت قرآنی پڑھی۔ اسی طرح "لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں" کے الہامات بھی درج کئے جا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ یہ الہام کہ "ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں"۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور میں آپ کی وفات کے واقعہ ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء نے بکلی واضح کر دیا کہ استعارۃً احمدیہ بلڈنگس لاہور مدینۃ المسیح بنے گا یعنی حضرت اقدسؑ کے اصل مقاصد دین کا غلبہ اسلام اور ترویج علوم قرآن کا مرکز بجائے قادیان کے لاہور بن جائے گا چنانچہ ایک دنیا اس واقعہ کی شاہد ہے کہ تراجم و تفاسیر قرآن انگریزی و اردو کی اشاعت اور بلاد مغرب میں اشاعت اسلام کی لہر اسی مرکز لاہور سے اُٹھی۔

حضرت مولانا محمد علیؒ کے صالح ہونے اور نیک ارادوں پر خدائی شہادت

دنیا پر اب یہ امر روشن ہو چکا ہے کہ حضرت مولانا محمد علیؒ کے دلی ارادے قرآن کریم کے علوم کی نشر و اشاعت اور مغربی دنیا میں تبلیغ اسلام، کس قدر بلند پایہ اور نیک تھے۔ پس اس جگہ یہ مناسب معلوم دیتا ہے کہ حضرت اقدس کی کشفی نگاہ کو حضرت مولاناؒ کے بارہ میں کیا کیا نظارے دکھلائے گئے ان کا مختصراً تذکرہ کیا جائے :-

(۱) "مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں کہا آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے آؤ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔"

اس رؤیا میں در اصل دوسرے عالم کا نظارہ دکھلایا گیا ہے یعنی جب حضرت مولاناؒ بعد وفات حضرت اقدسؑ سے ملاقات کریں گے تو حضرت اقدس وہاں آپ کو ان الفاظ میں خوش آمدید کہیں گے کہ آپ اس دنیا میں صالح تھے اور نیک ارادے آپ کے پیش نظر تھے پس ہماری رفاقت آپ کو اس جہان میں نصیب ہے یہ اس آیت قرآنی کے مطابق ہے جہاں فرمایا فاولٰئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيّين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولٰئك رفيقا۔ منعم علیہ گروہ میں نبی، صدیق، شہید اور صالح شامل ہیں۔ پس یہ ایک دوسرے کے عمدہ رفیق ہیں۔

۲۔ حضرت مولانا محمد علیؒ کو خدائی قلم کا تحفہ

{اس بارہ میں حضرت اقدس کا مشہور کشف درج ذیل ہے :-

"رؤیا دیکھا کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہوں اور کسی طرف جا رہا ہوں جاتے ہوئے آگے بالکل تاریکی چھا گئی تو میں واپس آگیا، راستہ میں گرد و غبار کے سبب تاریکی ہوگئی۔ تو میں نے گھوڑے کی باگ کو ٹٹول کر ہاتھ میں پکڑا ہے چند قدم آگے چل کر روشنی ہوگئی۔ آگے دیکھا ایک چبوترہ ہے اس پر اتر پڑا وہاں چند ایک لڑکے ہیں۔ انہوں نے شور مچا دیا کہ مولوی عبدالکریم مرحوم آ گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم آ رہے ہیں، میں نے مصافحہ کیا اور السلام علیکم کہا۔ مولوی صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر بطور تحفہ مجھے دی اور کہا کہ پادریوں کا افسر بھی اسی سے کام چلاتا ہے۔ وہ چیز اس طرح ہے جیسے خرگوش ہوتا ہے بادامی رنگ۔ اس کے آگے ایک نالی لگی ہوئی ہے اور نالی کے آگے قلم لگا ہوا ہے اس نالی کے اندر ہوا بھر جاتی ہے۔ جس سے وہ قلم بآسانی چلتے لگتا ہے میں نے کہا میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔ میں نے کہا اچھا میں مولوی صاحب کو دے دوں گا۔ اس کے بعد بیداری ہوگئی"

(تذکرہ صفحہ ۶۲۳)

واقعاتی تعبیر

{(ا) یہ کشف صادقہ کس صفائی اور صراحت سے پورا ہوا، ہر واقف جانتا ہے کہ قرآن کی تفاسیر اور اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے میں حضرت مولاناؒ کے اشہب قلم نے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ اندازہ ہے ستر ہزار صفحات اردو اور پچاس ہزار انگریزی زبان میں آپ کے قلم سے شائع ہوئے جو متفقہ طور پر مستند ہونے میں اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ چنانچہ مسٹر پکتھال نے آپکی کتاب "دی ریلیجن آف اسلام" پر ریویو کرتے ہوئے یہ ریمارکس دیئے ہیں :-

"اس زمانہ میں تجدید اسلام کے لئے مولانا محمد علیؒ آف لاہور سے طویل اور قابل قدر خدمات اور کسی انسان نے انجام نہیں دیں، آپ کی اور خواجہ کمال الدینؒ کی تصانیف سے تحریک احمدیہ کو نمایاں اور خصوصی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔"

پس مسلمہ اور متفقہ طور پر اگر اس دور میں حضرت اقدسؑ کی تعلیمات سے کسی شخص نے دنیا کو روشناس کرایا ہے تو وہ حضرت مولانا رح ہی ہیں کیونکہ

خدا تعالیٰ کی جانب سے حضرت اقدسؑ کی معرفت آپ کو قلم بطور تحفہ عطا کیا گیا تھا۔ یہ امر اسی طرح ہے جیسے آنحضرت صلعم نے خالدؓ بن ولید کو سیف اللہ کا لقب دیا تھا یا حضرت علی رضؓ کی تلوار کو ذوالفقار کا خطاب دیا تھا۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ دوسرے مقام پر یوں تحریر فرماتے ہیں :۔

الہام کتاب الولی ذوالفقار علی } قلم کا تحفہ عطا کئے جانے کا جو رؤیا ہے اس میں یہ امر بھی ہے کہ پادریوں کا افسر بھی اسی سے کام چلاتا ہے اسبارہ میں حضرت اقدس کا ارشاد ملاحظہ ہو :۔

"یہ مقام دارالحرب ہے پادریوں کے مقابلہ میں۔ اس لئے ہم کو چاہیئے کہ ہرگز بیکار نہ بیٹھیں۔ یاد رکھو ہماری حرب ان کے ہمرنگ ہے۔ جس قسم کے ہتھیار لے کر میدان میں وہ اترے ہیں اسی قسم کے ہتھیار ہم کو لیکر نکلنا چاہیئے اور وہ ہتھیار ہے قلم یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کا نام **سلطان القلم** رکھا اور میرے قلم کو ذوالفقار علی فرمایا" (حاشیہ صفحہ ۴۷)

اور متن صفحہ ۴۷ پر یہ الہام بھی درج ہے :۔

"کتاب الولی ذوالفقار علی"۔

یہ صحیح ہے کہ بوجہ زمانہ کے سلطان القلم ہونے کے حضرت اقدسؑ نے اس الہام کو اپنی کتاب "براہین احمدیہ" پر بجا طور پر لگایا ہے مگر سلطان القلم نے اپنے جس شاگرد رشید کو خدائی تحفہ قلم خود اپنے ہاتھ سے عنایت فرمایا وہ بھی فتوحات علمی کے باعث حضرت علی رضؓ کی مانند اسلام کی تائید میں بہت سے کارہائے نمایاں لانے کا موجب ہوا اس لئے اس کا ذکر بھی الہام کتاب الولی ذوالفقار علی میں کرنا منظور ہے۔

اجرائے نبوت اور تکفیر مسلماناں کے اندھیروں میں کس کے قلم سے روشنی نمودار ہوئی } (ب) قلم کا تحفہ عطا کئے جانے کی جہاں ایک تعبیر یہ ہے کہ کفر کے مقابل قرآنی تعلیم کی روشنی حضرت مولانا رح کے قلم سے پڑے گی وہاں قلم کے رؤیا میں صاف صاف یہ امر بھی دکھلایا گیا ہے کہ حضرت اقدسؑ کے اصل مقاصد پر جب جماعت کے بعض کمزور اور جذباتی لوگوں کے فتور سے جنہیں رؤیا میں عورتیں اور لڑکے دکھلایا گیا ہے گھٹا ٹوپ۔ اندھیرا چھا جائے گا تو اس وقت جو شخص اپنے علم و قلم سے روشنی ڈالے گا وہ حضرت مولانا رح ہی ہوں گے چنانچہ یہ واقعات حقہ ہیں کہ قادیان میں ۱۹۱۴ء میں اجراء نبوت اور تکفیر کلمہ گویاں کے ضلالت آمیز عقائد گھڑے گئے جن سے حضرت اقدسؑ کے اصل مقاصد اشاعت دین اسلام اور ترویج تعلیم قرآن کے بارہ میں گہرے شکوک و شبہات مسلمانوں کے قلوب میں گڑ گئے تو اس وقت حضرت مولانا ممدوح رح کے قلم صداقت رقم سے ہی یہ تصانیف نکلیں، "**النبوۃ فی الاسلام**" "ردِ تکفیر اہلِ قبلہ" اور "تحریک احمدیت"۔ انہی تصنیفات سے دنیا میں پھر سے یہ روشنی پھیلی کہ حضرت اقدسؑ کے اصل مقاصد کسی نئے دین یا نئی نبوت کا اجراء ہرگز نہ تھے نہ ہی جماعت احمدیہ اپنی صحیح شکل میں اسلام میں کوئی نیا فرقہ قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ احمدیت فتح و غلبہ اسلام کی ایک عظیم و عالمگیر تحریک ہے۔

علی کی انگریزی تفسیرِ قرآن کی پیشگوئی } براہین احمدیہ کے ایک کشف میں حضرت اقدسؑ نے یوں فرمایا ہے :۔

"پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی جس کی نسبت بتلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تصنیف کیا ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھے دیتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک" (صفحہ ۲۱-۲۲)

دیباچہ انگریزی ترجمۃ القرآن میں حضرت مولانا صاحب رح اپنی اس تفسیر کو حضرت اقدسؑ کی طرف ان الفاظ میں منسوب کرتے ہیں :۔

"اس تفسیر کی بہترین باتیں اس زمانہ کے سب سے بڑے مذہبی رہنما حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے قلب سے میرے قلب میں آئی ہیں۔ میں نے سیر ہو کر علم کے اس چشمہ سے پانی پیا ہے جو اس **مصلح اعظم و مجدد** صد چہاردہم بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بہایا ہے۔"

نیز اردو تفسیر بیان القرآن کے دیباچہ میں یوں تحریر فرماتے ہیں :۔

"بالآخر اس بات کا ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ گو قرآن شریف کی اس ناچیز خدمت میں میں نے سلف صالحین کی محنت سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ مگر میری زندگی میں جس شخص نے قرآن کریم کی محبت اور خدمتِ قرآن کا شوق پیدا کیا وہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور ان کے بعد فہم قرآن میں جس شخص نے مجھے اس راہ پر ڈالا وہ استاذی المکرم حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم ہیں اگر کسی شخص کو میری اس ناچیز خدمت سے کچھ فائدہ پہنچے تو وہ جہاں میرے لئے دعا کرے ان بزرگوں کے لئے بھی دعا کرے۔ میں محض مٹی ہوں اگر اس میں کچھ خوشبو کسی کو معلوم ہو تو وہ کسی اور کی پھونکی ہوئی روح ہے ؎

جمال ہمنشیں درمن اثر کرد ؛ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم"

انگریزی ترجمۃ القرآن کی بابت تو حضرت اقدسؑ نے ابتداء دعوےٰ ۱۸۹۱ء میں ہی اپنی کتاب ازالہ اوہام میں پیشگوئی فرما دی ہے :۔

"اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کے ان ملکوں میں بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز ایسا نہ ہوگا جیسا مجھ سے یا اس سے جو **میری شاخ ہے اور اس لئے مجھ میں ہی داخل ہے**"
(ازالہ اوہام صفحہ ۷۷۳)

حضرت اقدسؑ انگریزی ترجمۃ القرآن کی جو مبارک خواہش رکھتے تھے اور جس کی نسبت یہ پیشگوئی فرمائی کہ :۔

"**یہ میرا کام جیسے مجھ سے ہوگا دوسرے سے ہرگز ایسا نہ ہوگا یا اس سے جو میری شاخ ہے اور اس لئے مجھ میں ہی داخل**"۔

کیا یہ عظیم پیشگوئی حضرت مولانا کے انگریزی ترجمہ سے ہی پوری نہیں ہوئی؟ اس کی نسبت تو یہاں تک اعتراف موجود ہے :۔

"مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ اور تفسیر کی تبلیغی افادیت سے **انکار کرنا گویا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے** اس نے لاکھوں قلوب میں اسلام کی عظمت کو گاڑ دیا اور ہزاروں دل اس کے باعث اسلام کے نزدیک آ گئے۔" (مولانا عبدالماجد صاحب ایڈیٹر صدق)

یوم وصال حضرت مسیح موعودؑ

مقامی جماعتِ احمدیہ لاہور کے زیرِ اہتمام "یوم وصال حضرت مسیح موعودؑ" کے سلسلہ میں ۲۵ مئی ۱۹۷۵ء بروز اتوار بوقت ۴½ بجے سہ پہر مسجد احمدیہ بلڈنگس لاہور میں ایک تقریب کا اہتمام کیا جا رہا ہے جس کی صدارت حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب فرمائیں گے اور محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب۔ محترم مرزا مسعود بیگ صاحب۔ محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب اور مدیحہ رسول (دبئی) تقاریر فرمائیں گے۔ جملہ احباب جماعت سے درخواست ہے کہ وہ نہ صرف خود اس سعید تقریب میں ضرور شامل ہوں بلکہ اپنے اہل و عیال اور ممکن ہو تو غیر احمدی دوستوں کو بھی اپنے ساتھ لائیں۔ اور اپنے ایمان کو تازہ کریں۔

تقریب کے دوران صدر انجمن کے تعاون سے مشروبات کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔

الدّاعی الی الخیر : نذر ربّ
سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لاہور

محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن ایم ایس سی

جناب عبدالرحیم اشرف صاحب کے نام

السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

آپ کا کتابچہ "قادیانیوں سے" پہلا خطاب" بمعہ ایک عریضہ "بچھڑے بھائی" ایک دوست کے ذریعے ملا۔ اگر آپ سرورق کے آخری صفحہ پر قادیانی اور لاہوری حضرات! کے عنوان میں "لاہوری" کا ذکر نہ کرتے تو شاید میں آپ کو مخاطب کرنا مناسب نہ سمجھتا۔ چونکہ میں جماعت لاہور سے تعلق رکھتا ہوں اس لئے گذارش احوال واقعی کی اجازت چاہتا ہوں۔

آپ کی دونوں تحریریں میں نے شروع سے آخر تک بڑے غور سے اور بار بار پڑھیں مگر باوجود بین السطور پڑھنے کے مجھے ان میں اس جذبۂ ہمدردی اور اخلاص کا کہیں شائبہ تک نظر نہ آیا جس کے تحت آپ نے انہیں تحریر کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کے برعکس جگہ جگہ آپ نے اسی استہزا، ہنسی مذاق۔ نیش اور طعنہ زنی سے کام لیا ہے۔ جو آپ کے سابقین اور معاصرین کا شیوہ رہا ہے۔ بار بار انہی باتوں کو سیاق و سباق سے علیحدہ اور کتر بیونت کر کے پیش کیا ہے جو سو سال قبل سے پیش کی جاتی رہی ہیں اور جن کا جواب کئی مرتبہ دیا جا چکا ہے۔ کسی کی تحریرات کو مسخ کر کے سادہ لوح اور ناواقف لوگوں کو بھڑکانے کے لئے شائع کرنے سے ایک عالم دین کہلانے والے کی دیانت اور امانت پر ہی حرف نہیں آتا بلکہ اخلاقی اقدار کا بھی خون ہوتا ہے۔ ع۔ تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟

جن الزامات کا اعادہ آپ نے فلسفیانہ رنگ میں اپنے کتابچہ میں کیا ہے ان کا جواب خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک نہیں بلکہ اپنی متعدد کتابوں میں تفصیل سے دے دیا ہے۔ اس بحث میں پڑنا میرے نزدیک سعی لاحاصل ہے۔ اگر دلائل براہین اور پیشگوئیاں ہی کسی کی ہدایت اور رہنمائی کا موجب ہوتیں تو اس دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ واحد انسان ہیں جن کے قدموں میں سارا عرب بغیر جبلِ حجت آ گرتا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ہمارے نزدیک حضرت مرزا صاحب تو صرف زمرہ مجددین۔ محدثین اور اولیاء کے ایک فرد تھے۔ اگر آپ نے انہیں باوجود تمام شواہد کے تسلیم نہ کیا تو یہ کوئی نرالی اور اچنبھے کی بات نہیں قریب کے زمانہ کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ کے خلاف حکومت وقت کو بھڑکانے کے لئے اور گوالیار کے قلعے میں بند طوق و سلاسل کرنے کے فتوے صادر کرنے کی سعادت کس نے حاصل کی۔ حضرت سید احمد شہید اور آپ کے ساتھیوں کے خلاف سازش کر کے کس نے انہیں بالاکوٹ کے مقام پر شہید کروایا۔ سنت الٰہی یہی ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے امت میں کسی مصلح کو کھڑا کیا۔ مفاد پرست طبقہ اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اور اس کے ساتھیوں کو طرح طرح کی ایذائیں دیں۔ ان سے انسانیت سوز سلوک کیا اور انہیں مٹانے کے لئے ہر حربہ کام میں لائے۔ ہمارے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں۔

آپ کے خیال میں ہم حضرت مرزا صاحب کو اس زمانے کا مجدد اور مسیح موعود مان کر ایک غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اس طرح اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ آپ ہمارے سامنے معاشی اور معاشرتی الجھنیں رکھ کر ہمیں راہ حق سے بہکانے کی کوشش میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ "ایسے ایثار پیشہ اور عملاً آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے والے بہت کم ہوتے ہیں"۔ ذرا اپنے ان ارشادات عالیہ کو قرآن کریم کی تعلیم کے مقابل رکھ کر دیکھئے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ اس کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔ ہماری فریب خوردگی اور خسران دنیا و آخرت کو سورۃ المومن کی آیت کی روشنی میں دیکھئے جہاں فرعون کی قوم کا ایک مومن اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ "کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلے نشان لایا ہے"

اس سے اگلے الفاظ قابل غور ہیں۔ وہ کہتا ہے "اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو بعض وہ باتیں تمہیں پہنچ کر رہیں گی۔ جن کا وہ وعدہ دیتا ہے۔ اللہ اسے ہدایت نہیں کرتا جو حد سے گذرنے والا جھوٹا ہے" مرزا صاحب خواہ جھوٹے ہوں یا سچے دونوں صورتوں میں انہیں قبول کر کے ہماری دنیا اور آخرت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اگر ہمارے اپنے اعمال اچھے ہوں۔

معاشرتی اور معاشی الجھنوں کو بھی ذرا قرآن کریم کی سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھ لیجئے۔ جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ "کہہ دے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے اور مال جو تم کمانے ہو۔ اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔ ہمیں حضرت مرزا صاحب نے اللہ اور اس کے رسولؐ کا راستہ دکھایا اور اس راہ میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی نصیحت کی یہ مصائب اور مشکلات۔ یہ معاشی اور معاشرتی الجھنیں کیونکر ہمارا راستہ روک سکتی ہیں۔ آپ کو دنیا پیاری ہے آپ اس راہ پر چلتے رہیئے ہم اپنی جگہ اپنے اعمال بجا لاتے ہیں۔ آپ اپنی جگہ بجا لایئے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نتیجے کا انتظار کیجئے آپ ہمیں اقلیت قرار دلا کر اپنا مقصد حاصل کر چکے ہیں۔ اب آپ کو ہمارا کیا غم۔ کمزور کو دیکھ کر آپ لال پیلے ہو جاتے ہیں مگر کشمیر کے لئے رگ جہاد پھڑکتے ہوئے آپ کے بدن میں ٹیسیں اٹھتی ہیں۔

اس بارے میں کہ ایسے ایثار پیشہ اور عملاً آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ خدا کے شکر گذار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔ حق پر قائم قلیل گروہ کثیر گروہ پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ یہی غم ہے جو آپ کو رات دن کھائے جا رہا ہے آپ کچھ بھی کہیں اور کریں ایسا ہونا رہا ہے اور ہو کر رہے گا۔

اپنے عریضہ مذکورہ میں آپ فرماتے ہیں کہ "...... دلائل سے یہ سمجھ لیں کہ مرزا غلام احمد اپنے دعاوی میں صادق نہیں تھے .... مرزا غلام احمد کے دعاوی سے تائب ہو کر پھر سے دامن مصطفیٰؐ کو تھام لیں"۔ اور پھر اپنے کتابچہ میں رقمطراز ہیں "مرزا غلام احمد کی امت کے بجائے سید المرسلین خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنانے کے لئے سراپا اضطراب ہوں"۔ آپ کے اس اضطراب کے لئے شکریہ لیکن روشنی دیکھ لینے کے بعد ضلالت کی ظلمتوں اور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں لوٹ جانا عقلمند انسانوں کا کام نہیں۔ ہم خدا کے فضل سے دامن مصطفوی سے بڑی مضبوطی سے وابستہ اور امت خاتم الانبیاء میں بدل و جان شامل ہیں۔ ہمیں اس کے لئے کسی نام نہاد عالم دین کے سرٹیفکیٹ یا تصدیق نامہ کی قطعی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور احادیث نبوی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ اور حضرت مرزا صاحب کے فرمان کے مطابق ؎

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر میرا یہی ہے

وہی ہمارے نبی۔ رسول۔ پیشوا۔ امام اور ہادی برحق ہیں۔ ان سے متعارف کرنے والے اور ان کا دامن مبارک ہمارے ہاتھوں میں تھمانے والے حضرت مرزا صاحب ہیں یہ ان کا ہم پر احسان عظیم ہے۔ اسی مرد خدا نے چراغ مصطفوی کے شعلہ نور کو دہریت۔ لادینیت، عیسائیت اور آریہ مت وغیرہ کی تند و تیز آندھیوں میں فروزاں رکھا جس کی "امت" میں شامل ہونے کا آپ ہمیں طعنہ دیتے ہیں۔ اور جس نے "ناموس رسول" کے تحفظ کے لئے مخالفین کے سارے وار خندہ پیشانی سے اپنے سینے پر سہے۔ اسی نے "تحفظ ختم نبوت" کی خاطر نئے اور پرانے نبی کے آنے کی راہ مسدود کی۔ آپ تو ایک اسرائیلی نبی کو ابھی تک زندہ آسمان پر بٹھائے رکھنے اور اس کی واپسی کی آس لگائے بیٹھنے کے باوصف "تحفظ ختم نبوت" کے دعویدار ہوں اور ہم آنحضرتؐ کے بعد کسی بھی قسم کے نبی کی آمد کے انکار کے باوجود "منکر ختم نبوت"

قرار پائیں۔ کیا یہی حق و انصاف کی راہ ہے۔ لیکن آپ کو عدل و انصاف سے مطلب؟

مولانا تلخ نوائی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ آپ نے زخموں کو کریدا ہی نہیں ان پر نمک بھی چھڑکا ہے۔ اپنے گرد و پیش پر نظر اور اپنے گریبان میں منہ ڈالکر قرآن و حدیث کے الفاظ کی روشنی میں خدا لگتی کہئے۔ آپ ہمیں حضرت محمد مصطفےٰ۔ احمد مجتبےٰ۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی امت میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں۔ کیا یہی وہ اُمت ہے جس نے دودھ پیتے بچوں کے نرم و نازک جسموں پر کھولتا ہوا پانی ڈال کر ان کے ماں باپ کی فلک شگاف چیخوں۔ افسردہ و غمگین حسرت بھری نگاہوں کے سامنے ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ وہ امت جس نے پر اُمن شہریوں کے گھر بار کو اپنے حسد۔ بغض اور کینہ کی آگ کی نذر کر دیا۔ ان کے سینے گولیوں سے چھلنی کرکے تڑپتی ہوئی لاشوں کو انہیں کے جلتے ہوئے اثاثے میں پھینک کر جلا ڈالا۔ کیا اس امت میں جس کے ہاتھوں دن دہاڑے معصوم و بے گناہ بہو بیٹیوں کی عصمتیں حیوانیت کی بھینٹ چڑھتی ہیں اور جس کے دم قدم سے ملک بھر کی عیش و طرب کی شبینہ محفلیں اور گلی کوچہ میں قحبہ خانے آباد ہیں۔ کیا یہ وہی مسلمان ہیں جن کے نزدیک شراب۔ جُوا۔ قتل۔ ڈاکہ۔ چوری۔ بدکاری۔ چور بازاری۔ سمگلنگ۔ جیب تراشی فریب و دھوکہ دہی۔ اغوا اور ملاوٹ کوئی گناہ ہی نہیں۔

پاکستان کی جیلوں کی سیر کیجئے۔ احمدیوں اور غیر احمدیوں کے اخلاق و کردار کی تصویر آپ کے سامنے آ جائے گی۔ یہ دیکھ کر آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ ان کی دنیا بہار آپ ہی کے مقتدیوں اور ان منچلے بھائیوں کی مرہون منت ہے جن میں پھر آ ملنے کی دعوت آپ ہمیں دیتے ہیں۔ اگر اسلام یہی ہے جس کا نمونہ آپ پیش کر رہے ہیں تو اس سے نعوذ باللہ دہریہ ہو جانا بہتر ہے۔ ہم کیوں دنیا میں خدا کے سامنے اپنے اعمال بد کی وجہ سے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث شرم و ندامت ہوں۔ آپ کے قریبی دوست ملک چین کی تقریباً ایک ارب آبادی کا خدا سے کوئی واسطہ نہیں لیکن وہاں کے مزدور سے لے کر ماؤزے تنگ تک کے اعلےٰ اخلاق و کردار کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ کیا صرف نام کا مسلمان کہلانے سے جنت کی راہ صاف ہو جاتی ہے

حکیم صاحب! اگر میں بخاری شریف اور کنز العمال کی احادیث کے آئینہ میں آپ کو آپ کی صورت دکھاؤں تو آپ شرم سے پانی پانی ہو جائیں۔ اور پھر کسی کو ایسی امت میں جو یقیناً فعلی طور پر آنحضرت صلعم کی امت کہلانے کی مستحق نہیں شامل ہونے کی نصیحت کی جسارت نہ کریں۔ مدار نجات محض قول نہیں فعل ہے۔ جن پانچ ستونوں پر دین اسلام کی عمارت استوار کی گئی ہے وہ کلمہ۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ ہیں۔ ان میں سے صرف کلمہ کا تعلق ایمان سے ہے اور باقی چار کا عمل سے یہ عجیب فلسفہ ہے کہ زبان سے ایک بات کا اقرار نہ کرنے والا تو مرتد کہلائے اور واجب القتل بھی ہو مگر باقی چار کو ترک کرنیوالا مسلمان کا مسلمان رہے۔ قرآن کریم میں تو الفاظ ہیں من یرتد منکم عن دینہ۔ دین کے چار اجزا کو چھوڑ کر مسلمان اور مومن کا مومن لیکن ایک حصہ کو چھوڑنے سے گردن زدنی قرار پائے اگر آپ کے نزدیک اسلام کی تعلیم ایسی ہی خلاف عقل ہے تو کوئی جائے فخر و انبساط نہیں۔

دنیا میں فسق و فجور کی کثرت اس پر شاہد ناطق ہے کہ بلا استثناء ساری دنیا خدا کی منکر ہے۔ مسلمان عملی طور پر اور باقی دنیا قولی اور فعلی دونوں لحاظ سے کیا آپ نے کبھی اس حقیقت پر بھی غور و فکر کی زحمت گوارا کی ہے؟ آپ کو تو لالچ اور حرص و ہوا کی تاریک بھول بھلیوں سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں آپ کیوں ایسا کریں گے۔

مولانا! خدا کی ہستی کا تصور کسی بھی مذہب کی اساس ہے اور رسالت اس پہ ایک شہادت۔ آپ کا گروہ اس ہستی کا جو تصور دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے اس کی حیثیت اس کے پیش نظر سامری کے بچھڑے۔ یونانیوں اور ہندوؤں کے دیوتاؤں۔ عربوں کے لات و منات اور عزیٰ سے بڑھ کر نہیں۔ آپ نے اسے اس کی ازلی ابدی صفات سے محروم کرکے ایک مردہ خدا کی صورت میں پیش کرنا شروع کر دیا ہے۔ وہ پردہ سوال سے خاموش ہے۔ نہ بولتا ہے۔ نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے۔ اگر آج بھی اس میں یہ صفات موجود ہوتیں تو وہ اپنی ہستی کا ثبوت جیسے پہلے دیتا رہا ہے اب بھی دیتا اور اس کا سب سے بڑا اور ناقابل تردید ثبوت اس کا اپنے آپ کو اپنے برگزیدوں اور عشاق پر اپنے کلام کے ذریعے ظاہر کرنا ہے۔ ان کی دعاؤں کا سننا اور انہیں دنیا کے ظلم و ستم سے معجزانہ اور خارق عادت طور پر بچانا ہے۔ اگر انسانی زندگی کی راہنمائی میں اسے کوئی دخل نہیں تو وہ ایک ایسا عضو معطل ہے جس کی کسی کو کوئی ضرورت نہیں۔ اسے ماننا نہ ماننا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کی افادیت معلوم! آپ نہیں پہلے ایسے خدا کی ہستی کا اثبات کرنے کے لئے دلائل دیجئے جو اپنے ماننے والوں کو کھلی چھٹی دے دے کہ نسل انسانی پر جتنا بھی ستم روا رکھ سکتے ہیں روا رکھیں، جو ظلم بھی ڈھا سکتے ہیں ڈھائیں۔ فسق و فجور میں غرق ہو کر اور باطل طریقوں سے لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈال کر جتنی دولت سمیٹ سکتے ہیں سمیٹیں۔ اور جیسے بھی زندگی گزارنا چاہیں گزاریں۔ وہ دنیا و آخرت میں جنت کے وارث ہوں گے کیونکہ ہم احمدیوں کے قلوب و اذہان میں اللہ کی ذات تبارک و تعالےٰ کا جو نقشہ ہے وہ آپ کے پیش کردہ تصور سے بالکل مختلف ہے۔ اس طرح دو خدا تو ہو نہیں ہو سکتے یا آپ کا خدا سچا ہوگا یا ہمارا۔ پہلے اپنے خدا کی صداقت کا ثبوت پیش کیجئے۔ رسالت۔ نبوت اور مجددیت بعد کی باتیں ہیں۔ اگر آپ ہمیں حق کی طرف آنے کی دعوت دینے میں مخلص ہیں تو پہلے قرآن و حدیث کی روشنی میں خدا کے وجود پر دلائل دیں۔ ہم یہاں سے چلیں گے اور قدم بقدم آگے بڑھیں گے۔ مگر یاد رکھئے آپ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے کیونکہ آپ کا مقصد یہ نہیں۔

آپ نے اپنے کتابچہ کے صفحہ ۳ پر اپنے دل کے چور اور مقصد کی نشاندہی کر دی ہے۔ اور وہ یوں کہ "............ آپ مسلمانوں میں سے بعض افراد کو اپنے اندر جذب کرکے اپنی جماعت کو منظم اور مضبوط بناتے چلے جاتے ہیں اور پھر براہ راست اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ ملک کو احمدی سٹیٹ بنائیں......... ہم جو کچھ کر رہے ہیں مدافعانہ کر رہے ہیں"

سبحان اللہ۔ کس طرح اللہ تعالےٰ اشد ترین دشمنوں کی زبان اور قلم سے بھی اپنے ماموروں کی صداقت کے حق میں ایسے طور پر ایسے الفاظ ادا کرا دیتا ہے کہ ان کو خبر تک نہیں ہوتی۔ جس مسیح کا مثیل ہونے کا دعوےٰ حضرت مرزا صاحب نے کیا ہے ان کے خلاف بھی یہودیوں نے یہی الزام لگایا تھا کہ یہ اپنا جتھا منظم کرکے (روم) گورنمنٹ کا تختہ اُلٹنا چاہتا ہے۔ مثیل مسیح کے خلاف بھی ایسا ہونا چاہیئے تھا تا اس کی صداقت کا ایک اور نشان ظاہر ہو۔

آپ کو ہمارے ایمانوں کی فکر نہیں اپنی دنیا کی فکر ہے۔ آپ اس قوم کی تنظیم قربانیوں۔ ذہانت اور ہندوستان کے خلاف دونوں جنگوں میں اس سے تعلق رکھنے والے فوجی افسروں کی دلیری اور جرأت کے کارناموں اور اس کی قوت جاذبہ سے خائف ہیں۔ یاد رکھئے جب کوئی قوم اس زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کرنا چاہتی ہے۔ اور اس کے لئے تن۔ من۔ دھن بے دریغ لٹاتی ہے تو دنیوی بادشاہت اور حکومت خود بخود اس کے قدموں میں بے طلب آ گرتی ہے۔ کیا اسرائیلیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کی مذہبی تاریخ میں ایسی مثالیں نہیں ملتیں۔ ہم بھی اس زمین پر اپنے خدا اس کے رسول مقبول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم کرنے کے بدل و جان خواہاں ہیں۔ ہمارے ہتھیار قرآن۔ احادیث اور حضرت مجدد زمان کا احیاء اسلام کے لئے پیدا کردہ لٹریچر ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا مقام ایک جرنیل کا ہے جو فتح نصیب ہے۔ آپ ہمیں مٹانے کی لاکھ کوشش کریں۔ گر "قضائے آسمانست ایں بہر حالت شود پیدا" خدا کے وعدے اٹل ہوتے ہیں وہ پورے ہو کر رہتے ہیں۔ ہم اس وقت کے پرانے اور پیدائشی احمدی اگر مٹ بھی جائیں تو ہمارا یہ پختہ ایمان ہے کہ وہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے آپ میں سے ہی "نئے احمدی" کھڑے کر دیگا جو اسے لے کر زیادہ جوش۔ جذبہ اور لگن کے ساتھ آگے بڑھیں گے اور آپ کے اس کئے پر آٹھ آٹھ آنسو بہائیں گے

(باقی صفحہ ۔۔۔ کالم ۲ پر)

حضرت خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مرزا غلام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا دعویٰ میری نظر میں

(ابتدائی عربی سطور کی مخاطب جماعت ربوہ ہے)

اگر در خانہ کس است } یا اخوانی! یرحمکم اللہ - انی ادعوکم الی امرٍ سواءٍ بیننا و بینکم ان نسعیٰ فی شیءٍ یزید مکرمۃ سیدنا و مرشدنا المرزا فی الدنیا والآخرۃ فاسمعوا قولی وفکروا فیہ قد اذا بعثت المسیح الموعود فی نفس سیدنا المرزا -

واما ما روی المسلم فی کتابہ فی نزول ابن مریم - فانہ معارض لآیات القرآن الکریم الذی یقول قد مات المسیح الناصری و دخل الجنۃ کما وعد للمتقین - وما ھم منہا بمخرجین وکان عیسیٰ من النبیین ولیس لنبیٍ ان یبعثہ اللہ بعد خاتم المرسلین فلھذا لیس المسیح الناصری ان یبعثہ اللہ بعد نبینا بل یبعث غیرہ من امۃ محمدٍ وھو منا و امامنا وھو المسیح الموعود ونحن نؤمن بہ -

وانی اسئلکم لم تکفرون بنبوۃ المسیح الناصری بعد محمدؐ وتؤمنون بنبوۃ المرزا وھو بعث بعد خیر البریۃ ولاریب ان اللہ قد سمّیٰ سیدنا نبیًا و رسولًا فی الھامہ لکن سمّٰہ علیٰ طریق المجاز - کما قال سیدنا فی کتابہ یسمّٰی "سراج المنیر" فاقرؤہ ان کنتم لا تعلمون فانہ یھدیکم الی سبیل الرشاد ویخرجکم من الظلمٰت الی النور

اتقولون - ان سیدنا بدل عقائدہ فی سنۃ ۱۹۰۳ء - وواللہ ھٰذا شیءٌ تنقول علیہ ولا نجدہ فی کلامہ - لکن انی سیدنا عن النبوۃ الحقیقیۃ فی سنۃ ۱۹۰۷ء ان کان یدعی النبوۃ کیف کتب فی الاستفتا - ان النبوۃ قد انقطعت وان نبوتہ علیٰ طریق المجاز لا علیٰ وجہ الحقیقۃ وانی اجد فی ھٰذہ الکلام تردیداً لعقیدۃ الجدید -

اتزعمون ان ھٰذا التبدیل یزید فی فضل سیدنا وواللہ لا تجعلونہ نبیًا بل تجعلونہ غبیًا لو کنتم تعلمون اتزعمتم ان اللہ لا یزال یقول لہ انت رسولٌ ونبیٌ وکان قاصرٌ عن فھمہ وھٰذا یدل علیٰ بلادۃ طبعہ ونقص فھمہ - معاذ اللہ ھو بریٌ من ما تصفون -

ذکّروا وفکّروا ان دعوٰیہٗ نبی علیٰ حدیث النبویۃ "لم یبق من النبوۃ الا المبشرات" وما المبشرات الا جزءٌ من النبوۃ ولا جزؤٌ سواءٌ لکلہٖ وما المجازٌ سواءٌ للحقیقۃ - ومن قال علیٰ خلافہ لیس لہ علم لسان العربیۃ ⁂

میں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ قادیانی کی کل تصنیفات کو تقریباً دیکھا میں ان کے دعاوی سے خوب واقف ہوں - میں بڑے بصیرت کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے کسی ایسی بات کی تعلیم نہیں فرمائی جو اسلام کے کسی اصول کے خلاف ہو - انہوں نے کوئی ایسا عقیدہ تجویز نہیں کیا جس میں انکے ساتھ اس اُمت کے صالحین ماضی نہ ہوں - ہاں ان کا یہ فرمانا کہ میں فلاں امر پر مامور ہو کر آیا ہوں یا میں صاحب الہام ہوں - یہ امور فی نفسہٖ غلط نہیں وہ کسی امتی کے لئے مستبعد نہیں ہیں اور نہ وہ اسے اسلام سے باہر کر سکتے ہیں - رہا یہ کہ جناب مرزا صاحب اپنے دعوے میں صادق ہیں - یہ شخصی تحقیق کو چاہتا ہے - اور اس کا علم حقیقی تو خدا تعالےٰ کو ہے - لیکن کسی کو مجدد وقت یا کسی نبی کا مثیل مان لینا قرآن و حدیث کے خلاف نہیں بلکہ اس کا دعویٰ تو مصداق حدیث ہوگا اور مخبر صادق کے قول پر ایمان رکھنے والے صدی کے سر پر کسی مجدد کی بعثت سے انکار نہیں کر سکتے - اس کے علاوہ میں کوئی امر بھی بطور خصائص حضرت مرزا صاحبؒ کی تعلیم میں نہیں پاتا - میں خدا کو حاضر ناظر جان کر اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ جناب مرزا صاحبؒ کی لاہور کی جماعت کسی ایسی بات پر اعتقاد نہیں رکھتی جس کے خلاف قرآن و حدیث ہو - میں اس موقعہ پر قادیانی بھائیوں کے خلاف کچھ نہیں کہتا - مسلم بھائی خود انکے حالات پر غور کرلیں - میں اپنے سارے عقائد کو سامنے رکھ کر یہ کہتا ہوں کہ ہم حضرت محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم النبیین مانتے ہیں - آپ پر نبوت کا دروازہ مسدود سمجھتے ہیں - ہم ہر ایک کلمہ گو کو مسلمان اور اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور کسی اہل قبلہ کی تکفیر کو حضرت امام ہمام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی طرح حرام جانتے ہیں - قرآن حکیم کو خاتم الکتب مانتے ہیں - اور اگر آنحضرتؐ کے بعد آپ کے ہی ارشاد کے مطابق مبشرانہ الہام کو امت مرحومہ میں جاری سمجھتے ہیں تو وہ اسرار قرآن و غوامض شریعت کے سمجھنے کے لئے اور ازدیاد ایمان کے واسطے ضروری سمجھتے ہیں -

مجدد کامل } چار سال ہوئے جب میں ایک مسلم ریاست میں تھا - ایک دن مجھے حکم ملا کہ میں فلاں وقت دربار شاہی میں حاضر ہوں - میں جب گیا تو دربار کے ایک کمرہ میں میں نے والئے ملک کو دیکھا - ان کے علاوہ ریاست کے مفتی اعظم اور وہاں کے قاضی القضاۃ بھی موجود تھے - کچھ دیر کے لئے تو فرمانروائے ان دو بزرگوں کے ساتھ بعض امور مملکت پر گفتگو فرماتے رہے

اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ خواجہ صاحب آپ کا کاروبار رحمانی ہے یا شیطانی - میں نے عرض کیا کہ آپ کو تو ذاتی تجربہ ہے - اور ووکنگ کے حالات سے بھی آپ ذاتی طور پر خوب واقف ہیں - میری ہر قسم کی تصنیف آپ کی نگاہ میں آچکی ہے - آپ نے خود میرے کام کو کیا پایا - بجواب انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو آپ کے کاروبار کو رحمانی ہی دیکھا - لیکن یہ بزرگ (یعنی علمائے دین) اسے ایسا نہیں سمجھتے - میں نے بجواب عرض کیا کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں یہ کسی ضد کا نتیجہ نہیں - ان کو ہمارے حالات کے متعلق صحیح علم نہیں ملا - اور اس غیر صحیح علم کی بناء پر جو یہ کہتے ہیں اپنے خیال میں درست کہتے ہیں - میرا حق نہیں کہ میں ان سے ناراض ہوں - میرا یہی فرض ہے کہ میں اصل واقعات سے ان کو اطلاع دے دوں - کیونکہ میں انہیں نیک نیت سمجھتا ہوں - اور مرشدنا حضرت مرزا صاحب مغفور کے اس ارشاد پر عمل کروں -

اے دل تو نیز خاطر اینان نگاہدار ❊ کآخر کنند دعویٰ حب پیمبرم

غلط فہمی کے باعث اختلاف ہو رہا ہے - بہرحال میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے آج ایک اچھا موقعہ مجھے دے دیا ہے - میں ان کے سامنے اپنے عقائد کو بیان کر دیتا ہوں - پھر آپ ہی ان سے دریافت کر لیویں کہ میں کہاں تک راہ ہدایت یا راہ ضلالت پر قدم زن ہوں -

یہ تو ظاہر ہے کہ میں نے ان تیرہ سالوں میں جو کچھ لکھا اسے فرقی تنازعات سے الگ رکھا - یہ کسی مصلحت کا نتیجہ نہیں - دراصل حضرت مرزا صاحب کے دعوے کے علاوہ آپ کی تعلیم میں ایک بھی بات نہیں جسے خصائص احمدیت کہا جاوے - اور جسے یہ بزرگ تسلیم کرتے ہوں - مرزا صاحب نے ۱۹۰۵ء میں ایک کتاب حقیقۃ الوحی لکھی - اس میں کوئی تین چار سطریں ایسی ہیں جنہوں نے ہمارے احباب قادیان کو اس غلو پر آمادہ کر دیا - جس کے ماتحت مرزا صاحب کی نبوت پر زور دیا گیا - حالانکہ یہ بھی وہ لوگ تسلیم کرتے ہیں - ۱۹۰۲ء سے پہلے حضرت مرزا صاحب نے مدت العمر یہی عقیدہ رکھا کہ آنحضرت صلعم پر نبوت

ختم ہو چکی ہے۔ اور ان کے بعد کسی نبی نے بھی نہیں آنا۔ چنانچہ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد جو بھی مدعی نبوت ہو، یا جو ایسے مدعی پر ایمان لائے۔ وہ کافر و دجال ہے اور خارج از دائرہ اسلام ہے۔ لیکن اصحاب قادیان کہتے ہیں کہ ۱۹۰۲ء یا ۱۹۰۳ء میں بانیٔ احمدیت نے اپنا عقیدہ بدل لیا اور ان پر ظاہر ہوا کہ میں نبی ہوں۔ اسی کتاب حقیقۃ الوحی میں مصنف نے ایک ضمیمہ بطور استفتاء لگایا ہے۔ اس میں صاف صاف اپنے عقائد اور اپنے دعویٰ کا ذکر کیا ہے۔ جہاں ایک طرف لکھا ہے کہ میرے عقائد میں کوئی بھی ایسی بات نہیں جسے اوروں نے تسلیم کیا ہو ـــــ وہاں اپنے دعوے نبوت کی تشریح میں لکھ دیا کہ اگر الہام الٰہی نے میرا نام نبی رکھا ہے تو وہ مجازاً ہے۔ حقیقی طور پر نہیں۔ والا نبوت تو محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قطع ہو چکی۔ والنبوۃ قد انقطعت بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ولا کتاب بعد الفرقان الذی ھو خیر الصحف السابقۃ ولا شریعۃ بعد الشریعۃ المحمدیۃ بید انی سمیت نبیاً علیٰ لسان خیر البریۃ۔ وذالک امر ظلی من برکات المتابعۃ وما اری فی نفسی خیراً ووجدت کلما وجدت من ھذہ النفس المقدسۃ وماعنی اللہ من نبوتی الا کثرۃ المکالمۃ والمخاطبہ ولعنۃ اللہ علیٰ من ارادۃ فوق ذالک اوحسب نفسہ شیئاً او اخرج عنقہ من الربقۃ النبویۃ۔ وان رسولنا خاتم النبیین وعلیہ انقطعت سلسلۃ المرسلین فلیس حق احد ان یدعی النبوۃ بعد رسولنا المصطفیٰ علی الطریقۃ المستقلہ۔ وما بقی بعدہ الا کثرۃ المکالمۃ وسمیت نبیاً من اللہ علی طریق المجاز لا علی وجہ الحقیقہ

ترجمہ: تحقیق نبوت ہمارے نبی کریم صلعم پر قطع ہو گئی۔ اور قرآن کے بعد جو قدیمی کتب سے بہتر ہے کوئی کتاب نہیں۔ اور شریعت محمدیہ کے بعد کوئی شریعت نہیں۔ میرا نام خیر البشر نے نبی رکھا ہے۔ لیکن یہ ایک ظلی بات ہے جو آپ کی پیروی کی برکات میں سے ہے۔ مجھ میں کوئی خوبی نہیں۔ اور جو کچھ میں نے پایا۔ اس نفس مقدس کی طفیل پایا۔ میری نبوت سے مراد کثرت مکالمہ مخاطبہ ہے اور اللہ کی لعنت اس پر ہو۔ جو اس سے زیادہ کرے یا اپنے نفس کو کچھ سمجھے۔ یا اطاعت نبوی سے گردن نکالے۔ اور تحقیق ہمارے رسول خاتم النبیین ہیں۔ اور ان پر مرسلین کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اور کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ کہ ہمارے رسول مصطفیٰؐ کے بعد نبوت مستقلہ کا دعوے کرے۔ اور آپؐ کے بعد کثرت مکالمہ کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ وہ بھی آپ کی اطاعت سے میرا نام نبی بطریق مجاز رکھا گیا ہے۔ نہ کہ حقیقی طور پر۔

پھر اسی قسم کی باتیں آپ نے استفتاء کے صفحہ ۱۶ پر لکھیں بلکہ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۳۹۰ پر آپ نے لکھا ہے: کہ میرے مخالف۔ لوگوں کو بھڑکانے کے لئے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعوے کیا۔ یہ مجھ پر افترا ہے۔ میں نے کوئی ایسا دعوے نہیں کیا جس کی ممانعت قرآن نے کی ہو۔ آپ کا ۱۹۰۷ء میں حقیقۃ الوحی کے ساتھ امور بالا کا شائع کرنا۔ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ آپ نے کبھی مستقلہ یا حقیقی نبوت کا دعوے نہیں کیا۔ آپ صرف کثرت مکالمہ الٰہیہ کے مدعی تھے۔ اور مکالمہ الٰہیہ سے تو آپ سے پہلے کسی نے کبھی انکار نہیں کیا۔ اور اگر اسی کا نام نبی ہے۔ تو یہ بات تو شروع سے کہتے چلے آئے انہیں عقیدہ بدلنے کی کیا ضرورت تھی۔ الغرض شروع سے آخر تک آپ کا دعوے ایک ہی رہا۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ عبارتیں بطور استفتاء لکھی گئی ہیں اور کسی اصطلاحی رنگ میں نہیں لکھی گئیں۔ حضرت مرزا صاحب اہل قلم تھے اول تو ان کا حق ہی نہیں کہ اپنی تصنیف میں ایک لفظ بھی ایسے معنوں میں استعمال کریں جو دوسروں کے مفہوم میں کوئی اور معنی رکھتا ہو۔ ہاں ان کا حق ہے کہ کسی ضرورت پر اگر وہ ایسا کریں تو ساتھ ہی تشریح کریں۔ لیکن استفتاء میں ان کا فرض تھا کہ کوئی لفظ بھی ایسا نہ لکھیں جو مفتی کے نزدیک کوئی اور معنی رکھتا ہو۔ الغرض اس استفتاء نے دو باتیں طے کر دیں۔ ایک یہ کہ تعلیم احمدیت میں کوئی ایسی بات نہیں جو سلف صالحین کے ایمانیات میں سے نہ ہو۔ دوسرا نبوت منقطع ہو چکی ہے اور ان کی نبوت سے مراد صرف اس قدر ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے بعض امور مبشرہ ان پر ظاہر ہوں۔

اب میں اپنا عقیدہ ان بزرگوں کے سامنے پیش کر دیتا ہوں اور ان سے ہی دریافت کرتا ہوں کہ اگر میں غلطی پر ہوں تو میری اصلاح کر دیں۔ اور میں انشاء اللہ تعالےٰ اپنے عقائد سے اگر وہ غلط ہوئے تو رجوع کر کے علی الاعلان ان سے اپنی برأت ظاہر کروں گا۔ اور جو کچھ میں اپنے عقیدہ کے طور سے بیان کرتا ہوں۔ وہی عقیدہ حضرت مرزا صاحب کا تھا۔

میں خدا کو واحد مانتا ہوں اور محمدؐ عربی کو خدا کا رسول جانتا ہوں۔ قرآن کو خدا کی طرف سے تسلیم کرتا ہوں۔ اور اس کے ہر ایک حکم کو اپنے پر واجب الاطاعت سمجھتا ہوں۔ میں نماز پڑھتا ہوں۔ احکام زکوٰۃ پر عامل ہوں۔ مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتا ہوں۔ غیر ذبیحہ سے بچتا ہوں۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آنحضرت صلعم کے نزدیک یہی چند باتیں ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن میں مزید تشریح کے طور پر کہتا ہوں کہ ہم احمدی روز آخرت۔ جزا و سزا۔ ملائکہ۔ مرسلین۔ حشر اجساد پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم پانچوں ارکان اسلام کے عملاً قائل ہیں۔ اجتہاد میں ہم بہت حد تک حنفی المذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ حدیث کو قرآن کے بعد واجب التسلیم قرار دیتے ہیں۔ اب میں ان امور کا ذکر کرتا ہوں جو حضرت مرزا صاحب کی ذات کے متعلق ہیں۔ سب سے اول ہم اس حدیث پر ایمان رکھتے ہیں جس نے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کا وعدہ کیا۔

اور اسی جماعت مجددین میں ہم حضرت امام غزالیؒ۔ حضرت عبدالقادر گیلانیؒ حضرت معین الدین چشتیؒ۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کو اسی جماعت کے معزز اراکین سمجھتے ہیں۔ اسی عقیدہ کے ماتحت ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس صدی کے سر پر بھی کسی مجدد نے آنا تھا۔ اس صدی سے جو بھی مراد لی جاوے۔ وہ وقت گذر چکا ہے۔ اگر صدی کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاوے تو کسی صدی کے آخری پچیس برس یا اس کے پہلے پچیس سال صدی کا سر کہلائیں گے۔ اب ہمارے زمانہ کا مجدد ۱۲۷۵ سے لے کر ۱۳۲۵ کے درمیان کسی نہ کسی وقت ظاہر ہو جانا چاہیئے۔ حضرت مرزا صاحب نے تو دعوے مجددیت ۱۳۰۰ھ میں کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث کو کس رنگ میں لیا جاوے جن لوگوں کو مسلمہ اولیاء ہم تسلیم کئے ہوئے ہیں اور مجدد وقت مانتے ہیں۔ انہوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں اس حدیث سے تمسک کیا ہے۔ اور یہ تمسک برابر ۱۳۰۰ھ برس تک ہوتا رہا۔ چنانچہ اسی جماعت کے پہلے بزرگ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تھے۔

ایک طرف اس حدیث کا معتبر سے معتبر کتابوں میں پایا جانا۔ دوسری طرف اس پایہ کے صالحین کا اسے تسلیم کرنا۔ اس حدیث کی صحت پر ایک زبردست دلیل ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ چودھویں صدی کا مجدد کون ہے۔

ہمارا زمانہ ایک معلومات کا زمانہ ہے۔ کل دنیا ہمارے سامنے ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ شاید کسی اور ملک میں کسی نے دعوے کیا ہوگا۔ آخر ہم سوڈانی مہدیوں کو بھی جانتے ہیں اور بہائی عقائد سے بھی واقف ہیں الغرض ان پچاس سالوں میں کسی بزرگ نے بھی اس حدیث کے ماتحت دعویٰ مجددیت نہیں کیا۔ رہ سہہ کے اگر کوئی آواز آئی ہے تو قادیان سے آئی ہے۔ یہ امر دوست دشمن مان چکے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب متقی تھے وہ صاحب تقویٰ تھے۔ ان کی خدمت اسلام بھی مسلم ہے۔ ان کے دعویٰ کے ماننے میں بھی

بھی لوگوں کو کم ہی تامل ہوتا۔ اگر مسیحیت کی جزو اس میں شامل نہ ہوتی۔ لیکن میں اس وقت صرف مجددیت کے متعلق عرض کر رہا ہوں۔ میں ایک مسلمان ہوں میرا فرض ہے کہ میں اس حدیث کی تصدیق کروں۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ مرزا صاحب خدا کے نزدیک اپنے دعوٰے میں سچے نہ ہوں۔ لیکن میں نے ان میں کوئی بھی کاذبوں کی علامت نہیں دیکھی۔ بلکہ ان کا ایک الہام ہے لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون (میں ایک عمر تک تم میں رہ چکا ہوں کیا تم غور نہیں کرتے) اس سے مراد یہ ہے کہ جب میں نے آج تک کسی انسان پر افترا نہیں باندھا۔ تو پھر خدا پر کس طرح باندھتا ہوں۔ لیکن میں بفرض محال تسلیم کر لیتا ہوں کہ خدا کے نزدیک ان کا دعوٰے صحیح نہ ہوگا۔ لیکن میرے پاس ان کی تکذیب کے کوئی وجوہ نہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے اور ہے اور اس کے ماتحت کسی مجدد نے ظاہر ہونا ہے جیسا کہ آج سے پہلے ہر صدی کے سر پر ایک نہ ایک مجدد ظاہر ہوا۔ اور جو کچھ مجددین کی شناخت کا معیار ہے وہ مدعی میں موجود ہے اور میں نے ان کے دعوٰے کے قبول کرنے میں نیک نیتی سے کام لیا۔ تو پھر میں ان بزرگوں سے پوچھتا ہوں کہ ایسا کرنے میں میں نے اسلاماً کہاں غلطی کی۔ اور کس طرح میں خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہوں۔

اب میں حضرت صاحب کی مسیحیت کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔ سب سے اوّل حیات و وفات مسیح کا مسئلہ ہے۔ میں آپ کے سامنے اس لمبی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ میں اسی قدر عرض کرتا ہوں کہ یہ مسئلہ ابتدا سے ہی ایک اختلافی مسئلہ ہے خود صحابہ میں بعض وفات مسیح کے قائل تھے۔ ان کے بعد آئمہ اربعہ کو چھوڑ دیا جاوے۔ کیونکہ اس امر میں ان کا عقیدہ ایک بحث طلب امر ہے۔ ابن قیم۔ ابن تیمیہ ابن حزم کھلے لفظوں میں وفات مسیح کے قائل تھے اولیا کرام میں سے حضرت داتا گنج بخش صاحب اپنی کتاب کشف المحجوب میں اسی عقیدہ کے قائل نظر آتے ہیں۔ بہرحال سلف صالحین میں دو جماعتیں ہیں ان میں کشف سے قائلین وفات مسیح کسی مواخذہ شرعی کے ماتحت نہیں آتے۔ تو میں اس عقیدہ کے لئے کس طرح قابل گرفت سمجھا جاؤں۔ اب اگر جناب مسیح فوت ہو چکے ہیں اور قرآن بہانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ اس دنیا سے جو ایک دفعہ چلا گیا وہ واپس نہیں آتا تو لازماً آمد مسیح کی پیشگوئی سے کسی ایسے شخص کی بعثت مراد ہوگی۔ جو کسی رنگ میں خدا کے نزدیک مسیح ناصری سے مماثلت رکھتا ہو۔ اور مشہور حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ صالحین امت میں سے بعض بزرگ اسرائیلی انبیاء جیسے ہوں گے تو پھر یہ تسلیم کر لینا کہ آنحضرت صلعم کے غلاموں میں سے ایک غلام مسیح جیسا ہے اور حدیث نزول مسیح کا وہی مصداق ہے تو پھر ایسا عقیدہ رکھنے میں کوئی شخص کہاں تک شرعاً قابل گرفت ہو سکتا ہے۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ ممکن ہے کہ حضرت مرشدنا حضرت مرزا صاحب اپنے دعوٰے مسیحیت میں خدا کے نزدیک سچے نہ ہوں لیکن میری ان معروضات کے رو سے اگر کوئی امتی مجددیت کا دعوٰے کرے اور اپنے نزول مسیح والی حدیث کا مصداق ٹھہرائے تو یہ امر اسلاماً مستبعد نہیں اور ایسے عقیدے قابل گرفت نہ سمجھے جائیں گے سوال صرف مرزا صاحب کی شخصیت کا رہ جاتا ہے۔ باقی جو کچھ آپ نے کہا ہے یا جو کچھ بھی انکے دعوٰے کے متعلق تسلیم کرنا ضروری ہے وہ خصائص میں سے نہیں۔ پھر ان عقائد کو کیوں بُرا کہا جاوے۔ رہا میرا حضرت صاحب کے دعوٰی کو قبول کرنا سو میں نے اس معیار کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ جو قرآن نے تجویز کیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں کسی بزرگ کے نزدیک غلطی پر ہوں گا۔ لیکن جو کچھ میں نے کیا وہ نیک نیتی سے کیا۔ جن امور میں میرے دن گذرے ہیں وہ تو دنیا کی نگاہ میں خدمت اسلام ہے۔ میں اپنے عقائد میں بظاہر غلطی پر نہیں تو پھر میرے کاروبار کو شیطانی ٹھہرانا یا تو غلط فہمی کی بناء پر ہے یا ضدیت ہے۔

میں ان بزرگوں کو ضدیت سے بری جانتا ہوں۔ میں نے کسی قدر تشریح کے ساتھ اپنے عقائد بیان کر دیئے ہیں۔ میں اس وقت ان سے مطالبہ نہیں کرتا کہ ہاں یا نہ کہہ کر اُٹھیں۔ میں نے اپنی معروضات پیش کر دی ہیں۔ وہ اس پر غور کریں اور اگر کبھی وہ اس نتیجہ پر آویں۔ جن سے میری غلطی ثابت ہو تو مجھے بلوا بھیجیں۔ میں اپنے اطمینان کے بعد جس نتیجہ پر آؤں گا اسے اعلان کر دونگا۔

میں ان ہر دو بزرگوں کا تشکر گذار ہوں کہ انہوں نے میری باتوں کو نہایت توجہ اور خاموشی کے ساتھ سنا۔ خاتمہ پر حضرت والئے ملک نے فرمایا۔ "کہ خواجہ صاحب آپ کو میری طرف سے مبارکباد ہو کہ آپ نے اپنی پوزیشن کو بالکل صاف کر دیا۔ میں نے تو جس نتیجہ پر آنا تھا میں اس پر مدت سے قائم ہوں۔ البتہ ہمارے ان علماء کو آپ موقعہ دیں کہ یہ اس سوال پر غور کریں۔ اور آپ لوگ رخصت ہوں" ❊

جناب عبدالرحیم اشرف صاحب کے نام۔ (بسلسلہ صفحہ ۲)

میں آپ کو علیٰ وجہ البصیرت یہ یقین دلاتا ہوں کہ حضرت مرزا غلام احمدؒ سے وابستہ احمدیہ تحریک ہی فتح اسلام کے لئے آگے بڑھے گی۔ اس کے مقابل باقی سب تحریکیں منہ کی کھائیں گی۔ آنے والا دور اس پر مہر تصدیق ثبت کرے گا۔ سعادتمند ہیں وہ جو اس میں شامل ہیں اور شامل ہوں گے۔ کیا آپ نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا کہ زمین کے وارث خدا کے صالح بندے ہی ہوتے ہیں۔

کیا یہ آیت آپ کی نظر سے نہیں گذری کہ اللہ ملک کا مالک ہے۔ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ اور کیا آپ نے اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ ظالموں کو کامیاب نہیں کرتا خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

آپ نے اس تحریک کو مٹانے کے لئے اپنی مدافعانہ کوششوں کی بھی ایک ہی کہی۔ یا تو یہ تجاہل عارفانہ ہے یا آپ واقعی کمزور اور طاقتور۔ مسلح اور غیر مسلح اکثریت اور اقلیت نیز اور جارحیت اور مدافعت کے مفہوم سے ناآشنا ہیں۔ دُور دراز کی بستیوں میں اکا دکا۔ چند احمدی گھرانوں پر مہلک ہتھیاروں سے مسلح ہزاروں افراد کی یلغار ایک مدافعانہ کارروائی ہے تو اس تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں الفاظ اقدار کی نوعیت ہی بدل گئی ہے۔ میں نے دور دراز کی بستیوں کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو واقعہ تو ہوا ربوہ ریلوے سٹیشن پر اور چڑھ دوڑے آپ ان لوگوں پر جن کا کوئی قصور اور گناہ نہ تھا۔ کیا اس لئے کہ آپ کو ربوہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ کیا آپ کے نزدیک قرآن کریم اور رسول اکرم صلعم کی یہی تعلیم ہے کہ بیٹے کے گناہ کے بدلے میں سزا باپ کو دی جائے۔ کیا تاریخ اسلام میں یا انگریزوں کے بنائے ہوئے موجودہ قانون میں کوئی ایک واقعہ بھی آپ اپنی تائید میں پیش کر سکتے ہیں۔ ہم کمزور تھے۔ ہماری پشت پر کوئی حکومت بھی نہ تھی۔ ورنہ آپ ایسی جرأت ہرگز نہ کر سکتے ہمارے پاس صرف ایک دُعا کا ہتھیار ہے۔ ہم اسے استعمال کریں گے۔ اپنے خدا کے سامنے اپنے بچوں سمیت روئیں گے گڑگڑائیں گے۔ چیخیں اور چلائیں گے۔ اسی سے اس ظلم و ستم کی داد چاہیں گے۔ اور اس وقت تک ایسا کرتے رہیں گے جب تک اس کا عرش نہ ہل جائے اور وہ آپ کے اور ہمارے درمیان ایک کھلا کھلا اور واضح فیصلہ نہ کر دے۔ ایک دن آئے گا وہ ضرور ایسا کرے گا۔

آپ نے اپنے کتابچہ کے صفحہ ۲۱ پر حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کے بارے میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں اس کے نتیجے کا انتظار کیجئے۔ اگر آپ مرزا صاحب کو اپنے دعاوی میں جو میرے مسلک کے نزدیک مجددیت۔ محدثیت اور مثیل مسیح ہونے کے دعاوی ہیں کاذب خیال کرتے ہیں تو اپنے کتابچہ میں درج شدہ الفاظ کے ساتھ یہ الفاظ بھی شامل کر کے یہ دعا کیجئے کہ اگر وہ اپنے ان دعاوی میں صادق ہیں اور خدا کی طرف سے ہیں تو خدا مجھ پر ایک خارق عادت عبرتناک عذاب ایک سال کے اندر اندر نازل کرے۔ کیا آپ یہ جرأت کریں گے؟

مولانا محمد عبداللہ صاحب مبلغ اسلام امریکہ

سفرِ پاکستان اور اسکے تاثرات

خداوند کریم کا ہزارہا بار شکر گذار ہوں کہ اس نے اپنے کرم اور مہربانی سے اس خاکسار کو چوالیس سال کی متواتر غیر حاضری کے بعد اپنے وطن پاکستان کی زیارت کا موقعہ عطا فرما کر اپنے بزرگوں۔ رشتہ داروں اور دوستوں کی ملاقات کا شرف عنایت فرمایا۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔ دو ماہ کے سفر کے بعد میں ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اس مختصر مضمون میں اپنے سفر پاکستان کے تاثرات کا ذکر کروں۔

کراچی ائرپورٹ پر جناب میاں رحیم بخش صاحب۔ بشیر ملک صاحب و دیگر احباب کو ایسے وقت میں (جبکہ لوگ عموماً بستر راحت کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے) مل کر نہایت خوشی ہوئی۔ میاں رحیم بخش اور ڈاکٹر اللہ بخش خاکسار کے کرم فرما حضرت مولوی عزیز بخش صاحب مرحوم و مغفور کی یادگار ہیں جن کے فیض و کرم سے ہمارے علاقہ ڈیرہ غازی خاں اور مظفرگڑھ کے مسلمانوں کو بے شمار فوائد حاصل ہوئے تھے۔ جن کی محنت و کوشش سے انجمن ترقی تعلیم مسلمانان کے مردہ جسم میں دوبارہ زندگی پیدا ہوگئی تھی۔ جن کی جانی اور مالی قربانیاں احمدیہ انجمن لاہور کے ممبران کے لئے باعث نمونہ تھیں۔ ہوائی جہاز سے اترتے ہوئے اس مرحوم بزرگ کے بزرگ اور سعادت مند صاحبزادہ کی ملاقات ہمارے لئے ایک نیک شگون تھا۔

لاہور جماعت کے بزرگوں اور دوستوں نے جن میں مستورات بھی شامل تھیں صبح کے ۹ بجے ہوائی اڈے پر آکر اور پھولوں کے ہار پہنا کر شرمندۂ احسان کر دیا۔ جہاں اس عزت افزائی کا خاکسار اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتا تھا۔ وہاں یہ خیالات بھی دل و دماغ میں پیدا ہو رہے تھے کہ اس جماعت کے اراکین اور ممبران میں ان افراد کی بھی قدر ہے۔ جو اسلام کی معمولی طور پر خدمت کرتے ہیں۔

مہمان خانہ لاہور میں داخل ہو کر خاکسار اور عزیزہ فریدہ موسم کی تبدیلی کی وجہ سے علیل ہوگئے تھے۔ اس موقعہ پر ڈاکٹر مبارک احمد۔ ہومیو ڈاکٹر محمد حسین جناب غلام نبی مسلم۔ جناب بشارت احمد بقا۔ جناب ڈاکٹر اللہ بخش و دیگر احباب کی تیمار داری کا ہمارے دلوں پر گہرا اثر پڑا۔ نیو گارڈن ٹاؤن سے بیگم نسرین گل اپنی جماعت کی مستورات کے ساتھ عزیزہ فریدہ کی تیمار داری کے لئے تشریف لائیں۔ بیگم ناصر احمد نے ہمارے دوران قیام احمدیہ بلڈنگس میں عزیزہ فریدہ کی رہائش اور خوراک کی ذمہ داری اپنے مکان پر لے لی۔ اسی طرح بیگم غلام نبی مسلم اور ان کی صاحبزادی صبیحہ نے عزیزہ فریدہ کو اپنے مکان پر منتقل کر کے اس کی تیمار داری میں نمایاں حصہ لیا۔

احمدیہ بلڈنگ کی گلیوں کی صفائی

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے خاکسار کے ویلکم کا انتظام ایسے موقعہ پر کیا جبکہ انجمن کی مجلس معتمدین کی میٹنگ تھی۔ اس موقعہ پر خاکسار نے اپنی تقریر میں احمدیہ بلڈنگس کی دونوں گلیوں کی حالت کی طرف توجہ دلائی۔ اور بتایا کہ ایک مذہبی جماعت کا مرکز نہ صرف پر امن اور پر سکون ماحول میں ہونا چاہیئے بلکہ وہ صفائی کے لحاظ سے نمونہ ہو۔ بیرونی علاقوں سے آنے والے مہمانوں کا بہلا تاثر ان گندی گلیوں سے ہو سکتا ہے۔ جن سے اس کو گذرنا پڑتا ہے۔ میں نے ان گلیوں کی اینٹوں کی مرمت کے لئے دو ہزار روپیہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

دعوت چائے

حضرت امیر مولینا صدر الدین صاحب نے خاکسار کو چائے پر بلایا۔ آپ کی دعوت میرے لئے باعث سعادت تھی۔ وقت مقررہ پر آپ کے کمرہ

میں داخل ہوا تو اس کو اسلامی سادگی کا نمونہ پایا۔ دو تین کتابوں کی الماریوں اور چند پرانی کرسیوں اور ایک چھوٹی میز کے سوا اور کوئی فرنیچر نہیں تھا۔ حضرت امیر ایک میز پوش ہاتھ میں لئے اس کمرے میں داخل ہوئے اور اس کو اپنے مبارک ہاتھوں سے میز پر بچھا دیا۔ اس کے بعد چائے بسکٹ اور پھل لائے گئے۔ حضرت امیر اپنی تقاریر میں آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام کی سادگی اور مساوات کی مثالیں عموماً پیش کیا کرتے ہیں۔ میں نے سادگی کا نمونہ آپ کی دعوت چائے پر دیکھ لیا۔ خداوند کریم حضرت امیر کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہمیں توفیق دے۔

دو جلسوں کی صدارت

اس سفر کے دوران میں خاکسار کو راولپنڈی جماعت اور لاہور کی مقامی جماعت کے سالانہ جلسوں کی صدارت کا شرف حاصل ہوا۔ جس کے لئے میں ان جماعتوں کے عہدہ داروں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جہاں مجھے ان جماعتوں کے کارکنوں کی جدوجہد اور اسلامی کاموں میں دلچسپی دیکھ کر خوشی ہوئی وہاں ان کے لمبے پروگراموں کو دیکھ کر تعجب ہوا۔ جلسوں کے پروگرام مختصر ہونے چاہئیں۔ دو تین تقاریر سے زیادہ تقریریں نہ ہونی چاہئیں۔ اگر پروجیکٹر کا انتظام ہو سکے تو کوئی تعلیمی فلم دکھانی چاہیئے۔ اس کے علاوہ مختلف مقامات سے آنے والے مہمانوں کو موقعہ دینا چاہیئے کہ وہ ایک دوسرے سے مل کر تبادلہ خیالات کریں اور سلسلہ اخوت کو بڑھائیں۔ متواتر تقاریر سے وہ ایک جگہ بیٹھے رہنے سے تھک جاتے ہیں اور ان کو موقعہ نہیں ملتا کہ وہ ایک دوسرے سے مل سکیں اور گفتگو کر سکیں۔ مولویوں کے وعظوں سے سامعین کی دلچسپی اس لئے اٹھ رہی ہے کہ مولوی صاحبان وقت کی پابندی نہیں کرتے۔ اور ان کی طویل تقریروں سے سامعین بیزار ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے ان مجالس میں شریک ہونے والوں کی حاضری کم ہوتی جا رہی ہے۔

میری خوش قسمتی

ایک صاحب فرمانے لگے کہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ کو بحیثیت صدر جلسہ آخرکار اختتام جلسہ سے پیشتر بولنے کا موقعہ تو مل گیا ہے۔ ورنہ ہم یہاں تک پہنچتے ہیں کہ صدر جلسہ ایک بت کی طرح کرسئ صدارت پر بٹھا دیا جاتا ہے اور جلسہ کی کارروائی کا پروگرام سیکرٹری کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

دار السلام کا ماحول

احمدیہ جماعت لاہور کی کارہائے نمایاں میں سے سب سے اہم اور ضروری اقدام انجمن کا لاہور شہر سے پُر فضا مقام پر اراضی کا ایک قطعہ حاصل کرنا تھا۔ جس کی وجہ سے آج ہم انجمن کے دفاتر، لائبریری۔ مہمانخانہ اور ہوسٹل کے لئے ایک شاندار بلڈنگ پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک عظیم الشان مسجد۔ اور کئی ایک رہائشی مکانات ہیں۔ جو جماعت کی قربانیوں کا آئینہ ہیں۔ مسجد میں پانچ وقت نماز کی ادائیگی ہوتی ہے۔ جمعہ کی نماز میں نمازیوں کی تعداد حوصلہ افزا ہوتی ہے۔ صبح اور شام کی نمازوں میں جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی قرأتِ قرآن کریم مردہ دلوں میں ایمان کی حرارت پیدا کرتی ہے اور دل نہیں چاہتا کہ دار السلام یا اُس کے قرب و جوار میں رہتے ہوئے نمازوں میں ناغہ کریں۔

نمازوں کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے خطبات اور درس قرآن نہایت مؤثر اور

اور ایمان افروز ہوتے ہیں۔ خاکسار نے باقی دن دارالسلام میں گذار دیئے۔ دل نہیں چاہتا تھا کہ اس ماحول سے نکل کر دیگر مقامات کا رخ کروں۔

مہمان نوازی کے اثرات

مہمان نوازی ایک تبلیغی جماعت کا زیور ہے۔ کوئی تبلیغی جماعت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس کے افراد میں مہمان نوازی کے اوصاف نہ ہوں۔ آج سے پچاس برس پیشتر خاکسار حضرت مولانا غلام حسن مرحوم کا مہمان ہوا۔ ان کے نوکر نے خاکسار کے آرام کے لئے بستر بنا دیا تھا۔ لیکن کمرے میں داخل ہونے سے قبل میں نے دیکھا کہ مولانا صاحب اپنے دستِ مبارک سے چادر سیدھی کر رہے ہیں۔ اللہ اللہ اس وقت جبکہ دینی اور دنیاوی رنگ میں میری کوئی حیثیت نہ تھی۔ مولانا صاحب کی اس قدر کرم نوازی۔ میں شرمندہ احسان ہو گیا۔ یہی اوصاف میں نے پچاس سال کے بعد جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی مہمان نوازی میں پائے۔ ایک طرف سے ان کے وجود سے خاکسار کی روحانی تربیت ہو رہی ہے۔ اور دوسری طرف مہمان نوازی۔

لاہور کے دوران قیام میں محترم این۔اے۔ فاروقی۔ محترم محمد احمد۔ محترم مسعود اختر نے ہمارے اعزاز میں ڈنر پارٹیوں کا انتظام کیا۔ جن میں انہوں نے اپنے عزیز دوستوں کو بھی مدعو کیا ہوا تھا۔

عزیزہ فریدہ کی مہمان نوازی کے فرائض کما حقہ، مسز نسرین گل نے ادا کئے۔ خاکسار کے پرانے کرم فرما اور ہیڈ ماسٹر پروفیسر میرزا حبیب الرحمٰن نے اپنے مکان پر عصرانہ کا بندوبست کیا۔ اسی قسم کی دعوت کا انتظام ہمارے بزرگ چودھری ظہور احمد نے کیا ہوا تھا۔ ان کے علاوہ جناب مولانا عبدالمنان۔ جناب غلام نبی مسلم اور دیگر کئی ایک دوستوں نے کھانے کی دعوتیں کیں۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

رشتہ داروں سے ملاقات

رشتہ داروں خصوصاً دو بہنوں اور بھائی اور ان کی اولاد کی ملاقات کا نظارہ رقت آمیز تھا۔ لیہ۔ کوٹ ادو اور احسان پور میں جا کر ہم بیمار بھی ہو گئے تھے۔ لیکن جو تیمار داری اور دیکھ بھال ہمارے عزیزوں نے کی۔ اس کا اثر تادم زیست قائم رہے گا۔

فتوے کفر کے اثرات

احمدیہ جماعت کے بانی حضرت مجدد زمانؑ اور آپ کی جماعت پر علماء سُو کے فتاوے کفر آج سے اسّی سال پیشتر لگ چکے تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حکومت پاکستان نے چند ایک مجبوریوں کی وجہ سے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا ہے۔ اس کے باوجود تعلیم یافتہ افراد سے جب میں نے اس کے بارے میں بات چیت کی ہے وہ اس کو سیاسی فتوے قرار دیتے ہیں اور احمدیوں کو سچا مسلمان خیال کرتے ہیں۔ یہ سوال دیگر ہے کہ ایسے مسلمانوں میں وہ ایمانی جرات نہیں ہے۔ کہ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔

مجھے ایک رشتہ دار نے گھر پر دعوت دی اور اس کو اچھی طرح علم ہے کہ میں احمدیہ جماعت سے تعلق رکھتا ہوں۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ گھر کی دیوار پر پوسٹر پر تو یہ لکھا ہے "مرزائیوں کا مکمل طور پر بائیکاٹ کرو"۔ اور یہ صاحب میری خاطر تواضع میں مصروف ہیں۔ اس وقت حضرت مسیح موعودؑ کا یہ شعر میری زبان پر آیا ؎

دل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار

دوران سفر میں میری ملاقات ایک سرحدی طالب علم سے ہو گئی۔ جنہوں نے یہاں پر ابھی ایم۔اے کیا ہے۔ ان کے والد بزرگوار بڑی جائداد کے مالک اور ریٹائرڈ فوجی آفیسر ہیں۔ میں نے اپنا تعارف ان سے کراتے ہوئے کہا کہ میں نے غیر ممالک میں تین سو کے قریب غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا ہے۔ مسلمانوں کی تعلیمی اور مذہبی خدمات ایک پانیر کی طرح کی ہیں۔ غیر ممالک کے مسلمانوں کے نزدیک میں ایک مسلمان تصور کیا جاتا ہوں۔ لیکن چونکہ میں احمدی جماعت کا ممبر ہوں اور کسی نئے نبی پر نہیں ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے بعد آنے کا قائل نہیں ہوں۔ اپنے ملک پاکستان جس کی زیارت کے لئے میں چوالیس سال کے بعد آیا ہوں۔ یہاں کے قانون کی رو سے غیر مسلم ہوں۔

اس طالب علم نے (حالانکہ وہ جماعت اسلامی کا ہمدرد اور مداح ہے) کفر کے فتوے پر بیزاری کا اظہار کیا اس نے بتایا کہ اس نے احمدیوں کے خلاف فسادات کے ایام میں کئی ایک احمدی طلباء کی حفاظت کی تھی۔ انہوں نے اپنی کوٹھی واقعہ گلبرگ لاہور میں میری دعوت کی۔ اور میرا تعارف اپنے رشتہ داروں سے کرایا۔

خداوند کریم کا فضل

یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ میں اس قابل ہو سکوں گا۔ کہ کسی مسجد کی تعمیر یا کسی اسلامی ادارہ کو چند ایک ہزار روپے بطور عطیہ دوں۔ دارالسلام مسجد میں صبح کی نماز کے بعد میں نے سیکرٹری صاحب مقامی جماعت لاہور کو بتایا کہ میں مسجد کے صحن کے لئے پانچ ہزار روپیہ اس شرط پر دوں گا کہ کوئی ایک فرد جماعت بغیر کسی دیگر تحریک اس قدر رقم دے۔ خاکسار نے پیشتر ازیں محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب سے مسجد کے صحن کے پلاسٹر کرانے کا تخمینہ لے لیا۔ خدا کی شان دو چار دن کے بعد محترمہ بیگم شیخ عطاء اللہ محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے ہاں تشریف لائیں۔ اور پانچ ہزار روپیہ مسجد کے صحن کے لئے دینے کا وعدہ کر گئیں۔

وعدہ کر دینا آسان ہوتا ہے۔ لیکن ادائیگی مشکل ہوتی ہے۔ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے۔ کہ خاکسار کے فرزند اکبر عزیزی جلال الدین محمد اکبر نے میری ہدایت پر محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب کو پانچ ہزار روپیہ کا چیک بھیج دیا ہے۔

خاکسار کی یہ تحریک اس قدر باثر ہوئی کہ جماعت کی چند خواتین نے مسجد دارالسلام کی تکمیل کے لئے محترمہ نسرین گل کی معرفت محترم ڈاکٹر صاحب کو آٹھ ہزار روپیہ کے وعدوں کی ایک فہرست بھیجی ہے۔ اس رقم کو ملا کر مسجد فنڈ میں نقد اور وعدوں کی صورت میں اٹھارہ ہزار روپیہ کی رقم ہو جاتی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ خواتین سلسلہ اس نیک تحریک کو جاری رکھیں گی۔ مسجد کی تکمیل کے لئے غالباً پچاس ہزار روپیہ کی ضرورت ہو گی۔

محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی بے لوث خدمتِ خلق کا جذبہ۔ آپ کی طبی قابلیت اور تجربہ اور جماعت کے دیگر ڈاکٹروں کی موجودگی میں خاکسار نے خیال کیا کہ دارالسلام میں مولانا محمد علی قرآنک ریسرچ سنٹر کے علاوہ محمد علی میموریل ہسپتال کی بھی ضرورت ہے۔ اور اگر انجمن **محمد علی میموریل ہسپتال** یا کلینک قائم کرنے کی منظوری دے تو خاکسار اس کے لئے پانچ ہزار روپیہ کا عطیہ دے گا۔ امید ہے انجمن خاکسار کی اس تجویز پر غور کرے گی۔ اگر ہمارے مخیر صاحبان ایک ایک لاکھ روپیہ نقد اس تحریک میں دیکر حصہ لیں تو خاکسار امریکہ سے دس ہزار ڈالر یعنی ایک لاکھ روپیہ بھیجنے کی کوشش کرے

میری پیغام صلح سے علیحدگی

میں نے بعض وجوہ کی بناء پر پیغام صلح کی ایڈیٹری سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ اور مجلس منتظمہ نے ۱۶ مئی سے میرا استعفیٰ منظور کر لیا ہے۔ رخصت ہوتے وقت میں پیغام صلح کے محترم مضمون نگاروں کا ممنون ہوں نیز پیغام صلح کے قارئین کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے میری ایڈیٹری کے دوران اپنی قیمتی آراء سے میری حوصلہ افزائی کی۔ خدا حافظ۔ مخلص غلام نبی مسلم۔ ایم۔ اے

عرفات پریس بھاٹی روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور دوست محمد صاحب پبلشر۔ دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگ لاہور سے شائع کیا۔
چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ ۲۱ مئی ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ شمارہ ۲۱

جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۱۶ جمادی الاول ۱۳۹۵ھ - ۲۸ مئی ۱۹۷۵ء | نمبر ۲۲

(حضرت مجدد صد چہاردھم علیہ السلام)

ہماری تعلیم

یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے ظاہر کچھ چیز نہیں خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اسی کے موافق تم سے معاملہ کریگا۔ دیکھو میں یہ کہہ کر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اسکو مت کھاؤ۔ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو دعا کرو تا تمہیں طاقت ملے جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے قمار بازی سے بدنظری سے اور خیانت سے رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے؟ جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا اور ان کی تعہد خدمت سے لاپروا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنےٰ ادنےٰ خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص اس عہد کو جو اس نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص مجھے فی الواقعہ مسیح موعود و مہدی معہود نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص امور معروفہ میں میری اطاعت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص مخالفوں کی جماعت میں بیٹھتا ہے اور ہاں میں ہاں ملاتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک زانی۔ فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب۔ ظالم۔ دروغگو۔ جعلساز اور انکا ہمنشین اور اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانے والا جو اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ یہ سب زہریں ہیں۔ تم ان زہروں کو کھا کر کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ (کشتی نوح ص ۱۷-۱۸)

ص جو شخص بدرفیق کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔

خوشتر آں باشد کہ ذکرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے نام
جماعت ربوہ کے ایک معزز دوست کا خط

لکھتے ہیں :-

"آپ کے احوال سے بے خبر نہیں رہا۔ جس سال آپ کے مکان پر دو مرتبہ بم باری کی گئی اس کا بھی مجھے علم ہے۔ اور پچھلے سال جو کچھ آپ کی جان اور آپ کی املاک پر گذرا۔ اس کا بھی انہی دنوں علم ہوگیا تھا۔ کسی صاحب نے ان دنوں ایک خط جو تحریر کیا۔ تو دلی دُکھ کا اظہار کیا تھا۔ کہ آپ جیسے شفیق اور خادم خلق پر بھی اس فسادی گروہ نے ہم جیسی جہلک چینہ گرا دینے میں کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام مردے زندہ کرتے تھے۔ اندھے۔ کوڑھی۔ الغرض ہر قسم کے بیمار اچھے کر دیتے تھے۔ ہم ان باتوں کو اس بنا پر نادرست قرار دیا کرتے تھے۔ کہ انسانی فطرت ایسی ہے) کہ اپنے محسن کی شکر گذار ہوتی ہے ناشکری نہیں کرتی۔ مگر وہ لوگ جن کے حضرت اسحاقؑ و یعقوبؑ کے وقت سے شروع کر کے ان لوگوں کے موتیٰ زندہ کر دیئے۔ فی الوقت جو بیمار اور معذور تھے ان کو تندرست کر دیا۔ وہ لوگ اس قدر احسان ناشناس نہ ہو سکتے تھے کہ اپنے محسن کو صلیب پر لٹکا دیا۔ مگر جو کچھ آپ کے ساتھ اور آپ کی مانند جو اور محسنِ انسانیت ڈاکٹر اور حکیم تھے۔ ان کے ساتھ جو سلوک مخالفین احمدیت نے کیا۔

ایسی برائی کا خاصہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے وقت کے مخالفین کے ساتھ ہی مختص نہ تھا۔ شاید یہ جلسہ سالانہ سے کچھ دن پہلے کی بات ہے۔ کہ اخبار پیغامِ صلح میں یہ اطلاع شائع ہوئی کہ آپ جماعت کے مرکز لاہور میں آگئے ہیں۔ اور اب صرف خدمتِ جماعت ہی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے آپ کا ایڈریس تو معلوم نہیں۔ بہرحال سُن رکھا ہے کہ احمدیہ بستی جو بنائی گئی ہے۔ اس میں آپ رہائش پذیر ہیں۔ یہ تو اچھا ہوا کہ کچھ گھرانے ایک جگہ آباد ہو گئے اور کی نسبحك كثيراً و نذكرك كثيراً کی نعمت میسّر ہو گئی۔

جلسہ سالانہ اور اس کے کوائف جو رپورٹ ہوئے۔ اس میں آپ کی تقریر پڑھی رُوح بہت سرشار ہوئی۔ یہ آپ کی دوسری تقریر تھی۔ جس سے میری روح مسرور ہوئی تھی۔ پچھلے سالوں ایک تربیتی کورس کے لئے ایک تربیتی کلاس کھولے رکھی تھی تو کورس کا وقت پورا کر کے جب وہ لوگ رخصت ہونے کو تھے۔ تو الوداعی تقریب پر آپ نے سورۃ نور سے الله نور السموات والارض سے شروع ہو کر آگے جو چند آیات ہیں۔ ان کے معارف بیان کئے۔ میں نے آپ کے اس بیان میں اس درجہ غذاءِ رُوح پائی۔ متعدد بار اسے پڑھا۔ پرچہ سنبھال کر رکھ دیا۔ اپنے حفظ میں حقدار بنانے کے لئے میں نے وہ پرچہ اپنے بیٹے کو پڑھنے کے لئے دیا۔ .... افسوس اس سے وہ پرچہ ادھر ادھر ہو گیا۔ جس کا مجھے اب تک صدمہ ہے۔

میں ذکر کر رہا ہوں آپ کی تقریر سے غذاءِ روح حاصل ہونے کا...... جو واعظ اپنے وعظ اپنی نصائح کا اولاً اپنے نفس کو۔ اپنی ذات کو مخاطب قرار دیتا ہے۔ جس طرح اس کا وعظ اور نصیحت سامعین کے دلوں میں اترتی ہیں اس طرح نرے علمی نکات بیان کرنے والے عالم کے نکات دلوں میں نہیں

۴۴ص

اللہ تعالےٰ کے احسانات کی یاد دہانی

فرمودہ حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ یکم ستمبر ۱۹۰۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتًا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا ثم استویٰ الی السماء فسوّٰهن سبع سمٰوات وهو بکل شیءٍ علیم

اللہ تعالےٰ ان آیات میں اپنے احسانات یاد دلاتا ہے کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ اپنے احسان کرنے والے کا شکر گذار ہوتا ہے اور اسکی فرمانبرداری کرتا ہے۔ اور اس کو خوش رکھنا اپنا فرض جانتا ہے۔ پس اللہ تعالےٰ انسان کو کہتا ہے کہ تم خدا کے ناشکرے کس طرح بنتے ہو۔ اپنا حال تو دیکھو تم مُردہ تھے بے جان ذرات تھے۔ تمہارا نام و نشان نہ تھا۔ خدا نے تمہیں زندہ جاندار بنایا پھر تم مر جاؤ گے۔ پھر زندہ کئے جاؤ گے اور خدا کی طرف پھیرے جاؤ گے۔ پھر احسان الٰہی کو یاد کرو کہ اس نے زمین کی تمام اشیاء فائدہ کے واسطے بنائیں پھر تم زمین سے لے کر آسمان تک بلکہ عرش تک نگاہ ڈالو۔ ہر امر میں خدا تعالےٰ کے تمام کاموں کو حکمت سے پُر پاؤ گے۔ کوئی بات ایسی نہیں ہے جس میں کوئی کمزوری یا خرابی نگاہ میں آسکے۔ اور خدا سب باتوں کا علیم ہے۔ وہ تمہارے افعال کو دیکھ رہا ہے اور ان سے باخبر ہے۔

اس خطبہ میں بالخصوص طلباء مدرسہ کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے تم کو تعلیم حاصل کرنے میں اور تقوےٰ کی راہوں پر اپنے آپ کو مستقل کرنے کے لئے عمدہ موقع عطا کیا ہے آگے چل کر کالجوں میں تمہارے واسطے بہت مشکلات ہوں گے کیونکہ وہاں ایسی نیک صحبت اور دیندار استادوں کا ملنا مشکل ہوگا۔ جو نے ایسے وقت میں اصلاح نہ کرلی وہ آگے کیا کرے گا۔

استادوں کو بھی چاہیئے کہ ان بچوں کے واسطے درد مند دل کیساتھ دعائیں مانگیں کہ خدا تعالےٰ ان کی اصلاح کرے اگر ایک آدمی بھی تمہارے ذریعہ سے ہدایت پا جائے تو تمہارے واسطے ایک بڑی نعمت ہے۔

۴۴

اترتے۔ آپ کے مواعظ میں میری رُوح کو فطری غذا ملی۔ سرشار ہوئی کیونکہ مجھے تلقین کرنے سے پہلے اپنے نفس کو مخاطب قرار دیا۔

جلسہ سالانہ والی تقریر میں آپ نے جس درد کا اظہار کیا۔ آپ کے اس درد میں یقیناً آپ کے سامعین میں سے بھی ایسے نیک نفس ہوں گے جو آپ کے اس درد میں ہمدرد رہے ہوں گے۔ آپ کو یہ سن کر مزید خوشی ہوگی کہ آپ کا یہ دور افتادہ رفیق کہن بھی آپکے درد میں درد مند رہا۔ اور اب تک درد مند ہی چلا جا رہا ہوں۔

جب سے آپ لاہور آئے ہیں۔ آرزو رہی ہے کہ لاہور پہنچوں۔ اور عرصہ سے ملاقات نہ ہونے کا جو SPAN چلا آ رہا ہے۔ ملاقات ہو۔ اور وہ SPAN اُٹھ جائے۔ مگر تاہنوز لاہور دور است ہی رہا چلا آ رہا ہے

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال
مدت ہوئی کہ آشتیٔ چشم و گوش ہے

ما مسلمانیم از فضلِ خدا ❊ مصطفٰےؐ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام ❊ ہر نبوت را بروشد اختتام

(حضرت مسیح موعودؑ)

ہفت روزہ پیغامِ صلح ——— لاہور ——— ۲۸ مئی ۱۹۷۵ء

نویدِ فتح نظامِ اسلام
یا
چودھویں صدی کے مجدد کا الہامی پیغام

وما کنا لنهتدی لولا ان ھدٰنا اللہ (الاعراف ۴۳)

ترجمہ۔ ہمیں ہدایت کب میسر آنا تھی اگر خدا ہمیں یہ نعمت میسر نہ کرتا۔

ع
اک بڑی مدت سے دیں کو کفر تھا کھاتا رہا
اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کے کھانے کے دن
چھوڑ دو وہ راگ جس کو آسماں گاتا نہیں
اب تو ہیں اے دل کے اندھو دیں کے گن گانے کے دن

(حضرت مسیح موعودؑ)

مغربی یا دجالی تہذیب کی بنیادیں عقلیت پر تعمیر کی گئی ہیں، عیسائیت نے دین کو عملی زندگی سے خارج کر رکھا ہے۔ نفس پرستی اور اقتصادیات اس کا اوڑھنا بچھونا اور اس کی جملہ تحریکات کا محوری نقطہ ہیں۔ یہ نظریہ حیات کم و بیش گذشتہ پانچ سو سال سے رائج ہے۔ سائنسی ترقی۔ تسخیر کائنات اور ایجاداتِ نو کو کلیۃً اسی نظریہ کے فروغ و ترقی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ **ایسے عظیم و وسیع تجربہ کا آخر نتیجہ کیا نکلا؟**

اگر یہ واقعات ہیں کہ آج قلوب، اطمینان و تسلی سے خالی اور اقوامِ عالم امن و چین سے محروم ہیں پھر کیا یہ نتیجہ ناگزیر نہیں کہ حالیہ نظریہ حیات انسان کو اس کی مطلوبہ جنت ارضی دلانے میں سراسر ناکام ہو چکا ہے۔ نہ صرف عظیم تجربہ نے اس حقیقت کو واشگاف کر دیا ہے بلکہ معمولی غور سے بھی یہ امر عیاں ہے کہ عقلیت یا اقتصادیات، نفس پرستی اور انسان کے باطنی و سفلیت جذبات کو بہترین تحریک دینے کا موجب ہیں اور ان سے بے اطمینانی۔ عدم تسلی، بے چینی کے محرکات ہی پنپنے کے بجز اور کچھ حاصل نہیں۔

گذشتہ اشاعت میں ہم سر جیمز جینز اور مسٹر گب کے بعض اقتباسات قارئین کرام کے پیشِ نظر کر چکے ہیں۔ مسٹر جینز سائنسی تحقیقات کی بناء پر یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ نظامِ کائنات کسی باشعور اور مدبر بالارادہ ہستی کی تخلیق ہے۔ گویا سائنس نے اذا اراد شیئًا ان یقول لہٗ کن فیکون کے قرآنی جملہ کی بہترین تفسیر پیش کر دی ہے۔ وہی سائنس جو تخلیق کو محض ایک حادثہ اور اتفاق سے تعبیر کیا کرتی تھی اب قرآنی نظریہ کی صداقت کی قائل ہو چکی ہے۔

مسٹر گب یہ فرماتے ہیں کہ مغربی تہذیب جس یک طرفہ انتہا پر چلی گئی ہے اس کا مداوا صرف اسلام کی تعلیم اعتدال و متوازن سے ہی مقدر ہے۔

قرآنی تعلیم نے اقتصادیات کو انسانی نظامِ زندگی کا محور قرار دینے کی بجائے خدا تعالےٰ کی ذات اور اس کی اعلےٰ صفات کے رنگ میں رنگین ہونے کو مرکزی سحیدہ نظام بتلایا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اگر ایک طرف سخر لکم ما فی السمٰوات و ما فی الارض۔ یعنے آسمانوں اور زمینوں میں ہر شئے کو انسان کے لئے مسخر کئے جانے کا ارشاد فرمایا اور یہ فرمایا کہ اسبغ علیکم نعمہٗ ظاھرۃ و باطنۃ۔ یعنے ہم نے تمہارے لئے جملہ ظاہری اور باطنی نعمتوں کے دروازوں کو وا کر دیا ہے۔ تو دوسری طرف ساتھ ہی یہ تعلیم بھی دی کہ وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔ یہ دنیاوی زندگی تمہارے لئے دھوکہ و فریب کا سامان ہے اور پھر فرمایا لاتمدن عینیک الیٰ ما متعنا بہ ازواجًا منھم زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ و رزق ربک خیر و ابقٰی۔ یعنی تم للچائی ہوئی نگاہوں سے ان میں سے بعض کی طرف مت دیکھو جن کو ہم نے وافر سازو سامان اس دنیا کی زندگی کا عطا کیا ہے۔ اس لئے سب ان کی آزمائش کے لئے ہے، حقیقی رزق تو وہی ہے جو تیرے ربّ کے پاس ہے اور وہی دائمی رہنے والا ہے۔

اسی طرح مسٹر گب کا کہنا ہے کہ مغرب جن مہلک تعصبات قومی و ملکی میں آج مبتلا ہے **اس کا علاج دینِ اسلام اور کہیں نہیں مل سکتا** کیونکہ اسلام کی گذشتہ تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ کس طرح اس دین نے مختلف اقوام کو متحد و متفق کرنے میں بے نظیر کامیابی حاصل کی ہے۔

اس وقت جن دو مسائل نے دنیا کے خرمنِ امن و سکون کو برباد کر رکھا ہے وہ یہ دو پیچیدہ اور بظاہر لاینحل امور ہیں، انسانی نظام کا محوری و مرکزی نقطہ کیا ہو اور نسلی امتیازات نے جو تعصبات کی شکل اختیار کر لی ہے کیونکر یہ ایک بین الاقوامی انسانی اخوت میں تبدیل ہو سکتے ہیں پس ان دونوں عالمگیر مسائل کا بہترین حل مخالفین کے نزدیک بھی دینِ اسلام ہی پیش کرتا ہے اس لئے کہ پہلے بھی اسی دین نے ایسا نظامِ زندگی قائم کر دکھلایا تھا۔ جو انسانیت کے لئے رحمۃ للعالمین ثابت ہو چکا ہے اور جس نے ایک عالمگیر اخوت کو جنم دیا تھا۔

ہمارے قلوب اسلام کی عالمگیر قبولیت کے بارہ میں صرف اس لئے متیقن ہیں کہ اس وقت واقعات نے ایسا رُخ اختیار کر رکھا ہے یا یہ کہ **مغربی دنیا اب خود معترف ہے کہ جن امراض میں مغرب مبتلا ہے ان کا علاج صرف اسلام میں موجود ہے بلکہ ہمارے یقین کا منبع وہ الہام خداوندی ہے جس نے آج بھی حضرت ختم المرسلینؐ** کے ایک خادم کو مطلع کیا کہ اب ایسا وقت قریب آ چکا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں ہم حضرت اقدس میرزا غلام احمد مسیح موعودؑ کے چند ایک الہامات اور اقتباسات پیش کرتے ہیں:-

"بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد"

آپ کو خوشخبری ہو کہ اب وقت نزدیک آ چکا ہے جب مسلمانوں کا قدم بلند مینار پر قائم کر دیا گیا ہے۔

یہ ایسی جانفزا نوید اور الہامی ندا ہے کہ ایسی خوشخبری انیسویں صدی کے آخر میں کہیں سے بلند نہیں کی گئی۔ واقعات سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کی بگڑی ہوئی قسمت نے پھر پلٹا کھایا ہے۔ حالانکہ اس سے نصف صدی قبل جو مایوسی اس بارہ میں چھائی ہوئی تھی اسکے پیشِ نظر کسی کو ایسی حوصلہ افزا خوشخبری کی کوئی کرن امید نظر نہ آتی تھی۔ جوں جوں مسلمان اپنے دین کی جانب یعنی **قرآن و سنت کی طرف رجوع کرتے چلے جا رہے ہیں** توں توں ان کی دنیاوی اور ملکی ترقی کے راستے بھی کھلتے چلے جا رہے ہیں۔ پھر آپ کو یہ الہام ہوا:-

چوں دور خسروی آغاز کردند — مسلماں را مسلماں باز کردند

سائنسی نظریہ حیات کے مقابل جہاں تک قرآنی تعلیم کی صداقت کا تعلق ہے حضرت اقدسؑ کی مندرجہ ذیل عبارت اس بارہ میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہنے دیتی کہ بالآخر **قرآنی تعلیمات اور نظریات کی صداقت ہی ثابت ہو کر** رہے گی، وقتی طور پر اگر بعض سائنسی نظریات مخالف معلوم ہوں تو بھی ان کی جہالتیں عنقریب ظاہر ہو جائیں گی:-

موجودہ سائنس اور مذہب کی جنگ میں اسلام کی فتح اور اقبال کے دن قریب ہیں

"اس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے اس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کرکے بیدل نہیں ہونا چاہیئے کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی

کی حاجت نہیں بلکہ اب زمانہ اسلام کی رُوحانی تلوار کا ہے جیسا کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا۔ اور حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آویں مگر انجام کار ان کے لئے ہزیمت ہے۔ میں شکر نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام کی اعلیٰ طاقتوں کا مجھ کو علم دیا گیا ہے جس علم کے رُو سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفہ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علوم مخالفہ کو جہالتیں ثابت کر دے گا۔ اسلام کی سلطنت کو ان چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے جو فلسفہ اور طبعی کی طرف سے ہو رہی ہیں۔ اس کے اقبال کے دن نزدیک ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کے فتح کے نشان نمودار ہیں۔ یہ اقبال روحانی ہے اور فتح بھی روحانی، تا باطل علم کی مخالفانہ طاقتوں کو اس کی الٰہی طاقت ایسا ضعیف کرے کہ کالعدم کر دیوے۔" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۵۴)

مسلمان طبقہ [illegible] بالخصوص ایک ایسا نوجوان طبقہ موجود ہے جو نہ تو دینِ اسلام اور قرآنی تعلیم سے کما حقہٗ باخبر ہے نہ ہی اسے مغربی مفکرین کی تازہ ترین آراء کا علم ہے۔ سائنس کے ادھورے سے نظریات کی بناء پر موجودہ زمانہ کی تمام مغربی فضا سے وہ اس قدر مرعوب و مسحور ہو چکا ہے کہ باوجود تحقیق کے دعاوی کے وہ مغربی تہذیب کی تقلید میں دل و جان سے اس پر فریفتہ ہو چکا ہے حتیٰ کہ جن **نظریات اور اقدامات کو مغرب ترک کر چکا ہے اس کے** لئے **وہی باعث فخر و ناز** بنے ہوئے ہیں۔ کبھی سائنس کے نظام کے انقلاب میں اسے دنیا کی فلاح نظر آتی ہے اور کبھی اقتصادی نظام کے چکر میں پھنس کر وہ اشتراکیت کو موجودہ مسائل عالم کا تیر بہدف علاج سمجھ بیٹھا ہے ان سب کے علاوہ یہ طبقہ اسلام کے اصل پیغام اور قرآن کریم کے رُوح پرور نظام سے قطعی ناواقف اور بے یقین پڑا ہے۔ کاش! اسے یہ خبر ہوتی کہ اسلام کے فاتحانہ پیغام اور روح افزا نظام حیات کو اس زمانہ کے مجدّد **اور مامور نے کیسے علمی اور یقینی انداز** میں خدا تعالیٰ سے علم پاکر روشن کیا ہے! -

پھر واقعاتِ حقّہ نے کیونکر اس صادق منجانب اللہ مامور کے دیئے ہوئے علم کی تصدیق پر مہر ثبت کر دی ہے!! ہم ہر ایسے مسلمان سے جو اسلام کی صداقت اور اس کے نظام کے فاتح ہونے کا درد اپنے سینہ میں رکھتا ہے یہ استدعا کرتے ہیں کہ وہ صدی کے مجدّد کے علم کلام سے فائدہ اٹھا کر اس علم الیقین کو حاصل کرے جو اس زمانہ میں سرچشمہ حیات ثابت ہو چکا ہے۔ _ (ا ب)

اخبار احمدیہ

الحمد للہ - کہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بخیریت ہیں - اور حسب دستور خدماتِ دینیہ میں مصروف ہیں - ۲۳ مئی کو آپ نے ایک نہایت ہی پر معارف، بصیرت افروز اور ایمان پرور خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا - آپ نے کنتم خیر امة اخرجت للناس سے استدلال کرتے ہوئے جماعت کو مخاطب کر کے کہا - کہ تم نے ایک مجدّد کے ہاتھ پر بیعت کر کے لوگوں کی بھلائی کے کام کرنے کی ایک ذمہ داری قبول کی ہے اب اپنے اس فرض کو نبھانا اور اپنے عمل سے اس افضلیت کو برقرار رکھنا تمہارا کام ہے۔ (مفصل خطبہ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں درج ہوگا)

ضروری اعلان

جماعت احمدیہ لائل پور کے سیکرٹری صاحب نے اطلاع دی ہے کہ جو مقامی جماعت کا جلسہ ۲۳ مئی کو منعقد کیا جانا تھا وہ اب ۳۰ مئی بروز جمعہ ہوگا - مرکز سے بھی کئی احباب کرام کو دعوت دی گئی ہے [illegible] دیگر احباب سے بھی درخواست ہے کہ اس جلسہ میں شمولیت اختیار کر کے شکریہ کا [illegible]

پیارے نبی کی پیاری باتیں

قال کنّا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فی مجلس فقال اتبایعونی علیٰ ان لا تشرکوا باللہ شیئًا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق (وفی اخریٰ ولا تقتلوا اولادکم) ولا تاتوا ببھتانٍ تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا فی معروفٍ فمن وفا منکم فاجرہٗ علی اللہ تعالیٰ ومن اصاب من ذالک ای غیر الشرک شیئًا فسترہ اللہ تعالیٰ فامرہٗ الی اللہ تعالیٰ ان شآء عفا عنہ وان شآء عذبہٗ فبایعناہُ علیٰ ذالک الخمستہ الا ابو داؤد بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم علی السمع والطاعۃ فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وعلیٰ اثرۃٍ علینا وعلیٰ ان لا نتازع الامر اھلہٗ ولان نقول بالحق اینما کنّا لا نخاف فی اللہ لومۃ لائم وفی اخریٰ ان لا تنازع الامر اھلہ الّا ان تروا کفراً بواحًا عندکم فیہ من اللہ برھانٌ -

(الثلاثۃ والنسائی)

ترجمہ:

ایک صحابی کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھے تھے - آپ نے فرمایا: - کیا تم مجھ سے اس بات پر بیعت (یعنی تابعداری کا عہد) کرتے ہو - کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے؟ چوری نہ کرو گے۔ زنا نہ کرو گے - اور کسی ایسی جان کو جس کا قتل خدا نے حرام کیا ہے - ناحق قتل نہ کرو گے؟ (دوسری روایت میں ہے - اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے) اور کسی پر تہمت نہ لگاؤ گے - جس کا مخرج وہ شئے ہے - جو ہمارے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان ہے - یعنی دل - اور اچھی بات میں میری نافرمانی نہ کرو گے؟ پس تم میں سے جس شخص نے اس عہد کو پورا کیا - اس کا اجر خدا کے پاس ہے - اور جو شخص شرک کے سوائے ان میں سے کسی فعل کا مرتکب ہوا - اور اللہ نے اس کا پردہ رکھا - تو اس کا فیصلہ اللہ پر ہے چاہے اسے معاف کرے چاہے اسے سزا دے پس ہم نے اس عہد پر بیعت کی -

ایک دوسری حدیث میں راوی کہتا ہے کہ ہم نے اس بات پر رسول اللہ صلعم سے بیعت کی کہ ہم (جو ارشاد ہوگا) سُنیں گے اور اس کی تعمیل کریں گے - خواہ تنگی ہو - خواہ فراخی - خواہ راحت ہو خواہ رنج اور خواہ اس کا بُرا اثر ہم پر پڑے - اور ہم ایسے شخص کے سردار ہونے میں - جو اس کے لائق ہو نہیں جھگڑیں گے - ہر حالت میں سچ کہیں گے - خدا کی راہ میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈریں گے - اور دوسری روایت میں ہے کہ ایسے شخص کے خلیفہ ہونے میں جو اس کے لائق ہو نہیں جھگڑیں گے - مگر اس وقت کہ صریحاً کفر دیکھنے میں آئے یعنی اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

احباب کرام کے لئے ضروری اطلاع

حضرت مسیح موعودؑ کے یوم وصال پر امسال پیغام صلح کا خاص نمبر جون کے دوسرے ہفتے میں شائع کیا جا رہا ہے - اس طرح ۴ جون کا پرچہ شائع نہ ہوگا - اس خاص نمبر کے لئے جو اصحاب مضامین بھجوائیں، براہ مہربانی وہ جون کے پہلے ہفتہ میں اس دفتر میں پہنچ جانے چاہئیں، ورنہ اس نمبر میں شائع نہ ہو سکیں گے جو جماعتیں یوم وصال پر جلسے منعقد کرائیں ان کی کارروائیاں بھی اس دفتر میں جون کے شروع میں پہنچ جانی ضروری ہیں - (ادارہ)

حضرت خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ

دینِ اسلام کی زندگی کی خصوصیت

مؤمنین کاملین کا الہام و کشوف سے مشرف کیا جانا

ہر ایک کہتا ہے کہ میرے مذہب سے انسان کا تعلق خدا سے ہو سکتا ہے لیکن کوئی امر تو ایسا ہونا چاہیئے کہ جس سے انسان سمجھ لے کہ [illegible] مذہب ہے اور خدا تعالےٰ سے اس کا تعلق ہے۔ اس سے دعاوی [illegible] اور انہیں مقبول شدہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر مذہب والا کہتا ہے۔ وہ بھی فیصلہ امر نہیں۔ ہر ایک مدعی ہے کہ خدا ہماری سنتا ہے۔ لیکن [illegible] راہ فیصلہ کی ہونی چاہیئے۔ یوں تو ایک بُت پرست اور ایک خدا پرست ہر دو کہتے ہیں کہ ہمارے معبود ہماری دُعا سنتے ہیں۔ ہاں بائیبل میں ایک بات نظر آتی ہے جس سے اطمینان ہوتا ہے کہ جسے وہ حاصل ہے وہ ضرور خدا کے رستہ پر ہے اولوالعزم انبیاء تو ایک بلند مقام پر ہوتے ہیں۔ بائیبل میں کثرت سے ایسے بزرگوں کا ذکر ہے جن کے ساتھ خدا تعالےٰ ہمکلام ہوتا تھا۔ حسب ضرورت انہیں خدا کا پیغام پہنچتا تھا۔ خدا کے فرشتے وقتاً فوقتاً ان کی راہنمائی کرتے تھے۔ یہ امر جناب مسیح کی زندگی میں بھی نظر آتا ہے۔ ان کے حواری بھی ایک حد تک اس رنگ میں رنگین نظر آتے ہیں۔ اب جو بعد کی عیسائی تاریخ میں نظر آتا ہے۔ اس کی طرف میں اشارہ نہیں کرتا۔ میں صرف ایک ہی بات آپ سے پوچھتا ہوں کہ آیا اس قسم کے خدا سے کلام کرنے والے یا پیغام و اطمینان پانے والے لوگ آج آپ میں ہیں۔ اگر ہیں تو مجھ پر آپ کے مذہب کی صداقت متحقق ہوگی۔ اس وقت میں ثبوت بھی نہیں مانگتا۔ کوئی عیسائی بزرگ کہدے کہ اسے یہ امور حاصل ہیں۔ الخ میں اس کی بات کو بحیثیت ایک شریف انسان کے قبول کر لوں گا۔ میں اس کا ہمخیال ہو جاؤں گا۔ جہاں تجربہ بعد میں ہو جائے گا۔ مذہبی بحث کا دروازہ تو اس طریق پر میں نے بند ہی کر دیا۔ اور بشپ موصوف کوئی نادان آدمی نہیں تھا۔ کہ وہ اس مختصر سی گفتگو سے نہ سمجھ لیتا۔ کہ وہ کس سے مخاطب ہے۔ لہٰذا انہوں نے بجواب کہا کہ یہ باتیں صحیح ہیں۔ لیکن یہ اس زمانہ کی ہیں کہ جب علمی چرچا نہ تھا۔ اور لوگوں میں سادگی تھی۔ آج سائنس نے ان امور کی طرف سے طبائع کو پھیر دیا ہے۔ میں نے فوراً عرض کی۔ کہ کیا آپ کی یہ منشاء ہے کہ مذہب جہلا کے لئے آتا ہے۔ اور کیا سادگی سے آپ کی مراد سادہ لوحی تو نہیں اور مذہب ایک عالم کی تشفی کا موجب نہیں ہو سکتا۔ وہ اس جواب پر کسی قدر گھبرائے لیکن فوراً ہی کہنے لگے کہ ہمارے پاس یسوعیت کی صداقت پر اس امر کے سوا اور بھی شہادتیں ہیں۔ چنانچہ میرے سوال پر وہ کہنے لگے کہ پولوس رسول خود ایک زبردست شہادت ہے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ میں مان لیتا ہوں۔ لیکن پولوس کی شہادت کی بنیاد پھر ایک مکاشفہ ہے۔ اس کی شہادت کی ثقاہت اس کے مکاشفہ اوّل پر ہے۔ جس میں انہیں خداوند (جناب مسیح) نظر آیا۔ اور میں یہی پوچھتا ہوں۔ کہ آیا آج کل بھی کوئی صاحب کشف آپ میں ہے۔ باقی اپنے مذہب کی جو خوبی بھی آپ بتلائیں گے۔ وہی رنگ میں ہندو مذہب میں دکھلا دوں گا۔ جو معجزات آپ مسیح کے ذکر کریں گے ان سے بڑھ چڑھ کر رامائن و مہابھارت میں واقعات درج ہیں۔ اور آپ کی کتابوں میں اور ہندو کتب میں کونسا یا کیا فرق ہے۔ علاوہ ازیں مسیح کے جتنے خصائص ہیں وہ انبیاء بنی اسرائیل میں نظر آتے ہیں۔ میں جناب مسیح کو خدا کا نبی مانتا ہوں۔ لیکن میرے نزدیک ان کا ایک امتیازی نشان صرف کشف و الہام تھا۔ انہوں نے وعدہ بھی کیا کہ ان کے بعد یہ امر جاری رہے گا۔

اُمّتِ مرحومہ کیلئے امتیازی نعمت یعنی صاحب الہام و مستجاب الدعوات ہونا

اب اگر یہ بات ان کے پیرؤوں میں ہے۔ تو وہ [illegible] کے مذہب حقہ پر قائم ہیں۔ اور اگر یہ امر مفقود ہو چکا ہے تو میرے نزدیک ان کے مذہب میں کوئی نہ کوئی خرابی آج کل ہے۔ بشپ موصوف نے گو ایک گھنٹہ کے لئے گفتگو کرنے کا وعدہ مجھ سے کیا تھا۔ لیکن [illegible] منٹ تک گئے۔ اس میں یہ اشارہ تھا کہ وہ بیٹھ نہیں سکتے۔ لیکن میں نے کہا کہ ابھی پندرہ منٹ گذرے ہوں گے۔ اور آپ نے ایک گھنٹہ کے وعدہ پر [illegible] سے بلایا ہے۔ بجواب انہوں نے عذر خواہی کی۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں نے یہی کہا کہ مجھے مذہب کی تحقیق میں روپیہ اور وقت کا چنداں خیال نہیں۔ آج نہ سہی کل یا پرسوں سہی۔ جس وقت انہیں فرصت ہو میں حاضر ہوں۔ بشپ نے کہا کہ ان کے دونوں دن لگ چکے ہیں۔ اور تیسرے دن انہوں نے چلے جانا ہے۔ میں نے بجواب کہا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میں مری بھی آ سکتا ہوں۔ اگر آپ کوئی وقت مقرر کریں۔ فرمانے لگے ایک ماہ کے لئے میں فارغ ہی نہیں۔ میں نے عرض کی کہ میں دوسرے مہینہ آ جاؤں گا۔ آخر انہوں نے میرے اصرار پر وعدہ کیا کہ وہ مری جا کر مجھے کسی وقت مناسب سے اطلاع دے دیں گے۔ بشپ موصوف کی طرف سے میرا یہ مطالبہ قرآن کے مطابق ہی تھا۔ مؤمنین کا صاحب الہام ہونا۔ یا ان کے اطمینان کے لئے فرشتوں کا ان پر نازل ہونا۔ یہ وہ امتیازی نعمتیں ہیں جو خدا تعالےٰ نے اُمت مرحومہ کے لئے خاص کر رکھی ہیں۔ اول ہمارا ہر روز پانچ وقتہ نماز میں صراط مستقیم کی ہدایت مانگنا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہم مذکورہ بالا نعمت کے لئے ہی دعا کرتے ہیں۔ پھر ہم اس صراط مستقیم کی ہدایت کے طالب ہوتے ہیں جنہیں انعمت علیھم کے صراط سے مختص کیا گیا ہے۔ آگے چل کر قرآن نے جن بزرگوں کو منعم علیہ میں گنا ہے مثلاً وہ نبی، صدیق، صلحاء، شہدا ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر شہید اور صالح صاحب الہام ہو۔ اس نعمت کی تقسیم بھی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ ہمیں اس نعمت مل سکتی ہے۔ اسی طرح اس ہدایت کا وعدہ بھی فرماتا ہے جیسا کہ آیت ذیل کہتی ہے:—

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ جو ہمارے راہ میں کوشش کریں گے۔ ہم ان کو اپنا راستہ بتلائیں گے، گو ہر مجاہد۔ صاحب الہام نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن کریم وعدہ کرتا ہے کہ الہام کا دروازہ اُمّتِ مرحومہ پر کھلا ہے۔ جب انسان کا مجاہدہ خدا کے مقرر کردہ مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ صاحب الہام ہو جاتا ہے۔

پھر انہی لوگوں پر فرشتوں کا نازل ہونا۔ نازل ہو کر جواب دینا قرآن کی ایک اور نص صریح سے ظاہر ہے۔ آیت:—

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون

(حٰمٓ آیت ۳۰) جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ ہمارا ربّ ہے۔ اور اس اعلان پر استقامت دکھائی ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ نہ غم کھاؤ۔ انہیں وعدہ کردہ جنّت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ اس زندگی میں اور آئندہ ہم تمہارے دلی ہیں۔

استقامت کے جس مقام پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ وہ تو بڑا بلند ہے وہ ابتلاؤں کے مقابل وہ مقام ہے۔ جب مرسلین کے منہ سے متیٰ نصر اللہ نکل آتا ہے۔ لیکن اس آیت نے یہ تو خوشخبری دی کہ فرشتے بھی خدا کی راہ پر چلنے والوں پر نازل ہوتے ہیں۔ یعنی استقامت مؤمن کا وہ مقام ہے جس پر جا کر فرشتوں کا نزول اس پر ہوتا ہے۔ گو یہ نہایت ہی مشکل مقام ہے۔

الغرض الہام اور ملائکہ کا نزول تو ثابت ہے۔ اور اُمتِ مرحومہ کے بعض اولیاء نے اس نعمت کو حاصل کیا ہے۔ مگر یہ اس شان کا الہام نہیں ہوتا جو حضرت خاتم النبیین تک انبیاء علیہم السلام کو ہوا اور جس کے ذریعہ کتب الٰہیہ نازل ہوئیں۔ نہ فرشتے کسی ملہم کے پاس کبھی کوئی شرعی حکم لائے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ان ہی دو ذرائع سے خدا کی کتاب کے غوامض اور اسرار کھلتے رہے۔ الہام کے ذریعہ ہی قرآن حکیم کے معارف دنیا پر

[illegible] کہ چھوڑ کر دوسرے مذہب میں جائے جبکہ اخلاقی اور معاشرتی بلکہ نام نہاد روحانی تعلیمات کم و بیش

از افاضات سیدنا و مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

ختم نبوت اور سلسلہ احمدیہ لاہور کا عقیدہ

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (الاحزاب آیت ۴۰)

ختم نبوت کے مسئلہ پر وحدت اسلامی کی بنیاد ہے کیونکہ اگر سب مسلمان ایک ہی نبی کے ماتحت ہوں تو وہ سب ایسے ہیں جیسے ایک ہی باپ کے فرزند۔ ان کے اختلاف ان کی وحدت کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ لیکن اگر اس امت میں ایک سے زیادہ نبی ہوں تو وحدت قائم نہیں رہ سکتی۔

ختم نبوت سے کیا مراد ہے۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے انبیاء و رسل کی بعثت کی جو غرض قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات میں اپنے کمال کو پہنچکر پوری ہو گئی۔ یعنے نبوت اپنے کمال کو پہنچکر ختم ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی تعلیم لیکر بھیجا گیا جو تمام قوموں کے لئے۔ تمام ملکوں کے لئے، تمام انسانوں کے لئے اور تمام زمانوں کے لئے ہے۔ اس تعلیم نے کسی قوم کی ضروریات کو باقی نہ چھوڑا اور نہ کسی زمانہ کے دائرہ میں محدود ہوئی۔ نیز آپ کی ذات اقدس میں تمام صفات الٰہی کا کامل ظہور ہو کر آپ ہمیشہ کے لئے دنیا کے سارے لوگوں کے لئے اسوۂ حسنہ ٹھہرے۔ پس آپ کے بعد نبوت کی ضرورت بھی باقی نہ رہی

چنانچہ جس قدر امور ختم نبوت کے لئے ضروری ہیں ان تمام کا قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں جمع ہونا بیان فرمایا ہے۔ مثلاً ہر ایک نبی کا جب ذکر فرمایا تو خاص ایک قوم کی طرف اس کی بعثت کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا ہے:-

وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر (فاطر ۳۵- آیت ۲۴)

ولکل قوم ھاد (رعد ۱۳- آیت ۷)

ولکل امۃ رسول (یونس ۱۰- آیت ۴۷- یعنے ہر قوم میں ایک نذیر گزرا ہے۔ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوا ہے۔ ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے۔ لیکن جب حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا تو فرمایا کہ دو:-

یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (الاعراف ۷ آیت ۱۵۸)

اے لوگو! میں تم سب کے سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں)

وما ارسلناک الا کافۃ للناس (السبا ۳۴- آیت ۲۸)

ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو سب لوگوں کے لئے (سیاہ ہوں یا سفید موجود ہوں یا پیچھے آنے والے) بھیجا۔

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (انبیاء آیت ۱۰۷)

تم کو تمام قوموں اور زمانوں کے لئے رحمت کر کے بھیجا ہے

لیکون للعالمین نذیرا۔ (الفرقان ۲۵- آیت ۱)

سارے عالموں کے لئے تم نذیر بھی ہو)

یعنے اب آئندہ تمام زمانوں کے لئے لوگوں کے لئے ایک ہی نبی، ایک ہی رسول ہو گا۔ گو یہی دلیل آپ کی ختم نبوت پر کافی تھی مگر اور بھی وضاحت کے لئے آخری آیت آپ پر یہ نازل فرمائی:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔

(مائدہ ۵- آیت ۳)

آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اس میں بتایا ہے کہ اب آئندہ دنیا کو اور کسی نبی کی ضرورت نہیں کیونکہ جو کام کسی نبی کو آ کر کرنا ہے وہ محمد رسول اللہ صلعم نے کر دیا۔ منصب نبوت کا کوئی کام آپ کے پیچھے باقی نہیں رہا۔ اس قسم کا دعوے دنیا میں کسی اور نبی نے نہیں کیا ہے۔ یہ الیوم اکملت لکم دینکم کا اعلان دنیا میں اکیلا ہی اعلان ہے۔ اس کے بالمقابل اگر ہے تو عجز ہی عجز کی تصویر ہے۔

پس ضرور تھا کہ یہ اعلان بھی کر دیا جاتا کہ اب اس کے بعد کسی شخص کو منصب نبوت پر کھڑا نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (الاحزاب ۳۳- آیت ۴۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر اللہ کے رسول اور نبیوں کی مہر ہیں۔

پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جسمانی ابوت کے سلسلہ کا انقطاع ثبت فرمایا یعنے یہ کہکر کہ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ آپ کی جسمانی اولاد ذکور کے سلسلہ کا انکار کیا۔ الفاظ ماکان محمد ابا احد من رجالکم سے یہ وہم ہو سکتا ہے کہ گویا کسی بھی قسم کی ابوت آپ کے لئے ثابت نہیں۔ حرف استدراک "لکن" اس کے بعد "رسول اللہ" کہکر اس وہم کا ازالہ کر دیا۔ کیونکہ رسول اپنی امت کے لئے بمنزلہ روحانی باپ کے ہوتا ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی ایک اور امر کی طرف توجہ دلائی کہ آپ سے نہ صرف ایک سلسلہ روحانی فرزندوں کا چلتا ہے۔ بلکہ بوجہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کے وہ سلسلہ روحانی فرزندوں کا غیر منقطع ہے اور قیامت تک رہے گا۔ کیونکہ آپ کا سلسلہ ابوت روحانی تب منقطع ہوتا جب آپ کی نبوت منقطع ہو جاتی۔ مگر چونکہ نبوت آپ کی ہی تا قیامت چلے گی اس لئے یہ سلسلہ قیامت تک جاری وساری رہے گا۔ اسی کے مطابق تفسیر روح المعانی میں ہے وقیل فی توجیہ الاستدراک ایضا انہ لما نفیت ابوتہ صلی اللہ علیہ وسلم لاحد من رجالکم مع اشتہار ان کل رسول اب لامتہ وکذا قیل ان لوطا علیہ السلام عنی بقولہ ھؤلاء بناتی ھن اطھر لکم المؤمنات من امتہ یتوھم نفی رسالتہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بناء علی توھم التلازم بین الابوۃ والرسالۃ فاستدرک باثبات الرسالۃ اور پھر خاتم النبیین پر لکھا ہے قیل انہ جیئ بہ للاشارۃ علی امتداد تلک الابوۃ المشار الیھا بما قیل الی یوم القیامۃ فکانہ قیل ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن کان ابا کل واحد منکم و ابنائکم و ابناء ابنائکم وھکذا الی یوم القیامۃ۔

یعنے استدراک (یعنے لکن) کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کے مردوں میں سے کسی کے لئے ابوت کی نفی کی گئی حالانکہ یہ بات مشہور ہے کہ ہر ایک رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے اس قول سے کہ ھؤلاء بناتی۔ بنات۔ یعنے بیٹوں سے مراد مؤمن عورتیں تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی نفی کا وہم پیدا ہوتا تھا اس بناء پر کہ ابوت اور رسالت میں ایک تلازم ہے اس کا استدراک اثبات رسالت سے کیا اور آگے بتایا کہ خاتم النبیین اس اشارہ کے لئے لایا ہے کہ تا اس ابوت کا جس کا اثبات بزنگ رسالت آپ کے لئے کیا گیا ہے) لمبا ہونا قیامت کے دن تک آپ کے لئے ثابت ہو۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ محمد تمہارے مردوں میں کسی ایک کے باپ نہیں۔ بلکہ ہر ایک کے باپ ہیں اور تمہارے بیٹوں کے باپ ہیں اسی طرح قیامت کے دن تک۔

قرآن کریم کا ایک ایک لفظ اپنے اندر حکمت کا خزانہ رکھتا ہے اگر محض اسی قدر ظاہر کرنا مقصود ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے آخری نبی ہیں تو یہ مفہوم بالکل سادہ الفاظ میں ادا ہو سکتا تھا۔ مگر صرف اسی قدر ظاہر کرنا مقصود نہ تھا۔ بلکہ آپ کے آخری نبی ہونے کی وجہ بھی ساتھ ہی دے دی پہلے رسول بھی تو اپنی امتوں کے حق میں باپ تھے۔ مگر ان کی قوت قدسی ایک وقت کے بعد کام کرنے سے رک جاتی تھی اور ابوت روحانی کا سلسلہ منقطع ہو کر دوسرا نبی ان کی جگہ کھڑا ہو جاتا تھا اور جب کوئی نیا نبی آتا تو وہی اس امت کا مطاع وہی ان کے لئے اسوۂ حسنہ ہوتا۔ اس کے نقش قدم پر سب لوگوں کو چلنا ہوتا۔ اس کے روحانی فرزند آئندہ لوگ کہلاتے۔ پس رسول اللہ کے لفظ پر

خاتم النبیین کو بڑھا کر یہ بتا دیا کہ آپ کی اولاد روحانی کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ بجائے لفظ خاتِم کے خاتَم فرمایا۔ گو دوسری قرأت خاتِم بھی ہے کیونکہ مہر (خاتم) کسی چیز پر اس وقت کی جاتی ہے جب وہ اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ اور اس کے اندر اور کسی چیز کے داخل ہونے کی گنجائش نہیں رہتی پس لفظ خاتم اختیار کرنے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ نبوت یوں ہی ختم نہیں ہوگئی۔ بلکہ اس غرض کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود میں احسن اور اکمل طور پر پورا کر دیا گیا ہے۔ پس آنحضرت صلعم کے بعد نبی کوئی نہیں۔

احادیث اس بارہ میں بکثرت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی دنیا میں نہیں آ سکتا۔ متفق علیہ حدیث میں ہے۔ قال رسول اللہ صلعم لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لانبی بعدی۔ یعنی آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو فرمایا تو مجھ سے ایسے مقام پر ہے جیسے ہارونؑ موسےٰ سے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اگر آنحضرت صلعم کے بعد دنیا میں کسی کا نبی ہونا ممکن ہوتا تو حضرت علیؓ ہو سکتے تھے۔ ایسا ہی دوسری حدیث متفق علیہ میں جھوٹے مدعیان نبوت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ وانا خاتم النبیین لانبی بعدی میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ پھر ایک اور حدیث صحیح میں ہے لوکان بعدی نبیا لکان عمر۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا ایک اور حدیث صحیح جس کو امام بخاری کے علاوہ مسلم ترمذی و احمد نے بھی مختلف طریق سے روایت کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری مثال اور نبیوں کی مثال ایک شخص کی مثال ہے کہ اس نے ایک گھر بنایا سو اسے اچھا بنایا اور خوبصورت بنایا۔ مگر ایک کونہ کی اینٹ کی جگہ خالی رہی۔ سو لوگ اس کے گرد گھومتے، اور اس پر تعجب کرتے کہ یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی۔ قال فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین فرمایا وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ ایسا ہی متفق علیہ حدیث میں آپ نے اپنا نام العاقبُ فرمایا اور ساتھ ہی اس کی تشریح فرما دی والعاقب الذی لیس بعدہ نبی۔ عاقب وہ ہے۔ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ مسلم ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک حدیث میں حضورؐ فرماتے ہیں کہ مجھ کو چھ باتوں میں سب انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے جن میں آخری بات یہ ہے کہ ختم بی النبیون میرے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا گیا۔ ایک اور حدیث ہے ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی قال فشق ذالک علی الناس فقال ولکن المبشرات۔ یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی۔ پس میرے بعد کوئی رسول نہیں اور نہ کوئی نبی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ بات لوگوں پر گراں گذری تو آپؐ نے فرمایا لیکن مبشرات باقی ہیں (جو نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہے) اس بارہ میں احادیث اس کثرت سے ہیں کہ تواتر کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔ پھر اس پر ساری اُمت کا اجماع چلا آیا کہ آنحضرت صلعم کے بعد اس امت کے اندر کوئی دوسرا نبی نہیں۔

پس دینِ اسلام کی بنیاد در حقیقت توحید الٰہی اور ختم نبوت پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کو کلمہ طیبہ کے اندر داخل کر دیا گیا ہے۔ جب تک یہ دونوں امور جمع نہ ہوں دین کی بنیاد کامل نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر اسلام کی غرض ایک خدا کی عبادت پر قائم کرنا ہے تو ویسی ہی غرض نسلِ انسانی کا اتحاد بھی ہے۔ غرض اول کے لئے توحید الٰہی کا اقرار اور دوسری غرض کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کے اقرار میں ختم نبوت کا تو کوئی ذکر نہیں یہ درست نہیں کیونکہ جب اس کلمہ کو دین اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے تو اب جب تک یہ کلمہ جاری ہے کوئی دوسرا نبی اس اُمت کے اندر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر کوئی دوسرا نبی ہو تو ضروری ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت کی بجائے اس کی رسالت کا اقرار کیا جائے اور اس طرح پر دین کی بنیاد تبدیل ہو جانے سے خود دین بھی تبدیل ہو گیا یہی وجہ ہے کہ بعض عبادات کے کسی حصہ میں اور دعاؤں میں آنحضرت صلعم کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ مثلاً اذان میں جہاں اشھد ان محمد رسول اللہ کا کلمہ اب تاقیامت بدل نہیں سکتا۔ حالانکہ اگر کسی رسول نے آنحضرت کے بعد آنا ہوتا تو اذان میں یہ لفظ نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ کچھ عرصہ بعد ان کی تبدیلی ضروری ہو جاتی۔ اسی طرح ہر نماز کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا بھیجنا کیونکہ درود یا نبی کریم صلعم پر ہے یا آل محمدؐ پر اور آل میں صرف آپ کے کامل متبع ہی داخل ہیں۔ یعنے آپ کی روحانی اولاد نہ کوئی غیر خواہ وہ کوئی پہلا نبی ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً اگر حضرت عیسٰے آ جائیں تو ان پر درود بھیجنا ہماری نماز میں داخل نہیں کیونکہ درود یا محمدؐ پر ہے یا آل محمد پر ہے۔ وہ نہ محمدؐ ہیں اور نہ آل محمدؐ۔ کیونکہ آل کے لئے ضروری ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہو۔ اور حضرت عیسٰےؑ آپ کے آخ یعنے بھائی ہیں، آپ کی اولاد روحانی نہیں۔

اسی طرح التحیاتُ میں السلام علیک ایھا النبی کے لفظ ہیں جہاں صرف النبی رکھ کر یہ بتا دیا ہے کہ دوسرا کوئی نبی اس امت کے اندر نہیں۔ النبی کی طرح الرسول کا لفظ بھی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہو گیا ہے۔ بائبل کی کتاب استثناء میں حضرت موسےٰؑ نے اپنے مثل کی پیشگوئی کی ہے۔ فرمایا ہے (خدا فرماتا ہے کہ) میں ان کے بھائیوں میں سے ان کے لئے تیری مثل ایک نبی برپا کروں گا (باب ۱۸۔ آیت ۱۸) چنانچہ جب حضرت یحیٰےؑ نے دعوٰے نبوت کیا تو یہودیوں نے اس سے سوال کیا کہ کیا تم مسیح ہو انہوں نے کہا نہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا النبی انت تم النبی ہو (یوحنا باب ۱ آیت ۲۱) یعنے وہ وعدہ کا نبی جواب ملا نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے اندر محض لفظ النبی سے وہ موعود نبی ہی سمجھا جاتا تھا۔ خود قرآن کریم نے بھی آنحضرت صلعم کے لئے صرف لفظ النبی اور الرسول اختیار کیا۔ مثلاً فرمایا ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔ فردوہ الی اللہ والرسول یاایھا النبی جو کئی جگہ آتا ہے صرف سابقہ پیشگوئیوں میں یا قرآن کریم میں ہی آپ کو نبی یا الرسول کے نام سے نہیں پکارا۔ مسلمانوں میں جب النبی یا الرسول کا لفظ استعمال ہوگا تو اس سے مراد صرف حضرت محمد مصطفٰے صلعم لئے جائیں گے۔ حد تو یہ ہے کہ غیر مسلم بھی جب صرف لفظ النبی یا انگریزی میں THE PROPHET استعمال کریں گے تو انکی خصوصیت ہے کہ اس کے سامنے کل اہلِ دنیا کی گردنیں جھک گئی ہیں۔ پھر اللہ تعالےٰ نے آپ کی ذات پاک کے اندر وہ باتیں بھی جمع کر دیں جو آپ کو لفظ النبی کا خاص طور پر استحقاق بھی دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان کے لئے "ما انزل من قبلک" پر ایمان لانا ضروری ٹھہرایا گیا۔

گویا حضرت محمد صلعم پر ایمان میں کل انبیاءِ سابقین پر ایمان شامل ہے اس طرح پہلے انبیاء گویا نبی اس امت میں آ جائے تو لفظ النبی کی خصوصیت مفقود ہو جائے گی بلکہ یہ لفظ مشتبہ ہو جائے گا۔ جس طرح اسلام کا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اس طرح اسلام کا نبی ایک ہی نبی ہے۔ جس کی وحدت میں کوئی شرکت نہیں۔

امتحان میں کامیابی

محترم عبدالجلیل صاحب موضع حیدر آباد۔ چھتا روڈ ڈاک خانہ مردان کے سب سے چھوٹے لڑکے نے بی اے کا امتحان III ڈویژن میں پاس کیا ہے۔ ادارہ پیغام صلح عبدالجلیل صاحب کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ عزیز مذکور کو دین و دنیا میں مزید کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔

ترجمہ: مکرم فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی

قرآنی تعلیم کے متعلق چند غلط فہمیاں

رَوا داری

اسلام کے متعلق عام طور پر یہ بدگمانی بعض دلوں میں جاگزین ہو چکی ہے کہ قرآن رواداری نہیں سکھاتا بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام بزور شمشیر پھیلایا گویا آپؐ کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن کریم تھا۔ ھٰذا بھتان عظیم۔ دروغگوئی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر کوئی غلط بیانی نہیں ہو سکتی۔ اس دروغ بے فروغ کی تردید کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اسلام نے دنیا کے سارے نبیوں۔ رشیوں اور مذہبی رہنماؤں کو ماننا ایمان کی شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان راستبازوں کا اقرار کئے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ جس وسیع القلب اور فراخ حوصلہ سیدالبشر نے نہ صرف مذاہب عالم کے بانیوں تعظیم اور تقدیس کی تعلیم دی ہو بلکہ اس سے بڑھ یہ کہ ان پر بھی ایمان لانے کو تکمیل دین کے لئے ضروری ٹھہرایا ہو۔ اس سے یہ کیونکر توقع ہو سکتی ہے کہ ان ہادیانِ دین کی تعلیم کے بارے میں آپ نے تنگ نظری اور تعصب کا سبق دیا ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دین اسلام نے دوسرے مذاہب کے بارے میں جس وسعت خیالی اور وسعت قلبی کی تلقین کی ہے اسکو محض رواداری سے تعبیر کرنا کسی طرح بھی روا نہیں۔ ادیانِ عالم میں یہ منفرد خصوصیت اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے سارے ہادیانِ دین اور انکی کتب مقدسہ کے لئے ایک جیسی محبت۔ عقیدت اور ایمان کی تعلیم دی ہے۔

پھر جس آسمانی کتاب نے دین کے معاملے میں جبر و تشدد کا استعمال ممنوع کر دیا ہو اس کے مضامین سے رواداری کا موضوع خارج از بیان نہیں ہو سکتا اس پاک کتاب نے واضح لفظوں میں کہہ دیا ہے:۔

"دین میں زبردستی (منوانا) نہیں" (۲: ۲۵۶)

اس کے علاوہ قرآن کریم میں بار بار آتا ہے کہ کسی مذہب کو قبول کرنا انسان کی اپنی مرضی ہے کیونکہ اس کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس دین اور عقیدہ کو چاہے قبول کرے۔ ہاں جب وہ راستی اختیار کرتا ہے تو اس میں اس کا اپنا ہی بھلا ہے اور اگر وہ بے راہ روی نہیں چھوڑتا تو وہی نقصان اٹھانے والا ہے۔ اس بارے میں قرآن کریم کے ارشادات میں سے چند ایک یہاں درج کئے جاتے ہیں:۔

"ہم نے اسے راستہ دکھا دیا ہے چاہے وہ شکر گذار ہے اور چاہے وہ ناشکرا" (۷۶: ۳)

"اور کہہ حق تمہارے ربّ کی طرف سے ہے سو جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے" (۱۸: ۲۹)

"تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے روشن دلیلیں آچکی ہیں سو جو کوئی دیکھتا ہے تو وہ اپنی جان کی بھلائی کے لئے ہے اور جو اندھا رہا تو اسی پر (وبال) ہے۔" (۶: ۱۰۵)

"اگر تم نے نیکی کی تو اپنا ہی بھلا کیا اور اگر تم نے برائی کی تو اپنے لئے" (۱۷: ۷)

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت ضرور دی گئی مگر کس مقصد کے لئے؟ اس لئے نہیں کہ وہ کفار کو اسلام قبول کرنے مجبور کریں۔ کیونکہ ایسا کرنا تو ان کے دین کے بنیادی اصولوں جن پر وہ سختی سے کاربند تھے کے سراسر خلاف تھا انہیں تلوار کے استعمال کی اجازت امن برقرار رکھنے مذہبی آزادی قائم کرنے۔ عبادت گاہوں اور مسجدوں کی حرمت اور حفاظت اور مذہب کی وجہ سے مردم آزاری اور ایذا رسانی کی روک تھام کے لئے دی گئی تھی جیسا کہ قرآن شریف میں آتا ہے:

"اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرا دی جائیں" (۲۲: ۴۰)

"اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لئے ہو" (۲: ۱۹۳)

"اور ان کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ (دین کے لئے) دکھ دینا نہ رہے اور دین سب کے سب اللہ کے لئے ہوں (۸: ۳۹)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے حالات تھے جن میں تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی تھی۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے حضرات بخوبی جانتے ہوں گے کہ جب اسلام کی ابتدا ہوئی تو مکہ میں حضرت نبی کریم صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی جانے لگیں تاکہ یہ لوگ کفر میں واپس آجائیں۔ اگرچہ ایک سو کے قریب مسلمانوں کو بھاگ کر حبشہ میں پناہ لینے کے لئے جانا پڑا مگر مسلمانوں کی ایذا رسانی کسی طرح کم نہ ہوئی بلکہ دن بدن زیادہ شدت اختیار کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے لئے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا ضروری ہو گیا۔ مگر اس ہجرت کے بعد بھی معاندین اسلام باز نہ آئے بلکہ مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ کفار مکہ نے اسلام اور اسلام قبول کرنے والوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے تلواریں سونت لیں اور مدینہ پر لشکر کشی کا عزم کیا۔ اس امر واقعہ کی شہادت قرآن کریم نے بھی دی ہے:

"ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اس بات پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا ربّ اللہ ہے" (۲۲: ۳۹-۴۰)

پھر اس اجازت کے لئے چند شرطیں بھی عائد کر دی ہیں:۔

"اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ زیادتی کرنے والوں سے پیار نہیں کرتا"

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے جنگ کرنے کی اجازت صرف امن قائم کرنے کے لئے دی ہے یعنی کمزور مظلوم کو زبردست ظالم کے ظلم سے بچانے کے لئے اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ظالم ظلم سے باز آ جائے تو لڑائی بند کر دی جائے:۔

"پھر اگر وہ رُک جائیں تو اللہ تعالےٰ بخشنے والا۔ رحم کرنے والا ہے۔ اور ان سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے"

پھر جہاں دشمن صلح جو ہو تو قرآن فوراً صلح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ خواہ دشمن کی نیت میں فتور ہو اور ان کا مقصد مسلمانوں کو دھوکا دینا کیوں نہ ہو:۔

"اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی اس کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ۔ وہ سننے والا جاننے والا۔ اور اگر ان کا ارادہ ہو کہ تجھے دھوکا دیں تو اللہ تجھے بس ہے" (۸: ۶۱-۶۲)

یہ خوبصورت تعلیم لفظوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے کے نمونے خود آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ میں ملتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے دشمنوں سے صلح کے معاہدے کئے۔ ان میں سے ایک معاہدہ صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی شرائط مسلمانوں کے لئے نہ صرف غیر مفید اور خلاف تھیں۔ بلکہ ان کو ایک ہزیمت خوردہ فریق کی حیثیت دیتی تھیں۔ اس معاہدے کی ایک شرط یہ تھی کہ:

"کفار مکہ سے اگر کوئی شخص اسلام قبول کر لینے کے بعد مسلمانوں کے پاس مدینہ بھاگ کر آجائے گا تو مسلمانانِ مدینہ اسے واپس لوٹا دیں گے۔ مگر جب کوئی مسلمان مدینہ سے کفار مکہ کے پاس چلا جائے گا تو مکہ والے اسے واپس نہیں کریں گے"۔

یہی ایک شرط ان تمام بہتان طرازیوں کے ابطال کے لئے کافی ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم نے اسلام پھیلانے کے لئے تشدد سے کام لیا۔ یہ واقعہ آنحضرت صلعم کے اس یقینِ محکم کا پتہ دیتا ہے کہ آپ کو بھروسہ تھا کہ نہ تو کوئی مسلمان کفر کی طرف لوٹ کر جائے گا اور نہ ہی اس دین میں داخل ہونے سے لوگ اس لئے رُک جائیں گے کہ قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلعم انہیں مدینہ میں پناہ نہیں دیں گے۔ اور واقعات نے ثابت کر دیا کہ جہاں ایک بھی مسلمان نے متاعِ ایمان ضائع نہیں کی وہاں کفارِ مکہ میں سے ایک بہت بڑی تعداد اسلام میں داخل ہو گئی اور جب انہیں صلح حدیبیہ کی رُو سے مدینہ میں پناہ نہ ملی تو انہوں نے غیر جانبدار علاقے میں اپنی الگ نوآبادی بسا لی۔

—— یہ خیال کسی طرح صحیح نہیں کہ کفار سے لڑائی کرنے کی جن شرائط کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے وہ بعد میں منسوخ ہو گئی تھیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ "ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں" کی شرط ہمیشہ نافذ العمل رہی۔ چنانچہ آخری غزوہ جس میں آنحضرت صلعم شریک ہوئے تھے یعنی غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آپ کو ایک طویل مسافت طے کرنی پڑی تھی۔ مؤرخین اسلام جانتے ہیں کہ باوجودیکہ تیس ہزار جانبازوں کا لشکر آپ کے اشاروں پر کٹ مرنے کو تیار تھا۔ مگر یہ جان کر جنگ کرنے کی متذکرۃ الصدر شرط پائی نہیں جاتی آپ نے دشمن کے علاقے پر حملہ نہیں کر دیا بلکہ لشکرِ اسلام کو لے کر واپس چلے آتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کا مقصد ملک گیری ہوتا تو یہ موقعہ ہاتھ سے نہ کھو دیتے۔ سورۃ التوبہ[9] میں جو زمانہ نزول کے لحاظ سے آخری سورت ہے کوئی ایسا حکم پایا نہیں جاتا جو اس شرط کو منسوخ العمل قرار دیتا ہو۔ اس سورت کی پہلی آیت بتا رہی ہے کہ یہ گمان باطل ہے۔ اس آیت میں صاف طور پر معاہدوں کا ذکر ہے۔

"مشرک جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا" (۹:۱)

اور پھر چوتھی آیت علیحدگی اور بیزاری کے اعلان سے ایسے لوگوں کو مستثنیٰ کرتی ہے

"جن کے ساتھ تم نے عہد کیا ہے۔ پھر انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ ہی تمہارے خلاف مدد دی ہے"

اس سے عیاں ہے کہ علیحدگی کا حکم ان مشرکوں کے بارے میں نازل ہوا ہے جو مسلمانوں سے معاہدات کرنے کے بعد نقضِ عہد کے مرتکب ہوئے تھے۔ اور جنہوں نے مسلمانوں کو قتل کیا اور یہ کہہ دیا جیسا کہ اس سورت کی دسویں آیت میں آتا ہے :—

"کسی مؤمن کا لحاظ نہیں کرتے نہ ناطے کا اور نہ ہی عہد کا" (۹:۱۰)

ان لوگوں کے بارے میں ابتدائی دَور کی ایک سورت میں آتا ہے :

"وہ جن سے تو عہد کرتا ہے پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وہ (خلاف ورزی عہد سے) نہیں بچتے۔" * (۸:۵۶)

پھر سورت التوبہ[9] میں مسلمانوں پر دشمنوں کے حملہ آور ہونے کی شرط کو پھر دہرایا ہے :—

"کیوں ان لوگوں کے ساتھ جنگ نہ کرو جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کے نکال دینے کا قصد کیا۔ اور انہوں نے پہلے تمہارے ساتھ ابتداء کی۔" (۹:۱۳)

پس قرآن کریم شروع سے لے کر اخیر تک مسلمانوں کو اس موقعہ پر تلوار اُٹھانے کی اجازت دیتا ہے۔ جب دشمن آمادۂ پیکار ہو اور ابتداء بھی اس کی طرف سے ہو۔ یا دوسرے لفظوں میں اسلام نے مدافعانہ جنگوں کی اجازت دی ہے کیونکہ اگر کفارِ مکہ کی چیرہ دستیوں اور ظلم کا استیصال اور سدِّ باب نہ کیا جاتا اور اسلام کی مدافعت نہ کی جاتی تو مسلمانوں کا باعزّت اور امن سے رہنا ناممکن ہو جاتا ہاں اسلام نے جارحانہ لڑائیوں سے ضرور روکا ہے۔ غیر مسلموں پر چڑھائی کرنا تاکہ وہ مرعوب ہو کر اسلام قبول کر لیں ایک واہمہ اور بے حقیقت فسانہ ہے جس سے قرآن کریم کے اوراق نا آشنا ہیں۔ مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے پر کفار نے مجبور کیا جب انہوں نے مدینہ پر حملہ کیا تاکہ مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیلا کر انہیں اسلام سے برگشتہ کر سکیں جیسا قرآن کریم نے صاف کہا ہے :

"اور وہ تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک تمہیں تمہارے دین سے لوٹا دیں۔ اگر ان میں طاقت ہو" (۲:۲۱۷)

—— ایک اور گمراہ کن پروپیگنڈا یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم نے غیر مذاہب کے پیروؤں سے ترکِ موالات کا سبق دیا ہے یہ بدگمانی بھی قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جو کتاب اپنے معتقدین کو ایک پاک دامن اہلِ کتاب بی بی سے مناکحت کی اجازت دیتی ہو وہ کیونکر دوسرے مذاہب کے پیروؤں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے پر قدغن لگا سکتی ہے۔ دنیا میں زن و شوہر کے رشتہ سے بڑھ کر کوئی دوسرا رشتہ نہیں جس کی بنیاد محبت و الفت پر قائم ہوتی ہے۔ جب قرآن کریم نے اہلِ کتاب یعنی غیر مذہب اسلام پاکدامنہ کو رفیقہ حیات بنانے کو روا رکھا ہے تو وہ اس سے کم درجے کے تعلقات محبت اور اخوت قائم کرنے کی کیونکر ممانعت کر سکتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ جہاں بھی مواخات اور موالات سے روکا گیا ہے وہاں ذکر ان ہی لوگوں کا ہے جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار تھے۔ اسی اصول کو قرآن کریم نے بڑی صفائی سے بیان کیا ہے :—

"اللہ تمہیں اس سے نہیں روکتا۔ جنہوں نے تمہارے ساتھ دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں اپنے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم ان سے احسان کرو اور ان سے انصاف کرو۔ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے۔ جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں (دوسروں کی) مدد کی۔ اور جو ان سے دوستی کرتے ہیں وہی ظالم ہیں۔" (۶۰:۸-۹)

—— یہاں ایک اور غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم نے دینِ اسلام سے پھر جانے کی سزا قتل مقرر کی ہے۔ حالانکہ جو کوئی بھی قرآن کریم کا غور سے مطالعہ کرے گا وہ یقیناً اس خیال کو قرآن کی تعلیم کے صریحاً مخالف پائے گا۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کا ذکر کئی جگہ کیا ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد پھر کفر اختیار کر لیں گے مگر یہ حکم کہیں بھی نہیں دیا کہ ایسے مرتدین کو قتل کر دیا جائے بلکہ ان کو سزا دینے کے لئے بھی کوئی حکم نہیں ملتا۔ مثلاً :

"اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھرے پھر مر جائے حالانکہ وہ کافر بھی ہو سو یہی ہیں جن کے عمل دنیا اور آخرت میں کام نہ آئیں گے۔" (۲:۲۱۷)

"جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ ایک قوم لائے گا وہ ان سے محبت رکھے گا اور وہ اس سے محبت رکھیں گے۔" (۵:۵۴)

"جو اپنے ایمان کے بعد کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھتے گئے ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور وہی گمراہ ہیں۔" (۳:۸۹)

مزید براں قرآن کریم نے یہودیوں کے اس منصوبے کا بھی ذکر کیا ہے جس کے سلسلہ میں یہود سے کہا جاتا تھا کہ پہلے دینِ اسلام قبول کر لو اور پھر اسلام سے پھر جاؤ تاکہ یہ کہا جا سکے کہ اس دین میں نہ تو کوئی جاذبیت ہے اور نہ ہی یہ اس لائق ہے کہ اسے قبول کیا جائے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ مدینہ میں وہ کہ جہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ یہودی اس منصوبے کو کیونکر عملی جامہ پہنا سکتے تھے۔ بالخصوص جب انہیں معلوم تھا کہ اسلام سے پھر جانے والے کی سزا موت ہے۔ اس لئے یہ الزام خلافِ واقعات ہے۔ دراصل اس غلط فہمی کا باعث یہ ہے کہ مسلمانوں نے ان لوگوں کو ضرور قتل کیا جو دشمنانِ اسلام سے جا ملتے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے تھے۔ ان لوگوں کو لازماً اسلام کے دشمن شمار کیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کی جان۔ عزت اور ناموس پر حملہ کرتے تھے اور خونریزی اور قتل و غارت سے باز نہ آتے تھے۔ اس لئے ان کو قتل کرنے کا حکم تھا کہ وہ قاتل تھے اور امن سوز حرکات کرتے تھے۔ ورنہ دینِ اسلام سے برگشتہ ہونے والوں کو کبھی بھی موت کے گھاٹ نہیں اُتارا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا
الہام حضرت مسیح موعودؑ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

فون نمبر: ۵۳۷۳۷

ہفت روزہ

مسیح موعودؑ نمبر

پیغامِ صلح

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بر او شد اختتام

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم استم و ز خداوند منذرم
ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے آٹھ روپے
بیرونی ممالک سے: ایک پونڈ

رجسٹرڈ ایل نمبر: ۱۳۸

لاہور

پاکستان

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جلد ۶۲	چہار شنبہ ۳ جمادی الاول ۱۳۹۵ھ - ۱۱ جون ۱۹۷۵ء	نمبر ۲۳-۲۴

رسید مژدہ ز غیبم کہ من ہماں مردم ✣ کہ او مجدد ایں دین و رہنما باشد
منم مسیح بیانگ بلند مے گویم ✣ منم خلیفۂ شاہے کہ بر سما باشد

حضرت اقدس میرزا غلام احمد مسیح زمان مہدئ دوران علیہ الصلوٰۃ والسلام

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح

فرمودہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود مجدد صدی چہاردہم

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آگیا ہو کر مسیح ٭ خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار

آسماں پر دعوتِ حق کیلئے اک جوش ہے ٭ ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اتار

آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج ٭ نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار

کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع ٭ پھر ہوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار

باغ میں ملت کے ہے کوئی گلِ رعنا کھلا ٭ آئی ہے بادِ صبا گلزار سے مستانہ وار

آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے ٭ گو کہو دیوانہ میں کرتا ہوں اس کا انتظار

ہر طرف ہر ملک میں ہے بُت پرستی کا زوال ٭ کچھ نہیں انساں پرستی کو کوئی عز و وقار

آسماں سے ہے چلی توحیدِ خالق کی ہوا ٭ دل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح ٭ نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار

آسمان بارد نشاں الوقت مے گوید زمیں ٭ ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چوں بیقرار

اب اسی گلشن میں لوگو راحت و آرام ہے ٭ وقت ہے جلد آؤ اے آوارگانِ دشتِ خار

اک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا ٭ پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

ملت احمد کی مالک نے جو ڈالی تھی بناء ٭ آج پُوری ہو رہی ہے اے عزیزانِ دیار

گلشن احمد بنا ہے مسکنِ بادِ صبا ٭ جس کی تحریکوں سے سُنتا ہے بشر گفتارِ یار

ورنہ وہ ملت وہ رہ وہ رسم وہ دیں چیز کیا ٭ سایہ افگن جسپہ نورِ حق نہیں خورشید وار

ہم تو ہر دم چڑھ رہے ہیں اک بلندی کیطرف ٭ وہ بلاتے ہیں کہ ہو جائیں نہاں ہم زیرِ غار

نورِ دل جاتا رہا اک رسم دیں کی رہ گئی ٭ پھر بھی کہتے ہیں کہ کوئی مصلحِ دیں کیا بکار

راگ وہ گاتے ہیں جس کو آسماں گاتا نہیں ٭ وہ ارادے ہیں کہ جو ہیں برخلاف شہریار

ہائے مارِ آستیں وہ بن گئے دیں کے لئے
وہ تو قربہ ہو گئے پر دیں ہوا زار و نزار

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ ۱۱ر جون ۱۹۷۵ء

حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض

یا

اِسلامی نظریہ و نظام حیاتِ نو پر جماعتِ احمدیہ کی تشکیل

جن موڑ کھوں کو کانوں نہ اسکے نقش نہیں — ماؤں کو ڈھونڈتے ہیں عبث وہ سراب میں

اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا ۔ (الحدید ـ ۱۷)

ترجمہ: یقیناً جان لو کہ خداتعالےٰ اب مُردہ زمین کو زندہ کرنا چاہتا ہے۔

اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد ..... وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور سابقوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا کعرض السماء والارض اعدت للذین اٰمنوا باللہ ورسلہ

(سورۃ الحدید - ۲۱-۱)

ترجمہ: یقیناً جان لو یہ دنیا کی ادنےٰ زندگی محض کھیل وتماشہ اور باہمی زیب وزینت اور فخر و مباہات کی جگہ ہے۔ نیز اس کا مقصد اموال و اولاد میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنا ہے .... بلاشبہ ایسی دنیا کی زندگی ایک فریب و دھوکہ ہے (اگر تمہارا مقصد حقیقی زندگی کا حصول ہے) تو پھر تمہیں خدا کی مغفرت اور اس جنت کی طرف مسابقت کرنا چاہیے جس کا دامن آسمانوں اور زمینوں تک وسیع ہے اور جو ایسے اصحاب کے لئے تیار کی گئی ہے جو خدا اور اس کے رسول پر حقیقی ایمان لاتے ہیں۔

موجودہ زمانہ عالمگیر مفاتن و مفاسد کا دَور ہے۔ اگر انفرادی طور پر قلوب سے تسلّی و اطمینان مفقود ہو چکا ہے تو بین الاقوامی سطح پر ہر وقت ایک عالمگیر اور مہلک جنگ کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ اس میں قطعاً کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہا کہ یہی وہ آخری زمانہ ہے جس کے بارہ میں کتب مقدسہ میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی:۔

" سیلاب و زلزلے آئیں گے، مری اور قحط پڑیں گے۔ قومیں قوموں پر چڑھائیاں کریں گی، پس یہ دن غم و اندوہ کے ابتدائی دن ہوں گے۔"

ہمیں واقعاتِ حقہ کی بناء پر اس امر کا حتمی یقین ہے کہ موجودہ ایام ہی وہی موجودہ دن ہیں جن کے بارہ میں پہلی کتبِ مقدسہ کے وعدے موجود ہیں۔ نیز قرآن کریم میں بھی ان کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے کما بدانا اوّل خلق نعیدہ وعدا علینا انا کنا فاعلین۔ جس طرح ہم نے پہلی زندگی کا دَور پیدا کیا اسی طرح نشأۃِ ثانیہ کا دور بھی آنے والا ہے اور ہم ضرور اسے لاکر رہیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بعثت کے بعد زمین پر ایک نئی زندگی کا دَور آیا تھا۔ انسانیت جو اس وقت ہلاکت کے گڑھے تک پہنچ چکی تھی اسے رحمت اور فضلِ خداوندی کے باعث نئی اور حقیقی زندگی بخشی گئی اس نشأۃِ اولیٰ کی بدولت عالمگیر پیمانہ پر نہ صرف انسان کو نجات ملی بلکہ وہ فلاح و خوشحالی اور ترقی سے ہمکنار ہوا۔ مغرب جب جہالت، توہم پرستی اور پسماندگی کے تاریک زمانہ سے گذر رہا تھا اس وقت دینِ اسلام کی جلائی ہوئی شمعِ علم سے ہی یورپ نے روشنی حاصل کی۔ سائنس و علم میں جو کچھ ترقی دنیا نے اس وقت تک حاصل کی ہے وہ مغربی مفکرین کے نزدیک یہ سب زمانہ وسطیٰ میں عربوں کے توسط سے ہی وجود میں آئی ہے۔ لیکن مغربی دنیا نے جہاں آزادی، روشن خیالی، ترقی و خوشحالی کی حقیقی سپرٹ اسلامی دنیا سے حاصل کی وہاں یہ ذہنیت صرف مادی میدان تک محدود رہی۔ دینی میدان میں عیسائیت کی مروّجہ جامد ذہنیت ہی اس پر چھائی رہی جس میں عقل اور واقعاتِ حقہ کا کوئی دخل نہیں۔ موجودہ مغربی تہذیب اسی علمی ترقی یافتہ اور جامد و جاہل ذہنیت کے امتزاج کا نتیجہ ہے جسے آنحضور صلعم کی عظیم کشفی آنکھ نے ان الفاظ سے تعبیر فرمایا تھا کہ دجّال کی بائیں آنکھ ایک روشن ستارہ کی مانند ہوگی مگر اس کی دائیں آنکھ اندھی ہوگی۔ اس میں کیا شک ہے کہ مادی علوم و ریسرچ میں جو بے نظیر ترقی مغرب نے کر دکھائی ہے مگر باہمی بین الاقوامی تعلقات کے میدان میں جس طرح ناکامی کا منہ اسے دیکھنا پڑا ہے اس حقیقت کو ان سے بہتر تمثیل سے بیان کرنا ممکن نہیں جو الفاظ آنحضرت صلعم کے مبارک اور حقیقت بیان لبوں سے نکلے۔

قرآن کریم میں بھی فتنہ یاجوج ماجوج کا ذکر اور عیسائیت کی تاریخ کا بیان اصحاب کہف والرقیم کے پیرایہ میں آیا ہے۔ ان یاجوج وماجوج مفسدون فی الارض۔ یاجوج اور ماجوج اور دجّال کے فتنہ سے بڑھ کر اور کوئی بڑا فساد زمین پر آج تک بپا نہیں ہوا و ھم من کل حدب ینسلون، روئے زمین پر دجّالی فتنہ و فساد کا اثر غالب اور چھایا ہوا ہوگا۔

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون

قرآن و احادیث صحیحہ کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ ایسے عظیم فساد کے قلع قمع کے لئے۔ خداتعالےٰ مسیح موعودؑ کو نازل فرمائے گا۔ جو دجّال کو قتل کرے گا اور دینِ اسلام کا بول بالا کرے گا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دجالی تہذیب کی بجائے اسلامی تہذیب کا احیاء ہوگا۔ چنانچہ یہ عجیب نظارہ ہم اس وقت دیکھتے ہیں کہ اگرچہ بالاتفاق تمام اقوام فتنہ دجّال کے بارہ میں یک زبان ہیں لیکن عملاً اس کی تہذیب کی پیروی میں بھی لگی جا رہی ہیں اور دل سے اس کی ثناخوانی میں رطب اللسان ہیں۔ ہر قوم اور ملک میں اس وقت مادہ پرستی اور ہوسِ اقتدار زوروں پر ہے۔ ترقی اور خوشحالی کو کلیتہً نظامِ معاشی اور معیشت سے وابستہ سمجھا گیا ہے ہر طرف اقتصادیات اور ثقافتی نظاموں میں تبدیلی وتغیّر کا شور و غوغا بپا ہے۔ سائنسی اور فنی تعلیم کے فروغ میں انسانی فلاح و نجات کو تلاش کیا جا رہا ہے۔ غرضیکہ ہر قسم کے نظاموں میں انقلاب کی جد وجہد ہے لیکن اگر کسی نظام کی جانب توجہ نہیں تو وہ خود انسان کے قلب کے ایمانی و اخلاقی نظام کو تبدیل کرنے کی جانب کوئی توجہ نظر نہیں آتی حالانکہ واقعات اور تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جب تک انسانی قلب کے باطنی نظام میں بنیادی تبدیلی نہ لائی جائے گی تب تک ماحول کا کوئی بیرونی تغیر کارگر اور مؤثر ثابت نہ ہوگا۔

یہ کس قدر عجیب اور مجموعہ تضاد امر ہے کہ اصل مرض کی طرف جو انسان کی روح اور قلب سے تعلق رکھتی ہے مکمل بے توجہی برتی جا رہی ہے لیکن اس کے علاج کی بجائے بیرونی خارجی تندرستی و توانائی کی جانب تمام تر توجہ مبذول کی جا رہی ہے۔

صرف ایک ندا آج ایسی ہے جو نہ صرف موجودہ امراض زمانہ کی صحیح صحیح نشاندہی کرتی ہے بلکہ اس کا صحیح علاج بھی تجویز کرتی ہے اور وہ ندا اس فتنہ و فساد کبیر کے زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ کی ہے جنہوں نے اپنے رسالہ الوصیت میں یہ فرمایا کہ آج ہر ملک اور قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے۔ مگر دین کی طرف کسی کو توجہ نہیں پس جو لوگ اس میدان میں قدم رکھنا چاہتے ہوں انہیں دنیا پرستی کی بجائے خدا پرستی اختیار

کرنا چاہیئے تا وہ خدا کی ایک پسندیدہ قوم بن جائیں۔

اسی طرح حضرت اقدسؑ یہ فرماتے ہیں کہ میری بعثت کی اصل غرض صرف چند مسائل کا حل کرنا نہیں۔ بے شک مسائل کا صحیح حل بھی ہمارا کام ہے لیکن ہمارے آنے کی اصل غرض نیات اور اعمال میں تبدیلی لانا ہے حدیث کے مطابق حُبّ الدنیا رأس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ آج ہر دل اس مرض میں مبتلا ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ ہیں:۔

"اس سلسلہ کو قائم کرکے اللہ تعالےٰ اور بہت سی غلطیوں کو دُور کرنا چاہتا ہے .... ہر ایک دل دنیا کی محبت میں غرق ہو رہا ہے یہ کلمہ نہایت موزوں، سچا اور بابرکت ہے حب الدنیا رأس کل خطیئۃ۔ دنیا کی محبت ہر بدی کی ابتداء ہے۔ اکثر لوگ دنیا سے محبت کے سبب ہلاک ہو رہے ہیں .... اسلام لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہا ہے مگر دنیا سب کو محبوب ہے یہ ایک زہر ہے جو ایک منٹ کیا ایک سیکنڈ میں ہلاک کر دیتی ہے۔ بڑا گناہ جو اس زمانہ میں پیدا ہوا وہ حُبّ دنیا ہی ہے۔ یہ ایک باریک زہریلا کیڑا ہے کہ جو خورد بین سے بھی نظر نہیں آتا... .... مسلمانوں کے اندرونی فرقے بھی بخوبی جانتے ہیں اور ان کے دل پہچانتے ہیں کہ کس فرقہ کے عمدہ اصول ہیں اور خدا تعالیٰ اس وقت کس طرح راضی ہو سکتا ہے مگر ان کی اندرونی حالتیں خراب ہیں۔ قرآن شریف میں آیا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اے نبی تو کہدے کہ اگر تم اللہ تعالےٰ سے پیار کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو۔ اللہ تعالےٰ تم سے محبت کرے گا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ کیا یہ لوگ آنحضرت صلعم کی متابعت کرتے ہیں؟ کیا ان کی طرح آنحضرت صلعم سود لیتے تھے یا مداہنہ کرتے تھے؟ یا غفلت کرتے تھے یا نفاق کرتے تھے؟ یا دنیا کو دین پر مقدم کرتے تھے؟ یہ سب باتیں ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی وہ حالتیں نہیں رہیں جو آنحضرت صلعم کے متبعین کی ہوا کرتی تھیں۔ چاہیئے کہ جس طرح آنحضرت صلعم زندگی بسر کرتے تھے اسی طرح زندگی بسر کریں تب سچے مسلمان ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کا مذہب نہیں رہا مگر کتب میں اور آثار میں اسلامی حقیقت موجود ہے۔ صحابہ رضؓ کی یہ حالت تھی کہ نہ دنیا ان سے پیار کرتی اور نہ وہ دنیا سے پیار کرتے تھے انہوں نے آنحضرت صلعم کی متابعت میں ایک نئی زندگی حاصل کی تھی۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ کیا ان لوگوں کا قدم صحابہؓ کے قدم پر ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس خدا تعالےٰ کا منشاء اس سلسلہ کے قیام سے یہ ہے کہ لوگ پھر اس راہ پر چلنے لگیں .... اس مطلب کے واسطے خدا تعالےٰ نے مجھے مامور کیا ہے کہ میں ان سب غلطیوں کو دُور کرکے اصل اسلام پھر دنیا میں قائم کروں ان کی وہ حالتیں نہیں رہیں جو اسلامی حالت تھی یہ مثل ایک بگڑے اور خراب باغ کے ہو گئے۔ جن کے دل ناپاک ہیں۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ایک نئی قوم پیدا کرے جو صدق و راستی کو اختیار کرکے سچے اسلام کا نمونہ بنے"

اسی طرح اپنے ایک شاگرد رشید کو مخاطب کرکے حضرت مسیح موعودؑ یوں فرماتے ہیں:۔

"میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن ہو اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم

(باقی برصفحہ ۲ کالم ۲)

تحریکِ احمدیت کا منفعت بخش پہلو

(حضرت مولنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ)

تحریک احمدیت کے خیالی نقصان کے پہلو کو چھوڑ کر اب اس فائدہ کو بھی تو دیکھو جو حضرت مرزا صاحب کے وجود سے اسلام اور مسلمانوں کے وجود کو پہنچا۔ کیا اس بات سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب نہ ہوئے ہوتے تو آج وہ اسلامی لٹریچر دنیا میں نہ ہوتا جسے تحریک احمدیت نے پیدا کیا۔ نہ مسلمانوں کا انگریزی میں ترجمہ قرآن ہوتا اور نہ ان کے کوئی خالص مذہبی رسالے انگریزی اور جرمن میں ہوتے۔ نہ وہ اسلامی تعلیم کے پاکیزہ اصول آنکھوں کے سامنے آکر دشمنوں کا منہ بند کرتے جنہیں آج تحریک احمدیت نے زندہ کیا ہے نہ عیسائیت کے خلاف ان کے ہاتھ میں وہ کاری حربے ہوتے جو ووکنگ برلن اور لاہور سے نکل رہے ہیں نہ ان کے انگلستان جرمنی اور امریکہ میں کوئی مشن ہوتے۔ نہ ان ممالک میں سینکڑوں کی تعداد میں پرستاران صلیب حلقہ بگوشان رسولِ عربی صلعم ہو گئے ہوتے۔ نہ ان کفرستانوں میں اللہ اکبر کی آوازیں بلند ہوتیں نہ یورپ کے عین مرکز میں عظیم الشان مسجد برلن کا وجود ہوتا۔ نہ ہندوستان میں آریہ سماج کے مقابلہ میں کوئی لٹریچر ہوتا اور نہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے احمدی مناظرین ہوتے جو ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے تک چکر لگاتے اور مسلمانوں کی قوت کا موجب ہوتے اب ہر شخص خود ہی غور کرلے کہ آیا وہ ان چیزوں کے عدم وجود کو ان کے وجود کو ان کے وجود پر ترجیح دیتا ہے؟ آیا یہ باتیں نہ ہوتیں تو اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ تھا یا ان کے ہونے میں اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ ہے۔

میں ایک دشمن احمدیت سے یہ سوال کرتا ہوں کہ آیا احمدیت کے متعلق اس کے حاسدانہ خیالات کا تقاضا کیا ہے؟ کیا وہ حضرت مرزا صاحب یا احمدیت کا نام آنے پر دل میں نہیں کڑھتا کیا یہ صحیح نہیں کہ وہ آریہ سماج اور عیسائیت کے مقابلہ میں خاموش رہنا گوارا کر سکتا ہے مگر احمدیت کو جب تک مٹا نہ لے اس کے دل کا غضب کم نہیں ہوتا۔ کیا وہ اپنی ساری قوت اعدائے اسلام سے ہٹا کر احمدیت کی بربادی پر صرف کرنے کے لئے تیار نہیں؟ مگر میں اس سے یہ بھی پوچھتا ہوں کہ یہ سوال ہے کیا یہ جذبۂ نفرت واقعات پر مبنی ہے؟ کیا اگر تحریکِ احمدیت پیدا نہ ہوئی ہوتی تو آج اسلام اور مسلمان بہتر حالت میں ہوتے؟ کیا تحریکِ احمدیت کے پیدا ہونے سے واقعی اسلام اور مسلمانوں کا کچھ بنا ہے یا بگڑا ہے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جس چیز میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع ہے۔ جس تحریک نے مسلمانوں میں ایک منظم اشاعت اسلام کے لئے مالی اور جانی قربانیاں کرنے والی جماعت پیدا کر دی ہے۔ جس تحریک نے اسلام کے شجر کی آبیاری اور حفاظت اور اس کے نشو و نما میں پوری کوشش کی ہے اس سے نفرت کی جاتی ہے اور اس کو مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر خوب یاد رکھیئے کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ اما ماینفع الناس فیمکث فی الارض۔ جو چیز لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ برباد نہیں ہوتی۔ تحریک احمدیت نافع الناس ہے اور اس لئے مٹ بھی نہیں سکتی۔ خدا کے قانون کے خلاف زور نہ لگاؤ بلکہ واقعات کو ہو سکے دیکھو اور ان پر غور کرکے نفرت کے سیاہ جذبہ کو دل سے نکال کر اس کی جگہ اس تحریک سے جو خادم اسلام اور نافع الناس ہے۔ محبت پیدا کرو۔ تمہاری نفرت اس وقت مرزا صاحب سے نفرت نہیں۔ وہ تو فوت ہو چکے۔ یہ خدمت اسلام کے اس کام سے نفرت ہے۔ جس کو آج دنیا دیکھ رہی ہے۔ اور اگر تم اس سے محبت کروگے تو وہ محبت بھی خدمتِ اسلام ہوگی۔

حفاظت و اشاعت اسلام کا احیاء

میں کہتا ہوں کہ اگر واقعات پر غور کیا جائے تو اشاعت اسلام کا

(باقی برصفحہ ۲ کالم ۲)

ان دوستوں کے لئے جو سلسلہ بیعت میں داخل ہیں ——— امام وقت مسیح موعودؑ کی نصیحت کی باتیں

(منقول از ازالہ اوہام صفحہ ۸۲۵ تا ۸۳۵)

سُنّت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے

ہر یک طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سُننی پڑینگی

——— تمہارے فتحمند اور غالب ہونے کی راہ ———

یہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل تمسخر یا گالی کے مقابل گالی دو

اپنے دِلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ

نماز پڑھو نماز پڑھو کہ وہ تمام سعادتوں کی کُنجی ہے

عزیزان بے خلوص و صدق نکشایند راہے را
مصفا قطرۂ باید کہ تا گوہر شود پیدا

اے میرے دوستو جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے۔ آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو ایک ابتلاء کا وقت تم پر ہے اُس سنّت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے ہر یک طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی اور ہر یک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دکھ دے گا وہ خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ سو تم اس وقت سن رکھو کہ تمہارے فتحمند اور غالب ہونے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل پر تمسخر کی باتیں کرو۔ یا گالی کے مقابل گالی دو۔ کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالےٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدا تعالےٰ کی لعنت کے ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں اگر خدا ہمیں نابود کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا۔ ہم کیونکر خدا تعالےٰ کو راضی کریں اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو اس کا اس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقوےٰ سے سو اے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں سو تقوےٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالےٰ کی طرف قدم اُٹھاؤ اور پرہیز گاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔

سب سے اوّل اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ کہ ہر یک خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ اگر تیرا دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہوگی۔ اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضاء۔ ہر یک نور یا اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے۔ سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینکتا ہے اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو اور جس خیال یا عادت یا ملکہ کو ردی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دیوے۔ اور پھر تم کاٹے جاؤ۔

پھر بعد اس کے کوشش کرو اور نیز خدا تعالےٰ سے قوت اور ہمت مانگو کہ تمہارے دلوں کے پاک ارادے اور پاک خیالات اور پاک جذبات اور پاک خواہشیں تمہارے اعضاء اور تمہارے تمام قوےٰ کے ذریعہ سے ظہور پذیر اور تکمیل پذیر ہوں تا تمہاری نیکیاں کمال تک پہنچیں کیونکہ جو بات دل سے نکلے اور دل تک ہی محدود رہے وہ تمہیں کسی مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی۔ خدا تعالےٰ کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کے جلال کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو اور یاد رکھو کہ

قرآن شریف میں پانسو کے قریب حکم ہیں

اور اس نے تمہارے ہر یک عضو اور ہر یک قوت اور ہر یک وضع اور ہر یک حالت اور ہر یک عمر اور ہر یک فہم اور مرتبہ فطرت اور مرتبہ سلوک اور مرتبہ انفراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک نورانی دعوت تمہاری کی ہے سو تم اس دعوت کو شکر کے ساتھ قبول کرو اور جس قدر کھانے تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں وہ سارے کھاؤ اور سب سے فائدہ حاصل کرو جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا

اگر نجات چاہتے ہو

تو دین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جوا اپنی گردنوں پر اٹھاؤ

کہ شریر ہلاک ہوگا اور سرکش جہنم میں گرایا جائے گا پر جو غریبی سے گردن جھکاتا ہے وہ موت سے بچ جائے گا دنیا کی خوشحالی کی شرطوں سے خدا تعالےٰ کی عبادت مت کرو کہ ایسے خیال کے لئے گڑھا درپیش ہے بلکہ تم اس لئے اس کی پرستش کرو کہ پرستش ایک حق خالق کا تم پر ہے چاہیئے کہ پرستش ہی تمہاری زندگی ہو جاوے۔ اور تمہاری نیکیوں کی فقط یہی غرض ہو کہ وہ محبوب حقیقی اور محسن حقیقی راضی ہو جاوے۔ کیونکہ جو اس سے کمتر خیال ہے وہ ٹھوکر کی جگہ ہے۔

خدا بڑی دولت ہے

اس کے پانے کے لئے مصیبتوں کے لئے تیار ہو جاؤ وہ بڑی مراد ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے جانوں کو فدا کرو۔ عزیزو! خدائے تعالےٰ کے حکموں کو بیقدری سے نہ دیکھو۔ موجودہ فلسفہ کی زہر تم پر اثر نہ کرے۔ ایک بچّہ کی طرح بن کر اس کے حکموں کے نیچے چلو

نماز پڑھو نماز پڑھو

وہ تمام سعادتوں کی کنجی ہے اور جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایسا نہ کر کہ گویا تو ایک رسم ادا کر رہا ہے بلکہ نماز سے پہلے جیسے ظاہری وضو کرتے ہو ایسا ہی ایک باطنی وضو بھی کرو اور اپنے اعضاء کو غیر اللہ کے خیال سے دھو ڈالو تب ان دونوں وضوؤں کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور نماز میں بہت دعا کرو اور رونا اور گڑگڑانا اپنی عادت کر لو تا تم پر رحم کیا جائے۔

سچائی اختیار کرو سچائی اختیار کرو

کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے دل کیسے ہیں کیا انسان اس کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے کیا اس کے آگے بھی مکاریاں پیش کی جاتی ہیں۔ نہایت بدبخت آدمی اپنے فاسقانہ افعال اس حد تک پہنچاتا ہے کہ گویا خدا نہیں تب وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے اور خدائے تعالےٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔

عزیزو! اس دنیا کی مجرد منطق ایک شیطان ہے اور اس دنیا کا خالی فلسفہ ایک ابلیس ہے جو ایمانی نور کو نہایت درجہ گھٹا دیتا ہے اور بے باکیاں پیدا کرتا ہے اور قریب قریب دہریت کے پہنچاتا ہے سو تم اس سے اپنے تئیں بچاؤ اور ایسا دل پیدا کرو جو غریب اور مسکین ہو اور بغیر چون چرا کے حکموں کو ماننے والے ہو جاؤ جیسا کہ بچّہ اپنی والدہ کی باتوں کو مانتا ہے۔

قرآن کی تعلیمیں

تقوےٰ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچانا چاہتی ہیں ان کی طرف کان دھرو اور ان کے موافق اپنے تئیں بناؤ۔

قرآن شریف انجیل کی طرح تمہیں صرف یہ نہیں کہتا کہ نامحرم عورتوں یا ایسوں کو جو عورتوں کی طرح محل شہوت ہو سکتے ہیں شہوت کی نظر سے مت دیکھو بلکہ اس کی کامل تعلیم کا یہ منشاء ہے کہ تو بغیر ضرورت نامحرم کی طرف نظر مت اُٹھا نہ شہوت سے اور نہ بغیر شہوت۔ بلکہ چاہیئے کہ تو آنکھیں بند کر کے اپنے تئیں ٹھوکر سے بچاوے تا تیری دلی پاکیزگی میں کچھ فرق نہ آوے سو تم اپنے مولےٰ کے اس حکم کو خوب یاد رکھو اور آنکھوں کے زنا سے اپنے تئیں بچاؤ اور اس ذات کے غضب سے ڈرو جس کا غضب ایک دم میں ہلاک کر سکتا ہے۔ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے کہ تو اپنے کانوں کو بھی نامحرم عورتوں کے ذکر سے بچا اور ایسا ہی ہر ایک ناجائز ذکر سے۔

مجھے اس وقت اس نصیحت کی حاجت نہیں کہ تم خون نہ کرو۔ کیونکہ بجز نہایت شریر آدمی کے کون ناحق کے خون کی طرف قدم اُٹھاتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ناانصافی پر ضد کر کے سچائی کا خون نہ کرو۔

حق کو قبول کر لو

اگرچہ ایک بچّہ سے اور اگر مخالف کی طرف سے حق پاؤ تو پھر فی الفور اپنی خشک منطق کو چھوڑ دو سچ پر ٹھہر جاؤ اور سچی گواہی دو جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے اجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور یعنے بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹ سے بھی کہ وہ بُت سے کم نہیں جو چیز قبلۂ حق سے تمہارا منہ پھیرتی ہے وہی تمہاری راہ میں بُت ہے۔

سچّی گواہی دو

اگرچہ تمہارے باپوں بھائیوں یا دوستوں پر ہو۔ چاہیئے کہ کوئی عداوت بھی تمہیں انصاف سے مانع نہ ہو۔

باہم بخل اور کینہ اور حسد اور بغض اور بے مہری چھوڑ دو اور ایک ہو جاؤ۔

قرآن شریف کے بڑے حکم

دو ہی ہیں۔ ایک توحید و محبت و اطاعت باری عزّ اسمہٗ۔ دوسرے ہمدردی اپنے بھائیوں اور اپنے بنی نوع کی اور ان حکموں کو اس نے تین درجوں پر منقسم کیا ہے جیسا کہ استعدادیں بھی تین ہی قسم کی ہیں اور وہ آیت کریمہ یہ ہے۔ ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ

پہلے طور پر اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ تم اپنے خالق کے ساتھ اس کی اطاعت میں عدل کا طریق مرعی رکھو۔ ظالم نہ بنو پس جیسا کہ درحقیقت بجز اس کے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں۔ کوئی بھی محبت کے لائق نہیں کوئی بھی توکّل کے لائق نہیں کیونکہ بوجہ خالقیت اور قیومیت و ربوبیت خاصہ کے ہر ایک حق اسی کا ہے اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ کسی کو اس کی پرستش میں اور اس کی محبت میں اور اس کی ربوبیت میں شریک مت کرو۔ اگر تم نے اس قدر کر لیا تو یہ عدل ہے جس کی رعایت تم پر فرض تھی۔

پھر اگر اس پر ترقّی کرنا چاہو تو

احسان کا درجہ ہے

اور وہ یہ ہے کہ تم اس کی عظمتوں کے ایسے قائل ہو جاؤ اور اس کے آگے اپنی پرستشوں میں ایسے متادّب بن جاؤ اور اس کی محبت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ گویا تم نے اس کی عظمت اور جلال اور اس کے حسنِ لازوال کو دیکھ لیا ہے۔ بعد اس کے

ایتاءِ ذی القربیٰ کا درجہ

ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہاری پرستش اور تمہاری محبت اور تمہاری فرمانبرداری سے بالکل تکلّف دُور ہو جائے اور تم اسکو ایسے جگری تعلق سے یاد کرو کہ جیسے مثلاً تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور تمہاری محبت اس سے ایسی ہو جائے کہ جیسے مثلاً بچّہ اپنی پیاری ماں سے محبت رکھتا ہے۔

اور دوسرے طور پر جو

ہمدردی بنی نوع

ہے۔ اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ اپنے بھائیوں اور بنی نوع سے عدل کرو اور اپنے حقوق سے زیادہ ان سے کچھ تعرض نہ کرو اور انصاف پر قائم رہو۔ اور اگر

اس درجہ سے ترقی

کرنی چاہو تو اس سے آگے احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کے بدی کے مقابل نیکی کرے اور اس کے آزار کی عوض میں تو اس کو راحت پہنچاوے۔ اور مروّت اور احسان کے طور پر دستگیری کرے۔ پھر بعد اس کے

ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ

ہے اور وہ یہ ہے کہ تو جس قدر اپنے بھائی سے نیکی کرے یا جس قدر بنی نوع کی خیر خواہی بجا لاوے اس سے کوئی اور کسی قسم کا احسان منظور نہ ہو۔ بلکہ طبعی طور پر بغیر پیش نہاد کسی غرض کے وہ تجھ سے صادر ہو جیسی شدت قرابت کے جوش سے ایک خویش دوسرے خویش کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ سو یہ

اخلاقی ترقی کا آخری کمال

ہے کہ ہمدردی خلائق میں کوئی نفسانی مطلب یا مدعا یا غرض درمیان نہ ہو بلکہ اخوت و قرابت انسانی کا جوش اس اعلیٰ درجہ پر نشو و نما پا جائے کہ خود بخود بغیر کسی تکلف کے اور بغیر پیش نہاد رکھنے کسی قسم کی شکر گذاری یا دعا یا اور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی فقط فطرتی جوش سے صادر ہو۔

عزیزو! اپنے سلسلہ کے بھائیوں سے جو میرا اس کتاب میں درج ہیں باستثناء اس شخص کے کہ بعد اس کے خدائے تعالیٰ اس کو رد کر دیوے خاص طور سے محبت رکھو اور جب تک کسی کو نہ دیکھو کہ وہ اس سلسلہ سے کسی مخالفانہ فعل یا قول سے باہر ہو گیا تب تک اس کو اپنا ایک عضو سمجھو لیکن جو شخص مکاری سے زندگی بسر کرتا ہے اور اپنی بد عہدیوں یا کسی قسم کے جور و جفا سے اپنے کسی بھائی کو آزار پہنچاتا ہے یا وساوس و حرکات مخالف عہد بیعت سے باز نہیں آتا وہ اپنی بدعملی کی وجہ سے اس سلسلہ سے باہر ہے اسکی پروا نہ کرو۔

چاہیئے کہ اسلام کی ساری تعریف تمہارے وجود میں نمودار ہو اور تمہاری پیشانیوں میں اثر سجود نظر آوے اور خدائے تعالیٰ کی بزرگی تم میں قائم ہو اگر قرآن اور حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اس کو قبول نہ کرو اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے توحید پر قائم رہو اور

نماز کے پابند ہو جاؤ

اپنے مولیٰ حقیقی کے حکموں کو سب سے مقدم رکھو اور اسلام کے لئے سارے دکھ اٹھالو ولا تموتن الا و انتم مسلمون۔

شبان الاحمدیہ کراچی کا

ماہانہ تربیتی اجلاس

۲۵-۵-۷۵ - بعد از نماز عصر چھ بجے شام مجلس شبان الاحمدیہ کراچی کا ماہانہ تربیتی اجلاس مسجد احمدیہ میں منعقد ہوا۔ جلسہ کی ابتداء درس القرآن سے ہوئی۔ محترم مرزا محمد لطیف صاحب فاضل مبلغ اسلام نے نصف گھنٹہ تک عباد الرحمٰن کی تین صفات قرآن مجید سے بیان فرما کر نوجوانوں کو تلقین فرمائی۔ کہ یہ بنیادی اساس ہے جس کو آپ اپنے اندر پیدا کر کے دنیا میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

درس کے بعد محترم مرزا صاحب نے جملہ شبان الاحمدیہ کے ممبران میں سے ہر ایک کو باری باری سٹیج پر بلا کر ان کا تعارف کرایا۔ کہ یہ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور کس شعبہ کے ساتھ منسلک ہیں۔ یہ بہت ہی اچھا پروگرام تھا جس کو سب نوجوانوں نے دلچسپی سے سنا۔ بزرگوں میں سے محترم شیخ کرامت اللہ صاحب نے اپنے زرّیں ارشادات سے نوازا۔ اور اس اجتماع کے انعقاد پر بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا۔

سب سے بڑی غرض اس اجتماع کی یہ تھی کہ آپس میں نوجوانوں کا ایک دوسرے سے تعارف ہو۔ سب کو اپنے اپنے خیالات کے اظہار کا موقعہ دیا جائے۔ اور باہمی مشورہ سے اگلا پروگرام طے کیا جاوے۔ مجلس کی طرف سے ایک پُر تکلف عصرانہ بھی ترتیب دیا گیا۔ یہ مجلس نہایت کامیاب رہی نوجوانوں نے نہایت دلچسپی کا اظہار کیا اور اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

کراچی کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ اتنے نوجوان اس طرح آپس میں گھل مل کر ترقی اسلام و احیاء سنن سید المرسلین کے بارے میں مشورہ کر رہے تھے۔

نوجوان (۱) محترم چوہدری سعید احمد صاحب جو کہ لندن میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کا بھی تعارف کرایا گیا اور ان کی خدمت میں بھی عرض کیا گیا کہ آپ بھی انہی خطوط پر انگلستان میں کام کریں۔ انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور کام کا وعدہ فرمایا۔ آپ ۳۰-۵-۷۵ کو انگلستان روانہ ہو رہے ہیں خدا تعالےٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

(۲) محترم میاں رؤف احمد صاحب ابن محترم میاں نذیر احمد صاحب آف واہ۔ ان سے بھی تعارف ہوا۔ موصوف نے اس اجتماع کی کارگذاری کو دیکھ کر نہایت خوشی کا اظہار فرمایا۔

محترم جناب شیخ کرامت اللہ صاحب نے نوجوانوں کی ان مساعی جمیلہ سے خوش ہو کر دو صد روپے عنایت فرمائے۔

۳۰-۵-۷۵ کو اتفاق سے مکرم و محترم جناب میاں فاروق احمد صاحب کراچی میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ ہم نے میاں صاحب موصوف کو بعد نماز جمعہ شبان الاحمدیہ سے خطاب کرنے کی دعوت دی۔ اور اپنے کام اور مساعی سے مختصر طور پر آپ کو متعارف کرایا۔

محترم میاں صاحب موصوف نے اپنے خطاب میں نہایت دلنشین پیرایہ میں موجودہ حالات میں ہمارے فرائض اور آئندہ کے لائحہ عمل پر روشنی ڈالی۔ آپ کے پرجوش خطاب سے ہمارے اندر ایک نیا ولولہ پیدا ہوا۔ آپ نے نوجوانوں کے مختلف سوالات کے جواب بھی عمدہ رنگ میں دیئے۔ محترم چوہدری سعید احمد صاحب کو جو اب انگلستان میں آباد ہو گئے ہیں دعاؤں سے رخصت کیا گیا

خاکسار: سعید احمد راقب
سیکرٹری شبان الاحمدیہ۔ کراچی ۲۹

[illegible] نے بعض احباب جماعت کے اسمائے گرامی درج کئے ہیں۔

محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب ایم ایس سی

ابنِ مریم ہُوا کرے کوئی

یہ مرزا غالبؔ کے مشہور شعر کا پہلا مصرع ہے

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی — میرے دکھ کی دَوا کرے کوئی

مرزا غالب جس پُر آشوب دَور سے تعلق رکھتے ہیں اس کے سیاسی معاشی اور معاشرتی پس منظر کے مدنظر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روایتی شاعروں کی طرح آپ کا دل اپنے محبوب کے ہجر و فراق کے کسی ایسے دُکھ درد اور کرب میں مبتلا نہ تھا جس کی دَوا کے لئے آپ نے کسی کے ابنِ مریم ہونے کی خواہش و آرزو کا اظہار اتنی شدت سے کیا ہو کہ اس کا احساس مایوسی کی حدوں کو چھوگیا ہو۔ ان کا سینہ داغ داغ ہو چکا ہو تو زبان سے پتہ کجا کجا نہم کے الفاظ نکلے ہوں۔

بیماری جب حد سے بڑھ جائے تو لوگ مسیح اور ابنِ مریم کو پکارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ شاید وہ دم واپسیں آکر انہیں ان کی زندگی لوٹا دے اکھڑے ہوئے سانس واپس دلا دے اور مایوسی کو امید میں بدل دے۔ ایسے وقت میں نگاہیں بار بار آسمان کی طرف اُٹھتی ہیں۔ کیونکہ ہر درد کا درماں اسی مالک کے پاس ہے۔

غالب کی نگاہیں بھی اپنے اندر دل کا سارا درد سمیٹ کر اس نا امیدی کی حالت میں اسی کی طرف اُٹھیں جو زندگی دیتا بھی ہے اور چھین بھی لیتا ہے جو قائم بھی رکھتا ہے اور ریزہ ریزہ کرنے کی قدرت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس پکار میں کچھ ایسا اضطراب اور ابتہال تھا کہ آسمان نے اسے راہ دے دی۔ اس نے اپنے گرد و پیش میں ابنِ مریم کو ڈھونڈا۔ لیکن ہر بار اسے یہی کہنا پڑا ؎

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہ رَو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اس کی پکار کا جواب آیا تو کب؟ جب پکارنے والا یہ سارے ارمان اپنے دل میں لئے زخمی دل کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگیا اور یہ ندا آئی کہاں سے۔ دہلی سے ڈھائی تین سو میل کے فاصلہ پر پنجاب کے غیر معروف گاؤں سے ایک شخص نے یوں آواز دی۔

ابنِ مریم مرگیا حق کی قسم — داخلِ جنت ہوا وہ محترم

پکارا تو ابنِ مریم کو گیا تھا اگر وہی مرگیا تو پھر زندگی کی امید کس سے۔ مگر ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنا دی ؎

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمدؑ ہے

عجیب بات ہے یہ ابنِ مریم اور رہبر ۱۸۹۱ء میں غالب کے کوچہ بلی ماراں میں پہنچا مگر وہ تو اس کی راہ تکتے تکتے اپنا دکھ دل میں سمیٹے ہمیشہ کی نیند سو چکا تھا۔ اور اس کی رُوح شاید یہ شکوہ کر رہی تھی۔ ؎

آخرِ شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

یہ دَور ۱۸۵۷ء کی پہلی ناکام جنگِ آزادی کا تاریک ترین دَور ہے مسلمان انگریز کے غیض و غضب کا نشانہ ہے۔ با رسوخ اور مقتدر مسلمانوں کی جاگیریں ضبط کی جا رہی ہیں۔ ان کی عالی شان حویلیوں کو نذرِ آتش کیا جا رہا ہے۔ ان کی لاشیں سرِ بازار پھانسی کے پھندوں میں لٹکی ہوئی ہیں۔ شاہزادوں کے سر طشت میں رکھ کر شہنشاہ کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں۔ سلطنت مغلیہ کے آخری چراغ کو بجھانے کے لئے پا بجولاں رنگون بھیج دیا جاتا ہے۔ گناہگار اور بے گناہ کی کوئی تمیز نہیں۔ مسلمان مسلمان کی جاسوسی کرتا ہے کہ وہ حاکم وقت سے انعام پا سکے۔

ہندو ۸۰۰ سالہ غلامی کا انتقام لینے کے لئے انگریز سے مل چکا ہے۔ اور مسلمان کو نیست و نابود کرنے کے لئے نت نئے منصوبے بن رہے ہیں۔ اس سے پہلے سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان نے آزادی کی جو شمع فروزاں رکھنے کی کوشش کی اسے اپنوں ہی کی پھونکوں نے بجھا دیا۔ حضرت سید احمد شہید سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنے بہت سے ساتھیوں سمیت بالاکوٹ کے مقام پر شہید ہو گئے۔ یہ ایک بڑی ہی دردناک داستان ہے۔ سارا برصغیر مسلمانوں کے بے گناہ خون سے لالہ زار تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کے زخموں پر نمک چھڑکنے اور ان کی بے بسی اور بے چارگی سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ملکہ وکٹوریہ کے ۱۸۵۹ء یا ۱۸۶۰ء کے اس اعلان کے بعد کہ ہر ایک کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت ہوگی۔ لاکھوں عیسائی مبلغ اپنی بغلوں میں بائبل اور دوسرا مسیحی لٹریچر دبائے برصغیر کے کونے کونے میں پھیل گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں مسلمان عیسائیت کی گود میں چلے گئے۔

ان حالات کے پیش نظر کون توقع کر سکتا تھا کہ مسلمان پھر اُبھر سکے گا۔ کیونکہ وہ پستی کی ان اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا گیا تھا جہاں سے اس کا نکلنا بظاہر ایک امر محال تھا۔

مسلمانوں کی اس حالت پر چند درد مند دل تڑپے اور مضطرب ہوئے انہوں نے انگریز اور مسلمان کے درمیان مفاہمت کے راستے تلاش کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ ان کی نجات انگریزی تعلیم میں تصور کی اور اسلام کو جو اس وقت مغربی فلسفہ، سائنس اور عیسائیت کی یلغار میں آچکا تھا اپنی تاویلات سے ایسے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی کہ قرآن کو ہی ان کے ماتحت کر دیا۔ گویا ان کے درمیان ایک مصالحانہ رنگ کی راہیں تلاش کرنا شروع کر دیا۔ لیکن اصلی مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کی طرف توجہ نہ کی گئی۔

جب کوئی قوم ادبار و نکبت اور مایوسی کا شکار ہو جاتی ہے تو لامحالہ وہ کسی نجات دہندہ کی تلاش میں ہوتی ہے۔ اس کے سامنے جو بھی اس کا ہمدرد اور غمخوار بن کر آئے اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ کچھ دیر اس کے ساتھ چلنے کے بعد جب حقیقت اس پہ آشکارا ہوتی ہے تو کسی اور کی جستجو کوئی دوسری قوم اس Trial & Error Method پر عمل کرے تو کوئی گلہ نہیں۔

لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ خود مسلمان کے پاس تو ایک ایسا تیر بہدف نسخہ ہے جس میں اس کے سارے امراض کا علاج موجود ہے اور وہ ہے "قرآن کریم"

بد قسمتی سے جب بھی یہ نسخہ بوجہ غفلت اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوا وہ ذلت و رسوائی کا شکار ہوگیا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے جو حکیم ہے اس کی دستگیری کی اور ہر ایسے زمانے میں ایسے شخص کو بھیجا جس نے اسے تلاش کر کے پھر اسکے ہاتھ میں دیا تاکہ وہ مہلک امراض سے نجات پا کر اپنے مقام کو پا سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیرہ سو سال سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ کیا یہ اللہ تعالےٰ کی صفت رحمانیت سے بعید نہ ہوتا کہ وہ اس پستی کے دَور میں اُمتِ مرحومہ کی مدد سے اپنا دستِ کرم کھینچ لیتا! خاص کر جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے کے مصائب و آلام اور فتنوں کی نشاندہی کر دی تھی، اور اس شخص کا بھی پتہ دے دیا تھا جس نے آکر ان کا تدارک کرنا تھا۔ دنیا کے بندے نجات دہندہ نہیں ہو سکتے۔ وہ وہی ہوتے ہیں جنہیں آسمانی روشنی سے منزل مقصود کا راستہ سمجھایا جاتا ہے۔ غالب نے بھی اسی لئے ہر راہ رَو کا ساتھ چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس کی نظر میں وہ اسے اس منزل پہ لے جانے کے اہل نہ تھے جو اس کا منتہائے مقصود تھی۔

حیرت ہے۔ ہندو، مسلمان اور عیسائی سبھی اس کے آنے کی راہ تک رہے تھے۔ ہندوؤں نے اسے کلکی اوتار کہا۔ عیسائیوں اور مسلمانوں نے مسیح۔ اس کی آمد کے لئے اس قدر بے قرار اور مضطرب تھے کہ اپنی اپنی کتابوں میں اس کے آنے کی علامات اور زمانے کا تعین بھی کر دیا۔

چنانچہ ہندوؤں نے کہا:۔

" دیا اور سچائی چھوٹ جائے گی۔ عمر چھوٹی ہو جائے گی۔ راجے رعایا پر ظلم کریں گے۔ برسات کم ہوگی۔ قحط سالی بہت ہوگی۔ رعایا بھوک سے تنگ آ کر ایمان ترک کر دے گی۔ لوگ مال و دولت کے لئے لڑیں گے روپیہ کے لالچ میں دین ، ایمان اور عدل کو چھوڑ دیں گے۔ چوری اور بدکاری کریں گے۔ برہمنوں میں کوئی ایسی نیکی کی بات نہیں رہے گی جس سے وہ پہچانے جا سکیں۔ دولت مند کی عزت ہوگی۔ بیوپار میں دھوکا ہوگا بدکاری بڑھ جائے گی۔ برہمن اپنا دین چھوڑ دیں گے۔ جھوٹا، سچا اور ایماندار سمجھا جائے گا۔ چور اور ڈاکو بکثرت ہوں گے۔ شادی شدہ لوگ ماں باپ کو چھوڑ کر سسرال میں رہیں گے۔ نزدیک تیرتھوں کو چھوڑ کر دُور کے تیرتھوں میں جائیں گے۔ اور ان کے پھلوں پر ان کو یقین نہیں ہوگا۔ سب لوگ بخیل اور تنگ دل ہو جائیں گے۔ جب آخری زمانے میں اس طرح فسق و فجور ہوگا تب خدا اپنے دین کی حفاظت کے لئے سنبل دیش میں بڑے اعلےٰ درجہ کے خاندان کے گھر کلکی اوتار جنم لیں گے۔ ان کے درشن سے لوگ پاپ اور گناہ کو ترک کر کے نیک کردار ہو جائیں گے۔" (ترجمہ شریمد بھگوت گیتا۔ صفحہ ۶۷)

عیسائی اپنی ایک کتاب "OUR LORDS RETURN" (ہمارے خداوند یسوع مسیح کی آمد ثانی) میں جو امریکہ میں ۱۹۰۰ء میں بائبل اور ٹریکٹ سوسائٹی کی طرف سے چھپی یوں رقمطراز ہیں :۔

" خداوند یسوع اس طرح آئے گا جس طرح چور رات کو آتا ہے اور کوئی ظاہری اور قدرتی آنکھوں سے اسے نہ پہچان سکے گا۔ اس کی آمد کے وقت لوگ کہیں گے کیسا امن ہے۔ مگر اچانک ان پر بربادی آئے گی۔ اس زمانے میں سفر بڑھ جائے گا۔ عام تبروں کی کثرت ہو جائے گی۔ علم کی بہت ترقی ہوگی۔ لوگ علم کی خاطر دور دراز ملکوں کا سفر اختیار کریں گے۔ علم کی ترقی کے ساتھ لوگوں میں بے چینی بڑھ جائے گی۔ آخر کار مصیبت اس قدر بڑھ جائے گی کہ جس کی مثال پہلے نہ ہوگی۔ لالچ۔ حرص۔ شدید نفسانیت۔ حسد۔ منافرت۔ جھگڑا و فساد اور شیطانی کاموں کا زور ہوگا۔ (صفحات ۲۔۹۔۱۰)

MILLENIAL DAWN نامی ایک دوسری کتاب میں جو امریکہ میں ہی ۱۸۸۹ء میں چھپی لکھا ہے :۔

" خداوند یسوع مسیح کا زمانہ مصیبت اور تکالیف کا زمانہ ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اس دنیا کی حکومت ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور خدا کی حکومت آسمان کے نیچے قائم ہو جائے گی۔ خداوند یسوع مسیح کی صبح تاریک اور طوفانی اور مصائب دنیا سے پُر ہوگی۔ اور جو برائے نام گرجے ہیں وہ بھی ان مصائب سے بری نہ ہوں گے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک روشنی پھوٹ پڑے گی۔ جو راحت اور سرور سے بھرپور ہوگی (صفحہ ۳۳)

مسلمانوں کے لئے تو قرآن و حدیث نے اس عظیم الشان انسان کی آمد کے متعلق قریباً ایک سو چھ (۱۰۶) علامات بیان فرمائی ہیں۔ لیکن میں صرف چند ایک ایسی علامات بیان کرنے پر ہی اکتفا کروں گا جو ہندوؤں اور عیسائیوں کی کتب میں مذکورہ بالا نشانات سے کم و بیش مماثلت رکھتی ہیں :۔

" دولت مند عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے خطیب کذاب ہوں گے علم قرآن نہیں رہے گا۔ حلال و حرام میں تمیز نہیں رہے گی۔ مسجدوں میں دنیوی باتیں ہوں گی۔ لوگوں کی ساری کوشش پیٹ کے لئے ہوگی۔ تحریر کا زور ہوگا۔ سفر بکثرت ہو جائے گا۔ فسق و فجور اور کفر کی کثرت ہوگی۔ شراب خوری۔ قمار بازی۔ رشوت ستانی۔ سود خوری۔ راہزنی۔ بے حیائی۔ جھوٹی شہادت عام ہوگی۔ نافرمانی والدین اور تابعداری زوجہ عام ہوگی۔ دغا اور فریب بکثرت ہوگا۔ عابد جاہل۔ عالم بے عمل۔ قاری فاسق ہوں گے۔ کثرت اولادِ زنا ہوگی۔ عالم۔ قاضی۔ مفتی۔ کمینی اقوام میں سے ہوں گے۔ قحط ہوں گے۔ زلزلے۔ بجلیاں اور زمین کا دھنس جانا عام ہوگا۔ کتب و کاغذ کی کثرت ہوگی۔ عورتیں بے شرم اور مرد بے مروت ہوں گے۔ لوگ جلدی جلدی بوڑھے ہو جائیں گے۔ اہل اسلام ایک دوسرے پر تکفیر کی بھرمار کر دیں گے وغیرہ۔

اس سے ذرا اور آگے بڑھئے عیسائیوں کی یہی مذکورہ بالا کتب بتاتی ہیں :۔

" ہم آخری زمانہ میں ہیں۔ آخری زمانہ ۱۷۹۹ء سے شروع ہوتا ہے اور یہی مسیح کے دوبارہ آنے کا زمانہ ہے۔ ہماری سمجھ میں مسیح کے دنیا میں موجود ہونے کا وقت موسم خزاں ۱۸۷۴ء سے شروع ہو گیا ہے۔"

پھر دانیال کی پیشگوئی میں یہ زمانہ ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۸۷۴ء ہے۔ علم و انصاف کا خون کرنے والے پڑھیں۔ سوچیں اور سر دھنیں۔ کہ ساری دنیا نے ایک عمر آلام سے نجات دینے والے کے انتظار میں آسمان کی طرف آنکھیں لگائے رکھیں مگر جب ایک آسمانی انسان نے آسمانی آواز پر لبیک کہتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ:۔

منم مسیح بہانگ بلند مے گویم
منم خلیفۂ شاہے کہ بر سما باشد

اور اس کی وجہ بتاتے ہوئے یوں فرمایا :۔

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند

تو سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس ظاہر پرست دنیا نے منہ موڑ لیا۔ اور اسے دکھ دینے کے درپے ہو گئی۔ صرف چند لاکھ نے سارے نتائج سے بے نیاز ہو کر اس کا ساتھ دینے کا عہد کر لیا۔ اُن سے بھی جو سلوک اس جرم کی پاداش میں ہوا وہ بھی تاریخ کا ایک سیاہ باب بن چکا ہے۔

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ نہ قرآن و حدیث کی شہادت اور نہ آسمان و زمین کی واقعاتی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ اگر آسمان نے سورج اور چاند گرہن کے مقررہ دنوں میں واقع ہونے اور ذوالسنین ستارہ کے نمودار ہونے کی صورت میں اس کے ظہور کی تصدیق کی تو زمین پر اونٹنیاں بے کار ہو گئیں۔ ریل گاڑی نکلی۔ بلاد مشرق (جاوا) سے آگ نکلی۔ حج عارضی طور پر بند ہو گیا (بہم پر تو اب بھی بند ہے) طاعون پھیل گئی۔ انسانی میل جول بڑھ گیا۔ کاغذوں اور صحیفوں کی کثرت ہو گئی۔ عورتوں نے مردوں کی اور مردوں نے عورتوں کی وضع بھی اختیار کر لی۔ مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت کا ثبوت بھی مل گیا بدکاری۔ سود خوری۔ شراب خوری اور دیگر فسق و فجور کا بھی دور دورہ ہو گیا لیکن زمین و آسمان کی یہ آوازیں

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح
نیز بشنو از زمیں آمد امام کامگار

بھی بہرے کانوں پر پڑیں۔ ان کے لئے مسیح نے نہ آنا تھا نہ آیا اور آسمان پر بیٹھا اب تک مخلوقِ خدا کو مصائب و آلام میں مبتلا دیکھ کر اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال کہاں گئے جنہیں چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں مسیح اور مہدی کے ظہور کی تائید میں بڑے شد و مد سے پیش کیا جاتا تھا اور اب ان کی حیثیت کیا رہ گئی جب اس صدی کو گذرنے میں صرف ۵ سال باقی ہیں۔ یہ تو حق و عدل کے تقاضوں سے بہت بعید ہے کہ ایک مدعی کی دشمنی میں قرآن و حدیث کا ہی انکار کر دیا جائے۔ انکار کرنے والے اس کے عواقب پر خود غور کر لیں۔

چراغ لے کر دنیا کے کونے کونے میں پھر جاؤ۔ دیدے پھاڑ پھاڑ

(باقی برص ۱۱ کالم ۲)

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

ختمِ نبوّت میں حضرتِ مسیح موعودؑ کا مذہب

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

ختمِ نبوّت پر وحدتِ اسلامی کا مدار ہے ختم نبوت کا مسئلہ اسلام میں توحید باری تعالیٰ کی طرح ایک مہتم بالشان مسئلہ ہے۔ کیونکہ اسلام کی وحدت کی یہی درحقیقت بنیاد ہے۔ اگر سب مسلمان ایک ہی نبی کے ماتحت ہوں تو وہ ایسے ہیں جیسے ایک بادشاہ کی رعایا۔ جیسے ایک باپ کے فرزند۔ وہ سب بھائی بھائی ہیں۔ اختلاف ان میں ہوں مگر وہ اختلاف ان کی وحدت کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ لیکن اگر اس اُمت میں ایک سے زیادہ نبی ہوں تو وحدت قائم نہیں رہ سکتی پس ختمِ نبوّت کے مسئلہ پر وحدت اسلامی کا مدار ہے۔

ختمِ نبوّت سے مراد ختم نبوّت سے کیا مراد ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ انبیاء و رسل کی بعثت کی غرض اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے اور وہ غرض منجانب اللہ ہدایت کا لانا ہے۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدّس ذات میں اپنے کمال کو پہنچکر پُوری ہوگئی۔ پس ختم نبوّت میں دونوں مفہوم شامل ہیں۔ یعنی نبوّت کا اپنے کمال کو پہنچ جانا اور اس کا خاتمہ ہو جانا۔ کیونکہ کمال نبوّت سے وہ غرض ہمیشہ کے لئے پوری ہوگئی۔ جس کی ضرورت اس سے پہلے متفرق ادوار میں رہتی تھی۔ دنیا میں نبی کی ضرورت اس لئے ہوتی تھی کہ اللہ تعالےٰ کی رضا کی بعض راہوں کو جو ایک وقت میں ایک قوم یا ایک ملک کی حالت ان کی مقتضی ہے وہ ظاہر کرے۔ اور اللہ تعالےٰ کی بعض صفات کاملہ کا مظہر ہو کر دوسرے انسانوں کے لئے اپنے آپ کو ایک نمونہ بنائے۔ پس جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ایک ایسی تعلیم لے آئے جو تمام قوموں کے لئے تمام ملکوں کے لئے تمام انسانوں کے لئے تمام زمانوں کے لئے تھی۔ اور جس نے نہ کسی قوم کی ضروریات کو باقی چھوڑا نہ کسی زمانہ کے دائرہ میں محدود ہوئی۔ نہ انسانی قوےٰ کی کسی شاخ کی تکمیل اس سے باہر رہی اور آپؐ کی ذات میں تمام صفات الٰہی کا ظہور کامل ہو کر آپ ہمیشہ کے لئے دنیا کے سارے لوگوں کے لئے اسوۂ حسنہ ٹھہرے۔ تو اس کے بعد نبوت کی ضرورت بھی باقی نہ رہی۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے سارے کام ضروریاتِ حقہ پر مبنی ہیں۔ بالحق انزلناہ وبالحق نزل۔

چنانچہ جس قدر امور ختم نبوّت کے لئے ضروری ہیں۔ ان تمام کا قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پاک میں جمع ہونا بیان فرمایا ہے مثلاً ہر ایک نبی کا جب ذکر فرمایا تو خاص ایک قوم کی طرف اس کی بعثت کا ذکر کیا ہے۔ نوحؑ کو اپنی قوم کی طرف۔ صالحؑ کو اپنی قوم کی طرف۔ ہودؑ کو اپنی قوم کی طرف۔ شعیبؑ کو اپنی قوم کی طرف بھیجا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسےٰؑ تک جو انبیائے قومی میں آخری نبی ہیں اس سلسلہ کو پہنچایا۔ اور ان کے متعلق بھی بیان فرمایا کہ رسولاً الیٰ بنی اسرائیل۔ یعنے وہ بنی اسرائیل کی طرف ایک رسول تھے۔ اور علم الفاظ یہ فرمایا:۔

وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ ولکل قوم ھاد۔
ولکل امۃ رسول۔

ہر قوم میں ایک نذیر گذرا ہے۔ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوا ہے۔ ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے۔

لیکن جب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ذکر کیا تو فرمایا کہہ دو:

یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا۔
اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔
یعنی ایک قوم کی طرف نہیں۔ اور پھر فرمایا:۔

وما ارسلناک الا کافۃ للناس
ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو سب لوگوں کے لئے (سیاہ ہوں یا سپید موجود ہوں یا پیچھے آنے والے) بھیجا۔ اور پھر فرمایا:۔

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔
تم کو تمام قوموں اور زمانوں کے لئے رحمت کرکے بھیجا ہے۔
اور نیز فرمایا:۔

لیکون للعالمین نذیراً
سارے عالموں کے لئے تم نذیر بھی ہو۔

پس سب سے پہلے مکان اور زمانہ کی تمام تفریقات کو مٹایا۔ یعنی آئندہ تمام زمانوں کے تمام لوگوں کے لئے ایک ہی نبی ایک ہی رسول ہوگا۔ اور گو یہی دلیل آپ کی ختم نبوّت پر کافی تھی۔ مگر اور بھی وضاحت کے لئے آخری آیت آپؐ پر نازل ہوئی:۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی
آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پُوری کر دی۔

اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ اب آئندہ دنیا کو اور کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جو کام کسی نبی نے آکر کرنا ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا۔ منصبِ نبوّت کا کوئی کام آپ کے پیچھے باقی نہیں رہا جس کے کرنے کے لئے اور کوئی نبی اب دنیا میں آئے۔ دنیا میں کوئی اور نبی نہیں ہوا جس نے یہ دعوےٰ کیا ہو کہ اس کے ذریعہ سے ہدایت اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ بلکہ یہ الیوم اکملت لکم دینکم کا اعلان دُنیا میں اکیلا ہی اعلان ہے۔ اس کے بالمقابل اگر ہے تو عجز ہی عجز کی تصویر ہے حتّٰی کہ حضرت مسیح کو بھی یہ کہنا پڑا کہ میں کامل تعلیم نہیں دے سکتا۔ بلکہ اس کے لئے تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی راہ تکو۔ کیونکہ "جب وہ یعنی رُوحِ حق آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی"۔

آیت خاتم النبیّین کا مفہوم پس جب یہ ضرورت باقی نہ رہی تو ضرور تھا کہ یہ اعلان بھی کر دیا جاتا کہ اب اس کے بعد کسی شخص کو منصب نبوّت پر کھڑا نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا:۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔
محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ مگر اللہ کے رسول اور نبیوں کی مہر ہیں۔

اس موقعہ پر میں ایک سوال کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آیا یہ میرے اپنے خیالات ہیں یا حضرت مسیح موعودؑ کا بھی جن کے دعاوی کی صداقت کو اس رسالہ میں مَیں ظاہر کرنا چاہتا ہوں یہی ایمان تھا۔ اس کے لئے گو صرف ایک حوالہ بھی کافی تھا۔ کہ آپ ختم نبوّت سے کیا مراد لیتے تھے۔ مگر چونکہ آپ پر یہ جھوٹا الزام لگایا گیا ہے کہ آپ مدعی نبوّت تھے اس لئے میں آپ کی پچھلی کتابوں میں سے متفرق حوالجات پیش کرتا ہوں اور ہر ایک حوالہ کا خلاصہ بھی ساتھ دیتا ہوں:۔

الوصیت صفحہ ۱۰ سنہ ۱۹۰۵ء

"اور تمام نبوّتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی۔ کیونکہ نبوّتِ محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی

ہے اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں۔ تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی کے اندر ہیں۔ نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی۔ اور نہ اس کے پہلے ایسی کوئی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں۔ اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے۔ اور ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جس چیز کے لئے آغاز ہے اس کے لئے انجام بھی ہے۔"

حقیقت الوحی حاشیہ صفحہ نمبر ۹۷:-

"اللہ جلشانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کا افاضہ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیّین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے۔ اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔ اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔ یہی معنے اس حدیث کے ہیں کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل یعنے میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے۔ اور ...... بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے۔ مگر ان کی نبوت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ وہ نبوتیں براہِ راست خدا کی ایک موہبت تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کا اس میں ایک ذرہ کچھ دخل نہ تھا اسی وجہ سے ان کا یہ نام نہ ہوا۔ کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی بلکہ وہ انبیاء مستقل نبی کہلائے۔ اور براہِ راست ان کو منصب نبوت ملا۔ اور ان کو چھوڑ کر جب اور بنی اسرائیل کا حال دیکھا جاوے۔ تو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کو رشد اور صلاح اور تقویٰ سے بہت ہی کم حصہ ملا تھا۔ اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسٰے کی اُمت اولیاء اللہ کے وجود سے عموماً محروم رہی تھی۔ اور کوئی شاذ و نادر ان میں ہوا تو وہ حکم معدوم کا رکھتا ہے۔"

ضمیمہ تتمہ حقیقت الوحی الاستفتاء صفحہ نمبر ۶۴:-

"والنبوة قد انقطعت بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ولا کتاب بعد الفرقان الذی ھو خیر الصحف السابقة ولا شریعة بعد الشریعة المحمدیة۔"

ترجمہ: اور نبوت بعد نبی کریمؐ کے منقطع ہوگئی ہے۔ اور نہیں کوئی کتاب بعد فرقان کے اور وہ پہلے سب صحیفوں سے بہتر ہے۔ اور نہیں کوئی شریعت بعد شریعت محمدیہ کے۔

"انا رسولنا خاتم النبیّین و علیہ انقطعت سلسلة المرسلین فلیس حق احد ان یدعی النبوة بعد رسولنا المصطفٰے علی طریقة المستقلة و مابقی بعدہ الا کثرة المکالمة و ھو بشرط الاتباع لا بغیر متابعة خیر البریة۔"

ترجمہ:- اور بے شک ہمارا رسول خاتم النبیّین ہے۔ اور اس پر تمام مرسلین کا سلسلہ ٹوٹ گیا ہے۔ پس نہیں ہے حق کسی شخص کا کہ دعوےٰ کرے نبوت کا بعد رسول اللہ صلعم کے مستقل طور پر۔ اور نہیں باقی رہا بعد اس کے مگر کثرت مکالمہ اور وہ اتباع کی شرط سے ہے نہ بغیر متابعت خیر البریہ کے۔

مجموعہ ملحقہ چشمہ معرفت صفحہ نمبر ۹

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص فخر دیا گیا ہے۔ کہ وہ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالاتِ نبوت ان پر ختم ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں۔ اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو ان کی اُمت سے باہر ہو۔ بلکہ ہر ایک کو شرف مکالمہ الٰہیہ ملتا ہے اور وہ انہیں کے فیض اور انہی کی وساطت سے ملتا ہے اور وہ امتی کہلاتا ہے۔ نہ کوئی مستقل نبی۔"

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی

(بسلسلہ صفحہ ۹)

کر دیکھو تمہیں سوائے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے کوئی دوسرا انسان ہرگز نہیں ملے گا جس نے اس صدی میں مجدد اور مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا ہو۔ ورنہ اس سے قبل کی بعض صدیوں میں تو دو دو مجدد بھی ہوئے ہیں۔ مجددین اور مسیح کی آمد ثانی کے بارے میں احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہیں قرآن کریم آپ کے متعلق یہ فرماتا ہے کہ ما ینطق عن الھوٰی۔ اس کی باتوں میں خواہش نفسانی کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہودیوں۔ عیسائیوں اور خود مسلمانوں کی کتابوں میں جو علامات درج تھے اور وقت کا تعین کیا گیا تھا وہ یہی چودھویں صدی کا آغاز ہے۔ یہ سب علامات زمین و آسمان پر پوری ہوگئیں۔ اور صرف ایک ہی ایسا شخص مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں جنہوں نے اس صدی کا مجدد اور مسیح ہونے کا دعوےٰ کیا ہے اور کوئی دوسرا انسان اس امت میں نظر نہیں آتا جس نے اس دعوے کو چیلنج کر کے کہا ہو کہ تم جھوٹے ہو۔ مسیح میں ہوں۔ تو اس کا منطقی نتیجہ یہی برآمد ہونا چاہیئے کہ یہ شخص اپنے دعوے میں سچا ہے۔ اگر احمدی اس کو ایسا تسلیم کرتے ہیں اور جھوٹے ہیں تو پھر کوئی دوسرا انسان سامنے لایئے جو علی الاعلان یہ کہے کہ میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے بطور مجدد اور مسیح مبعوث ہوا ہوں۔ ورنہ نعوذ باللہ اس کی زد پچھلی صدیوں کے مجددین پر بھی پڑے گی۔ یہ نیا فکر اور فلسفہ کہ مجدد وہ ہوتا ہے جسے لوگ ایسا کہیں قرآن کریم اور احادیث کی رُو سے باطل ہے۔ کیونکہ حدیث کے واضح الفاظ یہ ہیں ان اللہ یبعث اللہ مبعوث فرماتا ہے لوگ نہیں۔ اگر بدقسمتی سے لوگوں کے سپرد یہ منصب کر دیا جائے تو اس اُمت میں فتنوں۔ افتراق اور انتشار کا ایک ایسا باب کھل جائے گا جس کا بند ہونا ناممکن ہوگا۔ لوگ تو خدا کی طرف سے مبعوث ہونے والوں کو بھی وجہ تفریق بنا لیتے ہیں۔ جب انہی کو یہ مقام سونپ دیا جائے تو اس کا سدِ باب کون کرے گا۔

اگر مرزا غلام احمد صاحب جھوٹے ہیں تو پھر ذرا یہ گتھی بھی سلجھا دیجئے کہ یہ کیسا جنون ہے اور کیا سودا کہ کابل کا سب سے بڑا عالم۔ قاضی مفتی صاحب کشف و الہام ولی اللہ بادشاہوں کے سروں پر اپنے ہاتھ سے تاج رکھنے والا اور افغانستان کا معزز ترین انسان صاحبزادہ عبد اللطیف اپنے خون کے مقدس چھینٹوں سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں اس کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دے۔

بنوں (صوبہ سرحد) کا ایک درویش صفت عبدالہادی اپنے سینے پر رکھی ہوئی بندوق دیکھ کر بھی پکار اُٹھے کہ مرزا سچا ہے۔ ابھی کل کی بات ہے۔ لوگوں نے جانیں بھی پیش کیں اور گھر بار بھی پھنکوا ڈالے۔ یہ اُلجھن نہیں سلجھ سکے گی۔ کیونکہ آپ کی نگاہ وہ نگاہ نہیں جو حقیقت آشنا ہو۔ کان وہ کان نہیں جو اس آواز کا راز پاسکیں۔ اور دل وہ دل نہیں کہ اسے سمجھ سکیں۔

آپ خرد کی گتھیاں سلجھایئے۔ ہمیں صاحب جنوں رہنے دیجئے۔ کیونکہ

تا نہ دیوانہ شدم ہوش نیامد بہ سرم
اے جنوں گرد تو گردم کہ چہ احساں کردی

اس جنوں کا درماں اسی مسیحا کے پاس ہے۔

مُسلمانوں میں دعوت الیٰ الحق کا ایک داعی گروہ ہمیشہ موجود رہا ہے

حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے

خُطبہ جُمعہ مؤرخہ ۲۳ر مئی ۱۹۷۵ء - فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ - جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ - (آل عمران)

(مرتبہ: عبدالرؤف کھوکھر)

فرمایا: آج تک انسانیت کی بہتری کے لئے جتنی اُمتیں بھی پیدا کی گئی ہیں تم ان سب سے بہتر ہو، اور ساتھ ہی بہتری کا سبب بھی بیان فرما دیا۔ کہ دوسری امتوں سے تم بہتر اُمّت صرف اسی لئے ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہو۔ اور برائی سے منع کرتے ہو۔ اور اپنے اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ فرمایا کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے جو لوگوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دے اور نیکی کی تلقین کرے اور بدیوں سے روکے۔

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر - واولئک ھم المفلحون - میں اسی فلاح یافتہ اور کامیاب گروہ کا ذکر ہے اللہ تعالےٰ نے مذکورہ آیات کریمہ میں جتنے زور سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید فرمائی تھی۔

افسوس ہے۔ کہ مسلمانوں نے اتنی ہی زیادہ اس کار جلیلہ سے لاپرواہی برتی اللہ تعالےٰ نے ان میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے ہر صدی کے آغاز میں مجدّد مبعوث کئے۔ تاکہ ان کے زیر ہدایت مسلمانوں میں ایک ایسا متقی باعمل اور دعوت الی الحق کا داعی گروہ قائم رہے۔ جو اس نیک کام کو جاری رکھے اور انسانوں پر اتمام حجت کرتا رہے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنے اپنے زمانہ میں ہر مجدد سے مسلمانوں نے فائدہ تو بہت کم اُٹھایا بلکہ اس کام میں مزاحم ہوئے۔ اور انہیں سخت تکالیف بھی دیں۔ ہم نے بھی اس زمانہ کے مجدّد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جس نے دعوےٰ مجددیت کا اعلان بڑے دھڑلے سے کیا۔ اور اشاعت اسلام کے لئے ایک جماعت بنائی۔ جو اب [illegible] اپنے کام میں صدق و ثبات سے لگی ہوئی ہے۔

اس جماعت نے اسلام کی صداقت اور قرآن کریم کی حقانیت اور محمد رسول اللہ صلعم کے زندہ رسول ہونے پر بیش بہا لٹریچر مختلف زبانوں میں شائع کرکے ساری دنیا میں پھیلا دیا دنیا کی ہر مشہور لائبریری حتیٰ کہ جہازوں تک کی لائبریریوں میں ایسی کتب کے سیٹ بھجوائے گئے۔ جن سے لوگ اب تک مستفید ہو رہے ہیں یہ ایک صدقہ جاریہ ہے۔ اور یہی کام کرنے کا ہے۔ پُوری انسانیت کو بچانے کا کام بہت بڑا کام ہے۔ پوری ہمت سے کام کرو۔ تاکہ اللہ تعالےٰ کا یہ آخری پیغام دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جائے۔ مجددین اور ان کی جماعتیں اپنے نیک اعمال سے خدا کے وجود کا پتہ دیتی ہیں۔ اور اس کے وحدہٗ لاشریک ہونے کا علم لوگوں کو سکھلاتی ہیں۔ ان کے ذریعہ خدا تعالےٰ کا چہرہ نظر آتا ہے۔ پس کوشش کرو۔ کہ تم میں بھی وہی صفات پیدا ہو جائیں جن کو دیکھ کر لوگ پکار اُٹھیں کہ یہی رسول کریم صلعم کے سچے پیروکار ہیں اور حضورؐ کے غلام حضرت مجدّد زمان علیہ السلام کے ماننے والے ہیں۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة - اللہ کے رسول تم میں نیکی کا نمونہ ہیں۔ پس اس نمونہ کو اختیار کرو۔ صبغة اللہ ومن احسن من اللہ صبغة، اللہ کا رنگ اپنے اوپر چڑھاؤ۔ ومن احسن من اللہ صبغة اور اللہ کے رنگ سے بہتر اور کس کا رنگ ہے۔ مسلمان جہاں بھی گئے یہ الٰہی رنگ اپنے ساتھ لے گئے۔

اسلام کی تعلیم کا خلاصہ تعظیم لامر اللہ اور شفقت علےٰ خلق اللہ میں ہے۔ خدا کی فرمانبرداری کرو اور اس کی مخلوق کی خدمت بجا لاؤ۔ اور ہر وقت یقین رکھو۔ کہ خدا دیکھتا ہے کیونکہ یہ تصوّر گناہ سے نجات دلاتا ہے۔ نیکی کی قوت بخشتا ہے۔ اس راہ پر جو چلے گا۔ کامیاب و کامران ہوگا۔

تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر۔ کا بڑا بلند مقام ہے۔ نیکی کی ترغیب دینا اور گناہوں سے روکنا صلحاء کا طریق ہے۔ ایک مجدّد کے ہاتھ پر بیعت کرکے آپ نے یہ ذمہ داری لی ہوئی ہے لہٰذا کوشش کرو کہ تم بیعت کے عہد کو نبھانے والے بنو۔

تمہارا فرض ہے کہ مامور من اللہ کی پہچان کی جو نعمت خدا تعالےٰ نے تمہیں دی ہے۔ اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔ دنیا کو گمراہی اور بے راہ روی سے نکالنے کی کوشش کرنا تمہارا فرض ہے کیونکہ حق کا راستہ دکھانا بڑا ثواب کا کام ہے۔ اس زمانہ میں اعلائے کلمۃ اللہ کی اشد ضرورت ہے۔ ساری قومیں دنیا سے پیار کر رہی ہیں اور اس کی محبت کی اسیر ہیں ان کو آگ کے اس گڑھے سے نکالنے کا مشکل ترین کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے۔ سو ہمت سے کام لو اور پورے زور کے ساتھ دنیا کی بے ثباتی کو ان پر واضح کرو۔ تاکہ وہ لوگ بھی مال و دولت اور عیش و آرام سے نکل کر خدا تعالےٰ کی پناہ میں آ جائیں۔ اس وقت اس کی سخت ضرورت ہے۔ دنیا نے خدا کو چھوڑ دیا ہوا ہے۔ اور مجدّدِ وقت کا مشن جسے تم نے پورا کرنا ہے یہی ہے کہ لوگوں کا خدا پر پھر سے ایمان پیدا ہو جائے مجددین اور ان کی جماعتوں کا یہی کام ہوتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو خدا کے دروازہ پر لا ڈالیں۔ ان کے دلوں میں نور بصیرت بھر دیں۔ خدا تعالےٰ پر وہ ایمان اور یقین پیدا کریں۔ جس سے وہ نیکی سے پیار اور گناہ سے نفرت کرنے لگیں اور دعوت الی اللہ میں لگ جائیں۔ سب دنیا پر نظر ڈال کر دیکھ لو۔ اس زمانہ میں صرف مجدّد زمانؑ کی جماعت کو دعوت الی الحق کی توفیق ملی ہے۔ اور اس نے یورپ میں کامیاب تبلیغ اسلام کے جھنڈے گاڑے ہیں۔ اور بعض بڑے بڑے مقتدر عیسائیوں کو حضرت محمد صلعم کا غلام اور حلقہ بگوشِ اسلام بنایا ہے۔

دعا کرو۔ کہ غلبۂ اسلام کا سُورج مغرب سے جلد طلوع ہو۔

ہمارا مقصد بہت ہی بڑا ہے۔ اتنا بڑا مقصد ہے۔ کہ اس کا تعلق تمام نسلِ انسانی کے ساتھ ہے...... ہمارا نصب العین صرف یہی ہے کہ تمام دنیا میں بسنے والی نسلِ انسانی کو کس طرح ان مشکلات سے نکالا جائے اور ان مصائب کو ان سے دُور کیا جائے جن میں وہ مبتلا ہے۔ اس کی خدا کی طرف رہنمائی کی جائے اور اس کے اندر روحانی بیداری پیدا کی جائے (حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ)

اسلام میں عزّ و شرف کا معیار صرف تقویٰ ہے

ہمیں آج بھی ذات قبیلے اور رنگ و نسل کے بت کو پاش پاش کرنا ہے

{ روزنامہ "مشرق" کے حالیہ ایک ایشوع میں شائع مفصلہ ذیل مضمون من و عن شائع کیا جاتا ہے جس سے اس حقیقت کا ازسرِ نو انکشاف ہوتا ہے کہ مسلمان قوم کا قدم کس طرح آہستہ آہستہ قرآن و سنت رسولؐ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اگرچہ یہ امر صحیح ہے کہ ابھی تک یہ قدم صرف قول تک ہی محدود ہے لیکن امید کی جاتی ہے کہ آخر اس کا نتیجہ ان کے عمل میں تبدیلی کا موجب ثابت ہوگا۔

جو اصحاب احمدیہ سلسلہ کی تاریخ کا کچھ بھی علم رکھتے ہیں انہیں خوب معلوم ہے کہ اس زمانہ میں قرآن و سنت کو مسلمانوں نے طاق نسیان پر رکھ چھوڑا تھا۔ یہ حضرت بانی سلسلہؒ اور آپ کی جماعت احمدیہ کا زرّین کارنامہ ہے کہ اس نے دینِ اسلام کے اصل ماخذوں (قرآن اور سنت) کی طرف قوم کو توجہ دلائی چنانچہ انہی کی مساعی جمیلہ سے تراجم و تفاسیر قرآن کی دنیا میں اشاعت عام ہوئی، درس و تدریسِ قرآن کے مشاغل اور سیرت و کردار نبویؐ کی تقریبات کا مسلمانوں میں اجراء ہوا۔

ایک عام غلط فہمی جو اس بارہ میں سرایت کرچکی ہے، وہ مسلمانوں کے عقائد و اعمال کو لازماً اسلام کے صحیح عقائد اور سچے اعمال سے تعبیر کرنا ہے۔ حالانکہ بہت سے عیسائی اور ہندو جو اسلام میں داخل ہوئے وہ اپنے ساتھ اپنے پہلے عقائد، اعمال اور رسوم لے آئے، اسلام کے مطابق سچی تبدیلی ان کے علم و عقائد اور کردار و سیرت میں پیدا نہ ہوئی، بلکہ وہ انہی مروجہ رسوم و روایات کو صحیح اسلام سمجھنے لگ پڑے۔ اسلام کے احیاء نو کا بنیادی پتھر رجوع الی القرآن والسنۃ ہے جس کی طرف علمی اور عملی قدم بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اٹھایا تھا۔ جیسا کہ ڈاکٹر اقبالؒ مرحوم نے ۱۹۱۱ء میں علیگڑھ کے جلسۂ عام میں یہ بیان دیا تھا "اگر تمہیں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ اس زمانہ میں دیکھنا ہو تو وہ تمہیں اس فرقہ میں ملے گا جو آج قادیان میں پیدا ہوا ہے۔"}

قرآن حکیم پوری انسانیت کو مخاطب کرکے کہتا ہے :-

"اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری برادریاں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ مکرم و محترم وہی ہے جو اپنے اندر زیادہ خدا خوفی رکھتا ہے اور پرہیزگار ہے" (سورۃ حجرات - ۱۳)

قرآن کریم کی یہ آیات نسل، رنگ، برادری، قبیلہ، ذات اور قومیت کے تمام بتوں کو توڑ دیتی ہیں۔ انسانی تاریخ میں شرفِ انسانیت ان بتوں کے باعث ہمیشہ ذلیل ہوتا رہا ہے۔ اسلام نے ان بتوں کو پاش پاش کر دیا اور کہا کہ عزت و تکریم اور بڑائی کا صرف ایک ہی معیار ہے کہ تم میں سے کون زیادہ خدا خوف ہے اور دینِ فطرت کے احکام پر عمل پیرا ہے۔ اس نے پہلی بار دنیا کو یہ تصور عطا کیا کہ اولاد اور والدین کا رشتہ جو خون کا رشتہ ہے اور سب سے زیادہ ذہنی اور قلبی لگاؤ کی بنیاد ہے۔ اس سے بھی زیادہ مقدم اسلام کا رشتہ ہے۔ حضرت نوحؑ کے زمانے میں جب طوفانِ نوح آیا اور قرآن کے الفاظ میں طوفان کی سرکش موجیں پہاڑوں کی طرح اٹھتی اور بلند ہوتی تھیں تو اس وقت حضرت نوحؑ کا بیٹا نظر آیا۔ حضرت نوحؑ نے اس کو پکار کر کہا کافروں سے الگ ہو کر میری کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اس نے انکار کرتے ہوئے کہا میں کسی پہاڑ پر پناہ لے کر پانی کی زد سے بچ جاؤں گا۔ جب وہ ڈوبنے لگا تو حضرت نوحؑ نے اللہ تعالےٰ سے استدعا کی تیرا وعدہ سچا ہے۔ تو نے میرے اہل و عیال کو بچانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ یہ بیٹا بھی ان میں سے ہے۔ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے جو کچھ فرمایا قرآن حکیم کے الفاظ میں یہ ہے کہ "اے نوح یہ بیٹا تیرے اہل سے نہیں ہے کیونکہ اس کا عمل صحیح نہیں ہے۔"

اندازہ لگایئے محبت و شفقت اور اہل و عیال کی تعریف اسلام میں صرف اسلام کی بنیاد ہے۔ اسی طرح اسلام نے بزرگی اور تقدس کو وراثت میں منتقل ہونے کے تصور کو بھی ختم کر دیا۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ایک ولی اللہ بزرگ اور نیک شخص کا بیٹا بھی اس تقدس کا حامل ہو اور اس کی نیکی اور پارسائی اور ولایت کی گدی پر براجمان ہو جائے۔

قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ یہ بیان ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو اس کے پروردگار نے کئی باتوں میں آزمایا اور وہ ان میں پورے اترے تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا میں آپ کو انسانوں کا امام بناتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا لیکن میری اولاد کے بارے میں کیا حکم ہے اللہ تعالےٰ نے جواب دیا جو ان میں ظالم ہوں گے۔ میرے عہد میں داخل نہیں ہوں گے۔

(یعنی نیک اعمال سے عاری ہوں گے اور گناہ کی زندگی گذارنے والے ہوں گے) انہیں تو میرا عہد نہیں پہنچتا۔ دیکھئے اسلام نے یہ حقیقت کتنی اچھی طرح واضح کر دی کہ ہر شخص صرف اپنے ایمان اور اعمال کی بنیاد پر ہی لائق احترام ہو سکتا ہے۔ خاندانی بنیاد پر ہرگز نہیں۔

اسی حقیقت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ الوداع کے موقعہ پر جو انسانی حقوق کے چارٹر کی حیثیت سے سب سے پہلے انسانیت نے سنا فرمایا۔ "کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے۔ کسی گورے کو کالے پر برتری نہیں ہے۔ تمام اولاد آدم ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ عزت و تکریم کا معیار اللہ کے ہاں صرف خدا خوفی ہے" ذرا اس بات پر غور فرمایئے کہ اسلام کا خدائے واحد بھی خون اور رشتوں کے تعلق سے کتنا بلند و بالا ہے۔ سورۃ اخلاص ہم ہر روز پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ کوئی اس کا باپ ہے۔ ایسے خدا کے پرستار بھی رنگ و خون کے رشتوں سے بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسی حقیقت کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

ہر کہ پا در بند اقلیم جد است — بے خبر از لم یلد و لم یولد است

سلمان فارسی ایک آتشکدہ کے متولی کے فرزند تھے۔ جب وہ مدینہ پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور کی تعلیمات سے فیضیاب ہوئے تو پھر ان کی زندگی کا نقشہ کچھ اور ہی بدل گیا۔ لوگوں نے ان کے حسب نسب کی بات جب دریافت کی تو آپ نے صرف ایک جواب دیا کہ سلمان ابن اسلام یعنی میں سلمان تو صرف اسلام کا بیٹا ہوں۔

فارغ از اب و ام و اعمام باش — ہمچو سلمان زادۂ اسلام باش

آج ہم سب کو اسلام کے بیٹے بننے اور کہلانے کی ضرورت ہے۔ ہم برادریوں اور ذات پات اور رنگ و نسل کے امتیازات کے درمیان بٹے ہوئے ہیں۔ بڑے فخر سے اپنے ناموں کے آگے لمبے لمبے القاب لگائے گئے ہیں۔ لیکن یہ کبھی نہ سوچا کہ ہم سب کے لئے باعث افتخار صرف اسلام کا بیٹا کہلانا ہے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

اپنے معاشرے پر نظر ڈالئے۔ چوہدری۔ شیخ۔ ملک تو ہم بڑے شوق سے

(باقی برصفحہ ۱۵ کالم نمبر ۱)

حضرت امام وقت مسیح موعودؑ

میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ

میں اور میری جماعت مسلمان ہے

"میں ابتداء سے بیان کرتا آیا ہوں کہ میں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ذرا ادھر ادھر ہونا بے ایمانی سمجھتا ہوں۔ میرا عقیدہ یہی ہے کہ جو اس کو ذرا بھی چھوڑے گا وہ جہنمی ہے۔ پھر اس عقیدہ کو میں نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور دن رات مجھے یہی فکر اور خیال رہتا ہے۔ پھر اگر یہ مخالف خدا سے ڈرتے تو کیا ان کا فرض نہ تھا کہ جو مجھ سے پوچھتے کہ فلاں بات خارج از اسلام ہے اس بات کی کیا وجہ ہے یا اس کا تم کیا جواب دیتے ہو؟ مگر نہیں اس کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔ سنا اور کافر کہہ دیا۔ میں نہایت تعجب سے ان کی اس حرکت کو دیکھتا ہوں کیونکہ اول تو حیات و وفات مسیح کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اسلام میں داخل ہونے کے لئے شرط ہو۔ یہاں بھی ہندو یا عیسائی مسلمان ہوتے ہیں۔ مگر بتاؤ کیا ان سے بھی یہ اقرار لیتے ہو؟ بجز اس کے کہ اٰمنت باللہ و ملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت جبکہ یہ مسئلہ اسلام کا جزو نہیں۔ پھر مجھ پر وفات مسیح کے اعلان سے اس قدر تشدد کیا گیا کہ یہ کافر ہیں دجّال ہیں ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاوے ان کے مال لوٹ لینے جائز ہیں اور ان کی عورتوں کو بغیر نکاح گھر میں رکھ لینا درست ہے۔ ان کو قتل کر دینا ثواب کا کام ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایک تو وہ زمانہ تھا کہ یہی مولوی شور مچاتے تھے کہ اگر ۹۹ وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تب بھی کفر کا فتوےٰ نہ دینا چاہیئے۔ اس کو مسلمان ہی کہو۔ مگر اب کیا ہو گیا۔ کیا میں اس سے بھی گیا گزرا ہو گیا ہوں؟ کیا میں اور میری جماعت اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ نہیں پڑھتی۔ کیا میں نماز نہیں پڑھتا یا میرے مرید نہیں پڑھتے کیا ہم رمضان کے روزے نہیں رکھتے؟ اور کیا ہم ان تمام عقائد کے پابند نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی صورت میں تلقین کئے ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں اور خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اور میری جماعت مسلمان ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر اسی طرح ایمان لاتی ہے جس طرح پر ایک سچے مسلمان کو لانا چاہیئے۔ میں ایک ذرہ بھی اسلام سے باہر قدم رکھنا ہلاکت کا موجب یقین کرتا ہوں۔ اور میرا یہی مذہب ہے کہ جس قدر فیوض اور برکات کوئی شخص حاصل کر سکتا ہے اور جس قدر تقرب الی اللہ پا سکتا ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت اور کامل محبت سے پا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ آپ کے سوا اب کوئی راہ نیکی کی نہیں۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ میں ہرگز یقین نہیں کرتا کہ مسیح علیہ السلام اس جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر چلے گئے ہوں اور اب تک زندہ قائم ہوں اس لئے کہ اس مسئلہ کو ماننے کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین اور بے حرمتی ہوتی ہے۔ میں ایک لحظہ کے لئے بھی اس ہجو کو گوارا نہیں کر سکتا۔ .... اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب تک زندہ رہتے تو ہرج نہ تھا۔ اس لئے کہ آپؐ وہ عظیم الشان ہدایت لے کر آئے تھے جس کی نظیر دنیا میں پائی نہیں جاتی۔ اور آپ نے وہ عملی حالتیں دکھائیں کہ آدم سے لے کہ اس وقت تک کوئی ان کا نمونہ اور نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ میں تم کو سچ سچ کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی ضرورت دنیا اور مسلمانوں کو جس قدر تھی اس قدر ضرورت مسیح کے وجود کی نہیں تھی .... میں سچ سچ کہتا ہوں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہتے تو ایک فرد بھی کافر نہ رہتا۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی زندگی نے کیا نتیجہ دکھایا؟ بجز اس کے کہ چالیس کروڑ (تثلیث پرست) عیسائی ہیں۔" (اس وقت ان کی تعداد قریباً ۷۰ کروڑ تک پہنچ چکی ہے۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔ اب کوئی اور کلمہ یا کوئی اور نماز نہیں ہو سکتی جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے اس کو چھوڑ کر نجات نہیں مل سکتی۔ جو اس کو چھوڑے گا وہ جہنم میں جاوے گا۔ یہ ہمارا مذہب عقیدہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کے لئے مخاطبات اور مکالمات کا دروازہ کھلا ہے اور یہ دروازہ گویا قرآن مجید کی سچائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ہر وقت تازہ شہادت ہے۔ اور اس کے لئے خدا تعالےٰ نے سورت فاتحہ ہی میں دعا سکھائی ہے: اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم — انعمت علیھم کی راہ کے لئے جو دعا سکھائی تو اس میں انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے حصول کا اشارہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو کمال دیا گیا ہے وہ معرفت الٰہی ہی کا کمال ہے۔ اور یہ نعمت ان کو مکالمات اور مخاطبات سے ملی تھی اسی کے تم بھی خواہاں رہو۔"

"اب صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کامل اور زندہ مذہب ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ پھر اسلام کی عظمت اور شوکت ظاہر ہو اور اسی مقصد کو لے کر میں آیا ہوں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ جو انوار و برکات اس وقت آسمان سے اتر رہے ہیں وہ ان کی قدر کریں اور اللہ تعالےٰ کا شکر کریں کہ وقت پر ان کی دستگیری ہوئی اور خدا تعالےٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اس مصیبت کے وقت ان کی نصرت فرمائی۔ لیکن اگر وہ خدا تعالےٰ کی اس نعمت کی قدر نہ کریں گے تو خدا تعالےٰ ان کی کچھ پرواہ نہ کرے گا۔ وہ اپنا کام کر کے رہے گا مگر ان پر افسوس ہو گا۔ میں بڑے زور سے اور پورے یقین اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ دوسرے مذاہب کو مٹا دے اور اسلام کو غلبہ اور قوت دے۔ اب کوئی ہاتھ اور طاقت نہیں جو خدا تعالیٰ کے اس ارادہ کا مقابلہ کرے۔ وہ فعالٌ لما یرید ہے۔ مسلمانو! یاد رکھو! اللہ تعالےٰ نے میرے ذریعہ تمہیں یہ خبر دے دی۔ اور میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اب اس کو سننا نہ سننا تمہارے اختیار میں ہے۔ یہ سچی بات ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور میں خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو موعود آنے والا تھا وہ میں ہی ہوں۔ اور یہ بھی پکی بات ہے کہ اسلام کی زندگی عیسیٰؑ کے مرنے میں ہے۔"

میرے آنے کی دو غرضیں ہیں

"یاد رکھو میرے آنے کی دو غرضیں ہیں (۱) ایک یہ کہ جو غلبہ اس وقت اسلام پر دوسرے مذاہب کا ہوا ہے گویا وہ اسلام کو کھاتے جاتے ہیں اور اسلام نہایت کمزور اور یتیم بچہ کی طرح ہو گیا ہے۔ اس لئے اس وقت خدا تعالےٰ نے مجھے بھیجا ہے تا میں ادیان باطلہ کے حملوں سے اسلام کو بچاؤں اور اسلام کے پُر زور دلائل اور صداقتوں کے ثبوت پیش کروں۔ اور وہ ثبوت علمی دلائل کے انوار اور برکات سماوی ہیں جو ہمیشہ سے اسلام کی تائید میں ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ اس وقت اگر تم پادریوں کی رپورٹیں پڑھو تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ اسلام کی مخالفت کے لئے کیا کیا سامان کر رہے ہیں اور ان کا ایک ایک پرچہ کتنی

تعداد میں شائع ہوتا ہے۔ایسی حالت میں ضروری تھاکہ اسلام کا بول بالا کیا جاتا۔پس اس غرض کے لئے خدا تعالےٰ نے مجھے بھیجا ہے اور میں یقیناً کہتا ہوں کہ اسلام کا غلبہ ہو کر رہے گا اور اس کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ ہاں یہ سچی بات ہے کہ اس غلبہ کے لئے کسی تلوار اور بندوق کی حاجت نہیں اور نہ خدا نے مجھے ہتھیاروں کے ساتھ بھیجا ہے۔جو شخص اس وقت یہ خیال کرے وہ اسلام کا نادان دوست ہوگا۔مذہب کی غرض دلوں کو فتح کرنا ہوتی ہے اور یہ غرض تلوار سے حاصل نہیں ہوتی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تلوار اٹھائی میں بہت مرتبہ ظاہر کر چکا ہوں کہ وہ تلوار محض حفاظت خود اختیاری اور دفاع کے طور پر تھی۔اور وہ بھی اس وقت جبکہ مخالفین اور منکرین کے مظالم حد سے گذر گئے اور بیکس مسلمانوں کے خون سے زمین سرخ ہو چکی۔غرض میرے آنے کی غرض تو یہ ہے کہ اسلام کا غلبہ دوسرے ادیان پر ہو۔

(۲) دوسرا کام یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور یہ کرتے ہیں اور وہ کرتے ہیں۔یہ صرف زبانوں پر حساب ہے۔اس کے لئے ضرورت ہے کہ وہ کیفیت انسان کے اندر پیدا ہو جاوے جو اسلام کی اصل غرض ہے۔

اسلام میں عزّ و شرف کا معیار ——— بسلسلہ صفحہ ۱۳

لکھتے ہیں اور اگر وہ پہچانے جانے کے لئے ہوں تو ان کے لکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر وہ حجام۔بڑھئی۔لوہار اور جولاہے جو در اصل ذاتیں نہیں بلکہ مستقل پیشوں کی بناء پر ذاتیں بنا دی گئی ہیں سے برتری ظاہر کرنے اور فخر و مباہات کا اظہار کرنے کے لئے ہیں تو پھر وہ یقیناً قابل مذمت ہیں۔

ہمارے ہاں کتنی نوجوان بیٹیاں اس انتظار میں بوڑھی ہو جاتی ہیں کہ اسکی ذات اور خاندان کا لڑکا شادی کے لئے نہیں ملتا۔یہ سب غیر اسلامی تصورات ہیں۔غور فرمائیے ایک مومن غریب اور معمولی شکل و صورت کا انسان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے۔بھلا مجھ جیسے شخص کو کون اپنی بیٹی دینا گوارا کرے گا۔آپ نے اسے ایک سردار کے ہاں جو مسلمان ہو چکا تھا یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دے۔وہ شخص حکم کی تعمیل میں ڈرتا ڈرتا وہاں پہنچا۔اس سردار نے اس بات پر حیرانی کا اظہار کرنا چاہا کیونکہ ابھی وہ نیا نیا حلقہ بگوش اسلام ہوا تھا۔لیکن اس کی بیٹی یہ گفتگو پس دیوار سن رہی تھی اس کا دل ایمان کی حرارت سے لبریز تھا اس نے باپ سے کہا کہ اگر واقعی یہ رسول اکرم صلعم کی طرف سے پیغام لے کر آیا ہے تو پھر میرے لئے اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ میرے نکاح کا پیغام رسالتمآبؐ دیں۔یہی وہ جذبہ تھا جو اسلام کی روح تھا۔اسی کی بناء پر حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر خلیفہ بلال حبشی رضؓ کو "میرے آقا" کہہ کر پکارتے تھے۔آج ہمیں اپنے معاشرے میں ہر سطح پر اسے اپنانے کی ضرورت ہے۔

احمدی خواتین کے نام ——— بسلسلہ صفحہ ۲۲

ایک کو بھی نظر انداز کریں تو ہم حقیقتاً جماعتِ احمدیہ کے فرد کہلانے کے مستحق بھی نہیں ہوتے چہ جائیکہ سب باتوں سے پہلو تہی کی جائے۔خدا ہماری یہ غفلت معاف کرے اور تقوےٰ کے بلند مقام پر پہنچنے کی ہمت دے اگرچہ اس مقام کو پانا بڑا مشکل ہے۔کیونکہ:

دنیا کی حرص و آز میں یہ دل ہیں مر گئے ؎ غفلت میں ساری عمر بسر اپنی کر گئے

مگر اب جماعت کی زندگی صرف جہادِ نفس سے ہی ممکن ہے۔اس لئے،

ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو
نفسِ دنی خدا کی اطاعت میں خاک ہو

تبرکات

تمسخر استہزاء اور تفرقہ سے بچو

فرمودہ حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہٗ وسعٰی فی خرابھا اولٰئک ما کان لھم ان یدخلوھآ الّا خآئفین لھم فی الدنیا خزیٌ ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم ۝ وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ان اللہ واسعٌ علیم۔ وقالوا اتخذ اللہ ولداً سبحٰنہ بل لہٗ ما فی السمٰوات والارض کلٌّ لہٗ قٰنتون۔بدیع السمٰوات والارض ۝ واذا قضٰی امراً فانما یقول لہٗ کن فیکون۔ (سورۃ البقرۃ)

حضرت امیرالمومنین نے پڑھا۔فرمایا اس سے پہلے رکوع میں خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ کسی دوسرے کو حقارت سے نہ دیکھو۔بلکہ مناسب یہ ہے کہ اگر کسی کو اللہ نے علم۔طاقت اور آبرو دی ہے۔تو اس کے شکریہ میں اس کی جو نعمت سے متمتع نہیں مدد کرے نہ یہ کہ اس پر تمسخر اڑائے یہ منع ہے۔چنانچہ اس نے فرمایا لایسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم۔مگر افسوس کہ لوگ اگر ذرا بھی آسودگی پاتے ہیں تو مخلوق الٰہی کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔اس کا انجام خطرناک ہے۔ان لوگوں میں تحقیر کا مادہ یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ اگر کسی کی طاقت مسجد کے متعلق ہے تو وہ ان لوگوں کو جو اس کے ہم خیال نہیں مسجد سے روک دیتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ آخر وہ بھی خدا ہی کا نام لیتا ہے۔ایسا کر کے وہ اس مسجد کو آباد نہیں بلکہ ویران کرنا چاہتا ہے۔بارھویں صدی تک اسلام کی مسجدیں الگ نہ تھیں بلکہ اس کے بعد سنی اور شیعہ کی مساجد الگ ہوئیں۔پھر وہابیوں اور غیر وہابیوں کی۔اور اب تو کوئی حساب ہی نہیں۔ان لوگوں کو شرم نہ آئی کہ مکہ کی مسجد تو ایک ہی ہے۔قرآن بھی ایک،نبی بھی ایک،اللہ بھی ایک پھر ہم کیوں ایسا تفرقہ ڈالتے ہیں ان کو چاہیئے کہ مسجدوں میں خوفِ الٰہی سے بھرے داخل ہوں۔

صرف اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسجد میں آئے اور جماعت ہو رہی ہو تو وقار اور سکینت سے آئے اور ادب کرے جیسا کہ کسی شہنشاہ کے دربار میں داخل ہوتا ہے لیکن وہ اگر خوفِ الٰہی سے کام نہیں لیتے اور مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ان کے لئے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔یاد رکھو کسی کو مسجد سے روکنا بڑا بھاری ظلم ہے اپنے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طرزِ عمل کو دیکھو کہ نصرانیوں کو اپنی مسجد مبارک میں گرجا کرنے کی اجازت دے دی۔

خدا تعالےٰ صحابہ کرامؓ کو تسلی دیتا ہے کہ اگر تمہیں مسجد میں داخل ہونے سے روکتا ہے تو کچھ غم نہ کرو میں تمہارا حامی ہوں جس طرف تم گھوڑوں کی باگیں اٹھاؤ گے اور منہ کرو گے۔اسی طرف میری بھی توجہ ہے۔چنانچہ جدھر صحابہؓ نے رخ کیا فتح و ظفر استقبال کو آئے۔یہ بڑا اعلیٰ نسخہ ہے کہ کسی کو عبادت گاہ سے نہ روکو اور کسی مخلوق کی تحقیر نہ کرو۔مگر اس سے یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں امر بالمعروف نہ کرو ہرگز نہیں بلکہ صرف حسنِ سلوک اور سلامت روی سے پیش آؤ۔جو کسی کی غلطی ہو اس کی فوراً تردید کرو۔مثلاً عیسائی ہیں جب وہ کہیں کہ خدا کا بیٹا ہے تو ان کو کہو خدا تعالےٰ اس قسم کی احتیاج سے پاک ہے۔جب آسمان و زمین میں سب کچھ اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں تو اس کو بیٹے کی کیا ضرورت ہے۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۱۷ مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۰۹ء)

روئیداد جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ پشاور

مؤرخہ ۱۸ر مئی ۱۹۷۵ء

مرکز کے احکام کی تعمیل میں ۱۸/۵/۷۵ کو مسجد احمدیہ میں جلسہ منعقد ہُوا اس اجلاس میں مقامی احباب کے علاوہ بہت سے بیرونی جماعتوں کے احباب نے شرکت کی اور جلسہ کو با رونق بنا کر مقامی کارکنوں کی حوصلہ افزائی کی۔

۱ ـ لاہور سے جناب خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب (۲) جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری۔ (۳) جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کے علاوہ جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب مبلغ اسلام (امریکہ) اپنے دو صاحبزادوں اور ایک صاحبزادی کے ساتھ شریکِ جلسہ ہوئے۔

۲ ـ راولپنڈی سے: محترم جناب میاں شیخ فاروق احمد صاحب باوجود اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے جلسہ پر تشریف لائے۔ (۲) خواجہ نصیراللہ صاحب سیکرٹری جماعت راولپنڈی، جناب بشیر احمد منور صاحب مبلغ اسلام اور ایک دو اور دوستوں کی معیت میں جلسہ پر پہنچے۔

۳ ـ واہ فاروقیہ: سے جناب بشارت احمد بقاء صاحب بمع دو اور دوستوں کے شریک ہوئے۔

۴ ـ بنوں سے: صاحبزادہ عبدالقدوس صاحب ـ صاحبزادہ عبدالرب صاحب اور لکی مروت سے جناب حاجی نور محمد صاحب ریٹائرڈ اسسٹنٹ رجسٹرار نے شرکت کی۔

۵ ـ ہزارہ سے جناب سید بہادر شاہ صاحب بمعہ اپنے ایک دوست مسعود کی معیت میں ـ عبدالعزیز صاحب اور عبدالغفور صاحب بمعہ اپنی اہلیہ اور نسبتی والدہ کے آئے۔

مردان سے جناب سید عمر صاحب تشریف لائے ـ نوشہرہ سے جلال الدین اکبر اور شیخ ممتاز احمد صاحب پہنچے۔

اس کے علاوہ ضلع پشاور کی جماعتوں میں سے بازید خیل سے کثرت سے احباب نے شرکت کی ـ سفید ڈھیری ـ شیخ محمدی کے احباب بھی کافی تعداد میں شریک ہوئے۔

اس طرح حاضری کوئی دو صد کے قریب بمعہ خواتین و حضرات کے ہو گئی تھی جو موجودہ حالات کے پیش نظر توقع سے بہت زیادہ تھی۔

راقم الحروف ان سب احباب کا شکریہ ادا کرتا ہے جو شریک جلسہ ہوئے خصوصاً احباب لاہور ـ راولپنڈی ـ فاروقیہ ـ بنوں ـ ہزارہ ـ جو سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے تشریف لائے تھے اور جلسہ کی رونق بڑھانے کے علاوہ بعض احباب نے اپنے زرین خیالات سے بھی دوستوں کو مستفیض کیا۔

پہلا اجلاس زیر صدارت جناب ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب ریٹائرڈ سول سرجن صدر جماعت پشاور صبح ساڑھے آٹھ بجے شروع ہوا۔

جلسہ کا آغاز جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے تلاوت قرآن شریف سے کیا ـ مولوی صاحب نے آیات کا ترجمہ بھی سنایا ـ بعدہٗ عزیزم مصطفےٰ کمال پاشا خلف الرشید عبدالودود خاں نے چند پشتو کے اشعار سنائے۔

اس کے بعد راقم الحروف نے حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات جو پیام محبت پر مبنی تھے پڑھ کر سنائے ـ "میرے بعد" مرزا غلام احمد صاحب" کے عنوان پر جناب کیپٹن عبدالواحد صاحب نے ایک نہایت موثر تقریر فرمائی ـ فرمایا جو شخص سب سے زیادہ ختم نبوت کا داعی رہا ہے اس کی طرف دعوئے نبوت منسوب کرنا کس قدر ستم ظریفی ہے ـ آپ سے پہلے اولیاء اللہ نے آپ سے کہیں بڑھ کر یہ الفاظ استعمال کئے ہیں آپ نے بہت سے اولیاء اللہ کے حوالے پیش کئے ـ میں جناب کیپٹن صاحب سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنی مکمل تقریر برائے اشاعت پیغام صلح بھیجدیں تاکہ تمام افراد جماعت استفادہ کر سکیں۔

آپ کے بعد عزیزم محمد جمیل الرحمٰن جو نوجوانان جماعت پشاور کا نمائندہ ہے "تقاضاء عصر نو" کے موضوع پر تقریر کی ـ عزیز کی تقریر میں کافی علمی مواد تھا آپ نے کہا ہم کو اقلیت قرار دیا گیا ہے ہم پہلے بھی اقلیت میں تھے ـ اب حکومت نے کسی مصلحت کی بناء پر جو وہ خود ہی جانتی ہے ـ ہم پر اقلیت کی مہر ثبت کر دی ہے ـ اب ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم اپنے کردار اور عمل میں اس طرح تبدیلی پیدا کریں کہ اکثریت کے افراد کے لئے خود بخود موجب کشش ہو ـ اب پرانا طریق تبلیغ ختم ہو چکا ہے ـ اب ہمارا اتحاد اس قدر مضبوط ہو اور ہمارا نمونہ اس قدر پر کشش ہو کہ لوگوں کو پھر اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ ہم میں نظر آئے ـ ہمارا مرکز مضبوط ہو اور ہر فرد مرکز کے احکام کا پابند ہو۔

بعدہٗ جناب میاں شیخ فاروق احمد صاحب سے درخواست کی گئی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات کے علاوہ تقریر بھی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں ـ جناب میاں صاحب نے پہلے حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات سنائے ـ بعدہٗ آپ نے ایک جامع اور پُر معارف تقریر فرمائی ـ آپ نے عزیزم محمد جمیل الرحمٰن کی تقریر کی تعریف کی ـ آپ نے کوئی چالیس منٹ علمی تقریر فرما کر سامعین کے علم میں اضافہ کیا ـ کاش کہ یہ تقریر ریکارڈ ہو جاتی۔

آپ کے بعد جناب ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب نے سامعین کو مخاطب کیا آپ نے فرمایا کہ ہمیں موجودہ حالات میں مایوس نہیں ہونا چاہیئے ـ فرمایا ہمیشہ سے خدا کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ اپنی جماعتوں کو ابتلا میں ڈالا کرتا ہے ـ تا معلوم ہو جائے کہ کون اپنے عہد میں سچا ہے ـ چنانچہ پچھلے سال ہم بھی اس عظیم امتحان میں سے گذرے۔

یہ ایک آزمائش تھی ـ ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے ـ ہمیں اپنی انا کو ختم کر کے وجود واحد کی طرح متحد ہو جانا چاہیئے ـ جماعت کا استحکام بلکہ زندگی اتحاد میں ہے ـ ہر فرد خدا کے سامنے سربسجود ہو اور خدا سے استعانت طلب کرے ـ فرمایا مایوس ہونا مومن کا کام نہیں ـ ہمیں متحد ہو کر اپنے کام کو جاری رکھنا چاہیئے ـ آپ کی تقریر مختصر تھی مگر کافی موثر اور پُر معانی تھی۔

آپ کے بعد جناب بشارت احمد صاحب نے تقریر شروع کی آپ کی تقریر موجودہ تقاضوں کو پورا کرنے والی تھی ـ آپ نے اکثر اخبارات اور رسالوں کے تراشے پیش کئے جو آپ نے کافی محنت سے مہیا کئے تھے۔

جناب بشارت صاحب بقاء کے بعد جناب مرزا مسعود بیگ صاحب سیکرٹری نے موجودہ تقاضوں کو پورا کرنے والی ایک نہایت حوصلہ افزاء تقریر فرمائی آپ کی تقریر خلوص اور جذبۂ ایثار سے لبریز تھی ـ آپ کے عشق رسول ـ عشق مسیح موعودؑ اور رقیق القلب ہونے سے جماعت کا ہر فرد واقف ہے ـ تقریر میں کافی روحانی علوم تھے اور وہ دوستوں کے استفادہ کا باعث ہوئی

آپ کے بعد ہمارے نہایت واجب الاحترام بزرگ خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ایک نہایت علمی اور روحانیت سے لبریز تقریر کی ـ آپ کی شخصیت سے جو ایک نور مجسم ہے ہر شخص متاثر ہوا ـ اگر ہو سکے تو وہ تقریر عزیزم جلیل الرحمٰن صاحب سے لکھوا کر اخبار میں برائے اشاعت دے دیں تو جماعت کا ہر فرد اس روحانی خزانہ سے مستفیض ہو سکے گا۔

آپ کی تقریر کے بعد جلسہ کھانے اور نماز کے لئے برخاست ہوا ـ کوئی ایک بجے بعد دوپہر تقریباً دو صد مرد و خواتین کو کھانا پیش کیا گیا ـ کھانا اگرچہ سادہ تھا تاہم جماعت پشاور کی روایات کو پورا کرنے والا تھا۔

اس کے بعد نماز ظہر اور عصر دونوں جمع کی گئیں

۲ بجے بعد دوپہر دوسرا اجلاس زیر صدارت جناب ماسٹر محمد عبداللہ

صاحب مبلغ اسلام (امریکہ) شروع ہوا۔

جلسہ کا آغاز جلال الدین اکبر صاحب نے تلاوت قرآن کریم سے کیا۔ بعدہٗ ہمارے فاضل مبلغ اسلام جناب بشیر احمد منٹو صاحب نے ایک عالمانہ تقریر فرماکر سامعین سے خراج تحسین حاصل کیا۔ آپ کے بعد جناب قاضی عبدالرشید صاحب ایڈووکیٹ نے تحریک [illegible] [illegible] کے عنوان پر ایک موثر، نہایت موصد افزا اور علمی تقریر کی۔ قاضی صاحب ممدوح سے درخواست ہے کہ اپنی تقریر کی ایک کاپی برائے اشاعت اخبار ارسال فرماکر مشکور فرمائیں۔ تاکہ سارے احباب اس علمی تقریر سے مستفیض ہوسکیں۔

آپ کے بعد ہمارے نہایت واجب الاحترام بزرگ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے ایک بلند پایہ اور عالمانہ تقریر فرمائی جو ہمارے ایمانوں میں کافی اضافہ کا باعث ہوئی۔ جناب ڈاکٹر صاحب سے بھی میں درخواست کروں گا کہ وہ اس عالمانہ تقریر کو اخبار میں شائع فرماکر تمام احباب جماعت کو اس سے مستفیض ہونے کا موقعہ دیں۔

آپ کے بعد جناب بشارت احمد بقاء صاحب سے اپنی صبح کی تقریر کو مکمل کرنے کی درخواست کی گئی۔ کیونکہ صبح کی تقریر قلتِ وقت کی وجہ سے مکمل نہ ہوسکی تھی۔ انہوں نے تقریباً ۲۵ منٹ میں اپنی تقریر کو مکمل کر دیا۔ آپ سے التماس ہے کہ اپنی مکمل تقریر تیار کرکے اخبار پیغام صلح میں بھیجدیں۔ میں بہت مشکور ہوں گا۔

آپ کے بعد صدر جلسہ جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب نے ایک عالمانہ تقریر کی۔ آپ نے تبلیغ کے اصولوں پر بحث کی۔ اپنے ذاتی تجربات اور خدا کے فضل سے جو ان کو بیرونی ممالک میں کامیابیاں ہوئیں ان کا ذکر کیا اور احباب کو بیرونی ممالک میں جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔

آخر میں راقم الحروف نے بحیثیت سیکرٹری احباب جماعت پشاور کی طرف سے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اپنا قیمتی وقت نکال کر سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے تشریف لائے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے۔

آخر میں محترم خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان نے میری درخواست پر نہایت پُر سوز دُعا کی اور جلسہ برخاست ہوا۔

مقامی طور پر جن احباب نے اس جلسہ کی کامیابی میں میرے ساتھ تعاون کیا ہے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خاص طور پر جناب شیخ شریف احمد صاحب اکاؤنٹ افسر جو دن رات ایک کرکے کام کرتے رہے اور کھانا تیار کراتے اور مہمانوں میں تقسیم کرانے میں میرے کافی ممد و معاون ثابت ہوئے۔

آخر میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ انہوں نے میرے ساتھ کافی جدّ و جہد کی ہے۔ اللہ تعالےٰ جزائے خیر دے۔ والسلام

محمد الرحمٰن۔ سیکرٹری جماعت پشاور

تبصرہ

خورشید فاران

ترسیٹھ صفحات کا ایک دیدہ زیب کتابچہ متذکرہ بالا نام سے مجلس شبان الاحمدیہ لاہور نے حال ہی میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے تعاون سے شائع کیا ہے۔

حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات، آنحضورؐ کے عظیم کمالات اور صفات عالیہ، آنجناب کے دائمی روحانی فیضان، عقیدہ ختم نبوت پر مشتمل انتخابات۔ نیز حضرت مجدد زمان کے دیگر اقتباسات نثر اور نظم جن سے حضور رسالت مآبؐ سے آپ کا والہانہ عشق اور جذبات خدمت و عقیدت رہ رہ کر ٹپکتے ہیں، اس کتابچہ کا موضوع ہیں۔

"حرفِ آغاز" میں جو عنوانات قائم کئے گئے ہیں ان کے مطالعہ سے قارئین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت مجدد زمانؑ کے کس قسم کے انتخابات سے اس کتابچہ کو زینت بخشی گئی ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

طائرِ سدرہ نشین . . . . . . صفحہ ۱۱

— آنحضرت صلعم کا بلند مقام — انسان کامل — آئینہ صفات الٰہیہ — عالی مرتبہ نبی — مقبول نبی — صاحب کرامات نبی — قابل تعریف نبی — آئینہ حق نما — قابلِ فخر نبی — کامل نمونہ — جلالی نبی — کمالات قدسیہ — فہم و فراست — فخرِ رسل — مبارک نبی — جامع کمالات نبی — افضل الانبیاء — اعلےٰ درجہ کا نور — صاحب فیضان نبی — فانی فی اللہ —

ختمِ نبوت . . . . . . صفحہ ۲۹

— خاتم کمالات نبی — خاتم النبیین — صاحب خاتم — ختم نبوت کا مفہوم — زندہ نبی — حقیقی منجی — قابلِ اتباع نبی — بے نظیر نبی — مدعی نبوت کافر ہے —

جامِ طہور . . . . . . صفحہ ۳۷

— شانِ احمد — عشقِ محمد — جمالِ محمد — مجمع البحرین علم و معرفت — سرور خاصانِ حق — نورِ محمد — نام اس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے۔

نشیدِ حجاز . . . . . . صفحہ ۵۱

لَاشَكَّ اَنَّ مُحَمَّدًا خَيْرُ الْوَرٰى — لَهٗ دُرْتَبَةٌ فِيْهِ الْمَكَارِمُ — تَحْصَرْ — يَا قَلْبِيَ اذْكُرْ اَحْمَدَا —

عقائد . . . . . . صفحہ ۵۶

حضرت مسیح موعودؑ کا عقیدہ

غیرتِ عشق . . . . . . صفحہ ۶۰

ہم وقت کی مناسبت سے ایسے خوشنما و عمدہ گلدستہ انتخاب کی اشاعت پر شبان الاحمدیہ لاہور کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔

(باقی کالم اوّل کے نیچے)

تبصرہ ٤٤ ——— بقیہ کالم اوّل

احباب اس کتابچہ کو مفصلہ ذیل پتہ سے تین روپے فی کاپی کے حساب سے طلب فرماکر مستفید ہوں:—

حفیظ الرحمٰن شیخ۔ صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ
"دارالسلام" ۵ عثمان بلاک
نیو گارڈن ٹاؤن۔ لاہور

درخواست دُعا

خاکسار دوست محمد بڑھاپے کے بعض عوارض اور آنکھوں میں نزول الماء شروع ہو جانے کی وجہ سے احباب سے خاص دُعاؤں کا خواستگار ہے۔

محترم میاں بشارت احمد صاحب بقاپوری ایم اے

حضرت مسیح موعودؑ کی فضیلت

میرے امام اور مرشد حضرت مسیح زمان علیہ السلام تاریخ ساز شخصیت کے مالک تھے۔ جن کے فکری اور عملی کارنامے دنیائے مذہب میں ہمیشہ تابندہ اور درخشاں رہیں گے۔ آپ نے اعدائے اسلام پر جو فتوحات حاصل کیں ان کے نقوش جریدۂ عالم پر ایسے ثبت ہو چکے ہیں کہ وقت اور زمانہ کا عملِ شکست و ریخت بھی صدیوں تک ان پر اثر انداز نہ ہو سکے گا۔ بلکہ وقت گذرنے پر مخالفت کے فلک بوس ایوان منہدم ہوتے جائیں گے اور حق و صداقت کی روشنی کا یہ مینار مرجع خاص و عام ہوتا جائے گا۔ ایسے عظیم المرتبت انسان کی سوانح حیات کو اخبار کے چند صفحات میں سمیٹنا میرے لئے ناممکن محال ہے۔ میں محض ثواب کی خاطر آپ کا ذکرِ خیر کرتا ہوں۔ اور چند باتوں کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔

دعویٰ مجددیت کی عالمگیر قبولیت

آپ طبعاً نمود و نمائش اور خودستائی کے سخت مخالف تھے۔ اور آپ کی ہمیشہ یہ دلی خواہش رہتی کہ کسی کنج تنہائی میں بیٹھکر عبادت و ذکر الٰہی میں ساری زندگی بسر کر ڈالیں۔ لیکن جس بات نے آپ کو گوشۂ تنہائی سے باہر نکال کر کھڑا کر دیا۔ وہ اسلام کی زبوں حالی اور مسلمانوں کی گرانخوابی تھی۔ دینِ عیسائیت روز اوّل سے اسلام کا ستیزہ کار چلا آ رہا ہے۔ پہلی صدیوں میں اس نے سامان حرب سے اسلام کا استیصال کرنا چاہا۔ متحدہ یورپ نے عرصہ دراز تک صلیبی جنگیں جاری رکھیں۔ مگر اس طریق سے وہ اسلام کو نہ مٹا سکا۔ ۱۸۴۸ء بر صغیر ہند پر انگریز نے اپنا تسلط پوری طرح قائم کر لیا۔ تو اس نے اپنی دوامی اسلام دشمنی کو ترک نہ کیا۔ بلکہ تلوار چھوڑ کر علمی سطح پر اور علمی رنگ میں اس کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کے لئے یہ میدان بالکل نیا اور یہ طریق مخالفت بالکل انوکھا اور اجنبی تھا۔ جو زہر اسلام کے خلاف بر صغیر ہند میں پھیلایا جانے لگا۔ اس کے لئے تریاق کا پیدا کرنا از بس ضروری تھا۔ وہ تریاق میرے امام کے پاس تھا۔ جہاں بھی یہ تریاق استعمال ہونا شروع ہوا۔ وہاں سے وہ زہر بے اثر ہونا شروع ہو گیا۔ لوگوں کی توجہ کا آپ مرکز بن گئے۔ ہر طرف آپ کی تکریم و تعظیم ہونی شروع ہو گئی۔ اور آپ جس طرف جاتے عوام آپ کے لئے اپنی آنکھیں فرشِ راہ کرتے۔ آپ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب براہینِ احمدیہ میں خدا تعالےٰ سے علم پاکر دعوئے مجددیت کیا۔ اور خدا تعالےٰ سے آپ کو جو شرفِ مکالمہ مخاطبہ عطا ہوا۔ اسے اعدائے اسلام کے سامنے بطور دلیل ساطعہ پیش کرکے دنیا بھر کے اہلِ مذاہب کو چیلنج کر دیا۔ کہ اگر وہ کسی حیّ و قیوم خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اگر فی الواقعہ انہیں اپنے خدا کی معرفت حاصل ہے۔ تو میرے سامنے کوئی خدائی نشان دکھائیں۔

دعویٰ مسیحیت منجانب اللہ ماموریت کا قطعی ثبوت ہے

اب تک جو عزت آپ کو حاصل ہوئی تھی۔ وہ زیادہ عوام الناس اور علماءِ ظاہر کی عطا کردہ تھی۔ آپ پر خدا کی طرف سے انکشاف ہوا کہ مسیح ابنِ مریم فوت ہو چکا ہے۔ اور آنے والا مسیح تو ہے۔ آپ کو اس بات کا پوری طرح احساس تھا۔ کہ پوری تیرہ صدیوں تک جمہور مسلمانوں کا یہ اعتقاد رہا ہے۔ کہ مسیح ابنِ مریم بجسدِ عنصری زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے تھے۔ اور برابر دو ہزار برس سے (الآن کما کان) کی حالت میں آسمان پر تشریف فرما ہیں۔ قرب قیامت میں دوبارہ زمین پر نازل ہوں گے۔ چنانچہ براہین احمدیہ میں آپ نے انہی پرانے خیالات و عقائد کا اظہار فرمایا۔ اس لئے مسلمانوں کے پختہ اعتقاد کے بالکل برعکس وفات مسیح اور خود کو بطور مسیح ابنِ مریم پیش کرکے ہمہ گیر مخالفت اور معاندت کو دعوت دینا ہوگی۔ اور طوفانِ مخالفت اس شدت سے اُٹھیگا کہ وہ ساری عزت اور شہرت جو اب تک حاصل ہو چکی ہے خس و خاشاک کی طرح اڑ جائے گی۔ اپنے بیگانے ہو جائیں گے دوست دشمن بن جائیں گے اور زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو جائے گی۔ دعوئے مسیحیت پر اپنی پہلی کتاب "فتح اسلام" میں یہ پیشگوئی بھی کر دی "اب بہتیرے تم میں سے کفر کے فتوے دیں گے۔"

ان تمام نقصانات کو اچھی طرح جانتے ہوئے۔ آپ نے وہ راہ اختیار فرمائی جو خدا تعالےٰ نے آپ کے لئے متعین فرمائی۔ آپ ایک مضبوط چٹان کی طرح شدید ترین مخالفت کے درمیان کھڑے ہو گئے اور دنیا کے تمام فوائد کو ترک کرکے اپنی جان مال اور آبرو کی راہ حق میں بازی لگا دی۔ آپ کا یہ ایمان، استقلال، عزم مقبلانہ آپ کی یہ ہمت اور پامردی اس بات کا بیّن ثبوت تھی۔ کہ آپ فی الواقعہ مامور من اللہ تھے۔ اور آپ کا قدم فی الحقیقت علیٰ منہاج نبوّت تھا۔ جیسا کہ امام زمانہ کا ہوا کرتا ہے۔ اگر آپ کے دل میں دنیا کی محبّت رچی بسی ہوتی۔ اور دنیا ہی آپ کا مطلوب و مقصود ہوتی تو آپ دنیا والوں کو کبھی ناراض نہ کرتے اور نہ یہ موقعہ فراہم کرتے کہ کوئی بے ادب اور گستاخ ہاتھ آپ کے جامہ تقدّس کی طرف بڑھتا۔ ربع صدی تک ایسے ہی نامساعد حالات میں آپ نے اعلائے کلمۃ الحق کا مقدس فریضہ سرانجام دیا۔ اور کسی وقت بھی آپ نے مایوسی اور شکستہ دلی کو اپنے قریب نہ آنے دیا۔ آپ کی زندگی کے اس پہلو پر جب میں غور کرتا ہوں۔ تو میرا دل جذباتِ عقیدت و محبت سے معمور ہو جاتا ہے۔ اور میری آنکھوں میں آپ کی ذات ہمالیہ سے بھی بلند ہو جاتی ہے۔

قرآن و حدیث میں متوازن اور افراط و تفریط سے پاک راستہ

افراط اور تفریط دونوں ہی خسران کا باعث ہوتے ہیں۔ ان سے ایسے فتنے پیدا ہوتے ہیں جو خیر کی بجائے شر کا باعث بنتے ہیں۔ آپ کے زمانۂ ماموریت میں دو گروہ آپس میں اُلجھے ہوئے تھے، ایک گروہ یہ نظریہ پیش کرتا تھا کہ ماسوا قرآن کے باقی کوئی چیز بھی ہمارے دین کا حصّہ نہیں۔ احادیث کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا قطعاً ضروری نہیں۔ دوسرا گروہ اس نظریہ کا حامی تھا کہ قرآن مجید بغیر احادیث کے سمجھا نہیں جا سکتا۔ اس لئے وہ احادیث کا محتاج ہے۔ اور احادیث قرآن پر قاضی ہیں۔ ہمارے امام برحق نے ان دونوں نظریات کو افراط اور تفریط کی پیداوار بتلایا اور ایمان کے لئے دونوں کو سخت خطرناک فرمایا۔ آپ نے دونوں کے درمیان ایک راہ اختیار فرمائی جس سے نہ صرف یہ کہ مخاصمت کی ہر صورت ہی ختم ہو گئی بلکہ قرآن جو خدا تعالےٰ کا کلام پاک ہے اور احادیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوالِ مقدّس کا گلدستہ ہیں۔ ان دونوں کا دین اسلام میں اصل مقام اور مرتبہ بھی متعین ہو گیا۔

آپ نے قرآن مجید کو سب سے اُوپر رکھا۔ کیونکہ وہ خدا کا کلام ہے اور ہر ایک شک اور ظنّ سے کلّی پاک ہے۔ دوسرے مقام پر سنت نبوی کو رکھا۔ جس سے مراد آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی روش لی۔ جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے۔ اور ابتداء سے ہی قرآن کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی گویا سنت رسول قول خدا کی عملی تفسیر ٹھہری۔ جو ہمارے دین کا لازمی حصّہ ہے۔ اور جسے ترک کرنے سے دین کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ تیسرے مقام پر آپ نے حدیث کو رکھا اور فرمایا کہ:-

" حدیث سے مراد ہماری وہ آثار ہیں۔ کہ جو قصوں کے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً ڈیڑھ سو برس بعد مختلف راویوں کے ذریعے سے جمع کئے گئے ہیں۔ پس سنت اور حدیث میں مابہ الامتیاز

یہ ہے۔ کہ سنّت ایک عمل ہے۔ جو اپنے اندر تواتر رکھتا ہے۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ہاتھوں سے جاری کیا۔ اور وہ یقینی مراتب میں قرآن شریف سے دوسرے درجہ پر ہے۔ اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی اشاعت کے لئے مامور تھے ایسا ہی سنّت کی اقامت کے لئے بھی مامور تھے۔ پس جیساکہ قرآن شریف یقینی ہے۔ ایسا ہی سنّت معمولہ متواترہ بھی یقینی ہے۔ یہ دونوں خدمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے ہاتھ سے بجا لائے اور دونوں کو اپنا فرض سمجھا............... لیکن حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے روبرو نہیں لکھوایا.......... کچھ حدیثیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جمع کی تھیں۔ لیکن پھر تقوےٰ کے خیال سے انہوں نے وہ سب حدیثیں جلا دیں۔ کہ میرا سماع بلا واسطہ نہیں۔ خدا جانے اصل حقیقت کیا ہے۔"

آگے چل کر آپ نے فرمایا :—

"ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیئے۔ کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنّت نہ ہو۔ تو خواہ کیسی ہی ادنےٰ درجہ کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں .... لیکن ہوشیار رہیں کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کی طرح بے وجہ احادیث سے انکار نہ کریں.......... یاد رکھیں کہ ہماری جماعت بہ نسبت عبداللہ کے اہلِ حدیث کے اقرب ہے۔ اور عبداللہ چکڑالوی کے بیہودہ خیالات سے ہمیں کچھ بھی نسبت نہیں۔"

(محاکمہ بر مباحثہ مابین مولوی محمد حسین بٹالوی و مولوی عبداللہ ۱۹۰۲ء)

دعاوی اور دلائل دونوں قرآن سے پیش کئے

اسی طرح جب ان کو مخالفین اسلام سے مقابلہ پڑا۔ تو آپ نے دیکھا کہ ہر مذہب کا عالم اور مبلغ دنیا میں ایسی تعلیم پیش کرتا ہے۔ جس کی تائید اس کی اپنی کتاب سے نہیں ہوتی۔ دعوےٰ کتاب سے پیش کرتا ہے تو دلائل اس دعوےٰ کے حق میں اپنے ذہن سے اختراع کرتا ہے۔ جنگِ مقدس جو پادری عبداللہ آتھم اور آپ کے درمیان مباحثہ کی صورت میں ہوئی۔ اس میں آپ نے صداقت اسلام کے لئے دعوےٰ بھی قرآن مجید سے پیش کیا۔ اور اس کے حق میں دلائل بھی قرآن سے دیئے۔ اور واشگاف طور پر ثابت کر دیا کہ قرآن کا ہر دعوےٰ اپنے ساتھ دلائل بھی رکھتا اور کوئی ایسی تعلیم پیش نہیں کرتا جس کی سچائی ثابت کرنے کے لئے وہ کسی شاطر وکیل کا محتاج ہو۔ جلسہ مذاہب عالم میں بھی آپ نے ان تمام سوالات کے جوابات بمعہ دلائل و براہین ساطعہ قرآن مجید سے دیئے۔ اور جملہ شرکاء جلسہ کو حیرت زدہ کر دیا۔ اور انہیں تسلیم کرنا ہی پڑا۔ کہ عالی جناب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا مضمون سب سے بالا رہا۔ وہ مضمون جو آج اسلامی اصول کی فلاسفی کے نام سے چار دانگِ عالم میں خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔ آج بھی اسی طرح زور دار پُرتاثیر اور ایمان افروز ہے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں جب وہ لکھا گیا تھا۔

دنیا کو فرقانی فاتح مذاہب، علم الکلام دیا

اس اصول کے ماتحت جملہ مذاہب اسلام کے بالمقابل بہت کمزور پڑ جاتے ہیں۔ خصوصًا عیسائیت تو بالکل ہی دم توڑ دیتی ہے۔ کیونکہ جو تعلیم اس وقت عیسائیوں میں مروج ہے۔ انجیل صریحًا اس کی تنقیص کرتی ہے۔ کوئی پادری انجیل سے تثلیث فی التوحید اور کفارہ کی حقانیت ثابت نہیں کر سکتا۔

ہمارے امام نے جو علم الکلام پیش فرمایا اس نے اسلام کی تبلیغ کے لئے راہ ہموار کر دی۔ اور تمام چھوٹی بڑی روکاوٹیں ختم ہو گئیں۔ اس علم کے آگے بڑے بڑے فضلاء و عقلاء کی گردنیں جھک گئیں۔ اور پادری حضرات بے دست و پا ہو گئے۔ ہمارے مبلغین بلادِ غیر میں پورے اعتماد، یقین اور عزم و حوصلہ کے ساتھ فرائضِ تبلیغ اسلام سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اور دے رہے ہیں۔ انہیں تبلیغ و تبشیر کے دوران کوئی ایسی مشکل نہیں آئی۔ جس کا حل امام الزمان کے پیش کردہ علم الکلام سے نہ ملا ہو۔ آپ کے علم الکلام کی یہ برکت تھی۔ کہ ناخواندہ حضرات سے بڑے بڑے علماء شکست پہ شکست کھاتے تھے۔ اور احمدی کم عمر طالب علموں کے اعتراضات سے بڑے بڑے پادری سراسیمہ اور پا بہ گل ہو جاتے تھے۔ آپ کی تصانیف اور تقاریر میں ایسا نور پایا جاتا ہے جو ہر مخلص اور جویائے حق قاری کے دل و دماغ کو روشن کر دیتا ہے۔ اور اس کی فکری قوتوں کو ایسا صیقل کر دیتا ہے۔ کہ وہ کسی بھی ایسی بات کو جو قرآن و سنّت اور حدیث پر انحصار نہ رکھتی ہو۔ قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ بڑے سے بڑا مقلد، توہم پرست، اور عجوبہ پسند شخص جب حضرت مرزا صاحب کو امام زمانہ تسلیم کرتا ہے۔ تو وہ یکسر بدل جاتا ہے اور پورے طور پر پکا موحد اور قرآن و سنّت کا سیدائی بن جاتا ہے اور اپنے شب و روز کو اسلامی رنگ میں رنگین کرنے کے لئے کمرِ ہمت باندھ لیتا ہے۔ یہ فیض صرف کسی صادق کے ساتھ کھڑا ہونے اور اس کے انفاس طیبہ سے تزکیہ نفس کے ساتھ ہی حاصل ہوا کرتا ہے۔

احمدیہ عقائد معقول اور عیسائیت پر موت وارد کر دیتے ہیں۔

احمدیوں کا عیسائی پادریوں پر کتنا رعب طاری رہتا ہے۔ اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ یاد آ گیا۔ چند سال ادھر کی بات ہے کہ ٹیکسلا کے مسیحی ہسپتال میں مجھے بغرض علاج جانا پڑا۔ سردی کا موسم تھا۔ لوگ دھوپ میں باہر بنچوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک نوجوان پادری نے ایک نوجوان مسلمان پر سوال کیا میاں تم نے ڈاڑھی کیوں رکھی ہے۔ سوات کا رہنے والا وہ خوبصورت نوجوان اپنی سنہری ڈاڑھی میں بڑا ہی خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ وہ خاموش رہا پادری نے پھر وہی سوال دوہرایا۔ وہ سواتی پٹھان ناخواندہ تھا۔ اس نے بار بار کے اصرار پر نہایت سادگی کے ساتھ جواب دیا کہ میں جب وضو کرتا ہوں تو ڈاڑھی سے پانی کے قطرے نیچے گرتے ہیں۔ وہ سب قطرے فرشتے بن جاتے ہیں اور میرے حق میں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ یا الٰہا اس مسلمان کو دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما۔ پادری یہ جواب پا کر وہاں سے اُٹھا اور میرے قریب آ کر بیٹھ گیا شاید اس لئے کہ میں نے بھی ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی۔ بیٹھتے ہی کہنے لگا دیکھو جی یہ کیسا شخص ہے۔ میرے سوال کا اس نے کیسا غیر معقول جواب دیا ہے۔ میں نے پوچھا پادری صاحب آپ کو وہ جواب پسند کیوں نہیں آیا کہنے لگے ارے صاحب میں نے اس سے ڈاڑھی کا فلسفہ پوچھا تھا لیکن اس شخص نے ایسی بات بیان کی ہے جسے معمولی عقل کا انسان بھی بے پَر کی کہے گا۔ میں نے عرض کیا پادری صاحب اگر ایک میں تین اور تین میں ایک آپ کے نزدیک واقعتاً ہو سکتے ہیں حالانکہ عقل اور علمِ ریاضی دونوں ہی اسے صریحًا باطل قرار دیتے ہیں۔ تو اس نوجوان کی یہ بات کیوں درست اور صحیح نہیں ہو سکتی۔ آپ مسئلہ کفارہ ہی کو لیں جسے آپ حضرات نے بنی نوع انسان کے لئے مدارِ نجات قرار دے رکھا ہے۔ اس میں کونسی معقولیت پائی جاتی ہے۔ تیسری بات یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ کی اس دیہاتی نوجوان کے جواب سے تسلی نہیں ہوئی تو براہ نوازش آپ اپنے خداوند یسوع مسیح سے رجوع فرمائیں۔ شاید وہ ڈاڑھی رکھنے کا فلسفہ آپ کو اچھی طرح سمجھا دیں۔ اور لگے ہاتھوں اس کا بھی فیصلہ صادر فرما دیجئے کہ ڈاڑھی کے معاملہ میں خداوند یسوع مسیح اور آپ میں سے کون راستی پر ہے۔

سردی کے موسم میں ایک سرد صبح کے وقت میری باتیں سُن کر پادری

کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ پاس بیٹھے لوگوں نے میری باتوں کا جواب ان سے طلب کیا۔ انہوں نے میری طرف غور سے دیکھا اور چہرے کو علامت استفہام بنا کر پوچھنے لگے۔

"آپ کیا احمدی تو نہیں ہیں" میں نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا فرمانے لگے یہ طریق گفتگو صرف احمدیوں کا ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے آپ سے دریافت کیا ہے۔" میں نے اثبات میں جواب دیا۔ تو کہنے لگے۔ کہ آپ سے علیحدگی میں گفتگو کروں گا۔ جو آج تک نہیں ہوئی۔

یہ ایک ادنےٰ سی مثال ہے حضرت مسیح موعودؑ کے علم الکلام کی جس سے آپ کے ایک ادنےٰ سے غلام نے فائدہ اٹھا کر ایک پادری کو چند منٹوں میں بے بس کر دیا۔ فالحمد للہ علےٰ ذالک۔

مغربی دنیا میں اسلامی فتوحات احمدیہ عقائد کے بجز ممکن نہیں۔

بلادِ غرب میں جب بھی کبھی مسلمانوں کے دل میں تبلیغ اسلام کا جوش پیدا ہوگا۔ اور وہاں جب وہ اپنے مبلّغین بھیجیں گے تو انہیں لامحالہ ہمارے امام علیہ السلام کے پیدا کردہ علم الکلام سے رجوع کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکیں گے جو عقائد وہ خود اپنائے بیٹھے ہیں ان سے تو عیسائیت کی بھرپور تائید اور حمایت ہوتی ہے، اور اسلام کی برتری ثابت کرنے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں۔ مثال کے طور پر اگر مغرب میں یہ خیال پیش کیا جائے کہ مسیح بن باپ پیدا ہوئے اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے۔ اور اس صفت میں وہ جملہ انبیاء میں منفرد تھے۔ پھر انہوں نے پیدا ہوتے ہی جوان اور ہوشمند انسانوں کی طرح کلام کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ مردوں کو فی الواقع زندہ کرتے، مادر زاد اندھوں کو بینائی بخشتے۔ برص اور کوڑھ کے مریضوں کو شفایاب کرتے۔ آخر میں خدا نے انہیں دشمنوں کے چنگل سے بچانے کے لئے زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر اٹھا لیا۔ اور برابر دو ہزار برس سے وہ آسمان پر الآن کما کان کی حالت میں تشریف فرما ہیں۔ اور قرب قیامت میں آپ دوبارہ نازل ہوں گے اور آپ کے وجود باجود سے دنیا راہ راست اختیار کرے گی کفار آپ کی پھونکوں سے مرتے جائیں گے صلیبیں ٹوٹ جائیں گی۔ خنزیر قتل ہوں گے۔ اور اسلام کا غلبہ چاردانگ عالم میں ہو جائے گا۔ تو پھر ان عقائد کی موجودگی میں بھلا کون عیسائی ہمارے مسلمان مبلغین کے ذریعے حلقہ بگوش اسلام ہو سکے گا۔ ان فضائل میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو منفرد مان کر کوئی شخص دیار مغرب میں عیسائیت سے ٹکر نہیں لے سکتا۔ جب ہم احمدی یہ کہتے ہیں کہ باقی انبیاء کی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بھی وفات پا چکے ہیں اور اب وہ دوبارہ نزول نہیں فرمائیں گے۔ اور اسلام ان کی خدمات کا مرہونِ منت نہیں ہو سکتا۔ تو اس کا صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ ہم نے عیسائیوں کے خدا کو مار دیا۔ اور جب ان کا خدا ہی مر گیا تو کفارہ کی عالی شان عمارت اور تین میں ایک اور ایک میں تین کا پرفریب محل ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور عیسائیت کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔

بالفاظ دیگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مسلمانانِ عالم پر احسان عظیم ہے کہ آپ نے ان کے لئے تبلیغ اسلام کے لئے تمام مشکلات آسان کر دی ہیں۔ لیکن آج اس نے اُن خدماتِ جلیلہ کی قدر نہیں کی۔ لیکن ایک دن انشاء اللہ ضرور آئے گا۔ کہ آپ کے قدردان لاکھوں اور کروڑوں پیدا ہوں گے۔ جو اپنے اسلاف کی احسان فراموشی پر اظہار نفرت کریں گے۔ کیا ہی سچ فرمایا ہے میرے امام علیہ السلام نے ؎

امروز قوم من نشناسد مقام من
روزے بگریہ یاد کند وقت خوشترم

(منفعت بخش پہلو — بقیہ صک)

جذبہ قوم میں احمدیت ہی نے پیدا کیا تھے۔ مسلمان الاماشاء اللہ اس بات سے بالکل بے خبر اپنے جھگڑوں میں مبتلا تھے۔ بحیثیت جماعت ان میں کوئی انتظام اشاعت اسلام کا نہ تھا۔ حفاظت و اشاعت اسلام کے کام کو احمدیت نے زندہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر یورپ میں حملے ہوتے دیکھے تو وہاں بھی اسلام کا جھنڈا جا گاڑا۔

ہندوستان میں پادریوں کا جواب جو اسلام کے خلاف بدزبانی میں سب کے استاد ہیں ایسا دیا کہ انہوں نے اپنا رویہ بدل دیا۔ غرض اشاعت اسلام کی طرف جس سے مسلمانوں کی زندگی اور ان کی ترقی وابستہ ہے۔ جس میں مسلمانوں کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔ مسلمانوں کو اگر کسی قوم نے متوجہ کیا تو وہ وہی قوم ہے جو اس صدی کے مجدد کے دامن سے وابستہ ہے۔ حفاظت و اشاعت اسلام کا جذبہ جو مسلمانوں کے دلوں میں بالکل خوابیدہ ہو چکا تھا تحریکِ احمدیت ہی نے اسے بیدار کیا ہے اگر اور کوئی عملی رنگ کا مفید کام نہ بھی ہوا ہوتا تو حضرت مرزا صاحب کا اس جذبہ کو اس طرح دلوں میں بلند کر دینا ہی ایک عظیم الشان خدمتِ اسلام تھی جس کے سامنے ہر ایک کلمہ گو کو ان کا مرہون منت ہونا چاہیئے تھا۔ نہیں بلکہ اس کام کو قوت دینی چاہیئے تھی کیونکہ اگر ایک چھوٹی سی جماعت نے اس قدر عظیم الشان کام کر دکھلایا ہے جو مسلمانوں میں ابھی اتنی بھی نہیں جیسے آٹے میں نمک۔ تو مقام غور ہے کہ اگر سب مسلمان دامنِ مجدد سے وابستہ ہو کر ایک متفقہ کوشش کرتے تو آج دنیا میں اسلام کے لئے کتنا بڑا انقلاب پیدا ہو گیا ہوتا۔ ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں اس وقت یورپ میں اور کروڑوں کی تعداد میں ہندوستان میں محمد رسول اللہ صلعم کی غلامی کا دم بھرنے والے اور آ گئے ہوتے۔

آپ غور کیجئے کہ ان کے نہ آنے کا گناہ کس پر ہے؟ کیا انہی لوگوں پر نہیں جو ایک خدمت اسلام کے کام کو۔ اسلام اور مسلمانوں کے فائدہ کے کام کو ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر پھر بھی اٹھ کر ساتھ نہیں ہوتے کہ اس کام کو قوت دیں؟ کیا یہ غفلت، یہ بے تعلقی، جہاں تک خدمت اسلام کا سوال ہے مجرمانہ نہیں؟ افسوس کہ اسلام کا پودا پانی کا محتاج ہے اور اس کی ٹہنیاں اور پتے خشک ہو کر گر رہے ہیں۔ مگر آہ ہماری غفلت اور لاپرواہی کہ اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھ رہے ہیں اور شاید یہ بعض وقت ہماری آنکھوں میں آنسو بھی آ جاتے ہیں۔ مگر اس قدر ہمت نہیں کہ اٹھیں اور جس جماعت کو اس کی آبیاری کرتے دیکھ رہے ہیں اس کے ساتھ ہم بھی مل جائیں۔

اللھم ارحم امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

(ماخوذ از کتاب مسیح موعودؑ صفحہ ۸)

مقالہ

بسلسلہ صک

کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح و تقویٰ کے راستہ پر چلے اور اخلاق کا اعلےٰ نمونہ قائم کرے تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دنیا ہدایت پائے اور خدا کا منشاء پورا ہو۔ پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل و براہین سے ہم نے دشمن پر فتح پائی تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں کیونکہ ہماری بعثت کی غرض پوری نہ ہوئی تو گویا ہمارا سارا کام رائیگاں گیا۔"

اس عبارت سے عیاں ہے کہ جماعت احمدیہ کی حقیقی فتح اس کے صحیح اسلامی عقائد و اعمال اختیار کرنے میں مضمر ہے۔ دلائل و براہین کی فتح بھی جماعت احمدیہ کے کردار و سیرت کی فتح پر ہی منحصر ہے۔ اگر سیرت و کردار اسلامی و قرآنی اور آنحضرت صلعم و صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر نہیں تو اور سب باتیں ہیچ ہیں۔ حضرت اقدسؑ کی بعثت کی اصل غرض آپ کے اپنے الفاظ میں جماعت کے ٹھیٹھ اسلامی اخلاق و تہذیب کے اجاگر کرنے میں مضمر ہے۔ جس کا مرکزی نکتہ دنیا پرستی کی بجائے خدا پرستی اختیار کرنا ہے۔

محترم میرزا مسعود بیگ صاحب ایم اے جنرل سیکرٹری
احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

جو بادہ کش تھے پُرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی!

ڈاکٹر حسن علی خان صاحب مرحوم و مغفور

احباب جماعت کے لئے یہ خبر بے حد افسوس اور دلی صدمہ کا موجب ہوگی کہ ہماری جماعت کے مقتدر بزرگ اور مجلس معتمدین کے سب سے پُرانے رکن ڈاکٹر حسن علی صاحب مرحوم و مغفور بروز جمعرات مؤرخہ ۵ر جون ۱۹۷۵ء ایک ہفتہ ہسپتال میں زیر علاج رہ کر شام کے قریب واصل بحق ہو گئے۔ اور بروز جمعہ ۶ر جون صبح نو بجے انہیں قبرستان "دارالسلام" میں سپُرد خاک کیا گیا۔

اِنّا للہ وَاِنّا الیہ راجعون

ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے الف ممبر تھے اور یہ اعزاز معدودے چند لوگوں کے لئے جو اپنے تقویٰ، اخلاص، علم دین اور قربانیوں کی وجہ سے ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں مخصوص ہے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور انجمن کی سب سے پہلی مجلس معتمدین جو ۱۴ر مئی ۱۹۱۴ء کو وجود میں آئی کے ممبر چنے گئے اور تا دم آخر اس مجلس کے ممبر رہے۔ اگرچہ اب گزشتہ چند سالوں سے بوجہ کبر سنی و عوارض جسمانی وہ اجلاس میں شرکت سے معذور ہو گئے تھے۔ لیکن عمر بھر انہوں نے ہمیشہ جرأت ایمانی اور اخلاص سے بے لاگ رائے دی اور اپنے مفید مشوروں سے ہمیشہ انجمن کی رہنمائی کی۔ وہ بڑے متقی اور بلند پایہ انسان تھے صاحب کشف و الہام بھی تھے۔ شب بیدار، تہجد گزار اور عابد و زاہد تھے اور اپنی آخری بیماری میں جب بھی ہوش میں آتے نماز کی نیت باندھ لیتے اور اپنے اعزہ سے یہی سوال کرتے تھے کہ کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟

ڈاکٹر صاحب موصوف کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے براہ راست فیض حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا اور وہ اپنے صحابی ہونے پر بڑا فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ عین جوانی کے عالم میں آپ اور ان کے بڑے بھائی نواب خان صاحب حضرت اقدسؑ کی بیعت میں داخل ہوئے تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۵ء میں جب ہماری جماعت کی طرف سے ان ستر بزرگوں کی حلفیہ شہادت شائع کی گئی جنہوں نے ۱۹۰۱ء سے پہلے بیعت کی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۱ء میں اپنے عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی تو ان میں ڈاکٹر صاحب موصوف اور خان نواب خان صاحب بھی شامل تھے دونوں بھائیوں کی رہنمائی اور توجہ سے ان کا سارا خاندان احمدیت سے وابستہ ہے اور ان میں ایک سے ایک بڑھ کر مخلص اور جوشیلے دوست موجود ہیں جو ہماری جماعت کے لئے قوت کا موجب ہیں۔ ڈاکٹر حسن علی خان صاحب ان کے بڑے بھائی نواب خان صاحب مرحوم اور چھوٹے بھائی پروفیسر [illegible] علی خان صاحب مرحوم جماعت لاہور سے وابستہ تھے اور ان کے تیسرے [illegible] ڈاکٹر [illegible] علی صاحب مرحوم جماعت ربوہ سے تعلق رکھتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم جماعت گوجرانوالہ کے روح رواں تھے۔ ان کے بڑے بھائی زیادہ تر گجرات میں رہتے تھے اور گوجرانوالہ میں ان کے دستِ راست اور معاون احباب میں سے قاضی محبوب عالم صاحب مرحوم، شیخ محمد حسین صاحب مرحوم اور سیٹھ چراغ دین صاحب مرحوم قابل ذکر ہیں۔ یہ سب بڑے نیک اور مخلص احباب تھے جو عمر بھر دین کو دنیا پر مقدم کرتے رہے اور بہت سی حسنات کا توشہ لے کر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو چکے ہیں۔ اسی پایہ کے ایک اور بزرگ حکیم غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم قلعہ دیدار سنگھ کے رہنے والے تھے جو وہاں تعمیر شدہ مسجد سے قبل اکثر نماز جمعہ کے لئے گوجرانوالہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔ غرض یہ سیدھے سادے مومن لوگ سارے شہر گوجرانوالہ کے لئے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتے تھے اور ڈاکٹر صاحب بوجہ اپنی نیکی اور طبی خدمات کے گوجرانوالہ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے احمدی ڈاکٹروں کو ایک خاص امتیاز بخشا ہے اور ڈاکٹر حسن علی صاحب بھی اس امتیاز کے مظہر تھے۔

موت برحق ہے اور ہر انسان نے ایک دن اس دارِ فانی سے کوچ کرنا ہے۔ ڈاکٹر حسن علی صاحب خوش نصیب تھے کہ انہیں نوے سال کے قریب عمر اور کامیاب زندگی عطا ہوئی اور وہ اپنی اولاد اور اعزہ کے بارہ میں مطمئن اور بامراد رخصت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کی روح پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے صاحبزادے بڑے نیک اور مخلص ہیں اور اپنے والد گرامی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی جدائی ان کا اور ساری جماعت کا مشترک نقصان ہے۔ اور اس صدمہ میں ہم مرحوم کی اہلیہ صاحبہ نیز فضل محمد خان صاحب، محمد حسن خان صاحب، ڈاکٹر ناصر احمد صاحب اور احمد حسن صاحب (صاحبزادگان) اور بیگم یوسف مرزا اور مرحوم کی دیگر صاحبزادیوں اور باقی سب اعزہ خصوصاً بہن تاج بیگم صاحبہ، خالد صاحب، پروفیسر محمد احمد خان صاحب، خلیل احمد خان صاحب۔ بشیر احمد خان صاحب اور دیگر اقارب سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کا حامی و ناصر ہو اور انہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مسجد دارالسلام کے لئے عطیات

۱۔ مسجد دارالسلام کے پنکھوں کے لئے مندرجہ ذیل رقوم مزید وصول ہوئی ہیں:۔

(۱) ڈاکٹر محمد مجتبیٰ صاحب بذریعہ محترم خان حسن خان صاحب کراچی — 450/-
(۲) حکیم رحمت اللہ صاحب منگھیکے - - - - - 10/-
(۳) مقامی جماعت اوکاڑہ - - - - 400/-

دریوں کے لئے

۲۔ دریوں کے لئے مندرجہ ذیل رقومات وصول ہوئی ہیں:۔

(۱) محترم میاں ممتاز احمد صاحب فاروقی - - - - - R70/-
(۲) بیگم صاحبہ شاکر علی - - - - - - R50/-
(۳) محترم اختر مسعود صاحب - - - - R320/-
(۴) قاضی سمیع اللہ صاحب - - - - - R100/-

۳۔ (۱) ایک واٹر کولر 8 گیلن کا چوہدری منصور احمد صاحب نے مسجد کے لئے عطیہ دیا ہے۔
(۲) ایک واٹر کولر 5 گیلن کا بیگم چوہدری فضل حق صاحب نے دیا ہے۔

(ناظم دارالسلام)

احبابِ کرام سے معذرت } پریس میں بعض پیش آمدہ دشواریوں کے باعث گزشتہ ایام میں یہ اخبار وقت پر نہیں نکل سکا جس کا ہمیں افسوس ہے اور جس کے لئے ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں اور امید کرتے ہیں کہ عنقریب پریس کی مشکلات ختم ہو کر اخبار وقت پر شائع ہوا کرے گا۔

ادارہ

محترمہ بشارت خانم صاحبہ ایم اے

احمدی خواتین کے نام

[محترمہ بشارت خانم صاحبہ بدوملہی کے ایک ممتاز اور خادم دین احمدی خاندان کی چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے والد مرحوم چوہدری سید احمد صاحب بدوملہی کے نمبردار انجمن کی مجلس معتمدین کے ممبر اور دین کے کاموں میں تن من دھن سے حصہ لیتے تھے۔ چنانچہ چوہدری صاحب مرحوم نے انجمن کے حق میں زندگی میں دو دفعہ وصیت کی اور دونوں دفعہ اسے پورا کیا۔ موصوفہ کو دین سے محبت ورثہ میں ملی ہے۔ آپ نہ صرف مرکزی تنظیم احمدیہ خواتین کی ایک سرگرم رکن ہیں اور جماعتی استحکام میں نمایاں اور بھرپور کردار سرانجام دیتی ہیں بلکہ نئی پود کی دینی تربیت کی خاطر آپ نے بنات الاحمدیہ کے نام سے سکول و کالج کی طالبات کی ایک الگ تنظیم بھی قائم کی ہوئی ہے جس کے زیرِ انتظام تربیتی کلاسیں لگتی ہیں۔ امتحان ہوتے ہیں اور اول۔ دوم۔ سوم۔ آنے والی طالبات کو انعامات بھی دیئے جاتے ہیں انہوں نے پیغامِ صلح کے لئے یہ مقالہ ہمیں عنایت فرمایا ہے۔ جس کے ہم تہ دل سے مشکور ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب بہنوں کو ایسے ہی دینی شغف اور نئی نسل کی اچھی تربیت کے لئے اسی درد سے کام کرنے کی توفیق دے۔ آمین

(ادارہ)]

احمدیت ایک تحریک ہے۔ جس کے بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہیں۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی چودھویں صدی کے مجدد، مسیح موعودؑ اور امام مہدی تھے۔ ہوں نے خدا سے حکم پاکر ایک جماعت بنائی جس کا نام جماعت احمدیہ رکھا۔ اس جماعت میں شامل ہونے والے لوگ احمدی کہلائے۔ احمدی نام حضرت محمدؐ کے جمالی نام (احمد) کی مناسبت سے رکھا گیا۔

جماعت احمدیہ میں شامل ہونے والے ہر فرد کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ اسلام کے پانچوں ارکان کی پابندی کرے گا اور حضرت محمدؐ کی شریعت پر سختی سے کاربند رہے گا۔ یوں تو عام مسلمانوں کے عقائد کے مطابق بھی شریعتِ محمدیؐ پر عمل ضروری ہے۔ مگر احمدیہ جماعت کے افراد اور دیگر مسلمانوں کے کردار میں بڑا فرق یہ ہے کہ اس جماعت نے اسلامی شعار کی تعلیم صرف زبانی ہی نہیں دی بلکہ واقعتاً ہزاروں ایسے قابل، باعمل اور نیک سیرت لوگ پیدا کئے جن کی بدولت دیگر لوگوں کو ایک پاکیزہ ماحول ملا۔

ماحول کی پاکیزگی سے دوسروں میں نیکی کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ پاکیزگی سوائے خدا کے مامورین کے اور کوئی نہیں پیدا کر سکتا کیونکہ وہ خود باعمل ہوتے ہیں۔ اس لئے لوگ خود بخود ان کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور نیکی کا اثر قبول کرتے ہیں۔

جماعتِ احمدیہ کے مرد و زن نے اس پاکیزہ ماحول سے متاثر ہو کر دینِ اسلام کی وہ خدمات سرانجام دیں جن کو دیکھ کر مخالف بھی رشک کرنے لگے۔ احمدی خواتین نے بھی اپنی جماعت کی انفرادی اور اجتماعی ترقی کے لئے وقت اور روپیہ کی بے نظیر قربانیاں دیں۔ انہوں نے اپنے بچوں کی دینی تربیت کے لئے مردوں کے برابر کام کیا۔ تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں ہر عورت اپنے اپنے حلقہ میں مبلغہ کا کام کرتی رہی۔ لیکن بدقسمتی سے جب احمدی خواتین منے زمانہ کے دنیاوی ماحول سے مغلوب ہو کر اپنے امام سے کئے ہوئے عہد کو پسِ پشت ڈالا اور خوابِ غفلت میں سو گئیں تو قدرت نے ایک زبردست جھٹکا دے کر انہیں بیدار کیا کہ تمہاری ذمہ داریاں عام عورتوں کی ذمہ داریوں سے زیادہ ہیں کیونکہ تم نے ایک مامور سے وعدہ کیا تھا کہ تم دین کو دنیا پر مقدم رکھ کر اپنے معاشرہ کی دینی خدمت کرو گی۔ تمہارا کام بڑا اہم ہے۔ ورنہ اس الٰہی جماعت کی فرد ہونے کی دعویدار نہ بنو،

یہ حالات ہمارے لئے چیلنج ہیں۔ اب ہمیں اپنی گذشتہ کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہوئے نئے عزم کے ساتھ پہلی سی دلچسپی کے ساتھ اپنی اور اپنے بچوں کی اصلاح کی طرف دھیان دینا ہوگا۔ اگر ہم حضرت مرزا صاحب کے دامن سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں تو اپنے امام کی طرف سے عائد کردہ شرائط پر بھی نظر ڈال لینی چاہیئے تاکہ ہم اسی خوش فہمی میں ہی مبتلا نہ رہیں کہ ہم ایک مامور کی جماعت سے وابستہ ہیں۔

ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی کمزوریاں کافی حد تک دور کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہماری عورتیں انہیں دور کرنے کا ارادہ کر لیں۔ کیونکہ عورتیں اعتقادات کے لحاظ سے مردوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں اور بچوں کی تربیت کے لحاظ سے ان کا دائرہ اثر بھی مردوں کی نسبت وسیع ہوتا ہے۔

بانی سلسلہ نے اپنی کتاب کشتیٔ نوح کے صفحہ نمبر ۱۷/۱۱ پر لکھا ہے کہ:-

"۱۔ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۲۔ جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۳۔ جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۴۔ جو شخص پورے طور پر ہر بدی سے اور بدعملی سے یعنی شراب سے قمار بازی سے۔ بدنظری سے، خیانت سے رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۵۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۶۔ جو شخص دعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۷۔ جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۸۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان سے پیش نہیں آتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۹۔ جو شخص اپنے ہمسائے کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۱۰۔ جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصوروار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۱۱۔ ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آوے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۱۲۔ جو شخص اس عہد کو جو اس نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۱۳۔ جو شخص فی الواقع مجھے مسیح موعودؑ و مہدی موعود نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۱۴۔ جو شخص امر معروف میں میری اطاعت کرنے کے لئے تیار نہیں وہ میری جماعت سے نہیں۔
۱۵۔ جو شخص مخالفوں کی جماعت میں بیٹھتا ہے اور ہاں میں ہاں ملاتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔
۱۶۔ ہر ایک زانی۔ فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب ظالم۔ دروغگو۔ جعلساز اور ان کا ہمنشیں اور اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانے والا جو اپنے افعالِ شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔

یہ سب زہر ہیں تم ان زہروں کو کھا کر بچ نہیں سکتے سو اے لوگو جو اپنے تئیں میری جماعت میں شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔"

اندازہ لگایئے کتنی سخت شرائط ہیں۔ یعنی اگر ان باتوں میں سے

(باقی بر صفحہ ۱۵ کالم ۱)

تعلیمِ سلسلہ احمدیہ اسلامی اور سلفِ صالحین کے عقیدہ کے عین مطابق ہے

سب اسلامی فرقوں کے عقائد ارکانِ دین اور کلمہ ایک ہی ہے

(حضرت خواجہ کمال الدین علیہ الرحمۃ)

اس میں شک نہیں کہ مخالفین احمدیت نے اوروں کو ہم سے دُور رکھنے کے لئے مُدت سے یہ کہنا شروع کیا ہوا کہ احمدیت کی وہ تعلیم نہیں جو اسلام کے سلف صالحین کی ہے۔ عامۃ الناس تو ان امور کی تحقیق نہیں کر سکتے اور ان کے بھڑکانے کے لئے یہ امر کافی ہے کہ ہمارے خصائص میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو اسلام میں تو پائی نہیں جاتیں اس لئے ان کا ہم سے جدا رہنا ہی بہتر ہے لیکن میں تو حضرت مرزا صاحب کی تصنیف میں ایک بات بھی نہیں پاتا جو سلف صالحین میں سے کسی نہ کسی کے عقیدہ میں نہ ہو۔ احمدیت وہی ہے جو سلف صالحین کے مسلّمات میں سے ہے۔ اگر وہ باتیں سلف صالحین کی نہیں تو عامۃ الناس کا حق ہے کہ وہ ہم سے جُدا رہیں۔ دوسری طرف میں مخالفین احمدیت سے دریافت کرتا ہوں کہ وہ کسی ایک امر کو پیش کریں۔ جو عقائد صالحین میں نہیں آچکا۔ اور اگر کوئی ایسی بات ہے تو بے شک وہ ہم سے دُور رہیں۔ آداب دربار کے لحاظ سے فرمانروائے موصوف کے سامنے تو میں بعض امور کی تشریح نہ کر سکتا تھا۔ لیکن یہاں ذرا میں دکھلانا چاہتا ہوں کہ ہمارا کوئی بھی عقیدہ ایسا نہیں اور نہ کوئی ایسی راہ ہم نے اختیار کی ہے کہ جس پر بعض بزرگانِ دین قائم نہ ہوں۔ حضرت مرزا صاحب تمام ارکانِ اسلام پر ایمان رکھتے تھے۔ جن پر کل مسلمانوں کا ایمان ہے۔ یعنی کلمہ طیبہ۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ آپ ان پر عامل تھے۔ احمدی حج بھی کرتے ہیں۔ میں نے خود دو حج کئے ہیں۔ ہم صیام و زکوٰۃ کے پابند ہیں۔ میں احمدیوں میں نماز کے کسی رکن میں کوئی فرق نہیں دیکھتا۔ وہی ماثورہ اذکار ہم نماز میں پڑھتے ہیں جو آنحضرت صلعم سے مروی ہیں۔ نماز میں ہم اہل قبلہ ہیں۔ وہی قیام۔ وہی قعود، رکوع اور سجود ہے۔ ایمانیات میں اللہ، ملائکہ، کتب، رسل۔ یوم آخر۔ حشر اجساد۔ اور خدا کے مقرر کردہ خیر و شر کے اندازوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کو ہم خدا کی آخری کتاب مانتے ہیں پھر وہ کونسی بات ہے جو تعلیم احمدیت میں خلاف اسلام ہے۔

بعض مخالفین نے محض افتراء کے طور پر یہ مشہور کر رکھا ہے کہ احمدی لوگوں نے اپنے لئے کوئی اور کلمہ تجویز کیا ہے۔ احمدیوں میں سے جو اصحاب اب حضرت مرزا صاحب کو نبی ماننے لگے ہیں۔ انہوں نے بھی تو کلمہ طیبہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ جس صورت میں وہ نبوت مرزا صاحب پر ایمان رکھتے ہیں اور منکران نبوت مرزا صاحب کو کافر جانتے ہیں تو منطقی طور پر صحیح قیاس یہی ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک کلمہ طیبہ کا اقرار اور اس کی تصدیق کسی شخص کو مسلمان بنانے کے لئے کافی نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ کلمہ طیبہ میں حضرت مرزا صاحب کی رسالت کا تو ذکر نہیں۔ لہذا جو ان کا اسلام ہے اسی کی تصدیق کسی ایسے کلمہ سے ہونی چاہیئے۔ جس میں حضرت مرزا صاحب کا ذکر ہو۔

الخ۔ یہ ایک بدیہی نتیجہ ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی غیر احمدی کا یہ کہہ دینا کہ ان لوگوں کا کلمہ ہی اور ہے۔ کوئی بے وزن الزام نہیں۔ لیکن امر واقعہ یہی ہے کہ کوئی قادیانی ہو یا لاہوری ہر ایک کا کلمہ یہی ہے یعنی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمدًا رسول اللہ۔

(مجددِ کامل۔ صفحہ ۸۰۷)

پیارے نبی کی پیاری باتیں

= من حالت شفاعتہ دون حدٍ من حدود اللہ تعالیٰ فقد ضاد اللہ عز وجل، ومن خاصم فی باطلٍ وھو یعلم لم یزل فی سخط اللہ تعالیٰ حتی ینزع ومن قال فی مؤمنٍ ما لیس فیہ اسکنہ اللہ تعالیٰ ردغۃ الخبال حتی یخرج مما قال ومن اعان علی خصومۃ بظلمٍ فقد باء بغضبٍ من اللہ تعالیٰ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ:—

جس شخص کی سفارش حدود اللہ میں سے کسی حد (یعنی سزا) میں حائل ہو۔ اس نے گویا اللہ تعالیٰ سے ضد کی۔ اور جو دیدہ دانستہ ناحق بات پر لڑتا جھگڑتا ہے۔ وہ خدا کے غضب میں گرفتار رہے گا۔ جب تک باز نہ آئے۔ اور جو شخص کسی مؤمن کی بابت ایسی (بُری) بات کہے جو اس میں نہیں ہے تو ایسے شخص کو دوزخیوں کے پیپ کی کیچڑ میں جب تک کہ وہ اپنے کئے کی سزا نہ بھگت لے، رہنے کو جگہ ملے گی۔ اور جس کسی نے کسی ظالم کی مدد کی اس نے گویا غضب الٰہی خود اپنے سر پر لے لیا۔

= لا یجتمع فی قلب عبدٍ الایمان والحسد۔

(مسلم و ابوداؤد)

ترجمہ: کسی انسان کے دل میں ایمان اور حسد دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے ظاہر ہے کہ حسد کی عادت بے ایمانی کا ثبوت ہے۔ خداوند کریم محفوظ رکھے۔ ؎

از حسد اوّل تو دل را پاک دار ٭ خویشتن را بعد ازاں مؤمن شمار

ہر کہ بر مالِ کساں دارد حسد ٭ بوئے رحمت بر دماغش کے رسد (عطار)

ترجمہ: (دل کو پہلے حسد سے پاک رکھ۔ اس کے بعد اپنے آپ کو ایمان دار شمار کر۔)

(جو شخص لوگوں کے مال کا حسد کرتا ہے۔ رحمت کی بُو اس کے دماغ تک کب پہنچ سکتی ہے۔)

= ایاکم والحسد فانہ یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب او قال العشب۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حسد سے پرہیز کرتے رہو۔ کہ وہ نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی یا گھاس کو کھا جاتی ہے۔

(حسد کے معنے کسی کی نعمت کو دیکھ دل کا جلنا اور اس کے زوال کی خواہش کرنا ہے)

= دبّ الیکم داء الامم قبلکم الحسد والبغضاء وھی الحالقۃ اما انی لا اقول تحلق الشعر ولکن تحلق الدین والذی نفسی بیدہٖ لا تدخلون الجنۃ حتی تؤمنوا حتی تحابوا الا انبئکم علی ما تحابون بہٖ افشوا السلام بینکم۔

(الترمذی)

ترجمہ:— تم لوگوں میں پہلی اُمتوں کا مرض حسد پھیل گیا ہے۔ اور یہ مرض مونڈ ڈالتا ہے۔ یہ نہیں کہ بال مونڈتا ہے، بلکہ دین کو مونڈ ڈالتا ہے اور قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم جنت میں داخل نہیں ہوگے جب تک ایمان نہ لاؤ گے۔ جب تک آپس میں محبت نہیں کرو گے۔ میں تمہیں ایک ایسی بات بتلاتا ہوں۔ جس سے تم (آپس میں) محبت کرنے لگو گے اور وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام کا عام رواج کرو (یعنے میل ملاپ کثرت سے کرو)

روئداد جلسہ یومِ وصال حضرت مسیح موعودؑ

جماعت احمدیہ لائل پور

مؤرخہ ۳۰ رمئی بروز جمعہ جماعت احمدیہ لائل پور نے حضرت مسیح موعودؑ کے یوم وصال کی تقریب منائی جس میں مرکز سے جناب مرزا مسعود بیگ صاحب محترم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اور چوہدری فضل حق صاحب نے شرکت فرمائی۔

جلسہ کا آغاز خطبہ جمعہ سے کیا گیا جو مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے سورۃ حٰمٓ سجدہ کی ان آیات پر دیا۔ انّ الّذین قالوا ربّنا اللہ ثمّ استقاموا تتنزّل علیھم الملائکۃ ....

فاذا الّذی بینک و بینہٗ عداوۃ کانّہٗ ولیٌّ حمیم۔

آپ نے فرمایا کہ ان آیات میں بالخصوص دو مضامین کا ذکر مقصود ہے اولاً یہ کہ خدا کو اپنا ربّ تسلیم کرکے اپنی زندگی کے عمل کو مضبوطی و استقامت سے اس پر استوار کرنے والے مؤمنین پر خدا تعالیٰ کے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جو ان کو بشارات دیتے ہیں دوئم یہ کہ ایسے اصحاب کے بلند صبر و استقامت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بالآخر ان کے مخالف بھی ان کے دلی دوست بن جاتے ہیں جیسے کہ آنحضرت صلعم کے وقتوں میں ہوا ہے۔ وہی کفار مکہ جنہوں نے مدینہ پر چڑھائیاں کرکے اسلام کو نیست و نابود اور مسلمانوں کی ہستی کو مٹانا چاہا بالآخر صلح حدیبیہ اور فتح مکّہ کے بعد جوق در جوق نہ صرف داخل اسلام ہوئے بلکہ افواجِ اسلام میں شامل ہو کر عظیم فتوحات دین کا موجب بنے۔

آپ نے فرمایا کہ آج حضرت اقدسؑ کی مخالفت میں علماء اسلام نے یہ مسئلہ گھڑ لیا ہے کہ بعد حضرت رسالتمآب صلعم تکلّم الٰہیہ کا سلسلہ مطلقاً بند ہے۔ جو شخص الہام و کشف کا مدعی بنتا ہے وہ اور اس کے پیرو ختم نبوت کے منکر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ حالانکہ یہ آیات اور اس قسم کی دیگر آیاتِ کریم و نیز احادیث صحیحہ اور ساری اُمت کے تعامل سے ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفت تکلّم جاری ہے اگر یہ امر غلط ہے تو پھر جملہ اولیاء اللہ صلحاء و مجددین اور انکے پیروؤں کو منکر ختم نبوت اور دائرہ اسلام سے خارج ماننا لازم آتا ہے۔ یہ امر اس قدر بالبداہت غلط اور اسلامی روایات کے برخلاف ہے کہ جو لوگ اب اس اصول کو مانتے ہیں وہ بھی باوجود ہمارے چیلنج کے ان بزرگانِ دین کے برخلاف اپنے موقف کے مطابق فتوے دینے سے گریز اور فرار کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔

کیا اس بات سے حتمی طور پر یہ امر ثابت نہیں ہو جاتا کہ یہ لوگ صریحًا غلطی خوردہ نیز ضد و تعصب کا شکار ہیں دگرنہ کیوں اپنے اصول کے مطابق جملہ مدعیانِ وحی و الہام اور مکاشفات و نزول ملائکہ کو منکرین ختم نبوت اور کافر و دائرہِ اسلام سے خارج قرار نہیں دیتے ؟

ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ جماعتِ احمدیہ لاہور جہاں اپنے پورے خلوص و یقین سے عقیدہ ختم نبوت اور تکمیلِ دین اسلام کی قائل ہے وہاں یہ بھی مانتی ہے کہ یہ صرف دینِ اسلام کی امتیازی خصوصیت ہے کہ اس کے کامل پیرو خدا تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ پس جس طرح نبوت کا اجراء بعد رسول اللہ صلعم اور تکفیر کلمہ گویاں دین اسلام کی بنیادوں کو ہلا دینے والے مسائل ہیں اسی طرح سلسلہ وحی و الہام کو بند تسلیم کرنا بھی اس امر کے مترادف ہے کہ دین اسلام بھی دیگر ادیان کی مانند ایک مُردہ دین ہو چکا ہے کہ جس کے کامل پیرو بھی خدا سے ہمکلامی کا شرف حاصل نہیں کر سکتے علت العلل کی مانند ایک خدا کو ماننا جو انسانوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ان کو تو ایک مادہ پرست بھی تسلیم کرتا ہے پھر اگر علمبردارانِ دین کا مؤقف بھی یہی ہو کہ اب خدا اپنے کسی کامل محب سے بھی کلام نہیں کرتا نہ ہی اس کی متضرعانہ دعاؤں کا جواب دیتا ہے تو پھر ان دو نظریوں میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے ؟

نماز جمعہ کے بعد حافظ عبدالرزاق صاحب نے تلاوت قرآن کریم سے جلسہ کا افتتاح کیا پھر مرزا شوکت بیگ صاحب نے حضرت اقدسؑ کی مشہور نظم "نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا" ترنم سے پڑھ کر سنائی جس کے بعد مرزا مسعود بیگ صاحب نے حضرت اقدسؑ کے عشق رسولؐ اور عشقِ قرآن کے موضوع پر ایک مفصل تقریر فرمائی۔ آپ نے حضرت اقدسؑ کے نثر اور نظم سے متعدد اقتباسات پڑھ کر سنائے جن سے حضرت اقدسؑ کے جذباتِ محبت و عشق کا والہانہ اظہار ہوتا ہے۔

آپ کے بعد مولوی محمدعلی صاحب (ملتان) نے حضرت مسیح موعودؑ کے علم کلام اور عمل کے موضوع پر تقریر کی چنانچہ آپ نے بتلایا کہ اس صدی کے مجدد نے جن جن علمی مسائل پر روشنی ڈالی ہے انہیں اب قریباً تمام علماء دین تسلیم کرتے ہیں چنانچہ وفاتِ مسیح اور حضرت مسیح ناصری کی قبر کا سرینگر کشمیر میں ہونا اب بڑے بڑے جید علماء جیسے علامہ محمد عبدہٗ مفتی ازہر اور نومسلم مسٹر محمدؐ اسد صاحب کے نزدیک بھی درست مسائل ہیں۔ ان اصحاب نے اپنی تفاسیر قرآن میں ان کو تسلیم کیا ہے۔

عملی میدان میں حضرت اقدسؑ مسیح موعودؑ کی خدمات اس قدر نمایاں ہیں کہ آپ نے اس زمانہ میں ایک جماعت کو پھر سے تعلیماتِ قرآنی پر نہ صرف عامل بنا دیا بلکہ اس جماعت کو جہادِ اکبر پہ لگا دیا۔ اس کی برملا شہادت علامہ اقبالؒ نے اپنی علی گڑھ کی ۱۹۱۱ء کی تقریر میں ان الفاظ میں دی کہ "اگر تمہیں اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ کہیں دیکھنا ہو تو وہ تمہیں اس فرقہ میں ملے گا جو آج قادیان میں پیدا ہوا ہے۔"

آخر میں صاحبِ صدر جلسہ مکرم و محترم جناب مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع نے بھی اپنی تقریر میں جماعت احمدیہ کی خدماتِ اسلام کو پیش کرکے بتلایا کہ کس طرح الہام حضرت اقدسؑ انّی مھینٌ من اراد اھانتک وانّی معینٌ من اراد اعانتک کے پورا ہونے کا نظارہ انہوں نے اپنی زندگی میں متعدد بار ملاحظہ کیا ہے۔

جلسے کا اختتام شیخ مسعود احمد صاحب کے ریمارکس سے ہوا۔ جس میں آپ نے بیرونجات سے آمدہ مہمانوں کی شرکت کا شکریہ ادا کیا نیز اُن اصحاب اور نوجوانوں کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اپنی شرکت اور ذوق و شوق سے مجلس کو کامیاب بنایا جن میں سے بالخصوص مرزا محمود بیگ صاحب ہیں جو سیکرٹری جماعت لائلپور ہیں۔ (نامہ نگار)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ ۱۱ رجون ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل ۸۳۸۷ شمارہ ۲۳-۲۴

عرفات پریس نصارٹن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور ۷ سے شائع کیا۔

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر اللہ بخش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا
الہام حضرت مسیح موعودؑ

ہفت روزہ
مسیح موعودؑ نمبر

پیغامِ صلح
لاہور
پاکستان

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بر او شد اختتام

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم استم و ز خداوند منذرم
ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے: آٹھ روپے
بیرونی ممالک سے: ایک پونڈ

دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۷، جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ - ۱۸ جون ۱۹۷۵ء | نمبر ۲۵

(حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

اپنی جماعت سے خطاب۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے

جو شخص مجھ سے سچی بیعت کرتا ہے اور سچے دل سے میرا پیرو بنتا ہے اور میری اطاعت میں محو ہو کر اپنے تمام ارادوں کو چھوڑتا ہے وہی ہے جو ان آفتوں کے دنوں میں میری روح اس کی شفاعت کرے گی سو اے وے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالےٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہو گی وہ عمل بھی ضائع نہیں ہو گا ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے سو خبردار رہو ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ دشمن کے ہاتھوں سے اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دیگا سو تم اس کو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو۔ کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو اور گالیاں سنو اور شکر کرو۔ اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہو۔ ہر ایک جو تم میں سے سست ہو جائے گا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائے گا اور حسرت سے مرے گا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

دیکھو میں بہت خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے اگرچہ سب اسی کی مخلوق ہے لیکن وہ اس شخص کو چن لیتا ہے جو اس کو چنتا ہے۔ وہ اس کے پاس آجاتا ہے جو اس کے پاس آتا ہے جو اس کو عزت دیتا ہے وہ اس کو بھی عزت دیتا ہے۔

(کشتی نوح صفحہ ۱۴)

حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے علمی اور رُوحانی کمالات

چہ خوش بودے اگر ہر یک زاُمّت نوردیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

محترم جناب شیخ نثار احمد صاحب کی یہ ایک تقریر ہے جو آپ نے بسلسلہ یوم نورالدینؓ گزشتہ دنوں راولپنڈی میں فرمائی تھی۔

آج ہم سلسلہ احمدیہ کے ایک بہت بڑے بزرگ کی یاد تازہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ان تقریبات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم ان کے خیالات نظریات اور بود و باش سے آگاہ رہیں اور استفادہ کریں۔ یہ اس عظیم ہستی کی یاد منانے کا دن ہے جن کے متعلق حضرت مسیحِ زمان نے فرمایا تھا ؏

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز اُمّت نور دیں بودے

وہ واقعی نورِ دین تھے۔ دین کے ساتھ دنیاوی علوم اور علمی کمالات میں بھی پوری دسترس رکھتے تھے۔ حضرت صاحب نے براہین احمدیہ تصنیف فرمائی تو آپ نے تصدیق براہین احمدیہ میں وہ بیش بہا جواہرات لٹائے کہ دنیا کی دولت اس کے سامنے کیا چیز ہے۔ اور اس عظیم انسان نے دنیا کے آثاثوں اور دولتوں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ مجدد زمان کے ایک اشارے پر کہ وہ قادیان آئیں ایک لمحہ کے لئے بھی اس حکم کی تعمیل میں توقف نہ کیا اور جس حالت میں بیٹھے ہوئے تھے چل دیئے۔ بلکہ واپسی کا کیا۔ لیکن وہاں کے ہی ہو کر رہ گئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اپنا سامان یہاں منگوا لیں۔ اور مولینا صاحب نے لکھا ہے کہ پھر مجھے واپس جانے کا خیال بھی نہ آیا۔ یہ ہے مولانا موصوف کا صدق۔ ہمت اور دین کے لئے غمخواری جو قال سے بڑھ کر حال سے ظاہر ہے اور یہی اصل اسلام ہے جو ہماری باطنی اور عملی حالتوں میں سے ظاہر ہونا چاہیئے اور حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ میرے کلام کے سننے کے لئے اس پر وطن کی جدائی آسان ہے اور میرے مقام کی محبت کے لئے وہ اپنے اصلی وطن کی یاد کو چھوڑ دیتا ہے۔ جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو بلا توقف پورا کرتا ہے۔ اس کی صحبت بد حالوں کے دلوں کو سنوارتی ہے۔ اس کا حملہ دین کے دشمنوں پر شیر ببر کے حملہ کی طرح ہے۔ آریوں کے مسائل کو اس نے کھودا۔ ان کا تعاقب کیا اور ان کی زمین کو تہ و بالا کر دیا۔

وزیر آباد میں آریوں نے جلسہ کیا اور اسلام پر بہت نازیبا حملے کئے اتفاق سے مولانا ممدوح ان دنوں وزیر آباد میں میرے والد صاحب کے ہاں آئے ہوئے تھے۔ یہ سب لوگ بھی جلسہ میں گئے۔ وہ تقریر سُن کر مولینا صاحب اُٹھے اور کہا کہ کل ہم اس جگہ جلسہ کریں گے اور ان باتوں کا جواب دیں گے چاہتے تو اسی وقت بھی جواب دے سکتے تھے۔ لیکن کل کے لئے لوگوں کو آنے کی دعوت دی۔ اس سے اشتیاق اور بڑھا۔ دوسرے دن بہت بڑی تعداد جلسہ میں موجود تھی۔ مولنا صاحب نے ان تمام اعتراضات کا شافی و کافی جواب دیا۔ اور اس انداز میں کہ تمام مسلمان نہایت ہی خوش ہوئے۔ آریوں کے پاس ندامت کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ زمانہ بھی اچھا تھا۔ مولینا صاحب سے بھرے جلسہ میں انہوں نے معافی مانگی کہ کل ہم سے غلطی ہوئی جو گستاخی کی۔ یہ ہے شیر ببر کا حملہ کرنا۔ اور حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ اگرچہ مولوی صاحب کی زندگی اس راہ میں وقف ہے اور ہر ایک پہلو سے اسلام اور مسلمانوں کے سچے خادم ہیں مگر اس سلسلہ کے ناصرین میں سے وہ اوّل درجہ کے نکلے۔ اور اگرچہ اپنی فیاضی کی وجہ سے اس مصرعہ کے مصداق ہیں ؏

"درکفِ آزادگان نہ گیرد مال"

اور فرمایا میں یقیناً دیکھتا ہوں کہ جب تک وہ نسبت پیدا نہ ہو جو محب کو محبوب سے ہوتی ہے تب تک ایسا انشراح صدر کسی میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ ان کو خدا تعالےٰ کے قوی ہاتھ نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ انہوں نے ایسے وقت میں بلا تردد مجھے قبول کیا جب ہر طرف سے تکفیر کی صدائیں بلند ہونے کو تھیں۔ میری محبت میں قسم قسم کی ملامتیں اور بد زبانیاں اور وطن مالوف اور دوستوں کی مفارقت اختیار کی۔ بہتیروں نے باوجود بیعت کے عہد بیعت فسخ کر دیا تھا اور بہتیرے سست اور متذبذب ہو گئے تھے تب سب سے پہلے مولوی صاحب ممدوح کا ہی خط اس عاجز کے اس دعوے کی تصدیق میں کہ میں ہی مسیح موعود ہوں قادیان میں میرے پاس پہنچا۔ جس میں یہ فقرے تھے۔ آمنّا وصدّقنا فاکتبنا مع الشاھدین۔ حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ صدق قدم دکھلانا عظمت ایمان پر محکم دلیل ہے اور فرمایا دل میں از بس آرزو ہے کہ اور لوگ بھی مولوی صاحب کے نمونہ پر چلیں۔ مولوی صاحب پہلے راستبازوں کا نمونہ ہیں اور آپ نے لکھا ہے جب سے میں خدا تعالےٰ کی درگاہ سے مامور کیا گیا ہوں اور حیّ و قیوم کی طرف سے زندہ کیا گیا ہوں غور فرماویں کہ خدا پر ایمان رکھنا زندہ ہونا ہے۔ اس کے بغیر آدمی گویا مردہ ہے۔ یہ مخالفتیں اور تکفیر تو روز اوّل سے ہے۔ یہ صدائیں جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے، حضرت صاحب کے زمانہ میں بھی بلند ہوئیں اور عہد بیعت بھی فسخ ہوئے۔ لوگ متذبذب بھی ہوئے لیکن جس انداز سے حضرت صاحب نے مولانا موصوف کی استقامت اور تصدیق کو سراہا ہے وہ قابلِ رشک ہے۔ ہم اچھی چیز کو چھوڑ کر ناقص کی طرف کیوں جائیں۔ یہ ابتلاء تو ہماری آزمائش کے لئے آتے ہیں مبارک ہیں وہ جو عہد پر قائم رہیں۔

اور حضرت صاحب نے لکھا ہے جب سے میں مامور کیا گیا ہوں دین کے چیدہ مددگاروں کی طرف شوق کرتا رہا ہوں اور میں رات دن خدا تعالےٰ کے حضور چلّاتا تھا اور کہتا تھا کہ اے میرے ربّ میرا کون ناصر و مددگار ہے میں تنہا اور ذلیل ہوں۔ پس جبکہ دُعا کا ہاتھ پے درپے اُٹھا اور آسمان کی فضا میری دعاؤں سے بھر گئی تو خدا تعالےٰ نے میری عاجزی اور دعا کو قبول کیا اور ربّ العالمین کی رحمت نے جوش مارا اور اللہ تعالےٰ نے مجھے ایک مخلص صدیق عطا کیا جو میرے مددگاروں کی آنکھ ہے اور میرے ان مخلص دوستوں کا خلاصہ ہے جو دین کے بارہ میں میرے دوست ہیں۔ اس کا نام نورانی صفات کی طرح نورالدین ہے۔ مجھے ان کے ملنے سے ایسی خوشی ہوئی کہ گویا کوئی جدا شدہ عضو مل گیا اور میں اپنے غموں کو بھول گیا اور فرمایا مجھ کو کسی شخص کے مال نے اس قدر نفع نہیں پہنچایا جس قدر کہ اس کے مال نے جو کہ اس نے خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے دیا اور کئی سال سے دیتا ہے۔

لوگ اپنے راس المال کے بڑھنے پر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ ہمارا CAPITAL بڑھ رہا ہے۔ اتنا ہمارا MARGINE ہے۔ نفع پر لوگ خوش ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت صاحب ایک شخص کو خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے خوش ہو رہے ہیں۔ یہ مال ان کو نہیں آ رہا۔ فی سبیل اللہ خرچ ہو رہا ہے اور کہتے کہ مجھے نفع پہنچ رہا ہے۔ ان کے نزدیک یہ لوگ ہیں نفع والے۔ یہ کام ہے نفع کا۔ اور حضرت صاحب نے مولنا صاحب کے متعلق فرمایا میں نے ان کی مانند خدا کی راہ میں خرچ کرنے والا نہیں دیکھا۔ منعمین میں ہو کر اس کی طبیعت میں فخر نہیں۔ وہ ایسے لوگوں میں سے ہے جن کے جذبات شکستہ ہو گئے ہیں اور جن کی طبعی شہوات فنا ہو گئی ہیں اور ان پر کوئی خوف حادی نہیں کیا جا سکتا۔

وہ مضطر کی طرح دین کی مدد کو کھڑا ہو گیا۔ اس کی کتابیں دقائق و معارف سے بھری ہوئی ہیں۔ ان کی عبارتیں باوجود مختصر ہونے کے فصاحت سے بھرپور ہیں

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۱۸ر جون ۱۹۷۵ء

"اتحاد علماء کمیٹی" کے قیام کا مستحسن اقدام

فرقہ دارانہ امن و سلامتی کا صحیح راستہ

(جناب میاں رحیم بخش صاحب ایم اے۔ کراچی)

حال ہی میں مقامی روزنامہ 'امن' کراچی میں "علماء کا ضابطہ اخلاق" کے عنوان سے ایک مقالۂ ادار یہ شائع ہوا ہے جو قارئین کی دلچسپی کے لئے درج ذیل ہے:—

" وفاقی امور مذہبی کے وزیر مولانا کوثر نیازی کی زیر صدارت علماء اتحاد کمیٹی کے اجلاس میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان انتشار و اختلاف کو روکنے کے لئے ایک ضابطۂ اخلاق منظور کیا گیا۔ اس حقیقت سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی سب سے زیادہ نقصان فرقہ وارانہ انتشار و اختلاف سے ہی پہنچا ہے۔ معمولی معمولی مذہبی مسائل کو اتنا ابھارا گیا کہ اس کے ذریعہ امت مسلمہ کا اتحاد پارہ پارہ ہوتا نظر آنے لگا ان اختلافات و انتشار پر غور کیا جائے تو ان کی تہ میں کچھ مفاد پرستوں کی کار فرمائیاں نظر آتی ہیں۔ یہ مفاد پرست قوم کے اندر فرقہ پروری کے جذبات ابھارتے رہتے ہیں۔ منافرت اور عصبیت کو ہوا دیتے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ ان کی ان حرکات کے نتیجے میں قوم کو کتنے بڑے بڑے نقصانات پہنچ سکتے ہیں۔ تحریک پاکستان کے دوران تمام برصغیر کے مسلم فرقے متحد ہوئے تو پاکستان ایک حقیقت بن کر ابھر آیا۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد ہی قوم کے اندر افتراق و انتشار پھیلانے والے گروہوں نے ایک مرتبہ پھر سر اٹھانا شروع کیا۔ یہ صورتِ حال کس قدر تشویشناک اور کربناک ہے محتاج بیان نہیں۔ علمائے سُو تو عصبیت اور تنگ نظری پھیلا کر اپنا اُلّو سیدھا کر لیتے ہیں لیکن ان کی حرکتوں کے نتیجے میں قومی سالمیت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ چند مفاد پرستوں کی خاطر قومی وجود کو خطرے میں نہیں ڈالا جا سکتا ——— یہی وجہ ہے کہ اب ملک کے سنجیدہ و پُر خلوص علماء اور وفاقی وزارت امور مذہبی اس طرف متوجہ ہوئی ہے۔ وزارت نے اس صورت حالات کا تدارک کرنے کے لئے پہلے اتحاد علماء کمیٹی تشکیل کی چنانچہ اب یہ کمیٹی اپنے فرائض انجام دینے لگی ہے۔ کمیٹی نے جو ضابطۂ اخلاق مرتب کیا ہے اس میں دوسری باتوں کے علاوہ مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے علماء اور اہلِ قلم سے یہ اپیل کی گئی کہ وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں مثبت رویہ اختیار کریں تاکہ کسی فرقے کے جذبات مجروح نہ ہوں۔ یہ ایک بنیادی بات ہے۔ اگر تقریروں اور تحریروں میں اعتدال پسندی اور رواداری کو راہ دی جانے لگے تو بہت سارے فتنے یا تو پیدا ہی نہ ہوں گے یا اگر کسی طرح پیدا ہو بھی جائیں تو بہ آسانی ان کا سدِّ باب ہو جائے اس لئے سب سے زیادہ اسی امر کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مذہبی تقریر و تحریر پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی لیکن انہیں فتنہ و فساد پھیلانے کا ذریعہ بھی نہیں بننے دینا چاہیئے۔ اگر اپیل مؤثر ثابت نہ ہو تو اس کے لئے مؤثر قوانین کی تدوین بھی کی جا سکتی ہے امید ہے کہ وزارت امور مذہبی بھی اس ضرورت کو محسوس کر رہی ہوگی۔ علماء اتحاد کمیٹی نے حکومت سے یہ بھی اپیل کی ہے کہ جو سرکاری ملازمین اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے محض اپنے فرقے کے لوگوں کو نوازتے ہیں ان کی حرکات پر کڑی نظر رکھی جائے۔ یہ تجویز بھی نہایت اہم ہے کیونکہ سرکاری ملازمین کی ایسی حرکتوں سے دوسرے فرقوں کے لوگوں میں محرومی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور دوسرے فرقوں میں بدظنی پھیلتی ہے لہٰذا اس کا تدارک بھی انتہائی ضروری ہے ضابطۂ اخلاق میں ملک کے ذرائع ابلاغ سے بھی اپیل کی گئی ہے کہ ایسے مواد کی اشاعت و تشہیر سے گریز کریں جن سے فرقہ وارانہ منافرت پھیلتی ہو یا کسی فرقے کے جذبات مجروح ہوتے ہوں۔ اُمید ہے کہ ذرائع ابلاغ بالخصوص اخبارات و رسائل اس اپیل کی طرف دھیان دیتے ہوئے اپنی تحریروں میں رواداری اور فراخ دلی کا مظاہرہ کریں گے۔ اگر اس ضابطۂ اخلاق کو عملی جامہ پہنایا گیا تو امید ہے کہ قوم میں نقش دوئی مٹا کر ہم آہنگی و اتحاد پیدا کرنے میں کامیابی ہوگی۔ اور ایک مرتبہ پھر اتحاد و اتفاق کے وہی مناظر نظر آنے لگیں گے جو تحریک پاکستان کے زمانے میں دیکھے جاتے تھے۔" (روزنامہ امن کراچی)

مضمون بالا میں موجودہ زمانہ کے علماءِ سُوء کا وجود تسلیم کیا گیا ہے اور اپنی مفاد پرستی کے پس پشت ان کی فرقہ وارانہ عصبیت اور منافرت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ علماءِ سُو کون ہیں؟ اور ملّت اسلامیہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے کیسی تخریب کاریوں میں مصروف ہیں؟ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ بلکہ سب کے علم میں ہے۔ اور حکومت پاکستان بھی جانتی ہے اور محسوس کرتی ہے کہ ان تخریبی کارروائیوں کا انسداد ازبس ضروری ہے۔ یہ علماءِ سُوءِ اسلام کے قرونِ اولیٰ کے ماسوا ہر زمانہ میں ملت اسلامیہ کی بیخکنی کے درپے رہے اور اس کی اصلاح اور شیرازہ بندی کو بکھیرنے کی سرتوڑ کوششیں کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے مرغوب مشغلہ کفر سازی اور حربۂ تکفیر بازی کے استعمال میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ علامہ شبلیؒ ان کی کارگذاری پر نوحہ خوانی کر چکے۔ ان کو ان علماءِ سُو کے بارہ میں بیساختہ کہنا پڑا۔

" کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

مولانا ابو الکلام آزادؒ نے تو اپنے تذکرہ میں یہاں تک کہہ دیا۔ کہ اس زمانہ کے علماءِ سُو میں وہ کونسی صفات نہیں جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے وقت علماءِ یہود میں نہ پائی جاتی تھیں۔ الغرض حکومت پاکستان کی طرف سے یہ نہایت مستحسن اقدام ہے کہ وفاقی وزارت مذہبی امور نے ایک 'اتحاد علماء کمیٹی' تشکیل کی ہے۔ جس کو علماء کے لئے ایک ضابطۂ اخلاق مرتب کرنے کا کام سپرد کیا ہے تاکہ فرقہ وارانہ تعصبات اور باہم تکفیر بازی کا سدِّ باب ہو سکے۔ خدا کرے کہ وہ اس مقصد میں [illegible] ہوں۔

یہ امر قابلِ غور ہے۔ کہ جماعت احمدیہ لاہور موسوم بہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا قیام ۱۹۱۴ء میں محض اس [illegible] پذیر ہوا۔ کہ وہ عقیدہ 'ختم نبوت' کی بکلّی قائل اور تکفیر المسلمین کی کلیتہً مخالف ہے۔ ابتداء سے یہ جماعت اس موقف پر قائم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نیا یا پرانا نہیں آ سکتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:—

"(۱) قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔ خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا۔ کیونکہ رسول کو علمِ دین بتوسط جبرائیل ملتا ہے۔ اور بابِ نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے۔"

(۲) "میں ان تمام امور کا قائل ہوں۔ جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رُو سے مسلم الثبوت ہیں۔ اور سیدنا مولٰنا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت کو کافر اور کاذب جانتا ہوں میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔" (اشتہار ۲ر اکتوبر ۱۸۹۱ء)

اور کہ بانئ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمدؒ قادیانی نے نبوت کا دعوٰے ہرگز نہیں کیا۔ بلکہ ان کا دعوٰے از ابتداء تا دمِ آخر صرف مجددیت اور محدثیت کا تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

" یہ عاجز خدا تعالٰے کی طرف سے اس امت کی طرف محدث ہو کر

آیا ہے۔" (توضیح مرام صفحہ ۱۲)

(۲) "نبوّت کا دعوےٰ نہیں، بلکہ محدثیت کا دعوےٰ ہے جو خدا تعالےٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۴۲۲)

اور یہ بھی تحدی سے اعلان کیا کہ ان کے دعوے کے انکار سے کسی مسلمان پر کفر لازم نہیں آتا۔

ہر کلمہ گو دائرۂ اسلام میں داخل ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجّال نہیں ہو سکتا۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰)

پھر فرمایا:

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر مُلہم اور محدث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلےٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں۔ ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔"

(حاشیہ صفحہ ۱۳۰ کتاب مذکور)

بلکہ ہر کلمہ گو دائرہ اسلام میں داخل ہے۔ نیز بقول حضرت مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مدعی نبوّت کافر اور کاذب اور ملعون ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ کہ میں نبوّت کا مدعی ہوں۔...... ان پر واضح رہے کہ ہم بھی نبوّت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوّت پر ایمان رکھتے ہیں.......... اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگاوے۔ وہ تقوےٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے.............. غرض نبوّت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں۔ صرف ولایت اور مجددیت کا دعوےٰ ہے۔"

(مجموعہ اشتہارات حصہ سوم صفحہ ۲۲۳)

پھر فرمایا:

"میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہلِ سنّت جماعت کا مذہب ہے.......اب میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوّت کا قائل ہوں۔ اور جو شخص ختم نبوّت کا منکر ہو، اس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔" (مجموعہ اشتہارات۔ حصہ چہارم ص ۳۳۳)

ان واضح تنقیحات اور خالص اسلامی معتقدات کے پیش نظر جماعت احمدیہ لاہور کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا کیا جواز ہے؟ ہم اس مسئلہ پر اتحاد علماء کمیٹی کے کنوینر اور وفاقی وزیر برائے مذہبی امور جناب مولانا کوثر نیازی اور کمیٹی کے سنجیدہ اور پُرخلوص علماء کرام کو توجہ دلانا چاہتے ہیں اور آئین ساز اسمبلی سے بھی پُرخلوص اپیل کرتے ہیں کہ وہ مذکورہ آئینی ترمیم پر نظرثانی فرماویں۔ اور بقول علامہ اقبال ایک ٹھیٹھ اسلامی جماعت جس کا نصب العین خدمت دین ہے اور اشاعت اسلام بلاشرکت سیاسیات ہے اور بانیٔ سلسلہ جو داعیٔ احیاء اسلام ہیں، کو غیر مسلم قرار دینے کا جُوا اپنے سر سے اتاریں اور اس طرح جناب باری تعالےٰ اور اس کے محبوب سرورِ دو عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور ثواب دارین حاصل کریں۔

وَبِاللّٰہِ التوفیق۔

لوگوں نے الزام لگایا کہ مولوی صاحب موصوف ہی حضرت صاحب کو پڑھانے اور لکھانے والے ہیں اور انکے لئے وہ لکھتے بھی وہ خود ہیں۔ حضرت صاحب نے جو اتنی تعریف کی تو شاید اس سے لوگوں کو غلط فہمی ہوئی۔ اور اس کے ابطال کے لئے مولوی ظفر علی خان (جو اشد مخالفین میں سے تھے) کے والد مولوی سراج دین صاحب مرحوم کی گواہی کافی ہے۔ انہوں نے لکھا: لوگ اتنا بھی سوچتے کہ مولوی نورالدین صاحب کی طرزِ تحریر ہی بالکل منفرد ہے۔ انداز ہی نرالا ہے۔ نہایت مختصر جامع اور دلربا۔

حضرت صاحب نے جو تعریف کی ہے تو یہ قدر شناسی ہے اور بہت بڑی خوبی اس سے تو ہمارے امام کے قلب کی صفائی اور بناوٹ سے پاک باطنی کی گواہی ملتی ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ جو کوئی یہ چاہے کہ قرآن کے عقدوں کو حل کرے اور خدا تعالےٰ کی کتاب کے اسراروں سے واقف ہو تو وہ آپ کی کتابوں میں مشغول ہو کیونکہ وہ اس چیز کی متکفل ہیں جن کو ذہین طالب تلاش کرتا ہے وہ مسلمانوں کا فخر ہے۔

مختصراً صاحب موصوف کے ایک خطبہ کا ذکر کرتا ہوں آپ نے فرمایا:

"جب کبھی میں کوئی خطبہ پڑھتا ہوں جمعہ کا ہو یا عیدین کا کوئی لیکچر ہو کوئی نصیحت ہو تو اس کے شروع میں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ پڑھ لیتا ہوں اور جب کوئی لمبی بات یا درد مند دل کی بات کرنی ہو تو اس کے اوّل بھی یہ ضرور پڑھ لیتا ہوں۔ غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو میری نصیحت کو سنتے ہیں اس بات کے گواہ رہیں کہ میں خدا تعالےٰ کو وحدہٗ لاشریک اس کی ذات اور صفات میں مانتا ہوں اور حضور قلب سے، یقین سے اور استقلال سے یہ بات کہتا ہوں کہ میں اس کی قدرتوں کو بیان کرتے ہوئے کبھی شرمندگی نہیں اٹھاتا۔ میں اسے اپنا محبوب مانتا ہوں اور محمد رسول اللہ صلعم کو سب انبیاء کا سردار اور فخر رسل سمجھتا ہوں اور میں اللہ کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے محض اپنے فضل سے اس کی امت میں سے بنایا۔ اس کے محبوّں میں سے بنایا اس کے دین کے محبوں میں سے بنایا اور اس کے بعد آپ نے اپنے سخت بیمار ہونے کا ذکر کیا کہ اس کے دوران میں نے کئی دفعہ یقین کر لیا کہ اب میں مر جاؤں گا۔ ایسی حالت میں بعض لوگوں نے میری بڑی بیمار پرسی کی۔ تمام رات جاگے اور ساری ساری رات دبایا۔ یہ سب خدا تعالےٰ کی غفوریاں رحیمیاں ہیں اور ستاریاں ہیں۔

اور فرمایا یاد رکھو اگر میں مر جاتا تو اسی ایمان پر مرتا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور حضرت محمد اس کے سچے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور فخر رسل ہیں اور یہ بھی میرا یقین ہے کہ حضرت مرزا صاحب مہدی ہیں۔ مسیح ہیں۔ محمد رسول اللہ صلعم کے سچے غلام ہیں۔ بڑے راستباز اور سچے ہیں۔ اور مجھ سے ایسی خدمت نہیں ہوئی جیسی چاہیئے تھی اور ذرا بھی ادا نہیں ہوئی میں آج اپنی زندگی کا نیا دن سمجھتا ہوں گو تم یہ بات نہیں سمجھ سکتے۔ مگر اب میں ایک نیا انسان ہوں۔ ایک نئی مخلوق ہوں۔ میرے قویٰ پر میری عادات پر میرے دماغ پر میرے وجود پر میرے اخلاق پر جو اس بیماری نے اثر کیا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ میں ایک نیا انسان ہوں مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ میں ذرّہ کسی کی خوشامد نہیں کر سکتا۔ میں بالکل الگ تھلگ ہوں۔ میں صرف اللہ تعالےٰ کو اپنا معبود سمجھتا ہوں وہی میرا رب ہے۔ اس بات کا بھروسہ نہیں کہ آئندہ ہفتہ تک میری زندگی ہے یا نہیں میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے تقوےٰ اختیار کرو۔ اپنے باطن کو ایسا صاف کرو جیسا کرنا چاہیئے۔ خدا تعالےٰ پاک وقدوس اور سب سے بڑھ کر مطہر ہے۔ اس کی جناب میں مقرب وہی ہو سکتا ہے جو خود پاک ہے۔"

کیسی عمدہ اور جامع نصیحت ہے۔ کیسا لاجواب انداز ہے مولانا صاحب کا۔

از افاضات حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

صرف افراد کی اِصلاح پاکستان کی مضبوطی کا باعث ہو سکتی ہے

پاکستان اگر قائم رہ سکتا ہے تو علیکم انفسکم پر عمل کرنے سے قائم رہ سکتا ہے۔ ہماری قوم کا ہر فرد اپنی اصلاح میں لگ جائے اپنے آپ کو بہتر بنانے کی فکر میں لگ جائے، اپنے بھائی کو گرانے کی فکر چھوڑ دے۔ جب ہر فرد کے دل میں یہ خیال جاگزین ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو بہتر اور مضبوط تر کس طرح بنائے تو لازماً یہی جذبہ ساری قوم میں کارفرما ہوگا۔ اپنے آپ کو تعمیری لحاظ سے مضبوط کرنے اور ہر پہلو سے ملک کی حالت کو بہتر بنانے سے پاکستان مضبوط ہو سکتا ہے۔ فوجی طاقت کی بھی ضرورت ہے لیکن اسی حد تک کہ دوسرے کے حملہ سے اپنے آپ کو محفوظ کیا جا سکے، خود دوسرے کی تباہی کا خیال نہ ہو۔ لیکن پاکستان کی قوت اور پائداری کا راز صرف اس بات میں ہے کہ ہم سب کے سب اپنے نفس کی اصلاح میں لگ جائیں۔ اور اپنے آپ کو اپنی قوم کا بہترین فرد بنانے کی کوشش کریں۔

ہماری جماعت کا طریقِ عمل

اس سے بھی بڑھ کر میں اپنی جماعت سے کہتا ہوں کہ علیکم انفسکم ایک مصلح تمہارے اندر کھڑا ہوا۔ اس نے تمہیں اپنے نفسوں کو سدھارنے کی تلقین کی آج اس کی جگہ آپ کھڑے ہیں۔ آپ اس مصلح کے جانشین بن کر کھڑے ہوئے ہیں آپ نے دنیا میں خدا کے نام کو پھیلانا اپنے ذمہ لیا ہے۔ کیا ہم سب نے اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچایا ہے جو علیکم انفسکم کا تقاضا ہے؟ کیا ہم نے دوسروں پر نکتہ چینی دوسروں کی عیب شماری ترک کر کے دوسروں کو گرانے کی فکر چھوڑ کر اپنی ساری توجہ کو اپنے نفس کی اصلاح پر اپنے آپ کو زیادہ مفید بنانے پر لگا دیا ہے، اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچایا ہے، کہ دوسرے ہمارے نمونہ سے اچھا سبق لیں۔ افسوس ہے کہ یہاں بھی بہت لوگوں میں تعمیری کاموں کی طرف توجہ کم ہے اپنی اصلاح کا خیال اتنا نہیں جتنا دوسروں کو نیچا دکھانے کا خیال ہے۔ میں اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ جماعت بنانے کا یہ طریق نہیں۔ جماعت بنانے کے لئے ایک دوسرے کے عیوب اور نقائص پر نظر رکھنے کے بجائے اپنے نقائص اور عیوب کی اصلاح کی طرف توجہ ہونی چاہیئے۔

اپنی کمزوری چھپانے کے لئے دوسروں کی عیب چینی!

میں نے دیکھا ہے کہ بہت لوگ اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کے بجائے دوسروں کے نقصوں کو آگے کر دیتے ہیں۔ بعض وقت میں کسی کو چندے کے لئے تحریک کرتا ہوں تو جواب ملتا ہے کیا کریں تمہارے وہاں تو جھگڑے ہی ہوتے رہتے ہیں۔ فرض کیجئے ہم میں جھگڑے ہیں تو کیا اس سے یہ جواز نکل آتا ہے کہ ہم خدمتِ دین کے کام کو ترک کر دیں۔ ہماری توجہ تو اس طرف ہونی چاہیئے کہ ہماری کمزوری کس طرح دور ہو ہم میں قوت کس طرح پیدا ہو۔ جو لوگ خود کام نہیں کرنا چاہتے وہ اس طرح گریز کی راہ تلاش کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہماری انجمن میں کام کرنے والے آخر انسان ہی ہیں۔ یہ انسانوں ہی کی انجمن ہے۔ غلطیاں بھی ان میں ہوں گی جھگڑے بھی ہوں گے۔ جھگڑے کرنا اچھا کام نہیں، لیکن دوسرے کے عیب سے ہماری کمزوری دور نہیں ہو جائے گی، یہ اصلاح کا راستہ نہیں کہ ہم اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی تو فکر نہ کریں اور دوسروں کی کمزوری کو پیش کر دیں۔ ہر نظام میں کمزوریاں بھی ہوں گی نقص بھی ہوں گے لیکن دوسروں کی کمزوریاں ہمیں اپنے فرائض سے بری الذمہ نہیں کر دیتیں۔

. . . .

ماہوار چندوں کی ادائیگی میں نقص اور مسیح موعودؑ کا حکم

مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ ہم میں سے بہت لوگ ہیں جو اپنے نفس کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے اور جماعت کے کاموں میں جماعت کے مقررہ نظام میں پورے طور پر حصہ نہیں لیتے، یہ ماہوار چندہ جو آپ سے طلب کیا جاتا ہے حضرت مسیح موعودؑ کا مقرر کردہ ہے آپ نے فرمایا کہ جو شخص تین ماہ تک چندہ نہ دے اس کو جماعت سے خارج سمجھا جائے۔ لیکن اس صریح حکم کے باوجود آپ کوشش نہیں کرتے کہ حسبِ حیثیت باقاعدہ چندہ دیتے رہیں یہ جماعت میں شمولیت کی بنیاد ہے۔

ہم میں نقص ہیں ان کی اصلاح کرو

یہ بات تسلیم کر لینی چاہیئے کہ ہم میں نقص ہیں۔ ان کی اصلاح کی طرف توجہ کرو، اپنے آپ کو بہتر بناؤ۔ جب تک اپنے آپ کو بہتر بناؤ کوئی عذر کام نہ دے گا۔ اگر کوئی غلط رستہ پر چلتا ہے تو اس سے تمہارے لئے غلط رستہ پر چلنے کا جواز نہیں نکل آتا۔ تم پہلے اپنی کمزوریوں کی طرف توجہ کرو ان کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ دوسرے کی قانون شکنی تمہاری قانون شکنی کے لئے عذر نہیں بن سکتی۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامہ کے دن وہ لوگ جنہوں نے اپنے بڑوں کے نمونہ سے ٹھوکر کھائی عرض کریں گے کہ اے خدا انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تو تو ان کو دو چند سزا دے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا لکلٍ ضعف تم بھی تو دو چند سزا کے مستحق ہو، کیا خدا نے تمہیں عقل نہ دی تھی کہ تمہیں اپنی کمزوری نظر آ جاتی۔

خدا کے رستے میں دینے سے کوئی غریب نہیں ہو جاتا اور نہ دینے سے امیر نہیں بن جاتا

اس لئے میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ خدا کے لئے توجہ کریں ان کی لا پرواہی اور غفلت سے اور ایک دوسرے کو الزام دیتے رہنے سے خدا کے کام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ خوب یاد رکھئے جو اس قسم کی باتیں کرتا ہے کہ فلاں شخص ایسا ہے اور فلاں کام ٹھیک نہیں۔ اس لئے میں اس نیک کام میں حصہ نہیں لوں گا وہ خود نقصان اٹھاتا ہے۔ فائدہ اسی کو پہنچتا ہے جو قلب سلیم لے کر آئے اور خدا کے رستہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے دوسروں کی اصلاح کی کوشش ضرور کرے مگر سب سے پہلے اپنی اصلاح کی کوشش کرے، اپنے آپ کو دیکھے۔ اپنے ارد گرد دیکھے اپنے بیوی بچوں کو دیکھے اور ان کی اصلاح کی کوشش کرے۔ ہاں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو خدا کے رستے میں دل کھول کر دیتے ہیں۔ اور وہ بھی موجود ہیں جو بخل سے کام لیتے رہے ہیں۔ اس مجمع میں کیا ایک شخص بھی ایسا ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں خدا کے رستے میں نہ دینے کی وجہ سے آسودہ حال ہو گیا ہوں۔ ایک بھی ایسا شخص نہیں ملے گا۔ خدا کی راہ میں دینے سے کوئی شخص غریب نہیں ہوتا اور نہ دینے سے کوئی امیر نہیں بن جاتا۔ تو دیکھو اس کام کو مدنظر رکھو، جس سے دین کا فائدہ ہے۔ ایسا طریق اختیار کرو جس سے خدا کے کام کو نقصان نہ پہنچے۔ تمہاری کامیابی تب ہی ہوگی کہ تم خدا کے رستہ میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ وہ لوگ کیا کامیاب ہوں گے جو ایک دوسرے کی تخریب کے درپے ہوں گے۔

جماعتی نظام میں سب اکٹھے ہو کر کام کرو

جو سستی پیدا ہو گئی ہے اس کو دور کرنے کی آج ہی فکر کرو یہ بڑھتی چلی جائے گی ہم نے ارادہ کیا کہ ہر مہینہ کے آخری اتوار کو یہاں اکٹھے ہو کر کوئی خدا کے دین کی باتیں کیا کریں باوجودیکہ اس کے لئے بار بار تاکید کی گئی لیکن کتنے ہی دوست ہیں جنہوں نے اس ذکر الٰہی کی مجلس میں حصہ نہیں لیا یہ ٹھیک طریق نہیں اس کا نقصان تمام جماعت کو اور خدا کے دین کو پہنچتا ہے۔ یہ نظام کے کام جو ہیں ان میں سب کو اکٹھے ہو کر کام کرنا چاہیئے۔ ایک ہو کر کام کرنا چاہیئے۔ جس طرح ایک فوج ایک حکم کے ماتحت

محترم ملک ظفر اللہ خانصاحب راولپنڈی

ایمان کی حقیقت اور معرفت کا نُور جو مسیح موعودؑ کو عطا ہُوا

ان الذین امنوا وعملوا الصلحت لھم جنت تجری
ن تحتھا الانھار ذالک الفوز الکبیر۔ (البروج - ۱۱)
وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کے لئے باغ ہیں۔
ن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

حقیقتِ ایمان کو سمجھنے سے پہلے اس بات کو سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ
آن کریم کے اندر فرماتا ہے :۔
ما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا۔ کہ ہم نے
سمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ پیدا نہیں
ا۔ تو پھر انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے، کس غرض و غایت کے لئے پیدا
ا گیا۔ سو اس کے متعلق خود ہی فرماتا ہے:
وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ یعنے میں نے جنوں
ر انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے جانیں اور میری پرستش کریں۔
پس اس آیت کی رو سے اصل مدعا انسان کی زندگی کا خدا تعالےٰ کی معرفت
خدا تعالےٰ کے لئے ہو جانا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو تو یہ مرتبہ
ل نہیں ہے کہ اپنی زندگی کا مدعا اپنے اختیار سے آپ مقرر کرے کیونکہ
سان نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے واپس جائے گا۔ بلکہ وہ
ے مخلوق ہے اور جس نے پیدا کیا اور تمام حیوانات کی نسبت عمدہ اور اعلیٰ
ی اس کو عنایت کئے اسی نے اس کے زندگی کا ایک مدعا ٹھہرا رکھا ہے خواہ
ئی انسان اس مدعا کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر انسان کی پیدائش کا مدعا بلاشبہ خدا
پرستش اور خدا تعالےٰ کی معرفت اور خدا تعالےٰ میں فانی ہو جانا ہے۔ اب
یکھنا یہ ہے کہ اس مقصد یعنے اللہ تعالےٰ کی معرفت اور خدا تعالےٰ
فانی ہونے کے لئے کونسا صراطِ مستقیم ہے کیونکہ قانونِ قدرت بتا
ہے کہ ہر ایک چیز کے حصول کے لئے ایک صراط مستقیم ہے اور اس
حصول اسی پر قدرتاً موقوف ہے۔ چونکہ مختلف الخیال لوگوں نے اپنے
نے خیال کے مطابق ایک راہ مذہب کے نام پر اختیار کر لی ہے۔ اسل
اللہ تعالےٰ کے بتائے ہوئے صراط مستقیم سے بھٹک گئے۔ جس کی وجہ
، ان کی روحانی زندگی بہت ہی کمزور ہو گئی ہے اور ان کی بے جا آزادی اور
عتِ ایمان نے بہت ہی بڑا اثر۔ ان کے ارادت باطنی اور ان کی دینی
العزمی اور ان کی اندرونی حالت پر ڈالا ہے اور عجیب طور پر انہوں نے
لت کو صداقت کے ساتھ ملا لیا ہے۔ سو مذہب وہ چیز ہے جس
برکات کی اصل جز ایمان و اعتبار و حسنِ اعتقاد ہے و حسنِ ظن و اطاعت
ع مخبر صادق و کلامِ الٰہی ہے لیکن فلسفی لوگ اپنے غلط فلسفہ کی وجہ
مذہب کی حقیقت کچھ اور ہی سمجھ رہے ہیں سو انہیں لازم ہے کہ تعصب
خود پسندی کے شور و غوغا سے اپنے تئیں الگ کر کے سیدھی نظر اور
ھے خیال سے اس سوال پر غور کریں کہ ایمان کیا شئے ہے اور اس پر ثواب
ے ہونے کی کیوں امید کی جاتی ہے سو جاننا چاہیئے کہ ایمان اس اقرار
و تصدیق قلبی سے مراد ہے جو تبلیغ و پیغام کسی نبی کی نسبت محض
ے اور دور اندیشی کے لحاظ سے صرف نیک ظنی کی بنیاد پر یعنے وجوہ کو
سمجھ کر اور اس طرف غلبہ اور رجحان پا کر بغیر کامل انکشاف اور قطعی

واشگاف ثبوت کے دلی انشراح سے قبولیت و تسلیم ظاہر کی جائے۔ لیکن
جب ایک خبر کی صحت پر وجوہ کاملہ قیاسیہ اور دلائل کافیہ عقلیہ مل جائیں
تو اس بات کا نام ایقان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں علم الیقین کہتے
ہیں اور جب خدا تعالےٰ خود اپنے خاص جذبہ موہبت سے خارق عادت کے
طور پر انوار ہدایت کھولے اور اپنے آلاء و نعماء سے آشنا کرے اور لدنی
طور پر عقل اور علم عطا فرماوے اور ساتھ اس کے ابواب کشف اور الہام
بھی منکشف کر کے عجائبات الوہیت کا سیر کرادے اور اپنے محبوبانہ حسن و
جمال پر اطلاع بخشے تو اس مرتبہ کا نام عرفان ہے جس کو دوسرے
لفظوں میں عین الیقین اور ہدایت اور بصیرت کے نام سے موسوم
کیا گیا ہے اور جب ان تمام مراتب کی شدت اثر سے عارف کے دل میں ایک
ایسی کیفیت حالی عشق اور محبت کے باذنہ تعالےٰ پیدا ہو جائے کہ تمام
وجود عارف کا اس کی لذت سے بھر جائے اور آسمانی انوار اس کے دل پر
بکلی احاطہ کر کے ہر ایک ظلمت و قبض و تنگی کو درمیان سے اٹھا دیں یہاں
تک کہ بوجہ کمال رابطہ عشق و محبت و بباعث انتہائے جوش صدق و صفا
کے بلا و مصیبت بھی محسوس اللذت و مدرک الحلاوت ہو تو اس درجہ کا نام
اطمینان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں حق الیقین اور فلاح اور
نجات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ مگر یہ سب مراتب **ایمانی مرتبہ** کے بعد
ملتے ہیں اور اس پر مترتب ہوتے ہیں جو شخص اپنے ایمان میں قوی ہوتا ہے
وہ رفتہ رفتہ ان سب مراتب کو پا لیتا ہے لیکن جو شخص ایمانی طریق کو اختیار
نہیں کرتا اور ہر ایک صداقت کے قبول کرنے سے اوّل قطعی اور یقینی اور
نہایت واشگاف ثبوت مانگتا ہے۔ اس کی طبیعت کو اس راہ سے کچھ مناسبت
نہیں اور وہ اس لائق ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس قادر غنی بے نیاز کے فیوض
حاصل کرے۔ عادت اللہ قدیم سے اسی طرح پر جاری ہے اور یہ فن علم الٰہی
کا **نہایت باریک نکتہ** ہے جس پر سعادت مندوں کو غور کرنی چاہیئے
کہ ہمیشہ ثواب اور فیضان سماوی ایمان پر ہی مترتب ہوتا ہے۔ اس راہ
کا سچا فلسفہ یہی ہے کہ انسان دین قبول کرنے کی ابتدائی حالت میں اس
بے نیاز مطلق اور اس کی قدرت اور اس کے وعدہ و وعید
اور اس کے اخبار و اسرار قبول کرنے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ طریق اختیار
کیا جائے جس سے خدائے غنی مطلق جو مخلوق اور مخلوق کی عبادت سے بکلی بے نیاز
ہے راضی ہو جائے اور اس کے فیوض رحمت اترتے شروع ہو جائیں جس سے
اندرونی آلائشیں دور ہو کر صحن سینہ یقین اور معرفت سے پُر ہو جائے سو
یہ تدبیر اپنی فکر سے پیدا کرنا انسان کا کام نہیں تھا اس لئے اللہ جلّشانہ نے
اپنے وجود اور اپنے عجائبات قدرت خالقیت یعنی ارواح و اجسام و ملائک و
دوزخ و بہشت و بعث و حشر و رسالت و دیگر تمام اسرار مبداء معاد کو
یکساں طور پر عقل کو اس کوچہ میں گذر بھی دے کہ غرض کچھ دکھلا کر اور کچھ
چھپا کر بندوں کو ان سب باتوں پر ایمان لانے کے لئے مامور کیا اور یہ سب
کچھ اس لئے کیا کہ جب بندہ باوجود کشمکش مخالفانہ خیالات کے خدائے
تعالےٰ کی ہستی پر ایمان لائے گا اور سب عجائبات اُخروی وجود دوزخ و
بہشت و ملائک وغیرہ کو اس کی قدرت میں داخل سمجھ کر دیکھنے سے پہلے ہی
قبول کرے گا تو یہ قبول کرنا اس کے حق میں صدق شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ
ہنوز یہ چیزیں پردۂ غیب میں ہیں اور مرئی اور مشہود طور پر ظاہر اور نمایاں
نہیں ہیں سو یہ صدق خدائے تعالےٰ کی توجہ رحمت کے لئے ایک موجب
ہو جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ بوجہ اپنی استغناء ذاتی کے انہی لوگوں پر توجہ
کرتا ہے جن کا صدق ظاہر ہوتا ہے یوں تو انسان کی فطرتی عادت ہے کہ جو
چیز کھلے کھلے طور پر مضر یا مفید ہو اس سے بہ نفرت بھاگتا ہے یا اس کے
لینے کو بصد رغبت دوڑتا ہے یعنی جیسی صورت ہو لیکن وہ اپنی اس عادت
سے کسی ثواب کا مستحق نہیں ٹھہر سکتا۔

سو ثواب حاصل کرنے اور یقینی معرفت حاصل کرنے کے لئے ایمان ایک زینہ ہے جس پر چڑھنے کے بغیر سچی معرفت کو طلب کرنا باریک غلطی ہے اور اس زینہ پر چڑھنے والے معارف صافیہ اور مشاہدات شافیہ کا چہرہ دیکھ لیتے ہیں۔ سو **ایمانیات** میں سب سے مقدم امر خدا تعالےٰ کی ہستی اور اس کے علیم و حکیم اور قادر مطلق اور مدبّر بالارادہ ہستی اور وہ وحدہ لاشریک اور ازلی ابدی اور ذوالعرش اور پھر ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے پر ایمان لانا ہے اور یہ ایمان لانا اس طور پر ہے جس کا ثبوت اعمالِ صالحہ کے رنگ میں ہے۔ چنانچہ بشر الذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت میں صاف طور پر ایمان کو باغ سے مشابہت دی ہے جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ گویا جو رشتہ نہروں کا باغ کے ساتھ ہے وہی رشتہ اعمال صالحہ کا ایمان کے ساتھ ہے جیسے کوئی باغ بدوں پانی سرسبز نہیں رہ سکتا ایسے ہی کوئی ایمان بدون اعمال صالحہ کے زندہ ایمان نہیں کہلا سکتا۔ اگر ایمان ہو اور اعمالِ صالحہ نہ ہوں تو وہ اعمال ریاکاری ہیں۔ اسلامی بہشت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان و عمل کا ایک پھل ہے وہ کوئی چیز ایسی نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی بلکہ انسان کی بہشت انسان کے اندر ہی سے نکلتی ہے اور ہر ایک کی بہشت اس کا ایمان اور اسی کے اعمالِ صالحہ ہیں جن کی لذت اسی دنیا میں شروع ہو جاتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں اور نہریں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہونگے خدا کی پاک تعلیم ہمیں یہی سکھاتی ہے کہ سچا پاک اور مستحکم اور کامل ایمان جو خدا اور اس کی صفات اور اس کے ارادوں کے متعلق ہو وہ بہشت جو خوشنما اور بار ور درخت ہے اور اعمال صالحہ اس کی نہریں ہیں۔ وہ مؤمن جن کا ایمان بدون اعمالِ صالحہ کے ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ومن النّاس من یقول اٰمنا باللّٰہ و بالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین۔ اور کچھ حصہ ان تمام لوگوں میں سے ان کا ہے جو بتاتے ہیں کہ ایمان لائے ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر اور وہ مؤمن نہیں ہیں اٰمنا باللّٰہ و بالیوم الاٰخر کے الفاظ کہنے میں یہ بھی سر ہے کہ منافقوں کی عملی حالت کی سستی کو بھی دکھایا جائے کیونکہ سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات میں متقی کے لئے یؤمنون بالغیب کے بعد اعمال کا ذکر ہے اور یہاں منافقانِ اعتقادی کی حقیقت ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ گویا عملی حصہ میں سست ہیں **اعتقادی نفاق** تو یہ ہوتا ہے کہ جو افعال اور اعمال زبان اور دیگر جوارح سے بطرز مؤمن صادر ہوتے ہیں ان کا یقین قطعاً قطعاً دل میں نہیں ہوتا بلکہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر ارکان ایمان پر ایمان نہیں ہوتا۔ چونکہ اعمال بدون ایمان کچھ نتیجہ پیدا نہیں کر سکتے اس لئے ایسے منافق بہت ہی بری حالت میں ہوتے ہیں **عملی نفاق** یہ ہے کہ بات کرے تو جھوٹ بولے وعدے کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ امانت میں خیانت کرے۔ معاہدہ کرلے تو غداری کرے۔ لڑائی میں غلیظ گالیاں دے۔ عشاء اور فجر کی نمازوں میں عموماً سست ہو۔ عام طور پر نمازوں میں حضور قلب اور صدق نیت سے شامل نہ ہو بلکہ نمائش اور ریاکاری کے طور پر بھی خدا تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چرائے۔ کوئی دوسرا بھلا کام کرے خواہ وہ ادنےٰ ہو یا اعلےٰ اس میں نکتہ چینی کرے مؤمنوں کے رنج و راحت میں شریک نہ ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کیا جائے جس سے کامل ایمان پیدا ہو کر اعمال صالحہ سرزد ہوں اور انسان گناہ کی زہر سے بچ جائے اس کے لئے یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ انسان جو گناہ کرتا ہے اور نافرمانی کرتا ہے اور اس کے دل پر لرزہ نہیں پڑتا اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا شناسی کی معرفت اسے حاصل نہیں ہو سکی۔ اس لئے گناہ کا سوائے اس کے کوئی دوسرا علاج نہیں ہے اور وہ یہی کہ لوگوں کو خدا تعالےٰ کی معرفت حاصل ہو۔

تمام سعادت مندوں کا مدار خدا شناسی پر ہے۔

نفسانی جذبات اور شیطانی حرکات سے روکنے والی صرف ایک ہی چیز ہے جو خدا تعالےٰ کی معرفت کہلاتی ہے۔ جس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ خدا ہے اور وہ بڑا قادر ہے وہ ذوالعذاب الشدید ہے۔ یہی ایک نسخہ ہے جو انسان کی متمردانہ زندگی پر ایک بھسم کر دینے والی بجلی گرا دیتا ہے پس جب تک انسان اٰمنت باللّٰہ کی حدود سے نکل کر عرفت اللّٰہ کی منزل میں قدم نہیں رکھتا تب تک اس کا گناہوں سے بچنا محال ہے پس جب تک انسان میں خدا کی معرفت اور گناہوں کے زہر کا یقین پیدا نہ ہو کوئی اور طریق خواہ وہ خودکشی ہو یا قربانی کا خون نجات نہیں دے سکتا اور گناہ کی زندگی پر موت وارد نہیں کر سکتا تو ایسے یقین کے خواہش مند کے لئے ضروری ہے کہ وہ کونوا مع الصّٰدقین سے حصہ لے جن کی ہر بات صداقت اور راستی ہونے کے علاوہ اس کے تمام حرکات و سکنات اقوال سب، صدق سے بھرے ہوئے ہوں گویا یوں کہو کہ اس کا وجود ہی صدق ہو گیا ہو اور اس کے صدق پر بہت سے تائیدی نشان اور آسمانی خوارق گواہ ہوں چونکہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے اس لئے جو شخص ایسے آدمی کے پاس جو اپنے حرکات و سکنات و اقوال و افعال میں خدائی نمونہ اپنے اندر رکھتا ہے صحت نیت اور اور پاک ارادے اور مستقیم جستجو سے ایک مدت تک رہے گا تو یقین کامل ہے کہ اگر وہ دہریہ بھی ہوگا تو آخر خدا تعالےٰ کے وجود پر ایمان لے آئے گا۔ انسان اصل میں اُنسان کا مجموعہ ہے۔ اس لئے ایک کامل انسان کی صحبت اور صادق کی معیت اسے وہ نُور عطا کرتی ہے جس سے وہ خدا تعالےٰ کو دیکھ لیتا ہے۔ اور گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ انسان کے دراصل دو وجود ہوتے ہیں۔ ایک پیدائشی اور ایک صادق کی صحبت میں تیار ہوتا ہے اس کے پیدا ہونے پر اس مادی وجود پر ایک قسم کی موت وارد ہو جاتی ہے یہ سنت اللہ اور استمراری عادت اللہ ہے کہ جب دنیا میں بدی پھیلتی ہے اور لکھے پڑھے بھی بندر اور سور اور عبدالطاغوت ہو جاتے ہیں۔ خدا کا خوف دلوں سے اُٹھ جاتا ہے، اور انسانیت مسخ ہو کر حیوانیت اور بہیمیت سی ہو جاتی ہے پھر اللہ تعالےٰ محض اپنے فضل و کرم سے تباہ شدہ مخلوق کی دستگیری کے لئے ایک مامور دنیا میں بھیجتا ہے جو آکر ان کی گمشدہ متاع پھر ان کو دیتا ہے اور خبیثوں اور طیب لوگوں میں امتیاز ہو جاتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے قبل قرآن مجید ذیل کے الفاظ میں دنیا کی حالت کا نقشہ کھینچتا ہے۔ ظھر الفساد فی البر و البحر جنگلوں اور سمندروں میں غرض ہر جگہ تری اور خشکی میں فساد نمودار ہو گیا تھا وہ جو اپنے آپ کو ابراہیم کے فرزند کہلاتے تھے ان کی نسبت قرآن ہی نے شہادت دی ہے

اکثرھم فاسقون ان میں اکثر لوگ فاسق تھے اور یہاں تک فسق و فجور نے ترقی کی ہوئی تھی کہ جعل منھم القردۃ و الخنازیر یہ اس وقت کے پڑھے لکھے لوگوں کا نقشہ ہے کہ وہ ایسے ذلیل و خوار ہیں جیسے بندر اور ایسے شہوت پرست جیسے خنزیر۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے ان لوگوں کا جو لکھے پڑھے نہ تھے۔ غرض جس طرف نظر اُٹھا کر دیکھو۔ جدھر نگاہ دوڑاؤ دنیا کیا بلحاظ عبادات اور معاملات ہر طرح ایک خطرناک تاریکی میں مبتلا تھی اور دنیا کی حالت بالطبع چاہتی تھی۔ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عربوں میں مبعوث کیا جیسا کہ فرمایا ھو الذی بعث فی الامیین رسولًا منھم پہلا کام یہ کیا کہ ان پر خدا کی آیات پڑھ دیں دوسرا کام ان کو پاک کیا ہے۔ و یزکیھم۔ اس

(باقی بر صفحہ ۹ کالم ۱ و ۲ کے نیچے)

محترم شیخ محمد طفیل صاحب ایم اے مبلغ انگلستان

مکتوبِ لندن

ایک ترک پروفیسر سے ملاقات

میں گذشتہ ہفتہ (۲۴ مئی ۷۵ء) لندن مشن ہاؤس کی ایک کھڑکی کو ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ گھنٹی بجی۔ دروازے پر ایک ترک پروفیسر کھڑے تھے میں نے انہیں اندر بٹھایا اور جلدی جلدی ہاتھ صاف کر کے ان کے پاس آ بیٹھا۔ کہنے لگے میں آپ سے کچھ سوالات پوچھنے آیا ہوں۔ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو سلسلہ کلام شروع کروں۔ میں نے عرض کیا شوق سے جتنا عرصہ آپ چاہیں یہاں تشریف رکھئے۔

پہلے انہوں نے اپنا تعارف کرایا اور بتلایا کہ وہ ترکی میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں اور آج کل تحریکِ احمدیت پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ بانیِ تحریک احمدیت کی تمام عربی کتب حمامۃ البشریٰ۔ خطبہ الہامیہ حقیقۃ الوحی عربی حصہ وغیرہ پڑھ چکے ہیں اور جو کتب انگریزی میں ترجمہ ہو چکی ہیں وہ بھی دیکھ چکے ہیں۔ ربوہ جماعت کا لٹریچر بھی پڑھا ہے اور لاہور جماعت کی انگریزی کتب بھی ان کے مطالعہ میں ہیں۔ مخالفین سلسلہ کی کتب بھی دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد جو انہوں نے سوالات پوچھے اور جو مختصر جوابات میں نے دیئے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:۔

سوال: پاکستان اسمبلی نے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کا اطلاق دونوں جماعتوں پر ہوتا ہے۔

جواب: جی ہاں دونوں جماعتوں پر ہوتا ہے اس میں ربوہ جماعت اور لاہور جماعت کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔ لاہور جماعت کو انہوں نے زبردستی اس قضیئے میں گھسیٹ لیا ہے۔

پروفیسر: یہ امر قابلِ تعجب ہے۔ میں نے مولانا محمد علی صاحبؒ اور خواجہ کمال الدین صاحبؒ کی کتب مطالعہ کی ہیں۔ ان میں کوئی بات خلافِ اسلام نہیں دیکھی بلکہ انہوں نے اسلام کی عظیم خدمت کی ہے۔ ان کی ایک کتاب ریلیجن آف اسلام کا ترکی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

سوال:۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنے الہامات کے لئے وحی کا لفظ استعمال کیا ہے کیا اور مجددین نے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے۔

جواب: قرآن مجید نے غیر انبیاء کے لئے وحی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حضرت موسٰے کی والدہ۔ مسیح کے حواریوں کے متعلق۔

پروفیسر۔ یہ بحث میں آپ کی کتاب احمدیہ موومنٹ میں پڑھ چکا ہوں میرا سوال مجددین کے الہامات کے متعلق ہے۔

جواب: شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تفہیماتِ الٰہیہ میں وحی کا نزول مانا ہے۔ لیکن یہ وحی وحی ولایت ہوتی ہے اس کا حوالہ احمدیہ موومنٹ میں موجود ہے (صفحہ) دیگر اولیاء اور صوفیاء کے کلام سے مزید حوالہ جات دکھائے جا سکتے ہیں بہرحال بانیٔ سلسلہ نے اپنی وحی کو وحی ولایت قرار دیا ہے نہ کہ وحی نبوت۔

سوال: عام طور پر تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ مجدد کو اس کی وفات کے بعد لوگ اس کے کاموں کی وجہ سے مجدد قرار دیتے ہیں اس کا دعوےٰ کرنا ضروری نہیں۔

جواب: امام غزالیؒ۔ ابن تیمیہ۔ مجدد الف ثانی۔ شاہ ولی اللہ نے واضح الفاظ میں اپنے مجدد ہونے کا اعلان کیا ہے۔

سوال: امام غزالی نے کونسی کتاب میں اعلان کیا ہے۔

جواب: المنقذ من الضلال میں اس کا اور دیگر مجددین کے دعاوی کے متعلق حوالہ جات احمدیہ موومنٹ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

پروفیسر: شکریہ میں ان میں دیکھ لوں گا۔

سوال: حضرت مرزا صاحب کے بعض الہامات اپنی ذات سے متعلق یا اپنے دشمنوں کے متعلق ہیں۔

جواب: یہ تو ظاہر ہے کہ ولی کے الہامات شریعت و ہدایت کے حامل نہیں ہوتے اس کے الہامات یا اس کی ذات کے متعلق ہوتے ہیں یا دوستوں دشمنوں کے متعلق یا ملکوں اور قوموں کے متعلق۔ چونکہ ولی نبی کا ظل ہوتا ہے اس لئے اس کے الہامات میں خوشخبریاں بھی ہوتی ہیں اور وارننگ (انذار) بھی۔

سوال: حضرت مرزا صاحب کے الہامات میں بشارات کونسی ہیں؟

جواب:۔ اسلام کے غلبہ اور کامیابی کی بشارات۔

سوال: جو لڑائیوں زلزلوں اور بیماریوں کی خبریں دی ہیں ان سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہ مسیح کے آنے کی علامات ہیں

سوال: بعض مخالفین کا نام لے کر عذاب کی پیشگوئیاں ہیں

جواب: قرآن کا بیان پڑھ لیں جس میں ابو لہب اور اس کی بیوی کی تباہی کی خبر ہے۔

سوال: مسیح ناصری جب فوت ہو گیا تو بات ختم ہو گئی اس کے دعوے کی کیا ضرورت تھی کہ میں مسیح موعود ہوں۔

جواب: قرآن سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح فوت ہو گیا ہے لیکن احادیث سے اس کی آمد کا پتہ چلتا ہے اور اس کے ساتھ کثرت سے دوسری روایات بھی ہیں جن کا تعلق دجال اور یاجوج ماجوج سے ہے۔ اگر ان روایات کا انکار کیا جائے جو چودہ مختلف طریقوں سے مروی ہیں تو پھر تمام حدیث کے لٹریچر سے امان اُٹھ جاتا ہے۔ حضرت مرزا صاحبؒ نے ان احادیث کی ایسی تشریح کی ہے جس سے قرآن اور حدیث میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

سوال: مہدی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے

جواب: بخاری اور مسلم میں تو مہدی کا ذکر نہیں۔ باقی احادیث کی کتابوں میں اس کے متعلق بہت سی متضاد باتیں لکھی ہیں۔ صرف اتنی بات ان میں مشترک ہے کہ مہدی آئے گا۔ ابن ماجہ نے عیسٰے ہی کو مہدی کہا ہے

سوال: ربوہ جماعت کا خیال ہے کہ آپ نے پہلے مولینا حکیم نورالدین صاحب کو خلیفہ مانا لیکن ان کی وفات کے بعد خلافت کے منکر ہو گئے اور اس لفظ کا استعمال بھی ترک کر دیا۔

جواب: یہ درست ہے کہ ہم نے خلیفہ کی جگہ امیر کا لفظ اختیار کر لیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ کے لفظ سے ربوہ کی جماعت یہ غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ خلیفہ نبی کا ہوتا ہے (حالانکہ یہ بات ہی غلط ہے۔ خلیفہ شیخ کا بھی اور اولیاء کا بھی ہو سکتا ہے) لیکن جب ایک اصطلاح سے غلط فہمی پیدا ہونے لگی تو اسے ترک کرنا ضروری ہو گیا۔ ویسے مولنا نورالدینؒ اسی طرح کے امیر تھے جس طرح مولینا محمد علی صاحب کو ہم امیر سمجھتے رہے ہیں۔ نیز خلیفہ اور امیر کے الفاظ ادل بدل کر بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو خلیفہ بھی کہتے تھے اور امیر المومنین بھی۔ حضرت علیؓ کو تو زیادہ تر امیر المومنین ہی کہتے تھے۔ قرآن کی رُو سے مامور مجدد ہی آیت استخلاف کا مصداق ہے اور اس آیت کی رُو سے حضرت مرزا صاحبؒ خلیفہ تھے۔ مولینا نورالدین صاحبؒ یا مولنا محمد علیؒ صاحب اس خلیفہ کے خلیفہ یا نمائندہ تھے۔

سوال: مصلح موعود کی پیشگوئی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ ربوہ جماعت کے نزدیک یہ بانیٔ سلسلہؒ کے فرزند مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے متعلق ہے۔

جواب: حضرت مرزا صاحب نے کہیں الہاماً نہیں بتایا کہ اس پیشگوئی

کے مصداق ان کی زندہ اولاد میں سے کوئی فرزند ہے۔ ربوہ کی جماعت ادھر ادھر کی عبارتیں جوڑ توڑ کر کہیں الفاظ کو چھپا کر ان سے غلط استدلال کر کے ان پیشگوئیوں کو مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب پر لگاتی ہے ویسے زبان کے لحاظ سے بیٹا آئندہ کسی نسل کے فرد پر بھی بولا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں میں نے انگریزی میں ایک مضمون لکھا تھا وہ ہو سکا تو بھجوا دوں گا۔

سوال: میں نے ہز ہولی نس، کتاب پڑھی ہے کیا اس کا کوئی جواب آپ کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

جواب: اس کے مصنف کو اس کتاب پر اپنا نام لکھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس کا جواب ہماری طرف سے شائع ہوا ہے اسے تلاش کر کے بھجوانے کی کوشش کروں گا۔

سوال: آپ ... اپنی کتابوں میں منیر رپورٹ کا حوالہ دیا ہے باوجود تلاش مجھے یہاں کہیں سے مل ... سکی۔

جواب: میرے ... نسخہ ہے آپ کو عاریتاً بھجوا سکتا ہوں۔

پروفیسر: ... کی کتاب الاحمدیہ مولانا ابوالحسن ندوی صاحب کے جواب میں ... پوری کتاب کا جواب لکھ دیتے تو اچھا ہوتا۔ مجھے ندوی صاحب کے لمبے چوڑے دعاوی اور غلط بیانیوں کو دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔

میں نے عرض کیا میں نے اس سلسلہ میں نوٹ لے رکھے ہیں لیکن دیگر کاموں سے فرصت میسر نہیں آتی کہ اس طرف توجہ دے سکوں۔

پروفیسر: میری کتاب ترکی زبان میں شائع ہوگی۔ میں آپ کے نقطۂ نظر کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کروں گا۔ اگر میں اگست تک یہاں ٹھہرتا تو آپ کی کنونشن میں ضرور شریک ہوتا۔ جولائی کو یہاں سے مجھے واپس جانا ہے۔ اس سے قبل ایک دفعہ آپ سے مزید ملاقات کی کوشش کروں گا۔ ترکی سے اپنی کتاب بعد از اشاعت آپ کو بھجوا دوں گا۔

میں نے عرض کیا:

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم

بہر حال ان مقامات پر نشان لگا کر بھیجدیں جہاں ہمارا ذکر ہوگا کسی دوست سے پڑھوا کر سن لوں گا۔

بقیہ صفحہ

دعوے کا ثبوت بھی دیا۔ جبکہ ان میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی وہ قوم جو بت پرستی میں غرق تھی لا الٰہ الا اللہ کہنے والی ہی ثابت نہیں ہوئی بلکہ توحید کو جوش اور صدق سے انہوں نے قبول کیا کہ تلواروں کے سایہ میں بھی اس اقرار کو نہیں چھوڑا۔

قدم الرجال لصدقهم في حبهم
تحت السيوف اريق كالقربان

سو ان مردوں کے خون ان کی خلوص محبت کے باعث تلواروں کے نیچے قربانیوں کی طرح بہائے گئے۔ ملک و مال، احباب رشتہ داروں کو چھوڑنا منظور کر لیا مگر اس چھوڑی ہوئی بت پرستی کو پھر منظور نہ کیا۔

جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو ایک صحابی کثیر جائداد کی وجہ سے مکہ میں ہی رہ گئے تھے۔ کچھ دنوں بعد آپ کی محبت نے تنگ کیا اور مدینہ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ وہاں کے سرکردہ لوگوں نے کہا تمہاری جائداد ضبط کر لی جائے گی اور تمہیں یہاں سے کوئی چیز نہ لے جانے دی جائے گی اس نے کہا کوئی بات نہیں لے لو میں اب نہیں رک سکتا آپ کی مہجوری کا صدمہ برداشت نہیں کیا جاتا۔ جب جانے کے لئے تیار ہوا تو کہا جوتے اور کپڑے بھی اتار دو گویا ایک چھوٹی سی دھوتی باندھنے کو دے کر کپڑے اور جوتے بھی اتار لئے اس پر بھی اس نے مدافعت اور اصرار نہ کیا اور پھر پا برہنہ تین صد میل کی مسافت طے کر کے اپنے حبیب کے پاس پہنچ گیا۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد

۳۱

محترمہ نسرین گل محمد صاحبہ سیکرٹری انجمن خواتین احمدیہ لاہور

تنظیم خواتین احمدیہ کی ماہانہ میٹنگ کی کاروائی

تنظیم خواتین احمدیہ کی ماہانہ میٹنگ مورخہ ۷ر مئی بروز بدھ شام ۱/۲-۵ بجے مسجد دارالسلام میں منعقد ہوئی۔

چونکہ شام چھ بجے محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب درس قرآن دیتے ہیں۔ وقت کی قلت کے باعث دستکاری کی سیکرٹری کے انتخاب کے علاوہ کوئی تقریر وغیرہ ایجنڈا میں شامل نہ کی گئی۔

کاروائی کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے طاہرہ جنجوعہ صاحبہ نے کلام مسیح موعود ترنم کے ساتھ سنایا اور پھر دستکاری کے لئے سیکرٹری کا انتخاب عمل میں آیا۔ نگین ملک صاحبہ نے محترمہ نسیمہ یوسف احمد صاحبہ کا نام تجویز کیا۔ مگر نسیمہ احمد صاحبہ نے اپنے شوہر کے متوقع تبادلہ کے پیش نظر یہ ذمہ داری قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی لیکن یہ یقین دلایا کہ جب تک وہ لاہور میں ہیں ہر طرح تعاون کریں گی۔ گذشتہ سال محترمہ صفیہ جاوید احمد صاحبہ کے انتہائی جانفشانی اور لگن سے دستکاری اکٹھا کرنے۔ سلیقہ سے سٹال لگانے اور تمام حساب کتاب باقاعدہ رکھنے کے باعث جلسہ سالانہ پر خواتین کی طرف سے تقریباً چار ہزار روپے کی رقم پیش کی گئی۔ جس میں سے نصف سے زیادہ رقم دستکاری سے حاصل ہوئی۔ چنانچہ ان کی گذشتہ کامیابی کو مد نظر رکھتے ہوئے تمام ممبران نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا۔ کہ محترمہ صفیہ جاوید ہی مزید ایک سال کے لئے یہ ذمہ داری سنبھالیں۔ ہم ان کے مشکور ہیں کہ انہوں نے انتہائی مصروفیت کے باوجود یہ ذمہ داری قبول کی۔

ممبران کو بتایا گیا کہ ۲ر مئی کو پندرہ روزہ سمر سکول کلاسز کی اختتامی تقریب کے موقعہ پر محترمہ بیگم سلیمہ فاروقی صاحبہ کی تحریک پر مسجد دارالسلام کی تکمیل کے لئے عطیہ جات پیش کئے گئے۔ بیگم سلیمہ فاروقی صاحبہ نے سب سے پہلے اپنی طرف سے ایک ہزار روپیہ کا عطیہ اور اپنی والدہ محترمہ بیگم آغا محمد صفدر کی جانب سے ایک ہزار روپیہ عنایت فرمائے۔ اسی وقت یہ وعدے چھ ہزار روپے سے متجاوز ہو گئے ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ میٹنگ میں موجود بہنوں نے مزید وعدے کئے۔ اور یہ یہ رقم ۹ ہزار سے اوپر ہو گئی۔

یہ بھی تجویز ہوا کہ بیرون از لاہور بہنوں کو بھی لکھا جائے کہ وہ مسجد کی تکمیل کیلئے خواتین سے چندہ جمع کر کے سیکرٹری تنظیم خواتین احمدیہ 54 سی احمد پارک کے پتہ پر انجمن کے نام کا چیک ارسال فرمائیں، تاکہ خواتین کی طرف سے مسجد کا ایک حصہ مکمل کیا جا سکے۔

صفیہ جاوید صاحبہ نے تجویز پیش کی کہ ستمبر میں ہونے والی میٹنگ میں ممبران سے ہلکا سا ٹسٹ اسلام و احمدیت کی تاریخ پر لیا جائے اور 80% نمبر حاصل کرنے والی بہنوں کو انعام دیئے جائیں۔

آئندہ میٹنگ ستمبر میں ہونی تھی۔ مگر طاہرہ فضل احمد کی تجویز پر جون میں بھی میٹنگ ہوگی۔ انشاءاللہ

آخر میں مہمانوں کی تواضع زبیدہ احمد۔ خدیجہ منصور اور صفیہ جاوید کی طرف سے کی گئی۔ اور شکریہ کے ساتھ میٹنگ ختم ہوئی۔

جاؤك ينهوبين كالعريان
فسترتهم بملاحف الايمان

وہ میرے پاس ننگے بھوکے مانند برہنہ آئے پس تو نے انہیں ایمان کی چادریں اوڑھا دیں۔

گویا ان لوگوں نے اپنے سید و مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ وفاداری اور ثبات قدم دکھایا جس کی نظیر دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔

محترم ڈاکٹر خورشید عالم ترین صاحب ایم بی بی ایس

خروجِ دجّال

احادیث میں ہے کہ مسیح موعود ہی دجّال کی نشاندہی کرکے اعلان کرے گا یا ایہا الناس ھٰذا الدجال الذی ذکرہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ (کنزالاعمال)

اے لوگو! یہی وہ دجّال ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔

الحمد للّٰہ! یہ سعادت حسنہ بھی حضرت مرزا صاحب قادیانی رح کے ہی حصّہ میں آئی۔ چنانچہ آپ نے ۱۸۹۱ء میں اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں یہ اعلان عام کردیا کہ مغربی عیسائی اقوام ہی دجّال ہیں۔ مسلمانوں نے اس اعلان کو باطل کرنے کی بے حد کوشش کی لیکن آخر سب کو تسلیم کرنا پڑا کہ مامور من اللہ کا فرمان واقعی درست تھا۔

انگلستان سے مسٹر علی اکبر صاحب نے (جو احمدی نہیں) ایک کتاب PROPHESIES OF THE HOLY QURAN شائع کی ہے اس میں دجّال کی بعینہٖ وہی تشریح کی ہے جو سالہا سال سے احمدی جماعت کرتی آئی ہے قارئین کرام کی خاطر ہم کتاب مذکورہ کے صفحہ ۲۷ سے ۳۵ تک کے اقتباسات نقل کرتے ہیں:۔

(۱) "ہمارے نبی کریم صلعم نے اپنے اُمتیوں کو یہ تلقین فرمائی ہے کہ جب وہ وقت آجائے اور وہ دجّال کے خروج کا سنیں تو انہیں چاہیئے کہ سورۃ الکہف کی پہلی دس اور آخری دس آیات پڑھیں۔ ایسا کرنے سے وہ دجّال کے شر اور فتنہ سے محفوظ ہو جائیں گے[۱] ۔۔۔۔۔۔۔ اب چونکہ یہ آیات بھی عیسائیوں کے غلط عقیدہ کو بیان کرتی ہیں۔ اس لئے اس بات میں ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ فتنۂ دجّال اصل عیسائی اقوام ہی کا فتنہ ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور دجّال اس کو حضرت عیسےٰؑ کی اصل تعلیم کے منافی ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے (دجّال کے معنی ہیں جھوٹا یا جھوٹوں کا گروہ۔ مترجم)"

(۲) "جب دجّال ظاہر ہوگا تو اس کا رنگ سفید ہوگا اور وہ داہنی آنکھ سے کانا ہوگا جبکہ اس کی بائیں آنکھ ستارہ کی مانند چمک رہی ہوگی[۲]۔ اوّل تو یورپین اقوام ہی بالعموم گوری رنگت والی ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دائیں آنکھ کا مارا جانا روحانی اندھاپن ہے۔ ۔۔۔۔۔۔۔ آنحضرت صلعم نے بارہا فرمایا کہ انسان کی دائیں جانب بہشت اور بائیں جانب دوزخ ہے۔ پس بائیں آنکھ کی چمک سے مراد مادی زندگی اور مال کی حُب ہے جو انسان کو راہِ راست سے ہٹا کر دوزخ کی طرف لے جاتا ہے"

(۳) "دجّال کے ماتھے پر ک۔ف۔ر لکھا ہوگا۔ مسلمان خواہ پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ ہو، یہ ضرور پڑھ سکے گا[۳]"

چونکہ دنیا کا واحد دین جو صحیح وحدانیت کا درس دیتا ہے، وہ اسلام ہی ہے۔ اس لئے ایک سچا مؤمن، خواہ وہ کتنا ہی اَن پڑھ کیوں نہ ہو فوراً ایسے شخص کو کافر قرار دے گا جو اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراتا ہو۔ یہی مراد اس حدیث سے ہے۔"

(۴) "دجّال مُردوں کو زندہ کرے گا"[۴]

ان الفاظ کے یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ان میں میڈیکل سائنس کی ترقی کی طرف اشارہ ہے، جو بسا اوقات زندگیوں کو موت کے منہ سے واپس کھینچ لاتی

[۱] بخاری ۱۰: ۱۴۹ [۲] بخاری ۷۷: ۶۸ تا ۹۲

[۳] مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۲۸ تا صفحہ ۲۵۰۔ [۴] کنزالاعمال جلد ۷ حدیث نمبر ۲۹۹۱۔

ہے[۱] (اب تو علم جراحی کی برق رفتار ترقی کی بدولت ناکارہ عضو بھی بدلے جارہے ہیں۔ خورشید)

(۵) "دجّال کی سواری سفید گدھا ہوگی۔ اس کے کان کی لمبائی تیس گز ہے اور ایک قدم ایک دن کی مسافت کے برابر ہے[۲]"

یہ عبارت ریل گاڑیوں پر صادق آتی ہے جو چند ہی گھنٹوں میں اتنا ہی فاصلہ طے کرتی ہے جو پہلے ایک دن کی مسافت تھا۔ ان ریلوں کی سیٹی بسا اوقات گدھے کی آواز سے مشابہت رکھتی ہے[۳]

(۶) "ہم نے (صحابہ نے) عرض کیا یا رسول اللہ صلعم! دجّال زمین میں کس قدر تیز چلے گا حضور نے فرمایا کہ جس تیزی سے ہَوا بادل کو اُٹھا لے جاتی ہے۔ وہ (دجّال) زمین اور آسمان کے درمیان اُچھلتا پھرے گا[۴]"

آسمان اور زمین کے درمیان اُچھلنا اصل میں جٹ طیاروں، راکٹوں اور SPACE SHIPS کی صحیح کیفیت ہے جو بڑی تیز رفتاری کے ساتھ آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ ہوائی سفر اس (دجّال) کے لئے اسی قدر آسان بن گیا ہے جس قدر ہوا کے لئے بادل کو اُٹھا کر لے جانا۔"

(۸) "جب اللہ کا دشمن (دجّال) نکلے گا تو اس کے ساتھ یہود کا لشکر ہوگا[۵]۔

ان الفاظ کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں (حالیہ عرب اسرائیل جنگ نے یہ منظر بھی دکھا دیا۔ خورشید)

(۱۰) "دُنیا کے خزانے دجّال کے پیچھے اسی طرح چلیں گے جس طرح شہد کی مکھیاں رانی مکھی کے پیچھے چلتی ہیں"۔[۶]

ہم سب بخوبی دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح یورپین اقوام بر اور بحر کے مخفی خزانوں کو نکال رہی ہیں۔

(۱۳) "جب دجّال نکلے گا تو عورتیں مردوں کی طرح اور مرد عورتوں کی طرح نظر آئیں گے"[۷]

یہ نظارہ نہ صرف یورپ اور امریکہ بلکہ ہر اس ملک میں نظر آئے گا جہاں مغربی تہذیب کی تقلید ہو رہی ہے۔

(۱۶) "دجّال کے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو یہ کہیں گے کہ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ دجّال کافر ہے۔ لیکن پھر بھی ہم اس کے ساتھ دوستی رکھے ہوئے ہیں تاکہ ہم بھی اس کے کھانے سے کھا سکیں"[۸]

باقی بر صـ۱۲ کالم ۲

[۱] حضور کے الفاظ اپنے لفظی معنوں میں بھی درست قرار پاتے ہیں۔ روس کے نامور سائنسدان نیگووسکی کے بارے میں مشہور دینی جریدہ "دین و دنیا"۔ دہلی یہ خبر شائع کرتا ہے:۔

"وہ اس وقت تک بے شمار (گھنٹہ دو گھنٹہ تک کے ۔۔۔ناقل) مردہ انسانوں کو زندہ کرچکا ہے۔ چنانچہ اس ماہر کے ذریعے دوبارہ زندگی حاصل کرنے والے ایسے بے شمار مریض موجود ہیں جو پندرہ بیس سال سے نہایت صحت مند زندگی گذار رہے ہیں اور اپنی نئی زندگی سے خوش اور خرم ہیں"۔ (بابت ماہ اگست ۱۹۶۱ء صـ۶۹) (خورشید)

[۲] کنزالاعمال جلد ۷ حدیث ۵۹۹۸۔

[۳] چنانچہ ایک مرتبہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کو ریل کی سیٹی سن کر یہی دھوکہ ہوا کہ شاید کوئی "عظیم الشان گدھا" ادھر آ نکلا ہے۔ اسی بناء پر انہوں نے ریل کو دجّال کا گدھا تسلیم کرلیا۔

(روزنامہ نوائے وقت ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۹ء)۔ خورشید

[۴] ابو داؤد مشکوٰۃ۔

[۵] کنزالعمال جلد ۷ حدیث نمبر ۲۹۷۴۔ [۶] مشکوٰۃ

[۷] کنزالعمال جلد ۷ حدیث نمبر ۲۰۹۸

[۸] کنزالعمال جلد ۷ حدیث نمبر ۲۰۹۲

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا مقصد

تقریر محترمہ بیگم اکرام الحق صاحبہ ایم۔اے

برموقعہ جلسہ سالانہ راولپنڈی

ہماری پنڈی جماعت کا جلسہ سالانہ اس مرتبہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس سال ہر احمدی نے کسی نہ کسی رنگ میں ان فسادات کا مقابلہ کیا ہے جو احمدیت کے خلاف کئے گئے تھے۔ ان فسادات کی وجہ سے جو پریشانیاں اور تکالیف ہم سب کو برداشت کرنی پڑیں اور اس عرصہ میں اور ابھی تک ہمارے احساسات کیا ہیں ان کا بیان کرنا یہاں میرا مقصد نہیں ہے کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کے تجربات اور احساسات کم و بیش ایک ہی سے تھے۔

آج جس مقصد کے لئے میں آپ کے سامنے کھڑی ہوئی ہوں وہ یہ ہے کہ آخر کیوں مرزا صاحب کے متعلق اس قدر غلط پروپیگنڈا کیا گیا۔ اور کیوں ہر شخص نے اس غلط پروپیگنڈا کو صحیح اور درست تسلیم کیا۔ کیا وجہ ہے کہ جب لوگ ہمارے سامنے حضرت مرزا صاحبؑ کے متعلق غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے مختلف قسم کے اعتراضات کرتے تھے تو ہم میں سے اکثر کوئی ٹھوس دلیل اور جواب نہ دے سکتے تھے۔ معاف کیجئے میں آپ میں سے ہر ایک کے لئے ایسا نہیں کہہ رہی ہوں بلکہ میرا خطاب ان نوجوان لڑکے اور لڑکیوں سے ہے جو اس قسم کی باتیں اور اعتراضات سُن کر کسی حد تک خود بھی شک میں پڑ جاتے تھے۔ کہ شاید یہ اعتراضات نعوذ باللہ کسی حد تک درست ہیں۔

اس کی وجہ صرف اور صرف ایک ہی ہے کہ ہم نے ہمیشہ حضرت مرزا صاحبؑ کی کتابوں کو پسِ پشت ڈالا اور انہیں کبھی بھی پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر ہم احمدی ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں اور احمدیت کو سچا تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں ان کی تحریریں ضرور پڑھنی چاہئیں۔ تاکہ ہم نہ صرف زبان سے بلکہ دل کی گہرائیوں سے ان پر ایمان لائیں۔ ورنہ ہمارا پھر یہی حال ہوگا۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ ان کی کتابوں کو پڑھنا اور سمجھنا محض وقت برباد کرنا ہے تو پھر ہم میں اتنی اخلاقی جُراُت ہونی چاہیئے کہ ہم اس جماعت سے اور مرزا صاحب سے علیحدگی کا اعلان کر دیں۔

معاف کیجئے یہ میں اس لئے کہنے پر مجبور ہوئی ہوں کہ ہم نے جس قدر ذلّت اور شرمندگی کا سامنا گذشتہ چند ماہ میں کیا کبھی اس کا تصور بھی ہم نہ کر سکتے تھے۔ یہ درست ہے کہ جو زیادتیاں اور ظلم اور ناجائز قسم کے دباؤ ہم پر ڈالے گئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ جو بہت ہی عظمت والا اور انصاف پسند ہے اس کا فیصلہ ضرور کرے گا۔ اور وہ خود اس ظلم و ستم کا بدلہ لے گا۔ لیکن ہم بھی اگر انصاف کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنے گریبانوں میں جھانکیں۔ تو ہم نے بھی حضرت مرزا صاحب کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ان کے پیغام کو دبایا اور چھپایا گویا کہ ہم چور ہیں اور ایک غلط راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ہمارا اپنا ایمان کمزور ہے اس لئے ہمارے اندر اخلاقی جُراُت مر چکی ہے۔ ہم کئی برسوں سے اپنے آپ کو احمدی کہلانے سے گریز کر رہے تھے۔ ہم لوگوں کے سامنے ببانگ دہل احمدیت کا اعلان کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ خدا تعالےٰ نے ہمیں سزا دی ہے۔ اور اگر اب بھی ہم میں جراُت پیدا نہ ہوئی تو ہمارا حشر اس سے بھی بدتر ہوگا۔ ہمیں خدا تعالےٰ کی ذات پر کامل یقین رکھتے ہوئے حضرت مرزا صاحب کی تعلیمات کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے۔ نیز لڑائی اور جھگڑا پیدا کئے بغیر صبر و تحمل سے حالات کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ میں تو یہاں تک کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کروں گی۔ کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں صرف اس لئے احمدی ہیں کہ وہ احمدی گھرانوں میں پیدا ہوئے ورنہ انہیں خود احمدیت سے لگاؤ کم ہے۔ احمدیت کیا ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے جب تک ان باتوں کا جواب وہ خود کتابوں میں تلاش نہیں کریں گے اور اپنے دلوں کو مطمئن نہیں کریں گے وہ بے شک احمدی تو ضرور کہلائیں گے کیونکہ ان کے والدین احمدی ہیں لیکن احمدیت کا صحیح رنگ ان میں پیدا نہیں ہوگا۔

اس لمبی چوڑی تمہید کے بعد میں اپنے اصل موضوع کی طرف رخ کرتی ہوں۔ جیسا کہ میں نے اس سے قبل کہا تھا کہ چند ماہ قبل اور ابھی تک بہت سے اعتراضات احمدیت پر کئے جاتے رہے ہیں۔ ان میں ایک اعتراض جو اکثر پڑھے لکھے طبقے میں بہت زیادہ کیا گیا وہ یہ تھا کہ اگر یہ کوئی علیحدہ مذہب نہیں ہے تو پھر علیحدہ جماعت کیوں بنائی گئی۔ اور حضرت مرزا صاحبؑ کے آنے کا کیا مقصد تھا۔

اس کا جواب اگرچہ بہت آسان اور سیدھا سادا ہے مگر میں یہ مناسب سمجھتی ہوں کہ اس کا جواب میں آپ کو حضرت مرزا صاحبؑ کے اپنے الفاظ میں دوں۔ انہوں نے ان سوالات کا جواب اپنی ایک تقریر میں دیا ہے جو انہوں نے ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۶ء میں کی۔ اس میں انہوں نے نہایت اچھے اور مؤثر انداز میں وضاحت سے بیان کیا ہے کہ اس جماعت کا مقصد کیا ہے اور خدا تعالیٰ نے کیوں اور کس مقصد کے لئے انہیں بھیجا۔

حضرت مرزا صاحب نے نہایت احسن طریقہ سے اپنی تقریر میں ان غلطیوں کو بیان فرمایا ہے جو عام مسلمانوں میں یقین کی حد تک پھیل چکی ہیں اور جن کی تصحیح کے لئے انہیں اللہ تعالےٰ نے مامور کیا ہے۔

پہلی غلطی وفات مسیح کے بارے میں ہے۔ حضرت مرزا صاحبؑ فرماتے ہیں کہ:-

"ایک شخص نے کہا کہ اس فرقہ میں اور دوسرے لوگوں میں صرف یہ فرق ہے کہ یہ لوگ وفات مسیح کے قائل ہیں اور دوسرے لوگ وفاتِ مسیح کے قائل نہیں ہیں۔ باقی سب عملی حالت مثلاً نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج دونوں فرقوں میں وہی ہیں۔ مگر یہ بات درست نہیں ہے۔ میرا آنا صرف وفات مسیح کو ثابت کرنا نہیں۔ اگر صرف یہی ایک غلطی دُور کرنا ہوتی تو ایک شخص کو مبعوث کرنے اور ایک علیحدہ جماعت بنانے کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ اس زمانہ میں بہت سی باتیں مسلمانوں کے درمیان ایسی داخل ہو گئی ہیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہے۔"

اصل وفات مسیح میں حیات اسلام ہے۔ جب عیسائیوں نے بہت زیادہ زور پکڑ لیا تو انہوں نے مسیح کی زندگی کو ایک بہت بڑی دلیل بنا کر یہ بات پیش کی کہ مسیح خدا ہے کیونکہ وہ زندہ آسمان پر چلا گیا۔ اور عرش پر بیٹھا ہے۔ بیشتر مسلمانوں نے اسے مانا اور کہا کہ خدا قادر ہے اور ایسا کر سکتا ہے۔ حضرت مرزا صاحبؑ فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ خدا قادر ہے لیکن کسی ایک شخص کو خصوصیت دینا جبکہ کسی دوسرے شخص کو یہ خصوصیت نہیں ملی شرک ہے۔

تَوَفِّیْ کے معنے تمام لغات میں موت ہی کے ہیں۔ تو صرف مسیح کے لئے اس لفظ کے معنی دوسرے کیسے ہو سکتے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں اگر کوئی نبی زندہ ہے تو وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ زندہ نبی وہ ہوتا ہے جس کے فیوض و برکات ہمیشہ جاری ہوں۔ ہمارے نبی کریم کی حیات کا زندہ ثبوت اس بات میں ہے کہ صدی کے سر پر خدا تعالےٰ ایک مجدّد پیدا کرتا رہا ہے۔ جب پچھلے عالم۔ حافظ۔ اولیاء۔ فوت ہو جاتے ہیں۔ تو دین کو تازہ رکھنے کے لئے خدا تعالےٰ اپنی طرف سے نئے آدمی پیدا کرتا ہے۔ جو عوام میں سے غلطیوں۔ بدعات۔ سستیوں اور غفلتوں کو دُور کرتے ہیں۔ اور یہی بات آپ کی حیات پر دلالت کرتی ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کی تاثیر کا ہی نتیجہ ہے کہ قرآن پاک کی ہر زمانہ میں حفاظت ہوئی۔ ہزاروں لوگ اسے یاد کرتے اور سناتے رہے۔

دوسری کمزوری جو حضرت مرزا صاحب نے آکر دُور کی وہ دنیا کی محبت ہے آپ فرماتے ہیں:۔

"اس وقت توحید زبان پر رہ گئی ہے۔ دین غریب۔ بےکس اور یتیم ہو رہا ہے۔ ہر شخص دنیا کی محبت میں غرق ہے اور دین کے لئے وقت نہیں نکال

سکتا - یہ کلمہ نہایت موزوں ہے -

حب الدنیا رأس کل خطیئۃ - یعنی دنیا کی محبت ہر بدی کی ابتدا ہے - یہ ایک زہر ہے جو ایک سیکنڈ میں ہلاک کر دیتا ہے - سب سے بڑا گناہ جو اس دنیا میں پیدا ہوا وہ حب دنیا ہے - یہ ایک زہریلا کیڑا ہے جو کہ خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا -"

اور اس دنیاوی محبت کو کم کرنے کے لئے حضرت مرزا صاحبؑ اس دنیا میں تشریف لائے - اور ان کا فرمان ہے کہ "دین کو دنیا پر مقدم کرو"۔

تیسری چیز جو آپ نے لوگوں کے سامنے رکھی اور آپ نے فرمایا کہ اس سلسلہ کے قیام سے خدا تعالےٰ کا مقصد اور منشاء ہے کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں فنا ہو جائیں اور سچ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں حضرت مرزا صاحبؑ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالےٰ جھوٹ کی رعایت نہیں رکھتا جھوٹ جیسی کوئی منحوس شئے نہیں - جو شخص سچائی کو صدق دل سے اختیار کرتا ہے اور خدا کے لئے ہو جاتا ہے خدا خود اس کی محافظت کرتا ہے -

حضرت مرزا صاحبؑ فرماتے ہیں کہ ادھوری بات فائدہ نہیں دیتی - جس طرح پیاسے کو ایک یا دو قطرے یا بھوکے کو روٹی کے ایک یا دو ٹکڑے بچا نہیں سکتے اسی طرح ناقص اعمال خدا کو خوش نہیں کر سکتے - جو شخص ناقص اعمال سے خدا کو دھوکہ دینا چاہتا ہے وہ خود کو دھوکا دیتا ہے - دنیا میں ایک عقلمند دھوکہ میں نہیں آتا تو خدا تعالےٰ کیسے دھوکہ میں آ سکتا ہے -

حضرت مرزا صاحبؑ مزید فرماتے ہیں :-

"یہ سب کچھ دنیا کی محبت کا نتیجہ ہے - سوتے جاگتے - اٹھتے بیٹھتے ہر وقت لوگوں کو دنیا کا غم لگا ہوا ہے اگر اس قدر غم دین کے واسطے ہو تو دین کا بیڑا پار ہو جائے - نوکر لوگ اپنی نوکری میں تو چست ہیں لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے تو فکر میں پڑ جاتے ہیں اکثر لوگ ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہیں - لیکن دین کے کاموں میں تو برسوں صبر کرنے سے کام بنتا ہے - خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ کیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم اتنے پر ہی راضی ہو جاویں کہ وہ منہ سے کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے - وہ بے وقوف ہے جو خیال کرتا ہے کہ معرفت الٰہی حاصل کرنا آسان ہے - ہر نعمت محنت اور مشقت چاہتی ہے - ہندوؤں میں بھی دیکھو کہ وہ کتنی محنت و مشقت برداشت کرتے ہیں پھر جوگی بنتے ہیں - عیسائیوں میں بھی رہبانیت ہے اسلام نے اگرچہ ایسی باتوں پر زور نہیں دیا تاہم یہ حکم ہے کہ قد افلح من زکّٰها یعنے نجات وہی پاتا ہے جو اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے -

" یہ اسلام کی تعلیم ہے اور اسی تعلیم کو مسلمان بھول گئے ہیں اسی بات کو پھر قائم کر دینا ہمارا کام ہے - اور یہی عظیم الشان مقصد ہے جس کو لے کر ہم آئے ہیں"

اس کے بعد آگے فرماتے ہیں :-

ان امور کے علاوہ جو اوپر بیان کی گئی ہیں - اور بھی علمی اعتقادی غلطیاں مسلمانوں کے درمیان پھیل رہی ہیں جن کی اصلاح کرنا ہمارا کام ہے - عام لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسٰےؑ اور ان کی ماں مس شیطان سے پاک ہیں اور باقی نعوذ باللہ پاک نہیں ہیں - یہ صریح غلطی ہے - بلکہ کفر ہے - اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت اہانت ہے - ایسے لوگ اسلام کو بے عزت کرنے کی کوشش کرتے ہیں -

ایک اور غلطی جس کو حضرت مرزا صاحب نے دور کیا ہے وہ معراج کے متعلق ہے - آپ فرماتے ہیں - ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا تھا - بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ ایک معمولی خواب تھا - غلط ہے اور بعض لوگوں کا یہ عقیدہ کہ آنحضرت جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے یہ بھی غلط ہے - بلکہ یہ معراج کشفی رنگ میں ایک نورانی وجود کے ساتھ ہوا تھا - ایک وجود تھا مگر نورانی - ایک بیداری تھی مگر کشفی اور نورانی جس کو دنیا کے لوگ نہیں سمجھ سکتے - ظاہری جسم اور ظاہری بیداری کے ساتھ آسمان پر جانے کے لئے خود یہودیوں نے رسول پاک سے معجزہ طلب کیا تھا تو قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا قل سبحان ربی هل كنت الا بشرا رسولا ان سے کہہ دے - میرا رب پاک ہے میں تو ایک انسان رسول ہوں انسان اس طرح اڑ کر کبھی آسمان پر نہیں جاتے - یہی سنت اللہ قدیم سے جاری ہے -

آپ کے آنے کا مقصد اسی قسم کی ایک اور غلطی مسلمانوں میں سے دور کرنا تھی - اور وہ یہ ہے :

کہ وہ حدیث کو قرآن شریف پر مقدم کرتے ہیں - حضرت مرزا صاحبؑ فرماتے ہیں - قرآن شریف کا مرتبہ یقینی ہے اور حدیث کا مرتبہ ظنی ہے - قرآن قاضی ہے حدیث قرآن شریف کی تشریح کرتی ہے - حدیث کو ماننا اس حد تک ضروری ہے کہ وہ قرآن شریف کے مخالف نہ پڑے ورنہ تو وہ حدیث نہیں بلکہ مردود قول ہے - قرآن شریف کو سمجھنے کے لئے حدیث ضروری ہے - قرآن کریم میں جو احکام الٰہی نازل ہوئے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عملی رنگ میں ادا کیا اور ایک نمونہ قائم کیا - اگر یہ نمونہ قائم نہ ہوتا تو اسلام سمجھ میں نہ آتا - لیکن یاد رہے کہ اصل قرآن ہے -

آپ فرماتے ہیں کہ :-

"اس قسم کی بہت سی باتیں جو اسلامی رنگ سے بالکل مخالف ہیں - لوگوں میں پائی جاتی ہیں - خدا تعالےٰ ان باتوں سے ناراض ہے - جب تک وہ ان غلط عقائد کو چھوڑ کر راہ راست پر نہ آ جائیں -

اس مقصد کے واسطے خدا تعالےٰ نے مجھے مامور کیا ہے - کہ میں ان سب غلطیوں کو دور کر کے اصلی اسلام پھر دنیا میں قائم کر دوں -"

مندرجہ بالا بیان جو حضرت مرزا صاحبؑ نے دیا ہے اس کو پڑھنے اور سننے کے بعد ہم پر واضح ہو جاتا ہے کہ جماعت احمدیہ کیوں ایک علیحدہ جماعت بنی اور مرزا صاحبؑ کے آنے کا مقصد کیا ہے -

اب ہم پر بحیثیت احمدی ہونے کے فرض ہے کہ ہم ان کی تعلیمات پر ایسی اچھی طرح سے عمل کریں کہ ہر دیکھنے والا ہم میں صحیح اور اصلی اسلام کا رنگ دیکھ لے - ہمیں چاہیئے کہ ان کے مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کے احکام کے مطابق کام کریں -

مجھے یقین ہے کہ اس طرح سے احمدیت کی تبلیغ خود بخود ہوتی چلی جائے گی - ہمیں صبر و تحمل محنت اور قربانی کے جذبہ کے ساتھ کام کرنا ہوگا - اللہ تعالےٰ ہماری ضرور مدد فرمائے گا - انشاء اللہ تعالےٰ

بقیہ صفحہ ۱۰ :

اس میں مشر[illegible] کے [illegible] تنبیہہ ہے جو یورپین تہذیب اور اس کی برائیوں کی تقلید کر کے بد اخلاقی میں مست نظر آتے ہیں -

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ الفاظ پھر سچ ثابت ہوئے آپ نے فرمایا تھا :-

"میری امت میں ایک کثیر تعداد دجال کی پیروی کرے گی" ؎

حضرت مجدد زمان کے فرمودات کی تائید کرنے والے اکیلے مسٹر علی اکبر ہی

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور - ۱۸ر جون ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ شمارہ نمبر ۲۵

عرفات پریس تھارنٹن روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمدؐ صاحب پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔
چیف ایڈیٹر : ڈاکٹر اللہ بخش

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۵ جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ - ۲۵ جون ۱۹۷۵ء | نمبر ۲۶

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السّلام)

بیعت اور اعمال

بعد نماز مغرب حضور نے مبائعین کو مخاطب کرکے نصائح فرمائیں کہ بیعت کرکے صرف زبانی طور پر اتنا ہی ماننا ضروری نہیں کہ یہ سلسلہ حق ہے اور اسی قدر مان لینا برکت اور ثواب کا موجب ہوتا ہے۔ یہ دن بلا کے ہیں اور ہر طرف طاعون پھیلی ہوئی ہے صرف زبانی اقرار کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ جب تک اعمال ساتھ نہ ہوں پس کوشش کرو کہ جب اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہو تو اچھے عمل کرو نیک بنو ہر ایک بدی سے بچو اور متقی ہو جاؤ یہ دن ایسے ہیں کہ دعاؤں میں گذارو راتوں کو بھی تضرع زاری کرو جب ابتلاء کے دن آتے ہیں تو خدا تعالےٰ کا غضب جوش میں ہوتا ہے۔ اس وقت صدقہ - خیرات - دعا اور تضرع کام آتی ہے۔ اپنی زبان کو نرم کرو اور استغفار کثرت سے پڑھو اور نمازوں میں دعائیں کرو اگر انسان ایمان لا کر عمل نہ کرے تو ایسے آدمی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا پھر یہ شکایت کرنی کہ مجھے بیعت سے کچھ فائدہ نہیں ہوا بالکل بے فائدہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ صرف قول سے خوش نہیں ہوتا۔

اعمالِ صالحہ اس لئے جہاں ایمان کا ذکر ہے وہاں اعمالِ صالحہ کا بھی ذکر ضرور کیا ہے اور اعمال صالح وہ ہوتے ہیں کہ کسی قسم کا فساد نہ ہو یاد رکھو انسان کے اعمال پر ہمیشہ چور پڑتے ہیں ایک ان میں سے ریا کا چور ہے اور وہ یہ ہے کہ جب انسان دوسروں کے دکھاوے کے واسطے کوئی کام کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اس میں ملحوظ اور مقصود نہیں ہوتی پھر ایک عجب کا چور ہے اور عجب یہ ہے کہ خود ہی عمل کرکے اپنے نفس میں خوش ہوتا ہے کہ مَیں نے نیکی کا کام کیا ہے یا عمدہ کیا ہے اور قسم قسم کی بدکاریاں بھی دوسرے اعمال کے ابطال کا موجب ہوتی ہیں پس اعمالِ صالحہ ان عیبوں سے پاک ہوتے ہیں۔

اعمالِ صالحہ کا اثر دُنیا میں اعمالِ صالحہ سے انسان اس دنیا میں ہی فائدہ اُٹھاتا ہے اگر سارے گھر میں ایک ہی نیک ہو تو گویا وہ سارے گھر کی حفاظت کا باعث ہو جاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ اعمالِ صالحہ تم کو فائدہ پہنچائیں گے۔ نرا ایمان کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی طبیب کا نسخہ لیکر رکھ چھوڑے اور اسکو استعمال تو کرے نہیں اور پھر کہے کہ کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ تم نے اب توبہ کی ہے آئندہ خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم اس توبہ سے کیا فائدہ اُٹھاتے ہو اور اپنے آپ کو کس قدر صاف کرتے ہو یہ وقت ایسا ہے کہ خدا تعالےٰ تقویٰ کے ذریعے امتیاز کرتا ہے۔ بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خدا تعالےٰ کا تو شکوہ کرتے ہیں مگر اپنی اصلاح نہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات گرامی

ہماری جماعت کے لئے خاص تقوے کی ضرورت ہے۔

خصوصاً اسلئے کہ وہ ایک ایسے شخص سے تعلق رکھتے ہیں اور اسکے سلسلۂ بیعت میں ہیں جسکا دعویٰ ماموریت کا ہے

اپنی جماعت کی خیر خواہی کے لئے زیادہ ضروری یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ تقوےٰ کی بابت نصیحت کی جاوے۔ کیونکہ یہ بات عقلمند کے نزدیک ظاہر ہے۔ کہ بجز تقوےٰ کے اور کسی بات سے اللہ تعالےٰ راضی نہیں ہوتا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون ہماری جماعت کے لئے خاص کر تقویٰ کی ضرورت ہے۔ خصوصاً اس خیال سے بھی کہ وہ ایک ایسے شخص سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اس کے سلسلہ بیعت میں داخل ہیں جس کا دعوےٰ ماموریت کا ہے۔ تا وہ لوگ جو خواہ کسی قسم کے بغضوں، کینوں یا شرکوں میں مبتلا تھے۔ یا کیسے ہی رُو بدنیا تھے۔ ان تمام آفات سے نجات پاویں۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر کوئی بیمار ہو جاوے۔ خواہ اس کی بیماری چھوٹی ہے۔ اگر اس بیماری کے لئے دوا نہ کی جائے اور علاج کے لئے دکھ نہ اُٹھایا جائے۔ بیمار اچھا نہیں ہو سکتا۔ ایک سیاہ داغ منہ پر نکل کر ایک بڑا فکر پیدا کر دیتا ہے کہ کہیں یہ داغ بڑھتا بڑھتا کُل منہ کو کالا نہ کر دے۔ اسی طرح معصیت کا بھی ایک سیاہ داغ دل پر ہوتا ہے۔ صغائر سہل انگاری سے کبائر ہو جاتے ہیں۔ صغائر وہی داغ چھوٹا ہے۔ جو بڑھ کر آخر کار کُل منہ کو سیاہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ جیسے رحیم و کریم ہے ویسے ہی قہار اور منتقم بھی ہے۔ ایک جماعت کو جب دیکھتا ہے۔ کہ ان کا دعوےٰ اور لاف و گزاف تو کچھ ہے۔ اور ان کی عملی حالت ایسی نہیں تو اس کا غیظ و غضب بڑھ جاتا ہے۔ پھر ایسی جماعت کی سزا دہی کے لئے وہ کفار کو ہی تجویز کرتا ہے۔ جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کئی دفعہ مسلمان کافروں سے تہ تیغ کئے گئے۔ جیسے چنگیز خان اور ہلاکو خاں نے مسلمانوں کو تباہ کیا۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں سے حمایت اور نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن پھر بھی مسلمان مغلوب ہوئے۔ اس قسم کے واقعات بسا اوقات پیش آئے۔ اس کا باعث یہی ہے۔ کہ جب اللہ تعالےٰ دیکھتا ہے۔ کہ قوم لا الٰہ الا اللہ تو پکارتی ہے۔ لیکن اس کا دل کسی اور طرف ہے اور اپنے افعال سے وہ بالکل رُو بدنیا ہے۔ پھر اس کا قہر اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ اللہ کا خوف اسی میں ہے کہ انسان دیکھے کہ اس کا قول و فعل کہاں تک ایک دوسرے سے مطابقت رکھتا ہے۔ پھر جب دیکھے کہ اس کا قول و فعل برابر نہیں۔ تو وہ سمجھ لے کہ وہ مورد غضب الٰہی ہوگا۔[۴۵] پس میری جماعت سمجھ لے۔ وہ میرے پاس آئے ہیں۔ اس لئے کہ تخم ریزی کی جائے جس سے وہ پھل دار درخت ہو جاوے۔ پس ہر ایک اپنے اندر غور کر لے۔ اس کا اندرونہ کیسا ہے اور اس کی باطنی حالت کیسی ہے۔ ہماری جماعت بھی خدانخواستہ ایسی ہے۔ کہ اس کی زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے۔ تو پھر خاتمہ بالخیر نہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ جب دیکھتا ہے۔ کہ جب ایک جماعت جو دل سے خالی ہے۔ محض زبانی دعوےٰ کرتی ہے۔ وہ غنی ہے۔ وہ پرواہ نہیں کرتا۔ بدر کی فتح کی پیشگوئی ہو چکی تھی۔ ہر طرح فتح کی امید تھی۔ لیکن پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کر دعائیں مانگتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا۔ کہ جب ہر طرح فتح کا وعدہ ہے۔ تو پھر ضرورت الحاح کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ وہ ذات غنی ہے۔ یعنی ممکن ہے کہ وعدہ الٰہی میں کوئی مخفی شرائط ہوں۔

پس یاد رکھنا چاہیے کہ ہم نے تقوےٰ و طہارت میں کہاں تک ترقی کی ہے۔ اس کا معیار قرآن شریف ہے۔ اللہ تعالےٰ نے متقی کے نشانوں میں ایک یہ بھی نشان رکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ متقی کو مکروہات دنیا سے آزاد کر کے اس کے کاموں کا خود متکفل ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ فرمایا ومن یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجًا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ یعنے جو شخص اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مصیبت میں اس کے لئے راستہ مخلصی کا نکال دیتا ہے۔ اور اس کے لئے ایسے روزی کے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے علم و گمان میں نہ ہوں۔ یعنے یہ بھی ایک علامت متقی کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ متقی کو نابکار ضرورتوں کا محتاج نہیں کرتا۔ مثلاً ایک دکاندار یہ خیال کرتا ہے۔ کہ دروغ گوئی کے سوا اس کا کام نہیں چل سکتا۔ اس لئے وہ دروغگوئی سے باز نہیں آتا اور جھوٹ بولنے کے لئے وہ مجبوری ظاہر کرتا ہے۔ لیکن یہ امر ہرگز سچ نہیں۔ خدا تعالےٰ متقی کا خود محافظ ہو جاتا ہے اور اسے ایسے موقع سے بچا لیتا ہے جو خلاف حق پر مجبور کرنے والے ہوں۔ یاد رکھو جب اللہ تعالےٰ کو کسی نے چھوڑا۔ تو خدا نے اسے چھوڑ دیا۔ جب رحمان نے چھوڑ دیا۔ تو ضرور شیطان اپنا رشتہ جوڑے گا۔ یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالےٰ کمزور ہے وہ بڑی طاقت والی ذات ہے۔ جب اس پر کسی امر میں بھی بھروسہ کرو گے۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔ لیکن جو لوگ ان آیات کے پہلے مخاطب تھے وہ اہل دین تھے۔ ان کی ساری فکریں محض دینی امور کے لئے تھیں اور ان کے دنیوی امور بحوالہ خدا تھے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے انکو تسلی دی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

غرض برکات تقوےٰ میں سے ایک یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ متقی کو ان مصائب سے مخلصی بخشتا ہے جو دینی امور کے حارج ہوں۔ ایسا ہی اللہ تعالےٰ متقی کو خاص طور پر رزق دیتا ہے۔

(ماخوذ از منظور الٰہی ۲۶/۲۸)

[۴۵] جو دل ناپاک ہے۔ خواہ اس کا قول کتنا ہی پاک ہو وہ دل خدا کی نگاہ میں قیمت نہیں پاتا۔ بلکہ خدا کا غضب مشتعل ہوگا۔

ہفت روزہ پیغام صلح پڑھنے کے بعد دیگر احباب تک پہنچائیں۔

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۲۵ر جون ۱۹۷۵ء

نظریاتی کشمکش کے مختلف ادوار

تلك الايام نداولها بين الناس — (قرآن کریم)
مختلف قسم کے ادوار ہم لوگوں پر لاتے رہتے ہیں۔

تاریخ عالم کے مطالعہ سے واضح ہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف نظریات اور ان کے برخلاف ردِ عمل کی نظریاتی کشمکش ہمیشہ سے جاری رہتی چلی آئی ہے جب سے مغربی دنیا نے علمی زندگی کی کروٹ لی ہے تب سے ہی اس کی تاریخ میں مختلف میدانوں میں یہ نظریاتی جنگ ہمیں دکھلائی دیتی ہے۔ "تاریک زمانہ" میں زمین کو ساکن اور چپٹی یقین کیا جاتا تھا۔ سورج متحرک اور اس کے گرد گھومتا نظر آتا تھا۔ یہ حقایق اس وقت کے علم کی طرح ثابت نظر آتے تھے۔ کون ان کا انکار کر سکتا تھا؟ پہلے پہل کوپرنیکس۔ گلیلو اور نیوٹن نے یہ راز انکشاف کئے کہ اس وقت کی بدیہات، فریب نظر یا دھوکا کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن ان سائنس دانوں کو ان کے وقتوں میں کیا کیا تکالیف نہیں دی گئیں، پھبتیاں کسی گئیں، تمسخر و استہزاء کئے گئے، زندان میں ڈالے گئے کلیسا کے علمبرداروں نے کفر و الحاد کے فتوے ان پر عائد کر کے انہیں رسوا ذلیل کیا، ان کی آزادیاں سلب کی گئیں۔

پھر سائنسی دنیا پر ایک اور دور آیا اور ڈالٹن کے نظریہ ایٹم کی ساری دنیا قائل ہو گئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کائنات کی تخلیق بعض ازلی ابدی عناصر جزو لایتجزیٰ یعنی ایٹم پر بناء ہے۔ عناصر کی مختلف خصوصیات کو مادہ کی اختلاف جسامت کے باعث سمجھا گیا۔ ان کی بعض میکانکی (فزیکل اور کیمیکل خصوصیات) عناصر کی مختلف اقسام کا سبب یقین کی گئیں۔ مادی اور میکانکی تصور تخلیق کائنات نے اپنی انتہائی ترقی یافتہ صورت میں حیات کو بھی میکانکی ہی تصور کر لیا۔ یہ سمجھا گیا کہ نہ صرف معدنی دنیا بلکہ جاندار بھی محض عناصر کے بعض میکانکی عمل کا نتیجہ ہیں یعنی ان میں بھی کوئی حرکی قوت کام نہیں کر رہی اور اگر ہم میکانکی تصور کائنات کو ان الفاظ میں ادا کریں کہ عناصر کے ایٹم کائنات کی خلقت کے خدا سمجھے گئے تھے، تو یہ صحیح بات ہو گی۔ اس نظریہ کے تحت مادہ کا غیر فانی، ازلی ابدی ہونا اس وقت کی سائنس کے نزدیک بدیہی الثبوت امر بن چکا تھا جس کے انکار کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انیسویں صدی سائنس کو دینی تصورِ کائنات کے مخالف سمجھ کر دین کے بنیادی اصولوں کے بطلان پر ناقابلِ تردید دلیل یقین کر لیا گیا تھا۔ اور اغلباً یہی باعث اس امر کا ہوا کہ انسانی زندگی کے بنیادی اصول بھی اس وقت کے سائنٹیفک نظریات کے مطابق مادی ہی قرار دیئے گئے تھے۔

بیسویں صدی سائنس نے جو عظیم انقلاب پیدا کیا وہ میکانکی تخلیق کائنات کی بجائے حرکی نظریہ ہے۔ چنانچہ اب یہ امر بدیہی الثبوت یقین کیا جاتا ہے کہ ایٹم اور انرجی یا توانائی باہم مترادف حقائق ہیں اور ایک کو دوسرے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح مادہ یا ایٹم کے ازلی ابدی ہونے کا نظریہ بکلی تبدیل ہو کر اصل طاقت کا راز مادہ کی بجائے انرجی کو قرار دے دیا گیا ہے مادہ فانی ہے۔ نیز عناصر کی خصوصیات ایٹم کے مادی جسامت میں مرکوز ہونے کی بجائے اس کے اندر توانائی یا بجلی کے ذرات کی قوت میں پنہاں ہیں۔ یہ بھی اب سائنس نے تسلیم کر لیا ہے کہ عناصر کا باہم اختلاف بنیادی امر نہیں بلکہ اس کا باعث بجلی کے ذرات میں اختلاف سے ہے۔ اس طرح اب قریباً قریباً یہ بات سائنس نے مان لی ہے کہ مادہ نہ صرف فانی ہے بلکہ بے حقیقت شئے ہے اور یہ انسان کا فریب نظر یا دھوکا ہے جو وہ مادہ کو اصل حقیقت سمجھتا رہا۔ کائنات اور حیات کی اصل حقیقت انرجی یا ایٹم میں مستور بجلی کے مختلف ذرات الیکٹرونز (ELECTRONS) اور پروٹونز (PROTONS) ہیں۔ ظاہر ہے کہ دین نے ابتداء سے ہی ایک ماوراء غیر مادی طاقت کو کائنات اور حیات کی تخلیق کی جان قرار دیا تھا جس کا مادی و میکانکی سائنس آج تک انکار کرتی رہی مگر اب اس کا برملا اقرار کرتی ہے۔

حیاتِ انسانی کے سلسلہ میں بھی سائنس کا پہلا ڈارون صاحب کا نظریہ یہ تھا کہ خوردبینی واحد خلیہ CELL حیات سے لے کر انسان کے عظیم و اعلےٰ کمالات تک سب ایک ارتقاء کی منازل ہیں جو محض جہد للبقاء اور بقاء اصلح کے قوانین کی پیداوار ہیں۔ مگر بیسویں صدی سائنس اب ایسے سلسلہ منازل ارتقاء کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔

انیسویں صدی سائنس نے علت العلل کو ایک غیر شعوری و اندھی طاقت قرار دیا۔ لیکن اب سائنسدان یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ اعلےٰ ترین طاقت شعوری اور بالارادہ ہے، اندھی اور بے مقصد نہیں۔ ان تمام انقلابات میں جو سائنس کے میدان میں رونما ہوئے ایک مشترک اور واحد امر یہ ہے کہ سائنس نے پہلے پہل اپنی ادھوری تحقیق میں جن حقائق کا انکار کیا آخر کار انہیں کو درست اور صحیح تسلیم کرنے کا اقرار کر لیا ہے۔

معاشی اور معاشرتی زندگی کے میدان میں بھی رائج الوقت نظریات میں کیسے کیسے انقلابات رونما ہوئے۔ ایک وہ وقت تھا جب مغربی دنیا میں صنعتی میدان میں دولت کے ارتکاز کو لازم مانا گیا تھا۔ اس کے تحت سرمایہ دارانہ اور نو آبادیاتی نظریات و نظامات وضع کئے گئے مگر تجربہ نے ثابت کر دیا کہ یہ نظریات بیضرر دیے خطا نہیں، چنانچہ ان کے مقابل اشتراکی اور سوشلسٹ نظریات وجود میں آئے اِس وقت مارکس اور لینن انسانی نظامِ معیشت کے گویا خدا سمجھے جا چکے ہیں۔ نئی نسل کا کوئی بھی شخص ان کے برخلاف کوئی کلمۂ حق سننے کو تیار نہیں۔ ان نظاموں کے ماسوا ان کے نزدیک کہیں کوئی حقیقت کارفرما نظر نہیں آتی۔ لیکن ایک محقق، اور تاریخ انسانی پر عمیق نگاہ رکھنے والا انسان یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ جس طرح رائج الوقت بعض اہم و بنیادی نظریات سائنس (جن کی کچھ قلیل تشریح مذکورہ بالا سطور میں کی گئی ہے) کے مطابق کیا یہ ناممکن ہے کہ یہ معاشی نظریات آئندہ کی تحقیق میں فریب نظر اور دھوکہ ثابت ہوں؟

غور کرنا چاہیئے کہ معاشیات کے نظام کو حیاتِ انسانی میں مقدم ترین مقام دینا کیا خود ایک ایسا فریب اور چکّر تو نہیں کہ جس میں پھنس کر بجائے حل کرنے کے انسان مزید مشکلات میں مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے؟ مسلمانوں کے لئے بالخصوص یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ انہوں نے جس کلام پاک کو خدا تعالےٰ کا بے خطا اور اٹل قانونِ محکم تسلیم کیا ہے کیا اس کلام پاک کا یہ ارشاد ما الحیٰوۃ الدنیا الامتاع الغرور۔ یہ دنیا کی ادنےٰ زندگی کے سامان حقیقتاً ایک فریب اور دھوکہ ہیں کا یہی مطلب نہیں کہ اشتراکی اور سرمایہ دارانہ دونوں ذہنیتیں اصل میں فریب نظر نظریات ہیں۔ کیونکہ ان سے تمام ایمانی اور اخلاقی صلاحیتیں سلب ہو کر انسانی زندگی کلیتہً میکانکی اور مانندِ حیوان اور درندہ بلکہ اس سے بھی بدتر زندگی بن کر رہ جاتی ہے؟ تمام مادی اور نفسانی محرکات فانی، بے ثبات اور بے ثمر کارروائیاں ہیں۔ یتمتعون و یاکلون کما تاکل الانعام والنار مثوی لھم۔ اس نظریہ حیات پر قائم ہیں کہ حیوانوں کی مانند کھاؤ پیئو اور عیش کرو حالانکہ اس کا نتیجہ ماسوا جہنم اور کچھ نہیں۔ دائمی ثمرور اعمال اور جنتی حیات تخلیق کرنے والے محرکات صرف باقیات الصالحات ہی ہیں۔ والبٰقیٰت الصّٰلحٰت خیرٌ عند ربك ثوابًا و خیرٌ املًا۔ تیرے رب کے نزدیک بہتر اور باقی رہنے والے صرف اعمالِ صالحہ ہی ہیں۔ مغربی دنیا کی مادی و میکانکی ترقی اور چمک دمک نے بصیرت کی آنکھوں کو اس قدر خیرہ کر دیا اور چندھیا دیا ہے کہ اس مصنوعی روشنی کے آگے کوئی حقیقت صحیح نظر نہیں آتی۔ تعجب تو یہ ہے کہ جن نظریات کو مغرب اپنی سائنسی ترقی اور مکمل [illegible] سے چھوڑتا چلا جاتا ہے۔ مشرقی دنیا کا نیم خواندہ

(باقی صفحہ ۲ کالم ۲)

اخبار و افکار

عصرِ حاضر کے یہ عظیم الشّان مفکّر اور مایۂ ناز مفسّر؟

معاصر لاہور کے ایک نامہ نگار نے مولانا مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن سے ذیل کا بیان نقل کیا ہے ۔ جو ان لوگوں کے غور کے قابل ہے جو مولانا کو عصرِ حاضر کا عظیم الشّان مفکّر اور مایۂ ناز مفسّر یقین کرتے ہیں ۔ مولانا صاحب لکھتے ہیں :۔

" قرآن مجید کے بیان سے واقعہ کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے ۔ کہ سیدنا داؤد علیہ السلام نے اوریا سے محض یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے ۔ ان کی شخصی عظمت کو پیشِ نظر رکھ کر وہ ایک طرح سے اپنے آپ کو مجبور پا رہا تھا "

گے چل کر فرماتے ہیں :۔

" اُوریا سے طلاق کا مطالبہ یہ گمان کرنے کے لئے کافی تھا کہ حضرت داؤدؑ اس کی بیوی کی طرف میلان رکھتے ہیں .... میلان کے بہت سے اسباب ہو سکتے تھے ۔ ممکن ہے حضرت داؤدؑ نے اس خاتون کی قابلیت اور اعلیٰ صلاحیتوں کا حال سُن کر اسے پسند کیا ہو "

خر میں لکھتے ہیں کہ: قرآن مجید نے سورۃ صٓ میں جس معاملہ کا ذکر کیا ہے

" یہ معاملہ اُوریا کی بیوی ہی کا تھا مگر اس کی اصلیت صرف اس قدر تھی ۔ کہ حضرت داؤدؑ نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر اوریا سے طلاق کی درخواست کی تھی "

(جو کہ اس نے مان لی اور حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوی سے شادی فرمالی)

سر ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں :۔

" جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے ۔ اسی طرح انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے ۔ اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے ۔ کہ اللہ تعالےٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اُٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہونے دی ہیں ۔ تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں ۔ اور یہ جان لیں کہ یہ بشر ہیں ۔ خدا نہیں " (تفہیمات القرآن حصّہ دوم $\frac{۳۵}{۴۳}$)

نا للہ وانا الیہ راجعون ثم انا للہ وانا الیہ راجعون ۔۔

اللہ تعالےٰ کا شیطان کے متعلق یہ فرمانا کہ انّ عبادی لیس لك علیھم سلطان ۔ کافی نہیں ۔ اللہ تعالےٰ خود بالارادہ انبیاء سے اپنی حفاظت اُٹھا کر نعوذ باللہ انہیں شیطان کے حوالہ کر دیتا ہے تاکہ انکی بشریت ثابت ہو جاوے ۔ تو پھر ان لوگوں کا کیا قصور جو شیطانی تسلّط کے تحت ناگفتہ بہ بات کر گذرتے ہیں؟ آخر وہ بھی تو بشر ہی ہیں ۔ نامہ نگار لاہور کا بیان ہے کہ مولانا کی اس تفسیر کا انگریزی ترجمہ جناب الطاف گوہر کے قلم گوہر بار کے ذریعہ منظرِ عام پر آچکا ہے ۔ یہ انگریزی ترجمہ اب یورپ میں بھیجا جائیگا ۔ وہاں اس کے مطالعہ سے اسلام کی جو روشنی پھیل سکتی ہے ۔ وہ معلوم ۔

باطل قصّہ

مولانا مودودی صاحب کے ارشادات کے مقابلہ میں اس تفسیر کا بھی مطالعہ کیجئے جو حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ نے اپنی بلند پایہ تفسیر بیان القرآن میں سورۃ صٓ کی انہی آیات کے (جن میں اوریا اور اس کی جورو کا کوئی ذکر تک نہیں بلکہ صرف دشمنوں کے کسی مقدمہ کے لئے دیوار پھاند کر آنے کا ذکر ہے) ذیل میں لکھی ہے ۔ " حضرت داؤدؑ اور اُوریا کی جورو کا باطل قصّہ " کے عنوان سے آپ لکھتے ہیں

" یہاں مفسرین نے اُوریا کی جورو کا قِصّہ لکھا ہے جو اصل میں بائبل سے لیا گیا ہے ۔ اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے ۔ ابن کثیر کہتے ہیں ۔ کہ قد ذکر المفسرون ھھنا قصۃ اکثرھا ماخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیھا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ ۔ یعنی یہ قصّہ اسرائیلیات سے لیا گیا ہے ۔ اور آنحضرت صلعم سے اس میں کوئی حدیث ثابت نہیں .... اور قرآن کریم کے صریح الفاظ اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ یہاں حضرت داؤدؑ کی کسی کمزوری کا ذکر ہو ۔ بلکہ پہلی اور پچھلی آیات سب ان کے مقامِ بلند کے اظہار کے لئے ہیں ۔ پہلے انہیں اوّاب کہا ہے ۔ اور اوّاب وہ ہے جو ترک معاصی اور فعل خیرات کرتا ہے تو اس لفظ کے ساتھ معصیت کا ذکر بالکل نا موزوں ہے ۔ پھر انہیں حکمت دینے اور فصل الخطاب کا ذکر ہے ۔ پھر فیصلہ کے وقت حضرت داؤدؑ خود فرماتے ہیں کہ سوائے مومنوں کے اکثر شرکاء ایک دوسرے پر ظلم ہی کرتے ہیں اور ایسے لوگ جو ظلم سے بچیں بہت کم ہیں ۔ یہ استثناء اگر خود ان کو شامل نہیں کرتا تو اور کسے کرتا ہے ۔ پھر آیت کا خاتمہ اس پر کیا ہے ان لہ عندنا لزلفیٰ وحسن مآب ۔ یعنے وہ ہمارے مقربین میں سے تھے ۔ پھر اسی واقعہ کے ساتھ انہیں خلیفہ بنانے کا ذکر بطور انعام ہے "

ایک ہفت روزہ سے (بلاتبصرہ)

" اس کشتی کا کیا بنے گا؟ یہ سوال ہر شخص کی زبان پر ہے "

" یوں تو یہ ملک ہمیشہ نشیب و فراز کی زد میں رہا ہے ۔ اور اس پر ہمیشہ ہر جہت سے آوازیں اُٹھتی رہیں مگر اس نشیب و فراز کے سامنے ان آوازوں کی حیثیت صدائے صحرا سے زیادہ نہ ہوئی ـــــ اور اس کا نتیجہ آج ہم دیکھ رہے ہیں ۔ کہ ملک کی کشتی بھنور میں اس طرح پھنس چکی ہے کہ اسے نکالا جائے تو بھی اس کے ٹوٹنے کا اندیشہ اور اگر نہ نکالا جائے تو بھی غرق ہونے کا خطرہ ۔ ہر فرد اپنی جگہ آزاد، ہر گروہ اپنی حیثیت میں کُل ہونے کا مدعی ۔ احزاب اختلاف باہم اندرونی سطح پر دست و گریبان اور ظاہراً شیر و شکر، احزاب دین انتشار و افتراق کی حدود سے بھی باہر، کسی قومی و مذہبی مسئلہ پر متحد ہونے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے ۔ حزب اقتدار کے اسلام اور اسلامی اقدار محکوم، باقی ہر شئے ـــــ مادر پدر آزاد ـــــ عوام ـــــ ہمیشہ کالانعام گردانے گئے ہیں ۔ اور انہوں نے اسے حرفِ غلط نہیں بنایا ۔

اس کشتی کا کیا بنے گا؟ یہ سوال ہر شخص کی زبان پر ہے ۔ لیکن جواب ـــــ اس پر ان کی سوچ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں ۔ پھر کون ہے جو اس کے مستقبل کی فکر کرے ۔ "

فاعتبروا یا اولی الابصار

بقیہ مقالہ از صفحہ ۳ :

طبقہ انہی عقلی نظریات کی جامد تقلید میں اپنی نجات یقین کئے بیٹھا ہے اور ان کے مقابل الہامی حقائق کائنات و حیات کو در خور اعتناء نہیں سمجھتا ۔ گو یا بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا کے مصداق کے جامد مقلدین اپنے آپ کو اس دھوکہ د فریب کاری میں مبتلا کر لیتے ہیں کہ وہی سب سے زیادہ روشن ضمیر ترقی یافتہ اور حق پرست حکماء اور دانشمند ہیں ۔

(ا ۔ ب)

ہمارے نبی کریم صلعم ساری دُنیا کی قوموں کیلئے پیغام حیات لیکر آئے ہیں

قرآن کریم کا مقصد دُنیا میں رُوحانی انقلاب پیدا کرنا ہے

خطبہ جمعہ۔ مؤرخہ ۲۰ رجون ۱۹۷۵ء۔ فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ۔ جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

یاایھاالناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون .... فلا تجعلوا للہ انداداً و انتم تعلمون ـــــــ (البقرۃ - ۲۱ - ۲۲)

(مرتبہ: عبدالرؤف کھوکھر)

فرمایا، یاایھاالناس، میں خداتعالےٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کو مخاطب کیا ہے کہ اے دنیا کے لوگو۔ تم جہاں میں بھی ہو میری عبادت کرو۔ جس نے تمہیں اور تمہارے باپ دادا کو پیدا کیا۔ تاکہ تم متقی بنو یعنے خدا تعالیٰ سے ڈر کر قوانین فطرت کے مطابق زندگی گذارو۔ ہمارے نبی کریم صلعم دنیا کی ساری قوموں کے لئے پیغام حیات بصورت قرآن کریم لے کر آئے ہیں اس لحاظ سے حضورؐ کو اپنی نازک پوزیشن کا علم ہے۔ آپؐ ساری دنیا کے لئے نمونہ ہیں۔ حضور سے پہلے الگ الگ قوموں میں رسول آیا کرتے تھے اور ان کا حلقہ تبلیغ محدود اور اپنی اپنی قوم تک مخصوص ہوا کرتا تھا۔ اور ان کی تعلیم بھی اس وقت کے تقاضوں کے مطابق ہوا کرتی تھی۔

مگر حضورؐ کا علاقہ ساری دنیا ہے۔ پہلے ہر قوم یہ سمجھتی تھی کہ صرف ہماری طرف مبعوث شدہ پیغمبر اور اس کی کتاب ہی سچی اور منجانب اللہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے یہی تفرقہ مٹانے کے لئے ساری دنیا کے لئے ایک پیغمبر اور ایک کتاب بھیجی۔ جس میں قیامت تک کے لئے انسانیت کو پیش آنے والے تمام مسائل کا حل بتایا گیا ہے اور حضورؐ کی زندگی میں اس کا نمونہ موجود ہے ربّ العالمین نے رحمۃ اللعالمین کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔

قرآن کریم کا پہلا جملہ الحمد للہ ربّ العلمین ہے یعنے سب تعریف تمام جہانوں کے پالنے والے ربّ کیلئے ہے۔ جس نے انسانوں کے جسم، رُوح اور دماغ کی پرورش کا بندوبست فرمایا۔ وہ ہستی جس نے یہ قوتیں عطا فرمائی ہیں وہی ان کی نشو و نما کا سامان بھی دے سکتی ہے۔ جس نے انسان کی پیدائش سے بھی پہلے اس کی خدمت کی خاطر زمین و آسمان پیدا کئے۔ آسمان بارش برساتا ہے اور زمین پھٹ کر روئیدگی پیدا کرتی ہے۔ پھل۔ پھول۔ غلہ جات اور قسما قسم کے میوے اگاتی ہے۔ کیسی خوبصورت تعلیم ہے جو انسانی فطرت کو جگاتی ہے۔ انسان میں خداتعالےٰ نے دو اُنس رکھے ہیں۔ ایک خالق کے ساتھ اور دوسرا اس کی مخلوق کے ساتھ۔ پس اس کے احسانات کو یاد کرکے اس کی فرمانبرداری کرو۔ فرمانبرداری کی کیسی عمدہ ترغیب ہے۔ حکم دینے کے بجائے فطرت انسانی سے اپیل کی ہے۔ محسن کے آگے جھکنا انسان کی فطرت میں ہے، یہ عادت جانوروں تک میں پائی جاتی ہے۔ گھوڑے بیل اور کتے تک اپنے مالک کو پہچانتے ہیں۔

حکومتیں تھوڑی تھوڑی تنخواہوں پر انسانوں کو فوج میں ملازم رکھ لیتی ہیں۔ اور یہ لوگ وقت آنے پر اپنے محسن کے لئے اپنی گردنیں تک کٹوا دیتے ہیں۔ اور زندگی جیسی پیاری چیز کو اپنے محسن پر فدا کر دیتے ہیں۔ یہ احسان کا بدلہ ہے۔ لعلکم تتقون۔ کسی نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا ما التقوی یارسول اللہ۔ فرمایا ان اعبدوا اللہ کانک تراہ فان لم تراہ فانہ یراک۔ یعنے تقوےٰ یہ ہے کہ تو خدا کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا خدا کو تُو دیکھ رہا ہے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو ایسا ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ یقین تمہیں گناہوں سے بچائیگا

نمازوں میں لذت بخشنے کا۔ اخلاص۔ عجز اور عزائم عطا فرمائے گا۔ تم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری دل جمعی سے ... رکوع۔ قومہ اور سجدہ اسی اطاعت کا ہی ایک رنگ ہیں۔ تم اپنے دلوں کو نرم کرو اور مخلوق خدا سے پیار، رحم، نرمی اور ہمدردی سے پیش آؤ۔ اس محسن کو یاد کرو جس نے زمین و آسمان کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع آسمان سے بارش برستی ہے تو زمین سے ہر قسم کے پھل پھول اور رزق پیدا ہوتا ہے۔

سورج اور قمر کو تمہارے فائدہ کے لئے بنایا ہے اور تمہاری خدمت کے لئے سب کے سب تعاون کے ایک قانون میں بندھے ہوئے ہیں حالانکہ ان میں شعور نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو فہم اور شعور عطا فرمایا ہے ... کی خدمت کرنا اس پر زیادہ فرض ہے۔ اپنے مولا کو خوش کرو اور اس کی مخلوق ... کرکے اسے راضی کرلو۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے مالک و محسن کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کی مخلوق سے حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ تمہیں رحمۃ اللعالمین کی اُمت کا صحیح نمونہ بننا چاہیئے تاکہ لوگ پکار اُٹھیں کہ یہ اس رسول کی اُمت ہیں جو رحمۃ اللعالمین ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ اللہ کا رسول تمہارے لئے نمونہ ہے۔ حضورؐ نے غربت میں بھی زندہ رہ کر دکھایا اور بادشاہ بن کر بھی ساری اُمت کے لئے عفو و درگذر اور دشمن پر غلبہ پانے پر انہیں معاف کر دینے کی بھی مثال قائم کی۔ غرضیکہ حضور صلعم جنگ و امن اور حکومت و معاشرت ہر جگہ اور ہر مقام پر ایک اعلےٰ درجہ کا نمونہ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کی انتہائی بلندیوں پر تھے۔ آپؐ نے غیر قوموں کو بھی منصفانہ زندگی گذارنے کے مواقع فراہم فرمائے۔ غیر مسلم مؤرخین نے مسلمان حکام کی بڑی ستائش کی ہے، غیر مسلم مفکرین نے حضورؐ کی سیرت پر کتابیں لکھی ہیں۔ اور اعتراف کیا ہے کہ آپ ایک بے مثال انسان تھے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم بھی اپنے رسول صلعم کی پیروی کریں۔ اور اسی زندگی میں اپنے مولا کو خوش کرلیں۔ زندگی بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر کرو اور کچھ نہ کچھ خدا کی مخلوق کی خدمت کر جاؤ۔ امراء کے اموال میں غرباء کا حصہ ہے۔ ہر سرمایہ دار سے اس بات کا حساب لیا جائے گا۔ کہ اس نے اپنے مال سے محروموں اور مساکین اور غرباء کو کیا فائدہ پہنچایا۔

پس تم دوستوں اور دشمنوں سب کے لئے ایک نمونہ بنو۔ اللہ تعالےٰ تمہیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

ہفت روزہ پیغام صلح خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں (...)

تبرکات حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی حد بندیوں کو نگاہ میں رکھو اور ہر وقت نفس کا محاسبہ کرتے رہو

ولتنظر نفس ما قدمت لغد

آج کل لوگوں کے یہ بات ذہن نشین کی جاتی ہے کہ آدمی آزاد ہے۔ مگر جب پوچھا جاوے کیا چور بھی آزاد ہے، زانی بھی آزاد ہے؟ تو حیرت زدہ ہو کر عجیب عجیب طور پر جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اپنے طور پر کچھ حد بندیاں کرنے لگتے ہیں۔ گویا اپنے قول کی آپ ہی تردید کر لیتے ہیں میں نے آجکل کے تعلیم یافتوں سے پوچھا ہے کہ جیسے تم آزاد بنتے ہو اگر تمہارے ماں باپ بھی اسی قسم کی آزادی اختیار کر لیں تو تم کیسی مشکلات میں پڑتے۔ ماں پرورش ہی نہ کرتی اور یوں کہتی کہ چلو مجھے کیا پڑی ہے کہ اس کا بول و براز سنبھالوں۔ میں سوئے اور میں راتوں کو جاگوں۔ تیمارداری میں جان تک ہلکان کر دوں۔ باپ کہے چلو ہمیں کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ اسے خرچ دیں۔ غرض سب کے دماغ میں آزادی کی ہوا سما جائے تو یہ کارخانہ دم میں تباہ ہو جائے۔ ایسے ہی ایک دہریہ خیالات سے (جس کا قول تھا کہ اسلام نے اس قدر احکام کی پابندی مشکل ہے) میں نے پوچھا کیا تم میونسپٹی کے قوانین کی متابعت نہیں کرتے۔ پولیس کے قوانین کو نہیں مانتے۔ ضابطہ فوجداری کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے۔ سوسائٹی کے رول کی قدر نہیں کرتے۔ کیا تم طبعی قوانین کا لحاظ نہیں رکھتے اور کیا ان کا مجموعہ قرآن مجید سے بہت بڑا نہیں تو وہ بہت نادم ہوا۔ عیسائیوں کے دماغ میں آزادی سمائی تو شریعت کو لعنت قرار دیا مگر ان کی سوسائٹی کے رول اس قدر ہیں کہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

ایک عالم کے منہ سے ایک بات نکلی جو میرے لئے نکتہ معرفت ہو گئی کہ پہلے تو میں اللہ سے ڈرتا تھا مگر جوں جوں علم بڑھتا گیا تو یہ خشیت کم ہوتی گئی۔ یہ اس لئے کہ مجھے ایسی کتابیں نہیں پڑھائی گئیں جن سے خشیت بڑھے۔

مدارس کے بارے میں تو یہ بحث پیش آئی کہ کس مذہب کی کتاب پڑھائی جاوے۔ میں کہتا ہوں انجیل کا ابتداء اور انتہاء اور قرآن مجید کا ابتداء اور انتہاء ہی دیکھ لو اور ان کا مقابلہ کرو۔ ایک میں الحمد ایسی جامع دعا ہے کہ دنیا اس کی مثل سے عاجز ہے اور اخیر تمام دکھوں سے بچنے کی راہ بتائی۔ دوسری میں ایک نسب نامہ ہے جو اخلاق و روح کے لئے کچھ مفید نہیں اور اخیر میں یہ لکھا ہے کہ وہ پھانسی دے دیا گیا۔

غرض علماء میں تو خشیت نہیں اور عوام کالانعام ان کے تابع ہوئے لدی تقلیدوں کی حالت اس سے ناگفتہ بہ، امراء اپنی دولت میں مست، پھر اخبار نویس ہیں وہ دوسروں کی اصلاح پر تو تیار ہیں مگر اپنی اصلاح کے لئے کوئی کہہ دے تو لڑنے کو تیار ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے جب تم کسی ناصح کی نصیحت کی قدر نہیں کرتے تو تمہارا کیا حق ہے کہ اپنی نصیحت کو منواؤ۔

پس میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ الٰہی حد بندیوں کو نگاہ رکھو اور ہر وقت نفس کا محاسبہ کرتے رہو کہ کل کے واسطے تم نے کیا تیاری کی ہے۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۲۷۔ مؤرخہ ۵ مئی ۱۹۰۹ء)

ایں دو فکرِ دینِ احمد مغزِ جانِ ما گداخت ÷ کثرتِ اعدائے ملت قلتِ انصارِ دیں

اے خدا زود آ و برما آبِ نصرت ہا ببار ÷ یا مرا بردار یا رب زیں مقامِ آتشیں

چوں مرا بخشیدۂ صدق اندریں سوز و گداز ÷ نیست امیدم کہ ناکامم بمیرانی دریں

(حضرت مسیح موعود)

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

عن ابی ہریرۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لیستجاب للعبد مالم یدع باثم او قطیعۃ رحم مالم یستعجل قیل یا رسول اللہ ما الاستعجال قال یقول قد دعوت قلم یستجب فیستحسر عند ذالک و یدع الدعاء

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک آدمی گناہ اور قطع رحمی اور جلد بازی نہ چھوڑ دے اس کی دعا قبول نہیں ہوتی حضور سے دریافت کیا گیا کہ جلد بازی کیا ہوتی ہے فرمایا آدمی دعا کرتا ہے اور وہ قبول نہیں ہوتی تو اکتا جاتا ہے اور دعا کرنا ترک کر دیتا ہے۔

تشریح:

دعاؤں کی قبولیت بعض شرائط سے مشروط ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں تین باتوں کا ذکر کیا گیا ہے اول یہ کہ انسان گناہ ترک کر دے اگر آدمی مسلسل خدا تعالے کی نافرمانی کرتا رہے اور گناہ پر مصر رہے تو یہ بات اللہ تعالے کی ناراضگی کا باعث بن جاتی ہے اور عبد و معبود کے تعلقات بالآخر ختم ہو جاتے ہیں اس کے نتیجہ میں دعا قبولیت کے درجہ تک نہیں پہنچتی دوم قطع رحمی کی صورت میں بھی انسان خدا تعالے کی ناراضگی مول لے لیتا ہے جہاں خدا تعالے کے کچھ حقوق بندوں کے ذمے ہیں وہاں مخلوق کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں مخلوق کے حقوق کو غصب کرنا اور خدا تعالے سے دعاؤں کی قبولیت چاہنا یہ دو باتیں جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ اس صورت میں بھی انسان خدا تعالے کے احکام کی نافرمانی کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے اس لئے دعاؤں کی قبولیت سے محروم رہتا ہے معلوم ہوا کہ دعاؤں کی قبولیت کے لئے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی بہت ضروری ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ انسان دعاؤں سے اکتائے نہیں ایک دن دعا کر کے دوسرے دن خدا تعالے کے شکوے کرنے لگ جانا کہ میری دعا قبول نہیں ہوتی خدا تعالے کے حضور ایک گستاخانہ حرکت ہے کیونکہ کسی انسان کا خدا تعالیٰ پر کوئی حق نہیں یہ اس کا احسان ہے کہ ہمارے لئے ہر چیز کو حسب ضرورت مہیا فرما دیتا ہے اگر انسان دعا چھوڑ دیتا ہے تو خدا تعالے کو اس کی کیا پروا ہے قرآن کریم میں ہے ما یعبؤا بکم ربی لولا دعاؤکم۔ یعنی اگر تم دعا نہ کرتے تو خدا تعالے کو تمہاری کیا پرواہ ہے۔ اللہ تعالے سب بے نیاز ہے اور ہم سراپا نیاز۔ اگر انسان خدا تعالے سے بے نیاز ہونا چاہے تو یہ بات نا ممکن محال بلکہ باطل ہے اس لئے ہر آن اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں پر نگاہ رکھنی چاہیے اور جب انسان کمزوریوں کے اعتراف کے ساتھ خدا تعالے کو مدد کے لئے پکارتا ہے تو وہ ضرور مدد فرماتا ہے اور جب وہ لا پرواہی کرتا ہے تو اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

ایک بزرگ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا ایک مرید ان کے پاس گیا رات کو وہ بزرگ اللہ کے حضور دعا کرنے لگے تو آواز آئی کہ تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی دوسری اور تیسری شب کو بھی یہی آواز آئی تو مرید کہنے لگا حضور آپ اس دعا کو ترک کر دیں تو اس بزرگ نے جواب دیا تو تین دن کے اندر گھبرا گیا ہے میں عدم قبولیت کی یہ آواز مسلسل تیس سال سے سن رہا ہوں مگر کبھی بددل نہیں ہوا پھر تیسری رات کے دوران اللہ تعالے نے فرمایا کہ تیس سال کے اندر جتنی دعائیں تم نے کی ہیں سب قبول کی جاتی ہیں۔ سچ ہے

الاستقامت فوق الکرامت

(مرزا سلیم اختر)

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمان مصری صاحب دام برکاتہ

بہاء اللہ کے متعلق ایک اہم سوال اور اس کا جواب

کراچی سے ہمارے ایک معزز بھائی نے اپنے ایک دوست کے چند سوالات برائے جواب ارسال کئے ہیں۔ ان میں سے ایک سوال بہاء اللہ کے دعوی کے متعلق ہے جسے ذیل میں من و عن نقل کیا جاتا ہے بعدہٗ اس کا جواب تحریر کیا جائے گا۔ سوال و جواب نقل کر دینے سے قبل یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ سائل صاحب نے اس سے قبل بھی چند سوالات برائے جواب ارسال کئے تھے ان کا جواب بھیج دیا گیا تھا۔ ان سوالوں میں بہاء اللہ کے متعلق بھی سوال تھا جس کا جواب دیا گیا تھا لیکن انہوں نے قریباً قریباً اس سوال کو اپنے پہلے الفاظ میں ہی دوہرا دیا ہے ذیل میں ان کے سوال کو من و عن نقل کر کے اس کا جواب لکھا جاتا ہے۔

سوال کے الفاظ حسب ذیل ہیں "بہاء اللہ کے بارے میں آپ کی بات صاف نہیں ہے آپ تسلیم کرتے ہیں کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا مطالعہ مذاہب عالم وسیع تھا اس میں بابی اور بہائی مذہب بھی شامل ہے یہی وجہ ہے کہ لاہور میں جب ایک بہائی نے ان کو مناظرہ کا چیلنج دیا تو انہوں نے حیرت کا اظہار نہیں کیا کہ یہ کونسا مذہب ہے بلکہ انہوں نے اسے قادیان آنے کی دعوت دی (یہ بالکل غلط از ناقل) اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس دوران وہ اس مذہب کا مطالعہ کر رہے تھے (یہ خیال آپ کا محض بدظنی پر مبنی ہے حضور نے جب محمود ایرانی کو قادیان آنے کی دعوت ہی نہیں دی تو ان کی کتب کے مطالعہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ حضور نے محمود ایرانی کو مناظرہ کی بجائے ایک دوسرے فیصلہ کن طریق کی طرف توجہ دلائی جس کا ذکر ابھی بعد میں آئے گا۔ ناقل) کیونکہ انہوں نے مناظرہ سے انکار ایک مقدمہ کی پیشی کی تاریخ کی بنا پر کیا' بالفاظ دیگر وہ بہاء اللہ کے دعوے سے پوری طرح واقف تھے ورنہ مناظرہ کیسا؟ (واقف تھے یا نہیں لیکن اصولاً اس کے مذہب اور اس کے دعوے کی بنیاد جڑھ سے اکھیڑ چکے تھے اور بالفاظ آپ کے اس کے بخیے ادھیڑ چکے تھے از ناقل) اس لئے یہ ثابت ہوا کہ بابی اور بہائی مذہب کی کتابیں حضرت مرزا صاحب کے پاس موجود تھیں (سائل صاحب نے اپنی سابقہ تحریر میں یہ لکھا تھا کہ مرزا صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ بابی اور بہائی مذہب کی کتب ان کے پاس موجود تھیں اس بارے میں میں نے ان سے حوالہ طلب کیا تھا حوالہ تو وہ پیش نہ کر سکے اب ایک ایسے استدلال سے اپنے دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جسے بناء الفاسد علی الفاسد کہا جا سکتا ہے کیونکہ جیسا کہ ابھی قارئین کرام پر واضح ہو جائے گا کہ نہ تو حضور نے مناظرہ کی دعوت کو قبول کیا اور نہ محمود ایرانی کو قادیان آنے کی دعوت دی اور نہ ان کی کتب کے مطالعہ کا ذکر کیا۔ یہ سارے مفروضے سائل صاحب کے اپنے دماغ کی اختراع ہیں از ناقل) پھر صرف ایک رکوع (ذوالقرنین) کی تفسیر کا کیا مطلب ہے (سائل صاحب کی سابقہ تحریر کے جواب میں میں نے حضور کی طرف سے ذوالقرنین والے رکوع کی تفسیر کا ذکر کیا تھا۔ اس کے جواب میں سائل صاحب نے یہ فقرہ لکھا ہے۔ سائل صاحب کو علم ہونا چاہئیے کہ حضور نے ذوالقرنین والے رکوع کی جو تفسیر لکھی وہ محمود ایرانی صاحب کے سوال کے جواب میں ہی لکھی تھی جبکہ خود انہوں نے اس کا مطالبہ کیا تھا جیسا کہ اصل واقعات سے قارئین کرام اور خود سائل پر بھی واضح ہو جائے گا۔ از ناقل) اگر ڈاکٹر ڈوئی۔ آتھم اور لیکھرام اور دوسرے ایسے ہی لوگوں کو جن کی کوئی بڑی مذہبی حیثیت بھی نہ تھی (حیثیت تو ان تینوں کی بڑی تھی گو آپ کو معلوم نہ ہو از ناقل) ان کو اہمیت دی جا سکتی ہے تو ایک ایسے مدعی کو جو خود حضرت مرزا صاحب کے دعوے کا پیش رو ہے کیوں مخاطب نہیں کیا جبکہ سرسید کے خیالات پر بھی کتاب برکات الدعا لکھی جا سکتی ہے تو بہاء کے تمام دعاوی کا رد کیوں نہیں کیا گیا (اصولاً ان کے تمام دعاوی کو [illegible] دیا گیا کوئی دعوے بھی ان کا بغیر رد کے حضور نے نہیں چھوڑا جیسا کہ ابھی آپ پر واضح ہو جائے گا از ناقل) آپ کا یہ فرمانا کہ انہوں نے تمام دنیا کو اسلام کی حقانیت پر چیلنج کیا اور اس میں بالواسطہ بہائی مذہب بھی آ جاتا ہے تسلی بخش بات نہیں کیونکہ بہاء اللہ سے بانیٔ سلسلہ بخوبی واقف تھے انکو چاہئے تھا کہ سب سے پہلے ایسے آدمی کے خیالات کا رد کرتے آپ کم از کم اس خاموشی کی کوئی تو مصلحت تحریر فرمائیں اس سلسلہ میں مناظرانہ طرز کی بجائے یہ سمجھانے کی کوشش کریں کہ کیا وجہ ہے کہ ایک آدمی مذہب اسلام کو ختم کر کے نیا مذہب لا رہا ہے اور جس کے پیروکار اس وقت تک سارے ہندوستان تک میں موجود ہیں تو اس کو نظر انداز کر دیا گیا" (نظر انداز تو نہیں کیا بلکہ ساری عمر عملاً اس کے دعاوی کا بطلان ثابت کرتے رہے بقول آپ کے اگر اس وقت ہندوستان میں بہاء اللہ کے پیروکار موجود تھے تو کیوں انہوں نے حضرت اقدس کے دعوے کو چیلنج نہیں کیا اور کیوں خود اپنے رہنما عبدالبہاء کو مقابلہ پر [illegible] یا خود عبدالبہاء نے حضور کے دعوی کو کیوں چیلنج نہیں کیا کیونکہ چیلنج تو انہیں ہی کرنا چاہئے تھا کیونکہ ان کی طرف سے یہ دعوے کیا جا رہا تھا کہ قرآن کریم اور رسول اکرم صلعم کا فیض ختم ہو گیا ہے اب ان دونوں کی پیروی سے کوئی شخص خدا رسیدہ نہیں بن سکتا اب خدا رسیدہ وہی شخص بن سکتا ہے جو بہاء اللہ کی پیروی کرے گا جیسا کہ میں عبدالبہاء بنا ہوا ہوں ان کے اس ادعا کے بعد حضرت مرزا صاحب اس دعوے کے ساتھ میدان میں آتے ہیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلعم کی پیروی کو چھوڑ کر کسی اور طریق پر گامزن ہو کر خدا رسیدہ بن گیا تو وہ میرے ساتھ روحانی میدان مقابلہ میں نکل آئے تا دنیا دیکھ لے کہ خدا کس کے ساتھ ہے اور کس کو وہ اپنی تائیدات اور نصرت سے [illegible] میرا دعوے یہ ہے کہ بجز قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلعم کی پیروی کے خدا رسیدگی کا شرف کبھی انسان کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا اسلام کو ختم کرنے کا دعوے کرنے والے جھوٹے ہیں اسلام زندہ۔ اس کا خدا زندہ۔ اس کی کتاب زندہ۔ اور انہی باتوں کو ثابت کرنے کے لئے مجھے خدا نے مامور بنا کر بھیجا ہے تا میں قرآن کریم کے اس دعوے کو قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفر لکم ذنوبکم واللّٰہ غفور رحیم قل اطیعوا اللّٰہ والرسول فان تولوا فان اللّٰہ لا یحب الکافرین اس آیت میں وضاحت سے دو دعوے کئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ حضرت نبی کریم صلعم کا حقیقی متبع ہی محبوب خدا بن سکتا ہے۔ دوسرا دعوے یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کرے گا وہ خدا کا محبوب نہیں بن سکتا پس حضرت مسیح موعود نے اپنے عمل سے قرآن کریم کے اس دعوے کی صداقت ثابت کر دی اور جو بھی مقابلہ میں آیا جیسا آپ نے ڈوئی۔ آتھم۔ لیکھرام وغیرہ کے نام لئے ہیں وہ سب نابود ہو کر الہٰی ثابت ہوئے اگر عبدالبہاء بھی مقابلہ میں آ جاتا تو اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو دوسروں کا حشر ہوا۔ عقل کا فتوے تو یہی ہے کہ نیا مذہب لانے والے کو جو تمام پہلے مذاہب کو خصوصاً اسلام کو منسوخ قرار دے چکا ہے ایسے شخص کو مقابلہ کے لئے بلانا چاہیئے تھا جو اسلام ہی کو آخری مذہب قرار دیتا ہے اور اسی کو ہی منبع فیوض الہٰی بتلا رہا ہے نہ صرف بتلا رہا ہے بلکہ اپنے وجود سے اس کو ثابت بھی کر رہا ہے لیکن یہاں معاملہ الٹا ہے اسلام کا پیرو نئے مذہب لانے والے کو چیلنج کر رہا ہے [illegible]

رہا ہے من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین۔ لیکن عبدالبہاء کو جو اپنے والد بہاء اللہ کی روحانیت کی پیداوار ہے جرأت نہیں ہوتی کہ محمد رسول اللہ صلعم کی روحانیت کی پیداوار یعنی حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ میں نکل سکے۔ بہاء اللہ کے مذہب اور اس کے دعاوی کا قلع قمع تو اسی ایک بات سے ہی ہو جاتا ہے۔ ان کے دعاوی کے بطلان پر مزید روشنی بعد میں ڈالی جائے گی۔

محمود ایرانی صاحب کے دعوت مناظرہ کی حقیقت

اب میں ذیل میں محمود ایرانی صاحب کی دعوت مناظرہ کی حقیقت پر روشنی ڈالتا ہوں سو واضح ہو کہ پہلے اس کے پس منظر پر مطلع ہونا ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ اور مولوی کرم دین بھیں والے کے درمیان گورداسپور کی عدالت میں ایک مقدمہ چل رہا تھا جس کی وجہ سے حضور گورداسپور میں ہی کچھ عرصہ کے لئے مقیم تھے۔ اس مقدمہ کے حالات کو قلمبند کرتے ہوئے ایڈیٹر صاحب الحکم تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقدمہ حسب معمول ۱۷ اور ۱۸ اگست ۱۹۰۴ء کو پیش ہوا۔ ۱۷ اگست ۱۹۰۴ء کو مستغیث کرم دین پر مکرر جرح ہوئی ۱۸ اگست محمد حی اور غلام محمد گواہان استغاثہ کے لئے مقرر ہوئی تھی جو حاضر نہیں ہوئے اس لئے آئندہ پیشی ۵ ستمبر ۱۹۰۴ء مقرر ہوئی چونکہ حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ۲۰ اگست ۱۹۰۴ء سے ۵ ستمبر ۱۹۰۴ء تک گونہ فرصت تھی .... اس لئے ۲۰ اگست ۱۹۰۴ء کی صبح کو اعلیٰ حضرت گورداسپور سے روانہ لاہور ہوئے۔"

(دیکھو تتمہ "الحکم")

۱۸ ستمبر ۱۹۰۴ء تک کے تازہ حالات اور دوپہر کو ... نے اخبار الحکم کی مندرجہ بالا اطلاع کے مطابق حضرت مسیح موعود کو لازماً ۵ ستمبر ۱۹۰۴ء کو عدالت گورداسپور میں حاضر ہونا تھا اس لئے حضورؑ کے لئے ضروری تھا کہ ۴ ستمبر ۱۹۰۴ء کو حضور لاہور سے گورداسپور روانہ ہوتے تا ۵ کو عدالت میں حاضری دے سکتے چنانچہ جیسا کہ بعد کے واقعات سے ظاہر ہے حضورؑ ۴ ستمبر ۱۹۰۴ء کو لاہور سے گورداسپور کے لئے روانہ ہو گئے۔

اسی بناء پر حضور نے اپنی تیسری تقریر میں فرمایا جیسا کہ ایڈیٹر صاحب الحکم نے واقعات قلمبند کرتے ہوئے لکھا:۔

"حضرت اقدس کی تیسری تقریر جو ۴ ستمبر ۱۹۰۴ء کو بارہ ہزار کے مجمع میں آپ نے حاضرین کی بے حد خواہش سے کی" (ایڈیٹر)

یہ تقریر اخبار الحکم مؤرخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی اس کے آخر میں فرماتے ہیں:۔

"اس وقت میری نصیحت یاد رکھیں آج کے بعد آپ مجھے یہاں نہ دیکھیں گے"

حضورؑ کے یہ الفاظ بتلا رہے ہیں کہ حضورؑ ۴ ستمبر ۱۹۰۴ء کو لاہور سے روانہ ہو جائیں گے اور یہ اس لئے ضروری تھا کہ ۵ ستمبر ۱۹۰۴ء کو حضور نے گورداسپور کی عدالت میں حاضر ہونا تھا۔ چنانچہ حضورؑ ۴ ستمبر ۱۹۰۴ء کو گورداسپور کے لئے لاہور سے روانہ ہو گئے۔

لاہور میں حضورؑ کے وجود کو غنیمت سمجھ کر حضور سے پبلک کو خطاب کرنے کے لئے درخواست کی گئی چنانچہ بعض دوستوں کی طرف سے اعلان ہوا کہ ۳ ستمبر کو حضورؑ کے ایک پبلک لیکچر کا انتظام کیا گیا ہے اس کے متعلق مندرجہ ذیل اشتہار شائع کیا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــــ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ایک عظیم الشان موقع

حضور مجدد الوقت مسیح موعود و مامور ربانی

میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا لیکچر

"اس ملک کے موجودہ مذاہب اور اسلام"

پر لاہور میں بمقام منڈوہ واقع عقب بارگاہ حضرت داتا گنج بخش صاحب نور اللہ مثواہ بروز ہفتہ بتاریخ سوم ستمبر ۱۹۰۴ء بوقت ٹھیک ساڑھے چھ بجے صبح کے شروع ہوگا۔ ہر مذہب وملت کے اصحاب تشریف لا سکتے ہیں جلسہ میں کسی قسم کے اعتراض اور سوال اور مباحثہ کی اجازت نہیں۔ اس کے بعد داعین کے اسماء گرامی درج ہیں۔

قارئین کرام "بروز ہفتہ" کے الفاظ اور بتاریخ سوم ستمبر ۱۹۰۴ء کو یاد رکھیں کیونکہ ان دونوں کی بڑی اہمیت ہے جس کا علم قارئین کرام کو بعد کے واقعات سے ہوگا۔

مندرجہ بالا اعلانات کے علاوہ ایک بار ۵ ستمبر کی تاریخ کا ذکر ذیل کی عبارت میں بھی کیا گیا:۔

"حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدمہ میں ۵ ستمبر ۱۹۰۴ء محمد حی اور غلام محمد گواہان استغاثہ پر مکرر جرح کے لئے مقرر ہوئی۔"

(دیکھو اخبار الحکم ۱۷ و ۲۴ اگست ۱۹۰۴ء کالم ۱ مقدمات کے حالات کے نیچے)

قارئین کرام اس بات کو ذہن نشین فرمالیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ۴ ستمبر ۱۹۰۴ء کو لاہور سے روانہ ضروری تھی کیونکہ ۵ ستمبر ۱۹۰۴ء کو حضور کی گورداسپور کی عدالت میں حاضری لازمی تھی چنانچہ جیسا کہ واقع سے ... حضور ۴ ستمبر کو لاہور سے گورداسپور کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس ... اس حقیقت کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء ... دن جلسہ ... وجہ سے اور لوگوں کی ملاقات کی وجہ سے حضور کے لئے بہت ... مصروف دن تھا۔

سوال اور دعوت مناظرہ

ان واقعات کا ذکر کرنے کے بعد اب میں قارئین کرام کی آگاہی کے لئے یہ بتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ محمود ایرانی صاحب کی طرف سے حضور کے پاس ۲ ستمبر ۱۹۰۴ء کو ایک تو سوال پہنچا ہے اور ایک ۲۷ اگست ۱۹۰۴ء کے لاہور کے پیسہ اخبار میں ان کی طرف سے شائع شدہ دعوت مناظرہ پہنچی ہے چنانچہ سوال کا ذکر حضور اپنے ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء والے لیکچر میں ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

"مجھ سے ایک صاحب نے میرزا محمود ایرانی نام نے آج دو ستمبر ۱۹۰۴ء کو بذریعہ ایک خط کے دریافت کیا ہے۔ فوجدھا تغرب فی عین حمئۃ" چنانچہ محمود ایرانی صاحب کی درخواست پر حضورؑ نے اس سارے رکوع کی تفسیر فرما دی جس کا تعلق ذوالقرنین سے ہے اور جس میں وہ آیت بھی درج ہے جس کا مطلب محمود ایرانی صاحب نے دریافت کیا۔ یہ تفسیر اسی لیکچر کے ساتھ ہی شائع شدہ ہے جو ۳ ستمبر کو حضورؑ نے پبلک میں دیا۔ اس سے سائل صاحب پر واضح ہو گیا ہوگا کہ جس تفسیر کو انہوں نے ایک معمولی چیز قرار دیا وہ حضور نے خود بخود نہیں لکھی بلکہ محمود ایرانی صاحب کی درخواست پر لکھی اگر محمود ایرانی صاحب سمجھتے تھے کہ حضورؑ کی بجائے وہ رکوع جس میں ذوالقرنین کا ذکر ہے بہاء اللہ پر چسپاں ہوتا ہے تو ان کا فرض تھا کہ وہ حضورؑ کی تفسیر کے مقابلہ پر اپنی تفسیر شائع کرتے اور ثابت کرتے کہ ذوالقرنین والے رکوع میں جس پیشگوئی کا ذکر ہے اس کے مصداق مرزا صاحب نہیں بلکہ بہاء اللہ ہے لیکن حضورؑ کی تفسیر نے ان کو ایسا مبہوت کیا کہ اس کے خلاف ایک لفظ بھی لکھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

دعوت مناظرہ کی حقیقت

اب رہا دعوت مناظرہ جو اس کے متعلق حضورؑ کے مندرجہ ذیل اعلان کو قارئین

دعوے پر مزور ان میں ہل چل مچی ہوگی کیا ان میں کوئی بھی ایسا بہائی نہ تھا جو حضورؑ کے دعوے کی اشاعت پر حضور کو چیلنج کرتا ستمبر ۱۹۰۴ء تک ان کی خاموشی کس امر کی غمازی کرتی ہے آپ خود ہی فیصلہ کرلیں پھر محمود ایرانی صاحب نے بھی حضورؑ کے جواب پر خاموشی اختیار کرکے ثابت کر دیا کہ وہ بھی درحقیقت اس میدان کے شاہسوار نہ تھے۔

اب میں بہاء اللہ صاحب کی چند اصولی باتوں کو پیش کرکے معزز سائل پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کس وضاحت سے حضورؑ نے ان کی ان اصولی رد کرکے قرآن کریم کی پوزیشن کو نمایاں طور پر بالا ثابت کر دیا اور یہی مسیح موعودؑ کے متعلق پیشگوئی تھی کہ وہ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرکے دکھلا دے گا۔

پہلا دعویٰ بہاء اللہ صاحب کا پہلا دعوےٰ یہ تھا کہ الہام الٰہی نہ الفاظ میں نازل ہوتا ہے نہ ہی اس کی کوئی آواز آتی ہے۔ اس کے مقابل میں حضرت اقدس ساری عمر یہ اعلان کرتے رہے کہ آپ پر الہامات الفاظ میں نازل ہوتے ہیں اور ان کی آواز ہوتی ہے۔ حضورؑ کے الہامات باقاعدہ شائع ہوتے رہے اور پورے ہوتے رہے ان میں سے ایک بھی غلط ثابت نہیں ہوا۔ قرآن کریم کی مقرر کردہ شرائط اور اس کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق تمام الہامات پورے ہوتے رہے اور اگر کسی کو ایک الہام کے متعلق بھی خیال ہو کہ وہ خلاف واقعہ نکلا تو میری طرف سے اس کو چیلنج ہے کہ میں اس کو صحیح ثابت کرنے کی ذمہ داری اٹھاتا ہوں۔

دوسرا دعوےٰ دوسرا دعوےٰ بہاء اللہ صاحب کا اور ان کے بعد ان کے بیٹے عبدالبہاء صاحب کا یہ تھا کہ قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلعم کے فیض کی نہر خشک ہو گئی ہے اب ان کی پیروی کرنے والا شخص ان سے کسی قسم کا فیض حاصل نہیں کر سکتا۔ اب فیض رسانی کے سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے بہاء اللہ کی ذات سے وابستہ کر دیا ہے اس کو بھی حضورؑ نے اپنے وجود کے ذریعہ عملی طور پر باطل ثابت کر دیا کیونکہ حضورؑ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جن برکات اور فیوض کو میں نے حاصل کیا ہے وہ محض حضرت نبی کریم صلعم کی اطاعت اور محبت میں فنا ہو کر حاصل کیا ہے اور جو بھی ایسا کرے گا وہ میری طرح خدائی انعاموں کا وارث ہوگا اور حضورؑ کی ہدایت پر عمل کرنے والوں میں سے ہزاروں نے خدا کی طرف سے الہامات پائے اور لفظوں میں پائے اور پورے ہوتے رہے اور یہ کھلا کھلا ثبوت ہے اس امر کا کہ حضرت نبی کریم صلعم کے فیض کی نہر جاری ہے۔

تیسرا دعوےٰ تیسرا دعوےٰ بہاء اللہ صاحب کا باب کی اتباع میں یہ تھا کہ دین اسلام اب منسوخ ہو گیا ہے اب میرے ذریعہ سے نیا دین آیا ہے اس کی پیروی کرنی چاہیئے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے اپنے وجود سے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ اسلام منسوخ نہیں ہوا بلکہ قائم اور عملی طور پر اپنے پیروی کرنے والوں کے ساتھ جو وعدے اس نے کئے ہیں ان کو باقاعدہ پورے کر رہا ہے۔

پہلی علامت مثلاً یہ وعدہ کہ ان پر فرشتے اُترتے ہیں اور ان کو بشارتیں دیتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب پر فرشتے اترتے رہے اور ان کی دی ہوئی بشارتیں پوری ہوتی رہیں۔

دوسری علامت پھر خدائی وعدہ ان کو یہ دیا گیا کہ ان کی دعائیں قبول ہوں گی خصوصاً مخالفین کے مقابلہ میں چنانچہ حضرت مرزا کے وجود میں یہ علامت بھی پوری ہوتی رہی۔

تیسری علامت تیسری علامت یہ تھی کہ دشمنوں کے مقابلہ میں خدائی تائید ان کے شامل حال رہے گی اور دشمن اپنے منصوبوں میں خائب و خاسر رہے گا سو ایسا ہی وقوع میں آتا رہا۔

چوتھی علامت چوتھی علامت یہ کہ ان پر قرآنی حقائق و معارف کے دروازے کھلتے رہیں گے۔ جلسہ مذاہب نے اس علامت کو بھی پورا کرکے دکھلا دیا۔

پانچویں علامت پانچویں علامت یہ کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے والے تزکیۂ نفس کی نعمت سے متمتع ہوں گے چنانچہ یہ علامت بھی نمایاں طور پر حضور کے وجود میں پوری ہوئی سینکڑوں نے حضورؑ کی صحبت سے تزکیہ قلب حاصل کیا۔ قرآن کی محبت سے سرشار ہو گئے اور اشاعت دین کی ایک لگن ان میں پیدا ہو گئی جس کے لئے وہ ہر قربانی کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ چنانچہ افغانستان کے شاہ عبداللطیف صاحب مرحوم و مغفور اور دیگر کابل کے باشندوں نے جانوں کی قربانیاں دے کر اس علامت کا ثبوت بہم پہنچا دیا۔

علامات تو اور بھی متعدد ہیں مگر طوالت کے خوف سے انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے یہی تین اہم دعاوی ہیں جو بہاء اللہ صاحب کی طرف سے پیش کئے گئے تھے اور واقعات کی شہادت سے تینوں ہی غلط ثابت ہوئے اور واقعات کی شہادت بہم پہنچانے والا صرف حضرت مرزا صاحب کا وجود ہی تھا۔

باب کا حشر میں پہلے جواب میں بتلا چکا ہوں کہ اصل بانی اس مذہب کا بہاء اللہ نہیں بلکہ باب ہے بہاء اللہ صاحب تو اپنے آپ کو باب کی پیشگوئی کا مصداق قرار دیتے تھے اور باب کے متعلق ثابت ہے کہ آیت لو تقول کی وعید کے ایک پہلو یعنی قتل والے پہلو کے ماتحت قتل ہو کر اپنے دعوےٰ کے باطل ہونے کا ثبوت بہم پہنچا گئے علاوہ اس وعید کی پیشگوئی کے حدیث میں بھی یہ پیشگوئی چلی آ رہی تھی جو حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۵۰ میں درج ہے اس کا اُردو ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔ مہدی کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ "مہدی کے ظہور سے قبل حضرت علی رضہ کے فرزندوں میں سے ایک شخص پر لوگ جمع ہو جائیں گے اور اس کی بیعت کر لیں گے اور یہ فرزند علیؓ بیعت کے لائق نہیں ہوگا پس قتل کیا جائے گا یا مر جائے گا اس کے بعد مہدی کا ظہور ہوگا۔"

یہ حدیث صاف طور پر علی محمد باب پر چسپاں ہوتی ہے کیونکہ وہ سید خاندان کا فرد تھا بالفاظ دیگر حضرت علی کی اولاد میں سے تھا۔

اہل فارس کی مسلمانوں سے دشمنی حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۶۷-۳۶۸ پر ایک حدیث اس مضمون کی درج ہے کہ اہل فارس مسلمانوں کے دشمن ہو جائیں گے اور کفر کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اردو ترجمہ اس حدیث کا یہ ہے "اہل فارس مسلمانوں کے دشمن ہو جائیں گے۔ اہل فارس کفر کی طرف لوٹ جائیں گے" چنانچہ بابیوں نے اسلام کو نیا مذہب اختیار کرکے اس حدیث کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچا دیا۔ پھر صفحہ ۳۴۲ پر مندرجہ حدیث کا اُردو ترجمہ یہ ہے:- "اے مسلمانو! سیاہ جھنڈے مشرق کی طرف سے نمودار ہوں گے اور تمہارے ساتھ جنگ کریں گے ایسی جنگ کہ کسی قوم نے ایسی جنگ نہ کی ہوگی اس کے بعد خلیفۃ اللہ المہدی کا ظہور ہوگا جب اس مہدی کے ظہور کے متعلق سنو تو اس کی طرف آؤ اور اس کی بیعت کرو اگر ہاتھوں اور پیٹ کے بل برف پر چل کر بھی اس کی طرف جانا پڑے تو جاؤ۔ اس حدیث کو مسلم نے نکالا ہے۔

بے نظیر جنگ کی حقیقت حدیث میں ان کی جنگ کو بے نظیر جنگ قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ بابیوں نے ایرانی حکومت کے ساتھ ظاہری جنگ بھی کی لیکن اسے بے نظیر جنگ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ایسی جنگیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ بے نظیر جنگ اسے اس لئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے اس جنگ میں مسلمانوں کے دین کو ہی نیست و نابود کرنے کی سعی کی تھی اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہو گئے تھے قرآن کو منسوخ قرار دیا اور ایک نئی شریعت کی بنیاد ڈالی محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت کے زمانہ کو ختم قرار دیا اور آنحضرت صلعم کے فیض روحانی کی نہر کو خشک قرار دے کر اپنے فیض روحانی کی نہر کے متعلق کہا کہ اب وہ جاری کی گئی ہے۔ اے لوگو! اسلام کو چھوڑو اور اب ہماری نہر سے سیراب ہونے کی کوشش کرو۔ چنانچہ ان کی اس خطرناک جنگ اور اس خطرناک منصوبہ کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون کو یاد کرکے سیدنا حضرت مرزا [illegible] مہدی کا منصب دیکر مبعوث فرمایا جس کا ظہور اس فتنہ کے ظہور کے بعد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور
پاکستان

• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

فون نمبر ۵۳۷۳۷

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خدام ختم المرسلین
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب

کیا یہی تعلیم فرقاں ہے بھلا
کچھ تو آخر چاہیئے خوفِ خدا
مؤمنوں پر کفر کا کرنا گماں
ہے یہ کیا ایمانداروں کا نشاں

دنیا میں ایک نذیر آیا، پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا۔ (الہام حضرت مسیح موعود)

سالانہ:
پاک و ہند سے — آٹھ روپے
بیرونی ممالک سے — ایک پونڈ

• رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
• تار کا پتہ
• "تبلیغ لاہور"

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ – ۲ جولائی ۱۹۷۵ء | نمبر ۲۷

(حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

جماعتِ احمدیہ خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہے جو زمین میں بویا گیا

خُدا فرماتا ہے۔ کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا۔ اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا

تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے ہر ایک قوم دُنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو۔ اس کی طرف دُنیا کی توجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے موقعہ ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے خاص انعام پاویں۔

یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔ تُم خُدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خُدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھُولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔ پس مُبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنیوالے ابتلاؤں سے نہ ڈرے۔ کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعویٔ بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے۔ وہ جو کسی ابتلاء سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خُدا کا نقصان نہیں کرے گا۔ اور بدبختی اسے جہنم تک پہنچائیگی اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا تھا مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دُنیا ان سے سخت کراہت سے پیش آئے گی۔ وہ آخر فتحیاب ہوں گے۔ اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے۔

خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دُنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلُودہ نہیں۔ اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خُدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔

اے سننے والو سنو! کہ خُدا تم سے کیا چاہتا ہے بس یہی کہ تم اُسی کے ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خُدا ہے جو اَب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور اَب بھی بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا۔ اور اَب بھی سُنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں سنتا تو ہے مگر وہ بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سُنتا ہے اور بولتا بھی ہے۔ اسکی تمام صفات ازلی ابدی ہیں۔ کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی ۔ (الوصیت صفحہ ۱۱–۱۲)

حضرت خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ

جماعت احمدیہ کے جملہ اعتقادات قرآن و حدیث اور حضرت امام ابو حنیفہ کے مسلک کے مطابق ہیں

مجددین کی بعثت صحیح احادیث اور تعامل اُمت سے ثابت ہے

میں اپنا عقیدہ ان بزرگوں کے سامنے پیش کر دیتا ہوں اور ان سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر میں غلطی پر ہوں تو میری اصلاح کر دیں اور میں انشاءاللہ اپنے عقائد سے اگر وہ غلط ہوئے تو رجوع کرکے علی الاعلان ان سے اپنی برأت ظاہر کروں گا۔ اور جو کچھ میں اپنے عقیدہ کے طور سے بیان کرتا ہوں۔ وہی عقیدہ حضرت مرزا صاحب کا تھا۔

میں خدا کو واحد مانتا ہوں اور محمد عربی کو خدا کا رسول جانتا ہوں۔ قرآن کو خدا کی طرف سے تسلیم کرتا ہوں۔ اور اس کے ہر ایک حکم کو اپنے پر واجب الاطاعت سمجھتا ہوں۔ میں نماز پڑھتا ہوں۔ احکام زکوٰۃ پر عامل ہوں، مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتا ہوں غیر ذبیحہ سے بچتا ہوں۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آنحضرت صلعم کے نزدیک یہی چند باتیں ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن میں مزید تشریح کے طور پر کہتا ہوں کہ ہم احمدی روزِ آخرت جزا و سزا۔ ملائکہ۔ مرسلین۔ حشر اجساد۔ پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم پانچوں ارکانِ اسلام کے عملاً قائل ہیں۔ اجتہاد میں ہم بہت حد تک حنفی مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ حدیث کو قرآن کے بعد واجب التسلیم قرار دیتے ہیں۔ اب میں ان امور کا ذکر کرتا ہوں جو حضرت مرزا صاحب کی ذات کے متعلق ہیں۔ سب سے اوّل ہم لوگ اس حدیث پر ایمان رکھتے ہیں جس نے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کا وعدہ کیا۔

اور اسی جماعت مجددین میں ہم حضرت امام غزالیؒ، حضرت عبدالقادر گیلانی۔ حضرت معین الدین چشتی۔ حضرت شیخ احمد سرہندی۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ کو اسی جماعت کے معزز اراکین سمجھتے ہیں۔ اسی عقیدہ کے ماتحت ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس صدی کے سر پر بھی کسی مجدد نے آنا تھا۔ اس صدی سے جو بھی مراد لی جاوے۔ وہ وقت گذر چکا ہے۔ اگر صدی کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاوے تو کسی صدی کے آخری پچیس برس یا اس کے پہلے پچیس سال صدی کا سر کہلائیں گے۔ اب ہمارے زمانہ کا مجدد ۱۲۷۵ سے لے کر ۱۳۲۵ کے درمیان کسی نہ کسی وقت ظاہر ہو جانا چاہیئے۔ حضرت مرزا صاحب نے تو دعوےٰ مجددیت[1] سنہ ۱۳۰۰ھ میں کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث کو کس رنگ میں لیا جاوے۔ جن لوگوں کو مسلمۂ اولیا ہم تسلیم کئے ہوئے ہیں اور[2] یہ تمسک برابر ۱۳۰۰ برس تک ہوتا رہا۔ چنانچہ اسی جماعت کے پہلے بزرگ حضرت عمر بن العزیز تھے۔

ایک طرف اس حدیث کا معتبر سے معتبر کتابوں میں پایا جانا دوسری طرف اس پایہ کے صالحین کا اسے تسلیم کرنا۔ اس حدیث کی صحت پر ایک زبردست دلیل ہے اب سوال یہ ہے کہ چودھویں صدی کا مجدد کون ہے۔

ہمارا زمانہ ایک معلومات کا زمانہ ہے۔ کل دنیا ہمارے سامنے ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ شاید کسی اور ملک میں کسی نے دعوے کیا ہوگا۔ آخر ہم سوڈانی مہدیوں کو بھی جانتے ہیں اور بہائی عقائد سے بھی واقف ہیں۔ الغرض ان پچاس سالوں میں کسی بزرگ نے بھی اس حدیث کے ماتحت دعوےٰ مجددیت نہیں کیا۔ رہ سہہ کے اگر کوئی آواز آئی ہے تو قادیان سے آئی ہے۔ یہ امر دوست دشمن مان چکے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب متقی تھے وہ صاحب دیانت تھے۔ ان کی خدمت اسلام بھی مسلم ہے۔ ان کے دعوے کے ماننے میں بھی لوگوں کو کم ہی تامل ہوتا۔ اگر مسیحیت کی جزو اس میں شامل نہ ہوتی۔ لیکن میں اس وقت صرف مجددیت کے متعلق عرض کر رہا ہوں۔ میں ایک مسلمان ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں اس حدیث کی تصدیق کروں۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ مرزا صاحب خدا کے نزدیک اپنے دعوے میں سچے نہ ہوں۔ لیکن میں نے ان میں کوئی بھی کاذبوں کی علامت نہیں دیکھی بلکہ ان کا ایک الہام ہے لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون (میں ایک عمر تک تم میں رہ چکا ہوں کیا تم غور نہیں کرتے) اس سے مراد یہ ہے کہ جب میں نے آج تک کسی انسان پر افتراء نہیں باندھا تو پھر خدا پر کس طرح باندھتا ہوں۔ لیکن میں بفرض محال تسلیم کر لیتا ہوں کہ خدا کے نزدیک ان کا دعوے صحیح نہ ہوگا۔ لیکن میرے پاس ان کی تکذیب کے کوئی وجوہ نہیں۔ اگر یہ صحیح حدیث ہے اور ہے اور اس کے ماتحت کسی مجدد نے ظاہر ہونا ہے جیسا کہ آج سے پہلے ہر صدی کے سر پر ایک نہ ایک مجدد ظاہر ہوا۔ اور جو مجددین کی شناخت کا معیار ہے وہ مدعی میں موجود ہے اور میں نے ان کے اس دعوے کے قبول کرنے میں نیک نیتی سے کام لیا۔ تو پھر میں ان بزرگوں سے پوچھتا ہوں کہ ایسا کرنے میں میں نے اسلاماً کہاں غلطی کی۔ اور کس طرح میں خدا کے نزدیک قابلِ مواخذہ ہوں۔

اب میں حضرت صاحب کی مسیحیت کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔ سب سے اوّل حیات و وفات مسیح کا مسئلہ ہے۔ میں آپ کے سامنے اس لمبی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ میں اسی قدر عرض کرتا ہوں کہ یہ مسئلہ ابتداء سے ہی ایک اختلافی مسئلہ ہے خود صحابہ میں بعض وفات مسیح کے قائل تھے۔ ان کے بعد آئمہ اربعہ کو چھوڑ دیا جاوے۔ کیونکہ اس امر میں ان کا عقیدہ ایک بحث طلب امر ہے۔ ابن قیم۔ ابن تیمیہ۔ ابن حزم کھلے لفظوں میں وفات مسیح کے قائل تھے۔ اولیاء کرام میں سے حضرت داتا گنج بخش صاحب اپنی کتاب کشف المحجوب میں اسی عقیدہ کے قائل نظر آتے ہیں۔ بہر حال سلف صالحین میں دو جماعتیں ہیں ان میں کشف سے قائلین وفات مسیح کسی مواخذہ شرعی کے ماتحت نہیں آتے۔ تو میں اس عقیدہ کے لئے کس طرح قابلِ گرفت سمجھا جاؤں۔

اب اگر جناب مسیح فوت ہو چکے ہیں اور قرآن بانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ اس دنیا سے جو ایک دفعہ چلا گیا وہ واپس نہیں آتا تو لازماً آمد مسیح کی پیشگوئی سے کسی ایسے شخص کی بعثت مراد ہوگی جو کسی رنگ میں خدا کے نزدیک مسیح ناصری سے مماثلت رکھتا ہو، اور مشہور حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ صالحین اُمت میں سے بعض بزرگ اسرائیلی انبیاء جیسے ہوں گے تو پھر یہ تسلیم کر لینا کہ آنحضرت صلعم کے غلاموں میں سے ایک غلام مسیح جیسا ہے اور حدیث نزولِ مسیح کا وہی مصداق ہے تو پھر ایسا عقیدہ رکھنے میں کوئی شخص کہاں تک شرعاً قابل گرفت ہو سکتا ہے۔ [illegible] کرتا ہوں کہ ممکن ہے کہ حضرت مرشدنا مرزا صاحب اپنے دعوے مسیحیت میں خدا کے نزدیک سچے نہ ہوں لیکن میری ان معروضات کے رُو سے اگر کوئی مجددیت کا دعوے کرے اور اپنے آپ کو نزولِ مسیح والی حدیث کا مصداق [illegible]

---

[1] اس کے متعلق آپ نے یہ بھی کہا کہ خدا تعالےٰ نے میری توجہ "غلام احمد قادیانی" کے اعداد ابجدی کی طرف منعطف کی۔ جب میں حساب ابجد کے رُو سے اس جملہ کے عدد گنتا ہوں تو وہ ۱۳۰۰ بنتے ہیں۔

[2] [illegible] شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی۔ حضرت احمد مجدد الف ثانی۔ حضرت امام غزالیؒ

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۲ر جولائی ۱۹۷۵ء

شاہ فیصل مرحوم کی شہادت کے محرّک اسباب اور ان کا صحیح سدّباب

لاا کراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (الفرقان)

ترجمہ: دین میں جبر کا کوئی دخل نہیں کیونکہ صحیح راستہ گمراہی سے واضح کر دیا گیا ہے۔

جب چند ماہ ہوئے مرحوم شاہ فیصل کے قتل کی خبر موصول ہوئی تھی تو عالم اسلام میں اس اچانک صدمہ سے تہلکہ سا مچ گیا تھا۔ مگر حال ہی میں جب شہزادہ فیصل مساعد کا عدالتی بیان شائع ہوا جس میں اس نے یہ کہا کہ میں نے اپنے چچا کو اس لئے قتل کیا ہے کہ شاہ فیصل نہ صرف عرب میں لوگوں سے دین اسلام کی پابندی کرا رہے تھے بلکہ اسلام کو ساری دنیا میں پھیلانا چاہتے تھے۔ شہزادہ کے خیال کے مطابق اسلام پر ہمیشہ کے لئے پابندی لگا دینی چاہیئے کیونکہ مذہب ملک کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور وہ لوگ سب سے بڑے مجرم ہیں جو خدا اور رسول کی تعلیمات کو فروغ دے رہے ہیں تو شہزادہ کے اس بیان، قتل کی وجوہات اور ان کے صحیح ازالہ یا سدِباب کی بابت اسلامی پریس میں کوئی تبصرہ یا تنقید دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہ امر نہایت عجب انگیز ہے کہ ایک فرمانروائے مملکتِ اسلامی کی شہادت کو جب ایسی اہمیت حاصل ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کے قتل کے محرکات پر کوئی بحث نہ ہو۔ اس سے بڑھ کر حیرت اس امر پر ہے کہ جب قاتل کا کہنا یہ ہو کہ قتل کا محرک دین اسلام کا مُلکی ترقی میں حائل ہونے کا جذبہ ہوا اور وہ نہیں چاہتا کہ اسلام ایسے رجعت پسندانہ دین کو فروغ ہو جو ترقی کے منافی ہے اس لئے ایسے دین کے فروغ اور اس کے حامیوں کو وہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا بلکہ دینِ اسلام کی تبلیغ کا ولولہ رکھنے والوں کو زندہ بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے ساتھ یہ خبر بھی شائع ہوئی تھی کہ شہزادہ چند سال سے کسی امریکی یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا۔ اس بناء پر یہ بھی خیال کیا گیا تھا کہ شاید اس قتل کی تہہ میں کوئی سیاسی اغراض کار فرما ہوں لیکن یہ قیاس یا خاندانی رقابت وغیرہ کی باتیں درست ثابت نہیں ہوئیں۔

اگر محرکاتِ قتل وہی ہیں جو خود قاتل نے اپنے بیان میں کہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ انہیں صحیح تسلیم نہ کیا جائے تو پھر عالمِ اسلام کے لئے عموماً اور علمبرداران و محبانِ دین کے لئے خصوصاً ان پر نہایت سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ قاتل کو بجا طور پر اپنے کئے کی سزا مل چکی ہے جیسے کہ اس کا حق تھا لیکن اس نے جن جذبات و محرکات سے مشتعل ہو کر اتنا گھناؤنا فعل کیا ہے ان کو نظر انداز کر دینا کسی صورت میں بھی مستحسن امر نہیں۔ اصل حل طلب سوال یہ ہے کہ شہزادہ کے دل میں یہ خیال کیوں پیدا ہوا کہ اسلام ملکی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے؟ وہ کوئی ناخواندہ اور جاہل انسان تو نہ تھا جو امریکی یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا۔ ہماری رائے میں تو اس امر میں کوئی ابہام نہیں کہ یہ نوجوان شہزادہ عیسائیت کے متعصبانہ اور زہریلے پروپیگنڈے کا شکار ہوا ہے جسے یہ تلایا گیا کہ اسلام جہالت، تعصب اور رجعت قہقری کا نعوذ باللہ تاریک ترین مذہب ہے جو ہر قسم کی انسانی و سائنسی ترقی کا دشمن اور وحشت و بربریت کا حامی و روادار دین ہے جس نے نسلِ انسانی کو غلامی میں جکڑ رکھا، آزادی سے محروم کر دیا۔ تعدد ازدواج کو رواج دیا اور طبقہ نسواں کو اپنی ہوس رانی کا شکار بنانے کی تعلیم دی ہے۔ اگر شہزادے کا یہ کہنا صحیح ہے کہ اس کے شاہ فیصل کے قتل کا محرک یہ بات ہوئی ہے کہ شاہ فیصل دین اسلام کے دل و جان سے حامی اور اس کے مبلغ تھے تو ظاہر ہے کہ شہزادہ کے دل و دماغ پر دین اسلام کی بدترین اور بھیانک ترین تصویر چھائی ہوئی تھی۔ عدالت کے لئے عین مناسب تھا کہ وہ قاتل سے اس امر کی تفصیل دریافت کرتی کہ کیسے اور کیونکر اس کے نزدیک اسلام ملکی ترقی کا دشمن ہے۔ نیز یہ بھی دریافت کیا جانا ضروری تھا کہ دین اسلام کی یہ فرضی تصویر اس نے کہاں سے حاصل کی اور کن ذرائع سے اس نے اپنے خیال کی تصدیق کی؟ اگر یہ امور دریافت کئے جاتے تو دنیا کے سامنے بات بہت واضح طور پر آ جاتی لیکن جس قدر بیان شہزادے نے دیا ہے وہ اس نتیجہ کے لئے کافی ہے کہ اکثر مسلمان نوجوان بالخصوص وہ جو مغربی تعلیم و تہذیب سے متاثر ہیں کے خیالات اور جذبات اپنے دین کے بارہ میں کس حد تک گمراہ کن، خطرناک اور اصل حقائق کے برخلاف ہیں، وہ کس قدر اسلام کے برخلاف زہریلے پروپیگنڈا سے جلد متاثر ہوتے اور جوش میں آ جاتے ہیں یہاں تک کہ تمام حدود قانون اور تہذیب کو نظرانداز کر دینے میں بھی کوئی باک نہیں دیکھتے۔ ع

صد ہزاراں اہلِ ایمان از دیں بروں بردند رخت
صد ہزاراں جاہلاں گشتند صید الماکریں

نوابزادہ لیاقت علی خاں وزیر اعظم اوّل پاکستان کے قتل میں بھی کچھ اسی قسم کا دینی متعصبانہ جذبہ کار فرما بتلایا گیا تھا اگرچہ فرق یہ ہے کہ نوابزادہ صاحب کے قتل کے بارہ میں اسلام کی حمایت میں تعصب و جہالت کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ مگر اب شاہ فیصل کے بارہ میں ایسی بدترین جہالت و تعصب کا مقاتلانہ مظاہرہ دینِ اسلام کے برخلاف کیا گیا ہے۔

دین کا معاملہ تو محبت و اتحاد اور خدمت و ایثارِ نفس کے ارتقاء و فروغ کا معاملہ ہے مگر یہ انسان کی کیسی بدقسمتی ہے کہ کبھی وہ اپنے مزعومہ دین کی محبت میں سرشار ہونے کا یہ طریق سمجھ لیتا ہے کہ جو شخص دین کی ہر جزئی تفصیل میں اس کے مطابق اور اس سے متفق ہونے کو تیار نہیں وہ گردن زدنی ہے اور کبھی وہ اپنے دماغ یا جھوٹے پروپیگنڈا یا کسی بدنمونہ سے یہ ٹھوکر کھاتا ہے کہ مذہب انسانی ترقی و تہذیب میں سب سے بڑی روک بن رہا ہے اس لئے ایسی ناجائز روک کو زبردستی اور جبر سے ہٹا دینا ہی بڑی نیکی اور خدمتِ انسانی کا معراج ہے۔

یہ صرف ایک شہزادہ فیصل مساعد پر ہی موقوف نہیں کہ جن کے دل و دماغ اسلام کے برخلاف ایسے سراسر غلط اور زہریلے پراپیگنڈا کا شکار بنے ہوئے ہوں بلکہ موجودہ مغربی تہذیب کے باطل نظریات اور عیسائیت کے ناجائز تبلیغی طریق کار کے باعث لکھوکھہا نوجوان حقائق و شواہد اور واقعات و تاریخ کے صریحاً برخلاف دین اسلام کو نہ صرف ترقی کے منافی بلکہ قابلِ مذمت و قابلِ نفرین نسخہ قرار دے رہے ہیں اگرچہ وہ حدود و قانون کے اندر رہتے ہیں لیکن تاہم ہزارہا نوجوانانِ اسلام ایسے موجود ہیں جو صحیح تعلیم حاصل نہ ہونے کے باعث دل سے اسلام کے برخلاف اور اس کے باغی ہیں۔ ان کو راہِ راست پر لانے اور دینِ اسلام ایسے پُرکشش و خوبصورت مذہب ہونے کی تعلیم دینے کا کیا احسن انتظام ہے۔ جو اسلامی حکومتوں کی طرف سے اپنی مملکتوں میں رائج کیا گیا ہے؟ مسلمان خاندانوں اور گھروں میں سچی و صحیح تعلیم اسلام کی علمی اور عملی ترویج کہاں تک جاری و ساری ہے؟ طلباء کو سچی و صحیح اسلامی تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے مدارس میں کیا موثر انتظامات ہیں؟ قاتل کو اس کے خطرناک جرم کی سزا میں قتل کر دینا تو بے شک ہر مہذب ملک کا قانون ہے لیکن سوال یہ ہے کہ قتل کی محرک ذہنیتوں کو کہاں تک راہِ راست پر لایا گیا ہے اگر اسلام کی خوبصورتی اور حسنِ تعلیم کی بجائے اس دین کی برعکس باطل تصویر ذہنوں میں جم چکی ہو اور ہزارہا قلوب میں وہی تصویر بٹھلائی گئی ہو تو اس کا کیا موثر و مناسب علاج کیا گیا؟ کہاں تک خود مسلم قلوب کو سچی اسلامی تعلیم سے منور کیا گیا ہے کیونکہ حقیقی علاج نہ تو جبر و زبردستی کے طریق کار اختیار کرنے سے ممکن ہے نہ ہی سروں کے قلم کرنے سے۔ بلکہ اس کا سچا راستہ تو صحیح تعلیم اسلام کا نمونہ قائم کرنے اور قلوب میں اس عالی دین کی تعلیمی خوبصورتی و حسن کو گاڑنے سے ہی پیدا ہونا ممکن ہے۔ ایسے عملی نمونہ اور اعلیٰ تعلیم کے رواج کا احسن

انتظام کیا مسلمان حاکموں، عالموں اور امراء کی طرف سے ہو رہا ہے؟ اسی لئے اس صدی کے مصلح و مجدّدِ اعظم نے مسلمان قوم کو خطاب کرکے فرمایا

بہ ہوش باش کہ جبر است خود دلیل گریز
تسلیِ دلِ مردم ازیں کجا باشد
چو دیں مدلل و معقول و باصفا باشد
کدام دل کہ ازاں مذہبش ابا باشد
ز جبر حجّتِ حق بر جہاں نیاید راست
برو دلیل بدہ اگر خرد ترا باشد

یہی وہ صحیح طریق تبلیغ اسلام کا ہے جو اس علمی اور سائنسی زمانہ میں کامیاب ترین نتائج پیدا کر سکتا ہے بلکہ جس کے اختیار کرنے سے دنیا ایسے نتائج مشاہدہ بھی کر چکی ہے۔ حضرت امام زمان مجدّد صد چہاردہم کا یہی ایک کارنامہ کیا ان کی صداقت کے لئے کافی نہیں کہ آپ نے نہ صرف اپنے علم کلام سے دین اسلام کی صداقت کو براہین و دلائل سے ثابت کر دکھلایا اور اسے بہترین انسانی ترقی و معراج تہذیب کا محرک دین بتلایا بلکہ ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس نے چار دانگ عالم میں اسلام کی صداقت کا ڈنکا بجا دیا اور نہ صرف عیسائیت کے باطل عقائد کا دفاع کیا بلکہ اس کے گہوارہ میں اسلامی علم بذریعہ تبلیغ گاڑ دیئے۔ قرآن کریم کے تراجم مختلف مغربی زبانوں میں شائع کئے، اور مساجد تعمیر کی گئیں۔ دینِ اسلام کی تبلیغ کے لئے مراکز قائم کئے۔
مسلمان قوم کے عروج کا تمامتر انحصار اس پر ہے کہ اس کی آئندہ نسل کے دلوں میں دینِ اسلام کی حقانیت صداقت اور افضلیت پر حقی ایمان از راہِ علم و بصیرت گڑ گیا ہو۔ لیکن اگر خدا نخواستہ آئندہ نسل کے قلوب ایسے روشن ایمان کی بجائے اسلام کے تاریک ترین تصورات اور بھیانک و مہلک ترین محرکات سے موجزن ہوں تو نہ صرف اس کا نتیجہ دین اسلام کی تباہی پر منتج ہوگا بلکہ اس سے اسلامی حکومتیں بھی برباد ہونے کا اندیشہ ہے کیا ہی سچ کہا ہے ؎

از رہِ دیں پروری آمد عروج اندر نخست
بازچوں آید بیاید ہم ازیں رہ بالیقیں

قرآن کریم کی جو آیت ہم نے عنوان پر درج کی ہے اس میں صرف دین میں جبر و اکراہ کو نا جائز قرار دیا گیا ہے اور اس طرح اسلامی آزادیِ انسانیت کے عالی منشور کی وضاحت کی گئی ہے بلکہ اس امر پر دلیل و برہان بھی قائم کر دی یعنی یہ کہ انسان جب ایک ذی عقل ہستی ہے تو جب اس کے لئے دین کے راستہ کو از راہِ عقل سچا ثابت کر دیا گیا تو پھر ایسی وضاحت کی صورت میں جبر کی ضرورت پیدا نہیں ہوتی۔ جبر تو تب جائز ہو جب یا تو انسان میں عقل و تمیز نہ ہو یا تب ہو جب دین کو عقل و تمیز سے واضح و صحیح ثابت نہ کر دیا گیا ہو۔ پس جب دین عقل و فہم کے مطابق بھی ہے اور اسے اس طرز پر واضح بھی کر دیا گیا تو اس کے بعد جبر و اکراہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فرقان حمید کی تعلیم نہ صرف صحیح عقل اور سچی ترقی کے مطابق ہے بلکہ قرآن کریم خود اپنے اصولوں کی تائید میں دلائل و براہین بھی قائم کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ گمراہی تب پیدا ہوگی جب فرقانی تعلیم کی وضاحت کما حقہ نہ کی گئی ہو۔ اور یہی سب سے بڑی مرض و کوتاہی ہے جو آج مسلمانوں کی طرف سے برتی جا رہی ہے کہ وہ اپنی نوجوان نسل کے لئے خصوصاً اور عام دنیا کے لئے عموماً فرقانی تعلیم کی وضاحت سے غافل و قاصر ہو رہے ہیں اور یہی وہ حتمی علاج ہے جس کے اختیار کرنے سے شہزادہ فیصل ایسی ذہنیت رکھنے والے نوجوان بند ہو سکتے ہیں۔ (ا۔ ب)

ما مسلمانیم از فضلِ خدا — مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیرالرسل خیرالانام — ہر نبوت را برو شد اختتام
آں کتابِ حق کہ قرآن نامِ اوست — بادۂ عرفانِ ما از جامِ اوست
(حضرت مسیح موعود)

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

سیدنا امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضؓ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ہیں۔ قرآن پاک کی رُو سے نبیوں کے بعد صدیقوں کا درجہ ہے۔ پھر شہداء ہیں۔ پھر صالحین۔ جیسے حضور اکرم نبیوں اور رسولوں کے سرتاج ہیں اسی طرح حضرت صدیق اکبر تمام صدیقوں میں ممتاز ترین ہیں، تقوےٰ، جراءت معاملہ فہمی، حربی قیادت، ایثار، سچائی، اولوالعزمی، ایسے اوصاف ہیں حضور اکرم صلعم کے بعد آپ جیسا کوئی اور نظر نہیں آتا۔

جب حضور اکرم نے نبوت کا اعلان فرمایا، ان دنوں حضرت صدیق اکبر رضؓ مکہ معظمہ سے باہر تھے واپس آنے پر اس اعلان کی خبر ملتے ہی سیدھے حضورؐ اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بلا جھجک ایمان لے آئے۔ جناب رسالتمآب کا ارشاد گرامی ہے کہ جس کسی کے سامنے میں نے اسلام پیش کیا، اس نے ضرور کچھ تامل کیا۔ مگر حضرت ابوبکر رضؓ نے بغیر کسی تامل کے دعوتِ اسلام پر لبیک کہا۔ جب آنجناب معراج سے مشرف ہوئے۔ ان دنوں بھی حضرت صدیق اکبر مکہ معظمہ سے باہر تھے واپس آئے تو کفار نے کہا کہ اب تو تمہارا دوست کہتا ہے کہ اس نے آسمانوں کی سیر کی۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے جواب دیا۔ اگر حضورؐ فرماتے ہیں تو درست فرماتے ہیں۔

دو بار اپنی ساری دولت رسالتمآبؐ کے قدموں میں لاکر ڈال دی۔ ہجرت کے وقت اور جنگ تبوک کے موقعہ پر مکہ معظمہ میں متعدد غلاموں اور باندیوں کو جو اسلام لانے کی وجہ سے کفار کے ظلم و تشدد کا شکار تھے۔ خرید کر آزاد کر دیا۔ ان میں حضرت سیدنا بلالؓ بھی ہیں۔ مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ کے لئے زمین کی قیمت بھی حضرت صدیق اکبرؓ نے ادا کی۔ جناب رسالتمآب کا ارشاد مبارک ہے کہ ابوبکر رضؓ کے مال نے مجھے جتنا نفع پہنچایا کسی اور کے مال نے اتنا نہیں پہنچایا۔

آنجناب نے یہ بھی فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کے احسان کا بدلہ چکا دیا مگر ابوبکر رضؓ کو ان کے احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی دیں گے۔ نیز فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنا دوست بناتا تو ابوبکر رضؓ کو بناتا۔ مگر میری دوستی صرف اللہ تعالےٰ سے ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ایک مصرعہ میں آپؓ کے مناقب بیان کر دیئے ہیں

ع ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

(بشکریہ نوائے وقت)

مرکزی شبان الاحمدیہ لاہور کی طرف سے ریزولیوشن

گمنام "پیغامِ جنگ" نامی پمفلٹوں کی مذمت

کچھ عرصہ سے "بعض گمنام" افراد کی جانب سے "پیغامِ جنگ" کے عنوان سے گشتی مراسلوں کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے ان مراسلوں کی عبارت نہایت اخلاق سوز اور قابل مذمت ہوتی ہے۔ ان تحریروں کا لکھنے والا کون ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا کیونکہ ان پر کسی کے دستخط نہیں ہوتے۔ ان خطوط کے محرک خواہ کوئی بھی ہوں شبان الاحمدیہ مرکزیہ دارالسلام۔ لاہور ان کی ان مذموم کارروائیوں کو نہایت حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ان لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کا دشمن جانتی ہے۔ اور اس طرح پسِ پردہ رہ کر دروغگوئی اور دشنام طرازی کا وطیرہ اختیار کرنے والوں سے سخت بیزاری کا اظہار کرتی ہے۔ نیز اس سلسلے میں جماعت احمدیہ لاہور جو بھی اصلاحی اقدام کرے گی شبان الاحمدیہ لاہور اس کے لئے اپنے مکمل تعاون کا یقین دلاتی ہے۔

حفیظ الرحمٰن شیخ
صدر شبان الاحمدیہ۔ لاہور

اخبار و افکار

(محترم مولوی دوست محمدؐ صاحب)

ختمِ نبوّت کے متعلق حلف نامہ

صدر مملکت پاکستان کی طرف سے ایک حکم جاری ہوا ہے جس کی رُو سے ہر مسلم امیدوار حلف اُٹھاتے ہوئے پہلے حلف نامہ کے ساتھ یہ الفاظ بھی ادا کرے گا کہ "میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر مکمل اور پختہ یقین رکھتا ہوں اور میں کسی ایسے شخص کو نبی یا مذہبی مصلح تسلیم نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو"

اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ "یہ حلف ہر اس شخص کے لئے لازمی ہوگا جو مسلمان ہونے یا اپنا مذہب اسلام ہونے کا اعلان کرتا ہے"

ہم اس حکم کے دل سے مؤید اور مجوزہ حلف نامہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ حلف لینے والے کے لئے یہ بھی لازمی قرار دیا جائے کہ "وہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد پر ایمان نہیں رکھتا" ورنہ جو شخص حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کا منتظر ہو، اس کا حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے آخری نبی ہونے پر مکمل اور پختہ یقین تسلیم نہیں کیا جا سکتا، اسی لئے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ نے یہ اعلان کرتے ہوئے اور اس بات پر حلف اُٹھاتے ہوئے کہ

"میں مدعی نبوت نہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میرا عقیدہ ہے اور لٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میرا ایمان ہے میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالےٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حرف ہیں اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالےٰ کے نزدیک کمالات ہیں"

(کرامات الصادقین صفحہ ۲۵)

اس کے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اور ان کا دوبارہ آنا ختم نبوت کے منافی ہے "جب قرآن کے بعد میں ایک حقیقی نبی آ گیا اور وحی نبوت کا سلسلہ شروع ہوا تو ختم نبوت کیونکر اور کیا ہوا کیا نبی کی وحی، وحیِ نبوت کہلائے گی یا کچھ اور" (سراج منیر ص۳۲۵)

پس صدر مملکت کی خدمت میں ہماری گذارش ہے، کہ اگر وہ سینٹ کے ممبروں بلکہ تمام مسلمانوں سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر مکمل اور پختہ یقین کا حلف لینا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے بغیر ان کا مسلمان ہونا تسلیم نہیں کرتے تو مجوزہ حلف نامہ میں یہ اضافہ بھی ضروری قرار دیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے عقیدہ کو وہ صحیح نہیں سمجھتے اور اس عقیدہ کی صحت پر انہیں ایمان نہیں۔ کیا صاحب صدر اس پر غور فرما کر مناسب حکم صادر فرمائیں گے؟

ہفت روزہ پیغام صلح خود مطالعہ فرمانے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں

اِسلامی عدل و احسان

صوبائی وزیر اعلےٰ پنجاب جناب محمد حنیف رامے نے ۱۸ر جون کو صوبائی اسمبلی میں اپوزیشن پارٹیوں کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ پیپلز پارٹی ملک میں سوشلزم رائج کرنا چاہتی ہے جو خلاف اسلام ہے، اس امر پر زور دیا کہ پیپلز پارٹی سوشلزم کے کسی غیر ملکی تصور پر یقین نہیں رکھتی ہمارا سوشلزم اسلام کے سنہری اصولوں پر مبنی ہے۔ پیپلز پارٹی کا سوشلزم احسان اور عدل کے اصولوں کے مطابق ہے جن کا ذکر قرآن حکیم میں بار بار آیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اپوزیشن زبانی کو رکھا جائے، کیا جناب رامے اس بات پر غور کریں گے کہ یہ کہاں کا عدل اور انصاف ہے یا عدل و احسان کی رُوح کے کہاں تک مطابق ہے کہ ملک کی ایک بہت بڑی جماعت اپنے پیشوا کی تقلید میں بار بار قسمیں کھا کھا کر یہ اعلان کر رہی ہے کہ ہم حضرت رسول کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین بمعنے آخری نبی ہونے پر کامل و مکمل یقین و ایمان رکھتے ہیں اور آپؐ کے بعد کسی نئے یا پرانے نبی کے آنے کے قائل نہیں، باوجود اس کے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ قادیانی یا ربوای جماعت کے معتقدات جو کچھ بھی ہوں ہمیں ان سے مطلب نہیں ہم صرف جماعت احمدیہ لاہور کے متعلق دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ انکے متذکرہ بالا اعلانات کی روشنی میں انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینا عدل و احسان کی رُوح کے کہاں تک مطابق ہے؟ وزیر اعلیٰ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسئلہ قومی اسمبلی اور وزیر اعظم بھٹو سے تعلق رکھتا ہے لیکن اگر وہ کم ازکم دل میں ہی عدل اور احسان کی اس رُوح کی صداقت پر یقین رکھیں تو ممکن ہے کسی وقت اس کی تائید میں حق کی آواز اُٹھا سکیں۔

حضرت دَاؤد اور اوریا کا قِصّہ

گذشتہ اشاعت میں ہفت روزہ "لاہور" کے حوالہ سے مولنا مودودی صاحب کی تفہیم القرآن کا یہ اقتباس نقل کیا گیا تھا کہ

"سیدنا داؤد علیہ السلام نے اوریا سے محض یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور انکی شخصی عظمت کو پیش نظر رکھ کر وہ ایک طرح سے اپنے آپ کو مجبور پا رہا تھا۔

"اوریا سے طلاق کا مطالبہ یہ گمان کرنے کے لئے کافی تھا کہ حضرت داؤد اس کی بیوی کی طرف میلان رکھتے ہیں"

اس کے بالمقابل تفہیم القرآن جلد اول میں مولنا مودودی صاحب کا حسب ذیل بیان قابل مطالعہ ہے جو انہوں نے سورہ بقرہ کی آیت فیتعلمون منهما ما یفرقون به بین المرء وزوجه کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے فرماتے ہیں:

"مطلب یہ ہے کہ اس منڈی میں سب سے زیادہ جس چیز کی مانگ تھی وہ یہ تھی کہ کوئی ایسا عمل یا تعویذ مل جائے جس سے ایک آدمی دوسرے کی بیوی کو اس سے توڑ کر اپنے اُوپر عاشق کرلے، یہ اخلاقی زوال کا وہ انتہائی درجہ تھا جس میں وہ لوگ مبتلا ہو چکے تھے، پست اخلاق کا اس سے زیادہ نیچا مرتبہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ایک قوم کے افراد کا سب سے زیادہ دلچسپ مشغلہ پرائی عورتوں سے آنکھ لڑانا ہو جائے اور کسی منکوحہ عورت کو اسکے شوہر سے توڑ کر اپنا کر لینے کو وہ اپنی سب سے بڑی فتح سمجھنے لگیں"

پھر لکھتے ہیں:

(آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

"ازدواجی تعلق درحقیقت انسانی تمدن کی جڑ ہے عورت و مرد کے تعلق کی درستی پر پورے انسانی تمدن کی درستی کا اور اس کی خرابی پر پورے انسانی تمدن کی خرابی کا مدار ہے لہٰذا وہ شخص بد ترین مفسد ہے جو اس درخت کی جڑ پر تیشہ چلاتا ہو جس کے قیام پر خود اس کا اور پوری سوسائٹی کا قیام منحصر ہے"

اس کے بعد ایک حدیث نقل کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ شیطان اپنے ایجنٹ کو جس نے اسے بتایا کہ "میں ایک عورت اور اس کے شوہر میں جدائی ڈال آیا ہوں" خوش ہو کر گلے لگاتا اور کہتا ہے کہ "تو کام کر کے آیا ہے"

مولانا مودودی صاحب کے ان بیانات کی روشنی میں اگر حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ان کے مندرجہ بالا بیان کو پڑھا جائے جس میں اوریا کی بیوی کو زبردستی طلاق دلوا کر اپنے نکاح میں لانے کا ذکر ہے تو حضرت داؤد کی کیا حیثیت نظر آتی ہے؟ کاش وہ اس شیطانی فعل کو معمولی بشری "بھول چوک" قرار دیتے ہوئے ان نتائج کو بھی پیش نظر رکھتے جو یفرقون بین المرء وزوجہ کی تفسیر میں انہوں نے لکھے ہیں۔

ہاروت و ماروت کا قصہ

اسی ضمن میں آیہ کریمہ وما انزل علی الملکین ببابل ہاروت و ماروت الخ کے بارہ میں بھی مولنا مودودی کی تفہیم سن لیجئے، فرماتے ہیں:۔

"اس آیت کی تاویل میں مختلف اقوال ہیں مگر جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ جس زمانے میں بنی اسرائیل کی قوم بابل میں قیدی اور غلام بنی ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو انسانی شکل میں ان کی آزمائش کے لئے بھیجا ہوگا جس طرح قوم لوط کے پاس فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں گئے تھے اسی طرح اسرائیلیوں کے پاس وہ پیروں اور فقیروں کی شکل میں گئے ہوں گے وہاں ایک طرف انہوں بازار ساحری میں اپنی دکان لگائی ہوگی اور دوسری طرف وہ اتمام حجت کے لئے ہر ایک کو خبردار بھی کر دیتے ہوں گے۔ کہ دیکھو ہم تمہارے لئے آزمائش کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تم اپنی عاقبت خراب نہ کرو مگر اس کے باوجود لوگ ان کے پیش کردہ عملیات اور نقوش اور تعویذات پر ٹوٹے پڑتے ہوں گے"

اس "ہوگا" اور "ہونگے" کے الفاظ کے تحت جو قیاس آرائیاں کی گئی ہیں انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے اپنے کسی رسول کو بھیجتا وہ دو فرشتوں کو مامور کرتا ہے کہ تم انسانی شکل میں جا کر لوگوں کو بدی اور بدکرداری کی ترغیب دو، یہ عجیب آزمائش ہے کہ نیکی کی دعوت کے ذریعہ آزمانے کی بجائے (جیسا کہ آیہ کریمہ انا ھدینٰہ السبیل اما شاکراً و اما کفوراً میں واضح کیا گیا ہے) ان فرشتوں کے ذریعہ بدی کی ترغیب دے کر آزمائش کی جاتی ہے، اور ما انزل کے الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ یہ تعلیم جس کا ذکر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتوں پر نازل ہوئی تھی، کیا یہ تفہیم کسی صائب الرائے اہل علم کے ذہن میں آسکتی ہے؟

صحیح مفہوم

اس سلسلہ میں حضرت مولنا محمد علی صاحبؒ نے آیت مذکور کے بارہ میں مختلف تفاسیر کے بیانات نقل کر کے لکھا ہے کہ:

"اے کاش اسلام کی کتابوں میں ان خرافات میں سے کچھ نہ ہوتا جن کو کوئی عاقل قبول نہیں کر سکتا، غرض یہ قصے اہل علم کے نزدیک مردود ہیں۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

"ہاروت ماروت کا قصہ بنانے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دو فرشتے جو اُلٹے منہ بابل کے کنوئیں میں لٹکے ہوئے ہیں لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں مگر پہلے یہ کہہ لیتے ہیں کہ ہم ایک آزمائش میں ہیں پس ہم سے جادو نہ سیکھو (آیت مذکور میں۔ ناقل) اس سارے بے سروپا قصے کا انکار کیا ہے اور فرمایا کہ وہ کچھ سکھاتے ہی نہیں جو یہ کہنے کی نوبت آئے کہ ہم فتنہ ہیں تم ہم سے جادو سیکھ کر کافر نہ ہو۔ قرآن شریف نے سحر کا سیکھنا سکھانا شیاطین کا کام بیان فرمایا ہے مسلمانوں کو ان خرافات سے بچنا چاہیئے۔"

اخبار احمدیہ

وفات حسرت آیات } چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب سابق سینٹری انسپکٹر کوہ مری کی اہلیہ صاحبہ کی فوتیدگی کی اطلاع گذشتہ شمارہ میں درج ہو چکی ہے۔ مرحومہ کے متعلق کچھ مزید تفصیلات موصول ہوئی ہیں۔ آپ کی وفات ۲۹ رمئی ۱۹۷۵ء کو اچانک واقع ہوئی۔ مرحومہ نہایت نیک، ملنسار اور با اخلاق خاتون تھیں۔ اور مخلص احمدی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰ علیین میں ان کے درجات بلند فرمائے۔

تعزیتی قرارداد } مورخہ ۲۰/۶/۷۵ کو مسجد مبارک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور شاخ راولپنڈی میں بعد از نماز جمعہ محترم میاں شریف احمد صاحب کی زیر صدارت ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی گئی:۔

یہ اجلاس حضرت قبلہ ڈاکٹر حسن علی خانصاحب کی ناگہانی وفات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ ہمارے مرحوم بھائی کو اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے۔ اور ان کے اعزہ و احباب کو یہ نقصان عظیم برداشت کرنے اور صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ اجلاس ان کی بیگم صاحبہ، صاحبزادوں اور ان کی صاحبزادیوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور ان کے لئے دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو اور ان کو حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب مرحوم عالم دین اور حضرت مسیح موعودؑ کے صحابیوں میں سے تھے۔ اور سلسلہ کے ساتھ والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے عاشق تھے۔ اپنے اخلاق حمیدہ اور حسن سلوک سے احباب جماعت کے دلوں کو موہ لیا تھا۔

قبلہ ڈاکٹر صاحب مرحوم صاف گوئی سے کام لیتے تھے۔ خدمت خلق کے پیکر تھے۔ حضرت صاحب کی کتابوں پر ہر طرح سے عبور تھا۔ ان کی زندگی نہ صرف تقویٰ و طہارت اور اخلاص سے معمور تھی بلکہ وہ خدمت دین کا بے پایاں جذبہ رکھتے تھے۔ انجمن کے ایک سرکردہ رکن کی حیثیت سے انجمن کے لئے ہمیشہ تقویت کا موجب تھے۔ ان کی وفات انجمن اور جماعت کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان کا باعث ہے۔ قرار پایا کہ اس کی نقول مرحوم کے صاحبزادہ (۱) محمد حسن خاں صاحب کراچی۔ (۲) اور ایڈیٹر پیغام صلح کو برائے اشاعت لاہور بھیجی جائیں۔

خواجہ محمد نصیر اللہ
آنریری سیکرٹری جماعت راولپنڈی

دعوت الی الاسلام کرنے والی جماعت کی کامیابی کا حتمی وعدہ

استقامت اور صبر سے نزولِ ملائکہ اور تعلق باللہ ہوتا ہے

(۳۰ مئی جمعہ کے روز جماعت احمدیہ لائل پور نے یوم وصال حضرت مسیح موعودؑ کے موقعہ پر ایک تقریب منعقد کی جس میں مرکز سے مرزا مسعود بیگ صاحب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اور چوہدری فضل حق صاحب نے شرکت فرمائی۔ اس تقریب کی مختصر روئداد پہلے شائع ہو چکی ہے۔ اس موقعہ پر ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے جمعہ کے خطبہ میں جو بیان کیا اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ . . . .

. . . . ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم وما یلقھا الا الذین صبروا وما یلقھا الا ذو حظ عظیم۔

(حٰم سجدہ)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کو اپنا ربّ مانتے ہیں پھر اس موقف پر مضبوطی سے قائم ہو جاتے ہیں۔ ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور جو انہیں یہ القا کرتے ہیں کہ تمہیں کچھ خوف و حزن لاحق نہیں اور تمہیں جنت کی بشارت ہو جس کا وعدہ تمہیں دیا گیا۔

ان سے بہتر اور کونسی جماعت ہے جو دعوت الی اللہ کے مقصد کی طرف بلاتی ہے، عمل صالح پر قائم ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے۔ اچھائی اور برائی کسی صورت میں بھی برابر نہیں، پس برائی کا دفعیہ بھی بہترین رنگ میں کرو۔ نتیجۃً تیرا دشمن بھی تیرا جانی دوست بن جائے گا۔ البتہ اس مرتبہ کو وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو صبر دکھلاتے ہیں اور وہی خوش نصیب ہوتے ہیں۔

فرمایا ان آیات میں قرآن کریم نے دو عظیم امور کی طرف مومنوں کو توجہ دلائی ہے۔ جو اصحاب صرف خدا کو اپنا ربّ یا رزق عطا کرنے والا یقین کر کے، اپنے اعمال سے اس کا اظہار کرنے والے ہوں، ان پر نزول ملائکہ ہوتا ہے جو انہیں ہر فکر و غم سے نجات دلانے کی خوشخبری اور جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ دوئم یہ کہ جب ایسا گروہ دعوت الی الاسلام کے مقصد پر قائم ہو جاتا ہے تو اسے مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مخالفینِ حق کی نہ صرف ترقی نہیں چاہتے بلکہ اس کے متبعین کو ہر قسم کی اذیتیں دیتے ہیں۔ ان اذیتوں کو برداشت کرنا مومنوں کا کام ہوتا ہے، ان کے مقابل پر اعلیٰ درجہ کے صبر اور استقامت کا نمونہ دکھلانا حق پرست جماعت کا رویہ ہوا کرتا ہے۔ وہ برائی کے مقابل بھی تشدد اور سختی کا رویہ اختیار نہیں کیا کرتے۔ ان صفاتِ حسنہ کو نشو و نما دینے والی جماعت آخر کار نہ صرف مخالفوں کے مقابل کامیاب ہو جاتی ہے بلکہ دشمنوں کو بھی اپنا دوست بنا لیتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے یہ دو قانون محکم اور اٹل ہیں۔

حضرت مسیح ناصری کی تعلیم دشمن سے محبت کا عملی نمونہ صحابہ کرام کی زندگی میں۔

حضرت مسیحؑ نے محبت اور نرمی کی اعلیٰ تعلیم دی تھی لیکن اگر تاریخی واقعات میں اس اعلیٰ ترین تعلیم کا عملی نمونہ ملاحظہ کرنا ہو تو ہمیں وہ آنحضور صلعم کے صحابہ کرامؓ میں ملے گا۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ کس طرح کفار مکہ نے آنحضورؐ اور آپ کے جلیل القدر صحابہ کرام کو دکھ اور اذیتیں دیں! کوئی ایذا نہ تھی جو انتہائی شدت کے ساتھ نہ دی گئی ہو حتیٰ کہ مجبوراً آنجنابؐ اور صحابہؓ کرام کو اپنے وطن سے ہجرت کرنا پڑی، گھربار، جائداد، املاک، عزیز و اقارب سب کچھ چھوڑنا پڑا۔ لیکن کفار نے مدینہ میں بھی آنحضورؐ کو چین نہ لینے دیا تمام سامان حرب سے لیس ہو کر اور مجتمع ہو ہو کر متعدد بار مدینہ پر چڑھائیاں کیں تاکہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ مسلمانوں کا قصور کیا تھا۔ قرآن کریم نے اس کی وجہ صاف الفاظ میں یہ بتلائی کہ الا ان یقول ربنا اللہ کہ قصور ان کا خدا کو اپنا ربّ قرار دینا تھا۔ جیسا کہ ان آیات میں بھی خدا کو اپنا ربّ مان کر اس پر استقامت اختیار کرنا مسلمانوں کی صفات عالیہ میں سے بیان کیا ہے۔ دوسرے مقام پر کفار کی اس ذہنیت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے یعنی ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا۔ یعنی اگر ان کے بس میں ہو تو یہ تمہیں اپنے موقف سے ہٹائے بغیر کبھی ترک جنگ نہیں کر سکتے مگر جب ایسی ناروا سختی کے مقابل مسلمانوں کی طرف سے صبر و استقامت اور حسنِ سلوک کا مظاہرہ ہوا تو بالآخر نتیجہ کیا ہوا؟ تین چار جنگوں کے بعد صلح حدیبیہ کے بعد وہی کفار جو مسلمانوں کی جانوں کے پیاسے تھے، اسلام لے آئے۔ وہی جانی دشمن آخر کار جان نثار دوست و محب بن گئے!! خالد بن ولیدؓ، عمرو ابن العاصؓ بڑے بڑے جرنیل جو تلواریں سونت کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے اب آنحضرتؐ اور آپ کے دین حق کی خاطر کفار کے مقابل اپنی جانوں کو پیش کرنے والے مجاہدین نظر آتے ہیں، عکرمہ بن ابوجہل جس نے اپنے باپ کے ساتھ مل کر اسلام دشمنی کی تھی بعد میں کفار کی صفوں کے مقابل صف آرا کھڑے نظر آتے ہیں۔ کیا ہی عجیب نظارہ ہے۔ قرآنی جملہ کی صداقت کا فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔

اسی طرح خود آنحضرت صلعم جب طائف میں تبلیغ اسلام کے لئے گئے اور آنحضورؐ کو زخمی ہو کر ناکام واپس آنا پڑا تو فرشتہ نے آپ پر نازل ہو کر کہا کہ حکم ہو تو ان کو ہلاک کر دوں مگر رحمۃ العالمین نے ارشاد فرمایا۔ نہیں! ہرگز نہیں! میں تو رحمۃ بن کر آیا ہوں، اگر یہ نہیں تو ان کی نسل ضرور راہ راست پر آئے گی اس لئے میں اپنی امید کی بستی کو کس طرح برباد ہونے کے لئے ہاتھ اٹھا سکتا ہوں۔

جماعت احمدیہ لاہور ختم نبوت اور کلمہ گویوں کے اسلام پر ہونے کی قائل اور دعوت الی الاسلام کے موقف پر قائم ہے

آج ہماری جماعت بھی مصائب و مشکلات میں گھری ہوئی ہے اور اس دشمنی کی صرف یہ وجہ ہے کہ یہ جماعت حضرت مجدد صد چہاردہم کے پاک دامن سے اپنے آپ کو کیوں وابستہ کرتی ہے اور کیوں اقصائے عالم میں اسلام کا پیغام پہنچانے کے عظیم مقصد کی مدعی اور اس پر قائم ہے۔ آج بھی ہمارے برخلاف عداوت کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم کیوں اس زمانہ کا امام حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو تسلیم کرتے ہیں کیوں ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ سے خدا ہمکلام ہوتا تھا؟ ہمارے مخالفوں کا کہنا ہے کہ ختم نبوت کا تقاضا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اب کسی انسان سے کلام نہ کرے۔ سوچنے کی بات ہے کہ کیا قرآنی تعلیم یہ ہے کہ ختم نبوت سے خدا کی صفتِ تکلم ختم ہو گئی ہے؟ اگر یہ بات درست ہوتی تو قرآن کریم مومنوں کو بشارات کے وعدے کیوں دیتا جیسا کہ ان آیات میں بھی جو

میں نے ابھی پڑھی ہیں مومنوں پر نزولِ ملائکہ کا ذکر موجود ہے - پھر دوسرے مقامات پر ایسا ہی ذکر آیا ہے مثلاً یلقی الروح من یشاء من عبادہ ہم اپنی رُوح یعنے کلام کو اپنے بندوں پر نازل فرماتے ہیں - الذین آمنوا وکانو یتقون لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا - متقی لوگوں کے لئے بشارات کا وعدہ کیا جاتا ہے - نہ صرف قرآن کریم نے کاملین اولیاء پر وحی ولایت اور نزولِ ملائکہ کے وعدے عطا کئے ہیں بلکہ احادیث صحیحہ میں بھی اسی کی تشریح آئی ہے جب یہ کہا لم یبق من النبوۃ الا المبشرات نبوت میں سے اب صرف بشارات کا سلسلہ باقی رہ گیا ہے اور پھر فرمایا رجال یکلمون من غیر ان یکون انبیاء فان یکن فی اُمتی احد فعمر - پہلی امتوں میں سے غیر انبیاء سے خدا ہمکلام ہوا کرتا تھا - اب میری امت میں سے بھی عمرؓ ایسے ہی اشخاص میں سے ایک ہیں حضرت علیؓ کو جناب رسولِ خداؐ نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لانبی بعدی - اے علی! مجھسے آپ کی نسبت ایسی ہے جیسی موسےٰؑ سے ہارونؑ کو تھی اب یہاں اپنے ایک جلیل القدر صحابیؓ کو ایک نبی سے مشابہت دی ہے - غرضیکہ ہم بار بار یہ اعلان کرتے رہے ہیں کہ بعد رسول اللہ صلعم سلسلہ نبوت قطعاً بند ہے - قرآن کریم کے بعد اب کوئی وحی نبوت نہ ہوگی، اُمت رسولؐ کے بعد کوئی نئی اُمت نہ ہوگی - لیکن وحی ولایت جاری ہے یہ سلسلہ تکلّم الٰہی کامل متبعینِ رسولؐ کے لئے کھلا ہے جو کوئی نیا حکم یا شریعت نہیں لا سکتے البتہ رسالت نبویؐ کے لئے نشانات اور دیگر بشارات تائید و نصرت دین مصطفویؐ کے لئے لاتے ہیں - پھر کیا اس اُمتِ مسلمہ میں آج تک سینکڑوں کاملین وحی ولایت اور کلامِ خدا پانے کے مدعی کھڑے نہیں ہوئے جیسے حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہ - کیا یہ سب اصحاب نعوذ باللہ مفتری اور جھوٹے تھے ہم تو متعدد بار یہ بھی مطالبہ کر چکے ہیں کہ اگر کلامِ الٰہی بصورت وحی ولایت بند ہے اور اس کا مدعی اور اس کے پیرو کافر ہیں تو پھر تم ان اصحاب اولیاء اللہ و مجددین کی بابت کوئی فیصلہ دو - کیونکہ تمہارے موقف کا تقاضا تو یہی کچھ ہے کہ یہ اصحاب اور ان کے پیرو بھی کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں - مسیح موعودؑ کا دعویٰ مجدد و مُلہم کے دعوے سے کچھ بھی بڑا دعویٰ نہیں جو امراضِ زمانہ اور ان کے علاج کی نشاندہی کرتا ہے -

حضرت مولانا نور الدین رحمۃ اللہ علیہ

اپنے اپنے نفسوں کا مطالعہ کر کے اپنی اِصلاح کرو

واعظوں اور سامعین کے اقسام جہاں تک میں غور کرتا ہوں واعظوں اور سننے والوں کے دو اقسام پاتا ہوں - ایک وہ وعظ جو دنیا کے لئے وعظ کرنے والے ہیں - دنیا کے لئے وعظ کرنے والے بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے وعظ سے اپنی ذات کا فائدہ چاہتے ہیں - یعنی کچھ روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں - اور ایک وہ لوگ ہوتے ہیں - جن کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ خود روپیہ حاصل کریں - مگر یہ مطلب ضرور ہوتا ہے کہ سننے والوں کو ایسے طریقے اور اسباب بتائیں جن سے وہ روپیہ کما سکیں - مادی ترقی کرنے والے بنیں - دنیا کے لئے وعظ کرنے والوں میں اس قسم کے واعظوں کے اغراض ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں - کوئی فوجوں کو جوش دلاتا ہے - ان میں مستعدی اور ہوشیاری پیدا کرنے کے لئے تحریک کرتا ہے کہ وہ دشمنوں کے مقابلہ کے لئے چُست و چالاک ہو جائیں - کوئی امور خانہ داری کے لئے، کوئی تجارت اور زراعت کیلئے

مختصر یہ کہ ان کی غرض انتظامی امور یا عامہ اصلاح ہوتی ہے - جو دوسرے الفاظ میں سیاسی یا پولیٹیکل، تمدنی یا سوشل اصلاح ہوتی ہے اور وہ لوگ جو دین کے لئے وعظ کرنے کو کھڑے ہوتے ہیں ان کی بھی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں ایک وہ جو محض اس لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی رضا کو حاصل کریں اور امر بالمعروف کا جو فرض انہیں ملا ہے اس کو ادا کریں - بنی نوع انسان کی بھلائی کا جو حکم ہے اس کی تعمیل کریں - اور اپنے آپ کو خیر امت میں داخل کرنے کی فکر کریں - جس کا ذکر یوں ہوتا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے مبعوث ہوئے ہو - امر بالمعروف کرتے ہو اور نہی عن المنکر -

اور ایک وہ ہوتے ہیں جن کی غرض دنیا کمانا بھی نہیں ہوتی -

بلکہ وہ صرف حاضرین کو خوش کرنا چاہتے ہیں یا ان کی واہ واہ کے خواہشمند کہ کیسا خوش تقریر یا مؤثر واعظ ہے -

خدا کے دین اور نیکی پھیلانے والے واعظ دینی واعظوں میں سے پہلی قسم کے واعظ بھی فتوحات ہی کا ارادہ کرتے ہیں - مگر ملکی فتوحات سے ان کی فتوحات نرالی ہوتی ہیں - ان کی فتوحات یہ ہوتی ہیں کہ برائیوں پر فتح حاصل کریں - نیکی کی حکومت کو وسیع کریں -

جیسے واعظوں کی دو قسمیں ہیں، ایسے ہی سننے والوں کی بھی دو حالتیں ہوتی ہیں - ایک وہ جو محض اللہ کے لئے سنتے ہیں کہ اس کو سن کر اپنی اصلاح کریں - دوسرے جو اس لحاظ سے سُنتے ہیں کہ واعظ ان کا دوست ہے یا کوئی ایسا ہی تعلق رکھتا ہے - یعنے واعظ کی خاطر داری سے - اب تم دیکھ لو کہ تمہارا واعظ کیسا ہے اور تم سننے والے کیسے؟ تمہارا دل تمہارے ساتھ ہے - اس کا فیصلہ تم کر لو - میں جس نیت اور غرض سے کھڑا ہوا ہوں، میں خوب جانتا ہوں اور اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ درد دل کے ساتھ خدا کے لئے ہی کھڑا ہوا ہوں -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک تقسیم فرمائی ہے کہ واعظ یا مامور ہوتا ہے یا امیر یا متکبر - امیر وہ ہوتا ہے جس کو براہِ راست اس کام کے لئے مقرر کر دیا جائے - اور مامور وہ ہوتا ہے جس کو امیر کہے کہ تم لوگوں کو وعظ سنا دو - اور متکبر وہ جو محض ذاتی بڑائی اور نمود کے لئے کھڑا ہوتا ہے - پس یہ اقسام واعظوں کی ہیں۔ (باقی کالم اول کے نیچے)

۲ اب میں پھر تمہیں کہتا ہوں کہ اس بات پر غور کرو کہ تمہیں وعظ کہنے والا کیسا ہے اور تم کیسا دل لے کر بیٹھے ہو؟ میرا دل اللہ تعالےٰ کے حضور حاضر ناظر ہے - جو بات میری سمجھ میں مضبوط آئی ہے اسے سنانا چاہتا ہوں اور خدا کے لئے پھر مجھے حکم ہوا ہے کہ تم مسجد میں جا کر نماز پڑھا دو اور اس حکم کی تعمیل کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور سناتا ہوں -

دینی واعظ کی صفات میں دنیا پرست واعظوں کا دشمن ہوں - کیونکہ ان کی اغراض محدود، ان کے حوصلے چھوٹے اور خیالات پست ہوتے ہیں - جس واعظ کی اغراض دینی ہوں وہ ایک زبردست اور مضبوط چٹان پر کھڑا ہوتا ہے کہ دنیوی وعظ سب اس کے اندر آجاتے ہیں - کیونکہ ایک امر بالمعروف کرتا ہے - ہر بھلی بات کا حکم دینے والا ہوتا ہے اور ہر بری بات سے روکنے والا ہوتا ہے - یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کو اللہ تعالےٰ نے مھیمن فرمایا یہ جامع کتاب ہے جس میں جیسے ایک ملٹری (فوجی) واعظ کو فتوحات کے طریقوں اور قواعد جنگ کی ہدایت ہے ویسے ہی انتظام مملکت اور سیاست مدن کے اصول اعلےٰ درجہ کے بتائے گئے ہیں غرض ہر رنگ اور طرز کی اصلاح اور بہتری کے اصول یہ بتاتا ہے - پس میں قرآن شریف جیسی کتاب کا واعظ ہوں، جو تمام خوبیوں کی جامع کتاب ہے اور جو سکھ اور تمام کامیابی کی راہوں کی بیان کرنے والی ہے -

وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں

چودھویں صدی کا مجدد

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون۔

چودھویں صدی کے سر پر صرف ایک ہی مُدعی مجددیت ہوا

ان ابتدائی مراحل کو طے کرنے کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کیا اللہ تعالےٰ کے اس وعدہ کے مطابق جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے دیا گیا۔ اس چودھویں صدی ہجری میں کوئی مجدد ہُوا یا نہیں۔ اور اگر ہوا تو کون ہوا۔ اور اس نے کیا کام کیا۔ کیا موجودہ حالات کے لحاظ سے وہی کام اس مجدّد کا ہونا چاہیئے تھا یا کوئی اور کام۔ ان میں سے ہم پہلے سوال اوّل کو لیتے ہیں۔ اگر اس صدی کے سر پر کوئی مجدّد نہ ہو تو خدائی وعدہ کا نعوذ باللہ من ذالک ابطال لازم آتا ہے۔ اس لئے یہ تو ہم کہہ ہی نہیں سکتے کہ اس صدی میں کسی مجدّد کی ضرورت نہیں یا کوئی مجدّد نہیں ہوا۔ پس اصل سوال یہی ہے کہ وہ مجدد کون ہے؟ سو واضح ہو کہ یہ ایک ایسا امر ہے جس پر کسی طالب حق کے دل میں شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ جس شخص کو اللہ تعالےٰ نے اس صدی کا مجدّد مقرر کیا ہے۔ اس نے بآوازِ بلند اپنا دعویٰ ساری دنیا میں پہنچا دیا۔ اور گو ایک صدی میں کئی مجدّد بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر چونکہ اس صدی کے سر پر جو مجدد آنے والا تھا علمِ الٰہی میں وہ کچھ اور پیشگوئیوں کا بھی مصداق تھا۔ ۴ کی وجہ سے اسکے سپرد کچھ اہم کام کیا گیا۔ اسی طرح اس کے پہچاننے میں مشکلات بھی زیادہ واقع ہونے والی تھیں۔ اس لئے مصلحت الٰہی نے یہی چاہا کہ سارے رُوئے زمین پر اس صدی کے سر پر ایک ہی مجدّد ہوتا کہ طالبان حق کو اس کی شناخت کے لئے ایک کھلا نشان مل سکے۔ چنانچہ اس چودھویں صدی کے سر پر ساری دنیا میں صرف ایک ہی شخص حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ نے یہ آواز بلند کی کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے اس صدی کا مجدّد بنا کر بھیجا ہے اور میں صدی کے سر پر دعویٰ شائع کیا اگر اس صدی کے سر پر اور بھی کچھ مدعیانِ مجددیت ہوتے ہوتے تو ایک شخص کو حق پہنچتا تھا کہ وہ کہہ دیتا کہ ہم فلاں خاص مدعی کو نہیں مانتے مگر مصلحت الٰہی نے یہی چاہا کہ اس صدی کے سر پر ایک ہی مجدّد ہو تاکہ اس کے دعوےٰ کے تسلیم میں کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ ہو۔ پس ہمارا پہلا سوال کہ وہ مجدّد جو اس چودھویں صدی کے سر پر مبعوث ہوا کون ہے ایسی صفائی سے حل ہو جاتا ہے۔ جس کو ایک موٹی سے موٹی سمجھ کا آدمی بھی بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

گو آپ کا دعوےٰ منجانب اللہ مامور اور محدّث ہونے کا کھلے الفاظ میں براہین احمدیہ میں شائع ہوا تھا مگر چونکہ کتاب صرف خاص خاص ہاتھوں تک پہنچ سکتی تھی۔ اس لئے آپ نے اس کے ساتھ ہی ایک اشتہار بیس ہزار کی تعداد میں الگ شائع کیا۔ جس میں بڑی تصریح کے ساتھ مجدّد ہونے کے دعوےٰ کا بھی ذکر کیا اور علاوہ اُردو میں اس کثرت کے ساتھ شائع ہونے کے انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ کیا گیا۔ اس اشتہار کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:۔

"کتاب براہین احمدیہ جس کو خدا تعالےٰ کی طرف سے مؤلف نے ملہم و مامور ہو کر بغرض اصلاح و تجدید دین تالیف کیا ہے جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار ہے۔ جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں منجانب اللہ اور سچا مذہب جس کے ذریعہ سے انسان خدا تعالےٰ کو ہر ایک عیب اور نقص سے بری سمجھ کر اس کی تمام پاک اور کامل صفتوں پر دلی یقین سے ایمان لاتا ہے وہ فقط اسلام ہے۔" اور اس کتاب میں دین اسلام کی سچائی کو دو طرح پر ثابت کیا گیا ہے

اوّل تین سو مضبوط اور قوی دلائل عقلیہ سے ....

دوم۔ ان آسمانی نشانوں سے کہ جو سچے دین کی کامل سچائی ثابت ہونے کے لئے ازبس ضروری ہیں۔

اسلام اور سوشلزم

اسلام مکمل نظامِ حیات ہے جس کی بنیاد اللہ تعالےٰ اور تسلسل حیات یعنی موت کے بعد کی زندگی اور اچھے اور بُرے اعمال کی جزا سزا پر ایمان ہے قرآن پاک اس دین کی کتابِ ہدایت ہے۔ جناب رسالتمآب صلعم ہمارے ہادی و رہبر اعظم ہیں جو سب رسولوں اور نبیوں کے سرتاج ہیں جن پر نبوت و رسالت ختم ہو گئی کیونکہ آنجنابؐ نے اس کا حق ادا کر دیا۔

اسلام کے سچے نظام کے برعکس سوشلزم کا باطل نظام ہے۔ یہ بھی مکمل ہونے کا دعویدار ہے۔ اس نظام باطل کی بنیاد اللہ تعالےٰ اور آخرت پر ایمان نہ رکھنا ہے۔ ایک ملحد یہودی کارل مارکس اس نظام کا بانی تھا۔ اس کی کتاب "سرمایہ" سوشلسٹوں کی کتاب ہے جس سے وہ ہدایت تو نہیں کہنا چاہیئے البتہ گمراہی ضرور حاصل کرتے ہیں۔

اسلام کی رُو سے انسان اشرف المخلوقات اور روئے زمین پر اللہ تعالےٰ کا نائب ہے۔ اسے شعور و ادراکات سے نوازا گیا۔ اس کے اندر اللہ تعالےٰ کے امر سے رُوح پھونکی گئی۔ اسے اشیائے کائنات کا علم دیا گیا۔ کائنات کی قوتیں اس کے لئے مسخر کر دی گئیں۔ فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا۔ اب ہر انسان انفرادی طور پر اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا اور اسے وہی ملتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے۔

اس کے برعکس سوشلزم میں انسان محض حیوان ہے۔ اس کی ضروریات صرف کھانے پینے اور سر چھپانے کی ہیں۔ نہ وہ خود سوچ سکتا ہے، نہ اپنے لئے کوئی فیصلہ کر سکتا ہے کیونکہ سوشلسٹ نظام میں فرد کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوتی۔ انسانوں کو ریوڑوں یا گلوں کی صورت میں ہانکا جاتا ہے۔ ان کے لئے کام مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اُجرت مقرر کر دی جاتی ہے۔ نہ اسے اپنا پیشہ خود منتخب کرنے کا حق رہتا ہے نہ اپنے بچوں کی تربیت اپنے خیالات کے مطابق کرنے کا اور نہ اپنے خیالات رکھنے کا۔ سوچ پر پہرے، کلام پر قدغن، عمل شکنجے میں، خودداری، غیرت، آزادی، ذہنی اور رُوحانی ترقی ایسے الفاظ ہیں جو سوشلسٹ نظام میں شرمندۂ معنی نہیں ہوتے۔ (بشکریہ نوائے وقت)

جماعت احمدیہ کے جملہ اعتقادات

(بسلسلہ صفحہ ۲)

امر اسلاماً متنازعہ نہیں اور ایسے عقیدے قابل گرفت نہ سمجھے جائیں گے۔ سوال صرف مرزا صاحب کی شخصیت کا رہ جاتا ہے۔ باقی جو کچھ آپ نے کہا سچا ہو کچھ بھی ان کے دعوےٰ کے متعلق تسلیم کرنا ضروری ہے وہ عقائد میں سے نہیں پھر ان عقائد کو کیوں بُرا کہا جاوے۔ رہا میرا حضرت صاحب کے دعوےٰ کو قبول کرنا سو میں نے اس معیار کو اپنے ہاتھ میں لیا جو قرآن نے تجویز کیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں کسی بزرگ کے نزدیک غلطی پر ہوں گا لیکن جو کچھ میں نے کیا وہ نیک نیتی سے کیا۔ جن امور میں میرے دل گزرتے ہیں وہ تو دنیا کی نگاہ میں خدمتِ اسلام ہے۔ میں اپنے عقائد میں اگر غلطی پر نہیں تو پھر میرے کاروبار کو شیطانی ٹھہرانا یا تو غلط فہمی کی بناء پر یا ضدیت ہے۔

ڈاکٹر اے۔ ایم مالک

اسلامی خصوصیات سے متصف نمایاں شخصیت

اسلام انفرادی نہیں ایک اجتماعی نظام ہے

"میں نے قائد اعظم سے وعدہ کیا تھا کہ اسلام اور پاکستان کے نام پر اپنی جان نثار کر دوں گا۔ میں نے اپنا وعدہ ایفا کیا ہے اور شمع اسلام پر اپنی زندگی کو پروانہ وار فدا کیا ہے۔"

یہ تاریخی الفاظ پاکستان کے گوہر شب چراغ ڈاکٹر ایم اے مالک نے اس وقت کہے تھے جب بنگلہ دیش کی نام نہاد عدالت نے انہیں عمر قید کی سزا دی تھی۔ ایک غیر ملکی نامہ نگار نے بیان کیا کہ جب ڈاکٹر مالک کی سزا کا اعلان کیا گیا تو ان کے لبوں پر تبسم اور چہرے پر بشاشت تھی۔

ڈاکٹر مالک نے مشرقی پاکستان میں اس وقت زمام اقتدار سنبھالی جب حالات بڑے نازک تھے۔ مگر انہوں نے کسی خطرہ کی پرواہ نہ کی۔ وہ گویا بے خطر آتش نمرود میں کود پڑے۔ اور پاکستان کی بقاء اور تحفظ کے لئے جرأت سے سرگرم عمل ہوئے۔

بھارت نے مشرقی پاکستان پر فوجی تسلط قائم کر لیا۔ تو ڈاکٹر مالک پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ دار و رسن کی آزمائش سے گذرے مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ انہیں سنت یوسفی پر عمل پیرا ہونے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ ڈاکٹر مالک نے ان حوادث میں بھی اپنے نظریات اور عزت نفس کو برقرار اور محفوظ رکھا۔ انہیں عمر قید کی سزا دی گئی۔ مگر خالق ارض و سما نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ بنگلہ دیش کی نام نہاد حکومت انہیں رہا کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اسیری نے ڈاکٹر مالک کی صحت کو متاثر کیا اور وہ علیل ہو گئے۔

ڈاکٹر اے ایم مالک پاکستان کی متاع فخر و ناز ہیں۔ ان کا شمار تحریک پاکستان کے جگر گوشہ اور کنتیا کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے بچپن میں مسلمانوں پر برطانوی سامراج اور ہندو جاگیرداروں کی چیرہ دستیوں کا مشاہدہ کیا اور عزم کیا کہ وہ خدمت خلق کی راہ اختیار کریں گے۔ انہوں نے ایلوپیتھی کی تعلیم حاصل کی۔ وہ علم کے جویا تھے یہ جذبہ انہیں کشاں کشاں دیار مغرب لے گیا اور انہوں نے وی آنا کی شہرہ آفاق "درسگاہ" سے سند حاصل کی۔ وہ بچپن ہی سے اسلام کے پرستار تھے۔ یورپ میں رہ کر اسلام سے ان کی شیفتگی میں اضافہ ہوا۔

ڈاکٹر مالک نے خود بیان کیا کہ یورپ میں رہ کر اسلام سے میری وابستگی بڑھی میں بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہوتا تو میرا دل سکون و اطمینان کی دولت سے مالامال ہوتا۔

ڈاکٹر مالک واپس وطن آئے۔ انہیں جلد ہی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ اپنے فن کے بڑے ماہر تھے۔ مگر ان کی تگ و تاز کا دائرہ محض علاج تک محدود نہ تھا۔ ان کا دل غریبوں کے حال زار پر کڑھتا تھا۔ وہ غریبوں کے بڑے ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ مزدوروں کی زبوں حالی سے متاثر ہو کر انہوں نے خدمت کا ارادہ کیا اور مزدور تحریک میں شامل ہو گئے۔ ان کے شب و روز مزدوروں کے لئے وقف تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں انہوں نے مزدور تحریک میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ انڈین سیلرز یونین انڈین کوارٹر ماسٹرز یونین اور پورٹ ٹرسٹ کی نیشنل یونین کے صدر رہے۔ وہ زندگی میں بلند ترین مناصب پر فائز رہے، مگر مزدوروں کی بہبود ہمیشہ ان کے پیش نظر رہی۔ پاکستان میں ان کا شمار مزدور تحریک کے بانیوں میں ہوتا ہے۔

اپنے ایک گرامی نامہ میں ڈاکٹر مالک نے اپنے قلبی جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"میں عوام میں سے ہوں میں نے عوام میں زندگی گذاری ہے۔ ان کے ساتھ شب و روز کام کیا ہے عوام کو فراموش کر دینا اپنے وجود سے انکار کرنا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور عوام کی دعاؤں کا اثر ہے کہ میں کسی منصب پر فائز ہوں۔"

ڈاکٹر مالک نے اقتدار میں بھی عوام کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ ان کے دروازے عوام کے لئے ہمیشہ کھلے رہے۔ وہ عوام سے خلوص و محبت سے ملاقات کرتے۔ وہ سالہا سال تک وزیر، گورنر اور سفیر رہے۔ مگر کبھی ان کے مزاج کی سادگی میں فرق نہ آیا۔ وہ کئی بار پاکستان کے قائم مقام صدر ہوئے مگر ایوان صدارت میں منتقل نہ ہوئے بلکہ اپنے دفتر ہی میں صدارت کا کاروبار چلاتے رہے۔ ڈاکٹر مالک کی ایک عادت مجھے بے حد پسند ہے۔ کوئی شخص بھی ان سے ملنے کو آیا تو اسے رخصت کرتے وقت یہ سوال وہ ضرور کرتے کہ سواری کا انتظام ہے۔ وہ اس حقیقت سے آشنا تھے کہ اکثر کارکن "بےکار" ہیں اور واپسی کے لئے کرایہ کی سواری نہیں ملتی اور یہ پیدل ہی چلنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جن حضرات کے پاس سواری نہ ہوتی۔ ان کے لئے ڈاکٹر مالک سواری کا انتظام کرتے۔ ان کی ایک اور خوبی ان کی دلآویز گفتگو ہے وہ زیادہ سنتے اور کم بولتے ہیں۔ پاکستان کے سیاسی رہنماؤں اور وزراء کو تو تقریر اور گفتگو کا عارضہ ہے لیکن ڈاکٹر مالک اس عارضہ کا شکار نہیں ہیں۔ وہ جو بات کہتے اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ مخلص دوستوں کو دیکھ مسرور و شادماں ہوتے۔ سفارت سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ ڈھاکہ میں مقیم تھے۔

قائد اعظم نے مسلمانوں کی بقاء اور تحفظ کے لئے قومی تحریک کا آغاز کیا تو جن سعید ارواح نے قائد اعظم کی صدا پر لبیک کہا ان میں ڈاکٹر مالک پیش پیش تھے وہ کاروان ملت میں شریک سفر تھے۔ ملی قافلہ جادہ پیما ہوا تو ان کا ذوق و شوق بڑھتا چلا گیا۔ پاکستان کا جب جمال منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا تو وہ تحریک پاکستان کے نامور رہنما اور پارلیمان کے رکن تھے۔ انہیں وزیر صحت مقرر کیا گیا۔ طبی رجسٹریشن ایکٹ کا مسودہ پہلی بار انہوں نے ہی ترتیب دیا۔ پاکستان کی سیاسیات میں خرابی کے آثار رونما ہوئے تو ڈاکٹر مالک پریشان خاطر ہوئے اور انہوں نے سفارت قبول کر لی وہ سوئٹزرلینڈ میں اور دیگر ممالک میں سالہا سال تک سفیر رہے اور اپنے فرائض کو جانفشانی سے سر انجام دیا۔ جس ملک میں سفیر رہے ذاتی شرافت محنت، سیاسی تجربہ اور تدبر سے پاکستان کے نقش کو فروزاں کیا۔ چین میں پاکستانی سفیر کی حیثیت سے چین اور پاکستان کے تعلقات کی داغ بیل انہوں نے ڈالی۔ سفارت سے فراغت ہوئی تو ڈھاکہ میں سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ انہوں نے ڈھاکہ میں تحریک پاکستان کے کارکنوں کے اجتماعات کئے۔ سابق صدر ایوب خاں نے انہیں مشرقی پاکستان کی گورنری کی پیشکش کی مگر ڈاکٹر مالک نے یہ پیشکش قبول نہ کی۔ پاکستان کے حالات نازک صورت اختیار کر گئے تو ڈاکٹر مالک نے اپنا فرض ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان کے تحفظ اور جمہوریت کی خاطر وہ وزیر ہوئے اور بعد ازاں مشرقی پاکستان کے گورنر بنے۔ انہوں نے بڑے دشوار اور مشکل حالات میں گورنری کے منصب کو سنبھالا اور شیر دل مجاہد کی طرح برسر پیکار رہے۔ جس جرأت، ہمت اور پامردی سے انہوں نے حالات کا مقابلہ کیا وہ ہماری ملی تاریخ کا قابل فخر کارنامہ ہے۔ ڈاکٹر مالک عزم و استقلال کا کوہسار ہیں مگر حلقۂ یاراں میں ریشم کی طرح نرم ہیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ غلط سیاسی رجحانات کے زیر سایہ پرورش پانے والے مزدور لیڈر تو مذہب سے بیزاری کے علانیہ اظہار سے بھی نہیں چوکتے۔ لیکن ڈاکٹر مالک کی ذات اس سے مستثنیٰ ہے۔ ان کی رائے میں اسلام مزدوروں کے حقوق کا سرگرم حامی ہے اور رسالتمآب صلعم کی ذات اقدس سے بڑا محنت کش اس کائنات نے پیدا نہیں کیا۔ سرکار دو عالم صلعم نے مزدور کو عزت و وقار دیا۔ ڈاکٹر مالک کو اسلام اور نظریہ پاکستان سے گہری وابستگی ہے جیسے جیسے راقم الحروف ان کے قریب ہوتا گیا، احساس ہوا کہ انہیں اسلام اور سرکار دو عالم کی ذات اقدس سے کیسا گہرا تعلق ہے۔ وہ اسلام کو انفرادی معاملہ نہیں بلکہ اجتماعی نظام سمجھتے ہیں۔ ان کی رائے میں مغرب نے شرف انسانیت کو برباد کیا ہے۔ دنیا اب تباہی کے کنارہ پر کھڑی ہے۔ اسلامی نظام سے ڈاکٹر مالک کی عقیدت و شیفتگی میں اضافہ ہو گیا۔ وہ اکثر کہتے کہ اگر چینی اپنے عقیدہ اور نظام کو نافذ کر سکتے ہیں تو ہمیں اپنے نظام کے نفاذ سے کون روکتا ہے۔

(باقی بر صفحہ ۱۱ کالم ۲)

[illegible] تاریخ میں ہوتا ہے انہوں نے قائد اعظم کی زیر قیادت تحریک پاکستان میں بڑے جوش و خروش سے حصہ لیا اور پاکستان کی اولین مجلس دستور ساز کے رکن تھے۔ ڈاکٹر اے ایم مالک کا دنیا [illegible]

از ڈاکٹر مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع - لائل پور

یوگا اور تصوّف

یہ آرزو میں جینا تیری جستجو میں مرنا ☆ یہی میری زندگی ہے یہی میری بندگی ہے

اگر یہ کہا جائے کہ بھارت کو یورپ میں جو شہرت یوگا سے نصیب ہوئی آتی اس کو اس کے سفارت خانوں سے بھی نصیب نہیں ہوئی تو یہ غلط نہ ہوگا۔ اس کا ثبوت آئے دن کی اخبارات میں یورپ کی خواتین کی ان تصاویر سے ملتا ہے جن میں وہ یوگا کی مشقیں کرتی نظر آتی ہیں۔

یوگی یوگ پر عمل کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ ویدک دھرم کی اس شخصیت کے مقابلے میں اسلام کی ایک شخصیت ہے اس کا نام ہے صوفی جس کے معنے ہیں قلب صافی کا مالک۔ یوگی صرف اور صرف جسمانی اعضا کی ورزشوں کا ماہر ہے۔ مگر صوفی نہ صرف جسمانی اعضاء کی قوت اور پاکیزگی سے باخبر ہے بلکہ روحانی مدارج کا بھی مالک ہے۔ یوگی حبس دم کی مشقتوں میں مشغول نظر آتا ہے تو صوفی ضبطِ تنفس کی منازل طے کرتا ہوا پایا جاتا ہے۔ یوگی کی نظر دنیا پر ہے، لیکن صوفی کی نظر دین پر بھی ہے اور دنیا پر بھی ہے۔ یوگی کی ساری جائداد اس کا جسم ہے لیکن صوفی کی اصل جائداد اس کا یار ہے جس کے وصل کے لئے وہ اس راز کا بھی عارف ہے ؎

وصالِ دوست طلب میکنی ز خود بگذر
کہ درمیان تو و او بجز تو حائل نیست

اگر تجھے وصلِ یار کی طلب ہے تو اپنے آپ سے گذر۔ کہ تیرے اور تیرے یار کے درمیان تیرے سوا اور کوئی حائل نہیں۔

صوفی کو حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے یہ معرفت بخشی ہے کہ ؎

آں یار کہ در پردۂ اسرار نہاں بود
از علم بعین آمد و از گوش بآغوش

وہ یار کہ جو پردۂ اسرار میں پوشیدہ ہے۔ علم کے ذریعہ آنکھوں میں میں جاتا ہے اور الہام کے ذریعہ آغوش میں آ جاتا ہے۔

یوگا کی بنیاد ایک وہم پر ہے۔ یوگی نے اپنے دھرم سے یہ سیکھا کہ انسان کی زندگی کے سانس گنے ہوئے ہیں۔ جب وہ گنتی ختم ہو جاتی ہے تو مر جاتا ہے اور اسے اگلے جنم میں سُوّر۔ کتا۔ گدھا اور گندی نالی کا کیڑا بننا پڑتا ہے اس لئے یوگی موت سے انتہائی خوف زدہ ہے اور وہ جلد مرنا نہیں چاہتا وہ لمبے لمبے سانس لیتا ہے کہ اس کی زندگی کے گنتی کے سانس جلد جلد ختم نہ ہوں ؎

موت کو سمجھا ہے یوگی اختتامِ زندگی ۔ ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

مگر صوفی خوب جانتا ہے ؎

موت زندگی کا ایک وقفہ ہے ۔ یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

یوگی حبس دم کی مشق کو اپنا معراج سمجھتا ہے۔ صوفی ضبطِ نفس سے اپنے ضمیر کو روشن تر کرتا ہے۔ یوگی کا یوگ اسے جسمانی ورزشوں کا سبق دیتا ہے وہ کبھی کھڑا ہوتا ہے کبھی بیٹھتا ہے۔ وہ کبھی جھکتا ہے اور زمین پر سر رکھتا ہے۔ وہ دونوں ہاتھوں کو کبھی اوپر لے جاتا ہے کبھی پیٹ پر رکھتا ہے اور کبھی کھلا چھوڑ دیتا ہے وہ کبھی سر کو دائیں اور بائیں گھماتا ہے اور اسے یوگ کی منزلوں میں کبھی ایک بار بھی خدا یاد نہیں آتا مگر صوفی کو الصلوٰۃ معراج المؤمنین کی جسمانی اور روحانی دولت عطا فرمائی گئی ہے وہ دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھا کر کانوں کو چھوتا ہے پھر دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھتا ہے۔ وہ جھکتا ہے اور پھر سیدھا کھڑا ہوجاتا ہے اور دونوں ہاتھوں کو نیچے کھلا چھوڑ دیتا ہے اور پھر زمین پر گر کر ننگی زمین پر ننگی پیشانی رکھتا ہے۔ سجدے میں لمبے لمبے سانس لیتا، ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرتا اور گرم گرم آنسو بہاتا ہے اور اپنے یار کے حضور مرغِ نیم بسمل نظر آتا ہے موم بتی کی طرح پگھل جاتا ہے، وہ دو زانو بیٹھتا ہے اور دائیں بائیں سلام پھیرتا ہے اور ان منزلوں پر خدا کی کبریائی کا اقرار کرتا ہے اور اس کی حمد و ثنا کے گیت گاتا ہے وہ گویا کہ بیک وقت یوگی بھی ہے اور صوفی بھی ہوتا ہے۔ وہ جسمانی یوگ کا بھی ماہر بن جاتا ہے اور روحانی تصوّف کا بھی عارف ہوتا ہے اس کا ایک ہاتھ خدا کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو دوسرا ہاتھ مخلوق خدا کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس کے ذریعے خدا کا فضل مخلوق تک اور مخلوق کی دعائیں خدا کے حضور پہنچ کر مستجاب ہوتی ہیں۔ وہ التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علیٰ خلق اللہ کی تصویر بن جاتا ہے۔ بے چارے یوگی کو یہ مقام کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ سر کی کھوپڑی زمین پر ٹیک کر ٹانگیں آسمان کی طرف کرنے پر آسمانی برکات کس طرح نازل ہو سکتی ہیں افمن یمشی مکبا علیٰ وجھہ اھدیٰ امن یمشی سویا علیٰ صراط مستقیم وہ انسان ہے تو اس کی ٹانگیں آسمان کی طرف ہیں۔ اور اگلے جنم میں چمگادڑ بنتا ہے تو اس کی ٹانگیں آسمان کی طرف ہوتی ہیں یہ ہے یوگی کا کمال۔ یوگی ایک ہاتھ اوپر اٹھا لیتا ہے اور پھر نیچے نہیں لاتا، ہاتھ سوکھ جاتا ہے۔

یوگی ایک ٹانگ پر کھڑا ہوتا ہے اور دوسری ٹانگ کو نیچے نہیں لاتا وہ ٹانگ بھی سوکھ جاتی ہے مگر صوفی سے ایسی غیر فطری حماقت سرزد نہیں ہوتی۔ اس کو اس کے اسلام نے یہ تعلیم دی ہے سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین۔ اپنے دونوں پاؤں پر سیر کرو۔ اور خدا تعالےٰ کو جھٹلانے والوں کا انجام دیکھو کہ کس طرح تباہ و برباد ہوئے اور ہندو جوگی کس طرح قانونِ خدا کی تکذیب کرکے ٹنڈے اور لنگڑے بن گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اسلام نے صوفی کی ٹانگیں اور بازو سلامت رکھ کر ان سے اعمال صالحہ کا کام لینا سکھایا ہے۔ انسان خدا کا خلیفہ ہے خلق آدم علیٰ صورتہٖ۔ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے نہ خدا بدصورت ہے نہ اس کا خلیفہ بدصورت ہے ؎

اے یوگئی ظاہر بیں از قرب چہ می پرسی
او در من و من در او چوں بو بگلاب اندر

ماذا وجد من فقدک ۔ وما الذی فقد من وجدک
اس نے کیا پایا جس نے تجھے کھویا ۔ اور کیا کھویا اس نے جس نے تجھے پایا

الغرض عیسیٰؑ۔ موسےٰؑ اپنے راہبوں کو اور رام اور کرشن اپنے جوگیوں کو وہ مقام دلا سکے جو مقام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب صُفّہ کے صوفیوں کو دلا گئے۔

آسماں کے تاروں نے حیرت سے دیکھا یہ کمال ۔ خاک کے ذرّے تری برکت سے تارے بن گئے
بن گئے موتی تری نظروں سے قطرے آب کے ۔ ریت کے دانے تری مٹھی میں ہیرے بن گئے

مرزا ساطع

ڈاکٹر اے ایم مالک (بسلسلہ صفحہ)

ڈاکٹر مالک کو تصوّف سے گہری دلچسپی ہے وہ صحت مند تصوّف کے قائل ہیں۔ مشرقی پاکستان میں اسلام کی شمع صوفیوں نے خونِ جگر سے فروزاں کی۔ صوفیاء نے مشرقی پاکستان کے عوام کی قیادت بھی کی۔ ڈاکٹر مالک اس دَور کے ایک قطب سید اصغر علی شاہ جعفری مرحوم کے ارادت مند تھے۔ حضرت سید اصغر علی شاہ صاحب اس دَور میں تصوّف کے گوہر نایاب تھے۔ ان کے فیضانِ نظر نے ڈاکٹر مالک کے قلب کو منور کر دیا تھا۔ ڈاکٹر مالک اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جواہر ریزوں کو سمیٹتے۔ مرشد کی گفتگو ان کے لئے فردوس گوش تھی۔ ایک بار حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر ڈاکٹر مالک کی دستار بندی ہوئی تھی، وہ بے حد مسرور و شادماں تھے جیسے دو جہان کی دولت ان کے ہاتھ آگئی ہے۔

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت)

دورِ حاضر میں اسلام کی علمبردار جماعت
جماعتِ احمدیہ لاہور کی پانچ امتیازی خصوصیات

(۱)۔ تکمیلِ دین اور ختمِ نبوت پر حقیقی ایمان رکھنے والی جماعت ۔ جس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ شریعت کاملہ قرآن حمید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ کوئی پرانا ہی نازل ہوگا۔

(۲)۔ اتحاد بین المسلمین کی واحد نقیب جماعت ۔ جو نہ صرف ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتی ہے بلکہ تکفیر المسلمین سے بیزاری کا اظہار کرتی ہے ۔

(۳) مغربی دنیا میں اشاعت اسلام اور علوم قرآن کی اوّلین مشعل بردار جماعت۔ جس نے اگر اسلامی دنیا میں اسلامی نظریۂ حیات پر ایمان کو زندہ کیا تو مغربی دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلا کر طلوع الشمس من المغربھا کا معجزنما نظارہ دکھا دیا۔ اوّلین اسلامی مشن ۱۹۱۲ء میں خواجہ کمال الدین مرحوم نے انگلستان میں قائم کیا۔ برلن میں پہلی مسجد حضرت مولانا صدرالدین صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے ۱۹۲۴ء میں تعمیر کی۔ قرآن حکیم کا پہلا مقبول عام انگریزی بالتفسیر ترجمہ ۱۹۱۷ء میں حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے شائع فرمایا۔ پھر ۱۹۳۵ء میں ڈچ اور ۱۹۴۰ء میں جرمن زبانوں میں قرآن کے تراجم شائع کئے۔

(۴) ۔ اصلاح ملت کی واحد داعی جماعت ۔ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اور حفاظت دین کا خدائی وعدہ اس بات کا متقاضی ہے۔ کہ اُمتِ مسلمہ میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں ۔ جن کا وجود اسلام کی صداقت، خدا کی [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فیوض پر شہادت ہو۔ حضرت مرزا صاحب قادیانی علیہ السلام مسیح موعود مجدد صد چہاردہم ان ہی بابرکت مجددوں میں سے ایک تھے ۔ ان کا دعوٰے آپ کے اپنے الفاظ میں یہ ہے :
"ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں جو اہلِ سنت والجماعت مانتے ہیں میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی نبوت کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"۔

نظامِ انسانی کے مرکز و محور

"نظامِ شمسی کی طرح نظامِ انسانی کے بھی مرکز و محور ہیں۔ مگر تم کو ان کا حال معلوم نہیں۔ تم کو اجرام سماویہ کا مرکز معلوم کرنے میں جب ہزاروں برس لگ گئے ۔ تو نہیں معلوم عالمِ انسانیہ کے نظام و مراکز کے کشف کے لئے کتنا زمانہ درکار ہوگا؟ تاہم یہ معلوم رہے کہ ہر عہد و دور میں خدا کے چند بندے ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جن کا وجود ستاروں کے مرکز شمسی کی طرح تمام انسانوں کا مرکزِ محبت اور کعبۂ انجذاب ہوتا ہے ۔ اور جس طرح نظامِ شمسی کا ہر متحرک ستارہ صرف اس لئے ہے۔ کہ کعبۂ شمس کا طواف کرے ۔ اسی طرح انسانوں کے گروہ اور آبادیوں کے ہجوم بھی صرف اسی لئے ہوتے ہیں ۔ کہ اس مرکزِ انسانیت اور کعبۂ ہدایت کا طواف کریں ۔ زمین والوں پر ہی موقوف نہیں ۔ آسمان میں بھی صرف انہی کے ناموں کی پکار ہوتی ہے .... پھر جب آسمان پر اس کی محبوبیت کا اعلان ہو جاتا ہے ۔ تو زمین والوں کے دل بھی اس کی محبت کے لئے کھل جاتے ہیں۔ اور ہر طرف مقبولیت و محبوبیت اس کو حاصل ہو جاتی ہے"۔ (تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم)

عمل صالح کی اہمیت اور اسلام و ایمان، فضیلت و بزرگی کا معیار تقوٰی

[illegible] اگر اس کا عمل اچھا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت و اتباع اور ایثار فی اللہ میں تیز گام ہے تو یقیناً کل کو اللہ کے حضور وہی سب سے اونچا ہوگا۔ اور

ہم سب اس کے پیچھے ہوں گے اگرچہ ہم کتنے ہی کامل و اکمل اشعری و ماتریدی ہوں ۔ وہاں صرف غرورِ اشعریت و ماتریدیت کام نہ دے گا۔

وکل یدعی اصلاً بلیلی — ولیلی لا تقول لھم بذاکا

افسوس جزئیات مزعومہ عقائد کے غرور باطل نے مسلمانوں کو جس قدر نقصان پہنچایا کسی چیز نے نہیں پہنچایا۔ عمل صالح کی اہمیت بالکل جاتی رہی اور سارا دار و مدار چند مزعومہ عقائد پر آکر رہ گیا........ ایک شخص تقوٰی و طہارت میں کتنا ہی اصلح ہو۔ لیکن اگر کسی جزئی و ضمنی عقیدہ میں بھی مخالف ہوا تو اس کی ساری عمر کی کمائی رائیگاں گئی۔ اور باوجود عمر بھر کے ایمان و عمل صالح کے کافر کا کافر ہی رہا۔ جس کلمہ کے ایک بار اقرار کر لینے سے ابو سفیان اعدیٰ عدوے اسلام اور وحشی قاتل حمزہ کا خون حرام ہوگیا تھا۔ اور اگر ابوجہل بھی اقرار کر لیتا۔ تو اس کی ساری عمر کا کفر و طغیان محو ہو جاتا۔

آج ساری عمر اس کے ایمان و عمل میں بسر کر دیجئے ۔ لیکن پھر بھی مؤمنوں کے گروہ میں شمار ہونے کا حق حاصل نہیں کر سکتے ! افسوس تیرہ سو برس گذر گئے۔ مگر کفر و ایمان کی گتھی آج تک نہ سلجھی"۔ (ایضاً)

سُوءِ فہم کا فتنہ

"تاریخِ عالم کی پرانی سے پرانی گمراہی کا سرچشمہ اگر ڈھونڈا جائے تو یہی سوءِ فہم کا فتنہ نکلے گا۔ بتلانے والوں نے کیا کہا تھا۔ اور سمجھنے والوں نے کیا سمجھا اور سمجھنے والوں نے کیا سمجھا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ دنیا کے تمام بانیان ادیان ملل میں سے کسی نے بھی شرک و انسان پرستی کی تعلیم نہیں دی تھی۔ پرانی سے پرانی بات جو دنیا میں کہی گئی صرف سچائی اور خدا پرستی ہے۔ لیکن معلوم ہے کہ ان کے ماننے والوں نے شرک و بت پرستی کا راستہ اختیار کیا اور اپنی ساری کج فہمیوں کو انہی کی جانب منسوب کر دیا۔ جب انبیاء کرام علیہم السلام کے ارشادات محکمہ کو ان کے پیرو نہ سمجھے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صاف تمثیلوں کو کیا سے کیا بنا دیا۔ تو پھر علماء مصلحین امت و صلحاء طریق....... اس فتنہ سے کیونکر بچ سکتے ہیں

آنکس ست اہل بشارت کہ اشارت داند
نکتہا ہست بسے، محرم اسرار کجاست"۔ (تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم)

ارشاداتِ ربانی

اور جب تو ناپنے لگے تو پورا ناپ اور عدل کے ساتھ وزن کر کیونکہ یہی اچھی بات اور انجام کار بھلائی ہے۔ اور اس بات کا اتباع نہ کر جس کا تجھے علم نہیں یقیناً تیرے کان، تیری آنکھیں، تیرا دل سب سے سوال طلبی کی جائے گی۔ اور زمین پر اکڑ اکڑ (کر) نہ چل ۔ تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے نہ لمبائی میں پہاڑوں کا ہمسر ہو سکتا ہے ۔ یہ سب باتیں تیرے رب کے نزدیک مکروہ ہیں۔

یہ ہے جو تیرے رب نے تیری طرف حکمت سے پُر وحی کیا۔ اور اپنے خداوند کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا۔ وگرنہ تو جہنم میں جا پہنچے گا اور تجھے ملامت کر کے الگ کر دیا جائے گا۔

—(قرآن مجید)—

عرفات پریس تھارٹن روڈ لاہور میں باہتمام خالد محمد صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور - ۲ر جولائی ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل ۸۳۸ شمارہ نمبر ۲۷

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ - ۹ جولائی ۱۹۷۵ء | نمبر ۲۸

(حضرت مجدد صد چہاردھم علیہ السلام)

صاحبِ الہام پر وہ امورِ غیبیہ اور دقائقِ مخفیہ منکشف ہوتے ہیں کہ جو مجرد عقل سے منکشف نہیں ہو سکتے۔

جو صداقت بجائے خود ثابت ہے اور جس کو بے شمار صاحبِ معرفت لوگوں نے بچشم خود مشاہدہ کر لیا ہے اور جس کا ثبوت ہر زمانہ میں طالبِ حق کو مل سکتا ہے اگر اس سے کوئی ایسا انسان منکر ہو کہ جو روحانی بصیرت سے بے بہرہ ہے یا اگر اس کی تصدیق سے کسی محجوب القلب کا فکر قاصر اور علم ناقص ناکام رہے تو اس صداقت کا کچھ بھی نقصان نہیں اور نہ وہ ایسے لوگوں کے بک بک کرنے سے قوانینِ قدرتیہ سے باہر ہو سکتی ہے۔ مثلاً تم سوچو کہ اگر کوئی اس قوتِ جاذبہ سے جو مقناطیس میں ہے بے خبر ہو اور اس نے کبھی مقناطیس دیکھا ہی نہ ہو اور یہ دعوے کرے کہ مقناطیس ایک پتھر ہے اور جہاں تک قوانینِ قدرتیہ کا مجھے علم ہے اس طور کی کشش کو میں نے کبھی کسی پتھر میں مشاہدہ نہیں کیا اس لئے میری رائے میں جو مقناطیس کی نسبت ایک خاصیت جذب خیال کی گئی ہے وہ غلط ہے کیونکہ قوانینِ نیچریہ کے برخلاف ہے تو کیا اس کی اس فضول گوئی سے مقناطیس کی ایک متحقق خاصیت غیر معتبر اور مشکوک ہو جائے گی ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے نادان کی ان فضول باتوں سے اگر کچھ ثابت بھی ہوگا تو یہی ثابت ہوگا۔ کہ وہ سخت درجہ کا احمق اور جاہل ہے کہ جو اپنے عدمِ علم کو عدمِ شئے پر دلیل ٹھہراتا ہے اور ہزارہا صاحبِ تجربہ لوگوں کی شہادت کو قبول نہیں کرتا۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکے کہ قوانینِ قدرتیہ کے لئے یہ بھی شرط ہو کہ ہر ایک فردِ بشر عام طور پر خود ان کو آزمالیوے۔ خدا نے نوعِ انسان کو ظاہری و باطنی قوتوں میں متفاوت پیدا کیا ہے۔ مثلاً بعض کی قوتِ باصرہ نہایت تیز ہے۔ بعض ضعیف البصر ہیں، بعض بعض اندھے بھی ہیں۔ جو ضعیف البصر ہیں وہ جب دیکھتے ہیں کہ تیز بصارت والوں نے دور سے کسی باریک چیز کو مثلاً ہلال کو دیکھ لیا تو وہ انکار نہیں کرتے بلکہ انکار کرنا اپنی ذلت اور پردہ دری کا موجب سمجھتے ہیں۔ اور اندھے بے چارے تو ایسے معاملہ میں دم بھی نہیں مارتے۔ اسی طرح جن کی قوتِ شامہ مفقود ہے وہ صدہا ثقہ اور راستگو لوگوں کی زبان سے خوشبو بدبو کی خبریں جب سنتے ہیں تو یقین کر لیتے ہیں اور ذرہ شک نہیں کرتے اور خوب جانتے ہیں کہ اس قدر لوگ جھوٹ نہیں بول سکتے ضرور سچے ہیں اور بلاشبہ ہماری ہی قوتِ شامہ نادار ہے کہ جو ہم ان مشمومات کے دریافت کرنے سے محروم ہیں۔ علیٰ ھٰذا القیاس باطنی استعدادوں میں بھی بنی آدم مختلف ہیں۔ بعض ادنیٰ ہیں اور حجبِ نفسانی میں محجوب ہیں۔ اور بعض قدیم سے ایسے نفوسِ عالیہ اور صافیہ ہوتے چلے آئے ہیں کہ جو خدا سے الہام پاتے رہے ہیں۔ اور ادنیٰ فطرت کے لوگ کہ جو محجوب النفس ہیں ان کا نفوسِ عالیہ لطیفہ کے خصائصِ ذاتیہ سے انکار کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی اندھا یا ضعیف البصر صاحبِ بصارتِ قویہ کے مرئیات سے انکار کرے یا جیسا ایک اخشم آدمی جس کی قوتِ بویائی ابتداء پیدائش سے ہی باطل ہو صاحبِ قوتِ شامہ کے مشمومات سے منکر ہو۔

اور پھر منکر کے ملزم کرنے کے لئے بھی جو ظاہری طور پر تدابیر ہیں، وہی باطنی طور پر بھی تدابیر موجود ہیں۔ مثلاً جس کی قوتِ شامہ کا مفقود ہونا بعلتِ مولودی ہے اگر وہ خوشبو بدبو کے وجود سے منکر ہو بیٹھے اور جس قدر لوگ صاحبِ قوتِ شامہ ہیں سب کو دروغگو یا وہمی قرار دے تو اس کو یوں سمجھا سکتے ہیں کہ اسکو یہ کہا جائے کہ وہ بہت سی چیزوں مثلاً پارچات میں سے بعض پر عطر مل کر اور بعض کو خالی رکھ کر صاحبِ قوتِ شامہ کا امتحان کر لے تا تکرار تجربہ سے اس کو اس بات پر یقین ہو جائے کہ قوتِ شامہ کا وجود بھی واقعی اور حقیقی ہے اور ایسے لوگ فی الحقیقت پائے جاتے ہیں کہ جو معطّر اور غیر معطّر میں فرق کر لیتے ہیں۔ ایسا ہی بتکرار تجربہ سے الہام کا وجود طالبِ حق پر ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب صاحبِ الہام پر وہ امورِ غیبیہ اور دقائقِ مخفیہ منکشف ہوتے ہیں کہ جو مجرد عقل سے منکشف نہیں ہو سکتے اور کتابِ الٰہی ان حقائق و معارف پر مشتمل ہوتی ہے جن پر کوئی دوسری کتاب مشتمل نہیں ہوتی تو طالبِ حق اسی دلیل سے سمجھ لیتا ہے کہ الہامِ الٰہی ایک متحقق الوجود صداقت ہے۔ اور اگر نفوسِ صافیہ میں سے ہو تو خود ٹھیک ٹھیک راہِ راست پر چلنے سے کسی قدر بہ حیثیت فداشیتِ قلب اپنے کے الہامِ الٰہی کو اولیاء اللہ کی طرح پر پا بھی لیتا ہے جس سے وحی رسالت پر بطور حق الیقین اس کو علم حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ طالبِ حق کے لئے کہ جو اسلام کے قبول کرنے پر دلی سچائی اور روحانی صدق اور خالص اطاعت سے رغبت ظاہر کرے* ہم کبھی اس صورت پر تسلی کر دینے کا ذمہ اٹھاتے ہیں۔ وان کان احدٌ فی شک من قولی فلیرجع الینا یصدق القدم واللہ علی مانقول تدبیر وھو فی کل امر نصیر۔ (براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۱۱۹، ۱۲۰)

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

سلسلہ احمدیہ کے قیام کا مقصد

(۱)

سلسلہ احمدیہ کو قائم ہوئے قریباً ۹۰ برس ہو چکے ہیں۔ اس کی خدمات اسلام کو دیکھ کر اکثر اصحاب خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ آہستہ آہستہ اس کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ لیکن چند ایک مشکلات ہیں جو عملی رنگ میں ایسے اصحاب کو شمولیت سلسلہ سے روک رہی ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں کئی ایک ایسے اصحاب نے یہ تحریک پیش کی ہے۔ کہ اگر جماعت احمدیہ لاہور اپنے نام سے "احمدی" کے لفظ کو ہٹا دے۔ تو اس سے جماعت کو بہت تقویت ملے گی۔ ان اصحاب کی طرف سے جو دلائل اس خیال کی تائید میں پیش کئے گئے ہیں۔ وہ تین ہیں۔

(۱) پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ چونکہ لفظ احمدی قادیان اور لاہور دونوں فریقوں کے ساتھ ملحق ہے۔ اس لئے عوام الناس کو لفظ احمدی سے دھوکا لگتا ہے۔ اور وہ تمیز نہیں کر سکتے۔ کہ اس سے کونسا فریق مراد ہے

(۲) دوسری دلیل یہ دی گئی ہے۔ کہ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور اسلامی اتحاد و اخوت کو قائم کرنا چاہتی ہے مگر خود لفظ احمدی اپنے ساتھ لگا کر ایک تفریق ڈال رہی ہے

(۳) اور تیسری دلیل ان دونوں امور کا نتیجہ ہے کہ لوگ لفظ احمدی کو ہوّا سمجھ کر اشاعت اسلام کی تحریک میں شامل نہیں ہوتے۔

مذہب اسلام اور مُلا کی تعلیم

سب سے پہلے میں ان کو یکے بعد دیگرے لیتا ہوں، جن کی بناء پر یہ تحریک پیش کی گئی ہے، اگر کوئی لفظ دنیا میں غلط فہمی پیدا کرتا ہو، تو کیا یہ بات بجائے خود اس امر کے لئے کافی دلیل ہے کہ لفظ کو اڑا دیا جائے؟ ایسے اصحاب کی نگاہ میں یہ ضروری ہے کہ جہاں کسی لفظ سے دھوکہ لگتا ہے اسے بدل دیا جائے۔ اگر یہ اصول ایسا ہی ہے۔ تو ہمیں بڑی مشکل پیش آئے گی کیونکہ خود الفاظ مسلم اور اسلام اب تلک دنیا میں خصوصاً یورپ میں بہت بدنام رہے ہیں۔ اور اب بھی ایک حد تک ہیں۔ یورپ اب تک ان الفاظ کے معنی نہایت مکروہ لیتا رہا ہے۔ یورپ میں دہشت، بربریت، انتہائی تعصب۔ اور اسلام و مُسلم ہم معنی الفاظ ہیں۔ اسلام کو نہایت خونخواری و بیدردی کا مذہب سمجھا گیا ہے۔ اور دنیا کو اس امر کا یقین دلایا گیا ہے۔ مسلمان کا تصور جو اب تک یورپ کے دماغ میں تھا وہ نہایت بھیانک اور خوفناک تھا۔ گویا اس کی تصویر ایک فریق کے اوّل درجہ کے وحشی کی تھی، اور اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک میں قرآن ہے۔ وہ جس کافر کو ملتا ہے اسے قرآن پیش کرتا ہے اور اگر وہ کافر انکار کرے۔ تو فوراً اس کا سر اُڑا دینے پر تیار ہے۔ اب ایک طرف یورپ کی یہ تصویر دیکھو۔ دوسری طرف اور اس زمانے کے مُلاؤں نے جو تصویر اسلام کی پیش کی ہے۔ اسے دیکھو۔ کیا دونوں تصویروں میں کوئی فرق ہے۔ یورپ کہتا ہے کہ اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے۔ ہمارے مُلا دوست اس بات کو سن کر فرماتے ہیں کہ تلوار کے ذریعے آنحضرتؐ نے صرف اس دین متین کو نہیں پھیلایا بلکہ یہ دین تو اب بھی اگر غلبہ حاصل کرے گا، تو خونی مہدی کے ذریعہ ہی حاصل کرے گا۔ اب خدارا انصاف کرو کہ اسلام دنیا میں دشمن چھوڑ نادان دوست کے ہاتھوں کس مصیبت میں ہو رہا۔ اور کیا مُلا کے اس عقیدہ کی موجودگی غیر مسلم اصحاب کے لئے ایک ٹھوکر کا موجب نہیں۔ کیونکہ ملا بھی اسلام کا سچا پیرو ہونے کا مُدعی ہے؟ ملا کی تعلیم و عمل کو دیکھ کر دنیا اسلام کے متعلق ایک خطرناک غلطی میں مبتلا ہے۔

اب میں ان اصحاب سے جو احمدی نام سے غلطی لگنے کے باعث اس کو اڑانا چاہتے ہیں۔ پوچھتا ہوں کہ وہ ایک غیر مسلم کو کیا جواب دیں گے اگر وہ یہ مشکل ان کے سامنے پیش کرے۔ کہ دیکھو جی جو مذہب اسلام تم تعلیم یافتہ لوگ پیش کرتے ہو وہ تو کچھ اور ہے اور جو اسلام ملا پیش کرتا ہے وہ اس کے بالکل برعکس۔ تو اس غلط فہمی کو دنیا سے اس طرح کیوں نہیں نکال دیتے۔ کہ تم اسلام و مسلمان کے نام کو اڑا کر ان کی جگہ اور نام تجویز کر دو۔ نہ تمہارے اور ملا کے مذہب میں نام کا اشتراک ہو گا اور نہ دنیا دھوکا میں رہے گی۔ میں پوچھتا ہوں۔ کہ اگر ایک غیر مسلم نیک نیتی سے یہ اعتراض کرے۔ اور بہتیرے اصحاب یہ اعتراض کرتے ہیں۔ تو کیا اس موقعہ پر بھی ہمارے روشن خیال حضرات اسلام و مسلم ناموں کو خیر باد کہنے کے لئے تیار ہوں گے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں جبکہ یہاں بھی وہی مشکل در پیش ہے جو نام احمدی کے اختیار کرنے میں ان کو گھبراہٹ میں ڈال رہی ہے۔

فرقہ بازی اور تنگ دِلی

دوسری دلیل احمدی نام کو اڑانے کے متعلق یہ دی گئی ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور چاہتی تو ہے کہ اسلام کا عالمگیر اتحاد ہو، مگر خود اسی نام احمدی کو اختیار کرکے اس اتحاد میں روک ہو رہی ہے۔ اور یہ بہت تنگدلی ہے کہ کہا جائے کہ فلاں احمدی ہے، اور فلاں وہابی، ان ناموں سے کیا فائدہ ہے، سوائے اس کے کہ تفرقہ پڑتا ہے۔

جماعت احمدیہ لاہور کی بنیاد ہی اس امر پر رکھی گئی ہے، کہ ہر کلمہ گو دائرہ اخوت اسلام کے اندر ہے۔ اور اس جماعت، کی بیشتر قوت اسی بات کی نشر و اشاعت پر صرف ہو رہی ہے۔ اور یہ واقعات ہیں کہ اسلام میں صرف ایک ہی جماعت ہے، جس کا نہ صرف یہ اعتقاد ہو۔ بلکہ اس کا زور بھی اسی تکفیر کے مرض کی بیخکنی میں خرچ ہوتا ہو۔ مگر باوجود اس کے ہمارے "روشن خیال" اصحاب اسے بھی فرقہ بازی اور تنگ دلی پر محمول کرتے ہیں۔ محض اس لئے کہ اس کے ساتھ احمدی نام لگا ہوا ہے۔ یا اس لئے کہ جماعت مجدّد وقت مامور زمانؑ جس کو خدا نے اس وقت اسلام کا جرنیل کرکے بھیجا ہے کے ماتحت ہو کر اسلام کے جہاد میں اپنے جان و مال کو قربان کر رہی ہے۔

اِسلام کی زندگی کا ثبوت

اسلام کی زندگی کا ایک ہی ثبوت ہے۔ ایک ہی امر اس کی زندگی کا باعث ہے۔ یعنی یہ کہ خداوند تعالےٰ خود اس دین کی تائید و حمایت ہمیشہ کرتا رہا ہے۔ اور کرتا رہے گا۔ اب جبکہ یہ زمانہ ایسا پُر فتن اور اسلام کے لئے انتہاء درجہ کی مصیبت کا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا ایسے وقتوں میں خدا تعالےٰ نے اپنی طرف سے اس دین کی حمایت کا کوئی انتظام کیا یا نہیں؟ اگر نہیں کیا۔ تو بتلاؤ کہ اس کا وہ وعدہ کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون کیا ہوا؟ اور جبکہ ایسا زمانہ آ چکا جبکہ واقعات نے تمام قلوب کو اس امر کے مان لینے پر مجبور کر دیا۔ کہ دجال موعود ظاہر ہو چکا۔ تو پھر بتلاؤ کہ مسیح موعودؑ کی آمد کو کیا ہو گیا؟ اگر کہو کہ مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں بھی پوری ہوئیں۔ اور وہ شخص اللہ تعالےٰ کی نصرت و تائید سے کھڑا ہو چکا تو پھر تمہاری روشن خیالی بھی عجیب ہے جو تمہیں یہ ہدایت نہیں کرتی۔ کہ خداوند عالم نے جس جرنیل و پہلوان کو اسلام کی سپہ سالاری عطا کی ہے۔ ہم اس کے ماتحت ہو کر اسلام کے جہاد میں حصہ لیں۔ بلکہ وہ تمہیں یہ سبق دیتی ہے کہ خدا کے جرنیل کا سپاہی بننا تفرقہ بازی و تنگ دلی ہے۔ آفرین ہے آپ کی عقل و دانش پر اور شاباش آپ کی اس فراخ دلی و روشن خیالی پر!! صاحبو۔ یقین رکھو۔ کہ خدا تعالےٰ کی تائید کے بغیر اب اسلام زندہ نہ ہو سکے گا اور تم اس کے تیار کردہ راستہ یعنی حضرت مسیح موعود کی اطاعت کے بغیر کامیابی نہ حاصل کرو گے۔

واقعاتِ زمانہ کی شہادت

ہمارے ایسے روشن خیال اصحاب بھی عجیب منطق کے انسان واقع ہوئے ہیں۔ ایک طرف یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ جماعت احمدیہ کی وجہ سے ہی اسلام کے چہرے سے بدنما داغ دُور ہوئے ہیں۔ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جماعت احمدیہ ہی نے ایسے زمانہ میں اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھالا۔ مگر بجائے اس کے کہ عملی طور پر اس میں شامل ہوں، یہ کہیں گے کہ ہم تو آزاد رہنا چاہتے ہیں اور ایک جماعت میں داخل ہونا تو تنگ دلی اور فرقہ بازی ہے۔ دراصل یہ بات نہیں۔ بلکہ وہ عملی طور پر کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ہمیں منظور تو اسلام کی سربلندی ہے۔ فرض کرو اسلام کو ایسی راہ سے نصرت پہنچتی ہے جو تمہارے خیال میں تنگ دلی و فرقہ بازی ہے اور اسلام کو تمہاری فراخ دلی سے ذرہ بھر بھی فائدہ نہیں ہوتا تو اس حال میں عقلمند انسان تنگدلی کو قبول کرکے اسلام کی حمایت کرے گا۔ یا فراخ دِلی کے ڈھکوسلوں کو چاٹتا رہے گا۔ (باقی بر صفحہ ۹ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۹ر جولائی ۱۹۷۵ء

قومی زندگی اور قابلِ عمل پروگرام

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان قوم اس وقت باوجود ایسی زبوں حالی کے اپنے دین اور اپنے پیارے رسولؐ سے محبت و عقیدت کے جذبات سے وابستہ ہے۔ بلکہ یہ بھی صحیح ہے کہ جہاں عزت و ناموسِ رسول کا سوال ہو وہاں وہ لڑ مرنے کو بھی تیار ہے۔ کئی مواقع پر جہاں دین یا رسولؐ کی ننگ و ناموس کا سوال درپیش تھا مسلمانوں نے اپنی جانوں تک کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواہ وہ محبت و عقیدت کیسی ہو۔ مسلمانوں میں اپنے دین و رسول پاک کی خاطر قربانی کے اعلیٰ جذبات موجود ہیں۔ لیکن دوسری طرف یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اجتماعی رنگ میں نہ تو دینِ اسلام کی عظمت و رفعت میں کوئی ترقی نظر آتی ہے اور نہ ہی اس قوم کی حالت روبہ اصلاح ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جبکہ قربانی کا اس قدر مادہ موجود ہے تو قومی ترقی کے کوئی آثار نہیں۔ اجتماعی رنگ میں کوئی قدم آگے نہیں بڑھتا۔ کیوں دینِ اسلام کی عظمت و شان دن بدن مسلمانوں کی مساعی سے بڑھتی نظر نہیں آتی۔

متحدہ قومی حرکت مقصود ہے

در اصل بات یہ ہے کہ گو مسلمان ایک دین کے پیرو اور ایک رسول کے معتقد ہونے کے باعث ایک قوم معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے اندر سے وہ بنیادی صفات مفقود ہیں، جن سے افراد میں قومیت کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ اجتماعی زندگی کے لئے نہ صرف مشترک عقیدہ کی ضرورت ہے بلکہ متحدہ مسلک کا ہونا ضروری ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی سب بڑی قومی کمزوری ان کے سامنے ترقی دین کے لئے کسی متحدہ مسلک کا نہ ہونا ہے۔ ہر مسلمان اپنی انفرادی حالت میں مگن پڑا ہے۔ اس انفرادی حالت میں وہ کم و بیش اپنے مذہب پر عامل ہے یا اس کے لئے اپنے سینہ میں کسی قدر درد و تڑپ رکھتا ہے۔ سوائے اس کے کہ مذہبی تہواروں کے وقت وہ ظاہرا طور پر جمع ہو جائیں یا یہ کہ کسی جلسہ و جلوس میں اجتماع ہو جائے، دینی مقاصد و مہمات کے لئے کوئی بھی اجتماعی رنگ موجود نہیں۔ اور یہ اجتماعی رنگ پیدا کیونکر ہو جبکہ قوم کے سامنے کوئی مسلک نہیں۔ کوئی طریقِ کار نہیں۔ جس کے متعلق یہ ایمان ہو کہ اگر اس پر عمل پیرا ہوں گے تو دین یا قوم کی حالت سنور جائے گی۔ کوئی لائحہ عمل نظر نہیں آتا۔ جسے وہ اجتماعی حیثیت سے اختیار کریں۔ اور جس سے ان کی کامیابی وابستہ ہو۔ جس وقت سامنے اندھیرا ہی اندھیرا ہو تو کوئی حرکت کیسے ہو۔

مجدّدِ وقت کے احسانات

اگر مسلمان غور کرتے تو ان پر یہ ثابت ہو جاتا کہ قوم کی ایسی پراگندگی اور پریشان حالی کے وقت ایک مردِ خدا نے ان پر کس قدر احسان کیا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مجدّدِ وقت کا کام اسی حد تک محدود ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی عملی زندگی کا نمونہ پیش کرے اور قوم کو دوبارہ ایمان و عمل کی توفیق عطا کرے۔ یہ بالکل صحیح اور درست امر ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس راہ میں بھی وہی شخص کامیابی حاصل کر سکتا ہے جو خدا رسیدہ ہو۔ لیکن اس سے بڑھ کر مجدّدِ وقت کا کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بند راستوں کو کھولنے آتا ہے۔ جہاں حرکت و زندگی کے آثار نہ ہوں وہاں ایک لائحہ عمل تیار کرتا ہے جب مردگی و بے حرکتی ہو۔ اس وقت جہاد کا ایک اجتماعی و عملی طریقِ کار ایسا تجویز کرتا ہے جو کامیابی لانے میں قطعی و یقینی ہوتا ہے۔ وہ ایک روشنی کا مینار ہوتا ہے جس سے دینی ترقی کا راستہ واضح نظر آتا ہے۔ جس سے شکوک و شبہات کے اندھیرے کلیۃً دور ہو کر قلوب یقین و ایمان سے لبریز ہو جاتے ہیں، اور آمادہ بہ حرکت ہوتے ہیں۔ جن اصحاب کو مجدّدِ وقت کے اس عظیم الشان کارنامے کا احساس نہیں یہ وہی لوگ ہیں جو اس غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں، کہ چونکہ مجدّدِ وقت کا کام اسلامی زندگی کا عملی نمونہ پیش کرنے تک محدود ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی وفات کے بعد اس پر ایمان لانا اور اس کے دامن سے وابستگی اختیار کرنا کچھ ضروری نہیں۔ البتہ اس کی زندگی میں اس کے پاس جانا مفید ہے مگر بعد وفات کیا حاصل؟ یہ فاش غلطی اس لئے سرزد ہوتی ہے کہ معلوم نہیں کہ مجدّدِ وقت اپنے زمانے کا مجاہد امام ہوا کرتا ہے؛ اس کا طریقِ کار حتمی طور پر کامیابی لانے کا موجب ہوتا ہے۔ اور اس کے طریقِ کار کے ماسوا سب حیلے و وسیلے بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں، اسی لئے مجدّدِ وقت کا زمانہ صرف اس کی اپنی زندگی تک محدود نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کا زمانہ اس وقت تک چلتا ہے جب تک اس مسلک کی جو وہ لایا ضرورت و حاجت لاحق رہتی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا مسلک

اب غور کرو کہ حضرت اقدس حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی مبارک زندگی کے ایام میں اپنے انفاس قدسیہ سے جو کچھ قلوب میں ایمان و عمل کی حرارت پیدا کی تو وہ آپ کا ایک زندہ معجزہ ہے۔ لیکن اس کے علاوہ دین اسلام کی عظمت و شان کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے اور مسلمانوں کو قومی رنگ میں متحرک و زندہ کرنے کے لئے جو مسلک آپ نے پیش فرمایا وہ طریقِ کار کیسا کاری و کارآمد ہے۔ کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کی کامیابی اس کے اختیار کرنے میں قطعی اور یقینی طور پر مضمر ہے۔ قوم میں پراگندگی و پریشانی کی بجائے اتحاد و اخوت قائم ہوتی ہے۔ اسلام کا قدم کس تیز رفتاری سے آگے بڑھتا ہے غور کرو کہ اشاعتِ اصولِ حقہ کی تحریک کیسی کامیاب تحریک ہے۔ کیسی یقینی و قطعی راہ کامرانی کی ہے کیونکہ ایک طرف دینِ اسلام کی عظمت اس مسلک سے قائم ہوتی ہے۔ تو خود دوسری طرف قوم میں عملی جہاد زمانہ کے لئے زندگی و حرکت پیدا ہوتی ہے کیونکہ یہ طریقِ کار اگر ایک طرف خالصتاً مذہبی و دینی ہے تو دوسری طرف دنیاوی ترقی کا باعث بھی ہے۔ اس لئے کہ جب اشاعتِ حق کے باعث غیر مسلم اقوام حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گی تو کیا وہ مسلم قوم کی دنیاوی ترقی کے مقصد کو نظر انداز کر دیں گی؟ سوچو کہ کیا یہ طریقِ کار جو بند نہیں بلکہ کھلا ہے اور جس کی نسبت ذرہ بھر شبہ نہیں بلکہ کامیابی کا حتمی وعدہ ہے۔ اور جو صرف وعدہ ہی نہیں بلکہ تجربہ سے آزمایا جا کر لاشک کامیابی لانے کا موجب ہو چکا ہے۔

کیا یہ مسلک حضرت اقدسؑ کی زندگی تک ختم ہو گیا؟ کیا اب اس پر چلنے کی ویسی ہی ضرورت موجود نہیں جیسے آپ کی زندگی میں تھی؟ کیا اب اس مقصد کا حصول ممکن ہے سوائے اس کے مجدّدِ وقت کے دامن سے فیض حاصل کیا جائے؟ کیا مسلمانوں اور اسلام کی کامیابی کا اس وقت کوئی اور راستہ کھل گیا ہے جس پر چل کر حرکت و زندگی پیدا ہونے کے آثار نظر آتے ہوں؟ کیا تمام قسم کی سیاسی و علمی تحریکیں اس خالصتاً دینی تحریک کے سامنے ماند نہیں پڑ گئیں بلکہ کیا وہ سب کی سب ناکام نہیں ہو چکیں؟ کیا خدا تعالےٰ کے زبردست حملے دنیا کو اس طرف نہیں لا رہے کہ اگر نسلِ انسانی کی عافیت درکار ہے۔ تو سچے مذہب میں تلاش کرو؟ کیا خود برسرِ اقتدار اقوام قائل نہیں ہوتی جاتیں کہ انہیں اگر کوئی نظام تباہی سے بچا سکتا ہے تو وہ اسلام کا نظام ہے؟ کیا خود تحریک اشاعتِ اسلام کی اس وقت سب سے بڑی حاجت و ضرورت نہیں؟ تحریکِ احمدیہ کے اصولوں کو خود مسلمان قوم آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے کیا قبول نہیں کرتی جا رہی؟ اگر ضرورت ہے تو یہ کہ جماعتِ احمدیہ کے افراد اٹھیں اور مسلمانوں کو اس تحریک میں شمولیت کی دعوت دیں۔ اس لئے کہ تحریک اشاعتِ اسلام کی ترقی کا دار و مدار جماعت کی روز افزوں ترقی سے وابستہ ہے۔ یہی وہ تحریک ہے جو اس زمانہ میں خدا تعالےٰ کے اپنے ہاتھوں سے مسلمان قوم کی ترقی کے لئے قائم کی گئی ہے۔

حضرت اقدسؑ نے کیا ہی سچ فرمایا ہے

لائے ما پئے ہر سعید خواہد بود
زہے فتح نمایاں بنام ما باشد
گلے کہ روئے خزاں را نہ بیند ……
بباغ ما است اگر قسمت رسا باشد

(ا ۔ ب)

اسلام تمام انبیاء کا دین ہے اور اس لحاظ سے یہ ایک تاریخی دین ہے یہ سلامتی اور امن کا علمبردار ہے

خطبہ جمعہ۔ مؤرخہ ۲۷ جون ۱۹۷۵ء۔ فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بجامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

شرع لکم من الدین ما وصّی بہ نوحًا والذی اوحینا الیک وما وصّینا بہ ابراھیم وموسٰی وعیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ ——— (الشوریٰ۔ آیت ۱۳) ———

فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ میں نے تمہارے دین کا وہی راستہ ٹھہرایا ہے جس کی وصیّت نوحؑ کو کی تھی۔ اور جو ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے۔ اسی کی وصیّت اور تاکید موسٰےؑ اور عیسٰےؑ کو بھی کی تھی۔ ان اقیموا الدین۔ کہ اسی دین کو قائم رکھنا۔ ولا تتفرقوا۔ اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

یہ اس آیت مبارکہ کا ترجمہ ہے جس میں اللہ جلّشانہ فرماتا ہے، کہ اے مسلمانو وہی دین تمہارے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ جس کے متعلق حضرت نوحؑ اور ابراھیمؑ اور موسٰےؑ اور عیسٰےؑ نے وصیّت کی تھی۔ یعنے اسلام کوئی نیا دین نہیں ہے۔ یہ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ہے۔ دنیا کے سب سے پرانے اور تاریخی نبی حضرت نوحؑ اور ابراھیم علیہم السلام ہوئے ہیں۔ وہ یہودیوں اور نصرانیوں کے نزدیک بھی قابلِ قدر اور لائق متابعت ہیں۔ ان کا بھی یہی دین تھا۔ اب یہی دینِ فطرت حضرت نبی کریم صلعم کو دیا گیا ہے۔

پہلے انبیاء صرف اپنی اپنی قوموں اور علاقوں کے لئے مبعوث ہوا کرتے تھے۔ اور اپنی اپنی قومی اور علاقائی ضرورتوں کے مطابق خدا کے عطا کردہ دین کی تلقین کرتے تھے۔ لیکن اب جبکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دین کو کامل کر دیا گیا۔ اور آپؐ ساری دنیا کی طرف مبعوث ہو کر تشریف لائے، تو آپ کی مخاطب ساری دنیائے انسانیت ہے۔ آپ کا پیغام قیامت تک کے لئے ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر النّاس علیھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اور دینِ اسلام کو فطرت کے مطابق دکھا گیا ہے۔ اس لئے اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب سچا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ فطرتِ انسانی کے مطابق نہیں ہیں۔ اسلام تمام کائنات کا دین ہے۔ سورج اور قمر اور ستارے بھی اسی دین کے تابع ہیں۔ اسلام کے معنی ہی فرمانبرداری کے ہیں۔ اسلام کے تابع ہو کر کوئی ٹیڑھا چل ہی نہیں سکتا۔

اسلام چونکہ تمام انبیاء کا دین ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک تاریخی دین ہے، جو سلامتی اور امن کا علمبردار ہے۔ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس آیت میں تمام انبیاء کرام کو اس دین کی وصیّت کرنے کا ذکر ہے۔ جو محمد صلعم کے ذریعہ دنیا کو دیا گیا۔ اس دین میں تمام انبیاء کی صداقت تسلیم کر کے قوموں کے اتحاد کی جانب ایک واضح قدم اُٹھایا گیا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسی بھی قوم کے پیشوا کو بُرا نہیں کہا۔ بلکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ولکلّ قومٍ ھاد۔ کہ سب قوموں کی طرف ہادی اور پیغمبر آئے۔ نیز فرمایا اٰمن الرسول بما اُنزل الیہ من ربّہ والمؤمنون کلّ اٰمن باللّٰہ والملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ۔ اللہ کا رسول اور تمام مؤمن سب رسولوں، ان کی کتابوں اور فرشتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اس اعلان میں بڑی کشش اور رغبت ہے۔ اور یہ مختلف قوموں کے اندر اتحاد کا بہترین نسخہ اور ذریعہ ہے۔ ساری قوموں کی جانب مبعوث شدہ پیغمبروں اور ان کی کتابوں پر ایمان لانے سے یک جہتی اور اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ یہ نسخہ اتفاق و اتحاد ساری انسانیت کے لئے رحمت ہے۔

وان من امّۃ الا خلا فیھا نذیر۔ کوئی قوم ایسی نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ حضور صلعم کی تعلیم نے سب پیغمبروں کی تعلیم کو اکٹھا کر دیا۔

یہ ایسا معقول اور قابلِ عمل اور انسانیت کو اس کے حقیقی مقام یعنے رضائے الٰہی کے حصول کی منزل تک پہنچانے والا دین ہے۔ جو دِلوں کو اپیل کرتا ہے۔ آج بڑے بڑے غیر مسلم اعلےٰ تعلیم یافتہ لوگوں نے بھی محسوس کیا ہے۔ کہ دین اسلام فطرتِ انسانی کے مطابق ہے۔ پیغمبر اسلامؐ ساری دنیا کے لئے رحمت ہیں۔ آپؐ کے سامنے دنیا کی ایک پسماندہ اور اُجڈ ترین قوم تھی۔ مگر حضور صلعم اس کی اصلاح کی کوشش میں کامیاب ہوئے اور اپنے مشن کو مکمل فرمایا۔

یہ بڑے اعلےٰ درجہ کا دین ہے۔ جو انسان کو بڑے اونچے مقام پر پہنچانا چاہتا ہے۔ اس دینِ اسلام کی بدولت عرب کے بُت پرست ساری دنیا کے بادشاہ بن گئے۔ صبغۃ اللّٰہ۔ وہ الٰہی رنگ پکڑ گئے اور الٰہی صفات کا نمونہ بن گئے وہ جہاں جہاں بھی گئے۔ اسی نیک نمونہ اور بہتر اوصاف کو اپنے ساتھ لے گئے لوگوں نے انہیں عمل کے لحاظ سے فرشتہ پایا۔ تم بھی اسی رسول کی اُمّت ہو۔ تم نے اس صدی کے مجددؒ کے ہاتھ پر دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کا عہد دہرایا ہے۔ پس خبردار ہو جاؤ۔ تمہارے اعمال میں تخلقوا باخلاق اللّٰہ کا جلوہ نظر آئے۔ اس سے آگے اور کوئی مقام نہیں ہے۔

تمہارے اہل و عیال، ہمسائے اور دوست غرضیکہ سب لوگ گواہی دیں کہ یہ ایک خدا کے ماننے والا ہے۔ نفرت والے کاموں سے پرہیز اور نیک کاموں سے محبت کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کی تلقین ہے کہ میری صفات اپنے اندر پیدا کرو۔ رسُول کی بعثت کا یہی مقصد ہے اور مجدّد کا بھی یہی نصب العین ہے کہ انسان اپنی زندگی میں الٰہی صفات کا مظاہرہ کریں۔ مخلوق خدا کے ساتھ رحم سے پیش آئیں۔ اپنے حسنِ سلوک سے ماتحتوں اور زیردستوں کے دلوں میں جگہ پکڑیں۔ آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلعم تک ہر نبی کا یہ منشاء رہا ہے۔ کہ ایک ایسی خدا نما قوم پیدا ہو جائے۔ جس کی زندگی میں الٰہی صفات نظر آئیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے انہی تعلیمات کو زندہ کیا۔ آپؑ کے گرد نیک لوگ جمع ہو گئے۔ جن کے نیک اعمال سے غیر مسلم بھی متاثر ہوئے۔

پس تم بھی ایسی زندگی بسر کرو جس میں خدا نظر آئے۔ اسلام اور تمہارے امام کا نام روشن ہو۔ تخلقوا باخلاق اللّٰہ اور صبغۃ اللّٰہ ومن احسن من اللّٰہ صبغۃ کا نمونہ بنو۔ اس سے آگے کوئی درجہ نہیں ہے۔

سانحۂ ارتحال اخبار مکمل ہو چکا تھا۔ کہ سیالکوٹ چھاؤنی سے مکرم شیخ انعام اللہ صاحب کی فوتیدگی کی افسوسناک اطلاع ملی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

آپ بڑے مخلص۔ خاموش فرد جماعت اور سلسلہ احمدیہ کے فدائی تھے۔ آپ کی وفات ایک قومی نقصان ہے۔ ہمیں اس صدمہ میں مرحوم کے جملہ لواحقین سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ (ادارہ)

گاہے گاہے باز خواں ——— آج سے نصف صدی پیشتر

آج اگرچہ پاکستان اسمبلی نے سیاسی مصالح و مقاصد کے حصول کی خاطر جماعت احمدیہ لاہور کو بھی غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا ہے، لیکن آج سے قریباً نصف صدی پیشتر مسلمانوں کے بیشتر مقتدر حضرات اس جماعت کو کس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کے کارناموں کو کس طرح دینِ اسلام کی خاطر مفید پاکر سراہتے تھے اس کا کچھ اندازہ اس تعزیتی جلسہ کی کاروائی سے ہو سکتا ہے جو جنوری ۱۹۳۳ء میں اسلامیہ کالج لاہور حبیبیہ ہال میں حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم کی وفات حسرت آیات پر منعقد ہوا تھا۔ اخبار 'پیغام صلح' مجریہ ۸ر جنوری ۱۹۳۳ء میں جو کاروائی چھپی تھی وہ من و عن درج کی جاتی ہے۔ نیز وہ نظم جو اس موقعہ پر حکیم احمد شجاع صاحب مرحوم نے پڑھی تھی من و عن دوسرے صفحہ پر اقتباس کی جاتی ہے۔ اس تقابل سے بآسانی سمجھ آسکتا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات میں زمانہ کے تغیر سے کس قدر جلد تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ (ادارہ)

مسلمانانِ لاہور کا عظیم الشان تعزیتی جلسہ

حضرت خواجہ صاحب کی وفات پر اظہار افسوس و ہمدردی

۸ر جنوری ۱۹۳۳ء بروز اتوار تین بجے دوپہر حبیبیہ ہال (اسلامیہ کالج) میں حضرت خواجہ صاحب کی وفات پر اظہار افسوس و ہمدردی اور دعائے مغفرت کرنے کے لئے مسلمانان لاہور کا ایک عظیم الشان جلسہ بصدارت آنریبل سر شہاب الدین صاحب بالقابہ صدر پنجاب کونسل منعقد ہوا اس کے داعیان میں لاہور کے تقریباً تمام مقتدر مسلمان شامل تھے۔ حاضرین میں سے سر فیروز خاں صاحب نون بالقابہ وزیر تعلیم۔ سر عبدالقادر صاحب بالقابہ جج ہائیکورٹ۔ جناب بیرن عمر ایرنفلز۔ جناب نواب شاہنواز خان صاحب آف ممدوٹ ملک برکت علی صاحب۔ خلیفہ شجاع الدین صاحب۔ مولوی غلام محی الدین صاحب وکیل، شیخ عظیم اللہ صاحب وکیل، سیکرٹریاں حمایت اسلام لاہور۔ خان بہادر شیخ امیر علی صاحب پنشنر سیشن جج۔ حکیم احمد شجاع صاحب آغا محمد صفدر صاحب، حضرت امیر ایدہ اللہ۔ حضرت مولانا صدرالدین، مولوی سید ممتاز علی صاحب ایڈیٹر تہذیب نسواں۔ سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول لاہور۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب صاحب۔ ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، ملک محمد امین صاحب وکیل اور پروفیسر عبدالمجید صاحب کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔ سب سے اول حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے قرآن کریم کی تلاوت کی اس کے بعد محمد صدیق صاحب نے نہایت خوش الحانی سے نعت پڑھی۔

صاحب صدر کی تقریر بعد ازاں صاحب صدر نے فرمایا کہ حاضرین میں سے اکثر اصحاب خواجہ صاحب مرحوم کو جانتے ہوں گے۔ لیکن ایسے بہت کم ہوں گے جو مرحوم سے اتنے طویل عرصہ سے واقف ہوں جتنے عرصہ سے میری ان کی دوستی تھی۔ ہم نے اکٹھے ہی انٹرنس پاس کیا۔ اس کے بعد وہ مشن کالج اور میں گورنمنٹ کالج میں داخل ہو گیا۔ اتفاق کی بات بی اے کے امتحان میں بھی ہم نے ایک ساتھ کامیابی حاصل کی اور وکالت کا امتحان مرحوم نے مجھ سے ایک سال قبل پاس کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے چھ سال تک پشاور میں وکالت کی اور اس جگہ ان کا بہترین قانون دانوں میں شمار ہونے لگا۔ چونکہ بعض مقدمات کے سلسلے میں انہیں بار بار لاہور آنا پڑتا تھا اس لئے مستقل طور پر لاہور ہی میں قیام پذیر ہو گئے۔ یہاں بھی انکی وکالت خوب چمکی اور انہوں نے مالی اور شہرت کے لحاظ سے کافی کامیابی حاصل کی۔ لیکن مذہب کی خدمت کا مرحوم کو شروع سے شوق تھا اور میں بے تکلف دوست کی حیثیت سے انہیں بارہا کہتا رہا کہ آپ وکالت کا کام کریں یا مذہب کے لئے وقف ہو جائیں۔ آخر کار انہوں نے مجھے ایک روز کہا کہ میں نے آپ کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے اپنے تئیں مذہبی خدمت کے لئے وقف کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد وہ بالکل بے سر و سامانی کی حالت میں تبلیغ اسلام کے لئے ولایت روانہ ہو گئے۔ دیارِ مغرب میں مرحوم نے جو محیر العقول کامیابی حاصل کی جو انقلاب انگیز کام کیا وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم مرحوم کی بے وقت موت پر اظہار افسوس و ہمدردی اور دعائے مغفرت کرنے کے علاوہ اس کام کو بھی جاری رکھنے کے لئے کوشش کریں جو مرحوم نے شروع کیا اور جس کے لئے اپنی جان تک دے دی۔ صاحب صدر کے بعد سر عبدالقادر نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ خواجہ صاحب مرحوم شروع سے نہایت ذہین اور محنتی تھے۔ اگر وہ وکالت کا کام جاری رکھتے تو دنیوی لحاظ سے بہت زیادہ ترقی کرتے، میں انہیں طویل عرصہ سے جانتا ہوں۔ نوجوانی میں وہ پاکیزہ اور ادبی مذاق کے مالک تھے۔ ان کی نظم و نثر دونوں سے واقف ہوں۔ تقریر بھی وہ خوب کرتے تھے لیکن سب سے زیادہ ان کا یہ کارنامہ قابلِ ذکر و شکریہ ہے کہ انہوں نے سب سے اول دیارِ مغرب میں تبلیغ اسلام کی ابتداء کی۔ ووکنگ میں میں نے خود جاکر دیکھا ہے وہاں نہایت مفید کام ہو رہا ہے۔ مرحوم کو خدمتِ اسلام کا عشق تھا۔ انہوں نے اس راستے میں اپنا سب کچھ نثار کر دیا۔

بعد ازاں سر فیروز خان نون بالقابہ وزیر تعلیم نے اظہار افسوس و ہمدردی کی تجویز کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ مجھے ایامِ انگلستان میں خواجہ صاحب سے نیاز حاصل ہوا۔ اس وقت میں نوجوان تھا اور مذہب سے متعلق مجھے بہت سے شکوک پیدا ہو گئے تھے لیکن خواجہ صاحب مرحوم کی ملاقات اور کتب نے مجھے اسلام پر قائم رکھا ورنہ خطرہ تھا کہ میں عیسائی ہو جاؤں۔ میرے خیال میں مرحوم نے مسلمانوں کے لئے جو مفید کتب تحریر فرمائی ہیں وہ ان کی سب سے بڑی خدمتِ اسلامی ہے۔

پیش کردہ ریزولیوشن مندرجہ ذیل الفاظ پر مشتمل تھا۔

"مسلمانانِ لاہور کا یہ اجتماع خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام کی شاندار اسلامی خدمات کا اعتراف کرتا ہے اور ان کی مغفرت کے لئے درگاہ رب العزت میں بخشوع و خلوص ملتجی ہے اور ان کے پسماندگان سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔"

حضرت امیر کی تقریر اس کے بعد حضرت امیر نے ایک مختصر تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ خواجہ صاحب کے حالاتِ زندگی میرے دو کرم دوستوں یعنی صاحب صدر اور سر عبدالقادر بالقابہ نے بیان فرما دیئے ہیں۔ خواجہ صاحب مرحوم مشن کالج کے طالب علم تھے۔ عیسائی درسگاہوں میں دو قسم کے طالب علم ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جن میں غیرت اسلامی دوسرے مسلمانوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرے وہ جو عیسائیت کا اثر قبول کر لیتے ہیں۔ خواجہ صاحب مؤخر الذکر لوگوں میں سے تھے اور قریب تھا کہ وہ عیسائی ہو جائیں لیکن ان کی ملاقات ایک مردِ کامل (حضرت مرزا صاحب) سے ہوئی اس سے خواجہ صاحب میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا حتیٰ کہ انہوں نے عیسائیت کو مغلوب کر لیا۔

یورپ و امریکہ کے عیسائی مشنری ہمارے ملک اور دوسرے دنیا کے تمام ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے زبردست جد و جہد کر رہے ہیں۔ خواجہ صاحب موجودہ زمانے میں پہلے انسان تھے جنہوں نے دیارِ مغرب میں جاکر اسلام کا پیغام پہنچایا۔ لیکن عیسائی مشنریوں اور خواجہ صاحب میں فرق ہے۔ عیسائی مشنریوں کے ساتھ تنظیم اور روپیہ کی زبردست طاقت ہے ان کی قوم اربوں روپے عیسائیت کی تبلیغ پر خرچ کرتی ہے۔ لیکن خواجہ صاحب نے مفلسی کی حالت میں یہ قدم اٹھایا اور فتح حاصل کی۔ یہ ایک شخص کا اثر تھا جس نے مرحوم کو تبلیغ اسلام کا دیوانہ کر دیا۔ یہ خدا اور رسول پر ایمان اور اسلام کے غالب آنے کا یقین تھا جس نے مرحوم میں اس قدر عظیم الشان طاقت پیدا کر دی۔ خواجہ صاحب نے بے شک کافی تعداد میں انگریز مسلمان کئے جن میں سے اکثر بلند دنیوی و علمی درجہ رکھتے تھے۔ لیکن مرحوم نے اس سے بڑا کام یہ کیا کہ مغربی ممالک میں اسلام کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں ان کو بڑی حد تک دور کر دیا۔ مرحوم کے فرزند اور بیگم صاحبہ اور دوسرے رشتہ داروں سے بے شک آپ کی ہمدردی ہونی چاہیئے۔ لیکن انکے حقیقی

حضرت خواجہ کمال الدین صاحبؒ جنہوں نے ۱۹۱۲ء میں انگلستان میں سب سے پہلے علم تبلیغ بلند کیا اور کئی ممتاز انگریزوں کو مسلمان کیا۔

خواجہ کمال الدین

نتیجۂ فکر حکیم احمد شجاع ایوبی الانصاری۔ بی اے (علیگ) اسسٹنٹ سیکرٹری پنجاب لیجسلیٹو کونسل

کمال الدین اے اسلام کے عاشق مبارک ہو　　تجھے تکمیل مقصد کر کے دنیا سے سفر کرنا
[illegible]کسے بخت رسا تجھ سا میسر ہے زمانے میں　　خدا کے واسطے جینا خدا کے واسطے مرنا

فقیر بے نوا ہو کر کیا تسخیر ملکوں کو　　کچھ ایسا جوشِ ایماں تھا کچھ ایسی تجھ میں ہمت تھی
ترے قلبِ صفا پرور میں تیرے دست و بازو میں　　ولید و عقبہ و موسےٰ و طارق کی شجاعت تھی

ترا عزمِ صمیم اس نورِ ایماں سے منور تھا　　کیا فاران کی چوٹی سے جس نے اک جہاں روشن
خدا چاہے تو اک دن نورِ عرفاں کی تجلی سے　　کریں گے تیرے شیدائی زمین و آسماں روشن

لیے بخت رسا تو عازمِ مغرب ہوا جس دن　　خدا کا نام اور اس کا پیامِ آخریں لے کر
کسے معلوم تھا آئے گا اتنا شادماں ہو کر　　جو جاتا ہے دیارِ غیر میں قلبِ حزیں لیکر

تری تکبیر سے گونجی فضائے مشرق و مغرب　　ہوئے تثلیث کے شیدا آشنا سا ذاتِ احد سے
سبق بھولا ہوا پھر ذہنِ انساں میں کیا تازہ　　ہوا نزدیک تر معبودِ واحد عبدِ عابد سے

تو ایثارِ مجسم تھا تو اک مردِ مجاہد تھا　　بڑھا مغرب میں تو بانگ درائے کارواں ہو کر
نتیجہ اپنی محنت کا خود اپنی آنکھ سے دیکھا　　نہیں جاتی کسی کی اتنی محنت رائیگاں ہو کر

زمانہ لاکھ سر پٹکے مگر اب مٹ نہیں سکتا　　نشاں توحید کا مغرب میں جو تو چھوڑ آیا ہے
وہ معبد کفر و مستی کے صنم باطل پرستی کے　　خدا شاہد ہے اپنے ہاتھ سے توڑ آیا ہے

تری اس خاک کے ذروں سے پیدا ہونے والی ہے　　وہ امت دعوتِ حق دے گی جو اقوامِ عالم کو
بنی آدم کی ذہنیت کو جو بیدار کر کر کے　　دلوں پر نقش کر دے گی خدا کے اسمِ اعظم کو

مرحوم کے وہ رفقائے کار بھی ہیں جو انگلستان کے علاوہ جرمن اور دوسرے ممالک میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ممدوح نے مرحوم کی تصنیفات، جرمن مشن، اور جناب بیرن عمر ایہرنفلز کا بھی مختصر الفاظ میں ذکر کیا۔

حکیم احمد شجاع صاحب کی نظم حضرت امیر کی تقریر کے بعد جناب حکیم احمد شجاع صاحب نے ایک پر اثر نظم پڑھی (جو اسی صفحہ پر درج ہے) ان کے علاوہ ایک نوجوان شاعر سید امداد علی شاہ صاحب امداد نے مرثیہ پڑھا۔

دوسرا ریزولیوشن بعد ازاں جناب خلیفہ شجاع الدین صاحب نے تجویز پیش کی کہ مرحوم کی یادگار کے طور پر ایک میموریل فنڈ قائم کیا جائے اور اس فنڈ کا سرمایہ ووکنگ مسلم مشن کے اغراض و مقاصد کی تکمیل پر صرف کیا جائے اور اس کے (فنڈ) انتظام کیلئے ایک کمیٹی بھی بنائی جائے جس کے لئے مقتدر مسلمانوں کے نام پیش کئے گئے تقریر کرتے ہوئے خلیفہ صاحب نے فرمایا کہ جب خواجہ صاحب قیام مشن کے لئے پہلی مرتبہ ولایت گئے تو میں انگلستان میں طالب علم کی حیثیت سے موجود تھا۔ مجھے نہایت ندامت سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ میں نے اس وقت اس عظیم الشان مقصد کی مخالفت کی کیونکہ میں اس کو ناممکن خیال کرتا تھا۔ لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میں غلطی پر تھا۔ میری پرورش ایسے احول میں ہوئی تھی جس میں احمدیت کے خلاف کچھ تعصب پایا جاتا تھا لیکن میں نے دیکھا کہ ہم جماعت احمدیہ لاہور سے نبوت وغیرہ کے مسائل میں متفق ہیں۔ ملک برکت علی صاحب ایڈووکیٹ نے اس ریزولیوشن کی تائید کی یہ امر بھی قابل ذکر ہے

[illegible]ظم میں حضرت خواجہ صاحب کو خراج تحسین ادا کیا (دعائے مغفرت کے بعد جلسہ ختم ہوا)

محترم میاں بشارت احمد بقا صاحب۔ بی۔ اے راولپنڈی

سوادِ اعظم علماء کی اپنی نظر میں

تکفیر بین المسلمین علماء ظاہر کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ اس پر ان کے حلوہ مانڈہ کا انحصار ہے۔ جس عالم کا فتوئے تکفیر چلتا ہو وہ علامہ دہر کہلاتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ علماء ظاہر نے اسلام کی کبھی بھی کوئی مثبت خدمت سرانجام نہیں دی۔ ان کی انا، تند خوئی اور خودستائی و خود پرستی سے اسلام کو ہمیشہ نقصان پہنچا ہے۔ اس نے کبھی دل سے پسند نہیں کیا کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

بلکہ اس طبقہ نے مسلمانوں میں تشتت و افتراق پیدا کرکے اپنے اقتدار کو ہمیشہ کے لئے محفوظ و مصئون کیا ہے۔ اگر مسلمان سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور اخلاقی بحران کا شکار ہو جائیں۔ تو علماء کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ لیکن جہاں کہیں کسی نے ان کے مخصوص مسلک کی خلاف ورزی کی۔ وہیں وہ شخص راندۂ درگاہِ خداوندی قرار دے دیا جاتا ہے۔

گذشتہ سال ان علماء نے عوام کو بھڑکا کر ملک بھر میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ جس سے مال و جان اور آبرو کا کافی اتلاف ہوا۔ حکومت کے لئے قانون کی فرمانروائی اور امنِ عامہ قائم کرنے میں سخت دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ صورت حال پر قابو پانے کے لئے حکومت کو علماء اور عوام کے مطالبہ کے آگے سر جھکانا ہی پڑا۔ اور اس نے جماعت احمدیہ کو کلمہ گو ہونے اور باقی چار ارکانِ دین پر عامل ہونے کے باوجود آئینِ پاکستان کی رُو سے غیر مسلم قرار دے دیا۔ حالانکہ اس جماعت نے حمایت اسلام اور تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں جو قربانیاں اور ایثار کیا ہے، اور جو قیمتی لٹریچر پیدا کیا ہے۔ اس کی نظیر سارے عالمِ اسلام میں نہیں ملتی۔ حکومت کے اس فیصلہ پر ہمارا ردِ عمل شدید ہونا لازمی ہے کیونکہ جب ہم بفضل خدا مسلمان ہیں۔ اور اپنے امام علیہ السلام کی زبان میں جب ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ

ما مسلمانیم از فضلِ خدا — مصطفےٰ مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام — ہر نبوت را بروشد اختتام
آں کتابِ حق کہ قرآں نام اوست — بادۂ عرفانِ ما از جامِ اوست
یک قدم دُوری ازاں روشن کتاب — نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

تو مسلمان ہونے کے باوجود محض علماء ظاہر اور عوام کے ناجائز مطالبہ پر غیر مسلم اقلیت بن جانا کیونکر گوارا کیا جا سکتا ہے۔ یہ کیسا دردناک المیہ ہے۔ کہ دینی اختلافات آج عوام کی صوابدید سے طے ہونے لگے ہیں۔ وہ عوام جنہیں اسلام کی الف بے نہیں آتی۔ اور وہ علماء جن کا مسلک عمر بھر تخریب کاری رہا ہے جن کی حالت کا نقشہ جو ہمارے سید و مولا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ پڑھ کر ایک غیور اور خدا پرست مسلمان مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتا ہے خدا کی شان آج یہ لوگ قاضی بنے بیٹھے ہیں۔

ان علماء ظاہر کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی رائے جو انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب تذکرہ میں برسوں پہلے تحریر فرمائی تھی۔ ملاحظہ ہو:-

"سانپ اور بچھو ایک سوراخ میں جمع ہو جائیں گے۔ لیکن علماء ظاہر پرست کبھی ایک جا اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ کتوں کا مجمع ویسے تو خاموش رہتا ہے۔ لیکن ادھر قصائی نے ہڈی پھینکی اور ادھر ان کے پنجے اور دانت [illegible] ہو گئے۔ یہی حال ان سگانِ دنیا کا ہے۔ ساری باتوں میں متفق ہو سکتے ہیں لیکن دنیا کی ہڈی یہاں سڑ رہی ہو۔ وہاں پہنچکر اپنے پنجوں اور دانتوں پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ ان کا سرمایۂ ناز علم حق نہیں ہے۔ جو تفرقہ مٹاتا اور اتباع سبل متفرقہ کی جگہ ایک ہی صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔ بلکہ یکسر علم جدل و خلاف ہے۔ نفس پرستی اس کی کثافت کو خمیر دیتی ہے اور دنیا طلبی کی آگ اس ناپاکی کے بخارات کو اور زیادہ تیز کرتی رہتی ہے۔ فساق و فجار خرابات میں بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کی تندرستی کا جام پیتے ہیں......

چور اور ڈاکو مل جل کر رہزنی کرتے ہیں۔ مگر یہ گروہ خدا کی مسجد میں اور زہد و عبادت کے صومعہ و خانقاہ میں بیٹھ کر بھی متحد و یک دل نہیں ہو سکتا۔ اور ہمیشہ ایک دوسرے کو درندوں کی طرح چیرتا پھاڑتا اور پنجے مارتا رہتا ہے۔ میکدوں میں محبت کے ترانے اور پیار اور اُلفت کی باتیں سننے میں آ جاتی ہیں۔ مگر عین محراب مسجد کے نیچے پیشوائی اور آقامت کے لئے ان میں سے ہر ایک دوسرے کی گردن کی طرف بڑھتا ہے۔ اور خونخواری کی ہر آنکھ دوسرے بھائی کے خون پر لگی ہوتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے احبار اور یہود سے فرمایا تھا۔ "تم نے داؤد کے گھرانے کو ڈاکوؤں کی بھٹ بنا دیا ہے۔ ڈاکوؤں کی بھٹ کا حال تو معلوم نہیں لیکن ہم نے مسجدوں کے صحن میں بھیڑیوں کو ایک دوسرے پر غراتے اور خون آشام دانت مارتے دیکھا ہے۔"

(تذکرہ صفحہ ۱۰۴ — ۱۰۵ — بحوالہ رسالہ الفتح کراچی ۱۳ر جون ۱۹۷۵ء)

احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے میں جو کردار آجکل کے علماء ظاہر پرست نے ادا کیا ہے وہ غیر متوقع نہیں تھا۔ لیکن جن علماء کی اخلاقی، ذہنی اور عملی حالت وہ ہو جس کا فوٹو مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے پیش کیا ہے۔ اگر ان کے مطالبہ کے آگے حکومت سرنگوں ہو گئی ہے۔ تو یہ اس کے وقار کے صریحًا منافی ہے۔ ایسا مطالبہ کرنے والے کوئی حق پرست، خدا خوف اور عابد زاہد اکابر دین نہیں ہو سکتے تھے جن کی گردنیں خدا اور رسول کے احکام کے آگے جھکتی ہیں۔ اور جو اقامت دین کے لئے کسی قربانی سے کبھی دریغ نہیں کرتے۔

اب ذرہ عوام کی طرف آیئے۔ جسے سوادِ اعظم کے نام سے پکارا جاتا ہے: اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں، یہ آپ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی زبان سے سماعت فرمایئے:-

"دنیا میں جو مسلمان پائے گئے ہیں یا آج پائے جاتے ہیں۔ ان سب کو دو حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم کے مسلمان وہ جو خدا اور رسول کا اقرار کرکے اسلام کو بحیثیت اپنے مذہب کے مان لیں۔ مگر اپنے اس مذہب کو اپنی کلی زندگی کا محض ایک جزو اور ایک شعبہ ہی بنائے رکھیں۔ اس مخصوص جزو اور شعبے میں تو اسلام کے ساتھ عقیدت ہو۔ لیکن فی الواقعہ ان کو اسلام سے کوئی علاقہ نہ ہو۔ دوسری قسم کے مسلمان وہ ہیں۔ جو اپنی پوری شخصیت کو اور اپنے سارے وجود کو اسلام کے اندر پوری طرح دے دیں۔ ان کی ساری حیثیتیں ان کے مسلمان ہونے کی حیثیت میں گم ہو جائیں..........یہ دو قسم کے مسلمان حقیقت میں بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ چاہے قانونی حیثیت سے دونوں پر لفظ مسلمان کا اطلاق یکساں ہو۔"

(روداد جماعت اسلامی حصہ سوم۔ صفحہ ۷۸ تا ۸۰)

اپنی کتاب مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۱۰۴ — ۱۰۵ پر مولانا ارشاد فرماتے ہیں۔

"یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے۔ اس کا حال یہ ہے۔ کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں۔ نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ ان کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے۔"

سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی ایک تقریر میں جو احرار کے اخبار آزاد میں ۹ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو چھپی تھی۔ اسلام اور کمیونزم کا تقابلہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

"مقابلہ تو تب ہو کہ اسلام کہیں موجود بھی ہو۔ ہمارا اسلام؟ ہم نے اسلام کے نام پر جو کچھ اختیار کر رکھا ہے۔ وہ تو صریح کفر ہے۔ ہمارے دل دین کی محبت سے عاری۔ ہماری آنکھیں بصیرت سے ناآشنا اور کان سچی بات سے گریزاں۔

بیدلی ہائے تماشہ کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ہمارا اسلام؟

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

یہ اسلام جو ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔ کیا یہی اسلام ہے جو نبی نے سکھایا تھا

کیا ہماری رفتار، گفتار کردار میں وہی دین ہے جو خدا نے نازل کیا ہے ......
یہ روزے یہ نمازیں جو ہم میں سے بعض پڑھتے ہیں۔ ان کے پڑھنے میں ہم کتنا وقت صرف کر رہے ہیں۔ جو مصلّے پر کھڑا ہے۔ وہ قرآن سنانا نہیں جانتا۔ اور جو سنتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ کیا سُن رہے ہیں۔ اور باقی ۲۳ گھنٹے ہم کیا کرتے ہیں میں کہتا ہوں گورنری سے گداگری تک مجھے ایک بات ہی بتلاؤ جو کہ قرآن اور اسلام کے مطابق ہوتی ہے۔ ہمارا تو سارا نظام کفر ہے۔ قرآن کے مقابلہ میں ہم نے ابلیس کے دامن میں پناہ لے رکھی ہے۔ قرآن صرف تعویذ کے لئے۔ قسم کھانے کے لئے ہے۔"

شاہ صاحب نے اپنی اس تقریر میں کسی کو بھی نہیں بخشا۔ نہ نمازیں پڑھنے والوں اور نہ ہی پڑھنے والوں ۔ نہ امراء کو اور نہ عوام کو۔ اور صاف کہدیا ہے ۔ کہ ان مسلمانوں کے پاس نہ دنیا ہے اور نہ دین۔ سب نے ابلیس کے دامن میں پناہ لے رکھی ہے۔

جماعت اسلامی کے ماہنامہ ترجمان القرآن مجریہ جون ۱۹۳۹ء میں ایک مضمون مولانا صدرالدین اصلاحی کا حقیقت نفاق کے عنوان سے چھپا تھا۔ چونکہ اس مضمون میں بھی مسلمانوں کے سواد اعظم کا تجزیہ بڑی وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس لئے چند اقتباسات اس میں سے پیش خدمت ہیں، صلاحی صاحب فرماتے ہیں:۔

اسلام کے مقابلہ میں دو طاقتیں ہمیشہ سے نبرد آزما چلی آرہی ہیں ۔ ایک کفر، دوسری نفاق .... کفر تو اسلام کے مقابلہ میں بے نقاب آتا ہے۔ ڈنکے کی چوٹ، اپنی عداوت کا اعلان کر کے کھلے میدان میں دعوت پیکار دیتا ہے۔ لیکن نفاق پیشانی پر مؤدت وخلت کا لیبل لگا کر اسلام کے گھر میں بیٹھ کر صدہا طریقوں سے اس کی بیخ کنی کرتا ہے۔ اور اس انداز میں کہ نگاہ ظاہر بین کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ پھر غور فرمایئے کہ کفر کے مقابلہ میں نفاق کی خطرناکیاں کتنی زیادہ کتنی بے پناہ اور کیسی کارگر ہوں گی ....

خیر و شر کی کشمکش آج بھی اسی طرح جاری ہے جس طرح ابتدائے اسلام میں تھی ...... اگر چالیس کروڑ مردم شماری کے مسلمانوں کے خلاف اقصائے عالم میں تقریباً پونے دو ارب "ابولہب" پھیلے ہوئے ہیں، تو خود ان چالیس کروڑ کے اندر بھی بے شمار "عبداللہ بن ابی" موجود ہیں ۔ اور دونوں اپنے اپنے طور پر قرآن اور اسلام کی جڑ کھودنے میں منہمک ہیں۔

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:۔

"چالیس کروڑ کے عظیم الشان عدد سے دھوکہ نہ کھایئے ۔ اس تعداد میں حقیقی مسلمان کم اور منافق زیادہ ہیں ۔ اور منافقین کی کثرت نے حقیقی مسلمانوں کی ایمانی طاقت کو بھی بے اثر بنا دیا ہے۔ اس قسم کی کثرت، تعداد اسلام کے لئے وجۂ مسرت نہیں باعث اذیت ہے ۔ یہ دراصل اماس ہے جو اسلام کے جسم کو لاحق ہو گیا ہے ۔ اور اس کے اندر کی رہی سہی واقعی توانائی کو بھی بروئے کار نہیں آنے دیتا ۔ جب وہ حرکت کرنا چاہتا ہے ۔ تو یہ اماس اس کا پاؤں پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے ۔ پس آنکھیں چرانے کا وقت نہیں ۔ مصلحت کوشی اور مداہنت پر ہزار بار لعنت ہو ۔ کفر پر ہاتھ اُٹھانے سے پہلے خود اپنے جسم کے اس زہریلے اماس پر نشتر چلانے کی ضرورت ہے ۔ پرواہ نہ کرنی چاہیئے اگر اس عمل جراحی سے اس موٹے جسم کا کثیر مقدار میں خون نکل جائے ۔ اگر ان چالیس کروڑ قطرہ ہائے خون میں سے تین سو تیرہ صالح قطرے بھی باقی بچ جائیں ۔ تو غم کیوں ہو ۔ وہ اسلام کی عین صحت اور عافیت کا دن ہوگا۔

پھر یوں ارشاد ہوتا ہے۔

" اور ساری باتوں کو چھوڑیئے سب سے بڑا سوال تو یہ ہے۔ کہ ابولہب اور ابوجہل تو اپنا نام خود بتا دیتے ہیں۔ اور ہم انہیں پہچان کر انکے مکاید سے بآسانی بچ سکتے ہیں۔ مگر یہ عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن سبا جو ہماری جماعت میں ایک دو نہیں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں ۔ ان کا پتہ ہم کس طرح چلائیں۔ ان کے نام بھی مسلمانوں کے سے ہیں ۔

ان کی زبانوں سے اسلامی مفاد کے نعرے اور اسلامی درد کے نالے بھی سننے میں آتے ہیں ۔ حتیٰ کہ بسا اوقات یہ ہاتھوں میں تسبیحیں اور بغل میں مصلّے بھی لئے ہوتے ہیں۔ اب کہاں وہ نگاہ نبوت کی معصوم بصیرت ہے جو ان مسلمانیت کا سوانگ بھرنے والوں کی پس پردہ ذہنیتوں کو پڑھ کر ہمیں ان کے شر سے آگاہ کرے گی؟ اور کہاں وہ پیغام رسانی رُوح امین ہے۔ جو ہر موقع پر اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ کہکر ان بلند بانگ دعووں کے فریب سے متنبہ کرے گی ۔ بالخصوص جبکہ ہر شعبہ زندگی پر یہ لوگ "اکابر" اور "زعمائے ملت" بن کر چھائے ہوئے ہیں۔"

مسلمانوں کے سوادِ اعظم کا یہ تجزیہ اور اس پر یہ کڑی تنقید جو آج سے کئی برس قبل عصرِ حاضر کے بہت بڑے زعماء ملت نے کی تھی۔ وہ دراصل واشگاف الفاظ میں اس بات کا کھلا اعتراف ہے کہ پاک و ہند کے علاوہ تمام عالم اسلام کی اخلاقی، روحانی اور ملی حالت نہایت ہی ناگفتہ بہ ہو چکی ہے ۔ عوام و خاص سبھی حقیقت اسلام سے تہیدست ہو چکے ہیں۔ پہلے یہ کہا جاتا تھا ۔ کہ غلام قوموں کا کوئی دین نہیں ہوتا۔ غلامی کے باعث اسلامی ضابطہ حیات پر قدم زن نہیں ہو سکتے۔ آزادی سے حریت فکر و عمل پیدا ہوتی ہے۔ لیکن گذشتہ ربع صدی میں سیاسی سطح پر سارے کا سارا عالم اسلام آزادی کی نعمت سے فیضیاب ہو چکا ہے ۔ مزید براں تیل اور دیگر معدنی خزانوں سے بھی وہ مالا مال ہو چکا ہے ۔ یہاں تک کہ مغربی اقوام بھی آج اس کی دست نگر ہو گئی ہیں۔ اور بڑی بڑی طاقتیں آج اقتصادی طور پر بہت بڑی بحرانی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ مگر مال و دولت کی فراوانی، فرد فرد کی آسودہ حالی خود مختاری اور اپنی حکمرانی کے باوجود بھی آج ملتِ اسلامیہ دنیا بھر میں ریت کے ذروں کی طرح بکھری ہوئی ہے ۔ اگر مذہب کے حوالہ سے اور تہذیبی اور ثقافتی رشتہ کے واسطہ سے اور اسلامی اخوت کے نام پر انہیں یکجا کرنے کی کوئی سعی کی جاتی ہے تو اس کا اثر بالکل عارضی ہوتا ہے ۔ یہ حالت آخر کس بات کی نشاندہی ہے ناکہ خاص و عوام سب کے سب تعلیمات اسلام سے تہی [illegible] روحِ اسلام سے قطعی نا آشنا۔

مولانا صدرالدین صلاحی صاحب نے چالیس کروڑ کے عظیم عدد کو کوئی وقعت اور اہمیت نہیں دی تھی ۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس میں لاکھوں اور کروڑوں عبداللہ بن سبا زعماء ملت کا روپ دھار کر اسلام اور قرآن کی جڑ کھود رہے تھے ۔ اور ملت کی تطہیر کے لئے عمل جراحی کو ناگزیر قرار دیا تھا اور اگر عمل جراحی سے چالیس کروڑ کثیف قطرہ ہائے خون میں سے صرف تین سو تیرہ صالح قطرہ ہائے خون میسر آ جاتے تو اسلام کے لئے وہ دن یوم مسرت ہوتا۔ شاید اسی لئے جماعت اسلامی نے اپنے اراکین کے لئے صالحین کا نام تجویز کیا تھا۔ اس کے منشور سے موافقت رکھنے والے لوگوں کو معاونین اور متفقین کے اصطلاحی نام عطا کئے تھے ۔ اور باقی تمام مسلمانوں کو غیر صالح اور اسمی اور رسمی مسلمان قرار دیا تھا۔ یہ تین سو تیرہ کا عدد اصحابِ بدر کے حوالہ سے لیا گیا ہے۔ جن قدوسیوں نے نہتے اور بے سرو سامان ہونے کی حالت میں محض اپنی ایمانی قوت کے بل بوتے پر ہر طرح کے سامانِ حرب و ضرب سے لیس باطل پر فتح نمایاں پائی تھی۔ قرآن پاک ان سر فروش مجاہدین کی تعریف و توصیف سے بھرا پڑا ہے ۔ جماعتِ اسلامی نے عوام کو یہ تاثر دیا ہے ۔ کہ اس نے اپنی جماعت کو اُن خطوط پر قائم کیا ہے جن پر ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بنیاد رکھی تھی۔ لیکن عملی میدان میں ہم انہیں بالکل دوسرے رنگ میں دیکھتے ہیں۔ موجودہ جمہوریت کو غیر اسلامی قرار دینے کے باوجود زمام حکومت اور اقتدار کی کنجیاں نظامِ باطل کے ہاتھوں سے چھیننے کے لئے اسی غیر اسلامی جمہوریت کا سہارا حاصل کرتے ہیں اور جن عوام کو وہ اسمی اور رسمی مسلمان، عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن سبا سمجھتے ہیں۔ ان کے آگے جھولی پھیلا پھیلا کر ووٹوں کی بھیک مانگتے ہیں ۔ اور اپنی مقصد براری کے لئے باطل کے تخلیق کردہ ہتھکنڈوں کو بالکل جائز قرار دیتے ہیں۔ اس وقت اس جماعت کو تین سو تیرہ کا پاک عدد یاد نہیں رہتا ۔ اور اصولوں پر ہر سمجھوتہ کو قرین مصلحت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ سال جب احمدیوں کو خارج از اسلام اور غیر مسلم

قرار دینے کی مہم شروع ہوئی - اور واقعات سے یہی ثابت ہوتا ہے - کہ اس مہم کے قائلین میں جماعت اسلامی نمایاں تھی - اور اس کے کارکن ہراول دستے کی صورت میں ہر مقام اور سطح پر سرگرم عمل تھے - تو اس جماعت نے عوام کی رائے کو اپنے حق میں ہموار کیا - اور انہیں ایک کمزور اور بے سرو سامان اقلیت پر تشدد اور دہشت گردی کے لئے اکسایا - مقصد یہ تھا کہ ایک طرف عوام میں مقبولیت بڑھ جائے اور دوسری طرف حکومت کے وقار کو اس حد تک دھچکا لگے کہ مخالفت کے ملک گیر طوفان کے اندر وہ خس و خاشاک کی طرح ڈوب جائے - اور حکومت اور اقتدار پر قابض ہونا اس کے لئے سہل ترین عمل ہو جائے -

دوسرے علماء نے بھی اس میدان میں خوب نام پیدا کیا اور احمدیوں کے سوشل بائیکاٹ کو عین ثواب قرار دیا - تشدد اور دہشت گردی کو تعلیم اسلام کے عین مطابق بتلایا گویا وہی امی اور ممی بے عمل اور بدعمل عوام قابلِ احترام مجاہد اور غازی بن گئے - اور علماء کے فتوے نے انہیں اس "کارِ خیر" اور مقدس جہاد میں حصہ لینے کے باعث جنت کا وارث بنا دیا - اب ظاہر ہے کہ اگر محض تعویذ سے کوئی شخص متمول اور دولت مند ہو جائے اور اس کا بڑے سے بڑا دشمن محض دم درود سے کیفر کردار کو پہنچ جائے تو کون احمق اس آسان ترین مجرب نسخہ کو نہ آزمائے گا - اسی طرح اگر مولوی کے فتوے سے ظلم عین ثواب ٹھہرے - لوٹ کھسوٹ مال غنیمت کا مقدس نام پائے - اور جبر و تشدد جہاد ٹھہرے - تو کون احمق ہوگا جو اس قسم کی نفع بخش تجارت کو اختیار نہ کرے گا - خدا کو پانے کے لئے نہ اسے عبادت و ریاضت کی صعوبت ہی اُٹھانی پڑی اور نہ ہی دنیا کی دولت سے گھر بھرنے کے لئے خون پسینہ ایک کرنا پڑا -

مشکوٰۃ شریف کتاب العلم صفحہ ۳۸ پر ایک روایت حضرت علیؓ سے یوں آئی ہے :-

" لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے - کہ اسلام صرف نام کا رہ جائے گا - اور قرآن صرف رسم کے طور پر پڑھا جائے گا - مسجدیں ان کی بظاہر آباد ہوں گی - مگر ہدایت سے خالی ہوں گی - ان کے علماء بد ترین خلائق ہوں گے - انہی میں سے فتنے نکلیں گے اور انہی میں لوٹ کر جائیں گے - "

اس روایت کی صداقت ہم نے آج اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لی ہے - علماء ظاہر پرست پیٹ کے بندے ہیں اور ان کی ساری ہمتیں دنیا پر مرتکز ہیں - اور وہ زمین سے اس طرح چمٹے ہوئے ہیں جیسے گدھ مردار سے - انا للہ وانا الیہ راجعون -

میں نے اوپر علماء ظاہر پرست کی دینی، ایمانی اور اخلاقی حالت اور عوام یعنی سوادِ اعظم کے اجزائے ترکیبی خود ان کے علماء کی زبان سے بیان کردہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی مجمل کوشش کی ہے -

اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ وہ سوادِ اعظم جس کا ایمان خود مشتبہ ہے - اور وہ علماء جنہیں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے "سگانِ دنیا" قرار دیا ہے - اُسے شرعاً اور اخلاقاً یہ کہاں حق پہنچتا ہے کہ وہ اس سے بعض فروعی مسائل میں معمولی سا اختلاف کرنے والی ایک کلمہ گو اور تمام ارکانِ اسلام پر عمل پیرا اور تعلیماتِ اسلام کو اکنافِ عالم میں پھیلانے والی، کفرستانوں میں خدا کے گھر یعنی مساجد تعمیر کرنے والی (جہاں سے پانچوں وقت خدا کی توحید اور رسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہوتا رہتا ہے) جماعت کو خارج از اسلام قرار دے دیں - کیا وہ خدا تعالیٰ کے اس فرمودہ کی تکذیب کے مرتکب نہیں ہوئے -

ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمنًا

اور کیا انہوں نے نبیوں کے سردار پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاک ارشاد کی نافرمانی نہیں کی -

من صلّٰی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ ورسولہٗ -

دینی اختلافات عوام کی صوابدید سے کبھی طے نہیں ہوا کرتے - ہدایت ہمیشہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا کرتی ہے - اور اس معاملہ میں صرف انبیاء اور صلحاء ہی کو حق دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کی رہبری اور رہنمائی کریں - اور جن امور میں لوگ اور علماء اختلاف کرتے ہیں - ان پر وہ خدا تعالیٰ کی عطا کردہ بصیرت سے فیصلے صادر فرمائیں - عوام اور علماء ظاہر پرست نے ہمیشہ اہل حق کی مخالفت کی ہے اور اہل حق کے خلاف فتوے کفر کے دیئے ہیں - بعض اوقات حکومتوں نے بھی عوام اور علماء کا ساتھ دیا ہے - لیکن وقت نے بتا دیا کہ عوام، علماء ظاہر پرست اور حکومتیں جادۂ صواب سے بھٹکی ہوئی تھیں - اور خدا کے مامور اور ان کے متبعین راستی پر تھے - پس تاریخ نے آج بھی اپنے آپ کو دوہرایا ہے - علماء، عوام اور حکومت کی صوابدید سے ہمیں بھی خارج از اسلام غیر مسلم اقلیت ٹھہرایا گیا ہے - لیکن تاریخ جس طرح ایسے واقعات کی بڑی شدت سے مذمت کرتی ہے - انشاء اللہ مستقبل قریب میں اس حالیہ فیصلہ کے خلاف بھی شدید احتجاج کرے گی -

خدا تعالیٰ کے مذکورہ بالا فرمودہ اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہم بفضلِ خدا مسلمان ہیں - اور ہمارا ذمہ اللہ اور اس کے رسول نے اٹھایا ہوا ہے - یہ سوادِ اعظم ہمیں لاکھ کافر ٹھہرائے - اس کے فتوے سے ہم ہرگز کافر نہیں ٹھہرتے - یہ اختیار صرف خدا اور اس کے رسول اکرم کو ہے - جن لوگوں کے دل محبت الٰہی اور اطاعتِ رسول صلعم سے سرشار ہیں وہ اپنے اور دنیا پرست علماء اور عوام کی حکومت برداشت نہیں کیا کرتے - اور قال اللہ و قال الرسول کو اپنی زندگی سے عزیز تر جانتے ہیں - ایسے پاک دل لوگ دنیا میں موجود ہیں اور ایک دن وہ ضرور حکومت کے ظالمانہ فیصلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں گے - اور بہادروں کی طرح کھل کر ہماری مظلومیت کا برسرِ عام چرچا کریں گے اور حق کا بول بالا ہو گا - انشاء اللہ العزیز -

---

سلسلۂ احمدیہ کے قیام کا مقصد - بقیہ ص۲

تمام سعادت اور فراخ دلی خدا تعالیٰ کی اطاعت میں ہے } حقیقی بات تو یہ ہے کہ ہماری نہ تنگ دلی ہمیں فائدہ دے سکتی ہے اور نہ ہماری روشن خیالی ہمیں کامیابی پر پہنچا سکتی ہے - ہماری تمام فلاح و سعادت خداوند تعالیٰ کی اطاعت میں مضمر ہے خواہ وہ بات آپ کی نظروں میں تنگ دلی دکھلائی دے یا وہ روشن خیالی ہو جبکہ خداوند نے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کو اسلام کا جرنیل کرکے بھیجدیا اور اس نے اپنے کارناموں کی وجہ سے تمہاری گردنیں بھی جھکالیں اور تمہارے دل بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ واقعی اسلام کی کامیابی کی یہی راہ ہے - تو پھر یا تو یہ انتہائی جہالت ہے - کہ اس کامیابی کی راہ کو اختیار نہ کیا جائے - اور یا یہ پرلے درجہ کی بزدلی ہے کہ اس میں شمولیت سے گریز کرکے عذر تلاش کئے جائیں - تمہاری مجوزہ آزادی تمہاری بربادی ہے اور تمہاری روشن خیالی بے عقلی ہے اس لئے کہ یہ باتیں تمہیں خداوند تعالیٰ کی اطاعت سے باہر کر رہی ہیں - کیا تم نے نہیں پڑھا کہ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات موتۃ الجاھلیۃ - جو شخص امام زمان کو شناخت نہ کر سکا - وہ جاہلیت کی موت مرے گا؟ کیا قرآن میں نہیں لکھا کہ کونوا مع الصادقین - صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ - اب بتلاؤ کہ وہ انسان جس نے اشاعت کا بھولا ہوا سبق تمہیں یاد دلایا وہ کاذب تھا یا صادق؟ اگر کاذب تھا - تو خدا بھی عجیب ہے جس نے اشاعت کے بھولے ہوئے سبق کو ایک کاذب کے ذریعہ سے تازہ کیا - اور اگر صادق ہے تو پھر قرآن کا حکم ماننے کو تم فرقہ بازی اور تنگدلی کہتے ہو اور اس کے انحراف کا نام روشن خیالی و فراخ دلی رکھتے ہو!!! تم اپنی فراخ دلی پر ماتم کرو - کیونکہ اگر ایسی ہی ذہنیت کا نام فراخ دلی ہے تو تم ابھی تنگ دل ہو - کیونکہ فراخ دل تو وہ فری تھنکر ہیں جو ہر قسم کے جھگڑوں سے آزاد ہو چکے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ خدا کی اطاعت اور مخلوق کی ہمدردی تو ہر انسان پر فرض ہے - مگر یہ کونسی عقلمندی ہے کہ فلاں مذہب کو قبول کرو اور فلاں عبادت - بجالاؤ مطلب تو اتحادِ نسلِ انسانی ہے اور اتحادِ نسل انسانی کی سب سے آسان راہ یہ ہے کہ ہر شخص مذہب سے آزاد ہو جائے - کیا ایسے فری تھنکر اصحاب یہ اعتراض اسلام پر نہیں کرتے - کہ اسلام دعویدار تو اتحادِ نسلِ انسانی کا ہے مگر اپنی اسی تبلیغ کے ذریعہ دنیا میں تفرقہ پھیلا رہا ہے - لہٰذا ابھی ہمارے روشن خیال اصحاب آزادی کی صحیح منزل تک نہیں پہنچے - ورنہ وہ ہر قسم کے مذہب و عقائد اور اعمال سے توبہ کر بیٹھیں - اور اسلام ہی کو سلام کہیں - اور یقین جانئے کہ آخری نتیجہ اس قسم کی ذہنیت کا یہی لامذہبی ہے جس نے دنیا کے امن و عافیت کو آگ لگا رکھی ہے ؟

جناب مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع لائلپور

کراچی میں شام غریباں کی ایک جھلک

(۲)

واذا اتتک مذمتی من ناقص ۔ فھی الدلیل باننی انا کامل

ترجمہ: اور جب تجھے میری مذمت کسی ناقص سے پہنچے ۔ پس یہی دلیل ہے میرے کامل ہونے کی۔

حضرت ابوبکرؓ ۔ حضرت عمرؓ ۔ حضرت عثمانؓ ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہم یہ چاروں یاران نبی تاریخ اسلام میں خلفائے راشدین کے روشن نام سے مشہور ہیں۔ کانگرسی حکومت کے وزراء نے اپنی تنخواہیں چار ہزار روپیہ ماہوار گھٹا کر پانچسو روپیہ ماہوار کر دیں تو بھارت کے طول و عرض میں تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسائے گئے اور بھارتی وزراء کی اس قربانی کو بے نظیر قرار دیا گیا مگر گاندھی جی نے اپنے مشہور اخبار "ینگ انڈیا" میں لکھا:۔

"کانگرسی وزراء کی قربانی کی مثال قابل ستائش تو ضرور ہے مگر بے نظیر نہیں حضرت محمدؐ کے چار وزراء میں سے ایک وزیر عثمان تو بلا وظیفہ کام کرتا تھا اور باقی کے تین وزراء ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؓ بیسؔ روپیہ ماہوار پر گذارہ کرتے تھے اور سارے عرب ۔ ایران اور افریقہ کے فرمانروا بن جانے کے باوجود اپنے وظائف میں ایک کوڑی کا بھی اضافہ نہیں کیا۔ ہمارے وزراء کو یہ انوکھا مقام کیسے مل سکتا ہے؟"

آج کی فرصت میں ہم صرف سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چند محاسن پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں ۔ ان کی روشنی میں حضرت صدیقؓ کے باقی تین ساتھیوں حضرت علیؓ حضرت عمرؓ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے محاسن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سیدنا حضرت صدیق اکبر کا نام عبد کعبہ تھا۔ آپ کا سرداران مکہ میں شمار ہوتا تھا اور جسٹس کے عہدے پر فائز تھے ۔ خون بہا اور قسم دینے (دیت و عزم) کے فیصلے انہی کے سپرد تھے۔ حضور سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ نے نبوت کا دعوےٰ فرمایا تو سب سے پہلے انہوں نے لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کیا نام عبداللہ رکھا گیا۔ چالیس ہزار روپیہ بزازی کے کاروبار میں کمایا تھا سارا روپیہ اسلام اور داعی اسلام صلعم پر خرچ کر ڈالا اور جب جنگ تبوک کے لئے حضور سرور کائنات صلعم نے چندہ کی اپیل فرمائی تو اپنا روپیہ گھر کے زیورات ۔ پارچات ۔ برتن ۔ بستر ۔ ہانڈی ۔ توا اور جھاڑو سب کچھ اکٹھا کیا صرف ایک تہبند اور قمیص زیب تن تھی ۔ قمیص کے بٹن بھی اتار لئے سینہ کیکر کے ایک کانٹے سے ڈھانک لیا۔ کیا گاندھی ۔ پولین ۔ ہٹلر ۔ سٹالن واشنگٹن وغیرھم اقوام عالم کے فاتحین کے وزرا اور خدام میں اس کی نظیر ڈھونڈھے سے بھی مل سکتی ہے؟ نہیں اور قطعاً نہیں ۔ اور چشم آفتاب نصف النہار کی طرح تین چیزیں دنیا والوں کو اپنی پوری آب و تاب سے چمکتی نظر آ رہی ہیں ۔ (۱) قرآن کی کوئی مثال نہیں (۲) دنیا کی ماؤں نے محمدؐ جیسا بچہ نہ پہلے جنا نہ قیامت تک جنیں گی اور ابوبکر کی نظیر تاریخ اقوام عالم پیش کرنے سے قاصر ہے اور قاصر رہے گی ابوبکرؓ کی یہی شان تھی کہ قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی الذی جاء بالصدق وصدق بہ تو حضور صلعم نے ان کا نام صدیق رکھ دیا۔

رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا ۔ سیدنا صدیق اکبرؓ اپنے والد ابی قحافہ کو مشرف باسلام کرنے کے بعد انہیں حضرت سرور کائنات کے حضور لائے تو حضور صلعم نے فرمایا: آپ نے [illegible] تکلیف دی ۔ میں خود وہاں پہنچ جاتا یہ تھا احترام حضور صلعم کو اپنے صدیق [illegible]

برمنگھم میں مسجد کی تعمیر

مسجد کے دینی مدرسہ میں طلباء وطالبات کو احادیث اور قرآن حکیم کی تعلیم دی جائے گی۔

برطانیہ کے دوسرے بڑے شہر برمنگھم کے وسطی علاقے میں ایک شاندار عمارت تکمیل کے آخری مراحل سے گذر رہی ہے ۔ یہ عمارت اس سال کے آخر تک ہر لحاظ سے مکمل ہو جائے گی ۔ یہ گنبد نما عمارت وہ عظیم الشان مسجد ہے ۔ جسے برمنگھم میں رہائش پذیر پندرہ ہزار سے زائد پاکستانیوں نے باہمی چندہ سے تعمیر کیا ہے ۔ بیرونی ممالک میں مقیم اس قسم کے پاکستانیوں کے ایسے اقدامات اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ پاکستان کے مسلمان جہاں بھی رہیں اپنے دنیوی فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ دینی فرائض سے بھی غافل نہیں اور برمنگھم ایسے شہر میں مسلمانوں کی طرف سے مسجد کی تعمیر کے لئے مشترکہ کوششیں اصل میں قومی تشخص کو اجاگر کرنے کا ایک ٹھوس قدم ہے ۔ جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

برمنگھم میں پاکستانی مسلمانوں کے زیر اہتمام تعمیر ہونے والی مسجد کا رقبہ چودہ ہزار مربع فٹ ہے جسے وہاں کے مسلمانوں نے کافی تگ و دو کے بعد برمنگھم کارپوریشن سے برمنگھم مسجد ٹرسٹ لمیٹڈ کے نام الاٹ کرایا تھا۔

برمنگھم مسجد کمیٹی کے چیئرمین ڈاکٹر محمد نسیم نے بتایا کہ برمنگھم کے مسلمان ایک مغربی ملک میں رہنے کے باوجود اپنے قومی تشخص کو اجاگر کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور اپنے قومی تشخص کو نمایاں کرنے کی لگن ہی نے ان میں ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر کا احساس دلایا تھا انہوں نے بتایا کہ مسجد کی تعمیر کا ابتدائی کام ۱۹۶۸ء میں شروع ہوا تھا ۔ اب یہ مسجد تعمیر کے آخری مراحل تیزی سے طے کر رہی ہے ۔ اب آخری مرحلہ مسجد کے مینار کی تعمیر کا ہے ۔ اور امید ہے کہ یہ کام مزید چند ماہ تک مکمل ہو جائے گا ۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ مسجد کی تعمیر کا تخمینہ تین لاکھ پونڈ ہے ۔ مسجد میں اڑھائی ہزار نمازیوں کے لئے جگہ ہوگی جبکہ مسجد کے زیرین ہال میں کار پارک کیفے ٹیریا وغیرہ بھی تعمیر کئے گئے ہیں ۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ یہ مسجد یورپ میں تعمیر ہونیوالی مساجد میں سب سے بڑی ہے ۔ مسجد کمیٹی کے چیئرمین مسٹر نسیم نے یہ بھی بتایا کہ برمنگھم مسجد ٹرسٹ لمیٹڈ مسجد کے قریب ہی وہاں پر مقیم مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے طلباء و طالبات کا الگ الگ ہائی سکول قائم کرنے کا منصوبہ بھی ہے جبکہ ٹرسٹ کے نام ایک قریبی قطعہ اراضی پر مسلم سٹوڈنٹس ہوسٹل کی تعمیر کا بھی منصوبہ ہے اس ہوسٹل میں ایک کانفرنس ہال ہوگا ۔ جہاں برمنگھم کے مسلمان اپنے معاملات کو سلجھانے کے لئے اجتماعات منعقد کر سکیں گے ۔ ڈاکٹر نسیم نے برمنگھم مسجد ٹرسٹ کے تعمیراتی منصوبے کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ ہمارے نزدیک تعمیراتی منصوبے کا اہم ترین مرحلہ مسلم سٹوڈنٹس ہوسٹل، دینی مدرسہ اور طلباء اور طالبات کے لئے الگ الگ سیکنڈری سکول کا قیام ہے ۔ دینی مدرسہ میں مسلمان بچوں کے لئے قرآن مجید ناظرہ، احادیث اور قرآن پاک باترجمہ کی تدریس کا انتظام ہوگا۔ جبکہ طلباء و طالبات کے سیکنڈری سکولوں میں اسلامی تعلیمات کے اساتذہ بھی رکھے جائیں گے ۔ انہوں نے کہا کہ برمنگھم ایسے علاقوں میں رہائش رکھنے والے مسلمانوں کی نئی پود ایک ایسے ماحول میں پروان چڑھ رہی ہے ۔ جس کی بنیاد مادیت پر ہے جہاں اخلاقی اقدار کو کم اہمیت دی جاتی ہے ۔ اس کے برعکس تمام ذرائع ابلاغ اخلاقی اقدار کی پاسبانی سے خود کو آزاد کرتے جا رہے ہیں ایسے حالات میں وہاں کے تعلیمی نظام کا کسی ضابطہ اخلاق کے تحت مرتب ہونا ممکن نہیں لہٰذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے برمنگھم کے مسلمانوں نے یہ ضروری سمجھا کہ بچوں کی تعلیم اپنے اس ضابطۂ اخلاق کے دائرہ میں کی جائے ۔ جس کے خطوط اسلام نے مرتب کر رکھے ہیں تا کہ ہماری نئی پود نہ صرف اپنی دینی و اخلاقی اقدار سے پوری طرح آگاہ ہو جائے بلکہ ان پر عمل درآمد کرتے ہوئے اپنے دنیوی فرائض کو احسن طریقے سے پورا کرنے کے قابل بن سکے۔ (بشکریہ مشرق)

مغربی ممالک میں مساجد کی تعمیر اور مقیم مسلمان طلباء کی فرقانی و دینی تعلیم

اکثر مغربی ممالک بالخصوص ملک برطانیہ کے بڑے شہروں میں مختلف مسلمان ممالک خصوصاً پاکستان سے گئے ہوئے کاروباری اصحاب اور نوجوان طلباء کی کافی تعداد موجود ہے۔ ان کے فرائض کی ادائیگی۔ اجتماعات عیدین و جمعہ اور ان کے بچوں کی تعلیم قرآن و اسلام کا سوال بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اگر ایک غیر اسلامی ماحول میں طلباء اور بچے عرصہ تک اپنی دینی تعلیم اور شعائر سے بیگانہ رہیں تو بڑی عمر میں ان کے لئے ان سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کرکے ان پر عمل پیرا ہونا مشکل امر ہے، اگر یہ ضروری ہے کہ مغربی ممالک کے مسلمان باشندوں اور ان کی زیر تربیت اولاد نیز مسلمان ممالک سے گئے ہوئے نوجوان طلباء کے لئے اپنے دین متین سے واقفیت اور شیفتگی دکھلیں تاکہ وہ دین اسلام کے شعائر اور فرقان حمید کی تعلیم سے بہرہ ور ہوں، تو ظاہر ہے کہ مغرب کے بڑے بڑے شہروں میں جہاں مسلمان طلباء اور بچے کافی تعداد میں موجود ہوں وہاں ایک مسجد، ہوسٹل، اور قرآن و اسلام کی تعلیم کا معقول انتظام ہونا ازبس لازمی ہے۔

برمنگھم میں مسجد اور ہوسٹل کا قیام } دوسری جگہ ہم اس خبر کو درج کر چکے ہیں کہ برمنگھم جو برطانیہ کا دوسرا بڑا شہر ہے میں ایک شاندار مسجد اور ہوسٹل کا منصوبہ زیر تکمیل ہے جہاں پندرہ ہزار سے زائد پاکستانی مقیم ہیں۔ بیرونی ممالک میں مقیم اس قسم کے مسلمانوں کے ایسے اقدامات اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ مسلمان جہاں بھی ہوں اپنے دنیوی فرائض کی انجام دہی کے ساتھ دینی فرائض سے بھی غافل نہیں۔ مسجد کے قریب ہی وہاں کے مقیم بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ہائی سکول ہوسٹل اور سیکنڈری سکول جہاں قرآن مجید ناظرہ اور ترجمہ کے ساتھ پڑھانے کا انتظام ہوگا جہاں اسلامی دینیات کی تعلیم کے لئے خاص اساتذہ بھی رکھے جائیں گے تاکہ ان علاقوں میں مقیم مسلمانوں کی نئی پود ایک ایسے ماحول میں پروان چڑھ رہی ہے جس کی بنیاد مادیت و الحاد پر ہے۔ جہاں اخلاقی اقدار کو کم اہمیت دی جاتی ہے بلکہ برعکس تمام ذرائع ابلاغ اخلاقی اقدار کی پاسبانی سے خود کو آزاد کرتے جاتے ہیں۔ لہذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے برمنگھم کے مسلمانوں نے ضروری سمجھا کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اپنے اسلامی ضابطہ اخلاق کے دائرہ میں کی جائے تاکہ مسلمانوں کی نئی پود نہ صرف اپنی دینی و اخلاقی اقدار سے پوری طرح آگاہ ہو بلکہ اس پر عمل درآمد کرتے ہوئے اپنے دنیوی فرائض کو احسن طریقے سے پورا کرنے کے قابل بن سکے۔

نوجوان طلباء کی فرقانی اور اسلامی اخلاقیات و عقائد کی تعلیم و تربیت } ہم یہ بتلانا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جہاں تک مساجد و ہوسٹل اور مدارس کی تعمیرات کا سوال ہے ان عمارات کی شاندار عظمت قائم کرنے کی بجائے مقدم یہ امر ہے کہ طلباء اور بچوں کی صحیح تعلیم قرآن اور دینیات کا انتظام بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ پیمانہ پر ہو۔ اسلامی تربیت یعنی ان اوصاف عالیہ سے نوجوان طبقہ کا متصف ہو جانا جن کی تلقین فرقان حمید کرتا ہے اور جو ہماری گذشتہ اسلامی تہذیب کا طرہ امتیاز تھیں مقدم ترین فریضہ ہے۔ اسلامی معتقدات اور تعلیم فرقان حمید کی صداقت افضلیت اور موجودہ تہذیب میں ان کی افادیت نئے علوم سائنس کی روشنی میں جہاں پیش کرنے کے لئے ریسرچ سکالروں کی ضرورت ہے کہ وہاں اس سے بڑھ کر یہ ضرورت ہے کہ عام مسلمان نوجوانوں کا کردار اور سیرت ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا آئینہ دار ہو کیونکہ اعلیٰ علم کلام سے بہت بڑھ چڑھ کر کسی قوم کی سیرت اس کے مذہب کی صداقت کو پیش کرتی ہے۔ اس وقت من حیث القوم مسلمانوں کا کردار نہ صرف سچی اسلامی تہذیب کا آئینہ دار نہیں بلکہ دوسری مادہ پرست اقوام کے مقابلہ میں بھی کمتر ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جب غیر اقوام کے افراد اسلامی تعلیم کی عمدگی و حسن سے اطلاع پا کر اسلام کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر مایوسی ہوتی ہے کہ اصول اسلام جن اخلاق حسنہ کا تقاضہ کرتے ہیں ان کا عشر عشیر بھی مسلمانوں میں کہیں نظر نہیں آتا۔

دین کی عظمت اور شان، تعلیم اسلام کی صداقت اور اس پر اجتماعی عمل سے ہی پیدا ہوتی ہے

آج سے قریباً ترسٹھ برس قبل جب حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم نے انگلینڈ میں سب سے پہلا تبلیغی مشن قائم کیا تو اس وقت کوئی عظیم و شاندار مسجد نہیں تھی جس کی ظاہری عظمت و رفعت سے متاثر ہو کر انگریز امراء نے اسلام ایسا سچا دین قبول کیا بلکہ اس وقت حضرت خواجہ صاحب مرحوم کے طرز تبلیغ یعنی اسلامی و فرقانی تعلیم کے پیش کرنے کا صحیح طریق کار تھا جس سے اس ملک میں تبلیغ اسلام کی لہر دوڑ گئی تھی۔ چنانچہ ایک پادری صاحب نے خواجہ صاحب کے پیش کردہ اسلام کی تصویر کو "نیو اسلامزم" اور حضرت ختم المرسلین صلعم کی پیش کردہ سوانح تاریخ کو حضرت شبلیؒ کی سوانح حیات سے مرتب کردہ بتلایا تھا۔

پس یہ امر بحضورِ دل یاد رکھنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں دینِ اسلام کی وہی علمی تصویر قابلِ قبول ہو سکتی ہے جو حضرت مجدد دوران اور آپ کے شاگردوں نے پیش فرمائی۔ دین اسلام کی دوسری کوئی تصویر موجب جذب و کشش نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد علی رحؒ کی انگریزی تفسیر القرآن کو یہ معجزانہ مقبولیت کا شرف خدا تعالیٰ نے کیوں بخشا، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس زمانہ کا مزاج جن اصولہائے دین کو قبول کرنے کو تیار ہے وہ وہی ہیں جو خدا تعالیٰ سے علم پا کر حضرت مجدد وقت نے اپنے انگریزی خواں شاگردوں کو تلقین کئے۔ پھر اشاعت دینِ اسلام کے لئے سب سے بڑی ضرورت اس امر کی یہ ہے کہ مسلمان قوم کا کردار اور عمل صحیح اسلامی تہذیب کا آئینہ دار ہو، اس لئے جب جماعت احمدیہ کے مبلغین نے غیر ممالک میں کامیابی سے جھنڈے گاڑے تو اس کی پشت پناہ ایک ایسی جماعت موجود نظر آتی ہے جو بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ اس زمانہ میں پیش کرنے والی تھی۔

مسلمان قوم میں اب جو اپنے دین کی طرف بڑھتا ہوا قدم نظر آتا ہے جو آج سے نصف صدی قبل کہیں موجود نہ تھا اور مغربی ممالک میں مقیم مسلمان بھی وہاں مساجد کی تعمیر، اپنی نئی پود کی اسلامی تعلیم کی طالب اور ان کے عمل و کردار کو اسلامی تہذیب کے نہج پر لانے کے متمنی نظر آتے ہیں تو یہ سب کارروائیاں حضرت مجددِ وقت اور آپ کی جماعت کے صحیح طریق کار خدمت اور تبلیغِ اسلام کی بدولت ہی ہیں۔ ہمارے نزدیک مسلمان قوم کے یہ اقدام مبارکباد کے مستحق ہیں ہم پُر امید ہیں کہ ان کے یہ دینی اقدام اور بھی تیزی سے اُٹھیں گے تاکہ صحیح اسلامی علوم و تہذیب کی سچی روشنی مغربی ممالک کو اسلام سے منور کرنے کا باعث بنے۔ **اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ** ۔ اے خدا اُمت محمدیہ کی سچی اصلاح سامان پیدا کر۔ آمین

وحی و الہام

خدا تعالیٰ سے ہمکلامی جہاں حق الیقین تک پہنچا دیتی ہے وہاں انبیاء کرام کی وحی کی صداقت پر بھی زبردست ثبوت فراہم کرتی ہے۔ یہی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے سرسید احمد خاں مرحوم اس قدر بھٹک گئے کہ وحی الٰہیہ کے وجود کا ہی انکار کر دیا اور وحی کو نبی کے تخیل کا نام دے گئے۔ گو قرآن اور حدیث کی رُو سے وحی ولایت یا الہام کا وجود ثابت ہے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کے دَور میں اکثر مسلمان الہام الٰہیہ کو داستانِ پارینہ سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ اسی دہریت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں حضرت مرزا صاحب کا یہ اعلان شمع عرفان بن کر سامنے آتا ہے:۔

"اے سننے والو سنو! ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور اب بھی بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا اور اب بھی سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کی تمام صفات ازلی و ابدی ہیں۔ کوئی صفت بھی معطل نہیں۔ اور نہ کبھی ہوگی۔"

(الوصیت صفحہ ۱۰) (اق)

حضرت خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ

اِسلام کا اُصولِ عالمگیریت

ہر مذہب ابتداءً خدا ہی کی طرف سے آیا تھا

آنحضرت صلعم بجا طور پر مساواتِ عالمگیر کے بانی مبانی ہیں۔ آپ ہی نے سب سے پہلے دنیا کو بتایا کہ ہر مذہب ابتداءً خدا ہی کی طرف سے آیا تھا۔ ہر نبی خدا ہی کی طرف سے مبعوث ہوا تھا۔ ہر قوم اور ملک میں خدا کی طرف سے بشیر و نذیر آئے اور آپ نے دیگر مذاہب کے انبیاء کی عزت کرنی، تمام مسلمانوں پر فرض کر دی ہوئی تعلیم قرآن مسلمان پیغمبر صلعم اور دیگر انبیاء میں کوئی تفریق نہیں کر سکتے۔ آپ نے تعلیم دی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ صداقت مشکوک ہو گئی۔ آئندہ نسلوں نے اپنے اپنے خیالات کی آمیزش کر دی۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے تقریباً تمام مذاہب دیگرہ کے محققین نے تسلیم کر لیا۔ اس طرح وہ صداقت ملوّث ہو کر رہ گئی۔ اور اختلاف بین المذاہب رونما ہو گئے لیکن ابتداءً سب انبیاء ایک ہی سچائی کو خدا کی طرف سے لائے تھے۔ سب نے ایک ہی سرچشمہ سے پانی پیا تھا۔ اور اگر کائنات ایک ہی خدا کی بنائی ہوئی ہے تو اس کے خلاف ہو بھی کس طرح سکتا تھا؟ کس طرح ممکن تھا کہ خدا ایک قوم کو اسباب برکت دیتا اور دیگر اقوام کو تاریکی میں چھوڑ دیتا؟ اس کی شانِ ربوبیت کا تقاضا ہی یہ ہونا چاہیئے کہ وہ تمام لوگوں کی ربوبیت یکساں طور پر کرے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ وسائل آمد و رفت و مخابرت محدود تھے اور اس وجہ سے ایک قوم دوسرے کو کسی طرح فائدہ نہیں پہنچا سکتی تھی۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رہتی تھی۔ اسی وجہ سے ہر قوم کو جداگانہ طور پر مذہبی الہام عطا کیا گیا تھا۔

لیکن موجودہ نظام تمدّن کی رُو سے اقوام عالم باہمدگر قریب ہو گئی ہیں۔ تمدّن اور مذاہب مختلفہ اب باہمدگر ملتے جاتے ہیں۔ لیکن ہر مذہب کے کثیر التعداد ماننے والے اپنے اصول پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ کل انسانوں کا کسی ایک مسلک پر عامل ہونا بھی ممکن نہیں ہے۔ پس اندریں حالات کیا یہ بات دنیا کے لئے مفید نہ ہوگی۔ کہ تمام مذاہب کو منجانب اللہ تسلیم کر لیا جائے اور قرار واقعی ان کا احترام کیا جائے۔ اس اصول کی بناء پر مفاہمت باہمی کا دروازہ کھل جائے گا اور تنگ نظری کافور ہو جائے گی۔ اور وہ تعصب مذہبی جس کی وجہ سے ایک قوم دوسری قوم کے خلاف ہے بہت حد تک کم ہو جائے گا اور ہم فراخ دلی سے ایک دوسرے کے مذہبی نقطۂ خیال کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے کے قابل ہو جائیں گے صلح اور امن قائم کرنے کے لئے یہ اصول بہت ضروری ہے۔ اور اسی لئے آنحضرت صلعم نے ہم آہنگی پیدا کرنے کی غرض سے اس کی تلقین فرمائی۔ اور آج آپ کا یہ تلقین کردہ اُصول اک صداقت بن گیا ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ اس اُصول کو قبولِ عام کی سند دلانے کے لئے، کوئی خدا کا رُسول صاف الفاظ میں بیان کر دیتا، پس یہ کام آپ نے حسب دلخواہ انجام دے دیا۔ مذہب ہی اِتحاد اقوام میں بڑی حد تک معاون ہو سکتا ہے۔ اور اس کا اصلی مقصد بھی مختلف الخیال انسانی طبقات میں ہم آہنگی اور یکرنگی پیدا کرنا ہونا چاہیئے۔ اور ان باتوں کی جس قدر ضرورت آج کل ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ پس کیا آپ نے دُنیا کو اک صحیح اور سچا پیغام نہیں دیا۔ اور کیا آپؐ خدا کے سچے نبی نہیں ہیں؟ یہ امر نہ بھُولنا چاہیئے کہ دنیا اس پیغام ہم آہنگی سے نا آشنا ہی نہ تھی۔ بلکہ ہر ایک دوسرے کے مذہب کو خدا کی طرف سے نہ سمجھتا تھا۔ میرے نزدیک تو صرف یہ ایک پیغام ہی آپؐ کے دعوئے رسالت پر مہر صداقت ثبت کرتا ہے۔

تبرکات حضرت مولٰنا نورالدین رَحمۃ اللہ علیہ

اَللہ کو اَپنا بناؤ

اور وہ تقویٰ اور صرف تقویٰ سے اپنا بنتا ہے

جب وہ ہمارا ہو جائے گا تو سب ہمارا ہی ہے اور وہ تقوےٰ اور صرف تقوےٰ سے اپنا بنتا ہے اس لئے اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہارا ہو جائے تو تم تقوےٰ اختیار کرو۔ تقوےٰ ایسی دولت ہے کہ اس سے بڑی بڑی مرادیں حاصل ہوتی ہیں۔ ہر شخص کی فطرت میں ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ کوئی اس کے ساتھ ہو۔ اور وہ عظیم الشان ہو اس سے کوئی محبت کرے۔ اور اللہ تعالےٰ متقی سے آپ محبت کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا یحب المتقین۔ جو اللہ تعالےٰ کا محبوب ہو جائے اسے کسی اور کی کیا حاجت!!! پھر ہر شخص کو ضرورت ہے کہ اسے رزق ملے اور وہ کھانے پینے، دوا، علاج اور تیمار دار۔ غرض بہت ہی ضروریات کا محتاج ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ متقی کو بشارت دیتا ہے یرزقہٗ من حیث لا یحتسب متقی کو ایسے طریق پر رزق ملتا ہے جو اسے وہم و گمان ہی نہیں ہوتا۔ پھر انسان مشکلات میں پھنستا ہے اور ان سے نجات اور رہائی چاہتا ہے۔ متقی کو ایسی مشکلات سے وہ آپ نجات دیتا ہے ویجعل لہٗ مخرجاً۔ ہر قسم کی تنگی سے وہ آپ نجات دیتا یہ متقی کی شان ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ متقی کو آپ پڑھا دیتا ہے اگرچہ ہمارے دوست ان معنوں کو پسند نہیں کرتے مگر میں نے غور کیا ہے تو یہ بالکل درست ہے واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ پھر ہر قسم کے دکھوں کو سُکھوں سے تقوےٰ ہی بدل دیتا ہے۔ یجعل لہٗ من امرہٖ یسراً۔ پھر جب متقی انسان ان ثمرات کو پاتا ہے تو میرے دوستو! سب کو تقوےٰ اختیار کرنا چاہیئے رزق کے لئے تنگی سے نجات کے لئے تقویٰ اختیار کرو۔ محبت چاہتے ہو تقویٰ کرو۔ سچا علم چاہتے ہو تقوےٰ کرو۔ میں پھر کہتا ہوں تقویٰ کرو۔ تقوےٰ سے خدا کی محبت ملتی ہے۔ وہ اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے۔ دُکھوں سے نکال کر سُکھوں کا وارث بنا دیتا ہے علوم صحیحہ اسی کے ذریعہ ملتے ہیں۔

میں نے اس بیماری میں بڑے بڑے تجربے کئے ہیں اور ان سب تجربوں کے بعد کہتا ہوں اللہ کے ہو جاؤ۔ اللہ کے سوا کوئی کسی کا نہیں۔ میری وصیت ہے کہ تقویٰ اختیار کرو ولتنظر نفسٌ ما قدمت لغدٍ۔ مؤمن کو چاہیئے کہ جو کام کرے اس کے انجام کو پہلے سوچ لے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ انسان غضب کے وقت قتل کر دینا چاہتا ہے۔ گالی نکالتا ہے۔ مگر سوچے کہ اس کا انجام کیا ہوگا اس اصل کو مدِ نظر رکھے تو تقوےٰ کے طریق پر قدم مارنے کی توفیق ملے گی۔ نتائج کا خیال کیونکر پیدا ہو۔ اس لئے اس بات پر ایمان رکھے کہ واللہ خبیرٌ بما تعملون۔ جو کام تم کرتے ہو اللہ تعالےٰ کو اس کی خبر ہے۔ انسان اگر یہ یقین کر لے کہ کوئی خبیر و علیم بادشاہ ہے جو ہر قسم کی بدکاری، دغا، فریب، سستی اور کاہلی کو دیکھتا ہے اور اس کا بدلہ دے گا۔ تو وہ بچ سکتا ہے۔ ایسا ایمان پیدا کرو۔ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے فرائض نوکری، حرفہ، مزدوری وغیرہ میں سستی کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے رزق حلال نہیں رہتا۔ اللہ تعالےٰ سب کو تقوےٰ کی توفیق دے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ــــــ مؤرخہ ۹ر جولائی ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ۔ ایل نمبر ۸۳۸ ــــــ شمارہ نمبر ۲۸

مقام حدیث } فرمایا:۔ "ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ جو حدیث قرآن اور سنّت کے مخالف نہ ہو۔ اس کو بسر و چشم قبول کیا جاوے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ مبارک وہ جو اس کے پابند ہوتے ہیں۔"
(حضرت مسیح موعودؑ)

مطبوعہ ... میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور پاکستان

فون نمبر ۵۳۷۳۷

• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا • (الہام حضرت مسیح موعود)

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلین
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب

کیا یہی تعلیم فرقاں ہے بھلا
کچھ تو آخر چاہیئے خوفِ خدا
مؤمنوں پر کفر کا کرنا گماں
ہے یہ کیا ایمانداروں کا نشاں

دنیا میں ایک نذیر آیا، پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا۔
(الہام حضرت مسیح موعود)

• رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
• تار کا پتہ
• "تبلیغ" لاہور

سالانہ:
• پاک و ہند سے — آٹھ روپے
• بیرونی ممالک سے — ایک پونڈ

جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۵ رجب المرجب سنہ ۱۳۹۵ھ - ۱۶ جولائی سنہ ۱۹۷۵ء | نمبر ۲۹

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

الہام الٰہی خالصتاً ایک خارجی حقیقت ہے، نہ کہ انسانی خیالات و جذبات کا آئینہ۔

یہ خیال کرنا کہ جو دقائقِ فکر اور نظر کے استعمال سے لوگوں پر کھلتے ہیں وہی الہام ہیں بجز ان کے اور کوئی شے الہام نہیں۔ یہ بھی ایک ایسا وہم ہے جس کا موجب صرف کورِ باطنی اور بے تمیزی ہے۔ اگر انسانی خیالات ہی خدا کا الہام ہوتے تو انسان بھی خدا کی طرح بذریعہ اپنے فکر اور نظر کے امورِ غیبیہ کو معلوم کر سکتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ گو انسان کیسا ہی دانا ہو مگر وہ فکر کر کے کوئی امرِ غیب بتلا نہیں سکتا۔ اور کوئی نشان طاقتِ الوہیت کا ظاہر نہیں کر سکتا اور خدا کی قدرتِ خاصہ کی کوئی علامت اس کے کلام میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ اگر وہ فکر کرتا کرتا مر بھی جائے تب بھی ان پوشیدہ باتوں کو معلوم نہیں کر سکتا کہ جو اس کی عقل اور نظر اور حواس سے وراء الوراء ہیں۔ اور نہ اس کا کلام ایسا عالی ہوتا ہے کہ جس کے مقابلہ سے انسانی قوتیں عاجز ہوں۔ پس اس وجہ سے عاقل کو یقین کرنے کے لئے وجوہ کافی ہیں کہ جو کچھ انسان اپنی فکر اور نظر سے بھلے یا برے خیالات پیدا کرتا ہے وہ خدا کا کلام نہیں بن سکتے۔ اگر وہ خدا کا کلام ہوتا تو انسان پر سارے غیب کے دروازے کھل جاتے اور وہ امور بیان کر سکتا جن کا بیان کرنا الوہیت کی قوت پر موقوف ہے کیونکہ خدا کے کام اور کلام میں خدائی کے تجلیات کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی کے دل میں یہ شبہ گذرے کہ نیک اور بد تدبیریں اور ہر ایک شر و خیر کے متعلق باریک حکمتیں اور طرح طرح کے مکر و فریب کی باتیں کہ جو فکر اور نظر کے وقت انسان کے دل میں پڑ جاتی ہیں وہ کس کی طرف سے اور کہاں سے پڑتی ہیں اور کیونکر سوچتے سوچتے یک دفعہ مطلب کی بات سوجھ جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام خیالات خلق اللہ ہیں امر اللہ نہیں۔ اور اس جگہ خلق اور امر میں ایک لطیف فرق ہے۔ خلق تو خدا کے اس فعل سے مراد ہے کہ جب خدائے تعالیٰ عالم کی کسی چیز کو بتوسط اسباب پیدا کر کے بوجہ علت العلل ہونے کے اپنی طرف اس کو منسوب کرے۔ اور امر وہ ہے جو بلا توسط اسباب خالص خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ اور کسی سبب کی اس سے آمیزش نہ ہو۔ پس کلامِ الٰہی جو اس قادرِ مطلق کی طرف سے نازل ہوتا ہے اس کا نزول عالمِ امر سے ہے نہ عالمِ خلق سے۔ اور دوسرے جو جو خیالات انسانوں کے دلوں میں بوقت نظر اور فکر اٹھا کرتے ہیں وہ تمام عالمِ خلق میں سے ہیں کہ جن میں قدرتِ الٰہیہ زیرِ پردہ اسباب و قویٰ متصرف ہوتی ہے۔ اور ان کی نسبت بسط کلام یوں ہے کہ خدا نے انسان کو اس عالمِ اسباب میں طرح طرح کی قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ پیدا کر کے ان کی فطرت کو ایک ایسے قانونِ قدرت پر مبنی کر دیا ہے۔ یعنی ان کی پیدائش میں کچھ اس قسم کی قابلیت رکھ دی ہے کہ جب وہ کسی بھلے یا برے کام میں اپنی فکر کو متحرک کریں تو اسی کے مناسب ان کو تدبیریں سوجھ جایا کریں۔ جیسے ظاہری قوتوں اور حواسوں میں انسانوں کے لئے یہ قانونِ قدرت رکھا گیا ہے کہ جب وہ اپنی آنکھ کھولے تو کچھ نہ کچھ دیکھ لیتا ہے۔ اور جب اپنے کانوں کو کسی آواز کی طرف لگاوے تو کچھ نہ کچھ سن لیتا ہے۔ اسی طرح جب وہ کسی نیک یا بد کام میں کوئی کامیابی کا راستہ سوچتا ہے تو کوئی نہ کوئی تدبیر سوجھ ہی جاتی ہے۔ صالح آدمی نیک راہ میں فکر کر کے نیک باتیں نکالتا ہے اور چور نقب زنی کے باب میں فکر کر کے کوئی عمدہ طریق نقب زنی کا ایجاد کرتا ہے۔ غرض جس طرح بدی کے بارے میں انسان کو بڑے بڑے عمیق اور نازک بدی کے خیال سوجھ جاتے ہیں علیٰ ہذا القیاس اسی قوت کو جب انسان نیک راہ میں استعمال کرتا ہے تو نیکی کے عمدہ خیال بھی سوجھ جاتے ہیں۔ اور جس طرح بد خیالات گو وہ کیسے ہی عمیق اور جادو اثر کیوں نہ ہوں خدا کا کلام نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہی انسان کے خود تراشیدہ خیالات جن کو وہ اپنے زعم میں نیک سمجھتا ہے کلامِ الٰہی نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ نیکوں کو نیک حکمتیں یا چوروں اور ڈاکوؤں اور خونیوں اور زانیوں اور جعلسازوں کو فکر اور نظر کے بعد بری تدبیریں سوجھتی ہیں وہ فطرتی آثار اور خواص ہیں۔ اور بوجہ علت العلل ہونے حضرت باری کے ان کو خلق اللہ کہا جاتا ہے نہ امر اللہ۔ وہ انسان کے لئے ایسے ہی فطرتی خواص ہیں جیسے نباتات کے لئے قوتِ اسہال یا قوتِ قبض یا دوسری قوتیں فطرتی خواص ہیں۔ غرض جیسا اور چیزوں میں حکیم مطلق نے طرح طرح کے خواص رکھے ہیں ایسا ہی انسان کی قوتِ متفکرہ میں یہ خاصہ رکھا ہے کہ جس نیک یا بد میں انسان اس سے مدد لینا چاہتا ہے اسی قسم کی اس سے مدد ملتی ہے۔ ایک شاعر کسی کی ہجو میں شعر بناتا ہے۔ اس کو فکر کرنے سے ہجو کے شعر سوجھتے جاتے ہیں۔ دوسرا شاعر اسی شخص کی تعریف کرنا چاہتا ہے۔ اس کو تعریف کا ہی مضمون سوجھتا ہے۔ سو اس قسم کے خیالات نیک اور بد خدا کی خاص مرضی کا آئینہ نہیں ہو سکتے اور نہ اس کا کام اور کلام کہلا سکتے ہیں۔ (براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ 120-121)

سرینام (جنوبی امریکہ)
میں مولوی نورانی صاحب کا ناکام دورہ

سرینام (جنوبی امریکہ) سے جناب نصراللہ محمد یٰسین صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سرینام رقمطراز ہیں :—

جس دن سے حکومت اور علماء پاکستان نے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا ہے، ان ملکوں یعنی سرینام۔ گیانا GUYANA۔ ٹرینیڈاڈ TRINIDAD میں بھی تکفیر بازی تیز تر ہو گئی ہے۔ خدا کا فضلِ عظیم ہے کہ احمدی مسلمان ہر تشکل اور اور تشدد کا مقابلہ بڑی ثابت قدمی اور خندہ پیشانی سے کر رہے ہیں اور روز بروز جماعت اور ترقی پر ہے۔ مسجدیں۔ سکولز زیرِ تعمیر ہیں، اور نئے پروگرام بھی بن گئے ہیں۔ ڈچ اور انگریزی میں لٹریچر شائع ہو رہا ہے۔ دعا کیجئے کہ ربّ العالمین ہم لوگوں کو ثابت قدم رکھے اور اشاعت اسلام کی توفیق عطا فرمائے۔

جمعیتہ علمائے پاکستان کے سربراہ اور قومی اسمبلی کے رُکن مولانا شاہ احمد نورانی القادری اور ان کے تین ساتھیوں نے ماہ مئی میں سرینام کا دورہ کیا۔ اعلان کے مطابق احمدیوں پر خطرناک ایٹم بم لے کر آئے تھے، مگر جو بادل گرجتے بہت ہیں وہ برستے کم ہیں یا انہیں آندھیاں اُڑا کر لے جاتی ہیں۔ یہی حال نورانی صاحب اور ان کے ساتھیوں کا ہوا۔ نورانی صاحب سرینام میں پہنچے۔ دو تین دن کے اندر سنت والجماعت تین پارٹیوں میں بٹ گئی۔ بڑی مشکل سے دو تین جلسے کر سکے۔ ہر جلسہ ناکامی پر ختم ہوتا رہا۔ اس بار اُلٹی گنگا بہہ گئی، کچھ مخلص سنی سوال کر بیٹھے، پھر کیا تھا۔ تو اریخ اپنے آپ کو دوہراتی ہے۔

بڑھے جس سے نفرت وہ تحریر کرنی — جگر جس سے شق ہوں وہ تقریر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی — مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی

یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ
یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

کوئی مسئلہ پوچھنے ان سے جائے — تو گردن پہ بارِ گراں لے کے آئے
اگر بدنصیبی سے شک اس میں لائے — تو قطعی خطاب اہلِ دوزخ کا پائے

اگر اعتراض اس کا نکلا زباں سے
تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے

کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے — کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں منہ میں لاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اسکو بتاتے — کبھی مارنے کو عصا ہیں اُٹھاتے

ستوں چشم بد دُور ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خلقِ رسولِ امیں کے

(مسدس حالی ۱۸۷۷ء — الطاف حسین پانی پت ۱۲۹۶ھ)

سرینام، گیانا اور ٹرینیڈاڈ کے سنی نورانی صاحب کے پرستار تھے۔ جوں جوں بھید کھلتا گیا سنیوں نے جانچ پڑتال شروع کر دی۔ اُدھر عیسائیوں اور آریوں کے سوالات نے سنیوں کو گھبراہٹ میں ڈال دیا تھا۔ ایک مسئلہ تھا جو حکومت سے تعلق رکھتا تھا۔ سرینام۔ گیانا۔ ٹرینیڈاد میں ہر مذہب کو مذہبی تعطیل ملی ہے۔ ہندؤوں نے پھگوا و دیوالی کو قومی تہوار پیش کیا جو انہیں مل گیا، اور یہ تعطیل قومی تعطیل منائی جاتی ہے۔ عیسائیوں نے بھی اپنی قومی تعطیل متحد ہو کر پیش کی جس کو حکومت نے منظور کر لیا۔ مگر مسلمانوں میں اختلافات ہو گیا۔ احمدیوں اور سنیوں کی اکثریت نے عید الضحیٰ اور عید الفطر پیش کی۔ عید الفطر منظور ہو گئی اور بقر عید ابھی زیر غور ہے۔ نورانی پارٹی کہتی ہے کہ یوم النبی اسلام کا سب سے بڑا تہوار ہے۔ اس کی تعطیل ملنی چاہیئے۔ مگر ہم لوگوں نے دلائل سے ثابت کر دیا کہ یوم النبیؐ اسلام کا تہوار نہیں ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ نورانی صاحب کو حل کرنا تھا، خدا جانے کیوں؟ انہوں نے مسئلہ کا حل تو پیش نہ کیا، مگر سائلوں پر بگڑ بیٹھے۔ ابھی دیگر مسائل سنیوں میں آپس میں زیرِ بحث تھے۔ پھر آریوں کا سوال تھا کہ قرآن شریف کو حضرت عثمانؓ نے جمع کیا ہے۔ اس سے پہلے قرآن پاک منتشر حالت میں تھا۔ میں نے ثبوت دیا کہ قرآن کریم حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی میں ہی مکمل ہو گیا تھا۔ ہزاروں حفاظ قرآن موجود تھے۔ رسول اللہ صلعم خود حافظ قرآن تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ نورانی صاحب جس طرح سے چاہتے اپنی پارٹی کو سمجھا سکتے تھے، اور وہ بے چارے مان جاتے۔ مگر معلوم نہیں اتنے سیدھے سادے سوال پر کیوں بگڑ گئے؟ اور جو لوگ نورانی صاحب کے کہنے پر دن رات احمدیوں کو کافر، ملحد اور شیطان بنا رہے تھے، نورانی صاحب نے انہی لوگوں کو کافر اور شیطان بنانا شروع کر دیا۔ پھر کیا تھا یہ سنی حضرات بھی بگڑ گئے۔ ریڈیو رانی، تکری، ریڈیو پارا ماریبو RADIO PARAMARIBO (RAPARR) میں نورانی صاحب اور ان کے تین ساتھیوں کی دھجیاں بکھیر دیں۔ بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔ اور یہ چاروں صاحبان دو ہفتہ میں اپنا بستر گول کر گئے۔

سچ فرمایا علامہ شبلی مرحوم نے :—

اک مولوی صاحب سے کہا میں نے کہ کیا آپ
کچھ حالتِ یورپ سے خبردار نہیں ہیں
آمادۂ اسلام ہیں لندن میں ہزاروں
ہر چند ابھی مائلِ اظہار نہیں ہیں
جو نام سے اسلام کے ہو جاتے تھے برہم
ان میں بھی تعصب کے اب آثار نہیں ہیں

(باقی بر صفحہ ۹ کالم ۲)

جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب
(آنریری مسلم مشنری امریکہ)

گذشتہ ہفتہ محترم ماسٹر محمد عبداللہ صاحب پاکستان میں تین ماہ کے مختصر قیام کے بعد امریکہ واپس چلے گئے۔ اس قلیل عرصہ میں وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے بھی ۴۵ سال کے بعد ملے اور کئی جماعتوں کا بھی دورہ فرمایا۔ اور کئی شہروں میں جلسوں سے بھی خطاب کیا۔

ماسٹر صاحب موصوف اسلام اور احمدیت کے لئے ایک ایسا دردمند دل پہلو میں رکھتے ہیں جس میں اشاعت اسلام اور خدمتِ خلق کا بے پناہ جذبہ موجود ہے۔ آپ ۴۵ برس کے طویل عرصہ کے بعد وطن واپس آئے تھے۔ اور ان تھوڑے دنوں میں آپ نے زیادہ سے زیادہ دوستوں سے ملنے کی سعی کی۔

دارالسلام میں مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے مہمان رہے۔ اور ان کے درس و تدریس سے مستفید ہوتے رہے۔ ماسٹر صاحب موصوف محترم ڈاکٹر صاحب کے اردگرد کے پاکیزہ ماحول سے بڑے متاثر ہوئے۔ آپ نے اپنے ایک مضمون مندرجہ پیغام صلح (بحریہ ۲۱ مئی ۱۹۷۵ء) میں اس کا اظہار بھی فرمایا۔ آپ نے جامع مسجد دارالسلام کے صحن میں فرش لگانے اور "محمد علی میموریل ہسپتال" قائم کرنے کے لئے پانچ پانچ ہزار روپے عطا فرمائے، اور ہسپتال کے لئے مزید عطیات کا بھی وعدہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے آمین۔

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۱۶ر جولائی ۱۹۷۵ء

دجّالی تہذیب
یعنی
علم و عقل کی بد استعمالی کا دور

یہ ایک گہری حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی بھی شئے خالق کائنات نے بے ضرورت و باطل پیدا نہیں کی۔ نقصان و مضرت اس وجہ سے پہنچ جاتے ہیں کہ انسان ان کے صحیح استعمال سے واقف نہیں ہوتا یا عمداً ضد و بے راہ روی کو اختیار کرکے ان کی بد استعمالی کرکے خسارہ اُٹھاتا ہے۔ علم طب کے جاننے والے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ وہ زہریں جو انسانی ہلاکت کا باعث ہیں جب ایک خاص مقدار و طریق میں کسی خاص مرض کے لئے استعمال کی جائیں تو وہی تریاق کا کام دیتی ہیں۔ یہ اُصول اس قدر عظیم الشان و وسیع ہے کہ نہ صرف بیرونی اشیاء پر حاوی ہے بلکہ انسان کے اندرونی جذبات اور اس کی طاقتوں پر بھی محیط ہے۔ ایک ہی جذبہ جب ایک موقعہ پر استعمال کیا جائے تو بدی بن جاتا ہے۔ لیکن جب اسے برمحل و برموقع استعمال کیا جائے تو وہی عین فطرت انسانی کا تقاضا و نیکی ہو جاتا ہے۔ مذہب پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ دنیا میں اس کے باعث فساد و خونریزی عمل میں آئی ہے اس میں شک نہیں کہ مذہبی طاقت کو خود غرض یا جاہل اصحاب نے ہر زمانہ میں اپنا آلۂ کار بنایا ہے لیکن اس سے مذہب کے بطلان پر جو دلیل قائم کی جاتی ہے وہ کیونکر صحیح ہے؟ اس لئے کہ نقصان کا باعث تو مذہبی طاقت کی بد استعمالی ہے نہ کہ خود مذہبی اُصول فساد و تفرقہ کا باعث ہیں۔ کسی چیز و طاقت کی بد استعمالی سے اس کے بطلان پر استدلال قائم کرنا کسی بھی صورت میں صحیح نہیں۔ چنانچہ اگر زمانہ حال کے مادہ پرست اس اصول سے اتفاق ظاہر نہ کریں تو ان سے یہ دریافت کیا جائے گا کہ بھلا تم یہ بتلاؤ کہ جبکہ آجکل کی سائنس و مادی علوم کا مقصد انسانی زندگی کو آرام دہ و با امن بنانا ہے تو یہ کیا بات ہے کہ انسانی تباہی و بربادی کا سب سے بڑھ کر آج یہی سائنس و ترقی علوم ہی باعث بنے ہوئے ہیں۔ وہی علوم جو انسانی زندگی کے لئے نفع کا باعث بن سکتے ہیں آج انہیں کے ذریعے ہلاکت کے خوفناک آلات تیار ہو رہے ہیں۔ کیا اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ علوم و فنون انسانی تباہی کا موجب ہیں؟ یا یہ نتیجہ نکل آیا کہ انسان کو علوم و فنون کی ترقی ترک کر دینی واجب ہے؟ نہیں بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ ہلاکت و بربادی کے سامانوں کو پیدا کرنا علوم و فنون کو باطل و فاسد ثابت نہیں کر سکتا بلکہ اگر اس سے کچھ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ انسان نے انہیں صحیح موقعہ و محل پر استعمال نہیں کیا۔ ایسا ہی یہ تو صحیح ہے کہ مذہب کو بد باطن و خود غرض اشخاص نے ہمیشہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے استعمال کرکے انسانوں میں فساد و فتنہ پھیلایا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ مرتب کر لینا کہ خود مذہب پر اس فتنہ و فساد کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، قطعاً جائز و صحیح نہیں۔

حقیقی علم و عقل خدا پرستی و خدا خوفی کا ذریعہ ہیں

انسانی علم و عقل کی ایک قسم کی بد استعمالی کا رنگ تو یہ ہے جس کا تذکرہ اُوپر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ ان علوم و فنون کو جو علم و عقل کی ترقی کے باعث پیدا ہوئے ہیں بجائے انسانی زندگی کی خدمت میں لگانے کے انہیں ہلاکت کے لئے استعمال کیا جائے۔ اور ایک دوسرا رنگ عقل و علم کی بد استعمالی کا یہ ہے کہ جبکہ حقیقتاً سچا علم خداشناسی کے ممد و معاون ہونا چاہیئے اور اس سے خدا خوفی کے جذبہ کی ترقی واجب ہے۔ آج کل کے مادی علوم کی ترقی عین برعکس نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ وہی علوم جن کے جان لینے سے انسان کی معرفت و بصیرت میں بے بہا اضافہ ہونا واجب ہے اب اس امر کا باعث بن رہے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی ہستی سے ہی انکار کیا جا رہا ہے۔ علم و عقل کا صحیح استعمال تو یہ ہے کہ جو انسان ان میں ترقی کرے اس کی خداشناسی بھی بڑھ چڑھ کر ہو اور سچی تہذیب کا بھی یہی تقاضا ہے کہ سب سے بڑا عالم سب سے بڑا عارف باللہ ہو۔ لیکن موجودہ زمانہ کی مادی تہذیب نے علم و عقل کی کسوٹی کو تبدیل کر دیا ہے۔ آج وہ شخص علم و دانش میں بڑا جیّد کیا جاتا ہے جو خدا تعالےٰ کے وجود اور اس کی قدرتوں کے انکار میں پیش پیش ہو۔ علم و عقل کی بد استعمالی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے

اسی طرح سچی تہذیب کا یہ تقاضا ہے کہ جس قدر کسی فرد کے علم میں اضافہ ہو اسی قدر اس میں جذبات انکسار و فروتنی ترقی کریں۔ لیکن دجّالی تہذیب کا یہ خاصا ہے کہ ان افراد کے اندر بھی تکبّر و غرور کوٹ کوٹ کر بھرا جاتا ہے" جنہیں مادی علوم میں بھی کامل دسترس حاصل نہیں اور علوم روحانیہ کا تو ذکر ہی لاحاصل ہے۔ اس علمی گھمنڈ کا نتیجہ یہ ہے کہ آج انسان باوجود اپنی کمزوری و بے بضاعتی کے خدا تعالےٰ کی استمداد سے اپنے آپ کو بے نیاز و برتر سمجھ بیٹھا ہے۔ دُعا سے انکار درحقیقت اسی باعث سے ہے کہ انسان کو اپنے علم پر اس قدر بھروسہ ہے کہ وہ خود کو کسی کا محتاج خیال نہیں کرتا۔ وہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اس کی دانش نے حقیقت و ماہیت اشیاء پر کامل عبور حاصل کر لینے کے باعث انہیں اپنا پُورا پُورا خادم و مطیع بنا لیا ہے اور اس سے بڑھ کر ان سے خدمت لینا کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں۔ جہاں وہ خود ناکام ہے وہاں کوئی اور وراء الوراء ہستی بھی اس کا ہاتھ پکڑنے پر قادر نہیں۔ گویا کہ وہی علم جس کا نتیجہ معرفتِ کردگار ہونا چاہیئے تھا، بد استعمالی کے باعث دہریت و الحاد پیدا کرنے کا موجب بن گیا ہے۔ ذہنی بیداری کا یہ نرالا رنگ بھی خوب ہے کہ مخلوق اپنے خالق سے زیادہ قریب ہونے کی بجائے اس سے بیگانہ ہو رہی ہے۔ انسانی عقل کی سچی ترقی کا نتیجہ تو یہی ہونا چاہیئے تھا کہ اجتماعی زندگی زیادہ پُر امن زیادہ خوشحال اور انسان کے باہمی جذبات و محبت و مساوات زیادہ پیوستہ ہوں لیکن یہ بھی علم و عقل کی ترقی معکوس کا ایک رنگ ہمارے سامنے موجود ہے کہ اجتماعی یعنی بین الاقوامی حیات معرض کشمکش میں ہے بلکہ ناممکن بن رہی ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کو اور ایک ملک دوسرے ملک کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر تُل چکے ہیں۔ شائستگی و تہذیب تو اصل میں نام اس تعدیلِ جذبات کا ہے جس کے نتیجہ میں انسان باہم ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سہولت و آرام سے زندگی نباہ سکیں۔ لیکن موجودہ زمانہ کی شائستگی تہذیب بھی ملاحظہ ہو کہ مختلف اقوام عالم کے لئے کوئی صورت آپس میں مل بیٹھنے کی ممکن ہی نہیں۔ جب تک جملہ اقوام بکلی محکوم و زیردست ہو کر صرف ایک ہی قوم جسمانی طاقت و زور میں باقی سب پر نمایاں تفوق حاصل نہ کر لے۔ کیا اسی تہذیب و شائستگی پر ناز ہے! کیا یہی معراجِ ترقی ہے!! کیا اسی کی طرف قلب بے تحاشا کھنچے چلے جا رہے ہیں۔ کیا اسی پر سارا کر و فر کیا جا رہا ہے۔ کیا یہی دائمی و اصلی ترقی کی شاہراہ ہے کیا اسی کمال تہذیب کی نسبت یہ گمانِ غالب ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کو دنیا کی جنّت حاصل ہو گئی ہے؟ کس قدر صداقت سے لبریز وہ پیشگوئی ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دہن مبارک سے نکلی تھی، یعنی یہ کہ دجّال کے پاس جنّت ہو گی لیکن حقیقت میں وہ دوزخ ہو گا اور جو اس کے نزدیک دوزخ کا حکم رکھے گا وہی حقیقتاً جنّت ہو گی۔ آج سے نصف صدی قبل جس مغربی ترقی و تہذیب کی دھاک دنیا پر بیٹھ چکی تھی اور بظاہر جو جنّت کا نمونہ انسان کے سامنے پیش کر رہی تھی پردہ چاک ہو جانے پر اب کس قدر صاف صاف یہ دکھلائی دینے لگ پڑا ہے کہ وہ مادی ترقی درحقیقت انسانی راحت و امن کا موجب نہیں بلکہ اس کی تہ کے نیچے واقعی ایک آگ چھپی ہوئی موجود ہے۔ موجودہ عالمگیر بے چینی نے اس مخفی روحانی آگ کی مادی شکل اختیار کر لی ہے اور علم و تہذیب کا نچوڑ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کی صورت حاصل ہو چکا ہے۔ کیا اب بھی روحانی اور جسمانی اُمور کے باہمی گہرے تعلق سے انکار کیا جائے گا؟ کیا اب صاف یہ امر کھُل نہیں چکا

(باقی بر صلا کالم ۲)

خدا تعالےٰ کی تخلیق کا سب سے عظیم شاہکار انسان ہے

جو ترقّی کرتا کرتا فرشتوں سے بھی آگے بڑھ سکتا ہے

خطبہ جمعہ - مورخہ ۱۱ر جولائی ۱۹۷۵ء - فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ - جامع احمدیہ - احمدیہ بلڈنگس لاہور

یا ایّھا النّاس اعبدوا ربّکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلّکم تتّقون (البقرہ - ۲۱)

فرمایا: اللہ تعالےٰ لوگوں کو مخاطب کرکے فرماتا ہے - کہ اے دنیا جہان کے لوگو! اپنے ربّ یعنی پروردگار کی عبادت کرو، جو مشرق اور مغرب، جنوب اور شمال کے انسانوں کا خدا ہے - جو تمام کائنات کا موجد ہے - جس کی تخلیق کا سب سے عظیم شاہکار انسان ہے - جو ترقی کرتے کرتے فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے - انسان خدا کا خلیفہ ہے - یعنی خلیفۃ اللہ فی الارض - لہذا ہمیں اپنے فرائض کو سمجھنا چاہیئے اس اللہ نے زمین و آسمان تمہارے لئے پیدا کئے - اور تمہاری ربوبیت کے لئے ان میں اشیاء پیدا کیں - اتنی بڑی مخلوق کی ربوبیت! سبحان اللہ العظیم - صرف خالق و مالک ہی کر سکتا ہے - اسی سے اس کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے -

ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ باخدا لوگوں پر خدا کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں - جس طرح ہر صدی میں اسلام کی حفاظت و تجدید کے لئے اللہ تعالےٰ مجدّد مبعوث فرماتا ہے، اسی سنت اللہ کے مطابق ہمارے زمانہ میں حضرت مرزا صاحب مامور من اللہ ہوئے - ہم نے اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھا - اور ان کے نمونہ اور عمل میں حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا عکس پایا - محمد صلعم کی عظیم شخصیت پر اللہ تعالےٰ نے بے شمار برکات نازل فرمائیں - حضورؐ اپنی زندگی میں کامیاب و کامران ہوئے - حضور صلعم کے غلام حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے بھی چودھویں صدی میں اپنے رسول خیر الانام کے دین کی خدمت کی اور اسے ان بدعات و غلط روایات سے صاف کیا - جن کی موجودگی کے باعث مسلمان دن بدن مذہبی لحاظ سے تنزّل پذیر اور دنیاوی نقطہ نظر سے پست تر ہو رہے تھے - حضرت مرزا صاحب نے آکر مسلمانوں کو نیا عزم، حوصلہ اور ولولہ دیا - اور زندہ خدا - زندہ رسول اور زندہ کتاب کے نام سے ایک ایسا مدلّل اور نیا علم کلام پیش کیا - کہ عیسائیوں اور اسلام پر حملہ آور دیگر غیر مسلموں کے حوصلے پست ہو گئے - غرضیکہ آپ نے غلبۂ اسلام کی بنیاد قائم کر دی -

اللہ تعالےٰ نے چاند - سورج - ستارے - اور زمین کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے - آسمان سے بار بار بارش کا برسنا، نباتات - پھل - پھول - پودے اور اناج کا پیدا ہونا، جس پر سب جانداروں کی حیات کا مدار ہے - زمین و آسمان کے تعاون پر منحصر ہے - لہذا سب سے بڑھ کر اعلےٰ عبادت کے لائق صرف اور صرف ربّ العالمین ہے - ہمیں محبوب خدا ختم المرسلین کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے اپنے اندر تقوےٰ اور طہارت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے -

مشہور عارف باللہ مظہر جاناں نے ایک بار اپنے شاگرد سے پوچھا کہ کھانا کیسے تیار ہوتا ہے - شاگرد نے لاعلمی کا اظہار کیا - تو استاد نے خوراک کی اشیاء کی پیدائش کا جائزہ پیش کیا - اور بتایا کہ کس طرح انسانی ضرورت کے لئے چیزیں پیدا ہوتی ہیں - اور کن کن مراحل سے گذر کر گندم بنتی ہے اور پھر کھانا تیار ہوتا ہے - ساری کائنات کا مقصد انسان کی خدمت اور انسان کا مقصد حیات اپنے خالق و مالک کی عبادت ہے - کوئی انسان ضروریات زندگی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، یہ سب انعامات الٰہی ہیں اور ان کا شمار کرنا انسان کے بس کا روگ نہیں - انسان کو چاہیئے کہ اپنے خدا سے ڈرے - اور ہمیشہ استغفار کرتا رہے - قرآن ایک عظیم کتاب ہے جو دلوں میں اترتی اور اثر کرتی ہے - یہ آسمانی اور الہامی کتاب ہے - اس میں دنیا و جہان کے تمام علوم موجود ہیں - جن سے ہم ہر طرح استفادہ کر سکتے ہیں - پس قرآن کریم ہمارے لئے مشعل راہ ہے - جب خدا تعالےٰ بغیر کسی بدلے کے انسانوں پر اپنے احسانات اور نعمتیں نازل فرماتا ہے - تو ہمیں بھی صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے - محمد رسول اللہ ہمارے لئے نمونہ ہیں - لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ -

حضور زندگی کے ہر شعبہ میں ہمارے رہبر و ہادی ہیں - آپ نے غربت میں بھی زندگی بسر کی اور سب جگہ سماجی زندگی کا ایک اعلےٰ نمونہ پیش کیا - حرب و ضرب کے آداب سکھائے اور اخلاق کی قندیلیں روشن کرکے دکھائیں - کیا شان ہے محمد رسول اللہ صلعم کی - جن کی مدح سرائی خود خدا نے کی - ہمیں اپنے رسول اکرم صلعم کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے - جو ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے -

حضرت مجدّد زمانؒ کا کارنامہ

آپ نے اس سائنسی اور علمی ترقی کے دور میں قرآن کریم کو علم و حکمت کی کتاب ثابت کیا - آپ نے نہ صرف غیر مذاہب کے مقابلہ پر قرآن کریم کی عظمت کو ظاہر کیا بلکہ آپ نے قرآن کریم کو ایک علم و حکمت کی کتاب بھی ثابت کیا - اور یہ دکھا دیا - کہ آج جس قدر وساوس اور اعتراضات دہریت اور مادی تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں - ان کا سب کا علاج قرآن کریم میں موجود ہے - اور اس کے ساتھ یہ بھی دکھا دیا کہ جس قدر علم دنیا میں ترقی کرے گا - اسی قدر قرآن حکیم کی عظمت بھی زیادہ ظاہر ہوگی -

آپ نے مسلمانوں کو بھی قرآن کریم کی طرف توجہ دلائی - اور مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کا علاج بھی قرآن کریم ہی کو بتایا - اور تمام اختلافات کو اس طرح حل کیا کہ قرآن حکیم کو سب پر مقدم کیا جائے - اور حدیث کو اس حد تک قبول کیا جائے کہ وہ قرآن کریم کے خلاف نہ ہو - نیز فرمایا کہ اجتہاد ائمہؒ کو بھی اسی حد تک قبول کرنا چاہیئے - کہ وہ قرآن و حدیث سے متعارض نہ ہو - یوں مسلمانوں کو بھی قرآن کریم کی اس عظمت کی جانب توجہ دلائی - جس کا وہ مستحق ہے -

حضرت مرزا صاحبؒ نے قرآن کریم کو مسلمانوں کی تمام مشکلات کا حل بتایا - اور فرمایا کہ ان کی دنیوی ترقی اور دوسری قوموں پہ برتری بھی قرآن حکیم ہی کو مشعل راہ بنانے سے وابستہ ہے - اور یہ بھی توجہ دلائی کہ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ قرآن کریم کو پڑھے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور اس سے نور ہدایت حاصل کرے -

اس طرح آپ نے قرآن کو عام مسلمانوں میں مروّج کرنے کی بنیاد رکھی اور اپنی جماعت میں درس قرآن کو لازمی قرار دیا - چنانچہ درس قرآن جماعت احمدیہ کی زندگی کا جزو ہو گیا - اگر کہیں چند افراد بھی ہیں وہاں درس قرآن کریم کا سلسلہ ضرور جاری رہتا ہے

دعا ہے اللہ تعالےٰ ہم سب کو قرآن کریم کو اپنا رہنما بنانے کی توفیق عطا فرمائے - آمین

محترم جناب شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

سُورۃ الحجر کی ابتدائی آیات میں چند اہم پیشگوئیاں

سُورۃ الحجر کی چند ابتدائی آیات اور ان میں بعض اہم پیشگوئیاں الٓرٰ تلک آیات الکتاب وقرآن مبین۔ الٓرٰ مخفف ہے انا اللہ قادر وقدیر کا جس کے معنی ہیں میں اللہ ہوں جو پوری قدرت کا مالک ہوں میرے ارادہ کے پورا ہونے کے راستہ میں کوئی روک نہیں بن سکتا اس لئے اس سورۃ میں جو وعدے میں نے کئے ہیں وہ ضرور پُورے ہوں گے بلکہ ہمیشہ پورے ہوتے رہیں گے اور جو ان کی راہ میں روک بن کر کھڑے ہوں گے وہ لازماً مٹا دیئے جائیں گے۔ نہ صرف اس زمانہ کے لوگوں کے مشاہدہ میں میری قدرت کے مناظر آئیں گے بلکہ قیامت تک ایسے مناظر لوگوں کے سامنے آتے رہیں گے۔ یہ آیات ہیں الکتاب یعنی اس خاص کتاب کی جس کی شان میں وارد ہوا ہے ھدی للمتقین یعنے یہ ہدایت نامہ ہے تمام ان لوگوں کے لئے جو بدیوں سے الگ رہنا چاہتے ہیں، اور نیکی کی راہوں پر گامزن رہنے کے خواہشمند ہیں، یہ متقین کے معنی ہیں۔ پس یہ کتاب بدیوں سے بچنے کے طریق بھی بتلاتی ہے اور نیکی کی راہوں پر چلنے کی طرف بھی رہنمائی کرتی ہے۔

یہ اس خاص کتاب کی آیات ہیں جس کی شان یہ بتلائی گئی ہے وانہ لکتاب عزیز۔ یعنی یہ ایسی کتاب ہے جو سب پر غالب آنے والی ہے لیکن اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا کہ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ سورۃ حٰم سجدہ ع ۵۔ باطل کسی طرف سے بھی اس پر حملہ آور ہو اس پر غالب نہیں آ سکتا۔ بلکہ ناکام اور نامراد ہی واپس لوٹے گا۔ یا یہ کہ حملہ خواہ اندرونی دشمنوں کی طرف سے ہو یا بیرونی دشمنوں کی طرف سے ہو اس کے زبردست دلائل کے سامنے اسے پسپا ہی ہونا پڑے گا کیونکہ یہ اس خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس کا کلام حکمت سے بھرا ہوا ہے اور مضبوطی میں بے نظیر اور وہ خود چونکہ ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے اس لئے اس کا کلام بھی ہمیشہ مستحق تعریف ہو رہے گا جس کی عظمت شان کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے قل فاتوا بکتاب من عند اللہ ھو اھدیٰ منھما اتبعہ ان کنتم صادقین فان لم یستجیبوا لک فاعلم انما یتبعون اھواءھم ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدی من اللہ۔ ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین۔ (القصص ع ۵)

(تمام مذاہب کے لوگوں) کو کہہ دے کہ کوئی ایسی کتاب لے آؤ جس کو تم اللہ کی طرف سے سمجھتے ہو اسے قرآن کے مقابل میں رکھ دو اور پھر بتلاؤ کہ ان دونوں میں سے کونسی کتاب زیادہ ہدایت والی ہے یعنی قرآن یا تمہاری پیش کردہ کتاب۔ پس جو ان دونوں میں سے زیادہ ہدایت والی ہوگی میں اس کی اتباع کر لوں گا اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ تمہاری کتاب زیادہ ہدایت والی ہے تو ثبوت پیش کرو۔ پس اگر یہ لوگ تمہارے اس چیلنج کو قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ لوگ حق اور صداقت کی نہیں بلکہ اپنی گھڑی ہوئی خواہشات کی پیروی کرنے والے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کو چھوڑ کر اس کے بالمقابل اپنی پست خواہشات کی اتباع میں لگ جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے ظالموں کو اللہ تعالےٰ ہدایت کی راہ نہیں دکھلاتا بلکہ اس سے ان کو محروم رکھتا ہے کیونکہ یہی اس کا قانون مجازات ہے اس لئے یہ ہدایت سے محروم رہیں گے۔

دیگر تعلیموں کے مقابلہ میں قرآنی تعلیم کی خصوصیت اسی لئے قرآن کریم کی سورۃ الفرقان ع ۴ میں فرمایا: ولا یاتونک بمثل الا جئنٰک بالحق واحسن تفسیرا۔ دیگر مذاہب کے لوگ خواہ وہ مذاہب الہامی ہوں یا غیر الہامی اپنی کوئی اعلےٰ تعلیم پیش نہیں کر سکتے مگر ہم اپنی اس کتاب یعنی قرآن کریم کے ذریعہ ثابت کر دیں گے کہ ان کی پیش کردہ تعلیم حق نہیں بلکہ حق وہ ہے جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے۔ اور اس کا حق ہونا ایسی خوبصورت تفسیر سے بیان کیا جائے گا کہ تعصب سے خالی انسان کو اسے حق تسلیم کرنے کے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آئے گا۔

اس کتاب پر عمل کرنیوالا مورد انعامات الٰہی ہوتا ہے پھر یہ اس خاص کتاب کی آیات ہیں جو کامل دین لائی ہے اور جس کی تعلیم کی پیروی کرنے والا مورد انعاماتِ الٰہی ہوتا ہے اور کوئی بھی روحانی یا مادی انعام نہیں جس کو وہ نہ پاسکے۔ جیسا کہ سورۃ المائدہ ع ۱ میں فرمایا: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ اسی طرح ع ۳ میں فرمایا: قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجھم من الظلمات الی النور باذنہ ویھدیھم الیٰ صراط مستقیم۔ یعنے اب تمہارے پاس (اے لوگو) اللہ کی طرف سے نور آ گیا ہے اور ایسی کتاب آ گئی ہے جو دنیا کی دوسری تمام کتابوں سے اپنی الگ امتیازی شان رکھتی ہے اور ہر امر کو جس کی انسانوں کو ضرورت ہے وضاحت سے بیان کر رہی ہے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے ذریعہ ہدایت اور سلامتی کی راہوں پر گامزن رکھتا ہے تمام ان لوگوں کو جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں۔ اور ان کو اپنے اذن سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے اور ان سب کو صراط مستقیم کی راہ پر چلا دیتا ہے ان سب متذکرہ بالا خصوصیات کی طرف الکتاب کا الؔ اشارہ کر رہا ہے۔ الکتاب کے لفظ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالےٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ صلعم پر بذریعہ وحی نازل کیا گیا وہ سب قلمبند ہو کر کتاب کہلانے کا مستحق ہو گیا ہے اور پھر اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دیگر کتب کے مقابلہ میں کثرت سے پڑھے جانے کی وجہ سے قرآن کہلائے گا۔ اور یہ اس کی ایسی خصوصیت ہے کہ جو اسے دیگر کتب کے مقابلہ میں نمایاں مقام عطا کر رہی ہے اور اسے نمایاں امتیازی خصوصی شان کا مالک بنا رہی ہے۔ اس حیثیت سے اس کتاب کی یہ خصوصیت بھی بتلائی ہے کہ کوئی فرد یا مجموعہ افراد مل کر بھی اس کی مثال نہیں بنا سکتا۔ چنانچہ بنی اسرائیل رکوع ۱۰ میں فرمایا قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً ولقد صرفنا للناس فی ھٰذا القرآن من کل مثل فابیٰ اکثر الناس الا کفورا۔ کہہ دو کہ اگر تمام چھوٹے اور بڑے انسان اور جنّات جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکیں گے اگرچہ یہ سب لوگ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔ یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے فائدہ کے لئے مختلف پیرایوں میں ہر قسم کی اعلےٰ اور نادر باتیں بیان کر دی ہیں باوجود اس کے اکثر لوگوں نے انکار کو ہی اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے۔

یہاں تک فرمایا کہ اگر سارے قرآن کی مثل نہیں بنا سکتے ہو تو اس کی کسی ایک سورۃ کی مثل بنا کر ہی دکھاؤ، چنانچہ سورۃ البقرہ ع ۳ میں فرمایا: وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اُعدّت للکافرین۔ یعنی اگر تمہیں اس کے بارے میں جو ہم نے

اپنے اس بندہ پر اتارا ہے شک ہے تو سارا قرآن تو الگ رہا اس کی ایک سورۃ کی ہی مثل بنا کر دکھادو اور اللہ کے سوا باقی تمام مددگار اس کام کے لئے بلا لو اگر تم سچے ہو اس بات میں کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نہیں اتاری گئی اگر تم ایسا نہ کرو اور یاد رکھو کہ تم ہرگز ایسا نہ کرسکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

پہلی پیشگوئی اب دیکھ لو کہ اس چھوٹی سی آیت میں دو کتنی زبردست پیشگوئیاں کی گئی ہیں ایک تو یہ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم پر نازل کردہ کلام لکھا جائے گا۔ اب کون اس حقیقت کا انکار کر سکتا ہے کہ جب سے اس کتاب کا نزول ہوا ہے نہ صرف اس کا متن ہی لاکھوں کی تعداد میں اس وقت تک اس کی تفسیریں بھی حیز تحریر میں آچکی ہیں دنیا کی کوئی بھی مشہور زبان نہیں جس میں اس کی تفسیر موجود نہ ہو۔ پھر کوئی زمانہ ایسا نہیں جس میں جدید سے جدید تفسیریں وجود میں نہ لائی گئی ہوں اور نئے سے نئے معارف اور حقائق اس کے الفاظ سے مستنبط کر کے دنیا کے سامنے نہ رکھے گئے ہوں ہزاروں مجتہد پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اسی پر تدبر کرنے میں صرف کر دیں اور اس کے نتیجہ میں اس کے گہرے سمندر میں غوطہ زن ہو کر اس کے علوم کے بے بہا موتی نکال کر دنیا کو حیرت میں نہ ڈال دیا ہو۔

دوسری پیشگوئی دوسری پیشگوئی قرآن کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ کہ اس قدر اس کو پڑھا جائے گا کہ مسلمانوں کا کوئی بچہ بھی اس کو پڑھے بغیر نہیں رہے گا۔ دن رات گھر گھر اس کی تلاوت ہوتی رہے گی۔ نمازوں میں اس کی تلاوت ہوگی۔ ماہ رمضان میں تراویح میں اس کی تلاوت کا باقاعدہ دَور ہوتا رہے گا۔ دنیا کی کوئی الہامی کتاب نہیں جس کی اس کثرت سے تلاوت ہوتی ہو گویا اس ایک لفظ میں بالفاظ دیگر بطور پیشگوئی اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس کے ماننے والوں یعنی مسلمانوں کے دلوں میں اس کی عظمت اس زور سے گھر کر جائے گی کہ وہ اس کی تلاوت کو اپنے لئے حرزِ جان یقین کریں گے اور اپنے تمام دنیوی مشاغل پر اس کو مقدم قرار دیں گے دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس کی اس قدر گہری محبت اس کے ماننے والوں کے دلوں میں ہو۔

تیسری زبردست پیشگوئی سورۃ کی دوسری آیت ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین۔ میں تیسری پیشگوئی یہ کی گئی ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے آج جو اس کتاب کو قبول کرنے سے گریزاں ہیں صرف گریزاں ہی نہیں بلکہ اس کو نیست و نابود کرنے اور اس کے اثر کو دلوں سے مٹانے کے دن رات منصوبے بناتے رہتے ہیں وہ بالآخر اس کی صداقت کا شکار ہو جائیں گے اور ان دلوں پر یہ اپنی خوبیوں کی وجہ سے ایسا تسلّط جمائے گی کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ کاش ہم ایسی خوبیوں والی کتاب کو پہلے ہی تسلیم کر لیتے بلکہ اس پر پہلے ہی ایمان لے آتے۔ تا کفر کے داغ سے ہم داغدار نہ ہوتے۔

دائمی کھٹک آیت میں ربما کا لفظ جو استقلال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ کھٹک ان کے دلوں میں ہمیشہ بے چینی پیدا کرتی رہیگی اور اس خیال کا اظہار کبھی کبھی ان کی زبانوں پر بھی آجاتا رہے گا چنانچہ فتح مکہ کے بعد جب حضرت بلال رضؓ نے بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر حضرت نبی کریم صلعم کے ارشاد کی تعمیل میں اذان دی تو عرب کے کئی سرداروں نے اس میں اپنی ہتک محسوس کی کہ ہماری موجودگی میں ایک حبشی غلام کو یہ عزت دی گئی۔ پھر تو انہیں میں سے ایک شخص نے کہا کہ جن لوگوں نے ابتدائے اسلام میں ہی اسے قبول کر لیا اور اس کے لئے ہر قسم کے مصائب برداشت کئے اور مختلف قسم کی ایذا رسانیوں کا نشانہ بنتے رہے لیکن باوجود اسکے اسلام کے دامن کے ساتھ وابستہ رہے کیا وہی اس بات کا حق نہیں رکھتے کہ ہم پر ان کو عزت دی جائے یقیناً ایسے لوگ ہی مستحق ہیں کہ ہم پر انہیں ترجیح دیتے ہوئے ہمارے مقابلہ میں انہیں عزت کے مقام پر کھڑا کیا جائے اگر ہم بھی ان کی طرح شروع میں ہی اسلام کی آواز پر لبیک کہتے اور مخالفت کی بجائے تصدیق سے کام لیتے تو یقیناً آج ہم بھی معززین میں شمار ہوتے۔

ہندہ کا قول اس کے علاوہ فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت صلعم ابو سفیان رئیس مکہ کی بیوی ہندہ سے بیعت لیتے وقت یہ الفاظ کہلوانے لگے آیندہ شرک نہیں کرونگی تو وہ فوراً بول اٹھی یا رسول اللہ کیا اب بھی ہم شرک کا ارتکاب کر سکتے ہیں اگر ان بتوں کے اندر کچھ بھی طاقت ہوتی تو کیا آپ آج ہم سے بیعت ہی لے رہے ہوتے ہم نے تو ان بتوں کی مدد میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن معلوم ہوا کہ یہ طاقت سے بالکل تہیدست تھے ورنہ آپ ہم پر کس طرح غالب آ سکتے تھے۔ اس قسم کے اپنے عجز کا اظہار اکثر لوگوں کے منہ سے ہوتا رہتا تھا۔ ہر با انصاف انسان غور کرے کہ یہ کس قدر زبردست پیشگوئی تھی جو انتہائی بے بسی کی حالت میں کی گئی اور آخر کس شان کے ساتھ پوری ہوئی حالانکہ اس کے پورا ہونے کے بظاہر کوئی سامان نہ تھے۔

پیشگوئی کے وقت کی حالت جس وقت پیشگوئی مندرجہ بالا کے یہ الفاظ اہل مکہ کے درمیان بطور اعلان مشتہر کئے گئے اس وقت اہل مکہ کا ردِّ عمل یہ تھا کہ ایسی پیشگوئی کرنے والے کو مجنون قرار دیتے تھے کیونکہ اپنی طاقت اور مال کے گھمنڈ میں اپنے کھانے پینے میں مشغول اور اپنی عیش و عشرت میں مگن نہایت بے پرواہی سے ان الفاظ کو سنتے اور قطعاً ان کو درخور اعتناء نہ سمجھتے اور نعوذ باللہ حضرت نبی کریم صلعم کی شکست اور اپنی فتح کی امید انہیں ان الفاظ کی حقیقت تک پہنچنے کی راہ میں حائل رکھ رہی تھی لیکن اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ مغرور لوگ بالضرور اپنی اس غفلت کا انجام جان لیں گے اور عنقریب ان کو پتہ لگ جائے گا کہ ان کی موجودہ اخلاق سے گری ہوئی حیوانوں والی زندگی ان کے کام نہیں آئے گی کامیابی تو درکنار رہی ان کی ایسی زندگی ان کو ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں دھکیل کر دم لے گی بلکہ ان کو ویسے ہی حشر سے دو چار کرے گی جس حشر سے انبیاء سابقین کی قومیں دو چار ہوتی رہی ہیں۔ اسی لئے فرمایا ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کی ہلاکت کے لئے قبل ہی ہلاکت معلومہ کی پیشگوئی کر دی ہوئی تھی چنانچہ اس مقررہ اجل سے نہ کوئی قوم پہلے ہلاک ہو سکتی تھی نہ اس ہلاکت کے وقت کو پیچھے ڈال سکتی تھی اسی طرح قریش مکہ اس وقت جس قدر ہنسی سے کام لے سکتے ہیں لے لیں مگر ان کی تباہی کا بھی جب وقت مقررہ آئے گا تو ان کا ویسا ہی حشر ہوگا جیسا حشر کہ پہلی قوموں کا ہوا۔ بے شک اب یہ کہتے ہیں اے وہ شخص جس پر یہ ذکر اتارا گیا یقیناً تیرا قول کہ ہم باوجود تیرے مقابلہ میں پوری طاقت کے مالک ہونے کے اور باوجود تیری انتہائی بے بسی کے اور بے یار و مددگار ہونے کے ہم شکست کھائیں گے مجنونوں کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

ان کا مطالبہ اور خدا کا جواب ہاں ایک ہی صورت ہے ہمارے مغلوب اور تیرے غالب ہونے کی کہ فرشتے ہمارے پاس آکر یا ہمارے دلوں میں تیری سچائی کا القا کریں یا تمہاری مدد کریں جس سے ہم شکست یافتہ ہو جائیں اس لئے اگر تو اپنے غلبہ کے دعوٰے میں سچا ہے تو فرشتوں کو ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا یا اپنی مدد کے لئے انہیں کیوں نہیں بلاتا یہ بات وہ از راہِ تمسخر کہہ رہے تھے ورنہ فرشتوں کے نزول پر انہیں کہاں ایمان تھا ان کے اس تمسخرانہ مطالبہ کے جواب میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ہم نہیں اتارا کرتے فرشتے مگر ساتھ حق کے یعنی ان کے نزول سے صرف پیشگوئی کی سچائی ہی واضح نہیں ہوگی بلکہ رسول کی ہر بات سچی ثابت ہو جائے گی۔ باطل کچلا جائے گا اور حق درخشاں ہو کر چمک اٹھے گا اور تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ فرشتے خدا کے فرستادوں کی مدد کے لئے فی الحقیقت نازل ہوا کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں کی طاقت کو کچل کر رکھ دیتے ہیں اس وقت پھر ان دشمنانِ حق کو ڈھیل نہیں دی جاتی ناکامی اور نامرادی کا دیو منہ پھاڑے ان کو نگلنے کے لئے تیار کھڑا ہوتا ہے جو ان کو نگل کے رہتا ہے۔

(باقی آیندہ)

حضرت خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ

کامل مذہبی رواداری

محمد رسول اللہ صلعم نے سب سے پہلے دنیا میں یہ اصول قائم کیا۔ کہ دین کے معاملات میں کسی پر جبر نہیں کیا جا سکتا اور اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا۔ مذہبی معاملات میں اختلافات آراء کا احترام کیا گیا۔ اور آزادی ضمیر کی توسیع اشاعت کی گئی۔ انفرادی رائے کا ہر شخص کو حق دیا گیا۔ اور آپ نے فرمایا۔ کہ ہر شخص اپنے معتقدات مذہبی کا خود خدا کے سامنے جوابدہ ہوگا۔ یہ معاملہ بندہ اور خدا کے درمیان منحصر ہے۔ مسیحیت نے تو مذہبی جور و تعدّی کے بدترین نمونے پیش کئے۔ اختلاف رائے سے خون کے دریا بہا دیئے۔ اس لئے اس معاملہ میں اصلاح کی ضرورت تھی۔ اور آپؐ نے اس کمی کو پورا فرما دیا۔ تاریخ اسلام میں کسی گلیلیو اور کسی لیٹیمر کے ستائے جانے کا تذکرہ نہیں مل سکتا۔ بدعت کی مذمت ضرور کی گئی ہے۔ لیکن کسی فرقہ یا جماعت مبتدعین کو زندہ آگ میں نہیں ڈالا گیا۔ اگر ڈین انجی اب سے چند صدی پہلے پیدا ہوئے ہوتے تو یقیناً الحاد کے الزام میں ان کو بھی زندہ در آتش کر دیا گیا ہوتا۔ لیکن نبیؐ کریم صلعم فرماتے ہیں۔ کہ کسی شخص کو دوسرے کی مذہبی زندگی میں دخل دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اور نہ کوئی کسی کو ضمیر کی آزادی کی بناء پر مستوجب سزا قرار دے سکتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔ کہ کسی شخص کو غلط عقائد کی وجہ سے اس دنیا میں کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ یہ بات آخرت پر موقوف ہے۔ اس زندگی میں تو صرف اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ عقائد کا معاملہ آخرت میں طے ہوگا۔ اس طرح آپؐ نے ایسی مذہبی رواداری کا اصول قائم فرمایا۔ جس کی نظیر ماقبل اسلام میں نہیں مل سکتی۔ اور آج بھی اگر ان معاملات میں کلیسیا کی رائے کو وقعت دی جائے۔ مثلاً عقیدۂ اتھانیسی اس، تو یہ رواداری آج بھی اصلی مسیحی اسپرٹ کے خلاف اور اس کے متصل ہے۔ آپؐ نے اصول رواداری پر عمل کر کے بھی دکھا دیا۔ جس طرح آپ نے مسلمانوں کے نفوس اور اموال کی حفاظت کی اسی طرح غیر مسلموں کے۔ اور ان کو اپنے عقاید پر قائم رہنے کی کامل آزادی تھی۔ عیسائیوں کو بھی آپؐ نے بڑی مراعات عطا فرمائیں۔

سید امیر علی لکھتے ہیں :۔

" دنیا میں مسلمانوں سے بڑھ کر کسی مذہبی جماعت فاتحین نے غیر مذاہب کو مراعات عطا نہیں کیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے **نجران** کے نصاریٰ کو مندرجہ ذیل دستاویز عنایت فرمائی تھی ۔۔ نجران اور اس کے قرب و جوار کے عیسائیوں کو خدا تعالےٰ کی حفاظت اور اس کے رسول کی نیک نیتی کا وعدہ بہ این الفاظ دیا جاتا ہے کہ ان کے نفوس اموال اور عقائد سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا۔ اور ان کے مذہبی مراسم میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے گی۔ اور ان کے حقوق اور مراعات میں کمی نہ کی جائے گی۔ کسی اُسقف یا راہب کو اس کی جائے مقررہ سے برطرف نہ کیا جائے گا۔ اور ان کی پوزیشن اور عزت برقرار رہے گی۔ کوئی مورت یا صلیب نہ توڑی جائے گی۔ اور نہ ان پر کوئی دوسرا ظلم کرے گا۔ اور نہ وہ کسی پر ظلم کر سکیں گے۔ ایام جاہلیت کا طریق قصاص موقوف کیا جاتا ہے ان سے عشر نہ لیا جائے گا۔ نہ ان کو سامان رسد مہیا کرنا پڑے گا۔"

مجوسیوں کو بھی اسی طرح کا اقرار نامہ عطا کیا گیا، آپؐ نے پیر مغاں **فرخ ابن شخصان** کو جو خط لکھا تھا۔ اس کے چند فقرے اس جگہ نقل کرتا ہوں:۔

"**محمد** رسول اللہ کی طرف سے **سلمان فارسی** کے بھائی **فرخ** ابن شخصان اور اس کے عیال کو یہ دستاویز ہمیشہ فائدہ اُٹھانے کی غرض سے دی جاتی ہے۔ خواہ اس کی اولاد اسلام لائے یا مذہب اجداد پر قائم رہے۔ یہ دستاویز اس بات کی ضمانت ہے کہ اس کو اور اس کی اولاد کو **خدا** کی حفاظت میں رکھا جائے گا۔ اور ان کے اموال و املاک کی حفاظت کی جائے گی۔ خواہ کوہی ہوں یا میدانی۔ ان کو چراگاہوں اور کنوؤں کے استعمال کی اجازت ہوگی۔ ان پر کسی قسم کا ظلم روا نہ رکھا جائے گا۔ اور جس مسلمان کی نظر سے یہ خط گذرے۔ اس پر مجوسیوں کی حفاظت فرض ہے۔ اسے لازم ہے۔ کہ دوسروں کو ان پر ظلم کرنے کا موقعہ نہ دے۔ اور نہ ان کو زبان یا ہاتھ سے آزار پہنچائے۔ وہ اپنے معابد اور املاک پر بدستور قابض رہیں گے۔ قیمتی ملبوسات کے استعمال کی آزادی ہوگی۔ مکانات کی تعمیر اور رسوم کی مذہبی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی جائے گی۔ اور تمام غیر مسلموں سے بڑھ کر انکے ساتھ حسن۔

اسلام میں **مسلم** اور **ذمی** دونوں شریعت کی نگاہ میں یکساں ہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا ہے کہ "ذمی کا خون، مسلمان کے خون سے کم نہیں"۔ رواداری کی یہ روح اسلامی حکومت کے عروج میں ہر جگہ جلوہ فرما تھی۔ **خلیفہ اوّل** کے زمانہ میں **خالد ابن ولید** نے جو ان کے سپہ سالار تھے، ایک اعلان شائع کیا۔ جس کی رُو سے تمام نصاریٰ کے نفوس اور املاک کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اور یہ کہ ان لوگوں کے تہواروں کے زمانہ میں صلیبیں نکالنے اور ناقوس بجانے کی اجازت ہوگی۔ خلیفۂ وقت نے بھی اس اعلان پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔ **فتح مصر** کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ نے ان املاک کو بہ احتیاط برقرار رکھا۔ جو معابد سے متعلق تھیں۔ اور **نصاریٰ** کے مذہبی **علماء** کو جو وظائف دیئے جاتے تھے۔ وہ بھی برقرار رکھے۔ خلیفہ سوم کے زمانہ میں **اسقف مرو** نے جو خط **اسقف فارس** کو بھیجا تھا۔ اس میں اسلامی رواداری کی رُوح پر بے حد اظہار تشکر و امتنان کیا تھا۔ خلیفۂ چہارم نے بھی **ایران** کے ایک مجوسی معبد کے سردار کو دستاویز لکھ کر بھیجی تھی۔ جس کا مضمون یہ ہے :۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امیر المؤمنین علی ابن طالبؓ کی طرف سے بہرام ابنِ خرادادس مجوسی کو یہ دستاویز عطا کی جاتی ہے۔ جو اپنی جماعت کا مسلّمہ پیشوا ہے۔ نیز اس کا اثر اس کی اولاد اور احفاد میں بھی باقی رہیگا میں تمہارے نفوس، املاک، ازواج اور احفاد کی حفاظت کا ذمّہ لیتا ہوں۔ خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے بھی حفاظت جان و مال کا وعدہ کرتا ہوں۔ میں نے ان مسلمانوں کو بھی جو سرحدوں پر جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہیں۔ اسی قسم کا فرمان بھیجدیا ہے۔ کہ وہ تمام مجوسیوں کی حفاظت کریں۔ ان کے ساتھ مہربانی کا سلوک کریں۔ اور کسی کو ان پر ظلم نہ کرنے دیں۔ جو ٹیکس تم سے وصول کیا جاتا ہے اسے منسوخ کرتا ہوں۔ اور تمہارے مویشی بھی کلیتہً آزاد کئے گئے۔ اب ان میں سے کوئی جانور وصول نہ کیا جائے گا۔ تم لوگ اپنے معابد اور ان سے متعلق جائداد کے خود مختار ہو۔ اور تم کو مالکانہ تصرف کا حق دیا جاتا ہے۔ اور تم میں جو یہ رسم ہے۔ کہ ہر مجوسی ایک درہم سالانہ اپنے گاؤں کے مذہبی پیشوا کی نظر کرے اس کو بھی برقرار رکھا جائے گا۔ چونکہ میں نے آنحضرت صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ جو لوگ مختلف العقائد والدین کی اولاد ہیں۔ وہ میراث کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اس قسم کے لوگوں کی جائدادیں میرے حکم سے مذہبی پیشواؤں کو ملیں گی۔ میں نے یہ باتیں تمہیں اس وقت لکھیں۔ جبکہ مجھے تمہارے مرتبہ اور وجاہت دینی سے پوری واقفیت ہوگئی۔ اور یہ بھی تحقیق ہوا۔ کہ تمہارے اس مرتبہ پر قائم رہنے سے تمہاری قوم کا بھلا ہوگا۔ اور یہ کہ تم اپنی قوم کے بہی خواہ اور مشیر کار ہو۔ سارد تمام مسلمین اور مسلمات پر فرض ہے کہ وہ تمہاری اور تمہارے متعلقوں کی حفاظت کریں، اور تمہاری رسوم مروجہ کو برقرار رکھیں۔ اور تمہارے اُوپر کسی قسم کی قیود عاید نہ کریں۔ تمہارے عیوب سے چشم پوشی کریں۔ اور تمہارے بڑوں کے ساتھ حسنِ سلوک روا رکھیں اور تم سے کبھی کسی قسم کا تاوان طلب نہ کریں۔ اور تمہیں تبدیل مذہب پر مجبور نہ کریں۔ کیونکہ قرآن مجید فرماتا ہے " مذہبی معاملات میں کسی پر جبر نہ ہوگا۔ قرآن نے ہدایت اور ضلالت میں فرق بیّن (بدلائل) کر دیا ہے"۔

آنحضرت صلعم کے زمانہ مبارکہ میں بعض مسیحی علماء مذہبی گفتگو کے لئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے از راہ مہمان نوازی ان لوگوں کو مسجد نبویؐ کے متصل مکانات میں ٹھہرایا۔ اور جب اتوار کا دن آیا، جس دن عیسائی عبادت کرتے ہیں، تو انہیں گرجا کی تلاش ہوئی۔ ایک مسلمان کو عبادت کے لئے مسجد کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ساری زمین اس کے لئے پاک کر دی گئی ہے۔ وہ جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن بیچارے پادری مشکل میں پھنس گئے۔ کہ عبادت کرنے کہاں جائیں۔ اس موقعہ پر آپ نے ان کی مشکل اپنی مسجد کو ان کی عبادت کے لئے پیش کرکے دور فرما دیا۔ اسی رواداری کی بہتر سے اسلام میں مذہبی دل آزاری کا نشان نہیں ملتا۔ خیال فرمائیے۔ نبی کریم صلعم نے کس قدر کشادہ دلی کا ثبوت دیا! وہ مسجد جس میں خدائے واحد صمد، لم یلد ولم یولد کی عبادت ہوتی تھی۔ اسے ان لوگوں کو استعمال کے لئے دے دیا۔ جو یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ خدا کی اولاد بھی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر منگانا نے حال ہی میں ایک چارٹر کا پتہ لگایا ہے۔ جو مکتفی ثانی خلیفہ بغداد نے نسطوری کلیسیاء کے عمائدین کو عطا کیا تھا۔ اس میں یہ بھی تحریر تھا:-

"تمہارے ہم مشربوں کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی اور تمہاری تمام بہبودی کو ہمیشہ مدِ نظر رکھا جائے گا۔ تمہارے گرجوں کا احترام کیا جائیگا طریق تدفین میں مداخلت نہ کی جائے گی۔ اور یہ تمام مراعات خلفائے راشدین کی تقلید میں عطا کی جاتی ہیں۔"

علاوہ بریں، ان کے مذہبی مناقشات اور شرعی معاملات میں، خلیفہ مذکور، از راہ کرم ثالث بالخیر بننا گوارا کر لیتا تھا۔ اور اسی لئے تاکہ حق بحقدار رسد۔ اور کسی پر ظلم نہ ہونے پائے۔ اور گمراہ کو راہ راست مل جائے۔ نیز ان کے مذہبی امور کی بھی نگرانی کی جاتی تھی، اور ان کے جذبات مذہبی کا پورا احترام رکھا جاتا تھا۔

اس ضمن میں ڈاکٹر منگانا رقمطراز ہے:-

"اس بات کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی جاتی رہی ہے کہ جس زمانہ میں اسلام کو لکھوکھہا عیسائی رعایا کی جان و مال کا اختیار حاصل تھا اس وقت اسلام اور مسیحیت کے دفتری تعلقات پر روشنی ڈالنے والی کوئی مستند دستاویز ہاتھ آ جائے۔ ممکن ہے اکا دکا عیسائی کسی مسلمان کے ظلم کا نشانہ بن گیا ہو۔ لیکن اس قسم کی نظیر اسلامی قانون سے خلاف ورزی سمجھی جائے گی۔ کیونکہ اسلام کا دفتری رجحان تو دستاویز زیر نظر میں وضاحت تمام بیان کر دیا گیا ہے۔ اور اس سے بے شک یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ مسیحیت آزادی کے داغ سے اسلام کا دامن داغدار نہیں ہے یہ چارٹر ایک عباسی خلیفہ کے دربار سے جاری ہوا تھا۔ جسے کئی سو سال گذر گئے۔ کیا اس بیسویں صدی عیسوی میں کوئی یوروپین حاکم مثلاً شاہ انگلستان۔ ملکۂ ہالینڈ یا صدر جمہوریۂ فرانس اس سے بڑھ کر رواداری کا مظاہرہ کر سکتا ہے؟ یہ فرمان بارھویں صدی میں لکھا گیا تھا۔ لیکن اس میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ ہم نے اس قسم کی تحریر کا حکم خلفائے راشدین اور خلفائے عباسیہ کے نقش قدم پر چل کر دیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آغاز اسلام سے اس وقت تک سارے خلفاء عیسائیوں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اس کا ثبوت نسطوری اسقف اشوع یہب ثالث (۶۶۰-۶۵۰ء) کی تحریر کے اس قابل یادگار فقرے سے ملتا ہے 'اہل عرب جن کو اس وقت خدا نے دنیا کی حکومت عطا فرمائی ہے عیسائی مذہب اور اہل مذہب دونوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچاتے۔ بلکہ وہ ان پر کرم کرتے ہیں۔ اور عیسائی علماء کا احترام کرتے ہیں۔ اور گرجوں کی امداد کرتے ہیں۔"

اسی طرح ہندوستان میں بھی مسلمان بادشاہوں نے ہندو مندروں کی نگہداشت کے لئے جاگیریں اور املاک عطا کیں۔ اور ریاست حیدر آباد (دکن) میں آج بھی ہنود، نصاریٰ اور مجوسیوں کو مالی امداد دی جاتی ہے۔ ریاست بھوپال میں بھی یہی ہوتا رہا ہے۔ بقول سید امیر علی مرحوم آج بھی یورپ میں بہت سی حکومتیں ایسی ہیں۔ جن کو اس معاملہ میں، اسلامی اصول حکومت کو اپنے واسطے نمونہ بنانا چاہیئے۔

یوں ہمارے مخالفین جو چاہیں، کہیں اور جتنی چاہیں مخالفت کریں، لیکن تاریخی واقعات کا انکار ان کی طاقت سے باہر ہے۔ ریاستہائے بلقان کا وجود ہی اس الزام کی تردید ہے۔ کہ اسلامی حکومت کا طریق عمل یہ رہا ہے۔ کہ ایک ہاتھ میں قرآن دوسرے میں تلوار۔ ان جماعتوں کے زندہ سلامت باقی رہنے سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ اسلامی حکومتوں میں غیر مسلموں کی جان اور مال دونوں محفوظ ہیں۔ ہندوستان کی مثال لے لیجئے۔ یہاں پر قریباً ایک ہزار سال تک زبردست اسلامی حکومت قائم رہی۔ لیکن تیس کروڑ باشندوں میں دو تہائی سے زیادہ اب بھی غیر مسلم ہیں۔ اور یہ سات آٹھ کروڑ مسلمان زیادہ تر ان مغلوں، پٹھانوں بلوچیوں عربوں اور سیدوں کی اولاد ہیں۔ جو یہاں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ یہ تاریخی واقعات ہیں۔ اور ان کے ہوتے ہوئے اس دعوے کے ثبوت کے لئے کسی دوسری شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ جس ملک میں بھی مسلمانوں نے حکومت کی۔ وہاں "زندہ رہو اور زندہ رہنے دو"۔ کے اصول پر عمل کیا ہے آج عام طور پر تہذیب اور وسعت قلبی کا زمانہ ہے۔ اور اس لئے ہم لوگ رواداری کو محمود جانتے ہیں۔ لیکن آنحضرت صلعم نے تو اس زمانہ میں اس پر عمل فرمایا۔ جبکہ مذہبی رواداری یا ضمیر کی خاطر دوسروں کو ستانا۔ یہ باتیں حقائق مذہب یقین کی جاتی تھیں۔ اور اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ انبیائے یہود کا اسوۂ پیش نظر تھا۔ اور دیگر انبیاء نے اس معاملہ میں خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ لیکن اگر مذہبی رواداری، انسانیت کیلئے موزوں مذہب کا اک جزو لازمی ہے تو یقیناً یہ بات بھی آپؐ کے عدیم المثال ہادیٔ مذہب ہونے پر اک دلیل ہے۔

حضرت مرزا صاحبؑ نے فرمایا:-

"ہمارے نزدیک تین چیزیں ہیں ایک کتاب اللہ دوسرے سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور تیسرے حدیث۔"

پھر ان تینوں کا مقام واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیئے۔ کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنّت نہ ہو۔ تو خواہ کیسی ہی کمزور درجہ کی حدیث ہو۔ اس پر عمل کریں۔ اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں۔ اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنّت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں۔ کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے اور اگر بعض موجودہ تصورات کی وجہ سے فقہ حنفیہ کوئی فتویٰ نہ دے سکے تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں۔"

(ریویو بر مباحثہ مولوی محمد حسین بٹالوی و عبداللہ چکڑالوی۔ ۲۷ر نومبر ۱۹۰۲ء)

کلام مسیح موعودؑ

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگہدار ✤ کاخر کنند دعویٔ حبّ پیمبرم
جانم گداخت از غم ایمانت اے عزیز ✤ ویں طرفہ ترکہ من بگمانِ تو کافرم
گوش دلم بجانب تکفیر کس کجاست ✤ من مست جامہائے عنایات دلبرم

معاشرے کی اصلاح کیلئے اپنی ذات اور کردار کا محاسبہ ضروری ہے

اصل بھلائی کا سرچشمہ خود اپنی اصلاح ہے

"مشرق" کے مندرجہ ذیل مضمون سے عیاں ہے کہ قوم کی اصلاح کے لئے ایک اصلاح یافتہ معاشرہ کی از بس ضرورت ہے۔ جب حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے جماعت احمدیہ کی تشکیل خدائی حکم کے تحت کی تو اس پر اب تک بھی یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ آپ نے ایک نیا فرقہ کا اضافہ کر دیا۔ اسلام میں اصلاح معاشرہ کا سچا طریق کار کیا ہے کیا یہ عالی مقصد تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ سے تکمیل پا جائے گا یا اس طرح کہ فی الواقع ایک "اصلاح یافتہ" جماعت کو وجود میں لایا جائے؟ پس یہ وہی جماعت احمدیہ تھی جس کی بابت ڈاکٹر اقبال مرحوم ۱۹۱۱ء میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اگر اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنا ہو تو وہ تمہیں اس فرقہ میں ملے گا جو قادیان میں آج پیدا ہوا ہے۔ (مدیر)

ہم میں سے اکثر لوگ دوسروں کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں لیکن خود اپنے متعلق بہت کم سوچتے ہیں کہ اصلاح اور تقوے کا جو معیار وہ دوسروں میں دیکھنا چاہتے ہیں خود کہاں تک اپنی مثال پیش کر سکتے ہیں۔ آخر یہ بات کیوں ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے کہ اس کائنات میں سب سے پہلے انسان اپنے آپ کا اپنے نفس کا خود اپنی ذات اور شخصیت کا اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جواب دہ ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ "اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اور پھر اپنے اہل و عیال کو بچانے کی کوشش کرو"۔ تمام انبیائے کرام پہلے ایک ایک فرد کو مخاطب کرتے رہے۔ قیامت کے روز ہر شخص کو انفرادی طور پر اللہ تعالےٰ کے حضور اپنے اعمال کا جواب دینا پڑے گا کہ اس نے اپنی زندگی اور اس کی صلاحیتوں کو کن اعمال میں کھپایا مال و دولت کو کن وسائل سے حاصل کیا اور کیا حرام اور حلال کی تمیز روا رکھی اور پھر اس کمائی کو کہاں خرچ کیا اور کیسے خرچ کیا یہ تمام جواب طلبی وہ اکیلا بھگتائے گا اور کوئی دوست رشتہ دار اور بزرگ اس کی مدد نہیں کر سکے گا۔

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ روزِ آخرت کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوگا، ہر شخص ایک دوسرے سے گریزاں ہوگا۔ لہذا ہر شخص کو سب سے پہلے اصلاح کا پروگرام خود اپنے آپ سے شروع کرنا چاہیئے۔ خود اپنے اندر کا بجھا ہوا دیا روشن کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جب تک وہ بجھا ہے باہر کی بجلیاں اور قمقمے اسے اندھیرے سے نجات نہیں دلا سکتے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے "تمہارے جسم میں خون کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب وہ صحیح ہوگیا اور جان لو کہ یہ تمہارا دل ہے"۔ معاشرے کے دوسرے افراد سے ڈاکٹر یا قانون کی گرفت سے بچنے کی خاطر یا بے عزتی اور بدنامی کے خوف سے تو انسان صحیح سیرت و کردار کا کبھی مالک نہیں بن سکتا۔ قانون کو فریب دیا جا سکتا ہے۔ جھوٹی شہادتوں کا انبار لگا کر اسے دھوکا دینا آسان ہے۔ اور پھر قانون تو مکڑی کے جالے کی طرح ہے کمزور کو الجھا لیتا ہے۔ طاقتور سے ٹوٹ جاتا ہے اصل بھلائی کا سرچشمہ خود اپنی اصلاح ہے۔ ہدایت الٰہی کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنا ہے اخلاقی تربیت کرتا ہے۔ خدا اور رسول کی محبت اگر قلب میں سما جائے تو پھر انسان صراط مستقیم سے نہیں بھٹکتا۔ وہ ہر لغزش پر بے اختیار خدا کے حضور جھک کر توبہ اور استغفار کرتا ہے۔ ہر جرم کی سزا کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر حیلے بہانے کر کے پردہ نہیں ڈالتا وہ حالات کی مجبوریوں اور اپنی بے بسی کے جواز میں دلیلیں نہیں مہیا کرتا بلکہ اسے اپنے قصور کے اعتراف میں کوئی باک نہیں ہوتا۔

اصلاح کے زینے کے کئی مدارج ہیں۔ سب سے پہلے احساس گناہ ہوتا ہے۔ پھر اس کا اعتراف پھر ندامت کا اظہار پھر گناہ سے نفرت کا جذبہ پھر معافی اور استغفار کی بے تابانہ آرزو و اضطراب پھر توبہ اور آئندہ سے اس گناہ کے نہ کرنے کا عزم۔

اگر ہم اپنے گریبان میں جھانکیں تو معلوم ہوگا کہ ہم احساس و اعتراف کی پہلی منزل ہی میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ ہم اپنی غلطی کے جواز میں بحث کرتے ہیں، دوسروں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں، حالات کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہم میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہوتی کہ یہ کہہ سکیں افسوس مجھ سے غلطی ہو گئی آپ انشاءاللہ ایسا نہیں کروں گا۔ یہاں تو معاشرے میں ہر شخص فرشتہ ہے۔ گویا اس سے کبھی کسی غلطی کا ارتکاب ہی نہیں ہو سکتا۔ لہذا اگر ہم نے اپنے آپ کو صحیح کرنا ہے تو پھر یہ کہنے کی عادت ڈالنا چاہیئے۔ افسوس! واقعی مجھ سے یہ غلطی ہو گئی۔ انسانوں سے اپنی غلطی کے لئے معذرت خواہ ہونا بڑی نیکی ہے اور پھر اللہ تعالےٰ کے حضور معافی مانگنا تو بڑے ہی سعادت کی بات ہے ؏

جس کو خدا کی شرم ہے وہ ہے بزرگ دیں
دنیا کی جس کو شرم ہے مردِ شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں اس کا کیا کہوں
فطرت میں وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے

حضور نبی کریم صلعم نے یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی ہے اے اللہ تو سراپا معافی ہے معافی کو پسند کرتا ہے۔ پس مجھے معاف کر دے۔ چنانچہ جب انسان اپنے آپ کو ٹھیک کرنے کے درپے ہو جاتا ہے تو پھر اس کے اندر انقلاب برپا ہوتا ہے اس کی خودی بیدار ہو جاتی ہے اس کے اندر کا سویا ہوا انسان جاگ اٹھتا ہے پھر وہ اپنی انفرادیت کی اندرونی سرزمین کے سنوارنے میں لگ جاتا ہے۔ جہاں جہاں خامیاں ہوتی ہیں انہیں دور کرتا ہے۔ عادات کا زنگ اتارنے میں مصروف ہو جاتا ہے وہ دوسروں کی بجائے اپنے آپ کو ہدف تنقید بناتا ہے۔ دوسروں پر [illegible] واقعی بڑا آسان ہے لیکن خود اپنے آپ کا محاسبہ اور تنقید جان جوکھوں کا کام جب شعور میں یہ بات رچ بس جائے تو پھر یہاں سے تعمیر سیرت و کردار کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر انسان عمل کا پیکر بننا شروع ہوتا ہے اور اسے اس بات کا گہرا احساس ہونے لگتا ہے کہ اس دنیا میں گذرا ہوا ایک لمحہ اور اس میں کئے ہوئے ہر کام اور ہر حرکت کے لئے وہ آخرت میں جواب دے گا۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے رہن پڑا ہوا ہے ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کو صرف وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے سعی کی ہوگی۔ انسانی معاشرہ افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ اگر ہر فرد اپنے طور پر خود اپنے آپ کو سنوار لے تو پھر سارے معاشرے کی کایا پلٹ جائے گی۔ (بشکریہ۔ مشرق)

سرینام (جنوبی امریکہ) میں مولوی نورانی صاحب کا ناکام دورہ

بسلسلہ صفحہ ۲

افسوس مگر یہ ہے کہ واعظ نہیں پیدا
یا ہیں تو بقولِ آپ کے دیندار نہیں ہیں
کیا آپ کے زمرے میں کبھی کو نہیں یہ درد؟
کیا آپ بھی اس کے لئے تیار نہیں ہیں؟
جھلا کے کہا یہ کہ یہ کیا سوئے ادب ہے
کہتے ہو وہ باتیں جو سزاوار نہیں ہیں
کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

سلسلۂ احمدیہ کے قیام کا مقصد

(۲)

یہ سوال پوچھا جائے گا کہ ان روشن خیال اصحاب کی ذہنیت میں کیا نقص ہے جو سلسلہ احمدیہ کے کاموں کو نہایت عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مگر اس میں شمولیت کو تفرقہ بازی و سنگدلی پر محمول کرتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے سب سے مشکل امر کسی کام میں عملی شمولیت ہوا کرتا ہے۔ اور بہت سے اصحاب تو جب دلائل و واقعات سے سلسلہ کی عظمت کا انکار نہیں کر سکتے۔ تو گریز کی یہ راہ اختیار کرتے ہیں۔ پس یہ ان کی کمزوری اور کم ہمتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر جماعتِ احمدیہ اپنا نام بدل دے یا اپنی خصوصیات ترک کر دیوے تو بہت سے روشن خیال مسلمان اس کی امداد پر آمادہ ہو جائیں گے میں پوچھتا ہوں کہ وہ لوگ جو عملی پہلو سے عذر کی ایک راہ نکالتے ہیں۔ وہ کبھی اس رستہ پر نہ آئیں گے۔ جو محنت اور دکھ چاہتا ہے۔ اور اگر ان کا ایک عذر دور ہو جائے گا تو دوسرا تیار ہوگا۔ **کیونکہ جہاں کام کرنے کی نیت نہ ہو وہاں عذر بنتے کوئی دیر نہیں لگا کرتی۔** پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جو لوگ سلسلہ احمدیہ سے ان اصولوں میں متفق ہیں ان کا محض نام احمدی کی وجہ سے الگ رہنا اپنے اندر کونسی معقولیت رکھتا ہے۔ یعنی اگر شخص کسی دوسرے سے اصولوں میں اتفاق نہ رکھتا ہو تب تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس سے الگ رہے۔ لیکن جب اصولوں میں اتفاق ہے۔ تو پھر علیحدگی کے کیا معنے؟ اب اگر اس بات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ چونکہ نام احمدی لوگوں میں مقبول نہیں اس لئے یہ "روشن خیال" اصحاب کام میں شمولیت تو پسند کرتے ہیں۔ مگر خواہ مخواہ اپنے آپ کو بدنام کرنا نہیں چاہتے۔ مقامِ تعجب ہے کہ اگر یہ حالت ہے تو ایسے اصحاب سے کسی بڑے کام کی توقع رکھنی فضول ہے۔ بھلا جو شخص کسی بات کو اس لئے نہ کر سکے کہ لوگ اسے بُرا نہ جانیں۔ وہ کونسے اخلاق کا مالک اور اس سے کونسے بڑے کام کی اُمید رکھی جا سکتی ہے۔ اسلام نے سب سے بڑا معیار نیکی کا یہ نہیں رکھا کہ اپنے کام کی وجہ سے انسان مقبول بن جائے بلکہ اکثر حالتوں میں نیکی وہ ہوتی ہے جس سے انسان دنیا کی ذلت اُٹھائے اور جس شخص نے کسی بات کو لوگوں میں مقبولیت کی وجہ سے کر دکھلایا۔ اس نے تو کوئی نیکی نہیں کی۔ بلکہ یہ تو خود غرضی پر مبنی ہے۔ اب جو لوگ احمدی نام کو ہوّا سمجھ کر سلسلہ میں اس لئے شامل نہیں ہوتے کہ وہ بدنام ہو جائیں گے۔ وہ واقعی اس قابل نہیں کہ سلسلہ میں داخل ہوں۔ اگر بالفرض وہ جماعت میں شامل بھی ہو جائیں تو بجائے فائدے کے نقصان کا موجب ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ اپنی بزدلی سے تمام جماعت کو متاثر کریں گے۔

افراط و تفریط کی راہیں مگر میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ علاوہ بزدلی اور عذر خواہی کے بعض "روشن خیال" اصحاب ایسے بھی ہیں جن کی سمجھ میں سلسلہ احمدیہ کا مقصد واضح نہیں اور وہ اپنی تمام نیک نیتی کے باوجود محض لاعلمی کی وجہ سے اس کو تنگ دلی پر محمول کرتے ہیں۔ ایسے اصحاب کی ذہنیت میں کیا نقص ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ جب کبھی ایک معاملہ میں افراط ہو جاتی ہے تو اس کے خلاف ایک لہر پیدا ہوتی ہے۔ تو ہمیشہ وہ لہر میانہ روی سے گذر کر دوسری طرف تفریط کو چلی جاتی ہے۔ اگر تاریخ کی روشنی میں کسی تحریک پر غور کیا جائے تو یہی دکھلائی دے گا۔ اب چونکہ مشرق میں گذشتہ صدیوں میں مذہب کے متعلق ملّانہ روش جاری رہ چکی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی امر کی حقیقت و مُدعا پر غور نہ کیا جائے۔ بلکہ محض ظاہر پرستی اور لفظ پرستی کے رنگ میں ہر بات کو لیا جائے۔ اب مغربی تہذیب کا اثر مُلّا پنے کے خلاف پڑا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ حدِ اعتدال سے گذر کر ہمارے روشن خیال اصحاب مُلّاپنے کی دوسری حد پر جا رہے ہیں۔ یعنی جہاں مُلّا کی نگاہ حقیقت و مغز پر نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ محض ظاہر پر۔ ایسا ہی اس دوسری روش و "روشن خیالی" (خدا اس روشن خیالی سے محفوظ رکھے۔ جیسا کہ مُلّاپنے سے بچائے۔ آمین) کا نصب العین ہر بات کا مقصد مُدعا لینا۔ مگر ان ذرائع کو بھول جانا ہے۔ میں اس امر کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔

اسلام میں عبادات و ارکانِ دین کا مرتبہ مذہب میں جو ارکان یا عبادات مقرر کی گئی ہیں۔ مُلّا اپنی ظاہر پرستی کی وجہ سے ان کی حقیقت سے بے پروا ہے اور وہ یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ جس کسی نے نماز کو اُٹھ بیٹھ کر ادا کر لیا، وہ مذہب پر بڑا عامل ہو گیا۔ خواہ اس نے اس ذریعہ سے حقیقت کو نہ پایا ہو۔ اسی طرح ملّا کے نزدیک جس شخص نے بھوکا رہ لیا۔ اس نے مذہب کے ایک دوسرے رکن کو ادا کر لیا۔ اب وہ چیز جس کو مذہب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کا نام تو ہمدردی بنی نوعِ انسان اور اصلاحِ نفس ہے۔ اگر نماز روزہ وغیرہ سے ان مقاصد میں کچھ ترقی نہیں ہوئی تو مذہب کا مقصد پورا نہ ہوا مگر ملّا کے نزدیک ہو گیا۔ دوسری طرف مغربی روشنی میں بہنے والے "روشن خیال" اصحاب جب مذہب کا تصور کریں گے۔ تو وہ یہ کہیں گے کہ مذہب کا مقصد تو بنی نوعِ انسان کی ہمدردی و اصلاحِ نفس ہے۔ اگر یہ باتیں حاصل ہو جائیں خواہ کسی ذریعہ سے ہوں تو پھر نماز روزہ کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن مذہب اسلام کی کتاب **قرآن نے جس طرح اصل مُدعا اور پھر اس کے حصول کے ذرائع کو بیان و واضح کیا ہے ایسا کسی اور کتاب نے نہیں کیا۔** جس جس مقام پر کسی عبادت یا رکنِ دین کا ذکر کیا ہے وہیں ساتھ ہی صاف صاف الفاظ میں اس کا مُدعا و مقصد بھی بتلا دیا ہے۔ لیکن مدعا و مقصد کے بتلا دینے کا یہ مطلب نہیں لیا کہ وہ رکن و عبادت یعنی اس مقصد کے حصول کے ذرائع جو خود خدا نے تجویز کئے ہیں وہ بیکار ہیں۔ دوسرے پارہ میں تحویلِ قبلہ کا ذکر ہے۔ اور مقامِ ابراہیم کو قبلہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی فرمایا۔ لیس البرّ ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ۔ الخ۔ یعنے یہ کہ نیکی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں نہیں۔ بلکہ وہ ایمان باللہ و عمل صالح میں ہے۔ اب جائے غور ہے کہ کس توازن سے دونوں امور یعنی مقصد اور اس کے حصول کے ذرائع کو ایک ہی جگہ اکٹھا کر دیا۔ حکم تو خود دیا کہ فلاں طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ اسی میں تمہاری وحدت و اخوت کا راز مضمر ہے۔ پھر ساتھ ہی کہہ دیا کہ کہ ایک طرف یا دوسری طرف منہ کر لینا بجائے خود کوئی نیکی نہیں یہ وہ عین اعتدال کا راستہ ہے۔ جس سے نہ تو مقصد کو نظر انداز کیا گیا اور نہ ہی اس کے حصول کے ذرائع کو فضول ٹھہرایا ہے۔ مگر جن لوگوں کا توازن قائم نہیں ہوتا وہ یا تو اس بات پر آ جائیں گے کہ حقیقی نیکی قبلہ کی طرف منہ کرنے میں ہے۔۔۔۔۔ اور یا پھر دوسری طرف چلے جائیں گے۔ اور کہیں گے کہ مقصد تو اتحاد و اخوت ہے۔ اس میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی کیا حاجت ہے۔

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے اتحاد و اصلاح کا ذریعہ بالکل یہی حالت ان "روشن خیال" اصحاب کی ہے جو سلسلہ احمدیہ کی اہمیت و عظمت کو نہ سمجھنے کے باعث حدِ اعتدال سے ایک طرف جھک کر شمولیت سلسلہ پر نکتہ چین ہو رہے ہیں۔ سلسلہ احمدیہ کی بنا و کسی ایک شخص یا چند اشخاص نے باہم بیٹھ کر اور سوچ و فکر کر کے نہیں رکھی۔ بلکہ یہ سلسلہ تو خدا تعالےٰ کے ہاتھ کا لگایا ہوا ہے۔

واصنع الفلک باعیننا ووحینا

حضرت مسیح موعود کا الہام ہے جس کی بنا پر انہوں نے جماعت قائم کی۔ حالانکہ اس سے قبل بھی آپ اشاعتِ اسلام ہی کرتے اور دلائل سے ہی اسلام کو غالب کرتے تھے۔ اس سے پہلے آپ کو عزت و شہرت بھی حاصل تھی۔ اور لوگ خود بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاتے تھے۔ مگر خدا تعالےٰ نے جب تک حکم نہیں دیا آپؑ نے جماعت نہیں بنائی غرض یہ خیال دلوں سے بالکل نکال دینا چاہیئے۔ کہ حضرت مرزا صاحب کو اسلام کے

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

مولوی محمد علی صاحب ملتان

مقام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرتؐ کے ابتدائی حالات

لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا
سب سے بڑھ کر مقامِ احمدؐ ہے

ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا حصہ عمر کا جو چالیس برس ہے بیکسی اور پریشانی اور یتیمی میں بسر کیا تھا۔ کسی خویش نے اس زمانۂ تنہائی میں کوئی حق خویشی اور قرابت کا ادا نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ روحانی بادشاہ اپنی صغر سنی کی حالت میں لاوارث بچوں کی طرح بعض بیابان نشین اور خانہ بدوش عورتوں کے حوالہ کیا گیا اور اسی بے کسی اور غریبی کی حالت میں اس سید الانام نے شیر خوارگی کے دن پورے کئے۔ جب کچھ سن تمیز کو پہنچا تو یتیم اور بے کس بچوں کی طرح جن کا دنیا میں کوئی بھی نہیں ہوتا ان بیابان نشین لوگوں نے بکریاں چرانے کی خدمت اس مخدوم العالمین کے سپرد کی اور اس تنگی کے دنوں میں بجز ادنیٰ قسم کے اناجوں یا بکریوں کے دودھ کے اور کوئی غذا نہ تھی جب سن بلوغ کو پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے لئے کسی نے بھی باوجود آنحضرتؐ کے اول درجہ کے حسن و جمال کے کچھ فکر نہ کی بلکہ پچیس برس کی عمر ہونے پر اتفاقی طور پر محض خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے ایک مکہ کی رئیسہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے پسند کرکے آپ سے شادی کر لی۔ یہ نہایت تعجب کا مقام ہے کہ جس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ابو طالب اور حمزہ اور عباس جیسے موجود تھے۔ اور بالخصوص ابو طالب رئیس مکہ اور اپنی قوم کے سردار بھی تھے اور دنیوی جاہ و حشمت و دولت و مقدرت بہت کچھ رکھتے تھے مگر باوجود ان لوگوں کی ایسی امیرانہ حالت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ایام بڑی مصیبت اور فاقہ کشی اور بے سامانی سے گذرے یہاں تک کہ جنگلی لوگوں کی بکریاں چرانے تک نوبت پہنچی اور اس دردناک حالت کو دیکھ کر کسی کے آنسو جاری نہیں ہوئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شباب پہنچنے کے وقت کسی چچا کو خیال تک نہیں آیا کہ آخر ہم بھی تو باپ کی طرح ہیں شادی وغیرہ امور ضروریہ کے لئے کچھ فکر کریں۔ حالانکہ ان کے گھر میں اور ان کے دوسرے اقارب میں بھی لڑکیاں تھیں۔ سو اس جگہ بالطبع یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر سرد مہری ان لوگوں سے کیوں ظہور میں آئی۔

اس کا واقعی جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک لڑکا یتیم ہے جس کا باپ ہے نہ ماں ہے جس کے پاس کسی قسم کی جمعیت نہیں ہے نادار ہے۔ جس کے ہاتھ پلے کچھ بھی نہیں۔ ایسے مصیبت زدہ کی ہمدردی سے فائدہ ہی کیا ہے اور اس کو اپنا داماد بنانا تو گویا اپنی لڑکی کو تباہی میں ڈالنا ہے۔ مگر اس بات کی خبر نہیں تھی کہ وہ ایک شہزادہ اور روحانی بادشاہوں کا سردار ہے جس کو دنیا کے تمام خزانوں کی کنجیاں دی جائیں گی۔ [1]

(۱) صدرِ بزمِ آسماں و حجۃ اللہ بر زمیں
ذاتِ خالق را نشانے بس بزرگ و استوار

(۲) ہر رگ و تارِ وجودش خانۂ یارِ ازل
ہر دم و ہر ذرہ اش پُر از جمالِ دوستدار

(۳) حسنِ روئے او بہ از صد آفتاب و ماہتاب
خاکِ کوئے او بہ از صد نافۂ مشکِ تتار

[1] ازالہ اوہام

(۴) ہست او از عقل و فکر و وہم مردم دور تر
کے مجالِ فکر تا آں بحرِ ناپیدا کنار

(۵) خوش تر از دورانِ عشقِ تو نباشد ہیچ دور
خوب تر از وصف و مدحِ تو نباشد ہیچ کار

(۶) منکہ رہ بردم بخوبی ہائے بے پایانِ تو
جاں گدازم بہرِ تو گر دیگرے خدمتگذار

(۷) ہر کسے اندر نمازِ خود دعائے مے کند
من دعا ہائے برو بارِ تو اے باغ و بہار

(۸) یا نبی اللہ فدائے ہر سرِ موئے تو ام
وقفِ راہِ تو کنم گر جاں دہندم صد ہزار

ترجمہ:

(۱)۔ وہ آسمانی بزم کا صدر اور زمین پر اللہ تعالےٰ کی حجت ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی ہستی کا بہت بڑا اور مضبوط نشان ہے۔

(۲)۔ اس کے وجود کا ہر رگ و ریشہ خدا تعالےٰ کا گھر ہے۔ اور اس کا ہر سانس اور ہر ذرہ خدا تعالےٰ کے نور سے منور ہے۔

(۳)۔ اس کے چہرے کا حسن سورج اور چاند سے بہتر ہے اور اس کے کوچہ کی خاک تاتاری مشک کے سینکڑوں نافوں سے بہتر ہے۔

(۴)۔ وہ انسان کے فکر و عقل اور وہم سے بالاتر ہے۔ فکر کی کیا مجال ہے کہ وہ اس بحرِ بے کنار تک پہنچے۔

(۵)۔ تیرے عشق کے زمانہ سے بہتر اور خوش تر اور کوئی زمانہ نہیں ہے۔ اور کوئی کام آپؐ کی مدح و ثنا سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔

(۶) چونکہ میں آپ کی بے پایاں خوبیوں کا تجربہ رکھتا ہوں۔ اس لئے اگر آپ کے لئے دوسرے لوگ خدمت کے لئے حاضر ہیں تو میں جان فدا کرنے کو تیار ہوں۔

(۷)۔ ہر شخص نماز میں اپنے لئے دعائیں کرتا ہے لیکن میں اے میرے باغ و بہار صرف تیری اولاد کے لئے دعا مانگتا ہوں۔

(۸)۔ اے نبی اللہ میں آپ کے بال بال پر فدا ہوں۔ اگر مجھے لاکھ جانیں بھی ملیں تو میں انہیں تیری راہ میں وقف کر دوں۔ [1] (باقی دارد)

[1] درثمین فارسی

دجالی تہذیب — بقیہ صفحہ ۳

کہ روحانی و اخلاقی جذبات نہ صرف تمثیلی رنگ میں بلکہ مادی عالم اسباب میں موجود و مشہود کی شکل بن کر ظاہر ہو جاتے ہیں؟ دلوں کی آگ اس وقت روحانی کیفیت سے تبدیل ہو کر جسمانی صورت اختیار کر چکی ہے۔ دجالی جنت فی الواقع دوزخ کا نظارہ پیش کر رہی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے واقع ہوا تا یہ ثابت ہو کہ انسانی علم و عقل جب تک الٰہی احکام کے تابع ہو کر نہ چلے گی تب تک وہ خائب و خاسر رہے گی۔ اخلاقی و روحانی قوانین الٰہیہ کو جب تک مقدم کر کے انسان اپنی مادی و جسمانی خواہشات کو ان کے ماتحت نہیں چلائے گا تب تک علم و عقل کی ترقی نہ صرف نفع بخش نہیں ہو گی بلکہ اس کا نتیجہ صریح طور پر جہنم ہو گا۔ تجربہ سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت کسی امر کی صداقت کا نہیں ہو سکتا۔ دنیا نے آج یہ تجربہ کر لیا ہے کہ اس کی وہ ترقی جو صرف انسانی علم و عقل پر بنا کی جائے گی اسے اصلی و سچی تہذیب تک پہنچانے سے قطعاً قاصر ہے۔ حقیقی و اجتماعی ترقی روحانی قوانین الٰہیہ کے تسلیم کر لینے کے ماتحت سر تسلیم خم کرنے میں ہی مضمر ہے۔

(ا۔ ب)

جناب مرزا مظفر بیگ ساطع صاحب ۔ لائل پور

توارُد کی کیفیّت

کہانی میری رُوداد جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سُنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

حضور سرکار دوجہاں محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر مدینہ شریف میں سورۃ المؤمنون نازل ہو رہی تھی اور کاتب لکھتا چلا جا رہا تھا جب کچھ آیات لکھی جا چکیں تو حضور صلعم نے اگلا کلام یہ لکھوایا:۔

ولقد خلقنا الانسان من سلٰلۃٍ من طین ۔ ثم جعلنٰہ نطفۃً فی قرار مکین ۔ ثم خلقنا النطفۃ علقۃً فخلقنا المضغۃ عظٰماً فکسونا العظام لحمًا ۔ ثم انشانٰہ خلقًا اٰخر

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا ۔ پھر ہم نے اسے ایک مضبوط ٹھہرنے کی جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا ۔ پھر ہم نے مضغہ کو لوتھڑا بنایا اور لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنایا اور گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں بنائیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے اسے ایک اور پیدائش (روح) دے کر اُٹھا کھڑا کیا ۔

اس کلام کو سُن کر کاتب کی زبان سے بے ساختہ نکلا فتبٰرک اللہ احسن الخالقین ۔ پس اللہ بابرکت ہے (جو) سب بنانے والوں سے بہتر ہے ۔

حضور صلعم نے فرمایا ہاں لکھو فتبٰرک اللہ احسن الخالقین ۔ کاتب نے قلم روک لیا اور اسے خیال گذرا کہ اس کی زبان سے نکلے ہوئے فقرے کو بھی قرآن میں بطور کلام اللہ لکھو رہے ہیں یہ معاملہ کیا ہے ؟ آخر وہ اس وسوسہ شیطانی کا شکار ہو گیا اور لکھنے سے انکار کر دیا ۔ باقی کلام دوسرے کاتب سے لکھوایا گیا ۔ اور پہلا کاتب اسلام سے مرتد ہو کر مکہ شریف چلا گیا ۔ لیکن جب قرآن میں لکھے ہوئے وعدہ کہ محمد مصطفٰے مکہ فتح کریں گے ، کے مطابق دس ہزار فوج لے کر محمد مصطفٰے جا اُترے تو مرتد کاتب پر قرآن کی صداقت کُھل گئی اور وہ دوبارہ مشرف باسلام ہو گیا ۔

میں جموں میں حضرت یعقوب علی ٹھیکیدار رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فروکش تھا ۔ روزانہ نماز مغرب کے بعد اپنی مسجد میں درس قرآن ہوتا تھا ۔ ایک روز درس قرآن سے فراغت پر ہم گھر واپس آئے تو ٹھیکیدار صاحب نے فرمایا :۔

" مرزا صاحب ! جب آپ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے اور سورۃ فاتحہ ختم کی تو میرے دل میں خیال آیا ۔ کاش مرزا صاحب اب سورۃ القریش کی تلاوت کریں تو آپ نے سورۃ القریش کی تلاوت شروع کر دی " اس پر میں نے عرض کیا اس کو توارد کہتے ہیں ۔ آپ کے دل میں جو خیال آیا اس کا اثر میرے دل پر پڑا اور میں نے سورۃ القریش کی تلاوت شروع کر دی ۔ حضور نبی کریم صلعم پر کلام اُتر رہا تھا اور حضور صلعم کاتب کو لکھواتے جاتے تھے اور جب کلام کا یہ ٹکڑا " فتبٰرک اللہ احسن الخالقین " حضور کے قلب پر اُترا تو کاتب کے قلب پر اس کا اثر ہوا اور اس کی زبان سے بھی بے ساختہ فتبٰرک اللہ احسن الخالقین نکل گیا ۔ بے چارہ کاتب توارد کی اس فطری کیفیت سے ناواقف تھا ٹھوکر کھا گیا ۔

ایک بار منبر پر کھڑا جمعہ کے روز میں حاضرین کو خطاب کر رہا تھا کہ برادرم میاں اللہ بخش صاحب ذرا دیر سے پہنچے تو پچھلی صفوں میں ایک صف میں خالی جگہ پر بیٹھ گئے ۔ میرا خطبہ " اسلامی مساوات " کے مضمون پر تھا کہ میں نے بیساختہ کہا ۔ حضرات میاں اللہ بخش صاحب ملز اونر دیر سے آئے ہیں اور جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے ہیں ۔ اگلی صف میں ان کے آگے ان کا نوکر بیٹھا ہے نماز شروع ہونے پر مالک اپنے نوکر کے قدموں میں سجدے کرتا ہوا نظر آئے گا یہ ہے اسلامی مساوات کا عملی نمونہ ۔ سچ ہے سے

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے ۔ اس کی سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

سِلسلہ احمدیہ کے قیام کا مقصد

(بسلسلہ صفحہ ۱۰)

غلبہ کی ایک راہ سُوجھ گئی تو آپ نے اس لئے لوگوں کو دعوت دی ۔ ایسا ہرگز نہیں اسلام کی اشاعت میں ، تو وہ پہلے سے ہی لگے ہوئے تھے ۔ مگر جماعت اس وقت بنائی جب خدا نے حکم دیا ۔ آپ نے تب ہی مسلمانوں کا امام و جرنیل بننے کا دعوے کیا جب صریح حکم خداوندی ہُوا ۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ حکم قرآن و حدیث کے مطابق ہے یا مخالف ۔ اگر قرآن و حدیث و اُمت مسلمہ کے تمام مذہب سے یہ پایا جاتا ہے کہ ہر مشکل کے وقت اسلام کی رہنمائی کے لئے خود خدا ایک شخص کو منتخب کیا کرتا ہے ۔ اور اگر یہ صحیح ہے کہ سب سے بڑے فتنہ کا وقت دجّال کا وقت ہے ۔ اور وہ یہی وقت ہے تو پھر بتلاؤ کہ جو شخص ایسے وقتوں میں اسلام کو بچانے کے لئے کھڑا ہوا ۔ اور اس کو حکم خداوندی اس کشتی کی ناخدائی کا آیا ، اس کا ساتھ دینا کیا خدا اور قرآن کے ماتحت گردن خم کرنا نہیں ؟ اور اگر یہ بھی زمانہ پکار پکار کر بتلا رہا ہے اور خود تمام اصحاب کی گردنیں اس بات پر جھک چکی ہیں ۔ کہ غلبۂ اسلام کی راہ یقیناً وہی ہے جو اس امام نے بتلائی تو پھر ایسے جرنیل کا سپاہی بن کر اسلام کا جھنڈا بلند کرنا کس طرح سنگدلی اور تفرقہ بازی ہے ۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کیا ہی سچ فرمایا

بعد از خدا بعشقِ محمّدؐ مخمّرم
گر کُفر ایں بود بخدا سخت کافرم

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو دنیا میں قائم کرنا اگر تفرقہ بازی چھوڑ کُفر بھی قرار دے دیا جائے تو ایسی تفرقہ بازی یا کفر تو ہمیں اختیار کرنے میں عار نہیں بلکہ فخر ہے ۔ اور چونکہ خدا تعالےٰ اس کی نصرت پر ہے ۔ یہ جماعت ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر رہے گی ۔ خواہ ہمارے تعلیمیافتہ اصحاب روشن خیالی و آزادی کی اُلجھنوں میں پھنسکر اس کی امداد نہ کریں ۔ لیکن خدا تعالےٰ جس سے چاہے گا اس بلند مقصد کو پُورا کرا دے گا ۔ فتربصوا انی معکم من المتربصین فانتظروا انی معکم من المنتظرین ۔

٭ اس واقعہ کو گذرے کئی سال ہوئے کہ ایک صبح ریڈیو پر میں درس قرآن حکیم سُن رہا تھا ۔ مولانا جعفر شاہ ندوی فرما رہے تھے :۔

" اسلامی مساوات کا کمال دیکھئے اگر مالک نماز جمعہ میں دیر سے پہنچے اور اسے اپنے نوکر کی پیٹھ کے پیچھے جگہ ملے تو نماز شروع ہونے پر مالک نوکر کے قدموں میں سجدے کرتا نظر آئے گا "

کئی سال گذرنے پر میں نے ایک اور بزرگ کی زبان سے وہی الفاظ سنے جو میں نے اپنے خطبہ میں کہے تھے ۔ " کیفیت توارد " کا معاملہ بہت وسیع ہے ۔

اُٹھو پھر اے عاشقان ملّتِ بیضا اُٹھو ۔ دیں کی خدمت کے لئے باندھو کمر مردانہ وار
دین کو دنیا پہ رکھیں گے مقدم عمر بھر ۔ میرزا سے ہم نے باندھا تھا یہ عہد استوار
اللہ والوں کی نظر میں مال دنیا ہیچ ہے ۔ سیم و زر سے اہل دیں رکھتے نہیں ہرگز پیار
موت میں پنہاں ہے رازِ زندگی اے دوستو ۔ خاک میں ملنے سے ہی پاتا ہے دانہ برگ و بار

(مرتضےٰ خاں حسن مرحوم)

ہفت روزہ پیغام صلح　　مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸　　شمارہ نمبر ۲۹

چیف

مطبوعہ پریس نقارخانہ روڈ لاہور میں باہتمام خالد تمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا ۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۱۲ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ — ۲۳ جولائی ۱۹۷۵ء | نمبر ۳۰

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

خدا کا کلام وہ ہے جس میں خدا کی عظمت، خدا کی قدرت، خدا کی برکت، خدا کی حکمت (اور) خدا کی بےنظیری پائی جاوے اپنی آنکھ کھولنے کیلئے قرآن شریف کو بغور تمام دیکھنا چاہیئے

خدا کا پاک کلام وہ کلام ہے کہ جو انسانی قوےٰ سے بکلی برتر و اعلےٰ ہے اور کمالیت اور قدرت اور تقدس سے بھرا ہوا ہے۔ جس کے ظہور و بروز کے لئے اول شرط یہی ہے کہ بشری قوتیں بکلی معطل اور بیکار ہوں۔ نہ فکر ہو نہ نظر ہو بلکہ انسان مثل میت کے ہو اور سب اسباب منقطع ہوں اور خدا جس کا وجود واقعی اور حقیقی ہے آپ اپنے کلام کو اپنے خاص ارادہ سے کسی کے دل پر نازل کرے پس سمجھنا چاہیئے کہ جس طرح آفتاب کی روشنی صرف آسمان سے آتی ہے آنکھ کے اندر سے پیدا نہیں ہوسکتی اسی طرح نور الہام کا بھی خاص خدا کی طرف سے اور اس کے ارادہ سے نازل ہوتا ہے یونہی اندر سے جوش نہیں مارتا۔ جب کہ خدا فی الواقع موجود ہے اور فی الواقع وہ دیکھتا سنتا جانتا کلام کرتا ہے۔ تو پھر اس کا کلام اُسی حی وقیوم کی طرف سے نازل ہونا چاہیئے نہ یہ کہ انسان کے اپنے ہی خیالات خدا کا کلام بن جائیں۔ ہمارے اندر سے وہی خیالات بھلے یا بُرے جوش مارتے ہیں کہ جو ہمارے اندازۂ فطرت کے مطابق ہمارے اندر سمائے ہوئے ہیں۔ مگر خدا کے بے انتہاء علم اور بے شمار حکمتیں ہمارے دل میں کیونکر سما سکیں۔ اس سے زیادہ تر اور کیا کفر ہوگا کہ انسان ایسا خیال کرے کہ جس قدر خدا کے پاس خزائن علم وحکمت و اسرار غیب ہیں وہ سب ہمارے ہی دل میں موجود ہیں۔ اور ہمارے ہی دل سے جوش مارتے ہیں۔ پس دوسرے لفظوں میں اس کا خلاصہ تو یہی ہوا کہ حقیقت میں ہم ہی خدا ہیں اور بجز ہمارے اور کوئی ذات قائم بنفسہٖ اور متصف بصفاتہٖ موجود نہیں جس کو خدا کہا جائے۔ کیونکہ اگر فی الواقعہ خدا موجود ہے اور اس کے علوم غیر متناہی اسی سے خاص ہیں جن کا پیمانہ ہمارا دل نہیں ہو سکتا تو اس صورت کس قدر یہ قول غلط اور بیہودہ ہے کہ خدا کے بے انتہا علوم ہمارے ہی دل میں بھرے پڑے ہیں اور خدا کے تمام خزائن حکمت ہمارے ہی قلب بیمانہ پیمانہ میں سمارہے ہیں۔ گویا خدا کا علم اسی قدر ہے جس قدر ہمارے دل میں موجود ہے۔ پس خیال کرو کہ یہ خدائی کا دعوےٰ نہیں تو اور کیا ہے۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ انسان کا دل خدا کے جمیع کمالات کا جامع ہو جائے؟ کیا یہ جائز ہے کہ ایک ذرہ امکان آفتاب وجوب بن جائے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ ہم پہلے ابھی لکھ چکے ہیں کہ الوہیت کے خواص جیسے علم غیب اور احاطہ دقائق حکمیہ اور دوسرے قدرتی نشان انسان سے ہرگز ظہور پذیر نہیں ہو سکتے۔ اور خدا کا کلام وہ ہے جس میں خدا کی عظمت، خدا کی قدرت، خدا کی برکت، خدا کی حکمت، خدا کی بے نظیری پائی جاوے۔ سو وہ تمام شرائط قرآن شریف میں ہیں۔ جیسے انشاءاللہ ثبوت اس کا اپنے موقع پر ہوگا۔ پس اگر اب بھی برہمو سماج والوں کو ایسے الہام کے وجود سے انکار ہو کہ جو امور غیبیہ اور دوسرے امور قدرتیہ پر مشتمل ہو تو ان کو اپنی آنکھ کھولنے کے لئے قرآن شریف کو بغور تمام دیکھنا چاہیئے۔ تا انہیں معلوم ہو کہ کیسے اس کلام پاک میں ایک دریا اخبار غیب کا نیز ان تمام امور قدرتیہ کا کہ جو انسانی طاقتوں سے باہر ہیں بہہ رہا ہے۔ اور اگر بوجہ قلت بصیرت و بصارت ان فضائل قرآنیہ کو خود بخود معلوم نہ کر سکیں تو ہماری اس کتاب کو ذرا آنکھ کھول کر پڑھیں۔ تا وہ خزائن امور غیبیہ و اسرار قدرتیہ کہ جو قرآن شریف میں بھرے پڑے ہیں بطور مشتے نمونہ از خروارے ان کو معلوم ہو جائیں۔ اور یہ بھی ان کو معلوم رہے کہ تحقیق وجود الہام ربانی کے لئے جو خاص خدا کی طرف نازل ہوتا ہے اور امور غیبیہ پر مشتمل ہوتا ہے ایک اور بھی راستہ کھلا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ خداتعالےٰ اُمت محمدیہ میں کہ جو سچے دین پر ثابت اور قائم ہیں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا کرتا ہے کہ جو خدا کی طرف سے ملہم ہو کر ایسے امور غیبیہ بتلاتے ہیں جن کا بتلانا بجز خدائے واحد لاشریک کے کسی کے اختیار میں نہیں۔ اور خداوند تعالےٰ اس پاک الہام کو انہیں ایمانداروں کو عطا کرتا ہے کہ جو سچے دل سے قرآن شریف کو خدا کا کلام جانتے ہیں اور صدق دل اور اخلاص سے اس پر عمل کرتے ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا اور کامل پیغمبر اور سب پیغمبروں سے افضل اور اعلےٰ اور بہتر اور خاتم الرسل اور اپنا ہادی اور رہبر سمجھتے ہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۱۲۱/۱۲۲)

ہفت روزہ پیغام صلح خود پڑھنے کے بعد دوسرے دوستوں تک پہنچائیں۔

محترم جناب حافظ محمد حسن صاحب چیمہ

تحریکِ احمدیت

اور اس کا پیدا کردہ عظیم الشان انقلاب

تحریکِ احمدیت کے مخالفین کو یہ سخت غلطی لگی ہوتی ہے۔ کہ وہ یہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ شاید احمدیت بعض خاص معتقدات کا نام ہے۔ جملہ معتقدات جن کو نجات کے لئے تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اسلام کہلاتے ہیں۔ اور وہ ہر مسلم کا مذہب ہے۔ اس زمانہ میں مسلمان اصل سرچشمۂ اسلام سے دور ہٹ گئے ہیں۔ اسلام سے دور ہٹ گئے ہیں اور اسلام کے بجائے وہ بعض غیر اسلامی اصولوں کے پابند ہو گئے اور انہوں نے ان اُصولوں کو بھی اسلام کا حِصّہ قرار دے لیا تھا۔ احمدیت ان غلطی خوردہ اور گم گشتہ راہ مسلمانوں کو اصل اسلام کی طرف لے جانے والی تحریک ہے اور منجمد اسلام کو متحرک کر کے دنیا کی مصائب کے حل کے لئے اسے بطور دستور العمل پیش کرنے والی تحریک ہے۔ عیسٰے علیہ السلام کی وفات کا مسئلہ احمدیت کے سامنے محض اس لئے آ گیا۔ کہ اسلام اور قرآن کریم کی رُو سے عیسٰی علیہ السلام فی الواقع فوت ہو چکے ہیں۔ جو لوگ یعنے عیسائی اس روشنی اور تہذیب کے زمانہ میں ایک انسان کو ابن اللہ بنا کر لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اپنے مادی سامانوں کے بل بوتے پر دوسرے مذاہب کا قلع قمع کرنا چاہتے ہیں وہ احمدیت کے سامنے بے دست و پا ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ تبلیغی مذہب جو اربوں روپے اپنی تعداد کو بڑھانے پر خرچ کر رہا ہے وہ یہی مذہب عیسویت ہے۔ جس کی بنیاد ہی اس کذب پر ہے۔ کہ عیسٰے علیہ السلام خدا کا اکلوتا بیٹا ہیں۔

پس اسلام کا سب سے زیادہ تصادم تحریک مسیحیت سے ہے۔ اسی لئے اسلام کی یہ تحریک یعنی احمدیت اپنے بانی کو مسیح موعودؑ کے نام سے پکارتی ہے۔ تا محمدی مسیح ان اغلاط کی اصلاح کر دے جو اسرائیلی مسیح کے مذہب میں داخل ہو چکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ **تحریکِ احمدیت کا زیادہ تر رُخ عیسائی ممالک کی طرف ہے اور یورپ کے مرکز میں احمدیت نے مساجد تعمیر کر کے اسلام کو فوقیت اور برتری کا اعلان کر رکھا ہے۔**

احمدیت اسلام کا حُسن ہے۔ اور اس کے پیرو عاشقانِ اسلام ہیں۔ ان کے دلوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے لئے غیرت ہے۔ اس زمانہ میں احمدیت ہی نے **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح اور اصلی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور اصل تعلیم قرآنی کو بے نقاب کیا ہے۔

مسلمان غیر منظم اور مایوس و منتشر پڑے تھے۔ احمدیت نے انہیں منظم کیا اور حوصلہ دیا۔ مسلمان مذہب سے بے دل ہو کر اُخروی زندگی کے منکر ہو رہے تھے احمدیت نے ان میں از سرِ نو مذہبیت پیدا کی۔ تبلیغ عیسائیت سے متاثر مسلمان، مسلمان کہلانے میں بھی شرم محسوس کرتے تھے۔ احمدیت نے ان میں از سرِ نو ایمان پیدا کیا۔ اور وہ آج اسلام پر فخر کر رہے ہیں۔

احمدیت نے جہاں اغیار کی آنکھیں اسلامی نور سے منور کر دیں وہاں مسلمانوں کے سینوں میں بھی نور ایمان بھر دیا۔ اسلام کی عالمگیریت، اخوت، مساوات، حریت جمہوریت، آج تمام دنیا کی زبانوں سے دادِ تحسین حاصل کر رہی ہیں۔ اگر تحریک احمدیت سے پیشتر اسلام کو غیر مہذب اور پسماندہ لوگوں کا مذہب خیال کیا جاتا تھا۔ اور خود مسلمان دوسروں کے سامنے تعلیماتِ اسلامی کو پیش کرنے میں خجالت محسوس کرتے تھے۔

قرآن کریم کے اندر جو جو معارف اور علوم بھرے پڑے ہیں۔ ان سے خود مسلمان نا واقف تھے۔ احمدیت نے اس خوبصورت چاند کو غلط فہمیوں کے بادل سے نکال کر آسمانِ علم پر چمکا دیا۔ اس روشنی نے ایک عالم کو منور کر دیا۔ اب مسلمانوں کے گھروں میں قرآن کریم بامعنی پڑھا جاتا ہے اور عام رجحان اس طرف ہو رہا ہے۔ حالانکہ احمدیت سے پیشتر قرآن کریم کی تفسیر سے عالم بھی نابلد تھے۔ تبلیغ و اشاعتِ اسلام مسلمانوں کا خاصا تھا۔ اور جسے ابتداء ہی سے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کا فرض قرار دیا تھا مسلمان چھوڑ چکے تھے۔ جب تک مسلمان اس فرض کو سر انجام دیتا رہا۔ وہ دنیا میں بامراد اور کامیاب رہا۔ یونہی وہ اس فرض سے غافل ہوا۔ اس کے زوال کی گھڑی شروع ہو گئی۔

احمدیت نے مسلمانوں کو ان کا یہ فرض یاد دلایا۔ اور ایک جماعت مستقل طور پر پیدا کر دی جو دنیا کے تمام ہنگامی اور وقتی جھمیلوں سے علیحدہ ہو کر تبلیغ و اشاعت اسلام کے کام میں مصروف ہے۔ اور اسی نے مشرق و مغرب میں اپنے مشن کھولے ہوئے ہیں۔ اور انہی کی وجہ سے اسلام دن رات ترقی کر رہا ہے۔ دانایانِ فرنگ احمدیوں کے لٹریچر کو پڑھ کر اس سے متاثر ہو رہے ہیں اور آئے دن ان کی طرف سے قبولیت اسلام کے اعلانات شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مگر افسوس کہ ہمارے مسلمان بھائی احمدیوں کو یہ فرصت نہیں دیتے کہ وہ اپنے اس کام کو اور زیادہ ترقی دیں اور تبلیغ اسلام کے کام کو زیادہ وسیع کریں۔ وہ چاہتے ہیں کہ احمدیت کی ساری طاقت باہمی جھگڑوں میں صرف ہو اور خدمت و اشاعتِ اسلام کا کام رُک جائے۔

آہ! دشمنِ اسلام کی مخالفت میں اتنا زور نہیں لگا رہا۔ جتنا دوست لگا رہے ہیں۔

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم ؛ کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

حضرت مجدد زمانؑ کی نصیحت

(۱) "ہماری جماعت کو واجب ہے۔ کہ اَب تقویٰ سے کام لے۔ اور اولیاء بننے کی کوشش کرے۔ اس وقت زمینی اسباب کام نہ آویں گے۔ اور نہ منصوبہ و حجت بازی کام آوے گی۔ دنیا سے کیا دل لگانا ہے۔ اور اس پر کیا بھروسہ کرنا ہے کہ خدا تعالےٰ سے صلح کی جاوے۔ اور اس کا یہی وقت ہے۔ . . . . . . ہماری جماعت کو وہ تبدیلی ایک مرتبہ ہی کرنی چاہیئے۔ جو کہ اس نے دس برس میں کرنی تھی۔ اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ جہاں ان کو پناہ مل سکتی ہے۔ خدا تعالےٰ پر بھروسہ کر کے دعائیں کریں۔ تو ان کو بشارتیں بھی ہو جائیں گی۔ صحابہؓ پر جیسے سکینت اُتری تھی۔ ویسے ہی ان پر اُترے گی۔ صحابہؓ کو انجام تو معلوم نہ ہوتا تھا۔ کہ کیا ہو گا مگر دِل میں یہ تسلی ہو جاتی تھی۔ کہ خدا تعالےٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ دراصل سکینت اسی تسلی کا نام ہے۔"

(ملفوظات حِصّہ چہارم)

(۲) "اے جماعتِ مخلصین۔ خدا تعالےٰ آپ کے ساتھ ہو۔ اس وقت ہمیں تمام قوموں سے مقابلہ درپیش ہے اور ہم خدا تعالےٰ سے اُمید رکھتے ہیں۔ کہ اگر ہم ہمت نہ ہاریں۔ اور ہم سارے دِل اور سارے زور اور ساری توجہ سے خدمتِ اسلام میں مشغول ہوں۔ تو فتح ہماری ہوگی . . . . اے مردانِ دین۔ کوشش کرو۔ کہ یہ کوشش کا وقت ہے۔ اپنے دلوں کو دین کی ہمدردی کے لئے جوش میں لاؤ کہ یہی جوش دکھلانے کے دن ہیں۔ اب تم خدا کو کسی اور عمل سے راضی نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ دین کی ہمدردی سے، سو جاگو اور اُٹھو۔ اور ہشیار ہو جاؤ۔ اور دین کی ہمدردی کے لئے وہ قدم اُٹھاؤ۔ کہ فرشتے بھی آسمان پر جزاکم اللہ کہیں۔ اس سے مت غمگین ہو کر لوگ تمہیں کافر کہتے ہیں۔ تم اپنا اسلام خدا کو دکھاؤ۔ اور اسی کے جھکو۔ کہ بس خدا ہی کے ہو جاؤ۔

دیکھ کر لوگوں کا جوش و غیظ مت کچھ غم کرو ؛ شدت گرمی کا ہے محتاج بارانِ بہار

اے میرے پیارو شکیب و صبر کی عادت کرو ؛ وہ اگر پھیلائیں بدبو تم بنو مشک تتار

(آئینہ کمالاتِ اسلام)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ ۲۳ جولائی ۱۹۷۵ء

اشاعتِ دین کی انجام دہی

ایک زبردست اور زندہ جماعت کے وجود کی متقاضی ہے

اکثر وہ لوگ جو ضروریاتِ دین سے واقفیت نہیں رکھتے بلا سوچے سمجھے یہ اعتراض کر دینے کے عادی ہو چکے ہیں۔ کہ جماعتِ احمدیہ لاہور کی مساعی دربارہ اشاعت اسلام تو قابلِ داد ہیں۔ لیکن اس جماعت کا مسلمانوں کے اندرونی مذہبی تنازعوں میں دخل دینا کہاں تک صحیح و حق بجانب ہے۔ ایسے احباب اگر ایک طرف دینی جہاد کی حاجات سے بکلی بے خبر ہیں۔ تو دوسری طرف مسلمانوں کی موجودہ پست ذہنی سے بھی بالکل ناآشنا ہیں۔ مشترکہ مقصد کے حصول میں عام طور پر قوم کا بیشتر حصہ تب شمولیت اختیار کر سکتا ہے۔ جب عام طور پر ان میں بیداری و وسعت قلبی موجود ہو۔ ایثار و بے نفسی کے جوہروں سے افراد وافر طور پر حصہ لینے والے ہوں۔ صحیح واقعات عالم پر نظر رکھنے کی اہلیت اور ان کا جائزہ لینے کی قابلیت موجود ہو۔ یہ خبر ہو کہ تبدیل شدہ حالاتِ زمانہ کن ہتھیاروں کا تقاضا کرتے ہیں۔ دینی ولولہ و احساس قلوب میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو۔ اگر کسی قوم کی حالت متذکرہ بالا نقشہ کے مطابق واقعہ ہوئی ہو۔ تو اس وقت یہ امر ممکن العمل ہے۔ کہ کوئی جماعت جو ان میں سے کھڑی ہو کر مشترکہ و اعلیٰ مقاصد خصوصًا ترویج و اشاعتِ دین کے لئے وقف ہو۔ متعدبہ کامیابی حاصل کرے اور قوم کے اکثر حصہ کو اپنے اعلیٰ درجہ کے خلوص و ایثار و عالی نصب العین کے باعث اپنی طرف راغب کرے۔ لیکن جس وقت قوم کی حالت زبوں حالی میں اسفل ترین مقام پر جا پہنچی ہو۔ جب عام طور پر دینی حاجات و ضروریات کی خبر ہو نہ ان کی طرف کوئی توجہ و احساس۔ جس وقت ایثار و بے نفسی کے عالی جوہر مفقود ہو کر نفس پرستی حرص و حسد نے جگہ بنالی ہو۔ جس وقت ذہنی پستی کے پہلو بہ پہلو اخلاقی و ایمانی زبوں حالی گھر کر چکی ہو۔ جبکہ علماء و مشائخ دینی مقتضیات سے نہ صرف بے خبر بلکہ دینی ہمدردی کے جذبہ سے کورے ہو رہے ہوں۔ ایسے وقتوں میں کسی جماعت کا لوگوں سے یہ حسنِ ظن رکھنا کہ وہ کسی مبارک و مشترک مقصد میں تعاون کریں گے امید موہوم سے بڑھ کر ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ جماعت اپنے تعمیری کاموں کو ایسی موہوم و فرضی توقعات کی بناء پر استوار کرے گی تو اس کا نتیجہ اسے ایک تلخ تجربہ کے رنگ میں دیکھنا پڑے گا۔

لائحہ عمل کا انحصار قومی حالت پر ہے سب سے بڑا و اہم سوال جو کسی جماعت کے سامنے ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ کونسا طریق کار اختیار کرے کہ جس کے نتیجہ میں اسے اپنے مقصد کے حصول میں کامیابی ہو۔

اگر حصولِ مقصد کے لئے کامیابی شرط قرار دے لی جائے اور یہ بے پروائی و غفلت نہ ہو کہ ہمارا مقصد تو بہر حال نیک و مبارک ہے اس سے ہمیں کیا غرض کامیابی ہو یا ناکامی، ہم نے صرف اپنی بساط کے مطابق جد و جہد کرنا ہے۔ تو یہ لازم ہے کہ اس امر کو سب سے مقدم درجہ دیا جائے کہ جماعتی لائحہ عمل کونسا پیش نظر رکھنا لازم و ضروری ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر طریقِ کار وہ اختیار کیا جائے جو قومی حالت کے مطابق نہیں تو اس کا اٹل نتیجہ ناکامی ہی ہوگا اور اگر خوش قسمتی سے اس طریقِ کار پر قدم مارا جائے جس کی متقاضی قوم کی حالت ہے۔ تو پھر اس صورت میں کامیابی یقینی و قطعی ہے۔ پس کسی دینی جماعت کے لئے صرف یہ امر سوچنے کے لائق نہیں کہ اس کے پیشِ نظر کیا مقاصد ہیں بلکہ **مقاصد عالیہ و نیات مبارکہ کے ساتھ ہی یہ سوال بھی ویسا ہی اہم و ضروری ہے کہ اس جماعت نے حصول مقصد کے لئے جو طریقِ کار اختیار کر رکھا ہے آیا وہ طریق کار فی الواقع ایسا ہے جو قومی حالت کو پیشِ نظر رکھ کر کامیابی کی ضمانت** دلا سکتا ہے؟ درحقیقت اگر غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ خدا تعالےٰ نے جو اس اُمت مسلمہ میں مجددوں و ماموروں کی بعثت کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے تو اس کی تہ کے نیچے بھی یہی علتِ غائی مخفی ہے۔ یعنے یہ کہ مختلف زمانوں میں قوم کی مختلف حالتوں اور زمانہ کی بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق جو شاہراہ عمل دینی کامیابی کا ضامن ہو خدا تعالےٰ اپنے کامل علم سے اپنے بندہ کو اس طریق کار سے باخبر کرے۔ یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ مجدد و مامور صرف اس لئے مبعوث نہیں کئے جاتے کہ وہ اپنے پیروؤں کو امر معروف کی طرف متوجہ کر جائیں اور عالی و نیک مقاصد سے باخبر کر دیں۔ بلکہ جہاں وہ ان امور پر ایک زندہ ایمان پیدا کرنے آتے ہیں وہاں وہ **ایسا طریق کار منجانب اللہ لاتے ہیں جس سے کامیابی اٹل طور پر وابستہ ہوا کرتی ہے ان کا طریق کار بے خطا ہوتا ہے ان کا تجویز کردہ راستہ کامیابی لانے کی خدائی ضمانت اپنے ساتھ** رکھتا ہے۔ صرف یہی نہیں ہوتا کہ مقاصد نیک و اعلےٰ ہوتے ہیں بلکہ منجانب اللہ بعثت کی اصل علت غائی اسی امر میں محصور ہے کہ مقاصد کے حصول کا طریق کار بے خطا اور کامیابی لانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ **کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی۔ انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا معه فی الحیٰوة الدنیا۔ وانهم لهم المنصورون وانا جندنا لهم الغٰلبون** کی آیات کریمہ شاہد ناطق ہیں کہ مرسلوں و ماموروں کی بعثت غلبہ و فتح کی ضامن ہوا کرتی ہے صرف شرط یہ ہے کہ اس طریق کار کو عمل کا جامہ پہنایا جائے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ مامور و مرسل کے پیرو حقیقی و کامل رنگ میں اس کے طریقِ کار پر قدم مارنے والے ہوں اور انہیں دنیا میں وہ غلبہ و فتح نصیب نہ ہو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا بلکہ مرسلوں و ماموروں کی صداقت و منجانب اللہ ہونے کا سب سے بڑھ کر اگر کوئی ثبوت ہے تو وہ ان کے طریق کار کی حتمی کامیابی ہی ہے نہ کچھ اور اگر بالفرض وہ طریقِ کار ہی ناکام ثابت ہو تو پھر اس صورت میں ماموروں کی صداقت کا کیا ثبوت باقی رہ جاتا ہے؟ بلکہ ان کی بعثت کی علتِ غائی ہی مفقود ہو جاتی ہے یہ تو ممکن ہے کہ کسی مرسل و مامور کے پیرو کار ان مقاصد و مطالب کے حامل نہ رہیں جو اس کے پیشِ نظر تھے یا یہ کہ مقاصد و مطالب تو وہی ہوں مگر ان کے حصول کے لئے طریقِ کار کوئی دوسرا تجویز کر لیا جائے تو ان دونوں صورتوں میں کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ لیکن یہ ناکامی مرسل و مامور کی صداقت پر حرف لانے کا موجب نہیں بن سکتی بلکہ برخلاف اس کے یہی ناکامی اس کی صداقت پر گواہ ہے کیونکہ جب پیروؤں نے مقاصد و مطالب یا اس کے حصول کے صحیح طریقِ کار کو بھلا دیا تو ناکامی سے دوچار ہونا لازمی امر تھا۔ لیکن یہ امر ممکن نہیں کہ کوئی منجانب اللہ مامور مبعوث ہو اور اس کے پیرو اس کے مقاصد و مطالب اور اس کے تجویز کردہ طریقِ کار کو اختیار کرنے کے باوجود ناکام و خاسر رہیں۔

اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ جبکہ مسلمانوں کی موجودہ قومی حالت ذہنی، اخلاقی و ایمانی پہلوؤں کے لحاظ سے پستی کی انتہاء پر جا پہنچی ہے تو ایسی حالت میں کیا کوئی جماعت محض اشاعتِ دین کے مقصد کو سامنے رکھ کر اور اپنی جماعتی ضروریات کی طرف سے تغافل برت کر کامیاب ہو سکتی ہے؟ کیا مسلمانوں کی موجودہ حالت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ اگر وہ کسی جماعت کو عالی مقصدِ دین کی انجام دہی میں مشغول پائیں تو دل و جان سے اس کی معاونت پر کمربستہ کھڑے ہو جائیں؟ یا ان کی حالت یہ ہے کہ گو کوئی جماعت کیسے ہی عظیم الشان دینی مقاصد کی حامل ہو اور کامیابی سے حامل ہو لیکن جب تک جزئی مسائل میں وہ اس جماعت سے متفق نہ ہو لیں تب تک حمایت کا نام نہ لیں گے؟ مسلمانوں کی عامہ حالت ایمان و عمل کس قسم کی ہے؟ کیا انہیں تعلیم قرآن کے دنیا میں غالب آنے پر ایمان موجود ہے؟ کیا انہیں یہ یقین ہے کہ سلطنت و حکومت حاصل کئے بغیر اسلام اپنی برتر و اعلیٰ تعلیم کی رُو سے قلوب پر فتح پا سکتا ہے؟ کیا وہ اپنی انفرادی حاجات کو دینی ضروریات پر قربان کرنے کا تہیہ و عزم پاتے ہیں؟ اگر ان سب

سوالات کا جواب قطعی طور پر یک طرفہ ہے۔ اور نفی میں ہے تو یہ خوش فہمی کی انتہا ہوگی۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ قوم من حیث القوم بغیر اصلاح کے اس جماعت کی پشت و پناہ بن جائے گی جس نے اپنے سامنے اشاعتِ دین کا عالی مقصد رکھ لیا ہوا ہے۔ اشاعتِ دین کا مقصد ایسا سیدھا و سادہ نصب العین نہیں جیسا بعض ذہنوں نے تصوّر کر رکھا ہے کہ چند کتب دنیا میں شائع کرنے سے وہ حاصل ہو جائے گا اور خود علمِ دین کے استخراج و ترویج کے لئے بھی تو ایک زبردست قوم کی اجتماعی قوت بکار ہے۔ جس کی جدوجہد صدیوں تک پھیلنے والی ہو۔ **اشاعتِ دین کے مقصد کا اوّل تقاضا** یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تعمیر ہو جو دینی لحاظ سے **زندہ و متحرک** ہو جو اپنی ایمانی و اخلاقی قدروں سے تمام قوم کو قائل کرنے کا **عزم و تہیہ** کر چکی ہو جب تک اشاعتِ دین پر کمربستہ جماعت اپنی قوم کو اپنے ساتھ نہ لے گی تب تک غیر اقوام پر غلبہ کا خیال سراب سے بڑھ کر حقیقت نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ٹھیٹھ طریقِ کار

وہ جماعت جو اشاعتِ دین کا مقصد اپنے پیشِ نظر رکھتی ہو آیا اس کے لئے یہ بھی ضروری اور اشد ضروری ہے کہ وہ مخلص لوگوں کو اپنے جماعتی مسلک کا قائل کر کے اسے اپنے ساتھ ملائے یا کیا آج یہ بھی ممکن ہے کہ براہِ راست مقصدِ اشاعت کو غیر اقوام میں بجا لا کر کامیابی کا منہ دیکھ لے؟ اس سوال پر زیادہ دلائل و براہین دینے کی ضرورت نہیں۔ ان اصحاب کے لئے جو حضرت مسیح موعودؑ کے منجانب اللہ مبعوث ہونے پر ایمان لا چکے ہیں۔ خود حضرت اقدسؑ کا اپنا لائحہ عمل کافی ثبوت پیش کرتا ہے۔ یہ امرِ واقعہ ہے کہ حضرت اقدسؑ کے پیشِ نظر جو اصل مقصد تھا وہ اشاعتِ دین ہی کا مقصد تھا۔ غیر اقوام خصوصاً عیسائی اقوام میں علومِ دینیہ کی نشر و اشاعت ہی سے آج اصل غلبۂ اسلام مقدر ہے۔ **زندہ اسلام کا ثبوت آج اس زمانہ میں اگر پیش کیا** تو اسے حضرت اقدس نے اپنے خدا نما وجود سے ہی کیا مسلمان قوم میں زندگی و حرکت کے کوئی آثار اگر پیدا ہونے کا سامان تجویز کیا تو وہ یہی کہ یہ قوم مجدد وقت کے دامنِ فیوض سے وابستہ ہو۔ غرضیکہ سلسلہ احمدیہ کا وجود نہ صرف اسلام بلکہ سچے مذہب کے ثبوت پر بطور شاہد کے حضرت اقدسؑ نے پیش کیا۔ کیا اس سے صاف ظاہر نہیں کہ اشاعتِ دین کا مقصد تب ہی تکمیل پذیر ہوگا جب اس جماعت کی سرسبزی و بارآوری کے دن دیکھنے میں آئیں گے۔ جو اس مقصد کے حصول کے لئے آج واحد ذریعہ مقدر بن چکی ہے۔ (ا۔ ب)

جواہر ریزے

اِصلاحِ نفس

(۱)۔ حُسنِ ظن ایک نعمت ہے اور بدظنی ایک لعنت ہے۔
(۲)۔ بدتہذیبی اور بدکلامی شرافت کی ضد ہے۔
(۳)۔ بڑائی دوسروں کی تکریم و تعظیم میں ہے۔
(۴)۔ خودستائی شیطان کی متابعت ہے۔
(۵)۔ دوسروں کے حقوق کو تسلیم نہ کرنا ظلم ہے۔
(۶) کمزوروں پر زیادتی بزدلی ہے۔
(۷)۔ خواہشات کی پیروی جہنم ہے۔
(۸)۔ انسان کے خیالات اس کے دل کا آئینہ ہیں۔
(۹)۔ بدمعاملگی تقوٰی کی نقیض ہے۔
(۱۰)۔ بیجا غیظ و غضب دیوانگی ہے۔

ڈاکٹر خورشید عالم ترین ایم بی بی ایس سرینگر

حضرت مسیح موعودؑ کا عظیم الشّان کام

قرآن کریم کو نام نہاد اسرائیلی قصوں سے پاک کر کے اس کا صحیح مفہوم آشکار کیا۔

بدقسمتی سے قرآنی تفاسیر میں اسرائیلی روایات اس قدر جگہ پا گئی ہیں کہ ان تو سے انہیں بھی نعوذ باللہ! قرآن ہی کا متعلم بنا دیا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ صدیق نبی تھے لیکن تفاسیر ان کے تین جھوٹ بیان کرتی ہیں۔ قرآن متعدد مقامات پر محکم اصول کے طور پر یہ واضح کرتا ہے کہ غیر اللہ خالق نہیں ہو سکتا۔ لیکن تفاسیر چمگادڑ کو حضرت عیسٰے کی ہی مخلوق قرار دیتی ہیں۔ اور تو اور بعض تفاسیر کئی انبیاء کو گناہ کا مرتکب قرار دیتی ہیں۔ (نعوذ باللہ)

حضرت مرزا صاحب نے فرمایا انبیاء چونکہ ہر وقت خدا تعالےٰ کی حفاظت اور نگرانی میں ہوتے ہیں لہٰذا وہ معصوم ہیں۔ سوائے اجتہادی غلطیوں کے اور کوئی غلطی ان سے سرزد نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ عصمتِ انبیاءؑ پر باقاعدہ لٹریچر احمدیت کی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ آپؑ نے یہ بھی فرمایا کہ دنیا میں قرآن مجید ہی وہ اکیلی کتاب ہے جس کو کسی کی وکالت کی حاجت نہیں۔ یہ کتاب جہاں دعوے کرتی ہے وہاں دلیل بھی خود ہی پیش کرتی ہے۔ یہاں ایک واقعہ نقل کر دینا قارئین کے لئے باعث دلچسپی ہوگا۔ قرآن کریم حضرت سلیمانؑ کا ملکۂ سبا (بلقیس) کے لئے ایک شیشے کا محل بنانا اور اس کے نیچے سے پانی چلانا اور پھر بلقیس کا اس میں داخل ہونا بیان کرتا ہے۔ بلقیس پانی سے خوفزدہ ہو کر اپنی پنڈلیوں پر سے کپڑا اُٹھا لیتی ہے۔ یہ اہتمام کس لئے ہوا تھا؟ تفاسیر بیان کرتی ہیں کہ جنات نے حضرت سلیمان کو یہ خبر دی تھی کہ بلقیس کی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ جن کو دیکھنے کی خاطر حضرت سلیمان نے یہ چال چلی۔ لیکن اس واقعہ کو بیان کرنے سے کیا قرآن کریم کا یہی منشاء ہے کہ جس عورت کی پنڈلیوں پر بال ہوں اس سے شادی جائز نہیں؟ معاذ اللہ!

حضرت مرزا صاحب نے اصل حقیقت پر سے پردہ اٹھایا۔ بلقیس چونکہ سورج پرست تھی اسے سورج ہی خدا نظر آتا تھا اور وہ مخفی طاقت جو اس کے پیچھے کارفرما تھی نظر نہ آتی تھی۔ بلقیس کے اس عقیدہ کے سقم کو حضرت سلیمان نے تصویری زبان میں بلقیس پر واضح کر دیا۔ آپ نے بلقیس کو سمجھایا کہ جس طرح اسے پانی تو نظر آیا مگر اس کے اوپر شیشہ نظر نہ آسکا۔ بالکل اسی طرح اسے سورج تو نظر آیا لیکن وہ مخفی طاقت جو اس کے پیچھے کام کر رہی ہے نظر نہیں آتی یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم معاً بعد بلقیس کا یہ اعتراف کہ میں سلیمان کے ربّ پر ایمان لاتی ہوں بھی نقل کرتا ہے۔ غرض وہی بات جو تفاسیر نے بے معنی بنا رکھی تھی کس قدر پُر حکمت اور عظیم بن گئی۔ یہی حال دیگر قصوں کا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو تفسیر "بیان القرآن" از حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ۔

غیر احمدی مفسرین کرام احمدیہ تحقیق سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مثلاً سورۃ "آلِ عمران" جہاں حضرت یحییٰ کے والد حضرت زکریاؑ کا غیر نبی ثابت کرنا یہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی تحقیق ہے اور مولانا مودودی صاحب نے اسے تفہیم القرآن میں بلا حوالہ نقل کیا ہے۔ مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ:

"مولانا ابوالکلام آزاد نے مطالب قرآنی کو واضح کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کا نمونہ مولانا محمد علیؒ نے اب سے پچیس برس پیشتر پیش کر دیا تھا۔"

[1] موج کوثر صفحہ ۱۰۵۔ از شیخ اکرام صاحب۔ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور۔

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی نماز اور اس کی غرض

مسلمان ہر نماز میں اپنی ضروریات خدا کے سامنے پیش کرتا ہے اور سچی نماز امدادِ الٰہی کا دروازہ کھول دیتی ہے

ہر شخص کو جو اخلاق حسنہ سے متصف ہونا چاہتا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اس طرح زندگی بسر کرے۔ کہ صفاتِ الٰہیہ کا عکس اس کی زندگی سے نمایاں ہو۔ کیونکہ اخلاق حسنہ صفات الٰہیہ سے ہی براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ ہم کو اپنے دلوں کا جائزہ لینا چاہیئے، اور اپنے طرزِ عمل کو دن میں کئی مرتبہ جانچنا چاہیئے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ہمارا طریقِ کار سنت اللہ کے مطابق رکھتا ہے یا نہیں ــــ اس لئے حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے ہمیں نماز پنجگانہ کی تاکید فرمائی تھی۔ کیونکہ نماز اس چشمۂ رواں کی مانند ہے۔ جو دن میں کئی بار کسی کے مکان کے پاس سے گذرے۔ جس میں وہ نہا کر اپنے آپ کو پاکیزہ کر لے۔ اور شادابی حاصل کر لے۔ اسی طرح نماز بھی دل کو شاداب اور پاک کرتی ہے۔ اور اسلامی نماز کا تخیل اور اس کے الفاظ دونوں ہی مسلمانوں کے لئے ایک خوش آئند امر ہیں۔ اور اس لحاظ سے مسجد آباد اور دیگر معابد مقابلۃً کم رونق نظر آتے ہیں۔ صرف مسیحی دنیا ہی کو اس بات کی شکایت نہیں۔ کہ گرجے خالی پڑے رہتے ہیں۔ دیگر مذاہب کے تمام معابد کا یہی حال ہے۔ لیکن مساجد کبھی خالی نہیں پائی جاتیں۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ مسلمانوں کو دن میں پانچ مرتبہ مساجد میں آنا پڑتا ہے۔ جبکہ دوسرے مذاہب میں خدا کی یاد آٹھویں دن کی جاتی ہے اسقف اعظم کنٹربری نے اس بات کا سبب کسی حد تک معلوم کیا ہے۔ کہ آخر لوگ گرجوں کی طرف سے کیوں اس قدر غافل ہوتے جاتے ہیں۔ گزشتہ چرچ کانگریس میں انہوں نے پادریوں کو نصیحت کی کہ کلیسائی مواعیظ و خطبات کی نوعیت کو بہتر بنائیں۔ تاکہ سامعین جوق درجوق ان سے مستفید ہونے کے لئے آئیں۔ شاید سنیما سے یہ کام بہتر نکل سکے۔ اور عجب نہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد سینما ہی ان مواعیظ و خطبوں کا قائم مقام بھی ہو جائے لیکن اسلامی نماز میں دلچسپی کا راز یہ ہے کہ مسلمان اپنی ہر نماز میں اپنی موجودہ ضروریات خدا کے سامنے پیش کرتا ہے اور ان الفاظ کی روشنی میں اپنے اعمال کا جائزہ لیتا ہے۔ وہ ہر نماز میں خدا کی بعض صفات کو پیش نظر رکھتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ اس نے گذشتہ نماز سے لے کر تا ایں دم ان صفات کو اپنی زندگی میں منعکس کیا یا نہیں۔ بقول لارڈ ہیڈلے اس خیال کو سامنے رکھ کر ایک مسلمان پانچ نہیں پچاس نمازیں بھی ادا کرے تو تھوڑی ہیں۔ اپنی نمازوں میں ایک مومن اپنے کاروبار اور طرزِ معاشرت کا جائزہ بھی لیتا ہے۔ ہر نماز میں وہ خدا کے ان چار ناموں کی تلاوت کرتا ہے: ربّ۔ رحمٰن رحیم اور مالک یوم الدین۔ یہ صفات اس کے اخلاق سے بلاواسطہ نسبت رکھتے ہیں۔ ہر صفت اس کو محاسبہ نفس کا موقعہ دیتی ہے۔ کہ وہ خدا کی بادشاہت میں رہنے کے قابل ہے یا نہیں۔ لیکن اس موقعہ پر میں تعلقات و معاملات انسانی کے کاروباری پہلوؤں کو لوں گا۔ کیونکہ عموماً لوگ اسی وجہ سے اپنی نمازوں سے غافل ہو جاتے ہیں۔ ہمیں کامیابی کے لئے ہر کاروبار میں تین چیزوں کی ضرورت ہے (۱) استعداد (۲) مواد (۳) ہمت افزائی۔ ان تین چیزوں کے ہونے پر ہی حقیقی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ نماز میں ایک مسلمان کو اس بات کا یقین دلایا جاتا ہے کہ ربّ العالمین نے اس کی امداد کے لئے ہر شئے مہیا کر دی ہے اور خود اس کی ذات میں کامیاب ہونے کے لئے حیرت انگیز قابلیت اور استعداد ودیعت کر دی ہے۔ یہ استعداد اس کام کے سلسلہ میں بروئے کار آ جائے گی۔ ایسی ہی کسی مقصد میں کامیابی کی لیاقت بھی اس میں دکھلائی گئی ہے۔ اور اگر اس کام میں اُسے کسی چیز کی ضرورت ہے۔ تو خدا نے رحمٰن کی حیثیت سے ایسی ضروریات بھی موجود کر رکھی ہیں کیونکہ یہی اس لفظ کا مطلب ہے۔ انسان کا کام یہ ہے کہ اپنے مفید مطلب اشیاء کو تلاش کرے۔ لیکن واضح ہو کہ خدا کی یہ نعماء انہی لوگوں کے لئے کارآمد ہو سکتی ہیں۔ جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ یہ اس کا تقاضائے رحیمیت ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس کے انعامات بے شمار ہیں۔ لیکن وہ اسی وقت ملتے ہیں جب ہم سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ اگر اس رحمان نے ہماری ضروریات کی چیزیں ساری مہیا کر دی ہیں، تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ وہ ہر شخص کے لئے وقف ہیں، صرف وہی لوگ ان سے متمتع ہو سکتے ہیں۔ جو پہلے خود کوشش کرتے ہیں۔ اور مالک یوم الدین بھی ہے۔ پس اگر ہم اس کی چیزوں کا غلط استعمال کریں گے تو وہ ہمیں سزا بھی دے سکتا ہے۔ انصاف کیجئے۔ ہمارے کاروبار کی ترقی کے لئے نماز سے بڑھ کر کوئی اور محرک ہو سکتا ہے؟ کیا اس اطمینان اور ایقان سے بڑھ کر اور کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ جو نماز میں اس کائنات کے حاکم کی جانب سے ملتا ہے، جس کی وجہ سے ہمارے اندر قوت عمل کی ایسی روح پیدا ہو سکتی ہے۔ جس سے ہفتوں کا کام دنوں میں انجام پا سکتا ہے۔ اور ہمارے اندر ایسی قوتِ فکر پیدا ہو سکتی ہے جس کی مدد سے ہمارے کاموں میں سہولت اور صفائی آ جائے گی۔ میں نے اس جگہ اسلامی نماز کے لئے پہلے ہی فقرہ کے مطالب بیان کئے ہیں اسی سے دوسروں کو قیاس کر لیجئے۔ اس کے ہر لفظ میں زندگی اور آبِ زندگی بھرا ہوا ہے۔ ہماری اخلاقی زندگی سے قطع نظر کر کے روز مرّہ کی زندگی میں بے شمار مواقع ایسے آتے ہیں جبکہ ہم متفکر اور پریشان ہو جاتے ہیں۔ اور امداد کے طالب ہوتے ہیں۔ دنیا ہماری مدد کے لئے نہ آتی ہے نہ آئے گی۔ مگر خدا آیا ہے آئے گا۔ اسلامی نماز، امداد الٰہی کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ اور انسان کو اعتماد علی النفس کا سبق بھی سکھاتی ہے۔ یسوع نے سچ کہا تھا:—

"انسان صرف روٹی سے ہی نہیں جیتا۔ بلکہ ہر لفظ سے جو خدا کے منہ سے نکلتا ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سکھلا کر اور اسے وقتاً فوقتاً ادا کرنے سے ان کے قول کو ایک صداقت عظمٰے ثابت کر دکھایا۔

شادی خانہ آبادی

مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۷۵ء بروز ہفتہ ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب کے صاحبزادے مسٹر خالد عبداللہ اور مس ساجدہ بانو (بنت شیخ عبدالحمید صاحب از سیالکوٹ) کی شادی کی تقریب عمل میں آئی، صبح دس بجے سول میرج کی رسم ادا کی گئی۔ اور شام چار بجے اسلامی نکاح پڑھانے کے فرائض شیخ محمد طفیل صاحب نے ادا کئے۔ کوئی ڈیڑھ سو کے قریب عزیز و اقارب اور احباب مدعو تھے۔ تقریب کا اہتمام ووکنگ کے ایک ہال ملحقہ سومنگ پول میں کیا گیا۔ دُلہا نے دس ہزار روپیہ حق مہر باندھا اور ۲۰ پونڈ مشن کو چندہ دیا۔ اللہ تعالٰے اس رشتہ کو جانبین کے لئے بابرکت بنائے۔

ضروری تصحیح "کراچی میں تمام عزیباں کی ایک جھلک" کے عنوان سے پیغام صلح میں میرا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں یہ لکھا گیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی سات بیگمات سے جو بیٹے پیدا ہوئے ان میں سے ایک کا نام ابوبکر دوسرے کا عمرؓ اور تیسرے کا نام عثمان تھا حالانکہ یہ غلط ہے میں نے پہلے مضمون میں صرف یہ لکھا تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے ایک بیٹے کا نام عثمان رکھا تھا۔ احباب اس غلطی کی تصحیح فرمائیں۔ (ڈاکٹر مظفر بیگ صاحب۔ لاہور)

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

سُورۃ الحجر کے پہلے رکُوع کی پیشگوئیاں

((۲))

چوتھی پیشگوئی اور اس کے چھ اجزاء پہلی قسط میں تین اہم پیشگوئیوں کا ذکر کیا جا چکا ہے جو سُورۃ الحجر کے پہلے رکوع میں مذکور ہیں۔ اس موجودہ قسط میں چوتھی پیشگوئی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ پیشگوئی چھ اجزاء پر مشتمل ہے اس پیشگوئی کے الفاظ یہ ہیں اِنّا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ ہم نے ہی اس ذکر کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

پیشگوئی سے قبل کفار کا قول اس سے قبل کفار کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ شخص یعنی (محمد رسول اللہ صلعم) نعوذ باللہ مجنونانہ باتیں کرتا ہے باوجود ہمارے مقابلہ میں اسکی حیثیت بے بسی کی حیثیت ہے نہ اس کے پاس مال ہے اور نہ اس کے پاس فوج ہے لیکن کہتا یہ ہے کہ اے کفار گو تم طاقتور ہو گو تمام مادی اسباب جن پر کامیابی اور فتح کا دار و مدار ہوتا ہے تمہارے قبضہ میں ہیں لیکن غالب میں ہی تم پر آؤں گا۔ جتنا زور لگانا ہے لگا لو مغلوب تم ہی ہوگے کیونکہ خدائی مدد میرے ساتھ ہے اور اس کا وعدہ مجھے غلبہ دینے کا ہے اور تم اس سے محروم ہو اور یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ خدائی طاقت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تمہاری فوجیں تمہارے جتھے تمہارے اسلحہ سب کے سب اس قادر مطلق کی طاقت کے سامنے ہیچ ہیں آنحضور صلعم کے اس پر شوکت اعلان کے بعد کہ میں ضرور غالب آؤں گا اور تم اے کفار میری کامیابی اور اپنی ناکامی کے بعد پچھتاؤ گے کہ ہم پہلے ہی کیوں ایمان نہ لے آئے کفار نے ایسے اعلانوں کو ہنسی میں اڑاتے ہوئے مجنونانہ بڑ سے زیادہ وقعت نہ دی اور بطور تمسخر یہ کہنا شروع کر دیا کہ تم کہتے ہو کہ خدا کے فرشتے تمہاری مدد کے لئے اتریں گے لاؤ پھر ان فرشتوں کو جن کے نزول سے ہمیں ڈراتے ہو اللہ تعالےٰ نے ان کے اس تمسخرانہ اور طنزیہ لہجہ کے جواب میں فرمایا فرشتے آئیں گے اور ضرور آئیں گے اور ان کے آنے سے حق نمایاں طور پر غالب ہو جائے گا اور اس وقت اے تمسخر کرنے والے کافرو! تمہیں ڈھیل نہیں دی جائے گی اس وقت تمہارا سارا غرور اور سارا گھمنڈ چکنا چور کر کے رکھ دیا جائے گا اس کے متعلق خدائی وعدے کے الفاظ یہ ہیں حتیٰ اذا راوا ما یوعدون فسیعلمون من اضعف ناصراً و اقل عدداً قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امداً یہاں تک کہ جب اس وعید کو اپنی آنکھوں سے عملی صورت اختیار کرتے ہوئے دیکھ لیں گے جو انہیں سنائی جا رہی ہے تو انہیں پتہ لگ جائے گا کہ حقیقت میں کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی تعداد کم ہے باقی میں یہ نہیں بتلا سکتا کہ آیا اس وعید الہٰی کے پورا ہونے کا وقت قریب ہے یا اللہ تعالےٰ کسی قدر مدت کے بعد اپنی اس وعید کو عملی جامہ پہنائے گا۔ بہرحال اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں کہ یہ وعید الہٰی ضرور بالضرور پوری ہو کر رہے گی اس وقت تمہیں نظر آ جائے گا کہ جتھہ کس کا مضبوط ہے اور تعداد کس کی کم ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ باوجود تمہارے مضبوط اور طاقتور جتھے کے مسلمان جو بظاہر تعداد اور جتھے کے لحاظ سے تمہیں کمزور نظر آتے ہیں عملاً طاقتور ثابت ہونگے اور ان کے مقابلہ میں تمہاری فوج عملاً کمزور ثابت ہوگی اور تمہاری تعداد جو بظاہر مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے لیکن شکست کھا جانے کی وجہ سے عملاً کم ہی ثابت ہوگی اور مسلمان ظاہری طور پر ہر لحاظ سے کمزور ہونے کے باوجود آیۃ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصابرین کا مصداق ثابت ہوں گے۔

پیشگوئی کا جزو اول ظاہر ہے کہ الذکر کی حفاظت کے وعدہ میں سب سے پہلے خود حضرت نبی کریم صلعم شامل ہیں کیونکہ سب سے پہلے ان کے وجود باجود کی حفاظت ضروری تھی کیونکہ اگر کفار آنحضور صلعم کے وجود کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو قرآن شریف تو وہیں ختم ہو جاتا اس کی حفاظت کا سوال ہی باقی نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ قرآن کریم کے نزول نے بھی آنحضور صلعم کے خاتمہ کے ساتھ ہی ختم ہو جانا تھا کیونکہ ذکر اور صاحب ذکر لازم ملزوم ہیں دوسرے سورۃ الطلاق ع۲ میں اللہ تعالےٰ نے حضرت نبی کریم صلعم کو بھی ذکر کہہ کر پکارا ہے فرمایا فاتقوا اللہ یا اولی الالباب الذین اٰمنوا قد انزل اللہ الیکم ذکراً رسولاً یتلوا علیکم اٰیات اللہ مبیّنٰت لیخرج الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات من الظلمات الی النور یعنی اے عقلمندو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالےٰ نے تمہاری طرف مجسم ذکر یعنی یہ رسول اتارا ہے جو تم پر اللہ تعالےٰ کی کھلی کھلی آیات پڑھ رہا ہے تاکہ تمہیں ان کے ذریعہ تمام قسم کی تاریکیوں سے نکال کر نور کے میدان میں لا کھڑا کرے۔

اب کسی عقلمند پر یہ امر مخفی نہیں رہ سکتا کہ اگر حضرت نبی کریم صلعم کے وجود کی حفاظت وقوع میں نہ آتی تو نہ ہی دنیا قرآن کریم کی شکل دیکھ سکتی اور نہ ہی ایسی جماعت وجود میں آ سکتی جس کا ذکر سورۃ الطلاق میں کیا گیا ہے۔

ایفاءِ عہد اب اس حقیقت کا انکار کون کر سکتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم کے وجود باجود کی حفاظت معجزانہ طور پر ہوتی رہی اور فرشتوں کی مدد دشمنوں کے حملوں اور منصوبوں سے محفوظ رکھنے کے لئے آنحضور صلعم کے ہر موقعہ پر شامل حال رہی۔

پہلا موقعہ سب سے پہلے قتل کے منصوبہ کو ناکام بنانے کے لئے فرشتوں نے قتل پر مقرر آدمیوں کی آنکھوں کو اندھا کر دیا آنحضور صلعم سلامتی کے ساتھ ان کے درمیان سے نکل گئے اور وہ آنحضور صلعم کو دیکھ نہ سکے۔

دوسرا موقعہ پھر غار ثور پر پہنچکر بھی انہیں ناکام ہی واپس لوٹنا پڑا الٰہی تصرف نے فرشتوں کے ذریعہ غار میں جھانک کر دیکھنے کی توفیق ان سے چھین لی حالانکہ کھوجی یقین دلا رہا تھا کہ اس غار کے اندر ہی ہیں دوسرے لوگ تو الگ رہے خود اس کھوجی سے بھی غار کے اندر نظر ڈالنے کی توفیق چھین لی گئی جو یقین سے کہہ رہا تھا کہ اس غار کے اندر ہی ہیں۔

تیسرا موقعہ پھر ایک بدوی کو آسانی سے قتل کرنے کا موقعہ ملا مگر اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق سے اُسے خدائی تصرف کے ماتحت محروم کر دیا گیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ آنحضور صلعم ایک دن اکیلے ہی ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے تلوار آنحضور صلعم کی درخت پر لٹک رہی تھی۔ ایک بدوی کا اتفاق سے اس طرف گذر ہوا اور اس نے تلوار نکال کر آنحضور صلعم کو جو بیدار ہو گئے تھے خطاب کرتے ہوئے کہا اے محمدؐ اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے آنحضور نے وعدہ الٰہی واللہ یعصمک من الناس کو مدنظر رکھتے ہوئے فوراً زور سے کہا کہ اللہ! یہ کہنا تھا کہ خدائی تصرف کے ماتحت تلوار اس بدوی کے ہاتھ سے گر گئی جسے آنحضور صلعم نے اٹھا لیا اور فرمایا کہ اے بدوی تو بتا کہ تجھے کون بچا سکتا ہے تو اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ آپ کا رحم۔ اس پر آنحضور نے اسے معاف کر دیا۔

چوتھا موقعہ پھر جنگ احد میں مسلمانوں کی ایک غلطی کے نتیجہ میں آنحضرت صلعم کو قتل کرنے کا سنہری موقعہ کفار کے ہاتھ آیا تھا مگر خدائی وعدہ حفاظت کا وہاں بھی کفار کے آڑے آ گیا اور الٰہی تصرف نے وہاں بھی ایسا کرشمہ دکھلایا کہ کفار باوجود اس کے کہ ظاہری سامان فتح کے ان کے سامنے تھے وہ ناکام واپس لوٹنے پر مجبور ہو گئے کیا تمسخر کرنے والے کفار نے فرشتوں کی مدد دیکھی یا نہ دیکھی۔ سب نے ضرور اس کا مشاہدہ کیا۔

دوسری جزو الذکر کی حفاظت کے وعدہ کی دوسری جزو قوم کی حفاظت بھی کیونکہ قوم ہی قرآن کی حامل ہو سکتی تھی اگر وہی نہ رہتی تب بھی نہ قرآن دنیا میں نظر آ سکتا تھا اور نہ اس کی تعلیم رواج پا سکتی تھی چنانچہ کفار نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح محمد رسول اللہ صلعم کا ساتھ دینے والی قوم تیار نہ ہو سکے اپنے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کفار نے ایمان لانے والوں کو طرح طرح کی اذیتوں کا نشانہ بنایا تا ایمان لانے کی کوئی شخص جرأت نہ کر سکے مگر انکے تمام منصوبے الٰہی تصرف نے خاک میں ملا دیئے - پھر انہوں نے جنگوں کے ذریعہ مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوشش کی اس میں بھی انہیں ناکامی کا ہی منہ دیکھنا پڑا۔

فرشتوں کے نزول کا مشاہدہ جن فرشتوں کے نزول پر وہ تمسخر اڑا رہے تھے سب سے پہلے بدر کی جنگ میں ان کے نزول کا مشاہدہ انہیں کرنا پڑا پھر جنگِ اُحد میں فرشتوں کے ہاتھوں انہیں منہ کی کھانی پڑی پھر غزوۂ احزاب میں بھی فرشتوں نے ان کے چھکے چھڑا دیئے اور آخر فتح مکہ نے تو انہیں آنحضور صلعم کے قدموں پر گرنے پر مجبور کر دیا۔

نصرت الٰہی کا وعدہ یہ حقیقت ہے کہ مسلمان سخت کمزور تھے اور انکے مقابلہ میں دشمن طاقت کے انتہائی عروج پر پہنچ ہوا تھا۔ ایسی حالت میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ حکم ان کو ملتا ہے اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ اب ان مسلمانوں کو جن پر ظلم ہو رہا ہے اور جن پر یورش پر یورش کی جا رہی ہے اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ وہ میدانِ مقابلہ میں نکل کھڑے ہوں اور اپنی کمزوری اور دشمن کی طاقت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں اللہ تعالےٰ ان کی مدد پر قادر ہے چنانچہ یہ وعدہ الٰہی بھی جس شان سے پورا ہوا کسی تاریخ دان سے مخفی نہیں۔

تیسری جزو تیسری جزو اس پیشگوئی کی یہ ہے کہ اس کتاب یعنی قرآن کریم کو ایک طرف ذکر للعالمین فرمایا اور دوسری طرف حضرت نبی کریم صلعم کو نذیر للعالمین کہا جیسا کہ فرمایا تبارک الذی نزل الفرقان علےٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیراً یعنی حضرت نبی کریم صلعم موجودہ اور آیندہ آنے والی نسلوں کے لئے نذیر ہیں جیسا کہ آیۃ واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم و ھو العزیز الحکیم بھی اس امر کو وضاحت سے بیان کر رہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ اُمّت میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں جو حضرت نبی کریم صلعم کے رنگ میں حسب ضرورت کسی قدر رنگین ہو کر حضرت نبی کریم صلعم کے کام کو جاری رکھ سکیں یعنی عوام کے دلوں میں ایمان کی شمع فروزاں رکھیں اور ان کا تزکیہ نفوس کریں اور ان کو تاریکیوں سے نکال کر ان کے قلوب کو نور سے بھر دیں چنانچہ مندرجہ ذیل آیت اس پر صراحت سے روشنی ڈال رہی ہے وکذالک جعلناکم امۃً وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیداً۔ یعنی اُمّت کے بعض افراد لوگوں کے اعمال کے نگران رہیں گے اور ان کی اصلاح کا بیڑا اُٹھائے رکھیں گے اور خود وہ حضرت نبی کریم صلعم کے فیض سے مستفیض ہو کر اس فریضہ کو سرانجام دیتے رہیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا کبھی منقطع نہیں ہوگا کیونکہ حضرت نبی کریم صلعم کے فیض کی نہر بوجہ خاتم النبیّین ہونے کے قیامت تک جاری رہے گی کبھی خشک ہونے نہیں پائے گی۔ چنانچہ ایسے پاک لوگوں کو قرآن کریم میں خلفاء کا نام دیا گیا ہے اور حدیث نبوی میں مجدّد کے نام سے ان کو پکارا گیا ہے حدیث میں ہر صدی کے سر پر ان کا ظہور تبلایا گیا ہے۔ اور قرآن کریم میں ان کے ظہور کا وقت دین اسلام میں کسی نہ کسی قسم کی کمزوری کی علامات کا پیدا ہو جانا مقرر کیا ہے خواہ اس کمزوری کا باعث مسلمانوں کی دین سے ناواقفیت ہو جس کے نتیجہ میں ان کے اعتقادات اور ان کی عملی حالت میں بگاڑ اور فساد رونما ہونا شروع ہو جائے یا مخالفین کی طرف سے بیرونی حملے اس کا باعث بن جائیں یہ خلفاء اور مجدّدین فتنوں اور فسادات کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف قسم کی روحانی قوتوں سے لیس ہو کر مبعوث ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے اس لئے ان کے درجات بھی مختلف رہے ہیں۔

چنانچہ کوئی صدی بھی اسلام میں ایسے بزرگوں سے خالی نہیں رہی ان کے علاوہ عام اولیاء بھی اُمّت میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔

چوتھی جزو اس پیشگوئی کی یہ ہے کہ دشمنوں کے حملوں سے اس کو محفوظ رکھا جائے حملے صرف تلوار کے ہی نہیں ہوتے بلکہ علم کے بھی ہوتے ہیں اور علمی حملہ تلوار کے حملہ سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے کیونکہ یہ حملہ دلوں سے ایمان کو نکال دینے کا موجب بنتا ہے چنانچہ ہمارے اس زمانہ میں اس حملہ کی شدت ہر شخص محسوس کر رہا ہے ہزاروں مسلمان اس حملہ کی تاب نہ لا کر عیسائیت کی آغوش میں چلے گئے اور ہزاروں گو بظاہر اسلامی سوسائٹی کے ممبر بنے رہے لیکن دل ایمان سے خالی ہو گئے ایک طرف پادریوں کے حملوں نے کاری ضرب لگائی اور دوسری طرف یورپ کے فلاسفروں نے قیامت برپا کی اور نئے تعلیم یافتہ طبقہ کے دلوں پر اپنے سحر کا ایسا اثر کیا کہ ایمان ان کے دلوں سے عنقا ہو گیا پھر کمیونسٹ آئے تو انہوں نے بالکل ہی دہریہ بنا کے چھوڑا اور دنیا ہی دنیا ایسے نوتعلیم یافتہ نوجوانوں کا مقصد اور مطلوب بن کر رہ گئی اخلاقی اور روحانی اقدار کو انہوں نے طاق نسیان پر رکھ دیا خدا اور رسول اور قرآن دلوں سے محو ہو گئے اور کامیابی ان کو یورپ اور روس کے طور طریق میں ہی نظر آنے لگی۔

دو حملوں کی شدت سورۃ النور میں اللہ تعالےٰ نے دو حملوں کی شدت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے فرمایا وعد اللہ الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے اے مسلمانو! تم میں سے ان مؤمنوں کو جن کے اعمال بھی خدا کے نزدیک ان کے ایمان کے مطابق ہوں گے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں حضرت نبی کریم صلعم کے خلیفے بنائے گا جیسا کہ وہ پہلی قوموں میں ان کے انبیاء علیہم السلام کے خلفاء بناتا چلا آیا ہے اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے یعنی اسلام کو مضبوطی عطا کرے گا اور ان کے اس خوف کو جو دین کے مٹ جانے کا انہیں لاحق ہوگا امن سے بدل دے گا یعنی ایسا خلیفہ پیدا کر دے گا جس کی کوشش سے دین میں مضبوطی پیدا ہو جائیگی اور ایسی جماعت اس کے ذریعہ تیار ہو جائے گی جو دین کو پھیلائے اور اسے قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

دو دفعہ ایسی حالت کا پیدا ہونا چنانچہ ایسی حالت اسلام میں دو دفعہ پیدا ہوئی ہے ایک حضرت نبی کریم صلعم کی وفات کے معاًبعد اس وقت دشمنانِ اسلام کا حملہ تلوار کا حملہ تھا اور اس شدت سے تھا کہ اسلام کے مٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا مگر خدا تعالےٰ نے حضرت ابوبکرؓ کو کھڑا کر کے اس خطرہ کا قلع قمع کر دیا اور دین کو اس قدر قوت عطا کی کہ وہ اپنے پاؤں پر مضبوطی سے قائم ہو گیا اور خوف امن میں تبدیل ہو گیا۔

دوسرے حملہ کی شدت دوسرے حملہ کی پیشگوئی قرآن کریم اور احادیث میں پائی جاتی ہے اور وہ حملہ دجالی فتنہ کا حملہ ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب سے دنیا وجود میں آئی ہے اتنا بڑا فتنہ پیدا نہیں ہوا اور اس کے ساتھ ہی یہ پیشگوئی بھی کی گئی ہے کہ اس عظیم الشان فتنہ کا فرو ہونا اس مجدّد کے ہاتھ سے ہوگا جس کو مسیح اور مہدی کے نام سے ملقب کیا گیا ہے چنانچہ اس صدی کے مجدّد نے یہ دعوےٰ کیا کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اسے مسیح اور مہدی کا لقب عطا کیا گیا ہے۔ اور اس نے دلائل قویہ اور آسمانی نشانوں سے ثابت کر دیا کہ دجال یہی پادری اور یورپ کے فلاسفر ہیں جن کے شر کے اثر کے نیچے آ کر مسلمان دین سے بیزار ہوتے جاتے تھے۔

اس مجدّد نے دین کے عاشق بنا دیئے اس مجدّد اعظم نے مبعوث ہو کر اس فتنہ کا ایسا قلع قمع کیا کہ ہزاروں مسلمان بیزار ہونے کی بجائے دین کے عاشق ہو گئے اور اس مجدّد سے

تربیت حاصل کرکے دین کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہوگئے اور دوسرے لوگ بھی گو انہوں نے اس مجدد کی بیعت کا شرف حاصل نہیں کیا لیکن اس کے اثر سے متاثر ہوکر دین کی طرف ان کے دلوں میں بھی رغبت پیدا ہوگئی اگر تعصب سے دلوں کو صاف کر لیا جائے تو اقرار کرنا پڑے گا کہ اس مجدد اعظم کے ذریعہ دوبارہ دین میں تمکنت پیدا ہوئی۔ اور اس کے مٹ جانے کا جو خوف پیدا ہوا تھا وہ امن میں تبدیل ہو گیا۔ اور یہ حملہ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے علمی حملہ تھا جسے علم ہی سے فرد کیا گیا علمی حملوں کو فرو کرنے کا وعدہ آیہ کریمہ ثم ان علینا بیانہ اور الرحمان علم القرآن میں کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ علمی اعتراضات کا نشانہ جب اسلام کو بنایا جائے گا تو ان اعتراضات کو رد کرنے کا علم بھی اس مجدد کو دیا جائے گا جسے خاص طور پر اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے مقرر کیا جائیگا۔ اور واقعات گواہی دے رہے ہیں کہ سیدنا حضرت مرزا صاحب مجدد وقت کو ان حملوں کو پسپا کرنے کے لئے بہترین علم کلام عطا کیا گیا جس کا ثبوت جلسہ مذاہب اعظم لاہور نے پیش کر دیا۔

پانچویں جزو حفاظت ذکر کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرانہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ (القیامۃ ع۱) اس آیت کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو جمع کرنے کا کام بھی اپنے ذمہ لیا ہے اور اس کی ترتیب بھی اپنے ہی ذمہ لی (قرانا ہ کے معنے ترتیب دینے کے ہیں) پس جب ہم اس کی ترتیب دے لیں تو حکم ہے کہ اسی ترتیب کی اتباع کرو۔

ظاہر ہے کہ بے ربط کلام کی کسی عقلمند کے نزدیک کوئی قدر ومنزلت نہیں ہوتی مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا ہے کہ قرآن اور اس کی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچائیں اگر کلام بے ربط ہوگا تو دوسروں پر وہ کس طرح اثر انداز ہو سکتا ہے پس ضروری ہے کہ قرآن کریم منظم کلام کی صورت میں دوسروں کے سامنے پیش کیا جائے تا وہ اس سے اثر پذیر ہو سکیں اسی وجہ سے حضرت نبی کریم صلعم اس کی جوں جوں آیات نازل ہوتی رہیں انہیں جمع بھی کراتے رہے اور ہر آیت کو خاص خاص مقام پر رکھواتے رہے جس آیت کا جس سورۃ کے ساتھ تعلق ہوتا اسی سورۃ میں اسے رکھنے کی ہدایت فرماتے اور پھر جس آیت کا جس آیت کے ساتھ تعلق ہوتا اسی آیت کے بعد اس آیت کو رکھنے کی تلقین فرماتے اس طرح سارا قرآن منظم شکل میں لکھا گیا اور پھر خلفاء کے زمانہ میں اس کی متعدد نقلیں کروا کر محفوظ کر لیا گیا۔

چھٹی جزو قرآن کریم کی حفاظت کی چھٹی جزو نہایت ہی اہم جزو ہے کیونکہ اس کا تعلق ان وعدوں سے ہے جو اس میں خاص الخاص مؤمنوں کو دیئے گئے ہیں اگر وہ پورے نہ ہوں تو اس کتاب جلیل القدر کا خدا کی طرف سے ہونا پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا ثبوت کے لئے چند وعدے ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا وعدہ سورہ حم سجدہ ع۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاءکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ۔ یعنی اس اُمت میں ایسے مؤمن پیدا ہوتے رہیں گے جو اللہ کو اپنا رب تسلیم کرکے اس پر استقامت اختیار کرلیں گے ان پر فرشتوں کا نزول ہوگا جو انہیں غم اور حزن سے آزاد رہنے کی بشارت دیتے رہیں گے اور ان کو یقین دلائیں گے کہ وہ اس دنیوی زندگی میں بھی ان کے دوست رہیں گے اور آخرت میں بھی دوست رہیں گے۔

اب اگر اُمت میں ایسے اشخاص پیدا ہی نہ ہوں جن کو فرشتوں سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہو تو یہ وعدہ الٰہی جو سورۃ حم سجدہ ع۴ میں درج ہے یقیناً رائیگاں جائے گا اور اس بات کا ثبوت بہم پہنچائے گا کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے نہیں بس اس وعدہ الٰہی کی حفاظت قرآن کی حفاظت کے وعدہ کے ایفا کے لئے ضروری ہے۔

دوسرا وعدہ سورہ یونس ع۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون الذین اٰمنوا وکانوا یتقون لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ لاتبدیل لکلمات اللہ ذالک ھو الفوز العظیم یعنی وہ اولیاء اللہ جو ایمان کامل کے زیور سے آراستہ ہیں اور تقویٰ کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کو اس دنیا میں بھی بشارتیں ملتی ہیں اور آخرت کے بارے میں بھی بشارتیں ملتی ہیں۔ (حضرت نبی کریم صلعم نے بشریٰ کی تشریح مبشرات سے کی ہے جن کے متعلق آنحضور صلعم نے فرمایا لم یبق من النبوۃ الا المبشرات الا وھی الرؤیا الصالحہ یراھا المؤمن او تری لہ) کہ وہ خوف اور حزن سے آزاد رکھے جائیں گے خدا کے ان کلمات میں ہرگز تبدیلی نہ ہوگی یعنی یہ ضرور پورے ہوکر رہیں گے اور مؤمنوں کے لئے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اب اگر اُمت میں ایسی بشارتیں پانے والے مؤمن پیدا نہ ہوں تو قرآنی وعدہ غلط ثابت ہوکر حفاظت قرآن کے وعدہ کو بھی غلط ثابت کر دے گا لیکن یہ وعدہ الٰہی ہر زمانہ میں سچا ثابت ہوتا رہا ہے اور اس زمانہ میں بھی ہوا جس سے ثابت ہوگیا کہ واقعہ میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی ہر لحاظ سے حفاظت کر رہا ہے۔ حفاظت قرآن کے وعدہ کا تقاضا ہے کہ اس کے ہر لفظ کی لفظی اور معنوی دونوں لحاظ سے حفاظت کی جائے۔

تیسرا وعدہ سورۃ کہف ع۴ میں فرماتا ہے واتل ما اوحی الیک من کتاب ربک لا مبدل لکلماتہ۔ اس کتاب کے کلمات کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا جیسا کہ متذکرہ بالا دونوں آیتوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ خدا کے کلمات کو کوئی بدل نہیں سکا ۱۴۰۰ برس سے پورے ہوتے چلے آرہے ہیں۔

چوتھا وعدہ سورۃ المؤمن ع۲ میں فرمایا رفیع الدرجات ذوالعرش یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق یعنی خدا جن مؤمنوں پر اپنا کلام نازل کرنا چاہتا ہے کرتا رہتا ہے تا وہ یوم تلاق سے لوگوں کو ڈراتے رہیں اس آیت کی تفسیر میں روح المعانی میں لکھا ہے کہ القاء روح کا وعدہ قیامت تک متصل کے حکم میں ہے یعنی ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو دعوت اسلامی کو قائم رکھیں جیسا کہ ابو داؤد کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس اُمت کے لئے ایسے اشخاص مبعوث کرتا رہے گا جو اس اُمت کے لئے اس کے دین کی تجدید کرتے رہیں یعنی کتاب اور سنت پر جو عمل مٹ گیا ہوگا اسے زندہ کریں۔ سورۃ النحل ع۱ میں بھی اسی مضمون کو دہرایا گیا ہے۔ کاش مسلمان ایسے کسی شخص کے اُمت میں پیدا ہونے پر خوشی کے نعرے لگائیں اور فخر سے اُچھلیں کودیں اور ایسے اشخاص کی دشمنی کی بجائے ان سے محبت کا برتاؤ کریں اور ان کے ساتھ ہوکر دین کے عَلَم کو بلند رکھنے کی سعی میں مصروف ہو جائیں نہ کہ اُلٹا اُن کو گرانے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے مجدد کا ساتھ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین یارب العالمین اٰمین۔

مخالفین کو تنبیہہ آخر میں اس کتاب کی مخالفت کرنے والوں کو تنبیہہ کی ہے کہ پہلے نبیوں کی تعلیموں کی مخالفت کرنے والوں کا حشر ذہن میں رکھیں وہی حشر قرآن کی مخالفت کرنے والوں کا ہوگا چنانچہ وہ حشر سب کے مشاہدہ میں آتا رہا ہے اور آتا چلا جاتا ہے یہ زمانہ بھی مخالفین کے بُرے انجام سے خالی نہیں رہا اپنے موقعہ پر اس کی تفصیل بھی بیان کر دی جائے گی۔ والسلام

ضروری تصحیح گزشتہ ایام پیغام صلح میں شائع ہوا تھا کہ میرے برادر کلاں مرزا محمد اعظم بیگ مرحوم کی بیگم صاحبہ وفات پاگئیں۔ مرزا محمد اعظم بیگ مرحوم میرے برادر خورد تھے۔ احباب تصحیح فرمالیں۔ (ڈاکٹر مرزا مظفر بیگ ساطع لاہور)

مکرم چوھدری فضل داد صاحب ۔ گجرات

بچھڑے بھائیوں کے نام

میں آج تمام برادری کو اور آپ دونوں بھائیوں کو بالخصوص ایک نہایت اہم امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ آپ علیحدگی کی گھڑیوں میں۔ نہایت ٹھنڈے دل اور دماغ سے اس امر پر غور و فکر کریں گے اور کوئی عملی قدم اٹھائیں گے۔ ...... حدیث مجدد سچی ہے۔ صحاح ستہ کی مشہور کتاب سنن ابو داؤد میں موجود ہے۔ اس کی صحت پر گذشتہ تیرہ صدیوں کے مجددوں نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

یوں تو ہمیشہ ہی دین کی تجدید ہو رہی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ اس کے احیاء کے سامان کرتا چلا آ رہا ہے مگر قرآن و حدیث اور دیگر صحف سماویہ کا منشاء تو یہ ہے کہ ایک مامور مجدد ہو اور اللہ تعالےٰ خود اسے مبعوث کرے اور الہام پر اس کے دعوےٰ کی بنیاد ہو۔ یہ صورت حال ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم مرزا صاحب کے دعوےٰ کو صداقت پر مبنی قرار دیں۔ اور آپ کے دامن سے اپنے آپ کو وابستہ کرلیں۔

پیارے بھائی! دور نہ جائیے موجودہ مسلمانوں کی حالت پر نظر رکھیں بد دیانتی۔ رشوت۔ غنڈہ گردی۔ بے راہ روی نے جس طرح ہمارے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اس سے شریف النفس لوگوں کی زندگی دکھوں کا جال بن گئی ہے۔ نہ عزت محفوظ۔ نہ جان محفوظ۔ ڈاکہ زنی۔ راہ زنی کے واقعات میں روز بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ سب بد اخلاقیاں اس وقت ختم ہوں گی جب خدا پر زندہ ایمان پیدا ہوگا۔ جب مخلوق اور اس کی تمام دلچسپیاں اور توقعات۔ اور نفس کی تمام خواہشات و سفلی جذبات کو اللہ تعالےٰ کی رضا اور فرمانبرداری کے لئے قربان کر دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (الانعام ٦ : ۱۲۴) اللہ تعالےٰ ہی خوب جانتا ہے کہ مقام رسالت تجدید و تحدیث کسے عطا کرے۔ اور کون اس منصب پر سرفراز کیا جائے۔ اس صاف اور سیدھے اور ناقابلِ انکار معیار کو مدِ نظر رکھ کر جب آپ حضرت مرزا صاحب کے دعوےٰ پر توجہ دیں گے اور دیانت داری کے ساتھ ان کے دعوےٰ کو پرکھنا چاہیں گے۔ تو روزِ روشن کی طرح آپ کو معلوم ہوگا کہ امامِ وقت اس صدی کا مجدد صرف اور صرف حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہیں۔ آپ نے بآواز بلند کہا:۔

"میں خلیفۃ اللہ یا مامور من اللہ۔ مجددِ وقت اور مسیح موعود ہوں" (آئینہ کمالات اسلام ص ۳۲۲)

"مجددیت کا دعوےٰ ہے جو خدا کے حکم سے کیا گیا" (ازالہ اوہام ص ۴۲۱)

آپ فرماتے ہیں :۔

"جب میری عمر ۴۰ برس تک پہنچی تو خدا تعالےٰ نے الہام کے ذریعہ میرے پر ظاہر کیا کہ "تو اس صدی کا مجدد اور صلیبی فتنوں کا چارہ گر ہے۔" (تریاق القلوب ص ۶۸)

چوھدری صاحب! آج کسی مذہب کا پیروکار آپ کے سامنے اس حدیث مجدد کو پیش کر کے دریافت کرے۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے تھے۔ تو بتاؤ کہ اس صدی کا مجدد کون ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ امانت، دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے پاس کوئی جواب نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کی صداقت نہیں۔ بلکہ نبیوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس صدی کے مجدد کو مان لیا جائے۔ کیونکہ اس کا انکار اس کا انکار نہیں بلکہ اس صادق و مصدوق کا انکار ہے۔ جس نے فرمایا تھا کہ ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد ضرور مبعوث ہوگا۔ چودھویں صدی کا آغاز گذر گیا۔ بلکہ دو تہائی صدی بھی گذر گئی۔ اب تو صرف چند سال باقی ہیں۔ بتائیے۔ حسب فرمودۂ رسول کریم صلعم۔ اس صدی کا مجدد کہاں ہے؟

محترم! اس صداقت کو مان لینے میں عافیت ہے۔ ورنہ جس پر یہ پتھر گرے گا اسے چکنا چور کر دے گا اور جو اس پر گرے گا پاش پاش ہو جائے گا۔ ہر صدی میں کم از کم ایک مجدد کا ہونا ضروری ہے۔ اس صدی میں صرف اور صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے مامور مجدد ہونے کا دعوےٰ کیا۔ جس دعوےٰ کی بنیاد قرآن و حدیث اور وحی و الہام پر ہے۔

جس شخص کے دل میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی محبت جاگزین ہے۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ اس پاک وجود کے منہ سے نکلی ہوئی بات کے غلط ہونے کا احتمال پیدا ہو۔ لیکن اگر اس صدی کے واحد مدعی کو جھوٹا قرار دے دیا جائے تو صاف طور پر اس امین و صدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی بات (نعوذ باللہ) غلط ہوئی۔ حضور علیہ السلام کی بات سچی تبھی ثابت ہو سکتی ہے۔ جب ہم مرزا غلام احمد قادیانی کو اس صدی کا مجدد مان لیں۔

جن لوگوں کے دل اس سید المرسلین کے پیار سے خالی ہیں۔ وہ تو یہ کہنے کی جسارت کریں گے کہ نعوذ باللہ سید المرسلین کی بات پوری نہیں ہوئی۔

میرے پیارے بھائی! میں نہایت ادب۔ نہایت دلسوزی اور خاکساری سے عرض کرتا ہوں کہ اور نہیں تو شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مجدد والی پیشگوئی کو سچا ہونے دو اور اسی میں اس پاک وجود کی زندگی اور عظمت ہے۔ اور اس کے لئے اگر ہزاروں لعنتیں اور لاکھوں طعن بھی سننے پڑیں تو کچھ پرواہ نہیں۔

میرے بھائی پھر کوئی نہ بتا سکا۔ کہ یہ مدعی تو جھوٹا ہے اور سچا شخص فلاں ہے۔ یقین جانئے یہ دعوےٰ بے وقت نہیں ہے زمانہ اس کا تقاضا کر رہا تھا۔ تیرھویں صدی ہی میں دل بول اٹھے تھے کہ چودھویں صدی میں ضرور اسلام کے حق میں اللہ تعالےٰ کی قدرت کا ہاتھ بلند ہوگا۔ اور کسی مامور کی بعثت کے ساتھ ضرور خدا کی نصرت اور امداد آئے گی۔ بہت سے فوت ہوگئے۔ جو اس صدی کا انتظار کر رہے تھے۔ اب یقین کیجئے وہی شخص مبعوث ہو چکا ہے۔ جس کی روح میں وہی سچائی ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کے مقربوں میں ہوتی ہے۔ مخالف لوگ اس کی مخالفت کر کے بے فائدہ اپنے تئیں ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔

سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح جسے تمام اکابر اہل سنت مانتے چلے آئے ہیں۔ اور جس پر حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ایسے مسلمہ اصحاب طریقہ اور اصحاب کشف و الہام کے دعووں کی بنیاد ہے۔ اور جو حقیقت ثابتہ اور واقعات صحیحہ کی صورت اختیار کر چکی ہے۔

جس طرح پہلے آنے والے مجدد اس کی صداقت کا ثبوت بنتے رہے۔ اسی طرح اگلی صدی کا مجدد اس کے لئے مزید ثبوت مہیا کرے گا۔ (قابل غور۔ دیکھو پہلے بھی مجدد آتے رہے اور بعد میں بھی آئے۔ پھر درمیان میں چودھویں صدی کیونکر خالی رہ گئی۔ امامِ وقت نے فرمایا:۔

"میں بے دھڑک کہتا ہوں۔ کہ خدا تعالےٰ کے فضل اور عنایت سے وہ امام الزمان میں ہوں اور مجھ میں خدا تعالےٰ نے وہ تمام علامتیں اور تمام شرطیں جمع کی ہیں اور اس صدی کے سر پر مجھے مبعوث فرمایا ہے ـــــــ ایمان کو اس آشوب خانہ سے سلامت لے جانے کے لئے آپ اس نشانِ صداقت پر غور کریں۔ اور دیکھیں کہ طاقت کی راہ کونسی ہے۔ امن کا راستہ کدھر ہے۔ حبِ رسول اللہ ہم سے کیا تقاضا کرتی ہے عقل کی رہبری کیا کہتی ہے۔ طالب حق کی طرح۔ اس یکہ و تنہا اور منفرد مدعی کے دعوےٰ پر غور کریں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ پر اپنے افضال نازل فرمائے اور اپنے احسان و کرم سے اس صداقت کو قبول کرنے کے لئے آپ کے دل کھول دے۔

سورۃ العصر قرآن : وتواصوا بالحق۔ وتواصوا بالصبر

ترجمہ۔ اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنا اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرنا۔

اللہ تعالےٰ نے یہ بتلایا ہے۔ کہ انسان کی زندگی کا مقصد فقط نفسی ہی نہیں

(باقی بر صلا کالم ۱)

مولانا محمد علی صاحب ملتان

مقام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت کے ابتدائی حالات

لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا
سب سے بڑھ کر مقام احمد ہے

(۲)

آنحضرت کی پاکیزہ زندگی و پاک خاندان خدا تعالےٰ کا قدیم قانون اور سنت یہی ہے کہ وہ صرف ان لوگوں کو منصب دعوت یعنی نبوت وغیرہ پر مامور کرتا ہے جو اعلےٰ خاندان میں سے ہوں اور ذاتی طور پر بھی چال چلن اچھے رکھتے ہوں۔ کیونکہ جیسا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے حکیم بھی ہے اور اس کی حکمت اور مصلحت چاہتی ہے کہ اپنے نبیوں اور ماموروں کو ایسی اعلےٰ قوم اور خاندان اور ذاتی نیک چال چلن کے ساتھ بھیجے تاکہ کوئی دل ان کی اطاعت سے کراہت نہ کرے۔ یہی وجہ ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام اعلےٰ قوم اور خاندان میں سے آتے رہے ہیں۔ اسی حکمت اور مصلحت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں ہمارے سید و مولےٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی نسبت ان دونوں خوبیوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے قد جاءکم رسول من انفسکم۔ یعنی تمہارے پاس وہ رسول آیا ہے جو خاندان اور قبیلہ اور قوم کے لحاظ سے تمام دنیا سے بڑھ کر ہے اور سب سے زیادہ پاک اور بزرگ خاندان رکھتا ہے۔

اور ایک اور جگہ قرآن شریف میں فرماتا ہے: وتوکل علی اللہ العزیز الرحیم۔ الذی یراك حین تقوم وتقلبك فی الساجدین یعنے خدا پر توکل کر جو غالب اور رحم کرنے والا ہے۔ وہی خدا جو تجھے دیکھتا ہے جب تو دعا اور دعوت کے لئے کھڑا ہوتا ہے وہی خدا جو تجھے اس وقت دیکھتا تھا کہ جب تو تخم کے طور پر راستبازوں کی پشتوں میں چلا آتا تھا۔ یہاں تک اپنی بزرگ والدہ آمنہ کے پیٹ میں پڑا۔ اور ان کے سوا اور بھی بہت سے آیات ہیں جن میں ہمارے بزرگ اور مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علو خاندان اور شرافت قوم اور بزرگ قبیلہ کا ذکر ہے۔

اور دوسری خوبی جو شرط کے طور پر ماموروں کے لئے ضروری ہے وہ نیک چال چلن ہے۔ کیونکہ بد چال چلن سے بھی دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ خوبی بھی بدیہی طور پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ جلشانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون۔ یعنی ان کفار کو کہدے کہ اس سے پہلے میں نے ایک عمر تم میں ہی بسر کی ہے۔ پس کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں کس درجہ کا امین اور راستباز ہوں۔

اب دیکھو کہ یہ دونوں صفتیں جو مرتبہ اور نبوت اور ماموریت کے لئے ضروری ہیں۔ یعنے بزرگ خاندان میں سے ہونا اور اپنی ذات میں امین اور راستباز اور خدا ترس اور نیک چلن ہونا قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کمال درجہ پر ثابت کی ہیں اور آپ کے اعلےٰ چال چلن اور اعلیٰ خاندان پر خود گواہی دی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور فرمایا کہ یہ میرا نبی ان اعلےٰ درجہ کا نیک چال چلن رکھتا ہے کہ تمہیں طاقت نہیں کہ اس کی گذشتہ چالیس برس کی زندگی میں کوئی عیب اور نقص نکال سکو باوجود اس کے کہ وہ چالیس برس تک تمہارے درمیان رہا ہے اور نہ تمہیں یہ طاقت ہے کہ اس کے اعلےٰ خاندان میں جو شرافت اور طہارت اور ریاست اور عمارت کا خاندان ہے ایک ذرہ عیب گیری کر سکو پھر تم سوچو کہ جو شخص ایسے اعلےٰ اور اطہر اور انفس خاندان میں سے ہے اور اس کی چالیس برس کی زندگی جو تمہارے رُو برُو ہی گذری ہے گواہی دے رہی ہے جو افترا اور دروغ بافی اس کا کام نہیں ہے تو پھر ان خوبیوں کے ساتھ جبکہ آسمانی نشان وہ دکھلا رہا ہے اور خدا تعالےٰ کی تائیدیں اس کے شامل حال ہو رہی ہیں اور تعلیم وہ لایا ہے جس کے مقابل پر تمہارے عقائد سراسر گندے اور ناپاک اور شرک سے بھرے ہوئے ہیں۔ تو پھر اس کے بعد تمہیں اس نبی کے صادق ہونے میں کونسا شک باقی ہے۔[۱]

صادق و امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالےٰ کے اذن و امر سے تبلیغ شروع کی تو پہلے پہل آپ کو یہ مرحلہ پیش آیا کہ قوم نے انکار کیا۔

لکھا ہے کہ جب آپ نے قریش کی دعوت کی اور اس کو بلا کر کہا کہ میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اس کا جواب دو۔ یعنی میں اگر تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بڑی بھاری فوج پڑی ہوئی ہے اور وہ اس گھات میں بیٹھی ہوئی ہے کہ موقع پا کر تمہیں ہلاک کر دے تو کیا تم باور کرو گے۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ بیشک ہم اس بات کو تسلیم کریں گے اس لئے کہ تو ہمیشہ سے صادق و امین ہے۔[۲]

آنحضرت ولادت کی رُو سے طیب و طاہر تھے قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مریم صدیقہ پر ایک بہت بڑا بہتان باندھا گیا تھا اسی واسطے خدا تعالےٰ نے اس کا نام صدیقہ رکھ دیا۔ ایسا ہی حدیث میں ضرورتاً یہ کلمات بولے گئے ہیں۔ کہ حضرت عیسےٰ کی پیدائش مس شیطان سے پاک تھی۔

اس الزام کے جواب میں خدا تعالےٰ نے اپنے پاک کلام میں اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حدیث شریف میں یہ بات فرمائی۔ کہ یہ الزام جھوٹے ہیں۔ بلکہ مریم صدیقہ تھی اور حضرت عیسےٰ کی پیدائش مس شیطان سے پاک تھی۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی والدہ ماجدہ کے متعلق کبھی کسی کو ایسا وہم و گمان بھی نہ ہوا تھا بلکہ سب کے نزدیک آپ اپنی ولادت کی رُو سے طیب اور طاہر تھے۔ اور آپ کی والدہ عفیفہ اور پاکدامن تھی اس لئے آپ کی نسبت یا آپ کی والدہ ماجدہ کی نسبت ایسے الفاظ بیان کرنے ضروری نہ تھے کہ وہ مس شیطان سے پاک ہے۔

مگر حضرت عیسٰےؑ اور ان کی والدہ ماجدہ کی نسبت یہودیوں کے بہتان کی وجہ سے ایسے بَری کرنے والے الفاظ کی ضرورت پڑی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ورنہ خدا کے انبیاء اور اولیاء کے متعلق تو پہلے سے اللہ تعالےٰ کا خاص ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو مقدس رسول بنایا جاوے گا وہی ارادہ الٰہی ابتداء سے ان کی پیدائش اور تمام امور کو مقدس رکھتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام تو مادر زاد پاک ہوتے ہیں اور شیطان سے دُور رکھے جاتے ہیں۔[۳] ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین عبداللہ اور آمنہ کو تو پہلے ہی سے ہمیشہ سے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ان کے متعلق ایسا خیال و گمان بھی کبھی کسی کو نہ ہوا تھا ایک شخص جو مقدمہ میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کے واسطے صفائی کی شہادت کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن جو شخص مقدمہ میں گرفتار ہی نہیں ہوا۔ اس کے واسطے شہادت کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔[۴]

کیا کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آمنہ کی نسبت ایسا الزام لگایا؟ کبھی نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ مخالفوں نے صادق اور امین تسلیم کیا۔[۵]

ہمارے سید و مولےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری والدہ سے لے کر حوا تک میری ماؤں کے سلسلہ میں کوئی عورت بدکار اور زانیہ نہیں۔ اور نہ

۱؎ تریاق القلوب۔ صفحہ ۶۷ تا ۶۹ - ۲؎ الحکم ۲۴ر ستمبر ۱۹۰۴ء

۳؎ بدر ۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۷ء - ۴؎ - الحکم ۱۷ر جون ۱۹۰۴ء

۵؎ الحکم ۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۵ء -

مرد زانی اور بدکار ہے۔[1]

زندگی دلیل صداقت } پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے ثبوت میں فقد لبثت فیکم عمراً کی دلیل پیش کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ کا ایک فقرہ بھی انجیل میں نہیں ہے۔ اور پیغمبر خدا کی تمام عمر کا یہ حوالہ ہے کہ فقد لبثت فیکم عمراً۔[2]

اسلامی تعلیم سے ثابت ہے کہ شیاطین بھی ایمان لے آتے ہیں چنانچہ ہمارے سید و مولےٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا شیطان مسلمان ہوگیا ہے۔ غرض ہر ایک انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے اور مطہر اور مقرب انسان کا شیطان ایمان لے آتا ہے مگر افسوس کہ یسوع کا شیطان ایمان نہ لا سکا بلکہ الٹا اس کو گمراہ کرنے کی فکر میں ہوا اور ایک پہاڑی پر لے گیا اور دنیا کی دولتیں دکھلائیں اور وعدہ کیا کہ سجدے کرنے پر یہ تمام دولتیں دے دوں گا۔۔۔۔۔۔ اور اس بات کی طرف اشارہ بھی تھا کہ جب عیسائی قوم اس کو سجدہ کرے گی تو تمام دولتیں ان کو دی جاویں گی سو ایسا ہی ظہور میں آیا جن کے پیشوا نے خدا کہلا کر پھر شیطان کی پیروی کی یعنے اس کے پیچھے ہو لیا۔ ان کا شیطان کو سجدہ کرنا کیا بعید تھا۔

غرض عیسائیوں کی دولتیں درحقیقت اسی سجدہ کی وجہ سے ہیں۔ جو انہوں نے شیطان کو کیا، اور ظاہر ہے کہ شیطانی وعدہ کے موافق سجدہ کے بعد عیسائیوں کو دنیا کی دولتیں دی گئیں۔

شبان الاحمدیہ کراچی کا ماہانہ تربیتی جلسہ و عصرانہ

خدا تعالےٰ کے فضل سے یہاں شبان الاحمدیہ کے ممبران کی تعداد ۲۴ تک پہنچ گئی ہے۔ ہمارا مستقل پروگرام یہ ہے کہ ہر جمعہ کی نماز کے بعد بلا ناغہ مسجد احمدیہ میں اجلاس ہوتا رہے۔ جس میں نوجوانوں کو تیار کیا جاتا رہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت، صداقت، کارنامے اور علم الکلام کے بیان کا ایک تسلسل شروع رہے۔ ہماری خواہش پر ہمارے مبلغ ہر جمعہ کے اجلاس میں تقریر کرتے ہیں۔ اور بعد میں دلچسپ سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ جس کا ہمیں بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ آج کل حضرت صاحب کی زندگی کے واقعات جو ۱۸۹۴ء کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں بیان کئے جا رہے ہیں۔

اس ماہ ہمارا ماہانہ تربیتی اجلاس ۶/۷۵ کو انعقاد پذیر ہوا۔ صدارت محترم جناب زاہد حسن خان صاحب صدر شبان الاحمدیہ نے فرمائی۔ تلاوت محترم ملک عبدالقیوم صاحب نے کی اور مولانا صاحب نے عباد الرحمٰن کی دو صفات والذین لا یدعون مع اللہ الٰھاً آخر ۰ ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ ۔۔۔۔۔۔ کی نہایت عمدہ۔ برموقع تفسیر بیان فرما کر ہمارے ایمان کو تازہ کیا۔ اور تلقین فرمائی کہ ہم نوجوانوں کو ان قرآنی ارشادات کو آگے پھیلانا چاہیئے۔

خاکسار (سعید احمد راقب) نے 'خطاب بہ احمدی حضرات' ایک مقالہ پیش کیا۔ جس میں بتایا گیا کہ موجودہ حالات میں جماعت کو کس نہج پر چلنا چاہیئے۔ احباب کی خواہش پر اس مقالہ کو جلد ہی اشاعت کے لئے ارسال کر دوں گا۔

اس موقعہ پر مجلس کی طرف سے تمام حاضرین کی خدمت میں عصرانہ پیش کیا گیا۔ نماز مغرب کی باجماعت ادائیگی کے بعد مجلس برخواست ہوئی۔ مجموعی رنگ میں اس جلسہ میں حاضری کے اعتبار سے حلقہ ناظم آباد اوّل آیا ہے۔

جلسہ میں بزرگ احباب اور بہنیں بھی شامل ہوئیں۔

خاکسار۔ سعید احمد راقب
سیکرٹری نشر و اشاعت شبان الاحمدیہ کراچی ۲۱

جناب شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ اسلام

حدیث مجدد پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض } آنحضرت صلعم کے وقت میں تو سن ہجری نہ تھا۔ یہ سن خلافت دوم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بنا۔ تو اس حدیث سے سن ہجری کی صدی کیونکر مراد لی جاسکتی ہے اور آنحضرتؐ کے وقت "سن فیل" مروج تھا اور اس سن کا سن ہجری سے ۵۳ سال کا فرق ہے۔

جواب } "عام طور پر مشہور ہے کہ سن ہجری کی ابتداء حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں ہوئی۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ آپ نے سرکاری مراسلات میں تاریخ کا اندراج لازمی قرار دیا تھا۔ ورنہ اس کی ابتداء خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہو چکی تھی (تاریخ ابن عساکر جلد اوّل رسالہ الشماریخ السیوطی)" بحوالہ تقویم تاریخی مرتبہ عبدالقدوس ہاشمی۔ پبلشر مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی پوسٹ بکس نمبر ۳۷۳ کراچی نمبر ۵ پاکستان مئی ۱۹۶۵ء صفحہ ۴۔

بچھڑے بھائیوں کے نام ——— بسلسلہ صفحہ ۹

بسلسلہ صفحہ ۹

کہ وہ فقط اپنے ہی نفس کی اصلاح کرے بلکہ اس کا مقصد اجتماعی بھی ہے۔ یعنی دوسروں کے نفس کی اصلاح کی بھی اسے فکر ہونی چاہیئے۔ ورنہ گھاٹا باقی رہ جاتا ہے۔ اور وہ ہے۔ وصیت کرنا حق کی اور وصیت کرنا صبر کی۔ وصیت کے معنے ایسی نصیحت کرنا جس میں تاکید مدنظر ہو۔

اللہ تعالےٰ نے دوسری جگہ قرآن کریم میں فرمایا: لم تقولون ما لا تفعلون۔ کہ وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

چونکہ میں حضرت مرزا صاحب کو اس زمانہ کا امام مانتا ہوں اس لئے میرا یہ فرض ہے کہ جس نعمت کو میں نے پایا دوسروں تک پہنچاؤں۔ تاکہ اُخروی زندگی میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ کیا خوب کسی شاعر نے کہا:—

غافل تجھے گھڑیال یہ کرتا ہے منادی
خالق نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

حضرت مجددِ وقت کیا سچ فرماتے ہیں:—

خدمتِ دیں کا تو کھو بیٹھے ہو بغض و کیں سے وقت
اب نہ جائیں ہاتھ سے لوگو یہ پچھتانے کے دن

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری ÷ خلق و کرم موجود ہے عادت تیری
جنت انعام کر کہ دوزخ میں جلا ÷ وہ رحم تیرا۔ یہ عدالت تیری (انیس)

قرآن حکیم

اور تیرے ربّ نے حکم دیا ہے کہ تو اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کر اور اپنے والدین سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آ۔ اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو تُو انہیں اُف نہ کہہ نہ جھڑک دے اور ان سے نرم اور اچھی باتیں کہہ ان کے لئے رحمت کے پر کھول اور کہہ اے میرے خداوند ان پر اپنی رحمت برسا جیسے انہوں نے بچپن میں میری حفاظت کی۔ یقیناً تیرا ربّ بہتر جانتا ہے جو تیرے دل میں ہے اور اگر تو پاکباز ہے تو وہ اپنی طرف جھکنے والوں پر بیحد مہربان ہے۔

اپنے قریبیوں کا حق انہیں دے۔ حاجت مندوں کی حاجت روی کر۔ اور ابن سبیل کا حق بھی اسے پہنچا اور بے محل تعیش میں خرچ نہ کیونکہ عیاشی میں خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں اور شیطان تو پہلے خدا کے احکام کا انکار کرنے والا تھا۔

محترم مولانا محمد یحییٰ بٹ مبلغ اسلام

برلین مسلم مشن کی تبلیغی مساعی کی رپورٹ

اپریل مئی - جون ۱۹۷۵ء

خدا کے فضل سے برلین مسلم مشن کی تبلیغی مساعی ان مہینوں میں حسب سابق جاری رہی ہیں۔ مسجد میں اجتماعات منعقد ہوئے۔ لیکچرز ہوئے۔ خطبات دیئے گئے۔ قرآن کریم کا درس دیا گیا۔ عیسائی اور یہودی نمائندوں سے اجتماعات میں اہم موضوعات پر گفتگو ہوئی۔

جمعہ اور ہفتہ کے دن ۲۶ ؍ اجتماعات } تیرہ اجتماعات جمعہ کی نماز کے سلسلہ میں مسجد میں منعقد ہوئے۔ مسلمان احباب اور عیسائی دوستوں نے اس میں شرکت کی۔ مختلف آیات قرآنی کو ان اجتماعات میں بیان کیا گیا۔ ان کے علاوہ تیرہ اجتماعات ہفتہ کے دن منعقد ہوئے۔ ان میں بھی مسلمان احباب۔ عیسائی دوستوں نے شمولیت کی۔ قرآن کریم کے مختلف موضوعات کو ان اجتماعات میں واضح کیا گیا۔ بعد میں حاضرین کے سوالات کا جواب دیا گیا۔

چار گروپ مسجد میں } چار گروپ مختلف دنوں میں مسجد میں آئے۔ ان میں سے سب سے بڑا گروپ ستر، اسّی مرد و زن پر مشتمل تھا۔ آل چرچ آرگنائزیشن کے سیکرٹری اس کی قیادت کر رہے تھے۔ دو گھنٹے یہ گروپ مسجد میں ٹھہرا۔ زائرین کے لئے دس نکات مع تشریح ٹائپ کرائے گئے۔ سائیکلو سٹائل کرکے ہر ایک کو ایک ایک کاپی دی گئی۔

سلسلہ وار میں نے ان نکات کو واضح کیا اور حاضرین کے سوالات کا جواب دیا گیا۔

چار کلاسز } چار کلاسز مختلف دنوں اپنے اپنے ٹیچرز کے ساتھ مسجد میں آئیں۔ ان طلباء کے سامنے اسلام کی تعلیم کو بیان کیا گیا۔ اور ان کے سوالات کا جواب دیا گیا۔

بنگلہ دیش } کے اعلیٰ افسران کا ایک گروپ مسجد میں آیا۔ یہ گروپ سیکرٹری اور ڈپٹی سیکرٹری پر مشتمل تھا۔ انہوں نے مسجد کی تاریخ اور اس کی مساعی کے بارہ میں پوچھا۔ انہوں نے ہماری مساعی کو سُن کر خوشی کا اظہار کیا۔

امریکہ سے ایک یہودی عالم مع اپنی اہلیہ مسجد میں آئے۔ وہ مجھ سے مسئلہ فلسطین کے بارہ میں گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

اس یہودی عالم سے میری ملاقات بیلجیم میں ہوئی تھی۔ گفتگو ہوئی۔ انہوں نے ہفتہ کے دن ہونے والے اجتماع میں بھی حصہ لیا۔ اس دن میں نے سورہ بقرہ کے سولھویں رکوع کو پڑھا اور اس کی وضاحت کی۔ بائبل سے بعض اقتباسات کو پیش کیا گیا۔ انہوں نے قرآن کریم کے نظریات کو نہایت احترام سے سُنا اور اپنی خوشی کا اظہار بھی کیا۔ انہیں قرآن کریم کا ترجمہ بزبان انگریزی تحفۃً دیا گیا۔ انہوں نے مجھے ہوٹل میں چائے کی دعوت دی۔ (وہ برلین کے ہوٹل KEMPINSKI میں ٹھہرے ہوئے تھے) اور مسئلہ فلسطین پر مزید گفتگو کی، جو مفید ثابت ہوئی۔

مغربی جرمنی سے ایک عیسائی عالم برلین میں آئے۔ چرچ کی طرف سے ان کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ مسلمانوں کے مسائل کا جائزہ لیں۔ انہوں نے مجھ سے ملاقات کی اور دو گھنٹہ تک اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔

دو بار BONN جانا پڑا۔ یہاں پر "WORLD CONFERENC OF RELIGION ON PEACE" کی یورپین برانچ کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ یورپین ممالک کی برانچ کی ایک ورکنگ کمیٹی علیحدہ بنائی گئی ہے۔ اس ورکنگ کمیٹی کے ممبر عیسائی، یہودی اور مسلمان ہیں۔ اس ورکنگ کمیٹی کا مجھے بھی ممبر منتخب کیا گیا ہے۔ لہذا اس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لئے دو بار مجھے بون جانا پڑا۔

برلین میں یہودی سنٹر میں آل چرچز آرگنائزیشن کا اجتماع منعقد ہوا۔ مجھے بھی بحیثیت ممبر اس اجتماع میں شمولیت کی دعوت آئی۔

ریڈیو RIAS میں میری تقریر نشر ہوئی۔ تقریر کا عنوان تھا "**مقصد حیات**"۔ تقریر پندرہ منٹ تک جرمن زبان میں جاری رہی۔ دوست و احباب نے تقریر سننے کے بعد بذریعہ ٹیلیفون اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ کئی ایک نے سڑک پر چلتے چلتے مجھ سے خطاب کیا اور تقریر کا ذکر کرتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ الحمد للہ۔ اپنے ہفتہ وار اجتماع میں بھی اس تقریر کو دوہرایا گیا۔ پیشتر ازیں جو تقاریر ریڈیو پر نشر ہو چکی ہیں۔ ان میں سے **بعض کے عنوانات** یہ ہیں:-

۱۔ ایمان اور اعمال صالحہ۔
۲۔ محبتِ الٰہی اور شفقت نسلِ انسانی۔
۳۔ تکریم نسلِ انسانی اور اس کے حقوق۔
۴۔ حقیقی راحت و خوشی و امن وغیرہ۔

اسلام میں شمولیت } ہفتہ وار اجتماعات میں حصہ لینے والے عیسائی دوستوں میں سے ایک نوجوان نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔

یہ نوجوان الیکٹریکل انجنیئر ہے اس کا اسلامی نام **نورالدین** رکھا گیا ہے۔ حاضرین نے اس کے اعلان پر خوشی کا اظہار کیا۔

الحمد للہ

دعوت میں شمولیت } برلین یونیورسٹی کے پروفیسر نیکولاس اور ان کی اہلیہ نے اپنے ہاں ایک اجتماع منعقد کیا اور مجھے اس میں شمولیت کرنے کی دعوت دی۔ پروفیسر صاحب ہر سال ایک دو بار اپنے ہاں شہر کے معززین، اعلیٰ حکام یونیورسٹی پروفیسرز اور مختلف ممالک کے کونسلرز کو دعوت دیتے ہیں۔ اور ہر بار اس میں شمولیت کرنے کی مجھے بھی دعوت دیتے ہیں۔

ان اجتماعات اور لیکچرز کے علاوہ دفتری امور کو بھی نپٹایا گیا۔ مسجد سے متعلقہ بعض ضروری امور کے سلسلہ میں حکام سے ملاقات کی گئی۔ جو خدا کے فضل سے نہایت مفید رہی۔ مشن کی آمد کو بڑھایا گیا اور اور خرچ کو کم کیا گیا۔

الحمد للہ علیٰ ذالک۔

امینہ

عبدالحمید

نورالدین

عبداللہ

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ــــــ مورخہ ۲۳ ؍ جولائی ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ - ایل نمبر ۸۳۸ ــــــ شمارہ نمبر ۳۰

عرفات پریس نقارخانہ روڈ لاہور میں باہتمام خالد عمر صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر - ڈاکٹر اللہ بخش

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۱۹ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ - ۳۰ جولائی ۱۹۷۵ء | نمبر ۳۱

(ملفوظات حضرت مجدد صدچہاردہم علیہ السلام)

روحانی تسکین اور اخلاقی بلندی بجز الہام ممکن نہیں

یہ اعتراض کہ الہام بے اصل اور بے سود اور بے حقیقت چیز ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے بڑھ کر ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ ایسی باتیں وہی شخص کرے گا جس نے کبھی اس شرابِ طہور کا مزہ نہیں چکھا اور نہ یہ خواہش رکھتا ہے کہ سچا ایمان اسکو حاصل ہو بلکہ رسم اور عادت پر خوش ہے اور کبھی نظر اس طرف اٹھا کر نہیں دیکھتا کہ مجھے خداوند کریم پر یقین کہاں تک حاصل ہے اور میری معرفت کا درجہ کس حد تک ہے اور مجھے کیا کرنا چاہیئے کہ میری اندرونی کمزوریاں دور ہوں اور میرے اخلاق اور اعمال اور ارادوں میں ایک زندہ تبدیلی پیدا ہو جائے اور مجھے وہ عشق اور محبت حاصل ہو جائے جس کی وجہ سے میں بآسانی سفرِ آخرت کر سکوں اور مجھ میں ایک نہایت عمدہ قابلِ ترقی مادہ پیدا ہو جائے بلاشبہ یہ بات سب کے فہم میں آسکتی ہے کہ انسان اپنی غافلانہ زندگی میں جو ہر دم تحت الثریٰ کی طرف کھچ رہی ہے اور علاوہ اس کے تعلقاتِ زن و فرزند اور ننگ و ناموس کے بوجھل اور بھاری پتھر کی طرح ہر لحظہ نیچے کی طرف لے جا رہے ہیں ایک بالائی طاقت کا ضرور محتاج ہے جو اس کو سچی بینائی اور سچا کشف بخش کر خدا تعالیٰ کے جمال و کمال کا مشتاق بنا دیوے۔ سو جاننا چاہیئے کہ وہ بالائی طاقت ربانی ہے جو ہمیں دکھ کے وقت میں سرور پہنچاتا ہے اور مصائب کے ریلوں اور پہاڑوں کے نیچے بڑے آرام اور لذت کے ساتھ کھڑا کر دیتا ہے وہ دقیق در دقیق وجود جس نے عقلی طاقتوں کو خیرہ کر رکھا ہے اور تمام حکیموں کی عقل و دانش کو سکتہ میں ڈال دیا ہے وہ الہام کے ذریعہ سے کچھ اپنا پتہ بتا دیتا ہے اور انا الموجود کہہ کر سالکوں کے دلوں کو تسلی بخشتا ہے اور سکینت نازل کرتا ہے اور انتہائی وصل کی ٹھنڈی ہوا سے جانِ پژمردہ کو تازگی بخشتا ہے۔

(ازالہ اوہام)

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

قومی تعمیر کا بنیادی پتھر اپنی اصلاح ہے نہ کہ دوسروں کی تخریب

جماعت کے ہر فرد کو دوسروں پر نکتہ چینی کے بجائے اپنی اصلاح کرنا چاہیئے

یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم

قرآن شریف کو کس نگاہ سے پڑھنا چاہیئے قرآن شریف نے بڑے بڑے مختصر جملوں میں نہایت اعلیٰ درجہ کے بلند اُصول زندگی کی طرف توجہ دلائی ہے اور اسی نگاہ سے مسلمان ابتدائی زمانوں میں اسے پڑھتے تھے کہ وہ اس سے کیا سیکھ سکتے ہیں اور کس طرح اپنی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ پستی اور ذلت سے نکل کر کس طرح بلند مقام پر پہنچ سکتے ہیں، ایک زمانہ گذر گیا، مسلمانوں نے قرآن شریف کو اس نگاہ سے پڑھنا چھوڑ دیا، اب وہ اسے پڑھتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں اور عجیب بات ہے کہ بعض صحابہ رضؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے یا آخری زمانہ کے لئے ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے لوگوں کے لئے یہ ہدایت نہ تھی۔ پہلے مسلمان تو اس پر قائم تھے ہی بعد میں آنے والے اور بالخصوص اس آخری زمانہ میں لوگ اس ہدایت پر عامل نہ رہے اسی معنی میں یہ ان کے لئے ہے فی الحقیقت یہ مختصر جملہ ہماری بے شمار بیماریوں کا علاج اپنے اندر رکھتا ہے۔ ہم ایک لمبے زمانہ سے قرآن شریف کی تلاوت اس نیت سے کرتے ہیں کہ اس کے پڑھنے سے ثواب ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کا پڑھنا موجب ثواب ہے۔ لیکن یہ غرض اس کے نزول کی نہ تھی، نرے ثواب کے لئے نہیں بلکہ اس کو سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے پڑھنا چاہیئے۔ لیکن اس کی طرف بہت کم توجہ گئی، پھر اس کو باہمی جنگ و جدل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں باہمی تنازعات ہوئے اور ہر گروہ نے اپنی اپنی غرض کے لئے اس کو استعمال کیا اور اس سے سند لانے کی کوشش کی، اس میں شک نہیں کہ ہماری جماعت نے اس کو سمجھنے اور اس سے فائدہ اُٹھانے میں کوشش سے کام لیا ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ ہم بھی محض نکتہ طرازی میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ نکات اور لطائف پیدا کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں، بہ نسبت اس کے کہ اسکے عملی پہلو پر نظر رکھیں، قرآن شریف کی اصل غرض لوگوں کی اخلاقی اور روحانی حالت کو سدھارنا ہے وہ شفاء لما فی الصدور ہے۔ وہ انسان کے دل کی بیماریوں کو دُور کرنے کے لئے ہے۔ اور زیادہ تر اسی نگاہ سے اسکو پڑھنا چاہیئے

اپنی اصلاح کی پہلے فکر کرنا چاہیئے یہ جو اس آیت میں فرمایا ہے علیکم انفسکم اس کے معنے تو یہ ہیں کہ تم کو اپنی جانوں کی طرف توجہ کرنا لازم ہے۔ تمہارا اصل کام یہ ہے کہ اپنی جانوں کی خبر پہلے لو، گویا بتایا ہے کہ وہ شخص اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا جو اپنی اصلاح کی فکر نہیں کرتا جو اس غرض کو سامنے رکھ کر اسے نہیں پڑھتا کہ میں خود کس طرح اس سے فائدہ اُٹھاؤں۔ جب تک کوئی شخص یہ خیال نہ رکھے کہ میں اس قرآن سے کیا سیکھوں، کن باتوں پر عمل کر کے اپنی زندگی کو بہتر بناؤں، اس وقت تک نرا قرآن کا پڑھ لینا یا اس کے نکات بیان کرنا کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔

افراد کی بہتری سے قوموں کی بہتری وابستہ ہے ہر شخص جانتا ہے کہ قوم کی بہتری افراد سے وابستہ ہوتی ہے جس جماعت کا ہر فرد یہ نہیں سوچتا کہ کس طرح میں آگے بڑھوں، کس طرح میں اپنے آپ کو بہتر بناؤں، وہ جماعت کبھی بہتر نہیں ہو سکتی۔ قومیں افراد سے بنتی ہیں۔ جب تک ہر فرد یہ خیال نہ کرے کہ اس نے کس طرح ترقی کرنی ہے۔ اس وقت تک جماعت بھی ترقی نہیں کر سکتی اس میں شک نہیں کہ قوموں کو بعض وقت کوئی ایسے آدمی مل جاتے ہیں جو انہیں پستی سے نکال کر ترقی کی منزل کی طرف لے جاتے ہیں لیکن اس سے بھی وہی لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں جو ان کے ساتھ ہو جائیں لوگوں کے قدم بڑھانے سے ہی قوم آگے بڑھتی ہے اور ترقی کی منزل پر پہنچتا ہے۔

قومی تعمیر کا بنیادی پتھر اپنی اصلاح ہے نہ دوسروں کی تخریب تو گویا اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ تمہارے اندر سستی ہے۔ غفلت ہے اس کی طرف توجہ کرو اور سوچو کہ کس طرح تم اس غفلت اور سستی کو چھوڑ کر اپنے اندر زندگی کی رُوح پیدا کر سکتے ہو۔ کس طرح آگے قدم بڑھا سکتے ہو۔ لیکن اگر اور زیادہ غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ فی الحقیقت یہ الفاظ علیکم انفسکم قوم کی تعمیر کا بنیادی پتھر ہے، یہ صرف اس لئے توجہ دلانے کے لئے ہے کہ کوئی انسان دوسرے کو نیچا دکھا کر یا دوسرے کو گرا کر نہیں بنتا۔ نہ کوئی قوم یا جماعت دوسری قوم یا جماعت کو گرانے سے بنتی ہے، بلکہ قوم کے ہر فرد کو سب سے پہلی فکر اپنی اصلاح کی یا اپنی تعمیر کی ہونی چاہیئے۔ عام طور پر قوموں کا بہت سارا حصہ اس بات پر لگ جاتا ہے کہ کس طرح دوسرے کو گرائیں اپنے آپ کو بنانے کی طرف توجہ کم ہوتی ہے اس لئے کہ تعمیر ذرا مشکل کام ہے اور مشکل کام کی طرف انسان کا قدم جلدی نہیں اُٹھتا۔ تخریب کا کام یا دوسرے کو گرانا نسبتاً بہت آسان ہے۔ اسی لئے تخریبی کاموں کی طرف لوگوں کی توجہ جلد اور اکثر جاتی ہے۔ کسی کی بربادی اور ویرانی بہت آسان ہے اور اپنے آپ کو بنانا بہت مشکل ہے۔

اسلام نے دوسرے مذاہب کی تخریب نہیں کی اس آیت میں اسی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم اے ایمان والو تم اپنی اصلاح کی فکر کرو، اپنی طرف توجہ کرو، اور دوسروں کی بربادی پر زور نہ لگاؤ۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ اس نے تعمیر پر ہی زور دیا ہے، دوسروں کو بُرا نہیں کہا، دوسرے مذاہب نے تو ایک دوسرے کی تخریب ہی کی، ایک دوسرے کو جھوٹے قرار دیا۔ مگر اسلام نے تخریب کے پہلو کو چھوڑ کر اس بات پر زور دیا کہ سب دنیا میں پیغمبر آئے سب نے لوگوں کو نیکی کی ہدایت دی۔ سب اللہ تعالےٰ کی طرف سے صحیح اور سچے اُصول لے کر آئے۔

دوسروں قوموں کا تخریب کا خیال اس کے بالمقابل دیکھ لیجئے آج دنیا اس قدر تخریب پر تلی ہوئی ہے کہ سب کو یہی مدنظر ہے کہ دوسری قوم دنیا میں بڑھتی ہوئی ترقی کرتی ہوئی نظر نہ آوے، جس قوم کو چاہیں دیکھ لیں، ہر قوم کے دل میں یہی خیال ہے کہ دوسری قوم کو کس طرح تباہ کر دیا جائے اور کس طرح ویران اور برباد کر دیا جائے۔ اسی کی طرف اس آیت میں توجہ دلائی گئی ہے کہ دوسروں کی تخریب کا خیال چھوڑ دو اپنی اصلاح کرو، اپنے آپ کو مضبوط کرو، اپنی تعمیر کی طرف توجہ رکھو۔

پاکستان کس طرح زندہ رہ سکتا ہے یہ سوال کہ کس طرح پاکستان زندہ رہ سکتا ہے۔ کس طرح اس کو مضبوط کیا جا سکتا ہے اس کا حل بھی یہی ہے کہ ہر مسلمان اس بات پر غور کرے، سب کی توجہ اس امر پر لگ جائے کہ اپنی اصلاح کس طرح کی جا سکتی ہے۔ اگر مسلمان ایک سلطنت بنانا چاہتے ہیں، جو مضبوط ہو، تو اس کا ایک ہی علاج ہے، کہ ہر ایک اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے اپنے آپ کو اپنے کیریکٹر کو، اپنے اخلاق و اعمال کو بہتر بنالے۔

آں کتابِ حق کہ قرآں نام اوست — بادۂ عرفانِ ما از جامِ اوست

یک قدم دُوری ازاں روشن کتاب — نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

(حضرت مسیح موعودؑ)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۳۰ر جولائی ۱۹۷۵ء

ایمان و عزم

یہ دو صفات مؤمن کو معراج کمال تک پہنچانے کی ضامن ہیں

کسی قوم یا جماعت کی سچی ترقی کا تمامتر دار و مدار اس کے افراد میں روحانی و اخلاقی صفات کے نشو و نما پر ہے۔ خاص طور پر مذہبی جماعتوں پر یہ اصول زیادہ شدت سے حاوی و جاری ہے۔ مگر آج مادہ پرستی کی انتہاء اس حد تک ترقی کر گئی ہے کہ نسلی و وطنی امتیازات پر بناء شدہ قومیں تو ایک طرف ایسی خالص دینی قومیں و جماعتیں بھی اُفتاں و خیزاں اپنی ترقی کو روپیہ کی فراوانی یا قوت بازو پر منحصر خیال کرتی ہیں اور شب و روز ان کی طلب و جستجو میں کوشاں ہیں۔ خود مسلمان قوم کی بناء کسی دنیاوی رشتہ پر قائم نہیں کی گئی بلکہ اسلام میں قومیت کی بنیادیں متحدہ اصولِ زندگی یا مشترکہ روحانی و اخلاقی لائحہ عمل پر استوار کی گئی ہیں لیکن کس قدر بدقسمتی کی بات ہے کہ یہ قوم بھی اپنی ترقی کو مثل دوسری اقوام کے مادیت و حکومت اور قوت بازو میں یقین کئے بیٹھی ہے۔ مسلمانوں کی حالت جمود و بے حسی کا سب سے بڑا باعث یہی ہے کہ محض مادی سامانوں پر قومی ترقی کا مدار سمجھ لیا گیا ہے اور چونکہ ترقی کا یہ میدان ان پر اس وقت بند ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو کسی حرکت کرنے کے قابل نہیں پاتے۔ پھر اس سے بڑھ کر بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اس جماعت کے کثیر گروہ پر جسے خدا تعالےٰ کی مشیت نے اس زمانہ میں احیاء دین کے بلند مقصد کے لئے کھڑا کیا تھا، ایسا نظام مسلط ہو گیا کہ ان کے پیشِ نظر اخلاقِ عالیہ کا نشو و نما نہیں رہا بلکہ حصولِ زر و مادی طاقت اور ساز و سامان کی فراوانی میں اسے اپنا استحکام و ترقی نظر آتی ہے۔

دو بنیادی اخلاقی صفات

منجملہ دیگر روحانی و اخلاقی جوہروں کے دو اوصاف ایسے ہیں جنہیں کسی جماعت کی ترقی کی اصل جڑ اگر قرار دیں تو ان کی نسبت یہ امر صحیح ہوگا۔ جب کوئی قوم اپنے مخصوص عقائد کی بابت محکم و زندہ ایمان رکھتی ہو کہ وہی اصولِ صداقت ہیں نیز بانی سلسلہؑ کے لائحہ عمل پر کاربند ہونے کا عزم راسخ ان کے اندر موجود ہو جس کے مقابل ہر قربانی ہیچ نظر آئے تو تب ان دو صفات کی کامل موجودگی میں کسی ایسی جماعت کی ترقی کے دروازے کھُل جاتے ہیں۔ یہ دو صفات اس امر کی ضامن ہو جاتی ہیں کہ ان کی حامل جماعت کو معراج کمال تک پہنچا دیں۔ بلکہ یہ امر صرف دینی جماعتوں تک ہی محدود نہیں۔ دنیاوی تحریکوں کی کامیابی کا راز بھی یہی دو صفات ہوتی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ چونکہ دنیاوی تحریکیں انسانی عقل و علم کے منبع سے نکلتی ہیں اس لئے اگرچہ وہ نیک نیتی پر مبنی ہوں تاہم اجتماعی رنگ میں ان سے نسل انسانی کو وہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا جو آسمانی تحریکوں کے ذریعہ مقدر ہوتا ہے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے جو مغربی تحریکیں اُٹھی ہیں اور جنہوں نے کسی قدر کامیابی کا منہ دیکھا ہے وہ سب کی سب اپنی کامیابی کے لئے انہی دو صفات کی محتاج ہوئی ہیں **اپنی مخصوص جماعتی تعلیم کی صحت پر مضبوط یقین اور عملی پروگرام کے لئے ہر ممکن قربانی کا جوش و ولولہ**۔ آسمانی ہدایت کے لئے جب یہ دو صفات وقف ہو جائیں تو ان کا نام قرآنی اصطلاح میں ایمان و عمل صالح ہے۔ قرآن مجید میں اسی لئے جملہ الذین آمنوا وعملوا الصلحت بار بار دوہرایا گیا ہے۔

بانی سلسلہؑ کی صداقت پر محکم ایمان اور احمدیت کیلئے جاں نثاری

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا۔ دنیاوی تحریکیں جب بھی پختہ یقین و عزم راسخ لے کر اُٹھتی ہیں تو کم و بیش کامیابی حاصل کر لیتی ہیں۔ بھلا کیا یہ ممکن ہے کہ ایک آسمانی تحریک جس کی بنیادیں الہیٰ علم کے ماتحت قائم کی گئی ہوں جس کے عقب میں مومنوں کی ایک جماعت کھڑی ہو جو ان **جماعتی معتقدات اور جماعتی لائحہ عمل پر جسے بانیٔ سلسلہ نے پیش کیا** گامزن ہونے والی ہو اور وہ پھر باوجود اس کے غالب ہو سکے؟ کیا خدائی قوانین تبدیل ہوا کرتے ہیں؟ کیا آسمانی وعدے کبھی خطا جاتے ہیں؟ یقیناً یاد رکھو کہ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں۔ لیکن اخلاق کے میدان میں قومی ترقی کے قوانین اٹل ہیں۔ ناکامی کا باعث ہمیشہ پیرؤوں کی غفلت ہوا کرتی ہے۔ اور عجیب امر ہے کہ یہ بے راہ روی دو طرفہ ہوئی ممکن ہے۔ مثلاً ایمان کے بارہ میں ایک طرف تو یہ ضلالت پیدا ہو جاتی ہے کہ مضبوطی و پختگی کو تعصب، کورانہ تقلید، دھڑا بندی، بے انصافی کا رنگ دے دیا جاتا ہے دوسری طرف اس کے خلاف اگر رَو پیدا ہو تو آزاد خیالی و روشن ضمیری اس امر کا نام رکھا جاتا ہے کہ اپنے جماعتی معتقدات و تعلیم کی صداقت پر محکم ایمان و یقین نہ ہو۔ جہاں کسی نے جماعتی عقیدہ کے خلاف کوئی دلیل پیش کی وہیں تذبذب و شک نے اپنے ڈیرے دل میں جما لئے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آسمانی ہدایت بیک وقت ان دو بظاہر متضاد امور کو جمع کئے ہوئے ہوتی ہے۔ ایمان و یقین پر مضبوطی کی یہ انتہا ہوتی ہے کہ اگر موجوداتِ کائنات پر ربوبیت کا یقین ہوتا ہے۔ تو اصول حقہ کی صداقت پر اس سے کم یقین نہیں ہوتا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی محققانہ آزاد خیالی اور روشنضمیری کا یہ عالم ہوتا ہے کہ صداقت کا پیرو ہر مخالف و مخاصم کو دلائل و براہین کے نور سے خیرہ کر دینے کا کھلا چیلنج دیتا ہے۔ دوسری صفت عزم راسخ ہے اس کے بارہ میں افراط و تفریط یہ صورت اختیار کرتی ہے کہ اگر جہلاء رسوم و ظاہر ارکان کو ہی تحریک کی رُوح سمجھنے لگ پڑتے ہیں تو ان کے برخلاف اس غلطی کا بھی امکان ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ بانی تحریک سلسلہ نے جن ارکان کو ضروری سمجھ کر ان کی پابندی پر زور دیا۔ انہیں غیر ضروری قرار دے کر ان سے غفلت برتی جائے اور بات بات میں تحریک کے مخالفوں سے راہ و رسم و مخالطت پیدا کرنے کی کوشش کی ہو گو اس قسم کے مصالحانہ اقدامات بہ نیت اصلاح ہی عمل میں لائے جائیں۔ لیکن جب وہ اس معیار پر بجا لائے جائیں جو بانیٔ سلسلہ کی نگاہ میں جماعتی عزت و جماعتی غیرت کے خلاف ہونے کے باعث قابلِ رد ہوں تو پھر بھی عزم راسخ میں رخنہ واقعہ ہو کر کامیابی کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ اگر جہلاء و ظاہر پرست اصحاب اپنے ولولہ و جوش کی بنیاد غیروں سے جذبۂ نفرت و حقارت پر رکھتے ہیں تو اس کے مقابل یہ روّیہ بھی کہ تحریک و جماعت کے دشمنوں و معاندوں کی جانب دست اُلفت بڑھایا جائے قومی غیرت کے منافی اور اس کے لئے قومی ترقی میں سدِ راہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جہاں ایک حقیقی حق پرست کل عالم کے لوگوں کے لئے بے پناہ جذبۂ محبت و اُلفت رکھتا ہے وہاں اس کے سینہ میں جذبۂ حُبِ اُصول حقہ سب پر غالب و فائق ہوتا ہے۔ اور اس لئے وہ ان لوگوں سے جو آسمانی تحریک کے مخالف یا اسے کچلنے کے درپے ہوں کبھی اور کسی صورت میں شفقت و کرم کی نگاہ رکھ کر ان سے مودّت نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے کہ دو اضداد جمع نہیں ہو سکتیں۔ وما جعل اللہ لرجل قلبین فی جوفہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک ہی قلب میں جماعتی اصولوں کے لئے بڑھ چڑھ کر محبت و عقیدت بھی غالب ہو اور پھر جو لوگ ان جماعتی اصولوں کے برخلاف کمر بستہ کھڑے ہوں ان سے صلح جویانہ طریق کو اختیار کرنے کا بھی تہیّہ موجود ہو؟ جب تک جماعتی وقار کو قائم نہیں کیا جاتا اور اس کے عوض ہر نفع قربان نہیں ہوتا تب تک ترقی کے خواب دیکھنا پانی کو سراب میں ڈھونڈنے کے مرادف ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور کے معتقدات کس قدر سادہ، کس قدر مبنی بر صداقت، کس قدر تعلیم قرآن کے مطابق واقع ہوئے ہیں۔ اس کا اندازہ اگر آج نہیں تو آئندہ آنے والے اہلِ دانش اصحاب ہی کر سکیں گے۔ کاش بانی سلسلہؑ کے زندہ ایمان کی تھوڑی سی چمک ہم میں بھی سرایت کر جائے اور آپ کے لائحہ عمل پر کاربند ہونے کا عزم راسخ سینوں میں جاگزیں ہو۔ اگر افراد سلسلہ میں یہ دو بنیادی صفات

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۱)

اُذکُرُوا مَوتٰکُم بِالخَیر

محترم شیخ انعام اللہ صاحب کی یاد میں

جناب شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ چھاؤنی

مکرم شیخ انعام اللہ صاحب کے راہی ملک بقا ہونے سے مرحومین کی فہرست میں ایک اور نام کا اضافہ ہو گیا انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔ آپ بڑے حلیم الطبع اور بُردبار تھے۔ ناخوشگوار مواقع سے کنارا کر جانے والے۔ چہرے پر مسکراہٹ۔ اور ضرورت مند کے ساتھ چلنے کے لئے ہر وقت تیار اپنے معتقدات پر بھی پختہ۔ معتمدین کے ممبر بھی تھے اور ان کی دِلی خواہش یہی ہوتی کہ بات بگڑنے نہ پائے۔

جو بادہ کش تھے پُرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

موت کا وقت مہلت نہیں دیتا۔ اور ایسے حالات میں آ جاتا ہے کہ وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ کہ آن کی آن میں کیا ہو جاتا ہے۔ حضرت مجددِ زمانؑ نے انسانی زندگی کو برف کی مانند کہا ہے کہ ہر لمحہ پگھلتی رہتی ہے۔ اسے لاکھ حفاظت میں رکھیں لیکن بے سُود۔ اس نے پگھلتے پگھلتے ختم ہو جانا ہے۔ جو مقدر ہو وہ ہو کر رہتا ہے۔ بہترین علاج میسّر آیا اور کسی بات میں بھی کمی نہ کی گئی۔ اتنی دعائیں ہوئیں کہ شاید و باید۔ تمام جماعتوں میں درد دل سے ان کی صحت کے لئے اجتماعی دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا آخر یہی کہنا پڑے گا کہ یہ تقدیر اُٹل تھی اور جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔ فقط انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے فرار نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ بند قلعوں میں بھی محفوظ ہو جاؤ تو بھی یہ اپنا کام کر جائے گی۔ کُلُّ نفسٍ ذائقۃ الموت۔ منزل ہر ایک کی یہی ہے۔ زود یا بدیر سب نے اس کا شکار ہونا ہے۔ جب یہ انجام ہے تو اس کے نقصانات سے بچنے کی راہ اور اس خسارے کو نفع میں بدلنے کا نسخہ جو قرآن حکیم نے بتایا ہے اس کو کیوں اختیار نہ کیا جائے۔ اور وہ ہے ایمان اور عمل صالح۔ موت پر فتح پانے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ جسم خاکی نے تو دنیا میں فنا ہو جانا ہے۔ پھر رُوح کی راحت کا سامان کیوں نہ کیا جائے اور روحانیت جو اس کا واحد علاج ہے اسے کیوں ضائع کر دیا جائے۔ یہ زندگی یہاں تو ختم نہیں ہو جاتی۔

موت کو سمجھا ہے نادان اختتامِ زندگی ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

یہ تو ایک تسلسل ہے اور اس جہاں سے کوچ کر جانے والے دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتے ہیں جو دائمی اور ابدی ہے اور مسلمان کا یہ جزوِ ایمان ہے کہ وہاں مؤمنوں کے لئے اجرِ غیر ممنون، کا وعدہ ہے۔ ایک نئی زندگی شروع ہوگی۔ اسی ایمان کی بدولت اس خاک و خون کے جہان کی تلخیاں آسان ہو جاتی ہیں اور انسان صبر سے ان کو برداشت کر لیتا ہے۔ کلام حکیم میں حق اور صبر کی بہت تاکید کی گئی ہے اور حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ حق کا معیار یہ بھی ہے کہ حق آگے ہی قدم بڑھاتا ہے گویا انسان حق میں ترقی کرتا چلا جائے۔ حق اور صبر لازم و ملزوم ہیں۔ ان پر عامل ہونا چاہیئے۔ حق کے ایک معنے تو عام فہم ہیں۔ اور ایک مفہوم زمین میں کسی مضبوط گاڑی ہوئی چیز کا بھی ہے جیسے کھمبا وغیرہ۔ گویا جو اس سے ٹکر لے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ حق کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اور اس کے ساتھ صبر کی بھی ضرورت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وبشّر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃٌ قالوا انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔ مصائب پر صبر کرنے والوں کو انعامات ملتے ہیں۔ ان پر صلوات ہوتے ہیں اور اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور آخرکار ہدایت یافتہ ہو کر ان کا خاتمہ بالخیر ہو جاتا ہے۔ ان انعامات کا تکلیف کے وقت تصوّر آ جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے کا وعدہ ہے۔ تو پھر کیا وہ مصیبت، مصیبت رہ سکتی ہے اور غم، غم رہ سکتا ہے اور حدیث شریف میں لکھا ہے کہ ہر مصیبت پر انا للّٰہ و انّا الیہ راجعون پڑھ کر یہ دُعا کرنی چاہیئے اللّٰھم اجرنی فی مصیبتی و اخلفنی خیرًا منھا۔ اے اللہ میری مصیبت پر مجھے اجر دیجیو اور میرے لئے اس کے بعد بہتر بھلائی پیدا کر دیجیو۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں۔ حضرت مولٰنا نورالدین علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ میں قادیان میں دین سیکھنے کے لئے آیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت صاحب کے منہ سے نکلا کہ تم اپنے وطن کا دل پر خیال تک بھی نہ لاؤ، سو اس کے بعد میں نے وطن کی کبھی بھی خواہش نہیں کی۔ یہاں میں نے مالی جانی نقصانات اُٹھائے مگر صبر کیا۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ اس صبر کا اجر مجھے مل گیا کہ میں مظفر و منصور ہو گیا۔ کوئی وظیفہ کوئی عمل تم سے الگ مجھے نہیں آتا۔ پھر بھی میں نے وہ بات حاصل کر لی جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتی تھی۔ فرماتے ہیں انسان کی روح میں ایک تڑپ معیت کی بھی ہے۔ اللہ وعدہ کرتا ہے کہ میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں۔ ایک معمولی انسان کا ساتھ کتنی بڑی بات ہے پھر جس کے ساتھ خدا ہو اسے اور کیا چاہیئے۔

ایک مومن کے لئے آخرت غم کی جگہ نہیں۔ خوشیوں اور راحتوں کی جگہ ہے سورۃ یٰسٓ میں ارشاد ہوتا ہے ان اصحاب الجنۃ الیوم فی شغلٍ فٰکھون ھم و ازواجھم فی ظلٰلٍ علی الارائک متّکـٔون۔ اہل جنت اس دن اپنے اشتغال میں خوش ہوں گے۔ گویا کمال مسرت مراد ہے۔ اور یہ خوشخبری بھی ہے کہ وہاں اقارب اکٹھے ہوں گے وہ اور ان کے ساتھی سایوں میں تختوں پر تکئے لگائے ہوئے ہوں گے۔ موت زندگی کا ایک وقفہ ہے۔ یعنی آگے چلیں گے دم لے کر۔ اپنی اپنی باری پر سب نے دارالآخرت میں پہنچنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی کی نعمت سے نوازا ہے تو موت بھی اسی نے مقرر کی ہے۔ نحن قدّرنا بینکم الموت۔ اور موت ہی وہ زینہ ہے جس کے ذریعہ اس حسین وادی میں پہنچنا ہے لیکن اس کے کچھ لوازم بھی ہیں۔ ہم اپنی زندگیوں کو سنواریں۔ اپنے اندر پاک تبدیلی کریں ضرر رساں اور خدا کو ناراض کرنے والی عادات کو چھوڑ دیں۔ اپنے اطمینان قلب اور سکون کو برباد نہ کریں۔ اور ان کا طریقہ یہ ہے کہ بامقصد زندگی گزاریں۔ اپنے فرائض سے غافل نہ ہوں۔ انسانی ہمدردی کو اپنے دل میں جگہ دیں۔ اپنے غموں میں کھوئے رہنے کی بجائے دوسروں کے غموں میں شریک ہوں۔ دکھی انسانیت کے درد اور مصیبتیں جو اطراف و جوانب میں پھیلی ہوئی ہیں اور مدد کو پکار رہی ہیں ان کے دُور کرنے میں معاون ہوں۔ اخلاقی اقدار کی تحریک سے ذہنوں میں جلا پیدا کریں اپنے بچوں کی تربیت کے ساتھ ساتھ ان کے ہم عمر ساتھیوں کو بھی اس تربیت میں شامل کریں۔ نفسیات کے ماہرین نے تحقیق کی ہے کہ بچوں میں اخلاق سیکھنے کی بہترین عمر ۹، اور ۱۲ سال کے درمیان ہے۔ پیغمبر اسلامؐ نے آج سے ۱۴۰۰ سو سال قبل فرمایا تھا کہ بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز شروع کرائیں۔ گویا ہم ہر رنگ میں اپنے آپ کو مفید بنانے کی کوشش میں لگ جائیں۔

الغرض خدا پرستی اور خدا شناسی کے منازل طے کریں یہ اسی بنیاد سے ہے۔ جس پر قابل اعتماد اخلاق تعمیر ہوں گے۔ حضرت رابعہ بصریہ سے لوگوں نے پُوچھا آپ جس کی عبادت کرتی ہیں اس کو دیکھتی بھی ہیں۔ انہوں نے فرمایا اگر نہ دیکھتی تو عبادت کیسے کرتی۔ قدرت کے مظاہر سے کون واقف نہیں اور اس وحدہٗ لاشریک صفت رحمانیت سے کون فیضیاب نہیں۔ ہمارے اندر احسان مندی کا جذبہ ہو۔ حضرت مجددِ زمانؑ نے لکھا ہے کہ اگر مجھے آواز آئے کہ تو مردود ہے اور تیری عبادت پر کوئی اجر نہیں تو میں پھر بھی اس کی عبادت کرتا چلا جاؤں کیونکہ میں نے اس کو دیکھ لیا ہے اور حضرت موصوف نے فرمایا ہے :-

"یقین کی معرفت سے حصہ لیں۔ ـــــ وہ جماعت ہلاک شدہ ہے جس پر عذاب نازل نہیں ہوا۔ جو شخص خدا کی یقینی معرفت سے کوئی حصہ

لیتا ہے بے پاک نہیں رہ سکتا۔ اگر گھر کا مالک جانتا ہے کہ ایک پُر زور سیلاب نے اس کے گھر کی طرف رُخ کیا ہے یا اس کے ارد گرد آگ لگ چکی ہے اور ایک ذرّہ سی جگہ باقی رہ چکی ہے تو وہ اس گھر میں ٹھہر نہیں سکتا، تو پھر تم خدا کی جزا سزا کے یقین کا دعوےٰ کر کے کیونکر اپنی خطرناک حالتوں پر ٹھہرے رہے ہو۔ سو تم آنکھیں کھولو۔ تم توبہ کی بیعت کر کے پھر گناہوں پر قائم نہ رہو اور سانپ کی طرح مت ہو جو کھال اتار کر بھی سانپ ہی رہتا ہے۔ موت کو یاد رکھو کہ وہ تمہارے نزدیک آتی جاتی ہے۔ اور تم اس سے بے خبر ہو۔"

آپ نے فرمایا:—

"طاعون کے دنوں میں اس مرض اور اس کے قانون پر غور کر کے میرے دل میں ایک درد پیدا ہوا اور میں نے تہجد میں اس کے متعلق دعا کی تو الہام ہوا ان اللہ لم یک مغیرا نعمۃ انعمھا علیٰ قوم حتّٰی یغیروا ما بانفسھم اللہ کبھی کسی نعمت کو نہیں بدلتا جو اس نے کسی قوم پر کی ہو یہاں تک کہ وہ خود اپنی حالتوں کو نہ بدلیں۔" کون کہہ سکتا ہے کہ اسے بجلی آسمان سے مت گرے"۔ شاید اس کے متعلق ہو میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں کہ جو لوگ قبل از بلا دُعا کرتے ہیں۔ استغفار کرتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان پر رحم کرتا ہے اور عذابِ الٰہی سے ان کو بچا لیتا ہے۔ میری ان باتوں کو قصّہ کے طور پر نہ سُنو میں نصیحتاً کہتا ہوں اپنے حالات پر غور کرو اور فرمایا:۔ "اس وقت دنیا کی حالت ایسی ہو رہی ہے کہ وہ اللہ کے غضب کو کھینچ رہی ہے تم لوگ بہت اچھے وقت پر آ گئے ہو۔ اس لئے بہتر اور مناسب ہے کہ تم اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو اپنے اعمال میں اگر کوئی شریعت کے خلاف دیکھو تو اسے فوراً دُور کر دو اور ایسے ہو جاؤ کہ نہ مخلوق کا حق تم پر باقی رہے اور نہ خالق کا۔ یاد رکھو جو مخلوق کا حق دباتا ہے اس کی دُعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ ظالم ہے۔ اس سلسلہ میں داخل ہو کر تمہارا وجود دنیا سے بالکل الگ رہے۔ جو کچھ تم پہلے تھے وہ نہ رہو۔ یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں تبدیلی کرنے سے تم لوگ محتاج ہو جاؤ گے یا تمہارے بہت سے دشمن پیدا ہو جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ کا دامن پکڑنے والا ہرگز کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ اور اس پر بُرے دن کبھی نہیں آ سکتے"۔

ایک اور موقعہ پر حضرت صاحب نے فرمایا:—

"تم عبث اپنے دشمن کا قصد کرنے ہو خدا اسے خود ہلاک کرے گا۔"

اس قدر تسلی ہے اس تعلیم میں کہ ہم وقت کی قدر کریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ زندگی وقت سے عبارت ہے۔ جس نے وقت کو کھو دیا اس نے گویا زندگی کو کھو دیا۔ ہم ان لوگوں میں نہ ہوں جن کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا ولو علم اللہ فیھم خیرا لاسمعھم۔ اگر اللہ ان میں بھلائی پاتا تو ان کو سنوا دیتا۔ اور ہم اس خطاب سے بھی ڈریں" انّ شرّ الدواب عند اللہ الصمّ البکم الذین لا یعقلون۔ بے شک اللہ کے نزدیک سب جانداروں سے بدتر وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ گویا قرآن کی اصطلاح میں بہرے اور گونگے وہ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ورنہ ان کے اعضاء تو صحیح سالم ہیں صمٌّ بکمٌ کی مہر انہوں نے خود اپنے عمل سے لگائی ہے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے۔ جانوروں کو عقل نہیں دی گئی لیکن انسان جس کو یہ نعمت ملی ہے جب اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتا تو ان سے بدتر ہوا

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں عقل سلیم سے نوازے اور اس فانی دنیا کی حقیقت سے آگاہ ہو جائیں کہ توفیق تو اس زندگی تک ہی ہے جب تک ہماری آنکھیں کھلی ہیں۔

کہتے ہیں کہ کسی عزیز کی موت ہمیں موت کے قریب تر کر دیتی ہے۔ یہ سچ ہے۔ کیونکہ ہمارے اندر موت کا احساس زیادہ ہو جاتا ہے۔ کون ہے جس نے موت کو قریب سے نہیں دیکھا۔ ہر آن ہر گوشہ سے یہ آوازیں آتی ہیں کہ آج فلاں نہیں اور کل فلاں نہیں۔ حضرت صاحب نے لکھا ہے " انسان کیا ہیں۔ چلتی پھرتی قبریں ہیں۔ اور آپ نے فرمایا: قبریں آوازیں دے رہی ہیں۔ اور ہر ایک سانس تمہیں موت کے قریب کرتا جاتا ہے اور تم اسے فرصت کی گھڑیاں سمجھتے ہو۔ اللہ تعالےٰ سے مکر کرنا مؤمن کا کام نہیں۔ جب موت کا وقت قریب آ گیا پھر ساعت آگے پیچھے نہ ہوگی۔ وہ لوگ جو اس سلسلہ کی قدر نہیں کرتے اور انہیں کوئی عظمت اس کی معلوم نہیں، انہیں جانے دو مگر ان سب سے بڑھ کر بدقسمت اور اپنی جان پر ظلم کرنے والا تو وہ ہے جس نے اس سلسلہ کو شناخت کیا اور اس میں شامل ہونے کی فکر کی لیکن اس نے کچھ قدر نہ کی۔ تکمیل علم کے بعد تکمیل عمل کی ضرورت ہے۔" ہم اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کو دُور کرتے جائیں اور خدا سے توفیق عمل مانگیں۔ مانا ہم زندگی ٹوٹا کہ ٹوٹا — یہ رشتہ ہاتھ سے چھوٹا کہ چھوٹا

ایک ہفت روزہ سے:—

"اپنے بچوں کو محنتی، جفاکش اور با اخلاق بنانے ہی میں قومی ترقی کا راز مضمر ہے۔"

"جو چیز ہمیں بالخصوص کھائے جا رہی ہے۔ وہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ آج کی نسل کا لہو و لعب کا عادی ہونا ہے۔ موجودہ نسل کے کتنے ہی قیمتی لمحات ہیں جو ہر روز اس ٹیلی ویژن کی نذر ہوتے ہیں۔ وہ قوم خوش نصیب نہیں جس کے بچے حصولِ تعلیم میں محنت کرنے کے بجائے گھنٹوں ٹیلی ویژن کے سامنے غرق مناظر رہتے ہیں اور انہیں کچھ احساس نہیں ہوتا کہ ان کی عمر کا کتنا قیمتی وقت ضائع ہو چکا ہے۔ موجودہ نسل کے یہ بچے جب بڑے ہو کر کاروباری زندگی سنبھالیں گے تو وہ اس نسل سے یقیناً کم سطح اور فروتر ہوں گے۔ جس نے اپنے اوقات کا بیشتر حصّہ تعلیم، مطالعہ، محنت اور اپنی سیرت کو پختہ بنانے میں صرف کیا تھا۔ آج جد و جہد کا زمانہ ہے۔ ایسا صرف اصلح ہی باقی رہ سکتا ہے۔ اس دَور میں جو قوم محنت سے جی چُرائے اور کھیل تماشے کی عادی ہو چکی ہو۔ وہ کسی رزم میں اپنے حریف کا کب مقابلہ کر سکتی ہے۔ عہد قدیم کے وہ یونانی بڑے حقیقت شناسا تھے۔ جو اپنے بچوں کو پہاڑیوں سے لڑھکاتے تھے تاکہ ان کی آیندہ نسل مضبوط، جفاکش اور سخت کوش ہو۔

اپنے بچوں کو محنتی، جفاکش، اور با اخلاق بنانے ہی میں قومی ترقی کا راز مضمر ہے۔"

"ایک مرنے والی قوم"

مدیر چٹان نے معاشرہ ڈوب رہا ہے، کا انتباہ کرنے اور اس کا مختصر سا نقشہ کھینچنے کے بعد علماء سے ایک سوال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:—

"دوسرا سوال علمائے کرام سے ہے۔ جن کے شب و روز نے معاشرہ کو خدا کے خوف سے محروم کر دیا ہے۔ ہمارے علماء یا تو دین کی آڑ میں سیاست کے رسیا ہو کر رہ گئے ہیں یا پھر منبر و محراب پر فروعی اختلافات اب بھی ان کا تکیہ کلام ہے۔ یہ لیل و نہار رہے۔ تو یہ معاشرہ ڈوب کر رہے گا۔ ہم نے ایک مرنے والی قوم کی تمام نشانیاں اختیار کر لی ہیں۔"

(چٹان لاہور ۲۳؍ جون ۱۹۷۵ء)

محترم جناب علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

سُورۂ یٰسٓ کی ایک آیت کا صحیح مفہوم

ہمارے ایک محترم بھائی کا سوال ہمارے ایک محترم بھائی نے سورۃ یٰسٓ کی مندرجہ ذیل آیت لتنذر قومًا ما انذر آباؤھم کا مطلب دریافت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں آیا ہے وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر سورۃ یٰسٓ کی آیت اور اس آیت میں تطبیق کس طرح دی جا سکتی ہے۔

اپنے محترم بھائی کے سوال سے جہاں تک میں سمجھا ہوں ان کے ذہن میں آیت لتنذر قومًا ما انذر آباؤھم میں قوم سے مراد صرف حجاز کے لوگ ہیں۔

حضرت نبی کریم صلعم کا صحیح مقام پیشتر اس کے کہ دونوں آیتوں میں تطبیق کی صورت ان کے سامنے پیش کی جائے حضرت نبی کریم صلعم کا اصل مقام ان کے سامنے رکھ دیا جائے اس کے لئے سب سے پہلے میں سورۃ یٰسٓ کی ابتدائی آیات درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جو یہ ہیں :-

یٰسٓ والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین علیٰ صراط مستقیم تنزیل العزیز الرحیم لتنذر قومًا ما انذر آباؤھم فھم غافلون۔ یعنی اے سید! اے کامل انسان ہم حکمت سے بھرے ہوئے قرآن کو ہی بطور گواہ اور دلیل کے پیش کرتے ہیں کہ یقینًا تو ان لوگوں میں سے ہے جنہیں خدا کی طرف سے اصلاحِ خلق کے لئے بھیجا جاتا ہے جو خود بھی صراط مستقیم پر قائم ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی صراط مستقیم پر گامزن کر دیتے ہیں۔

عزیز اور رحیم صفت کا مطلب یاد رہے کہ یہ قرآن حکیم اس خدا کی طرف سے اتارا گیا ہے جو عزیز اور رحیم ہے یعنی اس قرآن کی حکمت اتنی بلند و بے نظیر ہے کہ دنیا کی سب حکمتوں پر ہمیشہ غالب رہے گی اور دنیا کی کوئی حکمت اس پر غالب نہیں آ سکے گی کیونکہ یہ عزیز خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور عزیز کے یہی معنی ہیں کہ وہ سب پر غالب ہو اور اس پر کوئی غالب نہ آ سکے۔

دوسری صفت خدا کی آیت میں رحیم بتلائی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس الٰہی کتاب پر عمل کرنے والوں سے جو وعدے خدا نے اس میں کئے ہیں اور جن انعامات سے ان کو سرفراز کرنے کا اس میں یقین دلایا ہے وہ ضرور پورے کئے جائیں گے اور وہ انعامات انہیں ضرور ملیں گے پس یہ دونوں باتیں یعنی ایک تو اس کتاب کی حکمت کا تمام حکمتوں پر غالب رہنا اور کسی حکمت سے مغلوب نہ ہونا اور دوسری یہ کہ عمل کرنے والے مسلمانوں کا انعاماتِ الٰہی سے سرفراز ہونا ثابت کر رہی ہیں کہ تو واقع میں خدا کا رسول ہے اور صراط مستقیم پر ہی تیرا قدم ہے اور تیری لائی ہوئی کتاب بلاشبہ بے نظیر اور کامل کتاب ہے۔

مرسل ہونے کی حقیقت ظاہر ہے کہ ان آیات میں حضرت نبی کریم صلعم کو رسولوں کی جماعت کا ایک فرد قرار دیا گیا ہے اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم کیا صرف عربوں کے لئے ہی رسول تھے یا آنحضور صلعم ساری دنیا کے لئے رسول تھے کیا صرف عرب ہی آپ کی قوم کہلا سکتے تھے یا دنیا کی تمام قوموں میں سے ہر قوم ہی آنحضور صلعم کی قوم کہلانے کی مستحق تھی۔

ساری قوموں کے لئے رسول ہونا اس حقیقت پر مطلع ہونے کے لئے ذیل کی آیات پر غور کرنا چاہیئے۔ سُورۃ الاعراف ع ۱۲ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا الذی لہ ملک السمٰوات والارض لا الٰہ الا ھو یحی و یمیت فآمنوا باللہ و رسولہ النبی الامی الذی یؤمن باللہ و کلماتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ دنیا کے تمام لوگوں کو مخاطب کرکے اعلان کر دو کہ میں تم سب کی طرف رسول ہوں اس لئے خدا پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول اُمی پر بھی ایمان لاؤ اور اسی کی اتباع کرو۔ اس کا عمل بھی بتلا رہا ہے کہ وہ خود بھی اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان لایا ہوا ہے۔ پھر سورۃ الانبیاء ع ۷ میں فرمایا :-

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ اسی لئے سورۃ الفرقان ع ۱ میں فرمایا تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیرًا اور سورۃ سبا ع ۳ میں فرمایا وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرًا و نذیرًا و لٰکن اکثر الناس لا یعلمون۔ یہ تینوں آیتیں بتلا رہی ہیں کہ آنحضور صلعم پر خدا کی طرف سے یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ دنیا کی تمام موجودہ قوموں کو اور آئندہ آنے والی قوموں کو بھی انذار کا فریضہ سر انجام دیں اس سے ثابت ہوا کہ سورۃ یٰسٓ کی آیت لتنذر قومًا ما انذر آباؤھم میں قوم سے مراد دنیا کی تمام قومیں ہی ہیں۔

واقع کی شہادت چنانچہ واقع بھی یہی ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم نے بلغ ما انزل الیک کے ارشادِ خداوندی کی تعمیل میں اپنی تبلیغ کے دائرہ کو صرف عربوں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے ارد گرد کی تمام قوموں تک اپنا دائرۂ تبلیغ وسیع کیا ہوا تھا۔ قیصر و کسریٰ اور بادشاہ مصر کو تبلیغ کے خطوط لکھے اور ان کو اسلام میں داخل ہونے کی ہدایت دی لفظ مرسل اور قوم کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے بعد اب میں ما کی حقیقت پر روشنی ڈالتا ہوں۔

لفظ ما کی حقیقت سو واضح ہو کہ آیت لتنذر قومًا ما انذر آباؤھم میں ما کے متعلق مفسرین نے تین اقوال لکھے ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ ما اس جگہ نافیہ ہے جس کے معنی نفی کرنے کے ہوتے ہیں۔ اس معنی کو مدِنظر رکھتے ہوئے آیت کے معنے یوں کئے جاتے ہیں کہ تجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ انذار کرے اس قوم کو جس قوم کے آباء کو انذار نہیں کیا گیا اور اسی معنی کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہمارے محترم بھائی نے اسے آیت ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر کے خلاف سمجھا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے آیت کے حقیقی معنی کیا ہیں اس پر بحث میں بعد میں کروں گا سردست میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ ما نافیہ کے علاوہ

دو اور معنی مفسرین نے اس ما کے دو معنی اور بھی کئے ہیں ایک تو یہ کہ اس ما کو انہوں نے ما موصولہ قرار دیا ہے اس لحاظ سے انہوں نے آیت کے یہ معنی کئے ہیں تاکہ تو ڈرائے اپنی قوم کو اس چیز سے یعنی اس عذاب سے جس سے ان کے آباء ڈرائے گئے اور اس کے لئے انہوں نے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے انا انذرناکم عذابًا قریبًا پس ما کے ان معنی کو اگر مدِنظر رکھا جائے تو ہمارے محترم بھائی کی پیش کردہ آیت اور اس آیت میں کوئی اختلاف پیدا ہی نہیں ہوتا کیونکہ اس میں قوم کے آباء کے انذار کا اسی طرح ذکر ہے جس طرح آیت ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر میں ذکر ہے۔ خواہ قوم سے صرف عربوں کی قوم ہی مراد لی جائے یا ساری قومیں مراد لی جائیں کیونکہ انذار سب کو ہوتا چلا آیا ہے۔ حجاز میں حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ علیہم السلام کی بعثت کا ذکر تو صراحت سے قرآن مجید میں موجود ہے۔ اسی طرح حجاز کے ارد گرد کے عرب علاقوں میں بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کی بعثت

کا ذکر موجود ہے۔

تیسرے معنی لفظ ما کے تیسرے معنی مفسرین نے اس کو مصدریہ قرار دے کر کئے ہیں اور وہ معنی یہ ہیں تاکہ تو ڈرائے اپنی قوم کو اسی طرح جس طرح ان کے آباء ڈرائے گئے یعنی عربوں کو بھی اور دیگر تمام اقوام کو بھی جس طرح ڈرایا جاتا رہا ہے اسی طریق پر آپ تو عربوں اور دیگر اقوام کو بھی ڈرا۔ اس معنی کی رُو سے بھی دونوں آیتوں میں اختلاف دُور ہو جاتا ہے کیونکہ اس معنی کی رُو سے بھی جس طرح ہر اُمت کو انذار ہوتا رہا ہے آنحضور صلعم کی قوم عرب کے آباء کو بھی اسی طرح انذار ہوا۔ اس بات کو واضح کرنے کے بعد کہ ان دونوں معنوں کی رُو سے دونوں آیتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔

پہلے معنی پر بحث اب میں لفظ ما کو ما نافیہ قرار دے کر اس آیت کے معنی کرتا ہوں اور بتلاتا ہوں کہ اسے نافیہ قرار دینے کی صورت میں بھی دونوں آیتوں میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

چند اُصولی باتیں بیشتر اس کے کہ ما نافیہ کی رُو سے آیت کا صحیح مفہوم واضح کیا جائے۔ پہلے چند اصولی امور کا بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پہلا اصول تو یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جس طرح انسان کو پیدا کرنے سے قبل اس کی مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے تمام اسباب اور اس کے جسم کے نشو ونما کے لئے اور اس کی ظاہری زندگی کو قائم رکھنے کے لئے اپنی صفت رحمان کے ماتحت اور اپنے کامل علم کی بناء پر تمام سامان مہیا کر دیئے جیسا کہ زمین۔ آسمان۔ سُورج۔ چاند۔ ستارے۔ ہوا۔ پانی۔ پہاڑ۔ سمندر وغیرہ پیدا کر دیئے۔ اور ان میں باہمی رابطہ بھی پیدا کر دیا تا انسانوں کو ان سے فائدہ اٹھانے میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے اور پھر علم آدم الاسماء کلھا کے ماتحت ان نعماء سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ان کے خواص معلوم کرنے کے لئے ان کے اندر صلاحیت بھی رکھ دی جس کی بناء پر اس وقت تک انسان ان کے خواص کو معلوم کرکے ان سے فائدہ اُٹھاتا چلا آ رہا ہے جس کی طرف یہ آیت اشارہ کر رہی ہے و اٰتاکم من کل ما سالتموہ و ان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ یعنی جس چیز کے لئے تمہاری فطرت اور تمہاری بناوٹ نے تقاضا کیا، وہ سب چیزیں ہم نے تمہیں عطا کیں اگر تم ان نعماء الٰہی کو شمار میں لانا چاہو تو تم ان کو شمار میں نہیں لا سکتے۔ کیونکہ خواص الاشیاء لا محدود ہیں انسانی علم باوجود ہزاروں سالوں کی محنت اور تحقیق کے ابھی تک حتمی طور پر یہ دعوےٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے ایک تنکا کے بھی تمام خواص معلوم کر لئے ہیں یہ مستقل موضوع ہے جس پر مبسوط کتاب لکھی جا سکتی ہے سردست صرف اختصار کے طور پر اس کی طرف اشارہ کرنا ہی مقصود تھا جو کر دیا گیا۔

تربیت رُوح کے سامان جسم کے علاوہ انسان کو روح بھی عطا کی گئی ہے جس طرح اللہ تعالےٰ نے انسانی جسم کی پرورش کے سامانوں کو مہیا کرنا اپنے ذمہ لیا ہوا ہے اسی طرح رُوح کے قویٰ کے نشو ونما کے سامانوں کا عطا کرنا بھی اس نے اپنے ہی ذمہ لیا ہوا ہے جیسا کہ فرمایا ان علینا للھدیٰ وان لنا للاٰخرۃ والاولیٰ۔ یعنے ہدایت کے سامان مہیا کرنا جس سے روح انسانی اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آرام دہ زندگی حاصل کر سکے ہم نے اپنے ذمہ ہی لیا ہوا ہے کیونکہ انسان کی اُخروی زندگی اور دنیاوی زندگی دونوں ہماری ہی عطا ہیں۔ اس لئے دونوں کے لئے ضروری اسباب عطا کرنا ہمارا ہی کام ہے۔ پس روح کے قویٰ کے نشو ونما کے لئے جو سامان اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے مہیا کئے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور ان پر نازل کردہ کتابوں کی شکل میں ہدایت کے ذرائع نازل کرنا ہے جن پر عمل کرکے انسان جنتی زندگی حاصل کرکے اپنی روح کو آرام دہ حالات سے ہمکنار کر سکتا ہے اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کے خدام اولیاء اور ان کے خلفاء کو اسی غرض کے لئے پیدا کیا جاتا ہے تا وہ اپنے متبوع انبیاء علیہم السلام کی عطا کردہ روشنی سے منور ہو کر عوام کو بھی روشنی مہیا کرنے کا ذریعہ بنتے رہیں۔

حکمت الٰہی کے دو تقاضے

پہلی حکمت کا تقاضا ہدایت کی روشنی سے دنیا کو منور کرنے کے لئے حکمت الٰہی کے دو تقاضوں نے کام کیا ہے۔ پہلے تقاضا کے ماتحت ہر قوم کی طرف علیحدہ علیحدہ رسول بھیجے جیسا کہ ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر سے ظاہر ہے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ حالات ایسے تھے کہ قوموں کا آپس میں ملنا اور باہمی ربط پیدا کرنا ناممکن تھا اس لئے ضروری تھا کہ اما یاتینکم منی ھدی کے ماتحت ہر قوم کو ہدایت کے راستہ پر گامزن کرنے کے لئے علیحدہ علیحدہ رسول بھیجکر ان کے مناسب حال ہدایت نامہ ان پر نازل کیا جاتا۔

دوسری حکمت کا تقاضا لیکن دنیا کے حالات میں جب تغیر رونما ہوا اور قوموں میں اتحاد کی صورت پیدا ہونے لگی تو اللہ تعالےٰ کی دوسری حکمت نے تقاضا کیا کہ ساری قوموں کی طرف ایک ہی کامل رسول بھیجا جائے اور ایک ہی کامل ہدایت نامہ کے ماتحت ان کو زندگی بسر کرنے کے سامان عطا کر دیئے جائیں۔ اب یہ حکمت مقتضی تھی کہ علیحدہ علیحدہ قوموں میں رسولوں کے مبعوث کرنے کا سلسلہ منقطع کر دیا جائے چنانچہ اس حکمت کے ماتحت یہ سلسلہ بند کر دیا گیا اور اس کو بند کرکے مناسب وقت پر خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت وقوع میں آئی اور قرآن کریم کی شکل میں کامل کتاب جس نے رہتی دنیا تک لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف نکالنے کا کام کرتے رہنا تھا وجود میں آ گئی۔

فترۃ کا زمانہ علیحدہ علیحدہ قوموں میں رسولوں کے سلسلہ کے انقطاع سے لے کر حضرت نبی کریم صلعم کی بعثت تک کے زمانہ کو زمانہ فترۃ کے نام سے نامزد کیا گیا ہے جیسا کہ المائدہ ع۳ میں فرمایا یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل ان تقولوا ما جاءنا من بشیر و لا نذیر فقد جاءکم بشیر و نذیر واللہ علی کل شئ قدیر۔ یعنی اے اہل کتاب (ظاہر ہے کہ دنیا کی تمام قومیں ہی اہل کتاب ہیں کیونکہ ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر کے ماتحت ساری قوموں کی طرف ہی رسول آتے رہے اور ان کے مناسب حال کتاب بھی لاتے رہے) اب تمہارے پاس یقیناً رسول آ گیا ہے جو فترۃ کے زمانہ کو توڑ کر تم پر ہدایت کی راہیں کھول کر بتلا رہا ہے اور بشیر ہونے کے لحاظ سے ان ہدایات پر عمل کرنے والوں کو نیک انجام کی بشارت دے رہا ہے اور عمل سے گریز کرنے والوں کو نذیر ہونے کے لحاظ سے ان کے بُرے انجام سے ڈرا رہا ہے

قوموں پر غلبۂ شیطان ظاہر ہے کہ رسولوں یا بالفاظ دیگر نذیروں کے نہ آنے کی وجہ سے قوموں میں لازماً فسق و فجور نے ترقی کر لی تھی اور ان پر شیطان نے غلبہ پایا تھا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں اس حقیقت کو کھول بیان کر دیا گیا ہے تاللہ لقد ارسلنا الیٰ امم من قبلك فزین لھم الشیطان اعمالھم فھو ولیھم الیوم ولھم عذاب الیم وما انزلنا علیك الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ و ھدی و رحمۃ لقوم یؤمنون۔ النحل ع۸۔ اللہ کی قسم ہم نے تم سے پہلے تمام اُمتوں کی طرف رسول بھیجے تھے لیکن اب شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کرکے دکھلایا ہوا ہے اس لئے وہی اب ان کا ولی بنا ہوا ہے یعنے اسی کا اب ان پر مکمل تسلط ہے اور اسی کا سکہ چل رہا ہے اور اسی کی پیروی میں وہ سرشار ہیں اس لئے عذاب الیم کے مستحق بن گئے ہیں اب انکی طرف علیحدہ رسول تو آتا نہیں البتہ تم پر جو کتاب ہم نے اتاری ہے وہ اب ان تمام امور کو کھول کر بیان کر رہی ہے جس میں ان کو اختلاف ہے ان میں سے ایمان لانے والوں کے لئے یا ایمان لانے کی خواہش رکھنے والوں کے لئے ہدایت کا کام دے گی اور ان کے لئے رحمتِ الٰہی کی چادر میں لپیٹے

کا موجب بنے گی۔

عالمگیر بگاڑ شیطان کے تسلط کا جو لازمی نتیجہ ہوا اس کو کھول کر مندرجہ ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون (الروم ع) اب شیطانی تسلط کے نتیجہ میں خشکی اور تری یعنی تمام عالم میں فساد ہی فساد رونما ہوا ہے ان شیطانی اعمال کی وجہ سے جن کا ارتکاب لوگ شیطانی تصرف کے نیچے آ کر سر انجام دے رہے ہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ ان اعمال کے کچھ بُرے نتائج انکو بھگتنے پڑیں گے جو اُمید ہے کہ ان کو بُرے اعمال سے باز رہنے کا موجب بن جائیں گے۔

عدم انذار کا زمانہ پس یہی وہ فترۃ کا زمانہ ہے جس میں رسولوں کی عدم بعثت کی صورت میں انذار نہ ہونے کی وجہ سے شیطان کو اپنا تصرف جمانے کا موقعہ مل گیا اور عدم انذار کی وجہ سے لوگوں پر اس کا جادو چل گیا جس کی وجہ سے وہ فسق و فجور میں سر سے پیر تک غرق ہو گئے۔ انہی کے متعلق حضرت نبی کریم صلعم کو کہا گیا لتنذر قوماً ما انذر اٰباؤهم فهم غافلون یعنی چونکہ اس عرصہ میں ان کو انذار نہیں ہوتا رہا اس لئے ان کی زندگی الٰہی ہدایات پر عمل کرنے سے لاپرواہی میں گذرنا شروع ہوگئی اور غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلعم کے انذار کا نتیجہ اب تمہارے انذار سے ہوش میں آ سکتے ہیں اس لئے ان کے بُرے اعمال کے بد نتائج سے ان کو پوری طرح آگاہ کرو جن کے نتیجہ میں یہ تمام قومیں آگ کے گڑھے کے کنارہ پر کھڑی ہیں تا یہ ان سے باز آ کر ان کو ترک کر دیں اور اس آگ میں پڑنے سے بچ جائیں چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم کے عین حیات میں مختلف قوموں کے بہت سے لوگوں نے ایمان لا کر بد اعمالیوں کو ترک کر دیا اور فرشتہ خصلت بن گئے اور آنحضور صلعم کی وفات کے بعد آنحضور صلعم کے تربیت یافتہ مختلف ملکوں میں نکل گئے جہاں انہوں نے وہاں کے باشندوں کو ہدایت کے نور سے منور کر دیا۔ اور ان کی مساعی سے اسلام چار دانگ عالم میں پھیل گیا اور اب تک نیکی کے پھیلانے کا یہ سلسلہ جاری ہے یعنی اسلام میں ایک نہ ایک گروہ مستقل طور پر ایسا رہتا ہے جو امر بالمعروف اور نهی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتا رہتا ہے۔

الٰہی سنت کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہی سُنت ہے کہ جب لوگ بدی میں گرفتار ہو کر نیکی راہ سے دُور ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انکی دستگیری کرتے ہوئے ان کی ہدایت کے سامان پیدا کر دیتا ہے اس کا ذکر اس نے اپنی اس آیت میں کیا ہے افنضرب عنکم الذکر صفحاً ان کنتم قوماً مسرفین وکم ارسلنا من نبی فی الاولین وما یاتیهم من نبی الا کانوا به یستهزؤن کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم جب بد اعمالیوں میں حد سے گذر جاؤ تو ہم تمہاری ہدایت کے سامان پیدا نہ کریں یعنی ان سے اعراض کر لیں ہم تو ہمیشہ ہی ایسے اوقات میں نبی مبعوث فرماتے رہے ہیں جن کے بعد ان کے خلفاء ان کے مشن کو چلاتے رہے ہیں اسی طرح ہم نے تم میں نبی مبعوث کر دیا ہے جس سے تم حسب عادت سابقین تمسخر سے پیش آ رہے ہو اس کا نتیجہ وہی ہوگا جس کا ظہور پہلی قوموں میں ہوتا رہا یعنی ہلاکت اور تباہی اور آخر وہی ہو کر رہی ان کی یہ تباہی ہی ان کو آخر صداقت کی طرف کھینچ کر لائی پس سورۃ یٰس کی آیت کا مطلب یہی ہے کہ دُنیا کی تمام قوموں کو ان کے بد اعمال کے نتائج کے ڈرانے کا سلسلہ چونکہ بند تھا اس لئے اب آپ کو اے رسول تمہیں بھیجا جاتا ہے تا آپ اس فریضہ کو سرانجام دیں یعنی انذار کریں۔

حضرت مسیح موعودؑ کے انذار کا مفہوم ہمارے محترم بھائی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ کا بھی الہام ہے: لتنذر قوماً ما انذر اٰباؤهم فهم غافلون بے شک یہ حضور کا الہام ہے لیکن اس کی تشریح میں حضورؑ کا یہ بھی الہام ہے انّا سننذر العالم کلّه یعنے ہمارا اس مامور کے ذریعہ انذار سارے عالم پر محیط ہوگا۔

حضرت اقدسؑ بھی چونکہ ساری دنیا کے لئے مجدّد تھے اور حضرت نبی کریم صلعم کے خلیفہ برحق ہونے کی حیثیت سے سنت اللہ کے ماتحت ساری دنیا کو تنبیہ کرنے کے لئے مامور کئے گئے تھے اس لئے حضور کا بھی یہی فریضہ تھا کہ ساری قوموں کو انذار کریں جو آپ نے کر دیا اسی لئے خدا نے فرمایا کہ ہم سارے عالم کو اس مامور کے ذریعہ انذار کریں گے۔

بعثت کے وقت مسلمانوں کی حالت آپ کی بعثت کا وقت بھی حدیث میں وہی بتلایا گیا ہے جب مسلمانوں میں کمزوری عقائد اور اعمال دونوں کے لحاظ سے انتہا کو پہنچ جائے گی۔ حدیث، کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم وامامکم منکم میں الفاظ کیف انتم اسی پر دلالت کر رہے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حضورؑ سے قبل جس قدر مجدّد اور اولیاء ہوئے ہیں انہوں نے کہاں ان غلط عقائد سے مسلمانوں کو آزاد کرایا جن میں وہ مبتلا تھے وفات مسیح کے مسئلہ کو ہی لے لو کیا کسی مجدّد نے مسلمانوں کو اس سے نجات دلائی حالانکہ یہ مسئلہ مسلمانوں کو عیسائیوں کی گود میں لے جانے کا موجب بنا اسی طرح دیگر عقائد جو مسلمانوں کی عملی زندگی میں بگاڑ پیدا کرنے کا ذریعہ بنے ان پر کہاں کسی نے روشنی ڈالی حضور کے آنے سے قبل مسلمانوں کی عملی حالت دگرگوں ہوئی ہوئی تھی گویا ان کو انذار کیا ہی نہ گیا تھا یا انہوں نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا تھا۔ حضرت مسیح موعود نے آ کر ہی انذار کر کے ایک پاک جماعت عاشق قرآن عاشق رسول عاشق اسلام پیدا کر دی جو آج تک اس فریضہ کو سرانجام دے رہی ہے جس کے لئے حضور مبعوث ہوئے تھے۔ امید ہے ہمارے بھائی کے سوال کا جواب ان کے لئے تسلی کا موجب ہوگا اگر آپ چاہیں گے تو مسلمانوں کی عملی حالت پر مفصل روشنی بھی ڈالی جائے گی۔ والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ۔

اعلانِ لاتعلّقی

میرے متعلق عام تاثر یہ پایا گیا ہے کہ مَیں اب بھی حقیقت پسند پارٹی کا ممبر ہُوں۔ مَیں اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے احباب کو مطلع کرتا ہوں کہ میرا اب اس نام کی کسی پارٹی سے تعلّق نہیں ہے۔ محمد صالح نور — لاہور

مؤرخہ ۲۲؍جولائی ۱۹۷۵ء

(حضرت خواجہ کمال الدین علیہ الرحمۃ)

خدا تعالیٰ کی ذات ہمارے واسطے بہترین نمونہ ہے

آنحضرت صلعم نے اسی پر (بہترین معلمِ دین) اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ آپ نے وہ سانچہ بھی مہیا کر دیا جس میں ہمیں اپنے جذبات وغیرہ کو ڈال کر درست کرنا ہے یعنی آپ نے وہ نصب العین بھی ہمارے سامنے رکھ دیا۔ جس تک ہمیں اپنے طبیعی جذبات کو پہنچانا چاہیئے۔ سنا کرتے تھے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔ لیکن یہ بات انسانوں کے لئے معمہ سے کم نہ تھی۔ آپ نے اپنے متبعین کو یہ حکم دیکر کہ اپنے آپ کو صفاتِ الٰہیہ سے متصف کرو۔ اور اپنے میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق پیدا کرو۔ اس معمہ کو حل فرما دیا۔ گویا انسان کی حیاتِ ارضی کا مقصد، ان لفظوں میں بیان کر دیا۔ روحانی طور پر ہم لوگ خدا کی صورت پر بنائے گئے ہیں۔ اور ہمیں اس کا رنگ بھی اختیار کرنا ہے لہذا ضروری ہے کہ ہم کو اس کا عرفان بھی حسب استطاعت انسانی، حاصل ہو جائے۔ یہ دعوےٰ کہ کوئی انسان خدا کو جان سکتا ہے یا یہ کہ خدا ہمارے احاطۂ شعور میں آنے کے قابل ہے غلط ہے۔ ہم خدا کے متعلق بہت ہی کم شعور رکھتے ہیں۔ اور اسی قلت معلومات کی وجہ ہی سے اس قدر مذاہب مختلفہ دنیا میں پائے جاتے ہیں، جو سب کے سب خدا کے متعلق باہم دگر اختلاف رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ خدا کے متعلق اقل معلومات سے کام نہیں چل سکتا۔ اگر ہم اس کے رنگ میں رنگین ہونا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ یا تھوڑی بہت معلومات بھی ہونی چاہئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں بھی تمام انبیاء میں ممتاز ہیں۔ کیونکہ خدا کے متعلق یعنی اس کی صفات کے متعلق جس قدر وضاحت آپ نے فرمائی۔ دنیا میں کسی شخص نے نہیں کی۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ خدا کو پورے طور پر کوئی شخص نہیں جان سکتا لیکن اس میں بعض خدائی صفات کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے۔ کہ ہم لوگ اپنے اندر وہ صفات پیدا کر سکیں۔ قرآن میں خدا کی ننانوے صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مگر خدا کی صفات یہیں ختم نہیں ہوتیں۔ اس کے صفات تو لاانتہا ہیں۔ لیکن یہ تعداد اس لئے معین کی گئی ہے کہ انسان کے لئے ان کا اتباع ممکن ہے۔ ہمارے لئے اپنے اندر ادراک الٰہیہ پیدا کرنا ضروری ہے۔ اور یہ ننانوے صفات اس ادراک کی شیئون مختلفہ ہیں۔ پس آنحضرت صلعم نے دنیا کے سامنے خدا کے وہ صفات پیش کئے جو امکانی طور پر انسانی دماغ میں آ سکتے ہیں۔ ان صفات بیان کردہ قرآن کی صداقت پر ساری کائنات گواہ ہے۔ یہ نقشہ اخلاق الٰہی ان پاکیزہ اور محبوب صفات پر مشتمل ہے جو انسانوں میں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔

غرضیکہ جو نقشہ صفات ربانی آنحضرت صلعم نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ وہ دیگر سابق تخیلات سے اپنی خوبی میں بڑھ چڑھ کر ہے۔ مثلاً محمد (روحی فداہ) کا خدا وہ اللہ ہے۔ جو ربّ ہے رحمان ہے رحیم ہے اور مالک یوم الدین ہے۔ یہ چار صفات قرآن مجید کی پہلی ہی سورت (فاتحہ) میں بیان ہوئی ہیں۔ اور باقیماندہ جمیع اوصافِ الٰہی مندرجہ قرآن ان صفات کی شاخیں ہیں۔ گویا سب صفات ان چار میں مضمر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا وہ ربّ ہے۔ جو چیزوں کو پیدا کرتا۔ اور ان میں مختلف استعدادیں رکھ دیتا ہے۔ اور ان کی پرورش اس طریقہ پر کرتا ہے کہ وہ اعتبار نشو و نما کے مختلف منازل طے کرکے درجۂ کمال کو پہنچ جائیں۔ اور یہ منازل خود اسی نے مقرر فرمائی ہیں، تاکہ اس کی ہر مخلوق ارتقاء پذیر ہو سکے۔ وہ رحمٰن ہے۔ جس نے محض اپنی مہربانی کی وجہ سے اپنے بندوں کے لئے وہ اشیاء مہیا فرما دی ہیں جن کی انہیں ہر دم ضرورت ہے۔ اور تمام برکات ان کو محض اس کی مہربانی سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان کا خدا پر کوئی داعیہ نہیں۔ کوئی حق نہیں۔ وہ رحیم ہے۔ جو اپنی مہربانی کی وجہ سے بندوں کو ان کے نیک اعمال پر ہزار گنا انعام دیتا ہے۔ اور وہ انعام زیادہ تر ہماری مخفی قوتوں کو بروئے کار لانے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس کے بندے اپنی نشو و نما میں غلط راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔ تو وہ انہیں سزا نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ نہ ججوں اور منصفوں یا قاضیوں کی طرح قانون کا پابند ہے۔ اور نہ وہ "کلیسیا" کا خدا ہے۔ وہ اپنے قوانین کا خود مالک ہے۔ اور اسی لئے مالک یوم الدین ہے۔ وہ اکثر و بیشتر اپنے بندوں کے قصوروں کو معاف کر دیا کرتا ہے۔ اور جب وہ دیکھتا ہے کہ اب صرف سزا ہی سے خاطی انسان کی اصلاح ہو سکتی ہے تو وہ سزا بھی دیتا ہے۔ لیکن اس کا منشاء اس سزا دہی سے بھی وہی اصلاح اور بہبودِ مخلوقات ہوتا ہے۔ اس لئے اسے مالک یوم الدین کہا گیا ہے۔

ان چاروں صفاتِ حسنہ پر غور کیجئے۔ اور آپ دیکھیں گے کہ کائنات کا ہر ذرّہ اپنی تخلیق، نشو و نما، ترقی اور پرورش کی بناء پر ان صفات پر شہادت دے رہا ہے۔ کاش ہم ان چاروں صفات میں اپنے خدا کی اتباع کریں! اگر ایسا ہو تو اس کی مرضی جیسی کہ آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی پوری ہونے لگے۔ اس کے طریقے تو سب کے لئے یکساں ہیں۔ اس کی عنایات ہر شخص کے لئے عام ہیں۔ اگر دنیاوی بادشاہ، ربّ، رحمٰن، رحیم اور مالک یوم الدین کے طریق پر حکومت کرنے لگیں تو وہ بادشاہت جس کی آرزو تمام عمر یسوع کو رہی آج اس دنیا میں قائم ہو جائے جس طرح آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ہو گئی تھی۔

ہمارے اخلاقِ حسنہ دراصل صفاتِ الٰہیہ کا عکس ہیں

ان قضایا کی رُو سے دنیا کو پہلے پہل اس بات کا علم ہوا تھا کہ ایمان باللہ کے معنے دراصل ان صفات پر ایمان لانے کے ہیں۔ جو اس (ربّ) کے نام سے متعلق ہیں۔ اور ہمارے اخلاق فاضلہ انہیں صفات کے آثار و اظلال ہیں۔ یہ وہ صداقت ہے جو حال ہی میں مغربی دنیا کو معلوم ہوئی ہے۔ اسلامی عبادت دراصل اپنے مزاج اور طبیعت کو الٰہی صفات کے سانچوں میں ڈھالنے کا نام ہے۔ اسی لئے خدا کی کتاب میں از سر تا پا شروع سے آخر تک خدا ہی کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اور باقیماندہ بیانات اسی مقصد عالیہ کی تائید میں مندرج ہوتے ہیں۔ اسی زاویہ نگاہ سے ہم قرآن کے مطالب کو سات امور پر تقسیم کر سکتے ہیں۔ جن میں

اوّل: اللہ بمنزلۂ مرکز قرار دیا جا سکتا ہے۔

دوم: تذکرۂ صفات باری، یا ان حالات کا تذکرہ جن کے ماتحت وہ اپنی صفات کا اظہار کرتا ہے۔

سوم: کائنات کے شیئون مختلفہ اور الٰہی صفاتِ مختلفہ کا مذہب ہیں۔

چہارم: مذکورہ بالا صفات سے انسانی اعمال کی مطابقت، جس کا نام عبادت، نیکی، حسنات، اتقا یا پاکیزگی یا نامطابقت یا اختلاف جس کا نام بدی برائی یا گناہ ہے۔

پنجم: اس قانون کی تشریح جس پر کاربند ہونے سے ہم لوگ ان صفاتِ الٰہیہ سے مطابقت حاصل کر سکتے ہیں اور اغلاط سے بچنے کے طریق پہچان سکتے ہیں۔

ششم: ان اشخاص کا تذکرہ جنہوں نے صفاتِ الٰہیہ کو اعلیٰ طریق پر اپنے اندر جذب کرکے اپنی زندگی کو الٰہی صفات کے مطابق بنا لیا۔ یا ان کا جنہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اوّل الذکر لوگ انبیاء، شہداء، صدیق اور صلحاء کہلاتے ہیں ان کے مخالف شیاطین یا اخوانِ شیاطین یعنے گنہگار یا فاسق و فاجر۔

ہفتم: تذکرہ حیات بعد الممات، اور یہ تذکرہ بھی اصول مذکورہ کی تشریح و اظہار ہی کی خاطر کیا گیا۔

اب میں اپنی ایک سابقہ تصنیف "اسکالرز صداقت اسلام" سے اقتباس پیش کرکے اس حصۂ تعلیم قرآن کو ختم کرتا ہوں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو الٰہی صفات سے متصف کر لیا ہے۔ وہ اس خوشگوار مقام میں رہیں گے جسے "بہشت" کہتے ہیں۔ اور جن لوگوں میں کمی رہ گئی ہوگی۔ انہیں کچھ عرصہ تک اصلاح کے

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۱)

منافقین اور ان کا انجام

منافق اور عبداللہ بن ابیّ

ان نعف عن طائفۃ منکم نعذب طائفۃ بانھم کانوا مجرمین
(سورۃ التوبہ۔ ۶۶)

اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کریں گے تو ایک گروہ کو عذاب دیں گے اس لئے کہ وہ مجرم ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے مدینہ کو ہجرت کی تو کسی قدر آزادی کے ساتھ دو چند مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ قریش دشمنی پہلے تو مسلمانوں کو دکھ دینے تک محدود تھی اب وہ ان کو نیست و نابود کرنے پر تُل گئے۔ قبائل عرب اب تک اسلام کے خطرناک مشکلات میں ہونے کی وجہ خاموش تھے۔ اسلام کی ترقی نے اب انہیں بھی اُٹھا دیا۔ یہودی دُور بیٹھے خاموش تھے۔ اب گھر میں اسلام کی ترقی نے ان کے حسد کی آگ کو بھڑکا دیا۔ عیسائی اسلام کی کامیابیوں کو دیکھ اب مخالفت کرنے لگے۔ مگر ایک نرالے رنگ کی دشمنی ان لوگوں کی طرف سے شروع ہوئی جو اصطلاح اسلام میں منافق کہلاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس قدر جرأت نہ رکھتے تھے کہ اسلام کا کھلے طور پر مقابلہ کریں انہوں نے ظاہر میں تو اسلام قبول کر لیا مگر اندرونی طور پر کفر پر قائم رہے۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اس رنگ میں انہوں نے اسلام کو سخت نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ ان کا سردار ایک شخص عبداللہ بن ابیّ تھا۔ نبی کریم صلعم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے عبداللہ بن اُبیّ کا رسوخ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ لوگ اسے اپنا بادشاہ بنانے کو تیار تھے۔ مگر آنحضرت صلعم کی ہجرت کے ساتھ ہی یہ نقشہ پلٹ گیا اور عبداللہ بن ابیّ بالکل ایک معمولی انسان کی حیثیت میں رہ گیا۔ شروع میں اس نے کسی قدر مخالفت بھی کی مگر یہ دیکھ کر کہ اسلام ترقی پکڑتا جاتا ہے اس نے بھی بظاہر اسلام قبول کر لیا۔ اور اس وقت سے لے کر سنہ ۹ ہجری یعنی اپنی وفات تک ہر ایک ممکن کوشش اسلام کو نقصان پہنچانے کی کرتا رہا۔ بیرونی دشمن سے تو احتیاط کر لی جاتی ہے۔ مگر اس قسم کے اندرونی دشمن نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔ گویا یہ مذہبی ففتھ کالم ہیں جو ہر وقت تباہی کی فکر میں لگے رہتے ہیں اندر ہونے کی وجہ سے حالات سے بھی واقف ہوتے ہیں اور بیرونی دشمنوں سے بھی ساز باز رکھتے ہیں۔ خدا تعالے نے ابتداء میں ہر قسم کے دشمنوں کو جو امکانی طور پر ہو سکتے ہیں اسلام کی مخالفت کا موقعہ دے کر یہ دکھا دیا کہ جس پودہ کو وہ سرسبز کرنا چاہتا ہے اسے کوئی برباد نہیں کر سکتا۔

عبداللہ بن اُبیّ کی عداوت نے اُحُد کے موقعہ پر زیادہ نمایاں رنگ اختیار کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ قریش تین ہزار نوجوانوں کے ساتھ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے آئے ہیں تو اس نے اپنے تین سو آدمی الگ کر لئے اور مدینہ واپس چلا آیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح مسلمان اور بھی کمزور ہو جائیں گے اور کافر ان کا فیصلہ کر دیں گے۔ بنی نضیر نے جب شرارت کی تو اس وقت عبداللہ بن ابیّ نے ان کو مدد دینے کا وعدہ کیا تھا گو اس کا ایفا نہیں کیا۔ غزوۂ احزاب میں جب چوبیس ہزار دشمن مدینہ کو گھیرے پڑے تھے اور مسلمان نہایت خطرہ کی حالت میں تھے ذیہ لوگ یہ کہکر اپنے گھروں کو چلے گئے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ غنیم ان پر حملہ کر دے۔ یہ محض جھوٹا بہانہ تھا۔ بنی مصطلق کی مہم میں عبداللہ نے پھر علانیہ دشمنی کا اظہار کیا۔ اور انصار اور مہاجرین میں فساد ڈالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اسی مہم سے واپسی پر جو حضرت عائشہ صدیقہ پر افک باندھا گیا۔ اس کا اصل مرتکب یہی عبداللہ اور اس کا گروہ تھا اور بعض مسلمان بھی ان کی باتوں میں آ گئے۔ اگر کہیں کوئی شورش ہوتی تو یہ لوگ منتظر رہتے کہ مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ ہر وقت اس بات کے لئے تیار رہتے کہ باہر سے کوئی دشمن ذرا بھی کامیابی حاصل کرے تو اندر سے یہ کھڑے ہو جائیں۔ غزوۂ تبوک میں یہ عذر کر کے رُک گئے کہ گرمی بڑی سخت ہے اور اصل منشاء ان کا یہ تھا کہ مسلمان سب چلے جائیں گے تو پیچھے شرارت کا موقعہ ملے گا۔ مگر ان کی تمامتر کوششیں بالکل ناکام ہوئیں۔ علاوہ بریں یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ استہزا کرتے۔ اور اسلام کے خلاف خفیہ منصوبے بھی کرتے رہتے جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ نبی کریم صلعم ایک ہی انسان ہیں جنہوں نے اس فقرہ پر عمل کر کے دکھایا ہے کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو۔ اس قسم کے خطرناک دشمنوں کے ساتھ بھی نہایت نرمی کا سلوک کرتے رہے اور ہمیشہ معافی اور درگذر سے کام لیتے رہے اور کبھی ان کی شرارتوں پر سزا نہیں دی۔ جب عبداللہ بن ابیّ نے مہاجرین اور انصار میں پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ کیوں ایسے شریر کو مروا نہ دیا جائے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ لوگ کہیں کہ محمد صلعم اپنے صحابہ کو مرواتے تھے البتہ جب منافقوں نے ابو عامر کی سازش سے مدینہ میں ایک مسجد بنائی۔ جہاں ان کا منشاء جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بازیاں کرنا تھا تو خدا کے حکم سے آپ نے اس مسجد کو جلوا دیا۔ یہ مسجد آپ کی تبوک کو روانگی سے پہلے بنائی گئی تھی۔ اور آپ سے درخواست کی گئی کہ آپ خود پہلے چل کر اس میں ایک نماز پڑھاویں۔ آپ نے فرمایا تبوک سے واپسی کے بعد دیکھا جائے گا۔ اس اثناء میں وحی الٰہی سے آپ کو علم ہو گیا کہ یہ مسجد نہیں بلکہ محض اسلام کو تباہ کرنے کے لئے ایک منصوبہ بازی کی جگہ بنائی گئی ہے۔ اس لئے آپ نے تبوک سے واپس ہونے ہی اس کو جلا دینے کا حکم دیا۔

غزوۂ تبوک سے واپسی کے کوئی دو ماہ بعد عبداللہ بن ابیّ فوت ہو گیا۔ مسلمان اس کو راس رئیس منافقین جانتے اور کہتے تھے اور اس کے اندرونی طور پر خطرناک دشمن اسلام ہونے میں کسی کو شک وشبہ نہ تھا۔ مگر بظاہر وہ کلمۂ شہادت کا مقر تھا۔ اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا۔ اس کا بیٹا (ان کا نام بھی عبداللہ تھا اور وہ سچے دل سے مسلمان تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کی طرف سے دو درخواستیں پیش کیں اوّل یہ کہ آپ اپنا کُرتہ دیں جس میں اس کو کفن پہنایا جائے اور دوسرے یہ کہ آپ خود اس کے جنازہ کی نماز پڑھیں۔ ایسا دشمن تھا اور سلوک وہ چاہتا ہے جو سب دوستوں کو بھی میسر نہیں آتا۔ مگر چونکہ ظاہر میں مسلمان تھا اس لئے آنحضرت صلعم نے دونوں درخواستوں کو منظور کیا۔ اور اپنا کرتہ دے دیا۔ جب آپ جنازہ کے لئے چلنے کو تیار ہوئے تو حضرت عمرؓ نے آپ کا دامن پکڑ لیا کہ ایک دشمنِ اسلام کا جنازہ آپ پڑھنے جاتے ہیں مگر رحمۃ للعالمین کا قلب تو دشمن کے لئے بھی محبت سے بھرا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں ہم جنازہ پڑھیں گے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر تم ستّر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کرو تو اللہ ان کو معاف نہیں کرے گا۔[1] آپ نے فرمایا میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ اہل مکہ سے وہ سلوک۔ سب سے بڑے اندرونی دشمن سے یہ سلوک۔ **کیا یہ وسعت قلب دُنیا کے کسی** اور انسان میں نظر آتی ہے؟ دنیا میں ایک ہی انسان ہے جو واقعات کی بناء میں رحمۃ للعالمین کہلانے کا مستحق ہے۔ اس کے دل میں دوستوں کے لئے ہی رحم نہیں بلکہ دشمنوں کے لئے بھی رحم بھرا ہوا ہے۔

عبداللہ بن ابیّ کی وفات کے ساتھ منافقین کا زور ٹوٹ گیا۔ اسلام کی حقانیت کے جس قدر پہلو روز بروز زیادہ واضح ہوتے جاتے تھے۔ اسی قدر منافقین کے دل میں بھی اسلام کی محبت پیدا ہوتی چلی جاتی تھی۔ اب تک انہوں نے اندرونی طور پر ہر ایک قسم کی کوشش کر کے دیکھ لیا۔ تا کہ وہ اسلام کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔ اس لئے اب جو ان کا سردار ناکام فوت ہوا تو ان کے دل بول اُٹھے کہ اسلام حق ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ ہاں **چند ایک شقی القلب باقی رہ گئے جن کو آخر کار اللہ تعالےٰ کے حکم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے لے کر**

(باقی بر صـ۱۲ کالم ۲)

[1] ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم (التوبہ۔ ۸۰)

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۴ شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ - ۱۳ اگست ۱۹۷۵ء | نمبر ۳۳

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی صفات کا پتہ انبیاء و مامورین سے ہی ملتا ہے۔

خدا کے وجود کا پتہ دینے والے اور اس کے وحدہٗ لاشریک ہونے کا علم لوگوں کو سکھانے والے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں اور اگر یہ مقدس لوگ دنیا میں نہ آتے تو صراطِ مستقیم کا یقینی طور پر پانا ایک ممتنع اور محال امر تھا۔ اگرچہ زمین و آسمان پر غور کرکے اور ان کی ترتیب ابلغ اور محکم پر نظر ڈال کر ایک صحیح الفطرت اور صحیح العقل انسان دریافت کر سکتا ہے کہ اس کارخانۂ پُر حکمت کا بنانے والا کوئی ضرور ہونا چاہیئے۔ لیکن اس فقرہ میں کہ ضرور ہونا چاہیئے، اور اس فقرہ میں کہ واقعی وہ موجود ہے بہت فرق ہے واقعی طور پر اطلاع دینے والے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں۔ جنہوں نے ہزارہا نشانوں اور معجزات سے دنیا پر ثابت کر دکھایا کہ وہ ذات جو مخفی در مخفی اور تمام طاقتوں کی جامع ہے درحقیقت موجود ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس قدر عقل بھی کہ نظامِ عالم کو دیکھ کر صانعِ حقیقی کی ضرورت محسوس ہو یہ مرتبہ عقل بھی نبوت کی شعاعوں سے ہی مستفیض ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام کا وجود نہ ہوتا تو اس قدر عقل بھی کسی کو حاصل نہ ہوتی۔ - اس کی مثال یہ ہے کہ اگرچہ زمین کے نیچے پانی بھی ہے مگر اس پانی کا بقاء اور وجود آسمانی پانی سے وابستہ ہے۔ جب کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ آسمان سے پانی نہیں برستا تو زمینی پانی بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ اور جب آسمان سے پانی برستا ہے تو زمین میں بھی پانی جوش مارتا ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے آنے سے عقلیں تیز ہو جاتی ہیں اور عقل جو زمینی پانی ہے اپنی حالت میں ترقی کرتی ہے اور پھر جب ایک مدت دراز اس بات پر گذرتی ہے کہ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوتا تو عقلوں کا زمینی پانی گندہ اور کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور دنیا میں بت پرستی اور شرک اور ہر ایک قسم کی بدی پھیل جاتی ہے۔ پس جس طرح آنکھ میں ایک روشنی ہے اور وہ باوجود اس روشنی کے پھر بھی آفتاب کی محتاج ہے۔ اسی طرح دنیا کی عقلیں جو آنکھ سے مشابہ ہیں ہمیشہ آفتاب نبوت کی محتاج رہتی ہیں۔ اور جب کبھی کہ وہ آفتاب پوشیدہ ہو جائے ان میں فی الفور کدورت اور تاریکی پیدا ہو جاتی ہے کیا تم صرف آنکھ سے کچھ دیکھ سکتے ہو؟ ہرگز نہیں اسی طرح تم بغیر نبوت کی روشنی کے بھی کچھ نہیں دیکھ سکتے۔

پس چونکہ قدیم سے کہ دنیا پیدا ہوئی ہے خدا کا شناخت کرنا نبی کے شناخت کرنے سے وابستہ ہے اس لئے یہ خود غیر ممکن اور محال ہے کہ بجز ذریعہ نبی کے توحید مل سکے۔ نبی خدا کی صورت دیکھنے کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس آئینہ کے ذریعہ خدا کا چہرہ نظر آتا ہے۔ جب خدا تعالےٰ اپنے تئیں دنیا پر ظاہر کرنا چاہتا ہے تو نبی کو جو اس کی قدرتوں کا مظہر ہے دنیا میں بھیجتا ہے اور اپنی وحی اس پر نازل کرتا ہے اور اپنی ربوبیت کی طاقتیں اس کے ذریعہ سے دکھلاتا ہے تب دنیا کو پتہ لگتا ہے کہ خدا موجود ہے پس جن لوگوں کا وجود ضروری طور پر خدا کے قدیم قانون ازلی کی رُو سے خدا شناسی کے لئے ذریعہ مقرر ہو چکا ہے ان پر ایمان لانا توحید کی ایک جزو ہے اور بجز اس ایمان کے توحید کامل نہیں ہو سکتی کیونکہ ممکن نہیں کہ

بغیر ان آسمانی نشانوں اور قدرت نما عجائبات کے جو نبی دکھلاتے ہیں اور معرفت پہنچاتے ہیں وہ خالص توحید جو چشمۂ یقینِ کامل سے پیدا ہوتی ہے میسر آ سکے

وہی ایک قوم ہے جو خدا نما ہے جن کے ذریعہ سے وہ خدا جس کا وجود دقیق در دقیق اور مخفی در مخفی اور غیب الغیب ہے ظاہر ہوتا ہے اور ہمیشہ سے وہ کنزِ مخفی جس کا نام خدا ہے۔ نبیوں کے ذریعہ سے ہی شناخت کیا گیا ہے ورنہ وہ توحید جو خدا کے نزدیک توحید کہلاتی ہے جس پر

عملی رنگ کامل طور پر چڑھا ہوا ہوتا ہے

اس کا حاصل ہونا بغیر ذریعہ نبی کے جیسا کہ خلاف عقل ہے ویسا ہی خلاف تجارب سالکین ہے۔

(حقیقۃ الوحی)

مکرم مولوی محمد علی صاحب ملتان

مقام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

(۳)

(۱) آں شہِ عالم کہ نامش مصطفیٰ — سیدِ عشاقِ حق شمس الضحیٰ
(۲) آں کہ بہرِ زندگی آبِ رواں — در معارف ہمچو بحرِ بیکراں
(۳) آنکہ بر صدق و کمالش در جہاں — صد دلیل و حجت روشن عیاں
(۴) آنکہ مہرش مے رساند تا سماں — میکند چوں ماہِ تاباں در جہاں (درثمین)

ترجمہ:

(۱) وہ تمام جہان کا بادشاہ کہ جس کا نام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو عشاقِ حق کا سردار اور شمس الضحیٰ ہے۔
(۲) آپ کا وجود زندگی کے لئے آبِ رواں کے طور پر ہے اور حقائق و معارف میں وہ ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔
(۳) آپؐ کی صداقت اور کمال پر دنیا میں سینکڑوں دلیلیں اور روشن براہین ظاہر ہیں۔
(۴) آپؐ کی محبت آسمان تک پہنچا دیتی ہے اور صدق و صفا میں ماہِ تاباں کی مانند بنا دیتی ہے۔

آنحضرتؐ کی صداقت پر بعض دلائل

قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں صرف دعوے ہی نہیں کیا بلکہ اس دعوے کو نہایت مضبوط اور قوی دلیلوں کے ساتھ ثابت بھی کر دیا ہے اور ہم انشاء اللہ سلسلہ وار ان تمام دلائل کو لکھیں گے۔ اور منجانب اللہ رسول کے ماننے کے لئے اس بات کو نہایت بزرگ دلیل ٹھہراتی ہے کہ ان کا ظہور ایک ایسے وقت میں ہو جبکہ زمانہ تاریکی میں پڑا ہوا ہو اور لوگوں نے توحید کی جگہ شرک اور پاکیزگی کی جگہ فسق اور انصاف کی جگہ ظلم اور علم کی جگہ جہل اختیار کر لیا ہو اور ایک مصلح کی اشد حاجت ہو اور پھر ایسے وقت میں وہ رسول دنیا سے رخصت ہو جبکہ وہ اصلاح کا کام عمدہ طور سے کر چکا ہو اور جب تک اس نے اصلاح نہ کی ہو۔ دشمنوں سے محفوظ رکھا گیا ہو۔ غرضیکہ وہ ایسے وقت میں ظاہر ہو جبکہ وہ وقت بزبانِ حال پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ ایک آسمانی مصلح اور کتاب کا آنا ضروری ہے اور پھر ایسے وقت میں الہامی پیشگوئی کے ذریعہ سے واپس بلایا جاوے کہ جب اصلاح کے پودہ کو مستحکم کر چکا ہو اور ایک عظیم الشان انقلاب ظہور میں آ چکا ہو۔

اب ہم اس بات کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ یہ دلیل جس طرح قرآن اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہایت روشن چہرہ کے ساتھ جلوہ نما ہوئی ہے کسی اور نبی اور کتاب کے حق میں ہرگز ظاہر نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعوے تھا کہ میں تمام قوموں کے لئے آیا ہوں۔ سو قرآن شریف نے تمام قوموں کو ملزم کیا ہے کہ وہ طرح طرح کے شرک اور فسق و فجور میں مبتلا ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے ظھر الفساد فی البر والبحر یعنے دریا بھی بگڑ گئے اور جنگل بھی بگڑ گئے۔ اور پھر فرماتا ہے لتکون للعالمین نذیراً۔ یعنے ہم نے تجھے بھیجا تاکہ تو دنیا کی تمام قوموں کو ڈراوے یعنی ان کو متنبہ کرے کہ وہ خدا تعالےٰ کے حضور میں اپنی بدکاریوں اور عقیدوں کی وجہ سے سخت گنہگار ٹھہرے ہیں۔

مگر جس دلیل کو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے کے بارہ میں بیان کرتے ہیں۔ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فسادِ عام کے وقت میں آنا اور کامل اصلاح کے بعد واپس چلے جانا اور ان دونوں پہلوؤں کا قرآن کا آپ پیش کرنا اور آپ دنیا کو اس کی طرف توجہ دلانا یہ ایک ایسا امر ہے کہ انجیل تو کیا بجز قرآن کسی پہلی کتاب میں بھی نہیں پایا جاتا۔ قرآن شریف نے آپ یہ دلائل پیش کئے ہیں اور آپ فرما دیا ہے کہ اس کی سچائی ان دو پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتی ہے یعنے ایک تو وہی جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایسے زمانہ میں ظہور فرمایا جبکہ زمانہ میں عام طور پر طرح طرح کی بدکاریاں بد اعتقادیاں پھیل گئی تھیں اور دنیا حق اور حقیقت اور توحید اور پاکیزگی سے بہت دور جا پڑی تھی اور قرآن کے اس قول کی اس وقت تصدیق ہوتی ہے جبکہ ہر یک قوم کی تاریخ اس زمانہ کے متعلق پڑھی جائے کیونکہ ہر یک قوم کے اقرار سے یہ عام شہادت پیدا ہوتی ہے کہ درحقیقت وہ ایسا پر ظلمت زمانہ تھا کہ ہر یک قوم مخلوق پرستی کی طرف جھک گئی تھی .....

دوسرا پہلو اس دلیل کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت دنیا سے اپنے مولیٰ کی طرف بلائے گئے جبکہ وہ اپنے کام کو پورے طور پر انجام دے چکے اور یہ امر قرآن شریف سے بخوبی ثابت ہے جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ یعنی آج میں نے قرآن کے اتارنے اور تکمیلِ نفوس سے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام پسند کر لیا۔ حاصل مطلب یہ کہ قرآن کریم جس قدر نازل ہونا تھا نازل ہو چکا اور مستعد دلوں میں نہایت عجیب اور حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کر چکا اور تربیت کو کمال تک پہنچا دیا اور اپنی نعمت کو ان پر پورا پورا کر دیا۔ اور یہی دو رکن ضروری ہیں جو ایک نبی کے آنے کی علت غائی ہوتے ہیں اب دیکھو یہ آیت کس زور شور سے بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز اس دنیا سے کوچ نہ کیا جب تک کہ دینِ اسلام کو تنزیلِ قرآن اور تکمیل نفوس سے کامل نہ کیا گیا۔ اور یہی ایک خاص علامت منجانب اللہ ہونے کی ہے جو کاذب کو ہرگز نہیں دی جاتی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی صادق نبی نے بھی اس اعلےٰ شان کے کمال کا نمونہ نہیں دکھلایا کہ ایک طرف کتاب اللہ بھی آرام اور امن کے ساتھ پوری ہو جائے اور دوسری طرف تکمیل نفوس بھی ہو اور پھر کفر کو ہر یک پہلو سے شکست اور اسلام کو ہر یک پہلو سے فتح ہو۔

(۱) محمدؐ است امام و چراغِ ہر دو جہاں — محمدؐ است فروزندۂ زمین و زماں
(۲) خدا نگویمش از ترسِ حق مگر بخدا — خدا نما است وجودش برائے عالمیاں

ترجمہ:

(۱) محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہانوں کے امام اور چراغ ہیں اور زمین و آسمان کو روشن کرنے والے ہیں۔
(۲) میں خدا تعالےٰ کے خوف کی وجہ سے آپؐ کو خدا تو نہیں کہتا۔ مگر خدا کی قسم آپؐ کا وجود اہلِ جہان کے لئے خدا نما ہے۔

(باقی — باقی)

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم اے ایل ایل بی۔ پی ایچ ڈی۔ لاہور

"تحریکِ احمدیت کی ان زبردست کوششوں کا نتیجہ ہے کہ وہ مسلمان جو اٹھارویں صدی میں اپنی موت پر دستخط کئے ہوئے بیٹھے تھے خدا کے فضل سے اپنے اندر زندگی کی ایک برقی لہر محسوس کرتے ہوئے اعلان عام کر رہے ہیں کہ یہ بیسویں صدی ہر جگہ مسلمانوں کے لئے نشاۃِ ثانیہ کے لئے بیداری کا آغاز ہے۔" (رسالہ استقلال لاہور منا)

یہ دنیا امتحان گاہ ہے

اس لئے ہمیں اپنے عمل سنوار سنوار کر ادا کرنے چاہئیں اور یہ بات تسلیم کر لینی چاہیئے کہ ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر برائی کا ریکارڈ رکھا جا رہا ہے۔ قیامت کے دن کسی کی رُو رعایت نہیں ہوگی۔ وہ گھڑی بڑی ہی مشکل ہوگی۔ اور کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا۔

از مکافاتِ عمل غافل مشو — گندم از گندم بروید جو ز جو

حضرت مسیح موعودؑ: صادق آں باشد کہ ایامِ بلا — مے گذارد با محبت با وفا
اندریں وقتِ مصیبت چارۂ ما بیکساں — جز دعائے بامداد و گریۂ اسحار نیست ۴۴

اپیل: جماعت کے جملہ تہجد خواں احباب سے گذارش ہے کہ وہ ان دنوں خصوصاً

سچی کتاب اور ایک سچے || ۴۱۵ ان دلوں کو خود بدل دے اے مرے قادر خدا — تو تو رب العالمین ہے اور سب کا شہریار — (مکرم چوہدری فضل داد صاحب کی ڈائری کا ایک ورق)

ہفت روزہ پیغام صلح —— لاہور —— مؤرخہ ۱۴ راگست ۱۹۸۵ء

خدائی تحریک کا فروغ بانیٔ سلسلہ کی شخصیت کی قبولیت میں مضمر ہے

اصولِ صداقت ازل سے ہی مقرر چلے آتے ہیں۔ جو لوگ کسی نئی تحریک سے وابستہ ہوں یا اس کے عروج کے خواہاں ہوں ان کے لئے سب سے اہم سوال یہ ہے کہ اس امر کا باعث کیا ہے کہ دنیا میں وہی اصولِ حقہ جن کی طرف عام طور پر مطلق التفات نہیں ہوتا کسی خاص وقت رائج و مقبول ہو جاتے ہیں اور لوگوں کی زندگیوں میں وہ اصول کام کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے انقلاب کہ اعلےٰ و ارفع مقاصد انسانی زندگیوں کا جزو بن جائیں کیونکر رونما ہوتے ہیں؟ بعض سطحی لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس قسم کے انقلاب کے لئے اُصولِ حقہ و مقاصد عظیمہ کی اپیل کافی ہوتی ہے۔ یعنی ان کے نزدیک عمدہ اصولوں کی بناء پر ایک تحریک قائم کی جا سکتی ہے جس کے لئے کسی خاص شخصیت کی ضرورت نہیں۔ صرف یہی امر عامۃ الناس کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے کہ انہیں توجہ دلائی جائے کہ فلاں فلاں اصول حقانیت و صداقت ہیں ان پر عمل پیرا ہو جاؤ کسی خاص ذات سے ان کی وابستگی ضروری نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں فطرتِ انسانی سے قطعی ناواقفی ہے اور اسی نفسیاتی امر کو نہ سمجھنے کے باعث وہ اس دھوکہ میں مبتلا رہے ہیں کہ لوگ اصولِ حقہ کے گرد جمع ہو کر انہیں اپنی زندگیوں کا جزو بنالیں گے۔ اور اس طرح کسی ایسی تحریک کا جو ان اُصولوں کی علمبردار ہے فروغ کا باعث ہوں گے۔

زندگی جذباتِ صادقہ کی تحریک کا نام ہے

اس قسم کے تمام نکتہ چین اصحاب یاد رکھیں کہ وہ تاریخ عالم سے ایک بھی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتے جہاں زندگیوں میں انقلاب صرف اصولوں کی اپیل کی بناء پر پیدا ہو گیا ہو جس کے عقب میں کسی عظیم الشان ہستی کی قوت نے کام نہ کیا ہو۔

اگر اصول حقہ کی اپیل ہی زندگیوں کے انقلاب کے لئے مکتفی ہو سکتی تو خدا تعالےٰ آسمان سے یکمرتبہ ایک لکھی ہوئی کتاب دنیا کی ہدایت کے لئے نازل کر دیتا۔ کچھ ضرورت نہ تھی کہ نبی اور رسول کو مبعوث کیا جائے جو ان اصولوں کی خاطر اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالے۔ لیکن ایک ادنےٰ تامل اس امر کے بطلان کو آشکارا کرنے کے لئے کافی ہے کہ انسانی فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ کوئی ہستی ان اُصولوں کا مظہر بن کر کھڑی ہو جن کا منوانا مقصود ہے۔ علاوہ اس کے کہ فطرت کا یہ تقاضا ہے۔ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ عام طور پر انسانی زندگی کی تحریک کی بناء علم و عقل پر نہیں ہوتی بلکہ اس کی بنیاد جذباتِ صادقہ پر ہے اور انسانی جذبات کسی صورت میں محض اصولوں کی حقانیت سے تحرک پذیر نہیں ہو سکتے بلکہ جذبات کی تحریک کے لئے کسی شخصیت کی ضرورت ہے بھلا بتلاؤ تو سہی کہ کب اور کہاں کوئی تحریک دنیا میں قائم ہوئی جس کے ذریعے کوئی انقلاب پیدا ہوا ہو اور اس میں کسی زبردست شخصیت کا ہاتھ پنہاں نہ ہو؟ دنیا کا تجربہ تو یہی بتلاتا ہے کہ کسی تحریک نے اسی سرعت سے انقلاب پیدا کیا اور وہ اسی تیزی سے غالب آئی جس نسبت سے کسی زبردست شخصیت نے اس کے پیچھے کام کیا۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ شخصیتوں کی عظمت و قوت کا اندازہ اس کامیابی سے کیا جاتا ہے جس سے وہ اپنی تحریک کو غالب کر دکھائیں؟ کیا اس میں ذرہ بھر کلام کی گنجائش ہے کہ جس کشش و جذب سے انسانی زندگی پر دوسری زندگی یا اس کا نمونہ یا اس زندگی کے واقعات کا مطالعہ اثر پذیر ہوتا ہے وہ انقلاب علوم کا ایک انبار پڑھ جانے اور دلائل و براہین کا ایک دریا بہا دینے سے میسر نہیں آ سکتا۔ زندگی ایک مشعل کی مانند ہے اور ایک مشعل کو دوسری مشعل سے روشن کر سکتی ہے۔ اس میں سوز و تڑپ اور درد و گداز کی چنگاری کسی دوسری آگ سے ہی لگنی ممکن ہے اس کے سوا نہیں۔

قرآنی تعلیم میں شخصیت کا مقام

قرآنی تعلیم جس طرح دیگر مسائل میں افراط و تفریط کی راہوں سے پاک ہے اسی طرح اس معاملہ میں بھی قرآن کریم نے نہایت اعتدال کا راستہ تجویز کیا ہے ایک طرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کا مقابلہ جہاں اصولِ حقہ سے کیا ہے وہاں فرمایا وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیه فلن یضر اللہ شیئاً۔ آنحضرت صلعم ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول ہو گذرے سو اگر اسی بشری قانون موت کے ماتحت آپ بھی فوت ہو جائیں یا مارے جاویں تو کیا اس سے اصول توحید باطل ہو جائے گا اور تم اس پر قائم نہ رہو گے؟ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد میں تمہاری مانند ایک بشر ہی ہوں۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ میری طرف یہ وحی نازل ہوئی کہ معبود صرف ایک ہی ذات ہے۔ لیکن جہاں اس امر کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اصولوں کا فروغ ممکن نہیں بجز اس کے کہ ان اصولوں کے کامل مظہر سے پیوستگی و اتحاد قائم کیا جائے وہاں اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے:۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ فلا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ یعنی اگر عملی زندگی میں محبت الٰہی کا اظہار چاہتے ہو تو پھر سوائے اس کے چارہ نہیں کہ میری اتباع و محبت میں غرق ہو جاؤ۔ یاد رکھو ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک یہ آپ کو حکم نہ مان لیں اور آپ کے فیصلہ کو بدل و جان قبول نہ کریں۔

اور خود حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب من ولدہ و والدہ والناس اجمعین۔ ایمان تب ہی کمال کو پہنچے گا جب میری محبت تمام محبتوں پر غالب آ جائے۔

اس امر کی تشریح میں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اصولِ توحید اور آنحضرت صلعم کی شخصیت سے محبت و عقیدت کو کس طرح بیک وقت جمع کر لیا تھا۔ صرف ایک مثال دی جاتی ہے۔ آنحضرت صلعم کی وفات پر جب باقی صحابہ دیوانوں کی مانند ہو گئے تو حضرت ابوبکر رضؓ نے توحید پرستی کا وہ نمونہ پیش کیا جس سے اسلام کا گویا دوبارہ احیاء ہوا۔ آپ نے وہی مشہور آیت وما محمد الا رسول تلاوت فرمائی اور فرمایا من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیّ لا یموت۔ گویا مطلب یہ ہے کہ رسول کے وفات پا جانے سے اصول حقہ کا بطلان لازم نہیں آتا۔ لیکن یہی حضرت ابوبکر رضؓ ہیں جن کی اطاعت و عقیدتِ رسول صلعم کی یہ حالت ہے کہ نہ صرف زندگی میں بلکہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد جب خود مدینہ میں ارتداد زوروں پر ہے اور لشکر کی ضرورت مدینہ میں ہے اسامہؓ کے لشکر کو شام کی مہم پر روانہ فرماتے ہیں اور وجہ صرف یہ دیتے ہیں کہ جس امر کو آنحضرت صلعم نے کیا میں اُسے کس طرح روک سکتا ہوں۔

نبی و مامور اور غیر مامور صاحب امر کے مقاموں میں فرق

اتباع و اطاعت کے اعتبار سے ایک نبی یا مامور کا مقام ایک خاص امتیاز رکھتا ہے چونکہ ایک نبی یا مامور اپنی نفسانیت سے بکلی کھویا جا کر خدا تعالےٰ کی راہ میں فنا ہوتا ہے نیز یہ کہ وہ خدا تعالےٰ سے وحی پاتا ہے اس لئے مقاصد عظیمہ میں غلطی نہیں کر سکتا اور اگر غلطی صادر ہو جائے تو اسے متنبہ کر دیا جاتا ہے اس طرح متابعت کے لحاظ سے جو مقام ایک مامور کو حاصل ہے وہ دوسرے صاحب امر اشخاص کو حاصل نہیں۔ کیونکہ اگر انہیں ذاتیت کا مقام حاصل ہو تو بھی اس کے متعلق ان کے پاس کوئی سند نہیں۔ اس لئے ان کی متابعت مشروط ہے اور وہ قوم کے سامنے اپنے افعال و کردار کے ذمہ دار ہیں۔ پھر نہ صرف وہ قومی ترقی کے ذمہ دار ہیں بلکہ قوم میں فرقانی

(باقی بر صفحہ ۹ کالم ۲)

مکرم جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب ایم ایس سی

زیڈ۔ اے۔ سلہری کے نام
(قسط نمبر ۱)

مکرمی سلہری صاحب ۔ آداب

مَیں نے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ" سے آپ کو مخاطب کرنا اس لئے مناسب نہیں جانا کہ کہیں "غیر مسلم" "اقلیت" کے ایک فرد کی طرف سے یہ الفاظ آپ کی طبع نازک پر گراں نہ گذریں اور اس سلسلہ میں آپ کی قلمی مساعی جمیلہ پر حرف نہ آئے ۔

مجھے یہ خوب معلوم ہے کہ آپ کے والدین جماعت قادیان سے تعلق رکھتے تھے ۔اور آپ کی تعلیم و تربیت بھی اثر پذیر عمر میں وہیں کے ماحول میں ہی ہوئی ۔ اس ماحول میں جس کی ستم رانیوں نے مولنا شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب جیسے جلیل القدر عالم کو جن کی حیثیت خلیفہ کے بعد دوسرے نمبر پر تصور کی جاتی تھی ۔ وہاں سے نجات حاصل کرنے پر مجبور کیا اور اس فضا میں جو آج بھی فخرالدین ملتانی کے بے گناہ خون کے چھینٹوں سے رنگین ہے اور جہاں اب بھی قادیان کے پاس مشہور تالاب میں نہ جانے کتنے ہی انسانی ڈھانچے تہ آب اپنی بے بسی۔ مجبوری اور مظلومیت کی دہائی دے رہے ہیں ۔ جہاں فکر و نظر اور ضمیر کی آزادیاں مطلق العنانیت کے گھناؤنے زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھیں ۔ یہ طوق و سلاسل اتنے بوجھل تھے ۔ کہ گردنیں اوپر اُٹھنے کی ہمت سے محروم تھیں ۔ جس نے جرأت کی منہ کی کھائی جس بستی پر ۱۹۱۴ء تک خدا کی رحمتوں کا نزول ہوتا رہا اور جو مخالفین کی نظر میں بھی "اسلامی زندگی کا ٹھیٹھ نمونہ" متصور ہوتی تھی اس کے شب و روز پہ نفرتوں کے سیاہ بادل چھا گئے ۔ بیگانے تو بیگانے تھے ہی اپنے بھی اپنوں سے کٹ گئے ۔

جور و ستم اور ظلم و استبداد میں ڈوبے ہوئے ایسے گرد و پیش سے آپ کی نفرت اور بغاوت بجا ۔ لیکن مجھے حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے مقالات میں جو وقتاً فوقتاً "نوائے وقت" میں "افکار و مسائل" کے زیر عنوان شائع ہوتے رہے ہیں اپنی تنقید کا ہدف صرف حضرت مرزا صاحب کی ذات کو بنایا ہے مگر جن کے لطف و کرم کی بدولت آپ جماعتِ قادیان سے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہوئے ان کے احسانات پر روشنی ڈالنے سے اپنا پہلو بچاتے رہے ہیں ۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ محمل سامری کی راکھ کے ذرات ابھی تک آپ کے مشامِ جاں کو معطر کئے ہوئے ہیں ۔ یا کوئی ایسا سربستہ راز ہے جس پر سے پردہ اُٹھانے سے آپ کا قلم جلتا ہے ۔

جماعت قادیان (حال ربوہ) کے ستائے ہوئے کتنے ہی احباب ایسے ہیں کہ جب ان کی آنکھوں پر سے تار عنکبوت کا بنا ہوا مہین پردہ چاک ہوا اور حقیقت منکشف ہوئی تو انہوں نے یا بہائیت کے دامن میں پناہ لی یا خدا کا دامن بھی جھٹک دینے کی حد تک بڑھ گئے ۔ آپ نے اگر ایسا نہیں کیا تو وہ راستہ ضرور اپنا لیا ہے جو عدل و انصاف کی راہ نہیں ۔ اگر صحافت کے کوئی اصول ہیں بھی تو وہ حرص و ہوا کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں ۔

آپ کے جو مقالات میری نظر سے گذرے ہیں ان کی تان ان نکات پر آکر ٹوٹتی ہے :۔

(۱) پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے

(۲)۔ اس کی اساس نظریہ اسلام پر ہے

(۳)۔ اس لئے اس کا اسلامی تشخص برقرار رکھا جائے اور یہاں اسلامی نظام حکومت کا نفاذ ہو ورنہ پاکستان باقی نہ رہے گا

(۴)۔ پاکستانی اس کے مخالف کوئی اور نظریہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں گے جیسا کہ انہوں نے اس ملک میں جھوٹی نبوت نہیں چلنے دی ۔ اور احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کے مطالبہ میں وہ یک زبان ہو گئے ۔

(۵) مرزا غلام احمد نے جہاد منسوخ (حرام) قرار دیا ۔ یہ انگریزوں کی قائم کردہ جماعت تھی جس کے ذریعے وہ مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ جہاد ختم کرانا چاہتے تھے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ واللہ المستعان علیٰ ما تصفون ۔

آپ کے مقالات اکثر و بیشتر سیاسی نوعیت کے ہوتے ہیں ۔ ہمارا مسلک سیاسی نہیں ۔ میں آپ کو کبھی مخاطب نہ کرتا اگر آپ اپنے مضامین میں اپنے مخصوص موضوع سے ہٹ کر اپنے قارئین سے محض داد حاصل کرنے اور یہ جتانے کے لئے کہ ایک محرم راز درون یہ لکھ رہا ہے حضرت مرزا صاحب کی طرف ایک اشارہ نہ کرتے اور ان پر وہ الزام لگانے کی کوشش نہ کرتے جن سے ان کا دامن قطعاً پاک ہے ۔ اور ان پہ بارہا بحث ہو چکی ہے ۔

آپ کے سیاسی فرمودات پہ اظہار رائے کرنے سے قبل میں جھوٹی نبوت کے نہ چلنے اور تنسیخ جہاد کے متعلق آپ کے ارشادات کو لیتا ہوں کیونکہ یہی میرا اولین مقصد ہے ۔

اس ملک میں جہاں تک جھوٹی نبوت کے نہ پنپنے کا سوال ہے وہ تو عین منشاء الٰہی ۔ آنحضرت کے ارشاد اور حضرت مرزا صاحب کے فرمودہ کے مطابق ہوا ۔ حضرت مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قرآن کریم سے ثابت کر کے کسی پرانے نبی کے آنے کا راستہ بھی مسدود کر دیا جس کے انتظار میں آپ اور آپ کے ممدوحین آج تک آسمان کی طرف نظریں لگائے بیٹھے ہیں ۔ اور خود یہ فرما کر کہ :۔

ع ہست او خیرالرسل خیرالانام — ہر نبوت را بروشد اختتام

کسی نئے نبی کے آنے کا امکان ختم کر دیا ۔ یوں ختم نبوت کا حقیقی معنوں میں تحفظ فرما دیا اور مشہور حدیثِ مجدد کے تحت اس صدی کا مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ساتھ ہی محدث ۔ مہدی اور مسیح موعودؑ ہونے کا ۔ اس شعر میں دوسرا مصرع قابلِ غور ہے ۔ "ہر نبوت را بروشد اختتام"

اس میں "غیر مشروط" طور پر آنحضرت صلعم کو "خاتم النبیین" ٹھہرایا ہے ۔ اور یہی الفاظ دستور کی ترمیم میں درج ہیں ۔ یہ بات صاحب فراست لوگوں پر عیاں ہو جانی چاہیئے کہ ان الفاظ کا آپ کی زبان سے ادا ہونا اللہ تعالیٰ سے آپ کے تعلق پر ایک ناقابلِ تردید شہادت ہے ۔ کیونکہ وہ علیم و خبیر اور سمیع و بصیر ہے ۔ وہ جانتا تھا کہ ایک زمانہ میں "غیر مشروط" کا لفظ استعمال ہوگا ۔ اس لئے اس نے اپنے بندے کو اس الزام سے پاک کرنے کے لئے اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا کرائے ۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی کتابوں میں ظلی ۔ بروزی ۔ امتی ۔ مجازی ۔ غیر تشریعی نبی کے الفاظ کہیں کہیں استعمال ہوئے ہیں لیکن ان کی آپ نے مفصل تشریح کر دی ہے کہ اس پر بحث کی ضرورت ہی نہیں ۔ آپ سے بڑھ کر استعارہ اور مجاز کے معنی اور دعوےٰ اور تشریح میں فرق کون جان سکتا ہے ۔ آپ اس سے بھی بخوبی آگاہ ہیں کہ ایسے الفاظ کے استعمال اور ان کی تشریح کی ضرورت کیوں پیش آئی احادیث میں مسیح علیہ السلام کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی ہے ۔ اس آنے والے مسیح کے لئے لفظ "نبی" استعمال ہوا ہے ۔ قرآن کریم کی رُو سے اصل مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اس لئے آنے والا اسی اُمت کا کوئی فرد ہونا چاہیئے ۔ لیکن نبوت ختم ہو چکی ہے ۔ اس لئے یہ آنحضرت کے بعد "نبی" نہیں ہو سکتا ۔ یا حدیث موضوع ہے اور اگر یہ موضوع نہیں تو اس میں لفظ "نبی" سے مراد کچھ اور ہونی چاہیئے ۔ حضرت مرزا صاحب نے اس حدیث کو آنحضرتؐ کی زبان مبارک و مقدس سے بیان کردہ تصور کرتے ہوئے اس لفظ کی ایسی تشریح کر دی کہ حدیث کی عظمت بھی قائم رہے ۔ اور مہر ختم نبوت بھی نہ ٹوٹے ۔ ورنہ وہ یہ ہرگز نہ لکھتے جہاں جہاں یہ لفظ آپ کی کتابوں میں آیا ہے "اسے کاٹا ہوا تصور کریں" اور اپنی جماعت کو یہ نہ فرماتے کہ اپنی عام بول چال میں اس لفظ کو استعمال نہ کرو کیونکہ اس سے افتراق اور انتشار کو راہ ملتی ہے ۔

ہاں ایک مشکل ضرور ہے کہ جہاں آپکی تربیت ہوئی ہے وہاں اپنی خلافت کی عمارت استوار کرنے کے لئے حضرت صاحب کی منشاء کے برعکس لفظ "نبی" پر اس قدر بیجا

اور بلا ضرورت زور (Emphasis) دیا گیا ہے کہ وہ آپ کی رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ اور آپ کو دوسری طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے اور تحقیق کرنے کی توفیق ہی نہ ملی۔ یہی وجہ ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس گیا۔

اسی لفظ "نبی" کی آڑ میں ۱۹۵۳ء میں ملک کے طول و عرض میں جماعت احمدیہ کے خلاف ایک طوفان بپا کیا گیا لیکن حکومتِ وقت نے اس کے عواقب کے مدنظر ملک کو انتشار اور تباہی سے بچانے کے لئے اسے ابھرنے نہ دیا۔ ورنہ پاکستان اسی زمانے میں مخالف سیاسی طاقتوں کی گود میں جا چکا ہوتا۔ اس کا انتقام لینے کے لئے ۲۱ سال زیر زمین تیاری جاری رہی۔ سازشیں ہوتی رہیں۔ منصوبے ہوتے رہے اور ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء سے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء تک پاکستان جلتا رہا اور دھماکے ہوتے رہے۔ تا وقتیکہ کہ قومی اسمبلی نے اپنا فیصلہ اور ترمیمی فیصلہ دیا کہ احمدیہ جماعت بھی اقلیت میں شامل کی گئی ہے۔ قریب تھا کہ یہ بھرم بھی کھل جائے اور اس کا ضمیر مطمئن ہو جائے کہ پاکستان کی اسمبلی نے ایک مبنی بر انصاف جمہوری فیصلہ کیا ہے۔

صمدانی کمیشن کی رپورٹ شائع کرنے پر بار بار زور دیا جا رہا ہے تو اس بارے میں کیوں صبر طلب ہیں اس کی اشاعت کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جو لوگ باوجود اس فیصلہ کے ایک "غیر مسلم اقلیت" رہنا پسند کر بیٹھے ہیں ان پر یہ واضح ہو جائے گا کہ ان کا موقف غلط تھا اور انہیں اب بھی اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے سوادِ اعظم میں ضم ہو جانا چاہیئے۔ اور جو لوگ باہر آ کر اپنے علم و فضل کی برتری جتاتے ہیں ان کی شہرت کو چار چاند لگ جائیں گے۔ سیاست کے میدان میں بھی وہ اپنے حریف کو پچھاڑنے کے قابل ہو جائیں گے۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ لوگ کارروائی کے خفیہ رکھے جانے سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ اسلامی دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا عالم۔ قاضی۔ مفتی اور فقیہہ بھی حضرت مرزا صاحب کی کتابوں سے دعوئے نبوت ثابت نہیں کر سکتا۔ عبارتوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا اور عوام کو بھڑکانا اور بات ہے۔

آپ کے اس ارشاد کہ جماعت احمدیہ انگریز کا لگایا ہوا پودا ہے۔ اسی نے اسے پروان چڑھنے میں مدد دی ہے۔ وہ مدتوں سے کسی ایسے شخص کی تلاش میں تھا جو یہ کہے کہ میرے ساتھ خدا بولتا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر وہ مسلمانوں کے دل سے جذبۂ جہاد ختم کر دے کیونکہ جب تک اس کی ایک چنگاری بھی کہیں رہے گی وہ کسی نہ کسی وقت شعلہ بن کر انگریز کی حکومت کو بھسم کر ڈالے گی۔ سارے برصغیر میں سے انہوں نے قصبۂ قادیان کے مرزا غلام احمد کو اس مقصد کے لئے چن لیا۔ اس تحقیق اور حقیقت افشائی پر دل عش عش کر اُٹھتا ہے۔ آپ کے اس علم و عرفان کی بھی داد دینی چاہیئے جس نے اس طرف راہنمائی فرمائی۔ لیکن قرآن کریم۔ احادیث۔ تاریخ اور آپ کی چہیتی شخصیتوں کے اقوال آپ کی تائید سے گریزاں ہیں۔

قرآن کریم کے ارشادات کے مطابق جہاد کا مطلب اور مفہوم اتنا محدود نہیں جتنا آپ نے سمجھ رکھا ہے۔ ہر وہ کوشش اور جدوجہد جو برائی کو دور کرنے کے لئے اور سچائی کو مستحکم کرنے کے لئے کی جائے جہاد کے ذیل میں آتی ہے۔ میں طوالت کے خوف سے اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا لیکن جہاد کے حرام کرنے کا جو مفہوم آپ کے ذہن میں ہے اسی کے پیش نظر آپ سے کچھ عرض کروں گا۔ آپ کے اور آپ جیسے دوسرے معترضوں کے سامنے حضرت مرزا صاحب کا یہ شعر ہے۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

یاد رکھئے اس میں منسوخ کا لفظ ہرگز نہیں حرام کا لفظ ہے۔

اب آیئے دیکھیں دین کے لئے جنگ اور قتال کے بارے میں قرآن حکیم کا کیا فتوے اور جواز ہے۔ اس کے لئے میں آپ کی توجہ سورۃ الحج کی آیت ۳۹ اور ۴۰ کی طرف مبذول کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ آیت ۳۹ کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ پہلی آیت ہے جو قتال کے بارہ میں نازل ہوئی۔

یہ سورۃ مدنی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: "ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے" اور وہ ظلم کیا تھا یہ آیت ۴۰ کے پہلے الفاظ میں یوں بیان ہوا ہے: "وہ جو اپنے گھروں سے بغیر کسی صحیح وجہ یا حق کے نکالے گئے سوائے اس کے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے"۔ اور ایسا کیوں ضروری تھا اس لئے کہ: "اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ ہٹاتا ... دی جاتیں۔ اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ طاقتور غالب ہے۔"

شاید آپ کہیں کہ میں نے صرف ایک دو آیات سے اپنا مطلب حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ آیئے ایک دوسری مدنی سورت البقرہ کی آیت ۱۹۰ پر نظر ڈالتے جایئے:

"اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں سے پیار نہیں کرتا۔"

ان آیاتِ قرآنی کی روشنی میں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ:

(۱)- جنگ ان لوگوں سے کی جائے جو تم سے جنگ کریں۔

(۲) جنگ اللہ کی راہ یا اللہ کے دین کے لئے ہونی چاہیئے۔

(۳) اور جنگ نہ صرف مسلمانوں بلکہ دوسرے لوگوں کی مذہبی آزادی کے لئے بھی ہونی چاہیئے۔ آیت ۴۰ میں مسجدوں کا ذکر سب سے آخر میں ہے اور دوسری قوموں کی عبادتگاہوں کا ذکر پہلے۔

(۴) البقرہ کی آیت ۱۹۰ میں ولا تعتدوا کے الفاظ لا کر زیادتی یا جارحیت سے بھی منع فرما دیا۔ جنگ اور قتال شرائط سے مشروط ہے۔ اور یہی حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ جہاد کی شرائط معدوم ہوں تو اس کی ضرورت بھی شرائط کے دوبارہ وقوع میں آنے تک باقی نہیں رہتی۔

قرآن کریم نے خود اپنے ذریعے جہاد کو جہاد کبیر فرمایا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الفرقان کی آیت ۵۲ میں مذکور ہے کہ "سو کافروں کی بات نہ مان اور اس (قرآن) کے ساتھ ان سے (وہ) جہاد کر (جو) بڑا جہاد (ہے)"۔ اور یہاں آپ کی یاد دہانی کے لئے عرض کر دوں کہ اس آیت میں حضرت ابن عباسؓ کے مطابق بہٖ میں ضمیر قرآن کریم کی طرف ہے اس جہاد کی افضلیت اس لئے بھی ثابت ہے کہ اس میں ہر زمانہ میں۔ ہر صورت میں بلا کسی شرط کے ہر مسلمان عورت۔ بوڑھا۔ بچے اور جوان۔ بیمار اور تندرست شامل ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے مال خرچ کر سکتا ہے۔ قلم اُٹھا سکتا ہے اور زبان استعمال کر سکتا ہے۔ جنگ کے لئے تو سامانِ جنگ اور تندرست و توانا انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اسلامی جنگ کے لئے سب سے ضروری چیز یا ہتھیار کہہ لیجئے وہ جذبہ ہے جو تقویٰ اور صرف تقویٰ سے پیدا ہوتا ہے اسلامی تاریخ اس پر گواہ ہے۔

(باقی ——— باقی)

> **اخبار "سچ" رقمطراز ہے:—**
>
> "مولانا محمد علی صاحب نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کر کے انگریزی خواں طبقہ کو اسلام کے زیادہ قریب آ گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نہایت مسرت سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو چودہ پندرہ سال پہلے جب میں ظلمتوں اور دہریت کی گہرائیوں میں بھٹک رہا تھا۔ میرے لئے شمع ہدایت بن کر آئیں اور مجھے اسلام کا سیدھا راستہ سمجھایا۔ کامریڈ والے مولانا محمد علی جوہر مرحوم بھی اس ترجمہ کے بہت مداح تھے اور وہ ہمیشہ اس کی تعریف کیا کرتے تھے۔" (اخبار "سچ" ۲۵ جون ۱۹۴۲ء)

مکرم جناب بشارت احمد بقا صاحب بی - اے راولپنڈی

حضرت مرزا صاحبؑ نے کبھی دعویٰ نبوت و رسالت نہیں کیا۔ واقعاتی شہادتوں کی روشنی میں ایک جائزہ

(۲)

مگر میرا یہ کہنا ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے دنیائے اسلام کے آگے کوئی نئی اور نرالی بات پیش نہیں فرمائی تھی ذرا آپ کی مذکورہ بالا تحریرات کا موازنہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کی مندرجہ ذیل تحریر سے کریں:۔

"بہتیرے ایسے مزکی اور مصفیٰ ہوں گے۔ کہ ان کو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مشابہت ہوگی اور رسالت کا ظل ہوں گے اور جس موقعہ سے انبیاء لوگ علوم غیبیہ اخذ کرتے تھے اسی جگہ سے یہ لوگ بھی حاصل کریں گے اس واسطے یہ لوگ انبیاء کے استاد بھائی کہلاتے ہیں۔ الغرض یہ لوگ اس درجہ کے ہوتے ہیں کہ اگر نبی کا ہونا ختم نہ ہوتا۔ تو منصبِ نبوت پر یہ لوگ قائم ہوتے۔ حاصل کلام ایسے لوگ قیامت تک ہوا کریں گے۔"

(صراطِ مستقیم تمہید صـ۱)

اور پھر فرماتے ہیں:۔

"اور باوجودیکہ عہدہ نبوت ختم ہوا۔ تب بھی واسطے متفاوت بہت اوقات اور اشخاص کے عہدے امامت کے مقرر ہوئے۔ اور منصب امامت حقیقت میں نبوت کا ظل ہے۔ اب نبی نہ ہونگے مگر امام زمان ہوا کریں گے۔"

(صراطِ مستقیم صفحہ ۱۸)

اگر انصاف کلیتاً ان علماء مخالفت کی دنیا میں ختم نہیں ہوگیا اور حق و انصاف کا کوئی چراغ ان کے ہاں کہیں اب بھی روشن ہے تو میں اُمید نہیں کر سکتا۔ کہ حضرت مرزا صاحب کی تحریرات کو صراطِ مستقیم کی مذکورہ بالا تحریرات کے خلاف قرار دیا جائے۔ دونوں بزرگوں نے با تبدیل الفاظ بات ایک ہی بیان فرمائی ہے۔ ان میں سرِمو تفاوت نہیں پائی جاتی۔ اس لئے ایک شخص کو کافر قرار دینا اور دوسرے کو ولی اللہ قرار دینا خدا پرستی اور حق پسندی نہیں کہلا سکتا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے مجددین و محدثین امت کو جس مقام پر رکھا ہے۔ اور جو فضائل و مناقب ان کے بیان فرمائے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کلام کا کچھ حصہ قارئین کرام کے سامنے رکھا جائے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"ان حضرات کا نور علم و عمل، مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہوتا ہے۔ اور ان کا قدم طریق منہاج نبوت پر واقع ہوتا ہے۔ اور انبیاء کرام کی اصل وراثت انہیں میں منتقل ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کے عہد میں علماء و اصحاب مشیخت کی کمی نہیں ہوتی اور آبادیوں کی آبادیاں اصحاب علم و پیشوائی سے بھری نظر آتی ہیں۔ تاہم مقام عزیمت و دعوت و قیام ہدایت کی ان میں سے کسی کو توفیق نہیں ملتی۔ کوئی دامن رخصت میں پناہ لیتا ہے۔ کوئی راہ میں فتنہ و فساد کا شور سن کر صرف اس کو کافی سمجھتا ہے۔ کہ اپنا دروازہ بند کرلے...... اور سب سے بڑی فضیلت یہ سمجھی جاتی ہے۔ کہ اپنے قدم کو لغزش نہ ہو...... گویا ایمان کا جو سب سے نچلا اور ادنے درجہ عامۃ الناس اور ضعفا عمل کے لئے تھا۔ وہی خواص امت اور ہداۃ و مرشدین ملت کے لئے بلندی عزت کا سب سے اونچا مقام ہو جاتا ہے۔ .... لیکن کوئی نہیں ہوتا جسکا عزمِ ایمانی توقف و سکون کی جگہ طالب اقدام و سبقت ہو۔ جو اپنے نفس کی جگہ جماعت و اُمت بلکہ نوع و ارض کی نجات کا عشق رکھتا ہو۔" (تذکرہ صـ۹۳-۹۴)

پھر فرماتے ہیں:۔

"پس اپنے عہد کا مجدد و محی الملت وہ شخص یا چند نفوس خاصہ ہوتے ہیں جو مجرد دعوت نہیں بلکہ عزائم امور دعوت کی راہ میں قدم اُٹھاتے ہیں۔ اور قیام حق کا معرکہ اس زور سے چھیڑتے ہیں۔ کہ یکایک فضاء ملت جنبش میں آجاتی ہے۔ اور تمام اموات غفلت اپنی اپنی قبروں کے اندر چونک اُٹھتے اور اُٹھ کر دوڑنے لگتے ہیں۔"

(تذکرہ صـ۱۵۸)

مجدد وقت کی شان و عظمت یوں بیان فرماتے ہیں:۔

"بزدل بڑوں کا عذر یہ ہوتا ہے کہ وقت ساتھ نہیں دیتا۔ اور سرو سامان و اسباب کار فراہم نہیں لیکن وقت کا عازم و فاتح اُٹھتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ اگر وقت ساتھ نہیں دیتا۔ تو میں اس کو ساتھ لوں گا۔ اگر سرو سامان نہیں تو میں اپنے ہاتھوں سے تیار کرلوں گا۔ اگر زمین موافق نہیں تو آسمان کو اُترنا چاہیئے۔ اگر آدمی نہیں ملتے تو فرشتوں کو ساتھ دینا چاہیئے۔ اگر انسانوں کی زبانیں گونگی ہوگئی ہیں۔ تو پتھروں کو چیخنا چاہیئے........ اگر رکاوٹیں اور مشکلیں بہت ہیں۔ تو پہاڑوں اور طوفانوں کو کیا ہوگیا۔ کہ راہ صاف نہیں کرتے۔" (تذکرہ صـ۲۴۵)

عزم و حوصلہ کی یہ تمام بلندیاں، اور علم و عمل کی یہ یہ ساری عظمتیں جن کا تفصیلی ذکر مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا ہے۔ اس زمانہ میں صرف ایک ہی شخص میں پائی گئی ہیں اور وہ تھے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کہ جس نے نہ کبھی دامنِ رخصت میں پناہ لی۔ اور نہ کبھی نامساعد حالات سے سمجھوتہ کیا۔ اور نہ زمام کار ہاتھ سے چھوڑ کر زمانے کی مخالفت کے خوف سے ایک لمحہ کے لئے بھی گوشہ نشینی اختیار کی اور نہ میدانِ عمل غیروں کے حوالے کیا۔ صرف وہی تھے۔ جن کا نور علم مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ تھا۔ اور جن کا قدم علیٰ منہاجِ نبوت تھا۔ اور جسے خدا نے اتنی ہمت و قوت اور توفیق عطا کی تھی۔ کہ وہ اپنے ہاتھوں سے تمام ضروری سامان پیدا کرے۔ اور طوفانِ ضلالت اور حوادثِ زمانہ کا تن تنہا بڑی پامردی اور جرأت کے ساتھ مقابلہ کرے۔ وہی ایک شخص ہے جو ہر میدان میں مظفر و منصور ہوا۔ انسانوں نے اگر اس کا ساتھ نہ دیا۔ تو فرشتے اس کی تائید میں آسمان سے اُترے۔ پہاڑوں نے زلزلوں کی صورت میں اس کا ساتھ دیا۔ دابۃ الارض یعنی طاعون نے اپنی مُلک گیر ہلاکتوں سے اس کے صادق ہونے کی گواہی دی۔ سُورج اور چاند "این دو شاہد از پئے تصدیق من ایستادہ اند" کا مصداق ہوگئے۔

جماعتِ اسلامی اور ان کے ہمنواؤں کی ملی بھگت سے اب یہ منصوبہ تیار کیا جا رہا ہے۔ کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو اس صدی کا مجدد بنا دیا جائے اور زمین یوں ہموار کی جا رہی ہے کہ ان کی سیاسی سرگرمیوں کو جن کے گرد مذہب کو کمال ہوشیاری سے گھمایا جا رہا ہے عظیم تجدیدی کارنامے بتایا جا رہا ہے۔ اور

محترم میر غلام بھیک صاحب نیرنگ

"تحریکِ احمدیت کا ایک پہلو میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور وہ لاہوری احمدی جماعت کا کام ہے۔ اس جماعت کے کام سے مجھ کو پوری پوری ہمدردی ہے۔"

(پیغام مندرجہ پیغام صلح۔ ۲۸ر جولائی ۱۹۲۷ء)

ساتھ ہی یہ خیال بھی ذرائع ابلاغ کے زور دار استعمال سے پھیلایا جا رہا ہے۔ کہ مجدد خدا نہیں بناتا بلکہ علماء اور اہلِ بصیرت عوام کسی شخص کے علمی کارناموں کو دیکھ کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیتے ہیں۔ کہ فلاں شخص مجدد زمانہ ہے۔ میں اوپر بیان کر آیا ہوں کہ جب حضرت مرزا صاحب نے بڑی تحدی سے اپنے مجدد اور مامور وقت ہونے کا دعوےٰ ایک اشتہار اور اپنی پہلی تالیف براہین احمدیہ میں پیش فرمایا۔ تو کسی عالم نے اعتراض نہیں کیا۔ کہ آپ کو ایسا دعویٰ خود کرنے کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ یہ علماء اور اہل الرائے عوام کا کام ہوا کرتا ہے۔ مگر آج حضرت مرزا صاحب سے ذاتی عناد اور بُغض کے باعث علماء ربانی کے مسلک سے ہٹ کر یہ نیا خیال تراشنا پڑا ہے۔ مگر یہ نو زائیدہ نظریہ ریت کے گھروندے سے بھی کمزور تر ہے۔ میں چند مجددینِ اُمت کے دعوے پیش کرتا ہوں۔ جو اس نظریہ کی کھلی کھلی تردید کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"اگر کوئی کہے کہ ان معارف کو جو ولیوں کی ولایت کے محل سے چہرہ نمائی کرتے ہیں کون سمجھ سکتا ہے۔ یا کون ان کی کنہہ کو پا سکتا ہے۔ تو یاد رہے کہ الفاظ پرست علماء ان معارف کے ادراک سے عاجز ہیں۔ ان کی حقیقت پانے سے قاصر ہیں یہ علوم صرف مشکوٰۃ انوارِ نبوت سے حاصل ہوتے ہیں جو انبیاء کی کامل پیروی کرنے کے بعد بطور وراثت عطا ہو کر دوسرے ہزار کی تجدید کے لیے ظاہر ہو گئے ہیں۔ جس شخص کو یہ علوم اور معارف ملے ہیں۔ وہی اس الف کا مجدد ہے۔ چنانچہ یہ بات ان لوگوں پر مخفی نہیں جنہوں نے اس کے علوم پر نظر کی ہے اور ان معارف کو ملاحظہ کیا ہے۔ جو اس شخص کی ذات اور صفات اور افعال سے متعلق ہیں ...... اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ تمام معارف اس پوست کا ایک ذرہ ہیں۔ جو اس شخص کو دیئے گئے ہیں۔ جو کچھ لوگوں نے اب تک دیکھا ہے۔ وہ بہت ہی قلیل ہے اس کی شان اس سے بڑھ کر ہے۔ اور یہ خاص اس ذات کا فضل ہے، جس نے لوگوں کی ہدایت کے لیے ایک ہادی بھیجا۔" (مکتوباتِ ربانی جلد ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

"جب دورہ حکمت کا انتہا تک پہنچ چکا۔ تو اللہ تعالےٰ نے خلعتِ مجددیت سے سرفراز فرمایا۔ اور جب حقانیت کا خلعت مجھے پہنایا گیا۔ اور ہر نظری و فکری علم مجھ سے زائل کر دیئے گئے تو میں بادیہ حیرت میں سرگرداں رہا۔ کہ میں کیونکر مجددیت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکوں گا۔ اتنے میں اللہ جل جلالہٗ نے میرے لئے ایک ایسا طریقہ واضح کیا۔ جس سے مجددیت و حقانیت کو باہم پیوست کر دیا گیا۔" (تفہیمات الٰہیہ)

حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"مجھے امامت کے رتبے سے سرفراز کیا گیا اور میں یہ مجدد کی حیثیت سے کہتا ہوں۔" (سوانح سید احمد بریلوی از محمد جعفر تھانیسری)

حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی علیہ الرحمۃ نے جو چھٹی صدی ہجری کے مجدد اور امام تھے ایک دفعہ برسر منبر ارشاد فرمایا:۔

"من نیم ہمچو واعظانِ شما۔ من بامر حق جل و علیٰ سخن می گویم و سخن من بامر دانست .... چوں بالائے منبر برمی آیم حق تعالےٰ بر دلِ من تجلی می کند" (تحفہ قادریہ)

ترجمہ: "یعنی میں تمہارے عام واعظوں کی طرح کا کوئی واعظ نہیں ہوں۔ میں حق تعالیٰ عزّاسمہٗ کے حکم سے کلام کرتا ہوں اور میرے کلام کو اللہ تعالےٰ کے حکم سے جانو۔ جب میں منبر پر کھڑا ہو کر واعظ کرتا ہوں۔ تو اللہ تعالےٰ میرے دل پر تجلی فرماتا ہے۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

یا قوم اجیبوا فانی داعی اللہ عزّ وجلّ ادعوکم الیٰ بابہٖ وطاعتہٖ۔ لا ادعوکم الیٰ نفسی۔ المنافق لیس یدعوا الخلق الی اللہ عزّ وجلّ ھو داعٍ الیٰ نفسہٖ۔ ھو طالب حظوظٍ والقبول۔

ترجمہ:۔ "لوگو میری دعوت قبول کرو۔ کیونکہ میں اللہ تعالےٰ عزّاسمہٗ کا داعی (مامور) ہوں۔ میں تم کو اس کے دروازے کی طرف بلاتا ہوں۔ اور اس کی طاعت کا حکم دیتا ہوں۔ میں ہرگز اپنے نفس کی طرف نہیں بلاتا۔ منافق کبھی لوگوں کو اللہ تعالےٰ کی طرف نہیں بلاتا۔ وہ صرف اپنے نفس کی طرف بلانے والا ہے۔ وہ لذات نفسانی اور شہرت کا طالب ہوتا ہے۔"

(الفتح الربانی ص ۶۲)

مجددین کرام کے محولہ بالا کلام سے ثابت ہو جاتا ہے کہ مجدد خدا کی طرف سے انبیاء کی طرح مبعوث ہوتے ہیں اور وہ اپنی ماموریت کا خود اعلان کیا کرتے ہیں وہ مجددیت کا فیصلہ عوام یا علماءِ زمانہ کی صوابدید پر نہیں چھوڑتے۔

یہاں ایک چھوٹا سا سوال ان لوگوں پر کرتا ہوں۔ جو نئے خیال اور نظریہ کے خالق، حامی اور مؤید ہیں۔ وہ بتائیں۔ کہ آیا ایسا شخص جو خدا سے شرف ہمکلامی نہیں رکھتا۔ اور اس کا علم نور مشکوٰۃ نبوت سے نہیں۔ اور جو وحی و الہام، کشف اور رؤیا کا سرے سے ہی قائل نہیں۔ نبض شناس رسول ہو سکتا ہے۔ اور اس کا قدم علیٰ منہاجِ نبوت ممکن ہو سکتا ہے۔ اور پھر آپ کا ان مجددینِ عظام کے بارے میں کیا فتوےٰ ہے۔ جو نہ صرف وحی و الہام جاری و ساری سمجھتے تھے۔ بلکہ خود بھی اس نعمت کے مدعی تھے۔ اور منکرینِ ذات باری کے سامنے اپنے وجود کو ایک زندہ اور روشن دلیل کے پیش کرتے رہے۔ محض اس بات کا سہارا لے کر کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو بذریعہ وحی ہمیں مل چکا ہے۔ یہ کہنا کہ اب خدا تعالےٰ نے اپنے مقرب بندوں سے کلام بھی بند کر دی ہے۔ یہ نعمت پہلی اُمتوں کو نصیب تھی مگر اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ جو از کتمان حق کی بدترین مثال ہوگی۔ اور مجددینِ اُمت کے دعاوی کی کھلی تکذیب لوگوں کو یقیناً قابلِ مواخذہ ہے۔

میں نے اب تک واقعاتی شہادتوں سے ثابت کیا ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے کبھی دعوےٰ نبوت و رسالت نہیں کیا۔ یہ آپ پر ایک اتہام ہے۔ اب میں چند حوالے آپ کے کتابوں اور کچھ اقتباسات بزرگانِ سلف و مجددینِ اُمت کے پیش کرتا ہوں۔ تاکہ واقعاتی شہادتوں کو مزید تقویت حاصل ہو۔ اور ایسے تمام افراد پر حجتِ شرعی بھی پوری ہو جائے۔ جو افراط و تفریط کے راستوں پر گامزن بدستور رٹ لگاتے جا رہے ہیں کہ آپ نے واقعتاً نبوت و رسالت کا دعوےٰ کیا تھا۔

آپ نے فرمایا:۔

"میں کھول کر کہتا ہوں۔ کہ وہ شخص لعنتی ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا آپ کے بعد کسی اور کو نبی یقین کرتا ہے اور آپ کی ختم نبوت کو توڑتا ہے۔" (الحکم ۱۵ جون ۱۹۰۵ء)

ایک موقع پر یہ ارشاد فرمایا:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا۔ کہ بہشت میں ایک قریہ ہے جو مجھے ہی ملے گا۔ ایک صحابی یہ سُن کر رو پڑا۔ اس نے کہلایا کیا۔ مجھے آپ کے ساتھ محبت ہے۔ جب آپ اس مقام میں ہوں گے۔ تو میں وہاں ہوں گا۔ آپ نے فرمایا تو میرے ساتھ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ آپ نے اس کے وجود کو اپنے اندر لے لیا۔ غرض یاد رکھو کامل اتباع کے ثمرات

وہ صحیح معنوں میں عاشقِ رسولؐ تھے

علامہ نیاز فتحپوری فرماتے ہیں:۔

اس وقت بانیٔ احمدیت (حضرت مسیح موعودؑ۔ ناقل) کا مطالعہ جو کچھ میں نے کیا ہے اور میں کیا جو کوئی خلوص و صداقت کے ساتھ ان کے حالات و کردار کا مطالعہ کرے گا۔ اسے تسلیم کرنا پڑیگا **کہ وہ صحیح معنوں میں عاشقِ رسولؐ تھے۔ اور اسلام کا بڑا مخلصانہ درد اپنے اندر رکھتے تھے۔"**

(نگار لکھنؤ جولائی ۱۹۶۰ء)

مانع نہیں ہو سکتے۔ یہ تصوف کا مسئلہ ہے۔ اگر ظلی مرتبہ نہ ہوتا۔ تو اولیاء امت مر ہی جاتے۔ یہی کامل اتباع اور بروزی اور ظلی مرتبہ ہی تو تھا۔ جس سے بایزید نے محمد کہلا لیا۔ یہ ور کر کہ تمام ہستیاں ہیں۔ اب یہ کامل اتباع سے یا ...یتوں کو ظلی اور بروزی مرتبے عطا ہوتے ہیں۔ یعنی فنا فی الرسول کا عالی مقام ان کو ...ا ہے۔ اگر کوئی اس حالت میں نبی اور رسول کہلائے۔ تو یہ مستلزم کفر نہیں۔ بلکہ اسلام کی عظمت کا ایک تابندہ نشان ہے۔ کسی بزرگ نے اس مقام پر پہنچ کر کیا خوب فرمایا ہے

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

"نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں۔ مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنا فی الرسول کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے۔ اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے۔ جو نبوت محمدیہ کی چادر ہے۔ اس لئے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے۔ اور نہ اپنے لئے بلکہ اسی کے جلال کے لئے۔ اس لئے اس کا نام آسمان پر محمدؐ اور احمدؐ ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ محمدؐ کی نبوت آخر محمدؐ کو ہی ملی۔ گو بروزی طور پر مگر نہ کسی اور کو۔ .... غرض میری نبوت اور رسالت باعتبار محمدؐ اور احمدؐ ہونے کے ہے نہ میرے نفس کے رو سے اور یہ نام مجھے بحیثیت فنا فی الرسول ملا۔ لہذا خاتم النبیین کے مفہوم میں فرق نہ آیا۔ لیکن عیسیٰؑ کے آنے سے فرق ضرور آ جائے گا" (ایک غلطی کا ازالہ)

حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مدینہ منورہ کی مجاورت کا احسان فرمایا۔ اور میں ایک دن خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کھینچ لیا مجھ کو اس عالم اور اپنے نفس سے اور پھر مجھے لوٹا دیا۔ اور اس وقت میں یہ کہتا تھا۔ اگر موسیٰ بن عمران زندہ ہوتا۔ تو اس کو میری تابعداری کرنی پڑتی بطور استناد کے نہ بطور حکایت کے۔ پس میں نے جان لیا کہ تحقیق یہ بات خدائی کشش کے نتیجہ میں ہے۔ اور تحقیق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فانی تھا"

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کے متعلق یوں ذکر آتا ہے:۔

"دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شبلی رضی اللہ عنہ کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ تو شبلی نے اپنے شاگرد سے کہا۔ کہ میں شہادت دیتا ہوں اس بات کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور شاگرد بھی صاحب کشف تھا۔ پس اسے ان کو پہچان لیا۔ اور کہا۔ میں شہادت دیتا ہوں۔ کہ تو اللہ کا رسول ہے"

(الانسان کامل باب ۶۵)

حضرت احمد جام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

امروز شاہ شاہاں مہمان شد است ما را
جبرائیل با ملائک دربان شدہ است ما را

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

"جب تو اس بات کو روا رکھتا ہے کہ آواز انی انا اللہ ایک درخت سے نکلے۔ تو پھر اس بات کو کیوں روا نہیں رکھتا کہ بایزید کے درخت وجود سے یہ آواز نکلے کہ میرا نشان محمدؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کم ہوا"

حضرت مرزا صاحب اور حضرت عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہم تو صرف فنا فی الرسول کی حالت میں محمد کہلائے۔ اور نبوت محمدی کی چادر پہن کر نبی اور رسول کہلائے۔ ورنہ ایک امتی کو کہاں شایاں تھا۔ کہ وہ حضرت موسیٰ بن عمران جیسے عظیم الشان نبی پر اتنی بڑی فضیلت کا دعوےٰ کرتا۔ لیکن حضرت احمد جام حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت بایزیدؒ اس مقام سے بھی آگے نکل گئے تھے۔ مقامات فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی کیفیت بھی ملاحظہ ہو۔

شمس العلماء مولانا ممتاز علی صاحب کا ارشاد

"میرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے۔ جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی ہے وہ نہایت باخبر عالم، بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں منصباً تو مسیح موعود نہیں مانتے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی ہدایت و رہنمائی مردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی کا کام کرتی تھی۔"

(اخبار تہذیب نسواں)

الحمد لله والسلام على عبده الذین اصطفیٰ۔ میں اللہ کا مرید بھی ہوں اور اس کا مراد بھی۔ میری ارادت کا سلسلہ بغیر کسی واسطہ کے اللہ سے متصل ہے۔ اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے۔ سبحانہٗ۔ پس میں محمد رسول اللہ صلعم کا مرید بھی ہوں۔ اور پیر بھائی بھی ہوں۔ اس دولت کے دسترخوان پر ہر چند کہ میں طفیلی ہوں۔ مگر بغیر بلانے کے نہیں گیا۔ اور ہر چند کہ میں تابع ہوں لیکن اصلیت سے بے بہرہ نہیں ہوں۔ اور ہر چند کہ میں امتی ہوں۔ لیکن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک دولت بھی ہوں لیکن ایسا شریک نہیں۔ کہ ہمسری کا دعویٰ کردوں۔ کیونکہ یہ کفر ہے۔

(مکتوبات ربانی جلد سوئم مکتوب ۸۷)

اور دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"باید دانست روا است کہ شخصے از راہ قرب ولایت بقرب نبوت رسد و در ہر دو معاملہ شریک باشد" (جلد سوئم مکتوب ۱۲۳)

گویا مجددین امت اپنے نبیٔ متبوع صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک دولت ہیں اب ظاہر ہے شریک میں کچھ نہ کچھ تو اصلیت ضرور ہی پائی جاتی ہے اور انوار نبوت میں وہ ضرور حصہ پاتا ہے۔ کسی کا امتی ہونا اس دولت کے پانے میں مانع نہیں ہوتا ان حوالوں سے اندازہ ہو گیا ہو گا۔ کہ حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ سابقہ مجددین کے دعووں سے بڑھ کر نہیں۔ سب کے سب ایک ہی قسم کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ صرف انداز بیان مختلف ہیں۔ ظل، بروز اور مجاز کے الفاظ وہاں استعمال ہوتے ہیں جہاں حقیقت اور اصلیت نہ ہو کسی نبی کو ظلی، بروزی اور مجازی نبی نہیں کہا جاتا۔ بلکہ یہ الفاظ کسی ولی پر بولے جاتے ہیں۔ اور ولی کو بوجہ کامل اتباع اور مقام فنا فی الرسول پانے کے ظلی، بروزی اور مجازی نبی کہا جاتا ہے۔ اسی حد تک حضرت مرزا صاحب نے بھی نبوت و رسالت کا دعوےٰ صوفیاء کی زبان میں کیا ہے۔ ورنہ علماء کی زبان میں محض ایک مجدد و محدث اور ولی اللہ بیان فرما دیا ہے۔ اور شرع اسلام کی رو سے صاف اعلان بار بار فرماتے رہے کہ:

"کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعوےٰ کرتا ہے قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے۔ اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے۔ اور آیت ولکن رسول الله وخاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین کرتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے۔ کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ صاحب انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت بھی حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعوےٰ

نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔" (حاشیہ انجام آتھم)

حاشیہ کتاب البریہ میں فرماتے ہیں :۔

"افتراء کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں۔ کہ گویا ہم نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے اور گویا ہم معجزات اور فرشتوں کے منکر ہیں۔ لیکن یاد رہے۔ کہ یہ تمام افتراء ہیں۔ ہمارا ایمان ہے۔ کہ ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور ہم فرشتوں اور معجزات اور تمام عقائد اہل سنت کے قائل ہیں۔"

مزید ارشاد فرماتے ہیں :۔

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا بھی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی موت کو ہی چاہتا ہے کیونکہ آپ کے بعد اگر کوئی دوسرا نبی آجائے تو آپ خاتم الانبیاء نہیں ٹھہر سکتے۔ اور نہ سلسلہ وحی نبوت کا منقطع متصور ہو سکتا ہے۔"

(ایام الصلح صفحہ ۱۴۶)

اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۲ پر فرماتے ہیں :۔

"ایسا ہی آپ نے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے) لانبی بعدی کہہ کر کسی نئے یا دوبارہ آنے والے نبی کا قطعاً دروازہ بند کر دیا۔"

ایک غلطی کا ازالہ کے آخر میں فرماتے ہیں :۔

"اب اس تمام تحریر سے مطلب میرا یہ ہے کہ جاہل مخالف میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی یا رسول ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے۔ مجھے ایسا کوئی دعوےٰ نہیں۔ میں اس طور سے جو وہ خیال کرتے ہیں نہ نبی ہوں نہ رسول ہوں"۔

ختم نبوت کے حق میں اپنی کتاب الوصیت میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

"تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی۔ کیونکہ نبوت محمدیہ ان سب نبوتوں پر مشتمل اور حاوی ہے اور بجز اس کے تمام راہیں بند ہیں۔ تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی کے اندر ہیں۔ نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی۔ جو اس میں موجود نہیں۔ اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے۔ اور ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لئے ایک انجام بھی ہے۔"

ایک حوالہ آپ کی آخری کتاب حقیقۃ الوحی سے پیش کر کے اس معاملہ کو میں قارئین کرام کے انصاف پر چھوڑتا ہوں۔ کہ آیا حضرت مرزا صاحب فی الواقعہ کسی ایسی نبوت کے مدعی تھے۔ جو حقیقی اور اصلی تھی یا محض ظلی بروزی اور مجازی طور پر نبی کہلانے جو اولیاء کا خاصہ ہوا کرتا ہے۔ اور یہ فیوض ان پر بلا واسطہ نہیں ہوا کرتے بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے جس کا روحانی افاضہ ان کے شامل حال ہوتا ہے۔ یعنے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ فرماتے ہیں :۔

"اور پھر ایک نادانی یہ ہے۔ کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کے لئے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کا سراسر افتراء ہے۔ بلکہ جس نبوت کا دعوےٰ کرنا قرآن شریف کی رُو سے منع معلوم ہوتا ہے۔ ایسا کوئی دعوےٰ نہیں کیا گیا۔ صرف دعوےٰ یہ ہے۔ کہ ایک پہلو سے میں امتی ہوں اور ایک پہلو سے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نبوت کی وجہ سے نبی ہوں۔ اور نبی سے مراد صرف اس قدر ہے کہ خدا تعالےٰ سے بکثرت شرف مکالمہ مخاطبہ پاتا ہوں۔" صفحہ ۳۹۰

حضرت مجدد الف ثانی رح اپنے ایک مکتوب میں بیان فرما چکے ہیں۔ کہ اُمت میں جس شخص سے اللہ تعالےٰ بکثرت سے مکالمہ مخاطبہ کرتا ہو۔ وہ محدث کہلاتا ہے۔ اور یہاں محدث اصطلاحی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ جو لغوی معنوں کی رُو سے ظلی و بروزی نبی کہلاتا ہے۔ کیونکہ تحدیث کے معنی لغت میں اظہارِ امرِ غیب کے نہیں ہیں۔ اور لغوی معنوں میں نبی کہلانے کا مقصد یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کا وجود اس کی صفت تکلم کے تحت ہر زمانہ میں پوری آب و تاب سے ظاہر ہو کیونکہ اس کا وجود اس کے نشانات سے پہچانا جاتا ہے اور اس کے نشانات اولیاء اللہ اور امام الزمان ہوتے ہیں جنہیں وہ شرف ہمکلامی عطا فرماتا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

بقیہ مقالہ ــــ بسلسلہ صفحہ ۳

اصولوں کی رُوح قائم رکھنے کے پابند ہیں۔ اگر قرآنی تعلیم ان کے پیش نظر نہیں اور اس کے مطابق قوم کو چلانے کا تہیہ نہیں تو بھی وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے غرضیکہ اسلام نے ایک طرف توحید پرستی کو کامل کر دیا جب اصول حقہ کو اصل نصب العین ٹھہرایا اور دوسری طرف اس مقصد کی تکمیل کے لئے شخصیت کی طاقت کو نظر انداز نہیں کیا۔ نبی اسلام صلعم کی کمال محبت و اطاعت کا حکم دیا۔ نیز آپ کے حقیقی خلفاء یعنی ماموروں و مجددوں سے واسطہ اتحاد و عقیدت قائم کرنے کا حکم دیا اور غیر مامور صاحب امر اشخاص کی اطاعت کو بھی مشروط طور پر لازم قرار دیا۔

مغربی جمہوریت اور شخص پرستی } جس طرح ملوکیت کی انتہاء ہو جانے پر مغرب میں اس کا ردِ عمل اشتراکیت کی شکل میں رونما ہوا جو دوسری حدود پر ویسا ہی غلط راہ روی کا مسلک ہے ایسا ہی جمہوریت و آزادی نے جو ناجائز رنگ مغرب میں اختیار کر رکھا تھا اس کا ردِ عمل اب فسطائیت کی صورت میں رونما ہو رہا ہے۔ اور یہ شخص پرستی کی وہ انتہاء ہے جو اسلام میں جائز نہیں۔ اسلامی شریعت میں صاحب امر اشخاص قوم کے سامنے جواب دہ ہیں نیز وہ قوم کو قرآنی تعلیم پر عمل پیرا کرانے کے لئے پابند ہیں۔ اپنا خود ساختہ نصب العین گھڑ کر اس پر قوم کو گامزن کر دینا ان کا کام نہیں۔

اگر مسلمان قوم میں دوبارہ حضرت نبی کریم صلعم کی محبت و عقیدت اور اپنے دین کے اصولوں سے وابستگی و یقین پیدا کرنا منظور ہے تو یہ نصب العین محض اصولوں کی تبلیغ سے ممکن نہیں جب تک کہ مجددِ وقت کی شخصیت کو پیش کر کے انہی سے جذبات اطاعت و عقیدت کو استوار نہ کیا جائے۔ زمانہ کی اس زبردست "ماموارانہ شخصیت" کو اوجھل کر کے اسلام کے اصولوں کا احیاء کسی صورت میں ممکن نہیں ؎

مولانا ظفر علی خاں صاحب مدیر زمیندار

"مسلمانانِ جماعتِ احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں جو ایثار، کمربستگی، نیک نیتی اور توکل علی اللہ ان کی جانب سے ظہور میں آیا ہے۔ وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں۔ تو بے انداز عزت اور قدر افزائی کے قابل ضرور ہے۔ جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے حس و حرکت پڑے ہیں اسی اولوالعزم جماعت نے عظیم الشان خدمتِ اسلام کر کے دکھا دی۔"

(اخبار زمیندار ۲۴ر جون ۱۹۲۳ء)

دُعائے صحت

جماعت کے ایک پُرانے بزرگ مولانا عبدالمجید صاحب (دوگنگ مشن) عرصہ سے بیمار ہیں۔ احباب سے گذارش ہے۔ کہ مولانا کی صحت یابی کے لئے دردِ دل سے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ انہیں صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ دیں۔ (منیجر)

سے ایک نامہ نگار
کے بے بنیاد اعتراضات کا جواب
(قسط اوّل)

مولوی محمد یوسف صاحب لدھیانوی کی مخالفت برائے مخالفت کا نمونہ } رسالہ ماہنامہ الحق جو اکوڑہ خٹک سے شائع ہوتا ہے اس کے جولائی ۱۹۷۵ء کے ایشو میں ایک نامہ نگار مسمی مولوی محمد یوسف صاحب لدھیانوی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جو ص۴۱ سے ص۵۰ تک پھیلا ہوا ہے اس مضمون میں مولوی صاحب موصوف نے سیّدنا حضرت مرزا صاحب قادیانی (المسیح الموعودؑ) پر اعتراضات کی بوچھاڑ کی ہوئی ہے جن کے متعلق میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ ان کے تمام کے تمام اعتراضات بے بنیاد اور حقیقت سے دور ہیں ہر ایک اعتراض اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے اس میں صرف مخالفت برائے مخالفت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور سچائی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے باطل کو اپنی جائے پناہ بنایا ہے اس مضمون میں انہوں نے اگر کسی بات کو ثابت کیا ہے تو اسی بات کو کہ ان کا دل سیدنا حضرت مرزا صاحب قادیانی (المسیح الموعود) کے متعلق بغض اور کینہ سے بھرا ہوا ہے اس کا ثبوت ان کی ذیل کی تحریر سے واضح طور پر مل رہا ہے۔

مولوی صاحب موصوف کی تحریر اور ان کا بے بنیاد دعویٰ } مرزا صاحب کی کوئی کتاب پڑھنے بیٹھئے تو ممکن نہیں کہ مرزا صاحب کے مراقی بخارات سے (جن کو وہ حقائق و معارف کہا کرتے ہیں) خود آپ کا سر نہ چکرانے لگے ان بخارات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ الفاظ ہیں معنی نہیں دعوے ہے دلیل نہیں خیالی محلات ہیں حقیقت نہیں اور خود لکھنے کا یہ حال ہے کہ "نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پاہے رکاب میں"

مولوی صاحب موصوف نے اپنی تحریر میں سیّدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح موعودؑ) کی کسی کتاب کو اپنے مندرجہ بالا ریمارکس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا آیئے ہم دیکھیں کہ حضورؑ کی کتب کے متعلق علماء زمانہ اور محققین اسلام نے کیا رائے دی ہوئی ہے۔

مولوی محمد حسین صاحب کی رائے } حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پنجاب میں نہیں بلکہ تمام ہندوستان میں ایک بلند پایہ عالم دین قرار دیئے جاتے تھے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی کتاب براہین احمدیہ جب شائع ہوئی تو اس پر جو ریویو انہوں نے شائع کیا اسے اگر مولوی محمد یوسف صاحب لدھیانوی اور ایڈیٹر صاحب رسالہ الحق اور ان کے قارئین کرام تعصب کی عینک آنکھوں سے اتار کر ملاحظہ فرمائیں گے تو انہیں پتہ لگ جائے گا کہ مولوی صاحب موصوف کے ریمارکس کہاں تک حقیقت کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں اور کہاں تک وہ علم پر مبنی ہیں وہ اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۷ نمبر ۶ بابت سال ۱۸۸۴ء میں لکھتے ہیں۔

"ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔"

جہانتک ظاہری علوم کا تعلق ہے مولوی محمد یوسف صاحب ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے۔ مولوی محمد حسین صاحب جیسے عالم کو تو سیّدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح موعودؑ) کی کتاب میں لفظوں کے ساتھ معانی بھی نظر آ رہے تھے[م] خیالی محلات کی بجائے حقیقی محلات بھی نظر آ رہے تھے لیکن مولوی محمد یوسف صاحب کو اس لئے نظر نہیں آ رہے تھے کہ انہوں نے آنکھیں بند کر کے حضورؑ کی کتب کو پڑھا ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ چوٹی کے

[م] دعاوی کے ساتھ دلائل بھی نظر آ رہے تھے

کی اعینہم یا ... الصراط فانی یبصرون کا مصداق تو نہیں بنتے ہوئے تھے۔ تعصب انسان کو اس کا مصداق بنا دیا کرتا ہے ایسا ہمیشہ ہوتا چلا آیا ہے کہ راستبازوں کی مخالفت کرنے والوں کو ان کی خوبیاں بھی برائیاں ہی نظر آتی ہیں کیونکہ وہ تعصب اور عناد کا شکار ہو کر دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتے اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں پر رحم کرے اور ان کو حقیقی بینائی کی نعمت سے نوازے آمین

جلسہ مذاہب اعظم لاہور میں حضورؑ کے مضمون کا دلوں پر اثر } کتاب براہین احمدیہ جس پر مولوی محمد حسین بٹالوی نے ریویو کیا تھا اور جسے قارئین کرام نے ملاحظہ فرما لیا ہے جس کے متعلق یہاں تک انہوں نے لکھ دیا کہ ۱۳۰۰ برس میں اسلام کی تائید میں اس جیسی کوئی کتاب نہیں تصنیف ہوئی اگر میرے اس قول کو کوئی مبالغہ قرار دے تو ایک ہی ایسی کتاب پیش کر دے جو براہین احمدیہ کے پایہ کی ہو اور جسے اس کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔

دعویٰ مسیحیت کے بعد کی کتاب } یہ کتاب دعویٰ مسیحیت کے قبل کی تصنیف شدہ ہے لیکن دعوئے مسیحیت کے بعد جب علماء کی طرف سے مخالفت کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی اس طوفان کو زوردار بنانے میں شریک ہو گئے تو حضورؑ کی طرف سے تمام علماء کو تفسیر نویسی میں مقابلہ کرنے کا چیلنج دیا گیا لیکن کسی عالم کو بھی مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی گو زبانی دعاوی کرتے رہے کہ وہ حقیقی عالم ہیں اور مرزا صاحب (نعوذ باللہ) جاہل ہیں لیکن ان کی علمی پردہ دری کرانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ وہ مقابلہ پر آنے کے لئے مجبور ہو گئے۔

۱۸۹۶ء کا جلسہ } تفصیل اس کی یہ ہے کہ ۱۸۹۶ء میں لاہور کے بعض رؤساء کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہندوستان میں مذاہب کی جنگ زور پکڑتی جا رہی ہے آؤ ایک جلسہ کا انتظام کریں اور اس کے لئے اپنی طرف سے چند سوال تجویز کریں اور تمام مذاہب کے چیدہ چیدہ علماء کو اس جلسہ میں شریک ہونے کی دعوت دیں تا وہ ان سوالوں کے جواب ہمیں بتلائیں جو ان کی الہامی یا غیر الہامی کتب دیتی ہیں اور جو روشنی ان پر وہ ڈالتی ہیں اس جلسہ میں شرکت کے لئے انہوں نے مسلمان علماء میں سے پانچ کو دعوت دی۔ ان پانچ میں سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعود) کے علاوہ چار اور علماء تھے دو تو چوٹی کے عالم تھے ایک مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ایک مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری۔ دوسرے دو نے چونکہ اپنے خیالات کا اظہار ہی نہیں کیا اس لئے ان کے نام درج کرنے کی ضرورت نہیں۔

سوال تجویز کردہ حسب ذیل تھے:۔

(۱)۔ انسان کی جسمانی۔ روحانی اور اخلاقی حالتیں

(۲) انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبیٰ

(۳) دنیا میں انسان کی ہستی کی اصل غرض کیا ہے اور وہ کس طرح پوری ہو سکتی ہے؟

(۴) کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے؟

(۵) علم یعنی گیان و معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں؟

مندرجہ بالا پانچ سوالوں کے جواب چونکہ صرف قرآن شریف سے ہی دینے تھے اس لئے تفسیر نویسی میں سیدنا حضرت مسیح موعودؑ اور چوٹی کے علماء کے درمیان مقابلہ خود بخود پیش آ گیا۔

حضورؑ کا اشتہار } جلسہ شروع ہونے سے قبل سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے ذیل کا اشتہار شائع کیا جسے ہر قاریٔ دلچسپی سے پڑھے گا اور اس سے حظ اُٹھائے گا اور اسے پتہ لگ جائے گا کہ سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعودؑ) روحانیت میں کس قدر بلند مقام پر کھڑے تھے۔

”سچائی کے طالبوں کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری

جلسہ مذاہب اعظم جو لاہور میں ۲۶-۲۷-۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ہوگا اس میں اس عاجز کا ایک مضمون قرآن شریف کے کمالات اور معجزات کے بارہ میں پڑھا جائے گا یہ وہ مضمون ہے جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور خاص اس کی تائید سے لکھا گیا ہے اس میں قرآن شریف کے وہ حقائق اور معارف ہیں جن سے آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گا کہ درحقیقت یہ خدا کا کلام اور رب العالمین کی کتاب ہے اور جو شخص اس مضمون کو اول سے آخر تک پانچ سوالوں کے جواب میں سُنے گا میں یقین سے کہتا ہوں کہ ایک نیا ایمان اس میں پیدا ہوگا۔ اور ایک نیا نور اس میں چمک اُٹھے گا اور خدا تعالےٰ کے پاک کلام کی ایک جامع تفسیر اس کے ہاتھ میں آ جائے گی۔ میری تقریر انسانی فضولیوں سے پاک اور لاف گزاف کے داغ سے منزہ ہے مجھے اس وقت محض بنی آدم کی ہمدردی نے اس اشتہار کے لکھنے کے لئے مجبور کیا ہے کہ تا وہ قرآن شریف کے حسن و جمال کا مشاہدہ کریں اور دیکھیں کہ ہمارے مخالفوں کا کس قدر ظلم ہے کہ وہ تاریکی سے محبت کرتے ہیں۔ مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا۔

اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ حاضر ہوں اور اس کو اول سے آخر تک سنیں شرمندہ ہو جائیں گی اور ہرگز قادر نہ ہوں گی کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں، خواہ وہ عیسائی ہوں خواہ آریہ خواہ سناتن دھرم والے یا کوئی اور کیونکہ خدا تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اس کی پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو میں نے عالم کشف میں اس کے متعلق دیکھا کہ میرے محل پر غیب سے ایک ہاتھ مارا گیا اور اس ہاتھ کے چھونے سے اس محل میں سے ایک نور ساطع نکلا جو اردگرد پھیل گیا اور میرے ہاتھ پر بھی اس کی روشنی پڑی تب ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا وہ بلند آواز سے بولا اللہ اکبر خربت خیبر۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس محل سے میرا دل مراد ہے جو جائے نزول و حلول انوار ہے اور وہ نور قرآنی معارف ہیں اور خیبر سے مراد تمام خراب مذاہب ہیں جن میں شرک اور باطل کی ملونی ہے اور انسان کو خدا کی جگہ دی گئی یا خدا کی صفات کو اپنے کامل محل سے نیچے گرا دیا ہے سو مجھے جتلایا گیا ہے کہ اس مضمون کے خوب پھیلنے کے بعد جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ کھل جائے گا اور قرآنی سچائی دن بدن پھیلتی جائے گی جب تک کہ اپنا دائرہ پورا کرے پھر میں اس کشفی حالت سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے یہ الہام ہوا انّ اللہ معک انّ اللہ یقوم اینما قمت یعنے خدا تیرے ساتھ ہے خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہو یہ حمایت الہٰی کے لئے ایک استعارہ ہے اب میں زیادہ لکھنا نہیں چاہتا اور ہر ایک کو یہی اطلاع دیتا ہوں کہ اپنا اپنا حرج کر کے بھی ان معارف کے سُننے کے لئے ضرور بمقام لاہور تاریخ جلسہ پر آویں کہ ان کے ایمان کو اس سے وہ فائدے حاصل ہوں گے کہ وہ گمان نہیں کر سکتے ہوں گے۔ والسلام، علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ خاکسار غلام احمد از قادیان۔ ۲۱ دسمبر ۱۸۹۶ء“

تمام مذاہب کے نمائندوں کا عملی اعتراف

اس اشتہار میں صاف لفظوں میں اس مضمون کے متعلق تمام مضمونوں پر غالب آنے کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ ہندو، عیسائی، مسلمان سبھی کی یہ خواہش تھی کہ کسی طرح حضرت مرزا صاحب اپنے دعویٰ الہام میں جھوٹے ثابت ہو جائیں اب یہ موقعہ تھا یعنی ان کے لئے آسان تھا کہ کہہ دیتے کہ مرزا صاحب کا مضمون علمی معیار سے گرا ہوا ہے اور دوسرے مضمونوں کے مقابلہ میں اس کی قطعاً کوئی علمی وقعت نہیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکے بلکہ اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اور سب کو اقرار کرنا پڑا کہ واقع میں یہ مضمون حسب پیشگوئی سب مضمونوں پر غالب رہا اخباروں نے اس کی تعریف میں صفحے کے صفحے وقف کر دیئے۔ سب اخباروں کا نقل کرنا تو مشکل ہے۔ سردست ایک انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری جو سب اخباروں کا سردار تھا اُس کی رائے کا اُردو ترجمہ ذیل میں درج کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:—

”اس جلسہ میں سامعین کی دلی اور خاص دلچسپی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے لیکچر کے ساتھ تھی جو اسلام کی حمایت اور حفاظت کے کامل ماسٹر ہیں اس لیکچر کے سننے کے لئے دُور و نزدیک سے لوگوں کا ایک جم غفیر جمع ہو رہا تھا اور چونکہ مرزا صاحب خود تشریف نہیں لا سکتے تھے اس لئے یہ لیکچر ان کے ایک لائق شاگرد مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے پڑھ کر سنایا ہے ۲۷ دسمبر کو یہ لیکچر ساڑھے تین گھنٹے تک ہوتا رہا اور حاضرین نے پوری توجہ سے اس کو سُنا لیکن ابھی صرف ایک ہی سوال ختم ہوا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے وعدہ کیا کہ اگر وقت ملا تو باقی کا بھی سناؤں گا اس لئے اگزیکٹو کمیٹی اور پریزیڈنٹ نے یہ تجویز کر لی ہے کہ ۲۹ کا دن بڑھا دیا جاوے چنانچہ سارے مضمون کے لئے بخوشی ایک دن اور بڑھا دیا گیا اور باقی مضمون بھی سامعین نے اسی ذوق و شوق سے سُنا۔“

اس کے علاوہ پنجاب ابزور۔ پیسہ اخبار اور چودھویں صدی۔ صادق الاخبار اور مخبر دکن وغیرہ بالاتفاق اس مضمون کی تعریف میں رطب اللسان ہوئے۔

مولوی محمد یوسف صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے لئے لمحہ فکریہ

(از ناظم مضمون نگار)

مولوی محمد یوسف صاحب اور ان کے ہم نوا غور کریں کہ ہزاروں آدمیوں کو تو سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعود) کی کتب میں تو الفاظ کے ساتھ معانی بھی نظر آ رہے تھے دعاوی کے ساتھ دلائل بھی نظر آ رہے تھے خیالی محلات نہیں حقیقی محلات نظر آ رہے تھے لیکن افسوس آپ کا نصیب آپ کی یاوری نہیں کر سکا کہ آپ کو نظر آ جاتے اس میں سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعودؑ) کا قصور نہیں آپ کی قسمت کا ہی پھیر نظر آتا ہے۔ ہزاروں انسانوں کی نظر غلطی نہیں کر سکتی آپ جیسے ایک آدمی کی نظر غلطی کر سکتی ہے

پریزیڈنٹ صاحب کے اس لیکچر پر ریمارکس

مذہب اسلام لیکچرار مرزا غلام احمد صاحب قادیانی۔ ریمارکس پنڈت گوردھن داس صاحب کی تقریر کے بعد نصف گھنٹہ کا وقفہ تھا۔ لیکن چونکہ بعد از وقفہ ایک نامی وکیل اسلام کی طرف سے تقریر کا پیش ہونا تھا۔ اس لئے اکثر شائقین نے اپنی اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ ڈیڑھ بجنے میں ابھی بہت سا وقت باقی تھا کہ اسلامیہ کالج کا وسیع مکان جلد جلد بھرنے لگا۔ اور چند ہی منٹوں میں تمام مکان پُر ہو گیا۔ اس وقت کوئی سات آٹھ ہزار کے درمیان مجمع تھا۔ مختلف مذاہب و ملل اور سوسائٹیوں کے معتدبہ اور ذی علم آدمی موجود تھے۔ اگرچہ کرسیاں اور میزیں اور فرش نہایت ہی وسعت کے ساتھ بچھایا گیا لیکن صدہا آدمیوں کو کھڑا ہونے کے سوا اور کچھ نہ بن پڑا۔ اور ان کھڑے ہوئے شائقینوں میں بڑے بڑے رؤسا عمائد پنجاب، علماء و فضلاء، بیرسٹر، وکیل، پروفیسر، اکسٹرا اسسٹنٹ ڈاکٹر، غرضیکہ اعلیٰ طبقہ کے مختلف برانچوں کے ہر قسم کے آدمی موجود تھے جن کو نہایت صبر و تحمل کے ساتھ جوش سے برابر چار گھنٹے اس وقت ایک ٹانگ پر کھڑا رہنا پڑا۔ اس مضمون کے لئے اگرچہ کمیٹی کی طرف سے صرف دو گھنٹے ہی تھے۔ لیکن حاضرین جلسہ کو اس سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی کہ موڈریٹر صاحبان نے نہایت جوش اور خوشی کے ساتھ اجازت دی کہ جب تک یہ مضمون ختم نہ ہو تب تک کارروائی جلسہ کو ختم نہ کیا جاوے ان کا ایسا فرمانا عین اہل جلسہ اور حاضرین جلسہ کی منشاء کے مطابق تھا کیونکہ جب وقت گذرنے پر مولوی مبارک علی صاحب نے اپنا وقت بھی اس مضمون کے ختم ہونے کے لئے دیا حاضرین اور موڈریٹر صاحبان نے ایک نعرہ خوشی سے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ یہ مضمون شروع سے اخیر تک یکساں دلچسپی و مقبولیت اپنے ساتھ

ساتھ رکھتا تھا۔ (رپورٹ صفحہ ۷۹)

تالی جناب حضرت مرزا غلام احمد صاحب جن کی کل کی عالمانہ تحریر سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو خوش نہ ہوا ہو اور اس نے پسند نہ کی ہو۔ (رپورٹ از صفحہ ۱۵۴)

اہلِ مغرب محققین کی اس کتاب کے متعلق رائے

جب یہ کتاب یورپ میں گئی تو انکے محققین نے جو رائے اس کتاب کے متعلق دی ان میں سے چند کی رائے [illegible] ہیں:—

"یہ کتاب بنی نوع انسان کے لئے ایک خالص بشارت ہے۔"

پی اوکداد وجنیو کلیانی نے لکھا:—

"یہ کتاب عرفانِ الٰہی کا ایک چشمہ ہے۔"

تھیا سوفیکل بک نوٹس نے لکھا:—

"یہ کتاب محمد (صلعم) کے مذہب کی بہترین اور سب سے زیادہ دلکش تصویر ہے۔"

انڈین ریویو نے لکھا:—

"اس کتاب کے خیالات روشن جامع اور حکمت سے پُر ہیں۔ اور پڑھنے والے کے منہ سے بے اختیار اس کی تعریف نکلتی ہے۔"

مُسلم ریویو نے لکھا:—

"اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا اس میں بہت سے سچے اور عمیق اور اصلی اور رُوح افزا خیالات پائے گا۔"

رُوس کے مشہور فلاسفر ٹالسٹائی نے بھی اس کی خاص تعریف کی ہے۔

ایک سکھ عالم کی رائے

سردار رجندر سنگھ صاحب ایڈیٹر خالصہ بہادر لاہور نے دوران تقریر میں فرمایا:—

"وہ قرآن جس کو مرزا صاحب نے کل قابلیت سے بیان کیا اگر مسلمان اس قرآن پر اس طرح چلیں جس طرح مرزا صاحب نے بیان کیا تو پھر ان جیسا کون ہے۔"

جنرل دگوہر آصفی کلکتہ کی رائے

"اگر اس جلسے میں حضرت مرزا صاحب کا مضمون نہ ہوتا تو اسلامیوں پر غیر مذاہب والوں کے روبرو ذلت و ندامت کا قشقہ لگتا۔ مگر خدا کے زبردست ہاتھ نے مقدس اسلام کو گرنے سے بچا لیا۔ بلکہ اس کو اس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین تو موافقین مخالفین بھی سچے فطرتی جوش سے کہہ اُٹھے کہ یہ مضمون سب پر بالا ہے۔ بالا ہے۔"

مرزا حیرت صاحب دہلوی کی حضرت مرزا صاحب کی عالمانہ شان کے متعلق رائے

حضور کی وفات پر جو رائے مسٹر مرزا حیرت صاحب نے اپنے یکم جون کے کرزن گزٹ میں دی وہ حسب ذیل ہے:—

"مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں۔ وہ واقع میں بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اُس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ بہ حیثیت ایک مسلمان ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی۔ کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ جو بےنظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے ردّ میں لکھی گئی ہیں۔ اور جیسے دندان شکن جواب مخالفینِ اسلام کو دیئے گئے آج تک معقولیت سے ان کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ آریہ نہایت ہی بد تہذیبی سے اسے یا پیشوایان اسلام یا اصول اسلام کو گالیاں دیں کوئی معقول جواب نہ اب تک دیا نہ دے سکتے ہیں۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھے۔ مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔ ایک پُر جذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا۔ اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تو نپے تلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔

اگرچہ مرحوم کے اُردو علم ادب میں بعض مقامات پر پنجابی رنگ اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے تو بھی اس کا پُر زور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے اور واقعی اس کی بعض بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ایم۔اے اور بڑے بڑے فاضل مولوی بھی ہیں موجودہ زمانہ کے ایک مذہبی پیشوا کے لئے یہ کچھ کم فخر کا باعث نہیں۔ کہ قدیم و جدید (دونوں قسم کے) تعلیم یافتہ اس کے مرید بن جائیں۔"

مولوی محمد یوسف صاحب اور مرزا حیرت صاحب کی آراء میں تضاد

مولوی محمد یوسف صاحب لکھتے ہیں:—

"مرزا صاحب کی کوئی کتاب پڑھنے بیٹھئے تو ممکن نہیں کہ مرزا صاحب کے مراق بخارات سے (جن کو وہ حقائق و معارف کہا کرتے ہیں) خود آپ کا سر نہ چکرانے لگے۔"

اس کے بالمقابل جناب مرزا حیرت صاحب لکھتے ہیں:—

"اور واقعی اس کی بعض بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔" دونوں میں جو تفاوت ہے اس کے متعلق قارئین کرام خود ہی فیصلہ کرلیں کہ ان دونوں میں سے کس کی رائے قابل وقعت اور قابل قبول ہے۔ حیرت صاحب کے مقابلہ میں مولوی محمد یوسف صاحب کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔

قرآن کریم اور حدیث کی پیشگوئی کا پورا ہونا

سورۃ صف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ اس کے متعلق قریباً قریباً تمام مفسرین متفق ہیں کہ اسلام کا یہ غلبہ تمام ادیان پر اُمت میں آنے والے مسیح کے ذریعہ ہی ظاہر ہوگا۔ اب جبکہ سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعودؑ) کے ذریعہ ظاہر ہو گیا ہے تو حضورؑ کو مسیح موعود تسلیم نہ کرنے کے لئے مسلمانوں کے پاس کیا عذر ہے۔ حقیقتاً تو کوئی عذر نہیں سوائے بے جا ضد کے۔

اسی طرح حدیث میں آنے والے مسیح کے متعلق یہ الفاظ ہیں لتھلك الملل کلھا فی زمنہ الا الاسلام۔ یعنی آنے والے مسیح کے زمانہ میں سوائے اسلام کے باقی تمام مذاہب ہلاک ہو جائیں گے اور مذاہب کی ہلاکت آیت قرآنی لیھلك من ھلك عن بینۃ کے ماتحت بینّت سے ہی ہونی تھی جو سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعودؑ) کے ذریعہ ہو گئی اب سیدنا حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعودؑ تسلیم نہ کرنا سوائے اس کے کہ بے جا ضد اس میں روک ہو اور کوئی معقول وجہ مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۱۳ اراگست ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ۔ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۳۳

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد سجاد صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۱۱ر شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ - ۲۰ر اگست ۱۹۷۵ء | نمبر ۳۴

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

اَب زمین پر سچّا مذہب صرف اسلام ہے

تمام نبوتیں اور رسالتیں قرآن کریم اور آنحضرت صلعم پر ختم ہیں۔

دلی ایمان سے سمجھنا چاہیئے کہ نبوّت آنحضرت صلعم پر ختم ہو گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولٰکن رسول اللہ وخاتم النّبیین اس آیت کا انکار کرنا یا استخفاف کی نظر سے دیکھنا درحقیقت اسلام سے علیحدہ ہونا ہے جو شخص انکار میں حد سے گذر جاتا ہے جس طرح کہ وہ ایک خطرناک حالت میں ہے اسی طرح وہ بھی ایک خطرناک حالت میں ہے جو شیعوں کی طرح اعتقاد میں حد سے گذر جاتا ہے جاننا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ نے اپنی تمام نبوّتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ختم کر دیا ہے ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم خاتم الانبیاء اور قرآن شریف خاتم الکتُب ہے اور اللہ کے نام کی قرآن شریف میں یہ تعریف کی گئی ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جو رب العالمین اور رحمان اور رحیم ہے جس نے چھ دن میں زمین اور آسمان بنایا اور آدم کو پیدا کیا اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب کے آخر میں محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرّسل ہے۔۔۔۔ صرف خدا نے ہی خبر دی جس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو سب نبیوں کے آخر میں بھیجا تا تمام قوموں کو آپ کے جھنڈے کے نیچے اکٹھا کرے۔۔۔۔ اے تمام وہ لوگو! جو زمین پر رہتے ہو! اے تمام وہ انسانی روحو! جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو پورے زور کے ساتھ آپکو اس کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اَب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدّس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم ہے جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اسکی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی)

اسلام اور مسلمانوں کی جملہ مصائب کا واحد علاج

خود دعوت الی الحق کا عالی نصب العین ایک بڑھی ہوئی اور غالب قوم کے وجود کا طالب ہے۔ قرآن مجید میں جس جگہ دعوت الی الخیر کے مقصد کو بیان فرمایا وہاں اس سے قبل ایک اُمّت کے وجود کو ضروری و لازم قرار دیا ہے جیسے کہ ارشاد ہوا ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر اور کنتم خیر امۃ اخرجت للنّاس گویا دعوت و تبلیغ کا مقصد ایک ایسی جماعت کے وجود کو مقدم قرار دے رہا ہے جو صحیح معنوں میں مسلمان ہو۔ اسی طرح حدیث میں حضرت نبی کریم صلعم نے جس جگہ جہاد کو فرض ٹھہرایا وہاں اس فریضہ کی ادائیگی سے قبل صحیح رنگ میں تنظیم و اتّحاد کا پایا جانا لازم قرار دیا۔ علیکم بالجماعت کے جُملہ سے ابتداء کی یعنی جہاد کے لئے پہلی بات یہ ہے کہ ایک متحد و منظم جماعت موجود ہو۔ انہی ارشادات کے ماتحت جب اس زمانہ کے مامور و مجدّد نے اشاعت و تبلیغ کا بیڑا اُٹھایا تو اپنی تمام طاقتوں اور قوتوں کو ایک ایسی جماعت کی تعمیر و توسیع کے لئے وقف کر دیا جو صحیح رنگ میں دین اسلام کا نمونہ پیش کرنیوالی ہو۔ اپنے وجود کو تحدّی سے پیش کرنا۔ اپنے نشانات و کرامات کو بار بار دوہرانا۔ سلسلہ الٰہی میں شمولیت کی اہمیّت و عظمت کو واضح کرنا اور اس خدائی سلسلہ سے علیحدہ رہنے والوں کو ناکامی و خسران سے متنبہ کرنا یہی وہ امور ہیں جن کی انجام دہی پر حضرت مسیح موعودؑ کی آخری بیس سالہ زندگی شاہد ناطق ہے۔

> **شمس العلماء مولانا سیّد میر حسن صاحب**
>
> "افسوس ہم نے اس کی قدر نہ کی میں ان کے کمالات روحانی کو بیان نہیں کر سکتا۔ ان کی زندگی معمولی انسانوں کی زندگی نہ تھی بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خدا تعالےٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں۔" (الحکم ۷ اپریل ۱۹۳۴ء)

اگر آپ کے دل میں تبلیغ اسلام و اشاعت فرقان کا سچّا و دائمی جذبہ موجزن ہے تو آپ کے لئے سوائے اس کے اور کوئی راہ نہیں کہ اپنی جملہ طاقتوں کو اس جماعت کی تقویت و توسیع میں وقف کریں جو اس زمانہ میں اس کے لئے قائم و دائم ہے۔

اگر آپ کے سینہ میں مسلمان قوم کی سچّی اصلاح کا ولولہ ہے تو اس کی تکمیل کی ایک ہی صورت ممکن ہے اور وہ یہ کہ آپ والہانہ رنگ میں اس جماعت کی توسیع و ترقی میں کوشاں ہوں جو مصلحِ وقت کے دامنِ فیوض سے تربیّت یافتہ ہے۔

اگر آپ کو یہ درد و غم بے قرار کئے ہوئے ہے کہ ختم نبوّت و اتحادِ اسلام کے اعظم ارکان کا قیام ہو اور تکفیر کی مہلک مرض کا مسلمانوں میں سے قلع قمع ہو تو آپ کے لئے عملی رنگ میں صرف ایک ہی راہ کھلی ہے اور وہ یہ کہ اس جماعت کی خدمت و تقویت کے لئے کمربستہ ہو جائیں جو ان اُصولوں کی علمبردار ہو کر کھڑی ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور کے استحکام و تنظیم و ترقّی میں ہمہ تن اپنے آپ کو وقف کر دیں۔

جماعتی استحکام و توسیع کا ایک ہی نکتہ ہے جس سے اسلام اور مسلمانوں کی تمام مصائب و آلام کا علاج وابستہ ہے کیا آپ اپنی اس طرف پوری ہمّت و قوّت سے متوجّہ ہوں گے۔

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۷۵ء

ماموروقت کا لائحۂ عمل اور اس کی کامل اطاعت

کسی لائحہ عمل کی صحیح تکمیل کا تمامتر دارومدار اس امر پر منحصر ہے کہ اس کے مختلف اجزاء کیا کیا اہمیت رکھتے ہیں ان کا آپس میں مقام و درجہ کیا ہے اور کونسا جزو مقدم اور کونسا مؤخر ہے۔ اگر اجزاء کی ترتیب و تقدیم کا لحاظ نہ رکھا جائے بلکہ سادگی سے محض یہ سمجھ لیا جائے کہ جب تک نیت نیک اور منتہائے نظر صحیح موجود ہے تب تک کچھ حرج نہیں کہ کونسا جزو مقدم کر لیا جائے یا کسی کو مؤخر مقام نہ دیا جائے۔ اس سے کچھ فساد لازم نہ آئے گا تو ایسا نظریہ خطرناک بات ہے۔ بلکہ اکثر مرتبہ نتیجہ اس کا یہ نکلتا ہے کہ مقصد فوت ہو جاتا اور لائحہ عمل تشنۂ تکمیل رہ جاتا ہے۔ لہٰذا کسی دینی مقصد کی تکمیل کے لئے جہاں دیگر امور ضروریہ لازم پڑے ہیں وہاں ان لوگوں کے لئے جن کے ہاتھ میں جماعتوں یا قوموں کی باگ ڈور ہو اس امر کا ملحوظ رکھنا نہایت ضروری و اہم ہے کہ مقاصد کی تکمیل کے جملہ ذرائع کا آپس میں تعلق و ربط کیا ہے ان میں سے مقدم کون ہیں اور مؤخر کونسے۔ اس امر کی وضاحت کے لئے کہ محض تقدیم و تاخیر نتائج میں کس قدر عظیم الشان فرق پیدا کر دیتے ہیں۔ ایک دو مثالیں عرض ہیں۔

مثلاً مذہب اور لامذہبیت میں اصل فرق کیا ہے؟ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی تقدیم و تاخیر کا بظاہر معمولی سا ہیر پھیر ہے جس سے اتنا عظیم الشان فرق جا پڑتا ہے۔ اگر ایک فرد یا قوم دینی اصولوں اور اخلاقی قواعد کو مقدم کر لے اور دنیاوی مفاد کو مؤخر درجہ دیدے تو عملی رنگ میں اسی نے مذہب کو تسلیم کر کے اس پر عمل کیا۔ لیکن اس کے برخلاف جب دنیاوی مفاد کو مقدم کر کے دینی و اخلاقی اصولوں کو اس کے پیچھے چلایا جائے تو پھر اس کا آخری نتیجہ عملی رنگ میں بجز لامذہبیت کے اور کچھ نہ نکلے گا۔ اب جائے غور ہے کہ ایک مسلمان بھی دنیاوی مقاصد و مفاد سے قطع تعلق نہیں کر لیتا۔ نہ ہی ایک ملحد و لامذہب انسان اخلاقی اصولوں سے منکر ہوتا ہے لیکن یہ صرف تقدیم و تاخیر کا ذرا سا پیچ ہے جس سے نتائج میں فرق کہاں سے کہاں جا پڑتا ہے۔

ایک اور مثال لیجئے۔ قرآنی تعلیم کا مطالعہ ہمیں بتلاتا ہے کہ جہاں قومی رنگ میں ایمان و عمل صالح موجود ہوں وہاں آخر کار اس کے نتیجہ میں حکومت و سلطنت اور عزت و آزادی کا حاصل ہو جانا لازمی امر ہے۔ ان الارض یرثھا عبادی الصالحون اور تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر۔ اور دیگر اسی قسم کی آیات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی قوم ایمان و عمل صالح کو کمال تک پہنچانے والی موجود ہو اور پھر وہ ملک میں معزز و منصور ہو کر حاکم و آزاد نہ ہو جائے بلکہ ذلیل و محکوم ہی رہے

لیکن اس میں مقدم امر ایمان و عمل صالح کا کمال ہے۔ جس کا اجتماعی رنگ میں پیدا ہونا ضروری ہے۔ عزت حکومت وغیرہ اس کے نتیجہ میں آتی ہیں۔

ماموروں و مجددین کی بعثت کی علتِ غائی

بعض اصحاب کا یہ خیال ہے کہ ماموروں اور مجددوں کا کام صرف اسی امر تک محدود ہوتا ہے کہ وہ مسلمان قوم کو قرآن کریم و اسوۂ حسنہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں یا یہ کہ وہ اسلام کے غلبہ کا یقین پیدا کر دیتے ہیں اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ان کے مقاصد یہی ہوا کرتے ہیں لیکن ان مقاصد کے حصول کے لئے مجدد وقت ایسا لائحہ عمل تجویز کرتے ہیں جو حالات زمانہ میں کامیابی و کامرانی لانے کا موجب ہوتا ہے۔ مامور و مجدد صرف قرآن کریم و اسوۂ حسنہ کی طرف توجہ نہیں دلاتے بلکہ اس پر عمل پیرا کر ادیتے ہیں اور وہ صرف غلبۂ دین کا یقین ہی پیدا نہیں کرتے بلکہ امر واقعہ میں غلبہ کرا کے دکھلا دیتے ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے ممکن العمل ہو جاتا ہے کہ ضرورت وقت کے لحاظ سے وہ اس ترتیب و ربط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ جو ذرائع حصول کے اجزاء مختلفہ کو آپس میں حاصل ہوتا ہے انہیں یہ قطعی علم ہوتا ہے کہ کس جزو کو کس جگہ اور کس مقام پر رکھنا ہے اور کسی دوسرے جزو کا کیا مرتبہ و مقام ہے۔ غرضیکہ وہ ایک مکمل پروگرام پیش کر کے اور اس پر عمل پیرا ہو کر اس کی کامیابی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ ماموروں کی سچی متابعت کا یہ تقاضا ہے کہ نہ صرف معتقدات صحیح ہوں۔ نیات نیک ہوں اور نصب العین وہی ہو بلکہ یہ کہ اس نصب العین کے حصول کے لئے جن جن ذرائع کو مامور وقت نے استعمال کیا اسی رنگ پر انہیں استعمال کیا جائے۔ جس جس جزو کو اس نے جو جو مقام و مرتبہ دیا وہی درجہ اسے دیا جائے۔ اور جس جس قوم سے کسی قسم کا سلوک اس نے روا رکھا اسی قسم کا تعلق ان سے لگایا جاوے جس جذبہ کا اظہار اس نے جس رنگ میں کیا اسی رنگ میں اپنے آپ کو رنگا جائے۔ روحانی انقلاب برپا کر دینا کوئی معمولی امر نہیں ہے۔ مقاصد میں وہ فلاح حاصل کر لینا جس کے لئے مامور کا نزول ہوتا ہے ایک ایسا راستہ ہے جو صراط مستقیم ہے اور بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ مامور وقت کے ٹھیک راستہ سے ذرا سا ادھر ادھر ہو جانا کامیابی کے نتائج میں عظیم الشان فرق ڈال دیتا ہے۔

احیاء دین کے دو اہم جزو

چودھویں صدی میں جو مجدد اعظم مبعوث ہو کر آیا اور اس نے جو لائحہ عمل قوم کے سامنے رکھا اس کے دو بڑے اہم اجزاء اصلاح و اشاعت ہیں۔ اپنی قوم کی اصلاحی جد و جہد اور غیروں میں اشاعت تعلیم دین۔ پھر صرف یہی نہیں کہ اس نے ان امور کی طرف اشارہ کر دیا ہو بلکہ اپنی زندگی میں ان کو عملی جامہ پہنا کر بتلا دیا کہ کیونکر کامیابی مقدر ہے اور ان دونوں کا آپس میں تعلق کیا ہے۔ مسلمان قوم کی اصلاح کے لئے جن امور کی ضرورت ہے اور جس رنگِ اصلاح کو اختیار کرنے سے قوم کی حالت نے سدھرنا ہے۔ ان تمام امور کو اختیار کر کے فلاح کی راہ واضح کر دی۔ مامور وقت پر کامل ایمان اس امر کا مقتضی ہے کہ احیاء دین کے دونوں اہم اجزاء یعنی اصلاح و اشاعت کو جو مقام و مرتبہ اس نے دیا وہی ہم دیں۔ اصلاح قوم کے لئے جن ذرائع کو اس نے استعمال کیا انہیں ہم استعمال کریں۔ جس قسم کا سلوک اس نے روا رکھا وہی ہم روا رکھیں۔ قوم کے جس قسم کے مخالفانہ رویہ کے مقابل اس نے دفاع کیا اسی رنگ میں ہم جد و جہد کرنے والے ہوں۔

حضرت مسیح موعودؑ کا فرمان:

"میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن ہو اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح اور تقویٰ کے راستہ پر چلے اور اخلاق کا اعلےٰ نمونہ قائم کرے تا پھر ایسی جماعت کے ذریعے دنیا ہدایت پائے اور خدا کا منشاء پورا ہو۔ جیس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل و براہین سے ہم نے دشمن پر غلبہ بھی پا لیا اور اس کو پوری طرح زیر بھی کر لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں کیونکہ اگر ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہ ہوئی تو ہمارا سارا کام رائیگاں گیا۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ دلائل و براہین کی فتح کے تو نمایاں طور پر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں اور دشمن بھی اپنی کمزوری محسوس کرنے لگا ہے۔ لیکن جو ہماری بعثت کی اصل غرض ہے اس کے متعلق ابھی تک جماعت میں بہت کمی ہے اور بڑی توجہ کی ضرورت ہے۔ پس یہ خیال ہے جو مجھے آج کل کھائے جا رہا ہے اور یہ اس قدر غالب آ رہا ہے کہ کسی وقت بھی مجھے نہیں چھوڑتا۔"

مکرم جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب ایم ایس سی

زیڈ۔ اے سلہری کے نام

(۲)

احادیث سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنگ اور قتال میں شمولیت کے لئے کچھ استثنائی صورتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری شریف میں باب حج النساء میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ فلاں لشکر کے ساتھ نکلوں اور میری بیوی حج کو جانا چاہتی ہے۔ فرمایا اس کے ساتھ جاؤ۔ کتاب الجہاد میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے ایک روایت آئی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے جہاد کے لئے اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا انہی (کی خدمت) کا جہاد کر۔ لیکن قرآن کے ذریعے جہاد میں ایسی کوئی استثنائی صورتیں نہیں۔ محرم۔ رجب۔ ذیقعدہ اور ذی الحج میں جنگ اور قتال کا حرام ہونا اور بیت الحرام میں اس کا منع ہونا بھی ایک استثنائی صورت ہے۔ ان مہینوں میں اور اس مقام پر اگر کافر جنگ میں پہل نہ کریں تو مسلمانوں کو اپنے ہاتھ روکے رکھنے کا حکم ہے۔

کیا آپ تاریخ اسلام سے کوئی ایسی شہادت پیش کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفوں کے خلاف کسی بھی جنگ میں پہل کی ہو۔ یا جن قبائل نے صلح کے لئے ہاتھ بڑھایا ہو اس کے خلاف جنگ جاری رکھی ہو۔ آپ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے جس انسانِ کاملؐ کا لقب ہی رحمۃ للعالمین ہے وہ دنیا میں فتنہ و فساد اور قتل و غارت کی آگ بھڑکانے کیلئے نہیں بلکہ اس کے لئے سراسر رحم مجسم اور امن و سکون کا پیغامبر بن کر آیا تھا۔ وہ اس دنیا سے استحصال۔ ظلم و ستم اور جبر و استبداد کی قوتوں کو مٹانے کے لئے اور اس پر صلح و آشتی کی بارانِ رحمت برسانے کے لئے آیا تھا۔ آپ اس معصوموں کے سردار کے دامنِ شرافت کو یہ کہکر کیوں داغدار کرتے ہیں کہ اس نے اسلام اور قرآن کا پیغام دنیا کو پہنچانے کے لئے تلوار کا سہارا لیا۔ اس سے تو خود اسلام کے بنیادی معنوں کی ہی جڑ کٹتی ہے۔ اور قرآن کریم کی قوتِ تسخیر قلوب پہ تبر چلتا ہے۔ مغرب کی اسلام دشمن قوتوں کے ہمنوا نہ بنئے۔ یہی تو وہ اعتراض ہے جسے وہ اسلام کے خلاف استعمال کرتے ہیں کہ یہ جبر و اکراہ سے پھیلا۔ دنیا آنحضرت صلعم کی قوتِ قدسی کے سامنے نہیں آپؐ کی تلوار کے سامنے سرنگوں ہوئی۔ جن لوگوں نے دل سے نہیں بلکہ تلوار کے خوف سے اسلام قبول کیا ان میں بہت سے آپ کی وفات کے بعد نہ صرف منحرف ہو گئے بلکہ مسلمانوں کے خلاف صف آراء بھی ہوئے۔ لیکن جن کے قلوب کی گہرائیوں میں آپ اُتر گئے انہوں نے آپ پر فدا ہونے کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دیا اور پھر یہ بھی پیاس باقی رہی کہ کاش کچھ اور بھی ہو تو نثار کر دیں۔ تلوار کی تیز دھار میں یہ اثر پذیری کہاں۔

سلہری صاحب! اس برِ صغیر میں تلوار کے جہاد کے خلاف قرآن کریم کے ذریعے جہادِ کبیر کے تصور کو اپنانے والے اکیلے حضرت مرزا صاحب نہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لوگوں کے دلوں کو قرآن کریم کی روشنی سے منور کرنے کے لئے کوئی تلوار نہ اُٹھائی۔ اور اپنے دَور میں شمعِ اسلام کو روشن رکھنے کے لئے جو مصائب اور صعوبتیں برداشت کیں وہ تاریخ برِ صغیر کا ایک بصیرت افروز باب ہیں۔

شاید اس میدان میں آپ کی نظر حضرت سید احمد بریلویؒ پر پڑتی ہو کہ آپ نے جہاد کے لئے تلوار اُٹھائی۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن آپ بخوبی جانتے ہیں آپ کی تلوار کا رُخ بھی سکھوں کی طرف تھا نہ انگریزوں کی طرف۔ اس وقت انگریز آہستہ آہستہ شمالی اور مغربی ہندوستان کی طرف اپنے قدم بڑھاتا چلا آ رہا تھا۔ مدراس بنگال اور بمبئی پریذیڈنسی اس کے زیرِ نگیں آ چکی تھیں۔ وہ یوپی اور پنجاب کی طرف متوجہ ہو رہا تھا۔ لیکن حضرت سید احمد شہیدؒ نے پنجاب کو جہاں سکھوں کا تسلط تھا بلکہ صوبہ سرحد کو اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کے لئے انتخاب کیا۔ آخر کیوں کیا؟ انہوں نے انگریز کے خلاف نبرد آزما ہونے کا فیصلہ کیوں نہ کیا۔ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے ان کی اور ان کے ساتھیوں کی زبانی آپ کو یہی جواب ملے گا کہ انگریز ہم پر سیاسی تسلط کا خواہشمند تھا اسے کسی کے مذہبی عقائد سے کوئی سروکار نہ تھا۔ مگر جہاں جہاں سکھوں کی حکومت تھی انہوں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا ہوا تھا۔ ان کی مذہبی آزادی سلب ہو چکی تھی۔ وہ نہ اذان دے سکتے تھے۔ نہ قرآن پڑھ سکتے اور نہ نماز ادا کر سکتے تھے۔ گائے ذبح کرنے کی سزا موت تھی۔ انہوں نے مساجد کو گھوڑوں کے اصطبلوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ اور انہیں مسمار کر کے گوردواروں میں بدل دیا تھا۔ اسی لئے جہاد کے لئے سکھوں کے خلاف تلوار اٹھائی گئی نہ کہ انگریزوں کے خلاف۔ حضرت سید احمد شہید تیرھویں صدی کے مجدد تھے۔ آپ کا یہ فعل قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ ان کے بارے میں کیا فتوے صادر فرمائیں گے۔

ہندوستان کی سرزمین پر آخری جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں لڑی گئی۔ اس کی ناکامی کے اسباب میں ایک مسلمان تاریخ دان نے یہاں تک لکھا ہے کہ نظام حیدر آباد اور بہت سے دوسرے نوابوں نے انگریز کا ساتھ دیا۔ مسلمان نے مسلمان کی جاسوسی کی۔ اور اس کا جو دردناک نتیجہ نکلا وہ آپ کے سامنے ہے۔ کیا اس وقت بھی ان لوگوں کو حضرت مرزا صاحب نے انگریز کے خلاف جہاد میں شامل ہونے سے روکا تھا۔ ۱۸۷۷ء میں جب ملکہ وکٹوریہ کے قیصرہ ہند ہونے کا اعلان ہوا تو اس کے بعد کیا حضرت مرزا صاحب نے اس وقت کے ادیبوں اور شاعروں کو "تاج برطانیہ کی برکات" پر مضامین اور نظمیں لکھنے کو کہا تھا؟ کیا ان تحریروں نے جذبۂ جہاد کو اُبھارا یا سرد کیا؟

میں نے جس شعر کا حوالہ اوپر دیا ہے وہ تو غالباً ۱۸۹۱ء کے بعد کا ہے۔ جب انگریز نے برِ صغیر کے جسم میں اپنے زہریلے پنجے گاڑ کر اسے بالکل بے حس کر دیا تھا۔ اس بے حسی کی جھلکیاں بھی آپ کو اس وقت کے انگریزی، اردو اور ہندی بلکہ سنسکرت ادب میں بھی مل جائیں گی۔ مانے لیتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے جہاد حرام قرار دے دیا۔ ان کے تو اس وقت زیادہ سے زیادہ کوئی دو اڑھائی لاکھ مرید ہوں گے۔ جنہوں نے اس فتوے کو قبول کر لیا۔ مگر اس زمانے کے بڑے بڑے مسلمان مذہبی اور سیاسی رہنماؤں دوسرے کروڑوں مسلمانوں کو کیوں سانپ سونگھ گیا کہ قرآن کے صریح حکم کے خلاف لمبی تان کر سو گئے۔ اور اپنے گرد غلامی کی زنجیروں کو زیادہ مضبوطی سے کسنے پر راضی ہو کر بیٹھ گئے۔ کیوں کسی کو تلوار اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ محض تقریروں جلسوں۔ جلوسوں اور جیل جانے پر اکتفا کیا۔ ہماری آپ کے نزدیک کوئی جہاد نہیں کیا آپ مرزا صاحب کے ساتھ اس لئے انصاف نہیں کر سکتے کہ آپ کا دل بغض و حسد اور نفرت کی ایک ایسی قرارگاہ ہے جو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اگر دشمن بھی ہو تو قرآنی تعلیم کے مطابق اس کے ساتھ بھی عدل و احسان سے پیش آنا چاہیئے۔

آیئے آپ کو اس وقت "پاکستان کے سب سے بڑے مفسر" اور "مفکرِ قرآن" اور آپ کے روحانی قائد کا فتوےٰ بھی بتا دوں۔ کشمیر کے لاکھوں مسلمان اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لئے جب بھارت کے خلاف موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھے اور پاکستان اپنے بھائیوں کا اس آڑے وقت میں ساتھ دینے کے لئے باوجود بے سروسامانی کے ان کے شانہ بشانہ اور قدم بقدم جان و مال کی قربانی پیش کر رہا تھا۔ اس وقت اس مفکرِ عظیم کی طرف سے یہ فتوےٰ صادر ہوا کہ بھارت کے خلاف پاکستان کی جنگ "جہاد نہیں ہے"۔ کیا یہ بھی حضرت مرزا صاحب کے کہنے سے ہوا۔

اگر آپ کے نظریۂ جہاد کے مطابق صرف "جہاد بالسیف" ہی ہے تو پھر پاکستان کا قیام کس چیز کا مرہونِ منت ہے۔ حضرت قائداعظم نے نہ تلوار اُٹھائی اور نہ جیل گئے پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ "بنگلہ دیش" کے وجود میں آنے سے پہلے سب سے بڑی اسلامی ریاست صفحۂ ہستی پر نمودار ہوئی اور ساری دنیا کو انگشت بدنداں چھوڑ دیا۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال مرحوم کے ان اشعار کی آپ کے نزدیک کیا تفسیر اور تعبیر ہوگی

۱۔ یقیں محکم۔ عملِ پیہم۔ محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(۲) ——— کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

(۳) ——— دنیا کو ہے اس مہدیٔ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگاہ زلزلۂ عالمِ افکار

تلوار اٹھانے اور مرنے مارنے میں کوئی دیر نہیں لگتی لیکن دنیا کے نظریات بدلنے کے لئے ایک عمر چاہیئے۔ یہ طوق اور اغلال جن کا ذکر قرآن کریم میں بار بار آتا ہے وہ تعصبات اور فرسودہ نظریات ہیں جنہیں مٹا کر زندگی کی حقیقی رُوح اور مقصد سے آشنا کرنے کے لئے محسنِ انسانیت تشریف لائے تھے۔ مکے میں ۱۳ سال اسی میں لگ سکتا۔ خدا کے ماموروں کا اوّلین فرض الٰہی اسرار و رموز کا انکشاف ہوتا ہے جب ساری قوتوں کے سرچشمہ سے تعلق پیدا ہو جائے تو بازو میں بھی قوت آ جاتی ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ مسلمان آج غیر سے آنکھ ملانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ قرآن حکیم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "ان کے خلاف حسب استطاعت تیاری کرو"۔ کیا ۱۸۸۵ء سے آج تک مسلمانوں نے کبھی اس آیت پر غور فرمانے کی زحمت گوارا کی اور اس پر عمل کیا۔ آج کی اسلام دشمن طاغوتی ایٹمی طاقتوں کے خلاف صف آراء ہونے کے لئے مسلمانوں کے پاس کونسا ہتھیار موثر ہے کہ وہ میدانِ جہاد میں کود پڑیں۔ اگر ایسا نہیں تو خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا بھی قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ ممکن ہے اس کے جواب میں آپ شاعرِ مشرق کا یہ شعر پیش کر کے جواب دینے کی سعی فرمادیں:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

لیکن "بے تیغ" ہونے کے ساتھ "مومن" ہونا شرطِ اوّلین ہے۔ اور ایسے مومن کی تعریف سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں دیکھ لیجئے جہاں اعراب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مومن صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر کچھ شک نہیں کرتے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ یہی صادق ہیں۔ تمام دنیا کے مسلمانوں کی عملی زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے انصاف سے کہئے۔ کہ کیا وہ اس تعریف پہ پورے اُترتے ہیں۔ "اس دور کے اسلام" کے خلاف آج سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ اگر یہ ایک قابلِ عمل مذہب ہے تو غیر مسلموں کے مقابلے میں مسلمانوں کی پستی اور ذلت کی کیا وجوہات ہیں۔ کوئی ذی عقل اور ذی ہوش مسلمان اس کا جواب یہ ہرگز نہیں دے گا کہ مسلمانوں نے تلوار اُٹھانا چھوڑ دیا بلکہ اس کا جواب یہی ہوگا کہ انہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا کیونکہ اگر اسے قرآن مجید سے تھوڑی سی بھی واقفیت ہے تو اسے معلوم ہوگا کہ سورۃ طٰہٰ کی دوسری آیت میں رسول کریمؐ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے قرآن تم پہ اس لئے نہیں اتارا کہ تم ناکام رہو"۔ اور سورۃ الفرقان کی آیت ۳۰ میں اپنے ربّ کے سامنے آنحضرت کی یہ شکایت کہ "اے میرے ربّ میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز کی طرح قرار دیا" کس طرح اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ قرآن تو مسلمانوں کو انسانیت کی عظمتوں اور رفعتوں کو پانے کے لئے نازل کیا گیا تھا لیکن وہ اسے چھوڑی ہوئی چیز کی طرح طاقِ نسیاں میں رکھ کر پستیوں میں گر گئے۔ اگر آپ رنگین چشمے اتار کر دیکھیں گے تو آپ کو اس حقیقت تک پہنچنے میں کوئی دقت نہیں پیش آئے گی کہ اسی بھولے ہوئے سبق کو یاد دلانے کے لئے حضرت مرزا صاحب تشریف لائے تھے جیسا کہ خود آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اسی زمانے میں اگر ایمان ثریا سے معلق ہوگا تو بھی ابنائے فارس میں سے ایک شخص اسے وہاں سے اتار لائے گا۔ اس میں اشارہ یہی ہے کہ قرآن ان کے ہاتھوں میں دے گا۔ آپ نہ کریں لیکن اس حقیقت کو آنے والا مؤرخ ضرور تسلیم کرے گا۔

ایسے انصاف پسند لوگ آج بھی کم رہے ہیں جو جاہ پسندی۔ مفاد پرستی اور ہوسِ اقتدار کے بندھنوں سے آزاد ہیں۔

جیسا کہ میں اوپر ذکر کر آیا ہوں آپ اپنے مقالوں میں یہ بھی لکھتے رہتے ہیں کہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اس کی اساس نظریۂ اسلام ہے۔ اس لئے اس کا اسلامی تشخص اگر برقرار نہ رکھا گیا تو پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائیگا اس حقیقت کی اہمیت جماعت احمدیہ لاہور سے زیادہ کون جان سکتا ہے جس کے انگریزی اخبار LIGHT (لائٹ) کے پُرانے پرچے اس پر شاہد ناطق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے مخالفے اور قدمے پاکستان کی تشکیل کے لئے رات دن ایک کر دیئے۔ اور آپ بھی اُن کے دامِ ہمرنگ زمین میں آکر آج یہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے توبہ کر لی ہے اور مسلم لیگ کو ان کے ساتھ تعاون کی دعوت دے رہے ہیں لیکن :—

میری توبہ ہے ایسی جس کو خود توبہ کی حاجت ہے
بدل جاتی ہے نیت یاد جب پیمانہ آتا ہے

یہ بھی آنے والا وقت بتائے گا کہ پاکستان سے دغا کس نے کی اور اس پر ستم ڈھانے کے ذمہ دار کون تھے۔ ان سازشوں پر سے پردہ ایک روز اُٹھ کر رہیگا۔

محترم اس دنیا میں وہ کونسا اسلام ہے جس پر پاکستان کی بنیادیں استوار ہوئیں اگر اسلام ایک ہی ہے تو یہ حنفی۔ مالکی۔ شافعی اور حنبلی فقہ کا کیا مطلب۔ یہاں کے سکولوں اور کالجوں میں دینیات کے دو مختلف کورس کیوں۔ عرب باوجود مذہب۔ زبان اور ثقافت کے اشتراک کے حجازی۔ اُردنی۔ شامی۔ مصری۔ یمنی۔ اور عراقی کیوں ہو گئے۔ بنگلہ دیش کیوں بن گیا۔ پختون۔ بلوچی۔ سندھی اور پنجابی کا نعرہ کیوں لگایا جا رہا ہے۔ حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے لے کر کاشغر تک ایک ہونے کی بجائے ملت تفرقوں کا شکار کیوں ہو گئی۔ انہی واقعات کے مدِنظر مغربی مفکرین یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ اسلام میں وہ قوتِ فعال کیا تھی اور کہاں گئی۔ اگر بقول علامہ اقبال ختمِ نبوت کا مقصد انسانیت کو ایک نقطہ پر جمع کرنا اور تفرقے مٹانا تھا تو یہ مقصد عملاً کیوں پورا نہ ہوا۔ ایک مسجد کے امام کو دوسرے امام کے پیچھے نماز ادا کرنا گوارا نہیں۔ اگر جملہ معترضہ کے طور پر یہ عرض کر دوں کہ جماعت لاہور سے بڑھ کر ختمِ نبوت کا قائل کون ہے۔ اگر شک ہو تو حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب مرحوم و مغفور امیر جماعت احمدیہ لاہور کی تفسیر بیان القرآن میں سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۰ کی تفسیر اور نوٹ ملاحظہ فرما لیں۔ اور اگر وقت اجازت دے تو ذرا "النبوۃ فی الاسلام" کا بھی سرسری جائزہ لے لیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس میں آپ کو وہ روشنی ملے گی جو ابھی تک محض نفرت کے گرد و غبار نے آپ کی آنکھوں سے اوجھل رکھی۔

جنابِ من! مغربی ممالک میں HUMANITARIANISM کی تحریک اس بات کا ثبوت ہے کہ انسانیت ایک ایسے مذہب کی تلاش میں ہے جو فرد اور فرد کے درمیان۔ قوم اور قوم کے درمیان، ملک اور ملک کے درمیان کھڑی کی گئی نفرت کی مصنوعی دیواروں کو ڈھا کر ان میں پیار۔ محبت اور خلوص کے جذبات کو ابھار کر سکے اطمینان اور سکون دلا سکے۔ یقیناً وہ مذہب اسلام ہے لیکن آج کے مسلمان کا اسلام نہیں۔ قرآن کریم کا اسلام۔ اس اسلام میں نسلِ انسانی کے لئے ایک پیغام ہے ایک بشارت ہے ایک نقطہ ماسکہ ہے۔ جس پر مختلف سمتوں سے آنے والی شعاعیں ایک مرکز پر جمع ہو جاتی ہیں۔ وہ نقطہ کیا ہے اللہ۔ اور اس کے متعلق جو پیغام رحمۃ للعٰلمین نے دیا وہ سورۃ آل عمران کی آیت ۶۳ میں دیکھ لیجئے:

"کہو اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے اور اگر وہ پھر جائیں تو

(باقی برصفحہ ۱۲ کالم ۲)

مکرم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

مولوی محمد یوسف صاحب لدھیانوی نامہ نگار ماہنامہ الحق کی دو کھلی کھلی غلط بیانیاں

(قسط دوم)

مولوی محمد یوسف صاحب کی دو غلط بیانیاں مولوی محمد یوسف صاحب نے اپنے مضمون کے شروع میں لکھا ہے:

"مرزا غلام احمد قادیانی مراق اور ذیابیطس کے مریض تھے اور یہ دونوں مرض ان کو دعوئے نبوت و مسیحیت کے انعام میں عطا کئے گئے تھے۔"

مرزا صاحب لکھتے ہیں:—

"دو مرض میرے لاحق حال ہیں، ایک بدن کے اُوپر کے حصہ میں۔ اور دوسری بدن کے نیچے کے حصہ میں۔ اُوپر کے حصہ میں دورانِ سر ہے اور نیچے کے حصہ میں کثرت پیشاب ہے۔ اور یہ دونوں مرضیں اسی زمانہ سے ہیں جس زمانہ سے میں نے اپنا دعوئے مامور من اللہ ہونے کا شائع کیا ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص ۳۰۷) نامہ نگار صاحب نے ص ۲۰۷ غلط لکھا ہے۔

دو صریح غلط بیانیاں مولوی صاحب موصوف نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں دو صریح غلط بیانیوں سے کام لیا ہے ایک تو یہ کہ انہوں نے حضرت اقدس المسیح الموعودؑ کی طرف مراق کی مرض منسوب کی ہے اور دوسرے حضورؑ کی طرف دعوئے نبوت منسوب کیا ہے اور یہ دونوں باتیں ہی غلط اور مبنی بر افتراء ہیں۔

جہاں تک مراق کی مرض کو حضورؑ کی طرف منسوب کرنے کا تعلق ہے اس کا مبنی بر جھوٹ ہونا خود حضورؑ کی اسی تحریر سے واضح ہے جو مولوی صاحب موصوف نے خود حضور کی نقل کی ہے، اس میں حضورؑ نے اپنی جس بیماری کا ذکر کیا ہے وہ مراق نہیں بلکہ دورانِ سر ہے فرماتے ہیں:— "اُوپر کے حصہ میں دورانِ سر ہے۔" اب دورانِ سر کو مراق کہنا کیا تحریف کی بدترین مثال نہیں۔

قارئین کرام خود ہی فیصلہ کرلیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مخالف علماء حضورؑ کی ذات پر اعتراض کرتے ہوئے کہاں تک تقوےٰ سے کام لیتے ہیں شاید ان لوگوں کو مرنا یاد نہیں اور نہ یہ یاد ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ ہر فعل کا ہمیں خدا کے حضور جواب دینا پڑے گا۔ علاوہ ازیں انہیں سورۃ الاحزاب ع کی یہ آیت بھی یاد نہیں جس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:—

"والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتانًا واِثمًا مبینًا"

دورانِ سر کو مراق میں تبدیل کر دینا کیا یہ صریح بہتان نہیں، کیا مومنوں پر بہتان باندھنا آیت کی رُو سے انسان کو کھلے کھلے گناہ کا مرتکب نہیں بنا دیتا۔ اب ذیل میں اپنی اس بیماری کے متعلق جو کچھ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی کے (ص ۲۰۷ نہیں جیسا کہ مولوی صاحب موصوف نے لکھا ہے) ص ۳۰۷ پر حضورؑ نے تحریر فرمایا ہے درج کرتا ہوں:—

"مجھے دماغی کمزوری اور دورانِ سر کی وجہ سے بہت سی ناطاقتی ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اب میری حالت بالکل تالیف و تصنیف کے لائق نہیں رہی اور ایسی کمزوری تھی کہ گویا بدن میں رُوح نہیں تھی۔ اس حالت میں مجھے الہام ہوا تُرَدُّ الیک انوار الشباب۔ یعنی جوانی کے نور تیری طرف واپس کئے جائیں گے۔ بعد اس کے چند روز میں ہی مجھے محسوس ہوا کہ میری گم شدہ قوتیں پھر واپس آتی جاتی ہیں۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد مجھ میں اس قدر طاقت ہوگئی کہ میں ہر روز دو دو جزو نو تالیف کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھ سکتا ہوں اور نہ صرف لکھنا بلکہ سوچنا اور فکر کرنا جو نئی تالیف کے لئے ضروری ہے پورے طور پر میسّر آگیا ہاں دو مرض میرے لاحق حال ہیں ایک بدن کے اُوپر کے حصہ میں۔ اور دوسری بدن کے نیچے کے حصہ میں اُوپر کے حصہ میں دورانِ سر ہے اور نیچے کے حصہ میں کثرت پیشاب اور یہ دونوں مرضیں اسی زمانہ سے ہیں جس زمانہ سے میں نے اپنا دعویٰ مامور من اللہ ہونے کا شائع کیا ہے میں نے ان کے لئے دعائیں بھی کیں مگر منع میں جواب پایا اور میرے دل میں القا کیا گیا کہ ابتداء سے مسیح موعودؑ کے لئے یہ نشان مقرر ہے کہ وہ دو زرد چادروں کے ساتھ دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اُترے گا۔ سو یہ وہی دو زرد چادریں ہیں جو میری جسمانی حالت کے ساتھ شامل کی گئیں انبیاء علیہم السلام کے اتفاق سے زرد چادر کی تعبیر بیماری ہے اور دو زرد چادریں دو بیماریاں ہیں جو دو حصہ بدن پر مشتمل ہیں۔ اور میرے پر بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے یہی کھولا گیا ہے کہ دو زرد چادروں سے مراد دو بیماریاں ہیں اور ضرور تھا کہ خدا تعالےٰ کا فرمودہ پورا ہوتا یاد رہے کہ مسیح موعودؑ کی خاص علامتوں میں سے یہ لکھا ہے کہ وہ دو زرد چادروں کے ساتھ اترے گا .... پس دو زرد چادروں کی نسبت ہم بیان کر چکے ہیں کہ دو بیماریاں ہیں جو بطور علامت کے مسیح موعود کے جسم کو اُن کا روزِ ازل سے لاحق ہونا مقدر کیا گیا تھا تا اس کی غیر معمولی صحت بھی ایک نشان ہو۔"

دونوں بیماریاں حضورؑ کی صداقت پر دال ہیں جن دو بیماریوں پر مولوی صاحب موصوف نے مذاق اڑایا ہے وہ تو حضورؑ کے دعوئ مسیحیت کو سچا ثابت کرنے کے لئے بطور دلیل اور نشان کے کام دے رہی ہیں ظاہر ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم نے اُمت میں آنے والے مسیح کے متعلق جو علامات بیان فرمائی ہیں ان کا علم آنحضور صلعم کو بذریعہ کشف ہوتا رہا ہے اور خوابیں اور کشوف اکثر تعبیر طلب ہوتے ہیں اور زرد چادر کی تعبیر بیماری ہوتی ہے گویا آنے والے مسیح کے لئے حدیث میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ دعوئے کے وقت اُمت میں آنے والا مسیح دو بیماریوں میں مبتلا ہوگا ظاہر ہے کہ سیدنا حضرت مرزا صاحب کے اختیار میں تو نہیں تھا کہ وہ یہ دونوں بیماریاں خود بخود پیدا کر لیتے۔ پس یہ دونوں بیماریاں آپ کی صداقت پر زبردست دلیل کا کام دے رہی ہیں کاش مخالف علماء اس سے فائدہ اُٹھائیں اور حضرت نبی کریم صلعم کی پیشگوئی کو پورا ہوتا دیکھ کر حضورؑ کی صداقت کو دل سے تسلیم کرتے ہوئے حضور کے دامن کے ساتھ وابستہ ہو جائیں۔

حضرت نبی کریم صلعم کے دشمنوں کا ردّیہ مولوی صاحب موصوف اور ان کے ہم نوا یاد رکھیں کہ وہ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی طرف ہی بطور جھوٹ ایسی بیماریاں منسوب کرنے کی جرأت نہیں کرتے بلکہ حضورؑ کے آقا اور نبیوں کے سردار حضرت نبی کریم صلعم کی طرف بھی آنحضور صلعم کے دشمنوں نے بھی بعینہٖ اسی قسم کی بیماریاں منسوب کرکے آنحضور صلعم سے لوگوں کو دُور رکھنے کی کوشش کی ہے اگر آپ کو حوالوں کی ضرورت ہوئی تو وہ بھی پیش کر دیئے جاویں گے۔ سردست بخاری کی ایک حدیث ہی آپ کے علم میں لاتا ہوں:—

عن عائشۃ رض قالت سُحِرَ النبی حتی کان یخیل الیہ انہ یفعل الشیٔ وما یفعلہ (بخاری کتاب بدء الخلق)

اب بتلایئے کہ بخاری جیسی کتاب جسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ خیال کیا جاتا ہے وہ بھی ایسی واہیات روایت کو نقل کرنے سے نہیں رُک سکا تو باقیوں کا کیا کہنا۔ سیدنا حضرت مرزا صاحب کی ذات پر زبانِ اعتراض دراز کرنا تو ان علماء کے نزدیک معمولی بات ہے۔ ان میں سے بعض کی زبان سے تو اولوالعزم نبی بھی نہیں بچ سکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تین جھوٹ منسوب کئے گئے ہیں۔ حضرت داؤد پر کیسی گھناؤنی تہمت لگائی گئی ہے حضرت یوسفؑ بھی ان کی الزام تراشی سے محفوظ نہیں رہ سکے اور تو اور خود حضرت نبی کریم صلعم بھی ان کی بدگمانیوں سے نہیں

نہیں بچ سکے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

قرآن کریم پر دشمنوں کے ریمارکس اسی طرح سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کے متعلق جو خامہ فرسائی مولوی صاحب موصوف نے کی ہے مستشرقین نے بھی اسی قسم کی خامہ فرسائی خدا کی کتاب قرآن مجید کے متعلق کی ہے۔ انہوں نے صاف لکھا ہے کہ قرآن ایک [illegible] دیوانے کی بڑ ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں اعلےٰ درجہ کی ترتیب ہے اور وہ فصاحت و بلاغت کے انتہائی عروج پر پہنچا ہوا ہے اور باوجود چیلنج کے اس وقت تک قرآن کریم کی مثل لانے پر کوئی انسان قادر نہیں ہو سکا۔ لیکن جن کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہو اُن کو قرآن کی کوئی خوبی نظر نہیں آتی خوبی تو درکنار اس میں ان کو عیب ہی عیب نظر آتے ہیں اسی طرح مولوی صاحب موصوف اگر بُرا نہ منائیں تو میں کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ آپ بھی حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کو اسی نظر سے پڑھ رہے ہیں جس نظر سے مستشرقین نے قرآن کریم کو پڑھا ہے۔

دوسری غلط بیانی دوسری غلط بیانی مولوی صاحب موصوف سے یہ سرزد ہوئی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی طرف دعوےٰ نبوت منسوب کر دیا ہے حالانکہ جو عبارت حضورؑ کی انہوں نے نقل کی ہے اسی میں یہ الفاظ موجود ہیں "جس زمانہ سے میں نے اپنا دعوےٰ مامور من اللہ ہونے کا شائع کیا ہے" حضورؑ تو اپنے آپ کو مامور من اللہ لکھتے ہیں لیکن مولوی صاحب موصوف انہیں مدعی نبوت قرار دے رہے ہیں۔ کیا عالم ہوتے ہوئے مولوی صاحب موصوف نبی اور مامور میں جو فرق ہے اس سے بے خبر ہیں؟ ذیل میں حضور کی چند عبارتیں درج کرتا ہوں جن کو پڑھ کر ہر انصاف پسند قاری سمجھ سکتا ہے کہ حضورؑ کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنا کس قدر جھوٹ اور دیدہ دلیری ہے۔ مولوی صاحب موصوف کا یہ عذر کہ علماءِ ربوہ ان کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرتے ہیں قطعاً کسی قسم کی معقولیت اپنے اندر نہیں رکھتا اس بارے میں فیصلہ کن تو خود حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی تحریریں ہی ہو سکتی ہیں ان کے مقابلہ میں کسی اور کی تحریر کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

حضورؑ کی چند تحریریں ذیل میں حضورؑ کی چند تحریریں درج کی جاتی ہیں:۔ دیکھئے حضرت اقدسؑ اپنے اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" کے آخر میں لکھتے ہیں:۔

"اب اس تمام تحریر سے مطلب میرا یہ ہے کہ جاہل مخالف میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی یا رسول ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے مجھے ایسا کوئی دعوےٰ نہیں .... پس جو شخص میرے پر شرارت سے یہ الزام لگاتا ہے جو دعوےٰ نبوت اور رسالت کا کرتے ہیں وہ جھوٹا اور ناپاک خیال ہے"

پھر اپنی کتاب حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۳۹۰ پر فرماتے ہیں:۔

"پھر ایک اور نادانی یہ ہے کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کے لئے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے حالانکہ یہ ان کا سراسر افتراء ہے"

تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸ پر فرماتے ہیں:۔

"اور یہ کہنا کہ نبوت کا دعوےٰ کیا ہے کس قدر جہالت کس قدر حماقت اور کس قدر حق سے خروج ہے"

کتاب حمامۃ البشریٰ کے صفحہ ۹۶ پر فرماتے ہیں:۔

"مکفرین کے اعتراضوں میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں زمرۂ انبیاء کا فرد ہوں ان کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اے میرے بھائی جان لے کہ مَیں نے نبوت کا ہرگز دعویٰ نہیں کیا اور کبھی میں نے ان سے یہ نہیں کہا کہ میں جماعت انبیاء کا فرد ہوں لیکن انہوں نے جلد بازی سے کام لے کر میری طرف دعوےٰ نبوت منسوب کر دیا ہے اور میرے قول کو سمجھنے میں ان سے خطاء سرزد ہوئی ہے"

پھر اسی صفحہ پر فرماتے ہیں:۔

"مجھے کس طرح زیبا دیتا ہے کہ میں نبوت کا دعوےٰ کروں بالفاظ دیگر گویا اسلام کو چھوڑ کر اس سے الگ ہو جاؤں اور کافروں سے جا ملوں"

[illegible] اگر آپ مدعی نبوت ہوتے تو اس لفظ کو کاٹ کس طرح سکتے تھے۔ اس کے متعلق حضورؑ کی اصل عبارت یہ ہے:۔

"الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علےٰ رسولہ خاتم النبیین۔ اما بعد۔ تمام مسلمانوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام، توضیح مرام و ازالۃ الاوہام۔ میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدّث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے یا کہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رُو سے بیان کئے گئے ہیں ورنہ حاشا و کلّا۔ مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعوےٰ نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں کتاب ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۱۳۷ میں لکھ چکا ہوں۔ میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ہمارے سیّد و مولےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم خاتم الانبیاء ہیں۔ سو مَیں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں۔ تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصوّر فرما کر بجائے اس کے محدّث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ہے جس حالت میں ابتداء سے میری نیت میں جس کو اللہ تعالےٰ جلّ شانہٗ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدّث مراد ہے۔ جس کے معنے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے مکلّم مراد لئے ہیں یعنے محدّثوں کی نسبت فرمایا ہے:۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلّمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یک فی اُمّتی منھم احد فعمر صحیح بخاری جلد اوّل صفحہ ۵۲۱ پارہ ۱۴ باب مناقب عمرؓ تو پھر مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے پیرایہ میں بیان کرنے سے کیا عذر ہو سکتا ہے سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدّث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں۔ اور اس کو (یعنے لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمالیں" + اشتہار ۳ فروری ۱۸۹۲ء

اس کے علاوہ مدعی نبوت ہونے سے منکر ہونے کا ایک اور طریق بھی حضورؑ نے اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ حضورؑ نے اپنی وحی کو کبھی بھی وحی نبوت نہیں لکھا بلکہ ہمیشہ اپنی وحی کو وحی ولایت ہی لکھتے رہے ہیں اس کے ثبوت میں بھی چند حوالے نقل کئے جاتے ہیں۔ وحی نبوت کے متعلق حضورؑ نے صریح الفاظ میں لکھا کہ وہ حضرت آدم سے شروع ہوئی اور حضرت نبی کریم صلعم پر ختم ہو گئی اور اپنی وحی کے متعلق کھلے الفاظ میں لکھا:۔

پہلا حوالہ مولوی غلام دستگیر صاحب کے ایک قول کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ میں تو نبوت کا مدعی نہیں کہ تا فوری عذاب نازل کردں ان پر واضح رہے کہ ہم بھی نبوت کے مُدّعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت صلعم کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمدیہ اور بہ اتباع آنجناب صلی اللہ علیہ وسلّم اولیاء اللہ کو

ملتی ہے اس کے ہم قائل ہیں اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگاوے وہ تقوےٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے غرض جبکہ نبوت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا دعوےٰ ہے۔" پھر اپنی کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام کے ص۳۲۳ پر فرماتے ہیں:۔

"کبھی دنیا میں یہ ہوا ہے کہ کاذب کی خداتعالےٰ نے ایسی مدد کی ہو کہ وہ ۱۱ برس سے خدا تعالےٰ پر یہ افتراء کر رہا ہو کہ اس کی وحی ولایت اور وحی محدثیت میرے پر نازل ہوتی ہے اور خداتعالےٰ اس کی رگِ جان نہ کاٹے بلکہ اس کی پیشگوئیوں کو پورا کرکے آپ جیسے دشمنوں کو منفعل اور نادم اور لاجواب کرے"۔

پھر برکات الدعا ص۱۲ پر فرماتے ہیں:۔

"صاحب وحی محدثیت اپنے نبی متبوع کا پورا ہم رنگ ہوتا ہے اور بغیر نبوت اور تجدید احکام کے وہ سب باتیں اس کو دی جاتی ہیں جو نبی کو دی جاتی ہیں۔"

پھر برکات الدعا ص۱۳-۱۴ پر فرماتے ہیں:۔

"اسلام کے زندہ ہونے کا ثبوت اور نبوت کی یقینی حقیقت جو ہمیشہ ہر ایک زمانہ میں منکرین وحی کو ساکت کرسکے اسی حالت میں قائم رہ سکتی ہے کہ سلسلہ وحی بزرنگ محدثیت ہمیشہ کے لئے جاری رہے سو اس نے ایسا ہی کیا۔"

پھر ص۱۱ پر فرماتے ہیں:۔

"میں نے دیکھا ہے کہ اس وحی کے وقت جو برنگ وحی ولایت میرے پر نازل ہوتی ہے ایک خارجی اور شدید الاثر تصرف کا احساس ہوتا ہے"

جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ الحق اور نامہ نگار مولوی محمد یوسف صاحب مندرجہ بالا عبارتوں کو ملاحظہ فرماکر خود ہی از راہ انصاف فیصلہ کرلیں کہ آیا سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی (المسیح الموعودؑ) مدعی نبوت تھے یا مدعی ولایت۔ کیا مدعی نبوت پر لعنت بھیجنے والا شخص بھی دعویٰ نبوت کر سکتا ہے۔ خدارا انصاف سے کام لیتے ہوئے اس قسم کے بہتان سے آئندہ مجتنب رہنے کو اپنا وطیرہ بنائیں اللہ تعالےٰ آپ کو اتباع حق کی توفیق عطا فرمائے آمین والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

دارالسلام میں یوم وقار عمل

دو ہفتہ پیشتر مکرم میرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری نے بعد نماز جمعہ دفتر مرکزی میں منعقدہ ایک میٹنگ میں احمدیہ بلڈنگس کی صفائی سلسلہ میں دوستوں سے اپیل کی تھی۔ محترم سیکرٹری صاحب کی اس اپیل سے متاثر ہوکر جامعہ دارالسلام کے امام الصلوٰۃ جناب راجہ محمد افضل صاحب نے دوستوں سے مل کر دارالسلام کے ایک حصہ کی صفائی کا ۱۴ اگست کو پروگرام بنایا۔ حسب تجویز صبح ۸ بجے اکثر دوست۔ تمام اطفال اور شبان کے کچھ ممبران موقعہ پر پہنچ گئے اور سٹاف کوارٹرز کے شرقی و غربی پلاٹس کو تقریباً ایک گھنٹہ کی محنت اور جانفشانی سے مصفا اور خوش منظر بنا دیا۔ خود راجہ محمد افضل صاحب اور جناب ماسٹر اصغر علی صاحب نے دوستوں کے ہمراہ مزدوروں کی طرح کام کرکے وقار عمل کی ایک عمدہ مثال قائم کی۔ شبان میں سے زاھد جنجوعہ اور شاہد جنجوعہ نے قابلِ تعریف کام کیا۔

صفائی کی اس مہم سے اطفال کو بھی اپنا ماحول صاف رکھنے کی عمدہ تربیت ملی۔

اللہ تعالےٰ سب دوستوں کو یہ ہمت دے تاکہ وہ بھی اپنا ماحول صاف ستھرا رکھنے کے لئے محنت اور ہمت سے کام کر سکیں۔ (نامہ نگار)

ہفت روزہ پیغام صلح خود پڑھنے کے بعد اپنے دوسرے احباب تک پہنچائیں۔

مجدد الوقت کی آواز

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

اے حق کے طالبو اور اسلام کے سچے محبو! آپ لوگوں پر واضح ہے۔ کہ یہ زمانہ جس میں ہم لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا تاریک زمانہ ہے۔ کہ کیا ایمانی اور کیا عملی جس قدر امور ہیں۔ سب میں سخت فساد واقع ہوگیا ہے۔ اور ایک تیز آندھی ضلالت اور گمراہی کی ہر طرف چل رہی ہے۔ وہ چیز جس کو ایمان کہتے ہیں۔ اس کی جگہ چند لفظوں نے لے لی ہے۔ جن کا محض زبان سے اقرار کیا جاتا ہے۔ اور وہ امور جن کا نام اعمالِ صالحہ ہے ان کا مصداق چند رسوم یا اسراف اور ریاکاری کے کام سمجھے گئے ہیں۔ اور جو حقیقی نیکی ہے اس سے بکلی بے خبری ہے۔ اس زمانہ کا فلسفہ اور طبعی بھی روحانی صلاحیت کا سخت مخالف پڑا ہے۔ اس کے جذبات اس کے جاننے والوں پر نہایت بد اثر کرنے والے اور ظلمت کی طرف کھینچنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ وہ زہریلے مواد کو حرکت دیتے اور سوتے ہوئے شیطان کو جگا دیتے ہیں۔ ان علوم میں دخل رکھنے والے دینی امور میں اکثر ایسی بدعقیدگی پیدا کر لیتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کے مقرر کردہ اصولوں اور صوم و صلوٰۃ وغیرہ عبادت کے طریقوں کو تحقیر اور استہزاء کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں ان کے دلوں میں خدا تعالےٰ کے وجود کی بھی کچھ وقعت اور عظمت نہیں بلکہ اکثر اُن میں الحاد کے رنگ سے رنگین اور دہریت کے رگ و ریشہ سے پُر اور مسلمانوں کی اولاد کہلا کر پھر دشمنِ دین ہیں۔ جو لوگ کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ ہنوز وہ اپنے علوم ضروریہ کی تحصیل سے فارغ نہیں ہوتے کہ دین اور دین کی ہمدردی سے پہلے ہی فارغ اور مستعفی ہو چکتے ہیں۔ یہ میں نے صرف ایک شاخ کا ذکر کیا ہے جو حال کے زمانہ میں ضلالت کے پھلوں سے لدی ہوئی ہے۔ مگر اس کے سوا صدہا اور شاخیں بھی ہیں۔ جو اس سے کم نہیں۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کہ دنیا سے امانت اور دیانت ایسی اٹھ گئی ہے کہ گویا بکلی مفقود ہوگئی ہے۔ دنیا کمانے کے مکر اور فریب حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ جو شخص سب سے زیادہ شریر ہو وہی سب سے لائق سمجھا جاتا ہے طرح طرح کی ناراستی بد دیانتی، حرام کاری، دغا بازی، دروغگوئی اور نہایت درجہ کی روبہ بازی اور لالچ سے بھرے ہوئے منصوبے اور بدذاتی سے بھری ہوئی خصلتیں پھیلتی جاتی ہیں اور نہایت بے رحمی سے ملے ہوئے کینے اور جھگڑے ترقی پذیر ہیں۔ اور جذبات بہیمیہ اور سبعیہ کا ایک طوفان اٹھا ہوا ہے۔ اور جس قدر لوگ ان علوم اور قوانین مروجہ میں چست و چالاک ہوتے جاتے ہیں۔ اسی قدر نیک گوہری اور نیک کرداری کی طبعی خصلتیں اور حیا اور شرم اور خدا ترسی اور دیانت کی فطرتی خاصیتیں ان میں کم ہوتی جاتی ہیں۔

عیسائیوں کی تعلیم بھی سچائی اور ایمانداری کے اڑانے کے لئے کئی قسم کی سرنگیں طیار کر رہی ہے۔ اور عیسائی لوگ اسلام کے مٹا دینے کے لئے جھوٹ اور بناوٹ کی تمام باریک باتوں کو نہایت درجہ کی جانکاہی سے پیدا کرکے ہر ایک رہزنی کے موقعہ اور محل پر کام میں لا رہے ہیں۔ اور بہکانے کے لئے نئے نسخے اور گمراہ کرنے کی جدید صورتیں تراشی جاتی ہیں اور اس انسان کامل کی سخت توہین کر رہے ہیں جو تمام مقدسوں کا فخر اور تمام مقربوں کا سرتاج اور تمام بزرگ رسولوں کا سردار تھا۔ یہاں تک کہ ناٹک کے تماشاؤں میں نہایت شیطنت کے ساتھ اسلام اور ہادیٔ پاک اسلام کی بُرے بُرے پیرایوں میں تصویریں دکھلائی جاتی ہیں اور سوانگ نکالے جاتے ہیں۔ اور ایسی افترائی تہمتیں تھیٹر کے ذریعہ سے پھیلائی جاتی ہیں جن میں اسلام اور نبی پاک کی عزت کو خاک میں ملا دینے کے لئے پورا حرام زدگی خرچ کی گئی ہے۔

گر زمیں زیر و زبر گردد ندارم ہیچ غم — غم ہمی دارم کہ گم گردد رہِ رخشانِ تو
از زلزال جنبش دہ فطرتِ اغیار را — تا مگر آیند ترساں سوئے آں ایوان تو

میں اپنے ایک گذشتہ مضمون میں ثابت کر آیا ہوں کہ مجددین مامورین من اللہ ہوتے ہیں۔ اور وہ خود اپنے مجدد ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ اور یہ کہنا سراسر غلط ہے۔ کہ ان کے وفات پا جانے کے بعد علماء و اہل علم عوام ان کے علمی کارناموں کا جائزہ لے کر اپنی صوابدید سے انہیں منصب مجدد پر متمکن کر دیتے ہیں۔ اور میں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ مجددین کا قدم علی منہاج نبوت ہوتا ہے۔ اور ان کا [illegible] مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہونے کے باعث اُمت میں انکا بلند ترین مقام ہے۔ اب ایک ضروری سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا ان مصلحین و معلمین ربانی کو بطور امام اور پیشوا [illegible] اُمت کے لئے ضروری ہے یا نہیں۔ اگر ضروری ہے تو انکار اور ان کی [illegible] کیا نتائج نکلتے ہیں۔

[illegible] یہ بتاتی ہے۔ کہ خدا تعالےٰ ہر صدی کے سر پر کسی شخص کو مبعوث فرماتا ہے۔ جو تجدید دین کرتا ہے۔ اور اُمت محمدیہ کو فکر و عمل کی تجلہ گاہوں سے نکال کر صراط مستقیم پر چلنے کے لئے تازہ ولولہ، جوش اور قوت عمل عطا کرتا ہے۔ کون نہیں جانتا۔ کہ خدا نے اس دنیا کو بڑا ہی خوبصورت بنایا ہے۔ اور یہ انسان کو اپنی طرف ہر وقت کھینچتی رہتی ہے۔ خود انسان کی اپنی خواہشات آرزوؤں اور تمناؤں کی بھی کوئی حد نہیں۔ یہی طبعی خواہشات اور تمنائیں اسے ذوق عمل بخشتی ہیں۔ اس کارگاہ حیات میں انسان اپنی تمناؤں میں اُلجھ کر کہیں کا کہیں نکل جاتا ہے۔ اور اسے اتنا سوچنے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ کہ آخر اس کی پیدائش کا کیا مقصد ہے۔ وہ کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ اسے عقل و فکر کی نعمت کیوں ملی۔ جس سے وہ تسخیر کائنات کے لئے ہمہ وقت مہم جو رہتا ہے۔ افراد آدم کا غالب ترین حصہ تو محض حیوانوں کی طرح کسی بڑے عظیم مقصد کے بغیر زندگی گذارتا ہے۔ اور اس کی ساری ہمتیں خود اس کی اپنی ذات کے لئے وقف ہوتی ہیں۔ وہ بندۂ نفس اور سفلی خواہشات کا غلام ہوتا ہے۔ وہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے کسی بھی ضابطۂ اخلاق کی پابندی موجب نقصان سمجھتا ہے۔ گمراہی و ضلالت میں اپنے نفس کی خوشی اور شادمانی پاتا ہے۔ اس کے جن افعال کو اخلاقی اور قانونی ضابطۂ فسق و فجور اور گناہ قرار دیتا ہے۔ اُن سے حاصل ہونے والی لذتوں اور مسرتوں پر وہ ہزار جان سے فدا ہوتا ہے۔ اگر اخلاقی قدروں جن پر کسی مہذب، شائستہ، پُر وقار اور عافیت پناہ انسانی معاشرے کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس کی بدکرداری اور بدعملی سے مٹتی ہیں۔ تو مٹ جائیں۔ وہ صرف اس بات کا قائل ہے۔ کہ کوئی مرے کوئی جیوے۔ سُتھرا گھول بتاشے پیوے۔

لاریب اسلام نے ایک بے نظیر ضابطۂ حیات بنی نوع انسان کو عطا کیا ہے۔ قرآن نے انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے تمام اصول بیان کر دیئے ہیں۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے ان تمام اصولوں کی تفصیل اور تفسیر کر دی ہے۔ حضور صلعم نے یہ کھول کر بیان کر دیا ہے کہ کس طرح انسان کو اپنی جسمانی قوتوں، دماغی صلاحیتوں اور نفسانی خواہشات کو اعتدال پر رکھ کر استعمال کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ حقیقی خوشی اور اطمینان قلب جس کی تلاش وہ اپنی بے لگام ہمت کوشیوں سے کرتا ہے۔ اسے مستقل طور پر نصیب ہو جائے۔ اور یہ ساری زمین ہر رنگ میں فردوس بریں بن جائے۔ لیکن ہر انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے جو اسے بدی پر اُکساتا رہتا ہے اور نیکی کے خلاف نفرت کا سبق دیتا رہتا ہے۔ انسان چلتے چلتے اس کے فریب میں آ جاتا ہے اور بالعموم لغزش کھا ہی جاتا ہے۔ اس لئے اس کے فکر و عمل کی یہ کمزوری تقاضا کرتی ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا انتظام بدستور قائم رہے۔ جس سے آسمانی ہدایتوں کا انسانوں کی بستیوں میں عمل دخل مستقلاً جاری و ساری رہے۔ اور ایسے افراد بار بار پیدا ہوتے رہیں

معارف قرآنی سے دنیا کی تاریکیوں کو دور کریں۔ اور تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے دلوں میں رشد و ہدایت کے چراغ روشن کریں۔ اور منزل سے بھٹکے ہوئے مسافروں کو وہ نور عطا کریں۔ جو ان کی آنکھوں کے نور کا ممد و معاون ہو۔ تاکہ وہ گمراہی سے نکل کر جادۂ صواب پر گامزن ہو جائیں۔ اور ہلاک ہونے سے بچ جائیں۔

اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور قرآن مجید ہی ہماری رہبری اور پیشوائی کے لئے کافی ہے اور ہمیں کسی اور کی پیروی کی حاجت نہیں تو ہمیں اس کے ساتھ اس حد تک ضرور اتفاق کرنا ہوگا۔ کہ حسب ارشاد خداوندی لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخرۃ واقعی ہمارے لئے قابل تقلید و پیروی صرف ہمارے نبی صلی اللہ کا ہی پاک نمونہ ہے لیکن یہ بھی دیکھنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی اتباع اور پیروی سے ہمیں کیا انعام ملتا ہے اور آیا اس انعام کا ہماری دنیاوی زندگی سے بھی تعلق ہے۔ اگر پیروی رسول کا اثر اپنی حیات دنیا میں ہم کچھ نہ دیکھیں تو پھر یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ہماری یہ محنت ٹھکانے لگی اور ہم اپنی منزل مقصود پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اندریں حالات عقل تجویز کرتی ہے کہ پیروی اور اتباع کے ثمرات ضرور ظاہر ہوں اور مخلص پیروکار اُن ثمرات شیریں سے ضرور لطف اندوز ہوں۔ اگر یہ نعمت ان کو ظاہری طور پر حاصل نہیں ہوتی۔ تو یوں سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ حق کے متلاشی بادیۂ حیرت میں سرگرداں نہایت حسرت و یاس کی حالت میں مر جائیں۔ ایسی حالت میں کوئی شخص بھی اس اندھیری دنیا میں اندھا دھند چھلانگ نہیں لگائے گا۔ اور کسی ایسی چیز کے لئے جو اس کے ادراک سے باہر ہے اور جو اس کی ذات سے ماوراء ہے کبھی عبادت و ریاضت کی صعوبتیں اُٹھانے کو تیار نہیں ہوگا۔ وہ ہر زمانے میں یقیناً نمونہ کا محتاج ہے تاکہ اسے دیکھ کر یقین کرے۔ کہ یہ رستہ جس پر قرآن مجھے چلانا چاہتا ہے نہ تو اتنا کٹھن ہے کہ میں چل نہ سکوں اور نہ ایسا ویران کہ جس پر کوئی منزل اور سایہ دار درخت نہ ہو۔ اس غرض کے پیش نظر خدا تعالےٰ نے مجددین اور محدثین کا سلسلہ چلایا ہے۔ تاکہ وہ اُمت کے لئے ایک نمونہ ٹھہریں۔ اور منزل سے بھٹکے ہوئے اور گم گشتگانِ راہِ حق کے لئے چراغ راہ بنیں اور اسلامی تعلیمات اور اسوۂ رسول صلعم کو ہر وقت تر و تازہ رکھیں یہ فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ ان بزرگان عظام کے نمونہ میں دراصل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی پاک نمونہ ہوتا ہے اور بوجہ فنا فی الرسول کے ان کے وجود میں صفات نبوت کا کامل انعکاس پایا جاتا ہے۔ اس لئے جب ہم ان کی پیروی کرتے ہیں۔ تو گویا فی الحقیقت رسول صلعم کی ہی پیروی اور اتباع کرتے ہیں۔

مجدد الوقت اُمت میں بہت ہی بلند مرتبہ شخص ہوتا ہے۔ اس کی زبان اسرار و رموز الٰہی کی گرہ کشائی کرتی ہے۔ اس کے ہاتھ سے بے شمار کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں اور اس کا وجود خدا تعالےٰ کی نہاں در نہاں ہستی پر شاہد ناطق ہوتا ہے اور اس کا قلم حقائق و معارف کے دریا بہاتا ہے۔ اس کی زبان میں بلا کی تاثیر اور آنکھ میں بلا کا جادو ہوتا ہے۔ وہ خدا نما بھی ہوتا ہے اور روشنی کا مینار بھی۔ وہ زمانے کی ہوا کا رُخ بدل دیتا ہے۔ اور حالات زمانہ کو اپنے تابع فرمان کر لیتا ہے۔ دنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔ جو اس کے علم و عمل کا مقابلہ کر سکے اور اخلاق فاضلہ اور دین اسلام کی حفاظت کے لئے جو دیوار وہ کھینچتا ہے۔ اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتا۔ وہ محی الملت والدین ہوتا ہے۔ وہ مردہ رُوحوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور ناقصوں کو کامل۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خُدا — ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

ہم دیکھتے ہیں کہ اُمتوں کو جس قدر فیض پہنچا ہے وہ ان بزرگان دین سے پہنچا ہے۔ اسلام ان کی مساعی جمیلہ سے اطراف و اکناف عالم میں پھیلا ہے۔ کوئی عالم مرتب

اپنے ظاہری علوم کی قوت سے اور کوئی فلسفی اپنے فلسفہ کے زور سے دنیا میں اسلام پھیلا نہیں سکا۔ اور نہ کوئی انقلاب لا سکا ہے۔ صرف یہی اولیاء اللہ، مجددین اور محدثین تھے۔ جن کے ذریعہ بستیوں کی بستیاں اور شہروں کے شہر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ تاریخ کی اس گواہی کو ہم کیونکر نظر انداز کر سکتے ہیں۔

عہدِ حاضر میں چند ایک تحریکات اُٹھی ہیں جو خالص اسلام کو ہر قسم کے حشو و زوائد سے پاک کرکے دنیا میں پھیلانے کی دعویدار ہیں۔ ان کے نزدیک تعلق باللہ محض ایک افسانہ ہے۔ اور مبشرات محض ایک فرضی قصے۔ ان کے نزدیک یہ کہنا۔ کہ خدا تعالےٰ اب بھی بولتا ہے۔ جیسا کہ پہلے زمانوں میں اپنے بندوں سے بولتا تھا۔ اور اس کی صفت تکلّم ازلی و ابدی ہے اور کبھی معطل نہیں ہو سکتی۔ اسلام کے خلاف ایک سازش ہے۔ جس نے سرزمین ایران میں جنم لیا۔ اور جسدِ اسلام کے ساتھ ایسا پیوست ہوگئی ہے کہ مشکل سے ہی اُسے کوئی پہچان پاتا ہے۔ لیکن ان دونوں قسم کی تحریکوں سے وابستہ اشخاص کو اگر دیکھا جائے تو ایک طرف زاہدِ خشک کا لباس اوڑھے مولوی ٹائپ لوگ نظر آتے ہیں۔ جو یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ جو طریق انہوں نے اختیار کیا ہے۔ فی الواقعہ اس پر چل کر وہ قلبی اطمینان پاتے ہیں۔ دوسری طرف بے عمل فلسفیوں کا گروہ دکھائی دیتا ہے جو اپنے نظریات کے رشتہ سے سوشلزم کے زیادہ قریب اور اسلام سے کوسوں دُور ہیں۔ ان کے نزدیک نماز روزہ اتنی اہمیت کے ارکان نہیں۔ کیونکہ صلوٰۃ قرآنی کا وہ مفہوم نہیں۔ جو عام مسلمان نماز مروّجہ کی صورت میں لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مرکزِ ملت کو پورا اختیار ہے کہ مجمل احکاماتِ قرآنی پر مبنی فرائض دینی میں ردّ و بدل کرے۔ وہ خدا کو اپنی عقل کے زور پر پیش کرتے ہیں۔ مگر کہہ نہیں سکتے۔ کہ فی الواقعہ خدا ہے۔ اور اس کے وجود کا انہیں ادراک حاصل ہے احادیث نبوی کی دینی حیثیت کا انکار کرکے انہوں نے اپنی عقل کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ قرآن کی جو وہ تعبیر اور تفسیر کریں وہ ہر طرح لائق اعتنا ہے اور اس پر حرف گیری ناجائز۔ ان کے نزدیک قرآن سے صرف تین نمازیں ثابت ہوتی ہیں۔ اس لئے سنتِ نبوی کی تتبع میں پانچ نمازیں پڑھنی غلط ہیں۔ اگر پانچ نمازیں کہیں وہ پڑھتے بھی ہیں تو منافقت کے رنگ میں پڑھتے ہیں۔ کیونکہ عقیدۃً وہ صرف تین نمازوں کے قائل ہیں۔ یہ فرائض کو اپنے اوپر بارِ گراں سمجھتے ہیں۔ دین کو محض ذہنی عیاشی کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال کا کلام پیش کرتے ہیں تو وہ بھی محض تفننِ طبع کے لئے۔ جو فلسفہ ان میں بیان ہوا ہے اس کی رمق بھی ان کے عمل و کردار میں نہیں پائی جاتی۔ اس لئے یہ لوگ مجددینِ اُمت کے تجدیدی کارناموں کی تنقیص کیا کر سکتے ہیں۔ ایسے فلسفی میدانِ عمل میں ناکارہ ہوتے ہیں۔ ان کی مثال یوں دی جا سکتی ہے:

"فلاسفر ایک اندھا آدمی ہے جو اندھیرے کمرے میں بیٹھا ہوا کالی بلی کو پکڑنا چاہتا ہے۔"

یہ فلسفی لوگ اپنے فلسفہ کو اعتقادی علوم و حکمت اور اجتہادی مصلحتوں پر حاوی کرنا چاہتے ہیں۔ باطنی فرقہ نے بھی ایک زمانہ میں اپنا ایک فلسفہ مذہب کے بارے میں پیش کیا تھا۔ اس کا مختصر سا ذکر بے فائدہ نہ ہوگا۔ لکھا ہے۔ کہ:۔

"نبی اس ذات کا نام ہے۔ جس پر قوتِ قدسیہ کا فیضان ہو۔ جبرئیل کسی ہستی کا نام نہیں۔ صرف فیضان کا نام ہے۔ معاد (قیامت) سے مراد ہر چیز کا اپنی ہستی کی طرف واپس آجانا ہے۔ جنابت (ناپاکی) سے مراد افشائے راز ہے۔ غسل سے مراد تجدیدِ عہد، زنا سے مراد علمِ باطن کے نطفہ کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہیں۔ طہارت سے مراد مذہبِ باطنیہ کے علاوہ ہر مذہب سے برأت۔ تیمم سے مراد ماذون (اجازت یافتہ) سے حصولِ علم۔ صلوٰۃ سے مراد امامِ وقت کی طرف دعوت، زکوٰۃ سے مراد اہلِ استعداد و صفا میں اشاعتِ علم، صوم سے مراد افشائے راز سے پرہیز و احتیاط، حج سے مراد اس علم کی طلب جو عقل کا قبلہ اور منزلِ مقصود ہے۔ جنت علمِ باطن، جہنم علمِ ظاہر، کعبہ خود پیغمبر کی ذات ہے۔ اور بابِ کعبہ سے مراد حضرت علی کی ذات ہے" (تاریخ دعوت و عزیمت ص۱۱۲)

جو فتنہ فرقہ باطنیہ نے اسلام میں پیدا کیا ہے اس سے عہدِ حاضر کے فلسفیوں کو سبق

لینا چاہیئے۔ اور علمائے ربانی کے قدموں میں زانوئے تلمذ تہ کرنا چاہیئے تاکہ ان کی باطنی آنکھ کھلے اور خدا تعالےٰ کے وجود پر وہ اطلاع پا سکیں۔ اور اپنی عقلوں کو کعبۂ عقیدت نہ بنائیں۔

(۳) سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت ملاحظہ ہو:۔

"حکمتِ ایمانی جاننے والوں اور علماءِ ربانی کے کلمات کو حقیر مت جانو۔ کیونکہ ان کا کلام دوا ہے اور ان کے کلمات اللہ تعالےٰ کی وحی کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ تمہارے درمیان کوئی نبی ظاہری صورت میں موجود نہیں ہے۔ تاکہ تم اس کی اتباع کرتے۔ پس جب تم نبی صلعم کی پیروی کرنے والوں کی پیروی کروگے۔ جو آپ صلعم کی اتباع میں محقق ہیں۔ تو گویا تم نے حضرت نبی کریم صلعم کی پیروی کی۔ جب تم ان (اولیاء اللہ) کو دیکھوگے تو گویا تم نے حضور صلعم کو ہی دیکھ لیا۔ پرہیزگار علماء کی صحبت میں بیٹھو۔ کیونکہ وہ تمہارے لئے باعثِ برکت ہے۔ اور ان علماء کی صحبت اختیار مت کرو۔ جو اپنے علم پر عامل نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کی صحبت تمہارے لئے منحوس ہے۔" (الفتح الربانی ص۱۰۱ بحوالہ عوارف شاہ جیلان از پروفیسر نورالدین زاہد سرینگر)

ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ الولایۃ ظلّ النبوۃ والنبوۃ ظلّ الالٰھیۃ یعنی ولایت ظلِّ نبوت ہے۔ اور نبوت ظلِّ الوہیت" (بہجۃ الاسرار جلد اوّل ص۸۳)

وہ علماء جو نبی صلعم کے بعد امت کو مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے کلی محروم خیال کرتے ہیں۔ ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے حضرت شیخ غوث الاعظم رح کا یہ قول پیش کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

"اے بدبختی تم پر افسوس کیا آج اللہ تعالےٰ میں یہ کہنے کی طاقت نہیں ہے کہ "میں اللہ ہوں" یاد رکھ یقیناً ہمارا ربّ آج بھی کلام کرتا ہے۔ وہ گونگا نہیں ہے۔ وہ ایسا کلام کرتا ہے۔ جو سنا جاتا اور سمجھا جاتا ہے۔"

(عوارف شاہ جیلان)

الہاماتِ غوث الاعظم بے شمار ہیں۔ جو اب تک کتاب کی صورت میں محفوظ ہیں۔ وہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ آپ سے ہمکلام ہوتا تھا ان کا یہاں درج کرنا طوالت کا موجب ہوگا۔ اس لئے صرف ایک الہام درج کرتا ہوں:۔

"میں نے اللہ تعالےٰ سے معراج کے متعلق سوال کیا۔ اللہ تعالےٰ نے جواب دیا۔ میرے سوا ہر چیز سے الگ ہوکر میری طرف چڑھنا معراج ہے۔ اور معراج کا آخری درجہ مازاغ البصر وماطغیٰ۔" (عوارف شاہ جیلان)

بعض علماء نے حضرت مرزا صاحب کے ایک کشف پر بڑا شور و غوغا بپا کیا۔ جس میں آپ نے دیکھا کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے آپ کے سر کو مادرِ مہربان کی طرح اپنی ران مبارک پر رکھ لیا۔ اگر وہ کشف گستاخی اور بے ادبی کا موجب ہے۔ تو پھر حضرت شیخ عبدالقادر کا مندرجہ ذیل کشف کیا کہلائے گا۔ فرماتے ہیں:۔

"ایک روز ہم خوابِ راحت میں تھے۔ کیا دیکھا کہ فرشتگانِ آسمان بحکم ربانی ہم کو اُٹھا کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لے گئے۔ انہوں نے ہمیں گود میں اُٹھایا اور چھاتی سے لگایا۔ اور اتنا پیار کیا کہ پستانِ مبارک میں دودھ بھر آیا۔ اور سرِ پستان ہمارے منہ میں رکھ کر ہمیں دودھ پلایا۔ اتنے میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی رونق افروز ہوئے اور فرمایا یا عائشۃ ھٰذا ولدُنا حقاً قرۃ عیننا وجیھا فی الدنیا والاٰخرۃ ومن المقربین (اے عائشہ یہ سچ مچ ہمارا فرزند ہے۔ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ دنیا اور آخرت میں وجاہت والا اور مقربوں میں سے ہے)"

(قلائد الجواہر و مناقب غوثیہ بحوالہ عوارف شاہ جیلان)

باقی ــــ باقی

مولینا محمد علی صاحب ملتان

آنحضرتؐ کی صداقت پر بعض دلائل

سچائی کی ایک روشن دلیل

(۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر بدیاں مختلف اوقات میں پیدا ہوئیں وہ آپ کے وقت میں سب جمع ہو گئی تھیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ زمانہ بالطبع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت تعالےٰ نے مبعوث فرمایا۔ جو ایسے وقت آئے کہ دنیا آپ کو اصلاح کے لئے پکار رہی تھی۔ یہ خدا تعالےٰ کے رحم کا تقاضا تھا اور مسلمانوں کے لئے یہ فخر اور ناز کا مقام ہے کہ آپؐ کی بعثت کے وقت زمانہ کی حالت آپؐ کی سچائی کی روشن دلیل ہے۔

پھر اس کے بعد آپؐ نے جو اصلاح کی وہ بھی آپؐ کی حقانیت کی دلیل ہے۔ کیونکہ جب ایک طبیب بیماروں میں آئے اور مختلف قسم کے مریض موجود ہوں۔ کوئی طاعون میں مبتلا ہو، کوئی دق وسل کا شکار ہو، اور کوئی ذات الریہ کا اور کوئی ذات الجنب وغیرہ میں اور پھر وہ طبیب اپنے علاج سے اکثروں کو اچھا کر دے تو اس کے حاذق اور ڈاکٹر ماننے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ بلا تکلف ماننا پڑے گا کہ وہ کامل طبیب ہے لیکن جبکہ وہ سب ہی کو اچھا کر دے اور جو دعوے کرے اس کو پورا کر دکھائے اور ایسا کہ اس کی نظیر ہی نہ مل سکے تو پھر اس کے کمال میں کوئی شک ہی نہیں ہو سکتا۔ اسے راستباز اور اپنے فن میں یکتا ماننا پڑے گا۔ یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ وہ ایسے وقت آئے کہ ضرورت پکار رہی تھی اور پھر اپنی تاثیرات سے ان تمام روحانی مریضوں کو جو اس وقت بستر موت پر پڑے ہوئے تھے اچھا کر دیا۔ میں دیکھتا ہوں اور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ دو دلیلیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی ایسی جمع ہوئی ہیں کہ نہ حضرت موسیٰ کو ملیں اور نہ حضرت عیسیٰ کو (علیہما السلام)

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم میں آئے وہ تو کسی بات کے بھی قائل نہ تھے نہ ان میں کوئی شریعت تھی اور نہ وہ کسی کتاب کے قائل اور پابند، بلکہ اکثر تو خدا تعالےٰ کے بھی قائل نہ تھے۔ وہ کہتے تھے۔

ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر

وہ جو کچھ سمجھتے تھے اسی دنیا کو سمجھتے تھے کہ آگے جا کر کسی نے کیا دیکھا ہے۔ یہی دنیا ہی دنیا ہے۔ اس آیت میں دہر کا لفظ اسی لئے بیان کیا ہے تاکہ ظاہر کیا جاوے کہ وہ دہریہ تھے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس وقت عرب میں قریباً تمام بیہودہ اور باطل مذہب جمع ہوئے تھے۔ وہ گویا ایک چھوٹا سا نقشہ تھا جو گندے اور افراط و تفریط کے طریق تھے وہ عملی طور پر اس میں دکھائے گئے تھے۔ جیسے کسی ملک کا نقشہ ہو۔ اس میں سب مقام موٹے موٹے دکھائے جاتے ہیں۔ اسی طرح وہاں کی حالت تھی۔ یہ کیسی بڑی روشن دلیل آپ کی سچائی کی ہے کہ ایسی قوم اور ایسے ملک میں اللہ تعالےٰ کو مبعوث فرمایا جو انسانیت کے دائرہ سے نکل چکا تھا۔

میں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ خواہ کیسا ہی پکا دشمن ہو اور خواہ وہ عیسائی ہو یا آریہ جب وہ ان حالات کو دیکھے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب کے تھے اور پھر اس تبدیلی پر نظر کرے گا جو آپؐ کی تعلیم اور تاثیر سے پیدا ہوئی تو اسے بے اختیار آپؐ کی حقانیت کی شہادت دینی پڑے گی۔ موٹی سی بات ہے کہ قرآن مجید نے ان کی پہلی حالت کا تو یہ نقشہ کھینچا ہے۔ یاکلون کما تاکل الانعام۔ یہ تو ان کی کفر کی حالت تھی۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تاثیرات نے ان میں تبدیلی پیدا کی تو ان کی یہ حالت ہو گئی یبیتون لربھم سجداً و قیاماً یعنی وہ اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے راتیں کاٹ دیتے ہیں۔ جو تبدیلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے وحشیوں میں کی۔ اور جس گڑھے سے نکال کر انہیں جس بلندی اور اونچے مقام تک پہنچایا۔ اس ساری حالت کے نقشہ کو دیکھنے سے بے اختیار ہو کر انسان سبحان اللہ پکار اٹھتا ہے کہ کیا عظیم الشان انقلاب ہے جو آپؐ نے پیدا کیا۔ دنیا کی کسی تاریخ اور کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی یہ نری کہانی نہیں۔ یہ واقعات ہیں جن کی سچائی کا ایک زمانہ کو اعتراف کرنا پڑا ہے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ یا تو عربوں کی وہ حالت تھی اور یا یہ تبدیلی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اللہ فی اصحابی۔ (میرے اصحاب میں اللہ ہی اللہ ہے۔ ان کا رنگ ہی بدل گیا تھا۔ اللہ تعالےٰ کے نام سے واقف اور اس سے دور پڑی ہوئی قوم کو اس مقام تک پہنچا دینا کہ پھر ان کی نظر ماسوا اللہ سے خالی ہو جاوے۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ (الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء)

> انگریزی زبان میں نہایت صحیح ترجمہ اور معلومات سے بھرے ہوئے نوٹ درج ہیں جو کہ قرآن کریم کی تفاسیر اور صحف یہود و نصاریٰ کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہیں یہ میرے فاضل ہم نام مولانا محمد علی صاحب لاہوری کا کارنامہ ہے جو کہ ایک بہت بڑی مذہبی جماعت کے لیڈر ہیں...... یہ ترجمہ اور اس کے حواشی اس زہر کا نہایت ضروری تریاق ہیں جو سیل۔ راڈویل اور پامر جیسے انگریزی مترجمین کے فٹ نوٹوں میں پایا جاتا ہے اور اسی ذہنی کیفیت میں میں اس وقت مبتلا تھا۔ میں نے اس دوست کو جس نے قرآن کریم کے یہ نسخے بھیجے تھے یہ لکھا کہ میرے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز دل خوش کن نہیں ہو سکتی۔ کہ جونہی میں ان قیود سے نظر بندی کی حالت میں مجھ پر عائد ہیں آزاد ہو جاؤں یورپ چلا جاؤں اور ان لوگوں کے جن کے دماغ جنگ کے اثر سے پاگل ہو چکے ہیں ہر ایک پارک سے اور ہر ایک بازار سے اس پاک مذہب کی تلقین کروں جو ان جنگ کرنے والی قوموں کے شور و غل کو اسلام کے متحد کرنے والے امن و امان میں خاموش کروا سکتا ہے۔" (خود نوشت حیات محمد علی جوہر)

(۱) آں رسولِ مجتبیٰ بود آفتاب + مشرق و مغرب شد از وے فیضیاب
(۲) صد ہزاراں شیر بود اندر تنے + ...

(۳) ز حق بر رسولے پیاپے سلام + کہ آورد از کردگار ایں کلام
(۴) بشکر قدومش کشائم زباں + کنم نعتِ آں سیدِ مرسلاں

ترجمہ: (ذوالکمون)

(۱) وہ رسول مجتبیٰ (صلعم) جو ایک روحانی سورج تھے۔ مشرق و مغرب ان سے فیضیاب ہوئے۔

(۲) ہزاروں شیر اس کے وجود میں موجود ہیں۔ اور دونوں جہانوں کو اسی کی وجہ سے نیست سے ہست میں لایا گیا ہے۔

(۳) خدا تعالےٰ کے پے در پے سلام اس رسولؐ پر ہوں کہ آپؐ خداوند تعالےٰ کی طرف سے یہ کلام (قرآن) لائے۔

(۴) آپؐ کی آمد کے شکرانہ کے طور پر میں نے زبان کھولی ہے کہ میں اس سید المرسلینؐ کی مدح بیان کروں۔

باقی دارد

حضرت خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ

سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

سِیرت خَیرُ البَشر

بہت کم لوگ ایسے ہیں جو طاقت پاکر، اپنی مصیبت اور بیکسی کے زمانہ کو یاد رکھتے ہیں ۔ صرف عالی ہمتی اور بلندئ طبیعت ہی وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے ایک شخص نکبت و عزت میں یکساں رہ سکتا ہے ۔ ان صفات والوں میں تبدیلئ حالات محض، ان صفات کے اظہار کے مواقع ہوتے ہیں ۔ جن کا اظہار دیگر حالات میں ناممکن تھا ۔ دراصل ہر صفت کے اظہار کے لئے ایک خاص موقعہ ہوا کرتا ہے ۔ اگر مشکلات پر غلبہ حاصل کرنے سے انسان کا کیرکٹر بنتا ہے تو کامیابی سے اس کو صفات حسنہ کے دکھلانے کا موقعہ ملتا ہے ۔ بشرطیکہ وہ ان سے موصوف ہو ۔ صرف احمدلی ہی کا نام انسانیت نہیں ہے ۔ بلکہ انسانیت تو مختلف صفات اخلاق کا مجموعہ ہے ۔ خواہ وہ نرم ہو یا گرم، ایسا ہی ان اخلاق کے نشو ونما کے لئے مختلف حالات کی ضرورت ہے ۔ اگر بعض صفات حالت افلاس میں ظاہر ہوتی ہیں ۔ تو بعض ثروت و شوکت کو چاہتی ہیں ۔

رہنمایانِ عالم میں سے بہت کم لوگ ایسے گذرے ہیں جن کو دونوں حالتیں نصیب ہوئی ہوں ۔ لیکن آنحضرت صلعم چونکہ کُل دنیا کے لئے نمونہ بن کر آئے تھے ۔ اس لئے آپ کو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں سے ہو کر گذرنا پڑا ۔ اگر جلال و شوکت کے زمانہ میں آپؐ نے صفات عفو و کرم عطا و غیرہ کا اظہار کیا تو حالت ناخوشگوار میں آپؐ نے صفات صبر و تحمل، برداشت اور اعتماد علی اللہ دکھایا ۔

ایک بات آپ میں پائی جاتی ہے ۔ جس سے ثابت ہوتا ہے ۔ کہ آپؐ نے کیرکٹر اور اخلاق میں وہ رتبۂ عظیم حاصل کر لیا تھا ۔ جس سے زیادہ کسی انسان سے ممکن ہی نہیں ہے یہ وہ مرتبہ ہے جس پر پہنچکر ایک انسان خدا کی سی صفات حاصل کر لیتا ہے ۔ اور خدا ہی کی سی صفات کا مظاہرہ بھی کرتا ہے ۔ خدا کی سنتؔ و قوانین کی طرح آپؐ کی طبیعت بھی لاتبدیل و مستقل واقع ہوئی تھی ۔ فتح ہو یا شکست افلاس ہو یا خوشحالی، فارغ البالی ہو یا تنگی غرضیکہ کچھ ہی کیوں نہ ہو آپ کی طبیعت کی طبیعت میں تغیر نہ ہوتا تھا ۔ مثلاً فروتنی اور انکساری تمام عمر آپ کا شیوۂ خصوصی رہا ۔

واشنگٹن اروِنگ لکھتا ہے :—

"جنگی فتوحات کی وجہ سے آپؐ کے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی نہ آپ میں غرور پیدا ہوا نہ شیخی ۔ اگر ذاتی اغراض کے لئے یہ سب کارروائیاں ہوئی ہوتیں تو ضرور تبدیلی بھی ہو جاتی ۔ انتہائی طاقت و حشمت کے زمانہ میں بھی آپ نے وہی سادگی قائم رکھی جو انتہائی مصیبت کے زمانہ میں آپؐ کا طغرائے امتیاز تھی ۔ شاہانہ شان و شوکت کا اختیار کرنا تو بڑی بات ہے ۔ اگر کسی مکان میں داخل ہوتے وقت، لوگ آپؐ کی تکریم و تعظیم میں مبالغہ کرتے تو آپؐ ناراض ہو جاتے ۔ اگر آپؐ اپنی فتوحات کو عالمگیر بنانا چاہتے تھے تو محض دین کے لئے ۔ دنیاوی حکومت جو آپؐ کو ضمنی طور پر حاصل ہو گئی تھی آپؐ نے اس کا استعمال از راہِ تفاخر کبھی نہ کیا ۔ بلکہ یہ بھی نہ چاہا کہ وہ حکومت مستقلاً آپؐ کے خاندان میں قائم ہو جائے ۔

بادشاہِ عرب بن جانے کے بعد بھی آپؐ ہر ایک سے مساویانہ اور برادرانہ طور پر ملتے تھے ۔ آپؐ نے کبھی ایڈیکانگ اور باڈی گارڈز قائم نہیں کئے اور آپؐ اپنے احباب و حلقہ متبعین کے دائرہ میں مثل ایک معمولی انسان کے چلتے پھرتے تھے ۔"

گبن لکھتا ہے :—

"اپنے انتہائی عروج کے زمانہ میں بھی محمد (صلعم) کو شان و شوکت سے نفرت تھی ۔ خدا کا یہ رسول اپنے گھر کے سارے کام کاج انجام دیا کرتا تھا ۔ آگ سلگانا، جھاڑو دینا، بکریوں کا دوہنا، جوتا کی مرمت، کپڑوں میں پیوند لگانا ۔ غرضیکہ سارے کام آپؐ کے لئے آسان تھے ۔ اگرچہ رہبانوں کی طرح آپؐ نے ترک دنیا نہیں کی ۔ لیکن ایک عرب اور ایک سپاہی کی طرح آپؐ بھی قلیل غذا پر اکتفا کرتے تھے ۔ مختلف مواقع پر آپؐ اپنے احباب کی نہایت فراخ دلی سے ضیافت فرماتے تھے ۔ لیکن خانگی زندگی میں ہفتوں آپؐ کے یہاں چولھا بھی گرم نہ ہوتا تھا ۔ ان باتوں کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے ۔ جو حضرت عائشہ صدیقہ کی معرفت ہم تک پہنچی ہے اور یہ اس لئے کہ عربی میں ایک مثل ہے کہ شہادت وہ ہوتی ہے جو کسی کے گھر کے لوگ دیں ۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مسلسل ایک ماہ تک ہمارے گھر میں آگ نہیں سُلگائی گئی اور ہماری غذا صرف کھجوریں اور پانی تھا ۔ اگر کسی نے گوشت بھیجدیا تو وہ اور بات ہے ۔ آنحضرت صلعم کے عیال نے کبھی دو روز تک متواتر گیہوں کی روٹی نہیں کھائی ۔

سانحۂ ارتحال

مکرم خان بہادر غلام ربانی صاحب آف مانسہرہ چند روز کی علالت کے بعد رحلت فرما گئے ۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ہمیں اس صدمہ میں مرحوم کے بیٹوں اور دیگر لواحقین سے دلی ہمدردی ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کے درجات بلند فرمائے ۔ جامعہ احمدیہ لاہور میں بعد نمازِ جمعہ جنازہ غائبانہ ادا کیا گیا ۔

دیگر جماعتوں سے بھی مرحوم کے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے ۔

لیڈر اے سلہری کے نام

(بسلسلہ صفحہ ۵)

تم کہو گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں ۔" اس میں صرف یہودی اور عیسائی ہی مخاطب نہیں بلکہ تمام اقوام عالم ہیں ۔ کیونکہ قرآن کریم ہی بتاتا ہے کہ کوئی بستی ایسی نہیں جس میں نذیر نہ آیا ہو اور اس کے ساتھ کتاب نازل ہوئی ہو ۔

اسی کی تائید مسلم میں حضرت سفیانؓ بن عبداللہ کی ایک روایت سے ہوتی ہے آپ نے آنحضرت سے اسلام کے متعلق ایک بات پوچھی تو آپ نے فرمایا "کہہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا ۔ پھر اس پر پکا رہ"

اس سارے پیغام کو ان جامع الفاظ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں سمو دیا گیا ۔ کہ محبوب ۔ مقصود اور مطلوب صرف اللہ ہے ۔ محمد الرسول اللہ نے اس کی ساری صفات کو اپنے قلب مطہر میں سمو کر دنیا کے سامنے رکھ دیا یہی نچوڑ ہے قرآن کی تعلیم کا ۔ یہی مطلب ہے ختم نبوت کا اور یہی اساس ہے اسلام اور اسلامی دنیا کیا بلکہ ساری دنیا کو متحد کرنے کی اور اسی تعلیم کے سامنے دنیا کو سرنگوں کرنے کے لئے حضرت مرزا صاحب تشریف لائے تھے ۔ آپ لاکھ ہمیں غیر مسلم اقلیت قرار دیں ہم آنحضرت صلعم کی اس تعلیم کو دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں گے اور یاد رکھئے جب تک مسلمان اس مرکز کی طرف نہیں لوٹے گا وہ کبھی فلاح نہیں پا سکے گا ۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ــــــ مؤرخہ ۲۰ اگست ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ــــــ شمارہ نمبر ۳۴

سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام سجاد صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا ۔ (معتمد ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۲ — چہارشنبہ ۱۸ شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ — ۲۷ اگست ۱۹۷۵ء — نمبر ۳۵

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

ہمارا مذہب

ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق باری تعالےٰ اس عالم گذران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا ہے۔ اور وہ نعمت بمرتبہ تمام پہنچ چکی ہے۔ جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدائے تعالےٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماویہ ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کو تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے اور ہمارا اس بات پر بھی ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراط مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ کہ راہ راست کے اعلیٰ مدارج بجز اقتداء اس امام الرسل کے حاصل ہو سکیں کوئی مرتبہ شرف کمال کا اور کوئی مقام عزت اور قرب کا بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے۔

میں ابتداء سے بیان کرتا آیا ہوں کہ میں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ذرا ادھر ادھر ہونا بے ایمانی سمجھتا ہوں۔ میرا عقیدہ یہی ہے کہ جو اس کو ذرا بھی چھوڑے گا وہ جہنمی ہے۔ پھر اسی عقیدہ کو میں نے نہ صرف تقریروں میں بلکہ ساٹھ کے قریب اپنی تصنیفات میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور دن رات مجھے یہی فکر اور خیال رہتا ہے پھر اگر یہ مخالف خدا سے ڈرتے تو کیا ان کا فرض نہ تھا کہ جو مجھ سے پوچھتے کہ فلاں بات خارج از اسلام ہے اس کی کیا وجہ ہے یا اس کا تم کیا جواب دیتے ہو؟ مگر نہیں ان کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔ سنا اور کافر کہہ دیا۔ میں نہایت تعجب سے ان کی اس حرکت کو دیکھتا ہوں۔ کیونکہ اوّل تو حیات و وفات مسیح کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اسلام میں داخل ہونے کے لئے شرط ہو۔ یہاں بھی ہندو یا عیسائی مسلمان ہوتے ہیں مگر بتاؤ کہ ان سے تم بھی اقرار لیتے ہو؟ بجز اس کے کہ اٰمنت باللّٰہ وملٰئکتہٖ وکتبہٖ ورسلہٖ والقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللّٰہ تعالیٰ والبعث بعد الموت۔ جبکہ یہ مسئلہ اسلام کا جزو نہیں پھر مجھ پر وفات مسیح کے اعلان سے اس قدر تشدد کیوں کیا گیا کہ یہ کافر ہیں دجال ہیں۔ ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے ان کے مال لوٹ لینے جائز ہیں اور ان کی عورتوں کو بغیر نکاح گھر میں رکھ لینا درست ہے ان کو قتل کر دینا ثواب کا کام ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایک تو وہ زمانہ تھا کہ یہی مولوی شور مچاتے تھے اگر ۹۹ وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تب بھی کفر کا فتویٰ نہ دینا چاہیئے اس کو مسلمان ہی کہو، مگر اب کیا ہو گیا کیا میں اس سے بھی گیا گذرا ہو گیا جو کیا میری جماعت اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ نہیں پڑھتی؟ کیا میں نمازیں نہیں پڑھتا یا میرے مرید نہیں پڑھتے کیا ہم رمضان کے روزے نہیں رکھتے؟ اور کیا ہم ان تمام عقائد کے پابند نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی صورت میں تلقین کئے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں اور خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اور میری جماعت مسلمان ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر اسی طرح ایمان لاتی ہے جس طرح ایک سچے مسلمان کو لانا چاہیئے میں ایک ذرہ بھی اسلام سے باہر قدم رکھنا ہلاکت کا موجب یقین کرتا ہوں اور میرا یہی مذہب ہے کہ جس قدر فیوض اور برکات کوئی شخص حاصل کر سکتا ہے اور جس قدر تقرب الی اللہ پا سکتا ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت اور کامل محبت سے پا سکتا ہے ورنہ نہیں آپ کے سوا اب کوئی راہ نیکی کی نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔ اب کوئی اور کلمہ یا کوئی اور نماز نہیں ہو سکتی جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کر کے دکھایا اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے اس کو چھوڑ کر نجات نہیں مل سکتی جو اس کو چھوڑے گا وہ جہنم میں جائے گا یہ ہمارا مذہب اور عقیدہ ہے۔"

ہماری تبلیغی سرگرمیاں

ساتویں احمدیہ کنونشن زیر اہتمام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام یو۔کے۔لندن (شاخ لاہور)

۲۱ اگست تا ۲۹ اگست ۱۹۷۵ء

بہت سے احباب کو علم ہے کہ یہ کنونشن احمدیہ ہاؤس ۵۷ لانگ لے روڈ ٹوٹنگ لندن میں منعقد ہو رہی ہے جس کا اہتمام ہمارے دوست شیخ محمد طفیل صاحب ایم اے کر رہے ہیں۔ جس میں مختلف ممالک کے قریباً دو صد نمایندگان شرکت فرما رہے ہیں۔ کنونشن ہذا کا پروگرام ۲۲ اگست ۱۹۷۵ء بروز جمعہ سے شروع ہوگا۔ نماز جمعہ مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب پڑھائیں گے۔ بعد نماز جمعہ تین بجے کنونشن کا افتتاحی اجلاس زیر صدارت جناب الحاج عزیز احمد صاحب آف ٹرنی ڈاڈ منعقد ہوگا۔ اس اجلاس میں الحاج شیخ محمد طفیل صاحب۔ایم۔اے "دنیا میں احمدیہ تحریک کے کردار" کے موضوع پر روشنی ڈالیں گے۔ ان کے بعد مسز بجے وائٹ اسلام میں عورتوں کے کردار پر تقریر کریں گی۔ مؤرخہ ۲۶ اگست کو گیارہ بجے قبل دوپہر سے ۵ بجے شام تک اجلاس ہوگا۔ جس میں تقاریر ہوں گی۔ اور تقاریر کے بعد سوال و جواب ہوں گے۔ ۲۷ اگست کو شام کے سات بجے بین المذاہب کانفرنس بمقام سوڈش چرچ ہال۔ ۶ ہارٹ کورٹ سٹریٹ لندن میں ہوگی۔ جس میں تمام مذاہب کے نمایندگان "میرے مذہب کا پیغام موجودہ انسان کے نام" کے موضوع پر اظہار خیال کریں گے۔

کنونشن میں مندرجہ ذیل ممالک کی احمدیہ جماعتوں کے نمائندہ وفود شرکت کر رہے ہیں:۔

(۱) پاکستان :

۱۔ محترم و مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب۔ لاہور

۲۔ 〃 〃 〃 〃 خان حسن خاں صاحب۔ کراچی

۳۔ 〃 〃 〃 〃 میاں ظہور احمد صاحب۔ لائل پور

۴۔ 〃 〃 〃 〃 الحاج میاں فاروق۔ اے۔ شیخ صاحب۔ راولپنڈی

۵۔ محترمہ جنابہ ساجدہ بانو صاحبہ۔ سیالکوٹ

۶۔ مکرم سید سلطان علی شاہ صاحب۔ لاہور

(۲) جزائر فجی سے :

مکرم مولانا شیر محمد صاحب خوشابی اور جی۔این۔ڈین صاحب۔

(۳) ہالینڈ سے :

محترم الحاج عبدالرحیم جگو صاحب اپنے ۵۰ ساتھیوں کیساتھ شرکت کر رہے ہیں۔

(۴) سرینام سے :

مولوی مبہور وزیر علی صاحب بمع ۲۰ احباب کے شامل ہو رہے ہیں۔

(۵) ٹرنی ڈاڈ سے :

محترم ڈاکٹر ایم۔اے عزیز صاحب اور ان کے دوست۔

(۶) گیانا سے :

ایم۔بی۔زیڈ یسین صاحب بمع دیگر احباب کے۔

(۷) امریکہ :

مکرم ماسٹر محمد عبداللہ صاحب شامل ہو رہے ہیں۔

(۸) جرمنی سے : مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب۔

نوٹ :

جس وقت یہ پرچہ قارئین کرام کے پاس پہنچے گا کانفرنس قریب الاختتام ہوگی۔ جملہ احباب جماعت سے درخواست ہے کہ کانفرنس کی کامیابی اور دوستوں کی بخیریت واپسی کے لئے دعاؤں میں لگے رہیں۔

(نامہ نگار)

مکتوب ہالینڈ

محترم عبدالرحیم جگو صاحب مبلغ ہالینڈ :۔

مکرم سیکرٹری صاحب کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ ہالینڈ کے تین شہروں میں ہمارے مشن قائم ہیں، اور ہر مشن اپنی اپنی جگہ دینی خدمات سرانجام دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی کوشش سے اچھے نتائج نکلنے کی توقع ہے کارگذاری کی مختصراً رپورٹ حسب ذیل ہے :۔

ہم نے یہاں میلاد النبیؐ اور معراج النبیؐ کے جلسے منعقد کئے۔ جو حاضری اور تقاریر کے لحاظ سے بفضلہ تعالیٰ بڑے کامیاب رہے۔ اگرچہ چھٹیوں کے دن تھے۔ پھر بھی تین صد افراد (بمع مستورات) جلسہ سننے کے لئے جمع ہوگئے تھے۔ تقاریر اردو اور مقامی زبان میں کی گئیں۔ نعت و قوالی پر ان مبارک تقریبات کا اختتام ہوا۔

ایک خوشخبری تبلیغی جد و جہد جاری ہے اور کام زور شور سے ہو رہا ہے ایک بہت بڑے عالم اور فاضل غیر مسلم دوست جناب لامرس (Lammers) نے اسلام قبول کیا ہے۔ مبارک ہو۔

جمعہ کی نماز فی الحال خاکسار کے مکان پر پڑھی جاتی ہے۔ عنقریب ایک چرچ ہمیں ملنے والا ہے۔ جس میں انشاء اللہ تعالیٰ تبلیغ اسلام کا مرکز قائم کیا جائے گا اور نمازیں بھی وہیں ادا ہوں گی۔ نیز دیگر تقاریب و مجالس کا اہتمام بھی آیندہ وہیں ہوگا۔

آج کل یہاں عیسائیت سے بیزاری اور گرجوں سے بے رغبتی کے باعث بہت سے گرجے بے کار ہو رہے ہیں اور ہر سال ان میں دو چار کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

ان دنوں چند عیسائی مشنریوں کے ساتھ **احمد** اور **فارقلیط** کے عنوان پر میری بحث چل رہی ہے۔ میں اپنے دلائل بائبل ہی سے پیش کر رہا ہوں کہ وہ **احمد** محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ ابھی بحث جاری ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ روشن دلائل کے ساتھ عیسائی مشنریوں پر مجھے غلبہ عطا فرمائے تاکہ **احمد مجتبیٰ** صلعم کی صداقت اور سچائی ثابت ہو۔ اور جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ کا نظارہ دنیا کے سامنے آجائے۔ ہماری جماعت ہالینڈ میں کافی ترقی کر رہی ہے۔ سرینام سے بھی کافی دوست ادھر آکر آباد ہو رہے ہیں۔

لندن کنونشن میں شمولیت کی تیاریوں میں ہم مصروف ہیں۔ ہماری جماعت سے پچاس احباب اور سرینام سے ۲۰ کے قریب احمدی احباب اس کنونشن میں شرکت کریں گے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یقین ہے کہ یہ کانفرنس کامیاب رہے گی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے کام کو اس سے بڑی تقویت پہنچے گی۔

مجلس مذاکرہ

مقامی جماعت احمدیہ لاہور ۲۱ ستمبر ۱۹۷۵ء بروز اتوار بوقت ۹ بجے صبح جامع مسجد احمدیہ دارالسلام میں زیر صدارت چودھری مسعود اختر صاحب ایک مجلس مذاکرہ کا اہتمام کر رہی ہے۔

موضوع : "احمدیہ جماعت — ماضی حال اور مستقبل"

مقررین: ۱۔ محترم الحاج میاں نصیر احمد فاروقی صاحب ۲۔ محترم پروفیسر خلیل الرحمان صاحب ۳۔ محترم ملک محمد ظفر اللہ خاں صاحب ۴۔ مدیحہ رسول (نجی)

آپ سے استدعا ہے کہ زیادہ سے زیادہ احباب سلسلہ کے ساتھ اس اجلاس میں شرکت کے لئے وقت مقررہ پر تشریف لاکر اپنی قیمتی رائے سے مستفید فرمائیں۔

الداعی الی الخیر: نذیر احمد بارلی سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لاہور

نوٹ :۔ ہر تقریر کے بعد ۱۵ منٹ کے لئے وقفہ سوالات ہوگا۔
اجلاس کے اختتام پر ایک بجے بعد دوپہر دعوت طعام کا انتظام بھی ہوگا۔

روحانی اصلاح سے پہلے اجتماعی نظام بیکار ہے

انفرادیت کا دور خاتمہ پر ہے۔ اجتماعی نظام کو بقا حاصل ہے۔ پراگندگی و علیحدگی موت کا پیغام ہے۔ زندگی یک رنگی کا دوسرا نام ہے۔ افراد قوم کی خاطر قربانیاں دے رہے ہیں۔ خلق الموت والحیات کا قرآنی ارشاد پیش نظر ہے یعنی انفرادی فنا قومی حیات کا پیش خیمہ ہے اجتماعی طاقت کی برکات سے کس کو انکار ہے۔ سوال یہ ہے قومیت کا رشتہ اتحاد کیا ہو؟ اجتماعی زندگی کا نصب العین کیا ہونا لازم ہے؟ افراد کیوں ایک سلسلۂ نظام میں منسلک ہوں؟ اتحاد و اجتماع کس امر پر ہو؟

نسل و رنگ کا اتحاد قائم کیا گیا ہے اگر ہم نسل و ہم رنگ لوگ ظلم و تعدی کا نصب العین پیشِ نظر رکھ کر متحد ہو جائیں تو ایک عالم کو ایسے اتحاد سے کیا برکت نصیب ہو سکتی ہے! ملک و وطن اشتراک فخر و اعتنا خیال کیا جاتا ہے لیکن اگر دنیا میں ہم وطن و ہم ملک ناانصافی اور فساد پر تل جائیں۔ تو انسانیت کو اس سے کیا نفع حاصل ہو سکتا ہے؟ مشترک زبان اور تمدن کی بناء پر قومیت کی بنیادیں استوار کی جاتی ہیں۔ مگر ایک زبان کو دوسری پر کیوں فوقیت ہو۔ اور ایک قسم کا تمدن دوسرے سے کیوں برتر و اعلےٰ سمجھا جائے؟ نسل انسانی کو ایسے اتحاد و اجتماع سے کیا نفع حاصل ہوگا؟ اجتماع و نظام ایک زبردست طاقت ہے۔ جس کے حاصل کئے بغیر کوئی بڑا مقصد انجام نہیں پا سکتا۔ مگر یہ طاقت تب ہی دنیا کے لئے رحمت و برکت کا موجب ہو سکتی ہے جب صحیح بنیادوں پر قائم ہو۔ جب اس کے پیشِ نظر اعلےٰ و ارفع مقاصد ہوں۔ ورنہ بجائے مفید ہونے کے اسی نسبت سے موجب خسران ہے وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ خیر خواہی اور نیکی باعث اتحاد و نظام ہو نہ کہ بدی ظلم رشتۂ تنظیم۔

قومیت کا مغربی تخیل

گذشتہ پانچ صدیوں میں مغربی دنیا میں وہ قومی تخیل بلند ترین نصب العین سمجھا جاتا رہا۔ جس کی بنیاد ملک و وطن کے اتحاد پر قائم ہو اور جس کا مقصد اپنے ہموطنوں کی دنیاوی سر بلندی و برتری قائم کرنا ہو۔ وطنی قومیت کے راگ گائے گئے۔ مشرقی دنیا نے بھی کورانہ تقلید میں نسلی یا ملکی اتحاد پر قومی تعمیر کی بنیادیں استوار کرنا شروع کیں۔ ترکی ترکوں کے لئے عربستان میں عرب قوم کی سرخروئی۔ ایران میں ایرانیوں کی ترقی۔ ملک ہند میں ہندیوں کی خود مختارانہ حکومت، یہی معراجِ کمال قرار پائے۔ لیکن اب یہ عقدہ کھلنے لگا ہے کہ ایسا قومی تخیل نہ صرف قابلِ فخر نصب العین نہیں بلکہ انسانیت سوز ہے۔ نسلِ انسانی کی اجتماعی ترقی کے سراسر منافی و مغائر ہے۔ نہ صرف بنی نوع انسان کی عام بہبود ایسے نظریہ سے ممکن نہیں۔ اور نہ صرف غیر اقوام کے لئے ایسا لائحہ عمل موجب خسران ہے بلکہ خود اس قوم کے لئے بھی جو ایسے نصب العین کو پیشِ نظر رکھ کر دنیا میں بلند و سرخرو ہو جائے۔ موجب امن و راحت نہیں ہو سکتا

قومیت کا تخیل اسلام میں

مذہب اسلام میں قومیت کا زبردست تخیل موجود ہے اگر یہ نہ ہوتا تو یہ دین کیونکر ایسی حیرت انگیز و شاندار ترقی کر سکتا تھا۔ بلکہ اس دین کی سب عبادات بھی قومی رنگ کی ہیں۔ یہ سوال ہوگا کہ جب کہ قومی طاقت کے باعث دنیا میں فساد و بے انصافی و جنبہ داری کو ترقی ہوتی ہے۔ تو پھر اسلام نے بھی کس لئے ایک اجتماعی نظامِ حیات سے اپنی ترقی کو لازم قرار دیا۔ اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے دو امور کو یاد رکھنا چاہیئے۔ اولاً یہ کہ اسلام نے ... ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کا رشتۂ اتحاد اس لئے آپس میں قائم ہے کہ وہ مشترکہ اصولِ زندگی کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا اشتراک ان روحانی و اخلاقی امور میں موجود ہے۔ جن کو وہ انسانی زندگی کی انتہائی غرض سمجھتے ہیں۔ وہ روحانی و اخلاقی امور کونسے ہیں۔ جنہیں اسلام نے زندگی کا نصب العین قرار دیا ہے۔ واحد معبود کی اطاعت اور نسلِ انسانی کے حقوق کی وحدت و حفاظت۔ جو افراد قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق جس کا خلاصہ دو اصولوں میں بیان ہوا اطاعت الٰہی کا جوا اپنی گردن پر لینے کا عہد کرتے ہیں۔ وہ سب ایک قوم کے حکم میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا رشتۂ اتحاد جس کی بناء خالصتہً روحانی و اخلاقی امور و اصول ہوں۔ کبھی باعث فساد و بے امنی ہو نہیں سکتا۔ یہ ایک علیحدہ امر ہے کہ خود مسلمان قوم نے غلط راہ روی سے اپنی قومیت کی بنیادوں کو نہ سمجھا ہو۔ یا وہ اس نصب العین کی طرف سے غافل ہوں جو ان کے دین نے ان کے پیشِ نظر رکھا۔

بدوں اصلاح یافتہ معاشرہ اصولِ حقہ ترویج نہیں پا سکتے

دوسرا امر اس تعلق میں یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اصولِ حقہ بغیر اصلاح یافتہ معاشرہ کے انسانی زندگیوں میں قائم نہیں کئے جا سکتے جہاں یہ صحیح ہے کہ اسلام نے اپنی قومیت کی بناء دنیاوی رشتوں و تعلقات پر قائم نہیں کی۔ اور نہ ہی دنیاوی اغراض و مقاصدِ انسانی زندگی کا اصل نصب العین قرار دیئے ہیں اور جہاں یہ بھی صحیح ہے کہ قومی تخیل غلط نظریوں کے ماتحت بناءِ فساد و بے امنی ہوا ہے۔ قومی طاقت کو خود غرضی و فساد کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہاں اس صداقت سے انکار کرنا بھی کوتاہ نظری ہے کہ اصلاح یافتہ معاشرہ کے بدوں تکمیل مقاصد عظیم و ترویج اصولِ حقہ ممکن نہیں۔

بے شک یہ بھی صحیح ہے کہ مذہب کی بناء پر جو قومیت قائم کی جاتی ہے۔ اسے بھی بدنیت اشخاص اپنی نفسانی اغراض کا آلۂ کار بنا لیتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے بھی یہ اصول ویسا ہی صحیح ہے کہ حقانیت و صداقت بھی اپنے قیام کے لئے ایک سچے اجتماعی نظام کی طالب ہے۔ اور جو شخص اس اصول کا منکر ہو کر یا اس سے غافل و بے پروا ہو کر اصولِ حقہ کی ترویج کرتا ہے۔ اسے ناکامی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ایک فرد کس قدر کمزور و ناتواں ہے! ایک عامی انسان کے لئے اپنی مروجہ سوسائٹی کے طور و طریقوں سے علیحدہ رہنا کس قدر دشوار ہے! وہ تمدن و تعاون کا محتاج ہے۔ اس کی بنیادی ضروریات زندگی سوسائٹی سے متعلق ہیں۔ اگر اس کے اصولوں اور سوسائٹی کے ماحول میں تضاد ہو۔ تو وہ کہاں تک اجتماعی قوت کی مخالفت کرے گا؟ اگر کوئی زبردست قوت و طاقت کا مالک فرد موجود بھی ہو تو اس کے لئے بھی سوائے اس کے دوسری راہ نہیں۔ کہ یا تو وہ اپنے حلقہ اثر سوسائٹی کو اپنے اصولوں کا قائل کر لے یا یہ کہ کم و بیش خود ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لے۔ پھر اس بارہ میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر حقانیت کا بول بالا عام طور پر دنیا میں منظور ہو تو سوائے اس کے اور کوئی طریق ممکن نہیں کہ ایک اجتماعی نظام اس کی پشت پناہ ہو۔ آج تو عامۃ جمہوریت کا زمانہ ہے۔ قلت ناقابلِ اعتناء شے ہے عامۃ الناس کے نزدیک بطلان کی ایک علامت ہے۔ کثرت صحت کا معیار قرار پا چکی ہے۔

انبیاء و مامورین اجتماعی نظام قائم کرنے آتے ہیں

جملہ انبیاء و مامور جب عالم میں ترویج اصولِ حقہ کا نصب العین لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔ تو انہیں بھی بجز اس کے اور کوئی طریقِ کار دکھلائی نہیں دیتا کہ وہ ایک قوم تیار کریں جو ان اصولوں کی حامل ہو۔

جو حقانیت کی زندہ تصویر ہو۔ جو حق کی پشت پناہ ہو۔ انبیاء و ماموریں جو نیکی و صداقت کا بیج بوتے ہیں۔ ... صحیح نشو و نما کا سارا دار و مدار اسی امر میں ہوتا ہے کہ وہ قوم جو ان اصولوں پر تیار کی گئی۔ کس قدر اتحاد و یک جہتی۔ ہمت و جرأت استقلال و مداومت سے اپنے اجتماعی نظام کو کامیاب بناتی ہے جیسے نبی و مامور تیار کرتا ہے۔ اپنے صحیح قومی و اجتماعی نظام کو کامیاب بنا لیتی ہے۔ اور۔ اپنے صحیح قومی و اجتماعی نظام کار میں کامیاب ہو کر دوسروں پر غالب آ جاتی ہے تو مقاصد کا غلبہ دنیا میں ہو جاتا ہے جس کے لئے اسے تیار کیا گیا تھا۔ جس کی وہ اولین عامل و پشت و پناہ ہے۔ اور اگر وہ قوم ان مقاصد عظیمہ کو ہاتھ سے کھو دے یا کسی باعث وہ اپنا اخلاقی تسلط نہ جما سکے۔ تو پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل مقاصد نامکمل رہ جاتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ ان کی تکمیل کی کوئی اور صورت پیدا کرتا ہے۔

جماعت احمدیہ کے قیام و توسیع کی اصل غرض

ابھی تک بہت لوگ اس بات سے بے خبر ہیں کہ جماعت احمدیہ کے قیام و توسیع کی کیا غرض ہے۔ بعض اسے فرقہ بازی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ بعض اسے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ جبکہ ہر مسلمان اشاعت اسلام کے مقصد کا حامی ہے تو کیا ضرورت کہ ایک ایسی جماعت قائم کی جائے جس کے وجود سے خود مسلمانوں میں تنازعہ و تفرقہ پیدا ہوتا ہو وغیرہ وغیرہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں۔ خود حضرت بانیٔ سلسلہ اس بارہ میں یہ ارشاد فرماتے ہیں:-

"یہ سلسلہ بیعت بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت جمع کرنے کے لئے ہے۔ تا ایسے متقیوں کا بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے۔ اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت و عظمت نتائج کا موجب ہو۔"

اس بیان سے ظاہر ہے کہ دنیا نیکی سے تب اثر پذیر ہوتی ہے جب اس کی حمایت میں متقیوں کا ایک بھاری گروہ موجود ہو۔ اگر جماعت احمدیہ کے نظام کے پیش نظر تقوےٰ و نیکی نہیں۔ اگر وہ اخلاق و روحانیت کے اصولوں کے سوا کسی اور طریق سے اپنی ترقی و توسیع کا خواہاں ہے جیسے کہ یہ امر انتہائی بد قسمتی کی بات ہے کہ جماعت احمدیہ کے ایک گروہ کے مدِ نظر یہ امور نہیں رہے۔ تو بھی اصل مقصد حاصل نہ ہوا۔ لیکن اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ بغیر ایک "بھاری گروہ" کے اور بغیر نیکی تقوےٰ شعار لوگوں کی ایک جمعیت بنانے کے لئے دنیا میں اسلام اور نیکی کا بول بالا ہو جائے۔ تو یہ امر بھی خود حضرت بانیٔ سلسلہ کے نزدیک ممکن نہیں۔

اصلاح المسلمین و تجدید دین

تجدید دین کے مقصد کی تکمیل کا راز اصلاح المسلمین کے مقصد میں مضمر ہے۔ اور یہی حضرت بانیٔ سلسلہ کی بعثت کی اصل غرض ہے اسی سے غیر مسلم دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچنے کا انتظام ہونا ممکن ہے۔ مسلمان قوم کی سچی اصلاح کے مقصد کو نظر انداز کر کے نہ تو غیر ادیان پر فتح ممکن ہے اور نہ ہی احیاء دین کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ صرف یہی لائحہ عمل کامیاب اور جلد تر جلد ترقی اسلام کا موجب ہے کہ وہ مرکزی و محوری فقط جس کی بناء روحانیت و اخلاق پر قائم کی گئی ہے۔ وہ روحانی و اخلاقی اصولوں کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے حلقہ اثر و اجتماعی قوت کو غالب کرے۔ جسے جماعت احمدیہ کی شکل میں حضرت بانیٔ سلسلہ نے قائم کیا ہے اسلام اور مسلمانوں کی ساری مصائب و مشکلات کا علاج ایک ہی نکتہ میں مضمر ہے اور وہ ہے جماعت احمدیہ کی صحیح ترقی و نشو و نما۔ کیا مسلمان اس نکتہ کو سمجھیں گے؟

نوجوانانِ جماعت سے اپیل

جماعت احمدیہ لاہور کے نوجوانو! تم کہاں ہو۔ کیوں خوابِ غفلت میں مدہوش پڑے ہو۔ کس لئے اپنی قومی ترقی و توسیع کے اعلےٰ مقصد سے بے پروا ہو؟ اٹھو! بڑھو!! میدانِ عمل میں کودو!!! تمہاری قوم کی بنیادیں اسلامی مقصدِ حیات پر استوار کی گئی ہیں۔ تمہارا اجتماعی نظام خالصتہً اخلاقی و روحانی ہے۔ تمہارا رشتہ اتحاد مشترکہ اصول زندگی میں ہے نہ کہ دنیاوی تعلقات میں۔ اسلامی دنیا نے جب اپنی صحیح اخوت و اتحاد کو سراسر کھو دیا تو تمہیں اس مقصد کے حصول کے لئے مرکزی نقطہ بنایا گیا تمہارا مقصد سب سے بلند۔ تمہارا نصب العین سب سے اعلےٰ۔ تمہارا میدانِ عمل بہترین ہے۔ مسلمانوں کی پراگندگی اور دنیا کی بے راہ روی کا یہی واحد علاج ہے۔ جسے خدا تعالےٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے قائم کیا۔ اٹھو جاگو اور اجتماعی نظام کار کی خاطر اپنی انفرادی ہستی کو مٹا دو۔ پھر دیکھو دنیا کس قدر جلد تمہارے دین اور اصولوں کی طرف جھکتی ہے۔ اللھم انصر من نصر دین محمد صلعم واجعلنا منھم۔

مکتوبِ لندن

محترم شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ اسلام (انگلستان) کو گزشتہ دنوں کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے اسلامی عبادت کے نظریہ کے موضوع پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی تھی۔ جو مولنا نے قبول کی۔ اور مقررہ موضوع پر ایک عمدہ اور عالمانہ تقریر فرمائی۔ سیکرٹری انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے جناب شیخ صاحب موصوف کو شکریہ کی جو چٹھی موصول ہوئی ہے۔ اس کا ترجمہ قارئین پیغام صلح کے ازدیاد ایمان کے لئے پیش خدمت ہے۔

(ادارہ)

"میں تہ دل سے آپ کا شکر گذار ہوں کہ آج آپ ہمارے ساتھ اسلامی عبادات کے موضوع پر مسٹر ہنڈرسن کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے یہاں تشریف لائے۔ تمام بڑے بڑے مذاہب کے معاملات پر بحث کو ختم کرنے کا یہ ایک نہایت ہی موزوں طریق تھا۔ اور آپ نے جس عمدگی سے اس موضوع کو ہم پر واضح کیا ہم اس کی قدر کرتے ہیں۔ اور میں اس لئے بھی خوش ہوں کہ آپ نے دوپہر کا کچھ حصہ ہمارے ساتھ گذارا۔"

ولادت باسعادت

—— لاہور سے محترمہ عظمت رفیق صاحبہ نے اپنے بیٹے وقار احمد کے ہاں اولادِ نرینہ ہونے کی خوشی میں انجمن کو مبلغ -/25 روپے عطیہ بغرض اشاعت اسلام دیا ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ نومولود کو صحت و سلامتی کی طویل عمر عطا فرمائے اور اپنے والدین اور خاندان کے لئے بیش از بیش مسرتوں کا موجب اور باعث خیر و برکت بنائے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

چند روز کے لئے مری تشریف لے گئے تھے۔ اب واپس تشریف لے آئے ہیں۔ ۲۲ اگست کا جمعہ حضور ہی نے پڑھایا۔

محترم بشارت احمد بنا صاحب بی اے۔ راولپنڈی

کیا مجددین اُمّت کا ماننا ضروری ہے

(۲)

اس قسم کے کشف ان بزرگانِ عظام کی نسبت اپنے نبیٔ متبوعؐ اور آپؐ کے پاک گھرانے سے ظاہر کرتے ہیں۔ کہ کس طرح نبی صلعم کا فیض روحانی ان کے قلوب کی صفائی کرتا ہے۔ اور اُمّہات المومنین کے دودھ سے ان کا گوشت پوست سرتاسر نورانی اور مطہر ہو جاتا ہے۔
[illegible] ہر شخص اپنے زمانہ کے امام کی ساعت کرے اور کونوا مع الصادقین کے تحت اس کے پیچھے ہو لے۔ کیونکہ اس کی پیروی میں ہی اس کی فوز و فلاح کا راز مضمر ہے۔

اس پر حضرت مجدد الف ثانی رح کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے:۔

"مجدد وہ شخص ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں جس قدر فیض اُمتوں کو پہنچتا ہے وہ صرف اسی مجدد کے توسط سے اور وسیلہ سے پہنچتا ہے۔ خواہ اس زمانہ کے قطب، اوتاد، ابدال اور نجباً بھی موجود ہوں۔"

(مکتوباتِ ربانی)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالےٰ نے مجھ پر اور میرے زمانہ کے لوگوں پر یہ احسان کیا ہے۔ کہ اس نے مجھے ایک ایسا طریقِ سلوک عطا کیا ہے۔ جو سب طریقوں سے قریب تر ہے۔۔۔۔۔۔ اور میرے ربّ نے مجھے مطلع فرمایا ہے۔ کہ ہم نے تجھے اس طریقہ کا امام مقرر کیا۔ اور اس کی علےٰ بلندی تک پہنچایا اور ہم نے آج کے دن سے باقی تمام طریقوں کو حقیقت قرب تک پہنچنے سے مسدود کر دیا ہے بجز اس طریقہ کے جو تجھے عطا کیا گیا۔ اور وہ ایک ہی طریقہ ہے۔ جو کھلا رکھا گیا ہے۔ لوگوں کو چاہیئے۔ کہ وہ تجھ سے محبت کریں اور تیری فرمانبرداری کو ذریعہ نجات سمجھیں اور آب آسمانی برکات اس شخص پر نہ ہوں گی جو تیرے ساتھ عداوت رکھے گا۔ اور نہ ارضی برکات کا مورد ہوگا۔ اور مشرق و مغرب کے لوگ تیری رعیت کر دیئے گئے ہیں۔ اور تو ان کا بادشاہ مقرر کیا گیا ہے۔ خواہ وہ لوگ تمہاری اس حقیقت سے واقف ہوں یا نہ ہوں۔ اگر واقف نہ ہونگے تو فائز المرام ہوں گے۔ اور اگر بے خبر رہیں گے تو خسارہ اور ٹوٹا پائیں گے۔"

(تفہیماتِ الٰہیہ)

حضرت شاہ صاحبؒ نے کیسے واشگاف الفاظ میں فرمایا ہے۔ کہ ان کا ماننا فرض ہے اور جو نہیں مانتا وہ نامراد رہے گا۔ اور آپ کا طریقہ سلوک ہی اب خدا تک پہنچا سکتا ہے۔ باقی تمام طریقے ختم کر دیئے گئے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں:۔

"اے جاہل اپنے ہاتھ سے کتاب پھینک دے۔ اور میرے پاس آ اور میرے سامنے سرنگوں کر کے بیٹھ جا۔ علمِ حقیقی مردانِ خدا کے مقدس مونہوں سے حاصل ہوتا ہے۔ کتابوں سے نہیں ملتا۔ وہ صاحب حال سے ملتا ہے۔ قیل و قال سے نہیں (یعنی علمائے ظاہر سے نہیں۔) (عوارف شاہ جیلان)

پھر فرماتے ہیں:۔

"تم پر افسوس۔ تو مجھ سے بھاگ جانا چاہتا ہے۔ حالانکہ میں تیرا کوتوال ہوں تاکہ تیری حفاظت کروں۔ تجھے میرے پاس بیٹھنا چاہیئے۔ ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ اے ذلیل جاہل پہلے میرے پاس آ۔ اس کے بعد حجِ کعبہ کا قصد کر۔ میں کعبہ کا دروازہ ہوں۔ میرے پاس آ تاکہ میں تجھے حج کا طریقہ سکھاؤں۔"

(عوارف شاہ جیلان مصنفہ پروفیسر نورالدین زاہد۔ سرینگر)

دوسرے موقع پر یہ پُر از جلال کلام فرمایا:۔

"جس نے میری صحبت میں صداقت دکھائی اس نے فائدہ اٹھایا اور دین و دنیا میں فلاح پائی۔ اور جس نے مجھے جھٹلایا اور میری صحبت میں کھوٹ نکلا۔ وہ بدبخت محروم کیا گیا۔ اور اس کو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سزا دی گئی۔" (الفتح الربانی)

اِن بزرگانِ دین کے بیانات کے ساتھ چودھویں ہجری کے مجدد اور امام کے مندرجہ ذیل بیان کا موازنہ فرمائیے:۔

"خدا نے اس سلسلہ کو قائم کرتے وقت مجھے فرمایا کہ زمین میں طوفانِ ضلالت برپا ہے۔ تو اس طوفان کے وقت میں یہ کشتی تیار کر۔ جو شخص اس کشتی میں سوار ہوگا وہ غرق ہونے سے نجات پا جائے گا۔ [illegible] میرے ہاتھوں میں ایک چراغ ہے جو شخص میرے پاس آتا ہے۔ ضرور وہ اس روشنی سے حصہ لے گا۔ مگر جو شخص وہم اور بدگمانی سے دُور بھاگتا ہے۔ وہ ظلمت میں ڈال دیا جائے گا۔ اس زمانہ کا حصن حصین میں ہوں۔ جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا۔ مگر جو شخص میری دیواروں سے دُور رہنا چاہتا ہے۔ ہر طرف سے اس کو موت درپیش ہے۔ اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔" (فتح اسلام)

ہمارا ایمان ہے کہ ہر مسلمان کی اصل منزل خدا تعالےٰ اور اس کا آخری رسول صلعم ہیں اور بقول اقبال سچی بات یہی ہے کہ

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

لیکن سوال یہ ہے کہ اس راستہ کو طے کیسے کیا جائے کہ اس منزل مقصود کو پالیں دنیا کی دلفریبیاں پاؤں پکڑ کر بٹھا لیتی ہیں۔ نفسانی خواہشات آنکھوں پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ اور دل و دماغ شیطانی وساوس کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔ ان آہنی زنجیروں کو کیسے توڑا جائے؟ ہماری ان مشکلات کا مداوہ لے کر مجددین آتے ہیں۔ اور وہ چراغ راہ بن کر ہمیں سیدھی راہ پر ڈال دیتے ہیں۔ خود ساتھ چلتے ہیں اور ضلالت و گمراہی کی تاریکیوں میں ہماری آنکھ کے نور کو اپنے چراغ کے نور سے اس قابل کر دیتے ہیں کہ وہ راستہ کی تمام ناہمواریوں، گہری کھائیوں اور نیچے ہوئے نوکیلے کانٹوں کو دیکھ سکے اور ان سب سے بچا کر ہمیں اپنی منزل کی طرف رواں دواں رکھے۔

اَب جو شخص ایسے پاک نفوس سے پیوند نہیں لگاتا۔ اس میں یقیناً تکبر اور نخوت ہے۔ اور جہاں تکبر و نخوت ہو۔ وہاں ہدایت اور رشد کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ قرآن کا دعوےٰ ھدًی للمتقین ہے۔ یعنی وہ ان لوگوں کی ہدایت کا موجب ہے۔ جو اپنے آپ کو مندرجہ ذیل چیزوں سے بچاتے ہیں۔ تکبر اور نخوت، خود پسندی اور خودستائی ایسے عیب ہیں۔ کہ جب تک یہ دُور نہ ہوں۔ کوئی شخص متقی نہیں بن سکتا اور تقوےٰ کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ لہذا ان بزرگانِ دین سے عداوت یا علیحدگی یقیناً ہمارے لئے باعثِ نقصانِ عظیم ہے۔ شیطان ہماری ہلاکت اور تباہی چاہتا ہے۔ یہ پاک نفوس ہمیں اس کے چنگل سے چھڑاتے ہیں اور ہمیں امن و عافیت کے دامن میں پناہ دیتے ہیں۔ ہمارا تزکیہ نفس کرتے ہیں اور ہمیں اس قابل بنا دیتے ہیں۔ کہ ہم راہ کی ہر مشکل پر قابو پالیں اور ہر رکاوٹ کو عزم و حوصلہ سے رفع کریں۔ اسی وجہ سے حضرت شیخ عبدالقادر رح نے اپنے آپ کو کوتوال کہا جو لوگوں کی حفاظت پر مامور ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"ولی زمین میں خدا تعالےٰ کا گلدستہ ہوتا ہے۔ اس کی خوشبو صدیق سونگھتے ہیں۔ پس اس ولی کی خوشبو ان تک پہنچتی ہے۔ تب وہ اپنے ربّ سے ان کے درجات بلند کرنے کی بہت خواہش کرتے ہیں۔" (عوارف شاہ جیلان)

تجدید دین بہت ہی مشکل اور کٹھن فریضہ ہے۔ علوم ظاہری سے آراستہ لوگ کتنے ہی قادر الکلام، شعلہ بیان اور بلند پایہ نثر نگار ہوں۔ وہ اس وادیٔ پُرخار

قدم نہیں رکھ سکتے۔ وہ ضلالت و گمراہی کی تاریکیوں اور الحاد و زندقہ کی تیز و تند آندھیوں میں ایمان و معرفت کی قندیل روشن کرنے کی کبھی طاقت نہیں رکھتے۔ حدیث مجدد پر گفتگو فرماتے ہوئے مجدد الوقت حضرت مرزا صاحب علیہ السلام فرماتے ہیں:—

"صرف رسمی اور ظاہری طور پر قرآن شریف کے تراجم پھیلانا یا فقط کتب دینیہ اور احادیث نبویہ کو اردو یا فارسی میں ترجمہ کرکے رواج دینا یا بدعات سے بھرے ہوئے خشک طریقے جیسے زمانہ حال کے اکثر مشائخ کا دستور ہو رہا ہے۔ سکھلانا یہ امور ایسے نہیں ہیں جن کو کامل اور واقعی طور پر تجدید دین کہا جائے۔ بلکہ مؤخر الذکر طریق تو شیطانی راہوں کی تجدید ہے، اور دین کا رہزن۔ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کو دنیا میں پھیلانا بے شک عمدہ طریق ہے۔ مگر رسمی طور پر اور تکلف اور فکر اور غوض سے یہ کام کرنا اور اپنا نفس واقعی طور پر حدیث اور قرآن کا مورد نہ ہونا ایسی ظاہری اور بے مغز خدمتیں ہر ایک باعلم آدمی کر سکتا ہے اور ہمیشہ جاری ہیں۔ ان کو مجددیت سے کچھ علاقہ نہیں۔ یہ تمام امور خدا تعالیٰ کے نزدیک فقط استخوان فروشی ہے۔ اس سے بڑھ کر نہیں۔ اللہ جلشانہ فرماتا ہے

لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون اور فرماتا ہے: یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم۔ اندھا اندھے کو کیا راہ دکھاوے گا۔ اور مجذوم دوسروں کے بدنوں کو کیا صاف کرے گا۔ تجدید دین وہ پاک کیفیت ہے۔ کہ اول عاشقانہ جوش کے ساتھ اس پاک دل پر نازل ہوتی ہے۔ کہ جو مکالمہ الٰہیہ کے درجہ تک پہنچ گیا ہو۔ پھر دوسروں میں جلد یا دیر سے اس کی سرایت ہوتی ہے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے مجددیت کی قوت پاتے ہیں۔ وہ نرے استخوان فروش نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ واقعی طور پر نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور روحانی طور پر آنجناب کے خلیفہ ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں اُن تمام نعمتوں کا وارث بناتا ہے۔ جو نبیوں اور رسولوں کو دی جاتی ہیں۔ اور ان کی باتیں از قبیل جوشیدن ہوتی ہیں۔ نہ محض از قبیل کوشیدن اور وہ حال سے بولتے ہیں نہ مجرد قال سے اور خدا تعالیٰ کے الہام کی تجلی ان کے دلوں پر ہوتی ہے۔ اور وہ ہر ایک مشکل کے وقت روح القدس سے سکھلائے جاتے ہیں۔ اور ان کی گفتار اور کردار میں دنیا پرستی کی ملونی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ بکلی مصفا کئے گئے اور بتمام و کمال کھینچے گئے ہیں۔" (حاشیہ فتح اسلام صش)

اس صدی میں بڑے بڑے نامور علماء اور فضلاء عالم اسلام میں پیدا ہوئے۔ اور ہر ایک نے اپنے اپنے رنگ میں خدمت دین بھی کی۔ علوم دینیہ کو دنیا میں وسعت دی۔ لیکن چونکہ ان کو علوم ولایت اور انوار الہام سے کچھ عطا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ عقلی در اور علوم ظاہری کے بل بوتے پر خدمت سرانجام دیتے رہے۔ اس لئے دنیا میں ئی قابل ذکر مذہبی انقلاب نہ لا سکے۔ دہریت، کفر و الحاد اور صلیبی مذہب کی دجالیت توڑ وہ نہ پیش کر سکے۔ اور مغربی دنیا میں پیدا ہونے والے فلاسفر اور طبعی علوم اسلام کے فلسفہ کی برتری ثابت کرنے سے بکلی عاجز رہے۔ یہ سعادت اور عظیم کامیابی صرف حضرت مجدد الوقت کے نام لکھی گئی۔ جس نے صلیب کو آسمانی ... اوں کے ساتھ توڑ دیا۔ اور زمین کو قدرت الٰہی سے یکسر تبدیل کر دیا۔

آپ فرماتے ہیں:—

"پھر میرے الہام غیب کی پیشگوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور غیب اللہ جلشانہ کی ذات سے خاص ہے۔ اور ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر اس شخص کو پورا غلبہ بخشے جو فاسد الخیال اور دنیا کا چاہنے والا ہے۔ کیا خدا ایسے آدمی کو دوست پکڑ سکتا ہے۔ جس نے ہلاکت کا دام محض فریب کی راہ سے بچھایا۔ اور لوگوں کو گمراہ کیا۔ اور ہدایت نہ کی۔ اور دین اسلام کو دشمنوں کی طرح ضرر پہنچایا۔ اور نور صدق سے اس کے مطلع کو روشن نہ کیا۔ اور اس کی غمخواری میں نہ کبھی صبح کی نہ شام اور اس کی اصلاح کے لئے کچھ تگ و دو نہ کی۔ بلکہ اپنے جھوٹ کے ساتھ ذہنوں کا زنگ بڑھایا۔ اور اپنے افتراء کی باتوں کے ساتھ اُمت میں فتنہ کی گرد و غبار پیدا کر دی۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ مفتریوں کو رسوا کرتا اور ان کی جڑ کاٹ کر ان کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ جو ان سے پہلے کٹے گئے ہیں۔"

(نجم الہدیٰ صفحہ ۲۵-۲۶)

لعنتی ہوتا ہے مرد مفتری — لعنتی کو کب ملے یہ سروری

کوئی مفتری اور کاذب شخص خدا تعالیٰ کی حضور میں اپنے لئے بد دعا نہیں کر سکتا وہ خوب جانتا ہے کہ اگر وہ خدا سے اپنے صدق یا کذب کا فیصلہ چاہے گا۔ تو خدا تعالیٰ ضرور اس کی شاہ رگ کو کاٹ دے گا۔ اور ذلت و نامرادی کی موت اس پر وارد کرے گا۔ اور دیکھنے والوں کے لئے اس کو سامانِ عبرت بنا دے گا لیکن چونکہ آپ فی الواقعہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوئے تھے۔ اور اس کے حکم سے آپ نے مجدد الوقت مسیح اور مہدی ہونے کا دعوےٰ فرمایا تھا۔ اس لئے آپ نے بلا خوف و خطر خدا کی حضور میں یوں التجا کی:—

اے قدیر و خالقِ ارض و سما + اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ میداری تو بر دلہا نظر + اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر + گر تو دید استی کہ ہستم بدگہر
پارہ پارہ کن من بدکار را + شاد کن این زمرۂ اغیار را
آتش افشاں بر در و دیوار من + دشمنم باش و تبہ کن کارِ من
در مرا از بندگانت یافتی + قبلۂ من آستانت یافتی
در دلِ من آں محبت دیدۂ + کس جہاں آں راز را پوشیدۂ
بامن از روئے محبت کار کن + اندکے افشاء آں اسرار کن
زاں تعلق ہا کہ با تو داشتم + زاں محبت ہا کہ در دل کاشتم

خود بروں آ از پئے ابراء من
اے تو کہف و ملجاؤ ماوائے من

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ وہ اپنے اس زمانہ کے امام اور مجدد کو پہچانیں اور اس کے دامن سے وابستہ ہونے کا شرف حاصل کریں۔ خدا نے اس کو روشنی کا مینار بنایا ہے۔ اسے تباہ کرنا خود اپنے آپ کو تباہ کرنا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ جو میرے ولی سے لڑتا ہے۔ وہ گویا مجھ سے جنگ کرتا ہے۔

ہمیں کافر قرار دے کر علماء اور حکومت نے کوئی قابلِ ستائش کارنامہ انجام نہیں دیا۔ کافر بنانا بہت آسان ہے۔ جیسے کسی عمارت کو گرانا۔ مگر کافر کو مسلمان بنانا صرف اہل اللہ کا کام ہے۔ ہم نے اسلام کی جو خدمت کی ہے۔ اس کا اعتراف تو مغربی دنیا کے اہلِ علم بھی کرتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے ہماری تبلیغی مساعی کے سامنے عیسائیت کی شکست بھی تسلیم کر لی ہے۔ اور یوں مجدد الوقت کے مشن کی کامیابی پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ بحمد اللہ کہ یہ سعادت ہمارے حصہ میں آئی۔ مگر کافر گروں کو کیا ملے گا۔ اگر وہ کافروں کو مسلمان بناتے تو کوئی بات ہوتی۔ مسلمانوں کو کافر بنانا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے عالی شان مکان کو خود آگ لگا کر خود ہی تماشا دیکھے۔ مگر ہم انہیں بتا دینا چاہتے کہ

جنہیں حقیر سمجھ کے بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلیں گے۔ تو روشنی ہوگی

راولپنڈی سے محترم فخرالدین احمد صاحب، مکرم سیکرٹری صاحب کی خدمت میں لکھتے ہیں:—

جیسا کہ آپ جانتے ہیں اسی ہفتے لندن میں ہمارا ایک خصوصی اجتماع شروع ہے اس میں شرکت کے لئے پاکستان سے بھی بزرگانِ سلسلہ پہنچ چکے ہیں۔ یہ اجتماع ایک خالصتہً دینی جماعت کا ہے اور اس کے اغراض و مقاصد "لیظھرہ علی الدین کلہ" اور حصول رضاء الٰہی ہیں۔ آئندہ برس اسی ملک میں ایک اور اجتماع بھی ہو رہا ہے جس کے اخراجات بہت سی حکومتیں برداشت کریں گی۔ اس کا مقصد اسلامی ثقافت کو فروغ دینا ہے۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

اس احمدیہ کنونشن کی کامیابی کے لئے دردِ دل سے دُعا فرمائیں۔

خدا تعالےٰ کی ہستی کا اصل ثبوت اِنسانی زندگیوں میں اعلیٰ تبدیلی سے ملتا ہے۔

خطبہ جمعہ: مؤرخہ ۱۵ر اگست ۱۹۷۵ء۔ فرمودہ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب رجامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونًا و اذا خاطبھم الجاھلون قالو سلٰما.......... والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین و اجعلنا للمتقین اماما۔ (الفرقان۔ آخری رکوع)

سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

۱۴ر اگست کی تاریخ پاکستان میں ہر سال برصغیر میں مسلمانوں کی تحریک آزادی کی یاد کو تازہ کرتی ہے۔ اس موقعہ پر تمام اخبارات خاص خاص نمبر شائع کرتے ہیں اور جلسے منعقد کئے جاتے ہیں۔ آزادی کی عالمگیر تحریک کا منشور دراصل دنیا کو پہلی مرتبہ پیغامِ اسلام کی صورت میں دیا گیا۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی ضمیر اور حقوق کو جو آزادی بلا امتیاز ملک و قوم اور ملت و طبقہ، اسلام نے عملاً عطا کی تاریخ میں اس کی نظیر کہیں اور دکھلائی نہیں دیتی۔ قرونِ اولےٰ کے مسلمانوں نے نہ صرف انسانی آزادی کا پرچم اپنی مسلمان قوم کے لئے بلند کیا بلکہ ہر دین و مذہب کے معبدوں، مندروں اور گرجاؤں کی حفاظت کا حکم قرآن کریم میں دیا گیا۔ ضمیر کی آزادی قائم کرنا، انسانی حقوق کے بنیادی حق کو قائم کرتا ہے۔ اسی طرح اسلامی حکومتوں میں بلا رعایت و تعصّب قوم و دین، انسانوں کو ان کی صلاحیتوں کی بنا پر رتبہ دیا جاتا رہا۔ یہی اصل وجہ ہے کہ دینِ اسلام کل دنیا کے لئے باعثِ رحمت و برکت ثابت ہوا جس کا اعتراف دوست و دشمن کو یکساں طور پر ہے

لیکن غور کرنے کے قابل یہ بات ہے کہ انگریزوں اور ہندوؤں سے جو ظاہرا آزادی مسلمانوں نے حاصل کی کیا یہی وہ معراجِ ترقی ہے جس پر انہوں نے پہنچنا تھا؟ یہ المناک واقعہ تو اب ایسا روشن و بدیہی ہے کہ ہر ایک کو اس کا اعتراف ہے کہ پاکستان بننے سے ماقبل اس ملک کے مسلمانوں کی ایمانی و اخلاقی جو حالت تھی اب پاکستان بننے کے اٹھائیس برس بعد اس کا عشرِ عشیر بھی باقی نہیں۔ ہر جگہ بد اخلاقی اور بے ایمانی کا دَور دَورہ ہے۔ جس کا رونا سب روتے ہیں۔ تو کیا اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام کا مقصد اسی آزادی کا حصول مقصود تھا؟

حقیقی آزادی نفسانی خواہشات سے آزادی اور خدا تعالےٰ کی رضامندی سے

یہ حقیقت اب کس قدر کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ حکومتیں اور دولتیں اصل آزادی کی نہ صرف ممد نہیں ہوتیں بلکہ بسا اوقات ان کی نقیض واقع ہوئی ہیں۔ جب حضرت مسیح موعودؑ نے دعوئی مسیحیت کیا تو علماء نے یہی سب سے بڑا اعتراض کیا تھا کہ مسلمان نیکی و ایمان پر قائم نہیں کئے جا سکتے جب تک ان کی اپنی حکومت اس ملک میں نہ ہو۔ اس لئے ہم ایسے شخص کے دعوئی مسیحیت کو کیسے قبول کر سکتے ہیں جو ہمیں غیروں کی غلامی سے نہیں چھٹکارا نصیب کراتا؟ مسلمانوں کی حکومت تو دوسرے ممالک میں موجود تھی۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اپنی مصلحت سے اس ملک کے مسلمانوں کو بھی حکومت عطا کر کے ابتلاء میں ڈال کر دکھلا دیا کہ تمہارا اعتراض ہمارے بندے مسیح موعودؑ پر کس قدر غلط ہے چنانچہ جب سے پاکستان بنا ہے، تب سے ہی اس خطّہ میں مسلمانوں کے رہے سہے ایمان و اخلاق کی دھجیاں اُڑتی چلی جا رہی ہیں۔ عجب نہیں کہ شاید ایسا وقت آ جائے جب یہاں خدا کا نام لینا بھی تعزیر قرار دے دیا جائے، جیسا کہ اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے کہا:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے یہ جا کے تھانہ میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

کیونکہ سوشلزم کی تحریک روز افزوں ترقی پر ہے بہرحال اگر علماء کا دعوے حکومت کے قیام سے نیکی کا ہوتا، تو پھر پاکستان بننے کے بعد ایمانی اور اخلاقی حالتوں میں کوئی ترقی ہی ہونا چاہیئے تھی نہ کہ سراسر تنزل و انحطاط جیسے کہ اب مسلّمہ طور پر رُونما ہوا ہے۔

ایک منصف مزاج و حق جو انسان کے لئے تو اس مردِ خدا کی صداقت کا یہی ایک ثبوت کافی ہے۔ حقیقی آزادی، جسمانی اور سلطنتوں کی آزادی کا نام نہیں، بلکہ وہ تو نفسانی خواہشات سے آزادی کا نام ہے، خدا تعالیٰ کی رضامندی اور مخلوقِ خدا کی سچی ہمدردی و خدمت ہی اصل آزادی ہے۔ اسلام نے اپنے پہلے دَور میں اسی حقیقی آزادی کو ہی زندگیوں میں قائم کر کے دکھلایا تھا۔ جہاں نہ کوئی رُو رعایت کی جاتی تھی، نہ ہی کسی تعصّب و تنگ نظری سے کام لیا جاتا ہر شخص کو خدا تعالےٰ کا عطا کردہ حق آزادیٔ ضمیر و فکر حاصل تھا اور اس کی شخصیت کی قدر و منزلت اس کی فطرتی صلاحیتوں کے مطابق کی جاتی تھی نہ اس بناء پر کہ وہ کس اعلےٰ قوم و طبقہ یا ملت و مذہب کا فرد ہے۔

پاکستان کن بنیادوں پر قائم ہوا؟

اگر ہم تھوڑا سا اس امر پر غور کریں کہ پاکستان کی بناء کیسے پڑی تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس کی بنیادیں دو عظیم اصولوں کے تسلیم کرنے پر پڑیں۔ اوّلاً یہ کہ اسلامی نظریہ حیات ایک تیسری آئیڈیالوجی ہے جو سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظاموں کے مقابل صحیح اور غالب آنے والا نظریہ ہے دوئم یہ کہ اسلامی اخوت کا دروازہ ہر اس شخص پر کھلا ہے جو کلمہ طیبہ پڑھتا، ارکانِ اسلام ادا کرتا، قرآن کریم اور نبوت آنحضرت صلعم کو آخری ہدایت اور نبوت کی کڑی سمجھتا ہے۔ اور یہ اصول یعنی صداقت و غلبۂ اسلام اور اتحاد بین المسلمین کی ندا تھی جو اس برصغیر کے مسلمانوں نے بلند کی جس کی بناء پر یہ سلطنت پاکستان قائم ہوئی۔ اس جگہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اس ملک میں کونسی وہ جماعت تھی جس کی ندا بطور ماٹو یہی دو اصول غلبۂ اسلام اور اتحاد بین المسلمین تھے؟ مگر حکومت حاصل ہو جانے کے بعد اسلامی نظریہ کی صداقت اور اتحاد کے اصول تدریجاً اوجھل ہوتے چلے گئے اسلامی نظریہ کی بجائے دولت پرستی کا مغربی نظریہ زندگیوں میں رائج ہوتا چلا گیا جس کے سامنے ایمان و اخلاق کی جملہ اقدار ماند پڑتی چلی گئیں یہاں تک کہ موجودہ حالت خدا پرستی کی بجائے زر پرستی کی غالب آ گئی۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان نے اصلاح قوم اور تبلیغ اسلام کے لئے کیا قدم اُٹھایا

جب پاکستان اسلام اور غلبۂ اسلام کے لئے بنا تھا تو ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ حکومتِ پاکستان کی طرف سے ہر غیر ملک میں اسلامی صداقت اور قرآنی تعلیم کے فروغ کے لئے کوئی تحریک قائم کی جاتی لیکن کیا کسی بھی پاکستانی حکومت کو اس کی توفیق عطا ہوئی؟ کیا مسلمانوں کی عملی زندگی کی اصلاح کے لئے کسی حکومت نے کوئی ادنیٰ سا اقدام کیا؟ پھر ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ برصغیر کے مسلمانوں نے اس ملک کی حکومت اسلامی نظریۂ حیات کے قیام و فروغ اور اسلامی نظریۂ صداقت کو المنشرح کرنے کی خاطر صدق دل سے حاصل کی تھی؟ یہ یہ تو صرف ہمارے کھوکھلے نعرے اور دعوے ہی ثابت ہو کر رہ گئے اور خدا تعالےٰ کی ہم پر صریح حجت قائم ہوئی کہ نبلوکم بالشر والخیر فتنۃ۔ ہم تمہیں آزماتے ہیں کبھی تکالیف کے ذریعہ اور کبھی فراوانی عطا کرکے۔ پھر جملہ ممالک اسلامی کے اتحاد کی جو تحریک چل رہی ہے وہ بھی تب ہی برکت و خیر کا موجب بن سکتی ہے جب اس کے پیش نظر مقدم طور پر دو مقاصد ہوں یعنی مسلم رعایا کی ایمانی و اخلاقی حالتوں میں ترقی اور اصولِ دینِ اسلام کے فروغ کے لئے اسلامی مشنوں کا قیام۔ نہ کہ محض ان کی سیاسی و ثقافتی اور اقتصادی اور تعلیمی ترقی مغربی نقطۂ نگاہ کے مطابق۔ یہ سب ترقیاں مسلمان قوم کے لئے تب ہی مفید ثابت ہو سکتی ہیں جب ان کے ایمان و اخلاق اور عمل و کردار کے بہتر و اعلیٰ ہونے کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوں نہ کہ مغربی قومیت و دولت پرستی کے نظریہ کے تتبع میں۔

مسلم اور غیر مسلم کی زندگیوں میں حقیقی فرق و امتیاز

جو آیات میں نے سورۃ فرقان کے کے آخری رکوع کی تلاوت کی ہیں ان میں حقیقی مابہ الامتیاز ایک مسلم اور غیر مسلم کی زندگیوں کا بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ اس سورۃ شریفہ کا نام جو الفرقان رکھا گیا تو وہ بھی اسی وجہ سے ہے کہ اس میں عباد الرحمان کی ایسی صفاتِ حسنہ کا ذکر کیا گیا ہے جو کسی مسلمان شخصیت اور قوم کو غیر مسلموں سے ممیز کرتی ہیں اور جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہیں۔ وھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین۔ چنانچہ جملہ فرقانی اولٰئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنۃ، اس امتیازی خصوصیت کی مزید وضاحت کر رہا ہے یعنی کفر اور اسلام میں حقیقی فرق ان صفاتِ حسنہ کی تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جیسے دوسری جگہ ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا سے تعبیر کیا ہے۔ حقیقتاً کفر ان صفات کے انکار و کردار کا نام ہے جو منافی ایمان و سیرت حسنہ ہوں اور حقیقی اسلام اس امر کی نشانی ہے کہ ان صفات کفریہ کے مقابل صفاتِ حسنہ کے حصول میں کسی شخص یا قوم نے کہاں تک اپنی زندگی میں تبدیلی پیدا کی۔

خدا کی ہستی کا ثبوت اور اسلام کی زندگی کی نشانی

غور کا مقام ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ نے اپنے دعوےٰ اور مسلمان قوم سے اسے تسلیم کرنے کی جو ندا بلند کی تھی وہ کیا تھی؟ اپنی کتاب فتح اسلام میں آپؑ یوں فرماتے ہیں :-

"اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی وہ موت ہے جس پر اسلام کی دوبارہ زندگی، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے۔"

حقیقی زندگی نفسانی موت کو چاہتی ہے خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم احسن عملا۔ جب تک کوئی انسان یا قوم خدا کی رضا و منشاء کے لئے اپنی نفسانی خواہشات پر موت وارد نہ کرے تب تک روحانی و اخلاقی زندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ حقیقی نفسانی جہاد ہے جس کی طرف قرآن ندا دیتا ہے۔ دیکھ لو! حضرت مسیح موعودؑ جہادِ حقیقی یا اپنی نفسانی خواہشات پر موت ۴ وارد کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں یا جہاد منسوخ کرنے کی ہدایت کر رہے ہیں؟ ظاہری جہاد بھی تب ہی فرض ہوتا ہے جب نفس کا باطنی جہاد تکمیل پائے۔ حضرت اقدسؑ متذکرہ بالا الفاظ

آپ کے خطوط

بخدمت جناب ڈاکٹر صاحب افسر اخبارات۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گزارش ہے کہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے خلاف واقعاتی جائزہ میں لکھا ہے کہ "ڈاکٹر سعید احمد خاں نے شیخ اللہ بخش صاحب سے اپنی مدح و توصیف شائع کروا کر اپنے خاندان کے لئے رستہ ہموار کیا ہے"۔ میں حلفاً بیان کرتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب نے نہ مجھے اپنی تعریف لکھنے کے لئے کہا نہ میں نے ان کے کہنے پر ایسا کیا۔ میں اس کی پُر زور تردید کرتا ہوں۔ یہ جھوٹ اور افترا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالےٰ۔ اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی ان پر لعنت ہو جو اس قسم کا جھوٹ بناتے ہیں۔

ہاں میں ان تمام لوگوں کا مداح ہوں جنہوں نے جماعت کی کسی نہ کسی رنگ میں خدمت کی ہے۔ اور ۶۲-۱۹۶۱ سے جنہوں نے باہر جا کر تبلیغ اسلام کی۔ اور جو اب بھی کر رہے ہیں۔ ان سب کے لئے میں تا دمِ تحریر دعا کر رہا ہوں۔ اور جماعت کے لئے یہ دُعا کر رہا ہوں کہ جماعت کو اللہ تعالےٰ کوثر عطا فرمائے۔ ہسپانیہ اور دیگر ممالک میں مشن قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور خدا تعالےٰ ہم سے خدمتِ اسلام کے ایسے کام لے جس سے وہ راضی ہو۔ اور جس وقت جنوبی امریکہ کے لوگ یہاں آئے تھے۔ اس وقت میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ میں ہر روز ان کے لئے دعا کرتا رہونگا۔ آج ایک سال آٹھ ماہ گذر چکے ہیں۔ خدا کے فضل سے مسلسل دُعا کر رہا ہوں۔ اور آٹھ ماہ سے میں مولوی شیر محمد صاحب کے لئے بھی دُعا کر رہا ہوں۔

تو کیا اب میں ڈاکٹر سعید احمد صاحب کا خوشامدی ہو گیا ہوں جبکہ میں سب کے لئے ہر روز رات کو اُٹھ کر دُعا کرتا ہوں؟ کہ ڈاکٹر صاحب۔ پروفیسر خلیل الرحمان صاحب اور ان کے ساتھی اور جماعت کے دیگر ثابت قدم افراد جنہوں نے اپنی جان اور مال قربانی کے لئے پیش کر دیا تھا۔ اے خدا تعالےٰ انکی قربانی قبول فرما، جس طرح حضرت ابراہیمؑ کی قبول فرمائی تھی۔ ان پر وہ رحمتیں اور برکتیں بھیج جس طرح حضرت ابراہیم اور انکی اولاد پر بھیجیں۔ ان پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول دے۔ اور جنہوں نے سول اور فوج میں اپنے آپ کو احمدی لکھوایا ہے ان سے دشمنوں کے مکر و فریب کو پھیر دے۔ اور انکی حفاظت فرما۔ انکو دین اور دنیا میں بلند درجات عطا فرما کہ تو ہی احکم الحاکمین ہے۔ سب دوستوں سے میری گزارش ہے کہ آپ بھی ہر روز یہ دُعا کیا کریں کہ اے اللہ جو کچھ اللہ بخش دعا مانگ رہا ہے قبول فرما۔ لندن میں جو اجلاس ہو رہا ہے اسے اللہ تعالےٰ کامیاب فرمائے۔ جناب شیخ محمد طفیل صاحب اور کانفرنس کے دیگر سب مندوبین کو میرا السلام علیکم پہنچا دیں۔

فقط۔ شیخ اللہ بخش از بدوملہی

---

* وارد نہ ہو لے تب تک نہ اسلام اور مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ ہو سکتی ہے اور نہ ہی خدا کی زندہ تجلی کا ثبوت ملنا ممکن ہے۔ مگر یہ ہماری غلطی اور غفلت ہے کہ ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے دلائل اور محض علمِ کلام سے احیاء اسلام کا مقصد تکمیل پا جائے گا۔ حضرت اقدسؑ کی زندگی میں جو جماعت احمدیہ تیار ہوئی تھی جسے دیکھ کر ہی علامہ اقبال نے ۱۹۱۱ء میں علیگڑھ میں یہ کہا تھا کہ "اگر تمہیں اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنا ہو تو وہ تمہیں اس فرقہ کی زندگی میں نظر آئیگا جو قادیان میں پیدا ہوا ہے۔" وہ یہی عملی زندگی میں تبدیلی کا عظیم معجزہ رونما ہوا تھا۔ اس وقت کا احمدی غیروں کی نگاہ میں بھی سچی اسلامی تہذیب کا ٹھیٹھ نمونہ پیش کرنے والا یعنی اپنے اعمال و اخلاق اور کردار و سیرت کے ذریعہ تعلیم اسلامی کی صداقت کا ثبوت پیش کرنے والا تھا۔ اس طرح جماعت احمدیہ کا نمونہ، زندگیوں کا اعلیٰ اخلاقی کردار اور دوسروں سے اس بارہ میں امتیازی تبدیلی کو ظاہر کرنے والا تھا۔ یہ امتیازی اعجاز، زندگیوں میں انقلاب اور عظیم تبدیلی، کیا اب بھی جماعت احمدیہ کی خصوصیت غیروں کی نگاہ میں باقی موجود ہے؟

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں

شریعت سے ناواقفی کا نمونہ

(قسط سوم)

عمر دنیا سات ہزار برس کا ثبوت قرآن و حدیث سے

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتب میں موجودہ دنیا کی عمر سات ہزار برس لکھی ہے اس پر مولوی صاحب موصوف طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"مرزا صاحب کا دعوےٰ ہے کہ اس دنیا کی عمر جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی سات ہزار سال ہے یہ بات بھی کہیں قادیانی انجیل میں لکھی ہو تو ہو مگر قرآن کریم اور آنحضرت صلعم نے اس کی جانب کوئی اشارہ نہیں فرمایا اگر سات ہزار کے دورے کا نکتہ قادیان کے بیت الفکر سے باہر کسی کو معلوم ہوتا تو ہر شخص آسانی سے بتا سکتا تھا کہ قیامت فلاں سن کی فلاں تاریخ کو آئے گی۔ لیکن قرآن کریم نے صاف اعلان کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو نہیں اور رسول اللہ صلعم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب قیامت کے بارے میں دریافت کیا تو ارشاد فرمایا ما المسئول عنھا باعلم من السائل جس شخص سے دریافت کیا جا رہا ہے وہ دریافت کنندہ سے زیادہ نہیں جانتا ہے"

اس کے بعد حدیث کا وہ حصہ مولوی صاحب موصوف ترک کر گئے ہیں جس میں علامات بتلانے کا ذکر ہے۔

مولوی صاحب موصوف نے اپنی مندرجہ بالا تحریر میں جتنے نقطے اٹھائے ہیں، ان سب کا جواب سیدنا حضرت اقدس (المسیح الموعودؑ) نے اپنی ذیل کی تحریر میں دیا ہوا ہے۔ کاش مولوی صاحب موصوف تمسخر کرنے سے قبل حضورؑ کی اس تحریر کو پڑھ لیتے۔

"حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عمر دنیا سات ہزار سال ہے۔ اور انس بن مالک سے روایت ہے کہ جو شخص خدا تعالےٰ کی راہ میں ایک مسلمان کی حاجت براری کرے اس کے لئے عمر دنیا کے اندازہ پر دن کو روزہ رکھنا اور رات کو عبادت کرنا لکھا جاتا ہے اور عمرِ دنیا سات ہزار سال ہے۔ دیکھو تاریخ ابن عساکر اور نیز وہی مؤلف انسؓ سے مرفوعاً روایت کرتا ہے کہ عمرِ دنیا آخرت کے دنوں میں سے سات دن یعنے حسب منطوق ان یومًا عند ربك كالف سنة مما تعدون سات ہزار سال ہے۔ اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ تمہارا ہزار سال خدا کا ایک دن ہے۔ ایسا ہی طبرانی نے اور نیز بیہقی نے دلائل میں اور سُہیلی نے روض الانف میں عمر دنیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزار سال روایت کی ہے۔ ایسا ہی بطریق صحیح ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ دنیا سات دن ہیں اور ہر ایک دن ہزار سال کا ہے اور بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر ہزار ہفتم میں ہے مگر یہ حدیث دو پہلو سے مورد اعتراض ہے جس کا دفع کرنا ضروری ہے اوّل یہ کہ اس حدیث کو بعض دوسری حدیثوں سے تناقض ہے کیونکہ دوسری احادیث میں یوں لکھا ہے کہ بعثت نبویؐ آخر ہزار ششم میں ہے اور اس حدیث میں ہے کہ ہزار ہفتم میں ہے پس یہ تناقض تطبیق کو چاہتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امر واقعی اور صحیح یہی ہے کہ بعثت نبویؐ ہزار ششم کے آخر میں ہے جیسا کہ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ بالاتفاق گواہی دے رہی ہیں۔ لیکن چونکہ آخر صدی کا یا مثلاً آخر ہزار کا اس صدی یا ہزار کا سر کہلاتا ہے جو اس کے بعد شروع ہونے والا ہے اور اس کے ساتھ پیوستہ ہے اس لئے یہ محاورہ ہر ایک قوم کا

[illegible]

بسا اوقات بباعث تسامح کلام یا قصور فہم راویوں کی وجہ سے یا بوجہ عدم ضبط کلمات نبویہ اور ذہول کے جو لازم نشاء بشریت ہے کسی قدر اور بھی تغیر ہو جاتا ہے۔ سو اس قسم کا تعارض قابلِ التفات نہیں بلکہ درحقیقت یہ کچھ تعارض ہی نہیں یہ سب باتیں عادت اور محاورہ میں داخل ہیں کوئی عقلمند اس کو تعارض نہیں سمجھے گا۔

(۲) دوسرا پہلو جس کے رُو سے اعتراض ہوتا ہے یہ ہے کہ بموجب اس حساب کے جو یہود اور نصاریٰ میں محفوظ اور متواتر چلا آتا ہے جس کی شہادت اعجازی طور پر کلام معجز نظام قرآن شریف میں بکمال لطافت بیان موجود ہے جیسا کہ ہم نے متن میں مفصّل بیان کر دیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے قمری حساب کے رُو سے ۴۷۳۹ برس بعد میں مبعوث ہوئے ہیں اور شمسی حساب کے رُو سے ۴۵۹۸ برس بعد آدم صفی اللہ حضرت نبینا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہزار پنجم میں یعنے الف خامس میں ظہور فرما ہوئے نہ کہ ہزار ششم میں اور یہ حساب بہت صحیح ہے کیونکہ یہود اور نصاریٰ کے علماء کا تواتر اسی پر ہے اور قرآن شریف اس کا مصدق ہے اور کئی اور وجوہ اور دلائل عقلیہ جن کی تفصیل موجب تطویل ہے قطعی طور پر اس بات پر جزم کرتی ہیں کہ مابین سیدنا محمد مصطفےٰ اور آدم صفی اللہ میں یہی فاصلہ ہے اس سے زیادہ نہیں گو آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کی تاریخ لاکھوں برس ہوں یا کروڑھا برس ہوں جس کا علم خدا تعالےٰ کے پاس ہے لیکن ہمارے ابوالنوع آدم صفی اللہ کی پیدائش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک یہی مدت گذری تھی یعنے ۴۷۳۹ برس بحساب قمری اور ۴۵۹۸ برس بحساب شمسی اور جبکہ قرآن اور حدیث اور تواتر اہلِ کتاب سے یہی مدت ثابت ہوتی ہے تو یہ بات بدیہی البطلان ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہزار ششم کے آخر پر مبعوث ہوئے تھے کیونکہ اگر وہ آخر ہزار ششم تھا تو اب تیرہ سو سترہ اور اس کے ساتھ ملا کر سات ہزار تین سو سترہ ہوں گے حالانکہ بالاتفاق تمام احادیث کے رُو سے عمر دنیا کل سات ہزار برس قرار پائی تھی تو گویا اب ہم دنیا کے باہر زندگی بسر کر رہے ہیں اور گویا اب دنیا کو ختم ہوئے تین سو سترہ برس گذر گئے یہ کھلا کھلا لغو اور بیہودہ خیال ہے جس کی طرف ہمارے علماء نے کبھی توجہ نہیں کی ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ جبکہ احادیث صحیحہ متواترہ کے رُو سے عمر دنیا یعنے حضرت آدمؑ سے لے کر آخر تک سات ہزار برس قرار پائی تھی اور قرآن شریف میں بھی آیت ان یوما عند ربك كالف سنة مما تعدون میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا اور اہلِ کتاب یہود اور نصاریٰ کا بھی یہی مذہب ہوا اور خدا تعالےٰ کا سات دن مقرر کرنا اور ان کے متعلق سات ستارے مقرر کرنا اور سات آسمان اور سات زمین کے طبقے جن کو ہفت اقلیم کہتے ہیں قرار دینا یہ سب اسی کی طرف اشارات ہیں تو پھر وہ کونسا حساب ہے جس کی رُو سے آنحضرت صلعم کے زمانہ کو الف سادس یعنی ہزار ششم قرار دیا جائے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو آج کی تاریخ تک تیرہ سو سترہ برس اور چھ مہینے اوپر گذر گئے تو پھر اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ چھٹا ہزار تھا تو یہ ہمارا زمانہ کہ تیرہ سو برس بعد آیا دنیا کی عمر کے اندر کیونکر رہ سکتا ہے وہ چھ ہزار اور تیرہ سو برس کی میزان تو کرو۔ غرض یہ اعتراض ہے جو اس حدیث پر ہوتا ہے جس میں لکھا ہے کہ عمر دنیا کی سات ہزار برس ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر ہزار ششم میں مبعوث ہوئے اور اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک نبی کا ایک بعث ہے مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں اور اس پر نص قطعی آیت کریمہ واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم ہے

تمام اکابر مفسرین اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس اُمّت کا آخری گروہ یعنے مسیح موعود کی جماعت صحابہ کے رنگ میں ہوں گے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح بغیر کسی فرق کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض اور ہدایت پائیں گے پس جبکہ یہ امر نص صریح قرآن شریف سے ثابت ہوا کہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحابہ پر جاری ہوا ایسا ہی بغیر کسی امتیاز اور تفریق کے مسیح موعودؑ کی جماعت پر فیض ہوگا تو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور بعث ماننا پڑا۔ جو آخری زمانہ میں مسیح موعودؑ کے وقت میں ہزار ششم میں ہوگا اور اس تقریر سے یہ بات بپایہ ثبوت پہنچ گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک بروزی رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوبارہ آنا دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا جو مسیح موعود اور مہدی معہود کے ظہور سے پُورا ہوا۔ غرض جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہوئے تو جو بعض حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہزار ششم کے آخر میں مبعوث ہوئے تھے اس سے بعث دوم مراد ہے جو نص قطعی آیت کریمہ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ نادان مولوی جن کے ہاتھ میں صرف پوست ہی پوست ہے حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی انتظار کر رہے ہیں مگر قرآن شریف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوبارہ آنے کی بشارت دیتا ہے کیونکہ افاضہ بغیر بعث غیر ممکن ہے اور بعث بغیر زندگی کے غیر ممکن ہے اور حاصل اس آیت کریمہ یعنے وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کا یہی ہے کہ دنیا میں زندہ رسول ایک ہی ہے یعنے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہزار ششم میں بھی مبعوث ہو کر ایسا ہی افاضہ کرے گا جیسا کہ وہ ہزار پنجم میں افاضہ کرتا تھا اور مبعوث ہونے کے اس جگہ یہی معنے ہیں کہ جب ہزار ششم آئے گا اور مہدی معہود کے توسط سے دنیا کو ہدایت ہوگی لیکن در اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی نئے سرے اصلاح عالم کی طرف ایسی سرگرمی سے توجہ کرے گی کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ مبعوث ہو کر دنیا میں آ گئے ہیں۔ یہی معنے اس آیت کے ہیں کہ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ پس یہ خبر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعث دوم کے متعلق ہے جس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ وہ بعث ہزار ششم کے آخر پر ہوگا اسی حدیث سے اس بات کا قطعی فیصلہ ہوتا ہے کہ ضرور ہے کہ مہدی معہود اور مسیح موعود جو مظہر تجلیات محمدیہ ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعث دوم موقوف ہے وہ چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو کیونکہ یہی صدی ہزار ششم کے آخری حصّہ میں پڑتی ہے اور بعض علماء کا اس جگہ یہ تاویل کرنا کہ عمر دنیا سے مراد گذشتہ عمر ہے یہ درست نہیں کیونکہ یہ تمام حدیثیں بہ حیثیت پیشگوئی کرنے کے ہیں اور حدیث ہفت پایہ منبر خواب میں دیکھنے کی بھی اسی کی مؤید ہے اور اس بارے میں جو عقیدہ مقبولۃ الاجماع یہود و نصاریٰ ہے وہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے اور گذشتہ نبیوں کے سلسلہ پر نظر کرنے سے یہی تخمینہ قیاسًا سمجھ میں آتا ہے۔ اور یہ کہنا کہ آیندہ کی خدا نے کسی کو خبر نہیں دی کہ کب قیامت آئے گی۔ یہ بے شک صحیح ہے مگر عمرِ دنیا کی سات ہزار سال برس قرار دینے سے اس امر کے بارے میں کہ کس گھڑی قیامت برپا ہوگی کوئی دلیل قطعی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ سات ہزار کے لفظ سے یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ ضرور سات ہزار برس پُورا کر کے قیامت آ جائے گی۔ وجہ یہ کہ اوّل تو یہ امر مشتبہ رہے گا کہ اس جگہ خدا تعالےٰ نے سات ہزار سے شمسی حساب کی مدّت مراد لی ہے یا قمری حساب کی اور شمسی حساب سے اگر سات ہزار سال ہوں تو قمری حساب سے قریبًا دوسو برس اور اوپر چاہیئے اور ماسوا اس کے چونکہ عرب کی عادت میں یہ داخل ہے کہ وہ کسور کو حساب سے ساقط رکھتے ہیں اور مخل مطلب نہیں سمجھتے اس لئے ممکن ہے کہ سات ہزار سے اس قدر زیادہ بھی ہو جائے جو آٹھ ہزار تک نہ پہنچے۔ مثلاً دو تین سو برس اور زیادہ ہو جائیں تو اس صورت میں باوجود بیان اس مدّت کے وہ خاص ساعت تو مخفی کی مخفی ہی رہی اور یہ مدّت بطور ایک علامت کے ہوئی جیسا کہ انسان کی موت کی گھڑی جو قیامت صغریٰ ہے مخفی ہے مگر یہ علامت ظاہر ہے کہ ایک سو بیس برس تک انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور پیرانہ سالی بھی اس کی موت کی ایک علامت ہے ایسا ہی امراض مہلکہ بھی علامتِ موت ہیں اور نیز اس میں کیا شک ہے کہ قرآن شریف میں قرب قیامت کی بہت سی علامتیں بیان فرمائی گئی ہیں اور ایسا ہی احادیث میں بھی۔ پس منجملہ ان کے سات ہزار سال بھی ایک علامت ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ قیامت بھی کئی قسم پر منقسم ہے اور ممکن ہے کہ سات ہزار سال کے بعد کوئی قیامت صغریٰ ہو جس سے دنیا کی ایک بڑی تبدیلی مراد ہو نہ قیامت کبریٰ۔" منہ (تحفہ گولڑویہ تقطیع کلاں حاشیہ ص۹۱ تا حاشیہ ص۹۵)

مولوی صاحب موصوف اب بتلائیں کہ کیا ان کا قول قابل ہنسی ہے یا سیّدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعود) کی تحریر اگر خدا نے اپنے بندہ پر ابجد کے حساب سے سورۃ العصر میں حضرت نبی کریم صلعم کی بعثت کا جو زمانہ مقرر چلا آتا تھا۔ یعنی ہزار پنجم الہامًا ظاہر فرما دیا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ کیا اللہ تعالےٰ اپنے خاص بندوں پر مخفی اسرار الہام کے ذریعہ کھولا نہیں کرتا جو کچھ سیّدنا حضرت مرزا صاحب پر منکشف کیا گیا کیا وہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہوتا یہ تو سیّدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعودؑ) کے مامور من اللہ اور خدا کے ولی ہونے پر بیّن دلیل کا کام دے رہا ہے نہ کہ انہیں ہدف ہنسی بنانے کا۔

مولوی صاحب موصوف کی ایک اور غلط بیانی

مولوی صاحب موصوف نے لکھا ہے:۔

"اور ہمارے زمانہ کے بعض بر خود غلط مدعیانِ علم نے کھُلا جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہے (غالبًا مرزا صاحب انہی کے بروز ہیں) کہ رسول اللہ صلعم کو قیامت کے آنے کا ٹھیک ٹھیک وقت معلوم تھا۔"

یہ مولوی صاحب موصوف کا سیّدنا حضرت مرزا صاحب پر کھُلا کھُلا افتراء ہے۔ حضورؑ نے ایسا کہیں نہیں لکھا۔ کاش ہمارے مخالف علماء تقویٰ اللہ سے کام لے کر حضورؑ کے خلاف قلم اُٹھایا کریں۔ (باقی آئندہ)

محترم عبدالجلیل صاحب حیدرآباد مردان

گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئینہ کمالاتِ اسلام کے صفحہ ۶۰ پر حقیقت اسلام کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ایک یہ کہ خدا تعالےٰ کو ہی اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھیرایا جاوے اور اس کی عبادت اور محبت اور خوف اور رجا میں کوئی دوسرا شریک باقی نہ رہے اور اس کی تقدیس اور عبادت اور تمام عبودیت کے آداب اور احکام اور اوامر اور حدود اور آسمانی قضا و قدر کے امور بدل و جان قبول کئے جائیں۔ اور نہایت نیستی اور تذلل سے ان سب حکموں اور حدوں اور تقدیروں کو بارادتِ تامہ سر پر اُٹھایا جاوے اور نیز وہ تمام پاک صداقتیں اور پاک معارف جو اس کی وسیع قدرتوں کی معرفت کا ذریعہ اور اس کی ملکوت اور سلطنت کے علوِّ مرتبہ کو معلوم کرنے کے لئے ایک واسطہ اور اس کے آلاء اور نعماء کے پہچاننے کے لئے ایک قوی رہبر ہیں بخوبی معلوم کر لی جائیں۔

دوسری قسم اللہ تعالےٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کی یہ ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور بار برداری اور سچی غمخواری میں اپنی زندگی وقف کر دی جاوے۔ دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے دُکھ اُٹھاویں اور دوسروں کی راحت کے لئے اپنے پر رنج گوارا کر لیں"

ایسے شخص کو مجدّدؑ اور مسیح موعودؑ ماننا اگر کفر ہے تو بخدا میں سخت کافر ہوں۔

مرتبہ: مولوی محمد علی ملتان

مقام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرتؐ کی صداقت پر بعض دلائل

(قسط نمبر ۵)

احییت اموات القرون بجلوۃ – ماذا یماثلک بھذا الشان

[illegible] کے بارے میں ہیں جو آج تک ظاہر ہو رہے ہیں اُن کی نظیر کسی نبی میں نہیں پائی جاتی ......

جب ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسند رسالت کو اپنے وجود سے عزت بخشی تو وہ زمانہ ایک ایسا تاریک زمانہ تھا کہ کوئی پہلو دنیا کی آبادی کا بدچلنی اور بدعقیدگی سے خالی نہ تھا اور جیسا پنڈت دیانند اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں:-

"اس زمانہ میں اس ملک آریہ ورت میں بھی بُت پرستی نے خدا پرستی کی جگہ لے لی تھی اور ویدک مذہب میں بہت سا بگاڑ ہوگیا تھا"

ایسا ہی پادری فنڈل صاحب مصنف میزان الحق جو عیسائی مذہب کا سخت حامی اور ایک یورپین انگریز ہے وہ اپنی کتاب میزان الحق میں لکھتا ہے کہ:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں سب قوموں سے زیادہ بگڑی ہوئی عیسائی قوم تھی۔ اور ان کی بد چلنیاں عیسائی مذہب کے لئے عار اور ننگ کا موجب تھیں"۔

اور خود قرآن شریف بھی اپنے نزول کی ضرورت کے لئے یہ دلیل پیش کرتا ہے ظھر الفساد فی البر و البحر۔ یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ کوئی قوم خواہ وہ وحشیانہ حالت رکھتی تھی اور خواہ عقلمندی کا دعوےٰ کرتی تھی۔ فساد سے خالی نہیں تھی۔

اب جبکہ تمام شہادتوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگ کیا مشرق اور کیا مغرب اور کیا آریہ ورت کے رہنے والے اور کیا عرب کے ریگستان کے باشندے اور کیا جزیروں میں اپنی سکونت رکھنے والے سب کے سب بگڑ گئے تھے اور ایک بھی نہیں تھا جس کا خدا کے ساتھ تعلق صاف ہو اور بدعملیوں نے زمین کو ناپاک کر دیا تھا تو کیا ایک عقلمند کو یہ بات سمجھ نہیں آسکتی کہ یہ وہی وقت اور وہی زمانہ تھا جس کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہے کہ ایسے تاریک زمانہ میں ضرور کوئی عظیم الشان نبی آنا چاہیئے تھا۔

اصلاح، دلیل صداقت رہا یہ سوال کہ اس نبیؐ نے دنیا میں آکر کیا اصلاح کی۔ اس سوال کا جواب جیسا کہ ایک مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کے بارے میں دے سکتا ہے۔ میں زور سے کہتا ہوں کہ ایسا صاف اور مدلل جواب نہ کوئی عیسائی دے سکتا ہے اور نہ کوئی اور نہ کوئی آریہ۔

پہلا مقصد بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا پہلا مقصد عرب کی اصلاح تھا۔ اور عرب کا ملک اس زمانہ میں ایسی حالت میں تھا کہ بمشکل کہہ سکتے ہیں کہ وہ انسان تھے۔ کونسی بدی تھی جو ان میں نہ تھی اور کونسا شرک تھا جو ان میں رائج نہ تھا۔ چوری کرنا۔ ڈاکہ مارنا ان کا کام تھا اور ناحق کا خون کرنا ان کے نزدیک ایک ایسا معمولی کام تھا جیسا کہ ایک چیونٹی کو پیروں کے نیچے کچل دیا جائے۔ یتیم بچوں کو قتل کرکے ان کا مال کھا لیتے تھے لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے۔ بدکاری فخر کے ساتھ کرتے تھے اور علانیہ اپنے قصیدوں میں ان گندی باتوں کا ذکر کرتے تھے۔ شراب خوری اس قوم میں اس کثرت سے تھی کہ کوئی گھر بھی شراب سے خالی نہ تھا۔ اور قمار بازی میں سب ملکوں سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔

پھر جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے اور اپنی باطنی توجہ سے ان کے دلوں کو صاف کرنا چاہا تو ان میں تھوڑے ہی دنوں میں تبدیلی پیدا ہوگئی کہ وہ وحشیانہ حالت سے انسان ہوئے [illegible] انہوں نے ایک بے حس عضو کی طرح ہر ایک دُکھ کو برداشت کیا۔ وہ انواع و اقسام کی تکالیف سے عذاب دیئے گئے۔ اور جلتی ریت پر لٹائے گئے۔ اور قید کئے گئے اور بھوکے اور پیاسے رکھ کر ہلاکت تک پہنچائے گئے مگر انہوں نے ہر ایک مصیبت کے وقت آگے قدم بڑھایا۔ اور بہتیرے ان میں ایسے تھے کہ بچوں کے سامنے وہ سولی دیئے گئے اور جس صدق سے انہوں نے خدا کی راہ میں جانیں دیں اس کا تصور کرکے دل کانپتا ہے۔ اگر ان کے دلوں میں یہ خدا کا تصرف اور اس کے نبی کی توجہ کا اثر نہ تھا تو پھر وہ کیا چیز تھی جس نے ان کو اسلام کی طرف کھینچ لیا اور ایک فوق العادت تبدیلی پیدا کرکے ان کو ایسے شخص کے آستانہ پر گرنے کی رغبت دی کہ جو بیکس اور مسکین اور بے زری کی حالت میں مکہ کی گلیوں میں اکیلا اور تنہا پھرتا تھا۔ آخر کوئی روحانی طاقت تو تھی۔ جو ان کو سفلی مقام سے اُٹھا کر اُوپر کو لے گئی۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ اکثر ان کے اپنی کفر کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن اور آنحضرت صلعم کے خون کے پیاسے تھے۔ پس میں تو اس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہیں سمجھتا کہ کیونکر ایک غریب، مفلس، تنہا، بیکس نے ان کے دلوں کو ہر ایک کینہ سے پاک کرکے اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہاں تک کہ وہ فخریہ لباس پھینک کر اور ٹاٹ پہن کر خدمت میں حاضر ہو گئے۔

> **محمدؐ است فروزندۂ زمین و زمان**
> **خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا**
> **خدا نما است وجودش برائے عالمیاں**
>
> (حضرت مسیح موعودؑ)

صحابہؓ کی زندگی آنحضرتؐ کی صداقت کا عملی ثبوت تھی آپ ادھر دیکھو کہ اس بندہ (نبی کریمؐ) کی کیسی بلند شان ہے جس نے تھوڑے سے عرصہ میں ہزاروں انسانوں کی اصلاح کی، اور فساد سے صلاحیت کی طرف ان کو منتقل کیا یہاں تک کہ اُن کا کُفر پاش پاش ہوگیا، اور صدق اور راستی کے تمام اجزاء بہیئت اجتماعی انکے وجود میں جمع ہو گئے اور ان کے دلوں میں پرہیزگاری کے انوار چمک اُٹھے اور ان کی پیشانی کے نقشوں میں محبت مولیٰ کے بھید ایک چمکیلی صورت میں نمودار ہو گئے۔ اور ان کی ہمتیں دینی خدمات کے لئے بلند ہوگئیں اور وہ دعوتِ اسلام کے لئے ممالکِ شرقیہ اور غربیہ تک پہنچے اور ملّتِ محمدیہ کی اشاعت کے لئے بلادِ جنوبی اور شمالی کی طرف انہوں نے سفر کیا اور ان کی عقلیں علومِ الٰہیہ میں منور ہوئیں اور ان کی قوائے فکریہ اسرار ربانیہ کے سمجھنے کے لئے باریک ہوگئیں اور نیک باتیں بالطبع ان کو پیاری لگنے لگیں اور بد باتوں اور گناہوں سے بالطبع ان کو نفرت پیدا ہوئی اور رشد اور سعادت کے خیمول

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۹۵ ھ ۔ ۳ ستمبر ۱۹۷۵ء | نمبر ۳۶

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

ایمان باللہ کی حقیقت

ہم نے اپنے خدا کی آفتاب کی طرح روشن وحی پائی۔ ہم نے اسے دیکھ لیا کہ دنیا کا وہی خدا ہے اس کے سوا کوئی نہیں کیا ہی قادر قیوم خدا ہے جس کو ہم نے پایا۔ کیا ہی زبردست قدرتوں کا مالک ہے جس کو ہم نے دیکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کے آگے کوئی انہونی نہیں مگر وہی جو اس کی کتاب اور وعدہ کے برخلاف ہے۔ سو جب تم دعا کرو تو ان جاہل نیچریوں کی طرح نہ کرو جو اپنے ہی خیال سے ایک قانونِ قدرت بنا بیٹھے ہیں جس پر خدا کی کتاب کی مُہر نہیں کیونکہ وہ مردود ہیں انکی دعائیں ہرگز قبول نہیں ہوں گی وہ اندھے ہیں نہ سوجاکھے' وہ مردے ہیں نہ زندے خدا کے سامنے اپنے تراشیدہ قانون پیش کرتے ہیں اور اس کی بے انتہا قدرتوں کی حد بست ٹھہراتے ہیں اور اس کو کمزور سمجھتے ہیں سو ان سے ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا جیسا کہ ان کی حالت ہے۔ لیکن جب تو دعا کے لئے کھڑا ہو تو تجھے لازم ہے کہ یہ یقین رکھے کہ تیرا خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ تب تیری دعا منظور ہوگی۔ اور تو خدا کی قدرت کے عجائبات دیکھے گا جو ہم نے دیکھے ہیں اور ہماری گواہی رؤیت سے ہے نہ بطور قصہ کے۔ اس شخص کی دعا کیونکر منظور ہو اور خود کیونکر اس کو بڑی مشکلات کے وقت جو اس کے نزدیک قانونِ قدرت کے مخالف ہیں۔ دعا کرنے کا حوصلہ پڑے جو خدا کو ہر ایک چیز پر قادر نہیں سمجھتا مگر اے سعید انسان تو ایسا مت کر کہ تیرا خدا وہ ہے جس نے بے شمار ستاروں کو بغیر ستونوں کے لٹکا دیا ہے اور جس نے زمین و آسمان کو محض عدم سے پیدا کیا۔ کیا تو اس پر بدظنی رکھتا ہے کہ وہ تیرے کام میں عاجز آجائے گا؟ بلکہ تیری ہی بدظنی تجھے محروم رکھے گی۔ ہمارے خدا میں بے شمار عجائبات ہیں مگر وہی دیکھتے ہیں جو صدق اور وفا سے اس کے ہو گئے ہیں۔ وہ غیروں پر جو اس کی قدرتوں پر یقین نہیں رکھتے اور صادق وفادار نہیں ہیں وہ عجائبات ظاہر نہیں کرتا کیا ہی بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے، ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری لذّات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا ہے اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو، اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں، کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا خدا ہے تا لوگ سُن لیں اور کس دوا سے علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔

(کشتیٔ نوح)

اخبار احمدیہ

مورخہ ۲ مارچ کو پندرہ روزہ تربیتی کورس کی اختتامی تقریب میں محترمہ بیگم سلیمہ فاروقی صاحبہ کی تحریک پر صحن مسجد دارالسلام کی تکمیل کے لئے مندرجہ ذیل ممبران نے عطیہ جات عنایت فرمائے ہیں - یہ رقم محترم ڈاکٹر **سعید احمد خاں صاحب** کی حسب ہدایت خرچ کی جائے گی۔

نمبر	نام	رقم
(۱)	محترمہ بیگم سلیمہ فاروقی صاحبہ	1000.00 روپیہ
(۲)	" " " آغا محمد صفدر صاحبہ	1000.00 "
(۳)	محترمہ بیگم ناہیرہ ملک صاحبہ	1000.00 "
(۴)	محترمہ بیگم طاہرہ فضل احمد صاحبہ	2000.00 "
(۵)	محترمہ بیگم صفیہ جاوید احمد صاحبہ	200.00 "
(۶)	محترمہ بیگم نگین ملک صاحبہ	200.00 "
(۷)	محترمہ والدہ مسعود اختر صاحبہ	100.00 "
(۸)	محترمہ " خالد احمد صاحبہ	100.00 "
(۹)	محترمہ " شاہد احمد جنجوعہ صاحبہ	100.00 "
(۱۰)	محترمہ " خلیل احمد صاحبہ	500.00 "
(۱۱)	محترمہ بیگم مولانا محمد علیؒ صاحبہ	100.00 "
(۱۲)	محترمہ بیگم نسرین گل محمد صاحبہ	500.00 "
(۱۳)	محترمہ بیگم میاں فضل کریم صاحبہ	10.00 "
(۱۴)	محترمہ بیگم نسیمہ یوسف احمد صاحبہ	200.00 "
(۱۵)	محترمہ بیگم میاں بشیر احمد صاحبہ	200.00 "
(۱۶)	محترمہ بیگم زبیدہ محمد احمد صاحبہ	200.00 "
(۱۷)	محترمہ بیگم عبدالرؤف صاحبہ	10.00 "
(۱۸)	محترمہ بیگم میاں اللہ بخش صاحبہ	1000.00 "
(۱۹)	محترمہ بیگم مرغوب عالم صاحبہ	100.00 "
(۲۰)	محترمہ بیگم نذیر احمد صاحبہ	200.00 "
(۲۱)	محترمہ بیگم عظمت رفیق صاحبہ	100.00 "
(۲۲)	محترمہ بیگم منیرہ حامد رحمان	180.00 "
(۲۳)	محترمہ نصیرہ آنسہ منصور صاحبہ	100.00 "
(۲۴)	محترمہ سیلے بی نسرین صاحبہ	10.00 "
(۲۵)	محترمہ بیگم ثروت چانڈیہ صاحبہ	100.00 "
(۲۶)	محترمہ بیگم صبیحہ سعید کوئٹہ	50.00 "
(۲۷)	محترمہ والدہ بیگم نذیر احمد صاحبہ	100.00 "
(۲۸)	محترمہ خدیجہ منظور احمد صاحبہ	200.00 "
(۲۹)	محترمہ بیگم عبدالسلام عمر صاحبہ	100.00 "
(۳۰)	محترمہ بیگم مبارک احمد شیخ صاحبہ	100.00 "
(۳۱)	۳۰ رجون تک کا نفع بنک	40.00 "
	میزان	9800.00 "

نسرین گل محمد - سیکرٹری انجمن احمدیہ خواتین لاہور

احمدی بہنوں اور بچیوں کے نام

سال گذشتہ جلسہ سالانہ پر نمائش دستکاری نامساعد حالات اور وقت کی کمی کے باوجود نہایت حوصلہ افزا اور کامیاب تھی - اس کامیابی میں سب بہنوں کا تعاون اور محنت شامل تھی جو قابلِ تحسین ہے - اس

اشاعتِ اسلام سے متعلق کام ہیں، یہ حصہ دار بنا دیتی ہے۔

جلسہ سالانہ میں ابھی بہت وقت ہے - کم لاگت کی کئی کارآمد چیزیں تیار ہو سکتی ہیں، بہنوں سے درخواست ہے کہ اس میں خود حصہ لیں، دوسری بہنوں کو ترغیب دلائیں اور ہمیں بھی اپنی مفید تجاویز ارسال فرمائیں - تاکہ نمائش کو زیادہ سے زیادہ مفید اور کامیاب بنایا جا سکے -

آپ کے تعاون اور جواب کی منتظر: صفیہ جاوید - انچارج دستکاری

خط وکتابت کے لئے پتہ:-

بیگم صفیہ جاوید - ۴۵ - احمد پارک - ڈاکخانہ فیروزپور روڈ - لاہور

تعاون کی اپیل

خواتین کے مسلسل اصرار پر صدر انجمن کے شعبہ رشتہ ناطہ میں خواتین کو بھی نمائندگی دی گئی ہے۔ اور طے پایا ہے کہ صدر انجمن کی کمیٹی رشتہ ناطہ کے تحت منتخب خواتین ممبران کی کمیٹی اس اہم ذمہ داری کو ادا کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے گی - مگر آپ سب کے تعاون سے -

یہ ایک حقیقت ہے کہ قوم یا جماعت کی طرف سے خواتین پر بھی اسی قدر عظیم ذمہ داری عاید ہوتی ہے - جس قدر مردوں پر - اور خاص طور پر رشتہ ناطہ کرنے میں خواتین اہم کردار ادا کر سکتی ہیں -

لہٰذا بہنوں سے درخواست ہے کہ جماعت میں باہم رشتوں کو ترجیح دینے کے رجحان کو تقویت دیکر نہ صرف کمیٹی کی ممبران کی مدد کریں بلکہ اپنی اور اپنی جماعت کی بھی خدمت سر انجام دیں -

اس ضمن میں چوہدری فضل حق صاحب نے رشتہ ناطہ کی فائل تنظیم خواتین کے سپرد کر دی ہے - حسب سابق تمام کوائف صیغہ راز میں رکھے جائیں گے -

خط وکتابت کا پتہ: نسرین گل محمد - 154 - احمد پارک - لاہور 16

فون نمبر: 35942

درخواستِ دعا

ڈاکٹر محمد زبیر صاحب پارہ چنار، ضلع کوہاٹ بعض ذہنی پریشانیوں کی وجہ سے علیل ہیں - ان کی صحت اور پریشانیوں کی دوری کے لئے احباب کرام خلوص دل سے دعا فرمادیں -

شکریہ تعزیت

ہمارے برادر گرامی شیخ انعام اللہ صاحب کے انتقال پُر ملال پر احباب جماعت اور دیگر کرمفرماؤں نے ہمدردی اور تعزیت کے بے شمار خطوط ہمیں لکھے ہیں اور اس صدمۂ جانکاہ میں انہوں نے بڑے خلوص اور محبت سے ہم سب کی دلجوئی فرمائی ہے فجزاھم اللہ احسن الجزاء -

چونکہ فرداً فرداً ان کے خطوط کا جواب ممکن نہیں - اس لئے بذریعہ پیغام صلح ان تمام احباب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں - والسلام

شیخ حفیظ اللہ، شیخ حمید اللہ و شیخ عبید اللہ سیالکوٹ

اے خدا اے چارہ سازِ دردِ ہمکو خود بچا + اے میرے زخموں کی مرہم دیکھ میرا دلفگار

تو ہی بگڑی کو بنا دے تو ڈوبے جب بن چکا + تیرے بھیدوں کو نہ پاوے سو کرے کوئی بچار

(حضرت مسیح موعود)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۲۴ر ستمبر ۱۹۷۵ء

"لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں"
"لاہور میں ہمارے پاک محب ہیں"
(الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

جیسا کہ خود حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے جس دن آیت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ نازل ہوئی اس روز سے تا قیامت جبرائیل وحی نبوت لانے سے روکا گیا۔ اس لئے کہ ہدایت مکمل طور پر قرآن میں محفوظ وموجود ہے۔ قرآنی تعلیم جملہ رشد کی راہوں پر محیط ہے۔ وحی نبوت جس کا خاصہ ہدایت الٰہی کا بیان کرنا ہے منقطع ہو چکی ہے۔ لیکن **تکلم الٰہی کا سلسلہ بند نہیں ہوا وحی ولایت جاری وساری ہے۔** جہاں تکمیل مذہب کے باعث اسلام کے بعد نبوت ختم کی گئی وہاں مذہب کی اصل روح کو زندہ رکھنے کے لئے کلام الٰہی کے سلسلہ کو اس امت کے افراد سے مخصوص کیا گیا **غیر ادیان کی مردگی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ان میں وہ افراد پیدا نہیں ہوتے جن سے خدا ہمکلام ہوتا ہو۔ اور مذہب اسلام کی زندگی و تازگی کا باعث اولیاء اللہ کا وجود اور بعثت مامورین و مجددین ہے،** گو یہ صحیح ہے کہ کتابی صورت میں تعلیم دین قرآن حمید کی شکل میں ہر وقت محفوظ و موجود ہے۔ لیکن اگر کامل پیروان اسلام وحی ولایت کی نعمت وبرکت سے مستفید نہ ہوتے، اگر اس امت میں کاملان باصفا پر خدا تعالیٰ نے اپنی تجلی خاص ظاہر نہ کی ہوتی۔ اگر زمانہ کی تاریکی اور دنیا کی عملی گمراہی کے وقتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی نائب خلعت مکالمہ سے سرفراز ہو کر نہ آتے رہتے۔ گر سنت اللہ یہ واقع نہ ہوئی ہوتی کہ لوگوں کو زندہ و تازہ نشانوں کی حاجت رہتی ہے۔ تو یہ امر یقینی ہے کہ آج تعلیم اسلام کی روح مفقود ہو چکی ہوتی گو الفاظ میں تعلیم دین کی صحیح تصویر انہی نقوش قدسیہ کا پرتو موجود رہتی۔

کرتا ہے معجزوں سے وہ یار دیں کو تازہ + اسلام کے چمن کی باد صبا یہی ہے

وحی ولایت قطعی ویقینی ہے

وحی نبوت اور وحی ولایت میں یہ فرق نہیں کہ اول الذکر یقینی ہوتی ہے اور مؤخر الذکر یقین کے مرتبہ تک نہیں پہنچتی بلکہ ان میں تمیز یہ ہے کہ وحی نبوت خود مختارانہ حیثیت رکھتی ہے اور وحی ولایت زیادہ تر اخبار غیبیہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگر اس میں اوامر و نواہی آ بھی جائیں تو وہ شریعت سابقہ کی توضیح وتشریح ہوتی ہے۔ خود مختارانہ شریعت وقانون کا درجہ اسے حاصل نہیں ہوتا لیکن یہ امر بخوبی یاد رکھنا چاہیئے کہ وحی ولایت بھی جب اپنے کمال درجہ پر ہو ایسی ہی قطعی ویقینی ہوتی ہے اور اس کے ذریعے بھی خدا تعالیٰ کی معرفت کا ویسا ہی یقین حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح وحی نبوت سے۔ اسی مضمون کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس شعر میں ادا کیا ہے:

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے + من بعرفاں نہ کمترم زکسے

اس زمانہ کی دوگونہ تاریکیوں میں سے ایک قسم کی ضلالت یہ ہے کہ جہاں کسی معمولی انسان کو دوچار خواب یا کشف ہو گئے وہیں وہ کبر نفس یا زیغ قلب کے باعث ماموریت کا مدعی بن بیٹھا، وہاں دوسری طرف الحاد وزندقہ کے طوفان کا یہ حال ہے کہ جس انسان کی صداقت و راست گوئی میں ذرہ بھر کلام نہیں اور جس کے معجزات وکرامات کے شاہد ہزارہا انسان موجود ہیں اس کے ملہمانہ کلمات کو پیش کر کے ان کی صداقت ثابت کرنا بھی موجب تمسخر و استہزاء ہے۔

اس امر میں کیا کلام ہے کہ ہمارے تاریک زمانہ میں حضرت اقدس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نزول اعجاز الٰہی کا ایک کرشمہ ہے۔ **وہ شخص جس نے مردگی ویاس کے وقت زندگی ویقین کا پانی پلایا وہ شخص جس نے ہزارہا نفوس کو اپنی قوت قدسی کے زور سے امراض سے شفا بخشی وہ انسان جس کے قلب صافی کو اس زمانہ میں الٰہی تجلی نے اپنی آماجگاہ بنایا وہ انسان جو ثریا پر گئے ہوئے ایمان کو واپس لے آیا وہ مومن جس کی پھونکوں سے باطل کی افواج جل کر راکھ ہو گئیں۔ وہ خلیفۃ اللہ جس کی توجہ سے مذہبی دنیا میں ایک نیا آسمان اور نئی زمین پیدا ہوئے وہ نائب رسول اللہ جس کے جلوہ سے خلق نبوی کا زندہ جلوہ لوگوں نے مشاہدہ کیا وہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کا وجود مبارک تھا۔** آپ پر جو کلام خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا وہ یقینی وقطعی ہے۔ ہزارہا پیشگوئیوں کو لوگوں نے سنا اور بچشم خود پورا ہوتے دیکھا۔ آج ہم احباب کرام کی خدمت میں حضرت اقدس کے خزانہ علم غیب سے ایک پیشگوئی عرض کرتے ہیں۔ جس کی صداقت پر آج کے واقعات روز روشن کی طرح چمک رہے ہیں جسے بصیرت ہو وہ اس نور کو ملاحظہ کرے اور جسے ایمان نصیب ہو وہ اس لطف سے بہرہ اندوز ہو۔ مامور پر جو علم غیب نازل کیا جاتا ہے وہ صرف اس کی اپنی زندگی کے واقعات تک محدود نہیں ہوتا بلکہ یہ سلسلہ ایسے شخص کی زندگی کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ جس پر آیت واما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک دلالت کر رہی ہے۔

۱۹۰۰ء میں آپ کو الہام الٰہی نے خبر دی "لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں۔ ان کو اطلاع دی جائے۔ نظیف مٹی کے ہیں وسوسہ نہیں رہے گا مگر مٹی رہے گی" اس کلام الٰہی کا ایک ایک لفظ پر معنی اور حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ اور جملہ بجائے خود ایک مستقل پیشگوئی ہے۔ غور کیجئے کہ ۱۹۰۰ء وہ سال ہے جب کہ ابھی سلسلہ کی ابتدائی حالت ہے۔ اس وقت حضرت اقدس نے نہ کوئی انجمن بنائی تھی نہ کوئی ممبر منتخب ہوئے تھے اور نہ ہی انجمن کے بنانے کا وہم وگمان تھا۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۰۶ء میں بنائی گئی اور آپ کو ۱۹۰۵ء کے آخر میں الوصیت لکھنے پر اس انجمن کا خیال پیدا ہوا مگر الہام الٰہی اس سے چار پانچ برس قبل کسی انجمن اور اس کی ممبر شپ کی اطلاع دے رہا ہے۔ اب یہ انجمن اور ممبر شپ اگر حضرت اقدس کی کسی جماعت میں پائی جاتی ہے تو وہ لاہور کی جماعت ہے ایک اور امر غور طلب ہے یعنی یہ کہ جملہ "لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں" میں نہ صرف لاہور میں ایک انجمن اور اس کے ممبروں کی طرف اشارہ ہے بلکہ جمع کا صیغہ استعمال کر کے یہ بھی بتا دیا کہ وہ جماعت جمہوری نظام پر قائم ہے۔ سب سے زیادہ غور طلب الفاظ "پاک" اور "موجود" کے ہیں۔ آخر جملہ یوں بھی تو کہا جا سکتا تھا۔ لاہور میں ہمارے پاک ممبر ہیں۔ "موجود" کا لفظ بڑھانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس میں یہ حکمت مخفی تھی کہ کوئی وقت آئے گا جب لوگ متلاشی ہوں گے کہ حضرت اقدس کی نیکی تقوے اور پاک باطنی کا نمونہ آپ کے پیروؤں میں دیکھیں۔ تو ایسی پاکیزگی انہیں جماعت لاہور کے ممبروں میں موجود نظر آئے گی۔ دوسری جگہ مفقود ہوگی۔ یعنی ایک جگہ "موجود" کا لفظ لا کر دوسری جگہ کے متعلق نفی کر دی اور یہ بھی تسلی دلا دی کہ اگر ایک جگہ وہ بات نہیں رہی تو خیر دوسری جگہ تو اصل شئے موجود ہے اس لئے کچھ خوف کی بات نہیں۔

"ان کو اطلاع دی جائے نظیف مٹی کے ہیں"۔ ممبران جماعت لاہور کا ذکر کر کے پھر ان کی مزید خبر دہی کے لئے یہ کہا کہ انہیں اطلاع دی جائے۔ یعنی یہ امر بالکل صحیح و درست ہے اس میں کوئی شک وشبہ کرنے کی کوئی

گنجائش نہیں کہ یقیناً ان کی فطرت عمدہ ہے۔ مٹی کا لفظ لاکر بتلانا یہ مقصود ہے کہ ان کے اصل فطرتی جوہر کیسے ہیں۔ یہ دراصل اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کسی وقت ان کی نسبت یہ جھوٹ خبر پھیلائی جائے گی کہ وہ اچھی فطرت کے مالک نہیں۔

تو دراصل ان دو جملوں میں اُن کو اطلاع دی جائے "نظیف مٹی کے ہیں" اس الزام کی کھلی تردید مراد ہے۔ لاہوری جماعت جس نے اپنا نظام انجمن اور ممبرشپ پر قائم کیا ہے اسے مبارک ہو کہ اس کے ممبر حضرت اقدسؑ کے پاک ممبر ہیں اور ان کی فطرت عمدہ و نظیف ہے۔ یزیدی طبع بد فطرت ممبر لاہور میں موجود نہیں۔

"بعض وساوس ان کی نسبت پھیلائے جائیں گے" یہ خبریں مشہور کی جائیں گی کہ وہ نیک نہیں یا یہ کہ ان کے کام میں مشکلات و رکاوٹیں پیدا ہوں گی مگر بالآخر خداتعالےٰ یہ بتلاتا ہے کہ وہ ابتلاء و مشکلات، وہ وساوس و بدظنیاں دُور ہوکر جو اصل بات ہے یعنی ممبرانِ لاہور کی پاک طینتی اور نیک سرشت وہ قائم ہوکر رہے گی۔ جو شخص جماعت لاہور کے گذشتہ واقعات پر غور کرے گا اور دیکھے گا کہ کس کس قسم کے بیرونی و اندرونی مشکلات میں سے یہ جماعت گذر کر اسی طرح اپنے نیک مقاصد پر قائم ہے۔ اور اب دوبارہ حضرت اقدسؑ کے مشن کو جوش و خروش سے لے کر اٹھی ہے وہ ضرور اس جملہ کی صداقت پر گواہی دے گا۔

"لاہور میں ہمارے پاک محبّ ہیں"

حضرت اقدس کو دوسری مرتبہ الہام ہوتا ہے۔ اور اس میں کسی قدر الفاظ کی تبدیلی ہے یعنی بجائے "پاک ممبر" کے الفاظ "پاک محب" کے آئے ہیں ان الفاظ سے مراد یہ ہے۔ کہ جماعت لاہور کے ممبروں کی نسبت جو یہ خبر پھیلائی جائے گی کہ وہ حضرت اقدس سے محبت نہیں رکھتے۔ یہ جھوٹ ہے۔ بلکہ وہ ممبر حضرت اقدسؑ سے محبت رکھنے والے ہیں۔ چنانچہ اس کے آگے یہ الفاظ ہیں "وسوسہ پڑ گیا ہے پر مٹی نظیف ہے" یعنی ان کو جو سچی محبت حضرت اقدسؑ سے ہے اس کی بابت کچھ شبہ ڈال دیا گیا ہے مگر یہ غلط ہے۔ جس شخص کی چشم بینا ہو وہ غور کرے اور جسے حضرت اقدسؑ کے الہامات کی صداقت درکار ہو وہ متذکرہ بالا الہامات اور جماعت احمدیہ لاہور کے واقعات پر غور کرے تو اس پر معاملہ روزِ روشن کی طرح کھل جائیگا۔

دِن چڑھا ہے دشمنانِ دیں کا ہم پہ رات ہے
اے میرے سورج نکل آ کہ میں ہوں بے قرار

مجلس مذاکرہ

مقامی جماعتِ احمدیہ لاہور ۷؍ستمبر ۱۹۷۵ء بروز اتوار بوقت ۹ بجے صبح جامع مسجد احمدیہ دارالسلام میں زیرِ صدارت چوہدری مسعود اختر صاحب ایک مجلس مذاکرہ کا اہتمام کر رہی ہے۔

موضوع: "احمدیہ جماعت ـــــ ماضی حال اور مستقبل"

مقررین: ۱۔ محترم الحاج میاں نصیر احمد فاروقی صاحب ۲۔ محترم پروفیسر خلیل الرحمان صاحب ۳۔ محترم ملک محمد ظفراللہ خاں صاحب ۴۔ ملیحہ رسول (بچی)

آپ سے استدعا ہے کہ زیادہ سے زیادہ احباب سلسلہ کے ساتھ اس اجلاس میں شرکت کے لئے وقت مقررہ پر تشریف لاکر اپنی قیمتی رائے سے مستفید فرمائیں۔

الداعی الی الخیر: نذیر احمد بلالی سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لاہور

نوٹ:۔ ہر تقریر کے بعد ۱۵ منٹ کے لئے وقفہ سوالات ہوگا۔

اجلاس کے اختتام پر ایک بجے بعد دوپہر دعوت طعام کا انتظام بھی ہوگا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے

دارالسلام میں وقارِ عمل کی دوسری تقریب

اس دفعہ ۲۴؍اگست ۱۹۷۵ء بروز اتوار دارالسلام میں وقارِ عمل کا دوسرا دن منایا گیا۔ قائم مقام ناظم دارالسلام ماسٹر اصغر علی صاحب نے ایک روز پہلے ہی وقت کا اعلان فرما دیا تھا۔ چنانچہ وقت مقررہ سے پہلے ہی [illegible] سے آنا پڑا تھا۔ مگر صرف ایک گھنٹہ کی محنت، جانفشانی اور جانکاہی سے پلاٹ کی صفائی کا کام مکمل ہو گیا۔ اینٹوں کے چٹّے لگا دیئے گئے۔ اور قرینہ کے ساتھ روڑوں کا ایک ڈھیر بنا دیا گیا۔ صفائی کی اس رضاکارانہ مہم میں شبان الاحمدیہ کے شہزاد نذیر اور افتخار احمد نے خصوصیت سے قابل ذکر محنت سے کام کیا۔ اور اقبال احمد صدر اطفال الاحمدیہ نے بھی اپنے ممبروں کے ہمراہ خوب خوب کام کیا۔ اس موقعہ پر بڑوں کی تقلید میں کمسن بچے بچیوں کی شمولیت اور سرگرمی بھی قابل داد تھی۔

مزید قابلِ تعریف بات یہ ہے کہ بنات الاحمدیہ کی کمسن ممبران بھی مردوں سے پیچھے نہ رہیں۔ اور انہوں نے بھی شاہدہ جنجوعہ (جماعت ہفتم) کی رہنمائی میں بڑی تیزی اور قابلِ داد ہمت سے کام کیا۔ انہوں نے اینٹ اور روڑوں کو ٹھکانے لگانے میں مدد دینے کے علاوہ باقی ماندہ صفائی بھی اعلیٰ درجہ کی کر دی۔

اللہ تعالےٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ دارالسلام کو صفائی کے لحاظ سے ایک دیدہ زیب بستی بنانے کے اس کام میں بستی کے اکثر مکیں حسب برداشت و استطاعت حصّہ لے رہے ہیں۔ مکرم میرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری نے رضاکارانہ عمل کے اس دل افروز منظر اور اپنی اپیل کے اس بہترین جواب کو بچشم خود ملاحظہ فرماکر اظہار مسرّت فرمایا۔ آخر انہیں کی اپیل نے جماعت کے ایک حصّہ میں یہ خوشکن حرکت پیدا کی ہے۔

قومیں اسی طرح بنتی ہیں۔ جبکہ ان کا ہر فرد اپنی اپنی ذمہ داری محسوس کرکے بے لوث عمل میں مصروف ہو جائے۔ ضرورت ہے کہ ہر جگہ کے احمدی دوست صفائی اور گرد و پیش کی پاکیزگی کے لحاظ سے دوسروں سے ممتاز ہوں۔

(نامہ نگار)

ولادت، عطیہ اور درخواست دُعا

محترمہ بیگم صاحبہ چوہدری فضل داد صاحب پنشنر گجرات نے اپنے نواسے کی پیدائش کی خوشی میں مبلغ -/25 روپے برائے اشاعت اسلام، انجمن کو بھجوائے ہیں۔

بزرگانِ سلسلہ سے استدعا ہے، کہ وہ نومولود کی درازی عمر اور اس کے خادم دین بننے کے لئے دُعا فرمائیں۔

(۲) مکرم چوہدری فضل داد صاحب اپنی صحت کے لئے خود بھی احباب سلسلہ سے دُعا کے ملتجی ہیں۔ احباب اُن کے لئے دعائے صحت فرمائیں۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
(مینیجر)

از حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اضطراری دُعائیں بلند ہمتی اور سربلندی کا موجب ہیں

ہماری اضطراری دُعاؤں کی ضرورت

امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ءالٰہ مع اللہ

کائنات اور اس کے قوانین ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت

اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی اور اپنی وحدانیت پر اس موقعہ پر کچھ دلائل بیان فرمائے ہیں جن میں سے پہلی دلیل تو یہ دی: امن خلق السمٰوات والارض۔ وہ جو آسمانوں کا پیدا کرنے والا زمین کا پیدا کرنے والا ہے کیا اس کی ہستی کا کوئی انکار ہو سکتا ہے؟ کیا اس کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود بنایا جا سکتا ہے؟ پھر کبھی اپنے قوانین قدرت کو بیان فرما کر اپنی ہستی اور وحدانیت پر دلیل دیتا ہے وانزل من السّماء ماء فانبتنا بہ حدائق ذات بھجۃ۔ وہ آسمان سے پانی اتارتا ہے، زمین سے سبزیاں اُگاتا ہے۔ ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا۔ تمہارے لئے ممکن نہ تھا، اس کے درختوں کو اُگاتے ءالٰہ مع اللہ۔ کیا اس کی ہستی سے انکار ہو سکتا ہے؟ کیا اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ پھر فرمایا امن جعل الارض قراراً اس نے زمین کو قرارگاہ بنایا وجعل خلٰلھا انھاراً اس میں نہریں جاری کیں وجعل لھا رواسی۔ اور اس کے لئے پہاڑ بنائے۔ وجعل بین البحرین حاجزاً۔ اور دریاؤں کے درمیان روک بنائی ءالٰہ مع اللہ وہ جس نے یہ تمام چیزیں اور یہ سب قوانین بنائے کیا اس کی ہستی سے کوئی انکار کر سکتا ہے؟ کیا اس کے ساتھ کسی کو معبود بنایا جا سکتا ہے؟

مضطر کی دعاؤں کی قبولیت سے ہستی باری تعالےٰ کا ثبوت

اس کے بعد تیسری دلیل ان الفاظ میں بیان فرمائی: امن یجیب المضطر اذا دعاہ۔ وہ جو اضطرار والے کی دُعا کو سنتا اور قبول کرتا ہے ویکشف السوء اور اس کی مصیبت کو دُور کر دیتا ہے۔ ویجعلکم خلفاء الارض۔ اور تمہیں زمین میں حاکم بناتا ہے۔ ءالٰہ مع اللہ کیا اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہو سکتا ہے یا کیا اس کی ہستی سے انکار ہو سکتا ہے؟ گویا جس طرح خدا کا وجود زمین اور آسمان کی پیدائش میں نظر آتا ہے یا ان قوانین سے اس کا پتہ چلتا ہے جو اس زمین و آسمان میں کام کر رہے ہیں، اسی طرح اس کی ہستی کا ثبوت مضطر یعنی ایک بے بس انسان کی دُعاؤں سے ملتا ہے۔ وہ جس کا دنیا میں کوئی چارہ نہیں رہتا اور تمام کوششوں اور تدبیروں سے ناکام اور مایوس ہو کر وہ نہایت اضطراب کی حالت میں خدا کے آستانہ پر گر جاتا ہے۔ اس کی مضطربانہ دعائیں اور ان کی قبولیت خدا کی ہستی کا ثبوت ہیں۔ بڑا بلند مرتبہ ہے مضطر انسان کا۔ اس کے وجود سے وہ ثبوت ملتا ہے جو زمین اور آسمان سے یا ان قوانین سے ملتا ہے، جو زمین و آسمان میں کام کر رہے ہیں۔

مضطر کے متعلق تین باتیں

یہاں تین باتیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی یہ کہ: امن یجیب المضطر اذا دعاہ۔ مضطر انسان جب اللہ تعالےٰ کو پکارتا ہے تو اس کی دُعا کو اللہ تعالےٰ قبول فرماتا ہے، دوسری یہ کہ یکشف السوء اور اس کی قبولیت کا نشان یہ ہے کہ اس کی مصیبت دُور ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک تیسری بات یہ بیان فرمائی ویجعلکم خلفاء الارض۔ اور تمہیں زمین میں بادشاہ بھی بنا دے گا۔ یہ بظاہر ایک بے تعلق سی بات ہے۔ مضطر کی دُعا کو سُنا، اس کی حاجت کو پورا کیا، اور پھر اس کو بادشاہت بھی دے دی۔ یہ مضطر کون ہے؟ مضطر تو وہ انسان ہے جو اپنے آپ کو بالکل بے چارہ اور بے سرو سامان پاتا ہے کوئی مشکلات سے نکلنے کا رستہ نہیں ملتا، کوئی کام کرنا چاہتا ہے اس کے لئے سامان نہیں۔ کوئی تکلیف اسے ہے اسے دُور کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اللہ تعالےٰ اس کی دُعا کو سنتا اور اس کی تکلیف کو دُور کرتا ہے۔

نبی کریم صلعم کی حالت اضطرار

لیکن اسے بادشاہت دے دینے کا کیا مطلب ہے؟ دراصل اس میں ایک پیشگوئی ہے مسلمانوں کے لئے، وہ مضطر فی الحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو لوگوں کو نیکی اور حق کی دعوت دیتے ہیں اور کوئی سنتا نہیں بلکہ آپؐ کی ہلاکت کی کوشش کی جاتی ہے۔ کوئی چارہ آپ کے پاس نہ رہا، جو ساتھی تھے ان کو بھاگنا پڑا۔ خود آپ کو قید کر دیا گیا۔ جو دعوت حق لے کر آپ کھڑے ہوئے تھے وہ بھی رُک گئی۔ سوائے ایام حج کے آپ نہ باہر نکل سکتے تھے اور نہ کسی کو پیغام حق سُنا سکتے تھے۔ یہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت اضطرار۔

اعلائے کلمۃ اللہ کرنے والے کے لئے بادشاہت کا وعدہ۔

فی الحقیقت اصلی مضطر تو وہ ہے جو خدا کے نام کو بلند کرنا چاہتا ہے نیکی کے رستہ کی طرف لوگوں کو بلانا چاہتا ہے بدیوں سے روکتا ہے اور خدا کے آستانہ پر گرانا چاہتا ہے لیکن اس کے لئے کوئی سامان نہیں پاتا۔ تمام رستے بند ہیں، کوئی سننے والا نہیں، اور اس کو ہر طرح سے تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس مضطر کی دُعا کو سنے گا اور اس کی مشکلات اور مصائب کو دُور کر دے گا بلکہ اس سے بڑھ کر ویجعلکم خلفاء الارض۔ اے خدا کے بندو! تمہیں وہ زمین میں حاکم بھی بنا دے گا۔ اتنا بڑا مرتبہ مضطر انسان کا ہے۔ اس کی دعائیں سنی جاتی ہیں۔ اس کے لئے رستے کھل جاتے ہیں۔ بے چارگی کی حالت سے نکل کر وہ زمین میں حاکم بن جاتا ہے اور اس کا وجود تعالےٰ کی ہستی کا اس کی وحدانیت کا ثبوت بن جاتا ہے۔

خدا کا نام بلند کرنے کے لئے حالتِ اضطرار کا نتیجہ

لیکن یہاں الفاظ عام ہیں اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص طور پر ذکر نہیں۔ صحابہ رضؓ کا بھی خصوصیت سے ذکر نہیں کوئی بھی انسان اس اضطرار کے ساتھ خدا کے حضور دعا کرے کہ اس کا نام بلند کرنے کے لئے رستے کھل جائیں اس کے لئے یہ سب وعدے ہیں اس کی دعا قبول ہوتی ہے اس کی تکلیف دُور ہوتی ہے۔ اس کی بدولت مسلمانوں کو بادشاہت بھی مل جاتی ہے۔ مگر اس کے لئے حالت اضطرار کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اس اضطرار سے مراد صرف لفظوں میں اضطرار نہیں، اضطرار عمل میں ہوتا ہے۔ وہ اپنا تمام چارہ کر چکا ہے کوئی رستہ اسے نہیں ملتا، اس حالت میں وہ خدا کو پکارتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین اے خدا تیری عبادت قائم کرنے کے لئے ہم کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں کہ رستے کھل جائیں۔ اھدنا الصراط المستقیم تو ہم کو اس سیدھے رستے پر چلا جس سے لوگوں کو تیری طرف بلانے میں جو مشکلات ہیں وہ دُور ہو جائیں، لفظ عام رکھے ہیں تاکہ کوئی شخص بھی جو ان الفاظ کا اپنے آپ کو مصداق بنا سکے اور دعوت حق کے لئے اپنے اندر اضطرار پیدا کرے۔

حالت اضطرار کس طرح پیدا ہو سکتی ہے

میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی اضطرار کی حالت کسی دنیا دار کی دنیا طلبی میں پیدا نہیں ہوتی حقیقی طور پر اضطرار کی حالت

(باقی بر صلا کالم ۲)

مکرم علامہ شیخ عبدالرحمن مدرسی صاحب

مولوی محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے جواب میں

حضرت نبی کریم صلعم کی دو بعثتوں کا ثبوت

(قسط چہارم)

سیدنا حضرت اقدس مرزا صاحب (المسیح الموعود) نے فرمایا کہ اس دنیا کی عمر جو اس آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی جس کی ہم اولاد ہیں سات ہزار سال ہے اس پر تمسخر اڑاتے ہوئے مولوی محمد یوسف صاحب لدھیانوی لکھتے ہیں:-

"بعض روایات جو اس سلسلہ میں مروی ہیں اول تو اس لائق نہیں کہ کوئی عاقل ان پر اپنے توہمات کی عمارت استوار کرے چنانچہ محدثین نے انہیں موضوعات میں شمار کیا ہے (بالکل غلط ان میں تو مرفوع متصل احادیث بھی ہیں علاوہ ازیں پیش کردہ احادیث میں سے کوئی حدیث بھی ایسی نہیں جو قابل اعتماد نہ ہو یا موضوع ہو۔ ناقل) اگر ان کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو مرزا صاحب کے دعوے کا سارا طلسم ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم پانچویں ہزار کے آخر میں مبعوث ہوئے تھے (صرف مرزا صاحب ہی نہیں فرماتے واقع بھی یہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ عالم سے آپ ناواقف ہیں) اور ان روایات میں یہ آتا ہے کہ آنحضرت صلعم سے قبل چھ ہزار برس گذر چکے تھے۔"

بعض احادیث میں آنحضور صلعم کی بعثت کا وقت چھٹے ہزار کا آخر اور بعض میں ساتواں ہزار تبلایا گیا ہے راویوں نے جیسے سُنا اسی طرح نقل کر دیا تطبیق ان کی سمجھ میں نہیں آئی اس لئے انہوں نے تطبیق دینے کی کوشش بھی نہیں کی کیونکہ بظاہر آنحضور صلعم کی بعثت تو ہزار پنجم میں ہوئی تھی اس لئے وہ ان روایتوں میں تطبیق کس طرح دے سکتے تھے۔ سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعود) نے اپنی کتاب تحفہ گولڑویہ میں آنحضور صلعم کی دو بعثتیں تبلائی ہیں ایک تو اصلی بعثت جو ہزار پنجم میں وقوع میں آئی اور دوسری ہزار ششم کے آخر میں اور ہزار ہفتم کے شروع میں اور یہ بعثت آنحضور صلعم کی بروزی بعثت ہے اور اس بعثت کا استدلال حضورؑ نے قرآن کریم کی سورۃ الجمعہ کی آیت واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم سے کیا ہے اور اس بروز کا نام شریعت میں مسیح اور مہدی بتلایا گیا ہے حضور فرماتے ہیں کہ میری بعثت ہزار ششم کے آخر میں ہوئی اور ہزار ہفتم کا بھی ایک حصہ میں نے پایا پس اگر اصلی اور بروزی رنگ کی دونوں بعثتوں کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ دونوں قسم کی روایتیں جو بظاہر متضاد نظر آتی ہیں واقعات کی رُو سے بالکل صحیح ثابت ہوتی ہیں یہ ساری بحث حضورؑ نے اپنی کتاب تحفہ گولڑویہ تقطیع کلاں کے حاشیہ ص۹۱ تا حاشیہ ص۹۵ پر مفصل طور پر کی ہے۔ لیکن چونکہ آیت واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم کی تفسیر مستند تفسیروں میں اسی رنگ میں کی گئی ہے جس رنگ میں حضورؑ نے اپنی کتاب تحفہ گولڑویہ میں کی ہے اس لئے حضورؑ نے اس کی تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھا میں مولوی صاحب موصوف اور ان کے ہم نوا احباب کے غور کے لئے ضروری سمجھ کر ذیل میں اس کی وضاحت پیش کر دیتا ہوں۔

مکمل آیت } ساری آیت اس طرح ہے ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین و اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم و ھو العزیز الحکیم ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔ یعنی خدا وہ ہے جس نے اُمیوں میں انہی میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا جو پڑھتا ہے ان پر اس کی آیات اور ان کے نفوس کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھلاتا ہے یقیناً وہ اس سے قبل کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔

آیت کے اس حصہ تک تو آنحضور صلعم کی اصلی بعثت کا ذکر ہے جو ہزار پنجم میں ہوئی تھی جس کی رُو سے آنحضور صلعم قوم میں ۲۳ سال تک قوم کی تربیت فرماتے رہے اور پھر اپنے مولیٰ حقیقی یعنی اللہ تعالےٰ کی طرف اٹھائے گئے آیت کے اگلے حصہ میں آنحضور صلعم کی دوسری بعثت کا ذکر ہے جسے بروزی بعثت کے نام سے پکارا جاتا ہے یہ حصہ آیت واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم سے شروع ہوتی ہے اس کے متعلق مفسرین کے مندرجہ ذیل اقوال ہیں مدارک التنزیل نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس کی تفسیر کی ہے۔

پہلی ترکیب } واٰخرین منھم مجرور معطوف علی الامیین یعنی انہ بعثہ فی الامیین الذین علیٰ عہدہ و فی اٰخرین من الامیین دیکھ لیجئے کس وضاحت سے دو بعثتوں کا ذکر کیا گیا ہے ایک بعثت تو وہ بتلائی جو آنحضور صلعم کی عین حیات میں امیین میں وقوع میں آئی اور ایک اس بعثت کا ذکر کیا جو آنحضور صلعم کی وفات کے بعد آنے والے امیین میں ہوگی جسے الفاظ و بعثہ فی اٰخرین من الامیین کے ذریعہ ادا کیا باقی مفسر بھی اٰخرین کو امیین پر معطوف قرار دے کر اسے مجرور ہی قرار دیتے ہیں۔ گویا وہ بھی مدارک التنزیل کے مسلک پر ہی گامزن ہوئے ہیں لما یلحقوا بھم یعنی ابھی تک تو یہ آخرین صحابہ رضؓ سے نہیں ملے لیکن آیندہ مل جائیں گے اس کے بعد ان لوگوں کی نشاندہی ان الفاظ سے کرتے ہیں وھم الذین بعد الصحابۃ رضؓ او ھم الذین یاتون من بعد ھم الی یوم الدین وقیل ھم العجم۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو صحابہ رضؓ کے بعد آئیں گے یا یہ وہ لوگ ہیں جو صحابہ رضؓ کے بعد قیامت تک آتے رہیں گے، اور بعض کا خیال ہے کہ وہ عجمی لوگ ہیں یاد رہے کہ قیامت تک آنے والے لوگ ان پڑھ معنی میں تو اُمی نہیں ہو سکتے کیونکہ اسلام میں بھی اور دیگر قوموں میں بھی اس وقت تک علم پھیل چکا ہوگا اور واقعات اسی کی شہادت دیتے ہیں ہاں وہ امی ان معنوں میں ہوں گے جن معنوں میں قرآن کریم نے سورۃ البقرہ ع۹ میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے فرماتا ہے ومنھم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی وان ھم الا یظنون۔ یعنی امی وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں کتاب اللہ کا حقیقی علم نہیں ہوتا وہ محض اپنی باطل خواہشات کو مدِ نظر رکھ کر کتاب اللہ کے معنی اور اس کی تفسیر کرتے ہیں وہ صرف ظن کی پیروی کر رہے ہوتے ہیں اور ظن کے متعلق قرآن کریم صریح الفاظ میں فرماتا ہے ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔ یعنی ظن حق کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ قرآن کریم کے الفاظ واٰخرین منھم پر مفصل بحث آگے آئے گی۔

دوسری ترکیب } واٰخرین منھم کی دوسری ترکیب مفسر مدارک التنزیل اور دیگر مفسرین نے یہ لکھی ہے واٰخرین منصوب معطوف علی المنصوب فی یعلمھم ای یعلمھم و یعلم اٰخرین لان التعلیم اذا تناسق الی اٰخر الزمان کان کلہ مستنداً الی اولہ فکانہ ھو الذی تولی کل ما وجد منہ۔ و آخرین منصوب ہے بوجہ یعلمھم کی ضمیر پر معطوف ہونے کے یعنی آنحضور صلعم صحابہ رضؓ کو بھی علم سکھلائیں گے۔ اور بعد میں آنے والوں کو بھی۔ آنحضور صلعم ہی علم سکھلائیں گے کیونکہ تعلیم جب۔ ایک ہی نہج اور ایک ہی نظام پر آخری زمان تک چلتی جائے گی تو وہ ساری کی ساری اس کے اول کی طرف ہی منسوب ہوگی جس نے اس کی بنیاد ڈالی ہوگی گویا کہ اول شخص نے ہی بعد میں آنے والے تمام لوگوں کو اپنے اوپر نازل کردہ کتاب اور اسی کی حکمت کا سکھلانا اپنے ذمہ لے لیا جو اس کے ذریعہ وجود میں آئی جبکہ قیامت تک آنے والی نسلوں کو تعلیم دینا آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کیا گیا ہے تو لامحالہ یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضور صلعم اولیاء اُمّت اور مجددین کے ذریعہ

میں بروزی رنگ میں ظہور فرماتے رہیں گے اور اُمّت کو تعلیم دینے کے فریضہ کو سرانجام دیتے رہیں گے۔

دوسرے مفسّرین کے اقوال } وآخرین والظاھر انه معطوف علی الامیین ای فی آخرین من الامیین لم یلحقوا بھم بعد سیلحقون۔ دیکھ لیجئے کہ دوسرے مفسرین بھی بعثه فی آخرین کے الفاظ یہی آخرین کی تفسیر کرتے ہیں گویا وہ بھی آنحضور صلعم کی دوسری بعثت کا ہی صراحت سے ذکر کر رہے ہیں اس کے بعد وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ایسے آنے والے لوگ اگرچہ ابھی صحابہ رضؓ سے ملے نہیں لیکن مل جائیں گے پھر اسی طرح وہ بھی آخرین کو یعلمھم کی ضمیر پر معطوف کر کے اسے منصوب قرار دیتے ہیں اس بارہ میں ان کے الفاظ یہ ہیں وقیل وآخرین منصوب معطوف علی الضمیر فی یعلمھم اسند تعلیم الآخرین الیه علیه الصلٰوۃ والسلام مجازاً (گو انہوں نے مجاز کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن بروز کا لفظ زیادہ مناسب ہے) لما تناسق التعلیم الی آخرالزمان وتلا بعضه بعضاً فکانه علیه الصلٰوۃ والسلام وجد منه۔ بوجہ اس کے کہ آنحضور صلعم کی طرف سے تعلیم ایک ہی نہج اور ایک ہی نظام پر چلتی چلی جائے گی اور ایک حصّہ تعلیم دوسرے حصّہ کے پیچھے آتا رہے گا گویا کہ حضرت نبی کریم صلعم تعلیم کو جاری رکھنے کی وجہ سے خود موجود ہوں گے۔

اب دیکھ لیں کہ کس وضاحت سے حضرت نبی کریمؐ کے وجود باجود کا آنے والی نسلوں میں موجود ہونا ظاہر کیا گیا ہے اور ان میں موجود ہونا آنحضور صلعم کا بروزی رنگ میں ہی تسلیم کیا جا سکتا ہے نہ کہ اصلی رنگ میں اور اسی کا نام دوسری بعثت ہے۔

آخرین کے مصداق کے متعلق مختلف اقوال } بعض نے کہا ہے کہ ان سے مراد اعاجم ہیں بعض نے اہل فارس مراد لئے ہیں اور بعض نے روم اور اعاجم مراد لئے ہیں اور مجاہد۔ عکرمہ اور مقاتل نے ابناء عرب میں سے تابعین مراد لئے ہیں۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ نسب کے لحاظ سے ان پر منھم کا اطلاق ہو سکتا ہے پھر مجاہد۔ الضحاک اور ابن حبان نے طوائف من النّاس مراد لئے ہیں اور ابن عمر رضؓ نے اہل یمن قرار دیئے ہیں مجاہد نے اعاجم کی اولاد بھی قرار دی ہے۔ ابن ذہب نے مطلق تابعین قرار دیتے ہیں ابی روق نے الصغار بعد الکبار مراد لئے ہیں۔ بحر المحیط اور بیضاوی نے کہا ہے کہ صحابہؓ کے بعد قیامت تک جو لوگ آتے رہیں گے وہ سب مراد ہیں وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلعم کی دعوت اور تعلیم سب کے لئے عام ہے۔ در منثور میں لکھا ہے لوگوں میں سے جو بھی اسلام لائیں اور عمل صالح بجا لائیں قیامت تک خواہ عربی ہوں یا عجمی آخرین سے وہ سب ہی مراد ہیں تفسیر کبیر میں لکھا ہے ویعلم آخرین منھم ای من الامیین وجعلھم منھم اذا اسلموا صاروا منھم فالمسلمون کلھم امة واحدۃ وان اختلفت اجناسھم قال الله تعالٰی المؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض وغیرالمؤمنین لیسوا منھم وان کان النبی صلعم مبعوثاً الیھم بالدعوۃ۔ یعنی آخرین کو منھم یعنی من الصحابہ رضؓ اس لئے کہا ہے کہ یعنی جب وہ مسلمان ہو گئے تو لامحالہ ان میں ہی شمار ہوں گے کیونکہ تمام مسلمان ایک ہی اُمّت ہیں اگرچہ وہ مختلف جنسوں کے ہوں کیونکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں اور غیر مومن ان میں سے نہیں کہلا سکتے۔ گو حضرت نبی کریم صلعم دعوت کے لحاظ سے ان کی طرف بے شک مبعوث ہیں۔

روح المعانی اور کشاف نے بھی آخرین کو یعلمھم کی ضمیر پر معطوف

کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم ہی ان کو بالقوۃ تعلیم دیں گے۔ (ظاہر ہے کہ یہ تعلیم دینا بروزی رنگ میں ہی ہوگا)

فتح البیان میں لکھا ہے کہ آخرین معطوف ہے یعلمھم کی ضمیر ھم پر۔ اس بناء پر حضرت نبی کریم صلعم ہی آخرین کے معلم ہوں گے وکل من یعلم شریعة محمد صلعم الی آخرالزمان فرسول الله صلعم معلمه بالقوۃ۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ بھی بروزی بعثت کے قائل تھے۔ پھر وہ لکھتے ہیں لوکان الایمان عندالثریا لذھب به رجال من فارس اوقال من ابناء فارس۔ یعنے اگر ایمان ثریا پر بھی ہوگا تو فارس کے رجال یا فارس کے ابناء وہاں پر بھی اسے جا لیں گے۔

ایک اہم قول } اس بارہ میں ایک اہم قول ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس کے راوی مندرجہ ذیل ہیں:۔

سعید بن منصور۔ بخاری اور مسلم اور ترمذی اور نسائی اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن مردویہ اور ابو نعیم اور بیہقی نے دلائل میں ابو ہریرہ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک دن حضرت نبی کریم صلعم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جبکہ سورۃ الجمعه نازل ہوئی پس آنحضور صلعم نے اسے پڑھ کر ہمیں سنایا۔ پس جب آنحضور صلعم وآخرین لما یلحقوا بھم تک پہنچے تو ہم میں سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ وہ کون لوگ ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے اور مل جائیں گے۔ آنحضور صلعم نے اپنا ہاتھ سلمان فارسی رضؓ کے سر پر رکھا اور فرمایا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ایمان ثریّا میں ہوگا تو ان میں سے کچھ آدمی اس کو وہاں سے بھی جا لیں گے اور سعید بن منصور نے اور ابن مردویہ نے یہ الفاظ روایت کئے ہیں کہ رسول اکرم صلعم نے فرمایا لو ان الایمان بالثریا لناله رجال من اھل فارس۔ یعنے ایمان اگر ثریا میں ہوگا تو اہل فارس میں سے بعض آدمی اس کو وہاں بھی جا لیں گے۔ بعض روایتوں میں رجل بھی آیا ہے۔

یہ روایت اُمّت میں جس شخص کی طرف اشارہ کر رہی ہے وہ ہمارے نزدیک سیدنا حضرت مرزا صاحب المسیح الموعودؑ ہیں۔ اس پر مکمّل روشنی آئندہ قسط میں انشاءاللہ ڈالی جائے گی اور آخرین منھم کے حقیقی مصداق کا ذکر بھی آئندہ قسط میں ہی کیا جائے گا۔

والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ (باقی۔ باقی)

پیغام
حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

"اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پُورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے لیکن ابھی ایسا نہیں۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کر لیں۔

اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلّی موقوف ہے" (فتح اسلام)

مکرم شکر اللہ خاں منصور صاحب۔ ایڈووکیٹ

تحریکِ احمدیت اور غلام احمد پرویز

جناب غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب "ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت" میں بانیٔ تحریکِ احمدیت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے :۔

"مرزا صاحب کی علمی زندگی ۱۸۸۰ء میں شروع ہوئی جب انہوں نے اپنی پہلی تصنیف "براھین احمدیہ" کی جلد اول شائع کی۔ اس زمانے میں مباحثوں، مناظروں کا بڑا زور تھا۔ ایک طرف ہندوؤں کے فرقہ آریہ سماج کے بانی پنڈت دیا نند اسلام پر حملے کر رہے تھے۔ دوسری طرف پادری فنڈل کی سربراہی میں عیسائی پادری مسلمانوں کے خلاف مذہبی میدان میں نبرد آزما تھے۔ براہین احمدیہ ان مخالفین کے جواب میں لکھی گئی اور اسی وجہ سے اس نے ملک میں کافی شہرت حاصل کر لی۔" (ص ۸۵)

پرویز صاحب نے آریوں اور عیسائیوں کے اسلام پر حملوں کا ذکر کیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی حالت کیا تھی۔ اس کا تذکرہ اس وقت کے ایک مشہور اخبار "الوکیل" امرتسر کے ایڈیٹر مولانا عبداللہ العمادی کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں :۔

"اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ وقت ہرگز لوحِ قلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہو سکتا جبکہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا اور مسلمان جو حافظِ حقیقی کی طرف سے عالمِ اسباب و وسائط میں حفاظت و واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر مامور تھے اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف حملوں کے امتداد کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دنیا اسلام کی شمعِ عرفانِ حقیقی کو سرِ راہ منزلِ مزاحمت سمجھ کر مٹا دینا چاہتی تھی اور عقل و دولت کی زبردست طاقتیں اس حملہ آور کی پشت گری کے لئے ٹوٹی پڑتی تھیں اور دوسری طرف ضعفِ مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابلہ پر تیر بھی نہ تھے اور حملہ اور مدافعت کا قطعی وجود ہی نہ تھا۔"

اسلام اور اہلِ اسلام کی اسی حالتِ زبوں کو دیکھ کر مولانا حالی مرحوم نے "مرثیۂ اسلام" مشہور و معروف لکھا تھا اور علامہ اقبال نے "شکوہ" اور "جوابِ شکوہ" تحریر کیا تھا۔ اسی ابتر حالت نے حضرت اقدس مرزا صاحب کے درد مند دل کو سوز و درد سے تڑپایا، جس کا اظہار بے اختیار آپ کی زبان و قلم سے اشعار ذیل میں ادا ہوا ہے ؎

مے سزد گر خوں ببارد دیدۂ ہر اہلِ دیں + بر پریشاں حالیٔ اسلام و قحط المسلمیں
دینِ حق را گردشِ آمد صعبناک و سہمگیں + سخت شورے اوفتاد اندر جہاں از کفر و کیں
آنکہ نفسِ اوست از ہر خیر و خوبی بے نصیب + مے تراشد عیبہا در ذاتِ خیر المرسلیں
آنکہ در زندانِ ناپاکی است محبوس و اسیر + ہست در شانِ امامِ پاکبازاں نکتہ چیں
تیر بر معصوم مے بارد خبیث بد گہر + آسماں را مے سزد گر سنگ بارد بر زمیں
ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید + دینِ حق بیمار و بے کس ہمچو زین العابدیں

یہی درد و سوز آپؑ نے اپنے اشعار ذیل میں سپردِ قلم فرمایا ؎

یاد آیامے کہ ایں دیں مرجعِ ہر کیش بود + غالبے را داد لانید از رہ دیو لعیں
ایں زمانے آنچناں آمد کہ ہر ابن الجہول + از سفاہت مے کند تکذیب ایں دینِ متیں
مردم ذی مقدرت مشغولِ عشرتہائے خویش + خرم و خنداں نشستہ با بتانِ نازنیں
عالماں را روز و شب باہم فساد از جوشِ نفس + زاہداں غافل سراسر از ضرورتہائے دیں

ہر کسے از بہرِ نفسِ دونِ خود طرفے گرفت + طرفِ دیں خالی شد و ہر دشمنے جست از کمیں
اے مسلماناں چہ آثارِ مسلمانی ہمیں است + دیں چنیں ابتر و شما در جیفۂ دنیا رہیں

پھر آپ کے اندرونی سوز و درد اور جوشِ قلب سے حسبِ ذیل دعا نوکِ قلم پر آئی ؎

ایں دو فکرِ دینِ احمدؐ مغزِ جانِ ما گداخت + کثرتِ اعدائے ملت قلتِ انصارِ دیں
اے خدا زود آ و بر ما آبِ نصرت ہا ببار + یا مرا بردار یا رب زیں مقامِ آتشیں
اے خدا نورِ ہدیٰ از مشرقِ رحمت برآر + گمرہاں را چشم کن روشن ز آیاتِ مبیں
چوں مرا بخشیدۂ صدق اندریں سوز و گداز + نیست امیدم کہ ناکامم بمیرانی دریں
کاروبارِ صادقاں ہرگز نماند ناتمام + صادقاں را دستِ حق باشد نہاں در آستیں

پرویز صاحب کے حوالہ منقولہ صدر کے مطابق بقول ان کے حضرت اقدس مرزا صاحب کی زندگی دو زمانوں پر مشتمل ہے۔ یعنی ۱۸۸۰ء سے قبل کی۔ اور ۱۸۸۰ء سے بعد کی زندگی جسے وہ علمی زندگی کہتے ہیں۔ ان ہر دو زمانوں کے متعلق ہمعصر مسلم اکابرین اور ملک کے مشہور اخبارات کی چند شہادتیں منقولہ ذیل ہیں :۔

(۱) مولوی ظفر علی خاں کے والد مولوی سراج الحق صاحب مالک و بانی اخبار "زمیندار" لاہور لکھتے ہیں :۔

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرّر تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۲-۲۴ سال ہوگی اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کاروبارِ ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔ عوام سے کم ملتے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں ہمیں ایک شب قادیان میں آپ کے یہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی ان دنوں میں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو اور مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے۔"

(اخبار زمیندار۔ لاہور)

(۲) شمس العلماء سید میر حسن صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں :۔

"حضرت مرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں بتقریب ملازمت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے چونکہ آپ عزلت پسند اور پارسا اور فضول اور لغو سے مجتنب اور محترز رہتے تھے اس واسطے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہے آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے عمرا نامی کشمیری کے مکان میں کرایہ پر رہا کرتے تھے۔ کچہری سے جب تشریف لاتے تھے تو قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے تھے۔ بیٹھ کر کھڑے ہو کر ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے تھے اور زار زار رویا کرتے تھے۔ ایسی خضوع اور خشوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی تھی۔"

(خط مطبوعہ اخبار الحکم)

(۳) اخبار "الوکیل" امرتسر کے ایڈیٹر مولانا عبداللہ العمادی نے لکھا :۔

اگرچہ مرزا صاحب نے علومِ مروّجہ اور دینیات کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی مگر ان کی زندگی اور زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص فطرت لے کر پیدا ہوئے تھے۔ جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اپنے مطالعہ اور فطرتِ سلیمہ کی مدد سے مذہبی لٹریچر پر کافی عبور حاصل کیا۔ اور ۱۸۷۷ء کے قریب جبکہ ان کی عمر ۳۵-۳۶ سال کی تھی ان کو غیر معمولی جوش میں سرشار پاتے ہیں۔ وہ ایک سچے اور پاکباز مسلمان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے اس کا دل دنیوی کششوں سے غیر متاثر ہے وہ خلوت میں انجمن اور انجمن میں خلوت کا لطف اٹھانے کی کوشش میں مصروف ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کھوئی

ہوئی چیز کی تلاش میں ہے جس کا پتہ فانی دنیا میں نہیں ملتا۔
کیریکٹر کے لحاظ سے مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ ایک پاکباز جینا جیا اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔ غرضیکہ مرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کے پچاس سالوں نے بلحاظ اخلاق و عادات اور پسندیدہ اطوار اور کیا بلحاظ خدمات و حمایت دین مسلمانانِ ہند میں ان کو ممتاز۔ برگزیدہ اور قابلِ رشک مرتبہ پر پہنچا دیا۔"

(۳۰ رمئی ۱۹۰۸ء)

(۴) اخبار "تہذیب نسواں" کے مالک و منیجر سید ممتاز علی صاحب نے لکھا:۔
" مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم۔ بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں منصباً مسیح موعود نہیں مانتے تھے لیکن ان کی ہدایت اور رہنمائی مُردہ رُوحوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی۔"

(۵) مالک و ایڈیٹر رسالہ "اشاعت السنّۃ" مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ کی جلد ۷ میں لکھا:۔
" مؤلف رسالہ براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین میں سے ایسے کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہموطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے ہمارے ہم مکتب ہیں اس زمانہ سے آج تک ہم میں اور ان میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلت برابر جاری رہی ہے اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے لائق ہے۔"

اس کے بعد لکھا:۔
" اس کا (براھین احمدیہ) کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی قلمی و لسانی و حالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔"

ان ہمعصر ملکی اخبارات و اکابرین کی منقولہ بالا شہادتوں سے ثابت ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی زندگی کا وہ زمانہ جو بقول پرویز صاحب آپ کی "علمی زندگی" کے آغاز سے پہلے کا زمانہ تھا بالفاظ دیگر آپ کی قبل از دعوے زندگی نہایت پاک۔ صاف اور بے داغ تھی۔ حتےٰ کہ آپ کی طرف کوئی شخص کسی قسم کا جھوٹ منسوب نہیں کر سکتا۔ اگرچہ بچپن سے لے کر دعوے تک بے شمار لوگوں کو آپ کے ساتھ واسطہ پڑا مثلاً بہت سے افراد تھے جو بچپن میں آپ کے ساتھ رہے وہ بھی تھے جو نوجوانی میں آپ کے ہم مکتب تھے۔ وہ بھی جو بچپن سے نوجوانی تک آپ کے استاد رہے وہ بھی جو بحیثیت ملازم دن رات آپ کے پاس رہے۔ قادیان اور گرد و نواح کے لوگ جو آپ کو ملتے رہے جن میں ہندو۔ عیسائی سب شامل تھے۔ ریاست جموں دربار کے لوگ جہاں آپ نے بسلسلہ ملازمت کچھ عرصہ قیام کیا۔ سیالکوٹ شہر اور کچہری کے بہت لوگ جہاں آپ نے بسلسلہ ملازمت چار سال بسر کئے۔ ان عدالتوں کے افسر۔ اہلکار۔ وکیل جہاں آپ مقدمات کی پیروی میں پیش ہوتے رہے۔ لیکن کوئی شخص بھی آپ کی طرف کسی چھوٹے سے چھوٹے جھوٹ کا شائبہ تک منسوب نہ کر سکا۔ حالانکہ آپ نے ایک زبردست چیلنج بایں الفاظ دنیا کے سامنے پیش کیا:۔
" اگر آپ طالب حق بن کر میری سوانح زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ پر قطعی ثبوتوں سے یہ بات کھل سکتی ہے کہ خدا تعالےٰ ہمیشہ کذب کی ناپاکی سے مجھ کو محفوظ رکھتا رہا ہے یہاں تک کہ بعض وقت انگریزوں کی عدالتوں میں میری جان اور عزت ایسے خطرے میں پڑ گئی کہ بجز استعمال کذب اور کوئی صلاح کسی وکیل نے مجھ کو نہ دی۔ لیکن اللہ جلشانہ کی توفیق سے میں سچ کے لئے اپنی جان اور عزت سے دست بردار ہو گیا۔ اور بسا اوقات مالی مقدمات میں محض سچ کے لئے بڑے بڑے نقصان اٹھائے اور بعض اوقات محض خدا تعالےٰ کے خوف سے اپنے والد اور اپنے بھائی کے برخلاف گواہی اور سچ کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس گاؤں میں نیز بٹالہ میں میری ایک عمر گذر گئی ہے مگر کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ میرے منہ سے جھوٹ نکلا ہے۔ پھر جب میں نے محض للہ انسانوں پر جھوٹ بولنا ترک رکھا اور بارہا اپنی جان اور مال کو صدق پر قربان کیا تو پھر میں خدا تعالےٰ پر کیوں جھوٹ بولتا۔"

(کھلی چٹھی بنام مولوی محمد حسین بٹالوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب مشرکین عرب کو اپنا دعوےٰ سنایا تو انہوں نے اسے آپ کا (نعوذ باللہ) جھوٹ خیال کیا۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں اس دلیل سے ملزم کیا کہ فقد لبثت فیکم من قبله افلا تعقلون۔ یعنے آنحضرت صلعم قبل ازیں تمہارے درمیان ایک عرصہ عمر کا گذار چکے ہیں ان کی زبان سے اس عرصہ میں کبھی کوئی جھوٹ سُنا وہ جواب وہ جھوٹ اللہ پر بولیں گے۔ اس سے ثابت ہے کہ کسی مدعی ماموریت من اللہ کی قبل از دعویٰ زندگی کا جھوٹ و افتراء سے پاک و صاف ہونا قرآنی معیار صداقت ہے۔

۱۸۸۰ء سے بعد کی زندگی

یہ زندگی بقول غلام احمد پرویز آپ کی "علمی زندگی" ہے بالفاظ دیگر اسے دعوےٰ کے بعد کی زندگی" کہنا چاہیئے۔ اس زندگی کے بارے میں شہادتوں کے تذکرہ سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ نے کیا "دعویٰ" کیا اور اس دعوےٰ کا "مقصد" کیا بیان کیا یہ ذکر اگرچہ براھین احمدیہ میں بھی موجود ہے مگر اس کا باقاعدہ اعلان آپؑ نے ایک اشتہار عام کے ذریعہ کیا۔ جو آپ کی کتاب "سرمہ چشم آریہ" کے ٹائیٹل پیج پر چھپا ہُوا ہے جس میں آپ نے تحریر فرمایا:۔
کتاب براہین احمدیہ جس کو خدا تعالےٰ کی طرف سے مؤلف نے ملہم و مامور ہو کر بغرض اصلاح و تجدید دین تالیف کیا ہے جس کے ساتھ دس ہزار روپے کا اشتہار ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں منجانب اللہ اور سچا مذہب جس کے ذریعہ سے انسان خدا تعالےٰ کو ہر ایک عیب اور نقص سے بری سمجھ کر اس کی تمام پاک اور کامل صفتوں پر دلی یقین سے ایمان لاتا ہے وہ فقط اسلام ہے جس میں سچائی کی برکتیں آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں اور صداقت کی روشنی دن کی طرح ظاہر ہو رہی ہے اور دوسرے تمام مذاہب ایسے بدیہی البطلان ہیں کہ نہ عقلی تحقیقات سے ان کے اصول صحیح اور درست ثابت ہوتے ہیں اور نہ ان پر چلنے سے ایک ذرہ روحانی برکت اور قبولیت الہٰی مل سکتی ہے بلکہ ان کی پابندی سے انسان نہایت درجہ کا کور باطن اور سیاہ دل ہو جاتا ہے جس کی شقاوت پر اسی جہان میں نشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں ...... اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بشدت مناسبت اور مشابہت ہے۔"

اشتہار مذکور کے اس اقتباس میں آپ کے دعوے اور اس دعوےٰ کے مقصد ہر دو کا ذکر موجود ہے۔ آپ کو اللہ تعالےٰ نے ملہم یعنی محدّث اور مجدّد مبعوث فرمایا اور آپ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ آپ
' دین اللہ اسلام کو سچا اور ادیانِ غیر الاسلام کو جھوٹا ثابت کریں۔ اسلام پر معترض اور حملہ آور دشمنوں کو شکست دے کر اسلام کو سربلند اور سب پر غالب کر دکھلائیں'
لیکن بحیثیت "مثیل مسیح" علمی، عقلی اور روحانی طور پر دلائل و براہین کے ذریعہ نہ جنگ و جدال سے۔ اور تا وفات آپ کا یہی دعوےٰ رہا جس میں نہ کوئی تبدیلی ہوئی اور نہ کوئی اضافہ۔ ایسے تمام الزامات انصاف سے بعید اور بُغض و غلو کی پیداوار

ہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق واقعہ ہوا۔ اپنی بعثت کی اس غرض و غایت کے متعلق دوسری جگہ آپ نے فرمایا :۔

"اصل مُدعا جس کے لئے اللہ تعالےٰ نے ہمارے دل میں جوش ڈالا ہے یہی ہے کہ صرف اور صرف حضرت رسول کریمؐ کی ہی نبوت قائم کی جائے جو ابدالآباد کے لئے خدا تعالےٰ نے قائم کی ہے اور اس کے علاوہ تمام جھوٹی نبوتوں کو پاش پاش کر دیا جائے گا"۔

"پس اسی کام کے لئے خدا تعالےٰ نے مجھے مامور کرکے بھیجا ہے خدا نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں اس بات کا ثبوت دوں کہ زندہ کتاب قرآن ہے۔ اور زندہ دین اسلام ہے اور زندہ رسول محمد مصطفٰےؐ ہیں۔"

"اے وہ تمام لوگو جو زمین پر رہتے اور اے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت دیتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا وہی ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفٰےؐ ہے۔"

چنانچہ براہین احمدیہ کی پہلی جلد کی اشاعت سے لے کر وفات تک کا سارا زمانہ جسے پرویز صاحب "علمی زندگی" کا زمانہ کہتے ہیں اپنی بعثت کے اسی مقصد کے حصول کے لئے مخالفین اسلام کے خلاف علمی۔ عقلی۔ لسانی اور روحانی جہاد میں صرف کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ آپ نے اپنے اس مقصد کو کس طرح سر انجام دیا اور اثبات صداقتِ اسلام و ابطال ادیان غیر الاسلام کے جہاد میں کامیاب ہوئے یا ناکام رہے؟ اس بارے میں ہمعصر اکابرین اور اس وقت کے مشہور مسلم اخبارات کی چند شہادتیں قابل ملاحظہ ہیں۔

(۱) مولانا مولوی اشرف علی تھانوی صاحب مرحوم کا ترجمۃ القرآن مالک کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی کی طرف سے شائع ہوا۔ اس کے دیباچہ صفحہ ۳۰ پر مولانا موصوف کا اعتراف الفاظ ذیل میں درج ہے :۔

"اس زمانہ میں پادری لفرائے پادریوں کی ایک بہت بڑی جماعت لے کر اور حلف اُٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا لوں گا۔ ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا۔ ...... حضرت عیسٰے کے آسمان بجسدِ خاکی زندہ موجود اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اس کے خیال میں کارگر ہوا۔ تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور اس کی جماعت سے کہا عیسٰے جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں۔ اور جس عیسٰے کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں۔ پس اگر تم سعادتمند ہو تو مجھ کو قبول کر لو۔ اس ترکیب سے اس نے لفرائے کو اس قدر تنگ کیا کہ اس کو اپنا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک پادریوں کو شکست دی .... اور اس کی کل جماعتوں کو عاجز کر دیا۔"

(بحوالہ پیغام صلح ۱۹ر مارچ ۱۹۷۵ء)

(۲) اخبار "کرزن گزٹ" دہلی کے ایڈیٹر مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں :۔

"مرحوم (مرزا صاحب) کی وہ اعلےٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں۔ وہ واقعی بہت تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا۔ اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی نہ بحیثیت مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا جو بے نظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے مذاہب کے رد میں لکھی گئیں ہیں اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دیئے گئے ہیں آج تک معقولیت سے ان کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ آریہ نہایت بد تہذیبی سے اسے یا پیشوایان اسلام یا اصول اسلام کو گالیاں دیں کوئی معقول جواب نہ اب تک دیا نہ دے سکتے ہیں۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ ہندوستان میں بھی اس قوت کا لکھنے والا نہیں۔ ایک پُر جذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تو بچے تلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے ...... اگرچہ مرحوم کے اُردو علم ادب میں بعض مقامات پہ پنجابی رنگ اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے تو بھی اس کا پُر زور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے .... اس نے ہلاکت کی پیشگوئیوں۔ مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کو آگ میں سے ہوکر اپنا راستہ صاف کیا اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا۔"

(کرزن گزٹ۔ مئی ۱۹۰۸ء)

(۳) اخبار "الوکیل" امرتسر کے ایڈیٹر مولانا عبداللہ العمادی نے لکھا :۔

"وہ شخص۔ وہ بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شورِ قیامت ہو کر خفتگانِ خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا خالی ہاتھ دنیا سے اُٹھ گیا۔ .... ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھُلم کھُلا اعتراف کیا جائے تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست و پامال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے۔ مرزا صاحب اس پہلی صفِ عشاق میں نمودار ہوئے تھے جس نے اسلام کے لئے یہ ایثار گوارا کیا کہ شاعت عہد سے لے کر بہار و خزاں کے سارے نظارے ایک مقصد پر ہاں ایک شاہد رعنا کے پیمانِ وفا پر قربان کر دیئے .. .. میرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبولِ عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و منزلت جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے۔ ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گراں بارِ احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعارِ قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔ اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے ..... ان کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعوےٰ پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جا سکیں .... مرزا صاحب کا دعوےٰ تھا کہ میں ان سب کے لئے حکم عدل ہوں لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابل پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں مخصوص قابلیت تھی۔"

(الوکیل مئی ۱۹۰۸ء)

(باقی۔ باقی)

اعتذار

ہمیں افسوس ہے کہ بعض ناگزیر مشکلات کے باعث ۶ر اگست کا پیغام صلح شائع نہیں ہو سکا۔ قارئین کرام مطلع رہیں۔

(ادارہ)

مرتبہ: مولوی محمد علی صاحب ملتان

مقام محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم

خورشید فاران

(قسط نمبر ۶)

جب اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ کو تاریکی اور گمراہی میں مبتلا پایا۔ اور ہر طرف سے ضلالت اور ظلمت کی گھنگھور گھٹا دنیا پر چھا گئی۔ اس وقت اس تاریکی کو دُور کرنے اور ضلالت کو ہدایت اور سعادت میں تبدیل کرنے کے لئے ایک سراج منیر فاران کی چوٹیوں سے چمکا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہوئے[1]

مکّہ معظمہ کے بتوں کا قلع قمع اس وقت ہوا تھا جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم دس ہزار قدوسیوں کی جماعت کے ساتھ وہاں جا پڑے تھے اور مکّہ فتح ہو گیا تھا اور ان دس ہزار صحابہؓ کو پہلی کتابوں میں ملائکہ لکھا ہے اور حقیقت میں ان کی شان ملائکہ ہی کی سی تھی۔ انسانی قویٰ بھی ایک طرح پر ملائکہ ہی کا درجہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ جیسے ملائکہ کی یہ شان ہے کہ یفعلون ما یؤمرون اسی طرح پر انسانی قویٰ کا خاصہ ہے کہ جو حکم ان کو دیا جائے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ ایسا ہی تمام قویٰ اور جوارح حکمِ انسانی کے نیچے ہیں۔ پس ماسوی اللّٰہ کے بتوں کی شکست اور استیصال کے لئے ضروری ہے کہ اُن پر اسی طرح سے چڑھائی کی جائے۔ یہ لشکر تزکیۂ نفس سے تیار ہوتا ہے اور اسی کو فتح دی جاتی ہے جو تزکیہ کرتا ہے۔

چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے: قد افلح من زکّٰھا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر قلب کی اصلاح ہو جائے تو کل جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور یہ کیسی سچی بات ہے۔ آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ جس قدر اعضا ہیں وہ در اصل قلب کے ہی فتویٰ پر چلتے ہیں۔[2]

سورۃ آل عمران جزو تیسری میں مفصل یہ بیان ہے کہ تمام نبیوں سے عہد و اقرار لیا گیا کہ تم پر واجب و لازم ہے عظمت و جلالیت شانِ ختم رسل پر جو محمد مصطفٰی صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں ایمان لاؤ اور ان کی اس عظمت و جلالیت کی اشاعت کرنے میں بدل و جان مدد کرو۔ اسی وجہ سے حضرت آدم صفی اللہ سے لیکر تا حضرت مسیح کلمۃ اللہ جس قدر نبی گذرے ہیں وہ سب کے سب عظمت و جلالیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا اقرار کرتے آئے ہیں۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام نے توریت میں یہ بات کہکر کہ خدا سینا سے آیا اور شعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے اُن پر چمکا صاف جتلا دیا کہ جلالیت الٰہی کا ظہور فاران پر آکر اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اور آفتاب صداقت کی پوری پوری شعاعیں فاران پر ہی آکر ظہور پذیر ہوئیں۔ اور وہی توریت ہم کو یہ تبلاتی ہے کہ فاران مکّہ معظمہ کا پہاڑ ہے۔ جس میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جدّ امجد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سکونت پذیر ہوئی اور یہی بات جغرافیہ کے نقشوں سے بپایہ ثبوت پہنچتی ہے اور ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں سے بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کوئی رسول نہیں اُٹھا۔

سو دیکھو حضرت موسےٰؑ سے کیسی صاف صاف شہادت دی گئی ہے کہ وہ آفتاب صداقت جو فاران کے پہاڑ سے ظہور پذیر ہوگا اس کی شعاعیں سب سے زیادہ تیز ہیں اور سلسلۂ ترقیاتِ نورِ صداقت اسی کی ذات جامع برکات پر ختم ہے۔

کیا ہی خوش نصیب وہ آدمی ہے جس نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو پیشوائی کے لئے قبول کیا اور قرآن شریف کو رہنمائی کے لئے اختیار کیا۔ اللّٰھم صلّ علےٰ سیدنا و مولٰنا محمّد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔ الحمد للہ الذی ھدیٰ قلبنا لحبّہ ولحب رسولہٖ و عبادہ المقربین[3]

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نورِ سارا + نام اس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر + لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے

پہلوں سے خوبتر ہے خوبی میں اک قمر ہے + اس پر ہر ایک نظر ہے بدرالدجیٰ یہی ہے

پہلے تو رہ میں ہارے پار اُس نے ہیں اُتارے + میں جاؤں اسکے وارے بس ناخدا یہی ہے

پردے جو تھے ہٹائے اندر کی راہ دکھائے + دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے

وہ یارِ لامکانی وہ دلبرِ نہانی + دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے

وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے + وہ طیّب و امیں ہے اس کی ثنا یہی ہے

حق سے جو حکم آئے اُس نے وہ کر دکھائے + جو راز تھے بتائے نعم العطا یہی ہے

آنکھ اسکی دُور بیں ہے دل یار سے قریں ہے + ہاتھوں میں شمعِ دیں ہے عین الضیا یہی ہے

جو رازِ دیں تھے بھارے اُسنے بتائے سارے + دولت کا دینے والا فرمانروا یہی ہے

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں

وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے (درثمین)

---

[1] رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء - [2] الحکم ۱۷؍ جولائی ۱۹۰۱ء

اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اضطراری دُعائیں

(بسلسلہ صفحہ ۷)

اس شخص کے دل میں پیدا ہوتی ہے جو ایک بہت بلند مقصد کو سامنے رکھ کر کھڑا ہوتا ہے اور اس بلند مقصد کے لئے اپنی پُوری قوت خرچ کر دیتا ہے جو خدا کے نام کو بلند کرنا چاہتا ہے مگر اس کام کے لئے اسے سامان نہیں ملتا، کسی کو روٹی کی ضرورت ہو، مکان کی حاجت ہو، کوئی اور دنیوی کام درپیش ہو، اس سے کوئی حالت اضطرار پیدا نہیں ہوتی۔ ایک شخص کو روٹی نہیں ملی، کپڑا نہیں ملا، اس سے دنیا برباد نہیں ہو جاتی۔ ہاں دنیا کی بربادی اس وقت ہوتی ہے جب یہ دنیا خدا سے منہ موڑ لیتی ہے۔ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اپنے مالک سے سرکشی اختیار کر لیتی ہے۔ ایسے حالات میں ایک شخص اس دنیا کو ان حالات سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے مگر اسے رستہ نہیں ملتا۔ وہ دنیا کو تباہی کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا ہے مگر اس کو بچانے کا سامان نہیں ملتا تب وہ عاجز ہو کر خدا کے آگے گر جاتا ہے دعوت الی الحق کے لئے جب یہ اضطرار دل میں پیدا ہوتا ہے تو خدا کی طرف سے وہ نصرت بھی آجاتی ہے جس کا یہاں وعدہ دیا گیا ہے۔

لیکن یہ بھی نقص ہے کہ ہم اپنے اندر حالتِ اضطرار پیدا نہیں کرتے نیکی اور حق کی طرف بلانے کے لئے دلوں کے اندر تڑپ پیدا نہیں ہوتی۔

درخواست دُعا

راولپنڈی سے خواجہ عبدالسلام صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ:—

مکرم خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب سیکرٹری جماعتِ راولپنڈی تقریباً دو ہفتہ سے بعارضہ ٹائیفائیڈ بیمار ہیں۔

احباب جماعت سے درخواست ہے کہ خواجہ صاحب موصوف کی صحت عاجلہ و کاملہ کے لئے درد دل سے دُعا فرمائیں تا اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں کلّی طور پر صحت عطا فرمائے۔

---

[3] سرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۳۱ تا ۲۵۱ حاشیہ

مکتوبِ کراچی

مکرم میرزا محمد لطیف صاحب مبلغ انجمن کراچی سے تحریر فرماتے ہیں :۔

مؤرخہ ۸/۸/۷۵ کو مکرم جناب چوہدری فتح محمد عزیز صاحب ایڈووکیٹ، چوہدری محمد حیات صاحب ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کے ہمراہ کراچی تشریف لائے تھے۔ نماز جمعہ کے بعد محترم چوہدری فتح محمد عزیز صاحب نے جماعت سے خطاب فرمایا۔ اور گذشتہ سال کے حکومتی فیصلہ اور بعض قانونی نکات کی وضاحت فرمائی۔ نیز اپنے قیمتی مشوروں سے جماعت کو نوازا۔ اس کے بعد سوال و جواب کا تقریباً دو گھنٹے پروگرام جاری رہا جس میں جناب میاں فاروق احمد شیخ صاحب نے بھی حصہ لیا۔ پروگرام کے اختتام پر جماعت کی طرف سے حاضرین کی خدمت میں عصرانہ پیش کیا گیا۔

۱۰/۸/۷۵ جمعہ کے روز سوال و جواب کا پروگرام کچھ تشنہ رہ گیا تھا۔ چنانچہ بروز اتوار چوہدری صاحب موصوف نے تشنہ امور پر دوبارہ تفصیل سے روشنی ڈالی اور بعض امور کی وضاحت فرمائی۔ اس دن بھی حاضرین کی خدمت میں جماعت کی طرف سے عصرانہ پیش کیا گیا۔

۱۵/۸/۷۵۔ جمعہ کے موقعہ پر ہمارے محترم بزرگ جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور مکرم میاں ممتاز احمد صاحب فاروقی تشریف لائے۔ بعد نماز جمعہ محترم فاروقی صاحب نے جماعت سے نہایت عمدہ اور برجستہ خطاب فرمایا۔ موضوع تھا "یہ مصائب و مشکلات کا دور انشاء اللہ جلد کٹ جائے گا" جس کا سامعین پر بڑا اچھا اثر ہوا۔

مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے بھی بڑے نرالے۔ اچھوتے اور محبت بھرے انداز میں سورۃ العصر کی تفسیر بیان فرما کر ہمارے ایمانوں کو تازہ کیا۔ جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

لندن میں ہونے والی کانفرنس کے سلسلہ جماعت کی طرف سے جانے والے بزرگوں کو ہر قسم کی اعانت کا یقین دلایا گیا۔

۱۷/۸/۷۵۔ محترم خان حسن خاں صاحب کی انگلستان روانگی کے سلسلہ میں مکرم شیخ کرامت اللہ صاحب نے خاں صاحب موصوف کے اعزاز میں عصرانہ ترتیب دیا۔ قرآن کریم کا درس بھی دیا گیا جس میں ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔ کی روشنی میں حضرت مسیح موعودؑ کی تبلیغ و اشاعتِ اسلام کی تڑپ اور انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کے بعض کارناموں کا ذکر کیا گیا۔

تین دوستوں کی انگلستان کو روانگی

۱۔ مکرم میاں فاروق احمد صاحب شیخ مؤرخہ ۱۶/ اگست ۱۹۷۵ء کو کراچی سے انگلستان روانہ ہوئے۔

۲۔ محترم خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب (نائب صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور) مؤرخہ ۱۶/۱۷ اگست ۱۹۷۵ء کی درمیانی شب کو روانہ ہوئے۔

۳۔ مکرم خان حسن خاں صاحب مؤرخہ ۱۸/ اگست ۱۹۷۵ء کو روانہ ہوئے۔

احباب جماعت دعا فرمائیں، کہ لندن کانفرنس کامیابی سے ہمکنار ہو اور عمدہ نتائج [illegible]

کارروائی جلسہ اطفال الاحمدیہ مرکزیہ

دارالسلام میں تربیت اطفال کی پُرعزم مساعی کے ثمراتِ حسنہ

مکرم و محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی خواہش پر دارالسلام میں محترم راجہ محمد افضل صاحب مبلغ اسلام نے بچوں کی دینی تربیت کے لئے باقاعدہ کورس کا آغاز کیا ہے جس میں راجہ صاحب بچوں کو عمر کے لحاظ سے ابتدائی قاعدہ، یسرنا القرآن اور قرآن مجید پڑھانے کے علاوہ مختلف دعائیں، نماز مترجم اور منظوم کلام حضرت مسیح موعودؑ کا سبق بھی دیتے ہیں اور ہر ماہ اطفال الاحمدیہ کے اجلاس منعقد کرکے بچوں کی کارکردگی کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں ۲۷/ جولائی ۱۹۷۵ء بروز اتوار بعد از نماز عصر مسجد دارالسلام میں اطفال الاحمدیہ مرکزیہ کے زیر اہتمام ایک جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت محترم شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ نے کی۔ جلسہ میں دارالسلام کے علاوہ احمد پارک اور مسلم ٹاؤن سے بھی خواتین و حضرات نے شرکت کی۔

جلسہ کی کارروائی کا آغاز ابرار احمد نے تلاوتِ قرآن مجید سے کیا اور بعد میں اس کا ترجمہ بھی سنایا۔ ملفوظات شاہدہ جنجوعہ نے پڑھے۔ اس کے بعد مظہر رسول نے تقریر کی جس میں اللہ کا شکر ادا کیا گیا تھا کہ اس نے ہمیں احمدی گھرانے میں پیدا کیا اور اس طرح مامورِ وقت کو پہچاننے کی توفیق دی۔ ملیحہ رسول نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمتِ دین کے بیان میں نظم سنائی جو کہ بہت پسند کی گئی۔ شاہدہ جنجوعہ۔ سلیمان حفیظ اور امۃ الحفیظ نے مکمل نماز اور اس کا ترجمہ سنایا۔ امۃ الحفیظ نے ترجمہ کے ساتھ دعائے قنوت بھی پڑھی۔ جبکہ خورشیدہ ضیاء نے چھوٹے اور بڑے جنازے کی دعا ترجمہ کے ساتھ سنائی۔ شجیع بن حنیف نے سیرت حضرت مسیح موعودؑ پر تقریر کی اور بتیع بن حنیف، عمر ضیاء اور قانیہ بنت حنیف نے دُرّثمین سے منظوم کلام سنایا جس کی بڑی تعریف کی گئی۔ صدر اطفال الاحمدیہ اقبال احمد کی حضرت صاحب کی سیرت پر تقریر کو بھی سراہا گیا۔

آخر میں صاحب صدر محترم شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب نے جلسہ کی کامیابی پر اطفال الاحمدیہ کو مبارکباد دی اور محترم راجہ محمد افضل صاحب کی ان تربیتی کوششوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ راجہ صاحب کی یہ کوششیں یقیناً نئی پود میں احمدیت سے لگاؤ پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوں گی اور اس طرح حضرت مسیح موعودؑ کے مشن کو آگے بڑھانے اور احمدیت کے نظریات اور اس کی روایات کے احیاء و تحفظ میں مدد ملے گی۔ آپ نے اس توقع کا اظہار کیا کہ یہ مفید سلسلہ بدستور جاری رکھا جائے گا۔

جلسہ کے اختتام سے قبل اطفال الاحمدیہ مرکزیہ نے متفقہ طور پر محترمہ بیگم صاحبہ مرغوب عالم کی جگہ محترم راجہ محمد افضل صاحب کو اپنا نگرانِ اعلیٰ مقرر کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد جلسہ دعا پر ختم ہوا۔

(نامہ نگار)

پیغام حضرت امیر مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

"ہمارے سامنے بہت بڑا مقصد اور نہایت عظیم الشان اور مشکل کام ہے۔ ساری دنیا میں خدا کے نام اور اس کے آخری پیغام یعنی قرآن کریم کو پہنچانا۔ ساری دنیا میں اعلائے کلمۃ اللہ کرنا، خدا کے بندوں کو خدا کے آگے جھکانا۔ بہرحال آپ اس راستہ پر پڑ چکے ہیں اور کچھ منزلیں بھی اس کی طے ہو چکی ہیں اس سے آپ لوگوں کی ہمت بندھنی چاہیے کہ آئندہ ہم لوگ اس کام کو کر لیں گے۔" (خطبہ جمعہ ۲۷/ دسمبر ۱۹۴۰ء)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ۔۔۔ مؤرخہ ۳/ ستمبر ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ۔ ایل۔ نمبر ۸۳۸ ۔۔۔ شمارہ نمبر ۳۶

چندہ

سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام سجاد صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ - ۱۰ ستمبر ۱۹۷۵ء | نمبر ۳۷

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف سے سچے ہادی ہیں۔

اور صداقت رسول اللہ صلعم آفتاب کی طرح روشن و ثابت ہے

ما سوا اس کے جب عاقل آدمی ان حالات پر اور بھی غور کرے کہ وہ زمانہ جس میں آنحضرت مبعوث ہوئے حقیقت میں ایسا زمانہ تھا کہ جسکی حالت موجودہ ایک بزرگ اور عظیم القدر مصلح ربانی اور ہادی آسمانی کی اشد محتاج تھی۔ اور جو جو تعلیم دی گئی وہ بھی واقع میں سچی اور ایسی تھی کہ جسکی نہایت ضرورت تھی اور ان تمام امور کی جامع تھی کہ جس سے تمام ضرورتیں زمانہ کی پوری ہوتی تھیں اور پھر اس تعلیم نے اثر بھی ایسا کر دکھایا کہ لاکھوں دلوں کو حق اور راستی کی طرف کھینچ لائی اور لاکھوں سینوں پر لا الٰہ الا اللہ کا نقش جما دیا اور جو نبوت کی علتِ غائی ہوتی ہے یعنی تعلیم اصول نجات کے، اس کو ایسا کمال تک پہنچایا کہ جو کسی دوسرے نبی کے ہاتھ سے وہ کمال کسی زمانہ میں بہم نہیں پہنچا تو ان واقعات پر نظر ڈالنے سے بلا اختیار یہ شہادت دل سے جوش مار کر نکلے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور خدا کی طرف سے سچے ہادی ہیں جو شخص تعصب اور ضدیت سے انکاری ہو اسکی مرض تو لاعلاج ہے خواہ وہ خدا سے بھی منکر ہو جائے ورنہ یہ سارے آثار صداقت جو آنحضرت صلعم میں کامل طور پر جمع ہیں کسی اور نبی میں کوئی ایک تو ثابت کر دکھلاوے تا ہم بھی جانیں۔........

ہادیٔ اسلام کا صدق نبوت اظہر من الشمس ہے کیونکہ معنے نبوت کے اور علتِ غائی رسالت اور پیغمبری کی انہیں کی ذات بابرکات میں ثابت محقق ہو رہی ہے اور جیسا کہ مصنوعات سے صانع شناخت کیا جاتا ہے ویسا ہی عاقل لوگ اصلاح موجودہ سے اس مصلح ربانی کی شناخت کر رہے ہیں اسی طرح ہزارہا ایسے اور بھی واقعات ہیں کہ جن سے آنحضرت کا مؤید بتائید الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً کیا یہ حیرت انگیز ماجرا نہیں کہ ایک بے زر، بے زور، بیکس، اُمّی، یتیم، تنہا، غریب ایسے زمانہ میں کہ جس میں ہر ایک قوم پوری پوری طاقت مالی اور فوجی اور علمی رکھتی تھی ایسی روشن تعلیم لایا کہ اپنی براہین قاطعہ اور حججِ واضحہ سے سب کی زبان بند کر دی اور بڑے بڑے لوگوں کی جو حکیم بنے پھرتے تھے اور فیلسوف کہلاتے تھے فاش غلطیاں نکالیں اور پھر باوجود بیکسی اور غریبی کے زور بھی ایسا دکھایا کہ بادشاہوں کو تختوں سے گرا دیا اور انہی تختوں پر غریبوں کو بٹھا دیا۔ اگر یہ خدا کی تائید نہیں تھی تو اور کیا تھی؟ کیا تمام دنیا پر عقل اور علم اور طاقت اور زور میں غالب آجانا بغیر تائید الٰہی کے بھی ہوا کرتا ہے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ جب آنحضرت نے پہلے پہل مکہ کے لوگوں میں منادی کی کہ میں نبی ہوں اس وقت ان کے ہمراہ کون تھا؟ اور کس بادشاہ کا خزانہ ان کے قبضہ میں آگیا تھا کہ جس پر اعتماد کر کے ساری دنیا سے مقابلہ کرنے کی ٹھہر گئی؟ یا کونسی فوج اکٹھی کر لی تھی کہ جس پر بھروسہ کر کے تمام بادشاہوں کے حملوں سے امن ہو گیا تھا۔ ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں کہ اس وقت آنحضرت صلعم زمین پر اکیلے اور بےکس اور بے سر و سامان تھے صرف ان کے ساتھ خدا تھا جس نے ان کو ایک بڑے مطلب کے لئے پیدا کیا تھا۔ (مقدمہ براہین احمدیہ)

اِسلام کا عملی نمونہ پیش کرو تا کہ خُدا اور رسُول کی صداقت پر تمہارا وجود گواہ ہو۔

خُطبہ جُمعہ۔ مؤرخہ ۵ ستمبر ۱۹۷۵ء۔ فرمُودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ۔ جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور

صبغۃ اللہ و من احسنُ من اللہ صبغۃً و نحن لہ عٰبدون ـــــــ (البقرہ۔ ۱۶-۱۳۸)

(مرتبہ: عبدالرؤف کھوکھر)

فرمایا: اللہ کا رنگ۔ اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہے۔ اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔ یعنی ہم تو اپنے اُوپر اللہ کا رنگ چڑھاتے ہیں اور اس کی صفات میں رنگین ہونے کے لئے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ صبغۃ کے معنی رنگ کے ہیں۔ اور یہاں مراد دین سے ہے۔ کیونکہ جس طرح رنگ کا اثر کپڑے پر ہوتا ہے۔ اسی طرح مذہب کا اثر انسان پر ہوتا ہے۔

صبغۃ سے مراد وہ صفات بھی ہیں جو اللہ تعالےٰ نے انسانوں میں پیدا کی ہیں۔ مثلاً عقل جو دوسرے جانداروں سے انسان کو ممتاز کرتی ہے۔ اور اس سے ہر وہ راہ مراد ہے جس سے انسان کو خدا تعالےٰ کا قرب حاصل ہو، غرضیکہ صبغۃ سے مراد دین اسلام ہے۔ جس کو قبول کر لینے کے بعد انسان کل انبیائے عالم کو (بلاامتیاز اور سچا قرار دیتا ہے) اور وحدتِ نسلِ انسانی کا یہ وہ الٰہی نسخہ ہے۔ جس کے بغیر انسانوں میں باہمی محبت رواداری اور صلح کا تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا۔

محمد رسول اللہ صلعم نے اسلام کا مقصد بیان فرمایا ہے صبغۃ اللہ کہ باخدا بن جاؤ۔ الٰہی صفات کو اپناؤ اس سے تمہارے اندر ایک نُور پیدا ہوگا۔ جس کا دوسرے انسان نیک اثر قبول کریں گے۔ محمد رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں کوئی الگ تنخواہ دار مذہب اسلام کا پرچار کرنے والے مولوی نام کے لوگ موجود نہ تھے۔ بلکہ اسلام مسلمانوں کے نیک نمونہ سے دنیا میں پھیلا ہے۔ مسلمان جہاں کہیں بھی گئے۔ اپنا پاک نمونہ ساتھ لے گئے۔ دوسرے مذاہب کے لوگوں نے انہیں دوسرے لوگوں سے نیک اعمال میں ممتاز پایا تو وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ یہ الٰہی صفات کے رنگ کا اثر تھا۔ جس کے باعث کفار میں مسلمان مقبول ہوئے اور انہیں دیکھکر لوگ مسلمان ہو گئے اور یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا نظارہ دنیا کے سامنے آگیا۔

میں نے پہلے کہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں تنخواہ دار مبلغ مقرر نہ تھے بلکہ ہر مسلمان اپنے حسنِ عمل اور پاکیزہ سیرت کے ذریعہ اسلام کا مبلغ تھا۔ دکانداری میں تجارت میں، حکومت میں غرضیکہ ہر جگہ اور زندگی کے ہر شعبہ میں عمل کے لحاظ سے مسلمان الٰہی صفات کا نمونہ تھے۔ اور رسول خدا صلعم کی صداقت پر زندہ گواہ تھے۔

صبغۃ اللہ۔ خود پر خدا کی صفات کا رنگ چڑھاؤ۔ خدا نما بن جاؤ۔ اسلام کا عملی نمونہ پیش کرو۔ خدا و رسول کی صداقت پر تمہارا وجود گواہ ہو۔ اسلام کفارہ کا قائل نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمہارے اندر خود ایک نیک تبدیلی پیدا کرنے آیا ہے۔ اسلام میں خدا انسانوں کو اپنی صفات سے رنگین دیکھنا چاہتا ہے۔ رسولِ خدا خود اور صحابہ کرام صفاتِ الٰہی سے متصف تھے۔ ان کے عمدہ کیرکٹر اور عمل سے ایک دنیا مسلمان ہو گئی۔ اس سے پرے اور اونچا مقام کوئی نہیں ہے۔

تخلقوا باخلاق اللہ۔ اپنے اندر الٰہی اخلاق پیدا کرو۔ انہیں اخلاق نے ایک عالم کو منوّر اور مسحُور کر دیا۔ مغرب میں ایک ملک سپین ہے۔ وہاں بھی مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ اور انہوں نے وہاں پانصد سال تک بڑے احتشام اور شان و شوکت سے حکومت کی۔

اسلام فطرت کا مذہب ہے۔ اس کے اصول ساری کائنات میں جاری وساری ہیں۔ اسلام کا خدا ربّ العالمین ہے۔ وہ تمہیں دیتا ہے۔ تمہاری کمائی میں سے بھی اللہ کی راہ میں کچھ خرچ ہونا چاہیئے، غرباء و مساکین پر خرچ کرنے سے مال پاکیزہ ہو جاتا ہے۔

حضور صلعم کو اپنے زمانہ میں مبلغ پیدا کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ کیونکہ ہر مسلمان اپنے اعلےٰ کیرکٹر پاکیزہ عمل اور الٰہی اخلاق کا نمونہ ہونے کے باعث مبلغ تھا۔ ایسے ہی مسلمان جہاں بھی گئے۔ مشرق میں یا مغرب میں۔ ہر جگہ انہوں نے اسلام کا ڈنکا بجایا۔ یہ صبغۃ اللہ کا اثر ہے اور ومن احسن من اللہ صبغۃ اور اللہ کے رنگ سے بہتر اور کون سا رنگ ہو سکتا ہے۔ حضور صلعم نے مبلغ بنانے کے لئے کوئی ادارہ اور کالج نہ بنایا۔ مگر حضور کی زندگی ہی میں اسلام ہر طرف پھیل گیا۔ جانتے ہو یہ کیسے ہوا، یہ صبغۃ اللہ ہی کا معجزہ تھا۔ کہ دنیا میں ایک ایسے تمدّن کی بنیاد پڑی۔ جو پوری انسانیت کے لئے سراپا رحمت تھا۔ قرآن کریم نے اسی حقیقت کا درس دنیا کو دیا۔ اور محمد رسول اللہ صلعم نے اسی کا صحیح صحیح نمونہ بن کر دکھایا اور اپنے رسول کی اطاعت میں اور پیروی میں حضور کے ساتھیوں نے اس ہدایت کو اپنا دستور العمل بنایا۔ یوں تو پہلی آسمانی کتب میں بھی اسی قسم کے اشارات پائے جاتے تھے۔ لیکن الٰہی اخلاق کا مطالعہ کرنا اور اپنے اخلاق کو اس قالب میں ڈھالنا اور اپنی زندگی کو ہر لحظہ اخلاقِ الٰہیہ کے ماتحت لانا، یہ باتیں صرف صحابۂ رسول اللہ صلعم سے ظہور پذیر ہوئیں۔ صحابہ کرام کے بعد بھی ایسے بزرگانِ دین گذرے ہیں جنہوں نے اخلاقِ خداوندی کی تحقیق کرنے اور اپنی زندگیوں کو ان کے مطابق چلانے ہی کو اپنا مقصدِ حیات قرار دے لیا تھا۔

یہ انقلاب لوگوں میں قرآن کریم ہی کی بدولت پیدا ہوا اور کمال انسانی یہی ہے کہ انسان کے اخلاق، خالق کائنات کے اخلاق کا عکس ہوں۔ قرآن کریم نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس بات کو پیش کیا ہے کہ اخلاق خداوندی کو اپنا مطمحِ نظر بناؤ۔ اور اگر تم میں اخلاقِ حسنہ و فاضلہ پیدا نہ ہو سکے تو تم یقینی طور پر خسر الدنیا والاخرۃ کا مصداق بن جاؤ گے کیونکہ تمہیں حقیقی خوشی و راحت اسی وقت حاصل ہوگی جب الٰہی اخلاق تمہارا مطمحِ نظر اور مقصد حیات ہوں گے۔ انسان کے لئے کامیابی اور فلاح کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونیوالا ہے اسکی برکات سے زیادہ سے

اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ سب کو اخلاق و صفاتِ الٰہیہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب سجادہ نشین چاچڑاں

"(حضرت) مرزا غلام احمد صاحب قادیانی حق پر ہیں۔ اور اپنے معاملہ میں سچے اور صادق ہیں۔ اور آٹھوں پہر اللہ تعالےٰ کی عبادت میں غرق رہتے ہیں اور اسلام کی ترقی اور امر دین کو بلند کرنے میں جان سے کوشش کرتے ہیں۔ کوئی بات میں ان میں بُری اور قبیح نہیں دیکھتا۔

اگر مہدی اور عیسےٰ ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ تو وہ بھی ان باتوں میں سے ہے۔ جو جائز ہے"

(ترجمہ اشارات فریدی حصہ سوم حصہ سوم ۱۷۹)

"لاہور میں ہمارے پاک محبّ ہیں۔ وسوسہ پڑ گیا ہے پر مٹی نظیف ہے۔ وسوسہ نہیں رہے گا مگر مٹی رہے گی۔"

(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

حضرت مسیح موعودؑ کا مشن کامیاب ہے

مذہب کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ ان اصولوں پر عمل پیرا ہوں جنہیں خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے وہ دنیا میں معزز و منصور بھی اور غالب و غلبہ پانے والے ہوں۔ (۲) غلبہ و فتح ان اصولوں کا ثمرہ ہوا کرتا ہے جو روحانی و اخلاقی بلندی کا باعث ہیں نہ کہ کسی خاص قسم کے انسانوں کی بلندی و سرخروئی کا باعث۔ ان کا کام ان اصولوں کو زندگی میں عملی جامہ پہنانا ہوا کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ مظہر صفاتِ اخلاق عالیہ ہوں۔ اگر کسی وقت خدا تعالیٰ یہ وعدہ دیتا ہے کہ اس کے مرسل و مامور کا ساتھ دینے والے ہی غالب و فاتح ہوں گے تو اس کا مطلب بھی یہ نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ کو کسی خاص گروہ کی رعایت منظور ہے بلکہ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ منجانب اللہ نازل شدہ ہدایت و طریق کار پر اگر مرسل و مامور کا ساتھ دینے والے عمل پیرا ہوں گے تو ان کی کامیابی یقینی و قطعی ہے بجز اس کے ممکن نہیں۔ اگر بدقسمتی سے وہ قوم جس نے ظاہرا رنگ میں کسی مرسل و مامور کو قبول کیا ہے اپنی زندگی میں ان اصولوں سے منحرف ہو جائے جن کا نزول ہوا تو پھر اس فتح و کامرانی کی امید رکھنا بڑی فاش غلطی و گمراہی ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی خاص گروہ مقبول نہیں سوائے اس کے جو احکام الٰہی کی پابندی بجا لائے۔ محض ادعا اور لفظی طور پر ساتھ دینا یا کسی مرسل و مامور کے پیرو کہلانا کسی انعام و درجہ کا مستحق نہیں بنا دیتا۔

لیکن جہاں ایک طرف یہ غلطی عام طور پر دنیا میں پھیلی ہوئی ہے کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو ظاہرا رنگ میں کسی مرسل و مامور کے ساتھ وابستہ کر لیں لازماً اپنے آپ کو ان انعامات کا وارث سمجھ لیتے ہیں جن کا وعدہ عمل سے مشروط ہے تو وہاں دوسری طرف پیروؤں کی گمراہی اور ان کی ناکامی کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکال لیا جاتا ہے کہ وہ مقاصد و مطالب جن کے لئے کسی مرسل و مامور کا نزول ہوا ناکام و نامراد رہ گئے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ جب کسی زمانہ میں کسی امر کو قائم کرنا چاہتا ہے اور اس غرض کے لئے اپنی تجلی خاص سے اپنے کسی بندہ کو شرف بخشتا ہے تو اس کا مطلب صرف یہی ہوتا ہے کہ ان اصول و مقاصد کے قیام کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اور اب دنیا میں وہ قائم ہونے سے رُک نہ سکیں گے انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔

پیروؤں اور مرسل و مامور کے ساتھیوں کی کامیابی مشروط ہے مگر مقاصد و مطالب کی فتح کا وعدہ حتمی و قطعی ہے پیروؤں کی کامیابی اسی حد تک ہے جس حد تک خدا تعالیٰ کے نازل شدہ مقصد کے وہ حامل ہیں اگر وہ اس مقصد کو پس پشت پھینک دیں گے تو خدا کا ان کے ساتھ کوئی خاص رشتہ و واسطہ نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کے مقاصد و مطالب

اس زمانہ میں جو ایک عظیم الشان انسان کا نزول ہوا اور خدا تعالیٰ نے جن مقاصد و مطالب کے قیام کے لئے اسے مبعوث کیا تو اس بارہ میں بھی دونوں قسم کے گروہوں یعنی موافق و مخالف کو غلطی لگ رہی ہے۔ جماعت موجودہ دور میں جن نامساعد حالات سے گذر رہی ہے اسے دیکھ کر مخالف تو یہ نتیجہ نکال رہے ہیں کہ حضرت اقدسؑ اپنے مشن میں نعوذ باللہ ناکام ہو گئے لیکن اکثر وہ لوگ جو حضرت اقدسؑ کے مشن پر ایمان لے آئے ہیں وہ واقعات سے آنکھیں بند کر کے صرف اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم ضرور کامیاب و منصور ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ فکر کریں کہ کہیں اجتماعی رنگ میں ان کی طرف سے کوئی بڑی بھاری فروگذاشت سرزد تو نہیں ہوئی جس کی پاداش میں انہیں وہ فتح و غلبہ حاصل نہیں ہو رہا جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اور جس امر کو مذہبی اصطلاح میں توبہ یا رجوع الی اللہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بجائے یہ رویہ اختیار کرنے کے اور بجائے اپنے اعمال و نیات و اجتماعی طریقِ کار کو مامور وقت کے مطابق کرنے کے اس خیال میں مگن ہیں کہ ہم تو مامورِ وقت کی جماعت ہیں۔ ہمارے ساتھ خدا تعالیٰ کے وعدے ہیں۔ ہمیں کبھی ناکامی نہیں ہو سکتی۔

اے روشن ضمیر حضرات! غور و فکر کرو!! نہ تو مایوسی و ناامیدی کی حاجت ہے کہ آپ یہ خیال کر بیٹھیں کہ حضرت اقدسؑ اپنے مشن میں ناکام رہ گئے کیونکہ آپ کے مقاصد و اصول تو یقینی طور پر روز بروز تکمیل پا رہے ہیں اور دنیا انہیں قبول کرتی چلی جا رہی ہے اور یہ امر خوش فہمی کی بنا پر نہیں بلکہ واقعات حقہ کی روشنی سے ثابت ہے اور نہ آپ کی جماعت کے حالات و اجتماعی رویہ سے مطمئن ہو کر غفلت برتنا مناسب ہے۔ صرف اس خیال کے ماتحت کہ ہم مامور وقت کی جماعت میں شامل ہونے کے مدعی ہیں جن سے خدا تعالیٰ نے فتح و غلبہ کا حتمی وعدہ کیا ہوا ہے۔ کیا آپ کو یہ یاد نہیں کہ خدا تعالیٰ کا یہ بھی قانون ہے کہ اگر ایک جماعت اس کے مقاصد کی حامل نہ رہے تو وہ اس کی بجائے کسی دوسری قوم کو کھڑا کر دینے پر قادر ہے وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔

کیا پہلی قوموں نے یہی غلطی نہیں کھائی؟ یہودی لوگ کیا اب تک اپنے آپ کو خدا کے لاڈلے نہیں سمجھتے؟ نحن ابناء اللہ و احباءہ۔ حالانکہ دنیا میں وہ صدیوں سے مقہور و ذلیل چلے آ رہے ہیں۔ پھر کیا خود مسلمان قوم سے یہی غلطی سرزد نہیں ہوئی کہ انہوں نے اسلام اور اپنے قومی وجود کو ہم معنی و مترادف سمجھ لیا حالانکہ ان کے اعمال و اخلاق میں اور اسلام میں بعد المشرقین ہے۔ آج مسلمان بھی اسلام کی کامیابی و غلبہ کو اپنے وجود سے وابستہ قرار دے رہا ہے حالانکہ یہ امر بالبداہت غلط ہے۔ تو پھر کہیں یہاں بھی یہ غلطی تو نہیں لگ رہی کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مقاصد اور آپ کے نام لیوا دونوں ہم معنی و مترادف قرار دے لئے گئے ہیں۔ درآنحالیکہ ان میں عملی تطابق موجود نہیں؟

مقاصد و اصول فتح کرتے چلے جا رہے ہیں

دیکھو! کیا دنیا اب اپنی مادہ پرستی کی تہذیب سے تنگ نہیں آ رہی حالانکہ یہی وہ آج سے پون صدی قبل تسلیم کیا جا رہا تھا؟ کیا آج دجّال کو اپنی دجالیت نظر نہیں آ گئی؟ کیا ابھی تک اس میں کچھ شک و شبہ ہے کہ دنیا کا امن و عافیت مادہ پرستی میں نہیں بلکہ خدا پرستی میں مرکوز ہے؟ پھر وطن پرستی اور قوم پرستی کے جو نئے مغربی بت تراشے گئے تھے دنیا کے سامنے کیا ان کے مہلک نتائج نہیں آ گئے؟ اسلام کے سوائے اور وہ کونسا مذہب ہے جو سچی خدا پرستی سکھلاتا ہے۔ اور حقیقی طور پر اخوت و مساوات کا سبق دیتا ہے؟ کیا آج دنیا اس امر کی قائل نہیں ہوتی چلی جا رہی کہ مادی طاقت کا حصول دنیا کی بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ اور عالمگیر صلح و امن کی بنیاد پڑ سکتی ہے تو اس کا صرف یہی راستہ ہے کہ اخلاقی طاقت کی طرف رجوع کیا جائے؟ اپنے عملی نمونہ، اعلیٰ علم کلام و دلائل سے غیر کو اپنے نظریہ کا قائل کرنا کیا مسلم طور پر یہی وہ راہ نہیں جس میں دنیا کی نجات مضمر ہے؟ پھر تم بتلاؤ کہ اس سے بڑھ کر اور وہ کونسا مقصد تھا جو حضرت اقدسؑ کے پیش نظر تھا؟ ہاں یہ صحیح ہے کہ ان مقاصد کے حصول کا ایک لائحہ عمل اس مردِ خدا نے جماعتی نظام کی شکل میں تعمیر کر کے تمہارے سپرد کیا تھا۔ اگر ان مقاصد کی تکمیل میں اس وجہ سے التوا و تاخیر ہے یا سست رفتاری ہے کہ نظام جماعت کو حضرت اقدسؑ کے مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا گیا یا یہ کہ آپ کے لائحہ عمل پر مضبوطی و ثبات سے قیام نہیں رہا تو اس کا باعث ہرگز مقاصد و مطالب کی ناکامی قرار نہیں دی جا سکتی بلکہ وہ ہماری اپنی کمزوری ہے ورنہ خدا تعالیٰ تو خارق عادت واقعات رونما کر کے دنیا کو کشاں کشاں یوماً فیوماً ان مقاصد کی طرف تیزی سے لئے چلا آ رہا ہے۔

جماعت احمدیہ کے لئے لمحۂ فکریہ

جماعت سے وابستگی رکھنے والو! اٹھو اور غور کرو

تعالیٰ حضرت اقدسؑ کے مشن کی طرف دنیا کو راغب کر رہا ہے اور کوئی ایسا امر نہیں جسے آپ لائے ہوں اور آپ کی بعثت کے بعد وہ زیادہ قبولیت نہ پا گیا ہو تو پھر کیا وجہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے بارہ میں یہ الہام کہ یہ جماعت اپنا کام ختم کر چکی قابل قبول ہو رہا ہے؟ بے شک یہ بھی صحیح ہے کہ جماعتوں پر ہر قسم کے دَور آیا کرتے ہیں اور بعض وقت بیرونی اسباب مخالفت بھی جمع ہو کر رکاوٹ کا باعث بن جاتے ہیں لیکن سب سے اہم سوال تو یہ ہے کہ کیا ہم نے اس لائحہ عمل کو اختیار کرنے میں کوئی کوتاہی تو نہیں کی؟ اگر غفلت ہماری توجہ سے ہوئی ہے تو پھر یاد رکھو کہ بیرونی مخالفت کا نام لینا خود کو جھوٹی تسلی دینا ہے۔ ہمیں اپنے آپ کو درست کرنا واجب ہے۔ اگر ہمارے اپنے اندر حب دنیا سرایت کر گئی ہے تو بتلاؤ کہ ہم کیونکر اور کس طرح دنیا سے مادہ پرستی کو چھڑا سکتے ہیں؟ اگر ہمیں اسلام کے زندہ مذہب ہونے پر فوق العادت یقین حاصل نہیں تو غیروں پر ہم یہ اعلان کیوں کر ٹھونس سکتے ہیں؟ اگر حضرت اقدسؑ کے منجانب اللہ صادق ہونے پر ہمارے ہی دل کامل گواہ نہیں تو دوسروں کو اس کا قائل ہم کس طرح کر سکتے ہیں؟ اگر احمدیت کے اصولوں پر ہمارے قلب پکی مطمئن نہیں تو احمدیت کا بول بالا ہمارے ذریعے کیونکر ہونا ممکن ہے؟ اگر ہم خود مادیت سیاست، وطن پرستی و قوم پرستی کے بتوں کو سجدہ کرنے لگ پڑتے ہیں تو ہم کہاں تک دنیا والوں خباثت سے نجات دلا سکنے کے اہل ہیں؟

آؤ خدا را اپنے اندر جھانکی لگاؤ کیونکہ ساری ترقی کا راز اپنے آپ کو سدھار لینے میں ہے نہ کہ غیروں پر حملہ کرنے میں۔ یہی وہ سچا طریق علماء و اتقیاء کا رہا ہے کہ وہ ہر مشکل کے وقت اپنے آپ کو ٹٹولا کرتے ہیں۔ زندہ اسلام یعنی احمدیت کا سچا اجتماعی رنگ پیدا کرو کہ اسی سے تمام کامیابیاں وابستہ ہیں۔ مگر یہ یاد رکھو کہ حضرت اقدسؑ کے مقاصد کو آپ کی مساعی کی کچھ بھی حاجت نہیں بلکہ یہ ہماری اپنی سعادت ہے کہ اگر ہم اصولِ حقہ پر عمل پیرا ہو کر اپنی کامیابی کی راہ پیدا کرنے والے ہوں کیونکہ وہ مقاصدِ حقہ و اصولِ صحیحہ تو دنیا میں بالآخر غالب آ کر ہی رہیں گے جن کے متعلق حتمی و قطعی وعدہ خداوندی موجود ہے۔ ہاں یہ ہماری اپنی ہی خوش قسمتی کی بات ہوگی اگر ہم ان کے واقعی حامل ہوں۔

بمفت ایں اجرِ نصرت را دہندت اے اخی ورنہ
قضائے آسمانست ایں بہر حالت شود پیدا

(ا۔ ب)

قرآن حکیم کی مومن مستورات کو ہدایت

۱) "اور مومن عورتوں سے کہہ دے۔ کہ وہ اپنی نگاہیں جھکی ہوئی رکھیں اور جسموں کی حفاظت کریں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے سر سے اپنے سینہ تک ڈھلکا لیں اور زمین پر اپنے پاؤں یوں نہ مارو کہ تمہاری چھپی ہوئی زینتیں ظاہر ہو جائیں۔ (یا کہ لوگ تمہاری طرف متوجہ ہوں)" (سورہ نور)

۲) "اگر تمہیں پرہیزگاری منظور ہے۔ تو (نامحرموں سے) دبی زبان سے بات نہ کرو۔ کہ جس شخص کے دل میں کوئی خرابی ہے۔ وہ تم سے کچھ توقعات وابستہ کر بیٹھے۔ بات سیدھی سادی کرو۔ اور اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو۔ اور اگلے زمانۂ جاہلیت کے سے بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو۔" (الاحزاب-۳۲)

محترم محمد رحید صاحب بھٹہ مبلغ اسلام سیالکوٹ

وفات حسرت آیات

نیکی اور وفا کا ایک اور سورج غروب ہوگیا

چھاؤنی سیالکوٹ کے محترم شیخ انعام اللہ صاحب وفات پا گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وفات کیا تھی، ایک نیکی اور وفا کا سورج غروب ہو گیا۔

یہ شخصی نقصان نہیں بلکہ بھاری ملی نقصان ہے مرحوم اتنا وفا شعار اور ہردلعزیز تھا کہ قریباً ... لوگوں نے بغیر امتیاز عقیدہ کے نماز جنازہ پڑھی کوئی آنکھ نہ تھی جو اشکبار نہ تھی ایسے لوگ کبھی کبھار پیدا ہوتے ہیں وہ ایک سمندر تھا جس میں غم ہو یا خوشی کبھی لہر تک نہ اٹھتی تھی وہ ایک وفا شعار کوہ وقار ہستی تھی جس کے خلا کو بہت مشکل سے پورا کیا جا سکتا ہے وہ حقیقت میں انسانیت کے لئے خدا کا انعام تھا۔ صلح کل۔ پردہ پوش۔ ہر زبان پر اس کی تعریف تھی گویا مرحوم سیدھا جنت میں چلا گیا میرے تو اس سے نہایت قلبی تعلقات تھے وہ جماعت کا بھی ایک ستون تھا جو گر گیا جب کبھی مصیبت میں یا ضرورت میں شخصی ہو یا قومی اس کے پاس جانا پڑا تو ایسی مسکراہٹ سے ملتا تھا کہ آدھی سے زیادہ مصیبت دور ہو جاتی۔ جب کبھی کوئی معاملہ پیش کیا تو کہنے لگے بس کیجئے اسے رہنے دیجئے اس سے افتراق پیدا ہوتا ہے۔ سخی اتنا کہ کبھی سائل کو "نہ" کہتے نہ سنا۔ اگر پاس نہ ہوا تو ہمدردی سے ایسا جواب دیا کہ کلفت دور ہو گئی۔ وہ قرون اولیٰ کے نیک لوگوں کا کامل نمونہ تھا۔ صلح و آشتی کا عاشق، لڑائی جھگڑے سے گریزاں۔ غرض میرا دل بھر گیا ہے قلم آگے نہیں چلتا۔ خدا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اے دل تو نیز خاطرِ ایناں نگاہ دار ؛ کآخر کنند دعوئے حبِ پیمبرم
جانم گداخت از غم ایمانت اے عزیز ؛ ویں طرفہ تر کہ من بگمان تو کافرم
بعد از خدا بعشقِ محمد مخمرم ؛ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم
ہر تار و پود من بسرائد بعشقِ او ؛ از خود تہی و از غمِ آں دلستاں پرم
جانم فدا شود برہِ دینِ مصطفےٰ ؛ ایں است کامِ دل اگر آید میسرم

(درثمین)

قارئین پیغام صلح سے گذارش

عنوان مقالہ:

"پنجاب میں مسلمانوں کے سیاسی، معاشرتی و اقتصادی حالات ۱۸۸۵ تا ۱۹۱۷"

اس دور سے متعلق پنجاب سے شائع ہونے والا کوئی اخبار (مثلاً پیسہ اخبار، رہبر ہند، رفیق ہند وغیرہ کے فائل) یا کوئی کتاب یا رسالہ:-

مندرجہ بالا مضمون کے علاوہ کوئی شائع یا غیر شائع شدہ مواد متعلقہ غیر مسلموں کی سیاسی، تعلیمی و مذہبی کارروائیاں جن سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات پر روشنی پڑے احباب میں سے کسی دوست کے پاس موجود ہوں اور وہ عاریتاً یا قیمتاً دے سکیں۔ تو اطلاع دے کر مشکور فرمائیں۔

معرفت ایڈیٹر پیغام صلح۔ احمدیہ بلڈنگس۔ برانڈرتھ روڈ لاہور ۷۔

خلاصہ سالانہ رپورٹ جماعت احمدیہ فیجی

مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۷۴ء انجمن کی سالانہ جنرل میٹنگ منعقد ہوئی جس میں مندرجہ ذیل عہدیداران کا انتخاب کیا گیا :-

۱- پریذیڈنٹ :- مسٹر جی این ڈین (سووا)
۲- وائس پریذیڈنٹ :- مسٹر اے واحد خاں (سووا) مسٹر تعظیم رضا بخش (سووا)
۳- سیکرٹری : مسٹر شوکت احمد علی (نادی ایئرپورٹ)
۴- خزانچی : مسٹر محمد عزیز الحق خاں (نادی)

ممبران بورڈ :

مسٹر ایم شفیق قادر خاں (لٹوکا)
ایم حفیظ خاں - (مارو) - ایم - ایچ - اشرف خاں (سووا)
اے حمید خاں (سووا)
اے - ایچ - ساہو خاں (با)
مولانا حافظ شیر محمد صاحب

"اڈیٹر :- ڈاکٹر اے - ایچ - ساہو خاں (نادی)

بورڈ کے ممبران کے سات اجلاس منعقد ہوئے - مندرجہ ذیل ضروری امور پر غور کیا گیا :

(۱)- لٹوکا میں زمین حاصل کرنا -
(۲)- ریڈیو کے ذریعہ مذہبی تقادیر کرنا -
(۳)- قرآن مجید کا فیجی زبان میں ترجمہ کرنا -
(۴)- تقاریب "عید میلاد النبیؐ" "مسیح موعودؑ ڈے" - اور "مولانا محمد علی ڈے" کے متعلق
(۵) "مارو" کی مسجد کے متعلق - (۶) آئین کے متعلق غور -
(۷) ساتویں احمدیہ کنونشن میں شمولیت کے متعلق - بورڈ کے ممبران نے بڑی تندہی سے کام کیا -

بورڈ کی پہلی میٹنگ میں مندرجہ ذیل سب کمیٹیاں عمل میں لائی گئیں :-

(ا) درسِ قرآن -(۱) عبدالوحید خاں صاحب کی سرگرمی میں "سووا" میں باقاعدہ درس قرآن دیا جاتا تھا - ماہ رمضان میں تراویح کی نماز کے بعد بھی باقاعدہ درس دیا گیا -
۲- نابینو میں بھی باقاعدہ قرآن کا درس ہوتا رہا -
۳- ناسوری میں ہر اتوار کو درسِ قرآن باقاعدہ ہوتا رہا -
۴- "مارو" کی مسجد میں بھی قرآن کا درس باقاعدہ ہوتا رہا -
۵- اس سال اردو کلاسز کا بھی اجراء کیا گیا -

(ب) کنڈرگارٹن - یہ اسکول بڑے احسن طریقے سے مسٹر فرید کے ڈین کی سرکردگی میں چل رہا ہے -

(ج) جماعت کے لوگوں کو اس سلسلہ میں اپیل کی گئی ہے کہ وہ اپنے نام ممبر شپ کے لئے درج کروائیں اور چندہ بھی ادا کریں - یہ کام ابھی جاری ہے -

تعلقاتِ عامہ } اس کمیٹی کے ممبران میسرز جی - این - ڈین صاحب ، ایچ ایچ اشرف خاں اور مولانا حافظ شیر محمد صاحبان ہیں - پاکستان گورنمنٹ نے جب سے احمدیوں کو کافر قرار دیا ہے - ان احباب نے ان غلط فہمیوں کے دور کرنے کے لئے نمایاں پارٹ ادا کیا ہے -

مطبوعات } ایک سہ ماہی رسالہ "پیغامِ حق" جاری کیا گیا ہے جس کے ایڈیٹر مسٹر نظام الدین ہیں - عوام نے اسے بہت پسند کیا ہے اور اس کی اشاعت دن بدن بڑھ رہی ہے - اردو سیکشن کے انچارج حافظ شیر محمد صاحب ہیں ، ان کے مضامین کو خاص طور پر سراہا گیا ہے - حضرت مرزا غلام احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور جماعت کی پوزیشن کو واضح طور پر صاف کیا گیا ہے -

سالانہ اجتماع } سووا میں عیدالفطر کے موقعہ پر ۳۲۰ ڈالر فطرانہ اکٹھا کیا گیا اور عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر 126.50 ڈالر اکٹھے کئے گئے نادی میں 82.10 ، لٹوکا / با 45.00 - اور مارو میں 83.90 ڈالر اکٹھے کئے گئے -

قرآن حکیم کا فیجی زبان میں ترجمہ } بورڈ کے ڈائرکٹروں نے فیصلہ کیا تھا کہ فیجی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ کیا جائے - اس کے لئے ایک اپیل کی گئی تاکہ اس ترجمہ کے لئے لوگ دل کھول کر چندہ ادا کریں اور یہ کام شروع کرایا جا سکے - اب تک اس کے لئے 586.58 /$1 جمع کئے جا سکے ہیں -

آئین } اس میں کچھ تبدیلی کی جا رہی ہے - اس کو جلد ہی مکمل کر کے آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا -

لندن میں کنونشن } ہر سال احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ویسٹرن ہمسفیئر اپنی کنونشن ممبر ممالک میں کر رہی ہے - اس دفعہ یہ کنونشن لندن میں منعقد ہو رہی ہے - مسٹر جی - این - ڈین - حافظ شیر محمد اور دوسرے لوگ اس میں شرکت کرنے کے لئے جا رہے ہیں -

فنانس } انجمن کی مالی پوزیشن کے متعلق ہمارے خزانچی مسٹر عزیز خاں بتائیں گے - میں تو صرف جماعت کے لوگوں کو اپیل کرتا ہوں - کہ وہ دل کھول کر چندہ دیں تاکہ وہ کام جو انجمن سرانجام دینا چاہتی ہے وہ خوش اسلوبی سے سرانجام پا سکیں -

} ہمارا مطمح نظر یہ ہے کہ "دین کو دنیا پر مقدم رکھیں" - ہم میں سے ہر شخص کو اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے - یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ انجمن ہمارے لئے کیا سوچتی ہے - نیکی کے کام میں ہمیں خود آگے بڑھنا چاہیئے - ایسے ممبر منتخب کئے جائیں جو دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عزم کریں -

ہم میں ایسے ممبر موجود ہیں - مثلاً ایف کے ڈین صاحب - ایم - ایچ اشرف صاحب - تعظیم رضا بخش صاحب - مولانا صاحب - اے واحد صاحب - جی - این ڈین صاحب - اے حمید خاں ، حافظ رضا اور جعفر علی بخش صاحبان - یہ اشخاص ہر موقعہ پر قربانی دیتے رہے ہیں - ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر اب نوجوانوں کو چلنا چاہیئے اور انجمن کے کاموں میں دلچسپی لینی چاہیئے - کیونکہ یہ بوجھ کل کو انہیں ہی اٹھانا ہوگا -

ہیڈ کوارٹر } مسلم ایسوسی ایشن فیجی سے جو زمین انجمن نے پائی ہیں ہیڈ کوارٹر کے لئے خریدی ہے - اس کی شرائط انجمن کے لئے بڑی حوصلہ افزا ہیں - اب انجمن اس ہال کے اوپر ایک مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتی ہے - (نامہ نگار)

مولانا عبدالمجید صاحب سابق ایڈیٹر اسلامک ریویو کی علالت اور درخواستِ دُعا

محترم مولانا کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں - آپ کو کافی عرصہ یورپ و امریکہ میں خدمت اسلام کی سعادت نصیب ہوئی ہے -

گذشتہ سال ایک نومسلم فرانسیسی خاتون جو میاں غلام عباس صاحب تیمم مرحوم مغفور اور آپ کی مساعی سے مسلمان ہوئی تھیں کے ہمراہ بھارت و پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تھے - اسی اثنا میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور آپ کے عزیز آپ کو پاکستان لے آئے -

آپ کے عزیز لائق ترین ڈاکٹروں سے آپ کا علاج کرا رہے ہیں احباب کرام سے وہ دعائے صحت کی درخواست کرتے ہیں - انکا پتہ حسب ذیل ہے :-
معرفت میرزا محمد لطیف صاحب 24-/B/2 P-E-C-H-S کراچی ۲۹

مکرم بشارت احمد بقا صاحب بی۔ اے راولپنڈی

"حضرت مرزا صاحب نے کبھی دعویٰ نبوت و رسالت نہیں کیا"

واقعاتی شہادتوں کی روشنی میں ایک جائزہ

خدا تعالےٰ نے اپنے فرقانِ مجید میں آیت ماکان محمد ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شئی علیما نازل فرما کر ہمیشہ کے لئے فیصلہ فرما دیا۔ کہ اب محمد رسول اللہ صلعم قیامت تک بنی نوع انسان کے ہادی اور رہنما ہیں۔ اور الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا اتار کر یہ بھی بتا دیا ہے کہ اب تمام اقوام و ملل کی ہدایت اور رہبری کے لئے خدا نے اسلام کو بطور دین پسند فرمایا ہے۔ اور ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین۔ کہکر سب کو خبردار کر دیا۔ اگر کوئی خدا کی رضا چاہتا ہے۔ تو اسے اسلام پر چلنا ہوگا اور جو کوئی اسلام چھوڑ کر کسی دوسرے دین کی پیروی کرے گا۔ تو اسے یاد رہے کہ خدا تعالےٰ ایسے شخص کو اپنی خوشنودی سے کبھی نہیں نوازے گا بلکہ اس کا انجام بڑا حسرتناک ہوگا۔ گویا خدا تعالےٰ نے محمد رسول اللہ صلعم کی نبوت اور دینِ اسلام کی جملہ تعلیمات کا دائرۂ کار ساری روئے زمین پر محیط کر دیا ہے۔ محمد رسول اللہ اب سب کے روحانی ابا اور بادشاہ ہیں۔ آپ صلعم سے پہلے کی تمام نبوتیں اور آسمانی کتابیں اٹھالی گئی ہیں۔ اور الگ طور پر ان کی پیروی کی اب کوئی حاجت نہیں رہی۔

قرآن مجید کے ان ارشادات کی صداقت پر ہماری چودہ صد سالہ تاریخ گواہ ہے۔ دنیا کے کسی گوشے میں آج تک ایک شخص بھی دعوئے نبوت کرکے کامیاب نہیں ہوا۔ اور نہ ہی کوئی نئی کتاب دنیا میں فروغ پا سکی ہے۔ گذشتہ صدی میں ایک شخص نے ایران میں قرآن کریم کو منسوخ قرار دے کر نئی کتاب شریعت لکھنی شروع کی۔ اور اسے خدا کی تازہ وحی بتلایا۔ خدا نے اس گستاخ کے ہاتھ کاٹ دیئے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور اس کی کتاب شریعت ابتدائی مرحلہ میں ہی مٹ گئی۔ دوسرے شخص نے نبی کی بجائے مظہر اللہ کا دعویٰ کرکے ایک کتاب بنام اقدس تیار کی۔ مگر اس کی اشاعت کی وہ بھی جرأت نہ کر سکا۔ اور اسے اس کے پیروکار بھی دیکھنے سے محروم رہے۔ اور آج اسی سلسلہ کے ایک شخص جمشید مانی ملقب بہ اسماء اللہ نے کتاب اقدس کو بھی منسوخ کر دیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں کچھ افراد ایسے پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اسلام کے بالمقابل یا تو ماقبل اسلام کی تعلیمات کا احیاء کیا۔ جو ماضی کے گھُپ اندھیروں میں ڈوب کر اپنی تمام اصلیتوں اور صداقتوں سے تہی دامن ہو چکی تھیں۔ اور دنیا میں نہایت مسخ شدہ حالت میں موجود تھیں۔ یا پھر انہوں نے خود کچھ اخلاقی ضابطے تیار کر لئے اور ان پر مذہب کی چھاپ لگا دی۔ ان سب کا مقصد ایک تھا یعنی اسلام کو دنیا سے مٹانا اور محمد رسول اللہ صلعم کے خلاف نفرت پھیلانا۔ وقت تقاضا کرتا تھا کہ کوئی شخص اٹھے اور اسلام کے خلاف ان اٹھتے ہوئے فتنوں کا سر کچلے اور اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت کو بدلائل ساطعہ اور براہین قاطعہ ثابت کرے۔ چنانچہ الٰہی منصوبہ کے ماتحت اسلام کا ایک فرزند جلیل اٹھا جس کا نورِ علم و عمل مشکوٰۃ نبوتِ محمدیہ سے ماخوذ تھا اور جس کا قدم علی منہاجِ نبوت تھا۔

اس نے خدا تعالےٰ سے توفیق اور علمِ لدنی پاکر ایک کتاب لاجواب ملقب بہ البراھین الاحمدیہ علیٰ حقیقت کتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ کمال تحقیق و تدقیق سے تالیف کی اور منکرین اسلام پر حجتِ اسلام پوری کرنے کے لئے بوعدہ انعام دس ہزار روپیہ شائع فرمائی۔ آپ کے اس شاہکار سے اسلام اور اسلامیوں کا وقار کتنا بڑھا۔ اس پر واقعاتی شہادت یہ ہے۔ کہ زمانۂ تالیف سے لے کر آج تک کسی مخالفِ اسلام کو اس کا جواب ان شرائط کے مطابق جن کی تفصیل انعامی اشتہار میں مذکور ہے لکھنے کی جرأت نہ ہوئی اور ہمارا ایمان ہے کہ انشاء اللہ العزیز آئندہ بھی مخالفین اسلام کے قلم ٹوٹے رہیں گے۔ اور یہ کتاب روئے عالم پر نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک چمکتے ہوئے تارے کی صورت میں ہمیشہ موجود رہے گی۔ یعنی امتداد زمانہ اس کے دلائل و براہین کو گرد آلود نہیں کر سکے گا۔ مؤلف گرامی کا چیلنج اب بھی بدستور قائم ہے اگر کسی میں ہمت ہے تو مردِ میدان بنے۔ اور اس کتاب کے دلائل کو رد کرکے دکھائے۔ ہم ایسے شخص کو مبلغ دس ہزار روپیہ ادا کرنے کے اب بھی پابند ہیں۔ کیا اس اعجازی نشان سے مسلمانوں کے سر فخر سے اونچے نہیں ہو جاتے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس بے نظیر کارنامہ کے باعث قوم مسلم حضرت مرزا صاحب کی عمر بھر ممنونِ احسان ہوتی۔ اور آپ کے آگے ہمیشہ اپنی آنکھیں فرشِ راہ کرتی۔

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے اس کتاب پر یوں رائے ظاہر کی تھی:۔

"یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔ اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی، قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر مسلمانوں میں بہت کم پائی جاتی ہے ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ سماج و برہمو سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔ اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشاندہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بیڑہ اٹھایا ہو۔ اور مخالفینِ اسلام و منکرینِ الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجودِ الہام کا شک ہو۔ وہ ہمارے پاس آکر اس کا تجربہ و مشاہدہ کرے اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوامِ غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو۔" (اشاعۃ السنۃ)

اسی براہین احمدیہ میں آپ نے اپنی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں ظاہر فرمائی کہ:۔

"یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبی کے احقر خادمین میں سے ہے۔ کہ جو سید الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے۔ اگر وہ حامد ہیں تو وہ احمد ہے۔ اور اگر وہ محمود ہیں۔ تو وہ محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم"

پھر اسی براہین میں آپ نے مجددیت کا دعوےٰ بھی فرمایا اور بے شمار اپنے الہامات بھی درج فرمائے اور اس دعوےٰ اور ان الہامات کو نبوت محمدیہ اور دینِ اسلام کی صداقت پر بطور دلیل پیش فرمایا اور تمام مخالف اسلام معاندین کو دعوت دی۔ کہ میں نے محمد رسول اللہ صلعم اور اسلام کی سچی پیروی اور اطاعت سے اپنے خدا کو پا لیا ہے۔ اور اس نے مجھے بذریعہ الہامات و کشوف اور رویاء اپنے پاک وجود کی خبر دی ہے۔ اگر تم اپنے اپنے مذہبوں کو سچا یقین کرتے ہو۔ اور انہیں واقعی ذریعہ نجات مانتے ہو تو میرے مقابلہ میں کوئی نشان دکھلاؤ۔ جس سے واضح ثبوت ملتا ہو کہ فی الواقع تمہارا خدا سے تعلق ہے اور تم اس کے ساتھ مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف کئے گئے ہو۔ آپ نے محمد رسول اللہ صلعم کا ادنیٰ خادم کہلانا اپنے لئے باعث فخر جانا۔ اور آنحضرت صلعم کی بادشاہت کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کر دیا۔ ایک انصاف پسند اور حق شناس شخص یہ بات ماننے پر مجبور ہوگا کہ آپ کے دل میں خود نبی بننے کا اگر کوئی خیال یا ارادہ ہوتا۔ تو ساری عمر مخالفین اسلام اور دشمنانِ نبوت محمدیہ سے یوں کبھی جنگ کبھی نہ لڑتے۔ اور صداقت اسلام اور حقانیت رسالت نبیٔ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے محیر العقول دلائل و براہین بمعہ دس ہزار روپیہ انعام کے کبھی بیان نہ کر سکتے۔ کیونکہ ایسی سعادت خدا نے کبھی کسی مکار و مفتری اور بدنیت انسان کے مقدر میں نہیں کی۔ کہ اس سے حق و باطل باہم ملتبس ہو جاتے ہیں۔ اور کاذب اور صادق کی پہچان قطعاً ناممکن ہو جاتی ہے۔

آپ نے اسی ابتدائی تالیف میں هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله کے تحت فرمایا:۔

"چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے۔ اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے یعنی حضرت مسیح پیشگوئی متذکرہ بالا کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہے۔ اور یہ عاجز روحانی طور پر اس کا محل اور مورد ہے۔ یعنی روحانی طور پر دین اسلام کا غلبہ جو حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ پر موقوف ہے۔ اس عاجز کے ذریعہ سے مقدر ہے۔"

(براہین احمدیہ جلد چہارم صفحہ ۳۱۴)

ہم دیکھتے ہیں۔ ان جملہ دعاوی کے باعث آپ کی مخالفت نہیں کی گئی۔ گویا الہامات علماء کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ دوسرے کسی ولی کا کسی نبی سے مشابہت رکھنا علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے عین مطابق ہے اور ہر طرح جائز ہے۔ تیسرے دعوےٰ مجددیت کرنا بھی کسی مشہور و معروف عالمِ دین کو ناگوار نہیں گزرا۔ یہ اس لئے کہ جس شخص نے مجدد وقت ہونے کا اعلان اس کتاب اور پھر بذریعہ اشتہار کیا تھا۔ اس کے زہد و اتقا، علم و فضل، تعلق باللہ، خدماتِ دینیہ، عشقِ رسول اور استجابت دعا کا ہر ایک کو اچھی طرح علم تھا۔ اور تمام علماء اس عظیم منصب کا آپ کو مستحق جانتے تھے۔ اگر حقیقت حال اس کے خلاف ہوتی تو یقیناً سارے ہند میں کہرام مچ جاتا اور علماء آپ کو کبھی نہ بخشتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ کے جملہ علماء نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی طرح حضرت مرزا صاحب کے الہامات کو اسلام کی صداقت پر ایک زندہ و پائندہ نشان یقین کیا۔ جس نے تمام مخالفینِ اسلام کو عاجز و بے بس کر دیا تھا۔

۱۸۹۰ء میں آپ پر الہام ہوا کہ:۔

"مسیح ابن مریم فوت ہو گیا وجعلناك المسیح ابن مریم"

چنانچہ اس الہام ربانی کے تحت آپ نے دعوےٰ مسیحیت فرمایا۔ پھر کیا تھا۔ تمام کے تمام علماء لٹھ لے کے باہر نکل پڑے اور ملک بھر میں مخالفت کی آگ لگا دی۔ وہی شخص جو آج تک ان کا قبلۂ عقیدت و احترام تھا۔ آپ کی طعن و تشنیع اور دشنام دہی کی آماجگاہ بن گیا۔ اور اس پر الزام یہ رکھا گیا کہ یہ شخص نبوت کا دعوےٰ کرتا ہے۔ لہذا کافر اور بیدین اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ مسیح ابنِ مریم آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہ ضرور زمین پر بحکم خداوندی نزولِ ثانی فرمائیں گے۔ لہذا یہ شخص اپنے دعویٰ مسیحیت میں جھوٹا ہے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی جو ہمیشہ حضرت مرزا صاحب کے مداح تھے۔ اور جو آپ کو ملہم اور مجدد جانتے تھے۔ وہ مخالف علماء کے رئیس بن کر آپ کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے۔ وہ حدیث کو قرآن پر قاضی مانتے تھے۔ بھلا انہیں یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ کوئی حدیث کو قرآنی آیات کے تحت رکھ کر دنیا میں پیش کرے۔ وہ ہندوستان کے طول و عرض میں حضرت صاحب کے خلاف استفتاء لے کر گھومے اور تمام علماء اور مشائخ سے دستخط لے کر ایک فتویٰ کفر جاری کر دیا۔ یہ داستان بہت طویل ہے۔ اور میرا مقصد اس ساری داستان کو بیان کرنا نہیں۔ بلکہ صرف چند ضروری باتیں عرض کروں گا۔ وھو ھذا۔

(۱) حضرت مرزا صاحب نے خدا سے علم پاکر حضرت مسیح ابن مریمؑ کے متعلق فرمایا۔ کہ قرآن اور احادیث صریح طور پر ان کی طبعی موت کی خبر دیتی ہیں۔ لہذا ان کے نزولِ ثانی کا انتظار کرنا فعل عبث ہے۔ بلکہ نزول ابن مریم کے متعلق جس قدر احادیث ہیں۔ ان کا مصداق میں ہوں۔ آپ نے اپنے اس دعوےٰ پر قرآن و حدیث سے بڑے زوردار دلائل دیئے اور تمام علماء کو مناظرہ کی دعوت دی۔ مگر سوائے ایک مولوی محمد بشیر بھوپالوی صاحب کے اور کوئی مولوی آپ کی اس دعوت کو قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ مولوی صاحب موصوف نے اس مناظرہ میں جو مباحثہ الحق دہلی کے نام سے مشہور ہے۔ علمی سطح پر حضرت امام الزمان کے مقابلے میں شکست فاش کھائی۔ ان کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حیات و وفات مسیح پر آپ سے مناظرہ کرنا طے کیا۔ لیکن یہ چوٹی کے عالم مولوی محمد بشیر صاحب سے بھی کم ہمت، بزدل اور بے علم نکلے۔ حیات و وفات مسیح کے بجائے سارا وقت صرف اس بات پر گزار دیا۔ کہ مرزا صاحب احادیث کے بارے میں اپنا اعتقاد بیان کریں۔ حضرت ممدوح نے احادیث پر نہایت عالمانہ اور محققانہ رائے بیان فرمائی مگر مولوی صاحب ہر بار یہی کہتے چلے گئے۔ کہ آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ یہ تمام روئداد مباحثہ الحق لدھیانہ کے نام سے چھپی ہوئی موجود ہے۔ اور واقعی پڑھنے کے لائق ہے۔ بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں اور کسی شخص نے اس مسئلہ پر کبھی تبادلۂ خیال نہیں کیا۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے۔ کہ جملہ علماء اسلام اس مسئلہ میں اپنے آپ کو بالکل کمزور اور کم تر پاتے ہیں۔ اور اس موضوع پر بحث و مناظرہ سے پہلو تہی کرتے تھے۔

(۲) علماء کی طرف سے متواتر اور مسلسل یہ الزام لگایا جاتا رہا۔ کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منکر اور خود مدعی نبوت و رسالت ہیں۔ اس الزام کے جواب میں آپ نے ہمیشہ خدا کی قسمیں کھا کر کہا کہ میں کسی نبوت و رسالت کا مدعی نہیں ہوں۔ اور بدل و جان میں خادم ختم المرسلینؐ ہوں۔ اور یہاں تک لکھ کے دے دیا۔ کہ جس قدر ایسے الفاظ میری کتابوں میں موجود ہیں۔ کہ محدث ایک معنی سے نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے۔ یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کئے گئے ہیں۔ ورنہ حاشا وکلا مجھے حقیقی نبوت کا ہرگز دعوےٰ نہیں ہے .... اگر وہ (یعنی میرے مسلمان بھائی) ان الفاظ سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں ..... تو پھر مجھے اپنے تمام مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے پیرایہ میں بیان کرنے سے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر جگہ سمجھ لیں۔ اور اس کو کاٹا ہوا خیال فرما لیں۔"

(یعنی لفظ نبی کو۔ ناقل)　　(۳ فروری ۱۸۹۲ء)

پھر آپ نے اپنا الہام پیش کیا کہ: انت محدث اللہ فیك مادۃ فاروقیہ۔ اور فرمایا کہ نبوت کا دعوےٰ نہیں بلکہ محدثیت کا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔ مگر علماء نے اپنی ضد نہ چھوڑی اور آپ کی ہر وضاحت کو

منافقت پر مبنی قرار دیا۔ لیکن واقعات کی گواہی کوئی عقلمند اور ذی ہوش انسان نہیں ٹھکرا سکتا۔ حضرت مرزا صاحب عمر بھر علماء پر از روئے قرآن و حدیث اتمام حجت کرتے رہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام دیگر انبیاء کی طرح وفات پا کر داخل جنت ہو چکے ہیں۔ اور وہ دوبارہ ہرگز ہرگز اس دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے بلکہ وہ مسیح جس کے آنے کی خوشخبری احادیث میں آئی ہیں۔ ان تمام کا مصداق اور مورد میں ہوں۔ لیکن آپ نے اگر کسی زمانہ میں فی الحقیقت نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا تھا۔ تو کیوں آپ نے ختم نبوت کے خلاف اور اجرائے نبوت کے حق میں قرآن و حدیث سے دلائل پیش نہ کئے۔ آپ حضرت ممدوح کی تمام تحریرات و تقاریر شروع دعویٰ مجددیت سے لے کر تادم واپسیں پڑھ جائیے۔ آپ کو ہر جگہ مخالف علماء کے اس الزام کی واشگاف الفاظ میں تردید نظر آئے گی۔ اور کسی جگہ بھی دعویٰ نبوت کا اقرار نہ ملے گا۔ آج ایک فریق کی طرف سے قرآن اور احادیث سے اجرائے نبوت کے حق میں دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ حضرت مرزا صاحب کسی طرح نبی ثابت ہو جائیں۔ مگر یہ تو وہی بات ہوئی کہ پیراں نمے پرند و مریدان مے پرانند۔ یہ بات کیسی حیرت انگیز ہے۔ کہ مدعی خود تو خاموش رہے۔ مگر اس کے ماننے والے اس کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے ایسے دلائل پیش کریں۔ جن کا وجود مدعی کی اپنی تصنیفات میں نہ ملتا ہو۔ اگر حضرت مرزا صاحب نے واقعی کسی زمانہ میں اپنے عقیدہ میں تبدیلی کر لی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے بھیجتے آپ خود مدعی نبوت و رسالت بن بیٹھے تو امانت و دیانت کا تقاضا تھا۔ کہ آپ اپنے اس نئے دعویٰ کے ثبوت میں قرآن مجید اور احادیث نبویؐ سے استدلال فرماتے۔ جیسا کہ اپنے دعوئے مسیحیت اور وفات مسیح ناصریؑ کے سلسلہ میں آپ بدستور قرآن اور احادیث سے متواتر استدلال فرماتے تھے۔ آپ نے عمر بھر اجرائے نبوت کے حق میں ختم نبوت کے خلاف احادیث اور نصوص قرآنیہ کو پیش نہیں فرمایا۔ نومبر ۱۹۰۱ء میں آپ نے کسی مرید کی غلطی کا ازالہ فرمایا۔ اب یہ [illegible] رہا ہے کہ ایک غلطی کا ازالہ کے نیچے میں در اصل حضرت مرزا صاحب نے اپنی غلطی کا ازالہ فرمایا تھا۔ یعنی پہلے آپ اپنے نبی ہونے کا انکار کرتے تھے اور مدعی نبوت پر لعنتیں بھیجتے تھے۔ اور علماء مخالف کو مفت میں متہم کرتے تھے کہ وہ آپ کی طرف ناحق دعویٰ نبوت منسوب کرتے ہیں۔ لیکن بعد میں خدا نے اپنی متواتر وحی کے ذریعے آپ پر اصل حقیقت منکشف فرما دی۔ اور آپ نے اس سلسلہ میں اپنی غلطی کا ازالہ فرماتے ہوئے دعویٰ نبوت کر دیا۔ لیکن اہل بصیرت جانتے ہیں اور واقعات بھی اس امر کی شہادت دیتے ہیں۔ کہ یہ محض ایک ذہنی اختراع ہے۔ جس کا وجود حقیقت کی دنیا میں موجود نہیں۔ پہلی دلیل اس کے باطل ہونے پر یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے متبعین میں ایک غلطی کا ازالہ چھپنے پر کوئی معمولی سا بھی ردِ عمل پیدا نہیں ہوا۔ جماعت کے کسی عالم نے اور نہ ہی کسی عام فرد نے کوئی تبدیلی محسوس کی۔ اور نہ ہی اس غلطی کے ازالہ کو تبدیلی عقیدہ قرار دیا۔ یہ ایک نہایت [illegible] اندرونی شہادت ہے۔ جسے کوئی حق پسند انسان ٹھکرا نہیں سکتا۔ دوسری [illegible] وہ بیرونی شہادت ہے۔ جو علماء مخالف اور عوام کے رویہ سے میسر آتی ہے۔ [illegible] غلطی کا ازالہ شائع ہونے پر مخالفین نے بھی محسوس کیا کہ مرزا صاحب اپنے [illegible] سابقہ خیال یا عقیدہ میں تبدیلی کا اظہار کر رہے ہیں۔ سوائے ایک شخص کے [illegible] عالم دین نہیں۔ تمام علماء مخالف نے سکوت اختیار کئے رکھا۔ کوئی شور و غوغا نہیں کیا۔ اور مخالفت کی آگ کو مزید بھڑکانے کے لئے اس رسالہ کے مندرجات کو بطور تیل کے استعمال نہ کیا۔ وہ علماء جو دن رات اس ٹوہ میں لگے رہتے تھے۔ کہ کہیں سے کوئی بات ہاتھ لگ جائے اور ہم مرزا صاحب کی رسوائی کے لئے اسے استعمال کریں۔ وہ بھلا ایک غلطی کے ازالہ میں تبدیلی عقیدہ کا اعلان پا کر آپ کو کبھی بخش [illegible]۔ وہ یقیناً ایک کی سو بنا کر عوام کو گمراہ کرتے۔ اور ملک کی فضا کو [illegible] حد تک مسموم اور مکدر کر دیتے۔ کہ احمدیوں کا سانس تک لینا محال و ناممکن [illegible]۔ یہ اندرونی اور بیرونی شہادتیں نہ صرف ہمارے خیال کی مؤید ہیں۔ بلکہ وہ حضرت [illegible] علیہ السلام کو بھی صریح طور پر دعویٰ نبوت اور تبدیلی عقیدہ کے غلط الزام سے بری قرار دیتی ہیں۔

[illegible] ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک غلطی کا ازالہ شائع ہونے پر ایک [illegible] حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار محکمہ نہر نے حضرت مولانا سید محمد احسن امروہی کو لکھا کہ حضرت مرزا صاحب نے اس رسالہ میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ صاحب کوئی عالم دین نہ تھے۔ اور نہ ہی کسی جماعت کے پیشوا۔ بلکہ محض سرکاری ملازم [illegible] اور دین سے مس رکھتے تھے۔

سید صاحب نے اپنے امام علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۰۱ء کو ہی حافظ صاحب کے جملہ شکوک بذریعہ ایک مضمون رفع کر دیئے۔ اور صاف لکھا کہ حضرت مرزا صاحب نے قطعاً کوئی نیا دعوٰی نہیں کیا۔ اور اپنے عقیدہ میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔ اس تردیدی بیان کے بعد کسی جانب سے دوسری آواز نہیں اٹھی۔ البتہ ۱۹۱۴ء جماعت میں اختلاف رونما ہونے اور دو فریقوں میں بٹ جانے کے بعد ختم نبوت اور اجرائے نبوت پر بحث و مناظرات کا دور شروع ہوا اور اس سے علمی حلقوں میں کافی ہیجان اور اضطراب پیدا ہوا۔ ۱۹۱۴ء کے بعد دونوں فریقوں کے مابین اس موضوع پر مناظرے ہوتے رہے اور کہیں علماء مخالف اور جماعت قادیان ثم ربوہ کے درمیان ہوئے۔ اس سن سے پہلے کوئی ایک مناظرہ بھی احمدیوں اور علماء مخالف کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اجرائے نبوت کے موجد نے حقیقت النبوت کے نام سے ایک کتاب کا پہلا حصہ لکھ کر شائع کیا۔ اس کے جواب میں ختم نبوت کے قائل، احمدی جماعت کے سربراہ نے النبوت فی الاسلام کے نام سے کتاب شائع فرمائی۔ جو ایسی مدلل اور معقول تھی۔ کہ حقیقت النبوۃ کے مصنف کو دوسرا حصہ لکھنے کی پچاس سال کے لمبے عرصہ میں بھی جرأت نہ ہوئی۔ میں بڑے وثوق اور اعتماد سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ النبوت فی الاسلام اب بھی ختم نبوت پر نہایت ہی لاجواب تصنیف ہے جو اس موضوع پر حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ مخالف علماء کی طرف سے جس قدر کتب تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں لکھی گئی ہیں [illegible] کسی نہ کسی رنگ میں النبوت فی الاسلام سے مستفید ہو کر لکھی گئی ہیں۔

حضرت مرزا صاحب کے خلاف الزام بازی کی مہم گیر مہم اس وقت شروع ہوئی جب آپ نے دعوئے مسیحیت کیا۔ علماء کے نزدیک فی الواقعہ مسیح ابن مریم نے ہی نزول ثانی فرمانا تھا۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے۔ حضرت مرزا صاحب نے ختم نبوت کے حق میں بطور دلیل یہ بات پیش کی۔ کہ اگر فی الواقعہ ابن مریم امت محمدیہ کی اصلاح کے لئے تشریف لے آویں۔ تو اس سے ختم نبوت کی مہر ٹوٹ جاتی ہے اور باب نبوت دوبارہ کھل جاتا ہے اور یہ بات آیت خاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی کے صریحاً خلاف اور متعارض ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مسیح ابن مریم وفات پا چکے ہیں۔ اب اگر کوئی آ سکتا ہے۔ تو صرف امت محمدیہ کا ہی کوئی فرد آیت استخلاف کے تحت ہم رنگ مسیح ابن مریم آ سکتا ہے۔ جو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے عین مطابق ہے۔ اور اگر آپ نے بحیثیت مجدد و مامور وقت یہ بیان کیا کہ:

"محدث نبی بالقوۃ ہوتا ہے۔ اگر باب نبوت مسدود نہ ہوتا۔ تو ہر ایک محدث اپنے وجود میں قوت اور استعداد نبی ہو جانے کی رکھتا تھا۔ اور اس قوت اور استعداد کے لحاظ سے محدث کا حمل نبی پر جائز۔ یعنی کہہ سکتے ہیں کہ المحدث نبی۔" (ریویو آف ریلیجنز)

اور "تحدیث محض ایک موہبت ہے ...... محدث اسی طرح بھیجے جاتے ہیں جس طرح نبی بھیجے جاتے ہیں۔ اور محدث اسی چشمہ سے پیتے ہیں۔ اور کچھ شک نہیں۔ کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا۔ تو وہ نبی ہو جاتا۔"

(حمامة البشریٰ صـ۸۵)

یا یہ کہ: "اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدا کی طرف سے اس امت کے لئے محدث ہو کر آیا ہے۔ اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہے۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا شرف رکھتا ہے۔ امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں اور رسولوں اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطان

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ

اور بنو بکر قریش کے ساتھ متحد تھے۔ چنانچہ موخر الذکر قبیلہ نے قریش کے چند افراد کی امداد سے اوّل الذکر گروہ پر چڑھائی کی جس سے اس مقابلہ میں متعدد اشخاص قتل ہوئے۔ بنو خزاعہ نے جو کہ اپنے عہدنامہ کی رو سے فی الحقیقت پیغمبر [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر حفاظت تھے۔ اس امن و امان کے زمانہ میں جبکہ متخاصمین عہدنامہ حدیبیہ پر کاربند تھے۔ دکھ دیئے جانے پر آپؐ سے چارہ سازی کی درخواست کی۔ جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوجوں کے اجتماع کا حکم دیا۔ اور بہت تھوڑے وقت میں دس ہزار آدمی آپ کے جھنڈے کے نیچے آ جمع ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر مکہ والوں کی آئے دن کی سازشوں اور بندشوں کا خاتمہ کر دینا چاہا۔ یہ مہم جنوری ۶۳۰ء میں روانہ ہوئی۔ اور درحقیقت بغیر مقابلہ اور مدافعت کے فوجیں مکہ میں داخل ہوگئیں۔ کیونکہ باشندگان مکہ رسول کریم کے خلاف میدانِ جنگ میں [illegible] لانے کے ناقابل تھے۔ خالد رضی اللہ عنہ کی افواج کو صفوان بن عمیہ، عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل ابن عمرو سے جو کہ اسلام کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے تھوڑا سا مقابلہ پیش آیا۔ ان مدافعین کو [illegible] تھوڑے لوگوں نے امداد دی اور لڑائی جلد ختم ہوگئی۔ اور مسلمان شہر میں فتح مندی سے داخل ہو گئے کیا ہی حیرت انگیز فتح اور تاریخ عالم میں ایک فیصلہ کن منظر [illegible] تھا۔ جو شہر [illegible] سال سے بت پرستی کا مرکز اور جائے پناہ اور اسلام کا دشمن رہ چکا تھا۔ [illegible] بغیر کسی قسم کی کوشش [illegible] کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ بت پرستوں کی شجاعت مسلمانوں کی مردانگی کے سامنے پچھڑ گئی۔ [illegible] دراز سے بت پرست پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مشن کے مقابلہ پر اڑی ہوئی تھی۔ اس نے آپ اور آپ کے پیروؤں کو بہت ایذائیں دی تھیں۔ آپ کو پے در پے پریشان کیا۔ پتھر آپ پر پھینکے گئے۔ اور بالآخر شہر بدر کر کے آوارہ و سرگرداں کر دیا گیا تھا۔ اس نے آپ کے خلاف سازشیں کیں اور آپ کو مغلوب کرنے اور قتل کرنے کے لئے سان پر لگائے ہوئے اوزار اور زرہ بکتر سے مسلح سوار اور پیادہ سپاہی میدان جنگ میں روانہ کئے تھے۔ لیکن اب وہ اسی پیغمبر صلعم کے قدموں میں لوٹ رہی ہے اور اس سے اس رحم کی طلبگار ہے جو اس نے آپؐ پر برتنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا آپ نے اس کو کیا بدلہ دیا۔ ہاں وہ کیا سلوک تھا جو آپ نے اپنی اس فتح و عروج اور فیروز مندی کے وقت میں اپنی تذلیل و تضحیک کرنے والوں اور برچھیوں اور کمانوں سے آپ پر حملہ کرنے والوں کے ساتھ کیا۔ وہ یہی تھا۔ کہ آپؐ نے ان سب کو بخوشی خاطر لاتثریب علیکم الیوم کے چھوٹے سے جملہ میں معافی کا حکم سنا دیا۔ اور کسی ایک گناہ کی معافی نہیں دی۔ بلکہ ان کی ہر ایک دست درازی۔ ہر ایک بدکرداری۔ ایذا رسانی اور دکھ دہی کو بالکل معاف کر دیا۔ خدائے تعالےٰ آپؐ پر بہت مہربان تھا۔ اور آپؐ پر اپنی رحمانیت کے فیضان کا نزول فرماتا تھا۔ اسی طرح آپ نے خدائے تعالےٰ کے مرسل ہونے کی وجہ سے اپنے دشمنوں پر جو اب آپؐ سے معافی اور فیض رسانی کے طلبگار تھے۔ رحم کھایا اور انہیں بخش دیا۔ اس سے زیادہ عالی حوصلگی کا کام نہ کبھی ہوا ہے اور نہ تاریخ نے کبھی دوسرے کسی انسان کی نسبت بطور مثال بیان ہی کیا ہے۔ جہاں از روئے انصاف آپ اپنے مخالفین کو سخت سے سخت سزائیں دے سکتے تھے وہاں آپؐ نے ان کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور انہیں معاف کر دیا۔

لیکن انسانوں کے ساتھ بتوں کی خیر نہیں تھی۔ مسلمانوں نے کعبہ سے بت پرستی کا نام و نشان تک اڑا دینے کی ایسی کوشش کی کہ مشرکین کے سب سے بڑے خدا ہبل اور اس کے گردا گرد کے ۳۶۰ چھوٹے چھوٹے بت توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیئے گئے۔ ان سب کی طاقت اور عزت و عظمت ہمیشہ کے لئے زائل ہو گئی۔ یہ مقدس گھر پاک کر دیا گیا اور بالکل اس قابل بنا دیا گیا کہ [illegible] ہر ایک مسلمان اپنی روزانہ ریاضتوں اور عبادت [illegible] لوگوں کو بیعت کرتے [illegible] طریق سے وعظ کرنا شروع کیا۔ جیسے ایک باپ اپنے بچوں کو نصیحت کرتا ہے۔ آپؐ نے انہیں چوری اور دخترکشی۔ دغا و فریب ڈاکہ زنی اور جھوٹ بولنے سے منع کیا۔ اور برے اذکار (خصوصاً عورتوں کی نسبت) چھوڑ دینے اور اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو معبود بنانے [illegible] حکم دیا۔ آپؐ نے [illegible] مسلمان ہو جانے کے لئے مجبور نہ کیا۔ کیونکہ آپ مذہب کے بارہ میں کسی کو مجبور کرنے [illegible] مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ کا کام صرف تبلیغ دین [illegible] اور بس۔ مگر آپؐ نے وہاں چند واعظین مقرر کر دیئے تاکہ مشرکین مکہ ان سے مذہب اسلام کی خوبیوں کو سنیں اور اپنے فہم و ادراک [illegible] کام لیں۔ [illegible] اس طرح سے مکہ میں باقاعدہ انتظام کر کے واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ کیونکہ اسی شہر [illegible] آپ کو بوقت ضرورت پناہ ملی تھی۔ اور اس لئے آپ اسے ہرگز چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی

صاحب نے فرمایا:

"حال [illegible] سے [illegible] کے استعمال [illegible] مولانائے روم کے کلام میں مل [illegible]۔ اور وہ بھی ان کے غیر مستند [illegible] نہیں۔ بلکہ مشہور و معروف اور مستند مثنوی ہی میں۔ مرید اور پیر کے فضائل و مراتب کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے:

چوں [illegible] دستِ خود در دستِ پیر
[illegible] تعلیم است [illegible] خبیر
[illegible] وقت خویش است اے مرید
[illegible] نورِ نبی آید پدید"

(صدق جدید۔ ۸ راگست ۱۹۵۲ء)

[illegible] اس کے بعد اطراف ملک کے بعض مختلف حصوں میں آپ نے اپنے پیروؤں کو بدیں غرض بھیجا۔ کہ وہ صحرائی قبائل کو خدائے واحد کی تلقین کریں۔ اور انہیں اس کی پاک تعلیم کو قبول کرنے اور اس کے شرائع اور قوانین پر کاربند ہونے کی نصیحت کریں۔

ہوازن اور بنی ثقیف کے بڑے بڑے قبائل نے آپ کو تباہ کرنے کے لئے آپس میں مل کر کئی تجاویز گانٹھیں۔ چنانچہ وادیٔ حنین میں مسلمانوں اور ان دونوں قبائل کے درمیان جنگ شروع ہوئی۔ مگر بہت سخت خونریز لڑائی کے بعد دشمنوں کی متحدہ افواج مسلمانوں کے مقابلہ سے جو کہ اس مدافعت کے وقت شمار میں پہلی دفعہ دشمن سے بڑھے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ بھاگ نکلیں بنی ثقیف کا شہر طائف بہت مستحکم تھا اور مسلمانوں کے حملوں سے اس کا فتح ہونا مشکل تھا۔ اس لئے تھوڑے سے محاصرہ کے بعد وہ پیچھے ہٹ گئے اور مکہ ان کے قبضہ میں بحال رہا۔ طائف کی حوالگی اور وہاں سے مسلمانوں کا ہاتھ اٹھا لینا صرف ایک وقتی بات تھی۔

سال ۹ھ کو اس کی اس خصوصیت کی وجہ سے کہ اس سال عرب کے تمام علاقہ جات سے مختلف قبائل کے ساتھ اتحاد و اتفاق کے عہد و پیمان کرنے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اظہار متابعت کے لئے کثیر التعداد وفد مدینہ پہنچے، سالِ وفود کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سے اگلے سال بھی بہت سے وفد مدینہ میں آتے رہے۔ ان اطاعت گذاروں میں [illegible] بادشاہان یمن۔ حیرہ اور عمان۔ یمامہ اور ان کے بعد بنو عبدل قیس اور بنو حنیفہ اور بہت سے دیگر قبائل اپنی اہمیت اور بڑائی کی وجہ سے خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

دمبر ۸ء ہجری میں طائف بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت ہوگیا۔ اس طرح سے عرب کا بہت سا علاقہ آپ کے زیرِ فرمان ہوگیا۔ اور آپ کے مبلغین دنیا کے چپہ چپہ پر آپ کی پاک تعلیم کی اشاعت میں مصروف ہوگئے۔ اب اگرچہ یہ قبائل آنحضرت صلعم کی حکمرانی کو تسلیم کرکے آپؐ کے مذہب سے کسی قدر مانوس ہوگئے تھے۔ لیکن اس سے یہ فرض نہیں کر لینا چاہیئے کہ یہ تمام لوگ مسلمان ہوچکے تھے وہ لوگ جن کو آپؐ کے مشن کی سچائی پر یقین کامل ہوچکا تھا آہستہ آہستہ دینِ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اور [illegible] اپنے وقت پر اسلام قبول کرنے والے تھے حج کے موقعہ پر مسلمان اور مشرکین کے ملے جلے ہونے سے جبکہ ہر ایک اپنے اپنے اعتقاد کے مطابق طریق عبادت بجا لاتا تھا ایک گڑبڑ سی واقع ہوگئی۔ بہت سے مکروہ افعال اور ذلیل حرکات اسلام کے پاکیزہ رسوم کی پابندی کے ساتھ دیکھنے میں آئے۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام شرک آلودہ عبادات کو اڑا دینے کا ارادہ کیا۔ اور مارچ ۶۳۱ء کو حج کے موقعہ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ یہ اعلان کرا دیا گیا کہ :۔

"آیندہ کوئی بُت پرست حج کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ اور کوئی کعبہ کی چار دیواری کو ننگا کرتا نہ پائے گا۔"

اگلے سال آپ نے بذاتِ خود حج کرانے کا ارادہ کیا۔ اب آپؐ بہت معمر ہوگئے تھے۔ اور جانتے تھے۔ کہ آپ کا کام قریب بہ اختتام ہے۔ اس لئے غالباً آپ نے آخری مرتبہ اس بات کو بچشم خود دیکھنا چاہا۔ کہ رسوم حج نہایت سادگی، خلوص اور خوبصورتی سے ادا کی جاتی ہیں۔ آپ ۲۳ فروری ۶۳۲ء کو ایک لاکھ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ۷؍مارچ کو آپ نے کوہِ ارارات کی چوٹی پر ایک نہایت دلآویز اور مؤثر خطبہ پڑھا۔ جس کے چند ایک فقرات اس خطبہ کے موضوع بتانے کے لئے میں ذیل میں لکھ دیتا ہوں :۔

"تمہاری زندگیاں اور مال و اسباب ایک دوسرے کے درمیان آخر وقت تک پاک اور بے زوال ہیں"

"لوگو تمہاری بیویوں پر تمہارے حقوق ہیں اور تمہاری بیویوں کے تم پر"

"اپنی عورتوں سے عمدہ برتاؤ کرو۔ تحقیق تم نے انہیں خدا کے فرمان سے حاصل کیا ہے اور ان کے وجودوں کو خدا کے کلام کی رُو سے اپنے لئے جائز ٹھیرایا ہے۔"

"قرضدار کو صرف اصل روپیہ ہی ادا کرنا چاہیئے نہ کہ سُود بھی۔"

"آج سے خون کا انتقام جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ بند کیا جاتا ہے۔ اور تمام جھگڑا و فساد اور خونریزیاں موقوف کی جاتی ہیں۔"

"جان لو کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور تم ایک بھائی چارہ کے رشتہ میں منضبط ہو۔"

"اپنے آپ کو بے انصافی کرنے سے بچاؤ"

جب یہ خطبہ ختم ہونے والا تھا تو آپ نے اپنی آواز کو اونچا کیا اور چلا کر کہا۔

"خداوندا! میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اور میرا کام مکمل ہوچکا ہے۔"

آپؐ کا یہ کہنا تھا کہ تمام مجمع پکار اُٹھا :

"ہاں بے شک آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔"

آپؐ پھر چلا اُٹھے۔ کہ :۔

"مولا! میں پھر تجھے پکار کر کہتا ہوں۔ کہ تو اس کا گواہ رہیو۔"

عبادات حج ادا کر چکنے کے بعد آپؐ مدینہ کو واپس چلے آئے۔ آپؐ کا پیغام بے شک دنیا کو پہنچ چکا تھا اور اس لئے آپ کا کام مکمل ہوگیا تھا۔ آپؐ کا مکہ سے رخصت ہونا اسے آخری مرتبہ خیرباد کہنا تھا۔ کیونکہ آپ نے پھر اسے دیکھنا نہ تھا۔ اس کے بعد چند ماہ تک آپؐ زندہ رہے۔ اور آخر تک اپنے مشن کا کام کرتے رہے۔ آپؐ نے اس حالت میں بھی جبکہ آپ مہلک بیماری میں مبتلا تھے مسجد میں تشریف لاکر تمام حاضر و غائب مسلمانوں کے لئے دعائیں کیں اور انہیں آرام اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنے۔ مذہبی فرائض کو پوری طرح مستعدی اور انصاف سے ادا کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے وداع ہوئے اور مؤرخہ ۸؍جون ۶۳۲ء کو پیر کے دن دوپہر کے وقت آپ عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حجرہ میں اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔

آپؐ کا مقررہ کام ختم ہوچکا تھا اور آپؐ کی دنیا میں تشریف آوری کی اغراض پوری ہوچکی تھیں۔ اپنی شاندار فیاضی اور لائق و مناسب منکسر المزاجی کی وجہ سے آپؐ ہر دلعزیز تھے۔ آپؐ کے ہونٹوں پر ہمیشہ مسکراہٹ رہا کرتی تھی۔ آپ کی سیاہ چمکیلی آنکھوں سے رحمدلی کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ اور آپؐ کے رویہ سے ہر حال میں شرافت خود بخود ٹپکتی تھی۔ جوش دکھانے کے موقعہ پر آپؐ جوشیلے اور منصفانہ سختی اور درشتی کے مناسب موقع پر آپ بہت دلیر اور بہادر تھے۔ بدی اور غلطی کے مقابلہ میں آپؐ پتھر کی طرح ڈٹ جاتے تھے۔ اور رحم کے موقعہ پر آپؐ بہت رحم دل تھے۔ اپنے زبردست استقلال بہادری اور زہد و ریاضت سے آپؐ نے عرب کے خیالات اور رسوم کو بالکل بدل دیا اور تاریخ عالم کو ایک نئے سانچے میں ڈھالا۔

لیلۃ القدر یعنی سونے کی ایک پٹی پھیل گئی۔ اور کوہ حرا پر تہذیب اور علم و عظمت کے الفاظ پانی کی طرح بہہ نکلے۔ اور لہراتی ہوئی جھنڈیوں کے ساتھ شجاعت اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس اعرابی کے جاگ اُٹھنے سے اندھیرا زائل ہوگیا۔ صبح کے ستارے نے دنیا پر بھینی بھینی روشنی ڈالی اور مغربی جزائر مشرقی نور سے روشن ہوگئے۔ مکہ آفتاب کے طلوع ہونے کی جگہ قرار پایا۔ جگہ یہ جگہ اعلان کیا گیا۔ اور فتوحات حاصل ہوئیں۔ دریائے انڈس کے ساحل پر سے لے کر خوشحال اندلس تک علم کی شمع مشرق اور مغرب میں جل اُٹھی۔ صرف مسلم سکول مسجد اور ہال میں مدلل اور معقول آواز نے ہر ایک للکار کا جواب دیا۔

اللہ تعالےٰ کا رحم اور برکات آپؐ کے ساتھ ہوں! آمین یا رب العالمین۔

ہفت روزہ "ہماری زبان" علیگڈھ

موجودہ زمانہ میں احمدی جماعت نے منظم تبلیغ کی جو مثال قائم کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ لٹریچر، مساجد اور مدارس کے ذریعہ سے یہ لوگ ایشیا، یورپ، افریقہ اور امریکہ کے دُور دراز گوشوں تک اپنی کوششوں کا سلسلہ قائم کر چکے ہیں جس وجہ سے غیر مسلم جماعتوں میں ایک گونہ اضطراب پایا جاتا ہے کاش! دوسرے لوگ بھی ان کی مثال سے سبق لیتے۔"

(۲۳؍دسمبر ۱۹۵۸ء)

حضرت مرزا صاحب نے کبھی دعویٰ نبوت و رسالت نہیں کیا۔ (بسلسلہ صفحہ ۸)

سے مشرف کیا جاتا ہے اور مغز شریعت اس پر کھولا جاتا ہے۔ اور بعینہٖ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔ اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں بآوازِ بلند ظاہر کرے اور اس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھیرتا ہے۔ اور نبوت کے معنے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں پائے جائیں۔" (توضیح مرام صفحہ ۱۸)

تو علماء مخالف نے ان بیانات کو آپ کے دعویٰ نبوت پر محمول کیا۔ اور اپنے اس الزام کو آپ کی زندگی کے آخری لمحہ تک بار بار دہراتے رہے، اور آپ کے بعد [illegible] پراپیگنڈا میں اتنی شدت اختیار کی کہ آج حکومتِ وقت نے عوامی مطالبہ سے عاجز آکر جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دیدیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(باقی ــــ باقی)

گناہ سے نجات کیونکر مل سکتی ہے

جس قدر ہمارا یہ زمانہ اپنی جسمانی حالت کے رُو سے ترقی کر گیا ہے اسی قدر اپنی روحانی حالت کے رُو سے تنزل میں ہے یہاں تک کہ روحوں میں یہ برداشت ہی نہیں رہی کہ وہ پاک سچائیوں کو چھو بھی سکیں۔ بلکہ انسانوں پر ایک غور کی نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا رہا ہے کہ مخفی طور پر ایک بھاری کشش ان کو نیچے کی طرف کھینچ رہی ہے اور وہ دمبدم ایک گڑھے کی طرف حرکت کر رہے ہیں جس کو دوسرے لفظوں میں اسفل السافلین کہہ سکتے ہیں اور استعدادوں پر ایک ایسا انقلاب آگیا ہے کہ وہ ایسی چیزوں کی خوبصورتی کی نہایت تعریف کر رہے ہیں جو روحانیت کی نظر سے سخت مکروہ اور بدشکل ہیں۔ ہر ایک کانشنس محسوس کر رہا ہے کہ ایک کشش اس کو نیچے کی طرف لے جا رہی ہے اور انہیں کششوں کے بربادکن اثروں سے ایک عالم تباہ ہو گیا ہے۔ پاک سچائیوں کو ٹھٹھے اور مذاق سے دیکھا جاتا ہے اور سچ مچ دو بخدا ہو جانے کو ایک حماقت سمجھا جاتا ہے۔ تمام نفوس جو زمین پر ہیں یک لخت دنیا پر سرنگوں نظر آتے ہیں۔ گویا ایک پنہانی قوتِ جاذبہ سے معذور اور مجبور ہو رہے ہیں۔ یہ وہی بات ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ دنیا کا تمام کاروبار کششوں پر ہی چلتا ہے جس پہلو میں یقین کی قوت زیادہ ہے وہ اس دوسرے پہلو کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور چونکہ یہ فلاسفی نہایت ہی صحیح ہے کہ ایک کشش کو صرف وہ کشش روک سکتی ہے جو اسکی نسبت بہت زبردست اور طاقتور ہو۔ اس لئے یہ دنیا جو اس سفلی کشش سے متاثر ہو کر نیچے کی طرف کھینچی جا رہی ہے۔ اس کا اُوپر کی طرف رُخ کرنا بالکل جائے ناامیدی ہے جب تک کہ ایک ایسی مخالفت اور زبردست کشش آسمان سے پیدا نہ ہو جو مخالف پہلو کے یقین کو بڑھا دے۔ یعنی جیسا کہ ایک یقینی نظر سے نفسانی بدعملیوں میں فوائد اور لذات محسوس ہو رہے ہیں ان سے بڑھ کر رحمانی حکموں میں فوائد دکھائی دیں گے اور یقین کی نظر سے بدی کا ارتکاب مرنے کے برابر مشہود ہو جو دل کو پکڑ لے اور یہ یقین کی روشنی صرف آسمان سے اس آفتاب کے ذریعہ آتی ہے جو امام الوقت ہوتا ہے۔ اس لئے اس امام کو شناخت نہ کرنا جاہلیت کی موت مرنا ہے جو شخص کہتا ہے کہ میں اس آفتاب سے روشنی حاصل کرنا نہیں چاہتا وہ خدا کے مستمرہ قانون کو توڑنا چاہتا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ آفتاب کے بغیر آنکھیں دیکھ سکیں گو کہ آنکھوں میں بھی ایک نور ہے مگر آفتاب کا محتاج۔ آفتاب حقیقی نور ہے جو آسمان سے آتا اور زمین کو روشن کرتا ہے اور آنکھیں بغیر اس کے اندھی ہیں اور جس شخص کو اس آسمانی نور کے ذریعہ سے یقین پیدا ہوگا اس کو نیکی کی طرف ایک کشش پیدا ہوگی اور اس آسمانی کشش اور زمینی کشش میں لڑائی ہونا ایک طبعی امر ہے کیونکہ اس صورت میں ایک کشش نیکی کی طرف کھینچے گی اور ایک بدی کی طرف۔ اور ایک مشرق کی طرف دھکا دے گی اور ایک مغرب کی طرف، اور دونوں کا باہم ٹکراؤ اس وقت سخت خطرناک ہوگا۔ جبکہ دونوں میں انتہائی درجہ کی کششیں ہوں گی۔ جن کا دنیا کی انتہائی ترقیات پر موجود نہ ہونا ایک لازمی امر ہے۔ پس جب تم دیکھو کہ زمین نے انتہائی درجہ پر ترقی کر لی ہے تو سمجھ لو کہ یہی دن آسمانی ترقی کے بھی ہیں اور یقین کر لو کہ آسمان پر بھی ایک روحانی تیاری ہے، اور وہاں بھی ایک کشش پیدا ہو گئی ہے جو زمینی کشش سے لڑنا چاہتی ہے۔ پس ایسے دن خوفناک ہیں جبکہ زمین غفلت اور برائی میں انتہائی درجہ پر ترقی کر جائے کیونکہ روحانی لڑائی کے لئے وہی وعدہ کے دن ہیں جن کو نبیوں نے طرح طرح کے استعارات میں بیان کیا ہے۔ اور بعض نے اس مثال میں اس کو پیش کیا ہے کہ یہ آسمانی فرشتوں اور زمینی شیطانوں کی ایک آخری لڑائی ہے جس پر اس دنیا کا خاتمہ ہوگا۔ اور بعض نے اپنی جہالت اور نادانی سے اس لڑائی کو ایک جسمانی لڑائی سمجھ لیا ہے جو تلوار اور بندوق سے ہوتی ہے مگر وہ لوگ غلطی پر ہیں اور اپنی سفلی عقل اور حماقت سے روحانی جنگ کو جسمانی جنگ کی طرف کھینچ کر لے گئے ہیں۔ غرض ان دنوں زمین کی تاریکی اور آسمان کے نُور کا ایک انتہائی جنگ ہے۔ آدم سے لے کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام خدا کے مقدس نبی اس جنگ کی طرف اشارات کرتے آئے ہیں اور اس جنگ کے سپہ سالاروں کے دو مختلف نام رکھے گئے ہیں۔ ایک سچائیوں کو چھپانے والا اور دوسرا سچائیوں کو ظاہر کرنے والا یا دوسرے لفظوں میں یہ بیان کیا گیا ہے آسمان سے نورانی فرشتوں کے ساتھ اترنے والا اور میکائیل کا مظہر اور ایک زمین سے تمام شیطانی تاریکیوں کو لے کر ظاہر ہونے والا اور ابلیس کا مظہر ہوگا۔ اب جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ زمینی لشکر خوب تیار ہے۔ اور وہ خوب مسلح ہو کر کھڑے ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں بلکہ بہت کچھ کر بھی چکے ہیں تو طبعاً یہ نیک خواہش پیدا ہوتی ہے اور فراست صحیحہ گواہی دیتی ہے کہ آسمانی گورنمنٹ بھی ان تیاریوں سے غافل نہیں ہے اس گورنمنٹ کی کچھ ایسی عادت ہے کہ وہ ظاہری شور و غوغا پسند نہیں کرتی۔ اور وہ بہت کچھ کارروائیاں اندر ہی اندر کر لیتی ہے اور لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ تب آسمان پر ایک نشان ظاہر ہوتا ہے اور زمین پر ایک منارہ روشن اور نہایت سپید، اور وہ آسمانی روشنی منارہ پر گرتی ہے اور پھر وہ منارہ تمام دنیا کو روشن کرتا ہے۔ اور یہ مختصر فقرہ تشریح کا محتاج ہے اور تشریح یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کا روحانی سلسلہ اگرچہ جسمانی سلسلہ کے مطابق ہے لیکن بعض امور میں اس میں وہ خواص عجیبہ پائے جاتے ہیں کہ جو جسمانی سلسلہ میں کھلے کھلے طور سے نظر نہیں آسکتے۔ چنانچہ منجملہ ان کے ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ جب سفلی کشش اپنا کام کرنا شروع کرتی ہے تو گو وہ کشش آسمانی کشش سے بالکل مخالف ہے تاہم آسمانی کشش اس کشش کے طبعی تقاضا سے پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ پس یہ امر معقول ہے کہ ان کششوں کے انتہائی درجہ کے زوروں کے وقت جو دنیا کا آخری زمانہ ہے ان دونوں میں لڑائی ہونا چاہیئے تھی۔ کیونکہ اقبال کا تقاضا ہے کہ فریق مخالف کو فنا کرے۔ پس جس موقعہ اور محل میں فریقین برابر کا درجہ اقبال و شوکت کا رکھیں گے۔ ایسے دو فریق بغیر لڑائی کے نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ ہر ایک، خدا کے نبیوں کی کتابوں میں پیشگوئی کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ ایسا ہی عقل بھی اس کو ضروری سمجھتی ہے کیونکہ جب دو مخالف اور پُر زور کششوں میں باہم ٹکر لگے تو ضروری ہے کہ ایک دوسرے کو فنا کر دیوے یا دونو فنا ہو جاویں۔ اور اس لڑائی کے بارہ میں نبیوں کی کتابوں میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام سے پورا ہزار برس گذرا جس میں نبیوں کی پیشگوئی کے مطابق شیطان قید کیا گیا تھا تو سفلی کشش نے زمین پر اپنا زنگ جمانا شروع کیا۔ یہ وہی زمانہ تھا جبکہ اسلام اپنے پاک اصولوں کے لحاظ سے تنزل کی حالت کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ اور اس کی روحانی ترقیاں رُک گئی تھیں اور اس کی ظاہری فتوحات کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا اور وہ شیطان کے قید ہونے کے دنوں میں پیدا ہوا۔ اور ضرور ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسا کہ تمام نبیوں نے یوحنا فقیہہ تک گواہی دی ہے۔ اور شیطان کے چھوٹنے پر یعنی سنہ عیسوی کے بعد اس کا تنزل شروع ہو گیا اور وہ آگے بڑھنے سے رُک گیا تب سے شیطانی کارروائیاں زنگا رنگ کے پیرایہ میں شروع ہو کر اور زمین پر یہ پودا بڑھتا گیا اور اس کی شاخیں کچھ تو مشرق کی طرف پھیل گئیں اور کچھ مغرب کی انتہائی آبادیوں تک جا نکلیں اور کچھ جنوب کی طرف اور کچھ شمال کی طرف متوجہ ہوئیں۔

اے کرمِ خاک چھوڑ دے کبر و غرور کو + زیبا ہے کبر حضرتِ ربّ غیور کو
بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں + شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں

(حضرت مسیح موعودؑ)

مُتفرّقات

تنظیم کے لیئے ایک شخصیت کی ضرورت ہے جو الٰہی اخلاق کا کامل نمونہ ہو۔

یہ امر واقعہ ہے کہ دنیا میں جتنے اجتماعی نظام ہمیں نظر آتے ہیں۔ خواہ ان کی ہیئت اور افتاد کچھ رہا ہو۔ ان سب کے عقب میں کوئی نہ کوئی بلند پایہ شخصیت ہی کار فرما ہے۔ ہر جماعت کا تصور پہلے ایک رجل عظیم کے ذہن میں آتا ہے یا خدا تعالےٰ خود ایک شخص کو کسی جماعت کی تعمیر کے لئے مامور کرتا ہے اور یہ صورت اس وقت ہوا کرتی ہے جب اللہ تعالےٰ کی مشیت یہ چاہتی ہو۔ کہ دنیا کے اندر کوئی عظیم الشان انقلاب پیدا کیا جائے۔ سو آج بھی اللہ تعالےٰ نے مسیحی قوموں اور دجال کی مادی تہذیب کے سفلی اور زہریلی اثرات سے دنیا کو نجات دلانے کے لئے ایک شاندار تحریک کو جو خالص روحانی اصولوں پر مبنی ہے۔ پیدا کیا۔ اور اس تحریک کو معرض وجود میں لانے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اسی لئے حضرت صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے:

چوں مرا نورے پئے قومِ مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابنِ مریم نامِ من بنہادہ اند

سو حضرت صاحب نے فرمانِ خداوندی کے مطابق سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بنیاد رکھی جس کا مقصد وحید اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعت اسلام ہے۔ دنیا کی تمام اقوام کو اسلام کا پیغام پہنچانا اور قرآنی تعلیمات کی برتری اور فوقیت کو قائم کرنا ہے۔

چنانچہ ہماری جماعت دنیا میں ہر جگہ مختلف زبانوں میں حقانیت اسلام پر لٹریچر پیدا کر کے بھیج رہی ہے۔ موجودہ حالات نے اس امر کو کھول کر رکھ دیا ہے کہ اشاعتِ اسلام کا کام وسیع پیمانہ پر جاری نہیں رہ سکتا تا وقتیکہ اس کام کو کرنے والی جماعت خود مضبوط اساس پر قائم نہ ہو۔ اور اپنے اندر اتنی قوّت فعال نہ رکھتی ہو، کہ یہ کام ہمیشہ زندہ رہ سکے۔ جماعت کے اندر یہ قوتِ فعال اس صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جبکہ اشاعت اسلام کے ساتھ تنظیم جماعت کا کام بھی مضبوط بنیادوں پر ہو۔ اسی سلسلہ ایک اہم کا شعور جماعت کو اچھی طرح سے ہو جانا چاہیئے کہ تحریک احمدیت چند خالص اسلامی اصولوں کا نام ہے۔ جن کو حضرت مسیح موعودؑ نے از سرِ نو زندہ کیا۔ جب تک ان اصولوں کو زندہ کرنے والی شخصیت ہمیشہ احبابِ جماعت کے پیش نظر نہ رہے گی۔ اور تمام احباب من حیث الجماعت اس عظیم الشان شخصیت کی رُوح اور اسوۂ کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش نہ کریں گے۔ تنظیم کا کام بدرجہ احسن پایہ تکمیل کو نہیں پہنچے گا۔ سو ہم سب کو براہِ راست حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ان کے پیرو کاروں سے جنہوں نے ان سے اکتساب نور کیا ہے۔ روحانی فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اپنے تمام قومی اور جماعتی اداروں پر ان کی شخصیت کو غالب کرنا چاہیئے۔ اور الٰہی اخلاق کو اتنا عام کر دینا چاہیئے کہ ہر احمدی انہیں اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرے اور اس جذب و اکتساب سے ایک ایسی اجتماعی زندگی کا ظہور ہو۔ اور سب احمدی مل کر ایک ایسا اخلاق دُنیا کے سامنے پیش کریں جس سے سب دنیا متاثر ہو جائے۔ اور یہ اس وقت ہو سکے گا جب ہم حضرت صاحب کے خالص اسلامی اخلاق کی تقلید کریں گے۔

خُدا تعالےٰ ہم سب کو اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماخوذ از ریویو آف ریلیجنز جنوری ۱۹۰۲ء)

دارالسلام میں تیسرا یومِ وقارِ عمل

رضاکارانہ محنت کے رُوح پرور نظارے

مؤرخہ ۱۲ اگست بروز اتوار مکرم چوہدری نذر رب صاحب سیکرٹری فلاح بہبود عامہ دارالسلام کے زیر نگرانی جامع احمدیہ دارالسلام اور دو بنگلوں کی درمیانی گلی کو اینٹ روڑے اور مٹی کے ڈھیروں سے صاف کیا گیا۔ جس میں چھٹی کا دن ہونے کے باوجود محمد عرفان صاحب باورچی ہوسٹل اور میر زمان چوکیدار نے مٹی کو ہٹانے اور جگہ کو ہموار کرنے کے لئے کستی و بیلچہ سے بڑی ہمت سے ایک گھنٹہ کام کیا۔ راجہ محمد افضل صاحب بھی برابر مصروف رہے۔ اطفال میں سے اعجاز احمد صاحب، افتخار احمد صاحب اور اقبال احمد صاحب نے پورا ایک گھنٹہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ ہلکا کام کیا۔

کمسن بچّوں میں سے عطا محمد ضیا اور خورشیدہ ضیا نے بڑی توجہ اور مسلسل دلچسپی دکھائی۔ دارالسّلام کے بچّوں میں بفضلہٖ تعالےٰ اس رضاکارانہ کام سے اب اتنی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ آنے والے ہر اتوار کا بیتابی سے انتظار کرتے رہتے ہیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر جگہ کی جماعتوں میں دارالسّلام کی مانند بیداری پیدا فرما دے اور انہیں بھی ایسی مثال قائم کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

ایک دُعا

"میں فقیر ہوں۔ پناہ کا متلاشی۔ میں فریاد کرنے والا اپنے قصوروں کا معترف ہوں اور ذلیل گنہگار کی طرح دعا کرتا ہوں۔ میرے آنسو تیرے لئے بہہ رہے ہیں۔ میرا جسم نڈھال ہے۔ ناک تیرے آستانہ پر رگڑی جا رہی ہے۔ اے پروردگار تو میرے ساتھ مغفرت اور رحمت کا سلوک کر۔"

رسالہ منادی دہلی

رقمطراز ہے:

"مرزا غُلام احمد صاحب اپنے وقت کے بہت بڑے فاضل بزرگ تھے ہم آپ کے تبحّرِ علمی اور فضیلت و کمال کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

(منادی دہلی ۲۷ مارچ و فروری ۱۹۳۰ء)

سانحۂ ارتحال ۔ چک نمبر ۸۱ جنوبی سے یہ افسوسناک اطلاع ملی ہے کہ محترم چوہدری عبداللہ خان صاحب ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس ۷ ستمبر کو بعارضہ قلب وفات پا گئے۔ مرحوم بڑے غیور احمدی تھے اور اپنے محکمہ کے بڑے نیک نام افسر بھی تھے۔ تفصیلات کا انتظار ہے۔ احباب جنازہ غائب کی درخواست ہے۔

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور ـــــــ مؤرخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــ شمارہ نمبر ۳۷

چندہ

مطبع سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد سجاد صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور پاکستان

سالانہ:
پاک و ہند سے — آٹھ روپے
بیرونی ممالک سے — ایک پونڈ

تار کا پتہ
"تبلیغ" لاہور

جلد ۶۲ | چہارشنبہ - ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ - ۱۷ ستمبر ۱۹۷۵ء | نمبر ۳۸

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

اِبتلاؤں میں وفا اور استقامت

اس کی عزّت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دُنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو اس کا جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو۔ کسی اِبتلاء سے اس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں اگرچہ ایک اِبتلاء نہیں کروڑ اِبتلاء ہوں۔ ابتلاؤں کے میدان میں اور دُکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے ؎

آں نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من + آں منم کاندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا تو مجھ سے الگ ہو جائے مجھے کیا معلوم کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور پُر خار بادیہ درپیش ہیں جن کو میں نے طے کرنا ہے پس جن لوگوں کے نازک پیر ہیں وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اُٹھاتے ہیں جو میرے ہیں وہ مجھ سے جُدا نہیں ہو سکتے نہ مصیبت سے نہ لوگوں کے سبّ و شتم سے نہ آسمانی ابتلاؤں اور آزمائشوں سے اور جو میرے نہیں وہ عبث دوستی کا دم مارتے ہیں کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے جائیں گے ان کا پچھلا حال ان کے پہلے حال سے بدتر ہوگا، کیا ہم زلزلوں سے ڈر سکتے ہیں کیا ہم خدا تعالےٰ کی راہ میں ابتلاؤں سے خوفناک ہو جائیں گے کیا ہم اپنے پیارے خُدا کی کسی آزمائش سے جُدا ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں ہو سکتے مگر محض اس کے فضل اور رحمت سے پس جو جُدا ہونے والے ہیں وہ جُدا ہو جائیں —— اُن کو وداع کا سلام، لیکن یاد رکھیں کہ بدظنّی اور قطع تعلق کے بعد پھر کسی وقت جھکیں تو اس جھکنے کی عِنداللہ ایسی عزّت نہیں ہوگی جو وفادار لوگ عزّت پاتے ہیں کیونکہ بدظنّی اور غدّاری کا داغ بہت ہی بڑا داغ ہے ۔

(انوار الاسلام)

آزادی کیسی — لباس سے یا معاشرتی اقدار سے

نوائے وقت میں محترمہ مشتری بیگم صاحبہ کا مضمون پڑھا۔ بے حد پسند آیا ساتھ ہی ادارہ کی جانب سے کسی بھی ماں بیٹی۔ بہن یا بھائی کو اپنا نقطۂ نظر بیان کرنے کے متعلق پڑھا تو ڈرتے ڈرتے ایک بہن اور بیٹی کی حیثیت سے آج کی عورت کی کچھ خوبیاں کچھ خامیاں بیان کرنے کی جسارت کر رہی ہوں۔

اسلام نے مرد اور عورت کو برابر کا درجہ دیا ہے جتنے حقوق عورت کے مرد پر ہیں اتنے ہی مرد کے عورت پر ہیں۔ بلاشبہ مرد کو عورت کا محافظ بھی بنایا گیا ہے۔ اور یہ بات بالکل درست ہے کہ کوئی عورت مرد کے بغیر صحیح طور پر زندگی نہیں گزار سکتی۔ خواہ وہ شوہر کے روپ میں ہو، خواہ بھائی، باپ، یا بیٹے کے روپ میں ہو۔ اسلام نے عورت اور مرد کے حقوق و فرائض متعین کر دیئے ہیں۔ مرد پر کفالت کی ذمہ داری ہے تو عورت پر اولاد کی بہترین تربیت و پرورش کی۔ اسی طرح بہت سے حقوق و فرائض دونوں کے ایک دوسرے پر ہیں۔ لیکن آج کل عورت نام نہاد آزادی حاصل کرنے کے چکر میں پڑ گئی ہے۔ اور اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور سے ادا نہیں کر رہی۔ جس کے نتیجے میں بے شمار۔ معاشرتی، سماجی اور اخلاقی برائیاں پھیل چکی ہیں۔ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کا گہری نظر سے جائزہ لینا ضروری ہے۔

یہ بات اکثر کہی جاتی ہے کہ ماں باپ کی گود بچے کی اولین درسگاہ ہے اور یہیں سے بچے کا کردار بنتا ہے اور ایسی عادات تشکیل پاتی ہیں جن کا اثر ساری زندگی کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن مقامِ افسوس ہے کہ اب خواتین اپنے اس اہم فرض سے غافل ہو کر گھنٹوں ہیئر ڈریسر کے پاس بالوں کی آرائش کروانے میں مصروف رہتی ہیں۔ آزادی کے فضول نعرے میں گم ہو کر رہ گئی ہیں۔ وہ قدرت کی مقرر کردہ ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر رہی۔ شاید عورت اس خوش فہمی میں ہے کہ وہ مرد پر برتری حاصل کرے گی۔ لیکن اس کا یہ خواب خواب ہی رہے گا۔ عورت گھر سے باہر نکل کر ملازمت وغیرہ کے چکروں میں پڑ کر بیک وقت گھر اور باہر کے دو طرح کے مسائل میں اور زیادہ اُلجھ گئی ہے اور اس کا سکون ختم ہو رہا ہے اور اطمینان قلب اس سے روز بروز دُور ہو رہا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ دَور میں ہمارے معاشرے کی عورت اپنی اولاد کی تربیت کس انداز سے کر رہی ہے۔ ہمارا معاشرہ بہت سی برائیوں کا شکار ہو چکا ہے۔ نہ تو آج کی نوجوان لڑکی میں کوئی اصلاحی جذبہ نظر آتا ہے اور نہ ہی لڑکوں میں۔ سبھی مغرب کی تقلید میں مصروف ہیں۔ انہیں اپنے اسلاف کے کارناموں کا کوئی پاس نہیں۔ آج کی لڑکیاں بے پردہ، بیل باٹم اور نیم عریاں لباس پہننے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ اور اپنے بال جن کو اسلام نے کسی بھی نامحرم کی نظر سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ بڑی شان سے بکھراتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ دوسری طرف مرد حضرات بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں ہیں۔ بلکہ چند قدم آگے ہی ہیں۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ تو میری ناقص رائے میں اس کی ذمہ داری بڑی حد تک والدین پر ہے۔ کیونکہ اگر انہوں نے اپنی اولاد کی صحیح تربیت کی ہوتی تو شاید ایسا نہ ہوتا۔ آخر لڑکیاں بے پردہ بن ٹھن کر گھر ہی سے نکلتی ہیں۔ لیکن والدین بُرا محسوس نہیں کرتے۔ آج کے والدین تو خود فیشن، کلب اور ملازمت کے ہنگاموں میں کھوئے ہوئے ہیں۔ وہ اولاد کو بے راہ روی سے کیونکر روک سکتے ہیں۔

عورت چونکہ گھر کی جنت سے باہر نکل کر میدانِ عمل میں آگئی ہے۔ اس لئے اولاد اس کی شفقت و محبت سے محروم ہو گئی ہے اور اس کے پیار کی تشنگی ہمیشہ کے لئے رہ جاتی ہے۔ ماں کی بھرپور شفقت و محبت کی حقدار اولاد ماں کے پیار کو ترس رہی ہے اور ماں اس عظیم ذمہ داری سے منہ موڑ کر اپنے بچوں کو آیا کے سپرد کر چکی ہے یا پھر ان معصوم کلیوں کو دوسروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ نہ جانے وہ یہ کیوں نہیں سمجھتیں۔ جتنی ہمدردی اور شفقت وہ اپنی اولاد کو خود دے سکتی ہیں کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ اس لئے ماں کے پیار سے محروم یہ نوجوان نسل عجیب بھول بھلیوں کا شکار نظر آتی ہے اور بے راہ روی کا شکار ہے۔ جس کے سامنے کوئی نصب العین نہیں ہے۔

عورت کو چاہیئے کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کا احساس کرے اور اسے بطریق احسن پورا کرنے کی کوشش کرے۔ اسی میں اس کی اپنی اور اس کی اولاد کی بہتری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے سے وہ دین و دنیا میں سرخروئی حاصل کر سکے گی۔

عورت کو اس بات سے اتفاق کرنا چاہیئے کہ اسلام نے اسے جو حقوق دیئے ہیں وہ صرف ان کے اندر رہ کر آزادی کی خواہاں ہو۔ کیونکہ اسلامی اصولوں پر عمل کر کے وہ ملک و قوم کی بہتر طور پر خدمت کر سکتی ہے۔ اسے چاہیئے کہ ماں کی حیثیت سے وہ اپنے بچے کی بہترین خدمت کرے۔ انہیں صحیح اسلامی اقدار سے روشناس کرائے۔ اور ان کی تربیت ان ماؤں کے انداز میں کرے جنہوں نے طارق بن زیادؒ، محمد بن قاسمؒ اور صلاح الدین ایوبیؒ اور عزیز بھٹیؒ جیسے فرزندِ عظیم پیدا کئے۔ نئی پود کو اپنے بزرگوں کے کارنامے بتا کر ان کی تقلید کرنے کی ہدایت کرے۔ یہ افسوسناک بات ہے کہ اب کسی چاند بی بی، رضیہ سلطانہ اور نور جہاں جیسی مدبر خاتون نے جنم نہیں لیا۔

آج کل کی نوجوان لڑکیاں جن پر والدین کچھ اخلاقی پابندیاں لگا دیتے ہیں۔ ان سے نالاں و پریشان نظر آتی ہیں۔ لیکن ایسی لڑکیوں کو تو اس بات پر فخر کرنا چاہیئے کہ ان کو ایسے والدین ملے ہیں۔ جو انہیں معاشرے کی برائیوں سے بچانا چاہتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ والدین کو ناجائز پابندیاں عائد نہیں کرنی چاہئیں لیکن انہیں مکمل آزادی بھی نہیں دینی چاہیئے۔ کیونکہ بہترین راستہ اعتدال کا راستہ ہی ہوتا ہے۔ یہ ایک عام اور پرانا ہی خیال ہے کہ لڑکے کو لڑکی پر فوقیت دی جاتی ہے۔ لیکن جہاں تک میرے مشاہدہ میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ دَور میں لڑکے اور لڑکی میں یہ امتیاز کسی حد تک ختم ہو چکا ہے اور بہت کم گھرانوں میں یہ تمیز روا رکھی جاتی ہے۔ لیکن لڑکیاں یہ بات اس وقت محسوس کرتی ہیں، جب ان کے زیادہ باہر آنے جانے پر کچھ پابندیاں لگا دی جاتی ہیں۔ لیکن لڑکوں پر اس قسم کی پابندی نہیں ہوتی۔ لیکن اس حد تک ہمیں بیٹے آج کی ان نوجوان لڑکیوں کو (جن کے والدین بے جا آزادی کے خلاف ہوں) اپنے والدین سے تعاون کرنا چاہیئے اور یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ وہ ان کی بہتری کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ کیا اخبارات میں روزانہ لڑکیوں کے اغواء اور قتل کی خبریں نہیں ہوتیں۔ گھر رہ کر وہ ایسی کئی فضول باتوں سے بچ سکتی ہیں۔ اس نکتے پر اعتراض کرنے والے کہہ سکتے ہیں کہ کچھ ضروری کاموں کے لئے باہر جانا بھی بہت ضروری ہے۔ تو یہ بات درست ہے کہ بہت سے ایسے ضروری کام ہوتے ہیں۔ مثلاً تعلیم حاصل کرنے سکول و کالج جانا۔ لیکن ایسے کاموں کی انجام دہی کے وقت ہمیں چاہیئے کہ پردے کو پردے کی نیت سے اپنائیں فیشن کی حیثیت سے نہیں۔ اور سادگی کو اپنا شعار بنائیں۔ بن ٹھن کر اور خوب میک آپ کر کے باہر نہ نکلیں۔ آج کل تو پردے کا نام لیتے ہی لڑکیوں کی تیوریاں چڑھ جاتی ہیں۔ حالانکہ رسول پاکؐ کا ارشاد مبارک یہ ہے کہ "جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایک دن رات کا سفر بغیر محرم کرے"۔ لیکن آج کل بغیر محرم تو کیا بغیر پردے بغیر دوپٹے کے کیا جاتا ہے۔ جہاں تک عورت کی ملازمت کا تعلق ہے عورت کو مجبوری کی حالت میں ملازمت کر لینی چاہیئے۔ لیکن محض دولت اکٹھا کرنے کے لئے ملازمت نہ کی جائے۔ ایسی خواتین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کی اصل دولت تو وہ بچے ہیں جنہیں وہ آیا کے سپرد کر دیتی ہیں اسے چاہیئے کہ وہ اس سرمایہ کی حفاظت و تربیت کرے۔ اگر اولاد اچھی ہوگی تو سب اس کی ماں کو عقیدت و احترام سے دیکھیں گے۔ جس نے ان کی بہترین پرورش کی ہوگی۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے بھی واضح الفاظ میں کہا ہے کہ عورت کا حقیقی کام نئی نسل کی تربیت کرنا ہے۔

موجودہ نوجوان نسل کے ساتھ جو ہوا سو ہوا۔ قصور کسی کا بھی سہی لیکن اب یہ نسل تعلیمی لحاظ سے پہلی نسلوں سے آگے ہے اس لئے وہ اپنے علم سے یہ تو جان گئی ہے کہ اس کی بے راہ روی میں کس کا ہاتھ ہے تو اسے یہ بھی جاننا چاہیئے کہ اسے بھی آئندہ نسل کے والدین بننا ہے۔ اس لئے اب بھی وقت ہے کہ وہ سنبھل جائیں۔ تاکہ آئندہ نسل تو ان برائیوں سے بچ سکے اور جو نقائص یا کوتاہیاں ہم میں رہ گئی ہیں وہ آئندہ نسل میں نہ ہوں تاکہ آئندہ ایک اچھا معاشرہ وجود میں آ سکے۔ (بشکریہ نوائے وقت)

ظاہر ارکان اور دین کی اصل رُوح

(۱)

رمضان کا مہینہ روزوں کی برکات کے باعث بہت سی دینی عبادات کی طرف توجہ دلانے کا موجب بنتا ہے، عام طور پر نمازوں کی پابندی با جماعت کا انتظام کیا جاتا ہے، ان کے علاوہ تراویح کی نمازوں میں قریباً جملہ مساجد میں بعد نماز عشاء حفاظ صاحبان قرآن کریم کا دَور کرتے ہیں، نماز تہجد پڑھنے کی طرف بھی زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ سحری کے لئے صبح سے قبل اُٹھنے کے موقعہ کو نماز تہجد کی ادائیگی سے بابرکت بنایا جاتا ہے۔

تراویح میں قرآن کریم کے دَور کے علاوہ بھی بہت سے مسلمان صبح کے وقت قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں۔ اس طرح دن کو نہ صرف کھانے پینے سے اجتناب کیا جاتا ہے بلکہ رات دن عبادت الٰہی اور تلاوت قرآن کریم میں زیادہ انہماک رہتا ہے۔

ان ظاہر ارکان صوم و صلوٰۃ کی پابندی کے علاوہ ان امور کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ حتی الامکان تنازع و جھگڑوں سے بچا جائے، جھوٹ، بداخلاقی، بدظنی، غیبت وغیرہ سے اجتناب کیا جائے، فرائض منصبی کی ادائیگی زیادہ تندہی و توجہ سے ہو، کسب مال میں لالچ، ناجائز منافع خوری، سے پرہیز کی جائے۔ مسکرات و منشیات کے عادی صاحب بھی روزوں میں ان منہیات کے استعمال سے اپنے آپ کو روکے رکھتے ہیں۔ اس طرح کم از کم ایک ماہ کے لئے دینِ اسلام کے ظاہر ارکان کی ادائیگی اور ان کے نیچے جو رُوح کام کر رہی ہے اسے برقرار رکھنے کی کوشش میں ہر مسلمان صدق دل سے متوجہ ہو جاتا ہے۔ مگر اصل حقیقت تو یہ ہے کہ **سال میں ایک ماہ کا یہ مجاہدہ نفس ہمیں زندگی بھر کے لئے ان اسباق پر کاربند رہنے کے لئے بطور یاددہانی رکھا گیا ہے**، اسلام نے اپنے تمام ارکان کی تہ میں یہ سبق تلقین کی ہے کہ زندگی میں بے لگام ہونا کسی طرح بھی مفید نہیں بلکہ انسانی ترقی کا کمال نہ صرف ضبط نفس اور پابندی بلکہ اعلیٰ صلاحیتوں کی نشو ونما کے لئے محنت شاقہ اور ریاضت سے خوگر ہونے میں مضمر ہے۔ خوش نصیب ہے وہ فرد اور قوم جو روزوں کی تہ میں اصل غرض کو پا کر اپنی زندگی کو دائمی طور پر ان راہوں پر چلانے والی ہو۔ موجودہ زمانہ کے امراضِ خبیثہ میں سے ایک بڑی بیماری تن آسانی، عیش کوشی اور سہل انگاری کی عادات ہیں، جسمانی چھوت چھات کی بیماریوں کی مانند رسم و رواج اور فیشن پرستی بھی جلد متاثر کرنے والی اور لگنے والی امراض بن چکی ہیں۔ بہت سے وہ اصحاب جو تندرست اور صحت مند بلکہ تنومند ہیں وہ محض اس لئے روزوں سے گریز کرتے ہیں کہ اس سے ان کی تن آسانی اور سہل انگاری میں فرق آتا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جن اصحاب یا اقوام نے میدان عمل و جہاد میں کوئی کارہائے نمایاں حاصل کیا وہ تمام محنت و مشقت کے عادی و خوگر تھے۔ جن لوگوں نے علم کے حصول میں کمال حاصل کیا یا انہوں نے نئی تحقیق و ایجادات کے میدان میں کوئی کارنامہ انجام دیا یا انسان کی راہنمائی کیلئے کسی نئی دریافت کا کام کیا وہ سب کے سب پابندیٔ اوقات اور ریاضت کے عادی تھے۔ اپنے کام میں وہ اس قدر مشغول رہتے کہ کھانا تک بھول جاتے۔ یوں بھی جو شخص پیٹ یا نفس کا بندہ ہو، وہ کسی کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ ہر قابلِ قدر کمال قربانی کا طلبگار ہے، آجکل جو یہ فیشن چل نکلا ہے کہ حیاتِ انسانی تن آسانی، عیش کوشی اور محنت و مشقت سے گریز کرنے کا نام ہے یہ بہت مہلک بیماری اور جملہ ترقیات میں سدِ راہ ثابت ہو رہی ہے۔

کھانے پینے میں اعتدال کے طبی و جسمانی فوائد تو آج کی سائنس نے جس قدر واضح کئے ہیں ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا، موٹاپا، ذیابیطس، معدہ، دل، جگر اور گردوں کی اکثر بیماریوں کا حقیقی سبب بسیار خوری ثابت ہو چکی ہے۔ اسی موجودہ طبی تحقیقات نے بہت سی ایسی بیماریوں میں کم غذا اور بعض ثقیل غذاؤں سے کلی اجتناب اور پرہیز کو تندرستی بلکہ زندگی کیلئے لازمی قرار دیا ہے۔ جن اصحاب نے اعلیٰ علمی یا دینی فرائض انجام دینے ہوں ان کے لئے یہ ازبس لازم ہے کہ وہ ضبط نفس کے مالک اور تن آسانی کی عادات سے مجتنب ہوں۔

قرآن کریم نے جہاں روزوں کا حکم مسلمانوں کے لئے دیا ہے وہاں اس کی علتِ غائی سے انہیں باخبر کر دیا ہے جب یہ فرمایا کتب علیکم الصیام تو ساتھ ہی یہ بھی بیان فرما دیا لعلکم تتقون۔ غرض و غایت ضبط نفس یا فرائض خداوندی کی بجا آوری ہے۔ دوسرے مقام پر مزید وضاحت کے لئے فرمایا کہ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر، ہماری غرض روزہ کا فرض عائد کر کے تم پر خواہ مخواہ مشقت کا وارد کرنا ہرگز نہیں بلکہ ہم تو تمہارے لئے آسانی چاہتے ہیں۔ لیکن یہ ضبط نفس اور محنت و ریاضت کی عادات تمہاری ترقی کی منازل طے کرنے کے لئے ازبس لازم پڑی ہیں، قرآن کریم نے حیات کے اس راز کو کھولا کہ انسان کی پیدائش کی غرض و غایت تن آسانی اور سہل انگاری نہیں بلکہ وہ تو محنت اور مشقت کے لئے پیدا کیا گیا ہے لقد خلقنا الانسان فی کبد اور پھر فرمایا و ما ادراک ما العقبۃ۔ دشوار گذار گھاٹی پر چڑھنا ہی انسانی زندگی کی عظمت و عزت کی نشانی ہے۔

انسان کی یہ بدقسمتی ہے کہ بعض وقت وہ دین کے کسی رکن کا انکار اس لئے کرتا ہے کہ وہ اس کی تہ میں اصل رُوح سے ناواقف ہوتا ہے اور بعض وقت وہ کسی رُکن کو بر استعمال کر کے بجائے اس سے فائدہ حاصل کرنے کے نقصان اُٹھاتا ہے۔ چنانچہ روزوں کے بارہ میں جہاں بعض اصحاب ان کے فوائد سے بے خبر ہونے کے باعث یا انہیں اپنی تن آسانی و آرام طلبی کی عادات کے برخلاف پا کر ان سے گریز کرتے ہیں، وہاں کئی روزہ دار بھی ان کے فوائد سے اپنے آپ کو محروم کر لیتے ہیں جب وہ ان کی ادائیگی میں اصل غرض و غایت کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ جب روزہ کا مقصد ضبط نفس کا سبق دینا ٹھہرا تو پھر کسی روزہ دار کو کب یہ مناسب ہے کہ وہ سحری یا افطاری کے اوقات میں بے تحاشہ اپنے پیٹ میں ٹھونس کر کھانا ڈالتا چلا جائے، اس خطرہ کے پیشِ نظر کہ اسے کہیں کمزوری لاحق نہ ہو جائے یا بھوک نہ ستائے؟ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو کیا وہ اصل غرض کو سراسر نظر انداز کر کے نہ صرف روزہ کے مفید نتائج سے محروم نہیں ہو جاتا بلکہ نقصان اُٹھاتا ہے؟

قرآن کریم کی حکیمانہ تعلیم نے نہ صرف ارکانِ دین کی تعمیل کو لازم قرار دیا، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس نے دین کے ہر رکن کی تہ میں جو غرض اور روح کام کر رہی ہے اس کی طرف نہایت وضاحت سے انسان کی توجہ مبذول کی ہے۔

فریضہ صوم کی ادائیگی پر تاکید ان الفاظ میں کی کہ ان تصوموا خیر لکم اگر تمہیں معلوم ہو تو تم سمجھ سکتے ہو کہ تمہارے لئے روزے مفید ہیں اس لئے اس رکن کی صحیح پابندی میں بظاہر جو مشقت تمہیں معلوم دیتی ہے وہ تمہارے فائدہ کے لئے ہے کاش تم اسے معلوم کر سکو! ایسا ہی صدقہ و خیرات کے حکم میں بھی جو روزوں سے زیادہ متعلق ہے فرمایا لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی دیکھو تم صدقہ کر کے بعض وقت سے باطل اور ضائع کر دیتے ہو کیونکہ اس کا مقصد تو کسی کمزور انسان کی ہمدردی ہے لیکن جب تم نے احسان جتلا دیا تو بجائے سے فائدہ پہنچانے کے اس کا دل دُکھا دیا۔

روزہ کا خاص مقصد جب یہ ٹھہرا کہ جنہیں غذا خاطر خواہ میسر نہیں ان کے احساسات کی طرف توجہ دلائی جائے تو ساتھ صدقہ و خیرات کی اصل روح بھی بتلا دی کہ دکھاوے یا احسان جتلانے کی غرض سے یہ نہ ہونا چاہیئے ورنہ وہ باطل ہو جائے گا۔ کالذی ینفق مالہ رئاء الناس۔ اگر ریاکاری کی نیت سے کسی کی مالی امداد بھی کر دی تو قربانی بھی ضائع ہو گئی۔

جہاں ہر مسلمان کے لئے ارکانِ دین کی پابندی لازم ہے وہاں یہ امر بھی لازم ہے کہ وہ اس کی حقیقت سے بھی کما حقہٗ واقف ہو ورنہ غرض و غایت سے

(باقی بر صفحہ ۶ کالم ۲)

محترم جناب انیس احمد فاروقی صاحب

الغیب

الٓمّٓ ذالك الكتٰب لاریب فیه هدًی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب........ الخ (بقرہ ۲-۱۰۳)

ترجمہ: میں ہوں اللہ کامل علم رکھنے والا۔ کتاب اس میں کوئی شک نہیں متقیوں کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں...... الخ

ان معروف آیات میں تقویٰ کے لئے پہلی ضرورت ایمان بالغیب کو رکھا ہے۔ الغیب مصدر ہے جس کے معنی اس چیز کے ہیں جو انسان کی آنکھ سے مخفی ہو یا انسان کے حواسِ ظاہری سے مخفی ہو۔ یہاں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔

اس سے پہلے بسم اللہ میں اور سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالےٰ کا نام آچکا ہے۔ یہاں اس کے لئے الغیب کا لفظ استعمال فرما کر اللہ تعالےٰ کے اپنے آپ کو پردۂ غیب میں رکھنے کا ذکر ہے۔ چونکہ تقوےٰ کے معنی ہیں گناہ سے یا بُری چیزوں سے یا نقصان دہ چیزوں سے بچنے کے تو فوری مطلب تو یہ ہوا کہ انسان کے اندر تقویٰ جیسی اہم اور ضروری صفت پیدا نہیں ہو سکتی تھی اگر اللہ تعالیٰ ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی حاکم اعلےٰ یا چیف جسٹس آف پاکستان ہر آن کہیں موجود ہو تو ہر شخص قانون کا پابند نظر آئے مگر اس کے معنے یہ نہیں کہ ہر شخص نیک بن گیا یا قانون کا فرمانبردار ہو گیا۔ انسان کی اصلیت تو تبھی کھلتی ہے جب اسے کوئی پکڑنے والا وہاں موجود نہ ہو ورنہ چیف جسٹس کے آگے کون چوری چوری کر سکتا ہے یا خاوند کی موجودگی میں تو فاحشہ عورت بھی پاک دامن بن جاتی ہے۔ خدا نظر نہ آئے اور انسان گناہ سے اور بدی سے بچنا سیکھے تبھی کہا جا سکتا ہے کہ تقوےٰ کی صفت اس میں پیدا ہو گئی۔ اس نے بدی کی بُرائی کو پہچان کر اسے رد کیا اور نیکی کی خوبی کو جان کر اسے اختیار کیا۔ یہی انسان متقی کہلا سکتا ہے۔

اگرچہ اللہ تعالےٰ نے اپنے آپ کو پردۂ غیب میں رکھا ہے مگر ساتھ ہی بتا دیا کہ یہ انسان کی ظاہری آنکھ سے غیب میں ہوتا ہے۔ ورنہ جہاں تک اللہ تعالےٰ کا تعلق ہے وہ انسان کے ساتھ ہر جگہ ہوتا ہے (ھو معکم اینما کنتم) اس کی بات کو سنتا اور اس کو دیکھتا ہے (سمیعٌ بصیر) اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تھا۔ ورنہ اگر خدا صرف مسجد میں یا آسمان پر ہوتا اور انسان کو خدا کی مدد کی ضرورت پڑتی (اور ظاہر ہے کہ یہ ضرورت دنیا کے کام کاج اور رہن سہن میں پڑتی ہے) اور خدا وہاں موجود نہ ہوتا تو وہ انسان کے کس کام آ سکتا۔ قرآن کریم سے ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ انسان کی کارسازی میں ہر آن اس کا مددگار ہے (وکفٰی بربك وکیلا۔ بنی اسرائیل) وہ نہ صرف انسانوں کی بلکہ ہر شئے کی حفاظت کرتا ہے (جیسا کہ فرمایا: انّ ربّی علٰی کل شیءٍ حفیظ۔ سورۃ هود۔ ۵۷) ورنہ دنیا کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی۔ پھر وہ ربّ العٰلمین ہے۔ یعنے تمام کائنات کی ہر آن ربوبیت کرتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ نہ صرف ہر شئے کو پیدا کرتا ہے بلکہ اسے ادنےٰ حالت سے بتدریج اعلےٰ حالت کی طرف ترقی دیتا ہے تاکہ وہ اپنے مقصد تخلیق کو پا سکے۔ تو خالق اور مخلوق کا ہر آن کا ساتھ اور تعلق ہے۔

قرآن کریم میں بے شمار جگہ یہ آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نہ صرف انسان کی بات کو سنتا ہے بلکہ اس کے ہر فعل کو دیکھتا ہے (سمیعٌ بصیر) اور اس کے قول و فعل کی تمام حرکات کو جانتا ہے (خبیرٌ بما تعملون) اور اس کے سینہ کے مخفی رازوں کو جو ابھی عمل میں نہیں ہوئے یا انسان کے باطن کی اچھی یا بُری حالت کو جانتا ہے (علیمٌ بذات الصدور) اور یہ سمجھنا مشکل نہیں کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالےٰ انسان کو نیست سے ہست کرنے کے بعد اور اس کے ظاہر اور باطن کو خود بنانے کے بعد اپنی مخلوق سے نعوذ باللہ اندھا یا بہرہ ہو جاتا تاکہ وہ جو چاہے گُل کھلائے یا وہ خالق جس نے انسان کے باطن کو بنایا ہے وہ اس کی حالت یا رازوں سے واقف نہ ہوتا۔ اللہ تعالےٰ کا دعاؤں کو سننا یا اعمال پر اسی دنیا میں نتیجہ مترتب کرنا یا بد نیتوں کی بدنیتی کو ظاہر کر دینا (اور وہ بھی اپنے کسی مامور کو پہلے بتا کر) یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ واقعی سمیعٌ بصیر اور علیمٌ بذات الصدور ہے۔

بدقسمتی سے اللہ تعالےٰ کا ظاہری آنکھ سے نظر نہ آنا بہت سے ظاہر پرستوں کی گمراہی کا باعث ہوا خصوصاً پچھلے تقریباً سو سال میں جب سائنس کی مادہ پرستی نے مغرب زدہ لوگوں سے یہ کہلوایا کہ جب تک ہم خدا کو دیکھیں نہ ہم اس پر ایمان کیسے لا سکتے ہیں؟ سو خدا کی شان ہے کہ اس سائنس نے جس نے اُن سے یہ کہلوایا تھا۔ آج اپنے سائنس دانوں سے یہ کہلوایا کہ ہم اگرچہ مادہ کو دیکھنے اور چھو سکتے ہیں مگر اس کی اصلی حقیقت سے کبھی بھی آگاہ نہیں ہو سکتے کیونکہ مادہ ایٹم یا الیکٹران وغیرہ سے بہت آگے اپنی اصل حقیقت رکھتا ہے۔ سو ہم مادہ کی اصل حقیقت کو اس کی Properties یعنے خاصیتوں یا صفات سے ہی پہچان سکتے ہیں (دیکھو سر جیمز جینز کی کتاب "دی مسٹیریس یونیورس")۔ جب مادہ جیسی حقیر چیز کا یہ حال ہے تو اگر قرآن کریم نے خدا کی پہچان (کم سے کم اس عالمِ ظاہر میں) اس کی صفات بتا کر سکھائی تو اس پر کیوں اعتراض ہے؟ بسم اللہ اور الحمد للہ سے لے کر والناس تک قرآن کریم اللہ کی صفات سے بھرا پڑا ہے اور اللہ تعالےٰ کے تقریباً ہر قول اور فعل پر اس کی ایک دو صفات کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ ؎

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدا الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا (حضرت مسیح موعودؑ)

ان مغرب زدہ جنٹلمینوں کو یہ معلوم نہیں کہ انسان کی آنکھ تو محض انسان کی ضروریات کو پورا کرتی ہے ورنہ خدا تو کیا خدا کی کائنات کا بھی یہ یا تو علم دیتی ہی نہیں یا غلط اور ناقص علم دیتی ہے۔ مثلاً آنکھ جو روشنی کے بغیر بیکار ہے وہ خود روشنی کے ایک محدود حصہ کو دیکھ سکتی ہے۔ اور اس حصہ سے جو لمبی شعاعیں ہیں مثلاً Infra-red rays یا چھوٹی شعاعیں جو ہیں مثلاً Ultra-Violet rays یا ایکس رے اور بے شمار اور شعاؤں کو آنکھ دیکھ سکتی ہی نہیں۔ انسان کی آنکھ جو چیزوں کے اختلاف کو دیکھتی ہے وہ محض ان کا ظاہر ہے ورنہ در اصل ہر شئے اندر سے ایک ہی قسم کے اجزاء سے بنی ہوئی ہے۔ پھر آنکھ جس چیز کو سُرخ بتلاتی ہے وہ دراصل سرخ نہیں ہوتی بلکہ اس کی سطح میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ روشنی کی تمام شعاؤں کو تو جذب کر لیتی ہے صرف سُرخ رنگ کی شعاؤں کو لوٹا دیتی ہے جو ہماری آنکھ کی پتلی پر پڑ کر سُرخ رنگ کا اثر پیدا کرتی ہے۔ اور یہ آنکھ تو روشنی کی معمولی چمکار کو دیکھ بھی نہیں سکتی۔ اس لئے سائنسدان کہتے ہیں کہ اگرچہ سُورج نو کروڑ تین لاکھ میل دُور ہے مگر پھر بھی اس کی طرف خالی آنکھ سے نہ دیکھو ورنہ مستقل نقصان ہو جائے گا۔ یہ سورج تو ایک معمولی ستارہ ہے۔ اس سے ہزاروں لاکھوں گنے بڑے اور روشنی میں بڑھ چڑھ کر اور تعداد میں اربہا ارب بلکہ کھرب ہا کھرب ستارے جو پیدا کرنے والے کے نور کے مظہر ہیں (اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض) اس کو یہ نازک آنکھ کہاں دیکھ سکتی ہے۔

مندرجہ بالا امر کو قرآن کریم نے حضرت موسےٰ کے واقعہ میں واضح کیا ہے۔ بنی اسرائیل نے بھی آج کل کے مادہ پرستوں کی طرح جہالت کا سوال کیا تھا کہ لن نؤمن لك حتّٰی نری اللّٰہ جھرۃً (البقرۃ۔ ۵۵) یعنے ہم تجھ (موسےٰ) پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم اللہ کو کھُلم کھُلا نہ

دیکھ لیں۔ تو جب حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کی تمنا پر خدا تعالیٰ کے آگے کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لن ترانی ولٰکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا (الاعراف - ۱۴۳) یعنے" تو مجھے (جسمانی آنکھ) دیکھ نہیں سکتا لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ اپنی جگہ کھڑا رہ گیا تو تو بھی مجھے دیکھ لے گا۔ پس جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گیا"۔ الغرض جب پہاڑ جیسی مضبوط چیز جو آہنی دیوار کی طرح ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی تجلی کی تاب نہ لا سکی اور ریزہ ریزہ ہو گئی تو انسانی آنکھ جو انسان کے جسم کی نازک ترین چیز ہے کب اس تجلی کی تاب لا سکتی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ شرک جو عالمگیر گمراہی ہے اس نے خدا کا تصور ایک بُت یا گائے یا زیادہ سے زیادہ اپنے جیسے انسان کا بنا دیا ہے۔ میں اپنے جنٹلمین بھائیوں اور بہنوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس تصور کو دل سے نکال دیں۔ اللہ تعالیٰ جو ذوالجلال اور اس عظیم الشان لا محدود کائنات کا خالق اور مالک اور بادشاہ ہے وہ کوئی محدود ہستی نہیں کہ انسانی آنکھ اپنی نہایت محدود و نازک بصارت سے اسے دیکھ سکے۔

قرآن کریم نے ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار (الانعام - ۱۰۴) یعنے نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ ہاں وہ نگاہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے"۔ گویا اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کو انسان کی آنکھ احاطہ نہیں کر سکتی مگر خدا تعالیٰ انسان کیا تمام مخلوق جہاں تک اور جیسا دیکھتی ہے اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یعنے ہر مخلوق کا دیکھنا اس کے علم میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق یعنے اس کائنات کی حدود کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ جوں جوں دوربینیں ترقی کرتی اور طاقتور سے طاقتور ہوتی چلی جاتی ہیں نئی سے نئی کائناتوں کا علم ہوتا جاتا ہے۔ حال ہی میں اخبار پاکستان ٹائمز لاہور نے اپنے ۲ر جولائی ۱۹۷۵ء کے پرچہ میں خبر دی کہ امریکن سائنسدانوں نے ایک نئی Galaxy (کہکشاں) کا پتہ لگایا ہے جو آٹھ ہزار ملین Million (جو دس لاکھ ہوتا ہے) Light Years (روشنی کے سال) دُور ہے اور ہماری کہکشاں (Milky Way) سے پانچ سے دس گنا بڑی ہے۔ اب سنئے کہ Light Year (روشنی کا سال) کیا چیز ہے۔ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ اسے ساٹھ سے ضرب دیں تو یہ وہ فاصلہ ہے جو روشنی ایک منٹ میں طے کرتی ہے۔ حاصل ضرب کو پھر ساٹھ سے ضرب دیں تو وہ فاصلہ ہے جو روشنی ایک گھنٹہ میں طے کرتی ہے۔ پھر اسے چوبیس سے ضرب دیں تو وہ فاصلہ بنا جو روشنی ایک دن میں طے کرتی ہے۔ اسے پھر تین سو پینسٹھ سے ضرب دیں تو وہ فاصلہ بنا جو روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے۔ یہ ایک Light Year (روشنی کا سال) کہلاتا ہے۔ اب اسے دس لاکھ سے ضرب دیں تو وہ فاصلہ بنا جو روشنی دس لاکھ سال میں طے کرتی ہے۔ اب اسے آٹھ ہزار سے ضرب دیں تو وہ فاصلہ نکلا جس پر اس نئی کائنات کی ابتداء ہوتی ہے۔ اور یہ تو صرف ایک طرف کی کائنات کی وسعت ہے۔ چاروں طرف یہی حال ہے۔ اور یہ تمام کائناتیں بقول سائنس نہ صرف ایک ہی قسم کے اجزاء سے بنی ہوئی ہیں بلکہ ایک ہی قسم کے قوانین کے ماتحت چل رہی ہیں۔ جس سے نہ صرف خدا کی توحید کا بلکہ اس کی عظمت کا اور جبروت کا تھوڑا سا اندازہ ہوتا ہے۔

جب اس لا محدود کائنات کا جس کی وسعت دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہے انسانی دماغ احاطہ کرنے سے قاصر ہے تو اس کے خالق کا انسان کی ننھی سی آنکھ کہاں احاطہ کر سکتی ہے؟ قرآن حکیم نے جہاں فرمایا لا تدرکہ الابصار (نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں) اس کے معاً آگے فرمایا قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا (الانعام - ۱۰۵) یعنے تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے روشن دلیلیں آ چکی ہیں سو جو کوئی دیکھتا ہے تو وہ اسی کے نفس کی بھلائی کا باعث ہے اور جو اندھا ہو تو اس کا وبال بھی اسی کے نفس پر ہے۔ بصائر بصیرۃ کی جمع ہے اور وہ قلب کی قوت مدرکہ کو کہتے ہیں (امام راغب) تو ان آیات شریفہ کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو انسان کی ظاہری آنکھ احاطہ نہیں کر سکتی بلکہ اس کے قلب کی قوتِ ادراک یعنے پہچاننے کی قوت خدا کو پا سکتی ہے ان روشن دلائل سے جو قرآن کریم نے دیئے ہیں۔

انسان کا قلب انسان کی فطرت کا مرکز ہے اور انسان کی فطرت میں اپنے خالق سے تعلق ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اس تعلق کا پتہ ان الفاظ میں دیا ہے: واذ اخذ ربک من بنی اٰدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علیٰ انفسھم الست بربکم قالوا بلیٰ شھدنا ان تقولوا یوم القیٰمۃ انا کنا عن ھذا غٰفلین ۝ (الاعراف ۱۷۲) یعنے جب تیرے رب نے بنی آدم سے (یعنی) ان کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد نکالی اور ان کو اپنے اُوپر گواہ ٹھہرایا (کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا ہم گواہ ہیں (خدا نے یہ اس لئے کیا کہ) ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن کہو ہم تو اس سے بے خبر تھے۔"

اس فطرتی تعلق کی وجہ سے ایک دہریہ بھی مصیبت میں خدا کو پکار اُٹھتا ہے۔ پھر سائنس نے آج خدا کی ہستی اور توحید پر گواہی دی ہے اور وحی اور الہام نہ صرف ایک زندہ خدا پر ایمان کو قائم کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم دیتے ہیں جن سے کہ خدا کو پہچانا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے تو اس بارہ میں کمال کر دیا ہے کہ بسم اللہ سے اور الحمد للہ رب العٰلمین سے لے کر والناس تک خدا کی صفات اور ان کا دنیاوی زندگی میں اظہار آیت آیت پر خدا کی صفات کو لا کر اللہ تعالیٰ کی معرفت کو بوجہ کمال پورا کیا ہے۔

جیسا کہ میں پہلے بتا آیا ہوں انسانی آنکھ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو دیکھنے کی تاب لا سکے یا اس کا احاطہ کر سکے۔ بالفرض اگر خدا نظر آتا ہوتا تو اس کی ہستی اتنی جاذب ہے کہ انسان کے لئے یہ ممکن نہ ہو سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر سے نظر کو ہٹا سکے۔ پھر انسان اور کوئی کام کاج نہ کر سکتا۔ جہاں اللہ تعالیٰ کا ہر جگہ اور ہر آن انسان کے ساتھ ہونا ضروری ہے کہ وہ انسان کی حفاظت کرے اس کی ربوبیت کرے اس کی کارسازی کرے اور اس کی مدد کی پکار کو سُن کر اس کی غیر معمولی نصرت فرما سکے وہاں خدا کا ہر آن سامنے ہونا خود انسان کے لئے اچھا نہ تھا۔

یہ بھی یاد رہے کہ اگر خدا نظر آتا ہوتا تو انسان کے باطنی قواء بالکل ترقی نہ کر سکتے۔ عالم ظاہر میں دیکھ لیجئے کہ انسان کے دماغ نے اور انسان نے تمام ترقیات کیونکر کیں کہ ہر چیز شروع میں پردۂ غیب میں تھی اور انسان نے جدوجہد کر کے اُسے نکالا یا پا لیا اور پھر دم بدم اور ترقی کرتا چلا گیا۔ مثلاً نیوٹن نے سیب کو نیچے گرتا دیکھا تو سوچ میں پڑ گیا اور پھر وہ ایمان بالغیب لایا کہ کوئی طاقت ہے جسے اگرچہ وہ دیکھ نہیں سکتا مگر وہ ہر مادی چیز پر اثر انداز ہے اس ایمان بالغیب لانے کے بعد جب نیوٹن نے تلاش کی تو اس نے کشش ثقل کا پتہ لگایا جس پر نئی سائنس کی بنیاد پڑی۔ بلکہ نیوٹن نے اور بھی بہت سے انکشافات کئے جن پر عقل انسانی حیرت کرتی ہے۔

یہ صرف ایک مثال تھی اور ایسی بے شمار اور مثالیں دی جا سکتی ہیں مثلاً اگر موٹر کاریں شروع سے ہی بنی بنائی زمین پر موجود ہوتیں یا بجلی کی ہر چیز بنی بنائی انسان کے لئے موجود ہوتی تو اس کا ذہن اور اس کے علم کی وہ ترقی نہ ہوتی جو موٹر کار کو اور بجلی کی تمام اشیاء کو ایجاد کر کے اور ان میں ہر آن بہتری پیدا کر کے ہوتی ہے۔ تو جو عالم ظاہر میں معاملہ ہے وہی انسان کے باطن کا معاملہ ہے۔ باطنی امور میں بھی ایمان بالغیب لا کر پھر سعی اور جستجو کرتے میں باطنی قواء کی ترقی کا راز ہے۔

جو مغرب زدہ دہریئے خدا پر ایمان بالغیب کو قبول نہیں کرتے وہ خود صبح سے لے کر شام تک اپنے تمام معاملات ایمان بالغیب سے کرتے ہیں۔ مثلاً کھانا

کھاتے ہیں تو اس ایمان بالغیب پر کہ وہ ان کو فائدہ پہنچائے گا۔ پانی پیتے ہیں تو وہ بھی اسی ایمان بالغیب پر۔ اگر انہیں پہلے سے پتہ لگ سکتا کہ کبھی ان کا کھانا یا پینا ان کے اندر جا کر ہیضہ یا پیچش یا قولنج کا درد پیدا کرے گا یا اُن پر دل کا حملہ لے آئے گا تو کیا وہ کبھی اس کھاتے کو کھاتے یا پانی کو پیتے؟ اسی طرح وہ اگر نوکری کرتے ہیں یا تجارت کا سودا کرتے ہیں تو اس ایمان بالغیب پر کہ وہ ان کے لئے فائدہ مند ہوگا۔ اگر انہیں پہلے سے علم ہوتا کہ اس نوکری میں وہ جیل خانہ چلے جائیں گے یا مارے جائیں گے تو کبھی کرتے؟ یا وہ تجارت کا سودا انہیں خسارہ میں لے جائیگا یا دیوالیہ بنا دے گا تو اُسے کبھی کرتے؟ اگر لڑکے یا لڑکی کی شادی کرتے ہیں تو اس ایمان بالغیب پر کہ وہ کامیاب ہوگی۔ اگر پتہ ہوتا کہ ان کا لڑکا یا لڑکی ساری عمر کے لئے دکھی ہو جائیں گے تو کبھی وہ رشتہ کرتے؟ اگر یہ دہریئے موٹر یا بس میں سوار ہوتے یا ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں تو اس ایمان بالغیب پر کہ بخیریت منزل پر پہنچ جائیں گے اگر یہ پتہ ہوتا کہ حادثہ پیش آنے پر یا تو مر جائیں گے یا ہڈی پسلی ٹوٹ جائے گی اور ساری عمر کے لئے معذور ہو جائیں گے تو کبھی وہ سفر کرتے؟ تو اگر یہ دہریئے دوسرے انسانوں کی طرح صبح سے لے کر شام تک اپنے تمام کام ایمان بالغیب لا کر کرتے ہیں تو خدا پر ایمان بالغیب لانے میں کیوں ان کی جان جاتی ہے؟

حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم مسیح موعودؑ نے کیا خوب لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی ہستی کو روشن دلائل اور قرآن سے شیشہ کی طرح صاف ظاہر کرکے مگر پھر بھی انسان کی ظاہری آنکھ سے اپنے آپ کو پردۂ غیب میں رکھ کر انسان کو موقعہ دیا ہے کہ وہ ایمان بالغیب لا کر اس ایمان کا بھی ثواب حاصل کرے یہ تو ہر مسلمان کو علم ہے کہ قرآن کریم نے آخرت کے اجر کو ایمان اور اعمال صالحہ دونوں کے لئے رکھا ہے۔ یہ ایمان بالغیب انسان کی ساری عمر چلتا ہے اور اسی سے اعمال صالحہ بھی پیدا ہوتے ہیں تو ساری عمر اللہ تعالےٰ اور آخرت پر ایمان بالغیب رکھنے کا بھی انسان کو اجرِ عظیم ملے گا۔ اور اعمال صالح کرنے کا بھی۔ فسبحان اللّٰہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

مولانا رومؒ نے اس معاملہ کو اپنے خاص رنگ میں لیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تن (یعنے انسان کے جسم) سے اس کی جان کتنی نزدیک ہے کہ دونوں گھلے ملے ہوئے ہیں۔ مگر انسان نے کبھی اپنی جان کو دیکھا نہیں۔ تو اگر اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید (یعنے ہم انسان سے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں) اور پھر اللہ تعالےٰ نظر بھی نہیں آتا تو اس میں کونسی عجیب بات ہے؟ پھر مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ انسان جس چیز کو دیکھ لے اسکی تلاش و طلب ختم ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے اس جہان میں جو دارالعمل ہے اپنے آپ کو دکھایا نہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو تاریکی میں رکھ کر پکارا (جو وحی الٰہی کے ذریعہ ہوتا ہے) یہ اس لئے کہ اندھیرے میں کسی کی آواز پکارے تو انسان ذوق طلب سے پکارنے والے کی جستجو کرتا ہے۔

جن آیات کو میں نے سرِ عنوان لکھا ہے ان میں یؤمنون بالغیب کے معًا بعد یقیمون الصلوٰۃ آیا ہے۔ تو معنی یوں ہوئے کہ اگرچہ اللہ تعالےٰ کی ذات پردۂ غیب میں ہے مگر اس پردہ کو اُٹھانے کے لئے نماز ہے۔ دیکھئے نماز میں اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا ہے جس سے انسان کے قلب کی آنکھ کے آگے کیا خوبصورت تصوّر اللہ تعالےٰ کا بندھتا ہے۔ ایک پتھر کے مکروہ بُت کی شکل کہاں یا ایک انسان جو حضرت مسیحؑ کی طرح روتا دھوتا کہ میں صلیب سے بچ جاؤں مگر پھر صلیب پر چڑھایا جا کر بقول عیسائیوں کے ملعون ہوا اور تین دن جہنمی رہا وہ تصوّر کہاں اور سبحانک اللّٰھم سے الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ مالک یوم الدین ۝ کا خوبصورت ترین اور عظیم الشان ترین تصوّر کہاں؟

پھر نماز اور وہ بھی دن میں کم از کم پانچ بار ہم میں یہ ایمان پیدا کرتی ہے کہ اللہ تعالےٰ جہاں بھی ہم ہوں ہمارے ساتھ (ھو معکم اینما کنتم) اسی لئے نماز ہر جگہ ہو سکتی ہے۔ دوئم یہ کہ خدا ہمیں دیکھتا ہے (بما تعملون بصیر) اسی لئے نماز میں ہم مؤدبانہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے جھکتے اور سجدہ کرتے ہیں۔

سوئم یہ کہ وہ ہماری بات کو سنتا ہے (سمیع الدعا) تبھی نماز کا کچھ حصہ باآوازِ بلند پڑھا جاتا ہے۔ چہارم وہ ہمارے سینہ کے اندر کی باتوں کو جانتا ہے (علیمٌ بذات الصدور) تبھی نماز کا بیشتر حصہ خاموشی سے دل میں پڑھا جاتا ہے۔ تو اگر دن میں کم از کم پانچ بار تینتیس رکعتوں میں انسان کو ان تمام باتوں کی یاد دہانی ہوتی رہے تو آہستہ آہستہ انسان کے دل میں اللہ تعالےٰ کی ذات اور صفات پر زندہ ایمان پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ نماز صرف پڑھیں نہ ہوں بلکہ نماز کو "قائم" کیا جائے یعنے انسان کو ہر نماز پڑھتے وقت یہ احساس ہو کہ وہ کس کے آگے کھڑا ہے اور کیا کہہ رہا ہے اور نماز کو ادب بلکہ خشوع و خضوع سے ادا کیا جائے تبھی جا کر وہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ خدا جو پردۂ غیب میں ہونے کی وجہ سے انسان کو بار بار بھول جاتا ہے اس پر زندہ ایمان ہو جاتا ہے اور وہ حالت پیدا ہوتی ہے جس کے بارہ میں رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یا تو خدا دل کی آنکھ سے نظر آنے لگتا ہے یا یہ احساس کم سے کم ہر آن رہتا ہے کہ خدا انسان کو دیکھ رہا ہے۔ اور اللہ کی صفات اعلےٰ بار بار انسان کے قلب کے آگے پیش ہونے کی وجہ سے خدا کا صحیح تصوّر انسان کے قلب کی آنکھ کے آگے رہنے لگتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں آیا ہے کہ اقم الصلوٰۃ لذکری (طٰہٰ ۲۰۔ ۱۴) یعنے مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز کو قائم کرو۔

حدیث شریف سے پتہ چلتا ہے کہ نماز کا حکم معراج میں ملا جہاں اللہ تعالیٰ کو حضور صلعم نے رُو در رُو دیکھا (یہ ایک اور ثبوت ہے کہ معراج کشفی تھا نہ کہ جسمانی) وہاں کیا باتیں ہوئیں اس کی تفصیل نہیں معلوم مگر وہاں سے جو ملا نماز پنجوقتہ کا حکم وہ بتاتا ہے کہ حضور صلعم نے تمام نسلِ انسانی کے لئے وہی مانگا جو آپؐ کو نصیب ہو گیا تھا۔ یعنے اللہ تعالےٰ کو پا لینا تو اس کا ذریعہ نماز ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے کہ الصلوٰۃ معراج المؤمن (نماز مؤمن کا معراج ہے)

انسان کی مادی آنکھ تو موت کے بعد یہیں مٹی میں گل سڑ کر مل جاتی ہے۔ مگر اس کے قلب یا نفس کی آنکھ اس کے ساتھ آگے جاتی ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں فرمایا ہے ومن کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی و اضلّ سبیلا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷۔ ۷۲) جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور زیادہ گمراہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں جسمانی اندھے کا ذکر نہیں بلکہ روحانی اندھے کا ذکر ہے۔ تو انسان کی رُوحانی یا باطنی آنکھ جو اس دنیا میں بھی نماز کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ کو دیکھنے لگتی ہے وہی آخرت میں اس ذات پاک کی سچ مچ زیارت کرے گی۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:—

وجوہٌ یومئذٍ ناضرۃٌ ۝ الیٰ ربّھا ناظرۃٌ

(القیامۃ ۷۵۔ ۲۲-۲۳)

یعنے اس دن مؤمنوں کے چہرے خوشی سے چمک رہے ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ اپنے ربّ کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ کی زیارت جنّت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی۔

مقالہ بقیہ صٓ۳ : بیخبری کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اصل مقصد حاصل نہ ہوگا اور رُکن یا فریضۂ دین کا صرف جسم باقی رہ جائے گا لیکن اس میں رُوح نہ ہوگی ظاہر رسم و رواج کی شکل اختیار کر لینے اور حقیقت و رُوح سے محروم ہو جانے کے باعث رُکن کی افادیت جاتی رہے گی۔ نہ رُکن کی ظاہرا صورت کو ترک کر کے دین قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی اس کی رُوح و مقصد سے لاعلم رہ کر ان اغراضِ عالیہ کے حصول سے محروم ہو کر کسی بلند مقام کو پایا جا سکتا ہے۔ ارکانِ دین کو محض رسم و رواج کی صورت دیکر ان کی اصل حقیقت و رُوح سے غافل رہ کر ظاہریت پر قناعت کر لینا اور حقیقت سے محروم رہ جانا موجودہ زمانہ کی ایسی بھاری امراض ہیں جن سے نجات دلانے کے لئے چودھویں صدی کے مجدّد کی بعثت ہوئی۔ اس موضوع پر ہم انشاء اللہ آئندہ تفصیل سے گذارش کریں گے۔

مکرم شکراللہ خاں منصور صاحب۔ ایڈووکیٹ

تحریکِ احمدیت اور غلام احمد پرویز

(۲)

حامل کلام حضرت مرزا صاحب نے جب دین اللہ اسلام پر حملہ آور تمام دشمنوں آریوں، عیسائیوں۔ برہمو اور دیو سماجیوں۔ ملحدوں اور دہریوں کو پست و پائمال کرکے شکست دے کر میدانِ مقابلہ سے بھگا دیا تو بڑے وجد آفریں۔ پُر شوکت اور ولولہ پرور الفاظ میں سب دنیا کو دعوت اسلام دیتے ہوئے فرمایا:۔

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے + کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشان دکھلاوے + یہ ثمر باغ محمدؐ ہی سے کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا + نور ہے نور اُٹھو دیکھو سنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا + کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہیں باتوں کو کہتے کہتے + ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے + لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے
مصطفٰےؐ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت + اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے
موردِ قہر ہوئے آنکھ میں اغیار کی ہم + جب سے عشق اس کا تہِ دل میں بٹھایا ہم نے
صف دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال + سیف کا کام قلم ہی سے دکھایا ہم نے

پرویز صاحب کے بیان کردہ حضرت مرزا صاحب کی زندگی کے ہر دو زمانوں کا حال اور کام سب کے سامنے ہے۔ اور خدمتِ اسلام کا یہ کام تیرہ سو سال میں بے نظیر ہے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس وقت اپنے رسالہ "اشاعت السنۃ" جلد ۷ میں آپ کی صرف ایک کتاب براہینِ احمدیہ کے بارے میں لکھا:۔

"یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی آیندہ کی خبر نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی وقلمی ولسانی وحالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر مسلمانوں میں بہت کم پائی جاتی ہے ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتادے جس میں جملہ فرقہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ و برہمو سماج سے اس زور شور مقابلہ پایا جاتا ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشاندہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی وقلمی ولسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اُٹھا لیا ہو اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدّی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آکر اس کا تجربہ و مشاہدہ کر لے اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو۔"

اسی سلسلہ میں ایک اور شہادت ملاحظہ ہو:۔

"غیر مذاہب کی تردید میں اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں انہوں نے (مرزا صاحب نے) تصنیف کی تھیں ان کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اُترا ہے۔ ان کی کتاب "براھینِ احمدیہ" نے غیر مسلموں کو مرعوب کر دیا اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے اور مذہب کی پیاری تصویر کو ان آلائشوں اور گرد و غبار سے صاف کرکے دنیا کے سامنے پیش کیا جو جاہلوں کی توہم پرستیوں اور فطری کمزوریوں نے چڑھا دیئے تھے۔ غرضیکہ اس تصنیف نے کم از کم ہندوستان کی حد تک دنیا میں ایک گونج پیدا کر دی۔ جس کی صدائے بازگشت ہمارے کانوں میں اب تک آ رہی ہے۔"

(اخبار "وکیل" امرتسر مئی ۱۹۰۸ء)

لیکن غلام احمد پرویز صاحب کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب انگریزوں کے پیدا یا پرورش کردہ تھے اور انہوں نے اپنے مقاصد کے لئے آپ کو کھڑا کیا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ پرویز صاحب کشف و الہام کے منکر ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ غیر نبی منجانب اللہ کشف و الہام پانے سے از ازل تا ابد محروم ہے۔ اور کہتے ہیں کہ وہ تمام بزرگانِ اسلام اولیاء اللہ جنہوں نے کشف و الہام ہونے کا عقیدہ رکھا اور ایسا دعوے کیا سب جھوٹے تھے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نہ صرف یہ کہ کشف و الہام غیر نبی کو ہونے کا عقیدہ رکھتے بلکہ خود کشف و الہام سے مشرف ہونے کا دعوےٰ کرتے اور "انکار الہام" کے نظریہ کو شیطانی مذہب قرار دیتے ہیں جیسا کہ آپ کا وہ ارشاد ہے جو پرویز صاحب نے اپنی کتاب کے ص۳۱ پر نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء فرمایا گیا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ کے بعد دروازہ مکالمات مخاطباتِ الٰہیہ کا بند ہے۔ اگر یہ معنی ہوتے تو یہ اُمت ایک لعنتی اُمت ہوتی جو شیطان کی طرح ہمیشہ سے خدا تعالیٰ سے دُور اور مہجور ہوتی بلکہ یہ معنی ہیں کہ براہِ راست خدا سے وحی پانا بند ہے اور یہ نعمت بغیر اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ملنا محال اور ممتنع ہے۔۔۔۔۔۔ یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہے اور آیندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی اُمید نہیں صرف قصوں کی پوجا کرو۔۔۔۔۔۔ میں خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانے میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے کوئی نہ ہوگا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں نہ رحمانی مذہب"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۸۳)

کشف و الہام یا مکالمہ الٰہیہ کا انکار پرویز صاحب کا بنیادی نظریہ ہے۔ جس پر ان کی تحریک اور علم کلام کی تمام عمارت استوار ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے چونکہ اس نظریہ کو "شیطانی مذہب" قرار دیا جو پرویز صاحب کے لئے خوشی کا موجب نہیں بلکہ بغض و عناد کا باعث بنا اور ان کی کتاب "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" اسی بغض و عناد کا نتیجہ ہے۔ جس میں بے انصافی، بد دیانتی، جھوٹ اور جھوٹی الزام سازی کے ریکارڈ رکھ دیئے گئے ہیں۔

انگریزوں کا پیدا یا پرورش کردہ۔ { انگریز عیسائیت کے زبردست پیرو کار تھے۔ پادریوں کا ایک

جمِ غفیر تبلیغ عیسائیت کے لئے ہندوستان میں لائے، سارے ہندوستان کو عیسائی بنا دینے کے لئے اُن پادریوں کی مالی اور سیاسی پوری پوری مدد کرتے۔ حضرت مرزا صاحب نے اُن سے کیا سلوک کیا؟ سُنئے:۔

(۱) انگریزوں اور ان کے پادریوں کو "دجّال" قرار دیا۔
(۲) انگریزوں کے مذہب۔ عقائد اور علوم کو "دجّالی فتنہ" ٹھہرایا۔
(۳) ان کی ترقیوں اور صنعتوں کو ظہور دجّال کی علامات بتلایا۔
(۴) ان کے خدا کو مُردہ اور گلی سڑی لاش کہا۔
(۵)۔ ان کے مذہب کو ضلالت و جہالت ثابت کرکے اس کے پرخچے اُڑا دیئے اور دھجیاں بکھیر دیں۔
(۶) ان کے خدا کا نقشہ اور حُلیہ خود ان کی انجیلوں سے ایسا نکال کر اُن کے سامنے رکھا کہ عیسائی تو عیسائی خود مسلمان علماء چیخ اُٹھے کہ حضرت عیسٰے بن مریم کی توہین کر دی ہے۔
(۷) ان کے بشپوں اور پادریوں فنڈل لفرائے آتھم، ہنری مارٹن کلارک وغیرہ کو دلائل اور نشانات سے اس قدر تنگ اور لاجواب کیا کہ بقول مولانا اشرف علی تھانوی صاحب ان کے جملہ گروہ کو ولایت تک شکست دے دی۔
(۸) ان کے مذہب کی غلطیوں اور ضلالتوں کو بیان کرتے ہوئے ملکہ وکٹوریہ تک کو دین اسلام میں آجانے کی دعوت دی۔

انگریز اور غیر انگریز کل عیسائیوں کو آپ کی پُر زور اور پُر قوّت و یقین

دعوت اسلام ملاحظہ ہو :-

" اے نادانو! تمہیں مردہ پرستی میں کیا مزہ ہے اور مردار کھانے میں کیا لذّت ہے ؟ آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ زندہ خدا کہاں ہے اور کس قوم کے ساتھ ہے - وہ اسلام کے ساتھ ہے - اسلام اس وقت موسےٰ کا طور ہے - جہاں خدا بول رہا ہے - .... تمہارے ہاتھ میں کیا ہے ؟ کیا ایک مُردہ کفن میں لپٹا ہوا - پھر کیا ہے ؟ کیا ایک مشتِ خاک ! کیا یہ مردہ خدا ہو سکتا ہے - کیا یہ تمہیں کچھ جواب دے سکتا ہے - ذرہ آؤ - ہاں لعنت ہے اگر تم نہ آؤ اور اس سڑے گلے مردہ کا میرے زندہ خدا کیساتھ مقابلہ نہ کرو " (ضمیمہ انجام آتھم صـ۳۳۱)

سوچنے کی بات اور غور کا مقام ہے کیا یہ شخص انگریزوں کا پیدا یا پرورش کردہ ہو سکتا ہے ؟ اور کیا انگریز اپنے دین و مذہب کی مٹی پلید کرانے کے لئے کسی ایسے شخص کو پیدا یا پرورش کر سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں - فرض کرو ایک شخص ہے جو غلام احمد پرویز کو شیطان کہتا ہے - اس کی تحریک اور علم کلام کو شیطانی فتنہ قرار دیتا ہے - اس کے خدا کو مردہ بُت بلکہ سڑی گلی لاش کہتا ہے - اس کے نظریات کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیرتا ہے - اس کی تمام کتابوں اور تحریروں کو ضلالت اور جہالت ٹھہرا کر اس کے تمام حلقہ بگوشوں کو شکست دے کر میدان سے بھگا دیتا ہے تو کیا ایسے شخص کو کوئی کہہ سکے گا کہ وہ غلام احمد پرویز کا پیدا یا پرورش کردہ ہے؟ ایسا کہنے والا یقیناً سفسطہ زدہ اور پاگل ہوگا - پس مجدد الوقت حضرت مرزا صاحب پر پرویز صاحب کے اس الزام کے متعلق سوا اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ هٰذا بهتانٌ عظیم !

انگریزوں کے مقاصد

پرویز صاحب اپنی کتاب مذکور میں لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کو انگریزوں نے اپنے مقاصد کے لئے کھڑا کیا تھا - تاریخ انسانی شاہد ہے کہ ہر مامور من اللہ پر نبی ہو یا غیر نبی بندوں نے اسی قسم کے الزام لگائے - چنانچہ خود خداوند تعالےٰ نے اس حقیقت کو اپنے کلام پاک میں صریح الفاظ میں بیان فرما دیا ہے : یٰحسرةً علی العباد ما یأتیهم من رسول الا کانوا به یستهزءون - یعنے بندوں پر افسوس ہے کہ جب بھی میرا کوئی فرستادہ ان کے پاس آیا انہوں نے تمسخر و استہزا سے اسے جھٹلایا - بندوں کے متعلق خدائی سنّت ہے پرویز صاحب اس سے باہر نہیں - جو بے بنیاد اتہام باندھ رہے ہیں - نہ انصاف اُن کے مدِ نظر ہے اور نہ دیانتداری صرف جذباتِ بغض و عناد کی انگیخت ہے - ورنہ اس الزام کا باطل ہونا اظہر من الشمس ہے - سوال ہے کہ انگریزوں کے وہ کیا مقاصد تھے جن کے لئے انہوں نے مرزا صاحب کو کھڑا کیا ؟ پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ انگریز سات سمندر پار سے آکر ہندوستان پر حکمران ہوئے تھے انہیں خوف لاحق تھا کہ مسلمان ان کے خلاف جہاد نہ کر دیں - لہذا جہاد کی مخالفت کے لئے انہوں نے مرزا صاحب کو کھڑا کیا - پرویز صاحب کا یہ بیان و استدلال " الف لیلہ " کی کہانیوں سے کسی طرح کمتر نہیں ہے - دراصل وہ جانتے ہیں کہ لوگ اس وقت حضرت مرزا صاحب اور احمدیوں کے خلاف مشتعل ہیں اس لئے وہ جو بھی لکھیں گے جھوٹ - غیر معقول اور خلاف واقعات ہونے کے باوجود پسند کیا اور مان لیا جائے گا ورنہ عقل و خرد اور دیانت داری سے کام لیا جائے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ :-

(۱) - سات سمندر پار کر کے آتے ہوئے کئی مسلم ممالک سے انگریزوں کو گذرنا تھا - ان کی طرف سے جہاد کر دینے کا خوف انہیں کیوں لاحق نہ ہوا اور اس خوف سے وہ کیوں واپس نہ ہو گئے ؟

(۲) - ہندوستان میں آکر انگریز جب سب طاقتوں کو سرنگوں کر چکے مسلمانوں کی آخری امید اور مرجع سلطان ٹیپو بھی شہید ہو کر انگریزی تسلط کو مکمل کر گیا تو پھر بھی مسلمانوں کی طرف سے انہیں جہاد کا خوف دامنگیر رہا -

(۳) - اس وقت مسلمانوں کی قوّت جہاد کا اندازہ انگریز کر چکے تھے کہ ایک چھوٹی سی طاقت سکھوں کی حکومت کے خلاف جہاد کر کے مسلمان بری طرح ناکام رہے تو انگریزوں کو ان کے ہاتھ سے کیا خوف تھا ؟

(۴) - انگریزوں نے ہر شخص اور ہر مذہب کو مکمل مذھبی آزادی دیدی تھی جس پر مسلمانوں کے تمام اکابرین اور کُل بڑے بڑے علماء نے ان کے خلاف جہاد قطعی ناجائز اور خلاف اسلام قرار دے دیا تھا تو پھر انہیں مسلمانوں کی طرف سے جہاد کا کیا خوف تھا -

پس یہ جھوٹا پرویزی افسانہ ہے جو صاف و صریح بغض و عناد کا مظہر ہے -

انگریزی حکومت سے اظہار و اقرارِ وفاداری

پرویز صاحب کا سب سے بڑا اعتراض جس کے بار بار کے اعادہ سے انہوں نے اپنی کتاب کو لبالب بھر دیا ہے - اور جس کی بناء پر انہوں نے حضرت اقدس مرزا صاحب پر کئی ناروا الزام عاید کئے ہیں یہ ہے کہ آپ نے انگریزی حکومت سے اظہار و اقرار وفاداری کیا - حضرت اقدسؑ کے نزدیک از روئے اسلام ایسی حکومت کے خلاف جس نے مذھبی آزادی دے رکھی ہو اور امورِ دین میں بالجبر مزاحم نہ ہو جہاد یعنی قتال بالسیف کرنا ناجائز ہے لہذا آپ اس حکومت سے عدم بغاوت کا اظہار و اقرار کرتے تھے بالخصوص اس امر کی ضرورت اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ بعض مسلمان مخالف علماء حکومت میں مخبریاں کرتے تھے اور حکومت کو اکساتے تھے کہ یہ شخص انگریز حکومت کے لئے مہدی سوڈانی سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگا جس کے عوض میں انہیں حکومت نے بطور انعام مربعے عطا کئے اور حضرت مرزا صاحب کی تلاشیاں لی گئیں نیز انگریز پادری آپ کے خلاف قتل تک کے مقدمے کر رہے تھے جنہیں آریہ پنڈت اور مخالف مسلمان علماء ہر طرح کی اعانت دے رہے تھے - ہم ان واقعات کو بھی چھوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت اقدس مرزا صاحب پر یہ اعتراض پرویز صاحب کی کھلی بے انصافی اور بد دیانتی پر دال ہے - کیونکہ حضرت اقدسؑ کے اس اظہار و اقرار سے پہلے مسلمانوں کے تمام اکابرین اور بزرگ اور کُل فرقہ ہائے اسلام شیعہ - اہل سنّت - اہل حدیث اور اہل قرآن کے نمایندے حکومت برطانیہ کی وفاداری کا اظہار اور اقرار اپنے بیانوں ، خطبوں - ایڈریسوں - رسالوں اور تحریروں میں کر چکے تھے - اور برطانوی حکومت کے خلاف جہاد یعنی قتال بالسیف کو ناجائز اور خلافِ اسلام قرار دے چکے تھے - حتیٰ کہ مولٰنا ظفر علی خان اور علامہ سر اقبال بھی اس حکومت کی تعریف و توصیف کے گیت گا رہے تھے - اس حقیقت الامر سے کسی شخص کو مجال انکار نہیں - ایسی صورت میں پرویز صاحب کا حضرت اقدس مرزا صاحب پر معترض اور طعنہ زن ہونا شدتِ بغض و عناد نہیں تو اور کیا ہے - ہم کہتے ہیں حضرت اقدسؑ کے نزدیک تو یہ اصولِ دین تھا مگر دینی لحاظ سے آپ نے صداقت و عظمت اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے اور عیسائیت کے پرخچے اُڑا دیئے - لیکن پرویز صاحب بتلائیں کہ انہوں نے اور ان کے ممدوحین نے قتال بالسیف کے کون کون سے میدان مارے اور تلواریں سونت کر کس کس میدان میں کودے - جوانی انگریز کی نمک خواری میں گذار دی اور جب ارذل العمر کو پہنچے تو گلبرگ میں بیٹھ کر دینِ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنا شروع کر دیں اور بہانہ حضرت مجدد الوقت کی مخالفت کو بنا لیا - انہیں یہ بے انصافی بد دیانتی اور جھوٹ ہرگز زیبا نہیں ہے - ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان حالات میں جبکہ تمام مسلمان اور مسلمانوں کے تمام فرقے انگریزی حکومت کی وفاداری کا اظہار و اقرار کر رہے تھے - اور انگریزی حکومت کے خلاف قتال بالسیف ناجائز اور خلاف دین اسلام قرار دے رہے تھے انگریزوں کو کیا ضرورت تھی کہ حضرت مرزا صاحب کو کھڑا کرتے اور اپنے مذہب اور اپنے مذھبی اصولوں کی تذلیل و تحقیر اور تغلیط و تردید کرواتے - پس یہ الزام صریح جھوٹ ہے - مسلمانوں اور ان کے سب فرقوں کی طرف سے انگریزی حکومت کی وفاداری کا اظہار و اقرار مسلّمہ فریقین ہے - کوئی انکار کرے تو تحریری ثبوت پیش کئے جا سکتے ہیں -

قتال بالسیف اور قرآنی جہاد

حضرت اقدسؑ مرزا صاحب نے اپنی تحریروں میں اپنا مذہب اور عقیدہ دلائل کے ساتھ پرزور الفاظ میں بار بار یہ بیان فرمایا ہے کہ شریعتِ اسلام کا کوئی اصول اور قرآن

کریم کا کوئی نقطہ یا شعشہ تا قیامت تبدیل، ترمیم یا منسوخ نہیں ہو سکتا۔ تمام اسلامی اصول اور تمام قرآنی احکام خدا کی طرف سے ہیں جو تا ابد اٹل اور غیر متبدل ہیں۔ برعکس ازیں غلام احمد پرویز صاحب یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بہت سے اسلامی اصول اور اکثر قرآنی احکام وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل و ترمیم ہونے والے ہیں۔ حکومتِ وقت کو اختیار ہے کہ حسب حال پسندیدگی انہیں تبدیل و منسوخ کر دیں۔ بلکہ پرویز صاحب کے نزدیک ان کی تبدیلی اور تنسیخ قومی ترقی کے لئے از حد ضروری ہے۔ بایں ہمہ وہ الزام لگاتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے قرآنی حکم جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے۔ لہذا آپ نے کفر کیا ہے۔ گویا پرویز صاحب وہ چور ہیں جس کے متعلق کہا گیا ہے: اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ بلکہ ایسے دلیر چراغ بکف چور ہیں۔ جن پر مقولہ: چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ پوری طرح صادق آتا ہے۔

قتال بالسیف کے دو مفہوم یا تصور مسلمانوں کے اندر مدتوں سے چلے آ رہے ہیں اوّل یہ کہ غیر مسلموں کو بزور شمشیر مسلمان بنانا۔ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار۔ کہ غیر مسلمانوں پر حملہ آور ہونا۔ جو قرآن کو مان لے [illegible] جو نہ مانے اس کا سر تن سے جدا کر دینا۔ اس کا نام بھی جہاد رکھا گیا۔ جہاد کے اسی مفہوم یا تصور کو لے کر مخالفِ اسلام دینوں کے پیروکاروں نے دین اللہ اسلام کو "دینِ جبر" قرار دیا۔ اور اسی وجہ سے اسے دنیا میں بدنام کرتے رہے۔ لیکن جہاد کا یہ مفہوم غلط العام تصور ہے جو غیر قرآنی خلافِ اسلام ہے۔ جہاد کا یہی مفہوم اور تصور ہے جسے حضرت اقدس مرزا صاحب نے غلط۔ ناجائز حرام اور منسوخ قرار دیا۔ اسی قسم کی جنگوں کے متعلق حسب حدیث یضع الحرب آپ نے لکھا کہ آپ کے آنے کے ساتھ ان کا خاتمہ ہو گیا۔ اس جہاد کو خواہ "قتال بالسیف" کے نام سے یا "اشاعت اسلام بذریعہ قتال بالسیف" کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ قتال بالسیف کا دوسرا مفہوم یا تصور ہے۔ حفاظتِ اسلام میں قتال بالسیف کرنا۔ یعنی تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ آور کا تلوار کے ساتھ مقابلہ کرنا۔ ایسے حملہ آور کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے قتل کرنا یا قتل ہو جانا۔ یہی اسلامی یا قرآنی حکم جہاد ہے۔ ایسے جہاد کو حضرت مرزا صاحب نے ہرگز تبدیل یا منسوخ یا ناجائز یا حرام قرار نہیں دیا۔ آپ کے خلاف ایسا الزام صریح جھوٹ ہے۔ یہ جہاد مشروط بشرائط ہے۔ اس کے لئے ان شرائط کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور جہاد ہے جسے قرآن کریم میں جہادِ کبیر کہا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا جاھدھم بہ جہاداً کبیراً۔ یعنی جہاد بالقرآن اس جہاد میں آپ نے اپنی زندگی کے تمام دن اور تمام راتیں صرف کر دیں۔ اور ایسی کامیابی کے ساتھ یہ جہاد کیا کہ دشمنانِ اسلام کی صفیں پامال کر دیں۔ آپ کا یہ ارشاد اظہار حقیقت ہے کہ ؎

صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال
سیف کا کام قلم سے ہے دکھایا ہم نے

پرویز صاحب کا بغض و عناد } جیسا کہ ہم نے لکھا ہے پرویز صاحب کی کتاب "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" بغض و عناد پر مبنی ہے۔ جس کا ثبوت وہ بددیانتی [illegible] جھوٹ اور جھوٹے الزام ہیں جن سے یہ کتاب [illegible] ہے۔ وہ لوگ جو احمدیت سے [illegible] مشتعل ہیں یا حضرت مرزا صاحب کی کتب و تحریرات سے ناواقف ہیں بے شک اسے پڑھ کر خوش ہوں گے مگر وہ افراد جو حضرت مرزا صاحب کی تحریرات سے واقف اور احمدی نظریات کو جانتے ہیں یقیناً پرویز صاحب کی محققیت۔ علمیت اور مفکریت پر افسوس کریں گے۔ ان سب امور کا تفصیلی تذکرہ پوری کتاب کو چاہتا ہے یہاں چند مثالیں مختصراً درج کر دینا کافی ہے۔

بد دیانتی کی مثالیں } پرویز صاحب حضرت مرزا صاحب پر "تدریجی نبی" کے دعویٰ کا الزام لگاتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے پہلے چھوٹا دعویٰ کیا پھر اپنے دعوے کو بڑھاتے بڑھاتے بڑے دعوے تک جا پہنچے جیسا کہ لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب کی تدریجی نبوت کا سارا راز اقتباس بالا کے آخری الفاظ میں پوشیدہ ہے۔ یعنی انہوں نے پہلے کشف و الہام اور ولایت کے ایسے دعاوی کئے جو مسلمانوں کے نزدیک قابلِ اعتراض نہ تھے......... اور رفتہ رفتہ دعویٰ ولایت سے نبوت تک پہنچ گئے۔ آئیے اب ہم ان سیڑھیوں کو دیکھیں جن پر چڑھ کر وہ بامِ نبوت تک پہنچے۔" (ص۵۰)

اس کے بعد پرویز صاحب تدریج کی تین سیڑھیاں شمار کراتے ہیں اور ہر سیڑھی کے ثبوت میں حضرت مرزا صاحب کی کتب سے حوالے درج کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

پہلی سیڑھی۔ دعویٰ ولایت } اس کے ثبوت میں حضرت مرزا صاحب کی تحریرات سے مندرجہ ذیل دو حوالے پرویز صاحب نے نقل کئے ہیں جن سے بقول پرویز صاحب آپ کا دعوے ولایت ثابت ہوتا ہے:۔

(۱) "ان پر واضح رہے کہ ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمدیہ اور باتباع آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کو ملتی ہے اس کے ہم قائل ہیں۔ اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگاوے وہ تقوے اور دیانت کو چھوڑتا ہے۔ غرض نبوت کا دعوے اس طرف بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا دعوے ہے۔" (اشتہار ۲۰ شعبان ۱۳۱۴ھ)

(۲) "یہ کہنا کہ نبوت کا دعوے کیا ہے کس قدر جہالت کس قدر حماقت اور کس قدر حق سے خروج ہے۔ اے نادانو۔ میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کھڑا ہو کر نبوت کا دعوے کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔" (حقیقۃ الوحی تتمہ ص۶۸)

دوسری سیڑھی۔ دعویٰ محدثیت } پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ دعویٰ ولایت منقولہ بالا کے بعد آپ آگے بڑھے اور محدثیت کا دعویٰ کر دیا جس کے ثبوت میں وہ مندرجہ ذیل حوالے نقل کرتے ہیں:۔

(۱) "ہمارے سید و رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی نہیں آ سکتا اس لئے شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے۔" (شہادت القرآن ص۲۸)

(۲) "میں نبی نہیں ہوں بلکہ اللہ کی طرف سے محدث اور اللہ کا کلیم ہوں تا کہ دینِ مصطفےٰ کی تجدید کر دوں۔" (آئینہ کمالات اسلام ص۳۸۳)

تیسری یا آخری سیڑھی۔ دعویٰ نبوت } پرویز صاحب کہتے ہیں کہ اس کے بعد مرزا صاحب اور آگے بڑھے اور آخری سیڑھی یعنی بامِ نبوت پر جا پہنچے۔ جس کے ثبوت میں حضرت مرزا صاحب کا مندرجہ ذیل حوالہ درج کیا ہے:۔

"محدث جو مرسلین میں سے ہے امتی بھی ہوتا ہے اور ناقص طور پر نبی بھی۔ امتی وہ اس وجہ سے کہ بکلی تابع شریعت رسول اللہ اور مشکوٰۃ رسالت سے فیض پانے والا ہوتا ہے اور نبی اس وجہ سے کہ خدا تعالےٰ نبیوں کا سا معاملہ اس کے ساتھ کرتا ہے۔ محدث کا وجود انبیاء اور امم میں بطور برزخ کے اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا ہے وہ اگرچہ کامل طور پر امتی ہے مگر ایک وجہ سے نبی بھی ہوتا ہے اور محدث کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی نبی کا مثیل ہو اور خدا تعالےٰ کے نزدیک وہی نام پاوے جو اس نبی کا نام ہے۔" (ازالہ اوہام ص۵۶۹)

(باقی ——— باقی)

مکرم علامہ شیخ عبد الرحمان مصری صاحب

مولوی محمد یوسف صاحب لدھیانوی کی کتمانِ حق کی بدترین مثال

(قسط نمبر ۵)

مولوی صاحب موصوف کا ایک اعتراض گذشتہ قسط میں میں نے وعدہ کیا تھا کہ اٰخرین منھم کے حقیقی معنوں اور اس کے اصل مصداق پر روشنی ڈالی جائے گی۔ لیکن اس سے قبل مولوی صاحب موصوف کے ایک اعتراض کا جواب دینا ضروری ہے کیونکہ اس کا اٰخرین منھم کے مفہوم سے گہرا تعلق ہے۔ وہ اعتراض مولوی صاحب کے الفاظ میں ہی حسب ذیل ہے جو رسالہ الحق کے صفحہ ۲۹ پر درج ہے:۔

مولوی صاحب کا اقتباس "مرزا صاحب اپنے دَور کو (جو چودھویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔) خیر و برکت ایمان و یقین، صلاح و تقویٰ، توحید و خدا پرستی اور نیکی و ہدایت کا دَور بتلاتے ہیں۔ کیا دنیا کا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ مرزا صاحب کی آمد کے بعد ان چیزوں میں ترقی ہوئی؟ مرزا صاحب سے پہلے ایمان و تقویٰ اور صلاح و ہدایت کا جو حال تھا۔ ان کے آنے کے بعد اس میں مزید انحطاط اور تنزل ہوا یا ترقی ہوئی؟ یہ زمانہ بہ نسبت گذشتہ زمانہ کے "خدا کا زمانہ" کیسے ہو گیا۔ کیا ستم ہے کہ جس دَور میں ہزاروں اکابر اولیاء اور مجددین اُمت پیدا ہوئے اس کو شیطانی زمانہ کہا جائے اور جس زمانہ میں مرزا صاحب کے بقول اسی لاکھ مسلمان عیسائی ہوئے۔ اس کو خدا پرستی کا زمانہ قرار دیا جائے۔ یہ مرزا صاحب کی صرف ایک کتاب کی چند سطروں کا مرقع پیش کیا گیا ہے۔ اسی نمونہ سے اندازہ کیجئے کہ مرزا صاحب کی مسیحیت نے اسلام اور مسلمانوں پر کیا کیا ستم ڈھائے؟ تاریخ کو کیسے مسخ کیا، قرآن کریم کو کیسے بگاڑا۔"

حضرت مرزا صاحب کا مذہب اور مولوی صاحب کا اعتراض۔

مولوی صاحب موصوف کی مندرجہ بالا عبارت سے عیاں ہے کہ انکے نزدیک گویا سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعودؑ) اس بات سے منکر تھے کہ ان کی آمد سے قبل جو زمانہ تھا اس میں اُمت کے اندر اولیاء اور مجددین پیدا ہی نہیں ہوئے اگرچہ حضرت نبی کریم صلعم نے اپنی صدی اس کے بعد کی صدی اور اس کے بعد کی صدی کو خیر القرون کے نام سے نامزد کیا ہے اور اس کے بعد کے زمانہ کو جو مسیح کی آمد کے زمانہ تک پھیلا ہوا ہے فیج اعوج کا نام دیا ہے لیکن پھر بھی سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعودؑ) نے اس زمانہ کو بھی دیگر مذاہب کے مقابلہ میں خیر و برکت کا زمانہ قرار دیا ہے اور اس میں کثرت سے اولیاء کرام اور مجددین کے پیدا ہونے کو تسلیم کیا ہے اور جس بناء پر حضرت نبی کریم صلعم نے اس زمانہ کو فیج اعوج کا زمانہ قرار دیا ہے۔

مولوی صاحب موصوف کی بیباکی میں حیران ہوں کہ حضرت نبی کریم صلعم کے صریح ارشاد کی موجودگی میں کس طرح جرأت کر رہے ہیں کہ اس زمانہ کی تعریف میں رطب اللسان ہوں اور حضرت مرزا صاحب کو اپنی تنقید کا ہدف بنائیں حالانکہ حضور نے اس زمانہ کی مذمت اپنی طرف سے نہیں کی حضرت نبی کریم صلعم کا قول ہی پیش کیا ہے اور جو کچھ کہا ہے وہ آنحضور صلعم کے الفاظ فیج اعوج اور لیسوا منی و لست منھم کی بناء پر ہی کہا ہے گویا مولوی صاحب موصوف کا اعتراض سیدنا حضرت مرزا صاحب پر نہیں بلکہ درحقیقت حضرت نبی کریم صلعم پر ہے۔ کاش مولوی صاحب موصوف اور ان کے ہم نوا غور کریں کہ ان کی تنقید کا ہدف کون بنتا ہے حضرت نبی کریم صلعم یا حضرت مرزا صاحب۔ امید ہے مولوی صاحب غور کر کے اپنی اس تحریر کو واپس لے کر اپنے تقویٰ کا ثبوت بہم پہنچائیں گے۔

حضورؑ کی تحریر مندرجہ ذیل تحریر سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعودؑ) کی کتاب تحفہ گولڑویہ تقطیع کلاں از صفحہ ۱۹ تا صفحہ ۸۳ کی ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام اسے غور سے پڑھ کر اصل حقیقت سے واقف ہو جائیں گے۔

" اس جگہ ایک بات کسی قدر زیادہ تفصیل کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے تمام مسلمانوں کو سورۃ فاتحہ میں یہ دُعا سکھلائی ہے کہ وہ اس فریق کی راہ خدا تعالےٰ سے طلب کرتے رہیں جو منعم علیہم کا فریق ہے اور منعم علیہم کے کامل طور پر مصداق باعتبار کثرت کمیت اور صفائی کیفیت اور نعماء حضرت احدیت از روئے نص صریح قرآنی اور احادیث متواترہ حضرت مرسل یزدانی دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ صحابہ اور دوسرا گروہ جماعت مسیح موعودؑ کیونکہ یہ دونوں گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے تربیت یافتہ ہیں کسی اپنے اجتہاد کے محتاج نہیں وجہ یہ ہے کہ پہلے گروہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود تھے جو خدا سے براہِ راست ہدایت پا کر وہی ہدایت نبوت کی پاک توجہ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں ڈالتے تھے اور ان کے لئے مربی بے واسطہ تھے۔ اور دوسرے گروہ میں مسیح موعودؑ ہے جو خدا سے الہام پاتا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے فیض اُٹھاتا ہے۔ لہذا اس کی جماعت بھی اجتہاد خشک کی محتاج نہیں ہے جیسا کہ آیت واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم سے سمجھا جاتا ہے اور درمیانی گروہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج کے نام سے موسوم کیا ہے اور جن کی نسبت فرمایا ہے لیسوا منی ولست منھم یعنی وہ لوگ مجھ میں سے نہیں ہیں اور نہ میں ان میں سے ہوں یہ گروہ حقیقی طور پر منعم علیہم میں سے نہیں ہیں اور اگرچہ زمانہ فیج اعوج میں بھی جماعت کثیر گمراہوں کے مقابل نیک اور اہل اللہ اور ہر صدی کے سر پر مجدد بھی ہوتے رہے ہیں لیکن حسب منطوق آیت ثلۃ من الاولین وثلۃ من الاٰخرین خالص محمدی گروہ جو ہر ایک پلید ملونی اور آمیزش سے پاک اور توبہ نصوح سے غسل دیئے ہوئے ایمان اور دقائق عرفان اور علم اور عمل اور تقویٰ کے لحاظ سے ایک کثیر التعداد جماعت ہے یہ اسلام میں صرف دو گروہ ہیں یعنے گروہ اولین و آخرین جو صحابہ اور مسیح موعودؑ کی جماعت سے مراد ہے اور چونکہ حکم کثرت مقدار اور کمال صفائی انوار پر ہوتا ہے اس لئے اس سورت میں انعمت علیھم کے فقرہ سے مراد یہی دونوں گروہ ہیں یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنی جماعت کے اور مسیح موعود مع اپنی جماعت کے۔

خلاصہ کلام یہ کہ خدا نے ابتداء سے اس اُمت میں دو گروہ ہی تجویز فرمائے ہیں اور انہی کی طرف سورۃ فاتحہ کے فقرہ انعمت علیھم میں اشارہ ہے (۱) ایک اوّلین جو جماعت نبوی ہے (۲) دوسرے اٰخرین جو جماعت مسیح موعود ہے اور افرادِ کاملہ جو درمیانی زمانہ میں ہیں جو فیج اعوج کے نام سے موسوم ہے جو بوجہ اپنی کمی مقدار اور کثرت اشرار و فجار و ہجوم افواج بد مذاہب و بد عقاید و بد اعمال شاذ و نادر کے حکم میں سمجھے گئے گو دوسرے فرقوں کی نسبت درمیانی زمانہ کے صلحاء اُمت محمدیہ بھی باوجود طوفان بدعات کے ایک دریا عظیم کی طرح ہیں۔ بہر حال خدا تعالےٰ اور اس کے رسول کا علم جس میں غلطی کو راہ نہیں یہی بتلاتا ہے کہ درمیانی زمانہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بلکہ تمام خیر القرون کے زمانہ سے بعد میں ہے اور مسیح موعود کے زمانہ سے پہلے ہے یہ زمانہ فیج اعوج کا زمانہ ہے یعنے ٹیڑھے

گروہ کا زمانہ جس میں خیر نہیں مگر شاذ و نادر یہی فیج اعوج کا زمانہ ہے جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے لیسوا منی ولست منھم یعنے نہ یہ لوگ مجھ میں سے ہیں اور نہ میں ان میں سے ہوں - یعنے مجھے اُن سے کچھ بھی تعلق نہیں - یہی زمانہ ہے جس میں ہزارہا بدعات اور بے شمار ناپاک رسومات اور ہر ایک قسم کے شرک اور خدا کی ذات اور صفات اور افعال میں اور گروہ در گروہ پلید مذہب جو تہتر تک پہنچ گئے پیدا ہو گئے اور اسلام جو بہشتی زندگی کا نمونہ لے کر آیا تھا اس قدر ناپاکیوں سے بھر گیا جیسے کہ ایک سڑی ہوئی اور پُر نجاست زمین ہوتی ہے - اس فیج اعوج کی مذمت میں وہ الفاظ کافی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے اس کی تعریف میں نکلے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی دوسرا انسان اس فیج اعوج کے زمانہ کی بدی کیا بیان کرے گا - اسی زمانہ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زمین جور اور ظلم سے بھر جائے گی - لیکن مسیح موعود کا زمانہ جس سے مراد چودھویں صدی من اولہ الی آخرہ ہے اور نیز کچھ اور حصہ زمانہ کا جو خیرالقرون سے برابر اور فیج اعوج کے زمانہ سے بالاتر ہے یہ ایک ایسا مبارک زمانہ ہے کہ فضل اور جود الٰہی نے مقدر کر رکھا ہے کہ یہ زمانہ پھر لوگوں کو صحابہ کے رنگ میں لائے گا اور آسمان سے کچھ ایسی ہوا چلے گی کہ یہ تہتر فرقے مسلمانوں کے جن میں سے بجز ایک کے سب عار اسلام اور بدنام کنندہ اس پاک چشمہ کے ہیں خود بخود کم ہوتے جائیں گے اور تمام ناپاک فرقے جو اسلام میں مگر اسلام کی حقیقت کے منافی ہیں صفحہ زمین سے نابود ہو کر ایک ہی فرقہ رہ جائے گا جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے رنگ پر ہوگا - اب ہر ایک انسان سوچ سکتا ہے کہ اس وقت ٹھیک ٹھیک قرآن پر چلنے والے فرقے مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے کس قدر کم ہیں جو مسلمانوں کے تہتر گروہ میں سے صرف ایک گروہ ہے اور پھر اس میں سے بھی وہ لوگ جو درحقیقت تمام اقسام ہوئی اور نفس اور خلق سے منقطع ہو کر محض خدا کے ہو گئے ہیں اور ان کے اعمال اور اقوال اور حرکات اور سکنات اور نیات اور خطرات میں کوئی ملونی خباثت کی باقی نہیں ہے وہ کس قدر اس زمانہ میں کبریت احمر کے حکم میں ہیں - غرض تمام مفاسد کی تفصیلات کو زیر نظر رکھ کر بخوبی سمجھ آ سکتا ہے کہ درحقیقت موجودہ حالت اسلام کی کسی خوشی کے لائق نہیں اور وہ بہت سے مفاسد کا مجموعہ ہو رہا ہے - اور اسلام کے ہر ایک فرقہ کو ہزارہا کیڑے بدعات اور افراط اور تفریط اور خطا اور بیباکی اور شوخی کے چمٹ رہے ہیں اور اسلام میں بہت سے مذہب ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ جو اسلام کا دعوےٰ کر کے پھر اسلام کے مقاصد توحید و تقویٰ و تہذیب اخلاق و اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن ہیں - غرض یہ وجوہ ہیں جن کے رو سے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ثلۃ من الاولین وثلۃ من الاخرین - یعنے ابرار اخیار کے بڑے گروہ جن کے ساتھ بد مذاہب کی آمیزش نہیں وہ دو ہی ہیں ایک پہلوں کی جماعت یعنے صحابہ کی جماعت جو زیر تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے دوسری پچھلوں کی جماعت جو بوجہ تربیت روحانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جیساکہ آیت و اٰخرین منھم سے سمجھا جاتا ہے صحابہؓ کے رنگ میں ہیں یہی دو جماعتیں اسلام میں حقیقی طور پر منعم علیہم ہیں اور خدا تعالیٰ کا انعام ان پر یہ ہے کہ ان کو انواع و اقسام کی غلطیوں اور بدعات سے نجات دی ہے اور ہر ایک قسم کی شرک سے ان کو پاک کیا ہے اور خالص اور روشن توحید ان کو عطا فرمائی ہے جس میں نہ دجّال کو خدا بنایا جاتا ہے اور نہ ابن مریم کو خدائی صفات کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے اور اپنے نشانوں سے اس جماعت کے ایمان کو قوی کیا ہے اور اپنے ہاتھ سے ان کو ایک پاک گروہ بنایا ہے ان میں سے جو لوگ خدا کا الہام پانے والے اور خدا کے خاص جذبہ سے اس کی طرف کھینچے ہوئے ہیں نبیوں کے رنگ میں ہیں اور جو لوگ ... بذریعہ اپنے اعمال کے صدق اور اخلاص دکھلانے والے اور ذاتی محبت سے بغیر کسی غرض کے اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے والے ہیں وہ صدیقوں کے رنگ میں ہیں اور جو لوگ اُن میں سے آخری نعمتوں کی اُمید پر دکھ اٹھانے والے اور جزاء کے دن کا بچشم دل مشاہدہ کر کے جان کو ہتھیلی پر رکھنے والے ہیں وہ شہیدوں کے رنگ میں ہیں - اور جو لوگ ان میں سے ہر ایک فساد سے باز رہنے والے ہیں وہ صلحاء کے رنگ میں ہیں اور یہی سچے مسلمان کا مقصود بالذات ہے کہ ان مقامات کو طلب کرے اور جب تک حاصل نہ ہوں تب تک طلب اور تلاش میں سست نہ ہو اور وہ دو گروہ جو ان لوگوں کے مقابل پر بیان فرمائے گئے ہیں وہ مغضوب علیہم اور ضالین ہیں جن سے محفوظ رہنے کے لئے خدا تعالےٰ سے اسی سورۃ فاتحہ میں دُعا مانگی گئی ہے - اور یہ دُعا جس وقت اکٹھی پڑھی جاتی ہے یعنے اس طرح پر کہا جاتا ہے کہ اے خدا ہمیں منعم علیہم میں داخل کر اور مغضوب علیہم اور ضالین سے بچا تو اس وقت صاف سمجھ آتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے علم میں منعم علیہم میں ایک وہ فریق ہے جو مغضوب علیہم اور ضالین کا ہم عصر ہے - اور جبکہ مغضوب علیہم سے مراد اس سورۃ میں بالیقین وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود سے انکار کرنے والے اور اس کی تکفیر اور تکذیب اور توہین کرنے والے ہیں تو بلاشبہ ان کے مقابل پر منعم علیہم سے وہی لوگ اس جگہ مراد رکھے گئے ہیں جو صدق دل سے مسیح موعود پر ایمان لانے والے اور اس کی دل سے تعظیم کرنے والے اور اس کے انصار ہیں اور دنیا کے سامنے اس کی گواہی دیتے ہیں - رہے ضالین - پس جیساکہ ہم بیان کر چکے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت[1] اور تمام اکابر اسلام کی شہادت سے ضالین سے مراد عیسائی ہیں اور ضالین سے پناہ مانگنے کی دُعا بھی ایک پیشگوئی کے رنگ میں ہے کیونکہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیسائیوں کا کچھ بھی زور نہ تھا بلکہ فارسیوں کی سلطنت بڑی قوت اور شوکت میں تھی - اور مذاہب میں سے تعداد کے لحاظ سے بدھ مذہب دنیا میں تمام مذاہب سے زیادہ بڑھا ہوا تھا اور مجوسیوں کا مذہب بھی بہت زور و جوش میں تھا اور ہندو بھی علاوہ قومی اتفاق کے بڑی شوکت اور سلطنت اور جمعیت رکھتے تھے اور چینی بھی اپنی تمام طاقتوں میں بھرے ہوئے تھے - تو پھر اس جگہ طبعاً یہ سوال ہوتا ہے کہ یہ تمام قدیم مذاہب جن کی بہت پُرانی اور زبردست سلطنتیں تھیں اور جن

[1] حاشیہ - بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورۃ فاتحہ میں المغضوب علیہم سے مراد یہود - اور الضالین سے مراد نصاریٰ ہیں - دیکھو کتاب دُرِّ منثور صفحہ ۹ - اور عبدالرزاق اور احمد نے اپنی مسند میں اور عبد ابن حمید اور ابن جریر اور بغوی نے معجم الصحابہ میں اور ابن منذر اور ابوالشیخ نے عبداللہ بن شقیق سے روایت کی ہے قال اخبرنی من سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو بوادی القری علیٰ فرس لہ وسالہ رجل من بنی القین فقال من المغضوب علیھم یارسول اللہ - قال الیہود قال فمن الضالون - قال النصاریٰ - یعنے کہا کہ مجھے اس شخص نے خبر دی ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا جبکہ آپ وادی قریٰ میں گھوڑے پر سوار تھے کہ بنی قین میں سے ایک شخص نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ سورۃ فاتحہ میں مغضوب علیھم سے کون مراد ہے فرمایا کہ یہود - پھر سوال کیا کہ ضالین سے کون مراد ہے فرمایا کہ نصاریٰ - (دُرِّ منثور صفحہ نمبر ۱۷ - منہ)

... میں قومی اتفاق اور دولت اور طاقت اور قدامت اور دوسرے اسباب کی رُو سے بہت ترقی پر تھیں ان کے شر سے بچنے کے لئے کیوں دُعا نہیں سکھلائی اور عیسائی قوم جو اس وقت نبلیغی طور پر ایک کمزور قوم تھی، کیوں ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے دُعا سکھلائی گئی۔ اس سوال کا یہی جواب ہے جو بخوبی یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ کے علم میں یہ مقدر تھا کہ یہ قوم روز بروز ترقی کرتی جائے گی۔ یہاں تک کہ تمام دنیا میں پھیل جائے گی اور اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لئے ہر ایک تدبیر سے زور لگائیں گے کیا علمی سلسلہ کے رنگ میں اور کیا مالی ترغیبوں سے اور کیا ... علام دکھلانے سے اور کیا دولت اور شوکت کی چمک سے اور کیا ... نفسانی شہوات اور اباحت اور بے قیدی کے ذرائع سے اور کیا نکتہ چینیوں اور اعتراضات کے ذریعہ سے اور کیا بیماروں اور ناداروں اور درماندوں اور یتیموں کا متکفل بننے سے ناخنوں تک یہ کوشش کریں گے کہ کسی بدقسمت نادان یا لالچی یا شہوت پرست یا جاہ طلب یا بیکس اور یا کسی بچہ بے پدر و مادر کو اپنے قبضہ میں لاکر اپنے مذہب میں داخل کریں سو اسلام کے لئے یہ ایک ایسا فتنہ تھا کہ کبھی اسلام کی آنکھ نے اس کی نظیر نہیں دیکھی اور اسلام کے لئے یہ ایک عظیم الشان ابتلا تھا جس سے لاکھوں انسانوں کے ہلاک ہو جانے کی امید تھی اس لئے خدا نے سورۃ فاتحہ میں جس سے قرآن کریم کا افتتاح ہوتا ہے اس مہلک فتنہ سے بچنے کے لئے دُعا سکھلائی اور یاد رہے کہ قرآن شریف میں یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جس کی نظیر اور کوئی پیشگوئی نہیں کیونکہ اگرچہ قرآن شریف میں اور بہت پیشگوئیاں ہیں جو اس ہمارے زمانہ میں پوری ہو گئی ہیں جیسے اجتماع خسوف قمر و شمس کی پیشگوئی جو آیت جمع الشمس والقمر سے سمجھی جاتی ہے اور اُونٹوں کے بیکار ہونے اور مدینہ میں ریل جاری ہونے کی پیشگوئی جو آیت واذا العشار عطلت سے صاف طور پر سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اس پیشگوئی کے مشہور کرنے اور ہمیشہ اُمت کے پیش نظر رکھنے میں سب سے زیادہ خدا تعالےٰ نے اہتمام فرمایا ہے کیونکہ اس سورۃ میں یعنی سورۃ الفاتحہ میں بطور دُعا تعلیم فرمایا ہے جس کو پنج وقت کروڑہا مسلمان اپنے فرائض اور نماز میں پڑھتے ہیں ۔

دُعاؤں اور برکات کا مہینہ

اس ماہ مُبارک کی برکات قرآن کریم اور احادیث میں جو کچھ بیان کی گئی ہیں ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ کہنا خلافِ حقیقت نہیں کہ اُمتِ مسلمہ پر خدا تعالےٰ کا یہ بڑا فضل و کرم ہے کہ ہر سال انہیں قربِ الٰہی کے حصول اور استجابت دُعا کا خاص موقعہ دیا جاتا ہے۔ روزے اسی قرب الٰہی کا ایک ذریعہ ہیں۔ چنانچہ روزوں ہی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے واذا سالك عبادي عني فاني قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون۔ جب میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں قریب ہوں، جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دُعا کو قبول کرتا ہوں، پس چاہیئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ قبولیت دُعا کی اہلیت حاصل کریں۔

اس سے ظاہر ہے کہ رمضان کے روزے قربِ الٰہی کے حصُول اور دُعاؤں کی استجابت کا ذریعہ ہیں۔ پس چاہیئے کہ ان دنوں میں ہر شخص جہاں اپنی خاص ضروریات کے لئے دعائیں کرتا ہے وہاں اسلام کی ترقی مسلمانوں کی مشکلات کے دُور ہونے اور برکات کے نزول کی دُعا خاص طور پر کی جائے۔ اور یہ بھی دُعا کی جائے کہ حضرت مجددِ زمانؑ کے متعلق جو تحزیبات پھیلائی گئی ہیں، اللہ تعالےٰ ان کو دُور فرمائے اور مخالفین پر آپ کا منصب الٰہی ہونا اور تجدید دین اور امت محمدیہ کی اصلاح کے لئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے مامور کیا جانا واضح ہو جائے اور وہ امام وقت کی جماعت کے ساتھ ہو کر اعلائے کلمۃ اللہ اور تبلیغ اسلام میں ممد و معاون ہوں۔

اور ربوائی دوستوں کے لئے بھی دُعا کی جائے کہ انہیں اس بات کی سمجھ آ جائے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا حقیقی دعوےٰ صرف مکلّم من اللہ اور مجدد ہونے کا تھا، نہ کہ نبوّت کا،

امید ہے تمام احمدی بھائی رمضان المبارک نماز پنجگانہ اور تہجد میں ان خاص دعاؤں میں ضرور حصّہ لیں گے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ روزہ میں جہاں کھانے پینے سے پرہیز کیا جاتا ہے وہاں ہر قسم کی بُرائی سے پرہیز بھی لازمی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الصيام جنة فلا يرفث ولا يجهل وان امرؤ قاتله او شاتمه فليقل انى صائم مرتين۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ ڈھال ہے کہ روزہ رکھنے والا فحش باتیں نہ کرے اور نہ جہالت کی باتیں کرے۔ اگر اس سے کوئی لڑے یا بدگوئی کرے تو دو دفعہ کہدے میں روزہ سے ہوں۔ پس چاہیئے کہ روزہ میں ان امور کا خاص طور پر خیال رکھتے ہوئے پاکیزہ زندگی اختیار کی جائے تاکہ اللہ تعالےٰ کی رضا اور قرب حاصل ہو جو روزہ ...

بھٹہ صاحب وفات پا گئے

نہایت افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ ہمارے نہایت ہی مکرم دوست اور جماعت کے پُرجوش اور باعمل مبلغ جناب چوہدری محمد سعید صاحب بھٹہ مورخہ گیارہ ستمبر ۱۹۷۵ء کو سیالکوٹ میں وفات پا گئے۔

انا لله وانا اليه راجعون

اس صدمہ میں ہمیں ان کے تمام لواحقین اور پسماندگان سے دلی ہمدردی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم بھٹہ صاحب کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

احباب جماعت سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

ایک ضروری تصحیح

۱۰ ستمبر ۱۹۷۵ء کے ایشوع میں محترم شکر اللہ خاں صاحب مرحوم کے مضمون صفحہ ۹ کالم ۲ میں سہو کتابت سے ایک آیت میں فیکم سے آگے عمراً کا لفظ رہ گیا ہے۔ احباب درست فرمالیں۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــ شمارہ نمبر ۳۸

چیف

اللہ ... شمع پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد سجاد صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور ۷ سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ - ۲۴ ستمبر ۱۹۷۵ء | نمبر ۳۹

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا

واضح رہے کہ صرف زبان سے بیعت کا اقرار کرنا کچھ چیز نہیں ہے جب تک دل کی عزیمت سے اس پر پورا پورا عمل نہ ہو پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے وہ اس میرے گھر میں داخل ہو جاتا ہے جس کی نسبت خدا تعالےٰ کی کلام میں یہ وعدہ ہے انی احافظ کل من فی الدار یعنی ہر ایک جو تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہے میں اس کو بچاؤں گا اس جگہ یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں جو میرے اس خاک و خشت کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہیں میرے روحانی گھر میں داخل ہیں پیروی کرنے کے لئے یہ باتیں ہیں کہ وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اس کا بیٹا وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے وہ ایسا ہے کہ باوجود دور ہونے کے نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دور ہے اور باوجود ایک ہونے کے اس کی تجلیات الگ الگ ہیں انسان کی طرف سے جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور میں آوے تو اس کے لئے وہ ایک نیا خدا بن جاتا ہے اور ایک نئی تجلی کے ساتھ اس سے معاملہ کرتا ہے اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا میں بھی تبدیلی دیکھتا ہے مگر یہ نہیں کہ خدا میں کچھ تغیر آ جاتا ہے بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمال تام رکھتا ہے لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیرات ہوتے ہیں تو خدا بھی ایک نئی تجلی سے اس پر ظاہر ہوتا ہے اور ہر ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت جو انسان سے ظہور میں آتی ہے خدا تعالےٰ کی قادرانہ تجلی بھی ایک ترقی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے وہ خارق عادت قدرت اسی جگہ دکھلاتا ہے جہاں خارق عادت تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔ خوارق اور معجزات کی یہی جڑ ہے یہ خدا ہے جو ہمارے سلسلہ کی شرط ہے اس پر ایمان لاؤ اور اپنے نفس پر اور اپنے آراموں پر اور اس کے کل تعلقات پر اس کو مقدم رکھو اور عملی طور پر بہادری کے ساتھ اس کی راہ میں صدق و وفا دکھلاؤ دنیا اپنے اسباب اور اپنے عزیزوں پر اس کو مقدم نہیں رکھتی مگر تم اس کو مقدم رکھو تا تم آسمان پر اس کی جماعت لکھے جاؤ۔ رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے مگر تم اس حالت میں اس عادت سے حصہ لے سکتے ہو کہ تم میں اور اس میں کچھ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اس کی مرضی اور تمہاری خواہشیں اس کی خواہشیں ہو جائیں اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت مرادیابی اور نامرادی میں اس کے آستانہ پر پڑا رہے تا جو چاہے سو کرے اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہوگا جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے کیا کوئی تم میں ہے جو اس پر عمل کرے اور اس کی رضا کا طالب ہو جائے اور اس کی قضا و قدر پر ناراض نہ ہو سو تم مصیبت کو دیکھ کر اور بھی قدم آگے رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے اور اس کی توحید زمین پر پھیلانے کے لئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو اور اس کے بندوں پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ تا قبول کئے جاؤ۔ بہت ہیں جو حلم ظاہر کرتے ہیں مگر وہ اندر سے بھیڑیئے ہیں بہت ہیں جو اوپر سے صاف ہیں مگر اندر سے سانپ ہیں سو تم اس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو جائے، بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو نہ ان کی تحقیر اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے ان کی تذلیل اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے ان پر تکبر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو اور مخلوق کی پرستش نہ کرو اور اپنے مولیٰ کی طرف منقطع ہو جاؤ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو اور اسی کے ہو جاؤ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو اور اس کے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو کیونکہ وہ پاک ہے چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔

"کشتی نوح۔ صفحہ ۱۰"

مکرم میرزا مسعود بیگ صاحب ایم-اے-جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

چوہدری محمد سعید بھٹہ صاحب مرحوم و مغفور

چوہدری محمد سعید بھٹہ صاحب مرحوم بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔ بیحد مخلص، دیانتدار جوشیلے احمدی، قابل مقرر اور عابد و زاہد انسان تھے۔ آپ باقاعدہ تہجد پڑھتے تھے۔ اور سال کا بیشتر حصہ نفلی روزہ رکھتے تھے اور جب کوئی ابتلا یا مشکل پیش آئے تو وہ روزہ اور دُعا سے اس کا مداوا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالےٰ اپنے بے پایاں فضل سے ان کی دعائیں قبول فرماتا تھا۔

بھٹہ صاحب پیدائشی احمدی تھے اور ان کے والد بزرگوار محترم چوہدری علی اصغر بھٹہ صاحب اور مرحوم انقلابی لیڈر اقبال شیدائی صاحب جو بھٹہ صاحب کے چچا تھے ہماری جماعت کے مخلص اور جوشیلے ممبر تھے، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ جوشیلا پن بھٹہ صاحب کا خاندانی امتیاز تھا۔ محمد سعید بھٹہ صاحب زمانہ طالب علمی میں اپنے حلقۂ اثر میں اور رسول میں اوورسیری کی ٹریننگ کے دوران بھی بڑے جوش سے احمدیت کی تبلیغ کرتے تھے اور ان کے ہمعصر طلباء اور اساتذہ ان کے اخلاص اور طرز استدلال سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ وہ مجھ سے عمر میں پانچ سال بڑے تھے اور جب ۱۹۲۸ء میں وہ لاہور تشریف لائے اور میں ایف اے کا طالب علم اور ینگ مینز احمدیہ ایسوسی ایشن کا سیکرٹری تھا تو ان کے وجود سے ہماری ایسوسی ایشن کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ ہم قریباً ہر ماہ باغ بیرون موچی دروازہ میں اپنی ایسوسی ایشن کا جلسہ کرتے تھے جن میں لاہور کی پبلک کثرت سے شریک ہوتی تھی اور علامہ اقبال مرحوم نے بھی چند بار ہمارے جلسوں کی صدارت فرمائی اور مولانا غلام مُرشد صاحب خطیب شاہی مسجد بطور مقرر اکثر تشریف لایا کرتے تھے۔ ان جلسوں کے انتظام و انصرام میں اور مرکزی نوجوانوں کی تنظیم اور ہمارے ہفتہ واری اجتماعات میں میرے معاون اور دست راست بھٹہ صاحب مرحوم اور میرے نہایت عزیز دوست شیخ محمد احمد صاحب مرحوم وکیل ایبٹ آباد ہوا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی ارواح پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

بھٹہ صاحب اگر محکمہ تعلیم میں جاتے تو ایک نہایت موثر اور کامیاب اُستاد بنتے اور طلباء کی کئی نسلیں ان سے استفادہ کرتیں۔ مگر قضا و قدر انہیں محکمہ پی ڈبلیو ڈی میں لے گئی جہاں کی آب و ہوا انہیں راس نہ آئی۔ وہ اپنے کام میں ماہر اور حد درجہ دیانت دار تھے۔ نہ رشوت خود قبول کرتے اور نہ ان کے ذریعہ دوسروں تک پہنچ سکتی تھی۔ اس لئے وہ کانٹے کی طرح محکمہ کی آنکھوں میں کھٹکنے لگے۔ چنانچہ ملازمت کے چند سال بعد ہی بھٹہ صاحب کے خلاف محکمہ والوں نے ایک کیس کھڑا کر دیا اور وہ معطل ہوگئے۔ یہ مقدمہ کئی سال تک چلتا رہا اور بھٹہ صاحب اس سارے عرصہ میں نہ ہراساں ہوئے اور نہ انہیں کوئی پریشانی لاحق ہوئی۔ بلکہ ایک مردِ مومن کی طرح ہمیشہ پُر امید رہے۔ آخر اللہ تعالےٰ کے فضل سے حق غالب آیا اور بھٹہ صاحب باعزت طور پر بری کئے گئے اور اپنی ملازمت پر بحال ہو گئے۔ انہیں کئی ہزار روپیہ یکمشت بقایا تنخواہ کا وصول ہوا۔ اور جب وہ یہ روپیہ لے کر آئے تو سب سے اول انجمن کے دفتر میں آکر دہم حصہ کے حساب سے اپنا چندہ ادا کیا جو آپ کی سالم تنخواہ پر واجب ہوتا تھا۔ بھٹہ صاحب عمر بھر اپنی آمد کا دہم حصہ بطور چندہ ادا کرتے رہے۔ اور اس کے علاوہ بھی ہر جماعتی تحریک میں فراخ دلی سے حصہ لیتے تھے۔ آپ ایک نہایت شریف، سادہ مزاج اور درویش صفت انسان تھے۔ حق گو اور حق پسند تھے اور غلط بات سے کبھی سمجھوتہ نہیں کرتے تھے۔ بے دھڑک بات کرتے تھے اور کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ ہر حال میں خوش رہتے تھے اور اپنی معطلی کے کئی سال جبکہ ان کے لئے مالی تنگی اور پریشانی کا زمانہ تھا اس وقت بھی آپ نے خوشی اور اطمینانِ خاطری سے وقت گذار دیا اور ہمیشہ توکل علی اللہ سے کام لیا۔

بھٹہ صاحب مرحوم ایک پیدائشی مبلغ اور پیدائشی استاد تھے۔ وہ اپنی ملازمت کے سلسلہ میں جہاں بھی رہے اپنے آپ کو انجمن کا نمائندہ سمجھتے ہوئے آنریری مبلغ کا کام کرتے رہے اور جس علاقہ میں بھٹہ صاحب ہوتے تھے وہاں انجمن کو کسی اور مبلغ کے بھیجنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ کچھ عرصہ کے لئے وہ (بسلسلہ ملازمت) عراق بھی تشریف لے گئے اور ہماری بغداد کی جماعت کے بڑے فعال اور مؤثر کارکن ثابت ہوئے اور مرحوم سید تصدق حسین قادری صاحب ان کی ہمیشہ تعریف لکھتے رہے۔

محکمہ پی ڈبلیو ڈی کی ملازمت ترک کرنے کے بعد وہ انجمن کے باقاعدہ ہمہ وقتی مبلغین میں شامل ہو گئے اور مختلف مقامات پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ۶۷ء سے ۷۱ء تک قریباً چار سال آپ نے افریقہ کے ملک نائیجیریا میں گھانا کے علاقہ میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ پیرانہ سالی میں افریقہ کا سفر اختیار کرنا جہاں سخت گرمی، ناموافق آب و ہوا اور کئی قسم کی مشکلات سامنے تھیں، بڑے عزم اور قربانی کو چاہتا ہے۔ اور بھٹہ صاحب میں بفضلہٖ یہ دونوں باتیں موجود تھیں اس لئے آپ نے بخوشی اس مشکل کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا اور افریقہ تشریف لے گئے۔ وہاں دھڑا دھڑ پیگن لوگ عیسائی ہو رہے تھے۔ لیکن آپ کے وہاں جانے پر آپ کی تقریر و تحریر نے اس سیلاب کے سامنے بڑی مضبوط دیوار کھڑی کر دی اور نہ صرف یہ کہ یہ سیلِ رواں رُک گیا بلکہ آپ کی تبلیغ سے سینکڑوں افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور ہزارہا افراد تک ان کی اپنی زبان میں اسلام کا پیغام پہنچایا گیا۔ آپ کے وہاں جانے سے احمدیت کو بھی بڑا فروغ حاصل ہوا اور بھٹہ صاحب کی مساعی اور ان کے نیک نمونہ کو دیکھکر سات سو سے زائد افراد جماعت لاہور میں شامل ہوئے جن کے باقاعدہ بیعت فارم مرکزی دفتر میں موجود ہیں۔ انہی نومبائعین میں ایک بڑے فاضل انسان علامہ ایس-پی-تائیو بھی ہیں جو مقامی زبانوں کے علاوہ عربی اور انگریزی میں بڑی گہری دسترس رکھتے ہیں یہ بھٹہ صاحب کے دست راست اور اسسٹنٹ مشنری تھے۔ اور اس وقت بھی علاقہ کماسی میں بطور مبلغ کام کر رہے ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں انہوں نے ہماری مغربی نصف کرہ کی جماعتوں میں دَورہ کیا اور ہر جگہ لوگ ان کی شخصیت اور قابلیت سے متاثر ہوئے۔ اس دورہ میں ایک سو کے قریب نیگرو تائیو صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

چوہدری محمد سعید بھٹہ صاحب ایک انتھک انسان تھے اور رات دن تبلیغ و تعلیم میں منہمک رہتے تھے۔ وہ مسلسل کئی گھنٹہ تک بول سکتے تھے اور جب ان کا گلا تھک جاتا اور آواز بھاری ہوجاتی تو پھر مجبوراً کچھ دیر کے لئے سستا لیا کرتے تھے اور پھر اسی جوش سے بولنا یا پڑھانا شروع کر دیتے تھے۔ آپ انگریزی، ریاضی، سائنس عربی، اردو سب مضامین میٹرک تک بخوبی پڑھا سکتے تھے اور بے شمار فیل شدہ اور نالائق طلباء بھٹہ صاحب کی کوچنگ سے کامیاب ہوئے۔ آپ کالج کے طلباء کو بھی ریاضی پڑھا سکتے تھے۔ اور اپنے شاگردوں کو ہمیشہ نیک تلقین بھی کرتے تھے اور تعلیم میں تبلیغ کے قائل تھے۔ ان کی نگاہ میں مبلغ کا مقام یہ تھا کہ لوگ اس کے وجود سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ چنانچہ بھٹہ صاحب تعلیم و تدریس کے علاوہ ہومیوپیتھک اور بایو کیمک طریقِ علاج سے بھی لوگوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔

افریقہ سے واپسی پر بھٹہ صاحب مرحوم ڈیڑھ سال کے قریب ادارہ تعلیم القرآن میں پڑھاتے رہے اور گذشتہ چھ سال سے وہ سیالکوٹ میں بطور مقامی مبلغ کام کر رہے تھے اور جماعت ہائے شہر و سیالکوٹ چھاؤنی میں باری باری نمازِ جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ آپ ایک مؤثر خطیب اور عمدہ مقرر تھے اور قرآن مجید کی تفسیر میں زمانۂ حال کے سائنسی انکشافات اور نئے علوم کو سمویا کرتے تھے اور بڑے عمدہ نکات بیان فرماتے تھے۔ وہ نہ صرف اپنی جماعت میں بڑے مقبول انسان تھے بلکہ اہلِ محلہ اور اہلِ شہر بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے جس کا اظہار مرحوم کے جنازہ اور تدفین کے وقت اہلِ محلہ نے کیا۔ اور یہ بھٹہ صاحب کی ہر دلعزیزی، نیک عملی، اعلیٰ کردار اور کامیاب تبلیغ کی واضح شہادت تھی۔ اللہ تعالےٰ انہیں غریقِ رحمت کرے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ بھٹہ صاحب

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۹۰ء

ظاہر ارکان اور دین کی اصل رُوح

(۲)

روزہ کی اصل غرض کے متعلق گذشتہ اشاعت میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کی **غرض اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کو بلا وجہ مشقت و تکلیف میں ڈالنا مدنظر نہیں بلکہ اس میں انسان کی جسمانی صحت، اخلاقی بلندی اور روحانی رفعت** کی اغراض **پنہاں ہیں جیسا جملہ لعلکم تتقون** سے ظاہر ہے۔ نیز جملہ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر جو روزوں کے ذکر میں فرمایا گیا ہے سے بھی عیاں ہے۔ ہم نے تمہیں دکھ دینے اور بلا وجہ بوجھ و مشقت وارد کرنے کی غرض سے **روزے** تم پر فرض نہیں کئے بلکہ ان کی غرض تو تقوے کی راہوں میں ترقی کرنا ہے۔ جب روزے رکھنا فرد کی طاقت سے بالاتر ہوں، یعنی اس کی صحت کے بگڑنے یا زندگی کے خطرہ میں پڑ جانے کا باعث بنتے ہوں تو وہاں یہ حکم دیا کہ بعد میں صحت اور طاقت بحال ہونے پر روزے رکھ لئے جائیں۔ جو سر یہ حال استطاعت کی صورت میں روزوں کا رکھنا انسان کے لئے موجودہ طبی تحقیقات کے نزدیک بھی مفید ثابت ہو چکا ہے وان تصوموا خیر لکم اگر تم روزے رکھو تو بلاشبہ ان کا رکھنا تمہاری جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتوں کے لئے مفید ہی ہے۔ لیکن جہاں انسانی صحت کی حالت **ایسی کمزوری یا ضعف اور ناتوانی یا دائم المریض ہونے کی بن چکی ہو وہاں روزے معاف کرکے ان کی بجائے فدیہ دینے کا حکم دیا**۔ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین یعنی عدم استطاعت کی صورت میں روزے کی بجائے مسکین کو کھانا کھلانا واجب ہے۔

اس سے اس نظریہ کی تردید ہو جاتی ہے جہاں یہ کہا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو انسانوں کو خواہ مخواہ تکلیف میں ڈال کر خوشی ہوتی ہے اور نعوذ باللہ وہ برتر ذات انسان کے آرام و آسائش کی بجائے اسے دُکھ اور مصیبت میں ڈال کر خوش ہوتی ہے۔ یہی وہ غلط نظریہ تھا جو اسلام سے ماقبل ادیان میں رائج تھا۔ جیسے کہ راہبوں، جوگیوں یا بعض فقراء اور صوفیوں نے اسے دین کی اصل غرض و غایت قرار دے لیا۔ یہاں تک کہ بعض تو اس ضلالت میں اس قدر دُور نکل گئے کہ انسانی اعضاء اور باطنی صلاحیتوں کو مفلوج کر دینا ہی انسانی ترقی کا دینی کمال سمجھ بیٹھے اور اس پر عمل پیرا ہوئے۔ دینِ اسلام نے ایسے غیر فطرتی رویہ کی علانیہ تردید کی۔ لیکن جائے غور ہے کہ یہاں بھی اس فطرتی دین نے راہِ اعتدال کو خیرباد نہیں کہا بلکہ دوسری غلط انتہا کے اختیار کرنے سے منع فرمایا یعنی یہ کہ زندگی کی غرض و غایت تن آسانی، شکم پروری، سہل انگاری اور آرام کوشی بن جائے۔ کیونکہ ایسے نظریہ حیات سے بھی اعلیٰ صلاحیتوں کے مفلوج ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہے۔ اسلام کے نزدیک معراج انسانیت جملہ جسمانی، اخلاقی اور روحانی قویٰ کے ارتقاء میں مضمر ہے۔ جس کا واحد طریق کار مجاہدانہ طرز زندگی سے وابستہ ہے۔ روزہ اور صدقات کی غرض و غایت قرآن کے نزدیک اپنے سے کمتر، محتاج، نادار افراد کی عملی ہمدردی اور مدد کرنا ہے۔ اگر یہ غرض حاصل نہیں ہوتی اور باطن میں انسان نے ضعفاء اور کمزوروں کی مدد کا سبق حاصل نہیں کیا تو محض بھوکا پیاسا رہ کر یا غرباء کو مالی امداد دے کر بھی اس نے وہ غرض کھو دی جس کے حصول کے لئے یہ ارکانِ دین مقرر کئے گئے ہیں۔

روزہ اور صدقات پر ہی یہ امر منحصر نہیں بلکہ دین اسلام کے دیگر ظاہرا ارکان مثلاً نماز، حج، قربانی، قبلہ، ہجرت اور جہاد پر بھی یہی اصول صادق آتا ہے۔ قرآن کریم میں ان نمازیوں پر افسوس کیا گیا ہے جو اس کی غرض و غایت سے غافل ہو کر محض دکھاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں۔

جن کے دلوں میں نماز سے انسانی ہمدردی کا کوئی سبق پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح قربانی کے بارہ میں بھی ارشاد ہوا لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوی منکم۔ تمہاری جانوروں کی قربانیوں کے گوشت اور خون خدا کو خوش نہیں کرتے بلکہ تم میں سے جس نے ادائیگی حقوق اللہ کا سبق حاصل کیا وہی خدا کی مقبولیت کا موجب ہوا۔

نماز میں قبلہ رُو ہونا نہ صرف دین کا ایک عظیم رکن ہے بلکہ اس میں اسلامی اتحاد کا عظیم راز ... بھی مضمر ہے تاہم تحویل قبلہ کے ذکر میں صاف فرما دیا، لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ ــــ واٰتی المال علی حبہ ــــ الخ ــ نماز میں مشرق یا مغرب کی جانب رُخ کرنا بجائے خود کوئی نیکی نہیں بلکہ حقیقی نیکی تو ایمان باللہ و بالآخرۃ اور اپنے اموال کو مستحقین کی امداد میں صرف کرنا اور دیگر اخلاقی بلندیوں کے حصول میں ہے۔

خود جہاد کے بارہ میں بھی برملا یہ وضاحت کی کہ الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم بطرًا ورئاء الناس ولا یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر۔ کیا آپ نے ایسے لوگوں کی حالت کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے ہجرت کرتے اور جہاد کے لئے نکلتے ہیں لیکن ان کی غرض خدمت دین یا رضاء الٰہی نہیں ہوتی بلکہ وہ نفس کی خواہش کے ماتحت لوگوں سے خراج تحسین و آفرین کے حصول کے جذبہ کے تحت ایسا کرتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کی یہ عظیم قربانیاں بھی خدا کے ہاں قبولیت کا درجہ نہیں رکھتیں۔ چنانچہ تاریخ میں ایک ایسے شخص کا ذکر آتا ہے جو مسلمانوں کی طرف سے لڑائی میں کفار کی صفوں کو درہم برہم کر رہا تھا اور لوگ دیکھ کر عش عش کر رہے تھے۔ مگر آنحضور صلعم نے فرمایا کہ یہ شخص جہنمی ہے چنانچہ بعد میں یہ خبر ملی کہ اس نے خودکشی کر لی۔ آنحضور صلعم نے فرمایا کہ یہ شخص خدا کی خوشنودی کے لئے نہیں بلکہ اپنے نفس کی خوشنودی یعنی خراج تحسین اور دادِ شجاعت کے جذبہ سے متاثر ہو کر جہاد کر رہا تھا۔

ظاہرا افعال اگر نفس کی خواہش یعنی ریاء اور جذبۂ شہرت و عزت کی خاطر یا بطور رسم و رواج ہوں تو وہ خدا کے ہاں قبولیت کا شرف حاصل نہیں کرتے کیونکہ اس طرح نہ تو ان کی بجا آوری سے مخلوق کو فائدہ پہنچا، نہ ہی ایمانی و اخلاقی ارتقاء کا باعث بنے۔ اس لئے وہ ضائع گئے بلکہ بعض اوقات نقصان کا باعث ہوئے۔ **ظاہرا افعال اور ارکان دین کی ادائیگی فرض قرار دی گئی ہے مگر یہ لازم ہے کہ ایسی بجا آوری کا نتیجہ فرد کی ایمانی و اخلاقی رفعت کا موجب بنے۔ لہذا دینی ارکان کو محض رسم و رواج کے طور پر بجا لانا ان کی اصل غرض و غایت سے محض بے خبر رہ کر انہی تک محدود رہ جانا اور انہی ظاہرا افعال کو اصل مقصد سمجھ لینا خدا کے نزدیک کوئی نیکی نہیں جو قبول ہونے کے لائق ہو** لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ظاہرا ارکان زائد اور فضول ہیں جن کی ادائیگی فرض نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جہاں ارکانِ دین کی تہ میں جو اصل غرض پنہاں ہے وہ اوجھل ہونے نہ پائے، بلکہ وہ حاصل ہو وہاں ظاہرا افعال کی بجا آوری اس لئے لازم ہے کہ ان کے بغیر بھی اصل مقصد کا حصول ممکن نہیں۔ **انسانی جسم اور رُوح کا باہمی گہرا اور شدید تعلق ہے جس کے ماتحت اگر** روحانی محرکات کا اظہار جسمانی افعال کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ممکن ہے تو وہاں جسمانی ارکان کا اثر بھی رُوح پر پڑنا لازمی ہے بشرطیکہ اصل مقصد کو ذہن سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے۔ اگر روح میں عجز و نیاز کے جذبات موجزن ہوں تو لازماً ان کا اظہار جسم کے جھکنے اور دیگر حرکات سے ہی ہونا ممکن ہے اسی طرح اگر جسم بار بار جھکنے کی عادت ڈالے تو اس کا اثر بھی روح میں عجز پیدا کرنے کا موجب بنے گا بشرطیکہ اس مقصد سے انسان کلیتہً غافل نہ ہونے

(باقی بر صفحہ ... کالم ۲)

روزہ کا مقصد کردار کو بلند کرنا اور منکرات و فواحشات سے انسانوں کو بچانا ہے

روزہ نے عرب کے اجڈ انسانوں کو فرشتے بنا دیا

خطبہ جمعہ: مؤرخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۷۵ء - فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ، جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (سورۃ البقرۃ - آیت ۱۸۴)

(مرتبہ: عبدالرؤوف کھوکھر)

فرمایا اے ایمان والو - تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھا - تاکہ تم پرہیزگار ہو۔

روزہ کیا ہے - اس کی ظاہری صورت تو یہ ہے کہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک انسان کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے - یعنی خدا کے حکم کی بجا آوری میں حلال اشیاء کا استعمال بھی بند کر دیتا ہے - یہ ایک ظاہری صورت روزہ کی ہے - لیکن روزہ کی باطنی صورت اس سے بھی زیادہ اہم ہے اور وہ ہے اپنی زبان کو لغو باتوں - سب و شتم - غیبت اور کذب سے بچانا اور کان کو ممنوعہ اشیاء کے سننے سے روکنا اگر روزہ کا یہ حقیقی مقصد کوئی شخص پورا نہیں کرتا تو اس کو اپنی فکر کرنی چاہیئے کیونکہ روزہ کی غرض انسان میں حقیقی تقویٰ و طہارت پیدا کرنا ہے - صرف بھوکا پیاسا رہنے سے کیا حاصل ہے؟ رمضان ہمیں نیکی و خدا خوفی مخلوق خدا سے ہمدردی اور تقوےٰ و طہارت کا سبق دینے آتا ہے یہ مہینہ بڑا مبارک ہے - اس میں خدا تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے کی ہر شخص کو کوشش کرنی چاہیئے - اسی مبارک مہینہ میں قرآن کریم کا نزول ہوا تھا۔

روزہ کے متعلق تمام انبیاء و صلحا کا تجربہ ہے کہ اس سے دل کو روشنی ملتی ہے - اس آیت میں مسلمانوں کو کہا گیا ہے کہ دنیا کی اور قوموں اور پیغمبروں نے بھی روزے رکھے - خدا تعالےٰ مسلمانوں کے سامنے یہ ظاہر فرمانا چاہتا ہے کہ روزہ تمام انبیاء کرام اور صلحاء عظام کی تجربہ شدہ چیز ہے - دنیا کے تمام پیغمبروں اور صلحاء نے خدا تعالےٰ کے حکم کے مطابق روزہ رکھا اور اس کو ہر لحاظ سے مفید پایا - حضرت نبی کریم صلعم نے تو سب سے زیادہ روزے رکھے ہیں اور اس اُمّت کے صلحاء نے بھی برابر روزے رکھے ہیں اور انہوں نے روزوں کا پھل پایا۔

اس زمانہ کے مجدد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ایک طویل عرصہ تک روزے رکھے ہیں - روزہ سے کردار بلند ہوتا ہے - صبر بردباری اور برداشت کا سبق ملتا ہے - خدا تعالےٰ نے خود ہی روزہ کا مقصد بھی بیان فرما دیا ہے کہ لعلکم تتقون - خدا تعالےٰ کو سامنے رکھ کر زندگی بسر کرو - تقویٰ کا ماحصل یہ ہے کہ تم یقین کرو کہ خدا عزو جلّ ہر جگہ دیکھتا ہے - تقوےٰ دل میں ہوتا ہے - دل میں یہ تصوّر ہو کہ میرا آقا و مولا مجھے دیکھ رہا ہے - وہ میرا نگران اعلےٰ ہے - اس تصوّر سے انسان کی بدی کی طاقت دب جاتی ہے اور نیکی کی قوّت اُبھرتی ہے اور پروان چڑھتی ہے۔

حضور صلعم نے بادشاہی بھی کی - مگر درویشی کے اس طریق سے غفلت نہیں برتی - آپ نے اپنا معیار زندگی وہی رکھا جو پہلے تھا، وہی پہنا اور کھایا جو دوسرے تمام لوگوں کو ملتا تھا - دنیا میں آج تک کوئی ایسا بادشاہ پیدا نہیں ہوا جس کے دسترخوان پر حضور کی مانند روکھی سوکھی روٹی کھانے کے لئے رکھی ہو - حضور صلعم بادشاہ بن کر بھی درویشی اور فقیری کا کامل نمونہ بنے ہیں انسانی معراج کا یہ بلند ترین مقام ہے۔

روزوں کے دن بڑے مبارک ہوتے ہیں کہ دنیا بھر کے پچاس کروڑ مسلمان روزہ رکھے ہوتے ہیں - یہ صرف نبی کریمؐ کی برکت ہے - قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے حضورؐ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کی - آج بھی وہ لوگ مبارک ہیں جو نبی کریم صلعم کے اسوہ حسنہ پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں - اسی میں قوم کی سربلندی کا راز ہے - دینِ اسلام ترکِ دنیا نہیں سکھاتا بلکہ وہ تعلیم دیتا ہے کہ زندگی کے معمولات جاری رکھ کر عبادت کرو - خدا کی خوشنودی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ انسان حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو بھی پورا کرے - رمضان المبارک برکتوں والا مہینہ ہے - اس میں آسمان سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے - پس تم اس ماہ کی برکتوں سے حصّہ لو۔

روزہ کا ایک سبق یہ بھی ہے کہ حرام مال نہ کھاؤ - رزق حلال سے کردار میں بلندی پیدا ہوتی ہے - کیونکہ اخلاق اور نفسیاتی تربیت کا مہینہ ہے - اس میں مسلمانوں کو صبر، حوصلہ، برداشت، تحمل، صبر، بردباری اور دینداری کی ٹریننگ ملتی ہے - نیز شرافت اور احسان و مروّت، خدا ترسی، رحمدلی کے اوصاف روزہ ہی سے پرورش پاتے ہیں، غرباء کا احساس اور باہمی بھائی چارہ اور مساوات کا بھی روزہ سے ہی سبق ملتا ہے - اس ماہ میں دیانت و امانت کا لحاظ رکھا جاتا ہے - کیونکہ روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا، بد دیانتی کرنا یا کسی کی حق تلفی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

روزہ رکھنے سے پرہیزگاری کی مشق بھی ہو جاتی ہے - اور ہر حالت میں شرافت و دینداری کا احساس پورا ماہ بیدار رہتا ہے - پس روزہ کا اصلی اور حقیقی مقصد خدا و رسول کی منع کردہ چیزوں سے پرہیز کرنا اور احکام خداوندی کی پابندی کرنا ہے پس تم پر یہ احساس ہر وقت حاوی رہنا چاہیئے کہ روزہ رکھ کر تم نے خدا تعالےٰ کے ہر حکم کی پابندی اور اس کی تابعداری کا عہد باندھ رکھا ہے - یہ احساس تمہیں ہر برائی سے ایک پہریدار کی طرح بچائے گا - اور خدا تعالےٰ کی نافرمانی سے تمہیں روکے گا - خدا تعالےٰ کے احکام کی اجتماعی تعمیل اور تابعداری سے ایک پاکیزہ معاشرہ بنتا ہے - ایسا معاشرہ جس سے ہر فرد تخلقوا باخلاق اللہ کا عملی نمونہ ہوتا ہے۔

قرون اولیٰ میں مسلمان یہی نمونہ لے کر جہاں کہیں بھی گئے دوسروں پر نیک اثر ڈالا اس زمانہ میں مقررہ مبلغ نہ تھے بلکہ ہر مسلمان مبلغ تھا - وہ یورپ چین، سپین اور روس جہاں بھی گئے ان کے نیک نمونہ سے متاثر ہو کر لوگ جوق در جوق مسلمان ہوئے دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں مسلمانوں کے اچھے نمونہ سے لوگ متاثر نہ ہوئے ہوں پس تم بھی کوشش کرو کہ تمہارے نیک نمونہ سے لوگ اچھا اثر لیں۔ ×

بقیہ صفحہ ۳

[illegible] محض دکھلاوے اور دھوکے کی خاطر یا ریاء کے لیے نہ کیا جائے دینِ اسلام کے کامل دین ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس نے جہاں اس ارکان کو ضروری قرار دیا وہاں ان کی غرض و غایت اور مقصود و روح سے غفلت یا ریاء کو جائز قرار نہیں دیا - اس طرح انسان کی جسمانی حرکات سکنات اور اس کی رُوح کے تاثرات کے باہمی فطرتی تعلق کو نظرانداز نہیں کیا - جیسے ایک مقام پر قرآن کریم میں ارشاد ہوا وذروا ظاھر الاثم و باطنه [illegible] دو امور کے ظاہر و باطن دونوں کو ترک کر دو - گویا مثبت رنگ میں یوں کہا جائے گا کہ نیکی کے ظاہر و باطن یعنی اس کے ظاہرا افعال اور باطنی کیفیات [illegible]

مکرم شکر اللہ خان منصور صاحب ایڈووکیٹ

تحریکِ احمدیت اور غلام احمد پرویز

(قسط نمبر ۳)

بقول پرویز صاحب یہ حوالہ بامِ نبوت پر پہنچنے کا ثبوت ہے۔ یعنی دعویٰ نبوت ہے۔ الغرض پرویز صاحب۔ حضرت مرزا صاحب کے تدریجی نبوت کے دعوے کی تین سیڑھیاں بتلاتے ہیں پہلی سیڑھی کشف و الہام یعنی ولایت کا دعوےٰ۔ جس کے ثبوت میں ایک اشتہار اور کتاب حقیقۃ الوحی سے حوالے درج کئے ہیں۔ یہ اشتہار ۱۸۹۷ء میں اور حقیقۃ الوحی ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔

دوسری سیڑھی محدثیت کا دعوےٰ۔ جس کے ثبوت میں آپ کی کتب شہادت القرآن اور آئینہ کمالات اسلام سے حوالے نقل کئے ہیں۔ شہادت القرآن اور آئینہ کمالاتِ اسلام ہر دو کتب ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئیں۔

تیسری یعنی آخری سیڑھی۔ دعویٰ نبوت۔ جس کے ثبوت میں آپ کی کتاب ازالۂ اوہام سے حوالہ لکھا ہے۔ یہ کتاب ۱۸۹۰ء میں لکھی اور ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی۔ تدریجی نبوت کے دعویٰ کا یہ الزام و استدلال پرویز صاحب کے بغض و عناد پر مبنی بد دیانتی کا بڑا ہی واضح ثبوت ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ بقول پرویز صاحب آپ کے دعوے میں تدریج کی تین سیڑھیاں ہیں۔ (۱) سب سے چھوٹا دعوےٰ ولایت۔ پہلی سیڑھی

(۲) ولایت سے بڑا دعوےٰ محدثیت۔ دوسری سیڑھی

(۳) محدثیت سے بڑا دعویٰ نبوت۔ آخری سیڑھی

اور الزام لگاتے ہیں کہ آپ سب سے چھوٹے دعویٰ ولایت سے شروع کرکے بڑے دعویٰ نبوت پر جا پہنچے۔ یعنی پہلی سیڑھی سے آخری سیڑھی پر چڑھ گئے۔ لیکن ثابت یہ کرتے ہیں کہ سب سے بڑا دعویٰ نبوت سب سے پہلے یعنی ۱۸۹۰ء میں کیا۔ اس سے چھوٹا دعویٰ محدثیت ۱۸۹۳ء میں کیا۔ پھر اس سے چھوٹا دعوےٰ ولایت ۱۸۹۷ء میں اور ۱۹۰۷ء میں کر دیا۔ گویا آپ سب سے پہلے آخری سیڑھی پر چڑھ گئے پھر نیچے اتر کر دوسری سیڑھی پر آئے۔ اور پھر اور نیچے اتر کر پہلی سیڑھی پر آگئے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نیچے سے اُوپر کی طرف نہیں گئے بلکہ اُوپر سے نیچے کو آئے۔ العجب ثم العجب۔ یہ بغض و عناد کا نتیجہ ہے جس نے پرویز صاحب کی قوتِ فکر و فہم مفلوج کر دی ہے۔ ان کی دیگر بد دیانتیوں۔ بے انصافیوں جھوٹوں اور جھوٹے الزاموں کا ذکر ہم دوسرے مضمون میں کریں گے۔ اس جگہ ان کی "گپ بازی" کا ایک نمونہ درج کرکے مضمون ہذا کو ختم کرتے ہیں۔

پرویز صاحب کی گپ بازی

پرویز صاحب کی قلم سے ان کی کتاب "معراج انسانیت" میں ایک تحریر نکلی ہے جو انشاء پردازی کا نمونہ ضرور ہے مگر حقیقت کے اعتبار سے سراسر گپ بازی ہے۔ اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے پرویز صاحب کو بڑا تکبر و تفاخر ہے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کے دعویٰ ماموریت من اللہ کو جھٹلانے کے لئے وہ اپنی اس تحریر کو اپنی کتاب "ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت" میں دوہراتے ہیں۔ تحریر مذکورہ منقولہ ذیل ہے:۔

"نبوت کا مقام اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ اس کے تصور سے روح میں بالیدگی۔ نگاہوں میں بصیرت۔ ذہن میں جلا۔ قلب میں روشنی۔ خون میں حرارت۔ بازوؤں میں قوت۔ ماحول میں درخشندگی۔ فضاؤں میں تابندگی اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ نبی کا پیغام انقلاب آفریں۔ دین و دنیا کی سرفرازیوں اور سربلندیوں کا امین ہوتا ہے۔ وہ مردوں کی بستی میں صور اسرافیل پھونک دیتا ہے۔ اس سے قوم کے عروق مفلوج میں پھر سے خونِ حیات رقص کرنے لگ جاتا ہے وہ اپنی ملت کو زمین کی پستیوں سے اُٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے اور ان کے ایک ہاتھ میں زمین کی خلافت اور دوسرے میں آسمان کی بادشاہت دے دیتا ہے۔ وہ اپنی ہوش رُبا تعلیم محیر العقول عمل سے باطل کے تمام نقاشہائے کہنہ کی بنیادیں اکھیڑ کر آئین کائنات کو ضابطۂ خداوندی پہ متشکل کر دیتا ہے اس سے زندگی ایک نئی کروٹ لیتی ہے۔ آرزوئیں آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھتی ہیں۔ ولولے جاگ پڑتے ہیں۔ ایمان کی حرارتیں دلوں میں سوز اور جگر میں گداز پیدا کرتی ہیں۔ روح کی مسرتوں کے چشمے اُبلتے ہیں۔ قلب و جگر کی نورانیت کی سوتیں پھوٹتی ہیں۔ تازہ اُمیدوں کی کلیاں چٹکتی ہیں زندہ مقاصد کے غنچے چٹکتے ہیں اور اس خوش بخت قوم کا صحن چمن دامان صد باغبان و کفِ ہزار گلفروش کا فردوسی منظر پیش کرتا ہے۔ حکومت الٰہیہ کا قیام اس کا نصب العین اور قوانین خداوندی کا نفاذ اس کا منتہیٰ ہوتا ہے جب اس کے ہاتھوں خدا کی بادشاہت کا تخت اجلال بچھتا ہے۔ تو باطل کی ہر طاغوتی قوت پہاڑوں کے غاروں میں منہ چھپاتی پھرتی ہے۔ جور و استبداد کے قصر فلک بوس کے کنگورے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ طغیان و سرکشی کے آتشکدے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں وہ اپنے ساتھیوں کی قدوسی جماعت کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے باہر نکلتا ہے تو فتح و ظفر اس کی رکاب چومتی ہے۔ شوکت و حشمت اس کے جلو میں چلتی ہے سرکش اور خود پرست قوتیں اس کے خدائے واحد القہار کا کلمہ پڑھتی ہیں اور خدا اور اس کے فرشتے اس انقلاب آفریں ملکوتی کارناموں پر تحسین و تبریک کے پھولوں کی بارش کرتے ہیں" (صفحہ ۲۹۰ تا ۲۹۲)

اس تحریر کے الفاظ بڑے خوبصورت اور فقرے بہت دلربا ہیں۔ مگر مدعا و مقصد کے لحاظ سے "نری گپ" ہے۔ کہتے ہیں پرویز صاحب کہ انہوں نے شمعِ قرآنی کی ضیا پاشی سے اکتساب کرکے یہ تحریر سپردِ قلم کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریر قرآن کریم کے صریحاً منافی ہے اور تاریخ انبیاء و مامورین الٰہی کے بالکل برعکس ہے۔ محض شریعتِ اسلامیہ کی حد بندیوں سے مفرور چند حلقہ بگوشوں کے درمیان بنگلہ گلبرگ میں پرویز صاحب کی ذہنی خیال آرائی کی عیاشی ہے۔ پرویز صاحب ہمیں بتلائیں کہ

(۱)۔ حضرت نوح علیہ السلام منجانب اللہ نبی مبعوث ہوئے۔ مدتوں اپنی قوم کو تبلیغ و ہدایت کرتے رہے مگر انہوں نے قبول نہ کیا بلکہ بڑے زور کی مخالفت کی بالآخر حضرت نوحؑ کو بدرگاہِ الٰہی یہ دردمندانہ دعا کرنی پڑی ربِ انی مغلوب فانتصر اور خدا نے اس ساری قوم کو طوفان نوح کے ذریعہ غرق آب کرکے مٹا دیا۔ یہاں پرویز صاحب کی اس ذہنی خیال آرائی کی عیاشی کیونکر چسپاں ہوتی ہے۔

(۲)۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام خدا کے عظیم الشان نبی تھے۔ اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعونِ مصر کے ظلم و استبداد سے بچا کر نکال لائے۔ خدا نے من و سلویٰ سے انہیں سرفراز کیا۔ اس قوم نے اس نعمت کو ناپسند کرتے ہوئے دوسری چیزوں کی خواہش۔ حضرت موسےٰ نے انہیں حکم دیا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ اور قبضہ کرکے اپنی پسند کی چیزیں کھاؤ یہ اللہ تعالےٰ کی منشاء اور اس کا حکم ہے۔ اس قوم موسےٰ نے اس حکم کو ماننے سے دھڑلے سے انکار کیا اور کہا۔ قالوا یموسیٰ ان فیھا قوما جبارین و انا لن ندخلھا حتیٰ یخرجوا منھا اور قالوا یموسیٰ انا لن ندخلھا ابداً ما داموا فیھا فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون۔ (سورۃ المائدہ)

جس پر لعنتِ خداوندی کے مستحق ہے۔ پرویز صاحب بتلائیں کہ انکی منقولہ بالا ذہنی خیال آرائی کی عیاشی یہاں کس طرح چسپاں ہوئی؟

(۳) حضرت صالح علیہ السلام خدا کے عظیم نبی تھے۔ ان کی قوم ان کی قبولیت سے انکار کرتی اور نشان مانگتی۔ خدا نے انہیں اونٹنی کا نشان دیا جسے اس قوم نے ذبح کر ڈالا جس پر وہ عذاب الٰہی کی مورد و مصداق بنی: حضرت

یونس علیہ السلام قوم سے تنگ ہو کر مچھلی کے پیٹ میں پناہ گزیں ہوئے علیٰ ہذا القیاس حضرت شیثؑ۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت لوطؑ۔ حضرت ادریسؑ حضرت ذکریاؑ۔ حضرت الیاسؑ اور حضرت ایوبؑ وغیرھم علیہم السلام کی قومیں ان کے انکار اور مخالفت کے باعث عذاب الہٰی سے ملیا میٹ ہوئیں۔ بتلائے کہ پرویز صاحب کی گپ بازی یہاں کیونکر صادق آئی؟

(۴) حضرت ابراھیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا۔ حضرت ذکریا کو آرے سے چیرا گیا حضرت عیسیٰ کو صلیب پر کھینچا گیا۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کی تکلیفات کے ہاتھوں راتوں رات مکہ سے مدینہ بھاگنا پڑا۔ پتھروں سے لہو لہان ہوئے۔ دانت شہید کرائے۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ قوم کے ہاتھوں شہید ہوئے جس سے تاریخ اسلامی کا رُخ یکسر بدل گیا۔ خلیفہ رابعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ قوم کے ہاتھوں شہید کئے گئے۔ جنگہائے جمل و صفین میں ہزاروں لاکھوں مسلمان خود قوم نے تہ تیغ کئے۔ واقعہ ہائلہ کربلا قوم کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا۔ پرویز صاحب بتلائیں کہ انکی منقولہ بالا گپ بازی اور ذہنی خیال آرائی کی عیاشی ان واقعات پر کیونکر چسپاں ہوتی ہے؟ خداوند تعالےٰ نے اپنے کلام پاک قرآن کریم میں اس پرویزی گپ بازی کی کھلی تکذیب اور تردید کی ہے جیسا کہ فرمایا ہے یٰحسرۃً علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون اور قوموں کے متعلق: یقتلون النبیین بغیر حق۔ دراصل پرویز صاحب تاریخ اسلامی والانبیاء اور قرآن کریم کو اپنے خیالات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں مگر انکی یہ کوشش رائگاں اور فضول ہے ؎ ایں خیال است و محال است و جنوں کیونکہ حق حق ہے اور جھوٹ جھوٹ۔ نبی کے متعلق پرویز صاحب کے خیالات اوپر ۳ اب مجدد مسیح یا مہدی کے بارے میں ان کے خیالات ملاحظہ ہوں:

"مقامِ نبوت تو ایک طرف شمع نبوی سے اکتساب ضیا کرنے والے مردِ مؤمن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی نگاہوں سے قوموں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ ایک اللہ کے سوا کسی کا خوف اس کے دل تک نہیں پہنچ سکتا۔ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اس کی شمشیر جگر دار کے سامنے لرزہ براندام ہوتی ہیں۔ اس کی قوتِ بازو حکومتِ خداوندی کے تمکن و بقا کی ضامن ہوتی ہے وہ قوانین خداوندی کا عملاً نفاذ کرتا ہے۔ یہ وہ مجدد ہوتا ہے جس کی قوت ایمانی اور بصیرتِ قرآنی سے محمد رسول اللہ والذین معہ کے عہد سعادت مہد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے یہ وہ مسیحا ہوتا ہے جس کے اعجاز نفس سے مردہ قوم میں از سرِ نو زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ یہ وہ مہدی ہوتا ہے جو خود اللہ کے صراط مستقیم پر گامزن ہو کر ساری دنیا کے لئے ہدایت و ارشادات کا نمونہ بن جاتا ہے۔ یہی وہ مرکز ہوتا ہے جس کے گرد ایسی جماعت کا دائرہ کھنچ جاتا ہے جس کے متعلق فرمایا کہ یحبھم ویحبونہٗ اذلۃٍ علی المؤمنین اعزۃٍ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم (۲۹)

حالاتِ زمانہ

ہمیں پرویز صاحب کے ان اظہارات پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن صدی چودھویں کے حالات سب کے سامنے ہیں۔ علامہ اقبال صاحب کے بیانات بھی اس بارے میں واضح ہیں۔ خود بقول پرویز صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے فوراً بعد مجوسی سازشوں نے دینِ اسلام کو بری طرح بگاڑا۔ مسلمان سب کے سب ان کی سازشوں میں آ کر قرآن کریم کی تعلیمات سے دور جا پڑے اور اللہ کے صراط مستقیم سے بالکل ہٹ گئے۔ سیاسی دینی اور اخلاقی طور پر گمراہی اور ضلالت اُن پر مسلط ہو گئی۔ دیگر دنیا کی حالت بھی ابتر ہے۔ ایشیا۔ افریقہ۔ یورپ۔ آسٹریلیا۔ امریکہ سب گمراہی اور ضلالت میں غرق ہیں گویا تمام دنیا کا نظارہ ظھر الفساد فی البر والبحر کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔

پرویز صاحب سے ہمارا سوال

ان حالات میں پرویز صاحب بتلائیں کہ نبی تو نہ سہی مگر کسی "مردِ مؤمن" مجدد، مسیح، مہدی کے منجانب اللہ آنے کی ضرورت ہے یا نہیں جو آ کر وہ نتائج پیدا کر دے جن کا اظہار پرویز صاحب نے کیا ہے؟ اور کیا گذشتہ چودہ صدیوں میں کوئی ایسا مردِ مؤمن پیدا ہوا تھا یا نہیں؟ پرویز کا کہنا یہ ہے کہ ایسا مردِ مؤمن نہ پہلے کوئی ہوا نہ آئندہ تا قیامت خدا کی طرف سے کوئی آئے گا۔ خدا نے انسان کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اس کی مدد اور رہنمائی سے ہمیشہ کے لئے ہاتھ اُٹھا لیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کے لیئے اب تا ابد مایوسی اور نامرادی ہے۔ خدا کی طرف سے کسی مردِ مؤمن یعنے مجدد، مسیح یا مہدی نے ظاہر ہونا نہیں قوم کی مردہ رگوں میں زندگی کی لہر نے دوڑنا نہیں۔ اللہ کے صراط مستقیم پر انسانوں نے قائم ہونا نہیں۔ قوانین خداوندی کا کسی اور سے عملاً نفاذ ہوتا نہیں کیونکہ علامہ اقبال صاحب بھی گذر گئے۔ خود پرویز صاحب بھی گذر جانے کو ہیں۔ لہٰذا حسب الخیال پرویز صاحب ملتِ اسلامیہ سے گمراہی اور ضلالت کبھی دُور نہ ہوگی اور انسانیت کی قسمت میں اب ہمیشہ کے لئے ماسوا مایوسی اور ناامیدی تباہی اور بربادی کے اور کچھ نہیں۔ یہ ہے پرویز صاحب کی "فکری تحریک" اور اس کا پیغام۔ العجب ؎

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

(باقی باقی)

پیغام اسلام کا احیاء مشرق و مغرب میں اسلام کا پھیلنا اور ترقی یافتہ قوموں کا اسکی طرف رجوع کرنا حضرت مجدد وقتؑ کی دعاؤں اور تڑپ کا نتیجہ ہے

حضرت مجدد وقت سے پہلے اسلام بڑا سخت مغلوب ہو چکا تھا اور خیال یہ پیدا ہو گیا تھا کہ اسلام برائے نام بچ بھی رہے۔ تو غنیمت ہے۔ اس کو دوسروں کو پہنچانا، اس کو دنیا میں منوانا اس کا تو کسی کو وہم بھی نہ ہو سکتا تھا مگر عین مایوسی کے عالم میں حضرت مجدد زمانؑ اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور پھر اسؑ کے دوبارہ روحانی و جسمانی غلبہ کا پیغام لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور دنیائے مذاہب میں ایک زلزلہ بپا کر دیا۔

حضور نے فرمایا کہ:۔

اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے

"اے تمام وہ لوگو۔ جو زمین پر رہتے ہو۔ اور اے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق و مغرب میں آباد ہو۔ میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت دیتا ہوں۔ کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے۔ اور سچا خدا بھی صرف وہی ہے۔ جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ صلعم ہے۔"

غلبہ اسلام کا زمانہ قریب ہے۔ اب ہماری جماعت کو پورے زور اور اعتماد کے ساتھ اس فتح و غلبہ کے آثار سے مسلمان بھائیوں کو آگاہ کرنا چاہیئے۔ اور

سچائی کی متلاشی دنیا تک اسلام کا پیغام پہنچانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ہمارا ہی کام ہے۔

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

دنیا کی مشکلات کا حل اشتراکیت میں نہیں بلکہ اسلام میں ہے۔

دولت کے متعلق اسلام اور محمد رسول اللہ صلعم کا نظریہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

موجودہ مشکلات سے نجات رسول اللہ صلعم کی پیروی میں

اس وقت اس قدر مصائب اور مشکلات مسلمانوں کے سامنے ہیں کہ سوائے اس کے کہ کسی یقینی بات کے پیچھے لگ جائیں ایسی بات کے پیچھے جس پر عمل کرنے سے ان کی نجات یقینی ہو، کوئی مخلصی کی راہ نظر نہیں آتی، مشکلات ایک طرف ہیں اور خیالات کی پریشانی اور مختلف آرائے دوسری طرف۔ کوئی ایک رستہ تجویز کرتا ہے اور کوئی دوسرا، اللہ تعالے فرماتا ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ تمہارے لئے رسول اللہ صلعم کی پیروی ہیں آپؐ کے نقش قدم پر چلنے ہیں۔ آپؐ کو اپنے لئے نمونہ بنانے ہیں تمام خوبیوں سے بھرا ہوا رستہ ہے۔ یہ تو قرآن کے الفاظ ہیں فی الحقیقت اگر سوچا جائے اور تاریخی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو یہ صاف نظر آتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی تمام مشکلات سے نکالنے اور کامیابی تک پہنچنے کی یقینی اور قطعی راہ ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کو دنیا دیکھ چکی ہے کن مشکلات میں دنیا تھی جب آپ مبعوث ہوئے کس طرح اس وقت بھی اور آپؐ کے بعد بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے سے دنیا نے مشکلات سے نجات حاصل کر لی۔ فی الحقیقت ان لوگوں میں جنہوں نے آپ کو قبول کیا بڑی زبردست ایمانی قوت بڑی زبردست فراست تھی کہ انہوں نے بغیر کچھ دیکھنے کے کہ کس طرح آپ کامیابی کی منزل پر پہنچائیں گے آپ کی پیروی کی۔ اس پیروی سے جو فوائد دنیا کو حاصل ہوئے ان کی نظیر نہیں ملتی۔ آج تیرہ سو برس کے بعد ہم نے دیکھ لیا تاریخی رنگ میں دیکھ لیا کہ سوائے محمد رسول اللہ صلعم کے ایسا کوئی ہادی و رہنما نہیں ہوا جس کی پیروی دنیا کے لئے دکھوں اور مشکلات سے نکلنے کا موجب ہوئی ہو، مسلمانوں کے پاس ایسے ہادی کے ہوتے ہوئے اس پر ایمان رکھتے ہوئے آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نہیں ملتی۔ یہی ان کی ناکامی کا موجب ہے، آپ دیکھیں گے کہ اس وقت ان کے خیالات میں کس قدر تشتت اور پراگندگی ہے۔ بہت سے لوگ جنہوں نے قرآن کریم اور رسول اللہ صلعم کی سیرت کو نہیں پڑھا ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔

مشکلات کا حل اشتراکیت میں نہیں اسلام میں ہے

ایک بڑی آفت اس وقت اشتراکیت کے رنگ میں پیدا ہوئی ہے۔ غربت اور افلاس کی وجہ سے یا دولت مندوں کے مظالم اور ان کی طرف سے غرباء کی حق تلفیوں کو دیکھ کر لوگوں کا خیال اس طرف جاتا ہے کہ شاید دنیا ان دکھوں سے نکل سکتی ہے اگر دولت کی مساوی تقسیم ہو جائے۔ اس لئے اشتراکیت انہیں ایک دل خوش کن چیز نظر آتی ہے کہ کم از کم اس کے ذریعہ سے سب کو روٹی کپڑا تو ایک جیسا ملے گا۔ مسلمانوں نے اگر رسول اللہ صلعم کے حالات کو غور سے مطالعہ کیا ہوتا تو کبھی یہ خیالات ان کے دلوں میں پیدا نہ ہوتے۔ اس لئے کہ ان کے سامنے ایک کامل رہنما کی تصویر ہوتی جس کی وجہ سے ان کے دل کبھی دوسری طرف کھینچے نہ جاتے۔

یہ اشتراکیت کی بیماری ہمارے پنجاب میں بھی پیدا ہوئی ہے اور بالکل سچی بات ہے کہ ان لوگوں کے اندر پیدا ہوئی ہے جنہوں نے قرآن اور سیرت نبویؐ کو مطالعہ نہیں کیا۔ صرف ایک چیز دولت کی مساوی تقسیم کو انہوں نے سامنے رکھا ہے اور سمجھتے ہیں کہ اس سے تمام مشکلات کا حل ہو جائے گا حالانکہ دنیا میں کہیں بھی ایسا نہیں ہوا کہ سب کو ایک جیسا ملا ہو، خود روس میں جہاں سے اشتراکیت پیدا ہوئی فرق مراتب موجود ہے اور ہر ایک کو اس کے مرتبہ یا خاص کام کے لحاظ سے دیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلعم نے اصلاح کی بنیاد مساوی تقسیم دولت پر نہیں بلکہ خدا کی ہستی پر رکھی۔

تو ان حالات میں کیا مشکلات کا حل اشتراکیت کر دیگی۔ کیا محض دولت کی مساوی تقسیم تمام مشکلات کو دور کر دے گی، غور کر کے دیکھئے تو مشکلات کا حل دولت کی مساوی تقسیم میں نہیں بلکہ دنیا کے اندر امن قائم ہونے میں ہے وہ کہاں سے؟ محمد رسول اللہ صلعم نے اس سے بہت بلند تر کام کیا جو دولت کی مساوی تقسیم سے ہو سکتا ہے، جو کام آپ نے کیا وہ اشتراکیت ہرگز نہیں کر سکتی، آپ نے اصلاح کی بنیاد مادی چیزوں پر نہیں رکھی، بلکہ خدا کی ہستی پر رکھی ہے۔ خدا کی ہستی پر ایمان ہو، خدا کا خوف دل میں ہو تو بادشاہت کے تخت پر بیٹھ کر لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کر سکتا اور مخلوق خدا کو آرام دے سکتا ہے۔

ابتدائے اسلام کی بادشاہتیں

دیکھئے وہ بادشاہ تھے جو ابتدائے اسلام میں ہوئے اگرچہ وہ بادشاہ نہیں کہلائے اسلام کا میں بڑا کمال سمجھتا ہوں کہ اس نے بادشاہت کا لفظ اڑا دیا۔ وہ حکمران ضرور تھے۔ دولت بھی ان کے پاس تھی، لیکن خدا کا خوف دلوں میں تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکمران ہو کر غریبوں اور بیکسوں کے ساتھ جو نیک سلوک روا رکھا اس کی نظیر کسی بادشاہت میں نہیں ملتی۔ یہ بادشاہ جو بعد میں ہوئے یہ اسلام کی بادشاہت نہ تھی بلکہ ذاتی حکمرانیاں تھیں۔ ان بادشاہتوں میں بڑے بڑے ظلم انسانوں پر ہوتے ہیں۔

نبی کریم صلعم کی بعثت سے پہلے کی انسانی ہمدردی اور بعثت کے بعد انقلاب

تو میں نے کہا اسلام نے جو کمال کیا وہ یہ ہے کہ دنیا کو آرام پہنچانے کی اس کے مصائب کو دور کرنے کی بنیاد خدا کی ہستی پر رکھی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے بھی غرباء کے ساتھ ہمدردی کرتے غلاموں کی آزادی میں کوشاں رہتے۔ بیواؤں اور یتیموں کی امداد کرتے تھے۔ لیکن جب وہ وقت آیا جس کو بعثت کہتے ہیں، تو میں ایک نیا رنگ پیدا ہو گیا۔ وہ بعثت کیا تھی صرف مادی امور تک ہمدردی کو محدود نہ رکھنا بلکہ خدا کی ہستی پر ایمان پیدا کرنے کا نام تھا۔ بعثت وہ انقلاب ہے جو جسمانی ہمدردی سے بڑھ کر خدا پر یقین و ایمان پیدا کرنے کا ذریعہ تھی، **خدا پر ایمان نہ ہو تو انسان کے اندر ہمدردی کے جذبات پورے طور پر پیدا نہیں ہوتے** بلکہ جس طرح درندے دوسروں کو کھاتے ہیں اسی طرح انسان انسانوں کو کھاتے ہیں۔

قرآن اور سیرت نبویؐ سے اشتراکیت ثابت کرنیکی کوشش

میرے ایک دوست نے اشتراکیت پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ آخر قرآن میں جو ہے للہ ما فی السمٰوات و ما فی الارض آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب خدا کا ہے تو افراد کو قبضہ و تصرف کا کیا حق ہے۔ یہ اب ایک اور رنگ اشتراکیت کا جواز ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ اب قرآن سے لوگ اشتراکیت نکالنا چاہتے ہیں۔ دوسری بات انہوں نے یہ کہی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے پاس کچھ نہیں رکھا، وہ تو جو کچھ ہوتا دوسروں پر صرف کر دیتے تھے۔

انفرادی ملکیت اور قرآن کریم

میں نے انہیں کہا کہ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی انسان کسی چیز کا مالک نہیں تو اس دنیا میں کوئی نظام قائم نہیں رہ سکتا اسلام کی تعلیم ٹھوس عملی تعلیم ہے وہ تو حضرت مسیح کی طرح یوں بھی نہیں کہتا کہ اگر کوئی تجھ سے کوٹ مانگے تو تو اس کو کرتہ بھی اتار دے۔ اگر کوئی تجھے ایک میل بیگار لے جانا چاہے تو تو دو میل چلا جا، وغیرہ، اسلام اس قسم کی ناقابل عمل تعلیم نہیں دیتا، ٹھیک ہے کہ للہ ما فی السمٰوات و ما

فی الارض کہا ہے لیکن پھر بھی خدا نے حکم دیا ہے کہ کوئی چیز جس کے پاس ہے اس کی رضامندی کے بغیر نہ لی جائے ۔ لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ جو مال کسی کے پاس ہے وہ اسی کا ہے ، اس کی رضامندی کے بغیر نہیں لیا جا سکتا وہ چاہے مفت دیدے چاہے بدل کر دیدے ، کوئی دنیا کا نظام ذاتی ملکیت کے بغیر نہیں چل سکتا ۔ اور خدا نے خود فرمایا ہے وھم لھا مالکون ۔ وہ ان چیزوں کے مالک ہیں ، تو معلوم ہوا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ اونر شپ کوئی نہ ہو ۔ اگر اونر شپ نہ ہو تو جو چیز جس کا دل چاہے اُٹھا لے جائے گا اور دنیا میں ابتری مچ جائے گی ۔

زمین کی ملکیت اور اسلام

رہا زمین کی ملکیت کا سوال تو یہ ملکیت بھی رسول اللہ صلعم کے سامنے تھی ۔ اور آپ نے اس کو قائم رکھا یہ ضرور فرمایا کہ جس کے پاس زمین زیادہ ہے وہ اسے بٹائی پر بھی دے سکتا ہے ۔ اگر وہ اسے اپنے غریب بھائی کو مفت دیدے تو وہ اس کے لئے ثواب کا موجب ہے ۔

زمین اور انڈسٹریوں کا حصہ غرباء کو دینا اچھا کام ہے

اس لئے اگر بہت زیادہ زمینوں کے مالکوں سے حکومت کچھ حصہ لے کر غرباء کو دیدے تو اس میں ہرج بھی نہیں ، غرباء کی خبر گیری اور چیز ہے اور لوگوں کی ملکیت کے اصول کو توڑنا اور چیز ہے ۔ اسی طرح اگر بڑی بڑی انڈسٹریاں حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر انہیں غرباء کی امداد کا ذریعہ بنائے تو یہ ایک اچھا کام ہے ۔

اسلام میں اشتراکیت کے صحیح اصول

اشتراکیت کے صحیح اصول اسلام میں موجود ہیں کس طرح زکوٰۃ کا اصول باندھا ، ورثہ کا اصول باندھا ، ورثہ میں ترک کے لفظ سے یہ بتایا کہ ہر شخص کی کچھ ملکیت ہوتی ہے جس کو وہ دوسروں کے لئے چھوڑتا ہے ۔ پھر سود کی ممانعت کا اصول باندھا اس طرح دولت کی مساوی تقسیم بھی کر دی جہاں تک مساوات ہو سکتی ہے اور ملکیت کا اصول بھی قائم رکھا جس دن یہ کام ہو گا کہ ملکیت نہ ہو اس دن دنیا میں کوئی نظام نہ رہے گا ۔

رسول اللہ صلعم کا صدقہ وخیرات اور ملکیت کا اصول

دوسری بات جو کہی جاتی ہے ۔ کہ رسول اللہ صلعم اپنے پاس کچھ نہ رکھتے تھے ۔ اس میں شبہ نہیں کہ آپ نے اپنے پاس کچھ نہ رکھا ، جو کچھ آپ کے پاس ہوتا وہ دوسروں پر خرچ کر دیتے جب کوئی سائل آپ کے پاس آ جاتا تھا آپ کبھی اسے لا نہیں کہتے تھے ۔ یہ آپ سے لینے کی چیزیں ہیں مگر اس سے بھی ملکیت کا اصول باطل نہیں ہوتا ۔ آپ دے دیتے تھے ۔ مگر آپ کا دینا ہی ظاہر کرتا ہے کہ ملکیت کا اصول قائم تھا ۔ یہ آپ کا اختیار تھا جتنا چاہیں دے دیں جس کو چاہیں دیں ، اسلام حکومت کے ذریعہ نہیں لیتا بلکہ انسان کی ذہنیت کو مال کے متعلق تبدیل کر کے لیتا ہے ۔ اگر آپ اس بلند مقام پر تھے کہ آپ ہر چیز دیتے چلے جاتے تھے تو دوسروں کو بھی یہی تعلیم دی ان کی ملکیت کو زائل کر کے نہیں بلکہ ان کی ذہنیت کو تبدیل کر کے یہ اچھا کام ہے ورثہ کا اصول زکوٰۃ کا اصول بتاتا ہے کہ مال کے ہونے کو بُرا نہیں قرار دیا ۔

دولت کے متعلق اسلام اور محمد رسول اللہ صلعم کا نظریہ

لیکن یہ بھی صحیح کہ محمد رسول اللہ صلعم نے اپنے گھر میں کچھ نہیں رکھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دولت کا نظریہ کچھ اور ہونا چاہیئے وہ جمع کرنے کے لئے نہیں خرچ کرنے کے لئے ہے ہاں خرچ کرنے کے لئے جمع کرنا چاہیئے ۔ ہمارے ہادی صلعم نے اپنے پاس کچھ نہیں رکھا اس لئے ہمارا نظریہ یہ ہونا چاہیئے کہ یہ خدا کی عطا ہے اور ہم بطور امین کے ہیں وفی اموالھم حق للسائل والمحروم ۔ غرباء کا ہمارے اموال میں حق ہے ۔ قریبیوں کا حق ہے ۔ مسکینوں کا حق ہے ۔ اسلام نے ملکیت تو ضرور رکھی ہے ۔ لیکن ملکیت کو محدود کر دیا ہے ، اسی لئے فرمایا الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ۔ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے چلے جاتے ہیں اور اسے خدا کے رستہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذابِ الیم کی خبر دیدو ۔ معلوم ہوا دولت کی ملکیت کو اسلام نے محدود کر دیا ہے ۔ اسلام نے دولت کا وہ نظریہ نہیں رکھا جو عام دنیا کا ہے ، اس میں دنیا کی نجات ہے ، جس دن محمد رسول اللہ صلعم کی کامل تصویر دنیا کے سامنے آئے گی ، دنیا حیران رہ جائے گی ۔ یہ مسیح کی تعلیم نہ تھی جس پر کوئی عمل کرنے والا نہ ہو ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے آپ کی تعلیم کی ایک ایک بات کو عملی جامہ پہنایا ۔ دولت کماؤ لیکن جب دینے کا وقت آئے تو دل میں ذرا جھجک پیدا نہ ہو ، دولت کے کمانے میں اسلام نے روک نہیں پیدا کی لیکن نظریہ یہی رکھا کہ ضرورت کے موقعہ پر خرچ کرنے سے دریغ نہ کیا جائے ۔

عمال حکومت کی مال سے محبت اور ہمدردی انسانی کا فقدان

میں نے کہا کہ حکومت کے عاملوں کی آنکھ میں الا ماشاءاللہ انسانوں کو مرتے ہوئے دیکھ کر ایک آنسو بھی نہیں آیا کوئی ہمدردی کا جذبہ پیدا نہیں ہوا ۔ یہ کیا ہے ؟ فی الحقیقت خدا کا خوف دلوں میں نہیں رہا ۔ مال کی محبت میں اس قدر اندھے ہو چکے ہیں کہ اپنی ہی فکر ہے ۔ جو کچھ ہو اپنے گھر میں آ جائے دوسرے خواہ مریں یا جیئیں ۔ کوئی پرواہ نہیں ہوتی ۔ یہ مال کی محبت ہی تباہی کا موجب ہے ۔

زائد مال کو ہمدردی انسانی پر خرچ کرو

اللہ تعالیٰ نے بے شک حکم دیا ہے کہ مال کماؤ لیکن یہ بھی فرمایا ہے کہ اسراف مت کرو ، بے شک اپنا پیٹ بھرنے کے لئے خرچ کرو ۔ لیکن اسراف نہ کرو ، یہ ہوس نہ ہو کہ اتنے زیادہ کھانے دسترخوان پر ہوں ، ایسے قیمتی اور اعلیٰ کپڑے زیب تن ہوں ، کپڑا تن ڈھانکنے کے لئے بکار ہے ، جیسا مل جائے پہن لے ۔ کھانا بھوک مٹانے کے لئے ضروری ہے جس چیز سے بھوک مٹ سکتی ہے کھا لے اور باقی مخلوقِ خدا کی ہمدردی میں خرچ کر دے ۔ یہ لوگوں کے اندر ہوس لگ گئی ہے کہ اپنے آپ پر بہت خرچ کیا جائے ۔ یہ بیماریاں ہیں ، نمونہ جو ان کے سامنے رکھا وہ یہ ہے کہ تمہارا پیشوا وہ ہے جس نے اپنے گھر میں کچھ نہیں رکھا ۔

نوجوان اپنا نظریہ مال کے متعلق بدلیں

اس لئے ہم کو بھی اپنا نظریہ مال کے متعلق بدل دینا چاہیئے بڑی عمر کے لوگ جو چالیس چالیس پچاس ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ چکے ہیں ان کا نظریہ تو پختہ ہو چکا ہے ، لیکن نوجوان اپنا نظریہ آسانی سے بدل سکتے ہیں ۔ ہمارے نوجوانوں کو صرف اپنی روٹی اور لباس ہی کا خیال نہ ہو بلکہ دوسروں کی بھی ضروریات اور اسلام کی ضروریات کا بھی خیال ہو ۔

دنیا کی نجات محمد رسول اللہ صلعم سے وابستہ ہے

اور میں تو آپ سے عرض کروں گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو آپ نے کبھی نہیں پڑھا آپ یہی اس کو پڑھیں اور پھر پڑھیں ۔ کسی دوست نے اگلے دن کہا تھا کہ دس شرائط بیعت اور کشتی نوح کا ایک حصہ ہر روز پڑھا کریں ۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ ہمارے بڑوں اور چھوٹوں ، نوجوانوں اور بچوں اور عورتوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو ہر روز پڑھنا چاہیئے ۔ اس کا کوئی نہ کوئی حصہ روزانہ سب کے لئے مطالعہ میں آتے رہنا چاہیئے ، قرآن کا کوئی حصہ ضرور ہر روز پڑھو اور خوب یاد رکھو کہ دنیا کا آخری نبی ، آخری نجات دہندہ محمد رسول اللہ صلعم ہے ۔ اور دنیا کی نجات کبھی نہیں ہو گی جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نہ گرے گی ۔

ہفت روزہ پیغام صلح خود پڑھنے کے بعد دوسرے لوگوں تک پہنچائیں ۔

اخبارِ احمدیہ

دو سوال: دارالسلام سے ایک دوست نے علامہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی خدمت میں وتر کی ادائیگی کے طریقہ اور دو نمازوں کے جمع کرنے کی ضرورت پیش آتے پر درمیانی سنتیں پڑھنے یا نہ پڑھنے کے متعلق دو سوال تحریر کئے تھے علامہ مصری صاحب کا دونوں سوالوں کا جواب افادۂ عام کی خاطر ہدیہ قارئین کرام ہے:۔

جواب: وتر کے بارہ میں گذارش ہے۔ کہ حنفی احباب تو تین وتر مغرب کے فرضوں کی طرح اکٹھے ہی پڑھتے ہیں یعنی دوسری رکعت میں تشہد کے بعد کھڑے ہو کر تیسری رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں۔

لیکن ہمارے امام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ عمل تھا کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیتے تھے اور تیسری رکعت الگ پڑھ کر سلام پھیرتے تھے۔ گویا دو دفعہ سلام پھیرا کرتے تھے۔

نیز دعائے قنوت کے متعلق بھی آپ نے پوچھا ہے دعائے قنوت تیسرے وتر میں بعد رکوع بلند آواز سے پڑھ کر سجدہ میں جانا چاہیئے۔

ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کرنے کی جب ضرورت پیش آئے۔ تو سنتیں نہیں پڑھنی چاہئیں صرف فرض ہی ادا کرنے چاہئیں وہی کافی ہیں۔ اسی طرح مغرب و عشا کی نمازیں جمع کی جائیں تو سنتوں کی ادائیگی کی ضرورت نہیں صرف وتر پڑھنے چاہئیں وہی کافی ہیں۔

دارالسلام میں اطفال الاحمدیہ مرکزیہ کا ماہانہ جلسہ

تمام مسلمانوں کے لئے عموماً اور اہلِ ربوہ کے لئے خصوصاً ایک قابلِ غور امر

(مکرم شیخ اللہ بخش صاحب سیکرٹری جماعت بدوملہی)

اے مسلمانو! اور اے ربوہ والو!

(۱) اگر کوئی میجر جنرل فوت ہو۔ تو اسکی قبر پر کوئی ایسا کتبہ لگا سکتا ہے کہ مرحوم "کپتان" تھا۔ یا کوئی

(۲) ڈپٹی کمشنر اپنے مولا سے جا ملے۔ تو اس کی قبر پر کوئی "تحصیلدار" کا کتبہ لگائے گا؟

پھر کیا یہ سچ نہیں کہ گیارہ بارہ صد احمدیوں کی موجودگی میں حضرت مولانا نورالدینؓ نے حضرت میرزا صاحب کی قبر پر یہ کتبہ لگایا:۔

"میرزا غلام احمد رئیسِ قادیاں مجدّد صد چہاردہم"

اگر حضرت مرزا صاحبؑ کا نبوّت کا دعوےٰ ہوتا تو کتبہ پر ضرور "نبی" کا لفظ لکھا جاتا۔

پھر کیا دنیا میں کوئی ایسا نبی بھی آیا ہے
جس نے اپنے نہ ماننے والوں کا جنازہ جائز قرار دیا ہو۔

فتاوٰی احمدیہ (۱۹۰۲) سوال ہوا:۔ جو سلسلہ احمدیہ میں داخل نہیں اس کا جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

حضورؑ نے جواباً فرمایا:۔

"جو ہمیں بُرا نہیں کہتا۔ اور بُرا نہیں سمجھتا اس کا جنازہ پڑھ لو۔ کیونکہ علّام الغیوب خدا کی ذات ہے۔"

(۳)۔ حضورؑ مفتی محمد صادق صاحب سے ۱۹۰۷ء میں غلام قادر (ساکن جیوولکل) کے نام خط میں لکھواتے ہیں۔ کہ:۔

"جو مخالف بُرا نہ بولتا ہو۔ اس کا جنازہ جائز ہے۔"

(۴) بھڈیار ضلع امرتسر میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان باہمی معاہدہ ہوا کہ

"بے شر غیر احمدی رشتہ دار کا جنازہ پڑھ لیں گے"

اس کی نقل حضرت میرزا صاحبؑ کو بھیجی گئی۔ جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فوتیدگی سے صرف ۱۱ دن پہلے اپنے دست مبارک سے نہ صرف دستخط کئے بلکہ لکھا:۔

"بہت خوب اور مبارک ہو"

سوال: کیا دنیا میں کوئی ایسا نبی ہوا ہے۔ جو اپنے نہ ماننے والوں کا جنازہ جائز قرار دیتا ہو اور اس کی قبر پر یہ لکھا گیا ہو کہ "یہ مجدّد" ہے۔

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

حلفیہ شہادت

میں خدا کو حاضر ناظر جان کر حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں نے یہ کتبہ حضرت صاحب کی قبر پر لکھا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ الفاظ حسب ذیل تھے:۔

مرزا غلام احمد رئیس قادیاں مجدّد صدی چہاردہم

مہر دین کریانہ مرچنٹ۔ بدوملہی تحصیل ناروال ضلع سیالکوٹ
بقلم خود مہر دین ۱۹-۹-۷۵

۴۔ اطفال الاحمدیہ محترم راجہ محمد افضل صاحب کو مٹھائی کے لئے دیئے بعدہٗ دعا پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

نوٹ: مبلغ بیس روپے کی مٹھائی دوسرے روز خرید کر بچوں میں تقسیم کر

جاپان میں تبلیغ اسلام کیلئے انتہائی سازگار فضا موجود ہے

جاپان میں مسلمانوں کی تعداد چار ہزار سے زائد ہے

معاشی تقاضے بھی جاپان، کوریا اور دوسرے ملکوں کو دنیائے اسلام کے قریب لا رہے ہیں

اسلامک سینٹر کے ان دو ارکان سے جو ملاقاتیں ہوئیں ان سے معلوم ہوا ہے کہ جاپان، کوریا، تھائی لینڈ، سنگاپور اور مشرق بعید کے دوسرے علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے انتہائی سازگار ماحول موجود ہے۔ فلپائن میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ جو عیسائی اکثریت کے ہاتھوں بدترین مصائب اور مظالم سے دوچار ہیں فلپائن کے ان مسلمانوں پر مظالم کی خبروں نے بھی اس علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں اور اسلام کی طرف متوجہ کیا ہے۔ دوسری طرف جاپان اور کوریا جیسے ملکوں میں تیل کے بحران سے پیدا شدہ صورت حال نے بھی ایک تبدیلی پیدا کی ہے اپنی صنعتی ترقی کی رفتار کو برقرار رکھنے کے لئے ان ملکوں کی حکومتیں اور بڑے سرمایہ دار اب عرب ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ عرب ملکوں کے ساتھ ان کی تجارت میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس لحاظ سے عربوں کے ساتھ ان کے سوشل روابط نے ان ملکوں کے لوگوں کے لئے مسلمانوں کے رہن سہن اور ان کے عقائد سے آگاہی کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اس طرح قدرتی طور پر ایک ایسی فضا پیدا ہو رہی ہے جس میں اسلام کے پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جا سکتا ہے

جاپان میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد تقریباً چار ہزار ہے۔ جن میں سے کم و بیش تین ہزار مسلمان ٹوکیو میں اور چار پانچ سو شہر کوبے میں آباد ہیں۔ اس تعداد میں تمام جاپانی باشندے نہیں بلکہ دوسرے ممالک کے وہ مسلمان بھی شامل ہیں جو اپنے کاروبار یا ملازمت کے سلسلے میں جاپان میں مقیم ہیں۔ جاپان میں مسلمانوں کی آبادی کے بارے میں فی الحال مکمل معلومات جمع نہیں کی گئی ہیں۔ تاہم اب اسلامک سینٹر نے مردم شماری کی طرز پر ایک سروے شروع کر دیا ہے۔ جس کے نتائج چند ماہ تک مرتب ہو جانے کی توقع ہے۔ ٹوکیو میں مسلم ایسوسی ایشن کے نام سے ایک تنظیم گذشتہ چند سال سے کام کر رہی تھی اور وہی مسلمانوں کی مجلسی تقریبات اور دوسرے اجتماعی معاملات کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ لیکن ڈیڑھ سال ہوا اسلامک سنٹر کے قیام کے بعد اب یہ سنٹر مسلمانوں کی اجتماعی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا ہے۔ مرکز کے لئے کیتازاوا کے علاقے کا انتخاب بھی اسی بنیاد پر کیا گیا ہے کہ یہاں ٹوکیو کی واحد مسجد موجود ہے۔ تقریباً چار کنال رقبہ مسجد کی اصل عمارت کے علاوہ ایک چھوٹی سی عمارت دفاتر کے لئے اور چند غسل خانے اور وضو کرنے کی علیحدہ عمارت ہے۔ مسجد کی عمارت ترکیہ کی مسجدوں کے طرز پر بنائی گئی ہے اور اس کے صدر دروازے پر "المسجد الاول بطوکیو" کی تختی آویزاں ہے۔

ٹوکیو مسجد ۱۹۳۶ء میں ترکیہ کے آخری سلطان کے حکم پر تعمیر کی گئی تھی۔ اسلامک سنٹر اور مقامی مسلمانوں سے جو معلومات حاصل ہو سکیں ان کے مطابق ترکیہ کا ایک فوجی مشن دوسری جنگ عظیم کے آغاز سے قبل ٹوکیو میں موجود تھا۔ یورپی سامراجی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کرنے کے سلسلہ میں ترکیہ اور جاپان کے درمیان سیاسی تعاون کی جو کوششیں ہو رہی تھیں ان کے ضمن میں دونوں حکومتوں کے تعلقات خوشگوار تھے اس لئے جاپان کی حکومت نے ترکیہ کے فوجی مشن کے ارکان کی سوشل سرگرمیوں کے سلسلہ میں ایک کلب قائم کرنے کے لئے زمین کا عطیہ دیا۔ لیکن ترکیہ کے فوجی افسروں نے کلب قائم کرنے کے بجائے مسجد تعمیر کرنے کو ترجیح دی اور اس طرح اس مسجد کا قیام عمل میں آیا۔

اس سے قبل کوبے میں جو جاپان کا ایک اہم شہر ہے اور تجارتی مرکز بھی ہے ایک مسجد تعمیر ہو چکی تھی جو غالباً ۱۹۳۰ء میں تعمیر کی گئی۔ یہ مسجد ان چند مسلمان تاجروں نے اپنے خرچ سے تعمیر کی تھی جو ہندوستان سے آکر وہاں کاروبار کر رہے تھے۔ اس مسجد کے ساتھ متعدد تجارتی عمارتیں آج بھی بطور وقف موجود ہیں جو مسجد کے اخراجات کی کفالت کا ذریعہ ہیں۔

ٹوکیو کی مسجد کے بڑے حال میں بیک وقت تقریباً چار سو افراد کے نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے۔ روزانہ پنجوقتہ نمازوں میں تو نمازیوں کی تعداد پندرہ بیس ہوتی ہے کیونکہ اس علاقے میں آٹھ دس ہی مسلم گھرانے آباد ہیں۔ اور کچھ لوگ اسلامک سنٹر کے دم سے وہاں آتے جاتے ہیں لیکن جمعہ کی نماز میں ڈیڑھ دو سو افراد کا اجتماع ہوتا ہے۔ نماز جمعہ کے اجتماع میں بھی زیادہ تعداد اس لئے نہیں ہو سکتی کہ ملازمت پیشہ لوگوں کے لئے نماز جمعہ کے وقت دو تین گھنٹہ کی چھٹی حاصل کرنا کاروباری ضابطوں کے مطابق ممکن نہیں۔ اس لئے صرف مسلم ممالک کے سفارتی دفاتر کے ملازمین۔ بعض کاروباری حضرات اور کچھ طلباء بھی مسجد میں حاضری کا وقت نکال سکتے ہیں اور نماز جمعہ کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ اسلامک سینٹر پہنچکر عربی زبان کے درس میں شرکت کرتے ہیں۔ لائبریری سے اپنے لئے کتابیں حاصل کرتے ہیں اور باہمی صلاح مشورہ بھی کر لیتے ہیں۔

اسلامک سنٹر نے تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں حالات کے تقاضوں کے مطابق لٹریچر کی اشاعت فراہم کرنے کی مہم بھی جاری ہے اس سے قبل جاپانی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ متن کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ لیکن عربی متن میں بعض غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے اس لئے اب اسلامک سنٹر نے صرف جاپانی ترجمہ کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے۔ اسلامک سنٹر کو رابطہ عالم اسلامی، لیبیا، سعودی عرب اور دوسری مسلم حکومتوں کی طرف سے ضروری مالی امداد حاصل ہے اس لئے یہ سنٹر عطیات کا محتاج نہیں۔ لیکن اسلامی لٹریچر کی ضرورت بہرحال موجود ہے اور سنٹر کے حکام نے پاکستانی مخیر بھائیوں تک یہ پیغام پہنچانے کے لئے مجھ سے کہا تھا کہ اسلامی کتب بالخصوص انگریزی میں شائع شدہ کتابیں اگر سینٹر کو فراہم کر سکیں تو اس کار خیر میں ان کے تعاون کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ سینٹر کا پتہ یہ ہے:-

ISLAMIC CENTER CHOKO MANSSION
4-33-10m KTTAZAWA-KU. TOKYO JAPAN

پیغام صلح: مندرجہ بالا مضمون جو روزنامہ مشرق سے نقل کیا گیا ہے، حضرت مسیح موعودؑ کے اس فرمان کی صداقت پر دال ہے جس میں حضورؑ نے اسلام کے مشرق و مغرب میں پھیلنے کی پیشگوئی فرمائی۔ خدا کا شکر ہے کہ آج غیر احمدی مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کی طرف رجحان پایا جاتا ہے جو مامور وقت کی دلی خواہش کا نہ صرف عملی مظاہرہ ہے بلکہ حضورؑ کی صداقت پر ایک زبردست دلیل بھی ہے۔

(بسلسلہ صفحہ ۲)

مرحوم ستر سال کی عمر میں خوش و خرم اور مطمئن اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی قابل اور صالح اولاد عطا فرمائی ہے، اور انشاء اللہ وہ اپنے والد گرامی کی تمام خوبیاں اپنے اندر پیدا کرے گی۔ ہمیں مرحوم کی جدائی پر ان کے تمام اعزہ و اقارب اور ان کے فرزندان ڈاکٹر ظفر اقبال بھٹہ، مسٹر اختر اقبال بھٹہ اور ان کے دیگر بہن بھائیوں سے دلی ہمدردی ہے اور مرحوم کی جدائی

جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ ـ یکم اکتوبر ۱۹۷۵ء | نمبر ۴۰

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات

گمشدہ توحید کا احیاء

توحید کا موجب اور توحید کا پیدا کرنے والا اور توحید کا باپ اور توحید کا سرچشمہ اور توحید کا مظہر اتم صرف نبی ہی ہوتا ہے اسی کے ذریعہ سے خدا کا مخفی چہرہ نظر آتا ہے۔ اور پتہ لگتا ہے کہ خدا ہے۔

بات یہ ہے کہ ایک طرف تو حضرت احدیت جلشانہ کی ذات نہایت درجہ استغناء اور بے نیازی میں پڑی ہے اس کو کسی کی ہدایت اور ضلالت کی پروا نہیں اور دوسری طرف وہ بالطبع یہ بھی تقاضا فرماتا ہے کہ وہ شناخت کیا جائے اور اس کی رحمت ازلی سے لوگ فائدہ اُٹھادیں۔ پس وہ ایسے دل پر جو اہل زمین کے تمام دلوں میں سے محبت اور قرب اور سبحانہ کا حاصل کرنے کے لئے کمال درجہ پر فطرتی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے اور نیز کمال درجہ کی ہمدردی بنی نوع کی اس فطرت میں ہے۔ تجلی فرماتا ہے اور اس پر اپنی ہستی اور صفات ازلیہ ابدیہ کے انوار ظاہر کرتا ہے اور اس طرح وہ خاص اور اعلےٰ فطرت کا آدمی جس کو دوسرے لفظوں میں نبی کہتے ہیں۔ اس کی طرف کھینچا جاتا ہے۔

پھر وہ نبی بوجہ اس کے کہ ہمدردی بنی نوع کا اس کے دل میں کمال درجہ پر جوش ہوتا ہے اور اپنی روحانی توجہات اور تضرع اور انکسار سے یہ چاہتا ہے کہ وہ خدا جو اس پر ظاہر ہوا ہے دوسرے لوگ بھی اس کو شناخت کریں اور نجات پاویں اور وہ دلی خواہش سے اپنے وجود کی قربانی خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے اور اس تمنا سے کہ لوگ زندہ ہو جاویں کئی موتیں اپنے اوپر قبول کر لیتا ہے اور بڑے مجاہدات میں اپنے تئیں ڈالتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

لعلک باخع نفسک الا یکونو مؤمنین

تب اگرچہ خدا مخلوق سے بے نیاز اور مستغنی ہے مگر اس کے دائمی غم اور حزن اور کرب و قلق اور تذلل اور نیستی اور نہایت درجہ کے صدق اور صفا پر نظر کر کے مستعد دلوں پر اپنے نشانوں کے ساتھ اپنا چہرہ ظاہر کر دیتا ہے اور اس کی پُر جوش دعاؤں کی تحریک سے جو آسمان پر ایک صعبناک شور ڈالتی ہے خدا تعالےٰ کے نشان زمین پر بارش کی طرح برستے ہیں اور عظیم الشان خوارق دنیا کے لوگوں کو دکھلائے جاتے ہیں جن سے دنیا دیکھ لیتی ہے کہ خدا ہے اور خدا کا چہرہ نظر آتا ہے لیکن اگر وہ پاک نبی اس قدر دُعا اور تضرع اور ابتہال سے خدا تعالےٰ کی طرف توجہ نہ کرتا اور خدا کے چہرہ کی چمک دنیا پر ظاہر کرنے کے لئے اپنی قربانی نہ دیتا اور ہر ایک قدم میں صدہا موتیں قبول نہ کرتا تو خدا کا چہرہ دنیا پر ہرگز ظاہر نہ ہوتا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ بوجہ استغناء ذاتی کے بے نیاز ہے اور جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ واللہ غنی عن العٰلمین اور والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا یعنی خدا تمام دنیا سے بے نیاز ہے۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور ہماری طلب میں کوشش کو انتہاء تک پہنچا دیتے ہیں۔ انہی کے لئے ہمارا یہ قانون قدرت ہے کہ ہم ان کو اپنی راہ دکھلا دیا کرتے ہیں۔

سو خدا کی راہ میں سب سے اوّل قربانی دینے والے نبی ہیں۔ ہر ایک اپنے لئے کوشش کرتا ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام دوسروں کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ لوگ سوتے ہیں اور وہ ان کے لئے جاگتے ہیں اور لوگ ہنستے ہیں اور وہ ان کے لئے روتے ہیں اور دنیا کی رہائی کے لئے ہر ایک مصیبت کو بخوشی اپنے پر وارد کر لیتے ہیں۔ یہ سب اس لئے کرتے ہیں کہ تا خدا تعالےٰ کچھ ایسی تجلی فرما دے کہ لوگوں پر ثابت ہو جاوے کہ خدا موجود ہے اور مستعد دلوں پر اس کی ہستی اور اس کی توحید منکشف ہو جاوے تاکہ وہ نجات پائیں۔ پس وہ جانی دشمنوں کی ہمدردی میں مر رہتے ہیں اور جب انتہاء درجہ پر ان کا درد پہنچتا ہے اور ان کی دردناک آہوں سے (جو مخلوق خدا کی رہائی کے لئے ہوتی ہیں) آسمان پُر ہو جاتا ہے۔ تب خدا تعالےٰ اپنے چہرہ کی چمک دکھلاتا ہے اور زبردست نشانوں کے ساتھ اپنی ہستی اور اپنی توحید لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔ پس اس میں شک نہیں کہ توحید اور خدا دانی کی متاع رسول کے دامن سے ہی دنیا کو ملتی ہے۔ بغیر اس کے ہرگز نہیں مل سکتی۔ (حقیقت الوحی)

حضرت خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ

انسان کامل

آپؐ نے مساواتِ انسانی کا نظارہ دُنیا کو دکھا دیا

[illegible] سے کیونکہ جو نظامِ حکومت کا خواب دیکھا کرتے تھے، اسے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ آپؐ کے دم قدم سے دنیا میں پہلی مرتبہ حقیقی جمہوری حکومت قائم ہوئی۔ آپ نے ایسی سلطنت کی بنیاد ڈالی جس میں معصوم اور شریف آدمی فرائض حکومت بجا لاتے تھے۔ نہ ان کو قابو میں رکھنے کے لئے پولیس کی ضرورت تھی اور نہ ان کے دلوں میں کسی قسم کا نسلی، قومی، جماعتی یا لونی تعصب موجود تھا اور نہ حاکم و محکوم میں کسی قسم کا امتیاز پایا جاتا تھا۔

قومیت، نسب، ذات پات وغیرہ کے سارے امتیازات مٹا دیئے گئے۔ کالے گورے سُرخ اور پیلے اور ہر رنگ کے آدمی خُدا کی نظر میں برابر قرار پائے۔ کیونکہ وہ سب آدم کی اولاد ہیں نسل، خُون، اور دولت کے امتیازات کو مٹانے کے لئے یہ اصول وضع کیا گیا۔ کہ خدا کے نزدیک معزز وہ ہے جو پرہیزگار ہو۔ اور جس قدر کوئی پرہیزگار ہوگا۔ اسی قدر معزز ہوگا۔ تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ اصول قائم کیا۔ کہ جب تک رعایا کو حق رائے دہندگی نہ حاصل ہو، اس وقت تک کوئی حکومت کہلائے جانے کی مستحق نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے سلطنت کے ادنیٰ ترین فرد کو بھی وہی حقوق عطا کئے جو خود بادشاہ کو حاصل تھے۔ اسی طرح تاریخِ عالم میں پہلی مرتبہ نسلاً بعد نسلاً حکومت کرنے کے طریق کی جگہ کثرت رائے بادشاہ بنانے کے اصول کو رائج کیا گیا۔ اور غور طلب بات صرف یہ تھی۔ کہ جو کوئی بھی بادشاہ منتخب ہو وہ شریعت اسلامی کو مشعلِ راہ بنائے۔ اور جملہ جزئیات امور میں اُن کلیات کی متابعت کی جائے جو شارع اعظم نے قائم فرما دی تھیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں ایک معمولی مزدور کو یہ حق حاصل تھا کہ امیرالمومنین پر بھی اعتراض کر سکے۔ اگر کوئی بات فی الحقیقت اس کی نظر میں اسلامی زاویہ نگاہ سے مذموم معلوم ہو۔ سلطنت سب کا حق تھا اور سب خدائے واحد کے یکساں غلام تھے۔ سب ایک ہی قانون کی جو انسان کا وضع کردہ نہ تھا بلکہ خدائے قدوس کا عطیہ تھا، پابندی کرتے تھے۔ اور یہ قانون امیر و غریب سب کے لئے یکساں تھا۔ حضرت یسوعؑ نے تو سوشیلزم کا محض خواب ہی دیکھا تھا۔ لیکن آنحضرتؐ نے سچ مچ مساوات انسانی کا نظارہ دنیا کو دکھا دیا اور آپ نے تمام کام اپنے ہاتھ سے انجام دے کر محنت مزدوری کو دوامی عزت اور شرف عطا کر دیا۔

آپؐ اس بات کو کبھی پسند نہ فرماتے تھے کہ آپ کے ذاتی کاموں کو دوسرے لوگ انجام دیا کریں سارا کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔ خانگی کاموں سے بھی عار نہ تھا۔ جھاڑو دیتے، بازار سے سودا لاتے، جُوتے کی مرمت کرتے، کنوئیں سے پانی بھر کر لاتے، اونٹوں کو باندھتے کھولتے، آٹا گوندھتے، اور پیوند پارہ لگا لیتے تھے۔

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ آپؐ اونٹوں کے تیل مل رہے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ صدقہ کے اونٹوں کو داغ رہے تھے۔ بچپن میں آپؐ نے خانہ کعبہ کی تعمیر میں امداد دی۔ یعنی اینٹ اور چونا لا لا کر معماروں کو دیا۔ جب خانہ کعبہ یا مسجد نبوی کی تعمیر یا خندقوں کے کھودنے کا کام درپیش ہوا تو عام آدمیوں اور آنحضرت صلعم میں کوئی تمیز نہیں کر سکتا تھا۔

کل جزیرۃ العرب آپؐ کے زیرِ نگیں ہو گیا تھا۔ اور مدینہ میں دولت کی افراط ہو گئی تھی۔ لیکن آپ کا مقولہ اس وقت بھی یہی تھا کہ ایک انسان کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے صرف ان اشیاء کی ضرورت ہے۔ "رہنے کے لئے مکان، تن ڈھانکنے کے لئے دو کپڑے، کھانے کے لئے دو روٹیاں اور ایک پیالہ پانی"

آپؐ کی مدنی زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حصول مملکت آپ کا مقصدِ حیات ہرگز نہ تھا۔ بادشاہت از خود آپ کے قدموں میں آ گئی۔ اور آپؐ نے دنیا کے بادشاہوں کو دکھا دیا کہ بیت المال اور جمیع خزائن ارضی رعایا کی بہبودی کے لئے ہیں۔ نہ ذاتی عیش و عشرت کے لئے۔

اسلام رہبانیت کو پسند [illegible] دنیا کی [illegible] کو جائز قرار دیا اور خود بھی ان سے متمتع ہوئے۔ ہاں ہمہ تن آسانی اور عیش پرستی کو آپؐ نے جائز قرار دیا۔ اور اس طرز زندگی کو جو روسا اور امراء میں پائی جاتی ہے آپؐ نے پسند نہیں فرمایا بلکہ اس سے محترز رہنے کی نصیحت فرمائی۔ کیونکہ اس سے انسان میں مردانہ صفات زائل ہو جاتی ہیں۔ حضرت علیؓ کے ایک دوست نے ایک دفعہ کھانا بھیجا حضرت فاطمہؓ نے ان سے کہا:۔ کیا اچھا ہوتا اگر آنحضرت صلعم بھی آج ہمارے ساتھ شریک طعام ہوتے۔ یہ سُن کر حضرت علیؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کی بیٹی کا پیغام پہنچایا۔ آپؐ ان کے ساتھ بیٹی کے گھر تشریف لائے۔ جب اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ دیواروں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپؐ واپس ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے سبب دریافت کیا تو آپؐ نے دریافت فرمایا "جس گھر میں اس قدر آرائش ہو، نبی کے لئے زیبا نہیں کہ اس میں داخل ہو"۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک مکان میں تین پلنگ کافی ہیں۔ ایک اپنے لئے دوسرا زوجہ کے لئے تیسرا مہمان کے لئے۔

عاجزی اور خاکساری کے جذبات کے ماتحت آپ عموماً سیدھا جھوٹا کپڑا استعمال فرماتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کا خیال تھا۔ کہ جب غیر حکومتوں کے سُفراء شرف باریابی حاصل کریں۔ تو آپ کو بیش قیمت لباس زیبِ تن کرنا چاہیئے۔ چنانچہ جب ایک بیش قیمت خلعت بازار میں فروخت ہونے کے لئے آیا۔ تو انہوں نے آپ کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی کہ خُطبہ جمعہ اور دیگر مواقع کے لئے اسے خرید لینا چاہیئے۔ حضورؐ نے فرمایا "اس کو وہ شخص پہنے جسے آخرت سے حصّہ لینے کی آرزو نہ ہو"۔ عموماً آپؐ ادنیٰ قسم کے لباس پہنتے تھے اور اسی قسم کے لباس میں رحلت فرمائی۔

ایک دفعہ مشربہ میں حضرت عمرؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ آپؐ صرف ایک قمیص پہنے ہوئے تھے۔ چارپائی پر کسی قسم کا بستر وغیرہ نہ تھا۔ صرف ایک تکیہ سرہانے رکھا تھا۔ جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ ایک گوشہ میں تھوڑے سے جَو رکھے ہوئے تھے۔ دوسرے میں کھال پڑی ہوئی تھی اور دو تین مشکیزے لٹک رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آنحضرت صلعم نے رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپؐ کے جسد مبارک پر کھری چارپائی کے بانوں کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ کمرہ میں کوئی چیز آسائش کی نظر نہیں آتی۔ غضب کی بات ہے کہ خسرو ایران اور قیصر روم تو عیش و عشرت میں زندگی بسر کریں۔ اور آپ برگزیدۂ خدا ہو کر اس قدر تکلیف میں رہیں۔ آپ نے فرمایا" اے ابن الخطاب کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ انہیں دنیا ملے اور مجھے آخرت؟

آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں انسان کو صرف اسی قدر سامان کی ضرورت

(باقی بر صفحہ ۲ کالم ۲)

احمدیہ کنونشن لندن
عالمگیر تبلیغ اسلام کا نیا باب

(۱)

احباب کرام اس امر سے باخبر ہیں کہ گذشتہ ماہ احمدیہ کنونشن کا سالانہ اجلاس لندن میں منعقد ہوا۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے مسجد ووکنگ کی بجائے جو اپنا نیا مرکز بنام احمدیہ ہاؤس 56 لانگلے روڈ ٹوٹنگ لندن میں قائم کیا ہے، اس میں یہ کنونشن منعقد کی گئی۔ مفصلہ ذیل ممالک سے نمائندگان نے شرکت فرمائی، پاکستان، جزائر غرب الہند کی احمدیہ جماعتیں یعنی ٹرینیڈاد، سرینام اور گیانا۔ ہالینڈ، جرمنی، فیجی، انڈونیشیا۔

جزائر غرب الہند (Western Hemisphere) کی احمدیہ جماعتیں گذشتہ چند سالوں سے اپنے سالانہ اجتماع منعقد کرتی رہی ہیں۔ چنانچہ چوتھے اجلاس میں لاہور سے حضرت امیر ایدہ اللہ اور میاں فاروق احمد شیخ بھی وہاں تشریف لے گئے تھے۔ نیز ۱۹۷۳ء کے جلسہ سالانہ لاہور میں ان جماعتوں کی طرف سے قریباً پینتیس اصحاب نے شرکت کی تھی۔

جماعت احمدیہ لاہور کے نئے لندن مرکز میں ساتویں جلسہ سالانہ کا انعقاد کئی لحاظ سے نہایت مبارک و خوش آیند امر ہے۔ لندن بین الاقوامی شہرت کا شہر ہے جہاں مختلف تحریکات کا گہرا اثر دنیا کے تمام ممالک پر پڑتا ہے۔ پھر جس مقام پر یہ کنونشن منعقد کی گئی ہے اسے "احمدیہ ہاؤس" کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں شرکت کرنے والے مختلف ممالک کے نمایندگان کی اکثریت جماعت احمدیہ لاہور سے تعلق رکھنے والے مخلص ترین احباب کی ہے۔ نیز اس کنونشن میں جو خطبات اور مضامین پڑھے گئے ان تمام میں جماعت احمدیہ لاہور کے جملہ عقائد اور موقف کو نہایت وضاحت وصراحت سے پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض تقاریر کے متعلقہ اقتباسات کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ ۲۲/ اگست ۷۵ء کو جو خطبہ جمعہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے آغاز کارروائی اجلاس کرتے ہوئے دیا اس میں سورۃ جمعہ کی تلاوت کرتے ہوئے آخر پر فرمایا:۔

"میں نے آخر پر جس آیت کی تلاوت کی ہے اس میں یہ جو الفاظ 'اخرین منھم لما یلحقوبھم' آتے ہیں۔ ان کے بارہ میں خود حضرت رسالتماب صلعم سے جب صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ یہ آخر زمانہ میں آنے والے کون لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے تو آنجناب نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ لو کان الایمان معلقًا بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس۔ اگر ایمان ثریا پر چلا گیا ہوگا تو بھی ان میں سے ایک شخص یعنے ایک فارسی النسل شخص اس ایمان کو ثریا پر سے بھی واپس زمین پر لے آئے گا۔ اب تاریخ اسلام اس امر پر گواہ ہے کہ یہ صاحب حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود ہوئے ہیں۔ نیز ہم میں سے جن اشخاص کو یہ خوش نصیبی ملی ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ کس طرح اس مرد خدا نے بطفیل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردہ قوم میں سے ایک جماعت کو پاک و صاف اور کامل کر دیا تھا۔ نہ صرف ایسی زندہ جماعت کو ہم میں سے بہت سے اصحاب نے بچشم خود دیکھا بلکہ غیر از جماعت اصحاب نے بھی اس امر کی برملا گواہی دی چنانچہ شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب مرحوم نے بھی اپنے بیان علیگڈھ میں سال ۱۹۱۱ء میں یہ فرمایا تھا:۔ "اگر آپ کو اس زمانہ میں ٹھیٹھ اور سچی اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنا ہو تو وہ تمہیں اس فرقہ میں نظر آئے گی جو آج قادیان میں پیدا ہوا ہے"۔

"میں نے جو آیات پڑھی ہیں ان کا خاتمہ خدا تعالےٰ کی صفات العزیز الحکیم پر ہوتا ہے۔ ان میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مخلص اور سچے ساتھیوں کی تعداد قلیل اور کمزور ہوگی کیونکہ آپ کے ماننے والوں میں سے کثیر تعداد جناب میاں محمود احمد کی غلط قیادت کے باعث حضرت اقدسؑ کے مقاصد اور معتقدات سے منحرف ہو جائیں گے۔ لیکن قرآنی الفاظ کا اشارہ اس طرف ہے کہ خدا تعالےٰ کی نصرت اور معیت اسی قلیل گروہ کو حاصل ہوگی کیونکہ خدا تعالےٰ صاحب قوت وجبروت اور صاحب حکمت و دانش ہے۔ ہمیں بھی ایسی ہی عالی ذات سے سچا تعلق پیدا کرنے اور اسی پر توکل رکھنے کی عاجزانہ درخواست کرنے کی حاجت ہے۔"

حضرت ڈاکٹر صاحب نے کس یقین اور جرأت ایمانی سے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے مقاصد و مطالب اور خدائی مشن کو پیش کر کے نہایت وضاحت سے کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصابرین کے رؤیا کی تفسیر اپنے خطبہ جمعہ کنونشن لندن میں فرمائی۔ یہ پہلی مرتبہ ہے جو لندن کے احمدیہ پلیٹ فارم سے پبلک میں جماعت احمدیہ لاہور کے مسلک و موقف پر ایسی وضاحت سے ندا بلند کی گئی ہے۔ فجزاءھم اللہ احسن الجزاء۔

حضرت امیر ایدہ اللہ نے جو پیغام اپنی اور جماعت کی طرف سے بھجوایا اس میں سے بھی اختصار کے ساتھ ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم - (قرآن کریم سورۃ البقرہ آیات ۱۲۷-۱۲۸)

ترجمہ:۔ اور جب ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اٹھاتا تھا اور اسمٰعیل بھی، اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔

اے ہمارے رب ہم کو اپنے فرمانبردار بنا اور ہماری نسل سے بھی ایک گروہ اپنے فرمانبردار بنائیو اور ہمیں حج کے اعمال بتائیو اور ہم پر رحمت سے توجہ فرما بیشک تو توجہ فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

"میں احمدیہ کنونشن کے منتظمین کو جو لندن میں اپنی قسم کی پہلی کنونشن ہے اپنی دلی مسرت کا پیغام بھیجتا ہوں، اس عظیم مذہبی اجتماع کے ساتھ ہی ہمارے لندن مشن ہاؤس کا افتتاح بھی ہو رہا ہے۔ یہ توارد مزید خوشی کا موجب ہے، ووکنگ مسلم مشن کا کنٹرول دوسری جگہ منتقل ہونے کے بعد احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے بفضل الٰہی لندن میں ایک بلڈنگ خریدی ہے جہاں لندن مشن ہاؤس کے نام سے ہماری قدیم تبلیغی سرگرمیاں کا موثر اور نتیجہ خیز احیاء ہوگا اور ہمارے ممبران کی رضاکارانہ خدمات جو کنونشن کے انعقاد اور ترقی کا موجب ہیں ہمارے مشن ہاؤس کو انوار اسلام سے منور کرنے میں ممد ثابت ہوں گی۔

اس موقعہ پر ہمارے بیرونی مشنوں کے افسران اور ایک پانچ رکنی وفد بسرکردگی ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کنونشن میں شمولیت کے لئے لندن جا رہا ہے میری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کے عزم کو اپنے فضل و کرم سے نوازے اور انہیں توفیق بخشے کہ ان کے ذریعہ کنونشن کو بے نظیر کامیابی حاصل ہو، میری یہ دلی خواہش ہے کہ ہمارا یہ مذہبی اجتماع فتوحات اسلام کی مساعی کا پیش خیمہ ثابت ہو۔

"داعیان کنونشن کے لئے یہ امر مزید ستائش کا موجب ہے کہ انہوں نے کنونشن کے دوران مذاہب عالم کا اجلاس منعقد کرنے کا بھی انتظام کیا ہے، جس میں بحث کا عنوان "میرے مذہب کا پیغام اور موجودہ زمانہ کا انسان" ہوگا۔ میں

سمجھتا ہوں کہ یہ موجودہ زمانہ کی ضرورت کے عین مطابق ہے کیونکہ دنیا اس وقت مذاہب کے فرسودہ عقائد کی وجہ سے پرلے درجہ کی روحانی بے چینی اور اور تکلیف دہ بے اطمینانی سے گذر رہی ہے مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس زمانہ میں صرف وہی مذہب زندہ رہ سکتا ہے، جو سائنس کے چیلنج پر پورا اتر سکے اور نسلِ انسانی کو اخلاقی بے راہ روی سے نجات دینے کی قابلیت رکھتا ہو۔ موجودہ عالمگیر کرب و اضطراب اس اعصابی اضمحلال کا نتیجہ ہے۔ جس نے نام نہاد مہذب دنیا کے ملحدانہ افکار کی آتشِ پیکار میں ڈال رکھا ہے موجودہ رُوحانی خلا کا یہ نتیجہ ہے کہ مذہب اور روحانیت سے نفرت و حقارت پیدا کرنے والے علوم غالب آچکے ہیں مگر انسان کے اپنے بنائے ہوئے معتقدات عملدرآمد میں آنے سے ناکارہ ثابت ہوئے ہیں۔ میرا یہ پختہ یقین ہے کہ اسلام اور صرف اسلام ہی غیر متوازن اخلاقی حالات کو سدھار سکتا ہے۔ یہ یقین مجھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی سے حاصل ہوا ہے کہ اسلام کی فتح کے دن قریب ہیں، اور مغرب سے طلوعِ اسلام ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ دائرہ اسلام سے باہر کی دنیا غلط اور تقاضائے وقت کے خلاف معتقدات کا اثر زائل ہو جانے کی وجہ سے اندرونی طور پر اسلام کی طرف راغب ہے اور مہذب لوگوں کے دِلوں میں اندر ہی اندر ایک نیا شعور پیدا ہو رہا ہے جو قبولیتِ اسلام کا موجب ہوگا۔

"میں کنونشن کے مع الخیر سر انجام پا جانے کا تہ دل سے متمنی ہوں اور اس کے منتظمین کے لئے برکاتِ الٰہی کی دُعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ انہیں توفیق عطا فرمائے کہ ان کی مساعی انسانیت کے مجروح دلوں کو اسلام کی صحت بخش مرہم سے شفا بخشنے کا موجب ہوں۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے دوسرے بیان کا ابتدائی حصّہ کا ترجمہ بھی ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

جماعت احمدیہ احیائے اسلام کی ایک تحریک ہے

"میں شروع ہی میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ تحریک احمدیہ کسی رنگ میں بھی کوئی نیا مذہب نہیں، بلکہ اس کے خلاف یہ مذہب اسلام کی اصلی اور قدیم شکل و صورت کی تجدید کرنیوالی ایک تحریک ہے، نہ صرف یہ کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ اگر غور کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ تحریک اسلام میں کسی نئے فرقہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی، فی الحقیقت یہ تحریک ایک الٰہی سکیم ہے جس کا مقصد موجودہ دنیا میں اسلام کی حقیقی اور سچی تعلیمات کو واضح کرنا ہے، یہ ایک ایسی مہم ہے جس کی غرض اسلامی اصولوں کی صداقت اور غلبہ ثابت کرنا اور مذہب اسلام کی فتح حاصل کرنے والی طاقتوں کو دوبارہ زندہ کرنا ہے۔

قرآن اور سنت ـــــ تجدید اسلام کے بنیادی مرکز ہیں

"جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں، یہ تحریک اسلام کی قدیم اور حقیقی شکل و صورت کے احیاء اور دوبارہ زندہ کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے۔ اسلام کے دو سب سے بڑے اور حقیقی سرچشمے قرآن کریم اور سنتِ رسول صلعم ہیں، اس بات میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہو سکتا کہ یہی سرچشمے دو بڑی بنیادیں ہیں جن پر اسلام کی عمارت تعمیر کی گئی ہے، ہر وہ عقیدہ یا خیال اور تعلیم جس کی تائید قرآن اور سنّت میں پائی جائے مذہب اسلام کا حِصّہ سمجھا جائے گا یہی دونوں سرچشمے دنیا بھر کے مسلمانوں میں اخوت کی بنیاد ہیں۔ کسی عقیدہ کی تفصیل اور تفہیم میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن جب تک وہ ان دونوں بنیادی سرچشموں پر ایمان اور ان سے وابستگی رکھتے ہیں، باہمی فروعی اختلافات سے قطع نظر" سب مسلمان ہیں، جماعت احمدیہ کے تمام ممبران غیر مبہم طور پر اعلان کرتے ہیں کہ قرآن اور سنت مذہب اسلام کے بنیادی ستون ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے اس لازمی اصول کی خلاف ورزی ہی زیادہ تر ان کے غیر متحد ہونے اور باہمی (اور ہر وہ خیال جو ان دونوں بنیادی سرچشموں کے خلاف) ثابت ہو، مسترد کر دیا جائے گا۔

اختلافات اور فرقہ بندی کا موجب ہے، بانیٔ تحریک احمدیت اس زمانہ میں وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے تکفیر (یعنے برادرانِ اسلام کو لامذہب اور بے ایمان قرار دینے) کے قابلِ نفرت طریق کے خلاف آواز بلند کی، آپ نے کلامِ الٰہی کی طرف رُخ کرنے پر زور دیا جو سب سے بڑا محور ہے جس کے گرد ترقیِ اسلام اور اخوتِ اسلامی کی تحریک چکّر لگا رہی ہے، قرآن کریم نے خود ہدایت کی ہے کہ واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعًا ولا تفرقوا۔ سب کے سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑلو اور تفرقہ نہ کرو (سورۃ آل عمران آیہ ۱۰۲) اللہ کی رسّی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق قرآن کریم کے سوائے اور کوئی نہیں۔

اس لئے جماعتِ احمدیہ لاہور کی طرف سے عامۃ المسلمین کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ وہ کلامِ الٰہی کو اپنا مطمحِ نظر بنائیں اور قرآن کریم اور سنّتِ نبوی کی حقیقی سپرٹ کو ہی سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوں اور صرف زبانی تلاوت، اندھا دھند تقلید اور رسمیات کو ہی مدِ نظر نہ رکھیں۔

تحریک احمدیہ لاہور زمانہ حال کی سب سے بڑی احیائی تحریک ہے

"یہ امر کہ تحریک احمدیہ لاہور اسلام کے بنیادی اصولوں کے احیاء کی موجب ثابت ہوئی ہے بڑے بڑے فضلائے اسلام نے اس کا اعتراف کیا ہے، اس کی صرف ایک مثال مسٹر مارماڈیوک پکتھال (بہت بڑے انگریز نومسلم اور مترجم قرآن) کا وہ بیان ہے جو انہوں نے حضرت مولانا محمد علی کی کتاب 'دی ریلیجن آف اسلام' پر تبصرہ کرتے ہوئے دیا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ ان کے اور خواجہ کمال الدین کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے یہ موجودہ تصنیف ہماری رائے میں مولانا ممدوح کا ایک نہایت شاندار کارنامہ ہے، یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنّت سے خوب واقف ہے اور جس کے دل میں گذشتہ پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک امید موجزن ہے۔ جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں، معزز مصنّف نے عبادات اور فرائض مذہبی کی روایاتی پوزیشن میں ایک بال برابر بھی کمی بیشی نہ کرتے ہوئے ایک وسیع طرز بیان اختیار کیا ہے جس میں ان اعمال اور قوانین میں تغیّر و تبدل بالکل جائز اور پسندیدہ ہے جو قرآن کریم کے کسی حکم پر مبنی نہیں، نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فرمان پر ان کی بناء ہے"

میں نے مندرجہ بالا بیان اس غرض سے نقل کیا ہے کہ اس سے ظاہر ہے کہ مسلّمہ مسلم فضلاء کے نزدیک جہاں اسلامی روایات قرآن اور سنّت پر مبنی نہ ہوں، وقتی ضروریات کے ماتحت ان میں تغیّر و تبدّل کرنا جائز ہے، تجدید دین کا خیال ہی اس حقیقت کا مظہر ہے کہ پیروان اسلام کسی نہ کسی پہلو سے اسلام کی صحیح تعلیمات پر قائم نہیں رہے، ایک مجدد کی بعثت کی ضرورت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب مذہب کے اصل خط و خال مسخ ہو گئے ہوں، علاوہ ازیں نئی ضروریات تحقیقات کی نئی سمت اختیار کرنے کی متقاضی ہوتی ہیں بالکل یہی اسلام کی پوزیشن ہے جس کا دعوےٰ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے کیا ہے، (جاری ہے)

(حاشیہ: میں مجدد دین کی حیثیت سے)

تم میں سے زیادہ بزرگ

وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

محترم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب

بچوں کا قاتل

اس نام سے انگلستان کے ایک رفاہِ عام کے ادارہ نے گئے سال ایک پمفلٹ چھاپا تھا۔ اس کا ذکر لاہور کے نئے انگریزی روزنامہ "دی سن" کے ۱۹ ستمبر ۱۹۷۵ء کے پرچہ میں ہے۔ اس میں سے بعض کوائف درج ذیل ہیں۔

رسالہ "بچوں کے قاتل" میں لکھا تھا کہ "تیسری دنیا (یعنے پسماندہ اور ترقی پذیر۔ ناقل) کے ملکوں میں طفلِ شیرخوار مر رہے ہیں اس لئے کہ ان کی مائیں انہیں مغربی طرز کے مصنوعی (یعنے ٹین کے) دودھ سے پال رہی ہیں۔" رسالہ نے یورپ اور امریکہ کے مصنوعی دودھ بنانے والوں پر الزام لگایا کہ وہ غیر ترقی یافتہ ممالک میں اپنے مصنوعی دودھ کی اشتہار بازی کرکے وہاں کی ماؤں کو آمادہ کر رہے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو اپنا دودھ نہ پلائیں درآنحالیکہ ان ممالک کی مائیں تمام حفاظتی تدابیر نہیں کرسکتیں۔

اس رسالہ کا ترجمہ فرانسیسی۔ جرمن اور ڈچ زبانوں میں ہوکر تقسیم ہوا۔ لازمی طور پر مصنوعی دودھ بنانے والوں نے اس پر سخت اعتراض کیا ہے۔ اور سوئٹزرلینڈ میں تو ایک مقدمہ بھی دائر ہوا ہے۔ مگر رسالہ کے مضمون کی تائید انگلستان کے وزیر برائے ترقیات بیرون ملک (Overseas Development) اور اقوامِ متحدہ کے خوراک کے ادارہ کے سب سے اعلیٰ افسر یعنے ڈائرکٹر جنرل نے اور دنیا کے کئی مشہور ماہرین امراض اطفال نے کی ہے۔ ان ماہرین نے لکھا ہے کہ ان ممالک میں ۸۵ سے ۹۰ فیصدی عورتیں اپنے بچوں کو خود دودھ پلا سکنے کے قابل ہیں۔ بقول ان ماہرین کے ماں کا دودھ نہ صرف بچے کے لئے بہترین خوراک ہے بلکہ اس میں کسی قسم کی بیماری کے جراثیم یا چھوت پیدا نہیں ہوسکتی، اسے پلانا آسان ہے۔ (بہ نسبت مصنوعی دودھ کے جس کے لئے نہ صرف خاص تیاری کرنی پڑتی ہے بلکہ حفظان صحت کی خاص احتیاطیں برتنی پڑتی ہیں) اور ماں کے دودھ کو محفوظ رکھنے کے لئے کسی ٹھنڈی مشین میں رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۱۹۷۳ء کے آخر میں اقوام متحدہ نے ایک مشاورتی کمیٹی کی رپورٹ اس موضوع پر چھاپی۔ اس کمیٹی میں ماہرین امراض اطفال کے علاوہ مصنوعی دودھ بنانے والوں کے نمائندے بھی شامل تھے۔ رپورٹ میں لکھا تھا کہ متوسط اور غریب طبقوں میں جو ماں کے دودھ کا مناسب بدل (یعنے عمدہ قسم کا مصنوعی دودھ۔ وٹامین۔ پھلوں کا عرق وغیرہ۔ ناقل) مہیا نہیں کر سکتے اور مصنوعی دودھ کی کماحقہٗ حفاظت نہیں کر سکتے شیرخوار بچوں کو ماں کے دودھ سے چھڑانا مہلک ہو سکتا ہے۔

حال ہی میں امریکہ کے دونوں برِ اعظموں کے ادارہ صحت (Pan American Health Organisation) نے مندرجہ بالا نتائج کی تصدیق کی ہے۔ اس ادارہ نے جنوبی امریکہ کے تیرہ ممالک اور دوسرے ملکوں کے قریباً پینتیس ہزار بچوں کی اموات کا تجزیہ کر کے لکھا کہ جن بچوں کو مصنوعی دودھ پر پالا گیا ان کی موت کی بنیادی یا بڑی وجہ بچے کی غذا کے بعض ضروری اجزا کی کمی تھی جو ماں کے دودھ میں قدرت نے خود بخود پیدا کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ حال میں جنوبی امریکہ کے ملک "چلی" میں جن شیرخوار بچوں کو اپنی عمر کے پہلے تین ماہ میں مصنوعی دودھ دیا گیا ان کی شرح اموات ان بچوں سے تین گنا زیادہ تھی جنہیں ماں کا اپنا دودھ دیا گیا۔

پھر حال میں اقوام متحدہ حفظان صحت کے ادارہ (World Health Organisation) نے یہ چھاپا کہ اگر ماں بچہ کو خود دودھ پلائے تو وہ قدرتی اور بہترین مانع حمل ہے (یعنے خاندانی منصوبہ بندی کا سبب ہوتی ہے) پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک میں آبادی کے تیز رفتاری سے بڑھنے سے سخت تشویش اور خدشات پیدا ہو گئے ہیں۔ اس ادارہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو مائیں بچوں کو اپنا دودھ پلاتی ہیں وہ بعض وقت دو سال تک حیض کی تکلیف میں مبتلا نہیں ہوتیں اس لئے انہیں حمل بھی نہیں ہونے پاتا۔ (اس سے قبل ڈاکٹر کہتے تھے کہ دودھ پلانے والی ماں کو حمل ہو بھی جائے تو اکثر ابتدائی مراحل پہ ہی وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ جب بچہ دودھ پیتا ہے اور اس سے ماں کے رحم کا منہ کھلتا رہتا ہے)۔ اس بین الاقوامی ادارہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو بچے ماں کے دودھ سے محروم رہتے ہیں ان کی جسمانی نشوو نما کے علاوہ نفسیاتی تکمیل بھی صحیح طور پر نہیں ہوتی۔ اس ادارہ نے تحقیق کر کے پایا کہ جن بچوں کو ماں کا دودھ نصیب ہوتا ہے وہ زیادہ چست و ہوشیار ہوتے ہیں۔ وہ جلدی چلنے لگتے ہیں، اور وہ بعد میں ذہانت کے امتحانات میں بہتر نتائج دکھاتے ہیں۔

مصنوعی دودھ پلانے کے اخراجات اس قدر ہیں کہ وہ غریب اور متوسط لوگوں یا قوموں کے لئے بھاری بوجھ اور بالکل غیر ضروری خرچ بلکہ خسارہ ہیں۔ مثلاً یہ اخراجات کینیا کے ملک کے حفظان صحت کے قومی بجٹ کے دو تہائی حصہ کے برابر ہیں اور اب مہنگائی کے دن دوگنے رات چوگنے بڑھنے سے خود یورپ میں یہ اخراجات اکثر لوگوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہو رہے ہیں۔

قریباً دو ماہ ہوئے کہ انگلستان کے ایک نائب وزیر مسٹر جان گرانٹ نے انگلستان کے مصنوعی دودھ بنانے والوں کو سرکولر بھیجا جس میں منجملہ اور باتوں کے یہ لکھا کہ "ہمیں کوئی شک نہیں کہ ترقی پذیر ممالک میں مصنوعی دودھ کی اشتہار بازی اور استعمال کا بچوں کی اموات میں بڑا ہاتھ ہے۔" اس لئے وہاں ایسی اشتہار بازی نہ کی جائے۔ اس میں انگلستان کو تجارت اور زرِ مبادلہ میں گھاٹا کھانا ہوگا۔ مگر انسان کی قیمت ان سب سے زیادہ ہے۔

(انگریزی اخبار سے ماخوذ کوائف ختم ہوئے)

جب سے آدم اور حوا کی اولاد نے بڑھنا شروع کیا نسلِ انسانی ہمیشہ بچوں کو ماں کے دودھ پر ہی پالتی رہی۔ اگر ماں بیمار ہوتی یا کسی وجہ سے اس کا دودھ نہ اترتا تو دوسری کوئی "دودھ ماں" رکھ لی جاتی تھی۔ عرب میں اسلام سے پہلے زبان دانی اور فصاحت و بلاغت کا اتنا خیال تھا کہ بچوں کو بادیہ میں جہاں کی عربی شہروں سے فصیح تر ہوتی تھی بھیج دیا جاتا تھا۔ مگر وہاں بھی "دودھ ماں" مقرر کر دی جاتی تھی۔ مگر دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں سب میں پہلے امراء کی عورتوں نے بچے کو اپنے دودھ سے چھڑایا۔ چونکہ ماں کو دودھ پلانے میں بچہ کے آس پاس ٹھہرنا پڑتا ہے تاکہ ہر دو گھنٹہ کے بعد یا بچہ بڑھنے لگے تو اس کے زیادہ وقفہ کے بعد بچہ کو دودھ پلا سکے۔ تو امراء کی عورتوں نے اسے اپنے لئے بندش اور قید سمجھا۔ اس لئے "دودھ ماؤں" کو اور بعد میں گائے یا بکری کے دودھ کو استعمال کیا جانے لگا۔

یورپ اور امریکہ میں جوں جوں دولت بڑھی اور عیش و آرام کی عادات پڑنے لگیں تو ماؤں نے دودھ پلانے سے اپنی خلاصی چاہی۔ اور اس طرح مصنوعی دودھ کا استعمال پہلے تو امراء میں آیا اور پھر امراء کی نقالی میں متوسط طبقوں میں بھی آگیا۔ اب تو غرباء تک میں پھیل گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مغربی ممالک میں عورتوں کو نوکری کرنی پڑتی ہے اس لئے وہاں مصنوعی دودھ متوسط اور غریب طبقات میں استعمال ہونے لگا۔ مگر مصنوعی دودھ کو تیار کرنے اور پلانے کے لئے بھی تو کوئی عورت چاہیئے۔ اور بہرحال سوائے نوکری کے اوقات کے باقی اوقات میں تو مائیں خود اپنا دودھ پلا سکتی تھیں۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اس ڈیوٹی سے اپنی مکمل خلاصی کرا لی۔ مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر مشرق میں پہلے تو امراء کے طبقہ کی عورتوں میں پھر متوسط طبقہ کی عورتوں میں اور اب تو ان سے بھی غریب تر طبقوں میں یہ بُری عادت پھیل گئی ہے۔ یہاں ابھی عورتوں کو نوکری تو اکثر نہیں کرنی پڑ رہی مگر یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ ماؤں کے دودھ نہیں اترتا۔ تعجب ہے کہ نصف صدی پہلے تک تو اترتا تھا اور اب یہ دودھ کیوں خشک ہو گیا؟ دراصل اس کی وجہ نفسیاتی ہے۔ آج کل کی تعلیمیافتہ لڑکی اس جنجال میں نہیں پڑنا چاہتی۔ کون دو سال کے لئے قیدی.

بن جائے؟ اور پھر مصنوعی دودھ جو موجود ہے؟ - تو چونکہ آج کل کی مغرب زدہ لڑکیاں دو سال کے لئے اس جنجال یا قید سے کراہت کرتی ہیں اس لئے نفسیاتی طور پر ان کے تحت الشعور سے دودھ اترنے پر ویسا ہی اثر پڑتا ہے جس طرح انسان کے ہر کام میں اس کے نفس یا تحت الشعور کا اثر پڑتا ہے - یا جس طرح گائیں بھینسیں بعض وقت اپنا دودھ روک لیتی ہیں - پہلے تو کہتے تھے کہ بچہ روئے یا دودھ مانگے تو ماں کے دودھ اتر آتا تھا - وہ بھی نفسیاتی اثر تھا - اب چونکہ ایک لڑکی نو ماہ پہلے سے یہ عزم پختہ کرتی آتی ہے کہ اس نے اس جنجال یا قید کی مصیبت کو اپنے گلے نہیں ڈالنا جبکہ مصنوعی دودھ سے گذارہ ہو جاتا ہے تو ماں بنتے پر یہ پہلے کا پختہ شدہ عزم تحت الشعور میں اپنا کام کرتا ہے - اور اس لئے اب دودھ نہ اترنے کا مرض عام ہوتا جا رہا ہے یا کم سے کم ایسا سنا جانے لگا ہے - جن کے دودھ اترے بھی وہ بھی جلد اپنی گلو خلاصی کرا لیتی ہیں -

مصنوعی دودھ کے خلاف اس مضمون کے شروع میں جو کوائف مذکور ہیں وہ تو پچھلے دو تین سالوں میں طبی ماہرین اور حکومتوں کی توجہ میں آئے ہیں - اس سے کئی سال قبل سائیکالوجسٹ صاحبان یعنے علم النفس کے ماہروں نے کہنا شروع کیا تھا کہ ماں کے اپنے دودھ نہ پلانے سے بچوں کی ذہنی اور نفسیاتی نشو و نما پر برا اثر پڑتا ہے جو بڑا ہو جانے کے بعد تحت الشعور میں مستقل طور پر اثر پذیر ہوتا ہے - اس لئے وہ ماں باپ سے شاکی اور باغی ہونے لگتے ہیں - اسوقت تک مصنوعی دودھ کے طبی نقائص معلوم نہ تھے اس لئے ماہرین نفسیات نے اس وقت اتنا ہی کہنے پر قناعت کی ماں جب مصنوعی دودھ بھی پلائے تو بچہ کو اپنی گود میں لے کر اس محبت سے پلائے جو وہ اپنے دودھ کے وقت کرتی تھی کیونکہ بچہ نہ صرف ماں کی گود کو پہچانتا ہے بلکہ ماں کی گود کی حرارت اور دودھ پلاتے وقت کی محبت و شفقت سے بچہ کے تحت الشعور پر زبردست اثر پڑتا ہے - اس لئے اگر بوتل سے بھی دودھ دینا ہو تو ماں خود اپنی گود میں لے کر محبت و شفقت کے طریق سے پلائے - اور اب تو یہ پتہ چلا کہ مصنوعی دودھ طبی طور پر بھی ناقص اور خطرات سے پر ہے -

قرآن کریم بھی کمال کی کتاب ہے - بقول حضرت مسیح موعودؑ ؎

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ ایک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

چونکہ بچہ کو ماں کا اپنا دودھ پلانا اللہ تعالےٰ کی خود مشیت تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ بچہ کی صحت - نشو و نما اس کی ذہنی اور نفسیاتی تربیت اور قدرتی طور پر خاندانی منصوبہ بندی کے راز اس میں پنہاں تھے - اسی لئے اس خلاق العظیم نے بچہ کے پیدا ہونے پر ماں کی چھاتیوں میں دودھ اتر آنے کا بندوبست فرمایا - اس الم نشرح اشارہ کے علاوہ قرآن کریم میں صریح طور پر احکام موجود ہیں. سورۃ لقمٰن میں ماں جو بچہ کے لئے بوجھ اٹھاتی ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ (آیت ۱۴) یعنے بچہ کا دودھ چھڑانا دو سال کے بعد ہوتا ہے - سورۃ بقرہ - آیت ۲۳۳ میں تو اور بھی واضح حکم ہے - فرمایا والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین - ترجمہ: اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں) اس کی اہمیت اتنی ہے کہ طلاق کی صورت میں بھی بچہ کے دودھ پلانے کی مدت کے لئے مطلقہ بیوی کو روٹی کپڑا اور رہائش کا حسب سابق بندوبست کرنے کے بعد باہمی رضامندی سے روک لینے کا ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اس فرض منصبی کو پورا کرنے کے لئے اس دو سال کے عرصہ میں نہ تو مطلقہ ماں کی دودھ پلانے کی خواہش اور نہ باپ کے اس مدت کے لئے ماں کا اپنا دودھ پلوانے کی خواہش کو ان دونوں میں سے کسی کے لئے باعث تکلیف بنایا جائے - اور اگر مطلقہ بیوی کو اس مقصد کے لئے نہ بھی روکنا ہو تو اس کی جگہ ایک اور دودھ پلانے والی کا ذکر فرمایا (وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم) یعنے یہ مشیت خالق ہے

کہ بچہ کو بہر صورت عورت ہی دودھ پلائے چاہے اس کے لئے مطلقہ ماں کو اس کی رضامندی سے روک لیا جائے چاہے جدائی یا ماں کی بیماری یا موت کی صورت میں "دودھ پلائی" کا بندوبست کیا جائے -

کچھ عرصہ ہوا کہ انسانی غذا کے حلال اور حرام کے مسئلہ پر مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے ایک مضمون پیغام صلح کے لئے لکھا تھا - تو اس سلسلہ میں میں نے بھی ایک مضمون لکھا تھا - جس میں منجملہ اور باتوں کے یہ بھی لکھا تھا کہ اب امریکہ میں سائنس کے تجربوں سے وہ بات ثابت ہوئی ہے جو کہ قرآن کریم نے چودہ سو سال پہلے ایک امی کی زبان مبارک سے انکشاف فرمائی تھی کہ غذا کا انسان کی فطرت (اخلاق اور روحانیت) پر اثر پڑتا ہے - اس لئے سؤر جیسے دیوث جانور کا گوشت کھانے سے دیوثی کا انسانی کیریکٹر میں آ جانے کا خطرہ تھا اور ہم دیکھتے ہیں کہ اہل مغرب میں کس قدر نمایاں طور پر وہ اثر آ چکا ہے -

اسی اصول کی بناء پر کہ غذا کا انسان کی فطرت پر اثر پڑتا ہے کیا تعجب ہے کہ نسل انسانی پہ جو فی زمانہ حیوانیت چھا گئی ہے اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ بجائے انسان (ماں) کا دودھ پینے کے موجودہ نسل کا بیشتر حصہ حیوان یعنے گائے، بھینس اور بکری کے دودھ پر پلا ہے - اگر ماؤں نے تساہل یا اپنے آرام کی خاطر ایسا کیا تو باپوں نے کیوں کرنے دیا - کیا انہوں نے بھی اسے پسند کیا تاکہ بیگم ہر وقت ان کی خدمت یا مصاحبت کے لئے آزاد ہو تاکہ جہاں چاہیں آزادی سے آئیں جائیں - اس لئے اگر نئی نسل پر جو بے انصافی یا ظلم کیا گیا تو وہ آج اپنے ماں باپ سے عام طور پرست کی یا کنارہ کش یا باغی ہے - یاد رہے کہ علم النفس کے ماہروں نے قطعی طور پر یہ کہا ہے کہ ماں کی گود سے محرومی کا اثر بچہ کے تحت الشعور پر مستقل طور پر پڑ کر اس کی بعد کی زندگی میں تلخیاں یا شکایات اور رنجشیں پیدا کرتا ہے -

اللہ تعالےٰ نے تو پہلے دن سے انسان کی فطرت میں رکھا اور قرآن حکیم میں تو حکم دیا کہ مائیں دو سال کی مدت تک بچوں کو اپنا دودھ پلائیں یا کسی مجبوری سے نہ پلا سکیں تو "دودھ پلائی" کا انتظام کیا جائے - مگر سائنس نے اب ماں کے اپنے دودھ کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھا ہے - اگر اب تک ماؤں کو ان باتوں کا علم نہ تھا اور انہوں نے اپنی اولاد کو اپنے بہترین جوہر یعنے دودھ سے جو قدرت نے اولاد کے لئے ہی پیدا کیا تھا محروم رکھا تو خیر اللہ تعالیٰ درگذر فرمائے اور ان کی اولادوں کو ٹھیک رکھے - مگر ان باتوں کو جاننے کے بعد جو ماں اپنے آرام یا اپنی آزادی کی خاطر اپنی اولاد کو قدرت کی اس امانت سے محروم رکھے تو اس جرم کی سزا اولاد کی کنارہ کشی یا بغاوت یا بد سلوکی سے انہیں اسی دنیا میں مل جانے کا امکان ہے اور مجھے ڈر ہے مرنے کے بعد اللہ تعالےٰ کے آگے بھی جوابدہی ہے -

ادارہ پیغام صلح کی طرف سے
اپنے قارئین کرام کی خدمت میں
عید مبارک

درخواست برائے دعائے صحت

چوہدری سلطان احمد صاحب ڈنگہ (گجرات) بیمار ہیں اور احباب سے دعائے صحت کی درخواست کرتے ہیں - امید ہے احباب کرام رمضان المبارک میں بالخصوص ان کی صحت کے لئے درد دل سے دعا فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے ؛

فاتح مسلمان مفتوح کے لئے بھی مجسم رحمت ہوتا ہے۔

آنحضرتؐ نے خون کے پیاسے دشمنوں کیلئے بھی عام معافی کا اعلان کر دیا

آخر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فاتحانہ داخلہ کیوں ہوا؟ وہ کیا وجوہ تھے جنہیں آپ نے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی قرار دیا۔

صدیق اکبرؓ کے ہمراہ عازمِ مدینہ ہوئے تو بے سرو سامانی کے عالم میں پہلی رات ایک غار میں بسر کی۔ جب آٹھ سال بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک فاتح کی حیثیت سے ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو مکہ مکرمہ میں فروکش ہوئے اور فلک کی جس آنکھ نے ختم المرسلین ، آخری تاجدار نبوت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو غربت و بے نیازی کی حالت میں مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کرتے دیکھا تھا۔ اس آنکھ نے یہ روح پرور منظر بھی دیکھا کہ وہی تاجدار رسالت پھر مکے میں داخل ہو رہا ہے اور اس شان سے کہ اب وہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والا مہاجر نہیں بلکہ فاتح مکہ ہے اور مکے کے لوگ مفتوح ہیں لیکن اس فتح میں یہ عجیب بات تھی کہ دنیا کا سب سے بڑا جرنیل یا کمانڈر یا اس کا اسلامی لشکر فتح و نصرت الٰہی کی اس خوشی میں سرشار ہو کر نہ تو کسی قسم کے جشن کا اہتمام کرتا نظر آتا ہے اور نہ اس کی باتوں سے کسی قسم کے تکبر، غرور اور نخوت کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہے مگر وہ اپنی عاجزی کے اظہار کے لئے بارگاہِ ایزدی میں سجدۂ شکر بجا لاتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور اسلامی لشکر کا ایک ایک فرد اپنے آقا و مولیٰ کی تقلید میں سجدۂ شکر ادا کر رہا ہے اور خدا تعالےٰ کی حمد و ثنا میں مصروف ہے ان کی آنکھیں خدائے ذوالجلال کی عظمت و کبریائی کے احساس سے نمناک ہیں اور ان کے دل خشیت الٰہی سے معمور ہیں۔ یہ منظر اس امر کا صاف اعلان کر رہے ہیں کہ اللہ کے نیک بندے نہ تو اپنے دل میں کسی قسم کی ہوس ملک گیری کا جذبہ رکھتے ہیں اور نہ ان میں جہانگیری و جہاں بانی کا شوق کارفرما ہے بلکہ وہ خدائے واحد کی حاکمیت اور قانونِ الٰہی کی عظمت کو دنیا پر مسلط کرنے کے لئے مضطرب و بے قرار ہیں۔

فتح مکہ کے بعد ان مشرکین مکہ اور کفار مکہ کا جنہوں نے تاجدار نبوت کو اعلان نبوت کرنے کے جرم کی پاداش میں ہجرت اختیار کرنے پر مجبور کیا تھا ان کا یہ حال تھا کہ ان کے دل قصاص کے خوف سے لرز رہے تھے۔ اور ظالموں و فاسقوں کو اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ سے اپنی دلی دشمنی کی بناء پر انہیں یہ یقین کامل تھا کہ محمدؐ کی انتقامی تیغ اپنی نیام سے نکل کر ان کی گردنوں کو مروڑ کر ان کے جسم سے جدا کر دے گی اور اس طرح پورا مکہ قتل گاہ اور ہر گھر ماتم کدہ بن جائے گا۔ سہاگنیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں گے اس وقت واقعتاً مکے کی پوری فضا غم آلود تھی اور ہر شخص کو اپنی جان کے چلے جانے کی فکر لاحق تھی لیکن واہ ری رحمۃ اللعالمین کی رحمت گستری کہ وادیٔ مکہ کا ہر ذرہ گواہ ہے کہ مکہ کا فاتح رحمت مجسم بن کر عام معافی کا اعلان کرتا ہے اور لشکرِ اسلام کا منادی کرنے والا مناد مکہ کے گلی کوچوں میں پھر کر یہ اعلان کرتا نظر آتا ہے۔

"اے مکہ والو! اے سردارانِ قریش! آج رحمۃ اللعالمین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے تمام گذشتہ قصور، تمہارے تمام کئے ہوئے مظالم جو تم نے ان پر روا رکھے اور تمہارے جبر و تشدد کی جملہ سرگرمیوں کو معاف کر دیا ہے جو تم نے مسلمانوں کے خلاف انجام دی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا گیا کہ:۔

"جو شخص اپنے گھر کے اندر دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے امن ہے۔"

"جو شخص ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے لے، اسے بھی امن حاصل رہے گا۔"

"اور جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے لے اسے بھی امن حاصل رہے گا۔"

واقعہ یہ تھا کہ صلح نامہ حدیبیہ کی [illegible] گیا تھا اور قبیلہ بنو بکر قریش کا حامی بن گیا تھا۔ لیکن یہ معاہدہ صرف ڈیڑھ سال تک باقی رہا۔ اس کے بعد بنی خزاعہ اور بنی بکر کے قبیلے جو پہلے سے آپس میں نبرد آزما رہتے تھے۔ پھر سے برسرپیکار ہو گئے اور قبیلہ قریش نے قبیلہ بنو بکر کا ساتھ دیا۔ اس طرح قریش اور بنو بکر نے مل کر قبیلہ خزاعہ کے لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ خونریزی اور خون آشامی کا یہ سلسلہ اتنا شدید ہو گیا کہ حرم پاک میں بھی بنی خزاعہ کے لوگوں کا خون بڑی بیدردی سے بہایا گیا۔ جب صورت حال سخت نازک ہو گئی تو بنی خزاعہ نے حضرت ختمی مرتبت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا قاصد بھیجکر امداد طلب کی۔ آپ بنی خزاعہ کی مظلومیت اور بنی بکر و قریش کی سفاکی و خون آشامی کا حال سن کر سخت رنجور ہوئے۔

ادھر دغا و فریب سے حاصل کی ہوئی فتح کا نشہ اترا تو قبیلہ قریش کے اکابر کو خیال آیا کہ انہوں نے صلح حدیبیہ کی ایسی غلط خلاف ورزی کی ہے کہ جسے مسلمان کسی حالت میں نظر انداز نہیں کریں گے۔ وہ سب پشیمان ہوئے اور سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ ابو سفیان کو جو قریش مکہ کے سردار تھے۔ دربار نبوت میں مدینہ بھیجا جائے کہ وہ کفار قریش کی غلطی تسلیم کر کے سرور کائنات کو یہ یقین دلائیں کہ آئندہ ایسی غلطی سرزد نہ ہوگی۔ اور وہ معاہدہ حدیبیہ کی بحالی کا از سرِ نو اعلان کریں۔ لیکن ابو سفیان کے پہنچنے سے پہلے مظلوم قبیلے کا ایک معزز قاصد عمرو بن سالم خزاعی مدینے پہنچ گیا اور مسجد نبوی میں پکارا کہ قریش نے معاہدہ حدیبیہ کو توڑا ہے۔ اس نے قبیلہ خزاعہ کی عورتوں، بچوں اور جوانوں کا اتنا خون بہایا ہے کہ خون کے نشانات حرم کعبہ کی دیواروں پر بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں۔ عمرو بن سالم کی فریاد سن کر سرور کائنات نے اسے تسلی دی اور فرمایا:۔

"اے عمرو بن سالم، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہاری مدد کی جائے گی۔"

اسی لمحہ مدینہ کے افق پر ایک بادل نمودار ہوا تو آپ نے بادل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ بادل بنی کعب بن خزاعہ کی امداد کے لئے کھل کر برسے گا۔"

پھر آپؐ نے ایک قاصد کے ذریعہ اپنا ایک پیام قریش مکہ کے پاس بھیجا۔ جس کی تین شرائط قبول کرنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ تین شرائط یہ تھیں:۔

۱۔ "خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے۔"

۲۔ "قریش بنو بکر کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔"

۳۔ صلحنامہ حدیبیہ کے ٹوٹنے کا اعلان کیا جائے"

دربارِ نبوت نے جو پیغام کفار مکہ کے قریشی قبیلہ کو بھیجا تھا اسے سن کر قریش کے ایک فرد قرطہ بن عمر نے غضبناک ہو کر کہا "ہمیں صرف تیسری شرط منظور ہے۔" بالآخر رمضان ۸ھ کے پہلے عشرے میں دس ہزار غازیانِ اسلام کا پرشکوہ لشکر مدینہ سے مکہ کی طرف سرور کائنات کی قیادت میں کوچ کرنے لگا جب یہ لشکر مکہ کے قریب ایک وادی میں شب بسری کے لئے مقیم ہوا تو رسول اکرم نے تمام لشکریوں کو حکم دیا کہ وادی کے مختلف بلند ٹیلوں پر اور مختلف مقامات پر آگ روشن کی جائے مکہ کے سردار ابو سفیان نے جو اس لشکرِ اسلامی کی خبر پہلے ہی سن چکا تھا ابن عباس کے توسط سے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو حضور نے ابن عباسؓ سے فرمایا:۔ "کہ انہیں رات بھر اپنے پاس رکھو صبح دیکھا جائے گا۔" اگلے دن آنحضرتؐ کے سامنے پیش ہو کر ابو سفیان نے کلمہ طیبہ پڑھا اور ندامت سے

سے اعتراف کیا کہ "واقعی آپ کریم اور ٹوٹے رشتوں کو جوڑنے والے ہیں"۔ آپ نے انہیں اعزاز سے رخصت کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں نے ابوسفیان کو پناہ دی اور مکّے کا جو باشندہ اس کے گھر میں پناہ لے گا اسے بھی امان دی جائے گی"۔

ہر چند ابوسفیان اسلام کے شدید مخالف تھے مگر رسول اکرمؐ کے اس حسنِ سلوک نے ابوسفیان کی حالت یکسر بدل دی اور اس کا تاریک دل پیغمبرانہ حسنِ سلوک سے منوّر ہوگیا۔

اسلامی لشکر مکّہ کی حدود میں داخل ہوا۔ قریشِ مکّہ کے کچھ مخالف افراد کی طرف سے مداخلت کی گئی جس کے نتیجہ میں تیرہ افراد قتل و شہید ہوئے لیکن مدافعت کرنے والوں کے پاؤں جلد ہی اکھڑ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا کسی مزاحمت کے ۱۰ رمضان المکرم ۸ھ کو شہرِ مکّہ میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا:۔

"ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچّا کر دکھایا۔ اس نے اپنے بندوں کی مدد کی اور تمام بتوں کو تنہا توڑ دیا۔ ہاں سُن لو اور غور سے سنو! کہ تمام مفاخر، تمام پُرانے قتل و خون کے بدلے اور تمام خونبہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف خانہ کعبہ کی تولیت اور حجاج کو پانی پلانا اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے اہلِ قریش! اب خدا نے جاہلیت کا غرور اور نسب پر فخر کرنا مٹا دیا ہے تمام لوگ، حضرت آدم کی نسل سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔"

مکّہ میں سرورِ کائنات کے داخل ہوتے ہی ایسا امن قائم ہوگیا جس سے اس شہر کی فضائیں پہلے کبھی آشنا نہ تھیں خانہ کعبہ کے سات طواف کرنے کے بعد آپ حدِ کعبہ پر آکر رُک گئے۔ (بشکریہ مشرق)

انسانِ کامل — بسلسلہ صفحہ ۲

ہے۔ جس قدر ایک مسافر کو کسی سفر پر جانے کے لئے ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ صحابہؓ نے آپؐ سے عرض کی کہ اپنے پلنگ پر ایک گدّا بچھا لیجئے۔ آپ نے فرمایا:۔

"مجھے اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ مجھے اس دُنیا سے صرف اسی قدر تعلق ہے جس قدر کسی مسافر کو۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ پھر وہاں سے چل دیتا ہے۔ اور پیچھے مڑ کر دیکھتا بھی نہیں"

میں نے آپؐ کے کیریکٹر کے مختلف پہلوؤں کو جو دراصل مجموعہ حسنات ہیں، بخوبی واضح کر دیا ہے۔ یہ صفات انسانی اخلاق کو مکمل کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں۔ لیکن ان میں زیادہ تر ایسی ہیں۔ جو بلند مرتبہ زندگی میں ظاہر ہوتی ہیں۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

تواضع زگردن فرازاں نکوست ⁂ گدا گر تواضع کند خوئے اُوست

حالتِ افلاس میں عموماً لوگ صفاتِ حسنہ کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً مفلس آدمی عموماً متواضع اور حلیم ہوتا ہے۔ لیکن ایسی صورت میں یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ یہ صفت عالی ہمّت انسان سے ظاہر ہوئی یا کسی بُزدل سے، لیکن یہی تواضع اور انکساری اگر کسی عالی رتبہ اور ذی مقدرت انسان سے ظاہر ہو تو بے شک اسے حامل صفاتِ حسنہ کہا جائے گا۔ مختصر یہ کہ وہ تمام امور جن سے کیریکٹر کی بلندی ظاہر ہوتی ہے، آپؐ کی مدنی زندگی میں ظاہر ہو گئے۔ آپؐ کی مدنی زندگی ہی کی بدولت بہت سے امور حل ہو گئے جب آپؐ کے دشمن اسلام اور آپؐ کو مع رفقاء تباہ کرنے یعنی رُوئے زمین سے توحید کا نقش مٹانے کے لئے آئے۔ جیسا کہ جنگِ بدر کے موقعہ پر آپؐ نے خود اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا تھا کہ "اے خدا! اگر یہ مٹھی بھر جماعت کفار کے ہاتھوں برباد ہوگئی تو تیرا نام لینے والا رُوئے زمین پر باقی نہ رہے گا۔ اس وقت دنیا کو تلوار کا صحیح استعمال معلوم ہوا۔ اور عورت اور غلامی کے مسائل کا حل نصیب ہوا۔ اس سے پہلے ان دونوں کے ساتھ دنیا نے نہایت بُرا سلوک کیا تھا جنگوں کی بدولت آپؐ کو ان کی اصلاحات کا موقعہ ملا، اور آپؐ نے بہت سے قوانین ان کی بہبودی کے لئے وضع فرما دیئے۔ آپؐ نے اپنے دشمنوں سے عہدنامے بھی کئے۔ لیکن اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ عہدنامے مقدس دستاویز تھے نہ کہ کاغذ کے پُرزے۔ کاش یورپ نے آپؐ کو نمونہ بنایا ہوتا۔ تو دنیا ان ہولناک مصائب سے بچ جاتی۔ جو دورانِ جنگِ عظیم میں برپا ہوئے۔ رہے حضرت یسوعؑ۔ سو ان کی زندگی میں تو کوئی بات ایسی ہے نہیں۔ جو زندگی کی بلند شاہراہوں میں انسانوں کی راہنمائی کر سکے۔

قراردادِ تعزیت

محترم فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی سے جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں لکھتے ہیں کہ: مرکزی دفتر سے پچھلے ہفتے محترم چوہدری محمد سعید بھٹہ صاحب مبلغ اسلام کی وفات کی خبر پہنچی ۱۲ ستمبر ۱۹۷۸ء کو بعد از نمازِ جمعہ مرحوم کی نمازِ جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ محترم میاں بشیر احمد منٹو صاحب نے مرحوم کی خدماتِ دینیہ تبلیغی جدوجہد اور لگن کا ذکر کیا جس کے ساتھ وہ تبلیغی امور سرانجام دیا کرتے تھے۔ منٹو صاحب نے مرحوم بھٹہ صاحب کے قیام نائیجیریا کے دوران ان کے زہد و ورع کے مشاہدہ میں آنے والے واقعات بھی سنائے۔ بعد میں اراکین انجمن نے بالاتفاق رائے حسبِ ذیل قرارداد منظور کی۔

"احمدیہ انجمن اشاعت اسلام راولپنڈی کا یہ اجلاس محترم چوہدری محمد سعید بھٹہ صاحب مبلغ اسلام کی رحلت پر دلی رنج اور افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ ایسے مخلص۔ نڈر اور بے باک مبلغ کی رحلت ایک قومی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے اور انجمن کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔"

عالمگیر دین کا عالمگیر پیغام

اُردو ترجمہ تقریر ڈاکٹر اللہ بخش صاحب ایڈیٹر پیغام صلح

جو ساتویں احمدیہ کنونشن لندن میں پڑھے جانے کی خاطر لکھی گئی

آج ہم یہاں اس بین الاقوامی شہرت کے شہر لندن میں جمع ہوئے ہیں تقریباً ہر ملک کے نمائندے اس اجتماع میں شرکت کر رہے ہیں۔ ایسے بین الاقوامی اجتماعات یہاں اکثر منعقد ہوتے رہتے ہیں، ان میں سے زیادہ تر کی نوعیت سیاسی، اقتصادی، ثقافتی، معاشرتی، ہوتی ہے مگر ہمارے موجودہ اجتماع کی غرض و غایت خالصتاً دینی قسم کی ہے۔

یہ امر نہایت واضح و روشن ہے کہ دنیا میں اس وقت ایک نیا نظریہ جنم لے چکا ہے یعنی بجائے قومیت کے، عالمگیر انسانیت کا نظریہ ابھر چکا ہے۔ سائنسی ترقی اور نت نئی ایجادات نے اس خطۂ ارضی کو ایک طرح ایک شہر کی شکل میں تبدیل کر دیا ہے۔ بڑے بڑے شہر آج عالمگیر شہریت کا نظارہ پیش کر رہے ہیں۔ جہاں ہر قوم و ملک اور نسل و زبان کے باشندے بود و باش رکھتے ہیں۔

جب دیگر اغراض کی خاطر ایسی عالمی اجتماعیت قائم ہو چکی ہے تو اس صورت میں علمبردارانِ دین کے لئے یہ ایک کھلا چیلنج ہے۔ جب اقوام و ممالک ایک دوسرے سے الگ الگ اور علیحدہ پڑے تھے ایک کو دوسرے سے کوئی تعلق و واسطہ نہ تھا، اس وقت دینی نظریہ کی یکجہتی کی ایسی شدید ضرورت نہ تھی لیکن اب جبکہ غیر دینی میدانوں میں اتحاد راہ پا چکا ہے تو دینی سطح پر یکجہتی کس قدر ناگزیر امر ہے!

رہنمائے دین کا اوّلین فرض ہے کہ وہ دینی بناء پر نسل انسانی کی وحدت کا کوئی طریق کار تلاش کریں تاکہ بنی نوعِ انسان کا باہمی اتحاد جس کی داغ بیل پڑ چکی ہے مکمل صورت اختیار کر لے۔

مختلف ادیان کا باہمی ربط و اتحاد ایک اور وجہ سے بھی لازم آتا ہے تمام ادیان کا منبع خدا تعالےٰ کی واحد ذات سے ہے، تمام ادیان کی سچی و بنیادی تعلیم کا خلاصہ بھی امر مشترک ہے، یعنی یہ کہ خدا کے قوانین و احکام کی مخلصانہ فرمانبرداری کی جائے۔ اور مخلوق خدا کی سچی خیر خواہی و ہمدردی ہو۔ تو استنے اہم و بنیادی امور کے اشتراک سے کیا یہ لازم نہیں آتا کہ ان سب ادیان میں اشتراکیتِ عمل اور وحدت قائم ہو۔ جب جملہ ادیان کا منبع اور تعلیم کے بنیادی اصول ایک ہیں تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ باہمی تنازعہ و تفرقہ کا اصل باعث دین کے پیروؤں کا اپنا تعصب و تنگ نظری کا رویّہ بن رہا ہے نہ کہ یہ اصل دین کا قصور ہے۔

بین الملّی دین کے اہم عناصر

جب عالمگیر دینی نظریہ کی ضرورت واضح ہے تو آیئے ہم اس امر کا تجزیہ کریں کہ ایسے نظریئے کے اہم عناصر کیا ہونا چاہئیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ کم از کم یہ اجزاء پانچ عناصر پر مشتمل ہیں، عالمگیر ربّ، عالمگیر ہادی، عالمگیر قانون، عالمگیر کتاب اور ان سے وجود میں آنے والی عالمگیر اخوت۔ آیئے! ان عناصر پر مختصر تبصرہ کریں۔

عالمگیر ربّ اور عالمگیر ہادی اور کتاب کی خصوصیات

عالمگیر ربّ کی صفات ایسی ہوں جن کا دائرہ عمل جمیع نسلِ انسانی پر بلا کسی قومی، ملکی، ملی، اور طبقاتی رعایت و تفریق کے محیط ہو۔ ایسے عالمگیر خدا کا محکم قانون یہ ہو کہ ہر فرد بشر اور قوم و ملت کے عمل پر اسکے قانونِ جزاء و سزا کا اطلاق یکساں ہو نہ کسی خاص فرد و فرقہ سے رعایت ہو اور نہ ہی کسی کے برخلاف کسی قسم کا تعصب و تنگ نظری کا برتاؤ ہو۔

ایک عالمگیر ہادی کی خصوصیات یہ ہوں کہ اس کی حیات کے واقعات تاریخ سے ثابت ہوں۔ پھر اس کی حیات، جامع صفاتِ حسنہ کا کامل نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہو۔ ایک کامل نمونہ اور جامع جمیع صفاتِ حسنہ شخصیت ہی تمام نسلِ انسانی کے لئے یکساں راہنمائی کا کام دے سکتی ہے۔ صرف وہی ہستی جو زندگی کے جمیع نشیب و فراز سے گذر کر اعلےٰ ترین صفات کی مظہر ہو انسانیت کی کامل راہبری کر سکنے کے قابل ہو سکتی ہے۔ ایک عالمگیر کتاب کی یہ خصوصیت ہونا ضروری ہے کہ اس کی تعلیم انسانی حیات کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہو، اگر ہر فرد بشر کے لئے اس میں اعلےٰ سے اعلےٰ تعلیم جو کبھی پہلے نازل ہوئی پائی جائے تو انسانی معاشرہ کی ترقی و تکمیل کے لئے اس میں بہتر سے بہتر ہدایات موجود ہوں جو کبھی دریافت کی جا سکتی ہوں۔

ان چار اعظم اجزاء یعنی عالمگیر ربّ، عالمگیر قانون، عالمگیر ہادی اور عالمگیر تعلیم کے نتیجہ میں اگر ایک عالمگیر اخوت بھی معرض وجود میں آ جائے تو پھر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ایسے معاشرے کے وجود سے دنیا میں اتحاد و اجتماع جمیع نسل انسانی کا عالی نظریہ تکمیل پا سکتا ہے۔

کیا دینِ اسلام ان ہر چہار عناصر کا حامل ہے؟

راقم الحروف نے چونکہ تعلیم اسلام کا عمر بھر محققانہ نگاہ سے مطالعہ کیا ہے اس لئے نامناسب نہ ہوگا اگر وہ اپنی منصفانہ تحقیق آپ کے سامنے پیش کرے تا آپ بھی از راہ انصاف و حق پرستی یہ اندازہ کر سکیں کہ ان عناصر میں دینِ اسلام کہاں تک پورا اُترتا ہے؟

اِسلام میں خدا تعالےٰ کو ربّ العالمین کے لقب سے پکارا گیا ہے جس کے معنے تمام جہانوں کی یکساں و مساوی ربوبیت یا پرورش کرنے والا ہے۔ پیغمبر اسلام کو رحمۃ للعٰلمین یعنے تمام جہانوں کے لئے موجب رحمت و برکت شخصیت کا نام دیا گیا ہے۔ اسی طرح اسلام کی کتاب قرآن کریم کا نام ذکراً للعالمین ہے یعنے تمام جہانوں کے لئے یکساں طور پر اس میں ہدایت و نصیحت موجود ہے۔

اِسلام کا خدا، اس کا پیغامبر اور اس کی کتاب تینوں کے نام کے ساتھ ہی لفظ عالمین یعنے تمام جہانوں کے لئے لگا ہوا ہے جس سے یہ عیاں ہے کہ ان کا دائرہ عمل کل عالمِ انسانی پر محیط و حاوی ہے۔ انہیں کسی خاص شخصیت یا کسی خاص قوم سے واسطہ نہیں بلکہ بلا امتیاز و خصوصیت فرد یا قوم و ملک، ان کی برکات و صفات اور قواعد و قانون، تمام انسانیت کو اپنی لپیٹ میں مساویانہ لئے ہوئے ہیں۔

خدائے واحد کا واحد و عالمگیر قانونِ جزاء و سزا

عالمگیر ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ قانونِ جہد و سعی سب انسانوں کے لئے ایک ہی ہو۔ کیا اسلام کا خدا اس صفتِ ربوبیتِ عامہ کا مالک ہے؟ چند ایک آیات قرآن کریم اس بارہ میں قابل غور ہیں۔

"جو کوئی ایک ذرہ برابر بھلائی کرتا ہے وہ اسے (اس کا نتیجہ) دیکھ لے گا۔ (اسی طرح) جو کوئی ذرّہ برابر برائی کرتا ہے وہ بھی اسے (اس کا نتیجہ) دیکھ لے گا" (الزلزال ۹۹ — ۷-۸)

یہ امر موجب افسوس ہے کہ اس عالمگیر و محکم الٰہی قانونِ جزاء و سزا کو بعض اصحاب نے بگاڑ لیا۔ اس میں بعض اقوام کو مستثناء کر کے انہیں خدا کی خاص پیاری قوم قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کو اس کی تردید ان الفاظ میں کرنا پڑی۔

"ہرگز نہیں جو کوئی بھی خدا کی کامل تابعداری بجا لائے اور وہ مخلوق پر احسان کرنے والا ہو تو یہی خدا کے نزدیک اجر پانے کا مستحق ہے جس پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ ہی غم" (البقرہ ۱۱۱—۱۱۲)

پھر فرمایا:—

"یہ کہتے ہیں صرف ہم ہی خدا کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ کہدو پھر تمہیں خدا عذاب کیوں دیتا ہے؟ نہیں! تم باقی مخلوق کی مانند ہی بشر ہو۔"

(المائدہ۔ ۱۸)

اس آیت نے اس نظریہ کی کھلی کھلی تردید کر دی کہ محض کسی دین کا پیروکار کہلانا یا اس کا نام رکھ لینا کسی انسان کو سعادت و برکت کا مستحق بنا دیتا ہے۔

محض کسی خاص قوم یا دین و مذہب کے پیروکار کہلانے سے خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت نہیں ملتی بلکہ اس کا واحد ذریعہ تو ایمان و عمل صالحہ ہیں — مفصلہ ذیل آیات اس بارہ میں مزید وضاحت کرتی ہے:—

"کوئی فرد مسلمان ہو یا یہودی، عیسائی ہو یا مجوسی جو کوئی بھی خدا اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور عمل صالح کرے — پس اسی کے لئے اس کے خدا کے پاس اس کا اجر ہے اور یہی وہ ہے جسے نہ کوئی خوف لاحق ہوگا نہ ہی غم" (البقرہ ۶۲)

اس آیت شریفہ سے تو کچھ بھی شک باقی نہ رہ گیا کہ صرف کسی دین سے محض لفظی و ظاہری وابستگی کا دعوے کرنا بے معنی بات ہے جب تک اس کے ساتھ ایمان و عملِ صالح کے تقاضے پورے نہ کئے جائیں۔

اس آیت میں جملہ وابستگانِ مذہب کو ایک ہی صف میں کھڑا کر کے معیار نجات ایمان و عمل صالح قرار دیئے گئے ہیں نہ کہ نام نہاد وابستگی۔ ایک طرف صرف ایمان و عمل صالح، بلاتفریق قوم و ملت یا دین و فرقہ، معیار نجات قرار دیئے گئے تو دوسری طرف بلا امتیاز مذہب و ملت اور قوم و طبقہ بدکرداری اور بد اخلاقی قرآن کریم میں قابل مذمت قرار دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ مفصلہ ذیل آیات سے یہ ثابت ہے:—

"ان کا دعوےٰ ہے کہ آگ انہیں نہیں چھوئے گی مگر چند روز۔ نہیں! (بلکہ حقیقت یہ ہے) کہ جو بھی فرد یا قوم بدیوں میں مبتلا ہو جائے تو یہی اصحاب النار ہیں۔" (البقرہ۔ ۸۰—۸۲)

پھر ارشاد ہوا:—

"دیکھو! نہ تو تمہاری خواہشات سے اور نہ ہی اہلِ کتاب کی آرزوؤں سے کچھ حاصل ہوگا۔ جو کوئی بھی بدی کا مرتکب ہوا سے اس کی سزا مل کر ہی رہے گی۔ اور خدا کے سوا کوئی ان کا سرپرست اور مددگار نہیں ہوگا..... البتہ جو کوئی عمل صالح کرے مرد ہو یا عورت، اور ایمان لائے، تو یہی جنت میں داخل ہوں گے اور ان سے کچھ بھی ظلم روا نہ رکھا جائے گا۔ اس سے بہتر اور کونسا دین ممکن ہے جو (یہ تعلیم دے) خدا تعالےٰ کی کامل فرمانبرداری بجا لاؤ اور مخلوق خدا سے احسان کرو۔" (النساء ۱۲۳—۱۲۴)

باہمی اختلاف، رواداری اور امن کے منافی نہیں

عقائد اور ارکان دین کا اختلاف تو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ مگر باوجود اس کے قرآن کریم کی یہ تلقین ہے کہ تنازعہ اور تفرقہ ختم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں یوں ارشاد ہوتا ہے:—

"اگر یہ تیری تکذیب کریں تو بھی انہیں کہدو کہ میرے عمل ہی میرے کام آئیں گے اور تمہارے عمل ہی تمہارے کام آئیں گے۔ نہ تمہیں میرے اعمال

خدا تعالےٰ اعمال کی نوعیت کے مطابق عالمی ربوبیت کا مالک ہے

"مجھے تمہارے مابین عدل و انصاف کی بناء پر فیصلہ کرنا ہے کیونکہ جو خدا ہمارا ربّ ہے وہی خدا تمہارا بھی ربّ ہے۔ تمہیں اپنے اعمال کی اور ہمیں اپنے اعمال کی جزاء و سزا بھگتنا ہے۔ پس اس طرح ہمارے اور تمہارے مابین کوئی جھگڑا باقی نہیں رہ جاتا۔" (۴۲ — ۱۵)

جزاء و سزا تو اعمال پر مترتب ہوگی اس لئے قرآن کریم کے نزدیک خواہ مخواہ جھگڑے کھڑے کرنا اور انہیں طول دیتے چلے جانا فضول و بیکار کارروائیاں ہیں، چنانچہ مزید فرمایا:—

"پس کیا تم اب بھی ہم سے جھگڑا کرتے ہو؟ حالانکہ جو ہمارا ربّ ہے وہی تو تمہارا بھی ربّ ہے ہمیں اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہوگی اور تمہیں تمہارے اعمال کی۔ ہم تو خالصتاً ایسے ہی ربّ کو تسلیم کرتے ہیں۔"

(البقرہ ۱۳۹)

عالمگیر جسمانی پرورش کے مطابق عالمگیر رُوحانی ربوبیت کا قانون

جب عالمگیر خدا کل جہانوں کی جسمانی اور ذہنی پرورش یکساں کرتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ تمام اقوامِ عالم کی روحانی ربوبیت کے سامان بھی یکساں کرتا رہے۔ چنانچہ عین اسی اصولِ محکم کے مطابق قرآن کریم نے یہ تلقین فرمائی کہ ہر قوم اور قریہ میں خدا نے اپنی جانب سے ہادی و مرسل بھیجے۔ چنانچہ اس پر مفصلہ ذیل آیات پیش ہیں:—

(۱) "دنیا میں کوئی قوم نہیں جس میں خدائی پیغامبر نہ بھیجا گیا ہو۔" (۳۵:۲۴)
(۲) "ہر قوم میں ربّانی مصلح مبعوث کیا گیا" (۱۰:۴۷)
(۳) "ہر قوم میں آسمانی مرسل بھیجے گئے" (۱۳:۷)
(۴) "ہم نے تم میں سے ہر قوم کے لئے خاص قواعد وضع کئے اور رہنما بھیجے۔" (۵:۴۸)

ان اور دیگر اسی قسم کی آیاتِ کریمہ سے بکلّی واضح ہے کہ قرآن کریم کی عالمگیر تعلیم بنی نوع انسان کی وحدت اور یکجہتی پر مبنی ہے چنانچہ مفصّلہ ذیل آیات اس بارہ میں قابل غور ہیں:—

"تمام اقوام ایک ہی قومیت کے حکم میں ہیں" (۲:۲۱۳)

"سب لوگ ایک ہی قوم (کی طرح) ہیں مگر وہ آپس میں تفرقہ پیدا کر لیتے ہیں۔" (یونس ۱۰:۱۹)

ایک مقام پر قرآن کریم نے جملہ انبیاء کو یوں خطاب کیا ہے:—

"پس یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا واحد ربّ ہوں تو تم صرف میرا ہی تقویٰ کرو۔ مگر انہوں نے (انبیاء کے پیروؤں نے) تفریق کر کے نسلِ انسانی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اسی پر نازاں و فرحاں ہو رہا ہے۔" (المؤمنون۔ ۵۲—۵۳)

ان آیات سے صاف ثابت ہے کہ جملہ انبیاء کی بنیادی تعلیم، ایمان باللہ اور عمل صالحہ یکساں تھی لیکن بعد میں ہر مذہب کے پیروؤں نے صرف اپنے آپ کو ہی ہدایت یافتہ سمجھ کر دوسروں سے نہ صرف علیحدگی بلکہ ان سے نفرت و حقارت پیدا کر لی۔ اس طرح نسلِ انسانی میں تفرقہ بڑھ گیا پس اسے دُور کرنے کے لئے ایک عالمگیر پیغامبر اور عالمگیر پیغام کی ضرورت پڑی تا سب پر ایمان لانے سے دوبارہ اخوتِ نسلِ انسانی کی واحد قومیت معرضِ وجود میں آئے۔

تعلیمِ اسلام میں خدائے واحد کا تصوّر درحقیقت یہی معنی رکھتا ہے کہ ربّ العالمین نے یکساں طور پر ہر قوم و ملت کو اپنی روحانی اور جسمانی

نعماء سے یکساں و مساوی طور پر نوازا ہے لیکن تفرقہ بازوں نے باہمی اختلاف کو موجب تنازعہ اور فساد بنا لیا ہے - چنانچہ قرآن کریم نے تو مسلمانوں کو دوسروں کے معبودوں کے برخلاف سخت الفاظ استعمال کرنے سے بھی منع کیا ہے - اسی لئے ارشاد ہوا:-

" تم ان کے معبودانِ باطلہ کو بھی گالی مت دو کہ اس طرح وہ ضد و جہالت میں کہیں خدا کو بھی گالی نہ دینے لگیں" (۶ : ۱۰۹)

اختلاف کے باوجود اشتراکِ عمل کی دعوت

تعلیم اسلام کا کمال تو یہ ہے کہ باوجود اختلافِ مذہب کے، دوسرے ادیان کے پیروؤں کو اشتراکِ عمل کی کھلی دعوت دی ہے جیسے فرمایا:-

" اے اہل کتاب! آؤ باہمی امرِ مشترکہ کی بناء پر متحد ہو جائیں اور وہ امر مشترکہ یہ ہے کہ بجز خدا کے کسی کی حقیقتاً عبادت بجا نہ لائیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور نہ ہی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا اپنا رب تسلیم کریں - اگر اس (دعوتِ اتحادِ عمل) کے بعد بھی وہ رُوگردانی اختیار کریں تو کہدو کہ ہم تو خالصتاً اُسی ذات کے مطیع و فرمانبردار ہیں -"
(۳ : ۶۳)

عملاً وحدتِ نسلِ انسانی کا کیسا عمدہ نسخہ قرآن کریم نے تجویز کیا ہے! عقیدہ توحید جو تمام مذاہب کا مسلمہ یکساں عقیدہ ہے پر عملی قیام تمام اختلافات کو دُور کر دینے کا موجب بن سکتا ہے -

اسی طرح جملہ مذاہب کے نزدیک جو دوسرا عظیم امرِ مشترک ہے وہ عمل صالحہ ہے اگر اس عظیم امرِ مشترک پر کامل قیام ہو تو اس سے بھی بنی نوعِ انسان کے مابین اتحاد و یکجہتی کی راہیں استوار ہو سکتی ہیں چنانچہ اس ضمن میں یوں ارشاد ہوتا ہے:-

" ہر (فرد یا قوم) کا اپنا اپنا ایک نصب العین ہے، اے مسلمانو! تمہارا مقصد حیات بھلائی اور نیکی کے کاموں میں سبقت حاصل کرنا ہونا چاہیئے - (نتیجہ یہ ہوگا) کہ جہاں کہیں بھی تم ہوگے تمہیں خدا جمع کر دے گا -" (۲ : ۱۴۸)

اس طرح دو زبردست و مشترک اُصولوں کو زندگی میں عملی جامہ پہنانے سے اتحاد نسلِ انسانی کی راہیں کھُل جاتی ہیں، توحید باری تعالے پر قیام اور عملِ صالحہ و خیر میں سبقت، دین کے دو بنیادی ستونوں پر قائم ہونے سے اختلافی و فروعی امور کو نظر انداز کرنے اور انہیں ثانوی حیثیت دینے سے جُملہ مذاہب میں نہ صرف اشتراکِ عمل پیدا ہو جاتا ہے بلکہ اتحاد و یکجہتی کی راہیں وا ہو جاتی ہیں -

اِسلام کے تصوّر ربّ العٰلمین اور دعوتِ اتّحاد عمل سے بڑھ کر اور کونسا روشن اور یقینی راستہ بنی نوعِ انسان کی وحدت کا تجویز کیا جا سکتا ہے؟ قرآن کریم کی تعلیم کہ اس کتاب میں تمام صادق تعلیمیں اپنی اصل شکل میں جمع کر دی گئی ہیں فیھا کتب قیمہ - نیز یہ کہ ایک مسلمان نہ صرف قرآن کریم اور پیغامبرِ اسلام پر ایمان لاتا ہے بلکہ یہ کہ وہ ہر قوم و مُلک کے ہادی و مرسل پر اور ہر کتاب مقدس کو سچا تسلیم کرتا ہے ایک ایسی دعوتِ اتحاد و اشتراکِ عمل ہے کہ جس سے تمام مذاہب یکجا ہو سکتے ہیں - کیونکہ جب تمام سچی تعلیمیں قرآن میں جمع ہیں تو ایک مسلمان ہر قوم کی سچی تعلیم کا اقرار کرتا ہے اور ان پر عمل پیرا ہوتا ہے - نیز جبکہ پیغمبر اسلام کی سوانح حیات طیبہ تمام انبیاء و صلحاء کے کرداروں کا خلاصہ پیش کرتی ہے تو پھر اس طرح ایک سچا مسلمان ہر قوم و ملک کے مصلح و مرسل کو نہ صرف زبان سے صادق قرار دیتا ہے بلکہ اس کی تعلیم اور نمونہ پر صدق دل سے عمل پیرا ہوتا ہے - جائے غور ہے کہ یوں ایک مسلمان کیا ایک بہتر عیسائی اور بہتر یہودی، ایک بہتر زرتشتی اور کسی اور دین کا بہتر پیرو نہیں بن جاتا؟ پھر جب ایک غیر مُسلم دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تو قابلِ غور ہے کہ کیا اسے اپنے دین و مقدس پیغمبر اور کتاب کو چھوڑنا پڑتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ وہ تو ایک چھوٹے حلقہ برادری سے نکل کر ایک وسیع تر دائرہ اخوت میں شامل ہو جاتا ہے -

پیغمبرِ اسلام کا کامل نمونہ - عالمگیر محبت، امن اور رواداری کا قیام -

اگرچہ پیغمبر اسلام کے سوانح حیات جو مستند تاریخی نوعیت کے حامل ہیں میں جملہ اوصاف حمیدہ انسانیہ اپنی مکمل ترقی یافتہ صورت میں نظر آتے ہیں لیکن اس وقت ان سب کا بیان باعثِ طوالت ہے - اس جگہ میں نہایت اختصار کے ساتھ ایک دو خوبیوں کا ذکر کرتا ہوں - جن کا تعلق ہمارے اس مضمون سے ہے کہ آنجناب صلعم نے کس طرح غیر ادیان کے لوگوں بلکہ جانی و دینی دشمنوں سے کیسے حسنِ سلوک کئے -

چنانچہ ایک واقعہ یہ ہے کہ جب آنحضورؐ مدینہ میں تھے تو ملک حبشہ سے ایک وفد عیسائی اصحاب کا آپؐ کی خدمت میں بغرض بحث و مباحثہ حاضر ہوا - آپؐ نے اس عیسائی وفد کا اپنی مسجد میں اقامت کا سامان کیا - جملہ خاطر و مدارات کے علاوہ جب عیسائی حضرات کے گرجے اتوار کا دن آیا تو وہ حیران تھے کہ اپنی عبادت کہاں بجا لائیں - آپؐ نے کمال رواداری، فراخ دلی اور وسیع النظری کا مظاہرہ فرماتے ہوئے انہیں اپنی عبادت گاہ یعنی مسجد میں ہی گرجا کرنے کی اجازت دی - قابل غور امر یہ ہے کہ یہ وفد بغرض صلح یا دوستی نہیں آیا تھا بلکہ اس کے آنے کی غرض اسلام اور عیسائیت کے عقائد پر بحث تھی - عیسائی حضرات اپنے عقائد کی صداقت اور اسلام کے عقائد کی تردید ثابت کرنے آئے تھے چنانچہ یہ مناظرہ ہوا، بالآخر آنحضرت صلعم نے خدائی فیصلہ کے لئے مباہلہ کا اعلان بھی کیا جیسے قل تعالوا ندع ابناءنا وغیرہ سے ظاہر ہے مگر جہاں تک سلوک اور خاطر و مدارات کا تعلق ہے حسنِ اخلاق کا یہ عالم ہے کہ جیسے کوئی دوست وفد سے برتاؤ کیا جا رہا ہے -

پھر صلح حدیبیہ کا مشہور واقعہ ہے - آپ بغرض حج چودہ سو اصحاب کی معیت میں مدینہ سے مکہ روانہ ہوتے ہیں، مگر کفار کو کب یہ گوارا ہو سکتا تھا - چنانچہ راستہ میں حدیبیہ کے مقام پر آپ کو روک لیا جاتا ہے آپ نے اس وقت اچانک لڑائی پیش آنے کے مدنظر اپنے اصحاب سے دوبارہ جان پیش کرنے کا عہد بھی لیا جو تاریخ میں بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے - لیکن آخر کار کفار کی ایسی شرائط صلح آنجنابؐ نے تسلیم کر لیں جو تمام صحابہؓ کے لئے ناگوار خاطر تھیں نیز ان شرائط میں انصاف کو بھی نظر انداز کر دیا گیا تھا آپ نے نہ صرف اپنے جاں نثار اصحاب کی ناراضگی مول لی بلکہ ان شرائط پر عمل بھی کر کے ایک مظلوم مسلمان کو کُفار کے حوالہ واپس کر دیا - لیکن یہ سب کچھ کیوں گوارا کیا؟ محض اس لئے کہ قتال و خونریزی نہ ہونے پائے کس قدر اور کتنا عظیم، رحمت اور محبت کا مجسمہ یہ پیغامبر ہے - اللھم صل علی محمداً

آپ صلعم جنگ اور خونریزی سے گریز ہر شرط پر قبول فرماتے ہیں کیا اس سے بہتر کوئی نمونہ دشمنوں سے محبت اور صلحکاری کا پیش کیا جا سکتا ہے؟

توحید خداوندی کی حقیقت وحدت نسلِ انسانی میں ہے

دوست و دشمن دونوں کو یکساں طور پر یہ امر مسلّم ہے کہ دینِ اسلام نے توحید باری تعالے پر جو زور دیا ہے وہ کسی اور مذہب نے نہیں دیا - لیکن اس مسئلہ توحید کی تہ میں حقیقتاً جو راز مضمر ہے اس پر بہت کم لوگوں نے توجہ دی ہے - اس کی وجہ یہی ہے کہ وحدتِ نسلِ انسانی کی بنیادیں توحید ذاتِ باری تعالے پر بنا ہیں - پھر اس وحدت انسانیہ کو محض ایک مسئلہ تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ مسلمان کی عملی زندگی میں اسے داخل کر دیا چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف بھی دوست و دشمن کو یکساں طور پر ہے کہ جس طرح اسلام میں دوسری اقوام داخل ہو کر اس کا حقیقی جزو بن گئی ہیں ایسا کسی دوسرے دین کو میسر نہیں آیا پھر صرف اسی قدر یہ بات وحدتِ نسلِ انسانی کی ختم نہیں ہو جاتی کہ ایک عالمی مسلم برادری بلاتفریق و تمیز قوم و وطن اور نسل و زبان قائم کر دکھلائی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کمال وحدت پیدا کی کہ بمطابق تعلیم قرآن حمید عقیدہ و دین کے فرق کو عملی زندگی میں سلوک کے وقت نظر انداز کر کے رکھ دیا ہے - جیسے پہلے ذکر ہوا، اسلام نے

پہلی مرتبہ آزادیٔ ضمیر و فکر اور عمل کو قائم کیا، بلکہ انسانی حقوق کو صلاحیتوں کے معیار پر استوار کیا۔ دیگر تمام اقوام اور مذاہب سے ایک مسلمان اپنی قوم اور ہم مذہب سے رعایت کرنے سے مجتنب رہتا ہے، اس کے سامنے حسنِ سلوک کے صرف دو معیار ہیں انصاف و عدل اور صلاحیت و قابلیت - ان کے بالمقابل وہ وطنیت، قومیت، زبان و نسل اور عقیدہ و مذہب کے اختلاف کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔

یہی اس حقیقت کا راز ہے کہ اسلام جملہ انسانیت کے حق میں کیوں رحمت و

حقوق کی برتری قائم کرتا ہے - یہ ہے وہ مساوات و وحدتِ نسلِ انسانی جسے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے دنیا میں قائم کر کے دنیا میں ایک نیا دور رحمت و برکت اور نظامِ زندگی قائم کیا تھا۔

عالمگیر مساوات اور عالمی برادری

اس جگہ نامناسب نہ ہوگا اگر ایسی عالمی اخوت و مساوات کے اعتراف میں بعض منصف مزاج اور حق جُو مستشرقین نے جو آراء دی ہیں ان کا مختصراً بیان کر دیا جائے۔

(۱) نپولین بونا پارٹ فاتح اعظم کا عزم ملاحظہ ہو:۔

”مَیں امید رکھتا ہوں وہ دن دُور نہیں جب میں اقصائے عالم کے جُملہ دانشمندوں اور حکماء کو دینِ واحد پر جمع کرنے کے قابل ہوں گا جو قرآن کریم کے اُصولوں پر مبنی ہوگا - کیونکہ صرف اسی کتاب کے اصولِ حقہ ایسے ہیں جو انسان کو سچی خوشحالی اور ترقی سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔“

(۲) ”تاریخ کے ایسے نازک دَور میں جب انتشار اور افراتفری کا یہ عالم تھا، انسان کو تہذیب کے اِتحاد پر دوبارہ کیسے جمع کیا جا سکتا ممکن تھا! ایسے نازک وقت پر ایک شخصیت (یعنے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم) نے دنیا میں جنم لیا - جس نے تمام مشرقی اور مغربی معلوم دنیا کو متحد کر دکھلایا۔“ (ڈینیسن)

”اسلام کے لئے خدمتِ نسلِ انسانی کی انجام دہی کے لئے ابھی ایک اور موقعہ موجود ہے - انسان کی مختلف نسلوں کو کامیابی سے متحد کرنے میں کسی دیگر معاشرہ نے وہ کارنامہ انجام نہیں دیا جو مسلم معاشرہ نے دیا ہے - کہیں اور ایسی مثال موجود نہیں کہ جہاں مساوات کی بناء رُتبہ، موقعہ اور سعیٔ جہد کو یکساں دی گئی ہو۔

اگر مشرق و مغرب کے معاشروں میں مخالفت و عداوت کی بجائے معاونت پیدا کرنا ہو تو اس کے لئے اسلام کا عمل و دخل ناگزیر ہے۔“

(گب)

”حج کے رکن کے علاوہ زکوٰۃ کی ادائیگی ایک اور ایسا فریضہ ہے جو مسلمانوں کو مسلسل یہ یاد دلاتا ہے کہ وہ تمام بھائی ہیں - تو مسلمین کے لئے بالخصوص یہ امر شفقت و مہربانی کا موجب بنتا ہے کیونکہ خواہ اس کی نسل، رنگ اور سابقہ روایات کچھ بھی ہوں بلا امتیاز ایک نو مسلم کو مسلمانوں کی نئی اخوت میں دیگر بھائیوں کی مانند ایک برابری کا درجہ مل جاتا ہے۔“ (آرنلڈ)

”اسلام نے مسلمانوں کی ایک ایسی روحانی اخوت قائم کی جو تمام طبقاتی، نسلی، اور رنگ کی رکاوٹوں سے بالاتر ہے۔“ (گبن)

”اسلام میں حیرت انگیز اِتحاد اور وحدت ہے جس کے باعث اس کے لئے ”دنیائے اسلام“ جیسا جُملہ استعمال کرنا صحیح معلوم دیتا ہے“

(زوگیمر)

”آج اسلام کا مبلغ عالمی امن، عالمی اخوت نیز حقوق نسواں اور نسلی امتیازات کو توڑنے کی تبلیغ میں منہمک ہے - اس کے ایسے دعووں میں کافی صداقت ہے - جہاں عیسائیت شراب خوری سے پرہیز اور انسانی اِتحاد کی صرف تبلیغ کرتی ہے وہاں اسلام نے شراب کو حرام قرار دیا ہے اور نسلی مساوات قائم کر دکھلائی ہے۔“

(فرانسس پاٹر)

اتحادِ بین المذاہب کی تڑپ سلسلہ احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمدؑ کے دل میں کس قدر زبردست تھی اسکا اندازہ آپ کے آخری ایام

اس زمانہ میں اپنے حقوق آزادی کے حصول کے لئے ہندو اصحاب نے انڈین نیشنل کانگرس بنائی تھی - مگر مسلمانوں نے اسی غرض کے لئے علیحدہ مسلم لیگ تجویز کی تھی حضرت بانیٔ سلسلہ نے ہندو برادرانِ ملک کو اتحاد کی دعوت دی اور کہا کہ جب کہ اسلام ہر ملک و قوم کے مقدس راہنماؤں کو صادق و منجانب اللہ مانتا ہے تو اگر وہ بھی اس مصالحانہ رویّہ کے جواب میں ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو صادق اور منجانب اللہ تسلیم کر لیں تو دونوں ہندو اور مسلم قوموں میں مضبوط و محکم اتحاد کی راہ قائم ہو جاتی ہے اور چونکہ یہ دونوں قومیں ایک ہی ملک کی بسنے والی ہیں - اس لئے اس مشترک غرض کے لئے ایسا ہی دینی اتحاد نہایت کامیاب و کارگر ثابت ہوگا مگر بدقسمتی سے حضرت بانیٔ سلسلہ کا اسی عرصہ میں جب آپ ہندو قوم کے لئے یہ ”پیغامِ صلح“ لکھ رہے تھے انتقال ہو گیا اور یہ تحریک مکمّل نہ ہو سکی - بعد میں جن دوسری سیاسی بناؤں پر ہندو مسلم اِتحاد ہوا وہ برقرار نہ رہ سکا - نتیجہ ملک کی تقسیم اور بہت سی خونریزی و فساد کی شکل میں رونما ہوا۔

بانیٔ سلسلہ کا یہ ”پیغام صلح“ آج بھی جملہ غیر مسلم اقوام کے لئے کھلا ہے بالخصوص اگر ہمارے عیسائی اور یہودی احباب اس پر غور کریں اور آئندہ سے ہمارے پیغامبر حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی عزت و تکریم بجا لانے والے ہوں تو یقیناً یہ امر مسلم اقوام کے لئے باعث دلجوئی و مسرت ہوگا کیونکہ مسلم قوم تو پہلے ہی سے جملہ انبیاء کی دل سے عزت و تکریم کرتی ہے اور انہیں منجانب اللہ مانتی ہے - نہ صرف عیسائی اور مسلمان اقوام میں بلکہ یہودی اور مسلمانوں میں اتحاد کی راہ واضح ہو کر بہت سے سیاسی مسائل کا حل کرنیکا موجب یہ تحریک ہوگی جس کی بناء پر اس وقت دنیا کا امن خطرہ میں پڑ رہا ہے۔

آئیے ہم دُعا کریں کہ خدا تعالےٰ سب اقوام و ملل کو اتحاد و انصاف اور عالمگیر امن کے قیام میں ممد و معاون ہونے کی توفیق عنایت فرمائے - آمین۔

”تم اگر چاہتے ہو

کہ آسمان پر تُم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔“ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ یکم اکتوبر ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ شمارہ نمبر ۴۰

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد سجاد صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۲ | چہارشنبہ - یکم شوال المکرم ۱۳۹۵ھ - ۸ / اکتوبر ۱۹۷۵ء | نمبر ۴۱

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

اتباع رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانی برکات

فرقان مجید باوجود ان تمام کمالاتِ بلاغت و فصاحت و احاطہ حکمت و معرفت ایک روحانی تاثیر اپنی ذات بابرکات میں ایسی رکھتا ہے کہ اس کا سچا اتباع انسان کو مستقیم الحال اور منور الباطن اور منشرح الصدر اور مقبول الٰہی اور قابل خطاب حضرت عزت بنا دیتا ہے اور اس میں وہ انوار پیدا کرتا ہے اور فیوض غیبی اور تائیدات لا ریبی اس کے شامل حال کر دیتا ہے کہ جو اغیار میں ہرگز پائی نہیں جاتیں اور حضرت احدیت کی طرف سے وہ لذیذ اور دلآرام کلام اس پر نازل ہوتا ہے جس سے اس پر دمبدم کھلتا جاتا ہے کہ وہ فرقان مجید کی سچی متابعت سے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی سے ان مقامات تک پہنچایا گیا ہے کہ جو محبوبانِ الٰہی کے لئے خاص ہیں اور ان ربانی خوشنودیوں اور مہربانیوں سے بہرہ یاب ہو گیا ہے۔ جن سے وہ کامل ایماندار بہرہ یاب تھے جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں اور نہ صرف مقال کے طور پر بلکہ حال کے طور پر بھی ان تمام نعمتوں کا ایک صافی چشمہ اپنے پُر صدق قلب میں بہتا ہوا دیکھتا ہے اور ایک ایسی کیفیت تعلق باللہ کی اپنے منشرح سینے میں مشاہدہ کرتا ہے جس کو نہ الفاظ کے ذریعے سے اور نہ کسی مثال کے پیرایہ میں بیان کر سکتا ہے۔ اور انوارِ الٰہی کو اپنے نفس پر بارش کی طرح برستے ہوئے دیکھتا ہے اور وہ انوار کبھی اخبار غیبیہ کے رنگ میں اور کبھی علوم و معارف کی صورت میں اور کبھی اخلاقِ فاضلہ کے پیرائے میں اس پر اپنا پرتو ڈالتے رہتے ہیں۔

یہ تاثیرات فرقان مجید کی سلسلہ وار چلی آتی ہیں۔ اور جب سے آفتاب صداقت ذات بابرکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آیا۔ اسی دم سے آج تک ہزارہا نفوس جو استعداد قابلیت رکھتے تھے متابعتِ کلامِ الٰہی اور اتباعِ رسول سے مدارجِ عالیہ مذکورہ بالا تک پہنچ چکے ہیں اور پہنچتے جاتے ہیں اور خدا تعالے اس قدر ان پر پے در پے علی الاتصال تلطفات و تفضلات وارد کرتا ہے اور اپنی حمایتیں اور عنایتیں دکھلاتا ہے کہ صافی نگاہوں کی نظر میں ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ منظورانِ نظرِ احدیت سے ہیں۔ جن پر لطفِ ربانی کا ایک عظیم الشان سایہ اور فضلِ یزدانی کا ایک جلیل القدر پیرایہ ہے۔ اور دیکھنے والوں کو صریح دکھائی دیتا ہے کہ وہ انعاماتِ خارق عادت سے سرفراز ہیں اور کرامات عجیب و غریب سے ممتاز ہیں۔ اور محبوبیت کے عطر سے معطر ہیں۔ اور مقبولیت کے فخروں سے مفتخر ہیں اور قادر مطلق کا نور ان کی صحبت میں ان کی توجہ میں ان کی ہمت میں ان کی دعا میں ان کی نظر میں ان کے اخلاق میں ان کی طرزِ معیشت میں ان کی خوشنودی میں ان کے غضب میں ان کی رغبت میں ان کی نفرت میں ان کی حرکت میں ان کے سکون میں ان کے نطق میں ان کی خاموشی میں۔ ان کے ظاہر میں ان کے باطن میں ایسا بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایک لطیف اور مصفّٰی شیشہ ایک نہایت عمدہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اور ان کے فیضِ صحبت اور اختلاط اور محبت سے وہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں کہ جو ریاضت شاقہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں اور ان کی نسبت ارادت اور عقیدت پیدا کرنے سے ایمانی حالت ایک دوسرا رنگ پیدا کر لیتی ہے اور نیک اخلاق کے ظاہر کرنے میں ایک طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور سرکشی اور اماّرگی نفس کی دور ہونے لگتی ہے اور اطمینان اور حلاوت پیدا ہو جاتی ہے اور بقدر استعداد اور مناسبت ذوق ایمانی جوش مارتا ہے۔ اور انس اور شوق ظاہر ہوتا ہے اور التذاذ بذکر اللہ بڑھتا ہے اور ان کی صحبت طویلہ سے بضرورت یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی ایمانی قوّتوں میں اور اخلاقی حالتوں میں اور انقطاع عن الدنیا میں اور توجہ الی اللہ میں اور محبتِ الٰہیہ میں اور شفقت علی العباد میں اور وفا اور رضا اور استقامت میں اس عالی مرتبہ پر ہیں۔ جن کی نظیر دنیا میں نہیں دیکھی گئی اور عقلِ سلیم فی الفور معلوم کر لیتی ہے کہ وہ بند اور زنجیر ان کے پاؤں سے اتارے گئے ہیں۔ جن میں دوسرے لوگ گرفتار ہیں اور وہ تنگی اور انقباض ان کے سینے سے دور کیا گیا ہے جس کے باعث سے دوسرے لوگوں کے سینے منقبض اور کوفتہ خاطر ہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۲۴۲ - ۲۴۴ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱)

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

نیکی کے حصول کے لئے فی سبیل اللہ مال کا انفاق

انفاق فی سبیل اللہ سے مال بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا۔

لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون و ما تنفقوا من شئ فان اللہ بہ علیم۔

قرآن شریف کی اصل غرض } قرآن شریف کی اصل غرض انسان کو اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے دنیا کے کام سرانجام دیتے ہوئے، جیسے دوسرے انسان اس دنیا میں رہتے ہیں ویسے ہی رہتے ہوئے اس کو بہتر انسان بنانا۔ اس کی زندگی کی قدر وقیمت کو بڑھانا ہے۔ اصل غرض یہی ہے جس کے لئے مختلف قسم کے احکام دیئے گئے اور ان کو بڑے مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ولقد صرفنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل۔ ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے پیرایوں میں لوگوں کو سمجھایا ہے۔

مال کو خدا کے رستہ میں خرچ کرنے کا حکم } یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے اس میں بھی انسان کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے ایک حکم دیا ہے لفظی معنی ہیں کہ تم نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے۔ نیکی کو پہنچ نہیں سکتے، یہاں تک کہ اس چیز کو خدا کے رستہ میں خرچ کرو جو تمہیں محبوب ہو یہاں تو صرف خرچ کرنے کا ذکر ہے لیکن خدا کے رستہ میں خرچ کرنا ہم اس لئے کہہ دیتے ہیں کہ کوئی انفاق فی سبیل اللہ کسی قسم کا خرچ کرنا اسی وقت مفید ہو سکتا ہے۔ جب اس میں ذاتی غرض شامل نہ ہو محض خدا کے لئے خرچ کرو۔ کیا خرچ کرو؟ مما تحبون وہ چیز خرچ کرو جس سے تم محبت رکھتے ہو، وہ کیا چیز ہے، وہ ہے مال دنیا یہ اس قدر انسان کی محبوب چیز ہے کہ اس کا نام بھی نہیں لیا، اس قدر محبوب چیز ہے کہ اگر ساری دنیا کے انسانوں کو دیکھا جائے تو خدا سے نیچے اتر کر دوسرا معبود مال دنیا ہے اس میں شک نہیں کہ اور معبود بھی لوگوں نے بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی نسل انسانی کے جملہ افراد جس ایک بیماری میں مبتلا ہیں وہ مال دنیا کی شدید محبت ہے، یہاں تک مال نسل انسانی کا سب سے بڑا معبود ہے۔

نیکی اور مال دنیا } اللہ تعالیٰ اس مال دنیا کے کمانے سے انسان کو بند نہیں کرتا، روکتا نہیں، بلکہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ دو چیزیں ہیں جن کے حصول کے لئے انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے کہ وہ کوشش کرے ایک نیکی اور ایک مال، ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ نیکی کو وہ مرتبہ دیتا ہے کہ اس کے لئے مال دنیا کو قربان کر دینا ضروری قرار دیا ہے۔ گویا نیکی کا مرتبہ مال دنیا سے بہت بلند ہے آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا کا یہ قانون ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑی چیز کے لئے قربان کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ انسان کی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے سب چیزیں اسے قربان کرنی پڑتی ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے نیکی کو وہ بلند مرتبہ دیا ہے کہ اس کو قائم رکھنے کے لئے مال کو قربان کرنا ضروری ہے، انسان کے دل میں تڑپ دونوں کے لئے ہے نیکی کی تڑپ بھی انسان کی فطرت میں ہے اور حصول مال کی تڑپ بھی اس کی فطرت میں ہے یہ بالکل صحیح ہے کہ جس طرح مال کے لئے ہر انسان کے دل میں تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح نیکی کے لئے بھی ہر انسان کے دل میں تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دہریہ کے دل میں بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ کوئی اچھا کام کرے، تو فرمایا وہ غرض پوری نہیں ہو سکتی حتیٰ تنفقوا مما تحبون جب تک اپنی محبوب ترین شئے کی قربانی نہیں کرتے تب تک نیکی کی یہ بلند خواہش ہے وہ پوری نہیں ہو سکتی۔ نیکی وہ بلند خواہش ہے جس کا حصول بہت مشکل ہے۔ مال آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کا تعلق دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے ہے۔ مگر نیکی کا تعلق خدا سے ہے۔ اس لئے خدا کے رستہ میں جب تک محبوب ترین چیز مال کو قربان نہ کیا جائے نیکی حاصل نہیں ہو سکتی۔

نیکی کے حصول کے لئے مال دنیا خرچ کرنے کا حکم } تو لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون میں گویا یہ بتایا ہے کہ تم نیکی بھی حاصل کرنا چاہتے ہو، مال بھی حاصل کرنا چاہتے ہو، مگر تمہاری تڑپ نیکی حاصل کرنے کی پوری نہیں ہو سکتی جب تک خدا کے رستہ میں مال جیسی محبوب چیز کو خرچ نہ کرو، تو یہ گویا نیکی کو حاصل کرنے کا ایک امر ہے اور اس امر کی تعمیل کا ذریعہ بھی بتا دیا کہ مال کی قربانی کے بغیر اس امر کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس آیت کا ذکر اوامر میں کیا ہے } میں نے جب اس آیت پر غور کیا تو میرا خیال ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے اس قرآن کو بھی دیکھوں جس پر آپ نے اوامر و نواہی نوٹ کئے ہیں اور اسے آپ نے پڑھا بھی بہت مرتبہ ہے، اس علم قرآن کے علاوہ جو بطور ورثہ حضرت مسیح موعودؑ سے مجھے ملا ظاہری رنگ میں بھی یہ قرآن کریم مجھے حضرت صاحب سے ہی بالواسطہ ملا ہے یہ ایک ہی تبرک حضرت صاحبؑ کا میرے پاس ہے جس کے ہوتے ہوئے اور کسی تبرک کی ضرورت بھی نہیں۔ اس قرآن شریف کے حاشیہ پر کوئی قریباً ۷۵۰، اوامر و نواہی آپ نے نوٹ کئے ہیں، میں نے دیکھا تو اس میں نمبر ۸۱ پر لن تنالوا البر کو بھی اوامر میں نوٹ کیا ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نگاہ قرآن کریم پر کس قدر باریک تھی۔

انفاق فی سبیل اللہ سے مال بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا } تو یہ ایک اصول زندگی کو بہتر بنانے کا بتایا، ایک چیز ہے زندگی کو بہتر بنانے کا مال، ایک ہے نیکی، یہ اعلیٰ چیز ہے۔ اس اعلیٰ چیز پر ادنیٰ چیز کو جب تک قربان نہ کرو گے، یہ اعلیٰ چیز حاصل نہ ہوگی، مال کو خرچ کرنا بڑا مشکل ہے کسی نے کہا ہے ؎

اگر الحمد گوئی صد بخوانند + بدینارے چو خر در گل بمانند

نفل کہیں تو پڑھتے چلے جائیں گے، اللہ اللہ بھی کرتے رہیں گے، تسبیحیں بھی پھیرتے رہیں گے، لیکن مال کے خرچ کرنے کے لئے کہا جائے تو منہ پھیر لیں گے، مال کا جاتا رہنا کم ہو جانا کسی طرح گوارا نہیں۔ اسی لئے اس آیت میں ایک اور جملہ بڑھایا و ما تنفقوا من شئ فان اللہ بہ علیم کوئی چیز بھی جو تم خرچ کرو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ اس میں شبہ ہی کیا ہے، پھر یہ کیوں بڑھایا؟ بات یہ ہے کہ انسان جب مال جب خدا کے رستہ میں خرچ کرتا ہے تو اسے خیال ہوتا ہے کہ یہ کم ہو گیا تو کس طرح پورا ہوگا، تو فرماتا ہے وما تنفقوا من شئ فان اللہ بہ علیم۔ تم خدا کے قانون کو دیکھ لو، جو کچھ خدا نے تمہیں دیا ہے اس کے خرچ کرنے سے وہ کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے، جو بھی چیز خرچ کرتے ہو، اللہ اس کو جانتا ہے، یعنی اس کو بڑھاتا ہے، کیونکہ وہ علم رکھتا ہے، تم اس کو سمجھو یا نہ سمجھو، لیکن جب مال خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ مال کو بڑھا دے گا۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں (منیجر)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۷۵ء

اشاعت اسلام کی کامیابی پر آسمانی دلیل

عملی زندگی میں انقلاب ایک اعلیٰ درجہ کے ایمان و یقین کا طالب ہے۔ جب قوم پر مردنی چھائی ہوئی ہو جب جمود و بے حسی اپنے انتہا پر ہو جب اخلاق و روحانی موت اس درجہ وارد ہو رہی ہو کہ قوم میں کوئی اجتماعی خاصیت باقی موجود نہ ہو اس وقت اعلیٰ درجہ کے یقین و ایمان سے قلوب کو زندہ کر دینا ایک بڑے تغیر کا متقاضی ہے۔ ایک ہیجان کی ضرورت ہے۔ عملی انقلاب پیدا کرنے کے لئے کسی خارق عادت دلیل کی حاجت ہے۔ یہ ایک تلخ مگر ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مسلمان قوم اس وقت بے حسی کی انتہائی گھڑیوں میں سے گذر رہی ہے۔ تحریک اشاعت اسلام کی طرف سے کلیتہً غافل و بے پرواہ ہے۔ اس کی کامیابی پر زندہ یقین کا ہونا تو کجا وہ کسی ایسے خالص اخلاقی و علمی انقلاب کی قائل ہی نظر نہیں آتی بلکہ حالت انحطاط یہ ہے کہ اگر کوئی جماعت ایسی تحریک کی داعی ہو تو مسلمانوں کی طرف سے مجموعی طور پر اس کی مخالفت ہوتی ہے اس لئے کہ ان کی نگاہ میں ایسی تحریکیں اسلام کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ہیں۔ وجہ یہ کہ اوّلاً تو مسلمانوں میں سے من حیث القوم حقیقی علم مفقود ہو چکا ہے اس لئے وہ زمانہ کی علمی ضروریات کی اہمیت کو محسوس نہیں کر سکتے دوئم یہ کہ بوجہ سطح بینی و کوتاہ نظری کے مسلمان صرف ہنگامہ خیزی اور مُلکی و سیاسی انقلاب کا معتقد ہے ذہنی و روحانی انقلاب کا قائل ہی نہیں رہا۔ سوئم یہ امر قابلِ غور ہے کہ اسلام کے دَورِ اوّل میں جن ملکی و سیاسی اغراض کا حصول اس زمانہ کی مختص ضروریات کے ماتحت لازم ہوا تھا۔ موجودہ زمانہ ان ضروریات و ہتھیاروں کا متقاضی نہیں رہا۔ مگر ایک مسلمان وقتی ذرائع اور اصل نصب العین میں تمیز کرنے کی اہلیت کھو چکا ہے لہٰذا جہاد سیفی و فتوحات ملکی کے جو ذرائع صرف مختص حالات سے وابستہ تھے اور جن کی اب حاجت نہیں رہی اس کی نگاہ میں وہ دین کا اصل جزو اور اشاعت و تبلیغ کے لئے بطور بنیاد کے ہیں۔

جماعت احمدیہ کے سامنے اصل سوال کیا ہے } جماعت احمدیہ لاہور کے سامنے اصل نصب العین اشاعت دین کا ہے اس سے کسی کو ادنیٰ انکار کی گنجائش نہیں۔ مگر اس جماعت کے سامنے پہلا سوال جس کا حل ضروری ہے یہ ہونا چاہیئے کہ مسلمان قوم کو کیونکر تحریک اشاعت کی کامیابی پر زندہ یقین پیدا ہو۔ اس وقت ہمارے سامنے پہلا سوال یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم اشاعتِ دین کیونکر سرانجام دے سکتے ہیں بلکہ قبل اس کے کہ ہماری توجہ اور ہمت براہ راست اشاعت کے نصب العین پر صرف ہو پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہم مسلمان قوم کے اندر تحریک اشاعت کی کامیابی پر یقین کیونکر پیدا کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک مختصر سی جماعت اپنی اصلی طاقت و قوت کو براہ راست اشاعت کے مقصد پر صرف کر دے مگر قوم میں اس تحریک کے لئے کوئی عملی ذوق پیدا نہ ہو۔ جیسا کہ اب تک پیدا نہیں ہوا۔ تو نتیجہ اس کا یہ نکلے گا کہ اس گروہ کی طاقتیں ختم ہو جانے پر نئی طاقت جو تحریک اشاعت کے لئے میسر آنی لازم ہے موجود نہ ہوگی لہٰذا جماعت احمدیہ لاہور کی اوّلین ضرورت براہِ راست اشاعت پر اپنی تمام قوت و طاقت کو صرف کرنا نہیں بلکہ اس جماعت کی اوّلین حاجت جس پر اسے اپنی اصل اور بیشتر حصہ طاقت کو صرف کرنا لازم ہے یہ ہے کہ وہ ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے من حیث القوم مسلمانوں میں تحریک اشاعت اسلام کی کامیابی پر زندہ یقین پیدا ہو۔ جس وقت یہ جماعت مسلمانوں میں ایسے انقلاب کو پیدا کرنے میں خاطر خواہ طور پر کامیاب ہو جائے گی اس وقت تحریک اشاعت خود بخود کامیابی کی منزل پر جا پہنچے گی۔

زندہ یقین کیونکر پیدا ہو } تو اب سوال یہ رہ گیا کہ وہ کونسی دلیل ہے جس کے ذریعے مسلمانوں میں تحریک اشاعت کی کامیابی پر زندہ ایمان کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ آج تک جماعت لاہور حسن ظنی کو کام میں لاکر اسی لائحہ عمل پر گامزن رہی ہے کہ مسلمانوں میں یہ اہلیت موجود ہے کہ وہ خدمت اسلام کے ٹھوس کام اور اس کے شاندار نتائج کو دیکھ کر خود بخود تحریک اشاعت کی کامیابی کی قائل ہو جائے گی لیکن واقعات شاہد ہیں کہ مسلمان قوم کی حالت حد درجہ انحطاط پر واقع ہوئی ہے۔ آخر جماعت لاہور کی ٹھوس ساٹھ سالہ عملی جد و جہد اشاعت اسلام و اشاعت قرآن موجود ہے جو ایک خالص اسلامی خدمت ہے۔ اس جد و جہد کے غیر متوقع مگر شاندار نتائج بھی دنیا کے سامنے ہیں لیکن یہ دلائل من حیث القوم مسلمانوں کو تحریک اشاعت کی طرف راغب نہیں کر سکے۔ اور ہمارا یقین ہے کہ آیندہ بھی انہی دلائل سے مسلمانوں کو اشاعت کی کامیابی کا قائل کرنا امید موہوم ہے۔ اشاعتِ اسلام کے کام کو بجا لاکر اس پر جماعت کی ترقی کی بنیادیں رکھنا تجربہ کی بناء پر صرف غلط ثابت ہوا ہے۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جماعتی ترقی کا عمل میں آنا پہلی شرط ہے اشاعتِ دین اس ترقی کے نتیجہ میں آئے گی۔ اشاعت دین گو اصل نصب العین ہے مگر موجودہ حالات میں اس بنیاد پر جماعتی ترقی کی امید رکھنا صحیح نہیں بلکہ نظریہ اس کے برعکس ہے یعنے جوں جوں جماعتی ترقی ہوتی جائے گی توں توں اشاعت کا کام وسیع پیمانہ پر ہو سکے گا۔

مذھبی یعنی آسمانی دلیل کو پیش کرنے کی حاجت } موجودہ مسلمان ایک خالص مذھبی و جذباتی قوم ہے اسے علم و واقعات سے کم مناسبت ہے اس لئے اگر تحریک اشاعت کی کامیابی پر یقین و ایمان پیدا کرنا منظور ہو تو اس قوم کے سامنے کوئی آسمانی یا مذھبی دلیل پیش کرنی لازم ہے۔ عملی دلائل اور واقعات حقہ سے اس قوم کا جمود دور ہوتا نظر نہیں آتا۔ کسی امر پر یقین پیدا کرنے کے دو ذرائع ہیں۔ ایک عقلی و علمی اور دوسرا آسمانی۔ عقلی دلائل مطمئن تو کر سکتے ہیں مگر عملی تحریک کا موجب کبھی نہیں ہوتے۔ علم روشنی تو دیتا ہے لیکن انسان کو راستہ پر چلانے کا موجب نہیں ہوا کرتا۔ عملی تحریک جس سے زندگیوں میں انقلاب پیدا ہو جائے۔ علم و عقل کی تگ و دَو کے علاوہ کسی اور امر کی طالب ہے اس کا تمامتر باعث ان جذباتِ صادقہ کی تحریک ہے جن کے اعتدال و توازن کے لئے مذہب کا نزول ہوا۔ تحریک اشاعتِ اسلام کی کامیابی پر علمی دلائل دینا مفید ہے۔ لیکن اس سے کسی انسان یا قوم کی عملی حالت میں کوئی انقلاب پیدا کر دینا ناممکن ہے۔ پھر مسلمان جو خالصتاً مذھبی تاثرات کا مجموعہ ہے۔ وہ آج علم و عقل کے ذریعہ دلائل کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ تحریک اشاعت پر علمی دلائل آج تک کامیابی نہیں لا سکے اور اگر زیادہ سے زیادہ توقع کی جائے تو صرف اس قدر کہ عقلی دلائل ذہن کو روشن کر دینے کا موجب ہوں گے۔ مگر اس سے قلوب حرکت میں نہیں آ سکتے۔ اگر اس کی کوئی صورت ہے تو صرف یہ کہ تحریک کی کامیابی پر کوئی آسمانی دلیل مسلمانوں کے سامنے رکھی جائے جب ان کے دل اس آسمانی گواہی کو قبول کر لیں گے اسی وقت ان کے اندر ایک انقلاب عظیم پیدا ہو کر تحریک کو منزل مقصود تک پہنچا دینے کا موجب ہوں گے۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے دعاوی پر ایمان کی حقیقت } دراصل بات یہ ہے کہ تحریک اشاعت کی کامیابی کا سچا راستہ وہی ہے جسے حضرت اقدسؑ نے اپنے عمل سے واضح کیا جس پر جماعت احمدیہ آپؑ کی اور حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کی زندگی میں چلی یعنے اگر احیاء دین منظور ہے تو اس کی اوّلین ضرورت یہ ہے کہ جماعت احمدیہ اپنی طاقت و قوت کو مسلمانوں میں حضرت اقدسؑ کی صداقت کے منوانے پر صرف کرے کیونکہ صاف بات ہے کہ حضرت اقدسؑ کو صادق ماننا اور تحریک اشاعت کی کامیابی پر زندہ ایمان پیدا کرنا

(باقی بر صفحہ ۱۰ کالم ۲)

حق کے مخالفوں کا انجام

خطبہ جمعہ - مؤرخہ ۱۹/ستمبر ۱۹۷۵ء - فرمودہ مکرم میرزا مسعود بیگ صاحب ایم اے بمقام جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور

تبّت یدآ ابی لھب وتبّ - وما اغنیٰ عنہ مالہ وماکسب - سیصلیٰ ناراً ذات لھبٍ وامراتہ حمالۃ الحطب - فی جیدھا حبلٌ من مسد ——— (سورۃ اللھب ۱۱۱ پارہ ۳۰) ———

اس سورت کا نام اللھب ہے اور یہ ابتدائی کی زمانہ میں نازل ہوئی - اس میں بظاہر حضور نبی کریم صلعم کے چچا اور چچی کا ذکر ہے - لیکن ان کے علاوہ عام مخالفین حق کے انجام کی خبر بھی دی گئی ہے اور ایک عظیم پیشگوئی کا اعلان کیا گیا ہے - اس کا ترجمہ یہ ہے :-

" ابو لہب کے دونوں ہاتھ کاٹے گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوا - اس کا مال اور کمائی اس کے کچھ کام نہ آئی - وہ شعلہ مارنے والی آگ میں عنقریب داخل ہوگا اور اس کی عورت بھی جو لگائی بجھائی کرتی ہے اور ایندھن جمع کرتی ہے اس کی گردن میں کھجور کی چھال سے بنی ہوئی رسی ہوگی"

ابو لہب حضور نبی کریم صلعم کا چچا تھا جس کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا - چونکہ اس کے رخسار سرخ انگاروں کی طرح تھے اس لئے اس کی کنیت ابو لہب مشہور ہو گئی - اس کی بیوی کا نام امّ جمیل تھا اور یہ دونوں حضور صلعم کو بے انتہا دکھ پہنچاتے تھے ابو لہب سخت ترین دشمن اسلام تھا - اور جب حضور نبی کریم صلعم وعظ و تلقین کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ ان کے پیچھے جاتا اور لوگوں کو دونوں ہاتھ اٹھا کر کہتا کہ اس کی بات نہ سنو - یہ (معاذ اللہ) جھوٹا اور کذاب ہے اور یہ دیوانہ ہے - اس کے بعد وہ حضورؐ پر پتھر پھینکتا اور آپؐ کے پاؤں اور پنڈلیاں زخمی کر دیتا - اسی طرح اس کی بیوی ام جمیل رات کے وقت حضورؐ کے راستہ میں کانٹے بچھایا کرتی تھی - تاکہ آپ رات کو جب خانہ کعبہ میں عبادت کیلئے جائیں تو آپکے پاؤں زخمی ہوں - اس کے علاوہ اسے چغل خوری کی عادت بھی تھی اور وہ حضور نبی کریم صلعم کے خلاف پروپیگنڈا کیا کرتی تھی -

اس وقت اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا اور آپؐ کے ساتھی بہت تھوڑے تھے اور کمزور تھے - سب مسلمان مخالفین اسلام اور مشرکین کے ہاتھوں پریشان تھے - اس وقت اللہ تعالےٰ نے وحی کے ذریعہ یہ حکم نازل فرمایا انذر عشیرتک الاقربین - یعنی اپنے قریبیوں کو ڈراؤ - چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں آپؐ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور پہاڑی پر کھڑے ہو کر ایک ایک قبیلہ کا نام لے کر پکارا اور جب سب جمع ہو گئے تو حضورؐ نے فرمایا " اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج کھڑی ہے جو تم پر حملہ کر کے تمہیں ملیامیٹ کرنے والی ہے تو کیا تم مان لو گے ؟" سب نے یک زبان جواب دیا - کہ ہاں ! کیونکہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا - آپ صادق ہیں اور امین ہیں - اس پر حضورؐ نے بلند آواز سے فرمایا کہ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں - کہ تم پر تمہاری بدیوں اور شرک کے باعث عذاب شدید آنے والا ہے -

اس پر ابو لہب سخت برافروختہ ہوا اور کہنے لگا تبًّا لک ما جمعتنا الا لھذا " خدا تجھے ہلاک کرے تو نے ہمیں صرف اسی لئے جمع کیا تھا " اس واقعہ کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی جو میں نے شروع میں پڑھی ہے - اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں حضور صلعم کی حوصلہ افزائی کی - اور فرمایا کہ آپؐ نہیں بلکہ ابو لہب تباہ ہوگا - گویا ابو لہب کی بد دعا کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے اس کی تباہی کا علم حضور صلعم کو دیا - پس ان آیات میں ایک پیشگوئی کی گئی جو وقت مقررہ پر لفظ بلفظ اور بڑی شان سے پوری ہوئی - اگرچہ ۱۳ برس تک کفر کی یلغار بڑھتی رہی اور حضورؐ پر اور حضورؐ کے ساتھیوں پر اس عرصہ میں دردناک مظالم ہوتے رہے اور ہر قسم کی اذیت آپؐ کو دی گئی - اور اسی عرصہ میں آپ اپنے چند متبعین کے ساتھ تین برس تک شعب ابی طالب میں محصور رہے - جہاں ضروریاتِ زندگی بھی آپؐ تک نہ پہنچنے دی جاتی تھیں - مگر حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے تین برس کا یہ کٹھن اور مشکلات سے بھرپور عرصہ انتہائی سکون اور صبر اور دعاؤں میں گذارا اور ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں جب حضورؐ کو جمعیت خاطر نصیب ہوئی تو مسلمانوں کے فروغ اور کفّار کی ہزیمت کا دور شروع ہوا - چنانچہ غزوۂ بدر میں کفّار کے تمام سرکردہ لیڈر اور اسلام کے بدترین دشمن ابوجہل، عتبہ شیبہ، ولید وغیرہ مارے گئے - ابو لہب اس جنگ میں شریک نہ تھا لیکن جنگ کے فوراً بعد وہ بھی ہلاک ہوگیا - اور اس کی بیوی کی ہلاکت بالکل اسی طرح ہوئی جیسے ان آیات میں مذکور ہے -

اگرچہ ابو لہب ایک کھاتا پیتا آدمی تھا اور اسکی بیوی بھی کافی مالدار تھی - مگر دونوں میاں بیوی حد درجہ کنجوس تھے - امِ جمیل ایندھن لے لئے جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر کے لایا کرتی تھی - ایک بار وہ لکڑیوں کا گٹھڑ پیٹھ پر لادے آ رہی تھی - جسے ایک رسّی کے ذریعہ (جو کھجور کی چھال سے بنی ہوئی تھی) اس نے ماتھے سے ٹیک دے رکھی تھی - جیسے آپ نے کئی بار دیکھا ہوگا کہ مزدوری کرنے والے بھاری بوجھ کو اٹھاتے ہیں اور رسّی اپنے ماتھے پر ٹکا لیتے ہیں - راستے میں ام جمیل جب تھک گئی تو سستانے کے لئے ایک بڑے پتھر پر اس نے گٹھڑ رکھا اور دم لینے لگی - لیکن یہ گٹھڑ پتھر پر سے پیچھے کی طرف لڑھک گیا اور اس کے ماتھے پر سے رسّی ڈھلک کر اس کے گلے میں آ گئی - اور بوجھ کی وجہ سے رسّی اس کے لئے پھانسی کا پھندہ بن گئی - اور گلا گھٹنے سے اس کی موت ہوگئی - اور اس طرح فی جیدھا حبلٌ من مسد کی پیشگوئی لفظ بلفظ پوری ہوگئی - ابو لہب کا بھی بہت بُرا حشر ہوا - جنگِ بدر میں کفّار کی شکست سے دل برداشتہ ہو کر اسے ایسی مہلک بیماری لگی کہ اس کے سارے جسم میں کیڑے پڑ گئے - اس کی لاش میں تعفّن کی وجہ سے اس کے لواحقین نے اس کی لاش کو بلّیوں سے اٹھوا کر ایک گڑھے میں پھینک دیا - اور اوپر مٹی ڈال دی گئی - میاں بیوی کا تو یہ حشر ہوا اور ان کا بیٹا جو شام کے سفر پر تھا اسے جنگل میں شیر نے پھاڑ کھایا -

اس سورۃ میں صرف ابو لہب اور اس کی بیوی کی حد درجہ مخالفت اور ناکامی کا ہی ذکر نہیں بلکہ عمومی رنگ میں بھی یہ ذکر ہے کہ حق کے مخالفین جو مرسلین خدا کا مقابلہ کرتے ہیں وہ تباہ ہو جاتے ہیں اور حق کا بول بالا ہوتا ہے - اس طرح ابو لہب کی مخالفت ایک Symbol یا نشان بن گئی اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ابو لہب پیدا ہوں گے اور اللہ تعالےٰ انہیں تباہ کرے گا - حق و باطل کی یہ آویزش ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی اور ابو لہب سے ہر ایسا شخص مراد ہے - جو حق کی مخالفت میں اور حق کو ناکام بنانے کے لئے شرارت کی آگ بھڑکائے - اور اس کی امرأۃ سے اس کا ایسا مددگار مراد ہے - جو شرارت کی آگ کے لئے ایندھن مہیا کرے - علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز + چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

یعنی ازل سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے کہ بولہبی قوتیں شمع محمدیؐ کا مقابلہ کرتی ہیں -

اسی مضمون کو خواجہ حافظ شیرازی نے یوں بیان فرمایا ہے ؎

دریں چمن گلِ بے خار کس نچید آرے + چراغِ مصطفوی با شرارِ بولہبی ست

یعنی جس طرح پھول اور کانٹا ساتھ ساتھ چلتے ہیں اسی طرح حق و باطل کا مقابلہ رہتا

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

محترم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

مولوی محمد یوسف لدھیانوی کا ایک خطرناک مغالطہ

اور حضورؑ پر الکفر [illegible] الزام

طرف یہ عقیدہ منسوب کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور نعوذ باللہ آریوں اور بعض فلاسفروں کی طرح عالم کے حادث ہونے کی بجائے اس کے قدیم ہونے کے قائل تھے اور اپنے اس دعویٰ کی دلیل کے طور پر حضورؑ کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کی ہے :۔

" معلوم ہوتا ہے کہ سات ہزار برس میں دنیا کا ایک دَور ختم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اور اسی امر پر نشان قرار دینے کے لئے دنیا میں سات دن مقرر کئے گئے، تاکہ ہر ایک دن ایک ہزار برس پر دلالت کرے، ہمیں معلوم نہیں کہ دنیا پر اس طرح سے کتنے (سات ہزارے) دَور گذر چکے ہیں۔ اور کتنے آدم اپنے اپنے وقت میں آ چکے ہیں، چونکہ خدا قدیم سے خالق ہے۔ اس لئے ہم مانتے اور ایمان لاتے ہیں کہ دنیا اپنی نوع کے اعتبار سے قدیم ہے، لیکن اپنے شخص کے اعتبار سے قدیم نہیں ہے۔"

(ص۳۸، ۳۹)

ملاحظہ فرمایا آپ نے ؟ سات دن سے سات ہزار اور سات ہزار سے کئی سات ہزار۔ اور کئی سات ہزار سے دنیا کے قدیم ہونے کا عقیدہ کیسے نکل آیا۔؟ اور اس کی دلیل صرف یہ کہ معلوم ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے غالباً اسلامی عقائد کی کتابوں کا مطالعہ نہیں فرمایا ورنہ ان کی نظر سے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ضرور گذرا ہوتا کہ :

ان العالم حادث ...... فمن قال بقدم العالم فھو کافر

(شرح فقہ اکبر ص ۱۲ مطبوعہ مجتبائی) دنیا حادث ہے، پس جو شخص دنیا کو قدیم کہے وہ کافر ہے۔"

خالق اور خلق :۔ آگے ارشاد ہوتا ہے :۔

" افسوس کہ حضرات عیسائیاں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صرف چھ ہزار برس ہوئے کہ جب خدا نے دنیا کو پیدا کیا اور زمین و آسمان بنائے اور اس سے پہلے خدا ہمیشہ کے لئے معطل اور بے کار تھا اور ازلی طور پر معطل چلا آتا ہے یہ ایسا عقیدہ ہے کہ کوئی صاحب عقل اس کو قبول نہیں کرے گا۔ مگر ہمارا عقیدہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھایا ہے یہ ہے کہ خدا ہمیشہ سے خالق ہے اگر چاہے تو کروڑوں مرتبہ زمین کو فنا کر سکے، پھر ایسے ہی بنا دے" (ص۳۹)

مرزا صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر خدا خالق قدیم سے ہے تو لازم ہے کہ مخلوق کو بھی قدیم مانا جائے ورنہ لازم آئے گا کہ خدا ہمیشہ سے خالق نہیں بلکہ (معاذاللہ) ازل سے معطل اور بے کار چلا آتا ہے مگر یہ وہی مراقی مغالطہ ہے جو فلاسفہ اور دہریے ہمیشہ پیش کرتے آئے ہیں اور اہلِ اسلام کا اس کے مقابلہ میں ہمیشہ یہ عقیدہ رہا ہے کہ اللہ تعالےٰ ازل ہی سے صفت خالقیت کے ساتھ موصوف ہے۔ مگر مخلوق ازلی نہیں، بلکہ حادث ہے۔

امام اعظمؒ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں :۔

وقد کان اللہ تعالیٰ خالقاً فی الازل ولم یخلق الخلق۔ اور اللہ تعالےٰ ازل ہی سے خالق رہا ہے جبکہ اس نے مخلوق کو پیدا نہیں کیا تھا۔

علامہ علی قاریؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں :۔

والحاصل انہ سبحانہ کما قال الطحاویؒ لیس منذ خلق الخلق استفاد اسم الخالق ولا باحداثہ البریۃ استفاد اسم الباری فلہ معنی الخالقیۃ ولا مخلوق وکما انہ محی الموتیٰ بعد ما احییٰ استحق ھذا الاسم قبل احیائھم کذالک استحق اسم الخالق قبل انشائھم ذالک بانہ علی کل شئ قدیر۔

حاصل یہ کہ۔ جیسا کہ امام طحاویؒ نے فرمایا ہے اللہ تعالےٰ نے صرف مخلوق [illegible] پیدا کرنے سے قبل بھی اسم خالق کا مستحق تھا۔ اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ کی خالقیت ازلیہ سے مخلوق کے ازلی ہونے پر استدلال کرنا عقلاً و نقلاً غلط ہے۔ اور یہ دہریوں کا عقیدہ ہے۔ مسلمانوں کا نہیں۔

ذیل میں سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعودؑ) کی کتب سے بعض اقتباسات لکھتا ہوں جن سے قارئین کرام پر واضح ہو جائے گا کہ جو عقیدہ مولوی صاحب موصوف نے حضورؑ کی طرف منسوب کیا ہے وہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے حضورؑ فرماتے ہیں :۔

" مبارک وہ جو اپنی کمزوریوں کا اقرار کرکے خدا سے رحم چاہتا ہے اور نہایت شوخ اور شریر اور بدبخت وہ شخص ہے جو اپنے اعمال کو اپنی طاقتوں کا ثمرہ سمجھ کر خدا سے انصاف چاہتا ہے اور ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ آریہ صاحبوں نے جو اپنے اعمال کے مقابل پر خدا کا نام منصف رکھا ہے یہ غلطی محض اس وجہ سے واقع ہوئی ہے کہ انہوں نے اپنے ارواح اور ان کی تمام قوتوں کو اور ایسا ہی اپنے اجسام اور ان کی طاقتوں کو خدا کی طرح قدیم اور انادی اور غیر مخلوق سمجھ لیا ہے جو پرمیشر کی طرف سے نہیں بلکہ خود بخود ہیں اور اگر وہ مخلوق کی نسبت قدامت نوعی کے قائل ہوتے نہ قدامت شخصی کا اعتقاد رکھ کر یعنے یہ کہہ کر ارواح اور ذرات اجسام سب انادی غیر مخلوق ہیں ایک بھاری کفر اپنے لئے ٹھہرا لیا ہے۔"

(چشمۂ معرفت۔ ص۲۷۔۲۸)

کیا یہ اقتباس واضح الفاظ میں حضورؑ کے اس عقیدہ کو ظاہر نہیں کرتا کہ مخلوق کو حضورؑ ازلی تسلیم نہیں کرتے۔ پھر کائنات کی پیدائش کے سلسلہ میں خدا تعالےٰ کی تنزیہی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

" تشریح اس کی یہ ہے کہ پہلے تو تمام مخلوق چیز علم میں تھی اور خدا تعالےٰ وراء الوراء مقام میں اپنی تجلیات ظاہر کر رہا تھا جس کا نام عرش ہے یعنے وہ مقام جو ہر ایک عالم سے بلند تر اور برتر ہے اور اسی کا ظہور اور پرتو تھا اور اس کی ذات کے سوا کچھ نہ تھا پھر اس نے زمین آسمان اور جو کچھ ان میں ہے پیدا کیا اور جب مخلوق ظاہر ہوئی تو پھر اس نے اپنے تئیں مخفی کر لیا اور چاہا کہ وہ ان مصنوعات کے ذریعہ سے شناخت کیا جائے۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ دائمی طور پر تعطل صفاتِ الٰہیہ کبھی نہیں ہوتا اور بجز خدا کے کسی چیز کے لئے قدامت شخصی تو نہیں مگر قدامت نوعی ضروری ہے اور خدا کی کسی صفت کے لئے تعطل دائمی تو نہیں مگر تعطل میعادی کا ہونا ضروری ہے اور چونکہ صفت ایجاد اور صفت اِفنا باہم متضاد ہیں اس لئے جب اِفنا کی صفت کا ایک کامل دَور آجاتا ہے تو صفت ایجاد ایک میعاد تک معطل رہتی ہے غرض ابتدا میں خدا کی صفت وحدت کا دَور تھا اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس دَور نے کتنی دفعہ ظہور کیا بلکہ یہ دَور قدیم اور غیر متناہی ہے بہرحال صفت وحدت کے دَور کو دوسری صفات پر تقدم زمانی ہے پس اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ ابتدا میں خدا اکیلا تھا اور اس کے ساتھ کوئی

نہ تھا اور پھر خدا نے زمین و آسمان کو اور جو کچھ اُن میں ہے پیدا کیا اور اسی تعلق کی وجہ سے اس نے اپنے یہ اسماء ظاہر کئے۔"

(چشمۂ معرفت از صفحہ ۲۶۲ تا ۲۶۴)

"اور حق بات یہ ہے کہ جیسا کہ خدا تعالےٰ خود ناپیدا کنار ہے ایسا ہی اس کے کام بھی ناپیدا کنار ہیں اور اس کے ہر ایک کام کی اصلیت تک پہنچنا انسانی طاقت سے برتر اور بلند تر ہے ہاں ہم اس کی صفات قدیمہ پر نظر کرکے یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ خدا تعالےٰ کی صفات کبھی معطل نہیں رہتیں اس لئے خدا تعالیٰ کی مخلوق میں قدامت نوعی پائی جاتی ہے یعنی مخلوق کی انواع میں سے کوئی نہ کوئی نوع قدیم سے موجود چلی آئی ہے۔ مگر شخصی قدامت باطل ہے اور باوجود اس کے خدا کی صفت [فنا] اور اہلاک بھی ہمیشہ اپنا کام کرتی چلی آتی ہے وہ بھی کبھی معطل نہیں ہوتی۔"

(چشمۂ معرفت صفحہ ۲۶۸)

پھر ہر چیز کے مخلوق ہونے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:—

"اگرچہ اسلام بھی مخلوق کی نوعی قدامت کا قائل ہے مگر اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر ایک چیز مخلوق ہے اور ہر ایک چیز خدا کے سہارے سے قائم اور موجود ہے اور نیز اسلام اس بات کا قائل ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا جو خدا کے ساتھ کوئی نہ تھا اور صرف وحدت اپنا جلوہ دکھلا رہی تھی اور خدا ایک پوشیدہ خزانہ کی طرح تھا۔ پھر خدا نے چاہا کہ میں شناخت کیا جاؤں تو اس نے اپنی شناخت کے لئے انسان کو پیدا کیا مگر ہم نہیں جانتے کہ کتنی دفعہ وحدتِ الٰہی کا زمانہ آ چکا ہے اس کا علم خدا کو ہے لیکن جیسا کہ دوسری صفات ہمیشہ کے لئے معطل نہیں رہ سکتیں ایسا ہی وحدتِ الٰہی کی صفت بھی ہمیشہ معطل نہیں رہتی اور کبھی کبھی اس کا دَور آ جاتا ہے اور کبھی ذاتِ الٰہی دنیا کو ہلاک کرنا چاہتی ہے اور کبھی پیدا کرنا کیونکہ احیاء اور اماتت دونوں صفات اس کی ہیں اس لئے ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ خدا ہر ایک جاندار کو ہلاک کرے گا یہاں تک کہ آسمان اور زمین کا بھی ایسے طور پر تختہ لپیٹ دے گا جیسا کہ ایک کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس صورت میں تعطل صفات کا لازم نہیں آتا کیونکہ بعض صفات کی جب تجلی ہوتی ہے تو دوسری صفات جو ان کے مقابل پر ہیں اور ان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں وہ کسی دوسرے وقت میں ظاہر ہوتی ہیں اور اس وقت کی منتظر رہتی ہیں اور یہ ایک سلسلہ قدرت کا واقعی ہے جس سے اہلاک کے بعد احیاء لازم پڑا ہوا ہے پس انہیں معنوں سے ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی کوئی صفت معطل نہیں ہوتی وہ قدیم سے محیی بھی ہے اور ممیت بھی ہے اور کوئی صفت اس کی ایسی نہیں ہے کہ پہلے تھی اور اب نہیں ہے یا اب ہے اور پہلے نہیں تھی۔ غرض ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی چیز خدا تعالےٰ کی وحدت کے ساتھ مزاحمت نہیں رکھتی محض اسی کی ذات قائم بنفسہٖ اور ازلی اور ابدی ہے اور باقی سب چیزیں ھالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت ہیں اور یہی خالص توحید ہے جس کے مخالف عقیدہ رکھنا سراسر شرک ہے۔

اور پھر دوسری طرف جیسا کہ وید خدا تعالےٰ کی صفت ذاتی سے برگشتہ اور منکر ہے یعنی وہ اعلیٰ صفت خدا تعالےٰ کی جو وحدت فی الازل والابد کی خصوصیت ہے اس سے انکاری ہے ایسا ہی وید خدا تعالےٰ کی خالقیت سے بھی انکاری ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا ہے۔"

(چشمۂ معرفت صفحہ ۱۷۷ تا ۱۷۹)

پھر اللہ تعالےٰ کی صفاتِ ذاتیہ اور اضافیہ کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:—

"دوسری قسم کی عبادت یہ ہے کہ اس کی تمام خوبیوں اور کمالات کا ذکر کرکے اس کو یاد کرنا اور اس کی صفاتِ ذاتیہ اور اضافیہ کا اقرار کرکے اس کی حمد و ثنا میں مشغول رہنا صفات ذاتیہ یہ کہ وہ اپنے کمال ذات اور ابدیت اور ازلیت اور تمام قدرتوں اور طاقتوں اور علم میں وحدہٗ لاشریک ہے اور صفات اضافیہ یہ کہ اس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے تا اپنی خالقیت ثابت کرے اور اس نے بغیر کسی عمل کے زمین و آسمان کی ہزاروں نعمتیں انسانوں کے لئے مہیا کی ہیں تا اپنی رازقیت ثابت کرے اور وہ اسی دنیا میں عبادت اور مجاہدہ کرنے والوں کو ایک خاص عزت بخشتا اور خاص تائید کے ساتھ ان میں اور ان کے غیروں میں فرق کرکے دکھلا دیتا ہے اور اپنے قرب اور مکالمہ مخاطبہ کا شرف ان کو بخشتا ہے تا اپنی رحیمیت ثابت کرے اور قیامت کو ہر ایک فرمان بردار اور نافرمان کو اپنی مرضی کے موافق جزاء سزا دے گا تا اپنا مالک جزا و سزا ہونا ثابت کرے۔ یہ ہیں دونوں قسم عبادات کے جو اصل حقیقت پرستش ہے۔" (چشمۂ معرفت صفحہ ۱۶۴ تا ۱۶۵)

مخلوق کی نوعی قدامت پر دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:—

"ہاں یہ بات سچ ہے کہ خدا کی صفات خالقیت رازقیت وغیرہ سب قدیم ہیں حادث نہیں ہیں۔ پس خدا تعالےٰ کی صفات قدیمہ کے لحاظ سے مخلوق کا وجود نوعی طور پر قدیم ماننا پڑتا ہے نہ شخصی طور پر یعنی مخلوق کی انواع قدیم سے چلی آتی ہے ایک نوع کے بعد دوسری نوع خدا پیدا کرتا چلا آیا ہے۔ سو اسی طرح ہم ایمان رکھتے ہیں اور یہی قرآن شریف نے ہمیں سکھایا ہے اور ہم نہیں جانتے ہیں کہ خدا کے تمام صفات کبھی ہمیشہ کے لئے معطل نہیں ہوئے* اور خدا تعالےٰ کی قدیم صفات پر نظر کرکے مخلوق کے لئے قدامت نوعی ضروری ہے مگر قدامت شخصی ضروری نہیں۔" (چشمۂ معرفت صفحہ ۱۶۰)

مگر انسان سے پہلے کیا کیا خدا نے بنایا کس قدر ہم جانتے:

وحدتِ ذاتی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:—

"کہ جیسے خدا بعض اوقات اپنی خالقیت کے اسم کے تقاضا سے مخلوقات کو پیدا کرتا ہے پھر دوسری مرتبہ اپنی تنزہ اور وحدت ذاتی کے تقاضا سے ان سب کا نقش ہستی مٹا دیتا ہے۔"

(چشمۂ معرفت صفحہ ۱۱۱)

قدامت شخصی اور قدامت نوعی میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:—

"اور نیز یہ کہ قدیم سے سلسلہ مخلوق کا اس کے ساتھ چلا آیا ہے مگر کسی چیز کو اس کے مقابل پر قدامت شخصی نہیں ہاں قدامت نوعی ہے اور وہ بھی خدا کی صفت خلق کے لئے ایک لازمی امر نہیں کیونکہ جیسا کہ خلق یعنی پیدا کرنا اس کی صفات میں سے ہے ایسا ہی کبھی اور کسی زمانہ میں تجلی وحدت اور تجرد اس کی صفات میں سے ہے اور کسی صفت کے لئے تعطل دائمی جائز نہیں ہاں تعطل میعادی جائز ہے۔" (چشمۂ معرفت صفحہ ۲۶۷)

مندرجہ بالا عبارتیں کیا ظاہر کرتی ہیں؟ حضور کی تمام مندرجہ بالا عبارتوں

(باقی برصفحہ ۱۲ کالم ۱)

* بعض صفات باری کی نسبت اضافی حدوث مانا جاتا ہے جیسا کہ جب بچہ پیٹ میں ہوتا ہے تو خدا کا علم جو واقع کے مطابق ہونا چاہیئے وہ یہ ہے کہ وہ پیٹ میں ہے اور جب بچہ پیدا ہو کر اپنی حالت میں ایک تغیر پیدا کرتا ہے تو خدا کے علم میں بھی تغیر آجاتا ہے مگر باوصف اس کے خدا کی سب صفات قدیم ہیں۔ منہ (چشمۂ معرفت صفحہ ۱۶۰)

حاشیہ: ہم نے ہمیشہ کے لئے اس لئے شرط لگا دی ہے کہ خدا کی صفات میں سے ایک وحدت بھی ہے کیونکہ اس کی ذات کے لئے کسی دوسری چیز کا وجود ضروری نہیں اس لئے وہ بھی زمانہ آئے گا کہ خدا کل نقش موجودات کا مٹا دے گا تا اپنی وحدت کی صفت کو ثابت کرے اور ایسا ہی پہلے بھی زمانہ آچکا ہے۔ منہ

(چشمۂ معرفت صفحہ ۱۶۰)

مکرم چوہدری فضل داد صاحب گجرات

وابستگانِ سلسلہ سے

دردمندانہ معروضات

دعوتِ عمل اور تبلیغ سلسلۂ احمدیہ

چوہدری فضل داد صاحب پنشنر (گجرات) ایک صاحب دل اور باعمل بزرگ ہیں۔ آپ کی مساعی جمیلہ اور حسنِ عمل سے ان کے احباب اور رشتہ داروں کی ایک کثیر تعداد جماعت میں شامل ہوئی ہے۔ ان کے دل میں اسلام و احمدیت کا بے پناہ درد ہے۔ آپ کا یہ مضمون بھی آپ کے انہیں نیک جذبات اور تبلیغی تڑپ کا آئینہ دار ہے۔ جسے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔
(ادارہ)

اے میرے بزرگو و عزیزو۔ میں اپنے جذبات نہایت دلسوزی سے آپ تک پہنچانے کا متمنی ہوں۔ عین ممکن ہے۔ میرے سادہ مگر درد سے لبریز خیالات آپ پر کچھ اثر کریں۔

حضرت مسیح موعودؑ نے کشتی نوح میں یوں فرمایا:۔

"جو شخص دُنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے۔ اور آخرت کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔"

ہر احمدی (مرد۔ عورت) اس پر علیحدگی کی گھڑیوں میں غور و فکر کرے۔ اگر ہم اس پر عمل نہیں کرتے تو ہم نے اپنے عمل سے امامِ وقت کے ساتھ وعدہ کر کے غداری کی۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے امام وقت کو تسلیم نہیں کیا۔ اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپؑ کے دعویٰ کو تسلیم کیا۔ اور دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا۔ اگر ہم اس وعدہ کی رُو سے دین کو دنیا پر مقدم نہیں کرتے تو ہم دوہرے گناہ کے مجرم ہیں۔ میری نہایت دلسوزی سے استدعا ہے کہ خدا کے لئے اس عہد کو پورا کریں۔

یاد رکھئے۔ انسان اپنا محاسب آپ ہے۔ باہر سے کوئی نہ آئے گا۔ چونکہ فطری طور پر انسان کے ہر عمل کا اثر اس کی ذات پر مرتب ہوتا ہے۔ اس لئے وہ درحقیقت اپنا محاسب آپ ہوتا ہے۔ گویا اس کی ذات اس کا اعمالنامہ ہے۔ حتےٰ کہ اس کے دل میں گذرنے والے خیالات تک کی فلم ساتھ کے ساتھ تیار ہوتی جاتی ہے اور ظہورِ نتائج کے وقت یہی فلم سکرین (پردہ) پر سامنے آ جاتی ہے۔ انسان قانونِ مکافات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

انسان صحیح روش پر صرف اس صورت میں چل سکتا ہے۔ جب اسے اس بات کا یقین ہو کہ غلط روش پر چلنے سے وہ تباہ ہو جائے گا۔ اگر یقین ہی نہ رہے۔ تو پھر انسان اپنی غلط روش چھوڑنے کے خلاف ہزاروں دلیلیں پیش کرتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:۔

جاھدوا باموالھم و انفسھم .... واولٰئک ھم المفلحون ۹/۸۸۔

ترجمہ: اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ اور انہی کے لئے بھلائیاں ہیں۔ اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

یعنی اپنے مال اور جان سے اس مقصد کے حصول کے لئے مصروف سعیٔ عمل رہنے والے ہیں۔

جنّت یوں بیٹھے بٹھائے نہیں مل جایا کرتی۔ اس کے لئے بڑے صبر آزما اور ہمت شکن مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ جو ان مراحل میں ثابت قدم رہتے ہیں وہ جنّت کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جس کے لئے سب کچھ چھوڑنا پڑتا ہے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ آئندہ کے واقعات کا کسی کو علم نہیں۔ لیکن اہل بصیرت ماضی کی روشنی کی مدد سے مستقبل کے اندھیرے میں جھانک ضرور سکتے ہیں۔

ہم مسلمان صراط مستقیم سے دُور ہٹ گئے ہیں۔ اور اپنی کوتاہیوں بربادیوں۔ اپنے مصائب اور اپنے مسائل کے خود ذمہ دار ہیں۔ ہم نے اپنے لئے آشوبِ قیامت کا سامان خود پیدا کیا ہے۔ اب ہماری نجات اسی میں مضمر ہے۔ کہ ہم قرآن کریم اور اُسوۂ حسنہ کو دوبارہ اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں اور ان پر ثابت قدمی سے چلنے کا عہد کریں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ قرآن پاک کی تعلیم ہے لیکن ہمارا اظہار عقیدت اس وقت تک بیکار اور بے معنی ہوگا جب تک ہم اپنے عمل سے اس پر مہر تصدیق ثبت نہ کریں۔

یاد رکھئے اسلام محض چند عبادات و مذہبی شعائر کی ادائیگی کا نام نہیں۔ ہمیں یہ کوشش بھی کرنی چاہیئے کہ ہم حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی اہتمام کریں اور اپنے اخلاق کی اصلاح کی طرف سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہوں۔ کیونکہ جب تک انسان کا اخلاق درست نہیں، اس وقت تک وہ حقیقی معنوں میں اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔

کچھ اپنے لئے — میں ہمیشہ اپنے لئے پورے ایک سال کا پروگرام بنا لیتا ہوں اور اس کے مطابق سال بھر کام کرتا ہوں۔ اور اپنے ہر عمل پر چاہے چھوٹے سے چھوٹا کیوں نہ ہو۔ اس پر کڑی نظر رکھتا ہوں۔ تاکہ میرا کوئی فعل خدا کی ناراضگی کا باعث نہ بنے۔

کسی ادارہ۔ بالخصوص تبلیغی مہم کو خوش اسلوبی سے چلانے کے لئے بنیادی باتوں کا مدنظر رکھنا لازمی اور لابدی ہے پاکیزہ اخلاق۔ امانت و دیانت میں اعلےٰ نمونہ۔ محنت و خلوص سے کام کرنے کا جذبہ۔ اور اللہ تعالےٰ کے حضور اپنی ذمہ داری کا احساس۔ زندگی کا سب سے بڑا صلہ وہ اطمینان قلب ہے۔ جو انسان کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

یاد رہے۔ کوئی شخص صداقت کے معیار پر اس وقت پورا اترتا ہے جب اس کے قول اور فعل میں تضاد نہ ہو۔

قرآن کریم فرماتا ہے:۔

لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت ۲/۲۸۶

جو شخص کوئی اچھا کام کرے گا۔ اس کا اجر اس کی ذات پر مرتب ہوگا۔ اور جو غلط کام کرے گا۔ اس کا تباہ کن نتیجہ بھی اس کی ذات کو بھگتنا پڑے گا۔

نجات کا مستحق کون ہے؟ — نجات کوئی ایسی شے نہیں کہ اس کے ثمرات کا پتہ انسان کو مرنے کے بعد ہے۔ بلکہ نجات تو وہ امر ہے جس کے ثمرات اسی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ نجات یافتہ آدمی کو ایک بہشتی زندگی اسی دنیا میں مل جاتی ہے نجات کی کنجی تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ خداوند کریم بار بار یہی فرماتا ہے کہ رسُول کی پیروی کرو۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مطلب صرف اور صرف یہ تھا کہ ایک خدا کی عبادت کی جائے۔ لیکن آج کل پیروں۔ فقیروں، مزاروں۔ متولیوں کی دنیا میں۔ اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے۔ جنتی دروازوں، عرسوں، اور مشرکانہ رقص و سرود کی محفلوں میں راہ نجات تلاش کی جاتی ہے۔ اسلام کو اپنے سیاسی اور تجارتی مقاصد کی

کی خاطر قربان کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے:۔

ولٰکن کانوا انفسھم یظلمون ۱۶/۳۲ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اور وہی ظلم ہلاکت بن کر سامنے آ جاتا ہے۔

وھو معکم این ما کنتم واللہ بما تعملون بصیر ۵۷/۴۔

جہاں کہیں تم ہو۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اس سے باخبر ہے۔

رات کا اندھیرا ہو یا دن کی روشنی۔ چاہے تم ہوائی جہاز میں سفر کر رہے ہو، یا کشتی میں، گھوڑے پر ہو یا پیدل۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالےٰ جانتا ہے۔ ایسے واضح حکم کی موجودگی میں۔ اگر انسان غلط قدم اٹھاتا ہے۔ تو اپنے لئے جہنم پیدا کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خدا پر زندہ ایمان نہیں۔ اگر کسی انسان مر جاتا ہے۔ اس کو اس بات کا یقین ہے۔ کہ زہر کھانے سے ہلاک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر انسان کو یہ یقین ہو جائے۔ کہ میں اپنے برے عملوں کے نتیجہ سے جہنم میں جاؤں گا۔ تو وہ کبھی برے عمل نہ کرے۔ جب تک انسان میں خدا کا خوف پیدا نہ ہو۔ برائی سے نہیں بچ سکتا۔

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔

"اگر نماز میں توجہ پیدا نہ ہو۔ تو ہر نماز میں خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر یہ دعا کرو:" اے خدا تعالےٰ میں گنہگار ہوں۔ اور اس قدر گناہ کے اثرات نے میرے دل اور ریشہ میں اثر کیا ہے کہ مجھے رقت اور حضورِ نماز حاصل نہیں ہوتا۔ تو اپنے فضل و کرم سے میرے گناہ بخش۔ میری تقصیرات معاف کر اور میرے دل کو نرم کر دے۔ اور میرے دل میں اپنی عظمت اور خوف اور اپنی محبت ڈال دے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے میری سخت دلی دور ہو کر حضورِ نماز میسر آوے قیام رکوع سجدہ میں۔"

اللہ کا خوف کس میں ہے! جس کا قول اور فعل مطابقت رکھتا ہے۔ **جو دِل ناپاک ہے** ۔ خواہ اس کا فعل کتنا ہی پاک ہو وہ دل خدا کے نزدیک قابلِ قدر نہیں۔ پس ہمیں اپنے آپ پر غور کرنا چاہیئے۔

میرے بزرگو! علیحدگی کی گھڑیوں میں اپنے موجودہ معاشرے کو نظر میں رکھیں۔ اخبار میں آئے دن لرزہ خیز، اندوہناک خبریں آتی رہتی ہیں۔ یہ اس قوم کا حال ہے جو اسلام کی مدعی ہے۔ رشوت۔ سمگلنگ۔ ملاوٹ۔ قتل و غارت۔ علماء کا حال دیکھئے اسلام کی تعریف نہیں کر سکے۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس پر کفر کا فتوےٰ نہ لگا ہو۔ لیڈران قوم کی زندگی پر نظر ڈالئے۔ اپنے علاقہ، محلہ، شہر پر نظر کیجئے۔ دور نہ جائیے۔ اپنے گریبان میں جھانکئے اور خدا لگتی کہئے۔ آپ کی نظر میں کتنے افراد آپ کو ایسے ملیں گے جن کے قول و فعل میں یکسانیت ہوگی اور کتنے ایسے ہوں گے جن کے عمل اور قول میں تضاد ہوگا۔

کیا ایسے حالات و واقعات کی موجودگی میں یہ روز روشن کی طرح ثابت نہیں ہو رہا۔ کہ یہ دنیا تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے۔

لھذا آیئے ہم نمازِ تہجد میں بارگاہ صمدیت میں سجدہ ریز ہو کر اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ اور آئندہ کے لئے ہر ایک برائی سے کنارہ کشی کا عہد کریں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا۔ تو یہ اپنے آپ کو خود تباہی میں ڈالنا ہے۔

میرے بزرگو! عزیزو! یہ دنیا چند روزہ ہے۔ اُخروی زندگی کو خوشگوار حسین بنانے کے لئے ہمیں سرتوڑ کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ راہ آسان نہیں خار دار ہونے کے علاوہ مشکلات، مصائب سے پُر ہے۔ کوئی مشکل، مشکل اور کوئی مصیبت، مصیبت رہ نہیں سکتی اگر کوئی شخص استقامت اور صبر کو اپنا شیوہ بنالے اور خدا پر بھروسہ اور توکّل کرے۔ اللہ تعالےٰ اس شخص کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اس کو برکت دیتا ہے جس کو وہ دیکھتا ہے کہ اس کا سینہ صدق اور محبت سے بھرا ہوا ہے۔

غلط کار خود اپنے آپ کو تباہ کرتا ہے۔ معاشرہ میں غلط روش اختیار ان کا اپنا ہوتا ہے لیکن وہ اس طرف دھیان نہیں دیتے۔ کہ ان میں ان کی اپنی ہلاکت کا سامان پوشیدہ ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ مقصودِ حیات یہ ہے کہ انسان کا حال بھی خوشگوار ہو اور مستقبل بھی تابناک۔ اس کا طریقہ یہ بتاتا ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کی پرورش کی فکر میں لگا رہے۔

میں ہر اس شخص سے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہے۔ اس کے مقدس بانی کا واسطہ دے کر التجا کرتا ہوں کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے خالی الذھن ہو کر مندرجہ ذیل باتوں پر غور کرے:۔

(۱) جماعت احمدیہ لاہور کے صحیح اسلامی عقائد ہیں۔ (۲) ہم ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ (۳) تبلیغ اسلام و اشاعت قرآن ہمارا مقصدِ حیات ہے (۴) صحیح اسلامی جمہوریت پر جماعت قائم ہے (۵) ملّت کی واحد داعی جماعت ہے۔ (۶) حضرت مرزا صاحب کو مجدّد وقت مانتے ہیں۔ نبی نہیں مانتے۔

اِن زرّیں اصولوں کی موجودگی میں جماعت میں توسیع کیوں نہیں ہوئی؟ یہ سوال بہت اہم ہے اس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہ کیجئے۔

جس نعمت عظمےٰ کو آپ نے پایا۔ کیا آپ نے اس کو دوسروں تک پہنچایا؟ انسانی زندگی کا مقصد فقط نفسی ہی نہیں بلکہ اس کا مقصد اجتماعی بھی ہے۔ یعنی دوسروں کے نفس کی بھی فکر ہونی چاہیئے۔ ورنہ گھاٹا ہوگا۔

توسیع جماعت پر توجہ نہیں دی گئی۔ یہ ایک بہت بڑی فروگذاشت ہے۔ خدا کے لئے آئندہ اس پر پوری قوت توجہ کی جائے۔ مجلس معتمدین کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو جماعت میں داخل کریں۔

میں زندگی کی ندی میں بہتا بہتا اب اس مقام پر پہنچ رہا ہوں جہاں سے اگلا کنارہ نزدیک تر نظر آ رہا ہے میری دلی آرزو ہے کہ زندگی کے باقی ایام بھی اسی مقصد کی تکمیل میں گذر جائیں۔ یعنی خدمتِ اسلام میں۔

جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب ایم ایس سی کے تازہ ترین اثرات

محترم پروفیسر صاحب ایبٹ آباد سے اپنے خط میں لکھتے ہیں:۔

"پیغامِ صلح باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ جناب ڈاکٹر (اللہ بخش) صاحب کی کوششوں سے اپنی پرانی حیثیت پر واپس آگیا ہے الحمد للہ۔

بشارت بقا صاحب۔ چوہدری شکر اللہ خاں صاحب۔ کے مضامین بہت معلومات افزا اور مدلّل ہوتے ہیں۔ جناب علامہ مصری صاحب بھی جو محمد یوسف صاحب کے مضمون پر تبصرہ کر رہے ہیں وہ بھی خوب ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارا اخبار صرف چند ہاتھوں میں ہی جاتا ہے اور وہ بھی اپنی جماعت کے دوستوں کے پاس۔ دوسرے لوگوں کو اس کے پڑھنے کی توفیق ہی نہیں ملتی۔ لوگوں میں ملّاؤں نے تعصب اور نفرت کا جذبہ اس حد تک پیدا کر دیا ہے کہ وہ ہماری کتابوں کو ہاتھ لگانا بھی گناہ تصور کرتے ہیں۔"

ہفت روزہ "پیغامِ صلح"

خود مطالعہ کرنے کے بعد اپنے دوسرے احباب تک پہنچائیں۔

مولوی محمد علی صاحب ملتان

مقام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مجدد کے ذریعے اسلام کا تازہ بتازہ رہنا

آنحضرت صلعم کی صداقت پر بے نظیر دلیل

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلاوے
یہ ثمر باغ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے (حضرت مسیح موعودؑ)

(قسط نمبر ۸)

آپؐ کی حقانیت پر ایک اور دلیل بھی عجیب تر ہے جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں پائی نہیں جاتی اور وہ آپ کے دیئے ہوئے مذہب کا زندہ مذہب ہونا ہے۔

زندہ مذہب وہ مذہب ہوتا ہے جس کی زندگی کے آثار ہر وقت ثابت ہوتے رہتے ہیں اس کے ثمرات اور برکات اور تاثیرات کبھی مردہ نہیں ہوتے بلکہ ہر زمانہ میں تازہ بتازہ پائے جاتے ہیں۔ جو درخت خریف کے دنوں میں ٹنڈ ہو جاتے ہیں اور کوئی پھل پھول اور پتا ان کا نظر نہیں آتا بلکہ نری خشک لکڑیاں نظر آتی ہیں اس وقت کوئی شناخت نہیں کر سکتا کہ ان درختوں کے درمیان پھل دینے والا زندہ درخت کونسا ہے اور مردہ درخت کونسا ہے۔ لیکن جب ربیع کا موسم شروع ہوتا ہے اور خزاں کا دور ختم ہو جاتا ہے تو پھل دار درختوں کی شان ہی الگ ہوتی ہے ان میں پھل پھول شروع ہو جاتے ہیں۔ جیسے یہ خریف اور ربیع کا دور جسمانی رنگ میں ہے اسی طرح پر روحانی طور پر دین میں بھی خریف اور ربیع کے دو سلسلے ہوتے ہیں ایک صدی جب گذر جاتی ہے تو لوگوں میں سستی اور غفلت اور دین کی طرف سے لاپرواہی شروع ہو جاتی ہے اور ہر قسم کی اخلاقی کمزوریاں اور عملی اور اعتقادی غلطیاں ان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ زمانہ غفلت اور لاپرواہی کا خریف کے زمانہ سے مشابہ ہوتا ہے اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا ہے اور یہ ربیع کا زمانہ ہے یہی وہ زمانہ ہے جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **ہر صدی کے سر پر اللہ تعالےٰ ایک مجدد کو بھیج دیتا ہے جو نئے سرے سے دین کو تازہ کرتا ہے۔**

پس یہ **مجدد** کا اور اسلام کا تازہ بتازہ رہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی **حقانیت** کی دلیل ہے کیونکہ اسی سے اس مذہب کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔

غور کرو کہ جن باغوں کے لئے خریف ہی ہو اور ربیع میں وہ اپنا کوئی نمونہ نہ دکھائیں اور ان میں تازگی اور شگفتگی پیدا نہ ہو۔ پھر وہ کیا بچیں گے۔ آخر وہ تو کاٹ کر جلا دیئے جائیں گے۔ یہی حال اس وقت دوسرے مذاہب کا ہو رہا ہے…… اور خود ان کے ماننے والے تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں **وہ برکات و تاثیرات جو ایک زندہ مذہب میں** ہونے چاہئیں نہیں ہیں تو پھر ان کی اپنی شہادت کے موجود ہوتے ہوئے کسی اور دلیل کی کیا حاجت ہے؟

خدا تعالیٰ کی ہستی پر مکالمہ الٰہیہ پختہ دلیل ہے

ہندوؤں اور عیسائیوں کے مذہب پر تو خزاں کا تصرف اور دخل ہو چکا ہے ان میں کوئی تاثیرات اور نشانات نہیں ہیں…… وہ روحانیت سے خالی ہیں اور بالکل مر چکے ہیں۔ ان میں زندگی کے آثار بالکل نہیں وہ بے حس و حرکت پڑے ہوئے ہیں اور ان مذاہب کے ماننے والے صرف ایک مردہ کو لئے ہوئے ہیں کیونکہ وہ خدا جس پر کامل یقین اس سے سچا تعلق پیدا کر دیتا ہے اور جس تعلق سے پھر نجات ملتی ہے وہ ان کے نزدیک ایک وہمی ہستی ہے جس پر کوئی روشن دلیل نہیں ہے کیا کوئی ان میں ایسا شخص ہے جو یہ دعوےٰ کرے کہ میں نے خدا تعالےٰ کو خود بولتے سنا ہے؟ اس نے میری دعاؤں کا جواب دیا ہے؟ یا اس نے اپنے فضل سے غیروں میں امتیاز کے لئے کوئی خارق عادت نشانات ایسے دیئے ہیں جس سے اس میں اور اس کے غیروں میں امتیاز قائم ہو جاوے۔ اگر کوئی ایسا شخص ہے تو اس کا نشان دو اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس امر کے تسلیم کرنے میں ہٹ دھرمی سے کام نہ لو کہ فی الحقیقت یہ مذہب خزاں کا نشانہ ہو چکے ہیں۔

خدا تعالےٰ کی ہستی پر جیسی یہ واضح دلیل ہے کہ خود وہ اپنے بندے سے کلام کرے اور نشانات ظاہر ہوں اور کوئی دلیل اس کے مقابلہ میں نہیں آ سکتی باقی صرف قیاسات ہیں۔ وید کی رو سے یہ طے شدہ امر ہے کہ اب کوئی نشان ظاہر نہیں ہو سکتا اور خدا تعالےٰ کسی سے کلام نہیں کرتا اور خواہ کوئی شخص کتنا ہی اسے پکارے اس کی پکار کا جواب اسے مل ہی نہیں سکتا کبھی ایک بار خدا تعالےٰ نے کلام کیا تھا مگر اب وہ خاموش ہے جب یہ اصول اور عقیدہ ہو تو بتاؤ اس سے انسان کو خدا تعالےٰ کے وجود پر یقین لانے کے لئے کیا تسلی ہو سکتی ہے اور اس سے وہ یقین کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ جس سے انسان حقیقی نجات حاصل کرے۔

آریوں کے عقیدہ کے موافق خدا کے وجود پر کوئی دلیل نہیں۔

یہ تو سچی بات ہے کہ خدا تعالےٰ کے وجود پر ایمان لانے کے لئے دلائل کی حاجت ہے۔ اگر مصنوعات اور مخلوقات اس کے وجود پر دلائل ہیں۔ مثلاً یہ کہ چاند سورج بطور نشان کے ہیں تو ان کے عقیدہ کے موافق اللہ تعالےٰ کی ہستی پر یہ دلیل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان کے مذہب کے موافق یہ ارواح یعنی جیو خود بخود ہیں اور وہ انادی ہیں۔ خدا تعالےٰ نے ان کو پیدا ہی نہیں کیا۔ جب وہ پیدا شدہ ہی نہیں ہیں تو اپنے پیدا کرنے والے پر دلیل کس طرح ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح پر ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ذرات جن کو اجسام کہتے ہیں یہ بھی خود بخود ہیں پرمیشر کا صرف اتنا کام ہے کہ وہ ان کو جوڑ جاڑ دیتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جب وہ عظیم الشان کام خود بخود ہیں تو جوڑنے جاڑنے کے لئے اس کی کیا حاجت ہے وہ بھی خود بخود ہو جائے گا۔ اس لئے آریوں کے عقیدہ کے موافق پرمیشر کے وجود پر کوئی دلیل نہیں۔ اگر ان سے پوچھا جاوے کہ پرمیشر کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ تو جواب یہی ہے کہ کوئی نہیں۔ نہایت کار وہ یہی کہیں گے کہ وہ ارواح اور مواد کو جوڑتا ہے۔ سو یہ کچی اور بیہودہ بات ہے۔ کوئی عقلمند انسان اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

اسلام خدا کی شناخت کا کیا ثبوت دیتا ہے

برخلاف اس کے اسلام یہ سکھاتا ہے کہ کوئی چیز خود بخود نہیں خواہ وہ ارواح ہوں یا اجسام، سب کو اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا ہے۔ ہر چیز کا مبدء فیض اور سرچشمہ وہی ہے اس لحاظ سے اس کے مصنوعات پر نظر کر کے ہم اس کو پہچان سکتے ہیں۔ پس یہ دلیل اگر کام دے سکتی ہے اور مفید ہو سکتی ہے تو مسلمانوں کے لئے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اتنی ہی معرفت مسلمانوں کو نہیں دی بلکہ اپنی شناخت اور معرفت کے اور بہت سے نشانات ان کو دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے وعدہ کیا ہے۔

لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا

اور پھر فرماتا ہے:۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا

تتنزل علیهم الملائکة۔

یعنی جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر انہوں نے استقامت دکھائی اور کوئی مشکل اور مصیبت انہیں اس اقرار سے پھرا نہیں سکی ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔

یہ بڑا بھاری طریق ہے خدا کو پہچاننے کا۔ اس سے وہ یقین پیدا ہوتا ہے جو انسان کو نجات کا وارث بنا دیتا ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے وجود پر کامل یقین پیدا ہو جاوے تو انسان کی زندگی میں ایک معجزنما تبدیلی ہوتی ہے۔ وہ گناہ آلود زندگی سے نکل آتا ہے اور پاکیزگی اور طہارت کا جامہ پہن لیتا ہے۔ اور یہی **نجات** ہے جو اس کو گناہ سے بچا لیتی ہے۔ اس کے ثمرات اور برکات خدا تعالیٰ پر کامل یقین اور توکل پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اور معجزات اور نشانات مشاہدہ کرائے جاتے ہیں۔

دہریوں کو احمدی ہی لاجواب کر سکتے ہیں

اب چونکہ زمین و آسمان پر مدت ہائے دراز گذر گئی ہے۔ اس لئے مزا ان کا وجود یقین کے لئے کافی نہیں۔ اگر یہ کافی ہوتے تو لوگ دہریہ کیوں بنتے؟ میں یقیناً کہتا ہوں کہ دوسرے لوگ دہریوں کو خدا تعالیٰ کی ہستی پر قائل نہیں کر سکتے لیکن ہمارے سامنے لاؤ یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ مان جاویں مگر ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ لاجواب ہو جاویں گے۔ وہ طریق جس سے ہم دہریوں اور دوسروں پر حجت قائم کرتے ہیں وہ کیا ہیں؟

خدا تعالیٰ کے اقتداری نشان اور اقتداری پیشگوئیاں

اسلام پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور رحم ہے کہ ایک سچا مسلمان یہاں تک ترقی کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کو مکالمہ مخاطبہ نصیب ہو جاتا ہے[2] کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سچے مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی کر کے خدا تعالیٰ کے مکالمات سے شرف پاتے ہیں اور فوق العادت خوارق ان سے صادر ہوتے ہیں اور فرشتے ان سے باتیں کرتے ہیں۔ دعائیں ان کی قبول ہوتی ہیں۔ اس کا نمونہ ایک میں ہی موجود ہوں کہ کوئی قوم اس بات میں ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی[3]۔ اور ہر قوم اور ہر مذہب کے سرگروہوں کو ہم نے دعوت دی ہے کہ وہ ہمارے مقابلہ میں آ کر اپنی صداقت کا نشان دکھائیں۔ مگر ان میں سے ایک بھی مقابلہ پر نہیں آیا جو اپنے مذہب کی سچائی کا کوئی عملی نمونہ دکھا سکتا[4]۔ مگر یہ خدا کا فضل ہے جو اسلام کے ذریعہ مسلمانوں کو ملا اور ..... مسلمانوں کا رسول وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی نبوت اور رسالت کا دامن قیامت تک دراز ہے۔ آپ کی رسالت مردہ رسالت نہیں بلکہ اس کے ثمرات اور برکات تازہ بتازہ ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں جو اس کی صداقت اور ثبوت کی ہر زمانہ میں دلیل ٹھہرتے ہیں[4]

سو اس کامل اور مقدس نبی کی کس قدر شان بزرگ ہے جس کی نبوت ہمیشہ طالبوں کو تازہ ثبوت دکھلاتی رہتی ہے اور ہم متواتر نشانوں کی برکت سے اس کمال سے مراتب عالیہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ گویا خدا تعالیٰ کو ہم آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ پس مذہب اسے کہتے ہیں اور **سچا نبی** اس کا نام ہے جس کی سچائی کی ہمیشہ تازہ بہار نظر آئے[5]

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے + کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلاوے + یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا + نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا + کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہیں باتوں کو کہتے کہتے + ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند + ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
مصطفیٰ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت + اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

---

[1] الحکم ۲۴؍جنوری ۱۹۰۲ء۔ [2] الحکم ۳۱؍مئی ۱۹۰۰ء۔ [3] ملفوظاتِ احمدیہ ص۱۷۔
[4] الحکم ۲۴؍مئی ۱۹۰۲ء۔ [5] کتاب البریہ ص۱۲۸ حاشیہ۔

اشاعتِ اسلام کی کامیابی پر آسمانی دلیل

(بسلسلہ صفحہ نمبر۳)

لازم و ملزوم امور ہیں جس وقت قوم حضرت اقدسؑ کی صداقت کی قائل ہو جائے گی اس وقت اشاعت اسلام کی کامیابی پر زندہ یقین پیدا ہو جائیگا اور جس وقت قوم کی حالت ایسے زندہ یقین و ایمان کی ہوگی اس وقت اشاعت اسلام میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کرنا دشوار امر نہ رہے گا۔ یعنی مسئلہ یوں صحیح نہیں کہ پہلے اشاعت کے میدان میں کامیابی ہوتی دیکھ کر مسلمان حضرت اقدسؑ کی صداقت پر ایمان لے آئیں گے۔ بلکہ مقدر یوں ہے کہ جب حضرت اقدسؑ کے منجانب اللہ ہونے پر دوسرے قرائن و شواہد سے ایمان پیدا ہوگا اس وقت اشاعت کا میدان قوم کے سامنے کھل جائے گا ورنہ اس سے قبل اس پر وہ دروازہ بند ہے۔ اگر مسلمانوں نے اشاعت کے راستہ پر حضرت اقدسؑ کے دعاوی پر ایمان لائے بغیر چل کر احیائے دین کا موجب بننا تھا تو پھر اس حالت میں تو آپؑ کی بعثت کی ضرورت ہی نہ تھی۔ مامور و مجدد تو اسی لئے مبعوث کئے جاتے ہیں کہ تا ان کے ذریعے دین تازہ ہو اگر دین کی تازگی ان پر ایمان لائے بغیر مقدر ہو تو ان کی بعثت عبث فعل ہے۔

جماعتِ احمدیہ لاہور کی اولین ضرورت

اشاعت کے راستے میں مشکلات و رکاوٹیں ہیں مسلمانوں کو اس تحریک کی کامیابی پر یقین نہیں۔ ان حالات میں جماعت لاہور کا مسلک واضح ہونا چاہیئے یعنے قبل اس کے کہ یہ جماعت براہِ راست اشاعت کے میدان میں کود نکلے اور اپنی تھوڑی بہت طاقت کو اس اعلیٰ مقصد پر ختم کر دے ضروری ہے کہ قوم کے اندر اس تحریک کی کامیابی پر اعلیٰ درجہ کا یقین و ایمان پیدا کرائے۔ جب تک قوم ساتھ نہیں اقصائے عالم میں توحید کا ڈنکا بجانا ناممکن الحصول عزم ہے۔ آؤ پہلے اپنی قوم کو اپنے ساتھ شریک کار کر دو۔ پہلے اشاعت پر زندہ ایمانوں سے ان کے قلوب کو لبریز کر دو۔ اور یہ امر صرف اسی صورت میں ممکن العمل ہے جب ہم اشاعت کی کامیابی پر آسمانی شہادت پیش کر کے انہیں اس کی صداقت کا قائل کر لیں۔ جماعت احمدیہ لاہور نے آج تک مسلمانوں کو علمی و عقلی دلائل کے ذریعہ قائل کرنا چاہا ہے حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ انہیں مذہبی و آسمانی شہادت کی حجت سے قائل کیا جائے۔ جماعت لاہور کی رفتار ترقی کا انحصار اس امر پر ہے کہ وہ کس شدت و اصرار سے اس آسمانی حجت کو پیش کرتی ہے۔ آج حضرت اقدسؑ کے دعاوی کو پیش کرنا اور ان پر ایمان لانا کیوں ضروری و اہم ہے؟ اس لئے کہ اشاعت کی کامیابی پر بجز اس راستے کے دوسری طرح ایمان و یقین پیدا ہونا ممکن نہیں۔ حضرت اقدسؑ کے دعاوی اور جماعتی خصوصیات کو پیش کرنا فرقہ بازی یا تنگ دلی کے مترادف ہرگز نہیں جیسا کہ بدقسمتی سے بعض جگہ ایسا خیال کر لیا گیا ہے۔ بلکہ یہ وہ امور ہیں جن کے بغیر آج احیائے دین ممکن نہیں جن کے بغیر اشاعت پر یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کی جماعتی پالیسی اس لائحہ عمل کی شدید مؤید و محرک ہو۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جماعتِ احمدیہ لاہور کے جملہ اداروں میں حضرت اقدسؑ کی روح کام کرتی نظر آئے۔ ضرورت اس کی ہے کہ جماعت کا ہر فرد حضرت اقدسؑ کی محبت و عقیدت کے جذبات سے سرشار ہو۔ اور اس جذبہ سے دوسروں کو متاثر کرنے کا موجب بنے ؏

ہفت روزہ پیغامِ صلح خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں

جماعتِ احمدیہ لاہور کا پیغام اور اس کے فرائض منصبی

محترم مکرم جناب الحاج ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی احمدیہ کنونشن لندن کی تقریر کا ابتدائی حصہ گذشتہ اشاعت میں دیا جا چکا ہے اسکا بقیہ پیش خدمت ہے۔

اسلامی جہاد زمانہ حال کے بدلے ہوئے حالات میں

لیکن جماعت احمدیہ لاہور کا مکمل پیغام صرف قرآن کی طرف واپس آنے سے ہی تعلق نہیں رکھتا بلکہ قرآن کو لیکر آگے قدم بڑھنا اس کا حقیقی منشا ہے۔ زمانہ حال کے بالکل بدلے ہوئے حالات میں ضروری ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیمات واقف دنیا میں واضح کی جائیں اور انہیں وسیع طور پر پھیلایا جائے سائنسی تحقیق و تفتیش کے تقاضا کے ماتحت سچائی کی چھان بین کا معیار مکمل طور پر بدل گیا ہے، اندھا دھند تقلید اور کسی غیر مدلل سند کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کا طریق بالکل بدل گیا ہے اور اس کے بجائے معقول دلائل، قابلِ یقین ثبوت، قانونِ فطرت کے ساتھ مطابقت اور انسانیت کے فطری تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے، مذہب کے بارہ میں مسلمہ معیار اب یہ قرار پایا ہے کہ انسانیت کا آئندہ مذہب وہی ہوگا جو انسانیت کے موجودہ مسائل کو تسلی بخش طریق سے حل کر سکے، احمدیت کا مطمح نظر اسلام اور قرآن ہے اور صرف وہی دونو موجودہ دُنیا کے مسائل کو حل کر سکتے ہیں، بانی تحریک احمدیت نے قرآن کریم کو سب چیزوں پر مقدم رکھتے ہوئے مسلمانوں کو جہاد بالقرآن کے عظیم الشان کام کی طرف توجہ دلائی، یہ بہت بڑی بے انصافی ہے کہ ان پر منسوخی جہاد کا الزام لگایا جائے، اس سے بڑھ کر دُور از صداقت کوئی بات نہیں ہو سکتی، بانی تحریک احمدیت اور تمام احمدی قرآن کریم کے لفظ لفظ پر ایمان رکھتے ہیں اور جہاد کا حکم ان کے نزدیک ویسا ہی معقول اور قابلِ عمل ہے جیسے دوسرے مسلمانوں کا اس پر ایمان ہے، بانی احمدیت نے جہاد کے حکم کی تردید نہیں کی بلکہ اس قدیم غلط بیانی کی تردید کی ہے جو مغرب میں اس بہت بڑی غلط فہمی کا موجب ہوئی ہے کہ جہاد کا لفظ اس بات کا مترادف ہے کہ غیر مسلموں کو تیغ و سنان کے ذریعہ جنگ کر کے غیر مسلموں کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے، مسلمان خود بھی اسی بات پر جمے ہوئے تھے، ایک جنگی مہدی کی آمد پر ایمان مسلمانوں میں پایا جاتا ہے، اور تلوار کے ذریعہ تبدیل مذہب کو جائز سمجھ لیا گیا اس کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ جہاد بالقرآن کی اہمیت کو بالکل بھلا چکے تھے بانیٔ احمدیت کا کام تھا کہ اس بارہ میں تمام غلط خیالات کو مسترد کر کے ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھا، آپؑ نے جہاد بالقرآن پر صرف نظریاتی طور پر نہیں بلکہ عملاً بہت بڑا زور دیا، اپنی ذاتی عملی مثال سے آپؑ نے واضح کیا کہ جہاد بالقرآن کس طرح کیا جا سکتا ہے، اور یہی ولولہ اپنے مریدوں کے دلوں میں بھی پیدا کیا، اس طریق سے آپؑ نے دنیا میں اسلام کی برتری ثابت کی، اور وہ راہ بتلائی جس پر چل کر مسلمان دنیوی طور پر کمزور ہونے کے باوجود طاقتور اقوام کو اسلام کے جُوئے تلے لا سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ اس ہتھیار کو جو قرآن کریم کی شکل میں انہیں دیا گیا صحیح طور پر استعمال کریں، جہاد بالقرآن اور اشاعتِ اسلام کے ایک ہی معنے ہیں، ان خیالات کو تازہ کرنے میں احمدیت کو کس قدر کامیابی حاصل ہوئی اس کا اندازہ اس امرِ واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ آج جب کوئی شخص اشاعتِ اسلام کا ذکر کرے تو اسے احمدی سمجھ لیا جاتا ہے، مسلمان اس بہت بڑی طاقت سے جو قرآن کی شکل میں انہیں حاصل ہے بالکل غافل رہے یہاں تک کہ احمدیت نے اس اعلیٰ حقیقت پر عمل پیرا ہونے کے لئے انہیں بیدار کیا، جہاد فی الحقیقت مسلمانوں پر ہر حالت میں واجب ہے لیکن یہ وہی جہاد ہے جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے تمام حالات میں جاری رکھا خواہ ان کی سکونت مکہ میں تھی یا مدینہ میں، اسی عظیم الشان صداقت کو مسلمانوں پر واضح کرنا احمدیت کے اوّلین کاموں میں سے ایک ضروری کام ہے۔

اسلام میں ایک آسمانی مقرر کردہ احیائی تحریک کی ضرورت

آگے چلنے سے پہلے میں آپ کے سامنے بانیٔ احمدیت کی تصنیفات کے کچھ اقتباسات رکھنا چاہتا ہوں، آپؑ کی سب سے پہلی تصنیف **براہین احمدیہ** سے اس ولولہ کا پتہ لگتا ہے، جو اشاعت اسلام کے متعلق آپؑ کے قلب میں موجزن تھا، آپ کے منصب مجدّدیت پر فائز ہونے کی اصل غرض یہی تھی کہ دوسرے مذاہب پر اسلام کا غلبہ ثابت کیا جائے، آپؑ لکھتے ہیں:۔

"روحانی طور پر دینِ اسلام کا غلبہ جو حججِ قاطعہ اور براہینِ ساطعہ پر موقوف ہے اس عاجز کے ذریعہ سے مقدر ہے گو اس کی زندگی میں یا بعد وفات ہو اور اگرچہ دینِ اسلام اپنے دلائل حقّہ کے رُو سے قدیم سے غالب چلا آیا ہے اور ابتداء سے اس کے مخالف رُسوا اور ذلیل ہوتے چلے آتے ہیں لیکن اس غلبے کا مختلف فرقوں اور قوموں پر ظاہر ہونا ایک ایسے زمانے کے آنے پر موقوف تھا جو بباعث کھل جانے راہوں کے تمام دنیا کو ممالک متحدہ کی طرح بناتا ہو"

(براہینِ احمدیہ حصّہ چہارم۔ صفحہ ۴۹۹ حاشیہ در حاشیہ نمبر۳)

"پس خداوند تعالیٰ نے اس احقر العباد کو اس زمانہ میں پیدا کر کے اور صدہا نشانِ آسمانی اور خوارق غیبی اور معارف و حقائق مرحمت فرما کر اور صدہا دلائل عقلیہ قطعیہ پر علم بخش کر یہ ارادہ فرمایا ہے کہ تا تعلیمات حقّہ قرآنی کو ہر قوم اور ہر ملک میں شائع اور رائج کرے۔"

(براہینِ احمدیہ حصّہ چہارم ص۵۰۱ حاشیہ در حاشیہ نمبر۳)

ایسا ہی "فتح اسلام" نامی کتاب میں جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے، دنیا میں فتح اسلام کے موضوع پر مشتمل ہے، آپ نے اپنی بعثت کی اصل غرض یہ بتائی ہے:۔

"اے دانشمندو! تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالیٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی اور ایک بندہ کو مصلحت عام کے لئے خاص کر کے بغرض اعلائے کلمۂ اسلام و اشاعتِ نورِ حضرت خیر الانام اور تائید مسلمانان کے لئے اور نیز ان کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا۔" (ص۵)

پھر اسی کتاب میں آپ فرماتے ہیں:۔

"سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اسی تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے، لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کر لیں، اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا، یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے اور اسی اسلام کا زندہ کرنا اللہ تعالیٰ آپ سے چاہتا ہے۔" (ص۱۵ تا ۱۷)

مرزا غلام احمد صاحبؒ ایک کثیر التصنیف مصنف تھے، اور ان کی تمام کتابوں اور دیگر تصانیف اور تقاریر میں اور اس کے علاوہ بہت سی فارسی اور اردو نظموں میں وہ زبردست جذبہ پایا جاتا ہے جو اشاعت اسلام کے لئے آپ

کے دل میں موجزن تھا، اور آپ کی تصنیفات اس امید، ایسی دعاؤں اور خوشخبریوں سے بھری ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی فتح کے دن قریب ہیں، یہ ایک نہایت تعجب انگیز امر ہے کہ ایک ایسے گاؤں میں رہتے ہوئے جو تمام حالیہ تحریکات و واقعات سے کٹا ہوا تھا، نہ انگریزی زبان کا علم اور مغربی دنیا سے کسی قسم کا تعلق رکھتے ہوئے آپ نے بالخصوص مغرب میں اشاعت اسلام کے خیال کو اپنا مطمح نظر بنائے رکھا، اپنی ایک کتاب میں جو ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی آپ لکھتے ہیں:۔

"اس عاجز پر جو ایک رؤیا میں ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنے رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفر و ضلالت میں ہیں آفتاب صداقت سے منور کئے جائیں گے اور ان کو اسلام سے حصہ ملے گا۔" (ازالہ اوہام ص۵۱۵)

اس کے بعد آپ نے اپنا ایک کشف لکھا ہے جس میں آپ نے دیکھا کہ:۔

"میں شہر لنڈن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے۔"

اس کیفیت کی تفسیر آپ نے یہ لکھی ہے:۔

"اگرچہ میں نہیں مگر میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے انگریز صداقت کے شکار ہو جائیں گے۔"

اس بارہ میں آپ کو زبردست ایمان اور پختہ یقین حاصل تھا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:۔

"اس نازک زمانہ میں ایک شخص کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے مبعوث کیا گیا ہے اور اس کا یہ ہے کہ اسلام کا خوبصورت چہرہ مغربی دنیا پر ظاہر کیا جائے اور اس کا رستہ مغربی ممالک کی طرف کھول دیا جائے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۵۱۵-۵۱۶)

اسلامی موضوعات کو واضح کرنے میں آپ نے کیا حصّہ لیا؟

بانیٔ احمدیت نے اسلامی نظریات کی وضاحت میں جو مقالات لکھے ہیں وہ اس قدر متنوع اور اتنے زیادہ ہیں کہ ایک محدود وقت میں ان سب کو بیان کرنا ناممکن ہے، میں صرف چند نمایاں خصوصی باتوں کا ذکر کروں گا، ایسا کرنے سے پہلے میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اولاً تمام وہ امور جن میں بانیٔ سلسلہ نے کسی اسلامی نظریہ کو نئے پیرایہ میں بیان کیا ہے دنیا میں اسلام کی ترقی سے گہرا تعلق رکھتے ہیں، مسلمانوں کے فرقی اختلافات سے ان کا کوئی تعلق نہیں مگر اسلام کی ہستی اور ترقی کے سلسلہ میں بعض ان غلطیوں اور نقائص کو جو اس سے منسوب کر دیئے گئے ہیں انہیں بیان کرنا لازمی تھا۔

دوسری بات جو یاد رکھنی ضروری ہے یہ ہے کہ مذہب اسلام کی شکل میں مکمل ہو چکا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، اس لئے جو بات بھی مذہب کی تجدید کے سلسلہ میں بیان کی جائے گی وہ صرف اسلام کی بیان کردہ عظیم الشان صداقتوں کی تجدید ہوگی، یعنے قرآن کریم کی تفسیر اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی سے اس کا تعلق ہوگا۔ اسی طریق سے احمدیت نے بہت سی ضروری مذہبی صداقتوں کو خاص اہمیت دی ہے۔ (جاری ہے)

بسلسلہ صفحہ ۔

سے واضح ہے کہ عالم کے متعلق حضورؑ کا یہی عقیدہ تھا کہ عالم حادث ہے قدیم نہیں اور یہ کہ خدا کی صفت وحدت کو دیگر تمام صفات پر تقدم زمانی حاصل ہے دوسری صفت خالق وغیرہ کا ظہور بعد میں ہوا ہے۔ مولوی محمد یوسف صاحب نے حضورؑ کی طرف جو کچھ منسوب کیا ہے وہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اس سے ان لوگوں کے تقویٰ کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ عوام کو دھوکا دینے کی اور انہیں حضورؑ سے بدظن کرنے کی کس قدر کوشش کرتے ہیں۔

اھلاً و سھلاً و مرحباً

اے آمدنت باعث آبادئ ما

احمدیہ کنونشن لنڈن کے اختتام پر مختلف ممالک کی جماعتوں کے کامیاب دورہ کے بعد محترم الحاج ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی واپس تشریف آوری

آپ ۴ر اکتوبر کو بذریعہ ہوائی جہاز لاہور پہنچ گئے

محترم و مکرم ڈاکٹر صاحب موصوف جماعت کے پاکستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے احمدیہ کنونشن میں شمولیت کے لئے لنڈن تشریف لے گئے تھے۔ کنونشن کے اختتام پر گیانا، سرینام اور ٹرنی ڈاڈ کے وفود کی شدید خواہش پر آپ نے وہاں کی جماعتوں کا بھی دورہ فرمایا اور بڑا اچھا تاثر لے کر واپس وطن تشریف لائے ہیں۔

آپ کا جہاز بارہ بجکر دس منٹ پر ایئرپورٹ پر اترا۔ احباب سلسلہ کی ایک کثیر تعداد (بمع مستورات) نے آپ کا انتہائی عقیدت اور گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا۔

آپ کی تشریف آوری سے دارالسّلام پر ایک بہار سی آگئی ہے۔ بچہ بچہ کے چہرہ پر مسکراہٹ ہے۔ گویا ایک خاندان کا سربراہ اپنے مبارک سفر سے گھر واپس آیا ہے۔ (مفصل آئندہ) نامہ نگار

ان امور پر انشاءاللہ مزید روشنی آئندہ اقساط میں ڈالی جائے گی۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

بسلسلہ صفحہ ۴:

ہے اور تکالیف کے بغیر حق کو غلبہ نہیں ہوتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان آیات کے پڑھنے سے ہمارا ایمان تازہ ہوتا ہے اور ہمیں تسلی حاصل ہوتی ہے کہ حق انجام کار غالب آئے گا اور اللہ تعالےٰ کا یہ وعدہ ہمیشہ سچا ثابت ہوا ہے اور اب بھی انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔ اگرچہ اس وقت ہماری جماعت پر ایک ایسا سماں ہے۔ کہ دوستوں کے دل بجھے ہوئے ہیں۔ اور اکثر دلوں پر افسردگی طاری ہے لیکن ہمیں قرآن کریم کی ان آیات سے حوصلہ لینا چاہیئے اگر خدا تعالےٰ نے چاہا تو مایوسی کے یہ بادل جلد چھٹ جائیں گے۔ آپ اس کے لئے صبر اور استقامت سے کام لیں۔ رمضان المبارک کے با برکت اور پر رحمت مہینہ سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ اور راتوں کو اٹھ کر خدا کے حضور سجدہ میں گریں۔ اور گڑگڑائیں۔ اسی مہینہ کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی، کہ جب میرے بندے مجھے پکاریں۔ تو میں ان کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ یعنی

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر

ہمیں ان دنوں پورے خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں التجا کرنی چاہیئے اور یقین رکھنا چاہیئے کہ محمد رسول اللہ صلعم کے سچے متبعین یقیناً کامیاب

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۸ر اکتوبر ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ شمارہ نمبر ۴۲

احمد سجاد کوہ نور پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام محمد سجاد صاحب پرنٹر چھپا اور مولانا ... صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

جو نور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا وہ اور کسی کو نہیں ملا

وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا یعنی انسان کامل کو وہ ملائک میں نہیں تھا۔ نجوم میں نہیں تھا۔ قمر میں نہیں تھا۔ آفتاب میں نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی اور سماوی میں نہیں تھا صرف انسان میں تھا یعنی انسان کامل میں۔ جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سید و مولیٰ سید الانبیاء سید الاحیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سو وہ نور اس انسان کو دیا گیا اور حسب مراتب اس کے تمام ہم رنگوں کو بھی یعنی ان لوگوں کو بھی جو کسی قدر وہی رنگ رکھتے ہیں اور یہ شان اعلیٰ اور اکمل اور اتم طور پر ہمارے سید ہمارے مولیٰ ہمارے ہادی نبی اُمّی صادق مصدوق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھی۔ جیسا کہ خود خدا تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:—

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین لاشریک لہٗ وبذالک امرت وانا اوّل المسلمین۔ وان ھذا صراطی مستقیمًا فاتبعوہ ولاتتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور الرّحیم۔ فقل اسلمت وجھی للہ۔ وامرت ان اسلم لربّ العٰلمین۔

یعنی ان کو کہہ دے کہ میری نماز اور میری پرستش میں جدوجہد اور میری قربانیاں اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے ہے اور اس کی راہ میں ہے۔ وہی خدا جو تمام عالموں کا ربّ ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں اول المسلمین ہوں یعنے دنیا کی ابتداء سے اس کے اخیر تک میرے جیسا اور کوئی کامل انسان نہیں جو ایسا اعلےٰ درجہ کا فنافی اللہ ہو جو خدا تعالےٰ کی ساری امانتیں اس کو واپس دینے والا ہو۔

اس آیت میں ان نادان موحدوں کا رد ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے انبیاء پر فضیلت کلی ثابت نہیں اور ضعیف حدیثوں کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مجھ کو یوسف بن متّی سے بھی زیادہ فضیلت دی جائے۔ یہ نادان نہیں سمجھتے اگر وہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی وہ بطور انکسار اور تذلل ہے جو ہمیشہ ہمارے سید صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی ہر ایک بات کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے اگر کوئی صالح اپنے خط میں احقر العباد لکھے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ شخص درحقیقت تمام دنیا یہاں تک کہ بُت پرستوں اور تمام فاسقوں سے بدتر ہے۔ اور خود اقرار کرتا ہے کہ وہ احقر العباد اللہ ہے کس قدر نادانی اور شرارت نفس ہے۔

غور سے دیکھنا چاہیئے کہ جس حالت میں اللہ جلشانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اوّل المسلمین رکھتا ہے اور تمام مطیعوں اور فرمانبرداروں کا سردار ٹھہراتا ہے اور سب سے پہلی امانت کو واپس دینے والا آنحضرت صلعم کو قرار دیتا ہے تو پھر کیا بعد اس کے کسی قرآن کریم کے ماننے والے کو گنجائش ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اعلےٰ میں کسی طرح کا جرح کر سکے۔ خدا تعالےٰ نے آیت موصوفہ بالا میں اسلام کے لئے کئی مراتب رکھکر سب مدارج سے اعلےٰ درجہ وہی ٹھہرایا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کو عنایت فرمایا۔ سبحان اللہ ما اعظم شانک یا رسول اللہ ؎

موسےٰ و عیسےٰ ہمہ خیل تو اند جملہ دریں راہ طفیل تو اند

پھر بقیہ ترجمہ یہ ہے کہ اللہ جلشانہٗ اپنے رسول کو فرماتا ہے کہ ان کو کہدے کہ میری راہ جو ہے وہی راہ سیدھی ہے سو تم اس کی پیروی کرو اور اور راہوں پر مت چلو کہ وہ تمہیں خدا تعالےٰ سے دُور ڈال دیں گی۔ ان کو کہہ دے کہ اگر تم خدا تعالےٰ سے محبت رکھتے ہو تو آؤ میرے پیچھے پیچھے چلنا اختیار کرو۔

مرتبہ مولوی محمد علی صاحب ملتان

کمالاتِ قدسیہ میں سب نبیوں سے بڑھکر

(قسط نمبر (۹))

کہتے ہیں یورپ کے ناداں یہ نبی کامل نہیں
وحشیوں میں دین کو پھیلانا یہ کیا مشکل تھا کار
پر بنانا آدمی وحشی کو ہے اک معجزہ
معنیٔ رازِ نبوت ہے اسی سے آشکار

انبیاء کے اقوال میں ایک اثر ہوتا ہے۔ وہ اپنے ساتھ قوتِ قدسیہ رکھتے ہیں۔ یہ قوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے زیادہ تھی۔ دیکھو ایک آدمی کا سمجھانا اور راہ پر لانا کیسا مشکل ہوتا ہے مگر آنحضرت کے طفیل کروڑوں آدمی راہ پر آ گئے[1]۔ اگر انسان کی گفتگو سچے دل سے نہ ہو اور عملی طاقت اس میں نہ ہو تو وہ اثر پذیر نہیں ہوتی۔ اسی سے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صداقت معلوم ہوتی ہے کیونکہ جو کامیابی اور تاثیر فی القلوب آپ کے حصّہ میں آئی اس کی کوئی نظیر بنی آدم کی تاریخ میں نہیں ملتی اور یہ سب اس لئے ہوا کہ آپؐ کے قول اور فعل میں پوری مطابقت تھی۔ یقیناً یاد رکھو کہ جب تک انسان کی عملی حالت درست نہ ہو زبان کچھ چیز نہیں۔ یہ نری لاف وگزاف ہے۔ زبان تک جو ایمان رہتا ہے اور دل میں داخل ہو کر اپنا اثر عملی حالت میں نہیں ڈالتا وہ منافق کا ایمان ہے۔ سچا ایمان وہی ہے جو دل میں داخل ہو اور اس کے اعمال کو اپنے اثر سے رنگین کر دے۔ سچا ایمان ابوبکرؓ اور دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا کیونکہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال تو مال جان تک کو دے دیا اور اس کی پرواہ نہ کی۔ جان سے بڑھکر اور کوئی چیز نہیں ہوتی مگر صحابہؓ نے اسے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا۔ انہوں نے کبھی اس بات کی پرواہ بھی نہیں کی کہ بیوی بیوہ ہو جائے گی یا بچے یتیم رہ جائیں گے بلکہ وہ ہمیشہ اسی آرزو میں رہتے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں ہماری زندگیاں قربان ہوں ؎

صدق کو جب پایا اصحابِ رسول اللہ نے
اس پہ مال و جان و تن بڑھ بڑھ کے تھے کرتے نثار

آنحضرتؐ کی قوتِ قدسیہ کا قوی اثر

مجھے ہمیشہ خیال آتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا نقش دل پر ہو جاتا ہے اور کیسی با برکت وہ قوم تھی اور آپؐ کی قوتِ قدسیہ کا کیسا قوی اثر تھا کہ اس قوم کو اس مقام تک پہنچا دیا۔ غور کر کے دیکھو کہ آپؐ نے انکو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ ایک حالت اور (ایک) وقت ان پر ایسا تھا کہ تمام محرمات ان کے لئے شیر مادر کی طرح تھیں۔ چوری، شراب خوری، زنا، فسق و فجور سب کچھ تھا۔ غرض کونسا گناہ تھا جو ان میں نہ تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت اور تربیت سے ان پر وہ اثر ہوا اور ان کی حالت میں وہ تبدیلی ہوئی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شہادت دی اور کہا اللہ اللہ فی اصحابی۔ گویا بشریت کا چولہ اتار کر مظہر اللّٰہ ہو گئے تھے اور ان کی حالت فرشتوں کی سی ہو گئی تھی جو یفعلون ما یؤمرون کے مصداق ہیں۔ ٹھیک ایسی ہی حالت صحابہؓ کی ہو گئی تھی۔ ان کے دلی ارادے اور نفسانی جذبات بالکل دور ہو گئے تھے۔ ان کا اپنا کچھ رہا نہیں تھا۔ نہ کوئی خواہش تھی نہ آرزو بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو[3]۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اپنی محبت سے بھر دیا تھا اور اتنا ہی نہیں بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی محبت اور معرفت الٰہی میں اعلیٰ درجہ تک پہنچ گئے تھے اور اسی وجہ سے[4] انہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کی آواز آ گئی۔ یہ اعلیٰ درجہ کا مقام ہے جو صحابہ رضؓ کو حاصل ہوا۔ یعنی خدا تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔

رضا و تسلیم کا اعلیٰ مقام

اس مقام کی خوبیاں اور کمالات الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جانا ہر شخص کا کام نہیں بلکہ یہ توکل تبتّل اور رضا و تسلیم کا اعلیٰ مقام ہے جہاں پہنچکر انسان کو کسی قسم کا شکوہ و شکایت اپنے مولیٰ سے نہیں رہتی اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے راضی ہو جانا یہ موقوف ہے بندے کے کمال صدق و وفاداری اور اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی اور طہارت اور کمال اطاعت پر۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے معرفت اور سلوک کے تمام مدارج طے کر لئے تھے[5]۔ خدا تعالیٰ نے ان کی تعریفیں قرآن شریف میں کی ہیں اور ان کا نام مخلص اور صادق اور وفادار رکھا ہے اور ان کی جاں نثاری کی گواہی دی ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے: من المؤمنین رجالٌ صدقوا ما عاھدوا اللّٰہ علیہ فمنھم من قضٰی نحبہٗ ومنھم من ینتظر وما بدّلوا تبدیلاً (الاحزاب ۲۲–۲۳)

یہ لوگ جو ایمان لائے دو قسم کے ہیں۔ پہلے تو وہ ہیں جو جاں نثاری کے عہد کو پورا کر چکے اور خدا کی راہ میں شہید ہو گئے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو شہادت کے منتظر ہیں اور چاہتے ہیں کہ خدا کی راہ میں جانیں دیں اور انہوں نے اپنی بات میں ذرا بھی ردّ و بدل نہیں کی۔ اور اپنے عہد پر قائم رہے[6]۔ میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ وہ ایک ایسی صادق جماعت تھی جو اپنے ایمان، تقویٰ کے لحاظ سے جان فدا کرنے میں بھی دریغ نہ کرتی تھی بلکہ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ ایک ایسی قوم ہے کہ اس کی نظیر مل سکتی ہی نہیں۔ جب ہم دوسری قوموں کا ان سے مقابلہ کرتے ہیں تو ان کی عظمت اور شوکت کا اور بھی دل پر اثر ہوتا ہے[7]۔ میں جب صحابہ کے اس نمونہ کو دیکھتا ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قوتِ قدسی کمال فیضان کا بے اختیار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ کس طرح پر آپ نے ان کی کایا پلٹ دی اور انہیں بالکل نو بنا کر دیا۔ اللّٰھم صل علٰی محمد و علٰی آل محمد و بارک وسلم[8]

(۱) لاجرم طالب رضائے خدا + بگسلد از ہمہ برائے خدا
(۲) شیوہ اش مے شود فدا گشتن + بہر حق از جاں جدا گشتن
(۳) در رضائے خدا شدن چوں خاک + نیستی و فنا و استہلاک
(۴) دل نہادن در آنچہ مرضیٔ یار + صبر زیر مجاریٔ اقدار
(۵) تو بحق نیز دیگرے خواہی + ایں خیال است اصل گمراہی
(۶) ذکر دلبر غذائے نغزہ حیات
حاصل روزگار و مغزِ حیات (دُرِّثمین)

ترجمہ (۱) یہ پکی بات ہے کہ خدا کی رضا کا طالب خدا کے لئے ہر ایک سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔
(۲) اس کا مذہب تو [illegible] قربان ہو جانا اور خدا کے لئے اپنی جان سے جدا ہونا [illegible] ہے۔
(۳) خدا کی رضا میں خاک ہو جانا اور نیستی اور فنا اور ہلاکت کا طالب ہونا۔
(۴) جو یار کی مرضی ہو اس پر راضی ہونا اور جاری شدہ قضا و قدر پر صبر کرنا۔
(۵) تو خدا کے ساتھ اوروں کو بھی چاہتا ہے بس یہی خیال گمراہی کی جڑ ہے۔
(۶) محبوب کا ذکر ان کی زندگی کی لطیف غذا ہے۔ یہی ان کی زندگی کا مقصود اور حیات کا خلاصہ ہے۔

---

[1] الحکم ۳۱ر اگست ۱۹۰۱ء [2] رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء
[3] الحکم ۱۰ر جنوری ۱۹۰۶ء [4] الحکم ۱۷ر جنوری ۱۹۰۶ء
[5] الحکم ۳۱ر مئی ۱۹۰۵ء۔ [6] چشمۂ معرفت صفحہ ۲۲۸۔
[7] الحکم ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۵ء۔

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۷۵ء

مسیح موعودؑ اور دجّال کا طوافِ کعبہ

چو چشمِ حق شناس و نورِ عرفانت نہ بخشیدند
نہادی نام کافر لاجرم عشاقِ ملت را

اقوام متحدہ سے یکم اکتوبر کی خبر ہے کہ اسلامی کانفرنس کے وزرائے خارجہ کے اجلاس نے جو گذشتہ روز بیان ہوا تھا فیصلہ کیا ہے کہ جنرل اسمبلی میں مشترکہ طور پر تیار کی گئی ایک قرار داد کا مسودہ پیش کیا جائے گا۔ جس میں مطالبہ کیا جائے گا کہ اقوام متحدہ مقبوضہ عرب علاقوں میں ایک تحقیقاتی مشن روانہ کرے۔ باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مجوزہ قرار داد تیرہ رکنی بیت المقدس کمیٹی تیار کرے گی۔ قرار داد میں جنرل اسمبلی کی طرف سے اظہار افسوس کیا جائے گا کہ اسرائیل مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی مسلسل بے حرمتی کر رہا ہے اس نے حال ہی میں بیت الخلیل میں مسجد ابراہیمی کو تقسیم کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے اور مسجد کا بڑا حصہ یہودیوں کے حوالے کر دیا ہے۔ قرار داد میں کہا جائے گا کہ اسرائیل نے دنیا بھر میں کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو سخت مجروح کیا ہے اور حقوق کی خلاف ورزی کی ہے۔ اقوام متحدہ کے مجوزہ تحقیقاتی مشن کا کام یہ تجویز کیا جائے کہ وہ مقامات مقدسہ اور بیت المقدس میں مسلم ثقافت کے جغرافیائی اور ثقافتی ورثوں کی ہیئت تبدیل کرنے کے بارہ میں ایک رپورٹ تیار کر کے جنرل اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں پیش کرے۔ جنرل اسمبلی کی طرف سے یہ مطالبہ بھی تجویز کیا گیا کہ اسرائیل مسلم مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کے تمام اقدامات ختم کرے۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد یہودیوں نے بڑی عالمی طاقتوں کے گٹھ جوڑ سے فلسطین کے اسلامی ملک میں جو نئی حکومت اسرائیل کے نام سے قائم کی، اس نے نہ صرف عرب فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے جلاوطن کر کے ظلم و تعدی کا باب کھولا بلکہ تب سے وہ اس کوشش میں مصروف ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کے مقبوضہ مقدس مقامات بھی ان سے چھین لے چنانچہ حالیہ ابراہیمی مسجد کے نصف پر یہودی قبضہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اسرائیلی حکومت کے ان ظالمانہ اقدامات کے برخلاف دنیا بھر کے مسلمانوں کا غم و غصہ قدرتی اور اپنے مقامات مقدسہ سے محرومی کے برخلاف ایک نہایت جائز احتجاج ہے جو متذکرہ بالا قرار دادوں کی شکل میں اقوام متحدہ کی اسمبلی میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ نے پیش کیا ہے۔ درحقیقت اسرائیلی حکومت کا اسلامی عرب ممالک کے قلب میں قیام اور یہودیوں کا اپنے مقامات مقدسہ کے بہانہ مسلمانوں کے مقدس مقامات کا انہدام اور ان پر قبضہ کرنے کے اقدام، یہ سب کچھ ایک بڑی خوفناک سازش کے مختلف عناصر ہیں جو یہودیوں اور عیسائی حکومتوں میں دین اسلام اور مسلمانوں کے برخلاف بپا کی گئی ہے۔ قرائن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ عیسائیت اور اسلام کے مابین یہ آخری زمانہ کی آویزش کی نمایاں علامات ہیں جس کی پشت پناہ پر بموجب حدیث نبوی ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک کشفی آنکھ کس قدر تیز تھی جس نے چودہ سو سال بعد آنے والے واقعات کو اس قدر صحت و صفائی سے دیکھ کر من و عن انہیں بتلا دیا تھا اسلام اور مسلمانوں کے برخلاف عیسائیوں اور یہودیوں کا اکٹھے ہو جانا آج کے فلسطین کے واقعات سے بخوبی عیاں ہو چکا ہے۔ دنیا میں دو ہی بڑے تبلیغی مذہب ہیں، اسلام اور عیسائیت۔ آخری زمانہ میں جب عیسائیت اپنے تمام زور و زر اور تبلیغی حربوں کے ساتھ اسلام کے مقابل کامیاب نہ ہو سکی۔

تو اس کا آخری منصوبہ یہودی قوم سے گٹھ جوڑ کر کے مسلمانوں کے مقدس مقامات پر قبضہ کرنا ہے۔ چنانچہ واقعاتِ عالم نے ان تمام امور کی تصدیق کر دی ہے۔ اسلام اور عیسائیت کی موجودہ آویزش کی اگر کوئی پہلی مثال پیش کرنا ہو تو وہ یمن کے عیسائی بادشاہ ابرہہ سے نمایاں مماثلت رکھتی ہے۔

ابرہہ کا خیال تھا کہ اگر خانہ کعبہ کے مقابل کوئی عالی شان عیسائی گرجہ یمن میں تعمیر کر دیا جائے تو اس کی شان و شوکت سے عرب لوگ مسحور ہو کر بجائے خانہ کعبہ کے وہاں جمع ہو جایا کریں گے چنانچہ اس نے ایک گرجا تعمیر کرایا لیکن اسے مایوسی ہوئی جب اس کی ایسی چال کامیاب نہ ہوئی۔ اس پر ابرہہ نے دوسرا اقدام یعنی خانہ کعبہ کو ڈھانے کا منصوبہ تیار کیا جو تاریخ میں آنحضور صلعم کی پیدائش کے سال بلکہ دن کا واقعہ "اصحاب الفیل" کے نام سے مشہور ہے مگر اس میں بھی اسے خدا تعالیٰ کے اعجازی نشان سے تباہی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اس آخری زمانہ میں بھی جب عیسائی سلطنتوں نے یہ دیکھا کہ باوجود ان کے کثرتِ مال و زر اور تبلیغی پروپیگنڈا کے وہ مسلمانوں کو ان کے دین سے گمراہ کرنے میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کر سکیں تو انہوں نے مسلمانوں کے مقامات مقدسہ پر قبضہ کرنے کی ٹھانی تا کہ اگر وہ اس رنگ میں غالب آسکیں تو اسے اسلام کے برخلاف ایک دلیل ٹھہرائیں۔ اس غرض کے لئے انہوں نے خود براہِ راست قبضہ جمانے کی بجائے یہودی قوم کو آگے رکھا کیونکہ یہودی قوم بھی بیت المقدس اور فلسطین پر اپنی پرانی روایات کے تحت اپنا حق سمجھتے ہیں۔ دجّال کی ہمیشہ سے یہ گہری چال رہی ہے کہ بجائے خود سامنے آنے کے اپنے دشمن کے مقابل اور کسی کو کھڑا کر دیا جائے۔ پھر فلسطین اور بیت المقدس کے معاملہ میں تو جیسے عرض کیا جا چکا ہے یہودیوں کو آگے لانے کا عذر بھی موجود تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست کشفی آنکھ نے تیرہ سو برس بعد ہونے والے واقعات کو من و عن ملاحظہ فرما کر متعدد پیشگوئیاں فرمائی تھیں جو آج ہمارے سامنے واقعات کا جامہ پہن کر سچی ثابت ہو رہی ہیں چنانچہ ستر ہزار یہودیوں کی پشت پناہی کی حدیث نبوی کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ دوسری حدیث میں آنحضرت صلعم نے کشف میں خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہوئے دو شخصوں کو ملاحظہ فرمایا۔ ایک کا حلیہ بیان فرما کر جب آنجنابؐ نے دریافت کیا تو آپؐ کو بتلایا گیا کہ یہ ابن مریم ہے۔ ابن مریم کا یہ حلیہ اس دوسرے حلیہ سے مختلف ہے جو آپ نے مسیح اسرائیل کا بتلایا ہے۔ اور دوسرے شخص کا حلیہ آپ نے بیان کیا کہ وہ جسیم شخص ہے جس کے بال گھنگریالے اور دائیں آنکھ سے کانا ہے۔ آنحضور صلعم کے پوچھنے پر بتلایا گیا کہ یہ المسیح الدجّال ہے۔

اس کشف میں دجّال کے طوافِ کعبہ سے مراد بھی وہی امر ہے جو دجّال کی ستر ہزار یہودیوں کی پشت پناہی کی حدیث سے ہے یعنی **مقصد دینِ اسلام اور مسلمانوں کی تباہی مراد ہے**۔ ابن مریم کے طوافِ کعبہ سے مراد یہ ہے کہ مسیح دوبارہ نازل ہو کر دینِ اسلام کی حمایت میں دجّال کا مقابلہ کریں گے۔

عام طور پر مغربی اقوام کے بارہ میں اب یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ یہی وہ اقوام ہیں جن کے خروج کی پیشگوئیاں آنحضرت صلعم کے مبارک لبوں سے کی گئی تھیں اور ان کا ایک آنکھ سے محروم ہونا مگر دوسری آنکھ کا ستارہ کی مانند روشن ہونے سے مراد ان کا دینی صداقتوں سے محرومی مگر سائنسی علوم اور تسخیرِ کائنات میں کمال حاصل کرنا ہے۔ اب جب یہ سب کچھ مسلّم ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں ان کا تسلیم کرنا لازم پڑا ہے تو پھر بموجب **حدیث شریف دجّال کے مقابل کعبہ کا طواف کرنے والا ابن مریم کہاں ہے؟ وہ اب تک کیوں نہیں نازل ہوا؟** کہیں ایسا تو نہیں کہ کعبہ یا مقاماتِ مقدسہ پر ظاہری قبضہ کی بات تو ہمیں بخوبی نظر آجاتی ہے اور اس کے مقابل اپنے غم و غصہ کو بھی ہم جائز قرار دیتے ہیں لیکن دجّال کی حقیقی کارروائیوں سے جو دینِ اسلام کے مٹانے کے لئے

(باقی بر صفحہ ۵ کالم ۲)

محترم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

مولوی محمد یوسف صاحب کے اعتراضات کے جواب میں قسط ششم کا تتمہ

(قسط نمبر ۷)

قرآن اور حدیث کے حوالوں کے ذکر کی ضرورت

سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعودؑ) نے ان آیات اور اس حدیث کا حوالہ نہیں دیا اس سے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ قارئین کرام کے سامنے وہ حوالے رکھ دیئے جائیں تا حقیقت تک پہنچنا ان کے لئے آسان ہو جائے اور تا اس بارے میں ان کا ایمان بصیرت پر قائم ہو جائے۔

مشہور حدیث حضورؑ نے فرمایا ہے کہ خدا تھا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا۔ حضورؑ کے اس قول کی بنیاد اس مشہور حدیث پر ہے کان اللہ ولم یکن معہ شئی یعنے خدا تھا اور اسکے ساتھ کوئی اور چیز نہ تھی۔ حضورؑ کا اپنے عقیدہ کی بنیاد اس مشہور حدیث پر رکھنا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضورؑ کے نزدیک عالم حادث ہے قدیم ہرگز نہیں ظاہر ہے کہ جس چیز کا وجود عدم میں ہو جیسا کہ حضورؑ نے ظاہر فرمایا ہے تو اس کا وجود خدا کی طرح قدیم بمعنی ازلی کس طرح ہو سکتا ہے اسی ایک بات سے ہی حضور کا اصل عقیدہ واضح ہو جاتا ہے اور مولوی صاحب موصوف کی غلط بیانی کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔

وحدت الٰہی کو ہر شئے پر تقدّم زمانی حاصل ہونا اور ہر چیز کا مخلوق ہونا۔

حضرت اقدسؑ نے اس بات پر بار بار زور دیا ہے کہ وحدت الٰہی کو ہر چیز پر تقدّم زمانی حاصل ہے اور یہ کہ ہر چیز مخلوق ہے اس لئے وہ قدیم یا ازلی نہیں ہو سکتی۔ حضورؑ کی بیان کردہ یہ حقیقت قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہے۔

پہلی آیت قرآن کریم کی سورت ابراھیم ع میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:—

قل اللہ خالق کل شئی وھوالواحد القھار

یعنے اللہ تعالےٰ ہر چیز کا خالق ہے اور خلق کرتے وقت اس کی یہ حالت تھی کہ وہ واحد تھا یعنے اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔ اسی حقیقت پر وہ حدیث روشنی ڈال رہی ہے جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

قہار کا مفہوم دوسری صفت اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں اپنی قہار فرمائی ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ جس طرح ہر قسم کی مخلوق کو پیدا کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے اسی طرح اس کو ہر چیز پر تصرف تام بھی حاصل ہے اور اس کے قبضہ سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہو سکتی جیسا کہ فرمایا فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئی والیہ ترجعون سورۃ یاسین ع اس لئے وہ اس کے فنا کرنے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے اس لئے فرمایا ھوالقاھر فوق عبادہ ظاہر ہے کہ جو چیز خود اپنی ذات میں خدا کی طرح ازل سے ہی اپنا مستقل وجود رکھتی ہے اور اس کو وجود میں لانے کے لئے اللہ تعالےٰ کا کوئی دخل نہیں تو اس پر اس کے تصرف کے کیا معنی وہ بھی خدا کی طرح مکمل طور پر آزاد ہوگی جس طرح خدا آزاد ہے اس کے تصرف کے نیچے وہ تبھی ہوگی جبکہ وہ اس کی مخلوق ہوگی جس قدر قوی اور صلاحیتیں اور استعدادیں کسی چیز کو اس نے دی ہیں ان سے وہ چیز باہر نہیں جا سکتی اسی لئے فرمایا الا لہ الخلق والامر یعنی ہر چیز کی پیدائش خدا کی طرف سے ہے اور اس چیز کو اپنا مفوضہ کام سرانجام دینے کے لئے جس حکم کی اس کو ضرورت ہے وہ حکم بھی اس کو اسی خدا کی طرف سے ہی ملتا ہے جس نے اس کو پیدا کیا۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا سبح اسم ربک الاعلیٰ الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی یعنے اے انسانو! اپنے ربّ اعلےٰ کی تسبیح میں لگے رہو اعتقاداً بھی اور عملاً بھی یعنی اس کی مخلوق پر غور کر کے دیکھ لو کہ کیا اس کی پیدائش میں تمہیں کوئی نقص نظر آتا ہے ہرگز نظر نہیں آئے گا ہر چیز جو اس نے بنائی ہے وہ ضرورت کے مطابق بنائی ہے۔ اور اس کے وجود میں اس ضرورت کو پورا کرنے کے مکمل سامان رکھ دیئے ہیں ہے جو ان کی حقیقت میں رکھ دی گئی ہیں۔ ان حقائق کو سورۃ اعلیٰ کے پہلے رکوع میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے وخلق کل شئی فقدرہ تقدیرا۔ یہ اندازے اور یہ حدود دلیل ہیں اس بات پر کہ ہر چیز اسی کی مخلوق ہے اور اس کے کمالات اسی کے مناسب حال ہیں اور پھر سورۃ ملک کے پہلے رکوع میں تمام چیزوں کے درمیان باہمی ربط کو بھی واضح کیا ہے فرمایا ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت فارجع البصر ھل تری من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وھو حسیر کہ رحمان خدا نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس میں تمہیں کوئی تفاوت نظر نہیں آئے گا۔ تفاوت کا مطلب یہ ہے کہ اگر عالم کی کسی چیز کو اپنے فرائض ادا کرنے کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت اور حاجت ہے تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ وہ دوسری چیز موجود نہ ہو مثلاً انسانی آنکھ کو روشنی کی ضرورت ہے اس کے بغیر وہ اپنا مفوضہ کام یعنی اشیاء کا دکھلانا سرانجام نہیں دے سکتی۔ پس اس کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس کا معاون سورج پیدا کر دیا، کان کو اپنا کام سرانجام دینے کے لئے ہوا پیدا کر دی سورج کو بادل بنانے کے لئے پانی کی ضرورت تھی تو اس کے لئے پانی پیدا کر دیا اور پانی کو بخارات کی شکل دینے کے لئے سورج کی ضرورت تھی تو اس کے لئے سورج پیدا کر دیا۔ پھر کرہ زمہریر کی ضرورت تھی تو اسے بھی پیدا کر دیا غرضیکہ اگر غور کرتے کرتے انسانی عقل تھک بھی جائے تو اسے اس قسم کا کوئی عیب اور کوئی نقص خدا کی پیدائش میں نظر نہیں آئے گا۔ انسانی نظر اس بارے میں ناکام ہی واپس آئے گی اسی لئے فرمایا ولقد خلقنا فوقکم سبع طرائق وما کنا عن الخلق غافلین۔ المؤمنون ع۔ یعنی ہم اپنی مخلوق کی کسی ضرورت سے غافل نہیں۔

رُوح کی کم علمی اس عالم میں انسانی روح ہی سب سے باکمال چیز ہے لیکن اس کے متعلق بھی فرمایا کہ اس کا علم بھی غیر محدود نہیں بلکہ ایک خاص حد کے اندر ہی رہتا ہے جس سے اس کا مخلوق ہونا ثابت ہوتا ہے سورۃ بنی اسرائیل ع میں فرمایا یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ لوگ تجھ سے اے نبی روح کے متعلق سوال کرتے ہیں ان کو کہہ دو کہ روح میرے ربّ کے امر سے ہی پیدا ہوئی ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کو جو علم دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہے خدا کی طرح اس کا علم کامل نہیں اگر یہ خود بخود ازلی چیز ہوتی تو یہ اپنے لئے نقص کو کس طرح قبول کر سکتی تھی اگر ازلی چیز بھی اپنی ذات میں نقص قبول کر سکتی ہے تو پھر خدا کے متعلق کس دلیل سے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کے علم کو کمال تام حاصل ہے۔ روح کو علم کی قلت اور وہ بھی جو اس کی ذاتی نہیں بلکہ کسی کی دی ہوئی ہے واضح دلیل ہے اس حقیقت پر کہ وہ ازلی نہیں بلکہ مخلوق ہے اور

اس کے خالق نے جتنا علم اس کو دینا چاہا دیا اس کے علم کی حد بندی کرنے والے کے وجود کی اور اس کے قہار ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

واحد ہونے کی دوسری دلیل

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے جو وحدتِ الٰہی پر خاص زور دیا ہے اس پر بطور دلیل قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کو بھی پیش کیا ہے سورۃ ابراھیم ع۷ میں فرمایا یوم تبدل الارض غیر الارض والسمٰوٰت وبرزوا للہ الواحد القھار۔ یعنی جب اس دنیا کی صف لپیٹ دی جائے گی تو اس کے بعد جو وجود قائم رہے گا وہ صرف اللہ تعالےٰ کی ہی ذات ہوگی اس وقت بھی اس کی وحدت جلوہ گر ہوگی۔ اس لئے دوسری جگہ فرمایا ھو الاوّل والآخر اول بھی وہی تھا اور آخر بھی وہی ہوگا۔

پھر سورۃ الرحمان ع۲ میں فرمایا کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربّک ذو الجلال والاکرام۔ یعنے ہر چیز کو فنا لاحق ہے صرف خدا اکیلے کا ہی وجود باقی ہوگا جو جلال اور اکرام والا ہے۔

پھر فرمایا :-

کلّ شیئٍ ھالک الا وجھہ۔ یعنے ہر چیز ہلاک ہو جائے گی سوائے اللہ تعالےٰ کی ذات کے۔

پھر فرمایا :- لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار یعنے حکومت اس دن اسی ذات کی ہوگی جو واحد اور قہار ہوگا۔ یہ آیت بھی وحدتِ الٰہی کے دَور پر دلالت کر رہی ہے۔

مولوی صاحب کے اس سلسلہ میں بقیہ سوالات کا جواب ان شاء اللہ و بتوفیقہٖ آئندہ قسط میں دیا جائے گا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی اپنے عقائد پر حلفیہ شہادت

" بالآخر پھر میں عامۃ النّاس پر ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے اللہ جلشانہٗ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں لا الٰہ الا اللہ محمّد رسول اللہ میرا عقیدہ اور ولکن رسول اللہ و خاتم النّبیّین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت میرا ایمان ہے میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالےٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حروف ہیں اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے خدا تعالےٰ کے نزدیک کمالات ہیں کوئی عقیدہ میرا اللہ اور اس کے رسول کے فرمودہ کے برخلاف نہیں۔" (کرامات الصادقین صفحہ ۲۵)

دار السلام میں چوتھا یومِ وقار عمل

روزہ کے باوجود بچوں کے رضاکارانہ کام کا دل افروز منظر

مورخہ ۳ر اکتوبر جمعہ کے دن صبح ۹ بجے سے گیارہ بجے تک دار السلام میں ہوسٹل کی صفائی اور وہاں پر موجود فرنیچر کو صاف کر کے دوسرے کمروں میں حفاظت کی غرض سے منتقل کیا گیا۔ اس قومی رضاکارانہ کام میں بڑوں کے علاوہ کم عمر روزہ دار بچوں نے بھی حِصّہ لیا۔ بچّوں میں سے شاہدہ نسرین مدیحہ رسول، خورشیدہ ضیاء، اور لڑکوں میں سے ابرار احمد، مظہر رسول۔ اقبال احمد فواد نذیر، عطاء الرحمٰن نے کام کیا، اور بڑوں میں سے راجہ محمد افضل صاحب ماسٹر اصغر علی صاحب، محترم جمیل الرحمان صاحب، حیدر زمان اور محمد عمر زمان صاحب نے بڑی محنت کی، اس طرح ہوسٹل کی صفائی اور فالتو سامان کو دیگر کمروں میں منتقل کا کام مکمل کیا گیا۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ دار السلام کے لوگوں کو مزید خدمت کی توفیق دے۔ آمین

مسیح موعودؑ اور دجّال کا طوافِ کعبہ

(بقیہ مقالہ از صفحہ ۳)

دہ کر رہا ہے اس سے ہم بے خبر محض پڑے ہیں؟

حقیقتاً دینِ اسلام ایک نظریاتی اور عملی زندگی کے اصولوں کا نام ہے نہ کہ محض بعض مقامات کے تقدس کا۔ تو پھر جب دجّال نے مدّتوں سے اسلام کے نظریاتی اور عملی اصولوں کے بطلان کا بیڑا اُٹھایا ہوا ہے، تو اس کے مقابل مسلمان اقوام کیوں کوئی جد و جہد کرنا مناسب نہیں سمجھتے؟ اگر خدانخواستہ مسلمانوں کا ایمان و یقین ہی اپنے دین پر سے اُٹھ جائے جیسے کہ بعض جگہ یہ تحریک مختلف رنگوں میں اپنا کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے تو اس صورت میں مقامات مقدسہ اور شعائر اللہ سے عقیدت کہاں تک باقی قائم رہنے کا امکان ہے؟ پس مسلمانوں کی اصل توجہ تو اپنے دین کے نظریاتی اور عملی اصولوں کو صادق ماننے، ان پر عمل پیرا ہونے اور ان کی صداقت کو از رُوئے علم و سائنس دنیا پر سچا ثابت کرنے میں ہی مضمر ہے۔ امر حقیقی مقصد تائید و حمایتِ دینِ اسلام کی طرف مسلمان کیوں ہمہ تن توجّہ نہیں کرتے؟ اس امر میں قطعاً کوئی شبہ اب باقی نہیں رہا ہے کہ مغربی اقوام کا اصل منشاء دینِ اسلام کو مٹانا ہے اور اس کے مقابل اگر کسی تحریک نے ایک منظم اور کامیاب کارروائی کی ہے تو وہ صرف بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تحریک ہی ہے جس نے دنیا پر یہ ثابت کر دکھلایا ہے کہ دینِ اسلام کے اصول ہی علم و سائنس کی کسوٹی پر سچے و صحیح اور قابلِ عمل ہیں۔ انہی اصولوں کے تسلیم کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے سے ہی دنیا کے مصائب عظیم کی نجات وابستہ ہے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ ایسا سچّا اور مضبوط ایمان آج صرف تحریکِ احمدیہ نے ہی دنیا میں پھر سے پیدا کیا ہے اور اسی طریقِ کار سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ مقدّر ہو چکی ہے۔

کاش جہاں دجّال اور اس کی منافی دین ظاہری کارروائیاں تسلیم ہو کر آنحضرت صلعم کی عظیم پیشگوئیوں کی تصدیق ہو چکی ہے وہاں اگر مسلمان دجّال کے خلاف اصل جہاد کو دیکھ کر اس کے برخلاف صف آراء ہو جائیں تو کس قدر جلد اسلام اور مسلمانوں کی قسمت کے دن واپس آ جائیں۔ پس حضرت مجدّد زمانؑ کی تحریک کا مطلب اور مقصد خانہ کعبہ یعنی دینِ اسلام کی صداقت کو قائم کرنے کے لئے ہی ہے۔ جس کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی کشفی آنکھ نے اگر ایک طرف دجّال کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا تو دوسری طرف مسیح موعودؑ کو۔ کیا کوئی حق شناس صاحب بصیرت شخص ہے، جو اس روحانی نظارہ کو دیکھنے کے قابل ہو۔

خریدِ اراضی کا نادر موقعہ

انجمن اپنی ملکیتی اراضی واقعہ چک $\frac{6}{4L}$ اوکاڑہ جو آباد، زرخیز اور نہری پانی سے سیراب ہے فروخت کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس جگہ زمین کی قیمت کم از کم دس ہزار روپیہ فی ایکڑ ہے۔ اگر اپنی جماعت کے احباب خواہشمند ہوں تو انہیں ترجیح دی جائے گی اور قیمت کی وصولی میں سہولت بھی دی جا سکے گی۔ ایک خریدار کو کم از کم ساڑھے بارہ ایکڑ اراضی خریدنا ہوگی۔ مزید تفصیلات کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع کریں۔ (۱) مینیجر احمدیہ فارمز چک $\frac{6}{4L}$ اوکاڑہ۔ (۲) سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور۔

مغرب سے طلوع آفتاب

تقریر الحاج ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب

نائب صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
لاہور (پاکستان)

بر موقعہ ساتویں احمدیہ کنونشن ۔ لندن
(۲۱ تا ۲۹ اگست ۱۹۷۵ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم ۔ مالک یوم الدین ۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۔ اھدنا الصراط المستقیم ۔ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۰

یہ دعا جس سے قرآن کریم کی ابتداء ہوتی ہے ہر کام کی ابتداء کے لئے اور اسی طرح میری اس تقریر کی ابتداء کے لئے بھی موزوں ترین دعا ہے ۔

ہم لوگ یہاں اللہ تعالےٰ کے نام اور اس کے دین کے مقاصد کی تکمیل کی غرض سے جمع ہوئے ہیں ۔ وہ ذات باری جس نے اپنے بے انتہا رحم سے انسانیت کے لئے اپنی آخری اور کامل کتاب قرآن کریم کو نازل فرمایا ۔ تاکہ انسان اپنی زندگی، تاریکی، جہالت اور گمراہی میں گذارنے کی بجائے یہ جان سکے کہ اس کا مقصد حیات کیا ہے اور اسے حاصل کرنے کا بہترین طریق کیا ہے ۔ ایسی ہی جہالت اور تاریکی اور گمراہی آج سے چودہ سو سال پہلے دنیا پر چھائی ہوئی تھی ۔ جب حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا ۔ یہودیت ۔ ہندومت بدھ مت ۔ کنفوشس اور زرتشت کے دین اپنے پیروؤں کے لئے عمدہ تاثیرات سے عاری ہو چکے تھے اور ان مذاہب کے پیروکار نہ صرف یہ کہ اعمالِ صالحہ سے محروم ہو گئے تھے بلکہ اس سے بدتر یہ کہ انہوں نے بدی کو نیکی کا درجہ دینا شروع کر دیا تھا ۔

عیسائیت بھی، جو اس وقت کی دنیا میں سب سے کم عمر مذہب تھا ـــــ اپنی اصلیت کھو چکا تھا ۔ جیساکہ مشہور مورخ سر ولیم میور کے ان الفاظ سے ظاہر ہے ـــــ "ساتویں صدی عیسوی کی عیسائیت بذاتِ خود بے جان اور بگڑی ہوئی تھی" ـــــ ایک اور مصنف جے ۔ ایچ ڈینیسن نے اپنی کتاب ـــــ EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION میں لکھا ہے "پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مذہبی دنیا ابتری کے گڑھے کے کنارے پر کھڑی تھی ۔ پرانے تمدن جن کی اساس نیک جذبات پر تھی ، اور جنہوں نے اس تہذیب کو جنم دیا تھا ۔ جس نے انسانوں میں وحدت اور بڑوں کی عزت کا جذبہ بیدار کیا ۔ اب مٹ رہے تھے ، اور ان کی جگہ لینے کے لئے سامنے کوئی چیز موجود نہ تھی ۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ تہذیب جس کی تعمیر میں چار ہزار سال صرف ہوئے تھے ۔ تباہی کے دہانے پر کھڑی تھی اور انسانیت ایک دفعہ پھر بربریت کی طرف لوٹے جا رہی تھی ۔ جہاں ہر قبیلہ اور ہر فرقہ ایک دوسرے کا مخالف تھا ۔ اور لاقانونیت کا دَور دورہ تھا ۔ تہذیب کی مثال ایک ایسے درخت کی سی تھی جس کی شاخیں گو دُور دور تک دنیا میں پھیل چکی تھیں ۔ لیکن وہ خود اندر سے کھوکھلا ہو کر گرنے کو تیار تھا"

(صفحہ ۲۶۵ تا ۲۶۸)

آج بھی دنیا کی حالت اس بیان کردہ حالت سے کس قدر مشابہ ہے یہی مصنف آگے چل کر عرب کے متعلق لکھتا ہے :۔

"انہی لوگوں میں وہ انسان پیدا ہوا، جس نے مشرق اور جنوب کی تمام دریافت شدہ دنیا کو متحد کرنا تھا" (صفحہ ۲۶۹)

اسلام کی روشنی سے ، اور علم وتہذیب کی اس شمع سے جو عرب میں روشن ہوئی ، نہ صرف عرب ہی میں ایک نئے دَور کا آغاز ہوا ، بلکہ مشرق وسطےٰ اور مشرق بعید بھی اس سے منور ہوئے ۔ البتہ یورپ بہت لمبے عرصہ تک تاریکی کے عالم میں رہا ۔ اور جب مسلمانوں کے لمعاتِ نور ہسپانیہ تک پہنچے، تو یورپ کی عیسائی دنیا میں بھی نئی زندگی اور بیداری پیدا ہوئی، جو بالآخر "احیاءِ علوم" اور "اصلاحِ مذہب" جیسی مفید تحریکات پر منتج ہوئی ۔ وقت گذرنے کے ساتھ جوں جوں ہسپانیہ، شمالی افریقہ، مشرق وسطےٰ، ایشیا اور مشرق بعید کی اسلامی سلطنتیں کمزور ہوتی ہیں ویسے ہی علوم و فنون اور تہذیب کے پھیلانے میں ان کا جوش و ولولہ بھی کمزور ہوتا گیا ۔ اور بالآخر ختم ہو کر رہ گیا ۔ لیکن اس دَوران میں وہ علم و حکمت کی تاریخ کے لئے ٹھوس بنیادیں استوار کر چکے تھے ۔ اور یہ ایک ایسی خدمت تھی جسے تاریخِ عالم کبھی فراموش نہیں کر سکتی ۔ انہوں نے نہ صرف پرانی تہذیبوں کے بکھرے ہوئے سرمایہ علوم کو یکجا کر دیا تھا ۔ بلکہ سائنس اور علوم کی تمام شاخوں کو ترقی دے کر اعلےٰ ترین مقام پر پہنچا دیا ، اور یہ مسلّمہ امر ہے کہ ان کی پھیلائی ہوئی روشنی ہی یورپ میں نئی زندگی اور اصلاح کے آغاز کا موجب بنی ۔ اور یورپ اور امریکہ کی سائنسی صنعتی اور فنّی ترقی کی ابتداء بھی اس سے ہوئی ۔

مرورِ زمانہ سے اگرچہ مسلمان دنیوی عظمتیں اور سلطنتیں کھو بیٹھے تھے لیکن اسلام بطور مذہب کے فروغ پاتا رہا ۔ خصوصاً مشرقی ممالک میں جو اس وقت تک یعنی ۱۴۰۰ سے ۱۰۰۰ سال قبل تک ، علم و روشنی کا مرکز تھے ۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ افریقہ میں بھی ، جو اس وقت تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا ، اسلام کو اپنی اشاعت کے لئے ایک تیار شدہ میدان میسر آ گیا ۔ کیونکہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو رنگ و نسل کے امتیازات کو ختم کرنے والا اور انسانی مساوات کا حقیقی علمبردار ہے ۔ جیساکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے :۔

"کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۔"

"تمام نسلِ انسانی ایک ہی گروہ ہے ۔"

اور پھر فرمایا :۔

"یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۔"

"اے بنی نوع انسان ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ۔ اور تمہارے قبیلے اور خاندان ایک دوسرے سے پہچاننے کے لئے بنائے ۔ یقیناً تم میں ...... سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے ۔"

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اہلِ عرب کو جنہیں اپنی نسلی قومیت پر بہت فخر تھا ، مخاطب فرماتے ہوئے اعلان فرمایا :۔

• "لافضل لعربیٍ علی اعجمیٍ ولا لاعجمیٍ علی عربیٍ ولا لاحمرَ علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بتقوی اللہ ۔"

"ایک عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے اور نہ عجمی کو عربی پر اور نہ سُرخ کو سیاہ پر یا سیاہ کو سُرخ پر کوئی فوقیت حاصل ہے سوائے مدارج پرہیزگاری کے ۔"

حضورؐ کے اس ارشاد میں بھی قرآن کریم کی اس آیت کی رُوح موجود ہے :۔

• "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔"

"تم میں سے خدا کی نظر میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے ، جو سب

سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

یہ امر واقعہ ہے کہ اسلام نے انسان اور انسان کے درمیان تمام خود ساختہ مصنوعی دیواروں کو گرادیا۔ غیر مسلم مصنفین نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے ـــ اختصار کے لئے صرف دو حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔ پروفیسر گب نے اپنی کتاب "WHITHER ISLAM" کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے:

● "اسلام نے ابھی انسانیت کی مزید خدمت سر انجام دینی ہے۔ دُنیا کی کوئی سوسائٹی اس کامیابی کی مثال پیش نہیں کرسکتی، جس کامیابی سے اسلام نے دُنیا کی مختلف النوع اقوام کو درجات۔ جدوجہد اور ترقی کے مواقع کے لحاظ سے یکساں سطح پر لا کھڑا کیا ہو، افریقہ۔ ہندوستان۔ اور انڈونیشیا کی عظیم اسلامی اقوام اور چین و جاپان کی نسبتاً چھوٹی اسلامی سوسائٹیاں اس بات کا ثبوت پیش کر رہی ہیں کہ اسلام میں اب بھی یہ قوت موجود ہے کہ وہ باہم مخالف اور متحارب اقوام کو متحد کر سکے۔ اگر کبھی مشرق اور مغرب کے بُعد کو دُور کرکے ان میں باہمی تعاون پیدا کرنا ممکن ہوا تو یہ صرف اسلام کی بدولت ہی ہو سکے گا۔ اس مقصد کے حصول کا واحد ذریعہ اسلام ہے۔ اور اسلام کا وسیلہ اس اتحاد کی ناگزیر شرط ہے۔"

ایسا ہی مشہور مؤرخ ٹائن بی (TOYNBEE) نے لکھا ہے کہ:-

"صرف اسلام ہی اَب بھی یہ کارنامہ سرانجام دے سکتا ہے۔ جیسا کہ اس نے ماضی میں کرکے دکھایا کہ منشیات کے استعمال کی پختہ عادات اور رنگ ونسل کے اختلافات کو یکسر ختم کر دیا۔"

یہ بات قابلِ غور ہے کہ رنگ ونسل کے تعصبات صرف غیر اسلامی ممالک میں ہی پائے جاتے ہیں، اور جیسا کہ ٹائن بی نے لکھا ہے، صرف اسلام ہی انہیں مٹا سکتا ہے لیکن دَورِ حاضر کی اہم برائیاں صرف ان تعصبات تک ہی محدود نہیں، بلکہ انسانیت کو جو سب سے بڑا اور مستقل خطرہ درپیش ہے۔ وہ ایک نئی عالمی جنگ کا ہے ـــ جو اس مرتبہ ایٹمی جنگ ہوگی۔ انسانیت پہلے ہی دو عالمی جنگوں کی تباہیوں سے دو چار ہو چکی ہے اور اَب ایک ایٹمی جنگ کے نتائج کے تصوّر سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

یورپ اور امریکہ کی اقوام، جو بہت تعلیمیافتہ اور روشن خیال ہیں اور جنگ کے ان ہولناک نتائج سے بخوبی واقف ہیں، ایسی جنگوں کو کیوں نہیں روک سکتیں؟ یہ اس لئے نہیں کہ انہوں نے کوشش نہیں کی۔ پہلی جنگِ عظیم کے متعلق وہ پہلے سے خبردار تھے اور اس کی تیاری کرتے رہے۔ لیکن اسے روک نہ سکے۔ اور اس نعرہ کے ساتھ انہوں نے وہ جنگ لڑی کہ "یہ جنگ آئندہ سب کا خاتمہ کر دے گی"۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے انجمن اقوام (لیگ آف نیشنز) کا عالمی ادارہ قائم کیا۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں بُری طرح ناکام رہا۔ دوسری عالمی جنگ پہلی سے بھی زیادہ ہولناک ثابت ہوئی، ایک بار پھر اقوام متحدہ اور اسلامتی کونسل کے ادارے وجود میں لائے گئے۔ لیکن کیا آج تک ایک مرتبہ بھی وہ کسی جنگ کو روکنے میں کامیاب ثابت ہوئے ہیں، سوائے ایسی صورت کے کہ جب فریقین اپنی ذاتی کمزوری کی وجہ سے جنگ جاری نہ رکھ سکتے ہوں۔ اَب سوچنے کی بات ہے کہ بڑی طاقتیں اگر اپنے انتہائی مہلک آلات جنگ کے ساتھ لڑنے پر اُتر آئیں تو پھر کیا ہوگا؟ کیا کوئی سنجیدہ مفکر سچ مچ یہ یقین کر سکتا ہے کہ اقوام متحدہ یا سلامتی کونسل ان عظیم طاقتوں کی جنگ کو روک سکے گی؟ اگر ایٹمی جنگ چھڑ گئی تو نہ صرف بڑی طاقتیں، بلکہ چھوٹے ممالک بھی سخت نقصان اُٹھائیں گے اور یہ حقیقت ہے کہ اس وقت تمام دنیا کو تباہی کا خطرہ درپیش ہے، بلکہ دنیا کا نیست و نابود ہو جانا بھی خارج از امکان نہیں۔

دنیا کی عقلمند اور متمدن قومیں اس بربریت کو کیوں نہیں روک سکتیں؟ صرف اس لئے کہ اخلاقی اور روحانی اقدار کا فقدان انسان کو حیوانی سطح پر لا کھڑا کرتا ہے۔ اور حیوان اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رُوحانی اور اخلاقی انعامات سے محروم ہوتا ہے۔ یورپ جوں جوں دنیوی روشنی اور علم میں ترقی کرتا گیا۔ مذہب کی گرفت کمزور پڑتی چلی گئی۔ قرآن مجید نے ہمیں بتایا ہے کہ تمام قوموں کو الہامی صحیفوں کے ذریعہ ہدایت دی گئی تھی لیکن بعد میں ان الہامی صحیفوں میں لوگوں نے تحریف کر دی اور سچی تعلیمات ضائع ہو گئیں۔ اور آسمانی ہدایت سے دنیا محروم ہو گئی۔ یہی صورت حضرت مسیح علیہ السلام کی سادہ اور سچی تعلیمات کے ساتھ پیش آئی۔ اور ان کی جگہ ایسے کلیسائی نظریات نے لے لی جو انسانی عقل کے لئے قابلِ قبول نہ تھے۔ جب تک یورپ قرونِ وسطیٰ کی جہالت میں ڈوبا ہوا تھا اس نے کلیسا کے اس فرمان کو مضبوطی سے تھامے رکھا کہ "ایمان لاؤ اور اعتراض مت کرو"

لیکن زندگی کے ہر شعبہ میں سائنسی علوم کی ترقی کا قدرتی نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ عیسائی مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔ کیونکہ اس کے بنیادی اصول عقل کے منافی تھے۔ درحقیقت عیسائیت کی پہلی ٹکر سائنس کے ساتھ ہوئی۔ تقریباً ہر نئی سائنسی دریافت پر کلیسا نے کفر کا فتوےٰ لگایا۔ اور اسے دبانے کی کوشش۔ گو اس میں وہ کامیاب نہ ہوا۔ جوں جوں سائنس ترقی کرتی گئی عیسائیت پسپا ہوتی گئی۔ علاوہ ازیں عیسائی تعلیمات کا زیادہ زور دوسرے عالم میں یا ہدایت نہیں تھی۔ لیکن روشن خیال عیسائی بھی یہ ماننے پر مجبور ہوئے کہ اس دنیا کی زندگی عبث اور بلا مقصد نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح یسوع مسیح کی صورت میں خدا کے انسانی تجسم کا عقیدہ بھی بہت دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ بلکہ اس نے خدا کے صحیح تصوّر کو ہی ختم کر دیا۔ اکثر لوگ اس سے واقف ہوں گے کہ چند سال قبل مغربی دنیا کے بعض عیسائی جرائد نے اس خیال کی تمام دنیا میں اشاعت کی کہ "خدا مر چکا ہے!"

الغرض، عہد حاضر کی عالمگیر بے دینی کی وجہ یہ ہے کہ سوائے اسلام کے تمام دیگر ادیان میں تحریف ہو چکی۔ اور دوسری طرف نہ صرف عیسائیوں نے اسلام کی صورت کو بگاڑ کر دنیا کے سامنے پیش کیا بلکہ خود بعض تنگ نظر مسلمان علماء کے غلط نظریات سے بھی اسلام کو نقصان پہنچا ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں جب اسلام پر عیسائیوں اور ہندوؤں کے زور آور حملے ہو رہے تھے اور علماء اسلام اپنے غلط خیالات اور تنگ نظری کا شکار ہو چکے تھے۔ برصغیر ہند میں ایک مسلمان مصلح حضرت مرزا غلام احمد صاحب ظاہر ہوئے۔ جنہوں نے چودھویں صدی ہجری کے مجدد ہونے کا دعوےٰ کیا۔ آپ کا دعوےٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر مبنی تھا۔

● "اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ لِھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ عَلٰی رَأۡسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنۡ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیۡنَھَا"

"یقیناً اللہ تعالیٰ اس اُمّت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک ایسے شخص کو مبعوث فرماتا رہے گا جو کہ ان کے دین کی تجدید کرے گا۔" (ابو داؤد ۳۷:۱۱)

اسلام کی اصطلاح میں ایسا شخص مصلح مجدد کہلاتا ہے۔ مجدد نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان کو دلوں میں تازہ کرتا ہے بلکہ ان غلطیوں کو بھی دُور کرتا ہے جو مسلمانوں میں رواج پا چکی ہوں اور اپنے زمانے میں مخصوص مسائل پر جو مسلمانوں اور عامۃ الناس کو درپیش ہوں، اسلام کے چشمہ صداقت کی روشنی سے حل کرتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے نہ صرف ان اعتراضات کا تسلّی بخش جواب دیا جو اسلام کے مخالفین قرآن مجید، اسلام، اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پر کر رہے تھے۔ بلکہ علمائے اسلام کے ان غلط خیالات کا بھی ازالہ کیا جو قرآن اور حدیث کے خلاف تھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے احمدیہ تحریک کی بنیاد ڈالی۔ جس کی واحد غرض حفاظت اور اشاعت اسلام ہے۔

یہاں پر میں نہایت زور دار الفاظ میں اس جھوٹے الزام کی تردید کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے نبوت کا دعوےٰ بھی کیا، سب مسلمانوں کی طرح آپ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ انہوں نے مسلمانوں کے اس غلط خیال

کی بھی بیخ کنی کر دی کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے بلکہ منجملہ اور دلائل کے وفاتِ مسیح کی تائید میں یہ دلیل پیش فرمائی۔ کہ حضرت مسیح کے دوبارہ آنے سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی مہر ٹوٹ جاتی ہے۔ اور حضرت محمد مصطفٰے صلعم کے بعد کسی نبی کا آنا خواہ وہ نیا ہو یا پرانا عقیدۂ ختم نبوت کے منافی ہے۔ حضرت عیسٰے فوت ہو چکے اور جس مسیح کے آنے کی پیشگوئیاں احادیث میں آئی ہیں۔ وہ درحقیقت اُمت محمدیہ کے ہی ایک فرد کے لئے ہیں جس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

• "کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم" (بخاری۔ کتاب الانبیاء ۴۹:۶)

"یعنی تمہارا کیا حال ہوگا (یعنی تمہیں بہت تعجب ہوگا) جب عیسٰی ابن مریم تم میں نازل ہوگا۔ اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔"

اب یہاں پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر مرزا صاحب کا واقعی یہ عقیدہ تھا تو اُن پر خود دعوئے نبوت کا یہ الزام کیسے لگایا جاتا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں، اوّل یہ کہ حضرت مرزا صاحب کے الہامات میں لفظ نبی آیا ہے۔ دوئم یہ کہ جب آپ نے خدا سے حکم پا کر مسیح موعود ہونے کا دعوٰے کیا تو علماء اسلام نے کہا کہ حدیث نبوی میں مسیح موعود کے لئے لفظ نبی آیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت مرزا صاحب نے جہاں اپنے نبی ہونے کا انکار کیا۔ وہاں انہوں نے حدیث نبوی اور اپنے الہام میں لفظ نبی پائے جانے کی تاویل بھی بالصراحت فرمائی انہوں نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ لغت عرب میں لفظ نبی کے معنے خدا کی طرف سے خبر پانے والا ہیں۔ لیکن شریعت کی اصطلاح میں نبی وہ ہے جو خدا کی طرف سے کتاب لاتا ہے۔ چونکہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں اور قرآن مجید خدا کی آخری کتاب ہے۔ اس لئے لفظ نبی کا استعمال، خواہ وہ آنحضرت صلعم کی حدیث میں ہو یا خود مرزا صاحب کے الہامات میں، محض لغوی معنی کے اعتبار سے ہوا ہے، اور اس کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بذریعہ الہام ان پر ایسی باتیں ظاہر فرمائیں جن میں آئندہ کی پیشگوئیاں موجود ہیں۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی اس معقول وضاحت کے بعد یہ بحث ختم ہو جاتی۔ لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔ اس کی ایک وجہ تو علمائے اسلام کی شدید مخالفت تھی اور دوسری وجہ یہ ہوئی کہ ان کی وفات کے چند سال بعد ان کے فرزند نے کچھ تو بتقاضائے محبتِ فرزندی اور کچھ اپنی قیادت کے فروغ اور استحکام کی خاطر اپنے عظیم باپ کی طرف غلط طور پر دعوئے نبوت منسوب کر دیا۔ یہ امر کس قدر افسوس اور موجب حیرت بھی ہے کہ جس طرح ایک کثیر گروہ نے اسرائیلی مسیح کو درجۂ نبوت سے اُٹھا کر خدا بنا دیا تو یہاں بھی ضرورت سے زیادہ جوشیلے مریدوں کی اکثریت نے مسیح موعود کو مجددیت کے درجہ سے بڑھا کر درجۂ نبوت پر فائز کر دیا اور جیسے حضرت مسیح ناصری کے متبعین میں سے ایک قلیل جماعت موحدین صحیح عقیدۂ توحید پر قائم رہی۔ اسی طرح جماعت احمدیہ کی شاخ لاہور نے مشہور عالم مفسر قرآن اور عظیم مصنفِ اسلام مولانا محمد علیؒ کی قیادت میں بانیٔ سلسلہ کے صحیح عقائد پر قائم رہ کر دنیا کو احمدیت کی حقیقت سے روشناس کرایا۔ اور ہمارا یہ اجتماع اسی جماعت کے انصرام سے منعقد ہو رہا ہے

ہمارا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ دیگر تمام مذاہب پر دینِ اسلام کا غالب ہونا مقدر ہو چکا ہے اور دیگر مذاہب اگر دنیا میں پسپا ہو رہے ہیں تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں تھے بلکہ اس لئے کہ اُنکی ابتدائی پاکیزہ تعلیمات میں تحریف اور تبدیلی ہو چکی ہے جیسا کہ خود ان مذاہب کے پیروکار بھی اب اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں۔ تمام مذاہب کی بنیادی تعلیمات وہی تھیں جو اسلام کی ہیں، یعنی توحید باری تعالےٰ اور ہر شخص کا اپنے اعمال کے لئے جوابدہ ہونا۔ جہاں دیگر مذاہب اپنی اصلی تعلیمات اس وجہ سے کھو بیٹھے کہ ان کی آسمانی کتب ضائع یا محرف و مبدّل ہو چکی ہیں، وہاں قرآن کریم اپنی اسی اصلی صورت میں موجود ہے جیسا کہ وہ آنحضرت صلعم پر چودہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا اعتراف اسلام کے شدید ترین مخالفین کو بھی ہے۔ یعنی یہ کہ آج قرآن کریم ہمارے ہاتھوں میں ہے، یہ وہی کتاب ہے جو آنحضرتؐ کے پاس تھی۔ قرآن کریم میں اس کی حفاظت کی پیشگوئی ان الفاظ میں موجود ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہٗ لحافظون (ہم ہی نے یہ کتاب اتاری ہے اور ہم ہی ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) اور چونکہ قرآن کریم نے مذہب کی تمام ضروریات، اصولوں، صداقتوں، اور تعلیمات کو درجۂ کمال تک پہنچا کر بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

تحریک احمدیت، جس کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب ہیں۔ دنیا کو یہ پیغام دیتی ہے کہ اب انسانیت کے لئے صرف قرآن کی بلند و ارفع اور معقول تعلیم ہی قابلِ قبول ہو سکتی ہے اور محض اسی کے ذریعے انسانوں میں ایک بار پھر سے وہ اخلاقی اور رُوحانی قوتیں بیدار ہو سکتی ہیں جو انسان کی جبلی حیوانی قوتوں کو قابو میں رکھ کر اسے صحیح راہ پر ڈال سکتی اور اسے تنزل سے روک سکتی ہیں، جو تیزی سے اسے حیوانیت کی اس سطح کی طرف لے جا رہا ہے جہاں ایک درندہ دوسرے کو چیر پھاڑ کر کھانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ انسان نے کائنات کی تسخیر تو بے شک کر لی ہوگی۔ لیکن اسے ابھی اپنے نفس کی تسخیر کرنا باقی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات اور فطری حیوانی جذبات کو اخلاقی اور روحانی قوتوں کے ماتحت کرے یہ کیفیت ایک زندہ خدا پر زندہ ایمان کی بدولت ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ خدا تعالےٰ سے ہمکلامی اور سلسلۂ الہام اب صرف دین اسلام کی پیروی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس وقت یہی ایک دین ہے جو سچی ہدایت کا سرچشمہ ہے اور اس میں ایک سچے اور زندہ خدا کی ہستی کا ثبوت موجود ہے۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اعلان فرمایا کہ ان کا وجود اسلام کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ کیونکہ اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر انہوں نے خدا کو پا لیا ہے اور وہ ان کے ساتھ کلام فرماتا ہے۔ وہ زندہ خدا ہے۔ اور وہ اپنی جُملہ مخلوقات پر کامل اختیار اور قوت و اقتدار رکھتا ہے، اور وہ مردہ خدا نہیں۔ جیسا کہ اہلِ مغرب نے سمجھ رکھا ہے۔

موجودہ زمانے میں اسلام کے بارہ میں اہلِ مغرب کے خیالات اور رویہ میں جو نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ وہ شاندار اسلامی لٹریچر ہے جو جماعت احمدیہ نے شائع کیا۔ اور اس جماعت کی عالمگیر تبلیغی سرگرمیاں ہیں۔ اب اسلام پر بھونڈے اعتراضات اور پیغمبر اسلام کو بدنام کرنے والے غلط اور ناپاک حملوں کی بجائے مغربی مفکرین اور دانشور ان کے متعلق تعریفی تصنیفات شائع کر رہے ہیں۔ لیکن یورپ اور امریکہ اور دیگر ممالک کے عوام الناس کی اکثریت ابھی تک مذہب اسلام کی عظمت اور خوبیوں سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوئی، اور اس حقیقت سے وہ ابھی تک بے خبر ہیں کہ صرف یہی ایک مذہب ہے جو عقل انسانی کے عین مطابق ہے اور جس سے قلب انسانی کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ اور یہی وہ واحد دین ہے۔ جو نہ صرف افراد کے قلوب کو پُرسکون بنا سکتا ہے۔ بلکہ قومی اور بین الاقوامی امن کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے [illegible] اور یہ انقلاب محض انسانوں کو ان اخلاقی اور رُوحانی قوتوں کی راہ پر ڈالنے سے رونما ہوگا۔ جو انسان کے اندر کے حیوان کو قابو میں رکھ سکیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ وہ کونسے ذرائع ہیں جن سے انسان کی رُوح اس کے جسمانی تقاضوں پر غالب آ سکتی ہے۔ اس بارہ میں اسلام نے ہماری یوں رہنمائی فرمائی ہے:۔

ا۔ رُوح انسانی کی نشو و نما بھی ایسی ہی ضروری ہے جیسے جسم کی، بلکہ اس

سے بھی بڑھ کر رُوح کی یہ ضرورت تعلق باللہ سے پُوری ہوتی ہے جس کا ذریعہ پانچ وقت کی نماز ہے۔ (قرآن مجید ۱۳۲–۱۳۱: ۲۰)
اگر ہم صرف جسم کی نشو و نما میں لگے رہیں، اور رُوح کو بھول جائیں اور اسے کمزور ہونے دیں، تو ظاہر ہے کہ ہمارا اندرونی حیوان غالب رہیگا جیسا کہ تقاضائے فطرت ہے اور آج کل ہر طرف ظاہر ہے۔

(ب) خدا تعالےٰ پر زندہ ایمان ہی شیطان کی بھڑکائی ہوئی حیوانی خواہشات کو دبانے کا واحد ہتھیار ہے۔ یہ زندہ ایمان کیونکر پیدا ہوگا۔ پانچ وقت کی نماز سے کیونکہ ذکر الٰہی اور بار بار اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا انسان کو یاد دلاتا ہے کہ وہ جہاں بھی، خدا تعالےٰ وہاں ہی موجود ہے (اسی لئے نماز ہر مقام پر ادا ہوسکتی ہے) اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ (اسی لئے ہم نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں رکوع کرتے ہیں اور خدا کے آگے سجدہ کرتے ہیں) اور وہ جو الفاظ بھی ہم کہتے ہیں اُنہیں سنتا ہے (اسی نماز کا کچھ حصّہ بلند آواز میں پڑھا جاتا ہے) چونکہ خدا تعالےٰ ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ اس لئے انسان اسے آسانی سے فراموش کر جاتا ہے۔ اگر اس کا ذکر بار بار نہ کرے۔
(قرآن مجید ۱۴: ۲۰)

(ج) سال بھر میں ایک مہینہ کا اسلامی روزہ انسان کی غذا، پانی اور جنسی خواہشات کو دبا کر اس کی روحانی ترقی میں ممد و معاون ہوتا ہے۔

(د) اِسلام نے انسان کو اس کے روحانی۔ اخلاقی۔ معاشی۔ معاشرتی اور ازدواجی وغیرہ، غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں ایک کامل ضابطۂ حیات دیا ہے جو کہ اس کے اس پیدا کرنے والے کی طرف سے ہے جو انسان کی تخلیق کی غرض سے اور اس کے مقصد حیات کے حصول کے بہترین ذرائع سے بکلّی واقف ہے۔" (قرآن مجید ۲۳/ ۱۷: ۲)

اللہ تعالےٰ سے جو تعلق، نماز کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے وہ اطمینانِ قلب کا بہترین ذریعہ ہے اور اس سے قلب انسانی کو غموں اور پریشانیوں اور ذہنی تفکرات سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ یہی غم اور تفکرات —— بہت سی ذہنی امراض کا موجب ہوتے ہیں۔ جن سے بچنے کا اور کوئی شافی علاج موجود نہیں کیونکہ ایک مادی دوا ایک غیر مادی یا ذہنی اور نفسیاتی حالت کا صحیح طور پر علاج نہیں کرسکتی۔ غیر مادی بیماری کا علاج بھی غیر مادی ہونا چاہیئے۔ جسے دوسرے لفظوں میں ہم روحانی علاج کہہ سکتے ہیں۔

۔ اس وقت دُنیا باطنی اور خارجی ہر دو قسم کے امن اور سکون کی محتاج ہے، اور اس کے حصول کے لئے سرگرداں ہے۔ اسلام ایک ایسے ہی امن میں داخل ہو جانے اور اپنے آپ کو رضائے الٰہی کے آگے کامل طور پر سونپ دینے کا نام ہے جماعت احمدیہ اقصائے عالم میں اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے قائم ہوئی ہے ہمارے پاس اس غرض کے حصُول کے لئے کافی اور مفید لٹریچر موجُود ہے، اور ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے وسیع پیمانے پر چھپوایا اور شائع کیا جائے۔
میری دلی تڑپ اور دُعا ہے کہ اس شہر لندن میں، جو کہ مشرق و مغرب کے لئے ایک مرکزی مقام ہے، — جس اسلامی مشن کا قیام عمل میں آ چکا ہے وہ اس عظیم خدمت کو سرانجام دے۔ آمین!

قرآن کریم ایسی پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے کہ اسلام دنیا کے تمام ادیان پر غالب آئے گا۔ اور ایک مقام پر یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ یہ کام مسیح موعودؑ کی جماعت کے ہاتھوں سر انجام پائے گا۔ اسی طرح دیگر پیشگوئیوں کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ کو ایک رؤیا میں یہ بھی دکھایا گیا تھا کہ وہ لندن کے ایک منبر سے تقریر فرما رہے ہیں، اور تقریر کے بعد کچھ سفید پرندے پکڑے ہیں۔ انہوں نے خود اس رؤیا کی یہ تعبیر فرمائی کہ وہ خود تو لندن یا مغربی ممالک میں نہیں جائیں گے۔ لیکن ان کی تعلیمات اور تصنیفات وہاں پہنچیں گی اور پاکیزہ روحیں (سفید پرندے) اسلام میں داخل ہوں گی۔ ہم نے ایک حد تک یہ رؤیا پُورا ہوتا دیکھا ہے۔ لیکن ابھی بہت کچھ ہونا باقی ہے۔

۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک رؤیا بھی ان الفاظ میں موجود ہے:۔

" انّ ربّی زوی لی الارض فاریت مشارقھا و مغاربھا
وانّ تلك اُمّتی سیبلغ ما زوی لی، منھا واعطیت
کنزین اَحمر و ابیض۔

"بحالت رؤیا میرے لئے زمین کو سکیڑ دیا گیا، اور میں نے اس کی مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا اور یقیناً میری اُمّت ان تمام ممالک میں پہنچے گی، جو مجھے دکھائے گئے" اور مجھے دو خزانے دیئے گئے۔ ایک سُرخ (یعنی رنگدار) اور دوسرا سفید" یہ وہ واضح ....
علم ہے جو آنحضرت صلعم کو دیا گیا تھا۔ کہ دینِ اسلام مشرق و مغرب میں پھیلے گا اور رنگ دار سفید اقوام اس میں داخل ہوں گی۔

اسی طرح حضور نبی کریم صلعم نے ایک اور پیشین گوئی فرمائی۔ کہ آخری زمانے میں سُورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ سُورج سے مراد آسمانی روشنی ہے جو مادی اور روحانی دونوں طرح کی ہو سکتی ہے۔ اور قرآن کریم میں آنحضرت صلعم کو بھی "سراجًا منیرًا" —— یعنی روشنی بخشنے والے سُورج کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ پس میرے مضمون کے عنوان —— " مغرب سے طلوع آفتاب" میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ کہ حضرت نبی کریم صلعم کی لائی ہوئی آسمانی روشنی مغرب کو منور کرکے رہے گی۔ کیونکہ یہی خدا تعالےٰ کی تقدیر ہے۔ اور یہ ضرور پوری ہوگی۔ آیا ہم لوگوں کو خدا کے اس منشاء کی تکمیل کا مبارک ذریعہ بننا نصیب ہو سکے گا، یا نہیں۔ اس کے لئے جان توڑ کوشش اور کثیر دعاؤں کی ضرورت ہے۔
۔ اے ہمارے ربّ تو ہماری کوششوں اور دُعاؤں کو قبول فرما۔ آمین!

پیارے نبی کی پیاری باتیں — والدین کی خدمت کرنا جہاد ہے

عن عبد اللہ بن عمروؓ یقول جآء رجلٌ الی النّبیّ صلی اللہ علیہ وسلم فاستاذنہٗ فی الجھاد فقال احیٌّ والدك قال نعم قال ففیھما فجاھد۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہتے ہیں ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے جہاد کے لئے اجازت چاہی فرمایا: کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا: اُنہیں (کی خدمت) کا جہاد کر۔

جماعت احمدیہ لاہور کا پیغام اور اس کے فرائض منصبی

(بسلسلہ اشاعت ۸ر اکتوبر ۱۹۷۵ء)

عام لوگوں کی نظر میں غالباً وفاتِ مسیح کا مسئلہ ہی احمدیت کی نمایاں خصوصیت ہے، لیکن یہ بالکل صحیح نہیں، یہ سچ ہے کہ بانیٔ سلسلہ نے اس مسئلہ پر بہت زور دیا ہے کیونکہ حیاتِ مسیح کا نظریہ اشاعت اسلام کی راہ میں بہت بڑی روک کا موجب تھا اور مسیح موعود کے دعوے کا دار و مدار بھی اسی مسئلہ پر تھا، لیکن احمدیت کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اس خیال کو زندہ کیا کہ اللہ تعالےٰ کا انسان کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ ہو سکتا ہے۔ سب سے بڑا کام جو بانیٔ احمدیت نے سرانجام دیا وہ یہ ہے کہ آپؑ نے اس حقیقت کو واضح طور پر بیان کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے راستباز بندوں کے ساتھ کلام کرتا ہے اور یہ کسی رنگ میں بھی ختمِ نبوت کے منافی نہیں۔ بانیٔ احمدیت کا اصل دعوےٰ مجدّد ہونے کا ہے یعنے دین کو تازہ کرنے والا، اور یہ کہ آپ محدّث ہیں، جس کو خدا تعالےٰ تائیدِ دین کے لئے مبعوث فرماتا ہے وہ نبی نہیں ہوتا اگرچہ اللہ تعالےٰ اکثر اس سے ہمکلام ہوتا ہے۔ تجدیدِ دین کے سلسلہ میں سب سے پہلے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ کا انسان کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ ایک مستند امر ہے کیونکہ اس حقیقت کا موجودہ زمانہ میں عام طور پر بڑی شدّت سے انکار کر دیا گیا ہے۔ ایک مادہ پرست کے نزدیک بھی خدا ایک مشینی ہستی کا نام ہے جس کو ماند و بود کا آخری سبب کہا جا سکتا ہے۔ لیکن مذہب کی بنا اس حقیقت پر ہے کہ خدا تعالےٰ کا انسان کے ساتھ الہام و کلام کا سلسلہ جاری ہے، قریباً تمام مذاہب کی بنیاد الہامِ الٰہی کے نظریہ پر رکھی گئی ہے، لیکن اسلام کے سوائے کوئی دوسرا مذہب اس بات کا قائل نہیں کہ اب بھی اللہ تعالےٰ انسان کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کا سلسلہ رکھتا ہے، مگر خود مسلمان بھی اس کے قائل نہ رہے، تحریکِ احمدیت سے پہلے وہابیت ایک زبردست تحریک تھی۔ مگر اس کے پیرو بھی جو اہلِ حدیث کہلاتے ہیں اسی بات کے قائل ہیں کہ مکالمہ الٰہی صرف گذشتہ زمانوں میں ہوتا تھا اب نہیں، اگرچہ حدیث کی معتبر روایات میں صفائی کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ اُمتِ محمدیہ میں ایسے لوگ ہوا کریں گے جو اگرچہ نبی نہیں تاہم اللہ تعالےٰ کا مکالمہ ان کے ساتھ ہوتا رہے گا (رجالٌ یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء) ایسا ہی علی گڑھ کے سرسیّد احمد خان موجودہ زمانہ کی تعلیم و تربیت کے اثر سے متاثر ہو کر اس قدر دُور نکل گئے کہ انہوں نے انسان کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے الہام و کلام کے نظریہ کا ہی انکار کر دیا۔ ان حالات میں یہ صرف احمدیہ تحریک کے بانیؑ ہی کا حصّہ ہے کہ انہوں نے قرآن اور حدیث سے یہ ثابت کیا کہ مکالمہ الٰہیہ ختم نہیں ہو گیا۔ آپؑ نے اس سلسلہ میں اپنے آپ کو پیش کیا اور دعوےٰ کیا کہ آپؑ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ اعزاز حاصل ہے، کہ وہ آپؑ کے ساتھ بولتا اور کلام کرتا ہے، آپ نے اپنی کتابوں میں بہت سی اپنی پیشگوئیاں درج کی ہیں جو سچی ثابت ہوئی ہیں، اور بڑے پُرزور پیرایہ میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ صرف اسلام ہی میں مکالمہ مخاطبہ الٰہی کا سلسلہ جاری ہے اور اس لحاظ سے صرف اسلام ہی دنیا میں زندہ مذہب کی حیثیت رکھتا ہے۔

دوسری بات جو اسلامی حقائق کے سلسلہ میں آپ نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کا دوسرے مذاہب کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ بانیٔ احمدیت نے دوسرے مذاہب کے متعلق اسلام کے اس وسیع اور آزاد نظریہ پر زور دیا جو ابتداء میں رائج تھا، لیکن امتدادِ زمانہ سے نظر انداز ہو چکا ہے، غلط بیانیوں اور غلط فہمیوں کی وجہ سے اسلام کو نہایت متعصب سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ فی الحقیقت یہ نہایت وسیع النظر مذہب ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کبھی کسی کو جبراً مسلمان نہیں کیا گیا نہ ہی آپؐ نے کسی قوم کے خلاف اشاعت اسلام کی غرض سے کوئی لڑائی کی۔ باوجود اس کے یورپین مصنفین نے اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ناپاک تصویر پیش کی ہے تاکہ اسلام کے خلاف نفرت پیدا کی جائے پھر دنیا میں مغربی حکومتوں کے غلبہ نے اس غلط بیانی کے پھیلنے میں زیادہ مدد کی۔ دوسری طرف خود مسلمانوں میں ایک متحارب مہدی کی بعثت کا خیال اس غلط فہمی کو زیادہ تقویت دینے کا موجب ہوا، اس بنیادی غلطی کی صحت احمدیت کا نمایاں کارنامہ ہے اور بانیٔ احمدیت کا مہدی ہونے کا دعوےٰ خود مسلمانوں کے دماغوں سے اس غلط خیال کو مٹانے کا موجب ہوا ہے بالفاظ دیگر احمدیت نے اس حقیقت کو واضح کیا کہ اسلام اپنی اشاعت اور ترقی کے لئے کسی دنیوی طاقت کا محتاج نہیں۔

پھر بانیٔ احمدیت نے اس غلط فہمی کو بھی رفع کیا کہ اگر کوئی مسلمان اسلام سے مرتد ہو جائے تو اُسے فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ آپ نے قرآن اور حدیث کی بناء پر اس بات کو واضح کیا کہ نہ تو کسی شخص کو جبراً مسلمان بنانا جائز ہے اور نہ اسے تلوار کے سایہ سے اسلام کے اندر رکھنا مناسب ہے اور اس طرح اسلام کے چہرہ سے اس بدنما داغ کو دُور کر دیا کہ اسے زندہ رہنے کے لئے کوئی روحانی طاقت حاصل نہیں۔ تحریک احمدیت کے اس نقطہ نگاہ کی وجہ سے کہ اسلام کو اپنی اشاعت کے لئے تلوار کی کوئی حاجت نہیں ہے بہت سے لوگوں نے بانی احمدیت پر یہ جھوٹا الزام لگایا کہ انہوں نے جہاد کے اسلامی حکم کو منسوخ کر دیا ہے میں اس کے متعلق پہلے لکھ چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے اس موضوع پر کافی روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ جہاد جو ایک شخص ہمیشہ اسلام کے لئے جاری رکھ سکتا ہے، یہ ہے کہ انسان روحانی طور پر راہِ الٰہی میں سرگرم عمل رہے اور اسلام کا پیغام دوسروں کو پہنچانے کے لئے سعی بلیغ سے کام لے اور کہ تلوار کے ساتھ جہاد صرف اسلام کی مدافعت کے لئے خاص شرائط کے ماتحت ہو سکتا ہے۔ آپ نے تعلیم اسلام کو پھیلانا ہی اس زمانہ کا جہاد قرار دیا اور دوسرے مذہبی لیڈروں نے اپنے شاگردوں کو روحانی ترقی کے لئے مختلف اذکار و مجاہدات اور بعض مشکل ریاضتوں کی تعلیم دی جن کا کوئی نشان حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں نہیں پایا جاتا، لیکن اس کے خلاف بانیٔ احمدیت نے بیعت لیتے ہوئے اپنے پیروؤں کو یہی تلقین کی کہ اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں سخت جدو جہد سے کام لیں۔

تحریکِ احمدیہ کی تیسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ قرآن کریم کو تمام دوسری چیزوں پر فوقیت دی جائے، تمام مسلمان اس بات پر اتفاق رکھتے ہوئے کہ قرآن کریم ہی مسلمانوں کی رہبری کا حقیقی سرچشمہ ہے، تاہم عملاً وہ فقہ کو قرآن اور حدیث پر زیادہ فوقیت دیتے اور کتاب اللہ کو پیچھے ڈال دیتے ہیں، اہلِ سنّت والجماعت کے لوگ مذہبی اصولوں یا ان کے کسی حصّہ کے لئے چار اماموں سے سند حاصل کرتے ہیں، اور اہل حدیث حدیثوں کو شاہراہِ عمل سمجھتے ہیں، فقہ کو بڑی سے بڑی اہمیت دینے سے اسلام کی سادگی اور خوبصورتی کھٹی اور اعصاب شکن سوالات کی الجھنوں میں زائل ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں مسلمان قوم کی قوتِ عمل جاتی رہتی ہے، تعلیمات اسلام کے متعلق مسیحی مصنفین نے جو کتابیں لکھی ہیں، وہ زیادہ تر فقہی اجتہادات پر مبنی ہیں اور اس طرح وہ یورپین لوگوں میں اسلامی معتقدات اور ایمانیات کی سادہ تعلیمات کو پیچیدہ اور بگڑی ہوئی شکل پیش کر کے اسلام کے متعلق

نفرت و حقارت پیدا کر دیتے ہیں، ان غلط فہمیوں کو رفع کرنے اور اسلام کی صحیح تعلیم دینے کی غرض سے میدان صاف کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اسلام کی اصل سادگی اور خوبصورتی کو واضح کیا جائے۔ یہ وہ کام ہے جس کے لئے بانیٔ احمدیت نے ایک مسلمان کی زندگی میں قرآن کریم کے براہ راست مطالعہ اور اس کا علم حاصل کرنے پر زور دیا اور حدیث اور فقہ اور فقہ کے مقابلہ میں قرآن کریم کے صحیح مقام کی نشاندہی کی، بانیٔ احمدیت مسلمانوں کی اصلاح اور غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کے لئے قرآن کریم کو سب سے بڑے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے تھے، احمدی اگرچہ حدیث اور اس کے بعد چاروں اماموں کے اجتہاد کی عزت و توقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کو قرآن کریم کے بعد یکے بعد دیگرے مذہبی معلومات کے حصول کے دو ذرائع سمجھتے ہیں تاہم ان کی طاقت زیادہ تر قرآن کریم کا علم پھیلانے میں صرف ہوتی ہے جو پہلے مسلمانوں کی زندگی کا حقیقی ذریعہ تھا اور جو اب بھی انہیں نئی زندگی عطا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے اپنی تصنیفات میں خواہ اسلام کی تائید میں آپ نے لکھیں یا دوسروں کے باطل معتقدات کی تردید میں تحریر فرمائیں اپنے تمام دلائل کی بنیاد کتاب اللہ ہی پر رکھتے تھے، ضروری مباحثات اور نزاعات کے موقعہ پر یا کسی اور مضمون پر کوئی کتاب لکھنے سے پہلے آپؑ کا طریق عام طور پر یہی تھا کہ قرآن کریم کو شروع سے آخر تک پڑھتے اور زیر تصنیف کتاب کے لئے تمام خیالات اور نتائج اس سے اخذ کرتے تھے، غیر مسلموں اور مذہبی لیڈروں سے بحث کرنے سے پہلے آپ یہ شرط پیش کرتے تھے کہ جو بھی دعاوی اور دلائل پیش کئے جائیں ان کی مذہبی کتابوں پر مبنی ہونی چاہئیں اور اس اصول پر آپ خود عمل پیرا تھے خواہ مخالف فریق اس شرط کو پورا نہ کر سکیں، یہ وہ طریق تھا جس سے قرآن کریم کی شان اور عظمت کو آپ ثابت کرتے تھے۔

علاوہ ازیں حضرت مرزا صاحب نے قرآن کریم کے متعلق بہت سی دیگر غلط فہمیوں کو جو مسلمانوں میں غلطی سے رائج تھیں، دُور کر دیا۔ مثلاً عام طور پر یہ خیال مسلمانوں میں پایا جاتا تھا کہ قرآن کریم میں بعض ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو بعض دوسری آیات سے منسوخ ہو چکی ہیں، اس خیال کو قبول کرنے سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ کتاب مقدس تناقضات کا مجموعہ ہے اس غلط عقیدہ کو حضرت مرزا صاحب نے رد کر دیا اور صاف طور پر اس بات کو واضح کیا کہ قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں جو کسی دوسری آیت کی وجہ سے منسوخ ہو گئی ہو،

علاوہ ازیں حضرت مرزا صاحب نے یہ اعلان کرکے کہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے قرآن کریم کی تفسیر میں عقلی دلائل سے کام لینے کی حوصلہ افزائی کی، آپ نے خود عقلی اور روحانی صداقتوں کے مابین صحیح تعلق قائم کرکے اور سائنس اور ادب دونوں طریق سے قرآن کے معانی بیان کرکے اور ان عجیب غریب فرضی کہانیوں سے اعراض کرکے جو اس وقت قرآن کریم کی تفسیر کا ضروری حصہ سمجھا جاتا تھا اور علماء کی جہالت اور تنگ دلی کے خلاف جنگ کرکے اور یہ اصول قائم کرکے قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہوئے خود قرآن ہی کو دوسری تمام چیزوں پر مقدم کیا جائے اور اس کے بعد حدیث کو ملحوظ رکھا جائے (لیکن ان روایات کو جو کہانیوں پر مشتمل ہیں نہایت احتیاط اور پوری تحقیق کے بعد قبول کیا جائے) اور الفاظ کے پوری احتیاط کے ساتھ ایسے معنی کئے جائیں جو تاریخ اور انسانی عقل و خرد یا تجربہ کے خلاف نہ ہوں اپنے مریدین کی رہبری فرمائی۔

دعوئے نبوت سے انکار

تقریر کو ختم کرنے سے پہلے میں حضرت مرزا صاحب بانیٔ احمدیت کی پوزیشن کو اس الزام سے کہ انہوں نے نبی ہونے کا دعوےٰ کیا تھا، صاف کرنا چاہتا ہوں۔ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ بنیادی طور پر آپؑ کا دعوےٰ چودھویں صدی کا مجدد ہونے کا تھا۔ اس بات کا اعلان آپؑ کی اولین تصنیف براہینِ احمدیہ میں کیا جا چکا ہے، یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، جن میں تعلیمات قرآن کی صداقت پُر زور دلائل سے ثابت کی گئی۔ اور الہام الٰہی کی ضرورت پر زور دیا گیا اور اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ الہام الٰہی زمانہ ماضی ہی کی چیز نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ اس اُمت کے برگزیدہ لوگوں سے ہمیشہ ہم کلام ہوتا ہے اس بارہ میں آپؑ نے اپنے بہت سے مکاشفات اور الہامات کا حوالہ دیا اور ان میں سے کئی ایک کے پورے ہونے کا ذکر اس کتاب کی اشاعت سے مسلمانوں پر نہایت خوشگوار اور گہرا اثر پڑا۔ اس کتاب کے شائع ہونے پر علماء نے آپ کی راستبازی اور پاکیزہ زندگی، آپ کی خدمات اسلام اور مخالفین اسلام کے مقابلہ میں دلیرانہ اقدام کی بہت تعریف کی، اس کے چند سال بعد آپ نے یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپؑ کو اس بات کا علم دیا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور جس مسیح کی آمد کا وعدہ اُمتِ محمدیہ کو دیا گیا ہے وہ مجدد ہے اور آمد مسیح کے متعلق جو پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں مثیل مسیح کی ذات سے ہی تعلق رکھتی ہیں جس کا کام جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے تلوار سے اسلام کو پھیلانے کا نہیں بلکہ دلائل اور حجج قاطعہ سے اسے دوسروں تک پہنچانا ہے۔ ان دعاوی کی وجہ سے علماء اس شخص کو جسے وہ اسلام کا سب سے بڑا پہلوان سمجھتے تھے دشمن اسلام سمجھنے لگ گئے۔ ان الزامات میں سے جو آپ پر لگائے گئے ایک یہ ہے کہ مسیح موعودؑ ہونے کے دعوےٰ کے ضمن میں آپ نے اپنے لئے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اس الزام کی پورے زور سے تردید کی اور اس بات کو واضح کیا کہ احادیث میں عیسےٰ ابنِ مریم کی دوبارہ بعثت کے ذکر میں جو "نبی" کا لفظ آیا ہے وہ محض لغوی معنے رکھتا ہے۔ یعنے اللہ تعالےٰ سے الہام پاکر پیشگوئی کرنے والا۔ علاوہ ازیں ایک محدث جو مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوتا ہے، اسے مجازی طور پر نبی کہا جا سکتا۔ اس بارہ میں ذیل میں میں آپ کی کتابوں سے چند بیانات نقل کرتا ہوں:۔

"آنے والا مسیح محدث ہونے کی وجہ سے مجازاً نبی بھی ہے۔" (ازالہ اوہام ص ۳۴۹)

"مجازی معنوں کی رُو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے۔" (سراج منیر ص ۳)

"سمیت نبیاً من اللّٰہ علےٰ طریق المجاز لا علی وجہ الحقیقۃ
میرا نام اللہ تعالےٰ کی طرف سے مجاز کے طور پر نبی رکھا گیا نہ کہ حقیقی رنگ میں۔" (الاستفتاء ملحقہ حقیقۃ الوحی ص ۶۴)

آخری حوالہ اس کتاب سے نقل کیا گیا ہے جو ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی (یعنے آپ کی وفات سے صرف ایک سال پہلے) اس سے ظاہر ہے کہ اس بارہ میں شروع سے آخر تک آپ کا ایک ہی عقیدہ رہا ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

دوسری طرف دعوےٰ نبوت سے انکار کے بارہ میں آپ کی تمام تحریرات شروع سے آخر تک نہایت صاف، شک و شبہ سے بالکل پاک اور ناقابلِ انکار یقین سے بھری ہوئی ہیں، اس حقیقت کو پوری صفائی سے اس جگہ واضح کرنا ضروری ہے۔ ان بیانات میں جو اُوپر نقل کئے گئے ہیں اور ایسے ہی دوسرے کئی ایک بیانات میں آپؑ نے احادیث نبوی اور بعض اپنے الہامات میں لفظ نبی کے استعمال کا ذکر کیا ہے لیکن اپنی تمام تصنیفات میں آپ نے کبھی خود نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس سلسلہ میں آپؑ کی کتابوں سے چند اور حوالے ذیل میں درج ہیں:۔

"ہم مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں" (مجموعہ اشتہارات ص ۲۲۴)

"ہمارے پیشوا اور مقتدار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والے کو میں کاذب اور کافر سمجھتا ہوں۔" (اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء)

"میں ہر اس شخص کو جو ختمِ نبوت کا انکاری ہو ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔" (تقریر واجب الاعلان بمقام دہلی ۲۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء)

"ماکان لی ان ادعی النبوۃ و اخرج من الاسلام و الحق بقوم

کافرین "

ترجمہ:۔ اور میرے لئے شایاں نہیں کہ میں نبوت کا دعوےٰ کروں اور اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں کی قوم سے جاملوں ۔"

(حمامۃ البشریٰ ص۹۶)

ایسے بیانات کثرت سے آپ کی کتابوں سے نقل کئے جا سکتے ہیں، جن میں آپ نے دعوےٰ نبوت سے انکار کیا ہے۔ اس کے خلاف آپ نے دعوےٰ محدثیت کا اقرار کرتے ہوئے نہایت صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ:۔

"یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ ملہم من اللہ اور مجدد من اللہ کے دعوےٰ سے کچھ بڑا نہیں ہے۔"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴۰)

اس بارہ میں زیادہ تفصیلات بیان کرنا میری اس تقریر کے دائرہ سے باہر ہے لیکن ایک اور بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے، اگرچہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی تمام کتابوں میں ایک دفعہ بھی نبی ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا اور آپ نے دعوےٰ نبوت سے بار بار اور نہایت صاف لفظوں میں انکار کیا تاہم پہلے آپ کے معاندین نے اور بعد ازاں آپؑ کی جماعت کے ایک حصہ نے آپ کو نبی ہونے کا مدعی قرار دیا، جو یسوع مسیح کے ساتھ دلچسپ مشابہت کا موجب ہے، جناب مسیح نے کبھی خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا اگرچہ انہوں نے اپنے علم کلام میں مجازاً اپنے آپ کو ابن اللہ قرار دیا، تاہم نہ صرف یہودیوں نے انہیں مدعی الوہیت قرار دے کر کفر و الحاد کا مرتکب ٹھہرایا بلکہ ان کے غالی پیرؤوں نے بھی اسی بات کا اقرار کیا کہ فی الحقیقت انہوں نے خدا ہونے کا دعوےٰ کیا تھا۔ صرف ایک چھوٹی سی جماعت جو یونیٹیرین (موحدین) کے نام سے موسوم ہیں اس حقیقت پر جمی رہی کہ انہوں نے کبھی خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا۔ قرآن کریم نے جو جناب مسیحؑ کے چھ سو سال بعد نازل ہوا، اس چھوٹی سی جماعت کے عقیدہ کو صحیح قرار دیا اور یہود اور دوسرے عیسائیوں کے خیالات کو غلط ٹھہرایا۔ یہی مثال مسلمان قوم کے مسیح پر عاید ہوتی ہے۔ جب حضرت مرزا صاحب نے مسیح موعودؑ ہونے کا دعوےٰ کیا قرآن کے دشمنوں نے اس غلط خیال کی بناء پر کہ انہوں نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے انہیں کافر قرار دے دیا۔ اور پھر ان کی وفات کے بعد ان کے پیرؤوں میں سے ایک بہت بڑی جماعت نے ایک ایسے شخص کی اقتداء میں جسے کوئی خدائی سند حاصل نہ تھی یہ عقیدہ بنا لیا کہ حضرت مرزا صاحب فی الحقیقت نبی ہونے کے مدعی تھے، تاہم دوسرا فریق جو بہت تھوڑی تعداد رکھتا ہے اسی عقیدہ پر جما رہا کہ آپ نے کبھی نبوت کا دعوےٰ نہیں کیا اور یہی فی الحقیقت صحیح ہے، جناب مسیحؑ جو ایک نبی ہیں الوہیت کے مدعی قرار دیئے گئے اور آج ہمارے زمانہ میں ایک مجدد کو نبی بنا دیا گیا۔

خاتمہ:۔

تحریک احمدیت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ یہ ایک ایسی تحریک ہے جو دنیا میں تبلیغ اسلام کے لئے جاری ہوئی اور اس کی تمام نمایاں خصوصیات اسی نتیجہ تک پہنچانے کے ذرائع ہیں بانیٔ تحریک کے دعاوی کی قبولیت بھی یہی اشاعت اسلام کے مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ان دعاوی کو قبول کرنے سے انسان اپنے اندر ایک زبردست قوت ایمانیہ محسوس کرتا ہے، جیسا کہ ان بڑے بڑے لوگوں کی زندگیوں میں نظر آتا ہے جنہیں بانیٔ تحریک سے براہ راست تعلق کا شرف حاصل ہوا اور انہیں نہ صرف اس بات کا پورا یقین اور ایمان تھا کہ اسلام دوسرے تمام مذاہب پر غالب آئے گا بلکہ عملی طور پر وہ اسلام کے عظیم مبلغ بن گئے بانیٔ احمدیت کے ساتھ روحانی تعلق کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک احمدی کے دل میں عملی ایمان کی رُوح پیدا ہو جاتی ہے اس کے دل سے اس قسم کے غلط خیالات محو ہو جاتے ہیں جو مسیح کی آمد ثانی، دجال کی دکھ دہ باتیں یاجوج ماجوج کے غلبہ اور خونی مہدی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک احمدی اور غیر احمدی کے مابین بہت بڑا اختلاف پایا جاتا ہے غیر احمدی کسی ایسی شخصیت کے منتظر ہیں، جو آکر اسلام کو ترقی دے گا لیکن احمدی یہ ایمان رکھتے ہیں کہ یہ ان کا اپنا کام ہے اور انہیں اس کو سرانجام دینے کی طاقت ہے اصل وہ لوگ جو بانیٔ احمدیت کے ساتھ دلی تعلق اور ایمان رکھتے ہیں، اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں، حضور صلعم نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ اسلام کے ابتدائی غلبہ کے بعد مسلمانوں پر انحطاط، غربت اور مصائب کا زمانہ آئے گا۔ لیکن بعد ازاں اسلام پوری شان کے ساتھ آگے بڑھے گا اور اپنی روحانی طاقت سے دنیا کو فتح کر لے گا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب وہ پیشگوئیاں جو اسلام کی دوبارہ زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ مسیح موعودؑ کی بعثت سے پوری ہو رہی ہیں۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اسلام کا پیغام دنیا کے کونوں تک پہنچادیں، دلوں کو فتح کرنے کی طاقت اسلام میں موجود ہے۔ لیکن یہ ہمارا فرض ہے کہ اس کو آگے لے جا کر کامیابی سے ہم کنار کریں۔

اللّٰھم انصر من نصر دین محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم واجعلنا منھم اللّٰھم اخذل من خذل دین محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم ولا تجعلنا منھم۔ اے اللہ اس شخص کی نصرت فرما، جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی نصرت کریں اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما۔ اے اللہ اس شخص کو ناکام فرما جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ناکامی کا موجب ہو اور ہمیں ان لوگوں میں شامل نہ کیجیو۔

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السّلام

(بسلسلہ صفحہ اوّل)

یعنے میرے طریق پر جو اسلام کی اعلیٰ حقیقت ہے قدم مارو تب خدا تعالےٰ تم سے پیار کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ ان کو کہہ دے کہ میری راہ یہ ہے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ اپنا تمام وجود خدا تعالےٰ کو سونپ دوں اور اپنے تئیں رب العالمین کے لئے خالص کر لوں یعنے اس میں فنا ہو کر جیسا کہ وہ ربّ العالمین ہے میں خادم العالمین ہوں اور ہمہ تن اسی کا اور اسی کی راہ کا ہو جاؤں سو میں نے اپنا تمام وجود اور جو کچھ میرا تھا خدا تعالےٰ کا کر دیا ہے اب کچھ بھی میرا نہیں۔ جو کچھ میرا ہے وہ سب اس کا ہے۔

("آئینہ کمالات اسلام ص۱۶۰-۱۶۵)

بعد از خدا بعشق محمّد مخمّرم

چو زمن آید ثنائے سرورِ عالی تبار + عاجز از مدحش زمین و آسمان و ہر دو دار

مجھ سے اس عالیقدر سردار کی تعریف کس طرح ہو سکے۔ جس کی مدح سے زمین و آسمان اور دونوں جہاں عاجز ہیں۔

آں مقام قرب کو دارد بدلدارِ قدیم + کس نداند شانِ آں از واصلانِ کردگار

قرب کا وہ مقام جو وہ محبوب ازلی کے پاس رکھتا ہے اس کی شان کو واصلانِ بارگاہِ الہٰی میں سے بھی کوئی نہیں جانتا۔

آں عنایتہا کہ محبوب ازل دارد بدو + کس بخوابے ہم ندیدہ مثل آں اندر دیار

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ــــــــ مورخہ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ــــــــ شمارہ نمبر ۴۲

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور باہتمام احمد سجاد صاحب پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو۲ قسم کے معجزات

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان اور معجزات دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے یا آپؐ کے قول یا آپؐ کے فعل یا آپؐ کی دعا سے ظہور میں آئے اور ایسے معجزات شمار کی رُو سے قریب تین ہزار کے ہیں اور دوسرے وہ معجزات ہیں جو آنجناب کی اُمت کے ذریعے سے ہمیشہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور ایسے نشانوں کی لاکھوں تک نوبت پہنچ گئی ہے اور ایسی کوئی صدی بھی نہیں گذری جس میں ایسے نشان ظہور میں نہ آئے ہوں۔ چنانچہ اس زمانہ میں اس عاجز کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ یہ نشان دکھلا رہا ہے ان تمام نشانوں سے جن کا سلسلہ کسی زمانہ میں منقطع نہیں ہوتا۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کا سب سے بڑا نبی اور سب سے زیادہ پیارا جناب محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کیونکہ دوسرے نبیوں کی اُمتیں ایک تاریکی میں پڑی ہوئی ہیں، اور صرف گذشتہ قصے اور کہانیاں ان کے پاس ہیں۔ مگر یہ اُمت ہمیشہ خدا تعالےٰ سے تازہ بتازہ نشان پاتی ہے۔ لہٰذا اس اُمت میں اکثر عارف ایسے پائے جاتے ہیں۔ کہ جو خدا تعالےٰ پر اس درجہ کا یقین رکھتے ہیں کہ گویا اس کو دیکھتے ہیں۔ اور دوسری قوموں کو خدا تعالےٰ کی نسبت یہ یقین نصیب نہیں۔ لہٰذا ہماری رُوح سے یہ گواہی نکلتی ہے کہ سچا اور صحیح مذہب صرف اسلام ہے۔ ہم نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا کچھ نہیں دیکھا۔ اگر قرآن شریف گواہی نہ دیتا تو ہمارے لئے اور ہر ایک محقق کے لئے ممکن نہ تھا کہ ان کو سچا نبی سمجھتا۔ کیونکہ جب کسی مذہب میں صرف قصے اور کہانیاں رہ جاتی ہیں تو اس مذہب کے بانی یا مقتدا کی سچائی صرف ان قصوں پر نظر کرکے تحقیقی طور پر ثابت نہیں ہو سکتی۔ وجہ یہ کہ صدہا برس کے گذشتہ قصے کذب کا بھی احتمال رکھتے ہیں بلکہ زیادہ تر احتمال یہی ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں جھوٹ زیادہ ہے پھر کیونکر دلی یقین ہے کہ ان قصوں کو واقعات صحیح مان لیا جائے۔ لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات صرف قصوں کے رنگ میں نہیں ہیں۔ بلکہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرکے خود ان نشانوں کو پا لیتے ہیں۔ لہٰذا معاینہ اور مشاہدات کی برکت سے ہم حق الیقین تک پہنچ جاتے ہیں۔ سو اس کامل اور مقدس نبی کی کس قدر شان بزرگ ہے جس کی نبوت ہمیشہ طالبوں کو تازہ ثبوت دکھلاتی رہتی ہے اور ہم متواتر نشانوں کی برکت سے اس کمال سے مراتب عالیہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ گویا خدا تعالےٰ کو ہم آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ پس مذہب اسے کہتے ہیں۔ اور سچا نبی اس کا نام ہے جس کی سچائی کی ہمیشہ تازہ بہار نظر آئے۔ محض قصوں پر جن میں ہزاروں طرح کی کمی بیشی کا امکان ہے۔ بھروسہ کر لینا عقلمندوں کا کام نہیں۔ دُنیا میں صدہا لوگ خدا بنائے گئے اور صدہا پُرانے افسانوں کے ذریعہ سے کراماتی کرکے مانے جاتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ سچا کراماتی وہی ہے جس کی کرامات کا دریا کبھی خشک نہ ہو۔

سو وہ شخص ہمارے سید و مولےٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خدا تعالےٰ نے ہر ایک زمانہ میں اس کامل اور مقدس کے نشان دکھلانے کے لئے کسی نہ کسی کو بھیجا ہے +

(کتاب البریہ صفحہ ۱۲۷-۱۲۹ حاشیہ)

اہالیانِ دارالسلام کی طرف سے
مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے اعزاز میں
دعوتِ عصرانہ

مؤرخہ ۱۴/۹/۷۵ کو بعد نماز عصر اہالیانِ دارالسلام نے مکرم ڈاکٹر صاحب کے ایک لمبے دینی اور تبلیغی سفر سے بخیریت واپسی کی خوشی میں اظہار عقیدت کے طور پر دعوت عصرانہ کا اہتمام کیا۔ جس میں دیگر جگہوں کے بعض دوستوں نے بھی شرکت کی۔ تقریب کا آغاز زاہد جنجوعہ نے تلاوت قرآن پاک سے کیا۔ اس کے بعد صدر شبان الاحمدیہ جناب حفیظ الرحمان شیخ نے اہالیانِ دارالسلام کے مکینوں کے پُرعقیدت جذبات کو بڑے خوبصورت انداز میں سپاسنامہ کی شکل میں پیش کیا۔ جناب شیخ صاحب نے فرمایا:۔

جنابِ محترم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب۔

و معزز حاضرین و حاضرات۔ آج کی سادہ سی تقریب کا اہتمام ساکنانِ دارالسلام نے اپنے اس دلی خلوص اور عقیدت کے اظہار کے لئے کیا ہے جو انہیں ڈاکٹر صاحب کی ذاتِ گرامی سے ہے۔ نیز ہمیں ڈاکٹر صاحب موصوف کے دورہ بلادِ غربیہ کے تاثرات سننے کا بھی بے حد اشتیاق ہے۔ لہٰذا یہ تقریب اس مقصد کے لئے بھی منعقد کی گئی ہے۔

معزز حاضرین! اہالیانِ دارالسلام کی عرصہ سے آرزو تھی کہ ان کے درمیان ایک ایسی بزرگ ہستی موجود ہو جو انہیں احمدیت کی خصوصیات اور اعلیٰ نظریات سے گاہے گاہے آگاہ کرتی رہے اور خود ایک نمونہ ہو اور ان کے لئے دینی راہبر و راہنما ثابت ہو۔ جب کبھی یہ لوگ آپس میں مل بیٹھتے تو ایسی جامع صفات بزرگ ہستی کی کمی کا ذکر ضرور کرتے۔ آخر خدا نے ہماری سُن لی اور ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے لاہور آنے کے اسباب پیدا فرما دیئے۔ جب ڈاکٹر صاحب لاہور آئے تو ہم ان کی خدمت میں وفد کی صورت میں یہ التجا لے کر حاضر ہوئے تھے کہ وہ دارالسلام میں آ کر قیام فرمائیں۔ تاکہ اس بستی میں جو دینی سرگرمیوں کا فقدان ہے ختم ہو۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے ہماری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا۔ آج آپ کی ذات بابرکات ہمارے درمیان ہے اور اپنے فیوضِ روحانی سے ہمیں فیض یاب فرما رہی ہے۔ اور دارالسلام میں آپ کے آنے سے درس اور باقاعدہ نمازوں کا سلسلہ قائم ہو چکا ہے۔

ہمارا ایک اور مسئلہ ہمارے بچوں کی دینی تعلیم و تدریس کا تھا۔ یہ بچے سارا دن بے کار کھیلتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے راجہ محمد افضل صاحب کو دارالسلام میں منگوا کر ہماری اس ضرورت کو بھی پُورا کر دیا۔ راجہ صاحب بڑی جانفشانی اور تندہی سے ہمارے بچوں کی دینی تربیت کر رہے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ بچے نہ صرف ناظرہ قرآن پڑھ سکتے ہیں بلکہ نماز اور بعض قرآنی سورتیں زبانی باترجمہ بخوبی سُنا لیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف گذشتہ دنوں بلادِ غربیہ تشریف لے گئے تھے آپ نے اس دورہ کے بارے میں سابقہ دو موقعوں پر فرمایا کہ اس کا بظاہر کوئی امکان نظر نہ آتا تھا کہ وہ اس دَورے پر جا سکیں مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے یہ کٹھن کام ان کے لئے آسان فرما دیا۔ گیانا کی ایک احمدی بچی کا ذکر بھی فرمایا جس نے انہیں لکھا تھا کہ وہ خدا کے حضور لمبی لمبی دعائیں کرتی ہے کہ آپ اُن کے مُلک میں آئیں۔ شاید یہ اُس بچی کی دعاؤں کا اثر بھی تھا کہ ڈاکٹر صاحب گیانا اور اس کے ملحقہ علاقوں میں جا سکے۔

جب ڈاکٹر صاحب اس دورے کے سلسلے میں دارالسلام سے چلے گئے تو ہم نے ان کی عدم موجودگی کو شدت سے محسوس کیا۔ ہم اپنی نمازوں میں ان کی کامیابی کے لئے دعائیں کرتے رہے کیونکہ ہماری توقعات کافی حد تک اب اپنے بیرونی مشنوں سے وابستہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس دورے کا اچھا اثر لے کر آئے ہیں۔ مجھے اور آپ سب کو انکے دورے کے تاثرات سننے کا بے حد اشتیاق ہے لہٰذا میں اپنی تقریر کو طویل کر کے آپ کے اور ڈاکٹر صاحب کے درمیان زیادہ دیر حائل رہنا نہیں چاہتا اس لئے مَیں جناب ڈاکٹر صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تشریف لا کر اپنے قیمتی خیالات سے ہمیں نوازیں۔

سپاسنامہ کے جواب میں جناب ڈاکٹر صاحب نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

میرے بھائی شیخ حفیظ الرحمان صاحب نے اہالیانِ دارالسلام کی ترجمانی میں جن نیک جذبات و خیالات کا اپنے سپاسنامہ میں اظہار کیا ہے میں ان جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ میرے دل میں بھی دارالسلام میں مقیم لوگوں کی بڑی محبت ہے اور وطن سے ہزاروں میل دُور لندن میں بیٹھ کر بھی آپ کی محبت کا جب تصوّر کرتا تھا۔ تو میرا دل جذباتِ تشکر سے بھر جاتا تھا۔ اور میری کیفیت یہ ہوتی تھی کہ تم میرے پاس ہوتے ہو گویا ـ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کئی قسم کے جذبات و خیالات دل میں اُبھرتے تھے۔ سب سے بڑا جذبہ یہی تھا۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہی ہر وقت میری دُعا تھی کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور اس پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور اپنے لطف و کرم کی بارش اس پر نازل کرے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں، کہ ہم جن حالات سے گذر رہے ہیں اگر وہ ہمارے لئے کفارہ بن جائیں اور اب جس بستی میں مَیں آباد ہوا ہوں۔ اس کے لوگ تیری رضا کی راہوں پر چلنے والے ہوں تو مجھے اپنے گذشتہ نقصانات کا کوئی رنج اور غم نہیں ہے۔

یہاں پچھلے برس شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان نے لندن میں احمدیہ کنونشن کی تجویز پیش کی تھی۔ جس میں بیرونی ممالک کے تمام احمدی شریک ہوں۔ انجمن میں یہ تجویز پیش ہوئی اور پاس ہو گئی۔ ایک وفد یہاں سے تجویز ہوا۔ جس کی قیادت میرے سپُرد کی گئی۔ چھ آدمیوں کا وفد یہاں سے بن گیا اور ہم اس سفر پر روانہ ہو گئے۔ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ خطبہ جُمعہ آپ دیں گے اور دو تقاریر بھی کریں گے۔ بین الاقوامی مجالس میں تقریر کرنا خصوصاً دشوار ہوتا ہے۔ بہرحال یہ مراحل طے ہو گئے۔ ٹرنی ڈاڈ اور گیانا کے دوست بھی آئے ہوئے تھے۔ اور سرینام اور ہالینڈ کے احباب جماعت بھی شامل ہوئے تھے۔ تقاریر کی تیاری میں جن دو بزرگوں نے میری مدد کی ان کا شکریہ ادا کرنا بھی میرا فرض ہے۔ محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اور محترم نصیر احمد فاروقی صاحب نے مضامین تیار کرنے میں میری امداد کی۔ میں احباب سے دعاؤں کی درخواست کرتا رہا۔ کہ مولا کریم یہ مراحل میرے لئے آسان فرما دے۔ چنانچہ جیسا کہ سپاسنامہ میں اظہار کیا گیا ہے کہ تمام جماعت عموماً اور دارالسلام کے دوست خصوصاً ہمارے وفد کی کامیابی کے لئے دُعائیں کرتے رہے۔ چنانچہ دوستوں کی دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ہر موقعہ پر میرا ساتھ دیا۔ میں اپنے ان بھائیوں کا بہت بہت ممنون ہوں۔

وہاں میرے قیام کا احمدیہ سنٹر میں انتظام تھا۔ دوسرے دن میاں فاروق احمد تشریف لے آئے، خان حسن خان آئے۔ مولوی شیر محمد صاحب فیجی سے پہلے ہی پہنچے ہوئے تھے اور جرمنی سے مولانا یحییٰ بٹ صاحب بھی پہنچ گئے۔ ہم سب لوگ بڑے آرام سے رہے اور صحت بھی اچھی رہی۔ یہ سب آپ کی پُر زور دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ سب سے زیادہ مسحور کن نظارہ حضرت صاحب کے اس الہام کے پورا ہونے کا مشاہدہ تھا "کہ میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"۔ یہ ہم نے احمدیہ کنونشن میں مختلف ممالک کے احمدی دوستوں کے جمع ہونے کی شکل میں دیکھا۔ متنوع ممالک اور مختلف تہذیب و

(باقی پر صفحہ کالم ملاحظہ)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۲۲ راکتوبر ۱۹۷۵ء

صدق گوئی اور ایمانی جرأت کی ایک نمایاں مثال

دجالی تہذیب کے دیگر اوصاف کے علاوہ موجودہ زمانہ کی ایک بنیادی اخلاقی مرض، حق گوئی سے اجتناب و گریز ہے، اکثر اوقات ذاتی مفادات راست روی کے راستہ میں سدِ راہ بن جاتے ہیں، مگر مادہ پرستی کے موجودہ طوفان نے اب اس قدر غلبہ حاصل کر لیا ہے کہ محض معاشرہ کے خوف سے ہی افراد، حق کی آواز بلند کرنے سے گریزاں و لرزاں رہتے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ برس سے بانیٔ سلسلہ کے برخلاف طوفانِ مخالفت میں یہی نظارہ دکھلائی دیتا ہے۔ ہم بہت سے دوستوں کو جانتے ہیں جنہیں بخوبی علم و یقین ہے کہ کم از کم جماعت احمدیہ لاہور کے عقاید وہی ہیں جو اہلِ سنت والجماعت کے ہیں اور انہوں نے اس سے قبل اس بارہ میں علانیہ اظہار خیال بھی کیا ہے اور جن اقتباسات کو ہم وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہتے ہیں۔

۱۹۱۴ء میں اس جماعت میں تفرقہ کا باعث مسئلہ تکفیر اور ختم نبوت ہی ہوئے تھے۔ قادیانی جماعت سے اکابرین سلسلہ لاہور نے حضرت مولانا محمد علی رح کی قیادت میں صرف اسی لئے علیحدگی اختیار کی تھی کہ ان کے دلی یقین کے مطابق حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے نہ کبھی نبوت کا دعویٰ کیا، نہ ہی ایسے دعویٰ کی بناء پر اپنے منکرین کو کافر یا دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا، مگر تاہم بہت سے غیر از جماعت ذی فہم اور سنجیدہ طبع احباب نے نہ تو اسمبلی کی مزعومہ تحقیق کے دوران اور نہ اسمبلی کی آئین میں ترمیم کے بعد کلمۂ حق کہنے کی جرأت کی۔ درحقیقت ایسی ذہنیت اب عام ہو چکی ہے کہ سماجی برائی کو برائی جانتے ہوئے بھی اس کے برخلاف آواز تک بلند کرنے کی ہمت مفقود ہو چکی ہے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ جب محض حق اور انصاف کہنے کی جرأت ہی مفقود ہو جائے تو قوم کی اصلاح کی صورت حال بظاہر باقی کوئی نہیں رہ جاتی۔ مگر ہمیں خوشی ہے کہ ایسے وقتوں میں بھی ایک حق آواز بلند ہوئی ہے جسے ہی اشاعت میں ہم مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی ایڈیٹر صدق جدید لکھنو کا ایک بیان شائع کر رہے ہیں۔ اس میں مولانا صاحب نے ایک مرتبہ پھر حضرت مولانا محمد علی رح کی عالی خدمات تراجم قرآن انگریزی و اردو کا ذکر کر کے کہا ہے کہ آپ کی تصنیفات سے موجودہ زمانہ کی دہریت و الحاد کے قلع قمع کرنے میں بہت مدد ملی ہے۔ انہوں نے اس بارہ میں مثل سابق خود اپنا تجربہ بھی پیش فرمایا ہے نیز مولانا صاحب نے ۱۹۴۲ء میں لاہور میں حضرت مولانا رح سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے جس میں آپ نے اپنے تاثرات کا ذکر بھی ان الفاظ میں کیا ہے کہ حضرت مولانا رح کے چہرہ پر تقدس اور نورانیت کے آثار نظر آئے۔ مولانا عبدالماجد صاحب اس مکتوب کے آخر پر اس امر پر اظہار تاسف فرماتے ہیں کہ کیوں ایسے صاحب اور ان کے ہم عقیدہ اصحاب یعنی جماعت احمدیہ لاہور کو پاکستان اسمبلی نے مسلمانوں کے ساتھ شامل نہ رکھا؟ گویا غیر مسلم اقلیت کی ترمیم اسمبلی کا جہاں تک جماعت لاہور سے تعلق ہے مولانا عبدالماجد صاحب نے اس کے برخلاف ایک ہلکا سا احتجاج کیا ہے۔ اسی قسم کے تاثرات بہت سے دیگر فہمیدہ اصحاب کے بھی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر یہ مسلم معاشرہ کی حالت کیا بن گئی ہے کہ جس امر کو خود خلافِ انصاف و اسلام یقین کیا جاتا ہے، اسے برملا علانیہ کہنے سے گریز کیا جاتا ہے۔

مولانا عبدالماجد صاحب کے نرم احتجاج کو مخالفت کے اس زبردست ریلے میں ہم حضرت خواجہ غلام فرید صاحب رح چاچڑاں کے رویہ سے مثال دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ ابتداء مخالفت میں جب تمام برصغیر میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے برخلاف تمام علماء نے تکفیر کا طوفان بپا کیا ہوا تھا تو حضرت خواجہ صاحب رح نے بھی اس وقت یہ فرمایا تھا:—

"آں مردِ صالح است کاذب نیست"

یعنی حضرت اقدس مسیح موعودؑ صالح انسان ہیں جھوٹے نہیں ہیں بلکہ اپنے مکتوب میں حضرت اقدسؑ کی ملکۂ انگلینڈ کو تبلیغ اسلام کا بھی ذکر کیا۔ علماء و عوام کی زبردست مخالفت کے باوجود حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ نے پوری حق گوئی اور جرأت ایمانی کا اظہار کیا تھا۔ اسی طرح اس دور میں بھی مولانا عبدالماجد صاحب نے اپنی ضمیر کی آواز کو مخفی نہیں رکھا فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

مولانا عبدالماجد صاحب کو بے شک حضرت اقدسؑ کے دعاوی سے اختلاف رہا ہے اور اس کا بھی انہوں نے کبھی اخفاء نہیں کیا چنانچہ اپنے اس تازہ بیان میں آپ حضرت مولانا محمد علی رح کے اس قصور کو کہ آپ نے حضرت بانیٔ سلسلہ سے کیوں تعلق رکھا قابلِ مغفرت قرار دیا ہے۔ اس موضوع پر تو ہم پھر کسی وقت عرض کرنے کی جرأت کریں گے کہ آیا قابلِ مغفرت وہ شخص ہے جس نے امامِ وقت کو نہ پہچانا یا وہ جس نے اس کی شناخت اور خدمت کی بدولت عظیم خدمتِ قرآن اور اسلام کا کام انجام دیا؟

حق گوئی اور ضمیر کی آزادی ایسی عالی اور بنیادی انسانی صفات ہیں جن کے قائم کرنے میں ہی قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے عظیم مثالیں قائم کیں، اس بارہ میں اگر یہ کہا جائے کہ یہ دین اسلام اور تعلیم فرقان کے بنیادی اصول ہیں تو بالکل صحیح ہوگا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عالی نمونہ اس بارہ میں ایک بلند مینار کا کام دیتا ہے۔ مکہ معظمہ میں جب کفار نے آنحضور صلعم کو ہر قسم کے دنیاوی مفاد پیش کر کے بتوں کی مذمت سے باز رکھنا چاہا تو آپ نے باوجود شدید اذیتوں اور انتہائی مصائب کے، آواز حق کو بلند کرنے سے انکار کرنے کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا۔ اسی قسم کا واقعہ ابو طالب کے وقت بھی پیش آیا تھا۔ اس وقت بھی آپ نے کسی ادنیٰ قسم کی مداہنت اور خاموشی اختیار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کا ذکر قرآن کریم میں ہوا ولولا ان ثبتنٰک لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلاً۔

کس قدر تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ وہ قوم جس کی تاریخی روایات اس امر سے بھرپور ہوں کہ ان کے مقدس بزرگوں نے جابر بادشاہوں کے روبرو کلمۂ حق کہنے سے دریغ نہ کیا، جن کے آباء و اجداد کی یہ خصوصی صفت تھی کہ وہ جان تک دینا گوارا کرتے مگر حق اور انصاف کی بات کہنے سے باز نہ رہتے جنہوں نے غیر مسلموں کے لئے بھی آزادیٔ ضمیر و فکر کی فضا قائم کی، آج اس کے معاشرہ کی یہ حالت ہو کہ جس بات کو وہ خود ناحق اور ظلم سمجھتے ہیں، اس کے برخلاف کہنے کی جرأت کھو بیٹھے ہیں۔ ناانصافی، ظلم، ناراستی دنیا میں اسی لئے ترقی پذیر ہیں کہ ان کے برخلاف حق کی آواز بلند کرنے کی جرأت و ہمت کی ایمانی صفات دن بدن کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ معاشرہ کا یہ قانونِ ازلی ہے کہ جس بات کی حوصلہ افزائی کی جائے وہ ترقی پاتی جائے گی خواہ وہ کتنی مضر و مفسد ہو اور جس بات کی حوصلہ شکنی ہوتی رہے وہ خواہ کیسی ہی مفید اور نیک ہو، مٹتی چلی جائے گی اسی لئے معاشرتی فطرت کے اس گہرے راز کے واقف شناس آنحضور صلعم نے فرمایا:—

"اگر تم برائی کو ہاتھ سے روک سکو، تو اسے ہاتھ سے روک دو، لیکن اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو زبان سے ہی اس کی مذمت کرو۔ اور اگر اتنی بھی سکت نہیں تو کم از کم اسے دل سے ہی برا جانو۔"

ہمیں یقینی علم ہے کہ اس وقت بہت سے ذی فہم اصحاب موجود ہیں جن کا مولانا عبدالماجد صاحب کی مانند دل سے یہ یقین ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کو سچے دل سے ختم نبوت پر محکم یقین رکھتی اور اس بارہ میں ساٹھ برس

اجراء نبوّت کے عقیدہ کے برخلاف قلمی جہاد میں مصروف رہی ہے محض اس لئے غیر مسلم اقلیت میں شامل کیا گیا ہے کہ علماء و عوام کے نزدیک جس شخص نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے اس کے ساتھ یہ جماعت کیوں وابستہ ہے۔ مولانا عبدالماجد صاحب نے اسی بات کا جواب دیا ہے کہ یہ امر بھی ان کے نزدیک قابلِ مغفرت ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ لاہور اس امر کو ثابت کرنے کی مُدّعی ہے کہ بانیٔ سلسلہؑ نے کبھی اور کسی وقت منصب نبوّت یا دعویٰ نبوّت نہیں کیا۔ اور آپ نے مثل دیگر اولیاء اللہ کے اپنے دعویٰ ہمکلامی کو لفظ نبی سے تعبیر کیا ہے۔ اس بارہ میں بانیٔ سلسلہؑ کی اسلام میں پوزیشن بعینہٖ دیگر اولیائے اُمّت کی سی ہے۔ یہ صرف مخالفوں اور بعض موافقین کی غلط فہمی ہے جنہوں نے آپ کے برخلاف دعویٰ نبوّت کے الزامات عاید کئے ہیں۔ ہم نے اوپر حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے علمائے وقت و عوام کے برخلاف حضرت اقدس کو نہ صرف مسلمان قرار دیا بلکہ مرد صالح اور مبلغ و مؤید اسلام جانا تو حضرت اقدسؑ نے اس کے جواب میں خواجہ صاحب مرحوم کی مدح میں ایک فارسی قصیدہ رقم فرمایا جس میں سے صرف دو اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں!

اے فریدِ وقت در صدق و صفا
با تو باد آں رُو کہ نامِ اُو خدا
از تو جانِ من خوش است اے خوشخصال
دیدمت مردے دریں قحط الرجال

خواجہ صاحبؒ نے نہ حضرت اقدسؑ کی بیعت کی تھی، نہ ہی احمدی جماعت میں شامل ہوئے تھے۔ اگر بانیٔ سلسلہ کا دعوےٰ نبوّت ہوتا تو آپ پر مثل دیگر انبیاء ایمان لانا لازم پڑتا تھا، بجز اس کے کوئی مسلمان نہ ہو سکتا تھا۔ تو اس صورت میں حضرت اقدسؑ کیونکر ایسے شخص کی مدح میں قصیدہ لکھ سکتے تھے جو آپ کی نبوّت پر ایمان نہ لایا تھا؟

ایسا ہی حضرت بانی سلسلہؑ کے آخری دن کا وہ واقعہ ہے جو تاریخ میں مرقوم ہے کہ ۲۵رمئی ۱۹۰۸ء کو جب آپ لاہور میں مقیم تھے وفات سے صرف ایک روز قبل ایک سرحدی شخص آیا اور شوخی سے کلام کرنے لگا آپ نے اسے فرمایا ہم نے کوئی نیا کلمہ یا نیا دین نہیں بتایا نہ کوئی نماز یا احکام شریعت علیحدہ بتائے ہیں، یہ لفظ نبی جو اپنے لئے استعمال کیا ہے خدا تعالےٰ سے تعلق اور مکالمہ کی وجہ سے ہے کیونکہ خدا کا وجود اس کے نشانات سے ہی پہچانا جاتا ہے۔ اسی لئے اولیاء اللہ بھیجے جاتے ہیں کیا دیگر اولیاء مثل مجدد سرہندی اور سیّد عبدالقادر جیلانی نے ایسے الفاظ استعمال نہیں کئے؟ پھر کیا مثنوی مولانا روم میں امامِ وقت کو نبی کے لفظ سے نہیں پکارا گیا؟۔ اُو نبیٔ وقت باشد اے مرید۔ تو پھر کیا سب کو کافر کہو گے؟

اب اس واقعہ سے جس کا کوئی بھی انکار کر نہیں سکتا اور جو آخری روز کا ہے کیا روز روشن کی مانند یہ ثابت نہیں کہ حضرت اقدسؑ نے اپنی پوزیشن کو مثل دیگر اولیاء اللہ قرار دیا نہ مثل دیگر انبیاء کے؟

لیکن اگر بعض آپ کے متبعین نے از راہِ غلو بانیٔ سلسلہؑ کو زمرۂ اولیاء سے نکال کر زمرۂ انبیاء کا فرد قرار دے دیا تو اس کا قصور آپ پر کیسے عاید کیا جا سکتا ہے؟ اور جماعتِ احمدیہ لاہور جو آپ کو مثل دیگر اولیاء کے مجدّد صد چہاردہم کے منصب پر فائز سمجھتی ہے کیسے قصوروار ٹھہرائی جاسکتی ہے؟ ایسی فاش غلط فہمی اور گمراہی کی پہلے ایک عظیم مثال موجود بھی ہے۔ حضرت عیسٰےؑ نے مسلمانوں کے نزدیک کبھی اور کسی معنی میں خدائی یا ابن اللہ ہونے کا دعوےٰ نہ کیا تھا مگر یہودیوں اور خود عیسائیوں نے ایسے دعاوی ان کی طرف منسوب کر دیئے تو کیا اس میں حضرت عیسٰے کا کوئی قصور ثابت ہو جاتا ہے؟ تعجب تو یہ ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے آخری روز کے واقعہ مندرجہ بالا کے مطابق حضرت مسیحؑ پر بھی یہودیوں نے خدا اور ابن اللہ ہونے کے الزام لگائے جس کی بابت آپؑ نے اسی طرح فرمائی جب یہ کہا کہ کیا تمہاری کتب میں ان لوگوں کو جن کے پاس کلام خدا آیا خدایاں نہیں کہا گیا تو وہاں ان کے بارہ میں ایسا کہنا کفر نہ ہوا مگر میرے بارہ میں کفر ہو گیا؟ دونوں مدعیانِ مسیحیت کا معاملہ بالکل مشابہ ہے دونوں پر جب غلط الزام لگے تو دونوں نے اپنے آپ کو مثل پہلے بزرگوں کے قرار دیا، نہ ان سے علیحدہ۔ لیکن مخالف و موافق دونوں نے ہر جگہ ان کے اپنے بیان کردہ معنی کو قبول نہ کر کے ان کی طرف غلط الزام کو صحیح مان لیا۔

ہم ان کالموں میں بار بار یہ مطالبہ کر چکے ہیں کہ اگر اُمّتِ مسلمہ میں دعویٰ الہام کرنا کفر ہے تو پھر ایسا عقیدہ رکھنے والوں پر لازم ہے کہ وہ جملہ ان مجدّدوں اور ملہموں کو بھی کافر اور منکرِ ختم نبوّت قرار دیں جن کے کلام سے ایسے دعوے ثابت ہیں۔ لیکن آج تک اس مطالبہ کا کوئی جواب نہیں دیا گیا اور نہ انشاء اللہ دیا جائے گا۔ تو کیا اس فرار سے بھی یہ امر پوری طرح پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ جاتا کہ الزام لگانے والے سراسر غلط فہمی میں مبتلا ہیں؟

دعوتِ عصرانہ — بسلسلہ صفحہ ۲

تمدن و ثقافت کے حامل دوست بڑے فخر کے ساتھ اپنے آپ کو احمدی کہتے تھے۔ یہ نظارہ ایمان افروز تھا۔ لندن جو کہ مادیت کا منبع اور مرکز ہے۔ ایسے بین الاقوامی شہر میں ہمارے چند دوست دینِ محمدؐ کے فروغ کی کوششوں کی شمع جلائے ہوئے ہیں۔ چند دن بعد ہم مسجد ووکنگ بھی گئے۔ جس کے ساتھ ہماری ۶۴ سالہ تاریخ وابستہ ہے اور جو بدقسمتی سے ہم سے چھن چکی ہے اس سلسلہ میں میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم + کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

میں پہلے بھی کسی زمانہ میں وہاں گیا تھا۔ مگر ان دنوں وہاں کی رونق و برکت کا اور ہی سماں تھا۔ شیخ محمد طفیل صاحب اور ان کے دو تین دوسرے عزیزوں اور جہلم کے شیخ عبدالعزیز صاحب کے صاحبزادگان کے وہاں مکانات ہیں۔ مجاہد اسلام ڈاکٹر عبداللہ صاحب مرحوم کی قبر پر جا کر دُعا کی سعادت بھی مجھے نصیب ہوئی۔ عام اجلاس ایک گرجا کے ہال میں ہوا جس میں حافظ شیر محمدؐ صاحب نے اُردو میں ختم نبوّت پر تقریر فرمائی۔ اور ایک خصوصی میٹنگ ایک گھر میں ہوئی۔ مرکز کی کمی کا احساس بڑے صدمہ کا موجب ہوا۔ اس میٹنگ میں مجھے کہا گیا کہ پاکستان اور مرکز کے حالات سناؤں چنانچہ میں نے تمثیلاً اپنے خیالات کا اظہار کیا اور حاضرین کو تسلی دلائی۔ کہ باوجود ہر قسم کی گذشتہ اور پیش آمدہ مشکلات اور مصائب کے مرکز کی حالت ہرگز مایوس کن نہیں اور میرا یقین اور ایمان ہے کہ وہ وقت دُور نہیں کہ جس مرکز نے ساٹھ سال دنیا میں تبلیغ اسلام کا فرض ادا کیا ہے وہ اپنی اس حیثیت کو قائم رکھنے کی پوری اہلیت بحال کر لے گا۔

مغربی ممالک کے احمدیوں میں بڑا جوش ہے۔ اور عمل کا جذبہ بھی ہے۔ انہوں نے چند تجاویز پیش کی ہیں جن کی تفصیلات وہ ہمیں بعد میں بھیجیں گے اور انجمن ان پر غور کرے گی۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے بڑے درد اور رقّت کے ساتھ ان مساعی کا بھی ذکر کیا۔ جو بے دِل احمدیوں اور ان کی اولادوں کی غیرتِ دینی کو جگانے کے لئے انہوں نے کیں۔ آپ نے فرمایا اگرچہ سیاسی حالات نے جماعت کی کمزوریوں کو اُجاگر کیا ہے۔ مگر ہم انشاء اللہ ان مصائب سے کندن بن کر نکلیں گے۔ جس کے لئے

جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب - اسلام آباد

فوق النفس مراقبہ

زمانۂ قدیم سے مختلف مذاہب اور فرقوں کے وہ افراد جو مذہبی شوق یا روحانی مراتب حاصل کرنے کے متمنی ہوتے تھے۔ وہ نہ صرف وظائف کا ہی ورد کرتے رہتے تھے۔ بلکہ وقتاً فوقتاً چلہ کشی اور لمبے مراقبے بھی کیا کرتے تھے۔ ممکن ہے اس سے ان کی بعض نفسیاتی قوتیں ترقی پذیر ہوتی ہوں۔ مثلاً توجہ یا ہپناٹزم (عمل ا　　)۔ اور کھانا کم کھانے اور سکون و آرام سے بعض دماغی یا جسمانی عوارض کو فائدہ پہنچتا ہو۔ مگر آیا ان کو کوئی روحانی کمال اور مراتب بھی حاصل ہو جاتے تھے تو یہ امر مشکوک ہے۔

ہندوؤں میں یوگا (YOGA) کا ایک عمل ہوتا ہے۔ اس میں مراقبہ میں کچھ وقت گذارنا ہوتا ہے وہاں چند ایک ورزشیں بھی کرنی ہوتی ہیں۔ جس سے دماغی اور جسمانی فائدے بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ ہندوؤں میں بعض سنیاسی اور سادھو لوگ علیحدہ کسی پہاڑی مقام یا جنگل میں جا کر مراقبہ بھی کرتے ہیں۔ مگر ان ہندو یوگیوں میں سے چند ایک ایسے بھی من چلے اور چلتے پرزے افراد تھے۔ کہ انہوں نے اس یوگا اور مراقبہ کے عمل کو آسان کر کے مغربی ممالک میں جا کر کافی شاگرد اور ساتھ ہی روپیہ بھی پیدا کر لیا ہے۔ پچھلے دنوں اخبارات میں اسی طرح کے ایک ہندو گورو کا حال چھپا تھا جو "گورو مہاراج جی" کہلاتا تھا۔ قد چھوٹا۔ اور موٹا۔ رنگ صاف عمر ۱۷ سال۔ اس نے امریکہ (USA) میں ایک "روحانی روشنی" حاصل کرنے کا ادارہ قائم کیا تھا اور اپنے آپ کو "مکمل استاد" کہتا تھا۔ پہلے تو اس کی شعبدہ بازی سے (جس میں اس کی ماں بھی شریک تھی) بعض امریکنوں میں ایک شوق اور دلچسپی اور جستجو پیدا ہو گئی روپیہ بھی آنے لگا۔ اور عیش بازی بھی ہونے لگی۔ بالآخر اس گورو نے ایک امریکن لڑکی سے شادی کر لی اور ایک دفعہ جو امریکہ سے نئی دہلی پہنچکر ہوائی جہاز سے اترے تو ہندوستانی کسٹم والوں نے (جو گورو جی کو صرف ایک مسافر ہی سمجھتے تھے) ان کے اسباب کی تلاشی لی تو بے شمار اشیاء جیولری۔ گھڑیاں۔ وغیرہ دستیاب ہوئیں۔ گورو جی مہاراج دھر لئے گئے۔ ان کے امریکن شاگردوں کو اس خبر سے بہت صدمہ ہوا۔

اصل بات یہ ہے کہ امریکہ میں دولت اور دنیاوی جاہ و جلال اور کاروباری مصروفیت بہت ہے۔ "ڈالر" کی پوجا ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں کاروباری لوگ دماغی اور ذہنی انتشار اور بے چینی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مذہب سے اُن کو بہت کم لگاؤ رہ گیا ہے۔ اور اگر ہے بھی تو عیسائی گرجا اس ذہنی اور کاروباری اور نفسیاتی کشمکش کو کم نہیں کر سکتا۔ ان کاروباری لوگوں کی عورتیں (باوجود دولت کی فراوانی کے) ذہنی اور نفسیاتی مد و جزر میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اکثر اس بات کی شاکی ہوتی ہیں کہ ان کے مرد پورے طور پر وظیفۂ زوجیت نہیں ادا کر سکتے یا ان کو ادا کرنے کا موقع نہیں پاتے اس لئے ان کو اعصابی اور ذہنی بے چینی اور کم خوابی کی شکایت ہو جاتی ہے اور مؤخر الذکر کو وہ نیند آور ادویات سے پوری کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جہاں سوسائٹی کا اس قسم کا ماحول ہو۔ وہاں اگر کوئی چالاک۔ انسانی خواہشات کو جاننے والا۔ مذہبی لبادہ　　اوڑھ کر ان امیر لوگوں کو ایک نسبتاً آسان اور کم خرچ طریقۂ علاج یا ورزشیں بتلائے تو ہر کوئی بھاگا آتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ بس روزانہ آنکھیں بند کر کے۔ آرام سے بیٹھ کر۔ توجہ سے یہ فقرہ دہراتے جاؤ کہ "دن بدن میری حالت بہتر اور بہتر ہوتی جا رہی ہے" تو جلد ہی ایسا ہو جائے گا۔ اسی طرح بعض نفس پرست افراد نے ایسی سوسائٹیاں بنائیں۔ جہاں مرد عورت اکٹھے ہو کر گاتے بجاتے اور مل کر ننگے غسل کرتے اور دیگر غیر اخلاقی حرکات کرتے ہیں۔

ہفتہ وار رسالہ "ٹائم" (TIME) نیویارک۔ امریکہ۔ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء ایک مضمون چھپا ہے (THE T.M. CRAZE FORTY MINUTES TO B ISS)

یہاں "T.M" مخفف ہے "TRANSCENDENTAL MEDITATION" کا یعنی "فوق النفس مراقبہ"۔ یہ ایک تحریک ہے جو کہ امریکہ اور یورپ میں پھیلی ہوئی ہے۔ کیلے فورنیا (امریکہ) میں اس کے 23000 ممبر ہیں۔ اور کل امریکہ تین لاکھ ممبر اور دو ہزار استاد بھی ہیں۔ کینیڈا میں نوّے ہزار اور مغربی جرمنی میں 54000 ہیں۔ اور جگہوں میں بھی اس کے کم و بیش ممبر ہیں یہ تحریک کیا ہے۔ اس کا چلانے والا کون ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟

اس "ٹی ایم" (TM) تحریک کا بانی ایک ہندوستانی ہندو ہے جو ۱۹۱۸ء کے لگ بھگ صوبہ سی۔ پی میں ایک کھتری گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ ۱۹۴۰ء میں اس نے الٰہ آباد یونیورسٹی سے فزکس میں بی ایس سی کی ڈگری لی تھی۔ اس کے بعد یوگا کا شوق پیدا ہوا اور وہ تیرہ سال ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۳ء تک ایک سوامی گورو دیو کے ساتھ کوہ ہمالیہ میں مشقیں کرتا رہا اس کے بعد اسے "فوق النفس مراقبہ" کی سکیم ذہن میں آئی۔ اس نے ویدوں میں مراقبہ کی ترکیب اور اس کے لئے ضروری منتر (جو کہ سترہ کے قریب ہیں) حاصل کئے۔ اور ۱۹۵۷ء میں امریکہ میں جا کر اس نے یہ "ٹی ایم" تحریک شروع کی۔ اس وقت یہ چھوٹے قد کا بڈھا (اگرچہ اس کی صحت قائم ہے) چوڑے چہرے۔ چپٹی ناک۔ رنگ سانولا اور سفید لمبی ڈاڑھی اور لمبے بال رکھ کر ہندوستانی لباس میں دنیا کا سفر کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو "مہارشی مہیش یوگی" کہتا ہے۔

اس کا طریقہ عمل اور تعلیم کا حسب ذیل ہے

(وہ کہتا ہے کہ یہ نیا مذہب نہیں ہے بلکہ ایک طریقہ ہے جس سے انسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔)

(۱) طالب یا شاگرد بننے والا پہلے پہل تعلیمی حرکت میں آ کر ایک یا ڈیڑھ گھنٹے کے دو تعارفی لیکچر سنتا ہے۔ جس میں اس "ٹی ایم" کی خوبیوں اور فائدوں کا ذکر ہوتا ہے۔ اگر شاگرد کو دلچسپی پیدا ہو جائے تو وہ 125 ڈالر دے کر باقاعدہ طالب علم بن جاتا ہے۔ جس کی عمر دس برس سے زائد ہونی چاہیئے۔

(۲) پھر طالب علم اپنے جوتے اتارتا ہے۔ اور اس کو ایک تحفہ۔ ایک بڑا سفید رومال۔ کچھ مٹھائی۔ کچھ پھل۔ اور کچھ پھول دیئے جاتے ہیں۔ اُن کو لے کر طالب علم ایک پرائیویٹ کمرے میں جاتا ہے۔ جہاں ایک اُستاد پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ طالب علم ہاتھ جوڑ کر اور آگے بڑھ کر ہندوؤں کی طرح سلام کرتا ہے۔

(۳) اوستاد تب ایک موم بتی جلاتا ہے۔ اور کچھ اگر بتیاں بھی۔ پھر ایک چھوٹے اسٹیج پر ایک رنگدار تصویر "گورو دیو" کی رکھی ہوتی ہے۔ اس کے سامنے رومال بچھا کر مٹھائی۔ پھل۔ پھول چڑھاوے کے طور پر رکھ دیئے جاتے ہیں۔ پھر اُستاد چند سنسکرت کے منتر پڑھتا ہے۔ جن میں نارائن دیوتا اور کنول کے پھول سے پیدا شدہ برہما دیوتا جو کہ خالق ہے۔ اور وشیشتا۔ اور شکتی اور اس کے بیٹے پراشار اور دیاس جی اور شوکا دیوا کی تعظیم کی جاتی ہے اور اس کے آگے سر جھکایا جاتا ہے۔ کیونکہ انہی بڑے دیوتاؤں کے دروازے سے چھوٹے دیوتا تکمیل نفس اور دن رات میں لا محدود روحانی کمالات اور عجائبات کے متمنی ہوتے ہیں۔ اور انہیں پر عمل کر کے ہم اپنے نفس اور روح کی تکمیل کرتے ہیں۔)

(۴) پھر استاد طالب علم کو ایک منتر کا لفظ بتلاتا ہے (جو کہ غالباً (اَدم ہوتا ہے) یا "ادم ادم شانتی ادم"۔ ان الفاظ کا طالب علم کو اپنے آئندہ مراقبوں میں ورد کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد تین دن متواتر گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کا لیکچر سننا ہوتا ہے۔ لیکچر کے بعد دس منٹ آنکھیں بند کر کے منتر رٹنا ہوتا ہے۔

(باقی صفحہ ۹ کالم ۲)

محترم عبدالرحیم جگو صاحب مبلغ اسلام

مکتوبِ ہالینڈ

محترم مکرم جنرل سیکرٹری صاحب کی وساطت سے جگو صاحب تمام احباب سلسلہ کو عید مبارک کہتے ہیں۔ اور وہ لکھتے ہیں۔ کہ:-

"ہم لندن کنونشن سے اپنے قافلہ کے ساتھ واپس وطن پہنچ گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ کنونشن کامیاب رہی ہے۔ ہماری جماعت کے قریباً ۵۰ افراد نے کنونشن میں حصہ لیا ہے۔ ہمارے قافلہ کی تعداد سب سے بڑی سمجھی گئی ہے۔ اور دو ہزار پونڈ کے قریب قربانی بھی کی ہے۔"

محترم جگو صاحب نے کنونشن میں جو تقریر فرمائی ہے اس کا اردو ترجمہ ہدیہ قارئین کرام ہے۔

محترم صاحب صدر۔ بھائیو اور بہنو

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج ایک بڑا دن اور ایک بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہم سب سلسلہ ولیڈن ہمسفیڈ کی ساتویں احمدیہ کنونشن کی مجلس میں حصہ لے رہے ہیں۔ جس میں آج اتفاق اور جماعتی تنظیم کی ایک زبردست جھلک اس انگلینڈ کے دارالخلافہ میں نظر آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ ہمیں یہ موقعہ اس وطن میں نصیب ہوا ہے۔ یہ ایک انوکھی اسلامی احمدیہ کنونشن ہے جو پہلی مرتبہ دنیا کے اس حصہ میں ہو رہی ہے۔ آج ہم دنیا کے مختلف ممالک کی احمدیہ جماعتوں کے احباب سے مل رہے ہیں جو دنیا کے دور دراز ملکوں جیسے فیجی۔ پاکستان۔ انڈیا۔ جرمنی۔ ہالینڈ۔ انگلینڈ۔ جنوبی امریکہ۔ سرینام۔ گیانا۔ ٹرینیڈاڈ وغیرہ ملکوں سے اس جلسہ میں حاضر ہوئے ہیں۔ مقامی انجمن نے اس کنونشن کے انعقاد کی کماحقہٗ کوشش کی ہے کہ تمام مشکلات کو برداشت کر کے اپنے مہمانوں کو حتی المقدور کسی قسم سے آرام و آسائش میں کمی نہیں کی ہے۔ لندن میں ایسی کنونشن بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اکثر وہ لوگ بھی جو ابھی تک ایسی کنونشن میں حصہ نہیں لیتے تھے۔ آج اس سلسلہ کے متعلق زیادہ واقفیت حاصل کر رہے ہیں اور ایک دوسرے سے اپنا تعارف اور پہچان بھی کر رہے ہیں۔ اب ہم اس ساتویں کنونشن کے دورہ پر ہیں ہمیں چاہیئے کہ ہم تمام دنیا کی احمدیہ جماعتوں میں کنونشن کا سلسلہ جاری کریں۔ مضائقہ نہیں کہ وہ کتنا ہی دور کیوں نہ ہو۔ ہمارا مقصد یہی ہے کہ ہم دنیا کے کناروں تک اسلام کی آواز پہنچائیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم اپنے مشن کے کاموں کو آگے بڑھائیں اور احمدیت کی حقیقت اور مقصد کو دنیا کے سامنے رکھیں کہ مذہب اسلام ہمارے لئے کیا لایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس کے فضل و کرم سے ایک مرد مجاہد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم لے کر عین اس وقت آتا ہے جبکہ دنیا میں ظلم و ستم بڑھ رہا تھا۔ دین و ملت کو قتل کیا جا رہا تھا اور اسے فرقوں کے نام سے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے تھے مسلمان تمام فرائض سے دور ہو رہے تھے اور دشمنان اسلام کے خوف سے ایک اور نبی کی آمد کی راہ دیکھ رہے تھے اور دین و مذہب کی حقیقت ختم ہو رہی تھی، اس وقت ایک شخص یہ آواز لے کر آتا ہے کہ آؤ لوگو تمہارا دین اسلام ہے جو ایمان اور توحید کا پیغام لایا ہے ۴۴ جو علم اور حکمت کا پیغام لایا ہے جو انسانیت اور ملت کا پیغام لایا ہے۔ آؤ ہم ۴۴

۴ جو امن اور برادری کا پیغام لایا جو حق اور انصاف کا پیغام لایا ہے۔ جو حقیقت اور مساوات کا پیغام لایا ہے۔

۴۴ پھر سے دین اسلام کو دنیا کے سامنے روشن کریں اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس آواز کو لے کر غفلت کو دور کر کے بیداری پیدا کریں اور اللہ جلشانہٗ کا نور قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کریں۔

برادرانِ اسلام۔ اس کنونشن کے دوران ایک چمکتا ہوا اسلام اور برادری کی حقیقت نظر آ رہی ہے۔ ہمیں مستقبل کے لئے کچھ کرنا ہے تاکہ آئندہ اس ملاقات سے فائدہ اٹھائیں، ہر فرد احمدی پر لازم ہے کہ ہم اسلام کی صحیح تعلیم اور اس کا خوبصورت پیغام دنیا کے سامنے پیش کریں تاکہ عوام پر یہ ظاہر ہو جائے کہ احمدیت ہی دراصل اسلام کو صحیح طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔ اس حقیقت کے لئے ہمیں خود نمونہ بننا چاہیئے اور ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس ہونا چاہیئے، تب ہی ہم دنیا میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور کنونشن کے مقصد کو پورا کر سکتے ہیں یہی اس عاجز کی ہر مسلم فرد احمدی سے درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

دہریت اور عیسائیت کے برخلاف عظیم مجاہد

"محمد علی لاہوری"

"۱۹۰۹ء تھا اور میں کنگ کالج لکھنؤ میں انٹر میڈیٹ کے سیکنڈ ایئر کا طالب علم۔ انگریزی میں دہریوں، لامذہبوں، اور لا آدریوں (AGNOSTICS) کی تحریروں کے مطالعہ سے اچھا خاصا مسلم سے ملحد (لا آدری) بن گیا۔ ذاتِ رسالت سے خصوصی عناد پیدا ہو گیا۔ ایک انگریزی ادبی مرقع میں خوفناک خشم آگیں تصویر دیکھ لی تھی اور میڈیکل کتابوں میں پڑھ لیا تھا کہ وحی تو مرض صرع کی ایک قسم ہوتی ہے۔

روح و قلب کی یہ کیفیت کچھ عرصے قائم رہی (۱۹۱۸ء یا ۱۹۱۹ء) اس مرض میں افاقہ ہوا ازالہ نہیں) جن کتابوں سے اصلاح ہوئی ان میں ایک مولانا شبلی کی سیرت النبیؐ تھی جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کسی وحشی قسم کے سردار لشکر نہیں بلکہ ایک مصلح قوم مشفق اور نرم دل شخص تھے۔

دوسری کتاب انہی محمد علی لاہوری کا انگریزی ترجمہ قرآن جس نے یہ بتایا کہ قرآن سنی سنائی کہانیوں کا مجموعہ نہیں بلکہ بہت سی گہری اور حکیمانہ حقیقتوں کا جامع ہے۔

اس کے بعد ان کی یہ کتابیں اور پڑھیں "سیرت خیر البشر" اور مقام حدیث اور تاریخ خلافت راشدہ، یہ سب اچھی معلوم ہوئیں اور سب سے بڑھ کر ان کی اردو تفسیر بیان القرآن تین جلدوں میں اس میں جا بجا روشن خیالی اور نیچریت تو ہے لیکن بحیثیت مجموعی قابل قدر ہے۔ خصوصاً جس زمانہ میں لکھی گئی اس لحاظ سے۔

لاہور میں ایک بار ملاقات بھی ہوئی تھی، ۱۹۴۲ء میں اور مل کر بھی اچھا خاصا اثر پڑا تھا، چہرہ ایک تہجد گذار کی سی نورانیت رکھتا تھا۔ باقی جس مسئلہ میں وہ غلطی سے مبتلا ہو گئے تھے۔ مرزا صاحب کو وہ ہرگز نبی نہیں مانتے تھے البتہ ایک بزرگ ضرور تسلیم کرتے تھے۔ اس سے اللہ انہیں معاف فرمائے۔

انہیں کے گروہ کے ایک شخص خواجہ کمال الدین تھے جنہوں نے انگریزی پبلک کے سامنے بڑا تبلیغی کام کیا ہے خصوصاً ردِ مسیحیت میں۔

جمہور امت کو یہ چاہیئے تھا کہ اپنے حسن تدبیر سے اس گروہ کو رفتہ رفتہ اپنے میں جذب کر لیں۔" (صدق جدید۔ ۲۷ جون ۱۹۷۵ء)

(بشکریہ اخبار روشنی از سرینگر)

اَولیاءُ اللہ خوف وحُزن سے آزاد ہوتے ہیں اور ان کے خلاف منصُوبے باندھنے والے ہمیشہ ناکام ونامراد رہتے ہیں

خُطبہ جمعہ: مؤرخہ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۸۵ء فرمُودہ علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب۔ جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

اَلَا اِنَّ اَولیاءَ اللہ لاخوفٌ علیھم ولاھم یحزنون۔ الذین اٰمنوا وکانوا یتقون۔ .... لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ۔ لاتبدیل لکلمٰت اللہ۔ ذالک ھوالفوز العظیم ولایحزنک قولھم اِنَّ العزّۃ للہ جمیعًا۔ ھوالسمیع العلیم ——— (سورۃ یونس۔ ۶۲ تا ۶۵)

فرمایا: یہ آیات جو میں نے تلاوت کی ہیں سورۃ یونس کی چند آیات ہیں۔ جن میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ اولیاءاللہ کے مقابلے میں کھڑے ہوتے ہیں وہ کان کھول کر سن لیں کہ اولیاء اللہ خوف وحُزن سے آزاد ہوتے ہیں۔ اس جگہ خوف سے مراد ایسا خوف ہے جو ان کی ولایت کی نفی کر دے یعنے اس کا وقوعہ ثابت کر دے کہ وہ خدا کے ولی نہیں ہیں اور خدا کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں کیسے اولیاء وہ اولیاء جو ایمان میں کمال کے مالک ہوتے ہیں اور متقیانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایسے اولیاء کو اگرچہ خوف کے مواقع پیش آتے ہیں۔ اور ان کو دشمن خوف زدہ کرنے کی انتہائی کوشش بھی کرتے ہیں۔ تاکہ دشمن ثابت کرسکیں کہ ان کا خدا تعالےٰ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر فرمایا کہ لاخوفٌ علیھم ولاھم یحزنون۔ اللہ کے اولیاء ایسے خوف کا ہرگز شکار نہیں ہوتے کیونکہ خدا اپنے وعدہ کے مطابق انکی حفاظت کا سامان کر دیتا ہے۔ چونکہ خوف کا نتیجہ وقوع میں نہیں آتا اس لئے حُزن بھی پیدا نہیں ہوتا اس سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ دشمن ان کے قتل کے منصوبے بناتے ہیں اور اس سے انہیں خوف زدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں مسلم عوام کے غیظ وغضب کو اپنے کفر کے فتووں سے ہوا دیتے ہوئے ان کے قتل پر اکساتے ہیں۔ لیکن باوجود انتہائی کوشش کے انہیں ناکامی کا ہی منہ دیکھنا پڑتا ہے لایحیق المکر السیّئ الا باھلہ کے قانون کے ماتحت ان کی تمام تدبیریں اُلٹی انہی پر پڑتی ہیں۔

اللہ تعالےٰ ان کے مقابلہ میں نہ صرف ان کی حفاظت ہی کرتا ہے بلکہ اپنے ان محبوبین کے درجات بھی بلند کرتا چلا جاتا ہے۔ دیکھئے دشمنوں نے حضور صلعم کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اور اس میں ایک مخفی تدبیر یہ کی گئی کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی لیا گیا جو سب مل کر حضرت نبی کریم صلعم کو قتل کر دیں۔ اس طریق پر عمل کرنے سے ان کی غرض یہ تھی کہ بنو ہاشم سب قبائل کا مقابلہ نہ کرسکیں گے اور خون بہا پر راضی ہوجائیں گے جو ہم ادا کرکے معاملہ رفع دفع کرا لیں گے۔ مگر اللہ تعالےٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے:۔

واللہ یعصمک من النّاس

اللہ تعالےٰ لوگوں سے تیری حفاظت فرمائے گا اور ساتھ ہی فرمایا: انّ اللہ لا یھدی القوم الکافرین۔ یعنے اللہ تعالےٰ تیرے ان منکرین کو قتل کے ارادہ میں کامیابی کی راہ نہیں دکھلائے گا۔

ہجرت کی رات حضورؐ دشمنوں کے نرغے اور محاصرہ سے صاف بچ کر نکل جاتے اور غارِ ثور میں آکر پناہ لیتے ہیں۔ دشمن بھی پیچھا کرتے کرتے غار کے دروازہ پر پہنچ جاتا ہے۔ کھوجی یقین دلاتا ہے کہ اس غار کے اندر ہی ہیں لیکن کسی کو جھانک کر دیکھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو ان کے پاؤں نظر آرہے تھے۔ آنحضورؐ صلعم اپنے ساتھی ابوبکرؓ کی تسلی کے لئے فرماتے ہیں لاتحزن ان اللہ معنا۔ یہ کیسا عظیم الشان معجزہ ہے اور واللہ یعصمک من الناس کی پیشگوئی پوری ہونے کا دلآویز نظارہ ہے۔ کہ دشمن غار کے دروازہ پر کھڑے ہیں ان کا ساتھی سراغرسان کہتا ہے کہ یا تو اس غار کے اندر ہیں یا پھر آسمان پر چلے گئے ہیں۔ اس کے باوجود دشمنوں کو غار کے اندر جھانکنے کی بھی ہمت نہیں پڑتی اور اللہ تعالےٰ دشمن کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے اور ان کے خیال کو جھانکنے سے پھیر دیتا ہے دشمن جو اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آئے تھے انکے اس منصوبہ کو اللہ تعالےٰ نے ناکام بنا دیا۔ ولاھم یحزنون کے وعدہ کو پورا کرکے دکھلا دیا ہے۔

غور کیجئے ایسے خطرناک وقت میں حضور صلعم لاتحزن ان اللہ معنا، کتنے اطمینان سے فرماتے ہیں۔ یہ حوصلہ یہ اعتماد، یہ یقین بغیر مامور الٰہی کے اور کسے ہو سکتا ہے۔ اپنے زمانہ میں اپنے دَور کے مجدّد کی وساطت سے خدا تعالےٰ پر ایسے ہی یقین اور اعتماد کی نظیریں ہم نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ اللہ تعالےٰ نے احسان فرمایا۔ کہ صد چہاردہم کے مجدّد کا زمانہ ہم نے پایا جسے حدیث نبوی میں مسیح اور مہدی کے لقب سے پکارا گیا ہے۔ اس مجدّد کو بھی ایسے ہی دشمنوں سے واسطہ پڑا۔ ان کے قتل کے بھی منصوبے ہوئے، ان پر جھوٹے مقدمات بنا کر پھانسی دلوانے کی کوشش بھی کی گئی۔ فری میسن تحریک جس کا کام ہی اپنے مخالفین کو اپنے راستہ سے بزور شمشیر ہٹا دینا ہوتا ہے۔ فری میسنوں نے دوسری تمام قوموں کے ساتھ مل کر ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مگر حضرت مجدد کا بال بیکا نہ کر سکے کیونکہ خدا تعالےٰ نے انہیں فرمایا تھا کہ فری میسن تم پر مسلّط نہیں کئے جائیں گے۔ ادھر قرآن کریم کی یہ آیت واللہ یعصمک من النّاس۔ حضرت کو بھی الہام ہوئی تھی۔ کہ میں لوگوں سے تیری حفاظت کروں گا۔ سو خدا نے کرکے دکھا دی۔ اس زمانہ میں ایسے ہتھیار ایجاد ہو چکے تھے جن سے قتل نہایت آسان ہوگیا تھا اور ادھر واقعات بھی بتلا رہے ہیں کہ جن کو لوگوں نے قتل کرنا چاہا وہ قتل ہو گئے۔ لیکھرام قتل ہوا شردھانند قتل ہوا اور بعض دیگر آریہ لیڈر بھی قتل ہوئے۔ لیکن باوجود انتہائی درجہ کی دشمنی کے اور کفر کے فتوؤں کے اگر قتل نہیں ہوسکے تو حضرت مرزا صاحب قتل نہیں ہوسکے۔

جنگِ احزاب میں تمام عرب قبائل کی متحدہ فوجوں نے مل کر حضور صلعم اور آپ کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ منافقین نے شور مچایا کہ اب مسلمان نہیں بچ سکتے۔ مگر مؤمنوں نے کہا کہ یہ تو اللہ تعالےٰ کے اس وعدہ کے عین مطابق ہے۔ کہ دشمن ایک بار پورے زور اور بھرپور طاقت سے چڑھ کر آئے گا۔ مگر خدا تعالےٰ اس کے زور کا طلسم اپنی قدرت سے پاش پاش کر دے گا۔ بالکل اسی طرح حضرت مجدّدؒ (مسیح موعودؑ) کے مقابلہ میں بھی ہندو عیسائی اور مولوی اکٹھے ہو گئے اور اپنی متفقہ طاقت سے حضرتؒ اور حضرت کے مشن کو مٹانے کی کوشش کی۔ مگر اللہ تعالےٰ نے ان کی متحدہ سازشوں اور یورشوں کو ناکام بنا کر رکھ دیا۔ خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ کہ مقابلہ

میرے بندے سے نہیں بلکہ میرے ساتھ ہے۔ حدیث میں ہے۔ من عادیٰ لی ولیًا فقد اذنتہ للحرب۔ دیکھ لیجئے۔ حضرت مجدّد کے خلاف پادری کلارک کی سازش میں سب شریک ہو جاتے ہیں اور ایک آدمی کو تیار کرتے ہیں کہ عدالت کے روبرو وہ بیان دے کہ مجھے میرزا صاحب نے پادری کلارک کو قتل کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ منصوبہ بڑی احتیاط سے تیار کیا گیا ہے۔ بظاہر بچنے کے سامان نہیں ہیں، سازش میں قانون کے تقاضے پورے کر لئے گئے ہیں مگر خدا فرماتا ہے کہ میں تیرے دشمنوں کے منصوبوں اور سازشوں کو خاک میں ملا دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آتا ہے اور حضرت مجدّد باعزت بری ہو جاتے ہیں۔ فرمایا لاتبدیل لکلمات اللہ یعنی خدا کے یہ کلمات کہ ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا یہ ضرور پورے ہو کر رہیں گے اس زمانہ میں ان کلمات نے حضرت مرزا صاحب کے حق میں پورا ہو کر ثابت کر دیا کہ فی الحقیقت یہ خدا کا ہی کلام ہے اور یہ کہ سیدنا حضرت مرزا صاحب خدا کے فی الحقیقت ولی ہیں۔ ایک الہام میں حضورؑ کو فرمایا گیا ہے تو میرا ہو رہے سب جگ تیرا ہو حضورؑ فرماتے ہیں حضورؑ کے ایک مرید عبدالحمید نامی نے عیسائیوں کے سکھلانے پر یہ بیان دیا کہ حضورؑ نے اسے پادری کلارک کو قتل کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اس بناء پر یکم اگست ۱۸۹۷ء کو امرتسر کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے حضورؑ کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کر دیا اور چالیس ہزار روپیہ کا ضمانت نامہ اور ۲۰ ہزار کے مچلکہ کا حکم دیا لیکن اس سے قبل ۲۹ر جولائی ۱۸۹۷ء کو میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ ایک صاعقہ مغرب کی طرف سے میرے مکان کی طرف چلی آتی ہے لیکن نہ اس کے ساتھ کوئی آواز ہے۔ اور نہ اس نے کوئی نقصان کیا ہے۔ بلکہ وہ ایک ستارہ روشن کی طرح آہستہ حرکت سے میرے مکان کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔ اور میں اسی کو دُور سے دیکھ رہا ہوں۔ اور جب وہ قریب پہنچی۔ تو میرے دل میں تو یہی ہے۔ کہ یہ صاعقہ ہے مگر میری آنکھوں نے صرف ایک چھوٹا سا ستارہ دیکھا۔ جس کو میرا دل صاعقہ سمجھتا ہے۔ پھر اس کے بعد میرا دل اس کشف سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا۔ اور مجھے الہام ہوا:

ما ھٰذا الا تھدید الحکام

یعنی یہ جو دیکھا۔ اس کا بجز اس کے کچھ اثر نہیں۔ کہ حکام کی طرف سے ڈرانے کی کارروائی ہوگی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا۔

۲۹ر جولائی ۱۸۹۷ء کو حضور کو یہ کشف اور الہام ہوتا ہے۔ اور یکم اگست ۱۸۹۷ء کو امرتسر کا ڈپٹی کمشنر دشمنوں کے ساتھ مل کر حضور کے وارنٹ گرفتاری کے ساتھ ۴۰ ہزار کی ضمانت اور ۲۰ ہزار کا مچلکہ طلب کرتا ہے۔ مگر یہ وارنٹ کہیں راستہ میں گم ہو جاتا اور ڈسٹرکٹ گورداسپور تک پہنچنے ہی نہیں پاتا۔ ادھر دشمن اپنی کامیابی کی اُمید میں اس اُمید پر ریلوے اسٹیشن امرتسر پر جمع ہو جاتے ہیں کہ ابھی میرزا صاحب ہاتھوں میں ہتھکڑی کے ساتھ آتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ نے دشمنوں کو یہ خوشی حاصل کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ اور اپنے بندہ کو صاف بچا لیا۔ بعد میں ۷ر اگست ۱۸۹۷ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر کو احساس ہوا۔ کہ مَیں دوسرے ضلع کے لئے ایسا وارنٹ جاری کرنے کا مجاز ہی نہیں۔ چنانچہ اس نے اس وارنٹ کی تعمیل بذریعہ تار روک کر دی۔ جو پہلے ہی حکمتِ خداوندی سے گم ہو چکا تھا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی حضرت صاحب کے خاص دشمنوں میں سے تھا۔ وہ اس غرض کے لئے عدالت میں گیا کہ میرزا صاحب کو ہتھکڑی لگی دیکھوں۔ مگر وہاں جا کر کیا دیکھتا ہے کہ ڈپٹی کمشنر نے حضرت صاحب کو اپنے قریب کرسی پر بٹھایا ہوا ہے۔ مولوی محمد حسین نے بھی کرسی طلب کی۔ مگر اسے ڈانٹ دیا گیا اور لوگوں نے بھی اُسے ملامت کی۔ یہ خدا کی باتیں تھیں۔ جو پوری ہوئیں۔ جس طرح جنگِ احزاب میں سب قبیلے اکٹھے ہو کر حضور صلعم پر چڑھ آئے تھے اسی طرح حضور صلعم کے غلام حضرت میرزا غلام احمد علیہ السلام پر تین زبردست دشمن ہندو، عیسائی اور مولوی اکٹھے ہو گئے۔ ایک طرف تو یہ ہے کہ ساری قومیں ایک شخص کے خلاف متحد ہو جاتی ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ اسے مندرجہ ذیل الہامات میں دشمنوں کی ناکامی اور حضورؑ کی بریت کی بشارت دیتا ہے:۔

قد ابتلی المؤمنون یعنی مؤمنوں پر ایک ابتلاء آیا یعنی بوجہ اس مقدمہ کے تمہاری جماعت ایک امتحان میں پڑے گی پھر اس کے بعد یہ الہام ہوا کہ لیعلمن اللہ المجاھدین منکم ولیعلمن الکاذبین۔ یہ میری جماعت کی طرف خطاب ہے کہ خدا نے ایسا کیا تا خدا تمہیں جتلا دے کہ تم میں وہ کون ہے کہ اس مامور کی راہ میں صدق دل سے کوشش کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اپنے دعوے بیعت میں جھوٹا ہے سو ایسا ہی ہوا ایک گروہ تو اس مقدمہ اور دوسرے مقدمہ میں جو مسٹر ڈوئی صاحب کی عدالت میں فیصلہ ہوا صدق دل سے اور کامل ہمدردی سے تڑپتا پھرا اور انہوں نے اپنی مالی اور جانی کوششوں میں فرق نہیں رکھا اور دوسرا گروہ وہ بھی تھا کہ ایک ذرہ ہمدردی میں شریک نہ ہو سکے سو ان کے لئے وہ کھڑکی بند ہے جو ان صادقوں کے لئے کھولی گئی پھر یہ الہام ہوا:

"صادق آں باشد کہ ایّام بلا + مے گذارد بامحبت با وفا"

یعنی خدا کی نظر میں صادق وہ شخص ہوتا ہے کہ جو بلا کے دنوں کو محبت اور وفا کے ساتھ گذارتا ہے۔ پھر اس کے بعد میرے دل میں ایک اور موزوں کلمہ ڈالا گیا لیکن نہ اس طرح پر کہ جو الہام جلی کی صورت ہوگئی ہے بلکہ الہام خفی کے طور پر دل اس مضمون سے بھر گیا اور وہ یہ تھا،

گر قضا را عاشقے گردد اسیر + بوسد آں زنجیر را کز آشنا

یعنی اگر اتفاقاً کوئی عاشق قید میں پڑ جائے تو اس زنجیر کو چومتا ہے جس کا سبب آشنا ہوا۔ پھر اس کے بعد یہ الہام ہوا "ان الذی فرض علیک القرآن لرادّک الیٰ معاد انی مع الافواج اتیک بغتۃ یاتیک نصرتی انی انا الرحمان ذوالمجد والعلیٰ۔ ترجمہ:۔ یعنی وہ قادر خدا جس نے تیرے پر قرآن فرض کیا پھر تجھے واپس لائے گا یعنی انجام بخیر و عافیت ہوگا میں اپنی فوجوں کے سمیت (جو ملائکہ ہیں) ایک ناگہانی طور پر تیرے پاس آؤں گا میں رحمت کرنے والا ہوں میں ہی ہوں جو بزرگی اور بلندی سے مخصوص ہوں یعنی میرا ہی بول بالا رہے گا۔

پھر اس کے بعد یہ الہام ہوا کہ مخالفوں میں پھوٹ اور ایک شخص متنافس کی ذلّت اور اہانت اور ملامت خلق اور پھر آخیر حکم (ابراء فیہ شئ) یعنی بے قصور ٹھہرانا۔ پھر اس کے بعد الہام ہوا یعنی بریت تو ہوگی مگر اس میں کچھ پیچ ہوگی (یہ اس نوٹس کی طرف اشارہ ہے جو بری کرنے کے بعد لکھا گیا تھا کہ طرز مباحثہ نرم چاہیئے۔ پھر اس کے بعد یہ بھی الہام ہوا کہ "بلجت ایاتی" کہ میرے نشان روشن ہوں گے اور ان کے ثبوت زیادہ سے زیادہ ظاہر ہو جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس مقدمہ میں جو ستمبر ۱۸۹۹ء میں بعدالت مسٹر جے آر ڈرمنڈ صاحب بہادر میں فیصلہ ہوا عبدالحمید ملزم نے دوبارہ اقرار کیا کہ میرا پہلا بیان جھوٹا تھا۔ اور پھر الہام ہوا کہ "لواء فتح" یعنی فتح کا جھنڈا۔ پھر اس کے بعد الہام ہوا انما امرنا اذا اردنا شیئًا ان نقول لہ کن فیکون۔ یعنی ہمارے امور کے لئے ہمارا ایسا ہی قانون ہے کہ جب ہم کسی چیز کا ہو جانا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہمارے مجدّد کے متعلق ہمارا ۱۳م کا فیصلہ خاص وقوع میں آگیا۔ مقدمہ سے تین ماہ قبل پہلے مندرجہ ذیل الہام اس ابتلاء کے بارے میں ہوئے۔ "قد ابتلی المؤمنون ما ھٰذا الا تھدید الحکام ان الذی فرض علیک القرآن لرادّک الیٰ معاد انی مع الافواج اتیک بغتۃ یاتیک نصرتی انا الرحمان ذوالمجد والعلیٰ مخالفوں میں پھوٹ ...... اور ایک شخص متنافس کی ذلّت اور اہانت اور ملامت خلق اور آخیر حکم ابراء بے قصور ٹھیرانا بلجت ایاتی۔ مامورین عظام کے دشمنوں کو جو ان کے مٹانے کی کوشش کرتے ہیں

اللہ تعالےٰ پُر زور الفاظ میں فرماتا ہے امّن ھٰذا الذی ھو جند لکم ینصرکم من دون الرحمان ان الکفرون الا فی غرور یعنی ہمارے مامورین عظام کے دشمنو! کیا وہ جو تمہارا لشکر ہے جس پر بھروسہ کرکے تم سمجھتے ہو کہ تم ہمارے اولیاء کو ناکام بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گے کیا یہ تمام لشکر خدا کا مقابلہ کر سکے گا یہ تمہارا دھوکا ہی دھوکا ہے۔

چنانچہ حضورؑ کا الہام "ایک شخص متنافس کی ذلت اور اہانت اور ملامت خلق" مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے حق میں پورا ہوا۔ حضورؑ کو الہام ہوا۔ کہ ان سب مقدمات سے باعزت بریت ہوگی ان تمام ابتلاؤں اور مقدمات میں حضور ذرہ نہیں گھبرائے۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں

صادق آں باشد کہ ایام بلا + می گذارد با محبت باوفا
گر قضا را عاشقے گردد اسیر + بوسد آں زنجیر کز آشنا

یعنی اتفاقاً اگر کوئی عاشق قید میں پڑ جائے تو اس زنجیر کو چومتا ہے۔ جس کا سبب آشنا ہو۔ حضرت صاحب کو الہام ہوا۔ کہ فوجوں کے ساتھ تیرے پاس آؤں گا، مخالفوں میں پھوٹ پڑ گئی یعنی ان کا اصلی گواہ ان کا مخالف ہو گیا۔ چنانچہ پادری کلارک کے مقدمہ میں ان کے اصلی گواہ نے اپنے پہلے بیان کے جھوٹے ہونے کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ اس سازش سے بھی پردہ سرکایا پھر اس جھوٹے گواہ پر مقدمہ چلا۔ اور اس نے اپنے پہلے بیان کے جھوٹا ہونے کا دوبارہ اعتراف کیا۔ اسے کہتے ہیں۔ کہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔

پھر ایک بار حضرت صاحب پر ایک سازش کے ساتھ عدالت کے آخری وقت میں جرمانہ کرنے اور اس طرح عدم ادائیگی جرمانہ کی وجہ سے جیل بھیجنے کا منصوبہ بنایا گیا کیونکہ دوسرے دن تعطیل تھی۔ مگر یہ منصوبہ بھی اللہ کے فضل سے ناکام ہو گیا، حضرت کا الہام ہے دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا مگر خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔

حضرت کے عہد میں اس ملک میں ۸ برس طاعون رہی۔ مگر خدا تعالےٰ کے وعدہ انی احافظ کل من فی الدار کے مطابق تمام گھر والوں کی اور دوسری طرف دوسرے الہام کے مطابق مخلص احمدیوں کی اللہ تعالےٰ نے معجزانہ طور پر حفاظت فرمائی اور الہام انی احافظک خاصۃً کے ماتحت حضورؑ کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا۔ انہی دنوں حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی رح کو شدید بخار ہو گیا۔ حتیٰ کہ امیر مرحوم نے وصیت بھی تحریر کرا دی۔ جب حضرت صاحب کو پتہ لگا۔ تشریف لائے اور نبض پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ "اگر آپ کو طاعون ہو جائے تو میں اللہ کی جانب سے نہیں ہوں" خدا کی شان ہے کہ حضرت کے نبض پر ہاتھ رکھتے ہی تپ دور ہو گیا اور یوں خدا تعالےٰ کا حضرت صاحب سے کیا ہوا وعدہ پورا ہوا کہ میں تیرے مخلص مریدوں کو بھی طاعون سے محفوظ رکھوں گا اور ساتھ ہی جماعت کے متعلق بھی وعدہ تھا کہ وہ نمایاں طور پر محفوظ رہے گی اور اس کی حفاظت کو محسوس کر کے لوگ جوق در جوق احمدی ہونے شروع ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

یہ بشارتوں سے بھرے ہوئے الہامات صرف ۲۹/جولائی ۱۸۹۷ء یعنی وارنٹ گرفتاری جاری ہونے سے تین دن قبل ہی نہیں ہوئے بلکہ تین ماہ قبل بھی ایسی ہی بشارتیں حضورؑ کو ملیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

کیا حضرت نبی کریم صلعم کو تمہارے لشکر ناکام بنا سکے اور کیا آنحضور صلعم کے غلام حضرت مسیح موعودؑ کو ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی متحد ہو کر ناکام بنا سکے۔ خدارا ان واقعات سے عبرت پکڑو۔ ہماری ڈھیل سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ ہمارا قانون یہ ہے سنستدرجھم من حیث لایعلمون واملی ان کیدی متین۔ خدا کی گرفت سے ڈرو وہ جب عمل میں آتی ہے تو کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی حضرت نبی کریم صلعم کے زمانہ میں جب اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو مقابلہ کی اجازت ان الفاظ میں دی اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر تو کیا منکرین کی طاقتیں خدائی نصرت کو آنے سے روک سکیں، کیا وہ بالآخر مغلوب نہ ہوئیں۔ اسی طرح آنحضور صلعم کے غلام مسیح موعودؑ کی سچائی ظاہر کرنے کے لئے خدائی لشکر طاعون کی شکل میں حملہ آور ہوا تو کیا اس کو کوئی روک سکا اور کیا اس نے دشمنوں کے کیمپ میں ہل چل نہ مچا دی اور ان کے خیموں میں قیامت برپا نہ ہوئی اور کیا لاکھوں انسان لقمۂ اجل نہ بنے اور کیا قریباً آٹھ سال تک مخالفین ہلاکت کی چکی میں پستے نہ رہے اور کیا خدا کا یہ وعدہ کہ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا طاعون اور ہیضہ وغیرہ وباؤں کی شکل میں پورا نہ ہوا۔ کیا خدا نے رمضان کے مہینہ میں مقررہ تاریخوں پر چاند اور سورج گرہن لگا کر حضور کا مہدی ہونا ثابت نہ کر دیا اور کیا جلسہ مذاہب اعظم کے موقعہ پر حضور کے ذریعہ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر کے دکھلا کر ثابت نہیں کر دیا کہ حضور ہی مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے مصداق تھے یہ خیال کہ دو الگ الگ شخص مراد ہیں کیا غلط ثابت نہیں ہو گیا، اور کیا حدیث لا مھدی الا عیسیٰ عملی طور پر صحیح ثابت نہیں ہوئی ایسے ولی کے متعلق جو حدیث میں آیا ہے کہ مہدی کے پاس اگر گھٹنوں کے بل برف پر چل کر بھی جانا پڑے تو جاؤ اور اس کے ساتھ مل کر خدمتِ دین کا فریضہ سرانجام دو کیا مسلمانوں کا فرض نہیں کہ اس حدیث پر عمل کر کے سیدنا حضرت مرزا صاحب کا ساتھ دیں۔ خدا انہیں توفیق عطا فرما۔ آمین لایحزنک قولھم ان العزۃ للہ جمیعاً ان کی گفتگوئیں اور منصوبے جو تجھے لوگوں کی نظر میں گرانے اور تجھے بے عزت کرنے کے لئے عمل میں لا رہے ہیں تجھے غمزدہ نہ کریں عزت سب خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے وہ ان کے منصوبوں کو اور تمہاری دعاؤں کو سن رہا ہے اور اس کے علم میں ہے کہ کس طرح وہ انہیں ناکام اور تمہیں کامیاب کرے گا۔

فوق النفس مراقبہ ——— بسلسلہ صفحہ ۵

(۵) صبح کو ایک وقت میں مراقبہ ۲۰ منٹ تک کرنا اور منتر پڑھنا ہے اور شام کو بھی اسی طرح۔ کھانا کھانے کے بعد اور سونے سے پہلے یہ عمل نہیں کرنا۔ ویسے گھر میں۔ ٹرین میں۔ موٹر کار۔ ہوائی جہاز کہیں بھی یہ عمل ہو سکتا ہے۔ پس طالب علم یہ سب کچھ سیکھ کر گھر جا سکتا ہے۔

"... ٹی ایم" کورس کے متعلق اس کے شاگردوں کے مختلف خیالات ہیں۔ ایک نے تو کہا جب میں مراقبے میں جاتا ہوں تو سو جاتا ہوں اور منتر وغیرہ بھول جاتا ہوں میرے تو پیسے ضائع گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمارے بلڈ پریشر میں کمی آگئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ طبیعت میں سکون اور جھگڑالو پن کم ہو گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہماری سگرٹ نوشی اور شراب خوری کم ہو گئی ہے۔ مگر ایک امر واضح ہے۔ مہارشی جی کسی شاگرد کو یہ نہیں کہتے کہ شراب خوری چرس پینا۔ جوا بازی اور حرامکاری چھوڑ کر یہ مراقبہ کرو۔ اس لئے انسان کی روحانی ترقی یا تسکین تو خاک نہیں ہوتی۔

(۷) مہارشی جی نے۔ شہر فیئر فیلڈ آیووا امریکہ میں ۱۸۵ ایکڑ زمین میں ایک مہارشی انٹرنیشنل یونیورسٹی قائم کی ہوئی ہے۔ ایک انسٹی ٹیوٹ اور ریسٹ ہاؤس نیویارک کے کیٹس کل پہاڑوں میں ۲۶۵ ایکڑ زمین میں پھیلا ہوا ہے۔ یہاں ان کا ایک ۳۵۰ کمرے کا ہوٹل بھی ہے۔ اور ایک فرسٹ کلاس چھاپہ خانہ جہاں ان کی کتب چھپتی ہیں اور ایک پورا ٹیلی ویژن کا اسٹوڈیو بھی ہے۔ اسی طرح بمقام ویگیس سوئٹزرلینڈ میں ایک مہارشی یورپین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی قائم ہے۔ اور ۸۹ ملکوں میں سنٹر ہیں۔ ان کا ہیڈ کوارٹر لاس اینجلس امریکہ میں ہے۔ جو ان کی اپنی بلڈنگ ہے اور اس میں ساتھ

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

محترم جناب شکراللہ خان منصور صاحب

تحریکِ احمدیت اور غلام احمد پرویز

بسلسلہ اشاعت مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۷۵ء

پرویز صاحب کی ایک بد دیانتی "تدریجی نبی" کے دعویٰ کا استدلال ہے جس کی حقیقت ہم دیکھ چکے ہیں۔ ان کی دیگر بد دیانتیوں۔ بے انصافیوں۔ جھوٹوں اور جھوٹے الزاموں کے ذکر سے پہلے حضرت مرزا صاحب کی جماعت (احمدیہ) کے عقاید اور غلام احمد پرویز صاحب کے نظریات جاننا نہایت دلچسپ اور معلومات افزا ہوگا۔

جماعت احمدیہ کے عقائد

حضرت مرزا صاحب کی جماعت کے عقاید وہی ہیں اور وہی ہو سکتے ہیں جو آپؑ نے اپنی تحریروں میں خود بیان کئے ہیں۔ یاد رہے کہ آپ کے اور آپ کی جماعت کے وہ عقاید ہرگز نہیں ہو سکتے جو مخالف منسوب کریں یا کوئی "غالی مرید" خود اختراع اور اختیار کریں۔ حضرت اقدسؑ کے بیان کردہ عقاید مفصل حوالہ جات کے ساتھ متعدد بار لکھے جا چکے ہیں۔ اسجگہ بالاختصار درج کر دیئے جاتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب اور آپؑ کی جماعت:۔

(۱) تمام امور جن پر سلف صالح کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ تمام امور جو اہل سنت والجماعت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض یقین کرتے ہیں۔ (ایام الصلح)

(۲) سنت جماعت کے عقیدہ کے مطابق سب باتوں کو مانتے ہیں جو قرآن و حدیث سے مسلّم الثبوت ہیں اور جو اہل سنت والجماعت مانتے ہیں۔ (آسمانی فیصلہ)

(۳) تمام ارکانِ اسلام صوم۔ صلوٰۃ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ کلمہ طیبہ پر کاربند اور تمام اجزائے ایمان کے قائل ہیں۔ (ایام الصلح)

(۴) جو کوئی شریعت اسلام میں سے ایک ذرّہ کم کرے یا ایک ذرّہ زیادہ کرے وہ ان کے نزدیک بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے (ایام الصلح)

(۵) قرآن شریف کی شرائع اور حدود سے اور اس کے احکام و اوامر سے ایک شعشہ یا نقطہ زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے یہ ان کا ایمان ہے۔ (ازالہ اوہام)

(۶) اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام قرآنی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیلی یا تغیر کر سکتا ہو۔ جو ایسا خیال کرے وہ ان کے نزدیک جماعت مومنین سے خارج ملحد اور کافر ہے۔ (ازالہ اوہام)

(۷) حضرت بانیٔ اسلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء خاتم المرسلین اور قرآن شریف کو خاتم کتب سماوی مانتے ہیں۔ (ازالہ اوہام)

(۸) آنحضرتؐ کے بعد نبوت کے مدعی کو کاذب اور کافر جانتے ہیں۔ اور مانتے ہیں کہ وحی رسالت جو حضرت آدم صفی اللہ سے شروع آنحضرتؐ پر ختم ہو گئی۔

اور مانتے ہیں کہ:۔

(۹) اللہ تعالےٰ نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ولٰکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ (خط اخبار الحکم)

(۱۰) قرآن شریف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور کامل پیروی کر کے کاملین اُمّت اللہ تعالےٰ سے ہمکلام اور صاحب کرامات ہو جاتے ہیں۔ (براہین احمدیہ)

(۱۱) مقامات ولایت اور محدثیت پر لغوی۔ مجازی۔ جزوی یا ناقص مفہوم اور اصطلاح خاص لفظ نبوت کا استعمال جائز ہے جیساکہ اکابر و مسلمہ اولیاء۔ آئمہ اور علمائے اسلام سلف نے لکھا ہے۔ اس سے ختم نبوت کا انکار یا دعوےٰ نبوت کا اقرار مراد نہیں ہوتا۔ (انجام آتھم)

اور حضرت مرزا صاحب نے بتاکید فرمایا:۔

"ہم محض دینِ اسلام کے خادم بن کر دنیا میں آئے ہیں اور دنیا میں بھیجے گئے ہیں نہ اس لئے کہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین بناویں ...... ہم محض خادم دین اسلام ہیں اور یہی ہمارے ظہور کی علت غائی ہے۔ ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے۔ اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمیں بجز خادم اسلام ہونے کے اور کوئی دعوےٰ بالمقابل نہیں ہے اور جو شخص ہماری طرف اس کے خلاف منسوب کرے وہ ہم پر افتراء کرتا ہے سو مناسب ہے کہ کوئی شخص اس ہدایت کے برخلاف کچھ بھی دل میں نہ رکھے ورنہ وہی خدا تعالےٰ کے نزدیک اس کا جواب دہ ہوگا اگر ہم اسلام کے خادم نہیں ہیں تو ہمارا سب کاروبار عبث اور مردود اور قابلِ مواخذہ ہے۔" (خط اخبار الحکم ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء)

"ہم آسمان اور زمین کو اس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے اور جو شخص مخالف اس مذہب کے کوئی اور الزام ہم پر لگاتا ہے وہ تقوےٰ اور دیانت کو چھوڑ کر ہم پر افتراء کرتا ہے اور قیامت میں ہمارا اس پر یہ دعوےٰ ہے کہ کب اس نے ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھا کہ ہم باوجود ہمارے اس قول کے دل سے ان اقوال کے مخالف ہیں الا ان لعنۃ اللہ علی الکاذبین والمفترین۔"
(ایام الصلح صفحہ ۸۷)

مزید براں حضرت اقدسؑ مرزا صاحب اپنی جماعت میں شامل ہونے والوں کے لئے حسب ذیل شرائط مقرر فرماتے ہیں:۔

"یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ظاہر طور پر بیعت کر لی ہے۔ ظاہر کچھ چیز نہیں۔ خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اسی کے موافق تم سے معاملہ کرے گا۔ دیکھو میں یہ کہکر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اس کو مت کھاؤ۔ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے۔ اس سے بچو۔ دُعا کرو تا تمہیں طاقت ملے۔ جو شخص دُعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے قمار بازی سے بد نظری سے اور خیانت سے رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دُعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ماں باپ کی خدمت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو قرآن کے خلاف نہیں ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے

کے ساتھ برتاؤ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنےٰ ادنےٰ خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک زانی۔ فاسق شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب۔ ظالم۔ دروغگو۔ جعلساز اور ان کا ہمنشین وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانے والا جو اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ یہ سب زہریں ہیں تم ان زہروں کو کھا کر کسی طرح بچ نہیں سکتے۔"

(کشتیٔ نوح صفحہ ۱۷-۱۸)

تعجب ہے کہ ۱۹۷۴ء کے پاکستانی واضعینِ آئین نے اس جماعت کو غیر مسلم کیوں لکھدیا ہے؟ حالانکہ حسب شریعت اسلام کسی شخص کے مسلم ہونے کے لئے اس سے زائد کسی اور اعتقاد اور عمل کی ضرورت نہیں۔ سب سے اوّل و آخری اور قطعی حق۔ فرض اور اختیار مسلم کی تعریف کرنے کا حضرت بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔ چنانچہ آپ نے یہ تعریف الفاظ مندرجہ ذیل میں بیان فرمائی ہے:۔

من صلّٰی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالك المسلم لہٗ ذمۃ اللہ و ذمۃ الرسول اللہ (ترجمہ) جو شخص ہماری نماز پڑھتا ہے اور بوقت نماز ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے وہ مسلم ہے اور اس کے مسلم ہونے کے ذمہ دار خدا اور خدا کا رسول ہیں۔

اس تعریف کی رُو سے احمدی جماعت جس کے عقاید۔ صفات اور شرائط اُوپر درج ہیں پکے مسلم ہیں۔ اس تعریف کے بالمقابل پاکستانی حکومتِ وقت نے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو "غیر مسلم" کی ایک تعریف وضع کی ہے۔ جس کی بناء پر جماعتہائے احمدیہ قادیانی اور لاہوری ہر دو کو آئین و قانونِ پاکستان کے مقاصد کے لئے "غیر مسلم اقلیت" قرار دے دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ ہر دو تعریفیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ "مسلم کی تعریف" اور پاکستانی آئین کی غیر مسلم کی تعریف" باہم ٹکراتی ہیں جس سے مندرجہ ذیل نتائج پیدا ہوتے ہیں:۔

(۱) بعض وہ اشخاص جو آنحضرت کی فرمودہ مسلم کی تعریف کی رُو سے مسلم ثابت ہوتے ہیں آئینِ پاکستان کی غیر مسلم کی تعریف کے مطابق غیر مسلم ہونگے۔

(۲) بعض وہ اشخاص جو آئین پاکستان کی "غیر مسلم" کی تعریف کی رُو سے "غیر مسلم" ثابت ہوتے ہیں آنحضرت صلعم کی فرمودہ تعریف کے مطابق مسلم ہوں گے

(۳) آئین پاکستان میں ختم نبوت کے بعد "نیا نبی" دنیا میں لانے والے قادیانی افراد کو تو غیر مسلم قرار دے دیا گیا ہے مگر "پُرانا نبی" لانے والے بیشمار غیر احمدیوں کو "مسلم" میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ تمیز و تفریق خود آئینی ترمیم میں بھی پائی نہیں جاتی۔

(۴) جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے وہ تمام لوگ جو احمدی نہیں یعنے شیعہ سُنّی اہلِ حدیث۔ اہلِ قرآن۔ نیچری۔ سوشلسٹ۔ کمیونسٹ اور پرویزی الخیال سب کے سب "سرکاری مسلمان" بن گئے ہیں اور احمدی "غیر سرکاری مسلمان"

بہر حال ترمیم آئین کا یہ فیصلہ حکومت وقت کا فیصلہ ہے جو قوّتِ اکثریت کی بناء پر کیا گیا ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ دینی نہیں بلکہ سراسر ایک سیاسی فیصلہ ہے جیسا کہ ترمیم مذکور کے الفاظ سے عیاں ہوتا ہے۔ اور بوجوہات مندرجہ بالا غیر معقول اور غیر منصفانہ دکھائی دیتا ہے۔ مگر پاکستان کی حد تک کسی کو اس سے چارۂ انکار نہیں ورنہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے بار بار واضح کیا ہے کہ انہیں دیگر مسلمانوں سے ماسوا ایک مسئلہ حیات و وفات عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام کے اور کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) "یاد رہے کہ ہم میں اور ان لوگوں میں بجز اس مسئلہ کے اور کوئی مخالفت نہیں یعنے یہ کہ یہ لوگ نصوص صریحۂ قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی حیات کے قائل ہیں اور ہم بموجب نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ متذکرہ بالا کے اور اجماع آئمہ اہلِ بصارت کے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں" (ایام الصلح صفحہ ۸۷)

(۲) "میری نسبت سوا بجز میرے دعوئے وفات مسیح اور مثیلِ مسیح ہونے کے اور اعتراض تراشے گئے ہیں وہ سب غلط اور ہیچ اور صرف غلط فہمی کی وجہ سے کئے گئے ہیں" (اشتہار ۲۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء)

غلام احمد پرویز } حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے منقولہ بالا عقاید کے بیانات سے مبرہن ہے کہ آپ خود کو اور اپنی جماعت کو "اہلِ سنّت والجماعت" میں شامل کرتے ہیں اور بحیثیت منجانب اللہ مامور مجدد اہل سنت والجماعت فرقۂ اسلام کے عقائد کی صحت و صداقت کی تصدیق کرتے ہیں۔ لیکن جناب غلام احمد پرویز صاحب کو یہ مذہب اور نظریہ ہرگز پسند نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بایں ہمہ حضرت مرزا صاحب اور ان کی جماعت غیر مسلم ہے مگر خود اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ پھر اپنے مسلمان ہونے کے ثبوت میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:۔

"طلوع اسلام الگ بزموں۔ الگ سینٹرل۔ الگ کنونشنوں اور الگ درسوں کے باوجود کوئی فرقہ نہیں ہے اس لئے کہ اس نے نماز۔ روزہ وغیرہ میں کوئی نیا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ یہ خالص فکری تحریک ہے اس لئے اس میں فرقہ بندی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ اس کے درسوں۔ بزموں۔ کنونشنوں میں ہر فرقہ کے مسلمان شامل ہوتے ہیں اور اپنے اپنے طریقہ پر ارکانِ اسلام کی ادائیگی کرتے ہیں۔ اس باب میں اس کی شدّت احتیاط کا یہ عالم ہے کہ یہ اپنے اجتماعات میں نماز باجماعت کا کوئی اہتمام نہیں کرتا۔ اور ان میں شامل ہونے والوں سے تاکیداً کہتا ہے کہ وہ آس پاس کی مسجدوں میں جا کر نماز پڑھیں۔"

(طلوعِ اسلام ماہ جون ۱۹۷۵ء)

حقیقت دراصل یہ ہے کہ پرویز صاحب کسی مسلمان فرقہ کی نماز کو صحیح نہیں سمجھتے کہ ان کے نظریہ کے مطابق تمام مسلمان فرقے جو نماز پڑھتے ہیں غیر قرآنی ہے اور کہ قرآن کریم میں جو قیام الصلوٰۃ کا حکم ہے اس سے مراد مسلمانوں والی نماز نہیں بلکہ حکومتی نظام ہے اسی وجہ سے وہ ایسی نماز پڑھنے کے قائل نہیں نہ ہی اپنے درسوں۔ بزموں اور کنونشنوں میں نماز باجماعت کا اہتمام کرتے ہیں ان کا یہ کہنا کہ وہ بھی فی الوقت مسلمانوں والی نماز ہی پڑھ لیتے ہیں محض دہوکا اور منافقت ہے۔ پرویز صاحب کی ذہانت اور فطانت بلا شک قابل داد ہے صریح منافقت کا نام شدّتِ احتیاط رکھتے ہیں۔ بہر حال پرویز صاحب بقول خود شیعہ ہیں نہ اہلِ سنّت۔ اہلِ حدیث ہیں نہ اہلِ قرآن۔ نیچری ہیں نہ ملحد۔ سوشلسٹ ہیں نہ کمیونسٹ یعنے "ہونس ہیں نہ کاں" بلکہ "گونگڑ کاں" ہیں۔ جس طرف چاہتے جس کو چاہتے ہیں ٹھونگہ مار دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ کو چھوڑتے ہیں نہ آئمہ اربعہ کو۔ شیخ اکبر کو چھوڑتے ہیں نہ سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کو مجدد الف ثانیؒ کو چھوڑتے ہیں نہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو۔ اُمّتِ محمدیہ کے اولیاء کو چھوڑتے ہیں نہ عوام کو۔ اہلِ حدیث کو چھوڑتے ہیں نہ اہلِ قرآن کو۔ اور شیعہ کو چھوڑتے ہیں نہ سُنّی کو گویا کہ خود "دَبَرْ گُسْنَی" ہیں۔

پرویز صاحب کے نظریات } ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ شخص جو ساری اُمّت کو رگڑتا چلا جاتا ہے آخر خود اس کے اپنے عقاید اور نظریات کیا ہیں؟ پرویز صاحب اپنے نظریات کو پہلے ذرا دبے دبے الفاظ میں بیان کیا کرتے تھے۔ مگر آپ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام اور احمدیوں کی مخالفت کے بہانہ سے انہوں

نئی کتاب "ختم نبوت اور تحریکِ احمدیت" میں خوب کھل کر لکھ دیئے ہیں۔ ان کے یہ مسلّمہ نظریات مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۱) ختمِ نبوت کے دن سے کائناتِ عالم میں خُدا کسی سے کلام نہیں کرتا۔ کوئی کام نہیں کرتا۔ کوئی دخل نہیں دیتا نہ دخل اندازی کا کوئی اختیار رکھتا ہے۔

(۲) خدا اور انسان کا باہمی رابطہ اب منقطع ہے۔ انسان اس سے اب آزاد ہے اور خود مختار ہے۔

(۳) حضرت خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے چند ہی سال بعد آپ کی تمام اُمّت گمراہ ہوگئی۔ اپنے قول و عمل میں کلیتہً قرآن کریم سے الگ ہٹ گئی اور آج تک جادۂ صواب سے دُور چلی آ رہی ہے

(۴) قرآن کریم خدا کی آخری کتاب ہدایت ہے مگر گذشتہ چودہ سو سال میں کوئی شخص اسے صحیح نہیں سمجھ سکا اور اس پر نہ کسی نے صحیح عمل کیا ہے۔ بلکہ ہر کوئی الٹا چلا۔

(۵) قرآنی تعلیم کی حفاظت کا خدا نے خود ذمّہ لیا تھا۔ مگر مجوسی ایسے زبردست اور کایاں نکلے کہ انہوں نے ابتداء ہی سے اسے بگاڑ دیا۔ اور ایسا بگاڑا ہے کہ ابھی تک یہ تعلیم بگڑی صورت ہی میں چلی آ رہی ہے۔

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث کو مجوسیوں نے ایسا بگاڑا کہ بالکل ساقط الاعتبار اور ناقابلِ عمل ہو کر رہ گئیں۔ مسلمان مجوسیوں کی سازش کا اس بارے میں ایسا شکار ہوئے کہ آج تک شکار ہی چلے آ رہے ہیں۔

(۷) خدا کی طرف سے بذریعہ کشف و الہام یا مکالمہ کوئی علم ملنا صرف نبیوں سے خاص تھا غیر نبی اس سے از ازل تا ابد محروم ہیں۔ کسی غیر نبی کو کشف و الہام ہونا جھوٹا مجوسی عقیدہ ہے۔

یہ ہیں پرویز صاحب کے وہ معرکتہ الآراء نظریات جن کی بناء پر وہ خود کو مسلمان اور احمدیوں کو غیر مسلم کہتے ہیں۔ اگر انہی نظریات کا نام اسلام ہے تو صرف احمدی ہی نہیں ساری اُمّتِ محمدیہ اسلام سے خارج ہو جاتی ہے۔

پرویزی نظریات کے نتائج } پرویز صاحب کے ان نظریات سے بعض صریح نتائج نکلتے ہیں جو پرویز صاحب کو بھی یقیناً مسلّم ہیں اور ان کے حلقہ بگوش بھی ان سے انکار نہیں کر سکتے۔ وہ نتائج حسب ذیل ہیں :۔

(۱) خدا کا وجود ایک مردہ بُت کے برابر ہے۔ (نعوذ باللہ)
(۲) خدا سے دُعا فضول۔ طلب استمداد عبث اور عبادت لاحاصل ہے۔ اسے نفع یا نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔
(۳) محمد رسول اللہ صلعم آخری نبی ہیں مگر ناکام ہونے میں بے مثال ہیں۔ (نعوذ باللہ) (۴) قرآن کریم خدا کی آخری کتاب ہدایت ہے مگر چودہ سو سال سے اب تک بے اثر اور بیکار چلی آ رہی ہے۔ (نعوذ باللہ) (۵) قرآنی تعلیم کی حفاظت کی ذمّہ داری میں خدا بُری طرح فیل رہا ہے۔ (نعوذ باللہ) (۶) اُمّت محمدیہ کے اولیاء صوفیاء اور آئمہ ختم نبوت کو توڑنے والے مدعیان نبوت اور مفتری تھے۔
(۷) ان اولیاء۔ صوفیاء اور آئمہ کے معتقدین سب مسلمان ختم نبوت کے منکر گمراہ اور جھوٹے ہیں۔

اعوذ باللہ من هٰذه الهفوات و الخرافات۔

یہ ہیں وہ نظریات اور ان کے نتائج جنہیں پرویز صاحب "اسلام" کہتے ہیں۔ اور جن کی بناء پر وہ مجدد الوقت مامور ربانی حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو "غیر مسلم" کہتے ہیں۔ احمدیوں کو کافر خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔ اور جن کی بناء پر ساری اُمّتِ محمدیہ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں آج تک :۔

جو اولیاء ہوئے سو مفتری — جو صوفیاء ہوئے سو جھوٹے،
جو علماء ہوئے سو بے علم اور جو عوام ہوئے سو جاہل ہوئے ہیں۔

پرویز صاحب کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے چند ہی سال بعد آپؐ کی ساری کی ساری اُمّت ضلالت پر جمع ہوگئی مگر یہ صریح پرویزی جھوٹ ہے۔ نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے لا تجتمع الامتی الضلالت۔ کہ میری اُمّت ضلالت پر کبھی جمع نہ ہوگی۔ کیا آنحضرتؐ کا یہ ارشاد غلط ہے؟ نہیں! نہیں۔ غلام احمد پرویز دیوانہ ہے، پرویزی نظریات متذکرہ بالا کھُلا الحاد دہریت اور زندقہ ہے۔ مگر پرویز صاحب کی ڈھٹائی ملاحظہ ہو کہتے ہیں :

"دین کی اساسات کا استحکام میرے ایمان کا جزو ہے۔ تحفظِ ناموس رسالت میرے عشق کا تقاضا ہے یہی وجہ ہے کہ بچپن سے لے کر اس وقت تک میری زندگی کا لحہ لحہ اس کے لئے وقف رہا ہے۔"

(ختم نبوت اور تحریکِ احمدیت صفحہ ۳۰)

اور ہماری ان سے صرف اتنی گذارش ہے کہ محترم پرویز ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

کیا "اساساتِ دین" انہی نظریات کا نام ہے؟ اور "ناموسِ رسالت" انہی نتائج سے عبارت ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر وہ ہمیں بتلائیں کہ دین اسلام کی جڑوں پر تیر آزمائی اور ناموسِ رسالت کی بے حرمتی اور کسے کہیں گے؟ زمانے کی یہ ستم ظریفی ہے کہ مامور ربّانی حضرت مرزا غلام احمد اور ان کی جماعت اپنے عقاید متذکرہ بالا کے باوجود غیر مسلم خارج از اسلام ہیں مگر غلام احمد پرویز صاحب اپنے مذکورہ نظریات کے ساتھ پکے اور سچے مسلمان ہیں۔ پرویز صاحب جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں اس کا مطلب بالفاظ دیگر یہ ہے کہ خدا اور خدا کے رسُول کو ان کا احسانمند ہونا چاہیئے کہ انہوں نے چودھویں صدی میں اُٹھ کر اصل اسلام سے دنیا کو روشناس کرادیا ورنہ اصل اسلام تا قیامت دنیا کی نظروں سے اوجھل رہتا جیسا کہ گذشتہ چودہ سو سال سے پرویز صاحب تک اوجھل چلا آیا تھا۔ خدا بھی بے بس دیکھتا رہ جاتا کیونکہ اسے نہ بولنا تھا نہ دخل دینا تھا اور نہ کوئی اختیار برتنا تھا اور خدا کے رسول بھی کف افسوس ملتے رہتے۔ العیاذاً باللہ۔ ؎

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

فوق النفس مراقبہ — بقیہ صفحہ ۹

کام کرنے والے ہیں۔ سو کے قریب کالج کیمپس میں ان کی کلاسیں لگتی ہیں۔ غرضیکہ مہارشی جی نے کافی جال پھیلایا ہوا ہے۔ اور دھڑا دھڑ دولت کما رہے ہیں۔ انہوں نے انسانی فطرت کی کمزوری سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اگرچہ روحانیت اور روحانی تسکین اور اطمینان قلب عنقا ہے۔ مگر میں اپنے قارئین کرام سے عرض کروں گا۔ کہ یہ شیطانی چرخے بڑی کامیابی سے چل رہے ہیں۔ اور ہم لوگ ایک سچے مذہب کو لے کر قحط الرجال اور فنڈز کی کمی کی وجہ سے حسرت سے چاروں طرف دیکھ رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں لیظھره علی الدین کلہ کا نظارہ بھی جلد دکھلائے۔ آمین۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مؤرخہ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — شمارہ نمبر ۴۳

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۲۳ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ - ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۵ء | نمبر ۴۴

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی دنیاوی برکات

دیکھو ایک غریب اور تنہا اور مسکین نے اپنے دین کے پھیلنے کے اور اپنے مذہب کے جھنڈا پکڑنے کی اس وقت خبر دی کہ جب اس کے پاس بجز چند بے سامان درویشوں کے اور کچھ نہ تھا اور تمام مسلمان صرف اس قدر تھے کہ ایک چھوٹے سے حجرے میں سما سکتے تھے اور انگلیوں پر نام بنام گنے جا سکتے تھے جن کو ایک گاؤں کے چند آدمی ہلاک کر سکتے تھے۔ جن کا مقابلہ ان لوگوں سے پڑا تھا کہ جو دنیا کے بادشاہ اور حکمران تھے اور جن کو ان قوموں کے ساتھ سامنا پیش آیا کہ جو باوجود کروڑوں مخلوقات ہونے کے ان کے ہلاک کرنے اور نیست و نابود کرنے پر متفق تھے مگر اب دنیا کے کناروں تک نظر ڈال کر دیکھو کہ کیونکر خدا نے انہیں ناتوان اور قدر قلیل لوگوں کو دنیا میں پھیلا دیا اور کیونکر ان کو طاقت اور دولت اور بادشاہت بخش دی اور کیونکر ہزارہا سال کی تخت نشینوں کے تاج و تخت ان کے سپرد کئے گئے۔ ایک دن وہ تھا کہ وہ جماعت اتنی بھی نہیں تھی کہ جس قدر ایک گھر کے آدمی ہوتے ہیں اور اب وہی لوگ کئی کروڑ دنیا میں نظر آتے ہیں۔ خداوند نے کہا تھا کہ میں اپنے کلام کی آپ حفاظت کرونگا اب دیکھو کیا یہ سچ ہے یا نہیں کہ وہی تعلیم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالےٰ کی طرف سے بذریعہ اس کی کلام پہنچائی تھی وہ برابر اس کی کلام میں محفوظ چلی آتی ہے اور لاکھوں قرآن شریف کے حافظ ہیں کہ جو قدیم سے چلے آتے ہیں۔

خدا نے کہا تھا کہ میری کتاب کا کوئی شخص حکمت میں، معرفت میں، بلاغت میں، فصاحت میں، احاطۂ علوم ربانیہ میں، بیانِ دلائل دینیہ میں مقابلہ نہیں کر سکے گا سو دیکھو کسی سے مقابلہ نہیں ہو سکا اور اگر کوئی اس سے منکر ہے تو اب کرکے دکھلاوے ...... اور

خدا نے کہا تھا کہ میں ارضِ شام کو عیسائیوں کے قبضے میں سے نکال کر مسلمانوں کو اس زمین کا وارث کرونگا اور یہ سب خبریں ایسی ہیں کہ جن کے ساتھ اقتدار اور قدرتِ الوہیت شامل ہے۔ یہ نہیں کہ نجومیوں کی طرح صرف ایسی ہی خبریں ہوں کہ زلزلے آویں گے قحط پڑیں گے قوم پر قوم چڑھائی کرے گی۔ وبائیں پھیلیں گی مری پڑیگی وغیرہ وغیرہ۔

اور بہ تبعیت خدا کے کلام کے اور اسی کی تاثیر اور برکت سے وہ لوگ کہ جو قرآن شریف کا اتباع اختیار کرتے ہیں۔ اور خدا کے رسولؐ مقبول پر صدق دلی سے ایمان لاتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں اور اس کو تمام مخلوقات اور تمام نبیوں اور تمام رسولوں اور تمام مقدسوں اور تمام ان چیزوں سے جو ظہور پذیر ہوئیں یا آئندہ ہوں بہتر اور پاک تر اور افضل اور اعلےٰ سمجھتے ہیں۔ وہ بھی ان نعمتوں سے اب حصہ پاتے ہیں اور جو شربت موسےٰؑ اور مسیحؑ کو پلایا گیا وہی شربت نہایت کثرت سے نہایت لطافت سے نہایت لذت سے پیتے ہیں اور پی رہے ہیں۔ اسرائیلی نور ان میں روشن ہیں۔ بنی یعقوبؑ کے پیغمبروں کی ان میں برکتیں ہیں۔ سبحان اللہ سبحان اللہ

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کس شان کے نبی ہیں۔ اللہ اللہ کیا عظیم الشان نور جس کے ناچیز خادم۔ جس کی ادنےٰ سے ادنےٰ امت۔ جس کے احقر سے احقر چاکر مراتب مذکورہ بالا تک پہنچ جاتے ہیں۔"

(براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۲ تا ۲۴۶ حاشیہ)

مکتوب برلن

برلین مسلم مشن کی تبلیغی مساعی کی رپورٹ

بابت ماہ جولائی - اگست ستمبر

رمضان کا مبارک مہینہ اور لیلۃ القدر } رمضان کا مبارک مہینہ ۸ر ستمبر کو شروع ہو کر ۷ر اکتوبر کو ختم ہوا۔ ماہ رمضان کے دوران سحور و افطار کے اوقات کا چارٹ مرتب کر کے مسلمان بھائیوں کو بذریعہ پوسٹ بھیجا گیا۔ اس چارٹ میں لیلۃ القدر کے منانے کا پروگرام اور اس میں شمولیت کی دعوت مسلمان بھائیوں کو لکھ بھیجی۔ خدا کے فضل سے رمضان کا مبارک مہینہ نہایت خوبی سے گزرا مسجد میں اجتماعات ہوئے۔ خدا کا نام بلند کیا گیا۔ دعائیں کی گئیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

نزول قرآن کی ۱۴۰۸ ویں برسی ۳ر اکتوبر بروز جمعہ "لیلۃ القدر" منائی گئی۔ مختلف اسلامی ممالک سے آئے ہوئے احباب جمع ہوئے۔ روزہ افطار کیا گیا۔ نماز مغرب کے ادا کرنے کے بعد ما حضر تناول کیا گیا۔ اس کے بعد قرآن کریم کی تلاوت سے پروگرام شروع کیا گیا۔ درود شریف مل کر پڑھا گیا اور اسے تین بار دہرایا گیا۔ ازاں بعد راقم الحروف نے قرآن کریم کے نزول پر اور اس کے کمالات کے موضوع پر تقریر کی۔ بعد میں سوال و جواب کے رنگ میں قرآن کریم کی تعلیمات کی مزید وضاحت کی گئی۔ خدا کے فضل سے یہ اجتماع رات دس بجے تک جاری رہا آخر میں نماز عشاء مل کر پڑھی گئی۔ اور احباب لیلۃ القدر کی برکات سے متمتع ہونے کی خواہش کو اپنے دلوں میں لئے ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔

عید الفطر کا اجتماع } ماہ رمضان کا مجاہدہ ختم ہونے پر ۷ر اکتوبر کو عید الفطر کے اجتماع میں شمولیت کے لئے مسلمان بھائیوں کو دعوت نامے بذریعہ پوسٹ بھیجے گئے۔ مسلمان بھائی جو مختلف اسلامی ممالک سے آئے ہوئے ہیں خوشی خوشی جمع ہوئے۔ ہمارے جرمن نومسلم بھائیوں نے بھی شمولیت کی۔ نماز ادا کی گئی۔ اس کے بعد خاکسار نے خطبہ دیا اور احباب کو عید مبارک کہی گئی۔ بعد میں چائے ڈبل روٹی مکھن وغیرہ پیش کئے گئے۔ احباب نے مل کر اسے کھایا اور اجتماع کی خوشی کو دوبالا کیا۔ تین بجے دوپہر تک بعض احباب میرے ساتھ رہے الحمد للہ یہ اجتماع بھی بخیر و خوبی و بعد خوشی سے انجام پایا۔

معراج شریف کا اجتماع } ۹ر اگست بروز ہفتہ معراج شریف کا اجتماع منعقد کیا گیا۔ احباب جمع ہوئے قرآن شریف کی تلاوت کی گئی۔ درود شریف پڑھا گیا۔ خاکسار نے معراج کے بارہ میں تقریر کی۔ تقریر کے بعد پھر سے درود شریف پڑھا گیا اور تقریر میں بیان کئے گئے واقعات پر تفصیلی گفتگو کی گئی۔ یہ سب اجتماعات حاضرین کے ازدیاد ایمان کا باعث بنے۔ الحمد للہ۔

احمدیہ کانفرنس لنڈن } لنڈن میں جماعت احمدیہ لاہور کے ممبروں کی کانفرنس منعقد ہوئی جو ۲۷ر اگست سے شروع ہو کر ۲۹ر اگست تک جاری رہی۔ دعوت ملنے پر اس میں شمولیت کی۔ فیجی - پاکستان - ہالینڈ - جرمنی - انگلستان - ٹرینیڈاد - سرینام - سے خواتین و حضرات کثیر رقم خرچ کر کے لنڈن پہنچے۔ سب نے مل کر نمازیں ادا کیں۔ مل کر کھانا کھایا۔ مل کر کانفرنس کے پروگرام میں حصہ لیا۔ تمام احباب سے مل کر مجھے دلی خوشی ہوئی۔ تمام احباب جماعت نے مل کر مجدد زمان حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی خدمات کو جو انہوں نے اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کے لئے بجالائی ہیں تہ دل سے سراہا اور اپنے اخلاص و اپنی محبت کو جو انہیں سلسلہ احمدیہ کے ساتھ ہے اس کا پُر جوش الفاظ میں حاضرین کے سامنے اظہار کیا۔ مقررین حضرات نے اس امر پر زور دیا کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد زمان ہیں مسیح موعود ہیں۔ آپ سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ نیز یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی دنیا میں نہیں آ سکتا۔ نہ نیا نہ پرانا۔ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی خدمات اور جماعت احمدیہ لاہور کی خدمت کو بیان کیا۔ مجھے بھی تقریر کرنے کا موقع ملا میں نے اپنی تقریر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ (۱) مسلمان کون ہے۔ (۲) انبیاء علیہ السلام کا رول تاریخ انسانی میں کیا رہا ہے۔ (۳) حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے دعوے مجددیت کی اہمیت کیا ہے۔ میں نے یہ تقریر انگریزی زبان میں کی میری یہ تقریر ۴۵ منٹ تک جاری رہی۔ خواتین نے مل کر نعتیں پڑھیں اور انہوں نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ حاضرین کے لئے خورد و نوش کا بھی انتظام کیا۔ تمام خواتین و حضرات مبارکباد کے مستحق ہیں۔

کانفرنس کے ختم ہونے کے بعد فیجی جماعت کے سرگرم رکن اور صدر جناب غلام نبی دین صاحب مسجد برلین کو دیکھنے کے لئے بھی گئے۔ دو دن ٹھہرے ہفتہ کے اجتماع کو دیکھا اور یوں مزید چند دن مل بیٹھنے کا موقعہ مل گیا۔ مسجد برلین میں آنے کی دعوت میں نے سب احباب کو دی تھی۔

برلین مسلم مشن اپنی تبلیغی مساعی میں ہمہ تن کوشاں رہا۔ جمعہ اور ہفتہ (؟) کے دن کے اجتماعات جاری رہے۔ ایسے اجتماعات میں خطبات دیئے گئے۔ قرآن کریم کی تعلیمات کو واضح کیا گیا۔ حاضرین کے سوالات کے جوابات دیئے گئے۔ ایسے بائیس اجتماعات میں مجھے تقاریر کرنے اور درس قرآن دینے کا موقعہ ملا۔

جرمن پادری سے گفتگو } ایک جرمن پادری جو ہندوستان میں متعین ہیں میرے پاس آئے تین گھنٹے میرے پاس ٹھہرے۔ اسلام اور عیسائیت کے بارہ میں مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی جو نہایت مفید رہی۔ (باقی برصفحہ کالم ۲)

"اشاعتِ اسلام کی کامیابی پر آسمانی دلیل"

مقالہ مندرجہ پیغامِ صلح مؤرخہ ۸ر اکتوبر ۱۹۷۵ء پر

چوہدری شکر اللہ خاں صاحب منصور کا تبصرہ

برائے غور و فکر اکابرین و ممبران جماعتِ احمدیہ لاہور

"مکرمی و محترمی ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اس پرچہ میں اداریہ جن صاحب* نے لکھا ہے۔ میں سو فیصدی اس کے ساتھ متفق ہوں۔ میرا مدتوں سے یہی خیال رہا ہے۔ میں اداریہ نویس موصوف کو قلبی مبارک باد دیتا ہوں کہ اس نے مدتوں بعد پیغام صلح میں حق اور صحیح بات لکھ دی ہے۔ اس جماعت کے لئے یہی صحیح راستہ ہے۔ ورنہ جماعت کا وجود غیر ضروری ہے اسی کی وجہ سے اس جماعت پر موجودہ حالات وارد ہوئے ہیں۔ اگر اب بھی جماعت اس راہ پر گامزن ہو جائے تو امید ہے اللہ تعالیٰ مشکلات کو رفع کر دیگا۔ اس زمانہ میں اشاعتِ اسلام "مامور ربانی" کے وجود کے بغیر ممکن نہیں۔ اشاعتِ اسلام کی طرف دنیا بغیر ایمان باللہ کے نہیں آ سکتی۔ اور ایمان باللہ کا پیدا ہونا مامور ربانی کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ثریا پر گیا ہوا ایمان وہ زمین پر واپس لائے گا۔ والسلام

شکر اللہ خاں منصور

* دراصل یہ اداریہ راقم الحروف کے انہی خیالات کا عکس ہے جو وہ اخبار ینگ اسلام میں ۱۹۳۴ء تا ۱۹۴۲ء تک احباب لاہور کے روبرو پیش کرتا رہا۔ (ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۵ء

دین کا حقیقی المیہ

یعنی

صفاتِ روحانیہ و اخلاقیہ کے نشو و نما سے تغافل

خوانِ تہی پڑا ہے وہ نعمت نہیں رہی
دیں بھی ہے ایک قشر حقیقت نہیں رہی (حضرت مسیح موعودؑ)

دین و مذہب کا حقیقی نصب العین روحانی صلاحیتوں کا ارتقاء ہے۔ اس نظریہ سے کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں۔

ظاہر ہے کہ انسان میں جسمانی و ذہنی نشو و نما کے علاوہ روحانی صفات کے ارتقاء کی خواہش و تڑپ بھی موجود ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص میں کوئی اعلیٰ روحانی جوہر اپنے کمال پر ظاہر ہو تو بے اختیار اس کے لئے دل سے تحسین و آفرین نکلے گی، اسی طرح اگر چند روحانی صفات کی کمال جلوہ گری زندگی میں ظاہر ہو تو کوئی انسان نہیں جو ایسے شخص کی جانب محبت اور عقیدت کے جذبات سے کشش نہ کرے، پھر اگر ایک جماعت اور گروہ جملہ روحانی صفات سے متصف ہو کر اتحاد و اخوت کے رشتہ میں منسلک ہو تو وہ کون شخص ہوگا جو ایسی جماعت کی طرف کشاں کشاں کھنچا چلا نہ جائے۔ روحانی صفات کا اظہار جسم کے افعال سے ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جسمانی افعال بھی روح پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ جسم و روح کا باہم گہرا رشتہ اور واسطہ ہے بلکہ روح جسم میں سے ہی پیدا ہوتی اور اسی میں نشو و نما پاتی ہے۔ ہر مذہب کا اصل منشاء روحانی صفات کا ارتقاء رہا ہے۔ اس نصب العین کے حصول کے لئے بعض ارکان و عبادات رکھے گئے ہیں لیکن ہر مذہب کا سب سے بڑا المیہ یہ ہوا ہے کہ جسمانی افعال یا ارکان و عبادات کی ظاہری بجا آوری کو ہی اصل مقصد جان کر اصل غرض یا روحانی صفات کے نشو و نما کی طرف سے یکسر غفلت برتی جاتی ہے لیکن باوجود ایسے تغافل کے یہ یقین کر لیا جاتا ہے کہ ہم نے دین کے مقصد کو پا لیا۔ مذہب کے ظاہرا ارکان ادا کرنے والا انسان اپنے خیال میں مذہب کے حقیقی مقصد کو پانے والا سمجھ لیتا ہے۔ گذشتہ ماہ صیام کے دوران ہم نے ان کالموں میں اسی حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی تھی اور قرآنی آیات سے ثابت کیا تھا کہ محض جسمانی حرکات سے خواہ وہ دینی ارکان و عبادات سے ہی کیوں نہ متعلق ہوں کچھ حاصل نہیں ہو جاتا جب تک ان کی تہ میں جو غرض انسانی روح پر اثر اندازی کی ہے وہ حاصل نہ ہو۔ چنانچہ ہم ان آیات کو مختصراً دہراتے ہیں۔

قرآن نے ان نمازیوں پر افسوس کیا ہے جو نماز پڑھنے کے باوجود نماز کی حقیقت سے غافل رہتے اور اسے محض دکھلاوے کے لئے ادا کرتے ہیں روزوں کے بارہ میں ان کا حقیقی نصب العین تقویٰ کا حصول بیان فرمایا۔ قربانی کے بارہ میں بھی یہ وضاحت فرمائی کہ خدا کو قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ ان کے ذریعہ تقویٰ کی راہ میں جو ترقی تم نے کی وہی خدا کو قبول ہوتی ہے۔ قبلہ رُو ہونے کے بارہ میں فرمایا کہ خدا کسی سمت میں محصور نہیں، اصل نیکی روحانی صفات کے ارتقاء میں ہی ہے۔ پھر قرآن کریم میں نیکی کی ان صفات کا مفصل بیان ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے ولٰکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر و اٰتی المال علیٰ حبہ...... والصّٰبرین فی البأساء والضراء وحین البأس حقیقی نیکی تو خدا اور آخرت پر ایمان لانے اور اپنے مال کو مستحقین کے لئے صرف کرنے اور مصائب، جنگ، بیماری کے وقت صبر و استقامت اختیار کرنے میں ہے۔

انفاق اموال کا صحیح طریق کار بھی یہ بتلایا جب اس کا محرک مخلوق کی سچی ہمدردی ہو نہ کہ اپنی شہرت یا دوسروں پر احسان جتلانا جیسے فرمایا لا تبطلوا صدقٰتکم بالمن والاذیٰ کالذی ینفق مالہ رئاء الناس۔ دیکھو صدقات کو احسان جتلا کر اور ریا کاری کے رنگ میں دیکر ضائع مت کرو۔

غرضیکہ کسی ظاہرا رُکن یا جسمانی فعل عبادت کے متعلق قرآن کریم نے وضاحت کی گنجائش باقی رہنے نہیں دی کہ اس سے حقیقی نصب العین حصول تقویٰ یا روحانی تربیت کا مقصد حاصل کرنا ہے۔ اور اگر روحانی و اخلاقی صفات میں ظاہرا افعال سے ترقی نہ ہوئی تو سب افعال بیکار و باطل گئے۔ اسقدر وضاحت و تکرار کے باوجود واقعات میں ہمیں یہی دکھلائی دیتا ہے کہ مثل دوسری اقوام کے مسلمانوں نے بھی ارکانِ دین و عبادات کو محض ظاہری نمود و نمائش اور ریاکاری کے طور پر یا خود انہیں مقصود بالذات شئے قرار دے لیا ہے۔ اسی لئے نتیجہ یہ ہے کہ جب روحانی و اخلاقی تبدیلی مقصد ہی نہیں تو ان میں وہ اعلیٰ صفات اُجاگر نہیں ہوتیں جب ظاہرا جسمانی افعال ہی مقصود بالذات اُمور ہو گئے جن کا اثر روح پر ہونا مدِ نظر ہی نہیں تو روح میں تبدیلی کیونکر آسکے؟

اس کوتاہ نظری کی اگر کوئی مثال دی جا سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ ایک مریض کسی حکیم کے پاس بغرض علاج جائے، اور وہ اسے پینے کے لئے دوائی دے مگر چونکہ دوائی کڑوی ہے، مریض اسے صرف اپنے جسم پر مَل کر مطمئن ہو جائے کہ میں نے دوائی کو استعمال کر لیا۔ کیا ایسا مریض کچھ فائدہ حاصل کر سکتا ہے؟ قرآن کریم کے روحانی نسخے انسانی روحوں کی امراض کے علاج کے لئے واقعی کارگر اور شفا دینے والے ہیں مگر ان کا اثر تب مرتب ہوتا ہے جب انسان ان سے اثر پذیر ہو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے نہایت درست فرمایا تھا کہ آخری زمانہ میں لوگ قرآن تو بہت پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا یعنی قرآن کریم کے ارشادات سے نہ تو واقفیت ہوگی اور نہ ہی انہیں اپنی روحوں میں جذب کرنے کی جدوجہد باقی رہ جائے گی۔ آج یہ وہی موعود زمانہ ہے جب زبانی اور تحریری قیل و قال تو بہت خوبصورت نظر آتی ہے لیکن قلوب ان کی اثر پذیری سے بکلی غافل، دور اور کورے پڑے ہوئے ہیں۔ ؎

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل + دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

حد تو یہ ہے کہ خود علمبردارانِ دینِ متین کی اپنی زندگیوں میں روحانی صفات کی نشو و نما کی طرف کوئی سعی نظر نہیں آتی۔ اس المیہ کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک "بیدین" اور "دیندار" شخص کی زندگیاں روحانی و اخلاقی اقدار کے لحاظ سے ایک جیسی بن چکی ہیں۔ فرق صرف یہ رہ گیا ہے کہ "دینداری" کا تقاضا یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ظاہرا ارکان و عبادات کی بجا آوری تک محدود ہو مگر باہمی معاملات میں، قلبی کیفیات میں کوئی فرق پیدا نہ ہو۔ زندگی کے اصل حقائق، کردار و سیرت کے جملہ فضائل، جذباتِ صادقہ، روحانی و اخلاقی اقدار کے عالی مراتب کی جھلک بھی کہیں نظر نہ آئے۔ اگر دین کا مقصد اسی زندگی میں روحانی و اخلاقی مدارج کی منازل کو طے کرنا ہے، اگر کفر و اسلام میں حقیقی فرق محض الفاظ و ظاہرا افعال کے علاوہ نیات، جذبات، سیرت کے عالی مقامات کا حصول ہے تو ان کی طرف کیوں کوئی توجہ نہیں؟ کیا اسی حالت کو حضرت مصلح زمان مجددِ دوران کے قلم حقیقت رقم نے بار بار اپنی تحریروں میں پیش نہیں کیا جیسے فرمایا:۔

"محض اسمی اور رسمی اسلام پر نازمت کرو" ("فتح اسلام")

مسلمان قوم اس وقت افراط و تفریط کی راہوں پر گامزن ہے ایک طبقہ نے اگر فروعی اختلاف یا بے عملی پر دوسرے کو کافر قرار دیا اور کلمہ طیبہ کی وحدت کی پروا نہ کی تو دوسرے نے قوم کے اصلاحی اقدامات کو غیر ضروری قرار دے دیا۔ چودھویں صدی کے مجددِ اعظم نے ہی دین کی روح پیدا کرنے کی طرف مسلمان قوم کو توجہ دلائی تھی اور ایمان و عمل صالح کی بنیادوں پر ایک جماعت کی تعمیر کر دکھلائی تھی۔

محترم شکر اللہ خاں منصور صاحب

تحریکِ احمدیت اور غلام احمد پرویز

گذشتہ سے پیوستہ

سیدھا سادا مسلمان پرویز صاحب کا رسالہ طلوع اسلام لکھتا ہے "پرویز کسی شخص کا نام نہیں یہ ایک تحریک کا نام ہے"
اور اسی رسالہ کے ماہ جون ۱۹۷۵ء کے پرچہ میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:۔

"یہ خالص فکری تحریک ہے"

اور اس خالص فکری تحریک کے نظریات اور اس کے مریح نتائج وہ ہیں جو ہم نے اُوپر لکھ دیئے ہیں۔ اختصاراً پھر سن لیجئے:۔

۱۔ خدا ایک مُردہ بُت ہے۔
۲۔ محمد رسول اللہ صلعم اُمّت کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے میں ناکام رہے۔
۳۔ قرآن کریم ابھی تک بسلسلۂ ہدایت صحیحہ بے اثر ہے۔
۴۔ قرآنی تعلیم کی حسب وعدہ حفاظت میں خدا فیل ہوا۔
۵۔ منجانب اللہ کشف والہام کا دعوےٰ کرنے والے کاملین امت محمدیہ سب جھوٹے تھے۔

نعوذ باللہ من ذالک۔ اور پرویز صاحب کہتے ہیں کہ:۔

"میرا تعلق کسی فرقہ سے نہیں میں سیدھا سادا مسلمان ہوں"
(کتاب مذکور ص۲۹)

خدا کا شکر ہے کہ آپ "سیدھے سادے" مسلمان ہیں۔ اگر چالاک اور ہوشیار ہوتے تو شاید مزید کیا گُل کھلاتے۔ بے شک آپ ایسے سیدھے سادے مسلمان ہیں کہ چودہ سو سال میں جس کی کوئی ایک مثال تک نہیں ملتی۔ آپ اپنے متذکرہ بالا نظریات ونتائج کو قرآنی نظریات کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قرآن کریم کو کسی مسلمان نے آج تک صحیح نہیں سمجھا۔ صرف انہوں نے اتنی صدیوں بعد اب آ کے سمجھا ہے۔ اور یہی دعویٰ ان کا ان کے سیدھا سادا مسلمان ہونے کی حتمی دلیل ہے۔ بالفاظ "سیدھا سادا" ہونے سے ان کی مراد قرآن کریم کے معنی ومفہوم کا "واحد ٹھیکیدار" ہونا ہے۔ ٹھیکیداری کا یہ دعویٰ ان کا زبان زد خاص وعام ہے۔ دینی رسالے تو رہے ایک طرف عام کہانیوں کے رسالے بھی اسی کا ذکر بڑی دلچسپی سے کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ایک رسالہ "الف لیلیٰ ڈائجسٹ" ہے۔ اس کے شمارہ اگست ۱۹۷۵ء کے ص۱۶۷ پر زیر عنوان "جس کا کام اسی کو ساجھے" حسب ذیل نوٹ لکھا ہے:۔

"اس ضرب المثل کو بھی بدلنے کی ضرورت ہے، یہ اس دَور کی بات ہے جب انسان کی صلاحیتیں پوری طرح عالم آشکارا نہیں ہوئی تھیں۔ آدمی سمجھتا تھا کہ وہ کسی ایک کام کی صلاحیت ہی سے بہرہ ور ہے چنانچہ وہ اپنی ساری عمر بھی اسی کام میں کھپا دیتا تھا۔ اَب یہ راز عیاں ہوگیا ہے کہ آدمی میں ہرفن مولانا بننے کی صلاحیت ہے۔ ایک ڈاکٹر اتنا ہی بڑا انجینئر ہونے کا دعوےٰ کر سکتا ہے۔ جتنا بڑا وہ ڈاکٹر ہے۔ یا ایک کلرک اگر زندگی بھر دفتر میں قلم گھسنے اور انگریز کی چاکری کرنے کے بعد یہ دعوےٰ کردے کہ قرآن کو چودہ سو برس میں کسی نے سمجھا ہے تو مجھ علاّمہ روزگار نے تو بے شک اس کا دعویٰ قابل قبول ہے۔ پس اس ضرب المثل کو اس طرح ہونا چاہیئے "ساجھے نہ ساجھے کرنے کو آ پڑا جھے"۔"

کیمونزم کے بانی کارل مارکس کو خدا سے صریح انکار تھا۔ پرویز صاحب کے متذکرہ بالا نظریات بھی خدا کا صاف انکار ہیں مگر کارل مارکس انکار خدا سے بدتر انکار

وہ لکھتے ہیں کہ "جماعت احمدیہ لاہور کے عقاید و استدلال پُر علم ہتھا اور عقل روتی ہے"۔ ممکن ہے پرویزی علم وعقل پر یہی واردات گذرتی ہو۔ اور ہاں پرویزی نظریات متذکرہ بالا پر ان کے علم و دانش ضرور خوشی کی بغلیں بجاتے ہوں گے اور ان کی عقل وخرد انبساط وتشکر کے گیت گاتی ہوں گی کیونکہ ان سے یقین بالانبیاء والآخرت متزلزل ہوتا اور ایمان باللہ کا جنازہ نکلتا ہے۔

منافقِ اعظم پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

(ا) حضرت مرزا صاحب کے دعووں اور عقیدوں کی بنیاد دیگر مسلمانوں اور ان کے علماء۔ اولیاء اور صوفیا کے دعوے اور عقیدے ہیں۔
(ب) حضرت مرزا صاحب کے دعوےٰ اور عقیدہ کا جو جُرم ہے اس کے "اوّلین مجرم" سب مسلمان۔ ان کے علماء۔ اولیاء اور صوفیاء ہیں۔

لیکن جب کافر اور غیر مسلم ہونے کا فتوےٰ لگانے کی بات آئی تو "ہم جرم" تمام دیگر مسلمانوں۔ ان کے علماء۔ اولیاء اور صوفیاء کو الگ کر کے صرف حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو نشانہ بناتے ہیں۔ کتنی بڑی منافقت ہے۔ اس لحاظ سے پرویز صاحب گویا زمانہ حال کے منافقِ اعظم ہیں۔ سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب پرویز صاحب کے نزدیک تمام مسلمان گذشتہ اور موجودہ بھی اسی جُرم کے ملزم ہیں جس کے حضرت مرزا صاحب ملزم ہیں۔ بلکہ اس جرم کے "اوّلین ملزم" وہی ہیں تو پرویز صاحب صرف حضرت مرزا صاحب کو مخصوص کیوں کرتے ہیں؟ اس کی وجہ وہی بغض و عناد ہے کہ صرف حضرت مرزا صاحب ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے پرویزی نظریات کو "شیطانی مذہب" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور دیگر مسلمان صرف خاموش تماشائی بنے چلے آ رہے ہیں۔

بد دیانتی کی دوسری مثال عالم انسانی کی ہر قوم اور ہر زبان کے علم و ادب میں تفہیم وتحقیق۔ تفسیر و تعبیر اور تردید و تصدیق، اقوال و تحریرات کے لئے چند منصفانہ اصول متعین اور مقرر ہیں اور مسلّم ہیں، جن سے کسی صاحبِ انصاف اور طالب حق کو انکار نہیں۔ وہ اصول مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) کسی قول یا تحریر سے وہی معنی ومفہوم مراد لینا لازم ہے جس میں اس کے قائل یا مصنف نے اسے کہا یا لکھا ہو۔
(۲) کسی شخص کی تردید یا تصدیق صرف اس شخص کی خود نوشتہ تحریر یا مصدقہ قول ہی سے کرنا لازم ہے۔
(۳) کسی مصنّف کی تحریر میں مستعملہ خاص اصطلاحات سے وہی معنی اور مفہوم لینا لازم ہے جو اس نے ان اصطلاحات کا خود بیان کیا ہو۔
(۴) کسی تحریر کے مصنّف کی طرف کوئی خیال۔ نظریہ یا عقیدہ منسوب کرنے کے لئے اس تصنیف کے کسی حصّہ کے ذومعنی یا مبہم الفاظ کو اس تصنیف کے واضح اور غیر مبہم یعنی محکم الفاظ کے مطابق سمجھنا لازم ہے۔

ان اصولہائے انصاف کو اگر مدِّ نظر نہ رکھا جائے تو حق و باطل ملتبس ہو جاتے ہیں۔ صحیح اور غلط میں تفریق۔ سچ اور جھوٹ میں تمیز ناممکن ہو جاتی ہے۔ اس لئے متلاشیانِ حق و انصاف ان پر عمل کرتے ہیں اور جو شخص ان اصولوں کو پس پشت ڈالتا اور توڑتا ہے وہ انصاف کا خون کرتا اور بد دیانتی سے کام لیتا ہے۔ جناب پرویز صاحب نے ان اصولوں کو اپنی کتاب "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" میں ایسا نظروں سے گرایا اور پاؤں تلے روندا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ مثلاً وہ

۱۔ حضرت مرزا صاحب کی تحریروں کے ایسے معنی وضع کرتے ہیں جو ان کے مفہوم و منشاء کے صریح برخلاف اور منافی ہوتے ہیں۔
۲۔ اقوال و تحریرات دوسرے لوگوں کے بلکہ غلط گو غالی افراد کے لکھے ہیں مگر الزام ان کے مندرجات کا حضرت مرزا صاحبؒ پر عاید کرتے ہیں۔
۳۔ حضرت مرزا صاحبؒ کی مستعملہ اصطلاحات خاصہ کے ان معنی اور مفہوم

کو جو آپ نے ان کے خود بیان کئے ہیں ترک کر کے بلکہ انہیں "سوچی سمجھی سکیم" قرار دے کر خود ساختہ معنی و مفہوم اپنی طرف سے منسوب کرتے ہیں۔ ۴۔ حضرت مرزا صاحب کی تحریروں میں "واضح اور غیر مبہم" الفاظ میں بیان کردہ اصولوں اور عقاید کو "بناوٹ" قرار دیکر چھوڑ دیتے ہیں اور ذومعنی یا تشریح طلب الفاظ کو لے کر ان سے خود تراشیدہ معنی اخذ کر کے اعتراض جماتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ یہ طریق عمل انتہائی بد دیانتی اور انصاف کا بے باکانہ خون ہے پرویز صاحب کی یہ کتاب ان بے اصولیوں سے بھرپور ہے۔ کوئی ایک مثال ہو تو لکھی جائے۔ بہرحال ہم چند ایک مثالیں آئندہ مضمون میں ان کے "جھوٹوں" اور "جھوٹے الزاموں" کی مثالوں کے ساتھ لکھیں گے اس جگہ ہم پرویز صاحب سے ایک اور ضروری اہم بات کرنا چاہتے ہیں۔

پرویزی کتاب کی حقیقت منافی حق و انصاف خلط مبحث

پرویز صاحب بقول خود ایک فکری تحریک کے بانی ہیں۔ کسی عملی تحریک سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ اس فکری تحریک کے نظریات متقولہ بالا پر مبنی متعدد کتابوں کے آپ مصنف ہیں حتیٰ "مفہوم القرآن" اور "لغات القرآن" بھی آپ نے لکھ ڈالی ہیں۔ کہیں نظام ربوبیت اور سلیم کے نام خطوط ہیں۔ کہیں شعلہ مستور اور قصۂ ابلیس و آدم ہے۔ کہیں معراج انسانیت اور شاہکار رسالت ہے۔ اور کیا کچھ اور ہے۔ پھر طلوع اسلام میں کنونشن کی تقریریں اور دیگر مضامین ہیں۔ ان سب میں پرویز صاحب یہ تاثر دیتے ہیں کہ وہ علم و دانش سے سوچتے تا عقل و خرد سے غور کرتے اور محقق کی حیثیت سے لکھتے ہیں۔ وہ خود کو "طالب علم قرآن" کہتے ہیں۔ حلقہ بگوش انہیں مفکر قرآن بتلاتے ہیں۔ اور شاید چھوٹے حلقہ بگوش انہیں "بابا جی" کے خطاب سے مخاطب کرتے ہیں۔ حضرت قائد اعظم "بابائے قوم" تھے۔ مولوی عبدالحق صاحب "بابائے اُردو" کہلائے تھے۔ پرویز صاحب خدا جانے کس چیز کے "بابا جی" بن رہے ہیں، بہرحال ان سب کتابوں کی طرح یہ نئی کتاب "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" بھی بڑے پراپیگنڈے کے ساتھ شائع ہوئی۔ ہم نے بڑے شوق سے اسے بارہ روپے میں خریدا اور پڑھا۔ خیال تھا کہ انہوں نے ضرور حسب تشہیر کچھ تحقیقی رنگ میں لکھا ہوگا۔ کیونکہ مخالفت برائے مخالفت کے طور پر بباعث حسد و عناد۔ بر بنائے بغض اور اختلاف کی وجہ سے ہر رنگ میں مخالفت کے طور پر گذشتہ پچاسی سال میں بہت کچھ لکھا جا چکا تھا اور اس قدر سفید ورق سیاہ ہو چکے تھے کہ شمار سے باہر ہیں۔ مگر ہمیں بے حد مایوسی ہوئی اور افسوس بھی کہ پرویز صاحب نے جو ابتداء سے لے کر آج تک کی ساری اُمتِ محمدیہ کو خاطر میں نہیں لاتا اور خود ہی "متکبّر اعظم" بنا ہوا ہے یہ کیا لکھ دیا ہے؟ انہوں نے وہ تمام غلط اعتراضات۔ خلافِ حقیقت مفروضات۔ خود تراشیدہ معانی، جھوٹے الزامات، بے بنیاد بہتانات، جو گذشتہ پچاسی برسوں میں مخالفین کی طرف سے لکھے گئے، یکجا کر کے ان کا ایک پلندہ بنا دیا ہے۔ کوئی نیا اعتراض یا استدلال پیش نہیں کیا۔ ہاں ہماری ناانصافی ہوگی اگر اعتراف نہ کریں کہ بعض باتیں انہوں نے ضرور نئی لکھی ہیں اور ان باتوں کے لکھنے میں پرویز صاحب، نہ صرف حضرت مرزا صاحب کے مخالفین میں بلکہ ساری اُمتِ محمدیہ گذشتہ اور موجودہ میں منفرد ہیں جس پر انہیں نمایاں غرور اور فخر بھی ہے۔ یہ نئی باتیں حسب ذیل ہیں۔ پرویز صاحب کہتے ہیں:۔

۱۔ قرآن کریم کے صحیح معنوں کو صرف میں نے سمجھا ہے۔۔۔۔۔۔
۲۔ احادیث رسول اللہ ساقط الاعتبار ہیں۔ (۳) نزول مسیح کا عقیدہ جھوٹا ہے (۴) ظہور مہدی کا عقیدہ جھوٹا ہے۔ (۵) بعثت مجددین کا نظریہ جھوٹا ہے۔ (۶) کاملین اُمتِ محمدیہ کا ہمکلام الٰہی ہونے کا عقیدہ جھوٹا ہے۔ (۷) اُمتِ محمدیہ کے افراد کاملہ کا کشف و الہام سے مشرف ہونے کا عقیدہ جھوٹا ہے۔ (۸) اولیاء اللہ کو منجانب اللہ اخبار غیب پر اطلاع دیئے جانے کا عقیدہ جھوٹا ہے۔ (۹) اُمتِ محمدیہ کے وہ افراد جنہوں نے منجانب اللہ کشف و الہام پانے کے دعوے کئے جھوٹے تھے۔ (۱۰) اُمتِ محمدیہ کے وہ افراد جنہوں نے مجدد ہونے کے دعوے کئے تھے جھوٹے تھے۔ (۱۱) تمام مسلمان جنہوں نے ان بزرگوں کو اپنے ان دعووں میں سچا جانا اور مانا یا جانتے اور مانتے ہیں سب کے سب جاہل اور جھوٹے ہیں۔

العیاذ باللہ۔ پرویز صاحب اگر چاہیں تو بتلائیں کہ ہم نے غلط تو نہیں لکھا؟ اگر قرآن کریم میں یہی عقاید اور نظریات درج ہیں اور اسلام جسے کہتے ہیں وہ انہی کا نام ہے تو ساری اُمتِ محمدیہ گمراہ اور غیر مسلم بن جاتی ہے صرف حضرت اقدس مرزا صاحبؑ اور احمدیوں کی کیا تخصیص ہے۔

تحقیق حق و باطل کا تقاضاء

ہر شخص جو بنظرِ انصاف حق و باطل کی تحقیق کے لئے تحریک احمدیت پر لکھنا چاہے اس کے سامنے تین فریق ہوں گے۔

۱۔ بانی تحریک، حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام۔
۲۔ جماعتِ احمدیہ لاہور (احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
۳۔ جماعت احمدیہ قادیان (حال ربوہ)

پھر اسے یہ معلوم ہونا چاہیئے اور اگر معلوم نہ ہو تو معلوم کرنا چاہیئے کہ ہر دو احمدی جماعتوں متذکرہ بالا کے مابین اختلاف عقاید کیا ہے؟ یہ اختلاف مندرجہ ذیل ہے:

جماعتِ لاہور کا عقیدہ:۔

(۱) حضرت نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم حسب تصریحات قرآن کریم قطعی اور غیر مشروط خاتم النبیّین ہیں۔
(۲) آپ آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد قرآن کریم یا اصطلاحِ اسلام کے معنی و مفہوم میں کوئی نبی نیا ہو یا پُرانا شرعی یا غیر شرعی دنیا میں نہیں آسکتا۔
(۳) ختم نبوت کے ساتھ وحی نبوت ختم ہوگئی مگر افرادِ کاملہ اُمتِ محمدیہ کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ بر نگ کشف و الہام ختم نہیں ہوا۔ جس کا دوسرا نام وحی ولایت یا محدثیت ہے۔
(۴) حضرت بانیٔ تحریک احمدیت نے قرآن کریم یا اصطلاح اسلام کے رُو سے کسی نبوت کا دعوےٰ نہیں کیا۔ اور نہ آپ اس لحاظ سے کسی قسم کے نبی ہیں اور نہ جماعتِ لاہور آپ کو نبی مانتی ہے۔
(۵) آپ نے مجدّد اور مجدّد یعنے مکلم من اللہ ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ ادیانِ غیر الاسلام کے ابطال کے لئے آپ مثیلِ مسیح یا مسیح موعود ہیں اور اثباتِ حقانیتِ اسلام کے لئے مہدی۔
(۶) نبوت کا لفظ لغوی۔ مجازی اور جزوی طور پر جس طرح سابق اولیاء آئمہ اور علماءِ اسلام نے استعمال کیا اسی طرح انہی معنی و مفہوم میں آپ کی بعض تحریرات میں بھی مستعمل ہے مگر اس سے ختمِ نبوت کا انکار یا دعویٔ نبوت مراد نہیں۔

جماعتِ قادیان کا عقیدہ:۔

۱۔ حضرت نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم بروئے قرآن کریم خاتم النبیّین ہیں مگر قطعی اور غیر مشروط آخری نبی کے معنوں میں نہیں۔
۲۔ آپ صاحب شریعت آخری نبی اور مستقل نبیوں کے آخری ہیں غیر تشریعی اور غیر مستقل نبی مگر بروئے قرآن کریم یا اصطلاح اسلام میں اصلی اور حقیقی اور کامل نبی آپ کے بعد دنیا میں آسکتے ہیں۔
۳۔ ختم نبوت کے ساتھ وحی شریعت ختم ہوگئی ہے مگر غیر تشریعی نبوت کی وحی ختم نہیں ہوئی۔ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کی کثرت کامل نبوت کی وحی ہوتی ہے وحی ولایت یا محدثیت نہیں۔
۴۔ حضرت بانیٔ تحریک احمدیت نے قرآن کریم یا اصطلاح اسلام

کی رُو سے غیر تشریعی نبوت کا دعوےٰ کیا ہے۔ اس لئے بلحاظ نبوت آپ دیگر انبیاء کی طرح نبی ہیں اور جماعتِ قادیان انہیں نبی مانتی ہے۔
۵۔ آپ صرف مجدد و محدث یا مسیح اور مہدی ہی نہیں بلکہ اصلی حقیقی اور کامل نبی بھی ہیں کیونکہ بکثرت ہمکلام الٰہی ہونا ہی کامل نبوت ہے۔
۶۔ آپ کی تحریروں میں نبوت کے لفظ کا استعمال دیگر بزرگان اسلام کی طرح ولایت اور محدثیت کے معنوں میں نہیں بلکہ واقعی حقیقی۔ اصلی اور کامل نبوت کے معنوں میں ہے۔

ظاہر ہے کہ دونوں جماعتوں کے یہ عقیدے باہم مختلف اور متضاد ہیں۔ مگر دونوں اپنے ان عقیدوں کو بانی تحریک کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ ایک عام بازاری مخالف و معاند کے لئے یہ کہہ دینا یا لکھ دینا آسان ہے کہ آپ کی تحریروں میں دونوں قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ مگر ایک انصاف پسند اور محقق پر لازم ہے کہ وہ انصاف اور حق پرستی کے ساتھ بات کرے۔ اگر وہ ایسا سمجھتا ہے تو خود حضرت مرزا صاحب کی تحریروں کی رُو سے بدلائل ثابت کرے۔ اور اگر ایسا نہیں سمجھتا تو وہ اپنی تحقیق میں معلوم اور ثابت کرے کہ دونوں میں سے کس جماعت کے عقائد بانی تحریک کے مؤقف کے مطابق ہیں۔ پھر اگر وہ دونوں جماعتوں کے عقاید کو غلط اور باطل سمجھتا ہے تو ان کا الگ الگ ابطال ان کے اپنے اپنے مسلمات کی رُو سے واضح کرے۔ لیکن پرویز صاحب نے ایسا نہیں کیا۔ نہ جماعتِ لاہور کے مسلمات کو لیا ہے اور نہ جماعتِ قادیان کے مسلمات کو بلکہ مخالف علماء کے فرسودہ۔ مردود اور پرانے الزامات کو دہرایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے :

"صاحب شریعت۔ صاحب کتاب۔ اور مستقل نبی ہونے کے دعوے کئے ہیں"

حالانکہ ان کے یہ الزامات صریح جھوٹ ہیں جن کے کذبِ صریح ہونے پر دو قطعی اور یقینی ثبوت شاہد ناطق ہیں۔

اوّل: حضرت مرزا صاحب کی کسی تحریر اور قول میں از آغاز دعوےٰ تا وفات صاحب شریعت یا صاحب کتاب یا مستقل نبی ہونے کا دعوےٰ نہیں پایا جاتا۔ برعکس ازیں ایسے دعوےٰ کے الزام کی تغلیط و تردید سے آپ کی تحریریں بھری پڑی ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں ؎

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم ہستم وز خداوند منذرم

دوم: دونوں احمدی جماعتوں میں سے کوئی جماعت آپ کو صاحب شریعت یا صاحب کتاب یا مستقل نبی دعویدار قرار نہیں دیتی اور نہ کوئی آپ کو ایسا نبی مانتی ہے۔

محققین مسلمات پر بات کرتے ہیں خود مفروضے نہیں تراشتے جیسا کہ پرویز صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ خود ایک مفروضہ تراشتے ہیں پھر اس خود تراشیدہ مفروضہ کی بناء پر الزام عاید کر دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں :-

کشف و الہام وحی ہے۔ اور وحی کتاب ہے
لہٰذا کشف و الہام کا دعوےٰ صاحب کتاب
نبی ہونے کا دعوےٰ ہے۔

اور چونکہ حضرت مرزا صاحب نے کشف و الہام کا دعوےٰ کیا ہے۔ اس لئے آپ صاحب کتاب نبی ہونے کے دعویدار ہیں۔ صاحب کتاب ہونا بالفاظ دیگر صاحب شریعت ہونا اور مستقل ہونا ہے۔ یہ ایک مثال ہے۔ ان کی کتاب ایسی مثالوں سے بھرپور ہے۔ در اصل پرویز صاحب نے انصاف کے کسی تقاضا۔ دیانتداری کے کسی اصول۔ تحقیق و تفریق حق و باطل کے کسی ذریعہ اور طریقہ کو اختیار نہیں کیا۔ ہر بات کو گڈمڈ کرتے ہوئے کج فہمی پر مبنی خلط مبحث کا وہ نمونہ پیش کیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ جماعت لاہور۔ قادیانی جماعت کو حضرت بانیٔ تحریک کے حق میں غلو کرنے والی قرار دیتی ہے جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے حق میں غلو کرکے انہیں خدا کے نبی سے خدا کا بیٹا بنا دیا۔ اور اس واقعہ کو بانیٔ تحریک کی صداقت کی دلیل یقین کرتی ہے۔ لیکن قادیانی جماعت لاہوری جماعت پر بانیٔ تحریک کے اصل مقام سے منکر ہو جانے کا الزام عاید کرتی ہے۔ ایسی صورت میں جو شخص ایک ہی رنگ اور طرز و استدلال سے ان پر بحث و تمحیص کرتا ہے نمایاں تمیز و تفریق کو زیر غور نہیں لاتا وہ نہ منصف ہے نہ محقق نہ دیانت دار ہے نہ طالب حقیقت بلکہ بغض کا مریض اور حسد و عناد کا شکار ہے۔

خلط مبحث کا اصل سبب

پرویز صاحب بڑے متفکر مصنف ہیں عقل و دانش کے بڑے متکبر دعویدار ہیں مگر مضمون ہذا میں وہ اتنے ہی مجبور ہیں اور مجبوری ان کی شدید ہے۔ ان کی اس مجبوری کو دیکھ کر ان کی حالت پر قسم بخدا ترس آتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے :-

وطال علیہم الامد فقست قلوبہم وکثیر منہم فسقون اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتہا قد بینا لکم الایات لعلکم تعقلون۔ (ترجمہ) جب ایک لمبی مدت گذر جاتی ہے تو دلوں میں سختی آ جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ کثرت سے نافرمان ہو جاتے ہیں جان رکھو کہ بے شک اللہ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا کرتا ہے اور اپنی آیتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل کرو۔

اور پھر زندہ کرنے کا طریق ارشاد فرمایا :-

وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا۔ (ترجمہ) اللہ تعالےٰ وعدہ کرتا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لاتے اور نیک اعمال کرتے ہیں کہ خدا تمہیں بالضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسا ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور ان کے لئے ان کے دین کو جو انہیں پسندیدہ ہے ان کے لئے مضبوط کرے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

اور حدیث میں ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے :-

۱۔ کانت بنی اسرائیل تسوسہم الانبیاء کلما ہلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی فیکون خلفاء فیکثرون۔ (ترجمہ) یعنے بنی اسرائیل میں انبیاء حکمرانی کیا کرتے تھے ایک نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا ان کا خلیفہ ہو جاتا اور تحقیق میرے بعد کوئی بھی نبی نہیں پس خلفاء ہوں گے۔ اور وہ بکثرت ہوں گے۔ (اور)

۲۔ ان اللہ یبعث لہٰذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لہا دینہا۔ (ترجمہ) یعنے بے شک اللہ تعالےٰ مبعوث کیا کرے گا اس امت میں ہر صدی کے سر پر ایک ایسا شخص جو دین کی تجدید کرے گا۔ (اور)

۳۔ لم یبق من النبوۃ الا المبشرات یعنے نبوت میں سے صرف مبشرات کا جزو باقی ہے۔ اور رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء۔ یعنے تم میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو غیر نبی ہوتے ہوئے اللہ تعالےٰ سے ہمکلام ہوں گے۔

ان آیات اور احادیث کے مطابق

(ا) احمدی جماعتوں اور بانی تحریک احمدیت کا یہ عقیدہ ہے کہ اگرچہ سابقہ اُمتوں کے مانند انبیاء نہیں مگر امتِ محمدیہ کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مامورین من اللہ مجدد۔ مسیح اور مہدی آئیں گے جو اللہ تعالےٰ سے ہمکلامی کا شرف رکھتے ہوں گے۔

(ب) تمام دیگر مسلمانوں گذشتہ اور موجودہ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء کا آنا ختم ہو گیا مگر خدا کی طرف سے کھڑے ہونے والے رہنما مجدد مسیح اور مہدی اُمت میں آئیں گے اور اُمتِ محمدیہ میں ایسے افراد پیدا

ہوں گے جن کو منجانب اللہ کشف و الہام اور مکالمہ مخاطبہ سے نوازا جائے گا۔

اس کے بالمقابل جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں غلام احمد پرویز صاحب اور ان کے چند حلقہ بگوش بالکل منکر ہیں جو اس عقیدہ اور نظریہ کو جھوٹا کہتے اور سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ پرویزی مؤقف حضرت مرزا صاحب اور احمدیوں کے خلاف نہیں بلکہ سارے کے سارے مسلمانوں کے خلاف ہے مگر طرفہ تماشا یہ ہے کہ پرویز صاحب اپنے اس نظریہ کے ہتھیار کے ساتھ حضرت مرزا صاحب پر بڑھ بڑھ کر حملے کرتے ہیں۔ احمدیوں پر بیک لیک کے اپنے فتوؤں کی تلواریں چلاتے ہیں۔ مگر دیگر مسلمانوں کے سامنے خوف و خطر سے لرزہ براندام دکھائی دیتے ہیں۔ بڑھتے ہیں مگر پھر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ لپکتے ہیں مگر پھر دبک جاتے ہیں۔ کھل کر بولنا چاہتے ہیں مگر پھر چپ ہو جاتے ہیں۔ احمدی تو بے شک آئین و قانون مروجہ پاکستان کے مقاصد کے لئے سیاسیئین نے "غیر مسلم اقلیت" قرار دے دیئے۔ مگر پرویز صاحب خیال رکھیں ان کی قابلِ رحم حالت بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ ان کے نظریات مسلمانوں کے نزدیک صریحًا غیر اسلامی۔ کلام اللہ قرآن کریم کے خلاف اور ارشاداتِ رسول اللہ، احادیث کے منافی ہیں۔ ان کو بھی علماءِ اسلام نے کافر اور خارج از اسلام قرار دے رکھا ہے جیسا کہ انہوں نے خود ذکر کیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب اور ان کی اصل جانشین جماعت تو دیگر مسلمانوں سے سب عقائدِ اسلامی میں متفق ہے جیسا کہ شروع مضمون میں درج ہے صرف وفات و حیاتِ مسیح میں اختلاف ہے مگر پرویزی نظریات تو مسلمانوں کے اسلامی نظریات سے بالکل معارض، متضاد اور متناقض پڑے ہوئے ہیں بلکہ صریح الحاد، دہریت اور زندقہ ہیں۔ اس وقت بعض جوانب سے مفاداتِ "مخصوصہ" کے پیشِ نظر احمدیوں کے خلاف غیر محققانہ اور غیر منصفانہ ہوا چلا دی گئی ہے۔ مگر پرویز صاحب کی باری بھی آنے والی ہے جو ضرور آ کر رہے گی۔ انکے ملحدانہ نظریات کو مسلمان کب تک برداشت کریں گے؟ دیکھتے جائیے۔

قول فیصل یا معیار فیصلہ

جہاں تک پرویز صاحب کا تعلق ہے انہیں مسلمانوں کے فرسودہ اعتراضوں اور الزاموں پر مشتمل اتنی لمبی کتاب لکھنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ ان کے سامنے زیر غور دو تحریکیں تھیں۔ حضرت مرزا صاحب کی "تحریکِ احمدیت" اور غلام احمد پرویز صاحب کی "فکری تحریک"۔ فیصلہ طلب یہ بات تھی کہ ان میں سے کونسی تحریک باطل یا حق پر ہے؟۔ اس سلسلہ میں صرف ایک بات جو پرویزی فکری تحریک کا اصل الاصول اور بنیادی بات ہے سچ اور جھوٹ نکھار دینے کے لئے قول فیصل معیار کا حکم رکھتی ہے۔ اور وہ بات ہے بعد از ختم نبوت اُمتِ محمدیہ میں:

"خدا کا بشر کے ساتھ کلام کرنا"

اسے کوئی کشف و الہام کے نام سے موسوم کرے یا وحیِ ولایت و محدثیت سے یا مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے اس بارے میں پرویز صاحب کی کتاب مذکور میں تین گروہوں کا ذکر ہے:

اوّل: حضرت مرزا صاحب اور ان کی جماعت

دوم: دیگر تمام مسلمان اور ان کے اولیاء آئمہ اور علماء

سوم: غلام احمد پرویز اور ان کے چند حلقہ بگوش۔

جناب پرویز صاحب ایسے کشف و الہام یا مکالمہ الٰہیہ سے قطعی منکر ہیں کہ اسے جھوٹا مجوسی عقیدہ کہتے ہیں حتیٰ کہ اپنی فکری تحریک کی کلیتہً بنیاد اسی انکار پر اٹھا رکھی ہے۔ اور لکھتے ہیں وہ کہ ختم نبوت کے بعد کسی بشر کا منجانب اللہ کشف و الہام یا مکالمہ سے مشرف ہونے کا عقیدہ رکھنا یا ایسا دعویٰ کرنا ختم نبوت سے صریح انکار ہے اور صاحب کتاب نبی ہونے کا دعویٰ لیے ہے۔

اس کے برعکس لکھتے ہیں پرویز صاحب کہ حضرت مرزا صاحب اور ان کی جماعت ختم نبوت کے بعد اُمتِ محمدیہ میں بشر کے راہ منجانب اللہ کشف و الہام کے رنگ میں مکالمہ الٰہیہ ہونے کی قائل ہے بلکہ حضرت مرزا صاحب خود اس شرف سے مشرف ہونے کے دعویدار ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ جماعتِ احمدیہ کے اس عقیدہ اور مرزا صاحب کے اس دعویٰ کی بنیاد دیگر تمام مسلمانوں ان کے اولیاء آئمہ اور علماء کا عقیدہ ہے جو چودہ سو سال سے وہ رکھتے چلے آ رہے ہیں کہ اُمتِ محمدیہ میں خدا بشرِ کامل کو کشف و الہام سے نوازتا اور اپنے کلام سے سرفراز کرتا ہے۔

پس حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام بانیٔ "تحریکِ احمدیت" اور جناب غلام احمد پرویز بانیٔ "تحریک فکری پرویزی" کے درمیان یہ اختلاف نہایت اہم اور نمایاں ہے۔ اگر پرویز صاحب اپنے نظریہ میں سچے ہیں تو حضرت مرزا صاحب کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کسی اور دلیل کی قطعًا ضرورت نہیں رہتی کیونکہ بقول پرویز صاحب جن مسلمانوں، اولیاء، آئمہ اور علماء کے عقیدہ پر ان کے عقیدہ اور دعویٰ کی بنیاد ہے وہ بھی یک قلم سب کے سب جھوٹے ہو جاتے ہیں ایک ہی وار سے سب دنیا کا شکار اور صفایا ہو جانے سے پرویز صاحب کے لئے بڑی بات اور کیا ہوگی۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ وہ جس طرح بھی ہو اپنے اس نظریۂ انکار کشف و الہام و مکالمۂ الٰہیہ کو ثابت کریں اور بیکار غلط سلط۔ سچے جھوٹے اعتراضوں۔ خود ساختہ بے بنیاد الزاموں اور پچاسی سالہ فرسودہ باتوں سے اپنی کتاب کو عامیانہ۔ سوقیانہ بازاری سطح سے بھی گرا کر اپنی سالہا سال کی تیار کردہ علمیت۔ مفکریت اور محققیت کا بھانڈا سرِ بازار نہ پھوڑیں۔ اور اگر ان کا نظریہ متذکرہ سچا ثابت نہ ہو بلکہ یہی ثابت ہو کہ حضرت مرزا صاحب اور دیگر مسلمان ہی اپنے چودہ صد سالہ عقیدہ میں حق اور راستی پر ہیں تو حسبِ ارشاد حضرت مرزا صاحب اپنے نظریہ کو "شیطانی مذہب" تسلیم کر کے مامور ربانی کی مخالفت۔ ہتک و توہین سے باز رہیں۔ آپ کی یہ مخالفت اور طعنہ زنی تمسخرانہ طرز اور استہزائیہ انداز بندوں کے متعلق اس خدائی سنت (قانون) کی تصدیق کر رہا ہے جو آیت ذیل میں ہے:

"یٰحسرۃً علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہٖ یستھزءون"۔ یعنی بندوں پر حسرت و افسوس ہے کہ جب بھی میرا کوئی مامور ان کے پاس آیا وہ تمسخر و استہزا ہی سے اس کے ساتھ پیش آئے۔

(باقی ـــــ باقی)

مکتوب برلن ـــــ بسلسلہ ص ۲

جرنلسٹ سے انٹرویو — مقامی اخبار کے ایک جرنلسٹ نے میرا انٹرویو قلمبند کیا۔ مسجد کی تاریخ اور مشن کی مساعی وغیرہ کے بارہ میں پوچھا۔

تین کلاسیں اور ایک گروپ مسجد میں — مقامی سکولوں سے تین کلاسوں کے طلباء مع اساتذہ مسجد میں آئے۔ ایک گروپ جرمن مرد و زن پر مشتمل مسجد میں آیا۔ ان سب کے سامنے اسلام کی تعلیم کو واضح کیا گیا اور ان کے سوالات کے جوابات دیئے گئے اس کے علاوہ مسجد کی عمارت کو خوبصورت بنانے کے لئے بھی تگ و دو کی گئی۔ الحمد للہ۔

نورِ دل جاتا رہا اِک رسمِ دیں کی رہ گئی + پھر بھی کہتے ہیں کہ کوئی مصلحِ دیں کیا بکار
راگ وہ گاتے ہیں جس کو آسماں گاتا نہیں + وہ ارادے ہیں کہ جو ہیں برخلافِ شہریار

(حضرت مسیح موعودؑ)

مولانا عبدالماجد دریابادی

وحدتِ کلمہ کی ضرورت

ــــــــ یہ قطع و برید و عمل اخراج

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام ایک خط اور حضرت مولانا کی طرف سے اس کا جواب بحوالہ صدق جدید لکھنؤ۔ ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۲ء۔

ایک خط اور اس کا جواب

(از عبدالماجد)

ع ــــ دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے

پہلے اصل مکتوب ملاحظہ ہو:۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جناب محترم مولانا صاحب زید مجدہم

میں کچھ عرصہ سے آپ کا جریدہ "صدق" منگواتا اور پڑھتا رہتا ہوں۔ آپ نے آج کل قادیانیوں کے متعلق جو انداز تحریر اختیار کر لیا ہے۔ مجھے اس سے اختلاف ہے[1] اور اسے بے حد ناپسند کرتا ہوں[1]۔ میں ضروری سمجھتا ہوں، کہ اس سلسلہ میں آپ کی خدمت میں خیر خواہانہ طور سے کچھ عرض کروں۔ امید ہے کہ آپ میری تحریر کو تنقید و اعتراض نہیں[2] بلکہ ایک ہمدردانہ مشورہ اور دینی نصیحت سمجھ کر قبول فرمائیں گے ـــ قادیانیوں کے متعلق دنیائے اسلام کا فتویٰ یہ ہے۔ کہ وہ کافر اور خارج از اسلام ہیں۔ میرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور اپنی نبوت کی طرف دعوت دے کر ایک علیحدہ امت بنائی۔ خود ہمارے سلسلہ دیوبند کے حضرات اکابر علماء حضرت شیخ الہند حضرت مولانا سہارنپوری۔ اور حکیم الامت مولانا تھانوی کا یہی مسلک رہا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں جماعت علماء دیوبند کی طرف سے متفقہ طور پر ہر دور میں رسائل وکتب لکھی گئی ہیں اور خاص کر حضرت مولانا سید نور شاہ صاحب کشمیری رح کا اس بارے میں مسلک و دین رہا ہے۔ اور حضرت مرحوم جس طرح اس فتنہ کا استیصال ضروری سمجھتے تھے۔ وہ آپ سے مخفی نہ ہوگا۔ پس ایسی صورت میں جبکہ تمام متقی محتاط اور جید علمائے دین بالاتفاق قادیانیوں کو کافر قرار دیتے ہیں تو آپ کو خواہ مخواہ[3] اس مسئلہ میں توقف کرنے اور ان کو مسلمان سمجھنے اور خادمانِ دین ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر آپ کسی طرح ذاتی طور سے اس مسئلہ میں جمہور اُمت کے فیصلہ کو درست نہیں سمجھتے اور آپ کا دل ان کے فیصلہ پر مطمئن نہیں تو خیر نہ سہی۔ لیکن یہ کیوں ضروری ہوگیا ہے کہ آپ صدق کے کالموں کو ان کی حمایت کے لئے وقف کر چکے ہیں[5]۔ آپ ان کو مواد فراہم کر رہے ہیں۔ ان کو نئی نئی تاویلوں کی تعلیم دے رہے ہیں۔ اور ایسی فہرست مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ فلاں فلاں حضرات نے قادیانیوں کو غیر مسلم نہیں سمجھا وغیرہ وغیرہ۔ اب پاکستان میں پوری سنجیدگی اور غور و فکر کے بعد تمام بیعوں اور مختلف مسالک خیال کے علماء کے "بے نظیر اتفاق"[6] سے یہ ایک عمدہ موقع حاصل ہوگیا ہے کہ مسلمانوں نے بالاتفاق ان کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ شروع کر دیا ہے۔ ایسے حالات میں اور کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ ان کی حمایت میں قلم اُٹھائیں۔ ان کے بہت سے قلبی ہمدرد بھی علماء کے عام فیصلہ کے برخلاف کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ لیکن "صدق" میں اُن کے متعلق اس قسم کے مضمون دیکھ کر افسوس بھی ہوتا ہے اور دکھ بھی اور اس تاثر کی بناء پر آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں۔ کہ آپ خدا را اس طریق کار کو چھوڑ دیجئے۔ قادیانیوں کی حمایت کے علاوہ بھی دین کی خدمت کی اور بہت سی شکلیں ہیں۔ اور آپ کر بھی رہے ہیں۔ انہی میں مشغول رہیئے۔ حیرانی ہوتی ہے کہ آپ حضرت تھانویؒ کے ساتھ تعلق کے باوجود ان کے مسلک کے خلاف کس طرح چل رہے ہیں[7]۔ فقط والسلام

عبدالمجید بی اے۔ دواخانہ نقشبندیہ امین پور بازار۔ لائل پور (مغربی پاکستان)

خط کا جواب

ـــــ مکتوب جس طرح موصول ہوا۔ بجنسہٖ درج کر دیا گیا۔ خدا معلوم کتنے اور عزیزوں، رفیقوں، بزرگوں کے جذبات یہی ہوں گے۔ اچھا ہوا کہ یہ موصول ہو گیا۔ اس سے ایک بہت بڑے طبقہ کی ترجمانی ہوگئی۔ تکفیر قادیانیہ سے بطور منع (نہ بطور نقض اور منع نقض دونوں اپنے اصطلاحی مفہوم میں) جب سے ان صفحات میں گفتگو شروع ہوئی ہے اس وقت سے اس کا بھی اندازہ تھا۔ کہ کسی مقبول عوام تحریک سے ادنیٰ مخالفت بلکہ علیحدگی کے بھی کیا معنے ہوتے ہیں۔ ناظرین "صدق" کی مدیر "صدق" کے ساتھ یہی غیر معمولی عنایات و کرم ہے کہ خطوط کا لہجہ اتنا گرم اور تیز نہیں رہا ہے۔ جتنا عموماً ایسے موقعہ پر ہو جایا کرتا ہے۔

لیکن یہ ہر حال اظہار حق کی تھوڑی بہت توفیق جو طبیعت کی کمزوری۔ بدہمتی۔ اور بزدلی کے باوجود مرحمت ہوگئی ہے ہر موقعہ پر ہمراہیوں کی کثرت تعداد ہی تلاش کرتی نہیں رہ جاتی۔ گو سالہا سال رفیقوں۔ مخلصوں اور بزرگوں کی مفارقت پر سخت قلق محسوس ہونا بھی طبعی ہے۔

سفر کے لئے قدم اگر اُٹھانا ہے۔ تو بغیر ایک ساتھی اُٹھایا جا سکتا ہے۔

اور دین کی خدمت ہمیشہ وقت کی اکثریت کا ساتھ دینے سے نہیں ہوتی کبھی اس کے برعکس دریا میں دھارے کی سیدھ پر نہیں دھارے کے خلاف بھی پیرنے سے ہوتی ہے۔

اکابر کی تقلید معاملات دین میں یقیناً ایک بڑا درجہ رکھتی ہے لیکن یہ حکم بھی صرف اکثری اور مشروط ہے۔ معلق اور کلی نہیں۔ فرمانروائے مطلق نے جہاں حکم اولی الامر کی اطاعت کا دیا ہے۔ اور اس کا عطف اپنی اطاعت پر کیا ہے وہیں گنجائش فان تنازعتم فی شیئ کے اختلاف طبعی وعقلی کی بھی رکھ دی ہے اور اس عالم آب و گل میں مطاع مطلق کی حیثیت اگر رکھی ہے تو صرف رسولِ معصوم کی نہ کہ کسی بڑے سے بڑے مفسر یا محدث یا فقیہہ یا شیخ کی۔

عام اکثری حالات میں بے شک عافیت بزرگوں کے اتباع ہی میں ہے۔ لیکن حالات ایسے بھی پیش آ سکتے ہیں۔ اور پیش آتے رہتے ہیں۔ جب عمل کے لئے دستور العمل کی دفعہ فردوہ الی اللہ والرسول کی باقی رہ جاتی ہے۔ اور اللہ ہی کے دین کی خدمت کے لئے اللہ والوں کی ایک بڑی جماعت سے علیحدگی اختیار کرنا پڑتی ہے ـــ ع

ہے کبھی جان اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

---

[1] مخلص ناظرین کے لئے ضروری ہے بھی نہیں کہ پرچے کی ہر رائے و خیال سے متفق ہوں (صدق)

[2] یہ ہوتا جب بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔ آپ کو اس کا حق تھا۔

[3] ہمدردی و خیر خواہی بالکل تسلیم اور اس کا شکریہ بھی لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر مخلصانہ رائے صائب بھی ہو۔ [4] صدق۔

[5] اگر صرف طبقہ علماء کا اتفاق مقصود ہے تو یہ ہرگز "بے نظیر" نہیں۔ خدا معلوم کتنے موقعوں پر تکفیر کے فتوے بالاتفاق ہی جاری ہو چکے ہیں۔ اگر اُمت کے ہر طبقہ کا اتفاق مقصود ہے۔ تو یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ پاکستان کا اُردو پریس بھی سو فیصدی آپ کے ساتھ[*] انگریزی پریس تو کہنا چاہیئے کہ بالکل ہی نہیں (صدق)

[6] کوئی ایک ہی مسئلہ ایسا بتا دیجئے۔ جس پر آپ ہی جیسے صدق نوازوں کو اتفاق ہو آج تک کوئی موضوع ایسا نہیں ملا۔ جس پر کسی نہ کسی صاحب کو اعتراض نہ ہوتا ہو۔

[7] اس قسم کی آزادیاں تو حضرت کی زندگی میں بھی حاصل تھیں۔ تو اب یہ لت کیا چھوٹے گی۔ بقول شخصے ـــ ع

ٹیڑھا لگا ہے قط قلم سرنوشت کو (صدق)

گو دل ایسے ہر موقع پر برابر ڈرتا رہتا ہے۔ اور اس کی جرأت آسانی سے ہرگز نہیں ہوتی۔ اُمت کی تاریخ میں اس تعدد کی مثالیں اس کثرت سے ہیں۔ کہ یہ ذکر اگر چھڑ گیا۔ تو اس کے لئے خود ایک مستقل مقالہ کی ضخامت درکار ہوگی!

یہ مطالبہ اگر مکتوب نگار صاحب اپنے دل میں سوچیں تو انہیں خود کچھ عجیب سا نظر آئے گا۔ کہ مدیر "صدق" کے نزدیک تکفیرِ قادیانیہ کا فتویٰ غیر مدلل ہو۔ غیر تسلی بخش ہو۔ پھر بھی اُسے بدلنے کا حق نہ تھا۔ اسے خاموشی ہی اختیار کر لینا تھی۔

گویا اظہار حق کا حق صرف اکثریت کو حاصل ہے اور جو فرد اپنے کو اسی درجہ میں حق پر سمجھتا ہے۔ لیکن چونکہ اقلیت میں ہے اس لئے اسے اکثریت پر جرح کا بھی حق نہیں۔ اور اس پر لازم ہے کہ اگر وہ بے چون و چرا سرِ اطاعت خم نہیں کرتا تو کم از کم خاموش ہی رہے۔ خواہ اس میں اپنے ضمیر و دیانت کا گلا ہی گھونٹ دینا پڑے۔

اکثریت کی یہ نازک مزاجی۔ مکتوب نگار خود غور کریں۔ کہ کس حد تک معقول ہے؟ ع کان ان کے وہ نازک کہ گراں میری غزل بھی

مکتوب میں کوئی نئی اور مستقل دلیل تکفیرِ قادیانیہ پر پیش کرنے کی بجائے اکتفا صرف اس پر کیا گیا ہے کہ چونکہ "دنیائے اسلامؐ کا فتویٰ ہے۔ متفقہ فیصلہ ہے۔ فلاں فلاں بزرگوں کا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ بہرصورت واجب التسلیم ہے۔ لیکن گذارش یہی ہے کہ:

اتفاق رائے کا یہ منظر "بے نظیر" آخر کیسے قرار دے دیا گیا۔

یہ اتفاق و اجماع کب اور کس فرقہ کی تکفیر سے متعلق ایسے ہی بزرگوں کا نہیں ہو چکا ہے۔ کون فرقہ ایسا ہے۔ کس کی تکفیر کا بالجبر اعلان انہی دلائل کے ماتحت اسی جوش و قوت کے ساتھ بار بار نہیں کیا جا چکا ہے۔ کیا فرقہ شیعہ؟ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی مدظلہ' ماشاءاللہ ابھی ہمارے درمیان بخیریت بعافیت موجود ہیں۔ اور وہ یقیناً اہلِ سنت کے ایک بڑے اور ممتاز عالم دین۔ ذرا انہی سے دریافت فرمایا جائے۔ ان کے قلم کا مرتب کیا ہوا" علماءِ کرام کا متفقہ فتویٰ" (یہ لفظ یاد رہے)" درباب ارتداد شیعہ اثنا عشریہ" ابھی یاد میں تازہ ہے جس میں یہ تصریح موجود ہے کہ شیعوں کی تکفیر میں کسی کو اختلاف ہو نہیں سکتا۔ اور تصریح در تصریح یہ کہ

ان کا ہاتھ کا ذبیحہ حرام۔ ان سے مناکحت ناجائز۔ ان کا جنازہ پڑھنا ناجائز۔ انہیں اپنے جنازوں میں شریک کرنا ناجائز۔ ان کا چندہ اپنی مسجدوں میں لینا ناجائز ــــــ غرض یہ کہ ان سے کوئی سا معاملہ مسلمانوں کا سا کرنا جائز نہیں۔

گویا سید کلب حسین اور اللہ بھگوان دین ایک سطح پر

اس فتویٰ کفر و ارتداد پر آپ دستخط سنیں گے کہ کن کن بزرگوں کے ہیں۔ کہنا چاہیئے کہ سارے دیو بند کے۔ مولانا مرتضیٰ حسن۔ مولانا حسین احمد مولانا محمد شفیع۔ مولانا اعزاز علی۔ مولانا اصغر حسین۔ مولانا فضل احمد۔ مولانا محمد انور۔ (عجب نہیں کہ یہ وہی مشہور فاضل عصر مولانا انور شاہ کاشمیری ہی ہوں) مولانا محمد طیب۔ مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہان پوری۔ مولانا محمد چراغ (گوجرانوالہ) مولانا محمد منظور نعمانی وغیرہم۔ پھر اس پہلے پر دہلہ جناب ناظر حسین صاحب ناظم تعلیمات دیوبند کے قلم سے کہ روافض صرف مرتد اور کافر اور خارج از اسلام ہی نہیں۔ بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن بھی اسی درجہ میں ہے کہ دوسرے فریق کم ہی نکلیں گے۔ اور اسی متفقہ فتویٰ میں تائیدی حوالہ حضرت بحرالعلوم فرنگی محل کا بھی درج ہے اور خود موجودہ امیر شریعت پنجاب آج سے چند سال قبل اپنی لکھنؤ (احاطہ شیخ شوکت علی) کی تقریروں میں فرقہ شیعہ کے باب میں جو کچھ فرما چکے ہیں اسے کوئی کیسے بھلا دے۔

پھر انہی حضرات کا فیصلہ ایسے ہی دلائل کی بناء پر اسماعیلیوں اور آغا خان اور سارے آغا خانیوں کے کفر اور اسلام سے متعلق کیا ہے۔ اور خود بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم کے عقائدِ مذہبی سے متعلق انہیں مقدمات و مبادی کو تسلیم کرنے بعد فتویٰ کیا مرتب ہوتا ہے۔

سرسید کا زمانہ گذرے ابھی ایک ہی پشت ہوئی ہے۔ مکتوب نگار کے علم با حافظہ میں یقیناً یہ حقیقت محفوظ نہیں رہی کہ جمہور علماء کے حلقہ میں اُن کا استقبال کس روش و انداز سے ہوا تھا۔ وہ "پیرِ نیچر" شاید میرزاحۂ قادیان اور اس کے پیرو "نیچری" شاید قادیانیوں سے بڑھ ہی چڑھ کر تھے۔ اور ان کے اسلام کا دعوےٰ کرنا "خرقِ اجماع" کا مرتکب ہوتا تھا۔ آپ اسے مبالغہ سمجھ رہے ہیں۔ مولوی امداد العلی مرحوم کا رسالہ امداد الاخلاق بہ رجم اہل النفاق کسی لائبریری کے پرانے ذخیروں میں دبا دبایا ہوا ضرور پڑا مل جائے گا۔ ذرا اسے ملاحظہ فرما لیا جائے یا زمانہ کے دوسرے اخبارات اور رسالوں کی فائلوں کو لکھنؤ۔ دہلی۔ سہارنپور۔ رامپور۔ ہندوستان کے ہر ہر شہر کے فقہاءِ کرام کا متفقہ فتویٰ اس شخص کے کفر و ارتداد اور اس کے کالج۔ اس کی کانفرنس سب کی ملعونیت پر ناطق ملے گا۔ دہلوی فتویٰ آپ سنیں گے؟

"ـــــ ایسے ناپاک کا نام مدرسہ رکھنا اور محل تنظیم و تحصیل سمجھنا آدمیت سے نکلنا ہے۔ اور زمرۂ حیوانات میں داخل ہونا ہے۔ صرف کرنا مال کا ایسے محل میں موجب کنندۂ جہنم ہوتا ہے۔ اور ایسے بے محل میں مساعی ہونا ہمیہ اور حطب بننا لازم ہے"

اور لکھنوی فرنگی محل کا فتویٰ:۔

"وجود شیطان اور اجنہ کا منصوص قطعی ہے۔ اور منکر اس کا شیطان ہے۔ بلکہ اس سے بھی زائد کیونکہ خود شیطان کو بھی اپنے وجود سے انکار نہیں .... یہ شخص مخرب دینِ ابلیس لعین کے وسوسہ سے صورت اسلام تخریب دین کی فکر میں ہے ـــــ"

اور متقیان حرم شریف حنفیہ۔ شافعیہ۔ مالکیہ۔ حنبلیہ۔ چاروں مفتی صاحبان کے متفقہ فیصلہ کی تاب آپ لاسکیں گے؟

"ـــــ یہ شخص ضال و مضل ہے بلکہ ابلیس لعین کا خلیفہ ہے۔ اس کا فتنہ یہود و نصاریٰ کے فتنہ سے بھی بڑھ کے ہے۔ خدا اس کو سمجھے، واجب ہے اولی الامر پر اس سے انتقام لینا..... اگر باز آجائے تو بہتر ہے۔ ورنہ ضرب اور حبس سے اس کی تادیب کرنی چاہیئے۔"

مدینہ منورہ کے مفتی احناف کا قلم کیوں پیچھے رہنے لگا:ـــ

"ـــــ یہ شخص یا تو ملحد ہے یا شروع سے کفر کی کسی جانب مائل ہو گیا ہے یا زندیق ہے کہ کوئی دین نہیں۔ یا اباحی ہے کیونکہ منخنقہ کا کھانا مباح بتاتا ہے اور اہلِ مذہب (حنفیہ) کے بیانات سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی توبہ گرفتاری کے بعد قبول نہیں ہوتی ...... ورنہ اس کا قتل واجب ہے دین کی حفاظت کے لئے اور اولی الامر پر واجب ہے کہ ایسا کریں ـــ"

اور شیعہ اور نیچریہ۔ اسمٰعیلیہ کے علاوہ تمام اہلِ اہوا و بدعت و خوارج اور "وہابیہ تجدید" اور تازہ ترین "مودودیہ" متعلق جو موتی قلم پرو چکا ہے۔ اگر ان سب کے اقتباسات نمونہ کے طور پر ہی نقل ہونے لگیں۔ تو مقالہ رسالہ نہیں پوری ضخیم کتاب بن جائے۔ مغالطہ سب میں مشترک یہی ہے کہ نصوص کی تاویل و تکذیب کو ہر جگہ انکار و تکذیب کے برابر سمجھ لیا گیا ہے۔ اور تاویل و تعبیر میں ٹھوکر کھانے والوں کو جوش دینی سے مغلوب ہو کر منکرین و مکذبین کے حکم میں رکھ رہا ہے۔

اس بے علم و بے عمل کے دل میں اپنے اکابر کی بحمداللہ پوری عزت۔ وقعت عظمت۔ عقیدت موجود ہے۔ لیکن "انقیاد کامل" کا رشتہ ذاتِ رسول معصوم کے ساتھ محدود و مخصوص ہے۔ اور جو حضرات آج اپنے علماء و شیوخ کے ہر فیصلہ کو ناطق اور ان کے ہر قول کو گفتۂ او گفتۂ اللہ بود سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ خوش عقیدگی کے غلو میں مبتلا ہیں اور نادانستہ شعوری طور پر بھی

عملاً خود ختمِ نبوت کے منکر ہو رہے ہیں کہ غیر معصوم کو معصوم کے درجے پر رکھے ہوئے ہیں۔

آج سے ۳۰، ۳۱ سال پیشتر تحریکِ خلافت زور شور سے اُٹھی۔ ہر شہر، ہر قریہ میں مجلس خلافت بننے لگی۔ اور بوڑھے سے لے کر بچے تک بڑے جوش و خروش سے اللہ اکبر کے نعرے لگانے لگے۔ تو ایک بڑا اہم اور سنجیدہ مسئلہ یہی پیش ہوا تھا۔ کہ آخر مسلمان سمجھا کس کو جائے گا؟ اس وقت پورے غور و خوض کے بعد بڑے بڑے علماء و مفکرین اُمت کے مشورہ سے یہی فارمولا طے ہوا تھا کہ:

جو بھی اپنے کو مسلمان کہے اور توحید و رسالت کا قائل ہو بس اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔ اور اس کے دوسرے عقائد سے قطع نظر کر لی جائے گی[1]

ان غلط و باطل عقائد پر بحث و جرح یقیناً بجائے خود جاری رہے گی۔ بہر حال کسی کلمہ گو کو بھی اسلام کی عام و وسیع برادری سے خارج نہ کیا جائیگا مجلسِ خلافت کے کارکن بہت سے تو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ جو زندہ ہیں۔ وہ دوسری انجمنوں میں جذب ہو گئے۔ آپ کا یہ خادم جو تحریک کے آخری زمانہ میں مدتوں مجلس مرکزی اور مجلس عاملہ دونوں کا ممبر رہا۔ مرکزی مجلس کے بعض جلسوں کی صدارت کی۔ اور اودھ کی صوبہ خلافت کمیٹی کی برائے نام صدارت مدتوں سر انجام دی اپنے کو مجلس خلافت کا مزاج شناس اگر سمجھے۔ تو شاید بے جا نہ ہو۔ وہ اپنے اس عقیدۂ تعلیم کو دل سے محو کیسے کر دے؟

وحدت کلمہ کی یہ ضرورت جب اس وقت تھی۔ تو موجودہ حالت ضعف انتشار میں اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔

جن حضرات نے دین کے تحفظ کی خاطر اخلاص نیت سے کفر کے فتوے دیئے ہیں۔ وہ عنداللہ ماجور ہوں گے۔ لیکن دوسرے بھی شاید معذور ہیں جنہوں نے اپنی فہم و فراست کے مطابق اس قطع و برید و عمل و اخراج کو اُمت کے حق میں زہر سمجھا ہے۔ اور انہی میں مولانا محمد علی اور شوکت علی اور خود قائد اعظم سے لے کر آپ کے صوبہ کے مہر صاحب اور سالک صاحب شامل ہیں۔ انہیں بھی اخلاص اسلامی اور دردمندی سے معرا نہ سمجھ لیا جائے۔

"صدق" ــــــ اس عنوان کو مستقل موضوع بحث بنا کر نہ کوئی نیا اکھاڑہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور نہ ان مسائل میں تحقیق و تدقیق و موشگافی اس کے دائرہ میں پوری آتی ہے۔ اس لئے ایک مرتبہ یہ مفصل و توضیحی بیان دے کر سر دست اس موضوع کو ختم کیا جاتا ہے۔ ازراہِ کرم کوئی صاحب نہ تائید کی زحمت گوارا فرمائیں۔ نہ تردید کی ــــــ" (صدق ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۲ء)

---

[1] سرسید کے زمانہ میں بھی غالباً سرکار کی طرف سے یہ سوال اُٹھا تھا۔ کہ "مسلمان کسے سمجھا جائے"۔ اس کا جواب اس مردِ ظریف و لطیف نے یہ دیا تھا کہ جو اپنے کو مردم شماری کے رجسٹر میں "مسلمان" لکھائے۔

ایک ضروری اعلان

۱۲ر نومبر ۱۹۷۵ء کو حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر مرحوم کی یاد میں پیغامِ صلح کا محمد علیؒ نمبر شائع ہوگا جو ۲۴ صفحات پر مشتمل ہوگا۔ اسکی تیاری کیلئے آئندہ ۵ر نومبر کا پرچہ شائع نہ ہوگا۔ قارئین کرام مطلع رہیں۔

مکتوب لندن

احمدیہ ہاؤس لندن میں عید الفطر

احمدیہ کنونشن کے بعد احمدیہ ہاؤس لندن میں ۷ر اکتوبر ۱۹۷۵ء بروز منگل عید الفطر کی تقریب منائی گئی۔ قریباً ۷۰ مرد و خواتین نے شرکت فرمائی۔ احمدیہ ہاؤس میں یہ تیسری عید تھی۔ عید کی نماز شیخ محمد طفیل صاحب نے پڑھائی اور خطبہ دیا۔ اس کے بعد حاضرین میں سے رخشی طلعت حسین، ساجدہ بانو عبداللہ ــــ ظفر مسعود۔ خالد اقبال۔ چودھری مجید اور ماہ پارا اقبال نے نعتیہ کلام سنایا، مسز طفیل۔ زاہد عزیز، مسٹر محمد، شفقت قاضی، فاروق عبداللہ، سعدیہ خان، طاہر وسیم نے نظموں کا انگریزی ترجمہ پڑھا۔ یہ سلسلہ ایک بجے دوپہر تک جاری رہا۔

اس کے بعد حاضرین کو کھانا کھلایا گیا جس کی تیاری میں مسز جمیلہ خان، مسٹر حفیظ عزیز۔ خالد عبداللہ۔ مسز طفیل۔ مسز حمید چودھری۔ مسز زیتون خان۔ مسز رخشی طلعت حسین نے حصہ لیا تھا۔

یہ پُر مسرت تقریب چار بجے کے قریب ختم ہوئی۔ اس موقعہ پر ایک مسلمان فرانسیسی خاتون بھی مجلس میں شریک تھیں۔ رخصت ہونے سے قبل انہوں نے سلسلہ احمدیہ میں شمولیت کی خواہش کا اظہار کیا۔ ان سے دوبارہ ملاقات کا وقت مقرر کیا گیا ہے جس میں ان سے ممبر شپ کا فارم پُر کرا لیا جائے گا۔

لندن کے ایک سکول میں عید پر تقریر

عید کے اگلے روز صبح ۹ بجے ساؤتھ فیلڈ سکول ٹوٹنہم گرین لندن میں شیخ محمد طفیل صاحب کو عید کے متعلق ایک تقریر کے لئے بلایا گیا۔ سکول کے تمام اساتذہ اور طلباء و طالبات نے اس تقریر کو سنا۔ بعد میں ہیڈ ماسٹر صاحب شیخ صاحب کو مختلف کلاسوں میں لے گئے جہاں مسلمان طلباء سے ان کی ملاقات کرائی گئی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس حضرت امیر مرحوم کا انگریزی ترجمہ قرآن تھا جسے وہ تمام طلباء کو دکھاتے رہے۔ شیخ صاحب نے رخصت ہونے سے قبل چند اسلامی کتب اور پکتھال مرحوم کا ترجمہ قرآن سکول کی لائبریری کے لئے ہیڈ ماسٹر صاحب کو پیش کیا۔ (مبصر)

اخبارِ احمدیہ

ــــ عید الفطر کے موقعہ پر سلسلہ عالیہ احمدیہ کی خواتین نے جامعہ احمدیہ (احمدیہ بلڈنگس لاہور) کی گیلری کی نئی چٹائیاں خریدنے کے لئے مبلغ اکہتر روپیہ عطا فرمائے ہیں۔

ــــ جھنگ صدر سے محترمہ بیگم صاحبہ شیخ محمد عبداللہ مرحوم نے اپنے پوتے کے عقیقہ کے موقعہ پر پندرہ ۱۵/ روپے انجمن کو بھجوائے ہیں فجزاھا اللہ احسن الجزاء دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بچے کو عمر دراز عطا فرمائے اور وہ اپنے والدین اور خاندان کے لئے باعث خیر و برکت ہو۔

مویشیوں کی چوری — چودھری علی محمد صاحب نمبردار چک ۲۳ر کسم سر تحصیل دہاڑی ضلع ملتان اطلاع دیتے ہیں کہ چند دن ہوئے ان کے ہاں چوری ہو گئی جس میں دو بیل تین بھینسیں اور چار چھوٹے مویشی کوئی شخص یا اشخاص جو غالباً مسلح تھے ٹرک میں لاد کر لے گئے۔ یہ ہزارہا روپیہ کا نقصان ہے جس کی اطلاع پولیس میں دی جا چکی ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ قارئین پیغام صلح میں سے اگر کسی صاحب کو کوئی سراغ مل جائے تو مہربانی فرما کر مندرجہ بالا پتہ پر اطلاع دے کر ممنون فرمائیں۔

اس کے علاوہ تمام احباب جماعت سے التماس ہے کہ اس بارہ میں دعا فرما کر عنداللہ

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۔ ۷ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ ۔ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۷۵ء | نمبر ۴۵-۴۶

تجدید اور نشأۃِ ثانیہ اسلامیہ کا منصور سپہ سالار

(رؤیا حضرت اقدس)

"ایک دردمند اور پُر اُمید دِل"

"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ ان کے اور خواجہ کمال الدین صاحب کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریکِ احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔ یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنت سے خوب واقف ہے۔ جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دِل میں اس کی نشأۃِ ثانیہ کے لئے ایک اُمید ہے۔ جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں۔" (دیکھاں)

(رسالہ اسلامک کلچر۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

"مصنف صحیح انگریزی ترجمہ مع اسناد"

"اگرچہ مولوی محمد علیؒ کی تصنیفات ایک لائبریری کا درجہ رکھتی ہیں، تاہم ان کی شاہکار تصنیف انگریزی ترجمۃ القرآن ہے جس سے آپ نے خود کو زندہ جاوید بنا لیا ہے..... کسی شخص کو یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ مولانا صاحب نے قرآن کریم کے کوئی نئے معانی کئے ہیں، جہاں جہاں اُنہوں نے اختلاف کیا ہے ان کا ترجمہ یا تو صحیح و درست ہے یا انہوں نے اپنے ترجمہ کی تائید میں اسناد پیش کی ہیں۔"

(حافظ غلام سرور صاحب۔ دیباچہ ترجمہ قرآن انگریزی)

"مولانا محمد علیؒ نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کر کے اسلام کی جو مہتم بالشان خدمت انجام دی ہے اسکی تبلیغی افادیت سے انکار کرنا گویا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے اس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے دامنِ اسلام میں پناہ لی بلکہ لاکھوں مسلمانوں کے قلوب ایمان سے منور ہوئے...... مولانا محمد علی آف کامریڈ بھی اسکے بڑے مداح تھے۔"

(مولانا عبدالماجد۔ ایڈیٹر سچ اور صدق جدید)

حضرت مولانا محمد علیؒ اور جماعت احمدیہ لاہور کی بابت چند چیدہ مسلم اکابرین کی آراء

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب { (لاہوری احمدیوں کی تکفیر کسی طرح صحیح نہیں)

"قادیانیوں کا معاملہ صاف ہو تو بھی لاہوری احمدیوں کا معاملہ اس قدر صاف نہیں۔ چونکہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو صرف ایک مجدد مانتے ہیں اس بناء پر ان کی تکفیر کسی طرح صحیح نہیں"۔ (ایک تحقیقی مقالہ صفحہ ۱۹۰)

شیخ محمد اکرام صاحب { (لاہوری احمدی مرزا صاحب کو دیگر مجددین کی مانند ایک مجدد مانتے ہیں)۔

(۱) "لاہوری جماعت مرزا صاحب کی معتقد ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ حتی الوسع اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے وابستہ رکھنا اور ان کے دکھ سکھ میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہے۔ لاہوری احمدی، غیر احمدیوں کو کافر نہیں کہتے۔ مرزا صاحب کی نبوت کے قائل نہیں بلکہ انہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دوسرے بزرگوں کی طرح ایک مجدد مانتے ہیں۔ لاہوری جماعت کا نظم و نسق انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ہاتھ میں ہے۔

"مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔ جنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مذہب کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ اس کے صدر تھے.....
...... ایک اہم کام جو یہ جماعت کر رہی ہے قرآن مجید کی اشاعت ہے بالخصوص انگریزی دان مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کا ترجمہ و تفسیر القرآن انگریزی زبان میں پہلا ترجمہ ہے جو کسی مسلمان کے ہاتھوں انجام پایا۔ آج کل انگریزی ترجمے ہو رہے ہیں لیکن شرف اولیت مولوی محمد علی صاحب کے ترجمہ ہی کو ہے۔

"گزشتہ ربع صدی میں انگریزی خواں طبقہ کو قرآن سے جو زیادہ دلچسپی پیدا ہوئی۔ اس کا ایک بڑا سبب مولوی محمد علی صاحب کا ترجمۃ القرآن ہے۔"

(موج کوثر صفحہ ۱۹۶)

(۲) "قرآن مجید کی اشاعت اور عام مذہبی خدمت کے علاوہ اہم ترین کام جو لاہوری جماعت احمدیہ نے کیا ہے وہ بیرونی ملکوں میں اشاعت ہے۔ اس جماعت نے اتنا عملی کام کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے عیسائی مشنری بھی عام طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے کام میں سب سے بڑی رکاوٹ پاکستانی مسلمان بالخصوص لاہور کے احمدی ہیں"۔ (موج کوثر صفحہ ۳۰۵)

مولانا ابوالکلام آزاد { (جماعت احمدیہ میں اختلاف کا اصل سبب عقیدۂ تکفیر ہوا)

"ایک عرصہ سے جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بناء پر دو جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان ہیں گو وہ مرزا صاحب کے دعووں پر ایمان نہ لائیں۔ لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں وہ قطعی کافر ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ بشیرالدین محمود ہیں۔ اس گروہ نے انہیں اب خلیفہ قرار دیا ہے۔ مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا۔

"مولوی محمد علی صاحب ایم اے نے اس بارہ میں جو تحریر شائع کی ہے اور جس مجموعہ و تعریف ولاہوری کے ساتھ قادیان میں رد کر اظہار واقعے کیا ہے جہاں پہلے گروہ کے رؤسا ہیں وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا"۔ (الہلال ۲۰ر مارچ ۱۹۱۴ء)

ملک محمد جعفر خاں صاحب { (لاہوری جماعت کو ہم ایک طرح مظلوم سمجھتے ہیں)

"لاہوری جماعت کو ہم ایک طرح سے مظلوم سمجھتے ہیں مبائعین کے مقابل میں لوگ بہت تھوڑی تعداد میں ہیں لیکن انہوں نے اشاعت اسلام کا ٹھوس کام قادیانیوں کی نسبت کہیں زیادہ کیا ہے۔" (احمدیہ تحریک ص ۳۱۳)

مدیر کوثر لاہور { (عقیدۂ ختم نبوت کے سلسلہ میں مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کا قابل قدر کام)

"مولوی محمد علی صاحب نے امیر جماعت احمدیہ کی حیثیت سے عقیدۂ ختم نبوت کے سلسلہ میں قابل قدر کام کیا ہے۔" (کوثر ۱۶ر فروری ۱۹۴۵ء)

مولانا عبدالماجد دریابادی { (دہریت اور عیسائیت کے برخلاف عظیم مجاہد "محمد علی لاہوری")

"۱۹۰۹ء تھا اور میں کنگ کالج لکھنؤ میں انٹرمیڈیٹ کے سیکنڈ ایئر کا طالب علم۔ انگریزی میں دہریوں، لامذہبوں، اور لاادریوں (AGNOSTICS) کی تحریروں کے مطالعہ سے اچھا خاصا مسلم سے ملحد (لاادری) بن گیا۔ ذات رسالت سے خصوصی عناد پیدا ہو گیا۔ ایک انگریزی ادبی مرقع میں خوفناک خشم آگیں تصویر دیکھ لی تھی اور میڈیکل کتابوں میں پڑھ لیا تھا کہ وحی تو مرض صرع کی ایک قسم ہوتی ہے۔

"روح و قلب کی یہ کیفیت کچھ عرصے قائم رہی (۱۹۱۸ء یا ۱۹۱۹ء) اس مرض میں افاقہ ہوا ازالہ نہیں) جن کتابوں سے اصلاح ہوئی ان میں ایک مولانا شبلی کی سیرت النبی تھی جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کسی وحشی قسم کے سردار لشکر نہیں بلکہ ایک مصلح قوم کے مشفق اور نرم دل شخص تھے۔

دوسری کتاب انہی مولوی محمد علی لاہوری کا انگریزی ترجمہ قرآن تھی جس نے یہ بتایا کہ قرآن سنی سنائی کہانیوں کا مجموعہ نہیں بلکہ بہت سی گہری اور حکیمانہ حقیقتوں کا جامع ہے۔

اس کے بعد ان کی یہ کتابیں اور پڑھیں۔ سیرت خیرالبشر اور مقام حدیث اور تاریخ خلافت راشدہ، یہ سب اچھی معلوم ہوئیں۔ اور سب سے بڑھ کر ان کی اردو تفسیر بیان القرآن تین جلدوں میں اس میں جابجا روشن خیالی اور نیچریت تو ہے لیکن بحیثیت مجموعی قابل قدر ہے خصوصاً جس زمانہ میں لکھی گئی اس لحاظ سے۔

لاہور میں ایک ملاقات بھی ہوئی تھی، ۱۹۴۲ء میں اور مل کر بھی اچھا خاصا اثر پڑا تھا، چہرہ ایک تہجد گزار کی سی نورانیت رکھتا تھا۔ باقی جس مسئلہ میں وہ غلطی سے مبتلا ہو گئے تھے۔ مرزا صاحب کو وہ ہرگز نبی نہیں مانتے تھے البتہ ایک بزرگ ضرور تسلیم کرتے تھے۔ اس سے اللہ انہیں معاف فرمائے۔

"انہیں کے گروہ کے ایک شخص خواجہ کمال الدین تھے جنہوں نے انگریزی پبلک کے سامنے بڑا تبلیغی کام کیا ہے خصوصاً رد مسیحیت میں۔

"جمہور امت کو یہ چاہیئے تھا کہ اپنے حسن تدبیر سے اس گروہ کو رفتہ رفتہ اپنے میں جذب کر لیں"۔ (صدق جدید ۲۶ر جون ۱۹۴۵ء)

(بشکریہ اخبار روشنی از سرینگر)

علامہ علاؤالدین صدیقی صاحب {

"میں یہ اعتراف کرتا ہوں ان خدمات جلیلہ کا جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اکابرین نے تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں کی ہیں۔ اور اس سے زیادہ شاندار خدمات حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہیں جنہوں نے باہر کی دنیا میں اسلام پھیلانے میں اور مسلمانوں کے اندر انگریزی خواں طبقہ کے اندر اسلام ترویج و اشاعت کرنے میں بیش بہا کام کیا ہے کہ دور قریب میں اس کی مثال نہیں دکھائی دیتی۔ اس پر میں ہدیہ تبرک پیش کرتا ہوں۔ اس بیدار مغز بیدار مقصد تبلیغی انجمن کو جو اسلام کی تبلیغ میں یقیناً کوتاہی نہیں کر رہی"۔

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۲ر نومبر ۱۹۷۵ء

حضرت مولانا محمد علیؒ

حضرت مسیح موعودؑ کی افواج کا منصور سپہ سالار

۱۸۷۴ء کو جب مراد ریاست کپورتھلہ میں حافظ فتح دین صاحب کے ہاں ایک لڑکا تولد ہوا اور جس کا نام محمد علی رکھا گیا تو کسے یہ معلوم تھا کہ اس انسان کو حضرت مسیح موعودؑ کے منصور سپہ سالار ہونے کی خوش نصیبی حاصل ہوگی جس کا ذکر حارث والی حدیث میں آیا ہے اور جس کے بارہ میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں خوشحال ہے! خوشحال ہے!! حافظ صاحب مرحوم نے اپنے دو لڑکوں عزیز بخش اور محمد علی کو پہلے گاؤں کے سکول اور پھر کپورتھلہ کے ہائی سکول میں تعلیم دلوائی۔ میٹرک میں دونوں بھائیوں نے دو دو وظائف حاصل کئے ایک ریاست کی طرف سے اور دوسرا یونیورسٹی میں امتیازی حیثیت حاصل کرنے سے۔ چنانچہ دونو بھائی گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ مولانا محمد علیؒ نے اٹھارہ برس کی کم عمری میں ریاضی میں بی اے کا امتحان ایسے امتیاز سے پاس کیا کہ آپ کو فوراً اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کا پروفیسر مقرر کر دیا گیا۔ کالج کے پرنسپل اس امر پر فخر کیا کرتے کہ ان کے کالج میں محمد علی سا بہترین ریاضی کا لیکچرار ہے۔

ایک مرتبہ انسپکٹر نے یہ ریمارکس دیئے "پروفیسر صاحب اپنے بہت سے طلباء سے کم عمر ہیں" کالج میں پروفیسری کے فرائض ادا کرنے کے ساتھ ایم اے ایل ایل بی میں بھی داخلہ لے لیا۔ اس کے تین امتحانوں میں یکے بعد دیگرے۔ آپ دوئم اوّل اور سوئم آئے۔ ای۔ اے۔ سی (E-A-C) کے مقابلہ میں امتحان کے لئے آپ کا نام منظور ہو چکا تھا اور گورداسپور میں کوٹھی لے کر وکالت کرنے کا ارادہ بھی طے پا چکا تھا چنانچہ سامان ڈال دیا گیا تھا کہ اچانک آپ کی اس جواں سال عمر میں ایک انقلاب آگیا۔ جوانی کی جملہ اُمنگوں اور خواہشوں پر لات مار کر مولانا صاحبؒ اپنے مرشد حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کے مسکن قادیان میں دھونی رما کر بیٹھ گئے۔ کیسی خوش نصیب وہ گھڑی تھی جب حضرت اقدسؑ نے جن کی خدمت میں اکثر مولانا جاکر آپ کی تحریرات کے انگریزی تراجم کیا کرتے، یہ ارشاد فرمایا "ہمارا ارادہ ایک انگریزی رسالہ نکالنے کا ہے" اس ارادہ کے اظہار کی دیر تھی کہ مولانا صاحب سب کچھ ترک کر کے حضرتؑ کی خدمت کے لئے ہمہ تن وقف ہو گئے۔

آخر رسالہ ۱۹۰۲ء میں نکلنا شروع ہوا نام "ریویو آف ریلیجنز" تجویز ہوا چند ہی شمارے شائع ہوئے تھے کہ انگریزی خواں طبقہ میں تہلکہ مچ گیا۔ کلکتہ کے انگریزی اخبار نے یہ لکھا:-

"مرزا صاحب نے اپنے ہاں ایک انگریز چھپا رکھا ہے جو "ریویو آف ریلیجنز" کی ادارت کرتا ہے۔ ہماری یہ رائے اس بناء پر ہے کہ جس قسم کے خالص انگریزی محاورات اس میں لکھے جاتے ہیں وہ بجز کسی انگریز کے کوئی دیسی لکھ نہیں سکتا۔"

یہ روایت بھی مشہور ہے کہ سر میلکم ہیلی جو بعد میں صوبجات متحدہ آگرہ کے گورنر بنے اور اس وقت سرگودھا کے ڈپٹی کمشنر تھے کے نام ان کے احمدی منشی خواں نے "ریویو آف ریلیجنز" جاری کرا دیا۔ چند ماہ بعد ہیلی صاحب نے اپنے منشی خواں کو کہا کہ ان کے نام یہ رسالہ بند کر دیا جائے۔ جب اس کا سبب پوچھا گیا تو کہنے لگے کہ اگر میں اور کچھ عرصہ اس رسالہ کو پڑھتا رہا تو میرے مسلمان ہو جانے کا خطرہ ہے۔ غرضیکہ کیا بلحاظ دینِ اسلام پر نہایت اعلیٰ درجہ کے مضامین کے اور کیا بلحاظ دوسرے مذاہب پر ریویو کے، یہ رسالہ واقعی اسم بامسمّٰی ثابت ہوا۔ یہاں تک اس رسالہ کی دھاک بیٹھ گئی کہ اخبار وطن لاہور نے کئی سو خریداروں اور نقد رقم چندہ کی پیشکش کی۔ مگر ساتھ ہی یہ شرط عائد کی کہ اس میں سے حضرت اقدسؑ کے دعاوی اور سلسلہ احمدیہ سے متعلق مضامین شائع نہ ہوں۔ مگر حضرت مولانا صاحبؒ نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور اس کے رد میں چار صفحات کا ایک مضمون شائع فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم نے یہ رسالہ کسی انسان کے بھروسہ پر جاری نہیں کیا بلکہ یہ احمدیہ تحریک تو خدائے ذوالجلال کی نصرت کے وعدہ پر قائم کی گئی ہے۔ نیز رسالہ میں اگر مجدد و مامور زمانہ کی شخصیت کو اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کو پیش نہ کیا جائے تو کیا مردہ اسلام کو پیش کیا جائے؟ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کا یہ جواب حضرت اقدسؑ کے منجانب اللہ صادق مامور اور سلسلہ احمدیہ کے خدائی سلسلہ پر یقین کی کس قدر زبردست شہادت ہے۔ یہی وہ اعلیٰ اور اول درجہ کا مخلصانہ یقین و ایمان علیٰ وجہ البصیرت تھا جو آپ کو حاصل تھا اور جس کی بناء پر حضرت اقدسؑ نے وقتاً فوقتاً مولانا صاحبؒ کے بارہ میں آراء دیں۔ نہ صرف حضرت اقدسؑ کے ایمانی نور فراست نے حضرت مولانا صاحبؒ کے اس اعلیٰ ترین اخلاص و ایمان کو خوب ملاحظہ فرما لیا تھا بلکہ خدا تعالےٰ نے بھی اپنے الہام سے یہ بتلا دیا تھا کہ مولانا صاحبؒ ایک صالح اور نیک نیت عظیم خادم سلسلہ اور دینِ اسلام ہیں۔ حضرت مولانا کی نسبت حضرت اقدسؑ کی یہ آراء اور آپ کی بابت خدائی الہام و کشوف کا کسی قدر تذکرہ قارئین کرام اسی شیوع میں مطالعہ فرمائیں گے۔ ہم نہایت اختصار سے اس جگہ یہ ذکر صرف تین چار امور تک محدود کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا رحؒ کو تیز بخار ہو گیا طاعون پھیل رہی تھی، مولانا صاحب کو خیال ہوا کہ آپ کو بھی کہیں طاعون نہ ہو گئی ہو۔ جب حضرت اقدسؑ کو اس کی خبر ہوئی تو فوراً آپ کی جائے رہائش پر تشریف لائے اور فرمایا:-

"مولوی صاحب! اگر آپ کو طاعون ہو جائے تو ہمارا دعوےٰ الہام اور یہ سلسلہ جھوٹا ہے"

حضرت اقدسؑ کا آپ کو ہاتھ لگانا ہی تھا کہ تمام بخار ٹھنڈا پڑ گیا، اس خدائی نشان کا ذکر حضرت اقدسؑ نے خود اپنی کتب میں کیا ہے۔

بظاہر یہ نشان اسی پر ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کے پیچھے ایک حقیقت مخفی تھی اور جسے بعد میں پیش آنے والے واقعات نے وضاحت سے ثابت کر دیا کہ اگر مولانا صاحبؒ حضرت اقدسؑ کی زندگی میں فوت ہو جاتے تو فی الواقع حضرت اقدسؑ اور آپ کے سلسلہ کی صداقت ثابت نہ کی جا سکتی۔ اس لئے کہ حضرت اقدسؑ کے دعویٰ مجددیت اور تحریک احمدیہ کے اشاعت اسلام کی تحریک ہونے کے ثبوت صرف حضرت مولانا رحؒ کی تحریرات سے ہی ملتے ہیں۔ اور جماعت احمدیہ لاہور جس کے آپ بانی اور قائد اوّل رہے، کے وجود سے ہی ثابت کئے جا سکتے ہیں۔ اس میں کیا شک ہے کہ مولانا صاحبؒ کی تصانیف اور جماعت احمدیہ لاہور کے وجود کے باعث ہی حضرت اقدسؑ اور سلسلہ احمدیہ کی صداقت مبرہن کی جا سکتی ہیں۔

پس یہ خدائی نشان اپنے اندر ایک عظیم حقیقت مرکوز رکھ رہا ہے۔

(۲) دوسرا کشف جس میں حضرت مولانا رحؒ کی عظمت بتلانا مقصود ہے وہ ہے جس میں حضرت گھوڑے پر سوار کسی طرف جا رہے ہیں مگر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جاتا ہے اور لڑکوں اور عورتوں نے شور مچانا شروع کر دیا ہے۔ پھر روشنی نمودار ہوئی تو حضرت مولانا عبدالکریم نے آکر حضرتؑ کو ایک خاص قلم بطور تحفہ عطا کیا۔ مگر حضرت نے فرمایا میں نے تو یہ قلم نہیں منگوا یا۔ اس پر مولانا عبدالکریمؓ نے کہا کہ پھر یہ مولانا محمد علی رحؒ نے منگوایا ہے۔ تو حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ اچھا میں یہ قلم مولوی محمد علی کو دیدوں

اس رؤیا کی ایک تعبیر خود حضرت اقدسؑ نے بیان فرمائی ہے، یعنی یہ کہ مخالفین کے رد میں مولوی صاحب موصوف اعلیٰ مضامین لکھیں گے۔ سو یہ تعبیر بھی واقعات میں نہایت عمدہ طور پر درست نکل چکی ہے۔ کیونکہ حضرت مولانا صاحبؒ کے قلم سے جو تفسیر قرآن اور تصویر دینِ اسلام، دنیا میں پیش کی گئی ہیں، متفقہ طور پر وہی تفسیر اور تصویر، اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی داغ بیل ڈالنے والی ثابت ہو چکی ہیں۔ لیکن اس کشف میں ایک دگر حقیقت کا بھی ذکر موجود ہے جس کی طرف عام طور پر توجہ نہیں کی گئی اور وہ وہی ہے جس کا اشارہ طاعون والے نشان میں ہے۔ مگر اس میں کسی قدر وضاحت سے ہے۔ چنانچہ اس قلم والے کشف میں حضرت اقدسؑ جب کسی منزل کی طرف جا رہے ہیں تو گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جاتا ہے۔ نیز لڑکے اور عورتیں شور مچا رہے ہیں۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت اقدسؑ کی اصل منزل اشاعتِ دین اور علمِ قرآن بعض جذباتی اصحابِ جماعت کے رویہ سے اوجھل ہو جائے گی تو اس اندھیرے **وقتوں میں جس شخص کا قلم ختمِ نبوت اور وحدت المسلمین کے بنیادی مسائل پر روشنی ڈالے گا وہ حضرت مولانا محمد علی رحؒ کا قلم حقیقت رقم ہی ہوگا۔**

اب دیکھو کہ واقعات حقہ میں یہ خدائی کشف کس طرح صادق ثابت ہو رہا ہے۔ کس طرح حضرت مولانا صاحبؒ کے رشحاتِ قلم ہی سے دنیا میں روشنی نمودار ہوئی کہ حضرت اقدسؑ کوئی الگ نبوت، علیحدہ دین اور نئی امت قائم کرنے نہیں آئے تھے بلکہ یہ سب خدائی کارروائی بجز نبوت حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم اور بجز صداقتِ و اشاعت اسلام اور کچھ مقصد اپنے اندر نہیں رکھتی، نہ ہی حضرت اقدسؑ کو سیاست سے کچھ واسطہ ہے۔ اور نہ ہی کسی ریاست کے قیام سے کچھ مطلب۔

(۳) ایک اور کشف میں حضرت اقدسؑ ایک گھوڑے پر سوار ہیں اور آپ کے پیچھے حضرت مولانا بیٹھے ہیں۔ گھوڑا تیز رفتار ہے اور موڑ خطرناک ہیں مگر گھوڑا تمام موڑ بخیریت نکل جاتا ہے۔ کشف میں حضرت اقدسؑ حضرت مولانا رحؒ کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں

"ان کا نام 'مجدالدین' ہے۔"

اب کیا دنیا اس حقیقت کی شاہد نہیں کہ دینِ اسلام اور فرقانِ مجید کو جس قدر عظمت و تمکنت حضرت مولانا رحؒ صاحب کی تصنیفات سے پہنچی ہے اور جس کا اعتراف مسلم و غیر مسلم اکابرین نے برملا کیا ہے یہ خدماتِ عظیمہ حضرت مولانا رحؒ کے ہاتھ سے انجام پانا تھیں جن کی بناء پر خدائی کشف میں حضرت اقدسؑ نے مولانا صاحب کو یہ بشارت عظمیٰ دی:—

"آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے
آؤ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔"

تعجب تو یہ ہے کہ جو اصحاب حضرت اقدسؑ کی صداقت کے قائل اور سلسلہ احمدیہ کے منجانب اللہ برحق ہونے کے معترف ہیں وہ کیونکر حضرت اقدسؑ کے ان الہٰی الہامات و کشوف اور واقعات میں ان کے من و عن پورا ہو جانے سے انکار کر سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ احمدیہ جماعت کے جملہ افراد اور غیر از جماعت کے قلوب کو ان حقائق کے تسلیم کرنے کی توفیق عنایت کرے۔ واللہ المستعان علیٰ ما تصفون۔

ہم نے اپنے احباب کی خدمت میں حضرت مولانا محمد علی رحؒ کی خدماتِ جلیلہ اور تصنیفات عظیمہ کا جو دینِ اسلام کا اس زمانہ میں انقلاب پیدا کرنے والی ہیں ایک حقیر سا مرقع پیش کر دیا ہے ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

(ڈاکٹر اللہ بخش)

مولوی عبدالرؤف صاحب کو ناگہانی صدمہ

ہونہار نوجوان بیٹے کی حادثانہ موت

احباب کرام نے چند روز ہوئے یہ خبر پڑھی ہوگی کہ گورنمنٹ کالج لاہور کا ایک بی ایس سی کا طالب علم خالد محمود گذشتہ اتوار* کو نیو کیمپس کی نہر میں بمع سکوٹر گر کر جان بحق ہو گیا۔ احباب کو یہ معلوم کر کے از حد صدمہ ہوگا کہ یہ ہونہار نوجوان ہمارے عزیز دوست اور اس اخبار کے مدیر معاون مولوی عبدالرؤف صاحب کا سب سے چھوٹا صاحبزادہ تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرے روز نہر سے نعش ملنے پر "دارالسلام" میں جنازہ پڑھا گیا۔ جس میں کثرت سے احباب نے شمولیت اختیار کی۔ احباب جماعت سے بھی جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

ہمیں اس حادثہ جانکاہ میں مولوی صاحب، آپ کی اہلیہ محترمہ اور خاندان کے دیگر اعزہ و اقارب سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل اور حوصلہ کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

*۔ ۲ر نومبر ۱۹۷۵ء — چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش

خالد

دنیا بھی اس طرح سے کسی کی نہ ہو سیاہ
آنکھوں کا نور عہدِ جوانی میں گم نہ ہو
اے سیلِ مرگ شہر سے آہستہ تر گزر
موتی کسی کا نہر کے پانی میں گم نہ ہو

—— اصغر سلیم

(بشکریہ امروز۔ ۴ر نومبر ۱۹۷۵ء)

اعتذار

بعض مضامین ہمارے احباب کرام نے "محمد علیؒ نمبر" کے لئے ارسال فرمائے ہیں لیکن دیر سے موصول ہونے کے باعث وہ اس نمبر میں شائع نہیں ہو سکے۔ اس پر ہم ان سے معذرت خواہ ہیں۔ البتہ یہ تمام مضامین اگلے شیوع مؤرخہ ۱۹ر نومبر میں شائع کئے جا رہے ہیں۔

(ادارہ)

ارشاد حضرت امیر مرحوم

خوب یاد رکھیں اگر آپ قرآن کی عزت دلوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کا ذریعہ ایک ہی ہے کہ اس کی تعلیم کو لوگوں تک پہنچایا جائے۔ اگر آپ ایسا کریں تو کیا بعید ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دوہرا دے۔

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کمالات

مادیت اور دہریت کے دورِ ظلمت میں بھٹکتے ہوئے انسانوں کو نورِ یقین سے پُر کر دیا۔

(محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب ایم ایس سی ایبٹ آباد)

شیکسپیئر کو انگریزی ادب میں بلا شبہ ایک لاثانی مقام حاصل ہے۔ یہ شاید اسی کا مقولہ ہے کہ "نام میں کیا ہے۔ گلاب کو جس نام سے بھی پکارو اس کی خوشبو ویسی ہی ہوگی"۔ کہتے ہیں انسانی نفسیات اور تجربات پر اس کی بڑی نظر تھی۔ مگر وہ حقیقت ناآشنا اس سے قطعاً بے خبر تھا کہ جب پہلے انسان نے خلیفۃ اللہ کے روپ میں سطح ارضی پر قدم رکھا تو اسے خالق کائنات نے ان تمام اشیاء کے نام سکھا دیئے جو اس وقت اس کے ماحول میں موجود تھیں۔ اور انسانی تجربہ اسی معرفت کی روشنی میں تحقیق و تفتیش کے میدان میں آگے بڑھتا رہا۔ کسی چیز کا نام۔ اس کی شناخت اور خصوصیات ایک دوسرے کا جزو لاینفک بن گئی ہیں۔ کونین کو شکر کے نام سے پکار کر میٹھاپن کی امید رکھنا دھوکا اور خود فریبی ہے۔ اگر نام میں کچھ نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ناموں احمدؐ اور محمدؐ نے اپنی خصوصیات۔ صفات اور تاثیرات سے دنیا کو جس طرح ضلالت اور گمراہی کی ظلمتوں سے نکال کر آشنائے رازِ حقیقت کیا ہے اور جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ میرے خیال میں ایسا معجزہ کبھی رونما نہ ہوتا۔ آج سے چودہ سو سال پہلے کا ذکر کیا آج بھی جس نے اس اسماءِ گرامی کو اپنا لیا۔ اپنے روئیں روئیں میں سمو لیا۔ اس چشمۂ کوثر سے اپنے خشک لبوں کو تر کر لیا وہ نہ صرف خود زندہ ہو گیا بلکہ اس کا وجود زندہ خدا کی ہستی پہ دلیل ٹھہر کر اوروں کے لئے بھی زندگی کا سامان ہو گیا۔

میرے سامنے جب بھی نام "محمد علی" آتا ہے میرے تصور کے پردے پر دو عظیم المرتبت شخصیتوں کی تصاویر بڑی نمایاں رنگ میں ابھر آتی ہیں۔ ایک حضرت مولانا محمد علیؒ مرحوم امیر جماعت احمدیہ لاہور اور دوسرے حضرت قائد اعظم محمد علیؒ جناح۔ ایک میرا دینی رہنما تھا اور دوسرا سیاسی رہنما۔ دونوں کے دل ایک عشق سے زندہ تھے۔ ایک نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے علم و عرفان کے وہ چشمے بہا دیئے کہ مردہ دلوں کو زندگی کا پیغام دے گئے۔ دہریت کے دروازے پر دستک دینے والوں کو لوٹ آنے پر مجبور کر دیا۔ شکوک و شبہات میں بھٹکتے ہوئے انسانوں کو نور یقین سے پُر کر دیا۔ اللہ۔ محمدؐ اور غلام احمدؑ کی محبت کے بحرِ بیکراں میں غوطہ زن ہو کر وہ بیش بہا موتی اور لعل و جواہر نکال لایا جن کی تابناکی نے یورپ کے فلسفہ اور سائنس کی آنکھیں چکا چوند کر دیں اسلام اور بانیٔ اسلام، کی دنیا کے سامنے وہ تصویر پیش کی جس کے حسن دلآویز نے سینکڑوں دل موہ لئے۔ بے باک زبانیں بند ہو گئیں اور وحشی انسانوں کا اسلام ایک ایسی تہذیب و ثقافت کا گہوارہ دکھائی دینے لگا جس نے مغرب کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی سے روشناس کیا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ یہ نام دو ناموں سے مرکب ہے۔ ایک "مدینۃ العلمؐ" تھا اور دوسرا اس کا "دروازہ" اور اس کی تربیت بھی "مدینۃ العلمؐ" کے ایک شاگرد کے ہاتھوں میں ہوئی۔

میرے سیاسی رہنما نے شب و روز کی ان تھک محنت۔ شدید جد و جہد اور کاوش سے تین مخالف قوتوں انگریز، ہندو اور خود کانگرسی مسلمانوں کا اپنی سیاسی بصیرت اور قوت ایمانی سے مقابلہ کر کے مسلمانوں کے لئے ایک ایسا ملک حاصل کیا جہاں وہ اپنی تہذیب۔ ثقافت اور روایاتِ اسلامی کو زندہ کر کے آزادی سے نظریہ اسلام کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ ملک تو بن گیا لیکن ان کا یہ خواب آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ بلکہ بدقسمتی سے رسم یہ چل نکلی ہے کہ کیسے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں کو ان کے اس استحقاق سے محروم کیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو قرآن اور حدیث کی تعریف کے مطابق مسلمان کہلائیں۔ پاکستان کا دنیا کے نقشے پہ ایک نئے ملک کی صورت میں نمودار ہونا بھی میرے خیال میں اسی نام میں پنہاں خفیہ قوتوں کا مرہونِ منت ہے۔ محمدؐ آنحضرت صلعم کا جلالی نام ہے اور علیؓ طاقت اور قوت کے مظہر ہیں۔

عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن بھی محمد علی ہے۔ سوائے ایک مرتبہ کے آج تک اللہ تعالےٰ نے اسے اپنا یہ اعزاز برقرار رکھنے میں مدد دی ہے۔ اسے میری کسی خود ستائی یا خود نمائی پر محمول نہ کیجئے۔ جب بھی محمد علی کا مقابلہ اپنے کسی حریف سے ہوا میں نے ہمیشہ سجدہ میں یہ دعا کی کہ "اے اللہ تعالےٰ تمام قوتوں کا سرچشمہ تو ہے اس کا نام محمد علی ہے اس نام کی لاج رکھنا" اگر نام میں کچھ نہیں ہے تو ایسا کیوں ہے۔

میں نہ تو سوانح نگار ہوں کہ حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے مختلف گوشوں کو منظر عام پر لا سکوں اس کے لئے "مجاہد کبیر" موجود ہے اور نہ ہی کوئی نقاد ہوں کہ علم و ادب کے اس سرمائے پہ تنقیدی نگاہ ڈال سکوں جو آپ کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ آپ کی نوکِ قلم سے نکلے ہوئے کسی ادبی پارے کو بطور تحفہ قبول کرنے والا جب پیش کرنے والے کے ہاتھ چوم لے تو اس سے بڑھ کر اور کیا دادِ تحسین دی جا سکتی ہے۔ اس پہ تو سینکڑوں غیروں اور اپنوں کی رائے موجود ہے۔ مجھ ایسا انسان جس کا دامن علمی لحاظ سے بڑا کوتاہ ہے اس پر رائے دینے کی کیا جرأت کر سکتا ہے۔

میں یہی جانتا ہوں کہ وہ جماعت احمدیہ لاہور کے صدر اور امیر تھے۔ میں نے آپ کے متعلق کچھ سنا ہے، کچھ دیکھا ہے اور کچھ پڑھا ہے۔

سنا اور پڑھا کیا ہے۔ یہی کہ اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں اعزازات کے ساتھ حاصل کر لی ہیں۔ عنفوان شباب ہے۔ تمناؤں اور آرزوؤں کی وسیع دنیا سامنے ہے اعلیٰ مراتب پر پہنچنے کے مواقع بھی موجود ہیں اور دل میں خواہش بھی چٹکیاں لے رہی ہے۔ عملی زندگی میں قدم رکھنے ہی والے ہیں۔ کوئی کشش۔ کوئی نامعلوم طاقت کشاں کشاں کوچۂ محبوب میں پہنچا دیتی ہے۔ وہ ہمیشہ نیچی رہنے والی نگاہِ مقدس یکبارگی اٹھ کر قلب و جگر کی دنیا میں ہل چل مچا دیتی ہے۔ دنیا کی آرزوئیں اور تمنائیں خاکستر ہو جاتی ہیں۔ اپنا سب کچھ اپنے محبوب کے قدموں میں ڈال کر وہیں کے ہو رہے۔ مردِ مومن کی ایک نگاہ سے تقدیر بدل گئی۔ تقدیر کیا بدلی دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ ایک نئی زندگی مل گئی۔ مسیح زمانہ کے معجزہ کے ایک نشان ٹھہر گئے جسمانی زندگی کے لحاظ سے بھی اور روحانی زندگی کے لحاظ سے بھی۔ کیا یہ سعادت۔ یہ خوش نصیبی و خوش بختی کچھ کم ہے کہ جس در کے ہو رہے اسی کی پُر انوار برکات چار دیواری میں رہنے کو جگہ مل گئی۔ اپنے مرشد کی ہر وقت کی معیت نصیب ہوئی۔ آپ کے ارشادات کی تعمیل میں دیدہ و دل فرشِ راہ کئے۔ یہ آرزو رہی کہ کب زبان مبارک سے کوئی الفاظ نکلیں اور میں انہیں اپنے دامن میں باندھ لوں۔ کب کوئی حکم ملے اور میں اس کی تعمیل کروں۔ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کوثر سے پلانے والا یہ بھی ایک عجیب ساقی تھا کہ جسے پلایا اتنا مدہوش ہوا کہ اپنا سب کچھ بھول گیا۔ اس کا چہرہ ہی اس

والے دردوں کی غمازی کر دیتا کہ یہ اس دنیا کا انسان نہیں ۔ حضرت امیر مرحوم ایسے انسانوں میں بھی ایک ممتاز مقام رکھتے تھے ۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ حضرت صاحب نے کسی موقعہ پر فرمایا کہ جو فرشتہ میرے اندر بولتا ہے وہی محمد علی رضؓ کے اندر بولتا ہے ۔ کیا یہ وہی مقام نہیں کہ؎

تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

بیان القرآن کے دیباچہ میں آپ کا اپنا یہ صریح اعتراف موجود ہے ۔ کہ

جمالِ ہمنشیں درمن اثر کرد + وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

"اپنے محسن کے احسانات کا کتنا حسین اعتراف ہے اور اپنے عجز و انکسار کا کیسا اظہار ۔ مگر دکھ کی بات یہ ہے کہ اس کے مقام کو اپنوں نے نہ جانا بیگانے کیا پہچانیں گے ۔ ہاں اس ملک سے باہر کسی وطن میں چلے جائیے ۔ یورپ ہو، امریکہ ۔ افریقہ .... آسٹریلیا ہو یا کوئی اور ملک آپ کو کہیں نہ کہیں کوئی ایسا قدر شناس انسان ضرور مل جائے گا جو محمد علی کا نام سُن کر یہ پکار اُٹھے ہاں میں اندھیروں میں بھٹک رہا تھا مجھے روشنی میں لانے والا میرا محسن یہی " محمد علی لاہوری" ہے ۔ ایسے میں اس کی عظمت کے سامنے سر جھک ہی جاتا ہے ۔ اور جھکتا رہے گا ۔ اپنے مرشد سے جوانی میں جو عہد باندھا آخری سانس تک اسے نبھایا ۔

اور میں نے دیکھا کیا :۔

یہ ۱۹۲۷ء دسمبر کا واقعہ ہے جب میں پانچویں یا چھٹی جماعت کا طالب علم تھا ۔ میرے محسن و مربی حضرت مولانا مولوی محمد یحییٰ صاحب مرحوم و مغفور تین چار دوسرے بچوں کے ساتھ پہلی بار مجھے جلسہ سالانہ پر اپنے ہمراہ لائے ۔ بچپن کا دور تھا ۔ نمازیں بھی مجبوراً پڑھنی پڑتی تھیں اور تقریریں سننے کا بھی حکم تھا ۔ بیعت کا اعلان ہوا ۔ ہمیں بھی بیعت کے لئے لے جایا گیا ۔ جو آپ فرماتے رہے ہم دوہراتے رہے ۔ میں خاص طور پر آپ کے چہرے کی طرف دیکھتا جاتا تھا ۔ میرے دل و دماغ پر آپ کی شخصیت ۔ چہرے کی تروتازگی اور رونق کا ایک عجیب سا پُرکشش اثر ہوا ۔ میں سمجھتا ہوں ایک مومن انسان کے اندر مقناطیسی قوت ہوتی ہے جو خواہ مخواہ اس کے پاس بیٹھنے والوں اور قریب آنے والوں کو اپنی طرف کھینچ کر ان پر اثر انداز ہوتی رہتی ہے کونوا مع الصادقین میں شاید یہی فلسفہ پوشیدہ ہے ۔

ان گلیوں میں کچھ اور ہستیوں کو بھی ادھر ادھر مہمانوں میں چلتے پھرتے ۔ اُن سے ملتے ۔ ان کے حال احوال پوچھتے بھی دیکھا ۔ سب ایک ہی رنگ میں رنگین نظر آتے تھے ۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ان میں کیا روح پھونک دی تھی ۔ کچھ عجیب لوگ تھے ۔ محبت ہمدردی ۔ اخلاص ۔ عجز و انکسار اور تواضع کے پیکر ۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے دور ۔ احمدیہ بلڈنگس کی ساری فضا ہی مسحور کن تھی ۔ سادہ سی مسجد سادہ سادہ رہائشی مکانات اور سادہ سادہ سے دفاتر ۔ نمازوں میں خشوع وخضوع اور آنکھیں اشکبار ۔ اب تو رنگ ہی بدل گیا ہے ۔ کاش وہ دن لوٹ آئیں ۔ ایسا کیوں تھا ۔ اس لئے کہ ہر ایک کو اپنی ذات اور مفاد کا نہیں بلکہ اس بات کا غم کھائے جا رہا تھا ۔ کہ جو امانت حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمارے سپرد کر گئے ہیں اس کے بار سے کس طرح عہدہ برآ ہوا جائے ۔ آپ کے مشن کی تکمیل کیسے ہو ۔ قرآن کو کیسے غیر اقوام تک ان کی اپنی زبانوں میں پہنچایا جائے ۔ مقصد کی یک جہتی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب لیڈر بے لوث اور بے غرض ہو ۔ اس کے اپنے اندر جو آگ سُلگ رہی ہے اس کی حرارت دوسروں تک بھی پہنچا سکے ۔ اور اس کے ساتھیوں کو اس پر اعتماد ہو ۔ اس کی نگاہ بلند ۔ سخن دلنواز اور جان پُرسوز ہو ۔

یہی بات تھی کہ جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوتے سننے والے ہمہ تن گوش ہو جاتے ۔ گلیوں میں گھومنے والے چھوٹے بڑے جلسہ گاہ کی طرف بھاگے آتے ۔ لوگوں کے ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنی جیبوں میں چلے جاتے ۔ ہر ایک یہ سوچتا کہ جب آپ کی زبان سے نصرتِ دین کی خاطر مالی امداد کے لئے اپیل ہو، میں پیچھے نہ رہ جاؤں ۔ میں نے تقریباً ہر جلسہ میں ایک بزرگ کو اپنے ہاتھوں میں کچکول لے کر جلسہ گاہ میں گھومتے پھرتے دیکھا ۔ جب ان کا کاسۂ گدائی دو دو آنے چار چار آنے سے بھر جاتا وہ سٹیج پر جا کر اسے انڈیل دیتے ۔ اور ایک دوسرے بزرگ کا یہ جذبہ تو میرے لئے ایک ناقابلِ فراموش واقعہ بن گیا ہے کہ وہ سارا سال گھاس کاٹتے اور جلسہ سالانہ کے لئے یوں رقم جمع کر کے ساتھ لاتے اور خدا کے دین کے لئے نذر کر دیتے ۔

باہر سے آنے والے مہمانوں کے آرام کا ہر طرح خیال کرتے ۔ انہیں کمبلوں میں لپٹے ہوئے سادہ سادہ لباس والے دیہاتیوں سے بہت پیار تھا ۔ کیونکہ یہی ان کی قوت تھی ۔ مجھے یاد ہے ایک بار جب جلسہ ختم ہو گیا تو مسلم ہائی سکول میں ابھی کچھ مہمان ٹھہرے ہوئے تھے ۔ لیکن کارکنوں کو صفائی کا حکم ملا ۔ وہ ایک کمرے سے پرالی اُٹھا کر باہر پھینک رہے تھے کہ اس میں ٹھہرے ہوئے ایک مہمان آ گئے ۔ انہوں نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے ۔ ہم تو ابھی یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں ۔ انہوں نے جواب دیا ہمیں حکم ہوا ہے ۔ یہ مہمان سیدھے حضرت امیر مرحوم کے پاس حاضر ہوئے ۔ آپ اس وقت آرام فرما رہے تھے انہوں نے ایک ملازم کو اندر اطلاع کرنے کو کہا مگر اس نے یہی جواب دیا کہ آپ اس وقت آرام فرما رہے ہیں ۔ مہمان کہنے لگے " وہ تو پلنگ پر آرام کر رہے ہوں گے اور ہمیں یہاں پرالی کے فرش پر بھی کوئی سونے نہیں دیتا " آپ کے کانوں میں یہ بات پڑ گئی ۔ فوراً باہر تشریف لے آئے ۔ معاملہ دریافت کیا ۔ اور صرف اتنا فرمایا کہ آپ جائیں ۔ مہمان چلے گئے ۔ صرف ان کا ہی کیا سارے مہمانوں کے آرام کا بندوبست ہو گیا ۔ حضرت امیرؒ کو آئندہ جمعہ کے خطبہ کے لئے موضوع مل گیا ۔ اور وہ درد بھرا خطبہ ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی آنکھیں چھلک اُٹھیں اور بعض رقیق القلب انسانوں کی داڑھیاں تر ہو گئیں ۔ اور وفورِ جذبات سے آپ کا چہرہ تمتما رہا تھا ۔ یہ دیکھ کر کوئی بھی اندازہ نہیں کر سکتا تھا ۔ کہ اس متین ، سنجیدہ اور خاموش چہرہ والے انسان کے قلب کی گہرائیوں میں درد ۔ پیار ۔ محبت اور خلوص کے کیسے جذبات موجزن رہتے ہیں ۔ آپ جانتے تھے کہ کسی قوم یا جماعت کی طاقت اور قوت کا اصلی سرچشمہ اس کا غریب طبقہ ہوتا ہے ۔ اس طبقہ میں وفا بھی ہوتی ہے ۔ اخلاص اور محبت بھی ۔ قرآن کا مفسر ہونے کی حیثیت سے آپ عبس و تولیٰ کے فلسفہ سے بھی باخبر تھے ۔ جلسہ کے اختتام پر بیرونی جماعتوں سے ملاقات کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا ۔ تاکہ ہر جماعت کے ہر فرد سے ملاقات ہو جائے ۔

۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک کا عرصہ جماعت احمدیہ لاہور کا ایک درخشاں باب تھا ۔ اس میں آپ کی شب و روز کی محنت ۔ کاوشوں اور دعاؤں کا بہت بڑا حصہ تھا ۔

میرے لئے تو " محمد علیؓ " ایک جذبہ ۔ ایک تڑپ ، ایک خواہش اور ایک آرزو کا نام ہے اور وہ کیا ہے کہ :۔

" ہمارا کام قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا ہے ۔ اور آگے اپنا کام وہ خود کرے گا ۔ "

اگر آج بھی یہ جماعت اس بجھتی ہوئی چنگاری کو متحد ہو کر اپنے دلوں میں پھر روشن کرے تو وہ اپنی کھوئی ہوئی راہ پر واپس لوٹ کر اپنی منزل اور مقام کو پا سکتی ہے ۔ اور سلامت رہ سکتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ حضرت امیر مرحوم کی روح پہ ہزاروں ہزار رحمتیں نازل فرمائے ۔ آمین

جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب اسلام آباد

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

کتاب "مجاہد کبیر" کو پڑھ جائیے۔ آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے محمد علی کو جو ایک لائق گریجویٹ اور قانون دان تھا شریف النفس تھا۔ مگر اس میں کوئی غیر معمولی ظاہرا خوبی نظر نہ آتی تھی۔ مگر جب وہی شخص مجددِ زمان حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت میں داخل ہو گیا تو اس کی باطنی خوبیاں ابھر کر باہر آگئیں۔ اور امامِ وقت کی دُور بین آنکھ نے فوراً بھانپ لیا کہ یہ ایک گوہر نایاب ہاتھ آیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا۔ اور یقین ہے کہ وہ خدا کے فضل سے تقویٰ اور محبتِ دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھلائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر آمین ثم آمین۔"

سو مجدد وقت کی پیشگوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

انگریزی ماہوار رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" میں حضرت مولانا کی قلم سے اسلامی مسائل اور دیگر مذاہب پر ریویو کے سلسلہ میں ایسے ایسے مفید اور قیمتی مضامین لکھے گئے کہ مذاہب کی سوسائٹیوں میں ایک دھاک بیٹھ گئی۔ مولانا موصوف کی سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ کی حیثیت سے خدمات ایک علیحدہ بات ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی بڑی خواہش تھی کہ کسی طرح قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ و تفسیر لکھی جائے اور بیرونی ممالک میں تبلیغ و اشاعت اسلام کا ذریعہ بنے مگر حضورؑ نے صاف صاف فرمایا کہ:۔

"یہ میرا ہی کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز نہیں ہوگا۔ جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔"

پھر حضرت مسیح موعودؑ نے ایک رویاء دیکھا جس میں آپ کو ایک قلم (مولوی عبدالکریم صاحب کے ذریعہ) دیا گیا۔ جس میں سیاہی بھری ہوئی ہوتی ہے اور وہ قلم آسانی سے بغیر محنت کے چلنے لگتا ہے۔ پھر حضرت صاحب نے رؤیا میں ہی فرمایا:۔ کہ

"میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔ میں نے کہا میں مولوی صاحب کو دے دوں گا۔"

پھر حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے ایک کشف کا ذکر بھی کیا ہے جس میں فرماتے ہیں:

"........ پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی۔ جس کی نسبت یہ بتایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔"

صدر انجمن احمدیہ قادیان نے اپنے ایک ریزولیوشن نمبر ۹۱۹ مؤرخہ ۱۷ جون ۱۹۰۹ء میں فیصلہ کیا:۔

"پیش ہو کر قرار پایا کہ ترجمہ قرآن شریف کا زبان انگریزی میں کیا جائے اور مولوی محمد علی صاحب کو اس کام پر لگایا جائے۔"

سو حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ نے اس عظیم الشان۔ اور سخت محنت اور پڑھنے لکھنے کے کام کو اپنے ذمہ لیا۔ قادیان کا قصبہ جہاں اس وقت نہ بجلی کی روشنی تھی نہ پنکھا۔ دن بھر اور بعض اوقات رات گئے تک کا دماغی کام (جبکہ بعض موقعوں پر مولانا کو موم بتی جلا کر اپنی میز پر بکھری ہوئی کتابوں کی ورق گردانی اور پڑھنے اور نوٹ لینے کا کام بھی کرنا پڑ جاتا تھا) گرمی سردی۔ الگ ستاتی تھی مگر مولانا ہیں کہ اپنے کام میں منہمک۔ کھانے پینے کا ہوش نہیں۔ مگر نمازیں باقاعدہ مسجد میں جا کر ادا کرتے تھے۔ زمانہ گذرتا گیا۔ قرآن کریم کے ترجمہ کا زائد حصہ ترجمہ بمع تفسیر لیا جا چکا تھا۔ اور حضرت مولانا نورالدین صاحبؒ خلیفہ اول کو ساتھ کے ساتھ سنایا جاتا تھا۔ اور حضور کے مشورے سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ ایک دن ایسا ہی مجلس میں جبکہ قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا جا رہا تھا کہ جماعت کے ایک بزرگ

اختلافِ سلسلہ کے بعد

پر قادیان میں آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے سلسلہ میں فتنہ اُٹھا اور کافی گڑبڑ پیدا ہوگئی۔ یہاں تک کہ مولانا محمد علی صاحب کا قیام قادیان میں پُر از خطر ہوگیا۔ تو مولانا نے وہاں سے ہجرت کرکے لاہور (مدینۃ المسیح) جانے کا عزم کر لیا۔ مولانا موصوف نے لوگوں کی باتوں سے محسوس کیا کہ میاں محمود احمد صاحب جو کہ خلیفہ منتخب کئے جا چکے تھے۔ ان کی جماعت کے بعض شوریدہ سر ممبر حضرت مولانا کے انگریزی ترجمہ قرآن کو اپنے ساتھ لے جانے پر روکاوٹیں کھڑی کریں گے۔ اور ممکن ہے ترجمہ کا مسودہ زبردستی چھین کر رکھ لیں۔ میرے عزیز مرحوم کرنل سیّد بشیر حسین نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ ان کے والد بزرگوار حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب (مرحوم) کو بھی اس بات کا احساس تھا۔ انہوں نے اپنے ملازم پنڈت قادر بخش کو قادیان بھیجدیا۔ اور یہ پنڈت قادر بخش تھا جس نے اپنے معمولی سے سامان میں انگریزی ترجمہ قرآن کا مکمل مسودہ باندھ کر رات کو ہی چھپ کر پہلے یکہ کے ذریعہ بٹالہ اسٹیشن پہنچا اور وہاں سے ریل کے ذریعے لاہور پہنچ گیا۔ اور وہاں یہ مسودہ سیّد محمد حسین شاہ نے لے کر اپنے ٹرنک میں بند کر دیا۔ اس کارروائی کی کچھ حقیقت تھی یہ اس امر سے ظاہر ہوا کہ جب مولانا محمد علی صاحب لاہور پہنچنے پر عارضی طور پر ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان کے ایک اُوپر والی منزل کے کمرے میں فروکش تھے کہ ایک دفعہ مولانا موصوف شروع رات کسی کام پر مکان سے باہر تھے کہ بعض افراد نے ان کے کمرے میں چوری داخل ہو کر ان کے اسباب کی تلاشی لی۔ جب مولانا واپس آئے تو اشیاء بکھری پڑی تھیں۔ مگر کوئی ان کی ذاتی چیز چوری نہیں ہوئی تھی۔ جس قیمتی چیز کی چوروں کو تلاش تھی وہ نیچے شاہ صاحب کے کمرے میں ٹرنک میں مقفل پڑی تھی۔

۱۹۱۷ء میں قرآن کریم انگریزی طبع ہو کر شائع ہوگیا۔ اس کے بعد جو کچھ اس ترجمہ قرآن کی مقبولیت دنیا میں ہوئی ہے اس کا علم آہستہ آہستہ دنیا کے تعلیمیافتہ طبقہ میں پھیلتا جاتا ہے۔ اور بھی ترجمے قرآن کریم کے ہوئے۔ جن کی پبلسٹی بھی کافی ہوئی ؎

بڑھائی شیخ نے داڑھی اگرچہ سَن کی سی
مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

کہتے ہیں جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔ ایسی کئی شہادتیں اخباروں میں چھپ چکی ہیں کہ اس خاص انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کریم نے کس طرح دلوں کو موہ لیا۔

(۱) مولانا محمد علی جوہر (مرحوم) نے اپنی اسیری کے زمانے میں اس کو پڑھا اور گرویدہ ہو گئے۔ ایک دفعہ لاہور جب آئے تو مولانا محمد علی صاحب سے ملاقات پر کہنے لگے:۔

"وہ ولایت جا رہے ہیں اگر مولانا اجازت دیں تو وہ وہاں جا کر یہ کہیں کہ جس محمد علی نے یہ ترجمہ کیا ہے وہ مَیں ہوں"

مولانا موصوف نے مسکرا کر فرمایا کہ "ترجمہ تو بے شک محمد علی نے کیا ہے"۔

(۲) مولانا عبدالماجد دریا بادی۔ بڑے قابل عالم تھے۔ مگر مادیت اور غیر مذاہب کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر مذہب اسلام کو ہی خیرباد کہنے پر تلے بیٹھے تھے کہ اس انگریزی ترجمہ قرآن نے ان کا ایمان بچا لیا اور عاقبت بھی۔ اور وہ خود اس کے معترف ہیں۔

(۳) مسٹر یوسف ہارون صاحب نے جب وہ آسٹریلیا میں پاکستان کے ہائی کمشنر تھے ذکر کیا کہ ایک دفعہ آسٹریلین جج اپنے فیملی کے ان سے ملنے آیا اور

کہا کہ وہ مولانا محمد علی لاہوری کا انگریزی ترجمہ قرآن پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں اور مولانا صاحب کے متعلق حالات پوچھتے رہے۔

(۴) بیگم تصدق حسین (لاہوری) نے اپنے ایک امریکہ کے دورے کا ذکر کیا کہ کئی دفعہ ان سے امریکن مردوں اور عورتوں نے (جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ پاکستانی اور لاہوری ہیں) دریافت کیا کہ کیا وہ مولانا محمد علی مفسر قرآن کریم کو جانتی ہیں کیونکہ ان کے ترجمہ قرآن نے ان کو ایک مذہبی روشنی بخشی ہے۔ یہی باتیں ایک دفعہ ایک جنٹلمین کی میٹنگ میں بھی پیش آئیں۔

(۵) بیگم بشیر احمد (سفیر پاکستان در ترکی کی بیگم) نے ایک دفعہ مولانا مرحوم کو لکھا تھا کہ یہاں آپ کی کتابوں کو (جو کہ شیخ الاسلام کے ذریعہ) ترکی زبان میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ ان کے پڑھنے سے ترک تعلیم یافتہ طبقہ آپ کا بہت ممنون ہے۔ اگر آپ یہاں آئیں تو وہ آپ کا شاندار استقبال کریں گے۔ انہیں میں سے ایک صحافی خاتون مس کرتین جب پاکستان کے دورے پر آئیں۔ تو مولانا محمد علی کے متعلق پوچھتی رہیں۔ بالآخر مولوی یعقوب خاں صاحب کے ذریعہ ان کی ملاقات حضرت مولانا محمد علی صاحب سے ہوئی تو انہوں نے مولانا کے ہاتھ چوم لئے۔ اور کہا کہ آپ کے ترجمہ قرآن سے میرا ایمان پھر سے دین اسلام پر تازہ ہوا ہے۔

(۶) جب خود راقم مضمون تعلیم انجنیئرنگ کے سلسلہ میں امریکہ میں تھا تو اس نے انگریزی ترجمہ قرآن کی ایک جلد اپنے کالج کی لائبریری میں تحفۃً پیش کی۔ جس کی اسٹینڈ پر نمائش کی گئی۔ کچھ دنوں بعد ماہ دسمبر کی ایک رات کو جبکہ برف پڑ رہی تھی۔ میری رہائش کے کمرے کی گھنٹی بجی۔ جب دروازہ کھولا تو ایک امریکن جس کے اوور کوٹ اور ہیٹ پر برف پڑی ہوئی تھی۔ گڈ ایوننگ کہکر اندر آیا۔ اور بعد میں انٹروڈیوس کراتے ہوئے کہا کہ آپ کے عطا کردہ ترجمۂ قرآن کریم انگریزی کو میں نے کالج کی لائبریری سے لے کر جستہ جستہ پڑھا ہے اور میرے دل کو بڑی تسکین ہوئی ہے کہ میں نے خدا کو پانے کا صحیح راستہ پالیا۔

(۷) مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور نے ایک دفعہ اپنے مرض الموت کے دوران میرے بھائی نصیر احمد فاروقی کو آہستہ الفاظ میں کہا تھا "ہمارا کام ہے کہ ہم اس قرآن کو دنیا میں پھیلا دیں۔ پھر اپنا کام یعنی تسخیر قلب کا یہ خود کرے گا۔ حیف ہے کہ ہم لوگوں نے اس نصیحت پر کماحقہ عمل نہیں کیا یہ ہماری بدقسمتی ہے۔

مولانا کی قدر و منزلت } حضرت مسیح موعودؑ نے جو کچھ مولانا محمد علی صاحب کے متعلق کہا اور لکھا وہ آپ نے پڑھا ہے۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ نے الہاماً عالم برزخ میں مولانا محمد علی صاحب سے اپنے ایک خطاب کو درج کیا ہے:-

"آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ"

پھر حضرت سید اسد اللہ شاہ صاحب مرحوم و مغفور کو (جو کہ صاحب کشف والہام تھے) ایک دفعہ مولانا محمد علی صاحب کے متعلق الہام ہوا:

ان خلیفتنا فی الارض یقال لہٗ محمد علیؑ ھو لیلۃ القدر والیہ مرجعکم (زمین میں ہمارا خلیفہ ہے جس کا نام محمد علی ہے۔ وہ لیلۃ القدر ہے (یعنی جس طرح لیلۃ القدر میں آسمانی برکات و انوار اترتے ہیں اسی طرح اس انسان میں خدا کے انوار و برکات اترتے ہیں) اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔

پھر حضرت مولانا موصوف کو ان کے مرض الموت کے دوران۔ اللہ تعالے کی طرف سے الہاماً خطاب ہوا: یا عظیم المرتبۃ۔ ویا نحیف الجثہ (اے عظیم مرتبے والے۔ مگر اے نحیف جثہ والے

مجھے یاد ہے کہ جب پاکستان (ماہ اگست ۱۹۴۷ء) بننے پر فسادات شروع ہو گئے اور قتل و خون کا بازار گرم تھا۔ تو ان دنوں میں حضرت مولاناؒ بمع اہل و عیال ڈلہوزی پہاڑ پر (جو کہ اب بھارت میں ہے) مقیم تھے۔ سو اللہ تعالے نے ان لوگوں کو بچانا تھا۔ اس لئے اس موقعہ پر میاں غلام رسول صاحب مرحوم (جھنگ) بھی وہاں مقیم تھے۔ ان کے صاحبزادے میاں غلام حیدر صاحب نے جو اس وقت لاہور میں اعلےٰ پولیس آفیسر تھے۔ کوشش کر کے مسلح گارد ٹرکوں کے ذریعے ڈلہوزی بھیجی اور ان لوگوں کو وہاں سے بچا کر نکال لانے میں کامیاب ہو گئے۔ لاہور پہنچنے پر میری موجودگی میں حضرت مولانا مرحوم نے اپنے ایک عزیز سے شکایت کی کہ ان لوگوں نے مولانا اور ان کے اہل و عیال کو بچا لانے کے سلسلہ میں کوئی مؤثر کارروائی نہیں کی۔ یہ تو خدا تعالے نے خود ہی ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ یہ لوگ بچ کر نکل آئے اور میاں غلام حیدر صاحب تو ۔ کما کے ۔

حضرت مولانا موصوف گھر بار چھوڑ چھاڑ کر کتابوں کا پلندہ اٹھائے بغیر کسی وسیلے کے لاہور تشریف لائے تھے۔ ایسے مواقع بھی شروع شروع میں آئے کہ گھر کا خرچ چلانے کو گھر کے تانبے کے برتن بھی بیچنے پڑ گئے۔ ان کے کئی ایک رفیق اور دینی بھائی جن کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کو الہام ہوا تھا کہ "لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں"۔ وہ مولانا موصوف کی مدد کو جمع ہو گئے۔ پھر خدا نے ان کی کوشش میں برکت ڈالی اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام وجود میں آئی۔ اور پھر آہستہ آہستہ خدا کی مدد سے اس انجمن نے وہ کچھ مذہبی لٹریچر اور مسلم مشن وغیرہ پیدا کئے کہ ایک دھاک بٹھا دی۔

فی زمانہ ہماری جماعت پر ابتلاء اور مصائب کی بوچھاڑ ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے متعلق پہلے ہی سے متنبہ کر دیا تھا۔ کہ یہ ابتلاء اور مصائب آئیں گے مگر ان میں ثابت قدمی، صبر اور دعا سے کام لو۔ خدا ضرور ایام نیک پھر واپس لائے گا۔ بعض ہمارے دوست ٹھوکر کھا گئے اور جماعت کا ساتھ چھوڑ گئے یا اپنے دلوں میں ایسے خیالات رکھتے ہیں۔ میری ان سے التجا ہے کہ موسم خزاں کے بعد موسم بہار بھی انشاءاللہ ضرور آئے گا۔ مگر ؎

مذہب کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اگر ہماری جماعت واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا (یعنی اللہ پر ایمان اور اس کے احکامات کی رسّی مضبوط کر کے پکڑے رہیں اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالیں تو اللہ تعالے پھر ان کو نوازے گا اور ان کا ناصر و مددگار ہوگا۔

جلسہ سالانہ کے لئے تیاری شروع کر دیجئے

۱۔ احمدی خواتین نمائش دستکاری میں حصہ لینے کے لئے اپنی اشیاء ابھی سے بنانا شروع کریں، نوجوان اور چھوٹی بچیوں کو ان کی استعداد کے مطابق نمائش دستکاری میں حصہ لینے کی ترغیب دیں تاکہ انھیں دین کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت ہو۔

۲۔ آپ نہ صرف خود شامل جلسہ ہوں بلکہ دوسرے احباب جماعت کو شمولیت کے لئے آمادہ کریں۔ اور ساتھ لائیں۔

۳۔ جلسہ سالانہ کے تین دن خالصتًہ رضائے الٰہی کے حصول، اسلام کی فتح و نصرت کی دعاؤں کے لئے وقف کریں کہ یہی امام وقت کا مشن تھا۔ اور جماعت بنانے میں یہی حکمت تھی۔

مرزا مسعود بیگ۔ جنرل سیکرٹری۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

حضرت امیرِ مرحوم مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

قوم کے نام

" ایک بات اپنے نوجوان دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ لوگ احمدی قوم کی روایات کو زندہ رکھیں۔ احمدی جماعت دین کو دُنیا میں پھیلانے۔ قرآن کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی اس روایت کو کمزور نہ ہونے دو۔ میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر عزت کا اور کوئی کام اس دنیا میں نہیں۔ یہ وہ کام ہے جس کے لئے خدا انبیاء اور صُلحاء کو کھڑا کرتا رہا۔ دُنیا میں اور بھی بے شمار کام ہیں۔ لیکن خدا اور کسی کام کے لئے انبیاء کو نہیں بھیجتا۔ سو ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ اس زمانے میں جب مسلمانوں نے تبلیغ دین کے کام کو پسِ پُشت ڈال دیا ہوا ہے اللہ تعالےٰ نے ہماری جماعت کو دِین کے پھیلانے کے لئے چُن لیا ہے جہاں ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے وہاں عاجزی اور گریہ کا مقام بھی ہے کہ جس کام کے لئے اللہ تعالےٰ نے اتنے بلند لوگوں کو چُنا تھا اس کے لئے اس زمانے میں ہم ناکارہ اور نالائق لوگوں کو موقعہ دیا ہے۔ سو خدا تعالیٰ سے توفیق مانگو کہ تم اس کسوٹی پر پُورے اُترو ——

—— مَیں پھر اپنے نوجوان دوستوں سے کہوں گا اور بار بار کہوں گا کہ اپنی **قوم کی روایات کو زندہ رکھو۔** اسلامی اخلاق و عادات کی پابندی کرو۔ قرآن کو پڑھو، سُنو، اس پر غور اور عمل کرو۔ اسلامی احکام کے احترام کو اپنا شعار بناؤ۔ ایک دن آئے گا کہ تم اپنے ایک ایک بزرگ کے جسم کو اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دفن کرو گے تمہارے پیچھے آنے والے تمہارے جسموں سے بھی یہی کریں گے۔

اے میرے نوجوان دوستو! میں تمہیں بڑی تاکید کے ساتھ یہ کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے بزرگوں کے ساتھ کہیں اپنی روایات کو دفن نہ کر دینا۔ ان کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا۔ تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ قوم مرتی چلی جاتی ہے۔" (پیغام صلح ۲۰ر نومبر ۱۹۳۸ء)

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مسیح موعودؑ کے وصال کے بعد تقریر

دشوار گذار گھاٹیوں اور خاردار بیابانوں سے

مَردانہ وار گذرو

کتنا بڑا اور عظیم مقصد ہے جو آپ لوگوں کے سامنے ہے۔ گو ایک عظیم الشان پہاڑ آپ کے راستے میں ہے جسے اُٹھا کر آپ نے راستہ صاف کرنا ہے۔ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹانا آسان ہے۔ مگر یہ کام اس سے بھی اہم تر ہے جو ہمارے امام نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ اسلام کو دنیا میں پھیلانا۔ یہ کوئی چھوٹا سا کام ہے؟ یہ کوئی آسان بات ہے؟ مگر تسلی دینے والی جو بات ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ خدا کا وعدہ ہے۔ کہ میں اس جماعت کے ذریعے اسلام کو غلبہ دوں گا۔ پس گھبرانے اور بزدلی دکھانے کی کوئی بات نہیں۔ حضرت اقدسؑ نے خود اپنی تحریروں میں لکھا ہے۔ کہ خدا جانے مَیں نے کن دشوار گذار گھاٹیوں، خاردار بیابانوں اور سنسان جنگلات سے گذرنا ہے پس جن کے پاؤں نازک ہیں۔ اس کو چاہیئے کہ وہ مجھ سے الگ ہو جائے۔ دوستو! اَب وہ وقت آگیا ہے کہ وہ مشکلات کی کٹھن گھاٹیاں اور خاردار جنگل اور ڈراؤنے بیابان ابھی ہمارے آگے ہیں۔ جن کو طے کر کے ہمیں اپنے پاک امام اور ہادیٔ برحق کی بتائی ہوئی منزلِ مقصود پر پہنچنا ہے۔ .... حضرت صاحبؑ کا وجود اس زمانے میں ہمارے لئے خدا کی طرف سے ایک ابرِ رحمت اور سایہ کرم تھا۔ آپؑ نے ہمیں بدیوں سے ہٹا کر نیکی پر قائم کیا۔ ہماری دہریت اور خشک ایمان کو تازہ اور زندہ ایمان سے بدل دیا۔ اور ہمارے دلوں میں خدا اور اس کے رسولؐ کی عزت و عظمت فولاد کی طرح بھر دی ہماری عملی حالتیں ناگفتہ بہ تھیں۔ مگر اس نے کچھ ایسا شربت پلایا کہ نماز اور ذکر الٰہی میں لذّت و سرور آنے لگا اور قرآن مجید کی محبت ہمارے دلوں میں موجزن ہوئی۔ اور ہر ایک نفس نے اپنے مقدور اور استعداد کے مطابق نیکی میں ترقی کی .... باوجود سخت آندھیوں کے وہ خدا کا مامور لاکھوں انسانوں کو اپنی بات منوا گیا۔ اور آپ لوگوں میں اپنی رُوح پیدا کر گیا۔ اگر اس کو لے کر ہم یہ کام کریں تو روحانی فتوحات کے دروازے ہم پر کھولے جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ نے کیسی کیسی فتوحات حاصل کیں، کیوں ان کی رُوح صحابہؓ میں کام کرنے لگی تھی۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ سلسلہ بند نہیں ہو گیا۔ اور ہم لوگوں کا فرض ہے کہ اس مقصدِ عالی کو سامنے رکھ کر کام کریں اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ دینے کی کوشش کریں۔" (الحکم۔ ۱۸ر جولائی ۱۹۰۸ء)

پیغام حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب مرحوم و مغفور ان چند بزرگ ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے اسلام کی خدمت اعلیٰ درجے کے اخلاص کے ساتھ سرانجام دی۔ رہتی دنیا تک لوگ ان کی تصانیف سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر نہایت عرق ریزی سے انجام دی۔ اسی طرح سے سیرت اور دوسری کتابیں نہایت محنت سے لکھیں۔ یہ خدمات خصوصی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی جناب میں اخلاص سے دُعا ہے کہ وہ رحیم کریم خدا مولانا موصوف کے درجات بلند کرتا رہے۔ (صدرالدین ۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۵ء)

آہ! خالد محمود

ایسا تو کبھی موت کا ساماں نہیں دیکھا + یوں جاں سے گذر جانا ہے آساں نہیں دیکھا
پوچھا بھی نہیں، باپ سے، ماں سے، نہ بہن سے + اتنا بھی کوئی جاں سے گریزاں نہیں دیکھا
ہیں عہدِ جوانی کے بہت کھیل تماشے + جو کھیل ہو یوں شعلہ بداماں نہیں دیکھا
ہم نے جو تری شوخیٔ فطرت نہیں دیکھی + تو نے بھی ہمیں ایسا پریشاں نہیں دیکھا
ہر موج سے ملتی ہے چمک گوہرِ جاں کو
تم کیسے سینے گوہرِ جاں نہیں دیکھا؟

(ابو ارشد)

چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈووکیٹ صدر مقامی جماعت احمدیہ لاہور

دارالسلام میں حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی برسی کے موقعہ پر

چوہدری صاحب موصوف کی استقبالیہ تقریر

آپ نے ارشاد فرمایا:-

بزرگانِ سلسلہ و برادرانِ کرام۔

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آج اس دن جب ہم حضرت امیر مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کی برسی کی یاد منا رہے ہیں ان بزرگوں کا استقبال کر رہا ہوں جو لندن احمدیہ کنونشن اور ویسٹرن ہمسفیئر سے، جو کہ اس پودے کی شاخیں ہیں جس کو حضرت امیر مرحوم نے لگایا تھا، ہو کر آئے ہیں۔

میں چونکہ حضرت امیر مرحوم کے عقیدتمندوں میں سے ہوں اور میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو اس کام کے لئے پیدا کیا تھا جو وہ کر گئے۔ لہٰذا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں بھی عقیدت کے کچھ پھول انکی نذر کروں۔

حضرت مولانا محمد علی مرحوم کے متعلق ابھی ابھی آپ بزرگوں سے بہت عمدہ تقاریر سُنیں گے لیکن میں ان کے متعلق جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم ان کے مقام کی عظمت سے صحیح طور پر واقف نہیں ہیں۔ مولانا مرحوم کا مقام میری نظر میں اس صدی کے ان عظیم مفکرین میں سے ہے جنہوں نے اس صدی میں نسلِ انسانی کی فکری راہنمائی کی ہے۔ اور تاریخ عالم پر اپنی فکر کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ میں آپ حضرات کو ایک دو مثالیں دے کر ہی بات واضح کروں گا۔

جہاں حضرت امیر مرحوم پہلے مسلمان عالم اور مفکر ہیں جنہوں نے انگریزی زبان میں ترجمۃ القرآن کر کے مغرب کے دانشوروں کو متاثر کیا اور اسلام کی صحیح تصویر ان کو دکھائی اور بے شک اولیّت کا شرف ان کو ہی حاصل ہے وہاں انہوں نے مختلف مواقع پر نہایت عمدہ تصانیف سے مغرب کے دانشوروں کی فکر کو بھی متاثر کیا۔

دوسری عالمگیر جنگ کی وجہ سے لیگ آف نیشنز جسے اقبال نے تقسیم قبور کے لئے کفن چوروں کی انجمن کہا تھا اس لیگ آف نیشنز کا خاتمہ ہو گیا اور جب جنگ ختم ہونے کے قریب آئی تو یورپ کے دانشوروں نے امن کی تلاش میں مختلف فارمولے پیش کئے چونکہ یورپ جنگ کی وجہ سے تباہ و برباد ہو چکا تھا، لہٰذا قدرتی امر تھا کہ وہاں کے دانشور امن کے متلاشی ہوتے۔

اس زمانہ میں موجودہ یو۔این۔او۔ کا ڈھانچہ بھی اُبھر رہا تھا۔ یورپی دانشور ایک عالمی گورنمنٹ۔ WORLD Govt. کے نظریہ کا پرچار کر رہے تھے جو نسلِ انسانی کو آئندہ جنگ کی ہولناکیوں سے بچانے کے لئے ضروری خیال کیا جاتا تھا۔

انہی ایام میں روسی کمیونزم کا سیلاب بھی اُمڈا چلا آتا تھا اور یورپ کی اقوام کو اس یلغار سے بچانے کی فکر بھی وہاں کے دانشوروں کو لاحق تھی۔

حضرت امیر مرحوم نے ان دنوں میں NEW WORLD ORDER تحریر فرمائی اور یورپ کے ان دانشوروں کو جو ایک عالمی حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے بتایا کہ امن کی ایک ہی صورت ہے جو اسلام نے پیش کی ہے کہ تمام نسلِ انسانی کو ایک وحدت مان لو۔ اور قومیّت کے بت کو توڑ دو۔ آج یہ نظریہ قبولِ عام کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ قومیّت کا بُت اگرچہ پُوری طرح نہیں ٹوٹ سکا لیکن کمزور ضرور ہو گیا ہے اور آج نسلِ انسانی اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اسی کتاب میں حضرت امیر مرحوم نے معاشی مسئلہ کے حل پر بھی روشنی ڈالی ہے آپ نے آج سے تیس برس پہلے لکھا تھا کہ جب تک ایک قوم دوسری قوم کا معاشی استحصال کرتی رہے گی۔ جب تک مختلف اقوام معاشی ذرائع کو محض اپنی قوم کے لئے ہتھیا لینے کی پالیسی پر گامزن ہیں دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ ذرا غور فرمائیے یہ جو آج (THIRD WORLD) تیسری دنیا یعنی غیر ترقی یافتہ یا ترقی پذیر اقوام ترقی یافتہ اقوام کے ہاتھوں اپنے اقتصادی اور معاشی استحصال کے سدِ باب کے لئے آج آواز اُٹھا رہے ہیں حضرت امیر مرحوم نے تیس برس پہلے اس کی نشاندہی کی۔ یہ ان مفکرین کا مقام ہی ہوتا ہے جن کے ہاتھوں فکرِ انسانی جلا پاتی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت امیر مرحوم کی عالمی امور میں کتنی گہری دسترس تھی، اور وہ کیسی عمدہ فراست ان امور میں رکھتے تھے۔

علاوہ ازیں ایک اور پہلو جو ان کو اپنے اور مفکرین سے ممتاز کرتا ہے وہ یہ کہ آپ نے پچیس برس کی عمر سے لکھنا شروع کیا اور اپنی وفات تک لکھتے رہے۔ بے نظیر کتب تحریر فرمائیں۔ پمفلٹ اور رسالے لکھے۔ لیکن کمال یہ ہے کہ جو بات پچیس سال کی عمر میں لکھی وفات تک اسی رنگ میں لکھتے رہے۔ غور فرمائیے یہ بہت مشکل مقام ہے اتنا مشکل کہ دوسرا مفکر اور مصنف ان کے نزدیک بھی نہیں پہنچ پاتا۔ آپ خود ساختہ مفکرین اسلام کی مختلف ادوار کی کتب کا مطالعہ فرمادیں تو ان میں تضادات پائیں گے اور ناقدوں نے ایسے تضادات سینکڑوں کی تعداد میں گنوائے ہیں۔ لیکن یہ طرۂ امتیاز مولنا محمد علی مرحوم کا ہی ہے کہ تقریباً نصف صدی پر پھیلی ہوئی تحریروں میں کہیں کوئی تضاد Contradiction یا جھول بھی نہیں۔ ہاں ایک تسلسل ہے جو پایا جاتا ہے انسانی فکر کی ارتقاء عمر کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے اور یہ عمل جاری رہتا ہے۔ اسی وجہ سے مفکرین اور مصنفین کی شروع کی تحریروں اور بعد کی تحریروں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ لیکن حضرت امیر مرحوم نے عین شباب میں ہی اس قدر حصولِ علم کیا کہ اوّل سے آخر تک انکی تحریروں میں ایک ہی مسلسل مضمون نظر آتا ہے۔ ارتقا ہے تو زیادہ وزنی دلیلوں کی صورت میں۔ زیادہ تفصیل سے بیان کی صورت میں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت مولنا محمد علی مرحوم مفکرینِ عالم میں ایک منفرد حیثیت اور بہت عظیم مقام کے حامل ہیں۔

پچھلی صدی میں مسلمانوں میں ایک سیاسی نظریہ یہ تھا کہ تمام مسلمان سیاسی قوتیں متحد ہو جائیں تو ایک طاقت بن جائیں اسے عام فہم میں PAN ISLAMISM کہتے ہیں۔ یہ محض ایک سیاسی نظریہ تھا اور مسلمانوں کی سیاسی نشأۃِ ثانیہ کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اسی دور میں حضرت مجدد زمان نے ایک نظریہ پیش کیا کہ قرآن اور اسلام کو مضبوطی سے تھام لینے اور دین پر عمل کرنے سے ہی مسلمانوں میں قوت پیدا ہو گی۔ جہاں PAN ISLAMISM میں زور سیاسی اور مادی اتحاد پر تھا وہاں اس تحریک میں زور دین پر قائم ہو جانے پر دیا گیا کہ دین ہی اصل قوت ہے۔ حضرت امیر مرحوم اس دوسری تحریک کے عظیم ترین نقیب تھے مسلمانوں کو وہ BACK TO ISLAM - BACK TO QURAN کی دعوت دیتے رہے تو مغرب کے لوگوں پر قرآن اور اسلام کے محاسن کو اُجاگر کرتے رہے اور ان کی مساعی کی کامیابی کی دلیل وہ قبولیت عامہ ہے جو ان کی تصنیفات کو دنیا بھر میں نصیب ہے، انہی مساعی کے نتیجہ میں ویسٹرن ہمسفیئر کی متحرک جماعت پیدا ہوئی جس سے مغرب سے طلوعِ اسلام کا حضرت مجدد زمان کا دعوےٰ پورا ہوتا نظر آتا ہے اور لندن میں ہونیوالی احمدیہ کانفرنس بھی جو اسی نظریہ کی تبلیغ کے لئے منعقد ہوئی، جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب وفد کے قائد بن کر لندن بھی گئے اور ویسٹرن ہمسفیئر بھی ہو کر آئے ہیں میں ان کو خوش آمدید کہتے ہوئے استدعا کرتا ہوں کہ وہ لندن کانفرنس[*]

[*] اور ویسٹرن ہمسفیئر کے ...ہ کی تفصیلات اور وہاں کے متعلق اپنے تاثرات ارشاد فرمائیں۔

مکرم جناب شیخ اللہ بخش صاحب بدوملہی

مجھے خوب یاد ہے!

میں اس پاک و مطہر انسان کے متعلق کیا لکھوں جس کی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوشخبری دے چکے ہیں۔ دیکھئے حجج الکرامہ۔ اور جس کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بے حساب تعریف کر چکے ہیں کہیں تو فرماتے ہیں:۔

"ایک جوان صالح خداوند تعالےٰ سے توفیق پاکر ہماری جماعت میں شامل ہوا ہے۔ میں نے اس کو ظاہری نظر اور باطنی نظر سے دیکھا۔ نہایت صالح اور متقی پایا۔"

اور کہیں ان کو قلم دے رہے ہیں۔ اور کہیں اپنا کشف سنا رہے ہیں کہ

"میں اور محمد علی ایک گھوڑے پر سوار ہیں۔ گھوڑا سرپٹ دوڑا چلا جا رہا ہے۔ خطرہ ہے کہ کہیں موڑ پر ٹکرا نہ جائے۔ لیکن ہم کھلے میدان میں پہنچ گئے۔"

اور کہیں اُن کو اپنی صداقت کا نشان بیان فرما رہے ہیں کہ:۔

"اگر محمد علی کو طاعون ہو جائے تو میرا دعویٰ غلط ہے۔ اور یہ سلسلہ خدا کی طرف سے نہیں"

آپ کی تقریر میں یہ اثر تھا۔ کہ دلوں میں اُتر جاتی تھی۔ میں اپنی آپ بیتی آپ کو سناتا ہوں۔ میں غالباً ۱۹۱۸ء میں لاہور گیا اور آپ کی تقریر سُنی۔ اور بیعت کر کے واپس آیا۔ پھر مجھ پر بہت سے حوادث آئے اور تکلیفیں ہوئیں لیکن وہ نشہ جو ان کی تقریر سے حاصل ہوا تھا۔ نہ اُترنا تھا۔ نہ اُترا۔ اس کے بعد سوائے ایک سال کے میں عمر بھر ہر جلسہ سالانہ میں ضرور جاتا رہا۔ اور سٹیج دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا سٹیج پر نورانی لوگ بیٹھے ہیں۔ مولانا محمد علی صاحب۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب، اور دوسرے بزرگ سٹیج کی زینت ہوا کرتے تھے۔ اور مجھے یہ خوب یاد ہے جس وقت آپ چندہ کی اپیل کرتے تو پہلے فرماتے کہ میری طرف سے اور میرے خاندان کی طرف سے اتنی رقم کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ پھر کیا ہوتا تمام جماعت میں ایک برقی اثر کی لہر دوڑ جاتی اور لوگ دھڑا دھڑ قربانی پر آمادہ ہو جاتے۔ اور بعض اوقات یہ بھی فرماتے کہ فلاں صاحب اتنی رقم دیں اور فلاں صاحب اتنی رقم دیں۔ کوئی انکار نہ کرتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب برلین مسجد کے میناروں کے لئے آپ نے عورتوں سے اپیل کی۔ تو آپ کی بیگم صاحبہ نے سونے کے کڑے اُتار کر دیدیئے۔ آپ کے گھر والے بھی اسلام کے شیدائی تھے۔

اب میں اُن کی تصانیف کی طرف آتا ہوں۔ خدا تعالےٰ کے کلام کا ترجمہ اور تفسیر آپ نے انگریزی میں کی۔ جس کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت دی تھی کہ "میری مرضی ہے کہ میں ایک انگریزی میں تفسیر تیار کروں یہ میرا کام ہے یا اس کا جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے"۔ اس تفسیر نے لاکھوں مسلمانوں کو جو دہریہ ہو رہے تھے از سرِ نو اسلام میں داخل کیا۔ جیسا کہ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے اس امر کا اظہار کیا تھا۔ کہ میں دہریہ ہو چکا تھا کہ مجھے مولانا محمد علی صاحب مرحوم کا انگریزی ترجمہ قرآن مل گیا جس کے مطالعہ سے میں از سرِ نو مسلمان ہوا۔ اور بہت سے غیر مسلم اس قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں۔ آسٹریلیا میں بھی اور کئی اور جگہ بھی۔ اور محمد علی کلے باکسر سے کسی نے پوچھا کہ تم نے اپنا نام محمد علی کیوں رکھا ہے تو اس نے جواب دیا کہ "میں جس شخص کا قرآن شریف پڑھ کر مسلمان ہوا ہوں اس کے نام پر اپنا نام رکھا ہے۔"

اس قرآن شریف کا اثر جو ایران میں ہوا ہے۔ اس نے اثر کو بہت قبول کیا ہے۔ اور ایک تفسیر جو فارسی میں قرآن شریف کی وہاں شائع ہوئی ہے۔ اس پر ملکہ فرح دیبا نے پیش لفظ لکھا ہے۔ اس تفسیر کے دوسرے تیسرے صفحہ پر لکھا ہے کہ "سیدنا مولنا محمد علی صاحب پاکستانی نے یہ تفسیر کی ہے۔ اور دنیا نے بھی اس سے بہت فائدہ اُٹھایا ہے"۔ ہر کتاب جو انہوں نے لکھی ہے اس میں نور ہی نور ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب آپ کی کتاب محمد دی پرافٹ کا ترجمہ عربی میں مصر میں شائع ہوا تو ایک پاکستانی اخبار نے لکھا تھا کہ "یہ مرزائیوں کی سازش ہے"۔ اور جب حضرت امیر مرحوم نے "نیا نظامِ عالم" کتاب لکھی تو اس کا بیس زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اور جب آپ نے ریلیجن آف اسلام لکھی تو پکتھال نے لکھا: کہ "کسی زندہ انسان نے اسلام کی اس قدر خدمت نہیں کی جتنی مولانا محمد علی صاحب نے کی ہے"۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ مصر میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا نام اُڑا کر یہ کتاب شائع کی گئی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے ان کی کتابوں کی کماحقہ' قدر نہیں کی۔ اس کا ترجمہ ترکی میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ ان کی تمام کتابوں میں نور ہی نور نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں جس طرح کتابوں کے سیٹ جہازوں کی لائبریریوں میں رکھے گئے تھے، متواتر رکھے جانے کا سلسلہ جاری رہتا تو آج کوئی جہاز ہماری کتابوں سے خالی نہ رہتا۔ حالانکہ اس وقت کے جہازوں اور اس وقت کے جہازوں کی تعداد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اب میں ان کی اُردو تفسیر بیان القرآن کی طرف آتا ہوں۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ میاں فضل احمد صاحب نے تین صد قرآن شریف کی مفت اشاعت کا اعلان کیا تھا۔ اور ایک ہزار درخواست قرآن شریف حاصل کرنے کے لئے موصول ہوئی تھی اور میں نے یہ قرآن شریف سیکرٹری پیپلز پارٹی بدوملہی کو دیا تھا۔ اس نے ایک دن راجہ محمد افضل صاحب مبلغ کو کہا کہ "میں نے مولنا مودودی صاحب کی تفسیر بھی دیکھی ہے مگر مولنا محمد علی صاحب کی تفسیر مولنا مودودی کی تفسیر سے ہر لحاظ سے افضل ہے"۔

جس وقت دو جماعتیں ہوئیں۔ تو میر عابد علی شاہ صاحب قادیان سے میاں محمود احمد صاحب کی بیعت کر کے واپس آئے تو انہیں الہام ہوا کہ "مولنا مولوی محمد علی صاحب حق پر ہیں" پھر فرشتہ سید محمد احسن امروہی نے بھی گواہی دی کہ مولوی محمد علی صاحب حق پر ہیں اور ایک اور ولی اللہ چوہدری سرفراز خان صاحب جو حضرت مسیح موعودؑ کے ۳۱۳ اصحاب میں سے تھے مرنے کے بعد میری اہلیہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے دکھائے گئے اور دیکھتے ہی میری اہلیہ کو فرماتے ہیں "بیٹے اس طرف کی تبلیغ کرو۔ خدا کا وعدہ سچا ہے۔ میری اہلیہ نے عرض کیا کہ کس طرف کی آپ نے فرمایا کہ جس طرف تم ہو"۔ اب جس کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں فرشتہ گواہی دے کہ حق پر ہے اس کی شان کا کیا کہنا۔ پھر وہ ہماری جماعت میں شامل ہوئے اور تمام عمر اسی سے وابستہ رہے اور میری لڑکی کو جب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خواب میں ملے تو آپ نے فرمایا "میرا دعویٰ ولی اللہ کا ہے اور دوسری دفعہ جب ملے تو اس نے خواب میں پوچھا کہ دوسری جماعت کا کیا حال ہے۔ تو آپ نے فرمایا "غلطی کھا گئے ہیں پکڑے جائیں گے"۔ حاصل کلام یہ کہ جس کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خوشخبری دی ہے اور اُسے منصور کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اور اپنا اور ان کا ایک گھوڑے پر سوار ہونا بیان کیا ہے اور گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا ہے۔ کیا امریکہ میں ایک لاکھ قرآن شریف کا چھپنا۔ جاوی اور ڈچ زبانوں میں ان کے تراجم ہونا اور ان کی کتاب ریلیجن آف اسلام کا مصر میں شائع ہونا اور ترکی زبان میں اس کا ترجمہ شائع ہونا اور ان کی دیگر کتب کا بہت سی زبانوں میں شائع ہونا یہ گواہی نہیں دیتا کہ گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا ہے اور جو موڑ کا اس میں بیان کیا گیا ہے اس میں بعض کمزور لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو یہی کہتے پھرتے ہیں کہ "بس اب ہم گئے"۔ مگر رسول کریم صلعم اور مسیح موعود علیہ السلام کی باتیں پوری ہوں گی اور جماعت ترقی کرے گی۔ اور انشاءاللہ جماعت کے ہاتھ سے (مغرب کی طرف سے اسلام کا سورج طلوع ہوگا)

مکرم جناب میرزا مسعود بیگ صاحب ایم۔اے

حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ بہ حیثیت مفسرِ قرآن

امیرِ مرحوم و مغفور حضرت مولانا محمد علی صاحب کا نام رہتی دنیا تک تابندہ و تابناک رہے گا اور وہ اپنی تفاسیرِ قرآن بزبان انگریزی و اردو کی بدولت ایک زندہ جاوید ہستی کی حیثیت سے ہمارے درمیان موجود رہیں گے اگرچہ ان کا جسم فانی ۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ہم سے جدا ہو چکا ہے۔ قرآن مجید کے ترجمے اور لوگوں نے بھی کئے ہیں اور ان میں بعض اچھے اور قابلِ قدر تراجم بھی ہیں۔ مگر جو مقبولیت اور فوقیت اللہ تعالیٰ نے ان تراجم کو عطا کی جو حضرت امیر مرحوم کے قلم سے نکلے ہیں ان کی ہمسری یا برابری کسی اور سے نہیں ہو سکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تراجم ایک الٰہی انتظام اور منشاء ایزدی کے ماتحت کئے گئے اور ان کا محرک انسانی ارادہ نہیں بلکہ خدائی تصرف تھا اور ان تراجم سے اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہوئی جس نے اس زمانہ میں غلبۂ اسلام کے لئے مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا اور مسیح موعودؑ کا جہاد دلائل و براہین سے اسلام کی فوقیت ثابت کرنا تھا جس کے لئے سب سے بڑا ہتھیار علومِ قرآنی کی اشاعت تھی۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے دعویٰ کی غایت یوں بیان فرمائی کہ "اصل غرض خدا تعالیٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے کہ جو غلطیاں اور گمراہیاں عیسائی مذہب نے پھیلائی ہیں ان کو دور کرکے عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے اور اس غرض مذکورہ بالا کو جس کو دوسرے لفظوں میں احادیث صحیحہ میں کسرِ صلیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے پورا کیا جائے۔" اور یورپ میں اسلام پھیلانے کے لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ "عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں اور اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کرکے انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔" (ازالہ اوہام)

چنانچہ ایک جوہرِ قابل اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا جس نے آپ کے روحانی فرزند کے طور پر اور آپ کی شاخ اور آپ ہی میں داخل ہونے کی حیثیت سے وہ کام سرانجام دیا جو آپ خود کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کشف کے ذریعہ آپ پر منکشف فرمایا کہ جس تفسیر کی اشاعت آپ کے مدنظر تھی وہ تفسیر علی کے ہاتھوں لکھی جائے گی۔ جیسا کہ آپ نے کشف کی کیفیت ان الفاظ میں بیان فرمائی "پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی جس کی نسبت یہ بتایا گیا کہ یہ تفسیرِ قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک"۔ من تو شدم تو من شدی کی یہ کیفیت دونوں طرف تھی یعنی حضرت اقدسؑ مولانا محمد علیؓ کو اپنی شاخ اور اپنے میں داخل قرار دیتے ہیں اور مولانا محمد علیؓ بھی اپنا جو کچھ ہے وہ حضرت کا قرار دیتے ہیں اور برملا اعتراف کرتے ہیں کہ "اس تفسیر کی باتیں اس زمانہ کے سب سے بڑے مذہبی راہنما حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے قلب سے میرے قلب میں آئی ہیں۔ میں نے سیر ہو کر علم کے اس چشمہ سے پانی پیا ہے جو مصلح اعظم، مہدی و مجدد صدی چہاردہم، بانی سلسلہ احمدیہ نے بہایا ہے۔"

(دیباچہ انگریزی ترجمہ)

انگریزی ترجمۃ القرآن حضرت امیر مرحوم نے انگریزی ترجمہ کا کام ۱۹۰۹ء میں شروع کیا اور سات سال مسلسل اس کی تکمیل کے لئے محنت شاقہ سے کام لیا۔ اپریل ۱۹۱۷ء میں یہ ترجمہ مکمل ہوا اور نومبر ۱۹۱۷ء میں اس کی پہلی ایڈیشن انگلستان سے طبع ہو کر شائع ہوئی۔ اس وقت اس کی ساتویں ایڈیشن مروج ہے اور ایک لاکھ دو ہزار تین سو نسخے اس وقت تک شائع ہو چکے ہیں۔ یعنی تئیس ہزار بلا متن اور اناسی ہزار تین سو معہ متن۔ اس کی چوتھی ایڈیشن جو ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی نظرثانی شدہ ہے اور حضرت امیر مرحوم نے بیماری کے عالم میں دو برس کی محنت شاقہ سے اس پر نظرثانی فرمائی اور بہت سی اہم تبدیلیاں کیں اور طبی مشورہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سخت بیماری کے عالم میں اس کے پروف پڑھتے رہے۔ جب یہ کام مکمل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ اس ترجمہ کی ابتداء حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ہوئی جب مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی عمر ۳۵ برس تھی۔ حضرت مولانا نورالدینؓ صاحب آپ کی بے حد قدردانی فرماتے تھے اور بار بار خوشنودی کا اظہار کرتے اور آپ کی تحقیقات کی جو وسیع مطالعہ پر مبنی تھیں دل کھول کر داد دیتے اور واہ واہ سبحان اللہ! سے اس کی تائید فرماتے۔ حضرت مولانا روزانہ قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیری نوٹ سنا کرتے تھے اور سخت بیماری کی حالت میں بھی ناغہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ آپ اسے اپنی روح کی غذا قرار دیتے تھے اور مولانا محمد علیؒ جب نوٹ سنانے کے لئے تشریف لاتے تو آپ کی کمزوری اور سب کلفتیں دور ہو جاتیں اور آپ توانائی محسوس کرنے لگتے اور بڑی خندہ پیشانی سے [illegible] کہ "زندہ مانم" کے الفاظ سے امیر مرحوم کو خوش آمدید کہتے۔ ان کی ریسرچ پر خوش ہوتے اور بار بار فرمایا کرتے "ایک ہی کام کا ہتھیار ملا ہے۔" مارچ ۱۹۱۴ء تک آپ چھبیس پاروں کا ترجمہ اور تفسیری نوٹ سن چکے تھے۔ جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عشق قرآن اور اس قدر لگن اور محنت کی قبولیت کی خوشخبری سنائے بغیر انہیں دنیا سے نہ اٹھایا۔ چنانچہ آپ کی وفات سے چند دن قبل ۴ر مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت مولانا نورالدینؓ صاحب نے مجلس میں بیان فرمایا کہ "ہمارا انگریزی ترجمہ اللہ کو مقبول ہو گیا ہے۔ الہاماً بشارت آگئی ہے۔" چنانچہ مولانا نورالدین صاحب، مولانا محمد علی صاحب اور سب حاضرینِ مجلس اسی وقت سجدۂ شکر میں گر گئے۔ یہ الہام پورا ہوا اور اس کی صداقت روزِ روشن کی طرح آشکار ہوئی کیونکہ اس ترجمۂ قرآن کو جس قدر مقبولیت حاصل ہوئی ہے کسی اور ترجمہ کو نہیں ہو سکی۔

عیسائیوں کے تراجم قرآن مولانا محمد علی صاحب کے ترجمۃ القرآن سے پہلے عیسائیوں کے تین تراجم شائع شدہ موجود تھے۔ یعنی سیل، راڈویل اور پامر کے تراجم۔ جارج سیل کا ترجمہ پہلی بار ۱۷۳۴ء میں شائع ہوا اور راڈویل کا ترجمہ پہلی بار ۱۸۶۱ء میں شائع ہوا۔ جبکہ پامر کا ترجمہ ۱۸۸۰ء میں آکسفورڈ سے "اہلِ مشرق کی مقدس مذہبی کتب" کے سلسلہ میں شائع ہوا۔ مغربی مستشرقین کی علم دوستی اور محنت و کاوش کا اعتراف کرنے کے باوجود یہ امر مسلم ہے کہ ان کا اصل محرک قرآن کی خدمت یا اسلام کی تائید نہیں تھا بلکہ وہ مخالفانہ رنگ میں قرآن پاک اور دین کامل کے خلاف غلط فہمیاں پھیلانے کی غرض سے یہ کام کرتے تھے۔ جارج سیل نے اپنے ترجمہ کے شروع میں بڑا مبسوط دیباچہ تحریر کیا ہے۔ جس میں جابجا اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ناروا حملے کئے گئے ہیں اور قرآن مجید کو خدا کا کلام نہیں بلکہ محمد صلعم کا کلام قرار دے کر اس کی صحت اور اس کی ترتیب اور باہمی ربط کے نقائص بیان کئے ہیں اور حروف مقطعات اور بہت سی قرآنی عبارتوں کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔

راڈویل ایک مشہور پادری تھا، اس کا ترجمہ عالمانہ ہے اور زبان بھی لٹریری اور خوبصورت ہے مگر اس نے بھی دیانت داری سے انحراف کرتے ہوئے بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی ہیں اور سورۃ العلق سے ترجمہ کی ابتداء کرکے قرآن مجید کی ترتیب کو مشکوک بنانے کی سعی کی ہے۔ پامر نے لفظ بلفظ ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہاں بھی بہت سی اغلاط اور خلافِ حقیقت باتیں سامنے آتی ہیں۔ اس مختصر سے مضمون میں ان تراجم پر تبصرہ کرنا ممکن نہیں مگر ان سب کا قدرِ مشترک

واضح ہے کہ عیسائیت کے سب سے بڑے حریف یعنی دینِ اسلام کی تعلیم کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔ دینِ عیسوی کو عددی فوقیت حاصل تھی کیونکہ دنیا کی کثیر ترین آبادی عیسائی مذہب کی پیرو ہے۔ لیکن یہ اس مذہب کی خوبیوں اور تعلیم کی دلآویزی کا نتیجہ نہیں بلکہ مادی طاقت اور مال و دولت کا لالچ اور دنیاوی آسائشوں کی فراہمی سے یہ مذہب پھیلا اور مسیح علیہ السلام کے کفارہ پر ایمان لا کر نجات حاصل کرنا ایسا سہل راستہ تھا کہ لوگ کثرت سے عیسائی ہو گئے۔ اس کے برعکس اسلام جو عقلِ سلیم کا مذہب ہے وہ اپنی سچائی اور روشنی اور اخلاقی قوت سے دنیا پر غالب آیا اور جہاں جہاں اسلام پہنچا وہاں سے عیسائیت نے راہِ فرار اختیار کی اور عیسائیت کی ترقی رُک گئی۔ اس لئے پادریوں نے اسلام کے بارہ میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلانا شروع کیا اور نبیؐ معصوم کی ذات بابرکات پر سوقیانہ حملے کئے کہ معاذ اللہ آپ پر مرگی کا دورہ پڑتا تھا اور نعوذ باللہ آپ جھوٹے نبی اور ایک شہوانی انسان تھے۔ اور یہی وہ دجّالی فتنہ تھا جس کے قلع قمع کے لئے مسیح موعودؑ مبعوث ہوئے اور اس انگریزی ترجمۃ القرآن نے بڑی خوبی سے اس ضرورت کو پورا کیا۔

مسلمانوں کے تراجمِ قرآن

مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت سے قبل مسلمانوں کے دو تراجم انگریزی میں موجود تھے۔ ایک ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کا ترجمہ جو ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا۔ اور دوسرا مرزا ابوالفضل کا انگریزی ترجمہ مع متن جو ۱۹۱۲ء میں الٰہ آباد سے شائع ہوا۔ لیکن آج یہ تراجم کہیں بھی موجود نہیں ہیں اور گلدستۂ طاقِ نسیاں ہو چکے ہیں اس لئے ان پر کسی تبصرہ کی حاجت نہیں۔ اس لحاظ سے مولانا محمد علیؒ صاحب مرحوم و مغفور کا ترجمہ ہی پہلا اسلامی ترجمہ ہے جسے دنیا میں مقبولیت حاصل ہوئی اور یہ ہر لحاظ سے ارفع و اعلیٰ، جامع اور اکمل اور ظاہری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ہو کر دنیا میں آیا اور مخالف و موافق سب نے اس کی برتری کا اعتراف کیا۔ اس کے بعد تین اور تراجم حافظ غلام سرور، مارما ڈیوک پکتھال اور مسٹر عبداللہ یوسف علی کی طرف سے شائع ہوئے۔

حافظ غلام سرور صاحب مرحوم لاہور کے رہنے والے اور حضرت امیر مرحوم کے ہمعصر اور گورنمنٹ کالج میں ہمسبق تھے۔ انہوں نے حضرت امیر کے ترجمہ سے بہت استفادہ کیا اور دل کھول کر اس کی داد دی۔ حافظ صاحب نے اسے شاہکار (Master Piece) قرار دیا ہے اور لکھتے ہیں:—

"انگریزی زبان میں کوئی اور ترجمہ یا تفسیرِ قرآن ایسی نہیں جو مولانا محمد علی صاحب کی اس معرکۃ الآرا تصنیف کا مقابلہ کر سکے۔"

محمد مارما ڈیوک پکتھال انگریز نومسلم تھے جو ووکنگ مشن کے ذریعہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور نظام حیدر آباد کی سرپرستی میں انہوں نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کیا جو بغیر حواشی اور تفسیری نوٹوں کے شائع ہوا۔ چونکہ یہ بلا متن ترجمہ ہے اور زیادہ ضخیم نہیں اس لئے اس وقت امریکہ میں اس کی سستی ایڈیشن کی کثرت سے اشاعت ہو رہی ہے۔ عبداللہ یوسف علی صاحب کا ترجمہ متن سمیت ہے اور مختصر تفسیری نوٹ بھی موجود ہیں۔ ان دونوں مترجمین نے بائبل کی انگریزی کا تتبع کرتے ہوئے زبان کی چاشنی کو مقدم کیا ہے۔ لیکن وہ غلط باتیں جو عیسائی پادریوں نے پھیلائیں ان کے ازالہ کی طرف بہت توجہ نہیں کی گئی۔ یہ سعادت صرف حضرت مسیح موعودؑ کے روحانی فرزند اور آپ میں داخل وجود کے لئے مقدر تھی کیونکہ لیظھرہ علی الدین کلّہ مسیح موعودؑ کا حق تھا اور یہ کام اسی نے سرانجام دینا تھا۔ اس جگہ بین الاقوامی شہرت یافتہ لیڈر اور اسلامی زعیم مولانا محمد علی جوہر کی شہادت قابلِ غور ہے۔ یہ بزرگ حضرت امیر مرحوم کے بے حد قدردان تھے اور ان کے ہمنام ہونے پر فخر کیا کرتے تھے اور آپ کی اس گرانقدر دینی خدمت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ اس ترجمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:—

"یہ ترجمہ اور اس کے حواشی اس زہر کا نہایت ضروری تریاق ہیں جو سیل، راڈویل اور پامر جیسے انگریزی مترجمین کے نوٹوں میں پایا جاتا ہے۔"

حضرت امیر مرحوم کا انگریزی ترجمہ ہر لحاظ سے جامع تفسیر ہے جس میں مذکورہ بالا زہر کے تریاق کے علاوہ اسلامی تعلیم کا خلاصہ، دینِ اسلام کی عظمت و سربلندی، نبی اکرم صلعم کے معجزات، قرآن مجید کے کمالات، اس کی صحت، جمع اور ترتیب پر بحث، موجودہ زمانہ کے سائنسی علوم کی ترقی میں قرآنی علوم کی فوقیت، یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتب پر قابلِ قدر ریسرچ، ادیانِ باطلہ کی تردید اور توحید باری کا صحیح مفہوم اور مسلمانوں کی ترقی کی راہیں بہت واضح طور پر بیان کی گئی ہیں۔ یہ ترجمہ اب ایک سند اور حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے اور آئندہ جس قدر تراجم ہوں گے وہ اسی ترجمہ کے خوشہ چین ہوں گے۔ نہ صرف مندرجہ بالا تین مترجمین نے کثرت سے اس کا اتباع کیا بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی اسی ترجمہ سے مختلف ملکی زبانوں میں ترجمے ہونے لگے ہیں۔ حال ہی میں ایک ایرانی فاضل زین العابدین رہنما نے فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر کی ہے۔ جس کا پیش لفظ شاہ بانوئے ایران ملکہ فرح پہلوی نے تحریر فرمایا ہے اس ایرانی فاضل نے حضرت امیر کے انگریزی ترجمۃ القرآن کا اس قدر تتبع کیا ہے کہ یہ اسی کا چربہ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت مسیحؑ کی وفات کو اس نے صاف طور پر تسلیم کیا ہے اور جہاں مندرجہ بالا تین مترجمین نے اسے گول مول اور مشتبہ الفاظ میں پیش کیا ہے اس ایرانی مترجم نے لفظ بہ لفظ حضرت امیر کے ترجمہ کو دوہرایا ہے اور سورتوں کے باہمی تعلق اور قرآن مجید کے باہمی ربط کو جس طرح حضرت امیر مرحوم نے پیش کیا ہے علامہ زین العابدین نے اس کا کامل تتبع کیا ہے اور بے شمار جگہوں پر سید محمد علی پاکستانی کی تفسیر انگریزی کے حوالے دیئے ہیں۔ و ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اُردو تفسیر بیان القرآن

حضرت امیر مرحوم کے اُردو ترجمہ اور تفسیر کی ابتدا بھی قادیان میں ہو چکی تھی۔ میر ناصر نواب صاحب نے ۱۹۱۳ء میں ایک اُردو ترجمہ کی اشاعت کے لئے جماعت میں تحریک کی لیکن حضرت مولانا نورالدین صاحب علیہ الرحمۃ نے اسے روک دیا اور فرمایا کہ ہماری جماعت کا ایک ہی ترجمہ ہوگا اور وہ مولوی محمد علی صاحب ہی کریں گے۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے ماتحت حضرت امیر مرحوم نے اُردو ترجمہ کا کام بھی شروع کر دیا اور چھ سات پاروں کا ترجمہ حضرت علامہ کو سنایا۔ مگر چونکہ زیادہ تر توجہ انگریزی ترجمہ پر مرکوز رہتی تھی اس لئے اُردو میں زیادہ کام نہ ہو سکا اور پھر لاہور تشریف لے آنے پر آپ نے ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۲ء تک اُردو ترجمہ و تفسیر پر محنت کی اور اپریل ۱۹۲۳ء میں بیان القرآن کی تکمیل ہوئی۔ اس وقت تک اس کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور دو ایڈیشن حمائل شریف کے شائع ہوئے ہیں جن میں تفسیری حواشی کو مختصر کر دیا گیا ہے اور حلِ لغات کا حصہ چھوڑ دیا گیا ہے۔

بیان القرآن ایک بے نظیر تفسیر ہے جو قرآن پاک کے مطالب و معارف سمجھنے کے لئے قاری کو اور سب کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس میں سلف صالحین کی محنت اور تمام معروف مفسرین یعنی ابنِ جریر، ابنِ کثیر، زمخشری، فخرالدین رازی، بیضاوی وغیرہم کی تفاسیر کا نچوڑ موجود ہے۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ عربی زبان کی وسعت کے پیشِ نظر تمام الفاظ اور تراکیب کو لغت کی رُو سے حل کیا گیا ہے اور امام راغب کی لغات القرآن کے علاوہ لسان العرب اور تاج العروس کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ اور معانی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جس سے آئندہ ریسرچ کرنے والے کو یہ سب مواد یکجا مل سکتا ہے۔ قرآن مجید کی عظمت کے پیشِ نظر جہاں معنی میں اشتباہ ہوا وہاں خود قرآن ہی سے دوسرے مواقع کا حوالہ دے کر مسئلہ حل کیا گیا ہے۔ اور تفسیر میں احادیثِ صحیحہ کو سب باتوں پر مقدم کیا گیا ہے اور روایات و قصص کو بڑی احتیاط سے قبول کیا گیا ہے۔ سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ سورتوں میں باہمی تعلق، ہر سورۃ کے رکوعوں میں باہمی تعلق اور آیات کے باہمی تعلق کو خوب واضح کیا گیا ہے۔ ہر رکوع کا خلاصہ اس رکوع کے نیچے دیا ہے اور ہر سورۃ کے شروع میں ان تمام خلاصوں کی ترتیب اور نظم کو ظاہر کیا ہے۔

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

آزادیٔ ضمیر اور حریّتِ فکر کا علمبردار

مُطلق مذہبی آمریت، غلامانہ اندھی پیر پرستی کے برخلاف مجاہدِ اعظم

جماعتِ احمدیہ میں تفرقہ کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟

(از قلم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب)

بہت کم اصحاب اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ حضرت مولانا محمد علیؒ نے ۱۹۱۴ء میں قادیانی جماعت سے علیحدگی اختیار کرکے کیا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ حضرت مولاناؒ کے قلم سے اشاعتِ علوم قرآن اور دینِ اسلام کے جو کارہائے نمایاں انجام پائے، حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی تکمیل نہ پا سکتے تھے اگر آپ نے مطلق مذہبی آمریت کے برخلاف علیحدگی کا اقدام نہ اٹھایا ہوتا۔ چنانچہ راقم الحروف کو یاد ہے ایک مرتبہ آپ نے مرکزی مسجد احمدیہ بلڈنگس میں فرمایا:۔

"اشاعتِ اسلام اور علومِ قرآن کی خدمت کے جس کام کی توفیق بفضلہ تعالیٰ ہمیں نصیب ہوئی، یہ کبھی انجام نہ پا سکتی تھی اگر ۱۹۱۴ء میں ہم میاں محمود احمد کی بیعت کر لیتے۔"

یہ امر کس قدر مبنی بر حقیقت ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ساٹھ برس کے گذشتہ لمبے عرصہ میں لاکھوں کی تعداد کی جماعت سے کوئی عظیم علمی کارنامہ اور تبلیغی جد و جہد کا کام انجام نہیں پا سکا۔ اسی بات کو ایک مرتبہ سیّد عبدالقادر مرحوم پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے یوں ادا کیا تھا:

"قادیان کی سرزمین میں علمِ دین اسلام کے جو چشمے پھوٹے تھے۔ شکر کا مقام ہے کہ لاہور میں اب اس میں سے ایک دو چشمے جاری ہیں۔"

عظیم عقیدہ ختمِ نبوّت اور اعلائے اقدام وحدت المسلمین کی خاطر جو علیحدگی اور تفرقہ جماعت احمدیہ میں نمودار ہوا، اس کا ذمہ دار کون شخص ہے؟ اس پر راقم الحروف اسی مضمون کے آخر کچھ عرض کرے گا۔ لیکن اس علیحدگی کا محرک کیا، اقتدار کا کوئی تنازعہ ہوا یا اُصول عظیمہ اسلامیہ میں اختلاف اس کا باعث ہوئے؟ نیز کس جوانمردی اور جرأت سے حضرت مولاناؒ نے عقائد فاسدہ کے برخلاف عَلمِ بغاوت بلند فرمایا۔ اس کے بارہ میں مولانا ابو الکلام آزاد کی اس وقت کی رائے قابلِ قدر ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"ایک عرصہ سے اس جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بناء پر دو جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں، ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان ہیں گو وہ مرزا صاحب کے دعووں پر ایمان نہ لائیں لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں وہ قطعی کافر ہیں انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ بشیر الدین محمود ہیں۔ اس گروہ نے انہیں اب خلیفہ قرار دیا ہے مگر پہلا گروہ وہ تسلیم نہیں کرتا۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی ہے اور جس عجیب و غریب جرأت اور دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے جہاں ...... پہلے گروہ کے رؤسا ہیں وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا۔"

(الہلال۔ ۱۰ مارچ ۱۹۱۴ء)

مولانا آزاد نے جماعت احمدیہ میں تفرقہ کا جو تجزیہ تفرقہ کے وقت پیش آمدہ حالات میں کیا وہ کس قدر صحیح اور مبنی بر حق ہے۔ بعض مفاد پرست اصحاب نے جو یہ غلط فہمی پھیلائی ہوئی ہے کہ حضرت مولاناؒ خود قیادت کے خواہاں تھے، جب ان کو یہ قادیان میں نصیب نہ ہوئی تو علیحدگی اختیار کرکے لاہور آ گئے یہ کس قدر عظیم افتراء اور بہتان ہے!۔

حضرت مسیح موعودؑ کا عطا کردہ منشور۔ حریّتِ فکر و آزادیٔ ضمیر

آئیے ذرا واقعات کی روشنی میں ابتداء سے ہی جماعت احمدیہ میں اختلاف اور تفرقہ کی بناء کا تجزیہ کریں۔

۱۹۰۵ء کے آخر میں حضرت اقدسؑ کو منجانب اللہ وحی ہوئی کہ اب تمہارا انجام زندگی قریب آ گیا ہے جیسے قرب اجلک المقدر وغیرہ۔ تو آپ نے بربناء تفہیم الٰہی رسالہ "الوصیّت" تحریر فرمایا جس میں اپنے بعد نظام جماعت کے جمہوری طریق کار کی وضاحت فرمائی اور لکھا:۔

"انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے"

اس میں خدا کا مقرر کردہ خلیفہ، حضرت اقدسؑ اپنے آپ کو قرار دیکر انجمن کو اپنا جانشین بنا رہے ہیں۔ اگر آپ کے بعد آپ کے نزدیک خلفاء کا سلسلہ چلنا تھا تو یوں ہونا چاہیئے تھا کہ:۔

"میری وفات کے بعد خلافتِ حقہ کا نظام خود خدا قائم کرے گا، ان خلفاء کی غیر مشروط اطاعت تم پر واجب و لازم ہے۔"

مگر یہ کیا ہوا کہ غیر مشروط اطاعت تو بعد میں "خدا کے مقرر کردہ خلفاء" کی ہو گئی میں جو خدا کا مقرر کردہ خلیفہ ہوں میری جانشین انجمن ؟ العجب!

کیا خدا کے مقرر کردہ خلفاء اور آپ کے بعد انجمن کی جانشینی کی متضاد باتیں اکٹھی ہو سکتی ہیں؟ تعجب تو یہ ہے کہ حضرت اقدسؑ خود کو خدا کا مقرر کردہ خلیفہ قرار دیں اور انجمن کو اپنا جانشین۔ مگر اس کا مفہوم یہ ہو کہ خدا کے مقرر کردہ خلفاء آپ کے بعد آئیں گے اور وہی آپ کے حقیقی جانشین ہوں گے۔ انجمن کو وہ جب چاہیں کالعدم کرکے رکھ دیں۔ سلطان القلم جو خدا سے وحی پاتا ہے اپنی الوصیّت میں کبھی ایسا تحریر کر سکتا ہے جس کا مفہوم یہ ہو؟

نہ صرف انجمن کی بات الوصیّت کی تحریر تک محدود رہتی ہے بلکہ عملاً حضرت اقدسؑ صدر انجمن احمدیہ کی تشکیل فرما کر اس کے چودہ ممبر نامزد فرما دیتے ہیں، پھر اسی انجمن کو جماعت کے جملہ معاملات کو اپنی زندگی میں ہی سونپ دیتے ہیں۔ مزید برآں ایک معاملہ میں جب میر ناصر نواب صاحب نانا جان میاں محمود احمد صاحب، انجمن کا فیصلہ ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اور فیصلہ کے لئے معاملہ حضرت اقدسؑ تک جاتا ہے تو آپ فی الفور یہ تحریر لکھ دیتے ہیں:۔

"میری تو یہی رائے ہے کہ جس امر پر انجمن

فیصلہ ہو جائے اور اس میں کثرت رائے ہو جائے تو وہی صحیح سمجھنا چاہئے.....اور یہ صورت صرف میری زندگی تک ہے اور بعد میں ہر ایک امر میں صرف انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔" (مرزا غلام احمد عفی اللہ عنہ - ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

اب آپ کے اپنے قلم سے اس فیصلہ کے بعد کسی اختلاف کی گنجائش کہاں باقی رہ جاتی ہے؟

اسلامی جمہوری نظام کا قیام اور مسلمانوں کی مہلک اندھی پیر پرستی کا علاج

حضرت اقدسؑ حقیقی معنوں میں معالج و حکیم زمانہ بن کر مبعوث ہوئے تھے، اسی کے عین مطابق مسلمانوں کی روحانی و اخلاقی مروجہ امراض کا علاج کرنا آپ کے ذمہ تھا چنانچہ آپ کے جملہ اصلاحی اقدامات کی حکمت کے بارہ میں آئندہ تاریخ اسلام گواہی دے گی۔ اپنے بعد مروجہ پیر پرستانہ نظام کی بجائے صحیح جمہوری نظام کو قائم کر جانا اور قوم کے اموال اور نظم و نسق کو بجائے اپنی اولاد کے سپرد کرنے کے قومی نمائندوں کی تحویل میں دے جانا ایک عظیم اصلاحی اقدام ہے جس کی اشد ضرورت اس زمانہ کے مسلمانوں کو لاحق پڑی تھی۔ کون نہیں چاہتا کہ اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد اس کی جائداد و املاک کی وارث بنے! جیسے خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں نے اپنے روحانی پیشواؤں اور دنیاوی بادشاہوں کا وارث ان کی اولاد در اولاد کے سلسلہ کو رواج دے دیا۔

حضرت اقدسؑ کے منجانب اللہ صادق اور متقی و بے نفس ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ آپ نے اپنی پیدا کردہ جماعت کے اموال اور نظم و نسق کو اپنی اولاد یا کسی واحد شخص کے سپرد کرنے کی بجائے قوم کی نمائندہ مجلس یعنی صدر انجمن احمدیہ کے سپرد کر دیا۔ جن اصحاب نے حضرت اقدسؑ کو مجدد کے درجہ سے بڑھا کر نبوت کے منصب پر کھڑا کر دیا ہے وہ یہاں اس حدیث پر بھی غور فرماویں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث۔ ہم انبیاء کا گروہ ایسا ہے جو نہ کسی کے وارث اور نہ ان کا کوئی وارث ہوتا ہے۔ تو پھر حضرت اقدسؑ کو نبی بنانے والوں کو کم از کم ان کی اولاد کو تو اس حدیث کی متابعت میں حضرت اقدسؑ کی املاک و اموال کا وارث نہیں بننے دینا چاہیئے تھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد

جب حضرت مسیح موعودؑ کی وفات ہوئی اور تجویز ہوا کہ حضرت مولانا نورالدین رح جماعت کے خلیفہ یا قائد ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی کہ تمام احمدی ان کے ہاتھ پر بیعت کریں تو ایسے وقت حضرت مولانا محمد علی رح نے جہاں حضرت مولانا کی قیادت کا تعلق ہے اس سے کلی اتفاق کیا وہاں احمدیوں کی بیعت سے اختلاف کیا کیونکہ جیسے کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا اس سے مفاد پرستوں نے اندھی تقلید کا جواز نکال لیا۔ مگر خود حضرت مولانا نورالدین رح کا خیال ایسا کبھی نہ تھا، چنانچہ آپ نے اپنے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے والوں کو نہ جماعت سے خارج کیا نہ ان پر فسق و منافقت کے فتوے لگائے جیسے کہ مولانا غلام حسن پشاوری کی مثال سے ثابت ہے۔ مگر وحدت جماعت اور طاعت فی المعروف کے لئے چونکہ ایک انتہائی بے نفس انسان کا نام تجویز ہوا تھا، اس لئے حضرت مولانا محمد علی رح نے آپ کی بیعت بھی کرنے میں کوئی گناہ خیال نہ کیا۔ تاہم اصولی طور پر حضرت مولانا محمد علی رح جماعت کے امیر یا قاید کے ہاتھ پر بیعت کے قائل نہ تھے جب میر محمد اسحاق نے خلیفہ اور انجمن کے باہمی تعلقات پر سات سوال اٹھائے تو اس وقت بھی حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ نے ایسا ہی صحیح و راست جواب دیا کہ اگر کوئی بے نفس شخصیت حضرت مولانا نورالدین رح کے بعد مل جائے تو اس کے ہاتھ پر بیعت اطاعت ہو سکتی ہے لیکن بہرحال اموال و املاک اور نظم و نسق بمطابق (الوصیت)، صدر انجمن احمدیہ کے سپرد ہی رہیں گے۔ خود حضرت مولانا نورالدین رح نے ایسے جواب کو قبول فرمایا اور آپ سے نہ پوچھا کہ اس طرح تو انجمن، خلیفہ پر حاکم بن گئی بلکہ ایک رنگ میں انجمن کی ماتحتی میں ہی کام کرتے رہے۔ انجمن کو کالعدم کرنے کا تو آپ کبھی خیال بھی نہ لاسکتے تھے بلکہ میاں محمود احمد صاحب کو ایک دفعہ آپ نے لکھا کہ میں اموال کے معاملات میں بے تعلق ہو جانا چاہتا ہوں۔

تفرقہ کی ذمہ داری کس شخص پر عائد ہوتی ہے؟

کسی جماعت کے لئے تفرقہ بہت خطرناک اقدام ہے۔ چنانچہ جماعت احمدیہ میں بھی جو تفرقہ ۱۹۱۴ء میں پڑا اس کے مہلک نتائج اور بد ثمرات سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ چونکہ ابتداء میں ہی اس تفرقہ کے نتیجہ میں حضرت مولانا محمد علی رح قادیان سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے اور لاہور میں علیحدہ انجمن قائم کی اس لئے بظاہر یہ معلوم دیتا ہے کہ جماعت میں تفرقہ کی ذمہ داری آپ پر ہی عائد ہوتی ہے حالانکہ یہ امر قطعاً خلاف واقعات ہے۔ مفصلہ ذیل چار واقعات سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ کی انتہائی کوشش تھی کہ جماعت کی وحدت کسی نہ کسی طرح قائم رہ جائے۔

حضرت مولانا محمد علیؒ اور اکابرین لاہور کی مساعی اتحاد

اپنی مساعی اتحاد کے بارہ میں آپ خود اپنے رسالہ حقیقت اختلاف میں لکھتے ہیں:-

"ستمبر ۱۹۰۹ء کا حملہ میاں صاحب نے پورے زور سے کیا تھا مگر ناکام رہا۔ اس لئے اس کے کچھ عرصہ بعد تک خاموشی رہی۔ سنہ ۱۹۱۰ء کے آخری مہینوں میں حضرت مولوی صاحب گھوڑی سے گر گئے۔ یہ چوٹیں ابتداء میں ایسی خطرناک نہ تھیں کچھ عرصہ بعد ازیں سلسلہ ہو کر بیماری نے ایک خطرناک صورت اختیار کر لی۔ آئندہ خلیفہ کے متعلق لوگوں کو خوابیں آنے لگیں اور چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ انہی ایام میں لاہور سے شیخ رحمت اللہ صاحب خواجہ کمال الدین اور ہر دو ڈاکٹر صاحبان بھی آ گئے۔ حضرت مولوی صاحب کے پاس سے اٹھ کر یہ سب احباب باہر میرے مکان کی طرف جا رہے تھے میں بھی ساتھ تھا۔ رستہ میں میں نے کہا کہ ہمارے کوئی خیالات ایک دوسرے سے مخفی نہیں۔ یہاں خلافت کے متعلق چہ میگوئیاں ہوتی ہیں۔ کیا آپ میں سے کسی کے دل میں یہ خواہش ہے کہ وہ خلیفہ بنے۔ سب نے کہا ہرگز نہیں۔ میں نے کہا میرا دل بھی اس خواہش سے بالکل پاک ہے لیکن یہاں جو ذکر کرتے ہیں ان میں ہمارا نام بھی لیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ مدعیان خلافت سمجھ کر آپس میں جھگڑے کی صورت پیدا ہو جائے۔ کیوں نہ اس امر کو میاں صاحب پر ظاہر کر دیا جائے۔ تاکہ انہیں ہماری طرف سے اطمینان ہو۔ اور جو کچھ ہو سب کے اتفاق سے ہو۔ چنانچہ اسی وقت میاں صاحب اور میر ناصر نواب کو بلایا گیا اور خواجہ صاحب نے جو باتیں ہمارے درمیان ہوئیں من و عن کہہ دیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ ابھی میاں صاحب کا عقیدہ تکفیر اہل اسلام ظاہر نہ ہوا تھا، اس لئے ہم نے میاں صاحب سے صاف کہدیا کہ ہمیں ان کے حضرت مولوی صاحب کا جانشین ہونے پر کوئی اعتراض نہیں۔ البتہ جو امر پبلک طور پر طے ہو وہ سب کے اتفاق سے طے ہو۔ جلدی میں کوئی گروہ الگ کارروائی نہ کر بیٹھے جس سے دوسروں کو شکایت کا موقع ہو۔ ان باتوں کی صحت کو میاں صاحب نے آئینہ صداقت میں تسلیم کیا ہے۔ میر صاحب نے اس پر اظہار پسندیدگی کیا۔ مگر میاں صاحب گول مول جواب دے کر اٹھ گئے۔"

میاں محمود احمد کے تکفیر عالم اسلام کے اعلان سے قبل حضرت مولانا رح اپنے رفقائے اکابرین لاہور۔ جماعتی اتحاد کی برقراری کے لئے اس قدر خواہاں اور کوشاں رہے کہ جیسے کہ مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے، ان سب نے نانا صاحب اور میاں صاحب سے اس امر کا اظہار و اقرار کیا کہ وہ میاں صاحب کو خلیفہ بنانے اور ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کرنے کو تیار ہیں۔ اب کیا یہ امر ثابت نہ ہو گیا کہ نہ صرف حضرت مولانا رح قیادت

کے خواہاں نہ تھے بلکہ اس کی خاطر میاں صاحب کو خلیفہ ماننے اور بیعت کرنے کو بھی تیار تھے ؟

حضرت مولانا نورالدینؒ کی وفات پر اتحادِ جماعت کی دوسری کوشش

حضرت مولانا نورالدین رح کی وفات مارچ ۱۹۱۴ء میں ہوئی ۔ اس نازک موقعہ پر پھر حضرت مولانا محمد علی رح نے اتحاد کی مخلصانہ کوشش کی حالانکہ اس وقت میاں صاحب کی انصاراللہ پارٹی کی شدید مخالفت برسرعام آچکی تھی ۔ بلکہ خود مولانا صاحبؒ موصوف اس بارہ میں نومبر ۱۹۱۳ء کو مولانا نورالدین رح سے اپنے خط میں اس کی شکایت بھی کر چکے تھے ۔ اس کا ذکر بھی حضرت مولاناؒ کے تحریر کردہ بیان سے ہی پڑھیئے :۔

" حضرت خلیفۃ المسیح نے ۱۳ر مارچ ۱۹۱۴ء جمعہ کے دن بعد از نماز جمعہ وفات پائی ۔ اسی دن بعد از نماز عصر ہم پانچ احباب جو وہاں موجود تھے نواب صاحب کے مکان کی طرف گئے تاکہ آئندہ جو سلسلہ کی حالت ہوگی اس کے متعلق گفتگو کی جائے ۔ ہمارے پہنچنے سے پیشتر میاں صاحب اکیلے سیر کے لئے موضع کھارا کی طرف نکل گئے تھے ۔ میں نے بھی احباب سے یہی کہا کہ بہتر ہے کہ میں تنہا ہی ان سے بات کروں ، چنانچہ میں ان کے پیچھے گیا اور ان سے کہا کہ اس وقت جماعت میں مسئلہ کفر و اسلام کی وجہ سے دو فریق علی الاعلان ہو چکے ہیں اس لئے آئندہ کے لئے جو نظام ہوگا وہ غور طلب ہے کوئی صورت ایسی سوچنی ضروری ہے کہ جماعت کا اتحاد قائم رہے ۔ میاں صاحب نے میری باتوں کا جواب یہ دیا کہ ایک خلیفہ منتخب کر لیا جائے جس کے ہاتھ پر دونوں فریق بیعت کر لیں ۔ اور جو وہ کہے وہ مانیں ۔ اسی صورت میں اتحاد رہ سکتا ہے ۔ جواباً میں نے کہا کہ یہی تو دقت ہے کہ دونوں فریق ایک آدمی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتے ۔ اس لئے میں کم از کم کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر کس طرح بیعت کر سکتا ہوں جو میرے نزدیک اتنے اہم معاملہ میں غلطی پر ہے باتوں باتوں میں میں نے میاں صاحب سے کہا کہ اس مشکل کا حل دو طرح پر ہو سکتا ہے ۔ اوّل یہ کہ اس وقت ایک امیر کا انتخاب کر لیا جائے اور بیعت کو لازمی نہ قرار دیا جائے ۔ جو شخص چاہے بیعت کرے جو چاہے نہ کرے ۔ جب اس واقعہ پر کچھ وقت گذر جائے تو مسئلہ کفر و اسلام پر فریقین اپنی اپنی دلیلیں پیش کریں ۔ اس طرح سے ممکن ہے کہ دلائل کا غلبہ ایک طرف دیکھ کر ساری جماعت ایک ہی مسلک اختیار کر لے ۔ اس کا جواب میاں صاحب نے یہ دیا کہ جو شخص خلیفہ کی بیعت نہ کرے وہ سلسلہ میں نہیں رہ سکتا اس لئے یہ ناممکن العمل ہے ۔ دوسری تجویز میں نے یہ پیش کی کہ سرِدست کوئی انتخاب نہ کیا جائے چودہ پندرہ دن کی کم سے کم مہلت دی جائے اور جماعت کے اہل الرائے احباب کو اکٹھا کر کے مشورہ کیا جائے کہ اس دقت کا کیا علاج ہو سکتا ہے ۔ اس کا جواب میاں صاحب نے یہ دیا کہ اتنے دن انتظار نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ جب دوسرے خلیفہ کا انتخاب نہ ہو جائے پہلا خلیفہ دفن نہیں ہو سکتا اور اتنے دن تک لاش نہیں رہ سکتی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مشکلات کے حل کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی ۔ اگلے دن پھر ہم پانچوں احباب یعنی شیخ رحمت اللہ صاحب ، مولوی صدرالدین صاحب ۔ ہر دو ڈاکٹر صاحبان اور میں نواب صاحب کے مکان پر پہنچے اور اس معاملہ میں کچھ گفتگو کرنی چاہی ۔ مگر یہ کوشش بھی بے سود ثابت ہوئی ۔"

ان دو واقعات کا کبھی انکار نہیں کیا گیا بلکہ خود میاں صاحب نے ان کی صحت کا اقرار کیا ہے ۔ اب کہاں ہیں وہ اصحاب جو یہ بہتان لگاتے نہیں تھکتے کہ حضرت مولانا محمد علی رح قیادت کے خواہاں تھے ۔ دین تو صداقت شعاری کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے مگر جب کسی جماعت میں یہی چیز باقی نہ رہے تو دین کی بنیادیں کس پر استوار ہونگی ؟

جب دارالامان قادیان "دارالامان" نہ رہا جو اس کے نام سے ظاہر ہوتا تھا بلکہ دارالفساد بن گیا جیسے کہ انتخاب خلیفہ کے موقعہ کا نظارہ پیش کرتا ہے ، یعنی مجلس انتخاب میں جب حضرت مولانا محمد علی رح نے اٹھ کر کچھ کہنا چاہا تو ممبران انصاراللہ پارٹی نے انہیں ہوٹ کر دیا اور آوازے کسے "ہم نہیں سننا چاہتے ، ہم نہیں سننا چاہتے" اور "بیٹھ جاؤ ، بیٹھ جاؤ" وغیرہ ۔ یہ مظاہرہ اس قدر نفرت انگیز ، خلافِ تہذیب و تقویٰ تھا کہ بعد میں مرزا سلطان احمد صاحب نے حضرت مولانا محمد علی رح کے مکان پر جا کر ان سے معافی مانگی اور کہا کہ آپ تو میرے باپ کی خدمت کے لئے دنیا جہان کی ترقیوں کو ترک کر کے یہاں آ بیٹھے ہیں مگر میرے بھائی (مراد میاں محمود احمد) نے جو سلوک آج آپ سے کیا ہے میں اس کے لئے آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں" ۔ اسی طرح محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار "نور" نے بھی لکھا کہ خلیفہ کے بارہ میں جو کچھ ہونا تھا وہی فیصلہ ہوا لیکن مولانا محمد علی صاحب رح کو بولنے سے بجبر منع کر دینا کسی طرح بھی جائز اور روا نہ تھا ۔

جب حضرت مولانا محمد علی رح کے لئے سرزمین قادیان دارالفساد بن گئی تو وہاں آپ اپنے محبوب کے دیار کو ترک کر کے لاہور آنے پر مجبور ہو گئے ۔ یہ ہجرت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کے نقشِ قدم پر تھی کہ آنحضور صلعم بھی کعبۃ اللہ کے مبارک شہر کو آپؐ کے برخلاف قتل کے منصوبہ کے باعث ترک کرنے پر مجبور ہو گئے تھے ۔

حضرت مولانا محمد علی رح کی اس ہجرت کے بارہ میں خود حضرت اقدسؑ کو الہام اور رؤیا بھی ہوئے تھے چنانچہ ایک الہام "داغِ ہجرت" تھا اور دوسرا "ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں" ۔

حضرت مولانا محمد علی رح کی مماثلت حضرت علیؓ سے

ایک رؤیا میں حضرت اقدسؑ نے دیکھا کہ آپ حضرت علیؓ بن گئے ہیں اور خوارج کا ایک گروہ آپ کی خلافت میں روک بن رہا ہے تو آپ کو آسمان سے آواز آئی :۔

یاعلی دعھم وانصارھم وزراعتھم

اے علی ان کو اور ان کے انصار (انصاراللہ پارٹی) اور کھیتیوں سے کنارہ کشی اختیار کرو ۔

اسی طرح براہین احمدیہ کے کشف میں بھی حضرت مولانا محمد علی رح کو حضرت علیؓ کے نام سے نسبت دی گئی ہے ۔ حضرت اقدسؑ کو جب آنحضور صلعم ، حضرت فاطمہؓ ، حضرت علیؓ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اجمعین کی زیارت کے بعد ایک کتاب دی گئی جس کی نسبت بتلایا گیا کہ یہ **تفسیر قرآن ہے جسے علی نے تصنیف کیا ہے اور اب علی یہ تفسیر تجھے دیتا ہے** ،

اتحاد جماعت کے لئے تیسری کوشش

لاہور تشریف لانے کے بعد بھی حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب اور آپ کے رفقاء نے اتحاد کی ایک آخری کوشش کی ، چنانچہ ایک وفد کو قادیان بھیجا گیا اور یہ پیشکش پھر سے کی گئی کہ جماعتی اتحاد مقدم ہے ہم سب میاں صاحب کو جماعت کا قائد تسلیم کرنے کے لئے اور ان کے ماتحت کام کرنے کے لئے تیار ہیں مگر بیعت ہم اس لئے نہیں کر سکتے کہ بنیادی عقیدہ وحدت کلمہ گویاں میں ہمارا اختلاف ہے ۔ اب یہ کیسا سنہری موقعہ تھا جیسا کہ حضرت مولانا نورالدینؒ کی وفات پر بھی یہی امر پیش کیا گیا تھا کہ جماعت کا اتحاد برقرار رکھا جاتا ۔ لیکن افسوس میاں صاحب نے اس وفد سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا ۔

اب یہ واقعات کیا ثابت کرتے ہیں یہ کہ حضرت مولانا محمد علی رح نے اپنی قیادت کے لئے علیحدگی اختیار کی یا یہ کہ میاں محمود احمد صاحب کو صدر انجمن احمدیہ کے لاہور کے ممبران کو کسی صورت جماعت کے اندر رکھنا منظور نہ تھا ؟ کیونکہ ایسی صورت میں وہ آمرِ مطلق کبھی نہ بن سکتے تھے ۔ (باقی پر ۲۲ کالم ۲)

محترم علامہ شیخ عبدالرحمن مصری صاحب

غلبۂ حقیقی کا صحیح مفہوم اور حضرت امیر مرحوم و مغفور کا غالب اور حق پر ہونا

عددی برتری حق پر ہونے کی لازمی دلیل نہیں ہو سکتی علماء ربوہ اور ان کی تقلید میں ان کے عوام اپنی عددی برتری کو اپنے اور اپنے خلیفہ کے حق پر ہونے کی دلیل گردانتے ہیں اور بار بار اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور خاکسار کو بھی ربوہ سے تعلق رکھنے والے بعض احباب کی طرف سے ایسے خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں جن میں اپنی اس عددی برتری کو اپنی صداقت کی حتمی دلیل کے طور پر پیش کرکے خاکسار کو دوبارہ اپنی جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی جاتی ہے۔ سو ایسے تمام احباب پر میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک عددی برتری حق پر ہونے کی کوئی لازمی علامت نہیں۔ نہ قرآن کریم اس کا مؤید ہے اور نہ ہی احادیث صحیحہ سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی حضرت مسیح موعودؑ کے کلام میں اس کی تائید پائی جاتی ہے قرآن کریم تو ایک جگہ صرف اکیلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہی اُمت قرار دیتا ہے اور دوسری جگہ صاف فرماتا ہے کہ من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله یعنے کتنی ہی قلیل التعداد جماعتیں ہیں جو کثیر التعداد جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں اُن کے غلبہ کی وجہ بطور اصول یہ بتلاتا ہے کہ ليهلك من هلك عن بينة ويحيي من حي عن بينة یعنی وہی جماعت جس کو دلائل ہلاک شدہ قرار دیتے ہیں ہلاک شدہ ہے اور حقیقی معنی میں زندہ جماعت وہ ہے جس کو دلائل زندہ قرار دیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی جماعت کی زندگی اور اس کے غلبہ کا معیار قرآن کریم کے نزدیک دلائل ہیں نہ کہ خالی تعداد کی زیادتی۔ احادیث بھی یہی بتلاتی ہیں کہ اُمت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ایک فرقہ ہی حق پر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک فرقہ ۷۲ کے مقابلہ میں قلیل التعداد ہی ہوگا۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ حاملین حق کا نام ہی سواد اعظم ہے خواہ ان کی تعداد کتنی ہی تھوڑی کیوں نہ ہو۔

میرا مسلک پس ہمارے احباب پر واضح ہو کہ میرا مسلک یہی ہے کہ اگر ساری دنیا کے مقابلہ میں صرف اسی ایک شخص کا ساتھ دے گا جس کے پاس حق ہے کیونکہ قرآن کریم کا مجھے یہی ارشاد ہے کونوا مع الصادقين مولانا مرحوم کا حضورؑ کے مقام کو صحیح طور پر سمجھنا آپ کے حق پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔

مجھے دعوت دینے والے احباب مجھے معاف رکھیں اگر میں یہ کہوں کہ جہاں تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقام اور حضورؑ کے مسلک کا تعلق ہے اس کو صحیح طور پر سمجھنے میں آپ کے خلیفہ ثانی کے مقابلہ میں حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب مرحوم و مغفور حق پر ہیں انہوں نے بالکل صحیح سمجھا کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ زمرۂ انبیاء کے نہیں بلکہ زمرۂ اولیاء کے فرد تھے۔

اولیاء اللہ کی مخالفت کا نتیجہ اور اولیاء اللہ کی مخالفت اور ان کے ساتھ دشمنی رکھنے والا انسان ضال تو ہو سکتا ہے لیکن کافر نہیں ہو سکتا یعنی من عادى ولياً لي فقد آذنته للحرب کے ماتحت جیسے تمام اولیاء کی دشمنی انسان کو روحانی ترقی اور الٰہی فیوض سے محروم کر دیتی ہے اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کی دشمنی بھی معاند کو روحانی ترقی اور الٰہی فیوض سے محروم کر دے گی اگر دشمنی پر اصرار کیا جائے گا تو سلب ایمان کا بھی خطرہ ہے لیکن باوجود اس کے ایسے شخص کے حق میں عیسائیوں، یہود، ہنود کی طرح کافر ہونے کا فتویٰ صادر نہیں کیا جا سکتا۔

دینی امور توقیفی ہیں دینی امور توقیفی ہوتے ہیں یعنی حدود جو دین میں مقرر ہوں ان میں تجاوز کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ اسلام نے جس حد پر مسلمانوں کو کھڑا کیا ہے اسی حد پر انہیں کھڑا رہنا چاہیئے اس سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھنا چاہیئے یہی مذہب حضرت مسیح موعودؑ کا تھا اور یہی مذہب حضورؑ کی زندگی میں حضورؑ کا ساتھ دینے والے بزرگ علماء کا تھا۔

موٹی بات موٹی بات یہ ہے کہ حضورؑ نے اپنی تمام کتب میں ہمیشہ یہی لکھا کہ وحی نبوت قیامت تک بند ہے صرف وحی ولایت ہی قیامت تک جاری ہے جو حضرت نبی کریم صلعم کی اتباع سے اولیاء اللہ کو ملتی رہے گی۔ حضور کی قریباً ۸۰ کتب میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں وحی نبوت کے جاری رہنے کا ذکر ہو یا حضورؑ نے اپنی وحی کو وحی نبوت قرار دیا ہو ہمیشہ اپنی وحی کو وحی ولایت ہی لکھا۔

۱۹۰۱ء سے قبل اور بعد کی کتب میں یگانگت علاوہ ازیں جس طرح ۱۹۰۱ء سے قبل کی کتب میں حضورؑ نے اپنے آپ کو زمرۂ اولیاء کا فرد ہی قرار دیا۔ دیکھو سیرت الابدال۔ اعجاز احمدی۔ دافع البلاء۔ الہدیٰ۔ خطبۂ الہامیہ۔ تحفۂ گولڑویہ براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ مواہب الرحمٰن۔ لجۃ النور۔ حقیقۃ الوحی۔ چشمۂ معرفت۔

صریح طور پر کا لفظ تبدیلی عقیدہ کی بنیاد نہیں بن سکتا حقیقۃ الوحی کے الفاظ "صریح طور پر نبی کا خطاب دیا گیا" پر زور دیا جاتا ہے حالانکہ اسی کتاب میں لکھا ہے سميت نبياً من الله على طريق المجاز لا على وجه الحقيقة۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ صریح طور پر جو نبی کا خطاب حضورؑ کو دیا گیا وہ مجازی طور پر ہی دیا گیا نہ کہ حقیقی طور پر، اپنی پہلی تمام کتب میں بھی حضور اسی حقیقت کا اظہار فرماتے رہے یہ کوئی نئی بات نہ تھی کہ اس کو تبدیلیٔ عقیدہ کی اساس بنایا جاتا۔ اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں بھی محدث ہونے کا انکار لغوی معنی کے لحاظ سے کیا گیا ہے نہ کہ اسلامی اصطلاح کے لحاظ سے اور یہ حقیقت ہے کہ حضور اسلامی اصطلاح میں محدث تھے (محدث ہونے کا دعوےٰ بھی خدا کے حکم سے کیا گیا) جس کا انکار حضور نے کبھی بھی نہیں کیا اشتہار مذکورہ میں صرف اس بات کا انکار کیا کہ لغت میں کثرت سے غیب کی خبریں پانے والے کو محدث نہیں نبی کہتے ہیں اور لغوی معنی میں نبی کہلانے سے حضورؑ نے کبھی انکار نہیں کیا اور یہی فرمایا کہ المحدث نبي باعتبار حصول نوع من انواع النبوة یعنی مبشرات پانے کی وجہ سے محدث پر نبی کا لفظ بولنا جائز ہے کیونکہ نبوت کی ایک جزو یعنی مبشرات اس کو دیئے جاتے ہیں اس لئے جزوی اور ناقص طور پر اس پر لفظ نبی بولا جا سکتا ہے۔

حضرت امیر مرحوم رحمۃ اللہ کا مذہب حضرت اقدسؑ کی زندگی میں بھی حضرت امیر مرحوم مولینا محمد علی صاحبؒ کا یہی مذہب تھا اور بعد میں بھی یہی مذہب رہا یعنی لفظ نبی حضورؑ کے لئے آپ ہمیشہ انہی معنوں میں استعمال فرمایا کرتے تھے جس معنی میں محدث پر اس لفظ کا اطلاق جائز ہے ان کے مذہب کو غلط طور پر پیش کرکے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

پہلے محدثوں پر لفظ نبی نہ بولے جانے کی وجہ باقی رہا پہلے محدثوں پر اس لفظ کو اللہ تعالےٰ نے کیوں اطلاق نہیں کیا حضرت مسیح موعودؑ پر کیوں کیا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ کسی لفظ کا اطلاق انتہائی کمال پر جا کر کیا جاتا ہے پہلے محدثین میں بھی نبوت محمدیہؐ موجود تھی مگر مخفی لیکن حضرت اقدسؑ پر اس لفظ کا اطلاق محض اس امر کے اظہار کے لئے کیا گیا کہ حضورؑ کی محدثیت دیگر محدثین کے مقابلہ میں اپنے انتہائی کمال کو پہنچ گئی اور یہی مسیح موعودؑ اور مہدی معہودؑ کے لقب کا منشاء تھا

ورنہ یہ نہیں کہ پہلے محدثین نبی نہ تھے۔ حضورؑ کی تحریروں کے مطابق انوارِ محمدیہ ان میں جلوہ گر تھے اور حضورؑ میں بھی نبوتِ محمدیہ ہی جلوہ گر تھی وہ بھی خدا کے نزدیک محمدؐ اور احمدؐ تھے اور حضورؑ بھی خدا کے نزدیک محمد و احمد تھے صرف نبوتِ محمدیہ کا جلوہ حضورؑ میں اس کمال تک پہنچ گیا تھا جس کمال پر پہنچنا امتی کے لئے ممکن ہے اور حقیقی محمد اور احمد کا یعنی حضرت نبی کریم صلعم کا ظل ہونے کی صفت بھی حضور میں ہی اپنے انتہائی کمال کو پہنچی اس لئے حضورؑ کو کھلے طور پر مجازاً نبی کے اعزازی خطاب سے نوازا گیا تا ثابت ہو کہ حضورؑ کامل ترین محدث ہیں اسی وجہ سے حضورؑ نے اپنی ولایت کو ولایتِ عظمیٰ قرار دیا ہے اور اسے کامل ظلّ نبوت کہا گیا ہے لیکن بحیثیت ظلّ ہونے کے حضورؑ اپنی تحریر النبی کالاصل والولی کالظل کے تحت زمرۂ اولیاء کے فرد ہی قرار پائیں گے اسی لئے حدیث میں علم محدثین کو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل فرمایا گیا ہے اور مسیح موعودؑ کے لئے اس کے علاوہ صریح طور پر نبی کا لفظ بھی استعمال کیا گیا یہ بالکل اس طرح ہے کہ جیسے کسی بہادر کو شیر کی مانند کہا جائے۔ اور دوسرے کسی بہادر کو شیر کہہ دیا جائے۔ دونوں شخص بہادر انسانوں کے زمرہ کے فرد ہی قرار پائیں گے۔ یعنی جنس نہیں بدلے گی صرف یہ فرق ہوگا کہ ایک کی بہادری دوسرے کے مقابلہ میں انتہائی کمال پر پہنچی ہوئی بھی جائے گی۔ پس یہ تھا حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب جس پر حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شروع سے آخر تک قائم رہے اور چونکہ یہی حق ہے اس لئے خاکسار نے ان کا ساتھ دیا اور دے رہا ہوں اور انشاء اللہ دیتا چلا جاؤنگا۔

جماعت میں اختلاف رونما ہونے کی پیشگوئی ۱۰ ؍فروری ۱۹۰۶ء کو حضورؑ نے رؤیا میں دیکھا: ایک جماعت کثیر میرے پاس کھڑی ہے ایک حاکم آیا اور اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ کیوں اس جماعت کو منتشر نہ کیا جائے۔ میں نے کہا کہ اس جماعت میں کوئی مخالفت نہیں صرف تعلیم پاتے ہیں پھر اس حاکم نے کہا کہ گویا وہ ایک فرشتہ تھا آسمان کی طرف منہ کرکے ایک دو باتیں کیں جو سمجھ میں نہیں آئیں پھر اس نے مجھے مخاطب کرکے کہا کہ سلام اور چلا گیا۔" (تذکرہ صفحہ ۵۹۳) اس رؤیا میں مندرجہ ذیل چار باتیں واضح ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضورؑ کی زندگی میں جماعت میں قطعاً کوئی مخالفت نہ تھی۔ دوسری بات یہ کہ حضورؑ کی زندگی میں جماعت تعلیم حاصل کر رہی تھی یعنی حضورؑ کے اصل مشن سے واقفیت حاصل کر رہی تھی۔ تیسری بات یہ کہ حضورؑ کے بعد جماعت پر ایسا وقت آنے والا ہے کہ حضور کی بتلائی ہوئی تعلیم میں ہی اختلاف پیدا ہو جانے کی وجہ سے جماعت میں انتشار رونما ہو جائے گا۔ اب یہ حقیقت ہے کہ حضورؑ کی وفات کے بعد ہی حضرت مولانا نورالدین صاحب اعظمؓ کی خلافت کے آخری حصہ میں حضورؑ کے مقام کے متعلق جماعت میں اختلاف رونما ہو گیا تھا جو بڑھتے بڑھتے ان کی وفات کے بعد دو گروہوں میں تقسیم کر دینے کا موجب بنا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ فرشتہ کا آخر میں حضورؑ کو مخاطب کرکے "سلام" کہنا اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ حضورؑ کی زندگی میں تو سلامتی رہے گی حضورؑ کی وفات کے بعد ہی اختلاف رونما ہوگا۔

قلیل التعداد گروہ کے حق پر ہونے کی پیش گوئی ان چاروں باتوں کو جو بطور پیش گوئی تھیں واقعات نے درست ثابت کر دیا ذیل میں حضورؑ کا ایک کشف نقل کیا جاتا ہے جو صراحت سے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اختلاف رونما ہونے کی صورت میں ایک گروہ کثیر التعداد ہوگا اور دوسرا گروہ تعداد میں پہلے کی نسبت کم ہوگا لیکن حق پر وہی گروہ ہوگا جو قلیل التعداد ہوگا۔ حضورؑ فرماتے ہیں "اس کے (مسیح موعودؑ کے) لشکر یعنی اس جماعت کا سردار سرگروہ ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا جس کو آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جائے گا کیونکہ خدا تعالیٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا اس جگہ اگرچہ اس منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا ہے مگر اس مقام میں در حقیقت کوئی ظاہری جنگ و جدل مراد نہیں ہے بلکہ یہ ایک روحانی فوج ہوگی کہ اس حارث کو دی جائے گی، جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت پر دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں۔ ایک زمین پر اور ایک چھت پر بیٹھا ہے۔ تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا مخاطب کرکے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے مگر وہ چپ رہا اور اس نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ تب میں نے اس دوسرے کی طرف رُخ کیا جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا اور اسے میں نے مخاطب کرکے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے وہ میری اس بات کو سن کر بولا کہ ایک لاکھ نہیں ملے گی مگر پانچہزار سپاہی دیا جائیگا۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگرچہ پانچہزار تھوڑے آدمی ہیں پر اگر خدا تعالیٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔ پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا اور کہا گیا کہ خوشحال ہے خوشحال مگر خدا تعالیٰ کی کسی حکمت خفیہ نے میری نظر کو اس کے پہچاننے سے قاصر رکھا لیکن امید رکھتا ہوں کہ کسی دوسرے وقت دکھایا جائے۔" (ازالہ اوہام حاشیہ صفحہ ۹۶ تا ۹۹)

اس کشف میں جس سرگروہ کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت خلیفہ اوّل رض تو ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ ان کو تو حضور شناخت کر سکتے تھے بوجہ دیرینہ تعلقات کے اسی طرح اس سے مراد میاں محمود احمد صاحب بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کو بھی حضور شناخت کر سکتے تھے کیونکہ کشف سے قبل وہ پیدا ہو چکے تھے اس کشف سے یہ بھی واضح ہے کہ جماعت دو گروہوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ہر ایک گروہ کا الگ الگ سردار ہوگا گو ایک گروہ کے سردار کے ساتھ جماعت تو زیادہ ہوگی لیکن وہ اخلد الی الارض کا مصداق ہوگا اب جو واقعات منصۂ ظہور میں آئے وہ صاف بتلا رہے ہیں کہ دونوں گروہوں کے سرداروں میں سے زمینی خواہشات کا شکار کون بنا اس کشف نے یہ بھی بتلایا کہ قلیل التعداد کے سردار کا تعلق آسمان سے ہے اور وہ حضورؑ کے اصل مشن کو سمجھنے والا ہے یہ بھی اس کشف سے واضح ہو گیا کہ وہ سردار اس وقت تک جماعت میں داخل نہیں تھا بعد میں داخل ہوگا اور حضورؑ کو وہ کسی وقت دکھایا بھی جائیگا۔ چنانچہ یہ سب باتیں حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب مرحوم و مغفور پر صادق آتی ہیں وہ اسکے بعد ہی جماعت میں داخل ہوئے اور حضورؑ کو متعدد مرتبہ کشف میں دکھلائے بھی گئے

برتری ثابت کرنے کے لئے تقویٰ ہی حقیقی معیار ہے اور قلیل التعداد جماعت کے سردار بھی نے اور دوسرے فریق کے سردار پر دلائل کی رُو سے غالب بھی رہے اور تقویٰ اور اخلاق اور روحانی میدان میں بھی آپ نے اپنی برتری کو ثابت کر دیا اور یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ روحانی جماعتوں میں تقویٰ ہی اصل معیار ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اور جس پر آیت افمن اسس بنیانہ علیٰ تقویٰ من اللہ ورضوان الخ صراحت سے دلالت کر رہی ہے۔ ربوہ سے تعلق رکھنے والے دوستوں کو اگر تعداد کی زیادتی کو معیار بنانے پر ہی اصرار ہے تو ان کی حضرت

عددی برتری معیار نہیں ہو سکتی معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے بارے میں کیا رائے ہے کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت معاویہؓ خواہ صحابی ہونے کے لحاظ سے ہم ان کی کتنی ہی عزت کریں لیکن تقویٰ کے لحاظ سے وہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں قطعاً کھڑے نہیں کئے جا سکتے۔ اور قرآن کریم کے حقائق کو سمجھنے میں حضرت علیؓ جو ید طولیٰ رکھتے تھے حضرت معاویہؓ ان کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکتے تھے انا مدینۃ العلم وعلی بابہا حضرت علیؓ کی شان میں ہی فرمایا گیا ہے۔ حضرت معاویہؓ کی شان میں تو نہیں فرمایا گیا۔ لیکن یہ بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ حضرت معاویہؓ کو تقویٰ میں کم تر ہونے کے باوجود اور حقائق قرآن کو سمجھنے میں کم تر درجہ رکھنے کے باوجود جو سیاسی اور عسکری غلبہ حاصل ہوا اس سے حضرت علیؓ محروم رہے یہاں تک کہ ساری اسلامی دنیا پر انہیں حکومت حاصل ہوگئی جو قریباً ایک صدی تک ان کے خاندان میں رہی کیا حضرت معاویہ رض کی کامیابی خاص چالاکی کا نتیجہ نہ تھی جس کو تقویٰ سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا پھر یزید اور ابن زبیرؓ اور یزید اور امام حسینؓ کی مثال بھی غور کر لیں، ان میں کونسا فریق تقویٰ کے زیور سے آراستہ تھا اور کونسا فریق پلیدگی کے گند میں لتھڑا ہوا تھا خود ہی فیصلہ کریں۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ ؛

حضرت امیر مرحوم

کچھ ذاتی مشاہدات

محترم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب

حضرت امیر مرحومؒ میرے بہنوئی تھے۔ اس قریبی رشتہ کی وجہ سے مجھے ساری عمر انہیں قریب سے دیکھنا ملا۔ پھر خوش قسمتی سے مجھے سات سال ڈلہوزی میں ان کے گھر کے اندر رہ کر انہیں دن رات بے تکلفی کی حالت میں دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اور عمر کے آخری دو سال موسم گرما میں وہ غریب خانہ پر رہے۔ غرض یہ میری سعادت تھی کہ میں نے انہیں اس قدر قریب سے اور اتنا عرصہ دیکھا۔ ان کی زندگی کے اکثر حالات ان کی سوانح عمری موسومہ "مجاہد کبیر" میں آ گئے ہیں۔ اور اخبار پیغام صلح اور لائٹ اسلام کے خاص پرچوں میں جو ان کی یاد میں نکالے گئے ہیں اور بہت سی باتیں آگئی ہیں۔ پھر بھی بعض ذاتی مشاہدات لکھے دیتا ہوں۔

(۱) بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو اندر سے اور باہر سے ایک ہوتے ہیں حضرت امیر مرحوم ان خاص لوگوں میں سے تھے جن کا ظاہر اور باطن یکساں نیک اور نورانی تھا۔ اگر کسی کو میری بات پر یقین نہ ہو تو حضرت مسیح موعودؑ کا اپنا تاثر سنئے:-

"میں اس مدت میں یعنے جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا اور اخلاق اور دین اور شرافت کی رُو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع، باحیا، نیک اندرون پرہیزگار آدمی ہے۔ اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے......"

یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ جو خود شرم و حیا کے ایسے پتلے تھے کہ ان کی آنکھیں فوٹو اترواتے وقت بمشکل کھلوانی پڑیں اور ان کو یہ بھی پتہ نہ ہوتا تھا کہ ان کے آس پاس کون بیٹھا ہے۔ چنانچہ آپ کبھی فرماتے "مولانا نورالدین صاحب کو بلوائیں" تو وہ پاس سے بولتے "حضور میں حاضر ہوں" انہیں کیوں تحریک ہوئی کہ مولانا محمد علی صاحب کو ظاہری اور باطنی آنکھ سے جانچیں اور پرکھیں؟ اور حضرت صاحب نے اور مریدوں کے بارہ میں کیوں "پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا اخلاق اور دین اور شرافت کی رُو سے تجسس" نہیں کیا؟ ظاہر ہے کہ مولانا محمد علی صاحب کو دیکھتے ہی حضرت مسیح موعودؑ کو ان کی زبردست فراست مومنانہ نے یا القائے الہٰی نے اشارہ کیا کہ یہ خاص الخاص آدمی ہے (جسے قدرت نے پہلے سے تاک رکھا تھا کہ جب حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیمات کو بگاڑنے اور ضائع کرنے کا فتنہ اُٹھے تو وہ انہیں بچالے اور محفوظ کر دے۔ اور پھر وہ حضرت مسیح موعودؑ کے مشن اور کام کی تکمیل بوجہ احسن کرے)

قدرت کے پہلے سے تاک رکھنے کا ثبوت آنحضرت صلعم کی وہ پیشگوئی ہے جسے نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب حجج الکرامۃ کے صفحہ ۲۴۲ سے ۲۴۳ پر نقل کیا ہے کہ مہدی کی وفات کے بعد ایک خلیفہ ہوگا۔ اور جب وہ فوت ہوگا تو قرآن لوگوں کے سینوں سے اُٹھ جائے گا۔ اور لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ اس کے بعد لوگ اس کے اہل بیت میں سے ایک آدمی کو خلیفہ بنائیں گے جس کا شر اس کے خیر سے زیادہ ہوگا۔ اس کے خلاف ایک شخص کھڑا ہوگا جس کا لقب منصور ہوگا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب ازالہ اوہام صفحہ ۹۵ تا ۹۹ میں "منصور" نام کی خود تشریح فرمائی ہے کہ مسیح موعودؑ کے لشکر یعنے اس کی جماعت کا سردار اور گروہ ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا جس کو آسمان پر "منصور" کے نام سے پکارا جائے گا کیونکہ خدا تعالےٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا۔

(۲) آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اتقوا فراسة المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔ یعنے مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس کا ثبوت میں نے حضرت امیر مرحوم کی زندگی میں کئی بار دیکھا مثلاً آپ کا گھر مہمانوں کے لئے ہمیشہ حاضر تھا۔ مگر ایک دفعہ جو ایک مہمان آیا تو شام کو حضرت امیر مرحوم نے اپنے ایک دوست کے ہاں اس کے رات گذارنے کا بندوبست کر دیا۔ اس پر اس مہمان نے اپنی ناراضگی کا بھی اظہار کیا مگر حضرت امیر مرحوم نے خلاف معمول اصرار کر کے اسے دوسری جگہ ٹھہرایا۔ مہمان تو وہاں آرام سے رہا اور اگلی صبح چلا گیا۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس مہمان کو ایک خاص مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اور وہ اپنا بُرا ارادہ رات کو عمل میں لانا چاہتا تھا۔

ایک دفعہ میرے چند عزیزوں نے مجھے قرآن کریم کی قرأت سنانے کے لئے اصرار سے کہا۔ میں نے سوچا کہ ایک ضروری کام پہلے کر لوں تو پھر قرأت سناؤں۔ میں جو اُٹھنے لگا تو حضرت امیر مرحوم جو وہاں موجود تھے بے اختیار بول اُٹھے "ہاں اچھا ہے پہلے وہ...... کام کر آئیں پھر سنائیں" میں یہ سن کر حیران رہ گیا کیونکہ اس کام کا علم سوائے میرے اور کسی کو نہ تھا۔

(۳) حضرت امیر مرحوم میں انکساری اور عاجزی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ایک عالم آپ کے علم کے کمالات اور ظاہری اور باطنی خوبیوں کا معترف تھا مگر آپ کے کلام یا چال ڈھال میں کوئی تکبر یا تفاخر بالکل نہ تھا۔ آپ عباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا کی زندہ مثال تھے۔ اس کا تجربہ تو ہر اس شخص کو ہوگا جو آپ سے ملا۔ اس لئے ایک دو واقعات پر اکتفا کرتا ہوں۔

ایک صاحب نے ایک گناہ کبیرہ کر کے اس کا جواز مذہب سے چاہا اور حضرت امیر مرحوم کے پیچھے پڑے کہ وہ ان کی تصدیق کریں۔ حضرت مرحوم نے نہایت نرمی سے انکار کیا۔ اس پر ان صاحب نے بگڑ کر حضرت امیر مرحوم کے خلاف کہنا شروع کر دیا کہ وہ عالم بے عمل ہیں۔ یعنے عالم دین تو ہیں مگر جب ان صاحب کے عمل پر اس علم کو لگانے کا مسئلہ پیدا ہوا تو اپنے علم پر خود عمل نہ کیا اول تو یہ منطق ہی لغو تھی۔ دوئم ان صاحب پر حضرت امیر مرحوم نے ساری عمر احسان کئے تھے۔ وہ سب بھول کر اور اپنی غلطی پر نادم ہونے کی بجائے دلیری اور گستاخی کرتے ہوئے حضرت امیر مرحوم کو عالم بے عمل کہنا شروع کیا۔ حضرت مرحوم کو علم ہوا تو فرمانے لگے کہ یہ ان صاحب کی مہربانی ہے کہ مجھ کم سے کم عالم تو سمجھا ورگرنہ "من آنم کہ من دانم"۔ اللہ اللہ کیا بے نفسی تھی اور انکسار تھا! گھر میں بیمار ہو تو پاس پچھے سے آن کر زمین پر سو جاتے تھے کہ مریض کو شاید رات کو کسی قسم کی ضرورت ہو۔

۴۔ حضرت مسیح موعودؑ کے کشف کے مطابق جو علم آسمان سے حضرت مولانا کے لئے آیا تھا اس کا کمال بھی میں نے ساری عمر دیکھا۔ میں نے آج تک کسی مصنف کو نہیں دیکھا کہ اُدھر اس نے قلم کو کاغذ پر رکھا اور اِدھر وہ قلم تیزی سے چلنے لگے اور مسلسل چلتا رہے۔ میں خود گھنٹوں سوچتا ہوں اور پہلے پنسل سے ایک ڈرافٹ بناتا ہوں پھر صاف کاپی بناتا ہوں۔ حضرت امیر مرحوم کا یہ حال تھا کہ ہر قسم کے کام کاج اور مصروفیات بلکہ پریشانیوں میں بھی جہاں کچھ فرصت ملی اور وہ لکھنے بیٹھے تو قلم فوراً چل پڑتا تھا اور حضرت مسیح موعودؑ کے کشف کے مطابق ایک خرگوش کی طرح زقند لگاتا ہوا دوڑتا تھا اور خرگوش کی طرح ہر سال ایک یا زائد بچے (کتاب یا پمفلٹ وغیرہ) پیدا کرتا تھا اور جو تحریر لکھتے وہ آپ سب کے سامنے ہے کہ اس میں کس قدر علم معقولیت

معرفت اور روحانیت ہوتی تھی۔ بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کے کشف کے مطابق عیسائیوں کے روحانی پیشواؤں کی طرح تجزیہ کرکے اور دلائل سے بات منوانے کی کوشش ہوتی۔ اگر وہ قلم تیز چلنے والی نہ ہوتی تو حضرت امیر مرحوم کی جو بیشمار مصروفیات تھیں اُن میں اس قدر کتابیں ترجمے تفاسیر رسالے مضامین خطوط وغیرہ نہ لکھے جاتے۔

(۵) اگرچہ حضرت امیر مرحوم کی طبیعت میں انتہائی نرمی اور رقت تھی مگر وقت پڑنے پر وہ حیرت انگیز بہادری اور جرأت دکھاتے تھے۔ قومی معاملات میں مثلاً محمودیت کے فتنہ کے خلاف جس جوانمردی سے وہ کھڑے ہوئے وہ تو سب کو معلوم ہے۔ مگر ذاتی یا پرائیویٹ معاملات میں بھی وہ بہادری اور جرأت دکھاتے کہ حیرت ہوتی تھی۔ اس کے بے شمار واقعات میرے علم میں ہیں صرف ایک لکھتا ہوں:۔

تقسیم برصغیر سے پہلے ڈلہوزی پہاڑ پر میرے والدؒ کی ایک کاٹیج تھی۔ اس کے ساتھ ایک برساتی نالہ تھا۔ اوپر ایک کوٹھی میں ہندو لالے رہتے تھے۔ اُن کی کوٹھی کا باقاعدہ رستہ پہاڑی راستوں کی طرح پیچ وخم کھاتا چڑھتا تھا۔ مگر نوجوان لالے میرے والد کی کاٹیج کے ساتھ والے نالہ میں سے چھوٹا راستہ سمجھ کر چڑھتے اُترتے تھے۔ اس سے ہماری کاٹیج میں بے پردگی ہوتی تھی۔ انہیں جب روکا تو وہ نہ مانے درمعاملہ بڑھتے بڑھتے ڈپٹی کمشنر مسٹر ڈبلیو۔ جی۔ کینیڈی آئی سی۔ ایس کے پاس گیا وہاں جو ہیڈ کلرک تھا وہ متعصب ہندو تھا۔ اس نے صاحب موصوف کے کان بھرے۔ میرے والد کی درخواست پر تو وہ کیا آتا ایک با اثر مسلمان دوست کے کہنے پر موقعہ دیکھنے تو آگیا مگر ساتھ وہ ہندو ہیڈ کلرک تھا اور موقعہ پر بھی نوجوان لالے جمع تھے۔ ڈپٹی کمشنر نے نہ تو میرے والد کی بات اچھی طرح سنی اور نہ موقع کو اچھی طرح دیکھا اور واپس جانے لگا۔ حضرت امیر مرحوم وہاں پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے بڑھ کر ڈپٹی کمشنر کے کوٹ کے کالر کو پکڑ لیا اور انگریزی میں کہا "کہاں جاتے ہو۔ کیا تمہارا فرض نہیں کہ اس شخص (یعنی میرے والد) کی بات کو اچھی طرح سنو اور موقعہ کو اچھی طرح دیکھو"۔

یہ نظارہ دیکھ کر میرے والد اور دوسرے لوگ حیران ہوئے اور تعجب کرنے لگے کہ وہ انگریز اس کا کیا جواب دے گا۔ وہ نہ صرف نوجوان اور طاقتور تھا جبکہ حضرت امیر مرحوم بوڑھے اور ضعیف تھے بلکہ وہ ضلع کا ڈپٹی کمشنر اور حاکم اعلیٰ تھا۔ پھر سرکاری افسر پر ہاتھ ڈالنا بذاتِ خود جرم قرار دیا جاسکتا تھا۔ مگر خدا کی شان ہے کہ وہ انگریز مرعوب ہوگیا اور پھر میرے والد کی بات بھی سنی اور موقعہ کو بھی دیکھا۔ گو واپس جاکر فیصلہ ہمارے خلاف ہی دیا۔ دنیا میں انصاف نہ ملا تو خدا کی درگاہ جو ہر مظلوم کے لئے کھلی ہے ان دو بزرگوں کی دعاؤں سے جوش میں آئی اور اس سال غیر معمولی برسات پڑنی شروع ہوئی۔ ہر بارش کے بعد اسی نالہ میں پانی آتا اور پگڈنڈی کو بہاکر لے جاتا۔ لالے پھر بنا لیتے تو بارش پھر آن کر توڑ دیتی اور بہاکر لے جاتی۔ بالآخر لالوں نے تنگ آکر اس نالے سے آنا جانا چھوڑ دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

(۶) حضرت موسےٰؑ اور مصر کے جادوگروں کے مقابلہ کو میں کبھی اچھی طرح سمجھ نہ سکا تھا۔ مگر حضرت امیر مرحوم کے ایک واقعہ سے یہ عقدہ بخوبی حل ہوگیا۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ جادوگر جو نظارے لوگوں کو دکھاتے ہیں وہ بموجب قرآن کریم سحروا اعینھم۔ یعنے آنکھوں پر سحر کرکے دکھلاتے ہیں ورنہ دراصل وہ بات وقوع پذیر نہیں ہوتی۔ اور یہ سحر وہ جادوگر اپنے قلب کی طاقت کو کچھ مشقوں اور قلب کی ورزشوں سے بڑھاکر اور لوگوں کے قلوب پر چھا جاکر ہی کر سکتے ہیں۔ مگر حضرت موسےٰؑ تو نعوذ باللہ ساحر نہ تھے نہ انہوں نے ایسی مشقیں کی تھیں؟ بہرحال ایک واقعہ سنئے تو انشاء اللہ معاملہ صاف ہو جائے گا۔

میری ایک ہمشیرہ مولانا محمد یعقوب خانصاحب ایڈیٹر لائٹ کی بیوی تھیں اُن کا آخری بچّہ لاہور کے ایک زنانہ ہسپتال میں ہوا۔ اس سے چند روز قبل ساتھ کے فیملی کوارٹر میں ایک عورت کے بچّہ ہوا اور بعد میں ماں پر فالج کا حملہ ہوگیا۔ میری ہمشیرہ کو بھی وضع حمل کے بعد فالج کا حملہ ہوگیا اور وہ صاحب فراش ہوگئیں۔ تمام ڈاکٹری اور حکیمی علاج کر لئے مگر افاقہ نہ ہوا بالآخر کرنل ہارپرنیلسن آئی۔ ایم۔ ایس پروفیسر میڈیکل کالج لاہور کو بلوایا گیا۔ اس نے جو علاج معلوم تھا وہ کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر اس نے سوچ بچار کرکے کہا میری ہمشیرہ کا فالج خود وارد کردہ ہے۔ وہ ہسٹیریا کی مریض ہو چکی تھیں اور وضع حمل کے وقت ویسے بھی عورت کی طبیعت نازک ہو جاتی ہے تو ساتھ کے فیملی کوارٹر میں جو زچہ کو فالج ہوا تو میری ہمشیرہ نے وہم اور فکر کرکے اپنے وضع حمل کے موقعہ پر فالج کو اپنے اوپر وارد کر لیا۔ اس لئے کرنل ہارپرنیلسن نے کہا کہ مریضہ کا علاج ہپناٹزم سے کراؤ۔

اس وقت لاہور میں صرف ایک ہپناٹسٹ تھا جو ہندو تھا اور مال روڈ پر شاہ دین بلڈنگ میں کام کرتا تھا۔ اسے بلایا گیا اور اس کے علاج سے واقعی کچھ فائدہ ہونے لگا۔ ایک روز جب وہ علاج کرنے آیا تو حضرت امیر مرحوم بھی وہاں مزاج پرسی کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اُس ماہر نے تھوڑی دیر علاج کی کوشش کرکے چھوڑ دیا۔ اور میرے والد کو ایک طرف لے جا کر کہنے لگا کہ یہ دوسرا شخص کون بیٹھا ہے۔ میرے والد نے کہا یہ میرے بڑے داماد مولانا محمد علی ہیں۔ کہنے لگا انہیں کہیں کہ یہ اُٹھ کر چلے جائیں۔ میرے والد نے کہا کیوں؟ کہنے لگا ان کے قلب کی طاقت اس قدر زیادہ ہے کہ میرے قلب کی ان کے آگے کچھ چل نہیں رہی۔ میرے والد نے یہ بات حضرت امیر مرحوم کو سنائی تو وہ ہنس پڑے اور اُٹھ کر چلے گئے۔ اور پھر وہ علاج جاری ہوگیا۔

اس عجیب وغریب واقعہ سے باطن کے ایک راز کا پتہ لگا۔ کہ عبادت و ریاضت سے اور روحانی ترقی سے قلب انسانی کی طاقت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ دوسرے کسی طریق مثلاً قلب کی ورزش سے نہیں پیدا ہوتی۔ حضرت موسےٰؑ تو ایک عظیم الشان نبی تھے۔ آپ کے قلب کی طاقت کے آگے جادوگروں کی کچھ نہ چلی۔ اور جادوگر جو واقفِ راز تھے فوراً پہچان گئے کہ حضرت موسےٰؑ کے قلب باطنی کی طاقت نے جو معجزہ دکھایا وہ کچھ اور چیز تھی جو بہت ارفع و اعلےٰ چیز تھی، اور ان کا پیشہ ورانہ سحر اس کے آگے ہیچ تھا۔ اس لئے وہ فوراً سجدہ میں گر کر ایمان لے آئے۔

حضرت امیر مرحوم کی زندگی کے دلچسپ واقعات تو بہت ہیں کوئی کتنے سنائے۔ اس لئے تھوڑے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب (بقیہ صفحہ ۱۳)

یہ ایسی خوبیاں ہیں جو اور کسی تفسیر میں نظر نہیں آتیں۔ گویا ہر قسم کے پھولوں کا رس نچوڑ کر یہ شہد تیار کیا گیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ موجودہ زمانہ کے حالات کے مطابق اور علومِ مروجہ کی روشنی میں جو تبدیلیاں ہوئیں اور مذاہب غیر نے جس قدر اسلام پر اعتراضات کئے ان سب کا شافی جواب دیا گیا ہے اور علوم کی ترقی اور سائنس کی دریافتوں سے اسلام کی عظمت کو ثابت کیا گیا ہے۔ اور قرآن مجید کو موجودہ تہذیب کی آوردہ خرابیوں اور سب بیماریوں کے علاج کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

بیان القرآن کی بیش بہا خوبیوں کا عملی اعتراف یہ ہے کہ اب اس کی مدد سے جگہ جگہ لوگ درسِ قرآن دے رہے ہیں کیونکہ اس تفسیر کو سامنے رکھ کر درس دینا بہت آسان ہے۔ متعصب اور مخالف مولوی صاحبان بھی اور روشن خیال مفکرین بھی بیان القرآن سے استفادہ کرتے ہیں البتہ احتیاط کے طور پر اس کا سرورق اُتار لیتے ہیں تاکہ کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ الفضل ما شھدت بہ الاعداء۔

ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم نے ان کا زمانہ پایا۔ اور جی بھر کر ان سے روحانی خوشیاں حاصل کیں۔ — حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب

حضرت مولٰنا محمد علی رح کا مقام اس صدی کے عظیم مفکرین میں سے ہے — چوہدری مسعود اختر صاحب۔ ایڈووکیٹ

حضرت امیر مرحوم کے پاکیزہ نمونہ سے احمدیوں کا تزکیۂ نفس بھی ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔ — مکرم میرزا مسعود بیگ صاحب

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مولٰنا مرحوم نے وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کا پورا پورا حق ادا کیا — این اے فاروقی صاحب

تقاریر برموقعہ یوم وصال حضرت مولٰنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ۔ جامعہ احمدیہ دارالسلام کی مختصر رپورٹ

مؤرخہ ۲۶ اکتوبر کو جامعہ احمدیہ دارالسلام میں مقامی جماعت احمدیہ کے زیراہتمام حضرت مولانا محمد علی رح یوم وصال منایا گیا جس میں جناب چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈووکیٹ نے اپنی استقبالیہ تقریر میں فرمایا :۔

میں حضرت امیر مرحوم کے عقیدت مندوں میں سے ہوں۔ اور میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو جس کام کے لئے پیدا کیا تھا۔ وہ کر گئے۔ لیکن میں ان کے متعلق یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میری نظر میں مولانا مرحوم کا مقام اس صدی کے ان عظیم الشان مفکرین میں سے ہے جنہوں نے اس صدی میں نسلِ انسانی کی فکری رہنمائی کی ہے۔ اور تاریخ عالم پر اپنی فکر کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ (مکمل تقریر دوسری جگہ درج ہے)

ان کے بعد جناب میرزا مسعود بیگ صاحب نے سورۃ جمعہ کی آیت ۲/۳ کی تلاوت کے بعد فرمایا :۔

معزز حاضرین و حاضرات — یہ جلسہ اہمیت کے لحاظ سے بہت بڑا ہے، حضرت امیر مرحوم کی برسی کو ہم کئی برس سے مناتے چلے آ رہے ہیں۔ جن میں آپ کی زندگی کے کئی پہلو بیان ہوتے رہے ہیں۔ میں نے ایک ایسے ہی جلسہ میں مولانا محمد علی رح "بحیثیت مفسر قرآن" ۴۰ منٹ تقریر کی تھی اور آج کے جلسہ میں تربیت جماعت کے سلسلہ میں حضرت امیر مرحوم کی مساعی جمیلہ ہیں۔ سورۃ جمعہ کی جو دو آیات میں نے تلاوت کی ہیں۔ ان کا ترجمہ یہ ہے کہ وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ اور ان کو پاک صاف کرتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، وآخرین منھم میں بعد میں آنے والے گروہ کا ذکر ہے۔ اس سے مسیح موعودؑ کی جماعت مراد ہے ویعلمھم میں جو ضمیر ہے وہ آخرین کی طرف جاتی ہے۔ یعنی رسول کریم صلعم بعد میں آنے والوں کو بھی علم و حکمت سکھائیں گے۔

کسی جماعت کی افادیت اور اخلاقی تعمیر کے مدارج ہیں۔ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب۔ حضرت مولانا مرحوم نے قادیان سے لاہور آتے ہی ویتلوا علیھم اٰیتہ کی تفسیر میں درس قرآن شروع کر دیا۔

حضرت خواجہ کمال الدینؒ نومبر ۱۹۱۴ء میں ووکنگ سے لاہور آئے اور دسمبر ۱۹۱۴ء کے آخر میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا صدر حضرت مولانا محمد علیؒ کو بنایا۔ حضرت کو قرآن کریم سے جو شغف تھا وہ انہیں ورثہ میں ملا تھا۔ حضرت مولانا نورالدینؒ کا سارا علم قرآن انہیں منتقل ہو گیا تھا۔ حضرت امیر مرحوم کے درس میں غیر از جماعت احباب بھی مثلاً مولانا ظفر علی صاحب بھی آیا کرتے تھے۔ اور مولانا ظفر علی خاں صاحب نے پندرہ اپریل ۱۹۱۹ء کے زمیندار میں حضرت مولانا کے درس قرآن کی بڑی تعریف کی ہے۔ یہ درس کا سلسلہ کئی برسوں تک جاری رہا۔ حضرت امیر مرحوم کے دو درس ۱۹۲۵ء/۱۹۲۶ء کے خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے ان دو برسوں کے دو رمضان شریف میں دو درس ختم کئے تھے۔ یعنی پورے قرآن کی تفسیر ایک ماہ میں ختم ہو جاتی تھی۔ یہ حضور کی یتلوا علیھم کی عملی تفسیر ہے۔ اور ویزکیھم۔ اس ایک ماہ کے پاکیزہ نمونہ و ماحول سے لوگوں کا تزکیۂ نفس بھی ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔

حضرت امیر ایدہ اللہ کا ذاتی نمونہ بڑا بلند تھا۔ مگر زاہد خشک نہیں۔ سادگی پسند تھے۔ دو صفات محنت و استقلال آپ میں خاص طور پر تھیں۔ ایک پروگرام تھا جس پر گھڑی کی طرح عمل ہوتا تھا۔ حضرت کے اخلاق نہایت اعلیٰ تھے۔ اور ان کا اثر جماعت پر بھی تھا۔ حضرت امیر مرحوم کے تربیت جماعت کے اقدامات بڑے مفید اور نتیجہ خیز تھے آپ کے خطبات ایمان افروز اور علم و حکمت سے لبریز ہوتے تھے۔ ان میں حالات حاضرہ پر تبصرہ، قرآن کریم کے عجائبات اور پیش آمدہ مشکلات کا حل بیان ہوتا تھا۔ ایبٹ آباد میں درس قرآن کی کلاس لگا کرتی تھی۔ جس میں غیر از جماعت مسلم اکابرین بھی شامل ہوا کرتے تھے۔ آپ کو قرآن کریم سے ایک عشق تھا۔ ۵ ہزار لائبریریوں میں کتابوں کے سیٹ بھجوائے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم حضرت امیر مرحوم کے مشن کو جاری رکھیں اور جماعت کو زندہ رکھیں۔

مرزا صاحب کے بعد مکرم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے تلک امۃ قد خلت، لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانو یعملون کی تلاوت کے بعد فرمایا: "یہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے لئے ہے۔ جو انہوں نے کمایا۔ اور تمہارے لئے ہے جو تم نے کمایا اور تم سے اس کے متعلق باز پرس نہ ہوگی جو وہ کرتے تھے۔"

آج حضرت مولانا محمد علی رح کے یوم وصال کی یادگار منائی جا رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے کارناموں اور نمونہ کا حال سن کر ہم ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ خوش قسمتی سے مجھے حضرت مولانا محمد علی مرحوم کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقعہ نصیب ہوا۔ ان کی زندگی کے صرف چند واقعات بیان کروں گا۔ جو شاید پہلے سے آپ کے علم میں نہ ہوں۔ حضرت صاحب کے اس کشف کے بارے میں تو آپ بارہا سن چکے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے کشفی حالت میں حضرت مولانا عبدالکریم مرحوم کو دیکھا۔ کہ ایک قلم حضور کو پیش کر رہے ہیں۔ اور آپ نے انہیں فرمایا۔ "کہ میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولوی محمد علی رح صاحب نے منگایا ہوگا"۔ نیز میں نے اپنے چچا مولانا محمد یعقوب صاحب مرحوم سے سنا تھا کہ ان کی موجودگی میں حضرت مسیح موعودؑ نے کسی موقعہ پر فرمایا۔ کہ "جو فرشتہ میرے اندر بولتا ہے وہی فرشتہ مولوی محمد علی کے اندر بولتا ہے"۔ ان دونوں بیانات سے ظاہر ہے کہ مولانا صاحب مرحوم نے جو کچھ فرمایا یا لکھا وہ روح القدس کی تائید سے لکھا تھا۔ ہمیں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھنا چاہیئے کہ ہم نے ان کا زمانہ پایا اور جی بھر کر ان کی صحبت سے روحانی مسرتیں حاصل کیں۔ میرے نزدیک ان کا سب سے بڑا کارنامہ ایک جماعت کو اس غلو سے بچا لینا ہے جس کا شکار جماعت احمدیہ کا ایک کثیر حصہ ہو گیا، اور جس غلو کے خطرناک نتائج کو مولنٰا محمد علی رح کی فراست اور دُور بین نگاہ نے آج سے نصف صدی قبل

دیکھ لیا تھا اور اس کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ وہ آج ایک ہیبت ناک صورت میں ہم پر وارد ہو چکی ہے۔ باوجود اس کے ہمارے دل اس اطمینان سے بھرے ہوئے ہیں کہ اس علم اور روشنی کے زمانہ میں بالآخر حضرت امام زمانؑ کی صحیح پوزیشن اور ان کے سچے عقائد دنیا میں قائم ہو کر رہیں گے

اور جان لیوا بیماری میں سالہا سال مبتلا رہا۔ اس زمانہ کی ان کی ہمدردی اور دعاؤں کا جو تجربہ ہوا۔ اس نے ان کی عظمتِ اخلاق کو میرے دل پر ثبت کر دیا۔ جس کا صحیح تجربہ مجھے ان کی وفات کی خبر سن کر ہوا۔ اس وقت میں وطن سے دور سویڈن میں تھا۔ میں اس خبر سے بیمار ہو گیا۔ اپنے والدین کی وفات کے موقعہ پر بھی مجھے ایسے صدمہ کا تجربہ ہرگز نہ ہوا تھا صحابہ کرام کی زبانوں پر فداہ ابی و امی کے الفاظ جو بار بار آتے تھے۔ اس کا راز مجھ پر واضح ہو گیا۔ اُنہیں ایام میں سویڈن میں ایک علم دوست شخص کرنل ہیومان نامی کے ہاں مجھے جانے کا اتفاق ہوا۔ باتوں باتوں میں میرے تازہ غم کا ذکر آگیا۔ کرنل موصوف کے استفسار پر میں نے بتایا کہ مولانا محمد علیؒ نام میرے مرشد کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ اُٹھا اور اپنی لائبریری سے ایک رسالہ اُٹھا لایا۔ جس میں مولانا مرحوم کا فوٹو تھا۔ پھر گفتگو کے دوران مجھ پر ظاہر ہوا کہ دنیا میں کہاں کہاں لوگ اس عظیم المرتبت انسان سے ان کی تحریرات کی بدولت متعارف ہو چکے ہیں۔

حضرت مولانا علیہ الرحمۃ اپنے سب ہی عقیدت مندوں پر مہربان تھے۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں۔ کہ میرے زمانہ طالب علمی سے لے کر ان کی زندگی کے آخری ایام تک جو سینتیس۳۷ سال کا طویل عرصہ ہے، اس عاجز پر جو ان کی شفقت تھی۔ وہ شاید کسی اور پر کم ہی ہو۔

میرے پاس ان کے ۱۶۰ خطوط محفوظ ہیں۔ ان میں سے کثیر حصہ ایسے خطوط کا ہے جو میری بیماری کے زمانہ میں انہوں نے تحریر فرمائے ان میں سے بعض خطوط کے اقتباسات بھی جناب ڈاکٹر صاحب نے سنائے جو بڑے ایمان افروز کلمات سے لبریز تھے۔ مثلاً ایک خط میں جناب ڈاکٹر صاحب کے لئے حضرت امیر مرحوم کی بدیں الفاظ دعائے مستجاب کہ اللہ تعالےٰ اپنا فضل و کرم کرے اور آپ کو شفائے کامل عطا فرمائے — میرے دل میں آپ کے لئے بے حد درد ہے اور محبت بھی اس قدر ہے کہ اللہ تعالےٰ ہی اس کو جانتا ہے۔ آپ جیسے .... کو ہم سے بہت مدت بعد تک اپنے دین کی خدمت کے لئے زندہ رکھے اور ہر قسم کی آفات سے اپنی حفاظت میں رکھے۔

اب احمدیہ کنونشن لندن کے متعلق کچھ بتاتا ہوں۔ وہاں پہنچکر ہمیں خدائی وعدوں کے پورا ہونے کا مشاہدہ ہوا۔ باہر کے ممالک کے احمدیوں میں مستعدی ہے۔ جوش ہے۔ اور کام کرنے کا جذبہ ہے۔ مگر علمی لحاظ سے ان کی مدد اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔

لندن میں احمدیوں کی کافی اولاد آباد ہے۔ مگر انہیں سنبھالنے کی ضرورت ہے۔ میں نے ان میں جماعت میں دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں جذبہ ہے۔ انہوں نے چندہ بھی لکھوایا اور اجتماعات میں بھی شریک ہونے کا وعدہ کیا۔ چالیس کے قریب وہاں ممبر ہیں۔ جنہوں نے ایک پونڈ سے لے کر سات پونڈ تک چندہ ماہوار لکھوایا۔

اس کے بعد محترم جناب ڈاکٹر صاحب نے گیانا۔ ٹرینیڈاڈ کا ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ ویسٹ انڈیز کی جماعتیں بڑی سرگرم۔ پُرعزم اور جوشیلی ہیں۔ اسلامی اخوت کا صحیح نظارہ وہاں نظر آتا ہے۔ گیانا میں مسٹر عزیز احمد صاحب اور یٰسین صاحب بڑے باہمت اور مخیر کارکن ہیں۔ میرے اس سفر میں عزیز احمد صاحب نے بڑا تعاون کیا۔ اور اکثر جگہ مجھے لے گئے۔ صرف وہاں علم دین کی ضرورت ہے۔ وہ انگریزی زبان میں علم حدیث و سنت چاہتے ہیں۔ صبورا بیگم بھی گیانا میں ہیں۔ جو زمانہ ابتلاء میں ہمارے گھر ایبٹ آباد میں رہیں۔ میں نے آخری جمعہ ٹرینیڈاڈ میں پڑھا۔ اور پھر وہاں سے لندن واپس آیا۔

جانم فدا شود بره دینِ مصطفےٰ

"میں اس وقت اس طرح کام میں مصروف ہوں جیسے وہ مسافر جس نے کل سفر کرنا ہے اور تھوڑا سا وقت سفر کے سامان کی تیاری کے لئے اسے ملا ہے۔ میرے دوست اور خیر خواہ مجھے روکتے ہیں کہ زیادہ کام نہ کروں۔ مگر میرے لئے وہ موت آسان ہے جو کام کی حالت میں آجائے۔ اس لئے میں اپنے احباب سے ملتجی ہوں کہ وہ اب میرے پیغام کو وہ وقعت دیں جو دوسرے عالم سے آتے ہوئے آدمی کے پیغام کو دینی چاہیئے۔ کوئی غریب ہے تو اعلائے کلمۃ اللہ کے کام کو سامنے رکھ کر اپنے عزم کو اتنا بلند کرے کہ خدا کے عرش کو ہلا دے۔ کسی کو خدا نے مال دیا ہے تو اسے خدا کی راہ میں اس طرح بہا دے کہ ایک دنیا اس سے سیراب ہو جائے۔ کسی کو خدا نے مرتبہ دیا ہے تو اس بارگاہ عالی میں مرتبہ حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جائے جس کا دیا ہوا مرتبہ ہمیشہ رہتا ہے۔ میرے دوستو! یہ کرنے کے کام ہیں۔ وہ کرنے کے کام نہیں جن کی طرف کئی دوستوں کا قدم اُٹھتا دیکھ رہا ہوں ....

یہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے مجھے بڑی کامیابی عطا فرمائی ہے۔ آپ لوگ مجھے ناکام بنانے کی کوشش نہ کریں۔ ہر وہ شخص جو اس وقت مسیح موعودؑ کے فرمودہ کے مطابق اس کام میں حصہ نہیں لے رہا وہ مجھے ناکام بنانے کے لئے قدم اُٹھا رہا ہے۔ خواہ وہ اس کے لئے کتنا ہی عذر رکھتا ہو۔"

بقیہ از صفحہ نمبر ۱۶

میاں محمود احمد صاحب نے حضرت مولانا نورالدینؓ یا اکابرین لاہور کو جماعت سے خارج کرنے کے لئے ازحد کوششیں کیں کیا ان امور سے انکار ممکن ہے؟ کیا میاں صاحب نے حضرت مولانا نورالدینؓ پر مختلف وقتوں میں دباؤ نہیں ڈالا تھا، کہ اب وقت آگیا ہے، ان لوگوں کو جماعت سے نکال دیا جائے؟ کیا میاں صاحب کے ان الفاظ سے انکار کیا جاسکتا ہے جو آپ نے حضرت مولانا نورالدینؓ کو خط میں لکھے:-

"یہ ابتلاء اگر حضرت صاحب زندہ رہتے تو ان کے عہد میں آتا.......
غرض میری رائے تو یہ ہے کہ حضور کا بھی انشراح اللہ تعالےٰ اس پر فرمائے تو خواہ وہ کسی رنگ میں ہو اب اس بات کا فیصلہ ہو جائے کیونکہ ابتلاء تو ضرور آنا ہی ہے۔ بہتر ہے کہ اس کا بیج نکال دیا جائے نہ کہ جب درخت بن جائے" محمود احمد

اب ان الفاظ کو پڑھ کر کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ ابتلاء یعنی جماعت میں تفرقہ پیدا کرنے کی مسلسل مساعی کس نے کیں؟ نیز مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں جماعتی اتحاد کی پُرزور و مخلصانہ کوششیں کس طرف سے ہوئیں؟

تم جتنا چاہو، واقعات کو مسخ اور تبدیل کرنے کی کوشش کرو لیکن آئندہ مؤرخ اور محقق ضرور انصاف اور راستی کی تہ تک پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ یہ الٰہی قانونِ خداوندی ہے جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

علوم فرقانیہ اور اصول دین اسلامیہ کی اشاعت کا عاشق زار

ایام جوانی اور ضعیفی میں

حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمہ (بعمر ۲۵ سال)

عقب میں کسی غیبی ہاتھ نے قرآن کریم تھاما ہوا ہے

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

زندگی کے آخری ایام میں ترجمہ و تفسیر انگریزی پر نظر ثانی کے مبارک کام میں مصروف ہیں

حضرت مولانا محمد علیؒ کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے چند الہامات، رؤیاء و کشوف

۱۔ "اگر آپ کو طاعون ہو جائے تو میرا دعویٰ الہام اور یہ سلسلہ جھوٹا ہے۔"

(الہامات حضرت مسیح موعودؑ)

۲۔ "مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں کہا آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے آؤ! ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔"

۳۔ "پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھے دی گئی جس کی نسبت یہ تبلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۰۳)

۴۔ حضرت اقدس کا منصور سپہ سالار

"کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت پر دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں ایک زمین پر اور دوسرا چھت کے قریب۔ تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا مخاطب کرکے کہا ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے مگر وہ چپ رہا۔ اور اس نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔

"تب میں نے اس دوسرے کی طرف جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا مخاطب ہو کر کہا مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ وہ میری اس بات کو سن کر بولا۔ ایک لاکھ نہیں ملیگی مگر پانچہزار سپاہی دیا جائیگا۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا اگرچہ پانچہزار تھوڑے آدمی ہیں پر اگر خدا تعالیٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۹۷-۹۸)

"پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھلایا گیا اور کہا گیا خوشحال ہے خوشحال۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۹۸)

۵۔ حضرت مولانا محمد علی کو خدائی قلم کا تحفہ

"رؤیا دیکھا میں ایک گھوڑے پر سوار ہوں کسی طرف جا رہا ہوں۔ جاتے ہوئے آگے بکل تاریکی چھا گئی تو میں واپس آ گیا۔ میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں، واپس آتے ہوئے بھی راستہ میں گرد و غبار کے سبب تاریکی ہو گئی۔ گھوڑے کی باگ کو میں نے ٹٹول کر پکڑا۔ چند قدم چل کر روشنی ہو گئی۔ آگے بڑا چبوترہ ہے اس پر اتر پڑا۔ میں نے دیکھا مولوی عبدالکریم آ رہے ہیں ..... مولوی صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے بطور تحفہ دی ..... میں نے کہا میں نے تو قلم نہیں منگوایا۔ مولوی صاحب نے فرمایا مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔ میں نے کہا اچھا میں مولوی صاحب کو دیدوں گا۔" فرمایا عورتوں سے مراد کمزور لوگ ہو سکتے ہیں ..... اور قلم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی کے دل میں ایسی طاقت پیدا کرے کہ وہ مخالفوں کے رد میں اعلیٰ مضامین لکھ سکیں۔ واللہ اعلم"

در اصل یہ رؤیا اختلاف سلسلہ کے بارہ میں ہے جب ایک جذباتی فریق کے رویہ سے حضرت اقدسؑ کے مقاصد اور تعلیم و عقائد پر اندھیرا چھا گیا تو اس وقت جس شخص کے قلم نے حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم کے مطابق بھی حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب کا قلم اسلام اور قرآن کی تفسیر میں ایسا چلا جس سے تعلیم اسلام و قرآن غیروں کے نزدیک بھی خوب روشن ہو گئی۔

جلد ۶۲ | چہارشنبہ ۱۴ ذیقعد ۱۳۹۵ھ - مطابق ۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء | نمبر ۴۷

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استقلال و ثبات

جب یہ آیتیں اتریں کہ مشرکین رجس ہیں پلید ہیں شرالبریہ ہیں سفہاء ہیں اور ذریت شیطان ہیں اور ان کے معبود وقودالنار حصب جہنم ہیں تو ابو طالبؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہا کہ اے میرے بھتیجے اب تیری دشنام دہی سے قوم سخت مشتعل ہو گئی ہے اور قریب ہے کہ تجھ کو ہلاک کر دیں اور ساتھ ہی مجھ کو بھی۔ تو نے ان کے عقلمندوں کو سفیہ قرار دیا اور ان کے بزرگوں کو شرالبریہ کہا اور ان کے قابل تعظیم معبودوں کا نام ہیزم جہنم اور وقودالنار رکھا اور عام طور پر ان سب کو رجس اور ذریت شیطان اور پلید ٹھہرایا۔ میں تجھے خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور دشنام دہی سے باز آ جا۔ ورنہ میں قوم کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا کہ اے چچا یہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ اظہار واقعہ نفس الامر کا عین محل پر بیان ہے اور یہی تو کام ہے جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں۔ میری زندگی اسی راہ میں وقف ہے۔ میں موت کے ڈر سے اظہار حق سے رک نہیں سکتا اور اے چچا اگر تجھے اپنی کمزوری اور اپنی تکلیف کا خیال ہے تو تو مجھے پناہ میں رکھنے سے دست بردار ہو جا۔ بخدا مجھے تیری کچھ بھی حاجت نہیں میں احکام الٰہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رکوں گا۔ مجھے اپنے مولیٰ کے احکام جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ بخدا اگر میں اس راہ میں مارا جاؤں تو چاہتا ہوں کہ میں پھر بار بار زندہ ہو کر ہمیشہ اسی راہ میں مرتا رہوں۔ یہ خوف کی جگہ نہیں بلکہ مجھے اس میں بے انتہاء لذت ہے کہ اس کی راہ میں دکھ اٹھاؤں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر کر رہے تھے اور چہرہ پر سچائی اور نورانیت سے بھری ہوئی رقت نمایاں ہو رہی تھی۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر ختم کر چکے تو حق کی روشنی دیکھ کر بے اختیار ابو طالب کے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ میں تیری اس اعلیٰ حالت سے بے خبر تھا تو اور ہی رنگ میں اور ہی شان میں ہے۔ جا اپنے کام میں لگا رہ۔ جب تک میں زندہ ہوں جہاں تک میری طاقت ہے میں تیرا ساتھ دوں گا۔

اب حاصل کلام یہ ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالبؓ کے اعتراض کا خود اپنی زبان مبارک سے جواب دیا۔ در حقیقت وہی جواب ہر یک معترض کے ساکت کرنے کے لئے کافی و وافی ہے۔ کیونکہ دشنام دہی اور چیز ہے اور بیان واقعہ کا گو وہ کیسا ہی تلخ اور سخت ہو دوسری شئے ہے۔

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۶-۱۷)

اِسلام کا جسمانی و رُوحانی غلبہ حضرت مجدّدِ وقت کی دُعاؤں اور تڑپ کا نتیجہ ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات اور جماعتِ احمدیہ کی دُعائیں

خُطبہ جُمعہ مؤرخہ ۲ر اپریل ۱۹۴۸ء - فرمودہ حضرت امیر رحمۃ اللہ علیہ بمقام جامع احمدیہ - احمدیہ بلڈنگس لاہور

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْہُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِہِمْ

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ میں نے اس جلسہ پر اسلام کے دوسرے غلبہ یا نشأۃِ ثانیہ کے متعلق ایک مضمون بیان کیا تھا مگر یہ مضمون اتنا وسیع ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ کسی کو توفیق دے تو اس پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ میں نے کہا تھا قرآن شریف سے صرف یہی معلوم نہیں ہوتا کہ اسلام ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دنیا پر غالب آ جائے گا۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ایک زمانہ پھر اسلام کے انحطاط کا آئے گا، اور اس کے بعد اسلام کے غلبہ کا ایک اور زمانہ آئے گا۔

ایمان ثریا پر پہنچ کر واپس آئے گا صحیح بخاری میں ہے کہ جب یہ آیت وَّاٰخَرِیْنَ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِہِمْ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ مَنْ ھٰؤُلَاءِ وہ اور لوگ جن کا اس آیت میں ذکر ہے کہ وہ صحابہ میں سے ہیں، لیکن صحابہؓ سے ملے نہیں، وہ کون ہیں، تو اس وقت حضرت سلمان فارسیؓ بیٹھے تھے آپؐ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ (یا فرمایا) رِجَالٌ مِّنْ اَبْنَاءِ الْفَارِسِ۔ اگر ایمان ثریا پر بھی پہنچ جائے گا تو ابناءِ فارس میں سے ایک آدمی یا کچھ آدمی اس کو پالیں گے۔ اب اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ایمان ایک دفعہ قوت پکڑ کر اور دنیا میں غالب ہو کر پھر ایک زمانہ آئے گا اور پھر اس کے بعد دوبارہ غلبہ پائے گا۔ یہ مضمون کئی جگہوں پر ہے۔

قرآن کریم میں دو دفعہ مغلوبیت اور پھر غلبہ کا ذکر فرماتا ہے:- یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کے محکم تدبیر کے ماتحت ہو رہا تھا۔ اور اس کو اس طرح بیان کیا ہے کہ گویا یقیناً یہ ہو چکا ہے۔ یہ بڑی عجیب و غریب باتیں ہیں۔ اول تو اس وقت جب اسلام نہایت کمزوری کی حالت میں تھا اور مسلمان سخت دکھ اٹھا رہے تھے یہ کہنا کہ مسلمان غالب ہونگے ایک عجیب بات تھی۔ پھر اس سے بھی ایک اوپری بات کہی کہ غلبہ پانے کے بعد اسلام دوبارہ مغلوب ہو جائے گا۔ اور پھر اس سے بھی عجیب تر یہ کہ دوبارہ اس کو غلبہ نصیب ہوگا۔ کوئی شخص جب ان باتوں کو دیکھے گا تو حیران ہو جائے گا۔ مگر یہ واقعات ہیں جن کے سامنے دنیا نہیں ٹھہر سکتی۔ ایک جگہ فرماتا ہے وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔ قرآن شریف میں بعض الفاظ کا استعمال بڑے بڑے عجیب رنگوں میں ہوا ہے۔ وہی کفار کا لفظ جو کافروں کے متعلق بار بار استعمال کیا گیا ہے ایک جگہ زمین بونے والوں پر بول دیا۔

وہی اصحاب الجنّۃ کا لفظ جو جا بجا بہشت والوں کے متعلق استعمال کیا گیا ہے ایک جگہ سورۃ نون میں کافروں کے لئے استعمال ہوا ہے کَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ ایک ہی لفظ کو مختلف معنوں میں استعمال کیا جائے۔ اب [illegible] غور کریں۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔ تیری آخرت اول [illegible] ہوگی۔ اس سے پہلے فرمایا مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی تیرے رب نے تجھے چھوڑا نہیں، اور نہ وہ ناراض ہوا۔ اب اگر یہ معنے کریں کہ وہ دوسری زندگی جو موت کے بعد آنے والی ہے وہ پہلی سے بہتر ہوگی تو اس میں رب کے نہ چھوڑنے کی دلیل کیا ہوئی۔ خود ایک گروہ مفسرین کا اس طرف گیا ہے کہ یہاں آخرت سے مراد رسول اللہ صلعم ہیں اور اولیٰ سے ہدایت امر مراد ہے۔ تو فرمایا تیرے رب نے تجھے چھوڑا نہیں۔ یعنی بظاہر ایسا نظر آئے گا کہ اسلام کی نصرت گویا رک گئی ہے اور خدا نے اس کی نصرت چھوڑ دی ہے مگر فی الحقیقت نصرت الٰہی قطعی طور پر نہیں رکے گی، جس طرح دن کی روشنی پھیلتی ہے اور پھر رات چھا جاتی ہے، اسی طرح اسلام غالب آنے کے بعد پھر مغلوب ہوگا۔ لیکن اس مغلوبیت سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ خدا اس سے ناراض ہو گیا ہے یا اس کا ساتھ اس نے چھوڑ دیا ہے بلکہ اسلام کی ایک اور حالت بھی آئے گی جو پہلی سے بہتر ہوگی۔

تو بہرحال یہ ایک مضمون بجائے خود اسلام کی نشأۃ اولیٰ اور نشأۃ ثانیہ کے متعلق قرآن شریف میں بیان ہوا ہے، یہ واقعات ہیں، اسلام کی نشأۃ اولیٰ تاریخ کا ایک کھلا ہوا باب ہے، جس کے بعد اس کی مغلوبیت کا زمانہ بھی آیا اور اب ہماری آنکھوں کے سامنے اس کی نشأۃ ثانیہ کے بھی آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔

بے نظیر انقلاب جو اسلام نے پیدا کیا اسلام کی تاریخ پر اگر غور کریں تو ایسی عجیب ہے کہ اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک شخص کے اندر دو طاقتوں کا جو ایک دوسرے کی ضد ہیں جمع ہونا اور دونوں کا اپنے کمال کو پہنچ جانا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی نظر آتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف اخلاقی اور روحانی رنگ میں ایک ایسا انقلاب پیدا کیا کہ اعتراف کی آنکھیں اس کے سامنے جھک جاتی ہیں۔ اتنا بڑا انقلاب قوم کی قوم کے اندر پیدا کیا کہ ان کی زندگیاں بدل گئیں ان کی کایا پلٹ گئی اور کتنے عرصہ میں یہ سب کچھ ہوا، صرف بیس سال میں۔ کیا اس کی نظیر دنیا میں ملتی ہے؟ اس کے بالمقابل اسلام کی جسمانی فتوحات کو دیکھیں تو وہ بھی اتنی بے نظیر ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ جو لوگ تاریخ کو پڑھتے ہیں وہ مانتے ہیں کہ ان فتوحات کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ہے، یہ تو آپ دنیا میں دیکھ لیں گے کہ ایک شخص کے پاس بہت بڑی فوج اور بہت سا سامانِ جنگ ہے جس سے وہ بہت سے ممالک کو فتح کر لیتا ہے، لیکن اسلام کی فتوحات ہتھیاروں یا فوجوں کے ذریعہ سے نہیں ہوئیں بلکہ اس کی اخلاقی اور روحانی طاقت سے ہوئی ہیں مسلمانوں کے پاس دوسری بادشاہتوں کے مقابلہ میں نہ ہتھیاروں کی قوت زیادہ

(باقی برص ۵)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۱۹ر نومبر ۱۹۷۵ء

اقتصادیات اور اخلاقیات

(۱)

مغربی تہذیب کی بناء مادیت کے فروغ پر رکھی گئی تھی کارل مارکس نے اشتراکی نظریۂ حیات کے ذریعہ اسے اور چار چاند لگا دیئے، اس نے برملا یہ تعلیم دی کہ ہر انقلاب جو کبھی دنیا میں آیا اقتصادی بناء پر آیا، اس کے نزدیک اقتصادی نظام کے محور کے گرد جملہ انسانی تحریکات گھومتی ہیں، انسانی خوش حالی تمامتر و کلیتہً کسی فرد یا قوم کی مالی و اقتصادی حالت پر منحصر ہے، مال و دولت کے بجز اور کوئی اقدار نہیں جن کے معیار پر انسانی عزت و شرف کو جانچا جائے۔ گویا انسان کی فطرت میں ہوس و حرص اور حسد و رقابت کے جذبات کے سوا اور کچھ مرکوز نہیں۔ اس نظریۂ حیات نے ان خبیث جذبات کے قلع قمع کا آسان ذریعہ یہ تجویز کیا کہ ایک جابرانہ و قاہرانہ اور مطلق آمرانہ حکومت قائم کر کے انسانی آزادی کے اعلیٰ جوہروں کو یکسر کچل دیا جائے، نہ کسی میں طلب و خواہش مال و دولت پیدا ہو اور نہ اسے پیدا ہونے دیا جائے۔ جملہ ذرائع جن سے دولت پیدا ہوتی ہے اسی آمرِ مطلق حکومت کے اختیار میں ہو، وہ ہر فرد کو مساوی مالی حقوق دینے کی ذمہ دار ہو، اسی طرح کارل مارکس کے نزدیک نہ امارت اور غربت کا تنازعہ پیدا ہوگا نہ ہی حرص و حسد کے خبیث جذبات کو پنپنے کا موقع ملے گا۔ بعد میں ٹھیٹھ کیمونزم کو اس کے پیرؤوں نے جب قابل عمل نہ پایا تو اپنے نظریہ میں یہ ترمیم کی کہ ہر فرد کو اس کی ضرورت کے مطابق دولت سے حصہ دیا جائے اور اس کی قابلیت و صلاحیت کے مطابق اس سے کام لیا جائے، اس طرح تحریک سوشلزم معرضِ وجود میں آئی جس نے پیداواری ذرائع کو افراد کے ہاتھوں سے لے کر اجتماعی نظامِ حکومت میں دے دیا مگر افراد کے لئے کسی قدر تفاوت ان کی ضرورتوں اور قابلیتوں کے مطابق تسلیم کر لیا مگر مطلق جابرانہ و آمرانہ نظامِ حکومت کے وہ بدستور قائل ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے نزدیک حکومت کے نظام کے برخلاف کوئی فرد رائے کے اختلاف کا اظہار نہیں کر سکتا بلکہ وہ دل میں بھی خلاف رائے رکھ نہیں سکتا، اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ سچے دل سے ایسے نظام کو غلط سمجھتا ہے تو بھی وہ قابل تعزیر قرار دیا جاتا ہے، غرضیکہ ان تحریکات کی جو مالی مساوات کے قیام کی داعی ہیں حقیقی بناء تشدد، جبر و اکراہ کے طریقوں پر ہے یہ سب کچھ سرمایہ دارانہ نظام کی غلط راہ روؤں کے ردِ عمل کا نتیجہ ہیں، جہاں آزادی کا مفہوم یہ سمجھ لیا گیا کہ ہر فرد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے، جن ذرائع سے حاصل کر سکتا ہو اسے بے تحاشا مال و دولت جمع کرنے کا اختیار ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے نزدیک بھی انسانی ترقی و خوشحالی کا دارومدار فرد یا قوم کے مالدار ہونے میں ہی مضمر ہے۔ مغربی دنیا میں سرمایہ داری کے فروغ کا باعث اور اس وجہ سے پیدا شدہ غلط کاریوں کا سبب وہی ہے جو اشتراکی و سوشلسٹ نظاموں میں کارفرما ہے یعنی یہ دونو بظاہر متضاد قسم کی تحریکات کا مخرج و منبع ایک ہی سرچشمہ ہے اور وہ واحد امر ہے مال و متاع اور دولت و ثروت کو انسانی حیات کا مرکزی و محوری نقطہ بنانا اور اسی میں انسانی ترقی و فروغ کو مرکوز یقین کرنا، اسی کے حصول کے لئے تمام انسانی جدوجہد کو وقف کر دینا، غرضیکہ اسی غرض و غایت کے لئے جینا اور مرنا تسلیم کیا گیا ہے۔ انسانی خلقت کا نصب العین مال و متاع، زیب و زینت کے سامان اموال و جائداد پر قبضہ کرنا یقین کر لئے گئے ہیں، اس وقت دنیا کا ہر فرد اور قوم و ملک اسی فلسفۂ زندگی کا قائل اور غلام بن کر رہ گئے ہیں کہ حصول دُنیا کی اس مسابقت میں وہ دوسروں سے کیونکر بڑھ سکتے ہیں۔ اس دوڑ میں آگے نکلنے کی خاطر تمام باقی اقدار ہیچ و ماند پڑ چکی ہیں۔ جملہ انسانی صفاتِ عالیہ یکسر نظر انداز کر دی گئی ہیں۔ ولم یرد الا الحیٰوۃ الدنیا بقول فرقانِ حمید اس زمانہ میں ہر فرد و قوم اور ملک کا ماٹو بن چکا ہے الا ماشاءاللہ حب الدنیا رأس کل خطیئۃ۔ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے کا مقولہ جس طرح آج صادق آ رہا ہے پہلے کبھی ایسا زمانہ نہیں آیا تھا کیونکہ پہلے نہ تو زیب و زینت کے ایسے ایسے سامان پیدا ہوئے تھے اور نہ ہی دولت و مال پر فخر و مباہات اور عزت و شرفِ انسانی کو جانچنے کا نظریہ رواج عام پا چکا تھا۔ اسی لئے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی کشفی آنکھ نے جس دجال اکبر کے خروج کی پیشگوئی فرمائی وہ یہی آج کی ارضی و زمینی تحریکیں ہیں۔ ہوس و حرصِ اقتدار اور زر و مال نے انسانی قلوب پر آج ایسا زبردست قبضہ جما لیا ہے جیسے کسی نے اس بارہ میں دلوں کو موہ لیا اور روحوں کو مسحور کر لیا ہو۔ دُنیا کی محبت، مال و دولت پر بڑھ چڑھ کر قبضہ کرنا، ہوس و حرص کے جذبات کی نہ ختم ہونے والی موجیں، دلوں میں رواں دواں اور موجزن ہیں جن کے سامنے ہر اعلیٰ قدرِ انسانیت، ہر انسانی قدر و قیمت، ہر اخلاقی صلاحیت خس و خاشاک کی مانند بہی چلی جا رہی ہے۔ اور واذا اخرجت الارض اثقالھا، یعنی انسانی زمین کے تمام خبیث جذبات بادجود باہر آ جائیں گے کا نظارہ پیش ہو رہا ہے۔ دجالی تہذیب کا جادو اس قدر فریب و مسحور کن واقع ہوا ہے کہ اس کے اثر سے شاید ہی کوئی فرد بچ سکا ہو۔ تعجب تو یہ ہے کہ جو اصحاب مغربی تہذیب کی اس دجالیت اور فریب کاری کو تسلیم کرتے ہیں وہ بھی اس کی زد میں آ چکے ہیں۔ نیز وہ تحریکیں خواہ وہ دنیاوی ہوں یا دینی، طوعاً و کرھاً مادی نظریہ حیات کا خود شکار بن رہی ہیں۔ کیا فی الواقعہ یہ وہی وقت نہیں جس کی بابت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کوئی شخص بھی دجالی تہذیب کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکے گا اور جو اس کا عمداً شکار نہ ہوگا وہ بھی اس کی گرد سے محفوظ نہ رہ سکے گا؟ قرآن کریم نے جس یاجوج و ماجوج کے آنے کی خبر دی تھی کیا یہی وہ متضاد نظریات کی حامل مغربی اقوام ثابت نہیں ہو چکیں ؎

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرفِ ینسلون

دجل و دھوکہ کا کاروبار جس عالمگیر اور وسیع پیمانہ پر آج دنیا میں چل رہا ہے کیا اس کی کوئی مثال پہلے زمانہ میں ملتی ہے؟ کیا آج فی الواقعہ ہر طرف یہی دیکھنے میں نہیں آتا ؎

خدایا تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ سلطانی بھی عیاری اور فقیری بھی عیاری

سوال یہ ہے کہ ایسی عالمگیر دنیا پرستی کی وباء کے مقابل کیا کوئی دیگر دنیاوی تحریک کامیاب ہو سکتی ہے جیسے سرمایہ داری کے برخلاف سوشلزم ہے؟ اگر خدائی اور آسمانی تحریکیں ہی دنیا پرستی پر غالب اور اس کے برخلاف کامیاب ہوا کرتی ہیں تو سوچنے کا مقام ہے کہ موجودہ دجالی تہذیب جس نے دنیا کے امن و چین کو تباہ و برباد کر رکھا ہے کے مٹانے اور دنیا کی بجائے خدا کی محبت کو دلوں میں قائم کرنے کی خاطر چودھویں صدی میں خدا تعالیٰ نے اپنی جانب سے کوئی تحریک نازل نہ کی؟

جب آسمانی نصرت و تائید کی سب سے زیادہ ضرورت و حاجت پڑی تھی اس وقت خدا نے نوعِ انسانی کو ہلاکت سے بچانے کے لئے کوئی انتظام نہ کیا؟ دینِ اسلام جس خدا کو پیش کرتا ہے وہ تو زندہ اور قادر خدا کی ہستی ہے۔ اسلام کا خدا تو اس قدر رحیم و کریم ہے کہ افراد کو بھی ان کی ہلاکت اور ناممکن العلاج امراض سے شفا بخشنے کا سامان کیا کرتا ہے، کیا ایسے خدا نے بنی نوع انسان کی ایسی ہلاکتوں کے وقت جیسی آج دنیا کو پیش آئی ہیں، اپنی جانب سے کوئی بھی تخلصی و نجات کی تحریک کھڑی نہ کی؟ دوسرے مذاہب اور اقوام تو دین کو محض قصہ و کہانی کے رنگ میں تسلیم کرتے ہیں مگر

مسلمانوں کو تو یہی تعلیم دی گئی ہے کہ ان کا خدا فی الواقعہ زندہ، نگہبان اور قادر و توانا ہستی ہے جس نے دنیا کو گمراہی و تباہی کے لئے ہرگز پیدا نہیں کیا بلکہ ازل سے وہ برتر و پاک ہستی انسان کا ہاتھ پکڑتی، اسے ہلاکت کی راہوں سے نجات بخشتی ہے اور اس کی حقیقی ایمانی و اخلاقی زندگی کے سامان پیدا کرتی ہے۔
اس وقت اقتصادیات و مادیت اور مالیات کے جس چکّر میں انسان پھنس کر ایک عظیم دھوکا میں مبتلا ہو کر ایک دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے یقیناً اس کا صحیح علاج کسی آسمانی تحریک کے بجز ہو نہیں سکتا وہ آسمانی تحریک کہاں اور کونسی ہے؟ یہ سوال ایسا بنیادی ہے کہ اس کے صحیح جواب کے بغیر کوئی مداوا کام نہیں دے سکتا، کونسی تحریک ہے جس کے بانی نے آج دنیا پرستی کی بجائے خدا پرستی کا نعرہ بلند کیا ہے! کونسا نظام ہے جو مالیات کی بجائے اخلاقیات و ایمانیات کی بناء پر اپنے نظام کو استوار کرتا ہو!! کونسی جماعت ہے جو ایک طرف اگر سچی آزادی دلانے اور جمہوری اسلامی نظام کو قائم کرتی ہے تو دوسری طرف قوم کے اتحاد و سالمیت کا عقیدہ بھی رکھتی ہے جو ایک جانب اگر ختم نبوّت اور تکمیل دینِ اسلام کی اساس پر قائم ہو تو دوسری جانب اصلاح المسلمین کو بھی مقدم طور پر ضروری و لازم سمجھتی ہو، جس کا ماٹو بہ یک وقت کلمہ گویوں کی وحدت اور ان کی اصلاح اخلاق ہو؟

آئندہ اشاعت میں ہم یہ وضاحت کرنے کی کوشش کریں گے کہ دنیا پرستانہ نظاموں کے برخلاف خدا پرستی کا جو نظام قرآن نے مسلمانوں کو دیا ہے وہ کیا ہے، مال و متاع اور اموال و جائداد میں مسابقت کی دوڑ لگانے کی بجائے دینِ اسلام نے کونسا نظریہ حیات مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ جس سے نہ صرف انفرادی طمانیت قلب میسّر آتا ہے بلکہ بین الاقوامی سطح پر انصاف و آزادی اور حقیقی خوشی و خوشحالی کے ساتھ ترقی و فروغ کے باب وا ہو جاتے ہیں؟

اخبار احمدیہ

—— نہایت افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ مکرم حکیم اللہ دتہ صاحب وزیر آبادی بعارضہ یرقان جنرل ہسپتال میں چند دن زیرِ علاج رہ کر مؤرخہ ۱۱ر نومبر کو لاہور میں وفات پا گئے انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

مرحوم بڑے مخلص احمدی، سلسلہ کے فدائی اور اشاعت اسلام کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے والے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ اور لواحقین کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے۔ آپ کے اولاد نرینہ کوئی نہ تھی۔ مرحوم کی وصیت کے مطابق ان کی تدفین دارالسلام (لاہور) کے قبرستان میں ہوئی۔

—— ملتان سے مکرم حبیب احمد صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ ان کے والد بزرگوار جناب قاضی مولوی شیر محمد صاحب وفات پا گئے ہیں۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

—— مولوی محمد علی صاحب مبلغ ملتان سے ڈیرہ غازی خاں تشریف لے گئے ہیں ان کا موجودہ پتہ حسب ذیل ہے:-

مولوی محمد علی صاحب مبلغ۔ مسجد احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
بلاک ۲۴ ڈیرہ غازی خاں۔ ضلع مظفر گڑھ

دعائے صحت } مکرم شیخ محمد حسین صاحب امین انجمن بعارضہ درد گردہ بیمار ہیں۔ وہ سب احباب سے دعائے صحت کی درخواست کرتے ہیں۔

اے خدا اے چارۂ آزار ما + اے علاجِ گریہ ہائے زار ما
اے تو مرہم بخش جان ریش ما + اے تو دلدار دلِ غم کیش ما
از کرم برداشتی ہر بار ما + وز تو از بار و بر اشجارِ ما
حافظ و ستاری از جود و کرم + بیکساں را یاری از لطفِ اتم
(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

خبر نامۂ لندن

۲۰ر اکتوبر: شیخ محمد طفیل صاحب لندن کونسل کے دفتر میں گئے اور احمدیہ ہاؤس کے متعلق افسرانِ متعلقہ سے ڈیڑھ گھنٹہ مصروف گفتگو رہے۔ جس کا نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا۔ اور احمدیہ ہاؤس میں جو تعمیری تبدیلیاں کی گئی تھیں وہ قابلِ اعتراض نہ سمجھی گئیں۔

۲۱ر اکتوبر: فرینڈز ہاؤس یوسٹن میں ایک تقریب میں شرکت کی۔

۲۴ر اکتوبر: شیخ صاحب ان کی اہلیہ اور دختر نے لندن کے ایک گرجا گھر کی انٹر فیتھ میٹنگ میں شمولیت کی۔

۲۵ر اکتوبر، محمد خالد اقبال صاحب نے لندن میں ڈاکٹر علی محمد خاں کی دختر فریدہ جوزیفین کا نکاح پڑھایا۔

۲۹ر اکتوبر: سکریٹری کامن ویلتھ اور سیز لیگ کی دعوت پر شیخ صاحب اور ان کی اہلیہ اس لیگ کی کونسل کے ممبران سے ملاقات کے لئے گئے۔ لیگ ہر سال ویسٹ منسٹر ایبے میں ایک انٹر فیتھ سروس منعقد کرتی ہے جس میں کامن ویلتھ کے کمشنرز کے علاوہ ملکۂ برطانیہ اور ان کے شوہر بھی شریک ہوتے ہیں اس کے علاوہ حاضرین کی تعداد کوئی دو اڑھائی ہزار کے قریب ہوتی ہے۔ گذشتہ چند سالوں سے شیخ صاحب اسلام کی نمائندگی کے لئے وہاں جاتے ہیں اس سال ۱۳ر جون کو یہ سروس منعقد ہوئی تھی۔ بعد میں ملکہ کی طرف سے گارڈن پارٹی پر بلایا گیا تھا جس میں شیخ صاحب اور ان کی اہلیہ کے علاوہ مسز جمیلہ خان (صدر لندن احمدیہ کمیٹی) اور مسز ہارون (اہلیہ مسٹر ہارون ٹرسٹی لندن) بھی شریک ہوئی تھیں۔ اس جلسہ کی تصاویر بعد میں شائع ہوں گی۔

۲ر نومبر: احمدیہ ہاؤس لندن میں ایک مختصر تقریب منعقد ہوئی جس میں شیخ صاحب نے احمدیہ تحریک پر ایک لیکچر دیا۔ بعد میں عید کے انتظامات اور انگلستان میں احمدیہ جماعت کے استحکام کے متعلق مختلف تجاویز پر غور کیا گیا۔

(رپورٹر)

جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء

مجلس معتمدین نے جلسہ سالانہ ۷۵ء کے انعقاد کی تاریخیں حسب ذیل مقرر فرمائی ہیں

۲۵ر، ۲۶ر، ۲۷ر اور ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۵ء

۲۵ر دسمبر کو احمدیہ خواتین کا اجلاس اور نمائش دستکاری ہوگی۔
محترم میاں فضل احمد صاحب کو مہتمم جلسہ سالانہ مقرر کیا گیا ہے۔
شمولیت جلسہ کیلئے ابھی سے تیاری شروع کر دیجئے۔
پروگرام جلسہ عنقریب شائع کیا جا رہا ہے۔
مرزا مسعود بیگ۔ جنرل سیکرٹری

تھی نہ فوجوں کی بلکہ ایک ایمان کی قوت تھی جس سے وہ دنیا پر غالب آتے چلے گئے

اسلام کی جسمانی اور روحانی فتوحات } تو دو باتیں واضح ہیں۔ اسلام کی جسمانی فتوحات بھی کمال کو پہنچ گئیں۔ اور روحانی بھی۔ ابتداء روحانی فتوحات سے ہوئی، خدا کو مانو۔ خدا کی عبادت کرو، یہی آپ کا پیغام تھا جو آپ نے دنیا کو دیا مگر جب دنیا نے تلوار کے ذریعہ سے اس پیغام اور اس کے علمبرداروں کو ملیامیٹ کرنا چاہا تو آپ کو بھی مجبوراً تلوار اٹھانی پڑی اور باوجود کمزوری کے آپ کو غلبہ نصیب ہوا۔ جس سے ظاہر ہے کہ خدا کا ہاتھ آپ کے ساتھ تھا۔ ایسی حالت میں کوئی یہ خیال کر سکتا تھا کہ یہ قوم بھی دنیا میں غلبہ حاصل کرے گی؟

اسلام کا روحانی و جسمانی غلبہ اور مجدد وقت } آج بھی جب ایک شخص اس صدی کا مجدد ہونے کا دعوےٰ لے کر اٹھا اور اسلام کو تبلیغ اور روحانی پہلو سے دنیا میں غالب کرنا چاہا تو لوگوں نے کہا کہ ہم کو ایسے مجدد کی ضرورت نہیں ہم کو ایسے مجدد کی ضرورت ہے جو اسلام کی جسمانی فتوحات لے کر آئے اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو دنیا بھی دے دی اور ان کی بادشاہتیں بھی بننی شروع ہو گئیں۔ پھر قوت پکڑ گئیں۔ نمونہ وہی ہے جو رسول اللہ صلعم کے وقت دیکھا گیا اگرچہ اس وقت کے واقعات سے اس کی نسبت کوئی نہیں وہ بڑے زبردست واقعات ہیں تاہم اسلام کی نشأۃ اولیٰ کے پیغام پر بھی اس کی مخالفت بڑی زبردست کی گئی اور یہاں بھی جب نشأۃ ثانیہ کا پیغام لے کر ایک شخص کھڑا ہوا تو اس کی مخالفت ضروری سمجھی گئی۔ یہ دونوں باتیں ایک ہی رنگ میں نظر آتی ہیں۔ مجدد وقت کے آنے سے پہلے اسلام بڑا سخت مغلوب ہو چکا تھا۔ روحانی اور جسمانی دونوں رنگ میں اس کی طاقت زائل ہو چکی تھی اور لوگوں کو خیال ہو گیا تھا کہ اسلام برائے نام بچ بھی رہے تو غنیمت ہے۔ اس کو دوسروں تک پہنچانا اس کو دنیا میں منوانا اس کا کسی کو وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور جسمانی پہلو کے لحاظ سے اسلامی سلطنتیں قریباً نابود ہو چکی تھیں اور یہی نظر آتا تھا کہ اس کی رہی سہی طاقت کوئی دن کی مہمان ہے اب دیکھئے کس قدر عجائبات ہیں کہ ادھر مجدد وقت آتا ہے اور لوگوں کو توجہ دلاتا ہے کہ اسلام قوت روحانی سے غالب آئے گا اور ادھر اللہ تعالےٰ ایک ایسا رنگ پیدا کر دیتا ہے کہ مسلمانوں کی سلطنتیں جو گر چکی تھیں، وہ پھر ایک ایک کر کے اٹھنی شروع ہو گئیں۔ ایک طرف اسلام کا روحانی پہلو غالب آنا شروع ہوتا ہے اور دوسری طرف ساتھ ہی جسمانی پہلو بھی اسے طاقت اور غلبہ حاصل ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ اب اس وقت اسلام کی جسمانی قوت اس قدر زبردست نظر آتی ہے کہ آج سے تیس اکتیس سال پہلے اس کا وہم بھی کسی کو نہ ہو سکتا تھا۔

پیغام اسلام کا احیاء مشرق اور مغرب میں } تو یہ دونوں باتیں قابل غور ہیں، میں جانتا ہوں کہ ایک قوم گر جائے اور پھر دوبارہ اٹھ کھڑی ہو، ایسا دنیا میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ ایک قوم نہیں مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ساری مسلمان قومیں گر گئیں۔ دشمنوں نے اپنی طرف سے ان کو مٹا دیا مگر وہی سب مسلمان قومیں آج یکے بعد دیگرے زندہ ہوتی چلی جا رہی ہیں اور دوسری طرف خود اسلام جو کمزور ہوتا چلا جا رہا تھا اور دوسرے لوگ اس پر حملے پہ حملے کر رہے تھے۔ آج خود پیغام اسلام پھر زندہ ہو کر دنیا میں اسلام پھیل رہا ہے ایک طرف جسمانی قوت کے لحاظ سے اسلام پھر غالب آ رہا ہے۔ دوسری طرف روحانی قوت کے لحاظ سے غالب آ رہا ہے یہ کسی اور جگہ آپ کو نظر نہ آئے گا کہ دو تین باتیں ایک ہی وقت میں اکٹھی ہوں اور اتنی وسیع دنیا میں اس کی نظیر نہ ملے یہ اسلام کی طاقت پر بڑی عظیم الشان دلیل ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

حضرت مجدد وقت کی تڑپ اور ہندوستان میں مملکت اسلامی } لوگوں کو عجیب معلوم ہوگا کہ وہ شخص جو جنگ و جدل سے انکار کرتا ہے اسی کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ اسلام دنیا میں پھر قوت پکڑے، اور یہ تڑپ جہاں اسلام کے روحانی غلبہ کے ذریعہ سے پوری ہوتی ہے وہیں اس رنگ میں بھی اثر دکھاتی ہے کہ اس ملک میں بھی اسلام کی ایک مملکت بن جاتی ہے اور دنیا کی دوسری اسلامی سلطنتیں بھی زندہ ہونے لگتی ہیں۔ ان دونوں باتوں کے اندر کوئی تعلق ضرور ہے

ترکی کے غلبہ کے متعلق مجدد وقت کا الہام } حضرت مرزا صاحب نے جہاں اسلام کی روحانی فتوحات پر زور دیا ہے وہیں اسلام کی جسمانی قوت اور طاقت کے متعلق بھی ایک الہام ہے

غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون

ترکی کی حالت اس وقت نہایت کمزور تھی، یہاں تک کہ اسے یورپ کا مرد بیمار کہا جاتا تھا اور کوئی یہ خیال دل میں نہ لا سکتا تھا کہ یہ سلطنت بھی پھر اٹھ سکے گی۔ لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کا جسمانی غلبہ بھی اسی ترکی سے شروع ہوتا ہے اور وہ مغلوب ہونے کے بعد پھر ایک طاقتور اور مضبوط سلطنت بن گئی۔ اور آپ کا ایک الہام عام الفاظ میں بھی ہے "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد" یعنی ایک طرف اسلام کا روحانی غلبہ شروع ہوگا۔ اور دوسری طرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کا قدم مضبوط ہونا شروع ہو جائے گا۔ وقت تو نزدیک رسید سے مراد ہے کہ اسلام کے روحانی غلبہ کا پیغام جو حضرت مسیح موعود لے کر آئے اس کا وقت قریب آ گیا اور اس کے ساتھ ہی اسلام کا جسمانی غلبہ بھی شروع ہو جائے گا گویا ایک ہی وقت میں جسمانی اور روحانی غلبہ کی بشارت دی ہے اسی طرح پاکستان کے قیام کے لئے جتنی اس جماعت کے حصہ میں آئیں وہ شاید اور جگہ نہ ہوئی ہوں گی۔ اور آپ دیکھئے کسی کو کوئی خواب بھی اس بارہ میں سوائے جماعت احمدیہ کے نہیں آیا۔

قلات کی فتح کا الہام } آپ کو ایک عجیب بات سناتا ہوں، سید اسد اللہ شاہ صاحب کو کئی ماہ ہوئے الہام ہوا "قلات فتح ہو گیا"۔ اس وقت یہ خیال بھی نہ تھا کہ قلات کا پاکستان سے جھگڑا پیش آئے گا۔ لیکن فی الحقیقت قلات پاکستان کے خلاف ایک زبردست مقام بننے لگا تھا، بڑی زبردست کوشش کی گئی کہ قلات ان لوگوں کے قبضہ میں آ جائے جو پاکستان کے دشمن ہیں۔ عین اس وقت جب مایوسی کی حالت پیدا ہو چکی تھی خدا نے اس کا رخ بدل دیا اور وہ پاکستان میں شامل ہو گیا۔ حالانکہ اس سے ایک رات پہلے حکومت ہند کے ایک ذمہ دار افسر نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ قلات نے ہندوستانی حکومت میں ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے اور اس سے پہلے وہاں کے وزیر اعظم نواب زادہ محمد اسلم خاں کو محض اس بناء پر وہاں سے نکال دیا گیا کہ انہوں نے ریاست کی پاکستان میں شمولیت پر زور دیا تھا اور دربار میں ایک تقریر کی تھی کہ یہ بڑی سخت غلطی ہوگی کہ پاکستان سے علیحدگی اختیار کی جائے یا حکومت ہند کے ساتھ تعلق جوڑا جائے۔ اس پر انہیں وہاں سے نکال دیا گیا۔ لیکن خدا نے خود بخود رخ پلٹا اور قلات فی الحقیقت فتح ہو گیا۔

پاکستان کسی ایک قوم کی نہیں سب مسلمانوں کی سلطنت ہے } تو میں سمجھتا ہوں یہ دونوں چیزیں اسلام کی روحانی فتح اور جسمانی فتوحات ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ جن لوگوں کے متعلق یہ امید نہ تھی کہ وہ پاکستان کا ساتھ دیں گے وہ بھی پاکستان کے ممد و معاون بن گئے فی الحقیقت اگر دیکھا جائے تو پاکستان کی بنیاد کسی خاص قومیت پر نہیں دوسری اسلامی سلطنتیں خاص خاص قوموں سے تعلق رکھتی ہیں، ترکی پر ترکوں کی سلطنت ہے۔ عرب پر عربوں کی حکمرانی ہے۔ افغانستان پر افغان حکمران ہیں۔ لیکن پاکستان میں یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ کوئی قومیت اس کی بنیاد نہیں یہ تمام مسلمانوں کی سلطنت ہے۔

کشمیر مل کر رہے گا } یہاں تک کہ پٹھان بھی جو اپنی ... پاکستان [illegible]

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

تقریر محترم بشارت احمد بقا صاحب بر یوم محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

رشد و ہدایت کے نور سے منور۔ آئینہ صدق و صفا
اسلام و احمدیت کا کامل نمونہ
مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ کو شروع میں ہی دینی ماحول نصیب ہوا۔ آپ کے والد بزرگوار حافظ قرآن تھے اور دینی علوم میں کسی حد تک بہتر دسترس رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بالکل بچپن میں ہی آپ کے اندر پابندئ صوم و صلوٰۃ پیدا ہوئی۔ ذہانت و فطانت سے بھی قدرت نے خاص طور پر نوازا تھا۔ اور علم سے میلان اور رغبت کا یہ عالم تھا۔ کہ ساڑھے تین برس کی عمر میں اپنے برادر بزرگوار کے ہمراہ مکتب میں جانا شروع کر دیا۔ اور عجیب بات یہ کہ دونوں برادران نے بی اے تک علم کی منزلیں اکٹھے طے کیں۔ حضرت مولانا مرحوم یونیورسٹی میں اول آئے۔ اور ریاضی میں آپ کی قابلیت اس قدر وسیع تھی۔ کہ ایف اے ہو کر بی اے کی کلاسوں کو ریاضی کا مضمون پڑھایا کرتے تھے۔ اور آپ کے بعض شاگرد آپ سے عمر میں بڑے تھے۔

آپ نے ایم اے بھی امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ اور پھر ایل ایل بی میں داخلہ لے لیا۔ اس زمانہ کی بات ہے۔ کہ آپ کو ایک دوست کے ذریعہ حضرت حضرت مجدد زمان علیہ السلام کی تصنیف ازالہ اوہام دستیاب ہوئی۔ اس کتاب کو دونوں بھائیوں اور آپ کے والد بزرگوار نے مطالعہ فرمایا۔ خدا کی شان تینوں بزرگ ایک ہی نتیجہ پر پہنچے۔ کہ اس کتاب کا مصنف یقیناً اپنے دعوے میں صادق ہے اور حضرت مسیح ناصری علیہ السلام واقعتاً طبعی عمر گزار کر باقی انبیاء کی طرح وفات پا چکے ہیں۔ آپ کے کان میں جب مامور زمانہ کی آواز پڑی۔ آپ شک اور شبہ کرنے والوں میں نہ ہوئے۔ بلکہ آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کیا۔ اور ایمان لانے والوں کی صف میں شامل ہو گئے۔ گویا وہ دینی ماحول جو آپ کو بچپن سے عطا ہوا تھا اس نے آپ کے اندر صدیقی مادہ پیدا کر دیا تھا۔ اور بفضلہ تعالےٰ آپ تا دمِ واپسیں صدیق ہی رہے۔

حضرت مولانا علیہ الرحمۃ ابتداء ہی سے لہو و لعب سے مجتنب رہے۔ کھیل کود میں عام کھلنڈرے بچوں کی طرح عمرِ عزیز کو ضائع کرنا آپ کو پسند نہ ہوا۔ کبھی کبھار کرکٹ کھیل لیا۔ یا فٹ بال میں حصہ لے لیا۔ لیکن زیادہ تر آپ کی توجہ حصولِ علم کی طرف رہی۔ اور خدا تعالےٰ کی طرف سے بھی آپ کو محنت کا پھل ملتا رہا۔ اور اپنے ہمعصر احباب میں امتیازی حیثیت حاصل ہوتی رہی۔

دنیاوی علم و فضل کے جس مقام پر آپ پہنچے تھے۔ اس نے آپ پر دنیاوی ترقی اور عروج کے لئے راہ ہموار کر دی۔ اور آپ جس لائن کو چاہتے تھے اختیار کرتے۔ آپ کی راہ میں کوئی روکاوٹ نہ رہی تھی۔ آپ کے ہمعصر تعلیمیافتہ مسلمانوں نے بڑی عزت حاصل کی۔ اور وہ قوم کے اور قابلِ احترام لیڈر بن گئے۔ جج بنے اور اعلےٰ پائے کے وکلا بنے۔ اور ملک میں خوب نام پیدا کیا۔ لیکن ان کے سب کے بالمقابل مولانا مرحوم نے وہ راہ اختیار کی۔ جس میں فروتنی، انکسار، قربانی اور خلوت نشینی کی ضرورت تھی۔ جس میں دنیاوی شہرت اور مقبولیت کا عنصر مفقود تھا۔ لوگ بالعموم دولت کمانے کے لئے علم حاصل کرتے ہیں۔ اور دولت کے بل پر اپنی قوم اور ملک کے لیڈر بنتے ہیں ان کی ساری ہمتیں اور صلاحیتیں اور دماغی صلاحیتیں دنیا کمانے کے لئے وقف ہو جاتی ہیں۔ اور وہ عام طور پر فنا فی الدنیا ہو جاتے ہیں۔ حضرت مولانا میں وہ تمام صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اگر وہ چاہتے تو دنیا خوب کما سکتے تھے۔ سیاسی لیڈر بھی بن سکتے تھے۔ مروجہ علوم کی دنیا میں بڑی ناموری حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن حضرت امام الزمان علیہ السلام کے دستِ حق پرست میں اپنا ہاتھ اس اخلاص اور ایمانی جوش سے دیا کہ ان کی نگاہ میں دنیا باوجود اپنی ہزاروں ہزار دلفریبیوں کے حقیر ہو گئی۔ اور دین بہر نوع دنیا پر مقدم ہو گیا۔ اگر دل کے کسی گوشہ میں دنیا سے رغبت کا کوئی جذبہ باقی تھا بھی۔ تو بیعت کے بعد وہ بھی چلتا بنا۔ اور آپ کا قلب آئینہ صدق و صفا بن گیا۔ اور رشد و ہدایت کے نور سے آپ کا وجود منور ہو گیا۔ دل کی یہ حالت تھی۔ جس نے آپ کو اپنے امام کے قدموں میں لا کر بٹھا دیا۔ اور پھر اپنے محبوب راہنما سے پل بھر کی جدائی بھی پسند خاطر نہ رہی۔ اور اپنے پیرِ روحانی سے ایسا قلبی اور جگری تعلق پیدا ہوا۔ کہ آپ کے رونٹیں رونٹیں سے سپردم تو مایہ خویش را کی صدا آنے لگی۔ صاحب نظر امام نے اس جوہر قابل کو اپنی نظرِ کرم سے خوب نوازا۔ اور اپنی روز و شب کی دعاؤں سے اس صادق مرید کے ارد گرد ایسی حصار کھڑی کر دی۔ کہ ضلالت و گمراہی۔ بے یقینی اور دین سے بے رغبتی کا خفیف سا شائبہ بھی آپ کے قریب عمر بھر نہ پھٹک سکا۔ بلکہ جس اعتماد، یقین اور صاف ذہن کے ساتھ آپ نے اپنے امام و پیشوا کی کامل اطاعت میں خدمتِ دین کی ابتدا کی تھی۔ یہ اوصاف آپ کی ذات میں مجسم ہو کر تا دمِ واپسیں آپ کے ساتھ رہے اور نصف صدی سے کچھ اوپر زمانہ تک خدا تعالےٰ نے آپ سے ایسی خدمت دین لی۔ جو ہر رنگ میں بے نظیر اور عظیم الشان ہے۔

اس سلسلے میں ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ سیالکوٹ کے ایک بزرگ ماسٹر غلام محمد صاحب جو شیخ تیمور مرحوم کے خسر تھے۔ اور ہماری جماعت کے کسی زمانہ میں سرگرم رکن تھے۔ میرے استاد محترم خواجہ محمد عبداللہ صاحب راولپنڈی سے فرمایا کرتے تھے کہ ایک وہ زمانہ تھا۔ کہ ابتداء میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی کسی تحریر کا ترجمہ انگریزی زبان میں کرانا پڑا۔ تو آپ نے وہ تحریر ہم چار دوستوں کو عطا فرمائی۔ یعنی خواجہ کمال الدین۔ مولوی شیر علی، حضرت مولانا محمد علی اور مجھے۔ جب ہم چاروں نے الگ ترجمہ کیا۔ تو شانِ خداوندی میرا ترجمہ سب سے بہتر متصور ہوا۔ لیکن بعد میں مسیحا کی صحبت نے وہ رنگ دکھایا۔ کہ مولانا برق رفتاری سے منزلوں پر منزلیں طے کرتے چلے گئے۔ اور ہمیں اتنا پیچھے چھوڑ گئے۔ کہ میں ان کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکتا تھا۔

اس زمانہ میں اعلےٰ تعلیمیافتہ چند نوجوان سلسلہ میں داخل ہو چکے تھے۔ بالخصوص حضرت خواجہ کمال الدین رح آپ سے سینیئر تھے۔ وہ بھی کمال قابلیت اور ذہانت کے مالک تھے اور جس رنگ میں انہوں نے حضرت مہدی علیہ السلام کی اور سلسلہ کی خدمت سرانجام دی وہ آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے لیکن دیارِ مغرب میں اسلام کو پیش کرنے کی ایک تڑپ حضور علیہ السلام کے دل میں موجزن تھی۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ تعلیماتِ اسلام کی حقانیت سے اہلِ مغرب کو روشناس کیا جائے۔ اور آپ کے مضامین اور کتابیں انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے ان لوگوں کو پہنچائی جائیں۔ یہ اس دور میں نہایت ہی مشکل کام تھا آپ چاہتے تھے۔ کہ بر طبق حدیثِ نبویؐ مہدی اور مسیح کے زمانہ میں مغرب سے اسلام کا خورشید طلوع کرے۔ اور یہ آپ کی ماموریت کا اہم ترین حصہ تھا۔ اس کام کے لئے آپ کی نگاہِ انتخاب حضرت مولینا محمد علی پر پڑی۔ ریویو آف ریلیجنز کی ادارت کے لئے حضور کی نگاہ میں صرف آپ ہی موزوں ترین شخص تھے۔ واقعات نے ثابت کر دیا کہ مامور زمانہ کی نگاہِ انتخاب نے غلطی نہیں کھائی۔ حضرت صاحب کے مضامین کے تراجم کے ساتھ ساتھ مولانا صاحب نے خود بھی بلند پایہ مضامین رقم فرمائے۔ اور چند ہی مہینوں میں اس رسالہ کی شہرت ہندوستان، یورپ اور امریکہ کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ اور انگلستان کے لائق اہلِ قلم افراد نے یہاں تک لکھ دیا۔ کہ اس رسالہ کا ایڈیٹر یقیناً کوئی انگریز ہے

جسے حضرت مرزا صاحب نے اپنے پاس چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ اسلام کے متعلق یورپ کے پادری اور مستشرقین بہت تعصب اور کینہ رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ اسے سیاہ رنگوں میں پیش کرنے کے عادی تھے۔ تاکہ اہل یورپ اور دوسری اقوام اسلام سے ہمیشہ بدظن رہیں۔ لیکن ریویو آف ریلیجنز نے جس قوت، قابلیت اور مدلل طریق سے اسلام ان لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کیا۔ اس سے پادریوں کا زہریلا پروپیگنڈا بے اثر ہوتا چلا گیا۔ اور مغربی علماء و فضلا کو اسلام کے بارے میں اپنی رائے طوعاً و کرھاً بدلنی پڑی۔ اور ان کے دل آہستہ آہستہ نرم ہونے لگے۔ اور ان کے خیالات میں نمایاں انقلاب آنا شروع ہوگیا۔ اور ان کے قلم سے اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احترام کا اظہار ہونے لگا اور ان کے انداز فکر میں معقولیت۔ تہذیب اور شرافت جھلکنے لگی۔

حضرت امام زمانؑ نے ابتداء میں ہی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا تھا:۔

”اور مجھے اس سے بہت خوشی ہے کہ ایک اور جوان صالح خدا کے فضل کو پاکر ہماری جماعت میں داخل ہوا ہے۔ یعنی حبّی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے پلیڈر ہیں۔ میں ان کے آثار بہت عمدہ پاتا ہوں اور وہ ایک مدت سے دنیاوی کاروبار کا ہرج کرکے خدمت دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں۔ اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب سے حقائق ومعارف قرآن شریف سن رہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے۔ کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی۔ کہ جوان موصوف خدا تعالےٰ کی راہ میں ترقی کرے گا۔ اور یقین ہے۔ کہ وہ خدا تعالےٰ کے فضل سے تقوےٰ اور محبتِ دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہمجنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا ایسا ہی کر۔ آمین! ثم آمین!!“

(۴ر اکتوبر ۱۸۹۹ء)

اس تحریر میں حضرت مسیح موعودؑ نے جس یقین کا واشگاف الفاظ میں اظہار فرمایا تھا۔ حضرت مولانا نے پوری ایمانداری، اخلاص اور دیانت کے ساتھ اس کی پاسداری کی۔ اور کسی ایک موقع پر بھی اس کو گزند نہ پہنچنے دی۔ انہوں نے علم وفضل کے ساتھ تقوےٰ اور محبتِ دین میں بلاشبہ بڑی ترقی کی۔ پہلے فنا فی الدین ہوئے۔ اور پھر خدا نے فنا فی القرآن کا مقام بلند عطا فرمایا۔

حضرت مولانا مرحوم طبعاً کم گو اور تنہائی پسند تھے اور نمود و نمائش سے پرہیز کرتے تھے۔ نوجوان عام طور پر منظر عام پر آنے کی تگ و دو کرتے ہیں۔ اور ہمجنسوں میں سربرآوردہ حیثیت حاصل کرنے کے بڑے متمنی ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت مولانا میں یہ باتیں مفقود تھیں۔ آپ کو ان سے بڑی نفرت تھی۔ اور صرف کام اور محنت سے پیار تھا۔ قلم سے محبت تھی۔ اور اسے ہمیشہ کے لئے اپنی مجاہدانہ زندگی کا رفیق سفر رکھا۔ مرید بعض اوقات عجیب عجیب حرکات کرتے ہیں۔ تاکہ اپنے پیر کے منظور نظر ہو جائیں۔ اور عوام کی نظروں میں معزز قرار پائیں۔ لیکن مولانا کو صرف خدمتِ دین میں ہمہ وقت مصروف رہنا پسند تھا۔ اپنے پیر سے اگرچہ بے حد لگاؤ تھا۔ اور اپنے پیر کی خوشنودی کے لئے اپنی دنیا ان پر نچھاور کر دی تھی۔ اور ہر آن اپنی جان ان پر چھڑکتے تھے۔ لیکن بے جا خوشامد اور چاپلوسی کو کبھی قریب نہیں آنے دیا۔ اور اپنے پیر کی توجہ کو صرف اپنی خدمات دینی سے کھینچا۔

حضرت مجددِ زمانؒ فرماتے ہیں:۔

”وہ تمام کتابیں جو انگریزی میں ترجمہ ہو کر ہماری طرف سے نکلتی ہیں ان کا ترجمہ مولوی محمد علی صاحب ہی کرتے ہیں“

خدا کی راہ میں ایثار کی حالت یہ تھی۔ کہ جب آپ کو ریویو آف ریلیجنز کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔ تو مستقل تنخواہ بیس روپے مقرر فرمائی گئی۔ اور آپ نے اتنی حقیر تنخواہ پر صدق دل سے قناعت کرلی۔ حالانکہ آپ کے اخراجات بہت زیادہ تھے اور یہ رقم کسی طرح مکتفی نہ تھی۔ مقروض ہونا آپ نے منظور کرلیا لیکن اپنی اس تکلیف کا اظہار اپنے آقا اور مرشد سے کرنا مناسب نہ سمجھا۔ حضورؑ کو کسی دوسرے ذریعہ سے اس حالت کا علم ہوا۔ تو آپ نے اپنے مبارک قلم سے ڈیڑھ ہزار روپیہ یک مشت ادا کرنے کی ہدایت صادر فرمائی۔ یہ آپ کی بے نفسی کی ایک تابناک مثال ہے۔

میں عرض کر چکا ہوں۔ کہ حضرت مولانا نے از خود آگے آنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ جماعت میں نمایاں ہونے اور کہلانے کے لئے کبھی کوئی منصوبہ نہیں بنایا۔ بلکہ آپ کے علم وفضل اور عمل کے اندر جو صدیقیت تھی۔ اس نے آپکو گوشۂ تنہائی میں بیٹھنے کے باوجود بھی چمکا دیا۔ اور جماعت کا کوئی اہم کام ایسا نہیں تھا۔ جس میں آپ کے مرشد نے آپ کی رائے کو ضروری نہ سمجھا ہو۔ وجہ یہ تھی۔ کہ مولانا کی نبض حضرت مجدد دوران کی منشا کے مطابق چلتی تھی۔ آپ سب باتوں کو چھوڑ کر اپنے امام کے قدموں میں بیٹھ گئے تھے۔ بایں سبب خدا تعالےٰ نے آپ کی تحریرات میں برکت ڈالی۔ اور انہیں ہر جگہ موثر بنایا۔

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔

”جو کوئی میری موجودگی میں اور میری زندگی میں میری منشاء کے مطابق میری اغراض میں مدد دے گا۔ میں اُمید رکھتا ہوں۔ کہ وہ قیامت میں بھی میرے ساتھ ہوگا“

میرا کامل یقین اور ایمان ہے۔ کہ حضرت مولانا نے اپنے امام کی زندگی میں ان کی اغراض میں یقیناً بڑی مدد دی۔ اور اس لئے آپ بفضلہٖ تعالےٰ قیامت میں اپنے مرشد کے ساتھ ہوں گے۔ اور اس وقت حضور کا یہ الہام بھی پورا ہوگا:۔

”آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ، ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔“

اگلے جہان میں کسی غیر صالح کو صالح کی مجلس کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ اور کوئی صالح انسان کسی غیر صالح انسان کو اپنے پاس بٹھانے کی کہاں جرأت کرسکے گا۔ پس تمام صدیق، شہداء اور صالحین کو ہی اپنے نبی متبوع کی معیت نصیب ہوگی اس الہام کے ذریعے خدا تعالےٰ نے آپ کو جنت الفردوس کی بشارت دی۔ ذالك فضل اللّٰه يوتيه من يشاء واللّٰه ذوالفضل العظيم

حضرت مولانا نے بے نظیر قلمی جہاد اسلام کی راہ میں کیا ہے۔ عمر بھر آپ کا قلم چلتا رہا۔ اور اس سے جواہر پارے بکھرتے رہے۔ اسلام کا کوئی پہلو باقی نہیں رہا جس پر آپ کا قلم نہ چلا ہو۔

مرحوم مارمیڈیوک پکتھال نے رسالہ اسلامک کلچر میں لکھا:۔

”کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔“

اس سے بڑھ کر خراجِ تحسین کسی شخص کے لئے متصور نہیں کیا جا سکتا۔ جو اس عالم و فاضل انگریز نومسلم نے حضرت مولانا مرحوم کو پیش کیا۔

تحریکِ احمدیت اپنی عالمگیر شہرت کے لئے یقیناً حضرت مولانا صاحب کی مرہونِ منت ہے۔ آپ نے اسلام پر ایسا بیش قیمت لٹریچر پیدا فرمایا ہے کہ جب تک اس کی دنیا میں افادیت قائم ہے۔ اس وقت تک اس تحریک کا بالعموم اور احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کا نام بالخصوص زندہ رہے گا۔

ہمارے مخالف گروہ کے سابق سربراہ نے اپنی جماعت میں یہ پراپیگنڈا کیا کہ مولانا خلیفہ بننے کی آرزو رکھتے تھے۔ اور اپنے مقابلے میں کسی دوسرے شخص کو اس عہدے کا اہل نہ سمجھتے تھے۔ یہ ایک سیاہ جھوٹ ہے۔ اور یہ جھوٹ اور گھناؤنا ہو جاتا ہے۔ جب اسے ایک شخص تقدس کا لبادہ اوڑھ کر بولے اور اپنی جماعت میں پھیلائے۔ اگر فی الواقعہ مولانا کے دل میں ایسی کوئی خواہش ہوتی۔ تو آپ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر خدمتِ دین کی طرف کبھی توجہ

نہ دیتے بلکہ سر عام آکر اپنی خدا داد قابلیت اور علمی فضیلت کا سکہ جماتے۔ اپنی حمایت کے لئے ایک فعال اور زوردار گروہ تیار کرتے۔ جو آپ کے حریف کا منہ توڑ کے رکھ دیتی۔ یہی تو ظلم ہوا۔ کہ مولانا شب و روز ترجمۃ القرآن جیسے اہم کام میں منہمک رہے۔ اور خلافت کی گدّی پر قبضہ جمانے کی آرزو کرنے والے شخص نے اپنی تمام صلاحیتیں انصار اللہ پارٹی کی تشکیل پر صرف کر دیں اور اس کا جال چاروں طرف پھیلا دیا۔ اس کے بالمقابل مولانا مرحوم سے یہ بھی نہ ہو سکا۔ کہ خلافت در خلافت کی اس مکروہ سازش کے خلاف صدائے احتجاج ہی بلند کرتے۔ اور اس مسجد ضرار کے مذموم مقاصد کو ہی بے نقاب کر دیتے تاکہ عوام کو کسی حد تک اصل حقائق سے آگہی حاصل ہو جاتی۔ میں یہ ضرور مانتا ہوں۔ کہ فی الواقعہ حضرت سلطان القلم کا جانشین آپ ہی کو ہونا چاہئے تھا۔ لیکن آپ نے اس کی طرف کبھی توجہ نہ دی۔ اور ان مذموم اور ناپاک باتوں سے الگ تھلگ رہ کر خدا کے کلام کے ترجمہ اور تفسیر میں مصروف رہے۔ لیکن جب آپ نے دیکھا کہ وہ شخص ایسے عقیدہ کو جماعت میں رواج دینا چاہتا ہے جس سے ساری ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ ہی منتشر ہو جائے گا۔ تو آپ نے اس کے خلاف زور دار رنگ میں صدائے احتجاج بلند کی۔ خلافت کے لئے ہونے والی ریشہ دوانیوں کی آپ نے کبھی پرواہ نہ کی۔ کیونکہ ریشہ دوانیاں صرف دنیادار اور جھوٹے وقار کے بھوکے لوگ ہی کیا کرتے ہیں۔ مولانا اپنے مرشد سے بدعہد کسی صورت میں بھی نہ کر سکتے تھے۔

بلاشبہ حضرت ممدوح نے حضرت مجدد زمان اور اپنے استاد حضرت مولانا نورالدینؒ کے علم و فضل سے بڑا فیض حاصل کیا۔ لیکن اگر آپ خود باصلاحیت انسان نہ ہوتے تو جمالِ ہمنشیں بھی بے اثر رہتا۔ آپ کی خاک میں یقیناً صلاحیت موجود تھی جس نے ان بزرگوں کے فیض صحبت کا اثر قبول کر کے آپ کو بلند پایہ تفسیرِ قرآن اور عالم دین بنا دیا۔ آپ کا یہ بہت بڑا کمال ہے کہ جس مضمون اور موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا۔ اس پر ہمیشہ صاف ذہن کے ساتھ سیر حاصل بحث کی۔ اور کسی پہلو کو بھی تشنہ نہ چھوڑا۔ اور قاری کے ذہن کی ہر الجھن دور ہو جاتی مضمون میں اختصار بھی ہوتا۔ اور ناقابلِ تردید دلائل بھی۔ آپ کا کوئی مضمون اور کوئی کتاب اٹھا کے دیکھ لیجئے۔ ادق سے ادق مضمون کو بھی عام فہم اور سلیس زبان میں اس خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ کہ اس کا ایک ایک لفظ قاری کے دل میں اتر جاتا ہے۔ اور بڑے سے بڑا مخالف آپ کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔ خلیفہ قادیان مرزا محمود احمد نے چند کتابیں حالات سلسلہ اور اختلاف عقاید پر لکھیں۔ حضرت مولانا نے اس کی ہر کتاب اور تحریر کا اتنا مدلل جواب دیا ہے۔ کہ جواب الجواب کی اس کو کبھی جرأت نہ ہو سکی۔ وہ شخص حضرت مولانا سے اس قدر خائف تھا۔ کہ اپنی جماعت کو تاکید کر دی کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا لٹریچر بالعموم اور حضرت مولانا صاحب کے مضامین اور کتب کا بالخصوص مطالعہ نہ کرے ــــــــ راولپنڈی کے مولوی علی محمد (اجمیری مرحوم و مغفور فرماتے تھے۔ کہ جب کبھی عقاید کے بارے میں حضرت مولانا کی کوئی تحریر نکلتی۔ تو اس کے جواب کے لئے خلیفہ صاحب علماء کی ساری جماعت کو اکٹھا کر لیا کرتے تھے۔ تاکہ مولانا صاحب کے مضمون کا جواب تیار کیا جائے۔ وہ شخص بظاہر اپنے عالم و فاضل اور مؤیّد من اللہ ہونے کا مدعی تھا۔ لیکن اندرونی طور پر وہ حضرت مولانا کے مقابلہ میں بالکل بے جان تھا۔ وہ خود خاموش ہو جاتا ہے۔ اور اپنے مولویوں کو اس کام پر لگا دیتا ہے۔ کہ جس طرح بن پڑے مولوی محمد علی صاحب کے مضامین کے جوابات لکھتے رہا کریں۔ اور جماعت کے عقائد میں تزلزل نہ ہونے دیں۔

حضرت مولٰنا صاحب کے مضامین میں ایک خوبی یہ ہے کہ جس قدر اختصار سے وہ لکھے گئے ہیں۔ اس سے زیادہ اختصار مضمون کو نقصان پہنچائے۔ ممکن ہی نہیں خلیفہ صاحب نے اپنی جماعت کو محض خوش عقیدگی کے جال میں پھنسائے رکھنے کیلئے تفسیر کبیر شائع کی۔ ایک حالی مرید نے اس کی بڑی تعریف کی۔ اس مرید کی عادت یہ تھی کہ بیان القرآن سے مقابلہ کرنے کے لئے وہ کہتا۔ دیکھو ہمارے خلیفہ نے کتنی ضخیم تفسیر لکھی ہے۔ اور بیان القرآن تو اس کے پاسنگ بھی نہیں۔ میرے استاد اس کے جواب میں فرماتے۔ کہ آؤ میرے سامنے بیٹھ جاؤ۔ کسی ایک آیت پر دونوں عالموں کی تفسیر کا ملخص تیار کرتے ہیں۔ میں تفسیر کبیر کا تیار کرتا ہوں۔ تم بیان القرآن کا کرو۔ پتہ چل جائے گا۔ کہ کس کی تفسیر حشو و زوائد سے مملو ہے۔ اور تضیع اوقات کا باعث ہے۔ مولانا صاحب کی تفسیر بذاتِ خود خلاصہ۔ اس خلاصہ کا خلاصہ کیسے تیار ہو۔

میرے ایک غیر احمدی دوست نے ایک دفعہ مجھ سے زندہ نبی کی زندہ تعلیم مطالعہ کے لئے لی۔ پڑھنے کے بعد اس نے کہا۔ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد سوانح حیات مطالعہ کی ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس کتاب کے مقابلہ میں وہ سب کی سب ہیچ ہیں۔ اس کے مصنف نے اتنے تھوڑے سے الفاظ میں ایسی جامع سوانح اس قابلیت اور خوبصورتی سے تحریر کی ہے کہ سیرتِ طیبہ کی ہر بات اس کے اندر آگئی ہے۔ اور پڑھتے ہوئے وجد طاری ہو جاتا ہے۔ میرے اس دوست کی رائے مبنی بر حقیقت ہے۔ مذہبی دنیا میں حضرت مولانا ایک نئی طرز تحریر اور انداز فکر کے موجد اور بانی ہیں۔ آج کا مصروف انسانی دماغ اختصار پسند ہے۔ بیکار طوالت سے گھبراتا ہے

ہم میں سے ہر ایک احمدی نے حضرت مولاناؒ سے براہ راست استفادہ کیا ہے۔ آپ اپنے پیچھے ہمارے لئے اتنا ذخیرہ لٹریچر کا چھوڑ گئے ہیں۔ کہ اگر ہم ان کا ایک دو بار گہری نظر سے مطالعہ کریں۔ تو بلاشبہ خدا کے فضل سے ہم بہت بڑے عالمِ دین بن سکتے ہیں۔ اور بڑی کامیابی کے ساتھ تبلیغ و اشاعت اسلام کا مقدس فریضہ سرانجام دے سکتے ہیں۔ میں جب کبھی حضرت خواجہ کمال الدینؒ اور حضرت مولانا صاحب رحم اللہ علیہم کے کارناموں کو یاد کرتا ہوا خیالات کی دنیا میں کھو جاتا ہوں۔ تو میں ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے خواجہ صاحب کہتے ہوں: اے لوگو مجھے اس صحت اور زندگی کی ضرورت نہیں۔ جو زبان کو روکنے سے مجھے حاصل ہو۔ مجھے بولنے دو۔ کیونکہ اسلام کو میری زبان کی ضرورت ہے اور جیسے حضرت مولانا فرماتے ہوں: اے لوگو مجھ سے میرا قلم نہ چھینو۔ مجھے اس زندگی اور صحت کی ضرورت نہیں جو قلم بے کار رکھ دینے سے حاصل ہو۔ میرے قلم کی اسلام کو بہت ضرورت ہے۔ اسے چلنے دو۔ اور میرے آخری سانس تک چلنے دو۔ کاش یہ قلم قیامت تک چلتا رہتا۔ اور متلاشیانِ حق اس سے ہر دور میں فیض اٹھاتے رہتے۔

ایک دفعہ خطبہ میں حضرت مولاناؒ نے فرمایا تھا: "تم قرآن کو دنیا میں پہنچا دو قرآن اپنا کام خود کرے گا" واقعی قرآن نے دنیا میں اپنا کام کیا ہے۔ امریکہ کے سیاہ فام باشندے اس قرآن کے طفیل حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہیں۔ ان کے پیر نے اسی قرآن کا مطالعہ کرنے کے لئے اپنے مریدوں کو تاکید کی۔ اور وہ لوگ اب باکردار اور بااخلاق امریکی شہری ہیں۔ انڈونیشیا۔ فجی۔ ٹرینیڈاڈ، سرینام اور گیانا میں اس قرآن نے بڑا کام کیا ہے۔ خود برصغیر پاک و ہند میں اس تفسیر قرآن نے بڑا کام کیا ہے۔ یورپ۔ امریکہ۔ چین میں اس قرآن نے بڑا کام کیا ہے ہر بڑا مولوی اور عالم اس سے استفادہ کرتا ہے۔ مگر لوگوں پر ظاہر نہیں کرتا اس تفسیر کی معقولیت سب علماء کے اندر گھر کر گئی ہے۔ ہمیں اس دن کا انتظار ہے جب سارے مسلمان برملا تسلیم کریں کہ حضرت مجدد زمان کے علم و فضل سے فیض یافتہ مولانا محمد علی واقعی ہمارا بہت بڑا محسن تھا۔ اور آپ کی خدمات جلیلہ کا یوں اعتراف کریں۔

در شب تاریک و تیرہ مشعلے افروختی + مجلس اسلامیاں را پر چراغاں کردۂ
گلشنِ اسلام را دادی بہ بہار تازۂ + خانۂ الحاد و کفر و شرک ویراں کردۂ
این منّت تو ہند و چین، زنگ و فرنگ
اسود و احمر ز لطفت زیر احساں کردۂ

مکرم جناب فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی

سیرِ کارواں

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُرسوز

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے پہلے صدر اور امیر حضرت مولانا محمد علی رضا امام الزمان حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے عظیم المرتبت شاگردوں میں سے تھے۔ یعنی عالم شباب میں جب ہر نوجوان مستقبل کے سہانے خواب دیکھتا ہے۔ اور ثروت اور شہرت حاصل کرنے کے لئے منصوبہ بندی کرتا ہے حضرت مولانا نے امام الوقت کی خدمت اور قدموں میں زندگی بسر کرنے کا عزم بالجزم کیا۔ اس وقت آپ ایم اے۔ ایل ایل بی تھے۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر (جو ان دنوں ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا عہدہ تھا) کے لئے آپ کی نامزدگی ہو چکی تھی۔ یہ منصب ایک دنیادار کے لئے بڑی جاذبیت رکھتا تھا کیونکہ اس کے بعد ترقی کرتے کرتے سرکار دربار میں اعلےٰ مراتب ملنے کی توقع کی جاسکتی تھی۔ پھر آپ کا ارادہ بطور ایک وکیل پریکٹس کرنے کا بھی تھا بلکہ آپ نے گورداسپور میں اپنی رہائش۔ دفتر اور لائبریری کا بھی بندوبست کر لیا تھا مرشد کے حضور قادیان جاتے ہیں کہ میں گورداسپور میں پریکٹس شروع کرنی چاہتا ہوں۔ آپ میری کامیابی کے لئے دعا فرمائیں۔ مرشد نے فرمایا کہ آپ ابھی یہاں قیام کریں اور آپ کے سپرد "مسیح ہندوستان میں" کا انگریزی میں ترجمہ کرنا لگا دیا۔ حضرت مولانا نے اپنے مرشد کے حکم کو سر آنکھوں میں رکھا۔ گورداسپور میں پریکٹس کرنے سے آپ کی غرض یہی تھی کہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بار بار حاضر ہونے کا موقعہ ملتا رہے۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی آپ نے اس خیال کو دل سے نکال دیا کہ وہ تو پریکٹس شروع کرنے کے جملہ انتظامات بھی کر چکے ہیں۔ اس ترجمے کے بعد حضرت امام الوقت نے آپ کو اشاعت اسلام کے لئے ایک رسالہ انگریزی کی ادارت سنبھالنے کے لئے کہا تو آپ نے شرح صدر سے لبیک کہا اور یوں آپ کا قیام قادیان جو عارضی تھا طول پکڑتا گیا۔ قادیان آئے ہوئے آپ کو دس ماہ گذر چکے تھے کہ حضرت اقدسؑ نے ایک دن نماز ظہر کے وقت آپ سے کوئی ذکر کیا کہ اب آپ کو مستقل طور پر قادیان میں رہائش اختیار کر لینی چاہیئے۔ اس ارشاد پر بھی آپ نے لبیک کہا۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ اس امر کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے ایک عریضہ حضرت امام العصر کی خدمت میں لکھا جس کا ایک ایک لفظ صالحیت اخلاص۔ عقیدت اور دینداری کی غمازی کرتا ہے۔

آپ لکھتے ہیں :-

"سیدی و مولائی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
حضورؑ نے کل ظہر کے وقت جو ارشاد فرمایا تھا کہ اس خاکسار کو بھی چاہیئے کہ مستقل طور پر اب یہاں ہی رہائش اختیار کرے۔ اس کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔ جب مئی گذشتہ میں اس لمبے قیام کی اجازت لے کر حاضر خدمت اقدس ہوا تھا تو اس وقت میرے دل میں سوائے اس کے اور کوئی ارادہ نہ تھا اور اللہ تعالےٰ اس پر گواہ ہے کہ شاید اس لمبے قیام کے اثناء میں کوئی ایسی سبیل نکل آئے کہ دنیا کے سب دھندوں سے الگ ہو کر ہر وقت حضور کے قدموں میں رہنا نصیب ہو جائے اور یہی سب سے بڑی آرزو اس وقت دل میں موجود ہے.......... آپ کے قدموں میں رہوں اور آپ کا غلام ہوں۔ اور آپ سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے دعا کریں کہ خدا تعالےٰ اس وعدے پر تا دمِ زیست قائم رہنے کی توفیق دے اور اسی ایمان پر اُٹھاوے.........."

یہ اجابت دعا کا وقت تھا۔ دل سے نکلی ہوئی دعا قبول ہوئی۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا جو عہد آپ نے بیعت کرتے وقت کیا تھا اس کو نبھایا اور کیا خوب نبھایا۔ اور ایمان و ایقان کی جو چنگاری طور تسلیٰ سے آپ نے پائی تھی اس نے زندگی بھر آپ کو سرگرم عمل رکھا۔ آپ کی خدمات دینیہ کا آغاز انگریزی ترجمۃ القرآن سے ہوا تھا اور اسی ترجمے کی نظر ثانی کرتے کرتے آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا

خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہوتا تھا

عاشق قرآن کی شاگردی سے خدمت قرآن کا جذبہ حضرت مولانا کے دل میں موجزن ہوا۔ آپ کا انگریزی ترجمۃ القرآن شرق و غرب میں مقبول ہوا اپنے اور بیگانوں نے آپ کی اس خدمت جلیلہ کا اعتراف کیا ہے۔ یہ ترجمہ ڈچ زبان میں بھی منتقل کیا گیا۔ اُردو ترجمہ اور تفسیر بھی بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی گئی حضرت مولانا کی ایک گرانقدر تصنیف ریلیجن آف اسلام (مطبوعہ ۱۹۳۶ء) پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مفسر قرآن نے لکھا :-

"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمت انجام نہیں دیں.....
میری رائے میں یہ کتاب ان کی سب سے اچھی تصنیف ہے۔ یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنت سے خوب واقف ہے۔ جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی اس نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک اُمید ہے جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں"۔

(محمد مارماڈیوک پکتھال۔ رسالہ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۶ء)

حضرت مولانا کی تفسیر میں اسرائیلی قصوں کا کوئی نام و نشان نہیں جیسا کہ اکثر تفاسیر میں دیکھا گیا ہے بلکہ آپ نے اسلام اور اسلامی اصولوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ سامراج اور استعمار پرستی کا رد جگہ جگہ نظر آتا ہے اور اقوام مغرب کے خطرناک اور ناپاک عزائم سے قارئین کو خبردار کیا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ انڈونیشیا کی تحریک آزادی کافی حد تک حضرت مولانا کی ڈچ تفسیر سے متاثر ہوئی جس میں اسلام کے پیغام حریت کی جھلکیاں ہیں۔

حضرت امام زمانؑ کے شاگردوں میں سے حضرت خواجہ کمال الدینؒ حضرت شیخ رحمت اللہؒ۔ حضرت ڈاکٹر یعقوب بیگؒ اور حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحبؒ اولوت السابقون میں سے ہیں جن کے بارے میں آپ کو الہاماً بتایا گیا کہ وہ پاک ممبر ہیں۔ حضرت مولانا کو ملا کر احمدیت کے یہ عناصر خمسہ ہیں ان کے پاک نفوس خدمت دین کے جذبہ سے لبریز تھے ان کے ایثار اور اخلاص کا حضرت اقدسؑ نے بار بار ذکر کیا ہے۔ حضرت مولانا بھی اپنے ان پاکباز دوستوں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب اس قرآن کی تعلیم دینے آئے تھے جسے لوگ بھلا چکے تھے بلکہ اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال چکے تھے۔ حضرت اقدسؑ کے وصال کے بعد حضرت مولانا اس قرآن مجید کو جو قادیان کی غربت کا باعث تھا لے کر لاہور آگئے اور عمر بھر اس کی اشاعت کرتے رہے۔ آپ محض ایک واعظ مفسر اور عالم دین ہی نہ تھے بلکہ انہوں نے اشاعت قرآن اور تبلیغ اسلام کے لئے ایسی تجاویز کو عملی جامہ پہنایا جو بڑی بڑی جماعتوں۔ انجمنوں اور والیان ریاست سے نہ ہو سکا۔ آپ کی نگہ دنیاوی اور چھوٹی چھوٹی اسکیموں سے ہٹ کر ایک بلند مقصد اور نصب العین پر مرکوز تھی۔ قادیانی گروہ کی طرح آپ نے جماعت احمدیہ لاہور کو سیاست کے گنجلک سے الگ تھلگ رکھا۔ جیسا کہ حضرت امام ہمام نے فرمایا ہے :

مجھ کو کیا ملکوں سے، میرا ملک ہے سب سے جدا
مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار

انہوں نے خدا کی رضا کو اولیت دی اور اسی راہ پر چلتے رہے اور جماعت کو بھی چلایا۔ خداوندِ عظیم کا وعدہ ہے کہ خدامِ دین کو دنیا میں بھی سرخروئی ملتی ہے۔ حضرت مولانا نے مملکت خداداد پاکستان کے وجود میں آنے کے لئے جو کوششیں اور ان کی جماعت نے جو خدمات سر انجام دیں ان کا اعتراف معمار پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے بارہا کیا ہے۔ رئیس احمد جعفری نے پاکستان کے قیام کی جو تاریخ لکھی ہے اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جماعت احمدیہ شروع سے ہی اسلامی مملکت کے قیام کے لئے جدوجہد میں حصہ دار رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے اس تحریک کے مخالفوں کو تو ملک و ملت کے خیر خواہ گردانا جاتا ہے اور جماعت احمدیہ کو غدار کہا جاتا ہے۔

منزل انہیں ملی جو رفیق سفر نہ تھے

یہاں میں قائد اعظمؒ کے گرانقدر خیالات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ان دنوں مسلمانان ہند و پاکستان نے مطالبۂ پاکستان کی قیادت محمد علی جناحؒ کے سپرد کی ہوئی تھی قائد اعظم لاہور تشریف فرما تھے۔ حضرت مولانا نے انہیں مسلم ٹاؤن اپنی کوٹھی پر دعوت دی۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے دوسرے مہمانوں کے سامنے انجمن کی خدمات کو سراہا اور بیان کیا کہ ان کے پاس بیرونی ممالک سے بھی اسلام کے متعلق خطوط آتے ہیں۔ باہر کے لوگ سمجھتے ہیں کہ چونکہ میں مسلمانوں کا لیڈر ہوں اس لئے اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے مجھے لکھتے ہیں۔ میں ایسے خطوط مناسب جواب کے لئے آپ کی انجمن کے پاس بھیج دیتا ہوں۔“ (مجاہد کبیر صفحہ ۳۸۹)

یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کا کوئی جلیل القدر لیڈر ایسا نہ تھا جو حضرت مولانا سے ملنے احمدیہ بلڈنگس نہ آیا ہو۔ ڈاکٹر محمد اقبال سر فضل حسین۔ سر شہاب الدین سر محمد شفیع۔ سر عبدالقادر۔ سر فیروز خان نون ہر ایک کو مولانا سے گہری عقیدت تھی اور وہ اہم قومی معاملوں میں آپ سے مشورہ حاصل کرتے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر جب ایک مرتبہ مولانا سے ملنے احمدیہ بلڈنگس میں تشریف لائے تھے تو ان سے بڑی عقیدت اور محبت سے بغلگیر ہوئے اور کہا مولانا میں نے آپ کا ہم نام ہو کر بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ اندرون ملک اور بیرون ملک لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ہی وہ محمد علی ہوں جس کا انگریزی ترجمہ قرآن علمی دنیا میں شہرت دوام حاصل کر چکا ہے۔

جواہرات کی قدر و قیمت جوہری جانتے ہیں اور مسِ خام اور کندن میں فرق زرگر کرتا ہے۔ آج اسلامی جذبہ میں سرشار لیڈر کہاں ہیں جو مہر و وفا کی قدر کریں۔ پاکستان کے قیام کے لئے قربانیاں دینے والی جماعت اور اس کے مخلص رہنماؤں کے ایثار کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

ہم باوفا تھے اس لئے نظروں سے گر گئے
اور آپ کو تلاش کسی بے وفا کی تھی

آج حضرت مولانا اپنے امامؑ اور استاد کے حضور پہنچ چکے ہیں۔ جیسا کہ ان کی زندگی میں ہی انہیں بشارت دی گئی تھی کہ

”مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں دیکھا۔ آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ“

البتہ وہ ہم سے رخصت ہونے سے قبل حضرت امام الزمان کا وہ مقدس مشن ہمارے سپرد کر گئے تھے جس کی بنیاد انہوں نے احمدیہ بلڈنگس میں رکھی تھی۔ یہ اہم کام پچھلے چوبیس برسوں سے ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ آیئے ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ ہم نے کہاں تک اس امانت کا حق ادا کیا ہے۔ حضرت مولانا نے اپنی عین حیات میں ایک موقعہ پر فرمایا تھا:۔

”ایک بات میں اپنے نوجوان دوستوں سے کہنی چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ احمدی قوم کی روایات کو زندہ رکھیں۔ احمدی جماعت دین کو دنیا میں پھیلانے۔ قرآن کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی اس روایت کو کمزور نہ ہونے دو۔ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر عزت کا اور کوئی کام اس دنیا میں نہیں۔ میں پھر اپنے نوجوان دوستوں کو کہوں گا اور بار بار کہوں گا کہ قوم کی روایات کو زندہ رکھو۔ ایک دن آئے گا کہ تم اپنے ایک ایک بزرگ کے جسم کو اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دفن کرو گے۔ اے میرے نوجوان دوستو، میں تمہیں بڑی تاکید کے ساتھ یہ کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے بزرگوں کے جسموں کے ساتھ کہیں اپنی روایات کو دفن نہ کر دینا۔ ان کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ قوم مرتی چلی جاتی ہے۔“

ایک اور خطبہ میں فرمایا:۔

”کوئی انسان دوسرے کو نیچا دکھا کر یا دوسرے کو گرا کر نہیں بنتا نہ کوئی قوم یا جماعت دوسری قوم یا جماعت کو گرانے سے بنتی ہے بلکہ قوم کے ہر فرد کو سب سے پہلی فکر اپنی اصلاح کی یا اپنی تعمیر کی ہونی چاہیئے عام طور پر قوموں کا بہت سارا حصہ اس بات پر لگ جاتا ہے کہ کس طرح دوسرے کو گرائیں اپنے آپ کو بنانے کی طرف توجہ کم ہوتی ہے۔ اس لئے تعمیر ذرا مشکل کام ہے اور مشکل کام کی طرف انسان کا قدم جلدی نہیں اٹھتا۔ تخریب کا کام یا دوسرے کو گرانا نسبتاً بہت آسان ہے اس لئے تخریبی کاموں کی طرف لوگوں کی توجہ جلد اور اکثر جاتی ہے کسی کی بربادی اور ویرانی بہت آسان ہے۔ اور اپنے آپ کو بنانا بہت مشکل ہے“

آیئے ہم مولانا مرحوم کے فرمودات کی مشعل ہاتھوں میں لے کر اٹھیں اور احمدی جماعت اور اپنے بزرگوں کی روایات کو زندہ رکھنے کا پھر سے عہد کریں تاکہ جب کل ہم ان بزرگوں سے ملاقی ہوں تو ہمیں ان کے سامنے جاتے ہوئے شرمساری نہ ہو بلکہ ہم جرأت سے کہہ سکیں کہ حضرت امام الزمان کے شاگردو ہم نے تمہاری روایات کو زندہ رکھا اور اس عہد پر قائم رہے۔

”دین کو دنیا پر مقدم کیا“

خطبہ جمعہ حضرت امیر مرحوم از ص ۵

کے حامی ہیں۔ اور اس سے مجھے یقین ہوتا ہے کشمیر پاکستان کو مل کر رہے گا۔ جب پٹھانوں نے فیصلہ کر دیا کہ ہم پاکستان کے ساتھ رہیں گے، تو کشمیری بھی تو بنی اسرائیل ہیں وہ بھی پاکستان ہی سے مل کر رہیں گے۔

مسلمانوں کو مجدد کیوں نظر نہیں آتا

تو یہ دونوں باتیں یعنی اسلام کی روحانی فتح اور جسمانی غلبہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ان باتوں کو دنیا میں پھیلانے کی ضرورت ہے۔ مسلمان بھائیوں کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اسلام کے غلبہ کا دوبارہ وقت آ پہنچا ہے۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ کیوں انہیں مجدد نظر نہیں آتا وہ شخص جس کی ذات سے اسلام کی دوبارہ فتح مقدر تھی جس کے کھلے کھلے آثار بھی سامنے آ گئے کیوں اس کے ساتھ ہو کر اس فتح تک پہنچانے میں حصہ نہیں لیتے۔

جسمانی اور روحانی غلبہ مجددِ وقت سے وابستہ ہے

میں اس موضوع پر پھر بھی کچھ کہوں گا لیکن اس وقت اپنی جماعت سے یہ کہنا ہے کہ اسے بیدار ہونا چاہیئے اور اسلام کی اس فتح اور غلبہ سے دنیا کو اپنے مسلمان بھائیوں کو مطلع کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں کا بیشتر حصہ بے علمی کی وجہ سے الگ ہے ہم میں سے ہر ایک کو اس کام کا علمبردار ہونا چاہیئے اور مسلمانوں کو بتانا چاہیئے کہ اسلام کی روحانی ترقی بھی اسی مجدد سے وابستہ ہے اور جسمانی بھی اسی سے وابستہ ہے۔ آؤ اور اس کا ساتھ دے کر اس ترقی اور غلبہ کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

مکرم جناب شکر اللہ خان صاحب منصور ایڈووکیٹ

تحریکِ احمدیت اور غلام احمد پرویز

(بسلسلہ اشاعت ۲۹ر اکتوبر ۱۹۷۵ء)

جناب غلام احمد پرویز صاحب بھی دراصل مجبور ہیں۔ خدا کے کلم بندوں سے کبھی رُک سکتے نہیں۔ سنّتِ الٰہیہ نے پورا ہو کر رہنا ہوتا ہے۔ ماموریّانی کی تردید و تغلیط کی خاطر پرویز صاحب نے اپنی کتاب میں جو جھوٹ لکھے ہیں اور جھوٹے الزام لگائے ہیں ان کا ذکر ہم ذرا بعد میں کریں گے۔ اس جگہ ہم پرویز صاحب کو ان کے متعلق ایک سنّتِ الٰہیہ سنانا چاہتے ہیں۔ جسے وہ خود بھی ضرور جانتے ہوں گے کیونکہ بڑی بڑی کتابوں کے مصنّف ہیں حتیٰ کہ "لغات القرآن" اور "مفہوم القرآن" بھی اپنی قلم سے لکھ چکے ہیں۔ باعث افسوس اور حیرت صرف یہ امر ہے کہ انہوں نے طالب العلم قرآن کا دعویدار ہو کر اور مفکرِ قرآن کہلا کر حضرت مرزا صاحب پر اپنی کتاب کے اعتراضات کے بیشتر حصّے کی بنیاد "غالی مریدوں" کے اقوال و تحریرات پر رکھی ہے۔ جو دیانتداری کے منافی اور انصاف سے بعید ہے۔ حضرت مرزا صاحب کے اصل اور صحیح عقاید جماعت احمدیہ لاہور پیش کر رہی ہے۔ جن کا ذکر ابتداءِ مضمون میں ہو چکا ہے۔

یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ

پرویز صاحب نے لکھا ہے:— "انگریز نے سات سمندر پار سے آکر ہندوستان میں حکومت قائم کی اپنی حکومت کے استحکام میں اسے اگر کوئی خطرہ نظر آتا تھا تو وہ مسلمانوں کی طرف سے تھا۔ وہ سید احمد شہید بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید دہلوی کی تحریک جہاد میں دیکھ چکا تھا کہ اُمّت کے اس راکھ کے ڈھیر میں ابھی وہ چنگاریاں دبی ہوئی ہیں جو تھوڑی سی موافق ہَوا سے شعلہ جوالا بن سکتی ہیں بظاہر وہ تحریک شہید بالاکوٹ میں دفن ہو چکی تھی لیکن اس کی رُوح بدستور زندہ تھی انگریز اس سے خائف تھا" (ص ۱۹۲)

یعنے بقول پرویز صاحب حضرت سیّد احمد بریلوی اسلام کے سچے خادم اور اسلامی جہاد کی رُوح کے صحیح نمائندے تھے اور انہوں نے جو جہاد کیا وہ اسلام کے لئے تھا۔ سیّد صاحب موصوف کے متعلق یہ اظہار خیال کر کے وہ حضرت مرزا صاحب کی نسبت لکھتے ہیں:—

"مسلمانوں کا عقیدہ تھا کہ آخری زمانہ میں امام مہدی کا ظہور ہوگا اور حضرت عیسےٰ کا آسمان سے نزول ہوگا۔ ان کی زیرِ سیادت و امامت اسلام کا پھر سے غلبہ ہو جائے گا۔ اس تحریک کے لئے جس کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے یہ ضروری سمجھا گیا کہ ایک ایسا مہدی اور مسیح موعود آ جائے جو ان کے جذبۂ انتظار کی بھی تسکین کر دے اور جہاد کے خطرہ کو بھی دُور۔ یہ تھی اس تحریک کی وجۂ تخلیق اور یہ تھا وہ مقصد جسے مرزا صاحب نے پورا کرنے کی مذموم کوشش کی" (ص ۹۷)

حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ مجدّد چودھویں صدی ہونے کا تھا۔ حضرت سیّد احمد بریلوی تیرھویں صدی کے مجدد تھے۔ پرویز صاحب حضرت سیّد احمد بریلوی کو اسلام۔ اسلامی جہاد اور اسلامی رُوحِ جہاد کا صحیح نمائندہ قرار دے کر ان کی جدوجہد کو سراہتے ہیں۔ مگر ایک اور "پرویز صاحب" جنھیں مولٰنا نور احمد فریدی کہتے ہیں اُٹھے اور ایک کتاب بعنوان "۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے ہیرو اور اسمٰعیلی تحریکِ جہاد کا پس منظر" لکھی ہے اُسی طرح فریدی صاحب موصوف اپنی کتاب مذکور میں حضرت سیّد احمد صاحب مجدّد صد سیزدہم اور شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:—

حقیقت یہ ہے کہ اسمٰعیلی گروہ اور اس کے امیر المومنین سیّد احمد صاحب جنہیں مجاہد فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے کے تمام کارنامے انگریزوں کی حکومت کو سرزمین ہند میں مضبوط کرتے اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ان قید غلامی میں جکڑنے کے لئے تھے"

پھر مزید لکھا ہے:

"جب سلطنتِ مغلیہ پر زوال کا دَور آیا اور انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی برسرِ اقتدار آنے لگی تو انگریزوں نے اپنی قوت کو مستحکم کرنے کے لئے ملکی فضا کا جائزہ لیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جب تک پنجاب میں سکھوں کی طاقت اور سرحد میں مسلمانوں کی قوت کمزور نہ ہوگی اس وقت تک ہمارے قدم پوری طرح جم نہ سکیں گے اس مقصد کی تکمیل کے لئے انگریز نے سیّد احمد صاحب ساکن رائے بریلی اور مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کو تاکا اور انہیں پٹی پڑھائی کہ تم مسلمانوں کو یہ تبلیغ کرو کہ انگریزوں سے جہاد ناجائز ہے اور مسلمانوں کو سکھوں کے مظالم کی داستانیں سُنا کر انہیں سکھوں سے جہاد کی تلقین کرو"

(بحوالہ پیغام صلح مورخہ)

پرویز صاحب۔ چودھویں صدی کے مامور مجدّد کو انگریزوں کا آلہ کار کہتے ہیں اور مولٰنا نور احمد فریدی تیرھویں صدی کے مامور مجدّد کو اُن کا آلہ کار بتاتے ہیں۔ سچ ہے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

مگر بندوں کے متعلق خدا کی اس سنّت کی سچائی پھر مبرہن ہوگئی کہ یٰحسرۃً علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہٖ یستھزؤن۔ اور اس سنّت نے غلام احمد پرویز اور نور احمد انور فریدی کو سامنے لاکر اس حقیقت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ حضرت سید احمد بریلوی اور مرزا غلام احمد قادیانی منجانب اللہ سچے مامور مجدّدِ دین تھے۔ اور معترضین کے الزام جھوٹے ہیں۔

قرآنی معیارِ صداقت

قرآن کریم اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:—

ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او کذب بآیاتہٖ

یعنے اللہ پر افتراء کرنے والا بہت بڑا ظالم ہے ایسا ہی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کرتا ہے۔

پھر دوسری جگہ ایسے ظالموں کے متعلق فرمایا:—

فتمنّوا الموت ان کنتم صٰدقین۔ ولن یتمنّوہُ ابداً بما قدّمت ایدیھم واللہ علیمٌ بالظٰلمین (البقرہ ۹۴)

ترجمہ: پس آرزو کرو تم موت کی اگر ہو تم سچے۔ اور ہرگز نہ آرزو کریں گے اس کی کبھی بسبب اس کے کہ آگے بھیجا ہاتھوں ان کے نے اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو۔

قل یٰایھا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للّٰہ من دون الناس فتمنّوا الموت ان کنتم صٰدقین ولا یتمنّونہٗ ابداً بما قدّمت ایدیھم واللہ علیمٌ بالظٰلمین۔ (سورۃ جمعہ۔ ۶)

ترجمہ:— کہہ اے لوگو جو یہودی ہو گئے تمہیں دوسرے لوگوں کے سوا اولیاء اللہ ہونے کا دعوےٰ ہے تو خدا سے اپنی موت کی دُعا اور آرزو کرو اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو۔ لیکن وہ کبھی ایسا دعا نہیں کریں گے بوجہ اپنے اعمال کے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

ان آیات سے ثابت ہے کہ مفتری علی اللہ اپنی موت اور تباہی کی آرزو بدرگاہ ربّ العزّت ہرگز نہیں کرتا اگر کوئی مفتری ایسا کرے گا تو ہلاک اور تباہ و برباد ہو جائے گا۔ لیکن صادق کو اس امر سے کوئی خوف نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے قلبی جوش اور دلی درد سے اپنی یہ دُعا اور آرزو بدرگاہ

رب العالمین پیش کی ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

اے قدیر و خالقِ ارض و سما + اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ میداری تو بر دلہا نظر + اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر + گر تو دیدستی کہ ہستم بد گہر
پارہ پارہ کُن منِ بدکار را + شاد کُن ایں زمرۂ اغیار را
بر دلِ شاں ابرِ رحمت ہا بببار + ہر مرادِ شاں بفضلِ خود برار
آتش افشاں بر در و دیوار من + دشمنم باش و تباہ کُن کارِ من
ور مرا از بندگانت یافتی + قبلۂ من آستانت تافتی
در دلِ من آں محبت دیدۂ + کز جہاں آں راز را پوشیدۂ
بامن از روئے محبت کار کُن + اندکے افشائے آں اسرار کُن
اے کہ آئی سوئے ہر جوئندۂ + واقفی از سوز ہر سوزندۂ
زاں تعلق ہا کہ با تو داشتم + زاں محبت ہا کہ با تو کاشتم
خود بروں آ از پئے ابراءِ من + اے تو کہف و ملجا و ماوائے من

(حقیقۃ المہدی صلا)

واقعات شاہد ہیں کہ اس آرزو اور دُعا کے بعد حضرت مرزا صاحب ہلاکت اور تباہی سے نہ صرف محفوظ رہے بلکہ خدا کے فضل اور عنایات سے نوازے گئے آپ اکیلے تھے اور ایک دنیا آپؑ کے مخالف ۔ آریہ پنڈت ۔ عیسائی پادری ۔ برہمو و دھوان ۔ دہریے اور نیچری دانشور اور مسلمان علماء اور ان سب کے حلقہ بگوش آپ کو مٹانے اور آپ کے سلسلہ کو تباہ کرنے برباد کرنے میں پُورا زور صرف کر رہے تھے ۔ معقولی دلائل اور آسمانی نشانات میں شکست کھا کر مقدمات کے ذریعہ سزا دلوا کر ذلیل و خوار کرنے بلکہ قتل تک کر دینے کے منصوبے بنا رہے تھے ۔ مگر اللہ تعالےٰ نے حسب وعدہ خود یعصمک من الناس آپ کی نہ صرف حفاظت فرمائی بلکہ اپنے فرضِ منصبی میں کامیاب و کامران کیا اور آپ کے دشمنوں کو ذلیل و خوار ۔ پس اس قرآنی معیارِ صداقت کی رُو سے آپ کا اپنے دعوئے ماموریت من اللہ میں صادق ہونا بدیہی الثبوت ہے اور معترضین کے اعتراض فضول ۔

آئینی ترمیم ۔ ترمیم فی الدین ہے

پاکستانی حکومت وقت نے تعریف مسلم یا غیر مسلم کی بندوق اراکین نیشنل اسمبلی کے کندھوں پر رکھ احمدیوں کے خلاف غیر مسلم ہونے کی گولی داغ دی ہے ۔ مگر مشتعل عوامی مطالبہ کے طوفان میں یہ نہیں سوچا کہ یہ گولی گذشتہ اُمتِ محمدیہ میں کس کس کو زخمی کرے گی اور احکامِ قرآن و حدیث اور اصول ہائے شریعت اسلام پر اس کا کیا اثر ہوگا ۔ اُمتِ سلف میں جن پر اس کی زد پڑی ان کا ذکر ہم مضمون ہٰذا میں قبل ازیں کر چکے ہیں ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ احکامِ قرآنیہ و حدیثیہ یعنے شریعت اسلام کے اصولوں پر اس کا کیا اثر ہے ۔ آئین میں مندرجہ ترمیمی تعریف یہ ہے کہ

جو شخص

۱۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلق اور غیر مشروط ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتا یا

۲۔ آپ کے بعد کسی بھی قسم کا یا کسی بھی معنی اور مفہوم میں نبی ہونے کا اقرار یا دعوٰے کرتا ہے یا

۳۔ کسی ایسے مدّعی کو نبی مانتا ہے یا

۴۔ اسے دینی مصلح یقین کرتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے ۔"

یہ تعریف آئین میں درج کر کے ہر دو احمدی جماعتوں کو پاکستانی آئین و قانون کے مقاصد کے لئے غیر مسلم قرار دیدیا گیا ہے ۔

لیکن یہ امر بالبداہت ثابت ہے کہ یہ تعریف ایک نئی تعریف ہے جو

(ا) قرآن کریم کی کسی آیت میں درج نہیں ۔

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث میں بیان نہیں ۔

(ج) فقہ اسلامی کے مدوّنین کی کسی تدوین میں مذکور نہیں اور

(د) اکابرین اسلام سلف کی کسی تصنیف میں تحریر نہیں ۔

لہٰذا یہ تعریف بدیہی طور پر

۱۔ احکاماتِ قرآنی میں ترمیم و تنسیخ ہے ۔

۲۔ احکامات حدیثیہ میں تغیّر و تبدل ہے ۔ اور

۳۔ شریعتِ اسلام میں اضافہ ہے ۔

جو قطعی ناجائز اور ناروا ہے ۔ اس پر غلام احمد پرویز صاحب کا خوش ہونا تو بجا اور قابلِ فہم ہے کیونکہ ان کے نظریہ کے مطابق حکومت وقت کو احکاماتِ قرآنیہ و حدیثیہ نیز اصولہائے شرعیہ میں تغیر و تبدل اور تنسیخ کا اختیار حاصل ہوتا ہے ۔ ان کی طرف سے بے پناہ انبساط و تشکر کا جو اظہار اس ترمیم میں کیا گیا ہے اس کا اصل سبب یہی ہے کہ قرآن و حدیث اور شریعت کے احکامات میں تغیر و تبدل اور حک و اضافہ کا حکومتی اختیار اس میں گویا مان لیا گیا ہے جس کے لئے وہ بچپن سے لے کر اب تک کوشاں رہے تھے مگر ناکام ہوتے رہے ۔ ان کی عمر بھر کا یہ مشن اب اس ترمیم کے ذریعہ آکر پُورا ہوا ورنہ ختم نبوّت کا ذکر ان کی تحریر میں محض بہانہ ہے ۔ کیونکہ یہ عقیدہ تو سب مسلمان ابتداء سے مانتے چلے آ رہے ہیں ۔ اس کے ذکر پر اتنی بڑی خوشی کا اظہار بے معنی تھا ۔

لیکن وہ تمام مسلمان جو قرآن و حدیث کے احکامات کو غیر متبدل شریعت کے اصولوں کو تغیّر ترمیم اور تنسیخ سے مبرّا یقین کرتے ہیں ان کی خوشی اس ترمیم پر ناقابلِ فہم ہے ۔ در اصل مامور ربانی حضرت مرزا صاحب قادیانی کے خلاف بغض و عناد کے جوش و خروش میں کچھ سوچا ہی نہیں گیا اور اس کے نتائج و اثرات پر غور ہی نہیں کیا گیا ۔ لیکن وقت آئے گا اور ضرور آئے گا جب مسلم کی تعریف کو قرآن و حدیث کے مطابق کر دیا جائے گا ۔ خدا تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ :

انا انزلناہ الذکر و انا لہ لحافظون

اور اسی کا یہ فرمان ہے کہ :

لا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمنا

یعنی جو شخص تمہیں السلام علیکم سے خطاب کرے اسے مت کہو کہ تو مسلمان نہیں ۔

کیا خدا کا یہ ارشاد بے معنی اور فضول ہے؟ اور رسول اللہ کا ارشاد ہے ،

"لا تکفر اھل قبلتک"

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بے اصل اور بے کار ہے ۔ ہم نہایت ادب و احترام سے علمائے وقت اور واضعین آئین کو ان امور پر از سرِ نو غور کی دعوت دیتے ہیں اور ان سے انصاف کی اپیل کرتے ہیں ۔

(باقی آئندہ)

بدیں دارِ فانی دل خود مبند + کہ دارد نہاں ما عشق صد گزند
اگر باز باشد ترا گوشِ ہوش + ز گورت ندائے در آید بگوش
کہ اے طعمۂ من پس از چند روز + پئے فکرِ دنیائے دوں کم بسوز

(حضرت مسیح موعودؑ)

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور ۔۔۔۔ مورخہ ۱۹ر نومبر ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل ۸۳۵۷ ۔۔۔۔ شمارہ نمبر ۴۷

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا ۔ (چیف ایڈیٹر ۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۲۱ ذیقعد ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۷۵ء | نمبر ۴۸

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر

چونکہ مسلمان اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھوڑے تھے اس لئے ان کے مخالفوں نے بباعث اس تکبر کے جو فطرتاً ایسے فرقوں کے دل اور دماغ میں جاگزیں ہوتا ہے جو اپنے تئیں دولت میں مال میں کثرت جماعت میں عزت میں مرتبت میں دوسرے فرقہ سے برتر خیال کرتے ہیں۔ اس وقت کے مسلمانوں یعنے صحابہ سے سخت دشمنی کا برتاؤ کیا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ آسمانی پودا زمین پر قائم ہو بلکہ وہ ان راستبازوں کے ہلاک کرنے کے لئے اپنے ناخنوں تک کا زور لگا رہے تھے اور کوئی دقیقہ آزار رسانی کا اٹھا نہیں رکھا تھا اور ان کو خوف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اس مذہب کے پیر جم جائیں اور پھر اس کی ترقی ہمارے مذہب اور قوم کی بربادی کا موجب ہو جائے سو یہی خوف ان کے دلوں میں ایک رعبناک صورت میں بیٹھ گیا تھا۔ نہایت جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیاں ان سے ظہور میں آئیں اور انہوں نے دردناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا۔ اور ایک زمانۂ دراز تک جو تیرہ برس کی مدت تھی ان کی طرف سے یہی کارروائی رہی اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوع انسان کے فخر ان شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے۔ اس پر بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو۔

چنانچہ ان برگزیدہ راستبازوں نے ایسا ہی کیا ان کے خونوں سے کوچے سرخ ہو گئے پر انہوں نے دم نہ مارا۔ وہ قربانیوں کی طرح ذبح کئے گئے پر انہوں نے آہ نہ کی۔ خدا کے پاک اور مقدس رسولؐ کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہیں۔ بارہا پتھر مار مار کر خون آلود کیا گیا۔ مگر اس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام آزاروں کی دلی انشراح اور محبت سے برداشت کی اور ان صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اور انہوں نے اس مقدس جماعت کو اپنا ایک شکار سمجھ لیا۔

تب اس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گذر جائے۔ اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا۔ اور اس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اس نے اپنے پاک کلام قرآن شریف کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔ میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ .... اور میں خدا قادر ہوں ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں خود سبقت کر کے تلوار نہیں اُٹھائی۔ بلکہ ایک زمانۂ دراز تک کفار کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھایا اور اس قدر صبر کیا جو ہر ایک انسان کا کام نہیں اور ایسا ہی آپ کے اصحاب بھی اسی اعلےٰ اصول کے پابند رہے اور جیسا کہ ان کو حکم دیا گیا تھا **کہ دُکھ اُٹھاؤ اور صبر کرو ایسا ہی انہوں نے صدق اور صبر دکھایا۔** وہ پیروں تلے کچلے گئے انہوں نے دم نہ مارا ان کے بچے ان کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے وہ آگ اور پانی کے ذریعہ سے عذاب دیئے گئے مگر وہ شر کے مقابلہ سے ایسے باز رہے کہ گویا شیر خوار بچے ہیں۔ (رسالۂ جہاد۔ صفحہ ۱۲)

"تم خدا کے نام کو زندہ کرو خدا تمہارے ناموں کو زندہ کرے گا"

(مولنٰنا محمد علیؒ)

جالینوس کے قلم سے

یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار سال کے عرصہ میں بہت سی ایسی پاکیزہ روحیں اس دنیا میں جلوہ گر ہوئیں جنہیں نہ صرف کلام الٰہی کے ساتھ بے پناہ عشق تھا بلکہ انہوں نے اپنے دَور میں لکھوکھہا لوگوں سے بڑھ کر اس کی خدمت بھی کی اور اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ خدا تعالےٰ کی آواز کو چار دانگ عالم میں پہنچانے کے لئے وقف کر دیا۔ انہوں نے اس امر کی پرواہ نہیں کی کہ لوگ انہیں کیا کہتے ہیں اور ان کے اس کارِ خیر کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ اس کے بدلہ میں کبھی انعام کے طالب نہیں ہوتے اور محض للہ اسے اپنا فرض یقین کرکے ادا کر رہے ہوتے ہیں، مگر کیا انہیں اس کا انعام نہیں ملتا؟ یقیناً ملتا ہے مگر واہ واہ اور خیرا کو چھوڑ کر کہ وہ اس قسم کے انعام کے خواہاں نہیں ہوتے۔ انہیں جو انعامات خدمتِ قرآن کے عوض میں خدا کے حضور نعماء جنّت کے رنگ میں ملیں گے ان میں تو کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں مگر اس دُنیا میں حقیقی انعام انہیں اس وقت یقیناً ملتا ہے جب ان کی اس خدمت کے نتیجہ میں نیک فطرت روحیں آستانہ اُلوہیت پر سجدہ ریز ہو کر خدا کے نام لیواؤں میں شامل ہو جاتی ہیں۔

اس دَور پُر آشوب میں جب کہ لوگ ایک کالم لکھنے کا بھی معاوضہ وصول کرتے ہیں ایک ایسا بے لوث انسان پیدا ہوا جس نے اپنی تمام تر زندگی خدمتِ قرآن کے لئے وقف کر دی اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ اور اس کے عوض سوائے رضائے الٰہی کے کسی چیز کا طالب نہ ہوا۔ اس شخص کو تمام زمانہ "مولٰنا محمد علی مفسرِ قرآن" کے نام سے جانتا ہے آپ نے اُردو اور انگریزی میں قرآنی علوم کو بالتفصیل منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس راہ میں وہ جانفشانی دکھائی کہ کوئی اور کیا دکھلائے گا ایسے لوگ صدیوں کے بعد بھی بمشکل پیدا ہوتے ہیں۔ ہزاروں لوگ محض آپ کی تفسیر کو پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے کیا آپ کے لئے اس دُنیا میں یہ کم انعام ہے کہ آپ کو قرآنی نور سے ہزارہا سینوں کو منوّر کرنے کی توفیق ارزاں ہوئی۔ کیا یہ توفیق خدا تعالےٰ کے خاص فضلوں کے بغیر مل سکتی ہے۔ سچ ہے

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ارشادِ ربّانی ہے "وجاھدوا فی اللہ حقّ جھادہٖ" کہ خدا کی راہ میں جہاد کرو یہاں تک کہ جہاد کرنے کا حق ادا کرو۔ مولانا موصوف نے اپنی تمام تر مساعی کو اسی راہ میں صرف کیا۔ آپ کے مندرجہ ذیل الفاظ آپ کی عملی زندگی کا نچوڑ ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"آؤ ہم بھی اپنی پوری طاقت اور قوّت کو اللہ تعالےٰ کے دین کی اشاعت کے لئے خرچ کر دیں بہت تھوڑے دن ہماری زندگی کے باقی ہیں .... جو دن گذرتا ہے اس کو غنیمت سمجھتا ہوں آؤ اپنی زندگی کو خدا کے رستے میں لگا دو تم خدا کے نام کو زندہ کرو خدا تمہارے ناموں کو زندہ کرے گا۔"

آپ نے اس عہد کو خوب نبھایا اور اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ خدا کے دین اور اس کے کلام کی سربلندی کے لئے وقف کر دیا اور اس راہ میں جان دے دی۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

بعض لوگ محض قرآن کریم کو اعلیٰ کتابت کے ساتھ خوشنما کاغذ پر، دیدہ زیب رنگوں میں شائع کرنے کو خدمتِ قرآن تصوّر کرتے ہیں حالانکہ یہ کام تو عیسائی اور ہندو بھی کر سکتے ہیں اور کرتے رہے ہیں۔ ذرا حضرت مولٰنا مرحوم کا زاویہ نگاہ ملاحظہ ہو حضور فرماتے ہیں:۔

"ہمارا کام بھی قرآن کو دنیا میں پہنچانا ہے اس لئے میں آپ کو اس بات کی طرف توجّہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہم قرآن کے فیوض سے دنیا کو اس وقت فائدہ پہنچا سکتے ہیں جب ہمارے دل پاک ہو جائیں اور ہمارا تعلق خدا سے ہو جائے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ انسان کا دل پاک اس وقت ہوتا ہے جب خدا کی محبت کے سوا دل سے ساری محبتیں دُور ہو جائیں۔"

یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ خدا تعالےٰ خدمتِ قرآن کی سعادت صرف اُنہیں کو عطا فرماتا ہے جو اسی کے مقرب ہوتے ہیں نیز یہ کام عقل والوں کا نہیں ہے اس میں جنون کام آتا ہے۔ اس میں عشق کو دخل ہے اور اس راہ میں خلیل اللہ کا عشق چاہیئے تاکہ "بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق" کا مظاہرہ ہو جس نے اپنی تمام تر زندگی کو قرآنی علوم کو ایک زمانے تک پہنچانے کا بیڑا اُٹھایا ہو وہ جب تک جنون کی حد تک عشقِ قرآن کے دریا میں غرق نہ ہوگا وہ رضائے الٰہی کے موتی کیسے چُنے گا۔ کچھ یہی حال حضرت مولٰنا محمد علیؒ کا تھا، آپ اپنے مرشدؑ کے ذکر میں فرماتے ہیں:۔

"آپ کے زبردست اندرونی جذبات کا کوئی حصّہ کسی نے لیا کوئی کسی نے، میرے مردہ دل کو آپ کا جذبۂ تبلیغ زندہ کر گیا۔ یہ وہی آپ کے انوارِ قلب کی کوئی کرن ہے جو میرے دل پر نشان ڈال گئی جس نے میرے اندر یہ جذبہ پیدا کر دیا کہ قرآن کو دنیا میں پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیئے یہ میرے دل کی آرزو ہے؟۔ نہیں۔ یہ میرا جنون ہے .... مجھے یقین ہے کہ جس دن اس سب جماعت میں یہ جنون پیدا ہو گیا اس دن ساری مسلمان قوم کے اندر ایک نئی زندگی پیدا ہو جائے گی .... وہ دن اسلام کے غلبہ کا دن ہوگا۔"

درحقیقت اسلام کو آج ایسے ہی چند دیوانوں کی ضرورت ہے جو جنون کی حد تک قرآن کریم کی خدمت کا بیڑا اُٹھائیں اور مُلک مُلک قریہ قریہ شہر شہر۔ کوچہ کوچہ اور گھر گھر پہنچ کر قرآنی علوم کی روشنی سے تمام دُنیا کے در و دیوار کو روشن کر دیں کہ اس دَور کے مسیحا نے یہی سبق دیا ہے ۔

کشتیٔ اسلام بے لطفِ خدا اب غرق ہے
اے جنوں کچھ کام کر بیکار ہیں عقلوں کے وار

ہفت روزہ پیغام صلح —— لاہور —— مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۷۵ء

اقتصادیات، اخلاقیات اور قرآنی نظریۂ حیات

(۲)

گذشتہ اشاعت میں کسی قدر یہ ذکر کیا گیا تھا کہ لادینی نظریہ حیات (سرمایہ داری یا اشتراکیت) کا نصب العین دنیاوی نعماء کا بڑھ چڑھ کر حصول ہے۔ سرمایہ داری کا مطمح نگاہ دوسرے افراد اور اقوام سے ان میں سبقت لے جانے کا ہے۔ یہ نظام زندگی مالی ذرائع پر قبضہ کے لئے ہر فرد اور قوم کو اس مقصد کے حصول کی خاطر کھلی چھٹی دے دیتا ہے کہ وہ اعلیٰ ترین انسانی اقدار کو نظر انداز یا فنا کر دیں۔ اس کے مقابل اشتراکیت مالی تفاوت کو کم سے کم رکھنے کے لئے افراد و اقوام کو جبر و تشدد کے ذریعہ ان کو ایک مشین کی مانند بنا دینا چاہتا ہے جس میں نہ کوئی ارادہ و جذبہ ہو اور نہ ہی ان کے اظہار کے لئے ذرائع مقدرت میسر ہوں۔ دونو نظاموں کے نزدیک حقیقی خوشی و خوشحالی اور انسانی ترقی کا راز مادیت کے سامانوں سے زیادہ سے زیادہ نفع اندوز ہونا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ لادینی نظریات کے مقابل قرآنی نظریہ حیات کیا ہے؟

انسانی حیات قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق نہ تو بے مقصد و بے معنی ہے اور نہ ہی یہ لہو و لعب اور دنیاوی سامانوں سے نفع اندوزی تک محدود ہے۔ بلکہ خالق نے انسان کو ایک اعلیٰ و ارفع مقصد کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ جیسے ارشاد ہوا ما خلقنا السموات والارض الا بالحق، ہم نے کائنات کو بامقصد تخلیق کیا ہے لو اردنا ان نتخذ لھوا لاتخذناہ من لدنا، انا کنا فعلین۔ اگر ہمارا ارادہ اس تخلیق سے کھیل تماشا ہوتا تو ہم ایسا کرتے لیکن ہم نے یہ بیہودہ فعل ہرگز نہیں کیا جملہ مخلوق سے انسان کی خلقت ایک امتیازی رنگ رکھتی ہے چنانچہ فرمایا دیا کلون کما تاکل الانعام والنار مثوی لھم۔ ان منکرین کا نظریہ مثل دیگر چوپایوں کے کھانے پینے اور دنیاوی فوائد کے حصول تک ہی محدود ہے مگر یہ ان کے لئے باعث دکھ ہے پھر فرمایا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل۔ منکرین کی حالت چوپایوں سے بدتر اس لئے کہ وہ شعور سے محروم ہیں لیکن انسان اگر شعور و عقل کے باوجود چوپایوں کی مانند اپنی خلقت کی غرض و غایت صرف کھانے پینے اور متمتع ہونے تک محدود رکھے تو اس میں کیا شک ہے کہ اس نے اپنے خداداد شعور اور دیگر اعلیٰ صلاحیتوں کو ضائع کر دیا۔

اس ادنیٰ یعنی حیوانی نظریہ حیات کی بابت پھر قرآن کریم نے مفصل بیان فرمایا جب یوں ارشاد ہوا:—

اعلموا انما الحیٰوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ و تفاخر بینکم و تکاثر فی الاموال والاولاد .... و ما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔ (الحدید۔ ۵۷—۲۰)

یقیناً جان لو! کہ ادنیٰ مقصد زندگی کی اغراض کیا ہیں۔ کھیل تماشا باہمی تفاخر، تباغض، مال و متاع اور جتھہ و پارٹی کی کثرت کا غرور۔ کاش! تمہیں یہ علم ہوتا کہ یہ مقاصد کس قدر پُر از فریب و دھوکہ ہیں۔

پھر ارشاد ہوا:— لا یغرنکم الحیٰوۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور۔ (لقمٰن—۳۳) تمہیں زندگی کے یہ مقاصد دھوکہ میں نہ رکھیں اور نہ ہی خدا سے کوئی دھوکا دینے والا تمہیں فریب میں مبتلا کر دے۔

اس قسم کی اور آیات بھی آئی ہیں۔ ایک مقام پر اس ادنیٰ مقصد کو کھیتی سے مثال دی ہے جو اگتی لہلہاتی پھر زرد پڑ جاتی اور آخر کار چورہ چورہ ہو جاتی ہے۔ گویا ادنیٰ اغراض فنا پذیر ہیں، لیکن اگر کچھ باقی رہ جاتا ہے تو وہ باقیات الصالحات ہیں۔ یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ پھر مادی منافع اور ترقیات حرام ہو گئے بلکہ سارا سوال یہ ہے کہ انسان نے ادنیٰ اغراض اور اعلیٰ مقاصد زندگی میں کہاں تک ربط و توازن برقرار رکھا؟

اس مضمون کی وضاحت قرآن کریم نے خوب فرمائی ہے جب ایسی بہت سی آیات میں یہ ذکر فرمایا کہ اصل سوال تقدیم و تاخیر کا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہوں مفصلہ ذیل آیات:—

بل تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا والاخرۃ خیر و ابقی۔ افسوس! منکرین ادنیٰ مقاصد کو اعلیٰ پر ترجیح دیدیتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انجام کار بقاء اعلیٰ کو حاصل ہے۔ الذین یستحبون الحیٰوۃ الدنیا علی الاخرۃ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ادنیٰ مقاصد سے، اعلیٰ و انجام کار مقاصد کی بہ نسبت زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ کئی جگہوں میں الفاظ حیٰوۃ الدنیا کی بجائے لفظ عاجلۃ آیا ہے۔ بل تحبون العاجلۃ و تذرون الاخرۃ۔ یہ جلد حاصل ہونے والے مقاصد سے بہ نسبت عاقبت کی اغراض کے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ اس طرح حیوانی اغراض کو کبھی حیٰوۃ الدنیا اور کبھی عاجلۃ سے تعبیر فرمایا ادنیٰ مقاصد اسی لئے انسان کو اپنی جانب کھینچ لیتے ہیں کہ ان کا نفع و لذت جلد تر ملنے والا ہوتا ہے۔

قرآن حکیم نے خدائی قانون جد و جہد پر ثمرات مترتب ہونے کی کیسی پُر حقیقت تشریح فرمائی جب یہ فرمایا:—

من کان یرید حرث الاخرۃ نزد لہ فی حرثہ و من کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا و مالہ فی الاخرۃ من نصیب۔ (الشوریٰ ۲۰) جو کوئی انجام کار کے لئے کوشاں ہوتا ہے تو اس کی سعی کو ہم بہت پھل لگاتے ہیں مگر جو کوئی ادنیٰ مقاصد کے حصول کے لئے جد و جہد کرتا ہے ہم اسے بھی اس کی مراد دیتے ہیں لیکن عاقبت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

آپ کارخانہ قدرت میں خدائی قانون ملاحظہ ہو۔ یہی نظر آئے گا کہ جس غرض ادنیٰ یا اعلیٰ کے لئے انسان جد و جہد کرتا ہے وہ اسے ضرور حاصل ہوتی ہے۔ جن اقوام نے تسخیر کائنات اور جذبات ادنیٰ کی تسکین کے لئے سامان تلاش کئے انہیں وہ ضرور حاصل ہوئے مگر چونکہ ان کی خاطر انہوں نے تسخیر نفس اور جذبات عالیہ کی نشوونما کو قربان کر دیا تو ان کی یہ ترقی نہ صرف عارضی بلکہ مہلک ثابت ہو کر رہی۔ یہ تلخ تجربہ اور مشاہدہ آج کے زمانہ میں جس قدر عیاں ہے پہلے کسی زمانہ میں اس طرح نمایاں نظر نہیں آتا۔

قرآنی تعلیم نے انسان کو رہبانیت کے منفی نظریات ہرگز پیش نہیں کئے لیکن قرآنی نظریہ حیات کا یہ نمایاں فرق مادی نظریات سے واضح ہے کہ اس نے مؤخر الذکر میدانوں میں ایسی ترقی سے منع فرمایا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلے کہ انسانی فطرت میں جو اعلیٰ اور ملکوتی صلاحیتیں ہیں وہ دب کر مسخ ہو جائیں۔ بلکہ خدائی صفات کی نشوونما کی خاطر صریحاً ادنیٰ سی قربانی کی تعلیم دی ہے ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق ربک

(باقی بر صفحہ ۔ کالم ۔)

حق کے دشمن ہمیشہ حق پرستوں سے یہی مطالبہ کرتے ہیں
کہ موجودہ عقاید کو چھوڑ کر ہمارے آباؤ اجداد کے عقاید کو اختیار کرو

خطبہ جمعہ - ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء - فرمودہ مکرم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب - جامعہ احمدیہ - احمدیہ بلڈنگس لاہور

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم و من ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً و سیجزی اللہ الشاکرین ——— (اٰل عمران - ع ۱۵) ———

ترجمہ:- محمد صلعم صرف ایک رسول ہی ہیں آنحضور صلعم سے قبل جس قدر رسول گذرے وہ سب فوت ہو چکے ہیں اگر آنحضور صلعم بھی فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اے مسلمانو! اپنے پہلے عقاید کی طرف لوٹ جاؤ گے اگر تم میں سے کوئی پہلے معتقدات کو اختیار کر لے گا تو وہ اللہ تعالےٰ کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکے گا بلکہ اپنے آپ کو ہی خسران کا شکار بنائے گا اس کے بالمقابل ان لوگوں کو جو خدا کی اس نعمت اور خدا کے اس احسان کی دل سے قدر کریں گے جو اللہ تعالےٰ نے ان پر ایسی اعلیٰ تعلیم بھیجکر کیا ہے ایسے قدردانوں کو اللہ تعالیٰ ضرور اعلیٰ جزاء دیگا۔

فرمایا آج کل ہماری جماعت ایک بڑے کٹھن دور سے گذر رہی ہے - ایک بڑا ابتلاء اس پر محیط ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں حق پرست شروع دنیا سے ہی ابتلاؤں کا شکار رہے ہیں لیکن وہ ہمیشہ ہی بالآخر کامیابی سے ہمکنار ہوتے رہے ہیں اور ابتلاؤں کی بھٹی سے ہمیشہ کندن ہو کر ہی نکلتے رہے ہیں ان کے مخالفین جو ہمیشہ ان کی ایذا رسانی کے درپے رہے ہیں ناکامی اور نامرادی اور رسوائی کے اتھاہ گڑھے میں ہی گرتے رہے ہیں۔

آج کل جس قسم کے ابتلا ہمیں درپیش ہیں ان سے مخلصی حاصل کرنے کے لئے قرآن کریم نے ہمیں بہت سے گر بتلائے ہیں جن کا ذکر انشاءاللہ تعالےٰ مناسب مواقع پر کیا جائے گا سردست تلاوت کردہ آیات میں جس امر کے اختیار کرنے کی مومنوں کو تلقین کی گئی ہے اس کا ذکر کرتا ہوں - لیکن پیشتر اس کے کہ اس کا ذکر کیا جائے حضرت رسول کریم صلعم کی ذات کی حفاظت کے متعلق جو وعدہ اللہ تعالےٰ نے کیا ہوا ہے اس کا ذکر کر دینا ضروری ہے -

سورۃ المائدہ ع ۱۰ میں اللہ تعالےٰ حضرت نبی کریم صلعم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین۔

یعنی اے رسول! جو کچھ تمہارے ربّ کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک اچھی طرح پہنچادو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے والے نہیں قرار دیئے جا سکتے خدا کے اس پیغام کو پہنچانے میں ایک ہی اندیشہ روک ہو سکتا ہے کہ دشمنانِ حق اس پیغام کو سن کر اشتعال میں آکر آپ کو قتل نہ کر دیں (چنانچہ واقعہ بھی یہی ہے کہ قریش نے قتل کی صرف سازش ہی نہیں کی تھی بلکہ قتل کرنے کا منصوبہ بھی بنایا تھا) سو اس کے متعلق میں تمہیں تسلی دیتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ تمہیں ان کے منصوبۂ قتل سے محفوظ رکھے گا - یقیناً اللہ تعالےٰ اس منکر قوم کے منصوبۂ قتل کو ہرگز کامیابی سے ہمکنار نہیں ہونے دیگا - یہاں یھدی کے معنی کامیاب کرنے کے ہی ہیں۔

اس آیت سے واضح ہے کہ رسول کریم صلعم کا قتل ہونا ناممکن ہے اگر آنحضور صلعم قتل ہو جاتے تو خدائی وعدہ کی خلاف ورزی ہوتی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہوا ہے کہ ان اللہ لا یخلف المیعاد کہ خدا اپنے وعدہ کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کرتا ہے

اب ایک طرف تو خدا کے اس وعدہ کو مدِ نظر رکھا جائے اور دوسری طرف آیت تلاوت کردہ میں افان مات او قتل کے الفاظ کو بھی زیرِ غور لایا جائے یعنی اگر رسول کریم قتل بھی ہو جائیں تب بھی تم اپنے پرانے اعمال کی طرف رُخ نہیں کر سکتے کیا اس سے صاف ثابت نہیں ہوتا کہ جن معتقدات صحیحہ پر حضرت نبی کریم صلعم نے قوم کو قائم کیا تھا وہ ایسے اہم تھے کہ کسی صورت میں بھی انہیں ترک نہیں کیا جا سکتا تھا - حضرت رسول کریم صلعم کا قتل ناممکن تھا لیکن بفرض محال یہ ناممکن امر بھی اگر وقوع میں آ جائے تب بھی یہ معتقدات جن پر تمہیں قائم کیا گیا تھا اتنے اہم اور اتنے اعلےٰ درجہ کے ہیں کہ ان سے محال امر کے وقوع میں آ جانے کی صورت میں بھی کنارہ کشی نہیں کی جا سکتی - وہ اعمال جن کی اہمیت پر اتنا زور دیا جا رہا ہے کہ ایک محال امر کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا جا سکتا کیا تھے ان کو سمجھنے کے لئے پہلے ان اعمال کو جاننا ضروری ہے جو حضرت نبی کریم صلعم کی آمد سے قبل عرب میں رائج تھے ان کا مختصر سا ذکر اس گفتگو میں آیا ہے جو حضرت جعفر بن ابی طالب رضؓ نے شاہ حبشہ سے کی تھی جبکہ قریش کا وفد شاہ حبشہ سے مطالبہ کر رہا تھا کہ ان مسلمانوں کو شاہ حبشہ ان کے حوالے کر دے جنہوں نے قریش کے ظلموں سے تنگ آکر اس کے ملک میں پناہ لی تھی - حضرت جعفر رضؓ فرماتے ہیں:-

" اے بادشاہ ہم ایک جاہل قوم تھے جو بتوں کو پوجتے مردار کھاتے بےحیائی کے کام کرتے قریبیوں کے حقوق ادا نہ کرتے ہمسائیوں سے برا سلوک کرتے اور ہم میں سے مضبوط کمزور کو کھا جاتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے ہماری طرف ایک رسول مبعوث کیا جس کے نسب صدق امانت اور پرہیزگاری کو ہم خوب پہچانتے ہیں - اس نے ہم کو بلایا کہ خدا کو ایک مانو اسی کی عبادت کرو - پتھروں اور بتوں کی پرستش کو چھوڑ دو - اور اس نے ہم کو حکم دیا کہ بات سچ کہو امانت کو ادا کرو صلہ رحمی کرو ہمسائیوں سے اچھا سلوک کرو - حرام باتوں اور خونریزیوں سے بچو - اس نے ہم کو بےحیائی کے کاموں سے، جھوٹ بولنے سے اور یتیم کا مال کھانے سے، عورتوں پر جھوٹے الزام لگانے سے، روکا - پس ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کی اور اس کی باتوں کو مانا - اس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم شروع کیا اور ہم کو دکھ دیا کہ ہم اپنے دین کو ترک کر دیں اور بت پرستی کی طرف لوٹ آئیں پس جب ان کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔"

حق کے دشمن ہمیشہ حق پرستوں سے یہی مطالبہ کرتے ہیں کہ موجودہ عقاید کو چھوڑ کر ہمارے آباؤ اجداد کے غلط اور باطل عقاید کو اختیار کرو تب ہم تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں دیں گے بلکہ تمہیں اپنے بھائی بنا کر بھائیوں جیسا سلوک تم سے کریں گے اور تم آرام اور آسائش کی زندگی بسر کرتے رہوگے جیسا کہ قرآن کریم کی ذیل کی آیات سے ان کی ان خواہشات اور ان کے ان ارادوں کا اظہار

ہوتا ہے ؎

وان کادوا لیفتنونك عن الذی اوحینا الیك لتفتری علینا غیرہ واذا لا تخذوك خلیلاً ولولا ان ثبتنك لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلاً اذا لاذقنك ضعف الحیٰوۃ وضعف الممات ثم لا تجد لك علینا نصیراً۔ بنی اسرائیل۔ ع ۸۔

اگر خدا کے بتلائے ہوئے صحیح عقائد کو آپ ترک کرکے ان کے غلط عقاید کو اختیار کرلو تو پھر تمہیں اپنے دوست بنالیں گے۔ اگر تمہیں خدا تعالےٰ کی طرف سے ثبات عطا نہ ہوا ہوتا تو ان کی طرف جھک جاتے۔

ولن ترضیٰ عنك الیھود ولا النصٰری حتّٰی تتّبع ملّتھم قل انّ ھدی اللہ ھو الھدیٰ ط ولئن اتبعت اھوآءھم بعد الذی جاءك من العلم مالك من اللہ من ولیّ ولا نصیر۔ (البقرہ۔ ع ۱۴۔) ان کو کہدو کہ تمہاری ملت کو ہم اختیار نہیں کر سکتے خواہ تم ہم پر کتنا ہی ناراض کیوں نہ ہو جاؤ ہم تو اس ہدایت کی پیروی کرنے والے ہیں جو خدا کی طرف سے آئے خواہ وہ نبی کے ذریعہ آئے یا مجدّد کے ذریعہ۔ یہ ثبات کس طریق سے عطا ہوتا ہے اس کا ذکر ذیل کی آیات میں کیا گیا ہے :۔

یثبّت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ ویضل اللہ الظٰلمین ق ویفعل اللہ ما یشآء (سورۃ ابراھیم۔ ع ۴) اللہ تعالےٰ مومنوں کو تو دلائل قویہ اور تائیدات سماویہ کے ذریعہ حق پر ثابت قدم کر دیتا ہے اور اس کے مقابل ظلم کرنے والوں اور ظلم کی راہ اختیار کرنے والوں کو ناکامی سے ہمکنار کرتا ہے اور یہی خدا کی سنت ہے جس کو وہ ہمیشہ سے عمل میں لاتا چلا آرہا ہے

آج بھی جو ابتلا ہم پر آیا ہوا ہے اس کا باعث بھی یہی ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں اسلام کی اصل تعلیم نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی اور اسلام کی حالت حدیث نبویؐ کی رُو سے لم یبق من الاسلام الا اسمہ ولم یبق من الایمان الا اسمہ کی مصداق بنی ہوئی تھی اور اس کمزور حالت کو دیکھ کر عیسائیوں کی طرف سے اسلام پر اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی اور ہندو قوم نے بھی جو شرک میں ڈوبی ہوئی تھی اس نے بھی اسلام پر یلغار کر دی تھی اور چونکہ حملہ مسلمانوں کے غلط عقاید کی بناء پر ہی اسلام پر ہو رہا تھا اس لئے مسلمان علماء ان اعتراضات کا جواب دینے سے عاجز تھے جس کا نتیجہ یہ نکل رہا تھا کہ مسلمان دھڑا دھڑ عیسائی ہو رہے تھے۔ کمزوری اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ بعض مسلمان ہندو جیسی مشرک قوم میں بھی شامل ہوگئے۔ باقی مسلمان بھی گو ظاہری طور پر انہوں نے اسلام کو ترک نہ کیا لیکن باطن میں ان کے دل بھی ایمان سے خالی ہو چکے تھے کوئی یورپ کے فلاسفروں کے خیالات کا شکار ہو رہا تھا کوئی کمیونزم کو اپنا ملجا و ماویٰ یقین کر رہا تھا۔ غرضیکہ حالت یہی تھی کہ ایمان حقیقی درحقیقت آسمان پر جا چکا تھا اس لئے خدائی وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کے مطابق ضروری تھا کہ اللہ تعالےٰ اس مجدّد کو بھیجتا جس کو مسیح اور مہدی کا لقب دیا گیا تھا کیونکہ اس مجدّد کے متعلق حدیث نبوی میں یہی بتلایا گیا تھا کہ اس کے زمانہ میں تاریکی اس قدر شدید ہوگئی کہ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو بھی نہیں پہچان سکے گا اس مجدّد کے زمانہ کی قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں اس قدر علامات ہیں کہ اس خطبہ میں ان کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں مختصراً چند عقاید پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں عقاید میں ایک وبا تو یہ پھیلی ہوئی تھی کہ حدیث اور فقہ کو قرآن کریم پر مقدم کیا جاتا تھا اس امام نے اس غلطی کو دور کیا اور بتلایا کہ فقہ تو الگ رہی حدیث بھی اگر قرآن کریم کے خلاف ہے اور دونوں میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں پیدا ہوتی تو حدیث کو چھوڑ دو وہ حدیث یقیناً حضرت نبی کریم صلعم کی فرمائی ہوئی نہیں۔ اسی طرح قرآن میں ناسخ و منسوخ کے جھگڑے میں مسلمان اُلجھے ہوئے تھے۔ اسے امام وقت نے آکر صاف کیا۔ حضرت مسیح ناصریؑ کو چودہ سو برس سے زندہ آسمان پر بٹھلایا ہے اور عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلعم کی اُمت عقاید اور اعمال میں بگڑے گی تو مسیح ناصریؑ آکر ان کی اصلاح کریں گے۔ کیا یہ عقیدہ مسلمانوں کو عیسائیت کی گود میں لے جانے کا موجب نہیں بن رہا تھا کیا عیسائی مشنری آسانی سے مسلمانوں کو یہ کہکر اپنا شکار نہیں بنا سکتے تھے کہ جب تمہاری اصلاح کرنے والا ہمارا مسیح ہی ہے تو اس وقت جو اس کو مانو گے تو ابھی سے ہی کیوں اسے قبول نہیں کر لیتے ایسے ہی بہت سے غلط عقاید تھے جن میں مسلمان مبتلا۔ چلے آرہے تھے جو فیج اعوج کے زمانہ سے ان میں پھیلتے چلے آرہے تھے۔ اب یہ مسلمان علماء ہم سے یہی چاہتے ہیں کہ ہم ان کے ان غلط اور خلاف اسلام عقائد کو تسلیم کر لیں تو ہم مسلمان بن سکتے ہیں ورنہ صحیح عقاید اختیار کرنے کی وجہ سے ہم غیر مسلم ہیں۔ ہم حضور کا شعر ؎

بعد از خدا بعشق محمّد مخمّرم + گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

کہتے ہوئے ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بھائیو اگر حضرت نبی کریم صلعم کے بعد نبی کا آنا ماننا انسان کو غیر مسلم بنا دیتا ہے تو ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہم حضرت نبی کریم صلعم کے بعد حضرت عیسےٰؑ نبی اللہ کا آنا ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں صریح حضرت نبی کریم صلعم کی نہ صرف ہتک ہے بلکہ آنحضور صلعم خاتم النبیّین بھی نہیں رہتے۔ اسی طرح ہم کسی نئے نبی کا آنا بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اگر قرآن کریم کو ہر چیز پر مقدم رکھنا ہمیں غیر مسلم بناتا ہے تو ہم ایسا غیر مسلم کہلانے پر فخر کرتے ہیں اگر قرآن کے ایک ایک لفظ کو ذریعہ ہدایت تسلیم کرنا ہمیں غیر مسلم بناتا ہے تو اس پر بھی ہمیشہ فخر ہے کہ ہم قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کو اپنے لئے ہدایت کا ذریعہ تسلیم کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پس تلاوت کردہ آیت میں ہمیں اللہ تعالےٰ نے یہی تلقین کی ہے کہ مشکلات کے پہاڑ بھی اگر تمہارے سامنے کھڑے کر دیئے جائیں تب بھی تم نے ان صحیح عقاید کو ہرگز ترک نہیں کرنا جن پر خدا کے مامور اور اس زمانہ کے مجدّد اعظم المسیح الموعود نے خدا سے علم پا کر تمہیں قائم کیا ہے ان کو چھوڑنے کے دوسرے لفظوں میں اسلام کو چھوڑنے کے مترادف ہیں اللہ تعالےٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے ان سچائیوں اور صداقتوں پر ہمیشہ قائم رکھے جن کا اظہار اللہ تعالےٰ نے اپنے مسیح اور مہدی کے ذریعے ہم پر کیا ہے۔ اٰمین ثم اٰمین۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

بقیہ مقالہ ـــــ بسلسلہ ص۳

خیر و ابقیٰ (طٰہٰ ۱۳۱) ہم نے جو مختلف لوگوں کو اس دنیا کی ادنیٰ زندگی زیب و زینت کے سامان دیئے ہیں تو تُو ان کی طرف اپنی حرص و تمنا کی نگاہ کو مت دراز کر، ہم تو ان کے ذریعہ اس طرح انہیں آزمائش میں ڈالتے ہیں۔ حقیقی رزق تو وہی ہے جو تیرے ربّ کے پاس ہے کیونکہ وہی دائمی ہے۔ اگر انسان کے ایمانی اور اخلاقی جوہر ترقی پذیر نہ ہوئے تو اور اس دنیا کے مال و متاع پر وہ کلیتۃً قابض بھی ہو گیا تو یقیناً وہ خسارہ میں ہی رہا۔ پس قرآنی نظریہ حیات **خدائی صفات کا ارتقاء اور انسان** کے اندرونی اخلاقی نظام کی نشو و نما ہے۔ مال اور اقتصادیات کے بارہ میں جو تعلیم قرآنِ حمید نے دی ہے اور جس طرح وہ آج کی دنیاوی تہذیب سے اختلاف رکھتی ہے اس کا کچھ ذکر آئندہ اشاعت میں کیا جائے گا +

مکرم جناب شکراللہ خاں صاحب منصور

تحریکِ احمدیت اور غلام احمد پرویز

(بسلسلہ اشاعت ۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء)

ہمارے عقائد } ہم خداوند تعالےٰ کو حاضر ناظر جان کر جس کے قبضۂ قدرت میں ہم سب کی جانیں ہیں اور اس کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ ان مسائل میں ہمارے (یعنے اراکین جماعت احمدیہ لاہور) کے عقاید مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ ہم حضرت بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلق اور غیر مشروط ختمِ نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔

۲۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ایسے طور پر مانتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نیا یا پرانا دنیا میں نہیں آ سکتا۔

۳۔ ہم مانتے ہیں کہ قرآن شریف الہامی کتب میں سے خاتم الکتب ہے اس کا ایک شعشہ یا نقطہ تا قیامت منسوخ نہیں ہو سکتا۔

۴۔ ہم مانتے ہیں شریعت اسلام خاتم الشرائع ہے اس میں کسی قسم کی ترمیم یا تنسیخ۔ تغیر یا تبدیلی۔ کمی یا بیشی نہیں ہوسکتی۔

۵۔ ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا صراطِ مستقیم صرف اسلام ہے۔ دیگر تمام ادیان باطل ہیں۔ اور نا قابلِ قبول۔

۶۔ ہم مانتے ہیں کہ قرآن شریعت سے۔ شریعت اسلام سے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے یک قدم دُوری کفر ہے۔ خسران و تباب ہے۔

۷۔ ہم حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے اور نہ نبوت کا مُدعی بلکہ محض خادمِ دینِ اسلام سمجھتے ہیں۔

۸۔ ہم مانتے ہیں کہ آنحضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا مدعی کافر۔ کاذب اور خارج از اسلام ہے۔

۹۔ ہم حسب منطوق نصوص قرآنیہ و حدیثیہ ہر کلمہ گو اہلِ قبلہ کو مسلمان سمجھتے ہیں کسی کو کافر خارج از اسلام یقین نہیں کرتے۔

۱۰۔ ہم حضرت مرزا صاحب کو دیگر مجددین اُمّت میں سے ایک مجدد۔ ردِّ عیسائیت کے لئے مسیح اور ادیانِ باطلہ دیگر کی تغلیط کے لئے مہدی سمجھتے ہیں۔

پس کوئی صاحبِ انصاف اور حق پرست انسان ہمیں بتلائے کہ ہم ان عقاید کے ساتھ کیونکر غیر مسلم ہیں؟ کیا ان عقاید کے رکھنے والوں کو "غیر مسلم خارج از اسلام" قرار دینا صریح بے انصافی اور نصوصِ قرآن و حدیث کی مخالفت نہیں؟ کوئی خوفِ خدا رکھنے والا عالمِ دین اس پر غور کرے۔ کیا سارے پاکستان میں ایک بھی نہیں ہے؟

یاد رہے کہ ہمارے نزدیک حضرت مرزا غُلام احمد علیہ السلام کے یہی عقائد تھے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو ہم اُنہیں ہرگز قبول نہ کرتے۔ بایں ہمہ اگر واضعین آئین اس بارے ہمارے ساتھ اتفاق نہ کریں تو ہمارے متعلق فیصلہ ہمارے عقاید پر ہونا چاہیئے۔ یہی تقاضائے انصاف ہے۔ یہ دلیل کہ ہم حضرت مرزا صاحب کو دینی مصلح مانتے ہیں لہذا غیر مسلم ہیں از حد غیر معقول اور باطل دلیل ہے جس کے لئے قرآن و سنت میں کوئی سند نہیں ہے۔ اور نہ عقلِ سلیم کے نزدیک درست ہے۔ آخر ایک دن سب نے خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔ حکومتیں ہمیشہ نہیں رہتیں۔ اور نہ ہی اختیار۔

آئینی تعریف و ترمیم کا عجوبہ } مسلم یا غیر مسلم کی آئینی تعریف اور احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی آئینی ترمیم عجائبات دنیا میں سے ایک عجوبہ ہے۔ جو ۹۰ سالہ ایک مسئلہ کو حل کر دینے کی جلدبازی میں پیدا ہو گیا ہے۔ واضعین ترمیم مذکور کے دل ضرور گواہی دیں گے کہ اسے وضع کرنے میں دین و شریعت کی کسی اصولی حد بندی کو مدِّ نظر نہیں رکھا گیا بلکہ پہلے احمدیوں کو (عقیدہ ان کا خواہ کوئی ہو) "غیر مسلم" تصوّر کر لیا گیا۔ پھر انہیں فی الواقعہ غیر مسلم ثابت کرنے کے لئے ایسے الفاظ و توضیحات کی عمداً تلاش کی گئی جن سے یہ مقصد حاصل ہو۔ آیات قرآنی اور نصوصِ حدیثیہ کو کلیتہً فراموش کرکے ہر طور طریقہ اور ہر رنگ میں کوشش کی گئی ہے کہ احمدی کہلانے والے کوئی فرد بھی اس ترمیمی تلوار کے وار سے بچا نہ رہ جائے۔ جیسا کہ آئینی ترمیم کے الفاظ اور شناختی کارڈوں کے حلفیہ بیان ہر دو سے صاف مشعر ہے ہر دو کو ذرا پڑھ کر دیکھئے:۔

آئینی ترمیم کے الفاظ } "جو شخص حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم جو آخری نبی ہیں کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط ایمان نہیں رکھتا یا جو شخص حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ کے بعد کسی بھی مفہوم یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لئے مسلمان نہیں ہے۔"

(ہفت روزہ الاعتصام ۱۳ ستمبر ۱۹۷۴ء)

اغلباً بعض مولاناؤں کو ان ترمیمی الفاظ میں کمی نظر آئی اور انہوں نے حکمرانوں کو مزید مشورے دیئے جن کے مطابق حلفی بیان مذکور شناختی کارڈوں پر لکھ دیا گیا۔ کیونکہ انہوں نے معلوم کیا کہ بہت سے احمدی ایسے ہیں جو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی پُختہ یقین سے مانتے ہیں۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت پر قطعی اور غیر مشروط ایمان رکھتے ہیں۔ اور آنحضرت کے بعد کسی شخص کو قرآن و حدیث یا شریعت اسلام کی رُو سے کسی مفہوم میں یا کسی قسم کا نبی نہیں مانتے اور نہ ہی دین میں کوئی اصلاح کرنے والا مانتے ہیں۔ لہذا وہ احمدی غیر مسلم، اس ترمیم کے ذریعہ نہ بن سکے۔ علاوہ ازیں گو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کو نام لیکر "غیر مسلم اقلیت" لکھ دیا گیا مگر ایک شخص اس انجمن کا رُکن ہونے سے انکار کرکے مگر "احمدی" رہتے ہوئے آئین ترمیم مذکور کی زد سے صاف باہر نکل گیا۔ لہذا ان سب رخنوں، کمیوں، کمزوریوں اور گنجائشوں کا ازالہ کرنے کے لئے شناختی کارڈوں پر حلفی بیان مذکور کا اندراج چسپاں کیا گیا ہے۔

حلفی بیان مذکور کے الفاظ } "میں حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ میں خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور یہ کہ میں کسی ایسے شخص کا پیروکار نہیں ہوں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس لفظ کے کسی بھی مفہوم یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعویدار ہو۔ اور نہ ایسے دعویدار کو پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا ہوں۔ نہ ہی میں قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ سے تعلق رکھتا ہوں یا خود کو احمدی کہتا ہوں۔"

دیکھا ایک ہی بات کا کس طرح پلٹ پلٹ کر بار بار مختلف الفاظ میں اعادہ کیا جا رہا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا ایک فقرہ لکھتا ہے مگر تسلی نہیں ہوتی۔ پھر دوسرا فقرہ مزید وضاحت کے ساتھ جوڑتا ہے۔ پھر بھی شک رفع نہیں ہوتا گنجائش نظر آتی ہے تو تیسرا فقرہ اور واضح کرکے ساتھ لگاتا ہے۔ یقین نہ پاکر بالآخر صریحاً نام لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ ترمیم و تحدید بایں ہمہ ناقص اور نامکمل ہے۔ کیونکہ ایک شخص خود دعویدار نہ ہو۔ مگر اس کے پیروکار اسے نبی، پیغمبر اور مذہبی مصلح مانیں تو وہ باوجود ترمیم مذکور کے "مسلم" ہی رہیں گے۔ یعنے ماسوا احمدی کہلانے والوں کے دیگر تمام لوگ کسی اور کو نبی۔ پیغمبر مان کر بھی مسلم ہی رہتے ہیں بشرطیکہ اس نے

خود دعوےٰ نہ کیا ہو۔ پس یہ ترمیم ایک نادرالوجود عجوبۂ روزگار ہے جس کا بالبداہت یہ مطلب ہے کہ وہ شخص جو احمدی کہلائے کسی طرح مسلم نہیں ہو سکتا مگر جو احمدی نہ کہلائے وہ کسی دوسرے کو پیغمبر یا نبی یا مذہبی مصلح مان کر بھی مسلم ہی رہے گا۔ اب کوئی دانشمند ہمیں بتلائے کہ یہ کیا اُصول ہے؟ اور کیسی معقولیت ہے؟ کیا یہ سب کچھ قرآن وسنّت پر مبنی ہے؟

(اب) سُنیئے:۔

ایک شخص وہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے:۔

۱۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نیا یا پُرانا اب دنیا میں نہیں آ سکتا۔

۲۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت مکمّل قطعی اور غیر مشروط ہے۔

۳۔ حضرت عیسےٰ بن مریم مثل دیگر انبیاء کے طبعی وفات پاکر مدفون فی الارض ہو چکے ہیں۔

۴۔ احادیث میں نزول عیسےٰ بن مریم کی پیشگوئی سے اُمتِ محمدیہ کا کوئی فرد مراد ہے جو مثیل عیسےٰ ہو۔

۵۔ احادیث میں مندرجہ ظہور مہدی کی پیشگوئی سے امت کا ایسا فرد مراد ہے جو بر وقت ضرورت پیدا ہو کر حفاظت و تائید دینِ اسلام کرے۔

۶۔ احادیث میں مندرجہ نزول عیسےٰ۔ ظہور مہدی۔ آمد مجددین کی پیشگوئیاں سچی ہیں جنہوں نے پُوری ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

۷۔ اُمتِ محمدیہ کے افراد کاملہ غیر نبی ہوتے ہوئے کشف و الہام کے رنگ میں اللہ تعالےٰ سے ہمکلام ہو جاتے ہیں۔ جس سے دین اللہ اسلام کی سچائی مسلم الثبوت ہوتی ہے۔

۸۔ اللہ تعالےٰ مدبّر بالارادہ۔ فعال لما یرید۔ علیٰ کلّ شئیٍ قدیر۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان اور صفت تکلّم سے مزیّن ہے

۹۔ خدا کا سچا دین۔ انسانی ترقی۔ فلاح۔ نجات اور مشکلات کا واحد حل اور آخری راستہ صرف اسلام ہے۔ دیگر سب ادیان باطل ہیں۔

۱۰۔ وہ شخص دین کو دنیا پر مقدّم کرنے کا عہد کرکے مال و جان کی قربانی سے کفرستانوں میں مساجد تعمیر کرتا اور ان میں پانچوں وقت اللہ اور رسول کا نام بلند کرتا ہے

(اور) **دوسرا شخص** وہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ:۔

۱۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک پرانا مستقل صاحب کتاب نبی ضرور آئے گا۔ (سنّی اور شیعہ)

۲۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوّت اس لحاظ سے مکمّل۔ قطعی اور غیر مشروط نہیں کہ آپ کے بعد عیسےٰ بن مریم نبی اللہ نے دنیا میں ضرور آنا ہے۔ (سنّی اور شیعہ)

۳۔ حضرت عیسےٰ بن مریم جو چھ سو سال آنحضرت صلعم سے پہلے دنیا میں آئے تھے ابھی تک فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر اُٹھائے گئے تھے۔ (سنّی اور شیعہ)

۴۔ احادیث میں نزولِ عیسےٰ کی پیشگوئی سے وہی عیسےٰ بن مریم نبی اللہ مراد ہیں جو دو ہزار سال سے نزول من السماء الی الارض کے انتظار میں آسمان پر بیٹھے ہیں۔

۵۔ احادیث میں مندرجہ ظہور مہدی کی پیشگوئی سے امام محمد مہدی مراد ہے جو سینکڑوں سال پہلے پیدا ہو کر روپوش ہے اور وہ اچانک کسی وقت اپنی جائے پناہ سے نکل کھڑا ہوگا۔ (شیعہ)

۶۔ احادیث میں مندرجہ نزول مسیح۔ ظہورِ مہدی۔ [illegible] مجددین کی پیشگوئیاں وضعی۔ مجوسی سازش اور جھوٹی ہیں۔ (پرویزی)

۷۔ غیر نبی انسان ہمکلام الٰہی ہونے سے از ازل تا ابد محروم ہیں۔ کشف و الہام کے دعویدار سب فریبکار غلطی خوردہ اور جھوٹے ہیں (پرویزی)

۸۔ اللہ تعالےٰ صفت تکلّم سے عاری۔ دخل در کائنات سے محروم اور ہر اختیار سے بے اختیار ہے۔ انسان اس سے اب بالکل آزاد اور خود مختار ہے۔ قرآن و حدیث کے احکام میں ترمیم تنسیخ۔ کمی اور بیشی بھی کر سکتا ہے۔ (پرویزی)

۹۔ اسلام علےٰ حالہٖ دقیا نوسیت۔ ترقی معکوس کا موجب ہے۔ انسانی فلاح و ترقی۔ مسائل و مشکلات کا واحد اور آخری حل سوشلزم اور کمیونزم ہے جس کے مطابق قرآن و حدیث کو ڈھالنا چاہیئے۔ (پرویز و دیگر)

۱۰۔ دین کو دنیا پر مقدّم کرنے کا عہد لا حاصل ہے ادیانِ غیر الاسلام کے گڑھوں میں تبلیغ اسلام و اشاعتِ قرآن بیکار ہے۔ اصل منزل مقصود دنیا کی بادشاہی اور دولت حاصل کرنا ہے۔ (پرویزی و دیگر علم مسلمان)

(اب) آئینی ترمیم مذکور کے مطابق وہ **پہلا شخص** اپنے ان دس عقاید کے ساتھ "غیر مسلم خارج از اسلام" ہے کیونکہ وہ احمدی کہلاتا ہے اور انہی عقاید کا نام **احمدیہ تحریک** ہے جیسا کہ جماعت احمدیہ لاہور کا موقف ہے۔ اور یہ **دوسرا شخص** اپنے منقولہ بالا دس عقائد کے ساتھ پکا "مُسلم اصل داخل اسلام" ہے۔ کیونکہ وہ شیعہ یا سُنّی۔ نیچری یا سوشلسٹ۔ کمیونسٹ یا پرویزی۔ کہلاتا ہے۔ ہر عقیدہ رکھنے والا شخص آئینی طور پر مسلمان ہے۔ اگر وہ احمدی نہ کہلائے مگر اراکین احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور **خاتم النبیین** کے معنے آخری نبی ماننے کے باوجود اور ختم نبوّۃ پر مکمّل قطعی اور غیر مشروط ایمان رکھنے کے باوجود "غیر مسلم" ہیں کیونکہ وہ **احمدی** کہلاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ واضعین آئین کے نزدیک عقیدہ جُرم نہیں "احمدی" نام جُرم ہے۔ اس انصاف پروری اور معقولیت پسندی کا جواب نہیں۔ ہم بصد ادب و احترام عرض پرواز ہیں کیا "اسلام" جسے کہتے ہیں وہ ان باتوں کا نام ہے کہ:۔

۱۔ حضرت عیسےٰ بن مریم علیہ السلام فوت نہیں ہوئے بلکہ اس جسم کے ساتھ دو ہزار سال سے زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں

۲۔ وہی حضرت عیسےٰ بن مریم نبی اللہ **خاتم النبیین** کے بعد دنیا میں آئیں گے۔

۳۔ امام مہدی جو آنا ہے سینکڑوں برس پہلے پیدا ہو کر کہیں روپوش بیٹھا ہے۔ کسی وقت اچانک نکل کھڑا ہوگا۔

۴۔ اللہ تعالےٰ صفتِ تکلّم سے عاری دخل در کائنات سے محروم اور بے اختیار ہے۔

۵۔ خدا کا بزنگ کشف و الہام اپنے بندوں سے ہمکلام ہونا جھوٹ ہے اور نزولِ مسیح۔ ظہور مہدی۔ مجدّدین کا آنا جھوٹ ہے۔

اگر ایسا نہیں تو احمدیت کیوں "غیر مسلم اقلیت" ہے۔ انہی اعتقادات کی تردید و تغلیط کا نام احمدیت ہے۔ نقشبندی۔ سہروردی۔ قادری۔ حنفی۔ وہابی۔ احمدی۔ محمدی۔ وغیرہ کہلانے والا بالکل مسلمان رہتا ہے خواہ عقاید اور اعمال اس کے کچھ بھی ہوں ——— مگر احمدی کہلانے سے شخص مذکور فوراً "غیر مسلم" ہو جاتا ہے خواہ عقاید اور اعمال اس کے بتمام و کمال قرآن و سنّت کے مطابق ہوں۔ گویا جو کوئی احمدی کہلاتا ہے اس کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے اس کے عقاید اور اعمال کو دیکھنے اور معلوم کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے

(باقی بر صفحہ ۱۴ کالم ۱)

مرتبہ: مولوی محمد علی صاحب ملتان

مقامِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرتؐ قوتِ قدسیہ میں سب نبیوں سے بڑھ کر

لاشکّ انّ محمداً خیر الوریٰ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ .... اس کے پہلے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا محبوب و معبود اور مطلوب اللہ تعالیٰ ہی ہونا چاہیئے اور دوسرے حصے سے رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا اظہار ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ رسالت میں ایک امر ظاہر ہوتا ہے اور ایک مخفی ہوتا ہے مثلاً لا الٰہ الا اللہ ایک کلمہ ہے جسے رسالت مآبؐ نے بایں الفاظ لوگوں کو پہنچایا ہے۔ لوگ مانیں یا نہ مانیں یعنی رسالت کا کام صرف پہنچا دینا تھا مگر رسالت کے یہ ظاہری معنی ہیں ہم جب اور زیادہ غور کرکے بطون کی طرف جاتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جو لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ بطور ایک جزو غیر منفک کے شامل ہوتی ہے۔ یہ صورت ابلاغ تک ہی محدود نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوت قدسیہ کے زور سے اس تبلیغ کو با اثر بنانے میں لانظیر نمونہ دکھایا ہے ...... پس یہ وہ سرّ ہے جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے دوسرے حصہ میں یعنی اظہار رسالت محمدیہ میں رکھا ہوا ہے۔[1] اور ہمارا نبی وہ نبیٔ کریم ہے جو ایسی خوشبو سے معطّر کیا گیا ہے جو تمام مستعد طبیعتوں تک پہنچنے والی اور اپنی برکات کے ساتھ ان پر احاطہ کرنے والی ہے۔ وہ نبی خدا کے نور سے بنایا گیا اور ہمارے پاس گمراہیوں کے پھیلنے کے وقت آیا اور ہمیں فیض پہنچانے کے لئے اپنی خوشبو کو پھیلایا...... اور اس نے اس قوم کو ہدایت فرمائی جو خدا کے وصال کی اُمید نہیں رکھتے تھے اور مُردوں کی طرح تھے جن میں ایمان اور نیک عملی اور معرفت کی رُوح نہ تھی اور نومیدی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے اور ان کو ہدایت کی اور مہذّب بنایا اور معرفت کے اعلیٰ درجوں تک پہنچایا اور اس سے پہلے وہ شرک کرتے اور پتھروں کی پوجا کرتے تھے اور خدائے واحد اور قیامت پر ان کو ایمان نہ تھا اور وہ بتوں پر گرے ہوئے تھے..... اور ہر ایک ان میں سے اعتقاد رکھتا تھا کہ اس کا ایک بڑا بھارا مددگار بُت ہی ہے۔ جس کی وہ پوجا کرتا ہے اور وہی بُت مصیبتوں کے وقت اس کی مدد کرتا ہے اور حملوں کے وقت اس کو جزا دیتا ہے........ اور باوجود ان عقیدوں کے پھر بدکاریاں کرتے تھے اور ان کے ساتھ فخر کرتے تھے اور زنا کرتے اور چوریاں کرتے اور یتیموں کا ناحق مال کھاتے اور ظلم کرتے اور خون کرتے اور لوگوں کو لوٹتے اور بچوں کو قتل کرتے اور ذرا نہ ڈرتے تھے اور کوئی گناہ نہ تھا جو انہوں نے نہ کیا اور کوئی جھوٹا معبود نہ تھا جس کی پوجا نہ کی۔ انسانیت کے ادبوں کو ضائع کیا اور انسانی خلقوں سے دُور جا پڑے اور وحشی جانوروں کی طرح ہو گئے........ غرض عرب کے لوگ ایک ایسی قوم تھی جن کو کبھی واعظوں کے وعظ سننے کا اتفاق نہ ہوا اور نہیں جانتے تھے کہ پرہیزگاری اور پرہیزگاروں کی خصلتیں کیا چیز ہیں۔

قوتِ قدسیہ محمدیہ کا اثر پس اسی زمانہ میں جبکہ وہ لوگ ان حالات اور ان فسادوں میں مبتلا تھے اور ان کا تمام قول اور فعل فساد سے بھرا ہوا تھا خدا تعالےٰ نے مکہ میں سے اُن کے لئے رسول پیدا کیا اور وہ نہیں جانتے تھے کہ رسالت اور نبوت کیا چیز ہے اور اس حقیقت کی کچھ بھی خبر نہ تھی پس انکار اور نافرمانی کی اور اپنے کفر اور فسق پر اصرار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہر ایک جفا کی برداشت کی اور ایذا پر صبر کیا اور بدی کو نیکی کے ساتھ اور بغض کو محبت کے ساتھ ٹال دیا اور غمخواروں اور محبوں کی طرح ان کے پاس آئے اور ایک مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے اور ردّ شدہ انسان کی طرح مکہ کی گلیوں میں پھرتے رہے اور قوت نبوت سے ہر ایک عذاب کا مقابلہ کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ رات کو اُٹھ کر خدا تعالےٰ کی طرف توجہ کرتے اور خدا تعالےٰ سے ان کی بینائی اور فضل اور رحمت چاہتے۔ یہاں تک کہ دعائیں قبول کی گئیں اور ان کی کستوری کی خوشبو پھیلی اور خوشبوئیں پے در پے پھیلنی شروع ہوئیں اور دلوں کے بدلنے والے کا حکم نازل ہوا اور اس ذات سے ان کو قوت عطا ہوئی جو محبت کو عطا کرتا ہے اور دانوں کو اُگاتا ہے۔ سو حکم الٰہی سے زمین بدلائی گئی اور آواز دینے والے بابرکت دل کھینچے گئے........ سو اسلام کے قبول کرنے نے ان کو منوّر کر دیا اور ان کی بدیوں کو نیکی کے ساتھ اور ان کی شرارتوں کو بھلائی کے ساتھ بدل دیا اور ان کی شراب شب زنگاہی کو رات کی نماز اور رات کے تضرعات کے ساتھ بدل ڈالا اور ان کی بامدادی شراب کو صبح کی نماز اور تسبیح اور استغفار کے ساتھ مبدّل کر دیا اور انہوں نے یقین کامل کے بعد اپنے مالوں اور جانوں کو خدا تعالےٰ کی راہوں میں بخوشی خاطر خرچ کیا اور جب انہوں نے حق کو دیکھ لیا پس اپنی کوششوں کو ایمان کے چقماق میں سے آگ نکالنے میں کمال تک پہنچایا۔ اور اپنی جانوں کو اس لئے کہ تا یقین کی تلوار کے جوہر کو خوب غور اور تامل کے ساتھ دیکھیں آزمائش میں ڈالا پس یہی وہ امر ہے جس نے اُن کو بہادر کر دیا اور ان کی کاردوں کو تیز کر دیا پھر ان کے ذکر کو بلند کیا اور ان کا انجام بخیر کیا۔ اور یہ وہی جوانمردی ہے جس نے لوگوں کے دلوں میں ان کی فطرت کو محبوب بنایا اور اسی کستوری کی خوشبو کی طرح جو پیسی جائے اور ان کی باطنی حقیقتوں کو دکھلایا اور یہی سبب ان کے دلوں کی دلیری اور زبان کی روانگی اور ایمان کی قوت اور بلندیٔ معرفت کا ہے اور اسی لئے انہوں نے اپنی جانوں کو محبت میں جلایا یہاں تک کہ ان کا کوئلہ راکھ طرح ہو گیا اور اس کی راہوں کے لئے خوب تیاری کی اور مصیبتیں ان کے لئے سلامتی اور ٹھنڈک ہو گئیں اور گرمی اور آگ کی تیزی کو انہوں نے بھلا دیا اور جو شخص اس بات کو غور کی نظر سے دیکھے کہ انہوں نے اپنی پہلی چراگاہوں کو کیونکر چھوڑ دیا اور کیونکر وہ ہوا و ہوس کے جنگل کو کاٹ کر اپنے مولےٰ کو جا ملے تو ایسا شخص یقین سے جان لے گا کہ وہ تمام قوتِ قدسیہ محمدیہ کا اثر تھا۔[2]

مصطفیٰ پر تیرا بیحد ہو سلام اور رحمت + اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام + دل کو وہ جام لبالب ہی پلایا ہم نے

اس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالم میں + لاجرم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے

تیری اُلفت سے ہے معمور مرا ہر ذرّہ + اپنے سینہ میں یہ اک شہر بسایا ہم نے

نقشِ ہستی تیری اُلفت سے مٹایا ہم نے + اپنا ہر ذرّہ تیری رہ میں اُڑایا ہم نے

تیرا میخانہ جو اک مرجعِ عالم دیکھا + خُم کا خُم منہ سے بصد حرص لگایا ہم نے

شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے + تیرے پانے سے ہی اس ذات کو پایا ہم نے

---

[1] الحکم ۲۴ جولائی ۱۹۰۲ء

[2] نجم الہدیٰ صفحہ ۱۷ تا ۳۱

دلبرا مجھ کو قسم ہے تیری یکتائی کی + آپ کو تیری محبت میں بھلایا ہم نے
بخدا دل سے میرے مٹ گئے سب غیروں کے نقش + جب سے دل میں یہ تیرا نقش جمایا ہم نے
دیکھ کر تجھ کو عجب نور کا جلوہ دیکھا + نور سے تیرے شیاطیں کو جلایا ہم نے
ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ سے ہی اے خیرِ رُسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے (دُرِّ ثمین)

۱- لا شكّ انّ محمّداً خيرُ الورىٰ
ريقُ الكرام و نخبةُ الاعيانِ

۲- تمّت عليه صفاتُ كلّ مزيّةٍ
ختمت به نعماءُ كلّ زمانِ

۳- واللہ انّ محمّداً كردافةٍ
وبه الوصول بسدّة السلطانِ

۴- هو فخرُ كلّ مطهّرٍ و مقدّسٍ
وبه يباهي العسكرُ الروحاني

۵- هو خيرُ كلّ مقرّبٍ متقدّمٍ
والفضل بالخيرات لا بزمانِ

۶- اَلفيتُهُ بحرَ الحقائقِ والهدىٰ
ورأيتُهُ كالدُّرّ في اللمعانِ

۷- واللہ انّی قد رايتُ جمالَه
بعيونِ جسمي قاعداً بمكاني

۸- ونبيّنا حيٌّ وَ اِنّي شاهدٌ
وقد اقتطفتُ قطائفَ اللقيانِ

۹- ورأيت في ريعانِ عُمري وجهه
ثمّ النبيّ بيقظتي لاقاني

۱۰- انّي لقد احييتُ من احيائه
واهاً لاعجازٍ فما احياني

۱۱- يا ربّ صلّ على نبيّك دائماً
في هذه الدُّنيا وبعثٍ ثانِ

(آئینۂ کمالاتِ اسلام)

ترجمہ:

۱- یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم مخلوقات میں سے بہتر وجود، معزز لوگوں کی رُوح رواں اور بڑے لوگوں میں سے چیدہ فرد ہیں۔

۲- آپؐ کے وجود میں ہر قسم کی فضیلت کی صفات اپنے کمال کو پہنچ گئیں ہیں اور ہر زمانہ کی نعمتیں آپؐ کی ذات پر ختم ہیں۔

۳- اللہ کی قسم آنحضرتؐ شاہی دربار کے سب سے اعلیٰ افسر کی طرح ہیں اور آپؐ ہی کے ذریعہ سے دربار سلطانی میں رسائی ہو سکتی ہے۔

۴- آپؐ ہر مطہر اور مقدس کا فخر ہیں اور روحانی لشکر کو آپؐ ہی کی ذات پر ناز ہے۔

۵- آپؐ ہر آگے بڑھنے والے مقرب سے افضل ہیں اور فضیلت کا مدار خوبیوں پر ہوتا ہے نہ کہ زمانہ پر۔

۶- مَیں نے آپؐ کو حقائق اور ہدایت کا سمندر پایا اور چمک دمک میں موتی موتیوں کی طرح پایا۔

۷- خدا کی قسم میں نے آپؐ کے حسن و جمال کو اپنی ظاہر آنکھوں سے اپنے مکان میں بیٹھے دیکھا ہے۔

۸- اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور مَیں گواہ ہوں اور آپؐ کی ملاقات کے ثمرات سے بہرہ ور ہوا ہوں۔

۹- مَیں نے آغازِ جوانی میں ہی آپؐ کا چہرہ مبارک دیکھا پھر آپؐ نے

۱۰- یقیناً مَیں آپؐ کے زندہ کرنے سے زندہ ہُوا ہوں۔ سبحان اللہ کیا ہی اعجاز ہے اور آپؐ نے کیا ہی اچھا مجھے زندہ کیا ہے۔

۱۱- اے میرے ربّ! تو اپنے نبی پر ہمیشہ درود و رحمت بھیج اس دنیا میں بھی اور دوسرے عالم میں بھی۔

اخبار کا جلسہ نمبر

اور

مضمون نگار احباب سے گذارش

مؤرخہ ۱۷ دسمبر کو پیغام صلح کا حسب دستور جلسہ نمبر شائع ہوگا جو چوبیس ۲۴ صفحات پر مشتمل ہوگا۔

لہذا مقالہ نگار احباب سے التماس ہے کہ وہ اس جماعتی اجتماع کی اہمیت کے پیش نظر اپنے مضامین ۵ دسمبر تک ارسال فرما کر شکریہ کا موقعہ عنایت کریں۔ (ادارہ)

قرار داد تعزیت

تنظیم خواتین احمدیہ کا یہ اجلاس جواں سال خالد محمود کی ناگہانی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم والدین کا ہی نہیں پوری قوم کا قیمتی سرمایہ تھے دعا ہے اللہ تعالےٰ مرحوم کی رُوح پر اپنے انعامات نازل فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں جگہ دے آمین ثم آمین۔

یہ اجلاس مرحوم کی والدہ محترمہ بیگم عبدالرؤف و جناب عبدالرؤف صاحب سے گہرے تاسف کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم کی وفات پر جس قدر صبر اور راضی برضائے الٰہی کا نمونہ والدین نے پیش کیا ہے وہ ہم سب کے لئے قابلِ تقلید ہے کہ حقیقی مؤمن کی یہی شان ہے

نیز یونیورسٹی کے تمام طلباء کے بھی ہم مشکور ہیں۔ جنہوں نے نعش کی تلاش میں جانفشانی سے کام لیا۔ جنازے کو کاندھا دیا اور دارالسلام میں اظہار ہمدردی کے لئے تشریف لائے۔

نیز فیصلہ ہوا کہ قرار داد کی ایک کاپی برائے اشاعت پیغام صلح کو اور ایک کاپی مرحوم کے والدین کو بھیجی جائے۔

طاہرہ جنجوعہ۔ سیکرٹری شعبۂ نشر و اشاعت تنظیم خواتین مقامی جماعت احمدیہ لاہور

موجودہ عہد کے علماء علامہ اقبال کی نظر میں

فکرِ کافر فکرِ تدبیرِ جہاد + کارِ مُلاّں فی سبیل اللہ فساد

کچھ غلط اندیش صوفی ترکِ دنیا کی تعلیم دینے والے خواہ اپنی خانقاہوں میں انہوں نے اطمینان بخش اور وافر رزق کا انتظام کر لیا اور کچھ تنگ نظروں اور کج فہم ملاّ جن کا کام فروعی تفریقات پر فرقہ بندی کرنا ہے۔ اقبال ان دونوں گروہوں سے ایسا ہی بیزار تھا جیسا کہ الحاد پسند مغرب زدوں سے۔

اقبال کے کلام میں سب سے پہلے مولوی کی نفسیات کا تجزیہ اس نظم میں ملتا ہے جس کا عنوان ہے، اک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی۔ ان مولوی صاحب نے کسی قدر متصوفانہ ہتھکنڈے بھی دین فروشی میں شامل کر رکھے تھے۔ اس نظم میں طنزیہ تنقید کے ساتھ اقبال کے اپنے عقائد کی بھی کچھ جھلک ملتی ہے مولوی تو ہر فروعی اختلاف پر مخالف کو کافر قرار دیتا ہے لیکن اقبال غیر مسلم موحد کو بھی کافر نہیں سمجھتے تھے اور اکثر اکابر صوفیہ کی طرح سماع کو بھی رُوح پرور جانتے تھے۔ بقول مولانا روم

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست + از کجا می آید ایں آوازِ دوست

سِرّ پنہاں است اندر زیر و بم + فاش اگر گویم جہاں برہم زنم

اقبال کی اس نظم کے چند اشعار یہ ہیں:

لبریز مئے زہد سے تھی دل کی صراحی + تھی تہ میں کہیں دُردِ خیالِ ہمہ دانی

کرتے تھے بیاں آپ کرامات کا اپنی + منظور تھی تعداد مریدوں کی بڑھانی

سنتا ہوں کہ کافر نہیں ہندو کو سمجھتا + ہے ایسا عقیدہ اثرِ فلسفہ دانی

سمجھا ہے کہ ہے راگ عبادات میں داخل + مقصود ہے مذہب کی مگر خاک اڑانی

گانا جو ہے شب کو تو سحر کو ہے تلاوت + اس رمز کے اب تک نہ کھلے ہم پہ معانی

گر آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت + پیدا نہیں کچھ اس سے قصورِ ہمہ دانی

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے + کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے

مُلاّ اگر شریعت کا پابند ہوتا، گو اس کی رُوح سے پوری طرح آشنا نہ بھی ہوتا، تو بھی اقبال کے دل میں ملائیت کے خلاف اس قدر حقارت کا جذبہ پیدا نہ ہوتا۔ لیکن وہ دیکھتا تھا کہ ملاّں شریعت میں بھی فقط ان باتوں کی ظاہری پابندی کرتا ہے جن میں اس کو کچھ مادی نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔ لیکن اگر اپنے مادی مفاد پر زد پڑتی ہو تو پھر شریعت کے احکام کو بھی یا تو نظر انداز کر دیتا ہے یا ان کی حسبِ منشاء تاویل کر لیتا ہے۔

سیرتِ صحابہ میں ان کی نظر جوہرِ اخلاق پر نہیں پڑتی بلکہ ان بحثوں میں پڑھ کر دین میں تفرقہ اندازی کرتے ہیں کہ صحابیوں میں کون افضل تھا اور کون کمتر۔ ایسے لوگوں پر دین کی رُوح کبھی آشکارا نہیں ہو سکتی۔

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش + اے گرفتارِ ابوبکر و علی ہشیار باش

اس قسم کے بے سُود اور بے مغز، لاطائل اور لاحاصل بحثوں کو ملاّ دین سمجھتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کو جدل کا ایسا چسکا پڑ جاتا ہے کہ اگر وہ کسی طرح جنت میں بھی پہنچ جائے تو وہاں مناظرانہ شغل کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ کچھ لطف محسوس نہیں کرے گا۔

ملاّں اور بہشت والی نظم میں علامہ اقبال فرماتے ہیں:-

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبطِ سخن کر نہ سکا + حق سے جب حضرت ملاّ کو ملا حکمِ بہشت

عرض کی میں نے الٰہی مری تقصیر معاف + خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لبِ کشت

نہیں فردوس مقامِ جدل و قال و اقوال + بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت

ہے بد آموزئ اقوام و ملل کام اس کا + اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

اقبال نے دیکھا کہ مدعیانِ دین اور حامیانِ شرعِ متین میں نہ افکار کی بلندی ہے نہ حوصلہ مندی، نہ دلِ بیتاب ہے اور نہ مشربِ ناب، نہ دلِ گرم ہے اور نہ نگاہِ پاک۔ تو اس نے اس طبقے کو دین کے لئے ایک خطرہ سمجھا۔ ایسے لوگوں کو جب سوجھے گی کسی بلند مقصد کے لئے قربانی کو درکنار وہ مقصد ہی ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ چنانچہ تاسیس پاکستان کی جدوجہد میں اس کا یہ خیال صحیح ثابت ہوا ہے۔ بڑے بڑے خرقہ و عمامہ والے مُلاّ، محدث، مفسر اور فقیہ اس تحریک کے مخالف ہو کر متعصب اور مسلمان کش لوگوں کے ساتھ ہو کر ملّتِ اسلامیہ سے آمادۂ پیکار ہو گئے۔

ترا با خرقہ و عمامہ کارے + مَن از خود یافتم بوئے نگارے

ہمیں یک چوب من سرمایۂ من + نہ چوبِ منبرے نہ چوبِ دارے

مُلاّ کی یہ کیفیت اس لئے ہوئی کہ وہ رُوحِ اسلام سے ناآشنا ہونے کے ساتھ علوم و فنون اور زندگی کے حقائق سے بیگانہ ہو گیا۔ اس کو اب مدرسے میں جو علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ وہ فرسودہ ہو چکے ہیں۔ منطق اور فلسفہ اور کلام کی وہی مسخ شدہ یونانی بحثیں وہی اشاعرہ اور معتزلہ اور جبریہ و قدریہ کے متکلمانہ مناظرے۔ علمِ ہیئت کے انکشافات نے اجرامِ فلکیہ کا انقلابی تصور پیش کر کے ریاضیات اور تجربات سے اس کو یقینی علوم میں داخل کر دیا۔ لیکن ملاّ کے مدرسے میں ابھی تک بطلیموس کا پرانا نظریہ کہ زمین نظامِ شمسی کا مرکز ہے، علم الافلاق میں مستند شمار ہوتا ہے اور اس کو بھی ایک طرح سے دینی عقائد کا جزو خیال کیا جاتا ہے۔

حدیث ہو یا تفسیر یا فقہ، قدیم تحقیقات میں بھی وہ چیزیں لی جاتی ہیں جو جامد ہیں۔ انسان کی معلومات میں جو اضافہ ہوا ہے یا جو بدلتے ہوئے حالات کا تقاضا ہے، اس کی روشنی میں کسی بات پر نظرِ ثانی کرنا حرام ہے۔ مولانا روم تو کہہ گئے تھے کہ ملاّں اور فقیہ تو ہڈیوں پر لڑتے ہیں جو صدیوں سے بچوڑی ہوتی ہیں۔ دنیا جن چیزوں کو صدیوں پیچھے چھوڑ گئی۔ ملاّں کی تعلیم میں وہ ابھی تک جوں کی توں داخل ہیں۔ تعلیم کے لحاظ سے مُلاّں چودھویں صدی ہجری میں نہیں بلکہ چودھویں صدی میں رہتا ہے اور اس نے یہ عقیدہ استوار کر رکھا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ چوتھی صدی کے بعد بند ہو چکا ہے جو لکیریں پہلے بند ہو چکی ہیں ان سے سرِ مو تجاوز نہیں ہو سکتا۔ آگے بڑھنے کی بجائے جو راستے طے ہو چکے ہیں، یہ بار بار انہی کی طرف واپس لوٹتا ہے اور کولہو کے بیل کی طرح اس کی گردش کوئی فاصلہ طے نہیں کرتی اور وہ ایک قدم کسی سمت میں آگے نہیں بڑھتا۔

سبو ئے خانقاہاں خالی از مئے + کند مکتب رہِ طے کردہ را طے

اقبال تو روحانی ترقی اس کو سمجھتا تھا کہ:—

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلّی + اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

جب علم و عمل میں یہ جمود پیدا ہو جائے اور یہ جامد لوگ ہی دین کے محافظ رہ جائیں تو ملّت کا خدا حافظ ہے ایسے لوگوں سے رہنمائی اور خیر کی توقع نہیں ہو سکتی۔ جب دین کا یہ کام رہ جائے کہ ہر فروعی عقیدے کو معیارِ کفر و ایمان بنا کر لوگوں میں وصل کی بجائے فصل پیدا کیا جائے تو جو ملّتِ دین کی اس مسخ شدہ صورت سے متاثر ہو گی اس کا یہی حشر ہو گا۔

مسلمانان بخویشاں در ستیز اند + بجز نقشِ دوئی بر دل نہ ریزند

بنالند از کسے خشتے بگیرد + ازاں مسجد کہ خود از وے گریزند

نگہبانِ حرم معمارِ دیر است + یقینش مُردہ و چشمش بہ غیر است

ز اندازِ نگاہِ او تواں دید + کہ نومید از ہمہ اسباب خیر است

جن مکتبوں میں ابھی تک غلاموں اور لونڈیوں کی فقہ پڑھائی جائے حالانکہ ایک عرصہ سے دنیا سے یہ لعنت اُٹھ گئی ہو تو فرسودہ معلومات کے اس ریگستان میں کسی کی علمی اور روحانی پیاس کیسے بجھ سکتی ہے! ملاّ کے دل

دل میں مسلمانوں کی پستی اور ذلت کا حقیقت میں کوئی غم نہیں ہے - غمِ دین تو غمِ عشق ہوتا ہے غمِ روزگار نہیں ہوتا اور ملائیت میں کہیں عشق کا شائبہ نظر نہیں آتا - فقیہانہ موشگافیوں میں اس کو عشق کہاں سے ملے گا - بقول عارف رومی

زاں طرف کہ عشق می افزود درد + بوحنیفہ و شافعی درسے نہ کرد

علامہ اقبال ملائیت کے متعلق کوئی محض شاعرانہ مبالغہ نہیں کرتے، وہ اسی کی ایسی نفسیات بیان کرتے ہیں جو اہلِ نظر پر ظاہر ہے۔

دلِ ملا گرفتارِ غمے نیست + نگاہش ہست در چشمش نمے نیست
ازاں بگریختم از مکتبِ او + کہ در ریگِ حجازش زمزمے نیست
سرِ منبر کلامش نیش دار است + کہ او را صد کتاب اندر کنار است
حضورِ تو من از خجلت نہ گفتم + ز خود پنہاں و بر ما آشکار است

ارتقا پسند اقبال کو دینی تصورات کے جمود پر اس قدر افسوس ہے کہ وہ اپنے اس خیال کو بار بار دھراتا ہے - ٹوٹے رمیدہ کبھی پھول میں واپس نہیں آتی - قوموں کے گذرے ہوئے انداز بھی واپس نہیں آ سکتے زمانے کے انداز بھی بدل گئے اور اس کے ساز بھی بدل گئے

ہر آں بو ے کہ سے ریزد بہارش + نساز د جز بہ بوئے رمیدہ
ز خاکش لالہ مے روید ولیکن + قبائے دارد از رنگ پریدہ
پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں + نے جدتِ گفتار ہے نے جدتِ کردار

انسانوں کی طرح الفاظ کی زندگی بھی تحقیر سے توقیر میں اور توقیر سے تذلیل میں بدلتی رہتی ہے - صدیوں تک مُلا کا لفظ ایک معزز لقب تھا جو عالم عابد کے لئے مخصوص تھا - لیکن رفتہ رفتہ جب علم جامد ہو گیا، کچھ الفاظ کے خول رہ گئے - جن میں سے معنی نکل گئے - روایات کی ہڈیاں رہ گئیں جن میں اب کوئی مغز نہ تھا اور عبادت ظواہر کی پابندی کا نام رہ گیا جن میں صورت معنی پر غالب آگئی تو ایسے علم اور ایسی عبادت کے مدعی اہلِ نظر کی نظروں سے گر گئے جن لوگوں سے توقع ہو سکتی تھی کہ وہ دین و دانش کے علمبردار ہوں گے وہ بے روح مذھبیت کے اجارہ دار بن گئے - جبہ و عمامہ و ریش دراز دینداری کی لازمی علامت قرار دیئے گئے - ان کو علوم و فنون کی ترقی سے کوئی واسطہ نہ رہا - یہ لوگ زندگی کے حقائق سے بے تعلق اور بیگانہ ہو گئے - خدمتِ خلق کا جذبہ ان میں مفقود ہو گیا اور اس کی بجائے یہ تقاضا استوار ہو گیا کہ خلقِ خدا کو ہماری خدمت کرنی چاہیئے - علوم و فنون سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے وہ حلال روزی کمانے کے لائق نہ رہے - کچھ آیات و روایات کا حفظ کر لینا ان کے نزدیک حفاظتِ دین کے لئے کافی ہے - جب یہ نوبت پہنچی تو سمجھنے والوں کے لئے یہ طبقہ مضحکہ خیز اور ہدفِ تمسخر بن گیا - ایک طرف صوفی مزاج اہلِ دل اور دوسری طرف اہلِ حکمت نے مسجدوں کے ان اماموں کو آئمہ جہالت قرار دیا - شعراء کے ہاں شیخ کی ظاہر پرستی اور روحانیت کے فقدان کا مضمون باعثِ تفریح ہو گیا - اور یہ خیال مسلم ہو گیا کہ واعظ جاہل بھی ہوتا ہے اور بے عمل بھی - اگر کبھی اچھی باتوں کا وعظ بھی کہتا ہے تو وہ اس کے دل سے نہیں نکلتا - کیونکہ اس کا دل لطیف تاثرات سے خالی ہوتا ہے - چونکہ دل سے نہیں نکلتا اس لئے دلوں پر اثر بھی نہیں کرتا - جو چیز نہ دل سے نکلے اور نہ کہنے والا اپنے عمل میں اس کا پابند ہو، وہ موثر کیسے ہو سکتی ہے - حافظ علیہ الرحمۃ کا کلام بھی اس طبقے کی سیرت کے تجزیئے سے لبریز ہے -

واعظاں کیں جلوہ در محراب و منبر می کنند + چوں بہ خلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند
مشکلے دارم ز دانشمند محفل باز پرس + توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

جب اس تنگ دل اور تنگ دماغ گروہ نے پاکیزہ باطن لوگوں کو بے دین کہنا شروع کیا تو اہلِ دل نے یہ رویہ اختیار کیا کہ ان لوگوں کے برا کہنے کو برا نہ منانا چاہیئے - کیونکہ وہ اہلِ باطن کی کیفیت سے واقف ہی نہیں ہیں [۴]

۴ زاہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست + در حق ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست - (تلخیص بشکریہ لیل و نہار)

میاں فضل احمد صاحب مہتمم جلسہ سالانہ کی جانب سے احبابِ کرام کی خدمت میں چند معروضات

برادرانِ مکرم - السلام علیکم

آئیے! امسال ہم اپنے سالانہ اجتماع کے ذریعہ ایک بار پھر اُس نصب العین کا احیاء کریں جو ہماری زندگی کا حقیقی مقصد ہے - جلسہ کی تاریخیں جیسے آپ کو علم ہو چکا ہے ۲۵ تا ۲۸ دسمبر مقرر کی گئی ہیں - (۱) ہمیں لازم ہے کہ ہم ان چار ایام کو اسلام اور احمدیت کے لئے کلیتہً وقف کر دیں - یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ اگر ہم جماعتی رنگ میں ترقی نہیں کرتے تو پھر ہم زوال کی طرف جا رہے ہیں، اسلئے کہ اس دُنیا میں جمود کے لئے کوئی جگہ نہیں -

آیئے! ہم ان دنوں میں اپنے بارہ میں تجزیہ کریں اور دیکھیں کہ ہمارا قدم کس طرف جا رہا ہے؟

۲ - آئیں اور اپنے ہمراہ اپنے نوجوانوں کو بھی ساتھ لائیں تاکہ وہ بھی ہماری کاروائیوں میں شمولیت اختیار کریں اور اس طرح ہم اس امر کا ثبوت دیں کہ ہم اس عظیم مقصد کو اپنے نوجوان دوستوں کے سپرد کرنا چاہتے ہیں - ہمیں چاہیئے کہ ہم اس جذبہ اور ولولہ کو جو ہمارے اندر کام کرتا رہا ہے، نئی نسل میں منتقل کریں، ہمیں یہ بتلانا ہے کہ ہم ان کے سینوں میں اس نور کی مشعل کو روشن کرنا چاہتے ہیں -

۳ - پھر اس امر کو بھی مدنظر رکھیئے کہ ہم نے اپنے بھائیوں کو جو گذشتہ مشکلات و مصائب میں ہم سے قدرے دور ہو گئے ہیں پھر سے اپنے اندر واپس لانا ہے - ہمیں کامل یقین ہے کہ وہ دل سے ہمارے ساتھ ہی ہیں - پس ایسے خاندانوں کی نشاندہی کر کے انکے پاس جائیے کیونکہ وہ یقیناً آپکی راہ تک رہے ہیں - ان سے اپنی محبت اور اخوت کے نیک و عالی جذبات کیساتھ جائیے اور انہیں جلسہ میں لائیے - اس طرح انہیں جماعتی برکات میں شرکت کا موقع دیجئے - ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ شانہ بشانہ مل کر اس مقصد کے حصول کیلئے قدم اٹھانا ہے - ہمارا مستقبل نہایت عالی تابناک اور شاندار ہے - اللہ تعالیٰ آپکو وقت کا چیلنج قبول کرنیکی توفیق عطا کرے - آمین

آپ کا مخلص - فضل احمد

نو منتخب ممبران و عہدیداران مقامی احمدیہ جماعت کی حلفِ وفاداری اور نئے دفتر کی افتتاحی تقریب

مقامی جماعت احمدیہ لاہور کے سال ۷۶—۱۹۷۵ء کے عہدیداران اور ارکانِ انتظامیہ کی تقریب حلفِ وفاداری مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۷۵ء کو بعد نماز جمعہ دارالسلام میں ہو رہی ہے۔ جس کی صدارت محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب فرمائیں گے نیز حلف اٹھوانے کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف دارالسلام ھوسٹل میں مقامی جماعت کے لئے دفتر کا افتتاح بھی فرمائیں گے۔ تقریب کے اختتام پر حاضرین کی تواضع چائے سے کی جائے گی۔ شرکت کے لئے دعوتِ عام ہے۔

مقامی جماعت لاہور کی انتظامیہ برائے سال ۷۶—۱۹۷۵ء مندرجہ ذیل ہے:

عہدیداران — صدر . . . : ڈاکٹر سعید احمد صاحب
نائب صدر اول : ناصر احمد صاحب
〃 〃 دوم : خواجہ ضیاءالحق طاہر صاحب
سیکرٹری : چوہدری تذر رتب صاحب
نائب سیکرٹری : ماسٹر عبدالسلام صاحب
محاسب . . : ماسٹر اصغر علی صاحب

ممبران — چوہدری مسعود اختر صاحب۔ ضیاءالرحمٰن صاحب۔ چوہدری منصور احمد صاحب۔ میاں فضل احمد صاحب۔ عبدالغفور ثاقب صاحب۔ ماسٹر محمد عبداللہ صاحب۔ ڈاکٹر مبارک احمد صاحب۔ عبدالغنی بٹ صاحب۔ اور نمائندگان انجمن خواتین، بنات الاحمدیہ، شبان الاحمدیہ، اطفال الاحمدیہ۔

آپ کی شرکت کا متمنی — چوہدری تذر رتب۔ سیکرٹری مقامی احمدیہ جماعت لاہور

ایک ضروری اعلان

برائے صدر۔ سیکرٹری صاحبان جماعتہائے احمدیہ لاہور

السّلامُ علیکمُ ورحمۃ اللہ

جلسہ سالانہ کی تاریخیں ۲۵، ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ دسمبر مقرر ہوئی ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے جلسہ سالانہ کی اغراض یہ بیان فرمائی ہیں کہ بیرون ممالک تبلیغ اسلام کی خاطر تجاویز کی جائیں نیز باہمی تعلقات اخوت و محبت ترقی پذیر ہوں لہذا یہ سالانہ اجتماع دیگر اجتماعات کی مانند نہ تو کوئی سیاسی اغراض رکھتا ہے نہ ہی یہ کوئی میلہ یا عرس ہے بلکہ خالصتاً دینی و اسلامی مقاصد کی اہمیّت کا حامل ہے۔

اس میں جس قدر بھی کثرت سے احباب شمولیت اختیار کریں گے اتنا ہی ان اغراض کے لئے باعث تقویت و تعاون ہوگا۔

مجھے آپ سے یہ درخواست کرنا ہے کہ ہر جگہ

۱۔ ہر احمدی کا فرض ہے کہ نہ صرف وہ خود اس میں شمولیت اختیار کرے بلکہ

۲۔ اعزّہ و اقرباء اور دوستوں کو بھی ساتھ لانے کی کوشش فرمائیے۔ اس مقصد کی تکمیل کا بڑا بھاری ذریعہ ذاتی اور انفرادی جد و جہد اور سعی ہے۔ ذاتی تعارف اور تعلقات کی بناء پر ہر احمدی اپنے اثر و رسُوخ کو استعمال کر کے جلسہ میں احباب کو لانے کی سعی کرے۔ اگر کسی کو لاہور آنے کی مقدرت نہیں تو آپ کی لوکل جماعت اس کی آمد و رفت کے کرایہ میں امداد کرے۔ ممکنہ طور پر مستحق افراد کے لئے جلسہ فنڈ سے بھی ایسی امداد کی توقع ہوسکتی ہے۔ اس بارہ میں آپ راقم الحروف کو مفصّل کوائف سے مطلع فرمادیں۔

۳۔ جو صاحب خُطبہ جمعہ دیتے ہیں انہیں آپ ہدایت فرمادیں کہ وہ جُمعہ میں جلسہ میں شمولیت کی تحریک کریں۔ اگر آپ کی جماعت میں لوکل مبلّغ صاحب ہیں تو آپ انہیں ایسے اعلان کا کہیں، نیز

۴۔ اپنے حلقہ میں اس غرض کے لئے دَورہ کرنے کی ہدایت فرماویں اور ایسے دَورہ کی اطلاع راقم الحروف کو بھی دیں۔

۵۔ مزید یہ کہ جلسہ فنڈ کی تحریک بھی کی جائے۔

مجھے پوری توقع ہے کہ آپ متذکرہ بالا جماعتی تحریکات کو کامیاب بنانے کے لئے مساعی فرما کر مجھے شکریہ کا موقع عطا کریں گے۔ مجھے آپ کی طرف سے اس عرضداشت کے جواب کا انتظار رہے گا۔

ڈاکٹر اللہ بخش
انچارج نشر و اشاعت جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء

تحریکِ احمدیت اور غلام احمد پرویز

(بسلسلہ صفحہ ۷)

کیونکہ احمدی نام یا لفظ کی فطرت ہی میں "غیر مسلمیت" داخل ہے جیسے پانی کی فطرت پیاس کو بجھانا اور آگ کی فطرت جلانا ہے۔ یہ ہے آئینی ترمیم کا مفہوم و مطلب۔ چنانچہ ہم نے اُوپر اراکین جماعت احمدیہ لاہور کے دس عقائد لکھے ہیں۔ یہ دس عقاید رکھنے والا ایک شخص اگر یہ کہدے کہ وہ 'احمدی' نہیں ہے۔ تو وہ ان عقاید کے ساتھ آئین کی رُو سے پکا مسلم ہوگا۔ اور اگر وہ ایسا نہ کہے یا کہے کہ وہ 'احمدی' ہے تو وہ ان سب عقاید کے ساتھ اور ان کے باوجود بالکل "غیر مسلم" ہے بالفاظ دیگر پاکستانی موجودہ حکومت کے وضع کردہ آئین کی رُو سے مُسلم اور غیر مُسلم کے مابین امتیاز و تفریق کا معیار اَب وہ نہیں جو قرآن و سنت میں درج ہے بلکہ "احمدی" کا نام یا لفظ ہے۔ جو خود کو احمدی کہے وہ غیر مسلم اور جو احمدی نہ کہے وہ مسلم ہے۔ العجب ؎

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے

یقیناً یہ نئی شریعت ہے یا شریعت میں ماڈرن اضافہ ہے۔ بہرحال حکومت کو قانون بنانے کا اختیار ہے۔ جب طاقت حاصل ہو آمرانہ یا اکثریت کی تو جو قانون وہ چاہے بنالے اس سے مجالِ انکار کسے ہے۔

(باقی — باقی)

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ دیں۔ (منیجر)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل ۸۳۸ — شمارہ ۴۸

محمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۲۸ ذیقعد ۱۳۹۵ھ مطابق ۳ دسمبر ۱۹۷۵ء | نمبر ۴۹

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق زمانۂ مصائب اور فتوحات میں

انبیاء اور اولیاء کا وجود اس لئے ہوتا ہے کہ تا لوگ جمیع اخلاق میں ان کی پیروی کریں اور جن امور پر خدا نے ان کو استقامت بخشی ہے اسی جادۂ استقامت پر سب حق کے طالب قدم ماریں اور یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ اخلاق فاضلہ کسی انسان کے اس وقت پایہ ثبوت پہنچتے ہیں کہ جب اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوں اور اسی وقت دلوں پر ان کی تاثیریں بھی ہوتی ہیں مثلاً عفو وہ معتبر اور قابل تعریف ہے کہ جو قدرت انتقام کے وقت میں ہو اور پرہیزگاری وہ قابل اعتبار ہے کہ جو نفس پروری کی قوت موجود ہوتے ہوئے پھر پرہیزگاری قائم رہے۔

غرض خدا تعالیٰ کا ارادہ انبیاء اور اولیاء کی نسبت یہ ہوتا ہے کہ انکے ہر ایک قسم کے اخلاق ظاہر ہوں اور بہ پایہ ثبوت پہنچ جائیں سو اللہ تعالیٰ اسی ارادہ کو پورا کرنے کی غرض سے ان کی نورانی عمر کو دو حصہ پر منقسم کر دیتا ہے۔ ایک حصہ تنگیوں اور مصیبتوں میں گذرتا ہے اور ہر طرح سے دکھ دیئے جاتے ہیں اور ستائے جاتے ہیں تا وہ اعلیٰ اخلاق ان کے ظاہر ہو جائیں کہ جو بجز سخت تر مصیبتوں کے ہرگز ظاہر اور ثابت نہیں ہو سکتے اگر ان پر وہ سخت تر مصیبتیں نازل نہ ہوں تو یہ کیونکر ثابت ہو کہ وہ ایک ایسی قوم ہے کہ مصیبتوں کے پڑنے سے اپنے مولےٰ سے بے وفائی نہیں کرتے بلکہ اور بھی آگے قدم بڑھاتے ہیں اور خداوند کریم کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے سب کو چھوڑ کر انہیں پر نظر عنایت کی اور انہیں کو اس لائق سمجھا کہ اس کے لئے اور اس کی راہ میں ستائے جائیں۔ سو خدا تعالیٰ ان پر مصیبتیں نازل کرتا ہے تا ان کا صبر ان کا صدق قدم ان کی مردی ان کی استقامت ان کی وفاداری ان کی فتوت شعاری لوگوں پر ظاہر کر کے الاستقامت فوق الکرامت کا مصداق ان کو ٹھہرا دے کیونکہ کامل صبر بجز کامل مصیبتوں کے ظاہر نہیں ہو سکتا اور اعلیٰ درجہ [illegible] بجز زلزلہ کے معلوم نہیں ہو سکتی۔

اور یہ مصائب حقیقت میں انبیاء اور اولیاء کے لئے روحانی نعمتیں ہیں جن سے دنیا میں ان کے اخلاق فاضلہ جن میں وہ بے مثل و مانند ہیں ظاہر ہوتے ہیں اور آخرت میں ان کے درجات کی ترقی ہوتی ہے۔ اگر خدا ان پر یہ مصیبتیں نازل نہ کرتا تو یہ نعمتیں بھی ان کو حاصل نہ ہوتیں اور نہ عوام پر ان کے شمائل حسنہ کما حقہٗ کھلتے بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح اور ان کے مساوی ٹھہرتے اور گو اپنی چند روزہ عمر کو کیسے ہی عشرت اور راحت میں بسر کرنے پر آخر ایک دن اس دار فانی سے گزر جاتے اور اس صورت میں نہ وہ عیش اور عشرت ان کی باقی رہتی نہ آخرت کے درجات عالیہ حاصل ہوتے نہ دنیا میں ان کی فتوحات اور جوانمردی اور وفاداری اور شجاعت شہرۂ آفاق ہوتی۔ جس سے وہ ایسے ارجمند ٹھہرے جن کا کوئی مانند نہیں اور ایسے یگانہ ٹھہرے جن کا کوئی ہم جنس نہیں۔ اور ایسے فرد الفرد ٹھہرے جن کا کوئی ثانی نہیں۔ اور ایسے غیب الغیب ٹھہرے جن تک کسی ادراک کی رسائی نہیں اور ایسے کامل اور بہادر ٹھہرے کہ گویا ہزارہا شیر ایک قالب میں ہیں اور ہزارہا پلنگ ایک بدن میں جن کی قوت اور طاقت سب کی نظروں سے بلند تر ہو گئی اور جو تقرب کے اعلیٰ درجات تک پہنچ گئی۔

(براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۵۰)

خدائی جماعتوں پر ابتلاء لازماً آتے ہیں مگر ان کو ہلاک کرنے کیلئے نہیں بلکہ انہیں کندن کرنے کے لئے آتے ہیں

خطبہ جمعہ۔ مؤرخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۵ء۔ فرمودہ مکرم جناب شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب۔ جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

وکاین من نبی قاتل معه ربیون کثیر فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصابرین۔ وما کان قولھم الا ان قالوا ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین فاتاھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاخرۃ واللہ یحب المحسنین یاایھا الذین امنوا ان تطیعوا الذین کفروا یردوکم علی اعقابکم فتنقلبوا خاسرین بل اللہ مولاکم وھو خیر الناصرین۔

گزشتہ جمعہ کے خطبہ میں مَیں نے بتلایا تھا کہ مومنوں کو خدا کی طرف سے یہی ہدایت ہے کہ حالات خواہ کیسے ہی سنگین کیوں نہ ہو جائیں اور کیسی ہی مشکلات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑ جائے وہ ان صداقتوں اور ان عقائدِ صحیحہ کا دامن ہاتھ سے کبھی نہ چھوڑیں اور اس کے ساتھ ہی میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ خدا کی قائم کردہ جماعتوں پر ابتلا لازماً آتے ہیں گو وہ ان کو ہلاک کرنے کے لئے نہیں بلکہ انہیں کندن کرنے کے لئے آتے ہیں لیکن آتے ضرور ہیں بشرطیکہ صبر اور استقامت کے ساتھ ان کو برداشت کیا جائے اور انکے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے ان پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر ہماری جماعت پر آج ابتلاء آیا ہوا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ان ابتلاؤں کا شکار رہے ہیں اور آنحضور صلعم سے قبل جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے رہے ہیں ان کی قومیں بھی ابتلاؤں کی چکی میں پستی رہی ہیں آج جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں ان میں انہی قوموں کا ذکر ہے اور بتلایا ہے کہ کس طرح انہوں نے ابتلاؤں کے ایام میں زندگی بسر کی اور کس قسم کے کردار کا انہوں نے مظاہرہ کیا فرمایا کتنے ہی نبی گذرے ہیں (نبی کے لفظ میں حقیقی انبیاء یعنی رسل اور محدثین سب ہی شامل ہیں) جن کے ساتھ ہو کر ان لوگوں نے باطل کے خلاف جنگ کی جنہوں نے ربّ سے تعلق پیدا کر لیا یا اس کے خواہشمند تھے (فولادی تلوار سے جنگ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو فولادی تلوار سے جنگ کی اور اگر دلائل کی تلوار سے جنگ کی ضرورت پیش آئی تو دلائل کی تلوار سے جنگ کی۔ اکثر رسولوں کو باطل کی قوتوں سے دلائل کی تلوار سے ہی مقابلہ کرنا پڑا) اس راہ میں جو مصائب بھی ان پر وارد ہوئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کیا لیکن ان مصائب کی وجہ سے ان کے قلوب میں اور ان کے عزائم میں حق اور صداقت پر قائم رہنے کے لئے نہ کسی قسم کی کمزوری پیدا ہوئی اور نہ اس حق کو پھیلانے میں کسی قسم کے ضعف نے راہ پائی اور نہ وہ باطل اور باطل پرستوں کے آگے جھکے اور نہ ان کی راہ اختیار کرنے کی طرف مائل ہو کر ان کی ہاں میں ہاں ملا کر ان کے ساتھ ہو گئے ایسے استقلال دکھلانے والوں سے ہی خدا محبت کرتا اور انہیں اپنا محبوب بنا لیتا ہے میں اس جگہ اس امر کو بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ باطل سے مرعوب ہو کر سب سے پہلے قلوب متاثر ہوتے ہیں یعنے دلوں میں ایک طرف عقائدِ صحیحہ کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور ایمان میں کمزوری راہ پانا شروع کر دیتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مضبوط ایمان کی وجہ سے حق اور صداقت کو پھیلانے میں جو جرأت دل میں پیدا ہوئی ہوتی ہے وہ رخصت ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اسی کو قرآن نے ضعف کے لفظ سے ادا کیا ہے تیسرا قدم ایسے لوگوں کی طرف سے یہ اٹھتا ہے کہ وہ باطل پرستوں کے ساتھ مل جاتے ہیں اور ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت سے قبل مسلمانوں کی عام طور پر یہی حالت ہو رہی تھی پادریوں اور فلاسفروں کے حملوں کی تاب نہ لا کر مسلمان پہلے وہن کا پھر ضعف کا اور آخر میں استکانت کا شکار ہو کر ہزاروں کی تعداد میں عیسائیت کی آغوش میں چلے گئے اور جو بچے وہ سوسائٹی میں تو رہے لیکن فکری اور ذہنی اور معنوی طور پر انہیں کے ہم نوا ہو کر زندگی بسر کرنے لگ پڑے ہمیں بھی اپنی حالت پر غور کرنا چاہیئے کہ کہیں ہم میں سے بھی بعض تو ان تینوں مراحل یا بعض میں سے تو نہیں گذر رہے اگر ایسا ہے تو ہم کو فوراً اس کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہیئے وہن پیدا ہی باطل پرستوں کی طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ سے ہوتا ہے خصوصاً جبکہ ان اعتراضات کو ردّ کرنے کی دل میں قوت نہ ہو یا علم کی کمی ہو۔ حدیث میں آتا ہے کہ مہدی کے ظہور سے قبل مسلمانوں کی دینی حالت یہ ہوگی کہ دل انکے مرچکے ہوں گے وہ اجہل الناس ہوں گے لیکن مہدی کی صحبت سے اعلم الناس بن جائیں گے وہ ابخل الناس ہوں گے یعنی دین کی اشاعت کے لئے مال خرچ کرنے میں سب سے زیادہ بخیل ہوں گے لیکن مہدی کی صحبت کے نتیجہ میں اجود الناس ہو جائیں گے یعنی دین کی اشاعت کے لئے دل کھول کر مال خرچ کرنے لگ جائیں گے وہ پہلے اجبن الناس یعنی باطل پرستوں کے مقابلہ میں نہایت بزدل ہوں گے لیکن مہدی کے ساتھ ہو جانے کے نتیجہ میں اشجع الناس ہو جائیں گے یعنی سب سے بہادر ہو جائیں گے

۔کیا باطل پرستوں کے مقابلہ میں ۳۴ کو ماننے والے انتہاء درجہ کے بہادر نہیں بن گئے تھے کیا عیسائی مشنریوں کو یہ حکم نہیں ملا تھا کہ احمدیوں کے ساتھ مباحثہ وغیرہ مت کرنا کیا سیدنا حضرت مرزا صاحب نے جو دعوےٰ مہدی ہونے کا کیا تو کیا انہوں نے مندرجہ بالا تینوں اوصاف حمیدہ اپنے ماننے والوں میں پیدا نہیں کیں۔ واقعات کا انکار تو کسی مؤمن کی شایان شان نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کا جو وہن۔ ضعف اور استکانت سے محفوظ رہتے ہیں قول یہی رہتا ہے کہ اے ہمارے ربّ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما اور جو امر ہمارے سپرد کیا گیا تھا یعنی حق اور صداقت کی اشاعت کا اس کو بجا لانے میں جو کمی ہم سے ہوئی ہے اس سے بھی درگذر فرما اور باطل پرستوں کے مقابلہ میں ہمیں اثبات عطا فرما اور ان منکرین کے مقابلہ میں ہمیں اپنی نصرت سے نواز ہمیں بھی اس دعا کو اپنا ورد بنا لینا چاہیئے اگر ہم ایسا کریں گے تو ایسا کرنے والوں کے لئے خدائی وعدہ یہ ہے اللہ تعالےٰ دنیا کا اجر بھی انہیں عطا کرے گا اور آخرت میں بھی بہترین اجر سے نوازے گا ایسے لوگ جو اپنے اس مفوضہ کام کو خوبی سے سرانجام دیں گے وہ اللہ کے محبوب بن جائیں گے المحسنین کے یہاں یہی معنی ہیں۔ آخر میں مومنوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے اے مومنو! اگر تم ان باطل پرستوں اور منکرین کی اطاعت کرو گے تو یاد رکھو کہ یہ

(باقی بر صفحہ ۸ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۷۵ء

اقتصادیات اور قرآنی نظریہ حیات

(۳)

مادی نظریہ حیات کے نزدیک ہر خیر و خوبی کسی فرد یا قوم کی اقتصادی حالت پر منحصر ہے ایسے نظریہ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب افراد و اقوام میں مال و زر پر قبضہ کرنے کی ایک تڑپ و ہوس پیدا ہو جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے اس میدان میں سبقت لے جانے کے لئے سر توڑ کوشش و سعی میں مصروف ہو جاتے ہیں کیونکہ انہیں تعلیم و تلقین ہی یہی کی گئی ہے کہ انسان کی ساری خوشی و خوشحالی اور ترقی و ترقئ مال کے بڑھانے میں مضمر ہے تو اس جد و جہد میں پھر نہ کوئی اخلاقی اقدار کا سوال باقی رہ جاتا ہے، نہ ہی کسی اعلےٰ انسانی صلاحیتوں کے نشو و نما کا نظریہ سامنے رہتا ہے، گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس فلسفۂ حیات زر طلبی کو معبود و مقصود اور مسجود بنا لیا جاتا ہے، افراد اور اقوام ایسے مادی نظریہ حیات کے مطابق دیوانہ وار اس خود تراشیدہ بت کے گرد گھومنے لگتے ہیں، یہی سامراجی نمونے کا معبود ان کا حقیقی نصب العین اور مقصود بالذات بن کر رہ جاتا ہے۔ جیسے قرآن کریم نے سُود خوار کی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ کما یتخبطه الشیطٰن من المسّ گویا وہ شیطانی وسوسہ کے ماتحت مجنون الحواس ہو جاتا ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ سیم و زر سے محبت لگانے والے اور حُبِ دنیا سے مخمور اصحاب کے قلوب کی واقعی یہی کیفیت ہو جاتی ہے، اس کے مقابل اعلےٰ اقدار سے قطع نظر وہ اپنی جان و صحت کی بھی پروا نہیں کرتے۔ چنانچہ قرآن کریم نے ایسی حالت کا ذکر یوں فرمایا ہے الذی جمع مالاً و عدّدہ یحسب ان ماله اخلده وہ مال و دولت کو جمع کرتا اور گنتا رہتا ہے۔ وہ اس گمان کا شکار ہو جاتا ہے کہ نہ صرف اس کے مال و متاع نے ہمیشہ رہنا ہے بلکہ یہ کہ مال و زر اسے بھی ابدی حیات بخشنے کا موجب ہوگا۔ (لیکن افسوس اُسے یہ خبر نہیں) کہ یہ تو ہوس اور حرص کی ایک آگ ہے جو وہ اپنے اندر جلا رہا ہے۔ یہ آگ دلوں پر بلند ستونوں کی مانند مستولی و محیط ہو جاتی ہے۔ (سورۃ الہمزۃ ۱۰۴) ان قرآنی الفاظ میں مال کی محبت کی آگ کو بھڑکانے والے قلوب کا کیسا صحیح نقشہ کھینچا ہے! سورۃ الفجر میں حُبِ دُنیا کو مقصود و مطلوب بنا لینے کا نتیجہ یہ بتلایا ہے کہ ایسے لوگ محتاج و محروم انسانوں کی امداد کرنے کی بجائے اُنہیں مزید محروم کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ کلا بل لا تکرمون الیتیم ۔ و تاکلون التراث اکلاً لمّا و تحبون المال حبًا جمًا، یہ لوگ مال سے بے حد پیار لگاتے ہیں یہاں تک کہ میراث کی منصفانہ تقسیم نہ کرکے یتیموں کا حصہ بھی لوٹ لیتے ہیں۔

جو لوگ مال و دولت کو خرچ کرنے کی بجائے تجوریوں اور بنکوں میں جمع کرنے کے عادی ہیں ان کے بارہ میں قرآن کریم نے فرمایا کہ والذین یکنزون الذھب و الفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم، یوم یحمٰی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم و جنوبھم و ظھورھم ھٰذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔ (سورۃ توبہ ۳۴)

ان لوگوں کی حالت کیسی قابلِ رحم ہے جو سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں بجائے اس کے کہ جو ان کی ضروریات سے زاید ہو اسے خدا کی راہ میں خرچ کریں۔ ایسے لوگوں کو دردناک دُکھ کا پتہ دے دو۔ اس روز یہ لوگ آگ میں جلنے والے ہوں گے۔ ان کی جبینوں پہلوؤں اور پیٹھوں کو انکے جمع شدہ مال سے داغ دیئے جائیں گے۔

جو لوگ سیم و زر کے جمع کرنے میں بدمست ہو جاتے ہیں ان کی خوفناک ہلاکت اور خطرناک حالت کو بیان فرماکر قرآن کریم نے یہ وضاحت کر دی کہ مال و دولت کو جمع کرنے کی بجائے اسے تقسیم کرنا ضروری ہے تاکہ چند ہاتھوں میں ہی دولت نہ گھومتی رہے۔ لکیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم (دولت اور جائداد کو تمہارے مابین تقسیم اور خرچ کرنے کے احکام ہم نے اس لئے دیئے ہیں) تاکہ یہ تمہارے اغنیاء کے درمیان ہی چکر نہ کھاتی رہے۔

دوسرے مقام پر اس بات کا ذکر کیا کہ کیا صرف کیا جائے؟ تو فرمایا یسئلونك ماذا ینفقون قل العفو، یہ دریافت کرتے ہیں کہ کیا یا کہاں تک مال خرچ کیا جائے؟ کہدو جو کچھ تمہاری ضروریات سے بچ رہے وہ صرف کر دو۔

اس طرح قرآنی تعلیم کے نزدیک دولت و زر صرف جائز ذرائع سے کسب کرنے پر تو کوئی پابندی نہیں لیکن اُسے صحیح استعمال میں لاتے رہنا اور جمع نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے اگر غور کیا جائے تو یہی راہ معتدل و متوازن معلوم ہو گی کہ مثل دوسری صلاحیتوں کے مال و دولت کا استعمال یا اُسے حرکت میں لگانے رکھنا افضل و بہتر ہے۔ دولت کے مناسب موقع پر خرچ کرنے اور اسے ضائع نہ ہونے کے بارہ میں بھی مثلاً غلط اسراف اور جہالت سے اس کے ضیاع کو روک کر صحیح مصرف کا ذکر فرمایا۔ ولا تؤتوا السفھاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما، مال و دولت کے ذریعہ تمہارے ما یحتاج کا سامان ہوتا ہے پس اسے نادانوں کے حوالہ نہ کرو بلکہ اسے حفاظت سے اس کے صحیح استعمال میں لاؤ۔

قرآن کریم کی کامل اور مکمل تعلیم نے مال و دولت سے بے جا محبت لگانے سے منع کیا ہے یہاں تک کہ نہ صرف اسراف و ضیاع سے روکا بلکہ جب اعلےٰ مقاصد و اغراض کے حصول کا موقع ہو تو وہاں ادنےٰ اغراض کو قربان کرکے انفاق کی تعلیم دی۔ جیسے مفصلہ ذیل آیات سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے:۔

انما اموالکم و اولادکم فتنة ۔ تمہارے اموال اور اولاد تمہارے لئے امتحان کا موجب بن جاتے ہیں جب تم ان سے ایسی محبت لگاتے ہو کہ اس کے باعث اعلےٰ مقاصد پر اموال صرف کرنے سے گریز کر جاتے ہو۔ پھر فرمایا۔ لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ، یاد رکھو کہیں تمہارے اموال اور اولاد تمہیں خدا کے ذکر سے غافل کرکے تمہیں ہلاکت میں نہ ڈال دیں۔ بلکہ ایک مقام پر تو صریح الفاظ میں خدا کے حکم کے برخلاف اموال اور ازواج سے ایسی شدید محبت رکھنے والوں کو تنبیہ فرمادی، جب یہ فرمایا ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم فاحذروھم وان تعفوا و تصفحوا ـــــ خیر لکم۔ خبردار ہو جاؤ! بعض اوقات تمہاری بعض ازواج اور اولاد، تمہاری عداوت کا موجب بن جاتے ہیں جب ان کی محبت میں تم اپنے اموال کو اعلےٰ نصب العین کی خاطر صرف کرنے سے رک جاتے ہو۔ پس ایسا نہ ہونے دینا چاہیئے ہاں ان سے بھی نرمی اور درگذر کا سلوک بہتر ہے۔ ان تمام آیاتِ کریمہ سے یہ امر بکلّی واضح ہوگیا کہ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق نظریہ حیات اعلےٰ اقدار زندگی ہے نہ کہ مال و دولت اور سیم و زر کی محبت میں سرشار ہو کر انہیں بھلا دینا بلکہ اعلےٰ صلاحیتوں کی نشو و نما کا تقاضا یہی ہے کہ اموال و املاک کو ان کی خاطر قربان کیا جائے، محروم اور محتاجوں کی اعانت و امداد کے سامان کرنا نیز اصول صداقت کے قیام اور ترویج کے لئے اپنے اموال کو صرف کرنا اعلےٰ مدارج کے حصول کے لئے لازم پڑا ہے۔

اسلام نے ذاتی اکتساب اور ملکیت کے اصول کو جائز ذرائع سے تسلیم کرنا اسلئے نہیں کہ سرمایہ داری کی طرح اس کے نزدیک دنیوی اور مادی ترقی

ترقی مقدم پڑی رہے یا یہ کہ اموال واملاک میں اضافہ کو باعث عزت و شرف یا سوشلزم مالی معاملات میں مساوات قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ افراد میں جو ذہنی تفاوت اور قابلیتوں کا اختلاف موجود ہے کیا وہ اسے دُور کر سکتی ہے؟ اگر فطرت کے اس تفاوت کو کسی طرح مساوات میں تبدیل کرنا ممکن نہیں، تو اس بناء پر عزت و عہدہ اور مقام و منصب کا جو تفاوت لازم آتا ہے اسے بھی مساوات میں تبدیل کرنا ناممکنات سے ہے تو پھر اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قابلیت اور منصب میں تفاوت ناگزیر ہے تو مالی معاملہ میں کسی قدر تفاوت کیوں جُرم اور حرام ہو گیا؟ افسوس تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا کہ جب تم تفاوتِ صلاحیت پر تفاوت مراتب لازم مانتے ہو اور یہ نہ صرف ظلم نہیں بلکہ یہ عین انصاف کا تقاضا اور کاروبار کے بہتر انصرام و انتظام کا یہی ایک معقول طریق کار ہے تو پھر مالی و اقتصادی میدان میں بھی اگر اسی بناء پر تفاوت ہو تو وہ ظلم اور استحصال کیونکر ہو گیا؟ اور اس کی خاطر جبر و تشدد کے جملہ ذرائع استعمال کرنا اور آمرانہ و جابرانہ طریقے اختیار کر کے، انسانی آزادیِ ضمیر و حریّت فکر کے عالی عظیم جوہروں کو یکسر کچل دینا کہاں کا انصاف اور کیسی انسانیت ہے؟

انسان کا سارا امتیاز دوسرے جانداروں سے یہی تو ہے کہ وہ ارادہ و اختیار کا مالک ہے۔ اسے محض پابند اور مجبور محض نہیں کیا گیا، اور اسی صحیح و سچی آزادی سے ساری دینی و دنیاوی ترقیات کے راستے وا ہوتے ہیں تو پھر تم اسی امتیازی خصوصیت کو اگر کچلنے کے درپے ہو تو تم نے انسانیت کے اعلےٰ جوہروں کے استحصال میں کیا کسر باقی رہنے دی؟۔ ظاہر ہے کہ انسان اپنے ارادہ و اختیار کو تب ہی استعمال میں لا سکنے کے قابل ہوتا ہے جب اسے کچھ مقدرت و ملکیت حاصل ہو بغیر قبضہ و مِلک کے ارادہ و اختیار بے معنی بات ہے پس اگر افراد کو اپنے جائز کسب پر قدرت و قبضہ حاصل نہیں تو ان کا ارادہ کچھ مطلب و معنی نہیں رکھتا اور جب کوئی فرد ارادہ و اقتدار سے بکلی محروم ہے تو اس کی آزادی سلب ہو چکی ہے۔ اس صورت میں وہ دوسرے حیوانوں سے کیا امتیاز رکھتا ہے وہ تو ایک جانور بلا اختیار و ارادہ یا مشین کی مانند ہے۔ کیا تم انسان کو مجبور محض بنانے میں فخر کرتے ہو! لیکن اشتراکیت اور سوشلزم کی تحریکیں اصل حقیقت سے بے خبر پڑی ہیں، ان کے نزدیک انسانی فطرت صرف ظلم، استحصال اور جبر و تشدد کی ماتحتی کے مجموعہ کا نام ہے۔ فطرت میں اعلےٰ اور ملکوتی صفات کوئی نہیں رکھی گئیں، لہذا ظلم و استحصال کو دُور کرنے کا ذریعہ صرف جبر و تشدد اور ظلم و تحکم ہی رہ گیا ہے۔ چونکہ انسانی فطرت ہر اعلےٰ صلاحیت سے محروم ہے، اصلاح و تبدیلی کا دوسرا اور کوئی طریق ان کے نزدیک موجود نہیں۔ مگر اسلام اور قرآن کے نزدیک جہاں انسان میں گمراہی و ضلالت کی طرف بھٹک جاتا ہے وہاں اصل انسانی سرشت نہایت عمدہ و اعلےٰ اور مجموعہ صفاتِ حسنہ پیدا کی گئی ہے۔ ان اعلےٰ صفات کے اجاگر کرنے کے لئے صحیح و سچی آسمانی تعلیم پر ایمان اور معاشرہ کے نمونہ کی حاجت بکار ہے، چنانچہ یہ صرف ایک نظریہ ہی نہیں بلکہ حضرت خاتم المرسلین صلعم کی ایسی صادق تعلیم اور عالی نمونہ سے ایک قوم وجود میں آ گئی تھی جس نے دولت و زر کو مقصد حیات بنانے کی بجائے خدا تعالیٰ کی ذات یعنی انسان میں خدائی صفاتِ حسنہ کی جلوہ گری کو اپنا مقصدِ حیات بنایا تھا۔ اسی لئے صحابہ کرام کی قوم دنیا کے لئے موجب رحمت و نجات بنی تھی۔ اسی نظریہ حیات کے دوبارہ احیاء کا منشاء ربّی الٰہی ہو چکا ہے اور یقیناً اسی آسمانی فلسفہ کی قبولیت دنیا کے لئے موجب نجات بننے والی ہے۔ واللّٰہ غالب علیٰ امرہ ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون۔

اہم اطلاع

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ایدہ اللہ، احباب جماعت کو فرداً فرداً بھیجا گیا ہے:۔

اخی مکرمی و محترمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امام زمان حضرت مسیح موعودؑ نے جماعت احمدیہ کو کئی خصوصیات سے نوازا ہے۔ ان میں جلسہ سالانہ کا انعقاد ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسلامی اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے۔ سال کے بعد دوستوں کا ایک جگہ جمع ہو کر تبلیغ و اشاعت اسلام کے عالمگیر پیغام کا جائزہ لینا اور اس کے لئے لائحہ عمل مرتب کر کے آئندہ سال اس پر عمل پیرا ہونے کے ذرائع سوچنا اس اجتماع کا اولین مقصد ہے۔ یہ جلسہ نیک و متقی نفوس کا ایک ایسا اجتماع ہے جو قلوب میں رقت و سوز اور جذب و وارفتگی کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور اجتماعی دعاؤں کے ذریعہ ہماری بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں اس کے کئی معاشرتی و سماجی فوائد بھی ہیں جو صرف سالانہ اجتماع سے ہی پورے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے جماعت کے تمام احباب و خواتین کی شمولیت اس جلسہ میں بے حد ضروری ہے۔

موجودہ دور میں جبکہ افراط زر کی وجہ سے ہر چیز مہنگی ہے اور عام طور پر اشیاء کی فراہمی میں بھی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ ایسے اجتماعات بھی بہت سے اخراجات کے متقاضی ہیں۔ اس لئے جملہ احباب سے درخواست ہے کہ موجودہ مخصوص حالات کے پیش نظر دل کھول کر جلسہ فنڈ میں چندہ دیں اور اپنی درخشندہ روایات کو قائم رکھیں اور جلسہ سالانہ پر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو لانے کی کوشش کریں تاکہ جلسہ کی رونق دوبالا ہو۔

توقع کی جاتی ہے کہ آپ از راہ کرم اپنا عطیہ فی الفور بھجوا دیں گے تاکہ منتظمین جلسہ کو سامان کی بہم رسانی میں آسانی ہو۔ والسلام

آپ کا مخلص۔ مرزا مسعود بیگ۔ جنرل سکرٹری

اخبار احمدیہ

درخواست دعا ہالینڈ سے اطلاع ملی ہے۔ کہ ہمارے نہایت ہی مکرم اور سرگرم رکنِ جماعت جناب مولنا عبدالرحیم جگو صاحب ایک ماہ سے بیمار ہیں اور ہسپتال میں داخل ہیں ان کے گردہ کا اپریشن ہوا ہے جو بفضلہ تعالےٰ کامیاب رہا ہے۔ مگر ابھی کمزوری بہت زیادہ ہے۔ ان کی خواہش ہے۔ کہ پاکستان میں جمعۃ المبارک کے روز نماز میں میرے لئے تندرستی و صحت کے لئے دعا کی جائے کہ اللہ تعالےٰ ان کو شفائے عاجلہ کاملہ عطا فرمائے۔

مقامی جماعت لائل پور کے عہدیداروں کا انتخاب مورخہ ۲۱/۱۱/۷۵ بروز جمعہ مقامی جماعت لائل پور کے عہدیداران بالاتفاق منتخب ہوئے۔

۱۔ سربراہ اعلیٰ :۔ جناب مرزا مظفر بیگ ساطع صاحب
۲۔ صدر :۔ جناب میاں ظہور احمد صاحب
۳۔ نائب صدر :۔ جناب میاں حمید احمد ذوالفقار صاحب
۴۔ جنرل سیکرٹری :۔ جناب میاں ممتاز سلیم صاحب
۵۔ فنانشل سیکرٹری :۔ مرزا محمود بیگ

محمود بیگ۔ فنانشل سیکرٹری

تاریخہائے جلسہ سالانہ

۲۵/۲۶/۲۷/۲۸ دسمبر ۱۹۷۵ء

۲۵ دسمبر کو خواتین کا جلسہ ہوگا

محترم شکر اللہ خاں منصور صاحب

تحریکِ احمدیت اور غلام احمد پرویز

(بسلسلہ اشاعت ۲۶ نومبر ۱۹۷۵ء)

لا اکراہ فی الدین } انسانوں کے خالق و مالک کا حکم ہے کہ دین میں کوئی اکراہ یعنی کوئی جبر نہیں اور یہ حکم قرآن کریم میں ہے۔ جس طرح کسی کو جبر کے ذریعہ دین میں داخل کرنا خدا کی حکم عدولی ہے اور جس طرح تلوار ذریعہ جبر ہے اسی طرح قوتِ قانون بھی ذریعہ جبر ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہے قرآن و سنت پر مکمل ایمان رکھتا ہے۔ اس کا دین اسلام ہے مگر اسے قانون کے ذریعے مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ خود کو "غیر مسلم" مانے کیا یہ جبر نہیں ہے؟ مگر اس پر غور کون کرے؟ پاکستانی مسلمانوں کی اس وقت اکثریت کسی وجہ سے ایسا چاہتی ہے اور اراکین نیشنل اسمبلی کو اکثریت کے ووٹوں کی ضرورت ہے۔ حکومت بڑی چیز ہے۔ یزید بن معاویہ حکمران ہوا اور امیرالمومنین کہلایا۔ اس وقت اسی کے حکم سے آلِ رسول اکرمؐ کے تمام بچے جوان اور بوڑھے تہ تیغ کر دیئے گئے۔ کوئی بتلائے کہ اس وقت شہید کربلا امام حسین علیہ السلام کا کتنے مسلمانوں نے ساتھ دیا؟ اکثریت یزید کی حامی تھی، اس نے وقت کے قاضیوں سے قتل حسین کے فتوے حاصل کئے۔ اس وقت کسی نے دیکھا نہ سوچا کہ امام حسین رض کون ہیں؟ اکثریت کی طاقت کا زور تھا۔ اس وقت پاکستان کا رجحان بھی کچھ ایسی ہی غمازی کر رہا ہے۔ انجام تو اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ مگر ہماری حکومت نے (اول) پہلے قدم میں تمام احمدیوں کو ان سب سے ان کے عقائد پوچھے بغیر آئین میں غیر مسلم قرار دے دیا (دوم) دوسرے قدم یعنی شناختی کارڈوں کی صورت میں انہیں قانوناً بالجبر مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ خود اپنے کو غیر مسلم ہونے کا اقرار کریں۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ اس قانونی جبر کے تحت احمدی کہلانا چھوڑ دیں (سوم) ازاں بعد تیسرے قدم کا بھی امکان ہے کہ احمدی کہلانے والے باقی لوگوں کو تہ تیغ کر دیا جائے اور اسلامی تاریخ میں ایسا ہو چکا ہے۔ بنی اُمیّہ نے حکمرانی حاصل کرکے بنی ہاشم کا اپنی طرف سے خاتمہ کر دیا۔ مگر ایک صدی نہ گذری تھی کہ زمامِ اختیار و اقتدار بنی عباس، یعنی ہاشمیوں کے ہاتھ آ گئی۔ انہوں نے پوری سلطنت میں بنی اُمیّہ کا نام و نشان مٹا دیا۔ اہلِ اسلام کے نزدیک یہ دونوں مسلمان تھے۔ شاہ اسماعیل صفوی نے ایران فتح کرکے تمام سُنّیوں کو آٹھ دس دن میں ملک سے نکل جانے یا شیعہ بن جانے کا حکم دیا۔ ہزاروں کو قتل کیا۔ اکابر کو پنجروں میں بند کرکے شہد لگایا تا کہ مکھیاں انہیں کاٹیں اور وہ اذیت سے مریں۔ اس کے بالمقابل سلطان ترکی کے حکم سے شام میں تیس ہزار شیعہ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ حکومتی قوت و اقتدار کے جبر کی متعدد مثالیں اسلامی تاریخ میں ملتی ہیں۔ مثلاً:-

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار مسلمانوں یعنی حنفی المذہب فرقۂ اسلام سے اس وقت پاکستان بھرا ہوا ہے مگر ان کے وقت کے علماء اور مسلمانوں نے ان پر کفر کا فتوےٰ لگایا۔ حکومتِ وقت نے انہیں جیل میں ڈالا۔ اور وہیں انہیں زہر دیا گیا۔ اسی حالت میں انہوں نے وفات پائی۔

(سیرت النعمان مصنفہ مولانا شبلی ص ۶۳ و تاریخ الخلفاء ص ۱۴۱)

وفات کے بعد بقول قاضی نور اللہ شوستری ان کی قبر کو جو کہ بغداد میں تھی شاہ اسمٰعیل نے اکھاڑا۔ ان کی ہڈیوں کو جلایا۔ ایک کتے کو ان کی قبر میں دفن کیا اور اسے اہل بغداد کا پاخانہ بنایا۔

(۲) حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح گیارہویں صدی کے مجدد ہونے کے مدعی تھے۔ آپ نے مغل بادشاہوں کی طرف سے گمراہی اور ضلالت کے خلاف جہادِ قلمی شروع کیا۔ علماءِ وقت اور عوام مسلمانوں نے آپ کو گمراہ قرار دیا۔ بادشاہ وقت جہانگیر نے آپ کے متعلق لکھا:-

"سرہند میں ایک فریب کار پیدا ہوا ہے جو ولایت کا دعویٰ کرتا تھا۔ کرامت کا مدعی تھا۔ اور اس نے سادہ لوح لوگوں کو پھنسانے کے لئے دامِ تزویر پھیلایا چنانچہ میں نے اس کے دماغ کو درست کرنے کے لئے اسے گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔"

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جنہوں نے بارہویں صدی کا مجدد ہونے کا دعوےٰ کیا علماء زمانہ نے آپ کی تکفیر کی اور اس وقت کے اربابِ اقتدار نے آپ کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹوا دیئے تاکہ آپ کوئی کتاب نہ لکھ سکیں۔

(۴) حضرت سید احمد بریلویؒ مجدد صد سیزدہم اور آپ کے جاں نثار رفیق حضرت شاہ اسمٰعیل شہید علیہ السلام نے احیائے دین و سنّت کی خاطر جہاد کرتے ہوئے اپنی گردنیں کٹوا دیں مگر پاکستان کے مسلمانوں کا ایک کثیر گروہ آج بھی انہیں دشمنِ رسول جان کر کشتنی و گردن زدنی قرار دیتا ہے۔

الغرض مسلمان حکمرانوں علماء اور عوام کے ایسے کارناموں کی ان گنت مثالیں اوراقِ تاریخ میں درج ہیں کس کس کو کوئی شمار کرے یہ ہوتا رہا ہے اور انشاء اللہ تعالےٰ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

حکمرانوں سے ہماری گذارش } ہم اپنے حکمرانانِ وقت، صاحبانِ اختیار و اقتدار اور واضعینِ آئین و قانون کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ اُن کے بنائے ہوئے آئین و قانون سے انکار نہیں مگر وہ غور تو فرمائیں کہ ایک شخص ہے جو

(۱) اسلام کو خدا کا واحد سچا دین سمجھتا اور یقین کرتا ہے۔
(۲) تمام غیر الاسلام دینوں کو جھوٹے سمجھتا ہے۔
(۳) اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرتا ہے۔
(۴) تمام غیر مسلمانوں کو اسلام میں داخل ہو جانے کی تبلیغ کرتا ہے۔
(۵) قرآن شریف کو خدا کی آخری کتابِ ہدایت اور شریعت مانتا ہے۔
(۶) اس کے ایمان کی رُو سے قرآن شریف کا کوئی نقطہ یا شعشہ منسوخ نہیں ہو سکتا۔
(۷) شریعتِ قرآنیہ و سنتِ نبویہ میں کوئی رد و بدل تا قیامت نہیں ہو سکتا۔
(۸) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء بمعنی آخری نبی یقین کرتا ہے۔
(۹) آپ کی ختم نبوت پر مکمل قطعی اور غیر مشروط ایمان رکھتا ہے۔
(۱۰) آپؐ کے بعد کسی نبی یا پیغمبر کے آنے کا قائل نہیں بلکہ ایسے مدعی کو کافر، کاذب سمجھتا ہے۔
(۱۱) قرآن و احادیث کے تمام احکامات پر عمل کرتا ہے۔
(۱۲) تمام اجزائے ایمان کا قائل تمام ارکان دینِ اسلام کا پابند ہے۔

مگر وہ احمدی کہلاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ شخص از روئے آئین "مسلم" ہے یا غیر مسلم۔ اگر اُسے "غیر مسلم" قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آئین عقاید کو نہیں دیکھتا صرف نام کو دیکھتا ہے۔ چلو مان لیا کہ یہ شخص آئینی اور قانونی جبر اور آئندہ خطرات کے پیشِ نظر احمدی کہلانے سے انکار کر دیتا ہے۔ عقائد وہی رہتے ہیں تو حسب آئین فوراً "مسلم" شمار کر لیا جائے گا۔ مگر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر قائم رہے گی کہ اس شخص کا دل دماغ اور ضمیر نیز علم و عقل ہرگز تسلیم نہ کریں گے کہ :-

(۱) حضرت عیسےٰ بن مریم علیہ السلام زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر اُٹھائے گئے جیسا کہ دیگر اہلِ سنّت وغیرہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور

(۲) کہ حضرت عیسےٰ بن مریم نزول من السماء علی الارض کے لئے دوہزار سال سے آسمان پر بیٹھے ہیں جیسا کہ عام دیگر مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ اور

(۳) کہ امام مہدی جس نے آخری زمانہ میں ظہور فرمانا ہے۔ "محمد مہدی" کی شکل میں سینکڑوں برس قبل ازیں پیدا ہوکر کہیں پوشیدہ ہے۔ جیسا کہ شیعوں کا عقیدہ ہے۔ اور

(۴) کہ یہ رُوپوش امام محمد مہدی کسی وقت اچانک اپنی جائے پناہ سے باہر آکر مسلمانوں کی رہنمائی اور کامیابی کا موجب ہوگا اور سب کو شیعہ بنا دے گا جیسا کہ شیعہ مانتے ہیں اور

(۵) کہ خدا تعالےٰ کا تعلق اور رابطہ چودہ سو سال ہوئے انسان سے منقطع ہو چکا ہے۔ انسان خدا سے اب بالکل آزاد ہے جیسا کہ پرویزی تحریک کا عقیدہ ہے۔ اور

(۶) کہ غیر نبی انسان کشف و الہام کے رنگ میں خدا کی ہمکلامی سے ازازل تا ابد محروم ہیں۔ جیسا کہ غلام احمد پرویز کہتا ہے۔ اور

(۷) کہ امتِ محمدیہ میں جن آئمہ اور اکابرین نے کشف و الہام کے رنگ میں خدا سے ہمکلامی کے دعوے کئے وہ سب غلطی خوردہ جھوٹے تھے جیسا کہ غلام احمد پرویز لکھتا ہے۔ اور

(۸) کہ احادیثِ رسول اللہ صلعم مخدوش ساقط الاعتبار ہونے کی وجہ سے ناقابلِ تسلیم ہیں۔ جیسا کہ اہلِ قرآن کا عقیدہ ہے۔ اور

(۹) کہ احادیث کو قرآن کریم پر قاضی سمجھنا قرآن کریم کی آیات کی احادیث کے مطابق تاویل کر لینا جیسا کہ اہلِ حدیث کا عقیدہ ہے۔ اور

(۱۰) کہ غیر مسلم ممالک میں مثلاً یورپ۔ امریکہ وغیرہ میں اسلام کی تبلیغ کرنا۔ قرآن کی اشاعت کرنا بے اثر اور بے کار ہے جیسا کہ غلام احمد پرویز نے لکھا ہے

تو صاحبانِ اختیار و اقتدار ہمیں بتلائیں کہ یہ شخص ان دوسرے لوگوں سے اپنے آپ کو متمیز کرنے کے لئے کیا کرے؟ احمدی نام کا صرف یہی مطلب ہے۔ جسے آئین پاکستان غیر مسلم بناتا ہے۔ اگر اہلِ سنّت۔ اہلِ حدیث۔ اہلِ قرآن۔ اہلِ تشیع یا شیعہ محمدی۔ سہروردی۔ نقشبندی۔ قادری۔ پرویزی وغیرہ تمام نام غیر مسلم نہیں بناتے تو احمدی نام کیوں قابلِ تعزیر ہے؟ اصل معیار عقاید ہیں نہ کہ نام۔ عقاید و اعمال کو الگ کر دینا صرف نام کو لے کر شخص مذکور کو غیر مسلم قرار دے دینا حالانکہ "احمد" نام بانئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کس قدر غیر معقول بات ہے۔ کیا واضعین آئین و قانون اس پر غور کریں گے؟ اور یہ بھی غور کریں گے کہ ان کی طرف سے اس حکومتی جبر اور مجبوری کے نتائج کیا ہوں گے؟ (ایک نتیجہ) احمدی شخص مذکور جو قانونی جبر اور مجبوری کی وجہ سے احمدی کہلانا چھوڑ دے گا اپنے ذہن و ضمیر میں انہی عقائد کا قائل ہوگا جن کی معقولیت اور سچائی پر اُسے شرحِ صدر حاصل ہو چکا ہے اور جن کی تفصیل اوپر درج ہے۔ ہذا یہ حکومت اپنے قانون کے ذریعے پاکستان میں

"مجبور دینی منافقین"

کی ایک کھیپ تیار کر دے گی۔ جو بلحاظ عقاید احمدی ہوں گے مگر ظاہری قول کی رُو سے احمدی نہیں ہوں گے۔ کوئی بتلائے کہ اس سے حکومت کو یا پاکستان کو یا اسلام کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ (دوسرا نتیجہ) حکومت کے اس قانونی جبر کے ذریعے جو احمدی افراد احمدی کہلانے سے انکار پر مجبور ہوں گے عین ممکن ہے کہ ان کا ایمان دین و مذہب سے اُٹھ جائے اور وہ دہریت الحاد اور اشتراکیت کی طرف مائل ہو جائیں۔ کیونکہ ان مسلمانوں کی حالت ان کے سامنے ہوگی جن کی ضد اور اصرار پر انہیں اس مجبوری میں ڈالا گیا۔ ان مسلمانوں کی یہ حالت الفاظ ذیل میں بیان کی گئی ہے :-

۱۔ "یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ کیرکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافر قوموں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں۔ عدالتوں میں جھوٹی گواہیاں دینے والے جس قدر کافر قومیں فراہم کرتی ہیں غالباً اسی تناسب سے یہ بھی فراہم کرتی ہے۔ رشوت۔ چوری۔ زنا۔ جھوٹ اور دوسرے ذمائم اخلاق میں یہ کسی سے کم نہیں۔" (سیاسی کشمکش حصہ سوم از مولانا مودودی)

۲۔ "اس وقت کے مسلمانوں کا جائزہ لیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی اقسام بے شمار ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ سانپوں کی قسمیں گن سکتے ہیں مگر مسلمانوں کی اقسام شمار نہیں کی جا سکتیں۔"

(تحریک جماعت اسلامی ص۴۸ از ڈاکٹر اسرار احمد)

۳۔ "پندرہ بیس برس پہلے ہم ذہناً مسلمان تھے۔ قلب کی محرومی کا ماتم اس وقت بھی کیا جا رہا تھا۔ اب ہم ذہناً بھی مسلمان نہیں رہے نئی نسل کے دل سے عصبیت ختم ہو چکی ہے۔ احترام کبھی تھا وہ بسرعت تمام اڑ رہا ہے۔ اس بغاوت کا اصل سبب خود ہمارے علمائے کرام و مشائخ عظام ہیں جن کے نزدیک اسلام بعض ظواہر کی نمائش رہ گیا ہے" (اداریہ چٹان ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء)

۴۔ انجمن خدام الدین لاہور کے ترجمان "خدام الدین" کی اشاعت بابت ۱۶ اگست ۱۹۷۴ء میں شبِ معراج کی تقریب پر مروجہ غیر شرعی رسوم کا ذکر کرنے کے بعد کہا گیا ہے :-

"پنجاب میں جو اسلام رائج ہے اس کا $\frac{9}{10}$ حصہ کفر سے آیا ہے

ہر کفر کہ کہنہ شد مسلمانی شد"

یہی بات اگر طلوع اسلام کہہ دے تو اسے گردن زدنی قرار دے دیا جائے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس میں پنجاب کو کیوں مختص کیا گیا ہے۔ کیا ملک کے باقی حصوں میں خالص اسلام رائج ہے؟" (طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۷۴ء ص۳۱)

کوئی ہمیں بتلائے کہ یہ صورت حکومتِ پاکستان اور اسلام کے لئے کیونکر فائدہ مند ہوگی؟ ازیں بعد ہم پرویز صاحب کے بعض جھوٹوں اور جھوٹے الزاموں کا ذکر کرکے مضمون ہذا کو ختم کر دیں گے۔

(باقی ـــــ باقی)

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
(مینجر)

مرتبہ: مولوی محمد علی ثنا ملتان

مقام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کمالاتِ قدسیہ میں سب نبیوں سے بڑھ کر

صحابہؓ کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا ہے :۔

ھوالذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین ۰ والف بین قلوبھم لو انفقت مافی الارض جمیعًا ما الفت بین قلوبھم ولٰکن اللہ الف بینھم انہ عزیز حکیم ۰ (۸/۶۴)

وہ خدا جس نے اپنی نصرت سے اور مؤمنوں سے تیری تائید کی اور ان کے دلوں میں ایسی اُلفت ڈالی کہ اگر تو ساری زمین کے ذخیرے خرچ کرتا تو بھی ایسی اُلفت پیدا نہ کر سکتا لیکن خدا تعالےٰ نے ان میں یہ اُلفت پیدا کر دی وہ غالب اور حکمتوں والا خدا ہے ....

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدہا معجزات ہیں لیکن سب سے بڑا یہی ہے کہ جس بات کا دعوےٰ کیا گیا تھا اس کو پورا کر دکھایا۔ طبیب حاذق اسی طرح پہچانا جاتا ہے کہ بڑے بڑے بیمار اس سے شفا پائیں تب ہی اس کا دعوےٰ سچا ثابت ہوگا

بے نظیر انقلاب } حضرت نبی کریمؐ کی بعثت کے وقت قوم عرب کے تمدن اور اخلاق اور روحانیت کا کیا حال تھا۔ گھر گھر میں جنگ اور شراب نوشی اور زنا اور لوٹ مار۔ غرض ہر ایک بدی موجود تھی۔ کوئی نسبت اور تعلق خدا تعالےٰ کے ساتھ اور اخلاق فاضلہ کے ساتھ کسی کو حاصل نہ تھا۔ ہر ایک فرعون بنا پھرتا تھا[1] ایک بد روش کو درست کرنا کس قدر مشکل ہے۔ عادات راسخہ کا گنوانا کیسا محالات سے ہے۔ لیکن ہمارے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہزاروں انسانوں کو درست کیا جو حیوانوں سے بدتر تھے[2] بالکل وحشی لوگ تھے۔ کھانے پینے کے سوا کچھ نہ جانتے تھے۔ نہ حقوق العباد سے آشنا نہ حقوق اللہ سے آگاہ۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے ایک جگہ ان کا نقشہ کھینچکر بتلایا کہ یاکلون کما تاکل الانعام (۴۷/۱۳) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم نے ایسا اثر کیا۔ یبیتون لربھم سجدًا وقیامًا (۲۵/۶۵) کی حالت ہوگئی۔ یعنے اپنے ربّ کی یاد میں راتیں سجدے اور قیام میں گذار دیتے تھے۔ اللہ اللہ کس قدر فضیلت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے ایک بے نظیر انقلاب اور عظیم الشان تبدیلی واقع ہوگئی۔ حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کو میزان اعتدال پر قائم کر دیا۔ اور مردار خوار قوم کو ایک اعلےٰ درجہ کی زندہ اور پاکیزہ قوم بنا دیا[3] کون اس جماعت کثیر کا دوسری جگہ وجود دکھلا سکتا ہے جو تعداد میں دس ہزار سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی اور کمال اعتقاد اور انکسار اور جانفشانی اور پوری محویت سے سچائی کے حاصل کرنے اور راستی کے سیکھنے کے لئے آستانۂ نبوی پر پڑی رہتی تھی۔ بے شک حضرت موسیٰؑ کو بھی ایک جماعت ملی تھی مگر وہ کیسی اور کس قدر سرکش اور متمرد اور روحانی صحبت اور صدق قدم سے دور اور مہجور رہنے والی تھی اس بات کو بائبل کے پڑھنے والے اور یہودیوں کی تاریخ پر نظر ڈالنے والے خوب جانتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت نے اپنے رسول مقبولؐ کی راہ میں ایسا اتحاد اور ایسی روحانی یگانگت پیدا کر لی تھی کہ اسلامی اخوت کی رُو سے سچ مچ عضوِ واحد کی طرح ہوگئی تھی اور ان کے روزانہ برتاؤ اور زندگی اور ظاہر و باطن میں انوار نبوت ایسے رچ گئے تھے گویا وہ سب آنحضرتؐ کا ایک عکس تصویر تھے[4] وہ ایسا کچھ تھے کہ اس کی راہ میں پانی کی طرح اپنے خونوں کو بہا دیا[4]

مقامِ صحابہؓ }

لہ صحبۃٌ کانوا مجانین حُبّہ
وجعلوا ثری قدمیہ للعین اثمدا

ترجمہ: آپؐ کے صحابہؓ آپؐ کی محبت میں مجنون تھے۔ اور انہوں نے آپؐ کی خاکِ پا کو آنکھوں کا سُرمہ بنا لیا تھا۔

دوسری طرف جب عیسائیوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے حیران ہی ہونا پڑتا ہے کہ حواریوں نے عیسائی ہو کر کیا ترقی کی ...... نہ تو علمی اصلاح ہوئی اور نہ عملی۔ علمی اصلاح کے لئے تو انجیل نے خود فیصلہ کر دیا کہ وہ موٹی عقل والے تھے اور کم فہم اور لالچی تھے اور عملی اصلاح کا خاکہ بھی انجیل ہی نے کھینچکر دکھا دیا کہ کوئی لعنتیں بھیجتا ہے اور کوئی روپے پر پکڑواتا ہے[5]

اب اس کے مقابلہ میں انصافًا دیکھا جاوے کہ ہمارے ہادی اکمل کے صحابہؓ نے اپنے خدا اور رسولؐ کے لئے کیا کیا جانثاریاں کیں۔ جلا وطن ہوئے۔ ظلم اٹھائے طرح طرح کے مصائب برداشت کئے جانیں دیں لیکن صدق و وفا کے ساتھ قدم مارتے ہی گئے۔ پس وہ کیا بات تھی کہ جس نے انہیں ایسا جان نثار بنا دیا۔ وہ سچی الٰہی محبت کا جوش تھا جس کی شعاع ان کے دل میں پڑ چکی تھی اس لئے خواہ کسی نبی کے ساتھ مقابلہ کر لیا جاوے آپؐ کی تعلیم، تزکیہ نفس اپنے پیرؤوں کو دنیا سے متنفر کرا دینا، شجاعت کے ساتھ صداقت کے لئے خون بہا دینا، اس کی نظیر کہیں نہ مل سکے گی۔ یہ مقام آنحضرتؐ کے صحابہؓ کا ہے[6]

بار بار خیال آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ہی قوتِ قدسیہ ہے کہ آپؐ پر ایمان لا کر صحابہ کرامؓ نے یک دفعہ ہی دنیا کا فیصلہ کر دیا۔ جان سے بڑھ کر کیا شئے ہوتی ہے۔ اپنے خون سے دین پر مہریں لگا دیں[7] اصحاب رسول اللہ سب کچھ رکھتے تھے۔ زن و فرزند اور اموال و اقارب سب کچھ ان کے موجود تھے۔ عزتیں اور کاروبار بھی رکھتے تھے مگر انہوں نے اس طرح شہادت کو قبول کیا کہ گویا ایک شیریں پھل انہیں میسر آگیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے موت کو پسند کرے۔ * نامردی نہ دکھاتے بلکہ آگے ہی قدم رکھتے ایسی محبت سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جان دیتے تھے کہ بیوی بچوں کو بلا جیسی سمجھتے تھے اگر بیوی بچے مزاحم ہوں تو انکو دشمن سمجھتے تھے اور یہی معنی انقطاع کے ہیں[8]

* ایک طرف تعہد حقوق عیال و اطفال میں کمال دکھایا اور دوسری طرف ایسا انقطاع کہ گویا وہ بالکل کورے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کے لئے موت

کیا کوئی اس قوم کی نسبت خیال کر سکتا تھا کہ یہ قوم باہم متحد ہوگی اور خدا تعالےٰ سے ایسا قوی تعلق پیدا کریں گے کہ باوجودیکہ یہ فرعون سیرت ہیں لیکن اس کی اطاعت میں ایسے محو اور فنا ہوں گے کہ جان عزیز

۱؎ الحکم ۔ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء ۔ ۲؎ رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء
۳؎ الحکم ۲۰/۲۷ اگست ۱۸۹۸ء ۔

۴؎ فتح اسلام صفحہ ۲۰ تا ۲۲ ۔ ۵؎ الحکم ۲۰/۲۷ اگست ۱۸۹۸ء
۶؎ رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء ۔ ۷؎ البدر ۱۷ اگست ۱۹۰۳ء
۸؎ البدر یکم جولائی ۱۹۰۴ء

کو بھی اس راہ میں دے دیں گے غور کرو کہ کیا یہ آسان امر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عظیم الشان کامیابی ہے ایک ایسی قوم میں ایسی محبت الٰہی کا پیدا کر دینا کہ وہ مرنے کو تیار ہو جائیں خود آپؐ کی اعلیٰ درجہ کی قوت قدسی کو ظاہر کرتا ہے [۵]

(۱) وفی مهجتی نورٌ وجیش لامدحٰ
سلالة انوار الکریم محمّدا

(۲) کریم السجایا اکمل العلم والنهیٰ
شفیع البرایا منبع الفضل والهدیٰ

(۳) تبصّر خصیمی هل نریٰ من مشاکهٍ
بتلك الصّفات الصالحات باحمدا

(۴) بشیرٌ نذیرٌ آمرٌ مانعٌ معاً
حکیم بحکمته الجلیلة یُقتدیٰ

(۵) هدی الهائمین الیٰ صراط مقوّمٍ
ونوّر افکار العقول وایّدا

(۶) له طلعةٌ یجلو الظلام شعاعها
ذکاءٌ منیرٌ برجه کان برجدا

(۷) له درجاتٌ لیس فیها مشارکٌ
شفیعٌ یزکّینا ویدنی المبعدا

(۸) وما هو الّا نائب الله فی الوریٰ
وفاق جمیعًا رحمةً وّ تودّدا

(۹) تخیّره الرحمان من بین خلقه
واعطاه مالم یعط احدٌ من الندیٰ

(۱۰) وقد کان وجه الارض وجها مسوّدًا
فصارا به نوراً منیراً واغیدا

(۱۱) وارسله الباری بآیات فضله
الیٰ حزب قومٍ کان لدّاً ومفسدا

(۱۲) اتعرف قومًا کان میتاً کمثلهم
نؤمًا کاموات جهلٍ ولاٰ یلددا

(۱۳) فایقظهم هٰذا النبّی فاصبحوا
منیرین محسودین فی العلم والهدیٰ

(۱۴) وجاءُوا ونورٌ من وراءٍ لسوقهم
الیه ونورٌ من امامٍ مقوّدا

(۱۵) ولو کشف باطنهم تریٰ فی قلوبهم
یقینًا کطبقات السماء منضدا

(۱۶) تدارکهم لطف الاله تفضلاً
وزکّیٰ بروحٍ منه فضلاً وّ ایدا

(۱۷) ففاتوا بفضل الله خلق زمانهم
بعلم وایمانٍ وّ نورٍ وّ بالهدیٰ

(۱۸) وهٰذا من النُّور الذی هو احمد
فدیٰ لك روحی یا محمد سرمدا

(کرامات الصادقین)

ترجمہ:

(۱) اور میرے دل میں جوش اور ولولہ ہے کہ میں مدح کروں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ جو خدائے کریم کے انوار کا خلاصہ ہیں۔

(۲) آپؐ بزرگ خوبیوں کے مالک ہیں۔ علم اور عقل میں کامل ہیں۔ مخلوق کے شافع اور فضل و ہدایت کے چشمہ ہیں۔

(۳) اے مدعی! دیکھ کوئی اور شخص تجھ کو ان صفاتِ حسنہ میں احمدؐ کا شریک نظر آتا ہے۔

(۴) آپؐ بشیر ہیں، نذیر ہیں حکم دینے والے اور منع کرنے والے ہیں۔ آپؐ صاحب حکمت ہیں اور اپنی روشن حکمت ہیں اور اپنی روشن حکمت سے دنیا کے پیشوا بنے ہیں۔

(۵) آپؐ نے سرگرداں لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرمائی ہے اور عقلمندوں کے افکار کو روشن کیا ہے اور مدد دی ہے۔

(۶) اور آپ کے دیدار کا نور تاریکیوں کو روشن کر دیتا ہے آپ ایک روشن آفتاب ہیں اور آپؐ کا برج ایک چادر ہے۔

(۷) آپ کے بلند درجات میں آپ کا کوئی شریک نہیں۔ آپ ہمارے پاک کنندہ ہیں۔ جو راندۂ درگاہ کو مقرب بناتے ہیں۔

(۸) آپ مخلوق میں خدا تعالےٰ کے نائب ہیں۔ اور رحمت اور محبت میں سب پر فوقیت لے گئے ہیں۔

(۹) خدائے رحمان نے آپ کو مخلوق سے برگزیدہ کیا۔ اور آپ کو ان انعامات سے نوازا۔ جو اس نے کسی اور کو نہیں دیئے۔

(۱۰) تمام روئے زمین سیاہ اور کالی تھی۔ جو آپ کے ذریعہ سے نور، نور بخش اور خوبصورت ہو گئی۔

(۱۱) خدائے تعالےٰ نے آپ کو اپنے نشانات دے کر ایسی قوم کی طرف مبعوث فرمایا تھا جو سخت جھگڑالو اور مفسد تھی۔

(۱۲) کیا تو جانتا ہے کہ کوئی اور قوم عربوں جیسی مردہ تھی۔ مردوں کی طرح خواب غفلت میں پڑی تھی۔ اور جاہل اور جھگڑالو تھی۔

(۱۳) پس ان لوگوں کو اس عظیم الشان نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب غفلت سے بیدار کیا۔ پس وہ نور بخش اور علم و ہدایت میں لوگوں کے محسود بن گئے۔

(۱۴) وہ ایسے طور پر آپؐ کے حضور میں حاضر ہوئے کہ ان کے پیچھے بھی نور تھا۔ اور ان کے آگے بھی نور تھا۔

(۱۵) اور اگر ان کا اندرونہ کھولا جائے۔ تو تُو ان کے دلوں میں آسمانوں کے طبقات کے مانند تہ بر تہ یقین دیکھے گا۔

(۱۶) فضل کی رو سے خدا تعالےٰ کے لطف سے ان کی دستگیری اور انہیں اپنے روح القدس سے پاک کیا اور ان کی تائید کی۔

(۱۷) پس وہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے اس زمانہ کے لوگوں پر علم، ایمان نور اور ہدایت کی رُو سے فوقیت لے گئے۔

(۱۸) اور یہ سب اسی نور کی برکت سے تھا۔ جو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ پر ہمیشہ میری جان فدا ہو۔

[۵] الحکم ۱۷ر اگست ۱۹۰۵ء

خطبہ جمعہ ــــ بسلسلہ صفحہ ۲

تمہیں اسی باطل کی طرف لے جائیں گے جن میں تم پہلے مبتلا تھے اور جس سے مخلصی خدا کے مامور نے دلائی تھی نتیجہ یہ ہوگا کہ تم خسران کا شکار ہو جاؤ گے یاد رکھو کہ اللہ ہی تمہارا مولےٰ ہے اور وہی تمہیں اپنی بہترین نصرت کا مورد بنانے والا ہے اس لئے اسی کی پناہ میں اپنے آپ کو رکھو تا تم سرخروئی کے ساتھ اس سے دنیا سے رخصت ہو۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے ہم سب کو اپنی نعمتوں اور حقیقی برکتوں کے سایہ کے نیچے رکھے۔ آمین۔

ہفت روزہ پیغام صلح خود پڑھنے کے بعد دیگر احباب تک پہنچائیں۔

مرد و عورت میں تلخی و شکر رنجی اور لاتعلقی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

مغربی اقوام میں اگرچہ شادی مرد اور عورت کی باہمی رضا مندی اور انتخاب سے کی جاتی ہے تاہم اکثر ان کا انجام ناچاقی پر ہوتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ باہمی تعلقات کی بنا ایک دوسرے کی صفات حسنہ اور کامل نبھاہ کی بجائے سطحی اور عارضی مفادات پر قائم کئے جاتے ہیں۔ مگر اس تیسری آیت میں مسلمان کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ نکاح کی نوعیت حتی الامکان دائمی ہے اور ایسے تعلق کا نبھاہ دائمی اور تا دمِ مرگ بجالانا لازم پڑا ہے چاہے حالات کیسے ہی ناخوشگوار کیوں نہ پیش آئیں۔ اسی لئے فرمایا کہ جب تمہیں موت آئے تو وہ ایسی حالتِ سکون و سلامتی اور امن و فرمانبرداری میں واقع ہو کہ موت ایسا پیش آمدہ سانحہ بھی تمہارے باطنی امن و عافیت کو ہلا نہ سکے۔ ہردم اور ہمیشہ اندرونی سکونِ قلب اور روح کی سلامتی و رضامندی سے سرشار رہنا گویا انسانی زندگی کے حقیقی نصب العین کو پالینے کے مرادف ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے وقلنا یآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ اے آدم تو اور تیری زوج اس دنیا کی جنت میں سکون و سہولت اور امن و عافیت سے رہو۔ کیونکہ اُخروی جنت اسی زندگی کے اعمال اور کیفیات کا پرتو ہی ہے۔ صادق آں باشد کہ ایامِ بلا ــ مے گذارد با محبت باوفا

اسلام نے نکاح کو نہ صرف قانونی شکل دی ہے بلکہ یہ عہد جہاں قانونی و شرعی حیثیت رکھتا ہے وہاں اس سے بڑھ کر اس تعلق کو خدائی اقرار نامہ کا درجہ بھی بڑھ چڑھ کر حاصل ہے۔ اسی لئے ان تینوں آیات میں جو نکاح کے موقعہ پر پڑھنی مسنون ہیں بار بار تقویٰ یا خدائی عہد کو پورا کرنے کا ذکر آتا ہے۔ ایک حدیث نبویؐ کے مطابق الخلق عیال اللہ تمام جہان خدا کا کنبہ ہے۔ پس یہ تین صفات یعنی فطری مساواتِ انسانی، صدق و راست گوئی اور معاہدوں کا باہمی منصفانہ و کامل نبھاہ، چاہے موت درپیش ہو ایسی اعلیٰ صفاتِ حسنہ ہیں جن پر نہ صرف گھریلو زندگی کا نظام جنتی ماحول پیدا کر دینے کا موجب ہے بلکہ اگر تمام اقوام اور طبقات ان پر کاربند ہو جائیں تو یہ زندگی رُوئے زمین پر جنتِ ارضی بن جاتی ہے۔ البتہ ان حقائق کو عملی زندگی کا جامہ پہنانا شرط ہے ؎

از عمل ثابت کُن آں نورے کہ در ایمان تُست
دل چو دادی یوسفِ را، راہِ کنعاں را گزیں

تجاویز برائے جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جلسہ سالانہ قریب آگیا ہے اور آجکل انتظامات کو آخری شکل دی جا رہی ہے۔ احباب جماعت کی خدمت میں درخواست ہے کہ اگر ان کے ذہن میں جلسہ سالانہ کے انتظامات کو بہتر بنانے کے متعلق کوئی تجویز ہو تو براہِ مہربانی ایسے احباب اپنی تجاویز تحریراً افسر جلسہ جناب میاں فضل احمد صاحب کو ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

خواجہ نصیر اللہ ۔ 25-11-75

ایک گذارش

از مکرم جناب میاں فضل احمد صاحب مہتمم جلسہ سالانہ ۷۵ء دار السلام لاہور

ایک دوست کے پیہم اصرار نے مجھے جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۷۵ء کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ ہر چند کہ میں نے اس سے معذوری کا اظہار کیا مگر میری ایک نہ مانی گئی اور اور ناچار تعمیل ارشاد میں مجھے اس مشکل مگر اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے آمادہ ہونا پڑا۔

یہ عاجز ہرگز اس قابل نہ تھا کہ اس پر اس قدر اعتماد کیا جائے اور پھر میں خود بھی اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہونے کا اہل نہیں پاتا۔ تاہم سوچتا ہوں کہ اس اہم فریضہ کو بھی ہم میں سے ہی کسی نے نبھانا ہے لہٰذا احباب اور بزرگوں کی پُر زور فرمائش پر اس امر کے لئے مستعد ہو گیا ہوں کہ احباب کی رہبری، امداد اور تعاون سے اس بار جلسہ کو پہلے سے بہتر بنانے کی سعی کی جائے۔

میں احباب کرام کی خدمت میں بطور ایک مرکزی میزبان چند ایک معروضات پیش کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ ہم سے بھرپور تعاون فرمائیں گے اور میری گذارشات خواہ اخبار "پیغام صلح" کے ذریعہ آپ تک پہنچیں یا عریضہ ہذا کے ذریعہ ملیں آپ مطلوبہ اطلاعات بھجوا کر ضرور تعاون فرمائیں گے۔ اس کے نتیجہ میں ہم اس قابل ہو سکیں گے کہ آپ کی سہولت اور آرام کے لئے خاطر خواہ انتظامات کئے جا سکیں لہٰذا براہ کرم مندرجہ ذیل امور سے جس قدر جلد ممکن ہو سکے اطلاع فرمائیں:

(۱) آپ سے امید کی جاتی ہے کہ اس بار آپ گذشتہ سالوں کی نسبت ۲۵ فیصدی زائد احباب کو ہمراہ لا کر جلسہ میں شمولیت فرمائیں۔ جو احباب کرایہ آمد و رفت کی استطاعت نہ پاتے ہوں، انہیں مقامی جماعت کے فنڈ سے مناسب خرچ مہیا کیا جائے اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو مرکز میں اطلاع دیں تاکہ ہم یہاں سے مناسب امداد کی کوشش کریں۔

(۲) جلسہ سالانہ میں شرکت کرنے والے احباب جماعت و غیر از جماعت کی تعداد اور مرکز میں پہنچنے کے وقت سے ہمیں ۱۵ر دسمبر تک اطلاع دی جائے۔

(۳) بندہ نے اس سال مقامی جماعت احمدیہ لاہور کے احباب سے استدعا کی ہے کہ وہ مہمانان کرام کو اپنے اپنے گھروں میں رہائش کے لئے جگہ دیں۔ اس اپیل کا تسلی بخش جواب ملا ہے اور ہم لوگ آپ کے لئے چشم براہ ہیں جو احباب گھروں میں قیام کرنا چاہیں وہ اپنے دوستوں اور افراد خاندان (مردوں، عورتوں اور بچوں) کی تفصیل سے اطلاع دیں۔

(۴) جلسہ سالانہ کے موقعہ پر انتظامات کو احسن طریق پر کنٹرول کرنے کے لئے رضاکاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے نوجوان دوست جو یہ خدمات سرانجام دے سکیں وہ اپنے نام اور ایڈریس ہمیں ۱۰ر دسمبر تک ارسال کر دیں۔ تاکہ ان کے ذمہ جو فرائض لگائے جائیں گے انہیں آخری شکل دی جا سکے گی۔ انہیں ۲۳ر دسمبر تک لاہور آنا ضروری ہوگا اور ۲۹ر دسمبر تک رہنا ہوگا۔

(۵) جلسہ سالانہ کے انتظامات کے سلسلہ میں اگر کوئی دوست مفید مشورہ دینا چاہیں تو اس سے بندہ کو مطلع فرمائیں۔

جلسہ کی تاریخیں: ۲۵، ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۵ء
(۲۵ر دسمبر ۷۵ء کو صرف خواتین کا اجلاس ہوگا)

ڈاک کے جلد اور بروقت ملنے کے لئے میرا پتہ نوٹ فرمالیں:۔
" معرفت پوسٹ بکس نمبر ۱۲۹۸، لاہور

حضرت مرزا صاحبؑ اور قرآن حکیم

آپ کی ماموریت سے قبل کا حال

حضرت مرزا صاحب کی ماموریت سے قبل کتاب اللہ پر انسانوں کی روایات حاکم و قاضی تھیں۔ کتاب اللہ صرف تلاوت اور ایصال ثواب کے لئے رہ گئی تھی۔ اگرچہ سرسید علیہ الرحمۃ اور ان کے رفقاء نے بھی قرآن حکیم کی طرف دعوت اور رجعت کی آواز بلند کی۔ مگر سرسید علیہ الرحمۃ جس نظامِ فکر کی اساس پر اپنی دعوت لے کر اُٹھے تھے وہ اپنے منطقی نتائج کے اعتبار سے قرآن کی بجائے اس دَور کے سائنسی شعور اور سائنسی علوم کا پیدا کردہ تھا۔ اور اسی طرح یہاں بھی کتاب اللہ پر انسانی علم ہی حاکم قرار پایا تھا۔ سائنسی تحقیقات جو سالہا سال کی تحقیق و تدقیق اور جہد بلیغ کا نتیجہ ہوتی ہیں جب وہ ان متجددین کو قرآن حکیم میں نظر آنے لگتی ہیں تو اس طرح سائنسی شعور رکھنے انسانوں کا اعتماد اور یقین کتاب اللہ اُٹھ جاتا ہے۔ وہ یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ کیسی خدا کی کتاب ہے کہ جس کے مفہوم و معنی کا اصل راز ان سائنسدانوں کی تحقیقات کے بعد کھلتا ہے جو اس کتاب سے بے نیاز اور غیر معتقد ہوتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کتاب جس کے بغیر ہی تمام سائنسی مسائل سلجھ رہے ہیں اور کائناتی گتھیاں سُلجھائی جا رہی ہیں۔ جب ہم کائناتی حقائق سے پردہ اُٹھا لیتے ہیں تو وہ تمام عوامل و اشیاء ان متجددین کو اپنی کتاب میں بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ غرضیکہ اس مکتب فکر نے قرآن حکیم کو سائنس اور سائنسی علوم کی حدود و قیود میں اسی طرح مقید اور محصور کر دیا تھا کہ اس محاصرہ و قید کو پاش پاش کرکے کتابِ خدا کو اس کے اصل مقام و مرتبہ پر لانا اور اس مقام و مرتبہ کے لائق اصلی و حقیقی علوم و آداب سے آگاہی بخشنا انسانیت کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہونا لازمی امر تھا۔

ایک دوسرا کثیر التعداد گروہ تھا جس نے اپنے اپنے اولیاء و آئمہ کے مکاتیب و روایات۔ اقوال و ملفوظات، قیاسی عقیدوں اور فکری اجتہادات کو اصل بنا کر کتاب اللہ کو ان کا طواف کرنے پر عملاً مجبور کر دیا تھا۔ یعنی پیروں اور مرشدوں کے ملفوظات اصل دین، مغز شریعت اور روح طریقت و معرفت بن گئے تھے اور کتاب خدا جزدانوں میں بند کرکے رکھ دی گئی تھی۔ اگر کبھی کوئی شخص کسی مسئلہ میں کسی قرآنی آیت کا حوالہ دے دیتا اور اس آیت قرآنی اور ان کے آئمہ کی آراء میں تخالف یا تعارض نظر آتا تو امام کی رائے کے مطابق فتوے دیا جاتا اور قرآنی آیت کے متعلق یہ کہہ دیا جاتا کہ وہ منسوخ ہے۔ ان کے عقیدہ کے بموجب قرآنی آیات میں اب ایک دو نہیں ایک دو سو نہیں پوری پانچ سو آیات منسوخ شدہ مانی جاتی تھیں۔ اور اب ان آیات کی غرض صرف تلاوت تھی اور تلاوت کا مدعا و مقصد حصول ثواب تھا۔

غرضیکہ ملتِ اسلامیہ ہندیہ دینی طور پر انتہائی انحطاط و زوال کا شکار تھی۔ سیاسی قوت ٹوٹ چکی تھی۔ مذہبی قوت فرقوں اور مختلف فکری گروہوں میں بٹ جانے کی وجہ سے ضعف و ہزال کے گرداب میں پھنس چکے تھے۔ علماء کے لئے فروعی مسائل اصل دین بن گئے تھے اور ان فروعی جزئی اور غیر ضروری مسائل پر مناظرے مباحثے حتیٰ کہ مقاتلے تک برپا ہو رہے تھے جن کی وجہ سے رہی سہی مذہبی گروہی قوت بھی مزید کمزور اور لاغر بنتی جا رہی تھی۔ اور اس سر پھٹول اور مناظرہ بازی سے سنجیدہ طبقہ نا امید و گریزاں روشنی اور ذہنیت اختیار کرنے لگا تھا۔ جس گروہ نے علوم جدیدہ کی تحصیل کے

[illegible]

کا ایک مفید ذریعہ اس نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ مگر اس کی یہ تنویر و تنویرِ فکر و ذہن کی کوششیں ایک بنیادی فکری کمزوری کی وجہ سے نونہالانِ ملت کو انگریزی خواں تو بنا گئیں مگر ان کے قلوب و کردار میں مادیت و لا ادریت کے مہلک جراثیم اس طرح رس بس گئے تھے کہ اسلام کی مابعد الطبیعاتی فکری بنیادوں اور نظری اور اساسی قدر و قیمت کے فکری و عملی پیمانوں اور اندازوں سے متنفر اور بیزار ہونے لگے تھے۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم مرزا صاحب کی دینی خدمات بسلسلہ کہ ان اوراق میں بیان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ہماری اس موجودہ کوشش کا فوری مقصد ان کی قرآنی خدمات کو پیش کرنا ہے۔

مرزا صاحب اور ان کی قرآنی خدمات

جیسا کہ سابق میں بتایا جا چکا ہے مسلمانوں کے علماء اور عوام نے کتاب اللہ سے اپنا ربط و تعلق توڑ رکھا تھا۔ اسم و رسم کے سوا ان میں کوئی چیز باقی نہیں رہی تھی۔ ان حالات میں حضرت مرزا صاحب نے آکر ایک انتہائی جرأت مندانہ اعلان حق کیا۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن کا کمال یہ ہے کہ

۱۔ یہ جو دعوے بھی کرتا ہے اس کی دلیل بھی خود دیتا ہے۔ دعویٰ کرکے دلیل کا خود مہیا کرنا یہ اپنے ماننے والوں کے ذمہ نہیں ڈالتا۔ گویا کہ یہ کتاب معقولی ہے اور اپنے دعاوی کو عقل و حکمت کی براہین و دلائل سے ثابت کرتی ہے۔ لہٰذا ہر وہ مذہبی و الہامی کتاب جو اس اعجاز و امتیاز سے محروم ہے وہ چونکہ دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق نہیں لہٰذا وہ دَورِ حاضر میں ہماری رہنمائی کے فرائض انجام نہیں دے سکتی۔ اسی طرح آپ نے سابقہ الہامی کُتب کے ماننے والوں کو ایک نئے انداز سے لاجواب کیا اور انہیں بار بار جوش دلایا کہ وہ اپنی اپنی کُتب کے دعاوی کو انہی کتب کے بیان کردہ دلائل و براہین کی رُو سے مدلل و محقق انداز میں پیش کریں۔

۲۔ آپ نے ثابت کیا کہ قرآن حکیم سے قبل کی کتب مختص القوم والزمان تھیں۔ وہ تمام انسانوں کی طرف اور تمام زمانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے نازل نہیں کی گئی تھیں۔ قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جس کا نزول سب انسانوں کے لئے ہوا ہے۔ چونکہ گزشتہ کتب قومی و وقتی تھیں لہٰذا ان کا صفحۂ ہستی سے تلف و محو ہو جانا کوئی نقصان دہ بات نہیں کیونکہ مشیت ازلی میں بھی ان کا محو و تلف ہو جانا ہی مقدر تھا۔ البتہ جس کتاب کو بین الاقوامی اور دائمی طور پر انسانی رہنمائی کا فریضہ انجام دینا تھا اس کی حفاظت و صیانت کا خدا کی طرف سے خصوصی و امتیازی انتظام کیا گیا۔ گزشتہ کتب کی زبانیں مُردہ بن گئیں زمانہ کی دست برد سے وہ محفوظ نہ رہ سکیں۔ قومی تنزل و زوال کے ایام میں وہ سالوں بلکہ صدیوں تک نظروں سے اوجھل رہیں۔ مگر قرآن حکیم اپنے وقت نزول سے لے کر اس وقت تک اسی حالت میں اب بھی موجود و محفوظ ہے جس میں وہ نازل ہوا تھا اس کی زبان تا حال زندہ ہے اور اس کی زبان کئی ایک ممالک میں پوری آب و تاب سے بولی جاتی ہے۔ لہٰذا جن الہامی کتب کی زبانیں مردہ ہو گئی ہیں وہ دَورِ حاضر کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ ان کی تعلیمات کو پرکھنے کے لئے کسوٹی مفقود ہو گئی ہے اور ان کے الفاظ و معانی میں انسانی دست برد ہو جانے کے بعد کسی ایک معنیٰ و حقیقت پر اجماع و اتفاق ناممکن ہے۔

نیز آپ نے دعوے کیا کہ قرآن کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ یہ آج بھی یہ بتاتا ہے کہ اس کا نزول کس کی جانب سے کس کی طرف ہوا۔ کس غرض و مقصد کے لئے نزول ہوا۔ کس ماہ اور کس وقت ہوا۔ دن کو ہوا یا رات کو ہوا۔ اس کو کس نے ذریعہ تعلیم بنایا اور کیونکر بنایا۔ اس کے

ماننے سے کیا کیا فوائد حاصل ہوں گے اور انکار کر دینے سے کیا کیا نقصانات ہوں گے۔ اس کے برعکس آج جتنی بھی مزعومہ الہامی کُتب ہیں وہ محولہ بالا کسی ایک سوال کا بھی اطمینان بخش اور محققانہ جواب نہیں دے سکتیں۔ اگر کسی کتاب کے مُدّعی یا عالم کو اس بات کا دعویٰ ہے تو اسے چاہیئے کہ تحقیق حق کے لئے میدان میں آئے اور اپنے دعوے کو اپنی الہامی کتاب کے شواہد و نظائر سے ثابت کرے۔

آپ نے فرمایا کہ قرآن ایک زندہ خدا کی کتاب ہے۔ اس کا محافظ و نگران خدائے قیوم عالمیان ہے۔ اس کی نظرِ عنایت سے یہ کتاب تا قیام قیامت محروم نہیں ہو سکتی۔ چونکہ اب یہ زمین پر زندہ خدا کی واحد نمائندہ ہے۔ لہذا اس کتاب کی اتباع سے انسانوں کو زندگی میں ایمان و اطمینان مل سکتا ہے اور جس قدر اس کتاب پر یقین کامل اور اس کی اتباع و متابعت کامل ہو گی اسی قدر اس فرد تابع میں ایمان کی حرارت زیادہ ہو گی۔ اس کتاب کی اتباع کا رنگ جس قدر فرد کی ذات پر زیادہ ہو گا۔ اسی قدر اس فرد کا زندہ خدا کے ساتھ تعلق و ربط بھی مضبوط و مستحکم ہو گا۔ کتاب کے علاوہ روئے زمین کی کسی بھی اور کتاب سے یہ کام نہیں لیا جا سکتا اور نہ ہی کوئی دوسری کتاب ایسی کرامت دکھا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے حضرت اقدسؑ نے اپنی ذات کو بطور شاہد پیش کیا اور دوسری کتب کے نمائندوں کو مقابلہ میں بُلایا اور اس طرح کتاب اللہ کی حیات دائم و قائم کو اپنے دلائل و شواہد اور ذاتی تجربہ و مشاہدہ کے مضبوط انداز میں مبرہن کر دیا۔

آپ نے غیر مذاہب کی کُتب کا تقابلی مطالعہ فرمایا اور آپ نے چیلنج کیا کہ قرآن جامع و خاتم الکتب کتاب ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ دین و شریعت فقہ کی کوئی حقیقت ایسی نہیں ہو سکتی جس کا مطالبہ عقل سلیم اور فطرت صالح کرے اور وہ قرآن میں موجود نہ ہو۔ قرآن انسانی ہدایت کے لئے پیش آنے والی جملہ ضروریات کا جامع ہے اور تمام ازمنہ اور امکنہ پر جو جو حقائق و معارف متفرق طور پر مختلف انبیاء کی وساطت سے مختلف اقوام کو عطا فرمائے گئے تھے وہ سب کے سب آسان اور سہل انداز میں معقول طرز پر قرآن حکیم میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ خاتم بھی ہے یعنی کسی نئی حقیقت دینیہ کا اعلان کیا ہی نہیں جا سکتا، یہ تمام حقائق و معارف کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے اندر سمو چکی ہے۔ اب جبکہ کسی نئی حقیقت کا انکشاف و اعلان نہیں کیا جا سکتا تو کسی نئی کتاب کی آمد یا ضرورت کا بھی اب کوئی موقع یا انتظار نہیں رہا۔

قرآنی امتیازات

قرآن حکیم کی تمام تعلیمات دلائل حکیمہ پر مشتمل ہیں۔ قرآن حکیم میں جتنے بھی اصولی اعتقادات یا عملی احکامات دیئے گئے ہیں ان کو مضبوط اور قوی فلسفیانہ دلائل و شواہد سے بپایہ تحقیق و صداقت پہنچایا گیا ہے۔ اگر اس نے اللہ تعالےٰ کو کائنات کا صانع و موجد قرار دیا ہے تو اس کے لئے بھی انفسی و آفاقی دلائل و شواہد دیئے ہیں۔ اگر وحی و الہام کی ضرورت کا اعلان کیا ہے تو اس کی ضرورت اور نفس حقیقت دونوں کو دلائل سے منوایا ہے ملہمین کے اوصاف بتلائے ہیں۔ اور ان پر الٰہی نوازشات و انعامات کے نزول کی علامات و شرائط کو بھی واضح کر دیا ہے۔ اگر اس نے یہ دعوے کیا ہے کہ اس کا نزول خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی صفت رحمانیت و رحیمیت اور مالک یوم الدین کی طرف سے ہوا ہے تو اس کے لئے دلائل دیئے ہیں اور جو جو اعتراضات ان دعاوی پر ہو چکے ہیں ان کے بھی شافی و معقول جوابات دے کر اپنے دعاوی کو حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچایا ہے۔ قرآن کا انداز ہی یہ ہے کہ یہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا دلائل واضحہ اور شواہد قاطعہ سے کرتا ہے تاکہ شکوک و شبہات کی جڑ کٹ جائے اور اس کتاب پر ایمان لانے والا شخص یقین و اطمینان سے بھر کر خدائی احکام پر عمل پیرا ہو جائے اور اس طرح الطاف و عنایات خداوندی کا مورد و محمل بن کر غرض حیاتِ انسانی کو پا جائے۔ قرآن حکیم اثبات احقاق حق کے لئے ایسے اصول اور ادلہ کا مجموعہ ہے جن میں کوئی بڑے سے بڑا حکیم یا فیلسوف اپنی فکر و نظر عقل و قیاس اور فہم و ادراک کے تمام تر زور و چیلنج کے باوجود بھی کوئی اضافہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی ایسی سچائی کی طرف اشارہ کر سکتا ہے جس کا پایا جانا ضروری تو ہو مگر آپ اسے قرآن میں نہ پائی جاتی ہو۔ اب جب ہم اس کے ساتھ اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ یہ کتاب جس شخص نے انسانوں کے سامنے پیش کی اس نے کسی منقولی یا معقولی استاذ کے سامنے زانوے تلمذ طے نہیں کیا۔ کسی مکتب و مدرسہ کا رخ تک نہیں کیا کسی منطقی و فلسفی کی صحبت سے استفادہ نہیں کیا اور پھر اس زمانہ میں حکمت و سائنس دین کا رجحان بھی بہت کم تھا۔ پھر عرب تہذیب تمدن کے مراکز و مجامع سے الگ تھلگ پڑا ہوا تھا۔ پھر وہ ایک یتیم کی طرح پڑھا اور پروان چڑھا۔ ابتدائی گھریلو تعلیم و تربیت سے بھی وہ محروم رہا۔ اس نے دین و مذہب کی اساسی کتب کا مطالعہ تک نہیں کیا اور اس نے ان تمام مقدمات و استدلالات سے اپنے مخاطب انسانوں میں کھلم کھلا اعلان کیا اور ان کو صاف صاف کہا کہ اگر کسی کو استاد ہونے کا دعوےٰ ہے تو وہ میدان میں آئے۔ اور اس نے تمام مذاہب و ادیان کے انسانوں کو اس کتاب کے مثیل و نظیر لانے کا چیلنج کیا اور نظیر نہ لانے اور انکار کرتے رہنے پر اُخروی نجات سے محرومی کا انذار کیا اور سارے اُدباء و شعراء کو امداد و استمداد کے لئے بلانے کی اجازت دی۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کوئی ایک فرد بھی اس چیلنج کو منظور کر کے میدان میں نہ آیا۔ اب اس سے یہ بات ثابت ہونے میں کیا شک رہ گیا کہ یہ کتاب تائید الٰہی اور الہام و اعلام ربانی کا نتیجہ ہے کسی انسانی کوشش کا نتیجہ نہیں۔

اگر بفرض محال مان لیں کہ یہ کتاب خدا کی نہیں ایک انسانی ذہن کا کرشمہ ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ انسان خدا ہی تھا کیونکہ

الٰہیات کے تمام مسائل و معاملات یعنی جملہ علوم حقہ الٰہیہ اپنی تمام ادلہ کاملہ کے ساتھ جس صحت کے ساتھ اس کتاب میں جمع ہیں

اس طرح تمام دنیا کے منطقی و فلسفی بھی اس قدر کم ضخامت میں اتنے زیادہ معارف و حقائق کو جمع نہیں کر سکتے۔ لہذا ہر وہ کام جس کو تمام انسانوں کی قوائے عقلیہ اجتماعی و مجموعی طور پر انجام نہ دے سکیں وہ انسانی کوشش کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔

ایک یتیم اور اس تہذیب و عرفان سے محروم معاشرہ کے کسی فرد کا یہ کام نہیں ہو سکتا کہ وہ ملت یہود و نصاریٰ و مجوسی اور جملہ مذاہب کی خوبیوں اور خامیوں پر حکیمانہ تبصرہ کر کے ان کے اسقام بتلائے۔ جرح و تنقید کر کے صالح و غیر صالح عقائد و اعمال کو الگ الگ کر کے دکھا دے۔ اور پھر اس انداز میں بتلائے جس میں بے پناہ مافوق کسی قسم کی کشش و جاذبیت پائی جائے یہ کسی محدود العقل والزمان انسان کا کام نہیں ہو سکتا۔ ایک غریب اُمی کے ہونٹوں سے ایسا کلام نہیں نکل سکتا۔ یہ کام اور کلام اسی علیم و خبیر خدا ہی کا ہو سکتا ہے جو زمان و مکان کے جملہ حوالی اور حدود پر کامل نگاہ رکھتا ہے۔ خوبیوں اور خامیوں کو جانتا ہے، زمان اور انسان دونوں کا خالق اور مالک ہے اور وہی اس بے نظیر انداز اور سہل طریق سے اپنی رحمانیت کے پیش نظر اس کتاب کو نازل کرنے والا اور اس کا جامع اور محافظ و نگران ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۳ر دسمبر ۱۹۸۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ شمارہ نمبر ۴۹

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

پیغام صلح

ہفت روزہ
لاہور پاکستان

فون نمبر ۵۲۷۳۷

• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا (الہام حضرت مسیح موعود)

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب

کیا یہی تعلیم فرقاں ہے بھلا
کچھ تو آخر چاہیئے خوف خدا
مؤمنوں پر کفر کا کرنا گماں
ہے یہ کیا ایمانداروں کا نشاں

• رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
• تار کا پتہ
• "تبلیغ" لاہور

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا (الہام حضرت مسیح موعود)

سالانہ:
• پاک و ہند سے — آٹھ روپے
• بیرونی ممالک سے — ایک پونڈ

جلد ۶۲ | یوم چہار شنبہ ۔ ۶ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۷۵ء | نمبر ۵۰

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے تمام مخلصین و داخلین سلسلہ بیعت کے نام
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد

جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے ذیل کا اعلان شائع کیا تھا جس کی طرف ہر فرد جماعت کو خاص توجہ کرنا اور آپ کے ارشاد کی تعمیل کرنا ضروری ہے:—

"تمام مخلصین و داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولا کریم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آجائے اور ایسی حالت انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفر آخرت مکروہ معلوم نہ ہو۔ لیکن اس غرض کے حصول کے لئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے تا اگر خدا تعالےٰ چاہے تو کسی برہان یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دور ہو اور یقین کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولۂ عشق پیدا ہو جائے، سو اس بات کے لئے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیئے اور دعا کرنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ یہ توفیق بخشے اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیئے کیونکہ سلسلۂ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پروا نہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہوگی اور چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعف فطرت یا کمی مقدرت یا بعد مسافت یہ میسر نہیں آ سکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کے لئے آوے کیونکہ اکثر دلوں میں ابھی ایسا اشتعال شوق نہیں کہ ملاقات کے لئے بڑی تکالیف اور بڑے بڑے حرجوں کو اپنے اوپر روا رکھ سکیں۔ لہٰذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کے لئے مقرر کئے جائیں جن میں تمام مخلصین اگر خدا تعالےٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں سو میرے خیال میں آج کے دن کے بعد ....آئندہ اگر ہماری زندگی میں آجاوے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کو سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا۔ جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی۔ اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جاوے گی کہ خدا تعالےٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتۂ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی

خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ رب العزت جلشانہ میں کوشش کی جائے گی اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاءاللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے

پروگرام اکسٹھواں (۶۱) جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

بتاریخ ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۷۵ء

بروز جمعرات، جمعہ، ہفتہ، آیت وار، بمقام جامع احمدیہ دارالسلام

(نزد یونیورسٹی کیمپس) ۵۔ عثمان بلاک نیوگارڈن ٹاؤن لاہور

جمعرات ۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۷۵ء

— جلسۂ خواتین : ۱۰ بجے صبح

— نمائش دستکاری

— اجلاس مجلس معتمدین : ۱۰ بجے صبح

جمعہ ۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۵ء

(پہلا اجلاس)

زیرِ صدارت جناب میاں فاروق احمد شیخ صاحب

— ۹½ تا ۱۰ بجے :۔ تلاوت قرآن کریم ۔ نعت ۔ ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ

— ۱۰ تا ۱۰¾ بجے :۔ خطبہ افتتاحیہ ۔ حضرت امیر قوم جناب مولانا صدرالدین صاحب

— ۱۰¾ تا ۱۱½ بجے :۔ "عقیدہ ناسخ و منسوخ کا تاریخی جائزہ اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم" ۔ مرزا محمد لطیف صاحب ۔ مبلغ کراچی

— ۱۱½ تا ۱۲ بجے :۔ "قدرتِ ثانیہ" ۔ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

— ۱۲ بجے تا ۱½ بجے :۔ وقفہ برائے طعام

— ۱½ تا ۲½ بجے :۔ خطبہ جمعہ و نماز جمعہ و عصر

(دوسرا اجلاس)

زیرِ صدارت جناب میاں فضل کریم صاحب

— ۲½ تا ۲¾ بجے :۔ تلاوت قرآن کریم و اشعار درِّثمین ۔

— ۲¾ تا ۳½ بجے :۔ تقریر :۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی

— ۳½ تا ۳¾ بجے : تقریر : ڈاکٹر عبدالکریم پاشا ۔ (نیوزی لینڈ)

— ۳¾ تا ۴½ بجے : تقریر : جناب بشیر احمد صاحب منٹو ۔ مبلغ راولپنڈی

— نمازِ مغرب و عشاء کے بعد رات کا کھانا ہوگا

— ۷ بجے شام ۔ اجلاس شبان الاحمدیہ

ہفتہ ۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۵ء

(پہلا اجلاس)

زیرِ صدارت جناب میاں اللہ بخش صاحب

— ۹½ تا ۱۰ بجے ۔ تلاوت قرآن کریم ۔ نعت ۔ ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ

— ۱۰ تا ۱۰½ بجے ۔ تقریر جناب چوہدری مسعود اختر صاحب

— ۱۰½ تا ۱۱ بجے ۔ تقریر : جناب میاں ممتاز احمد صاحب فاروقی

— ۱۱ تا ۱۱¾ بجے ۔ سالانہ رپورٹ ۔ جناب میرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری

— ۱۱¾ تا ۱۲½ بجے ۔ "نئے اُفق اور ہمارے فرائض" ۔ جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب

— ۱۲½ تا ۱ بجے ۔ پیغامات از احباب بلادِ غیر

۱ تا ۲½ بجے : طعام ۔ نماز ظہر و عصر

دوسرا اجلاس :

زیرِ صدارت جناب سیّد سلطان علی شاہ صاحب

— ۲½ تا ۲¾ بجے ۔ تلاوت قرآن کریم و اشعار دُرِّثمین ۔

— ۲¾ تا ۳¼ بجے ۔ تقریر ، پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب ۔

— ۳¼ تا ۳½ بجے ۔ تقریر جناب زاہد عزیز صاحب (انگلستان)

— ۳½ تا ۴¼ بجے ۔ "حضرت مسیح موعودؑ کا مقام" ۔ جناب شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری ۔

— نماز مغرب و عشاء کے بعد کھانا ہوگا ۔ ۷ بجے شام : احمدیہ کانفرنس

اتوار ۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۷۵ء

اجلاس : زیرِ صدارت جناب میاں غلام حیدر صاحب تمیم

— ۹½ تا ۱۰ بجے ۔ تلاوت قرآن کریم ۔ نعت ۔ ملفوظات حضرت مسیح موعود

۱۰ بجے تا ۱۰½ بجے ۔ تقریر جناب بشارت احمد صاحب بقاء

— ۱۰½ تا ۱۱ بجے ۔ "امام زمان کے ذریعہ خدا کی شناخت" ۔ جناب شیخ نثار احمد صاحب

— ۱۱ تا ۱۱½ بجے ۔ "دو ضروری گذارشات" : جناب میاں نصیر احمد صاحب فاروقی ۔

— ۱۱½ تا ۱۲ بجے ۔ "مصائب اور ابتلاؤں کا فلسفہ" ۔ جناب مرزا مسعود بیگ صاحب ۔

— ۱۲ تا ۱۲½ بجے ۔ اختتامی تقریر و دعا : حضرت امیر قوم جناب مولانا صدرالدین صاحب

نوٹ : ہر روز نماز فجر کے بعد مسجد دارالسلام میں درس قرآن کریم ہوگا ۔

خاکسار : میاں فضل احمد مہتمم جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۵ء

پاکستان اور اسلامی اقدار و تعلیمات

بنگلہ دیش کے حالیہ ڈبل انقلاب اور اس کے پاکستان سے دوبارہ متوقع اتحاد پر تحریر کرتے ہوئے روزنامہ "نوائے وقت"، اپنے اداریہ ۳ر دسمبر میں یوں رقمطراز ہے:-

"پاکستان جس قدر مضبوط و مستحکم اور آسودہ حال ہوگا مسلم بنگال میں سامراجی ایجنٹوں کی رکاوٹیں دور کرنے کا عزم و جذبہ اتنا ہی توانا ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ پاکستان میں اس کی تحریک و قیام میں کارفرما اصل نظریات کی آبیاری اور اسلامی مقاصد کے حصول کے لئے اخلاص اور پامردی سے سعی و جہد بھی یکساں طور پر اہم اور ضروری ہے۔ **پاکستان میں اسلامی اقدار و تعلیمات پر عمل درآمد کا اہتمام** جس قدر زیادہ ہوگا، مسلم بنگال کو قیام پاکستان کی جدوجہد میں اس کا اپنا حصہ اتنا ہی یاد آئے گا اور پاکستان کی سرزمین میں لسانی و صوبائی عصبیتوں اور سوشلزم وغیرہ کے غیر اسلامی نظریات کی بجائے "لا الہ الا اللہ" کا غلغلہ جس قدر بلند آہنگ ہوگا مسلم بنگال میں اسکی صدائے بازگشت اتنی ہی زیادہ سننے میں آئے گی۔ پہلے بھی اسلام کے رشتہ نے ایک ہزار میل کی مسافت کے باوجود مشرقی اور مغربی پاکستان کو ایک متحد ملک بنایا تھا۔ اور اب بھی یہی رشتہ مسلم بنگال اور پاکستان میں از سر نو اتحاد کی بنیاد بن سکتا ہے۔"

سوال یہ ہے کہ اسلام کا رشتہ جس نے مغرب اور مشرق کا اتحاد قائم کیا تھا اور پاکستان کے وجود میں آنے کو ممکن العمل بنا دیا تھا، تو مسلم بنگال کی علیحدگی کے وقت بھی موجود تھا۔ پھر باوجود اس **رشتہ کی موجودگی کے علیحدگی کیوں ہوئی؟** اور اگر اسلام کے مزعومہ رشتہ کے ہوتے ہوئے **پھر بھی** علیحدگی ہوگئی تو دوبارہ رشتۂ اتحاد کے **مستقل قیام کے لئے کیا ان اسباب کو دُور کر دیا گیا ہے جو علیحدگی کا باعث بنے؟** علیحدگی کے وقت مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے کثیر مکین مسلمان ہی تھے۔ ان کا دعوے بھی اسلامی رشتۂ اخوت کا ہی تھا۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ اتحاد قائم نہ رہ سکا اور ٹوٹ گیا؟ صرف اس قدر کہہ دینا کافی اور مبنی برحقیقت امر نہ ہوگا کہ مسلم بنگال، بھارتی ہندوؤں کا آلۂ کار بن گیا اور مسلمان دھوکا کھا گئے۔ کیونکہ ہمیں یہ معلوم تو کرنا ہے کہ مسلمان آلۂ کار کیوں بنے اور دھوکہ دہی کن وجوہ پر دی گئی؟ جب تک اس ساری حقیقت کا گہرا تجزیہ نہ کیا جائے تب تک پُورا انکشاف نہیں ہو سکتا۔

اگر ہم پاکستان کے وجود میں آنے کے اسباب و علل کو سچے طور پر بیان کریں تو حقیقت یہ آشکارا ہوگی کہ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اسلام کے دین اور اس بناء پر اخوتِ اسلامیہ کے نعرے بلند کئے گئے تاہم مسلمان قوم کی تعمیر ان بنیادی صفات سے محروم پڑی تھی اور پڑی ہے جو کسی قوم کے سلطنت و حکومت چلانے کے لئے ضروری ہوا کرتی ہیں۔ ان صفات کی نشو و نما کے لئے کوئی توجہ پاکستان بننے سے ماقبل اور مابعد نہیں کی گئی نہ کوئی تنظیم ایسی تعلیم و تلقین کی کی گئی نہ ہی کسی جماعت نے ایسا نمونہ کردار پیش کیا۔ یہ تو ہوا کہ قائد اعظم رح کی بے لوث اور زبردست شخصیت نے حصول حکومت کی خاطر برصغیر کے جملہ مسلمانوں کو مسلم لیگ کے ایک پلیٹ فارم پر لاکر متحد کر دیا تھا۔ مگر یہ اتحاد بھی عارضی نوعیت کا ثابت ہوا جو پاکستان بننے کے بعد قائم بھی نہ رہا۔ بعد میں مسلم لیگ کی متعدد حکومتیں بنیں اور صدر ایوب کے مارشل لاء سے قبل تو پاکستان کی حکومت آئے دن بدلتی رہتی تھیں یہاں تک کہ پنڈت نہرو نے ایک مرتبہ طنزاً یہ کہا تھا کہ میں کس حکومت پاکستان سے گفتگو کروں۔ حالانکہ اس کے مقابل بھارت کی حکومت اور وہاں قوم کے اتحاد کی حالت یہ چلی آ رہی ہے کہ جب تک نہرو زندہ رہے، ہر بار وہی وزیرِ اعظم منتخب ہوتے رہے اور اب اس کے بعد اس کی بیٹی اندرا کامیابی سے حکومت سنبھالے ہوئے ہے۔ مگر یہ بات مسلمان قوم کو قطعاً نصیب نہیں ہوسکی۔ ؎

ہر طرف پھوٹ پڑ رہی ہے مودت نہیں رہی

نفسا نفسی اور جوڑ توڑ، سازش اور ہر حکومت کو گرانے کے منصوبے اس کے بن جانے کے دوسرے روز سے شروع ہو جاتے ہیں، چاہے وہ کوئی بھی حکومت ہو اور کسی بھی اصول کے تحت قائم ہوئی ہو، مگر قومی لیڈروں کی ہوس اقتدار فوراً اس کے برخلاف متحد ہو جانے کی عادی ہو چکی ہے۔ وہ قوم جس نے اسلامی وحدت اور اخوت کے دعاوی کرکے حکومت حاصل کی تھی اتحاد و اتفاق میں جسے فرقانی ہدایت کے ماتحت کالنھم بنیان مرصوص کا نمونہ پیش کرنا چاہیئے اس کی زبوں حالی اور گراوٹ یہاں تک ترقی کر چکی ہے کہ اکثر لیڈروں کو یہ بھی پروا نہیں کہ از کم ہم آپس کا انتشار و افتراق اس قدر تو نہ بڑھائیں کہ ہمارا دشمن اس سے فائدہ اُٹھا کر ہماری حکومت پر ہی ضرب کاری لگائے۔ بلکہ جیسے کہ شیخ مجیب کی غداری نے اس امر پر مہرِ صداقت لگا دی ہے۔ ہمارے لیڈر خود غرضی میں ایسی گراوٹ اختیار کر چکے ہیں کہ پاکستان کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا انہیں منظور ہے لیکن اپنے حریف کا اقتدار کسی طرح گوارا نہیں۔ اس پر کالعدم نیپ کی گذشتہ کارروائیاں روشنی ڈالتی ہیں۔ ہم خواب تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلم بنگال پھر سے پاکستان سے الحاق کرے گا مگر قوم کی اندرونی حالتِ اتحاد یہ ہے کہ جو بھی حکومت قائم ہو خواہ فوجی ہو یا منتخب، وہ کسی صورت ہمیں گوارا نہیں خواہ ؏

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

افسوس تو اس بات کا ہے کہ ذاتی رقابتوں اور گروہ بندیوں کا جذبہ اس قدر ترقی پذیر ہو چکا ہے کہ **جملہ کلمہ گویوں کی وحدت جسے قائد اعظم رح نے قائم کرکے اس پر قومی وحدت کی بناء اور حکومت پاکستان کا حصول ممکن بنایا تھا اسے بھی سیاسی اغراض و مصالح کی بھینٹ چڑھا دیا** گیا۔ افسوس تم نے غور کیا ہوتا کہ جب تم نے اپنے عمل و آئین سے اس بنیاد کو ہی ختم کر دیا جس پر پاکستان قائم ہوا تھا تو اور تم سے کیا توقع کی؟

فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر + اپنی آزادی بھی دیکھ انکی گرفتاری بھی دیکھ

علاقائی، لسانی اور صوبائی رقابتیں الگ روز افزوں ترقی پر ہیں، بھارت کا ملک پاکستان سے پانچ گنا بڑا ہے۔ **وہاں گوناگون لسانی، نسلی اور ثقافتی** عظیم اختلافات موجود ہیں لیکن کیا مجال کہ سیاست کے میدان میں **کوئی ایسی** تنظیم قائم ہو جس کے نتیجہ میں ملک میں **افتراق و تفریق اُبھر سکے۔ آخر** کیا یہی بھارت کا سیاسی اتحاد ہی نہیں جو اسے دنیا کی نظروں میں **ایک** عظیم سلطنت کی حیثیت دے رہا ہے اور آخر پاکستان کا **یہ نفاق ہی نہیں** جس کے باعث بیرونی ممالک میں پاکستان کو اس **عظمت و عزت کی نگاہ** سے نہیں دیکھا نہیں جاتا؟ اسلامی اخوت تو **ایک بہت بلند و ارفع حقیقت** ہے۔ یہاں تو ملکی و قومی احساس بھی ناپید ہے۔ انفرادیت و نفس پرستی کے جذبات اس قدر غالب ہیں جن کے سامنے ہر اعلیٰ انسانی و قومی اقدار دم توڑ چکی ہیں۔ کبھی کوئی یہ نہیں سوچتا کہ غیر مسلم اقوام جب یہ دیکھتی ہوں گی کہ پاکستان کا مطالبہ تو اسلامی تہذیب کے قیام و احیاء کی بناء پر کیا گیا تھا مگر آج ربع صدی سے اوپر عرصہ ہونے کو آتا ہے، **پاکستانی مسلمانوں نے اب تک اس تہذیب کی جانب کونسا قدم اُٹھایا ہے، اسلامی تہذیب کی**

اصل رُوح تو بنیادی انسانی حقوق یعنی آزادی، انصاف اور مساوات کے ... نی اصولوں کی علمبردار رہی ہے مگر یہاں تو حالت ایسی دگرگوں ہو چکی ہے ... جس کا کسی قدر اقتباس اسی اخبار "نوائے وقت" کے ۵ ر دسمبر کے اداریئے سے ناظرین کرام کی خاطر دیا جاتا ہے:-

لاہور میں صرف چوبیس گھنٹے کے وقفے سے ڈکیتی کی یکے بعد دیگرے ان تازہ وارداتوں کی اگر تفاصیل کا جائزہ لیا جائے تو یہ باور نہ کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی کہ یہ دونوں وارداتیں جرائم کی دنیا میں نووارد آوارہ و اوباش نوجوانوں اور خودسر و بے لگام غنڈوں کے ابتدائی تجربات ہیں اور ان تجربات میں ان منفی اثرات کا بھی خاصا دخل ہے جو گھٹیا اور تیسرے درجہ کی ملکی و غیر ملکی فلمیں خام نوجوانوں کے ذہنوں پر چھوڑ جاتی ہے ان وارداتوں کی تفاصیل میں ہماری معاشرتی کمزوریوں اور جرائم پر پولیس کی کمزور گرفت کی جھلک بھی نظر آتی ہے اور یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ پولیس کی کالی بھیڑوں نے جرائم پیشہ افراد - غنڈوں - شہدوں - بدمعاشوں اور بدکرداروں کی سرپرستی اور اپنے مجرمانہ کردار و عمل کے باعث پولیس کو مجموعی حیثیت سے جس بدنامی سے دوچار کر رکھا ہے اور پولیس کا جو نقش بنا دیا ہے وہ بدقماش عناصر کی دیدہ دلیری اور بے خوفی کے ساتھ شہریوں کے جان و مال پر ہاتھ ڈالنے اور سرکاری خزانے (سرکاری تحویل میں آنے کے بعد بنک سرکاری قومی خزانے ہی ہیں) تک لوٹنے کا موجب بن رہا ہے۔

بنک ڈکیتی کی یکے بعد دیگرے دو وارداتوں نے جرائم میں غیر معمولی اضافہ اور شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کا مسئلہ ایک بار پھر قومی حلقوں کی توجہ کا مرکز بنا دیا ہے - لاہور - لائل پور اور ملک کے بعض دوسرے شہروں میں بنک اور تجارتی کاروباری مراکز دیدہ دلیر غنڈوں کی تاخت و تاراج کا نشانہ بن چکے ہیں - چوری - ڈکیتی - رہزنی - کی وارداتیں غیر معمولی طور پر بڑھ گئی ہیں - بسوں ٹرینوں میں ڈکیتی کی وارداتوں میں اضافہ ہو رہا ہے - رہزنی روزمرہ کا معمول بنتی جا رہی ہے - لوگ غروب آفتاب کے بعد گھر سے باہر نکلنے میں گھبراتے ہیں شہروں کے مضافات میں رہنے والے رات کو چین کی نیند نہیں سو سکتے اور آتشیں اسلحہ سے لیس چور اچکے ڈاکوؤں کے خوف سے سہمے رہتے ہیں - قانون و اخلاق کی پامالی حفظ عامہ کی زبوں حالی اور جرائم کی رفتار میں اس تشویشناک اضافہ کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں - ان میں ہمارے اخلاقی اعتبار سے انحطاط پذیر معاشرہ میں رشوت بدعنوانی راتوں رات بلا محنت امیر بننے کی خواہش وغیرہ ایسی لعنتیں بھی شامل ہو سکتی ہیں لیکن صورت حال کا اگر سنجیدگی سے جائزہ لیا جائے تو ان وجوہ میں اخلاقی پستی اور اقتصادی و معاشرتی عوامل کے ساتھ ساتھ پولیس کی نااہلی بھی غیر معمولی طور پر نمایاں نظر آتی ہے۔

"پولیس اگرچہ اپنی خرابیوں کا یہ عذر پیش کرتی ہے کہ اس کے اہل کار اور افسر بھی آخر عام معاشرے کے افراد ہیں اور پولیس فورس بھی اسی معاشرے کی تصویر ہے لیکن یہ عذر لنگ ہے اور اس طرح پولیس اپنی منصبی ذمہ داری اور بنیادی فریضہ - شہریوں کے جان و مال کا تحفظ - سے سبکدوش نہیں ہو سکتی - امن عامہ - شہریوں کے جان و مال کی حفاظت - جرائم کی روک تھام بدقماش عناصر کا احتساب و مواخذہ پولیس کی ذمہ داری ہے اور اسے تمام تر الائشوں اور غلاظتوں سے دامن بچاتے ہوئے خلوص و دیانت اور قومی خدمت کے جذبہ کے ساتھ یہ ذمہ داری سرانجام دینا پڑے گی۔ قتل و استہلاک - جرائم - چوری رہزنی ڈکیتی کی روز افزوں وارداتوں کا تدارک پولیس کی ذمہ داری ہے اور وہ یہ کہہ کر اپنا دامن نہیں بچا سکتی کہ معاشرہ ہی غلاظتوں سے

مملو ہے - ناقابل اصلاح ہے - لاقانونیت کو نہیں روکا جا سکتا - شرافت و شائستگی اور قانون کی حکمرانی اس گندے معاشرے میں ممکن نہیں - ہم تسلیم کرتے ہیں کہ معاشرے میں طرح طرح کی خرابیاں اور برائیاں موجود ہیں لیکن یہ اتنا اور ناقابل اصلاح نہیں جتنا پولیس سمجھتی ہے - اصل ضرورت پولیس کی اصلاح اور اسے رشوت و بدعنوانی - سیاسی اثرات اور دیگر الائشوں سے پاک کرنے کی ہے۔"

جلسہ سالانہ کو معمولی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں

حضرت مسیح موعود کا فرمان

"اس جلسہ کو معمولی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں - یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمہ اسلام پر بنیاد ہے - اس کی بنیادی اینٹ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں - عنقریب وقت آتا ہے کہ اس مذہب میں نہ نیچریت کا نشان رہے گا نہ نیچر کے تفریط پسند اور اوہام پرست مخالفوں کا نہ خوارق کا انکار کرنے والے باقی رہیں گے - نہ ان میں بیہودہ اور بے اصل اور مخالف قرآن روایتوں کو ملانے والے - اور اللہ تعالےٰ اس امت وسط کے لئے بین بین کی راہ اس زمین پر قائم کر دے گا - وہی راہ جس کو قرآن لایا، وہی راہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھائی تھی، وہی ہدایت ہے جو ابتداء سے صدیق اور شہید اور صلحاء پاتے رہے یہ ہوگا ضرور ہی ہوگا - جس کے کان سننے کے ہوں سنے - مبارک وہ لوگ جن پر سیدھی راہ کھولی جائے۔" (اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء)

جلسہ سالانہ میں شریک ہونے والوں کے لئے

حضرت مسیح موعود کی دعائیں

"ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسے کے لئے سفر اختیار کریں خدا تعالےٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجرِ عظیم بخشے اور ان پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دیوے اور ان کے ہم و غم دُور فرماوے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی ہر ایک مرادات کی راہیں ان پر کھول دے اور روز آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ ان کو اٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو - اے خدا اے ذوالمجد والعطاء اور رحیم اور مشکلکشا ہماری تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے" آمین ثم آمین۔

قرآن ہماری طاقت کا سرچشمہ ہے

قرآن کریم جیسا کہ تاریخ اس پر شاہد ہے وہ کتاب ہے جس نے دنیا میں ایک ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا جس کی دوسری نظیر دنیا میں نہیں ملتی مگر اس سے بڑھ کر اسکا یہ بھی دعوےٰ ہے کہ وہ آج بھی دنیا میں وہی انقلاب پیدا کر سکتی ہے - فی الحقیقت قرآن ہماری طاقت کا سرچشمہ ہے اور وہ امن اور صلح جس کے بغیر تہذیب انسانی زندہ نہیں رہ ...

ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات ۔ وبشر الصبرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ و اولئک ھم المھتدون ۔

(اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دو جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ تعالےٰ کے لئے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۔ یہی وہ ہیں جن پر اُن کے رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے اور یہی وہ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں ۔)

یہ سنت الہیٰ ہے کہ وہ اپنے بندوں پر قسم قسم کے ابتلاء لاتا ہے ۔ اور ان کو آزمائش میں ڈالتا ہے ۔ تاکہ جو صابر اور ثابت قدم اور درست کر ثابت ہوں وہ اللہ تعالےٰ کے افضال اور انعامات کے مستحق ٹھہریں ۔ یہ ابتلاء جو اوائل حال میں انبیاء اور اولیاء پر بھی نازل ہوتے ہیں اور باوجود عزیز ہونے کے ذلت کی صورت میں ان کو ظاہر کرتے ہیں یہ اس لئے نازل نہیں ہوتے کہ ان کو ذلیل و خوار اور تباہ کر دیں ۔ کیونکہ یہ تو ہرگز ممکن نہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے پیار کرنے والوں سے سختی کرے اور اپنے سچے اور وفادار چاہنے والوں کو ذلیل کر کے ہلاک کر ڈالے ۔ بلکہ یہ ان امتحانوں میں کامیاب اور ثابت قدم رہنے والوں کو بالآخر کامیاب و کامران اور بلندی پر پہنچا دیتے ہیں ۔

ان مندرجہ بالا امتحانوں کے علاوہ دنیا میں اللہ تعالےٰ کے قوانین بھی نافذ ہیں جنہیں عام زبان میں قدرت کے قوانین کہا جاتا ہے ۔ اور ان قوانین پر چونکہ کائنات اور کائنات میں بسنے والوں کی زندگی کا انحصار ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالےٰ ان قوانین کو بدلا نہیں کرتا ۔ مثلاً آگ جہاں گرمی پہنچاتی ہے وہ جلا بھی دیتی ہے ۔ اگر کسی مکان میں آگ لگ جائے جو کچھ مکان کے اندر ہوگا چاہے مرد ہو عورت ہو، بچہ ہو، جانور ہو، سامان ہو جل کر راکھ ہو جائیگا ہاں اس آگ کو بجھایا جا سکتا ہے اور اگر وقت پر کارروائی کی جائے تو اس پر قابو بھی پایا جا سکتا ہے ۔ مگر بعض قوانین قدرت مثلاً زمین کی گردش اور سورج کا طلوع و غروب اور اسی قسم کے کائنات کے قوانین اٹل ہیں ۔ وہ اللہ تعالےٰ نہیں بدلتا ۔

اسی طرح اللہ تعالےٰ نے مختلف اشیاء میں مختلف تاثیریں رکھی ہیں اور وہ موقع ملنے پر اپنا اثر دکھاتی ہیں ۔ انسان اگر زہریلی چیز کھائیگا تو ہلاک ہو جائے گا ۔ اگر مناسب صفائی ۔ اور احتیاط نہیں کرے گا تو بیماریوں کا شکار ہو جائے گا ۔ اور یہ زہریلی اشیاء اور بیماریاں کسی عورت مرد اور بچے میں تمیز نہیں کرتیں ۔ انسان نے اپنی خداداد عقل سے زہروں کے تریاق اور بیماریوں کے لئے ادویات اور ٹیکے بھی دریافت کئے ہیں ۔ مگر ان تریاقوں اور ٹیکوں کا اثر یا فائدہ کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا ۔ یہاں الہیٰ حکم چلتا ہے ۔ کسی بچے کا معصوم ہونا اس کو زہر یا خطرناک بیماری سے نہیں بچایا جا سکتا ۔ وہاں مقررہ قانونِ الہیٰ لگے گا ۔ پھر کئی دفعہ اللہ تعالےٰ کے احکامات کی خلاف ورزی اور قوانین کو توڑنے سے کوئی نقصان یا سزا ملتی ہے جس کا اثر نہ صرف وہ حرکت کرنے والے بلکہ دوسروں پر بھی پڑتا ہے ۔ ایک بدکار مرد اگر آتشک اور سوزاک کا مرض سہیڑ لیتا ہے تو وہ ان امراض کو نہ صرف

تناسخ کا عقیدہ رکھنے والے کہتے ہیں کہ رُوحوں کی تعداد محدود ہے اس لئے مرنے کے بعد انسان کی رُوح اپنا جون بدل کر اپنی پہلی زندگی کے نیک اور بد اعمال کے نتیجے میں ۔ اور انسان حیوان یا نباتات کی شکل میں پھر دنیا میں آ جاتی ہے ۔ اور انسان کے دنیا میں سکھ یا دکھ پانے کی وجہ اس کی گذشتہ زندگی کے اعمال کی وجہ سے ہے ۔ مگر تناسخ ایک زمانۂ لاعلمی کا وضع کردہ ڈھکوسلہ ہے ۔ اگر کامن سنس (معمولی عقل) سے بھی اس کو پرکھا جائے تو یہ مضحکہ خیز عقیدہ ہے ۔ کیونکہ اگر حیوانات اور نباتات میں انسانی روحیں اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں ۔ تو نسلِ انسانی کی ابتداء کس طرح ہوئی ۔ ۱ ۔ انسان کی زندگی کے لئے حیوانات اور نباتات کا اس کی پیدائش سے پہلے موجود ہونا ضروری ہے ۔ دوسرے انسانی زندگی کے لئے گناہ اور بدیاں کرنا ضروری ثابت ہوئیں کیونکہ اگر کوئی انسان گناہ نہیں کرے گا تو اگلے جنم میں حیوانات اور نباتات ختم ہو جائیں گی ۔ پھر یہ امر بڑا شرمناک ہے کہ اس جنم میں کسی انسان کی بیوی پچھلے جنم میں اس کی ماں ہو سکتی ہے ۔ اور کسی شخص کا گدھا پچھلے جنم میں اس کا باپ ہو سکتا ہے ۔

پھر جب سے سائنس نے مسئلہ ارتقاء (Theory of Evolution) دریافت کیا ہے کہ ہر ذی رُوح بتدریج ترقی کر کے اپنی حالت بہتر بنا رہا ہے ۔ تو تناسخ کا چکر خود بخود ختم ہو گیا ۔ دوسرے اس سے نظامِ حکومت میں بھی خلل پڑ سکتا ہے ۔ اگر ایک شخص اپنے پچھلے جون میں کسی بُرے عمل کی وجہ سے اس زندگی میں قتل ہو گیا تو اس کو اپنے اعمال کی سزا تو مل گئی ۔ مگر پھر پولیس یا گورنمنٹ کو اس میں دخل نہیں دینا چاہیئے ۔ کہ قاتل کو گرفتار کر کے اس کو پھانسی دے جبکہ اس نے قانونِ قدرت کے پورا کرنے میں مدد دی تھی ۔ یہ بہت نامعقول عقیدہ ہے ۔

اگر کہا جائے کہ دنیا میں امیر ۔ غریب ۔ گورے کالے ۔ مرد عورت ۔ ذات پات کا فرق کیوں ہے ۔ سو واضح ہو کہ نسلِ انسانی میں یہ تفاوت اور فرق انسانی سوسائٹی کے چلانے کے لئے ضروری ہے ۔ مگر واضح رہے کہ دُکھ اور سُکھ اور لذت اور تلخی انسانی زندگی میں ایک اضافی امر ہے یعنی ان کا تعلق قلب انسانی سے رکھا گیا ہے ۔ اور ایک شخص اپنی استعداد کے مطابق اس کو محسوس کرتا ہے ۔ ایک گوری نسل کا شخص اپنی گوری بیوی سے خوش ہے تو ایک حبشی اپنی حبشن کو پسند کرتا ہے ۔ اگر ایک امیر آدمی اعلےٰ مٹھائی کھا کر لذت اُٹھاتا ہے تو ایک غریب آدمی گڑ کی ڈلی سے ہی مزے لیتا ہے ۔ ایک غریب لڑکا سردی گرمی میں ننگے پاؤں اور پھٹے پرانے کپڑوں میں بھاگا پھرتا ہے اور مگن ہے ۔ دوسری طرف امیر کا بیٹا اعلےٰ پوشاک اور بوٹ پہن کر بھی ویسا ہی خوش نہیں ہوتا ۔ غریب کو اگر دکھ ہوا کہ وہ رات کو بھوکا سویا تو ایک امیر آدمی کو یہ دکھ ہے کہ کھانا ہضم نہیں ہوا اور رات بھر نیند نہیں آئی ایک پہاڑی باشندہ بوجھ اُٹھائے روزانہ پہاڑ کی اُترائی چڑھائی کرتا ہے اور شاکی نہیں ۔ ایک امیر آدمی کو پہاڑی پر چڑھنا پڑ جائے تو سانس پھول جاتا ہے اور اعضاء شکنی ہو جاتی ہے ۔ ایک غریب کو کسی نے طمانچہ مار دیا تو وہ رنجیدہ ہوا مگر جلدی بھول گیا ۔ اور ایک امیر آدمی کو کسی نے سخت بات کہہ دی تو وہ رنج و غصہ سے ہتک عزت کا دعوے کرنے کا خیال کرتا ہے ۔

بھگت کبیر ایک پرانے زمانے کے ہندو بزرگ گذرے ہیں جو نیک

اور خدا پرست انسان تھے - وہ ذات کے ویش تھے - اس لئے برہمن اور کھشتری ان کو نیچ سمجھتے تھے - مگر بھگت کبیر (جن کے شعر اور دوہے) مشہور ہیں) کہتے ہیں :-

ے بھلا ہوا ہم نیچ بھئے - سب کو کیا سلام
جے ہم ہوتے اونچ گھرے - کہاں ملتے بھگوان

(یعنی ہم نیچ ہو کر ہی خدا کو پا گئے - اور اگر بڑے گھر کے ہوتے تو یہ حاصل نہ ہوتا)

اس دوہے کو حضرت مسیح موعودؑ نے کسی تحریر میں اپنے آپ پر بھی لگایا ہے۔

بچے کی تکالیف کسی عمل کا نتیجہ نہیں

جیسے میں پہلے لکھ آیا ہوں - قانون قدرت کو توڑنے سے جو تکلیف آتی ہے وہ چھوٹے بڑے سب پر ایک جیسی لگے گی - جہاں تک بچہ کی بیماری یا دکھ کا تعلق ہے وہاں اگرچہ وہ معصوم ہے پھر بھی قانون قدرت اس پر لگے گا - دوسرے بچے کو تو پورا ہوش بھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی تکلیف کو سمجھے - اس کی بیماری تو ایک درخت یا ایک جانور کی بیماری کی طرح ہوتی ہے اس کو دکھ اور سکھ کا احساس نہیں ہوتا - وہ تو فطرت کے تقاضا سے دکھ پر روتا اور سکھ پر ہنستا ہے - اس کا احساس جانور یا درخت کی طرح کا احساس ہے البتہ ایک ہوش والا انسان بیماری میں اپنے صبر اور رضا بالقضا سے اپنے اخلاق فاضلہ کو ترقی دے لیتا ہے - اور ایک بیوقوف اپنی بے صبریوں سے اپنے اخلاق کو بگاڑ لیتا ہے - گویا بیماری یا دکھ درحقیقت انسان کی ان تمام قوتوں اور استعدادوں کے نشو و نما کے لئے آتے ہیں - جس کا تعلق صبر سے ہے - اور سکھ انسان کی ان تمام قوتوں اور استعدادوں کے نشو و نما کے لئے آتے ہیں جن کا تعلق شکر سے ہے -

دعا کی ضرورت

اگرچہ قدرت کے قوانین جاری اور ساری ہیں مگر یہ سب تابع حکم الٰہی ہیں - وہی تمام کائنات کا خالق ہے اور اس کا حکم ہر جگہ چلتا ہے - اگرچہ اللہ تعالےٰ کی سنت بدلتی نہیں رہتی مگر یہ صرف اللہ تعالےٰ کے علم میں ہی ہے کہ کونسی سنت کس حد تک کس معاملے میں جاری ہوگی اس لئے اللہ تعالےٰ قدرت رکھتا ہے کہ انسان کو خاص حالات میں اپنے رحم و کرم سے نقصان سے بچالے - اسی لئے جناب الٰہی کا فرمان ہے :- امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء (بھلا کون بیقرار کی فریاد کو پہنچتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے) اسی لئے جناب الٰہی کے حضور گریہ وزاری اور دعا کرنے سے مصیبت ٹل بھی سکتی ہے - آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ ایک باپ کی دعا اپنی اولاد کے لئے (حالت اضطرار میں) قبول ہوتی ہے - اور یہ بھی فرمایا کہ صدقہ اور خیرات کرنا دافع البلاء ہے -

پھر اللہ تعالےٰ کے بعض نیک بندے مستجاب الدعوات ہوتے ہیں - حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب حقیقت الوحی کھول کر پڑھیں کہ کس طرح اللہ تعالےٰ نے آپ کی دعائیں قبول کیں - اور کئی موقعوں پر اعجازی رنگ میں بیماریوں اور ابتلاؤں سے نجات دی - اس لئے اللہ کی ذات اور عنایات سے ناامید نہیں ہونا چاہیئے -

آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ اس لئے بچے معصوم ہوتے ہیں - جن ماں باپ کا بچہ یا بچے بچپن میں فوت ہو جائیں وہ اپنے ماں باپ کے لئے وجہ رحمت اور بخشش کا سبب بن جاتے ہیں - پھر بچوں کی روحوں کی تربیت اور روحانی ترقی آئندہ جہان میں جاری رہتی ہے - اور ایک حدیث کے مطابق حضرت ابراھیم علیہ السلام ان کے استاد اور انچارج ہوں گے -

واللہ اعلم بالصواب

قرارداد تعزیت

ممبران جماعت چھاؤنی و شہر سیالکوٹ جناب عبدالرؤف صاحب کھوکھر سب ایڈیٹر پیغام صلح کے نوجوان صاحبزادہ کی ناگہانی وفات پر گہرے صدمے کا اظہار کرتے ہیں -

اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون

موت ایک تلخ حقیقت ہے جس سے گریز تو نہیں لیکن ان حالات میں یہ جدائی ایک صدمۂ جانکاہ ہے -

گو نہند کہ جواں مُرد

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور آخرت کی خوشیوں سے نوازے - جس صبر کا کھوکھر صاحب نے مظاہرہ کیا ہے وہ نہایت ہی قابل تعریف ہے - اللہ تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے اور جملہ لواحقین کو استقامت عطا فرمائے - آمین

ابتلاء میں استقامت دکھانا ہی مومن کی شان ہے - اور جس کے متعلق بزرگوں نے لکھا ہے کہ صبر کی کیفیت یہ ہو کہ صبر کرنے والا سمجھے کہ اس سے زیادہ اور کوئی صابر نہیں - کھوکھر صاحب نے یہی نمونہ پیش کیا ہے اللہ تعالےٰ ان کا حافظ و ناصر ہو -

ثم انا للہ وانا الیہ راجعون

شریک غم - نثار احمد - برائے جماعت سیالکوٹ چھاؤنی و شہر

قرارداد تعزیت

ممبران جماعت سیالکوٹ چھاؤنی و شہر حکیم مولوی اللہ دتہ صاحب (وزیرآباد) کے انتقال پُر ملال پر صدمے کا اظہار کرتے ہیں اور اسے قومی نقصان تصور کرتے ہیں - انا للہ وانا الیہ راجعون - مرحوم نہایت حلیم الطبع اور علم دوست بزرگ تھے - آپ نے ساری عمر درس و تدریس میں گذاری - سکول سے ریٹائر ہونے کے بعد کم و بیش ۲۵ سال سے مسجد وزیرآباد میں خطیب اور پیش امام تھے - آپ نے جس خلوص اور لگن سے یہ فرائض ادا کئے وہ گراں قدر جذبات کے حامل تھے - آپ کے اکثر اوقات دینی مطالعہ کے لئے وقف ہوتے اور سلسلہ کی خدمت میں انہماک قابل رشک تھا -

دعا ہے اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق دے - آمین - زود یا دیر سب نے یہاں سے کوچ کر جانا ہے مقام اپنا اپنا ہے - دنیا کی بے ثباتی کا عالم تو یہ ہے جس کا نقشہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اس شعر میں کھینچا ہے -

گر سو برس رہا ہے آخر کو پھر جدا ہے
شکوہ کی کچھ نہ جا ہے یہ گھر ہی بے بقا ہے

امید کی جاتی ہے کہ جس طرح مرحوم نہایت صابر اور قناعت پسند تھے ان کے لواحقین اس نقصان کو صبر جمیل اور مومنانہ شان سے برداشت کریں گے - مرحوم کے نقش قدم پر سلسلہ کی خدمت میں ترقی کریں گے -

شریک غم - نثار احمد - برائے جماعت سیالکوٹ چھاؤنی و شہر

تاریخہائے جلسہ سالانہ ۱۹۶۵ء
۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر
۲۵ دسمبر کو خواتین کا جلسہ ہوگا

انسان کی اصل زندگی تعلق باللہ کا دوسرا نام ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی اصل غرض ایک پاکباز جماعت پیدا کرنا ہے

دعویٰ ہے، انہیں فرش بریں میرا ہے + دعویٰ ہے مجھے عرش نشیں میرا ہے

تعلق باللہ سے پہلے خود اللہ کی ذات پر کچھ بیان کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک ادیب نے کیا اچھا لکھا ہے :۔

"انسان بھی عجیب شئے ہے۔ ماننے لگے تو اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو بھی خدا مان لے اور نہ مانے تو اپنے بنانے والے خدا کا بھی انکار کر دے۔"

اس مختصر سے مضمون میں خدا کی ہستی پر میں صرف دو دلیلیں پیش کروں گا:۔

۱۔ بجلی کے بلب۔ ٹیوبیں۔ پنکھے۔ ریڈیو۔ ٹیلی ویژن۔ بڑی بڑی ملیں دیکھ کر ہم یقین کرتے ہیں کہ ان کے پیچھے کام کرنے والی کوئی طاقت اور قوت موجود ہے جو اگرچہ نظر تو نہیں آتی مگر ہے ضرور۔ اسی طرح چاند، سورج سیارے۔ ستارے۔ یہ آسمانی بلب از خود روشن ہیں یا ان کے پیچھے بھی کوئی عظیم قوت موجود ہے جو بجلی کی طرح نظر تو نہیں آتی مگر ہے ضرور۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے بجا فرمایا:

اللہ نور السمٰوات والارض۔

اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

اہل جہاں کے کفر و توہم کا کیا علاج + آئینہ کہہ رہا ہے کہ آئینہ ساز ہے

۲۔ کسی جنگل میں ایک مکان ہو، ہم اس میں داخل ہوں۔ چولہے میں آگ روشن ہو۔ آٹا تازہ گوندھا پڑا ہو، تازہ پانی، تازہ گوشت۔ تازہ سبزی تازہ پھل، موجود نظر آ رہے ہوں، ہر کمرے میں سامان و فرنیچر قرینے سے سجایا ہوا ہو۔ مگر اس مکان کا مکین کہیں باہر گیا ہو، تو مکان کی ان تمام چیزوں کو دیکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس گھر کا مالک اگرچہ نظر نہیں آتا مگر ہے ضرور۔

ٹھیک اسی طرح زمین و آسمان کے اعلیٰ پایہ کے نظام، تازہ بتازہ، سبزیوں۔ پانیوں۔ پھلوں۔ پھولوں، اور غلوں کا انتظام کیا اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ اس گھر کا بھی کوئی مالک ہے۔ جو اگرچہ نظر نہیں آتا مگر ہے ضرور ؎

وفی کل شیئٍ لہٗ آیۃٌ
تدل علیٰ انہٗ واحد

زمین اور آسمان کی ہر شئے خدا کی ہستی پر ایک نشان ہے جو دلالت کرتی ہے کہ واحد خدا موجود ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ اس دنیا سے خدا کی ہستی پر ایمان لا کر ہی آگے جانا فائدہ مند ہے۔ ایک منکر خدا اس دنیا سے جب آگے جاتا ہے تو آگے اگر خدا موجود نہ ہوا تو وہ بچ گیا اور اگر خدا موجود ہوا تو وہ پکڑا گیا مگر اس کے برعکس خدا پر ایمان لانے والا ہر طرح سے محفوظ ہے۔ اگر آگے خدا نہیں تو اس سے کس نے پوچھنا ہے کہ تم خدا کو کیوں مانتے رہے اور اگر آگے خدا موجود ہے اور یقیناً موجود ہے تو خدا پر ایمان لا کر آگے جانے والا کامیاب رہا۔

چند اندھوں نے ہاتھی کو اپنے ہاتھوں سے ٹٹولا اور لگے ہاتھی کا نقشہ بیان کرنے۔ جس اندھے نے ہاتھی کی سونڈ پر ہاتھ پھیرا تھا کہنے لگا۔ ہاتھی تو سانپ کا سا ہے۔ جس اندھے نے ہاتھی کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا کے سوا دیگر موجودہ مذاہب نے روایتی اندھوں کی طرح خدا کا نہایت غلط نقشہ پیش کیا۔

مہبطِ وحی سرکارِ دوجہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن کریم نے اعلان فرمایا مازاغ البصر وما طغیٰ (خدا) کے جمال کے مشاہدہ سے محمد رسول اللہ صلعم کی نظر نہ پتھرائی اور نہ اس نے حد سے تجاوز کیا۔ گویا خدا کا پورا پورا اور صحیح نقشہ ملاحظہ فرمایا خدا کا یہی صحیح اور مکمل نقشہ تھا جو قرآن کریم کے ذریعہ دنیا جہان میں پیش فرمایا گیا۔

قل ھو اللہ احد۔ اعلان کر دو کہ اللہ ایک ہے۔ لم یلد ولم یولد۔ نہ خدا کسی کا بیٹا ہے نہ خدا کا کوئی بیٹا ہے۔ ولم یکن لہ کفواً احد اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

خدا تعالےٰ کی ہستی پر اس مختصر بحث کے بعد میں تعلق باللہ پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ سرکار دوجہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خدا کا مکمل اور صحیح تصور دنیا کو پیش فرمایا تھا۔ ٹھیک اسی طرح خود حضرت انسان کا بھی صحیح مقام اس کے سامنے رکھا۔

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ولقد کرمنا بنی آدم۔ خدا نے انسان کو مکرم و معظم بنایا ہے۔ اس میں اپنی جمالی و جلالی صفات آثار کر اور اس کو اپنے اخلاق سے رنگین کر کے اس کی تکریم و تعظیم کو قائم فرمایا۔

علامہ اقبال نے فرمایا ؎ یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

اس شعر میں مجھے صرف ایک لفظ کے تصرف کی اجازت دیجئے۔ میں کہوں گا

یہ انسان یہ تیرے پُراسرار بندے + جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا + سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

اس ذوق اور خدائی صفات و اخلاق والے انسان کو جو شکل و صورت بخشی گئی اس کے لئے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ خدا نے انسان کو حسین و جمیل پیدا کیا ہے ؎

جس بھی فنکار کے شاہکار تم ہو + اس نے صدیوں تمہیں سوچا ہوگا

اور پھر انسان کے سب سے بڑے مقام کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا گیا انی جاعلک فی الارض خلیفہ۔ اس زمین میں انسان خدا کا خلیفہ ہے اور نائب ہے۔

سخر لکم ما فی السمٰوات والارض۔ آسمانوں اور زمین کی کی حکومت اس کے حوالے کی گئی۔

سورج، چاند کی پوجا کرنے والوں کو فرمایا تم اشرف المخلوقات ہو سخر لکم الشمس والقمر دائبین۔ سورج، چاند کی پوجا مت کرو۔ یہ تو تمہارے غلام ہیں۔

گنگا جمنا کے پجاریوں کو فرمایا سخر لکم الانہار۔ گنگا جمنا وغیرہ کی پوجا مت کرو یہ دریا تو تمہاری خدمت کے لئے ہیں، ان دریاؤں، نہروں کی تو حقیقت ہی کیا ہے جن سمندروں سے بادل اٹھتے ہیں، اور پھر برف اور بارش کے رنگ میں پہاڑوں پر برستے ہیں اور پھر پہاڑوں سے یہ چند لکیریں (دریا) بہہ نکلتی ہیں۔ سخر لکم البحر وہ سمندر بھی تمہاری غلامی میں دے دیئے گئے ہیں۔ غرض کتنا احسان ہے سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جہاں حضور صلعم نے بنی نوع انسان کے سامنے خدا کا صحیح اور مکمل نقشہ اور تصور پیش فرمایا وہاں خود حضرت انسان کو اس کا اصل مقام یاد دلایا۔ اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم

سبزوں - غلّوں - پھلوں اور پھولوں کے بیج اگر سونے چاندی - موتیوں اور جواہرات میں ملا کر ہزاروں سال بھی رکھ دیئے جائیں تو بھی ان قیمتی اشیاء کی تاثیر سے بیجوں کے اصل جوہر شگوفہ - پھول اور پھل وغیرہ ظاہر نہ ہو سکیں گے اور قدرت کی کوئی شئے ان بیجوں کی امداد نہیں کرے گی - مگر جونہی ان بیجوں کا تعلق اور پیوند زمین کی مٹی سے ہوگا بیجوں کے اصل جوہر باہر آ جائیں گے - قدرت کی تمام قوتیں سورج، چاند، ہوا، بارش وغیرہ ان کی امداد میں لگ جائیں گی قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے :—

قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ - جن لوگوں نے خدا سے پیوند جوڑنے سے انکار کیا وہ لوگ خسارے میں رہے - اگرچہ وہ بادشاہوں اور شہنشاہوں کے ہم مجلس ہی کیوں نہ ہوں - ان کے فطری کمالات اور جواہر خدا سے تعلق پیدا کرنے میں ہی اُجاگر ہو سکتے ہیں اور بیج کی طرح انکی پرورش ہونے لگتی ہے - حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ومن طلب العلی سھر اللیالی
یغوص البحر من طلب اللوآلی

جس نے بلندی چاہی وہ راتوں کو جاگا - جس نے موتی چاہے اس نے سمندر میں غوطہ لگایا -

سمندروں کی تاریکی میں غوطہ لگانے والے تو کبھی سینکڑوں غوطوں کے بعد کوئی معمولی موتی پاتے ہوں گے مگر رات کی تاریکی میں غوطہ لگانے (سجدہ کرنے) والے ہر غوطہ پر اجر کے عظیم تابدار موتیوں سے اپنا دامن بھر لیتے ہیں - قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :—

واسجد واقترب - مٹی پر سر رکھ دو - خدا کے مقرب بن جاؤ گے ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات (اقبال)

اسلام نے مٹی سے پیدا ہونے والے انسانوں کا سر پھر مٹی میں رکھوا کر انہیں مٹی میں نہیں ملوایا بلکہ خدا سے ملا دیا - اسی لئے حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصلوٰۃ معراج المؤمنین - نماز مومن کا معراج ہے -

حضور سرور کائنات دو سجدوں کے درمیان جو دعا فرمایا کرتے تھے اس میں آخری لفظ ہے وارفعنی اے خدا مجھے اوپر اُٹھا - دعا تو اوپر اُٹھانے کی فرماتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی معاً بعد اپنا سر مبارک دوسرے سجدے کے لئے مٹی میں رکھ دیتے تھے -

انسان کی اصل زندگی تعلق باللہ کا دوسرا نام ہے یہاں ایک مثال عرض کرتا ہوں - غور فرمایئے :—

کلائی کی گھڑی ہو کہ ٹائم پیس، ہو یا کلاک ہو اگر ان کے ڈائل سے گھنٹہ اور منٹ کی دونوں سوئیاں اتار دی جائیں تو وہ چل تو رہی ہونگی مگر اپنی اصل غرض یعنی حقیقت کے اظہار سے وہ عاری ہوں گی - اسی طرح جن لوگوں کا تعلق خدا اور رسول سے منقطع ہو جاتا ہے اور ان کے قلب سے یہ دونوں سوئیاں الگ ہو جاتی ہیں وہ لوگ زندہ تو ہوتے ہیں مگر زندگی کی اصل غرض سے محروم ہو جاتے ہیں - "زندگی بے بندگی شرمندگی"

اللہ کریم نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے : ومن آیتہ انک تری الارض خاشعۃ - اے میرے محبوب میرے نشانات میں سے یہ بھی ایک نشان ہے کہ آپ دیکھئے زمین جھکی ہوئی ہے - ہمارا ایمان ہے کہ حضور صلعم کو آسمانوں اور زمینوں کے تمام عجائبات دکھائے گئے - عربی میں خشوع جسم سے جھکنے کو کہتے ہیں - آج سائنسدان کہتے ہیں کہ پہاڑوں کے بوجھ کی وجہ سے زمین شمال کی طرف بائیس ڈگری پر جھکی ہوئی ہے -

ایک سائنسدان نے کہا تھا کاش کوئی ایسا انتظام ہو سکتا کہ ہم کسی ستارے پر کھڑے ہو کر کسی لمبے بانس سے زمین بائیس ڈگری اوپر اُٹھا دیتے - ایسا ہو جانے سے موسمی تغیرات ختم ہو جاتے ہیں اور بارہ مہینے بہار ہی بہار رہتی ہے - مگر اس ※

اخبار احمدیہ

شادی خانہ آبادی } مکرم چوہدری فضل داد صاحب گجرات سے لکھتے ہیں کہ :—

"محترم مرزا مسعود بیگ صاحب ایم - اے نے مؤرخہ ۲۲ نومبر بروز ہفتہ ذوالفقار احمد انجنیئر ولد چوہدری عنایت اللہ ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس چک ۸۱ جنوبی سرگودھا کا نکاح ہمراہ عارفہ عزیز بی اے بی ایڈ دختر چوہدری فتح محمد عزیز ایڈووکیٹ گجرات بعوض بیس ہزار حق مہر پڑھا - دعا ہے اللہ تعالےٰ اس رشتہ کو طرفین کے لئے باعثِ برکت کرے - اور یہ رفاقت اشاعتِ اسلام میں ممد و معاون ہو - طرفین نے اس موقعہ پر ۱۵۰/- روپے چندہ اشاعتِ اسلام کے لئے دیا -

نوٹ : ذوالفقار احمد صاحب محترم عزیز صاحب کے بھانجے ہیں اور چوہدری محمد عالم صاحب ممبر یونین کونسل و صدر لوکل انجمن چک ۸۱ جنوبی کے قریبی عزیز ہیں - اور آجکل بیرون ملک ابوظہبی میں انجنیئر ہیں -

---

جلسہ سالانہ میں شمولیت فرمانے والے احباب سے اپیل

جلسہ سالانہ پر آنے والے حضرات کی سہولت کی خاطر استقبالیہ نے رجسٹریشن کا انتظام کیا ہے - حاضرین کی رجسٹریشن ضروری قرار دی گئی ہے اس کے علاوہ "استقبالیہ" سے ایسے BADGS (علامتی نشان) بھی حاضرین کو دیئے جائیں گے جن سے ممبرانِ انجمن ہذا کی آسانی سے پہچان ہو سکے گی - یہ بھی درخواست ہے کہ تمام خواتین و حضرات جماعت احمدیہ لاہور سے اپنی وابستگی کے اظہار افتخار کی خاطر یہ علامتی نشان اپنے سینوں پر دورانِ ایامِ جلسہ آویزاں رکھیں تاکہ کارکنان جلسہ کو آپ کی پہچان میں کوئی دقت پیش نہ آوے اور وہ آپ کی خاطر خواہ سہولت کا خیال رکھ سکیں -

المستدعی (چوہدری) مسعود اختر ایڈووکیٹ ناظم استقبالیہ کمیٹی

جماعت کے مخیّر حضرات سے دردمندانہ اپیل

ایک نہایت ہی مخلص احمدی جو وفات پا گئے ہیں - ان کے لڑکے اور لڑکی کی شادی ہے - مرحوم صرف تین ایکڑ زمین چھوڑ گیا ہے - اس میں سے بھی اشتمال والوں نے نصف زمین کے بدلے بنجر زمین دے دی ہے - اس لئے میری دردمندانہ اپیل ہے کہ ان کی مدد کی جائے

شیخ اللہ بخش بدوملہی

※ سائنسدان کو شاید یہ علم نہیں کہ موسمی تغیّر و تبدل - سخت سردی، سخت گرمی سے نباتات، جمادات، حیوانات اور خود بنی نوع انسان کو جو عظیم فوائد پہنچ رہے ہیں وہ ایک جیسا موسم رہنے سے میسّر نہیں آ سکتے تھے -

کچھ عرصہ گذرا یہی سائنسدان کہتے پھرتے تھے کہ سانپوں اور بچھوؤں کو پیدا کر کے قدرت نے ایک خطرناک غلطی کی ہے - مگر اب یہی سائنسدان فرما رہے ہیں کہ فضا کی بہت سی زہریں ہیں جن کو یہ سانپ اور بچھو چوس لیے ہیں - سچ ہے :—

ماخلقت ھذا باطلا

خدا تعالےٰ نے کوئی شئے باطل پیدا نہیں کی - اس کا کوئی نہ کوئی مقصد اور غرض ہے ؞

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

مجدد صدی چہاردہم کی حقیقی عظمت و مقام

مفاسدِ زمانہ کا مداوا اور کامل تعلیم دینِ اسلام

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کی اعلیٰ خدمات دربارہ احیاءِ اسلام اس قدر واضح اور روشن ہیں کہ جن سے کسی بڑے سے بڑے مخالف کو بھی انکار کی گنجائش نہیں بلکہ کسی منصف مزاج انسان کو انہیں مجدد صدی چہاردہم تسلیم کرنے سے بھی انکار نہیں۔ تاہم بعض قلوب میں یہ وسوسہ ہے کہ آپ چونکہ چودھویں صدی کے مجدد ہیں اور آپ کا زمانہ قریب الاختتام ہے اس لئے صدی کے مجدد سے وابستگی اختیار کرنا۔ مندرجہ ذیل سطور میں اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ کیوں چودھویں صدی کے مجدد کا زمانہ تا قیامت ممتد ہے اور وہ کونسی پیش آمدہ ضروریات ہیں جن کی وجہ سے آپ کے دامن فیوض سے وابستگی لازم و ضروری ہے۔ نیز آپ نے اپنے بارہ میں خاتم الخلفاء اور خاتم الاولیاء کے جو ادعا کئے ہیں، ان میں کونسی حکمت و حقیقت مضمر ہے؟ جبکہ دیگر مجددین نے کوئی جماعت نہیں بنائی۔ تو آپ کا جماعت میں شمولیت پر اس قدر اصرار کس لئے اور کیوں لازم و ضروری ہے؟

صف دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال + سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے

قرآن کریم میں دجال اور یاجوج ماجوج کے مفاسد کا ذکر موجود ہے اور اس امر کا بھی بالصراحت ذکر آیا ہے کہ دینِ اسلام جب اپنی انتہائی حالت انحطاط کو پہنچ چکا ہوگا تو اس وقت اس کامل دین کا احیاء دوبارہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جبکہ یاجوج ماجوج کے فتنہ سے بڑھ کر کوئی اور فتنہ و فساد نہیں اور جبکہ دینِ اسلام اپنی انتہائی زبوں حالی کو پہنچ چکا ہوگا۔ تو اس وقت جو ربانی مصلح دوبارہ احیاء دین کے مقصد کو انجام دے گا وہ یقیناً نہایت عظیم الشان و بلند مقام مصلح ہوگا۔

احادیث میں نہ صرف دجالی فتنہ کا ذکر زیادہ تفصیل سے آیا ہے بلکہ اس فتنہ کے قلع قمع کے لئے جس مسیح ثانی کی بشارت امتِ مسلمہ کو دی گئی ہے اس کی عظمت شان کا ذکر بھی صاف صاف اور تکرار سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جب سے زمین و آسمان پیدا کئے گئے تب سے دجال کے فتنہ سے بڑھ کر اور کوئی اور فتنہ بپا نہیں ہوا۔ پھر اپنی امت کو یہ ہدایت کی کہ جب مسیح دوبارہ نازل ہوں گے تو انہیں میری طرف سے سلام دینا۔ چودھویں صدی کے مجدد کے بارہ میں آنحضورؐ نے یہ فرمایا کہ لوکان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجلٌ من ابناء فارس۔ آنجناب صلعم نے ایک طرف دجال کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا کہ وہ دینِ اسلام کی بیخکنی کر رہا ہے تو دوسری طرف مسیح کو اپنی کشفی آنکھ سے دجال کے مقابل کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ دجالی فتنہ کا قلع قمع حضرت مسیح کرے گا اور دینِ اسلام کو غالب کر دکھلائے گا۔

پھر فرمایا ویدفن معی فی قبری۔ مسیح ثانی میرے ہی ساتھ میری قبر میں دفن ہوگا۔ جس سے اتحاد مقاصد کا کمال ظاہر کرنا مقصود ہے۔ غرضیکہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے جو عالی مقام اور عظمت شان چودھویں صدی کے مجدد یا مسیح موعودؑ کی ظاہر ہوتی ہے وہ نہ صرف اس قدر روشن اور واضح ہے کہ جس سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں بلکہ تیرہ سو سال سے ساری امتِ مسلمہ اس کی قائل و معترف رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس شدت سے نزول مسیح کا انتظار ہوتا رہا کسی اور مصلح و مجدد کا ایسا انتظار کبھی نہ کیا گیا۔ تھا جس طرح منبروں پر چڑھ چڑھ کر اس کی آمد کی بشارتیں دی جاتی ہیں کسی دیگر مجدد کے لئے ان میں سے کوئی بات کبھی نہیں کی گئی۔

عظمت و شان کا مدار مقاصد و عزائم پر

جبکہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں مسیح ثانی کی اس قدر اہمیت و عظمت بیان ہوئی ہے اور جبکہ تیرہ صدیوں میں ساری امتِ مسلمہ ایسے شدید انتظار و تڑپ سے اس کے نزول کی منتظر رہی ہے تو کیا اس امر میں کوئی شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ چودھویں صدی کے مجدد یا مسیح موعودؑ کی عظمت و شان امت کے دیگر مصلحین و مجددین سے یقیناً نرالی و یکتا ہی ہے؟ ... یہ عظمت و شان بلا کسی وجہ و سبب کے ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ جیسے کہ احادیث میں فتنہ دجال ... روئے زمین پر تمام فتنوں سے بڑا قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس سے صاف ... جس مصلح کے ذریعہ فتنہ کبریٰ کا استیصال ہوگا یقیناً وہی شخص اپنے ... عظمت کی وجہ سے اسی قدر عظمت و شان کا مالک ہوگا۔ جب ہم واقعات ... تو ہمیں یہی نقشہ نظر آتا ہے کہ واقعی دجال اور یاجوج ماجوج کا ... تمام مفاسد و مفاتن سے بازی لے گیا ہے۔ کیونکہ جس طرح ... نفس اور خودی کے ادنیٰ جذبات کی نشو و نما ہوئی ہے کبھی پہلے بھی اس کا سوواں حصہ ہوا؟ اخلاقی اقدار سے انحراف و انکار اور سفلی جذبات و ادنیٰ خواہشات کی ترقی و ترویج پر اصرار جس وسیع و عالمگیر پیمانہ پر اس زمانہ میں ہوا کہ اس کی کوئی ادنیٰ مثال بھی کہیں پیش کی جا سکتی ہے۔ بین الاقوامی معاملات ہوں یا قومی و انفرادی تعلقات، انسانیت و انصاف اور اخوت و مساوات کے عالی جوہروں کی جس طرح اس وقت مٹی پلید کی گئی ہے کیا کبھی پہلے بھی ایسا ہوا؟ باوجود انواع و اقسام کے مادی سامانوں کی فراوانی کے طمانیت قلب اور امن و سلامتی کو جو خطرات و خوف اس وقت درپیش ہیں کیا کبھی ایسی بے چینی و اضطراب ایسی وسیع و عالمگیر سطح پر پھیلی ہے؟ یہ تو دنیاوی حالت ہے۔ اگر دینی لحاظ سے دیکھا جائے تو ایک طرف تو خدا اور مذہب سے جو بیزاری آج پیدا ہوئی کیا اس کا عشرِ عشیر بھی کہیں نظر آتا ہے؟ باطل معتقدات بالخصوص کلیسائی اصولوں کی ترویج و ترقی کی جو مثال اس وقت موجود ہے ایسی کوئی اور نظیر بطلان کی کہاں دکھلائی جا سکتی ہے؟ زندگی کے مقاصد کو جو سطحیت اور ادنیٰ حیثیت اس وقت دے دی گئی ہے، ایسی بے حقیقتی شاید ہی کہیں دی گئی ہو؟ انسانی زندگی کی بلند صلاحیتوں اور عالی استعدادوں جو اغماض آج برتا گیا ہے عالمگیر پیمانہ پر اس کی مثال ڈھونڈے نہ ملے گی۔

اسی امر کو بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ ایک جگہ خروج دجال کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صاحبو! آج یہاں وہ دجالیتیں پھیل رہی ہیں جو تمہارے فرضی دجال کے باپ کو بھی یاد نہ ہوں گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ چودھویں صدی کے مفاتن و مفاسد اور باطل نظریات و معتقدات ایسے وسیع و عالمگیر سطح پر پھیل گئے ہیں کہ واقعاتی رنگ میں یہ اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ پس قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں جو اخبار فتنہ دجال و یاجوج ماجوج کی دی گئی تھیں، واقعات میں آج ان کی صداقت کس قدر صفائی سے روشن ہو چکی ہے۔

مفاسد زمانہ کا علاج

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے عظیم مفاسد کا علاج مسیح موعود علیہ السلام نے کیا کیا ہے؟

اس ضمن میں سب سے پہلی بات یاد رکھنے کے لائق یہ ہے کہ اس زمانہ کی ظاہر پرستی اور حقیقت سے دوری کی جو عالمگیر وبا ہے حضرت مسیح موعودؑ نے سب سے پہلے اس کا علاج تجویز کیا اور دین و مذہب کو اس کے حقیقی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا یعنی بخلاف مذاہب کی اور صورتوں

کے جو کھینچی جاتی ہیں آپ نے اس کی اصلیت و حقیقت پر بڑا زور دیا ہے اور جس کا خلاصہ یہ ہے جیسے کہ خود قرآن کریم نے اسی حقیقت کی طرف مختلف پیرایوں میں ادا فرمایا ہے۔ بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن یعنے دین کی رُوح ان دو اُصولوں میں مضمر ہے خدا تعالےٰ کی کامل فرمانبرداری اور مخلوق خدا کی سچی ہمدردی۔ اگر یہ حقیقت موجود نہیں تو کسی قسم کی ظاہر پرستی یا ریا و رسوم پر کاربندی کوئی کام نہیں دے سکتی۔

خدا تعالےٰ کی ذات پر حقیقی ایمان پیدا کرنے کے لئے جو رنگ آپ کی تحریرات میں دکھلائی دیتا ہے قرآن حکیم کی تعلیم کے بعد شاید ہی کہیں اور اس یقین و ایمان کی جھلک دکھلائی دیتی ہو۔ ایک دہریہ منش انسان کا قول ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی تحریرات کو پڑھ کر یہ خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں خدا پر ایمان پیدا نہ ہو جائے۔ تعلیم الاسلام کی صداقت و افضلیت جس طرح حضرت مسیح موعودؑ نے ثابت کر دکھلائی اس کی بھی شاید ہی کوئی مثال ہو۔ متعدد واقعات ایسے ہیں کہ انگریز افسروں کے نام پر جب احمدیوں کی طرف سے انگریزی رسالہ ریویو آف ریلیجنز جاری کرایا گیا تو ان میں سے کئی ایک نے کچھ دیر بعد یہ کہا کہ براہِ خدا اس رسالہ کو ہمارے نام بند کر دو ورنہ یہ خطرہ ہے کہ ہم کہیں مسلمان نہ ہو جائیں۔ مجھے خود یاد ہے کہ حضرت والد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ اس رسالہ کو پڑھنے کے بعد ایک انگریز ڈپٹی کمشنر نے ریمارک کئے کہ:-

WELL WHAT WILL BE HAPPEN WHEN MIRZA DIES

یعنی اب تو دین اسلام کی صداقت و افضلیت کو ایسے عمدہ رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے کہ انکار کی گنجائش نہیں ہو سکتی مگر یہ سلسلہ حضرت مرزا صاحب کی وفات کے بعد کیسے جاری رہے گا؟

تو حضرت والد صاحب قبلہ نے جواباً فرمایا کہ اسلام کا خدا زندہ موجود ہے اور وہی اس دین کا حافظ و ناصر ہے

اس ایک واقعہ سے ہی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غیر مسلموں کو دینِ اسلام کا قائل کرنے کی کیسی نمایاں خصوصیت و صلاحیت حضرت مسیح موعودؑ کو عطا کی گئی تھی۔ کچھ اسی قسم کا واقعہ لیکچر سیالکوٹ والا ہے کہ وہاں کے پادری سکاٹ صاحب نے حضرت کا لیکچر سننے کے بعد کہا ویل ہم کو ایک بات قطعاً سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ شخص (مراد حضرت مرزا صاحبؑ) تو دینِ اسلام کو تمام ادیان پر افضل و غالب کرنا چاہتا ہے۔ پھر یہ مسلمان لوگ اس کی کیوں مخالفت کرتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب نے واقعی غلبۂ دین اسلام کر دکھلایا

انفرادی مثالوں کے علاوہ حضرت اقدسؑ کا لیکچر "اسلامی اصولوں کی فلاسفی" بھی اس امر کا شاندار ثبوت ہے کہ آپ کو یہ معجزہ خدا تعالےٰ نے عطا کیا تھا کہ اصول اسلام کی صداقت و افضلیت کے قائل و معترف کرنے میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے جس میں کوئی شخص آپ کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھا۔

علم و سائنس کے زمانہ میں مذہب کی صداقت کا ثبوت

علم و سائنس کے زمانہ میں الٰہیات کے اصولوں کو تسلیم کرا دینا جن کا وجود ما وراء الطبیعات سے ہے اس حدیث کی صداقت پر گواہی پیش کرنا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ اگر ایمان ثریا پر چلا گیا ہو تب بھی مسیح موعودؑ اس کو وہاں سے واپس لے آئے گا۔

جب یہ امر دیکھا جائے کہ علم و سائنس کے اس زمانہ میں ایمانی امور کو حضرت مسیح موعودؑ نے بذریعہ علم و دلائل دلوں میں گاڑ دیا تو حیرت ہوتی ہے۔ زمانہ کی یہ تبدیل شدہ حالت ہے اور حضرت اقدسؑ کا یہی زبانی معجزہ ہے جس کے باعث ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جو کام آپ نے سرانجام دیا وہ کسی دوسرے مجدد سے نہ ہوا اور یہی وہ بات ہے جو نہ صرف آپ کو دیگر مجددوں سے ممتاز کرتی ہے بلکہ اس میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ اب جو مجدد آئے گا اس کا قدم آپ کے قدموں پر ہی ہوگا۔ کیونکہ جہالت اور توہم پرستی کا زمانہ ختم ہو چکا۔ اب علم و سائنس نے تسلط حاصل کر لیا ہے۔ اس دور میں جو شخص دینِ اسلام و مذہب کی صداقت کا قائل کر سکتا ہے وہ وہی ہو سکتا ہے جو علم اور دلائل، بینات اور زبانی نشانوں سے ہی قائل کر سکتا ہے۔ بجز اس کے ممکن نہیں۔ اس لئے جبر و اکراہ اور دنیاوی شوکت و عظمت سے اب دین کا فروغ مقدر نہیں بلکہ یہ دور اب اسلام کی جمالی صفت کا ہے۔ ؎

ہو چکا اس دین کی شانِ جلالی کا ظہور + ہے مگر باقی ابھی شانِ جمالی کا ظہور

مجددین میں امتیازی و اعلیٰ شان و مقام کے اصل وجوہ

سائنس و علم کی روشنی عالمگیر طور پر پھیل جانے کے سبب دین کی ترقی و فروغ اب تاقیامت دین اسلام کی خوبصورت تعلیم کے پھیلانے اور اس کی افادیت ثابت کرنے میں ہی مضمر ہو چکی ہے۔ اب جو بھی مجدد و مصلح آئے گا اس کا قدم اسی راستہ پر ہوگا کیونکہ یہ زمانہ کا تقاضا اور اس کا مطالبہ ہے، دوسرا کوئی راستہ کامیابی کا موجود نہیں۔ ؎

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود + ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد

پس اس معنی میں حضرت مسیح موعود خاتم الخلفاء اور خاتم الاولیاء ہیں کہ دنیا نے ایک نیا رُخ بدلا ہے۔ ایک نئی عالمگیر ذہنیت کار فرما ہے۔ دین کی فتح و کامیابی کا راستہ اب بجز اسلام کی تعلیم کی افادیت اور اس کے اصولوں کی عمدگی و خوبصورتی بذریعہ علم کلام کے ظاہر کرنے ممکن نہیں۔

اشاعت و تبلیغ دین کا وہ راستہ یا جہاد زمانہ کا وہ طریق کار جو حضرت مسیح موعودؑ نے نہایت عظیم کامیابی سے دنیا پر واضح کیا ہے اب کلید ہے جس سے فتح و غلبۂ اسلام وابستہ کر دیا گیا ہے۔ قوم کے جملہ ہمدرد طبقہ کے لئے یہ امر قابل غور ہے کہ دین کی فتح کا یہ بدلا ہوا طریق کار اگر وہ اختیار کریں اور جماعت احمدیہ لاہور کے مسلک پر اگر وہ گامزن ہوں تو یہی ایک راستہ مذہب کی ترقی و فروغ کا رہ گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مندرجہ ذیل وجوہ کے باعث حضرت مسیح موعودؑ کا زمانہ تاقیامت ممتد ہے۔ جس سے آپ کا مقام تجدید و احیاءِ دین دیگر مصلحین اُمت سے بکلی ممتاز ثابت ہوتا ہے:-

۱۔ دین کی حقیقی روح کو دوبارہ دلوں میں قائم کر دکھلانا یعنی رواج و رسوم اور ریاکاری و اسراف کی بناء پر اعمال کو بجا لانے کی بجائے معبود حقیقی پر سچا ایمان پیدا کر کے اس کی بناء پر اعمال صالحہ کو بجا لانا۔

۲۔ خدا تعالےٰ کی صفات، ملائکہ، یوم آخرت، جنت و دوزخ، کلام الٰہی نیکی بدی، جملہ امورِ معاد کی صحیح حقیقت پر روشنی ڈالنا۔

۳۔ جہاد اسلام کی راہیں تبدیل شدہ ذہنیت زمانہ کے باعث علم و دلائل، بینات و شواہد اور عملی زندگی میں اصولِ دین کی افادیت کا ثبوت دینے سے وابستہ کرنا غلبۂ اسلام کے لئے ظاہری عظمت و شوکت اور عسکری طاقت و قوت، جبر و اکراہ اور تشدد و ظلم کی جملہ راہوں سے اجتناب۔

۴۔ عالمگیر پیمانہ پر جملہ ادیان و ملل کے مقابل دینِ اسلام کے اصولوں کی صداقت و افضلیت کو ثابت کر دکھلانا۔

یہ ہر چہار امور ایسے ہیں کہ جن سے حضرت مسیح موعودؑ کی عظمت اور بلند مقام روشن ہے، کیا ان امور سے ماسوا کوئی اور اصول ہیں جن کے ذریعہ اب تاقیامت احیاء دین کا مقصد مقدر ہو چکا ہے؟ یا کیا ان کو ترک کر کے اب دین کی ترقی کی کوئی راہ ممکن ہے؟ پس جب آپ کا واضح کردہ طریق کار تاقیامت کارگر و کامیاب ہے تو پھر جو بھی حقیقی فتح و غلبہ ہوگا وہ ان وجوہ سے آپ کے دعوےٰ مجددیت کے طفیل ہی ہوگا۔

احباب جماعت نوٹ فرمائیں

۱۔ بیرونجات سے جلسہ سالانہ پر تشریف لانے والے احباب جماعت سے درخواست ہے کہ حتی الامکان ملک کے ہر بڑے مقام سے ایک جماعت کی صورت میں سفر کریں اور کوشش کریں کہ ایک ہی ٹرین یا بس میں ایک ساتھ آئیں۔

۲۔ الف احمدیہ بلڈنگس میں قیام کی محدود سہولتوں کے مدِ نظر براہ راست دارالسلام میں تشریف لاویں۔ دارالسلام تک پہنچنے کے لئے انہیں سٹیشن سے بس نمبر 28B ملے گی جو سیدھی نیو یونیورسٹی کیمپس آتی ہے۔ یہ بس ہر آدھ گھنٹہ کے بعد سٹیشن سے چلتی ہے اور اس کا کرایہ ۸/ ہے۔

ب دو بسیں نمبر ۲۷ اور ۲۸ رنگ محل (شاہ عالم مارکیٹ) سے چلتی ہیں اور یونیورسٹی کیمپس آتی ہیں۔ ان کا کرایہ بھی ۸/ ہے۔ اور ہر آدھ گھنٹہ کے بعد چلتی ہیں۔

ج سٹیشن سے بذریعہ ٹانگہ بھاٹی دروازہ ویگن کے اڈہ تک آئیں وہاں سے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ویگن ۴ یونیورسٹی کیمپس کے لئے آتی ہے۔ ٹانگے کا کرایہ ۸/ اور ویگن کا تقریباً ایک روپیہ فی کس ہے۔

۳۔ نیو کیمپس میں رضاکار اور مزدور موجود رہیں گے جو مہمانوں کو دارالسلام پہنچانے میں مدد دیں گے۔

۴۔ ہر مہمان کو اپنا نام۔ مقام اور جماعت کا نام دفتر رجسٹریشن میں لکھوانا ہوگا۔ اور انہیں اپنے کوٹ وغیرہ پر لگانے کے لئے ایک شناختی بیج دیا جائے گا تاکہ کارکنوں اور میزبانوں کو اپنے مہمانوں کو پہچاننے میں سہولت ہو۔

۵۔ احباب کرام جب ہر قسم کی تکلیف اُٹھا کر دُور دراز کے مقامات سے اس سردی کے موسم میں ایک خاص مقصد کے لئے یہاں تشریف لائیں گے تو ان سے ہم بجا طور پر یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ تمام نمازوں درس قرآن شریف اور جلسہ کی دوسری کارروائیوں میں بھرپور چار پانچ دن کے اس مجاہدہ میں جذب و سرور کی کیفیت پیدا کرکے اپنے اسلاف کی یاد تازہ کریں گے اور ہر طرف بھڑکی ہوئی مصائب کی آگ کو آنکھ کے پانی سے ٹھنڈا کرنے کا اہتمام کریں گے۔

۶۔ تمام خواتین و حضرات سے مؤدبانہ التماس ہے کہ جلسہ کی کارروائی شروع ہونے کے وقت سے ۱۵ منٹ پہلے جلسہ گاہ میں تشریف لے آئیں۔ اس کے لئے بار بار اعلان نہ کرنا پڑے۔ وقت کی پابندی بہت لازمی ہے۔

۷۔ آپ کے خدمتگذار آپ کے بچے اور بھائی ہیں ان کی کوتاہیوں کو خندہ پیشانی سے نظر انداز کرتے ہوئے ان سے تعاون کیجئے اور ان کا ہاتھ بٹایئے۔ اس سے ان کی حوصلہ افزائی ہوگی اور انہیں تقویت ملے گی۔

ادارہ پیغام صلح کی طرف سے قارئین کرام کی خدمت میں

عید مبارک

ابو ارشد

آپ آئیں گے تو گُلشن میں بہار آئے گی

آپ آئیں گے تو گُلشن میں بہار آئیگی
ایک رونق ہے جو بے حد و شمار آئیگی

آپ کے آنے سے ہر دل کو سکوں پہنچے گا
آپ جو آئیں گے اِک موجِ قرار آئیگی

آپ لائیں گے جو تصویرِ اخوت کی یہاں
ولولے دیں کے وہ ہر دل میں نکھار آئیگی

استدعا ہے یہ بزرگوں سے کہ وہ آئیں ضرور
اُنکے آنے سے اخوت بکنار آئیگی

نوجوانوں کو یہ لازم ہے وہ بڑھ کر آئیں
اُن کی "ہمت" سے جو ہر کام سنوار آئیگی

مِل کے ہم روئیں گے جب دِیں کی اشاعت کیلئے
حق سے نصرت کی جھلک قربِ دوار آئیگی

اپنا پیغام نہیں صحنِ چمن تک محدود
یہ صبا چاروں طرف جا کے پکار آئیگی

دِیں کی عظمت کیلئے راہیں نئی سوچیں گے
دِل کی دھڑکن ہمیں منزل پہ اُتار آئیگی

کب بگولوں سے صداقت کے چمن اُجڑے ہیں
گرد اُٹھے گی جو ہمرنگِ غبار آئیگی

"ہم نے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا"
وہ جو دیکھیں گے انہیں اپنے سے عار آئیگی

"آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا" آ گے
اَب بھی جو آئے گا ذلت اُسے مار آئیگی

فضل احمدؐ سے ہو مسعود جو یہ جشنِ طرب
تو مسیحا کی دُعا بن کے بہار آئیگی

آپ میدانِ ریاضت میں دکھائیں جوہر
طبع جولاں بھی خیالوں پہ سوار آئیگی

از مکرم رانا فیض بخش نون صاحب

قاضی شیر محمد صاحب کے حالاتِ زندگی

قاضی شیر محمد صاحب۔ سال ۱۹۰۱ء میں قاضی غلام مصطفےٰ صاحب امام مسجد قصبہ علی پور گھلواں ضلع مظفر گڑھ کے معزز گھرانہ میں پیدا ہوئے ناظرہ قرآن کریم اور کچھ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے پائی۔ جب سنِ شعور کو پہنچے تو کوٹلہ رحم علی شاہ علاقہ جتوئی اور خیر پور سادات میں عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے ترنڈ محمد پناہ چلے گئے۔ آپ کو اعلےٰ دینی تعلیم اور تحصیل علم کا انتہائی شوق تھا۔ لہٰذا اس شوق کو پورا کرنے کے لئے آپ نے مولانا غلام رسول صاحب ساکن کھاکھی پرنٹ تحصیل شجاع آباد سے صرف و نحو کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد فقہ فلسفہ وغیرہ کی تعلیم مولوی رانا غلام محمد صاحب ساکن موضع پنجانی تحصیل شجاع آباد سے حاصل کی۔ تحصیلِ علم اور دستار بندی کے بعد آپ اپنے وطن لوٹے۔ اور اپنے قصبہ علی پور میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا قلیل عرصہ میں ان کے دینی مدرسہ میں طلباء کا جم غفیر جمع ہو گیا۔

آپ کی نیکی تقوےٰ شعاری اور علمی قابلیت کو دیکھ کر اہالیان قصبہ علی پور نے آپ کو جامع مسجد علی پور کا امام اور خطیب مقرر کر دیا۔ آپ آٹھ دس سال امامت اور خطیب کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔

قبولِ احمدیت کی داستان

آپ کو حقیقی روحانی زندگی کی تلاش تھی اور حق کو پانے کی تڑپ تھی۔ آپ نے جماعت اہل حدیث کا لٹریچر پڑھنا شروع کر دیا اور اس طرف راغب بھی ہو گئے تھے۔ تحصیل علی پور میں مولوی عصمت اللہ صاحب جن کا تعلق احمدیہ جماعت قادیان سے تھا۔ علی پور تشریف لائے۔ ان کے ساتھ قاضی صاحب مرحوم و مغفور کی راہ و رسم پیدا ہو گئی۔ ان کی تبلیغ سے آپ بہت متاثر تھے۔ حتیٰ کہ علی پور کے بعض خاص آدمیوں کو علم ہو گیا۔ کہ قاضی صاحب احمدیت کی تعلیم سے انتہائی طور پر متاثر ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں نے قاضی صاحب مرحوم کے والد صاحب کے پاس جاکر شکایت کی کہ آپ کا لڑکا ایک جدید اور نئے مذہب کی طرف راغب ہے آپ اس کو سمجھا بجھا کر اس بے دینی سے باز رکھیں۔

مولوی عصمت اللہ صاحب تو تھوڑا عرصہ رہ کر علی پور سے واپس چلے گئے۔ ان کے کچھ عرصہ بعد جماعت احمدیہ لاہور کے مبلغ جناب مولانا مرزا مظفر بیگ ساطع صاحب علی پور وارد ہوئے۔ ان سے قاضی صاحب مرحوم کا گہرا رابطہ قائم ہو گیا۔ اور ان کی تبلیغ سے آپ سلسلہ عالیہ احمدیہ میں منسلک ہو گئے اور حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ بیعت کی صحیح تاریخ کا تو علم نہیں غالباً ۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء میں بیعت وقوع میں آئی تھی۔

چند ماہ آپ نے بیعت کے واقعہ کو مخفی رکھا۔ مرکز لاہور سے قاضی صاحب کے نام ایک منی آرڈر فارم آیا۔ غالباً یہ ان کی پہلی تنخواہ تھی۔ ڈاک خانہ والوں نے پوشیدہ بیعت کے معاملہ کو طشت از بام کر دیا۔ چونکہ آپ تحصیل علی پور کی مرکزی مسجد کے امام اور خطیب تھے یہ خبر تمام علاقہ میں آناً فاناً پھیل گئی۔ رشتہ دار، دوست احباب اور علماء کے گروہ کے گروہ لعنت ملامت کرنے کے لئے چڑھ دوڑے۔ مخالفت کا طوفان کھڑا ہو گیا۔ رشتہ داروں نے گھر کے برتن توڑ ڈالے۔ مشتعل ہجوم مار ڈالنے پر آمادہ تھا۔ محبت کا خونی رشتہ کام آیا۔ قاضی صاحب مرحوم کے بڑے بھائی قاضی عبدالحق صاحب گھر کے خفیہ راستہ سے قاضی صاحب اور ان کی اہلیہ صاحبہ کو گھر سے نکال کر محفوظ مقام پر چھوڑ آئے کچھ عرصہ بعد مخالفت کا طوفان تھم گیا۔ آپ پھر اپنے گھر واپس تشریف لے آئے۔ تبلیغ دین کا کام پھر سے شروع کر دیا۔ آپ عربی، فارسی اور اسلامی علوم کے ماہر تو تھے ہی۔ احمدیت کی تعلیم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے وسیع مطالعہ نے آپ کو ایک عظیم مبلغ بنا دیا تھا۔ کسی بڑے سے بڑے عالم کو ہمت نہ ہوتی تھی کہ آپ کے سامنے کوئی دم مار سکے۔ آپ ہر جگہ اور ہر وقت تبلیغی کاموں میں مصروف رہتے سفر میں حضر میں لاری میں ٹرین میں۔ کھیتوں میں گلیوں میں۔ میلوں ٹھیلوں میں تبلیغی کام میں مست نظر آتے تھے۔ گالی گلوچ توہین کی کوئی پروا نہ تھی۔ مساجد میں اماموں اور خطیبوں کو جا پکڑتے اور ان کو بے دھڑک تبلیغ کرتے۔ نمازیں نہایت خضوع خشوع اور گریہ و زاری سے ادا فرماتے ایک دفعہ علی پور میں ایک مولوی صاحب تشریف لائے ان کی بغل میں ایک کتاب تھی۔ وہ آکر مولوی نور محمد صاحب مرحوم امیر جماعت احمدیہ قادیان کو چیلنج کرنے لگے کہ میں ایسا حوالہ پیش کرتا ہوں جس سے حضرت مرزا صاحب کا وفات عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کے ضمن میں توفی والا چیلنج ٹوٹ جاتا ہے۔ چونکہ یہ چیلنج ٹوٹ جاتا ہے اس لئے آپ حضرت مرزا صاحب کا مقرر کردہ انعام مجھے ادا کریں۔

مولوی نور محمد صاحب موصوف کو عربی علوم میں وسیع مہارت نہ تھی آپ نے محترم قاضی شیر محمدؒ صاحب مرحوم کو بلوا لیا۔ قاضی صاحب نے اُسی کتاب کو دیکھا دو منٹ کی بحث کے بعد مولوی صاحب کتاب بغل میں دبا کر چلتے بنے۔

عادات و خصائل

آپ نہایت سیدھے سادے صاف دل سادگی سے زندگی بسر کرنے والے تھے غذا نہایت سادہ ہوتی تھی۔ البتہ آپ کو شکر بہت پسند تھی اس کا استعمال کثرت سے فرماتے تھے۔ بچوں۔ بوڑھوں۔ عوام اور خواص سے نہایت پیار سے اور محبت سے پیش آتے تھے۔ نہایت رحم دل تھے۔

اپنی استطاعت سے بڑھ کر ہر ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے میں مدد فرماتے تھے۔ بعض عیار اور چالاک لوگ دھوکا سے آپ سے رقوم اور کپڑا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ آپ کی کسی سے دشمنی نہ تھی۔ بعض لوگوں نے آپ کی قیمتی شہری جائداد پر قبضہ کر لیا۔ آپ نے ان کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی نہ کی۔ کیونکہ آپ مقدمہ بازی کو ناپسند فرماتے تھے۔

آپ کے بعض رشتہ داروں کی مخالفت طویل عرصہ تک جاری رہی بالآخر آپ ترک سکونت پر مجبور ہوئے۔ عرصہ بارہ تیرہ سال سے آپ اسماعیل آباد مل ملتان میں مقیم تھے۔ یہاں ہی آپ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۷۵ء بروز بدھ بوقت ساڑھے چھ بجے شام وفات پا کر اپنے حقیقی مولا سے جا ملے۔ دوسرے روز اسمٰعیل آباد کے قبرستان میں آپ مدفون ہوئے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــ مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۵ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــ شمارہ نمبر ۵۰

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد یار پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا
خصوصی ترجمان
ہفت روزہ
پیغام صلح لاہور
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
فون نمبر ۵۳۷۳۷
تار کا پتہ تبلیغ لاہور

لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں۔ لاہور میں ہمارے پاک محب ہیں
میں تیرے خالص محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و
اموال میں برکت دوں گا۔
(الہامات حضرت مسیح موعود)

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا
اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے
اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

احمدیہ کنونشن لندن ۱۹۷۵ء
جلسہ سالانہ نمبر

جماعت احمدیہ لاہور کی تعلیمی خصوصیات

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا نہ نیا نہ پرانا
۲۔ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
۳۔ کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
۴۔ سب صحابہ اور ائمہ قابل احترام ہیں
۵۔ سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے
۶۔ اسلام تمام دنیا پر غالب آئیگا

حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت کا مذہب

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و مقتدا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام
آں کتاب حق کہ قرآن نام اوست
بادۂ عرفان ما از جام اوست
یک قدم دوری ازاں روشن کتاب
نزد ما کفر است خسران و تباب

جلد ۶۲ | چہار شنبہ ۔۔۔ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۔۔۔ دسمبر ۱۹۷۵ء | نمبر ۵۱، ۵۲

کل برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتبارک من علّم وتعلّم
(الہام حضرت مسیح موعود)

تمام برکتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہیں پس بڑا ہی مبارک وہ ذات ہے جس نے علم دیا اور وہ بھی جس نے علم سیکھا

زیبا ترد تعلیم کہ من ہماں مردم کہ او مجدد ایں دین و رہنما باشد

"ھذا رجل یحب رسول اللہ"

یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے واقعی محبت رکھتا ہے اور اس قول سے مطلب یہ تھا کہ شرط اعظم اس عہدہ کی محبت رسول ہے۔ سو وہ اس شخص میں متحقق ہے" (براہین احمدیہ ص۵۰۲)

مجددِ دین کیلئے فرشتوں کا معیارِ انتخاب ۔ عشقِ رسولؐ

"ایسا ہی مجھے ایک اور قصہ یاد آیا ایک مرتبہ الہام ہوا جس کے معنے یہ تھے کہ ملاء اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں یعنی ارادہ الٰہی احیاء دین کے لئے جوش میں ہے لیکن ہنوز ملاء اعلیٰ پر شخص محیی کی تعین ظاہر نہیں ہوئی اس لئے وہ اختلاف میں ہیں ۔۔۔

اسی اثنا میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک محیی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اسنے کہا: ھذا رجل یحب رسول اللہ یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے واقعی محبت رکھتا ہے اور اس قول سے مطلب یہ تھا کہ شرط اعظم اس عہدہ کی محبت رسول ہے سو وہ اس شخص میں متحقق ہے" (براہین احمدیہ ص۵۰۲)

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صد چہار دہم

وظیفہ درودِ محمدؐ

"اس مقام پر مجھ کو یاد آیا ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہوگیا اسی رات خواب میں دیکھا کہ ملائکہ آب زلال کی شکل پر نور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں! اور ایک نے ان میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تونے محمدؐ کی طرف بھیجی تھیں صلی اللہ علیہ وسلم"
(براہین احمدیہ ص۵۰۳)

حضرت مولانا صدرالدین صاحب [illegible] احمدیہ کنونشن ۱۹۷۰ء ٹرینیڈاڈ میں
اراکین احمدیہ [illegible] ویسٹرن ہیمسفیئر کے ساتھ

ڈاکٹر ایم اے عزیز - حضرت مولانا صدرالدین اور مسز ڈاکٹر ایم اے عزیز صدر احمدیہ جماعتہائے ویسٹرن ہیمسفیئر-

مسٹر عزیز احمد - حضرت مولانا صدرالدین صاحب و مسز عزیز احمد
مسٹر عزیز احمد نے قریباً تیرہ ہزار پونڈ یا دو لاکھ روپیہ کے لگ بھگ عطیہ احمدیہ مشن ہاؤس لندن کے لئے دیا ہے-

مسٹر عبدالرحیم جگو ہالینڈ — مسز عبدالرحیم جگو — مسز ذرینہ محمد

مسز ذرینہ محمد سیکرٹری احمدیہ جماعت ٹرینیڈاڈ جو سال ہا سال سے تنظیم و توسیع میں مشغول ہیں-
مسٹر عبدالرحیم جگو آف سرینام جو اب ہالینڈ میں آنریری امام مشن ہیں-

ساتویں احمدیہ کنونشن لندن ۱۹۷۵ء
خانصاحب ڈاکٹر سعید احمد نائب صدر مرکزی احمدیہ انجمن لاہور تقریر فرما رہے ہیں، مسٹر خالد اقبال صاحب کرسی صدارت پر بیٹھے ہیں-

مسٹر محمد رضا آف جماعت احمدیہ سرینام
جنہوں نے چار ہزار پونڈ کا عطیہ برائے احمدیہ ہاؤس لندن دیا-

ساتویں احمدیہ کنونشن لندن: ۱۹۷۵ء میں ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کی تقریر کے موقع پر [illegible]

چھٹی احمدیہ کنونشن ۱۹۷۴ء سرینام میں مسٹر حاجی عبدالرحیم جگو تقریر فرما رہے ہیں-

حضرت مولانا [illegible] کنونشن ۱۹۷۶ء ہالینڈ میں
اراکین احمدیہ [illegible] کے ساتھ

ڈاکٹر ایم اے عزیز - حضرت مولانا صدرالدین اور مسز ڈاکٹر ایم اے عزیز
صدر احمدیہ جماعتہائے ویسٹرن ہیمسفیئر -

مسٹر عزیز احمد - حضرت مولانا صدرالدین صاحب و مسز عزیز احمد
مسٹر عزیز احمد نے قریباً تیرہ ہزار پونڈ یا دو لاکھ روپیہ کے
لگ بھگ عطیہ احمدیہ مشن ہاؤس
لندن کے لئے دیا ہے -
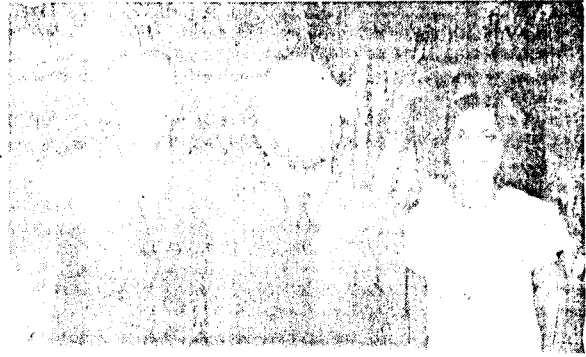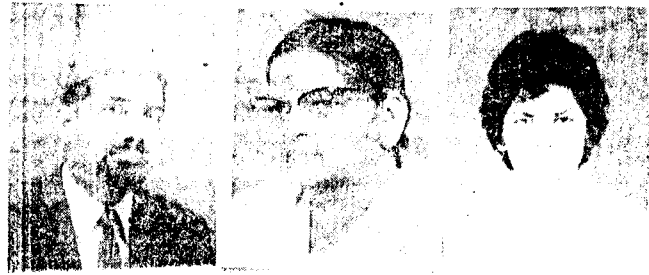
مسز زرینہ محمد — مسز عبدالرحیم جگو — مسٹر عبدالرحیم جگو ہالینڈ

مسز زرینہ محمد سیکرٹری احمدیہ جماعت ٹرینیڈاڈ عرصہ سال ہا سال سے تنظیم و ترویج میں مشغول ہیں -
مسٹر عبدالرحیم جگو آف سرینام جو اب ہالینڈ میں آنریری امام مشن ہیں -

مسٹر محمد رضا آف جماعت احمدیہ سرینام
جنہوں نے چار ہزار پونڈ کا عطیہ برائے احمدیہ ہاؤس لندن دیا -

ساتویں احمدیہ کنونشن لندن ۱۹۷۵ء
خانصاحب ڈاکٹر سعید احمد نائب صدر مرکزی احمدیہ انجمن لاہور تقریر فرما رہے ہیں، مسٹر خالد اقبال صاحب کرسی صدارت پر بیٹھے ہیں -

چھٹی احمدیہ کنونشن ۱۹۷۴ء سرینام میں مسٹر حاجی عبدالرحیم جگو تقریر فرما رہے ہیں -

ساتویں احمدیہ کنونشن لندن ۱۹۷۵ء میں ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کی تقریر کے موقع پر سامعین

ہفت روزہ پیغامِ صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۷/۲۴ دسمبر ۱۹۷۵ء

جلسہ سالانہ احمدیہ کے
حقیقی اغراض و مقاصد

حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے دیگر اسلامی و اصلاحی اقدامات کے علاوہ موجودہ زمانہ میں ایک اہم و عظیم اقدام اشاعت و تبلیغ اسلام کے جہاد کو منظم شکل میں ایک جماعت کی زندگیوں میں رائج کرنا ہے۔ چنانچہ اس غرض کی تکمیل کے لئے آپ نے ایامِ دسمبر میں جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ مقرر فرمایا جب جملہ احمدیہ جماعتوں کے نمائندگان مرکزی مقام میں جمع ہوں۔ اس اجتماعی موقعہ کے متعلق آپ نے فرمایا کہ جملہ دوست اکٹھے ہو کر اشاعت و تبلیغ کے عالی مقصد کے بارہ میں تجاویز کریں، نیز تبلیغ و اشاعت کے اس منظم مقصد میں احمدیہ اخوت میں منسلک احباب باہمی محبت و مودت اور اتحاد و اتفاق کے جذبہ سے سرشار ہوں، پس جہاں آپ نے اس وقت کے جہاد زمانہ کو از سرِ نو منظم شکل میں جاری فرمایا وہاں اس کے دائمی اجرا کی صورت یعنی احمدیہ برادری کے باہمی تعلقاتِ اخوت کو قائم کرنے، انہیں مضبوط بنانے اور مستحکم کرنے پر زور دیا ہے۔ یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کسی جماعت کے پیشِ نظر جو بھی نصب العین ہو وہ تب ہی ترقی پذیر ہو سکنا ممکن ہے جب اس مقصد کی پشت پناہ جماعتی قوت میں اضافہ ہو۔ بجز ذریعہ کی توسیع و ترقی کے مقصد کبھی وسیع اور ترقی پذیر نہیں ہو سکتا۔ یہ جماعتی ترقی و مضبوطی دو راہوں سے مقدر ہے اولاً افراد کا باہمی اخوت و محبت اور اتفاق و اتحاد کے جذباتِ عالیہ سے معمور ہونا۔ دوئم ان مقاصد و مطالب اور جذبات سے دوسرے اصحاب کو متاثر کرنا۔ لہٰذا یہ امر بحضورِ دل یاد رکھنے کے لائق ہے کہ دین کی سچے معنوں میں عالمگیر پیمانہ پر اشاعت و تبلیغ، ایک بڑھتی ہوئی اور ترقی پذیر جماعت کی طالب اور مرہونِ منت ہے، بعض غیر از جماعت کا یہ خیال کہ احمدیہ اخوت، کسی تنگ نظریہ خیال کو ظاہر کرتی یا یہ کسی فرقہ بازی کو جنم دیتی ہے قطعاً صحیح نہیں۔ اگر کوئی جماعت قرآنی تعلیمات و عقائد اور سنتِ نبوی صلعم کے علاوہ کسی اور تعلیم و نمونہ کو جو ان سے علیحدہ و الگ ہیں، کی اشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیتی ہے یا اسلامی اخوت کے وسیع رشتۂ اخوت کو توڑتی یا منقطع کرتی ہے تو بے شک ایسی جماعت تنگ نظر اور فرقہ بازی کا شکار ہو رہی ہے مگر جہاں تک جماعت احمدیہ لاہور کا سوال ہے اس کے پیشِ نظر بجز اشاعت علومِ قرآن و سنت و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ مدِنظر نہیں جیسے کہ اس کے شائع شدہ اور وسیع پیمانہ پر پھیلائے ہوئے علمِ کلام سے جس نے ہر خاص و عام سے مقبولیت کی سند حاصل کی ہے ظاہر و ثابت ہو چکا ہے۔ اس صورت میں جبکہ یہ جماعت نہ تو اجرائے نبوت کے فاسد عقیدہ کی قائل ہے اور نہ ہی تکفیر کلمہ گویاں کی معترف، بلکہ ان دونو تفریق و انتشار پھیلانے والے عقائد کی پر زور تردید عرصہ ساٹھ سال سے کرتی چلی آ رہی ہے اس کے بارہ میں یہ کہنا کہ یہ تنگ نظر یا فرقہ باز جماعت ہے، اگر صریح ظلم و ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم جماعت احمدیہ لاہور کے نقطۂ نظر سے اختلاف رکھنے والے دوستوں سے یہ دریافت کرنے میں حق بجانب ہیں کہ دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور عالمگیر پیمانہ پر اس مقصدِ عظیم کو کما حقہٗ بجا لانے کے لئے کیا کسی منظم و متحد اور مربوط و ترقی پذیر جماعت کی حاجت نہیں پڑی؟ حقیقت تو یہ ہے کہ دینی مقصد سے قطع نظر کوئی دنیاوی مقصد بھی کبھی فروغ پا نہیں سکتا جب تک اس کی تائید پشت و پناہی میں ایک مستحکم و مضبوط جماعت موجود نہ ہو۔ ابتدائی تاریخ اسلام اور سنتِ نبویؐ ہمارے سامنے ہے، کیا یہ اسلامی تاریخی واقعہ نہیں کہ جب مسلمان جماعت پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا، جب باوجود اپنے وطن اور گھروں سے ہجرت کر جانے کے کفارِ عرب نے جمع ہو کر اعلائے کلمۃ اللہ کی حامل ایک مختصر سی تین سو تیرہ کی جماعت کو نیست و نابود کرنے اور کچل دینے کی غرض سے ان پر حملہ کر دیا تھا تو کیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جماعت کی حفاظت کے لئے مثبت اقدام نہیں اٹھایا تھا؟ جنگِ بدر کا رتو یاد کرو، جنگ سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی عجز و انکساری سے بارگاہ ایزدی میں گڑگڑا کر یہ دعا مانگنے سے تھکنے میں نہ آتے تھے:

اللھم ان اھلکت ھٰذہ العصابۃ فلن تعبد فی الارض۔

الٰہی! اگر یہ مختصر سی جماعت اس مٹھ بھیڑ میں ہلاک ہو گئی تو پھر یقیناً روئے زمین پر تیری خالص عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔

غور کرو!! توحید ایسی عظیم ابدی صداقت کی اشاعت کو کس طرح ایک جماعت کی موجودگی اور حفاظت سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ پھر کیا یہ حقیقت نہیں کہ اگر بدر کے معرکہ میں مسلمان جماعت ہار گئی ہوتی یا شکست کھا جاتی تو کلمہ توحید کو دنیا میں کون پھیلانے اور اشاعت کرنے کا موجب بنتا؟

پھر ایک اور موقعہ پر حضرت ختم المرسلین صلعم کو ایسی ہی دشواری پیش آ گئی تھی۔ وہ صلح حدیبیہ کا تاریخی واقعہ ہے۔ جناب ختمِ رسالت صلعم اپنے ایک صادق رؤیا کی بناء پر مع صحابہ کرام رضی اللہ اجمعین، خانہ کعبہ کی زیارت اور عمرہ کے لئے مکہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ آنحضور صلعم کی نیت قطعاً مکہ پر چڑھائی کی تھی، نہ ہی کسی جنگ و قتال کی، جیسے کے بعد کے واقعات نے اس پر مہرِ صداقت بھی ثبت کر دی، بلکہ خالصتہً ایک دینی فریضہ کی ادائیگی کی تھی، مگر کفارِ مکہ نے اس میں اپنی ہتک اور شکست محسوس کر کے آپؐ کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا۔

آنحضور صلعم نے جب حضرت عثمانؓ کو کفار کی طرف اپنا مقصد واضح کرنے کو بھیجا تو کفار نے آپ کے اس معزز ایلچی کو بھی خلافِ آئین جنگ قید کر لیا، تب آنحضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے جو پہلے سے مسلمان و مومن تھے، بیعتِ رضوان کا عہد و پیمان کرنے کے لئے ارشاد فرمایا اس مشہور بیعت کا نام تاریخ اسلامی میں بیعتِ رضوان کہلایا جس کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ۔ خدا ان مومنوں سے یقیناً راضی ہوا جنہوں نے آنحضورؐ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کی خاطر اپنی جانیں تک قربان کر دیں گے۔ اب کیا یہ کوئی تنگ ظرفی یا جنبہ داری کا مظاہرہ تھا جو اس موقعہ پر کیا گیا تھا یا خالصتہً ایک دینی جماعت کی حفاظت و مدافعت کا حتمی اقدام تھا جس کے ماتحت صحابہ کرامؓ سے پھر سے بیعت لی گئی تھی؟ کیا وہ اس سے قبل مسلمان نہ تھے؟ پھر دوبارہ کس لئے انہوں

۔ ۔مت کی تھی؟ صاف ظاہر ہے کہ پیش آمدہ واقعات کے مطابق دوبارہ ۔یسے معاہدہ کی تجدید لازم آ گئی تھی تاکہ ایمان کی مزید مضبوطی اور پختگی ۔باعث ہو۔

جو اصحاب آج جماعت احمدیہ لاہور کے وجود و مسلک، اس کے ۔حکام و توسیع کے ذرائع پر معترض ہیں وہ از رُوئے انصاف غور ۔دیں کہ کیا خالصتہً تبلیغ و اشاعت اسلام ایسے عالی نصب العین کے ۔ئے کوئی دیگر مسلمان جماعت منظم و متحد طور پر اس وقت کھڑی ۔۔مسلمانوں کی متعدد تنظیمیں موجود ہیں، ان کی حکومتیں اور سلطنتیں بھی موجود ۔۔ ۔یں صاحب علم و فضل اصحاب بھی بکثرت ہیں لیکن دین اسلام ۔آج کی سب سے بڑی اہم و عظیم ضرورت کے لئے کیوں کوئی جماعت ۔دین خالصتہً وقف نہیں؟ کیوں سیاسی اور اقتصادی، ثقافتی نیز قومی ۔ملکی و وطنی تنازعات سے الگ اور پاک ہو کر کوئی جماعت یا گروہ ۔دین اسلام کی ابدی صداقتوں اور فرقانی علوم و ہدایت کے عدیم النظیر ۔۔نوں کو دنیا میں پیش کرنے کے لئے مختص ہو کر کھڑا نہیں؟ ۔ابھی تک یہ بات ان پر واضح نہیں ہوئی کہ دین اسلام حقیقتاً کوئی ۔ملی، وطنی، ملکی اور قومی تحریک نہیں بلکہ یہ تو نظریہ حیات پر ۔۔علم و عمل کا ایک ضابطہ و آئین ہے؟

دنیا اس وقت جس عالمگیر مصیبت میں مبتلا ہو چکی ہے کیا وہ یہی ملک و وطن، اقتصادیات اور قومیت کے تنازعات نہیں؟ پھر اگر مسلمان بھی مثل دیگر ~~اقوام و اوطان کے انہیں~~ مقاصد کو لے کر کھڑے ہوں گے تو وہ اصول ابدی کی صداقت کو تسلیم کرانے میں کس حد تک اور کیا کامیابی حاصل کر سکیں گے؟

اشاعت و تبلیغ کے عالی مقصد کی جس قدر نمایاں اور مسلمہ کامیابی ۔۔ت احمدیہ لاہور کے ذریعہ دنیا میں ہوئی ہے ایسی تو کسی منظم و متحد ۔ریک سے آج تک نہیں ہوئی۔ تو پھر جب اس مختصر جماعت کے بجز اور ۔۔ئی جماعت اس مقصد کی حامل نہیں نیز اس نے اپنے عمل سے دنیا پر روشن ۔دیا ہے کہ اس وقت عالم کی نجات کا واحد راستہ صلح و امن کے تمام ۔ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اصولِ صداقت ابدیہ اور ہدایتِ فرقانیہ حقہ کی ۔لگیر اشاعت میں ہی مضمر ہے اور یہ جماعت اس بارہ میں ایک منفرد ۔حیثیت رکھتی ہے تو پھر اس میں شمولیت اختیار کر کے اشاعتِ کلمہ توحید ۔برکات سے متمتع ہونے کی بجائے اس جماعت کی ہستی پر معترض ہونا ۔ان کی دانشمندی اور اسلام دوستی ہے؟ ع

اے مسلماناں خدا را یک نظر بر حال دیں
آنچہ مے بینم بلا لا حاجتِ اظہار نیست

۔ ۔عکس اسی جماعت کے درپے آزار اور کچلنے کے لئے کمربستہ و تیار ہو جانا جو ایسے ۔۔ زمانہ میں دین کی ناؤ کو سنبھالے ہوئے ہے کیا اسلام سے دشمنی نہیں؟ جلسہ سالانہ احمدیہ جماعت لاہور کے بابرکت اجتماع کا مقصد انہی متذکرہ بالا اغراض و مقاصد عالیہ کی وضاحت کرنا اور ان پر روشنی ڈالنا ہے جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ پس اس غلط فہمی سے بکلی نکل جانے کی ضرورت ہے ۔۔ یہ اجتماع کوئی عرس یا میلہ کی صورت ہے یا کسی فرقہ بازی یا تنگ ۔ظری اور اسلام و مسلمانانِ عالم کے برخلاف کسی اقدام کا مظاہرہ ہے ۔۔ تو صرف ایک بے کس و بے زر و زور جماعت کی دلی تمناؤں، قلبی التجاؤں اور عاجزانہ دعاؤں کا مظاہرہ ہے جس نے اپنے آپ کو مجدد ۔صد چہاردہم کی ندائے اشاعتِ کلمہ توحید پر یقین کر کے اپنے آپ ۔کو مجتمع و منظم کر لیا ہے جن کے نقشِ قدم پر دینِ اسلام کی خاطر مجاہدانہ اقدامات اٹھانے کا عزم صمیم اور بیعت اولیٰ عہد و پیمان کیا ہوا ہے۔ کیا آپ اس ندا کو سننے کی خاطر جمع ہوں گے؟

اخبار احمدیہ

صوبہ سرحد میں ایک بزرگ سید علی بادشاہ کی وفات

ہمارے نہایت مخیر پارسا۔ متقی بزرگ سید علی بادشاہ ۴؍ دسمبر ۱۹۷۵ء کو رات تقریباً ۱۱ بجے لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں وفات پا گئے۔

إنّا للہ وإنّا الیہ راجعون

آپ کو پیٹ میں درد کی تکلیف کے علاوہ پیشاب کی تکلیف بھی تھی۔ ڈاکٹروں نے کافی کوشش کی کہ صحت یاب ہو جائیں مگر انسانی کوششیں ناکام ہوئیں۔ آخر وہ خدا کو پیارے ہو گئے۔ ثم انا للہ و انا الیہ راجعون۔ جناب سید علی باچہ مرحوم باڑہ چارسدہ کے رہنے والے تھے اور جناب سید فضل حق باچہ کے برادر کلاں تھے یہ دونوں بھائی نہایت مخلص احمدی تھے۔ راقم الحروف اکثر ان کے ہاں جایا کرتا تھا بڑے تپاک اور اخلاص سے پیش آتے تھے۔ جناب سید فضل حق باچہ صاحب موجود ہیں صحت ان کی بھی اتنی اچھی نہیں۔ ان کے اس غم میں ہم برابر کے شریک ہیں۔

مرحوم باچہ صاحب کا بڑا صاحبزادہ ماسٹر ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کو صبر جمیل عطا کرے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔ احباب سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

اہلیہ صاحبہ میاں عبداللہ شاہ صاحب کی وفات

یہ خبر نہایت افسوس سے پڑھی جائے گی کہ ہمارے مکرم بزرگ میاں عبداللہ شاہ صاحب کی اہلیہ محترمہ مورخہ ۵؍ دسمبر ۱۹۷۵ء کو رحلت فرما گئی ہیں اور ۶؍ دسمبر کو جنازہ ہوا۔ انّا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم احباب جماعت پشاور سفید ڈھیری۔ بازید خیل شیخ محمدی وغیرہ جناب میاں صاحب موصوف کے صدمہ میں برابر کے شریک ہیں، اور نہایت گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جناب میاں صاحب کے صاحبزادوں اور مرحومہ کے دوسرے لواحقین سے بھی اپنے قلبی غم کا اظہار کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ مرحومہ کو اللہ تعالےٰ جنت الفردوس میں جگہ دے۔ نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے

محمد الرحمٰن سیکرٹری جماعت پشاور

سانحہ ارتحال

محمد اعظم علوی صاحب کے والد بزرگوار حکیم خلیفہ محمد اسلم صاحب علوی ۱۷؍ دسمبر بروز بدھ صبح چھ بجے انتقال فرما گئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

حکیم صاحب مرحوم ۲۰؍ ذیقعد ۱۳۱۷ھ کو سامانہ ریاست پٹیالہ میں پیدا ہوئے۔ احمدیت ورثہ میں ملی تھی، خاندانی پیشہ طبابت تھا۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ترک وطن کرنا پڑا اور بدوملہی ضلع سیالکوٹ میں آباد ہو گئے۔ ۱۷؍ نومبر کو بعارضہ بخار مبتلا ہو کر لاہور آئے ایک ماہ تک صاحب فراش رہے اور ۱۳؍ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۷؍ دسمبر ۱۹۷۵ء داعی اجل کو لبیک کہہ دیا اور ۲½ بجے قبرستان "دارالسلام" لاہور میں دفنائے گئے۔ حضرت امیر ایدہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مرحوم مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ احمدیت کے لئے انتہائی جوش اور غیرت رکھتے تھے۔ ثم انا للہ وانّا الیہ راجعون

احباب سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

ترجمہ محترم جناب پروفیسر خلیل الرحمن صاحب ایم ایس سی۔

اسلام کا پیغام

دورِ جدید کے انسان کے نام

جناب شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان نے ۲۷ر اگست ۱۹۷۵ء کو لندن میں منعقد ہونے والے جلسہ مذاہب میں حاضرین کو اس موضوع پر انگریزی زبان میں مخاطب کیا۔ ان کی اس تقریر کا ترجمہ قارئین پیغام صلح کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب صدر۔ خواتین و حضرات

ہمارا موضوع گفتگو آج کے دور کا انسان ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اُسے درحقیقت کسی پیغام کی ضرورت ہے۔ اس سے پہلے کہ میں مزید کچھ عرض کروں ہمیں یہ جان لینا چاہیئے کہ جدید دور کے انسان سے کیا مراد ہے۔

بعض کے نزدیک جدید انسان ایک ایسی جدید دکان کی طرح ہے جہاں ہر ایک چیز اس کی نمائشی کھڑکی میں سجا دی گئی ہو۔ لیکن جب آپ اس کے اندر داخل ہوں تو وہ بالکل خالی دکھائی دے۔ بعض اوقات اس انسان کو پیاز سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اس کے چھلکے اتارے جائیں اور آخر میں اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

جدید انسان کی تعریف ایک دوسرے الفاظ میں بھی کی جاتی ہے اور وہ یہ کہ ایک انڈے کی طرح ہے جو اندر سے اتنا بھرا ہوا ہے کہ اس میں اور کچھ نہیں سما سکتا۔

اسی قسم کے انسان سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے۔ وہ یا تو بالکل خالی ہوتا ہے یا بہت بھرا ہوا۔ اس کے سامنے حیوانی سطح سے اوپر زندگی کا کوئی اعلیٰ اور ارفع مطلب اور مقصد نہیں۔ وہ یہ بالکل فراموش کر چکا ہے کہ انسانی زندگی نہ صرف مادی بلکہ اس کے ایک روحانی وجود پر بھی مشتمل ہے۔ مگر اس کے لئے اس کا مادی وجود ہی ایک ایسی حقیقت ہے جس کے لئے جیا یا مرا جائے اور یہی وجود اس کا منتہائے مقصود۔ اس کی منزل۔ اس کا صنم اور دیوتا ہے۔ وہ اسی وجود کے سامنے جھکتا اور اس کی پرستش کرتا ہے۔

اس حقیقت کی طرف قرآن کریم یوں اشارہ کرتا ہے "تو کیا تو نے دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنایا (۴۵۔۲۳) - یا وہ ان لوگوں کی طرح ہے جو یہ کہتے ہیں" یہ کچھ نہیں مگر ہماری دنیا کی زندگی ہے - ہم مرتے ہیں اور ہم جیتے ہیں اور سوائے زمانہ کے ہمیں کوئی ہلاک نہیں کرتا" (۴۵۔۲۴)

زندگی کے متعلق یہ مادی نقطہ نگاہ ہے - ہم پیدا ہوتے ہیں اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ بوڑھے ہوتے جاتے ہیں۔ ہم پہ زوال آتا ہے - مرتے اور ذرہ ذرہ ہو جاتے ہیں - ایک ہندوستانی شاعر (غالبؔ) نے بھی اپنے ایک شعر میں اس نظریہ کی یوں عکاسی کی ہے :-

ؔ زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

زندگی کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر اس سے بہرحال مختلف ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں جدید انسان کے بچاؤ کے لئے قرآن کریم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیتا ہے۔ وہ فرماتا ہے : اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے" (۴۵۔۲۲) قرآن میں اس کا ذکر بار بار آتا ہے۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ "خدا نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ یہ ان کا خیال ہے جو کافر ہیں" (۳۸۔۲۷)

ظاہر ہے کہ زندگی کے مادی نقطہ نگاہ پر یقین ہی محض ایک حقیقت اور اصلیت نہیں۔ انسان نرا اپنی فطرتی جبلتوں اور ان پر مبنی غیر شعوری مشینی عادات و اقدار کی پیداوار نہیں۔ ماہرین طبیعات خود مادہ کی نوعیت سے متعلق مسائل کا حل ابھی تک تلاش نہیں کر سکے جس کے بارے میں ابتداء میں ان کا نظریہ یہ تھا کہ وہ ایک بے جان چیز اور غیر متحرک جامد شئے ہے لیکن اس دور کی اعلیٰ تحقیقات کی روشنی میں ان پر یہ راز منکشف ہوا ہے کہ مادہ تصور اور شعور کی ایک دوسری بدلی ہوئی شکل ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان بدلے ہوئے نظریات کے مدِنظر تحقیقاتی میدان کا سارا رُخ طبیعات سے ماورالطبیعات یا فلسفۂ روح کے نئے میدان کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ زندگی اب طبعی اور کیمیائی قوتوں کے آپس میں اندھے عمل اور ردِ عمل کا نام نہیں رہا۔ معلوم ہوا ہے کہ ہر چیز ایک ضابطہ اور مخصوص شکل و صورت کی پابند ہے۔ چاہے بعض اوقات یہ صورت ایک عام انسانی ذہن کے لئے کتنی ہی پیچیدہ اور ناقابل توضیح و توجیہہ کیوں نہ ہو۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن کریم یوں اشارہ کرتا ہے :-

"کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ کی ہی فرمانبرداری کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جاندار اور بہت سے لوگ بھی ؟ (۲۲۔۱۸)

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان آیات میں پہاڑوں۔ جانداروں اور درختوں کی تو مکمل اطاعت اور فرمانبرداری کا ذکر ہے لیکن جب انسانوں کے متعلق بات آتی ہے تو وہاں کثیرا من الناس کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ یعنے سارے ایسے مطیع اور فرمانبردار نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض صورتوں میں انسان کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے مقرر کردہ قاعدہ قانون اور مشیت کی اطاعت میں اپنا اختیار استعمال کرے۔ اگرچہ یہ اس کے اپنے مفاد میں ہے کہ وہ اس قانون پر چلے لیکن بحیثیت ایک آزاد کارندے کے وہ چاہے تو اس ہدایت کو رد بھی کر سکتا ہے مگر اس ہدایت کے انکار سے اسے زندگی کے ایک اور عجیب کا واقعہ کا سامنا ہوتا ہے۔ اور وہ ہے امید۔ ایمان اور مقصد اعلیٰ سے محروم زندگی۔ یہی آج کی دنیا کا المیہ ہے۔ اور یہیں اسلام انسان کو پھر سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دے سکتا ہے۔

اپنی حالت سدھارنے کے لئے ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ اس کائنات میں ایک تخلیق کرنے والی اور رہنما قوت موجود ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید کا ارشاد ہے :-

"ہمارا رب "وہ" ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی پھر اسے (اپنے کمال کی) راہ دکھائی" (۲۰۔۵۰)

لفظ "ھدیٰ" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر چیز کو اس کے کمال کی راہ دکھاتا ہے۔ ایک اور مقام پر ہمیں بتایا گیا ہے :

"اپنے رب بہت بلند کے نام کی تسبیح کر جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا۔ جس نے (حد) کا اندازہ لگایا۔ پھر راہ دکھائی"۔

ان آیات میں اللہ تعالےٰ کے چار افعال کا ذکر ہے۔ تخلیق۔ تکمیل قدرت اور ہدایت۔ اس حقیقت کے قریب رہنے سے ہم اس دنیا میں اپنی زندگی کے مقصد اعلیٰ کو جان سکتے ہیں۔ اگر ہم زندگی کے ان سیدھے سادے حقائق سے بے اعتنائی برتیں گے تو ہم اپنے اردگرد موجود چیزوں کو دیکھیں اور سنیں گے تو سہی لیکن ان کے صحیح مفہوم اور مطلب تک ہماری رسائی نہ ہو سکے گی۔

مثلاً ہمارے سامنے جب گراموفون ریکارڈ بجایا جاتا ہے تو ہم ریکارڈ اور سوئی کی حرکت تو دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا اس

سے پیدا ہونے والے موسیقی انہی مختلف حرکات کی مرہون منت ہے۔ ایک ظاہر بین شاید اس کا جواب "ہاں" میں دے لیکن سچ یہی ہے کہ نہ تو ریکارڈ۔ نہ ہی سُوئی اور نہ ہی گراموفون بکس اس موسیقی کا باعث ہے۔ سوئی ریکارڈ کی قریب قریب مخفی جھریوں میں اُوپر نیچے حرکت کرتی ہے۔ ان جھریوں میں موسیقی کی آواز محفوظ کی گئی ہوتی ہے۔ ہمارے کانوں اور دلوں کو چھونے سے پہلے یہ تھرتھراتی ہوئی نغماتی لہریں کہیں اور موجود ہوتی ہیں۔ ہم ریکارڈ۔ سوئی اور بکس کو دیکھتے ہیں لیکن موسیقی کے اس حقیقی سرچشمہ تک پہنچنے سے پہلے ہمیں اس ظاہری سمعی بصری اور تصوراتی سطح سے بلند ہونا پڑتا ہے

اپنی روز مرہ کی زندگی میں ہم زیادہ تر اپنی بصارت کا سہارا لیتے ہیں اور بھُول جاتے ہیں کہ یہ ہمارے وجود کی ایک داخلی قوت باصرہ یا بصیرت اور ہماری روح کی ایک زبردست داخلی تحریک ہے جو ہماری زندگی کی ویران اور تنگ و تاریک راہوں کو روشن کرتی ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب ہم اس مخفی وجود سے تعلق قائم رکھیں جس کا ہاتھ ہمارے نغمۂ حیات کے پیچھے کارفرما ہے۔ جب ہم اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں۔ اس وقت ہم در اصل اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہیں۔ اسی مقام پر قرآن کریم فرماتا ہے:۔

"اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ تعالےٰ کو بھُلا دیا سو اس نے انہیں اپنا آپ بھلوا دیا۔" (۵۹ - ۱۹)

اس بھُول سے انسانی تعلقات کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں یہ بھول انسانی زندگی میں ایک سنگین ٹکر اور ذہنی کشمکش اور المیہ پیدا کرنے کا باعث بن جاتی ہے۔ جب ہم اپنے خدا کو بھُول جاتے ہیں تو ہم اپنی روحوں کو بھُول جاتے ہیں جب ہم خدا کو بھُول جاتے ہیں تو ہم اپنی خوشی اور مسرت کو بھُول جاتے ہیں۔ جب ہم خدا کو بھول جاتے ہیں تو ہم اپنے اندر بسنے والے اطمینان اور راحت کو باہر نکال پھینکتے ہیں۔ جب ہم خدا سے دوستی توڑ دیتے ہیں تو خوف و حُزن کو اپنی زندگیوں میں داخل کرنے کے لئے راہ دیتے ہیں۔

اس دَور کے انسان اپنے آپ سے خوفزدہ ہے۔ اگر انسان کو زندہ رہنا ہے تو اُسے خود کو اپنے آپ سے بچانا سیکھنا ہوگا۔ اس کے لئے صرف ایک ہی رستہ ممکن ہے کہ وہ واپس لوٹ جائے اور اس مقام سے پھر اپنی زندگی کا آغاز کرے جہاں سے وہ اپنا راستہ بھُول گیا تھا۔ جس آخری حقیقت (اللہ تعالےٰ) کی اطاعت پہاڑوں اور درختوں نے بھی قبول کر لی۔ انسان کے لئے تو از بس لازم ہے کہ وہ بھی اس کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اس کے ساتھ اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے جوڑ لے۔ اسے چاہیئے کہ وہ پورے طور پر اس خدا کی فرمانبرداری میں آ جائے جو سراسر محبت اور رحم ہے اور اپنی اس اطاعت کا اظہار اپنے اعمال سے کرے جو انجام کار اُسے خوف و حزن سے نجات دے گی۔ "ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ کا فرمانبردار بنایا اور وہ احسان کرنے والا ہے تو اس کا اجر اس کے ربّ کے پاس ہے اور ان کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔

اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور تقویٰ کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اطاعت بغیر اعمال صالحہ کے ایک بے پر و بال پرندے کی مانند ہے جو اُڑنے کی امید تو رکھ سکتا ہے لیکن اُڑ نہیں سکتا۔

ایمان اور اعمال کو ساتھ ساتھ چلنا چاہیئے۔ ایمان اور اخلاقی ضابطہ سے خالی زندگی موت سے بدتر ہے۔ اگر ہم اپنے آپ کو خوف و حزن سے نجات دلانے کے متمنّی ہیں تو ہمیں زندگی کے روحانی معنی دریافت کرنے ہوں گے خدا نے انسان کو اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیے مارنے کے لئے تنہا نہیں چھوڑا۔ اس نے اسی طرح اس کی روحانی تربیت کا سامان بھی بہم پہنچایا ہے جس طرح اس کے جسمانی رزق کا اہتمام کیا ہے۔

یہ بات ہمیں زیرِ بحث مسئلہ کے ایک دوسرے پہلو کی طرف لاتی ہے

کوئی پیغام بغیر کسی پیغامبر کے نہیں پہنچایا جا سکتا۔ اللہ تعالےٰ کی یہ سنّت رہی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کو روحانی ربوبیت کا سامان اپنے رسولوں اور پیغمبروں کے ذریعہ مہیا فرماتا رہا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ یہ رسول دنیا کی ہر قوم کی طرف بھیجے گئے (۱۰ - ۴۷، ۳۵ - ۲۴، ۴ - ۱۶۴) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن میں سے آخری رسول تھے - (۴۰ - ۳۳) آپ تمام اقوامِ عالم کے لئے ہادی اور رحمۃ اللعٰلمین بن کر آئے (۲۱ - ۱۰۷) آپ نہ تو خدا تھے اور نہ ہی فرشتہ۔ قرآن شریف فرماتا ہے "اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان سے فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے" (۱۷ ۔ ۹۵) مگر چونکہ زمین میں انسان بستے ہیں اس لئے ہم نے انہی کی طرح کے فانی انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا جو دوسرے انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے (۲۵ ۔ ۷) یہ فانی رسول نذیر اور بشیر تھے (۲ ۔ ۲۱۳) ۔ جو خدا کی مدد سے اور تائید سے بنی نوع انسان کو تاریکی سے روشنی میں لاتے رہے (۵ - ۱۶) ان کی بعثت کی غرض یہ تھی کہ اللہ تعالےٰ کے پیغامات پڑھ کر سنائیں اور اپنے ماننے والوں کی زندگیوں کو پاک کریں۔ تزکیہ یا پاک کرنے سے مراد صرف گناہ سے پاک کرنا نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مومنوں کو اخلاقی۔ روحانی اور مادی ترقی کی راہ پر صبر۔ حوصلہ اور استقامت سے چلنے کا طریقہ سکھایا جائے۔

یہ پیغمبر جو دنیا کو گناہ سے پاک کرنے اور لوگوں کو تقوےٰ کی راہ پر چلانے کے لئے تشریف لائے وہ خود معصوم تھے وہ اللہ تعالےٰ کے معزز بندے تھے اور اس کے احکامات پر عمل کرتے تھے (۲۱ - ۲۵ - ۲۷) اور وہ اس کی نافرمانی نہیں کر سکتے تھے (۳ - ۱۶۰) دنیا میں ان کے ظہور کا سب سے بڑا مقصد انسانوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد یاد دلانا تھا۔

قرآن کریم کو قوموں کے لئے ذکر بھی کہا گیا ہے (۱۲ ۔ ۱۰۴، ۳۸ ۔ ۸۷، ۶۸ ۔ ۵۲، ۸۱ - ۲۷) یہیں قرآن انسانی ذہن پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے جو ہم بھول چکے ہیں۔ یہ ہمیں وہ یاد دلاتا ہے جو ہمارے حافظہ یا دوسرے الفاظ میں ہمارے ذہن کی اوپر کی سطح سے باہر نکل چکا ہے۔ مگر ہمارے رُوح کی گہرائیوں میں خفتہ پڑا ہے۔ اس بھولی ہوئی صداقت کو پھر سے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ عین انسانی فطرت کے مطابق ہونے کی وجہ سے قرآن وہی کچھ یاد دلاتا ہے جو پہلے سے اس میں ثبت شدہ ہے۔ یہ نقطہ انسانی وجود کی اصلی قدر و قیمت اور اہمیت کا اظہار کرتا ہے جسے ہمارے خالق نے بہترین صورت پر پیدا کیا ہے (۹۵ - ۴) قرآن کریم تعلیم کے مطابق جنّت آدمی کا پیدائشی حق ہے۔ وہ نیکی کے کنارے پیدا ہوا ہے لیکن اپنے ہی اعمال کی بدولت وہ گناہ کی دلدل میں گر پڑتا ہے۔

پھر قرآن ہمیں یہ بھی یاد دلاتا ہے کہ بنی نوع انسان کی حیثیت ایک واحد قوم کی ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ :۔

"اے لوگو! اپنے ربّ کا تقوےٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔" (۴ - ۱)

"اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے پرہیزگار ہے۔ اللہ جاننے والا اور خبردار ہے" (۴۹ ۔ ۱۳)

اور اس کے نشانوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں علم والوں کے لئے نشان ہیں" (۳۰ - ۲۲)

زبانوں اور رنگوں کا اختلاف انسانوں کے لئے اللہ تعالےٰ کے

نشانوں میں سے ہے لیکن ہم نے اسے اپنے لئے ایک لعنت اور مصیبت بنا لیا ہے۔

نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے :-

"اے لوگو! یقیناً تمہارا خدا ایک ہے۔ اور یقیناً تمہارا باپ ایک ہے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اللہ کی نظر میں سب سے شریف وہ ہے جو تم میں سے سب سے بڑھ کر متقی ہے"۔ (بخاری شریف)

آج کی دنیا نسل۔ رنگ اور رتبہ کے سوال پر آپس میں بٹی ہوئی ہے قرآن نے زندگی کے متعلق اس قسم کے نقطہ نگاہ کی نہ صرف نظری طور پر مذمت کی ہے بلکہ نماز اور حج جیسی عبادات کو قائم کر کے جہاں تمام لوگ بلا لحاظ رتبہ رنگ اور نسل کے ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں عملی طور پر بھی ان تعصبات کو مسلمانوں کے ذہنوں سے جڑھ سے اکھاڑ پھینکنے کی مدد دی ہے۔

دوسرے مذاہب کے پیروؤں میں نیک اور متقی لوگوں کا پایا جانا

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ توریت اور انجیل میں بھی نور اور ہدایت ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی نیک اور متقی لوگ پائے جاتے ہیں۔

قرآن کریم کہتا ہے :-

"وہ سب برابر نہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک جماعت حق پر قائم ہے جو اللہ کی آیتوں کو رات کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں وہ اللہ اور پچھلے دنوں پر ایمان لاتے ہیں اور اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور نیکیوں کو جلدی لیتے ہیں اور وہی نیکوں میں سے ہیں۔ اور جو کچھ وہ نیکی کریں گے تو اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ متقیوں کو خوب جاننے والا ہے"۔ (۳۔ ۱۱۳ — ۱۱۵)

قدرتی قوتوں کی تسخیر

قرآن کریم میں یہ ذکر ہے کہ انسان کو قدرتی طاقتوں کا غلام نہیں بلکہ حاکم بنایا گیا ہے :-

"اللہ تو وہ ہے جس نے سمندر تمہارے کام میں لگایا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے فضل سے تمہارے کام پر لگایا اس میں ان لوگوں کے لئے نشان ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں"۔ (۴۵۔ ۱۲ — ۱۳)

"اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے اور ستارے بھی اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں"۔

(۱۶۔ ۱۲)

زندگی اور اس کے مسائل

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کو مصائب اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جب تک وہ زندہ رہے گا اسے مسائل کا سامنا ہوگا۔ مسائل ہماری زندگیوں میں ایک ندی کی طرح بہتے ہیں وہ متواتر آتے اور گذرتے رہتے ہیں۔ جب ہمیں مسائل کا سامنا ہوتا ہے اور ہم ان پر غالب آ جاتے ہیں تو ہم اپنے آپ کو بہتر انسان محسوس کرتے ہیں۔ ہماری زندگیوں میں دکھ اور تکلیف کی ایک بڑی قیمت ہے۔ بہرحال انسان کا کام اپنا قدم آگے ہی بڑھانا ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب جدید انسان زندگی کے بارے میں اپنا رویہ درست کرے۔ اللہ تعالےٰ کے رحم اور فضل کا شکرگذار اور امیدوار ہو اور اسے اس پر کامل یقین اور اعتماد ہو۔ جیساکہ میں پہلے ذکر کر آیا ہوں جدید انسان اپنی ہی تباہ کن طاقتوں سے خوفزدہ ہے۔ وہ اپنے آپ کو اور جو کچھ اس نے صدیوں کی محنت شاقہ کے بعد حاصل کیا چند گھنٹوں میں تباہی کی نذر کر سکتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے خوف ہمارے ذہنوں پر طاری نہیں ہونا چاہیئے۔ موت تک تو ہمیں زندہ رہنا ہی ہے۔ اس اثناء میں ہمیں اللہ تعالےٰ اور اپنے ہم نوع انسانوں کے حقوق فراموش نہیں کرنے چاہئیں۔

جب تک ہم زندہ ہیں ہمیں زندہ رہنا سیکھنا چاہیئے اور جب ہماری رخصت کا وقت آ جائے تو قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ ہم بالکل نابود نہیں ہو جاتے۔ ہم دوسری دنیا میں زندہ رہتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے لوگ سوئے پڑے ہیں۔ جب وہ مر جائیں گے تو جاگیں گے۔

طلوع الشمس من مغربھا (بسلسلہ ص ۲۲)

ہو رہے ہیں۔ چھاپہ خانوں کی کثرت۔ اور آئے دن ان میں نئی باتوں کا پیدا ہونا۔ ڈاک خانوں اور تار برقیوں۔ ریلوں۔ جہازوں کا اجراء اور اخبارات کی اشاعت ان سب امور نے مل ملا کر دنیا کو ایک شہر کے حکم میں کر دیا ہے۔ پس یہ ترقیاں بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ترقیاں ہیں۔ کیونکہ اس سے آپؐ کی کامل ہدایت کے کمال کا دوسرا جزو تکمیل اشاعت ہدایت پورا ہو رہا ہے اور یہ اسی کے موافق ہے جیسے مسیح نے کہا تھا کہ میں توریت کو پورا کرنے آیا ہوں۔ اور میں کہتا ہوں کہ میرا ایک کام یہ بھی ہے کہ تکمیل اشاعت ہدایت کروں۔ غرض یہ عیسوی مماثلت بھی ہے۔ علاوہ بریں حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں بھی جو آفتیں پیدا ہو گئی تھیں اسی قسم کی یہاں بھی موجود ہیں۔ اندرونی طور پر یہودیوں کی حالت بہت بگڑ گئی تھی اور تاریخ سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ توریت کے احکام انہوں نے چھوڑ دیئے تھے۔ بلکہ اس کی بجائے طالمود اور بزرگوں کی روایتوں پر زیادہ زور دیتے تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں بھی ایسی ہی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ کتاب اللہ کو چھوڑ دیا گیا ہے اور اس کی بجائے روایتوں اور قصوں پر زور دیا جاتا ہے۔" (ملفوظات حصہ دوم)

اجلاس شبان الاحمدیہ مرکزیہ بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء

۲۶ دسمبر بروز جمعۃ المبارک ۷ بجے شام

زیر صدارت : محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب

- تلاوت۔ ملفوظات۔ منظوم کلام :
- گذارش احوال :۔ محترم شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب۔ صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ
- تقریر :۔ میاں شوکت حمید صاحب۔ لائلپور
- مکالمہ :۔ شاہدہ نسرین و مدیحہ رسول۔ بنات الاحمدیہ
- جماعت میں تنظیم کا مقام :۔ زاہد جنجوعہ (تقریر)
- حضرت مسیح موعودؑ اور عشق رسولؐ : نمائندہ شبان الاحمدیہ کراچی۔ (تقریر)
- صدارتی کلمات : محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب

منجانب : مجلس شبان الاحمدیہ مرکزیہ۔ لاہور

ایک جوانمرد اور غیور احمدی حکیم عبدالعزیز صاحب کی وفات

نہایت افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ حکیم عبدالعزیز صاحب لاہور بروز جمعہ مورخہ ۱۹۔ ۱۲۔ ۷۵ کو وفات پا گئے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون (باقی بر ص ۱۵ کالم ۲)

شیخ محمد طفیل صاحب

ساتویں احمدیہ کنونشن لندن

"میں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

مہمانوں کی آمد سرینام (جنوبی امریکہ) میں چھٹی احمدیہ کنونشن ۱۹۷۴ء کے دوران یہ فیصلہ ہوا تھا کہ ساتویں کنونشن لندن میں منعقد ہوگی۔ ۲۱ تا ۲۹ اگست ۱۹۷۵ء کی تاریخوں کا اعلان ہوا۔ ان دنوں سکولوں اور کالجوں میں چھٹیاں ہوتی ہیں اور طلباء اور والدین کے لئے وقت نکالنا آسان ہوتا ہے۔ بعض احباب جولائی کے آخر اور اگست کے شروع میں آ گئے۔ ان کا مدعا تو ذرا زیادہ وقت انگلستان میں گذارنے کا تھا لیکن ساتھ ساتھ کنونشن کی تیاریوں میں ہاتھ بٹانے کا بھی ارادہ تھا۔ جناب کمال حیدل اور ان کی اہلیہ نریمان مسٹر حنیف محمد اور ان کی اہلیہ زرینہ مسٹر رفیق اور ان کی اہلیہ۔ مس ریٹا رحمٰن۔ مس پرل رحمٰن۔ مسٹر محمد ابراہیم اور ان کی اہلیہ غرضیکہ ایک خاصی جماعت لندن پہنچ گئی اور سب نے مختلف اوقات میں مل کر احمدیہ ہاؤس کی حالت سدھارنے کی طرف توجہ دی۔ ضروری مرمت کا کام ہو چکا تھا لیکن بہت سا ملبہ پڑا ہوا تھا۔

۱۲؍اگست۔ روز منگل حافظ شیر محمد صاحب مبلغ اسلام فجی تشریف لے آئے ان کے ہمراہ فجی کی ایک خاتون سید لنساء بھی تشریف لائیں۔ لاہور کے ب سلطان علی شاہ صاحب بھی پہنچ گئے۔

۱۵؍اگست کو ہم نے احمدیہ ہاؤس میں نماز جمعہ ادا کی۔ محترم کمال حیدل صاحب نے اپنے مؤثر انداز میں خطبہ دیا۔

دوسرے روز جناب غلام نبی دین صاحب فجی سے براہ شکاگو لنڈن پہنچے اور آنریبل محمد صاحب کابل مسلمانوں کے لیڈر کا پیغام پنے ساتھ لائے۔

۱۸؍اگست کو محترم جناب خانبہادر ڈاکٹر سعید احمد صاحب اور ۱۹؍اگست جناب محمد حسن خاں صاحب تشریف لے آئے۔ بس اس کے بعد مہمانوں ، آمد کا تانتا بندھ گیا۔ کبھی ہمیں ہوائی اڈے کی طرف بھاگنا پڑتا کبھی ریلوے سٹیشن کی طرف۔ ٹرانسپورٹ کے لئے ہم نے ایک وین کرائے پر دس نوں کے لئے لے لی تھی اس پر احمدیہ کنونشن کا اشتہار لگا دیا تھا۔ احباب لانے لے جانے کی ذمہ داری شیخ محمد خالد اقبال اور حفیظ عزیز کے سپرد تھی۔ گاہے گاہے خود مسز جمیلہ خاں اور ان کے شوہر یہ ذمہ داری پنے سر لے لیتے تھے۔ ماہ پارہ اقبال۔ زرینہ حنیف مسز جمیلہ خان نے مل کر مہمانوں کے قیام اور رہائش کے پیچیدہ مسائل حل کئے۔ سو سے زیادہ احباب کو دس روز کے لئے لندن ٹھہرنا تھا۔

ہمارے جواں ہمت مبلغ عبدالرحیم جگو صاحب ہالینڈ اور سرینام ، بہت سے احباب کے ساتھ لندن وارد ہوئے۔ ان سب دوستوں نے پنے خرچ پر ہوٹل میں قیام کیا۔ ٹرنی ڈاڈ، گیانا اور پاکستان کے مندوبین نہ احباب کو چھوڑ کر اپنے عزیزوں اور دوستوں کے پاس ٹھہرے۔ جرمنی ے جناب محمد یحییٰ بٹ صاحب اور ہالینڈ سے جناب ڈاکٹر غلام احمد بشیر معہ اہلیہ بھی کنونشن کی رونق کا باعث بنے۔

— احمدیہ ہاؤس چند روز کے لئے ایک طرح کا مہمان خانہ بن گیا۔ ٹے۔ کافی۔ بسکٹ۔ پنیر۔ دودھ ہروقت موجود رہتا۔ اور کھانا بھی پکا ہوا یزر" میں رکھ چھوڑتے تھے اور حسب ضرورت گرم کر کے استعمال کر لیتے۔

ہر موقعہ کے لئے تازہ کھانا پکانا ممکن نہیں تھا۔ اس سلسلے میں مسز سمیعلہ عمر دین نے بہت محنت سے کام کیا۔

ہمارے پاس پلیٹیں اور پیالیاں زیادہ نہیں تھیں۔ اس مشکل کو اس طرح آسان کیا کہ ہالینڈ سے دوست اپنے ہمراہ پلاسٹک کی پلیٹیں اور گلاس ساتھ لے آئے۔ اس سلسلے میں ہم رجب نجیب اللہ صاحب۔ اسلام یاراللہ اور دیگر احباب کے ممنون ہیں۔ بعض دوست پنیر کے ڈلے اور حلوہ بھی ساتھ لے آئے جسے ہم سب مل کر کنونشن کے دوران خوب شوق سے کھاتے رہے۔ اس امداد باہمی نے ہمارے اخراجات میں بھی خاصی کمی کر دی۔ ورنہ جب بھی ہوٹل سے کھانا پکوا کر منگوایا تو کم از کم سو پونڈ خرچ ہو گئے۔ اگر دس دنوں تک اس طرح کا سلسلہ جاری رہتا تو دو ہزار پونڈ ہمارے صرف کھانے پر اُٹھ جاتے۔ ہم نے صرف پانچ پونڈ فی کس کنونشن فیس رکھی تھی۔ یہ رقم کسی طرح بھی اخراجات کے لئے کافی نہ ہوتی۔ کنونشن کا یہی حصہ تھا جو ہماری چھوٹی سی کمیٹی کے لئے درد سر کا باعث تھا۔ ایک دن کے لئے ووکنگ کے احباب نے کھانے کا خرچ اپنے ذمہ لے لیا۔ اس کا تمام انتظام ماہ پارا۔ کوثر۔ نامرہ۔ مسز عبداللہ۔ ساجدہ بانو اور دوسری خواتین نے کیا۔ خالد اقبال خالد عبداللہ۔ نصیب عزیز۔ مشتاق ملک نے دیگر کام سنبھالے۔

لندن کی مختصر جماعت نے ایک دن کا کھانا اپنے ذمہ لیا۔ مسز جمیلہ خان نے ساری رات جاگ کر کھانا پکایا۔ صبح تک ان کے پاؤں سوج چکے تھے لیکن اگلے روز بھی اسی طرح مہمانوں کی نگہداشت کرتی رہیں۔ شام کے وقت اکثر احباب اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ ہالینڈ کے جو دوست ہوٹلوں میں مقیم تھے کبھی انہیں ہم احمدیہ ہاؤس لاکر کھانا کھلا دیتے اور کبھی انہیں ان کے ہوٹل تک پہنچا کر کہدیتے کہ آپ خود لندن میں گھوم پھر کر کھانا کھائیں۔ اس طرح سے آپ کو لندن کی لائف دیکھنے کا بھی موقعہ مل جائے گا۔ یہ دوست ہماری مجبوریوں کو سمجھتے تھے۔ ہر طرح ہنسی خوشی ہم سے تعاون کرتے۔ ورنہ ان کے ہاں جب کنونشن ہوتی تھی تو دو دو سو احباب کو اپنے ہاں ٹھہراتے اور ان کا ایک پیسہ خرچ نہ ہونے دیتے۔

طبّی امداد اتنے احباب جمع ہوں تو ان میں سے کسی نہ کسی کو کوئی تکلیف بھی ہو جاتی ہے یا پیش آ جاتی ہے یا حادثہ پیش آ جاتا ہے اس لئے ہم نے سینٹ جان ایمبولینس کی طرف سے دو نرسوں کا انتظام کر رکھا تھا جو ہر وقت ہمارے جلسوں میں شریک ہوتیں۔ لیکن تفریح کے لئے باہر جاتے تو وہ بھی ہمارے ساتھ جاتیں۔ ایک موقعہ پر ان کی موجودگی نے بہت فائدہ پہنچایا۔ لوگ پاکستانی کھانا کھانے کے عادی نہیں تھے۔ جب ان کو ایک بار پاکستانی مرچ مسالے والے مرغن کھانے کھلائے گئے تو اگلے روز ان میں سے بہت سوں کی طبیعت بگڑ گئی۔ پیٹ کو درست کرنے کی جتنی ادویات نرسوں کے پاس تھیں ختم ہو گئیں۔ خیر حالات کنٹرول سے باہر نہیں ہوئے۔ کنونشن میں ہر قسم کے مسائل سے واسطہ پڑتا ہے جس کے لئے تیار رہا جائے تو گھبراہٹ کم ہوتی ہے۔

بعض دوستوں کو ایسے ہی تکلیف ہو گئی اور انہیں یک لخت ہسپتال پہنچانا پڑا۔ حفیظ عزیز کو خدا جزائے خیر دے۔ فوراً موقع پر پہنچکر ان کو ہسپتال لے گئے۔ مجھے کوئی رات کے ساڑھے بارہ بجے علم ہوا میں ٹیکسی کو آرڈر کرنے والا تھا کہ راس محمود صاحب خان بہادر صاحب کو چھوڑنے احمدیہ ہاؤس آ گئے۔ انہوں نے اپنی کار میں ہسپتال پہنچا دیا۔ ہمارے کارکن بڑی بڑی دیر رات گئے تک مختلف ڈیوٹیاں انجام دیتے رہتے اگلے روز ہشاش بشاش پھر احمدیہ ہاؤس یا ڈیننگ ہال میں آ موجود ہوتے۔ خالد اقبال اور ان کی اہلیہ کو ہر روز ووکنگ جانا پڑتا۔

ہمارے ہر کارکن کو اپنے فرض کا احساس تھا۔ مجھے کم انہیں کہنا

پڑتا کہ یہ کام کیا جائے اور کس طرح کیا جائے ۔ اگر وہ باہر سے احمدیہ ہاؤس میں سامان لاتے تو اسے ایک جگہ ڈھیر لگا کر چلے نہیں جاتے تھے چاہے کافی رات ہوچکی ہو، اسے ترتیب سے ایک جگہ رکھ کر اور ارد گرد صفائی کرکے جاتے تھے ۔ اس تمام عرصے میں ہم نے کوئی ملازم یا ملازمہ نہیں رکھی سب کام خود کیا ۔ ایک دفعہ ایک دوست ہنس کر کہنے لگے اچھا ہوا آپ نے ہمیں ابتداء میں یہ نہیں بتایا کہ ہمیں کس کس قسم کا کام کرنا پڑے گا ورنہ ہم حامی نہ بھرتے ۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ مجھے تو کنونشن کے بعد ایک ماہ آرام کرنے کی ضرورت پڑے گی ۔

نیا مسئلہ خدا کے فضل سے موسم خوشگوار رہا ۔ کنونشن کے دوران کسی دن بارش نہیں ہوئی ورنہ ہماری مشکلات میں اضافہ ہو جاتا ۔ احمدیہ ہاؤس میں ایک دو کرایہ دار تھے جو اس گہما گہمی سے پریشان ہوئے ۔ ان کی موجودگی ہمارے کام میں رکاوٹ کا بھی باعث بنتی رہی ۔ وہ نہ ہوتے تو ہم پندرہ بیس احباب کو وہیں ٹھہرا لیتے ۔ ان کرایہ داروں نے کونسل میں جا کر ہماری بے جا شکایات بھی کی کہ ہم لوگ نمازیں پڑھ پڑھ کر ان کے آرام میں خلل اندازی کرتے ہیں دراصل باہر سے آئے ہوئے مہمان اکثر تہجد اور فجر کی نماز کے لئے اُٹھتے تھے اور اسلام اور سلسلہ کی کامیابی کے لئے خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتے تھے ۔ ان لوگوں نے سمجھا کہ اچھے بھلے گھر کو چرچ بنا دیا گیا ہے ۔ جب میں نے کونسل والوں کو جا کر اصل حقیقت سے آگاہ کیا تو معاملہ رفع دفعہ ہوگیا ۔ اکبر نے شاید ایسی موقعہ کے لئے ہی کہا تھا ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے یہ جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

دوست اپنے کیمرے بھی ساتھ لائے ہوئے تھے سینکڑوں تصاویر کھینچی گئیں ۔ سرینام کے دوستوں نے تو ساری کنونشن کی پوری فلم تیار کر لی ہے ۔ شاید کبھی پاکستانی احباب کو بھی دیکھنے کا موقع مل جائے ۔ ہمارا خیال تھا کہ کنونشن کے دوران وقت نکال کر گذشتہ کنونشنوں کی فلمیں بھی دکھائی جائیں گی ۔ لیکن اس کے لئے مناسب تیاری نہیں ہوسکی ۔ اور بھی ایسی کارآمد تجاویز تھیں جن پر عمل نہیں ہو سکا ۔

کنونشن کی تصاویر میں جو احمدیہ کنونشن کے الفاظ جلی طور پر کپڑے پر لکھے ہوئے نظر آتے ہیں وہ مسٹر حنیف محمد اور ان کی اہلیہ زرینہ کی طرف سے تیار کئے گئے تھے ۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے ۔

جلسوں کا زیادہ تر انتظام رائل کوآپریٹو سوسائٹی ٹوٹنگ کے ہال میں تھا ۔ بدقسمتی سے یہ ہال ہفتہ اتوار کو نہیں مل سکتا تھا اور شام کے جلسوں کے لئے فارغ نہیں تھا اس لئے ہمیں اپنے تمام فنکشن دن کے وقت کرنے پڑے ۔ اگر احمدیہ ہاؤس سے دور کسی جگہ ہال کا انتظام کیا جاتا تو ٹرانسپورٹ کا مسئلہ آڑے آتا اس لئے پروگرام میں زیادہ تر شامیں زیادہ تر صرف آپس میں ملنے جلنے کے لئے وقف تھیں یا اس دوران مختلف کمیٹیوں کے اجلاس منعقد کئے جاتے تھے ۔

کنونشن کا آغاز جمعہ ۲۲ راگست ۔ احباب گیارہ بجے صبح ٹوٹنگ ہال میں جمع ہو گئے مسز جمیلہ خان نے جلسہ کی صدارت کی ۔ حاضرین کو خوش آمدید کہا ۔ حفیظہ عزیز اور محترم جناب مولانا عبدالرحیم جگو صاحب اور جناب اسلام یداللہ صاحب نے انگریزی ۔ ڈچ اور اُردو میں سامعین کو کنونشن کی تفصیلات سے آگاہ کیا اس مجلس کا زیادہ وقت مختلف جماعتوں اور مختلف ممالک سے آئے ہوئے نمائندوں کے تعارف میں گذرا ۔ جب یہ مجلس ختم ہوئی تو احباب کو کھانا کھلایا گیا ۔

نماز جُمعہ کھانا ختم ہوا تو ہال میں سے کرسیاں ہٹا کر نماز کے لئے چادریں بچھا دی گئیں ۔ جناب کمال حیدل نے اذان دی اور محترمی جناب خانبہادر ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے موقعہ کی مناسبت سے ایک دلپذیر خطبہ دیا اور نماز پڑھائی ۔ اصل خطبہ انگریزی میں تھا لیکن سامعین کی استدعا پر اس کا خلاصہ اردو میں بھی بیان کیا گیا ۔ یہ خطبہ ہفت روزہ پیغام صلح میں علیحدہ شائع ہوگا ۔

دوسرا اجلاس ان موقعوں پر وقت کی پابندی مشکل ہو جاتی ہے ۔ چادروں کو اُٹھا کر پھر کرسیاں بچھائی گئیں اور تین بجے کے قریب دوسرے اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی ۔ جناب عزیز احمد صاحب آف ٹرنی ڈاڈ صدر تھے ۔ پہلے افتتاحی دعا کی گئی ۔ بعد میں حمدیہ اور نعتیہ کلام پڑھا گیا ۔ رخشی طلعت حسین ۔ ساجدہ بانو ۔ پرل رحمٰن ۔ نوریان حیدل ۔ اور دوسری خواتین نے تقریب کے اس حصّے میں شمولیت اختیار کی ۔ مختلف ممالک کے پیغامات موصول ہوئے تھے ۔ حضرت امیر مولنا صدرالدین صاحب کے پیغام کو کمال حیدل نے پڑھ کر سنایا ۔ باقی پیغامات ذیل کی ترتیب سے پڑھے اور سُنے گئے ۔

ڈاکٹر محمد یوسف تاثیر سیکرٹری جماعت ہند ۔ مسز ماہ پارا اقبال ۔ آنریبل محمد دالس شکاگو ۔ جناب غلام نبی دین صاحب (فیجی) محترمہ زکیہ شیخ خواتین جماعت لاہور کی طرف سے نیر سگالی کا پیغام ڈاکٹر ایم اے عزیز صدر احمدیہ انجمن ویسٹرن ہمسفیر ۔ حامدالرحمٰن صاحب نے محترمی خانبہادر ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے صاحبزادہ عبدالکریم پاشا سعید کا پیغام جو نیوزی لینڈ سے آیا تھا سنایا ۔

ڈاکٹر نریم ٹیلتے کا پیغام آسٹریلیا سے جو نومسلمہ خاتون اور احمدی جماعت میں شامل ہیں ۔ انڈونیشیا کی جماعت کا پیغام ۔

کیلے فورنیا سے جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب کے پیغامات اور انگریزی میں سرینام اور ہالینڈ کی جماعتوں کے پیغامات ۔

فیجی سے حافظ شیر محمد صاحب اور دیگر جماعت کے اراکین کے ریکارڈ کئے ہوئے پیغامات بھی سنائے گئے ۔

پروگرام میں میری تقریر کے لئے وقت رکھا گیا تھا لیکن وقت کی قلت کے باعث میں نے اپنا وقت مولنا عبدالرحیم جگو صاحب کو دے دیا ۔ انہوں نے احمدیت کا پیغام عالم اسلام کے نام پر ایک پرجوش تقریر فرمائی ۔ بعد میں نومسلمہ مسز جینٹ واٹ نے "اسلام میں عورت کا مقام" اس عنوان سے ایک فکر انگیز مقالہ پڑھا (یہ تقریر اخبار لائٹ میں شائع ہوگی ۔) مس رینا رحمٰن آف ٹرنی ڈاڈ نے حاضرین اور منتظمین کا شکریہ ادا کیا ۔

ہال کو چھ بجے سے پہلے خالی کرنا تھا ۔ جلسہ ختم ہوا تو احباب کی اپنی باتیں ختم ہونے ہی میں نہ آتی تھیں ۔ منتظمین نے جلدی جلدی اپنا سامان تہ کیا ۔ جو دوست گھروں میں ٹھہرے ہوئے تھے وہ تو چلے گئے ۔ ہالینڈ کے احباب احمدیہ ہاؤس میں آگئے انہیں وہاں کھانا کھلایا گیا ۔ مغرب اور عشا کی نمازیں ادا کی گئیں اور خالد اقبال ۔ حفیظہ عزیز اور مسٹر ہارون نے بعد میں انہیں ہوٹل تک پہنچایا ۔

کنونشن کا پہلا دن خیر و خوبی سے گذر گیا اور ہم نے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا ۔

ہفتہ ۲۳ راگست کو ایک کوچ کرایہ پر لے لیا گیا تھا تاکہ جو لوگ پہلی دفعہ لندن آئے تھے انہیں لندن کی سیر کرائی جاتی ۔ اس گروپ میں زیادہ تر احباب ہالینڈ اور سرینام کے تھے ۔

شام کے وقت ویسٹرن ہیمسفیئر کی کمیٹی میٹنگ کے لئے وقت نکالا گیا ۔

اتوار ۲۴ راگست ۔ یہ سارا دن ووکنگ میں وقت گذارنے کے لئے رکھا گیا تھا ۔ حافظ شیر محمد صاحب ۔ غلام نبی دین صاحب اور ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی تقریروں کے لئے پروگرام میں گنجائش تھی ۔ محمد خالد اقبال نے جلسہ کی صدارت کے فرائض ادا کئے ۔ اس جلسہ کی تفصیلی رُوداد خالد اقبال کی رپورٹ میں ملاحظہ ہو ۔ شام کو خالد اقبال کے گھر نمائندگان جماعت کی بزنس میٹنگ ہوئی (ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی تقریر کا متن وصول نہ ہوا اس لئے شائع

نہ جا سکی۔ یہ کام مسٹر زاہد عزیز کے سپرد تھا)

سوموار ۲۵ اگست۔ بنک ہالیڈے تھی۔ سارے انگلستان میں چھٹی تھی۔ کسی ہال کا کرایہ پر ملنا قریباً ناممکن تھا۔ ہم نے اس دن لندن کے مضافات میں سیر کا پروگرام بنایا اور ورجینیا واٹرز (جو ایک جھیل کی وجہ سے مشہور ہے) کے وسیع میدان میں نماز اور میٹنگ کا پروگرام بنایا۔ موسم خوشگوار تھا۔ اس لئے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔ پہلے ونڈسر کاسل۔ سفاری پارک گئے بعد میں جھیل کے قریب آکر احباب میں سینڈوچز تقسیم کئے گئے اور مختلف مشروبات پلائے۔ اس کے بعد ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کیں۔ خانبہادر صاحب نے بعد از نماز انگریزی میں ایک مختصر تقریر فرمائی جس کا ترجمہ اردو میں بھی سنایا)۔ سرینام۔ ہالینڈ۔ ٹرنی ڈاڈ کے دوستوں نے بھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

پانچ بجے کے قریب اس دلفریب ماحول سے رخصت ہوئے۔

ہمارے بڑے اجتماع کو دیکھ کر جھیل کے واڈن کار میں آکر قریب ہو کر کارروائی کو سنتے اور سمجھنے کی کوشش کرتے رہے۔ جناب مولانا عبدالمنان صاحب نے انہیں جا کر سمجھایا کہ یہاں کوئی سیاسی تقریریں یا سازش نہیں ہو رہی تو وہ مطمئن ہو گئے۔ ممکن ہے ایسے اجتماع کا منعقد کرنا وہاں خلاف قانون ہو۔ لیکن ہمیں ایسے قانون کا علم نہ تھا۔ اگر وہ کچھ بھی مزاحمت کرتے تو ہم خاموش ہو کر وہاں بیٹھ رہتے جیسے اور ٹورسٹ بیٹھے ہوں۔ پھر تو وہ ہمیں وہاں سے نہ اٹھا سکتے تھے۔ اگر کوئی کہتا تو ہم بھی ... سے یہ کہہ دیتے ؎

بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں

منگل وار ۲۶ اگست۔ حسب سابق ٹوٹنگ ہال میں گیارہ بجے جلسہ شروع ہوا۔ جلسہ کی صدارت محمد خالد اقبال نے کی۔ دعا و قرآن کریم کی تلاوت اور نعتیہ کلام کے بعد محترمی جناب خان بہادر صاحب نے مغرب سے طلوع اسلام پر ایک موثر تقریر فرمائی (یہ تقریر لائٹ اور پیغام صلح میں چھپ چکی ہے) اس کے بعد جناب میاں فاروق احمد شیخ صاحب نے اپنا مقالہ پڑھا اور تفصیل سے احمدیت کے مقام اور پیغام اور کام کو انگریزی اور اردو میں بیان کیا (اس تقریر کا خلاصہ لائٹ اور پیغام صلح میں شائع ہوگا)

جلسہ کے بعد حاضرین کو کھانا کھلایا گیا اور ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کی گئیں۔ دوسرے اجلاس کی صدارت مسٹر کمال حیدل صاحب نے کی جس میں مسز جینٹ واٹلے نے "سائنس کیا ہے" کے موضوع پر اپنا مقالہ پڑھا (لائٹ میں شائع ہوگا)۔

مسٹر اسلام یداللہ نے تقریر فرمائی۔ اس جلسے میں خاکسار موجود نہیں تھا۔ ہم ایک کمیٹی میٹنگ کے لئے احمدیہ ہاؤس چلے گئے تھے اس لئے کمال حیدل صاحب کو لکھا ہے کہ وہ اس جلسہ کی تفصیلات لکھیں۔

شام کو ایک اور کمیٹی میٹنگ تھی۔ اور دوسرے روز شام انٹر فیتھ میٹنگ تھی جس میں مجھے تقریر کرنا تھی۔ انتظامات کی الجھنوں اور پریشانیوں سے میں ذہنی اور جسمانی طور پر کافی تھک گیا تھا۔ اس لئے میں شام کی کمیٹی میٹنگ میں شامل نہ ہوا اور معذرت کرکے ووکنگ آگیا تاکہ اپنی تقریر کے لئے کچھ تیاری کر سکوں۔

انٹر فیتھ (بین الادیانی) میٹنگ

بدھ ۲۷ اگست۔ سوئیڈش چرچ ہار کورٹ سٹریٹ لندن کے منتظمین نے ہمیں وہاں اپنی انٹر فیتھ میٹنگ کرنے کی اجازت دے دی تھی اس جلسہ کی صدارت کے لئے ہم نے محترم خانبہادر سعید احمد صاحب کا نام رکھا تھا۔ لیکن انہوں نے لندن آنے سے پہلے ہی پاکستان سے معذرت کا خط لکھ دیا تھا۔ اس لئے ہم نے بشپ جارج اپیل ٹن کو اس جلسہ کا صدر بنا دیا۔ موضوع تھا

"میرے مذہب کا پیغام عصرِ حاضر کے انسان کے نام"

ہندومت۔ پارسی۔ بدھ مت۔ یہودی۔ عیسائی۔ مسلم اور سکھ مذہب کے نمائندے شریکِ جلسہ تھے جن کے نام علی الترتیب درج ذیل ہیں:۔

پنڈت وشنو نارائن۔ مسٹر سائرس جھتہ۔ مسٹر رسل ویب۔ ربائی ہیری یعقوب۔ نور لیبارٹ لندن۔ شیخ محمد طفیل۔ پروفیسر برمہندر سنگھ۔

مس رچرڈ سابق سیکرٹری کانگرس آف فیتھ نے چیئرمین کا تعارف کرایا۔ فادر لندن نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور صدر جلسہ نے کارروائی کا آغاز کیا۔

سب سے پہلے ہماری خواتین نے موقع کی مناسبت سے

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا

نظم پڑھ کر سنائی۔ نظم سنانے والی تھیں مسز عبدالعلی، ساجدہ بانو۔ نسیم شیخ مس پرل رحمٰن۔ مس ریٹا رحمٰن۔ مسز قدیرن۔ زلیخا بلگوین۔ نظم کے بعد مس اسماء طفیل نے مسلم پریئر پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد باری باری مقررین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ (یہ تقریریں لائٹ میں چھپ رہی ہیں۔ سری نگر اور فیجی سے اشاعت الحق اور پیغامِ حق کے خاص انٹر فیتھ نمبر نکل رہے ہیں ان میں بھی شائع ہوں گی)

اس میٹنگ کے لئے چرچ کا سارا ہال بھرا ہوا تھا۔ دو بجے جلسہ ختم ہوا اور سب لوگ نیچے دوسرے ہال میں چائے اور کافی پینے کے لئے جمع ہوئے۔ یہ تقریب کامیاب رہی۔

جمعرات ۲۸ اگست۔ احباب حسب معمول ٹوٹنگ ہال میں گیارہ بجے کے قریب اکٹھے ہوئے۔ اتنے دن جلسے اور تقریریں سن سن کر کچھ تھک گئے تھے اس لئے گیارہ بجے کی بجائے بارہ بجے جلسہ شروع ہو سکا۔ جناب خان بہادر سعید احمد صاحب نے "تحریک احمدیت کا مقام" پر ایک موثر تقریر فرمائی۔ (تقریر کا ترجمہ اخبار پیغام صلح مورخہ میں شائع ہو چکا ہے) تقریر کے تمام ضروری حصوں کا اردو ترجمہ بھی ساتھ ساتھ سنائے جاتے تھے (ثقہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس تقریر کا اثر سامعین پر بہت عمدہ پڑا ہے یہاں تک کہ عبدالرحیم جگو صاحب نے اسے مختلف زبانوں میں ترجمہ کی تحریک کی اور خود اسے ڈچ زبان میں ترجمہ کرکے شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ایڈیٹر)

ڈاکٹر ایم اے عزیز نے اپنا مقالہ الکحل اور منشی ادویات کا استعمال اور نوجوان طبقہ پڑھ کر سنایا۔

کھانے کا انتظام لندن گروپ نے کیا تھا۔

اسی دن بعد از دوپہر جلسہ میں مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب نے تقریر فرمائی۔ جناب غلام احمد صاحب بشیر نے اس جلسہ کی صدارت فرمائی۔

جمعہ ۲۹ اگست۔ یہ ہماری کنونشن کا آخری دن تھا۔ صبح کے جلسے کی میں نے صدارت کی۔ جمعہ کا خطبہ جناب کمال حیدل صاحب نے دیا اور نماز پڑھائی۔ آخری جلسہ کی صدارت مسز جمیلہ خان نے کی اور بڑے خوبصورت انداز میں ایک نئی طرز کا پروگرام پیش کیا۔ مولانا یحییٰ بٹ صاحب۔ کمال حیدل صاحب۔ مسز زرینہ محمد۔ مسز ماہ پارا اقبال اور دیگر احباب نے جماعت میں شمولیت اور بیعت کی اہمیت پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر ایم اے عزیز صاحب نے چند ریزولیوشن پیش کئے جو پاس نہ ہو سکے۔ کنونشن بہت لحاظ سے کامیاب رہی لیکن اس سلسلہ میں اپنی کوتاہیوں غفلتوں اور خامیوں کا بھی احساس ہوا۔ انگلستان کی مٹھی بھر جماعت نے اس کنونشن کے انعقاد میں حوصلہ اور ہمت سے کام لیا اس نے احمدیت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ کینیڈا اور امریکہ میں نئی جماعتوں کی تنظیم کی خبریں ملی ہیں انگلستان۔ گیانا اور سرینام میں سلسلہ احمدیہ میں چند نئے ناموں کا اضافہ ہوا ہے۔ (ہمیں معلوم ہوا ہے کہ خانبہادر سعید احمد صاحب کے دورہ گیانا وغیرہ کے دوران نئے لوگ بیعت میں شامل ہوئے ہیں۔ ایڈیٹر) ہمارے بزرگوں نے مغربی دنیا میں احمدیت کے نام پر چند پودے لگائے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پودوں کو مضبوط اور تناور درخت بنا دے اور ان کی شاخیں اکنافِ عالم تک پہنچا دے تاکہ ہم اپنی زندگی میں

آؤ اپنی آنکھوں سے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا یہ الہام بڑے زور سے پورا ہوتا دیکھ لیں "میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دوں گا"

محترم و مکرم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب

جنریشن گیپ

GENERATION GAP

۲۲ر ستمبر ۱۹۷۵ء کے لاہور کے روزانہ انگریزی اخبار "دی سن" میں نیویارک سے لکھا ہوا ایک مقالہ چھپا ہے جس کی سرخی ہے کہ نوجوانوں کی بڑھتی ہوئی خودکشیوں کا الزام والدین اور بچوں کی خاندانی زندگی کی خرابی ہے نامہ نگار نے لکھا ہے کہ پچھلے بیس سال میں امریکہ کے ۱۵ سال سے لے کر ۲۴ سال کے عمر کے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں میں خودکشی اڑھائی سو فی صد بڑھ گئی ہے۔ امریکہ میں سالانہ پچیس ہزار خودکشیاں ہوتی ہیں۔ ان میں سے چار ہزار سے زیادہ ۱۵ سال سے ۲۴ سال تک کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ہوتی ہیں۔ حالانکہ پہلے اس عمر میں خودکشیاں برائے نام ہوتی تھیں۔

امریکن ماہر کی رائے

امریکہ کے ایک ممتاز اور معروف علم النفس کے ماہر ڈاکٹر ہربرٹ ہینڈن جو کہ نیویارک کے ایک مرکزی علم النفسیات ادارہ کے سربراہ ہیں اور کولمبیا یونیورسٹی میں بھی پروفیسر ہیں۔ انہوں نے اپنی تازہ کتاب "احساسات کا زمانہ" میں لکھا ہے کہ دوسرے سائنسدانوں کو تو فکر ہے کہ زمین کی فضا زہریلی گیسوں اور دوسری انسانی گندگیوں سے ایسی مکدر ہو رہی ہے کہ اگر ان زہریلی چیزوں کو فضا میں پھیلنے سے نہ روکا گیا تو نسلِ انسانی مر جائے گی اور اس کے بارہ میں حکومتیں اور سائنسدان دن رات فکر میں ہیں مگر اتنی ہی اہمیت ہمیں اپنی سماجی اور خانگی زندگی کی فضا کو مکدر اور زہریلی ہونے سے بچانے کو دینی چاہیئے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی کثیر تعداد اپنے ماں باپ کے گھر سے دل برداشتہ ہیں۔ دوسری طرف اکثر ماں باپ ایسی اولاد مانگتے ہیں جو ان کی زندگیوں میں ہیجان اور تلخی نہ پیدا کرتی رہے۔ وہ ایسی اولاد چاہتے ہیں جو ان کے ساتھ گذارہ کرے اور اس کے لئے اولاد کو والدین کی فرمانبرداری کرنی پڑتی ہے جب کہ اکثر اولاد خود سر ہو گئی ہے اور بعض تو بغاوت پر تلے ہوئے ہیں۔ جس راستہ پر ماں باپ اپنی اولاد کو ڈالنا چاہتے ہیں اس میں اولاد کو اپنی جذباتی زندگی کو مارنا پڑتا ہے۔

اس ماہر نے پھر لکھا ہے کہ اس زمانہ میں اکثر والدین اپنی اولاد سے خوش نہیں اور اولاد کو بھی اب یہ احساس ہو رہا ہے کہ ان کے والدین ان سے خوش نہیں۔ پچھلے بیس سال کے بالمقابل اب فیملی کے تمام ممبر بہت زیادہ نفس پرست ہو گئے ہیں۔ ہر ممبر اپنی اپنی خواہشات اور جذبات کو پورا کرنے میں لگا ہوا ہے۔ ایک دوسرے کے لئے قربانی کا مادہ ختم ہو رہا ہے۔ پہلے وہ ایک دوسرے کے لئے بہت زیادہ قربانی کرتے تھے۔ اب بہت کم۔ والدین اولاد کو بوجھ اور مصیبت سمجھنے لگے ہیں۔ اور اولاد والدین کے گھر کو ایک قید خانہ سمجھنے لگی ہے۔ جس میں ہر ایک ممبر قید تنہائی میں اپنی اپنی مصیبتیں سہہ رہا ہے۔ آپس کی محبت اور گھلن ملن اور ایک دوسرے کے مسائل میں اشتراک معدوم ہو گیا ہے۔ اب یہ عام بات ہے کہ فیملی کے ہر ممبر کو شکایت ہے کہ وہ جو چاہتا یا توقع رکھتا تھا وہ پوری نہیں ہوئی۔ اس کا نئی نسل پر بہت گہرا اثر پڑا ہے اور اس سے خودکشی نئی پود میں تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اگر وہ خودکشی نہیں کرتے تو گھر چھوڑ دیتے ہیں اور آوارہ ہو جاتے ہیں اور منشیات اور جرائم میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ایک جنگل کی آگ کی طرح تیزی سے پھیل رہے ہیں۔

اس ماہر کے دل کو اس سوال نے گدگدایا ہے کہ موجودہ ابتری کی ایک

وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عورت کے لئے دو کام ناممکن ہیں۔ یا تو وہ نوکری کرے یا وہ بچوں کی صحیح نگہداشت کرے۔ مگر چونکہ امریکہ میں آج یہ کہنا کہ پرانی طرزِ زندگی کی طرف واپس جاؤ ناممکن ہے اس لئے پروفیسر موصوف نے صرف یہ مسئلہ پیش کر کے اپنی کتاب کو ختم کیا ہے کہ ہمیں کوئی حل یا علاج سوچنا پڑے گا کہ فیملی لائف کس طرح قائم رہ سکتی ہے۔

وہ حل کیا ہے؟

یہ پروفیسر علم النفس اور سماجی زندگی کے بہت بڑے ماہر ہیں۔ صرف یہی ہار نہیں مان بیٹھے بلکہ یورپ اور امریکہ کے تمام ماہرین اس مسئلہ کو حل کرنے سے رہ گئے ہیں۔ اسی لئے خاندانی زندگی برباد ہو گئی ہے۔ اولاد یا تو کھلم کھلا نافرمانی اور بغاوت کا مظاہرہ کرتی ہے یا گھروں کو چھوڑ کر آوارہ ہو گئی ہے یا "ہپی" بن گئی ہے۔ اور اکثر منشیات اور جرائم میں مبتلا ہو گئے ہیں اور بالآخر جیسا کہ اس کتاب میں لکھا ہے خودکشی تک نوبت جا پہنچتی ہے حالانکہ ۱۵ سال سے لے کر ۲۴ سال تک کا نوجوانی کا زمانہ وہ ہوتا ہے کہ انسان اونچی امیدیں رکھتا ہے اور عالی ہمت ہوتا ہے۔ جب علم اور سائنس سے ترقی یافتہ ممالک میں جہاں سوجھ بوجھ اور عقل کی کوئی کمی نہیں تمام ماہرین اور سائنسدان ہار گئے تو اب نسلِ انسانی کو کون بچائے؟ وہ خدا کے سوا کون ہو سکتا ہے؟ خدا کی کتابیں جو مختلف قوموں کو ملیں وہ ضائع ہو گئیں اور آج ایسی مخدوش حالت میں ہیں کہ انہیں کوئی عقلمند قبول نہیں کر سکتا۔ اس لئے اگر ان میں کوئی صداقت یا ہدایت کی روشنی باقی ہے تو ان کی مجموعی حالت چونکہ ناقابلِ قبول ہے اس لئے ان کو کوئی مشعل راہ نہیں بناتا۔ صرف ایک کتاب ہے جو مسلمہ طور پر محفوظ بھی ہے اور مکمل ہدایت بھی۔ اور وہ قرآن کریم ہے۔ بقول حضرت مسیح موعودؑ

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

آیئے دیکھئے کہ یہ کتاب کیا ہدایت دیتی ہے۔ والدین اور اولاد کے تعلقات پر قرآن حکیم میں کئی جگہ روشنی ملتی ہے۔ صرف ایک جگہ میں بہت کچھ ہے۔ وہ سن لیجئے:۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝

(سورۃ بنی اسرائیل۔ آیات ۲۳ و ۲۴)

ترجمہ: "اور تیرے رب کا یہ حکم ہے کہ سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ سے نیک سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے یا تیرے پاس دونوں میں سے ایک یا دونوں ہی بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ ان کو ڈانٹنا بلکہ دونوں سے ادب سے بات کرنا۔ اور ان دونو کے آگے رحم سے فرمانبرداری کا بازو جھکا اور دعا کر کہ اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے ہوتے پالا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم اپنی اصلاح کرنے والے ہو تو وہ خدا کی طرف بار بار رجوع کرنے والوں کی حفاظت کرنے والا ہے"

خدا اور انسان کا تعلق

اللہ تعالےٰ تمام کائنات کا خالق ہے۔ اور کائنات میں اس کی بہترین مخلوق انسان ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کا اور انسان کا تعلق محض خالق و مخلوق کا نہیں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ تمام کائنات کی طرح انسان کا بھی رب ہے یعنے انسان کو وہ ادنےٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف بتدریج ترقی دیتا ہوا لے جاتا

ہے۔ مثلاً اللہ تعالےٰ نے انسان کو نہ صرف مٹی سے اور اس کی مختلف پیداوار کے جوہر یعنے نطفہ سے جو ایک حقیر اور غیر مرئی کیڑا ہے پیدا کیا بلکہ اس کے بعد وہ اس کو ماں کے پیٹ میں ترقی دیتا ایک ننھا مگر مکمل انسان بنا دیتا ہے۔ یوں انسان کی تخلیق اور ربوبیت کے تمام ابتدائی مراحل میں سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کسی کو اختیار یا قدرت یا دسترس نہیں۔ مگر یہ تعلق یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ پیدا ہونے کے بعد بچہ کس طرح ترقی کرتا کرتا ایک نوجوان انسان بن جاتا ہے یہ بھی اللہ تعالےٰ کا مرہونِ منت ہے۔

پھر جسمانی ربوبیت کے ساتھ انسان کی ذہنی یا عقلی ربوبیت بھی ہے جو انسان کے باطن میں ہو رہی ہوتی ہے وہ خالصتاً اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جسمانی اور ذہنی ربوبیت میں جو خارجی اثرات مثلاً خوراک یا تعلیم و تربیت ہیں ان کو مہیا کرنے والا بھی اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ ان سامانوں کا بڑا ذریعہ اس نے انسان کے ماں باپ کو بنایا ہے۔

اللہ تعالےٰ کی بنیادی صفات یعنے ربّ اور رحمٰن اور رحیم کے مظہر اگرچہ ماں باپ دونو ہیں مگر باپ میں ربوبیت کا عنصر غالب ہے کہ وہ صبح سے لے کر شام تک بلکہ راتوں کو بھی کام کر کے جو کمائی کرتا ہے اس کا بیشتر حصہ اپنی بیوی اور اولاد کی خوراک تعلیم کپڑوں دوائی دارو اور ہر قسم کی ضروریات پر خرچ کرتا ہے اور یوں ان کی ربوبیت کرتا ہے۔ یہ عظیم الشان قربانی کی روح کس نے باپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے؟ سوائے اس کے خالق کے کون ہو سکتا ہے۔ اور ماں میں جو رحم کوٹ کوٹ کر بھرا ہے وہ کس نے بھرا ہے؟ وہ اللہ تعالےٰ کی رحمانیت کا مظہر ہے۔ تو اللہ تعالےٰ نے انسان (اولاد) کی جسمانی اور ذہنی ربوبیت کے لئے ماں باپ کو اپنا ذریعہ بنایا ہے۔

اگر ماں باپ اپنے فرائض کو بخوبی انجام دینے والے ہوں تو اولاد کی اخلاقی اور روحانی تربیت بھی ابتداً والدین کے ذریعہ سے ہی ہونی چاہیئے مگر اگر ماں باپ اس میں کوتاہی کریں یا اس معاملہ میں نااہل ہوں یعنے خود ہدایت سے محروم ہوں تو اللہ تعالےٰ نے اس ضروری ترین اخلاقی اور روحانی ربوبیت کے لئے انبیاء اور الہامی کتابوں کو نازل فرمایا ہے۔ کیونکہ اگر انسان کی اخلاقی اور روحانی حالت ہی انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے اور موت کے بعد انسان کی اگلی زندگیوں میں اس کے کام آتی ہے۔ اس لئے اس ربوبیت کو اللہ تعالےٰ نے خاص اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ وہ اس لئے بھی ضروری ہوا کہ چونکہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اس لئے وہی جانتا ہے کہ اس نے کیوں انسان کو پیدا کیا ہے اور کس راستہ پر چل کر وہ اس مقصدِ تخلیق کو پا سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ ان باتوں کو واضح نہ کرتا تو انسان کے لئے اندھیرے میں ٹھوکریں کھانے اور گمراہی میں عمر گذارنے کے سوا کیا تھا؟

اللہ تعالےٰ کی انسانوں کو ہدایت الہامی کتابوں کی تعلیم اور نبیوں کے نمونے سے دی گئی۔ وہ تعلیم اور نمونہ نہ صرف قومی یا وقتی ضروریات کو پورا کرنے والے تھے بلکہ وہ مسلمہ طور پر ضائع بھی ہو گئے۔ نہ الہامی کتابیں اپنی اصلی زبان میں یا حالت میں رہیں نہ نبیوں کے حالاتِ زندگی مکمل طور پر باقی رہے۔ بلکہ الگ الگ بگڑی ہوئی الہامی کتابوں اور الگ الگ نبیوں کو جنہیں نبیوں سے بڑھا کر خدا تک بنا دیا گیا نسلِ انسانی مذہبی اختلافات سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے وقت آنے پر تمام نسلِ انسانی کو ایک نبی (محمد صلعم) کے جھنڈے کے نیچے جمع کیا اور وہ جامع اور مکمل ہدایت کی کتاب دی جو واحد کتاب ہے جس نے دعوےٰ کیا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً یعنے آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

پھر قرآن واحد کتاب ہے جس نے دعویٰ کیا کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ یعنے ہم نے اس نصیحت (تعلیم) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ کہ آج قرآن صرف ایک الہامی کتاب ہے جو باوجود تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہونے کے صرف ایک متن رکھتی ہے اور جس کے دشمنوں کو بھی یہ اعتراف ہے کہ یہ من و عن وہی قرآن ہے جو محمد (صلعم) پر اترا۔

اور پھر محمد صلعم کا نمونہ بھی حدیث کی سینکڑوں کتابوں میں ایسا محفوظ ہے کہ آپؐ کی صبح سے لے کر شام تک کی ہر آن کی زندگی اور اقوال محفوظ ہیں۔ آپؐ ہی دنیا کے واحد تاریخی نبی ہیں جن کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر قول محفوظ اور معلوم ہے۔

علاوہ قرآن اور سنت کے ذریعہ ربوبیت کرنے کے اللہ تعالےٰ کا کس قدر احسان ہے کہ اس نے اپنے آپ کو انسان کے ہر دم ساتھ رکھا ہے ھو معکم اینما کنتم اور وہ ہر آن انسان کی جسمانی ذہنی اخلاقی اور روحانی ربوبیت کرتا ہے جس کا سب سے بڑا ذریعہ نماز اور دوسری عبادات ہیں۔ اور واذکروا اللہ کثیرا کے ماتحت آنحضرت صلعم نے ہمارے لئے اللہ تعالےٰ کو ہر آن یاد رکھنے اور دعاؤں کے ذریعہ پکارنے کا نمونہ پیش کیا۔ پھر تقدیر کی واردات مثلاً بیماری۔ دکھ۔ مصائب۔ ابتلا وغیرہ بھی انسان کی اخلاقی اور روحانی ربوبیت اور ترقی کے لئے آتے ہیں۔ ان کے علاوہ ہر آن اللہ تعالےٰ باطن میں ہماری جسمانی اخلاقی اور روحانی ربوبیت کرتا ہے بشرطیکہ ہم اس کی فرمانبرداری کریں۔ ظاہر میں دیکھیں کہ بچہ والدین یا استادوں کی تربیت سے کہاں فائدہ اٹھا سکتا ہے اگر ان کی فرمانبرداری نہ کرے اور وہ بھی ان کی خیر خواہی کی وجہ سے عاجزی سے۔ عربی کے لفظ عبادت کے معنی ہی ہیں عاجزی سے فرمانبرداری کرنا۔ اور متذکرہ بالا سورت بنی اسرائیل کی آیات میں پہلا حکم ہی یہ ہے کہ وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ (تیرے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کی عاجزی سے فرمانبرداری کرو) اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری میں دوسری فرمانبرداریاں بھی آجاتی ہیں جن میں والدین کی فرمانبرداری سب میں مقدم ہے۔ ان کی فرمانبرداری میں صرف ایک تخصیص کی کہ وان جاھدٰک علیٰ ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما (لقمٰن ۳۱۔ آیت ۱۵) یعنے اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرے جس کی بابت (یعنے تائید میں) کوئی علم نہیں دیا گیا تو ان کی بات نہ مان۔ مگر وہاں بھی تاکید فرمائی کہ وصاحبھما فی الدنیا معروفا۔ یعنے پھر بھی دنیا کے رہن سہن میں ان سے اچھا ساتھ رکھنا۔

آج کے زمانہ میں جبکہ اولاد میں بغاوت لڑکپن میں ہی آجاتی ہے وہ ماں باپ سے بدسلوکی ان کے گھر میں ہوتے ہوئے اور ہر طرح سے ان کا محتاج ہوتے ہوئے ہی کرنے لگتی ہے۔ اور اس کی وجہ "جنریشن گیپ" یعنے ایک نسل کا دوسری نسل سے عمر میں فرق بتایا جاتا ہے۔ یہ مزعومہ وجہ یعنے "جنریشن گیپ" اس قدر زبان زد خلائق ہے اور اس پر اس قدر زور دیا جاتا ہے کہ ایسا تاثر پیدا ہوتا ہے کہ گویا یہ عمروں میں فرق یا "جنریشن گیپ" پہلی دفعہ پیدا ہوا ہے اور پہلے کبھی نہ تھا۔ حالانکہ یہ ہمیشہ تھا۔ ایک جاہل کو بھی علم ہونا چاہیئے تھا کہ ماں باپ اور ان کی اولاد کی عمروں میں فرق اور مزاجوں میں فرق ہمیشہ تھا۔ تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ جب ہمیشہ سے تھی تو اس کے باوجود پرانے زمانہ میں اولاد عام طور پر ماں باپ کی فرمانبردار ہوتی تھی اور ان کے ساتھ رہتی سہتی تھی۔ اس لئے موجودہ ماں باپ اور ان کی اولاد کے درمیان اختلافِ عمر اور اس کی وجہ سے اختلافِ مزاج اور اختلافِ طبائع کوئی نئی بات نہیں اور محض یہ اختلافات کوئی معقول وجہ نہیں کہ اولاد ماں باپ

۔۔ چونکہ انسان کی اخلاقی اور روحانی

سے متنفر ہو جاتے یا اُن سے باغی ہو جائے۔ اصل وجہ وہ ہی ہے جو ہمیشہ سے تھی کہ ماں باپ اپنے عمر بھر کے تجربے اور پختہ تر عقل اور خیر خواہی کی وجہ سے اولاد کی رہنمائی کرنا چاہتے ہیں اور اسے بُری باتوں یا غلطیوں سے روکتے رہتے ہیں اور یہ اولاد کو بُرا لگتا ہے۔ پہلے اولاد ماں باپ کی فرمانبردار تھی اور ان کے روکنے ٹوکنے کو مان لیتی تھی۔ اب اولاد باغی ہو رہی ہے۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ ماں باپ اور ان کی اولاد کی عمروں اور مزاجوں اور طبیعتوں میں فرق پہلے بھی تھا۔ ماں باپ کا روکنا ٹوکنا ہمیشہ ان کی اولاد کو بُرا لگتا تھا۔ تو فرق ان حالات میں بالکل نہیں۔ فرق اسی بات کا ہے جس سے متذکرہ بالا آیاتِ مبارکہ کو شروع کیا گیا تھا یعنی وقضیٰ ربّك الّا تعبدوا الّا ایّاہ۔ یعنی تیرے ربّ نے حکم دیا ہے کہ اس کی (عاجزی سے) فرمانبرداری کی جائے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ماں باپ تو خود بھی کرتے تھے اور اولاد کو بھی سکھاتے تھے۔ اب اکثر ماں باپ خود بھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار نہیں رہے اور جو خود پُرانے اثرات کے ماتحت تھوڑا بہت خدا کا خوف رکھتے بھی ہیں انہوں نے اولاد کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہ سکھائی نہ کرائی۔

تو جب انسان اللہ تعالیٰ جیسے محسن اعظم کا ناشکرگزار اور نافرمانبردار بن گیا تو ماں باپ تو اللہ تعالیٰ سے اتر کر ہی محسن ہیں۔ اس لئے اگر آج اولاد باغی ہے تو ماں باپ خود اپنے کئے کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ یورپ اور امریکہ جہاں مذہب کو عام طور پر خیرباد کہا گیا ہے وہاں کے حالات وہ ہیں جو اس مضمون کے شروع میں نقل کئے گئے ہیں۔ ہمارے ہاں جوں جوں مذہب کا اثر اٹھ رہا ہے وہی حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ اولاد باغی ہو رہی ہے۔ منشیات کو استعمال کرنے لگی ہے اور آوارگی اور بدچلنی ان میں بڑھ رہی ہے۔ اُوپر کے طبقوں میں پہلے یہ نتیجہ پیدا ہو رہا ہے اس لئے کہ امراء اور اُوپر کے متوسط طبقوں میں سے مذہب اُٹھ گیا ہے یا اُٹھ رہا ہے (اگر احمدیوں میں ایسا نہیں تو یہ مجدّد زمان کا احسان اور برکت ہے کہ انہوں نے ہمارے امیروں کو بھی خدا خوفی سکھائی) بہرحال جن والدین نے خدا کے عاجز فرمانبردار بن کر اولاد کے لئے اچھا نمونہ قائم کیا اور اولاد کو بھی خدا کی فرمانبرداری سکھائی ان کے گھروں میں "جنریشن گیپ" کے ہوتے ہوئے بھی اولاد ماں باپ کی فرمانبردار ہے۔ اس لئے اولاد کی بغاوت کی اصل وجہ جنریشن گیپ یا عمروں اور مزاجوں کا فرق نہیں بلکہ قرآن حکیم کی پہلی شرط مفقود ہوتا ہے کہ وقضیٰ ربّك الّا تعبدوا الّا ایّاہ

رہا سوال ماں باپ کے ٹوکنے یا روکنے کا سو وہ پہلے بھی تھا اور اولاد کو بُرا بھی لگتا تھا مگر اولاد اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اس کو سہتی تھی۔ انسان کو بعد میں جا کر پتہ لگتا تھا کہ والدین جیسے محسن اور خیرخواہ اگر روکتے یا ٹوکتے تھے تو اولاد کے فائدہ کی خاطر۔ کیا اولاد خود جوان ہو کر بوڑھے والدین کو نہیں روکتی یا ٹوکتی؟ یا نصیحت کرتی؟ مگر والدین اسے خوشی سے برداشت کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر اولاد کی بات مان لیتے ہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنے زیادہ تجربہ یا خدا خوفی کی وجہ سے اولاد کی بات کو غلط سمجھتے ہوں۔ پھر بھی وہ اولاد سے بدسلوکی نہیں کرتے جس طرح اولاد ماں باپ سے باغی ہو کر ان سے کرتی ہے۔ تو روکنا ٹوکنا کوئی وجہ نہیں کہ ماں باپ سے اولاد متنفر یا باغی ہو جائے

رہا اختلاف مزاج یا اختلاف عادات کا عذر تو وہ بھی محض بہانہ ہے جب اولاد چھوٹی تھی اور ماں باپ بڑے تو کیا ان کے مزاجوں اور عادات میں فرق نہ تھا؟ تو کیا اسے ماں باپ نے بُرا منایا؟ یا اس پر اولاد سے بدسلوکی کی؟ یا انہیں اپنے سے علیٰحدہ کیا؟ اس کے برعکس کس پیار اور حوصلہ اور صبر سے انہوں نے اولاد کی خدمت کی؟ ماں تو اولاد کا پاخانہ پیشاب تک صاف کرتی ہے اور ان کی قے کو اگر ضرورت پڑے تو اپنے ہاتھوں میں لیتی ہے۔ ماں نہ ہو تو باپ بھی یہ سب گندے کام اولاد کی خاطر کر لیتا ہے۔ اور کس خوش مزاجی اور پیار اور صبر سے وہ چھوٹی اولاد کے اختلاف مزاج اور اختلاف عادات کو سہتے ہیں۔ اگر ماں باپ نے سہہ لیا تو اولاد کیوں سہہ نہیں سکتی؟

قرآن کریم میں متعدد جگہ والدین کے ساتھ احسان کا حکم آیا ہے۔ اس لئے بالفرض محال اگر کبھی ماں باپ سے کوئی کوتاہی بھی ہو گئی ہو تو اولاد کو احسان کا ہی حکم ہے۔ اس لئے کہ ماں باپ کی نیک نیتی، ان کی خیرخواہی اور بے مثال قربانیوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

سورۃ بنی اسرائیل کی جن آیات کو میں نے اُوپر لکھا ہے ان میں کچھ باتوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔ پہلی بات تو یہ فرمائی کہ امّا یبلغنّ عندك الكبر احدهما او كلاهما فلا تقل لهما اُفّ و لا تنهرهما وقل لهما قولاً كريما۔ یعنے "جب تیرے پاس ان میں سے ایک یا وہ دونو بڑھاپے کو پہنچیں تو انہیں اُف تک مت کہہ اور نہ انہیں ڈانٹ اور ان دونوں سے ادب سے بات کر۔"

پہلی بات تو یہ فرمائی کہ ماں ہو یا باپ یا دونو بوڑھے ہوں تو انہیں اپنے سے علیٰحدہ مت رکھو بلکہ وہ تیرے پاس رہیں۔ یہ سب سے مشکل امر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اولاد کو ماں باپ کا روکنا یا ٹوکنا بچپن سے ہی بُرا لگتا ہے مگر اس وقت تو وہ بہ امر مجبوری ان کی بات مان لیتی ہے پر جوں ہی اولاد جوان ہوئی تو وہ علیٰحدگی کی سوچتی ہے۔ لڑکے کو ملازمت مل جانا یا لڑکی کی شادی ہو جانا کافی بہانہ بن جاتا ہے کہ اولاد ماں باپ سے علیٰحدہ ہو جائے۔ اور یوں ایک ایک کر کے سب بچے ماں باپ سے علیٰحدہ ہو جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے وہی زمانہ ماں باپ کے بڑھاپے اور کمزوریوں بلکہ بیماریوں کا ہوتا ہے۔ اور جب انہیں سب سے زیادہ سنبھالنے والے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ تنہا رہ جاتے ہیں۔ میں نے بیوہ ماں یا رنڈوے باپ کو علیٰحدہ دنیا کے دھکے کھاتے دیکھا ہے۔

اس کی وجہ اختلاف مزاج اور اختلاف عادات بتایا جاتا ہے۔ مگر نالائق اولاد اتنا نہیں سوچتی کہ جب وہ چھوٹی تھی تو کیا اس کے اختلاف مزاج اور اختلاف عادات کی وجہ سے ماں باپ نے اسے الگ پٹک دیا تھا؟ یا انہیں پیار و محبت سے اپنے سینہ سے لگا کر ان اختلافات کو خوشی خوشی سہا تھا؟ ہاں بڑھاپے میں ماں باپ چڑچڑے ہو جاتے ہیں تو کبھی ایسی بھی بات کہہ دیتے ہیں جو اولاد کو ناگوار گذرے یا تکلیف پہنچائے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے خاص طور پر حکم دیا ہے کہ انہیں اُف تک نہ کہنا۔ کیا قرآن نے اولاد سے اس بات کی توقع کی ہے جو ماں باپ سے نہیں کی؟ کیا اولاد بچپن میں اپنے ماں باپ کو ہر قسم کا دکھ یا تکلیف نہیں پہنچاتی؟ مگر ماں باپ ہمیشہ معاف کرتے رہے کیا اُف تک نہیں کی۔ جب انہوں نے تمہاری ناواجب باتیں یا شرارتیں یا اذیتیں ساری عمر اُف کئے بغیر سہہ لیں تو اگر کبھی تمہیں بھی سہنی پڑیں تو کیا زیادتی ہوا؟ یاد رکھو کہ ماں باپ کی نیت کبھی بُری نہیں ہوتی۔ وہ غلطی پر ہو سکتے ہیں مگر وہ تمہارے ہر آن خیرخواہ ہوتے ہیں۔ میں نے چڑچڑے بچوں کو دن رات ضدیں کرتے اور ماں باپ کو اذیتیں پہنچاتے دیکھا ہے۔ تو بڑھاپے کو بھی تو تمہاری انگریزی زبان میں بچپن ثانی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی فرمایا ہے ومن نعمّره ننكسه فی الخلق۔

آجکل خاوند اپنی بیوی کے طعن وتشنیع اور لڑائی جھگڑوں سے تنگ آ کر اپنے ماں باپ کو علیٰحدہ کر دیتے ہیں یا انہیں چھوڑ کر گھر علیٰحدہ کر لیتے ہیں میں ایسے لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا جب وہ چھوٹے تھے تو ان کے ماں باپ نے کسی کے کہنے سننے یا جھگڑنے پر انہیں اپنے سے علیٰحدہ کر دیا تھا؟ اگر نہیں بلکہ وہ اولاد کی خاطر سب کچھ چھوڑ دینے پر راضی ہو جاتے ہیں تو آپ ان کو کیوں چھوڑتے ہو؟ اور اگر بہوئیں خاوند کو کہتی ہیں کہ میں نے تم سے شادی کی تھی۔ تمہارے ماں باپ سے نہیں تو میں ایسی بہوؤں سے کہتا ہوں کہ اگر تمہارے ماں باپ کو سنبھالنے والا کوئی نہ ہو۔ اور تم انہیں یا ان میں سے کسی کو جو اکیلا رہ گیا ہو اپنے پاس رکھنا چاہو اور تمہارا خاوند کہے کہ میں نے تم سے شادی کی تھی تمہارے ماں باپ سے نہیں تو کیا تمہارا دل خون نہ ہو

جائے گا؟ بوڑھوں پر خواہ ماں باپ ہوں یا ساس سسر رحم کرو۔ اگر انہیں سنبھالنے والا کوئی اور نہ ہو۔ میں جیسے آگے چل بتاؤں گا انہیں اکیلا چھوڑنا ان کے لئے سخت مصائب پیدا کر سکتا ہے بلکہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ مگر اس سے پہلے کچھ اور اعتراضات کا جواب دینا ضروری ہے۔

میں نے جنٹلمینوں کو کہتے سنا ہے کہ ماں باپ ہم کو اس دنیا میں لائے اس لئے ہمیں پالنا پوسنا ان کا فرض تھا۔ ہم پر کوئی احسان نہیں کرتے ایسی ناخلف اولاد کو ماں باپ اگر پیدا نہ ہونے دیتے تو بہتر ہوتا۔ نیست سے ہست کرنا بذات خود کتنا بڑا احسان ہے۔ یا پھر پیدائش کے بعد ماں ایسی اولاد کو مار دیتے تو اچھا ہوتا۔ اور بقول ان جنٹلمینوں کے اگر بالفرض انہیں پالنا پوسنا ماں باپ کا فرض تھا تو کاش ماں باپ بھی اپنا دل سخت کر کے صرف اتنا ہی کرتے۔ مگر کیا پالنے پوسنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ اپنی جان چھڑکی جائے جس طرح ماں باپ کرتے ہیں؟ یتیم خانوں میں بچے نہیں پالے جا سکتے؟ کیا یہ ضروری تھا کہ ماں باپ اپنا تمام مال اپنا تمام آرام اپنی تمام جائز ضروریات کو قربان کرتے؟ اور اگر ضرورت پڑے تو جان تک دینا کب ضروری تھا؟ کاش ان جنٹلمینوں کو سمجھ ہوتی کہ جو کچھ ماں باپ کرتے ہیں وہ صرف اپنا فرض ادا کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احسانوں کے بعد سب سے زیادہ احسانات ہیں؟ تو ھل جزاء الاحسان الا الاحسان؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ و بالوالدین احسانا۔ تم بھی احسان کا بدلہ احسان سے دو۔

جنٹلمین کہتے ہیں ہمارا اپنا گذارہ نہیں ہوتا ہم اپنے والدین کو پاس رکھ کر ان کے اخراجات کس طرح برداشت کر سکتے ہیں۔ میں ان جنٹلمینوں سے کہتا ہوں کہ کیا جب تم بچے تھے تو تمہارے ماں باپ نے کبھی اس کی پروا کی کہ ان کے اپنے گذارہ یا ضروریات کے لئے کچھ بچتا ہے یا نہیں بلکہ انہوں نے اپنا سب کچھ تم پر نچھاور کیا۔ خود بھوکے رہے مگر تمہارا پیٹ بھرا۔ خود ننگے رہے یا پھٹے پرانے کپڑوں میں مگر تمہیں پہنایا۔ تمہاری تعلیم اور تمہارے علاج کے لئے انہوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا بلکہ قرضے تک لئے۔ تو تم کیوں ان کے بارہ میں اپنا دل تنگ کرتے ہو؟ کیا اس سے بڑھ کر کوئی ناشکری ہو سکتی ہے؟

آج کل کے نوجوان کہتے ہیں کہ اچھا جی ہم اپنے ماں باپ کو کچھ خرچہ دیدیں گے مگر وہ رہیں علیحدہ۔ بلکہ یورپ اور امریکہ میں تو اب بوڑھوں کے لئے ادارے بن گئے ہیں جہاں انہیں خرچہ لے کر رکھا جاتا ہے۔ مگر کیا تمہارے ماں باپ نے کبھی یہ گوارا کیا کہ تم یتیم خانوں میں رہو مگر وہ تمہارا خرچہ دے دیں؟ تو تم آج کیوں ان کو بوڑھوں کے اداروں میں پھینکتے ہو؟ وہاں وہ محبت وہ نگہداشت وہ رفاقت کہاں ہوتی ہے جو گھروں میں ہوتی ہے؟ میں نے مشہور عالم انگریزی ماہوار رسالے ریڈرز ڈائجسٹ میں ایسے بوڑھوں کے اداروں میں داخل بوڑھے باپ یا ماں کے خطوط ایک دفعہ پڑھے کہ خیر ہمیں اولاد نے یہاں پھینکا تو ہمیں منظور ہے (ذرا ان کی قربانی دیکھئے) مگر ہماری اولاد کبھی آن کر ہم سے مل تو جایا کرے۔ اگر آ نہیں سکتے تو خط و کتابت کے ذریعہ ہی ہمیں اپنی خیر خیریت دیتی رہا کرے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا کیونکہ آج مغرب میں زندگی اتنی مصروف ہو گئی ہے کہ خاص طور پر جا کر باقاعدہ ملنا یا خط و کتابت رکھنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔ مگر دراصل جس سنگدلی کی وجہ سے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو ایسے اداروں میں پھینکا جاتا ہے وہ آہستہ آہستہ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والا معاملہ کر دیتا ہے، ماں باپ گھر میں ہوں تو وہ روزانہ اپنی اولاد کو دیکھ کر اور ان سے بات چیت کر کے اپنی آخری عمر کی گھڑیاں گذار سکتے ہیں۔ بوڑھوں کے اداروں میں وہ آہستہ آہستہ دل شکستہ ہو کر مالیخولیا اور دیگر دماغی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں بلکہ بعض وقت خودکشی تک کر لیتے ہیں۔ ایسی اولاد کی نفس پرستی اور ظلم پر جس قدر افسوس کیا جاوے کم ہے۔

اس رسالہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ ایسے بوڑھوں کے اداروں میں کوئی بیمار ہو جائے جو اکثر ہوتا ہے تو وہ نگہداشت یا نرسنگ یا غذا کا بندوبست جو گھر میں ہو سکتا ہے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور بوڑھے والدین اکثر مریض ہی رہتے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ نوجوان میاں بیوی اس سے بھی گھبراتے ہیں۔ مگر کیا ان کو یاد نہیں رہا کہ جب بچپن میں وہ بیمار ہوتے تھے تو ان کے ماں باپ تڑپ اٹھتے تھے۔ اپنے آرام اور نیند کو چھوڑ کر دن رات ایک کر دیتے تھے۔ ڈاکٹر، ادویات اور اگر ضرورت پڑے تو نرسنگ تک مہیا کرتے تھے۔ اور اپنا سب کچھ دے کر اولاد کی صحت برقرار رکھنے یا جان بچانے کی قربانی خوشی سے کرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر کوئی محسن کشی ہو سکتی ہے کہ بوڑھے ماں باپ کو ایسے اداروں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجانے دیا جائے مگر اولاد اپنے عیش و آرام میں کسی بات کو مخل نہ ہونے دے؟

ہمارے ہاں بوڑھوں کے لئے ابھی ایسے یتیم خانے تو نہیں بنے مگر نوجوان اولاد یہ ضرور کہتی ہے کہ بوڑھے ماں باپ کچھ رقم لے لیں مگر رہیں علیحدہ۔ یہ اکثر ماں باپ کے لئے کس قدر باعث عذاب بن سکتا ہے اس کا کسی کو اندازہ نہیں۔ ذرہ غور کریں کہ اب مکان یا فلیٹ اس قدر مہنگے ہو گئے ہیں کہ بوڑھے ماں باپ جو یا تو کوئی آمدنی رکھتے ہی نہیں یا پنشن پر ہوتے ہیں وہ کس طرح علیحدہ رہ سکتے ہیں؟ بالفرض اگر ان کا اپنا مکان بھی ہو تو بڑھاپے کی کمزوری اور بیماریوں میں وہ کس طرح نوکر کے بغیر گذارہ کر سکتے ہیں۔ مگر آج کل نوکر کس قدر مہنگے ہو گئے ہیں! بلکہ تھوڑے دنوں میں تو ملیں گے بھی نہیں۔ پھر نوکروں میں ایمانداری عنقا ہوتی جا رہی ہے سودے سلف میں لوٹنا عام ہے۔ اور بوڑھے مالک یا مالکہ کو ان کی کمزوری یا بیماری کا فائدہ اٹھا کر تمام دولت یا گھر کے سامان سے محروم کر کے غائب ہو جانا کس قدر عام ہوتا جا رہا ہے۔ بلکہ بوڑھے مالک یا مالکہ کو قتل کر کے سب کچھ نوکر لوٹ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ قتل اس لئے کرتے ہیں کہ کوئی مدعی یا گواہ نہ رہے۔

اس پر نوجوان اولاد یا ان کی بیویاں کہتی ہیں کہ تو کیا پھر ہم ان کے نوکر بن جائیں جبکہ ہمیں بھی تو نوکر نہیں ملتے۔ جی ہاں۔ جب آپ چھوٹے تھے تو کیا آپ کے والدین نے نوکروں کی طرح آپ کی خدمت نہیں کی تھی؟ انہوں نے کب اور نوکروں کی طرح آپ کی خدمت کے لئے اوقات مقرر کئے تھے یا ہفتہ وار چھٹی مانگی تھی۔ اب تو جہاں فلش (FLUSH) سسٹم ہے وہاں بھنگی پیشاب پاخانہ تک صاف کرنے سے منکر ہیں۔ مگر بیچاری ماں یا باپ آپ کی وہ خدمت بھی اُف کئے بغیر کرتے رہے۔ اور قے تک صاف کرتے اور گندے کپڑے دھوتے رہے۔ تو پھر آپ کی ماں باپ کی خدمت سے کیوں جان جاتی ہے۔ رسول اللہ صلعم عجیب حکمت کی باتیں بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے والدین کی خدمت کو جہاد بتایا ہے۔ یہ جہاد اولاد کا اپنے نفس سے ہے۔ وہ والدین کی خدمت کو بوجھ سمجھتے ہیں یا پسند نہیں کرتے تو فرمایا کہ اپنے نفس سے جہاد کرو جس طرح تمہارے ماں باپ نے اپنے نفس پر سب دکھ اٹھا کر تمہاری خدمت کی اللّٰھم صلّ علیٰ محمد و بارک وسلّم۔

ماں باپ کے علیحدہ رہنے میں صرف مکانوں کی مہنگائی یا نوکروں کا کالعدم ہونا ہی مشکلات نہیں۔ موٹر یا سواری رکھنا آج بھی کسی کے لئے ممکن نہیں جو صرف اپنی پنشن پر یا کسی دوسری قلیل آمدنی پر رہ رہا ہو۔ کیا بڈھے بڑھیا بسوں کے لئے گھنٹوں انتظار کریں یا پیدل خوار ہوتے پھریں جبکہ وہ ضعیف اور بیمار اکثر رہتے ہیں۔ بڑھاپے میں اکثر والدین کو اچانک سواری کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ مانا کہ آجکل اولاد بھی موٹریں خود ہی مجبوراً چلاتی ہے۔ تو کیا جب وہ چھوٹی تھی تو والدین نے اپنی سواری جیسی کیسی بھی تھی اس کے استعمال میں ہمیشہ

اپنی اولاد کو اپنے اوپر ترجیح نہیں دی تھی ؟

پھر آجکل چوری چکاری بلکہ ڈاکے اور قتل عام ہو گئے ہیں۔ کیا اپنے بوڑھے ماں باپ کو ان خطرات یا دکھوں یا ہلاکت میں ڈالو گے مگر اپنے عیش و آرام میں کوئی رخنہ پسند نہیں کرو گے ؟

آج کل ٹیکس کس قدر بڑھ گئے ہیں جو لوگ اپنے ماتحت عملہ کے ذریعہ انہیں ادا کرتے ہیں انہیں اندازہ نہیں کہ ٹیکسوں کی ادائیگی کس قدر کوفت کا باعث ہوتی ہے۔ مجھے ریٹائر ہونے کے بعد اور کوئی ماتحت عملہ نہ ہونے کی وجہ سے اب اس کا اندازہ ہوا ہے۔ سارا سارا دن دفتروں کے دھکے کھانے پڑتے ہیں۔ انکم ٹیکس یا ویلتھ ٹیکس یا دوسرے ٹیکس زیادہ لگ جائیں یا بجلی پانی گیس اور ٹیلیفون کے بل غلط آ جائیں تو انہیں ٹھیک کرانے میں انسان خوار ہوتا پھرتا ہے۔ ان ضروریات کے بل اگر صحیح بھی ہوں تو ادائیگی کے لئے دھوپ میں گھنٹوں کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ تو کیا اے نوجوانو کیا تم اپنے بوڑھے ماں باپ کو ان کی کمزوری اور بیماریوں کے باوجود علیحدہ رکھ کر انہیں دکھوں میں ڈالنا پسند کرو گے ؟ کیا تمہارے بچپن میں انہوں نے تمہارے سے ایسا سلوک کیا تھا؟ خدا کے آگے کیا جواب دو گے ؟

اپنے پاس رکھ بھی لیں تو نوجوان اولاد ماں باپ یا ساس سسر کے بڑھاپے یا کمزوری یا محتاجی کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر ان سے سختی سے بات کرتی یا انہیں جھڑک تک دیتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ولا تنھرھما یعنے ان سے سخت کلامی یا جھڑک کر بات نہ کرنا۔ بلکہ فرمایا کہ وقل لھما قولًا کریما۔ یعنے ان سے نرمی سے بات کرنا۔ والدین بچارے صرف میٹھے بول کے بھوکے ہوتے ہیں ان سے سخت کلامی کر کے ان کے دلوں کا خون نہ کرنا۔

اس کے بعد قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات میں ایک عجیب استعارہ استعمال کر کے بات کو سمجھایا ہے۔ فرمایا واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ۔ یعنے والدین کے آگے رحم کے ساتھ فرمانبرداری کا بازو جھکانا۔ جناح کے اصل معنے پرند کا بازو ہیں۔ تو قرآن نے یہ پرندہ کے بازوؤں کا استعارہ کیوں استعمال فرمایا ؟ غور کریں تو انسان کا دل حکمتِ الٰہی پر پھڑک اُٹھتا ہے۔ دوسرے تمام جانوروں کا بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی یا ذرہ سے توقف سے وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاتا ہے اور چل پھر سکتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ ماں باپ کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ مگر پرندوں کا معاملہ عجیب ہے۔ ان کے بچوں کے شروع میں کافی مدت تک بازوؤں کے پر نہیں ہوتے اور وہ بالکل ماں باپ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور ماں باپ بچارے سارا دن چوگا لا کر ان کا پیٹ بھرتے ہیں۔ خود بھوکے تک رہتے ہیں مگر بچوں کو کمی نہیں ہونے دیتے۔ مگر جہاں بچوں کے پر پرزے نکلے تو پھر وہ ایک سیکنڈ اپنے ماں باپ کے ساتھ نہیں رہتے بلکہ اُڈاری مار کر غائب ہو جاتے ہیں اور پھر کبھی اپنے ماں باپ کے پاس تک نہیں آتے۔ تو اس حکیم کتاب نے انسان کی اولاد کو فرمایا کہ تم پرندوں کی اولاد کی طرح بے وفائی اور نفس پرستی نہ دکھانا کہ جب خود محتاج تھے تو پرندوں کے بچوں کی طرح ماں باپ کی چونچ میں اپنا منہ ڈال کر اپنی ضروریات پوری کیں۔ مگر پھر جب تمہارے اپنے پر پُرزے نکل آئے تو پھر ماں باپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔

آگے فرمایا وقل رب ارحمھما کما ربّیٰنی صغیرا یعنے دُعا کیا کرو کہ اے میرے ربّ تو میرے والدین پر رحم کر جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے ہوتے پالا تھا۔ یعنے ماں باپ کے احسانات کو تم خود تو کبھی ادا کر سکتے نہیں۔ صرف ایک قدر دان اور قادر ذات ہے جو اس کا بدلہ ان کو کما حقہٗ دے سکتا ہے۔ اور وہ اللہ تبارک و تعالٰے ہے۔ اس سے اپنے والدین کے لئے اسی طرح رحم کی درخواست کرو جس طرح والدین نے اپنے رحم کی وجہ سے تمہیں پالا پوسا تھا۔ یاد کرو کہ والدین نے کس طرح تمہارے لئے رو رو کر دعائیں مانگی تھیں۔ تم بھی اپنی دعاؤں میں انہیں نہ بھولنا۔ اگر وہ فوت ہو گئے ہیں (جو اکثر صورت حال ہوتی ہے) تو ان کا معاملہ اب اللہ تعالٰے کے سپرد ہے۔ آنحضرت صلعم نے اس دعا کو یوں اپنی اُمّت کے لئے دیا۔ اللھم اغفرلی ولوالدیّ وارحمھما کما ربّیٰنی صغیرا۔ انسان کی دعا قبول ہونے میں سب سے بڑی روک دُعا کرنے والے کے گناہ یا خطائیں یا لغزشیں ہوتی ہیں۔ اس لئے رسول اللہ صلعم جیسے عارف اور حکیم انسان نے ہر معاملہ میں دُعا کے وقت پہلے اپنے لئے مغفرت سکھائی۔ پھر جس کے لئے دُعا کی جائے اس کی خطائیں یا گناہ بھی دُعا کی قبولیت میں روک ہو سکتے ہیں۔ آخر والدین بھی انسان تھے۔ تو اس لئے والدین کے لئے بھی مغفرت اس دعا میں مانگی پھر اللہ تعالٰے سے درخواست کی کہ جس طرح میرے والدین نے میری خطاؤں، کمزوریوں اور نالائقیوں سے درگذر کر کے مجھ پر رحم کیا اور احسانات سے میرا ذرہ ذرہ زیر بار کیا تو بھی ان سے درگذر فرما کر اپنے رحم کے صدقہ ان پر احسانات کی بارش فرما۔ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے کہ کسی انسان کے مرنے کے بعد دنیا کی دو چیزیں ہیں جو اسے پہنچ سکتی ہیں۔ اوّل تو کوئی صدقہ جاریہ جو اس نے کیا ہو اس کا ثواب۔ دوئم متوفی کے لئے دعائے مغفرت سوہم اپنے متوفی والدین کی خدمت میں جو ہم سے کوتاہیاں ہوئیں اس کی تلافی اسی طرح کر سکتے ہیں کہ ان کے لئے ہمیشہ دعائے مغفرت کریں۔

آخری بات جو قرآن کریم نے فرمائی وہ تو باطن کی کمال معرفت پر مبنی ہے فرمایا ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صٰلحین فانہ کان للاوابین غفورا۔ یعنے تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم اپنے دلوں کی اصلاح کرنے والے بنو تو اللہ تعالٰے تو ان کی جو اس کی طرف بار بار رجوع کریں مغفرت فرماتا ہے۔ کیا حکمت کی بات فرمائی ہے۔ اولاد کتنا بھی ماں باپ کی ظاہری عزت کرے یا اُن سے اچھا سلوک کرے مگر دل میں اکثر ماں باپ کی باتوں سے تنگی یا ناراضگی یا نفرت یا حقارت یا مخفی بغاوت پیدا ہوتی رہتی ہے تو فرمایا کہ تمہیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو اللہ تعالٰے تمہارے دلوں کے بھیدوں کو خوب جانتا ہے بلکہ وہ نہ صرف تمہارے سینے کے رازوں کو جانتا ہے بلکہ ان کے محرکات کو بھی جس کا شاید تمہیں احساس نہ ہو کہ تمہارے دلوں کے ایسے جذبات تمہاری تنگ دلی، نفس پرستی، اپنا عیش و آرام پرستی، اور احسان فراموشی کی وجہ سے ہیں اگر ایسے جذبات دل میں مخفی ہوں تو کبھی نہ کبھی وہ اُبھرتے ہیں اور اولاد سے ماں باپ کے بارہ میں بدسلوکی کرا دیتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ تمہارے دل میں اگر ایسے جذبات پیدا ہوں تو اللہ تعالٰے کی طرف بار بار رجوع کرو اور توبہ کرو تو وہ تمہارے دلوں کو آہستہ آہستہ پاک کر دے گا۔

مضمون بہت لمبا ہو گیا اس لئے بس کرتا ہوں۔ میری دُعا ہے کہ ہمارے نوجوان ان باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور ماں باپ سے حسنِ سلوک، اور ان کی خدمت میں جو اپنی مغفرت اور اجر ہے اور اس دنیا اور آخرت کی جنت ہے اس سے اہلِ مغرب کی طرح محروم نہ رہیں۔ آمین یا ربّ العٰلمین ؟

بقیہ وفات حکیم عبدالعزیز صاحب از صفحہ

آپ کافی عرصہ سے کمزور چلے آ رہے تھے۔ آپ ایک غیرتمند اور جانباز احمدی تھے اور ۱۹۳۷ء میں قادیانی خلیفہ سے حضرت شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب اور فخرالدین ملتانی مرحوم کی معیت میں علیحدگی اختیار کر کے جماعت احمدیہ لاہور میں شامل ہوئے تھے۔

خطبہ عید الاضحیٰ

مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۷۵ء بروز اتوار ۱۰ ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ

از:- حضرت مولانا شیخ عبد الرحمان مصری صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اذا ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماماً قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظالمین ۔

آج عید الاضحیٰ ہے یعنی قربانیوں کی عید کا دن ۔ لاکھوں جانوروں کا آج خون بہایا جاتا ہے جسے تمام مسلمان قربانی کا نام دیتے ہیں اور اسے اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کا ذریعہ یقین کرتے ہیں ۔ اسلام میں یہ ایک اہم عبادت قرار دی گئی ہے ۔

عبادتوں کی دو شکلیں

اسلام میں جس قدر بھی عبادات ہیں ان کی ایک ظاہری شکل ہوتی ہے اور ایک باطنی ۔ باطنی شکل اس سپرٹ یعنی روح کا نام ہوتا ہے جو اس کی تہہ میں کام کر رہی ہوتی ہے اور جس کا حاصل کرنا اس عبادت کی اصل غرض وغایت ہوتی ہے مثلاً نماز اسلام میں اہم عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے جس کی ظاہری شکل تو وہ ظاہری ارکان ہیں جو ظہور میں آتے ہیں لیکن اس کی باطنی شکل کا اظہار الصلوٰۃ معراج المؤمن کے الفاظ میں کیا گیا ہے یعنی روح صلوٰۃ کی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہر مؤمن روحانی طور پر ترقی پر ترقی کرتا چلا جائے اور کسی مقام پر ٹھیرے نہیں اور یہ کہ صفات الٰہیہ کو اپنے اندر جذب کرے اور اس کا کردار صفات الٰہیہ کا مظہر ہو ۔

قربانی کی دونوں شکلیں

پس اس قاعدہ کلیہ کے ماتحت قربانیوں کی بھی ایک ظاہری شکل ہے اور ایک باطنی شکل یعنی اس کی روح اور سپرٹ ۔ اللہ تعالےٰ نے سورہ حج رکوع ۵ میں ان دونوں شکلوں کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرما دیا ہے :-

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم

قربانی کی ظاہری و باطنی شکل ۔

ظاہری شکل یعنی جانوروں کے خون کا بہانا اور ان کے گوشت کو اپنے استعمال میں لانا ۔ اس کے متعلق تو صاف الفاظ میں فرما دیا کہ ذبح کئے جانے والے جانوروں کا خون اور ان کا گوشت ہرگز خدا کو نہیں پہنچے گا خدا تک جو چیز پہنچے گی وہ تمہاری طرف سے تقویٰ ہے اور یہی تقویٰ درحقیقت قربانی کی اصل روح ہے ۔

اصل روح تقویٰ ہے

جو ہر قربانی کرنے والے مومن کے دل میں کار فرما ہونی چاہیئے یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے کردار میں تقویٰ کی جھلک نظر آنی چاہیئے خود اس کو بھی اور دوسروں کو بھی یہ نظر آئے کہ اس کا ہر کام تقویٰ اللہ پر مبنی ہے تقویٰ ایک جامع لفظ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مؤمن کی ساری زندگی طاعت الٰہی کا پیکر ہو یعنی اس کی ساری زندگی الٰہی ہدایات کی تعمیل میں سر ہو رہی ہو یعنی جس طرح قربانی کا جانور اپنی جان دیتے ہوئے تمہاری چھری کے آگے چوں چرا نہیں کرتا ۔ اسی طرح تمہیں بھی اپنی جان کو خدا کی راہ میں لگاتے ہوئے اور اپنی حیوانیت کو ذبح کرتے ہوئے ذرہ بھر بھی ہچکچاہٹ کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے چنانچہ فرمایا :-

کذالک سخرھا لکم لتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم وبشر المحسنین ۔

یعنی ان جانوروں کو جس طرح ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اسی طرح تم بھی اپنے آپ کو خدا کے سامنے مسخر سمجھو اور ان جانوروں کی قربانی سے یہ سبق سیکھو کہ خدا نے ہر امر میں جو ہدایت تم کو دی ہے اس ہدایت کی پیروی میں خدا کی بڑائی اور کبریائی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کو بناؤ اور اس کو کلیتہً اسی کے سپرد کر دو اور اپنی زندگی کو اللہ تعالےٰ کے ان الفاظ

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم

کا مصداق قرار دیتے ہوئے اسے اس کے سپرد کر دو اور جو مومن اس روح کو اپنے اندر لئے ہوئے قربانی کریں گے ان کو بشارت دی جائے کہ انہوں نے قربانی کی اصل غرض وغایت کو پا لیا ۔

اس میں شک نہیں کہ جو مومن قربانی کی ظاہری شکل کو بھی محض اطاعت الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے اختیار کرتے ہیں وہ بھی اجر کے مستحق ہوتے ہیں لیکن اس کی روح کو اصل مقصد قرار دیتے ہوئے اور اس کے حصول کی تمنا دل میں رکھتے ہوئے اختیار کرتے ہیں وہ بلند سے بلند مدارج کو حاصل کرنے میں کامیابی سے ہم کنار ہوتے ہیں اور خدا کے بڑے بڑے انعاموں کے مستحق قرار دئے جاتے ہیں ۔

تقویٰ کے بغیر قربانی قبول نہیں ہوتی

قربانی کے سلسلہ میں تقویٰ کی اہمیت اس قدر ہے کہ اس کے بغیر وہ خدا کے ہاں قبول ہی نہیں ہوتی ۔ اللہ تعالےٰ نے اس حقیقت کو سورۃ المائدہ رکوع ۵ میں حضرت آدم کے دو بیٹوں کی مثال سے واضح کیا ہے ۔ فرماتا ہے :-

واتل علیھم نبا ابنی آدم بالحق اذ قربا قرباناً فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الآخر قال لاقتلنک قال انما یتقبل اللہ من المتقین ۔

لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کی خبر کو جو حق پر مبنی ہے پڑھ کر سنا دو جبکہ ان دونوں نے قربانی دی لیکن ان میں سے ایک کی قربانی خدا کے ہاں مقبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی جس کی قبول نہ ہوئی اس نے اپنے دوسرے بھائی کو (غصہ میں آکر) کہا میں ضرور تمہیں قتل کر دوں گا ۔ دوسرے بھائی نے جواب دیا کہ مجھے قتل کرنے کی ضرورت نہیں میرے قتل کرنے سے تو تمہاری قربانی قبولیت کا شرف حاصل نہیں کرے گی قبولیت کا شرف تو اسے اسی صورت میں حاصل ہوگا کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہو کیونکہ خدا تو صرف اسی قربانی کو قبول کرتا ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو یعنی وہ متقی کی ہی قربانی قبول کرتا ہے تم متقی بن کر قربانی کرو تمہاری قربانی بھی میری قربانی کی طرح قبول ہو جائے گی غصہ میں آنے کی کیا ضرورت ہے اپنے کردار کو بدل ڈالو خدا کے ہاں مقبول ہو جاؤ گے ۔ اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کا علم دونوں بھائیوں کو الہاماً ہی ہوا ہوگا کہ کس کی قربانی قبول ہوئی اور کس کی قبول نہیں ہوئی اور یہ الہام غالباً حضرت آدمؑ کو ہی ہوا ہوگا ۔

دوسری روح

دوسری روح قربانی کی یہ ہے کہ مومن اپنے تمام جذبات کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے اور جس چیز کی قربانی کا خدا یعنی اس کا دین تقاضا کرے خواہ وہ کتنی ہی قیمتی اور کتنی ہی عزیز ہو اسے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے دل کی خوشی سے قربان کر دینے کے لئے تیار ہو جائے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کی مثال سے اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے جیسا کہ فرمایا :-

اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین ۔

جب ابراہیم کو اس کے رب نے اسے کہا کہ فرمانبردار ہو جاؤ تو ابراہیم نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میں آپ کا فرمانبردار ہوں بلکہ یہ کہا کہ میں تو رب العالمین کا فرمانبردار ہی ہوں یعنی رب العالمین کے لفظ میں فرمانبرداری کی وجہ بھی بیان کردی کہ تو جب کہ ذرہ ذرہ کا رب ہے تیری فرمانبرداری نہیں کریں گے تو کس کی کریں گے۔

حج کے ایام میں لبیک کی حقیقت

حج کے ایام میں جو اللھم لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک کا نعرہ بار بار بلند کیا جاتا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اے اللہ تو نے ہم کو بلایا ہے ہم حاضر ہو گئے ہیں فرمائیے کیا ارشاد ہے ہم تعمیل کے لئے حاضر ہیں یہی بنیاد ہے التقویٰ کی حقیقت ہے جس کا عملاً زبان سے اقرار کیا جاتا ہے اس کے بعد اگر مومن خدا کے احکام کو بجا لانے سے کوتاہی سے کام لیتا ہے یا ان کو پس پشت ڈالتا ہے تو وہ سمجھ لے کہ اس نے ان الفاظ کے کہنے میں محض ایک رسم کو ادا کیا ہے روح اس کے مدنظر ہرگز نہیں تھی۔

حضرت ابراہیمؑ اور انکی بیوی اور انکے لڑکے کی مثال

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس سلسلہ میں تین اشخاص کی مثال کو مسلمانوں کے لئے بطور نمونہ کے پیش کر رہا ہے۔ ایک شخص تو حضرت ابراہیمؑ ہیں دوسرے ان کی اہلیہ محترمہ حضرت حاجرہؑ اور تیسرے ان کا لڑکا اسماعیل ہے۔

جس آیت کریمہ کی میں نے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ان آزمائشوں کا ذکر فرمایا ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے ایمان اور ان کی استقامت اور ان کے تعلق باللہ کو آزمایا ہے۔ فرمایا اے مومنو! ہمیشہ یاد رکھو اس امر کو جب کہ ابراہیمؑ کی آزمائش کو اس کے رب نے چند باتوں سے کی حضرت ابراہیمؑ نے ان تمام باتوں کو اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق پوری طرح پورا کر دیا۔

پہلی آزمائش

پہلی آزمائش تو ان کو وہ پیش آئی جس کا تعلق ان کی قوم اور حکومت سے تھا وہ توحید الٰہی اور حق و صداقت کی اپنی قوم اور اپنے وقت کی حکومت کو دعوت دینے میں مشغول تھے دلائل سے انہوں نے اپنی قوم کو بھی اور اپنی حکومت کو بھی ان کے عقائد اور ان کے عمل کی غلطی کو نہ صرف واضح کر دیا بلکہ ان کو قائل بھی کر دیا مگر نہ قوم نے سر تسلیم خم کیا اور نہ حکومت ہی اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہوئی بلکہ الٹا اس کے ہلاک کرنے کے درپے ہو گئے چنانچہ ان کے دلائل کے سامنے عاجز آ کر بجائے انہیں قبول کرنے کے یہ کہا:۔

فما کان جواب قومہ الا ان قالوا اقتلوہ او حرقوہ فانجاہ الله من النار ان فی ذالک لایات لقوم یؤمنون ه

مزید وضاحت ان کے جواب کی سورہ الانبیاء رکوع ۵ میں فرمائی۔

قالوا حرقوہ و انصروا الھتکم ان کنتم فاعلین قلنا یا نارکونی بردا وسلاما علی ابراھیم وارادوا بہ کیدا فجعلناھم الاخسرین ہ

چنانچہ آگ میں جلانے کی تعمیل میں قوم کو حکم ہوتا ہے۔

ابنوالہ بنیانا فالقوہ فی الجحیم فارادوا بہ کیدا فجعلناھم الاسفلین

یہ آزمائش کوئی معمولی آزمائش نہ تھی۔ آگ میں ڈالنا دل کو ہلا دینے والی دھمکی تھی مگر حضرت ابراہیمؑ نے اس کو کامیابی سے برداشت کیا اور ان کے قدم استقامت میں ذرہ بھر بھی لغزش نہیں آئی۔

ایک ضمنی بات

ایک آریہ نے اس پر اعتراض کیا کہ آگ اپنی طبعی خاصیت جلانے کی کس طرح چھوڑ سکتی ہے تو ہمارے امام نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم خود تو آگ میں نہیں کودے تھے ان کو اس میں ڈال دیا گیا تھا مجھے بھی ڈال کر دیکھ لو کہ کیا آگ ٹھنڈی ہوتی ہے یا نہیں۔ حضور کو ظاہری آگ میں تو کسی نے نہیں ڈالا لیکن نہایت ہی سنگین مقدمات کی آگ میں ڈالا مگر اللہ تعالیٰ کی بشارتوں کے ماتحت ہر آگ ٹھنڈی ہی ہوتی رہی۔ اور حضور باعزت صحیح سلامت اس سے نکلتے رہے۔

ہمارے امام کے خلاف محاذ

جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو گرانے اور ان کے مشن کو تباہ و برباد کرنے کے لئے قوم اور حکومت وقت نے متحدہ محاذ بنایا تھا ٹھیک اسی طرح ہمارے امام کے خلاف بھی اس وقت یہ متحدہ محاذ بنایا گیا ہے اور اس کے مشن کو جو محض اسلام کی حمایت اور اس کی سربلندی کے لئے وجود میں لایا گیا اور جس کی غرض و غایت صرف ایک ہی ہے کہ دنیا میں اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر کے دکھلایا جانے اور ایسے لوگ تیار کئے جائیں جو خدمت اسلام میں ہمہ تن مصروف ہو جائیں اور اس کے سوا ان کی زندگی کی اور کوئی غرض نہ ہو ان کے اس مشن کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جانے اور اس میں شک نہیں کہ ظاہری اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور یہ جو چاہیں حضورؑ کے مشن سے کر سکتے ہیں مگر انہیں یاد رہے کہ ابرھہ نے جب بیت اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے مکہ پر حملہ کیا تھا اور اس اثناء میں عبدالمطلب سے اس کی گفتگو ہوئی اور رخصت اس نے کہا تھا کہ اپنا جو مطلب آپ مجھ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں مانگ لیں تو عبدالمطلب نے جواب میں کہا کہ میرے اونٹ آپ کے آدمیوں نے پکڑ لئے ہیں وہ مجھے دلوا دیں تو اس نے بڑی حیرت سے عبدالمطلب کو کہا کہ میں تو آپ کو بڑا عقل مند یقین کرتا تھا یہ کیا ادنیٰ چیز کا آپ نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے میں آپ کے بیت اللہ کو گرانے کے لئے آیا ہوں اور آپ اپنے چند اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں تو عبدالمطلب نے کیا ہی ایمان افروز جواب دیا میں تو صرف ان اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی کوئی مالک ہے کیا اس کو اپنے گھر کی حفاظت کی فکر نہیں۔ اگر فی الحقیقت یہ اس کا گھر ہے جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں تو وہ لامحالہ اس کی حفاظت کرے گا ہم تو کمزور ہیں ہم تمہارا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں لیکن وہ تو طاقت ور ہستی ہے۔ اس کے گھر کو کون گرا سکتا ہے اور اگر یہ فی الحقیقت اس کا گھر نہیں ہمارا یہ خیال کہ یہ اس کا گھر ہے محض خوش عقیدگی پر مبنی ہے تو ہمیں اس کے لئے جانیں قربان کرنے کی کیا ضرورت ہے چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا کہ خدا نے اپنے گھر کی حفاظت کرتے ہوئے ابرھہ اور اس کے سارے لشکر کو تباہ کر دیا سو ہم بھی کہتے ہیں کہ اگر حضرت مرزا صاحب جیسا کہ ہم یقین کرتے ہیں فی الحقیقت خدا کے مامور ہیں تو گو ہم اس کی حمایت کرنے سے عاجز ہیں لیکن وہ خدا جس کے وہ مامور ہیں وہ تو عاجز نہیں اس نے اپنے اس مامور کو بشارت دی ہوئی ہے کہ دنیا میں ایک نذیر آیا اور دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ اس سے قبل خدا کا ایک زبردست حملہ طاعون کی شکل میں ظاہر ہو چکا ہے جس کے متعلق یہ وعدہ الٰہی تھا کہ یہ حملہ دور نہیں ہو گا جب تک کافی تعداد مخالفوں کی احمدیت میں داخل نہ ہو جائے گی چنانچہ یہ واقعہ ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ طاعون دور نہ ہوئی جب تک لوگوں کو یقین نہ ہو گیا کہ یہ حضرت مرزا صاحب کی مخالفت کی وجہ سے حملہ آور ہوئی ہے پس لوگ جوق در جوق احمدی ہونے شروع ہو گئے اور ہزاروں لوگ حضور کی بیعت میں داخل ہو گئے اب پھر کسی زور دار حملہ کی ضرورت پیش آئی ہے۔

حملہ کی دو شکلیں

خدا تعالیٰ کا زور دار حملہ دو میں سے ایک شکل اختیار کر سکتا ہے یا تو رحمت کی شکل اختیار کر سکتا ہے یعنی دلوں پر ایسا تصرف کرے کہ ساری قوم بول اٹھے کہ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے والے آئین کو واپس لیا جائے اور یا پھر قہر الٰہی کی شکل اختیار کرے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ کون سی شکل اپنے زور آور حملہ کو دے گا۔ بہرحال یہ حالت اسی طرح عارضی ثابت ہو گی جس طرح حجر اسود کا اٹھایا جانا عارضی ثابت ہوا تھا۔

قرامطہ کا حجر اسود کا لے جانا

خدا تعالیٰ کی طرف سے بیت اللہ کی حفاظت کا وعدہ یقینی تھا اور حج کے ارکان میں حجر اسود کو بوسہ دینا بھی شامل تھا لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ قرامطہ حجر اسود کو مکہ سے اٹھا کر لے گئے تھے اور وہ ایک عرصہ تک انہی کے قبضہ میں رہا اور اس عرصہ میں حج بغیر حجر اسود کو بوسہ دیئے ہی ادا ہوتا رہا پس حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف موجودہ حالت بھی انشاء اللہ عارضی ہی ثابت ہو گی جس طرح حجر اسود کا بیت اللہ سے نکلا رہنا آخر عارضی ہی ثابت ہوا اور آخر وہ پھر اپنی اصلی جگہ پر آگیا۔ اسی طرح حضور کے مشن پر یہ حملہ بھی عارضی ہی ثابت ہو گا انشاء اللہ وہ وقت بھی ضرور آئے گا کہ تمام مسلمان بھائیوں کی طرح ایک دوسرے سے بغل گیر ہونگے خداوہ وقت جلد لائے۔ آمین

دوسری آزمائش

دوسرا کلمہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی استقامت کو آزمایا۔ یہ تھا کہ ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ اپنی بیوی اور دودھ پیتے بچے کو ایسی وادی میں چھوڑ آئیں جہاں نہ کوئی آبادی ہے نہ نزدیک اور دور کسی انسان کا وجود پایا جاتا ہے نہ وہاں کھانے کی کوئی چیز ہے نہ پینے کے لئے پانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وادی کو خود وادیٔ غیر ذی زرع کا نام دیا ہے۔ اب یہ آزمائش صرف حضرت ابراہیمؑ کی ہی آزمائش نہیں تھی بلکہ ان کی اہلیہ محترمہ کی بھی آزمائش تھی۔ اس آزمائش میں دونوں کامیابی کے ساتھ پورے اترتے ہیں جب حضرت ابراہیم کو اپنی رفیقہ حیات اور دودھ پیتے بچے کو اس ویرانے میں چھوڑ کر رخصت ہونے لگے تو بیوی نے پوچھا کہ کس کے حکم سے ہمیں یہاں چھوڑ چلے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ خدا کے حکم سے تو اس پاکباز بیوی نے ایمان سے لبریز لہجہ میں کہا اذًا لا یضیعنا یعنی تب ہمیں خدا ضائع نہیں کرے گا کیا یہ الفاظ ان کے خدا پر قوی ایمان کی غمازی نہیں کر رہے۔ کر رہے ہیں اور یقیناً کر رہے ہیں۔ بچہ جب پیاس سے تڑپ رہا ہوتا ہے تو وہ پانی کی تلاش میں کبھی صفا کی پہاڑی پر چڑھتی ہیں اور کبھی مروہ کی پہاڑی پر کہ شاید دور سے کہیں پانی نظر آجائے اور خدا نے ان دونوں پہاڑیوں کو شعائر میں داخل کر دیا ہے اور ان کی سعی کو حج کا جزو قرار دیا ہے۔

یہ عمل ان کا کس امر پر دال ہے

یہ عمل اس تقویٰ شعار خاتون کا اس پر دال ہے کہ خدا کے وعدوں کی موجودگی میں بھی اسباب کی تلاش میں لگ جانا اور ان کو عمل میں لانا توکل کے منافی نہیں۔ بہر حال خدا نے معجزانہ طور پر پانی پیدا کر دیا جو آج تک ختم ہونے میں نہیں آتا اور اس کے ذریعہ اس نے آبادی کے بھی سامان کر دیئے اور کھانے کی اشیاء بھی مہیا کر دیں بہرحال وہاں اس ایک ہی ذریعہ سے شہر آباد ہو گیا۔

تیسری آزمائش

یہ بچہ جب اس عمر کو پہنچتا ہے کہ بوڑھے باپ کا اس کے کاموں میں ہاتھ بٹا سکے تو حضرت ابراہیمؑ کو ایک خواب آتی ہے جس کے متعلق قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں۔ قوم سے مایوس ہو کر جس طرح حضرت نبی کریم صلعم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی ٹھیک اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے کہا وقال انی ذاھب الی ربی سیھدین انہوں نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں وہ کامیابی کی راہ کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا رب ھب لی من الصالحین یعنی اے میرے رب مجھے صالحین کی جماعت عطا فرما چنانچہ جس طرح حضرت نبی کریم صلعم کو مدینہ میں صالحین کی جماعت مل گئی اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کو بھی ان کے دعا کے نتیجہ میں صالحین کی جماعت مل گئی۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک لڑکے کی بھی بشارت دی فرماتا ہے فبشرناہ بغلام حلیم یعنی ہم نے اسے ایک ایسے لڑکے کی بشارت دی جو بردبار منکسر المزاج اور وافر عقل کے زیور سے آراستہ تھا فلما بلغ معہ السعی پس جب یہ لڑکا اس عمر کو پہنچ گیا کہ بوڑھے باپ کے کاموں میں اس کا مددگار ثابت ہو تو آپ اس بیٹے کو مخاطب کر کے [illegible] یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک [illegible] بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔

منام کی حقیقت

منام یعنی خواب کبھی تو اسی طرح پوری ہوتی ہے جس طرح دیکھی جاتی ہے اور کبھی وہ تعبیر کے ذریعہ پوری ہوتی ہے۔ اب حضرت ابراہیمؑ اپنے خواب کی تعبیر کی طرف متوجہ ہو کر اس تعبیر کو عمل میں لاسکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، کیوں نہیں کیا انہوں نے ایسا محض اس لئے نہیں کیا کہ ان کا خیال تھا کہ ممکن ہے خدا کا منشا یہ ہو کہ اس خواب کو اسی شکل میں پورا کیا جائے جس شکل میں دکھلایا گیا ہے اور میں تعبیر کو عمل میں لا کر خدا کے منشا کے خلاف کر بیٹھوں اور خدا کی ناراضگی کو مول لے لوں بہتر یہی ہے کہ جس شکل میں خواب دیکھی گئی ہے اسی شکل میں اسے پورا کروں ممکن ہے خدا کی آزمائش کا منشا یہی ہو اور میں اس کو اصل شکل میں پورا نہ کر کے آزمائش میں ناکامیاب ہو جاؤں اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ تقویٰ اور اطاعت الٰہی کے کس قدر بلند ترین مقام پر پہنچے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے منشا کے خلاف احتمال کو قریب بھی نہ آنے دیتے تھے۔ اس راہ کو فوراً ترک کر دینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے جو ذرہ بھر بھی الٰہی حکم کو عملی جامہ پہنانے میں روک بن سکے۔

بیٹے کا جواب

چونکہ اس خواب کا تعلق بیٹے سے بھی تھا اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس کی رائے کا لینا بھی ضروری تھا اس لئے بیٹے کو اپنا خواب بتلا کر اسے کہتے ہیں بیٹا فانظر ماذا تریٰ اس پر اچھی طرح غور کر لو اور بعد غور اپنی رائے سے آگاہ کرو۔ بیٹا جس کو باپ کی نبوت پر یقین کامل تھا فی الفور جواب دیتا ہے قال یا ابت افعل ما تؤمر اے میرے باپ جو حکم آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے اس کو فوراً عملی جامہ پہنا دو میری رائے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین مجھے آپ صابر پائیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ آزمائش حضرت ابراہیمؑ کی ہی نہ تھی بلکہ ان کا بیٹا اسماعیل بھی اس آزمائش میں شریک تھا چنانچہ دونوں اس آزمائش میں پورے اترتے ہیں چنانچہ ان کے کامیاب ہونے کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے فلما اسلما وتلہ للجبین یعنی جب باپ اور بیٹے دونوں نے اطاعت الٰہی کا کامل نمونہ پیش کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا ونادیناہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرؤیا تو پیشتر اس کے کہ باپ بیٹے کے گلے پر چھری چلاوے ہم نے ابراہیمؑ کو آواز دی کہ اے ابراہیمؑ تو نے اپنی خواب کو کامل طور پر پورا کر دیا انا کذالک نجزی المحسنین ہم اپنے حکم کو اس خوبی کے ساتھ بجا لانے والوں کو جزا بھی ایسی ہی خوبی والی دیا کرتے ہیں ان ھٰذا لھو البلاء المبین یقیناً یہ آزمائش جس سے ابراہیمؑ ان کی بیوی اور ان کے بیٹے کو خدا کی طرف سے آزمایا گیا ایسی آزمائش تھیں جو حقیقی خدا کے شیدائی اور بناوٹی مدعی عشق کو الگ الگ کر دینے والی تھیں اور کھلا کھلا انعام الٰہی کو حاصل کروانے والی بھی تھیں وفدیناہ بذبح عظیم چنانچہ اس کا فدیہ ہم نے ایسے ذبیحہ کی شکل میں دیا جو رہتی دنیا تک بطور یادگار رہے گا روایت ہے کہ وہاں ایک مینڈھا نمودار ہو گیا جسے ذبح کر دیا گیا اگر ایسا ہوا ہو تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ وترکنا علیہ فی الآخرین اور یہ آنے والی نسلوں میں اس یادگار کو ان کے نمونہ کی اطاعت الٰہی کو بطور نشان کے باقی رہنے دیا سلام علیٰ ابراھیم ابراہیم پر ہمیشہ سلامتی کی بارش ہوتی رہے گی کذالک نجزی المحسنین ہم ایسی ہی جزا اپنے کامل اطاعت گذاروں کو دیا کرتے ہیں۔

انہ من عبادنا المؤمنین

یعنی ابراہیم ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ (باقی بر صفحہ ۲۰ کالم ۲)

مکرم چوہدری فضل داد صاحب گجرات

غیر از جماعت اصحاب سے شمولیت جلسہ سالانہ کی دردمندانہ درخواست

جماعت احمدیہ لاہور کے مقاصد عالیہ ○ غیر مسلموں میں تعلیم اسلام کی اشاعت اور مسلمان معاشرہ کی اندرونی اصلاح

برادرانِ اسلام! السلام علیکم!

میں اپنے مضمون میں تصویر کے دو رُخ رکھتا ہوں اور آپ حضرات سے نہایت ادب سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ خدا را اس مضمون پر جذبات سے بلند ہو کر تعصب کی عینک اتار کر ان واقعات پر جو حقیقت پر مبنی ہیں غور و فکر کریں۔

احمدی بھائیوں سے استدعا ہے کہ وہ امسال کے اجتماع میں شامل ہونے کے لئے اپنے تمام جائز وسائل کام میں لائیں اپنے عزیزوں دوستوں کو ہمراہ لائیں تاکہ انجمن کی کارگذاری جو کہ وہ اشاعتِ اسلام، اشاعتِ قرآن کے لئے کر رہی ہے اپنی آنکھوں سے خود مشاہدہ کر لیں۔

برادرانِ اسلام تصویر کا ایک رُخ یہ ہے

پاکستان کی موجودہ حالت کا نقشہ سامنے لائیے۔ آپ کراچی سے پشاور لاہور سے کوئٹہ جہاں چلے جائیں سفر میں، حضر میں، شہروں میں، دیہاتوں میں دفتروں میں بازاروں میں، محفلوں میں گھروں میں، سڑکوں پر، کسی جگہ چلے جائیے۔ کسی سے بات کیجئے۔ آپ کو بالعموم ہر شخص نالاں، گریاں دکھائی دے گا۔

علیحدگی کی گھڑیوں میں اپنے موجودہ معاشرہ کو نظر میں لائیے۔ اخبارات میں لرزہ خیز، اندوہ ناک، حوصلہ شکن واقعات کی خبریں آتی ہیں۔

یہ اس قوم کا حال ہے، جو اسلام کی مدعی ہے

رشوت، ملاوٹ، سمگلنگ، قتل و غارت، ڈاکہ زنی، مسلمان مسلمان کو قتل کر رہا ہے۔ علماء کا حال دیکھئے لیڈرانِ قوم کی زندگی پر نظر ڈالئے۔ اپنے اپنے شہر پر نظر رکھئے۔ دُور نہ جائیے، اپنے گریبان میں نظر ڈالئے اور خدا لگتی کہئے کہ آپ کی نظر میں کتنے افراد آپ کو ایسے ملیں گے جن کے قول اور فعل میں یکسانیت ہو گی اور کتنے ایسے ہوں گے جن کے عمل اور فعل میں تضاد ہو گا۔

یاد رکھئے جو قوم معاشرہ میں اخلاقی ناہمواریاں پیدا کرتی ہے۔ ان میں رشوت عام ہو جاتی ہے جتنی اقدامات اس قدر کمزور اور ناقص ہو جاتے ہیں کہ وہ ارضی و سماوی حادثات کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔

(i) مسجد اقصیٰ کی آتش زدگی کا قیامت خیز واقعہ آیا اور گذر گیا۔

(ii) مسلمانوں کی آبادی ایک اندازہ کے مطابق ساٹھ کروڑ سے اوپر ہے۔ یہودی قوم کی آبادی صرف ڈیڑھ کروڑ ضلع لاہور کی آبادی کے برابر۔

—— کیا یہ سوال قابل توجہ اور قابل غور و فکر نہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ کیا ہُوا اور کیوں —— ؟

(iii) ایک مسلم قوم کی عیاشیاں۔ ملاحظہ ہو طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۶۹ء"

(i) ۳۶ کروڑ کا پان چبا کر تھوک دیتی ہے۔

(ii) سو کروڑ کا سگریٹ پھونک دیتی ہے۔

(iii) چار کروڑ کے مشروبات حلق میں انڈیل دیتی ہے۔

ہمارا افسوسناک طرزِ عمل

پاکستان اس وقت جن کٹھن اور نازک حالات سے گزر رہا ہے جن حوصلہ شکن حالات کا مقابلہ درپیش ہے۔ اس کا شدید تقاضا یہ ہے کہ نفرت، ذاتی رنجشوں کو قومی مفاد پر قربان کر دینا چاہیئے اور اتحاد، اتفاق کی طرف قدم اٹھانے میں سبقت کرنی چاہیئے اور نماز تہجد میں اپنی کمزوریاں لغزشوں ناکامیوں کو نگاہ میں رکھ کر بارگاہِ صمد میں گڑگڑانا چاہیئے کہ مولا کریم ہمارے دلوں کو کینہ سے پاک و صاف کرے تاکہ ہم سیسہ پلائی دیوار کی طرح مکار دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔

تصویر کا دوسرا رُخ

ماہِ رواں کی ۲۵ر تا ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۵ء کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا سالانہ جلسہ " ۵ر عثمان بلاک۔ دارالسلام۔ نیو گارڈن ٹاؤن متصل نیو کیمپس میں منعقد ہو رہا ہے جس میں شمولیت کے لئے پاکستان کے دُور دراز علاقوں کے احمدی احباب اس ہوشربا گرانی کی موجودگی میں سخت سردی کے ایام میں سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے خوش دلی سے اس مبارک اجتماع میں شمولیت کے لئے بے قرار ہیں۔

—— حضرت مسیح موعودؑ نے اس جلسہ کی اغراض یہ بیان فرمائی ہیں کہ بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام اور باہمی جماعتی تعلقات اخوت و محبت میں اضافہ کی خاطر تجاویز سوچنا۔ یہ اجتماع دیگر اجتماعات کی مانند نہ تو کوئی سیاسی اغراض رکھتا ہے اور نہ ہی کوئی میلہ یا عرس ہے بلکہ خالصتہً دینی اور اسلامی مقاصد کی اہمیت کا حامل ہے۔

غیر احمدی حضرات کے غور کے قابل

—— کیا کبھی غیر احمدی دوستوں نے اس نہایت اہم مرکزی نقطہ کی طرف توجہ دی کہ اس جوش اور جنون اور سرفروشی اور قومی ولولہ کی کیا وجہ ہے۔

—— آئیے اس کا مختصر حال سنیئے اور ان کی قربانی، جرأت ایمانی اور ولولہ کی قدر کیجئے۔ یہ مسیح موعودؑ مجدد وقت کی سرفروش جماعت ہے جنہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا ہوا ہے اپنی آمدنیوں میں سے باقاعدہ ماہوار چندہ خوش دلی سے ادا کرتی ہے۔ اس جماعت کو ملک کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں۔ ان کا کام صرف اور صرف اشاعتِ اسلام و اشاعت قرآن ہے اور خلاف مذہب اسلام، غلط فہمیوں کا دُور کرنا۔ قرآن مجید کا یورپین زبانوں میں تراجم کرانا سابق علمائے مصر کا یہ مذہب رہا کہ قرآن مجید کا کسی زبان میں ترجمہ نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ مذہب بالبداہت غلط ہے اس کو کسی دلیل کی تائید حاصل نہیں۔ قرآن مجید مسلّم طور پر تمام اقوام عالم کے لئے ہے اور رسول اکرم صلعم تمام قوموں کے لئے رسول!

تراجم کی تفصیل :- انگریزی ترجمہ ۱۹۱۷ء - ڈچ ترجمہ ۱۹۳۵ - جرمن ترجمہ ۱۹۳۴ ان کے علاوہ گورمکھی۔ کھالی۔ سندھی اور بنگالی میں تراجم ہو چکے ہیں۔

— غیر ممالک میں تبلیغ کے لئے مبلغین کا تیار کرنا اور بھیجنا اور غیر مسلموں کو اسلامی تعلیم سے واقف کرانا اور مسلمان بنانا ۔ اس وقت اس جماعت کی مساعی جمیلہ سے ہزاروں عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں جن کے نام پتے وقتاً فوقتاً اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں ۔

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولا سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
(مسیح موعودؑ)

اے دلِ بیتاب روتا ہے کیا — آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

— ستمبر ۱۹۷۴ء کو موجودہ گورنمنٹ نے ایسی قوم کو جس کا اوڑھنا بچھونا اسلام ہے غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا ۔

میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ حکومتِ وقت نے ایسا کیوں کیا ؟ کس سیاسی دباؤ اور حالات کے ماتحت کیا ۔

آیا اس قانونِ حکومت کو قرآن مجید اور حدیث کی تائید حاصل ہے کہ نہیں ۔

موجودہ مسلمانوں سے بالعموم اور لاہور والوں سے بالخصوص استدعا

شنیدہ کے مانند دیدہ

لاہوری مسلمان بھائیوں سے میری دلسوزی سے استدعا ہے کہ وہ جلسہ کے ایام میں بذاتِ خود تشریف لائیں اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں کہ ہماری مسجد کا رُخ کعبہ کی طرف ہے یا کسی دوسری طرف ۔ ہماری اذان ، ہماری نمازیں وہی ہیں جو عام مسلمانوں کی ہیں ۔ ہماری تہجد کی نماز میں وہی دل سوزی ، گریہ زاری اور رقتِ قلب ہے جس سے پتھر جیسے دل بھی نرم ہو جاتے اور آج سے تیرہ سو سال پہلے کے زمانہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے ۔ ان کے علاوہ اس قوم کی قربانی ، ایثار ، جوشِ ایمانی جو کہ محض رضائے الٰہی کی خوشنودی اور اشاعت اسلام کے لئے وقف ہے ۔ کوئی نفسانی خواہش نہیں ۔ اور یہ ایثار قابلِ قدر ہی نہیں ، قابلِ رشک ہے

— میں نے تصویر کے دونوں رُخ آپ کے سامنے رکھ دئیے ہیں ۔ اب فیصلہ کرنا آپ کے ذمہ ہے ۔

کیا ایسی جماعت کو جس کا اوڑھنا بچھونا اشاعتِ اسلام ہے اس کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دینا قرآن اور حدیث کی صریح خلاف ورزی نہیں ؟ اور سراسر نا انصافی ہے ۔

آپ بھائی عرصہ سے ہمیں کافر کہہ رہے ہیں لیکن ہمارے عزائم میں ذرہ بھر فرق نہیں پڑا بلکہ ہمارا قدم دن بدن تیزی سے رواں دواں ہے ۔

جب کھل گئی حقیقت پھر اس کو مان لینا
نیکوں کی ہے یہ خصلت راہِ حیا یہی ہے — (مسیح موعودؑ)

مولانا حالی مرحوم و مغفور نے یوں فرمایا ہے ۔

شیخ ۔ عیار ۔ زاہد پُرفن ، مولوی عقل کے سارے دشمن
پیاز کی طرح پوست ہی پوست ، قوم کے دوست مگر نادان دوست
سارے آوے کو ٹٹول جا کر ، کوئی برتن نہ سڈول آیا نظر !

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے ہم بھی کوئی بےکار نہیں ہیں — (شبلی مرحوم)

درکار اگر ہے زادِ راہِ عقبےٰ — سب چھوڑ کے دنیا سے اٹھا لے دل کو

کیا کیا دنیا سے صاحبِ مال گئے — دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہنچا کے لحد تک پھر آئے سب دوست — ہمراہ اگر گئے ، اعمال گئے ۔
(انیس)

اس مختصر زندگی کو پروردگارِ عالم کا عطیہ خیال کرتے ہوئے نیکی ، شرافت مخلوقِ خدا کی فلاح و بہبود میں لگائیں ۔ کون جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا اس لئے ہر آن ہر لمحہ ضائع کئے بغیر اس کو مخلوقِ خدا کی خدمت میں صرف کیجئے ۔

اے بے خبر بہ خدمتِ قرآں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نہ ماند

یہی تدبیر ہے پیارو ۔ کہ مانگو اس سے قربت کو
اسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو ۔ جلا دو سب کمندوں کو
(مسیح موعودؑ)

خطبہ عید الاضحیٰ ۔ (بسلسلہ صفحہ ۱۸)

ظاہری قربانی کی غرض

پس اے مومنو ! مومن بننے کا نمونہ دیکھنا ہے تو حضرت ابراہیمؑ اور ان کے لڑکے اور ان کی اہلیہ محترمہ کو دیکھ لیں پس اپنے اندر اطاعت الٰہی کا ایسا ہی جذبہ پیدا کرو قربانی کی اصل غرض کو سمجھنے کی کوشش کرو جس کی یادگار میں اس کو جاری کیا گیا ہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ خدا کی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے حتیٰ کہ بیٹے کو بھی قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے تم بھی اے مومنو ! اپنی اولاد کو دین کی اشاعت کے لئے وقف کر دینے کے لئے تیار ہو جاؤ اگر یہ جذبہ ہمارے اندر پیدا ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم نے قربانی کی روح کو پا لیا ۔ ورنہ ہماری قربانیاں رسم کی ادائیگی ہی کہلائیں گی جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ قربانی کرنے کی بجائے نقد روپیہ دے دیا جائے جو قوم کی بہبود پر خرچ ہو تو ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک چیز سے جو دوسری چیز کا خیال پیدا ہونے کا اصول ہے وہ نقد روپیہ سے کبھی بھی حاصل نہیں ہوگا قربانی سے حضرت اسماعیلؑ اور ان کے باپ کی قربانی کا جو خیال پیدا ہو سکتا ہے اور پھر اس سے خدا کی راہ میں اپنی پیاری سے پیاری چیز دے دینے کا جو جذبہ ابھرتا ہے وہ نقد روپیہ سے کیسے ابھر سکتا ہے ۔

ابراہیمی اسوہ اور اس پر چلنے کی تاکید

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے اس اسوہ پر کاربند ہونے کی مسلمانوں کو سخت تاکید کی ہے فرمایا لقد کان لکم فیھم اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ و الیوم الآخر و من یتول فان اللہ ھو الغنی الحمید (سورہ الممتحنہ) یعنی حضرت ابراہیم اور ان کی اہلیہ محترمہ اور ان کے بیٹے میں اے مسلمانو ! تمہارے لئے نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو خدا کی لقا کا امیدوار ہو اور یوم آخر میں سرخرو ہونے کا خواہشمند ہو پس ایسے اشخاص کو قربانی کے اس نمونہ کو اختیار کرنا چاہیئے اور اس نمونہ کو اختیار کرنے سے جو منہ پھیر لیتا ہے تو اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا بھی ایسے لوگوں سے بے پرواہ ہے وہ قابلِ تعریف ہستی ہے وہ ایسے اعراض کرنے والوں کا کس طرح ساتھ دے سکتا ہے ۔

آخر میں بندہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ تمام مسلمانوں کو قربانی کی اصل روح کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دنیا کے تمام مسلمانوں اور ان کی حکومتوں کو سرفرازی عطا کرے اور تقویٰ کی راہ پر گامزن رہنے کی انہیں توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

میں اپنے بھائیوں اور بہنوں کو عید مبارک کہہ کر اس دعا پر خطبہ کو ختم کرتا ہوں اللّٰھم ایّد الاسلام والمسلمین ۔ اللّٰھم انصر من نصر دین محمد (صلعم) واجعلنا منھم ۔ اللّٰھم

پروگرام اکسٹھواں (۶۱) جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

بتاریخ ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۷۵ء

بروز جمعرات، جمعہ، ہفتہ، اتوار، بمقام جامع احمدیہ دارالسلام
(نزد یونیورسٹی کیمپس) ۵ ۔ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

جمعرات ۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۷۵ء

— جلسۂ خواتین : ۱۰ بجے صبح
— نمائش دستکاری
— اجلاس مجلس معتمدین : ۱۰ بجے صبح

جمعہ ۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۵ء

(پہلا اجلاس)

زیر صدارت جناب صاحبزادہ محمد احمد صاحب

— ۹½ تا ۱۰ بجے :۔ تلاوت قرآن کریم ۔ نعت ۔ ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ
— ۱۰ تا ۱۰¾ بجے :۔ خطبہ افتتاحیہ ۔ حضرت امیر قوم جناب مولانا صدرالدین صاحب
— ۱۰¾ تا ۱۱½ بجے :۔ "عقیدہ ناسخ و منسوخ کا تاریخی جائزہ اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم" ۔ مرزا محمد لطیف صاحب ۔ مبلغ کراچی
— ۱۱½ تا ۱۲ بجے :۔ "قدرت ثانیہ" ۔ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب
— ۱۲ بجے تا ۱½ بجے :۔ وقفہ برائے طعام
— ۱½ تا ۲½ بجے :۔ خطبہ جمعہ و نماز جمعہ و عصر

(دوسرا اجلاس)

زیر صدارت جناب میاں فضل کریم صاحب

— ۲½ تا ۲¾ بجے :۔ تلاوت قرآن کریم و اشعار درثمین ۔
— ۲¾ تا ۳½ بجے :۔ تقریر :۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی
— ۳½ تا ۳¾ بجے : تقریر : ڈاکٹر عبدالکریم پاشا ۔ (نیوزی لینڈ)
— ۳¾ تا ۴½ بجے : تقریر : جناب بشیر احمد صاحب منٹو ۔ مبلغ راولپنڈی

— نماز مغرب و عشاء کے بعد رات کا کھانا ہوگا

— ۷ بجے شام ۔ اجلاس شبان الاحمدیہ

ہفتہ ۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۵ء

(پہلا اجلاس)

زیر صدارت جناب میاں اللہ بخش صاحب

— ۹½ تا ۱۰ بجے ۔ تلاوت قرآن کریم ۔ نعت ۔ ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ
— ۱۰ تا ۱۰½ بجے ۔ تقریر جناب چوہدری مسعود اختر صاحب
— ۱۰½ تا ۱۱ بجے ۔ تقریر : جناب میاں ممتاز احمد صاحب فاروقی
— ۱۱ تا ۱۱¾ بجے ۔ سالانہ رپورٹ ۔ جناب میرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری
— ۱۱¾ تا ۱۲½ بجے ۔ "نئے اُفق اور ہمارے فرائض" ۔ جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب
— ۱۲½ تا ۱ بجے ۔ پیغامات از احباب بلاد غیر
۱ تا ۲½ بجے : طعام ۔ نماز ظہر و عصر

دوسرا اجلاس :

زیر صدارت جناب سید سلطان علی شاہ صاحب

— ۲½ تا ۲¾ بجے ۔ تلاوت قرآن کریم و اشعار درثمین ۔
— ۲¾ تا ۳½ بجے ۔ تقریر : پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب ۔
— ۳½ تا ۳½ بجے ۔ تقریر جناب زاہد عزیز صاحب (انگلستان)
— ۳½ تا ۴½ بجے ۔ "حضرت مسیح موعودؑ کا مقام" ۔ جناب شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری ۔
— نماز مغرب و عشاء کے بعد کھانا ہوگا ۔ ۷ بجے شام : احمدیہ کانفرنس

اتوار ۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۷۵ء

اجلاس : زیر صدارت جناب میاں غلام حیدر صاحب تمیم

— ۹½ تا ۱۰ بجے ۔ تلاوت قرآن کریم ۔ نعت ۔ ملفوظات حضرت مسیح موعود
۱۰ بجے تا ۱۰½ بجے ۔ تقریر جناب بشارت احمد صاحب بقاء
— ۱۰½ تا ۱۱ بجے ۔ "امام زمان کے ذریعہ خدا کی شناخت" ۔ جناب شیخ نثار احمد صاحب
— ۱۱ تا ۱۱½ بجے ۔ "دو ضروری گذارشات" جناب میاں نصیر احمد صاحب فاروقی ۔
— ۱۱½ تا ۱۲ بجے ۔ "مصائب اور ابتلاؤں کا فلسفہ" ۔ جناب مرزا مسعود بیگ صاحب ۔
— ۱۲ تا ۱۲½ بجے ۔ اختتامی تقریر و دعا : حضرت امیر قوم جناب مولانا صدرالدین صاحب

نوٹ : ہر روز نماز فجر کے بعد مسجد دارالسلام میں درس قرآن کریم ہوگا ۔

خاکسار : میاں فضل احمد مہتمم جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء